الله
رسول
محمد

قومی ترقی کا ذریعہ ۔ قومی زبان میں تعلیم

وفاقی اردو یونیورسٹی برائے فنون، سائنس اور ٹیکنالوجی

......تصدیق نامہ......

تصدیق کی جاتی ہے کہ محمد طیب خان ولد پروفیسر عبدالطاہر خان نے اپنا تحقیقی مقالہ بعنوان "رسولِ اکرم ﷺ کی عسکری اور سیاسی زندگی میں صلح حدیبیہ کا کردار اور عصر حاضر میں اس کی ضرورت واہمیت" (علمی وتحقیقی جائزہ) میری زیرِ نگرانی اور رہنمائی میں مکمل کرلیا ہے۔

یہ موضوع اپنی جگہ بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔

میں ان کے تحقیقی عمل سے مطمئن ہوں اور بحیثیت ریسرچ سپروائزر (نگراں مقالہ) پی ایچ ڈی (Ph.D) کی سند کے حصول کی غرض سے تکمیل کردہ یہ مقالہ جمع کروانے کی اجازت دیتا ہوں۔

مشرفِ مقالہ

ڈاکٹر حافظ محمد ثانی
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامیات
وفاقی اردو یونیورسٹی برائے فنون، سائنس اور ٹیکنالوجی
عبدالحق کیمپس کراچی۔

ڈاکٹر حافظ محمد ثانی

اسسٹنٹ پروفیسر

شعبہ اسلامیات

وفاقی اردو یونیورسٹی، عبدالحق کیمپس کراچی

رسولِ اکرم ﷺ کی عسکری اور سیاسی زندگی میں صلح حدیبیہ کا کردار اور عصرِ حاضر میں اس کی ضرورت واہمیت

(علمی و تحقیقی جائزہ)

تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی (Ph.D)

ریسرچ اسکالر

محمد طیّب خان

شعبہ اسلامیات

وفاقی اردو یونیورسٹی،

عبدالحق کیمپس کراچی

زیرِ نگرانی

ڈاکٹر حافظ محمد ثانی

اسسٹنٹ پروفیسر

شعبہ اسلامیات

وفاقی اردو یونیورسٹی، عبدالحق کیمپس کراچی

۱۴۳۱ھ / ۲۰۱۰ء

وفاقی اردو یونیورسٹی فنون، سائنس و ٹیکنالوجی، کراچی

فہرست

عنوان	صفحہ نمبر

باب چہارم فصل سوم

باب چہارم فصل چہارم ۸۸۵

باب چہارم... فصل پنجم

﴿اظہارِ تشکر﴾

تمام تر تعریفیں اس خدائے واحد بزرگ و برتر کے لیے ہیں جو مجھے عدم سے وجود میں لایا اور مجھ ایسے ناتواں کو رسول اکرم ﷺ کی عسکری وسیاسی زندگی میں صلح حدیبیہ کا کردار اور عہد حاضر میں اس کی ضرورت واہمیت کے حوالے سے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور رسول انقلاب ﷺ کی زندگی کے اس پہلو پر قلم اٹھانے کی ہمت دی جسے قرآن حکیم فرقان حمید اور تاریخ اسلام صلح حدیبیہ یعنی فتح مبین اور نصر عزیز کے حوالے سے جانتی اور پہچانتی ہے اور جس کے بارے میں مسلم اور غیر مسلم سیرت نگاروں، تاریخ دانوں، محققین، تذکرہ نگاروں اور اہل علم و دانش نے بہت کچھ لکھا اور اس کی لازوال حقیقت، فتح و کامرانی کا برملا اعتراف کیا، معروف محقق اور سیرت نگار ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے صلح حدیبیہ کو رسول اکرم ﷺ کی سیاست خارجہ کا شاہکار قرار دیا، جامعہ الازہر مصر کے نامور محقق اور مذہبی اسکالر علامہ محمد یوسف قرضاوی اور علامہ طنطاوی نے بھی اس کی اہمیت کے پیش نظر اسے موضوع تحقیق بنانے پر زور دیا، اسی طرح مغربی اہل علم و دانش اور مستشرقین بھی ہمیشہ اس تاریخ ساز منشور امن و صلح اور معاہدہ کی اہمیت و عظمت تسلیم کرتے آئے ہیں۔

اللہ رب العزت کو ادائیگی تشکر کا جذبہ حد درجہ پسند ہے۔ اسلام نے انسانیت خصوصاً مسلمانوں کو ہر کام اور ہر معاملے میں اظہار تشکر اور صبر و رضا کا بے مثال درس دیا ہے، یہ ہماری معاشرتی واخلاقی اقدار کی نہ صرف بنیادی تعلیمات ہے، بلکہ دینی وملی اقدار کی اساس ہے۔ پیش نظر تحقیقی مقالے کی تکمیل اور اسے پیش کرتے وقت میرے لیے یہ اعتراف اور اظہار باعث فخر وسعادت ہے کہ اللہ رب العالمین نے زندگی کے ابتدائی ایام سے لے کر عمر کے اس مرحلے تک میری ہر ایک قدم پر معاونت و رہنمائی فرمائی۔ میرے وجود نازک کو، میرے عقل و فہم کو اتنی طاقت وصلاحیت اور قوت و استقامت مرحمت فرمائی کہ میں اس اعلیٰ ترین سند جس کو "ڈاکٹر آف فلاسفی" (Ph D) کہتے ہیں، کے حصول کے پیش نظر اپنا تحقیقی مقالہ پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں کامیاب ہوسکا۔

اللہ رب العالمین کی مجھ ناچیز پر یہ عنایت، اس کا فضل و کرم اور احسان عظیم ہے کہ اس نے میرے قلب و ذہن اور وجود فانی کے اندر علمی فکر و جستجو کو اجاگر کیا، جس کی بدولت میں نے اپنا تحقیقی مقالہ مکمل کیا اور اب اسے پیش کرنے کا شرف و اعزاز حاصل کر رہا ہوں، اس پر میں اللہ رب العالمین کا جس قدر بھی شکر ادا کروں کم ہے۔

محسن انسانیت ﷺ کے ارشاد گرامی کے مطابق: لَا يَشْكُرُ اللّٰهَ مَنْ لَا يَشْكُرُ النَّاسَ.

(محمد بن اسمٰعیل البخاری الادب المفرد، مکۃ المکرمہ، مکتبہ فزار مصطفیٰ الباز، ۲۰۰۴ء، باب من الم یشکر الناس رقم الحدیث، ۲۱۸، صفحہ ۵۳)

"جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔"

لہٰذا ناسپاسی اور ناشکری ہوگی اگر میں اپنے اساتذہ کرام کا شکریہ ادا نہ کروں خصوصاً ابتدائی جماعتوں کے اساتذہ، جنہوں نے

میری بنیاد مضبوط ارادوں اور پُرخلوص عزائم سے پُر کی اور حصول علم کی منازل طے کرانے میں جن قابل احترام اساتذہ کا کردار رہا، ان تمام اساتذہ کی عظمت اور ان کی خدمات جلیلہ کو اللہ رب العالمین نا صرف قبول و مقبول فرمائے بلکہ دین و دنیا اور آخرت میں بھی ان کو کامیابی سے ہمکنار فرمائے اس موقع پر میں اپنے جملہ اساتذہ کرام، علم دوست رفقاء کا بھی ممنون و مشکور ہوں جنہوں نے میری معاونت فرمائی۔

میں خصوصی طور سے اپنے استاد و معاون، ریسرچ سپروائزر محترم جناب ڈاکٹر حافظ محمد ثانی (شعبہ علوم اسلامی، وفاقی اردو یونیورسٹی) کا جو معروف محقق و سیرت نگار اور متعدد کتابوں کے مصنف ہیں، دل کی گہرائیوں سے مشکور و احسان مند ہوں کہ جنہوں نے بحیثیت نگراں مقالہ و ریسرچ سپروائزر (برائے حصول سند Ph.D) تحقیقی عمل کے دوران قدم قدم پر اور ہر ایک موقع و مرحلے پر میری رہنمائی کا فریضہ انجام دیا ان کی مخلصانہ شفقت و مودت، معاونت و رہنمائی اور علمی مشاورت کی روشنی میں، میں اپنا مقالہ مکمل کرنے میں کامیاب ہوا نیز سیرت رسول ﷺ پر میری ایک کتاب بھی مرتب ہوئی ساتھ ہی میرے پانچ تحقیقی مقالے ملک کے مشہور و معروف جرائد میں شائع ہوئے جس میں سے ایک مقالے پر مجھے قومی سیرت کانفرنس، اسلام آباد میں سند امتیاز اور صدارتی ایوارڈ سے بھی نوازا گیا۔ اس کے علاوہ ایک ہزار سے زائد مضامین جنگ اخبار اور ملک کے دیگر اخبارات و رسائل میں شائع ہوئے۔ اللہ رب العالمین محترم ڈاکٹر صاحب کو زندگی کی ہر ایک خوشی عطا فرمائے اور ان کی تمام تمنائیں اور دلی مرادیں اپنے حبیب ﷺ کے صدقے اور وسیلے سے پایہ تکمیل تک پہنچائے اور انہیں زندگی کے سفر میں یونہی علم کی شمعیں روشن کرنے اور اس روشنی کو عام کرنے اور دوسروں کی مدد و معاونت اور رہنمائی کرنے کا وسیلہ بنائے رکھے اور اللہ رب العالمین اس کے بدلے میں انہیں دنیا میں ہر ایک قدم پر کامیابی اور آخرت میں سرفرازی عطا فرمائے، اس کے ساتھ ہی میں اپنے معاونین میں محترم جناب مولانا ڈاکٹر سعید احمد صدیقی صاحب، محترم جناب علامہ قاری ظہیر احمد صدیقی صاحب (استاذ حدیث جامعہ ابن عباسؓ) جنہوں نے احادیث کی تخریج اور عربی کتب کی فراہمی میں خصوصی تعاون فرمایا، بے حد مشکور ہوں، نیز میں جناب پروفیسر سید شعیب اختر کا بھی شکر گزار ہوں کہ جنہوں نے اس مقالے کی تکمیل تک آنے والے نشیب و فراز میں ہر مقام پر میری حوصلہ افزائی کی اور ہمت بندھائی اور میں خصوصی طور پر دعا گو ہوں محترم جناب شاہد حسین بلوچ کے لیے کہ جنہوں نے میرے تحقیقی مقالے کی کمپوزنگ اور جدت طرازی میں ہمہ وقت اپنے آپ کو وقف رکھا۔

میں اپنے اہل خانہ میں سے اپنے والد محترم جناب پروفیسر عبدالطاہر خان سنگھانوی صاحب (مرحوم) اور والدہ نسیم بیگم کا بھی خصوصی طور پر شکریہ ادا کرنا اپنا فرض تصور کرتا ہوں کہ جن کی تعلیم و تربیت کی بدولت میں آج اس مقام تک پہنچا اور جنہوں نے مجھے پی ایچ ڈی (Ph.D) کرنے کی طرف مائل اور راغب کیا اور جن کی لائبریری کی کتب کی بدولت میں اپنے مقالے کی تکمیل تک خوب استفادہ کرتا رہا۔ اللہ رب العالمین میرے والد محترم کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے اور کروٹ کروٹ راحت و سکون عطا فرمائے اور جنت کے باغوں میں داخل فرمائے۔ (آمین)۔ میں اپنی زوجہ محترمہ شائستہ عشرت طیب کا بھی بے حد شکر گزار ہوں کہ جنہوں نے میٹرک سے لے کر پی ایچ ڈی تک میری ہر ایک قدم پر حوصلہ افزائی کی اور میرا بھرپور

ساتھ دیا۔علاوہ ازیں میں اپنے سسر محترم جناب ارشاد احمد توحیدی صاحب کا بھی بے حد مشکور ہوں کہ جنہوں نے مجھے Ph.D کرنے اور اس مقام پر پہنچنے میں ہر سطح پر میری حوصلہ افزائی فرمائی اور Ph.D تک Do More کا تقاضا کرتے رہے۔ نیز میں اپنے چھوٹے بھائی جناب محمد محسن خان سنگھانوی کا بھی احسان مند ہوں کہ جنہوں نے اس مقالے کی تکمیل، کمپوزنگ اور بائنڈنگ وجلد وغیرہ ہونے تک ہر ایک مرحلے پر میری مالی معاونت فرمائی۔ بصورت دیگر میں اس سے قاصر تھا۔ اللہ رب العالمین ان کی زندگی اور بزنس میں برکت اور دن دوگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ (آمین)۔

آخر میں، میں جامعہ اردو کے وائس چانسلر محترم جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد قیصر اقبال صاحب کا بھی شکرگزار ہوں کہ جن کی آمد کے بعد جامعہ نے ترقی کی منازل طے کیں، انتظامی معاملات اور زیر التوا مسائل فوری حل ہوئے۔ اس کے ساتھ ہی کلیہ فنون کے ڈین محترم جناب پروفیسر ڈاکٹر حسن وقار گل صاحب کا جنہوں نے ہمیشہ میری حوصلہ افزائی فرمائی اور شعبہ اسلامیات کے چیئر مین محترم جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحق مدنی صاحب اور دیگر اساتذہ کا جن کا تعاون مجھے ہمیشہ حاصل رہا، اس کے ساتھ ہی جامعہ کے رجسٹرار محترم جناب پروفیسر ڈاکٹر قمر الحق صاحب اور رجسٹرار آفس کا عملہ وافسران جنہوں نے میرے ساتھ ہر مرحلے میں تعاون کیا بے حد شکرگزار ہوں۔

نیز تحقیقی مقالے کی تیاری میں خصوصی طور سے شہید حکیم محمد سعید کی قائم کردہ عظیم لائبریری مدینۃ الحکمۃ اور وہاں کے عملے کے تعاون اور ادارہ معارف اسلامیہ، ادارہ منہاج القرآن، محمود حسین لائبریری کراچی یونیورسٹی، کتب خانہ وفاقی اردو یونیورسٹی، لیاقت نیشنل لائبریری اور کتب خانہ مجلس علمی فاؤنڈیشن کراچی کے عملے کے بھرپور تعاون کا بے حد مشکور وممنون ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کے اداروں کو مزید ترقی عطا فرمائے اور ان مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے اور ہماری قوم کا رشتہ دوبارہ علم وحکمت سے قائم ہو جائے۔ (آمین)

محمد طیب خان

ریسرچ اسکالر شعبہ اسلامیات

وفاقی اردو یونیورسٹی، عبدالحق کیمپس، کراچی

﴿تحقیق کا طریقہ کار﴾

میں نے اپنے تحقیقی مقالے کا علمی اور تحقیقی اسلوب میں آغاز کیا، اس حوالے سے اپنے گائیڈ/سپروائزر محترم ڈاکٹر حافظ محمد ثانی (اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامی، وفاقی اردو یونیورسٹی) سے ہدایت لیتا رہا، تحقیقی کام میں ان کی معاونت و نگرانی ہر سطح پر رہی۔ نیز اس موضوع پر کام کے دوران میں نے اس سے متعلقہ لٹریچر کا بھرپور اور موثر انداز میں مطالعہ کیا۔

ملک کی معروف لائبریریوں اور کتب خانوں سے جن میں قائداعظم اکیڈمی کراچی، پاکستان اسٹڈی سینٹر جامعہ کراچی، کتب خانہ وفاقی اردو یونیورسٹی کراچی، کتب خانہ آل پاکستان ایجوکیشنل سوسائٹی کراچی، بیدل لائبریری کراچی، علامہ شبیر احمد عثمانی لائبریری کراچی، محمود حسین لائبریری جامعہ کراچی، مدینۃ الحکمۃ ہمدرد لائبریری کراچی، کتب خانہ دارالعلوم کورنگی کراچی، خالد اسحاق لائبریری کراچی، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد کی لائبریری، دعوہ اکیڈمی اسلام آباد، پنجاب پبلک لائبریری، لاہور، لائبریری پنجاب یونیورسٹی، لاہور، کلیہ معارف اسلامیہ لائبریری پشاور، وفاقی شرعی عدالت لائبریری، اسلام آباد، مجلس علمی لائبریری، کراچی، سندھ یونیورسٹی لائبریری، سندھیالوجی لائبریری، جامشورو، اور ملک کی کئی ایک معروف لائبریریوں سے استفادہ کرتا رہا۔

نیز جدید مواصلاتی اور ابلاغی ذرائع ای میل، انٹرنیٹ، معروف رسائل و جرائد بھی زیر مطالعہ و استفادہ رہے۔

تحقیقی عمل کے دوران موضوع سے متعلق مواد سے بھرپور استفادہ کیا گیا۔ اسلوب تحقیق اور تحقیقی طریقہ کار کے حوالے سے یہ وضاحت ضروری ہے کہ عصر حاضر میں تحقیق کے جو جدید اسالیب اور طریقہ کار مروج ہیں جنہیں لائبریری سائنس کے اصولوں پر وضع کیا گیا ہے، وہ اسالیب اور طریقہ کار میرے پیش نظر رہے ہیں۔

چنانچہ متعلقہ موضوع پر قدیم و جدید مآخذ و مراجع سے بھرپور استفادہ کیا گیا۔ متعلقہ موضوع پر انٹرنیشنل رسائل و جرائد، اخبارات، ریسرچ جرنلز حتیٰ کہ انٹرنیٹ اور جدید تکنیکی ذرائع سے بھی بھرپور استفادہ کیا گیا۔

دوران تحقیق میں مسلسل اپنے گائیڈ/سپروائزر محترم ڈاکٹر حافظ محمد ثانی سے رابطے میں رہا اور تحقیق کے حوالے سے ان کی ہدایات اور مشورے پر عمل کرتا رہا۔

علاوہ ازیں موضوع سے متعلق ملک بھر کے معروف اسکالرز سے بھی رابطے میں رہا اور ان کے مشورے بھی میرے لیے مفید ثابت ہوئے۔ علاوہ ازیں متعلقہ موضوع پر جن ذرائع سے بھی تحقیقی عمل میں مجھے مدد مل سکتی تھی ان سے بھرپور استفادہ کیا گیا۔

محمد طیب خان

ریسرچ اسکالر، شعبہ اسلامیات

وفاقی اردو یونیورسٹی، عبدالحق کیمپس کراچی

مقدمہ

اسلام دین فطرت اور امن و سلامتی کا مذہب ہے۔ عقل و شعور، حکمت و بصیرت، صبر و تحمل اور وسیع النظری اسلام کا خاصہ ہے۔ اسلام صلح و مفاہمت اور گفت و شنید کے ذریعے الجھی ہوئی ڈور کو سلجھانے کی ہدایت کرتا ہے۔ "سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے" اس کو کہتے ہیں دانائی۔ سانپ بھی نہ مرے اور لاٹھی بھی ٹوٹ جائے، یہ نادانی ہے۔ سیرت نبویؐ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مسئلے کا حل جنگ میں تلاش کرنا دانشمندی کے خلاف ہے۔ "صلح حدیبیہ" اسلامی تاریخ کے معاہدات امن و صلح میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس صلح نے رسول اللہ ﷺ کی سیاسی حکمت و بصیرت پر مہر تصدیق ثبت کردی۔ اللہ نے مسلمانوں کی تسلی و تشفی، اطمینان قلب، ذہنی کشمکش و بے چینی کو دور کرنے کے لیے قرآن حکیم میں ایک پوری سورۃ نازل فرمائی اور اس صلح کو فتح مبین قرار دیا۔ اہلِ ایمان اس بشارت پر خوش اور مطمئن ہوگئے۔ یہ صلح آپ ﷺ نے اللہ کے حکم سے اور اپنی امن پسند طبیعت کی وجہ سے پُر امن بقائے باہمی کے اصول پر فرمائی تھی۔

اے اللہ! تو بشریت کو بچانے والے اور انسانیت کو آزاد کرنے والے ہمارے نبی محمد ﷺ، آپ کی آل اور آپ کے سب اصحابؓ پر رحمت نازل فرما اور ہمیں قول میں راستی اختیار کرنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما، بے شبہ تجھے ہر چیز پر قدرت کاملہ حاصل ہے۔

صلح حدیبیہ مسلمانوں کی تاریخ کا ایک عظیم الشان واقعہ ہے۔ اس کے نہایت دوررس اور مفید اثرات مسلمانوں پر مرتب ہوئے۔ صلح حدیبیہ کی اہمیت اور عظمت کا اندازہ اس بات سے بھی بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید میں اس کو "فتح مبین" اور "نصر عزیز" کا نام دیا گیا ہے۔ تمام مسلمان اور کئی غیر مسلم مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ صلح حدیبیہ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفی ﷺ کی سیاسی بصیرت اور فہم و فراست کا ایک شاہکار واقعہ ہے۔ مشہور مورخ اور فاضل ڈاکٹر حمید اللہ نے صلح حدیبیہ کو عہد نبوی کی سیاست خارجہ کا شاہکار کہا ہے۔

حدیبیہ مکہ مکرمہ سے دس بارہ میل کے فاصلے پر واقع پہاڑی دروں کا ایک دشوار گزار مقام ہے۔ آنحضور ﷺ جس وقت مدینہ سے عمرہ کرنے کی نیت سے صحابہ کرامؓ کے ساتھ مکے کو روانہ ہوئے اور حدیبیہ کے مقام پر فروکش ہوئے اور حضرت عثمانؓ کو سفیر بنا کر مکہ میں بھیجا۔ اس کے بعد قریش مکہ اور مسلمانوں کے درمیان ایک باضابطہ تحریری معاہدہ وجود میں آیا۔ اسی بناء پر اس معاہدے کو تاریخ میں صلح حدیبیہ کا نام دیا گیا ہے۔

مکہ میں تبلیغ و اشاعت اسلام کے تیرہ پُر مصائب برسوں کے بعد جب آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں ہجرت کی اور آئندہ کے لیے مدینہ کو ہی اپنا مستقر بنایا تو اس وقت یہ اندازہ ہوا کہ مدینہ چاروں طرف سے طاقتور حریف آبادیوں میں گھرا ہوا ہے۔ جس کی بناء پر متوقع خطرات کی پیش بندی کرنا بہت ضروری تھا۔ اسی بناء پر حضور اکرم ﷺ نے ارد گرد کے قبائل کا دورہ فرمایا اور مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہونے کے ابتدائی چند مہینوں میں ہی آپ ﷺ نے قبائل بنی ضمرہ اور مدلج سے حلیفانہ تعلقات قائم کیے۔

اصل خطرات قریش مکہ سے تھے مگر اس کے ساتھ ساتھ بنی قینقاع اور قبیلہ بنو نضیر کے یہودی بھی مدینہ کے لیے مستقل خطرہ بنے ہوئے تھے۔ ان قبائل نے مضافات مدینہ سے جلاوطن ہونے کے بعد مدینے کے شمال میں خیبر کی یہودی بستیوں میں پناہ لی تھی اور مسلمانوں کے

خلاف اپنی روایتی ریشہ دوانیوں اور سازشوں میں مصروف ہو گئے تھے اور قریش اور غطفان قبائل کو مسلمانوں کے خلاف نبرد آزما کرنے کے لیے مسلسل کوششیں کر رہے تھے۔

ادھر مسلمانوں نے شام و عراق جانے والے قریش کے تاجرانہ قافلوں کی ناکہ بندی کر کے قریش مکہ پر معاشی دباؤ تو ڈال ہوا تھا لیکن قریش مکہ کی فوجی قوت برقرار تھی۔ ان حالات میں مسلمانوں کو چاروں طرف سے ہی اپنے شدید مخالفوں اور دشمنوں کا سامنا تھا اور یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ اس وقت عسکری لحاظ سے مسلمانوں کے لیے بیک وقت خیبر کے طاقتور یہودیوں اور ان کے حلیف قبائل اور دوسری طرف قریش مکہ کی کسی فوجی کارروائی کو برداشت کرنے یا ان تمام مخالف قوتوں کے خلاف بیک وقت محاذ آراء ہونے کی قوت مفقود تھی۔

ان حالات میں دُوراندیشی اور سیاسی تدبر کا تقاضا یہ تھا کہ قریش مکہ یا خیبر کے یہود و ان کے حلیفوں میں سے کسی ایک قوت کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کیا جائے اور یہ معاہدہ اس نوعیت کا ہو کہ معاہدے کا شریک فریق، کسی دوسرے دشمن کے حملہ یا ان کے خلاف مسلمانوں کی کارروائی کے دوران غیر جانبدار رہے۔ آنحضرت ﷺ کی سیاسی بصیرت و تدبر نے صلح کے لیے قریش مکہ کو منتخب فرمایا۔

صلح حدیبیہ کا تاریخی واقعہ، رسول اکرم ﷺ کی عظمت کو اجاگر کرنے والا ہے، کیوں کہ آپ ﷺ مدینہ کے پڑوس میں رہنے والے نجدی قبائل کی موجودگی میں، جو اسلام کے دشمن اور قریشی کفار کے ساتھ تعاون کرنے والے تھے، نیز خیبر کے یہودیوں کی موجودگی میں جو اس دین جدید سے انتقام لینے کی تیاریاں کر رہے تھے جس نے بنو قینقاع، بنو قریظہ اور بنو نضیر کو شکست دی تھی، عمرہ کی ادائیگی کا پختہ عزم کیے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے انہیں اسلام پر تسلط حاصل کرنے اور مسلمانوں کے ساتھ خیانت کرنے کا مزہ چکھایا، ان تمام خطرات کے باوجود آپ ﷺ مدینہ سے اپنے صحابہؓ کو ساتھ لے کر عمرہ کی نیت سے کعبہ کی زیارت کے لیے چل پڑے، جس سے مسلمانوں کو تقریباً چھ سال کے عرصے سے محروم کر دیا گیا تھا، حق بات یہ ہے کہ عمرہ کا یہ تاریخی سفر خطرات سے گھرا ہوا تھا، ہر چیز سے یہ بات ہویدا تھی کہ قریش تعداد اور تیاری کے لحاظ سے نہایت طاقتور تھے جو مکہ کے قریب پہنچتے ہی مسلمانوں پر جنگ مسلط کر دیں گے اور منافقین کے دلوں میں بزدلی اس حد تک پہنچ گئی کہ وہ خیال کرنے لگے کہ مسلمانوں کا انجام قریش کے ہاتھ میں ہے۔ اسی بات نے مدینہ کے بہت سے منافقین اور بدوؤں کو اس امر پر آمادہ کیا کہ وہ اس سفر میں رسول کریم ﷺ کی مصاحبت اختیار کرنے سے معذرت کر دیں، اس سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ چودہ سو صحابہؓ کو رفاقت کا شرف حاصل ہوا۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ چودہ سو صحابہؓ کے ساتھ عمرہ کرنے کی نیت سے عازم مکہ ہوتے ہیں اور حدیبیہ کے مقام پر پہنچ کر فروکش ہوتے ہیں۔ اسی مقام سے حرم کی حدود بھی شروع ہوتی ہیں۔ حضرت عثمان غنیؓ کو سفارت کے فرائض سونپے جاتے ہیں۔ حضرت عثمان غنیؓ مکہ میں حراست میں لے لیے جاتے ہیں اور مسلمانوں میں شہادت عثمانؓ کی خبر پھیل جاتی ہے۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی جماعت کو ایک شدید کشمکش اور بحران سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اعلان جنگ کی صورت میں ان عظیم تر مقاصد کو نقصان پہنچ جانے کا احتمال ہے جن کو ایک پیغمبر کی دُور اندیش نگاہ دیکھ رہی تھی۔ دوسری طرف خونِ عثمانؓ کے قصاص کا مسئلہ بھی اہم تھا۔ اس وقت رسول اکرم ﷺ خون عثمانؓ کے قصاص کے لیے صحابہ کرامؓ سے بیعت لیتے ہیں۔ تاریخ میں یہ واقعہ بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے اور

اس وقت اللہ تعالیٰ نے بیعت کرنے والوں کے لیے فرمایا کہ جب وہ رسولؐ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے تو دراصل خدا کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے۔ یہ وہ چیندہ لوگ ہیں جن کے ذکر کو اللہ تعالیٰ نے دوام بخشا ہے اور قرآن کریم، جس کی تلاوت قیامت تک کی جائے گی، میں ان کے متعلق اپنی رضامندی کا ذکر کیا ہے۔

﴿لقد رضی اللہ عن المومنین اذیبا یعونک تحت الشجرۃ فعلم مافی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم و اثابھم فتحاً قریباً.﴾

بہرحال جلد ہی حضرت عثمانؓ کے شہید ہونے کی اطلاع کی تردید ہو جاتی ہے۔

صلح حدیبیہ میں مسلمانوں اور قریش مکہ کے درمیان جو معاہدہ طے پایا تھا اس کے شرائط بادی النظر میں قریش مکہ کے حق میں نظر آتے تھے، چنانچہ اس سبب سے بعض صحابہ کرامؓ نے اختلاف بھی کیا، لیکن جب رسول اکرم ﷺ نے اس جلسے میں اپنا آخری فیصلہ سنا دیا تو تمام صحابہ کرامؓ نے سر تسلیم خم کر دیا۔

صلح حدیبیہ سے مسلمانوں کو کیا فائدہ پہنچا، تاریخ کے اوراق اس بات کے شاہد ہیں کہ مسلمانوں کے لیے سخت ناسازگار اور دشوار ترین زمانے میں حدیبیہ کے معاہدے کو قریش کی جانب سے تسلیم کر لینے کے باعث نہیں ایک طاقتور دشمن کی جانب سے رحق خطرات سے فوری طور پر نجات مل گئی اور انہوں نے صلح حدیبیہ کے بعد کے آنے والے دو برسوں کے اندر اندر اسلامی مملکت کو بہت وسیع اور مستحکم و منظم کر لیا۔ اسی اہم اور تاریخ ساز واقعہ کا جائزہ ہم نے اپنے مقالے میں شرح و بسط کے ساتھ پیش کیا ہے۔

صلح حدیبیہ کا تذکرہ یوں تو سیرت نبوی پر لکھی جانے والی تمام کتابوں میں موجود ہے اور اس کے مفید اثرات سے بھی ہر مصنف نے بحث کی ہے، لیکن یہ واقعہ اس بات کا متقاضی تھا کہ اس موضوع پر مدلل اور پُر مغز مقالہ اس وقت کے تاریخی تناظر کے حوالے سے تحریر کیا جائے جو تمام مباحث کو سمیٹ لے۔ بلا خوف تردید یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ہم نے اس موضوع کا تمام پہلوؤں سے جائزہ لیا ہے اور عالمانہ انداز میں تمام ضروری مباحث کا جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

یہ تحقیقی مقالہ کا مطالعہ سیرت نبوی ﷺ کے ایک اور رخ کی تصویر آپ کے سامنے پیش کرے گا۔

حدیبیہ کے واقعات میں رسول کریم ﷺ نے جو کارروائیاں کی ہیں وہ اپنی ذات میں ایک ہمہ گیر دستور ہیں جن سے حکمت و بُردباری، دُور اندیشی، ضبط نفس، احمقوں کے چیلنج اور بے وقوفوں کے بہکاووں کے مقابلہ میں اعصاب پر کنٹرول کرنے اور عدل و انصاف، ایفائے عہد اور برائی سے پاک معارضہ کے میدانوں میں بہت کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

عسکری اور حربی امور کے ماہر نامور عرب مصنف محمد باشمیل کے مطابق

رسول کریم ﷺ صلح حدیبیہ تک یونہی نہیں پہنچ گئے تھے بلکہ اس سے قبل آپ ﷺ کو داخلی اور خارجی محاذوں پر شدید معرکوں کے ایک سلسلے سے گزرنا پڑا تھا، داخلی محاذ آپ ﷺ کے ان اصحاب کا تھا جو اس صلح کے شدید مخالف تھے اور خارجی محاذ، آپ ﷺ کی قوم، اہل اور خاندان کے ان مشرک قریش کا تھا جنہوں نے آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے اصحابؓ کو بھڑکانے کے لیے اضطراب اور تحدی کا ہر حربہ استعمال کیا، پس رسول اکرم ﷺ کو مدینہ سے نکلنے کے بعد اور اس صلح کے پختہ ہونے تک دو محاذوں پر شدید معرکوں سے نبرد آزما

ہونا پڑا، اپنے اصحابؓ کے دائرہ میں اس معرکے کے دو پہلو تھے۔

۱۔ عقل غالب، وسعتِ افق، دُور اندیشی، وقار، بردباری اور حدود نا آشنا۔

۲۔ پُر جوش جذبات، جن کا حامل، عواقب کے بارے میں نہیں سوچتا۔

حضور اکرم ﷺ عقل، صبر، بردباری اور وقار کے پہلو کی رو سے غور و فکر نے، صبر کرنے اور اپنے اہل اور خاندان کے مضطرب کرنے کا جواب اسی طرح مضطرب کرنے سے نہ دینا چاہتے تھے بلکہ جنگ کے نظریہ کو دور کرنے اور مسلمانوں اور قریش کے درمیان صلح کروانے کے لیے مجاہدانہ طور پر کام کر رہے تھے اور عام اصحابؓ پُر جوش جذبات کی رو سے اس صلح کا شدید معارضہ کر رہے تھے اور قریش کے ساتھ جلد خونریز معرکہ آرائی چاہتے تھے، وہ حدیبیہ کے طویل انتظار اور مسلمانوں کو ذلیل کرنے والی اور ان کی عزت کو داغ دار کرنے والی بعض شرائط کے مقابل تلوار سے فیصلہ کرنے کو بہتر خیال کرتے تھے۔

اپنے اہل اور اپنے مشرک خاندان کے دائرہ میں آپ ﷺ کو دو متقابل چیزوں سے واسطہ پڑا۔

۱۔ صلہ رحمی کرنے، اس کی حفاظت کرنے اور اس کے حق رعایت کے جذبہ کے داعیہ سے اور اپنے اہل خاندان کو ہدایت دینے کی خواہش سے، تاکہ وہ شرک کی ظلمت سے نکل کر توحید کے نور کو حاصل کر لیں اور خون کی حفاظت اور روح کی صیانت (خواہ وہ کسی کی بھی ہو) کے لیے کام کرنے سے۔

۲۔ جاہلیت کے کھرے پن اور بتوں کی بڑائی کی لاف گزاف کے جذبہ سے جو ہر وقت ان کے سر پر سوار رہتا تھا اور شر اور کھرے پن اور سرکشی کے جذبات کے سامنے جھکنے والی استجابت سے۔

آنحضرت ﷺ پہلے جذبہ کے ہم خیال تھے اور اپنی قوم اور خاندان کو قانونی طور پر یہ پیغام پہنچانا چاہتے تھے کہ وہ جنگ کے لیے نہیں آئے اور نہ ہی انہیں جنگ سے کوئی دلچسپی ہے وہ صرف عمرہ کے لیے آئے ہیں اور کعبہ کی زیارت کے بعد، وہ جس جگہ سے آئے ہیں وہیں اپنے اصحابؓ کے ساتھ واپس چلے جائیں گے۔

اور قریش مغلظ قسمیں کھاتے تھے کہ وہ محمد ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحابؓ کو بیت اللہ میں آنے سے روکیں گے خواہ وہ زیارت کے لیے ہی آئیں، انہوں نے اپنی اور اپنے حلیفوں کی تمام فوج کو اکٹھا کر لیا جو آٹھ ہزار جانبازوں پر مشتمل تھی اور مکہ سے باہر ان کے ساتھ پڑاؤ ڈال دیا تاکہ وہ اپنی اس گنہگارانہ قسم کو سچ کر دکھائیں۔

آنحضرت ﷺ ایک کے بعد دوسرے ثالث کو قریش کی طرف بھیج رہے تھے کہ وہ قریش کو صلح کی دعوت دے اور انہیں یقین دلا دے کہ آپ ﷺ کو جنگ سے کوئی دلچسپی نہیں اور ان کے سامنے صلح کی بات کو پیش کرے تاکہ مسلمان اور قریش باہم امن و سلامتی کے ساتھ رہیں۔

رسول کریم ﷺ کی ان مصالحانہ مساعی کے بالمقابل قریش اپنی خودسری اور سرکشی میں بڑھ رہے تھے، انہوں نے اپنے شہسواروں کی کئی ٹکڑیاں حضرت نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کا راستہ بنوکِ شمشیر روکنے کے لیے بھیجیں تاکہ وہ انہیں جنگ کی طرف کھینچ لائیں جس کے لیے نہ آپ ﷺ گھر سے نکلے تھے اور نہ آپ ﷺ کو اس سے کچھ دلچسپی تھی۔

صلح حدیبیہ اصل میں صلح امن تھی۔ کسی نظریے کے پھیلاؤ کے لیے امن کی فضا ناگزیر ہے۔ دس سال کا ایک طویل عرصہ مسلمانوں کو مل گیا، اب اسلام مکے اور مدینے کی سرزمین سے ہوتا ہوا دور دراز علاقوں تک پھیلتا چلا گیا۔ عالم اسلام کے لیے "صلح حدیبیہ" میں درس حکمت بھی ہے، عزت وطاقت، قدرت اور شوکت بھی۔ تشدد پسندوں اور دہشت گردوں کے لیے صلح حدیبیہ میں سامان عبرت ہے۔ حدیبیہ میں انسانیت کی فلاح کا راز مضمر ہے، جس کا پیغام یہ ہے کہ امن پسندی اور صلح جوئی سے بگڑے ہوئے کام بنتے ہیں۔ اگر آج عالم اسلام بالخصوص بعض اسلامی ممالک دفاعی قوت سے بھرپور ہوتے تو کوئی بھی سپر پاور ان کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت نہ کرتا اور نہ ہی انہیں تخت وتاراج کرتا۔ اسی طرح دفاعی قوت کے ساتھ دفاعی حکمت عملی اور عمدہ سفارت کاری بھی ضروری ہے جس کا نمونہ ہمیں "صلح حدیبیہ" میں ملتا ہے۔

ہمارے لیے رسول کریم ﷺ کی زندگی بہترین نمونہ ہے۔ ان بہترین نمونوں میں سے "صلح حدیبیہ" میں رحمۃ للعالمین ﷺ کا طرزِ عمل ایک انمول نمونہ ہے جو رہتی دنیا تک امن وسلامتی کے ساتھ کامیاب زندگی بسر کرنے کی خواہش رکھنے والوں کے لیے مینارۂ نور بنا رہے گا۔

وہ لوگ جنہیں "صلح حدیبیہ" میں حبیب خدا ﷺ کی دفاعی سیاسی بصیرت وحکمت اور اللہ کی رحمت نظر نہیں آتی یا وہ لوگ جو بظاہر صلح حدیبیہ کو رسول اللہ ﷺ کی سیاست خارجہ کا شاہکار تو تسلیم کرتے ہیں لیکن عملی زندگی میں ملی، قومی ومذہبی لحاظ سے عالم اسلام کے وسیع تر مفاد میں اس کو اپنے طرزِ عمل پر لاگو نہیں کرتے۔ ان کے لیے یہی کہا جا سکتا ہے کہ

چشم بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور، دل کا نور نہیں

"صلح حدیبیہ" کی اسی دینی، تاریخی، سیاسی اور قانونی اہمیت کے پیش نظر ضرورت اس امر کی محسوس کی گئی ہے کہ اسے موضوع تحقیق بنا کر عصرِ حاضر میں اس کی اہمیت کو اجاگر کیا جائے۔ عصرِ حاضر میں مسلم امّہ جن گھمبیر مسائل سے دوچار ہے، اس کے لیے صبر وبرداشت، دینی بصیرت، رواداری، اعتدال اور میانہ روی اور انتہا پسندی کے خاتمے اور ملی یگانگت کے ساتھ پوری فراست، دوراندیشی اور زمینی حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی عزت ووقار، قومی سلامتی کے تحفظ اور پرامن بقائے باہمی کے لیے آج کے حالات کے تناظر میں ہمارے مسائل کا حل "صلح حدیبیہ" جیسے معاہدات میں ہے۔ اس تاریخ ساز اور حکمت وسیاست سے بھرپور معاہدے کی جتنی ضرورت واہمیت آج کے دور میں نظر آتی ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں۔ "صلح حدیبیہ" کی اسی دینی، تاریخی، سیاسی اور قانونی اہمیت کے پیشِ نظر میں نے اسے اپنی اعلیٰ تعلیم وتحقیق ایم فل / پی ایچ ڈی کے لیے موضوعِ تحقیق بنایا ہے تاکہ آج کے تناظر میں اس کی ضرورت واہمیت اجاگر ہو سکے اور ایک علمی وتحقیقی جائزہ پیش کیا جا سکے۔

صلح حدیبیہ تاریخ کے اہم واقعات میں سے ایک عظیم واقعہ ہے، اس صلح کے ہوتے ہی جزیرہ عرب میں اسلام اور بت پرستی کے درمیان ہونے والی جنگ اسلام اور مسلمانوں کے مفاد میں ہوگئی یہاں تک کہ اس نے شرک اور بت پرستی کا مکمل طور پر خاتمہ کر دیا اور سیادت تامہ فقط توحید کے لیے باقی رہ گئی۔

صلح حدیبیہ میں حلم وصبر، ضبط نفس، ایفائے عہد، تنقید کو قبول کرنے، معارضہ کرنے اور بلند اور شریفانہ مقاصد تک پہنچنے کے واسطے، تکالیف کو برداشت کرنے کے لیے بہت سے مواعظ وعبر، اسباق اور حکمتیں پائی جاتی ہیں جو اس لائق ہیں کہ ان کی ریسرچ کا مزید اہتمام کیا جائے اور ان سے استفادہ کے لیے انہیں بنظر تعمق دیکھا جائے اور ان کے نور سے روشنی حاصل کی جائے۔

خصوصاً ان لوگوں کے لیے اس صلح میں بہت سی حکمتیں پائی جاتی ہیں جو کسی قوم کی منزل کی جستجو میں ہوں اور قیادت کی کرسی پر متمکن ہوں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہم سب کو حضور اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے آل واصحابؓ کی ہدایت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ واللّٰہ اکبر وللّٰہ الحمد۔

مقالے کی تیاری میں مندرجہ ذیل لائبریریز کا مطالعاتی دورہ کیا گیا اور ان سے خصوصی طور سے استفادہ کیا گیا۔

☆ مدینۃ الحکمۃ ہمدرد لائبریری، کتب خانہ وفاقی اردو یونیورسٹی، کراچی، کتب خانہ جامعہ دارالعلوم، کراچی، کتب خانہ مجلس علمی فاؤنڈیشن، کراچی، کراچی یونیورسٹی لائبریری، بیدل لائبریری کراچی، کتب خانہ صوفتیہ کراچی، لیاقت نیشنل لائبریری، ادارہ معارف اسلامی کراچی، ادارہ منہاج القرآن کراچی، سینٹرل لائبریری سندھ یونیورسٹی جامشورو، پیر جھنڈو لائبریری، سندھ، شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدرآباد، پنجاب پبلک لائبریری، لاہور، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، ادارہ تحقیقات اسلامی لائبریری، اسلام آباد، ڈاکٹر محمد حمید اللہ ریسرچ لائبریری، اسلام آباد، لائبریری اسلامی نظریاتی کونسل، اسلام آباد، دعوہ اکیڈمی بین الاقوامی یونیورسٹی، اسلام آباد، شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی لائبریری، اسلام آباد، پشاور یونیورسٹی لائبریری، پشاور۔

علاوہ ازیں ملک کی مشہور جامعات ودینی مدارس کی لائبریریوں اور ریسرچ اسکار حضرات کے ذاتی ذخیرہ کتب سے بھی بھرپور استفادہ کیا گیا، علاوہ ازیں اعداد وشمار اور تاریخی تجزیے کے انسائیکلو پیڈیز اور جدید اطلاعاتی ذرائع سے بھی پورے طور پر استفادہ کیا گیا۔

محمد طیب خان

(ریسرچ اسکالر، وفاقی اردو یونیورسٹی، کراچی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دور حاضر میں موضوع کی ضرورت واہمیت

قرآن حکیم فرقان حمید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ (۱)

تم (امت مسلمہ) بہترین امت ہو، لوگوں کی نفع رسائی کے لیے نکالی گئی ہو تم بھلائی کا حکم دیتی ہو اور برائیوں سے روکتی ہو اور اللہ پر تم ایمان رکھتے ہو۔

اے خاصہ خاصان رسل وقت دعا ہے　　امت پہ تری آکے عجب وقت آن پڑا ہے
فریاد ہے اے کشتی امت کے نگہباں　　بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہے(۲)

یہ ایک حقیقت ہے کہ امت مسلمہ آج شدید مسائل میں گھری ہوئی ہے اور اس کو وہ چیلنجز در پیش ہیں کہ اگر اس نے صحیح خطوط پر اس سے نبرد آزمائی نہ کی تو اس کو اپنی بقا کا چیلنج در پیش ہوگا۔ عالم اسلام اندرونی اور بیرونی دونوں خطرات سے گھرا ہوا ہے۔ ہادی برحق، رسول رحمت، نبی آخر الزماں ﷺ کی تعلیمات تا قیام قیامت تک کے مسائل اور چیلنجز کا حل پیش کرتی ہیں اگر امت مسلمہ ان سے رہنمائی حاصل کر کے پیارے نبی ﷺ کی حقیقی تعلیمات پر عمل پیرا ہوگی تو نہ صرف وہ مسائل اور چیلنجز سے نمٹ سکتی ہے بلکہ پوری دنیا کو نبی رحمت ﷺ کے دامن سے وابستہ کر کے رہنمائی وشعور وکشائی حاصل کر سکتی ہے علامہ یوسف القرضاوی رقم طراز ہیں:

"امت مسلمہ کو اپنے اساسی مرجع کا تعین کرتے ہوئے اپنے احکامات وتعلیمات کو وہیں سے اخذ کرنے اور اپنی تہذیب وتمدن کو انہی بنیادوں پر استوار کرنے کا اہتمام بھی کرنا ہوگا۔ نیز اختلاف کی صورت میں وہی ہمارا مرجع ہونا چاہیے، بلاشبہ ہمارا بحیثیت امت مرجع "دین اسلام" ہے، جس سے مراد کسی خاص زمانے کا اسلام، کسی خاص ملک کا اسلام یا کسی خاص مسلک کا اسلام نہیں اور نہ ہی کسی خاص مکتبہ فکر کا اسلام ہے بلکہ دور اولین کا وہ اسلام ہے جو ہر قسم کی بدعات اور ملاوٹ سے پاک تھا یعنی فرقوں میں بٹ جانے سے پہلے کا وہ صحیح اسلام جو تاویلات وتشریحات کی بھول بھلیوں میں کھو جانے سے پہلے کے دور نبوی ﷺ اور خیر القرون کا اسلام ہے۔"(۳)

امت مسلمہ کا مقام ومرتبہ تو یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن دنیا کے تمام لوگوں کی گواہ ہوگی، جب کہ رسول ﷺ امت کے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا. (۴)

اور اسی طرح تو ہم نے تم مسلمانوں کو ایک امت وسط بنایا ہے تاکہ دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو۔

سیاسی استحکام:

اسلام نام ہے اللہ تعالیٰ کے احکام کو سر بسر تسلیم کرنے کا اور ان احکام کی نوعیت یہ ہے کہ وہ حقوق اللہ اور حقوق الناس دونوں پر مشتمل

ہیں اور ان کا مقصد یہ ہے کہ دنیا کی زندگی اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق گزاری جائے تا کہ آخرت میں، جو دارالجزاء ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی خوشنودی اور اپنی نعمتوں سے نوازے۔ اب دنیا کی زندگی گزارنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے احکام دیے ہیں وہ انفرادی نوعیت کے بھی ہیں اور اجتماعی نوعیت کے بھی۔ ان اجتماعی نوعیت کے احکام پر اس وقت تک عمل نہیں ہوسکتا جب تک حکومتی اقتدار ان لوگوں کے ہاتھ میں نہ ہو جو دنیا کی زندگی اللہ کے احکام کے مطابق گزارنا چاہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے مسلمانوں کے لیے قیام ریاست و حکومت کو واجب قرار دیا ہے اور قرآن کریم بتاتا ہے کہ انبیاء اس کے لیے ہمیشہ دعا گو اور کوشاں رہے ہیں چنانچہ دیکھیے کہ حضرت لوط علیہ السلام پر اسلامی احکام پر عمل کے حوالے سے جب مشکل وقت آپڑا تو انہوں نے کہا: کاش مجھے اقتدار کی پشتیبانی حاصل ہوتی۔ (۵) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بعثت کے بعد فرعون کو ہدایت کی طرف بلاتے ہوئے پہلا مطالبہ ہی یہ کیا کہ بنی اسرائیل کے اقتدار اعلیٰ کو بحال کرو۔ (۶) اور مکہ میں جب حق و باطل کی کشمکش تیز ہوگئی تو نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے یہ دعا سکھائی کہ:

وَقُل رَّبِّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ وَاجْعَل لِّي مِن لَّدُنكَ سُلْطَانًا نَّصِيرًا ۝ (۷)

کہو اے اللہ میں جہاں بھی جاؤں عزت سے جاؤں اور جہاں سے بھی نکلوں عزت سے نکلوں اور مجھے اپنی جناب سے فاتحانہ غلبہ نصیب فرما۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے نبی کریم ﷺ کو حکومت عطا فرمائی اور اسے استحکام بخشا۔ پھر مسلمانوں نے اس تقاضے کو اس طرح پورا کیا کہ اس اسلامی حکومت کو وسعت دی اور آج بھی الحمدللہ مسلمان کرۂ ارض کے ایک وسیع حصے پر قابض ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں کے بہترین حاکم وہ ہیں جن سے عوام خوش ہوں اور بدترین حاکم وہ ہیں جن سے عوام تنگ اور ناراض ہوں۔ (۸)

سیاسی مناصب میں میرٹ پر سختی سے عمل کرنے کا حکم دیا۔ (۹) اور اقتدار نا اہلوں کے ہاتھ میں چلے جانے کو قرب قیامت کی نشانی قرار دیا۔ (۱۰) جائز اور قانونی طور پر قائم شدہ مسلم حکومت کے خلاف مسلح مزاحمت کو بغاوت قرار دیا اور اس کی سزا موت مقرر کی۔ مسلمانوں کو ہر حال میں اطاعت احکام کا حکم دیا (۱۲)، اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مسلم حکمران کی اطاعت کرو خواہ وہ نکٹا حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ (۱۳) اور حکمرانوں کو ہر صورت میں ظلم و جور سے منع کیا اور فرمایا کہ عادل حکمران جنت کے اعلیٰ ترین درجوں میں ہوگا اور عوام پر ظلم کرنے والے اور ان کے حقوق ادا نہ کرنے والے کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ (۱۴)

اُمتِ مسلمہ کا دفاع:

اسلام یہ چاہتا ہے کہ اپنی بات احسن اور موثر انداز میں دوسروں تک پہنچائی جائے تا کہ ان پر آپ کا نقطۂ نظر خوب واضح ہو جائے اور وہ اس کے قائل ہو جائیں یا اگر آپ کے مخالف آپ کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈہ کریں تو اس کا اس طرح توڑ کیا جائے کہ آپ کو کم سے کم نقصان پہنچے۔ یہ چیزیں ہمیں قرآن و سنت نے خوب سکھائی ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کو دیکھیے فرماتے ہیں:

قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا ۝ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَائِي إِلَّا فِرَارًا ۝ وَإِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَأَصَرُّوا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۝ ثُمَّ إِنِّي دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۝ ثُمَّ إِنِّي

أَعْلَنْتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَاراً ○ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّاراً .(۱۵)

اور حضرت نوح علیہ السلام نے کہا اے میرے رب میں اپنی قوم کو رات اور دن بلاتا رہا مگر میرے بلانے سے وہ اور زیادہ بھاگنے لگے۔ میں نے جب بھی انہیں بلایا کہ تو انہیں معاف کردے تو انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں، اپنے اوپر کپڑے لپیٹ لیے، ضد کی اور بڑا غرور کیا، پھر میں نے انہیں برملا پکارا، انہیں کھلی تبلیغ کی اور انہیں چپکے سے بھی سمجھایا۔ میں نے کہا اپنے رب سے معافی مانگو بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثال لیجیے انہیں جب اللہ تعالیٰ نے خلعت نبوت سے سرفراز فرمایا تو انہوں نے کہا کہ میری زبان میں تو لکنت ہے، اپنی بات عمدگی سے نہ کہہ سکوں گا چنانچہ ان کے بھائی ہارون کو ان کا نائب بنادیا گیا۔ پھر انہیں حکم دیا گیا کہ فرعون کے پاس جاؤ لیکن اپنی بات نرمی اور دھیمے انداز میں کہنا:

اذْهَبَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ○ فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ (۱۶)

(اے موسیٰ! تم اور تمہارا بھائی) دونوں فرعون کے پاس جاؤ کہ وہ سرکش ہوگیا ہے۔ اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا شاید وہ نصیحت قبول کرے یا اپنے برے انجام سے ڈر جائے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو ہدایت دی کہ:

ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (۱۷)

اے نبی ﷺ! آپ اپنے رب کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت سے بلائیں، عمدہ طریقے سے انہیں نصیحت کریں اور اچھے طریقے سے ان سے بحث کریں۔

یہ بھی فرمایا کہ ان کے بتوں کو برا بھلا نہ کہو مبادا کہ وہ تمہارے اللہ کو برا بھلا کہیں:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ۔۔۔(۱۸)

اے مسلمانو! جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں تم ان کے معبودوں کو برا بھلا نہ کہو ورنہ وہ بھی حد سے گزر کر جہالت کی بناء پر اللہ کو برا بھلا کہنے لگیں گے۔

خود آنحضرت ﷺ بہترین مقرر تھے۔ آپ ﷺ کی آواز بلند اور پاٹ دار تھی۔ تیز نہ بولتے تھے تاکہ مخاطب اچھی طرح سمجھ جائیں۔ حسب ضرورت ہاتھوں سے اشارے بھی کرتے تھے۔ آواز میں زیر و بم بھی تھا۔

کفار کے جھوٹے پروپیگنڈے کا توڑ کرنے کے لیے آپ ﷺ حضرت حسانؓ بن ثابت کے لیے مسجد میں ممبر رکھوادیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جب حسان حق کی مدافعت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ روح القدس کے ذریعے اس کی اعانت کرتے ہیں۔(۱۹)

مغرب کی اشتعال انگیزی اور اُمت مسلمہ:

آج امت مسلمہ کو اشتعال انگیز ناموں بنیاد پرست (Fundamentalist)، دہشت گرد (Terrorist)، جنونی

(Fanatics)، انتہا پسند (Extremist) سے یاد کر کے اپنے خلاف امت مسلمہ کے غصے کی لہر میں اضافہ کیا۔(۲۰)
میڈیا کے ذریعے اہل مغرب نے ان عوامل کا اظہار کیا: ☆ خلاف فطرت و خلاف طبیعت امور ☆ عزت نفس کی مجروحی، ☆ غصب حقوق ☆ خیانت اور بددیانت ☆ غداری اور دغا بازی ☆ ظلم و بربریت ☆ بغض و عداوت ☆ بہتان طرازی ☆ وعدہ خلافی ☆ دوغلا پن ☆ بے حیائی و فحش گوئی۔

(i) انتہا پسندی اور دہشت گردی کا سد باب اور صلح حدیبیہ:

عہد حاضر کا سب سے بڑا مسئلہ انتہا پسندی اور دہشت گردی ہے جب کہ صلح حدیبیہ کا پیغام انتہا پسندی اور دہشت گردی کا مکمل خاتمہ اور سد باب ہے۔ صلح حدیبیہ اس کی قطعی مذمت کرتی ہے۔ پس آج بھی امت مسلمہ، عالم اسلام کی ترقی اور عروج کا راز اسی پیغام اور اصول میں پنہاں ہے۔

(ii) دہشت گردی سے متعلق افکار و نظریات۔ ایک جامع تبصرہ

The word terrorism was first used in france to describle a new system of government adopted during the French Revolution (1789-1799) regime de la terreur (Regin of Terror) was intended to promote democrecy and popular rule by ridding the revolution of its enemies and thereby purifying it. However, the oppression and violent excesses of the terreur transformed it into a feared instrument of the state. From that time on, terrorism has had a decididly negative connotation. The Word, however dont gain wider popularity until the late 19th century when it was adopted by a group of Russian revolutionaries to describe their violent struggle against tsarist rule. Terrorism then assumed the more familiar antigoverament associations it has today. (21)

انگریزی زبان میں دہشت کے لیے Terror کا لفظ استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ہیں حد درجہ خوف، کسی شخص یا چیز کو خوفزدہ کرنا اسی طرح دہشت گردی کے لیے استعمال ہونے والا لفظ Terrorism ہے جس کے معنی ہیں تشدد اور دھمکی کا استعمال۔

What it Teriorism?

The systematic use of terror (such as bombing, killing and kidnappings) as a means of forcing some political objective when used by a govt, it may signal efforts to stifle dissat; used by insurrectionists of guerrillas, it may be part of an overall effort to effect desire political change. (22)

More than 2,000 years ago the first known acts of what we now call terrorism were perpetrated by a radical offshoot of the Zealots, a Jewish sect active in Judea during the 1st century AD. The Zealots resisted the Roman Empire's rule of what is today Israel through a determinied campaign primarily involving assassination. Zealot fighters used the sica, a primitive dagger, to attack their enemies in broad daylight, often in crowded market places or on feast days-essentially wherever there were people to witness the violence. Thus, like modern terrorists, the Zealots intended their actions to comunicate a message to wide target

audience. in this instance, the Roman occupation forces and any jews who sympathized or collaborated with the invaders. (23)

مغربی لٹریچر اور اسلامی لٹریچر میں بنیاد پرستی کی اصطلاحات مختلف معانی میں استعمال ہوئی ہیں۔ اس لیے اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اسلام میں بنیاد پرستی کیا ہے اور اس کے کیا معنی ہیں؟ اسلام میں بنیاد پرستی یہ ہے کہ اسلام کی پانچ بنیادوں پر اپنی فکرو نظر اور کردار و عمل کو استوار کیا جائے۔ ان بنیادوں میں ایک عقیدہ توحید ہے اور چار دوسرے اعمال ہیں۔ اعمال میں سے زکوٰۃ تو صرف صاحب نصاب پر فرض ہے۔ حج صاحب استطاعت پر زندگی میں ایک بار فرض ہے اور روزہ کھانے پینے سے رکنے کا نام ہے جو کفار بھی کرتے ہیں، لہٰذا اسلامی بنیاد پرستی کا عملی مظہر صرف نماز ہے اسی لیے اسے دین کا ستون اور مسلم و کافر میں فرق بتایا گیا ہے۔ پس یہ ہے ایک مسلمان کی بنیاد پرستی کہ اس کا عقیدہ درست ہو اور وہ نمازی ہو۔ یعنی وہ خدا کو واحد لاشریک مانتا ہو اور نماز کا پابند ہو۔

It has only been fifty years, but with the power of the world media, the Zionist leadership now feels free to do whatever it wants to destroy the Palestinian people. Millions of people, women and children, are in poverty in refugee camps. The blood of innocent people is being shed, because the cause of this violence continues to exist, namely Zionism. Just lately, on the 3rd of October 2001, One of the greates Zionist leaders has boasted that the controls America, even though we are forbidden to interfere in politics. (24)

لیکن یورپ میں جس چیز کا نام بنیاد پرستی ہے اسلام میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔ اس لیے دونوں اصلاحات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ یورپ میں بنیاد پرستی جن معنوں میں مستعمل ہے اس میں سے بعض معنوں کے اعتبار سے ایک مسلمان بنیاد پرست ہوتا ہے مثلاً یورپی بنیاد پرستوں کا یہ دعویٰ تھا کہ بائبل حرف بحرف کلام الٰہی ہے یہی دعویٰ قرآن کریم کے بارے میں مسلمان کا ہے۔ قرآن کریم حرف بحرف کلام الٰہی ہے اور درست ہے، یہ اور بات ہے کہ اہل یورپ کا دعویٰ سو کے قریب مختلف الالفاظ انجیلوں کی موجودگی میں ثابت ہے یا نہیں جب کہ قرآن کریم کی روایت میں ایک لفظ کا اختلاف بھی آج تک ثابت نہیں کیا جا سکا اور الفاظ قرآن کریم کے بارے میں ایک "اختلاف بہر حال ہوا کہ قرآن کے الفاظ مخلوق ہیں یا نہیں" یہ اختلاف اہل سنت اور معتزلہ کے درمیان ہوا، اس میں اہل سنت کا مسلک یہی ہے کہ یہ الفاظ کلام الٰہی ہیں۔ (۲۵)

مغربی میڈیا اکثر و بیشتر یہ تاثر دیتا ہے کہ "بنیاد پرستی" کے نام سے مشہور مذہبی جدوجہد جو بعض اوقات متشددانہ بھی ہو جاتی ہے، ایک خالصتاً اسلامی مظہر ہے جب کہ معاملہ یہ نہیں ہے۔ بنیاد پرستی ایک عالمی (گلوبل) حقیقت ہے اور ہماری جدیدیت کے جواب میں ہر بڑے عقیدے میں رونما ہو چکی ہے۔ بنیاد پرستانہ یہودیت ہے، بنیاد پرستانہ عیسائیت ہے، بنیاد پرستانہ ہندومت ہے، بنیاد پرستانہ بدھ مت ہے، بنیاد پرستانہ سکھ مت ہے اور یہاں تک کہ بنیاد پرستانہ کنفیوشس مت بھی موجود ہیں۔ (۲۶)

بنیاد پرستی کا مفہوم جو بھی ہو، اس کا تشدد کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ دنیا میں اس وقت مسلمانوں کے جو گروہ جہاد و مزاحمت کرتے ہیں ان کا بنیاد پرستی سے کوئی تعلق نہیں بلکہ ان کے خلاف ظلم ہو رہا ہے، ان کے حقوق غصب کیے جا رہے ہیں اور وہ ظلم کے خلاف جہاد اور اپنے حقوق کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں ان کے لیے اہل مغرب کی جانب سے بنیاد پرستی کی پھبتی کسنا ایک کھلا

نفاق ہے۔ نیز جو لوگ دنیا کے مختلف مقامات پر تشدد کرتے ہیں چاہے ان کے اسباب مذہبی ہوں یا سیاسی ہوں دنیا کو چاہیے کہ وہ ان کے حقیقی اسباب معلوم کرے۔ آئرلینڈ کے لوگ جو تشدد کرتے ہیں وہ عیسائیت کی تعلیم نہیں ہے یا جنوبی افریقہ میں سفید فاموں نے جو کچھ کیا اگرچہ وہ عیسائی تھے مگر عیسائیت کی یہ تعلیم نہیں ہے اسی طرح اگر کسی جگہ بعض مسلمان اپنے معاشی، سیاسی اور مذہبی حقوق کے لیے جدوجہد کرتے ہیں تو ان کو صرف بنیاد پرستی کہہ کر رد کر دینا کوئی معقول رویہ نہیں ہے۔(۲۷)

I do not differentiate between war and terrorism Terrorism is war and war is terrorism. If you look at the historical role of violence in the world, we see that violence has had a profound effect on the history of the world. Reardless of one's thoughts on violence, It is impossible to understand the world in which we live, without examining acts of violence have helped to create the world in which we now live. All the empires, of which the British Empire was the most recent, now replaced by the American empire, we see that it too was built on violence and world conquest. When I was born in 1925, 20% of the world's population was govermed by london. All of this was built on violence. If you look at all empires, Greek, Roman, and so forth, all were built on violence, and could not exist had it not been for acts of violence.(28)

دنیا کی عسکری قوت ہو یا سیاسی قوت یہ سب یہودی مالی قوت کے زیر نگیں ہو چکے ہیں۔ چنانچہ دنیا کی ساری دولت سارے وسائل وذرائع دراصل ان کے مالی نظام کا حصہ بن چکے ہیں۔ اس وقت اگرچہ اس کلی اجارہ داری کو بعض مصلحتوں کے تحت تین ادارے چلا رہے ہیں، جو سراسر یہودی ہیں یعنی واحد قطب امریکہ، مالحل کی تیسری قوت کا دوسرا شعبہ یعنی آئی ایم ایف اور عالمی بینک اور تیسری قوت کا پہلا شعبہ براہ راست یہودی عالمی مالی نظام۔(۲۹)

مضبوط معاشی ممالک کو یہ گوارا نہیں کہ دوسرے ممالک بھی اپنی معیشت مستحکم کریں چنانچہ اس مقصد کے لیے دنیا میں باقاعدہ جنگوں کے سلسلے شروع ہیں۔ عراق امریکہ جنگ کا ایک اہم پہلو بھی معاشی اجارہ داری کا قیام ہے۔

عربوں کا روایتی عدم اتحاد جسے مغربی طاقتیں جو عربوں کے تیل کی فراہمی پر اپنا کنٹرول رکھنے میں دلچسپی رکھتی ہیں جان بوجھ کر بڑھاتی ہیں۔(۳۰)

آئی ایم ایف بھی اس مالیاتی دہشت گردی کا ایک مہرہ ہے۔ آئی ایم ایف دنیا کے ۷۵ ممالک کے معاشی اور اقتصادی فیصلے کرتا ہے جس کی وجہ سے ان ممالک میں مغربی دنیا کے خلاف شدید نفرت پیدا ہو رہی ہے۔ پاکستان ۱۹۸۸ء تک آئی ایم ایف کے دامن کا اسیر نہیں تھا۔ اس وقت صورت حال یہ تھی کہ ہماری مجموعی پیداوار کی شرح ترقی ۶ء۳ فی صد سالانہ تھی۔ غربت کی شرح ۱۷ فیصد، سرمایہ کاری کی شرح تقریباً ۱۸ فیصد اور صنعتی شرح نمو تقریباً ۱۱ فیصد تھی، مگر جب معیشت کو آئی ایم ایف نے ''سہارا'' دیا تو یہ صورتحال ہو گئی کہ سالانہ شرح ۴ فیصد، غربت کی شرح ۳۳ فیصد، سرمایہ کاری کی شرح ۱۵ فیصد اور صنعتی شرح نمو ۲ فیصد پر آ گئی۔(۳۱)

معاشی بالا دستی قائم کرنے کے لیے ہر قسم کے ہتھکنڈے استعمال کیے جا رہے ہیں۔ چنانچہ کسی بھی ملک کو برداشت نہیں کہ دوسرے ملک کی معیشت سنبھل جائے۔

امن وسلامتی کی راہ میں حقیقی رکاوٹ:

آج مغرب کی انسانی حقوق، تہذیب وتمدن، برداشت اور رواداری کی علمبردار دنیا عدم برداشت اور اسلام دشمنی کے سوری نظریات کے تحت دوہرا معیار قائم کیے ہوئے ہے، جب ایک قوم ساری دنیا کے نظام کو یکساں شکل دینے کی ذمہ داری سنبھال لے تو یہ دوسروں کو اپنے خلاف متحد ہونے کی دعوت دیتی ہے۔ ایک ایسی دنیا میں جہاں اس کا امکان ہے کہ جوہری اسلحہ جلد از جلد وسیع پیمانے پر تقسیم ہو۔

مغرب کی انتہا پسندی اور دہشت گردی:

امریکی یونیورسٹی میں سیاسیات کے پروفیسر ٹونی اسمتھ کہتے ہیں:

''امریکہ طرز حیات، اقدار اور اداروں کو روبہ عمل لانے کی کوشش ناکامی کا اندیشہ ہے۔ اس لیے کہ امریکی طاقت محدود ہے بلکہ اس لیے کہ بڑے پیمانے پر اس کا استعمال بھی ان عقائد اور طریقوں میں اصلاح نہ کر سکے گا جو بنیادی طور پر امریکی طریقہ کے مخالف ہے۔ چین، مسلم دنیا یا روس کا امریکی مطالبوں کے آگے سپر ڈالنے کے لیے آمادہ ہونے کا آخر کیا امکان ہے؟(۳۲)

کالمیر جانس کہتا ہے کہ: ''امریکی افسران اور میڈیا عراق اور شمالی کوریا جیسی سرکش ریاستوں کے بارے میں بہت کچھ کہتے ہیں لیکن ہمیں خود اپنے آپ سے پوچھنا چاہیے کہ کہیں امریکہ خود تو ایک سرکش سپر پاور نہیں بن گئی۔(۳۳)

۱۸۸۶ء میں تاریخ کا پہلا بم دھماکہ، ۱۹۰۵ء میں گورنر اسٹان برگ کا قتل، ۱۹۱۰ء میں لاس اینجلس ٹائمز بلڈنگ میں بم دھماکہ اس کی مثالیں ہیں۔ اس عرصے میں زار روس کے خلاف مارزوف کی سربراہی میں بننے والی روسی تنظیم Noro da Naya Volv نے دہشت گردی کی بڑی کارروائیاں کیں۔ ۱۹۰۱ء میں بننے والی ایک اور تنظیم Boevaya نے سرکاری وزراء کے قتل سمیت متعدد کارروائیاں کیں۔ ۱۹۰۱ء سے ۱۹۱۱ء تک اس تنظیم نے ۲۰۰ سے زیادہ بڑی کارروائیاں کیں۔ جن میں روسی گورنروں اور بوسنگی، بگز دالوچ، وزیر داخلہ لیف کے قتل سمیت اوپیرا ہاؤس پر حملہ بھی شامل ہے۔ ۱۸۹۰ء سے ۱۹۱۴ء تک یورپ میں بھی دہشت گردی عروج پر رہی۔ ۱۸۸۱ء میں بننے والی انارکسٹ انٹرنیشنل نے ۱۸۹۳ء میں فرانس کے رہائشی گھروں کو بم سے اڑا دیا۔ یہاں اس بات کا ذکر کرنا بھی ضروری ہوگا کہ فدائی حملوں کی بنیاد بھی ۱۸۹۴ء میں اسی تنظیم نے چیمبر آف ڈپٹیز میں خودکش بم دھماکے سے ڈالی۔ فرانسیسی صدر کارنٹ اور اسپین کے وزیر اعظم انتونیو کارنواس، آسٹریلیا کی فرمانروا ملکہ الزبتھ، اٹلی کے بادشاہ امرتو دہشت گردی کی کارروائیوں کی بھینٹ چڑھے۔ چین میں جوئے بازوں اور اسمگلروں کی سرپرستی میں بننے والی Boxer Relellion نامی تنظیم نے دہشت گردی کی کارروائیاں کیں۔(۳۴)

امریکہ نے خود ۱۳۰ تنظیموں کے ذریعے دہشت گردی کی کارروائیاں کیں۔(۳۵) عبدالمجید ساجد (۳۶) نے ماہنامہ ساحل نے (۳۷) ولیم بیلم نے اپنی کتاب روگ اسٹیٹ (۳۸) اور نوم چومسکی نے (۳۹) اپنی کتاب میں امریکی دہشت گردی اور مختلف ممالک میں مداخلت کی ۱۸۸۹ء تا ۲۰۰۳ء تک مکمل فہرست پیش کی ہے، جسے پڑھنے کے بعد نوم چومسکی کے الفاظ بالکل صحیح معلوم ہوتے ہیں جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے کہ امریکہ دنیا کا سب سے بڑا دہشت گرد ملک ہے۔(۴۰) امریکہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کا واحد رکن

ہے، جس نے تہا دو تہائی قرار داد یں ویٹو کیں۔ باقی کا پچاس فیصد برطانیہ نے استعمال کیا۔(۴۱) گویا انہوں نے ہمیشہ دیگر اقوام سے طاقت کی زبان میں بات کی ہے، مساوات کی بنیاد پر نہیں، یہی وجہ ہے کہ امریکی دہشت گردی کے جواب میں دنیا بھر میں دہشت گردی کی لہر چل پڑی ہے(۴۲)۔ اس نظام کی ناکامی کا اس سے بڑھ کر بھلا اور کیا ثبوت چاہیے لیکن امریکی صدر واسٹیبلشمنٹ ہمیشہ عوام کی غلط رہنمائی کرتے رہے ہیں جس کا ثبوت جارج بش کا یہ بیان ہے کہ:

Amerian are asking why do they (terroists) hate us they hate what we see right here in the chamber, a democratically elected government. Their leaders are self-appointed. They hate freedom, our freedom of religion, our freedom of speech, our freedom to vote and as Semble and disagree with each other.(43)

ولیم بیلم کے بقول خود امریکہ دہشت گردوں کی جنگ کہلاتا ہے۔ امریکہ میں جو دہشت گرد تنظیمیں موجود ہیں، ان میں سے کچھ یہ ہیں۔ (۱) آرین نیشنز **Aryan Nations**، (۲) بلیک لبریشن آرمی **Black Liberation Army**، (۳) کرسچن پیٹریوٹس ڈیفنس لیگ **Christian Patriots Defence League**، (۴) کووینٹ دی سورڈ اور آرم آف لارڈ **C.S.A**، (۵) جیوش ڈیفنس لیگ **Jwesh Defence League**، (۶) کوکلس کلان **Kukluxklan**، (۷) میچیٹروس **Macheteros**، (۸) موو **Move**، (۹) نیو نازی **Noe Nazi**، (۱۰) نیو ورلڈ لبریشن فرنٹ **New World Liberation Front**، (۱۱) اومیگا **Omega**، (۱۲) دی آرڈر **The Order**، (۱۳) پوسے کومیٹیٹس **Posse Comititus**، (۱۴) پورٹو ریکن آرمڈ فورسز اور دی ریوولوشن **Puerto Riccan Armed Forcess the Revolution**، (۱۵) اسکن ہیڈز **Skin Heads**، (۱۶) سمبیونیز لبریشن آرمی **Sembionese Liberation Army**، (۱۷) یونائیٹڈ فریڈم فرنٹ **United Freedom Front**، (۱۸) ویدر انڈر گراؤنڈ **Weather Under Ground**(۴۴)

گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء سے دنیا کی تاریخ تبدیل ہوگئی ہے، امریکہ کے خلاف پہلی بار اسلحہ اٹھایا گیا، یقیناً گیارہ ستمبر کا حملہ ایک ظالمانہ اقدام تھا، لیکن غیر معمولی ہرگز نہیں تھا۔ برسوں سے دنیا اس سے کہیں زیادہ مظالم کا سامنا کر رہی ہے۔ امریکہ اور یورپ جسے چاہیں حملوں کا نشانہ بنائیں مگر وہ چاہتے تھے کوئی ان پر حملہ نہ کرے یہ امریکی تاریخ کا پہلا واقعہ ہے کہ بندوقیں ان کی سمت سیدھی کی گئی ہیں۔ یقیناً یہ تاریخ کا ایک ڈرامائی موڑ ہے۔(۴۵)

بوسنیا، لبنان، افغانستان، کشمیر، فلسطین، عراق، چیچنیا اور دنیا کے دیگر خطوں میں مسلمانوں کا لہو کتنا ارزاں ہے۔ بین الاقوامی دہشت گردی، فرقہ واریت اور اسلحہ کی دوڑ انتہا پسندی کی ہی قبیح شکلیں ہیں۔ قومی اور بین الاقوامی سطح پر انتہا پسندی کا رجحان لاقانونیت اور انارکی کا سبب بنتا ہے۔

مغربی دنیا نے ۱۴ راگست ۱۹۱۴ء کو جنگ عظیم اوّل کا میدان گرم کیا جو بعد ازاں ۱۵۵۶ دنوں تک جاری رہی جس میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد تقریباً ۹ ملین، شدید زخمی ہونے والوں کی تعداد ۲۲ ملین، اپاہج اور معذور ہو جانے والوں کی تعداد ۲۵ ملین

بتائی جاتی ہے۔اس جنگ پر ہونے والے اخراجات سے بیلجیم، روس، امریکہ، جرمنی، کینیڈا اور آسٹریلیا کے مکینوں کے لیے تمام آسائشوں اور لوازمات کے ساتھ ایک مکان بنایا جاسکتا ہے۔(۳۶)

جب کہ دوسری جنگ میں ۳۵ ملین انسان ہلاک ہوئے، ۲۰ ملین ہاتھ پاؤں سے معذور ہوئے، ۷ ملین لیٹر خون زمین پر بہایا گیا۔ ۱۲ ملین حمل ساقط ہوئے، ۱۳۰ ہزار پرائمری، سیکنڈری اسکول، ۶ ہزار یونیورسٹیاں، ۸ ہزار لیبارٹریاں ویران و برباد ہو گئیں۔(۳۷)

امریکہ اور جاپان کی جنگ ۱۹۴۵ء میں امریکہ کی طرف سے جاپان پر دو ایٹم بم گرائے گئے، جس سے ہیروشیما میں ۷۰ ہزار افراد، ناگاساکی میں ۴۰ ہزار افراد ہلاک ہوئے اور اتنے ہی زخمی ہوئے۔(۳۸)

اُمتِ مسلمہ کے بڑھتے ہوئے اثر ونفوذ کو روکنے کے لیے اقدامات:

امریکن نیشنل سیکورٹی کی رپورٹ میں اسلام کے تیزی سے مقبول ہوتے ہوئے رجحانات اور اسلام پسند تحریکوں کے بڑھتے ہوئے اثر و نفوذ پر بھی خصوصیات کے ساتھ گہری تشویش کا اظہار کیا گیا ہے اور ان کی موثر روک تھام کے لیے درج ذیل اقدامات تجویز کیے گئے ہیں۔

۱۔امت مسلمہ کو آپس کے جھگڑوں اور اختلافات میں معروف رکھا جائے گا تا کہ وہ کوئی بڑی قوت نہ بن سکیں اور امریکی مفادات کے خلاف ان کی مزاحمت تقویت نہ پکڑ سکے۔

۲۔ان ریاستوں کی حکومتوں میں تبدیلی کروادی جائے گی، جو نفاذ اسلام کے لیے سنجیدگی سے کوشش کر رہی ہیں جن حکومتوں نے اسلام نافذ کرنے کی ابتدا کردی ہے انہیں شرعی قوانین کے نفاذ سے روک دیا جائے گا اور شرعی قوانین کو بھی تبدیل کر دیا جائے گا۔

۳۔موثر مشائخ اور علماء کو ذرائع ابلاغ کے ذریعے رائے عامہ کو متاثر کرنے کا موقع فراہم نہیں کیا جائے گا۔

۴۔خلیجی ریاستوں میں مسلمانوں کو روزگار کے مواقع فراہم نہیں کیے جائیں گے بلکہ یہ افرادی قوت فلپائن، سری لنکا اور تھائی لینڈ سے حاصل کی جائے گی، ان لوگوں کے ذریعے خلیجی ریاستوں کی تہذیب وثقافت تبدیل کردی جائے گی۔اسلامی اقدار اور اسلامی رسومات کو ختم کر دیا جائے گا۔وہاں پاکستان اور بنگلہ دیش کے افراد کو روزگار پر مکمل پابندی لگادی جائے گی۔

۶۔تمام ممالک کے تعلیمی اور ثقافتی اداروں میں اصلاحات لائی جائیں گی۔ذرائع ابلاغ کے پروگراموں کو وسعت دی جائے گی۔

۷۔اسلام پسند عناصر اور اسلامی قیادت پر سختی سے نظر رکھی جائے گی۔

۸۔وہ ممالک جو سوڈان اور پاکستان کی طرح اسلامی نظریات اور سوچ کے حامل ہوں گے انہیں اختلافات اور مسائل میں مبتلا کر دیا جائے گا۔

انسانیت کے تمام مسائل کا حل۔تعلیمات نبوی ﷺ کی پیروی میں:

Muhammad, may God bless him and grant him peace, warned his companions to avoid extremes which he explained was the cause of the destruction of earlier communities. Terrorists it appears, fell that this injunction does not apply to them. Terrorism is an act against God. Anyone who tries to justify such atrocities ultimately fails, since both the

Sacred Law and theology abhor such acts as moral sins that run contrary to the essence of Islam. The Quran instructs Muslims in times of adversity to act with justice, perseverance and patience. Terrorists apparently never think of relating their acts to the elementary principle that Islam places great value on the sancitity of human life. If someone kills another Person-unless it is in retaliation for someone else or for causing corruption in the earth it is as if he had murdered all mankind, is a verse of the Quran, which is disregarded by the fanaticism of hate.(49)

اسلام: دین امن وسلامتی:

طلوع اسلام سے قبل جنگ وجدل، قتل وخون، انتہا پسندی اور عدم برداشت کی کئی مثالیں ہمیں نظر آتی ہیں۔ گویا "ایام العرب کا ایک سلسلہ ہے جو خون کی موجوں کی طرح سارے جزیرہ میں پھیلا ہوا تھا۔" (۵۰) عربوں کے دور جاہلیت میں جذبہ انتقام کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ عرب جو شراب پر جان دیتے تھے انتقام لینے سے قبل اپنے لیے شراب پینا حرام سمجھتے تھے۔ (۵۱) اسلام نے عرب کے چرواہوں کو جو ظلم وستم کے عادی تھے، انسان بنا دیا اور ان کے اندر رحم وکرم، حلم وتواضع پیدا کر دی۔ ان میں پریم کے جذبات پیدا کر دیے یہ لوگ جاہل اور وحشی تھے مگر چند ہی روز میں ان کو حکمرانوں کے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچا دیا۔ (۵۲) ہر مذہب یہ چاہتا ہے کہ دوسرے مذاہب ختم ہو جائیں اور ان سب کی جگہ ان کا مذہب لے لے اور ہر مذہب میں جبر وزبردستی داخل کرنا جائز ہے لیکن اسلام اور داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دامن ان دونوں چیزوں سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہے:

لَاۤ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۔ (۵۳) دین اسلام میں زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت گمراہی سے الگ ہو چکی ہے۔

آپ ﷺ نے تمام عمر سنیاس (رہبانیت) اختیار کرنے کا اپدیش (تلقین) بھی نہیں دیا بلکہ یہ کہا کہ اس دنیا میں رہو اسے برتو اور یہ بھی بتایا کہ دنیا میں رہنے کے زریں اصول کیا ہیں اور یہاں رہ کر بھی ہمیں عزت اور شانتی کس طرح مل سکتی ہے۔ (۵۴)

شریعت اسلامی دوسروں کے عقائد کے احترام کرتی ہے اور جبر وزبردستی سے عقائد کو دوسروں پر ٹھونسنے سے انکاری ہے جیسا کہ قرآن کریم میں رسول اللہ ﷺ سے مخاطب ہو کر کہا گیا ہے کہ:

اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (۵۵) اب کیا آپ زبردستی کریں گے لوگوں پر کہ باایمان ہو جائیں۔

آج پھر امت مسلمہ میں بیداری کی لہر ہے، تمام تر مسائل اور چیلنجز کے باوجود اسلام ان لوگوں کے گھروں میں پھیل رہا ہے جو اسلام اور امت مسلمہ کے خلاف صف آرا ہیں۔

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے — یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے (۵۶)

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا — سنا ہے یہ قدسیوں میں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا

دینی طرز زندگی کو انتہا پسندی کا نام دینا ایسا ہی ہے جیسے کوئی دن کو رات کہے اور سایہ کو دھوپ۔ تسمية الاشياء بغير اسماء ها (۵۷) ایسے لوگ بھی موجود ہیں جن کے نزدیک غیر مسلموں کو کافر کہنا بھی انتہا پسندی اور تعصب ہے۔ حالانکہ ایمان کی یہ بنیاد ہے کہ مومن

اس بات پر یقین رکھے کہ وہ حق پر ہے اور اس کے مخالفین باطل پر ہیں۔ یہ وہ حقیقت ہے جس میں رواداری کی گنجائش نہیں۔(۵۸)

یورپ کی اصل کوشش یہ ہے کہ جس ''نظام زندگی'' کو اس نے اختیار کر رکھا ہے ساری دنیا اسے اختیار کرے اور اس کی مزاحمت نہ کی جائے اور یورپ خود کو ایک مجسم نظام کی حیثیت سے پیش کر کے جو نمونہ لاتا ہے وہ اسلام کو بدنام کرنے کے ہر حربے پر پورا اترتا ہے۔ انسانی زندگی کی بے وقعتی، خاندانی نظام کی بربادی، سماجی رابطوں کی مادی تعبیر، دولت کی سرمایہ دارانہ تقسیم، اختیارات کا ایک طبقے میں ارتکاز، نسلی ولسانی فسادات، ایک یورپی قوم کی دوسری یورپی قوم پر برتری کی خواہش ہے۔ ترقی کو خود تک محدود کر کے رکھنا اور ٹیکنالوجی کے ذریعے قوموں کو بلیک میل کرنا، یہ سارے وطیرے یورپ کے ہیں۔(۵۹)

مشنری کھلم کھلا کہتے ہیں اسلام رجعی اور متاخر ہے کیوں کہ اس کے ماننے والے رجعی اور پسماندہ ہیں اور مسیحیت ترقی یافتہ اور مہذب ہیں، کیوں کہ ان کی مذہبی دنیا مہذب اور ترقی یافتہ ہے۔(۶۰)

مسلمان دہشت گرد نہیں:

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد کرنے کا حکم دیا ہے خواہ ظالم کی طاقت کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو، پس جہاد کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد دنیا سے ظلم وتشدد جارحیت، خون ریزی، غارت گری، دہشت گردی اور بدامنی کا مکمل طور پر استیصال اور خاتمہ کرنا ہے۔(۶۱)

آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ کا ایک اہم پہلو بحیثیت ''داعی امن واخوت'' ہے کیوں کہ آپ ﷺ نے اپنے اخلاق کریمانہ سے تائید غیبی کے ساتھ لوگوں کو اخوت ومحبت کی لڑی میں پرو دیا اور جو معاشرہ انتشار وافتراق کا شکار تھا اس میں توحید الٰہی کے رشتہ سے لوگوں کو ایک دوسرے کے ساتھ منسلک کر دیا مدینہ پہنچنے پر آپ ﷺ نے اپنی حکمت عملی سے بہترین سیاسی رہنمائی سرانجام دی اور ریاست مدینہ کے استحکام کے لیے بہترین مثالیں دیں کہ ان تمام رسوں کو ختم کرنے کا اعلان کیا جو امن واخوت کو درہم برہم کرنے اور معاشرے کی تباہی کا سبب تھی۔(۶۲)

سرد جنگ کے خاتمہ کے بعد اہل مغرب نے اسلام کو دشمن نمبر ایک قرار دے کر اس کا راستہ روکنے اور مسلمانان اسلام کو ناکام بنانے کی حکمت عملی اختیار کی اور بنیاد پرستی کی اصلاح استعمال کر کے اس کو دہشت گرد اور اس کا فلسفۂ حیات کو فتنہ دہشت گردی کا محافظ قرار دینا شروع کر دیا۔(۶۳)

اسلام ہی انسانیت کا نجات دہندہ اور امن عالم کا ضامن ہے:

آج مغرب اپنے تمام ذرائع کے ہمراہ یہ ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے کہ اسلام ایک انتہا پسند، قدامت پرست اور دہشت گرد مذہب ہے۔ وہ ہر مسلمان کو دہشت گرد اور اسلام کو دہشت گردی کی فیکٹری قرار دیتا ہے اور اسکے ساتھ لبرل ازم کے نام پر مسلمانوں کے دلوں سے ایمان کی حرارت نکالنے کے لیے ہر حربہ استعمال کر رہا ہے۔ فحاشی اور بے حیائی کو نہایت تیزی سے دلوں میں اتار دینے میں کوشاں ہے۔

ان حالات کے پیش نظر عصر حاضر امت مسلمہ سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ مغرب کے پروپیگنڈے کا نہ صرف موثر جواب دے بلکہ یہ ثابت کرے کہ "اسلام ہی ساری دنیا کو بھلائی دینے والا دین ہے۔" "یہ امت، عالمگیر امن کی دعوے دار امت ہے۔" "ان کی کتاب دنیا کو روشنی فراہم کرنے والی کتاب ہے۔" "ان کا رسول اللہ ﷺ تو تمام جہانوں کے لیے رحمت بن کر آنے والا رسول ہے۔" "مغرب کو بتایا جائے کہ خود ان کے بڑے بڑے دانش ور تسلیم کرتے ہیں کہ:

He was the only man in history who was supremely successful on both the religions and secular levels(64)

یہ بھی واضح کیا جائے کہ جن کا مزاج ہی: لا اکراہ فی الدین۔(۶۵) ہو وہ تشدد اور دہشت گردی جیسے برے راستے پر کبھی نہیں نکل سکتے۔

عصبیت سے مراد دین:

غیر مسلموں کے پروپیگنڈے کے برعکس قرآن کریم کی تعلیمات اور ارشادات نبی کریم ﷺ سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نے ہمیشہ دہشت گردی اور تعصب کی مذمت کی ہے اور معاشرے کو ہمیشہ اس برائی سے پاک رکھنے کی سعی کی ہے۔

اس قوم کی نفرت جس نے تم کو کعبے سے روکا تھا تم کو ادھر کھینچ کر نہ لے جائے کہ تم بھی ان پر زیادتی کرو۔(۶۶)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ، عادل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔(۶۷)

بہترین مدنیت:

اسلام اعلیٰ ترین مدنیت کا حامل معاشرہ فراہم کرتا ہے۔ وہ کہیں بھی انسان کو رہبانیت کا درس نہیں دیتا۔

وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا(۶۸) یعنی ترک تمدن بدعت ہے۔

مساوات انسانی کا بہترین نمونہ:

اسلام مساوات انسانی کا ایسا علم بردار معاشرہ تشکیل دیتا ہے جس میں ہر شہری کو وہ تمام حقوق حاصل ہوتے ہیں جن کا وہ حق دار ہوتا ہے۔ اسلام اس اصول کی پوری پاس داری کرتا ہے۔

اب اگر امت مسلمہ حقیقت اور انصاف کی نظر سے دیکھے تو عصر حاضر میں سب سے بڑا چیلنج اسے اور صرف اسے درپیش ہے۔ اسے اپنے رب اور اپنے نبی ﷺ سے کیے گئے وعدوں پر پورا اترنے کا ایک سنہری موقع نصیب ہو رہا ہے۔ اب تساہل سے کام لینے کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسے اپنا کڑا احتساب کرنا ہوگا۔(۶۹)

آج امت مسلمہ کے جو حالات ہیں ان پر سنجیدگی سے غور کر کے طویل المعیاد منصوبے بنائے جائیں۔ جن کی رو سے آج کے اس خواب کو کل کی حقیقت میں بدلا جا سکتا ہے۔

واضح رہے کہ......

☆ زوال کا وقت ہی وہ مناسب وقت ہوتا ہے جب عروج کے لیے منصوبہ بندی کی جائے۔

☆ دل گرفتگی اور مایوسی کسی مسئلے کا حل نہیں ہوتی اور پر امیدی اور خوش امیدی زندہ رہنے اور جدو جہد کرتے رہنے پر اکساتی ہے لہٰذا اس مقابلے میں یہی دوسری پالیسی اختیار کی گئی ہے۔

☆ قومیں یا تہذیبیں عام طور پر ضعف وادبار کے بعد دوبارہ نہیں اٹھ سکتیں لیکن مسلم تہذیب اس سے مستثنیٰ ہے کیوں کہ اس کے نظریاتی ماخذ محفوظ اور موجود ہیں۔

☆ امت مسلمہ کے زوال کا بنیادی داخلی سبب اپنے نظریہ حیات سے عدم وابستگی اور اس کے تقاضوں کو پورا نہ کرنا ہے اس کے زوال کا بنیادی خارجی سبب مغربی تہذیب کی اسلام اور مسلم دشمنی اور مسلمانوں کی اس تہذیب سے مرعوبیت اور اس کی پیروی کرنے کا رجحان ہے۔

☆ مسلم امت کے زوال سے نکلنے اور عروج کی طرف بڑھنے کا بنیادی نسخہ یہ ہے کہ انسان سازی کا کام کیا جائے، یعنی اسلامی اصولوں پر تعمیر شخصیت و کردار اور فکری و تحقیقی بالادستی کا کام، جس کے ذریعے سے صحیح اصولوں پر تعلیم وتربیت تزکیہ اور دعوت واصلاح کا کام ہو سکے۔

☆ مغرب کی ساری پالیسیاں اسلام اور مسلم دشمنی پر مبنی ہیں۔

☆ یہ سمجھنا کہ مغرب کی پیروی سے مسلمان دنیا میں ترقی کر سکتے ہیں ایسے ہی ہے جیسے جانا مشرق کو ہو اور جایا مغرب کو جائے۔

☆ مسلمانوں کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ وہ متحد نہیں۔

☆ اور یہ کہ مسلم حکمرانوں کی سوچ اور عمل مسلم عوام کی سوچ اور عمل کے برعکس ہے کیوں کہ یہ حکمران دین سے دور ہیں، حب دنیا اور حب جاہ و منصب میں مبتلا ہیں اور اپنے اقتدار اور مفادات لیے مغرب کے گماشتے بنے ہوئے ہیں۔

☆ مسلم علماء، دینی ادارے، جماعتیں اور تحریکیں بھی زیادہ تر صحیح رخ میں کام نہیں کر رہیں وہ اس پر غور کریں۔

☆ اگر مسلمان حکمت عملی سے کام لیں تو مغرب کے ساتھ دعوت و ڈائیلاگ اور جہاں مجبوری ہو وہاں مزاحمت کی پالیسی بیک وقت بھی اپنائی جا سکتی ہے اور اپنائی جانی چاہیے۔

☆ دینی مدارس کو جو ایسے علماء پیدا کر رہے ہیں جنہیں حالات کے تقاضوں کی خبر ہے اور نہ وہ مغربی افکار اور اس حوالے سے مسلم دنیا کو درپیش چیلنجز کو سمجھتے ہیں، اپنا طریق کار بدلنا چاہیے۔

☆ مسلمان اگر آگے بڑھنا چاہتے ہیں تو انہیں کردار سازی کے ساتھ تعلیم و تحقیق میں آگے بڑھنا ہوگا۔ شرط یہ ہے کہ یہ تعلیم و تحقیق نہ مغرب سے مرعوبیت پر مبنی ہو اور نہ لکیر کی فقیر ہو بلکہ اس میں اجتہادی شان اور تخلیقیت پائی جاتی ہو۔

☆ ضرورت ہے امت کی سطح پر ایک تجزیاتی و تحقیقی ادارے اور تھنک ٹینک کی، جو مسلمانوں کے زوال کے اسباب اور عروج کے

طریق کار پر مسلسل کام کرتا رہے اور اپنے نتائج فکر سامنے لاتا رہے اسی طرح ہمیں، یک ''مرکز مطالعہ'' جیسے تجزیاتی وتحقیقی ادارے کی بھی ضرورت ہے جو مسلمانوں اور اسلام کے خلاف مغرب اور یہود و ہنود و نصاریٰ کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کو سامنے لاتا رہے اور ان کا تجزیاتی وتحقیقی مطالعہ امت کے سامنے پیش کرتا رہے تاکہ مسلم عوام عوام وخواص کی ذہنی وفکری تربیت بھی ہو اور ان سازشوں کا بروقت تدارک بھی کیا جا سکے۔

ہم آخر میں یہی کہیں گے کہ امت مسلمہ اگر چہ مسائل میں گھری ہوئی ہے تعلیم وٹیکنالوجی میں پیچھے ہے، اتحاد واتفاق اور قیادت کا فقدان ہے، دنیائے کفر اس کو مٹانے کے درپے ہے اس کی تہذیب وثقافت پر حملہ آور ہے، پوری دنیائے کفر ایک نکتے پر متفق ہے کہ مسلمانوں کو تبدیل کر دو یا پھر ختم کر دو ان تمام حالات کے باوجود امت مسلمہ کو مایوس نہیں ہونا چاہیے، اپنے اللہ سے لو لگا کر صراط مستقیم پر گامزن ہو کر طویل المعیاد منصوبہ بندی کر کے جدوجہد کی جائے کسی ایک ملک یا قوم کے زوال سے امت مسلمہ کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ امت مسلمہ کے دشمن نور حق کا خاتمہ نہیں کر سکتے کیوں کہ امت مسلمہ کی حقیقت چشم اقوام سے مخفی ہے۔ نور توحید کو ابھی اور پھیلنا اور پھولنا ہے اب ہم یقین محکم، عمل پیہم اور خالق کے اس قول پر یقین رکھتے ہوئے اٹھ کھڑے ہونا ہے:

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ٥(۷۰)

ہمت نہ ہارو اور غم نہ کرو تم ہی غالب رہو گے، اگر تم سچے مومن بن جاؤ۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں(۷۱)

اور انشاء اللہ وہ دن بھی آئے گا جب شاعر مشرق کی یہ پیش گوئی پوری ہوگی:

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے(۷۲)

اسلام دین فطرت اور امن وسلامتی کا مذہب ہے۔ عقل وشعور اور حکمت وبصیرت، صبر وتحمل اور وسیع النظری اسلام کا خاصہ ہے۔ اسلام صلح ومفاہمت اور گفت وشنید کے ذریعے الجھی ہوئی ڈور کو سلجھانے کی ہدایت کرتا ہے۔ ''سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے'' اس کو کہتے ہیں دانائی۔ سانپ بھی نہ مرے اور لاٹھی بھی ٹوٹ جائے، یہ نادانی ہے۔ سیرت نبویؐ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مسئلے کا حل جنگ میں تلاش کرنا دانشمندی کے خلاف ہے۔ ''صلح حدیبیہ'' اسلامی تاریخ کے معاہدات امن وصلح میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس صلح نے رسول اللہ ﷺ کی سیاسی حکمت وبصیرت پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ اللہ نے مسلمانوں کی تسلی وتشفی، اطمینان قلب اور ذہنی کشمکش و بے چینی کو دور کرنے کے لیے قرآن حکیم میں ایک پوری سورۃ نازل فرمائی اور اس صلح کو فتح مبین قرار دیا۔ اہل ایمان اس بشارت پر خوش اور مطمئن ہو گئے۔ یہ صلح آپ ﷺ نے اللہ کے حکم سے اور اپنی امن پسند طبیعت کی وجہ سے پُر امن بقائے باہمی کے اصول پر فرمائی تھی۔

صلح حدیبیہ اصل میں صلح امن تھی۔ کسی نظریے کے پھیلاؤ کے لیے امن کی فضا ناگزیر ہے۔دس سال کا ایک طویل عرصہ مسلمانوں کو مل گیا،اب اسلام مکے اور مدینے کی سرزمین سے ہوتا ہوا دور دراز علاقوں تک پھیلتا چلا گیا۔ عالم اسلام کے لیے ''صلح حدیبیہ'' میں درس حکمت بھی ہے، عزت وطاقت، قدرت اور شوکت بھی۔ تشدد پسندوں اور دہشت گردوں کے لیے صلح حدیبیہ میں سامان عبرت ہے۔ یہ وہ صلح ہے جس میں انسانیت کی فلاح کا راز مضمر ہے، جس کا پیغام یہ ہے کہ امن پسندی اور صلح جوئی سے بگڑے ہوئے کام بنتے ہیں۔ اگر آج عالم اسلام بالخصوص بعض اسلامی ممالک دفاعی قوت سے بھرپور ہوتے تو کوئی بھی سپر پاور ان کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت نہ کرتا اور نہ ہی انہیں تخت و تاراج کرتا۔ اسی طرح دفاعی قوت کے ساتھ دفاعی حکمت عملی اور عمدہ سفارت کاری بھی ضروری ہے، جس کا نمونہ ہمیں ''صلح حدیبیہ'' میں ملتا ہے۔

ہمارے لیے رسول اکرم ﷺ کی زندگی بہترین نمونہ ہے۔ ان بہترین نمونوں میں سے ''صلح حدیبیہ'' میں رحمۃ للعالمین ﷺ کا طرز عمل ایک انمول نمونہ ہے جو رہتی دنیا تک امن وسلامتی کے ساتھ کامیاب زندگی بسر کرنے کی خواہش رکھنے والوں کے لیے مینارۂ نور رہتا رہے گا۔

وہ لوگ جنہیں ''صلح حدیبیہ'' میں حبیب خدا ﷺ کی لافانی سیاسی بصیرت وحکمت اور اللہ کی رحمت نظر نہیں آتی یا وہ لوگ جو بظاہر صلح حدیبیہ کو رسول اللہ ﷺ کی سیاست خارجہ کا شاہکار تو تسلیم کرتے ہیں لیکن عملی زندگی میں ملی، قومی ومذہبی لحاظ سے عالم اسلام کے وسیع تر مفاد میں اس کو اپنے طرز عمل پر لاگو نہیں کرتے۔ ان کے لیے یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ ناداں اسلام کے ساتھ ظلم وناانصافی نہیں کرتے بلکہ خود اپنے ہی اوپر ظلم کرتے اور اپنے ہی ساتھ ناانصافی کرتے ہیں۔

''صلح حدیبیہ'' کی اسی دینی، تاریخی، سیاسی اور قانونی اہمیت کے پیش نظر ضرورت اس امر کی تھی کہ اسے موضوع تحقیق بنا کر عصر حاضر میں اس کی ضرورت واہمیت کو اجاگر کیا جائے۔ عصر حاضر میں مسلم امۃ جن گھمبیر مسائل سے دوچار ہے، اس کے لیے صبر و برداشت، دینی بصیرت، رواداری، اعتدال اور میانہ روی اور انتہا پسندی کے خاتمے اور ملی یگانگت کے ساتھ پوری فراست، بالغ نظری اور زمینی حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی عزت و وقار، قومی سلامتی کے تحفظ اور پُرامن بقائے باہمی کے لیے آج کے حالات کے تناظر میں ہمارے مسائل کا حل ''صلح حدیبیہ'' جیسے معاہدات میں ہے۔ اس تاریخ ساز اور حکمت وسیاست سے بھرپور معاہدے کی جتنی ضرورت واہمیت آج کے دور میں نظر آتی ہے۔ وہ کسی سے مخفی نہیں۔ لہٰذا ''صلح حدیبیہ'' کی اسی دینی، تاریخی، سیاسی اور قانونی اہمیت کے پیش نظر میں نے اسے اپنی اعلیٰ تعلیم وتحقیق ایم فل/ پی ایچ ڈی کے لیے موضوع تحقیق بنایا ہے تاکہ آج کے تناظر میں اس کی ضرورت واہمیت اجاگر ہو سکے اور ایک علمی وتحقیقی جائزہ پیش کیا جا سکے۔

ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ انیب ۝ (۷۳)

محمد طیب خان

(ریسرچ اسکالر وفاقی اردو یونیورسٹی)

حواشی و حوالہ جات

(۱) القرآن سورۃ آل عمران، آیت ۱۱۰

(۲) حالی، الطاف حسین، مسدس حالی، کراچی، فضلی سنز، ص ۳۱۷

(۳) القرضاوی، علامہ محمد یوسف، اکیسویں صدی اور ہماری ذمہ داریاں، ماہنامہ ترجمان القرآن، اپریل ۲۰۰۱ء

(۴) القرآن سورۃ البقرۃ، آیت ۱۴۳

(۵) القرآن سورۃ ہود، آیت ۸۰

(۶) القرآن سورۃ الاعراف، آیت ۱۰۴، ۱۰۵

(۷) القرآن سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۸۰

(۸) صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، خیار الائمۃ و شرارہم

(۹) القرآن سورۃ النساء، آیت ۵۸

(۱۰) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الاسلام و بیان خصالہ

(۱۱) صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب الوفا ببیعۃ الخلیفۃ الاول فالاول

(۱۲) القرآن سورۃ النساء، آیت ۵۹

(۱۳) صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ

(۱۴) صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب فضیلۃ الامیر العادل وعقوبۃ الجائر

(۱۵) القرآن سورۃ نوح، آیت ۵۔۱۰

(۱۶) القرآن سورۃ طٰہٰ، آیت ۴۳۔۴۴

(۱۷) القرآن سورۃ النحل، آیت ۱۲۵

(۱۸) القرآن سورۃ الانعام، آیت ۱۰۸

(۱۹) امام ابوعیسیٰ، سنن ترمذی، دارالسلام ریاض، ص ۹۹، کتاب الادب، باب ما جاء فی انشاد الشعر

(۲۰) Esposito: The Islamic Threat, Myth or Reality. P 196

(۲۱) http://encarta.msn.com/encyclopedia-1/Terrorism html

(۲۲) The New Encyclopaedia Britannica/ Scurlock Tirah IX/Chicago, William Benton. Publisher, 1972, P-904

(۲۳) http://encarta msn com/ encyclopedia_761564344_1/ Terrorism.html

(۲۴) Robbi A Grohman, Neturei Karta, UK/ Middle East and Terrorism, http:// www. islamic-studies.org/ terrorconfer pro. htm

(۲۵) سید معروف شاہ شیرازی، اسلام اور دہشت گردی، لاہور، ادارہ منشورات اسلامی، ۲۰۰۲ء، ص ۱۷۵

(۲۶) کیرم آرمسٹرانگ، مسلمانوں کا سیاسی عروج و زوال، لاہور، نگارشات، ۲۰۰۳ء، ص ۱۸۰

(۲۷) ایضاً حوالہ نمبر ۲۶، ص ۱۷۵۔۱۷۹

(۲۸) International One-day conference / Jewish, Christian, Muslim religious leaders and politicians Discuss. Terrorism Tuesday 13th November 2001, London, Rt. Hon. Tony Benn, Member of British Parliament, UK/ Peace and Justice.

(۲۹) اسرار عالم، عالم اسلام کی صورت حال، کراچی، ادارہ معارف اسلامی ۲۰۰۰ء، ص ۶۷

(۳۰) Zbigniew Brezenski/ Out of Cntrol Global Turmoil on the eve of the twenty first century/ New york/ P 214

(۳۱) ساحل، مدیر منتظم ڈاکٹر خالد علی انصاری، کراچی، اکتوبر ۲۰۰۰ء، ص ۵۰

(۳۲) اکنامکس اینڈ انٹرنیشنل افیئرز، مئی ۲۰۰۰

(۳۳) ایضاً

(۳۴) ماہنامہ ساحل، کراچی، ج ۱۳، ش ۱۲، نومبر، دسمبر ۲۰۰۲ء، ص ۳۱۔۳۲

(۳۵) احمد سلیم، نیا عالمی نظام اور پاکستان (مقالات) مقالہ جوہر میر، لاہور، فکشن ہاؤس مزنگ روڈ، ۱۹۹۱ء، ص ۱۶

(۳۶) جنگ سنڈے میگزین ۲۲ دسمبر ۲۰۰۲ء، ص ۶۔۷

(۳۷) ماہنامہ ساحل، کراچی، ج ۱۳، ش ۱۰، ۱۱ اکتوبر، دسمبر ۲۰۰۱ء، ص ۳۱۔۳۲

(۳۸) ولیم بلم، روگ اسٹیٹ، ترجمہ بدمعاش امریکہ، مترجم سید امیر علی، ص ۱۷۱

(۳۹) Chomsky noam, World Order old and New, London pluto Press 1994-96

(۴۰) ماہنامہ ساحل، کراچی، ج ۱۳، ص ۱۰

(۴۱) احمد سلیم، نیا عالمی نظام اور پاکستان، ص ۶۵

(۴۲) ماہنامہ ساحل، کراچی، ج ۱۳، ش ۱۲، نومبر، دسمبر ۲۰۰۱ء، ص ۷۹

(۴۳) ایضاً

(۴۴) ماہنامہ ساحل، کراچی، ج ۱۳، ش ۱۰، ۱۱ اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء، ص ۸۹۔۹۲

(۴۵) ایضاً، ۸۹۔۹۲

(۴۶) یحییٰ سہروردی، مغربی تمدن کی ایک جھلک، دہلی، ترقی اردو بورڈ، ص ۷۶

(۴۷) ایضاً، ص ۷۶

(۴۸) ایضاً، ص ۷۷

(۴۹) Harun Yahya, Islam denouncesterroris, Brostp, Amal Press, January 2002, P9

(۵۰) زین العابدین میرٹھی، پیغمبر اسلام کا پیغام امن و سلام، نقوش رسول ﷺ نمبر، ج سوم، ص ۳۶۰

(۵۱) محمود شکری آلوسی، بلوغ الارب فی احوال العرب، مترجم ڈاکٹر پیر محمد حسن، لاہور، مرکزی اردو بورڈ، ج ۳، ۱۹۶۷ء، ص ۵۲

(۵۲) گوپال کرشن، پنڈت، مہاپرش محمد ﷺ، بمبئی، ۱۹۳۳ء، ص ۱۶۲

(۵۳) القرآن سورۃ البقرہ، آیت ۲۵۶

(۵۴) پنڈت گوپال کرشن، ایڈیٹر بھارت سماچار، بمبئی، مقالہ مہاپرش محمد ﷺ، ۱۹۲۲ء، ص ۱۲۵

(۵۵) القرآن سورۃ یونس، آیت ۹۹

(۵۶) شاعر علامہ اقبالؒ، کلیات اقبال، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ص ۲۰۵

(۵۷) القرضاوی علامہ یوسف، اسلامی بیداری، انکار اور انتہا پسندی کے نرغے میں۔ مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، ص ۲۶

(۵۸) ایضاً ص ۳۳

(۵۹) مرزا محمد الیاس، بنیاد پرستی اور تہذیبی کش مکش، کراچی پبلی کیشنز ۱۹۹۴ء، ص ۱۹

(۶۰) محمد قطب، انسانی زندگی میں جمود و ارتقاء ترجمہ ساجد الرحمن صدیقی، کراچی، فضلی پبلی کیشنز ۱۹۹۳ء، ص ۵۴

(۶۱) محمد اقبال کیلانی، اسلامی جنگیں، دہشت گردی یا امن کی ضمانت، ماہنامہ محدث، مارچ ۲۰۰۱ء، ص ۵۴

(۶۲) حافظ، ڈاکٹر محمد ثانی / رسول اکرم اور رواداری، کراچی، ۱۹۱۹ء، فضلی سنز، ص ۵۸

(۶۳) مرزا محمد الیاس بحوالہ سابقہ، ص ۲۶۹

(۶۴) Dr. Michal Hart, the 100

(۶۵) القرآن کریم، سورۃ البقرہ آیت ۲۵۶

(۶۶) القرآن سورۃ المائدہ آیت ۷

(۶۷) القرآن، سورۃ المائدہ آیت ۸

(۶۸) القرآن سورۃ الحدید ۲۷

(۶۹) سعید اکرم، عصر حاضر اور اسلامی معاشرے کی تشکیل، ترجمان القرآن، جنوری ۲۰۰۶ء، ص ۶۷

(۷۰) القرآن، سورۃ آل عمران آیت ۱۳۹

(۷۱) محمد اقبال علامہ، جواب شکوہ کتاب اقبال، لاہور، ۱۹۷۵ء، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ص ۲۰۷

(۷۲) محمد اقبال علامہ، کلیات اقبال، لاہور ۱۹۷۵ء، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ص ۲۰۸

(۷۳) القرآن، سورۃ ہود آیت ۸۸
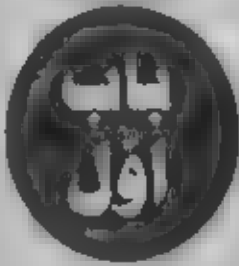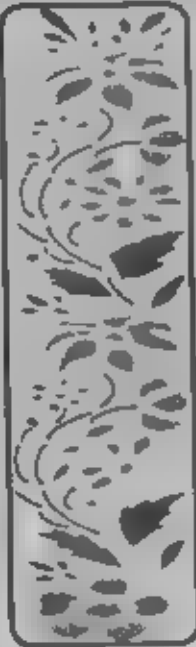
رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

باب اول: رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی

﴿فصل اول﴾

رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی کا آغاز

ولادت تا بعثت: مختصر تاریخی جائزہ:

بعثت محمدی ﷺ کے زمانے میں پوری دنیا کی حالت عجیب و غریب تھی، پوری انسانیت خودکشی کے راستے پر تیزی کے ساتھ گامزن تھی، انسان اپنے خالق اور مالک کو بھول چکا تھا اور خود اپنے آپ کو اور اپنے مستقبل اور انجام کو فراموش کر چکا تھا، اس کے اندر بھلائی اور برائی اور زشت و خوب میں تمیز کرنے کی بھی صلاحیت باقی نہیں تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انسانوں کے دل و دماغ کسی چیز میں کھو چکے ہیں، ان کو دین و آخرت کی طرف سر اٹھا کر دیکھنے کی بھی فرصت نہیں اور روح و قلب کی غذا، اخروی فلاح، انسانیت کی خدمت اور اصلاح حال کے لیے ان کے پاس ایک لمحہ خالی نہیں، بسا اوقات پورے پورے ملک میں ایک شخص ایسا نظر نہ آتا جس کو اپنے دین کی فکر ہو، جو خدائے واحد کی پرستش کرتا ہو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراتا ہو، جس کے جگر میں انسانیت کا درد ہو اور اس کے تاریک و ہولناک انجام پر کچھ بے چینی ہو۔(۱) یہ صورت حال اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی ہو بہو تصویر تھی کہ:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾(۲)
''خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب فساد پھیل گیا ہے، تاکہ خدا ان کو ان کے بعض عملوں کا مزہ چکھائے، عجب نہیں کہ وہ باز آجائیں۔''

یہ وہ پُر آشوب دور تھا کہ جب عالم انسانی اندھیروں میں ڈوب چکا تھا۔ کاروانِ زندگی اپنی راہ و منزل کو گم کر کے بھول بھلیوں میں سرگرداں تھا چوں کہ جرم و گناہ تاریکی ہی میں نشو و نما پاتے اور کھل کھیلتے ہیں۔ اس لیے حیات انسانی مجرموں، ظالموں اور استحصالی قوتوں کی محکوم و غلام تھی کوئی فریاد رس و غم خوار نہ تھا، رہنما خود گم کردہ راہ تھے۔ تشتت و افتراق اور تضاد و تخالف کی وجہ سے ہر گوشۂ حیات میں فساد برپا تھا حیات انسانی کا وجود شرک و بت پرستی سے پارہ پارہ ہو چکا تھا۔ خوف و حزن کے موت آفگن سائے پھیل کر کل حیات انسانی کو محیط ہو چکے تھے، انسان تضادات کا شکار تھا اور ہر گوشۂ حیات میں ابتری و براہی پھیل چکی

تھی۔(۳) روح انسانی بلکہ روح کائنات ہی مضطرب و پریشان اور آتش خوف و حزن میں جل رہی تھی۔ اسے نجات دہندہ ہستی کا انتظار تھا جس نے رحمۃ اللعالمین کر ظہور کرنا تھا۔ وہ عظیم ہستی جو مختصر حیات و زمانہ تھی، انسانیت ہی کے لیے نہیں بلکہ تمام عوام کے لیے رحمت تمام تھی۔ وہ ختم الرسل اور خاتم النبیین تھی اور اسے دنیا میں ایک عالمگیر و ہمہ گیر حسین و منور اور مثالی ولاثانی انقلاب لانا اور حسین و منور مثالی معاشرے کی تشکیل و تعمیر کرنا تھی، جس سے تمام بنی نوع انسان نے بالخصوص ابد تک کے لیے مستفید ہونا تھا۔ وہ ہستی تاریخ ساز و عہد آفریں تھی، لہٰذا رب رحیم و جمیل کی نگاہ میں تھی اور روح انسانیت کو صدیوں سے اس کا انتظار تھا۔(۴) یہ زمانہ بچ بچ عالم آشوب تھا خدا کو اپنے بندوں پر رحم آیا اور ایک رحمۃ للعالمین (۵) پیدا کیا گیا جو ان کو درندگی اور شیطنت سے نکالے اور اچھا انسان اور خدا کا سچا بندہ بننا سکھائے۔(۶) اللہ تعالیٰ کی مشیت و حکمت کا فیصلہ تھا کہ انسانیت کی ہدایت و نجات کا یہ آفتاب جس سے ساری کائنات میں روشنی پھیلی، جزیرۃ العرب کے افق سے طلوع ہو جو دنیا کا سب سے تاریک خطہ تھا اور جس کو اس تیز روشنی کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔(۷) آخر وہ ساعت ہمایوں آ گئی جس کے لیے خلق خدا سینکڑوں ہزاروں سال سے چشم براہ تھی، جس کی تشریف آوری کا چار دانگ عالم میں غلغلہ بلند تھا جس کی تشریف آوری شرافت و انسانیت کے چمن میں فصل گل کی آمد تھی، یہ اس ذات اقدس کی تشریف آوری تھی جو دعائے خلیل اور نوید مسیحی تھی۔(۸)

﴿رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُزَكِّيۡهِمۡ﴾(۹)

"اے ہمارے رب، اور تو ان لوگوں میں خود انہی کی قوم سے ایک ایسا رسول اٹھائیو جو انہیں تیری آیات سنائے ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیاں سنوارے۔"

اس مبارک ساعت کے آنے سے تھوڑی مدت پہلے ابرہہ ۶۰ ہزار فوج لے کر اپنی تقدیر سے لڑنے آیا تھا مگر وہ ۶۰ ہزار نہیں ۶۰ لاکھ بھی لاتا تو اس کا وہی انجام ہوتا جو ہوا۔ جہاں اللہ تعالیٰ کا اتنا بڑا منصوبہ کام کر رہا ہو کہ اس مقام پر وہ ہستی وجود میں لائی جائے جو دنیا کی تاریخ بدل ڈالنے والی تھی، جو تمام نبوتوں کی آخری اور سب سے بڑی نبوت تھی اور جس کے لیے ڈھائی ہزار برس پہلے سے تیاری کی جا رہی تھی وہاں کوئی بڑی سے بڑی انسانی طاقت بھی اللہ کی طاقت سے ٹکرا کر پاش پاش ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔

محدثین و مورخین کا اس بات پر قریب قریب اتفاق ہے کہ اصحاب الفیل کا واقعہ (یعنی مکہ پر ابرہہ کا حملہ) محرم میں پیش آیا تھا اور رسول اللہ ﷺ کی پیدائش ربیع الاول میں ہوئی۔ ولادت باسعادت پیر کے روز ہوئی تھی یہ بات خود رسول اللہ ﷺ نے ایک اعرابی کے سوال پر بیان فرمائی ہے۔(۱۰)

ربیع الاول کی کون سی تاریخ تھی؟ اس میں اختلاف ہے لیکن ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت جابر بن عبداللہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ ۱۲ ربیع الاول کو پیدا ہوئے تھے۔ اس کی تصریح محمد بن اسحاق نے کی ہے اور جمہور اہل علم میں یہی تاریخ مشہور ہے۔(۱۱) حافظ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں ۱۲ ربیع الاول ہی کو جمہور کی مشہور روایت قرار دیا ہے۔(۱۲) نیز طبری و ابن خلدون کے نزدیک بھی تاریخ ولادت ۱۲ ربیع الاول ہے جب کہ ابوالفداء کی رائے میں ۱۰ ربیع الاول ہے۔

واقعہ فیل اور نبی کریم ﷺ کی پیدائش میں فصل کتنا تھا؟ اس میں بھی اختلاف ہے مگر مشہور ترین قول یہ ہے کہ آپ ﷺ اس واقعہ

کے ۵۰ دن بعد پیدا ہوئے۔ شمسی اور قمری مہینوں اور سالوں کے درمیان مطابقت ایک پیچیدہ مسئلہ ہے اس لیے قطعی طور پر یہ کہنا مشکل ہے کہ پیدائش کا شمسی سال اور مہینہ کون سا تھا، عموماً آپ ﷺ کا سنہ پیدائش ۵۷۰ء یا ۵۷۱ء بیان کیا جاتا ہے۔ (۱۳) کوسان د پرسفال (Causan De Perceval) اپنی کتاب تاریخ عرب میں ۲۰ اگست ۵۷۰ء تاریخ پیدائش متعین کرتا ہے۔ ہٹی (Hitti) کہتا ہے کہ آپ ﷺ ۵۷۱ء اس کے لگ بھگ زمانے میں پیدا ہوئے سہیلی نے روض الانف میں ۲۰ اپریل (نیسان) تاریخ بتائی ہے، مگر سال کا ذکر نہیں کیا۔ بعض اہل تحقیق نے اسے ۲۲ اپریل ۵۷۱ء کے مطابق قرار دیا ہے۔ محمود پاشا فلکی نے ۲۰ اپریل ۵۷۱ء تاریخ ولادت قرار دی ہے اور اسے ۹ ربیع الاول بروز دوشنبہ کے مطابق بتایا ہے۔ بعض بڑے بڑے اکابر جیسے علامہ شبلی نعمانیؒ اور محدث کبیر امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے محمود فلکی ہی کی تحقیق کو صحیح قرار دیا ہے۔ بعض حضرات نے آپ ﷺ کی تاریخ ولادت ۸ ربیع الاول نقل کی ہے ان کے حساب کے مطابق دوشنبہ کا دن ۸ ربیع الاول کو بنتا ہے پھر سیدنا عبداللہ بن عباسؓ اور سیدنا جبیر بن مطعمؓ سے بھی یہی منقول ہے اور علامہ قطب الدین قسطلانیؒ نے بھی اس کو اختیار کیا ہے۔ (۱۴) ربیع الاول کی تاریخوں میں اختلاف ہے لیکن علامہ ابن الجوزی نے اس بات پر محدثین و مورخین کا اجماع نقل کیا ہے کہ ولادت باسعادت ماہ ربیع الاول ہی میں ہوئی۔ اگرچہ بعض حضرات نے رجب اور رمضان وغیرہ کے مہینے بھی نقل کیے ہیں لیکن یہ تمام اقوال ضعیف ہیں۔ (۱۵) اسی طرح بعض مستشرقین ۲ سال پیچھے جا کر ۵۶۹ء آپ کا سال پیدائش بیان کرتے ہیں۔ (۱۶)

مشہور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے مطابق جولائی ۵۶۹ء کا واقعہ ہے (جسے عموماً مگر غیر صحیح طور پر ۵۷۰ء کے اور کبھی کبھی ۵۷۱ء کے مطابق سمجھا جاتا ہے) کہ سرکار دو عالم ﷺ کی تشریف آوری سے دنیا کو سرفرازی حاصل ہوئی۔ آپ لکھتے ہیں کہ صحیح تاریخ ولادت کے متعلق مورخوں میں اگرچہ اختلاف پایا جاتا ہے تاہم ہماری ضرورتوں کے لیے اس کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔ سنی مسلمانوں میں یوم ولادت ربیع الاول کی بارہویں کو منایا جاتا ہے۔ (۱۷) ولادت مبارکہ کا وقت معتبر روایات میں صبح صادق بیان کیا گیا ہے۔

عبدالمطلب اپنے نومولود پوتے کو لے کر کعبہ لے گئے اور ان کے لیے دعا مانگی ساتویں دن عقیقہ کر کے ''محمد'' نام رکھا۔ (۱۸) والدہ نے بشارت پا کر ''احمد'' نام رکھا (۱۹) قریش مکہ میں شیر خوار بچوں کو دایہ کی سپردگی میں دینے کا رواج شدت سے تھا رسول اللہ ﷺ کو آپ کی والدہ اور ابولہب کی کنیز ثوبیہ نے چند روز اپنے لڑکے مسروح کے ساتھ دودھ پلایا۔ اجرت پر دودھ پلانے والی بیبیاں بادہ نشین قبائل سے سال میں دو مرتبہ مکہ آیا کرتیں یہ رواج اشراف قریش میں اس غرض سے تھا کہ بچے بدوؤں میں رہ کر فصاحت کا جوہر پیدا کریں اور عرب کی خصوصیات کو محفوظ کریں اس دستور کے مطابق رب رحیم و حلیم نے ایسے قبیلے میں آپ کی تربیت کا اہتمام کر دیا جو فصیح البیانی میں بالخصوص مشہور تھا۔ اس کا نام بنی سعد یا ہوازن تھا۔ (۲۰) اس قبیلے کی جس خاتون کو پیغمبر اعظم و آخر ﷺ کی رضاعی ماں بننے کا اعزاز و رتبہ ملنے والا تھا، ان کا نام گرامی حضرت حلیمہ سعدیہؓ ہے (۲۱)۔ ان کی ایک صاحب زادی جن کا نام شیما تھا۔ آپ کو کھلاتی پلاتی اور دیکھ بھال کرتی تھیں۔ آپ پہلی مرتبہ دو برس اس خاندان میں رہے۔ اہل ہوازن کو کیا معلوم تھا کہ یہ یتیم بچہ قدرت کا دُرِ یتیم ہے جس نے بڑے ہو کر ان کی زندگیوں کی کایا پلٹ کرنی اور ان کی

استعدادوں کو قوت سے فعل میں لا کر انہیں اقوام عالم کا قائد بنانا ہے، دو برس کی مدت رضاعت ختم ہوئی تو حضرت حلیمہؓ آپ کو واپس کرنے کے لیے مکہ معظمہ تشریف لائیں، لیکن مشیت الٰہی کو یہ منظور نہ تھا وہ تو ابھی چار برس اور آپ کو صحرا کی پہنائیوں میں رکھنا چاہتی تھی تا کہ آپؐ کے قلب ونظر میں وسعت آفاقی اور دیگر صحرائی خصوصیات پیدا ہو جائیں لہٰذا کے میں وبا پھیل جانے کی وجہ سے نہ تو ماں کی ممتا کو اور نہ قدرت ہی کو یہ گوارا ہوا کہ آپؐ وہاں رہیں۔ آپ کو مزید چار برس کے لیے واپس حضرت حلیمہؓ کے سپرد کر دیا گیا، وہ بچہ جسے قدرت نے بنی نوع انسان کے لیے مثالی نمونہ بنانا تھا، صحرا میں پرورش پانے لگا روایت ہے کہ آپؐ دوسری بار قبیلہ ہوازن میں لائے گئے تو آپ کو شق الصدر کا واقعہ پیش آیا (۲۲)۔ آنحضرت ﷺ کی لوری بھی مشہور ہے جو بی بی حلیمہؓ دیا کرتی تھیں۔

یا رب اذا اعطیتہ فابقہ
واعلمہ الی العلی وارقہ
وادحض اباطیل العدیٰ بحقہ (۲۳)

''اے پروردگار جب تو نے یہ (بچہ مجھے) دیا ہے۔ تو اس کو جیتا رکھ اور اسے بلندی پر پہنچا اور ترقی دے اور اس کے متعلق دشمنوں کی باطل (تدبیروں) کو پاش پاش کر۔''

حضرت سعیدہ حلیمہؓ کے شوہر حارث بن عبدالعزیٰ اور حلیمہؓ دونوں بعثت کے بعد اسلام لائے۔ (۲۴) چھ برس کی عمر میں آپؐ کی والدہ سیدہ آمنہ آپ کو لے کر ام ایمن کے ہمراہ اپنے شوہر کی قبر کی زیارت یا بعض روایات کے مطابق آپؐ کے دادا کی ننھیال بنو عدی بن نجار کے ہاں قیام کرنے یثرب لے گئیں ایک ماہ قیام کے بعد واپس آتے ہوئے ابوا کے مقام پر سیدہ آمنہ کا انتقال ہو گیا وہیں مدفون ہوئیں۔ ام ایمن آپ کو مکہ لے آئیں آپ کو قیام یثرب کی بہت سی باتیں یاد رہ گئیں ہجرت کے بعد ایک مرتبہ بنی عدی کے ان مقامات کو دیکھ کر آپؐ نے فرمایا اس مکان میں میری والدہ ٹھہری تھیں یہ وہ تالاب ہے جہاں میں نے تیرنا سیکھا تھا اور اس مکان میں انیسہ نامی ایک لڑکی کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔ (۲۵) سیدہ آمنہؓ کے ارتحال کے بعد عبدالمطلب نے آنحضرت ﷺ کو اپنے دامن تربیت میں لے لیا وہ آپ کا بے حد خیال رکھتے ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ (۲۶) آپ کی عمر آٹھ برس (۲۷) کی تھی کہ عبدالمطلب نے ۸۲ برس کی عمر میں وفات پائی بعض روایات کے مطابق ان کی عمر ۱۱۰ برس بتائی جاتی ہے۔ (۲۸)

عبدالمطلب کی وفات کے بعد آپ کی پرورش کے ضمن میں تین روایات ملتی ہیں ایک روایت کی رو سے عبدالمطلب نے آپؐ کو آپؐ کے چچا ابو طالب (عبد مناف) کے آغوش تربیت میں دیا۔ ابو طالب آپؐ سے بے حد محبت کرتے تھے ہر وقت اور ہر لمحہ اپنے ساتھ رکھتے تھے آپؐ نے ابو طالب کے ہمراہ شام کا سفر بھی اختیار کیا تھا۔ (۲۹) عام مورخین کے بیان کے مطابق بحیرا راہب کا واقعہ اس سفر میں پیش آیا۔ ابو طالب بصریٰ پہنچ کر ایک عیسائی راہب بحیرا کی خانقاہ میں اترے اس نے آپ کو دیکھ کر کہا کہ یہ ''سید المرسلین'' ہیں لوگوں نے پوچھا تم نے کیوں کر جانا؟ اس نے کہا جب تم لوگ پہاڑ سے اترے تو جس قدر درخت اور پتھر تھے سب جھک گئے تھے۔ بحیرا نے انہیں وطن واپس جانے اور یہودیوں سے محتاط رہنے کی تاکید کی ابو طالب آپ کو

واپس لے آئے اور پھر کبھی سفر میں ساتھ نہ لے گئے۔(۳۰)

دوسری روایت کی رو سے عبدالمطلب کی وفات کے وقت ان کے سات بیٹے زندہ تھے۔ زبیر، ابوطالب اور عبداللہ والد ماجد حضورؐ ایک ماں سے تھے، زبیر ان میں سب سے بڑے تھے عبدالمطلب نے ان کو اپنا وصی کیا تھا(۳۱) قریش کے دستور کے مطابق اپنے والد کے جانشین ہوئے۔ ان کا شمار قریش کے معزز اور باوقار سرداروں میں ہوتا(۳۲) زبیر اپنے زمانہ کے بڑے تاجر اور صاحب ثروت شخص تھے۔(۳۳) عبدالمطلب کی وفات کے بعد آپؐ اپنے چچا زبیر کی کفالت میں رہے۔ زبیر کو آپؐ سے بے حد لگاؤ تھا۔ بچپن میں آپ کو جھلایا کرتے تھے اور کہتے جاتے تھے۔"یہ محمدؐ میرے بھائی عبداللہ کی نشانی ہے، بڑے عیش و آرام سے جیے اور بڑی اعلیٰ عزت اور توقیر پائے۔"(۳۴) حرب الفجار میں زبیر بن عبدالمطلب نے اپنے خاندان کی قیادت کی آپ بھی اس معرکہ میں شریک تھے اس وقت سن شریف ۱۸ برس کا تھا۔ آپ کی عمر ۳۳ برس کی تھی کہ جب زبیر نے وفات پائی۔(۳۵)

تیسری روایت کی رو سے آپؐ نے خود بکریاں چرا کر اپنی کفالت کی۔ قریش کے شرفاء اور امراء کے بچے بکریاں چراتے تھے زمانہ رسالت میں آپؐ اس سادہ اور پرلطف مشغلہ کا ذکر فرمایا کرتے تھے ایک دفعہ آپؐ صحابہؓ کے ساتھ جنگل میں تشریف لے گئے۔ صحابہ کرام جھڑ بیریاں توڑ توڑ کر کھانے لگے۔ آپؐ نے فرمایا کہ"جو خوب سیاہ ہو جاتے ہیں زیادہ مزے کے ہوتے ہیں یہ میرا اس زمانہ کا تجربہ ہے جب بچپن میں بکریاں چراتا تھا۔"(۳۶) اس طرح جن مشاغل سے آپؐ کی فکر و تامل میں تقویت حاصل ہوئی ان میں چوپانی بھی ہے اس سے آغاز رشد میں سابقہ پڑا قریش اور دوسرے اہل مکہ کے مویشی مزدوری پر چرائے آپؐ نے عہد رسالتؐ میں اپنے اس شغل کی داد میں فرمایا کہ"اللہ نے جس کسی کو نبوت سے سرفراز فرمایا اس نے بکریوں کی چوپانی بھی کی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ کام کیا میں نے بھی اپنے خاندان کی بکریوں کے ریوڑ کی چوپانی مکہ کی جیاد نامی پہاڑی پر کیا کرتا تھا۔(۳۷) بقول ڈاکٹر حمید اللہ بکریوں کے گلے کی چوپانی سے آپ کو شفقت، چوکسی اور حکومت کی تربیت ملی ہوگی۔(۳۸)

رسول اکرم ﷺ کے جداعلیٰ "ہاشم" تاجر تھے وہ اور ان کے بھائیوں مطلب، نوفل اور عبدالشمس نے تجارتی معاہدے کر کے تجارت کو وسعت دی۔ آپؐ کے چچا حارث، زبیر، ابوطالب اور عباس کا پیشہ بھی تجارت تھا۔ آپ کو فکر معاش کی طرف توجہ ہوئی تو تجارت سے بہتر کوئی پیشہ نظر نہ آیا۔ تاجر کے محاسن اخلاق کی سب سے زیادہ اہم صفات ایفائے عہد اور اہتمام وعدہ کی آپؐ کے شرکاء تجارت عبداللہ بن ابی الحمساء اور قیس بن سائب مخزومی اور سائب بن عویمر مخزومی آپؐ کے حسن معاملہ کی شہادت دیتے ہیں۔(۳۹) حضرت خدیجہؓ بنت خویلد قریش کے خاندان اسد بن عبدالعزیٰ کی عاقبت اندیش، مستقل مزاج، ممتاز شریف تاجر خاتون تھیں ان کی دو شادیاں پہلے ہو چکی تھیں اب وہ بیوہ تھیں، آنحضرتؐ کی راستبازی، صدق و دیانت اور ایک تاجر کے محاسن اخلاق کی صفات پا کر آپ کے پاس شادی کا پیغام دیا ان کے والد خویلد بن اسد کا حرب الفجار سے پہلے انتقال ہو چکا تھا۔ ان کے چچا عمرو بن اسد بقید حیات تھے۔ شادی کے وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس برس تھی اور آپ کی عمر پچیس برس کی تھی ابن سعد نے ہشام بن محمد بن سائب الکلبی کی ایک روایت کی رو سے حضرت خدیجہؓ کی عمر اٹھائیس برس لکھی ہے۔(۴۰) حضرت خدیجہؓ کے

بطن سے صاحب زادے قاسم اور عبداللہ پیدا ہوئے قاسم کے نام پر آپ کی کنیت ابوالقاسم تھی۔ عبداللہ کا لقب طاہر اور طیب تھا نیز چار صاحبزادیاں سیدہ زینبؓ، سیدہ رقیہؓ، سیدہ فاطمہؓ اور سیدہ ام کلثومؓ۔(۴۱)

ایام طفولیت ہی سے صیانت، مردانگی، امانت، صداقت اور دیانت کے جوہر آپ کی ذات میں پرورش پاتے رہے اور اہل مکہ نے آپ کو ''الامین'' (۴۲) اور ''الصادق'' کے خطاب سے پکارا وہ اپنی امانتیں آپؐ کے سپرد کرتے۔ آپؐ صلہ رحمی فرماتے عیال کا بار اٹھاتے مہمانوں کی ضیافت اور حق کے کاموں پر لوگوں کی اعانت کرتے، یتیم اور عاجزوں کی دستگیری کرتے فقراء کے ساتھ نیکی اور لوگوں کے ساتھ خوش خلقی کرتے۔ ابو طالب کا بڑا کنبہ دیکھ کر آپؐ نے اپنے چچا عباس سے فرمایا کہ اس ضمن میں ابو طالب کا ہاتھ بٹایا جائے چنانچہ حضرت جعفرؓ کو عباسؓ اور حضرت علیؓ کو آپؐ اپنے گھر لے گئے۔(۴۳) اور کفالت کی اس قسم کے شریفانہ طرز عمل سے شہر مکہ میں آپ کا وقار روز افزوں ہو جانا ناگزیر تھا۔ بعض مورخین کے بیان (۴۴) کے مطابق بلدہ الامین کی رکنیت چالیس سال عمر سے قبل کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی تھی لیکن آپ کی فراست اور غیر طرفداری پر قریش کے معمر افراد کو آپؐ پر مکمل اعتماد تھا اور وہ آپ کی رائے پر متفق ہو جاتے۔ آپؐ اپنے بچپن اور شباب میں مراسم شرک سے ہمیشہ دور رہے رسوم جاہلیت میں کبھی شرکت نہیں کی اس دور میں متقشف اور مرتاض شخص چلہ کشی کے لیے آبادی سے دُور کسی کنج تنہائی میں جا بیٹھتے اور اپنے ڈھب پر عبادت میں مستغرق ہو جاتے ان کا مقصد بتوں کا تقرب ہوتا نہ ان کی خوشنودی۔ اس طریق عبادت کو تحنث (گوشہ نشینی) سے تعبیر کیا جاتا۔(۴۵)

مکہ معظمہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک غار تھا جس کو ''حرا'' کہتے، ریاضت تنہائی میں اس سے بہتر کوئی جگہ نہ تھی آپؐ ہر سال رمضان کا پورا مہینہ اس غار میں بسر کرتے۔ گھر سے کھانے پینے کا سامان، ساتھ لے جاتے ختم ہونے کے بعد پھر گھر تشریف لاتے اور اسباب خورد و نوش لے کر واپس غار حرا جا کر مصروف مراقبہ ہوتے۔(۴۶) غار حرا کی خلوت میں عبادت کے ضمن میں علما کی مختلف آراء ہیں۔ یہ قول زیادہ قابل قبول ہے کہ آپ کا فکر و تامل اپنی مقرر کردہ شریعت کے مطابق تھا نہ کہ حضرت ابراہیمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت موسیٰؑ یا حضرت عیسیٰؑ کی شریعت کے مطابق بہرحال غار حرا میں فکر و تامل کے دوران آپؐ پر انسانی اعمال کی حقیقت واضح ہو گئی۔ نبوت کا دیباچہ یہ تھا کہ خواب میں آپؐ پر اسرار منکشف ہونے شروع ہوئے جو کچھ آپؐ خواب میں دیکھتے بعینہ وہی پیش آتا تھا۔(۴۷) آپ کی عمر چالیس برس کی تھی۔(۴۸) ایک روز آپؐ غار حرا میں مراقبہ میں مصروف تھے کہ فرشتے نے آپؐ سے کہا ''اقراء'' یعنی پڑھ آپؐ نے فرمایا ''ما اقراء'' یعنی ''میں کیا پڑھوں'' اس پر فرشتے نے دو مرتبہ معانقہ کرنے کے بعد (۴۹) آپؐ سے پھر کہا ''اقراء'' آپؐ نے وہی جواب دیا ''ما اقراء'' فرشتے نے کہا۔

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ o خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ o اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ o الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ o عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ o﴾(۵۰)

''پڑھ اپنے رب پیدا کرنے والے کا نام لے کر جس نے انسان کو ''جمے ہوئے خون'' سے پیدا کیا، پڑھ کہ تیرا پروردگار صاحب کرم ہے جس نے قلم کے ذریعے انسان کو ایسا علم سکھایا جسے وہ پہلے سے نہ جانتا تھا۔''

آپؐ گھر تشریف لائے تو جلال الٰہی سے لبریز تھے۔(۵۱) حضرت خدیجہؓ سے فرمایا "مجھے چادر اوڑھا دی جائے۔"
آپؐ نے اپنا تمام ماجرا بیان کیا۔حضرت خدیجہؓ نے کہا "آپؐ متردد نہ ہوں اللہ آپ کا ساتھ نہ چھوڑے گا۔"
ابتدائی وحی کے بعد کچھ عرصے تک تازہ وحی نہیں آئی اور ابن اسحاق کی روایت میں یہ واقعہ (جسے اصطلاحاً فترت وحی کہتے ہیں) تین سال جاری رہا۔(۵۲) وحی میں تاخیر واقع ہونے کی صورت میں جب آپؐ متردد ہوئے تو یہ آیات نازل ہوئیں۔

﴿ وَالضُّحٰى ۝ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجٰى ۝ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۝ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ۝ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝ ﴾

"اے پیغمبرؐ، روز روشن اور شب تاریک ہر دو کی قسم، پروردگار نے آپ ﷺ کو ناراضگی سے نہیں بھلایا آخر ابتداء سے بہتر ہی تو ہے، آپ کے لیے جلدی وہ بخشش ہونے کو ہے جس سے آپ ﷺ کو خوشی ہوگی اور اے پیغمبرؐ، ماضی پر نظر کیجیے جب آپؐ یتیم تھے اور اللہ نے آپؐ کے لیے بہتر سرپرستی کا انتظام فرمایا اور جب آپ ﷺ نبوت سے آگاہ نہ تھے تو اللہ نے آپ کو اس سے سرفراز فرمایا اور جب آپ ضرورت مند تھے تو اللہ نے آپ ﷺ کا دل مستغنی کر دیا آپ بھی یتیم کی دل آزاری روا نہ رکھیے اور نہ سائل کو جھڑک دیجیے بلکہ اللہ کی نعمتوں کا شکر بجا لائیے۔(۵۳)

تجدید وحی سے آپ کو مسرت حاصل ہوئی اور روح میں سکینہ بس گئی اب آپؐ نے اپنا فرض انجام دینا شروع کیا۔

رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی کا آغاز:

جب ہم عہد نبویؐ کی سیاست کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں معلوم چلتا ہے کہ عہد نبویؐ کی سیاست کا تعلق بعض داخلی اور خارجی امور سے ہے۔سب سے اول یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اگرچہ دین کا تعلق عبادات اور افراد کے باہمی معاملات سے ہوتا ہے تاہم دین اور سیاست میں یک گونہ تعلق ضرور قائم ہے۔دین ہی ہے جو میدان سیاست میں لوگوں کی صحیح رہنمائی کرتا ہے اور انہیں جادہ حق وانصاف سے بھٹکنے نہیں دیتا اگر دین کی قوت کارفرما نہ ہو تو لوگ گندی سیاست کی دلدل میں پھنس کر با آسانی ملک وملت کے لیے تباہی کے سامان پیدا کر سکتے ہیں۔(۵۴) نبی کریم ﷺ کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے دنیا کے لیے جو دین بھیجا، وہ جس طرح ہماری انفرادی زندگی کا دین ہے، اس طرح ہماری اجتماعی زندگی کا بھی دین ہے۔جس طرح وہ عبادت کے ذریعے بتاتا ہے، اس طرح وہ سیاست کے آئین بھی سکھاتا ہے اور جتنا تعلق اس کا مسجد سے ہے، اتنا ہی اس کا تعلق حکومت سے بھی ہے۔اس دین کو ہمارے نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو بتایا اور سکھایا بھی اور ایک وسیع ملک کے اندر اس کو جاری و نافذ بھی کر دیا اس وجہ سے حضور اکرم ﷺ کی زندگی جس طرح بحیثیت ایک مزکی نفوس اور ایک معلم اخلاق کے ہمارے لیے اسوہ اور نمونہ ہے۔اسی طرح بحیثیت ایک ماہر سیاست اور ایک مدبر کامل کے بھی اسوہ اور مثال ہے۔(۵۵)

نبی کریم ﷺ انسان کامل بھی تھے اور ہادیٔ کامل بھی آپ کی ذات والا صفات میں وہ بشری وانسانی اوصاف بدرجہ اتم ودیعت

ہوئے جن کا تصور ذہن انسانی کرسکتا ہے۔ آپ محسن اخلاق، عفو و درگزر، امانت و دیانت، احسان و مروت، حسن معاملت و حسن سلوک، شفقت و رحم، صبر و حلم، عدل و انصاف جود و سخا، ذہانت و فطانت، عزیمت و استقامت، شجاعت و تہور، عزم و ثبات، صدق و صفا، علو ہمت و اخلاص نیت، عفت و عصمت، شرم و حیا، طہارت نفس و صفائے باطن، پاکی قلب و نظر، گفتار و کردار، حسن گفتار و جمال تکلم، فصاحت و بلاغت اور وقار و انکسار کا عدیم النظر مرقع تھے۔ آپؐ بشری و شخصی محاسن کے اعتبار سے ذروہ کمال پر فائز ہیں مگر سیرت و کردار کے نقطۂ نظر سے آپ کا لافانی و زندہ جاوید کارنامہ وہ مذہبی، روحانی، اخلاقی، معاشرتی اور سیاسی انقلاب ہے جو آپؐ نے سرزمین عرب میں برپا کیا۔ اس انقلاب نے بنی نوع انسان کی تاریخ کا نیا رخ متعین کیا۔ انسانی جدوجہد اور سعی و عمل کے سامنے نئے نصب العین رکھنے اور افعال و کردار کے نئے معیار و اسالیب مقرر کیے انسانی صلاحیتیں جو جبر و تشدد، ویرانی و تخریب، قتل و غارت اور نسل کشی، ظلم و استحصال اور شرف بنی آدم کی پامالی کے لیے صرف ہورہی تھیں ان کا رخ تعمیر و اصلاح، خیر و فلاح، ترقی و بہبود، حق و صداقت، انصاف و مساوات اور خیر خواہی و وداری کی طرف موڑ دیا محسن انسانیتؐ نے صدیوں کے تاریخی جمود کو توڑا، جاں بلب تمدن و حضارت کی رگوں میں خیر و فلاح کا خون دوڑایا اور فکر و عمل کو نئے افق عطا کیے اس طرح روم و فارس کے سنگین و آہنی نظام ہائے زندگی کو الٹ کے کاروان انسانیت کو جادہ حق اور صراط مستقیم پر گامزن کردیا۔(۵۶) حقیقت یہ ہے کہ پوری انسانی تاریخ کا واحد کامیاب تعمیری انقلاب، انقلاب نبویؐ ہی ہے۔ آپؐ نے جس تحریک کی قیادت کی، وہ صحیح معنوں میں انقلابی تحریک ہے، کیوں کہ کوئی نظریہ جب تک فرد کی اصلاح تک محدود رہتا ہے، وہ تحریک نہیں بنتا، جونہی وہ اجتماعی مفاسد کے سدباب اور اجتماعی مصالح کے لیے جدوجہد کی راہ پر گامزن ہوتا ہے، وہ تحریکی صورت اختیار کرلیتا ہے پھر اس تحریکی پہلو میں ایک اور قابل غور بات بھی ہے کہ تحریک نام ہے مسلسل عمل کا اور یہ صورت جب ہی قائم رہ سکتی ہے کہ ہر دور میں قائم ہونے والے طاغوتی نظام کو بدلنے کا انقلابی عمل جاری رہے۔ آپؐ نے جو انقلابی تحریک منظم کی، اس میں فرد سے لے کر معاشرے تک اور مظلومانہ زندگی سے لے کر فاتحانہ شان تک، میدان جنگ سے لے کر پرامن شہری زندگی تک، کافرانہ معاشرے کے مجبور شہری سے لے کر فلاحی ریاست کے معزز و باوقار فرد تک، انقلابی زندگی کا ہر مرحلہ دکھائی دیتا ہے۔ اسلامی تحریک ایک ایسی انقلابی تحریک ہے، جس میں فرد کی سیرت میں شخصی انقلاب سے لے کر بین الاقوامی سطح پر انسانی انقلاب تک کے لیے شاندار اصول اور نتیجہ خیز طریق کار موجود ہے۔(۵۷)

آپؐ نے سوشل ریفارمر (معاشرتی مصلح) اور معمار انسانیت کی حیثیت میں جو کارہائے گراں قدر سرانجام دیے ان کے ذکر کے لیے ضخیم دفاتر بھی ناکافی ہیں سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لیے مگر بہ نظر، امتحان آپ کی ذات والا جار دستورہ وہ صفات نے دنیا میں جس پائندہ و تابندہ انقلاب کو برپا کیا وہ بے مثال لازوال ولاجواب ہے۔

سماجی مصلحین میں ختمی المرتبت حضرت محمد ﷺ کو بلند ترین مقام حاصل ہے۔ آپ کو جس معاشرے کی اصلاح کے لیے مبعوث کیا گیا وہ سب سے زیادہ فاسد و گمراہ معاشرہ تھا تاریخ انسانی کے جس دور میں آپ کو بھیجا گیا وہ تاریخ کا تاریک ترین دور تھا۔ آپ کی انقلابی تحریک نے محض جاہل بدوی عربوں کو ہی نہیں بلکہ روئے ارض پر بسنے والی تمام اقوام و ملل کو متاثر کیا۔

اس طرح آپ کی حیات طیبہ ولادت سے بعثت اور بعثت سے رحلت تک بے شمار سیاسی واقعات کا مرقع ہے۔

اگر رسول اکرم ﷺ کی ولادت با سعادت اور اس کے بعد تاریخی ہستیوں، مدبروں اور مقتدر مذہبی راہ نماؤں کا یہ خیال تھا کہ سردار قریش جناب عبدالمطلب کے خانوادے میں دنیا کی اقوام کا واحد سردار پیدا ہوگا تو آپ کی ولادت سے قبل سیاست و قیادت کے عالمی مراکز قیصر و کسریٰ کی سپر پاورز کے زوال کے تاریخی اظہار کی صورت اور خود آپ کی ولادت کے بعد یہ خیال تاریخی حقیقت بن کر سامنے آیا۔

علامہ سہیلی (ابوالقاسم، عبدالرحمٰن بن عبداللہ، م ۵۸۱ھ) ''روض الانف'' میں لکھتے ہیں کہ حضرت آمنہؓ پہلے دن ہی آنے والے واقعات کی روشنی کو دیکھ کر محسوس کر چکی تھیں یہ روشنی آنے والے دور کی حکومت تھی اور مستقبل کی فتوحات کا نظارہ۔(۵۸)

آپ کی حیات طیبہ کے ابتدائی واقعات میں ایک اہم اور قابل ذکر واقعہ آپؐ کے عہد طفولیت کا ہے، رسول اکرم ﷺ تمام خاندانی بزرگوں سے محروم ہونے کے بعد اپنے مربی اور شفیق چچا جناب ابوطالب کے ہمراہ ملک شام کے سفر میں بصریٰ (پایۂ تخت شام) کے قریب پہنچے تو مشہور عیسائی راہب بحیرا سے ملاقات ہوئی، اس وقت عمر مبارک بروایات مختلفہ ۹ یا ۱۲ سال تھی، اس موقع پر بحیرا راہب آپؐ کے ہاتھ کو ہاتھ میں لے کر جو پہلا کلمہ زبان سے ادا کرتا ہے وہ آپ کی مستقبل کی سیاسی زندگی، بے مثال حکمرانی، عظیم فتوحات اور آپؐ کے حقیقی مقصد بعثت غلبہ دین اور خاتم النبیین ہونے کا واضح اشارہ ہے۔ بحیرا نے کہا:

"ھذا سید العالمین، ھذا رسول رب العالمین، یبعثہ اللہ رحمۃ للعالمین۔(۵۹)

یہ تمام دنیا کا (سیاسی) سردار ہے، یہ ساری دنیا کے پروردگار کا نمائندہ اور رسول ہے۔ یہ ساری دنیا کے لیے رحمت ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی سیاست و قائدانہ بصیرت کے اس اعجاز کی بدولت دنیا کی سیاسی تاریخ پر وہ عالم گیر انقلاب رونما ہوا جس کے اثرات آج بھی دنیا کے نقشے پر دیکھے اور محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جہاں نبی کریم ﷺ کی پاکیزہ سیرت کے بہت سے دوسرے پہلو حیران کن حد تک بے مثال ہیں اسی طرح آپ کی مدبرانہ سیاستدانی بھی بے نظیر ہے جس میں عصر حاضر کے مدبرین کے لیے بہت سے اسباق موجود ہیں بعض مفکرین کو آپؐ کے تدبیر و سیاست نے اتنا مبہوت کیا کہ انہوں نے ایک طرف آپؐ کے نبی اور مصلح ہونے کے کردار اور دوسری طرف ایک مدبر سیاستدان اور کامیاب حکمران ہونے کی حیثیت میں حد فاصل قائم کرنے کی کوشش کی ہے اس کی ایک نمایاں مثال پروفیسر منٹگمری واٹ کی سیرت پر دو الگ الگ کتابیں ''محمد مکہ میں'' اور ''محمدؐ مدینہ میں'' ہیں۔(۶۰)

یہ تو درست ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی مدبرانہ سیاست کا واضح تر اظہار (موقع و محل کی مناسبت سے) مدینہ میں ہوا مگر اس سلسلے میں دو باتیں قابل ذکر ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ کی مدنی سیاست بھی آپؐ کے اعلیٰ کردار اور اصولوں کے مطابق تھی اور دوسرے آپ کی سیاسی تدبر و فراست کا مظاہرہ مکی زندگی میں بھی بارہا ہو چکا تھا۔ عطائے نبوت سے پہلے ہی آپ مکہ کے ان مدبروں میں نمایاں طور پر شامل تھے جنہوں نے حلف الفضول کے نام سے بڑے بڑے ذی اثر ظالموں کے خلاف ہر مظلوم کی مدد کا معاہدہ کیا تھا، جاہلی عصبیت اور قبائلی جانبداری کے اس تیرہ و تاریک ماحول میں انصاف کی اس شمع کو جلانا یقیناً دور اندیشی اور

اصول تدبر کا کارنامہ تھا۔

معاہدۂ حلف الفضول: رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی کا نقطۂ آغاز:

اس طرح آپ کی سیاسی زندگی کا باقاعدہ آغاز تاریخی معاہدہ "حلف الفضول" (۳۷ قبل ہجری/۵۸۶ء) سے ہوا۔(۶۱) اس نام کے دو معاہدے مکہ معظمہ میں قبائل کے درمیان ہوئے تھے۔ پہلا معاہدہ اس وقت ہوا جب بنی جرہم مکہ میں آباد تھے، اس قبیلہ کے تین سرداروں الفضل بن وداعہ، الفضل بن فضالہ (قضاعہ) اور الفضل بن حارث (شراعت) نے حلف لے کر مظلوم کی حمایت اور ظالم سے قطع تعلق کا اقرار کیا تھا۔(۶۲) اسے لفظ "فضول" سے تعبیر کرنے کی وجہ ابن اثیر نے نہایہ میں یہ بیان کی ہے کہ جُرہم کے زمانے میں بھی ایسا ہی ایک حلف (معاہدہ) ہوا تھا جس کے طے کرنے والے سب آدمیوں کے نام فضل تھے، اس لیے اسے حلف الفضول کہا گیا تھا۔(۶۳) یہی قول ابن قتیبہ کا بھی ہے۔(۶۴) لیکن امام سہیلی نے لکھا ہے کہ بعض علماء کا قول یہ ہے کہ یہ معاہدہ فضل بن شراعہ، فضل بن نضاعہ اور فضل بن قضاعہ نے مل کر مرتب کیا تھا اس وجہ سے اسے "حلف الفضول" کہتے ہیں جب کہ قریش اس معاہدہ کو دراصل اس وجہ سے "حلف الفضول" کہتے تھے کہ انہوں نے ایک افضل کارنامہ سرانجام دیا تھا۔(۶۵) ابن قتیبہ کی رو سے قصی کے مکے پر قبضہ کرنے سے پہلے جرہمی دور میں اس شہر کے صاحب دل و دردمند لوگوں نے مظلومین کی امداد کے لیے ایک انجمن بنائی اس میں شریک لوگ متحدہ اور رضا کارانہ طور سے اپنے شہر میں مظلوموں کی مدد کرتے، ظالموں سے ان کا حق دلاتے اور انہیں ظلم سے باز رکھتے تھے یہ معاہدہ امتداد وقت کے ساتھ غیر موثر ہو کر رہ گیا۔(۶۶)

دوسرا معاہدہ ۳۷ قبل ہجری/۵۸۶ء میں فجار رابع کے بعد ہوا چوتھی جنگ فجار میں خونریزی کچھ زیادہ ہی ہوئی، جس کے نتائج و عواقب سے اہل مکہ کی معاشی و معاشرتی زندگی بری طرح متاثر ہوئی۔ حرب الفجار بند تو ہو گئی لیکن جنگ کے بعد جب قریش نے اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھا تو انہیں احساس ہوا کہ ان کے خاندان کے بعض افراد میں جاہ و منصب کی ہوس کا مرض ہے قریش میں یہ بدذوقی ہاشم اور عبدالمطلب کے بعد پیدا ہوئی۔ جاہ و منصب کی یہ ہوس کسی قوم کے زوال کا پیش خیمہ ہوتی ہے لہٰذا عمائدین قریش دل گرفتہ ہو کر رہ گئے کیوں کہ حرم کعبہ میں برملا ایسی حرکات شنیعہ کا ارتکاب ہوتا تھا کہ نوع انسانی ان کو سن کر کانپ جاتی لوٹ مار کی ہر طرف گرم بازاری تھی بے کس مسافر اور مظلوک الحال لوگ ستائے جاتے تھے لیکن کوئی کسی کی داد رسی نہ کرتا۔(۶۷) فجار رابع کے ایک ماہ بعد یعنی قبیلہ زبیدہ کے ایک شخص کا حال عاص بن وائل سہمی یا بعض روایات کی رو سے حذیفہ بن قیس السہمی (۶۸) نے لے کر قیمت ادا کرنے میں لیت و لعل کی، احلاف کے بعض سرداروں نے اس کی داد رسی کے سلسلے میں بنی سہم کے اپنے حلقے سے نکل جانے کے خوف سے الٹا یمنی تاجر کو ڈانٹا(۶۹) تاجر نے مایوس ہو کر اپنی مظلومیت کی داستان طنزیہ اشعار میں با آواز بلند سنائی اس پر مطیبین کو برا لگا۔(۷۰)

یا آل فهر للمظلوم بضاعته
ببطن مكة نائي الدار والنفر

اے فہر کی اولاد اس مظلوم کی فریاد سنو، جس کا مال و متاع شہر مکہ میں ظلماً چھین لیا گیا ہے، وہ غریب الدیار (مسافر) ہے، اپنے وطن سے دُور، اپنے مددگاروں سے دُور۔

ومحرم اشعث لم یقضن عمرته

بالرجال و بین الحجر والحجر

وہ ابھی احرام کی حالت میں ہے، اس کے بال بکھرے ہوئے ہیں، اس نے ابھی عمرہ بھی ادا نہیں کیا، اے مکے کے سردار! میری فریاد سنو، مجھ پر حطیم اور حجر اسود کے درمیان ظلم کیا گیا ہے۔

ان الحرام لمن تمت کرامته

ولا حرام الثوب الفاجر الغدر

عزت و حرمت تو اس کی ہے جس کی شرافت کامل ہو، جو فاجر اور دھوکے باز ہو، اس کے لباس کی تو کوئی حرمت نہیں۔(۷۱)

لیکن ان اشعار نے بعض عمائدین اور بنی نوع انسان کے ہمدرد طبع لوگوں کے دلوں کو پسیجا اور ان کے وجودوں میں ایک ارتعاش سا پیدا ہوا، ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبہ نے انگڑائی لی اور اپنے ماضی کی تباہ حالی پر افسوس و صدمہ ہوا کہ پوری زندگی ظلم و ستم کرتے اور ظلم و ستم کرنے والوں کو دیکھتے گزر گئی لیکن دلوں میں ہمدردی اور غم خواری کا کوئی جذبہ پیدا نہ ہوا، آخر مظلوموں اور ستم زدہ لوگوں کی خیر خواہی اور ہمدردی بداخلاقیوں کے انسداد اور سدحار کی ایک تحریک بعض لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوئی، اس کے سب سے بڑے محرک سرکار دو عالمؐ کے چچا محترم زبیر بن عبدالمطلب تھے جو عبدالمطلب کے انتقال کے بعد ان کے جانشین اور وصی تھے، وہ اس مظلوم مسافر کی نوحہ وزاری سن کر عالم بے قراری میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ تمہاری یہ فریاد بے کار اور رائیگاں نہیں جائے گی۔(۷۲) زبیر بن عبدالمطلب بنی ہاشم کے سردار اور درد مند انسان تھے۔ انہوں نے عمائدین شہر کو حلف الفضول کی ضرورت و اہمیت کا احساس دلایا اور اس کی تجدید کی دعوت دی عبداللہ بن جدعان سن رسیدہ و جہاں دیدہ شخص اور بنو تیم کا مالدار سردار تھا، اس نے اس مقصد کی خاطر عمائدین مکہ کو اپنے گھر ضیافت پر مدعو کیا۔(۷۳) چنانچہ اپنی اس اندرونی تحریک کے زیر اثر زبیر بن عبدالمطلب نے اپنے پانچ قبائل کے سربرآوردہ احباب کو عبداللہ بن جدعان کے وسیع مکان میں جمع کیا۔ وہ خاندان حسب ذیل تھے:

۱۔	رسول اللہ ﷺ کا خاندان	بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب
۲۔	آپ کی والدہ سیدہ آمنہ کا خاندان	بنو زہرہ بن کلاب
۳۔	ام المومنین سیدہ خدیجہؓ کا خاندان	بنو اسد
۴۔	سیدنا صدیق اکبرؓ کا خاندان	بنو تیم بن مرہ

عبداللہ بن جدعان نے ان سب کی اپنے گھر میں ضیافت کی، رسول اللہ ﷺ نے بھی بزرگوں کے ساتھ اس اجتماع میں شرکت فرمائی اور اس تحریک میں سرگرم حصہ لیا اس وقت آپ کی عمر بیس سال سے متجاوز تھی۔(۷۴) یہ عبداللہ بن جدعان جس

نے زبیر بن عبدالمطلب کا پورا پورا ساتھ دیا اور اپنے وسیع و عریض مکان میں تمام مدعوین کی ضیافت کی، تاریخ کے اوراق سے پتہ چلتا ہے کہ عبداللہ بن جدعان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم، اس کی کنیت ابو زہیر تھی یہ شخص بڑا با اخلاق تھا۔ قیدیوں کی رہائی، غلاموں کو آزادی دلانا اور زیر دستوں کی پشت پناہی اس کا خاص شیوہ تھا۔(۷۵) لہٰذا عبداللہ بن جدعان کے گھر میں تمام قبائل کے مابین معاہدہ حلف الفضول عمل میں آیا اور اس طرح ایک قسم کی ''انجمن امداد مظلومین'' تشکیل پائی، ابن ہشام اور ابن اثیر نے معاہدے کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

تحالفوا وتعاقدوا ان لایجدوا بمکۃ مظلوماً من اھلھا اومن غیرھم

من سائر الناس الا قاموا معہ و کانوا علیٰ من ظلمہ حتیٰ ترد علیہ مظلمتہ(۷۶)

انہوں نے حلف اٹھایا اور یہ عہد کیا کہ شہر مکہ میں کسی پر بھی ظلم ہو، خواہ وہ مکے کا باشندہ ہو یا اجنبی، وہ سب (شرکائے معاہدہ) مظلوم کی حمایت و مدافعت میں ظالم کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے، تا آنکہ مظلوم کو اس کا حق واپس مل جائے۔

معاہدے کی اہم دفعات درج ذیل تھیں:

۱۔ مکے سے بد امنی دور کی جائے گی۔

۲۔ مسافروں کے تحفظ کو یقینی بنایا جائے گا۔

۳۔ مظلوموں کی امداد کی جائے گی، خواہ وہ مکے کے باشندے ہوں یا اجنبی۔

۴۔ زبردست کو زیردست پر ظلم و زیادتی سے روکا جائے گا۔(۷۷)

حلف الفضول کے شرکاء نے جو حلف لیا وہ یہ تھا:

باللہ لنکونن یداً واحدۃ مع المظلوم علی الظالم حتیٰ یودی الیہ حق، مابل بحر صوفۃ ومارسی حراء وثبیر مکانھما و علیٰ لتآسی فی المعاش (۷۸)

خدا کی قسم ہم سب مل کر ایک ہاتھ بن جائیں گے اور وہ مظلوم کے ساتھ رہ کر اس وقت تک ظالم کے خلاف اٹھا ہوا رہے گا تا آنکہ وہ (ظالم) اس (مظلوم) کو حق ادا نہ کردے اور یہ اس وقت تک جب تک کہ سمندر گھونگوں کو بھگوتا رہے اور حراء و ثبیر کے پہاڑ اپنی جگہ قائم ہیں اور ہماری معیشت میں مساوات رہے گی۔(۷۹)

اس کا آخری فقرہ بھی غور طلب ہے، مورخین ساکت ہیں کہ اس کا منشا کیا تھا، بہرحال یہ تو یقینی ہے کہ مدد کو جانے والے جب اپنی جان سے حاضر تھے تو اپنے مال کی کیا پروا کرتے۔(۸۰)

حافظ ابن کثیرؒ نے حمیدی کے حوالہ سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دو صاحبزادوں محمد اور عبدالرحمن سے نقل کیا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''میں عبداللہ بن جدعان کے گھر میں ایک ایسے حلف (معاہدہ) میں شریک ہوا جس میں شرکت کی اگر مجھے اسلام کے زمانے میں بھی دعوت دی جائے تو میں اسے پسند کروں گا۔'' پھر اس معاہدہ کی تشریح آپؐ نے یہ فرمائی ''تحالفوا ان یردوا الفضول علیٰ اھلھا و الا یعد الظالم مظلوما''

"انہوں نے اس بات پر باہم معاہدہ کیا کہ فضول کو اس کے حقداروں کی طرف پلٹائیں گے اور ظالم مظلوم پر زیادتی نہ کرنے پائے گا۔"(۸۱) فضول کو اس کے حقداروں کی طرف پلٹانے" کا مطلب یہ ہے کہ جو فضل کسی ظالم نے زبردستی صاحب حق سے چھنا ہوا سے واپس دلوایا جائے اور ظالم کو اس کے ظلم پر قائم نہ رہنے دیا جائے۔ ابن سعد نے اس معاہدے کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے باہم طے کیا کہ ہم مظلوم کے ساتھ دیں گے اور اس کا حق اسے دلوا کر رہیں گے ابن ہشام نے معاہدے کی تفصیل یہ بیان کی ہے کہ مکہ میں شہر کے کسی باشندے یا باہر سے کسی آنے والے پر کوئی ظلم نہ ہونے دیں گے اور ظالم کے مقابلے میں مظلوم کی مدد کریں گے۔ ابن سعد نے اس معاہدے کی تاریخ ذی القعدہ ۲۰ عام الفیل لکھی ہے۔(۸۲) اس معاہدہ میں سب نے مظلوم کی نصرت وحمایت کا عہد کیا تھا، وہ مظلوم اپنا ہو یا پردیسی، اس کی اعانت سے دریغ نہیں کیا جائے گا۔(۸۳) چنانچہ اس معاہدہ کے بعد حلف اٹھانے والے عاص بن وائل کے پاس پہنچے اور اس سے زبیدی کا مال لے کر اس کو واپس دلایا۔(۸۴) رسالت مآب ﷺ کے چچا زبیر بن عبدالمطلب نے اپنے بعض اشعار میں اس معاہدے کا ذکر اس طرح کیا ہے:

ان الفضول تحالفوا وتعاقدوا

ان لا یقیم ببطن مکۃ ظالم

امر علیہ تعاھدوا وتوا ثقوا

فالجار والمعتر فیھم سالم

"معاہدہ حلف الفضول منعقد کرنے والوں نے حلف اٹھایا کہ مکہ میں کوئی ظالم نہیں ٹھہر سکے گا اس معاہدہ پر سب نے پختہ عہد کیا۔ اس وجہ سے مقامی اور بیرونی سب یکساں محفوظ ہیں۔"(۸۵)

سیرت نگاروں اور مورخوں نے حلف الفضول کے دیگر کئی اور اسباب ومحرکات بھی بیان کیے ہیں چنانچہ ابن قتیبہ (متوفی ۲۷۶ھ) (۸۶) ابن الجوزی (متوفی ۵۹۷ھ) (۸۷) اور دیار بکری (م ۹۶۶ھ) (۸۸) کے مطابق قبائل قریش حرم کے تقدس اور عظمت کو پامال کرتے ہوئے اس میں ایک دوسرے پر ظلم کرتے تھے اس کے سدباب اور تدارک کے لیے یہ تاریخی معاہدہ وجود میں آیا جب کہ علامہ شبلی نعمانیؒ نے سرزمین مکہ کی بدامنی، طویل جنگوں، غارت گری، ظلم وسفا کی کو اس معاہدے کا محرک اور بنیادی سبب قرار دیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ "لڑائیوں کے متواتر سلسلے نے سینکڑوں گھرانے برباد کردیے تھے اور قتل وسفا کی موروثی اخلاق بن گئے تھے یہ دیکھ کر بعض طبیعتوں میں اصلاح کی تحریک پیدا ہوئی، جنگ فجار سے لوگ واپس پھرے تو زبیر بن عبدالمطلب نے جو رسول اللہ ﷺ کے چچا اور خاندان کے سرکردہ تھے، یہ تجویز پیش کی، چنانچہ خاندان ہاشم، زہرہ اور تیم عبداللہ بن جدعان کے گھر جمع ہوئے اور معاہدہ طے پایا کہ ہم میں سے ہر شخص مظلوم کی حمایت کرے گا اور کوئی ظالم مکے میں نہ رہنے پائے گا۔"(۸۹) جب کہ سید امیر علی نے ایک اور واقعے کو اس کا سبب قرار دیا ہے، جس میں قبیلہ بنی قیس کا مشہور شاعر حنظلہ اگر چہ ایک ذی مرتبہ قریشی عبداللہ بن جدعان کی زیر حمایت کے آیا لیکن اس کے باوجود سر بازار لٹ گیا۔ بے آئینی کے ایک اور واقعے نے ایسی نازک صورت حال اختیار کرلی کہ اس کا تدارک ضروری ہوگیا۔(۹۰)

رومانیہ کے سابق وزیر خارجہ کونستانس جیورجیو نے سیرت طیبہؐ پر ایک کتاب لکھی جس کا عربی ترجمہ ڈاکٹر محمد التونجی نے ''نظرۃ جدیدۃ فی سیرۃ رسول اللہؐ'' کے عنوان سے کیا، اس میں مصنف مذکورہ نے ''حلف الفضول'' کے متعلق اپنی تحقیق کا اضافہ کیا ہے، اس سے اس حلف کو ایک منظم اور طاقتور بنانے میں رسول اکرم ﷺ کی مساعی جمیلہ پر روشنی پڑتی ہے۔ وہ حلف الفضول کے زیر عنوان رقم طراز ہے:

كان حلف الفضول عبارة عن كوكبة مؤلفة من رهط من الفتيان المسلحين هدفهم ان لا يضيع حق المظلوم (۹۱)

حلف الفضول عبارت ہے اس منظم دستے سے جو مسلح نوجوانوں پر مشتمل تھا اور جن کا مقصد صرف یہ تھا کہ کسی مظلوم کا حق ضائع نہ ہو۔

کونستانس جیورجیو اس کا سبب اور وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''ایک بدو جنوبی علاقے سے فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے مکہ مکرمہ آیا، اس کے ہمراہ اس کی ایک خوبرو بیٹی بھی تھی، مکے کے ایک دولت مند تاجر نے اس بچی کو اغوا کرلیا، اس مسکین باپ کے لیے بجز اس کے کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ وہ اپنے قبیلے کے پاس جائے، انہیں اپنی داستان غم سنائے اور ان سے مدد کی درخواست کرے، لیکن پھر اسے یاد آیا کہ اس کے قبیلے میں مردوں کی تعداد بہت کم ہے، وہ مکے کے دس قریشی قبیلوں کا مقابلہ نہیں کرسکتے وہ اسی پریشانی میں سرگرداں تھا جب حضرت محمد کو اس واقعہ کا علم ہوا تو آپؐ نے قریش کے نوجوانوں کو اپنے پاس بلایا اور ان سے کہا کہ اس قریشی نے اس تاجر کے ساتھ جو نازیبا حرکت کی ہے، اس پر ہمیں خاموش نہیں رہنا چاہیے چنانچہ قریش کے چند نوجوان کعبۃ اللہ کے پاس جمع ہوئے اور سب نے بایں الفاظ حلف اٹھایا۔

"لنقسم ان نحمي المظلوم حتىٰ يستعير حقه من الظالم ونقسم ان لا يكون لنا هدف معين من وراء هذا العمل ولا يهمنا ان يكون المظلوم فقيراً او غنياً (۹۲)

''ہم قسم اٹھاتے ہیں کہ مظلوم کی مدد کریں گے، یہاں تک کہ ظالم سے وہ اپنا حق واپس لے لے اور ہم قسم اٹھاتے ہیں کہ اس حلف سے اس کے بغیر ہمارا کوئی اور مقصد نہیں ہوگا ہم اس کی پروا نہیں کریں گے کہ مظلوم غنی ہے یا فقیر۔''

جب انہوں نے قسم اٹھائی تو حضور اکرم ﷺ ان کے ہمراہ تھے، پھر انہوں نے حجر اسود کو زمزم کے پانی سے دھوایا اور اس دھوون کو پی لیا مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ وہ اپنی اس قسم پر پختہ رہیں گے۔ حلف برداری کے بعد نبی کریم ﷺ اپنے نوجوان ساتھیوں کو ہمراہ لے کر اس ظالم تاجر کے گھر گئے اور اس کے مکان کا گھیراؤ کرلیا اور اس سے مطالبہ کیا کہ وہ اس بچی کو عزت و آبرو کے ساتھ واپس کردے۔ آخر بادل نخواستہ اسے بچی کو واپس کرنا پڑا۔ (۹۳) اسی مصنف نے ایک اور روایت بھی ذکر کی ہے کہ ایک پردیسی تاجر مکے آیا، ابوجہل نے اس سے کچھ سامان خریدا، لیکن اس کی قیمت ادا کرنے سے انکار کردیا وہ فریاد کناں اپنے قبیلے کے پاس آیا، انہیں برانگیختہ کیا کہ وہ اس کی مدد کریں، لیکن ایک محدود افراد پر مشتمل قبیلہ قریش کے دس قبائل سے کیوں کر ٹکر لے سکتا تھا، انہوں نے معذرت کردی تو وہ تاجر پھر مکے لوٹ آیا حضور اکرم ﷺ کو ابوجہل کی اس حرکت کا علم ہوا تو حضور اکرم

ﷺ بنفس نفیس ابو جہل کے گھر تشریف لے گئے اور اس سے مطالبہ کیا کہ وہ اس سامان کی قیمت تاجر کو ادا کرے چنانچہ بادل نخواستہ اسے قیمت ادا کرنی پڑی۔(۹۴)

چنانچہ انسانیت کے محسن اعظم حضرت محمد ﷺ کے چچا اور آپ کی تحریک اور کوششوں کے نتیجے میں بنو ہاشم، بنو عبدالمطلب اور خاندان زہرہ وتیم نے متحد ہو کر معاہدہ کیا کہ چاہے مکے کے باشندے ہوں یا اجنبی، آزاد ہوں یا غلام، انہیں مکے کی حدود کے اندر ہر طرح کے ظلم اور ناانصافی سے محفوظ رکھا جائے گا اور ظالموں کے ہاتھوں ان کے نقصانات کی پوری پوری تلافی کرائی جائے گی۔(۹۵)

یہ انجمن تاریخ اسلام کی پہلی نصف صدی کے اختتام تک پوری قوت سے قائم رہی۔(۹۶)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم لکھتے ہیں.(۹۷)

مکے والوں کو اس پر بجا طور سے فخر ہو سکتا ہے کہ جس زمانے میں باقی عرب بلکہ باقی دنیا میں لاٹھی راج کا دور دورہ تھا اس وقت انہوں نے رضا کارانہ امداد مظلومین کے لیے اپنی جتھا بندی کی اور تاریخ بتاتی ہے کہ انہوں نے رات کی بات دن ہوتے ہوتے بھلا نہ دی بلکہ ہمیشہ اس کی لاج رکھی۔زمانہ جاہلیت میں اس کی دہائی سے ابو جہل وغیرہ بڑے بڑے سرغنہ تھراتے تھے۔ خود آنحضرت ﷺ بھی زمانہ قبل از اسلام اس میں موثر طور پر عملی حصہ لیتے رہے۔(۹۸)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے مطابق اس معاہدہ حلف الفضول میں ایک رضا کار جماعت شریک ہوئی جس کا مقصد حدود شہر میں ہر مظلوم کی خواہ وہ شہری ہو یا کہ اجنبی، مدد کرنا اور اس وقت تک چین سے نہ بیٹھنا تھا جب تک ظالم حق کی رسائی نہ کرے۔(۹۹) جب کہ کتاب الاغانی کی روایت کے مطابق معاہدہ حلف الفضول کے شرکاء نے یہ عہد بھی کیا تھا کہ وہ معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے روکیں گے۔(۱۰۰) اس معاہدے کے محرک اگرچہ حضرت زبیر بن عبدالمطلب تھے تاہم محسن انسانیتؐ اس کے اہم رکن اور داعی کی حیثیت رکھتے تھے اور ان ہی کی کوششوں کے نتیجے میں معاہدہ حلف الفضول طے پایا تھا۔(۱۰۱)

اس وقت کے جزیرۃ العرب کی غارت گری اور کشت وخون کی صورت حال کے پیش نظر مکہ والوں کا یہ معاہدہ اپنی مثال آپ تھا کہ دور جاہلیہ میں اس کی دھائی سے ابی بن خلف السجمحی نبیہ بن الحجاج السہمی اور ابو جہل جیسے بڑے بڑے سرغنے تھراتے تھے گو اسے مستقل ادارہ بنانے اور نئے لوگوں کو اس میں شامل ہونے پر زور نہیں دیا گیا جس کے باعث ایک نسل بعد یہ انجمن دادرسی مظلومان'' ختم ہوگئی تاہم اسلام کے آغاز وارتقاء کے بعد اس کی ضرورت بھی نہ رہی۔

اس معاہدے میں رسول اللہ ﷺ کی شرکت اس دور کی زندگی کا ایک اہم ترین واقعہ ہے اس معاہدے کی اہمیت اس سے بہت زیادہ ہے جو آپؐ کے سیرت نگار اور مورخ اسے دیتے ہیں۔ پیغمبر اعظم وآخرؐ اسے بجا طور سے غیر معمولی اہم سمجھتے تھے۔ یہ آپؐ کے دل درد آشنا کی آواز تھی آپؐ اسے یعنی خدمت خلق ہی کو مقصد زندگی سمجھتے تھے اس اعتبار سے حلف الفضول میں شرکت آپ کی قومی زندگی (پبلک لائف) کا اولین سنگ میل ہے۔آپؐ کے سیرت نگاروں (مثلاً ابن ہشام اور حمیدی) نے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا'' میں عبداللہ بن جدعان کے گھر میں حلف لینے میں شریک تھا اور سرخ اونٹوں کے گلے

کے عوض بھی اس شرکت کے اعزاز سے دست بردار ہونا نہیں چاہتا اور اگر اب زمانہ اسلام میں بھی مجھے کوئی اس کی دہائی دے کر پکارے تو اس کی مدد کو دوڑ کر جاؤں۔“(۱۰۲)

آپؐ کے سیرت کے حوالے سے حلف الفضول کی اہمیت یہ ہے کہ اس مستند تاریخی ریکارڈ سے تین باتیں ثابت ہوتی ہیں، ایک یہ کہ آپ کا دل عنفوان شباب میں بھی غم انسانیت سے معمور تھا اور آپؐ مظلوم انسانوں کی مدد اور ان کے حقوق کی خاطر ہر قسم کی قربانی کرنے اور ہر قسم کے امتحان سے گزرنے کے لیے تیار رہتے تھے، نیز ان میں اپنی زندگی کی غایت مضمر دیکھتے تھے دوسرے یہ کہ آپؐ کے دل میں ظلم کا استیصال کرنے اور مظلوم انسانیت کو ظالم لوگوں اور استحصالی قوتوں کے پنجۂ استبداد سے رہائی دلانے کی تڑپ تھی تیسرے یہ کہ آپؐ معاشی مساوات پر یقین رکھتے تھے۔(۱۰۳)

علامہ قاضی سلمان منصور پوریؒ اس معاہدے کی تاریخی اہمیت وعظمت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انگلستان میں نائٹ ھڈ کا آرڈر جس کے ممبران قریباً یہی اقرار کیا کرتے تھے، اس معاہدے کے کئی صدیوں بعد قائم ہوا تھا۔(۱۰۴) جبکہ معروف مذہبی اسکالر، ماہر تعلیم، محقق وسیرت نگار ڈاکٹر حافظ محمد ثانی کے مطابق انسانیت کے محسن اعظم حضرت محمد ﷺ کو اس حیثیت سے انسانی حقوق کے تحفظ، مظلوموں کی داد رسی اور اس معاہدے کے عملی نفاذ کے سلسلے کا اہم محرک قرار دیا جا سکتا ہے اور یہیں سے انسانیت کے محسن اعظم ﷺ کی تحریک انسانی حقوق کی تاریخ کا آغاز ہوتا ہے۔(۱۰۵)

تمام مورخین اور سیرت نگاروں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ چھٹی صدی عیسوی میں سیدنا حضرت محمد مصطفی ﷺ کا سیاسی کردار ہر اعتبار سے ایک مثال تھا۔ زمانہ جاہلیت میں آپ کی زندگی اجتماعی تمدن کے واجبات کا نمونہ تھی یہی وجہ ہے کہ پوری قوم نے آپ کو ”امین“ کا خطاب دیا اور اس بنیاد پر عرب کی شریف ترین خاتون سیدہ خدیجۃ الکبریٰؓ نے اپنے تجارتی اور اقتصادی معاملات میں آپؐ پر اعتماد کیا اور بعد ازاں ”ام المومنین“ کے منصب پر فائز ہوئیں۔(۱۰۶)

کعبہ کی تعمیر نو اور تنصیب حجر اسود کا مسئلہ اور رسول اللہ کی سیاسی حکمت وبصیرت:

آپ کی ۳۵ سال کی عمر تھی کہ قریش نے کعبۃ اللہ کی تعمیر کے موقع پر حجر اسود کو رکھنے اور قبائلی نزاعی حقوق کے فیصلے کے لیے آپ کی سیاسی بصیرت، معاملہ فہمی اور قائدانہ صلاحیتوں کا برملا اعتراف کرتے ہوئے آپ کو اپنا منصف مقرر کیا، آپؐ نے حجر اسود کو چادر میں رکھ کر قبائل کے نمائندوں سے بلند کرایا اور اپنے دست مبارک سے اس کی جگہ پر رکھ دیا، اس سیاسی قوت فیصلہ سے ایک لمحے میں قبائل کا اختلاف مٹ گیا اور ایک ہمہ گیر جنگ شروع ہونے سے پہلے ختم ہوگئی۔(۱۰۷)

یہ تاریخی واقعہ ظہور نبوت سے پانچ برس قبل کا ہے کہ جب قریش نے کعبہ کو از سر نو تعمیر کرنے کا ارادہ کیا اور اس پر چھت ڈالنے کی تجویز کی(۱۰۸) کیوں کہ اس کی عمارت بہت بوسیدہ ہوگئی تھی، سیلابوں نے اس کو منہدم ہونے کے قریب پہنچا دیا تھا، دیواریں بھی نیچی تھیں اوپر کوئی چھت بھی نہ تھی اور تعمیر اس طرح ہوئی تھی کہ مٹی اور گارے سے جوڑے بغیر بھاری پتھر تلے اوپر رکھ دیے گئے تھے کسی چیز سے ان کو چسپاں نہیں کیا گیا تھا جن کی بلندی قد آدم سے زیادہ تھی، دروازہ بھی زمین کے برابر تھا کعبہ

کا خزانہ اس وقت ایک کنوئیں میں تھا جو عمارت کے اندر بنا ہوا تھا۔(۱۰۹) قیمتی نذرانے اسی میں ڈال دیے جاتے تھے اس میں سونے کے زیورات کے علاوہ سونے کا ہرن بھی تھا جس میں موتی اور جواہرات جڑے ہوئے تھے۔(۱۱۰) بعض لوگ دیواریں پھاند کر وہاں پہنچ جاتے اور چوری کر لیتے تھے چنانچہ ابولہب نے سونے کا ہرن چرا لیا تھا۔(۱۱۱)

اسی دوران ایک واقعہ یہ پیش آیا، ایک عورت دھونی سلگا رہی تھی کہ اس کی انگیٹھی میں سے آگ کا ایک پتنگا کعبہ کے پردہ پر گرا جس سے تمام پردے جل گئے اور دیواروں میں دراڑیں پڑ گئیں ان کمزور اور شکستہ دیواروں پر تازہ حادثہ یہ پیش آیا کہ ایک روز اردگرد کی پہاڑیوں سے پانی کا ایک ریلا ان سے ٹکرایا جس نے اس کی بنیادیں ہلا دیں(۱۱۲) ان وجوہ سے قریش کے لوگ چاہتے تھے کہ بلند اور پختہ عمارت بنا کر اوپر چھت ڈال دیں۔ اس زمانہ میں ایک رومی تاجر کے جہاز کو سمندر کی موجوں اور طوفانی ہواؤں نے بقول ابن اسحٰق جدہ کی بندرگاہ پر اور بقول ابن سعد شعیبہ پر (جو جدہ سے پہلے حجاز کی بندرگاہ تھا) لا کر پٹخ دیا جس سے اس کے ٹکڑے ٹکڑے اڑ گئے۔ ایک روایت کے مطابق یہ قیصر روم کا جہاز تھا اور اس پر تعمیر میں کام آنے والے پتھر اور لکڑی اور لوہا لدا ہوا تھا۔(۱۱۳) اس جہاز میں ایک باقوم نامی ایک رومی معمار بھی تھا اور مکہ میں ایک قبطی نجار لکڑی کا کام کرنے کے لیے بھی موجود تھا۔ جہاز ٹوٹنے کی خبر سن کر ولید بن مغیرہ قریش کے چند آدمیوں کے ساتھ وہاں پہنچا اور جہاز کی لکڑیاں خرید لیں۔ باقوم سے بات چیت کر کے ان لوگوں نے اس کو بھی راضی کر لیا کہ تعمیر کعبہ کا کام وہ انجام دیں(۱۱۴) اس کے بعد بنی مخزوم میں سے ایک شخص ابو وہب بن عمرو بن عائذ (جو رسول اللہؐ کے والد کا ماموں تھا) اٹھا اور اس نے کعبہ کا ایک پتھر نکال کر اس کی جگہ واپس رکھا اور پھر قریش کے لوگوں کو خطاب کر کے کہا "اے قریش کے لوگو، اس کی تعمیر میں اپنی حلال کی کمائی لگاؤ اس میں زنا کاری کی کمائی، سود کی کمائی یا کسی شخص پر ظلم کر کے حاصل کی ہوئی کمائی داخل نہ ہونے پائے۔" ایک اور روایت میں اس کے الفاظ یہ ہیں کہ "اس گھر کی تعمیر میں کوئی ایسا مال نہ لگاؤ جو تم نے غصب کر کے یا قطع رحمی کر کے یا کسی ذمہ کو جو تمہارے اور کسی دوسرے انسان کے درمیان ہو توڑ کر حاصل کیا ہو۔"(۱۱۵) لیکن قریش کے لوگ کعبہ کو منہدم کرتے ہوئے ڈر رہے تھے آخر کار ولید بن مغیرہ نے سابق عمارت کو ڈھانے کے لیے کدال ہاتھ میں لی اور کہا "اے اللہ، ہم دین سے منحرف نہیں ہوئے ہیں، ہم خیر کے سوا اور کچھ نہیں چاہتے۔"(۱۱۶) یعنی کسی بری نیت سے تیرے گھر کو نہیں ڈھا رہے ہیں یہ کہہ کر اس نے کعبہ کے ایک حصے پر ضرب لگائی اور پھر رک گیا، رات بھر سب لوگ اس انتظار میں رہے کہ ولید پر کوئی آفت آتی ہے کہ نہیں، اگر آفت آ جائے تو کام روک دیں گے اور جو پتھر اکھڑا ہے اسے اسی جگہ پر لگا دیں گے اور اگر کوئی آفت نہ آئے تو کام جاری رکھیں گے۔ صبح جب ولید پر اس فعل کا کوئی وبال نہ پڑا تو عمارت کو منہدم کرنے کا کام مختلف سمتوں سے مختلف قبیلوں نے اپنے اپنے ذمہ لیا(۱۱۷) اور اس طرح یہ کام قریش کے چار بڑے گروہوں میں تقسیم کر دیا گیا، دروازے کے رخ کی دیوار بنی عبد مناف اور بنی زہرہ کے حصے میں آئی۔ حجر اسود اور رکن یمانی کی درمیان دیوار کا ذمہ بنی مخزوم وتیم وغیرہ نے لیا۔ پشت کی دیوار بنی سہم و جمح نے حطیم کا رخ بنی عبد الدار، بنی اسد اور بنی عدی نے لیا۔(۱۱۸) اور بنائے ابراہیمؑ کی بنیاد تک دیواریں توڑ دی گئیں پھر سارے قبیلوں کے لوگ پتھر اٹھا اٹھا کر لانے اور عمارت تعمیر کرنے میں شریک ہوئے۔(۱۱۹)

معروف محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں:

''پوری پرانی عمارت نہایت ادب سے اور ڈرتے ڈرتے ڈھائی گئی۔ طول وعرض بھی سابق سے دگنا کر دیا گیا۔ اونچائی بھی بڑھائی گئی اور دروازہ بھی عمارت میں اتنی بلندی پر نصب کیا گیا کہ سیڑھی کی ضرورت رہے اور اوپر چھت بھی ڈالی گئی۔ کعبے کا کچھ حصہ حطیم کے نام سے بغیر چھت کے نیم دائرہ کی شکل کا باہر رکھا گیا اور دیوار دونوں طرف سے کعبے کے ساتھ غیر متصل رکھی گئی تا کہ ہر کوئی ہر وقت وہاں جا سکے اس کے اندر گویا کعبے ہی کے اندر جانا تھا اور معمولی معاہدہ کرنا، قسم وغیرہ کھانا ہوتو اب لوگ حطیم کو استعمال کرنے لگے اور اصل کعبے کے اندر ہفتے میں صرف دوبار پیر اور جمعرات کو نیز خاص خاص تقریبوں کے موقع پر داخلہ دیا جانے لگا۔(۱۴۰)

تعمیر کا کام شروع ہوا تو دوسرے لوگوں کے ساتھ آنحضرت بھی دوش مبارک پر پتھر ڈھو کر لاتے تھے۔(۱۴۱) جب عمارت بلند ہوگئی اور اس مقام تک پہنچ گئے جہاں حجر اسود نصب کیا جانا تھا تو ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ یہ شرف اسے حاصل ہو، اس پر اتنا جھگڑا ہوا کہ آپس میں لڑائی تک کا خطرہ پیدا ہو گیا چار پانچ روز یہی جھگڑا چلتا رہا۔ آخر ایک روز حرم میں سب مشورہ کے لیے جمع ہوئے۔ بنی مخزوم میں سے ایک شخص ابو اُمیہ بن المغیرہ (ولید بن مغیرہ کے بھائی) نے جو اس وقت سب سے زیادہ سن رسیدہ تھا اٹھ کر تجویز پیش کی کہ ''اے قریش کے لوگو، اپنے اس اختلاف کا فیصلہ کرنے کے لیے اس بات پر اتفاق کر لو کہ سب سے پہلے جو شخص اس مسجد کے دروازے (۱۴۲) سے داخل ہو وہ اس کا فیصلہ کر دے۔'' اس تجویز کو سب نے مان لیا اب خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ سب سے پہلے داخل ہونے والے رسول اللہ تھے لوگوں نے آپ کو دیکھتے ہی کہا ''ھٰذا الامین، رضینا، ھٰذا محمد'' ''یہ امین ہیں، ہم راضی ہوگئے، یہ تو محمد ہیں۔'' مسند احمد کی روایت میں ہے کہ لوگوں نے آپ کو دیکھتے ہی کہا ''اتاکم الامین'' تمہارے پاس امین آگیا۔'' (۱۴۳)

رسول اللہ ﷺ کو جب معلوم ہوا کہ اب اس قضیہ کا فیصلہ آپ کو کرنا ہے تو آپؐ نے اپنی سیاسی بصیرت وحکمت، معاملہ فہمی اور قائدانہ صلاحیتوں کی بدولت فرمایا ایک کپڑا لاؤ، لوگ کپڑا لے آئے، آپؐ نے حجر اسود کو اس کپڑے پر رکھ دیا پھر فرمایا ہر قبیلہ ایک ایک طرف سے اس کپڑے کو پکڑ لے اور سب مل کر حجر اسود کو اٹھائیں۔ جب پتھر اس مقام تک پہنچ گیا جہاں اس کو لگانا تھا تو آپؐ نے اسے اپنے ہاتھ سے وہاں لگا دیا۔(۱۴۴)

حجر اسود کے متعلق معروف سیرت نگار قاضی سلیمان منصور پوریؒ لکھتے ہیں:

''حضرت ابراہیمؑ اور ان کی اولاد کا دستور تھا کہ میدان میں، جس جگہ عبادت گاہ مقرر کرتے وہاں ایک لمبا بن گڑھا پتھر ستون کی طرح کھڑا کر دیتے تھے جیسے اب بھی مسلمان کھلی جگہ نماز پڑھتے ہوئے اپنی چھڑی وغیرہ گاڑ لیا کرتے ہیں جسے سترہ کہتے ہیں۔ اس کا ثبوت کتاب پیدائش۔ ... سے بخوبی ملتا ہے۔ حجر اسود بھی اس قسم کا پتھر ہے اور یہ بھی شہادت اس امر کی ہے کہ کعبہ بنائے ابراہیمی ہے اب کونے میں لگا دینے کے بعد یہ اتنا کام دیتا ہے کہ طواف کا شروع اور ختم اس جگہ سے کیا جاتا ہے۔'' (۱۴۵)

بہر حال آپ کی حکمت عملی اور حسن تدبر کی بدولت ایک شدید خانہ جنگی کا خطرہ دور ہو گیا، آپس میں غصہ ونفرت کے بجائے

اتحاد و اتفاق اور یک جہتی کے جذبات ابھر آئے جس کی ہماہمی میں خانہ خدا کی باقی ماندہ تعمیر مکمل کی گئی اور تمام لوگ آپ ؐ کے ثناء منقبت میں رطب اللسان ہوئے۔ اس طرح جو لوگ آپ ؐ کے امین ہونے کی شہادت دے چکے تھے اب آپ کی دانش مندی اور انصاف پسندی کے بھی قائل ہو گئے، یہ واقعہ ایسا تھا کہ اس کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کی شہرت تمام ملک میں ہوگئی (۱۲۶) یہ نبوت سے صرف پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے۔ اس وقت ساری قوم نے بالاتفاق نا صرف امین ہونے کی شہادت دی بلکہ ساری قوم نے یہ بھی دیکھ لیا کہ آپ کس قدر عظیم ماہر سیاسیات بھی ہیں کہ آپ ؐ نے کس قدر خوبصورتی کے ساتھ اتنے خطرناک قضیے کو بہترین طریقے سے حل کر کے اپنی قوم کو کشت و خون سے بچا لیا۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ صرف یہی ایک موقع نہ تھا جب کہ حضور اکرم ﷺ نے قریش کے ایک قضیے کا فیصلہ کیا ہو بلکہ نبوت سے قبل اکثر لوگ اپنے معاملات کا تصفیہ کرانے کے لیے آپ ؐ سے رجوع کرتے تھے۔ (۱۲۷)

ان واقعات سے قطع نظر، ظہور نبوت کے بعد کی زندگی کے تیرہ سالوں میں جو کہ اسلامی تحریک کا ابتدائی دور ہے۔ اس ابتدائی دور میں اعلان نبوت، دعوت توحید اور دین اسلام کی روز افزوں مقبولیت کے بعد مشرکین مکہ نے مقاومت کا فیصلہ کیا۔ دین متین، انسانیت اور اصلاح و ترقی کے دشمنوں نے بارہ سرداروں کی کمیٹی قائم کی، رسول خدا کو دیوانہ، ساحر، شاعر قرار دیا گیا، صحابہ کرامؓ پر اذیتوں کے پہاڑ توڑے گئے، ہادیٔ اعظمؐ کے قتل کی اسکیم بنائی گئی، لیکن آپ ؐ نے اپنی با اصول اور جرأت مندانہ قیادت سے نا صرف مسلمانوں کو ہر ایذاء اور ابتلا کا حوصلہ مندی اور مستقل مزاجی سے مقابلہ کرنا سکھایا اور برابر ان کی ہمت بندھاتے رہے بلکہ بڑے تدبر اور حکمت عملی سے کام لے کر اپنے خاندان و قبائلی تعلقات، مخالف سرداران سے براہ راست رابطہ، ہجرت حبشہ، حج اور عکاظ کے میلہ پر نئے روابط کی تلاش وغیرہ کے ذریعے ایک طویل عرصہ تک اپنے جانی دشمنوں کو شدید مخالفت کے باوجود اپنے اوپر قاتلانہ حملہ سے بھی باز رکھا اور عام مسلمانوں کی اجتماعی قتل و غارت سے بھی (۱۲۸) اسلام کی اشاعت و تبلیغ کے ابتدائی دور میں جب اسلام ضعیف حالت میں تھا اور مسلمانوں کو بہت کٹھن اور مشکل حالات سے دوچار ہونا پڑا اس وقت آپ کی سیاسی اور عسکری بصیرت سے اسلام اور مسلمانوں کو تحفظ حاصل ہوا۔ مکہ کی عام سیاسی صورت حال ہو یا کفر اور اسلام کا معرکہ ہر موقع پر آپ کی معاملہ فہمی کا پتا چلتا ہے جس کے ذریعے اسلام مخالف قوتوں کو اپنے ناپاک ارادوں کے ساتھ پسپا ہونا پڑا اور ان کے اسلام مخالف منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے، آپ کی سیاسی و عسکری بصیرت اور مدبرانہ صلاحیتوں کا ہی کمال ہے کہ اسلام دشمن قوتوں کو اپنے مادی وسائل کے باوجود سیاسی اور عسکری میدان میں شکست ہوئی۔ مکی زندگی کے تیرہ سال سیاسی نقطۂ نگاہ سے آپ کی داخلہ پالیسی کی ایک اہم کامیابی تھی لیکن مکہ کی فضا اسلام کی ترقی اور ترویج و اشاعت کے لیے ناسازگار تھی لہٰذا آپ ؐ نے دور اندیشی اور تدبر سے کام لیتے ہوئے اسلام کی آزادانہ نشوونما کے لیے مکہ کے مخالفانہ ماحول سے دور امن و سلامتی کا گہوارہ تلاش کر لیا (۱۲۹) اور اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت نے ایک دور افتادہ شہر کے قبیلوں کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کر دیا، انہوں نے بصد شوق اس دعوت کے داعی کے ارشادات کو سنا اور دل و جان سے انہیں قبول بھی کر لیا، یہ دو قبائل بنی اوس اور بنی خزرج کے نام سے موسوم تھے، جو آگے چل کر انصار اللہ و انصار رسولہ کے معزز لقب سے ملقب ہوئے، انہوں نے بڑے خلوص اور مردانگی سے اس دین

حنیف کی تائید و نصرت کا حق ادا کر دیا جس سے صرف جزیرۂ عرب کی قسمت ہی نہیں بلکہ کاروانِ انسانیت کو اپنا کھویا ہوا مقام رفیع مل گیا۔(۱۳۰)

بیعتِ عقبہ

تحریک اسلام کا آغاز مکہ معظمہ میں ہوا، لیکن اس کے ملجاو مستقر بننے کا شرف چونکہ مدینہ طیبہ، مدینۃ النبی کا مقدر تھا، آپؐ نے اپنی توجہ زیادہ سے زیادہ یثرب کی طرف کر دی، قریش کی مخالفت و عداوت اور ایذاء رسانی کے باوجود آپؐ ان سے مایوس نہ ہوئے، البتہ آپ کی فکر رسا اور بصیرت اس نتیجے پر پہنچ گئی کہ اہل مکہ اور اس کے گرد و نواح کے قبائل میں تبلیغی سرگرمیاں تیز کر دینی چاہئیں اور مدینے کو اسلام کا ملجاو مستقر بنانے کے لیے کام کرنا چاہیے، تاریخ نے بعد میں ثابت کر دیا کہ آپ کی فکر و نظر کا ہدف ٹھیک اور صائب تھا، چنانچہ آپؐ ان لوگوں کی طرف زیادہ توجہ دینے لگے، جو یثرب سے حج، عمرہ وغیرہ کی غرض سے آئے تھے۔

نبوت کے گیارہویں سال حج کے موسم میں قبیلہ خزرج کے چھ افراد پیش ہوئے اور ہادیٔ اعظم و آخر کی دعوت اسلام پر ایمان لے آئے۔ قبیلہ خزرج کے نور اسلام سے منور ہونے والے مقدس افراد حسب ذیل ہیں۔

(۱) اسعدؓ بن زرارہ، (۲) عوفؓ بن الحارث (۳) رافعؓ بن عجلان (۴) قطبہؓ بن عامر (۵) عقبہؓ بن عامر (۶) جابرؓ بن عبداللہ بن رباب جب کہ بعض سیرت نگاروں نے حضرت جابرؓ بن عبداللہ کے بجائے عبادہ بن صامتؓ کا نام ذکر کیا ہے۔(۱۳۱)

نبوت کے بارہویں سال بارہ اشخاص خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئے، یثرب سے حاضر خدمت ہونے والے افراد میں پانچ تو انہی چھ میں سے تھے اور سات ان کے سوا تھے، جن کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) اسعد بن زرارہؓ (۲) عوف بن الحارثؓ (۳) رافع بن مالکؓ (۴) قطبہ بن عامرؓ (۵) عقبہ بن عامرؓ (۶) معاذ بن الحارث (۷) ذکوانؓ بن عبد قیس (۸) عبادہؓ بن صامت (۹) ابوالہیثمؓ مالک بن تیہان (۱۰) عویمؓ بن ساعدہ (۱۱) یزیدؓ بن ثعلبہ (۱۲) عباسؓ بن عبادہ بن نضلہ (۱۳۲)

ان حضرات کے قبول اسلام سے اسلامی قوت کا رتبہ بلند ہو گیا، اوس اور خزرج کے قبائل کے سرکردہ افراد کے دائرہ اسلام میں شامل ہونے سے نور اسلام کی کرنیں مدینہ منورہ میں پہنچ گئیں۔

نبوت کے تیرہویں سال قبیلہ اوس اور خزرج کے ۷۳ مرد اور ۲ عورتیں (۱۳۳) قافلۂ یثرب کے ساتھ مکے پہنچے، یہ مسلمان اپنے قبائل کے مشورے سے آپؐ سے بیعت ہونے اور آپ کو مدینے آنے کی دعوت دینے آئے تھے، تہائی رات گزرنے کے بعد ان سے وہ تاریخ ساز معاہدہ طے پایا جسے "معاہدہ عقبہ ثانی ۱۲ نبوی" سے موسوم کیا جاتا ہے، اہل مدینہ سے اپنی اور اپنے دین کی نصرت و امداد کا جو عہد آپؐ نے بیعت عقبہ کی صورت میں لیا وہ آپؐ کے اعلیٰ تدبر کا ثبوت ہے۔

معاہدے میں طے پایا کہ......!

(۱) ہم عہد کرتے ہیں کہ آنحضرت کی ایسی ہی حفاظت کریں گے، جیسی اپنی اہل و عیال کی کرتے ہیں۔

(ب) آنحضرت ﷺ اطمینان دلاتے ہیں کہ جو تمہارا دشمن ہے وہ میرا بھی دشمن ہے، جو تمہارا حلیف ہے وہ میرا بھی حلیف ہے، تمہاری ذمہ داری میری ذمہ داری ہے، میری ذمہ داری تمہاری ذمہ داری ہے، تمہاری عزت میری عزت ہے، میری عزت تمہاری عزت ہے۔(۱۳۴)

آنحضرت ﷺ کے تعلقات خارجہ کا یہی وہ مرحلہ ہے جو اسلام کے خارجی تعلقات کا سنگ بنیاد ثابت ہوا۔ یہاں اس امر کو ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ یہ معاہدہ اس وقت عمل میں آیا کہ جب اہل مدینہ نے ان اساسی مقاصد کو تسلیم کرلیا جن پر ایمان لانا دنیا کی وحدت اور قیام امن کے لیے ضروری تھا چنانچہ اس معاہدے نے مدینے کو اسلام کی عالمگیر سلطنت کا دارالخلافہ بنا دیا۔(۱۳۵)

"بیعت عقبہ ثانیہ" کے ذریعے رسول اکرمؐ اور اہل مدینہ کے درمیان جس انداز و پیمانے پر سیاسی رابطہ استوار ہوا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی قیادت کو مکمل سمع وطاعت کے ساتھ جس طرح قبول کیا اس کے بعد تو فی الواقع ضرورت اس امر کی رہ گئی تھی کہ کوئی قطعۂ اراضی زیر اثر آجائے جس میں کوئی اور سیاسی اقتدار کارفرما نہ ہو تو معاً ایک ریاست روبعمل آسکتی ہے چنانچہ ہجرت مدینہ کے بعد ایک طرف تو مسلمانوں کی جماعت کو عقد مواخاۃ کے ذریعے ایک منظم معاشرہ کی شکل دے دی گئی اور دوسری طرف ایک سرزمین بھی حاصل ہوگئی جہاں نیراج کی وجہ سے کوئی باقاعدہ سیاسی اقتدار موجود نہ تھا گویا ریاست کے کل عناصر ولوازم میسر آگئے۔(۱۳۶)

رسول اکرم ﷺ کی پیغمبرانہ فراست نے ہجرت کو ایک نو ایجاد سیاسی اصول کی حیثیت سے پیش کیا جس کی پیروی میں حبش، طائف اور مدینے کی ہجرت کی صورت عمل میں آئی، آنحضرت ﷺ کی معنوی طاقت اور قوت فیصلہ کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ آپؐ نے ناکامی کے تمام تصورات کو قبول کرنے سے انکار کردیا، مشکل سے مشکل مواقع پیش آئے مگر آپؐ نے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ ۔ !

(۱) اگر میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند رکھ دیا جائے، تب بھی تبلیغ دین اور دعوت توحید سے دست بردار نہیں ہوں گا۔(۱۳۷)

(۲)۔ ... یہ ناممکن ہے کہ میں وہ بات نہ کہوں جو ان باتوں سے اچھی ہے جو اب تک زبانوں پر آچکی ہیں اور میں وہ نعرہ بلند نہ کروں جس سے عرب اور عرب کے علاوہ ساری دنیا ایک مرکز اور ایک حکومت کے ماتحت آجائیں گے۔

آپؐ نے ترک وطن کے اصول کو قبول کیا، لیکن اصل مقصد سے ایک انچ ہلنا گوارا نہیں کیا، یہ ہجرت ہی تھی جس سے سیاسی توسیع کے نئے ذرائع ہاتھ آئے اور اسلامی تحریک محدود وطنی ماحول سے نکل کر ساری دنیا میں پہنچنے کے قابل ہوگئی۔(۱۳۸)

جب آپؐ مدینہ تشریف لائے تو بہت سے پیچیدہ سیاسی و اجتماعی مسائل آپ کو درپیش تھے مثلاً (۱) قریش مکہ کی مسلسل عداوت و مخالفت (۲) انصار کے قبیلوں اوس اور خزرج کے باہمی اختلافات اور لڑائیاں (۳) مدینہ میں بعض منافقین اور دوغلوں کا وجود (۴) انصار کے مقابلہ میں یہود مدینہ کی سماجی، اقتصادی اور مذہبی بالادستی (۵) مدینہ کا کمزور دفاع (۶) مرکزیت اور قانونی حکومت کا فقدان (۷) کمزور معیشت جسے سینکڑوں مہاجرین کا بوجھ بھی برداشت کرنا تھا۔

ان مسائل کے مقابلہ میں وسائل کی کیفیت یہ تھی کہ نہ حکومت تھی، نہ فوج، نہ خزانہ یعنی کسی ایک مسئلہ کے حل کے لیے بھی ظاہری اسباب مفقود تھے۔ اس کے باوجود آپؐ نے جس طرح کامیابی سے ان مسائل کو حل فرمایا وہ آپؐ کے عظیم الشان تدبر اور کامیاب سیاست کا منہ بولتا ثبوت ہے اور اس میں ہمارے راہنماؤں اور مفکرین کے لیے رہنمائی کا بے پایاں سامان موجود ہے۔ آپؐ نے مدینہ پہنچتے ہی ایسے اقدام کیے جنہوں نے ان سب مسائل کے تسلی بخش حل کی مضبوط بنیاد مہیا کر دی۔(۱۳۹)

مدینۂ طیبہ تشریف لانے کے بعد آپؐ کے سامنے دو راہیں تھیں.....

(۱) عصری تقاضوں کے مطابق آپؐ مذہب کی بنیاد پر ایک سیاسی اتحاد کی بنیاد ڈالتے، لیکن اس صورت میں یہودیوں کو اس اتحاد سے باہر رکھنا پڑتا اور مسلم معاشرے میں انہیں ثانوی حیثیت حاصل ہوتی۔

(۲) دوسرے یہ کہ آپؐ انصار اور مہاجرین پر مشتمل جنہوں نے آپ کی قیادت قبول کر لی تھی، ایک الگ سیاسی گروہ کی تنظیم کرتے لیکن آپؐ نے اس قسم کا کوئی علیحدہ گروہ بنانے کا فیصلہ نہیں کیا بلکہ ایک پر امن جماعت وجود میں لانے کا فیصلہ کیا جس کے ارکان کے بارے میں تعین کیا جاسکے کہ وہ باہم جنگ نہ کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے اختلافات کو بھی پر امن طریقے سے حل کرنے کی کوشش کیا کریں گے، آپؐ کے اس ارادے کے نتیجے میں وہ دستاویز وجود میں آئی جسے صحیفہ (میثاق مدینہ) کا نام دیا جاتا ہے۔(۱۴۰)

میثاقِ مدینہ: سیاستِ نبویؐ کا تاریخی شاہ کار:

ہجرت کے بعد آنحضرت ﷺ نے اہل مدینہ کے درمیان ایک تحریری معاہدہ مرتب فرمایا اس معاہدہ میں تمام اقوام مدینہ شامل ہوئیں اور یہ اسلام کے صیغۂ خارجہ کا پہلا معاہدہ ہے جس سے اسلامی سوسائٹی کے مقاصد کی تکمیل میں زبردست مدد ملی، معروف محقق اور سیرت نگار پروفیسر ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ "میثاق مدینہ" دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور ہے۔(۱۴۱)

موصوف نے اس تاریخی حقیقت کو ثابت کرنے کے لیے انگریزی میں ایک کتاب "The First Written Constitution in the World" کے نام سے لکھی جو ۱۹۷۵ء میں لاہور سے شائع ہوئی۔ موصوف "عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی" میں لکھتے ہیں:

عام قواعد وقوانین ملک کم وبیش تحریری صورت میں ہر جگہ ملتے ہیں، دستور مملکت کو عام قوانین سے علیحدہ تحریری صورت میں لایا جانا اس کی نظیر باوجود بڑی تلاش کے مجھے عہد نبویؐ سے پہلے نہیں مل سکی۔ یہ اس زمانے کی قانونی عبارت اور دستاویز نویسی کا اصول نمونہ ہے۔(۱۴۲) جملہ دستاویز میثاق مدینہ میں ۵۲ دفعات ہیں، پہلی ۲۳ دفعات انصار ومہاجرین کے متعلق قواعد پر مشتمل ہیں اور بقیہ حصہ یہودی قبائل کے حقوق وفرائض سے بحث کرتا ہے، ان دونوں میں ایک جملہ دہرایا گیا ہے کہ آخری عدالت مرافعہ محمد رسول اللہ کی ذات ہوگی۔(۱۴۳)

بعض مغربی مورخین نے میگنا کارٹا کو پہلا بین الاقوامی منشور قرار دیا ہے حالانکہ میگنا کارٹا ۱۲۱۵ء میں انگلستان کے شاہ جان اول (۱۱۹۹ء تا ۱۲۱٦ء) کے دور میں ہوا۔(۱۴۴) اور میثاق مدینہ ۶۲۲ء میں طے پایا۔ دونوں معاہدوں کے درمیان چھ سو سال کا

فاصلہ ہے۔ یہ تحریری معاہدہ تھا جس کی رو سے آنحضرت ﷺ نے چودہ سو سال پہلے انسانی معاشرے میں ایسا ضابطہ قائم کیا جس سے شرکائے معاہدہ میں ہر گروہ اور فرد کو اپنے اپنے عقیدے میں آزادی کا حق حاصل ہوا، انسانی زندگی کی حرمت قائم ہوئی، اموال کے تحفظ کی ضمانت مل گئی، ارتکاب جرائم پر گرفت و مواخذہ نے اپنا دباؤ ڈالا، مدینہ امن کا گہوارہ بن گیا۔

آنحضرت ﷺ کی سیاسی بصیرت، قائدانہ فہم و فراست اور حکمت و تدبر کے نتیجے میں معرض وجود میں آنے والی تاریخ ساز دستاویز "میثاق مدینہ" کی اہم دفعات اور مبادیات درج ذیل ہیں۔ (۱۲۵)

میثاقِ مدینہ کی اہم دفعات:

(۱) امت مسلمہ کی وحدت بلا تفریق

(۲) ابنائے امت میں حقوق و فرائض میں مساوات

(۳) ماسوائے ظلم و زیادتی اور گناہ کے کاموں کے دیگر امور میں ابنائے امت کا باہمی تعاون

(۴) دشمنوں کے ساتھ تعلقات کے سلسلے میں امت کا اشتراک

(۵) ہیئت انتظامیہ کی بہترین تنظیم جو راستی اور استقامت پر مبنی ہو

(۶) مملکت اور اس کے نظام کے برخلاف خروج کرنے والوں کو بے نقاب کرنا اور ان کی امداد سے باز رہنا۔

(۷) جو لوگ اہل اسلام کے ساتھ مصالحت و تعاون سے رہنا چاہیں، ان کی حمایت کرنا اور ان کے حقوق پر دست اندازی نہ کرنا۔

(۸) غیر مسلموں کے لیے ان کا دین اور اموال ہیں، انہیں دین اسلام قبول کرنے کے لیے مجبور نہیں کیا جائے گا اور نہ ان کے اموال زبردستی حاصل کیے جائیں گے۔

(۹) مملکت کے اخراجات برداشت کرنے میں مسلمانوں کے ساتھ ان کے غیر مسلم حلیف بھی حصہ دار ہوں گے۔

(۱۰) غیر مسلم حلیفوں پر واجب ہوگا کہ جب تک مملکت کو حالتِ جنگ درپیش ہو، وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر جنگ کے مصارف اٹھائیں۔

(۱۱) غیر مسلم حلیفوں پر واجب ہوگا کہ وہ مملکت کے خلاف ہر قسم کی سرکشی اور بغاوت کو کچلنے کے لیے مسلمانوں کے ساتھ تعاون کریں۔

(۱۲) اگر غیر مسلموں کو ظلم کا نشانہ بنایا جائے تو مملکت کی یہ ذمہ داری ہوگی کہ وہ اسی طرح ان کی امداد کرے جس طرح ہر مظلوم مسلمان کی امداد کی جاتی ہے۔

(۱۳) مملکت کے دشمنوں اور ان کے مددگاروں کی حمایت نہ کرنا، مسلمانوں اور ان کے غیر مسلم حلیفوں پر واجب ہے۔

(۱۴) جب امت کی بھلائی صلح میں ہو تو مسلمانوں اور غیر مسلم حلیفوں پر واجب ہے کہ وہ سب کے سب صلح قبول کریں۔

(۱۵) کسی فرد سے کسی دوسرے کے گناہ کا مواخذہ نہیں ہوگا اور نہ کسی شخص سے صرف اس کی ذات یا خاندان کے

بارے میں تاوان لیا جائے گا۔

(۱۶) حدود مملکت کے اندر اور باہر نقل وحرکت کی آزادی مملکت کی حمایت کے ساتھ مشروط ہوگی۔

(۱۷) کسی گناہ گار اور ظالم کی حمایت نہیں کی جائے گی۔

(۱۸) ہیئت اجتماعیہ کی بنیاد نیکی اور تقویٰ پر قائم ہوگی نہ کہ گناہ اور ظلم وزیادتی پر۔

(۱۹) ان مبادیات کا تحفظ یہ دو طاقتیں کریں گی......!

(الف) قوت معنویہ:

یہ عبارت ہے اس سے کہ ہیئت اجتماعیہ کا اللہ پر غیر متزلزل ایمان ہو، کیوں کہ اللہ تعالیٰ ہر نیکوکار اور وفا شعار کا فقط نگہبان ہے۔

(ب) قوت مادیہ:

یہ مملکت کی سربراہی ہے جو حضرت محمد ﷺ کی ذات میں مرکوز ہے۔(۱۴۶)

چند اہم دفعات:

''میثاق مدینہ'' کی چند دفعات ذیل میں درج نکات کی رو سے قابل توجہ ہیں۔

☆ فریق اول کا امن غیر منقسم قرار دیا گیا تھا، یعنی یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ مسلمانوں کے ایک حصے سے دشمنی ہو اور دوسرے کے ساتھ دوستی، مسلمان ملت واحدہ قرار دیے گئے۔(۱۴۷)

☆ جنگ شروع ہونے کے بعد فریق ثانی علیحدہ صلح کرنے کا مجاز نہ تھا، یعنی مسلمانوں کے ساتھ شامل ہونے کے بعد فریق ثانی کو دشمن کے ساتھ صلح کرنے کی اجازت نہ تھی۔(۱۴۸)

☆ فریق ثانی قریش مکہ کی جانب سے کسی معاملے میں دخل نہ دے سکتے تھے۔(۱۴۹)

☆ فریق ثانی کے کسی بات میں اختلافات ہونے کی صورت میں معاملہ اللہ (قانون الٰہی) اور محمد رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا جاتا تھا۔(۱۵۰) یہاں بھی حاکمیت اللہ کے قانون اور محمد رسول اللہؐ کے ہاتھ میں رکھی گئی۔

یہ دفعات اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ حکومت کے سربراہ رسول اللہ ﷺ تھے اور حزب اللہ مسلمانوں پر مشتمل تھی۔ فریق ثانی حکومت میں صرف اس قدر مشتمل تھا جہاں تک وہ قانون الٰہی پر کاربند رہتے تھے۔(۱۵۱)

''میثاق مدینہ'' رسول اکرم ﷺ کی سیاسی بصیرت اور حسن تدبر کا مثالی شاہکار ہونے کے ساتھ ساتھ رواداری، امن وسلامتی، آزادی اور عدل وانصاف کے ہر جوہر سے مزین ہے، یہ وہ تاریخی معاہدہ ہے جس کی بدولت خاتم النبیینؐ نے چودہ سو سال قبل ایک ایسا ضابطہ انسانی معاشرے میں قائم فرمایا جس کی تاریخ میں مثال ملنا محال ہے، یہ تاریخ ساز دستاویز اور اس کی دفعات اپنی حقیقت اور عملیت پر آپ گواہ ہیں۔ مدینہ منورہ میں ریاست کا قیام باقاعدہ اسی آئین (میثاق مدینہ) کے ذریعے کیا گیا اور

عہد نبویؐ کے معاہدات میں اولیت اس دستاویز کو حاصل ہے۔
دوسرا اہم نکتہ جو قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ یہ دستاویز صرف مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات ہی کا احاطہ نہیں کرتی بلکہ اس کی مخاطب پوری مدنی آبادی (مسلم، مشرک، یہودی) تھی۔
اس کا عنوان تھا:
"یہ دستاویز محمد رسول اللہ کی جانب سے ہے"
اس کے معنی یہ ہوئے کہ یہ دستاویز رسول اللہؐ نے عطا فرمائی، اس کے اندر جو فرائض اور حقوق درج تھے، آپؐ کے طرف سے آئین کی صورت میں عطا کیے گئے تھے۔
دوم یہ کہ اس کے دو فریق تھے (۱) پہلا فریق اہل اسلام (۲) دوسرا فریق ہر اس شخص یا ہر اس قبیلے پر مشتمل تھا جو آزادانہ طور پر اپنی آزادی فریق اول کے حوالے کرنے کا خواہش مند ہو۔
سوم یہ کہ یہ آزادی مکمل طور پر فریق اول کے رحم و کرم پر چھوڑی جارہی تھی، اس لیے کہ دوسرا فریق تین باتوں کو قبول کرتا تھا، ایک یہ کہ وہ مسلمانوں کے پیچھے چلے گا، دوم یہ کہ ان کی جماعت کا فرد بن کر رہے گا اور سوم یہ کہ جب قتال کی ضرورت ہوگی تو مسلمانوں کے شانہ بشانہ جنگ میں شریک ہوگا۔(۱۵۲)

میثاق مدینہ کی سیاسی عظمت واہمیت اور سیرت نگاروں کا تبصرہ:

معروف سیرت نگار قاضی محمد سلیمان منصور پوری "میثاق مدینہ" کی اہمیت وافادیت اور جزیرہ نمائے عرب کے تناظر میں عہد نبویؐ کے عرب معاشرے پر اس کے سیاسی اثرات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
اس معاہدے پر مدینے کے تمام آباد قوموں کے دستخط ہو گئے، اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے چاہا کہ گرد و نواح کے قبائل کو بھی اس معاہدے میں شامل کرلیا جائے، جس کے دو فائدے آپؐ کے زیر نظر تھے۔
(۱) جو خانہ جنگی قبائل کے درمیان ہمیشہ جاری رہتی اور خلق خدا کے خون سے خدا کی زمین کو رنگین کرتی رہتی تھی، اس کا انسداد ہو جائے۔
(۲) قریش ان لوگوں کو (یہود مدینہ و دیگر باشندگان) جن سے معاہدہ ہو جائے گا مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ نہ کرسکیں گے۔(۱۵۳)

اس طرح آنحضرت ﷺ نے ایک تو میثاق مدینہ کے تحت مدینہ بلکہ عرب تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک مرکزی اتھارٹی قائم کرلی اور یہود، اوس اور خزرج کے تعلقات میں توازن پیدا کیا نیز اسی میثاق کے ذریعے بلا لحاظ مذہب وملت تمام اہل مدینہ کو اس نئی شہری ریاست کے دفاع کے لیے آمادہ و تیار کیا اس دستور میں یہودیوں کے ساتھ معاہدے کی ایک دفعہ یہ تھی جس کے تحت مسلمانوں کے ساتھ فوج میں ان کی شرکت آنحضرت ﷺ کی اجازت پر منحصر رکھی گئی، اس دفعہ کو بغور دیکھا جائے تو یہ مطلب بھی نکلتا ہے کہ

یہودی آنحضرت ﷺ کی اجازت کے بغیر خود بھی مستقلاً کسی سے جنگ نہیں کر سکتے اس اہم قرارداد سے سب سے پہلے اور سب سے زیادہ مکے کے قریش متاثر ہوئے، جو مسلمانوں کے خلاف ان کی مدد کرنے والے یعنی یہودیوں کی امداد سے محروم کردیے گئے۔
بہر حال صلح و جنگ کو وفاق کا بلا شرط ایک مرکزی مسئلہ قرار دیا گیا اور جنگ کی کمان آنحضرت ﷺ کو حاصل ہوگئی جو آپ کی زبردست سیاسی کامیابی تھی۔ یہودیوں کے مقدمات میں آنحضرت ﷺ ان کے شخصی قانون ہی کے مطابق فیصلے کرتے تھے، جنگ و صلح کی طرح یہودیوں کی عدل کو بھی صراحت کے ساتھ مرکزی مسئلہ قرار دیا گیا اور انصاف میں رشتہ داروں وغیرہ کے باعث دخل دہی کی قطعی ممانعت کی گئی تھی اور قدیم زمانے کے انتقامات اور انتقامات کے انتقامات کا لامتناہی سلسلہ یکلخت روک دیا گیا، اس طرح آنحضرت ﷺ کا یہودیوں پر عدالتی اقتدار اعلیٰ بھی مسلمانوں کے لیے بڑی سیاسی فتح تھا۔ یہودیوں نے نا صرف آنحضرت ﷺ کو اپنا مقتدر اعلیٰ تسلیم کیا بلکہ شہر مدینہ و مضافات (جوف) کو ایک حرم بھی تسلیم کیا۔ اس سے آپ کی حیرت انگیز سیاسی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس تحریری دستور کا ہی نتیجہ تھا کہ اہل عرب ایک اقتدار کے تحت متحد ہوئے ورنہ اسلام سے قبل ایسا نہیں ہوسکا تھا۔ یہ ایک انوکھا اور حیرت انگیز واقعہ تھا کہ پورے ملک نے حضرت محمد ﷺ کو متحدہ طور پر اپنا روحانی اور سیاسی سردار تسلیم کیا۔
یہود و منافقین تک کو ایک مرکز کے تحت کرنا، شہری امن و امان قائم کرنا اور سب شہریوں کو دفاع کے لیے تیار کرنا معمولی کارنامہ نہیں تھا۔ آنحضرت ﷺ نے حکمت نبوی سے ان تمام مسائل کو پوری کامیابی کے ساتھ بخوبی حل کیا، اس تاریخی واقعیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہود اپنے علم وفن اور ذہانت وفراست کے لیے بجا طور پر شہرت رکھتے تھے لیکن صدیوں کی منافقت اور سرکشی نے انہیں حد درجہ عیار اور مکار بنا دیا تھا، کیا یہ آپ کا اعجاز نہیں کہ یہود نے اپنے خصائص کے باوصف اس معاہدے "میثاق مدینہ" کو اپنی مرضی سے قبول کرلیا اور اس وقت قبول کیا جب مسلمان انتہائی کسمپرسی کی حالت میں تھے اور اس معاہدے میں رسول اکرم ﷺ کی حیثیت اللہ تعالیٰ کے سچے نبی، حکمراں اور حکم کی تھی اور مسلمانوں کے مقابلے میں ان کی حیثیت ثانوی تھی، علاوہ بریں اس عہد نامے کی رو سے نا صرف یہ کہ مدینے میں اسلامی ریاست معرض وجود میں آگئی بلکہ یہود اور دیگر معاہد اقوام نے بھی اسے تسلیم کرلیا۔
بلاشبہ ... یہ رسول اکرم ﷺ کی عظیم سیاسی کامیابی تھی مذہبی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو یہود اور مشرک قبائل نے اس معاہدے پر دستخط کر کے مسلمانوں کو مومن اور بت پرست قبائل نے اپنے آپ کو مشرک تسلیم کرلیا۔ (۱۵۴)
آپؐ نے اپنے پیروکاروں اور جاں نثاروں میں اتحاد اور قوت پیدا کرنے اور معاشی مسئلہ کے حل کے لیے مواخات کے عدیم النظیر ہتھیار سے کام لیا یہ اقدامات آپ کی اعلیٰ اصولوں پر مبنی سیاست کاری کا زندہ ثبوت ہیں مواخات مہاجرین و انصار کے ذریعے آپؐ نے ایک ایسا مثالی معاشرہ تشکیل دیا جس میں محبت، ایثار اور امداد باہمی کا دور دورہ تھا۔ یہاں تک کہ انصار نے مہاجرین کو اپنے گھروں، کھیتوں اور کاروبار ہر چیز میں شریک بنا کر معاشی مشکلات کو بھی دور کیا اور باہمی تعاون کی ایسی فضا بھی پیدا کی جس میں دشمن کا مقابلہ آسان ہوگیا آنحضرت ﷺ نے مہاجرین و انصار کو یکجا کر کے ان میں ایسا عظیم بھائی چارہ قائم فرمایا کہ یہ رشتہ بالکل حقیقی رشتہ بن گیا، یہاں تک کہ جب کسی انصاری کا انتقال ہوجاتا تو اس کی جائیداد اور مال مہاجرین کو ملتا (۱۵۵)

اور بھائی بند محروم رہتے بھائی چارگی کی یہ نظیر اپنی مثال آپ تھی اور یہ اس فرمان الٰہی کی تعمیل تھی۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ٥

''جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں مال و جان سے جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے ان لوگوں کو پناہ دی اور ان کی مدد کی یہ لوگ آپس میں بھائی بھائی ہیں۔'' (۱۵۶)

جنگ بدر کے بعد جب مہاجرین خود کفیل ہو گئے اور انہیں اعانت کی ضرورت نہ رہی تو یہ آیت اتری۔

ترجمہ: اور رشتہ دار خدا کے حکم کی رو سے ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے۔'' (۱۵۷)

مہاجرین میں سے بعض اس قدر خود دار بھی تھے جنہوں نے انصار کی کوئی چیز نہیں لی، انہوں نے انصار سے کہا کہ وہ انہیں بازار کا راستہ بتا دیں پھر انہوں نے تجارت شروع کر دی اور مختصر مدت میں بہت بڑے تاجر بن گئے، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کا قول تھا کہ ''صحرا کی ریت پر ہاتھ ڈالتا ہوں تو وہ سونا بن جاتی ہے۔'' (۱۵۸)

انصار زراعت پیشہ اور مہاجرین تجارت پیشہ تھے مہاجرین نے انصار کی اراضی پر کاشت شروع کر دی اور انصار نے مہاجرین سے تجارت کے گر سیکھے اس طرح مدینہ میں مسلمانوں کی معیشت بحال ہو گئی، انصار اور مہاجرین کا یہ اتحاد ایک بہت بڑی طاقت کے روپ میں سامنے آیا۔ اس طرح آپؐ نے اہل اسلام کو رنگ و نسل کے امتیازات سے بالاتر کر کے رشتۂ اخوت میں منسلک کر دیا اور ایسی نئی ملت تیار کی جو دین اور انسانی اقدار پر مبنی تھی اسے ایک خدا، ایک رسول، ایک قبلے اور ایک ہی مقصد زندگی سے وابستہ کر دیا۔ ان کی روحانی و معاشرتی تربیت و اصلاح اور ان میں مرکزیت پیدا کرنے کے لیے مسجد نبوی تعمیر کی اور اسے اہل اسلام کی روحانی، سماجی، تعلیمی و عدالتی سرگرمیوں کا مرکز و محور قرار دیا مدینۃ النبیؐ میں بسنے والے مختلف گروہوں کے باہمی تعلقات اور حقوق و فرائض کو متعین و منضبط کیا، اس شہر کی سیاسی تنظیم اور تحفظ و دفاع کے لیے ''میثاق مدینہ'' جیسا عظیم منشور عمل میں لایا گیا پھر اس دستور کی اہمیت کے پیش نظر اسے قلمبند کرا کر محفوظ کر لیا، آنحضرتؐ نے اس میثاق کے لیے ''کتاب'' اور ''صحیفہ'' کے الفاظ استعمال فرمائے جس سے اس دستاویز کی اہمیت کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ (۱۵۹) اس منشور نے اہل ایمان کو طاقت و قوت کا سرچشمہ بنا دیا۔ اس طاقت و قوت کا نتیجہ یہ نکلا کہ انصار نے مسلسل سرکشی کے باعث اپنے حریف یہود اور مہاجرین نے قریش کو نیچا دکھایا بلکہ مختصر سی مدت میں نا صرف تمام قبائل عرب کو عصبیت میں ضم کر لیا بلکہ روم اور ایران کی جابر اور قاہر سلطنتوں کو اپنے پاؤں تلے روندا، سیاسی و عسکری نقطۂ نگاہ سے سیاست نبوی کا یہ پہلو انتہائی موثر اور کارآمد روپ میں سامنا آیا جس کی بدولت اسلام کی ترویج و اشاعت میں زبردست مدد ملی، ہر لحاظ یہ آپؐ کا عظیم کارنامہ ثابت ہوا، اس عظیم الشان کامیابی میں ایک طرف آپؐ کے عملی نمونہ اور اخلاق عالیہ خصوصاً ضبط و تحمل کی بے نظیر صفت اور دوسری طرف آپؐ کی انتظامی قابلیت و بصیرت کا بہت دخل تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ایک نئی ریاست کی تاسیس و تشکیل کے سلسلے میں ''میثاق مدینہ'' نے بڑا اہم اور بنیادی کردار ادا کیا۔

انگریز مصنف اور سیرت نگار جان بیگٹ المعروف جنرل گلپ پاشا (John Bagot, Globb Pasha / The Life and Timese of Muhammad) میں ریاست مدینہ کی تشکیل و تاسیس میں "میثاق مدینہ" کی اہمیت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

مسلمانوں اور یہودیوں کے باہمی معاہدے کے اقتباسات اس حقیقت پر روشنی ڈالتے ہیں کہ کس طرح مدینے آتے ہی پیغمبر اسلام کی ذات گرامی مقامی سیاست، انتظام مملکت اور انصاف کے معاملات میں گھر گئی تھی، ایک قابل سربراہ کے لیے جس کی اپنی جماعت روبہ ترقی ہو اور اس کے ارکان میں آئے دن اضافہ ہو رہا ہو، یہ بات ناگزیر ہو جاتی ہے کہ وہ ان امور پر توجہ دے جو معاشرت، معیشت اور انصاف کے لیے ضروری ہیں۔

مزید رقم طراز ہے:

"یہاں سے آپ کی زندگی میں یکسر تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے، آپ کی رسم و راہ بدلنے لگتی ہے، ہر طریقے سے ستایا جانا والا آدمی، دیکھتے ہی دیکھتے ایک سیاست دان اور حکمران میں تبدیل ہو جاتا ہے یہ تبدیلی اس وقت حقیقی تبدیلی سے زیادہ ظاہری تبدیلی تھی آپؐ نے بہت پہلے ہی غالباً یہ اندازہ لگا لیا ہو کہ آپ کا مشن ایک دن آپ کا رخ سیاست کی طرف موڑ دے گا۔(۱۶۰)

عرب میں عام طور پر اور مدینے میں خاص طور پر جو مرکز گریزی تھی اس کا علاج تنظیم پسند اور وحدت خواہ نبیؐ نے یہ تجویز کیا کہ "ایک حکمراں ایک قانون" "میثاق مدینہ" نے ایک نہایت اہم اور عرب کے لیے انقلابی اصلاح و ترقی یہ دی کہ لوگ اپنے حقوق اپنی یا زیادہ سے زیادہ اپنے خاندان کی مدد سے حاصل کرنے کی جگہ انصاف رسانی کو ایک مرکزی اور پبلک ادارہ بنا دیں یہ عہد آفریں کارنامہ اس دستاویز میں ریکارڈ میں لایا گیا ہے، جس نے قبائلیت کی افراتفری کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا اور ایک وسیع تر ادارے یعنی مملکت کی بنیاد ڈالی، اس دستاویز میں رسول اکرم ﷺ نے عدالتی، تشریعی، فوجی اور تنفیذی اعلیٰ ترین اختیارات اپنے لیے محفوظ فرما لیے لیکن ایک نہایت اہم اور قابل ذکر فرق اس اقتدار اور دیگر ممالک کے مستبدانہ شاہی اقتدار میں یہ تھا کہ یہاں مادیت کو دخل نہ تھا، رسول اکرم ﷺ نے سیاست میں اخلاقی عناصر داخل کیے۔ اصل سرچشمۂ اقتدار خدا کو قرار دیا تو اپنی ذات کو اس کا رسول اور نائب اور ساتھ ہی امت کے لیے لائے ہوئے احکام اپنی ذات پر بھی مساوی طور پر واجب التعمیل قرار دیے اور عہد نبویؐ میں ذات اقدسؐ کے خلاف دیوانی اور تاوان (ضمان) کے جو مقدمات دائر ہوئے، ان نظائر کی موجودگی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلام نے "King Can Do Not Wrong" حکمراں کسی فعل ناجائز کا مرتکب ہو ہی نہیں سکتا کہ نظریے کو مسترد کر دیا اور جب مملکت کا قوی ترین شخص قانون کی خلاف ورزی پر عدالتی دار و گیر سے محفوظ نہ رہ سکے تو دیگر عہدے دار اور عام لوگ بھی تعمیل زیادہ توجہ کے ساتھ کریں گے۔(۱۶۱)

پروفیسر ڈاکٹر محمد حمید اللہ ریاست مدینہ کی تشکیل میں میثاق مدینہ کی اہمیت اور رسول اکرمؐ کی سیاسی فہم و فراست کے حوالے سے تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ایک چھوٹی سی بستی کو جو بیس ایک محلوں پر مشتمل تھی، شہری مملکت کی صورت میں منظم کیا گیا اور اس کی قلیل لیکن بوقلموں اور

کثیر الاجناس آبادی کو ایک لگیدار اور قابل عمل دستور کے ماتحت ایک مرکز پر متحد کیا گیا اور ان کے تعاون سے شہر مدینہ میں ایک سیاسی نظام قائم کر کے چلایا گیا جو بعد میں ایشیا، یورپ، افریقہ کے تین براعظموں پر پھیلی ہوئی ایک وسیع اور زبردست شہنشاہیت کا بلا کسی وقت کے صدر مقام بھی بن گیا۔(۱۶۲)

مستشرق ٹور اینڈری (Tor Andrae) ''میثاق مدینہ'' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے

مدینے کی امت قوانین کسی دینی حکومت کے دستور کی وہ پہلی دستاویز ہیں جس نے بتدریج اسلام کو ایک عالمی مملکت اور عالمی دین بنا دیا۔(۱۶۳)

عراق کے معروف مستشرق اور واشنگٹن یونیورسٹی شعبہ اورینٹل اسٹڈیز کے سابق ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ ڈاکٹر مجید خدوری لکھتے ہیں:

''اس دستاویز کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ محض حلیفی اور اتحاد کا پیمان نہ تھی بلکہ اس کی حیثیت زیادہ وسیع تھی پہلے حصے سے محض یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ قبائل کے درمیان مصالحت کی سعی ہے، یہ ایک میثاق ہے جس کے ذریعے سے مدینہ منورہ کے عرب قبائل کی باہم رقابتیں مٹا کر مختلف عناصر کو متحد کر کے ایک ایسی قوم بنانا منظور تھا جو سب سے منفرد اور ممتاز ہو۔ دوسرے لفظوں میں یہ قبائل کے درمیان ڈھیلا ڈھالا اتحاد نہیں بلکہ اس اسلامی حکومت کا دستور ہے جو ابھی تعمیر کے مرحلے میں تھی اس کے ذریعے آنحضرت ﷺ نے ایک نئے نظام کے اندر تنگ نظرانہ قبائلی وابستگیوں کو تحلیل کر کے نئے مذہب اور نئی حکومت کو توجہ کا مرکز بنا دیا''

معاہدے کا دوسرا حصہ عرب قبائل اور یہودیوں کے درمیان اتحاد سے متعلق ہے، ہر یہودی قبیلہ مومنوں کے ساتھ مل کر ایک قوم قرار پایا لیکن یہودی قبائل بجائے خود ایک قوم نہ رہے۔ معاہدے کے اس حصے کی حقیقی حیثیت مظہر ہے کہ یہ ایک قسم کا وفاق تھا جو عربوں اور یہودیوں کے درمیان قائم کیا گیا تھا۔ حکومت مدینہ کو اس وفاق میں سرکردگی کی نمایاں حیثیت حاصل تھی۔ اس اتحاد کا نتیجہ یہ تھا کہ تمام عناصر وفاق میں بحیثیت مجموعی تعلقات خوشگوار رہے اور صرف ایک یہودی قبیلہ مسلمانوں سے برسر پیکار تھا۔(۱۶۴)

ریاست مدینہ کی تشکیل و تاسیس میں میثاق مدینہ کی اہمیت اور اسے پیغمبر اسلام کی سیاست کا اعجاز قرار دیتے ہوئے انگریز مصنف ہیل (Hell) لکھتا ہے:

''ایک عرب باشندے کو پہلے اپنے خاندان یا سرپرست کے علاوہ کسی اور کی پناہ یا تحفظ حاصل نہ تھا، لیکن حضرت محمدؐ نے بیک جنبش اپنے آپ کو اس دائرے سے نکال لیا اور اس قدیم جاہلی تصور سے بھی نجات پالی جس کے زیر اثر اہل مکہ ان کے خلاف جبر و تشدد کی انتہائی پالیسی اختیار کرنے سے ہچکچاتے رہے اور اس طرح انہوں نے اپنے قدیم رشتوں کو معطل کر دیا، قدیم خلیجوں کو پاٹ دیا اور ہر مسلمان کو پوری امت مسلمہ کا اجتماعی تحفظ عطا کیا۔ ہیل (HELL) کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

"Hither to the individual Arab had no other Protecrion than that of his family or that of this Patrow. Muhammad rid himself at one stroke of old Arab conception " which had kept the Mekkans themself back from adopting a drastic policy of suppression and repression against him. And with it he

dissolved the old ties, broke down old barriers, and placed every Muslim under the protection of the entire Community of the faithful." (165)

غرض وہاں کے تمام عناصر کے تعاون واشتراک سے مدینہ میں ایک ایسا سیاسی نظام قائم ہو گیا جو آگے چل کر دنیا کے تمام نظام ہائے سیاست کے لیے نظیر بن گیا۔ لہٰذا ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا یہ تبصرہ ہے کہ ”ایک چھوٹی سی بستی جو بیس، ایک محلوں پر مشتمل تھی، شہری مملکت کی صورت میں منظم کیا گیا اور اس کی قلیل لیکن بوقلموں وکثیر الاجناس آبادی کو ایک اور قابل عمل دستور کے تحت ایک پر متحد کیا گیا اور ان کے تعاون سے شہر مدینہ میں ایک ایسا سیاسی نظام قائم کر کے چلایا گیا کہ وہ بعد میں ایشیا، یورپ اور افریقہ کے تین بڑا عظموں پر پھیلی ہوئی ایک وسیع اور زبردست شہنشاہیت کا بلاکسی دقت کے صدر مقام بھی بن گیا اور وہیازن لکھتا ہے کہ:

The First arabic community with sovereign power was established by Muhammed (Peace be upon him) in the city of Madina, not on the bases of blood which naturally tends to diversity but upon that of religion dividing on all. (166)

”مکمل حاکمانہ اختیارات کے ساتھ پہلا عربی معاشرہ حضرت محمدؐ کے ہاتھوں شہر مدینہ میں قائم ہوا لیکن خون کی بنیاد پر نہیں جو لامحالہ اختلافات کو جنم دیتا ہے بلکہ دین کی بنیاد پر جس کا اطلاق ہر فرد پر یکساں طور پر ہوتا ہے۔

اور منشور مدینہ پر نکلسن کا تبصرہ یہ ہے کہ:

"Ostensibly a cautions and tactfue reform, it was in reality a revolution. Muhammed derst not stirke openly at the independence of the tribes, but he destroyed it ain effect by shifting the centre of power from the tribe to the community, and although the community included jews and pagans as well as Muslims he fully recognised what his opponents failed to foresee, that the Muslims were the active, and Must soon be the predominant, partners in the newly founded state. (167)

(مبینہ طور پر یہ ایک محتاط اور ماہرانہ اصلاح بلکہ درحقیقت ایک انقلاب تھا۔ (حضرت) محمدؐ نے قبائل کی خودمختاری پر نا صرف یہ کہ کھلم کھلا ضرب لگائی بلکہ اسے ختم کر دیا اور انجام کار مرکز قوت قبیلہ سے معاشرہ کو منتقل کر دیا۔ معاشرہ میں اگرچہ مسلمان، یہود اور مشرک بھی شامل تھے اور وہ اسے اچھی طرح جانتے تھے اور جسے ان کے دشمن نہ دیکھ سکے مگر ان کی نگاہ دوررس نے دیکھ لیا تھا کہ نئی بننے والی ریاست میں مسلمان ہی نا صرف فعال بلکہ اس کا غالب حصہ ہوں گے۔“

اور آخر میں وان کریم یہ بیان قابل ملاحظہ ہے کہ:

”آنحضرت ﷺ کی یہ خواہش تھی کہ ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالیں اور اس میں وہ کامیاب ہوئے لیکن اس کے ساتھ ہی ایک ملکی انتظام بھی انہوں نے پیدا کر دیا جو بالکل جدید اور خالص صورت رکھتا تھا، پہلے ان کی صرف یہ خواہش تھی کہ اپنے ملک والوں کو ایک خدا یعنی اللہ کے ایمان پر لائیں لیکن اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے وطن کی قدیم طرز حکومت کو بدل دیا اور ایسی عملداری کی جگہ جس میں قبیلوں کے امیر اور سردار حکومت کا کام کریں اور با اختیار خاندان پبلک کے کاموں میں حصہ لیں،

انہوں نے ایک خالص خودمختار بادشاہی کو قائم کر دیا اور خود اس کے بادشاہ بطور زمین پر خدا کے نائب کے ہو گئے۔" (۱۶۸)

رسول اللہ ﷺ نے بہرحال ایک ریاست کو بالفعل قائم فرما دیا اور وہ منشور مدینہ کے اجراء سے ایک صحیح اور متعین خطوط پر گامزن ہو گئی۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں کہ:

"یہ معاہدہ اس عہد کی قانونی عبارت اور دستاویز نویسی کا ایک مکمل نمونہ ہے اس کی اہمیت اسلامی مورخوں سے کہیں زیادہ یورپی عیسائیوں نے محسوس کی۔ (۱۶۹)

ولہازن، میور، گریملے، اسپرنگر، وینسنگ، کاکانی، بول وغیرہ کے علاوہ ایک جرمن مورخ رانکے (Ranke) نے مختصر تاریخ عالم لکھتے ہوئے بھی اس دستاویز کا ذکر کرنا ضروری خیال کیا ہے۔ (۱۷۰)

"میثاق مدینہ" کی سیاسی، دفاعی اور قانونی اہمیت

"میثاق مدینہ" کا غائر نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد اس معاہدے کی تاریخی، سیاسی، دفاعی اور قانونی اہمیت و عظمت کے بارے میں جو باتیں معلوم ہوتی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

(۱) میثاق مدینہ کی بدولت مدینے کی شہری ریاست کا آغاز ہوا اور رسول اکرم ﷺ مخالفین و لواحقین دونوں کی طرف سے اس ریاست کے سربراہ تسلیم کر لیے گئے اور اس طرح آپؐ ایک بین الاقوامی معاشرہ تشکیل دینے میں مصروف ہو گئے۔

(۲) اس معاہدے کی بدولت بقول سر ولیم میور، آپؐ نے ایک عظیم مدبر حکومت اور سیاست دان کی طرح مختلف الخیال اور مختلف باہم منتشر لوگوں کو متحد اور یکجا کرنے کا کام بڑی مہارت سے سرانجام دیا، آپؐ ایک ایسی ریاست اور ایک ایسے معاشرے کا آغاز کرنے میں کامیاب ہو گئے جو بین الاقوامیت کے اصول پر مبنی تھا۔ (۱۷۱)

(۳) اس میثاق کی بدولت سرکار دو عالمؐ نے عدالتی، تشریعی، فوجی اور تنفیذی اختیارات اپنے اور اہل اسلام کے لیے محفوظ کر لیے۔

(۴) آنحضرتؐ نے سیاست میں اخلاقی عناصر کو داخل کیا، اصل سرچشمۂ اقتدار اللہ تعالیٰ کو قرار دیا اور خود اللہ تعالیٰ کے نائب کی حیثیت اختیار کی۔

(۵) شہریت، تنظیم حکومت، سیاسی رواداری، فراست اور اسلامی حکمت عملی کا عمدہ اظہار بھی اس معاہدے کے ذریعے ہوا۔

(۶) اسی معاہدے کی بدولت مذہبی آزادی کا اصول وضع ہوا، نیز جن بنیادوں پر غیر مسلموں سے اتحاد و تعاون ہو سکتا ہے ان کی نشاندہی ہوئی۔

(۷) اسی معاہدے نے اہل اسلام سے باہمی حقوق و فرائض اور جملہ شہریوں کے آپس میں تعلقات اور حقوق و فرائض کا تعین کیا۔

(۸) اسی معاہدے نے ظلم، ناانصافی، عدم مساوات اور ایسی ہی دیگر خرابیوں کا سدباب کیا، عربوں کے قتل کا بدلہ لینے کا

قدیم انفرادی طریقہ ختم کر کے اسے اجتماعی فریضہ قرار دیا، کمزوروں، ناداروں اور مظلوموں کی داد رسی کا پورا پورا اہتمام بھی اس معاہدے کی رو سے ہوا۔

(۹) حالت امن اور حالت جنگ کا لائحہ عمل مرتب ہوا۔

(۱۰) میثاق مدینہ قریش کے خلاف ایک مشترکہ اتحاد بن گیا اور دشمنان اسلام کا داخلہ مدینے میں بند کر دیا گیا۔

(۱۱) مدینے کو حرم قرار دیا گیا، یوں اس نئی شہری ریاست کی حرمت قائم ہوئی۔

(۱۲) اس کے داخلی امن اور تحفظ و دفاع کا خاطر خواہ انتظام ہوا۔

(۱۳) قبائل کے باہمی خانہ جنگی کا انسداد بھی میثاق مدینہ کی بدولت ہوا۔

(۱۴) میثاق مدینہ نے اہل اسلام کے بڑے دشمن، مشرکین مکہ اور دوسرے قبائل کو مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کرنے سے روک دیا۔

(۱۵) اسی معاہدے نے شہریوں کے اندر قانون، اخلاق، مذہب اور انسانی قدروں کے احترام کا بھرپور جذبہ پیدا کیا۔

(۱۶) میثاق مدینہ ہی نے اللہ تعالیٰ کے احکام اور رسول اکرمؐ کے فرامین کو فائق حیثیت دے دی۔

(۱۷) رسول اکرمؐ کے جاری کردہ اسی نظام کی بدولت ایک مضبوط اسلامی ریاست اور صالح معاشرہ معرض وجود میں آیا۔(۱۷۲)

''میثاق مدینہ'' کے دو حصے ہیں۔ شق ۱ تا ۲۳ میں مہاجرین اور انصار کی وحدتوں کا ذکر ہے اور شق ۲۴ تا ۴۷ میں ان قواعد کا ذکر ہے جو مضافات مدینہ میں بسنے والے حلیف یہودی قبائل اور آبادیوں سے متعلق تھے۔ ان ہر دو حصوں کے قانونی (عدالتی) فقرات کی تحلیل یہاں بے محل نہ ہوگی۔

☆ حسب سابق ہر قبیلۂ انصار اپنے افراد کے مالی مواخذہ جات کا اجتماعی طور سے ذمہ دار ہوگا، اگر کوئی فرد دشمن کے ہاتھوں گرفتار ہو تو اس قیدی کے قبیلے کے تمام افراد مل کر فدیہ ادا کریں گے۔(۱۷۳)

☆ اس سلسلے میں انصار کے قبائل تو متعین تھے، لیکن مہاجرین مکہ سب مل کر ایک قبیلہ تصور کیے جائیں گے۔(۱۷۴)

☆ انصاف رسانی متفرد کے ہاتھوں میں نہیں رہے گی، بلکہ وہ پوری مسلم جماعت کا فریضہ سمجھی جائے گی اور اس میں کسی رشتہ داری اور قرابت کے باعث پاس و لحاظ نہیں کیا جائے گا۔(۱۷۵)

☆ کسی قاتل یا مجرم کو کوئی شخص پناہ نہیں دے سکے گا۔(۱۷۶)

☆ کسی مسلمان کا قتل عمد سزائے موت کا مستوجب ہوگا، البتہ مقتول کے ورثاء مسلمان ہوں تو وہ قاتل کے مسلمان ہونے کی صورت میں قصاص کا مطالبہ نہ کریں گے۔(۱۷۷)

☆ ہر قسم کے تنازعہ کے لیے رسول اللہ کا فیصلہ قطعی اور آخری ہوگا۔(۱۷۸)

☆ اسی طرح یہودیوں سے متعلق جو دفعات ہیں ان میں بیان کیا گیا ہے کہ۔

فدیہ، دیت، ولاء اور جوار کے ادارے حسب سابق برقرار رہیں گے۔(۱۷۹)

☆ مگر کوئی شخص قریش اور ان کے مددگاروں کو اپنے جوار یعنی پناہ میں لینے کا مجاز نہ ہوگا۔(۱۸۰)

☆ ... عدل گستری ایک مفاد عامہ کا معاملہ ہے اور کوئی شخص خود اپنے رشتے داروں کی بھی پاسداری نہ کر سکے گا۔(۱۸۱)

☆ ... رسول اللہؐ ہر قسم کے تنازعات میں آخری فیصلہ کریں گے۔(۱۸۲)

☆ ... اس طرح انفرادی انتقام جوئی کی جگہ مرکزی عدل گستری کا ادارہ وجود میں آ گیا اور یہ اختیار افراد ہی نہیں قبائل سے بھی چھین کر حکمران وقت (رسول اللہؐ) کے سپرد کیا گیا جو تفتیش اور غیر جانبداری کے پابند تھے۔(۱۸۳)

سیاسی، عسکری اور دفاعی فوائد و ثمرات

"میثاق مدینہ" پیغمبر اسلام کی بے مثال سیاسی بصیرت، دفاعی حکمت عملی، دور اندیشی اور قیادت و سیادت کی اعلیٰ ترین صلاحیتوں کا مظہر ہے، جس کی بدولت مسلمانوں کو سیاسی، عسکری اور دفاعی نوعیت کے مندرجہ ذیل اہم فوائد حاصل ہوئے۔

(۱) اسلامی مملکت (ریاست مدینہ) کو ایک مضبوط اساس فراہم ہوگئی، جسے داخلی اور خارجی دشمنوں کی سازشیں اور کوششیں متزلزل نہ کرسکیں اور......

(۲) اسے یہود اور دیگر غیر مسلم قبائل نے تسلیم ہی نہیں کیا بلکہ اس کے حلیف بن گئے اور اس کے دفاع کی مشترکہ ذمہ داری بھی قبول کر لی۔

(۳) مسلمانوں کو دینی، قومی اور سیاسی تشخص حاصل ہوگیا اور اسے تسلیم بھی کرلیا گیا جس نے تحریک اسلام کی کامیابی کی راہ ہموار کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

(۴) مسلمانوں کو مدینے میں سیاسی اعتبار سے بالخصوص مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی، جس کی بناء پر وہ پہلے یثرب میں اور پھر سارے عرب میں دینی، یعنی مذہبی، سیاسی، معاشی اور ثقافتی انقلاب لانے میں کامیاب ہوگئے۔

(۵) میثاق مدینہ قریش کی کوششوں میں اس طرح حائل ہوا کہ ابتدائی دور میں جو از حد خطرناک تھا وہ مدینے میں کسی کو اپنا حلیف بنانے میں کامیاب نہ ہوسکے نیز جب انہوں نے مدینے پر بھرپور حملہ کیا تو اپنے سیاسی و مذہبی اثر و رسوخ کے باوجود کسی یہودی یا اپنے ہم مذہب قبیلے کو پیچھے سے مدینے پر حملہ کرنے پر آمادہ نہ کر سکے، جنگ احد میں قریش کی ناکامی کا بھی یہ ایک اہم سبب تھا۔

(۶) میثاق مدینہ کی دفاعی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں نے جب قریش کو مرعوب کرنے اور بساط اقتصادیات پر ان کو زچ کرنے کی خاطر عسکری مہمات کا آغاز کیا تو مدینے کے کسی قبیلے نے نہ تو اعتراض کیا اور نہ ہی مداخلت کی۔

(۷) میثاق مدینہ نے اسلامی مملکت کے لیے حصار کا کام دیا، نیز اس سے مسلمانوں کو حلیف قبائل میں تبلیغ اسلام کا کام کرنے اور انہیں اسلامی عقائد و تعلیمات سے روشناس کرانے اور شرک و بت پرستی کے نقصانات سے متنبہ کرنے کے بہتر مواقع حاصل ہوگئے۔(۱۸۴)

میثاق مدینہ...... عالمگیر اسلامی مملکت کی اساس

رسول اللہ ﷺ کی سیاست خارجہ اور داخلہ پالیسیوں کے حوالے سے میثاق مدینہ کے سیاسی اثرات اور مثالی مملکت کے قیام میں اس کے متاثر کن کردار پر ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا تبصرہ ملاحظہ کیجیے۔

"ایک شخص جسے اپنے وطن میں جان کے لالے پڑے ہوں، صرف ایک رفیق کے ساتھ غاروں میں چھپتا، نامانوس اور دشوار گزار راستوں پر چلتا، سینکڑوں میل دور جا پناہ گزیں ہوا ہو، وہ دس سال بعد جب انتقال کرتا ہے تو دس لاکھ مربع میل سے زیادہ کے علاقے کا حکمراں بن چکا تھا۔

پھر اس علاقے میں جہاں اس سے پہلے کبھی سیاسی مرکزیت آئی ہی نہ ہو اور ملک قبائلی سطح تمدن سے بلند نہ ہو سکا ہو، اس مزاج میں ایک راج قائم کرے اور بغیر کسی نمونے کے ایک باقاعدہ مملکت کی ضرورت کی ہر چیز رائج کرے اور ایک ایسی حکومت قائم کرے جس کا آغاز ایک شہر کے چند محلوں سے ہوا ہو اور جو ۲۷ ہی سال میں دنیا کی دو عظیم سلطنتوں سے مقابلہ کرے اور بیسیوں دیگر سلطنتوں کو شکست دے کر ایشیا، افریقہ اور یورپ کے تین براعظموں پر پھیل جائے۔

اس سیاست کا مطالعہ صرف ایک عظمت ماضیہ کا مطالعہ نہیں بلکہ ایک اس شخصیت کے کارناموں کا مطالعہ ہے جس کے ہر قول وفعل کو اب بھی دنیا کی چوتھائی آبادی اپنا قانون اور اپنے لیے اسوۂ حسنہ سمجھتی ہے۔(۱۸۵)

میثاق مدینہ کو ہجرت کے کلی تناظر میں دیکھا جائے تو اس کی یہ اہم خصوصیت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ اس کی رو سے یثرب کی حکومت نا آشنا سرزمین میں پہلی مرتبہ عدل و مساوات کے اصولوں پر منظم اور منضبط مملکت معرض وجود میں آئی اور لوگوں کو شہری اور معاشرتی امن و سلامتی کی نعمت غیر مترقبہ میسر آ گئی۔

اس موقع پر یہ بتا دینا ضروری ہے کہ مکے کے برعکس یثرب (مدینہ منورہ) میں رسول اکرم ﷺ کی ہجرت مدینہ کے وقت کوئی مرکزی حکومت نہ تھی۔ مکہ مدت سے ایک شہری ریاست تھا جس میں قریش کی حکومت تھی اور اس حکومت کے پچیس کے قریب شعبے تھے لیکن مدینے میں عرب (اوس و خزرج) اور یہود دونوں بالترتیب بارہ اور دس قبیلوں میں منقسم تھے اور ہر قبیلہ اپنے رسم و رواج کے مطابق اپنے امور مقدمات کا فیصلہ کرتا تھا۔

تاریخی حقائق کو پیش نظر رکھا جائے تو تضادات و انتشار کی اس سرزمین میں ایک منظم و منضبط مرکزی حکومت کا قیام رسول اکرم ﷺ کا ایک عظیم و عہد آفرین کارنامہ ہے اس مملکت کی اساس چونکہ اسلامی اصولوں پر استوار تھی لہٰذا یہ امن و سلامتی کا گہوارہ تھی اور اس میں غیر مسلموں کے لیے بڑی کشش پائی جاتی تھی(۱۸۶)

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ ابتداء میں یہودیوں نے اہل مکہ سے جنگ کے موقع پر غیر جانبداری اختیار کیے رکھی لیکن کچھ ہی عرصے کے بعد انہوں نے عہد شکنی کا ارتکاب کیا مگر اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے عالی ظرفی سے کام لیتے ہوئے دوستانہ تعلقات کو برقرار رکھا اور ان کو صرف اس وقت سزائیں دیں اور مدینہ سے بے دخل کیا جب انہوں نے بالکل واضح اور کھلی ہوئی بغاوت کا ثبوت دیا۔(۱۸۷) مدینہ کے دفاع اور اس کو محفوظ رکھنے کے لیے ضروری تھا کہ اندرونی استحکام کے ساتھ ساتھ پڑوسی قبائل سے بھی دوستانہ تعلقات استوار کیے جائیں چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ مغربی علاقوں اور سرحدی اضلاع کا دورہ فرماتے

ہیں اور وہاں کے بسنے والے قبائل سے معاہدات کرتے ہیں جس کے نتیجہ میں مذکورہ قبائل اور مسلمان دفاع کے معاملہ میں باہم حلیف بن گئے۔ بعض معاہدات میں دوسرے فریق نے اس معاملہ میں اتفاق نہیں کیا غرض اس طرح مدینہ کے آس پاس کے قبائل سے دشمنی کے بجائے زیادہ سے زیادہ دوستی کرنے کے لیے آپؐ نے کوششوں میں کسی قسم کی کمی نہیں کی۔

بہرحال مکہ کی طرف سے مطمئن ہونے اور یہودیوں کو مدینہ سے بے دخل کرنے کے بعد آپؐ نے قریش مکہ سے ۱۰ سال کے لیے ایک معاہدہ فرمایا تاکہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت بڑے پیمانہ پر کی جاسکے مکہ والوں کے ساتھ آپ کا یہ معاہدہ ''صلح حدیبیہ'' (۱۸۸) کے نام سے موسوم ہے یہ صلح مسلمانوں کے لیے فتح مبین ثابت ہوئی جیسے کہ خود قرآن میں اس کی طرف اشارہ (۱۸۹) کیا گیا ہے صلح حدیبیہ نہ صرف یہ کہ آنحضرت ﷺ کے رویائے صادقہ کی تعمیل تھی بلکہ سیاسی اعتبار سے بھی یہ واقعہ اسلام کی آئندہ تمام کامیابیوں کا مقدمہ ہے۔ یہ ایسا اہم موڑ ثابت ہوا جس نے حالات کے دھارے کو پلٹ دیا۔ اس صلح کے ذریعے حضورؐ نے ایک طرف تو اپنے ایک سخت دشمن قریش کو خاموش کردیا اور دوسری طرف خیبر کے اہم یہودی محاذ کو ایک ہی ہلہ میں توڑ ڈالا نیز اس معاہدہ نے بین الاقوامی تعلقات کی راہ استوار کردی، اس کے بعد آپؐ نے مختلف ایار و امصار میں اپنے سفرا بھیجے اور سلاطین کو خطوط لکھے۔ عرب کے قبائل کو آزادی حاصل ہوگئی کہ ان میں سے جو بھی چاہے حکومت مدینہ کا ساتھ دے، پھر جنگوں سے ایک حد تک فراغت پاکر مسلمانوں کو اپنی تربیت و کردار سازی کا موقع حاصل ہوا نیز اس معاہدہ کی وجہ سے آپ کو اندرون و بیرون عرب میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا بہترین موقع مل گیا مسلمانوں اور مشرکین مکہ و عرب کے درمیان ہر طرح کے میل جول کے راستے کھل گئے بہت سی غلط فہمیاں دور ہوگئیں۔ اسلام کی آواز گھر گھر پہنچنے لگی، وفود آنے لگے، پھر کچھ عرصے بعد مکہ والوں کی صلح شکنی کے نتیجہ میں آنحضرت کو اپنے مولد و وطن کی ''پرامن فتح'' کا موقع مل گیا۔ یہ کام ۸ھ تک پورا ہوگیا فتح مکہ دراصل وہ آخری قدم تھا جس کے بعد آپؐ اپنی حکمرانی میں پورے جزیرہ نمائے عرب کو متحد کرنے میں کامیاب ہوگئے اور اس طرح آپؐ نے اپنی زندگی میں ہی اسلامی ریاست کو مضبوط بنیادوں پر قائم فرمادیا۔

پیغمبر اسلام ﷺ کی سیاسی بصیرت، قائدانہ صلاحیت اور تدبر و فراست کے نتیجے میں معرض وجود میں آنے والی مثالی مملکت مدینہ کے متعلق مغرب کا دانشور اے جے آربری (A.J.Arberry) اعتراف حقیقت کے طور پر لکھتا ہے:

When heMuhammad(ﷺ) died in 634

Islam was Secure as the Paramaunt religion and Political System of all arabia (190)

''جب ۶۳۲ (۱۹۱) میں حضرت محمد کا وصال ہوا اس وقت اسلام پورے خطۂ عرب میں ایک غالب دین اور سیاسی نظام کے طور پر مستحکم ہوچکا تھا''

اس طرح آنحضرت ﷺ کا سیاسی تدبر نا صرف پہلی اسلامی ریاست کے قیام بلکہ عرب اور دیگر علاقوں میں غلبۂ دین کا سبب بنا، لہٰذا میثاق مدینہ، نیز غیر مسلموں سے رواداری اور پرامن بقائے باہمی کے اصول کے تحت کیے جانے والے دیگر مذہبی و اقتصادی اور سیاسی و عسکری معاہدات، غزوات نبویؐ، یہود و منافقین کے ساتھ حکمت و مصلحت پر مبنی سلوک و برتاؤ، سیاسی بصیرت سے مالا مال مدبرانہ صلح حدیبیہ اور اس کے عالمگیر اثرات، شاہان عالم کی طرف روانہ کردہ تبلیغی خطوط اور اس کے عظیم نتائج، عفو و

درگزر پر مبنی فتح مکہ اور اس کے اہم نتائج، حجۃ الوداع کا موقع اور اس کا خطبہ آپ کی حکمت و بصیرت پر مبنی سیاسی زندگی کا عظیم شاہکار ہیں جن کا تفصیلی تذکرہ آنحضرت کی سیاسی و عسکری زندگی کے حوالے سے، موقع کی مناسبت سے آگے آئے گا۔

﴿حواشی و حوالہ جات﴾

(۱) ندوی، مولانا سید ابوالحسن علی/ نبی رحمتؐ، جلد اول، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۱۹۷۸ء

(۲) القرآن الحکیم سورہ روم ۳۰:۳۱

(۳) ایضاً ۳۰:۳۱

(۴) ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، ڈاکٹر/ پیغمبر اعظم و آخرؐ، فیروز سنز، لاہور، ص ۱۸۱

(۵) عجیب بات ہے کہ گوتم بدھ نے بھی اور زرتشت نے بھی اپنی تعلیم کو مکمل کرنے والے جس آئندہ نبی کی بشارت سنائی اس کے نام کے معنی "رحمۃ للعالمین" ہی ہیں۔ رسول اکرم کو قرآن نے بھی اسی لقب سے مخاطب کیا ہے۔

(۶) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر/ رسول اکرم کی سیاسی زندگی، دارالاشاعت، کراچی، ۱۹۸۷ء، ص ۴۷

(۷) ندوی، مولانا، سید ابوالحسن علی/ نبی رحمتؐ، ج اول، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۱۹۷۸ء، ص ۳۶

(۸) محمود احمد ظفر، حکیم/ سیرت خاتم النبیینؐ، تخلیقات، کراچی، ۲۰۰۱ء، ص ۱۱۳

(۹) القرآن الحکیم: البقرۃ ۱۲۹

(۱۰) مسلم بن الحجاج القشیری/ الصحیح، دہلی، ۱۳۳۹ھ، بروایت قتادہ

(۱۱) مودودی، سید ابوالاعلیٰ/ سیرت سرور عالمؐ، جلد دوم، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۷۸ء، ص ۹۳

(۱۲) (ھذا ھو المشھور وعند الجمھور) ابن کثیر، عماد الدین ابی الفداء اسماعیل، البدایہ والنہایہ ج دوم، بیروت، ۱۹۶۶ء، ص ۲۶۰

(۱۳) مودودی، سید ابوالاعلیٰ/ سیرت سرور عالمؐ، جلد دوم، لاہور، ۱۹۷۸ء، ص ۹۳

(۱۴) زرقانی، ابوعبداللہ محمد بن عبدالباقی بن یوسف بن احمد بن علوان مصری ازہری مالکی (۱۰۵۵ـ۱۱۲۲/ ۱۶۴۵ـ۱۷۱۰ء) شرح المواہب اللدنیہ، جلد اول، بیروت، لبنان، دارالکتب العلمیہ، ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء، ص ۱۳۱

(۱۵) ایضاً، ص ۱۳۰

(۱۶) مودودی، سید ابوالاعلیٰ/ سیرت سرور عالمؐ، جلد دوم، لاہور، ۱۹۷۸ء، ص ۹۳

(۱۷) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر/ رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ص ۴۷

(۱۸) ابن ہشام، ابومحمد عبدالملک ہشام الحمیری (م ۲۱۳ھ/ ۸۲۸ء) السیرۃ النبویہ جلد اول، بیروت، لبنان، دار ابن کثیر، ۱۴۲۳ھ/ ۲۰۰۳ء، ص ۸۷

(۱۹) ابن سعد، ابوعبداللہ محمد (۱۶۸ـ۲۳۰ھ/ ۷۸۴ـ۸۴۵ء) الطبقات الکبریٰ، بیروت، لبنان، دار بیروت للطباعۃ والنشر ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء، ص ۱۹

(۲۰) سلیمان ندوی و شبلی نعمانی، علامہ/ سیرۃ النبیؐ، جلد اول، اعظم گڑھ، ۱۳۵۱ھ، ص ۱۷۲/ سلیمان منصور پوری، قاضی، رحمۃ للعالمین، لاہور، ۱۹۵۲ء، ص ۴۱

(۲۱) ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، پیغمبر آخر و اعظمؐ، ص ۱۸۵

(۲۲) ابن ہشام، جلد اول، ص ۱۵۶

(۲۳) ڈاکٹر محمد حمید اللہ/ رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ص ۴۵

(۲۴) زرقانی، جلد سوم، ص ۱۷۳

(۲۵) ابن سعد: طبقات، جلد اول، ص ۷۳

(۲۶) ایضاً جلد اول ص ۱۸۰

(۲۷) ایضاً جلد اول ص ۱۸۱

(۲۸) ایضاً جلد اول ص ۱۸۳

(۲۹) ندوی، علامہ سید سلیمان، سیرۃ النبیؐ جلد اول، ص ۱۸۱

☆ ندوی، شاہ معین الدین، تاریخ اسلام، جلد اول، مشتاق اکیڈمی پاکستان، کراچی، نومبر ۱۹۷۵ء، ص ۲۱

☆ ابن سعد، طبقات، جلد اول، ص ۱۸۰

☆ ہیکل، محمد حسین، حیاۃ محمدؐ، مترجم ابویحییٰ امام خان، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۳ء، ص ۱۱۸

☆ ابن خلدون، عبدالرحمٰن بن خلدون (۷۳۶ـ۸۰۸ھ) مقدمہ کتاب العبر و دیوان المبتدء والخبر فی العرب والبربر ومن عاصرھم من ذوی الشان الاکبر (مقدمہ ابن خلدون) جلد اول، بیروت، لبنان، دارالفکر، ۲۰۰۳ء، ص ۳۵

(۳۰) ابن سعد، طبقات، جلد اول، ص ۹۹ تا ۱۰۱

(۳۱) ایضاً، ص ۷۳

(۳۲) شرح ابن ابی الحدید

(۳۳) ابن حبیب البغدادی، کتاب المحبر، دکن، ۱۹۴۲ء، ص ۱۸۶

(۳۴) ابن حجر العسقلانی/ الاصابہ فی تمیز الصحابہ، مصر ۱۹۳۹ء، جلد دوم، ص ۳۰۸

(۳۵) رحمۃ للعالمینؐ، جلد اول، ص ۹۶

(۳۶) ابن سعد، طبقات، جلد اول، ص ۸۰

(۳۷) بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم مغیرہ (۱۹۴ـ۲۵۶ھ/ ۸۱۰ء ـ ۸۷۰ء) کتاب الاجارۃ، صحیح، جلد ۶، بیروت لبنان، دمشق و شام: دارالقلم، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء، ص ۹۳۱

(۳۸) محمد حمیداللہ، ڈاکٹر/ رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، ص ۵۷

(۳۹) ابوداؤد، سلیمان بن اشعث سجستانی (۲۰۲ـ۲۷۵ھ/ ۸۱۷ـ۸۸۹ء) السنن، جلد ۲، بیروت، لبنان. دارالفکر، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۴ء، ص ۳۱۷

(۴۰) ابن سعد: طبقات، جلد اول، ص ۲۰۱

(۴۱) ایضاً ص ۱۳۹

(۴۲) ایضاً ص ۲۰۱

(۴۳) محمد حمیداللہ، ڈاکٹر/ رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، ص ۵۷

(۴۴) ازرقی، ابوالولید محمد بن عبداللہ، اخبار مکۃ وما جاء فیہا من الآثار، مکہ ۱۳۵۲ھ

(۴۵) ہیکل، محمد حسین، حیاۃ محمدؐ، ص ۱۳۵

(۴۶) بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴ـ۲۵۶ھ/ ۸۱۰ـ۸۷۰ء) الصحیح، بیروت، لبنان، دمشق، شام: دارالقلم، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء

(۴۷) امام بخاریؒ، صحیح بخاری، جلد ۶، ص ۶۷۲

(۴۸) ابن سعد، طبقات، جلد اول، کتاب التفسیر

(۴۹) ہیکل، محمد حسین، حیاۃ محمدؐ، ص ۱۳۸

(۵۰) القرآن الحکیم: سورۃ العلق ۹۶ـ القرآن، سورۃ العلق، آیت ۱ـ۵

(۵۱) البخاری باب الوحی ۱ تا ۵ کتاب التفسیر

(۵۲) محمد حمیداللہ، ڈاکٹر/ رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، ص ۸۲

(۵۳) القرآن الحکیم: سورۃ الضحیٰ ۱۱

(۵۴) عبدالمتعال الصعیدی، عہد نبوی کی اسلامی سیاست، مترجم شیخ محمد احمد پانی پتی، ادارہ فروغ اردو، لاہور، ۱۹۶۰ء، ص ۱۷

(۵۵) امین احسن اصلاحی، نقش سیرت، ادارہ نقش تحریر، کراچی، ۱۹۶۸ء، ص ۹۴۳

(۵۶) بشیر احمد تمنا، پروفیسر، تاریخ اسلام (مکمل)، امجد غزنویک پیلس، لاہور، ص ۶۰

(۵۷) خالد علوی، ڈاکٹر، سرورِ عالم کا ہمہ گیر انقلاب اور انسانی تہذیب و تمدن پر اس کے اثرات، جنگ کراچی، ۵ جولائی ۲۰۰۲ء، ص ۵

(۵۸) حافظ محمد ثانی، ڈاکٹر/ میثاق مدینہ سیاست نبوی کا مثالی شاہکار، السیرۃ، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی، ص ۱۳۳

(۵۹) سہیلی، الروض الانف، جلد ۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۹۷۸ء، ص ۲۴۷

(۶۰) ساجد میر، پروفیسر، سیاست نبوی، روزنامہ جنگ، کراچی، ۱۹۸۸ء، ص ۶

(۶۱) حافظ محمد ثانی، ڈاکٹر/ میثاق مدینہ سیاست نبوی کا مثالی شاہکار

(۶۲) ابن منظور الافریقی/ لسان العرب، بولاق، ۱۳۰۲ھ، ص ۱۱۷

(۶۳) سید ابوالاعلیٰ مودودی، سیرت سرورِ عالم، جلد دوم، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ص ۱۱۰

(۶۴) محمود احمد ظفر، حکیم، سیرت خاتم النبیین، تخلیقات، لاہور، ص ۱۵۳

(۶۵) ابن کثیر، ابوالفداء اسمٰعیل بن عمر (۷۰۱۔۷۷۴ھ/ ۱۳۰۱۔۱۳۷۳ء)، السیرۃ النبویہ، جلد اول، بیروت، لبنان، دار الفکر، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء، ص ۲۶۱

(۶۶) نصیر احمد ناصر، ڈاکٹر/ پیغمبر اعظم و آخر، ص ۱۹۳

(۶۷) محمود احمد ظفر، حکیم/ سیرت خاتم النبیین، ص ۱۵۴،

(۶۸) محمد بن حبیب/ کتاب المحبر، ص ۳۳،۱۳۳

(۶۹) السہیلی، ابی القاسم عبدالرحمٰن، کتاب الروض الانف، جلد اول، مصر، ۱۹۱۴ء، ص ۹۰ تا ۹۳/ المسعودی، ابی الحسن علی بن الحسین، مروج الذہب و معادن الجوہر، جلد چہارم، مصر، ۱۹۵۸ء

(۷۰) ایضاً

(۷۱) حافظ محمد ثانی، ڈاکٹر، معاہدہ حلف الفضول، السیرۃ، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی، ۱۴۲۳ھ، ص ۲۵۴

(۷۲) محمود احمد ظفر/ سیرت خاتم النبیین، ص ۱۵۲

(۷۳) نصیر احمد ناصر، ڈاکٹر/ پیغمبر اعظم و آخر، ص ۱۹۵

(۷۴) محمود احمد ظفر حکیم، سیرت خاتم النبیین، ص ۱۵۳

(۷۵) "رواہ مسلم" "الروض الانف" جلد اول، ص ۹۲

(۷۶) ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ص ۱۳۵/ ابن اثیر، ابوالحسن علی محمد بن عبدالکریم بن شیبانی جزری (۵۵۵۔۶۳۰ھ/ ۱۱۶۰۔۱۲۳۳ء)، الکامل فی التاریخ، جلد ۲، بیروت، دار الصادر، ۱۹۶۵ء، ص ۳۶

(۷۷) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، جلد اول، ص ۱۲۸

(۷۸) سہیلی روض الانف، القاہرۃ، مکتبہ الکلیات الازہریہ، جلد اول، ص ۱۵۷

(۷۹) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ص ۵۹۔۶۰

(۸۰) ایضاً، ص ۲۶۰

(۸۱) ابن کثیر، ابوالفداء اسمٰعیل بن عمر (۷۰۱۔۷۷۴ھ/ ۱۳۰۱۔۱۳۷۳ء) البدایہ والنہایہ، جلد دوم، بیروت، لبنان، دار الفکر، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء، ص ۲۹۱

(۸۲) مودودی، سید ابوالاعلیٰ، سیرت سرورِ عالمؐ، ص ۱۱۱

(۸۳) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، جلد اول، ص ۸۲

(۸۴) السیرۃ النبوی، جلد اول، ص ۲۵۹/ الروض الانف سہیلی جلد اول، ص ۹۲

(۸۵) ایضاً ص ۲۶۰/ ایضاً ص ۹۰ تا ۹۳

(۸۶) ابن قتیبہ الدینوری، المعارف، دار الکتب قاہرہ، ۱۹۳۳ء، ص ۲۰۳

(۸۷) ابن جوزی/ الوفا باحوال المصطفیٰ، جلد اول، دار الکتب الحدیثہ، مصر، ص ۱۳۵

(۸۸) حسین بن محمد بن الحسن الدیار بکری/ تاریخ الخمیس، جلد اول، المطبعۃ العامرۃ، ص ۲۹۵

(۸۹) شبلی نعمانی، علامہ/ سیرت النبیؐ جلد اول، ص ۱۱۵

(۹۰) سید امیر علی، روح اسلام، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ص ۸۷

(۹۱) کونستانس جیورجیو، نظرۃ جدیدۃ فی سیرۃ رسول اللہؐ، دار العربیہ، بیروت، ص ۳۹

(۹۲) نظرۃ جدیدۃ، ص ۴۰۔ نیز دیکھیے الازہری، پیر محمد کرم شاہ، ضیاء النبیؐ، جلد دوم، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور ۱۴۱۵ھ، ص ۱۲۳

(۹۳) ایضاً ص ۴۰، وجلد ۲، ص ۱۲۳

(۹۴) ایضاً ص ۴۱، وجلد ۲، ص ۱۲۵

(۹۵) حافظ محمد ثانی، ڈاکٹر/ رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ص ۱۵۶

(۹۶) سید امیر علی، روح اسلام، ص ۸۷۔۸۸

(۹۷) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ص ۵۹

(۹۸) ابن سعد، الطبقات، جلد اول، ص ۱۲۸۔۱۲۹، دار صادر، بیروت، نیز عمر فروخ/ تاریخ الجاہلیۃ، ص ۱۳۲

(۹۹) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، ستمبر ۱۹۸۷ء، ص ۱۲۳

(۱۰۰) ابوالفرج اصفہانی، کتاب الاغانی، دار الثقافۃ بیروت، ۱۹۵۹ء، ص ۱۷/ ۲۱۳

(۱۰۱) ایضاً

(۱۰۲) حاکم، ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن محمود (۳۲۱۔۴۰۵ھ/ ۹۳۳۔۱۰۱۴ء) المستدرک علی الصحیحین، جلد دوم، بیروت، لبنان، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۰ء، ص ۲۲۰

(۱۰۳) نصیر احمد ناصر، ڈاکٹر، پیغمبر اعظم و آخرؐ، ص ۱۹۵

(۱۰۴) قاضی سلمان منصور پوری، رحمۃ للعالمینؐ، جلد اول، دار الاشاعت، کراچی، ص ۴۷

(۱۰۵) حافظ محمد ثانی، ڈاکٹر، رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ص ۲۶۰

(۱۰۶) ایضاً

(۱۰۷) زرقانی، شرح مواہب اللدنیہ جلد اول، مکتبۃ الاستقامۃ، قاہرہ، ۱۹۵۲ء، ص ۱۳۸

(۱۰۸) سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا، نبی رحمتؐ، حصہ اول، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۱۹۷۸ء، ص ۱۰۱

(۱۰۹) ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا، سیرت سرور عالمؐ، جلد دوم، ص ۱۳۰

(۱۱۰) ابن سعد، طبقات، جلد اول، ص ۹۳

(۱۱۱) ابن قتیبہ الدینوری، المعارف، مصر، ۱۹۳۴ء۔ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ چوری کا شبہ دراصل تین آدمیوں پر تھا جن میں سے ایک ابولہب بھی تھا لیکن مال چونکہ بنی ملیح کے ایک غلام دویک کے قبضہ سے برآمد ہوا تھا اس لیے اسی کو سزا دی گئی۔ (جلد ۲۔ ص ۲۰۔۲۸)

(۱۱۲) الحلبی، علی بن برہان الدین، السیرۃ الحلبیہ، جلد اول، قاہرہ، ۱۹۶۲ء، ص ۱۵۲/ بخاری، جلد اول، ص ۵۴۰

(۱۱۳) ابن کثیر، عماد الدین ابی الفداء اسماعیل، البدایہ والنہایہ، جلد اول، بیروت، ۱۹۶۶ء، ص ۳۰۱

(۱۱۴) الازرقی، ابوالولید محمد بن عبداللہ، اخبار مکہ وما جاء فیہا من الآثار، مکہ، ۱۳۵۲ھ، ص ۸۶/ ابن سعد، طبقات، جلد اول، ص ۹۶

(۱۱۵) یہ ابن اسحٰق کا بیان ہے۔ موسیٰ بن عقبہ نے مغازی میں اسے ولید بن مغیرہ کا قول لکھا ہے۔

(۱۱۶) ابن سعد، طبقات، جلد اول، ص ۹۳

(۱۱۷) ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا، سیرت سرور عالمؐ، جلد دوم، ص ۱۳۱

(۱۱۸) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ص ۵۸

(۱۱۹) اس نئی تعمیر کے موقع پر سامان کی کمی کے باعث کعبہ کے ایک حصے کو باہر چھوڑ دیا گیا اور اس کے گرد دیوار کھینچ دی گئی تاکہ معلوم ہوتا رہے کہ یہ کعبہ کا ایک حصہ ہے اس کو حجر بھی کہتے ہیں اور حطیم بھی۔ اس جگہ حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام مدفون تھے (ابن ہشام) ابن سعد نے لکھا ہے کہ قریش نے بیت اللہ کا دروازہ اتنا بلند رکھا جتنا اب ہے وہ پیر اور جمعرات کو دروازہ کھولتے اور حاجب دروازے پر کھڑے رہتے چڑھنے والا جب سیڑھیاں چڑھ کر اندر جانے لگتا تو جس کو وہ داخل ہونے دینا چاہتے اسے داخل کر لیتے اور جسے داخل نہ ہونے دینا چاہتے اسے دھکا دے کر گرا دیتے تھے۔

لب خانہ کعبہ کی بلندی چودہ میٹر ہے۔ حجر اسود والی دیوار اور اس کے سامنے والی دیوار یعنی جنوبی اور شمالی دیواریں دس دس میٹر ہیں۔ حجر اسود مطاف کی سطح سے ڈیڑھ میٹر کی بلندی پر ہے دروازے والی دیوار اور اس کے سامنے کی دیوار یعنی مشرقی اور مغربی دیواریں بارہ بارہ میٹر ہیں دروازہ زمین سے دو میٹر بلند ہے۔ دیوار کے چاروں طرف نیچے ایک بڑھے ہوئے کرسی نما ضلعے کا گھیرا ہے جس کی اوسط اونچائی ۲۵ سینٹی میٹر اور چوڑائی ۳۰ سینٹی میٹر ہے۔ اسے شاذروان کہتے ہیں۔ یہ بھی دراصل خانہ کعبہ کا حصہ ہے لیکن قریش نے اسے بھی چھوڑ دیا (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "سیرۃ ابن ہشام، جلد اول، ص ۶۵ / الروض الانف، جلد ۱، ص ۱۲۷ / زرقانی، جلد ۱، ص ۲۰۳ _ ۲۰۶ / طبری، جلد ۲، ص ۳۰۰ / صحیح بخاری، باب فضل مکہ و بنیانہا، جلد ۱، ص ۲۱۵ / تاریخ خضری، جلد ۱، ص ۶۴ / الرحیق المختوم، ص ۷۱)

(۱۴۰) ایضا

(۱۴۱) ابن سعد، طبقات، ص ۱۴۷

(۱۴۲) دروازے سے مراد باب بنی شیبہ ہے۔ ایک روایت میں اس کا قول یہ ہے کہ جو شخص سب سے پہلے باب الصفا سے داخل ہو وہ اس کا فیصلہ کرے۔ موسیٰ بن عقبہ کا قول ہے کہ مشورہ خود ولید نے دیا تھا لیکن ابن کلبی اور واقدی اور ابن اسحٰق ابو امیہ کا نام لیتے ہیں

(۱۴۳) سید سلیمان ندوی، علامہ، سیرت النبیؐ، جلد اول، ص ۱۸۷

(۱۴۴) ابن ہشام، سیرۃ، جلد اول، ص ۱۹۶ _ ۱۹۷ / السہیلی، الروض الانف ۱/۱۳۲ _ المستدرک حاکم ۱/۴۵۸

(۱۴۵) قاضی سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمینؐ، جلد اول، ص ۳۵

(۱۴۶) سیرۃ ابن ہشام، جلد اول، ص ۲۲۱ _ ۲۲۸ / السیر والمغازی، ابن اسحاق، ص ۱۰۳ _ ۱۰۸ / نہایۃ الارب جلد ۱۶، ص ۹۹ _ ۱۰۳ / طبقات ابن سعد جلد اول، ص ۱۲۵ _ ۱۲۶ / عیون الاثر، جلد اول، ص ۵۱، ۵۲ / طبری جلد دوم، ص ۲۸۶ _ ۲۹۰ / ابن کثیر، السیرۃ النبوی، جلد اول، ص ۲۷۳ _ ۲۷۴، ۲۷۶، ۲۸۱ / اخبار مکہ ازرقی، ص ۱۵۸ _ ۱۶۳ / تاریخ الاسلام ذہبی، جلد اول، ص ۶۸

(۱۴۷) ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا، سیرت سرور عالمؐ، جلد دوم، ص ۱۲۲ _ ۱۲۳

(۱۴۸) ساجد میر، پروفیسر، سیاست نبویؐ، روزنامہ جنگ، کراچی، ۱۹۸۸ء، ص ۵

(۱۴۹) سید آفتاب حسن، نبی آخر الزمان کی عسکری بصیرت، روزنامہ جنگ کراچی، ۱۹۹۸ء، ص ۵

(۱۵۰) پیر کرم شاہ الازہری، ضیاء النبیؐ، جلد دوم، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۱۴۱۵ھ، ص ۵۲۵

(۱۵۱) ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ جلد اول، ص ۱۱۵ / ابن قیم الجوزی، زاد المعاد، جلد دوم، موسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۹۷۹ء، ص ۳۵ / زرقانی، شرح مواہب اللدنیہ جلد اول، ص ۲۱۰

(۱۵۲) ابن سعد، الطبقات، جلد اول، ص ۲۱۹

(۱۵۳) دیکھیے ابن الجوزی (عبدالرحمن) تلقیح فہوم اہل الاثر فی عیون التاریخ والسیر، ادارہ احیاء السنۃ گوجرانوالہ، ۱۹۷۵ء، ص ۳۱۹

ابن سید الناس، عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر، جلد اول، دار المعرفۃ، بیروت، ص ۱۵۷

کاندھلوی، محمد ادریس، سیرۃ المصطفیؐ، جلد اول، مکتبہ عثمانیہ، لاہور، ۱۹۹۲ء، ص ۳۱۸ _ ۳۲۰

(۱۵۴) ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، جلد اول، ص ۱۵۵

(۱۵۵) حافظ محمد ثانی، ڈاکٹر، میثاق مدینہ، سیاست نبوی کا مثالی شاہکار، ص ۱۳۲

(۱۵۶) اسد سلیم شیخ، رسول اللہؐ کی خارجہ پالیسی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۲ء، ص ۸۵

(۱۵۷) ابن ہشام، سہیلی، روض الانف، جلد اول، ص ۱۷۰

(۱۵۸) حامد انصاری، مولانا، اسلام کا نظام حکومت، مکتبہ عالیہ، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۹۲

(۱۵۹) ساجد میر، پروفیسر، سیاست نبویؐ، ادارتی صفحہ، روزنامہ جنگ کراچی، ۱۹۸۸ء، ص ۶

(۱۶۰) حافظ محمد ثانی، ڈاکٹر، میثاق مدینہ سیاست نبوی کا مثالی شاہکار، ص ۱۳۵

(۱۶۱) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی، اردو اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۷ء، ص ۷۶

☆ ایضاً، رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، ص ۱۵۵

(۱۶۱ج) ایضاً، خطبات بہاولپور، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۹۲ء، ص ۲۳۶

(۱۴۲) ایضاً ص ۷۶

(۱۴۳) ایضاً ص ۷۴

(۱۴۴) چارلس ڈی لیپ، تاریخ عالم کے عظیم واقعات، ص ۳۸

(۱۴۵) میثاق مدینہ کی جملہ دفعات اور متن کے لیے دیکھیے:

☆ ۔۔۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، جلد دوم، ص ۱۴۹۔۱۵۰

☆ ۔۔۔ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، جلد سوم، ص ۲۲۴

☆ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، الوثائق السیاسیۃ فی العہد النبوی، الجنۃ التالیف والترجمۃ، القاہرۃ، ۱۹۴۱ء، ص ۱۔۷

سیرت ابن ہشام اور ابو عبید کی کتاب "الاموال" میں درج شدہ میثاق مدینہ چھوٹے بڑے ملے جلے فقروں پر مشتمل ہے، دور جدید کے اکثر اہل علم نے ان فقروں کو دستوری دفعات کی صورت میں بیان کیا ہے۔ ولہاؤزن (WellHausen) نے اس دستاویز کو ۴۷ دفعات پر منقسم کیا ہے۔ اکثر مغربی مفکرین نے اسی تقسیم کو تسلیم کیا ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے میثاق مدینہ کی ۵۲ دفعات گنوائی ہیں لیکن قارئین کو یورپی تحقیق کا مطالعہ بھی کرتے ہیں، الجھن سے بچانے کے لیے ان دفعات کی تعداد ۴۷ ہی رکھی ہے اور بعض بڑی دفعات کو الف اور ب وغیرہ پر تقسیم کر دیا ہے۔

"میثاق مدینہ" واضح طور پر دو حصوں میں تقسیم ہے، پہلے حصے میں ۲۳ دفعات ہیں اور دوسرے میں ۲۴، پہلا حصہ مسلمانوں کے باہمی تعلقات اور حقوق و فرائض کی نشاندہی کرتا ہے جب کہ دوسرا حصہ اہل اسلام، یہود مدینہ اور دیگر اہل مدینہ کے باہمی تعلقات، حقوق و فرائض اور دیگر اہم امور کی وضاحت کرتا ہے۔ (محمد رسول اللہ، ص ۱۴۲، اردو دائرہ معارف اسلامیہ)

(۱۴۶) مصطفیٰ السباعی، ڈاکٹر، السیرۃ النبویۃ، ترجمہ سرور انسانیت، مترجم، نور الٰہی ایڈووکیٹ، مطبوعہ نقوش رسول نمبر جلد ۲، ادارہ فروغ اردو، لاہور، ۱۹۸۵ء، ص ۲۰۲۔۲۰۳

(۱۴۷) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، الوثائق السیاسیۃ فی العہد النبوی والخلافۃ الراشدۃ، القاہرہ، لجنۃ التالیف والترجمۃ، ۱۹۴۱ء، شق نمبر ۱۷، ص ۳

(۱۴۸) ایضاً، شق ۲۰۔ب، ص ۳

(۱۴۹) ایضاً، ص ۳

(۱۵۰) ایضاً، شق ۲۳، ص ۳

(۱۵۱) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، محمد رسول اللہؐ، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور، ص ۱۲۸

(۱۵۲) ایضاً ص ۱۶۵

(۱۵۳) محمد سلیمان منصور پوری، قاضی، رحمۃ للعالمینؐ، جلد اول، دار الاشاعت، کراچی، ص ۱۱۰

(۱۵۴) نصیر احمد ناصر، ڈاکٹر، پیغمبر اعظمؐ و آخرؐ، ص ۳۱۵

(۱۵۵) بخاری، کتاب التفسیر، ولکل جعلنا موالی مما ترک، ۵/۱۷۸۔۱۷۹

نیز دیکھیے عبدالمتعال الصعیدی، عہد نبویؐ کی اسلامی سیاست، مرتبہ شیخ محمد احمد پانی پتی، ادارہ فروغ اردو، لاہور، ۱۹۶۰ء

(۱۵۶) القرآن الحکیم، سورۃ انفال: ۷۳

(۱۵۷) القرآن الحکیم، سورۃ انفال: ۷۵

(۱۵۸) ابن حجر العسقلانی / فتح الباری شرح البخاری، مطبعہ المصریہ، مصر، ۱۳۴۸ھ، جلد سوم، ص ۲۷۳

(۱۵۹) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، محمد رسول اللہؐ، ص ۱۴۱۔۱۴۲

(۱۶۰) گلپ پاشا، محمد رسولؐ، سٹیزن پبلشرز، کراچی، (س۔ن)، ص ۱۹۸

(۱۶۱) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی، ص ۸۲۔۸۳

نیز دیکھیے، محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور، ۱۴۰۲ھ، ص ۲۳۲

(۱۶۲) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی، ص ۹۹

(۱۶۳) Tor Andrae, Muhammad the man and his faith, New York- 1960

(۱۶۴) مجید خدوری، ڈاکٹر، اسلام اور قانون جنگ و صلح (ترجمہ الحرب والسلام فی الاسلام) غلام رسول، مکتبہ محسن الادب، لاہور، ۱۹۵۹ء، ص ۲۹۲۔۲۹۳

(۱۶۵) Hell. P.25

(۱۶۶) WellHausen, The Historians History of the world. vol viii, p-291

(۱۶۷) NICHOLSON, p.173

(۱۶۸) آرنلڈ، سر تھامس، دی پریچنگ آف اسلام (دعوت اسلام) ترجمہ عنایت اللہ دہلوی، کراچی، ۱۹۶۳ء، ص ۳۵

(۱۶۹) چنانچہ میثاق مدینہ کے حوالے سے مشرق و مغرب کے سیرت نگاروں، مورخوں اور تذکرہ نویسوں نے رسول اکرمؐ اور یہود مدینہ کے تعلقات کو موضوع بحث بناتے ہوئے مستقل کتابیں لکھیں، جو اس موضوع پر اہم دستاویز اور ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔
پروفیسر ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے ''عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی، ص ۱۹۲ تا ۱۹۸، کسی قدر تفصیل کے ساتھ، سید برکات احمد، رسول اکرمؐ اور یہود حجاز، ص ۱۷ تا ۱۸، مقالہ نگار محمد رسول اللہ، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ص ۱۶۰ تا ۱۶۱، قدیم و جدید مسلم سیرت نگاروں کے علاوہ مشہور جرمن مستشرق ونسنک (A.J.Wensinck) نے اپنے پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالہ کا موضوع ہی پیغمبر اسلام اور یہود مدینہ رکھا اور جرمن زبان میں باقاعدہ ایک تحقیقی مقالہ لکھا۔
نیز یہود مدینہ اور رسول اکرمؐ کے سیاسی تعلقات اور میثاق مدینہ کے حوالے سے انگریزی ماخذ کے لیے دیکھیے، سید برکات احمد، رسول اکرمؐ اور یہود حجاز، ص ۲۰۲۔۲۰۷

(۱۷۰) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی، ص ۷۷

(۱۷۱) Syed Ameer Ali, The Spirit of Islam, Karachi, 1969, p.58

(۱۷۲) محمد رسول اللہؐ (مقالہ سیرت النبی) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ص ۱۶۷۔۱۶۸

(۱۷۳) ملاحظہ ہو: محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، الوثائق السیاسیہ، ص ۲

(۱۷۴) ایضاً حوالہ بالا

(۱۷۵) ایضاً، ص ۳

(۱۷۶) ایضاً ص ۴

(۱۷۷) ایضاً ص ۳

(۱۷۸) ایضاً ص ۴

(۱۷۹) ایضاً ص ۳، ۴، ۵، ۶

(۱۸۰) ایضاً ص ۶

(۱۸۱) ایضاً ص ۵

(۱۸۲) ایضاً ص ۶

(۱۸۳) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی، ص ۱۵۵، نیز الوثائق السیاسیہ، ص ۶

(۱۸۴) نصیر احمد ناصر، ڈاکٹر، پیغمبر اعظم و آخرؐ، ص ۳۴۳۔۳۴۴

(۱۸۵) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی، ص ۲۳۴

(۱۸۶) نصیر احمد ناصر، ڈاکٹر، پیغمبر اعظم و آخرؐ، ص ۴۱۵۔۴۱۶

(۱۸۷) بدعہدی کا ارتکاب سب سے پہلے غزوۂ بدر کے بعد سن ۲ھ میں بنو قینقاع نے کیا (ابن ہشام، جلد ۲، ص ۴۷ تا ۵۰، مصر ۱۹۵۵ء) بنو قینقاع کے بعد بنو نضیر نے عہد شکنی کی جن کا اخراج ۴ھ میں ہوا (ایضاً ص ۱۹۰ تا ۱۹۴) آخر میں سب سے شریر قبیلہ بنو قریظہ کا (۵ھ میں) استیصال کیا گیا

(۱۸۸) صلح حدیبیہ ذی قعدہ ۶ھ میں ہوئی

(۱۸۹) القرآن الحکیم، سورۂ فتح آیت ۱

(۱۹۰) A.J. Arberry Aspects of Islamic civilization London, 1964, p-11

(۱۹۱) بعض سیرت نگاروں کے مطابق جے آربری کا یہ تاریخی بیان کہ رسول اللہ کا وصال ۶۳۳ء میں ہوا، غلط ہے، ان کا کہنا ہے کہ آپ کا وصال ۶۳۲ عیسوی میں ہوا۔

باب اول

﴿فصل دوم﴾

رسول اکرم ﷺ کی سیاسی وعسکری زندگی میں معاہدات کی اہمیت:

اسلام سے قبل دنیا میں خودسری کا راج تھا۔ عقیدہ وفکر ہو یا اجتماعی تعلقات یا نظام حکومت، ہر جگہ اس کا سکہ چلتا تھا۔ سفلی جذبات اور بہیمانہ جوش وجنون ہی دراصل عالم انسانی کے کرتا دھرتا تھے، انہی کی اساس پر تعلقات وروابط طے پاتے تھے۔ ہر سو جنگل کا قانون رائج تھا، کسی کی زندگی مامون ومحفوظ نہ تھی۔ جس طرح سمندر میں بڑی مچھلیاں چھوٹی مچھلیوں کو ہڑپ کر جاتی ہیں یا جنگل کے درندے دوسرے جانوروں کو چیر پھاڑ کر رکھ دیتے ہیں، یہی انسانی زندگی کا خاصہ تھا۔ الغرض قوت وقہر، جبروت و کبریائی اور سلب ونہب کی ہر طرف فرمانروائی تھی۔

ان حالات میں اسلام کا ظہور ہوا۔ اس نے انسانیت کا احترام کرنا سکھایا، نافرمانی اور جارحیت کی بجائے وحدت انسانیت کی دعوت دی۔ اس کی بنیاد ہی قومیت سے بالاتر رکھی گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ عدل وانصاف کا پرچار کیا گیا۔ اسلام کی تعلیمات یگانے اور بیگانے کے تصور سے پاک، دوست ودشمن کی تفریق سے ناآشنا، قوی وضعیف کے امتیاز سے مبرا تھیں۔ اسی حقیقت کی جانب قرآن حکیم توجہ دلاتا ہے۔(۱)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:(۲)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ﴾

''اے ایمان لانے والو، انصاف کے علمبردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو اگرچہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔''

انہی دو اصولوں، وحدت انسانیت اور بے لاگ عدل کی اساس پر مسلمانوں اور غیر مسلم اقوام کے مابین اصول روابط وضع کیے

گئے۔ حضور اکرم ﷺ نے ان دونوں اصولوں کی نہایت سختی سے پابندی کی اور بین الاقوامی تعلقات کے تمام قواعد و ضوابط کی تفصیل کے ساتھ صراحت فرمادی۔

معاہدات کے دو پہلو ہیں:

۱۔ وہ اصول جو اسلام کے نزدیک کسی دوسرے شخص، گروہ یا قوم سے معاہدے طے کرنے کی اساس ہیں۔

۲۔ معاہدے کے ایفاء اور اس کی تنسیخ کے متعلق اسلام کے فرمودات۔

اسلام نے بعض ایسے قواعد وضوابط بیان کیے ہیں جن کو کسی حالت میں بھی نہیں توڑا جاسکتا تاوقتیکہ اس کی اشد ضرورت ہی نہ آن پڑے، جیسے حکم ہے(۳) اسلام میں بعض قواعد ایسے ہیں جو لازمی تو نہیں ہیں لیکن مستحب ہیں پھر ایسے قواعد وضوابط بھی ہیں جن کی پابندی یا عدم پابندی افراد پر چھوڑ دی گئی۔

جنگ کے بعد ہونے والے معاہدے کی اقسام:

۱۔ ایسا معاہدہ جس میں وقت اور صلح کا مقام متعین اور محدود ہو۔ ایسا معاہدہ جنگ کے دوران میں یا میدان کارزار میں طے پاتا ہے تاکہ فریقین باہمی گفت وشنید کرسکیں، مقتولین کی تجہیز وتکفین کرسکیں مشترک خطرہ جیسے سیلاب یا طوفان کے پیش نظر حفاظتی اقدامات کرسکیں۔

۲۔ ایسا معاہدہ جو وقت کے لحاظ سے غیر محدود لیکن جائے مقرر کے لیے ہوتا ہے۔

۳۔ عام معاہدہ جو مقررہ مدت کے لیے ہوتا ہے، یہ عام طور پر حد متارکہ جنگ کے لیے طے کیا جاتا ہے۔ اسی صلح کے دوران میں ہر قسم کے متحارب اقدامات کی ممانعت ہوتی ہے یہ ممکن ہوتا ہے کہ عام امن، جو مقررہ وقت کے لیے ایسے معاہدہ کی مثال صلح حدیبیہ ہے۔ اس کی رو سے دس برس کی مقررہ مدت کے لیے مسلمانوں اور قریش کے مابین معاہدہ طے پایا۔ ایسے معاہدہ کی مدت ختم ہونے پر ہر فریق آزاد ہوتا ہے کہ وہ مزید اطلاع کے بغیر ہی دوسرے فریق آزاد ہوتا ہے کہ وہ مزید اطلاع کے بغیر ہی دوسرے فریق پر لشکر کشی کردے۔

۴۔ ایسا معاہدہ جو وقت اور جگہ کے اعتبار سے غیر محدود ہوتا ہے۔ یہ عام طور پر جنگ کے اختتام پر طے پاتا ہے جب کہ ایک فریق شکست خوردہ ہو یا جنگ سے اس کا جی اکتا جائے۔

جنگ کا خاتمہ درج ذیل طریقوں سے ہوسکتا ہے:

اولاً:

فریقین بغیر کسی باہمی محالے اور امن کی مدت کا تعین کیے بغیر لڑائی بند کرسکتے ہیں۔ اس کا سبب فریقین کا جنگ سے جی اچاٹ ہوجانا بھی ہوسکتا ہے، یا اگر کوئی فریق کامیاب بھی ہوا ہو لیکن وہ مفتوح ریاست کی اطاعت کے کام کو مکمل کرنے کے پیش نظر

لڑائی کو طوالت نہ دینا چاہتا ہو، ایسا عام طور پر اس وقت ہوتا ہے جب کسی کمزور فریق نے لڑائی جیتی ہو ایسی لڑائیوں کی مثالیں بدر، اُحد اور خندق ہیں جب کہ متحارب فریقین اپنے تعلقات کی نوعیت کا تعین کیے بغیر علیحدہ ہوئے یہی کچھ موتہ میں ہوا۔

ثانیاً:

جب غیر مسلم دشمن اسلام قبول کرلے یہ ضروری نہیں کہ وہ اسلامی ریاست میں شامل ہو یا نئی اسلامی ریاست کی وحدت عمل میں آئے۔ آپؐ نے غسان، بحرین اور اومان کے سرداروں کو جو خطوط لکھے ان میں محض اسلام قبول کرنے کی دعوت تھی اور ان کے قبولِ اسلام کی صورت میں انہی کے برسر اقتدار رہنے کا پیغام تھا۔ شاہ حبش، نجاشی نے اسلام قبول کیا تو اس کی ریاست کو اسلامی ریاست میں مدغم نہیں کیا گیا بلکہ آپؐ نے حکم دیا تھا کہ حبشہ پر حملہ نہ کیا جائے جب تک کہ اہل حبشہ خود جارح اقدام نہ کریں۔ (۴)

ثالثاً:

دشمن کو زیر کرنے کے بعد اس کے علاقے پر قبضہ کرلیا جائے مکہ، خیبر اور کئی دوسرے مقامات کی تسخیر اس کی ممتاز مثالیں ہیں۔ ایسے معاملوں میں مذاکرات اور معاہدات کی عام طور پر ضرورت نہیں ہوتی۔ مکہ میں آپؐ نے کوئی معاہدہ نہیں کیا، البتہ خیبر میں دشمن کی جان و اموال کی حفاظت کے متعلق گفت و شنید ہوئی اور شرائط قبول کرلی گئیں۔

رابعاً:

جب دشمن اسلامی ریاست کی سیادت قبول کرلے، نجران، تیماء، فدک، ایلہ اور کئی دوسری شہری ریاستوں کی اطاعت ایسی ہی مثالیں ہیں کسی ایک میں تو لڑائی کی نوبت ہی نہ آئی۔

خامساً:

صلح کے معاہدے میں اختلافات دور کرنا جب کہ دونوں فریقین اپنی آزادی برقرار رکھتے ہوں، معاہدے کے سیاق و سباق کا تعین جنگ کے نتائج سے ہوتا ہے عام طور پر پہلے ایک عارضی معاہدہ بنیادی نکات طے کرنے کے لیے کیا جاتا ہے اس کے فوراً بعد فوجی سرگرمیاں ممنوع قرار دے دی جاتی ہیں اس میں دشمن کی جان و املاک کو نقصان پہنچانے کی ممانعت کا بھی ذکر ہوتا ہے بعد میں دیگر تفصیلات طے کر کے معاہدے کو قطعی شکل دی جاتی ہے۔

معاہدے کی نوعیت:

بعض دفعہ صلح کے معاہدہ میں مزید دوستی کا پیغام مضمر ہوتا ہے اور طے کی گئیں شرائط پر تعاون اور اتحاد۔ عام طور پر اس سے لڑائی کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور خیر سگالی کے تعلقات استوار کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کمزور فریق عام طور پر تاوان ادا کرتا ہے اور خراج

بھی۔ غطفان کے ساتھ غیر توثیق شدہ عارضی معاہدے میں آپ انہیں مدینہ کے نخلستانوں کی پیداوار کا ایک تہائی دینے پر رضامند ہو گئے بشرطیکہ وہ مدینہ کا محاصرہ چھوڑ دیں اور اسلامی ریاست کے ساتھ فی الفور ایک علیحدہ معاہدہ کر لیں (۵)

موالات، مروت وحسن سلوک، مصالحت، رواداری اور عدل وانصاف یہ چیزیں الگ الگ ہیں (۶) اہل اسلام اگر مصلحت سمجھیں تو ہر کافر سے صلح کا عہد وپیمان مشروع طریقہ پر کر سکتے ہیں چونکہ اسلامی ریاست کا محور وحدانیت ربانی پر ہے اس لیے غیر مسلموں کے ساتھ دائمی اتحاد ناممکن ہے جب آپؐ نے ہجرت کے بعد مدینہ کی شہری ریاست کی بنیاد رکھی تو آپؐ نے یہودیوں کے ساتھ نیم وفاق پر رضامندی ظاہر کی اس کے علاوہ آپؐ نے مدینہ کے مضافات کے مشرک قبائل کے ساتھ، جہاں سے قریش کے قافلے گزرتے تھے ان معاہدات میں وقت کی قید نہ لگائی گئی۔ یہ معاہدات جہاں میثاق مدینہ کی کڑی کے سلسلے میں مدینہ کے وقار میں اضافے کا موجب بنے وہاں ان کا مقصد معاشی طور پر قریش کو نقصان بھی پہنچانا تھا ان معاملات میں یہ راز بھی مضمر تھا کہ حبشہ کی طرح قریش مدینہ میں بھی مسلمانوں کا تعاقب نہ کریں اور مسلمان مدینہ میں اتنی قوت حاصل کر لیں کہ خود قریش ان کے ساتھ معاہدہ کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ اس کے علاوہ مسلمان آزادی سے اپنی مذہبی اقدار کو فروغ دے سکیں۔

ان معاہدات کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ مدینہ اور اس کے نواح کے یہودیوں کو بھی متاثر کیا جا سکے جو میثاق مدینہ کے فریق ہونے کے باوجود کئی بار نقض عہد کے مرتکب ہو چکے تھے۔ وہ ہر لحہ اوس وخزرج کی دشمنی کی بجھی ہوئی چنگاریوں کو ہوا دینے میں مصروف رہتے تھے ان کو یہ باور کرانا ضروری تھا کہ اب مدینہ میں مرکزی حکومت قائم ہو چکی تھی اس لیے ان کی سرکوبی بھی کی جا سکتی تھی۔

مروت اور حسن سلوک یا رواداری کا برتاؤ ان کفار کے ساتھ ہو سکتا ہے جو مسلمانوں کے ساتھ دشمنی اور عناد کا مظاہرہ نہ کریں۔ (۸) پھر قرآن حکیم نے یہاں تک فرمایا:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (۹)

رسالت مآب ﷺ قرآن پاک کے احکامات (۱۰) کے مطابق ایک اعلان جاری فرمایا کہ تمام معاہدات جو ایک وقت مقررہ کے لیے ہیں اس مدت تک لاگو رہیں گے لیکن مشرکین کے ساتھ کیے گئے تمام معاہدات جن کی مدت مقرر نہیں چار ماہ کے نوٹس پر کالعدم قرار دے دیے گئے۔ (۱۱)

فتح مکہ کے بعد کئی قبائل اپنے معاہدہ پر قائم رہے ان میں سے کچھ معاہدات میعادی تھے اور کچھ غیر میعادی۔ بہت سے قبائل ایسے بھی تھے جن سے کسی قسم کا کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا جن مشرکین کے ساتھ معاہدہ میعادی نہ تھا ان کو اطلاع دی گئی کہ ہم آئندہ معاہدہ نہیں رکھنا چاہتے۔ ان کو چار ماہ کی مہلت دی گئی کہ اس مدت کے اندر اندر اسلامی برادری میں شامل ہو جائیں یا وطن چھوڑ کر مرکز ایمان وتوحید کو اپنے وجود سے خالی کر دیں یا پھر لڑائی کے لیے تیار ہو جائیں۔

معاہدۂ امن کے اثرات:

معاہدۂ امن ان اثرات کا حامل ہوتا ہے:

۱۔ ایسے مسائل جو جنگ وجدال کا باعث تھے، ان کا تصفیہ ہوا۔
۲۔ حرب کے حقوق یعنی قتل وغارت، قبضہ کرنا، لوٹ مار اور تسخیر وغیرہ کا خاتمہ ہو گیا۔
۳۔ اگر معاہدے میں ذکر نہ ہو تو معاہدے کو اختتام تک قائم رکھا جائے گا۔
۴۔ چونکہ جنگی قیدیوں کا تبادلہ کیا جاتا ہے یا انہیں رہا کر دیا جاتا ہے اس کے لیے عام طور پر شرائط مقرر کی جاتی ہیں۔
۵۔ جیسے ہی امن قائم ہو جاتا ہے تو جنگ کے دوران میں معطل شدہ معاہدات اور ایسے جن کے احیاء کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی، خود بخود ان کا احیاء ہو جاتا ہے اور جنگ کے دوران میں طور وطریقہ سے متعلق معاہدات کالعدم قرار پاتے ہیں۔

معاہدے کے عناصر:

قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ معاہدہ تحریری ہونا چاہیے۔(۱۲) رسول اکرم ﷺ کا بھی شعار تھا۔ معاہدے کے نافذ العمل ہونے کی تاریخ اور معیاد کا واضح طور پر ذکر ہوتا ہے عام معاملات مثلاً لڑائی کا خاتمہ، جنگ سے پیدا شدہ حالات کا تصفیہ وغیرہ اور ایسے خاص حالات جیسے ان معاملات کے متعلق محالفہ جن کی وجہ سے جنگ شروع ہوئی ان تمام حالات سے ہٹ کر معاہدات میں معاہدے کی تعمیل اور نافذ کیے جانے کے متعین مواعید شامل ہوتے ہیں۔ بااختیار افراد کے دستخط ثبت ہوتے ہیں اور نفاذ کی منظوری جیسے یرغمالی وغیرہ اور بڑے معاہدے کے ساتھ بعض دفعہ ضمیے اور تکملے بھی ہوتے ہیں اور بعض دفعہ خفیہ دفعات بھی موجود ہوتی ہیں امر واقعہ یہ ہے کہ معاہدات کے نفس مضمون کی حد مقرر نہیں ہوتی۔

توثیق معاہدہ:

عام طور پر معاہدات ریاستوں کے نمائندوں کے درمیان عارضی طور پر طے پاتے ہیں۔ خارج از اختیار معاملات مرکزی حکومت کو پیش کیے جاتے ہیں حضرت خالدؓ بن ولید نے آپ کو یمن سے خط لکھا تھا اور ہدایات مانگی تھیں (۱۳) یہ بھی ممکن ہے کہ پورے کا پورا معاہدہ کالعدم قرار دے دیا جائے آنحضرتؐ نے خود ایک معاہدہ اس شرط کے ساتھ طے فرمایا کہ مشورہ کے بعد اس کی توثیق کی جائے گی۔ یہ شرائط قبول نہ کی گئیں، ظاہر ہے کہ معاہدے کا متن اس سے متاثر ہوا۔(۱۴) گویا۔

(ا) اسلام کسی قوم یا گروہ سے کوئی ایسا معاہدہ کرنے کی اجازت نہیں دیتا جو اسلام کے مبادیات پر اثر انداز ہوتا ہو۔
(ب) اسلام کی نگاہ میں وہی معاہدہ صحیح اور قابل ایفا ہے جس کے طے کرنے میں فریقین کی آزادانہ خود مختاری اور سکون قلب شامل ہو۔
(ج) یہ ضروری ہے کہ جو معاہدہ بھی طے پائے اسے ایک واضح اور غیر مبہم دستاویز کی شکل دی جائے جس میں فریقین کے حقوق وفرائض اور شرائط والتزامات کا واضح طور پر تعین کر دیا گیا ہو تاکہ کسی فریق کے لیے غلط تاویل وتعبیر کی گنجائش باقی نہ رہے

اسلام کسی ایسے معاہدے کو قبول نہیں کرتا جس سے کسی بھی طرح اسلام کی بے حرمتی کا پہلو نکلتا ہو جیسے احکام الٰہی کے خلاف فیصلوں کو جائز قرار دینا یا غیر مسلموں کو ایسے حقوق عطا کر دینا جو مسلمانوں کے اختیارات حکومت کے منافی ہوں۔ اسی طرح اسلام کسی ایسے معاہدے کو بھی سند جواز قرار نہیں دیتا جو تخویف و تہدید کے تحت طے پایا ہو اور نہ ہی اسلام کسی ایسے معاہدے کو تسلیم کرتا ہے جو الفاظ کی حد تک تو معاہدہ ہو لیکن یہ الفاظ صرف شاطرانہ سیاست کاری کا مظہر ہوں اور فی الحقیقت یہ معاہدہ فریق ثانی کے حقوق سلب کرنے اور اس کی دولت و ثروت کو ہڑپ کرنے کے لیے ایک حربے کا کام دے۔

ان قواعد و ضوابط کے متعلق آپؐ نے فرمایا:

کل شرط لیس فی کتاب اللّٰہ فھو باطل

"جو شرط کتاب اللہ میں نہیں ہے وہ باطل ہے۔"

اس سلسلے میں قرآن کریم کی واضح نصوص بھی ملتی ہیں، جیسے:

(i) ﴿تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ أَن تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَىٰ مِنْ أُمَّةٍ ۚ إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ اللَّهُ بِهِ﴾ (۱۵)

(ii) ﴿وَلَا تَتَّخِذُوا أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌ بَعْدَ ثُبُوتِهَا﴾ (۱۶)

ان آیات میں قسموں سے مراد وہ حلف ہیں جو توثیق معاہدات کے وقت اٹھائے جاتے ہیں یا وہ قول و اقرار ہیں جن کی اطاعت کا عہد ایک دوسرے سے کیا جاتا ہے۔ اسی طرح لفظ دخل کے معنی فریب کاری، منافقت، جعل سازی اور ریشہ دوانی کے ہیں۔

عصر حاضر میں ڈپلومیسی میں جس فریب کاری کو عقل و خرد اور کلید کامرانی حیات تصور کیا جاتا ہے، اسلام کی نگاہ میں توثیق معاہدہ کے بعد اس قسم کی فریب کاری سخت ملعون اور قابل مذمت ہے۔

ترمیم معاہدہ:

معاہدات میں حالات کے تقاضوں کے پیش نظر باہمی رضا مندی سے جزوی طور پر ترمیم کی جا سکتی ہے، اس کی بجائے کہ نیا معاہدہ طے کیا جائے۔

معاہدات کی تشریح و تعبیر:

شیبانی رقمطراز ہیں:

"بعض ایسی باتیں ہیں جنہیں مسلمانوں کو تسلیم شدہ سمجھنا چاہیے جب کہ ان کا واضح ذکر نہ ہو، لیکن دوسری اقوام کو ان کی یہ تعبیر نہیں لینی چاہیے، ایسی باتوں کا واضح طور پر ذکر ہونا چاہیے ورنہ معاہدہ کرنے والے فریقین پر نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ معاہدہ کی کوئی خلاف ورزی ہے اور جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے دستاویز اس طریق سے لکھی جانی چاہیے کہ اس پر فریقین کے متعلق شہادت موجود ہو تا کہ دھوکہ کاری کا الزام ممکن ہی نہ ہو۔" (۱۷)

ایک اور جگہ موصوف کی یہ رائے ہے کہ اگر کوئی محصور قلعہ والے اس شرط پر ہتھیار ڈالیں کہ آزاد لوگوں کو پریشان نہ کیا جائے گا اور غلاموں کی ملکیت فاتح فوج کو منتقل کردی جائے گی اور فریقین بعض افراد کی حیثیت کے بارے میں اختلاف کریں تو یہ فرض کرلیا جائے گا کہ وہ آزاد لوگ نہیں کیوں کہ بنیادی طور پر انسان آزاد ہے۔"

انفساخ معاہدہ:

حالات کی تبدیلی کے ساتھ بعض دفعہ معاہدہ ناقابل عمل ہو جاتا ہے اور بدلتے ہوئے حالات میں اس پر نظر ثانی ضروری ہوتی ہے۔ مسلمان فقہاء کا یہ کہنا ہے کہ اگر مسلمان حکمران کسی سابقہ معاہدہ کے انفساخ کا اعلان کرتا ہے تو وہ دوسرے فریق کو اطلاع دیے بغیر معاہدہ کے متضاد کوئی بات نہیں کرسکتا تاوقتیکہ مناسب وقت گزر چکا ہو جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ دوسرے فریق کی مرکزی حکومت کو اطلاع مل چکی ہے۔(۱۸)

مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان معاہدہ ہوا کہ بیت اللہ میں آنے سے کسی کو روکا نہ جائے گا اور نہ شہر حرام میں کسی کو خوفزدہ کیا جائے گا، اسے توڑنے کے لیے سورہ برات کا نزول ہوا۔ اس معاہدے میں وقت اور مدت کا تعین نہ تھا۔(۱۹)

لوگوں کے سامنے جس دن یہ اعلان ہوا اس دن سے چار ماہ تک کی مدت کو پورا کیا گیا تاکہ ہر قوم اپنے اپنے امن کے مقام پر یا اپنے اپنے شہروں میں واپس چلی جائے پھر کسی مشرک سے عہد و معاہدہ نہ رہا بجز ایسے شخص کے جس کا آپ ؐ سے مدت معینہ تک کا عہد تھا وہ بھی اس وقت تک رہا۔(۲۰)

یرغمالی اور مواعید:

یرغمالیوں کی حفاظت کے متعلق قرآن حکیم کے فرمودات درج ذیل ہیں:

(۱) ﴿وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ﴾ (۲۱)

(۲) ﴿مَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ وَمَن ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا﴾ (۲۲)

(۳) ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ وَإِن تَدْعُ مُثْقَلَةٌ إِلَىٰ حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ﴾ (۲۳)

(۴) ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُم مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ (۲۴)

(۵) ﴿أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ﴾ (۲۵)

اگر مسلمان یرغمالی قتل کر دیے جائیں تو دشمن کے یرغمالیوں کو قتل نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ اس میں ان کا کوئی قصور نہیں، البتہ ان کو غیر مسلم رعایا بننے پر مجبور کیا جاسکتا ہے کیوں کہ وہ مسلمان یرغمالیوں کی واپسی تک واپس نہیں جاسکتے یا ان کے قتل نے اس بات کو ناممکن بنا دیا ہوتا ہے اس لیے ان کا اسلامی ریاست میں مستقل ٹھہرنا ناگزیر ہے۔

پابندیٔ معاہدہ:

قرآن حکیم میں معاہدات اور مواثیق کو پورا کرنے کی زبردست تاکید آئی ہے۔

۱۔ ﴿یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾ (۲۶)

۲۔ ﴿اِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ○ اَلَّذِیْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِیْ کُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا یَتَّقُوْنَ ○ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِی الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ یَذَّکَّرُوْنَ ○ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَیْهِمْ عَلٰی سَوَآءٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْخَآئِنِیْنَ﴾ (۲۷)

۳۔ ﴿بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اِلَی الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ ○ فَسِیْحُوْا فِی الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْا اَنَّکُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی اللّٰهِ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِی الْکٰفِرِیْنَ﴾ (۲۸)

۴۔ ﴿اِلَّا الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ ثُمَّ لَمْ یَنْقُصُوْکُمْ شَیْئًا وَّلَمْ یُظَاهِرُوْا عَلَیْکُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْا اِلَیْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰی مُدَّتِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ﴾ (۲۹)

۵۔ ﴿وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ کَانَ مَسْئُوْلًا﴾ (۳۰)

یعنی اس اعلان برأت کے باوجود

۱۔ مسلمان مشرکین سے نقض عہد نہیں کر سکتے۔

۲۔ معاہدہ میں کسی قسم کا ردوبدل نہیں کر سکتے۔

۳۔ کسی معاہد مشرک کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی کا ارتکاب نہیں کر سکتے۔

۴۔ عہد نامہ کو وقت مقررہ تک ماننے اور برتنے پر مجبور ہیں۔

اور پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ متقین کو دوست رکھتا ہے گویا مشرکین جیسے مبغوضین کے ساتھ بھی معاہدات کا احترام کرنا تقویٰ ہے۔

۵۔ ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّکٰوةِ فٰعِلُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ○ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ﴾ (۳۱)

اسلام مکڑی کے جالے جیسا معاہدہ کرنا ناپسندیدہ سمجھتا ہے جس میں دوسروں کو پھنسایا جاتا ہے اور طاقتور جسے توڑ سکتے ہیں۔

ان مشرکوں کے متعلق جنہوں نے عہد نہیں توڑا تھا، حکم دیا کہ

﴿فَاَتِمُّوْا اِلَیْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰی مُدَّتِهِمْ﴾ (۳۲)

پھر دوبارہ نقض عہد کرنے والوں کے متعلق فرمایا:

﴿فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ﴾ (۳۳)

پھر انہی بدعہد اور دغاباز مشرکوں سے متعلق فرمایا:

﴿كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِندَ اللَّهِ وَعِندَ رَسُولِهِ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۞ كَيْفَ وَإِن يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً يُرْضُونَكُم بِأَفْوَاهِهِمْ وَتَأْبَىٰ قُلُوبُهُمْ وَأَكْثَرُهُمْ فَاسِقُونَ﴾ (۳۴)

اس کے بعد پھر انہی بدعہدوں کے متعلق فرمایا:

﴿لَا يَرْقُبُونَ فِي مُؤْمِنٍ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُونَ ۞ فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَنُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۞ وَإِن نَّكَثُوا أَيْمَانَهُم مِّن بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنتَهُونَ ۞ أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَّكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُم بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ أَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۞ قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ﴾ (۳۵)

غدر، نقض عہد اور معاہدین پر دست درازی کرنے کی برائی میں بے شمار احادیث آئی ہیں جن کی بنا پر قتل اسلام میں بدترین گناہ قرار دیا جاتا ہے۔ عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

﴿من قتل معاهدا لم يرح رائحة الجنة وان ريحها لتوجد عن مسيرة اربعين عاما﴾ (۳۶)

''جو کوئی کسی معاہد کو قتل کرے گا اسے جنت کی بو تک نصیب نہ ہوگی حالانکہ اس کی خوشبو چالیس برس کی مسافت سے بھی محسوس ہوتی ہے۔''

ایک دوسری حدیث میں عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ:

اربع من فيه كان منافقا خالصاً ومن كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها اذا أؤتمن خان واذا حدث كذب واذا عاهد غدر واذا خاصم فجر (۳۷)

''چار خصلتیں ہیں کہ جس میں پائی جائیں گی وہ خالص منافق ہوگا۔ ایک یہ کہ جب بولے تو جھوٹ بولے، دوسرے یہ کہ جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے، تیسرے یہ کہ جب معاہدہ کرے تو اس کو توڑے، چوتھے یہ کہ جب جھگڑے تو گالیاں دے۔''

ایک اور حدیث میں ہے:

لكل غادر لواء يوم القيامة يرفع له بقدر غدرة الا ولا غادر اعظم غدراً من امير عامة (۳۸)

''ہر غدار (عہد شکن) کی بے ایمانی کا اعلان کرنے کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا ہوگا جو اس کے غدر کا ہم قدر ہوگا اور

یاد رکھو کہ جو سردار قوم غدر کرے اس سے بڑا کوئی غدار نہیں ہے۔"

پھر فرمایا:

بعثنی قریش الی النبی ﷺ فلما رائیة القیٰ فی قلبی الاسلام فقلتُ یا رسول اللّٰہ انی واللّٰہ لا ارجع الیھم ابداً فقال انی لا اخیس بالعھد ولا احبس ابرد ولکن ارجع فان کان فی نفسک الذی فی نفسک الآن فارجع قال فذھبت ثم اتیتہ صلعم فاسلمت (۳۹)

"ابورافعؓ راوی ہیں کہ مجھے قریش نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ حضور اکرم ﷺ کو دیکھتے ہی میرے دل میں اسلام اتر گیا۔ میں نے عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ میں تو اب کبھی ان کے پاس واپس نہ جاؤں گا فرمایا کہ:

میں معاہدے میں غداری نہیں کرتا اور نہ سفیروں کو قید کرسکتا ہوں۔ تم اس وقت تو واپس ہو جاؤ پھر اگر تمہارے دل میں یہی جذبہ باقی رہے تو واپس آ جانا۔ غرض اس وقت تو میں واپس ہو گیا اس کے بعد دوبارہ آ کر اسلام لایا۔"

اگر آپؐ کے دشمن آپؐ کے کسی صحابیؓ سے معاہدہ صلح کر لیتے تو آپؐ اس معاہدہ کو (محدود حد تک) جاری رکھتے جیسے کہ حضرت حذیفہؓ اور ان کے والدؓ نے کفار سے معاہدہ کر لیا کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ ان کے خلاف جنگ نہ کریں گے تو آپؐ نے اسے جاری رہنے دیا اور فرمایا کہ تم دونوں واپس جاؤ جو عہد کیا ہے اسے پورا کرو اور ہم کافروں کے مقابلہ میں صرف اللہ تعالیٰ سے مدد چاہتے ہیں۔

معاہدہ کی پابندی کی تاکید اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ دنیوی قانونی گرفت کے علاوہ آپؐ بنفس نفیس قیامت کے دن عدالت خداوندی میں اس شخص کے خلاف مقدمہ دائر کریں گے جس نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہوگی یا معاہدین پر کسی قسم کے ظلم اور زیادتی کے ساتھ پیش آیا ہوگا۔ آپؐ نے فرمایا:

"الا من ظلم معاھداً او انتقصہ او کلّفہ فوق طاقۃ او اخذمنہ شیئاً بغیر طیب نفس فانا حجیجہٗ یوم القیامۃ" (۴۰)

"غور سے سن لو جو شخص کسی معاہد پر ظلم کرے گا یا ان کے حقوق میں کمی کرے گا یا برداشت سے زیادہ ان پر بار ڈالے گا یا ان کی رضامندی کے بغیر کوئی چیز لے گا تو اس کے خلاف میں قیامت کے دن مدعی بن کر دعویٰ دائر کروں گا۔"

ان آیات واحادیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ:

۱۔ جو لوگ مسلمانوں سے عہد کر کے توڑیں، ان سے جنگ کرنی چاہیے۔ اس حکم میں وہ کفار بھی آ جاتے ہیں جو مسلمانوں سے اطاعت کا معاہدہ کر کے پھر حکومت اسلامیہ کے خلاف بغاوت کریں۔

۲۔ جن سے معاہدہ تو ہو مگر ان کا رویہ ایسا مخالفانہ و معاندانہ ہو کہ اسلام اور مسلمانوں کو ہر وقت ان سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ لگا رہے تو انہیں علی الاعلان فسخ معاہدہ کا نوٹس دے دینا چاہیے اور اس کے بعد ان کی دشمنی کا منہ توڑ جواب دینا چاہیے۔

۳۔ جو لوگ بار بار بدعہدی و دغابازی کریں اور جن کے عہد و اقرار کا کوئی اعتبار نہ رہے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے میں اخلاق و انسانیت کے کسی آئین کا لحاظ نہ رکھیں ان سے دائمی جنگ کا حکم ہے اور صرف اسی صورت میں ان کے ساتھ صلح ہو سکتی

ہے کہ وہ توبہ کریں اور اسلام لے آئیں ورنہ ان کے اثر سے اسلام اور دارالسلام کو محفوظ رکھنے کے لیے قتل، گرفتاری، محاصرہ اور ایسی ہی دوسری جنگی تدابیر اختیار کرتے رہنا ضروری ہے۔

نقض معاہدہ کی صورتیں:

نقض معاہدہ کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ مسلمانوں کو فریق ثانی سے یہ اندیشہ لاحق ہو کہ وہ عہد کی پابندی میں کوتاہی برت رہا ہے یا وہ موقع پاتے ہی ہمارے ساتھ غداری کر بیٹھے گا۔ اس صورت میں اسلامی حکومت کو یہ اجازت ہے کہ وہ خود اقدام کرے اور معاہدے کو فسخ کردے لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ وہ صرف اپنی جگہ فسخ معاہدہ کا فیصلہ کرکے نہ بیٹھ رہے بلکہ اپنے اس فیصلے سے فریق ثانی کو فوراً مطلع کردے سورۃ انفال میں اللہ تعالیٰ نے اس صورت کو بیان کرتے ہوئے مسلمانوں کو ہدایت فرمائی ہے:

﴿وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ خِيَانَةً فَانبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ﴾ (۴۱)

۲۔ جب معاہدہ پہلے خاص حالات کے تحت طے کیا گیا ہو بعد میں وہ حالات بدل گئے ہوں اور اب اسلامی حکومت کے ارباب حل وعقد کی رائے میں اس معاہدے کا قائم رہنا ملت اسلامیہ کے لیے نقصان دہ ہے، اور اس کے ذریعے سے جو تحفظات حاصل ہو رہے ہیں ان سے بدرجہا زیادہ اس سے مفاسد ومضرات پیدا ہو رہے ہیں اس صورت میں اسلامی حکومت پر واجب ہے کہ وہ معاہدہ کو فسخ کردے اور اس کی اطلاع معاہد قوم تک پہنچادے۔ ذیل کی آیت سے اس امر کی رہنمائی ملتی ہے۔

﴿واذان من الله ورسوله الى الناس يوم الحج الاكبر ان الله برىء من المشركين ٥ ورسوله٥﴾

معاہدات کی منسوخی کا یہ اعلان عام نبی کریم ﷺ کی جانب سے ان تمام قبائل کے خلاف کیا گیا جو عہد و پیمان کے باوجود ہمیشہ اسلام کو اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے رہتے تھے اور موقع پاتے ہی پاس عہد کو بالائے طاق رکھ کر دشمنی پر اتر آتے تھے۔

اگر انعقاد صلح کے باوجود کفار صلح نامہ پر قائم نہ رہیں اور صلح نامہ توڑ دیں اور پھر طغیان و سرکشی پر آمادہ ہو جائیں تو فرمان الٰہی ہے:

﴿وَإِن نَّكَثُوا أَيْمَانَهُم مِّن بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنتَهُونَ ٥ أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَّكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُم بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ أَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ﴾ (۴۲)

نقض عہد کے بعد مسلمانوں کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے، پھر وہ صلح نامہ پر عمل کرنے کے پابند نہیں رہتے۔ وہ حق رکھتے ہیں کہ تلوار میان سے باہر نکالیں اور ان بدعہدوں پر ٹوٹ پڑیں اور اس وقت تک یہ سلسلہ جاری رکھیں جب تک بدعہد کفار کا زور ٹوٹ نہ جائے البتہ دوسری صورت میں اس امر کا لحاظ کیا جاسکتا ہے کہ اگر معاہدہ مدت معینہ کے ساتھ مقید ہو تو مدت پوری ہونے تک اس کی پابندی کی جائے اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ﴾ (۴۳)

یہ استثناء اس مذکورہ بالا اطلاع عام سے ہے اور اسے جس شرط سے مشروط کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ معاہد قوم نے مسلمانوں کے خلاف کھلم کھلا کارروائی نہ کی ہو بلکہ عہد کا پاس رکھا ہو لیکن مجموعی طور پر مسلمانوں کو ان کے ساتھ بقائے معاہدہ میں فائدے سے زیادہ نقصان ہو۔ اس لیے معاہدہ کو درمیان میں منسوخ کر دینے کے بجائے اختتام مدت کا انتظار کیا جائے۔

معاہدات کے عقد وفسخ کے بارے میں اسلام کی یہ پالیسی اور اصول وضوابط بین الاقوامی خیر سگالی اور امن وسلامتی کی فضا قائم رکھنے کی جو خوبیاں اپنے اندر رکھتے ہیں وہ منصف مزاج شخص سے مخفی نہیں ہیں۔

عہد معاہدات کی خصوصیات:

عہد رسالت کے معاہدات درج ذیل خصوصیات کے حامل ہوتے تھے:

۱۔ یہ معاہدات بحیثیت کل، مختصر اور عمومی ہوتے تھے تفصیلات مہیا کرنے پر زیادہ توجہ دی جاتی اور طے شدہ شرائط کی پابندی کا خاص اہتمام کیا جاتا۔ متن کے اختصار کو پیش نظر رکھتے ہوئے عبارتیں سادہ اور متوازن ہوتیں۔

۲۔ ہر معاہدے کا آغاز بسم اللہ سے ہوتا اور سب سے پہلے فریقین کے نمائندوں کے نام مع خطابات درج ہوتے۔ آنحضرت ﷺ نے جتنے معاہدات کیے، ان میں بہ استثناء معاہدہ حدیبیہ آپ کے اسم مبارک کے ساتھ رسول اللہ ﷺ بھی درج ہوتا۔ معاہدے کے آخر میں ان افراد کے نام بطور گواہ ثبت ہوتے جو معاہدے کے وقت موجود ہوتے تھے۔

۳ معاہدات کے مندرجات مقاصد کی بناء پر مختلف ہوتے مثلاً بعض میں مذہبی مقاصد کا ذکر ہوتا (خصوصاً ابتدائی اسلامی معاہدات میں) بعد کے زمانے میں جو معاہدات ہوئے ان میں سیاسی یا اقتصادی اغراض کا تذکرہ ہوتا۔

معاہدات کا اساسی مقصد:

ان معاہدات کا اساسی مقصد بنی نوع انسان کی بہتری، امن کا قیام، ظلم کا خاتمہ اور اسلام کی رہنمائی میں لوگوں کی معاشی، سیاسی اور اجتماعی حقوق کی مساوات ہے۔ اسلامی حکومت عالمگیر حکومت ہوتی ہے اور وہ اس حیثیت سے بین الاقوامی تعلقات کو بروئے کار لاتی ہے لیکن معاہدات کی وجہ سے اصلی مقصد سے دستبردار نہیں ہوتی۔

دورِ نبویؐ کے معاہدات اور مذہبی رواداری:

ان معاہدات سے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے ابتدائی تعلقات پر روشنی ہی نہیں پڑتی بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان روابط کتنے صاف ستھرے تھے۔

آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کے ساتھ رواداری پر خاص زور دیا جو کسی آسمانی کتاب سے وابستگی کے مدعی تھے آپ کی دعوت

کا اولین مقصد یہ تھا کہ تمام لوگ وحدانیت ربانی کا اقرار کریں۔ اہل کتاب اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے تھے مگر آپؐ پر نہیں لیکن آپؐ کے مواثیق کو قبول کر لینے کا مطلب یہ تھا کہ انہوں نے لقب رسالت منظور کیے بغیر آپ کی مقتدر آسمانی حیثیت تسلیم کر لی تھی۔ آپؐ اس امید پر مصالحت قبول کرتے گئے کہ ان نیم مومنوں پر رواداری کا اثر اچھا پڑے گا اور آہستہ آہستہ وہ سچے مومن بن جائیں گے یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے جزیے کے سوا اہل کتاب پر کوئی مجلسی یا دوسری امتیازی شرط عائد نہ فرمائی۔ (۴۴)

حجاز کے یہودیوں کے سوا عرب کی تمام قوموں نے برضا ورغبت اسلام کی اطاعت قبول کر لی اس لیے اسلام نے بھی ان کی جان و املاک، عزت و آبرو اور مذہب کی حفاظت کی تمام ذمہ داری خود قبول کی اور اس کے مقابلے میں جزیہ کی ایک خفیف رقم (یعنی ہر مستطیع عاقل بالغ مرد پر ایک دینار سالانہ) ان پر عائد کی۔ یہ نقدی کی صورت میں ادا ہونا ضروری نہ تھی بلکہ عموماً جہاں جس چیز کی پیداوار ہوتی تھی یا جو چیز بنتی تھی وہی چیز جزیہ قرار پائی۔ (۴۵)

غیر قوموں میں سب سے پہلے آپؐ نے ۷ ہجری میں خیبر، فدک، وادی القریٰ اور تیماء کے یہودیوں سے مصالحت فرمائی، اس وقت تک آیت جزیہ کا نزول نہیں ہوا تھا۔ اس بنا پر باہمی رضامندی سے جو شرائط قرار پا گئے تھے وہ آیت جزیہ کے نزول کے بعد بھی قائم رہے۔ (۴۶) اصل شرط یہ تھی کہ وہ رعایا ہوں گے اور پیداوار کا نصف خود لیں گے اور نصف حکومت کو ادا کریں گے۔ (۴۷)

۹ ہجری میں جزیہ کا حکم نازل ہوا اس کے بعد تمام معاہدات اس کی رو سے قرار پائے نجران کے عیسائیوں نے مدینہ منورہ میں حاضری دی اور مصالحت کی درخواست کی جسے آپؐ نے منظور فرمایا۔ شرائط صلح یہ تھیں کہ ''مسلمانوں کو سالانہ دو ہزار کپڑے دیں گے اور ان کو دو اقساط میں یعنی آدھا ماہ صفر اور آدھا رجب میں ادا کریں گے۔ اگر یمن میں کبھی بغاوت یا شورش ہوگی تو وہ عاریۃً تیس زرہیں، تیس گھوڑے، تیس اونٹ اور تیس تیس عدد ہر قسم کے ہتھیار دیں گے اور مسلمان ان کی واپسی کے ضامن ہوں گے اس کے معاوضہ میں جب تک وہ سودی لین دین یا بغاوت نہ کریں گے نہ ان کے گرجے ڈھائے جائیں گے، نہ ان کے پادری نکالے جائیں گے نہ ان کو ان کے مذہب سے برگشتہ کیا جائے گا۔ (۴۸)

حدود شام میں کئی عیسائی اور یہودی گھرانے آباد تھے، جب ۹ھ میں غزوہ تبوک کے موقع پر دومۃ الجندل ایلہ، مقنا، جرباء، اذرح، جالہ اور جرش کے جو عیسائی اور یہودی زمیندار اسلام نہ لائے انہوں نے جزیہ دینا قبول کیا۔ ان میں سے ہر بالغ مرد پر ایک دینار سالانہ مقرر ہوا اور مسلمان جب ادھر سے گزریں گے تو ان کی ضیافت بھی ان پر لازم قرار دی گئی۔

یمن کے جن یہودیوں نے اسلام قبول نہیں کیا ان پر بھی جزیہ کی یہی مقدار مقرر کی گئی ان کو یہ سہولت بھی دی گئی کہ اگر نقد ادا نہ کر سکیں تو اس کے مساوی معافری کپڑے دیا کریں۔ (۴۹) بحرین کے مجوسیوں سے بھی جزیہ کی ایسی شرح مقدار پر مصالحت کی گئی۔

معاہدین کی زمینیں، تجارت اور صنعت وحرفت غرض ہر چیز بدستور بحال رکھی جاتی تھی نہ کبھی معاہدہ کی خلاف ورزی کی جاتی اور نہ اس کے خلاف کوئی شے طلب کی جاتی تھی اسلام معاہدین کو اپنے دامن رحمت میں چھپا لیتا تھا اس سلسلے میں قرآن حکیم کے احکامات ملاحظہ ہوں:

۱۔ ﴿وَإِن جَنَحُوا۟ لِلسَّلْمِ فَٱجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى ٱللَّهِ﴾ (۵۰)

۲. ﴿لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ ۝﴾(۵۱)

۳. ﴿لَكُمْ دِیْنُكُمْ وَلِیَ دِیْنِ۝﴾(۵۲)

فرمان رسالت مآب ﷺ ہے:

﴿عن عدة من ابناء الصحابة عن آبائهم، رفعوه الامن ظلم معاهداً او انتقصه او كلفه فوق طاقته او اخذ منه شيئا بغير طيب نفس فانا حجيجه يوم القيامة﴾(۵۳)

کئی فرزندان صحابہؓ اپنے آباء کے حوالے سے موضوعاً روایت کرتے ہیں کہ جو معاہد پر ظلم کرے یا معاہدے میں کمی پیدا کرے یا اس کی قوت برداشت سے زیادہ اس پر بوجھ ڈالے یا اس کی خوش دلی کے بغیر اس سے کچھ وصول کرے تو میں روز قیامت اس کی طرف سے وکیل ہوں گا۔"

اسی طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا جو شخص معاہد کو ناحق مار ڈالے گا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت حرام کر دے گا۔(۵۴)

اسلام کے ان اصول معاہدات کا موازنہ عصر حاضر کی ترقی یافتہ اقوام کے معاہدات سے کریں تو ایک کھلی حقیقت سامنے آتی ہے کہ ان اقوام کے معاہدات کمزور اقوام کی حفاظت کے لیے نہیں بلکہ انہیں لقمہ تر بنانے کے لیے ہوتے ہیں۔

انہوں نے دنیا کو سعادت و فلاح سے بہرہ ور کرنے کی بجائے شقاوت کے دوزخ میں جھونک رکھا ہے۔

معاہدات کا احترام:

اسلام دین فطرت ہے، وہ اپنے نام کی مناسبت سے جنگ کا نہیں امن کا خواہاں ہے کیوں کہ اس سے تبلیغ واشاعت دین کے اہم فریضے کی راہ میں رکاوٹ پڑتی ہے اور رشد و اصلاح جو اسلام کا اصل مقصد ہے وہ پورا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا اور ظاہر ہے کہ جنگ میں رحم اور مروت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لہٰذا انہی مقاصد کے پیش نظر اسلام نے دنیا کے تمام لوگوں کو امن اور سلامتی کی دعوت دی چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ۝﴾(۵۵)

"اے لوگو، جو ایمان لائے ہو تم سب کے سب امن اور سلامتی کی راہ اختیار کرو اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو۔ وہ یقیناً تمہارا کھلا کھلا دشمن ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے اپنی طرف سے عرب میں امن وامان اور سلامتی کی فضا پیدا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی آپؐ نے ہر قوم کو صلح کی دعوت دی اور ان سے معاہدے کیے مدینہ طیبہ میں تشریف لاتے ہی آپؐ نے وہاں کے یہود سے صلح کا معاہدہ کیا۔ عرب کے بہت سے قبائل کو صلح پر آمادہ کیا۔ حدیبیہ والے سال قریش کو مصالحت پر آمادہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ پہلے تو قریش آمادہ ہی نہ ہوتے تھے لیکن حضور اکرم ﷺ کی کوششوں کے نتیجے میں آمادہ ہوئے بھی تو ایسی کڑی شرائط پیش کیں جنہیں کوئی مسلمان بھی

قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھا تاہم حضور اکرم ﷺ نے محض جذبۂ مصالحت کی خاطر انہیں قبول کرلیا۔ اس کے بعد آپؐ نے معاصر بادشاہوں اور امراء کو خطوط لکھ کر انہیں بھی مصالحت کی دعوت دی۔ ان تبلیغی خطوط سے صاف معلوم چلتا ہے کہ یہ تمام محض اخلاص اور خیر خواہی کے جذبے کے تحت لکھے گئے اور مقصود صرف انکی ہدایت اور اصلاح تھا، ایک لفظ سے بھی یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ دشمنی کے جذبے کے زیر اثر لکھے گئے تھے یا ان کا مقصد بادشاہوں اور امراء کو جنگ کی دھمکی دینا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے یہ معاہدے اور صلح کی کوششیں اس لیے نہیں کیں کہ خدانخواستہ آپ کمزور تھے اور آپ کو خدشہ تھا کہ اگر ان لوگوں سے بنا کر نہ رکھی گئی تو وہ مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچائیں گے آپ کو اپنے رب کی مدد پر کامل بھروسہ تھا اور جانثاروں کا ایک ایسا گروہ آپؐ کے گرد جمع تھا جو آپؐ کے ادنیٰ اشارے پر اپنی جانیں قربان کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتا تھا۔ آپؐ کے پیش نظر محض بنی نوع انسان کی بھلائی اور خیر خواہی تھی۔ خونریزی کو آپؐ طبعاً ناپسند فرماتے تھے اس بھلائی اور خیر خواہی کے جذبے کے تحت آپؐ نے یہ معاہدے کیے ان معاہدوں کے ذریعے دشمن کو دھوکا دے کر بے خبری کی حالت میں اس پر تسلط حاصل کرنے کی آپؐ نے کبھی کوشش نہ کی، معاہدوں کی دفعات بالکل واضح اور صاف ہوتی تھیں اور کوئی ایسی خفیہ دفعہ نہ ہوتی تھی جس کا سہارا لے کر بعد میں معاہدہ کو توڑنے کی گنجائش پیدا ہو سکے اگر دشمن آپؐ سے صلح کرنے پر آمادہ ہو جاتا تھا تو قطع نظر اس کے کہ وہ صدق دل سے ایسا کرتا تھا یا محض دکھاوے کے طور پر آپ اس سے مصالحت کر لیتے تھے کیوں کہ حکم الٰہی یہی تھا:

﴿وان جنحوا للسلم فاجنح لها وتوكل على الله انه هو السميع العليم. وان يريدوا ان يخدعوك فان حسبك الله هو الذى ايدك بنصره وبالمؤمنين ٥﴾(۵۶)

''اور اگر وہ (کافر) صلح کی طرف مائل ہوں تو اے رسولؐ، آپ بھی صلح کی طرف مائل ہو اور اللہ پر توکل کرو (اور اس خیال سے نہ ڈرو کہ وہ کہیں بعد میں دھوکا نہ دیں) اللہ تعالیٰ یقیناً بہت دعائیں سننے والا اور بہت جاننے والا ہے اور اگر وہ اس بات کا ارادہ رکھتے ہوں کہ بعد میں تجھے دھوکا دیں تو (یاد رکھ کہ) اللہ آپ کے لیے کافی ہے۔ وہی ہے جس نے آپ کو مومنوں کے ذریعے اور اپنی مدد کے ذریعے مضبوط کیا۔''

معاہدات کا احترام کرنا اسلامی تعلیمات و سیرت طیبہ کی رو سے بے حد ضروری ہے، دوسری اقوام کی طرح اسلام انہیں محض کاغذ کے پرزوں کی حیثیت دینا نہیں چاہتا جنہیں حسب مرضی پھاڑ کر پھینکا جا سکتا ہے بلکہ ان پر قرار واقعی عمل کرانا چاہتا ہے اس لیے قرآن حکیم میں معاہدوں کی پابندی و احترام پر بے حد زور دیا گیا ہے اور مسلمانوں کو نقض عہد کے بدنتائج سے پرزور الفاظ میں آگاہ کیا گیا ہے:

﴿وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ٥﴾(۵۷)

''اور چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے اپنے عہد کو جب تم نے اس سے کوئی عہد کیا ہو پورا کرو اور قسموں کو انہیں پختہ کرنے کے بعد جب کہ تم نے اللہ تعالیٰ کو اس کی قسم کھا کر ضامن بنایا ہے مت توڑو جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ یقیناً اسے جانتا ہے۔''

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا﴾ (۵۸)

"اپنے کیے ہوئے عہد کو پورا کرو کیوں کہ کیے ہوئے عہد کی بابت قیامت کے دن پوچھا جائے گا۔"

قریش سے حدیبیہ کے مقام پر جو معاہدہ ہوا اس کی پابندی کرنے کے متعلق مسلمانوں کو ان الفاظ میں تاکید کی گئی

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ (۵۹)

"اور ایک قوم کی تمہارے ساتھ یہ عداوت کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا تھا۔ تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم زیادتی کرو اور تم نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی کی باتوں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کیا کرو اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اللہ کی سزا یقیناً بہت سخت ہوتی ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ اجازت دے دی تھی کہ اگر فریق مخالف کی طرف سے بدعہدی کے آثار نظر آئیں تو آپ اس کے ساتھ کیے ہوئے معاہدے کو ختم کر سکتے ہیں لیکن ساتھ ہی یہ تاکید بھی کر دی کہ یہ کارروائی کھلم کھلا اور باقاعدہ اعلان کے ذریعے ہو۔ دشمن کو دھوکا دینے کی کوشش نہ کی جائے بلکہ اسے پہلے سے آگاہ کر دیا جائے کہ ہم معاہدے کو ختم کرتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

﴿وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَاءٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِيْنَ﴾ (۶۰)

"اور اگر تمہیں کسی قوم سے عہد شکنی کا ڈر ہو تو تم اس طرح اس کے ساتھ کیا ہوا معاہدہ ختم کر دو جس سے وہ سمجھ لیں کہ اب تم دونوں فریق اپنی پابندیوں سے آزاد ہو۔ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ اگر فریق مخالف نے کسی خفیہ معاہدے کی خلاف ورزی کی ہو تب اس کے خلاف کوئی اقدام کرنے سے پہلے اسے آگاہ کر دینا ضروری ہے کہ ہم آئندہ کے لیے معاہدے کو ختم کرتے ہیں لیکن اگر معاہدے کی خلاف ورزی کھلم کھلا ہو تب انہیں پہلے سے آگاہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اسلام معاہدات کے احترام کو جس قدر اہمیت دیتا ہے اس کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ اگر مسلمانوں کا کوئی فرد اپنے سپہ سالار کو اطلاع دیے بغیر کسی قوم سے کوئی معاہدہ کر لیتا ہے تو اسلامی احکام کی رو سے تمام مسلمانوں پر اس معاہدے کا احترام لازمی ہو جاتا ہے اور سب معاہدے کے پابند ہو جاتے ہیں۔ دوسری اقوام میں یہ بات نہیں ہے، وہ افراد کے کیے ہوئے معاہدوں کو کبھی تسلیم نہیں کرتیں۔ یہ خصوصیت صرف اسلام کو حاصل ہے کہ وہ افراد کے کیے ہوئے معاہدوں کو بھی تسلیم کر لیتا ہے خواہ کسی فرد نے ایسا کرتے ہوئے امام سے اجازت لی ہو یا نہ۔ چنانچہ رسول اللہ فرماتے ہیں:

"فریق مخالف سے معاہدات کرنے میں تمام مسلمانوں کی ذمہ داری مشترکہ ہے۔ ان کا ادنیٰ سے ادنیٰ شخص معاہدہ کر سکتا ہے اور دشمنوں کو پناہ دے سکتا ہے۔"

فتح مکہ کے وقت حضرت ام ہانیؓ بنت ابی طالب نے اپنے دو رشتے داروں کو پناہ دی تھی، لیکن ان کے بھائی حضرت علیؓ ابن ابی طالب نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، آنحضرت ﷺ نے تمام واقعہ سن کر ارشاد فرمایا:

''ام ہانیؓ! جسے تم نے پناہ دی اسے ہم نے بھی پناہ دی۔''(۶۱)

نیز یہ آپ کی سنت طیبہ تھی کہ جب آپ کسی قوم سے مصالحت و معاہدہ کرتے تو جو بھی اس قوم کا حلیف بن جاتا اُسے بھی معاہدہ میں شریک کر لیتے اور دوسری قوم اگر آپؐ سے معاہدہ کرتی تو آپ اُسے بھی اس عہد میں شریک کر کے معاہد قرار دیتے۔ اسی وجہ سے آپؐ نے اہل مکہ پر حملہ کیا کیوں کہ جب آپؐ نے اہل مکہ کے ساتھ دس سال کے لیے جنگ بندی کا معاہدہ کیا تو بنو بکر بن وائل اٹھے اور انہوں نے قریش سے معاہدہ کر لیا اور اس عہد میں داخل ہو گئے اس کے برعکس بنوخزاعہ نے حضور اکرم ﷺ سے معاہدہ کر لیا اور وہ اس عہد میں داخل ہو گئے۔ لہٰذا آپ کی سنت طیبہ کا یہی پہلو فتح مکہ کا سبب بنا۔(۶۲)

چونکہ معاہدے اور اتحادات ہمیشہ بعض اصولوں اور شرائط کے تحت طے پاتے ہیں لہٰذا رسول اللہؐ نے نا صرف خود اس کے بہت سے اصول مقرر فرمائے بلکہ سختی سے اس پر کاربند بھی رہے۔ آپؐ نے ہمیشہ معاہدات اور حلیفانہ تعلقات کی طرف غیر معمولی توجہ فرمائی کیوں کہ آپؐ جنگ و جدل سے انتہائی ممکن حد تک بچ نکلنا چاہتے تھے تاکہ ایسی پرسکون فضا میں دعوت حق کا کام بخوبی ہو سکے اور جنگی جذبات بیچ میں حائل نہ ہوں جنگی کارروائیاں جہاں کہیں بقائے ریاست، بقائے امن یا بقائے اسلام کے لیے ناگزیر ضرورت بن گئیں وہاں تو آپؐ نے کسی درجہ کی ہچکچاہٹ سے کام نہیں لیا لیکن اگر جنگ سے بچ کے نکلا جا سکتا ہو اور ریاست کا سیاسی تحفظ و استحکام اور دعوت کے لیے کھلا میدان امن و آشتی سے خالی کرنا ممکن ہو تو پھر آپؐ نے لازماً صلح و آشتی کا راستہ اختیار کیا۔ خود رسول اللہ نے معاہدہ عقبہ کے نتیجے میں مکہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی، پھر ریاست کا وجود تلوار کے زور سے نہیں بلکہ دستوری معاہدے کے بل پر قائم ہوا۔

معاہدات استوار کرنا اور حلیفانہ تعلقات قائم کرنا کوئی آسان کام نہیں ہوتا خصوصاً جب کہ مذہبی اختلافات اور سیاسی تعصبات موجود ہوں اور کئی مخالف طاقتیں مداخلت بھی کر رہی ہوں، پھر ایسے قبائل اور عناصر سے معاہدات طے کرنا اور بھی زیادہ مشکل ہو جاتا ہے جو سابق تعلقات نہ رکھنے کی وجہ سے بالکل اجنبی ہوں۔ اس کام کے لیے بڑی سیاسی مہارت کی ضرورت ہوتی ہے، مخاطب کے حالات اور رجحانات کو دیکھنا، قوت کو پہچاننا توازن قوت کو سمجھنا، مخالف طاقتوں کے اثرات کا مطالعہ کرنا، شرائط کے فوری اور دور رس نتائج پر نظر رکھنا اور پھر نفسیاتی لحاظ سے گفت و شنید میں اثر پیدا کرنا۔ ایسے بے شمار لوازم کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ محسن انسانیت ﷺ نے اس دائرہ کار میں جس درجے کی سیاسی بصیرت اور قائدانہ مہارت اور قابلیت کا نمونہ پیش کیا ہے۔ اس کی مثال کہیں نہیں مل سکتی کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے مختلف حالات میں مختلف نوعیت کے معاہدات اور حلیفانہ تعلقات قائم کرتے ہوئے کسی بھی موقع پر نظریہ حق، اپنے اخلاقی اصولوں اور سیاسی مرتبے کو ذرا سا بھی نقصان نہیں پہنچنے دیا بلکہ جتنے معاہدات اور اتحادات آپؐ نے قائم فرمائے خواہ ان کی نوعیت سیاسی تھی، اقتصادی یا فوجی ان سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے مقصد میں

کامیابی حاصل کی اس کا اندازہ آپؐ کے معاہدات سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ (۶۳)

بلاشبہ تاریخ عالم میں عہد نبویؐ سیاسی، دینی، اقتصادی غرض کہ ہر اعتبار سے ممتاز ہے اور اس عہد کے حوالے سے رسول اللہ کے خطوط فرامین و احکام، معاہدات و وثیقہ جات اہم ترین ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

قریش میں قبل از اسلام سیاست مدن کا تجربہ وسیع نہ تھا انہیں کبھی کسی حکومت میں منسلک ہونے کا موقع ہی نہ مل سکا جس کی وجہ سے وہ اپنے سیاسی نظم و نسق پر تحریری یادداشتیں لکھ سکتے ان چند تحریری معاہدوں کے سوا جو انہوں نے باہم ایک دوسرے سے اور زائرین کعبہ کے ساتھ کیے لیکن ظہور اسلام کے ساتھ ہی جزیرۃ العرب میں ایک عظیم سیاسی انقلاب رونما ہو گیا اور عرب کی بکھری ہوئی قوت ایک مرکز پر جمع ہو گئی اگرچہ نبی صلعم کا زمانہ قبل ہجرت تمہید و تجربہ کا عہد تھا یہی وجہ ہے کہ مکہ میں جمع شدہ مسلمانوں کی حیثیت کسی قسم کی حکومت کی نہ تھی اور نہ کوئی سیاسی نظام تھا حتیٰ کہ اس پر سیاست خارجہ کا مطلق اطلاق نہیں ہو سکتا سوائے عقبہ کی ان دو بیعتوں کے جو فی المعنی آنے والی حکومت اسلامیہ کی بنیاد تھیں جن کا ثمرہ نہایت مفید ثابت ہوا۔ باوجودیکہ ان بیعتوں کا معاہدہ تحریر میں لایا گیا نہ یہ رابطہ بیعت اعلانیہ قائم کیا گیا۔ لیکن یہ دونوں بیعتیں مکہ اور مدینہ ہر دو مقام کے مسلمانوں کے درمیان سیاسی رابطہ تھا اور ان پر دو بیعت کا منتہیٰ ہجرت تھا جس کے ساتھ اس تحریری دستور کا تعلق تھا جو میثاق مدینہ کے نام سے موسوم ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں ہجرت فرمائی تو وہاں کے یہود قبائل کی شراکت سے وفاقی حکومت کی بنیاد رکھی جس کے صدر اعلیٰ ''محمد صلعم'' تھے اور مدینہ و خیبر و تیماء وغیرہ کے جملہ یہود سے آپؐ کے حکمت و مصلحت پرمبنی باہمی روابط سیاسی و عسکری اعتبار سے سیرت مطہرہ کا روشن باب ہیں۔ ہجرت کے بعد قریش اور مسلمانوں کے درمیان جنگوں کا سلسلہ قائم ہو گیا از غزوہ بدر واحد و خندق و حدیبیہ تا بہ فاتح مکہ فتح بہرحال مجموعی طور پر مسلمانوں کا مقدر بنی جو کہ آپ کی بہترین سیاسی و عسکری منصوبہ بندی کی مرہون منت تھی۔

عجمی ممالک سے جن میں روم، فارس اور ان دونوں کے باجگوار تھے اور یہ غسان، اہل بحرین وعمان، یمن و نجران وحضر موت و مہرہ وغیرہ ممالک ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جن کے ساتھ تحریری بات چیت کے لیے حدیبیہ کے بعد رابطہ قائم فرمایا ان ممالک کے سربراہوں کی طرف مکاتیب روانہ فرمائے۔ شاہ فارس اور روم دونوں نے آنحضرت ﷺ کے دعوتی خطوط کے جوابات میں جب نامناسب رویہ اختیار کیا تو حضور اکرم ﷺ نے ہر دو سلطنتوں کے جگواروں کو مخاطب فرمایا ان میں سے بعض نے دعوت قبول کر کے اپنے لیے فلاح کا راستہ تلاش کر لیا اور دوسروں نے مخالفت سے اپنے لیے کانٹے بو دیے۔

سیاسی نقطۂ نگاہ سے آنحضرت ﷺ نے ان قبائل سے بھی رابطہ کیا اور معاہدے کیے، جنہیں قریش مکہ کے ساتھ اختلاط سے دور رکھنا مقصود تھا جس کے باعث یہ قبائل اسلام اور مسلمانوں کے معاون بن گئے۔ نیز سیاسی و عسکری مفاد کے پیش نظر آنحضرت ﷺ نے ان قبائل سے بھی معاہدہ کیا جو مدینہ اور ساحل قلزم کے کنارے پر اور قریش مکہ کے گرمائی قافلے جو شام اور مصر جاتے وہ ان قافلوں کی راہ میں آباد تھے قبیلہ جہینہ و ضمرہ اور غفار سے جن کے حلیف قبائل بھی ان معاہدوں میں شامل ہو گئے حتیٰ کہ

سوداگران قریش کے لیے گرمائی راستے بند ہو گئے ان کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان قبائل کے ساتھ بھی معاہدہ کیا جن کا بسیرا مکہ کے گردونواح میں تھا قبیلہ خزاعہ واسلم وغیرہ سے۔قریش ان معاہدوں سے تلملا اٹھے اور مسلمانوں کے خلاف جنگیں شروع کر دیں جن میں انہیں نیچا دیکھنا پڑا تیز نبی کریم ﷺ نے اپنے مقرر کردہ عمال یمن و یمامہ کی طرف بھی اس وقت مکاتیب بھیجے جب وہاں ارتداد شروع ہوا اس کے علاوہ خطبۂ حجۃ الوداع جو آنحضرت ﷺ نے دسویں ہجری کے آخری مہینہ میں مقام عرفہ پر ارشاد فرمایا اس خطبہ میں مسلمانوں کے جملہ حقوق اور بنیادی مسائل اس طرح سے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے کوئی اہم مسئلہ نظر انداز نہ ہونے دیا (۶۴) جس پر اس خطبہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان لفظوں میں تکمیل اسلام کی تہنیت فرمائی۔

﴿اَلْیَوْمَ اکملت لَکُمْ دِیْنَکُمْ واتممت علیکم نعمتی ورضیت لَکُمُ الاسلام دینا(۶۵)

"آج کے دن میں نے تمہارے لیے دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لیے پسند کر لیا کہ دین الاسلام ہو۔"

یہ خطبہ عہد نبویؐ کے وثائق کے حوالے سے اپنی مثال آپ بھی ہے اور آنحضرت کی سیاسی زندگی میں بڑی اہمیت کا حامل بھی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے صحابۂ کرام کو جو بارگاہِ رسالتؐ میں حاضری کا شرف حاصل کر سکے جس طرح اپنے ارشادات سے نوازا، اسی طرح ان لوگوں تک بھی اپنے پیغامات پہنچائے جو حاضری کے شرف سے محروم رہے، ان پیغامات سے مقدس دامنوں میں جس طرح اسلام کی دعوت کے لعل و جواہر لگے ہوئے ہیں اسی طرح ان کی شکنوں میں گرانقدر نصائح، سیاسی نکات اور اصول جہاں بانی و حکم رانی کے بیش بہا موتی گندھے ہوئے ہیں۔آنحضرت ﷺ نے ہمسایہ ممالک کے حکم رانوں اور عرب کے قبائلی سرداروں کے نام ہجرت کے بعد جو مکاتیب روانہ فرمائے اور جو معاہدات کیے ان کی بدولت دنیا میں عظیم ذہنی وفکری اور عملی انقلاب برپا کر دیا اور انسانیت کے لیے بیش قیمت زریں اصول وضع فرمائے، تمدن اور معاشرے کو صراط مستقیم پر ڈالا اور انسانیت کے فطری تقاضوں کی درست سمت میں تکمیل فرمائی۔

تاریخ گواہ ہے کہ ہادیٔ اعظم ﷺ نے دنیا کی سب سے زیادہ پس ماندہ قوم کو علمی، روحانی، اخلاقی اور سیاسی اعتبار سے زیادہ سے زیادہ مہذب، شائستہ، تقویٰ شعار اور برگزیدہ بنا دیا اور ایک ایسا معاشرہ وجود میں آ گیا جس میں خدا پرستی و حقوق شناسی، تقویٰ و پرہیزگاری اور نیکی و ہمدردی کے جملہ اوصاف حسنہ بدرجہ اتم پائے جاتے تھے۔دس لاکھ مربع میل کے وسیع رقبے میں پھیلی ہوئی عرب قوم جو دنیا کی بہت ہی پس ماندہ قوم تھی اور ہزاروں برس گزر جانے کے باوجود ان کا قبائلی نظام کسی باقاعدہ سلطنت میں تبدیل نہ ہو سکا تھا مگر حلقہ بگوش اسلام ہونے کے بعد وہی قوم ایک ملت واحدہ بن گئی۔(۶۶) قومی نظام ریاست کی شکل میں مربوط ہوا، نواحی ملکوں سے سیاسی مراسم قائم کیے گئے جن میں فارس، بزنطینہ اور ان دونوں ملکوں کی نوآبادیات بھی شامل تھیں ابتدائی دس سال تک یہ حالت رہی دوسری دہائی شروع ہونے کے ساتھ عراق، عجم وعرب، شام، فلسطین اور مصر وغیرہ پر بھی مسلمان قابض ہو گئے۔(۶۷) وہ عرب کے تپتے ہوئے ریگزاروں سے اٹھے اور ایک صدی سے بھی کم مدت میں تہذیب و تمدن سے آراستہ اس ساری دنیا کے رہنما بن گئے جو روم و یونان اور ایران کی عظمتوں کی وارث تھی، نجد و حجاز میں شاعری و خطابت کرنے والوں نے جزیرہ نمائے عرب سے نکل کر جب کوفہ، بصرہ، بغداد، قاہرہ، غرناطہ اور قرطبہ کے شہر آباد کیے تو ان شہروں میں

دینی علوم کے علاوہ قانون، طب، فلکیات، فلسفہ اور منطق کی بڑی بڑی علمی مجلسیں آراستہ ہوگئیں اور یونانی علوم کا وہ چمن جو خزاں رسیدہ ہوگیا تھا از سرِ نو زندگی پا کر سرسبز و شاداب بن گیا اور وہی پھر آگے چل کر موجودہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے عالم وجود میں آنے کا ذریعہ بنا، اس وقت دنیا میں کوئی قوم ایسی نہ تھی جو ان کی ہمسری کا دعویٰ کر سکتی۔ چشم فلک نے یہ حیرت انگیز انقلاب ایک اور صرف ایک مرتبہ دیکھا ہے چنانچہ ان حیرت انگیز تغیرات کا اعتراف اسلام کے انتہائی مخالفین نے بھی کیا ہے جن کی تفصیل کے لیے کئی جلدیں درکار ہوں گی۔

آنحضرتؐ نے نہ صرف مسلمانوں کے تحفظ کے لیے بلکہ عالمگیر اور ہمہ گیر امن کے لیے ایسے معاہدات کیے جن میں ہر شخص کو رائے اور ضمیر کی مکمل آزادی کے ساتھ فیصلہ کرنے کا موقع دیا گیا ہے، اس طرح سے سیرت مقدسہ کا یہ پہلو جو بین الاقوامی حیثیت رکھتا ہے۔ صرف مسلمانوں کے لیے ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کے رہنما اصول کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ (۶۸)

آنحضرتؐ نے حکمت و بصیرت سے بھرپور وہ سیاسی و عسکری و معاشرتی معاہدے کیے جن کے ذریعے سے مدینہ طیبہ ایک ایسے متحدہ مرکز میں تبدیل ہوگیا کہ چند سال کی قلیل ترین مدت میں نا صرف دینی و روحانی بلکہ سیاسی اور معاشرتی حیثیت سے بھی وہ دنیا کا سب سے بڑا صدر مقام بن گیا، چنانچہ عہد نبویؐ میں جس اسلامی ریاست کا آغاز ہوا تھا وہ روزانہ دو سو چوہتر مربع میل کے اوسط سے وسعت اختیار کرتی رہی اور دس سال کے بعد جب، آنحضرتؐ کی وفات ہوئی دس لاکھ سے زیادہ مربع میل کا رقبہ آپؐ کے زیر اقتدار آچکا تھا، برصغیر کے تین ملکوں کے تقریباً برابر وسیع علاقے کی فتح میں دشمن کے بمشکل ڈیڑھ سو آدمی ہلاک ہوئے، اور مسلمان فوج کا مشکل سے اس دس سال میں ماہانہ ایک سپاہی شہید ہوتا رہا، انسانی خون کی یہ عزت تاریخ عالم میں بلاخوف تردید بے نظیر ہے۔ (۶۹)

مسلمانوں کی اس کامیابی کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنی تمام تر ذہنی اور فکری صلاحیتوں اور مادی ترقی کا سرچشمہ اسلام کو بنایا تھا، جتنا مضبوط یہ عقیدہ تھا اتنا ہی مضبوط اس پر مسلمانوں کا ایمان تھا اور جتنا مضبوط ایمان تھا اتنا ہی مضبوط ان کا عزم و استقلال تھا اور جتنا مضبوط ان کا عزم و استقلال تھا، اتنی ہی مضبوط ان کی قوت عمل تھی اور جتنی ہی مضبوط قوت عمل تھی اتنی ہی مضبوط ان کی قوت تسخیر تھی۔

اسلام کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہے، اس کو کسی فرد، جماعت، قوم، قبیلہ یا نسل و وطن کے ساتھ خاص نسبت نہیں ہے بلکہ یہ خداوند قدوس کا ہمہ گیر دین ہے جو اس نے بلاتفریق ملک و ملت رنگ و نسل ہر غریب و امیر انسان کی ہدایت و فلاح و بہبود کی غرض سے بھیجا ہے، جو شخص احکام خداوندی کی اطاعت کرتا ہے اور اپنے رب کے احکام سے انحراف اور روگردانی نہیں کرتا وہی اللہ تعالیٰ کے یہاں فلاح و کامرانی سے ہمکنار ہوگا، اس کے برعکس جو اپنے خالق سے انحراف اور گریز کی راہ اختیار کرتا ہے اور اس کے احکام سے اعراض برتتا ہے وہ اپنے رب کی رحمت سے محروم رہے گا۔ اسلام کا سب سے بڑا مقصد انسانوں کو انسان کی غلامی سے نجات دلا کر پوری انسانیت کو ایک ایسی برادری میں تبدیل کرنا ہے جو خداوند قدوس کے فرمانبردار نیکوکار اور اخوت پسند بندوں پر مشتمل ہو۔ اسلام کا تصور انسانیت پر ہے انسان اپنے خالق کے سوا کسی کا مطیع اور عبادت گزار نہ ہو، ہر شخص صرف

اپنے خالق ہی کی ذات کو حقیقی معنی میں اپنا رب بنائے، اس لیے کہ کسی مخلوق کو اپنے خالق کے احکام کی خلاف ورزی کا حق نہیں ہے، انسان نے قوم، وطن اور رنگ ونسل اور زبان وغیرہ کے جو بہت سے بُت تراش لیے ہیں وہ انسانیت کو گمراہی، بدامنی اور تباہی کے راستے پر لیے جارہے ہیں۔ اسلام بنی نوع انسان کو صرف خدا کے قانون کا پیرو بنا کر انسانیت کے وقار اور شرف کو بحال کر کے خدا کے بتائے ہوئے راستے پر چلانا چاہتا ہے۔

سرور کائناتؐ کے پیغام کی یہ خصوصیت بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ وہ صرف مسلمانوں ہی کے لیے مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ ایک عالمگیر پیام امن وآزادی ہے، آپؐ کے مکاتیب ومعاہدات سے یہ بات نمایاں طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کو کس نہج سے غیر مسلموں کے سامنے پیش کرنا چاہیے اور غیر مسلموں سے مسلمانوں کے تعلقات ومعاملات میں وہ کون سے امور ہیں جو بنیادی اصول کا کام دے سکتے ہیں(۷۰)۔ آپؐ مسلمانوں کے تحفظ اور عالم گیر وہمہ گیر امن کی خاطر سیاسی وعسکری نقطۂ نظر سے جو معاہدات کیے وہ اپنے اثرات کے اعتبار سے بڑی اہمیت کے حامل ہیں، یہ معاہدات امن وآزادی کا واضح اعلان ہیں، یہ غیر مسلم شہریوں کے حقوق کا بنیادی ماخذ اور سیاسی اصول کی حیثیت رکھتے ہیں بعد میں خلفائے اسلام نے غیر مسلم شہریوں کے لیے جو قوانین بنائے ان کی اصل بنیاد یہی معاہدات ہیں، عہد رسالت کا یہ ریکارڈ آنحضرتؐ کی سیرت، حضورؐ کے اخلاق وعادات، اسلامی عقائد، عبادات وتعزیرات کے بے شمار مسائل، اسلامی تہذیب وتمدن کی خصوصیات، حکومت اسلامی کے سیاسی نظریات اور اسلامی تاریخ کے اہم ابواب کے لیے یہ مکاتیب ومعاہدات بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔(۷۱)

بلاشبہ آنحضرتؐ کے ان بین الاقوامی سیاسی وعسکری معاہدات کا موازنہ اگر عہد حاضر کی ترقی یافتہ اقوام کے معاہدات سے کریں تو یہ اہم حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ ان اقوام کے معاہدات کمزور اقوام کی حفاظت کے لیے نہیں بلکہ لقمۂ تر بنانے کے لیے ہوتے ہیں، انہوں نے دنیا کو سعادت وفلاح سے بہرہ ور کرنے کے بجائے شقاوت کے دوزخ میں جھونک رکھا ہے۔(۷۲)

﴿حواشی وحوالہ جات﴾

(۱) القرآن الحکیم سورۃ المائدہ:۸

(۲) القرآن الحکیم، سورۃ المائدہ۸

(۳)(i) انما حرم علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر و ما اھل بہ لغیر اللہ "اللہ کی طرف سے اگر کوئی پابندی تم پر ہے تو وہ یہ ہے کہ مردار نہ کھاؤ، خون سے اور سور کے گوشت سے پرہیز کرو اور کوئی ایسی چیز نہ کھاؤ جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔" (القرآن الحکیم ۲:۱۷۳)

(ii) وذروا ظاھر الاثم وباطنہ ان الذین یکسبون الاثم سیجزون بما کانوا یقترفون o

"تم کھلے گناہوں سے بھی بچو اور چھپے گناہوں سے بھی، جو لوگ گناہ کا اکتساب کرتے ہیں وہ اپنی اس کمائی کا بدلہ پا کر رہیں گے۔" (القرآن الحکیم ۶:۱۲۰)

(۴) احمد بن حنبل، المسند، مصر، ۱۹۳۹ء، جلد ۵، ص ۳۷۱

(۵) السرخسی، شرح السیر الکبیر، جلد چہارم، دکن، ۱۳۳۵ھ، ص ۹۵

(۶) القرآن الحکیم، سورۃ المائدہ ۵۱

☆ یا یھا الذین امنوا لا تتخذوا الیھود والنصری اولیاء بعضھم اولیاء بعض ومن یتولھم منکم فانہ منھم

"اے ایمان لانے والو، یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا رفیق نہ بناؤ یہ آپس ہی میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں اور اگر تم میں کوئی ان کو اپنا رفیق بناتا ہے تو اس کا شمار بھی پھر انہی میں ہے۔"

(۷) وان جنحوا للسلم فاجنح لھا وتوکل علی اللہ۔ القرآن الحکیم سورۃ الانفال ۶۱

(۸) القرآن الحکیم سورۃ المائدہ ۵ (i)

(ii) ۵.۵۵ انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا الذین یقیمون الصلوۃ ویؤتون الزکوۃ وھم راکعون

"تمہارے رفیق تو حقیقت میں صرف اللہ اور اللہ کا رسولؐ اور وہ اہل ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں۔"

(iii) القرآن الحکیم، سورۃ المائدہ ۵۷، یا یھا الذین امنوا لا تتخذوا الذین اتخذوا دینکم ھزوا ولعبا من الذین اوتوا الکتب من قبلکم والکفار اولیاء

"اے ایمان لانے والو، تمہارے پیش رو اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے تمہارے دین کو مذاق اور تفریح کا سامان بنا لیا ہے، انہیں اور دوسرے کافروں کو اپنا دوست اور رفیق نہ بناؤ۔"

(۹) القرآن الحکیم سورۃ التوبہ ۳۳

(۱۰) القرآن الحکیم سورۃ التوبہ ۱۔۲۔ براءۃ من اللہ ورسولہ الی الذین عٰھدتم من المشرکین o فسیحوا فی الارض اربعۃ اشھر واعلموا انکم غیر معجزی اللہ

(۱۱) Hameed ullah Dr Muhammad, The Muslim Conduct of State, p.272

(۱۲) القرآن الحکیم سورۃ البقرہ ۱۸۳:

(۱۳) طبری، ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید (۲۲۳۔۳۱۰ھ/۸۳۹۔۹۲۳) تاریخ الامم والملوک، بیروت، لبنان، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۷ھ، ص ۱۷۲۳۔۱۷۲۵

(۱۴) طبری، ص ۱۷۲۳/ السرخسی، شرح السیر الکبیر، جلد ۳، ص ۵

(۱۵) القرآن الحکیم سورۃ النحل ۹۲

(۱۶) القرآن الحکیم سورۃ النحل ۹۳

(۱۷) بحوالہ السرخسی شرح السیر الکبیر جلد ۲، ص ۴۳
(۱۸) السرخسی شرح السیر الکبیر جلد ۲، ص ۷
(۱۹) ابن ہشام، ابو محمد عبدالملک ہشام الحمیری (م ۲۱۳ھ/ ۸۲۸ء) السیرۃ النبویہ، جلد دوم، بیروت، لبنان، دار ابن کثیر، ۱۴۲۴ھ/ ۲۰۰۳ء، ص ۶۵۴
(۲۰) ایضاً ص ۶۲۸
(۲۱) القرآن الحکیم سورۃ الانعام ۱۶۴
(۲۲) القرآن الحکیم بنی اسرائیل ۱۵
(۲۳) القرآن الحکیم سورۃ الفاطر ۱۸
(۲۴) القرآن الحکیم سورۃ الزمر ۷
(۲۵) القرآن الحکیم سورۃ النجم ۳۸
(۲۶) القرآن الحکیم سورۃ المائدہ ۱
(۲۷) القرآن الحکیم سورۃ الانفال ۵۵_۵۸
(۲۸) القرآن الحکیم سورۃ التوبہ ۱_۲
(۲۹) القرآن الحکیم سورۃ التوبہ ۴
(۳۰) القرآن الحکیم سورۃ بنی اسرائیل ۳۴
(۳۱) القرآن الحکیم سورۃ المومنین ۱_۸
(۳۲) القرآن الحکیم سورۃ التوبہ ۴
(۳۳) القرآن الحکیم سورۃ التوبہ ۵
(۳۴) القرآن الحکیم سورۃ التوبہ ۷_۸
(۳۵) القرآن الحکیم سورۃ توبہ ۱۰_۱۲
(۳۶) بخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴_۲۵۶ھ/ ۸۱۰_۸۷۰ء) الصحیح، بیروت، لبنان، دمشق و شام، دار القلم، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء
(۳۷) مشکوٰۃ شریف، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز، لاہور، ۱۹۶۳ء، سلسلہ مطبوعات ۳۲۸، باب الکبائر وعلامات النفاق
(۳۸) مشکوٰۃ باب مالی الولاۃ من التیسیر
(۳۹) مشکوٰۃ باب الامان
(۴۰) مشکوٰۃ باب الصلح
(۴۱) القرآن الحکیم سورۃ الانفال ۵۸
(۴۲) القرآن الحکیم سورۃ التوبہ ۱۲_۱۳
(۴۳) القرآن الحکیم سورۃ التوبہ ۴
(۴۴) محمد خدوری، اسلام اور قانون جنگ و صلح، ص ۲۵۴
(۴۵) ابن قیم الجوزیہ، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، جلد اول، فصل جزیہ، مصر، ۱۹۵۰ء
(۴۶) ایضاً
(۴۷) بخاری، مسلم بن الحجاج القشیری، الصحیح، دہلی، ۱۳۳۹ھ، ابوداؤد، السجستانی، سنن، کراچی، ۱۳۶۹ھ (ذکر خیبر)
(۴۸) ابوداؤد، السجستانی، سنن، کراچی، ۱۳۶۹ھ کتاب الخراج باب اخذ الجزیہ
(۴۹) ابوداؤد باب اخذ الجزیہ
(۵۰) القرآن الحکیم سورۃ الانفال ۶۱

(۵۱) القرآن الحکیم سورۃ البقرہ ۱۰۶
(۵۲) القرآن الحکیم سورۃ الکافرون ۶
(۵۳) مشکوۃ باب الصلح
(۵۴) الدارمی، ابو محمد بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن، سنن، کانپور، ۱۲۹۳ھ
(۵۵) القرآن الحکیم سورۃ بقرہ ۱۵۰
(۵۶) القرآن الحکیم سورۃ انفال ۱۸
(۵۷) القرآن الحکیم سورۃ نحل ۹۱
(۵۸) القرآن الحکیم سورۃ بنی اسرائیل آیت ۳۴
(۵۹) القرآن الحکیم سورۃ المائدہ ۲:
(۶۰) القرآن الحکیم سورۃ انفال ۵۸
(۶۱) عبدالمتعال الصعیدی، عہد نبوی کی اسلامی سیاست، مترجم شیخ محمد احمد پانی پتی، ادارہ فروغ اردو لاہور، ۱۹۶۰ء، ص ۳۹۰
(۶۲) ابن قیم الجوزیہ، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، مصر، ۱۹۵۰ء، جلد ۲، ص ۱۹۴
(۶۳) نعیم صدیقی، محسن انسانیت، مطبوعہ اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۸۱ء، ص ۳۹۲
(۶۴) عبدالمتعال الصعیدی، عہد نبوی کی اسلامی سیاست، ص ۳۴۴
(۶۵) القرآن الحکیم سورۃ المائدہ ۵
(۶۶) سید محبوب رضوی، مولانا، مکتوبات نبویؐ ادارہ اسلامیات لاہور، مئی ۱۹۷۸ء، ص ۱۶
(۶۷) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، سیاسی وثیقہ جات، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۰ء، ص ۴
(۶۸) سید محبوب رضوی، مولانا، مکتوبات نبویؐ، ص ۱۶۔۱۷
(۶۹) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، ص ۳۳۶
(۷۰) سید محبوب رضوی، مولانا، مکتوبات نبویؐ، ص ۱۸
(۷۱) ایضاً، ص ۳۳
(۷۲) عبدالغنی، پروفیسر، عصر حاضر میں معاہدات نبوی کی ضرورت و اہمیت، ماہنامہ تعمیر افکار، کراچی، شمارہ نمبر ۱۰، اکتوبر ۲۰۰۱ء، ص ۳۱

باب اول

﴿فصل سوم﴾

رسول اکرم ﷺ کے سیاسی معاہدات، مختصر جائزہ:

رسول اللہ ﷺ نے سیاست خارجیہ میں معاہدات اور حلیفانہ تعلقات کی طرف غیر معمولی توجہ فرمائی۔ کیونکہ آپؐ جنگ وجدل سے انتہائی ممکن حد تک بچ نکلنا چاہتے تھے تاکہ ایسی پرسکون فضا میں دعوت حق کا کام بخوبی ہو سکے اور جنگی جذبات بیچ میں حائل نہ ہوں۔ جنگی کارروائیاں جہاں کہیں بقائے ریاست، بقائے امن یا بقائے اسلام کے لیے ناگزیر ضرورت بن گئیں، وہاں تو آپؐ نے کسی درجہ کی ہچکچاہٹ سے کام نہیں لیا، لیکن اگر جنگ سے بچ کے نکلا جا سکتا ہو اور ریاست کا سیاسی تحفظ واستحکام اور دعوت کے لیے کھلا میدان امن وآشتی سے خالی کرنا ممکن ہو تو پھر آپؐ نے لازماً صلح وآشتی کا راستہ اختیار کیا۔ خود رسول اللہؐ نے معاہدہ عقبہ کے نتیجے میں مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی، پھر ریاست کا وجود تلوار کے زور سے نہیں، بلکہ دستوری معاہدے کے بل پر قائم ہوا۔

معاہدات استوار کرنا اور حلیفانہ تعلقات قائم کرنا کوئی آسان کام نہیں ہوتا خصوصاً جب کہ مذہبی اختلافات اور سیاسی تعصبات موجود ہوں اور کوئی مخالف طاقتیں مداخلت بھی کر رہی ہوں۔ پھر ایسے قبائل اور عناصر سے معاہدات طے کرنا اور بھی زیادہ مشکل ہو جاتا ہے جو سابق تعلقات نہ رکھنے کی وجہ سے بالکل اجنبی ہوں۔ اس کام کے لیے بڑی سیاسی مہارت کی ضرورت ہوتی ہے، مخاطب کے حالات اور رجحانات کو دیکھنا، قوت کو پہچاننا، توازن قوت کو سمجھنا، مخالف طاقتوں کے اثرات کا مطالعہ کرنا، شرائط کے فوری اور دور رس نتائج پر نظر رکھنا اور پھر نفسیاتی لحاظ سے گفت وشنید میں اثر پیدا کرنا۔ ایسے بے شمار لوازم کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ محسن انسانیت ﷺ نے اس دائرہ کار میں جس درجے کی سیاسی بصیرت اور قائدانہ مہارت اور قابلیت کا نمونہ پیش کیا ہے اس کی مثال کہیں نہیں مل سکتی۔ کیونکہ رسول ﷺ نے مختلف حالات میں مختلف نوعیت کے معاہدات اور حلیفانہ تعلقات قائم کرتے ہوئے کسی بھی موقع پر نظریۂ حق، اپنے اخلاقی اصولوں اور سیاسی مرتبے کو ذرا سا بھی نقصان نہیں پہنچنے دیا۔ بلکہ جتنے معاہدات اور اتحادات آپؐ نے قائم فرمائے خواہ ان کی نوعیت سیاسی تھی، اقتصادی یا فوجی ان سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل کی۔ اس کا اندازہ معاہدات کی تفصیل سے بخوبی ہو جاتا ہے۔

معاہدۂ عقبہ اولیٰ:

یثرب میں قحطانی نسل کے دو قبیلے اوس اور خزرج آباد تھے۔ ان قبیلوں کا پیشہ زراعت تھا۔ یثرب میں یہودیوں کی بھی خاصی کثرت تھی، یہ تجارت پیشہ لوگ تھے۔ اوس وخزرج اور یہودیوں کے باہمی تعلقات مستحکم نہیں تھے بلکہ ان میں اچھی خاصی رقابت

موجود تھی۔ کبھی کبھار جنگ وجدال کی نوبت بھی آجاتی تھی۔ یہودی دراصل قبائلی رقابتوں کی آڑ میں یثرب پر حکمرانی کا خواب دیکھ رہے تھے۔ پھر اہل کتاب ہونے کی حیثیت سے وہ اپنی مذہبی برتری بھی قبائل عرب پر منوانا چاہتے تھے نہیں یہ علم تھا کہ ایک نبی کی بعثت ہونے والی ہے حقیقت میں یہودیوں کو تین پیغمبروں عیسیٰ، ایلی جاہ اور موسیٰ جیسے ایک پیغمبر کا انتظار تھا۔ جس کے ذریعے وہ یہودیت کے پرچار اور پھیلاؤ کا سوچ رہے تھے۔ انصار اس پہلو سے تہی دامن تھے۔ اسی سبب نے اوس وخزرج کے لیے دعوت محمدیہ قبول کرنے کی گنجائش پیدا کردی۔ نبوت کے گیارھویں برس حج کے دنوں میں خزرج کا ایک قافلہ مکہ آیا (۳الف)۔ حضور پاک عقبہ کے مقام پر ان سے ملے اور قرآن پاک پڑھ کر سنایا، اللہ تعالیٰ عزوجل وشانہ کی عظمت وجلال کا تذکرہ کیا اور بتوں سے ان کو نفرت دلائی۔ بت پرست ہونے کے باوجود یہودیوں سے روابط ہونے کی بنا پر ان کو یہ پتہ تھا کہ ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے۔ (۳ب) آپ کی دعوت پر بعض نے کہا، واللہ یہ وہی نبی ہیں جن کا تذکرہ یہودی کرتے ہیں، دیکھو کہیں وہ ہم سے سبقت نہ لے جائیں (۴) الغرض یہ افراد مشرف بہ اسلام ہوئے۔ بنی خزرج کے ان چھ اشخاص کے نام یہ تھے۔

( ) ابوامامہ اسعد بن زرارہؓ (۲) عوف بن حارثؓ (۳) رافع بن عجلان (۴) قطبہؓ بن عامر (۵) عقبہؓ بن عامر (۶) جابرؓ بن عبداللہ۔

انہوں نے یثرب واپس جا کر تبلیغ شروع کر دی۔ اگلے سال یعنی نبوت کے بارھویں سال (۵الف) اہل یثرب کا ۱۲ رکنی وفد پھر حج کے لیے مکہ آیا۔ (۵ب) ان میں سے پانچ حضرات تو انہیں چھ میں سے تھے جو گزشتہ برس آئے تھے۔ باقی سات نئے تھے۔ ان کے نام یہ ہیں۔

۱۔ معاذؓ بن الحارث ۲۔ ذکوانؓ بن عبد قیس ۳۔ عبادہؓ بن صامت ۴۔ یزیدؓ بن ثعلبہ ۵۔ عباسؓ بن عبادہ بن نضلہ ۶۔ ابوالہیثمؓ مالک بن التیہان ۷۔ عویمؓ بن ساعدہ

رسالت مآب ﷺ نے ان سے درج ذیل امور پر باقاعدہ بیعت لی۔

۱۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔

۲۔ ہم چوری نہیں کریں گے۔

۳۔ ہم زنا کے مرتکب نہیں ہوں گے۔

۴۔ اولاد کے قتل سے اجتناب کریں گے۔

۵۔ ہم باہمی بہتان طرازی سے پرہیز کریں گے۔

۶۔ ہم آپ کی معروف ونیک امر میں نافرمانی نہیں کریں گے۔ (۶)

اس بیعت کے بعد یہ لوگ یثرب واپس لوٹ گئے جہاں ان کی وجہ سے اسلام کو اور زیادہ فروغ ہوا۔ حضرت محمد ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو ان کے ساتھ بھیج دیا تھا تاکہ احکام قرآن کی اشاعت کریں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قبیلہ اوس کے سرداروں نے بھی اسلام قبول کرلیا اور اس طرح گھر گھر اسلام کا چرچا ہونے لگا۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ نے رسول اللہ کو اپنی پیش رفت سے آگاہ کیا اور بتایا کہ محفوظ و مامون حالات کے پیش نظر یثرب کو اسلامی قالب میں مکمل طور پر ڈھالا جاسکتا ہے، علاوہ بریں یثرب کے مسلمان نہایت

بہادر اور جری بھی ہیں۔

حضور ﷺ نے ان حالات کا تقابل مکہ کے مشرکین کے ناقابل برداشت مظالم سے کیا۔ یثرب کے حالات مسلمانوں کے حق میں از حد بہتر اور سوزوں تھے۔ مکہ کی بنجر زمین کی طرح اس کے باسیوں کی طبیعت میں سختی پائی جاتی تھی۔ اہل یثرب کے دل بھی وسیع تھے اور زمین بھی مکہ کی نسبت قابل کاشت۔ اہل یثرب آپ کو ایک ایسے مقام کی پیش کش کر چکے تھے جہاں اسلام کی تکمیل ہوتی نظر آتی تھی۔ ان چھ حضرات نے جنہیں بیعت عقبی اولی سے پہلے اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل ہوا تھا آپ سے عرض کی تھی کہ ہم آپ کی رسالت کی تصدیق کرتے ہیں اور آپؐ پر ایمان لاتے ہیں۔ ہم آپس میں اور یہودیوں سے اکثر برسرپیکار رہتے ہیں اگر آپؐ کے ذریعہ اتفاق پیدا ہو سکا تو اس وقت ہمیں آپؐ سے زیادہ کوئی عزیز نہ ہوگا۔ (۷ الف) آپؐ یہ بھی جانتے تھے کہ مکہ میں ان کے ساتھی قریش کا مقابلہ نہیں کر سکتے آپؐ کے چند رشتہ دار گرچہ آپ کی حمایت کرتے تھے لیکن وہ بر ملا قریش کی ناراضگی کی قیمت نہیں دے سکتے تھے۔

بیعت عقبہ اولیٰ میں مسلمانوں کے لیے ایک سیاسی مرکز کی تلاش بھی کارفرما تھی۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ مسلمانوں نے حبشہ کی طرف دو دفعہ ہجرت کی۔ وہاں فرمانروا نجاشی نے ان کو آؤ بھگت بھی کی تھی لیکن حبشہ کے محل وقوع کی نسبت یثرب کا محل وقوع مسلمانوں کے حق میں تھا۔ یثرب میں ان کے بھائی ان کی اعانت بھی کر سکتے تھے جبکہ جزیرہ نمائے عرب سے حبشہ جا کر مدد کرنا اس وقت کے حالات کے پیش نظر ممکن نہ تھا۔

معاہدۂ عقبہ ثانی:

چنانچہ نبوت کے تیرہویں سال (۷ ب) یثرب سے بہت سے لوگ حج کی غرض سے مکہ آئے اور بہتر مسلمانوں نے عقبہ کے مقام پر حضورؐ کی بیعت کی۔ اس کو "معاہدہ یا بیعت عقبہ ثانی ۱۲ نبوی" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے (۸ الف)۔ حضورؐ نے وفد سے ارشاد فرمایا کہ "میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم میری اپنے بیوی اور بچوں کی حفاظت کی طرح کرو گے۔" (۸ ب) جہاں تمہارا خون گرے گا، میرا لہو بہے گا۔ میں تم سے ہوں اور تم میرے، ہم قوم ہو۔ جس سے تمہاری جنگ ہوگی میں بھی اس سے برسرپیکار رہوں گا۔ جس سے تمہاری صلح ہوگی میں بھی اس کا حلیف ہوں گا۔ (۹)

بیعت ہائے عقبہ بیک وقت مذہبی مواثیق بھی ہیں اور سیاسی و فوجی معاہدات بھی۔ نیز یہ معاہدہ بیک وقت معاہدہ عمرانی بھی ہے۔ اس سے اسلام کی عظمت کی نیو رکھی گئی، اہل یثرب آپ کی اطاعت کے پابند بنے اور آپ کی حفاظت کی ذمہ داری قبول کی۔

اس معاہدہ میں بیعت عقبہ اولیٰ کے برعکس جنگ کی شق بھی موجود تھی۔ آپؐ نے اہل یثرب سے یہ عہد لیا تھا جس کے آپ خود بھی فریق تھے کہ "تمہاری جنگ میری جنگ، تمہاری صلح میری صلح اور میں اب تمہیں میں سے ہوں" اس اقرار نے گویا دونوں فریقوں کو پابند کیا کہ ان کے حریف وحلیف مشترک ہوں گے۔ یہاں اس کے نتائج کے طور پر دیکھنا یہ ہے کہ اہل یثرب میں جنہوں نے یہ اقرار کیا تھا کس حد تک اس کو پورا کرنے میں کامیاب ہوئے۔ فوجی حکمت عملی کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو یہ معاہدہ بڑا کارگر ثابت ہوا۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ معاہدہ عقبہ میں شریک بہتر افراد میں سے پچپن سے زائد حضور پاکؐ کے ساتھ بدر، احد،

خندق وغیرہ کے مقامات پر لڑی جانے والی جنگوں میں شریک تھے۔ جبکہ ان میں پندرہ سے زائد نے انہی مختلف جنگوں میں شہادت حاصل کی۔ حضور پاکؐ کے ساتھ کیے گئے اقرار کو پورا کرنے کے لیے اس سے بڑی قربانی ممکن نہیں ہوسکتی۔

معاہدۂ عقبہ اسلامی تاریخ میں ایک اہم موڑ ثابت ہوا۔ اہل مدینہ نے اسلام قبول کیا تو گویا یہ حقیقت بھی مان لی کہ دین وایمان کے آگے رنگ ونسل، زبان ووطن اور قومیت وعصبیت بے وقعت ہیں اور اتحاد کا سب سے مستحکم ذریعہ ''دین'' ہی بن سکتا ہے۔ پھر انہیں یہ اطمینان وفخر بھی حاصل ہوگیا کہ وہ یہودیوں سے زیادہ موقر اور ان سے بہتر دین وکتاب کے حامل ہوگئے ہیں۔ اہل مکہ پر بیعت عقبہ کے جواثرات متوقع تھے وہ کسی بھی صاحب نظر سے پوشیدہ نہ تھے اور قریش خود بھی اس کی خطرناکیوں کو اچھی طرح محسوس کر رہے تھے۔ اسی لیے جس رات عقبہ کی بیعت ہوئی تھی اسی کی صبح ہی قریش اہل مدینہ کے خیموں میں آدھمکے اور اہل مدینہ سے پوچھنے لگے کہ ''ہم نے سنا ہے تم نے ہمارے خلاف جنگ پر معاہدہ کرلیا ہے اور ہمارے آدمی کو تم یہاں سے نکال کرلے جانا چاہتے ہو'' (۱۰) ان الفاظ میں قریش کے اندرونی خدشات نمایاں نظر آرہے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ مدینہ میں اہل ایمان اور اوس وخزرج کی قوت کا مجتمع ہونا ان کے لیے پیغام موت سے کم نہیں ہے کیونکہ اوس وخزرج ایک جنگ جو قوم ہے اور وہ آنحضرتؐ اور دوسرے مسلمانوں کی حفاظت کرنے پر پوری طرح قادر ہے۔ نیز مدینہ کی طرف سے مکہ پر حملہ بھی غیر متوقع نہیں ہوسکتا تھا بلکہ اس سے زیادہ بڑا خطرہ اہل مدینہ کے نزدیک یہ تھا کہ شام کی تجارتی شاہراہ چونکہ مدینہ سے ہوکر گزرتی ہے اس لیے مدینہ سے اس شاہراہ کی ناکہ بندی کی جاسکتی ہے اور اس طرح وہ معاشی شہ رگ بھی کاٹی جاسکتی ہے جس کے محفوظ رہنے پر قریش اور دوسرے بڑے بڑے قبائل کی معاشی زندگی کا انحصار تھا۔ علاوہ ازیں یہ احساس بھی قریش مکہ کے لیے کم سوہان روح نہ تھا کہ رسول اللہؐ یوں آسانی کے ساتھ ان کے دست ظلم سے بچ کر ایک محفوظ ٹھکانہ بنالیں اور شجر اسلام نئی زمین اور نئی فضا میں پرورش پاکر ایک تناور درخت بن جائے۔

رسول اکرم ﷺ کے سیاسی معاہدات میں ''میثاق مدینہ'' کی اہمیت:

معاہدہ عقبہ کے نتیجے میں رسول اللہؐ اور دیگر مسلمان مکہ چھوڑ کر مدینہ جا کر آباد ہوگئے۔ مدینہ میں آنحضرتؐ کو چند فوری ضرورتوں اور مسائل کا سامنا تھا۔

۱۔ اپنے اور مقامی باشندوں کے حقوق وفرائض کا تعین
۲۔ مہاجرین مکہ کے توطن اور بسر بود کا انتظام
۳۔ مدینہ کے غیر مسلموں خاص کر یہودیوں سے سمجھوتہ
۴۔ مدینہ کی سیاسی تنظیم اور فوجی مدافعت کا اہتمام
۵۔ قریش سے مہاجرین کو پہنچے ہوئے جانی ومالی نقصانات کا بدلہ (۱۱)

بیعت عقبہ کے ذریعے رسول اللہؐ اور اہل مدینہ کے درمیان جس انداز دینی پر سیاسی رابطہ استوار ہوا اور انہوں نے رسول اللہؐ کی قیادت کو مکمل سمع وطاعت کے ساتھ جس طرح قبول کرلیا تھا اس کے بعد تو فی الواقع ضرورت اس امر کی رہ گئی تھی کہ کوئی قطعۂ اراضی

زیر اثر آ جائے جس میں کوئی اور سیاسی اقتدار کارفرما نہ ہو تو معاً ایک ریاست روبہ عمل آسکتی ہے۔ چنانچہ ہجرت مدینہ کے بعد ایک طرف تو مسلمانوں کی جماعت کو عقد مواخاۃ کے ذریعہ ایک منظم معاشرہ کی شکل دے دی گئی اور دوسری طرف ایک سرزمین بھی حاصل ہوگئی جہاں نیراج کی وجہ سے کوئی باقاعدہ سیاسی اقتدار موجود نہ تھا گویا ریاست کے کل عناصر ولوازم میسر آ گئے۔ (۱۲) جہاں مذکورہ بالا تقاضوں کو پورا کیا جا سکتا تھا تو ابتدائی مسائل سے فارغ ہوتے ہی رسول اللہؐ نے ہجرت کے پہلے ہی سال میں ایک دستاویز مرتب فرمائی جسے مدینہ کے لوگوں نے تسلیم کیا۔ یہ معاہدہ طرفین کی رفاہیت اور حقوق کی نگہبانی میں جامعیت کے اعتبار سے تاریخ کا اہم ترین باب ہے۔ (۱۳)

یہ تاریخی معاہدہ ۵۲ دفعات پر مشتمل ہے۔ سیرت نگاروں نے اس کا احاطہ کرتے ہوئے اس کا متن نقل کیا ہے، بالخصوص ڈاکٹر حمید اللہ نے الوثائق السیاسیہ میں اس کا پورے طور پر اہتمام کیا ہے۔

اس معاہدے پر مدینے کی تمام قوموں کے دستخط ہو گئے تو نبی ﷺ نے یہ چاہا کہ گردونواح کے قبیلوں کو بھی اسی معاہدہ میں شامل کر لیا جائے۔ اس سے دو فائدے ہوں گے۔ (۱۴)

۱۔ قبائل کے درمیان ہمیشہ سے جاری خانہ جنگی کا خاتمہ۔

۲۔ قریش مکہ ان لوگوں کو جن سے معاہدہ ہو جائے گا مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ نہ کر سکیں گے۔

انہی پر امن مقاصد کو لے کر نبی ﷺ نے ہجرت کے پہلے سال ہی قبیلہ بنی ضمرہ بن بکر بن عبد مناف کو جبکہ ربیع الاول دو ہجری میں کوہ بواط کے لوگوں اور مقام ینبوع کی طرف بنو مدلج کو معاہدے میں شریک کر لیا۔

معاہدے کا ابتدائی حصہ مہاجرین و انصار کے حقوق و فرائض سے بحث کرتا ہے، جبکہ دوسرا حصہ یہود مدینہ کے حقوق و فرائض سے متعلق ہے۔ جہاں تک انصار کا تعلق ہے ان کے متعدد قبائل تھے اسی شکل میں تسلیم کر لیے گئے اور اس کے بالمقابل تمام مہاجرین کو بھی ایک قبیلہ کے مماثل مانا گیا اور یہ واضح کر دیا گیا کہ جملہ مسلم طبقات کو یکساں حقوق و واجبات حاصل ہوں گے۔

یہ ایک بین الاقوامی معاہدہ تھا جس میں مدینہ کی مختلف اقوام سمیت گردونواح کے قبائل بھی شریک تھے۔ اس معاہدے کی اہمیت مغربی مستشرقین نے بھی تسلیم کی ہے۔ چنانچہ ویلہازن نے بجا طور پر لکھا ہے۔

"There for the first time the talio becomes effective, there it can be enforced the community, at the head of which God stands, and the prophet as God's persoutative has power to deliver the shedder of beloved over to avenger and it is the duty of community to see that this is done."

("قصاص و دیت کا ضابطہ وہاں پہلی مرتبہ اتنا موثر بنا کر اسے نافذ کیا جا سکے۔ وہ سیاسی وحدت جس کی سربراہی اللہ کے ذمہ تھی اور جہاں رسول کی حیثیت اللہ کے نمائندے کی تھی، یہ اختیار رکھتی تھی کہ قاتل کو منتقم کے حوالے کر سکے اور اس بات کی نگرانی کرنا بھی پوری جماعت کا کام تھا کہ ضابطہ کی تعمیل کر دی گئی ہے۔")(۱۵)

سیاسی لحاظ سے دیکھا جائے تو اس معاہدے کے نتیجے میں ایک نیا معاشرہ وجود میں آیا جس کے اندر مکمل سیاسی وحدت موجود

تھی   بھر صحیح معنوں میں یہ ایک تحریری آئین بھی تھا جسے وفاقی مملکت مدینہ کے قیام کی اساس بنایا گیا اور مرکزی حکومت قائم کی گئی۔ آئینی ریاست وحکومت کے قیام، وفاقیت، حقیقی تقسیم اختیارات، علاقائی جمہوریت اور مساوات جیسے سیاسی اصول اس آئین کے اندر واضح طور پر موجود ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مختلف اقوام اور قبائل کے باہمی تعلقات کو ضابطوں کے تحت رکھا گیا۔

معاہدہ مدینہ کا دوسرا حصہ یہودیوں سے متعلق ہے جس میں تمام یہود مہاجرین وانصار کی طرح ایک جماعت کی حیثیت سے شہری ریاست مدینہ سے منسلک کیے گئے۔ یہود کو ایک علیحدہ فریق سمجھا گیا۔ جس میں تمام اہل وحوالی قبائل وغیرہ شامل تھے۔ معاہدے میں بہت ساری ایسی دفعات موجود ہیں جن سے معاہدے میں شریک ہونے والوں کے درمیان فوجی وسیاسی طبقی واضح ہوتی ہے۔ ایک شق کے مطابق اگر جنگ میں مسلمان ویہود کے درمیان اتحاد وعمل ہوا تو ہر فریق اپنے مصارف جنگ خود برداشت کرے گا۔ اسی بات کو ایک دوسری شق میں بھی دہرایا گیا ہے۔ صلح وجنگ مرکزی مسئلہ قرار دیا گیا اور وفاقی سیاست کے لحاظ سے بھی یہ حق رسول اللہ کی رکھی گئی۔ پھر مدینہ پر قریش کے حملہ کی صورت میں مشترکہ جنگ اور باہمی امداد ضروری قرار دی گئی (یہ اسی طرح کی پابندی ہے جس طرح سیٹو اور سینٹو کے معاہدات میں شریک ممالک کو کیمونزم کے حملہ کی صورت میں باہمی امداد کا پابند بنایا گیا) البتہ دینی جنگوں میں انہیں رعایت دی گئی۔ دفعہ ۲ کے سلسلے میں یہ بات طے کردی گئی کہ ”نہ قریش کو پناہ دی جائے گی اور نہ اس کے مددگاروں کو۔ اس طرح قریش مکہ کو ان کے ایک اہم حلیف یعنی یہودیوں کی اعانت سے اصولی طور پر محروم کر دیا گیا۔ یہودیوں کو عام مسلمان رعایا کے ساتھ سیاسی وتمدنی حقوق میں مساوات برتی گئی اور یہودیوں کے معاہداتی رشتہ داروں کو حقوق اور ذمہ داریوں میں عام اور اصل یہودیوں کے برابر مان لیا گیا۔

یہودیوں کے معاشرتی وخانگی مسائل میں رسول اللہ ﷺ نے کوئی مداخلت نہیں کی ان کو دین اور عقیدہ ومذہب دیت اور دوسرے رسوم ورواج میں بالکل آزاد رکھا   معاہدے کی انہی خصوصیات کی بناء پر نہ صرف یہودیوں نے اس کو قبول کیا بلکہ مسلمانوں کے ساتھ ان کے تعلقات کو خوشگوار بنانے میں بھی مدد ملی۔ رسول اللہ ﷺ بھی مدینہ اور اس کے گردونواح کے مشرکین اور بے دین لوگوں کی نسبت ایک خدا پر یقین رکھنے والے یہودیوں سے زیادہ قریب تھے۔ مدینہ آمد پر آپؐ نے کعبہ کی بجائے بیت المقدس کو قبلہ بنایا۔ اسی طرح دس محرم کے روزہ کو بھی اپنایا گیا۔ (۱۶) جب کسی یہودی کا جنازہ پاس سے گزرتا تو آپ احتراماً کھڑے ہو جاتے۔ آپؐ اس بات کو بھی ناپسند فرماتے کہ آپؐ صحابہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں مبالغہ آرائی سے کام لیں۔ بہر حال (معاہدہ مدینہ کے بعد) ہجرت کے پہلے سال مسلم یہود خوشگوار تعلقات کی مزید تصدیق قریش کے اس سخت رویہ سے ہوتی ہے جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف اپنایا تھا۔ مدینہ کی سیاسی صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے قریش نے محسوس کیا کہ ان کے لیے یہودی کی بجائے عبداللہ بن ابی کو اپنے ساتھ ملانے کے زیادہ مواقع ہیں۔ قریش نے عبداللہ بن ابی کی مدد طلب کرتے ہوئے اسے ایک خط کے ذریعے رسول اللہ کو قتل کرنے یا انہیں مدینہ سے نکال دینے کے لیے کہا۔ (۱۷) بدر سے قبل ان خوشگوار تعلقات کے باعث یہود نے مدینہ میں ایک وفاقی ریاست کے قیام اور متفقہ دستور بنانے میں رسول اللہؐ کے ساتھ تعاون کیا۔ اس وقت وہ آپؐ سے کتنی امیدیں وابستہ کیے ہوئے تھے کہ انہوں نے اس معاہدہ کی تدوین وترتیب میں نہ صرف آپ کی رسالت پر کوئی اعتراض نہ کیا بلکہ معاہدہ میں واضح طور پر اس کا اندراج بھی ہوا۔ (۱۸)

معاہدہ مدینہ کی دفعات کا ایک بڑا حصہ یہود سے جنگی و دفاعی معاملات پر مشتمل ہے۔ چنانچہ اس حصہ کی کم از کم دس دفعات بھی بہر طور اسی سے متعلق ہو جاتی ہیں۔ غالباً اس پہلو کے پیش نظر بعض مصنفین نے اسے یہودیوں سے ''اصل میں ایک جنگی حلیفی'' یا ''فوجی اتحاد'' قرار دیا ہے۔ مدینہ کے حالات پر غور کرنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہود سے اس قسم کا دفاعی تعلق رکھنے کی ضرورت سیاسی اور عسکری دونوں اعتبار سے ناگزیر تھی۔ کیونکہ ایک طرف تو قریش کی طرف سے ممکنہ حملہ کا دفاع مقصود تھا اور دوسری طرف خود یہود کی سرکشی و بغاوت کا سدباب اخلاقی طور پر کرنا تھا علاوہ ازیں اس انتظام سے ایک فائدہ رسول اللہؐ نے یہ بھی حاصل کر لیا کہ علیحدہ ایک مستقل فوج رکھنے اور دفاعی ضرورتوں کے لیے اخراجات مختص کرنے کی زحمت سے بچ گئے اور وہ بھی اس وقت جبکہ وسائل بالکل نایاب تھے۔

رسول اللہؐ اور مہاجرین کو ذاتی طور پر بھی اور آپ کی قائم کردہ ریاست کو مجموعی طور پر سب سے بڑا خطرہ قریش کی طرف سے لاحق تھا اس لیے کہ ریاست میں محض اندرونی طور پر امن وامان اور استحکام قائم کر دینا ہی کافی نہ تھا بلکہ اس سے زیادہ ضرورت قریش کے متوقع حملوں کی روک تھام تھی۔ چنانچہ رسول اللہؐ کی نگاہ دور رس نے اس خطرہ (بلکہ فوری ضرورت) کو پوری طرح محسوس کرتے ہوئے معاہدے کی متعدد دفعات کے تحت یہ انتظام کر دیا کہ اہل یثرب کے لیے قریش کے ساتھ صلیفانہ تعلقات یا دوستانہ روابط کا کوئی موقع نہ رہے اور قریش کی حیثیت اہل یثرب کے مشترکہ دشمن کی ہو جائے۔ چنانچہ معاہدے میں یہ دفعات موجود ہیں کہ اگر یثرب پر حملہ ہوا تو معاہدہ کے جملہ شرکاء کے لیے باہمی امداد و اعانت لازمی ہوگی۔ کوئی شخص حتیٰ کہ ایک مشرک بھی قریش کی جان و مال کو کوئی پناہ دے گا نہ اس سلسلے میں کسی مومن کے آڑے آئے گا اور یہ کہ نہ قریش کو کوئی پناہ دی جائے گی نہ اس کے حامی کو۔

حضورؐ کی سیاست خارجہ کا کمال یہ ہے کہ قریش کے خلاف اس اتحاد کو مدینہ کی تمام جماعتوں تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ مدینہ سے لے کر براہ راست ینبوع کی بندرگاہ تک کے علاقے میں رہنے والے قبائل کو یا تو معاہدات کے ذریعہ اپنے ساتھ ملا لیا یا امان نامے دے کر اپنے اقتیار کو منوالیا اور یہ پھر انہیں کم از کم قریش کی امداد و اعانت سے کنارہ کش رہنے پر آمادہ کر لیا

یہودیوں کے ساتھ دوستی اور حلیفی کی جو فضا معاہدہ مدینہ کے نتیجہ میں پیدا ہوئی تھی وہ زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی اس کی کئی وجوہات تھیں۔ یہود کے تین قبیلے بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ مدینہ کے اطراف میں آباد تھے۔ ان میں بنو قینقاع سب سے زیادہ طاقتور اور دولتمند قبیلہ تھا۔ جس کے پاس اسلحہ کے وافر ذخیرے بھی موجود رہتے انصار عموماً ان کے مقروض اور زیر بار تھے۔ ملکی اور تجارتی افسروں کے ساتھ ان لوگوں کا مذہبی اور علمی اثر بھی تھا۔ انصار عموماً جاہل اور بت پرست تھے۔ اس بناء پر وہ یہود کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے اور ان کو اپنے سے زیادہ مہذب اور شائستہ سمجھتے تھے۔ مدینہ میں حضورؐ کی آمد کے بعد اسلام جس قدر روز بروز پھیلتا جاتا تھا۔ اسی قدر یہودیوں کے مذہبی وقار کو جو ان کو مدتوں سے حاصل تھا، زوال ہوتا جاتا تھا۔ مدینہ کے مشرکین میں یہودیت جو تدریجاً پھیل رہی تھی دفعتہً رک گئی۔ نئے نئے فتوحات کی بدولت انصار جس قدر دولتمند ہوتے جاتے تھے یہودیوں کے قرض کے شکنجوں سے آزاد ہوتے جاتے تھے۔ یہودیوں میں جو اخلاق بد عموماً چھپے ہوئے تھے اور جن پر دولتمندی اور مذہبی پیشوائی نے پردہ ڈال رکھا تھا، اب ان کا راز فاش ہونے لگا تھا۔ یہ صورت یہودیوں کو کسی صورت قبول نہ تھی۔ (۱۹) ایک دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ یہود یہ جانتے تھے کہ

مسلمانوں کی جو قوت ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ انصار کے دو قبیلے اوس اور خزرج جو باہم لڑتے بھڑتے رہتے تھے اور جنگ بعاث نے ان کی قوت کو کمزور بھی کر دیا تھا، اسلام نے ان کو باہم متحدہ کر دیا ہے اور یہ باہمی اتحاد یہودیوں کے کسی طرح بھی مفاد میں نہ تھا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنگ بدر مسلم یہود تعلقات میں ایک اہم موڑ ہے۔ اس جنگ سے ایک ماہ قبل شعبان ۲ھ میں اللہ کے حکم سے رسول اللہؐ نے اپنا قبلہ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف تبدیل کر دیا۔

(پس اپنا منہ مسجد حرام کی طرف موڑ لو)

اس بات سے یہود ناراض ہو گئے۔ معاہدے میں یہود کو مذہبی آزادی کی ضمانت موجود تھی تاہم ان قابل اعتراض سماجی حرکات اور تکلیف دہ رویہ پر قرآن میں تنقید کی گئی اور ان کے خطرناک عزائم بے نقاب کیے گئے۔ یہ بات ان کی توقعات کے خلاف تھی۔ وہ امید کرتے تھے کہ نیا رسولؐ ان کے رویہ اور عادات وخصائل کو جائز قرار دے گا اور دوسروں کو ان کی پیروی کی تلقین کرے گا۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ اس سے یہود برافروختہ ہو گئے۔ غزوہ بدر کی عظیم الشان فتح نے ان کی مایوسی میں مزید اضافہ کر دیا۔ ''ان کو علانیہ نظر آیا کہ اسلام اب ایک طاقت بن کر ابھر رہا ہے۔'' چنانچہ انہوں نے سازشوں کے جال بچھانا شروع کر دیے۔ (۲۰)

قریش مکہ مسلمانوں کے ساتھ پرامن بقائے باہمی کے اصول کو ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔ پہلے انہوں نے عبداللہ بن ابی سے رسم پیدا کی جسے ہجرت سے پہلے اوس وخزرج کا سردار بننے کی توقع تھی اور جو بعد میں مدینہ کے منافقین کا سرغنہ بنا۔ قریش نے رسول اللہ ﷺ کو مدینہ سے نکال دینے کے لیے کہا ''تم نے ہماری آدمی کو پناہ دی ہے۔ بخدا تم اسے قتل کرو گے یا وہاں سے نکال دو گے یا ہم اپنی پوری قوت سے تم پر حملہ کریں گے اور تمہیں تباہ کر دیں گے اور تمہاری عورتوں کی بے حرمتی کریں گے۔'' (۲۱) رسول اللہ کی فراست، دانشمندی اور تدبر سے جب قریش کی یہ پہلی کوشش ناکام ہو گئی تو غزوہ بدر کے بعد انہوں نے معاہدہ مدینہ میں شریک یہود سے تعلقات پیدا کیے اور انہیں رسول اللہؐ کے خلاف بغاوت کرنے یا سنگین نتائج بھگتنے کے لیے تیار رہنے کو کہا۔

''تم اسلحہ سے لیس ہو اور تمہارے پاس قلعے ہیں۔ تمہیں ہمارے آدمی سے لڑنا چاہیے یا ہم تمہارے ساتھ یہ اور ایسا کریں گے اور ہمیں کوئی چیز تمہاری مستورات کے زیوروں سے نہ روک سکے گی۔'' (۲۲)

اس طرح یہودی مسلمانوں کے خلاف باقاعدہ ایک منصوبہ بنا چکے تھے۔ اس دوران ایک اتفاقیہ سبب یہ پیش آ گیا جس نے اس آگ کو اور بھڑکایا۔ کہ ایک انصاری کی بیوی مدینہ کے بازار میں ایک یہودی کی دکان میں نقاب پوش آئیں۔ یہودی نے ان کی بے حرمتی کی۔ ایک مسلمان یہ دیکھ کر غیرت سے بے تاب ہو گیا اور اس نے یہودی کو مار ڈالا۔ یہودیوں نے مسلمان کو قتل کر ڈالا۔ آنحضرت کو جب یہ حالات معلوم ہوئے تو ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا ''کہ خدا سے ڈرو، ایسا نہ ہو تم پر بھی بدر والوں کی طرف عذاب آئے'' بولے کہ ''ہم قریش نہیں ہیں، ہم سے معاملہ پڑے گا تو ہم دکھا دیں گے کہ لڑائی اس کا نام ہے۔'' یوں انہوں نے معاہدے کو پامال کیا اور مسلمانوں سے جنگ کی۔ (۲۳)

چونکہ قبائل یہود میں سب سے زیادہ جری اور بہادر قینقاع تھے اس لیے سب سے پہلے انہی نے اعلان جنگ کی جرات کی۔ آنحضرتؐ سے جو معاہدہ کیا تھا سب سے پہلے انہی نے اس کی عہد شکنی کی۔ ابن ہشام اور طبری نے روایت کی ہے کہ

''بنوقینقاع پہلے یہود تھے جنہوں نے اس معاہدہ کو جو ان میں اور آنحضرتؐ میں تھا توڑ ڈالا اور بدر اور احد کے درمیانی زمانہ میں مسلمانوں سے لڑائی کی۔''

ابن سعد نے غزوہ بنوقینقاع کے ذکر میں لکھا ہے۔

''واقعہ بدر میں یہودیوں نے شورش اور حسد ظاہر کیا اور عہد کو توڑ ڈالا۔''

بنوقینقاع کی طرف سے اعلان جنگ ہو گیا تھا۔ مجبور ہو کر آنحضرتؐ نے لڑائی کی۔ وہ قلعہ بند ہوئے۔ پندرہ دن تک محاصرہ رہا بالآخر اس پر راضی ہوئے کہ رسول اللہؐ جو فیصلہ کریں گے ان کو منظور ہو گا۔ بنوقینقاع کے حلیف عبداللہ بن ابی نے آنحضرتؐ سے انہیں جلاوطن کرنے کی سفارش کی جسے آپؐ نے قبول فرمایا۔ اس کے نتیجے میں بنوقینقاع مدینہ سے جلاوطن کر دیئے گئے۔ بنوقینقاع کا اعلان جنگ اصل میں معاہدہ مدینہ کی رو سے غداری تھی اور غداری کی سزا کسی بھی معاشرے میں سزائے موت سے کم نہیں رہی۔ لیکن رحمۃ اللعالمین نے ان پر رحم فرماتے ہوئے ان کیلئے محض جلاوطنی کی سزا تجویز کی۔

یہودیوں کے دوسرے قبیلے بنونضیر کا معروف شاعر کعب بن اشرف معاہدہ مدینہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے غزوہ بدر کے بعد مکہ گیا۔ اس نے اشتعال انگیز اشعار پڑھے اور قریش کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا۔ (۲۴) اس نے رسول اللہؐ کے قتل کا بھی منصوبہ بنایا اور بالآخر خود مارا گیا۔ عمرو بن امیہ نے بنوعامر کے دو آدمیوں کو ایک مسلمان کے بدلہ میں ہلاک کر دیا تھا۔ بنوعامر بنونضیر کے حلیف تھے۔ آپؐ اس خون بہا کی ادائیگی اور دیگر معاملات کو طے کرنے کے لیے بذات خود بنونضیر کے پاس تشریف لے گئے۔ یہودیوں نے اس موقع پر حضورؐ کی زندگی کے خلاف سازش کی لیکن آپ کو یہودیوں کے اس ارادے کا حال معلوم ہو گیا اور فوراً مدینہ واپس چلے آئے۔ بنوقینقاع کی جلاوطنی کعب بن اشرف کی دغابازی اور بنونضیر کی طرف سے سازش نے یہودیوں سے تجدید معاہدہ کی ضرورت پیدا کر دی۔ بنوقریظہ نے تجدید معاہدہ پر دستخط کر دیئے مگر بنونضیر معاہدے سے منحرف ہو گئے بلکہ نیا معاہدہ کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ (۲۵) ان کا رویہ اعلان جنگ کے مترادف تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے مضبوط قلعوں میں مورچہ بندی کر لی۔ مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ آخر کار وہ مسلمانوں کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ رسول اللہؐ نے اس غداری کے جرم میں بنونضیر کو سزائے موت دینے کی بجائے بنوقینقاع کی طرح صرف جلاوطن کرنے کا فیصلہ کیا جسے بنونضیر نے بخوشی قبول کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ معاہدے کے مطابق انہیں سزائے موت دی جا سکتی تھی۔

بنونضیر جلاوطن ہوئے تو ان کے رئیس الاعظم حیی بن اخطب ابورافع سلام ابن ابی الحقیق خیبر میں جا کر آباد ہوئے۔ جنگ احزاب ان ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھی۔ اس وقت تک قریظہ معاہدہ پر قائم تھے۔ لیکن حیی بن اخطب بنوقریظہ کو اپنے زیر اثر لانے میں کامیاب ہو گیا۔ جس سے بنوقریظہ معاہدے سے روگردانی کرنے اور مقابلے میں حملہ آوروں کی امداد کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ رسول اللہؐ نے حضرت سعدؓ بن معاذ اور حضرت سعدؓ بن عبادہ کو ان کے پاس بھیجا کہ وہ انہیں عہد کی پاسداری یاد دلائیں۔ انہوں نے جواباً کہا ''ہم نہیں جانتے محمدؐ کون ہے اور معاہدہ کیا ہے۔'' (۲۶) جنگ احزاب میں شکست کھانے کے بعد وہ اپنے قلعوں میں محصور ہو گئے۔ حضرت محمد رسول اللہؐ نے علی بن ابی طالبؓ کو ہراول دستہ کے طور پر بنوقریظہ کی طرف بھیجا۔ جب وہ ان کے قلعوں کے قریب پہنچے تو

یہودیوں نے رسول اللہ کو گالیاں دیں اور ان کو برے ناموں سے پکارا۔ غرض ان کا محاصرہ کیا گیا جو تقریباً ایک مہینے تک رہا۔ بالآخر انہوں نے درخواست پیش کی کہ حضرت سعدؓ بن معاذ جو فیصلہ کریں ہم کو منظور ہے۔ حضرت سعدؓ بن معاذ اور ان کا قبیلہ (اوس) قریظہ کا حلیف اور ہم عہد تھا۔ عرب میں یہ تعلق ہم نسبی سے بڑھ کر تھا۔ آنحضرتؐ نے ان کی درخواست منظور فرمائی۔ حضرت سعدؓ نے جو فیصلہ کیا یعنی کہ لڑنے والے قتل کئے جائیں۔ عورتیں اور بچے قید ہوں، مال واسباب غنیمت قرار دیا جائے۔ (۲۷) توراۃ کے مطابق تھا۔ توراۃ کتاب تثنیہ اصحاح ۲۰۔ آیت ۱۰ میں ہے۔

''جب کسی شہر پر حملہ کرنے کے لیے تو جائے تو پہلے صلح کا پیغام دے اگر وہ تسلیم کریں اور تیرے لیے دروازہ کھول دیں تو جتنے لوگ موجود ہوں سب تیرے غلام ہو جائیں گے۔ لیکن اگر صلح نہ کریں تو ان کا محاصرہ کر اور جب تیرا خدا تجھ کو ان پر قبضہ دلا دے تو جس قدر مرد ہوں سب قتل کر دے۔ باقی بچے، عورتیں، جانور اور جو چیزیں شہر میں موجود ہوں، سب تیرے لیے مال غنیمت ہوں گی۔''

بعض یہودی محققین بنو قریظہ کو دی جانے والی سزا پر معترض ہیں۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ معاہدہ مدینہ میں واضح طور پر درج کیا گیا کہ جو کوئی ظلم اور غداری کا ارتکاب کرے گا وہ اپنے آپ اور اپنے خاندان کے سوا کسی کو ہلاکت میں نہیں ڈالے گا۔ یہودیوں کے تینوں بڑے قبیلوں نے ظلم اور غداری کا ارتکاب کیا تھا۔ پھر بنو قریظہ کو تو ان ہی کی کتاب میں درج انہی کے مقرر کردہ ثالث کے ذریعے سزا ہوئی تھی۔ عہد حاضر کے لوگ اگر اقوام متحدہ کے چارٹر کی ترتیب و تدوین پر فرحاں و نازاں ہیں۔ کیا اس کی دفعات موجود نہیں ہیں کہ اس چارٹر کو تسلیم کرنے والی قوم اگر اس کی خلاف ورزی کی مرتکب ہو تو اس کے خلاف کارروائی کی جائے گی؟ اس ادارے کی جنرل اسمبلی اور سیکورٹی کونسل کی قراردادیں اور فیصلے محققین کے لیے اس بات کا کافی مواد فراہم کرتے ہیں کہ جس قوم نے اقوام عالم کے اس متفقہ دستور کے ساتھ غداری کی یا اس کی دفعات کی خلاف ورزی کا ارتکاب کیا۔ اس کے ساتھ وہی سلوک کیا گیا جس کا ذکر دستور کے اندر موجود ہے۔ معاہدہ مدینہ کو پامال کرنے والوں کو اگر معاہدے کے تحت ہی سزا دی جاتی ہے تو اسے ظلم قرار دیا جاتا ہے۔ حالانکہ اقوام متحدہ کا چارٹر دستور مدینہ کا ایک معمولی سا عکس ہے۔ (۲۸)

الغرض معاہدہ مدینہ کے ذریعہ ہر سیاسی وحدت کو مساوی دینی، سیاسی اور دوہ معاشرتی حقوق دیئے گئے۔ رنگ نسل اور مذہب کی بنیاد پر امتیازات و تعصبات ختم کرنے کی تاریخ میں ایک عظیم انقلاب تھا۔ اقوام متحدہ کا چارٹر بھی اس روشن اور درخشندہ ماہتاب کے مقابلے میں ایک ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی حیثیت رکھتا ہے۔'' (۲۹)

معاہدہ جہینیہ:

یہ معاہدہ قبیلہ جہینیہ کی مختلف شاخوں سے ماہ رمضان ہجرت کے ساتویں مہینے میں ہوا۔ معاہدہ کی مختلف شکال ابن سعد نے یوں بیان کی ہیں۔ (۳۰)

(۱) بنی زرعہ و بنی الربعہ کے لیے آپؐ نے تحریر فرمایا کہ ان لوگوں کو ان کے جان و مال میں امان ہے جو شخص ان پر ظلم کرے یا ان سے جنگ کرے اس کے خلاف ان کی مدد کی جائے گی سوائے اس کے کہ وہ ظلم و جنگ دین یا اہل و عیال کے بارے میں ہو۔ ان

کے خانہ بدوشوں میں سے جو نیکوکار اور پرہیزگار ہوگا اس کے وہی حقوق ہوں گے جو ان کے شہریوں کے ہیں اور اللہ ہی سے مدد چاہی جاتی ہے۔''

(ب) عوسجہ بن حرملۃ الجہنی جو ذالمروہ میں رہتا تھا کے لیے آپؐ نے تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسول اللہ (ﷺ) نے عوسجہ بن حرملۃ کو ذی المروۃ عطا فرمایا، یہ اس کی دستاویز ہے۔ آپؐ نے انہیں مابین بلکثہ سے مقعد جبل قبلہ تک دے دیا۔ اس میں کوئی ان سے مزاحمت نہ کرے۔ جو ان سے مزاحمت کرے گا ناحق پر ہوگا۔ حق عوسجہ ہی کا ہوگا۔''

گواہ شد: علاء بن عقبہ

(ج) بنی اشجع کے لیے آپؐ نے تحریر فرمایا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ دستاویز جو محمد (ﷺ) نے قبیلہ جہینیہ کے بنی شمخ کو عطا فرمائی۔ آپؐ نے انہیں صعینہ کی وہ زمین عطا فرمائی جس پر انہوں نے خط لگایا اور کھیتی کی۔ جو ان سے مزاحمت کرے گا تو اس کا کوئی حق نہ ہوگا اور ان کا دعویٰ سچ ہوگا۔ گواہ شد، علاء بن عقبہ

(د) بنی ابجر مزین ربیعہ کے لیے آپؐ نے مندرجہ ذیل امان نامہ تحریر فرمایا۔

''ان لوگوں کو ان کی بستیوں میں امن ہے، یہ لوگ بحالت قبول اسلام جو دولت و مال رکھتے تھے۔ وہ سب ان کا ہے۔''

معاہدہ بواط:

ربیع الاول ۲ ہجری میں سرور کونین ﷺ کوہ رضوی کی طرف تشریف لے گئے اور کوہ بواط کے لوگوں کے ساتھ معاہدہ فرمایا۔

معاہدہ بنومدلج:

یہ قبیلہ بنوضمرہ کا حلیف تھا جو میثاق مدینہ میں ایک فریق تھا۔ بنومدلج کے ساتھ انہی شرائط پر ہی جمادی الثانی ۲ ہجری میں معاہدہ طے ہوا۔

معاہدہ بنوغفار:

بنوغفار سے معاہدہ غزوہ بدر کے زمانہ میں ہوا یہ قبیلہ بنوضمرہ کی ایک شاخ تھا۔ معاہدے کے الفاظ یہ ہیں۔

''ان کے وہی حقوق ہوں گے جو مسلمانوں کے ہیں۔ ان پر وہی واجب ہوگا جو مسلمانوں پر واجب ہے۔ نبی (ﷺ) نے ان کے جان و مال پر اس کے رسول کو ذمہ دار بنایا ہے۔ اس شخص کے خلاف ان کی مدد کی جائیگی جو ان کے ساتھ ظلم کی ابتداء کرے گا۔ نبی (ﷺ) جب انہیں اپنی مدد کے لیے بلائیں گے تو یہ آپ کا حکم مانیں گے اور ان پر آپ کی مدد واجب ہوگی سوائے اس کے کہ جو ان میں سے آپؐ سے دینی جنگ کرے تو اس پر معاہدے کی پابندی نہ ہوگی۔ یہ معاہدہ اس وقت تک نافذ رہے گا جب تک سمندر کی

سیپ کو گیلا کرتا رہے۔ جو اس پر عمل کرنے سے روکے وہ گنہگار ہوگا۔"

یہ سب معاہدات معاہدہ مدینہ کی روشنی اور انہیں شرائط پر طے پائے۔ حضورؐ مدینہ میں موجود مختلف قوموں کے ساتھ جب حلیفی کے معاہدے کے بعد مطمئن ہو گئے تو اس وقت کی جغرافیائی حالت کو دیکھتے ہوئے انہوں نے یہ ضروری خیال کیا کہ گردونواح کے قبائل جو کہ خود مختار حیثیت کے مالک تھے کو بھی اس میں شامل کیا جائے تاکہ دشمنان اسلام قریش مکہ کے مدینہ پر متوقع حملہ کی صورت میں بہتر دفاع کیا جا سکے۔ مذکورہ تمام قبائل کے ساتھ یہ معاہدات اس لیے بھی اہم تھے کہ جغرافیائی لحاظ سے اکثر قبائل جن مقامات پر آباد تھے وہ مکہ کے قریشی تاجروں کی تجارتی شاہراہوں پر واقع تھے جیسا کہ ابواء نامی مقام مدینہ سے تقریباً ۸۰ میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ مدینہ کے جنوب مغرب میں واقع یہ مقام اس لحاظ سے بھی اہم تھا کہ قریش کے تجارتی قافلے اسی راستے سے شام و مصر جایا کرتے تھے۔ ابواء کے قبائل کے ساتھ معاہدے سے قریش کی تجارت پر ایک کاری ضرب پڑی۔ علاوہ ازیں مدینہ کو یہاں سے ہر وقت اطلاعات بھی فراہم ہو سکتی تھیں۔ اسی طرح بنو اشجع جو قبیلہ غطفان کی ایک شاخ تھے بھی تجارتی شاہراہ کے متصل آباد تھے۔ جب آپؐ نے قریش کی ناکہ بندی کی تو اس سے ان کی معاش پر بھی اثر پڑا کیونکہ تجارتی قافلوں کی خدمت کر کے اپنی روزی کمایا کرتے تھے۔ معاشی بحران سے دوچار ہو کر ان کا وفد مدینہ آیا اور آپؐ نے ان سے معاہدہ فرمایا۔

آج کے جدید سیاسی دور میں دیکھیں تو ہر ملک کی سب سے اہم خواہش اور ضرورت یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنے پڑوسی ملکوں سے محفوظ رہے۔ اس مقصد کے لیے وہ باہم عدم جارحیت، دوستی اور فوجی حلیفی کے معاہدات بھی کرتے ہیں۔ جیسا کہ ۱۹۷۹ء میں سوویت یونین کی افواج افغانستان پر قابض ہوئی تھیں تو پاکستان نے اپنی شمال مغربی سرحدوں کو غیر محفوظ خیال کیا۔ ضرورت تھی کہ باقی اطراف سے پاکستان خود کو دفاعی لحاظ سے محفوظ کر لے۔ چنانچہ پاکستان نے مشرق کی طرف واقع پڑوسی بھارت کو ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کے معاہدے کی پیشکش کی۔ اسی طرح دنیا کی اکثر ریاستوں نے مختلف اوقات میں مختلف مقاصد کے تحت فوجی و سیاسی حلیفیاں قائم کیں۔ جیسا کہ سیٹو (SEATO) سینٹو (CENTO) اور ANZUS کے معاہدات میں شامل ممالک کو بیرونی حملہ کی صورت میں ایک دوسرے کی امداد کا پابند بنایا گیا۔ اور آج کل وارسا پیکٹ اور معاہدہ شمالی بحر اوقیانوس (NATO) کی مثالیں موجود ہیں۔

بہر حال حضورؐ نے معاہدہ مدینہ کی صورت میں انصار، یہودیوں اور مدینہ کے گردونواح کے قبائل کو شامل کر کے جو سیاسی و فوجی حلیفی قائم کی اس کا مقصد نئی مسلم ریاست کا دفاع تھا اور اسلام کو مدینہ سے نکال کر دیگر علاقوں میں پھیلانے کے مواقع پیدا کرنا!

عیینہ بن حصن سے معاہدہ:

یہ معاہدہ ربیع الاول ۵ ہجری میں ہوا۔

سینٹ کیتھرائن سے معاہدہ:

سن چھ ہجری میں رسالت مآب ﷺ نے سینٹ کیتھرائن متصل کوہ سینا کے راہبوں اور تمام عیسائیوں کو ایک فرمان عطا فرمایا۔ جس کی

عبارت درج ذیل ہے۔

''جو قلیل و کثیر اشیاء (منقولہ و غیر منقولہ) ان کے گرجاؤں، خانقاہوں اور رہبانیت کی ان کے تحت ہیں اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسولؐ کے ہمسایہ ہیں وہ سب انہیں عیسائیوں کی رہیں گی (یعنی باوجود اسلام نہ لانے کے ان سے کچھ نہ لیا جائے گا) نہ کسی پادری کو اس کے منصب سے بدلا جائے گا، نہ کسی راہب کو اس کی رہبانیت سے، نہ کسی کاہن کو اس کی کہانت سے، نہ ان کے حقوق میں کوئی تغیر کیا جائے گا اور نہ ان کی سلطنت میں یا اس چیز میں جس پر وہ تھے۔ جب تک وہ خیر خواہی کریں گے اور جو حقوق ان پر واجب ہیں ان کی اصلاح کریں گے نہ ان پر کسی ظلم کا بار پڑے گا اور نہ وہ خود ظلم کریں گے۔''(۳۱)

عالمی اہمیت کے اس معاہدہ کا ایک نقطہ قابل غور ہے۔ عیسائیوں کو اس معاہدہ کے تحت وہ حقوق اور مراعات دی گئیں جو خود ان کو اپنے حکمرانوں کے عہد میں بھی حاصل نہ تھے۔ بعض مستشرقین کا یہ خیال کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا اور مسلمان جنگ جو اور انتہا پسندانہ مزاج کے مالک ہیں اس معاہدہ کی رو سے باطل ٹھہرتا ہے۔ نہ معلوم ان کی نظریں ایسے معاہدوں کے الفاظ پر کیوں نہیں پڑتیں جن سے حریت، رواداری اور مساوات کے واضح مفہوم سامنے آتے ہیں۔ اس معاہدے میں عیسائیوں کے مذہبی اور دیگر معاملات میں عدم مداخلت کے اصول پر اتفاق کیا گیا۔ یہی نہیں بلکہ اس معاہدے کی تکمیل نہ کرنے والے مسلمانوں کو سزا کا مستحق قرار دیا۔ بین الاقوامی تعلقات میں یہ معاہدہ حضور پاک کی سیادت کا علمبردار ہے۔ یہ معاہدہ جس میں کہ اس بات کا اقرار کیا گیا کہ عیسائیوں پر بے جا ٹیکس عائد نہیں کیے جائیں گے۔ کسی بشپ کو اس کی خانقاہ سے نکالا نہیں جائیگا۔ عیسائیوں کی عبادت گاہوں کو منہدم نہیں کیا جائے گا رواداری کی ایک قابل فخر یادگار ہے۔ ایسی عیسائی عورتیں جو مسلمانوں کے عقد میں آئیں وہ اس معاہدے کی رو سے اپنے مذہب پر قائم رہ سکتی تھیں۔

معاہدہ صلح حدیبیہ:

ہجرت کے دوسرے برس کعبہ کو قبلہ کی حیثیت ملی تو مسلمانوں خصوصاً مہاجرین کی کعبہ سے جذباتی وابستگی میں مزید اضافہ ہوا۔ جب سے مسلمان ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے دوبارہ خانہ کعبہ کی زیارت کو نہ گئے تھے۔ حضورؐ بھی مدینہ کی نومسلم ریاست کے استحکام کے لیے مختلف معاہدات کی تشکیل، غزوات اور سرایا میں مصروف رہے اور قریش سے خصومت کی بناء پر وہ خانہ کعبہ اور اس کے متعلقہ مناسک کی زیارت سے محروم رہے۔ مہاجرین کو اپنے پیچھے چھوڑے ہوئے اہل وعیال کی یاد بھی ستاتی تھی اور کئی ایک مدینہ کی آب و ہوا راس نہ آنے پر تو تپ بخار میں مبتلا ہو گئے تھے (۳۲) لیکن انہوں نے یہ سب کچھ اسلام کے سچے جذبے اور تڑپ کو محسوس کرتے ہوئے بخوشی قبول کیا۔ ان حقائق کے ہوتے ہوئے چھ ہجری میں رسالت مآبؐ کو مکہ کی زیارت کی بشارت ہوئی۔ چنانچہ آپؐ چودہ سو افراد کی معیت میں مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اپنی عدم موجودگی میں آپ نے نمیلہ بن عبد اللہ لیثی کو مدینہ کا عامل مقرر فرمایا۔ (۳۳) آپؐ کے اس سفر کا مقصد قریش مکہ سے جنگ کرنا نہ تھا بلکہ مقصود محض زیارت کعبہ تھی اسی لیے مدینہ ہی سے احرام باندھ لیے تھے اور ستر اونٹ بھی قربانی کی غرض سے خرید لیے تھے۔

عسفان پہنچنے پر بنو کعب کے بشر بن سفیان نے اطلاع دی کہ قریش مسلمانوں کو کعبہ کی زیارت سے روکنے کا عہد کر چکے ہیں۔
بہر حال آپؐ نے مکہ سے تقریباً دس میل دور حدیبیہ پہنچ کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ پڑاؤ کیا۔ یہاں پہنچتے ہی سفارت سرگرمیاں شروع ہو گئیں۔ قبیلہ خزاعہ کے ساتھ مسلمانوں کے دوستانہ مراسم تھے۔ سب سے پہلے ان کا سردار بدیل بن ورقا الخزاعی نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آنے کی غرض دریافت کی۔ حضورؐ نے بتایا کہ ہم صرف بیت اللہ کی زیارت و اکرام کی خاطر آئے ہیں۔ لڑنے نہیں۔ (۳۴) بدیل نے قریش مکہ کو سمجھایا کہ مسلمان لڑنے نہیں آئے، صرف حج کا ارادہ رکھتے ہیں۔ مگر انہوں نے نہ مانا اور اصرار کیا کہ ہم کسی صورت میں بھی ان کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ اب قریش نے مکرز بن حفص کو آپؐ کے پاس سفیر بنا کر بھیجا آپؐ نے اس سے بھی وہی مدعا بیان کیا جو بدیل سے فرمایا تھا۔ پھر قریش کی طرف سے قبائل احابیش کے سردار حلیس سفیر بن کر آئے اور صورت حال کا مشاہدہ کر کے قریش کو اطلاع دی کہ مسلمانوں کا مقصد زیارت کعبہ ہے۔ مگر انہوں نے الٹا اسے ڈانٹا اور کہا کہ تم بدو لوگ ان باتوں کو کیا سمجھو گے۔ اس جواب پر حلیس نے اپنے قبیلے سمیت قریش کی حلیفی سے الگ ہونے کی دھمکی دی تو قریش نے منت سماجت کر کے اسے منایا اور اتنی مہلت مانگی کہ کوئی باہمی مصالحت کی راہ نکل آئے۔ (۳۵) اسی دوران کچھ شرارت پسند قریشی نوجوان مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے مگر گرفتار کر لیے گئے۔ جب انہیں رسول اللہؐ کے سامنے پیش کیا گیا تو رحمۃ اللعالمینؐ نے سب کو معاف کر دیا۔

اب عروہ بن مسعود کفار مکہ کا سفیر بن کر آیا اور نہایت ترش روئی سے حضورؐ کو مخاطب کر کے کہا کہ تم یہ اتنا بڑا انبوہ لے کر خود اپنی قوم کو مٹانے آئے ہو لیکن جب قریش مسلح ہو کر مقابلہ پر آئے تو تمہارے یہ سب ساتھی چھپت ہو جائیں گے۔ اس پر حضرت ابو بکرؓ سے رہا نہ گیا اور عروہ کو بڑا اذیت آمیز جواب دیا۔ عروہ نے کہا "ابو بکر تمہارا ایک احسان میری گردن پر ہے۔ ورنہ میں بھی سخت کلامی سے پیش آتا۔" (۳۶) عروہ نے اس ساری گفت و شنید میں ایک خاص چیز مشاہدہ کی وہ یہ تھی کہ مسلمان شمع رسالتؐ کے پروانے ہیں اور آنحضرت کی بے حد تعظیم کرتے ہیں۔ اس نے واپس جا کر قریش کو قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے درباروں کی مثالیں دے کر سمجھایا کہ اتنے معزز تو وہ بھی نہیں جتنے محمد (ﷺ) ہیں۔ بہتر ہے کہ تم فیصلہ پر نظر ثانی کرو۔ (۳۷)
ابھی تک تصفیہ نہ ہو سکنے کی بناء پر حضور ﷺ نے حضرت عمرؓ کو سفیر نامزد کیا۔ مگر انہوں نے قریش کی دیرینہ عداوت کے پیش نظر معذوری ظاہر کی۔ حضورؐ نے ان کا عذر قبول کرتے ہوئے۔ حضرت عثمانؓ کو شرفاء مکہ سے مذاکرات کی خاطر روانہ کیا۔ عثمانؓ نے عمائدین قریش کو آپ کا پیغام پہنچایا تو قریش نے ان سے کہا کہ اگر تم چاہو تو بیت اللہ کا طواف کر لو۔ حضرت عثمانؓ نے آپ کی عدم رفاقت میں اس پیشکش کو ٹھکرا دیا اس پر قریش نے حضرت عثمانؓ کو اپنے یہاں روک لیا۔ اس سے مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے ہیں۔ اس موقع پر حضورؐ نے ایک ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ کر سب جاں نثاروں سے بیعت لی کہ جب تک عثمانؓ کا قصاص نہیں لیں گے۔ اس جگہ سے نہیں ہٹیں گے۔ اس کو بیعت رضوان کہتے ہیں۔ اس موقع پر وحی نازل ہوئی۔

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ﴾ (سورۃ الفتح ۱۸)

"اللہ مومنوں سے خوش ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے۔"

بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر غلط تھی۔ لیکن بیعت رضوان کا فوری اثر یہ ہوا کہ قریش مکہ نے گھبرا کر مسلمانوں کے ساتھ تجدید مذاکرات کے لیے سہیل بن عامر کو آپ کی خدمت میں بھیجا۔ کافی ردوکد کے بعد معاہدہ صلح کی شرائط پر اتفاق ہوا۔ جب حضرت علیؓ نے آپؐ کے ارشاد کے مطابق بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا تو اس پر سہیل نے اعتراض کیا اور باسمک اللھم (اے اللہ تیرے نام سے) سے لکھنے پر اصرار کیا۔ چنانچہ آپؐ نے حضرت علیؓ کو ایسا ہی کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد سہیل پھر محمد رسول اللہؐ کے نام پر معترض ہوا اور کہا محمد بن عبداللہ لکھ جائے۔ حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کو ایسا ہی کرنے کو فرمایا لیکن انہوں نے اجتناب کیا۔ اس پر محسن انسانیت نے خود اس صلح نامہ کو لے کر لفظ رسول اللہ ﷺ کو کو کر کے محمد بن عبداللہ لکھوا دیا۔ (۳۸) صلح نامہ درج ذیل شرائط پر تحریر کیا گیا۔

۱۔ فریقین دس سال تک جنگ نہ کریں گے۔ اس اثناء میں لوگ امن کی زندگی بسر کریں گے۔

۲۔ اس سال مسلمان واپس چلے جائیں گے۔ اگلے سال آئیں تو تین روز حرم میں قیام کریں۔ تلوار نیام میں ہوگی۔ اس کے سوا کوئی اور ہتھیار نہیں ہوگا۔

۳۔ قربانی کے جو جانور مسلمانوں کے پاس ہیں ان کو حدیبیہ میں ہی ذبح کر دیا جائے۔

۴۔ مسلمانوں اور قریش کے حقوق اور واجبات برابر ہوں گے۔

۵۔ محمد کے ساتھیوں میں جو شخص حج، عمرہ یا تجارت کے لیے مکہ آئے گا تو وہ قریش کی امان میں ہوگا اور قریش کا کوئی فرد مصر یا شام بغرض تجارت جاتے ہوئے مدینہ سے گزرے تو اس کی جان و املاک کو تحفظ حاصل ہوگا۔

۶۔ اگر قریش کا کوئی فرد اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر چلا آئے تو محمدؐ اسے واپس کرنے کے ذمہ دار ہوں گے۔ لیکن محمدؐ کے ساتھیوں میں اگر کوئی بھاگ کر مکہ آتا ہے تو اہل مکہ اسے واپس نہیں کریں گے۔

۷۔ دلوں کی عداوتیں دلوں میں ہی رہیں گی، انہیں ظاہر نہیں کیا جائے گا۔

۸۔ اہل عرب فریقین میں سے جس کے ساتھ معاہدہ کرنا چاہیں دوسرا فریق اس میں حائل نہیں ہوگا۔ (۳۹)

عہد نامہ کی شرائط میں سے بعض کھلے طور پر مسلمانوں کے خلاف معلوم ہوتی ہیں۔ اس لیے مسلمانوں نے ان کے خلاف آواز اٹھائی۔ یہی وجہ ہے کہ جب معاہدہ کی آخری شق لکھی گئی تو حضرت عمرؓ اس پر ضبط نہ کر سکے اور آنحضرت ﷺ سے ان کی یوں گفتگو ہوئی۔

عمرؓ: یارسول اللہ کیا آپ خدا کے برحق رسول نہیں ہے؟

حضورؐ: کیوں نہیں۔

عمرؓ: کیا ہم حق پر اور وہ لوگ باطل پر نہیں ہیں۔

حضورؐ: کیوں نہیں۔

عمرؓ: کیا ہمارے مقتولین جنت میں اور ان کے مقتولین جہنم میں نہیں ہیں۔

حضورؐ: کیوں نہیں۔

عمرؓ: تو پھر ہم کیوں اس ذلت کو قبول کریں کہ (حرام باندھ لینے کے بعد) بغیر عمرہ کیے واپس چلے جائیں۔

حضورؐ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ میں اس کے حکم کے خلاف نہیں کروں گا اور اللہ مجھے ضائع نہیں فرمائے گا۔ وہ میرا مددگار ہے۔

اصل میں یہ احساسات اور جذبات صرف حضرت عمرؓ ہی کے نہیں بلکہ تقریباً سب ہی صحابہؓ کے تھے۔ وہ اس عہدنامے کی بعض شرائط میں اپنے لیے ذلت محسوس کرتے تھے۔ عین اس وقت جب یہ عہدنامہ لکھا گیا سہیل بن عمرو کے بیٹے ابوجندلؓ آگئے۔ یہ مکہ میں مقیم تھے اور مسلمان ہو چکے تھے اور اب قریش کی قید میں تھے۔ ابوجندلؓ کسی طرح قید سے بھاگ کر مسلمانوں کے اس کیمپ میں پہنچ گئے۔ سہیل نے جب وہاں بیٹے کو دیکھا تو پکار اٹھا کہ یہ پہلا شخص ہے جسے عہدنامے کی رو سے ہمارے حوالے کرتا ہے۔ آپؐ نے ابوجندلؓ کو قریش کے حوالے کر دیا اور ابوجندلؓ سے فرمایا۔ صبر سے کام لو! اللہ تمہاری اور تمہارے جیسے دوسرے قیدیوں کی رہائی کی کوئی سبیل نکال دے گا"! آئندہ آمدہ واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ جن شرائط کے سبب مسلمان مایوس ہو رہے تھے ان کے نتائج مسلمانوں کے لیے کس قدر مفید اور کارآمد نکلے۔ معاہدہ ہو جانے کے بعد مسلمانوں نے حضورؐ کے فرمان کے مطابق وہیں احرام کھول دیئے اور قربانی دی۔ واپسی پر جب یہ قافلہ کراع الغمیم کے مقام پر پہنچا تو سورۃ فتح نازل ہوئی۔

یہ معاہدہ فتح عظیم کا مقدمہ بنا۔ ابن ہشام نے اس سے مراد فتح مکہ لی ہے۔ (۴۰) حافظ ابن قیم رقمطراز ہیں کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس سے مراد فارس اور روم کی فتوحات ہیں اور بعض فتح خیبر کے بعد آفاق عالم پر فتوحات کا سلسلہ مراد لیتے ہیں۔ (۴۱)

۱۔ رسول اللہ معاہدہ حدیبیہ کی شرائط پر اگر اتفاق نہ کرتے اور بزور قوت مکہ میں داخل ہونے پر اصرار کرتے تو ممکن تھا کہ فریقین کی جانب سے ہزاروں جانیں تلف ہو جاتیں۔ جب کہ آپؐ نے نہایت عقلمندی اور اعلیٰ ڈپلومیسی اور عسکری سیاست سے کام لیا اور اس کے مطابق چلنے سے آپؐ نے بہت سی جانوں کو بچا لیا۔ جن کے خون بہانے سے آپ کو کوئی دلچسپی نہ تھی۔ بلکہ آپ حرم کے اندر خون بہنے کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے۔ جن کا سہولت اور کثرت سے بہنا ممکن تھا جس طرح جابر لیڈر بنوک شمشیر اپنے مقاصد کو پورا کرتے ہیں اسی طرح رسول کریم بھی بنوک شمشیر مکہ میں داخل ہونے پر قادر تھے۔ لیکن آپ کو رحمۃ اللعالمین بنا کر بھیجا گیا تھا۔

۲۔ معاہدہ کی رو سے اس سال مکہ میں آپؐ کا داخلہ ممنوع ہو گیا البتہ اگلے سال آپؐ اور آپؐ کے اصحابؓ مکہ میں داخل ہو سکتے تھے، قریش نے اس شرط کے لکھوانے سے یہ ظاہر کیا کہ انہوں نے مسلمانوں پر فتح حاصل کر لی ہے۔ جبکہ یہ شرط حقیقت میں قریش کی شکست تھی کیونکہ اب انہوں نے معاہدہ کے مطابق آئندہ کے لیے مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے کے حق کو تسلیم کر لیا تھا جسے وہ اب تک رد کرتے رہے تھے اور سخت قسمیں کھاتے تھے کہ وہ مسلمانوں کو کبھی یہ حق نہیں لینے دیں گے۔

گذشتہ اور معاصر عسکری اور سیاسی ماہرین کا خیال ہے کہ آنحضرتؐ کا اپنے اصحاب کے ساتھ اس معاہدہ میں کامیاب ہو کر اس صورت میں واپس آنا اس قدر پختہ اور مضبوط اقدام ہے کہ جس کا کوئی ذمہ دار لیڈر ہی اقدام کر سکتا ہے اور عملی اقدام سے قبل ہی نتائج کا اندازہ کر لیتا ہے۔ تاریخ کے اسکالروں اور فلسفیوں نے صلح حدیبیہ کو بڑی فتح خیال کیا ہے۔ جسے حضرت نبیؐ نے اسلام اور مسلمانوں کے لیے حاصل کیا تھا قضیہ حدیبیہ اور تاریخی صلح کو جس پر سارا چکر ختم ہوا گہری نظر دیکھنے والا معلوم کر لیتا ہے کہ اس قضیئے سے عقائدی، سیاسی، ادبی اور اطلاعاتی فوائد حاصل ہوئے جن کا اسلام اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچا۔

۳۔ جنگ کے دوران میں بغیر جنگ کے بھی کوئی صلح کا معاہدہ عموماً اس صورت میں طے پایا کرتا ہے جب دونوں فریق برابر کی حیثیت کے ہوں یا دونوں کا مفاد اس صلح میں ہو۔ زورآور یا طاقتور فریق صلح نہیں کیا کرتا یعنی شرائط منوایا کرتا ہے۔ قریش مسلمانوں کی عسکری اور حکومتی ہمسری کا انکار پندرہ سال تک کرتے رہے۔ مگر معاہدہ حدیبیہ پر دستخط کر کے انہوں نے ان کے وجود کو پوری طرح تسلیم کر لیا کہ مسلمان ایک علیحدہ قوم اور قوت ہیں اور حکومتی حیثیت کے مالک ہیں مزید یہ کہ حضورؐ اس کے سربراہ ہیں یہ صلح حدیبیہ کا سب سے پہلا اور بڑا سیاسی فائدہ تھا۔

۴۔ صلح حدیبیہ آنحضرتؐ کے حسن تدبر اور ماہرانہ خارجہ جنگی حکمت عملی کی وجہ سے عمل کی وجہ سے عمل میں آئی یہ صلح فتح خیبر کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ مشرکین مکہ اور یثرب اور خیبر کے یہودیوں کے درمیان اسلام سے پہلے ہی تعلقات قائم تھے۔ مدینہ میں مسلمانوں کی ریاست کے قائم ہونے پر قریش مکہ اور یہود دونوں کو ناگوار گزری اور دونوں کے تعلقات پہلے سے بھی زیادہ مضبوط ہو گئے اور پھر مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان جتنی بھی لڑائیاں ہوئیں ان میں یہودیوں نے کھل کر مشرکین مکہ کی پوری پوری امداد کی۔ جنگ احزاب (غزوہ خندق) میں سخت ناکامی کے بعد مشرکین مکہ بھی تلملا رہے تھے اور کسی اچھے سے موقع کے انتظار میں تھے کہ مدینے کی اس ریاست کا خاتمہ کر دیں۔ دوسرے غزوہ احزاب میں یہودیوں کے بھرپور حصہ لینے کے نتیجے میں ابھی ابھی مسلمانوں اور یہودیوں میں لڑائیاں ہو چکی تھیں اور مدینہ سے جلاوطن کیے ہوئے یہودی جو خیبر میں جا بسے تھے دوسرے یہودیوں سے مل کر مسلمانوں پر حملے میں مصروف تھے۔ سو اگر یہ یہودی مل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہو جاتے تو مشرکین مکہ ضرور ان کی مدد کو پہنچتے یا بصورت دیگر اگر مسلمان خود خیبر جا کر ان سے جنگ کرتے تو بھی قریش مکہ ان یہودیوں کی امداد کو آتے۔ دونوں صورتوں میں مسلمانوں کو ان دونوں طاقتوں اور ان کے حلیفوں کا مقابلہ کرنا پڑتا جو یقیناً بڑا کٹھن تھا۔ یہ حدیبیہ کا عہد نامہ ہی تھا جس کی ایک شرط کی وجہ سے قریش مکہ کو خیبر کے یہودیوں کی مدد نہ کرنے کا پابند بنا دیا گیا اور اس کی ایک اور شق کی بنیاد پر مکہ کے نواح کے بعض قبائل اگر قریش کے حلیف بن گئے تو کچھ قبائل مسلمانوں کے حلیف بھی بن گئے۔ گویا مسلمانوں کو مکہ کے نواح میں بھی حلیف حاصل ہو گئے۔ جو اس معاہدے کے بغیر ممکن نہ تھا۔ نتیجتاً خیبر کے تمام یہودیوں وادی القریٰ فدک تیما اور تمام شمالی علاقوں پر مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ یہودیوں پر مجاہدین کو فتح ہی حاصل نہ ہوئی بلکہ کثیر اموال غنیمت بھی ہاتھ آئے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کو وہاں زرخیز زمینیں بھی عطا ہوئیں۔ یہ سب وہ غنائم کثیر تھے جس سے مسلمانوں کی مفلسی اور تنگ دستی کا خاتمہ کرنے میں مدد ملی۔

۵۔ معاہدہ حدیبیہ میں ایک شرط یہ بھی شامل کی گئی کہ قریش کی طرف سے اگر کوئی آدمی اپنے اہل کی اجازت کے بغیر خواہ مسلمان ہو کر آپؐ کے پاس آئے۔ آپؐ اسے قریش کی طرف واپس کریں گے۔ اسی شرط کی رو سے جب قریش ابو جندلؓ کو پابہ زنجیر واپس لے گئے تو انہوں نے وہاں قید میں تبلیغ کا کام شروع کیا۔ اس طرح ایک سال کے اندر تین سو مشرکوں کو حلقہ بگوش اسلام بنا لیا قریش کو اس سے اتنی پریشانی ہوئی کہ ابو جندلؓ اور ان کے ساتھ اسلام لے آنے والوں کو مکہ سے نکال دیا۔ ابو جندلؓ اور ان کے ساتھی عہد نامے کی رو سے مدینے نہیں رہ سکتے تھے۔ اس لیے انہوں نے مکہ سے شام جانے والی شاہراہ پر ایک پہاڑی پر قبضہ کر کے وہاں ڈیرہ جما لیا اور قریش کے ان قافلوں کو لوٹنا شروع کر دیا جو اس طرف آتے جاتے تھے۔ اس سے قریش کو زبردست مالی نقصان پہنچا۔

قریش نے حضورؐ سے التجا کی کہ آپ عیص کے مسلمان انقلابیوں سے قریش کے خلاف بغاوت ختم کرنے کو کہیں اور قریش کا جو آدمی آپؐ کے پاس آئے مدینے میں رہنے کے لیے اجازت دے دیں تاکہ قریش کے تجارتی قافلے بچ جائیں۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی قوم کے مشرک ہونے کے باوجود اس کی بات کو مان لیا اور انقلابیوں کے لیڈر ابو بصیرؓ اور ان کے نائب ابوجندلؓ کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ خود اور ان کے انقلابی بھائی مدینہ آ جائیں اور عیص میں اپنے مقامات کو چھوڑ دیں۔ انقلابیوں نے اس حکم کو قبول کر لیا اور مدینہ کی طرف واپس آ گئے۔

۶۔ ۶ ہجری میں ہونے والے اس معاہدے کی رو سے قبائل آزاد تھے کہ ان میں سے جو چاہے قریش کا حلیف بن جائے اور جو چاہے محمد (ﷺ) کے ساتھ ہو جائے۔ اس شرط کے تحت بنوخزاعہ آنحضرتؐ کے حلیف بن گئے اور ان کا مخاطب قبیلہ بنوبکر قریش سے مل گیا۔ یہ حلیف قبائل بھی عہدنامہ کی شرائط کے پابند تھے۔

۷۔ عہدنامے کی ایک شق کے مطابق دس برس تک امن سے رہنے اور جنگ نہ کرنے کی پابندی عائد تھی، لیکن اس معاہدے کو ابھی دو برس بھی نہ گزرے تھے کہ بنوبکر نے بنوخزاعہ پر بے خبری میں حملہ کر دیا اور قریش نے عہدشکنی کرتے ہوئے بنوبکر کی مدد کی۔ بنوخزاعہ کو سخت جانی نقصان اٹھانا پڑا اور بھاگ کر مسجد حرام میں پناہ لی۔ قبیلے کے کچھ آدمی جان بچا کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان لوگوں کی عہدشکنی اور مظالم کی داستان سنائی۔ معاہدے کی اس خلاف ورزی سے مسلمانوں کے دلوں کو سخت ٹھیس پہنچی۔ قریش نے کھلم کھلا عہدشکنی کر کے معاہدہ حدیبیہ کو کالعدم قرار دے دیا تھا۔ اس لیے آنحضرتؐ نے ان کو سزا دینے کے لیے تیاری شروع کر دی۔ آپ ایک ہزار نفوس کی تعداد میں تیار ہو کر مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضورؐ نے جنگی حکمت عملی اس طرح اپنائی تھی کہ قریش مجتمع ہو سکے نہ جنگی تیاری کر سکے اور نہ اپنے حلیف قبائل کو بلا سکے۔ مسلمانوں کا یہ لشکر رات کے وقت مکہ کے قریب پہنچا تھا اور آنحضرتؐ نے حکم دیا تھا کہ لشکر کو دور دور تک پھیلا دیا جائے، چنانچہ جب قریش کے سردار ابوسفیان نے بلندی سے اس کیمپ پر نظر دوڑائی تو اسے تاحدِ نگاہ آگ جلتی نظر آئی۔ اس سے اہل مکہ ایسے مرعوب ہوئے کہ مکہ بغیر کسی جنگ کے فتح ہو گیا۔ قرآن نے اس فتح کا ذکر یوں فرمایا ہے۔

یعنی دوسری فتح جس پر تم (پہلے) قادر نہ ہو سکے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہونے کے لیے عہدنامے کی یہ شق کتنی اہم اور ضروری ثابت ہوئی۔

۸۔ عہدنامے کے نتیجہ میں صلح اور امن ہو جانے اور قبائل کی آزادی کا مسلمانوں کو ایک بڑا فائدہ پہنچا کہ وہ مشرکین مکہ کے علاوہ قبائل کے لوگوں سے آزادی سے ملنے جلنے لگے۔ اس طرح مسلمانوں کو کھلم کھلا موقع مل گیا کہ وہ ان لوگوں سے اسلام کی حقیقت بیان کر سکیں اور انہیں اسلامی تعلیمات سے آگاہ کر سکیں۔ تبلیغ کے یہ مواقع حاصل ہونے کا یہ نتیجہ ہوا کہ عام عرب اسلام کی سچائی سے واقف اور کثیر تعداد میں حلقہ بگوش اسلام ہوتے گئے۔ دور کے قبائل تو ایک طرف خود مکہ کے بہت سے لوگ اسلام لے آئے۔ ان میں عظیم سپہ سالار خالدؓ بن ولید، عمروؓ بن العاص اور کعبہ کے کلید بردار عثمانؓ بن طلحہ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ایمان لانے کے بعد ان تینوں اصحاب کے متعلق رسول اللہؐ نے فرمایا تھا کہ ''مکہ نے اپنے تین جگر گوشے تمہاری طرف پھینک دیے ہیں''۔

حدیبیہ کے موقع پر کل مسلمانوں کی تعداد تقریباً تین ہزار تھی۔ اور یہ تعداد صلح حدیبیہ کے محض دو سال بعد فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار سے تجاوز کر گئی تھی۔ یہ کامیابی صلح حدیبیہ ہی کی وجہ سے حاصل ہوئی۔

۹۔ اسی طرح امن و اطمینان کی فضا پیدا ہونے کے بعد ساتویں ہجری میں آپ ؐ نے عرب کے رؤساء اور بڑے بڑے بادشاہوں کے نام وہ تاریخی خطوط ارسال فرمائے جو ان دور دراز علاقوں میں ملکوں میں اسلام کی پہلی دعوت تھی۔ ان خطوط کی تاثیر کے اختلاف کے باوجود ان کا پہنچنا اور ان کی خبر کا پھیلنا بلاشبہ دعوت اسلامی کے مفاد میں ہوا۔

پھر صلح حدیبیہ کے ذریعہ حضرت نبی کریم کو یہ موقع ملا کہ آپ ؐ بازنطینی حکومت کو مسلمانوں کی فوجی طاقت کے متعلق بتانے کے لیے جزیرہ عرب کی حدود سے باہر پہلا فوجی حملہ کریں۔ جب تک مسلمانوں نے حدود شام کو پار کر کے رومی علاقے میں اسی ۸۰ میل اندر داخل ہو کر جوار دن کے علاقہ میں اس حکومت کو یہ نہیں بتایا کہ مسلمان بھی کوئی طاقت ہیں، اس سے قبل وہ مسلمانوں کو کسی حساب و کتاب میں شمار نہ کرتی تھیں۔ قریش اور مسلمانوں کی صلح کے دوران رسول کریمؐ نے تین ہزار آدمیوں کا ایک فوجی دستہ تیار کیا جس کو شام میں رومی علاقے کے اندر تک جانے کا حکم ہوا۔ نتیجتاً رومیوں اور مسلمانوں کے مابین جنگ موتہ واقع ہوئی۔ اس خطرناک جنگ میں مسلمانوں نے سیاسی لحاظ سے یہ کامیابی حاصل کی کہ رومی جزیرہ عرب سے جنگ کرنے سے کترانے لگے۔

بہر حال نتائج کے اعتبار سے دیکھا جائے تو امر واقعہ یہ ہے کہ خارجہ تعلقات کی تاریخ میں اس سے افضل نمونہ ملنا دشوار ہے۔ یہ معاہدہ آپ کی بے نظیر ذکاوت کا آئینہ دار ہے۔

معاہدۂ خزاعہ (۵ھ):

معاہدہ حدیبیہ کی رو سے قبائل کو آزادی تھی کہ وہ قریش یا مسلمانوں سے حلیفی کریں۔ خزاعہ یمن کی قحطانی نسل کا ایک قبیلہ تھا جو مکہ کے قرب و جوار میں آ کر آباد ہو گیا تھا۔ اس قبیلہ نے معاہدہ حدیبیہ کے موقع پر اعلان کیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے حلیف ہیں۔ اس موقع پر آپ ؐ نے عبدالمطلب کے پرانے حلف نامہ کی تجدید بھی فرمائی۔ اس حلیفی کا سیاسی اور فوجی لحاظ سے رسول ؐ اللہ نے انتہائی اہم مقصد حاصل کیا۔ کہ جب بنو بکر نے قریشیوں کی مدد سے بنو خزاعہ پر حملہ کیا تو حضور ؐ کو مکہ پر چڑھائی کرنے کا موقع مل گیا کیونکہ قریشیوں نے بنو خزاعہ کے خلاف بنو بکر کا ساتھ دے کر معاہدہ حدیبیہ کی واضح خلاف ورزی کی تھی۔

معاہدۂ خیبر:

جب حضور ؐ نے خیبر کے یہودیوں کو ان کے قلعوں میں محصور کر دیا تو انہوں نے صلح کی درخواست کرتے ہوئے ۷ ہجری ۶۲۸ء میں آپ ؐ سے معاہدہ کر لیا۔ جس کی رو سے انہوں نے جلاوطنی کو قبول کر لیا۔ لیکن بعد میں درخواست کی کہ انہیں وہیں مقیم رہنے دیا جائے اور نصف پیداوار زمین کی ادائیگی کی شرط پر معاہدہ ہوا۔ (۴۲)

معاہدۂ فدک:

معاہدہ فدک اور معاہدہ وادی القریٰ یہ دونوں معاہدے حضورؐ نے سن ۷ ہجری میں معاہدہ خیبر کی شرائط پر یہودیوں سے طے فرمائے۔

معاہدۂ تیماء:

وادی تیما میں بھی یہودی آباد تھے۔ان کی درخواست پر آپؐ نے درج ذیل معاہدہ فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ تحریر اللہ کے رسول محمدؐ کی طرف سے بنو عادیا کے لیے ان کے لیے ذمہ داری ہے اور ان پر جزیہ نہ ظلم ہوگا اور نہ جلاوطنی۔رات (اس معاہدے کو) دراز کریگی تو دن اس میں شدت پیدا کرے گا۔(۴۳)

معاہدۂ عریض و بنی عازیہ:

یہ معاہدہ آپؐ نے بحرین کے یہودی قبائل بنو عریض اور بنی عازیہ کے ساتھ ادائےجزیہ پر فرمایا۔

معاہدۂ مزینہ:

مزینہ کا قبیلہ مدینہ کے مغرب میں ۲۸ کلومیٹر کے فاصلہ پر ساحل سمندر کی جانب آباد تھا جہاں سے گزر کر قریش کے تجارتی قافلے شام کی طرف جاتے تھے۔آنحضرتؐ نے اس قبیلہ کو زرعی اراضی اور کانیں جاگیر میں دیں اور معاہدہ کیا تاکہ قریش کے تجارتی قافلوں کی ناکہ بندی کے اقدامات میں وہ بھی مسلمانوں کا حلیف ثابت ہو۔

معاہدۂ جرش:

جرش طائف کے جنوب میں یمن کا ایک اہم مقام ہے۔فتح مکہ کے بعد ان کا محاصرہ کیا گیا۔ان کی صلح کی درخواست پر معاہدہ تحریر ہوا۔آپؐ نے انہیں اسی حالت میں برقرار رکھا۔ جو اہل کتاب تھے ان کے ہر بالغ پر ایک دینار جزیہ مقرر فرمایا اور یہ بھی لازم قرار دیا کہ آئندہ وہ مسلمان مسافروں کو سامان رسد مہیا کیا کریں گے۔(۴۴)

معاہدۂ اسلم:

قبیلہ اسلم خزاعہ کی ایک شاخ تھی۔اس کے ساتھ آپؐ نے درج ذیل معاہدہ فرمایا۔

۱۔اسلم کے لیے جو خزاعہ کی ایک شاخ ہے،ان لوگوں کے لیے جو ان میں سے ایمان لائے ہیں،نماز پڑھتے ہیں اور اللہ کے دین کے بارے میں خواہی دکھاتے ہیں۔

۲۔ انہیں ایسوں کے خلاف مدد دی جائے گی جو ظلم سے ان پر اچانک دھاوا بول دیں۔

۳۔ اور ان پر نبی کریم کی مدد نصیب ہو گی جبکہ آپؐ ان کو بلائیں۔

۴۔ اور ان کے خانہ بدوشوں کے لیے بھی وہی حقوق واجبات ہیں جو ان کی بستی میں رہنے والوں کے لیے ہیں۔

۵۔ اور وہ مہاجری ہیں جہاں وہ ہیں۔ (۴۵)

مذکورہ معاہدہ کی شق ایک اور دو واضح طور پر فریقین کے درمیان دفائی حلیفی کی نشاندہی کرتی ہیں اور اس بات کا پابند بناتی ہیں کہ جنگ کی صورت میں دونوں ایک دوسرے کی مدد کو آئیں گے۔

معاہدۂ ثقیف:

بنو ثقیف عبد یالیل کی قیادت میں رمضان ۹ ہجری میں مدینہ آئے۔ آپؐ نے انہیں مسجد کے قریب ٹھہرایا اور ان کے لیے یہ تحریر خالد بن سعید سے لکھوائی۔ (۴۶)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ ایک تحریر ہے، اللہ کے رسول محمد کی جو نبی ہیں ثقیف کے لیے لکھا جاتا ہے کہ ان کو اس خدا کے ذمہ دیا جاتا ہے کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور نبی محمد بن عبداللہ کا ذمہ اس چیز کے متعلق جو اس دستاویز میں لکھا گیا ہے۔ بے شک ان کی وادی حرام ہے اور سب کی سب خدا کے لیے حرام کی گئی ہے۔ وہاں کے جنگلی خاردار درخت، وہاں کا شکار، وہاں ظلم کرنا، وہاں چوری یا کوئی برائی کرنا سب حرام ہیں۔ اور (اس وادی) وج کا ثقیف ہی کا سب سے زیادہ استحقاق ہے۔ ان کے قلعے کو عبور نہیں کیا جا سکے گا اور نہ کوئی مسلمان وہاں جا کر ان کو وہاں وہ اپنے قلعے میں یا اس کے سوا اپنی وادی میں جو عمارت چاہیں بنا سکیں گے۔ ان کو نہ تو فوجی خدمت کے لیے جمع کیا جائے گا اور نہ ہی ان سے عشر زکوٰۃ لیا جائے گا اور نہ ہی مال یا ذات کے متعلق ان پر کوئی جبر کیا جا سکے گا۔

یہ مسلمانوں ہی کا ایک گروہ ہیں۔ مسلمانوں میں جہاں چاہیں جا سکیں گے اور جہاں جانا آنا چاہیں جا آ سکیں گے۔ اور ان کے پاس جو قیدی ہو وہ انہیں کا ہو گا۔ اور انہیں کو سب لوگوں سے زیادہ اس پر استحقاق ہو گا تاکہ وہ اس کے متعلق جو چاہیں کریں۔ ان کو رہن کی ضمانت پر جو قرض وصول ہو اور اس کی ادائیگی کی مدت آ جائے تو وہ سود ہے۔ اور اللہ سے برات اور قرض رہن کی ضمانت پر موسم عکاظ کے بعد تک کے لیے ہو تو اس کا اصل راس المال عکاظ کے وقت ادا کر دیا جائے۔ اور ثقیف کو ان کے کھاتوں میں ان کے اسلام لانے کے دن لوگوں سے جو وصول دیون ہیں وہ ان کو ملیں گے۔ اور ثقیف لوگوں نے جو امانت یا مال یا آدمی (یعنی لونڈی غلام) جسے امانت رکھنے والے نے مال غنیمت میں حاصل کیا تھا یا اسے کھو دیا تھا، وصول طلب ہو تو ضرور واپس کیے جائیں گے۔

اگر ثقیف کے کچھ لوگ یا سامان (اب) غیر حاضر ہوں تو اس کو بھی وہی امن حاصل ہو گا جو حاضر الوقت کو ہے اور ان کا جو مال بعد میں ہو تو اس کو بھی وہی امن حاصل ہو گا جو وج کے مال کو ہے۔

اور ثقیف کا جو حلیف یا تجارتی معاملت دار ہو تو اس کو بھی ثقیف کے لیے طے شدہ امیر ہی حاصل ہو گا اور اگر ثقیف پر کوئی الزام

لگانے والا الزام لگائے یا کوئی ظلم کرنے والا ان پر ظلم کرے تو ان کے متعلق اس کی بات نہیں مانی جائے گی چاہے مال کے متعلق ہو یا جان کے متعلق۔ اور رسول کریم ﷺ اور تمام مسلمان ان (ثقیف) کی مدد اس شخص کے خلاف کریں گے، جو ان پر ظلم کرے اور لوگوں میں سے جس کے متعلق انہیں ناپسند ہو کہ وہ ان کے ہاں آئے تو ایسا شخص ان کے ہاں نہ آ سکے گا۔ اور بازار اور بیوپار گھروں کے صحنوں میں ہوگا۔ ان کا امیر انہیں میں سے کوئی ہوا کرے گا کوئی دوسرا نہیں۔ چنانچہ بنی مالک پر ان کا امیر اور احلاف پر ان کا امیر ہوگا۔ اور ثقیف والے قریش کے جن ناکستانوں کی ابررسانی کریں گے ابرساں کو اس کا آدھا ملے گا۔ اور ان کو رہن کی ضمانت پر جو قرض وصول ہو تو انہیں اصل راس المال کے سوا کچھ نہ ملے گا۔ اور ان کے پاس جو قیدی ہو جسے اس کے مالک نے بیچ دیا ہو تو اسی کو اس بیع کا حق ہوگا اور جو فروخت نہ کیا گیا ہو تو اس میں (فدیہ) چھ اونٹنیاں ہوں گی۔ آدھوں آدھ تین اونٹنیاں اور دودھ عمدہ سوئی اور جس نے معاملہ بیچ کر کے کچھ خریدا ہو تو اس کا بیع کا اسی کو حق ہوگا۔

معاہدۂ دومۃ الجندل:

شوال ۹ ہجری میں طے پانے والے اس معاہدے کو معاہدہ اکیدر بھی کہتے ہیں۔ معاہدے کی عبارت درج ذیل ہے۔ (۴۷)

یہ تحریر محمد رسول اللہ ﷺ کی جانب سے اکیدر کے لیے ہے، جبکہ اس نے اسلام قبول کیا اور انداد و اصنام کو چھوڑ دیا، اور اہل دومہ کے لیے ہے۔ جو ہڑوں کا وہ حصہ جو آبادی کے باہر ہے بنجر زمینیں اور جنگلی غیر آباد زمینیں اور زرہیں اور ہتھیار اور بار برداری کے جانور اور گڑھی یہ سب چیزیں ہمارے لیے ہیں، اور تمہارے لیے وہ کھجور کے درخت ہیں جو گڑھی کے اندر ہیں اور بہتا ہوا پانی ہے۔ تمہارے چرنے والے جانور چراگاہوں سے نہیں پھیرے جائیں گے اور نصاب کی مقرر تعداد سے جو مویشی زیادہ ہوں گے زکوٰۃ کے تعین کے وقت ان کا شمار نہیں کیا جائے گا اور تمہارے پودے اگنے سے نہیں روکے جائیں گے۔

تمہیں وقت پر نماز پڑھنا اور حق کے مطابق زکوٰۃ دینا ہوگی۔ اس کے لیے تمہارے ساتھ اللہ کا عہد اور میثاق ہے اور تم ہماری صداقت اور وفائے عہد کے مستحق ہو۔ اللہ اور مسلمان حاضرین شاہد ہیں۔"

معاہدۂ ایلہ:

ایلہ شام میں خلیج عقبہ کے کنارے پر ایک مقام تھا۔ آپؐ نے ایلہ کے حاکم یوحنا کو ایک مکتوب بھیجا تھا جس کے جواب میں وہ خود آپ کی خدمت میں بمقام تبوک حاضر ہوا۔ یہ لوگ مسیحی تھے۔ آپؐ نے یوحنا کو مہمان کا درجہ دیا۔ گفت و شنید کے بعد درج ذیل معاہدہ طے پایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ تحریر امان کی ضامن ہے جو اللہ اور محمد النبی رسول اللہ ﷺ کی طرف سے یحنہ بن رویہ اور اہل ایلہ کے لیے ان کے بری قافلوں اور بحری تجارتی جہازوں کی حفاظت کی غرض سے مرتب ہوئی۔ ان کے لیے اللہ اور محمد النبی کی حفاظت کا ذمہ ہے۔ اور ان اہل شام، اہل

یمن اور اہل بحر کے لیے جو ان کے ساتھ ہوں۔ لیکن ان میں جو بھی شخص معاہدے کے خلاف کوئی نئی بات پیدا کرے گا اس کی جان بچانے میں حائل نہ ہوگا وہ ہر اس شخص کے لیے حلال ہوگا جو اسے پکڑ لے گا۔ یہ جائز نہ ہوگا کہ ہمارے آدمیوں کو کسی بھی چشمے سے جس پر جا کر وہ پانی حاصل کرنا چاہیں یا کسی بھی بری یا بحری راستے سے جس پر وہ چلنا چاہیں روکا جائے۔(۴۸)

معاہدۂ جربا، معاہدہ اذرح:

غزوہ تبوک کے دوران ایلہ کے معاہدہ کے بعد مملکت مدینہ سے وفاداری کی شرائط پر یہ معاہدات ہوئے۔(۴۹)

معاہدۂ مقنا:

اہل مقنا یہودی تھے اور ۹ ہجری میں درج ذیل معاہدہ ان سے طے پایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمد رسول اللہ کی طرف سے حبیبہ اور اہل مقنا کے نام، تم پر سلامتی ہو۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے گاؤں واپس جا رہے ہو۔ جب میرا یہ مکتوب تمہارے پاس پہنچے تو تم اپنے تئیں حفظ وامان میں سمجھو کیونکہ اب تمہارے لیے اللہ کا اور اس کے رسول کا ذمہ ہے۔ اور رسول اللہ نے تمہارے گناہ، اور وہ شب خون، جن کے لیے تمہارا تعاقب کیا گیا تھا، معاف کر دیئے ہیں۔ تمہارے گاؤں میں رسول اللہ کے سوا اور رسول اللہ کے نمائندے کے سوا تمہارا کوئی شریک وسہیم نہیں ہے۔ آج کے بعد تم پر نہ کوئی ظلم ہوگا اور نہ زیادتی اور اللہ کا رسول تمہیں ان تمام چیزوں سے بچائے گا جن سے وہ خود اپنے تئیں بچاتا ہے۔ جو چیزیں رسول اللہ نے یا رسول اللہ کے نمائندے نے معاف کر دی ہیں ان کے سوا تمہارے بنے ہوئے کپڑے، تمہارے غلام، تمہارے گھوڑے اور تمہاری زرہیں رسول اللہ کے لیے ہیں۔ جو کچھ تمہارے نخلستانوں میں پیدا ہوا اور تمہاری کشتیاں شکار کریں اور تمہاری عورتیں کاتیں ان سب ہی سے ایک چوتھائی ہم پر واجب ہے، اس کے بعد جو کچھ ہے تمہارا ہے۔

نیز یہ کہ رسول اللہ نے تمہیں ہر قسم کے جزیہ اور بیگار سے مستثنیٰ کر دیا ہے۔ اگر تم سنو گے اور طاعت کرو گے تو رسول اللہ تمہارے عزت داروں کی عزت کریں گے اور تمہارے قصور معاف کریں گے۔

بن حبیبہ اور اہل مقنا میں سے جو مسلمانوں سے بھلائی کرے گا وہ اسی کے لیے بھلائی ہوگی اور جو برائی کرے گا وہ اسی کے لیے برائی ہوگی۔ تم پر کوئی امیر نہیں ہوگا۔ مگر وہ جو خود تمہیں میں سے یا رسول اللہ کے اہل بیت میں سے ہو۔"(۵۰)

معاہدۂ نجران:

رسول اللہ نے اہل نجران سے ۱۰ ہجری میں درج ذیل معاہدہ فرمایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ وہ تحریر ہے جو اللہ کے رسول محمد نے اہل نجران کے لیے لکھی ہے۔ اگرچہ آپ کو ان کے پھلوں، سونے چاندی، لوہے (اسلحہ) اور

غلاموں میں سے حصہ لینے کی قدرت حاصل تھی مگر آپؐ نے یہ ساری چیزیں ان کو چھوڑ دیں اس شرط پر کہ وہ ہر سال دو ہزار حلے ادا کریں، ایک ہزار رجب میں اور ایک ہزار صفر میں، ہر حلہ ایک اوقیہ کا ہوگا اور جو اس سے کم یا زیادہ ہو تو وہ محسوب کر لیا جائے گا اور جو زرہیں، گھوڑے یا سواریاں دیں وہ بھی حساب کر کے لی جائیں گی۔ اہل نجران پر میرے قاصدوں کے رہنے کا انتظام لازم ہوگا۔ کسی قاصد کو ایک ماہ سے زیادہ نہ روکا جائے۔ اگر یمن میں کوئی گڑبڑ پیدا ہو جائے تو اہل نجران کو تیس زرہیں، تیس گھوڑے اور تیس اونٹ مستعار دینے ہوں گے۔ اگر ان میں سے کوئی چیز ہلاک یا ضائع ہو تو اہل نجران کو اس کا معاوضہ ملے گا نجران اور اس کے حلقے کے لوگ اللہ کے جوار اور رسول اللہ ﷺ کی ذمہ داری ہیں۔ ان کی جانیں، اموال، زمینیں، مذہب، حاضر و غائب، گرجے اور مملوکات کی حفاظت کی جائے گی۔ کسی پادری کو اس کے موصعہ سے، کسی راہب کو اس کی رہبانیت سے، کسی کاہن کو اس کی کہانت سے ہٹایا نہ جائے گا۔ جو کچھ بھی کم و بیش ان کے قبضہ میں ہے اس پر غارت گری نہ ہوگی۔ تم سے جاہلیت کے کسی جرم یا خون کا مواخذہ نہیں کیا جائے گا نہ فوجی خدمت پر بلایا جائے گا۔ نہ کوئی عشر لگایا جائے گا۔ اور نہ کوئی لشکر تمہاری زمین پامال کرے گا۔ اگر تم سے کوئی ناحق مانگے گا تو دونوں کے درمیان انصاف کیا جائے گا۔ نہ تم پر ظلم ہونے دیا جائے گا اور نہ تمہیں ظلم کرنے دیا جائے گا۔ تم میں سے اس کے بعد جو سود کھائے گا وہ میری ضمانت سے خارج ہے۔ دوسرے آدمی کے ظلم کی پاداش میں دوسرا نہ پکڑا جائے گا۔ اس تحریر میں جو کچھ درج ہے وہ اللہ کی امان اور محمد ﷺ کا ذمہ ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اپنا امر لائے اور اس وقت تک کہ تم مسلمانوں کے خیر خواہ رہو اور ان شرائط کے پابند رہو جو تم سے کی گئی ہیں بغیر اس کے کہ تمہیں ظلم سے کسی بات پر مجبور کیا جائے۔'' (۵۱)

معاہدۂ تبالہ:

۱۰ ہجری میں اہل تبالہ سے اہل جرش کی شرائط پر معاہدہ ہوا۔ اور یہ لازم قرار دیا کہ وہ مسلمانوں کے لیے سامان رسد فراہم کریں گے۔ (۵۲)

معاہدات بنی الحرقہ و بنی الجرمز:

رسالت مآب ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں عمرو بن معبد الجہنی اور بنی الحرقہ و بنی ابجرمز کو ایک خاص فرمان کے ذریعے ان شرائط پر امن امان کی یقین دہانی کرائی کہ وہ مشرف بہ اسلام ہو کر نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور مال گزاری بھی ادا کریں۔ مال غنیمت کا پانچواں حصہ مرکز کو ادا کریں۔ اپنے غیر مسلم رشتہ داروں کے ساتھ تعلقات منقطع کر کے صرف رأس المال لے کر اپنے قرضہ جات کے سود سے دستبردار ہو جائیں۔ جو افراد اس قبیلہ میں ضم ہوں وہ بھی انہی مراعات کے حامل ہوں گے جو اس قبیلہ کو حاصل ہیں۔

جس دور میں رسالت مآبؐ نے یہ معاہدات فرمائے روم و فارس اس وقت کی دو عظیم طاقتور سلطنتیں تھیں۔ اسلامی ریاست مدینہ کو روم کی طرف سے خطرات لاحق تھے۔ غزوہ تبوک انہی خطرات کے تحت واقع ہوا تھا۔ تبوک میں قیام کے موقع پر حضورؐ نے سیاسی اور

حربی فوائد حاصل کرنے کے لیے ان سرحدی ریاستوں کو اپنے ساتھ ملانے کے لیے اقدامات کیے جواب تک رومیوں کے زیر اثر تھیں۔ تبوک میں مسلمانوں کی قلیل فوج کے جرات مندانہ ٹھہراؤ اور بے مثال جذبہ نے سرحدی قبائل کو آپ کی اطاعت قبول کرنے میں حالات کو سازگار بنا دیا تھا۔ چنانچہ حاکم ایلہ، اہل جرباء واذرح نے جزیہ پر صلح کر کے معاہدہ کیا۔ اس کے بعد دومتہ الجندل کو مطیع بنایا۔ پھر اہل مقنا کے عیسائی روساء نے جزیہ کی شرط پر صلح کر لی۔

ان معاہدات کا صاف نتیجہ یہ نکلا کہ ریاست نبوی کی حدود اقتدار براہ راست جزیرہ نمائے عرب کی انتہائی شمالی سرحدوں تک پہنچ گئے اور وہ عرب قبائل اب خود رومیوں کے حریف بن گئے جن کو وہ اب تک عرب کے خلاف استعمال کرتے رہے تھے اور جواب مسلمانوں کے حلیف بن چکے تھے۔ مذکورہ بالا عیسائی قبائل کو ریاست نبویؐ کے زیر اثر لانا حضور کی سیاست خارجہ کا ایک بڑا کارنامہ تھا۔ اس سے رومی سلطنت کے منطقہ اثر میں گہرے شگاف پڑ گئے جن کی وجہ سے صفر ۱۱ ہجری میں اسامہ بن زید کی وہ مہم بالآخر حضرت ابو بکرؓ کے دور میں کامیابی سے ہمکنار ہوئی جسے ابتدائی طور پر رسول اللہؐ نے روانہ کیا تھا۔ اور پھر آگے چل کر اسی بناء پر بلاد روم میں اسلام کے اثر و نفوذ، توسیع و اشاعت اور فتوحات کے دروازے کھل گئے۔ اور اسلام مستقبل قریب کی بین الاقوامی طاقت کی حیثیت سے محسوس کیا جانے لگا ۔

﴿حواشی وحوالہ جات﴾

(۱) قاسم محمود، اسلامی انسائیکلوپیڈیا، ص ۱۰۷۲

(۲) نعیم صدیقی، محسن انسانیت، ص ۳۹۲

(۳الف) مودودی، سید ابوالاعلیٰ، سیرت سرور عالم، ص ۶۹۳

(۳ب) تاریخ ابن خلدون، حصہ اول، ص ۵۶

(۴) ابن ہشام، حصہ اول، ص ۳۳۲

(۵الف) مودودی، سید ابوالاعلیٰ، سیرت سرور عالم، ص ۶۹۵

(۵ب) طبقات ابن سعد، حصہ اول، ص ۳۱۹

(۶) ابن ہشام، حصہ اول، ص ۳۳۵، تاریخ ابن خلدون، حصہ اول، ص ۵۷

(۷الف) طبقات ابن سعد، حصہ اول، ص ۳۱۸، تاریخ ابن خلدون، حصہ اول، ص ۵۶

(۷ب) مودودی، سید ابوالاعلیٰ، سیرت سرور عالم، ص ۷۰۰

(۸الف) محمد ثانی، ڈاکٹر، میثاق مدینہ، ماہنامہ سیمائی کراچی، سالار اعظم نمبر، ربیع الاول، ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ/ مارچ، اپریل ۲۰۰۹ء، ص ۱۰۶ـ۱۰۷

(۸ب) ابن ہشام، حصہ اول، ص ۳۵۵

(۹) ابن ہشام، حصہ دوم، ص ۹۰

(۱۰) ابن ہشام، حصہ اول، ص ۳۵۴، ابن سعد، حصہ اول، ص ۳۳۱

(۱۱) حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص ۸۰ـ۸۱

(۱۲) نقوش رسول نمبر، جلد ۵، ص ۹۰

(۱۳) محمد حسین ہیکل، حیات محمدؐ، ص ۲۸۵

(۱۴) نقوش رسول نمبر، جلد ۵، ص ۹۷

(۱۵) Well havsen (the Histonons of world) Vol Viii P 291

(۱۶) بخاری، الصحیح

(۱۷) ابوداؤد، سنن، جلد ۲، باب بنو نضیر

(۱۸) نقوش رسول نمبر، جلد ۱۱، ص ۹۳۱

(۱۹) شبلی نعمانی، سیرت النبیؐ، ص ۳۰۳ـ۳۰۴

(۲۰) نقوش رسول نمبر، جلد ۵، ص ۹۳۱ـ۹۳۲

(۲۱) ابوداؤد، سنن، جلد ۲، باب بنو نضیر

(۲۲) ایضاً

(۲۳) ابن سعد، الطبقات (ایڈیشن بیروت، ۱۹۵۷ء) جلد ۲، ص ۲۹

(۲۴) ابن ہشام، جلد ۲، ص ۵۲

(۲۵) ابوداؤد، سنن، باب بنو نضیر

(۲۶) شبلی نعمانی، سیرت النبیؐ، جلد اول، ص ۳۱۲

(۲۷) صحیح مسلم، جلد دوم، ص ۷۷

(۲۸) نقوش، جلد ۱۱، ص ۶۲۸

(۲۹) ایضاً، ص ۶۲۷

(۳۰) طبقات ابن سعد، حصہ اول، ص ۳۳۳

(۳۱) ایضاً، ص ۳۱۷

(۳۲) ابن ہشام، حصہ دوم، ص ۲۵۳، تاریخ طبری، حصہ اول، ص ۳۳۵

(۳۳) ایضاً

(۳۴) ایضاً، ص ۳۵۶

(۳۵) تاریخ طبری، حصہ اول، ص ۳۳۲

(۳۶) حمید اللہ، ڈاکٹر/ تاریخ اسلام، ص ۴۷

(۳۷) ابن ہشام، حصہ دوم، ص ۲۵۹، تاریخ طبری، حصہ اول، ص ۳۳۶

(۳۸) تاریخ ابن خلدون، حصہ اول، ص ۱۳۵

(۳۹) ابن ہشام، ابو عبید، فتوح البلدان، ڈاکٹر حمید اللہ

(۴۰) ابن ہشام، حصہ دوم، ص ۱۷۲

(۴۱) زاد المعاد، جلد دوم، ص ۲۲۸

(۴۲) صحیح بخاری، کتاب الوکالہ، باب المزارعۃ مع الیہود، ہشام، حصہ دوم، ص ۳۸۹

(۴۳) طبقات ابن سعد، بحوالہ ڈاکٹر حمید اللہ، رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، ص ۳۳۹ـ۳۷۵

(۴۴) بلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر، فتوح البلدان، مصر ۱۹۰۱ء، ص ۲۰۹

(۴۵) ابن سعد، بحوالہ ڈاکٹر حمید اللہ، ص ۳۴۳ـ۳۶۱

(۴۶) فتوح البلدان، ص ۱۰۳ـ۱۰۴

(۴۷) ابن ہشام، حصہ دوم، ص ۲۳۰ـ۲۳۶

(۴۸) تاریخ طبری، حصہ اول، ص ۳۳۴

(۴۹) فتوح البلدان، ص ۱۰۱ـ۱۰۲

(۵۰) ایضاً، ص ۱۰۸ـ۱۰۹، زاد المعاد، جلد ۳، ص ۱۳۶ـ۱۳۷

(۵۱) ایضاً، ص ۹۹

(۵۲) ایضاً، ص ۱۳۶

باب اوّل:

﴿فصل چہارم﴾

رسول اکرم ﷺ کی عسکری زندگی میں معاہدات کے اثرات

پیغمبر رحمت، محسن انسانیت، ہادی عالم، حضرت محمدؐ کی قیادت میں اسلامی انقلاب جیسے عظیم الٰہی نظام کا برپا ہونا جہاں ایک واضح اور غیر معمولی احسان ربانی ہے، وہاں اس میں رسول اکرمؐ کی دانشورانہ، حکیمانہ اور جرأت مندانہ قیادت کا بھی بہت بڑا دخل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت کو پورا کرنے کے لئے عالم اسباب میں سے جن موزوں ترین عوامل کو یکجا کرنے کی ضرورت محسوس فرمائی۔ ان عوامل میں سب سے بڑا اور سب سے مؤثر عامل حضور اکرمؐ کی ذات مبارکہ تھی۔ آپؐ میں وہ ساری خوبیاں بدرجہ اتم موجود تھیں، جن سے اسلامی انقلاب جیسا منفرد تاریخی کارنامہ سرانجام دیا جاسکتا تھا۔ یہ محض اقتدار کے الٹ پھیر کا نام نہ تھا اور نہ ہی یہ اقتدار پر قبضہ کرنے کا کوئی مسئلہ تھا بلکہ یہ ایک تعمیری، اخلاقی، تعلیمی، تربیتی اور عظیم معاشرتی اور اصلاحی کام تھا، جس کا دائرہ ایک فرد سے لے کر تمام عالم انسانیت تک پھیلا ہوا تھا۔ اس میں فرد کی روحانی ضروریات سے لے کر اس کی مادی ضروریات تک فراہم کرنے کا مسئلہ تھا۔ اس میں انسانی سوسائٹی میں سے نسلوں اور فرقوں کی پیدا شدہ برائیوں کو ختم کرنے کا مسئلہ تھا۔ یہ صدہا صدیوں سے انسانوں کی بگڑی ہوئی عادات کو سدھارنے اور انہیں سچے بندگانِ خدا بنانے کا مسئلہ تھا۔ یہ ان گنت مدتوں کے پیدا شدہ اونچ نیچ کو اٹھا کر آدمؑ کے انسانی خاندان کو ایک خاندانی برادرانہ سطح پر لانے کا مسئلہ تھا۔ یہ صدیوں سے باہمی ایک دوسرے کے حقوق انسانیت پر جابرانہ قابض شدہ جابر لوگوں سے مظلوموں کے حقوق حاصل کر کے انہیں لوٹانے اور ان میں شرف انسانیت پیدا کرنے کا مسئلہ تھا۔ یہ محض اقتدار کے حصول کے بجائے باطل پرست طالع آزماؤں کے آگے بند باندھ کر خدا کے نیک بندوں کو آگے لانے کا مسئلہ تھا۔ یہ بڑا ہی پیچیدہ شاخ در شاخ الجھا ہوا مسئلہ تھا، جسے آنحضرتؐ نے ۲۳ برس کی قلیل ترین مدت میں سلجھا کر انسانیت کے قافلے کو بندگی رب کی صراط مستقیم پر ڈال دیا۔ جب حضورؐ نے اپنا کام مکمل فرمایا تو سارے انسانی مسائل سلجھ چکے تھے اور انسان خدا کی زمین پر آدمؑ کے بیٹے ہونے کی حیثیت سے باہمی بھائی بھائی بن چکے تھے۔ یہ کام محض معجزے دکھانے سے ہونے والا نہیں تھا آپؐ سے پہلے بہت سے انبیاء ہزار ہا معجزات کے ساتھ انسانوں کو دعوت بندگی رب دے چکے تھے، لیکن انسانوں نے قبول دعوت اور صراط مستقیم پر چلنے کی بجائے عذاب خداوندی تک پہنچنے کا راستہ بار بار اختیار کیا تھا۔ آپؐ سے پہلے بہت بڑے بڑے زور آور فوجوں والے فاتحین آئے، لیکن فوجوں نے صرف قوموں کو تباہ کیا، ابن آدم کو مفتوح اور بے آبرو کر کے اپنا غلام بنایا اور ابن آدم کے مسائل میں مزید اضافہ کر دیا۔ آپؐ سے پہلے بہت سے مصلحین اخلاق بھی آئے، لیکن ان سے کسی نے اصلاح اخلاق کا درس نہ لیا اور اگر کسی نے لیا تو اس نے تقسیم شدہ انسانیت میں ایک اور متحارب گروہ کا اضافہ کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ انسانیت اپنے دنیا کے دائرہ آسمان میں بڑی پریشان چلی آرہی تھی، بالآخر الجھے ہوئے پیچیدہ سوالات کا صحیح اور آسان

حل صرف رسول اللہؐ نے ہی انسانیت کو بتایا۔ یہ عظیم کارنامہ جو حضورؐ نے سرانجام دیا، اس میں حضور کی حکمت، سیاست و بصیرت، و دانش اور تدبر کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ آپؐ نے ایک عظیم سیاسی اور روحانی انقلاب برپا کر کے تمام باطل قوتوں کو بزور بازو سرنگوں کر دیا اور حق کا بول بالا فرمایا۔(۱)

آنحضرت کی جس دور میں ولادت اور بعثت ہوئی، وہ کفر و شرک کی ظلمت، وحشت و بربریت، بدامنی، قتل و غارت گری، طبقاتی تقسیم اور ظلم کے حوالے سے ایک خاص شہرت کا حامل تھا۔ اسلام سے قبل پوری انسانی دنیا بالعموم اور سرزمین عرب بالخصوص اس حوالے سے انسانی تاریخ میں ظلمت و جہالت کا ایک خاص حوالہ رکھتی ہے۔

علامہ شبلی نعمانیؒ رسول اکرمؐ کی بعثت سے قبل عرب معاشرے کی تصویر کشی کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"یوں تو تمام جزیرۂ عرب ایک ملک اور متحد قوم تھا، تاہم نہ تو کبھی تاریخ نے اس کے ملکی و قومی اتحاد کا نشان دیا اور نہ سیاسی حیثیت سے کسی زمانے میں تمام عرب ایک پرچم کے نیچے جمع ہوا، جس طرح گھر گھر کا الگ خدا تھا، اسی طرح قبیلے قبیلے کے جدا جدا رئیس تھے، جنوبی عرب میں حمیری، اذواء، راقیال کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں، شمالی عرب میں بکر، تغلب، شیبان، ازد، قضاعہ، کندہ، لخم، جذام، بنوحنیفہ، طے، اسد، ہوازن، غطفان، اوس وخزرج، ثقیف اور قریش وغیرہ کی الگ الگ ٹولیاں تھیں، جو دن رات خانہ جنگیوں میں مبتلا رہتی تھیں۔ بکر و تغلب کی چہل سالہ جنگ کا ابھی خاتمہ ہوا تھا، کندہ اور حضر موت کے قبائل کٹ کٹ کر فنا ہو چکے تھے، اوس وخزرج لڑلڑ کر اپنے سردار کھو چکے تھے، خاص حرم اور اشہر حرم میں بنو قیس اور قریش کے درمیان حرب فجار کا سلسلہ جاری تھا اور اس طرح تمام ملک معرکہ کارزار بنا ہوا تھا۔ پہاڑوں اور صحراؤں میں خود مختار جرائم پیشہ قبائل آباد تھے، ملک قتل و غارت گری، سفاکی، خوں ریزی کے خطرات میں گھرا ہوا تھا۔ تمام قبائل کبھی نہ ختم ہونے والی جنگ کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ انتقام، ثار اور خون بہا کی پیاس سیکڑوں اور ہزاروں افراد کے قتل کے بعد بھی نہیں بجھتی تھی، ملک کا ذریعۂ معاش غارت گری کے بعد فقط تجارت تھی، لیکن تجارتی قافلوں کا ایک جگہ سے دوسری جگہ تک گزرنا محال تھا، حیرہ کے عرب بادشاہ اگرچہ شمالی عربستان میں اثر اور اقتدار رکھتے تھے، تاہم ان کا تجارتی سامان بھی عکاظ کے بازاروں میں بہ مشکل پہنچ سکتا تھا، شہور حج عملاً عرب کے مقدس مہینے تھے، بایں ہمہ قتل و غارت گری اور خوں ریزی کے جواز کے لئے وہ کبھی بڑھا اور کبھی گھٹا دیتے تھے۔ ابوعلی قالی نے کتاب الامالی میں لکھا ہے: **وذلک لانهم کانو ایکرهون ان تتوالی علیهم ثلاثة اشهر لا تمکنهم الا غارة فیها، لان معاشهم کان من الا غارة** ۔ یہ اس لئے کہ وہ یہ نہیں پسند کرتے تھے کہ تین مہینے متصل ان پر غارت گری کے بغیر گزر جائیں کیونکہ غارت گری ہی ان کا ذریعۂ معاش تھا"۔(۲)

انسانی تاریخ کے اس تاریک ترین دور میں محسن انسانیتؐ نے سرزمین عرب اور انسانی دنیا سے ظلم و غارت گری اور بدامنی کے خاتمے کے لئے تاریخ ساز اور انقلابی کردار ادا کیا، جس کی بدولت پیغمبر رحمت کی حیات طیبہ اور اسوۂ حسنہ کو مظلوموں کی دادرسی، کمزوروں، محتاجوں اور مفلوک الحال طبقے کی امداد و اعانت کے حوالے سے ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ آپ غم گسار جہاں اور رحمت عالم بن کر تشریف لائے، آپ کا ارشاد گرامی ہے: الخلق عیال اللہ، فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ (۳) پوری

مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، اللہ کے نزدیک مخلوق میں پسندیدہ ترین وہ ہے جو اس کے کنبے کے ساتھ بھلائی کرتا ہے۔

آپؐ کے اسوۂ حسنہ میں ایک اہم اور نمایاں ترین وصف انسان دوستی، فلاحِ انسانیت اور معاشرے کے لاچار، بے بس و بے کس اور مظلوم افراد کی اعانت اور دادرسی بھی ہے، چنانچہ رازدارِ نبوت زوجۂ رسولؐ، سیدہ خدیجۃ الکبریٰؓ نے بعثتِ نبویؐ کے اس اہم اور تاریخی موڑ پر جب آپؐ پر پہلی وحی نازل ہوئی، آپ کی تائید اور حوصلہ افزائی کے طور پر جو تاریخی کلمات کہے، وہ آپ کی شخصی عظمت، انسان دوستی، فلاحِ انسانیت اور مظلوموں کی دادرسی کے حوالے سے آپ کی صفتِ رحمۃ للعالمین کا منہ بولتا ثبوت ہیں، آپؓ نے رسول اللہ کی تسلی دیتے ہوئے کہا:

ہرگز نہیں، بخدا اللہ آپ کو کبھی بھی رسوا نہیں کرے گا، کیوں کہ آپ صلۂ رحمی کرتے ہیں، بے آسرا لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، فقیر لوگوں کو کما کر دیتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کی وجہ سے پہنچنے والے مصائب میں اہلِ حق کی اعانت کرتے ہیں۔ (۴)

آپؐ کے چچا ابوطالب جنھوں نے بچپن سے جوانی تک آپ کی سیرت و کردار اور حیاتِ طیبہ کے ہر دور کا مشاہدہ کیا، وہ آپؐ کے بارے میں کیا خوب کہتے ہیں:

وابیض یستقی الغمام بوجھہ ثمال الیتامیٰ عصمۃ للارامل۔ (۵)

مظلوموں کی دادرسی اور بے بسوں اور بے کسوں کی اعانت کے حوالے سے آپؐ کے اسوۂ حسنہ سے کئی مثالیں ملتی ہیں، جیسا کہ عبداللہ بن ابی سفیان ثقفیؒ کا بیان ہے کہ قبیلۂ اراش کا ایک شخص اپنا اونٹ فروخت کرنے کے لئے مکہ مکرمہ آیا۔ ابوجہل نے وہ اونٹ اس سے خرید لیا، مگر قیمت ادا کرنے میں لیت و لعل کرنے لگا۔ وہ اجنبی قریش کی ایک جماعت کے پاس پہنچا۔ حضور اکرمؐ اس وقت مسجد حرام کے ایک کونے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اراشی نے قریشیوں سے کہا کہ کون شخص ابوالحکم بن ہشام (ابوجہل) کے مقابلے میں میری دادرسی کرے گا اور اس سے میرا حق وصول کر کے دے گا؟ میں ایک غریب اور مسافر ہوں اور وہ میرا حق غصب کر کے بیٹھا ہے۔ اہلِ مجلس نے حضور اکرمؐ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، اس شخص کو دیکھ رہے ہو؟ وہ یہ بات ازراہِ مذاق کر رہے تھے، کیوں کہ وہ لوگ حضور اکرمؐ اور ابوجہل کے درمیان عداوت و اختلاف کو اچھی طرح جانتے تھے۔ کہنے لگے ان کے پاس جاؤ، وہ ابوجہل کے مقابلے میں تمہاری مدد کریں گے۔ وہ حضور اکرمؐ کے پاس آیا اور سارا ماجرا بیان کیا، ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ میں نے ان لوگوں سے اپنا حق وصول کرنے کی درخواست کی تھی، مگر انہوں نے آپ کی طرف بھیج دیا ہے، لہٰذا آپؐ اس سے میرا حق وصول کرا دیں۔ اللہ آپؐ پر رحم فرمائے، مہربانی کر کے ابوجہل کے پاس چلئے۔ حضور اکرمؐ اٹھ کر اس کے ہمراہ چل پڑے، قریشِ مکہ بھی دیکھ رہے تھے، انہوں نے ایک شخص کو جاسوس بنا کر پیچھے پیچھے بھیجا کہ دیکھو ابوجہل کیا کرتا ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ حضور اکرمؐ ابوجہل کے مکان پر پہنچے، دروازے پر دستک دی۔ ابوجہل نے اندر سے پوچھا کون؟ حضور اکرمؐ نے فرمایا: میں محمد ہوں، باہر نکلو۔ ابوجہل باہر آیا تو اس کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا اور اس پر خوف طاری تھا۔ آپؐ نے فرمایا: اس مظلوم کا حق ادا کرو۔ وہ کہنے لگا: ضرور، ذرا ٹھہریے، میں اس کی رقم اندر سے لے آتا ہوں۔

راوی کا بیان ہے کہ ابوجہل اندر گیا اور اسی وقت اراشی کی قیمت لے کر باہر آ گیا اور اس کے حوالے کر دی۔ حضور اکرمؐ واپس

تشریف لائے اور اراشی سے کہا جاؤ اپنی راہ۔ اراشی نے آ کر جماعت قریش کو سارا واقعہ سنایا اور دعا دی کہ اللہ اس شخص کو جزائے خیر عطا فرمائے، جس نے میرا حق مجھے دلوایا۔ اتنے میں ان کا جاسوس بھی پہنچ گیا۔ انہوں نے اس سے پوچھا، بتاؤ، کیا صورت حال پیش آئی۔ اس نے کہا، میں نے عجیب بات دیکھی ہے۔ محمدؐ نے جب ابوجہل کے دروازے پر دستک دی اور وہ باہر نمودار ہوا تو اس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا اور فوراً آپؐ کے حکم کی تعمیل کی۔ تھوڑی دیر بعد ابوجہل بھی آ گیا۔ وہ لوگ کہنے لگے۔ تیرے لئے ہلاکت ہو، تجھے کیا ہو گیا؟ اس قسم کی بات ہم نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اس نے جواب دیا: واللہ، جب محمدؐ نے میرا دروازہ کھٹکھٹایا اور میں نے ان کی آواز سنی، تو میرے اوپر ایک رعب طاری ہو گیا اور میں مظلوم کی رقم ادا کرنے پر مجبور ہو گیا۔ (۶)

اس قسم کا ایک واقعہ علی بن برہان الدین الحلبی نے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرمؐ مسجد میں تشریف فرما تھے، چند صحابہ کرامؓ بھی پاس بیٹھے تھے کہ اسی اثناء میں قبیلہ زبید کا ایک شخص قریش کے سرداروں کے سامنے باری باری گھومنے لگا۔ وہ کہہ رہا تھا، اے قریش کیسے کوئی شخص باہر سے تمہارے پاس آئے گا اور کس طرح کوئی تاجر اپنا سامانِ تجارت تمہارے شہر میں لائے گا، جب کہ تم حرم شریف میں بھی داخل ہونے والے پر ظلم کرنے سے باز نہیں آتے؟ وہ سب کے سامنے یہ بات کہتا تھا، بالآخر حضور اکرمؐ کے پاس پہنچا۔ آپؐ نے اس سے پوچھا کس نے تمہارے اوپر ظلم کیا ہے؟ اس نے بتایا کہ وہ عمدہ قسم کے اپنے تین اونٹ فروخت کرنے کے لئے لایا تھا، ابوجہل نے ان کی اصل قیمت کی بجائے صرف تہائی حصہ قیمت پر مجھ سے سودا کیا ہے۔ ایک تو میرے سودے کی قیمت گھٹائی ہے، دوسرے اب قیمت بھی نہیں ادا کرتا اور نہ ہی ادائیگی کے لئے کوئی مدت مقرر کرتا ہے۔ حضور اکرمؐ نے پوچھا، تمہارے اونٹ کہاں ہیں؟ اس نے عرض کیا، قریب ہی اس ٹیلے پر ہیں۔ حضور اکرمؐ اٹھے، صحابہ بھی ساتھ چلے۔ سب نے اونٹوں کو دیکھا تو واقعی اونٹ قیمتی تھے۔ آپؐ نے اس شخص سے اس قیمت پر اونٹوں کا سودا فرمایا جس پر وہ خود راضی تھا۔ حضور اکرمؐ نے وہ اونٹ پکڑے اور پھر انہیں وہیں مناسب داموں پر فروخت بھی کر دیا اور ایک اونٹ کی قیمت بنی عبدالمطلب کے مسکینوں اور بیوہ عورتوں میں تقسیم بھی کر دی۔ ابوجہل کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا، اے عمرو! آئندہ ایسی حرکت کرنے سے اجتناب کرو، ورنہ اس کا انجام تمہارے حق میں ٹھیک نہ ہو گا۔ وہ کہنے لگا بہت اچھا، اے محمدؐ آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔ آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔ حضور اکرمؐ جب واپس تشریف لے گئے تو امیہ بن خلف اور اس کے ساتھی ابوجہل سے کہنے لگے تو محمدؐ کے سامنے ذلیل ہوا۔ لگتا ہے تو ان کی اتباع کا ارادہ رکھتا ہے یا ان کا رعب تجھ پر طاری ہو گیا ہے۔ اس نے کہا میں ان کی اتباع تو جیتے جی نہیں کروں گا۔ رہا ان کے سامنے سہم جانے کا معاملہ تو اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ میں نے ان کے دائیں بائیں کچھ ایسے لوگوں کو دیکھا جن کے ہاتھوں میں نیزے تھے اور وہ میری طرف سیدھے کئے ہوئے تھے۔ اگر میں ان کی مخالفت کرتا تو یقیناً وہ مجھے زندہ نہ چھوڑتے۔ (۷)

مخدوم الملک شرف الدین یحییٰ منیریؒ ہندوستان کے معروف صوفیا میں سے ہیں۔ انہوں نے ایک شخص کی فریاد رسی کی درخواست پر سلطان فیروز شاہ تغلق کو مظلوموں کی امداد پر ابھارتے ہوئے ایک مکتوب لکھا۔ اس مکتوب میں انہوں نے حضور اکرمؐ کی مظلوموں کی صد درجہ حمایت و نصرت کا ایک بڑا عجیب واقعہ لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ حضرت بلالؓ سے روایت ہے کہ میں حضرت رسالت مآبؐ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر میں بیٹھا تھا کہ ایک شخص آیا، پیغمبر علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا باہر جا کر دیکھو،

جب میں باہر آیا تو ایک نصرانی کو کھڑا دیکھا۔ اس نے پوچھا محمدؐ یہاں ہیں؟ میں نے کہا، ہاں۔ یہ سن کر وہ گھر کے اندر آیا اور کہا، یا محمدؐ تم کہتے ہو کہ میں خدا کا رسول ہوں اور خدا کا بھیجا ہوا ہوں، مجھ کو اور لوگوں کو دین اسلام کی دعوت دیتے ہو، اگر تم رسول برحق ہو تو اس کو دیکھو کہ قوی ضعیف پر ظلم نہ کرے۔ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا، تم پر کس نے ظلم کیا ہے؟ اس نے کہا ابوجہل نے میرا مال لے لیا ہے، یہ وقت آپؐ کے آرام کا تھا، بڑی گرمی پڑ رہی تھی، لیکن آپؐ اسی وقت روانہ ہوئے تاکہ مظلوم کی مدد فرمائیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! قیلولہ کا وقت ہے، گرمی پڑ رہی ہے، ابوجہل بھی قیلولہ کر رہا ہوگا، وہ برہم ہوگا، لیکن آپؐ نہ رکے اور اسی طرح خشمگیں ابوجہل کے دروازے پر پہنچ کر اسے کھٹکھٹایا۔ ابوجہل کو غصہ آیا، اس نے اپنے بتوں لات وعزیٰ کی قسم کھا کر کہا کہ جس نے دروازہ کھٹکھٹایا ہے، اس کو جا کر مار ڈالوں گا، باہر آیا تو دیکھا کہ حضرت رسالت مآبؐ کھڑے ہیں، بولا، کیسے آئے، کسی آدمی کو کیوں نہ بھیجا؟ پیغمبر علیہ السلام نے غصہ میں فرمایا، اس نصرانی کا مال تم نے کیوں لے لیا ہے، اس کا مال واپس کرو۔ ابوجہل نے کہا، اگر اسی کے لئے آئے ہو تو کسی آدمی کو کیوں نہ بھیج دیا، میں مال واپس کر دیتا۔ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا، اس کا مال واپس کرو، ابوجہل اس کا تمام مال باہر لایا اور اس کے حوالے کر دیا۔ نصرانی سے پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا: اب تو تمہارا مال تمہارے پاس پہنچ گیا، اس نے کہا، لیکن ایک اونی تھیلا رہ گیا ہے۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: تھیلا بھی دو، ابوجہل نے کہا، اے محمدؐ! تم واپس جاؤ میں اس کو پہنچا دوں گا۔ حضرت رسالت مآبؐ نے فرمایا، میں اس وقت تک واپس نہ جاؤں گا، جب تک کہ تم تھیلا بھی واپس نہ کر دوگے، ابوجہل گھر کے اندر گیا، اسے وہ تھیلا نہ ملا، لیکن اس سے بہتر تھیلا لایا اور بولا وہ تو مجھ کو نہیں ملا، مگر اس سے بہتر لایا ہوں اور اسی کو اس کے بدلے میں دیتا ہوں۔ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا: اے نصرانی، یہ تھیلا بہتر ہے یا وہ بہتر تھا۔ اس نے کہا، اے محمدؐ یہ بہتر ہے۔ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا، اگر تم کہتے کہ وہ بہتر تھا، تو میں اس وقت تک واپس نہ جاتا، جب تک میں قیمت لے کر تمہارے حوالے نہ کر دیتا۔ (۸)

علاوہ ازیں بے بسوں، بے کسوں، مظلوموں کی دادرسی اور ظلم کے سدِ باب کے لئے آپؐ کی سیرت طیبہ میں قبل از بعثت اور بعد از بعثت نبویؐ بے شمار واقعات ملتے ہیں۔ آپؐ کے اسوۂ حسنہ کے یہ روشن پہلو تاریخ نے محفوظ کیے، وہ انتہائی اہمیت کے حامل ہیں، چنانچہ آپؐ نے جتنے بھی معاہدات فرمائے، وہ سب کے سب قیام امن اور انسان دوستی کی خاطر فرمائے کیونکہ آپ کو رحمۃ للعالمینؐ بنا کر بھیجا گیا تھا، لہٰذا آپ کا مقصد بعثت تمام عالم میں رحمت ہی رحمت پھیلانا تھا۔ یہی رحمت ہمیں آپؐ کے تمام معاہدات میں جھلکتی نظر آتی ہے، لہٰذا یہاں ہم رسول اکرمؐ کی عسکری زندگی میں معاہدات کے اثرات کا جائزہ لیں گے اور اس جائزہ کی ابتدا ہم معاہدہ حلف الفضول سے کریں گے کیونکہ قیام امن اور انسان دوستی کے حوالے سے معاہدہ حلف الفضول کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ یہ رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی کا پہلا معاہدہ ہے، جس میں رسالت مآبؐ کی بحیثیت ایک اہم اور بنیادی رکن کے شرکت تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔ (۹) اور اس کے مستند تاریخی ریکارڈ سے تین باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ آپ کا دل عنفوان شباب میں بھی غم انسانیت سے معمور تھا اور آپؐ مظلوم انسانوں کی مدد اور ان کے حقوق کے تحفظ کی خاطر ہر قسم کی قربانی دینے اور ہر قسم کے امتحان سے گزرنے کے لئے تیار رہتے تھے، نیز ان میں اپنی زندگی کی غایت مقصر

دیکھتے تھے۔

۲۔دوسرے یہ کہ آپؐ کے دل میں ظلم کا استیصال کرنے اور مظلوم انسانیت کو ظالموں اور استحصالی قوتوں کے پنجۂ استبداد سے رہائی دلانے کی تڑپ تھی۔

۳۔تیسرے یہ کہ آپؐ معاشی مساوات پر یقین رکھتے تھے۔(۱۰)

معاہدۂ حلف الفضول ۱۰ ذوالقعدہ ۲۷ قبل ہجری/۵۸۶ء سرزمین عرب بالخصوص مکے کی ریاست میں عرب تاریخ میں پہلی مرتبہ قیام امن، بنیادی انسانی حقوق، بطور خاص مظلوموں اور بے کسوں کی دادرسی کا پہلا تاریخ ساز معاہدہ ہے، جس میں شریک ہونے والے رضا کار متحدہ طور سے اپنے شہر (مکے) میں ظالموں کے ہاتھ روکتے اور مظلوموں کو ان کا حق دلاتے۔(۱۱) اس تاریخ ساز غیر تحریری معاہدے کے ممبران وشرکاء نے قیام امن، انسانی حقوق کے تحفظ اور پُر امن بقائے باہم کے اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل امور کی انجام دہی کو لازمی قرار دیا، اس کے تحفظ اور اپنی ذمہ داریوں کے تعین نیز اس کے نفاذ کے لئے ہر ممکن اقدامات کا اعلان کیا، چنانچہ ابن ہشام اور ابن اثیر نے معاہدے کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

تحالفوا وتعاقدو ان لا یجد و ابمکۃ مظلوماً اھلھا او من غیرھم من سائر الناس الّا قاموا معہ و کانو اعلیٰ من ظلمہ حتیٰ ترڈ علیہ مظلمتہ. (۱۲)

انہوں نے حلف اٹھایا اور یہ عہد کیا کہ شہر مکہ میں کسی پر بھی ظلم ہو، خواہ وہ مکے کا باشندہ ہو یا اجنبی، وہ سب (شرکائے معاہدہ) مظلوم کی حمایت و مدافعت میں ظالم کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے، تا آنکہ مظلوم کو اس کا حق واپس مل جائے۔معاہدے کی اہم دفعات درج ذیل ہیں:

۱۔ مکے سے بدامنی دور کی جائے گی۔

۲۔ مسافروں کے تحفظ کو یقینی بنایا جائے گا۔

۳۔ مظلوموں کی امداد کی جائے گی، خواہ وہ مکے کے باشندے ہوں یا اجنبی۔

۴۔ زبردست کو زیردست پر ظلم وزیادتی سے روکا جائے گا۔(۱۳)

حلف الفضول کے شرکاء نے جو حلف لیا وہ یہ تھا:

باللّٰہ لنکونن یداً واحدۃ مع المظلوم علی الظّالم حتیٰ یوڈی الیہ حق، مابل بحر صوفۃً و مارسی حراء و ثبیر مکانھما و علیٰ التاسی فی المعاش۔(۱۴)

خدا کی قسم ہم سب مل کر ایک ہاتھ بن جائیں گے اور وہ مظلوم کے ساتھ رہ کر اس وقت تک ظالم کے خلاف اٹھا ہوا رہے گا تا آنکہ وہ (ظالم) اس (مظلوم) کو حق ادا نہ کردے اور یہ اس وقت تک جب تک کہ سمندر گھونگوں کو بھگوتا رہے اور حراؔ و ثبیر کے پہاڑ اپنی جگہ قائم ہیں اور ہماری معیشت میں مساوات رہے گی۔(۱۵)

اس کا آخری فقرہ بھی غور طلب ہے۔مورخین ساکت ہیں کہ اس کا منشاء کیا تھا، بہرحال یہ تو یقینی ہے کہ مدد کو جانے والے

جب اپنی جان سے حاضر تھے، تو اپنے مال کی کیا پروا کرتے۔(۱۶)

آنحضرتؐ اس انجمن کے اہم رکن تھے۔ اس کی بدولت کمزوروں اور مظلوموں کو بڑی حد تک امن وامان نصیب ہوگیا۔ اپنے قیام کے پہلے ہی برس میں اسے اتنا رعب وداب نصیب ہوگیا کہ اس کی طرف سے کسی معاملہ میں مداخلت کا اشارہ ہی زبردستوں کی بے آئینی روکنے اور زیر دستوں کے نقصانات کی تلافی کرانے کے لئے کافی ہوتا تھا۔(۱۷) ابن حبیب بغدادی کے مطابق اس تاریخی معاہدے کے طے پا جانے کے بعد یہ عالم تھا کہ مکے میں اگر کسی شخص پر کوئی ظلم وزیادتی کا ارتکاب کرتا، تو لوگ فوراً اس کی مدد وحمایت کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔(۱۸) یہ انجمن تاریخ اسلام کی پہلی نصف صدی کے اختتام تک پوری قوت سے قائم رہی۔(۱۹) ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم لکھتے ہیں:

مکے والوں کو اس پر بجا طور سے فخر ہوسکتا ہے کہ جس زمانے میں باقی عرب بلکہ باقی دنیا میں لاٹھی راج کا دور دورہ تھا۔ اس وقت انہوں نے رضا کارانہ امداد مظلومین کے لئے اپنی جتھابندی کی اور تاریخ بتاتی ہے کہ انہوں نے رات کی بات دن ہوتے ہوتے بھلا نہ دی بلکہ ہمیشہ اس کی لاج رکھی۔ زمانہ جاہلیت میں اس کی دہائی سے ابوجہل وغیرہ بڑے بڑے سرغنہ تھراتے تھے۔ خود آنحضرت بھی زمانہ قبل از اسلام ہجرت سے قبل اس میں موثر طور پر عملی حصہ لیتے رہے۔(۲۰)

معاہدے کے محرک حضرت زبیر بن عبدالمطلب تھے، جب کہ محسن انسانیتؐ اس کے اہم رکن اور داعی کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کی کوششوں کے نتیجے میں بنو ہاشم، بنو عبدالمطلب، بنو اسد بن عبدالعزیٰ، بنو زہرہ، بنی کلاب اور بنو تیم بن مرہ، عبداللہ بن جدعان جو اپنی قوم کے سردار تھے، کے گھر جمع ہوئے، اس کے بااثر اور معمر ہونے کی بناء پر اور انہی کی موجودگی میں انہوں نے حلف لیا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں کہ اس معاہدہ حلف الفضول میں ایک رضا کار جماعت شریک ہوئی، جس کا مقصد حدود شہر میں ہر مظلوم کی خواہ وہ شہری ہو یا اجنبی، مدد کرنا اور اس وقت تک چین سے نہ بیٹھنا تھا، جب تک ظالم حق رسانی نہ کرے۔(۲۱) جب کہ کتاب الاغانی کی روایت کے مطابق معاہدۂ حلف الفضول کے شرکاء نے یہ عہد بھی کیا تھا کہ وہ معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے روکیں گے۔(۲۲)۔

رومانیہ کے سابق وزیر خارجہ کونستانس جیورجیو نے سیرت طیبہؐ پر ایک کتاب لکھی، جس کا عربی ترجمہ ڈاکٹر محمد التونجی نے "نظرۃ جدیدۃ فی سیرۃ رسول اللہ" کے عنوان سے کیا، اس میں مصنف مذکور نے "حلف الفضول" کے متعلق اپنی تحقیق کا اضافہ کیا ہے، اس سے اس حلف کو ایک منظم اور طاقتور بنانے میں سرکار دو عالم کی مساعی جمیلہ پر روشنی پڑتی ہے۔ وہ حلف الفضول کے زیر عنوان رقمطراز ہے:

کان حلف الفضول عبارۃ عن کوکبۃ مؤلفۃ من رھط من الفتیان المسلّحین ھدفھم ان لا یضیع حق المظلوم. (۲۳)

حلف الفضول عبارت ہے اس منظم دستے سے جو مسلح نوجوانوں پر مشتمل تھا اور جن کا مقصد صرف یہ تھا کہ کسی مظلوم کا حق ضائع نہ ہو۔

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر لکھتے ہیں کہ اس معاہدے میں آپ کی شرکت اس دور کی زندگی کا ایک اہم ترین واقعہ ہے، اس معاہدے کی اہمیت اس سے بہت زیادہ ہے، جو آپؐ کے سیرت نگار اور مورخ اسے دیتے ہیں۔ پیغمبر اعظم و آخرؐ اسے بجا طور سے غیر معمولی اہم سمجھتے تھے، اس کی تحریک و تجویز بلاشبہ آپؐ کے چچا زبیر بن عبدالمطلب کی تھی، لیکن یہ آپؐ کے دل درد آشنا کی آواز تھی۔ آپؐ

کی خدمتِ خلق کو مقصدِ زندگی سمجھتے تھے، اس اعتبار سے معاہدۂ حلف الفضول میں آپ کی شرکت آپ کی قومی زندگی کا اوّلین سنگِ میل ہے۔(۲۴)

رسالت مآب کی نگاہِ قدر شناس میں اس معاہدے کی اہمیت اور قدر و منزلت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ عہدِ نبوی میں ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا:

''اس معاہدے کے مقابلے میں اگر مجھے سرخ اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں نہ لیتا اور آج بھی اس معاہدے کے لئے کوئی بلائے تو میں شرکت کے لئے تیار ہوں۔(۲۵)

مورخین اور سیرت نگاروں نے حلف الفضول کی تاریخی اہمیت و عظمت کو تسلیم کرتے ہوئے اس پر روشنی ڈالی ہے۔ ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی نے اپنے تحقیقی مقالے'' حلف الفضول۔عصری معنویت'' میں اس کا جائزہ لیا ہے۔ محمد بن حبیب البغدادی کتاب المنمق فی اخبار قریش میں رقمطراز ہیں:

کان حلفاً لم یسمع الناس بحلف قط کان اکرم منه ولا افضل منه (۲۶)

یہ ایک ایسا معاہدہ تھا کہ اس سے زیادہ باعزت اور افضل معاہدے کا تذکرہ لوگوں نے کبھی نہیں سنا۔

سہیلیؒ اور ابن کثیرؒ نے اس معاہدے کی اہمیت و عظمت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

وکان حلف الفضول اکرم حلف سمع به واشرفه فی العرب (۲۷)

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی لکھتے ہیں کہ جو قبائل اس معاہدے میں شریک نہیں ہو سکتے تھے، ان کے سربرآوردہ لوگ اس کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس میں عدم شرکت کو اپنی محرومی تصور کرتے تھے۔ عتبہ بن ربیعہ نے جو عہدِ جاہلیت میں مکے کے سرداروں میں سے تھا اور قبیلہ بنو عبد شمس سے تعلق رکھتا تھا، ایک موقع پر حلف الفضول کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا کہ یہ بہت اچھا معاہدہ تھا، بخدا اگر میں اپنی قوم سے علیحدہ ہو کر کسی معاہدے میں شریک ہو سکتا تو حلف الفضول میں ضرور شرکت کرتا۔(۲۸)

محسنِ انسانیتؐ نے اس تاریخ ساز معاہدہ عدل و انصاف میں بھرپور اور فعال کردار ادا کیا اور اس معاہدے کے عملی نفاذ کے سلسلے میں اہم محرک ثابت ہوئے، یہیں سے انسانیت کے محسنِ اعظم کی تحریک انسانی حقوق کی تاریخ کا آغاز ہوا، یہی وجہ ہے کہ یہ معاہدہ آپ کی سیاسی زندگی کے حوالے سے انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔

ظہورِ اسلام کے بعد جب کفار کی جانب سے اسلام کی تبلیغ اور نشر و اشاعت کے سلسلے میں سخت مزاحمت و مخالفت شروع ہوگئی اور مکہ و طائف کی زمین اسلام کیلئے تنگ ہوگئی تو حضورؐ اہلِ مکہ و طائف سے دل برداشتہ ہوگئے، ان حالات میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اسلام کا ایک نیا دور شروع ہونے کے اسباب پیدا ہونے لگے، اس نئے دور کا آغاز ہجرتِ مدینہ سے ہوا اور ہجرتِ نبویؐ سے ذرا پہلے مکہ میں ہی ''بیعتِ عقبہ'' کا ایک عظیم واقعہ پیش آیا، پھر یہی معاہدہ عقبہ ہجرت کا اصل محرک ثابت ہوا، جو کہ نہ صرف انسانی تاریخِ اجتماعیت کا بالکل منفرد واقعہ ہے، بلکہ درحقیقت ریاستِ نبوی کا سنگِ بنیاد بھی ہے۔ تاریخی طور پر یہ ثابت ہے کہ مدینہ (۲۹الف) میں اسلام کی تخم ریزی اور اشاعت کا آغاز ہجرت سے کئی برس قبل ہو چکا تھا (۲۹ب) وہاں کے لوگ عرب کے

دوسرے قبیلوں کی بہ نسبت زیادہ آسانی اور تیز رفتاری کے ساتھ اسلام قبول کرتے جا رہے تھے، نیز یہ بات طے ہے کہ یثرب کے مخصوص سیاسی ماحول میں تغیر و تبدل کے آثار نمایاں ہو چکے تھے۔ اس سلسلے میں اولین نام سوید بن صامت کا آیا ہے، جو آنحضرتؐ کے جد امجد عبدالمطلب کا خالہ زاد تھا۔ (۳۰) آغاز ذی قعدہ سے آخر محرم تک تین متواتر مہینوں میں حج کے لئے اور ماہ رجب میں عمرہ کے لئے پورے عرب کی فضا امن و سکون سے لبریز ہو جاتی تھی۔ ان مہینوں میں آنحضرت قبائلی علاقوں کا دورہ بھی فرماتے رہتے تھے اور جو لوگ باہر سے ادائے عمرہ و حج کے لئے آتے تھے، انہیں بھی بہ نوائے "بلغ ما انزل علیک" پیغام حق پہنچانے میں کوئی دقیقہ سعی اٹھا نہیں رکھتے تھے۔

سوید بن صامت شجاعت اور شعر گوئی میں وہ درجۂ امتیاز حاصل کر چکا تھا، جس کے حامل کو اہل عرب "کامل" کہا کرتے تھے۔ آنحضرت کو اس کی آمد کا علم ہوا تو اس کے ڈیرے پر پہنچ کر اسلام کی دعوت دی۔ سوید بولا "شاید آپ کے اس بھی ویسی ہی چیز ہے، جیسی میرے پاس ہے"

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تمہارے پاس کیا چیز ہے؟

سوید بولا حکمت لقمان۔

آنحضرتؐ نے فرمایا، اس میں سے کچھ پڑھ کر سناؤ۔

سوید نے تھوڑا سا پڑھا تو آنحضرتؐ نے فرمایا بے شک اس میں اچھی باتیں ہیں، لیکن جو کلام میرے پاس ہے، اس سے افضل وارفع ہے۔ یہ مجھ پر اللہ نے نازل کیا ہے اور سراپا ہدایت و نور ہے، چنانچہ آپؐ نے سوید کو قرآن پاک کی چند آیات سنائیں۔ اس نے اعتراف کیا کہ یقیناً یہ بہت اچھا کلام ہے، لیکن نہ وہ اسلام لایا، نہ اس سے انکار کیا۔ واپس گیا تو خانہ جنگی کے کسی ہنگامے میں مارا گیا۔ یہ جنگ بعاث سے پیشتر کا واقعہ ہے۔ (۳۱) سوید کے ہم قوموں میں سے بعض کہتے تھے کہ وہ مسلمان فوت ہوا۔ (۳۲)

پھر قبیلہ اوس نے خانہ جنگی میں خزرج سے شکست کھائی، تو ایک وفد مکہ میں بھیجا تا کہ حریف قبیلے کے مقابلے میں قریش سے حلیفانہ روابط پیدا ہو جائیں اور ضرورت کے وقت مدد لی جا سکے۔ اس وفد کا رئیس ابو الحیسر انس بن رافع تھا اور اس میں بنو عبدالاشہل کا ایک نوجوان ایاس بن معاذ بھی شامل تھا، یہ بھی جنگ بعاث سے پیشتر ہی کا واقعہ ہے۔ آنحضرت معمول کے مطابق اس وفد کے پاس بھی پہنچے اور دعوت دی کہ صرف اللہ کی عبادت کرو، شرک سے بچو، قرآن مجید کی چند آیات بھی سنائیں۔ ایاس کا دل آئینے کی طرح صاف تھا۔ آنحضرت کی دعوت سنتے ہی بے اختیار بول اٹھا۔ "بھائیو! خدا کی قسم ہمارے لئے یہ دعوت اس کام سے بہتر ہے جس کے لئے ہم یہاں آئے ہیں"۔ ابو الحیسر نے مٹھی بھر کنکریاں اٹھا کر ایاس کے منہ پر ماریں اور کہا! "چپ رہ، ہم اور کام کے لئے یہاں آئے ہیں"۔ ایاس خاموش ہو گیا، لیکن کہا جاتا ہے کہ خود اس نے وہیں اسلام کا اعلان کر دیا۔ مراجعت پر وہ بھی کسی لڑائی میں مارا گیا۔ مرتے وقت بھی اس کی زبان پر تکبیر و تہلیل جاری تھی۔

دعوت اسلام سے استفادے کے یہ دونوں معاملے ابتدائی مرحلے سے آگے نہ بڑھے اور ان قبیلوں سے دوسرے چراغ روشن ہونے کی نوبت نہ آئی۔ (۳۳)

یثرب یعنی مدینہ کے لوگ ہر سال حج کے لئے مکہ آیا کرتے تھے۔ سن ۱۱ نبوی کے موسم حج (۳۴) میں بھی آنحضرت معمول کے مطابق دعوت کے لئے نکلے۔ عقبہ میں پہنچے، جو جبل حرا اور منیٰ کے درمیان ہے۔ (مکہ مکرمہ سے قریبا تین میل اور منیٰ سے قریب) تو چند افراد نظر آئے۔ عادت شریف کے مطابق حد درجہ شفیقانہ انداز میں اتا پتا پوچھا۔ معلوم ہوا خزرجی ہیں، یعنی یثرب میں یہود کے ہمسائے۔ فرمایا: کیا آپ لوگ بیٹھ کر میری کچھ باتیں سن سکتے ہیں؟ وہ بیٹھ گئے، تو آپؐ نے دعوت اسلام دیتے ہوئے قرآن پاک کی چند آیتیں سنائیں۔ (۳۵) یہ لوگ یہودیوں کی ہمسائگی کے باعث پیغمبروں اور حشر ونشر کے مسائل سے مانوس بھی تھے اور اس زمانے کے اہل کتاب کے اس تصور سے بھی آشنا تھے کہ آخری نجات دہندہ اور نبی مبعوث ہونے والا ہے۔ وہ یہودیوں سے یہ طعنہ بھی سنتے تھے کہ جب "وہ" نبی آجائے گا تو یہودی اپنے سب دشمنوں کو مزہ چکھائیں گے۔ (۳٦) اہل خزرج جنہوں نے دعوت اور آیتیں سن کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا کہ یہود کو بازی لے جانے کا موقع نہ دینا چاہئے چنانچہ انہوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ یہی چھ خوش نصیب خزرجی تھے، جن کے قبول اسلام نے یثرب کے لئے مرکز اسلام بننے کا راستہ ہموار کر دیا۔ رسول اللہ کی ہجرت کے وقت سے وہ مدینۃ الرسول مشہور ہوا اور خاتم ہستی میں نگین کی مانند چمک اٹھا ہے۔ (۳۷)

بعض اصحاب اسے بیعت عقبہ اولیٰ قرار دیتے ہیں اور ان کے نزدیک عقبہ میں تین بیعتیں ہوئیں۔ بعض کے نزدیک عقبہ میں صرف دو بیعتیں ہوئیں۔ ایک سن ۱۲ نبوی کے حج پر اور دوسری سن ۱۳ نبوی کے حج پر۔ (۳۸) بہر حال ان خوش نصیبوں کے اسمائے گرامی یہ ہیں!

۱۔	ابو امامہ اسعدؓ بن زرارہ	(بنی نجار، خزرج)
۲۔	عوفؓ بن الحارث	(" " ")
۳۔	رافعؓ بن عجلان	(بنی زُرَیق ")
۴۔	قطبہؓ بن عامر	(بنی سلمہ ")
۵۔	عقبہؓ بن عامر	(بنی سلمہ ")
٦۔	جابر بن عبداللہ بن رباب	(بنی عبید خزرج) (۳۹)

اس پہلی ملاقات میں اہل یثرب نے جو کچھ کہا وہ انتہائی قابل غور ہے۔ انہوں نے کہا تھا:

انا قد ترکنا قومنا قوم بینهم من العداوة والشر ما بینهم، فعسیٰ ان یجمعهم الله بک فسنقدم علیهم، فند عوهم الی امرک و نعرض علیهم الذی اجبناک الیه من هذا الدین فان یجمعهم الله علیه فلا رجل اعز منک (۴۰)

(یا رسول اللہ! ہم اپنے پیچھے ایسی قوم کو چھوڑ کر آئے ہیں، جس میں فتنہ و عداوت اس قدر ہے کہ کسی دوسری قوم میں اس کی مثال نہیں ملتی، شاید آپؐ کے ذریعہ سے اللہ انہیں باہم متحد کر دے۔ ہم ان کے پاس جائیں گے اور آپؐ کے معاملہ (نبوت) کی جانب بھی مدعو کریں گے اور انہیں بھی آپؐ کے اس دین کی طرف دعوت دیں گے، جو ہم نے قبول کر لیا ہے، اگر اللہ تعالیٰ نے

انہیں آپؐ پر متفق و متحد کر دیا تو آپؐ سے زیادہ باعزت کوئی دوسرا نہ ہوگا)

انہوں نے واپس جا کر تبلیغ شروع کر دی (۴۱) مدینہ میں جس نے اس پیغام کو سنا متاثر ہوا اور پھر کچھ ہی عرصہ میں اوس و خزرج کا کوئی گھر ایسا نہ تھا، جس میں رسول اللہ کا ذکر نہ ہوا (۴۲) رسول اللہ کی شخصیت سال بھر ان کا موضوع گفتگو بنی رہی۔ اس سے ایک فائدہ یہ ہوا کہ مدینہ کے مخصوص حالات نے لوگوں کے دلوں میں جو تمنائیں پیدا کر دی تھیں، لوگوں نے محسوس کیا کہ ان کے پورا ہونے کا وقت جلد آنے والا ہے اور دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ ذہنی اور نفسیاتی اعتبار سے اوس اور خزرج رسول اللہؐ کے زیادہ قریب آ گئے، یہی وجہ ہے کہ جب دوسرے سال اوس و خزرج کے افراد مقام عقبہ میں حضورؐ سے ملے اور شرک، چوری، زنا، قتل اولاد، ناحق افترا پردازی سے بچنے اور حضورؐ کے حکم سے کسی حال میں سرتابی نہ کرنے کا عہد استوار کیا، تو ان کی تعداد پہلے سے زائد یعنی بارہ تھی (۴۳) ان بارہ میں سے پانچ وہی تھے، جو گزشتہ سال آئے تھے، جابر بن عبداللہ بن رماب کسی وجہ سے نہیں آ سکے تھے۔ باقی سات اصحاب کے نام یہ ہیں۔ (۴۴)

۱۔	معاذ بن الحارث	(بنی نجار، خزرج)
۲۔	ذکوانؓ بن عبد قیس	(بنو زریق، ۔۔)
۳۔	عبادہؓ بن صامت	(بنی عوف ۔۔)
۴۔	ابو عبدالرحمٰنؓ یزید بن ثعلبہ	(بنی بلی حلیف خزرج)
۵۔	عباسؓ بن عبادہ بن نضلہ	(بنی سالم، خزرج)
۶۔	ابوالہیثم مالکؓ بن تیہان	(بنی عبدالاشہل، اوس)
۷۔	عویم بن ساعدہ	(بنی عمرو بن عوف ۔۔)

اس موقع پر اہل مدینہ نے رسول اللہؐ کے سامنے جن باتوں سے مجتنب رہنے کا عہد کیا تھا، وہ باتیں درحقیقت ایسی بنیادی خرابیاں تھیں، جن سے یثرب کا جاہلی معاشرہ بالکل غیر سیاسی کیفیت اور نزاع کا شکار ہو کر رہ گیا تھا۔ اس بیعت کے ذریعہ گویا وہ اپنے آپ کو اس بات کا پابند بنا رہے تھے کہ ایسے صحت مند سیاسی معاشرہ کے قیام کے لئے جدوجہد کریں گے، جس کی بنیاد توحید پر قائم ہو، جہاں امانت و دیانت ہو اور جہاں دوسروں کی جان و مال اور عزت و آبرو کو محترم سمجھا جائے، لیکن چونکہ اس قسم کے معاشرہ کے لئے جدوجہد تعلیم اور تربیت کے بغیر نہیں ہو سکتی، اس لئے اہل مدینہ نے آنحضرتؐ سے اس بات کی خواہش ظاہر کی کہ ان کے یہاں کوئی معلم بھیجا جائے (۴۵) چنانچہ آنحضرتؐ نے ان کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے حضرت مصعبؓ (۴۶) بن عمیر کو مدینہ روانہ فرما دیا۔

حضرت مصعبؓ بن عمیر نے مدینہ آ کر اپنی شبانہ روز کوششوں سے تبلیغ و اشاعت اسلام کا حق اس طرح ادا کیا کہ رفتہ رفتہ مدینہ سے قبا تک گھر گھر اسلام پھیل گیا۔ صرف بنی اوس میں سے چند گھرانے باقی رہ گئے۔ (۴۷) تعلیم قرآن و حدیث اور اشاعت اسلام کے ساتھ ساتھ حضرت مصعبؓ مدینہ کے اہل ایمان کی نمازوں کی امامت بھی فرماتے تھے۔ یہ امامت اس لحاظ سے بہت

اہم ہے کہ ان کی اقتداء میں اوس، خزرج اور ایسے قبائل کے افراد شانہ بشانہ کھڑے ہو کر نماز ادا کرتے تھے، جو ابھی چند سال قبل تک ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے اور جو اپنی عداوت کو اس حد تک نہیں بھلا سکتے تھے کہ آپس میں ہی ایک دوسرے کی امامت قبول کر لیں (۴۸) لیکن حضرت مصعبؓ کی امامت ان کے لئے نقطۂ اتحاد ہو رہی تھی۔

تاریخی مطالعہ کی رو سے بدترین دشمنوں کا ایک جگہ ایک صف میں اس طرح مجتمع ہو جانا اتنا بڑا انقلاب تھا، جس کا جاہلی معاشرہ میں تصور بھی نہ کیا جا سکتا تھا، اسی لئے قرآن نے بطور احسان خداوندی کے اس خوشگوار انقلاب پر بھی تبصرہ کیا ہے کہ:

﴿وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا. ﴾(۴۹)

''یعنی اور تم اللہ کی اس نعمت کو یاد جبکہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پس اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کی اور اپنی نعمت سے تمہیں بھائی بھائی بنا دیا اور تم آگ سے بھرے گڑھے کے قریب تھے تو اس نے تم کو بچا لیا''۔

اور ایک جگہ یہ بھی ارشاد ہوا کہ:

﴿لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ. ﴾(۵۰)

''اور اگر آپ جو کچھ زمین میں ہے، اس میں سے بہت خرچ کر ڈالتے تب بھی ان کے دلوں میں محبت و الفت کا پیدا کر دینا آپ کے لئے ممکن نہ تھا''۔

بہر کیف، حضرت مصعبؓ بن عمیر جن کا قیام مدینہ میں تقریباً ایک برس تک رہا، نہ صرف تعلیم و تبلیغ اسلام کے فریضہ میں منہمک رہے بلکہ اس تمام مدت میں وہ مدینہ کے سیاسی، اجتماعی، تہذیبی و تمدنی اور معاشی و معاشرتی حالات کا بھی بغور جائزہ لیتے رہے۔ غالباً ان کی ماموری میں رسول اللہؐ نے یہ رعایت بھی رکھی کہ وہ سابقین اسلام میں ہونے کی وجہ سے دین کی تعلیم و تربیت بھی بخوبی کر سکتے ہیں اور ذہین و ہوشمند ہونے کی وجہ سے مدینہ کے حالات و مسائل کا براہ راست مطالعہ و تجزیہ کر کے حضورؐ کو مطلع کر سکتے ہیں کیونکہ یہ معلومات رسول اللہؐ کو اگلے اقدامات کے تعین میں انتہائی مفید ثابت ہو سکتی ہیں، چنانچہ جب دوسرے برس حج کا موقع آیا تو مصعبؓ مدینہ سے مکہ واپس آئے۔ (۵۱) ملاقات کر کے حضورؐ کو تمام حالات سے مطلع کیا اور پھر غالباً مصعبؓ نے ہی اہل مدینہ کی اس جماعت سے حضورؐ کی ملاقات کا انتظام کیا جو اپنے دیگر ہم وطنوں کے ساتھ حج بیت اللہ کے لئے آئی تھی۔ اس قافلہ میں غیر مسلم بھی شریک تھے۔ (۵۲) اہل قافلہ کی تعداد پانچ سو تھی۔ (۵۳) یہ واقعہ نبوت کے تیرہویں برس کا ہے، اس وقت تک یثرب کے کئی گھرانے نور اسلام سے منور ہو چکے تھے۔ آپؐ نے اہل مدینہ کی اس جماعت سے عقبہ کے مقام پر ایام تشریق کی ۱۲؍ ذی الحجہ کی شب کے پردۂ سکوت میں ملنے کا وعدہ فرمایا اور ساتھ ہی ہدایت فرمائی کہ نہ تو کسی سونے والے کو بیدار کریں اور نہ کسی غیر حاضر کا انتظار کریں۔ (۵۴)

چنانچہ یہ افراد تہائی رات گزرنے کے بعد مقررہ جگہ پر پہنچ گئے، ان کے مشرک ساتھیوں کو بالکل پتہ نہ چلا۔ وقت چونکہ بہت کم تھا اور قریش کی جاسوسی کا خطرہ بھی پوری طرح موجود تھا، اس لئے مسلسل مذاکرات کو طول نہیں دیا گیا۔ (۵۵) آپؐ نے اپنے چچا عباس

بن عبدالمطلب کی معیت میں تشریف لائے۔ ان افراد کی تعداد تہتر تھی، جن میں دو عورتیں بھی شامل تھیں۔(۵۶) شرکاء بیعت عقبہ ثانی کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں۔(۵۷)

اسید بن حضیر (۵۸) سلمہ بن سلامہ (۵۹) ابوالہیثم بن التیہان (۶۰) (بنی عبدالاشہل) ظہیر بن رافع، ابو بردہ بن نیاز (۶۱) نیر بن الہیثم (بنی حارثہ بن الحارث) سعد بن خیثمہ (۶۲) رفاعہ بن عبدالمنذر (۶۳) عبداللہ بن جبیر، ابن تعلبہ (۶۴) معن بن عدی (۵۶) (بنی عمرو بن عوف) ابوایوب خالد بن زید (۶۵) معاذ بن الحارث (۶۶) عوف بن الحارث (۶۷) معوذ بن الحارث (۶۸) عمارہ بن حزم (۶۹) اسعد بن زرارہ (۷۰) (خزرج بن الحارثہ) سہل بن عتیک (۷۱) (بنی عمرو بن مبذول) اوس بن ثابت (۷۲) ابوطلحہ (۷۳) (بنی عمرو بن مالک) (۷۴) قیس بن ابی صعصعہ (۷۵) عمرو بن غزیہ۔ (بنی مازن بن نجار)۔

سعد بن ربیع (۷۶) خارجہ بن زید (۷۷) عبداللہ بن رواحہ (۷۸) بشر بن سعد (۷۹) عبداللہ بن زید (۸۰) خلاد بن سوید (۸۱) عقبہ بن عمرو (۸۲) (للحارث بن خزرج)

زیاد بن لبید (۸۳) فروہ بن عمرو (۸۴) خالد بن قیس (۸۵) (بنی بیاضہ بن عامر)۔

رافع بن مالک (۸۶) ذکوان بن عبد قیس (۸۷) عبادہ بن قیس (۸۸) حارث بن قیس (۸۹) (بنی عامر بن زریق)۔ ابراء بن معرور (۹۰) بشر بن البراء (۹۱) سنان بن صیفی (۹۲) طفیل بن نعمان (۹۳) معقل بن منذر (۹۴) یزید بن منذر (۹۵) مسعود بن یزید، ضحاک بن حارثہ (۹۶) جبار بن صخر (۹۷) طفیل بن مالک (۹۸) یزید بن خدام (بنی سلمہ بن سعد)۔ کعب بن مالک (بنی سواد)۔

سلیم بن عمرو (۹۹) قطبہ بن عامر (۱۰۰) یزید بن عامر (۱۰۱) ابوالیسر (۱۰۲) صیفی بن اسود (بنی غنم)

ثعلبہ بن غنمہ (۱۰۳) عمرو بن غنمہ، عبس بن عامر (۱۰۴) عبداللہ بن انیس، خالد بن عمرو (بنی نابی بن عمرو)

عبداللہ بن عمرو (۱۰۵) جابر بن عبداللہ (۱۰۶) معاذ بن عمرو (۱۰۷) ثابت بن الجزع (۱۰۸) عمیر بن الحارث (۱۰۹) معاذ بن جبل (۱۱۰) اوس بن عباد (بن حرام بن کعب)۔

عبادہ بن صامت (۱۱۱) عباس بن عبادہ (۱۱۲) عمرو بن الحارث (۱۱۳) ابوعبدالرحمٰن یزید بن ثعلبہ (عوف بن خزرج)۔ رفاعہ بن عمرو بن زید (۱۱۴) مالک بن ولید بن عبداللہ (۱۱۵) (بنی سلیم بن غنم) (۱۱۶)۔

سعد بن عبادہ (۱۱۷) منذر بن عمرو (۱۱۸) (بنی ساعدہ بن کعب)

دو عورتیں، نسیبہ بنت کعب (بنی مازن بن نجار) (۱۱۹) ام منیع اسماء بنت عمرو (بنی سلمہ)

اس عہد یا بیعت کا ایک اہم اور قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ یہ عہد فریقین کے درمیان انتہائی غور و خوض کے بعد وجود میں آیا تھا، اگر ایک طرف رسول اللہ گرد و پیش کی دنیا کا جائزہ لینے اور اہل مدینہ کے دو سالہ طرز عمل کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد اس مرحلہ تک پہنچے تو دوسری طرف اہل مدینہ نے بھی بلا سوچے سمجھے محض تکلفاً اپنی رضامندی کا اظہار نہ کیا تھا، بلکہ نتائج کا پوری طرح دراک کر کے نبیؐ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا تھا۔

چنانچہ جب یہ لوگ بیعت کیلئے آپؐ کے حضور پہنچے تو آغاز سخن عباس بن عبدالمطلب نے کیا (۱۲۰)

"اے گروہ خزرج (۱۲۱)! محمدؐ کا ہاشمی قبیلہ میں بہت اکرام ہے، یہ اپنے شہر میں محفوظ ہیں، لیکن یہ تمہارے سوا کسی اور کے ساتھ رہنے سے انکار کرتے ہیں۔ اگر آپ عرب کی مخالفت مول لے کر ان کی حفاظت کا ذمہ لیتے ہیں تو ہمیں کوئی عذر نہیں اور اگر ان کو لے جا کر دشمن کے حوالے کر دینے کا خیال ہو یا ان کی مدد سے دستبردار ہونے کی سوچ ہو تو ہمیں ان کی تکلیف گوارا نہیں۔ اس صورت میں آپ ان کی حمایت سے اسی وقت دستکش ہو جائیں"۔ (۱۲۲)

اس پر براء بن معرور نے کہا: آپ نے جو کچھ کہا، ہم نے سنا۔ یا رسول اللہؐ آپ کچھ ارشاد فرمایئے۔ آپ جس قسم کا اقرار ہم سے لینا چاہیں ہم حاضر ہیں، اس پر رسالت مآب ﷺ نے سب سے پہلے قرآن حکیم کی تلاوت کی، پھر اسلام کی دعوت دی، آخر میں آپؐ نے فرمایا! "میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم میری معاونت اپنے بیوی اور بچوں کی حفاظت کی طرح کرو گے"۔ (۱۲۳)

براء بن معرور نے آپ کا دستِ مبارک پکڑ لیا اور عرض کی۔ "ہمیں اس کی قسم جس نے آپ کو مبعوث فرمایا ہے، ہمیں یہ شرائط منظور ہیں، جنگ تو ہماری میراث ہے"۔ (۱۲۴)

اس پر ابوالہیثم نے لقمہ دیا: "یا رسول اللہؐ! ہمارے اور یہودیوں کے خاص تعلقات ہیں، ہم ان تعلقات کو منقطع کر لیں گے، مگر ایسا نہ ہو کہ جب آپ قوت حاصل کر لیں تو آپ ہمیں بے یار و مددگار چھوڑ کر اپنی قوم کی طرف لوٹ آئیں۔ (۱۲۵)

یہ سن کر آپؐ نے زیر لب تبسم فرمایا اور کہا: "جہاں تمہارا خون گرے گا، میرا لہو بہے گا، میں تم سے ہوں اور تم میرے، ہم قوم ہو۔ جس سے تمہارے جنگ ہوگی میں بھی اس سے برسرِ پیکار ہوں گا، جس سے تمہاری صلح ہوگی، میں بھی اس کا حلیف ہوں گا"۔ (۱۲۶)

رسول اللہؐ کی اس یقین دہانی پر گویا معاہدہ کی تکمیل ہو گئی، عین اس وقت جبکہ یہ معاہدہ ہو رہا تھا، تو عباس بن نضلہ انصاری (۱۲۷) نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ:

هل تدرون علام تبايعون هذا الرجل؟ قالو انعم، قال انكم تبايعونه على حرب الاحمر والا سود من الناس فان كنتم ترون انكم اذا انهلكت اموالكم مصيبة و اشرافكم قتلاً اسلمتموه فمن الآن فهو والله ان فعلتم خزى الدنيا والآخرة وان كنتم ترون انكم وافون له بما دعوتموه اليه على نهلكة الاموال و قتل الاشراف فخذوه فهو والله خير الدنيا والآخرة (۱۲۸)

"جانتے ہو کہ اس شخص سے کس بات کا پیمان باندھ رہے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں! پھر اس نے کہا تم اس کے ہاتھ پر بیعت کر کے لوگوں میں سے سرخ و سیاہ سے جنگ یعنی دنیا بھر سے لڑائی مول لے رہے ہو، پس اگر تمہارا خیال یہ ہو کہ جب تمہارے مال تباہی کے اور تمہارے اشراف ہلاکت کے خطرے میں پڑ جائیں تو تم اسے دشمنوں کے حوالے کر دو گے، تو بہتر ہے کہ آج ہی اسے چھوڑ دو، کیونکہ خدا کی قسم یہ دنیا اور آخرت کی رسوائی ہے اور اگر تمہارا ارادہ یہ ہے کہ جو دعوت تم اس شخص کو دے رہے ہو اس کو اپنے اموال کی تباہی اور اشراف کی ہلاکت کے باوجود نباہو گے تو بے شک اس کا ہاتھ تھام لو، کیونکہ خدا کی قسم یہ دنیا و آخرت کی بھلائی ہے"۔

اسی بات کو مدنی وفد کے ایک اجتماعی کم سن اسعد بن زرارہ (۱۲۹) نے ان الفاظ میں بیان کیا تھا کہ:

رويداً يا اهل يثرب انالم نضرب اليه اكباد المطى الاونحن نعلم انه رسول الله وان اخراجه اليوم

مفارقت العرب كافة وقتل خيار كم وان تعضكم اسيوف فاما انتم قوم تصبرون عليها اذا مستكم بقتل خيار كم ومفارقة العرب كافة فخذوه واجر كم على الله واما انتم تخافون من انفسكم خيفة فذروه فهوا عذر لكم عندالله۔ (۱۳۰)

''اہلِ یثرب! ٹھہرو، ہم ان کی طرف اونٹوں پر بار بار نہیں آئے اور ہم جانتے ہیں کہ یہ اللہ کے رسول ہیں اور آج یہاں سے انہیں نکال کر لے جانا تمام عرب سے دشمنی مول لینا ہے۔ اس کے نتیجہ میں تمہارے لوگ قتل ہوں گے اور تلواریں تم پر برسیں گی، لہٰذا اگر اس کو برداشت کرنے کی طاقت تم اپنے اندر پاتے ہو تو ان کا ہاتھ تھام لو اور اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے اور اگر تمہیں اپنی جانیں عزیز ہیں تو پھر انہیں چھوڑ دو اور صاف صاف عذر کر دو کیونکہ اس وقت عذر کر دینا اللہ کے نزدیک زیادہ قابل قبول ہے''۔

اس پر اہلِ وفد نے پوری ذمہ داری کے ساتھ یہ جواب دیا تھا کہ

فانا ناخذه على مصيبة الاموال وقتل الاشراف۔ (۱۳۱)

''ہم اسے لے کر اپنے اموال کی تباہی اور اپنے اشراف کو ہلاکت کے خطرے میں ڈالنے کے لئے تیار ہیں''۔

اور پھر اس اعلان کے بعد مذکورہ بیعت منعقد ہوئی اور بطلِ عظیمؐ نے اپنا دستِ مبارک دراز کیا۔ سب سے پہلے براء بن معرور نے بیعت کی (۱۳۲) چونکہ آپ عورتوں سے بیعت میں ہاتھ نہیں ملاتے تھے صرف ان سے اقرار لیتے تھے، اس لئے بیعت عقبہ ثانی میں دونوں عورتوں سے صرف اقرار لیا، جب انہوں نے اقرار کر لیا تو آپؐ نے فرمایا کہ جاؤ میں نے تم سے بیعت لے لی۔ (۱۳۳)

بیعت کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ تم لوگ اپنے میں سے بارہ سردار منتخب کر لو تو انہوں نے ان بارہ نقیبوں کا انتخاب کیا۔ (۱۳۴)

ابو امامہ اسعد بن زرارہ، رافع بن مالک، عبادہ بن صامت، سعد بن ربیع، عبداللہ بن رواحہ، براء بن معرور، ابو جابر عبداللہ بن عمرو، سعد بن عبادہ، منذر بن عمرو (خزرج)۔

اسید بن حضیر، سعد بن خیثمہ، رفاعہ بن منذر (۱۳۵) (اوس)

انتخاب کے بعد آپؐ نے ان نقیبوں سے فرمایا: تم اپنی قوم کی تعلیم کے ذمہ دار ہو جیسا کہ حواریین عیسیٰ بن مریم ذمہ دار تھے۔

یہ تمام کارروائی رات کے گہرے سکوت میں عقبہ کی گھاٹی میں اختتام کو پہنچی، جب یہ لوگ وہاں سے ہٹنے ہی لگتے ہیں تو عقبہ کی چوٹی پر سے ابولہب نے بلند آواز میں قریش کو دوہائی دیتے ہوئے پکارا: ''اے خیمے والو! تمہیں خبر بھی ہے کہ محمدؐ اور اس کے بے دین ساتھیوں نے تمہارے ساتھ جنگ کرنے کا منصوبہ بنایا ہے''۔

آواز سن کر عباس بن عبادہ نے عرض کی کہ، اگر آپ حکم دیں تو ہم اہلِ منیٰ پر ٹوٹ پڑیں۔ (۱۳۶) آپؐ نے فرمایا، ''نہیں، ہمیں اس کا حکم نہیں دیا گیا، تم اپنے اپنے خیموں میں واپس جاؤ۔ (۱۳۷)۔

علی الصبح قریش کے اشراف اہلِ یثرب کے سربرآوردہ اصحاب سے ملے اور کہا کہ ہم تم سے جنگ کرنا نہیں چاہتے، لیکن تم نے ہمارے خلاف محمدؐ سے جنگ کا معاہدہ کیوں کیا؟ عبداللہ بن اُبی (۱۳۸) نے جواب دیا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی ہے اور میرے حکم کے بغیر میری قوم ایسا نہیں کر سکتی۔ (۱۳۹) چونکہ اہلِ مکہ کا رُوئے سخن صرف یثرب کے مشرکین سے تھا، اس لئے مسلمان

خاموش رہے۔ قریش چلے گئے، لیکن انہوں نے منیٰ سے لوگوں کے چلے جانے کے بعد واقعہ کی تصدیق کر لی۔ قریش نے اہلِ یثرب کا تعاقب کیا، لیکن ناکام رہے، سوءِ اتفاق سے سعد بن عبادہ ان کے ہاتھ لگ گئے، اُن پر خوب مار پڑی، قریش نے انہیں مکہ میں زندان میں ڈال دیا۔ آخرکار جبیر بن مطعم اور حارث بن اُمیہ جو کہ یثرب میں سعد بن عبادہ کے پڑوس میں رہتے تھے، انہوں نے قریش کو سمجھایا کہ خدا کے لئے سعد بن عبادہؓ کو فوراً چھوڑ دو، ورنہ تمہاری ملکِ شام کی تجارت خطرہ میں پڑ جائے گی۔ یہ سن کر قریش نے حضرت سعدؓ بن عبادہ کو قید سے رہا کر دیا اور وہ بخیریت مدینہ پہنچ گئے۔ (۱۴۰)

بیعت ہائے عقبہ بیک وقت مذہبی مواثیق بھی ہیں اور سیاسی معاہدات بھی۔

بقول ڈاکٹر محمد حمید اللہ "بیعت عقبہ ایک فوجی تنظیم اور جنگی حلیفی سے کم نہ تھی"۔ (۱۴۱) نیز ہم نے اوپر اہلِ مدینہ کی جو تقاریر نقل کی ہیں، ان کا ایک ایک لفظ اس امر کی شہادت دینے کیلئے کافی ہے کہ یہ بیعت نہ تو اظہارِ عقیدت کے لئے تھی اور نہ اس کا مقصد محض قبولِ ایمان و اسلام تھا، حتیٰ کہ اُس میں کوئی مذہبی رسم بھی ادا نہیں کی گئی اور نہ دعائیہ کلمات کا تبادلہ ہوا بلکہ علم سیاسیات کے حوالہ سے یہ بیعت دراصل ایک معاہدہ تھی، جسے فریقین نے پوری رضا و رغبت کے ساتھ قبول کیا تھا اور جس کے سیاسی مضمرات کا اظہار بھی فریقین کے قول و عمل سے ہو رہا تھا، بالفاظ دیگر اپنے موقف کو اصطلاحی طور پر ہم اس طرح پیش کر سکتے ہیں کہ اب معاملات ایمان و اسلام کے اقرار سے بہت آگے بڑھ کر "بیعت الحرب" تک جا پہنچے تھے۔ (۱۴۲)

اس معاہدے کے اثرات انتہائی اچھے مرتب ہوئے۔ اس نے اسلام کی عظمت نورِ کی، اس میں آپ کی متانت، بے نظیر توکل اور وقار طرزِ عمل پوری طرح درخشاں ہے، ایک طرف قریش کی حد درجہ بے انصافیاں تھیں، تو دوسری طرف ان گھنگھور تاریکیوں میں امیدِ صبح کی کرنیں بھی پھوٹ رہی تھیں۔

ان ہی حالات کے متعلق ولیم میور رقمطراز ہے:

"محمدؐ اس طرح اپنی قوم کو روکے ہوئے، فتح کی امیدوں میں، ظاہری طور پر بے یار و مددگار اور اپنی چھوٹی سی جماعت کے ساتھ جو بظاہر شیر کے منہ میں تھی، اپنے قادرِ مطلق خدا کی طاقت پر بھروسہ کئے ہوئے، جس کا پیغمبر وہ اپنے آپ کو سمجھتے تھے، مضبوط و استوار کھڑے ہوئے، ایک ایسا نظارہ پیش کرتے ہیں، جس کی مثال صرف صحف مقدسہ ہی میں مل سکتی ہے"۔ (۱۴۳)

اہل مکہ جو آپؐ کے رشتہ دار تھے، تمام ہی تو آپؐ کے خون کے پیاسے ہو چکے تھے، بعض مجبوراً آپؐ کے خلاف (مثلاً غزوہ بدر میں) برسرِ پیکار ہوئے، لیکن انہوں نے بھی آپ کی شان میں گستاخی نہیں کی، جیسے عباس بن عبدالمطلب، جو آپؐ کے چچا تھے اور سن میں صرف دو سال آپؐ سے بڑے تھے، یہ آپ کی مردم شناسی تھی کہ ان کی ذات میں ان خوبیوں کو تلاش کر لیا تھا، جو اسلام کے لئے نعمت غیر مترقبہ سے کم نہ تھیں۔ اسی لئے تو آپؐ نے ان کو عقبہ ثانی میں اپنے ہمراہ لائے تھے۔ عباسؓ کی جرأت ملاحظہ ہو کہ قدیم دین پر گامزن ہونے کے باوجود تاریک رات میں شہر سے دور خطرات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے آپ کی معیت میں چلے گئے۔

بیعت عقبہ ثانی نے یثرب کے ان لوگوں کے دلوں میں ایثار اور محبت پیدا کر دی، جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ اوس اور خزرج کی باہمی جنگ بُعاث ایک سو دس برس جاری رہی، جو لوگ زمین کو انسان کے خون سے سیراب کرنے کے خوگر

تھے، آپؐ نے چند لمحات ہی میں ان کی دنیا ہی بدل کر رکھ دی۔ بنی قیلہ (۱۴۴) نے ایک دوسرے کے ذمّہ جو خون تھے، معاف کر دیئے، حالانکہ رسول اللہ کی آمد سے قبل یثرب کی آبادی مختلف عناصر پر مشتمل تھی۔ خصوصاً ایک طرف وہاں اوس اور خزرج (۱۴۵) کے قبائل ان تمام تر تقسیمات کے ساتھ موجود تھے، تو دوسری طرف یہود (۱۴۶) کے متعدد قبائل بھی رہتے تھے، لیکن عددی کثرت کے اعتبار سے ابنائے قیلہ یعنی اوس و خزرج ہی فوقیت رکھتے تھے، بلکہ کچھ عرصہ پہلے تک ان ہی کو سیاسی و اجتماعی لحاظ سے یہود پر واقعی برتری حاصل تھی، لیکن جنگ بعاث (۱۴۷) کے نتیجہ میں اوس اور خزرج اس قدر تباہ ہو گئے کہ آخرکار یہود، جو مذہبی برتری کے پہلے ہی مدعی تھے، اقتصادی و سیاسی لحاظ سے بھی ان سے آگے بڑھ گئے اور اس طرح یثرب کی سیادت و قیادت اوس اور خزرج کے ہاتھ سے نکل کر یہود کو منتقل ہو گئی۔

اس صورت حال نے یثرب کے معاشرہ پر گہرے اثرات مرتب کئے اور یثربی سیاست کو ایک نیا رخ عطا کیا۔ اس میں شک نہیں کہ جنگ بعاث سے پہلے بھی وہاں قبائلی خود مختاری و آزادی، باہمی عصبیت و عداوت، مزاج اور افتراق و انتشار کا دور دورہ تھا۔ کوئی مرکزی اقتدار، کوئی قوت قاہرہ، کوئی عدالت مرافعہ نہ تھی اور نہ ہی کوئی متعین ضابطہ وہاں مروج تھا۔ مختصراً یہ کہ ''زندگی وہاں ناممکن تھی''۔ (۱۴۸) پھر بھی لوگ زندہ تھے۔ البتہ جنگ بعاث کے تاریخی حادثہ نے اہل یثرب کے ضبط و تحمل کے بند توڑ دیئے اور انہیں اس حد تک پراگندہ خاطر کر دیا کہ وہ بالآخر عبداللہ بن اُبَی (۱۴۹) کو تقریباً متفقہ طور پر تاجدار بنانے پر آمادہ ہو گئے (۱۵۰) ابن ابی اگرچہ فی الواقع تاجدار نہ بن سکا، مگر یہ اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ اہل یثرب اس حالت سے بالکل بیزار ہو کر امن و آشتی کے طلب گار، انقلاب کے متمنی اور ایک منظم حکومت کے خواہشمند تھے اور ان کی اس وقت کی سب سے بڑی ضرورت ''اتحاد'' تھی، لیکن اس اتحاد کی راہ میں ان کی صدیوں پرانی قبائلی روایات اور گہرے تعصب بدستور سب سے بڑی رکاوٹ بنے ہوئے تھے، جس کی بدولت ان کا کوئی قبیلہ کسی دوسرے قبیلہ کے کسی شخص کو مستقلاً حاکم تسلیم کرنے کو تیار نہ تھا اور ان کی غیرت یہ گوارا نہیں کرتی تھی کہ وہ اپنے دشمنوں کے آگے سر اطاعت خم کریں اور ظاہر ہے کہ یہ صورت عبداللہ بن اُبَی کے ساتھ بھی تھی، جسے اگرچہ یثرب کی آبادی تاجدار بنا لینے پر آمادہ ہو گئی تھی، مگر یہ دراصل ایک اضطراری کیفیت کا نتیجہ تھا یا شاید اس کی مقبولیت وقتی طور پر اس لئے بڑھ گئی تھی کہ عبداللہ بن اُبَی جنگ بعاث میں غیر جانبدار رہا تھا (۱۵۱) بہرحال عبداللہ بن اُبَی کی حکومت بالا ستقلال کا کوئی قطعی جواز مہیا کرنا بہت مشکل ہے۔ یہ بات اس لئے بھی سمجھ میں آتی ہے کہ ابن ہشام کی روایت کے بموجب اوس و خزرج کے قبائل نماز تک میں ایک دوسرے کی امامت تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے۔ (۱۵۲) یہ حال تو اسلام لانے کے بعد کا ہے اور وہ بھی خالص دینی مسئلہ میں۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سیاسی دائرہ میں وہ ایک دوسرے کی قیادت و سیاست کو کہاں تک تسلیم کر سکتے تھے۔ غالباً ان ہی تمام موافقات کی بنا پر اہل مدینہ نے رسول اللہ کو اپنا حاکم و فرمانروا تسلیم کر لینے میں عافیت زیادہ محسوس کی، کیونکہ ایک طرف تو رسول اللہ کا پیغام بجائے خود ہر قسم کی عصبیت کی نفی کرتا تھا اور دوسری طرف آپ محض حق و انصاف کے داعی اور بالکل غیر جانبدار تھے۔ اس پر مستزاد یہ کہ یثرب کے مشہور متحارب قبائل میں سے کسی سے بھی آپ کا تعلق نہ تھا۔ علاوہ ازیں نبی و رسول اللہ ہونے کی بنا پر آپ ایک معزز و محترم شخصیت تھے۔

یہود مدینہ نے بھی اس انقلاب کو بڑی حیرت سے دیکھا۔ یہود کو یہ توقع ہرگز نہیں تھی کہ اوس اور خزرج کے جنگجو اور خونخوار قبائل یوں آسانی سے اسلام و ایمان کی بنیاد پر متحد و متفق ہو لیں گے اور کفر و شرک، قتلِ اولاد، زنا اور اس قسم کی عادات قبیحہ کو ترک کرکے اطاعت و انقیاد کی روش اختیار کرلیں گے، چنانچہ سر ولیم میور نے لکھا ہے کہ:(۱۵۳)

"The Jews looked on in amazement at the people whom they had in vain endeavoured for generations to convince of the errors of polytheisim and to dissuade from the abominations of idolatory, suddenly and of their own accord casting away their idols and professing belief in the one true God".

"یہود نے ان لوگوں کو بڑی حیرت سے دیکھا، جنہیں شرک والحاد کی غلطیوں پر قائل کرنے اور بت پرستی سے ہٹانے کی سخت ناکام کوششیں وہ نسلاً بعد نسل کرتے چلے آئے تھے، وہی لوگ اب یکا یک اور برضا و رغبت اپنے بتوں کو چھوڑ کر صرف ایک سچے خدا پر ایمان کا اظہار کر رہے تھے"۔

یہود نے یہ بھی محسوس کرلیا کہ اب وہ پہلے کی طرح اوس و خزرج کے درمیان نفرت و عداوت پیدا نہیں کرسکتے اور نہ انہیں لڑا سکتے ہیں۔ دوسری طرف اوس و خزرج کے قبائل میں بھی بلند حوصلگی پیدا ہوگئی اور وہ یہ سمجھنے لگے کہ جس طرح اسلام قبول کرکے وہ یہود کے مقابلہ میں دینی و مذہبی برتری حاصل کرچکے ہیں، اسی طرح ان سے قیادت بھی چھین سکتے ہیں۔ تیسری طرف اوس و خزرج کے درمیان جوں جوں اتحاد و موافقت میں اضافہ ہوتا جارہا تھا، رسول اللہؐ کی شخصیت ان کے نزدیک محبوب سے محبوب تر ہوتی چلی جارہی تھی، کیونکہ وہ اس بات کا اظہار پہلے خود ہی کرچکے تھے کہ اگر رسول اللہؐ نے ان کے اختلافات کو دور کردیا تو آپؐ سے زیادہ معزز ان کے نزدیک کوئی دوسرا نہیں ہوگا۔

اس طرح معاہدۂ عقبہ، مدینہ میں اندرونی تنظیم و اتحاد کا سبب بنا، اسی کی بدولت تاریخ ساز ہجرت عمل میں آئی اور بیرونی طور پر مدینہ کا دفاع مضبوط ہونے کے اسباب پیدا ہوئے، لہٰذا یہ بیعت پوری طرح سیاسی روح سے مملو تھی۔ اس سے قریش کے پہلو میں ناسور پڑ گیا۔ (۱۵۴) قریش نے آپؐ کے ساتھیوں پر اَن گنت مظالم ڈھائے تھے، بنی ہاشم کا تین سال تک معاشی مقاطعہ کیے رکھا۔ (۱۵۵) لیکن آپؐ کے پائے استقلال میں لغزش پیدا نہ ہوئی۔ مسلمانوں کے قیام مکہ کی وجہ سے قریش کا خیال تھا کہ یہ لوگ بھی نہ کبھی سر تسلیم خم کرہی دیں گے، لیکن بیعت عقبیٰ ثانی نے ہوا کا رخ ہی پلٹ دیا۔

اس معاہدے کے بعد اہلِ یثرب نے رسول الاولین والآخرین کے قدوم میمنت لزوم کے لئے فرشِ راہ بنادیا۔ قریش جانتے تھے کہ اگر مسلمان یثرب چلے گئے تو ان کی قوت میں بے پناہ اضافہ ہوگا، ممکن ہے وہ کوئی انتقامی کارروائی کریں، ساتھ ہی ان کو اپنے خداؤں کا مستقبل بھی تاریک نظر آنے لگا۔

اس معاہدہ میں بیعت عقبہ اولیٰ کے برعکس جنگ کی شق انتہائی اہمیت کی حامل تھی، جس میں آپؐ نے اہلِ یثرب سے کالے گورے سے جنگ کرنے کی بیعت لی تھی، یعنی یہ بیعت الحرب تھی۔ ساتھ ہی آپؐ نے اپنی ذات کے لئے بھی عہد لیا تھا، جسے

انہوں نے سمع وطاعت کے ساتھ پوری طرح قبول کیا تھا اور آپ کی حفاظت کا اُسی طرح دم بھرا تھا، جس طرح وہ اپنی ازدواج اور اولاد کی حفاظت کرتے تھے۔ اس بیعت کے بعد مکہ میں مقیم مسلمانوں کو ہجرت کی بھی اجازت دی گئی تھی تا کہ وہ پوری آزادی سے خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کرسکیں۔

اس معاہدے نے اہل یثرب کو افلاس، تو انگری، مسرت اور مجبوری میں آپ کی اطاعت کا پابند کردیا، لیکن رسالت مآب صلعم خود بھی اس معاہدے کے ایک فریق تھے۔ آپؐ نے فرمایا تھا کہ تمہاری جنگ میری جنگ، تمہاری صلح میری صلح اور میں اب تم ہی میں سے ہوں۔ گویا یہ ایک قسم کا معاہدہ عمرانی تھا۔ (۱۵۶) یہ عہد ابتلاء اور اقتدار دونوں حال میں استوار رہا۔ تسخیر مکہ کے بعد جب آپؐ نے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو اہل یثرب کے دل میں آپؐ کے بلاتعین قیام سے ایسے اندیشہ ہائے دور و دراز نے جنم لیا کہ اپنے مولد پر فتح کے بعد شاید آپ مکہ میں ہی قیام فرمائیں گے، وہ اپنے خدشات کا اظہار ایک دوسرے سے کرنے لگے، جب آنحضرت کو انصار کے اس خدشہ کی خبر ہوئی تو آپؐ نے یہ کہہ کر ان کے تمام شکوک و شبہات دور فرما دیئے کہ "میری زندگی اور موت تمہاری ہی زندگی و موت سے متعلق ہے"۔ (۱۵۷)

بیعت عقبہ ثانی حضور نبی کریم صلعم کی سیاست خارجہ کا سنگِ بنیاد ثابت ہوئی، اس نے یثرب کو مسلمانوں کا مرکز قرار دے کر ایک اجتماعی نظم کی بنیاد ڈالی۔ سیاسی تعمیر کا آغاز معاہدہ کے ذریعۂ ہوا نہ کہ جنگی قوت کا استعمال کر کے، اب سے یثرب کی شہرت کو چار چاند لگنا شروع ہو گئے، لیکن سب کچھ اس وقت ہوا، جب اہل یثرب نے اسلامی تعلیمات کے اساسی مقصد کو تسلیم کرلیا۔ یہ اساسی مقاصد روئے زمین کی وحدت کے شیرازہ اور قیام امن دونوں کے لئے جزو لاینفک ہیں، اسی کی بدولت تاریخ اسلام میں ایک نئے باب کا آغاز ہوا، مسلمانوں نے اسلام کے نئے دارالہجرت میں منتقل ہو کر ایک نئی زندگی کی بنیاد رکھی اور ایک انقلاب عظیم برپا کردیا، اسلام کی مظلومیت اور کفار کی ستم رانیوں کے تیرہ سالوں کا خاتمہ ہوا اور امن و سکون کے روشن دور کا آغاز ہوا، ظلم کی سیاہ رات ختم ہوئی اور عدل و امن کا آفتاب روشن طلوع ہوا۔ ایک ایسا نظام وجود میں آیا، جو استحصال، ظلم و جبر سے پاک اور اخلاقی بے راہ رویوں سے مبرہ تھا، جس کی بدولت مظلوموں کی آقائی اور مجبوروں کی مسیحائی کا نیا نظام نافذ ہو کر صداقت، شرافت اور انسانیت کا بول بالا ہوا اور رہتی دنیا تک آدمی فکری آوارگی، عملی پراگندگی اور اخلاق، تنگی سے آزاد ہو گیا، اس کی فکر سے فلاح عام کے سوتے پھوٹے، اس کے عمل سے نیکی کے پھول کھلے اور اس کے اخلاق سے خوبی کی خوشبو پھیلتی ہی چلی گئی۔ (۱۵۸)

ہجرت مدینہ وہ نقطۂ آغاز ہے، جہاں سے اسلام کی حقیقی کامرانیاں شروع ہوئیں، یثرب پہنچ کر آپؐ نے اس کا نام مدینہ اور قبۃ الاسلام رکھا اور اسے حرم قرار دیا، ہجرت کی بدولت مسلمانوں کی تقریباً تمام جمعیت ایک نقطے پر مجتمع ہو گئی۔ مدینہ کے محفوظ و مامون ماحول میں آپ کو سیاسی اعتبار سے مسلمانوں کو مضبوط و منظم کر کے نظام سیاسیہ کی تشکیل کا موقع فراہم ہوا، یہ سیاسی نظام اس قدر مضبوط و منظم تھا کہ دس برس میں تمام عرب رسول اللہ صلعم کی سیادت کا دم بھرنے لگا۔ قبائلی عصبیت کے قالب میں ڈھلے ہوئے منتشر عرب بنیانٌ مرصوص بن گئے۔ اس طرح اجتماع حکمتِ عملی کے وہ تمام عناصر منصۂ شہود پر آ گئے، جن کی بناء پر امت وسطیٰ کی تشکیل و ترقی ہوئی اور اسلامی منظم حکومت نے دنیا کو اپنا چہرہ زیبا دکھا دیا۔ اس سے سیاسی توسیع کے نئے ذرائع کا استعمال ممکن ہو سکا

اور اسلامی تحریک محدود وطنی ماحول سے نکل کر دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچنے کے قابل ہو گئی۔

حالانکہ جب آنحضرتؐ ہجرت فرما کر مدینہ پہنچے تھے، تو اس وقت مدینہ کا حال یہ تھا کہ سیاسی اعتبار سے وہاں نراجی کیفیت طاری تھی، کوئی منظم حکومت، باقاعدہ حکمراں یا سیاسی قانون و ضابطہ نہ تھا۔ وہی قبائلی نظام جو عرب کی خصوصیت تھی، وہاں بھی مستولی تھا۔ ہر قبیلہ پوری طرح اختیار خود انتظامی کا مالک اور اپنے داخلی معاملات میں آزاد تھا، نیز وہاں کوئی ایسا انتظامی ادارہ بھی موجود نہیں تھا، جس کے تحت مختلف قبائل کو باہم متحد کیا جا سکتا۔ ان میں جب جنگ کا بازار گرم ہو جاتا تو صدیاں اسی میں بیت جاتیں، مگر اس دشمنی اور خونریزی کے لامتناہی سلسلے (۱۵۹) نے عوام الناس کو حالات سے بالکل بیزار بنا دیا تھا اور وہ تبدیلی چاہتے تھے۔ ان حالات میں آنحضرتؐ یثرب میں قدم رنجہ فرما ہوئے، ان کے پیش نظر آپؐ نے وہاں یہ ضرورتیں محسوس کیں: (۱۶۰)

۱۔ اپنے اور مقامی باشندوں کے حقوق و فرائض کا تعین۔

۲۔ مہاجرین کے توطن کا بندوبست۔

۳۔ مدینہ کے غیر مسلموں خاص کر یہودیوں سے سمجھوتہ۔

۴۔ مدینہ کی سیاسی تنظیم اور فوجی مدافعت کا اہتمام۔

۵۔ قریش سے مہاجرین کو پہنچے ہوئے جانی و مالی نقصانات کا بدلہ لینا۔

ان چھ حضرات نے جنہیں بیعت عقبہ اولیٰ سے پہلے اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل ہوا تھا، آپؐ سے عرض کیا تھا! "ہم آپؐ کی رسالت کی تصدیق کرتے ہیں اور آپؐ پر ایمان لاتے ہیں، یہ آپس میں اور یہودیوں سے اکثر لڑتے رہتے ہیں، اگر آپؐ کے ذریعہ اتفاق پیدا ہو سکا تو اس وقت ہمیں آپؐ سے زیادہ کوئی عزیز نہ ہوگا۔ (۱۶۱)

ان تقاضوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے آپؐ نے مدینہ میں اپنی آمد کے بعد ہی سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ایک مسجد کی بنیاد ڈالی تا کہ آپؐ وہاں اپنے جانثاروں کے ساتھ اسلام کی تبلیغ کے لئے جمع ہو سکیں، نیز ان لوگوں کو اخوت، مساوات، حریت اور معاشرتی عدل کی تعلیم دے کر اس نظریاتی ریاست کو چلانے کیلئے تیار کرنا چاہتے تھے۔ مسجد کے ادارہ کو نہ صرف مذہبی اہمیت عطا کی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ سیاسی اعتبار سے بھی اس کا مقام متعین کیا گیا۔ اسلامی نظریہ کی تعلیم اور اس کا عملی سبق سکھانے اور ان بنیادوں کو واضح کرنے کے لئے جن پر اسلامی ریاست کو قائم کرنا تھا، مسجد انتہائی ضروری تھی، حضورؐ نے (۱۶۲) مسجد کو اپنی تمام سرگرمیوں کا مرکز قرار دیا۔ آپؐ نے تمام مسلمانوں پر جماعت سے نماز ادا کرنا لازمی قرار دیا تا کہ ایک امام کے پیچھے کھڑے ہو کر امامت و اقتداء کا فرق سمجھ سکیں اور نظم و اطاعت کا درس حاصل کر سکیں۔ مدینہ کی اس مرکزی مسجد میں حضورؐ خود جلوہ افروز ہوئے اور دوسری مساجد میں آپؐ کے مقرر کردہ ایسے امام تھے، جو علم و فضل اور اخلاق و کردار کے اعلیٰ نمونے تھے، کچھ عرصہ کے بعد مسجد کی اہمیت اور بڑھ گئی۔ یہ ثقافتی مرکز بھی بن گئی، جہاں مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے تمام امور کی تعلیم دی جاتی۔ مدرسہ اور درسگاہ بھی تھی، اس میں تمام اہم قومی امور و معاملات کو بھی طے کیا جاتا تھا۔ سارے جنگی و دفاعی صلاح مشورے بھی وہیں ہوتے تھے۔ مسجد مسلمانوں کا دارالشوریٰ، پارلیمنٹ ہاؤس، مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کے وفود کی اجتماع گاہ اور مہمان خانہ بھی بن گئی۔ مقدمات و

تنازعات کا فیصلہ اور تصفیہ بھی یہاں ہوتا تھا۔ بہر حال یہ مسجد کی وہ ہمہ گیر حیثیت ہے، جس سے مسلمانوں کی تربیت و تنظیم میں غیر معمولی کردار ادا کیا۔

دوسرا کام جو رسول اللہؐ نے انجام دیا، وہ مہاجرین و انصار کے درمیان مواخاۃ (۱۶۳) کا قیام تھا، کیونکہ قرآنی ہدایت کے مطابق تمام ایمان والے "بھائی بھائی ہیں"۔ (۱۶۴) پھر چونکہ اسلام پوری انسانیت کے لئے اخوت کا پیغام ہے، اس لئے رسولؐ نے اس برادری کا آغاز اس طرح کیا کہ پہلے تو ان تمام امتیازات کو محو کر دیا، جو اہلِ مدینہ نیز اوس و خزرج کے درمیان مدتوں سے قائم تھے۔ پھر تمام مسلمانوں کے درمیان مواخاۃ قائم کر دی۔

اس بھائی چارے کی وجہ سے ایک طرف تو انصار کا وقار اور ان کا مرتبہ بلند ہو گیا اور دوسری طرف مہاجرین کو نہ صرف مالی لحاظ سے ایک گونہ خوشحالی اور آسودگی میسر آئی بلکہ ان کی آبادکاری کا مشکل مسئلہ بھی حل ہو گیا، کیونکہ تقریباً ڈیڑھ سو مسلمانوں نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی تھی اور ان کو بسانا کوئی آسان کام نہ تھا، وہ آپس میں سگے بھائیوں سے زیادہ محبت کرتے تھے، کیونکہ ان کی محبت خاندانی و قبائلی عصبیت سے پاک صرف خدا کے لئے تھی۔ انصار تو اس بات پر بھی رضامند تھے کہ اپنی تمام دولت و جائیداد وغیرہ میں مہاجرین بھائیوں کو برابر کا شریک رکھیں گے، لیکن خود مہاجرین اپنے انصار بھائیوں پر بار بننا پسند نہیں کرتے تھے، اس لئے انہوں نے جلد ہی ان کی مدد سے اپنے آپ کو مختلف مشاغل میں مصروف کریں اور اس طرح نہ صرف وہ خوشحال ہو گئے بلکہ اس نوخیز بستی میں فارغ البالی کا دور دورہ ہو گیا۔

لیکن ان مسائل کے حل ہو جانے کے بعد ابھی مشکلات کے ایسے پہاڑ باقی تھے، جن کی تسخیر آسان نہ تھی اور حالات نے آپؐ کے کاندھوں پر ایسا بوجھ ڈال دیا تھا کہ جس کے پچھلے انبیاء بھی متحمل نہ ہوئے تھے یعنی آپ کو، انتشار میں سے نظم پیدا کرنا تھا، ضعف و کمزوری میں سے طاقت حاصل کرنا تھی۔ اختلافات میں سے اتحاد کو نکالنا تھا اور موت میں سے زندگی کو جنم دینا تھا۔

اب جو اہم اور پیچیدہ امور حضور کی فوری توجہ کے مستحق تھے، ان میں سے ایک تو مسلمانوں کی سالمیت اور اتحاد کو برقرار رکھنے کا مسئلہ تھا اور دوسرے یہود مدینہ اور دیگر غیر مسلم عناصر سے معاہدات یا باہمی حفاظت کے لئے صلح نامے وغیرہ نیز مدینہ کے نظم و نسق اور اس کی حفاظت و مدافعت کا معاملہ تھا اور ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ اس نوزائیدہ اسلامی معاشرہ کی حفاظت و بقا کے لئے ناگزیر اور تمام دنیا میں اسلام کی اشاعت و تبلیغ کے لئے انتہائی ضروری تھا، پھر مدینہ کے مخصوص نزاعی حالات بھی اس امر کے متقاضی تھی۔

ان مسائل کو حل کرنے کے لئے مدینہ میں آمد کے چند ماہ بعد ہی آپؐ نے منشور (۱۶۵) منشور مدینہ مرتب فرمایا، جس سے نہ صرف مدینہ ایک مکمل شہری ریاست کی حیثیت اختیار کر گیا بلکہ اس کے ذریعہ اللہ عزوجل کے نبیؐ نے تمام منتشر و متفرق عربوں کے درمیان بالعموم اور مدینہ والوں کے لئے بالخصوص اتحاد و رسالت کی بے پناہ کوششیں کیں اور ایسے لوگوں کو جو نہ کبھی کسی قوت قاہرہ کے سامنے جھکے تھے اور نہ جنہوں نے کسی مرکزی نظم و اقتدار کا جواز اپنے گلے میں ڈالا تھا۔ ایک قانون، ایک خدا اور ایک ہی قبیلہ پر متفق و متحد کر دیا، پھر جہاں تک شخصی حقوق کا تعلق ہے، اس سلسلے میں "منشور مدینہ" ایک انقلابی اقدام کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ پہلے جو حق کسی فرد یا اس کے خاندان کو حاصل تھا، وہ اب ایک عوامی معاملہ بن گیا اور اس طرح ایک طرف تو قبائلی

طوائف الملوکی کا خاتمہ ہو گیا اور دوسری طرف صحیح معنوں میں ایک اسلامی ریاست کی داغ بیل پڑ گئی۔ نیز تمام انتظامی، قانونی اور فوجداری اختیارات آنحضرتؐ کو حاصل ہو گئے۔

اس منشور کے ابتدائی حصہ میں جو سیاسی ہیئت ہمارے سامنے ابھرتی ہے، وہ مہاجرین مکہ و انصار مدینہ اور ان لوگوں پر مشتمل ہے، جو اس بات کا اقرار کر چکے تھے کہ وہ ان کا (حضورؐ و مسلمانوں کا) ساتھ دیں گے اور ان کے دشمنوں سے جدال و قتال کریں گے، یہ سیاسی تنظیم اس صریح معاہدہ کے ساتھ وجود میں آئی تھی کہ اس کے تمام شرکاء رسول اللہؐ کے احکام کی تعمیل کریں گے، علاوہ ازیں اس سیاسی بلاک کو اپنے اندرون اختلافات کے باوجود ایک ''وحدت'' کا مظاہرہ کرنا ہوگا، جو دنیا کے تمام سیاسی معاشروں سے ممتاز و منفرد ہو۔

اس منشور کی رو سے مسلمانوں کے مختلف عناصر کو حقوق و فرائض کے لحاظ سے مساوی سمجھا گیا۔ صلح و جنگ کے معاملات کو مشترکہ معاملہ قرار دیا گیا۔ ہر ایک صلح و جنگ میں ایک فریق کی حیثیت رکھتا تھا۔ فوجی خدمت ہو یا ادنیٰ اور معمولی سے معمولی آدمی کا کیا ہوا معاہدہ سب پر لازم ہوگا اور یوں اس سیاسی نظام میں اخوت، مساوات اور حریت کا دور دورہ ہو گیا۔

جہاں تک لوگوں کی حفاظت اور مدافعت کا تعلق ہے، منشور کی روشنی میں قریش مکہ کو کسی حالت میں پناہ نہیں دی جائے گی اور یہ بات طے کر دی گئی کہ قریش کے خلاف مسلمانوں کی پیش قدمی میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالے گا، کیونکہ قریش نے مسلمانوں پر بڑے سخت مظالم توڑے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ کہ ہر معاملہ میں آخری عدالت مرافعہ آپ کی ذات ہوگی۔ منشور میں یہ بھی وضاحت کر دی گئی تھی کہ قرضہ کی ادائیگی قرضدار کے متعلقین کے ذمہ ہوگی۔ قبائل کو بھی اس بات کا ذمہ دار ٹھہرا دیا گیا کہ وہ فدیہ دے کر اپنے قیدیوں کو دشمن کے چنگل سے چھڑائیں گے۔

جہاں تک انصار کا تعلق ہے، ان کے قبائل گنے چنے تھے۔ انہیں اسی شکل میں تسلیم کر لیا گیا۔ البتہ اب تمام مہاجرین کو بھی عدالتی اور دوسرے معاملات میں ایک قبیلہ کی حیثیت دے دی گئی۔

نظام عدالت اب ایک شخص یا اس کے قبیلہ کا معاملہ نہ رہا، بلکہ ایک اجتماعی اور معاشرتی معاملہ بن گیا۔ عدالتی اختیارات کو مرکزیت دے دی گئی۔ یہ فی الحقیقت ایک انقلابی قدم تھا، جس سے انصاف اور غیر جانبداری کی ارزانی ہو گئی اور جانبداری کی تمام راہیں مسدود ہو گئیں۔ تمام مسلمان بحیثیت مجموعی اس امر کے ذمہ دار تھے کہ نہ کوئی شخص کسی پر دست درازی کرے اور نہ کسی کی حق تلفی ہو۔

مدینہ کے منشور کا دوسرا حصہ یہودیوں سے متعلق تھا، جس میں تمام یہودی ایک جماعت کی حیثیت سے وفاقی طرز کی شہری ریاست سے منسلک تھے، اس حصہ کی پہلی اہم دفعہ یہ تھی کہ اگر کسی جنگ کے موقع پر یہود اور مسلمان اشتراک کریں گے، تو وہ اپنے خرچ کے ذمہ دار ہوں گے اور دونوں اپنے مذہب کی اتباع میں آزاد رہیں گے۔ تمدنی و ثقافتی معاملات میں یہودیوں کو مسلمانوں کے برابر حقوق دیئے جائیں گے۔ اس طرح جہاں تک دفاع کا تعلق ہے، یہودی اور مسلمان دونوں ایک دوسرے کے حلیف بن

گئے، یعنی اب جن سے مسلمان لڑیں گے، ان سے یہود لڑیں گے اور جن سے یہود صلح کرلیں گے ان سے مسلمان بھی صلح کریں گے۔ علاوہ ازیں یہودیوں کو مسلمانوں کے ساتھ مدینے کی حفاظت میں بھی حصہ لینا پڑے گا۔ اگر مسلمانوں پر کوئی جارحانہ کارروائی کرے گا، تو یہود مسلمانوں کی مدد کریں گے (بصورت دیگر مسلمان ان کی مدد کریں گے) البتہ خالص مذہبی جنگوں (جہاد) میں یہودی اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔ ایک اور دفعہ کے تحت طے پایا کہ یہودی قریش یا ان کے حلیف کی کوئی مدد نہیں کریں گے۔ غرض اس طرح دفاع کا معاملہ مرکزی ہوگیا اور رسول اللہؐ اب (مسلمانوں اور یہودیوں کی) متحدہ افواج کے بھی سربراہ ہوگئے۔ یہ رسول اکرمؐ کی بہت بڑی سیاسی فتح تھی۔

رسول اللہؐ نے ان کے اندرونی معاملات میں کوئی مداخلت نہیں کی اور ان تمام رسمی اداروں کو برقرار رہنے دیا، جو پرانے زمانے سے ان کے ہاں چلے آرہے تھے۔ مثلاً فدیہ، دیت، پناہ اور حلیف وغیرہ۔ اس پالیسی نے یہودیوں کو بڑا متاثر کیا۔ ان کی ساری غلط فہمیاں اور خدشات دور ہوگئے اور انہوں نے برضا ورغبت اپنے معاملات میں بھی آپؐ کو آخری عدالت مرافعہ کی حیثیت سے تسلیم کرلیا، یوں جنگ وصلح کی طرح انصاف وعدالت کا ایک مرکزی نظام قائم ہوگیا۔ رشتے ناطے کی بناء پر مداخلت ممنوع قرار پائی اور زمانہ جاہلیت کے تمام آثار کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ اب صورت یہ ہوگئی کہ یہودی نہ صرف حضورؐ کو حکمراں تسلیم کرچکے تھے، بلکہ انہوں نے مدینہ کو ایک حرم بھی مان لیا تھا۔ یہ حضورؐ کی ایک اور عظیم الشان سیاسی فتح تھی۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ ابتداء میں یہودیوں نے اہل مکہ سے جنگ کے موقع پر غیر جانبداری اختیار کئے رکھی، لیکن کچھ ہی عرصے کے بعد انہوں نے عہد شکنی کا ارتکاب کیا، مگر اس کے باوجود رسول اللہؐ نے عالی ظرفی سے کام لیتے ہوئے دوستانہ تعلقات کو برقرار رکھا اور ان کو صرف اس وقت سزائیں دیں اور مدینہ سے بے دخل کیا، جب انہوں نے بالکل واضح اور کھلی ہوئی بغاوت کا ثبوت دیا (۱۹۶)

مدینہ کے دفاع اور اس کو محفوظ رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ اندرونی استحکام کے ساتھ ساتھ پڑوسی قبائل سے بھی دوستانہ تعلقات استوار کئے جائیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپؐ مغربی علاقوں اور سرحدی اضلاع کا دورہ فرماتے ہیں اور وہاں کے بسنے والے قبائل سے معاہدات کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں مذکورہ قبائل اور مسلمان دفاع کے معاملہ میں باہم حلیف بن گئے۔ بعض معاہدات میں دوسرے فریق نے اس معاملہ میں اتفاق نہیں کیا، غرض اس طرح مدینہ کے آس پاس کے قبائل سے دشمنی کے بجائے زیادہ سے زیادہ دوستی کرنے کے لئے آپؐ نے کوششوں میں کسی قسم کی کمی نہیں کی۔

مدینہ کے اطراف وجوانب میں رہنے والے جن قبائل سے رفاقت وخیر سگالی کے معاہدے کرکے اتحاد ویک جہتی کی فضا قائم کی گئی، ان میں سب سے پہلا قبیلہ جہینہ کا تھا، یہ واقعہ ۱ ہجری ۶۲۲ عیسوی کا ہے۔ یہ قبیلہ مدینہ منورہ سے ۸۰ میل کے فاصلے پر ینبوع کے قریب، بحر احمر کے نزدیک آباد تھا، اس کے قریب دوسرے دو قبائل حرینہ اور بنو ضمرہ رہتے تھے، بنو ضمرہ سے بھی باہمی رفاقت کا معاہدہ ہوا، جسے آگے چل کر اس کے حلیف بنو مدلج بھی تسلیم کرلیا۔ یہ علاقہ دور تک پھیلا ہوا تھا، جو قبائل آمادہ اتحاد نہیں ہوئے، ان سے غیر جانبداری کا پیمان لیا گیا اور طے پایا کہ وہ یا تو فریقین سے یکساں مراعات برتیں گے یا پھر بالکل غیر جانبدار رہیں گے۔

آنحضرتؐ کے سفر ینبوع میں قبیلہ جہینہ کا ایک وفد خدمت نبویؐ میں معاہدۂ صلح کے لئے حاضر ہوا، آپؐ نے دریافت فرمایا، "

تم کون لوگ ہو؟"

"انہوں نے جواب دیا ہم بنی غیان ہیں"۔ غیان کے معنی سرکشی کے ہیں، اس لئے آپ نے فرمایا، "نہیں تم بنی رشدان ہو"۔ بنی رشدان کے معنی ہدایت پانے کے ہیں۔ یہ لوگ جس وادی میں رہتے تھے، اس کا نام "غوی" تھا، جس کے معنی گم راہی کے ہیں، آپ نے تبدیل فرما کر "رُشد" رکھ دیا۔

رحمت عالم ایسے ناموں کو جن میں برائی کا پہلو نکلتا تھا، ناپسند فرماتے تھے، اس لئے عادت شریفہ یہ تھی کہ ہمیشہ برے ناموں کو اچھے ناموں سے تبدیل فرما دیا کرتے تھے، ان لوگوں سے مندرجہ ذیل معاہدہ عمل میں آیا۔

☆ قبیلہ جہینہ کی جان و مال کو امن حاصل ہوگا۔

☆ جو شخص ان پر زیادتی کرے یا حملہ آور ہو اس کے مقابلے میں ان کو مدد دی جائے گی۔

☆ لیکن جو زیادتی یا جنگ ان کے اہل و عیال کے درمیان ہو یا ان کے مذہبی معاملات سے متعلق ہو، اس میں امداد لازم نہ ہوگی۔

☆ ان لوگوں کے قرب و جوار میں جو نیک اور پرہیزگار لوگ ہوں گے، ان کے بھی وہی حقوق ہوں گے جو جہینہ کو حاصل ہیں۔ (۱۶۷)

کچھ عرصے کے بعد اس قبیلے کے اکثر افراد مشرف با سلام ہو گئے، تو سرور عالم نے ان لوگوں کے لئے ایک فرمان رسالت تحریر فرمایا، جس میں قبول اسلام کے بعد ان کے فرائض کی تفصیل بیان کی گئی تھی۔ (۱۶۸)

صفر ۲ھ میں آپ غزوہ ابواء کے سلسلے میں ودان نامی مقام پر پہنچے۔ لڑائی کی نوبت تو نہ آئی، لیکن میثاق مدینہ کی کڑی کے طور پر آپ نے مخشی بن عمرو ضمری، جو بنو ضمرہ کا سردار تھا، سے تحریری معاہدہ کیا۔ (۱۶۹)

☆ یہ تحریر اللہ کے رسول محمد کی جانب سے بنی ضمرہ کے لئے ہے۔

☆ جو شخص ان پر حملہ کرے گا، اس کے مقابلے میں ان کی مدد کی جائے گی۔

☆ ان لوگوں پر واجب ہوگا کہ ہمیشہ پیغمبر کی مدد کرتے رہیں اور خدا کا پیغمبر جب ان کو مدد کے لئے بلائے تو یہ لوگ مدد دیں، مگر مذہبی جنگوں میں مدد دینا ضروری نہ ہوگا۔

☆ یہ لوگ جب تک اپنے معاہدے پر قائم رہیں گے، ان کی مدد کی جائے گی۔

☆ اس معاہدے پر اللہ اور اس کے رسول کی ذمہ داری ہے۔ (۱۷۰)

اسی طرح کے اور بھی متعدد معاہدے آپ نے بنی ضمرہ کے قرب و جوار کے قبیلوں سے فرمائے، ان سب معاہدات کے الفاظ قریب قریب وہی ہیں، جو اوپر مذکور ہوئے۔ (۱۷۱)

ربیع الاوّل ۲ھ میں سرور کونین صلعم میثاق مدینہ ہی کی کڑی کے طور پر کوہ رضوی کی طرف تشریف لے گئے اور کوہ بواط کے لوگوں کے ساتھ بھی معاہدہ فرمایا۔

جمادی الثانی ۲ھ میں آپ قریش کے تجارتی کاروں کی ناکہ بندی کی خاطر مدینہ سے نکلے، اسی کو غزوہ عشیرہ کہتے ہیں۔ کارواں کی تلاش میں آپ بطن ینبوع (۱۷۲) سے گزر کر مضیرات یمام میں عشیرہ کے مقام پر پہنچ گئے۔ کارواں تو سمندر کے کنارے سے نکل گیا اور لڑائی کی نوبت نہ آئی (۱۷۳) البتہ اسی مقام پر آپؐ نے بنو مدلج سے معاہدہ طے فرمایا۔ یہ قبیلہ بنو ضمرہ کا حلیف تھا (۱۷۴) جو میثاق مدینہ میں ایک فریق تھا، اس لئے اس نے آسانی سے شرائط قبول کر لیں۔ اس کی دوسری وجہ ایک دوسرے مذاہب میں عدم مداخلت تھی تاکہ بہترین ہمسائیگی کا ثبوت دیا جا سکے۔

آنحضرتؐ نے بنو اشجع سے بھی معاہدہ فرمایا، بنو اشجع قبیلہ غطفان کی ایک شاخ تھے اور تجارتی شاہراہ سے متصل آباد تھے۔ جب آپؐ نے قریش کی ناکہ بندی کی تو اس سے ان کی معاش پر بھی اثر پڑا کیونکہ یہ تجارتی قافلوں کی خدمت کر کے اپنی روزی کمایا کرتے تھے۔ معاشی بحران سے دوچار ہو کر ان کا وفد مدینہ منورہ آیا۔ آپؐ نے ان سے یہ معاہدہ فرمایا، اسے علی المرتضیٰؓ نے لکھا۔ (۱۷۵)

''یہ وہ حلفی معاہدہ ہے جو نعیم بن مسعود بن رخلیہ الاشجعی نے طے کیا ہے۔ انہوں نے مدد و خیر خواہی پر اس وقت تک کے لئے حلفی معاہدہ کیا ہے جب تک کوہ اُحد اپنے مقام پر رہے اور سمندر کسی سیپ کو گیلا کرتا رہے''۔

اس قبیلے نے غزوہ خندق ۵ھ سے قبل اسلام قبول کر لیا۔ معاہدے کے وقت پورا قبیلہ اسلام نہ لایا تھا۔ اسلام لانے والوں میں نعیم بن مسعود ممتاز ہیں۔ معاہدہ کی اساس یہ فقرہ ہے۔ حالفه علی النصر والنصیحہ یعنی حمایت و نصرت اور خیر اندیشی و خیر سگالی کے وسیع تعلقات استوار ہوئے۔

حضورؐ نے بنو غفار سے بھی معاہدہ فرمایا، یہ غزوہ بدر کے زمانہ کا واقعہ ہے۔ یہ قبیلہ بنو ضمرہ کی ایک شاخ تھا۔ اسی قبیلہ سے مشہور صحابی ابوذر غفاریؓ کا تعلق ہے۔ معاہدہ بنو غفار کے یہ الفاظ ہیں۔ (۱۷۶)

''کہ یہ لوگ مسلمان ہیں، ان کے وہی حقوق ہیں جو مسلمانوں کے ہیں۔ ان پر وہی واجب ہے، جو مسلمانوں پر واجب ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کے جان و مال پر اس کے رسول کو ذمہ دار بنایا ہے۔ اس شخص کے خلاف ان کی مدد کی جائے گی جو ان کے ساتھ ظلم ابتداء کرے گا۔ نبی اکرم ﷺ جب انہیں اپنی مدد کے لئے بلائیں گے تو یہ آپ کا حکم مانیں گے اور ان پر آپ کی مدد واجب ہو گی سوائے اس کے کہ جو ان میں سے آپؐ سے دینی جنگ کرے تو اس پر معاہدے کی پابندی نہ ہو گی۔ یہ معاہدہ اس وقت تک نافذ رہے گا جب تک سمندر کسی سیپ کو گیلا کرتا رہے۔ جو اس پر عمل کرنے سے رو کے وہ گنہگار ہو گا''۔

اس معاہدہ کا آغاز اس طرح ہو رہا ہے ''کہ یہ لوگ مسلمان ہیں''۔ یہ بات کچھ عجیب سی لگتی ہے، ہو سکتا ہے کہ بعد میں کسی مصنف نے دانستہ یا نادانستہ اس میں اضافہ کر دیا ہو، کیونکہ معاہدے کی ایک اور دفعہ اس قبیلے کو معاہدے کے وقت مسلمان تصور کرنے میں مانع ہے، جس میں اسے دینی جنگوں میں غیر جانبدار رہنے کی اجازت مرحمت فرمائی گئی ہے۔ یہ قبیلہ یقیناً بعد میں بتدریج یا ایک ہی دفعہ مشرف بہ اسلام ہوا ہو گا۔

ربیع الاول ۵ھ میں آپؐ نے غزوہ دومۃ الجندل کے سلسلے میں مدینہ سے پیش قدمی فرمائی، لیکن آپؐ کے پہنچنے سے قبل ہی اہل دومہ منتشر ہو گئے۔ آپؐ بغیر لڑائی واپس تشریف لے آئے۔ آپؐ نے اس غزوہ میں عیینہ بن حصن سے مصالحت فرمائی کہ وہ

تغلمین اور اس کے نواح سے المراض تک اپنے ریوڑ چرائے۔ اس معاہدے کا پس منظر یہ ہے کہ عیینہ کے دیہات خشک سالی کا شکار تھے اور المراض کا علاقہ مقامی بارش سے سرسبز و شاداب ہو گیا تھا۔ تغلمین المراض سے دو میل کے فاصلہ پر ہے اور المراض مدینہ سے چھتیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ آپؐ نے اس درخواست کو قبول کر کے مصالحت فرمائی۔ (۱۷۷)

۵ھ میں غزوہ احزاب کے موقع پر مسلمانوں کو محاصرے کی وجہ سے بے شمار مسائل کا سامنا تھا اور ان میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا کہ محاصرے کا دسواں روز تھا (۱۷۸) آپؐ نے روسائے غطفان سے مصالحت کی کوشش فرمائی اور عیینہ بن حصن اور حارث بن عوف بن ابی حارثہ المری کو کہلا بھیجا کہ اگر ہمارے مقابلہ سے اپنی تمام فوج واپس لے جاؤ تو میں مدینہ کی فصل کا ایک تہائی تم کو دینے کو تیار ہوں (۱۷۹) روسائے غطفان نے اس پر آمادگی کا اظہار کیا۔ اس کے لئے عہد نامہ بھی لکھ لیا گیا، مگر ابھی تک شہادت کی نوبت نہ آئی تھی۔ ابتدائی مراحل کے بعد آپؐ نے باقاعدہ صلح کا ارادہ فرما لیا، تو آپؐ نے سعدؓ بن عبادہ اور سعدؓ بن معاذ کو بلا کر مشورہ چاہا۔ انہوں نے عرض کیا کہ اگر اس میں آپ کی خوشی ہے تو ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے اور اگر حکم الٰہی ہے تو اس کی بجا آوری کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ صرف میری رائے ہے۔ اس پر سعدؓ بن معاذ نے عرض کیا کہ جب ہم شرک کرتے تھے، تو اس وقت بھی یہ لوگ ہمیں ختم کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ اب جب اسلام نے ہمیں معزز بنا دیا ہے اور آپ کی بدولت ہم طاقتور ہو گئے ہیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم اپنے مال اُن کے حوالے کر دیں۔ ہمیں ان شرائط کی چنداں ضرورت نہیں۔ تلوار ہی ہمارے درمیان فیصلہ کرے گی۔ آپؐ نے فرمایا۔ اچھا تم جانو اور یہ معاہدہ لے لو۔ سعدؓ بن معاذ نے وہ خط لے کر اس کی تحریر مٹا دی اور کہا وہ یہ چاہتے تھے کہ ہم پر حکومت اور سختی کریں۔ (۱۸۰) ابن سعد نے صرف یہاں تک ہی بیان کیا کہ ہم تلوار سے ہی ان کے ساتھ فیصلہ کریں گے۔ ابھی یہ سلسلہ جاری تھا کہ نعیم بن مسعود الاشجعی ادھر آ گئے۔ ان سے دونوں فریقین مطمئن تھے، انہوں نے ان لوگوں کے درمیان نا اتفاقی دور کرا دی اور احزاب بغیر لڑائی کے لوٹ گئے۔ (۱۸۱)

ہجرت کے چھٹے برس رسالت مآب صلعم نے بیت کمیٹرا ان متصل کوہ سینا کے راہبوں اور تمام عیسائیوں کو ایک فرمان عطا فرمایا جو آزادی اور حقوق کی اپنی ایک مثال ہے۔ آپؐ نے تحریر فرمایا۔ (۱۸۲)

"جو قلیل و کثیر اشیاء (منقولہ و غیر منقولہ) ان کے گرجاؤں، نمازوں اور رہبانیت کی ان کے تحت ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسولؐ کے ہمسایہ ہیں، وہ سب انہیں عیسائیوں کی رہیں گی (یعنی باوجود اسلام نہ لانے کے ان سے کچھ نہ لیا جائے گا) نہ کسی پادری کو اس کے منصب سے بدلا جائے گا، نہ کسی راہب کو اس کی رہبانیت سے، نہ کسی کاہن کو اس کی کہانت سے، نہ ان کے حقوق میں کوئی تغیر کیا جائے گا اور نہ ان کی سلطنت میں یا اس چیز میں جس پر وہ تھے۔ جب تک وہ خیر خواہی کریں گے اور جو حقوق ان پر واجب ہیں، ان کی اصلاح کریں گے تو نہ ان پر کسی ظلم کا بار پڑے گا اور نہ وہ خود ظلم کریں گے"۔

یہ معاہدہ لفظاً و معناً حریت، رواداری اور مساوات کا اتنا عظیم چارٹر ہے، جس کی نظیر تاریخ عالم پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اس کی رو سے عیسائیوں کو ایسی مراعات حاصل ہو گئیں، جو اُن کو اپنے حکمرانوں کے عہد میں بھی حاصل نہ تھیں۔ اس معاہدے نے عدم تعمیل کرنے والے مسلمانوں کو سخت سزا کا مستحق قرار دیا۔ ایسا مسلمان اللہ کے عہد کو توڑنے والا، اس کے احکامات کی خلاف

ورزی کرنے والا اور اپنے دین کو ذلیل کرنے والا خیال کیا جائے گا۔ رسول کریمؐ نے خود عیسائیوں کا ذمہ لیا اور یہی ذمہ داری اپنے پیروکاروں پر ڈالی۔ ان پر بے جا ٹیکس عائد نہیں کیے جائیں گے، کسی بشپ کو اس کی خانقاہ سے نکالا نہیں جائے گا۔ اسی معاہدے نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ کسی بھی زائر کو زیارت کرنے سے نہیں روکا جائے گا۔

یہ معاہدہ رواداری کی ایک قابلِ فخر یادگار ہے۔ اس معاہدے نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ عیسائیوں کی عبادت گاہوں کو منہدم کر کے وہاں مساجد تعمیر نہیں کریں گے۔

ایسی عیسائی عورتیں جو مسلمانوں کے عقد میں آئیں، وہ اس معاہدے کی رُو سے اپنے مذہب پر قائم رہ سکتی تھیں۔ مسلمانوں پر یہ بھی ذمہ داری ڈالی گئی کہ وہ عیسائیوں کو ان کے معابد کی مرمت میں مدد دیں گے۔

مسلمانوں کو ہجرت کے سترہویں مہینہ (۱۸۳) یعنی ماہ رجب کے آغاز میں تحویل قبلہ کا حکم ہوا۔ اس سے کعبہ سے مسلمانوں، خاص کر مہاجرین کی جذباتی وابستگی میں مزید اضافہ ہوا۔ رسول اللہؐ نے کعبہ کی تعمیر میں حلیہ رسالت سے قبل بنفسِ نفیس حصہ لیا تھا اور حجر اسود کو نصب کرنے کی سعادت بھی آپؐ ہی کے حصہ مبارک میں آئی تھی۔ ہجرت کے بعد مسلمان بدر، احد اور خندق کے غزوات کے علاوہ دیگر سرایا میں گھرے رہے اور قریش سے خصومت کی بنا پر وہ خانہ کعبہ اور اس کے متعلقہ مناسک کی زیارت سے محروم رہے۔ مہاجرین اپنے پیچھے اپنے اہل وعیال بھی چھوڑ آئے تھے، جن کی یاد ان کے سینے میں محفوظ تھی۔ انہیں غم کھائے جا رہا تھا کہ کہیں وہ مشرک کے مشرک ہی نہ رہ جائیں اور جو مائل بہ اسلام ہیں، وہ اس سے نہ پھر جائیں۔ مہاجرین کی مکہ میں منقولہ و غیر منقولہ املاک بھی تھیں۔ علاوہ بریں مکی اور مدنی آب وہوا میں بھی خاصا فرق تھا۔ کئی مہاجرین مدینہ میں آ کر یومیہ بخار میں مبتلا ہو گئے تھے، جس کے سبب وہ مذہبی فرائض کی انجام دہی نہیں کر سکتے تھے۔ مسلمانوں نے قریش کی چیرہ دستیوں سے تنگ آ کر مدینہ ہجرت کی تھی۔ ان تمام حقائق کے ساتھ یہ حقیقت بھی اپنی جگہ قائم تھی کہ انہیں اپنے وطن سے بے پناہ محبت تھی۔ اسلام کی خاطر انہوں نے اپنا وطن ترک کرنے میں کسی قسم کا تامل نہیں کیا تھا، لیکن مکہ کی چاندی زمین کے ذرہ ذرہ سے ان کو محبت وانس تھا۔ دیارِ غیر میں آ کر یہ محبت مزید گہری ہوئی، بلالؓ پر سب سے زیادہ مظالم ڈھائے گئے، لیکن وہ جب بھی مکہ کو یاد کرتے تو روتے اور یہ اشعار پڑھتے:

الا لیت شعری ھل ابیتن لیلة
بواد و حولی اذخر و جلیل
وھل اردن یوما میاہ مجنة
وھل یبدون لی شامة و طفیل

"آہ! کیا پھر وہ دن آ سکتا ہے کہ میں مکہ کی وادی میں ایک شب بسر کروں اور میرے پاس اذخر اور جلیل (ایک قسم کی گھاس) ہوں اور کیا وہ دن بھی ہو گا کہ میں مجنہ کے چشموں پر اتروں اور شامہ اور طفیل مجھ کو دکھائی دیں"۔

ذی قعدہ ۶ ہجری، ۶۲۸ عیسوی میں رحمت عالمؐ نے چودہ سو صحابہ کرامؓ کے ساتھ (۱۸۵) عمرہ کا قصد فرمایا، جب مکہ مکرمہ دو

منزل رہ گیا تو ایک شخص نے آ کر خبر دی کہ قریش نے عہد کر لیا ہے کہ مسلمانوں کو مکہ مکرمہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ آنحضرتؐ نے حضرت عثمانؓ کو سفیر بنا کر بھیجا کہ قریش کو سمجھائیں کہ ہم صرف عمرہ کے لئے آئے ہیں۔ لڑنا مقصود نہیں ہے۔ قریش نے حضرت عثمانؓ کو روک لیا، ادھر یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ (۱۸۶) آنحضرتؐ نے سنا تو صحابۂ کرامؓ سے فرمایا، اگر ایسا ہے تو جب تک ہم عثمانؓ کے خون کا بدلہ نہ لیں گے، یہاں سے نہ اٹھیں گے۔ یہ فرما کر آپؐ ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور صحابہ کرامؓ سے فیصلہ کن جنگ کے لئے جہاد پر بیعت لی۔ یہ بیعت ایک درخت کے نیچے لی گئی تھی۔ یہ واقعہ 'بیعتہ الرضوان" کے نام سے موسوم ہے۔ قرآن حکیم کی اس آیت "لقد رضی اللہ عن المومنین اذیبا یعو دنک تحت الشجرۃ"

"بے شک اللہ مومنین سے راضی ہو گیا، جب درخت کے نیچے تمہارے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے"۔ میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

آنحضرتؐ نے افسوس کے ساتھ فرمایا کہ "لڑائی نے پہلے ہی قریش کا کس بل نکال کر انہیں کمزور کر دیا ہے، میں ان سے لڑنا نہیں چاہتا، لیکن اس دین کی حفاظت کے لئے جس پر اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث کیا ہے، اگر انہوں نے لڑنے پر مجبور کیا تو میں ان سے اس وقت تک لڑوں گا، جب تک میری جان باقی ہے۔ یا اللہ! مجھے کوئی اور حکم دے، تاہم میں قریش سے بطور خود جنگ نہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔

قریش کی پیدل اور سوار فوج اس وقت مکہ معظمہ سے کافی دور تھی۔ آنحضرتؐ کے لئے یہ بہت اچھا موقع تھا کہ آپؐ، حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر کو جنگ کے لئے وجہ جواز بنا کر بزور مکہ معظمہ میں داخل ہو کر اسے فتح کر لیتے، اس وقت مکہ معظمہ کی فتح میں ذرا بھی شک وشبہ کی گنجائش نہ تھی، لیکن اس میں زبردست خونریزی ہوتی، مگر چونکہ آپؐ کا مقصد محض فتوحات حاصل کرنا نہ تھا، بلکہ امن وآشتی کا قیام اور فساد وطغیان کی بیخ کنی کرنا تھا، اس لئے آپؐ نے بہرطور مصالحت ہی کو پسند فرمایا۔

آنحضرتؐ نے تمام غزوات میں اس بات کو مدِ نظر رکھا ہے کہ مفتوح حقیقی اور مستقل امن سے قریب تر ہوں اور اسلام کے اعلیٰ اصولوں کو اختیار کر کے اپنے کو مفتوح ومغلوب نہ سمجھا، بلکہ اسلامی مساوات کے رشتے میں منسلک ہو کر کل مومن اخوۃ کا نمونہ بن جائیں اور دنیا کی معلمی وقیادت کے منصب جلیلہ پر فائز ہو کر دارین کی کامیابی حاصل کریں، اس لئے اس موقع پر بھی آپؐ نے صلح کو جنگ پر ترجیح دی!"۔ (۱۸۷)

ابتداء اگرچہ قریش کو یہی اصرار تھا کہ مسلمان مکہ معظمہ میں قدم نہیں رکھ سکتے، مگر جب انہیں آنحضرتؐ کی تیاری کا حال معلوم ہوا، تو ڈھیلے پڑ گئے اور یکے بعد دیگرے اپنے سفیر بھیجے۔ بڑے رد وقدح کے بعد بالآخر چند شرائط پر اتفاق ہوا۔ سرور کائناتؐ نے حضرت علیؓ کو بلا کر معاہدہ لکھنے کا حکم دیا۔ انہوں نے معاہدہ لکھنا شروع کیا، تو شروعات ہی میں قریش کی جانب سے چند اعتراضات ہوئے، تاہم معمولی اختلاف کے بعد اتفاق ہو گیا اور یہ معاہدہ صلح طے پا گیا کہ (۱۸۸)

"یہ وہ معاہدہ ہے، جس پر محمد بن عبداللہ نے سہیل بن عمرو سے مصالحت کی ہے۔ دس سال تک ہم آپس میں کوئی جنگ نہیں کریں گے۔ اس اثناء میں لوگ امن کی زندگی بسر کریں گے اور فریقین کا ہر شخص مامون ومحفوظ ہو گا اور کوئی کسی کے خلاف تلوار

نہیں اٹھائے گا۔ اس سال مسلمان واپس چلے جائیں گے، اگلے سال آئیں گے اور تین روز قیام کریں گے۔ تلوار نیام میں ہو گی۔ (۱۸۹) اس کے سوا کوئی اور ہتھیار نہیں ہوگا۔ قربانی کے جو جانور مسلمانوں کے پاس ہیں، ان کو حدیبیہ میں ہی ذبح کر دیا جائے گا، ان کو مکہ میں ذبح کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ مسلمانوں اور قریش کے حقوق اور واجبات برابر ہوں گے۔ محمدؐ کے ساتھیوں میں جو شخص حج، عمرہ یا تجارت کے لئے مکہ آئے گا تو وہ قریش کی امان میں ہوگا اور قریش کا کوئی فرد مصر یا شام (۱۹۰) بغرض تجارت جاتے ہوئے مدینہ سے گزرے تو اس کی جان و املاک کو تحفظ حاصل ہوگا۔ اگر قریش کا کوئی فرد اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر مدینہ چلا آئے تو محمدؐ اسے واپس کرنے کے ذمہ دار ہوں گے، لیکن محمدؐ کے ساتھیوں میں سے اگر کوئی بھاگ کر مکہ آتا ہے، تو اہل مکہ اسے واپس نہیں کریں گے۔ دلوں کی عداوتیں دلوں ہی میں رہیں گی، انہیں ظاہر نہیں کیا جائے گا۔ اہل عرب فریقین میں سے جس کے ساتھ معاہدہ کرنا چاہیں دوسرا فریق اس میں حائل نہیں ہوگا۔ (۱۹۱) اس معاہدے پر ان گواہوں نے اپنے دستخط ثبت کئے۔ (۱۹۲) مسلمان: ابوبکر صدیق، عمر بن خطاب، عبدالرحمٰن بن عوف، عبداللہ بن سہل بن عمرو، سعد بن ابی وقاص، محمد بن مسلمہؓ۔

قریش: مکرز بن حفص

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے ابن سعد اور سرخسی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ معاہدہ کی دو نقول تیار کی گئیں۔ (۱۹۳) ایک نقل رسول اکرمؐ نے اپنے پاس رکھی اور دوسری سہیل کے حوالے کی گئی۔

معاہدہ حدیبیہ کی تمام شرائط بہت سخت اور مسلمانوں کے سراسر خلاف تھیں اور ان سے بظاہر مسلمانوں کی کمزوری اور بے بسی کا اظہار ہوتا تھا۔ صحابۂ کرام محسوس کرتے تھے کہ قریش کے مقابلے میں دب کر صلح کی گئی ہے۔ معاہدے کی دفعات یہی بتاتی تھیں کہ یہ قریش کی فتح اور مسلمانوں کی شکست ہے، اس لئے صحابہ کرامؓ کو یہ مغلوبانہ معاہدہ بہت شاق گزرا، وہ اگرچہ اسے قبول کرنے کے لئے قطعاً آمادہ نہ تھے، تاہم انہوں نے شیوۂ تسلیم ترک نہیں کیا اور نہ دامن اطاعت ہاتھ سے چھوڑا۔ آنحضرتؐ کی دور بین نظر مستقبل کے امکانات پر تھی۔ آپ محسوس فرما رہے تھے کہ ہمارا آدمی جب قریش کے یہاں قید ہوگا تو محض قیدی نہیں ہوگا، بلکہ وہ اپنے اخلاق و کردار سے اسلام کا مبلغ ہوگا۔ آپؐ نے غایت تدبر کے ساتھ مستقبل کے روشن امکانات کو سامنے رکھا اور وقتی طور پر جس قیمت پر بھی ممکن ہو سکا جنگ کے بجائے صلح کا راستہ اختیار فرمایا، چنانچہ بعد کے واقعات سے آپ کا اندازہ صحیح ثابت ہوا اور اس صلح کے بطن سے وہ عظیم واقعہ ظاہر ہوا، جس کو خدائے علیم و خبیر نے "فتح مبین" سے تعبیر فرمایا ہے۔

حدیبیہ کی صلح میں آنحضرتؐ نے جس غیر معمولی تدبر، دور اندیشی اور امن پسندی اور اسی کے ساتھ آپؐ کے صحابۂ کرامؓ نے جس اطاعت و فرماں برداری کا ثبوت دیا، وہ انسانی تاریخ کا عظیم الشان کارنامہ ہے، اگرچہ ظاہر میں یہ صلح مغلوبانہ تھی اور سطحی نظر میں یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس میں قریش کی جیت ہوئی ہے، مگر در حقیقت یہی وہ صلح تھی، جس میں آپ کو نہ صرف یہ کہ مکمل طور پر اخلاقی فتح حاصل ہوئی، بلکہ یہی مصالحت آئندہ اسلام کی عظیم الشان کامیابیوں کا ذریعہ بنی۔

معاہدۂ صلح کے بعد آنحضرتؐ نے واپسی کا قصد فرمایا تو اثنائے راہ میں سورۂ فتح نازل ہوئی، جس میں اللہ تعالیٰ اس صلح کو "فتح مبین" سے تعبیر کیا تھا۔(۱۹۴)

تقریباً سب ہی مورخین نے لکھا ہے کہ اس وقت تک مسلمان اور مشرک الگ الگ رہتے تھے، صلح ہو جانے سے آپس میں میل جول بڑھا اور دن رات کے چرچے سے اسلام کے مسائل اور خیالات روز بروز زیادہ پھیلتے گئے، اس کا یہ اثر ہوا کہ دو سال کے اندر اندر جس کثرت سے لوگ اسلام لائے ۱۸، سال کی طویل مدت میں نہیں لائے تھے۔(۱۹۵)

معاہدہ صلح طے پاتے ہی بنو خزاعہ نے مسلمانوں کے ساتھ وفاداری کا دم بھرا(۱۹۶) یہ قحطانی نسل کا ایک قبیلہ تھا جو مکہ کے قرب وجوار میں آ کر آباد ہو گیا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں عبدالمطلب نے اس قبیلے سے نسلاً بعد نسل حلیفی کی تھی۔ اس لئے اس حلیفی کی بنا پر محاصرۂ خندق کی قریش کی تیاریوں کی اطلاع بنو خزاعہ نے مکہ سے صرف چار دن میں آ کر رسول اکرم کو دی تھی۔(۱۹۷) لہذا معاہدہ حدیبیہ کے موقع پر بنو خزاعہ نے اعلان کیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے حلیف ہیں اور بنو بکر نے قریش کے عقد و عہد میں ہونے کا اعلان کیا۔(۱۹۸) اس موقع پر آپؐ نے عبدالمطلب کے پرانے حلف نامے کی تجدید بھی فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ "زمانہ جاہلیت کی ہر حلیفی کو اسلام مضبوط تر ہی کرتا ہے"۔(۱۹۹)

محرم ۷ھ بمطابق مئی ۶۲۸ء میں آپؐ نے اہل خیبر کو ان کو قلعوں وطیح اور اسلام میں محصور کر لیا۔ اس سے قبل آپؐ نے ان کے مواضعات شق، نطاۃ اور کتیبہ وغیرہ پر قبضہ کر لیا تھا۔(۲۰۰) جب ان کو اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا تو انہوں نے آپؐ سے صلح کی درخواست کی۔(۲۰۱) آپؐ نے ان کی یہ استدعا قبول فرمائی اور درج ذیل معاہدہ طے ہوا۔(۲۰۲)

۱۔ ان کے خون معاف کئے جائیں۔

۲۔ ان کے بال بچے قید نہ کئے جائیں۔

۳۔ وہ خیبر سے جلاوطن ہو جائیں گے۔

۴۔ وہ اس عوض زمین، سونے، چاندی اور مال و اسباب سمیت مسلمانوں کے لئے چھوڑ جائیں گے، سوائے اس مال کے جو ان کے جسموں پر ہے۔

۵۔ یہ کہ مسلمانوں سے کوئی چیز نہیں چھپائیں گے۔

رسول اکرمؐ اور اہل خیبر کے درمیان جو لوگ واسطہ بنے تھے، ان میں محیصہ ابن مسعود اور اخو بنو حارثہ بھی تھے۔(۲۰۳) اہل خیبر کی حوالگی عمل میں آ چکی، تو انہوں نے آپؐ سے درخواست کی کہ ہم بہتر مزارعین ہیں، اس لئے ہمیں یہیں رہنے دیا جائے۔ آپؐ نے ان کی یہ درخواست قبول فرمائی اور ان سے پھلوں اور غلوں کی آدھی بٹائی پر صلح فرمائی۔(۲۰۴) ساتھ ہی آپؐ نے فرمایا کہ میں تمہیں برقرار رکھتا ہوں، جب تک اللہ تمہیں برقرار رکھے۔(۲۰۵) یہودیوں کو اپنے مذہبی اعتقادات کی مکمل آزادی دی گئی اور چونکہ وہ باقاعدہ ٹیکسوں سے مستثنیٰ رکھے گئے، اس لئے ان کی حفاظت کے عوض ان کو اپنی بٹائی کا نصف مسلمانوں کو دینا پڑا۔(۲۰۶)

ہر سال جب بٹائی کا وقت آتا تو آپ عبداللہؓ بن رواحہ کو خیبر بھیجتے۔ ایک دفعہ یہودیوں نے شرارت سے آپؐ سے عبداللہؓ بن

رواحہ کے تخمینہ کی شکایت کی اور دوسری طرف عبداللہؓ بن رواحہ کو سونا رشوت میں دینا چاہا، جو انہوں نے اپنی عورتوں کا زیور لے کر جمع کیا تھا۔ (۲۰۷) تو انہوں نے اسے نفرت سے ٹھکرا دیا اور کہا کہ مجھے تم سے بندروں اور سوروں سے بھی زیادہ نفرت ہے، لیکن میں عدل سے باز نہیں آؤں گا۔ اس پر یہودیوں نے کہا کہ زمین اور آسمان اسی عدل پر قائم ہیں۔ (۲۰۸)

وطیح وسلالم کے محاصرہ کے دوران میں رسالت مآب ﷺ نے محیصہ بن مسعود کو اہل فدک کے پاس بھیجا کہ انہیں اسلام کی دعوت دیں۔ (۲۰۹) اہل فدک کا سردار یوشع بن نون تھا، اس کے قاصد آپؐ کے پاس پہنچے اور آپ کو اپنے سردار کا یہ پیغام دیا کہ "ہم کو صرف ہماری جانوں کی امان دی جائے، مال و اسباب سے ہم کو سروکار نہیں ہے"۔ (۲۱۰) آپؐ نے ان کی یہ درخواست قبول فرمائی، اس لئے اہل خیبر کی طرح نصف نصف پر صلح ہو گئی۔ (۲۱۱) ابن ہشام کا خیال ہے کہ ساتھ ہی یہ شرط بھی عائد کی گئی کہ جب ہم تمہیں نکالنا چاہیں گے، نکال دیں گے۔ (۲۱۲)

چونکہ فدک پر مسلمانوں نے لشکر کشی نہیں کی تھی، اس لئے حکم خداوندی کے مطابق فدک آپؐ کی ملکیت ٹھہرا اور خیبر کے غنائم تمام مسلمانوں میں تقسیم کیے گئے۔

خیبر سے فارغ ہونے کے بعد آپؐ نے وادی القریٰ کا رخ کیا اور اسے فتح کیا۔ (۲۱۳) اہل وادی کے اموال مسلمانوں میں تقسیم کر دیے گئے اور انہیں بٹائی پر اراضی و باغات سونپ دیے گئے۔ آپؐ نے ان سے ایسا ہی معاملہ فرمایا جیسا اہل خیبر سے فرمایا تھا۔ (۲۱۴)

آنحضرتؐ نے اہل تیماء سے بھی معاہدہ فرمایا، تیماء مدینہ کے قریب ایک مقام تھا اور بعض کا خیال ہے کہ یہ مقام ملک شام میں تھا۔ وادی تیماء میں بھی یہودی تھے، جب اہل تیماء نے وادی القریٰ کے زوال کی خبر سنی تو انہوں نے آنحضرتؐ سے امن کی درخواست کی۔ (۲۱۵) آپؐ نے اہل تیماء پر یزید بن ابو سفیان، جو فتح تیماء کے دن ہی اسلام لائے تھے، گورنر مقرر فرمایا۔ (۲۱۶)

آپؐ نے اہل تیماء سے درج ذیل معاہدہ فرمایا: (۲۱۷)

یہ تحریر ہے اللہ کے رسول محمدؐ کی طرف سے بنو عاد کے لئے، ان کے لئے ذمہ داری ہے اور اُن پر جزیہ، نہ ظلم ہو گا اور نہ جلا وطنی۔ رات (اس معاہدے کو) دراز کیا کرے گی تو دن اس میں شدت پیدا کرے گا۔

اس معاہدے کو خالد بن سعید نے لکھا۔

اس کے علاوہ آپؐ نے بحرین کے یہودیوں بنو عریض اور بنو غازیہ کے ساتھ اطاعت، جزیہ اور اپنے دین پر استقرار کی صورت میں معاہدہ کیا۔

۲۰ر رمضان ۸ھ بمطابق ۱۱ر جنوری ۶۳۰ء جمعۃ المبارک کو آپ مکہ جا پہنچے اور آپؐ نے معاہدہ مکہ فرمایا۔ دراصل صلح حدیبیہ کے موقع پر بنو بکر قریش کے اور بنو خزاعہ مسلمانوں کے حلیف بن گئے تھے۔ بنو خزاعہ اور بنو بکر دونوں میں زمانہ جاہلیت سے مخاصمت چلی آرہی تھی۔ (۲۱۸) معاہدہ حدیبیہ ہی کی ایک شق کے مطابق فریقین میں دس برس تک جنگ نہیں ہونی تھی، اس کو بنو بکر کے قبیلہ بنو دیل نے غنیمت جانا اور اسود بن رزن کے انتقام کے لئے بنو خزاعہ سے خون بہا وصول کرنے کا ارادہ کیا، جنہیں انہوں نے قتل کر دیا تھا۔

نوفل بن معاویہ نے، جو بنو دیل کا سردار تھا اور ابن ہشام کے نزدیک بنو بکر کا ہر فرد اس کا تابع فرمان نہیں تھا (۲۱۹) اپنے قبیلے کے لوگوں کو لے کر بنو خزاعہ پر شب خوں مارا، جو اپنے وتیر نامی چشمہ پر فروکش تھا۔ بنو خزاعہ کا ایک آدمی مارا گیا۔ بنو خزاعہ کو وہ مقام چھوڑنا پڑا اور پھر لڑائی ہوئی۔ دوسری طرف قریش نے نہ صرف بنو بکر کو ہتھیار فراہم کئے (۲۲۰) بلکہ طبری وواقدی کی روایت کے مطابق رقمطراز ہے: کہ صفوان بن اُمیّہ، عکرمہ بن ابی جہل اور سہیل بن عمرو (۲۲۱) نے مع اپنے حوالی وموالی بھیس بدل کر شب خون مارا۔ (۲۲۲) بنو خزاعہ کو مجبوراً حرم میں پناہ لینا پڑی۔ بنو بکر نے نوفل بن معاویہ کو حرم کی حرمت کے باعث اب جنگ بند کرنے کو کہا تو اُس نے کہا کہ "آج میرا کوئی خدا نہیں، میں کسی کو نہیں مانتا۔ اے بنی بکر! تم اپنا خون بہا وصول کرو"۔ (۲۲۳) غرض بنو خزاعہ کو حرم میں بھی تہہ تیغ کیا گیا۔ بنو خزاعہ نے مکہ میں پہنچ کر بدیل بن ورقاء اور ان کے مدنی رافع کے گھر میں پناہ لی۔

قریش کے ہاتھوں اپنے نقصان اور ان کے شر کی اطلاع دینے عمرو سالم الخزاعی مدینہ آئے۔ رسول اللہ مسجد نبویؐ میں شریف فرما تھے کہ دفعتاً یہ صدا بلند ہوئی:

"اے خدا! میں محمدؐ کو اپنے باپ اور اُن کے باپ کی قدیم دوستی یاد دلاتا ہوں اور اس کا واسطہ دیتا ہوں۔ اے رسول اللہؐ! آپؐ ہماری مدد کیجئے اور اللہ کے بندوں کو ہماری امداد کے لئے بلایئے"۔ (۲۲۴)

اس کے بعد بدیل بن ورقا چند ساتھیوں کے ساتھ مدینہ آئے اور آپ کی خدمت میں تمام واقعات گوش گزار کیے۔ آپ کو ان واقعات سے دلی صدمہ ہوا۔

ادھر قریش نے ابوسفیان کو معاہدہ حدیبیہ کی تجدید کے لئے مدینہ بھیجا، لیکن آپؐ نے اس کی درخواست کا جواب نہ دیا۔ اس کے بعد ابوسفیان نے ابوبکر صدیقؓ، عمرؓ بن خطاب اور علی المرتضیٰؓ سے باری باری ملاقات کی اور تجدید معاہدہ کے لئے رسول کریم کو آمادہ کرنے پر زور دیا، لیکن انہوں نے حامی نہ بھری۔ ابوسفیان کے بار بار اصرار پر علی مرتضیٰؓ نے کہا کہ تم سب لوگوں کے سامنے جا کر معاہدہ حدیبیہ کی تجدید کر دو اور پھر مکہ کی راہ لو، چنانچہ ابوسفیان نے ایسا ہی کیا۔ واپسی پر قریش کے استفسار پر ابوسفیان نے تمام واقعہ سنا دیا، تو قریش نے کہا کہ علیؓ نے تو تمہارے ساتھ مذاق کیا ہے، اس سے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوگا۔ ابوسفیان نے کہا اس کے سوا تو میں کچھ اور نہیں کر سکا۔ (۲۲۵)

اب رسول اکرمؐ نے لوگوں کو تیاری کا حکم دیا اور ایک لشکر جرار کے ساتھ آپؐ نے مکہ کی جانب کوچ فرمایا، مکہ میں داخلے کے وقت آپؐ نے اعلان فرما دیا کہ: (۲۲۶)

۱۔ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوگا، اُسے امان حاصل ہے۔
۲۔ جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے اُسے امان حاصل ہے۔
۳۔ جو شخص مسجد حرام میں داخل ہوگا، وہ بھی مامون ہوگا۔
۴۔ جو شخص ہتھیار ڈال دے اُسے امان حاصل ہوگا۔
۵۔ جو شخص حکیم بن حزام کے گھر میں پناہ لے وہ بھی مامون ہوگا۔

یہ آپ کی سیاسی بصیرت تھی، جس نے قریش کو سوچنے پر مجبور کر دیا، جہاں تک مقتولین کے خون بہا کا تعلق ہے، ان کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ قریش اور بنی بکر مل کر بھی ان کا قصاص ادا کرنے سے قاصر تھے۔ عربوں کے ہاں حلیف کے رشتے کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور یہ خونی رشتے سے کہیں زیادہ حیثیت رکھتا ہے۔ قریش عرب قبائل میں ایک ممتاز حیثیت کے مالک تھے، اپنے حلیف کو چھوڑ کر وہ اپنی بدنامی اور رسوائی کس طرح برداشت کر سکتے تھے، تو اس لئے انہوں نے معاہدہ حدیبیہ توڑنے کا اعلان کر دیا، بعد میں پچھتائے، لیکن اب عرب میں ان کی ساکھ ختم ہو چکی تھی۔

بعض ناقدین کا یہ کہنا کہ آپؐ نے خود تنسیخ معاہدہ حدیبیہ کا موقع پیدا کیا، تعصب پر مبنی ہے۔ اگر آپ کا ارادہ مکہ پر قبضہ کا ہی تھا، تو آپ کو اس وقت کون روک سکتا تھا، جب آپ عمرہ ادا کرنے آئے اور قریش شہر چھوڑ کر پہاڑوں پر چلے گئے تھے، لیکن جس طرح آپؐ گئے تھے، اسی طرح شہر سے باہر چلے آئے اور مکہ کی ایک ادنیٰ سی ادنیٰ چیز کو بھی کوئی گزند نہ پہنچا۔

آپؐ نے اہل مزینہ کے ساتھ بھی معاہدہ فرمایا۔ مزینہ کا قبیلہ مدینہ کے مغرب میں ساحل سمندر کی طرف اُس شاہراہ پر صرف بیس میل کے فاصلہ پر آباد تھا، جہاں سے قریش کے تجارتی قافلے شام کو جایا کرتے تھے۔ آنحضرتؐ نے مزینہ کے ایک سردار کو قبلیہ کی کانیں جاگیر میں عطا کیں، تاکہ قریش کے قافلوں کو روکنے کے اقدامات میں وہ بھی مسلمانوں کا حلیف ثابت ہو۔

اہل مزینہ رجب ۵ھ میں اسلام لائے تھے۔ اُن کا ایک وفد جو چار سو افراد پر مشتمل تھا مدینہ آیا اور ہجرت کی خواہش کا اظہار کیا۔ آپؐ نے ان سے فرمایا تھا کہ! "تم لوگ جہاں رہو، مہاجر ہو۔ لہٰذا تم لوگ اپنے مال و متاع کی جانب لوٹ جاؤ"۔ اسی سردار کو آپؐ نے کچھ زرعی اراضی کی جاگیر کا بھی پروانہ عطا فرمایا، جسے امیر معاویہؓ نے تحریر فرمایا۔

آپؐ نے اہل جُرش سے بھی معاہدہ فرمایا، جُرش طائف کے جنوب میں یمن کا ایک اہم مقام تھا۔ نبی کریمؐ کے حکم سے صُرد بن عبداللہ الازدی نے فتح مکہ کے بعد، لیکن غالباً طائف کے مشرف بہ اسلام ہونے سے قبل (۲۲۷) جُرش کا محاصرہ کیا، اہل جُرش نے صلح کی درخواست کی اور مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کر لیا، جو لوگ اسلام لائے، آپؐ نے انہیں اسی حالت پر برقرار رکھا، جو اہل کتاب تھے، ان کے ہر بالغ پر ایک دینار جزیہ مقرر فرمایا اور یہ بھی لازم قرار دیا کہ آئندہ وہ مسلمان مسافروں کو سامانِ رسد مہیا کیا کریں گے۔ (۲۲۸)

ابن ہشام اور طبری کا بیان ہے کہ آپؐ نے ان کی بستی کے قریب اُن کے گھوڑوں، اونٹوں اور زراعت کے لئے ایک چراگاہ مقرر فرما دی۔ اہل جُرش کے علاوہ اگر کوئی اس چراگاہ میں اپنے جانور چرائے تو وہ ناجائز ہے۔ (۲۲۹) دیبلی نے لکھا ہے۔ (۲۳۰) کہ آپؐ نے اہل جُرش کو لکھا کہ "اسلام لاتے وقت ان کے پاس جو قبائلی چراگاہ تھی، وہ ان ہی کے لئے محفوظ رہے گی، جس میں ان کی اجازت کے بغیر کوئی اور اپنے جانور نہ چرا سکے گا، جو نہ مانے تو اس کا مال ہدر ہے جو چاہے چھین لے"۔

آپؐ نے اہل جُرش پر ابوسفیان بن حرب کو حاکم مقرر فرمایا۔ (۲۳۱)

نبی کریمؐ نے قبیلہ اسلم کے ساتھ بھی معاہدہ فرمایا، اس معاہدے کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ ابن سعد کے بیان کے مطابق اسلم خزاعہ کی ایک شاخ تھی، اس کے ساتھ آپؐ نے درج ذیل معاہدہ کیا: (۲۳۲)

۱۔ اسلم کے لئے جو خزاعہ کی شاخ ہے، ان لوگوں کے لئے جو ان میں سے ایمان لائے ہیں، نماز پڑھتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے دین کے بارے میں بھی بہی خواہی دکھاتے ہیں۔

۲۔ انہیں ایسوں کے خلاف مدد دی جائے گی جو ظلم سے ان پر اچانک دھاوا بول دیں۔

۳۔ اور ان پر نبی کریمؐ کی مدد واجب ہوگی، جبکہ آپؐ ان کو بلائیں۔

۴۔ اور ان کے خانہ بدوشوں کے لئے بھی وہی حقوق وواجبات ہیں جو ان کی بستی میں رہنے والوں کے لئے ہیں۔

۵۔ اور وہ مہاجر ہی ہیں، جہاں بھی وہ رہیں۔

ابن سعد کا خیال ہے کہ اس معاہدے کو العلاء بن الحضرمی نے تحریر کیا اور ان ہی نے گواہی ثبت کی۔

اس معاہدے کا ذکر کرنے والے دوسرے مصنف کا نام واقدی ہے۔ اس کا بیان ہے کہ رسالت مآب صلعم غدیر الاشطاط نامی تالاب پر ڈیرے ڈالے ہوئے تھے، اس دوران میں وہاں کا سردار بریدہ بن الحصیب حاضر خدمت ہوا اور اپنے اور اپنے قبیلے کے مشرف بہ اسلام ہونے کی اطلاع دی۔ بریدہ نے مزید عرض کی کہ کچھ لوگ ہجرت کر کے مدینہ جا چکے ہیں اور باقی یہیں ہیں۔ آپؐ نے انہیں وہیں رہنے کا حکم دیا۔ حرید بر آں اسلم قضاعہ کی شاخ تھی، جو مدینہ کے شمال میں بستی ہوگی۔ (۲۳۳)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا خیال ہے کہ یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ دونوں میں سے کس کے بیان کو ترجیح دی جائے۔ ابن سعد میں خزاعہ کی صراحت ہے، واقدی میں نام پر صرف پیش کا پڑ جانا کاتب کا سہو بھی ہو سکتا ہے۔ (۲۳۴)

ڈاکٹر موصوف ہی رقمطراز ہیں کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت کے حکم کو منسوخ کر دیا گیا اور اگر استثناء ہوا بھی تو وہ ۸ھ سے قبل ہی ہو سکتا ہے، اس لئے یہ فرمان بھی ۸ھ سے قبل ہی کا ہو سکتا ہے، اس لئے یہ فرمان بھی ۸ھ سے قبل ہی کا ہو سکتا ہے۔ ابن سعد کے متن میں زکوٰۃ کا ذکر موجود ہے۔ باقاعدہ محکمہ زکوٰۃ تو ۹ھ میں قائم ہوا تھا، لیکن غیر معین رضاکارانہ زکوٰۃ کا ذکر ابتداء اسلام ہی سے ملتا ہے۔ (۲۳۵)

۹ھ میں آپؐ نے بنو ثقیف کے ساتھ معاہدہ فرمایا، بنو ثقیف عبد یالیل کی قیادت میں ماہ رمضان میں مدینہ آئے۔ آپؐ نے انہیں مسجد کے قریب میں ٹھہرایا اور ان کے لئے یہ تحریر خالد بن سعد سے لکھوائی۔ (۲۳۶)

یہ تحریر ہے، اللہ کے رسول محمدؐ کی بنی ثقیف کے لئے۔

لکھا جاتا ہے کہ ان کو اس خدا کا ذمہ دیا جاتا ہے کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور نبی محمد بن عبداللہ کا ذمہ اس چیز کے متعلق، جو اس دستاویز میں لکھا گیا ہے۔ بے شک ان کی وادی حرام ہے اور سب کی سب خدا کے لئے حرام کی گئی ہے۔ وہاں کے جنگلی خار دار درخت، وہاں کا شکار، وہاں ظلم کرنا، وہاں چوری یا کوئی برائی کرنا سب حرام ہیں۔

اور (اس وادی) وج کا ثقیف ہی کو سب سے زیادہ استحقاق ہے، ان کے قلعے کو عبور نہیں کیا جا سکے گا اور نہ کوئی مسلمان وہاں جا کر ان کو وہاں وہ اپنے قلعے میں یا اس کے سوا اپنی وادی میں جو عمارت چاہیں بنا سکیں گے۔ ان کو نہ تو فوجی خدمت کے لئے جمع کیا جائے گا اور نہ ہی ان سے عشر زکوٰۃ لیا جائے گا اور نہ ہی مال یا ذات کے متعلق ان پر کوئی جبر کیا جا سکے گا۔

یہ مسلمانوں ہی کا ایک گروہ ہیں۔ مسلمانوں میں جہاں چاہیں جا آسکیں گے اور جہاں جانا آنا چاہیں جا آسکیں گے اور ان کے پاس جو قیدی ہو، وہ ان ہی کا ہوگا اور ان ہی کو سب لوگوں سے زیادہ اس پر استحقاق ہوگا تا کہ وہ اس کے متعلق جو چاہیں کریں۔
ان کو رہن کی ضمانت پر جو قرض وصول طلب ہو اور اس کی ادائیگی کی مدت آ جائے تو وہ سُود ہے اور اللہ سے برأت اور جو قرض رہن کی ضمانت پر موسم عکاظ کے بعد تک کے لئے ہو تو اس کا اصل راس المال عکاظ کے وقت ادا کر دیا جائے۔ (۲۳۷)
اور ثقیف کو ان کے کھاتوں میں ان کے اسلام لانے کے دن لوگوں سے جو وصول طلب دیون ہیں، وہ ان کو ملیں گے۔
اور ثقیف کو لوگوں سے جو امانت یا مال یا آدمی (یعنی لونڈی یا غلام) جسے امانت رکھانے والے نے مال غنیمت حاصل کیا تھا یا اسے کھویا تھا، وصول طلب ہو تو ضرور واپس کیے جائیں گے۔
اگر ثقیف کے کچھ لوگ یا سامان (اب) غیر حاضر ہوں تو اس کو بھی وہی امن حاصل ہوگا جو حاضر الوقت کو ہے اور ان کو جو مال لیّہ میں ہو تو اُس کو بھی وہی امن حاصل ہوگا جو وجّ کے مال کو ہے۔
اگر ثقیف کے کچھ لوگ یا سامان (معاملت دار) ہو تو اُس کو بھی ثقیف کے لئے طے شدہ امر ہی حاصل ہوگا اور اگر ثقیف پر کوئی الزام لگانے والا الزام لگائے یا کوئی ظلم کرنے والا ان پر ظلم کرے تو ان کے متعلق اس کی بات نہیں مانی جائے گی، چاہے مال کے متعلق ہو یا جان کے اور رسول اکرمؐ اور تمام مسلمان ان (ثقیف) کی مدد اس شخص کے خلاف کریں گے جو ان پر ظلم کرے اور لوگوں میں سے جس کے متعلق انہیں نا پسند ہو کہ وہ ان کے ہاں آئے تو ایسا شخص ان کے ہاں نہ آسکے گا اور بازار و بیوپار گھروں کے صحنوں میں ہوگا۔ ان کا امیر ان ہی میں سے کوئی ہوا کرے گا، کوئی دوسرا نہیں، چنانچہ بنی مالک پر ان کا امیر اور احلاف پر ان کا امیر ہوگا اور ثقیف والے قریش کے جن تاکستانوں کی آبرسانی کریں گے تو آبرساں کو اس کا آدھا ملے گا اور ان کو رہن کی ضمانت پر جو قرض وصول طلب ہو تو سود نہیں لیا جائے گا، اگر رہن کے مالک فوری ادائیگی کے قابل ہوں، تو ادا کریں گے اور اگر فوری ادائیگی نہ کر سکتے ہوں تو آئندہ سال کے جمادی الاوّل تک ہو سکے گا اور جس کا وقت آ گیا اور ادا نہ کرے تو گویا اُس نے سود لیا۔
اور ان لوگوں سے جو قرض وصول طلب ہو تو انہیں اصل راس المال کے سوا کچھ نہ ملے گا اور ان کے پاس جو قیدی ہو، جسے اس کے مالک نے بیچ دیا ہو، تو اسی کو اس بیع کا حق ہوگا اور جو فروخت نہ کیا گیا ہو تو اس میں (فدیہ) چھ اونٹنیاں ہوں گی، آدھوں آدھ تین اونٹنیاں اور دودھ پلائی عمدہ ہوں اور جس نے معاملہ بیع کر کے کچھ خریدا ہو تو اس بیع کا اسی کو حق ہوگا۔
شوال ۹ھ میں معاہدہ دومتہ الجندل عمل میں آیا، اس معاہدے کو معاہدہ اکیدر بھی کہتے ہیں۔ غزوۂ تبوک کے دوران میں آپؐ نے محسوس کیا کہ رُومی اپنی افواج از خود ہی واپس لے گئے ہیں اور سرحد کے قریب قریب تمام امراء نے آپ کی اطاعت کر لی ہے، البتہ اکیدر بن مالک الکندی (۲۳۸) والی دومتہ الجندل کی طرف سے یہ خدشہ ہو سکتا ہے کہ ہرقل روم بھی سرکشی کا ارادہ کرے تو وہ اس کی مدد کو نہ پہنچ جائے۔ اس کی سرکوبی کی غرض سے آپؐ نے شوال ۹ھ میں خالدؓ بن ولید (۲۳۹) کو پانچ سو سپاہیوں کے ساتھ دومتہ الجندل (۲۴۰) کی طرف روانہ فرمایا۔ آپؐ نے خالدؓ کو روانگی کے وقت یہ بھی فرمایا کہ وہ اکیدر کو نیل گائے کا شکار کھیلتا ہوا پائیں گے۔ (۲۴۱)
سوءِ اتفاق گرمیوں کی چاندنی رات میں اکیدر اپنی بیوی سمیت قلعے کی سطح پر موجود نیل گائے کے شکار میں مشغول تھا کہ خالدؓ پہنچے

لشکر سمیت آ پہنچے۔ اکیدر کے ساتھ اس کے خاندان کے کچھ دیگر افراد بھی تھے۔ فریقین کے درمیان مڈ بھیڑ ہوئی۔ اکیدر کا بھائی حسان قتل ہو گیا اور اکیدر کو گرفتار کر لیا گیا۔ حسان کے جسم پر زربفت کی قبا تھی۔ خالدؓ نے اسے اتار کر رسول اکرمؐ کی خدمت میں بھیج دیا۔ بعد میں خالدؓ اکیدر کو لے کر آپؐ کے پاس حاضر ہوئے، اکیدر مسلمان ہو گیا، آپؐ نے اس کے لئے اور اہلِ دُومہ کے لئے درج ذیل وثیقہ تحریر فرمایا۔ (۲۳۲)

"یہ تحریر محمد رسول اللہ کی جانب سے اکیدر کے لئے ہے، جبکہ اس نے اسلام قبول کیا اور انداد و اصنام کو چھوڑ دیا اور اہلِ دُومہ کے لئے ہے۔ جو ہڑوں کا وہ حصہ جو آبادی کے باہر ہے، بنجر زمینیں اور جنگل اور غیر آباد زمینیں اور زرہیں اور ہتھیار اور بار برداری کے جانور اور گڑھی یہ سب چیزیں ہمارے لئے ہیں اور تمہارے لئے وہ کھجور کے درخت ہیں، جو گڑھی کے اندر ہیں اور بہتا ہوا پانی ہے۔ تمہارے چرنے والے جانور چراگاہوں سے نہیں پھیرے جائیں گے اور نصاب کی مقرر تعداد سے جو مواشی زیادہ ہوں گے، زکوٰۃ کے تعین کے وقت ان کا شمار نہیں کیا جائے گا اور تمہارے پودے اُگنے سے نہیں روکے جائیں گے۔

تمہیں وقت پر نماز پڑھنا اور حق کے مطابق زکوٰۃ دینا ہوگی، اس کے لئے تمہارے ساتھ اللہ کا عہد اور میثاق ہے اور تم ہماری صداقت اور وفائے عہد کے مستحق ہو۔ اللہ اور مسلمان حاضرین شاہد ہیں۔

ابن سعد کا خیال ہے کہ آنحضرتؐ نے اکیدر سے دو ہزار اونٹ، آٹھ سے گھوڑے، چار سو زرہیں اور چار سو نیزے لے کر صلح فرمائی تھی۔ رسالت مآبؐ کے وصال کے بعد اکیدر معاہدہ سے پھر گیا اور اس نے صدقہ وغیرہ روک دیا۔ حیرہ جا کر اس نے ایک عمارت تعمیر کروائی اور اس کا نام دومۃ الجندل کے نام پر دومہ رکھا۔ اسی اثناء میں اس کا برادر حریث مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ خلیفہ اول ابوبکر صدیقؓ نے خالدؓ بن ولید، جو اس وقت عین التمر میں برسرِ پیکار تھے، اکیدر کی سرکوبی کا حکم دیا۔ انہوں نے اُسے واصلِ جہنم کیا اور اس طرح دومہ دوبارہ فتح کر لیا گیا۔

آنحضرتؐ نے اہلِ ایلہ سے بھی معاہدہ فرمایا، ایلہ شام میں خلیج عقبہ کے سرے پر ایک مقام تھا۔ آپؐ نے ایلہ کے حاکم یوحنا بن روبہ کو ایک مکتوب مبارک ارسال کیا۔ یحنہ یا یوحنا آپؐ کا مکتوب مبارک وصول کرنے کے بعد آپؐ کی خدمت میں بمقام تبوک حاضر خدمت ہوا (۲۳۳) یہ لوگ مسیحی تھے۔ آپؐ نے یوحنا کو مہمان کا درجہ دیا، اس سے کمال التفات سے پیش آئے اور اُسے ایک عبا عنایت فرمائی۔ (۲۳۴) گفت و شنید کے بعد (۲۳۵) درج ذیل معاہدہ طے پایا۔ (۲۳۶)

"یہ تحریر امان کی ضامن ہے، جو اللہ اور محمد النبی رسول اللہ کی جانب سے یحنہ بن روبہ اور اہلِ ایلہ کے لئے ان کے بری قافلوں اور بحری تجارتی جہازوں کی حفاظت کی غرض سے مرتب ہوئی۔ ان کے لئے اللہ اور محمد النبی کی حفاظت کا ذمہ ہے اور ان اہلِ شام، اہلِ یمن اور اہلِ بحر کے لئے جو اُن کے ساتھ ہوں، لیکن ان میں جو بھی شخص معاہدے کے خلاف کوئی بات پیدا کرے گا اس کا مال اس کی جان بچانے میں حائل نہ ہوگا اور وہ ہر اس شخص کے لئے حلال ہوگا جو اسے پکڑ لے گا، یہ جائز نہ ہوگا کہ ہمارے آدمیوں کو کسی بھی چشمے سے جس پر جا کر وہ پانی حاصل کرنا چاہیں یا کسی بھی بری یا بحری راستے سے جس پر وہ چلنا چاہیں روکا جائے"۔

یہ فرمان جہیم ابن الصلت اور شرحبیل بن حسنہ نے تحریر کیا۔ بلاذری کا خیال ہے کہ اس علاقے کے ہر بالغ پر ایک دینار

سالانہ جزیہ مقرر کیا گیا، جس کے تین سو دینار وصول ہوئے تھے اور ان پر یہ شرط عائد کی گئی کہ ان کے علاقے سے جو مسلمان گزرے گا وہ اس کی مہمان داری کریں گے۔ (۲۴۷)

اس عہد نامہ کا ایک ایک لفظ انسانیت، امن اور خوشحالی کے نظام کا آئینہ دار ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک غیر مسلم حکومت بھی اسلام کے نظامِ امن میں برابر کی حصہ دار ہو سکتی ہے، اس سے وہ الزام بھی باطل ہو جاتا ہے کہ اسلام نے مذہبی تشدد اور تلوار کی قوت سے غلبہ پایا ہے۔ اسلام کی اور اسلامی حکومت کو انسانیت اور امن کا قیام مطلوب ہے۔ اگر دنیا کی طاقتیں اس صداقت کو محسوس کر لیں تو وہ خود یہ اعتراف کریں گی۔ اسلام انسانیت کی بہتری کے علاوہ کوئی دوسرا مقصد نہیں رکھتا۔

ہجرت کے نویں سال میں آپؐ نے تبوک کی جانب کوچ فرمایا۔ آپؐ کے لشکر کا نام جیش العسرۃ تھا۔ ان علاقوں کے لوگ آپ کا مقابلہ کرنے کی سکت نہ رکھتے تھے، اس لئے صلح کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، انہی میں اہل جربا بھی تھے۔ انہوں نے مملکت مدینہ کے وفادار رہنے کا اعلان کیا اور ایک دینار فی کس سالانہ جزیہ دینے پر آمادگی ظاہر کی۔ (۲۴۸) آپؐ نے انہیں ایک تحریر لکھ کر دی۔ (۲۴۹)

غزوہ تبوک کے دوران میں ہی اہل اذرح آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جزیہ دینا قبول کیا۔ آپؐ نے ان سے ہر رجب میں ۱۰۰ دینار لینا منظور فرمائے۔ (۲۵۰) اہل جربا کی طرح آپؐ نے انہیں بھی ایک تحریر لکھ کر دی۔ (۲۵۱)

۹ھ میں آنحضرتؐ نے اہل مقنا (۲۵۲) سے بھی معاہدہ فرمایا، اہل مقنا یہودی تھے اور درج ذیل معاہدہ ان سے طے پایا۔ (۲۵۳)

محمد رسول اللہ کی طرف سے بنی حبیبہ اور اہل مقنا کے نام، تم پر سلامتی ہو۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے گاؤں واپس جا رہے ہو، جب میرا یہ مکتوب تمہارے پاس پہنچے، تو اپنے تئیں حفظ و امان میں سمجھو کیونکہ اب تمہارے لئے اللہ کا اور اس کے رسول کا ذمہ ہے اور رسول اللہؐ نے تمہارے گناہ اور وہ سب خون، جن کے لئے تمہارا تعاقب کیا گیا تھا، معاف کر دیئے ہیں، تمہارے گاؤں میں رسول اللہؐ کے سوا اور رسول اللہؐ کے نمائندے کے سوا تمہارا کوئی شریک و سہیم نہیں ہے۔ آج کے بعد تم پر کوئی ظلم ہوگا اور نہ زیادتی اور اللہ کا رسول تمہیں ان تمام چیزوں سے بچائے گا، جن سے وہ خود اپنے تئیں بچاتا ہے۔

جو چیزیں رسول اللہؐ نے یا رسول اللہؐ کے نمائندے نے معاف کر دی ہیں، ان کے سوا تمہارے بنے ہوئے کپڑے، تمہارے غلام، تمہارے گھوڑے اور تمہاری زرہیں رسول اللہؐ کے لئے ہیں، جو کچھ تمہارے گلستانوں میں پیدا ہو اور تمہاری کشتیاں شکار کریں اور تمہاری عورتیں کاتیں ان سب میں سے ایک چوتھائی ہم پر واجب ہے، اس کے بعد جو کچھ ہے تمہارا ہے۔

نیز یہ کہ رسول اللہؐ نے تمہیں ہر قسم کے جزیہ اور بیگار سے مستثنیٰ کر دیا ہے، اگر تم سنو گے اور اطاعت کرو گے تو رسول اللہؐ تمہارے عزت داروں کی عزت کریں گے اور تمہارے قصور معاف کریں گے۔

بنی حبیبہ اور اہل مقنا میں سے جو مسلمانوں سے بھلائی کرے گا، وہ اسی کے لئے بھلائی ہوگی اور جو برائی کرے گا وہ اسی کے لئے برائی ہوگی۔ تم پر کوئی امیر نہیں ہوگا، مگر وہ جو خود تم ہی میں سے یا رسول اللہؐ کے اہل بیت میں سے ہو۔

اس معاہدہ کو علی مرتضیٰؓ نے تحریر کیا۔ (۲۵۴)

۱۰ھ میں نبی کریمؐ نے اہل نجران سے معاہدہ فرمایا، نجران یمن کے ایک وسیع ضلع کا نام ہے۔ یہ یمن کے شمال مشرق میں واقع ہے۔ یہاں قبیلہ حمدان کے عیسائی عرب آباد تھے۔ نجران میں عیسائیوں کا ایک عظیم الشان گرجا تھا، جسے وہ کعبہ کہتے تھے اور حرم کعبہ کا جواب سمجھتے تھے۔ یہاں عیسائیوں کے بڑے بڑے پیشواء رہتے تھے۔ نجران جزیرۃ العرب میں عیسائیت کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ حمیری بادشاہ نے ان لوگوں پر یہودیت اختیار کرنے کے لئے دباؤ ڈالا اور بڑے بڑے مظالم کئے۔ ان ہی مظالم کے سلسلے کا واقعہ بھی ہے، جس کا ذکر سورۂ بروج میں آیا ہے۔

قرب وجوار میں عیسائیوں کا کوئی مذہبی مرکز اس کا ہم سر نہ تھا۔ جو شخص اس کی حدود میں آجاتا تھا، وہ مامون ہو جاتا تھا۔ اس گرجا کی متعلقہ جائداد کی آمدنی دو لاکھ روپیہ سالانہ تھی۔

اہل نجران کے پاس جب نبی کریمؐ کی دعوت اسلام کا مکتوب گرامی پہنچا، تو انہوں نے طے کیا کہ ایک وفد بارگاہ اقدس میں بھیجا جائے۔ مدینہ منورہ پہنچ کر وفد نجران کئی روز تک ٹھہرا رہا اور حالات کا بغور مطالعہ کرتا رہا۔ ان لوگوں نے آنحضرتؐ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت گفتگو کی کہ اگر آپؐ کے فرمان کے مطابق مسیح خدا کے بیٹے نہیں ہیں تو پھر ان کا باپ کون تھا؟"

یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ رسول اللہؐ پر ان آیات کا نزول ہوا۔

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ○ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ○ (۲۵۵)

"اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی سی ہے! آدم کو مٹی سے بنایا پھر ان کو حکم دیا کہ ہو جاؤ، پس وہ ہو گئے۔

(اے پیغمبرؐ) یہ امر واقعی آپؐ کے پروردگار کی طرف سے بتلایا گیا ہے، اس لئے آپ شبہ کرنے والوں میں سے نہ ہو جئے۔ پھر جو شخص اس علم قطعی کے بعد بھی عیسیٰ کے بارے میں حجت کرے تو آپ کہہ دیجئے کہ آؤ اس طور پر فیصلہ کر لیں کہ دونوں فریق اپنے اپنے اہل وعیال کو بلالیں اور خود بھی شریک ہوں، پھر دل سے دعا کریں اور ان پر خدا کی لعنت بھیجیں جو اس بحث میں ناحق پر ہوں"۔

ان آیتوں کے نازل ہونے پر رسول اللہؐ نے حضرت فاطمہؓ، حضرت علیؓ، حضرت امام حسنؓ و حضرت امام حسینؓ کو اپنے پاس طلب فرما کر وفد نجران سے فرمایا کہ:

"آؤ! ہم تم اپنے اہل وعیال کو لے کر خدا سے دعا کریں کہ جو فریق جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت ہو"۔

وفد کے ارکان مباہلہ کی دعوت سے گھبرا گئے۔ ایک شخص نے رائے دی کہ "مباہلہ نہیں کرنا چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ واقعی پیغمبر ہوں اور ہم لوگ مباہلے کے بعد ہمیشہ کے لئے تباہ ہو جائیں، اس لئے مناسب یہی ہے کہ خراج دے کر معاہدہ کر لیا جائے۔ (۲۵۶)

وفد نے جب خراج کی ادائیگی پر رضامندی ظاہر کی تو رحمت عالمؐ نے معاہدہ تحریر کئے جانے کا حکم دیا، معاہدہ یہ ہے: (۲۵۷)

اللہ کے رسول محمدؐ کا معاہدہ...... اہل نجران کے لئے ہے۔

۱۔ اگرچہ محمد النبی کو ان کی پیداوار، سونے، چاندی، اسلحہ اور علاقوں میں سے حصہ لینے کی قدرت حاصل تھی، لیکن اس نے ان لوگوں کے ساتھ فیاضی برتی اور یہ سب کچھ چھوڑ کر ان پر ایک ایک اوقیہ کے دو ہزار حلّے (۲۵۸) سالانہ مقرر کیے، ایک ہزار رجب کے مہینے میں اور ایک ہزار صفر کے مہینے میں۔

۲۔ ہر حلّہ ایک اوقیہ کا ہوگا اور جو اس سے کم یا زیادہ ہوگا، وہ قیمت کے لحاظ سے محسوب کر لیا جائے گا۔

۳۔ اگر حلّوں کے بدلے میں زرہوں یا گھوڑوں یا سواری کے اونٹوں کی قسم سے کچھ ادا کریں گے تو قیمت کے حساب سے اس کو بھی قبول کر لیا جائے گا۔

۴۔ اہل نجران پر میرے کارندوں کے ٹھہرانے کا انتظام لازم ہوگا، مگر انہیں ایک مہینے کے اندر اندر محاصل ادا کر دینے ہوں گے، اس سے زیادہ ان کو روکا نہ جائے گا۔

۵۔ اگر یمن میں بغاوت کی وجہ سے ہمیں جنگ کرنی پڑی تو اہل نجران کو ۳۰ زرہیں، ۳۰ گھوڑے اور ۳۰ اونٹ مستعار دینے ہوں گے۔ ان میں سے جو جانور ضائع ہو جائیں گے، اہل نجران کو ان کا بدل دیا جائے گا۔

۶۔ نجران اور اس کے اطراف کے باشندوں کی جانیں، ان کا مذہب، ان کی زمین، ان کی جائیدادیں، ان کے جانور، ان کے حاضر و غائب، ان کے قاصد اور ان کی عبادت گاہیں، اللہ کی پناہ اور اللہ کے رسول کی حفاظت میں ہیں۔ ان کی موجودہ حالت میں کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی، نہ ان کے حقوق میں کسی قسم کی دست اندازی ہوگی اور نہ ان کے اصنام مسخ کیے جائیں گے، کوئی اسقف، کوئی راہب اور کوئی واقہ (۲۵۹) اپنے منصب سے ہٹایا نہیں جایا گا، غرض کہ جو جس حالت میں ہوگا، اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں کیا جائے گا۔

۷۔ اہل نجران سے کسی سابقہ جرم یا خون کا مواخذہ نہیں کیا جائے گا۔ نہ فوجی خدمت کے لئے ان کو مجبور کیا جائے گا، نہ ان پر کوئی عشر قائم کیا جائے گا اور نہ کوئی لشکر ان کے علاقے میں داخل ہو سکے گا۔

۸۔ اگر اہل نجران سے کوئی اپنا حق طلب کرے گا تو مدعی اور مدعا علیہ کے درمیان انصاف کیا جائے گا، نہ اُن پر ظلم ہونے دیا جائے گا اور نہ انہیں کسی دوسرے پر ظلم کرنے دیا جائے گا۔

۹۔ اہل نجران میں سے اس معاہدے کے بعد جو سود (۲۶۰) کھائے گا، وہ میری ضمانت سے خارج ہے۔

۱۰۔ اہل نجران میں سے کوئی شخص کسی دوسرے کے جرم میں ماخوذ نہیں ہوگا۔

۱۱۔ اس معاہدے میں جو کچھ تحریر ہے، اس کے لئے اللہ اور محمد النبی کی ضمانت ہے، حتیٰ کہ اس بارے میں کوئی حکم الٰہی ہو اور جب تک اہل نجران وفادار رہیں گے اور ان شرائط کے پابند رہیں گے، جو ان سے کی گئی ہیں، الا یہ کہ کوئی ظلم سے کسی بات پر انہیں مجبور کر دے۔

رسول اکرم کی دعوت مباہلہ نے وفد نجران کے دلوں میں آپ کی صداقت پہلے ہی جاگزیں کر دی تھی، اسی لئے انہوں نے مباہلہ سے گریز کیا تھا، جب یہ لوگ معاہدے کی دستاویز لے کر وطن لوٹے، تو ان میں کچھ لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو کر مدینہ منور

حاضر ہو گئے۔ اس معاہدے کو ایک معیاری حیثیت حاصل ہے۔ غیر مسلموں کے ساتھ جو اسلامی سیادت میں آچکے تھے، ایسا معاہدہ رواداری، فراخ دلی اور حسن سلوک کی ناقابل فراموش یادگار ہے۔

اس کے علاوہ اہل جُرش کی طرح اہل جالہ نے بھی جنگ و جدال کے بغیر ہی اسلام قبول کیا۔ ۱۰ھ میں ان سے بھی آپؐ نے ایک معاہدہ کیا، جس کی رو سے ان کو اسی حالت پر برقرار رکھا، جس پر کہ وہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے، اہل جالہ میں سے جو اہل کتاب تھے ان کے ہر بالغ پر ایک دینار جزیہ مقرر فرمایا اور یہ لازم دیا کہ وہ مسلمانوں کے لئے سامان رسد فراہم کیا کریں گے۔ (۲۶۱)

رسالت مآب ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں عمرو بن معبد الجہنی اور بنی الحرقہ و بنی الجرمز کو ایک خاص فرمان کے ذریعے ان شرائط پر امن کی یقین دہانی کرائی کہ وہ مشرف بہ اسلام ہو کر نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور مالگذاری بھی ادا کریں۔ مال غنیمت کا پانچواں حصہ مرکز کو ادا کریں۔ اپنے غیر مسلم رشتہ داروں کے ساتھ تعلقات منقطع کر کے صرف راس المال لے کر اپنے قرضہ جات کے سود سے دستبردار ہو جائیں، جو افراد اس قبیلہ میں ضم ہوں، وہ بھی انہی مراعات کے حامل ہوں گے، جو اس قبیلہ کو حاصل ہیں۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ابن طولون، ترمذی اور طیالسی کے حوالے سے ''رقم طراز ہیں (۲۶۲) کہ آنحضرتؐ نے اپنی رحلت سے ایک دو مہینے قبل'' اس قبیلے کو ایک ہدایت نامہ بھیجا جس میں وضاحت کی گئی کہ جو جانور طبعی موت مر جائیں ان کے لاشے سے استفادہ نہ کیا جائے کیونکہ وہ نجس اور مردار ہیں۔

مختصراً یہ کہ رسول اکرم ﷺ کے تمام معاہدات حکمت و بصیرت سے لبریز تھے اور صلح کی طرف سے پر امن جائے باہمی کے اصول کے تحت اور رواداری، حسن سلوک، وسیع النظری اور وسعت قلب وظرف پر مبنی تھے جن کی بدولت اسلام کے دامن لطف وکرم نے غیر مسلموں کو اپنے اندر سمیٹ لیا تھا۔ آپ ﷺ کے سیاسی وعسکری معاہدات کے متن کا ایک ایک حرف اس بات کی گواہی کے لیے کافی ہے کہ اسلام ایک دین فطرت اور دین امن و سلامتی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے ان معاہدات نے آپ ﷺ کی سیاسی وعسکری زندگی میں آپ ﷺ کی داخلہ وخارجہ پالیسی کے حوالے سے بھی اہم اور مؤثر ترین کردار ادا کیا اور انتہائی خوشگوار اثرات مرتب کیے اور اس طرح ریاست نبوی ﷺ میں داخلی طور پر امن وامان کا قائم ہوا جبکہ خارجی طور پر کامیابی و کامرانی اور فتوحات کے در کھلتے ہی چلے گئے اور فتوحات کا دائرہ روز بروز وسیع سے وسیع تر ہوتا ہی چلا گیا۔ اسلام جہاں جہاں پہنچا وہاں وہاں سے ظلمت کا خاتمہ ہوتا چلا گیا اور وہ خطہ و زمین اسلام کے نور سے منور اور اللہ کی رحمت سے گل وگلزار ہوتے ہی چلے گئے اور اس طرح ساتھ ہی صدی کے ربع اول میں حجاز کے ظلمت کدہ کے سینے سے طلوع ہونے والے اس بے مثال ولازوال آفتاب نے دیکھتے ہی دیکھتے تمام عالم کو جگمگا دیا۔

رسول کریم ﷺ نے مدینہ پہنچ کر قبائل سے ایک معاہدہ طے کیا، جسے میثاق مدینہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ دنیا کا پہلا تحریری دستور تھا جس سے اسلام کی حقانیت ممتاز ہو گئی۔ یہ معاہدہ ان لوگوں سے طے کیا گیا جو ظلم اور گناہ کی راہ میں گامزن تھے۔ اس میں آنے والے دنوں کے لیے رہنما اصول مرتب کر دیے۔ (۲۶۳)

رسالت مآب ﷺ کی سیاست خارجہ جیو پالیٹکس کے اصول کے تابع نہ تھی بلکہ عالمگیر نوعیت کی حامل تھی۔ اگر اسلام اس اصول کو تسلیم کرتا تو جزیرہ نما عرب تک ہی محدود رہتا۔ زمین کے ہر گوشے میں نسل انسانی کے افراد جو بھی چاہیں، ان اصولوں کو قبول کر سکتے ہیں۔ عیسیٰ کا پیغام بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے لیے تھا جب کہ آپ ﷺ تمام بنی نوع انسان کی طرف مبعوث فرمائے گئے۔ اسلام سے قبل، دنیا نسل، زبان اور رنگ کے تین دوائر میں منقسم تھی۔

بلحاظ نسل جو حقوق برہمنوں کو ہندوستان میں کھتری، ویش، شودر اور چنڈال لوگوں پر حاصل رہے ہیں یا اسرائیلیت میں بنی لاوی کے لیے مختص حقوق یا اولاد یعقوبؑ میں بنی یہودا کے لیے حقوق سلطنت مخصوص کر دیے گئے تھے، اسلام نے ان کی نفی کی اور ساتھ ہی قریش کے تفوق کا بھی خاتمہ کیا جو اسے دیگر قبائل پر حاصل رہا تھا۔

زبان کے اعتبار سے سنسکرت کا غلبہ پراکرت اور تامل، عبرانی کا غلبہ دیگر لغات پر، لاطینی کا تفوق یورپ کی باقی زبانوں پر، انگریزی کی فوقیت انگریزی مقبوضات میں دیسی زبانوں پر، فارسی کا دبدبہ اس وقت کے ہندوستان کابل خراسان اور ترکستان میں اور عربی کی فضیلت دنیا کی سب زبانوں پر اس وقت جب کہ عرب اپنے مقابلہ میں سب کو عجمی (گونگے) کہتے تھے، رہا ہے۔

تیسری تقسیم بلحاظ رنگ کے تھی سرخ رنگ، یا زرد رنگ یا مسی رنگ یا گندمی رنگ یا سفید رنگ یا سیاہ رنگ انسانوں کے حقوق و مناصب میں ہمیشہ سے جدا امتیازات رہے ہیں اور ہر فرمانروا نے اپنی رنگت کے سوا دوسری رنگت کے انسانوں کے ساتھ جو ناروا سلوک کیا ہے اس پر ایک دردمند آج بھی لہو کے آنسو بہاتا ہے۔

بعثت رسول اکرم ﷺ کے وقت دنیا میں بازنطینی اور ایرانی عظیم متمدن سلطنتیں تھیں۔ فن عمارت میں انسان اہرام مصر، ایلورہ، اجنتا اور آیا صوفیہ جیسے ایسے شاہکار بنا چکا تھا۔ کئی مذاہب بھی انسان کو اپنی تعلیمات سے نواز چکے تھے "توریت کی گرمی بھی آ چکی تھی اور انجیل کی نرمی بھی۔" بائیبلس، وید، مہابھارت، ایلیڈ وڈیسے اور ارتھ شاستر ایسی عظیم کتابیں لکھی جا چکی تھیں۔ قرابتداری کا یہ عالم تھا کہ کنفوشس ایک سو پشت تک رشتہ داری کو یاد رکھنے کی تلقین کر چکا تھا۔

لیکن اس کے باوجود انسانیت کا احترام نام کا نہ تھا۔ آتش کدۂ فارس میں انسانی عظمت جل کر راکھ ہو رہی تھی۔ یونان کی حکمت نے وجود زن کو کائنات کے لیے لعنت تشخیص کیا اور بت کدۂ ہند میں دیوتاؤں کے قدم عورت کی مقدس قربان گاہ تھے۔ عربوں کو اپنی زبان کی فصاحت پر اتنا ناز تھا کہ وہ ایرانیوں کو عجمی کہا کرتے تھے۔ ایرانی سفید فام تھے اور اس پر اتنا اتراتے تھے کہ حبشیوں اور ہندوستانیوں کو کوے کہتے۔ ہندوستان میں معاشرہ چار ذاتوں میں بٹا ہوا تھا اور اچھوت مساوات کے نام کو ترس گئے۔ انہیں اتم جاتی کے پوتر مہا پرشوں کے ساتھ مندروں میں عبادت تک کی اجازت نہ تھی۔ اگر کوئی شودر گیتا کو چھو لیتا یا محض سن لیتا تو پگھلتا ہوا سیسہ اس کے کانوں میں ڈال دیا جاتا۔ چھوت چھات کا یہ عالم تھا کہ برہمن پر اگر ہریجن کا سایہ پڑ جاتا تو اس کا دھرم بھرشٹ ہو جاتا۔ اسلام آیا تو اس نے کہا (۲۹۳)

واختلاف السنتکم والوانکم إنّ فی ذلک لآیات

"اور تمہاری زبانوں اور رنگت کا اختلاف ہے یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔"

اسی فرمانِ الٰہی کے پیشِ نظر اسلامی حکومت میں بلال حبشیؓ اور صہیبؓ رومی میں کوئی فرق نہ رہا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: لوگو! تم سب آدم کے اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنائے گئے تھے۔ کسی عربی کو عجمی اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت حاصل ہے نہ گورے کو کالے پر برتری۔ اللہ کے نزدیک شرافت اور بزرگی کا معیار تقویٰ اور پرہیزگاری پر ہے۔(۲۶۵)

اس لیے نہ ترکوں نے حبشیوں کو کبھی لچک کی اور نہ عربوں نے چینیوں کے ساتھ پرامن زندگی گزارنے میں کوئی دشواری محسوس کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ الخلق عیال اللہ، اس لیے تمام تفرقے، تمام امتیازات اور تمام حد بندیاں دفعتہً ٹوٹ گئیں۔

اسلام نے نسلی امتیاز کی نفی کرتے ہوئے فرمایا:

(۱) الذی احسن کل شیء خلقه وبدا خلق الانسان من طین ثم جعل نسله من سللة من ماء مهین (۲۶۶)

"جو چیز بھی اس نے بنائی خوب ہی بنائی۔ اس نے انسان کی تخلیق کی ابتدا گارے سے کی۔ پھر اس کی نسل ایک ایسے ست سے چلائی جو حقیر پانی کی طرح کا ہے۔"

(۲) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (۲۶۸)

"مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست کرو اور اللہ سے ڈرو، امید ہے تم پر رحم کیا جائے گا۔"

(۳) ان اکرمکم عند اللہ اتقکم (۲۶۸)

"در حقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔"

ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا: "ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور مسلمان مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں۔"(۲۶۹) آج حقوق کی جنگ بپا ہے۔ مزدور سرمایہ دار سے دست و گریباں ہے، کسی کو کسی پر اعتماد نہیں۔ دنیا طبقاتی گروہوں میں بٹی ہوئی ہے۔ یورپ کی تاریخ میں پہلی بار آزادی، اخوت اور مساوات کے نعرے انقلاب فرانس کے دوران میں سنے گئے۔ یہ تینوں اصول اصل میں اسلامی تعلیمات سے اخذ کیے گئے ہیں کیونکہ سن ایک ہزار عیسوی تک قرآن کریم کے ترجمے یورپ کی بڑی بڑی زبانوں میں ہو چکے تھے اور اس سے پہلے آزادی، اخوت کے نعروں کی بازگشت کسی مغربی ملک میں سنی نہیں گئی۔

اسلام نے پہلے مذاہب کو جھٹلایا نہیں بلکہ سب کو تسلیم کیا اور باقی رکھا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ دنیا کا ہر مذہب سچا اور خدا کی طرف لے جانے والا ہے بشرطیکہ اس کی اصلیت میں کوئی کمی و بیشی نہ کی گئی ہو۔

آپ ﷺ نے اسلام کی تبلیغ کے سلسلے میں جو خطوط لکھے ان میں عیسائیت کی تردید کی بجائے یہ آیت خاص طور پر درج ہوتی:(۲۷۰)

قُلْ يَا اَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۝

"اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنالے۔"

پھر فرمایا:(۲۷۱)

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ

"دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔"

ایک اور مقام پر فرمایا۔(۲۷۲)

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ○

"تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین"

اسلام میں اعتقاد کے بنیاد نظر، عقل اور بحث وتفکیر فی آیات اللہ ہے نہ کہ تقلید کا محاکاۃ و جبر اور ترہیب وجور۔ اس سے بڑھ کر حریت اور اعتقاد کی اور کیا مثال ہو سکتی ہے۔ جب آپ ﷺ کے مشن کی یہودیوں کو کوئی خطرہ لاحق ہوا تو آپ ﷺ نے ان کو سرکوبی کی۔ لیکن جب وہ صرف آپ ﷺ کے مذہبی معاملات میں اختلاف کرتے تو آپ ﷺ اتنے شریف النفس اور حلیم تھے کہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیتے۔ یہودیوں کی طرح آپ ﷺ نے عیسائیوں کے مذہب میں بھی قطعاً مداخلت نہ کی جب تک کہ وہ عرب میں آپ ﷺ کی سیاست کے ساتھ متصادم نہ ہوئے یہ ظاہر ہے کہ آپ ﷺ نے اسلام کی سیاسی ہیئت میں عیسائیوں اور یہودیوں کو جو حیثیت سونپی، اس کا عام طور پر اسلامی ثقافتی ترقی پر نہایت عظیم نتیجہ برآمد ہوا"(۲۷۳)

اسلام نے غیر مسلموں کی آزادی کو تسلیم کیا، ان سے جتنے عہد نامے کیے گئے ان میں جہاں ان کی حریت ذات و مال تسلیم کی گئی، وہاں ان کے عقائد واقامت شعائر کی آزادی بھی مانی گئی۔ پھر فرمایا:

وَقُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ (۲۷۴)

"صاف کہہ دو کہ یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے، اب جس کا جی چاہے مان لے اور جس کا جی چاہے انکار کر دے۔"

اسی ضمن میں ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔(۲۷۵) اِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ○

"ہمارے رسول ﷺ پر بس صاف صاف حکم پہنچا دینے کی ذمہ داری تھی۔"

غزوہ خیبر میں اسلامی لشکر کے ہاتھ تورات کے متعدد صحیفے بھی آئے، آپ ﷺ نے یہودیوں کی درخواست پر انہیں یہ صحیفے لوٹا دیئے۔ آپ ﷺ کے اس سلوک کا موازنہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ عیسیٰ کے ستر سال بعد جب رومیوں نے یروشلم پر فتح پائی تو انہوں نے یہودیوں کی تمام مقدس کتابوں کی نذر آتش کر دیا تھا۔ اس وجہ امتیاز کی بناء پر اسلام اس سرعت کے ساتھ پھیلا جس کی زمانہ قدیم میں کوئی مثال نہیں ملتی، اسلام کی اشاعت میں قطعاً کسی قسم کے جبر سے کام نہیں لیا گیا۔ بلکہ اس کی کھلے طور پر اجازت دی گئی ہے کہ من شاء فلیو من ومن شاء فلیکفر۔

حضور نبی کریم ﷺ نے اس لیے جہاد کیے تا کہ کافروں کا زور نہ رہے اور وہ اہل ایمان کو نہ روک سکیں۔ آپ ﷺ نے مظلوموں کی دادرسی اور انسانی حقوق کی عظمت کی خاطر لڑائیاں لڑیں۔ لیکن آپ ﷺ کی جنگیں دفاعی تھیں اور دفاعی جنگ میں بھی رضائے الٰہی مضمر تھی۔ کفار قریش نے مدینہ پر چڑھائی کی تو آپ ﷺ نے مدافعت کی، پھر احد میں اپنا بچاؤ کیا غزوہ خندق میں اہل مکہ کے

ساتھ یہودیوں نے بھی گٹھ جوڑ کر لیا تو آپ ﷺ نے خندق کھود کر مدافعانہ طریق جنگ اپنایا۔ شروع میں آپ ﷺ نے قریش کے تجارتی قافلوں کو روکنے کی پالیسی اختیار کی جو مختلف معاہدات طے کیے گئے تھے ان میں جہاں اہل مدینہ کے وقار کو بلند کرنا مقصود تھا وہاں آپ ﷺ کے پیش نظر یہ بھی تھا کہ اہل مکہ کو اپنی تجارتی آمد و رفت میں خطرہ محسوس ہو جن کی تجارت کا دامن طائف، شام اور یمن تک پھیلا ہوا تھا۔ قریش کے رحلۃ الشتاء کا شمالی راستہ کھلا تو کیا، ان کے لیے نجد وغیرہ سے ہو کر جانے والے نئے نو ساختہ راستے بھی بند ہوتے چلے گئے۔ جب مسلمانوں نے ان راستوں پر مؤثر کنٹرول حاصل کر لیا تو وہ تمام قبائل جو کارواں سرائے کے پیشہ کر کے پلتے تھے، بے روزگار ہو گئے قبیلہ اشجع نے اسی معاشی کساد بازاری کے باعث اپنا وفد رسالت مآب ﷺ کے خدمت میں بھیجا اور آپ ﷺ سے اپنی حلیفی کا اعلان کیا۔(۲۷۶)

یہ آپ ﷺ کی سنت طیبہ تھی کہ جب آپ ﷺ کسی قوم سے مصالحت و معاہدہ کرتے تو جو بھی اس قوم کا حلیف بن جاتا، اُسے بھی معاہدہ میں شریک کر لیتے اور دوسری قوم اگر آپ ﷺ سے معاہدہ کرتی آپ ﷺ اسے بھی عہد میں شریک کر کے معاہد قرار دیتے اور ان میں سے جو جنگ کرتا، پھر دوسری معاہد قوم کو محارب قرار دیتے۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ نے اہل مکہ پر حملہ کیا کیونکہ جب آپ ؐ نے اہل مکہ کے ساتھ دس برس کے لیے جنگ بندی کا معاہدہ کیا تو بنو بکر بن وائل اٹھے اور انھوں نے قریش سے معاہدہ کر لیا اور اس عہد میں داخل ہو گئے۔ اس کے برعکس بنو خزاعہ نے حضور نبی کریم ﷺ سے معاہدہ کر لیا اور وہ اس عہد میں داخل ہو گئے۔(۲۷۷)

یہاں یہ برمحل معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے سیاست خارجہ کے شاہکار معاہدہ حدیبیہ کا جدید ڈپلومیسی کے ایک نمونہ معاہدہ ورسائی سے موازنہ کیا جائے۔ معاہدہ حدیبیہ طے کرتے وقت ابو جندلؓ جائے مذاکرات پر آ گئے۔ وہ اسلام لا چکے تھے لیکن قریش کی قید میں تھے۔ سہیل بن عمرو نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا اور ساتھ ہی بصورت دیگر معاہدہ طے نہ کرنے کی دھمکی دی۔ آپ ﷺ نے ابو جندلؓ کو واپس کر دیا اور صبر کی تلقین کی۔ ابو بصیرؓ مدینہ پہنچے تو معاہدہ کے مطابق ان کو واپس کر دیا۔ معاہدہ حدیبیہ طے کرتے وقت اگر آپ ﷺ مکہ پر بزور شمشیر قبضہ کرنا چاہتے تو آسانی کے ساتھ ایسا کر سکتے تھے۔ فتح مکہ کے وقت آپ ﷺ نے اپنے خونی دشمنوں پر کوئی تاوان عائد نہ کیا اور عام معافی کا اعلان کیا۔

اس کے برعکس جنگ عظیم اول کے بعد ۲۸ جون ۱۹۱۹ء کو ورسائی کے مقام پر معاہدہ ورساء طے پایا۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کی تصریح کے مطابق جرمنی کو جنگ کا واحد ذمہ دار قرار دیا گیا، اس کی افواج کو نہتا کر دیا گیا۔ فاتحین کے نمائندوں کے سامنے جرمنی کے مندوبین کو بے آبرو مندانہ انداز میں پیش کیا گیا، اور معاہدے کا متن تیار کرتے وقت انھیں مجرموں کی طرح کھڑا رکھا گیا نتیجتاً جرمنی پر بھاری تاوان جنگ (اندازاً ۲۵۔ارب ڈالر) عائد کیا گیا جس کو ادا کرنے کی استطاعت ہو قطعاً نہ رکھتا تھا۔(۲۷۸) اسی لیے ایچ جی ویلز اسے فاتحین کا معاہدہ قرار دیتا ہے۔

عصر حاضر میں ڈپلومیسی کی تعریف اس طرح بھی کی جاتی ہے۔"حکایات و دھوکہ دہی کا علم۔"

اور انیسویں صدی کا سفیر کا دیانت دار کاذب سمجھا جاتا رہا ہے جو اپنی ریاست کے مفادات کا تحفظ کرتا ہے۔'' اس لیے آج سفارتی آداب کو بالائے طاق رکھ کر سفراء کو قتل کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا۔ لیکن آپ ﷺ کی سیاست کاری احکامات الٰہی کو

عملی جامہ پہنانے کا دوسرا نام تھا۔

مسیلمہ کذاب کا سفیر آپ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے استفسار فرمایا:

"تم لوگ کس مسلک پر ہو؟"

جواب ملا۔ "جو مسیلمہ کہتا ہے، وہی ہم کرتے ہیں۔"

اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر سفیروں کا قتل روا ہوتا اور قانون اور ضابطہ اخلاق اس کی اجازت دیتا تو میں ضرور بضرور تم لوگوں کی گردنیں اڑا دیتا۔" (۲۷۹)

اسلام کا ہر حکم بڑی چیز کی خاطر چھوٹی چیز کی قربانی کا مطالبہ کرتا ہے۔ حال کی جذباتیت کو مستقبل کی مستقل تعمیر پر قربان کر دیا جاتا ہے۔ اس کی ایک بیّن مثال معاہدہ حدیبیہ ہے آپ ﷺ نے جس بصیرت سے قریش کو یہودیوں کے متعلق غیر جانبدار رہنے پر آمادہ کر لیا، وہ آپ ﷺ کی زبردست سیاسی اور سفارتی کامیابی کی دلیل ہے۔ دو ہفتوں کے بعد آپ ﷺ نے خیبر کا رخ کیا اور ایسا سفارتی کمال دکھایا کہ اہل خیبر بے یارومددگار رہ گئے اور ان کی اعانت کو کوئی بھی نہ پہنچا یہاں تک کہ غطفان کے حلیف بھی اپنے گھروں میں بیٹھے تماشا دیکھتے رہے۔ خیبر کی تسخیر کے بعد مزید دوستیاں بڑھانے کا موقعہ ملا۔ اسی زمانے میں بحرین اور عمان کے ساتھ تعلقات کا آغاز ہوا اور جب قریش تنہا ہو گئے تو بغیر خون بہائے مکہ پر قبضہ ہو گیا۔

فتح مکہ کے تین ماہ بعد ذوالحجہ ۹ھ کے موسم حج میں اعلان براءۃ ہوا جو دولت اسلامیہ کی تاسیس تھا۔ اس کی بدولت اسلام ۹۔۱۰ ہجری میں ایک طرف یمن، بحرین، یمامہ عمان اور دوسری طرف عراق وشام کی حدود تک پھیل گیا۔ یہ عرب کے وہ علاقے تھے جہاں ظہور اسلام سے قبل عربوں کی ایک بڑی بڑی حکومتیں تھیں اور اس وقت بھی وہ روم وفارس کی دو عظیم الشان طاقتوں کے زیر سیادت تھے۔ تاہم اسلام تلوار کی رفاقت کے بغیر صلح اور امن کے سایہ میں اپنی صدا بلند کرتا چلا گیا۔ ناتواں وکمزور عرب توحید کی توانائی کے بعد مشرق ومغرب پر چھا گئے اور ان کی خارا شگاف شمشیر سے روم الکبریٰ کا سارا تاریخی رعب وجلال اور صدیوں کا حاصل شدہ وقار خاک میں مل گیا۔ دوسری طرف جمشید و نوشیرواں اور کسریٰ ورستم کی عظیم الشان سلطنت عربوں کے ایک ہی حملے میں نیست ونابود ہو گئی۔ فتوحات کے ساتھ ساتھ عربوں نے فضل وکمال اور تہذیب وتمدن میں بھی خوب نام پیدا کیا۔

﴿حواشی و حوالہ جات﴾

(۱) سید اسعد گیلانی، رسول اکرم کی حکمت سیاست، نقوش شمارہ نمبر ۱۳۰، رسول نمبر، ادارہ فروغ اردو، لاہور، جنوری ۱۹۸۲ء، جلد ہشتم، ص ۲۱۱

(۲) شبلی نعمانی، علامہ، سیرت النبی، مکتبہ مدینہ، لاہور، ۱۴۰۸ھ، ۲/۸

(۳) ولی الدین الخطیب، مشکوٰۃ المصابیح، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ص ۴۲۵۔

(۴) بخاری، الجامع الصحیح، اصح المطابع، کراچی، جلد ۱، ص ۳، باب بدأ الوحی۔

(۵) احمد بن حنبل، المسند، دارالمعارف، مصر، ۱۹۳۶ء، جلد ۸، ص ۲۲۔

(۶) ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، مصر، ۱/۲۱۶، ۲۱۷، الصالحی الشامی، سبل الہدیٰ والرشاد، مصر ۲/۵۵۱۔۵۵۲، محمد سعد اللہ، حافظ، ڈاکٹر، اپنے پرائے کا غم کھانے والے، اقبال پبلشنگ کمپنی، لاہور، ۱۹۹۹ء، ص ۲۷۷، ۲۷۸۔

(۷) برہان الدین الحلبی، السیرۃ الحلبیہ، جلد ۱، ص ۵۰۶، نیز حافظ سعد اللہ، ڈاکٹر، اپنے پرائے کا غم کھانے والے، ص ۲۷۹۔

(۸) محمد سعد اللہ، حافظ، ڈاکٹر، اپنے پرائے کا غم کھانے والے، ص ۲۸۱۔

(۹) حافظ محمد ثانی، ڈاکٹر، معاہدہ حلف الفضول، السیرۃ، رمضان ۱۴۲۳ھ، ص ۲۴۸، ۲۵۰۔

(۱۰) نصیر احمد ناصر، ڈاکٹر، پیغمبر اعظم و آخر، کراچی، فیروز سنز، ص ۱۹۵۔۱۹۶۔

(۱۱) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرم کی سیاسی زندگی، کراچی، دارالاشاعت، ص ۵۸۔

(۱۲) ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ۱/۱۲۵، ابن اثیر، الکامل، بیروت، دار الکتاب العربی، ۱۴۰۶ھ، ۲/۳۶۔

(۱۳) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱/۱۲۸۔

(۱۴) سہیلی، روض الانف، القاہرۃ، مکتبہ الکلیات الازہریہ، ۱/۱۵۷۔

(۱۵) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ص ۵۹۔۶۰۔

(۱۶) ایضاً، ص ۶۰۔

(۱۷) حافظ محمد ثانی، ڈاکٹر، معاہدہ حلف الفضول، السیرۃ، رمضان ۱۴۲۳ھ، ص ۲۵۶۔

(۱۸) ابن حبیب بغدادی، ص ۲۳۲، نیز دیکھئے سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، ص ۲۷، ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی، حلف الفضول، عربی مخطوطہ۔

(۱۹) سید امیر علی، روح اسلام، ص ۸۷۔۸۸۔

(۲۰) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ص ۵۹۔

(۲۱) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، ص ۱۳۳۔

(۲۲) ابوالفرج اصفہانی، کتاب الاغانی، دارالثقافہ، بیروت، ۱۹۵۹ء، ۱۷/۳۱۲۔

(۲۳) کونستانس جیورجیو، نظرۃ جدیدۃ فی سیرۃ رسول اللہ، دارالعربیہ، بیروت، ۱۹۸۳ء، ص ۳۹۔

(۲۴) نصیر احمد ناصر، پیغمبر اعظم و آخر، ص ۱۹۴، ۱۹۵۔

(۲۵) ابن الاثیر الجزری، الکامل فی التاریخ، دار صادر، بیروت، ج ۲، ص ۱۳۱۔

(۲۶) ابن حبیب البغدادی، کتاب المنمق، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد دکن، ص ۴۵۔

(۲۷) عبدالرحمٰن السہیلی، الروض الانف، ج ۲، ص ۷۲، ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، مصر، دارالریان، ۱۴۰۸ھ، ج ۲، ص ۲۷۰۔

(۲۸) ابن حبیب البغدادی، کتاب المنمق، ص ۳۳۲۔

(۲۹الف) ہجرت نبویؐ سے قبل مدینہ کا نام یثرب تھا۔ اس شہر کو یثرب نامی عمالقی نے بسایا تھا اور اسی کے نام سے بعد کو موسوم ہوا (الفیومی، احمد بن محمد بن علی المقری، المصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر للرافعی۔ مطبعہ مصطفیٰ البابی۔ مصر۔ ج ۱، ص ۸۹) اس کی تاریخ نہایت قدیم ہے۔ تفصیل کے لئے: یاقوت الحموی الرومی۔ شہاب الدین ابی عبداللہ معجم البلدان۔ دار صادر للطباعۃ والنشر۔ بیروت۔ ۱۹۵۷ء، ج ۵، ص ۸۵،۸۴) شہر کی تعمیر کا زمانہ ۱۲۰۰ ق م اور ۲۲۰۰ ق م کے درمیان ہے۔ پہلے یہاں عمالیق آباد تھے، لیکن عہد اسلام میں یہاں یہود اور قبائل اوس وخزرج آباد تھے (سلیمان ندوی۔ ارض القرآن، ج ۱، ص ۹۹) رسول اللہؐ نے شہر مدینہ کو یثرب کے نام سے موسوم کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس کراہت کی توجیہ مختلف انداز سے کی گئی ہے (السمہودی، علی نور الدین۔ وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ۔ مطبعۃ الآداب والمؤید۔ مصر۔ ۱۳۲۶ھ ج ۱، ص ۸) جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔ ہمارے خیال میں اس کے لفظی اور لغوی معنی اچھے نہیں ہیں (ثرب اس چربی کو کہتے ہیں جو انتڑی اور معدے پر ہوتی ہے اور تثریب گناہ اور برائی پر دلالت کرتا ہے۔ ابن درید، ج ۱، ص ۲۰۱۔ اس کی جمع ثروب، اثرب اور اثارب آتی ہے۔ الفیروز آبادی۔

مجد الدین۔ القاموس المحیط۔ مطبعہ دار المامون۔ ۱۹۳۸ء ج ۱، ص ۴۰) قرآن میں یثرب کا نام صرف ایک جگہ (الاحزاب: ۱۳) آیا ہے۔ اور وہ بھی منافقین کے ایک قول کے حوالے سے، چنانچہ علامہ السمہودی نے یہی بات لکھی ہے کہ قرآن میں مذکورہ نام اس موقع پر آیا ہے کہ جہاں منافقین کے قول کو بطور حکایت کے بیان کیا گیا ہے اور اس میں کراہت ہے السمہودی ج ۱ ص ۸)۔ ایک تحقیق کے مطابق یثرب سریانی لفظ "اثربس" کی تعریب ہے (سلیمان ندوی ج ۱ ص ۹۹) یثرب کی وجہ تسمیہ اور مشتقات کی تفصیل کے لئے مزید ملاحظہ ہو:

(الشریف۔ احمد ابراہیم، مکہ والمدینہ فی الجاہلیہ وعہد الرسول۔ مطبعہ دار الفکر العربی۔ مصر۔ ص ۲۹۲،۲۹۱) بہرحال رسول اللہؐ نے یثرب کا نام بدل کر طیبہ اور طابہ رکھا (ایضاً، ج ۱، ص ۱۲) مورخین اور دیگر علماء نے اس کے دوسرے بہت سے نام بھی لکھے ہیں۔ مثلاً یاقوت حموی نے انتیس نام گنائے ہیں (یاقوت الحموی ج ۵ ص ۸۳) جبکہ السمہودی نے ترتیب وار چورانوے نام مرتب کئے ہیں (السمہودی ج ۱ ص ۱۹ تا ۲۷) اس فہرست میں تیرھواں نام "المدینہ" اور چودھواں "مدینۃ الرسول" لکھا ہے (ایضاً ص ۲۶) اس وقت ہم دوسرے ناموں کے بجائے مختصراً صرف مدینہ سے بحث کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ سب سے زیادہ مشہور بھی یہی ہے اور ہم نے اپنے مقالہ میں ہر جگہ یثرب یا دوسرے اسماء کے مقابلہ میں "مدینہ" کو ترجیح دی ہے اور اسی کو اختیار کیا ہے۔

قرآن میں "مدینہ" کو بطور خاص شہر یثرب کے لئے کم وبیش چار مقامات پر ذکر کیا گیا ہے۔ (التوبہ: ۱۰۱، ۱۲۰۔ الاحزاب: ۶۰ اور المنافقون: ۸) لغوی اعتبار سے "مدینہ" مدن سے ماخوذ ہے۔ السمہودی کا بیان ہے:

من مدن بالمکان اذا اقام (السمہودی ج ۱ ص ۲۶) پھر آگے لکھتے ہیں:

والمدینۃ ابیات مجتمعۃ کثیرۃ تجاوز حد القریۃ کثرۃ ولم تبلغ حد الامصار۔ (ایضاً ص ۲۶) اور ابن منظور الافریقی نے ایک قول نقل کیا ہے کہ:

او مفعلہ من دنت ای ملکت (ابن منظور الافریقی ج ۱۷ ص ۲۸۹)۔

اب قابل غور مسئلہ یہ ہے کہ مدینہ کو "مدینہ" کیوں کہا جاتا ہے؟ اور اس کا رواج کب سے ہوا؟ حقیقت یہ ہے کہ ان مسائل پر باوجود تلاش کے تشفی بخش مواد نہ مل سکا۔ تعجب ہے کہ ہمارے یہاں کے مورخین اور اصحاب سیر نے اس پر قابل ذکر توجہ نہ دی۔

ہمارے مطالعہ کی رو سے مدینہ کو "مدینہ" کہنے کی متعدد وجوہ ہو سکتی ہیں:

(الف) مدینہ رسول اللہؐ کا مسکن بنا اور آپؐ نے یہاں اقامت اختیار فرمائی (قیل لانہ صلی اللہ علیہ وسلم سکنھا۔ السمہودی ج ۱ ص ۲۶) نیز العباس، احمد بن عبدالحمید۔ کتاب عمدۃ الاخبار فی مدینۃ المختار۔ مطبعۃ المدنی۔ قاہرہ۔ طبع ثالث۔ ص ۷۶)

(ب) مدینہ قلعہ (الحصن) کہتے ہیں جو اس خطہ زمین کے وسط میں ہو جہاں شہر واقع ہے۔ پھر اس سے ہر ایسے شہر کو کہنے لگا جہاں قلعے (ابن منظور الافریقی ج ۱۷ ص ۲۸۹) بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں محفوظ و مستحکم پناہ گاہیں اور اطم (گڑھی) ہے ہوں اور ہر تاریخ کا طالب علم یہ جانتا ہے کہ جس شہر کو "مدینہ" کا خاص نام دیا گیا، وہاں اطم اور قلعے وغیرہ کثرت سے پائے جاتے تھے (تفصیل کے لئے السمہودی ج ۱ ص ۱۱۱ تا ۱۱۶) اس لئے اس مقام کو مدینہ سے تعبیر کرنا انتہائی موزوں ہے۔

(ج) مدینہ کو اس لئے بھی مدینہ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے اس کو منسوب کرکے اسے شرف وعظمت عطا کی (والمدینۃ اسم مدینۃ سیدنا رسول اللہ ﷺ خاصۃ غلبت علیھا تفخیما لھا (ابن منظور الافریقی، ج ۱۷، ص ۲۸۹) اور وہاں کے باشندے بڑی اچھی طرح آپ کے مطیع و منقاد بن گئے (السمہودی ج ۱ ص ۲۶) نیز العباس ص ۷۶)۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ رسول اللہ کا اس شہر میں غلبہ و تمکن اور سکان مدینہ کی اطاعت گزاری کسی جبر وقہر یا عسکری مہم جوئی کا نتیجہ نہ تھی، بلکہ اس شہر کی

تغیر کا باعث دنیا کے دوسرے تمام شہروں کے برخلاف یعنی: قالت قال رسول اللہ ﷺ فتح من مصر او مدینہ عنوۃ وان المدینہ فتحت بالقرآن (بلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر۔ فتوح البلدان، مطبعۃ الموسوعات۔ مصر، ۱۹۰۱ء ص ۱۲) ہمارے نزدیک یہی توجیہ سب سے زیادہ قوی ہے۔

اب جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اسے مدینہ کے نام سے کب موسوم کیا گیا تو اس سلسلے میں عام خیال یہ ہے کہ "حضورؐ کی آمد کے بعد اس کا نام "مدینۃ النبی" ہوا اور پھر کثرت استعمال سے صرف مدینہ رہ گیا" (سلیمان ندوی۔ ارض القرآن ج ۱، ص ۹۸) یہ بیان کچھ مبہم سا معلوم ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ شہر آمد رسولؐ کے بعد کب سے "مدینۃ النبی" کہلایا؟ بعض شواہد کے پیش نظر ہمارا قیاس یہ ہے کہ منشور مدینہ کے اجراء تک تو اس کا نام یثرب ہی تھا جیسا کہ خود منشور مدینہ کے الفاظ میں استعمال کیا گیا ہے:

ھذا کتاب من محمد النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین المومنین والمسلمین من قریش ویثرب۔ (ابن ہشام، ج ۲، ص ۱۲۷)

البتہ اس کے بعد اس کا نام مدینہ ہوا، یہاں تک کہ سورۂ احزاب میں جس کا نزول ۵ھ میں ہوا (مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور ۱۹۶۶ء ج ۴ ص ۵۲) اور غالباً لفظ مدینہ بھی جہاں سب سے پہلے استعمال کیا گیا ہے، یہ ارشاد ہوا کہ اگر منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں خرابی ہے اور جو مدینہ میں ہیجان انگیز افواہیں پھیلانے والے ہیں، اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے، تو ہم ان کے خلاف کاروائی کرنے کے لئے تمہیں کھڑا کریں گے۔ پھر وہ اس شہر میں مشکل ہی سے تمہارے ساتھ رہ سکیں گے (الاحزاب: ۶۰) اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ اسی سورۃ کی بالکل ابتداء میں اہل یثرب کے بارے میں منافقین ہی کا ایک قول اللہ نے نقل کیا ہے، جس کے بین السطور ان کی اسلام دشمنی، ریاکاری اور اہل ایمان کے لئے ان کی بدخواہی کو صاف طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ گویا ایک ہی سورت میں ایک ہی شہر کے لئے یثرب اور مدینہ کے دو مختلف نام، دو نقطہ ہائے نظر کی عکاسی کر رہے ہیں۔ اس سے یہ بھی خیال کیا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک وہ شہر "مدینۃ النبیؐ یا مدینہ" کی حیثیت سے اس وقت مشہور و متداول ہے جبکہ منافقین اسے "یثرب" ہی کہتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ منافقین کے گروہ نے تو رسول اللہ کو ہی تسلیم نہ کیا تھا، تو بھلا وہ اس شہر کو آپؐ کے نام سے منسوب کرنا کب پسند کرتے تھے۔ بہر حال ان تمام باتوں سے غزوۂ احزاب سے پہلے یثرب کا نام مدینہ کی حیثیت سے مشہور ہونا قرین صواب ہے اور بالفرض محال اگر ۵ھ سے پہلے "مدینہ" کا مشہور و متداول ہونا تسلیم نہ کیا جائے تو یہ بات طے ہے کہ ۵ھ کے بعد اس نے رواج پایا۔ لہٰذا یہ کہنا بھی علمی زیادتی ہے کہ "یہ نام بعد کی پیداوار ہے"۔

(Gibb, H.A.R, and Karmers J.H. (edd), Shorter Encyclopaedia of Islam, E.J. Brill, Leiden, 1953, P.291)

(۲۹ب) مدینہ کا پہلا شخص جو نبی ﷺ کی دعوت سے متاثر ہوا، سوید بن الصامت تھا۔ اپنی بہادری، سرداری، عالی نسبی اور شاعری وغیرہ کی وجہ سے اہل مدینہ میں اسے ایک خاص مقام حاصل تھا اور لوگوں نے اسے "کامل" کا خطاب دے رکھا تھا۔ جنگ بعاث سے کچھ عرصہ پہلے وہ مکہ آیا تو اس کی ملاقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی۔ اس زمانہ میں رسول اللہ کا معمول یہ تھا کہ آپؐ موسم حج وغیرہ میں جہاں آپ کو کسی کے بارے میں یہ اطلاع ملتی کہ فلاں شخص نامور ہے اور اپنی قوم کا سربرآوردہ ہے تو آپؐ اس کی طرف متوجہ ہو جاتے اور اسے اللہ کی طرف بلاتے اور اپنے اصول اس کے سامنے بیان فرماتے۔ رسول اللہؐ نے سوید کو بھی دعوت اسلام دی۔ سوید نے اس کے جواب میں کہا کہ ایک ایسی ہی چیز میرے پاس بھی ہے یعنی صحیفہ لقمان۔ حضورؐ نے فرمایا:

ان ھذا الکلام، حسن، والذی معی افضل من ھذا قرآن انزلہ اللہ علی ھو ھدیً و نور۔

(بے شک یہ کلام تو اچھا ہے مگر جو چیز میرے پاس ہے وہ اس سے بہتر ہے یعنی قرآن جسے اللہ نے مجھ پر نازل کیا ہے اور جو سراپا ہدایت و نور ہے)

پھر رسول اللہؐ نے اسے قرآن پڑھ کر سنایا اور اسلام کی دعوت دی۔ تو یہ پیغام اس کے دل میں گھر کر گیا اور وہ پکار اٹھا کہ: "ان ھذا القول حسن"۔ (بے شک یہ کلام تو بہت خوب ہے)

پھر یہ واپس مدینہ پہنچا، لیکن جلد ہی خزرجیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس کے بارے میں لوگوں کا کہنا یہ تھا کہ وہ مسلمان ہونے کی حیثیت میں قتل ہوا۔ اس کا قتل جنگ بعاث سے پہلے کا واقعہ ہے (ابن ہشام ج ص ۶۷ تا ۶۹)۔ دعوت اسلام سے بہرہ اندوز ہونے والا دوسرا شخص ایاس بن معاذ تھا۔ اہل مدینہ کے اس وفد میں شامل تھا، جو جنگ بعاث سے پہلے خزرج کے خلاف قریش سے حلیفانہ معاہدہ کرنے اور امداد حاصل کرنے آیا تھا۔ رسول اللہؐ نے اس وفد کی آمد کی خبر سنی تو معمول کے مطابق دعوت پیش کی، قرآن سنایا۔ ایاس نے جو اس وقت کم سن نوجوان تھا کہا کہ "اے قوم! واللہ یہ تو اس سے بہتر ہے، جس کے لئے تم آئے ہو"۔ اس پر وفد کے ایک رکن ابو الحیسر نے مٹی اس کے منہ پر ماری اور کہا "ہمارے درمیان سے نکل جا"۔ اس کے بعد یہ لوگ مدینہ چلے گئے، پھر جنگ بعاث چھڑ گئی اور اس کے چند روز بعد ہی ایاس کا انتقال ہو گیا۔ انتقال کے وقت تکبیر اس کی زبان پر تھی (ایضاً ص ۶۹، ۷۰) سوید اور ایاس کے بعد رسول اللہؐ کی

دعوت اہل مدینہ کے اس چھ نفری گروہ تک پہنچی، جو عقبہ کے مقام پر آپؐ سے ملا تھا۔ ابن سعد کی ایک روایت کے مطابق اسعد ابن زرارہ اہل مدینہ میں سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسلام قبول کیا اور مکہ میں حضورؐ سے ملاقات کی۔ (دیکھیے: ابن سعد، ج ۳، ص ۶۰۸، ۶۰۹)

(۳۰) سوید بن الصامت بن عطیہ بن حوط بن حبیب بن عمرو بن عوف بن مالک بن الاوس۔ اس کی والدہ کا نام لیلیٰ تھا جو عمرو کی بیٹی تھی۔ اس کی بہن سلمیٰ بنت عمرو النجاریہ، عبدالمطلب بن ہاشم کی والدہ تھی (البدایہ والنہایہ جلد سوم ص ۱۴۷)

(۳۱) البدایہ والنہایہ جلد سوم، ص ۱۴۷۔

(۳۲) ابوالکلام آزاد، مولانا، رسول رحمتؐ، اضافہ مولانا غلام رسول مہر، شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز لاہور، ص ۱۷۱۔

(۳۳) ایضاً ص ۱۷۱۔

(۳۴) یہ قاضی سلیمان مرحوم صاحب "رحمۃ للعالمین" کا بیان ہے (جلد اول ص: ۹۳) اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ سیرۃ النبیؐ میں اسے رجب سن ۱۰ نبوی کا واقعہ بیان کیا گیا ہے (جلد اول: ۲۳۳) اسے درست مانا جائے تو اول تاریخ ہجرت سے تطابق ممکن نہیں۔ دوم یہ بھی ماننا پڑے گا کہ عرب عمرہ کے لیے بھی آتے تھے تو منیٰ میں ٹھہرتے تھے، حالانکہ عمرہ کے لیے چھوٹے چھوٹے گروہ عموماً آتے رہتے ہوں گے اور کوئی بڑا اجتماع نہ ہوتا ہوگا، جس کے لیے مکہ مکرمہ سے تین میل باہر قیام لازم تھا۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ حج کے لیے منیٰ میں قیام کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ۹ ذی الحجہ کو عرفات جانا پڑتا تھا جو منیٰ سے نو میل آگے تھا۔ عمرہ میں نہیں جانا پڑتا تھا۔ بعض اور بیانات بھی ملتے ہیں، لیکن میری دانست کی حد تک صحیح بیان قاضی محمد سلیمان مرحوم ہی کا ہے۔ قمری اور شمسی تاریخوں میں تطابق کے متعلق یقینی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے، لیکن میں نے جو کچھ لکھا ہے اپنے علم کی حد تک خوب غور و فکر کے بعد لکھا ہے، اگر کہیں سہو ہو گیا ہو تو معذرت خواہ ہوں۔

(۳۵) ابوالکلام آزاد، مولانا، رسول رحمتؐ، اضافہ مولانا غلام رسول مہر، ص ۱۷۱۔

(۳۶) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، ص ۹۱۔

(۳۷) ابوالکلام آزاد، مولانا، اضافہ مولانا غلام رسول مہر، ص ۱۷۲۔

(۳۸) ایضاً ص ۱۷۲۔

(۳۹) بعض روایتوں میں چھ کی جگہ آٹھ کا ذکر ہے، ساتویں البراء ابن معرور اور آٹھویں ابوالہیثم مالک بن تیہان، مولانا شبلیؒ نے آخر الذکر کو عقبہ بن عامر کے بجائے چھٹا شمار کیا ہے۔

(۴۰) ابن ہشام، جلد ۲، ص ۷۱۔

(۴۱) حمید الدین، تاریخ اسلام، ص ۲۵۔

(۴۲) ابن ہشام، جلد ۲، ص ۷۳۔

(۴۳) ابن سعد، جلد ۱، ص ۲۲۰۔ واضح رہے کہ اس بیعت کو اصطلاحاً "بیعت النساء" سے تعبیر کیا جاتا ہے (ابن ہشام، جلد ۲، ص ۷۳)

(۴۴) ابوالکلام آزاد مولانا، اضافہ مولانا غلام رسول مہر، رسول رحمتؐ، ص ۱۷۳۔

(۴۵) اس بات میں مورخین کے درمیان اختلاف ہے کہ اہل مدینہ نے معلم کی درخواست کب اور کس طرح کی تھی۔ ابن ہشام کے اس بیان سے کہ "بعث رسول اللہ معھم مصعب" (جلد ۲، ص ۷۶) سے مترشح ہوتا ہے کہ بیعت کے موقع پر ہی انہوں نے اس خواہش کا اظہار کیا تھا، جبکہ ابن سعد نے لکھا ہے کہ جب بیعت عقبہ اولیٰ کے بارہ آدمی مدینہ واپس پہنچے اور انصار کے گھر گھر اسلام پھیل گیا تو انہوں نے ایک آدمی کے ذریعہ رسول اللہ کو خط لکھا، جس میں مذکورہ خواہش کا اظہار تھا۔ (ابن سعد، جلد ۱، ص ۲۲۰ اور جلد ۳، ص ۱۱۸) نیز دیکھیے۔ البلاذری۔ احمد بن یحییٰ، انساب الاشراف، تحقیق، الدکتور محمد حمید اللہ، معہد المخطوطات۔ جامعۃ الدول العربیہ و دارالمعارف۔ مصر ۱۹۵۹ء (جلد ۱، ص ۲۳۹)

(۴۶) مصعب نام، ابو محمد کنیت، والد کا نام عمیر اور والدہ کا خناس بنت مالک تھا۔ پورا سلسلۂ نسب یہ ہے: مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبدالدار بن قصی (ابن سعد ج ۳ ص ۱۱۶) بچپن میں ان کی پرورش انتہائی ناز و نعم میں ہوئی، خود رسول اللہ کا یہ ارشاد تھا کہ "میں نے مکہ میں مصعب سے زیادہ کوئی حسین، خوش پوش اور پروردۂ نعمت نہیں دیکھا، لیکن اسلام لانے کے بعد اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں خستہ حال ہو گئے"۔ (ایضاً ص ۱۱۶۔ ۱۱۷) اس وقت ایمان لائے جبکہ رسول اللہ کا قیام دار ارقم میں تھا۔ حبشہ ہجرت کی۔ پھر بیعت عقبہ کے بعد بطور معلم و قاری مدینہ بھیجے گئے (جس کی تفصیل پہلے آ چکی ہے)۔ اس دوران کی پُرخلوص کوششوں کی وجہ سے مدینہ کے بڑے بڑے سردار مثلاً سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر وغیرہ نے اسلام قبول کیا اور بہت ہی قلیل عرصہ

میں اسلام انصار کے گھر پھیل گیا (ابن ہشام ج ۲ ص ۷۹، ۸۰) حضور کی اجازت سے انہوں نے سب سے پہلے نماز جمعہ با جماعت کی روایت قائم کی (ایک رائے کے مطابق جمعہ پہلی مرتبہ اسعد بن زرارہ نے قائم کیا تھا۔ ابن سعد ج ۳ ص ۱۱۸) بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد مکہ ہی میں قیام کیا، یہاں تک کہ رسول اللہؐ کے سفر ہجرت سے چند دن قبل یعنی یکم ربیع الاول سن ۱۳ نبوی کو عازم مدینہ ہوئے (ایضاً ص ۱۱۹) اور مدینہ پہنچ کر حضرت سعد بن معاذ کے مکان پر اترے (ایضاً ص ۱۱۷) ہجرت مدینہ کے بعد ان کی مواخات حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے (ابن ہشام ج ۲ ص ۱۵۲) یا سعد بن ابی وقاص یا ذکوان بن عبد قیس (ابن سعد ج ۳ ص ۱۲۰ سے ہوئی) غزوہ بدر میں شریک ہوئے تو سفید علم (ابن ہشام ج ۲ ص ۲۶۴) یعنی مہاجرین کا بڑا جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا (ابن سعد ج ۳ ص ۱۲۰) اور یہ عجیب اتفاق تھا کہ دوسری طرف قریش کی جانب النضر بن الحارث کے بعد مشرکین کا علمبردار ان کا بھائی ابو عزیز بن عمیر تھا، جو بالآخر قید ہوا اور چار ہزار درہم کے فدیہ پر رہا ہوا۔ (ابن ہشام ج ۲ ص ۳۰۰)۔ غزوہ احد میں بھی علمبردار مصعب بن عمیر ہی تھے۔ آخر وقت تک علم کو نیچے نہ گرنے دیا۔ اسی غزوہ میں شہادت پائی۔ شہادت کے وقت عمر چالیس سال یا کچھ زائد تھی (ابن سعد ج ۳ ص ۱۲۲)۔ مزید حوالے کے لئے دیکھئے: ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب۔ مطبعہ دائرۃ المعارف النظامیہ۔ دکن ۱۳۳۶ھ (ج ۱ ص ۲۷۹)۔ نیز ابن حجر العسقلانی۔ الاصابہ فی تمییز الصحابہ۔ المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ۔ مصر۔ ۱۹۳۹ء۔ (ج ۳ ص ۴۰۱)

(۴۷) ان گھرانوں کے نام یہ ہیں۔

بنی امیہ بن زید، خطمہ، واکل اور واقف (یہ اوس اللہ کہلاتے تھے اور اوس بن حارثہ کی اولاد تھے۔ انہیں اسلام سے روکنے میں ان کا قائد اور شاعر ابو قیس بن الاسلت پیش پیش تھا۔ اسی کی وجہ سے کم و بیش غزوہ خندق تک یہ گھرانے اور وہ خود بھی دولت اسلام سے محروم رہا۔ (ابن ہشام، جلد ۲، ص ۸۰)۔

(۴۸) ابن ہشام، جلد ۲، ص ۷۷۔

(۴۹) آل عمران۔ ۱۰۳۔

(۵۰) الانفال۔ ۶۳۔

(۵۱) طبری کی روایت ہے کہ مصعبؓ موسم حج سے کچھ پہلے آئے تھے اور پھر بعد میں مدینہ کے مسلمان دوسرے مشرکوں کے ساتھ ادائیگی فریضۂ حج کیلئے آئے۔ (طبری جلد ۲، ص ۳۶۰) محمد حسین ہیکل نے بغیر کسی حوالے کے یہ لکھا ہے کہ حضرت مصعبؓ بہت پہلے یعنی رجب ۱۲ نبوی میں مکہ آ گئے تھے۔ ہیکل، محمد حسین۔ حیاۃ محمد، مکتبۃ النہضۃ المصریہ۔ قاہرہ ۱۹۴۷ء، ص ۲۰۲۔

(۵۲) ابن ہشام، جلد ۱، ص ۴۵۱۔

(۵۳) طبقات ابن سعد، جلد ۱، ص ۲۲۰۔

(۵۴) طبقات ابن سعد، جلد ۱، ص ۲۲۱۔

(۵۵) اس موقع پر دوران گفتگو حضرت عباس بن عبد المطلب نے حاضرین کو خبردار کیا تھا کہ باتیں آہستہ اور مختصر کی جائیں اس لئے کہ جاسوس لگے ہوئے ہیں (ابن سعد، جلد ۱، ص ۲۲۲) جبکہ ہیثمی کی روایت کردہ حدیث کے مطابق مقام عقبہ پر پہنچ کر ہی رسول اللہؐ نے یہ ہدایت فرما دی تھی کہ "او جزوا فی الخطبۃ فانی اخاف علیکم کفار قریش" (ہیثمی، نور الدین علی بن ابو بکر۔ مجمع الزوائد و منبع الفوائد۔ مکتبۃ القدسی قاہرہ۔ ۱۳۵۳ھ۔ جلد ۶، ص ۴۷۔

(۵۶) ابن ہشام، جلد ۱، ص ۴۶۸۔ ابن سعد ان کی تعداد ستر بتاتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں: طبقات، جلد ۱، ص ۲۲۱۔ حافظ ابن قیم بھی ان کی تعداد ستر بتاتے ہیں: زاد المعاد، جلد ۲، ص ۱۱۳۔

(۵۷) ابن ہشام، جلد ۱، ص ۴۶۸۔ ۴۷۵۔

(۵۸) منتخب سردار تھے۔ غزوہ بدر میں شریک نہ تھے۔

(۵۹) یہ غزوہ بدر میں شریک تھے۔

(۶۰) ان کا نام مالک تھا۔ یہ غزوہ بدر میں شریک ہوئے۔

(۶۱) ان کا نام ابی بن زیاد تھا۔ بدر میں شریک تھے۔

(۶۲) منتخب سردار تھے، بدر میں موجود تھے۔ آپ کے ساتھ رہ کر جام شہادت نوش کیا۔

(۶۳) منتخب سردار تھے، بدر میں موجود تھے۔ غزوہ احد میں شہید ہوئے۔

(۶۴) بدر میں موجود تھے۔ احد کے روز شہید ہوئے۔ آپؐ کی جانب سے تیر اندازی کرنے والوں پر امیر تھے۔

(۶۵) بدر، احد، خندق اور آپؐ کے تمام مشاہد میں حاضر رہے۔ عہد صدیقیؓ میں جنگ یمامہ میں جام شہادت نوش کیا۔ عہد معاویہؓ میں سرزمین روم میں بہ حالت نماز فوت ہوئے۔

(۶۶) بدر، احد اور تمام مشاہد میں حاضر رہے۔

(۶۷) بدر میں شہید ہوئے۔

(۶۸) بدر میں شہید ہوئے۔ انہوں نے ہی ابوجہل کو قتل کیا۔ معاذ، عوف اور معوذ تینوں بھائی تھے۔

(۶۹) بدر، احد، خندق اور تمام مشاہد میں موجود رہے۔ عہد صدیقیؓ میں جنگ یمامہ میں شہادت حاصل ہوئی۔

(۷۰) منتخب سردار تھے، بدر سے پہلے ہی فوت ہوئے۔

(۷۱) بدر میں حاضر تھے۔

(۷۲) بدر میں شریک تھے۔

(۷۳) ان کا نام یزید بن کمل تھا، بدر میں موجود تھے۔

(۷۴) بنی بنی صدیلہ بھی کہلاتے تھے۔

(۷۵) بدر میں حاضر تھے اور اسلامی لشکر کے پچھلے حصے پر مامور تھے۔

(۷۶) منتخب سردار، بدر میں موجود تھے۔ احد میں شہادت پائی۔

(۷۷) بدر میں حاضر تھے، احد میں شہید ہوئے۔

(۷۸) منتخب سردار، بدر، احد، خندق، فتح مکہ اور اس کے بعد کی جنگوں میں موجود رہے۔ سریہ موتہ میں آپؐ نے انہیں امیر مقرر فرمایا، وہیں شہید ہوئے۔

(۷۹) بدر میں موجود تھے۔

(۸۰) بدر میں موجود تھے۔ انہی کو خواب میں اذان کا طریقہ بتایا گیا۔ انہوں نے آپؐ سے یہ خواب بیان کیا تو آپؐ نے اسی طرح اذان دینے کا حکم فرمایا۔

(۸۱) بدر، احد، خندق میں حاضر تھے۔ غزوہ قریظہ کے روز شہید ہوئے۔ ان پر یہودیوں نے ایک قلعے پر سے چکی گرائی جس سے سر پھٹ گیا۔ آپؐ نے فرمایا: ان لہ لاجر شہیدین یعنی ان کے لئے دو شہیدوں کا اجر ہے۔

(۸۲) ان کی کنیت ابومسعود تھی۔ یہ حاضرین عقبہ میں سب سے کم عمر تھے۔ بدر میں حاضر نہ تھے۔ عہد معاویہؓ میں وفات پائی۔

(۸۳) بدر میں موجود تھے۔

(۸۴) بدر میں حاضر تھے۔

(۸۵) بدر میں شریک ہوئے۔

(۸۶) منتخب سردار۔

(۸۷) مہاجر انصاری کے نام سے مشہور ہیں۔ بدر میں موجود تھے اور احد میں شہید ہوئے۔

(۸۸) بدر میں موجود تھے۔

(۸۹) بدر میں حاضر تھے۔

(۹۰) منتخب سردار، انہوں نے سب سے پہلے آپؐ کی بیعت کی۔ ہجرت نبویؐ سے پیشتر ہی فوت ہو گئے۔

(۹۱) اسلام کے فرزند، بدر، احد اور خندق میں شریک تھے۔ خیبر میں بکری کا زہر آلود گوشت کا ایک لقمہ کھانے سے جاں بحق ہوئے۔

(۹۲) بدر میں موجود تھے۔ خندق کے روز شہید ہوئے۔

(۹۳) بدر میں موجود تھے۔ خندق کے روز شہید ہوئے۔

(۹۴) بدر میں شریک ہوئے۔

(۹۵) معقل کے بھائی تھے۔ بدر میں موجود تھے۔

(۹۶) بدر میں موجود تھے۔

(۹۷) بدر میں حاضر تھے۔

(۹۸) بدر میں موجود تھے۔

(۹۹) بدر میں موجود تھے۔

(۱۰۰) بدر میں شریک تھے۔

(۱۰۱) قبیلہ کے سردار، کنیت ابوالمنذر، بدر میں موجود تھے۔

(۱۰۲) ان کا نام کعب بن عمرو تھا، بدر میں حاضر تھے۔

(۱۰۳) بدر میں موجود تھے۔ غزوہ خندق میں شہید ہوئے۔

(۱۰۴) بدر میں موجود تھے۔

(۱۰۵) منتخب سردار، بدر میں موجود تھے، احد میں شہید ہوئے۔

(۱۰۶) عبداللہ بن عمرو کے فرزند تھے۔

(۱۰۷) بدر میں موجود تھے۔

(۱۰۸) طائف میں شہید ہوئے۔

(۱۰۹) بدر میں موجود تھے۔

(۱۱۰) بدر اور تمام مشاہد میں حاضر رہے، عہد فاروقیؓ میں عمواس میں فوت ہوئے۔
یہ کل بن عمر کے مادری بھائی اور بنی سلمہ کے حلیف تھے۔

(۱۱۱) منتخب سردار، بدر اور تمام مشاہد میں حاضر رہے۔

(۱۱۲) جابر انصاری کے نام سے مشہور ہیں۔ احد کے روز شہید ہوئے۔

(۱۱۳) قوقل کہلاتے تھے۔

(۱۱۴) بدر میں حاضر تھے، ان کی کنیت ابوالولید تھی۔

(۱۱۵) بدر میں موجود تھے، جابر انصاری کہلاتے تھے۔

(۱۱۶) ان کو بنی الحبلی بھی کہتے ہیں۔ سلیم یا سالم کا چونکہ پیٹ بڑا تھا اس لیے الحبلی مشہور ہو گئے۔

(۱۱۷) منتخب سردار۔

(۱۱۸) منتخب سردار، بدر میں شریک تھے۔ بئر معونہ میں آپؐ نے انھیں امیر مقرر فرمایا تھا۔ اسی امارت کی حالت میں شہید ہوئے، انھیں المعنق للموت بھی کہتے ہیں یعنی موت کی طرف تیزی سے جانے والا۔

(۱۱۹) ان کی کنیت ام عمارہ تھی۔

(۱۲۰) ابن ہشام، جلد ۱، ص ۴۵۴، طبقات ابن سعد، جلد ۱، ص ۲۲۹۔

(۱۲۱) عرب انصار کے اس قبیلے کو اسی نام سے پکارتے تھے، خواہ وہ بنی خزرج ہوں یا بنی اوس۔

(۱۲۲) ابن ہشام، جلد ۱، ص ۴۵۴، طبقات ابن سعد، جلد ۱، ص ۲۲۱۔

(۱۲۳) ایضاً۔۔۔ایضاً۔

(۱۲۴) ایضاً ص ۴۵۴۔۴۵۵۔

(۱۲۵) ابن ہشام، جلد ۱، ص ۴۵۵۔

(۱۲۶) ایضاً۔

(۱۲۷) عباس نام قبیلہ خزرج سے ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے:

عباس بن عبادہ بن نضلہ بن مالک بن عجلان بن زید بن غنم سالم بن عوف بن عمرو بن عوف بن الخزرج۔ بیعت عقبہ ثانیہ میں شریک تھے۔ (جیسا کہ خود ان کی مذکورہ تقریر سے ثابت ہے)۔ بیعت کے بعد مکہ ہی میں مقیم ہو گئے، پھر ہجرت کر کے دیگر مہاجرین کے ہمراہ مدینہ آئے، اس بنا پر وہ مہاجری انصاری ہیں۔ (ابن ہشام جلد ۲، ص ۱۰۷) وہ رسول اللہؐ کے مہمان یعنی اصحاب صفہ میں داخل تھے۔ مدینہ آ کر حضرت عثمان بن مظعون سے مواخاۃ ہوئی بدر میں شریک نہ تھے۔ غزوہ احد میں شریک ہوئے اور لڑ کر شہادت پائی (سیر انصار جلد ۲ ص ۸۹، ۹۰)

(۱۲۸) ابن ہشام جلد ۲، ص ۸۸، ۸۹۔

(۱۲۹) اسعد نام، ابو امامہ کنیت، خیر لقب، خزرج سے تھے اور نجار کے خاندان سے وابستہ تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

اسعد بن زرارہ بن عدس بن عبید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن النجار (ابن سعد جلد ۳، ص ۱۰۸)

اپنی فطرت سلیمہ کی بنا پر کفر و شرک سے متنفر تھے۔ ایک روایت کے بموجب اہل مدینہ میں سب سے پہلے ایمان لانے والے یہی تھے (ایضاً) اور انہوں نے ہی سب سے پہلے حضورؐ سے مکہ میں ملاقات کی تھی (ایضاً ص ۶۰۹) عقبہ اولیٰ اور ثانیہ دونوں میں شریک تھے اور عقبہ ثانیہ کے موقع پر جو تقریر کی وہ آگے ہم نے نقل کی ہے۔ اسی موقع پر انہیں بنو نجار کا نقیب مقرر کیا گیا۔ نقباء میں یہ سن و سال کے لحاظ سے اگرچہ سب سے کم تھے، لیکن ابن سعد کے بقول "راس النقباء" (ج ۳ ص ۶۱۱) اور البلاذری کی روایت کے مطابق رسول اللہؐ نے انہیں "نقیب النقباء" بنایا تھا (البلاذری۔ الانساب، ج ۱ ص ۲۴۳) رسول کی آمد مدینہ سے قبل اسعد لوگوں کے ساتھ پنج وقتہ نمازیں ادا کرتے تھے اور نماز باجماعت کا اہتمام بھی کر رکھا تھا۔ جب حضرت مصعب مدینہ پہنچے تو وہ بھی ان حضرات کے ساتھ نمازیں ادا کرتے تھے اور رسول اللہؐ کے حکم سے نماز جمعہ کا اہتمام کرتے تھے (ابن سعد ج ۳، ص ۶۰۹) یہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ایک روایت کے مطابق اسعد بن زرارہ ہی پہلے شخص تھے جنہوں نے مدینہ میں جمعہ کی بنیاد ڈالی (ابن ہشام ۲، ص ۷۷) اس دوران حضرت مصعب کا قیام بھی اسعد کے گھر میں رہا (ایضاً ص ۷۶)۔

ہجرت نبویؐ کے وقت اگرچہ رسول اللہ کا قیام ابو ایوب انصاری کے یہاں رہا، تاہم آپ کی اونٹنی اسعد بن زرارہ کی مہمان تھی (ابن سعد ج ۱، ص ۲۳۷) حضرت اسعد کی عمر نے مزید وفا نہ کی اور جلد ہی شوال ۱ھ میں یعنی جبکہ مسجد نبوی کی تعمیر ہو رہی تھی کہ آپ کا انتقال ہو گیا (ایضاً ج ۳ ص ۶۱۱) قبرستان بقیع میں دفن ہونے والے پہلے مسلمان ہیں (ایضاً ص ۶۱۲) اسعد چونکہ بنو نجار کے نقیب تھے، اس لیے وفات کے بعد انہوں نے رسول اللہؐ سے کسی دوسرے کو ان کا نقیب مقرر کرنے کی درخواست کی۔ رسول اللہؐ نے فرمایا: "میں تمہارا نقیب ہوں"۔ (ایضاً ص ۶۱۱) معلوم ہوا ہے کہ نقباء کا ادارہ اس وقت بھی موثر تھا۔

(۱۳۰) ابن سید الناس جلد ۱، ص ۱۶۵۔ ابن سعد نے اسعد بن زرارہ کی جو تقریر نقل کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

یا ایھا الناس ھل تدرون علی ما تبایعون محمدا انکم تبایعونہ علی ان تحاربوا العرب والعجم والانس والجن مجلبۃ۔ (ابن سعد جلد ۳، ص ۶۰۹)

(۱۳۱) ابن ہشام، جلد ۲، ص ۸۹۔

(۱۳۲) طبقات ابن سعد جلد ۱، ص ۳۲۲، تاریخ ابن خلدون، جلد ۱، ص ۶۰۔

(۱۳۳) ابن ہشام، جلد ۱، ص ۴۷۵۔

(۱۳۴) ابن ہشام کا یہی خیال ہے۔ ملاحظہ فرمائیں: ابن ہشام جلد ۱، ص ۴۵۵۔ لیکن ابن خلدون کا خیال ہے کہ ان کا انتخاب حضور نبی کریمؐ نے خود فرمایا: ملاحظہ فرمائیں: تاریخ ابن خلدون جلد ۱، ص ۶۰۔

(۱۳۵) ایک قول میں ان کی جگہ ابو الہیثم بن تیہان کا نام لیا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

زاد المعاد جلد ۲، ص ۱۱۳، تاریخ ابن خلدون جلد ۱، ص ۶۰، ابن ہشام جلد ۱، ص ۴۵۶۔

(۱۳۶) ابن ہشام جلد ۱، ص ۴۶۱، طبقات ابن سعد جلد ۱، ص ۳۲۲۔

(۱۳۷) ایضاً، ص ۳۲۳۔

(۱۳۸) یثرب کا حکمران بننے کے خواب دیکھ رہا تھا۔

(۱۳۹) طبقات ابن سعد جلد ۱، ص ۳۲۳۔

(۱۴۰) ابن ہشام جلد ۲، ص ۴۴۹، ۴۵۰۔

(۱۴۱) محمد حمید اللہ ڈاکٹر، رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، ص ۹۳۔

(۱۴۲) بیعت العقبۃ الاولیٰ کو "بیعۃ النساء" اور بیعت العقبۃ الثانیہ کو "بیعت الحرب" سے موسوم کیا جاتا ہے۔ موخر الذکر کی توجیہہ یہ ہے کہ اس بیعت میں

اہل مدینہ نے جہاد، کفار سے لڑنے اور حضورؐ کی جان کی حفاظت و دفاع کرنے پر بیعت کی تھی۔ اس بیعت کے موقع پر براء بن معرور نے اہل مدینہ کی نمائندگی کرتے ہوئے کہا تھا "یا رسول اللہ نحن واللہ ابناء الحروب واھل الحلقۃ"۔ (ابن ہشام ج ۲ ص ۸۵) اور عباس بن نضلہ نے اپنے ہم وطنوں کو خبردار کیا تھا کہ "انکم تبایعونہ علی حرب الاحمر والاسود من الناس" (ایضاً ص ۸۸) اور ان ہی عباس نے رسول اللہؐ سے جنگ کی اجازت مانگی تھی اور کہا تھا کہ:

واللہ الذی بعثک بالحق ان شئت لنمیلن علی اھل منی غداً باسیافنا؟ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم نؤمر بذلک (ایضاً ص ۹۰)

صرف یہی نہیں کہ اہل مدینہ اور اہل ایمان ہی بیعت مذکورہ کو ہمہ گیر جنگ کا پیش خیمہ سمجھ رہے تھے، بلکہ اس حقیقت کا احساس قریش مکہ میں بھی موجود تھا چنانچہ شب عقبہ کے بعد صبح کو خزرجیوں سے تحقیق حال کے لئے ان الفاظ کا سہارا لیا تھا کہ:

یا معشر الخزرج انہ قد بلغنا انکم قد جئتم الی صاحبنا ھذا تستخرجونہ من بین اظہرنا وتبایعونہ علی حربنا؟ (ایضاً ص ۹۰)

یہاں بخاری کی اس روایت سے غلط فہمی نہ ہونی چاہئے جس میں یہ مذکور ہے کہ عقبہ ثانیہ کی شرائط میں شرک، چوری، زنا، قتل اولاد سے اجتناب شامل تھا (البخاری، ج ۱، اصح المطابع۔ دہلی ۱۹۳۸ء، ج ۱، ص ۵۵۰ کتاب المناقب) کیونکہ تمام مورخین اور اصحاب سیر اس پر متفق ہیں کہ یہ عقبہ اولیٰ کی شرائط ہیں۔

(۱۴۳) Muir, Sir William, Life of Muhamma, vol 11, P 228.

(۱۴۴) بنی قیلہ اوس وخزرج دونوں قبیلوں کا لقب ہے۔ اصلاً دونوں ایک ہی بطن سے ہیں۔

(۱۴۵) رسول اللہؐ نے اس وفد کی آمد کی خبر سنی تو معمول کے مطابق دعوت پیش کی، قرآن سنایا۔ ایاس نے جو اس وقت کم سن نوجوان تھا کہا کہ "اے قوم! واللہ یہ تو اس سے بہتر ہے، جس کے لئے تم آئے ہو"۔ اس پر وفد کے ایک رکن ابوالحیسر انس نے مٹی ایاس کے منہ پر ماری اور کہا "ہمارے درمیان سے نکل جا"۔ اس کے بعد یہ لوگ مدینہ چلے گئے، پھر جب جنگ بعاث ختم ہوگئی اور اس کے چند روز بعد ہی ایاس کا انتقال ہوگیا۔ انتقال کے وقت تکبیر اس کی زبان پر تھی (ایضاً ص ۶۹، ۷۰) سوید اور ایاس کے بعد رسول اللہ کی دعوت اہل مدینہ کے اس چھ نفری گروہ تک پہنچی جو عقبہ کے مقام پر آپؐ سے ملا تھا۔ ابن سعد کی ایک روایت کے مطابق اسعد ابن زرارہ اہل مدینہ میں سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسلام قبول کیا اور مکہ میں حضورؐ سے ملاقات کی۔ دیکھیے۔ ابن سعد، ج ۳، ص ۶۰۸، ۶۰۹) اوس اور خزرج کے قبائل سیل عرم کے بعد یمن سے نکلے اور مدینہ میں چاہ صرار کے پاس آکر اترے (ابن خلدون، ج ۲، ص ۲۸۷۔ مارگولیتھ نے بھی اسے تسلیم کیا ہے۔ (MARGOLIOUTH, P.60) ابن سعد نے ان دونوں کا پورا سلسلہ نسب نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ اوس وخزرج کی ماں قیلہ بنت کاہل بن عذرہ تھی (ابن سعد، ج ۳، ص ۴۱۹) نہ معلوم دائرہ معارف اسلامیہ میں اس کا نام قیلہ بنت الارقم کیوں لکھا ہوا ہے) (ڈاکٹر سید محمد عبداللہ اور دیگر۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ دانش گاہ پنجاب۔ لاہور ۱۹۶۸ء، ج ۳، ص ۵۲۷) بہر حال یہ بات طے ہے کہ اپنی ماں کی وجہ سے ہی وہ بنو قیلہ کہلاتے ہیں۔ جب اوس اور خزرج مدینہ آئے تو وہاں مختلف یہودی قبائل آباد تھے، مثلاً بنو ثعلبہ، بنو زعورا، بنو قینقاع، بنو زید، بنو نضیر، بنو قریظہ (یہ دونوں کاہنان کہلاتے تھے) بنو عوف، بنو قصیص یا عصیص اور بنو بہدل وغیرہ (ابن خلدون ج ۲ ص ۲۸۷) سمہودی نے بجائے بہدل کے ہدل لکھا ہے (السمہودی، جلد ۱، ص ۱۱۵) مدینہ میں اس وقت چونکہ غلبہ یہود کو حاصل تھا اس لئے اچھے نخلستان اور املاک ان کے ہاتھ آگئیں بلکہ چند جو بڑی معمولی اور بنجر زمینیں اور کچھ مویشی ہی قبیلہ کے پاس تھے۔ ایک عرصہ تک یہ اسی حالت میں رہے، یہاں تک کہ مالک بن عجلان کی کوششوں اور ابوجبیلہ غسانی کی امداد سے اوس اور خزرج کو غلبہ حاصل ہوگیا۔ بہت سے سرداران یہود قتل ہوئے، جس کا نتیجہ ایک تو یہ نکلا کہ ان کے درمیان عداوت کا بیج پڑ گیا اور دوسرا یہ کہ یہود نے سہم کر ان سے امداد اور دوستی کی درخواست بھی کی۔ ایک مدت تک اوس اور خزرج کو مدینہ میں شوکت و سیادت حاصل رہی تا آنکہ ان کے ہمسایہ عبرانی قبائل ان سے عہد وفا استوار کرنے لگے۔ لیکن بعد میں اوس اور خزرج کی باہمی خونریزیوں نے نہ صرف ان کی شوکت و سطوت کا خاتمہ کر دیا بلکہ ان کی ہوا اکھڑ گئی۔ یہود نے ان سے پیمان صلح توڑ دیا۔ یہود کو غلبہ حاصل ہوگیا (ابن خلدون ج ۲ ص ۲۸۷، ۲۸۸۔ نیز السمہودی ج ۱ ص ۱۱۵ تا ۱۲۳)۔ اور اوس وخزرج خائب وخاسر ہوکر رہ گئے۔ خاص طور پر ان کی آخری جنگ نے جو بعاث کے نام سے مشہور ہوئی ہے ان کو بالکل خستہ وخوار کر دیا تھا، جیسا کہ ہم متن میں کئی جگہ صراحت کر چکے ہیں۔

(۱۴۶) یہود (یا بنی اسرائیل) کی تاریخ بہت پرانی بھی ہے اور دردناک بھی۔ یہ لوگ فرعون آمن حوطب سوم (م ۱۳۷۵ ق م) کے زمانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رہنمائی میں مصر سے نکلے۔ (تفصیلات کے لئے:

Breasted, James, AHistory of Egypt (From the Earliest time to the Persian Conquest), Hodder and Stoughton, London, 1952.

اس کے بعد آزادی پائی۔ پھر دشت نوردی کرکے بالآخر فلسطین پہنچے، لیکن کچھ ہی عرصہ میں خانہ جنگیوں کے شکار ہوکر ذلیل وخوار ہوگئے۔ یہاں تک کہ

حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں عظیم الشان سلطنت کے مالک ہوئے۔ لیکن بعد میں پھر خانہ جنگیوں، باہمی اختلافات اور اندرونی چپقلش میں مبتلا ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہوئے اور تتر بتر ہو گئے۔ جہاں تک جزیرہ نمائے عرب میں یہودی تاریخ کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں کوئی مستند تاریخ دنیا میں موجود نہیں ہے۔ نہ تو انہوں نے خود کوئی ایسی تحریر یا کتاب چھوڑی جس سے ان کے ماضی پر کوئی روشنی پڑ سکے اور نہ عرب سے باہر کے مورخین نے ان کا کوئی ذکر کیا۔ اس لئے یہود عرب کی تاریخ کا بیشتر انحصار ان زبانی روایات پر ہے جو اہل عرب میں مشہور تھیں (مودودی۔ تفہیم القرآن۔ ادارہ ترجمان القرآن۔ لاہور۔ ۱۹۷۱ء۔ ج ۵، ص ۲۷۰) ان کی رُو سے یہود کی سب سے پہلی ہجرت خود حضرت موسیٰ کے آخر عہد میں ہوئی۔ (تفصیل کے لئے: یاقوت حموی۔ ج ۵، ص ۸۲، ۸۵۔ السمہودی ج ۱، ص ۱۱۱۔ نیز (MARGOLIOUTH, P.69,60. دوسری ہجرت یہودیوں کی اپنی روایت کے مطابق ۵۸۷ ق م میں ہوئی (مودودی۔ ج ۵، ص ۲۷۱) تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ "سن ۷۰ء میں رومیوں نے فلسطین میں یہودیوں کا قتل عام کیا اور پھر ۱۳۲ء میں انہیں اس سرزمین سے نکال باہر کیا۔ اس دور میں بہت سے یہودی قبائل بھاگ کر حجاز میں پناہ گزیں ہو گئے تھے، کیونکہ یہ علاقہ فلسطین کے جنوب میں متصل ہی واقع تھا۔ یہاں آ کر انہوں نے جہاں جہاں چشمے اور سرسبز مقامات دیکھے، وہاں ٹھہر گئے اور پھر رفتہ رفتہ اپنے جوڑ توڑ اور سود خواری کے ذریعہ ان پر قبضہ جما لیا۔ ایلہ، مقنا، تبوک، تیماء، وادی القریٰ، فدک اور خیبر پر ان کا تسلط اسی دور میں قائم ہوا اور بنی قریظہ، بنی نضیر، بنی بہدل اور بنی قینقاع بھی اسی دور میں آ کر مدینہ پر قابض ہوئے (ایضاً ج ۵، ص ۲۷۱۔ نیز (MARGOLIOUTH, P.60. اس کے تقریباً تین صدی بعد ۴۵۰ یا ۴۵۱ء میں یمن کے اس سیلاب عظیم کا واقعہ پیش آیا جس کی وجہ سے قوم سبا کے مختلف قبیلے یمن سے نکل کر عرب کے اطراف میں پھیل جانے پر مجبور ہوئے (ایضاً ج ۵، ص ۲۷۱۔ مزید تفصیل اور حوالے کے لئے السمہودی۔ ج ۱، ص ۱۱۱ تا ۱۱۲۔ ابن خلدون ج ۲، ص ۲۸۶۔ ۲۸۷ اور حبیب اللہ ندوی۔ اہل کتاب صحابہ و تابعین۔ معارف پریس اعظم گڑھ۔ ۱۹۵۱ء ص ۲۲۔ ۶)۔

یہ ہم پچھلے حاشیہ میں بیان کر چکے ہیں کہ اوس اور خزرج کے قبائل پر جو ان کے مدینہ میں آباد ہوئے یہود کو غلبہ کس طرح حاصل ہوا۔ رسول اللہؐ کی آمد مدینہ سے قبل یہود کو عرب میں بالعموم اور حجاز میں بالخصوص جو مقام حاصل تھا اسے سمجھنے کے لئے یہود کی چند اہم خصوصیات اور ان کے نمایاں خدوخال کو سامنے رکھنا ہو گا۔

(۱۲۷) بعاث کی جنگ وہ جنگ تھی جس میں اوس اور خزرج باہم برسر پیکار ہوئے تھے۔ اس جنگ میں بالآخر خزرج پر اوس کو فتح حاصل ہوئی۔ اس وقت اوس کا سردار ابو اسید حضیر بن سماک الاشہلی اور خزرج کا سردار عمرو بن النعمان البیاضی تھا۔ یہ دونوں اس جنگ میں مارے گئے (ابن ہشام ج ۲، ص ۲۰۳) اوس و خزرج کے مابین اگرچہ لڑائیاں بہت سی ہوئیں جو حرب سمیر، حرب کعب، حرب حاطب، یوم السرارہ، یوم الربیع، یوم فارع، یوم الفجار، یوم معبس و مضرس وغیرہ کے ناموں سے مشہور ہیں (تفصیلات کے لئے: محمد احمد جاد، علی محمد البجاوی اور محمد ابو الفضل ابراہیم۔ ایام العرب فی الجاہلیہ۔ مطبعہ عیسیٰ البابی الحلبی۔ مصر۔ ۱۹۴۲ء، ص ۶۲ اور ۷۳ تا ۷۴) لیکن بعاث وہ آخری جنگ ہے جو مذکورہ گروہوں کے درمیان واقع ہوئی، بلکہ ان کے ہمراہ ان کے اعوان و انصار نے بھی حصہ لیا۔ چنانچہ خزرج کے ساتھ ان کے حلیف اشجع اور جہینہ کے قبیلے تھے، جبکہ اوس کے ساتھ مزینہ کے علاوہ قریظہ اور نضیر کے یہودی قبائل بھی تھے۔ اس جنگ کا آغاز بعثت نبویؐ سے قبل ہوا (ابن خلدون ج ۲، ص ۲۸۹) اور اختتام ہجرت سے چند سال پہلے ہوا۔

(۱) زبان، لباس، تہذیب، تمدن ہر لحاظ سے انہوں نے پوری طرح عربیت کا رنگ اختیار کر لیا تھا۔ حتیٰ کہ ان کی غالب اکثریت کے نام تک عربی ہو گئے (مودودی۔ (تفہیم) ج ۵، ص ۲۷۳) شاید اسی لئے مغربی علماء اور مستشرقین کو یہ تعین کرنے میں دقت پیش آئی کہ وہ عربی قبائل ہیں یا باہر سے آئے ہیں، حالانکہ جدید تحقیق کے مطابق حجازی یہود، اصل میں بنی اسرائیل سے تعلق رکھتے تھے اور عربی قبائل نہیں تھے (دروزۃ۔ محمد عزت۔ عصر النبی۔ دار الیقظۃ العربیۃ۔ بیروت ۱۹۶۴ء، ص ۱۷۷)

(۲) یہود چونکہ کتاب و شریعت کے حامل تھے اور نسلی تفاخر، غرور اور تعصب ان میں بہت پایا جاتا تھا اس لئے وہ اہل عرب کو امی (GENTILES) کہتے تھے جس کے معنی صرف ان پڑھ کے نہیں بلکہ وحشی اور جاہل کے بھی ہیں۔ (مودودی۔ ج ۵، ص ۲۷۳) ان کا عقیدہ یہ تھا کہ ان امیوں کو وہ انسانی حقوق حاصل نہیں ہیں جو اسرائیلیوں کے لئے ہیں اور ان کا مال ہر جائز و ناجائز طریقے سے مار کھانا اسرائیلیوں کے لئے حلال و طیب ہے۔ (ایضاً) یہود کی اس تفوق پسندی کو اس لئے اور بھی ترقی ملی کہ عام عرب انہیں حاملان دین و شریعت ہونے کی وجہ سے اپنے آپ سے برتر سمجھتے تھے اور دینی معاملات میں ان سے رہنمائی کے طالب ہوتے تھے۔ چنانچہ قریش نے ہی متعدد بار اپنے وفود مدینہ کے پاس اس لئے بھیجے کہ وہ آپ کی نبوت اور آپ کی صفات کتب سابقہ کی روشنی میں ان سے دریافت کریں (حبیب اللہ ندوی۔ ص ۳۰) عام عربوں کے علاوہ دینی لحاظ سے یہود کی برتری کا سکہ اوس اور خزرج پر تو یہاں تک قائم تھا کہ جب ان کے بچے زندہ نہیں بچتے تھے تو وہ منت مانتے تھے کہ بچہ زندہ رہ جائے گا تو اسے یہودی بنائیں گے (ابو داؤد۔ سنن۔ اصح المطابع۔ کراچی ۱۳۶۹ھ۔ ج ۲، ص

۳۶۵۔ کتاب الجہاد۔ باب فی الاسیر یکرہ علی الاسلام) چنانچہ مدینہ میں اس طرح کے بہت سے جدید الیہود یا افراد موجود تھے (حبیب اللہ ندوی، ص ۳۰)۔

(۳) یہودیوں کی معاشی اور اقتصادی حالت بہت اچھی تھی اور اس اعتبار سے بھی وہ دیگر عرب قبائل پر فوقیت رکھتے تھے۔ اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ وہ فلسطین وشام کے متمدن علاقوں سے آئے تھے۔ اس لئے وہ بہت سے ایسے فنون جانتے تھے جو اہل عرب میں رائج نہ تھے اور باہر کی دنیا سے ان کے کاروباری تعلقات بھی تھے (مودودی۔ ج ۵، ص ۲۷۳، ۲۷۴) قریش کہ جن کی تجارت ضرب المثل ہے وہ بھی بعض اوقات مثلاً شادی بیاہ کے مواقع پر خیبر کے یہودیوں سے زیورات کرائے پر لے جاتے تھے (حبیب اللہ ندوی، ص ۳۰) مدینہ میں چونکہ اوس اور خزرج کے قبائل مالی لحاظ سے کمزور ہو گئے تھے، اس لئے وہ عام طور پر یہود کے مقروض تھے (حبیب اللہ ندوی۔ ص ۳۰) بلکہ یہود کو وہ خراج ادا کرتے تھے (یاقوت حموی۔ ج ۵۔ ص ۸۳) اگر ایک طرف ان کے تجارتی و مالی مفادات کا تقاضا یہ تھا کہ عربوں میں سے کسی سے نہ بگاڑیں تو دوسری طرف ان کے مفاد کا تقاضا یہ تھا کہ عربوں کو باہم متحد نہ ہونے دیں اور انہیں ایک دوسرے سے لڑاتے رہیں (مودودی۔ ج ۵۔ ص ۲۷۴)۔

(۴) عرب کا معاشرتی نظم قبائلی تھا اس لئے یہود کے ہر قبیلے کو بھی اپنی حفاظت کے لئے کسی نہ کسی طاقتور عرب سے حلیفانہ تعلقات بھی قائم کرنے پڑتے تھے تا کہ کوئی دوسرا زبردست قبیلہ ان پر ہاتھ نہ ڈال سکے۔ اس بناء پر بارہا انہیں نہ صرف ان عرب قبائل کی باہمی لڑائیوں میں حصہ لینا پڑتا تھا بلکہ بسا اوقات ایک یہودی قبیلہ اپنے حلیف عرب قبیلے کے ساتھ مل کر دوسرے یہودی قبیلہ کے خلاف جنگ آزما ہو جاتا تھا، جس کے حلیفانہ تعلقات فریق مخالف سے ہوتے تھے (مودودی ج ۵ ص ۲۷۴) چنانچہ جنگ بعاث کے موقع پر یہ تصویر واضح ہو جاتی ہے۔

بہر حال جیسا کہ ڈاکٹر حمید اللہ نے لکھا ہے کہ "عہد نبویؐ کے آغاز پر یہودی ہم کو عرب کے ہر حصہ میں ملتے ہیں۔ خود بستیوں میں بھی ان کے زنجے بھی بلکہ بستیوں کا ایک زنجیرہ نظر آتا ہے جو ایلہ (عقبہ)، مقنا، خیبر، وادی القریٰ، تیماء، فدک، مدینہ (یثرب) اور طائف و جرش سے لے کر یمن اور عمان و بحرین تک عرب میں پھیلا ہوا چلا گیا تھا۔ (ڈاکٹر حمید اللہ۔ رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی۔ دارالاشاعت۔ کراچی۔ ۱۹۶۱ء ص ۲۱۰) ہجرت مدینہ کے بعد رسول اللہؐ اور یہود سے تعلقات پر بحث مقالہ میں کی گئی ہے، اس لئے مزید تفصیل یہاں غیر ضروری ہے۔

(۱۴۸) ولہازن اپنے مضمون The Tribal Life of the Epic Period میں رسول اللہؐ کی آمد سے پہلے حالات کی نقشہ کشی ان الفاظ میں کرتا ہے کہ:

"Life was than indeed impossible" (زندگی فی الحقیقت ناممکن تھی) ملاحظہ ہو:

Williams, Henry Smith (edd), The Historians History of the world, The Times, London, 1908, Vol. VIII. P.291.

(۱۴۹) عبداللہ بن ابی سلول ایک خزرجی سردار تھا۔ بیعت عقبہ ثانیہ کے دوران موسم حج میں دیگر اہل مدینہ کے ساتھ مکہ گیا تھا، قریش کو جب بیعت عقبہ ثانیہ کی بھنک پڑی اور وہ تحقیق حال کے لئے ابن ابی کے پاس پہنچے تو اس نے کہا تھا یہ بالکل جھوٹ ہے، اگر یہ واقعہ پیش آتا تو مجھ سے ضرور مشورہ لیا جاتا (ابن ہشام ج ۲، ص ۱۹) ابن ابی کی یہ توقع بے جا نہ تھی، کیونکہ اسے اہل مدینہ میں خاص مقام و اہمیت حاصل تھی (ایضاً ج ۳ ص ۱۱۱) اور اس کی سرداری و عزت کا عالم یہ تھا کہ رسول اللہؐ کی آمد سے پہلے اسے تاجدار بنانے کی تیاریاں پورے زور و شور سے ہو رہی تھیں اور اس کے لئے موتیوں کا ایک تاج بھی بن رہا تھا (ایضاً ج ۳ ص ۳۰۲) مگر رسول اللہؐ کے پہنچ جانے سے اس کا خواب شرمندہ تکمیل نہ ہو سکا۔ اس کا افسوس ابن ابی کو غالباً زندگی بھر رہا، لیکن اس میں اتنی اخلاقی جرأت نہ تھی کہ علی الاعلان رسول اللہؐ کی مخالفت کر گزرتا، اس لئے بظاہر اسلام قبول کر لیا اور اس طرح منافقوں کا سردار بن گیا۔ ابن ابی نے رسول اللہؐ کے خلاف اور اسلام کے رد میں جو سرگرمیاں روا رکھیں ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ ابن ابی کا انتقال ۹ھ میں ہوا۔

(۱۵۰) ابن ہشام، جلد ۳، ص ۳۰۲۔

(۱۵۱) سعید انصاری، سیر انصار۔ مطبع معارف اعظم گڑھ، ۱۳۴۳ھ حصہ اول۔ ص ۳۰۔ نیز دیکھئے:

Watt, W. Montgomery, Muhammad at Mecca, Clarendor Press London, 1953, P. 144.

یہاں واٹ کی ایک توجیہ قابل ذکر ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اہل مدینہ سرد جنگ سے اتنے عاجز آ چکے تھے کہ وہ کسی بھی ایسے طریقے کو اپنانے کے لئے آمادہ تھے، جو انہیں سکون و عافیت کی ضمانت مہیا کر سکے اور یہ جذبہ اتنا مقبول بلکہ شدید تھا کہ عبداللہ بن ابی جیسا شخص بھی اس کے خلاف نہ جا سکتا تھا، خواہ یہ چیز اس کے ذاتی مفاد کے کتنے ہی خلاف کیوں نہ ہو"۔ ملاحظہ ہو:

Watt, W. Montgomery, Islam and the Integration of Society, Routledge and Kegan Paul, London, 1961, P. 21.

(۱۵۲) ابن ہشام ج ۲ ص ۷۷ (۱۷۱) ابن ہشام کی روایت کے مطابق ان کے نام یہ ہیں:
(۱) ابو امامہ اسعد بن زرارہ (۲) عوف بن الحارث (۳) رافع بن مالک (۴) قطبہ بن عامر (۵) عقبہ بن عامر (۶) جابر بن عبداللہ (ج ۲، ص ۷۱، ۷۲)
ان لوگوں کی تعداد بعض نے آٹھ بیان کی ہے۔ اسعد بن زرارہ اور ابو الہیثم کا پہلے سے موجود ہونا ابن سعد نے لکھا ہے (ج ۱، ص ۲۱۸) جبکہ واقدی کا بیان ہے کہ اسعد بن زرارہ اس سے پہلے مکہ میں جا کر آنحضرتؐ پر اسلام لا چکے تھے، بعض نے ابو الہیثم کی جگہ عقبہ بن عامر کا نام لیا ہے اور بعض نے جابر بن عبداللہ کے بجائے عبادہ بن الصامت کو جگہ دی ہے۔ (شبلی ج ۱ ص ۲۶۳)

(۱۵۳) Muir, William, The Life of Muhammad, Smith. Elder & Co.

(۱۵۴) محمد حسین ہیکل، حیاۃ محمد صلعم، ص ۲۵۰۔

(۱۵۵) طبقات ابن سعد، جلد ۱، ص ۲۸۷۔

(۱۵۶) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، ص ۱۰۶۔

(۱۵۷) تاریخ ابن خلدون، جلد ۱، ص ۱۶۷۔

(۱۵۸) علی محسن صدیقی، پروفیسر، مدینے میں اسلامی ریاست کی تشکیل اور اس کا نظام، رہبر اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی، نومبر ۱۴۲۳ھ، ص ۵۲۔

(۱۵۹) دیکھئے: The Historian's History of the world جلد ۸، ص ۲۹۱۔

(۱۶۰) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی، جلد ۱، ص ۸۲۔

(۱۶۱) طبقات ابن سعد جلد ۱، ص ۲۱۸، تاریخ ابن خلدون جلد ۱، ص ۵۶۔

(۱۶۲) مدینہ پہنچ کر تو مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی ہے۔ لیکن یہ امر قابل غور ہے کہ مدینے سے پہلے پہلے بھی جب آپؐ کا قیام قباء میں تھا، اس وقت وہاں خاندان عمرو بن عوف کے سردار کلثوم بن الہدم کی ایک افتادہ زمین پر جہاں کھجوریں خشک کی جاتی تھیں، اسلام کی سب سے پہلی مسجد کی بنیاد آپؐ نے رکھی اور نماز ادا فرمائی (ابن ہشام) اس مسجد کی تعریف قرآن نے کی ہے۔ (توبہ۔ ۱۳) قباء میں آپؐ کا قیام (تقریباً چار دن) بہت مختصر رہا، لیکن اس کے باوجود مسجد کی تعمیر کی جو بہت اہم اور بڑی معنی خیز بات ہے اور اس سے مسجد کی عظمت و افادیت کو سمجھا جا سکتا ہے۔

(۱۶۳) مواخاۃ سن ۱ھ میں ہوئی۔ اس میں نوے آدمی تھے (جن میں عقد مواخاۃ ہوا) پینتالیس مہاجرین اور پینتالیس انصار میں سے تھے۔ جب جنگ بدر ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آیت (واولوا الارحام بعضھم اولی ببعض فی کتاب اللہ ان اللہ بکل شئ علیم) نازل فرمائی تو اس آیت نے ما قبل حکم کو منسوخ کر دیا۔ میراث کے بارے میں مواخاۃ ختم ہو گئی اور ہر انسان کی میراث اس کے نسب ورشتہ و رحم کی طرف لوٹ گئی۔ والطبقات الکبریٰ۔ ابن سعد۔ ج ۱۔ ص ۲۳۸۔ بیروت ۱۹۵۷ء ہوا۔ مواخاۃ کے بارے میں یہ بات قابل غور ہے کہ عام طور پر مورخین نوے آدمیوں کے درمیان مواخاۃ کا انعقاد قرار دیتے ہیں، جن میں سے انصار و مہاجرین کی برابر برابر آدمی تعداد ہے، حالانکہ مواخاۃ کی فہرست میں ایک تو یہ بات نظر آتی ہے کہ مواخاۃ ایک ایک مہاجر اور انصار کے درمیان ہونے کے علاوہ مہاجر اور مہاجر کے درمیان بھی ہوئی ہے۔ مثلاً خود رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ کا معاملہ ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں بعض ایسے نام بھی نظر آتے ہیں، جن کا ہونا تعجب انگیز ہے۔ مثلاً جعفر طیارؓ جو بہت بعد کو حضورؐ سے آ کر ملے یا حضرت سلمان فارسیؓ جنہوں نے بہت بعد میں اسلام قبول کیا۔ تیسرے یہ کہ مہاجرین کی تعداد تو بہت زیادہ ہے، لیکن اس میں صرف پینتالیس کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱۶۴) القرآن الحکیم سورۃ حجرات آیت ۱۰۔

(۱۶۵) تفصیلی مباحث کے لئے ملاحظہ ہو (۱) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبوی کا نظام حکمرانی، جلد ۱، ص ۷۶ تا ۱۱۲۔ مکتبہ دکن۔ بار دوم۔
(۲) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، ترجمہ ابو یحییٰ امام خان نوشہروی۔ ص ۱۹ تا ۲۵۔ لاہور۔ ۱۹۶۰ء۔

(۱۶۶) بدعہدی کا ارتکاب سب سے پہلے غزوہ بدر کے بعد سن ۲ھ بنو قینقاع نے کیا (ابن ہشام جلد ۲، ص ۴۷ تا ۵۰ مصر ۱۹۵۵ء) بنو قینقاع کے بعد بنو نضیر نے عہد شکنی کی نتیجتاً ان کا اخراج ۴ھ میں ہوا (ایضاً ص ۱۹۰ تا ۱۹۲) آخر میں سب سے شریر قبیلہ بنو قریظہ کا (۵ھ میں) استیصال کیا گیا۔

(۱۶۷) طبقات ابن سعد، جلد ۳، ص ۶۴، ۶۷۔

(۱۶۸) تفصیل کیلئے طبقات ابن سعد جلد ۲، ص ۲۲، ۲۵، ۲۷/ اکتوبر حیات نبوی ص ۶۷۔

(۱۶۹) یہ معاہدہ، معاہدہ مؤخر یا معاہدہ ابواء کہلاتا ہے۔

(۱۷۰) طبقات ابن سعد، جلد ۳، ص ۲۷۔

(۱۷۱) تفصیل کیلئے دیکھئے طبقات ابن سعد، جلد ۳، ص ۳۳۔

(۱۷۲) ینبوع، مدینہ منورہ کی قدیم بندرگاہ ہے، جو بحر احمر پر واقع ہے۔ قدیم زمانے میں یورپ اور افریقہ کی شاہراہیں یہاں سے گزرتی تھیں۔ موجودہ سعودی حکومت نے اس کو جدید طرز کی بندرگاہ بنا دیا ہے۔ مدینہ منورہ سے اس کا فاصلہ ۱۳۰ میل ہے۔

(۱۷۳) تاریخ طبری، ۱۵۱، طبقات ابن سعد جلد ۱، ص ۳۲۷۔

(۱۷۴) شبلی نعمانی، علامہ، سیرۃ النبی، جلد ۱، ص ۳۱۲۔

(۱۷۵) طبقات ابن سعد، جلد ۲، ص ۵۳۔

(۱۷۶) ایضاً ص ۵۳۔

(۱۷۷) تاریخ طبری، جلد ۱، ص ۱۲۷۷، طبقات ابن سعد، جلد ۱، ص ۳۰۶۔

(۱۷۸) طبقات ابن سعد، جلد ۱، ص ۳۱۷۔

(۱۷۹) طبری نے صرف یہی بیان کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں: تاریخ طبری، جلد ۱، ص ۱۳۸۲۔ لیکن ابن سعد نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اس کے علاوہ احزاب یعنی متفرق گروہوں کے درمیان نااتفاقی کرا دیں گے۔ ملاحظہ فرمائیں: طبقات ابن سعد، جلد ۱، ص ۳۱۷۔

(۱۸۰) تاریخ طبری، جلد ۱، ص ۱۸۵۔

(۱۸۱) طبقات ابن سعد، جلد ۱، ص ۳۱۷۔

(۱۸۲) طبقات ابن سعد، جلد ۲، ص ۳۳۔

(۱۸۳) ابن ہشام، جلد ۱، ص ۵۸۰، تاریخ ابن خلدون، جلد ۱، ص ۸۱۔ لیکن طبری کا خیال ہے کہ یہ حکم ہجرت کے اٹھارویں ماہ نصف شعبان میں دیا گیا۔ ملاحظہ فرمائیں۔ تاریخ طبری جلد ۱، ص ۱۵۸۔

(۱۸۴) بخاری باب مقدم النبی صلعم واصحاب المدینہ۔

(۱۸۵) عمرہ: بہت سی باتوں میں حج کے مشابہ ایک عبادت ہے۔ لیکن حج کی طرح عمرے کے لئے کوئی زمانہ مخصوص نہیں ہے۔ حج فرض ہے اور عمرہ سنت ہے۔

(۱۸۶) بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر صحیح نہیں تھی۔

(۱۸۷) تفصیل کے لئے دیکھئے "حدیث دفاع" مصنف میجر جنرل اکبر خان واقعہ صلح حدیبیہ ص ۲۳۰، ۲۵۵، تاریخ طبری، جلد ۳، واقعہ حدیبیہ۔

(۱۸۸) دیکھئے: ابن ہشام، ابوعبید، کتاب الاموال، بلاذری، فتوح البلدان، ابن خلدون، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، رسول اکرم کی سیاسی زندگی۔

(۱۸۹) تاریخ طبری، جلد ۳، واقعہ حدیبیہ۔

(۱۹۰) بروایت ابوعبید عراق یا شام۔

(۱۹۱) معاہدہ حدیبیہ کی ان شرائط میں مسلمانوں کی ان املاک کا کوئی ذکر نہیں جو وہ ہجرت کی وجہ سے چھوڑ آئے تھے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے للفقراء المہاجرین الذین اخرجوا من دیارھم واموالھم "(نیز وہ مال) ان غریب مہاجرین کے لئے ہے، جو اپنے گھروں اور جائیدادوں سے نکال باہر کئے گئے ہیں"۔ (۸:۵۹)

ڈاکٹر حمید اللہ رقمطراز ہیں۔ And tacitly the Muslims accepted the status quo regarding the validity of the enemy occupations op.cit: p.282.

(۱۹۲) ابن ہشام، جلد ۲، ص ۳۱۹، تاریخ طبری، جلد ۱، ص ۳۲۸۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ مسلمانوں کی فہرست میں ایک اور گواہ ابوعبیدہ بن جراح کا نام بھی شامل کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں: رسول اکرم کی سیاسی زندگی۔ ص ۱۲۸۔ اسی طرح ڈاکٹر موصوف کا خیال ہے کہ معاہدہ پر رسول کریم اور سہیل دونوں نے اپنی مہر ثبت کی۔

(۱۹۳) Hamidullah, Dr. Muhammad. OP.Cit: P-280.

(١٩٤) صحیح بخاری، جلد ٢، کتاب الجہاد و کتاب الشروط۔

(١٩٥) تاریخ طبری، جلد ٣، واقعہ حدیبیہ

(١٩٦) ابن ہشام، جلد ٢، ص ٣١٢۔

(١٩٧) شبلی، بحوالہ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی ص ٣٢٧۔

(١٩٨) ابن ہشام، جلد ٢، ص ٣١٢، تاریخ طبری جلد ١، ص ٣٣٧۔

(١٩٩) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی، ص ٣٢٧۔

(٢٠٠) ابن ہشام، جلد ٢، ص ٣٨٩، تاریخ طبری، جلد ١، ص ٣١٣۔

(٢٠١) ایضاً، ایضاً

(٢٠٢) فتوح البلدان ص ٣٨۔

(٢٠٣) ابن ہشام، جلد ٢، ص ٣٨٩۔

(٢٠٤) ابن ہشام، جلد ٢، ص ٣٨٩۔ فتوح البلدان ص ٣٨۔

(٢٠٥) بخاری کتاب الشروط باب ١٥ الشروط فی الحرب، ابن ہشام جلد ٢ ص ٣٩٠۔

فتوح البلدان ص ٣٨۔

(٢٠٦) All,Syed Amiz, opcit;P-99

(٢٠٧) موطا باب ما جاء فی المساقاۃ۔

(٢٠٩) ایضاً ص ٥٦۔ لیکن ابن ہشام کا خیال یہ ہے کہ خیبر کی فتح نے اہل فدک کے دلوں میں مسلمانوں کی ہیبت ڈال دی اور انہوں نے خود مصالحت کا پیغام بھیجا۔ ملاحظہ فرمائیے: ابن ہشام، جلد ٢، ص ٣٠٦۔

(٢١٠) تاریخ ابن خلدون حصہ اول ص ١٥١۔

(٢١١) ابن ہشام جلد ٢، ص ٣٩٠، فتوح البلدان ص ٥٢۔

(٢١٢) ایضاً۔

(٢١٣) تاریخ ابن خلدون، جلد ١، ص ١٥١۔

(٢١٤) فتوح البلدان ص ٦٢

(٢١٥) ایضاً ص ٦٣

(٢١٦) فتوح البلدان ص ٦٣۔

(٢١٧) طبقات ابن سعد بحوالہ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی ص ٣٣٦۔

(٢١٨) ابن ہشام، جلد ٢، ص ٣٣٧۔ ٣٣٨، تاریخ ابن خلدون، جلد ١، ص ١٥٧۔

(٢١٩) ایضاً ص ٣٣٨، تاریخ طبری، جلد ١، ص ٣٨٧، ابن خلدون کا بیان ہے کہ ستر فی صد اس کے ہمراہ نکلے۔ تاریخ ابن خلدون، جلد ١، ص ١٥٧۔

(٢٢٠) ابن ہشام جلد ٢، ٣٣٨، تاریخ طبری، جلد ١، ص ٣٨٧۔

(٢٢١) معاہدہ حدیبیہ پر قریش کی جانب سے اسی نے دستخط کیے تھے۔

(٢٢٢) تاریخ طبری، جلد نمبر ١، ص ٣٨٧۔

(٢٢٣) ابن ہشام جلد ٢، ص ٣٣٨، تاریخ طبری، جلد ١، ٣٨٧۔

(٢٢٤) مکمل اشعار کے لیے ملاحظہ فرمائیں: ابن ہشام جلد ٢، ٣٠٢، ٣٥٠، تاریخ طبری، جلد ١، ص ٣٨٨۔

(٢٢٥) ابن ہشام جلد ٢، ص ٣٥٧، تاریخ طبری، جلد ١، ص ٣٩١۔

(٢٢٦) ملاحظہ فرمائیں پہلی تین شرائط کے لیے ابن ہشام، جلد ٢، ص ٣١٨، چوتھی کیلئے ایضاً ص ٣٢٧، پانچویں شرط کے لیے تاریخ طبری جلد ١، ص ٣٩٧۔

(۲۲۷) بحوالہ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۳۹۱

(۲۲۸) فتوح البلدان ص ۹۹

(۲۲۹) ابن ہشام، جلد ۲، ص ۳۳۷، تاریخ طبری، جلد ۱، ص ص ۳۲۶۔۳۲۷

(۲۳۰) بحوالہ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی ص ص ۳۹۳۔۳۹۴

(۲۳۱) فتوح البلدان ص ۹۹۔

(۲۳۲) بحوالہ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی ص ص ۳۷۴۔۳۷۵

(۲۳۳) ایضاً ص ۳۷۵

(۲۳۴) ایضاً

(۲۳۵) ایضاً ص ۳۷۶

(۲۳۶) کتاب الاموال ابو عبید ۵۰۶۔ بحوالہ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی (ڈاکٹر حمید اللہ) ص ۳۸۸۔۳۹۱ ابن ہشام نے یہ الفاظ لکھے ہیں: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کے رسول محمد النبی ﷺ کی جانب سے مومنین کی طرف۔ وج کے درخت نہیں کاٹے جائیں گے۔ اور نہ اس میں شکار کیا جائے گا جو شخص اس میں سے کچھ بھی کرتا پایا جائے گا اسے کوڑوں کی سزا دی جائے گی، اور اس کے کپڑے اتار لیے جائیں گے۔ پھر اگر اس سے زیادہ تجاوز کرے گا تو اسے پکڑ کر محمد ﷺ کے پاس لایا جائے گا اور یہ محمد ﷺ کا حکم ہے۔ (ابن ہشام جلد ۲، ص ۶۵۲)

(۲۳۷) ابن عبدالبر اور لسان العرب کی روایت میں: ''تو اس کا راس المال ادا کردیا جائے اور عکاظ میں سود لیا جائے گا۔ اس کے بعد نہیں۔''

(۲۳۸) یہ دونوں عیسائی تھے۔

(۲۳۹) خالد بن ولید کو اسلام لائے ابھی صرف ایک سال چار ماہ ہوئے تھے۔

(۲۴۰) دومۃ الجندل تجارتی قافلوں کا مرکز اتصال تھا۔ ظاہر ہے کہ اس کی سیاسی و اقتصادی اہمیت بہت زیادہ تھی۔

(۲۴۱) ابن ہشام، جلد ۲، ص ۳۳۱، تاریخ طبری، جلد ۱، ص ۳۳۳، تاریخ ابن خلدون جلد ۱، ص ۱۷۹۔

(۲۴۲) فتوح البلدان ص ص ۱۰۳۔۱۰۴، ابن سعد کا خیال ہے کہ اس معاہدہ پر رسالت مآب ﷺ نے مہر ثبت کرنے کے بجائے ناخن کا نشان بنایا۔ اکیدر ایلی سرزمین کا فرزند تھا جہاں قدیم رواج ایسا ہی تھا اور آثار قدیمہ سے بھی ایسا ہی ثابت ہوتا ہے کہ معاہدہ کنندہ اپنے انگوٹھے کے ناخن سے بھی ہلال کی شکل معاہدے پر ثبت کرے۔ ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اکیدر کے اصرار اور دلجوئی کے لیے اس رسم و رواج کو ملحوظ خاطر رکھا ہو۔

(۲۴۳) ابن ہشام، جلد ۲، ص ۲۳۰، تاریخ طبری، جلد ۱، ص ۳۳۳، زاد المعاد، جلد ۳، ص ۲۳، ابن خلدون، جلد ۱، ص ۱۷۸۔۱۷۹

(۲۴۴) مجید خدوری، اسلام اور قانون جنگ و صلح، ص ۲۵۲

(۲۴۵) ایضاً

(۲۴۶) ابن ہشام جلد ۲، ص ۲۳۰۔۲۳۲، زاد المعاد، جلد ۳، ص ۲۳

(۲۴۷) فتوح البلدان، ص ۱۰۰۔

(۲۴۸) ابن سعد حوالہ بحوالہ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی ص ۳۳۵۔

(۲۴۹) ابن ہشام، جلد ۲، ص ۲۳۰، فتوح البلدان ص ۱۰۰، تاریخ طبری جلد ۱، ص ۳۳۳۔

(۲۵۰) فتوح البلدان، ص ۱۰۰۔

(۲۵۱) ابن ہشام، جلد ۲، ص ۲۳۰، فتوح البلدان ص ۱۰۰، تاریخ طبری، جلد ۱، ص ۳۳۳۔

(۲۵۲) خلیج عقبہ کی ایک بندرگاہ

(۲۵۳) فتوح البلدان ص ص ۱۰۱۔۱۰۲۔

(۲۵۴) مسلمان مؤرخین میں سے صرف ابن سعد اور بلاذری نے اس معاہدے کا ذکر کیا ہے۔ جب کہ یاقوت، ابن کثیر اور ابن قیم نے اس کی صحت کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا ہے۔ ان سب فضلاء میں سے ابن قیم نے نہایت تفصیل سے بحث کرکے اس معاہدے کو غلط ثابت کیا ہے۔ بلاذری اور ابن سعد

دونوں ہم عصر ہیں۔ بلاذری کا بیان ہے کہ اس نے اس معاہدے کی نقل ایک ایسے شخص سے لا کر دی جس نے ان کے ہاں خود اس نسخہ کو دیکھا، بلاذری نے ابن سعد کے متن پر کئی اضافے کیے ہیں مثلاً بہائے ہوئے خون کی معافی، مقنا کا امیر اہل مقنا میں سے یا اہل بیت میں سے ہوگا وہ اپنے ہتھیار، غلام، جانور اور کپڑے مسلمانوں کے حوالے کریں گے۔ آخر میں کاتب کا نام بھی تحریر ہے۔

اہل مقنا سے آنحضرت کی کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ علیؓ نے غزوہ تبوک میں شرکت نہیں کی کیوں کہ وہ مدینہ میں ہی رہ گئے تھے علاوہ بریں محمد ابن احمد بن عساکر کا کہنا ہے کہ نحوی اعتبار سے حضرت علی بن ابو طالب غلط ہے علی علم نحو کے موجد تھے ان سے ایسی نحوی غلطی کا ارتکاب ممکن نہیں۔ معاہدہ پر سنہ کا اندراج بھی تاریخی شواہد کے منافی ہے طبری اور ابن خلدون کا بیان ہے جو مسلمہ ہے کہ سن کا رواج عمر فاروق کے حکم سے ۱۷ھ میں ہوا اس سے قبل مسلمان صرف مہینہ تحریر کیا کرتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس دستاویز کو عباسیوں کے دور میں یہودیوں نے تیار کیا۔ مامون الرشید کے دور میں معتزلہ نے قرآن کو تخلیق کیا اور حکومت نے اس فرقے کی سرپرستی کی مامون الرشید نے اپنے عہد کے آخری چار سالوں میں لادینیت پر مبنی پالیسی اختیار کی لیکن اس کی آنکھیں بند ہوتے ہی معتزلی تحریک کے خلاف ایک ردعمل شروع ہوا اور خلیفہ متوکل (۲۳۲ـ۲۴۷ھ) جسے عربوں کا نیرو کہا جاتا ہے نے معتزلیوں پر ان گنت مظالم توڑے۔ اس ردعمل کی لپیٹ میں غیر مسلم بھی آ گئے انھوں نے ان سختیوں سے بچنے کے لیے وہ دستاویز تیار کی جسے بلاذری اور ابن سعد نے معتبر جان کر اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ اس دستاویز میں انھوں نے رسول کریم کی طرف سے عطا کردہ کچھ فرضی رعایتیں بھی تحریر کر لیں۔

ابن سعد اور بلاذری کے علاوہ فاطمی دور کے مصری یہودیوں نے بھی اس قسم کی ایک طویل دستاویز تیار کی یہ دستاویز ایک عبرانی قلمی کتاب میں ہے جو مصر کے یہودی گینزے سے برآمد ہوئی اس میں عربی عبارتوں کو عبرانی رسم الخط میں لکھا گیا ہے مقنا فاطمی قلمرو میں شامل تھا۔ الحاکم بامراللہ (۳۸۶ـ۴۱۱ھ) نے یہودیوں کو اپنے تشدد کا نشانہ بنایا تو یہودیوں نے حضور نبی کریمؐ سے منسوب عطا کردہ رعایتوں کا ذکر کر کے معاہدہ مقنا کے عنوان سے ایک دستاویز تیار کی اس میں ابن سعد اور بلاذری کے متنوں سے مختلف درج ذیل اضافے کیے گئے۔

یہ معاہدہ اہالیان مقنا و خیبر دونوں کے متعلق ہے اور ان کی اولاد کے لیے بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہودیوں کو رعایتیں دینے کا سبب آنحضرت کی ام المومنین صفیہؓ سے شادی ہے جن کا تعلق خیبر سے تھا اور جو مشرف بہ اسلام ہونے سے قبل یہودیہ تھیں یہودیوں سے ان کے تمام ہتھیار اور مال و متاع نہیں چھینا گیا اور ان کو گھوڑے پر سواری اور عمدہ کپڑے پہننے کی اجازت ہے ان کو رسم یعنی سرکاری ٹیکس سے بھی مستثنیٰ کیا جاتا ہے اگر کسی یہودی سے کسی مسلمان کا کوئی قتل ہو جاتا ہے تو اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا جو مسلمان قاتل کی صورت میں کیا جاتا۔ اہالیان مقنا و خیبر دیگر تمام ذمیوں سے فائق خیال کیے جائیں گے ان کو مساجد میں داخل ہونے کی اجازت ہے اور وہ شہر کی بڑی سڑکوں سے اپنے جنازے گزار سکتے ہیں مسلمان ہونے کی صورت میں ان کا درجہ اہل بیت کے افراد جیسا ہوگا اور وہ اہل بیت جیسا ہی وظیفہ حاصل کرنے کے مجاز ہوں گے کاتب کا نام علی بن ابو طالب تاریخ معاہدہ ۳ رمضان ۵ھ، گواہان میں عمار بن یاسر، سلمان فارسی اور ابوذر غفاری شامل ہیں۔

مصر کے گینزے کی اس دستاویز کو تین یہودی مؤلفین ہرشفیلڈ نے اپنی جرمن کتاب یہودی عرب میں، مشتی کا مضمون برطانوی رسالے جویش کوارٹرلی ریویو ۱۹۰۳ء ص ۱۷۲ـ۱۷۳ء، امانچیر کا مضمون جرمن رسالہ ایم ایس، او ایس، ۱۹۱۶ء ص ۵۱ـ۴۸ نے اس فرضی دستاویز کو اصلی قرار دے کر جھوٹ پھیلانے کی سعی ناتمام کی ہے کیوں کہ:

۱۔ یہ جعلی دستاویز الحاکم بامراللہ کے ظلم و استبداد سے بچنے کے لیے تیار کی گئی اور عہد نبویؐ کے یہودیوں کو جو حقوق حاصل تھے، لیکن فاطمی دور میں حاصل نہ رہے تھے، کا دعویٰ کیا گیا۔

۲۔ معاہدے میں ۳ رمضان ۵ھ کی تاریخ درج کی گئی ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ یہ اہل خیبر اور اہل مقنا دونوں کے لیے ہے جب کہ خیبر ۷ھ میں فتح ہوا اور مقنا ۹ھ میں مطیع ہوا۔

۳۔ کاتب کا نام علی بن ابو طالب ہی درج ہے جب کہ نحوی اعتبار سے یہ غلط ہے علاوہ ازیں علیؓ غزوہ تبوک میں شریک ہی نہ تھے۔

۴۔ مصری گینزے سے برآمد ہونے والی دستاویز میں فاطمی رجحانات کو برانگیختہ کرنے کے لیے گواہان میں ان صحابہؓ کا ذکر ہے جو اہل تشیع کے نزدیک احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

۵۔ چونکہ اہل مقنا کے ساتھ جنگ و جدال کی نوبت ہی نہ آئی تھی اس لیے ان کے ساتھ کیا گیا معاہدہ کم و بیش اسی نہج کا ہونا چاہیے جیسا کہ جرباء و اذرح کے ساتھ ہوا۔

۶۔ ”معاہدہ“ یہودیوں کو جزیہ وغیرہ سے مستثنیٰ قرار دیتا ہے جب کہ قرآن حکیم میں ذمیوں سے جزیہ لینے کا حکم ۹ھ میں ہی نازل ہوا تھا۔ اسی زمانے کے حکم کو صرف مقنا کے یہودیوں کے لیے پس پشت ڈالنا کچھ عجیب سا معلوم ہوتا ہے اور کوئی رسول اللہؐ کے حکم سے کس طرح روگردانی کر سکتا ہے؟ نیز غزوہ تبوک میں مفتوح علاقوں کے لوگوں سے جزیہ طلب کیا گیا تھا۔

۷۔ جہاں تک ان کو امتیازی قسم کا لباس مثلاً (Ghiyar) زرد رنگ کا پیوند زنار، اونچی اور گلدار ٹوپی یا پگڑی پہننے کی بجائے عمدہ لباس اور گھوڑوں پر سواری کی اجازت کا تعلق ہے رسول کریمؐ کے عہد میں ایسی کوئی پابندی نہیں تھی۔ یہ عباسیوں کے دور کے احکامات ہیں۔ یہاں عمرؓ فاروق کے عہد کے ذمیوں کے مقرر کردہ لباس کا ذکر بے محل نہ ہوگا۔ یہ مقرر کردہ لباس مجوسیوں ہی کا لباس تھا۔ جہاں ذمیوں کی طرف سے یہ اقرار مذکور ہے کہ ہم فلاں فلاں لباس نہ پہنیں گے وہاں یہ بھی الفاظ ہیں نعم ان نلزم زینا حیث ما کنا ”ہم وہی لباس پہنیں گے جو ہمیشہ سے پہنتے آئے ہیں۔“

۸۔ بوقت معاہدہ ان کے علاقے میں مساجد کا وجود کہاں؟

۹۔ شاہراہوں پر سے ان کے جنازے لے جانے کے متعلق مسلمانوں کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔

۱۰۔ اہل مقنا کا بیگاری سے استثنیٰ بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ عہد نبویؐ میں بیگاری ایسی لعنت کا وجود تک نہیں تھا تو اہل مقنا کا بیگاری سے کیا تعلق؟ یہ غیر انسانی فعل بازنطینی دور میں موجود تھا۔

اسلام نے تو تمام انسانوں کو برابر کا درجہ دیا ہے اور حق تلفی کی ممانعت کی ہے۔

۱۱۔ ابن سعد اور بلاذری کے تحریر کردہ متن میں ہتھیاروں، غلاموں، مویشیوں اور کپڑوں کی حوالگی کا ذکر اہل مقنا پر صادق ہی نہیں آ سکتا کیونکہ یہ شرط صرف ان قبائل پر عائد کی جاتی تھی جن کو جنگ کے بعد زیر کیا جاتا تھا۔ یہ شرط ۷ھ میں خیبر کے یہودیوں پر لگائی گئی تھی۔

۱۲۔ اہل رسول اللہ کو اہل بیت رسول اللہ بنا دینا بھی مضحکہ خیز ہے۔

آخر میں ہم ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی رائے نقل کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

”اہل مقنا کو اپنے ہتھیار اور اپنے کپڑے حوالے کر دینے کی شرط اصل میں ۷ھ میں فتح خیبر کے وقت وہاں کے یہودیوں پر لگائی گئی تھی اور اس جنگ میں حضرت علیؓ بھی شریک تھے کوئی تعجب نہیں کہ معاہدہ انہوں نے لکھا ہو۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ان یہودیوں کو جنہیں حسب معاہدہ اسلامی حکومت جلاوطن کرنے کی مجاز تھی شام میں جا بسنے کا حکم دیا گیا۔ اسی بنا پر ہمارا گمان ہے کہ جب یہ خیبری شام و فلسطین پہنچے تو وہ اپنے ساتھ اپنا معاہدہ بھی لیتے گئے جو آنحضرت نے کیا تھا اور مقامی یہودیوں کو جن میں اہل مقنا بھی شامل ہیں اس کی اطلاع ملی، بعد میں ابن سعد اور بلاذری کے زمانے میں یا اس سے کچھ پہلے شیعہ یا عباسی تحریک کے زمانے میں اہل مقنا نے اپنے اصلی اور خیبر کے معاہدے دونوں کو سامنے رکھ کر ایک نئی دستاویز تیار کی جس میں حسب ضرورت دونوں اصلی معاہدوں کے جملے یا فقرے داخل کیے گئے اور کچھ نئی چیزیں داخل کی گئیں اور خیبر کے معاہدے کے کاتب کی حیثیت سے دیا یوں بھی وقتی اہمیت کے باعث حضرت علیؓ کا نام آخر میں بڑھا دیا۔ اس کے بعد فاطمی عہد حکومت میں خاص کر الحاکم بامر اللہ کے زمانے میں جب غیر مسلم رعایا سے سخت برتاؤ ہونے لگا اور ان پر بہت سی ظالمانہ پابندیاں عائد کی گئیں تو مصر کے یہودیوں نے ایک تیسری دستاویز تیار کی جس میں ضروریات زمانہ کے مطابق بہت کچھ حذف و اضافہ و تبدیلی کی اس دستاویز کی نقل کا مصر میں دستیاب ہونا، اس میں شیعی عنصر کا اتنی زیادہ مقدار میں پایا جانا اور فاطمیوں کا تعلق۔ ان تمام امور سے ہمارے گمان کو مزید تقویت ہوتی ہے۔“ رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، ص ۲۷۷۔۲۷۸

(۲۵۵) القرآن الحکیم آل عمران ۵۹

(۲۵۶) صحیح بخاری جلد ۲ کتاب المغازی۔

(۲۵۷) فتوح البلدان ص ص ۱۰۸۔۱۰۹، زاد المعاد جلد ۳، ص ص ۱۲۶۔۱۲۷، کتاب الخراج ص ص ۷۱۔۷۳ امام ابو یوسف۔

(۲۵۸) حلہ عربی لباس کی ایک قسم کو کہتے ہیں جس سے سارا بدن ڈھپ جاتا ہے اور یہ بالعموم دو چادروں پر مشتمل ہوتا ہے۔

(۲۵۹) یہ سب اہل نجران کے مذہبی عہدے تھے۔ (الفاروق جلد ۲، ص ۶۳۳)

(۲۶۰) بلاذری نے یوں لکھا ہے کہ: ”تم میں سے جس نے اس پہلے سود کھایا ہے“ فتوح البلدان ص ۱۰۹۔ لیکن یہ فقرہ معقول نہیں دکھائی دیتا کیونکہ اس سے پہلے درج ہے: ”تم سے جاہلیت کے کسی جرم یا خون کا مواخذہ نہیں کیا جائے گا۔“ حافظ ابن قیم اور یعقوبی وغیرہ نے ”اس کے بعد“ ہی لکھا ہے۔
ملاحظہ فرمائیں بالترتیب: زاد المعاد جلد ۳ ص ۱۲۷، یعقوبی جلد ۲، ص ۹۲۔

(۲۶۱) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، ص ۹۹۔

(۲۶۲) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۹۹

(۲۶۳) ایضاً ص ۳۱۷

(۲۶۴) القرآن الحکیم سورۃ الروم ۲۲

(۲۶۵) امام احمد بن حنبل، مسند احمد، دارالمعارف مصر، ۱۹۳۶ء، جلد ۳، ص ۴۰۷، خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ؐ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔

(۲۶۶) القرآن الحکیم سورۃ السجدہ، ۳۲

(۲۶۷) القرآن الحکیم سورۃ الحجرات ۱۰

(۲۶۸) القرآن الحکیم سورۃ الحجرات ۱۳

(۲۶۹) الحدیث

(۲۷۰) القرآن الحکیم سورۃ آل عمران ۱۰۳

(۲۷۱) القرآن الحکیم سورۃ البقرہ، ۲۵۶

(۲۷۲) القرآن الحکیم سورۃ الکافرون ۶

(۲۷۳) Serhi Muhammed,p 140

(۲۷۴) القرآن الحکیم سورۃ الکہف ۲۹

(۲۷۵) القرآن الحکیم سورۃ المائدہ، ۹۲

(۲۷۶) طبقات ابن سعد حصہ دوم ص ۹۳

(۲۷۷) زاد المعاد جلد دوم ص ۱۳۶

(۲۷۸) Encyclopaedia of Britannica Vol.23 pp.94.95

(۲۷۹) زاد المعاد جلد دوم ص ۱۴۳

باب اول

﴿فصل پنجم﴾

صلح حدیبیہ......تعارف و پس منظر:

رسول اکرم ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں کو مکہ گئے ہوئے چھ سال گزر گئے۔ ان چھ سالوں میں دشمن سے مدافعت کی وجہ سے مسلسل جنگوں میں مصروف رہے، کبھی قریش کے حملوں سے خود کو محفوظ رکھنے میں منہمک اور کبھی یہود کی دسیسہ کاریوں اور ریشہ دوانیوں سے نجات حاصل کرنے کی فکر۔ یہ سارا زمانہ ان کا مختلف پریشانیوں میں گزرا لیکن ان پریشانیوں کے باوجود اسلام کی دعوت ہر طرف پھیلتی گئی اور اس کے حامیوں میں قوت و استقلال بڑھتا گیا اور اس کی دعوت کے سیلاب کے سامنے مشرکین اور کافروں کا ہر بند مسمار ہو گیا۔

ہجرت کے پہلے سال نمازوں میں بیت المقدس کے بجائے مسجد الحرام کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا یعنی مسلمانوں کے لیے اس کو قبلہ نماز بنایا گیا۔ پھر یہ کعبہ جو مکہ میں تھا اس کی تعمیر میں آپؐ نے لڑکپن اور جوانی میں حصہ لیا اس کے حجر اسود کو اپنے ہاتھ سے رکھا، مکہ آپ کا اور آپؐ کے مہاجر ساتھیوں کا آبائی وطن بھی تھا یہیں یہ حضرات پیدا ہوئے تھے، یہیں ان کا بچپن اور جوانی گزری اور بعض حضرات نے تو اپنے بڑھاپے کی بھی کچھ منازل یہیں طے کیں۔ یہ شہر ان کے ساتھ ایک روحانی تعلق بھی رکھتا تھا۔ یہ ان کا مرکز ایمان تھا، اطمنان گاہ روح و جان تھا۔ یہ خدا کی وہ تجلی گاہ تھی جس کی زیارت کے لیے کئی ہزار سال قبل سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے تمام انسانی سعید روحوں کو دعوت عام دی تھی یہ وہ شہر تھا جہاں خدا کی سعید روحیں ہر سال حاضر ہو کر بیت عتیق کا طواف اور اس کی زیارت کر کے سعادت ابدی کی دستاویز حاصل کرتی تھیں۔ اس قرار گاہ روح میں رسول اکرم ﷺ پر تیرہ سال تک وحی آتی رہی، اس لحاظ سے یہ مہبط ایمان بھی تھا اور اس کی زیارت کا شوق فطرۃ ایمانی کا جزو لاینفک تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا بلال حبشیؓ باوجود اس بات کے کہ یہ ان کا آبائی وطن نہیں تھا بلکہ وہ ایک غلام کی حیثیت سے مکہ مکرمہ آئے تھے، ایمان لائے تو مکہ کا ایک ایک گھرانہ ان کا جانی دشمن ہو گیا۔ انہیں اتنی تکالیف دی گئیں کہ ان کو لکھتے ہوئے قلم کا سینہ شق ہو جاتا ہے لیکن مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد ایک عرصہ تک ان کی یہ حالت رہی کہ جب کبھی مکہ کا خیال آتا تو یکا یک آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے۔ یہ ایمانی تعلق کی وجہ سے تھا جو ہر مومن کو اللہ کے اس گھر اور پیغمبر اسلامؐ کے اس پیدائشی شہر سے ہے۔ سیرت کی کتابوں میں ہے کہ ایک مرتبہ بیمار ہوئے تو لوگوں نے سنا کہ یہ شعر گنگنا رہے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے:

''کاش میں جان لیتا کہ پھر کبھی ایسا ہو گا کہ میں اس وادی میں رات گزاروں اور میرے ارد گرد اذخر اور جلیل ہو۔(۱) اور کیا پھر کبھی ایسا ہو گا کہ میں مجنہ کے چشمہ پر فروکش ہوں اور کوہ شامہ مجھے دکھائی دے اور کوہ طفیل کو میں اپنی ان آنکھوں سے دیکھ سکوں۔''(۲)

جب ایک ایسے شخص کے مکہ کے بارے میں یہ جذبات و احساسات ہیں تو محمد رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے مہاجر رفقاء کے جذبات کا کیا حال ہوگا کیوں کہ وہ تو وہیں پیدا ہوئے بلکہ کچھ تو ماں کے پیٹ سے چاندی کا چمچہ لے کر پیدا ہوئے تھے۔ اسی شہر میں انہوں نے اپنی جوانی تک کے لمحات گزار دیے اور ان کے آباؤ اجداد کی ہڈیاں بھی اسی شہر میں دفن تھیں۔ (۳) اب چھ سال ہو گئے تھے کہ اس شہر کی ہوا بھی انہیں نہیں لگی تھی حالانکہ ایک لمحہ کی جدائی بھی اس شہر کی انہیں گوارا نہ تھی، پھر ان کی یہ بندش بھی جبری تھی کیوں کہ جب سے رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں نے ہجرت کی تھی، اہل مکہ نے ان کے بیت اللہ میں داخل نہ ہونے پر قسم کھالی تھی۔ قریش اس بات پر تل گئے تھے کہ جب تک رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے صحابی جو، ہبل، لات، عزیٰ اور نائلہ اور دوسرے بتانِ کعبہ کی خداوندی کے منکر ہیں، ان کے اور اپنے اسلاف کے خداؤں کو نہ مانیں، ان کے ساتھ جنگ کرنا فرض اور انہیں کعبہ میں آنے سے روکنا واجب ہے۔

مسلمان ان چھ سالوں میں کعبہ کی زیارت اور حج وغیرہ کے دینی فریضہ کی ادائگی سے قاصر تھے، خصوصاً مہاجرین بیت اللہ کے فراق کا صدمہ زیادہ محسوس کرتے تھے انہیں اور غموں کے علاوہ مکہ کی جدائی کا الم بھی گھن کی طرح کھائے جارہا تھا۔ اس کے ساتھ انہیں وطن اور اپنے اہل و عیال کی جدائی کا غم بھی چین نہ لینے دیتا تھا، لیکن اس کے ساتھ انہیں یہ بھی امید تھی کہ ایک نہ ایک دن اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ اور اس کے تابع داروں کو ضرور کامیاب کرے گا اور اسلام کو ہر ایک دین پر غلبہ عطا فرمائے گا۔ انہیں اس گھڑی کے بہت جلد آنے کا یقین تھا، جس میں خداوند دو جہاں ان پر مکہ کے دروازے کھول دے گا اور وہ بھی بیت اللہ کا طواف کریں گے، جسے اللہ نے تمام عالم کے لیے ضروری اور فرض قرار دیا ہے۔

کئی سال گزر گئے جن میں مسلمانوں کو مختلف لڑائیوں نے گھیرے رکھا۔ بدر کا معرکہ ختم ہوا تو احد کی ہولناک جنگ مسلط ہوگئی، اس کے بعد خندق کی جنگ مسلط کردی گئی۔ اس طرح یہود اور دوسرے مختلف قبائل کی جنگوں نے انہیں چین نہ لینے دیا، لیکن طواف کعبہ کا جو یقین تھا اس اشتیاق میں وہ ہمہ وقت چشم براہ تھے۔ (۴)

چنانچہ ذیقعدہ ۵ھ میں جب غزوہ احزاب کا خاتمہ ہوا تو فوراً بعد بنو قریظہ کا محاصرہ کیا گیا جس کے بعد یہودیوں سے کسی قدر نجات ملی، جنگ احزاب میں مڈبھیڑ نہیں ہوئی تھی اور حملہ آور اپنے مقصد میں ناکام و بیزار ہو کر واپس چلے گئے تھے۔ ایک طرف قریش اور دوسری طرف یہودیوں کے اندر اب بھی جنگی قوت باقی رہ گئی تھی لہٰذا ان کے مکمل استیصال کے لیے اب آئندہ کے لیے حکمت عملی بھی ضروری تھی۔

خیبر میں حیی بن اخطب کے قتل کے بعد ابو رافع سلام بن ابی الحقیق اس کا جانشین ہوا جو بہت بڑا تاجر تھا۔ قبیلہ غطفان کی آبادی خیبر سے متصل اور ان کی حلیف تھی۔ اب سلام نے خود جا کر غطفان اور قرب و جوار کے قبائل کو اسلام اور مسلمانوں سے لڑنے کی خاطر ایک بہت بڑی بھیڑ جمع کرلی۔ آنحضرت ﷺ کو یہ خبر ملی تو آپ کی ایماء سے رمضان ۶ھ میں ایک خزرجی انصاری عبداللہ بن عتیک نے اس کی خواب گاہ میں قتل کردیا۔ (۵) اسی اثناء میں آنحضرت ﷺ نے ایک روز یہ خواب دیکھا کہ آپؐ اور آپؐ کے ساتھ مسجد حرام میں امن کے ساتھ داخل ہوئے۔ آپؐ نے خانہ کعبہ کی چابی لی اور صحابہ کرامؓ کے ساتھ بیت اللہ کا

طواف اور عمرہ کیا۔ پھر بعض لوگوں نے سر کے بال منڈوائے بعض نے کتروائے۔ آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو اس خواب سے مطلع فرمایا کہ "میں نے دیکھا، گویا میں اور مسلمان مکہ پہنچ گئے ہیں اور بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں۔" اس خواب کے سننے سے غریب الوطن مسلمانوں کو اس شوق نے جو بیت اللہ کے طواف کا ان کے دل میں تھا، بے چین کر دیا۔(۶)

مسلمانوں کے لیے یہ خبر خوشی کا سبب بھی تھی اور حیرت کا باعث بھی۔ خوشی یہ کہ چھ سال بعد نبی کریم ﷺ کی معیت میں عمرہ کرنے کا موقع مل رہا ہے اور حیرت اس بات پر کہ اہل مکہ مسلمانوں کو مکہ میں کس طرح داخل ہونے دیں گے، اگر انہوں نے روکا تو کیا جنگ میں مسلمان پہل کریں گے، اگر جنگ ہوئی تو کیا ہوگا۔ عمرہ کے لیے جانے والے ہتھیار بند نہیں جاتے، اگر ہتھیار ساتھ رکھتے ہیں تو کس کو یقین آئے گا کہ یہ عمرہ کرنے کے لیے آئے ہیں اگر ہتھیار نہیں لیتے ہیں اور اہل مکہ یا راستے کے حلیف قبائل قریش آمادہ جنگ ہوں تو کیا کیا جائے گا؟

چنانچہ انجام پر غور کیے بغیر عمرہ اور حضور اکرم ﷺ کی صحبت اور معیت کا شرف حاصل کرنے کے شوق میں صحابہ کرامؓ تیار ہو گئے(۷) وہ سمجھے کہ اس سال ہی مکہ میں داخلہ نصیب ہوگا۔ انہوں نے اسی سال نبی اکرم ﷺ کو سفر مکہ کے لیے آمادہ کر لیا(۸) لہٰذا یکم ذیقعدہ ۶ھ کو اتوار کے دن رسول اللہ ﷺ نے عمرہ کے ارادہ سے مکہ مکرمہ کا قصد فرمایا اور اس کا اعلان عام کر دیا کہ جو ساتھ چلنا چاہے کاروان زیارت میں شامل ہو جائے۔(۹) قریباً چودہ سو صحابہ کرامؓ آپ کے ہمراہ ہو گئے۔(۱۰) مدینہ سے مسلمانوں نے سامان جنگ ساتھ نہیں لیا بلکہ قربانی کے اونٹ ساتھ لیے اور سفر بھی ذیقعدہ کے مہینہ میں اس لیے اختیار کیا کہ اس مہینہ میں عرب قدیم رواج کی پابندی سے جنگ ہرگز نہ کیا کرتے اور اس میں ہر ایک دشمن کو بھی بلا روک ٹوک مکہ میں آنے کی اجازت ہوا کرتی تھی۔(۱۱) آپؐ نے مدینہ پر سیدنا عبداللہ بن ام مکتومؓ یا سیدنا نمیلہ لیثی کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ روانگی کے وقت آپؐ اپنی قصوا نامی اونٹنی پر سوار تھے اور آپ کی زوجہ محترمہ سیدہ ام سلمہ بھی آپؐ کے ساتھ تھیں۔ بند تلواروں (میان، اندر تلوار) کے سوا اور کسی قسم کا کوئی ہتھیار آپؐ کے پاس نہ تھا۔(۱۲) جب یہ قافلہ مکہ چلا تو سارے عرب کی نگاہیں اس پر مرکوز ہو گئیں کہ دیکھیں اب کیا ہوتا ہے؟(۱۳)

ذوالحلیفہ پہنچ کر ہدی (۱۴) کو قلادہ پہنایا اور عمرہ کا احرام باندھا تا کہ لوگوں کو یہ پتہ چل جائے کہ آپؐ صرف عمرہ کے لیے جا رہے ہیں، جنگ کا ارادہ نہیں ہے۔ ادھر قریش کو جب مسلمانوں کے روانگی کی اطلاع ملی تو وہ سخت پریشان ہوئے، سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کیا جائے۔ یہ عمرہ کا مہینہ ہے اس مہینے میں جو قافلہ بھی احرام باندھ کر مکہ آئے اس کو روکنے کا حق کسی کو نہیں ہے، اگرچہ آنے والا دشمن ہی کیوں نہ ہو۔ عرب کا رائج قانون اس بات کی اجازت نہ دیتا تھا کہ عمرہ سے کسی کو روکا جائے، بلکہ یہ مسلمہ اصول تھا کہ بیت اللہ میں حج و عمرہ کے لیے آنے والوں کا اکرام کیا جائے اور ان کو ہر قسم کی سہولت پہنچائی جائے جس کے لیے باقاعدہ محکمے قائم تھے، مدینہ کے اس قافلہ کو مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے معنی یہ تھے کہ قریش خدمت گزاران کعبہ نہ رہے، بلکہ مالک بن بیٹھے ہیں کہ جس کو چاہیں حج و عمرہ سے روک دیں۔ اب تک تو قریش مسلمانوں پر بے دینی کا الزام رکھ رہے تھے لیکن اس حرکت سے الزام ان پر الٹ جائے گا کہ قریش آج اہل مدینہ کو روک رہے ہیں، تو کل جس قافلہ کو چاہیں گے

روک دیں گے۔ ماہ حرام میں قتال کا الزام مسلمانوں پر رکھا جا رہا تھا، اب یہ معصیت واقعہ بن کر سارے عرب کے سامنے آئے گی کہ ماہ حرام کی حرمت خود قریش نے ختم کر دی ہے، نتیجہ یہ ہوگا کہ تھوڑی بہت مذہبی سیادت جو قریش کے ہاتھ میں تھی، وہ بھی ختم ہو جائے گی۔ یہ تو محمدؐ نے عجب چال چلی کہ سارا عرب ہمارا دشمن ہوتا جا رہا ہے۔ ایک طرف ہم کو دین کی سیادت سے محرومی کا سامنا ہے، تو دوسری طرف اگر ان کو مکہ آنے دیا جائے تو ہماری سیاسی قیادت کی بھی ہوا اکھڑ جائے گی کہ ہم مسلمانوں کے مقابلے میں ہر طرح کمزور ہیں۔ بڑی کشش و پیچ کے بعد ان کی جاہلانہ عصبیت نے دفا خزنہ العزہ بالاثم کے اصول پر یہ فیصلہ کر لیا کہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روکا جائے۔(۱۵)

جب حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام احرام باندھے ہوئے عسفان پہنچے تو آپؐ کے مخبر بشر بن سفیان الکعبی (۱۵) حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ:

"یا رسول اللہ! قریش آپ کی آمد کی اطلاع پا چکے ہیں۔ عورتوں، بچوں سمیت نکل آئے ہیں۔ چیتے کی کھالوں میں ملبوس ہیں۔ ذی طویٰ (۱۶) میں اپنے ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں اور انہوں نے یہ عہد کر لیا ہے کہ آپ کو ہرگز داخل نہ ہونے دیں گے اور سواروں کے رسالے کو خالد بن ولید کی کمان میں کراع الغمیم کی طرف بھیج دیا ہے۔"(۱۷)

اور کتاب الخراج کی روایت کے مطابق اسی مقام پر بنی کعب کے چند افراد نے یہ اطلاع دی کہ:

"یا رسول اللہ! ہم دیکھ کر آ رہے ہیں کہ قریش نے اپنے احابیش کو جمع کر لیا ہے اور انہیں خزیر کھلا رہے ہیں۔ ان کا ارادہ یہ ہے کہ آپ کو بیت اللہ جانے سے روک دیں۔"(۱۸)

لیکن ان اطلاعات کی بناء پر نہ تو رسول اللہ ﷺ پر ایک لمحہ کے لیے بھی رعب طاری ہوا اور نہ آپؐ کے عزم میں فرق آیا بلکہ اس موقع پر آپؐ نے جو کچھ ارشاد فرمایا وہ آپ کی بے باکی اور بے پناہ قائدانہ صلاحیت، جرأت اقدام اور مخالف کی نفسیاتی کیفیت کا پوری طرح اندازہ کر لینے کو ظاہر کرتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ:

"یا ویح قریش لقد اکلتهم الحرب ماذا علیهم لو خلوا بینی و بین سائر العرب، فان هم اصابونی کان ذلک الذی ارادوا، وان اظهرنی الله علیهم دخلوا فی الاسلام و افرین، وان لم یفعلوا قاتلوا وبهم قوة، فما تظن قریش، فوالله لا ازال اجاهد علی الذی بعثنی الله به حتی یظهره الله او تنفرد هذه السالفة.(۱۹)

"قریش کا برا ہو (کہ راستہ روکتے ہیں!) جنگوں نے ان کا کچومر نکال دیا ہے۔ ان کا کیا حرج ہے کہ وہ بیچ میں سے ہٹ جائیں اور مجھے اور پورے عرب کو نمٹ لینے دیں۔ اگر عرب مجھے ختم کر دیں تو قریش کی مراد بر آئے گی اور اگر اللہ نے مجھے عربوں پر غلبہ عطا کر دیا تو ایسی صورت میں اگر قریش چاہیں تو جوق در جوق اسلام میں داخل ہو جائیں ورنہ وہ قوت رکھتے ہیں، اس وقت لڑیں (اور اگر یہ بھی پسند نہیں تو پھر) قریش میرے متعلق کس مغالطہ میں ہیں؟ خدا کی قسم میں اس حق کو لے کر جس کے ساتھ مجھے خدا نے مبعوث کیا ہے آخر دم تک لڑوں گا یہاں تک کہ یا تو اس حق کو خدا غالب کر دے یا میری گردن کٹ جائے۔"

آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کی تہہ میں اہل مکہ کے لیے رحم و خیر خواہی کا ایک سیل رواں موجزن ہے۔ چاہے اس کی وجہ یہ ہو

کہ مکہ میں رسول اللہؐ اور دیگر مسلمانوں کے اعزہ و اقارب موجود تھے اور ان کے بارے میں یہ توقع ہو سکتی تھی کہ اپنی کج روی سے باز آجائیں یا دوسرے الفاظ میں اہل مکہ کی جاہی سے زیادہ ان کا اسلام مفید ہو سکتا تھا اور ان کا اسلام اہل عرب پر بھی یقیناً اثر انداز ہو سکتا تھا۔ نیز خواہ اس کی وجہ اشہر حرام اور بیت اللہ کی حرمت و محبت ہو، اور خواہ اس میں یہ حکمت ہو کہ اگر قریش دشمنی سے دست کش ہو جائیں تو دوسرے دشمنوں سے نمٹنا آسان ہوگا اور چاہے اپنے مقصد یعنی اعلائے کلمۃ الحق پر یقین کامل کا اظہار چاہتے ہوں۔ بہر حال یہ بات یقینی ہے کہ رسول اللہؐ نے تمام اہم اور پیچیدہ معاملات کی عقدہ کشائی کے لیے جنگ کے بجائے امن کی راہ اختیار کی اس لیے اصولاً یہ ارشاد فرما دیا تھا کہ صلح آپ کو ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے۔(۲۰) نیت بھی عمرہ کی تھی (جس پر پورا عرب شاہد تھا) مسلح بھی نہ تھے۔

چنانچہ آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو مخاطب کر کے مشورہ طلب کیا اور یہ کہا کہ:

"تم لوگ مجھے مشورہ دو کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ تمہاری رائے میں ہمیں سیدھے یعنی مکہ کی طرف بڑھنا چاہیے یا ان لوگوں کی طرف چلیں جو ان کی مدد کر رہے ہیں اور ان کی پیٹھ پیچھے ان کی عورتیں اور بچوں کو جالیں۔ پھر اگر یہ (مکہ میں) بیٹھے رہ جاتے ہیں تو شکست خوردہ ہو کر بیٹھیں گے اور انتقام لیا جا چکا ہوگا اور اگر ہمارا پیچھا کرتے ہیں تو کمزور ہو کر پیچھا کریں گے اور اللہ انہیں ذلیل کر دکھائے گا۔"(۲۱)

اس پر کسی آدمی نے بھی اپنا قدم پیچھے نہیں ہٹایا اور عزیمت کا انتہائی مظاہرہ کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ سے یہ عرض کیا کہ: "یا رسول اللہ! ہماری رائے یہ ہے کہ سیدھے یعنی اہل مکہ کی طرف چلیں کیوں کہ اللہ ضرور آپ کی مدد فرمائے گا، معاونت فرمائے گا اور آپ کو غلبہ عطا کرے گا۔"

اور مقدادؓ نے کہا کہ خدا کی قسم ہم آپؐ سے وہ بات نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے اپنے نبی سے کہی تھی کہ "اذهب انت وربک فقاتلا انا ههنا قاعدون."(۲۲)

سیدنا صدیق اکبرؓ نے بارگاہ رسالتؐ میں عرض کیا کہ: "اللہ اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں، لیکن ہم تو صرف عمرہ ادا کرنے کے لیے آئے ہیں، کسی سے جنگ کرنے اور لڑنے نہیں آئے البتہ جو ہمیں بیت اللہ جانے سے روکے گا اس سے ضرور جنگ کریں گے۔"(۲۳)

اس گفتگو کے پیش نظر ہر شخص کی طرح قریش نے بھی اندازہ کر لیا کہ تقریباً ڈیڑھ ہزار افراد کا یہ عزم و حوصلہ، صبر و ثبات اور اپنی فتح پر یقین کامل کیا معنی رکھتا ہے۔

بہر حال صحابہ کرامؓ سے صلاح و مشورے کے بعد آنحضرت ﷺ نے سفر جاری رکھا، لیکن اپنا راستہ بدل دیا۔(۲۴) چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ کون، ایسا ہے جو ہمیں ایسے راستے سے مکہ لے چلے کہ قریش کو ہمارے آنے کی خبر نہ ہو۔ بنو اسلم کے ایک جیالے نے کہا کہ میں رہبری کروں گا، اس نے ایسا راستہ اختیار کیا جو کانٹے دار جھاڑیوں سے پر تھا، راستے میں کہیں کھڈا اور کہیں بچھے ہوئے سخت پتھر تھے۔ سخت دشوار گزار راستہ صحابہ کرامؓ نے بڑی جرأت و ہمت اور مشقت برداشت کر کے طے کیا۔

یہ دشوار گزار راستہ جب طے ہوگیا اور میدانی ہموار راستہ آیا تو آپؐ نے صحابہؓ کو توبہ و استغفار کا حکم دیا کہ راہ کی دشواریوں سے کہیں بددلی نہ پیدا ہوگئی ہو۔ پھر آپؐ اس راستے پر چلے جو ثنیۃ المرار پر نکلتا ہے۔(۲۵) اس راستے سے آپؐ حدیبیہ پہنچے۔ یہاں سے حرم کی سرحد نظر آتی ہے۔ مکہ والوں نے ابوسفیان کو مدینہ کے اس قافلہ کو روکنے کے لیے بھیجا تھا، وہ آپؐ کے راستہ بدل دینے کی وجہ سے منہ دیکھتے رہ گئے۔ خالد بن ولید اور عکرمہ کو جب مسلمانوں کے اس راستے کی تبدیلی کا علم ہوا تو انہوں نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور فوری طور پر مکہ جا کر قریش کو اس نئی صورت حال سے آگاہ کیا اور ان سے نئی ہدایات لینی چاہیں۔

ادھر نبی کریم ﷺ نے اپنا سفر جاری رکھا، جب آپؐ ثنیۃ المرار پہنچے تو ایک عجیب واقعہ پیش آیا کہ آپ کی اونٹنی قصواء بیٹھ گئی اور آگے بڑھنے سے انکار کرنے لگی۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ "اڑ (ضد) کر رہی ہے" آپؐ نے فرمایا کہ "اڑ اس کی عادت نہیں۔ یہ اشارہ الٰہی سے رُک رہی ہے۔"(۲۶) اس کو اس ہستی نے روک دیا ہے جس نے ہاتھی کو روکا تھا۔"(۲۷) بعد ازاں آپؐ نے فرمایا "اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ آج اہل مکہ مجھ سے کسی بھی ایسی بات کا مطالبہ نہیں کریں گے جس میں شعائر اللہ کی تعظیم کر رہے ہوں لیکن میں انسانیت کی بھلائی کے لیے ضرور اس کو تسلیم کروں گا۔"(۲۸) اس کے بعد آپؐ نے اونٹنی کو اٹھنے کے لیے کہا تو وہ اچھل کر کھڑی ہوگئی۔ پھر وہاں سے تھوڑا سا ہٹ کر اقصائے حدیبیہ میں ایک چشمہ پر قیام فرمایا۔

گرمی کا موسم تھا۔ پیاس کی شدت اور پانی کی قلت تھی۔ اس وجہ سے تھوڑا سا پانی کھینچنے سے پانی ختم ہوگیا۔ صحابہ کرامؓ نے بارگاہ رسالتؐ میں پانی نہ ہونے کی شکایت کی۔ آپؐ نے ترکش میں سے ایک تیر نکالا اور حکم دیا کہ چشمہ میں گاڑ دیں۔ لوگوں نے آپؐ کے حکم کی تعمیل کی۔ اسی وقت اس چشمے کے پانی نے اس قدر جوش مارا کہ سارا لشکر سیراب ہوگیا۔(۲۹)

حدیبیہ میں قیام کے بعد آپؐ نے خراش بن امیہ خزاعیؓ کو ایک اونٹ پر سوار کر کے قریش کے پاس مکہ بھیجا کہ انہیں بتا دیں کہ ہم جنگ کے لیے نہیں آئے بلکہ صرف بیت اللہ کی زیارت کے لیے آئے ہیں۔ اہل مکہ نے ان کے اونٹ کو ذبح کر ڈالا اور ارادہ کیا کہ انہیں بھی قتل کر ڈالیں لیکن کچھ لوگوں نے منع کر دیا، چنانچہ سیدنا خراشؓ بمشکل جان بچا کر واپس آئے اور بارگاہ رسالتؐ میں سارا واقعہ بیان کر دیا۔

قریش مکہ کا اضطراب:

قریش ایک عجیب تشویش میں مبتلا تھے وہ اس مخمصہ میں پڑ گئے کہ اگر مسلمانوں نے مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ کیا تو انہیں جان پر کھیل جانے کے بغیر اور کوئی چارۂ کار نہیں رہے گا، لیکن پھر ان کے ذہنوں میں بدر و اُحد اور جنگ خندق کے تصورات بھی موجزن ہوئے کہ ہم ان جنگوں میں اتنی بھاری اکثریت کے باوجود مسلمانوں کو نیست و نابود نہیں کر سکے بلکہ حالت یہ ہوگئی ہے کہ اب یہ ہمارے شہر کے دروازے تک پہنچ گئے ہیں۔ اگر مسلمان اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے تو وہ پورے جزیرہ نما عرب میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔ چنانچہ کافی سوچ اور فکر کے بعد انہوں نے یہی بات مناسب سمجھی کہ محمدؐ کے پاس ایسے

دانشور اور غور و فکر رکھنے والے آدمیوں کو بھیجا جائے جو ایک طرف تو ان کی قوت کا جائزہ لیں اور دوسری طرف انہیں عمرہ کیے بغیر واپس جانے پر آمادہ کریں۔ چنانچہ انہوں نے بدیل بن ورقہ خزاعی کو چند آدمیوں کے ساتھ آپ کی خدمت اقدس میں بات چیت کرنے کے لیے بھیجا۔ قبیلہ خزاعہ اگرچہ ابھی تک مشرف با اسلام نہ ہوا تھا لیکن شروع ہی سے آپ کا حلیف اور خیر خواہ چلا آ رہا تھا۔ مشرکین مکہ آپ کے خلاف جو سازشیں کرتے، اس سے آپ کو مطلع کیا کرتا تھا۔ اس لحاظ سے یہ قبیلہ آپ کا راز دار بھی تھا۔ اس قبیلہ کا رئیس بدیل بن ورقاء (۳۰) اپنے قبیلہ بنو خزاعہ کے چند افراد کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ (۳۱) آپ سے مقصد تشریف آوری پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ ہم بیت اللہ کی زیارت کے ارادے سے آئے ہیں۔ قربانی کے جانور ہمارے ساتھ ہیں۔ ہم عمرہ کے ارکان ادا کر کے واپس چلے جائیں گے۔ ہمارا ارادہ جنگ کا بالکل نہیں ہے، لیکن اگر قریش لڑنا چاہیں تو پھر ہم مجبور ہوں گے۔ بہتر یہی ہے کہ ہم کو عمرہ کر کے جانے دیا جائے۔ بدیل نے بتایا کہ کعب بن لوئی اور عامر بن لوئی حدیبیہ کے کنوئیں پر ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں۔ ان کے ساتھ بدمعاشوں کی بھی ایک جماعت ہے۔ وہ ضرور آپ سے لڑیں گے۔ بیت اللہ کی زیارت سے مانع ہوں گے۔ آپ نے اپنا مقصد بیان کرنے کے بعد نہایت فراست کے ساتھ یہ بات بھی واضح کر دی کہ ہم قریش کی کمزوریوں سے واقف ہیں۔ پچھلی لڑائیوں میں دنیا نے بھی دیکھ لیا کہ قریش میں کتنا دم خم ہے، اور ہم یہ خوب جانتے ہیں کہ ان کی طاقت ختم ہو چکی ہے۔ (۳۲ الف) جنگوں نے انہیں نہایت کمزور کر دیا اور تھکا کر رکھ دیا ہے، لہٰذا اگر وہ چاہیں تو ان کے لیے ایک مدت صلح مقرر کر دوں کہ اس مدت میں کوئی ایک دوسرے سے تعرض نہ کرے اور مجھ کو اور عرب کو چھوڑ دیں، اگر اللہ کے فضل سے میں غالب ہو گیا تو اس دین میں داخل ہو جائیں اور فی الحال وہ آرام کر لیں اور اگر بالفرض عرب غالب آ گئے تو تمہاری تمنا پوری ہو جائے گی، لیکن میں تم سے کہہ دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ضرور اپنے دین کو غالب کر کے رہے گا اور اس دین کے غلبہ اور نصرت کا جو وعدہ اس نے کیا ہے وہ ضرور پورا ہو کر رہے گا اور اگر انہیں لڑائی کے سوا کچھ منظور نہیں تو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں ضرور ان سے جنگ کروں گا یہاں تک کہ میری گردن الگ ہو جائے یا جب تک اللہ تعالیٰ اپنا امر نافذ نہ کر دے۔ (۳۲ ب)

بدیل آپ کی یہ تمام باتیں سن کر قریش کے پاس گئے اور کہا: ''میں محمدؐ کے پاس سے آ رہا ہوں۔ میں نے انؐ سے ایک بات سنی ہے اگر چاہو تو پیش کر دوں۔ اس پر ان کے احمقوں نے کہا کہ ہم ان کی کوئی بات سننا نہیں چاہتے، لیکن جو لوگ نشیب و فراز سے آشنا اور جہاں دیدہ تھے انہوں نے کہا: سنائیے، آپ نے کیا سنا ہے؟ بدیل نے حضور اکرمؐ کی پوری بات انہیں سنا دی۔ (۳۳) اور کہا کہ ''تم عجلت سے کام لے رہے ہو، محمدؐ قتال کے لیے نہیں آئے، زیارت کے لیے آئے ہیں۔'' (۳۴) قریش نے بدیل کی بات کو کوئی اہمیت نہ دی۔

اب قریش نے مکرز بن حفص کو بھیجا (۳۵) اسے دیکھ کر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''یہ بدعہد آدمی ہے۔'' جب اس نے آپؐ سے گفتگو کی تو آپؐ نے اس کو بھی کو وہی بات کہی جو اس سے قبل بدیل بن ورقاء سے فرما چکے تھے۔ اس نے بھی واپس جا کر قریش کو پوری بات سے باخبر کر دیا۔

اب بنو کنانہ کے ایک شخص حلیس بن علقمہ نے کہا کہ مجھے ان کے پاس جانے دیں۔ میں ان سے بات کرتا ہوں، جب وہ آپؐ کے پاس آ رہا تھا تو آپؐ نے اسے پہچان کر صحابہ کرامؓ سے فرمایا یہ شخص فلاں ہے اور یہ ایسی قوم سے تعلق رکھتا ہے جو ہدی کے جانوروں کا بہت احترام کرتی ہے، اس لیے تم لوگ ہدی کے جانوروں کو اس کے سامنے کھڑا کر دو۔ صحابہ کرامؓ نے جانوروں کو کھڑا کر دیا اور خود بھی لبیک پکارتے ہوئے اس کا استقبال کیا۔ اس شخص نے یہ کیفیت دیکھی تو آپؐ سے ملاقات کیے بغیر واپس چلا گیا اور کہنے لگا، "میں نے ہدی کے جانور دیکھے ہیں جن کے گلوں میں قلادے ہیں اور جن کے کوہان چیرے ہوئے ہیں، لہٰذا انہیں روکنا مناسب نہیں۔ پہلے دو وفود کی طرح اس کی باتوں نے بھی قریش کو چراغ پا کر دیا اور انہوں نے غصہ میں کہا "آخر تم بدو ہی نکلے۔ تم ان باتوں کو کیا سمجھو۔" یہ سن کر حلیس کے تن بدن میں آگ لگ گئی، اس نے قریش سے کہا، "میں ان لوگوں کو کعبہ کی زیارت سے روکنے کے لیے تمہارا حلیف نہیں ہو سکتا۔" اس نے یہ بھی کہا کہ "میرے قبیلے میں سے کوئی شخص محمدؐ کو طواف سے روکنے کے لیے حائل نہیں ہوگا۔" (۳۶) حلیس کی اس دھمکی سے قریش کے بدن پر رعشہ طاری ہو گیا۔ اب انہوں نے منتیں کرنی شروع کر دیں کہ ہمیں آپ کی اس بات پر غور و فکر کر لینے دیجیے۔

اب قریش نے ایسا آدمی تجویز کرنے کا منصوبہ بنایا جو نہایت دانشور اور ذہین ہو۔ اس کے لیے ان کی نگاہ عروہ بن مسعود ثقفی (۳۷) پر پڑی۔ پہلے وفد کی ذلت عروہ کے سامنے ہی ہوئی تھی، اس لیے اس نے جانے سے انکار کر دیا، لیکن قریش کے اطمینان دلانے پر وہ آپؐ کی خدمت میں حدیبیہ چلا گیا اور آپؐ سے گفتگو شروع کی۔ رسول اللہؐ نے اس سے بھی وہی بات فرمائی جو اس سے قبل بدیل اور دوسرے دو حضرات سے کر چکے تھے۔ اس پر عروہ نے کہا:

"اے محمدؐ! فرمایئے، اگر آپؐ نے اپنی قوم کا صفایا کر دیا تو آپؐ نے اس سے پہلے کسی عرب کے متعلق سنا کہ اس نے اپنی قوم کا صفایا کر دیا ہو اور اگر دوسری صورت حال پیش آئی (یعنی قریش کو غلبہ ہوا) تو میں دیکھتا ہوں کہ یہ جو مختلف قوموں میں ملے جلے لوگ آپؐ کے ساتھ ہیں، وہ اس وقت آپ کو چھوڑ کر فرار ہو جائیں گے۔"

سیدنا صدیق اکبرؓ نبی کریمؐ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے اس موقع پر شدید غصے کا اظہار کیا۔ عروہ نے کہا، "یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا "ابو بکرؓ ہیں۔" اس نے کہا "خدا کی قسم، اگر ان کا مجھ پر احسان نہ ہوتا تو جس کا میں بدلہ نہیں دے سکا تو ان کی اس بات کا ضرور جواب دیتا۔"

اس کے بعد عروہ نے حضور اکرم ﷺ سے پھر گفتگو شروع کی۔ دوران گفتگو وہ آپؐ کی ریش مبارک کو ہاتھ لگا کر بات کر رہا تھا۔ سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ ہاتھ میں تلوار لیے اور سر پر خود پہنے آپؐ کے پاس ہی کھڑے تھے مغیرہ بن شعبہ عروہ بن مسعود ثقفی کے بھتیجے تھے۔ انہیں بارگاہِ نبویؐ میں اپنے چچا کی یہ جرأت گوارا نہ ہوئی۔ وہ ہر مرتبہ تلوار کا دستہ اس کے ہاتھ پر مارتے اور کہتے کہ اپنا ہاتھ حضورؐ کی داڑھی سے پرے رکھ۔ (۳۸) آخر عروہ نے اپنا سر اٹھایا اور بولا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا "مغیرہ بن شعبہؓ ہیں" (۳۹) اس پر عروہ نے کہا "او بدعہد! کیا میں تیری بدعہدی اور پیمان شکنی کے سلسلے میں دوڑ دھوپ نہیں کر رہا ہوں۔ یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ تھا کہ جاہلیت میں سیدنا مغیرہؓ کچھ لوگوں کے ساتھ مقوقس شاہ مصر کے پاس تھے۔ مقوقس نے مغیرہ کی بہ نسبت

ان کے دوسرے ساتھیوں کو زیادہ انعامات دیے، جس کا مغیرہ کو بہت رنج تھا۔ راستہ میں جب ایک مقام پر ٹھہرے تو انہوں نے ان کو سوتے میں قتل کر دیا اور ان کا مال لے کر بھاگ آئے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف با اسلام ہو گئے۔ عروہ نے ان تیرہ مقتولوں کی دیت ادا کر کے قصہ کو رفع دفع کیا۔ (۴۰)

عروہ نے رسول اللہؐ کے ساتھ صحابہ کرام کی عقیدت اور صدق و اخلاص کا ایسا منظر دیکھا جو اس سے قبل اس نے کہیں نہیں دیکھا تھا اس منظر نے عروہ کو بہت متاثر کیا، یہی وجہ تھی کہ یہ عروہ جو آج قریش کا سفیر بن کر آیا تھا، چند سال کے بعد خود بخود مسلمان ہو گیا تھا اور اپنی قوم میں تبلیغ اسلام کے لیے سفیر بن کر گیا تھا۔ (۴۱)

چنانچہ جب عروہ آنحضرت ﷺ سے ملاقات کے بعد واپس گیا تو اس نے آپؐ کے ساتھ صحابہ کرامؓ کی جو حیرت انگیز عقیدت دیکھی وہ قریش کو سنائی۔ (۴۲) اور اشارہ کر دیا کہ اگر جنگ ہوئی تو نتیجہ قریش کے حق میں نہ ہوگا۔ اس نے قریش سے کہا:

"اے قوم! میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار دیکھے ہیں، لیکن وہ عقیدت اور وارفتگی کہیں نہیں جو محمدؐ کے ساتھیوں کو محمدؐ کے ساتھ ہے۔ جب وہ بات کرتے ہیں تو سناٹا چھا جاتا ہے۔ کوئی شخص ان کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔ بخاری کے الفاظ یہ ہیں کہ ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ محمدؐ وضو کرتے ہیں تو صحابہؓ آب مستعمل وضو کے لیے ایسے گرتے پڑتے ہیں گویا لڑائی ہو پڑے گی، وہ وضو کا پانی زمین پر گرنے نہیں دیتے، اپنے ہاتھوں پر لے کر اپنے بدن اور کپڑوں پر لگا لیتے ہیں۔ جب لعاب دہن گرتا ہے تو عقیدت کیش ہاتھوں میں لیتے ہیں اور چہروں اور ہاتھوں پر مل لیتے ہیں جب وہ کوئی حکم دیتے ہیں تو اس کی بجا آوری کے لیے سب دوڑ پڑتے ہیں۔ اب تم خود سوچو کہ تمہارا مقابلہ کن لوگوں سے ہوگا، میری رائے ہے کہ ان سے صلح کر لو، جس طرح بھی بنے۔ (۴۳)

ایک روایت میں ہے کہ عروہ نے کہا "اے میری قوم! میں نے بہت سے بادشاہوں کو دیکھا مگر محمدؐ جیسا کسی کو نہیں دیکھا۔ وہ مجھے بادشاہ معلوم نہیں ہوتے۔" گویا یہ اشارہ تھا کہ آپؐ نبی ہیں۔ (۴۴)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ عروہ نے قریش سے کہا، "میں نے بڑے بڑے بادشاہوں کے دربار دیکھے لیکن محمدؐ کی سی عظمت کسی بادشاہ میں نہیں دیکھی۔" (۴۵)

جب قریش کے جنگ بازوں نے دیکھا کہ ان کے سربرآوردہ حضرات صلح کے حامی ہیں تو انہوں نے صلح میں رخنہ اندازی کی کوششیں بھی کیں تاکہ مسلمان مشتعل ہو کر کوئی ایسا اقدام کر بیٹھیں جس سے قریش کو لڑائی کا بہانہ ہاتھ آ جائے، مگر ہر مرتبہ صحابہ کرامؓ کے صبر و ضبط اور حضور اکرم ﷺ کی حکمت و فراست نے ان کی ساری تدبیروں کو ناکام بنا دیا۔ ایک دفعہ چالیس پچاس آدمیوں نے رات کے وقت آ کر مسلمانوں کی قیام گاہ پر پتھر برسائے۔ صحابہ کرامؓ نے ان سب کو گرفتار کر کے حضور اکرم ﷺ کے سامنے پیش کر دیا اور دوسرے موقع پر تنعیم کی طرف سے اسی جنگ باز نوجوانوں نے عین صبح کی نماز کے وقت اچانک حملہ کر دیا۔ (۴۶) یہ لوگ بھی پکڑ لیے گئے اور آپؐ کے سامنے پیش کیے گئے۔ آنحضرتؐ نے انہیں ازراہ رحم دلی و عفو چھوڑ دیا۔ (۴۷) اسی واقعہ پر قرآن حکیم میں اس آیت کا نزول ہوا:

وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ مِن بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ (۴۸)

"خدا وہ ہے جس نے وادی مکہ میں تمہارے دشمنوں کے ہاتھ تم سے روک دیے اور تمہارے ہاتھ بھی (ان پر قابو پانے کے بعد) ان سے روک دیے۔"

بہر حال اس واقعہ کے بعد آپ ﷺ نے اپنا اونٹ (ثعلب) خراش بن امیہ کو دے کر بھیجا جس سے آپ کا مقصد صرف یہ تھا کہ قریش یہ سمجھ لیں کہ ہم لڑائی کے لیے نہیں آئے ہیں، لیکن انہوں نے اونٹ چھین کر اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے اور حضرت خراش بن امیہ کو بھی مارنا چاہتے تھے، مگر بنی کنانہ آڑے آگئے اور ان کو چھڑا لیا۔(۴۹) قریش کی اس بد خلقی، جہالت اور اقدام جنگ کے باوجود رحمت عالم کا جذبہ مصالحت غالب رہا اور جوابی کارروائی کے بجائے آپ ﷺ نے ایک مرتبہ پھر صلح کی پیشکش فرمائی اور اس مقدس سفارت کے لیے پہلے سیدنا عمر بن الخطاب کو کہا گیا لیکن انہوں نے یہ کہتے ہوئے معذرت کر دی کہ یا رسول اللہ! آپ کو پتہ ہے کہ اہل مکہ مجھ سے کس قدر برہم اور کس درجہ میرے دشمن ہیں۔ اگر مجھے اذیت دی گئی تو مکہ میں بنی کعب کا ایک شخص بھی ایسا نہیں جو میری حمایت میں بگڑ سکتا ہو۔ اس لیے اگر آپ ﷺ میری بجائے عثمان بن عفان ؓ کو بھیجیں تو بہتر ہوگا کیوں کہ ان کا قبیلہ اور کنبہ مکہ میں ہے۔ وہ آپ کی سفارت صحیح طریقہ سے ادا کر سکیں گے۔ آپ کو سیدنا عمرؓ کی یہ رائے پسند آئی چنانچہ آپ ﷺ نے سیدنا عثمان ؓ کو بلا کر انہیں مکہ اس پیغام (۴۹) کے ساتھ ایلچی بنا کر بھیجا کہ ہم لڑنے نہیں آئے ہیں، صرف عمرہ کرنے آئے ہیں۔ قربانی کے جانور ہمارے ساتھ ہیں۔ ذی قعدہ کے مہینے میں سب کو عمرہ کرنے کا حق ہے، ہم بھی عمرہ بجا لا کر اور قربانی کر کے واپس چلے جائیں گے۔(۵۰) آنحضرت ﷺ نے انہیں ہدایت کی کہ قریش کو اسلام کی دعوت بھی دیں اور یہ بھی فرمایا کہ مکہ میں مسلمان مردوں اور عورتوں کے پاس جا کر انہیں فتح و نصرت کی خوش خبری بھی سنا دیں اور انہیں بتا دیں کہ اللہ تعالیٰ اب اپنے دین برحق کو مکہ میں ظاہر و غالب کرنے والا ہے اور پھر کسی اہل ایمان کو یہاں روپوش ہونے کی کوئی ضرورت نہ ہوگی۔

سیدنا عثمان غنیؓ کا تعلق بنو امیہ سے تھا، چنانچہ وہ حضورؐ کے سفیر کی حیثیت سے قریش مکہ کے پاس تشریف لے گئے جب مقام بلدح میں قریش کے کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے تو انہوں نے پوچھا کہ کہاں کا ارادہ ہے؟ کہا میں رسول اللہ کا یہ پیغام لے کر مکہ جا رہا ہوں۔ قریش کے ان لوگوں نے کہا، آپ جائیے، ادھر سعید بن العاص نے اٹھ کر سیدنا عثمان ؓ کو خوش آمدید کہا اور اپنے گھوڑے پر زین کس کر آپ ؓ کو اپنے ساتھ بٹھا کر اور اپنی پناہ میں لے کر سربراہان قریش کے پاس مکہ لے گیا۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ ؓ اپنے ایک عزیز ابان بن سعید کی پناہ میں مکہ میں داخل ہوئے۔ وہ اپنے اونٹ پر بٹھا کر قریش کے پاس لے گیا۔ آپ ؓ نے مکہ کے سرداروں کو حضور اکرم ﷺ کا پیغام پہنچایا لیکن قریش نہ مانے اور کہا کہ تم عمرہ کرنا چاہتے ہو تو کر لو۔ ابو سفیان سے آپ ؓ نے کہا "یہ بات بڑی خلاف مروت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو عمرہ سے روکا جائے اور میں عمرہ کر لوں۔ میں تو اس وقت سب ہی کے لیے عمرہ کے حق کا مطالبہ لے کر آیا ہوں۔ میری یہ خود غرضی ہوگی کہ میں تو عمرہ کر لوں اور سب محروم رہ جائیں۔ اس پر سرداران قریش غصہ ہو گئے اور انہیں روک لیا گیا۔ روکنے سے ان کا مقصد شاید کچھ غور و فکر اور صلاح و مشورہ کر کے اس پیش آمد صورت حال اور آپ کی صلح کی پیشکش کا کوئی مثبت جواب دے کر واپس کرنا تھا، لیکن ادھر حدیبیہ میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ سیدنا عثمان ؓ کو شہید کر دیا گیا ہے۔(۵۱) سیدنا عثمان ؓ کے دیر تک مکہ میں رکے رہنے کی وجہ سے جب یہ افواہ پھیل گئی کہ قریش نے انہیں

شہید کردیا ہے تو آپ کو بہت صدمہ ہوا۔ پہلے سفیر (خراش بن امیہ الخزاعی) کی سواری میں آپ کا خاص اونٹ ثعلب تھا جس کی اشراف قریش نے کونچیں کاٹ ڈالیں اور خود خراش بن امیہ الخزاعی کے قتل کا بھی ارادہ کرلیا تھا، لیکن احابیش کی مداخلت سے ان کی جان بچ گئی اور وہ رسول اللہؐ کے پاس واپس آگئے تھے (۵۲) تاہم آنحضرتؐ نے صلح کی خاطر یہ سب برداشت کرلیا تھا، لیکن حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر ایسی نہ تھی، جس کو برداشت کیا جاسکتا۔ اب مزید تحمل کا کوئی موقع نہ تھا۔ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کے سفیر کا قتل کردیا جانا آداب سفارت کے لحاظ سے بھی ناقابل برداشت تھا اور غیرت وحمیت کے خلاف بھی اور آپ کو یہ حکم بھی مل چکا تھا کہ:

فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ وَاللَّهُ مَعَكُمْ. (۵۳)

"تو کمزوری کا اظہار کرتے ہوئے صلح کی طرف نہ بلاؤ حالانکہ تم ہی سب سے بلند ہو اور اللہ تمہارے ساتھ ہے۔"

اس لیے اس موقع پر کمزوری دکھانے کا مطلب سیاسی شکست سے کم نہ تھا اس لیے رسول اللہؐ نے لڑنے مرنے اور اہل مکہ کو سزا دینے کا فیصلہ کرلیا، کیوں کہ اس کا تمام تر جواز قریش خود مہیا کرچکے تھے اور قرآن اس موقع پر رسول اللہ کو حرمت پامال کرنے کی اجازت یہ کہہ کردے چکا تھا کہ:

الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَاتُ قِصَاصٌ (۵۴)

"حرمت والا مہینہ، حرمت والے مہینے کے بدلہ میں ہے اور یہ حرمتیں تو عوض معاوضہ کی چیزیں ہیں۔"

مطلب یہ ہے کہ اشہر حرام کا احترام، احترام کے بدلے میں ہے یعنی اگر کوئی تم سے ماہ محترم میں جنگ کرے تو تم بھی اس سے جنگ کرو کیوں کہ جب اس نے اس کی حرمت کا خیال نہ کیا تو یہ تم پر بھی واجب نہیں ہے۔ (۵۵) لہٰذا اسی وجہ سے آپؐ نے فرمایا کہ جب تک میں قریش سے اس قتل کا بدلہ نہیں لے لوں گا یہاں سے نہیں جاؤں گا پھر آپؐ نے وہاں ایک کیکر کے درخت کے نیچے اس بے سروسامان جمعیت سے جان نثاری کی بیعت (۵۶) لی کہ اگر لڑنا بھی پڑا تو ثابت قدم (۵۷) رہیں گے، بیعت کرنے والوں کی تعداد چودہ سو (۵۸) تھی۔ سب سے پہلے سیدنا ابوسنان اسدیؓ نے آپؐ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ سیدنا سلمہ بن اکوعؓ نے جو مشہور بہادر اور ماہر تیر انداز تھے، تین مرتبہ بیعت کی۔ یعنی ابتداء میں بھی، درمیان میں بھی اور آخر میں بھی۔ جب سب صحابہ کرامؓ بیعت کرچکے تو نبی کریمؐ نے خود اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ پر رکھا اور فرمایا یہ بیعت عثمانؓ کی جانب سے ہے (۵۹) یعنی بایاں ہاتھ عثمانؓ کی طرف سے تھا اور دایاں ہاتھ رسول اللہ کا (۶۰) اس واقعہ کے بعد سیدنا عثمانؓ اس واقعہ کا ذکر کرکے فرمایا کرتے تھے کہ میری جانب سے رسول اللہ کا بایاں ہاتھ میرے دائیں ہاتھ سے کہیں بہتر تھا۔ (۶۱)

صلح حدیبیہ کے متعلق قرآن کریم کا جامع تبصرہ:

اس بیعت کو قرآن حکیم نے بیعت رضوان (۶۲) کا نام دیا ہے کیوں کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ان تمام صحابہ کرامؓ کو اپنی رضا کی سند عطا فرمائی جنہوں نے اس موقع پر آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کی جس کا ذکر سورۃ الفتح میں فرمایا گیا ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (۶۳)

"بے شک اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا ایمان والوں سے جب کہ وہ درخت کے نیچے آپؐ سے بیعت کر رہے تھے۔"

قریش کو جب اس بیعت کا علم ہوا تو وہ خوفزدہ ہو گئے اور حالات کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے انہوں نے فوری طور پر صلح کے لیے خود تگ و دو شروع کر دی۔(۶۴) چنانچہ اب کی بار انہوں نے سہیل بن عمرو کو صلح کے لیے یہ اختیار دے کر بھیجا کہ:

"ائت محمداً فصالحه ولا یکن فی صلحه الا ان یرجع عنا عامه هذا، فو الله لا تحدث العرب عنا انه دخلها علینا عنوة ابدا."(۶۵)

"تم محمدؐ کے پاس جاؤ اور ان سے مصالحت کرو، لیکن یہ یاد رکھنا کہ یہ اس شرط کے بغیر نہ ہو کہ وہ اس سال یہاں سے واپس چلے جائیں ورنہ خدا کی قسم عرب باتیں بنائیں گے کہ وہ بزور داخل ہوئے تھے۔"

گویا اس موقع پر بھی قریش کوئی سیاسی یا حربی فائدہ حاصل نہ کر سکے اور ہر دو قسم کی کامیابی رسول اللہؐ کے حصہ میں آئی اور اس طرح فریقین کے صلح پر آمادہ ہو جانے سے ایک فیصلہ کن جنگ ٹل گئی۔ یہاں یہ بتانا بے محل نہ ہوگا کہ قرآن نے یہ تصریح کی ہے کہ جنگ کی صورت میں اہل مکہ کا نقصان بہت زیادہ ہوتا لیکن خونریزی کی وجہ سے کفار کے علاوہ ان اہل ایمان کو بھی گزند پہنچنے کا احتمال تھا جنھوں نے اپنے ایمان واسلام کو ظاہر نہیں کیا تھا۔(۶۶) اس کے علاوہ قرآن اس بات کی بھی صراحت کر دیتا ہے کہ اگر اس وقت بالفعل جنگ واقع ہو جاتی تو رسول اللہؐ اور مسلمانوں کو یقیناً فتح حاصل ہوتی اور اہل کفر کو ذلت و رسوائی کے سوا کچھ نہ ملتا۔ الفاظ یہ ہیں کہ:

"ولو قاتلکم الذین کفروا لولوا الادبار ثم لا یجدون ولیاً ولا نصیرا.(۶۷)

"اور اگر تم سے یہ کافر لڑتے تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے پھر نہ ان کو کوئی دوست ملتا نہ مددگار۔"

بہر حال قریش کے وکیل سہیل بن عمرو ذاتی طور پر ایک اچھے اور شریف آدمی تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب رسول اللہؐ نے انہیں آتے دیکھا تو صحابہ کرامؓ سے فرمایا:

"قد سهل لکم من امرکم"

"یعنی اب تمہارا کام تھوڑا سا سہل اور آسان ہو گیا ہے۔"

چونکہ قریش کے سفیر کا نام سہیل تھا جو سہل کا اسم تصغیر ہے اور "من" بھی تبعیض کے لیے آتا ہے، لہٰذا اس کا مطلب یہ ہے کہ پورا آسان تو نہیں البتہ تھوڑا سا آسان ہو گیا ہے۔(۶۸)

لمبی لے دے کے بعد دونوں مذاکرہ کرنے والوں کو نقطہ ہائے نگاہ میں قربت پیدا ہوئی اور رسول اکرم ﷺ اور سہیل بن عمرو کے درمیان اس عظیم نقطہ کے بارے میں ایک درمیانی حل پر اتفاق ہو گیا جو اس اختلاف اور کشیدگی کو بڑھانے کا باعث تھا جو جنگ تک لے جا سکتی تھی، قریش کا اصرار یہی تھا کہ جب تک مکہ میں قریش کو غلبہ حاصل ہے اس وقت تک مسلمان مکہ میں کبھی داخل نہیں ہوں گے، اس بات کے لیے انہوں نے آٹھ ہزار کے قریب جانبازوں کو جمع کر لیا تھا اور ان کے ساتھ مکہ سے باہر وادی بلدح میں پڑاؤ کر لیا تاکہ اگر مسلمان حدود حرم سے گزریں تو ان کو بزور قوت روکیں، دوسری جانب رسول کریمؐ نے بھی یہ

پختہ ارادہ کرلیا تھا کہ اگر قریش اپنی مسلح افواج کے ساتھ مسلمانوں سے الجھے اور انہیں بیت اللہ سے روکنے کی کوشش کی تو وہ اپنے اصحابؓ کے ساتھ مناسک عمرہ کی ادائیگی اور قریش سے جنگ کرنے کے لیے مکہ میں ضرور داخل ہوں گے اس کے باوجود آپؐ نے اس غرض کے حل کے لیے جو خونریزی کے بغیر مسلمانوں کو بیت اللہ کی زیارت کا قانونی حق انہیں دے، بڑی بردباری سے انتظار کیا تاہم حضرت عثمانؓ کی گرفتاری اور قتل کی خبروں نے صورتحال کو مزید کشیدہ کردیا تھا لیکن پھر مذاکرات کے لیے سہیل بن عمرو کی آمد سے قریش اور مسلمانوں کے درمیان مصالحت کے امکانات پیدا ہوگئے اور اس نزاع کے بڑے پوائنٹ کے بارے میں درمیانی حل کے لیے رسول اکرم ﷺ اور سہیل بن عمرو کے درمیان اس امر پر اتفاق ہوگیا کہ مسلمان عمرہ کے لیے مکہ میں داخل ہوں گے، لیکن اس سال نہیں بلکہ آئندہ سال، یہ ایک درمیانی حل تھا، قریش نے دیکھا کہ وہ اس کے ذریعے سے اس بھنور سے نکل آئے ہیں جس میں انہوں نے اپنے آپ کو پھنسا دیا تھا، پھر اس کے ساتھ ان کی کچھ آبرو بھی باقی رہ گئی ہے، نیز حضور اکرم ﷺ نے بھی دیکھا کہ آپؐ نے اس حل کے ذریعے ایک قطرہ خون بہائے بغیر مسلمانوں کے لیے فتح عظیم حاصل کرلی ہے اور یہ فتح، معاہدہ صلح کی وہ ضمانت ہے جس سے مسلمانوں کو زیارت بیت اللہ کے لیے مکہ میں داخل ہونے کا قانونی حق ملا ہے اور یہی وہ بات ہے جس کے متعلق قریش معارضہ کرتے رہے اور اس حق کے تسلیم نہ کرنے پر اصرار کرتے رہے اب رہا یہ مسئلہ کہ مسلمانوں کو دخول مکہ کے حق کے لینے سے ایک سال تک پیچھے کردیا گیا ہے پس یہ بات اس فتح کی حقیقت پر اثر انداز نہیں ہوسکتی جسے حضور اکرم ﷺ نے مسلمانوں کے لیے حاصل کیا، یہ تاخیر، قضیہ کی اصلیت پر نظر کرتے ہوئے ایک سطحی امر ہے، مسلمان جس غرض کے لیے آئے تھے وہ صرف بیت اللہ کا طواف تھا اور یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا مکہ میں آئندہ سال داخل ہونے کے لیے حدیبیہ سے واپسی کو قبول کرنا، وہ قیمت ہے جس سے آپؐ نے مسلمانوں کا قانونی حق حاصل کیا یعنی ایک قطرہ خون کے نقصان کے بغیر مکہ میں داخل ہونا۔ اس لیے کہ رسول اکرم ﷺ خون کی حفاظت کرنے اور اس کو ضیاع سے بچانے کے نہایت ہی آرزومند تھے۔ فریقین کے سب سے بڑی مشکل کے حل پر اتفاق سے جو اختلاف اور کشیدگی کا منبع تھی، حدیبیہ میں تاریخی صلح کی تکمیل ہوگئی۔ (۷۹) اس معاہدہ کے طے پانے میں سب سے بڑا محرک بیعت رضوان تھی ورنہ اس سے قبل تو قریش کسی بھی صورت میں حضرت محمدؐ سے مصالحت کرنے کے لیے تیار نہ تھے بلکہ قریش کے جس سفیر نے بھی صلح کی بات کی انہوں نے اس کا مذاق بھی اڑایا اور اس کی توہین بھی کی۔ بیعت رضوان نے قریش کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ سمجھ رہے تھے اور انہوں نے بدر واحد اور جنگ خندق میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا کہ مسلمان وہ لوگ ہیں جو قتل فی سبیل اللہ کو ابدی حیات، جان حزین کی قربانی کو معراج ایمان اور سید الانبیاء کے قدموں میں مرگ ناگہاں کو سعادت عظمیٰ یقین کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر زخمی ہوکر گرتے ہیں تو آہ وفغاں کے بجائے ان کی زبان بے ساختہ پکار اٹھتی ہے:

"فزت و رب الکعبۃ"

"رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوگیا۔"

پھر یہ بیعت بھی آپؐ نے اپنی مرضی سے نہیں لی بلکہ اللہ کے حکم سے لی۔ چنانچہ سیدنا سلمہ ابن اکوعؓ فرماتے ہیں کہ دوپہر کا

وقت تھا ہم آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے تھے کہ نبی اکرم ﷺ کے منادی نے اعلان کیا:

"ایھا الناس البیعۃ، نزل روح القدس"

"لوگو! آؤ بیعت کرو۔ روح القدس نازل ہوئے ہیں۔"

چنانچہ ہم جلدی سے اٹھے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپؐ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ آپؐ اس وقت ایک درخت کے سایہ میں تشریف فرما تھے۔

معاہدہ کی شرائط جب طے ہو گئیں تو آپؐ نے سیدنا علیؓ کو بلایا اور معاہدہ املا کرایا۔ آپؐ نے سب سے پہلے "بسم اللہ الرحیم الرحمٰن" لکھنے کا حکم فرمایا۔ عرب کے قدیم دستور کے مطابق سرنامہ پر "بـاسـمـک اللھم" لکھا کرتے تھے۔ سہیل نے کہا: ہم نہیں جانتے رحمٰن کیا ہے؟ آپ پرانے دستور کے مطابق "باسمک اللھم" لکھیں۔ آپؐ نے سیدنا علیؓ کو فرمایا کہ یہی لکھو۔ (۷۰) اس کے بعد آپؐ نے یہ لکھوایا: "یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد رسول اللہ نے صلح کی۔ سہیل نے اس پر بھی فوراً اعتراض اٹھایا کہ اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول جانتے تو پھر ہم نہ تو آپ کو بیت اللہ سے روکتے اور نہ جنگ کرتے، لہٰذا آپؐ "محمد ابن عبداللہ" املا کرایئے۔ آپؐ نے فرمایا: "خدا کی قسم میں اللہ کا رسول ہوں اگرچہ تم لوگ میری تکذیب کرو۔" چنانچہ آپؐ نے سیدنا علیؓ سے فرمایا کہ "رسول اللہ" کا لفظ کاٹ کر "ابن عبداللہ" لکھ دیں۔ (۷۱) لیکن سیدنا علیؓ نے اس کا مٹانا گوارا نہ کیا۔ آپؐ نے خود اس کو اپنے ہاتھ سے مٹا دیا۔ اس کے بعد پوری دستاویز کی تکمیل ہو چکی تو بنو خزاعہ آپؐ کے عہد و پیمان میں داخل ہو گئے۔ یہ لوگ دراصل خواجہ عبدالمطلب کے زمانے سے بنو ہاشم کے حلیف تھے۔ دوسری طرف بنو بکر قریش کے عہد و پیمان میں داخل ہو گئے عین اس وقت جب صلح کا معاہدہ ہو رہا تھا مسلمانوں کو سخت بے چین کرنے والا ایک واقعہ پیش آیا، قریش کے وکیل جو معاہدہ لکھا رہے تھے یعنی سہیل بن عمرو، اس کے لڑکے ابو جندلؓ (۷۲) جو مسلمان ہونے کے جرم میں قریش کی قید میں تھے (۷۳) اپنی بیڑیاں گھسیٹتے مکہ کی قید سے کسی طرح نکل کر ٹھیک اس وقت جب معاہدہ لکھا جا رہا تھا اسی جگہ پہنچ گئے، ان کے پیروں میں نہ صرف بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں بلکہ جسم پر مار کے نشان بھی تھے انہوں نے یہاں پہنچ کر اپنے آپ کو مسلمانوں کے درمیان ڈال دیا اور آنحضرت ﷺ سے فریاد کی کہ مجھے ان کے ظلم سے نجات دلائی جائے، اس پر آنحضرتؐ نے سہیل سے کہا "اسے مجھے دے دو، مگر اس نے نہیں سنا اور کہا کہ یہ پہلا شخص ہے جو عہد نامہ کے مطابق واپس ہونا چاہیے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ ابھی تو نوشتہ صلح پورا لکھا بھی نہیں گیا یعنی لکھے جانے اور پھر فریقین کے اس پر دستخط ہو جانے کے بعد اس پر عمل شروع ہونا چاہیے، تاہم سہیل نے اس بات سے اتفاق نہیں کیا اور کہا کہ صلح نامہ اگرچہ ابھی مکمل نہیں ہوا ہے، ابھی لکھا جا رہا ہے لیکن ہمارے اور آپؐ کے درمیان باتیں طے ہو چکی ہیں۔ پھر بھی رسول اللہؐ نے سہیل سے کہا کہ اچھا تو تم اس کو میری خاطر یہاں چھوڑ دو، لیکن وہ نہ مانا۔ (۷۴) اور زور سے کہا کہ میرا لڑکا میرے حوالہ کیا جائے مکرز نے بھی سہیل سے کہا کہ ابو جندلؓ کو محمد کے حوالے کر دیا جائے، لیکن اس نے اس کی بات بھی نہیں سنی۔ (۷۵) سہیل کا ایک ہی جواب تھا کہ پھر میں کسی بات پر صلح کا کوئی معاملہ ہی نہ کروں گا۔ اس کے بعد سہیل نے ابو جندلؓ کے چہرے پر ایک زوردار تھپڑ مارا اور ان کے کرتے کا گلا پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹا۔ ابو جندلؓ زور زور سے چلا کر کہنے لگے، کیا میں مشرکین کی طرف واپس کیا جاؤں گا کہ وہ

میرے دین کے متعلق مجھے فتنے میں ڈالیں؟(۷۶) آپ ؑ نے انہیں صبر کی تلقین فرمائی (۷۷) بالآخر حویطب نے اس کا ذمہ لیا کہ اب ان کو کوئی اذیت نہ دی جائے گی۔(۷۸) آپ ؑ نے ابو جندلؓ سے فرمایا کہ ہم میں اور ان میں بات چیت مکمل ہو گئی ہے۔ اللہ تمہاری اذیت کو دور کر دے گا اور جلد ہی اخلاص کی کوئی صورت پیدا ہوگی۔(۷۹) بہت جلد اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اور تمہارے جیسے دوسرے کمزور مسلمانوں کے لیے کشادگی و پناہ کی کوئی جگہ بنا دے گا۔(۸۰) اور کشائش کے لیے کوئی سبیل نکال دے گا۔(۸۱) میری اطاعت میں تم ان کے ساتھ جاؤ اس میں نفع ہی نفع ہے۔ مورخین نے بیان کیا ہے کہ اس کے بعد حضرت عمر بن الخطابؓ شدید انفعالی حالت میں ابو جندلؓ کی طرف گئے اور ان کا باپ انہیں دھکے مار رہا تھا۔ آپؓ نے کہا ابو جندل صبر کرو، یہ مشرک لوگ ہیں ان میں ہر ایک کا خون کتے کے خون کی طرح ہے تو بھی ایک جوان ہے اور وہ بھی ایک جوان ہے اور تیرے پاس تلوار بھی ہے حضرت عمرؓ فرماتے ہیں مجھے امید تھی کہ وہ تلوار پکڑ کر اپنے باپ کو مارے گا مگر اس نے اپنے کے بارے میں بخل سے کام لیا تو حضرت عمرؓ نے کہا اے ابو جندلؓ اللہ کے معاملے میں آدمی اپنے باپ کو بھی قتل کر دیتا ہے۔ خدا کی قسم اگر ہم اپنے آباء کو پاتے تو ہم انہیں اللہ کے معاملے میں قتل کر دیتے۔(۸۲) پس آدمی کے بدلے آدمی ہے، ابن ہشام کا بیان ہے کہ ابو جندلؓ نے حضرت عمرؓ کے پاس آ کر کہا آپؓ کو کیا ہو گیا ہے آپؓ اسے کیوں قتل نہیں کرتے تو حضرت عمرؓ نے جواب دیا مجھے رسول اکرم ﷺ نے اسے اور دوسرے کسی آدمی کو قتل کرنے سے منع کیا ہے حضرت عمرؓ کہتے ہیں مجھے ابو جندلؓ نے کہا، آپؓ مجھ سے رسول کی اطاعت کے زیادہ حق دار نہیں۔(۸۳) آخر کار رسول اللہ ﷺ نے ابو جندلؓ کو سہیل کے حوالے کر دیا۔

صحابہ کرامؓ کو ابو جندلؓ کی واپسی بہت شاق گزری۔ انہیں معاہدہ کی شرائط کے تحت واپس کیا گیا تھا، لہٰذا اس معاہدہ کی شرائط بھی وہ اپنے لیے ذلت سمجھتے تھے چنانچہ صلح کے اس معاہدہ پر اتفاق کے بعد اور اس کی دستاویزات کے اندراج سے قبل مسلمانوں کے درمیان شدید معارضہ پیدا ہو گیا، خصوصاً ان شرائط پر جن کی رو سے حضور اکرم ﷺ پر ان مسلمانوں کو واپس کرنا لازم تھا جو پناہ لینے کے لیے آئیں اور قریش پر ان مسلمانوں کی واپسی کی پابندی نہ تھی جو مرتد ہو کر آئیں نیز اول شرط جس کا فیصلہ یہ تھا کہ مسلمان اس سال مکہ میں داخل ہوئے بغیر حدیبیہ سے مدینہ کی طرف واپس چلے جائیں اس معاہدے پر سب سے زیادہ شدید تنقید و معارضہ کرنے والے حضرت عمر بن الخطابؓ اوس کے سردار اسید بن حضیر اور خزرج کے سردار سعید بن عبادہ تھے۔ کیوں کہ ان کے نزدیک شرائط صلح کا مضمون غیرت ایمانی کے سراسر خلاف تھا۔ چنانچہ مورخین کا بیان ہے کہ سیدنا عمرؓ سے ضبط نہ ہو سکا، ابھی معاہدہ پر اتفاق کے بعد تحریر کے اقدامات ہو ہی رہے تھے کہ حضرت عمرؓ ابن الخطاب اس معاہدہ کے متعلق اعلانیہ معارضہ کرتے ہوئے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں آئے۔(۸۴) وہ سخت کرب و انفعال کی حالت میں تھے اور حدیبیہ میں موجود جمہور مسلمانوں کو اس معارضہ میں شامل کر رہے تھے۔ انہوں نے رسول اکرم ﷺ سے معارضہ کرتے ہوئے کہا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ ؑ اللہ کے رسول نہیں؟ آپ ؑ نے فرمایا بے شک، میں اللہ کا رسول ہوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا، کیا ہم مسلمان نہیں؟ آپ ؑ نے فرمایا بے شک، ہم مسلمان ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا، کیا وہ مشرک نہیں؟ آپ ؑ نے فرمایا ہاں وہ مشرک ہیں۔ تو حضرت عمرؓ نے کہا پھر ہم اپنے دین میں اس ذلت کو کیوں قبول کریں۔(۸۵) اس پر رسول اکرم ﷺ نے حضرت عمرؓ کے مطالبات کا جواب دیتے

ہوئے فرمایا (جس میں نبی کا یقین، سردار کا علم اور لیڈر کی حکمت شامل تھی) "میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، میں ہرگز اس کے حکم کے خلاف نہیں کروں گا اور وہ مجھے ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ (۸۶) اور وہ میرا معین و مددگار ہے۔"

محمد احمد باشمیل اپنی کتاب "صلح حدیبیہ" میں رقمطراز ہیں کہ حضرت ابن خطاب کا اس معاہدہ پر ناراضگی اور معارضہ اس وجہ سے تھا کہ اس میں ان کے اعتقاد کی قوت کو نقصان پہنچایا گیا تھا رسول اکرم ﷺ نے ان کے مطالبات کا جو جواب دیا اس نے انہیں موقع نہ دیا کہ وہ آپ کی بات کو سمجھ سکیں، پس حضرت عمرؓ انفعالی کیفیت ہی میں حضرت ابوبکرؓ کے پاس گئے اور ان کے پاس احتجاج کرتے ہوئے انہیں بتایا کہ معاہدہ مسلمانوں کی ذلت پر مشتمل ہے اور کہا اے ابوبکرؓ! کیا وہ اللہ کے رسول نہیں؟ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا بے شک، وہ اللہ کے رسول ہیں، پھر ہم مسلمان نہیں؟ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا بے شک، ہم مسلمان ہیں، پھر کہا کیا وہ مشرک نہیں؟ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا بے شک، وہ مشرک ہیں، تو پھر ابن خطاب نے کہا پھر ہم اپنے دین میں ذلت کیوں قبول کریں؟ تو حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کو احتجاج اور معارضہ ترک کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے کہا، اس کے فرماں بردار رہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور جو انہیں حکم دیا گیا ہے وہی حق ہے اور ہم امر الٰہی کی ہرگز مخالفت نہیں کریں گے اور انہیں بھی اللہ تعالیٰ ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔" (۸۷)

سیدنا عمرؓ کا بیان ہے کہ میں بعد میں اپنی اس گستاخی پر سخت نادم ہوا اور اس کے کفارہ میں بہت نمازیں پڑھیں، روزے رکھے، بہت سے غلام آزاد کیے اور بہت سا صدقہ و خیرات کیا۔ (۸۸)

اس صلح کی قریشی شرائط سے اکیلے حضرت عمرؓ ہی کرب میں مبتلا نہ تھے بلکہ اکثر صحابہؓ ان شرائط سے دکھ محسوس کر رہے تھے اور ان پر اتفاق کرنے سے خوش نہ تھے، لیکن ان میں سے ہر کوئی حضرت عمرؓ کی طرح جرأت مندانہ طور پر اظہار خیال کرنے والا نہ تھا، صحابہؓ اس صلح کو ناپسند کرتے تھے اور درد و غم کے احساس میں حضرت عمرؓ کے شریک تھے، انہوں نے رسول اکرم ﷺ کی طرح، اس صلح کے دور رس نتائج کا ادراک نہ کیا تھا، رسول کریم ﷺ نے جو رویا مدینے میں دیکھی تھی کہ وہ عنقریب مکہ میں داخل ہوں گے اور کعبہ کی کلید لیں گے اس کے مطابق صحابہ کرامؓ کو مکہ میں داخل ہونے کے بارے میں کوئی شبہ نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ جب قریش اور رسول اکرم ﷺ کے درمیان اس اساس پر صلح ہوئی کہ مسلمان مکہ میں داخل ہوئے بغیر واپس چلے جائیں تو انہیں اس بات سے شدید صدمہ ہوا، قریب تھا کہ وہ اس شدید نفسیاتی صدمہ سے ہلاک ہو جاتے انہوں نے اس بارے میں اپنے خلجان کے متعلق رسول کریم ﷺ سے گفتگو کی اور آپؐ کے سامنے کئی سوال پیش کیے، لیکن جس انداز میں حضرت عمرؓ نے اظہار کیا تھا وہ سخت اسلوب اختیار نہ کیا۔ حضرت ابوسعید خدریؓ اس صلح کے متعلق صحابہؓ کے درد و غم اور ناپسندگی کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "اصحاب رسولؐ اس صلح کو ناپسند کرتے تھے، کیوں کہ وہ فتح کے بارے میں یقین رکھتے تھے کیوں کہ رسول کریمؐ نے رؤیا میں دیکھا تھا کہ آپؐ نے اپنا سر منڈا دیا ہے اور آپؐ بیت اللہ میں داخل ہوئے ہیں اور کعبہ کی کلید لی ہے اور عرفہ جانے والوں کے ساتھ عرفہ گئے ہیں مگر جب انہوں نے صلح ہوتے دیکھی تو اس قدر صدمہ ہوا جس سے وہ ہلاکت کے قریب پہنچ گئے، حضرت عمرؓ اور آپؐ کے ساتھ دیگر اصحاب النبیؐ نے عرض کیا آپؐ نے ہمیں نہیں بتایا تھا کہ عنقریب مسجد الحرام میں داخل ہوں گے اور کعبہ کی

کلید لیں گے اور عرفات جانے والوں کے ساتھ عرفات جائیں گے؟ اور صورت حال یہ ہے کہ نہ ہماری قربانیاں بیت اللہ تک پہنچی ہیں اور نہ ہم وہاں پہنچے ہیں، اس پر رسول کریم ﷺ نے فرمایا کیا میں نے تمہیں یہ کہا تھا کہ یہ سب کچھ تمہارے اس سفر میں ہوگا؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا نہیں! آپؐ نے فرمایا تم ضرور بیت اللہ میں داخل ہو گے اور میں کعبہ کی کلید لوں گا اور وادی مکہ میں اپنے اور تمہارے سروں کو منڈواؤں گا۔" (۸۹)

آپ کا یہ جواب صرف وقتی تسلی و تشفی کے لیے یا داجبی نہ تھا بلکہ بعد میں ہونے والے واقعات اور تاریخ نے بھی یہ ثابت کردیا کہ اللہ کے رسولؐ اور اس کے بندے نے جس دوراندیشی سے بازی کو پلٹ دیا وہ بلاشبہ سیاست نبوی کا بہت بڑا اعجاز ہے۔ (۹۰)

الغرض یہ معاہدہ مکمل ہوگیا اور گواہان اور فریقین کے دستخط ہوگئے۔ مسلمانوں کی طرف سے سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا علیؓ کاتب عہد نامہ، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ، سیدنا سعد ابی وقاصؓ، سیدنا ابوعبیدہ بن الجراحؓ اور سیدنا محمد بن مسلمہ انصاریؓ، نے بطور گواہان دستخط کیے جب کہ مشرکین کی طرف سے بھی کئی لوگوں نے دستخط کیے جن میں حویطب بن عبدالعزیٰ اور مکرز بن حفص کے نام کتابوں میں درج ہیں۔ صلح نامہ کی ایک کاپی آپؐ کے پاس رہی اور دوسری کاپی سہیل بن عمرو کے پاس رہی۔ (۹۱)

معاہدہ کی تکمیل کے بعد آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو قربانی کرنے اور سر منڈانے کے لیے فرمایا، لیکن صحابہ کرامؓ ان شرائط صلح سے اس قدر شکستہ خاطر تھے کہ رسول اللہؐ کے تین بار فرمانے کے بعد بھی کوئی مسلمان نہ اٹھا۔ آپؐ نے صحابہؓ کی اس کیفیت کو دیکھا تو ام سلمہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور صحابہؓ کے اس پیش آمدہ طرز عمل کا ذکر کیا۔ ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ نے کہا، "یارسول اللہ! یہ صلح مسلمانوں پر بہت شاق گزری ہے جس کی وجہ سے وہ افسردہ اور شکستہ خاطر ہیں، اس لیے تعمیل ارشاد نہیں کر سکے۔ آپؐ باہر ان کے پاس تشریف لے جائیں اور کسی کو کچھ کہے بغیر چپ چاپ اپنا جانور ذبح فرما دیجیے اور اپنے حجام کو بلا کر سر منڈا لیجیے۔ یہ خود بخود آپ کی اتباع کریں گے۔"

چنانچہ رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اور کسی سے کچھ کہے بغیر اپنی قربانی کا جانور ذبح کردیا اور حجام کو بلا کر سر منڈا لیا۔ جب صحابہؓ نے حضور اکرمؐ کو ایسے کرتے دیکھا تو فوراً اٹھ کر اپنے اپنے جانور ذبح کردیے اور اس کے بعد باہم ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے۔ روایت میں ہے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فرط غم کے باعث ایک دوسرے کو قتل کردیں گے۔

اس موقع پر اونٹ اور گائے سات سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کیے گئے۔ آپؐ نے وہ اونٹ ذبح کیا جو کسی زمانے میں ابوجہل کے پاس تھا۔ اس کی ناک میں چاندی کا ایک حلقہ تھا۔ شاید اس سے مشرکین کو جلانا مقصود تھا۔ پھر آپؐ نے سر منڈانے والوں کے لیے تین بار مغفرت کی دعا کی اور قصر کرانے والوں کے لیے ایک بار۔ اس روز آپؐ کے حجام خراش بن امیہ بن فضل خزاعیؓ تھے۔ (۹۲)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حدیبیہ کا کچھ حصہ حل میں ہے اور حرم میں۔ امام احمد بن حنبل کا بیان ہے کہ آپ کا قیام تو حل میں تھا لیکن نمازیں آپؐ حدود حرم میں آ کر پڑھتے تھے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ ایک لاکھ نمازوں کا ثواب مسجد حرام کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ حدود حرم میں جہاں بھی نماز ادا کی جائے ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملے گا۔ (۹۳)

حدیبیہ میں دو ہفتے قیام کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ واپس مدینہ تشریف لے گئے، حضور اکرم ﷺ اور مسلمان جب واپس ہو رہے تھے تو صحابہؓ کی کبیدگی خاطر کا کوئی اندازہ نہیں کیا جاسکتا تھا جب مکہ سے پچیس میل کے فاصلے پر مسلمان پہنچے تو وہاں اکراع الغمیم کے مقام پر سورۃ الفتح نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح مبین کی خوشخبری سنائی:

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ آمِنِيْنَ (۹۴)

"تحقیق اللہ نے اپنے رسول کا خواب سچ کر دکھایا کہ البتہ تم مسجد حرام میں داخل ہوگے اگر اللہ نے امن کے ساتھ چاہا۔"

آپ ؐ نے صحابہ کرامؓ کو اکٹھا کر کے سورۂ فتح "انا فتحنا لک فتحا مبینا" (۹۵) سنائی، ابن سعد نے بروایت مجاہد ان الفاظ خداوندی کو "إنا قضينا لك قضاءً مبيناً" (۹۶) کے مترادف قرار دے کر بجا طور پر مدعا کو واضح کر دیا ہے۔ یعنی ہم نے آپ ؐ کے لیے کھلا ہوا فیصلہ کر دیا اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اس میں قریش کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا اور یہ فیصلہ ہو گیا کہ پرچم فتح اب صرف مسلمانوں کے ہاتھوں میں رہے گا۔ (۹۷)

اسی لیے آنحضرت ؐ نے فرمایا دنیا و مافیہا سے کہیں زیادہ قیمتی دولت اللہ نے مجھ کو عطا فرمائی ہے اور سب مسلمانوں کے وکیل خصوصاً حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے بشارت سنائی۔ (۹۸) صحابہ کرامؓ اس صلح کو اپنی شکست سمجھے ہوئے تھے اس لیے افسردہ دل اور شکستہ خاطر تھے لہٰذا صحابہ کرامؓ نے ازراہ تعجب آپ ؐ سے دریافت کیا، کیا یہ فتح مبین ہے؟ آپ ؐ نے فرمایا "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ بے شک یہ عظیم الشان فتح ہے۔" (۹۹) اس کے بعد مسلمان ایمانی طور پر مطمئن ہو گئے لیکن دل کی کلیاں بعد کے آنے والے واقعات سے کھلتی چلی گئیں۔ (۱۰۰) براء بن عازب کا یہ قول کتنی تاریخی صداقت کا حامل ہے کہ جس کو لوگ فتح مکہ کہتے ہیں ہم تو اسے یوم الحدیبیہ (بیعت الرضوان) کہتے ہیں۔ (۱۰۱) (کیوں کہ یہی باعث فتح مکہ ہے) اور پھر ایسا ہی ہوا کہ مسلمان مسلسل پیش قدمی کرتے رہے اور ریاست نبویؐ کے حدود میں بھی انتہائی تیز رفتاری سے اضافہ ہوتا چلا گیا یہ کس طرح عظیم الشان فتح تھی ذیل کے امور پر غور کرنے سے یہ بشارت واضح ہو جاتی ہے بادی النظر میں یہ واقعات بہت زیادہ اہم نہیں معلوم ہوتے، لیکن فی الحقیقت اس صلح کے انتہے گہرے مذہبی، سیاسی، عسکری اور تہذیبی و تمدنی اثرات رونما ہوئے جس نے اسے آئندہ کی تاریخ میں ایک لازوال مقام عطا کیا۔ (۱۰۲) بظاہر یہ معاہدہ دشمن کے سامنے جھک جانا تھا جیسا کہ صحابہ کرامؓ نے سمجھا اور اسی وجہ سے وہ شکستہ خاطر اور مغموم تھے، لیکن فراست نبویؐ جو کچھ محسوس کر رہی تھی اور رسالت کی دوررس نگاہیں جو کچھ دیکھ رہی تھیں وہ سوائے فتح مبین کے اور کچھ نہیں تھا۔ (۱۰۳) لہٰذا:

صلح حدیبیہ کے ہمہ گیر اور دُوررس اثرات:

۱۔ اب تک قریش اور عرب حضور اکرم ﷺ اور مسلمانوں کو سابقہ دین اور ملک و ملت کے خلاف فتنہ انگیز اور بلاوجہ فساد مچانے والی جماعت سمجھتے تھے، لیکن اس معاہدے میں آنحضرت ؐ اور مسلمانوں کا وقار باقاعدہ طور پر تسلیم کر لیا گیا تھا نیز سیاست کی زبان میں معاہدہ کا مطلب اسلامی سلطنت اور اس کے قبضہ میں آئی ہوئی زمین پر ان کا اقتدار مان لینے کے مترادف تھا۔ دوسری

طرف اس کے یہ معنی بھی ہوتے ہیں کہ اسلامی جماعت اور اس کے سربراہ دنیا کی جس طاقت سے چاہیں، معاہدہ کر سکتے ہیں۔(۱۰۴) چنانچہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے ایک جگہ لکھا ہے کہ:(۱۰۵) "صلح نامہ حدیبیہ کا ایک اصولی اور بنیادی نتیجہ یہ نکلا کہ اس میں پہلی مرتبہ اسلامی ریاست کا وجود باقاعدہ تسلیم کیا گیا۔ اس سے پہلے تک عربوں کی نگاہ میں حضور اکرم ﷺ کی حیثیت محض قریش اور قبائل عرب کے خلاف خروج کرنے والا ایک گروہ کی تھی اور وہ آپ کو برادری باہر (OUT LAW) سمجھتے تھے۔(۱۰۶) اب خود قریش ہی نے آپ سے معاہدہ کر کے سلطنت اسلامی کے مقبوضات پر آپ کا اقتدار مان لیا اور قبائل عرب کے لیے یہ دروازہ بھی کھول دیا کہ ان دونوں سیاسی طاقتوں میں سے جس کے ساتھ چاہیں حلیفانہ معاہدات کر لیں۔"(۱۰۷)

قریش مکہ جزیرۃ العرب کے کسی عرب قبیلہ کو خاطر میں نہیں لاتے تھے لہٰذا حدیبیہ کے مقام پر مسلمانوں سے صلح کر لینا ان کی سیاسی شکست بھی تھی یہ صلح اس امر کی عکاسی کرتی ہے کہ اب قریش کی طاقت روز بروز کم ہونا شروع ہوئی۔

۲۔ قریش کا یہ سراسر ظلم تھا کہ چھ سال سے مسلمانوں کو بیت اللہ کی زیارت سے محروم رکھتے چلے آ رہے تھے۔ اب انہوں نے مسلمانوں کو بھی ملت ابراہیمی کا پیرو مان لیا اور یہ تسلیم کر لیا کہ جس طرح دنیا کے تمام اہل مذاہب کو بیت اللہ کی زیارت کا حق ہے، اسی طرح مسلمانوں کو بھی اس کا حق ہے کہ بیت اللہ کا طواف کریں، حج و عمرہ بجا لائیں۔ قریش کی طرف سے مسلمانوں کا یہ حق مان لینے کی وجہ سے، دوسرے قبیلوں کو بھی مسلمانوں سے جو نفرت، ان کے بے دین ہونے کی وجہ سے تھی، وہ ختم ہو گئی، جس کے نتیجے میں قریش اور سب قبیلوں کی نظر میں وہ ایک دین رکھنے والی جماعت قرار پائی۔(۱۰۸)

۳۔ یہ معاہدہ دراصل اپنے آپ کو مضبوط و مستحکم بنانے کے لیے وقفہ حاصل کرنا تھا۔ کیوں کہ سب سے بڑا اور بنیادی فائدہ جو حضور اکرم ﷺ کے پیش نظر تھا، وہ جنگ بندی اور مختلف قبائل کے درمیان باہمی میل جول اور آمد و رفت کی آزادی کا تھا۔ اسی وجہ سے رسول اللہ نے قریش کے تمام مطالبات تسلیم کر کے ان سے صرف ایک یقین دہانی لے لی وہ یہ کہ قریش اور مسلمانوں کے درمیان دس سال تک کوئی لڑائی نہ ہوگی۔ اب تک یہ تھا کہ مسلسل حالت جنگ کی وجہ سے دعوت و تبلیغ کا کام مکمل طور پر رکا ہوا تھا، لیکن صلح کے بعد مسلمان اس قابل ہو گئے کہ آزادی کے ساتھ ہر جگہ جا کر اپنا دین دوسروں کو سمجھائیں اور دعوت کا فرض انجام دیں، اسی طرح دوسرے قبیلوں کے لوگ بھی آزادی کے ساتھ مسلمانوں کے پاس آ کر دین کی تعلیم حاصل کر سکتے تھے۔(۱۰۹الف) چنانچہ جونہی آپ حدیبیہ سے لوٹے فوراً دعوت و تبلیغ کا کام عرب اور اطراف عرب میں تیزی سے شروع کر دیا۔ ابتدائی زمین پہلے سے تیار ہو چکی تھی۔ اب صرف تخم ریزی کی ضرورت تھی۔ پر امن حالات نے جو موقع دیا اس میں دعوت کا کام تیزی سے پھیلنے لگا۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگ اسلام کے حلقہ میں آنے شروع ہو گئے۔ عرب قبائل ایک کے بعد ایک اسلام میں داخل ہونے لگے، فریقین کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ خاندانی اور تجارتی تعلقات اور ربط کی وجہ سے مشرکین مدینہ میں آتے اور کئی کئی روز تک قیام کرتے، مسلمانوں سے ملتے جلتے اور مسلمانوں کے اخلاق، اخلاص اور نیکوکاری سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے اور اس وجہ سے ان کے دل اسلام کی طرف کھنچے آتے تھے۔ چنانچہ اس عرصہ میں کئی صنادید قریش اسلام میں داخل ہوئے جو اس سے قبل لڑائیوں سے داخل نہ ہو سکے تھے(۱۰۹ب)۔ مختصر یہ کہ اس صلح نے مشرکین مکہ اور دوسرے قبائل پر گہرے

اثرات چھوڑے اور وہ نہایت تیزی کے ساتھ اسلام میں داخل ہونا شروع ہو گئے۔ عرب کے باہر دوسرے ملکوں میں بھی اسلام کی دعوت پھیلائی جانے لگی۔ کفارِ مکہ کی طرف سے مامون ہو کر آپ ﷺ نے مختلف ملکوں کے بادشاہوں کو خطوط کے ذریعے اسلام کی دعوت دی۔ قرآن حکیم نے بھی یہ واضح کیا ہے کہ "عصمت من الناس" کا راز دعوت میں چھپا ہوا ہے۔(۱۱۰) چنانچہ فرمایا:

"یَا أَیُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَیْکَ مِنْ رَبِّکَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللّٰهُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ."(۱۱۱)

"اے رسول! جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ ﷺ کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے اس کو لوگوں تک پہنچا دو، اگر آپ ﷺ نے ایسا نہ کیا تو آپ ﷺ نے اپنا حق رسالت ادا نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ و مامون رکھے گا۔"

یہی وجہ تھی کہ نبی کریم ﷺ نے ہر ممکن قیمت دے کر جنگ و جدال کا ماحول ختم کیا اور پر امن حالات میں دعوتی عمل جاری کیا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ صلح حدیبیہ سے قبل انیس سال میں اتنے مسلمان نہ ہوئے تھے جتنے کہ حدیبیہ سے فتح مکہ تک صرف دو سال میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے اور مسلمانوں کی تعداد چار گنا سے بھی زیادہ ہو گئی۔ دعوتی سرگرمیوں کے ساتھ داخلی استحکام اور تیاری کا کام بہت بڑے پیمانے پر ہونے لگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صلح کے صرف دو سال بعد اسلام اتنا طاقتور ہو گیا کہ قریش نے لڑے بھڑے بغیر ہتھیار ڈال دیے۔ جس مکہ سے توہین آمیز پالیسی پر اپنے کو راضی کر لیا گیا تھا اسی مکہ میں اس واپسی سے فاتحانہ داخلہ کا راستہ نکل آیا۔ کہاں حدیبیہ میں چودہ سو مسلمانوں نے آنحضرت ﷺ کی رفاقت کا شرف حاصل کیا اور کہاں فتح میں دس ہزار آپ ﷺ کے ہمراہ تشریف لائے اور اس کے ایک سال بعد حجۃ الوداع میں ایک لاکھ چوبیس ہزار کی جماعت مکہ کی زیارت کے لیے پہنچی۔ چشم فلک نے اس سے پہلے اتنی بڑی جماعت کو حج کرتے کہاں دیکھا تھا اور پھر یہ کہ پورے ادب و احترام کے ساتھ۔ یہ اسی آزادی کی برکت تھی، جو حدیبیہ میں دلوں پر پتھر رکھ کر مسلمانوں نے حاصل کی تھی۔ اسی وجہ سے معاہدہ صلح کو فتح مبین قرار دیا گیا تھا۔ آنحضرت ﷺ کی اس شفقت نبوی کا اندازہ کیجیے کہ مسلمان جب صلح کی شرائط کو اپنے وقار کے منافی سمجھ کر غم و غصہ کا اظہار کر رہے تھے، تو آنحضرت کی پیشانی پر شکن تک نہ آئی اور کسی کو برائے نام بھی نہیں ڈانٹا، بلکہ اشارے سے فرماتے ہیں کہ تمہارے ایمان کے معنی یہ ہیں کہ مجھ پر کامل اعتماد کرو، چنانچہ اب عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم کا کھلا نظارہ آنحضرت ﷺ نے کرایا۔

۳۔ قریش نے چونکہ جنگ بندی تسلیم کر لی تھی، اس وجہ سے آنحضرت کو اس کا موقع مل گیا کہ جہاں جہاں مسلمان ہیں، وہاں وہاں اسلامی قانون نافذ کریں۔ اسلامی تہذیب، اسلامی تمدن کا رنگ سب مسلمانوں پر چڑھ جائیں۔ یہی وہ بڑی نعمت ہے جس کا ذکر ذیل کی آیت میں کیا گیا ہے:

"الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا"(۱۱۲)

"آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور میں تمہارے لیے اسلام سے راضی ہو گیا۔"

صلح حدیبیہ کی بدولت اسلام عرب سے ہوتا ہوا تمام عالم میں پھیلتا چلا گیا۔ اس میں سب سے زیادہ ناگوار شرط یہ تھی کہ جو مسلمان ہو کر مکہ سے مدینہ آئے گا وہ مکہ والوں کے مطالبہ پر ان کے حوالے کر دیا جائے گا۔(۱۱۳) یہ شق بھی مسلمانوں کے لیے

نقصان دہ نہ ہوئی بلکہ بہت مفید ثابت ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ کو اس شق سے اس لیے کوئی تشویش لاحق نہیں ہوئی کہ آپؐ کے پاس سے قریش کی طرف جانے کی کوشش صرف وہی شخص کر سکتا تھا جسے اسلام ناپسند ہو ورنہ ایک مسلمان جیتے جی یہ گوارا نہ کر سکتا تھا۔(۱۱۴) لہٰذا کسی مسلمان کا مدینہ منورہ سے مسلمان رہتے ہوئے بھاگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کیوں کہ مدینہ تو اس کا مرکز ایمان ہے اور مومن ہوتے ہوئے کوئی شخص بھی مرکز ایمان سے بھاگنے کی کبھی سوچ بھی نہیں، وہ صرف مرتد ہو کر بھاگے گا اور اگر وہ مرتد ہو جائے تو مسلمان معاشرہ کو اس کی قطعاً ضرورت نہیں۔ چنانچہ اسی وجہ سے رسول اللہؐ نے فرمایا تھا:

"اللہ من ذھب منا الیھم فابعدہ اللہ"

"بے شک جو ہمیں چھوڑ کر مشرکین کی طرف بھاگا اللہ نے اسے دور کر دیا یعنی تباہ و برباد کر دیا۔"(۱۱۵)

اور جو لوگ مسلمان ہوتے وقت مکہ میں کفار کی ایذائیں سہہ رہے تھے جیسے ابو جندلؓ وغیرہ تو اگر چہ ان کے لیے اس معاہدہ کی رو سے مدینہ میں پناہ گزین ہونے کی کوئی گنجائش نہ تھی، لیکن اللہ کی زمین تو ان کے لیے کشادہ تھی۔ وہ اور کہیں جا کر پناہ حاصل کر سکتے تھے اور مسلمان جہاں بھی جائے گا اپنے ایمان کے نور کو ضرور پھیلائے گا چنانچہ اس بات کو حضور اکرم ﷺ نے ان الفاظ میں واضح فرمایا:

"ان کا جو آدمی ہمارے پاس آئے گا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے ضرور کوئی نہ کوئی کشادگی اور مخرج نکال دے گا۔"(۱۱۶)

چنانچہ ہوا بھی یہی کہ ابو جندلؓ کے واقعے کے چند ہی دن بعد ابو بصیر (۱۱۷) (عتبہ بن اسید) مسلمان ہو کر مدینہ آئے، ان کے رشتہ دار ازہر بن عوف زہری اور اخنس بن شریق ثقفی ان کے پیچھے پیچھے انہیں لینے آئے جس میں ایک آدمی بنو عامر بن لوی کا آزاد کردہ غلام تھا اور عہد نامہ آپ کو یاد دلایا یہ مطالبہ عہد نامے کے بالکل مطابق تھا۔ آپؐ نے ابو بصیر سے کہا کہ معاہدے کی خلاف ورزی نہیں ہو سکتی، تم ان کے ساتھ واپس جاؤ۔(۱۱۸) ابو بصیرؓ نے ابو جندلؓ کی طرح آپؐ کے حضور میں واپس جانے پر آہ وزاری کی کہ آپؐ مجھے ان مشرکین کی طرف واپس کر رہے ہیں جو مجھ کو میرے دین اسلام سے پھیرنا چاہتے ہیں اور طرح طرح سے مجھ کو ایذائیں دیتے ہیں۔ آپؐ نے ابو بصیرؓ کو تسلی دی اور صبر کی تلقین فرمائی اور یہ بھی فرمایا "امید رکھو عنقریب اللہ تعالیٰ تمہاری کشادگی اور نجات کی صورت پیدا فرما دے گا۔"(۱۱۹) آپؐ نے اپنی بصیرت سے اس کا اندازہ لگا لیا تھا کہ جو لینے آئے ہیں وہ ان کے لے جانے پر قادر نہ ہوں گے۔ آپؐ نے ابو بصیرؓ کو ان کے حوالے کر کے عہد نامے کی شرط پوری کر دی۔(۱۲۰) ابو بصیرؓ بادل نخواستہ ان دونوں آدمیوں کے ساتھ واپس ہو لیے جب مدینہ سے چند میل دور ذوالحلیفہ پہنچے اور پڑاؤ ڈالا جو کھجوریں ان کے پاس تھیں وہ کھانے لگے تو ابو بصیرؓ نے ان میں سے ایک شخص سے کہا کہ اے فلاں! میں دیکھتا ہوں کہ تمہاری یہ تلوار کیسی عمدہ ہے؟ اس نے تلوار کو نیام سے نکال کر کہا، "ہاں ہاں، واللہ واقعی بہت عمدہ ہے میں نے بار ہا اس کو آزمایا ہے۔" ابو بصیرؓ نے کہا، "ذرا مجھے دکھلاؤ تو، میں بھی تو دیکھوں کیسی ہے؟" اس احمق نے ابو بصیرؓ کو تلوار دے دی۔ اس طرح بڑے پر لطف طریقے سے انہوں نے تلوار حاصل کرتے ہی فوراً ایک ایسا بھرپور وار کیا کہ وہ ڈھیر ہو گیا۔ دوسرا شخص جو غلام تھا بھاگ کر فوراً مدینہ آیا اور دوڑتا ہوا مسجد نبویؐ میں گھس گیا اور ہانپتا کانپتا حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی "خدا کی قسم! میرا ساتھی قتل کر دیا گیا اور

میں بھی قتل کردیا جانے والا ہوں۔" پیچھے پیچھے ابو بصیرؓ بھی آپہنچے اور عرض کیا کہ آپؐ نے اپنا عہد وفا کردیا اور میرے لیے آپ کی دعائے مقبول سے ان کے ظلم سے بچنے کی صورت نکل آئی۔ یہ سن کر آپؐ نے فرمایا "ویل لامہ مسعر حرب لو کان لہ احد" (۱۲۱) "یہ تو آگ لگانے والا آدمی ہے، اس کو ضرورت صرف ایک ساتھی کی ہے۔" آپؐ نے اپنی اس فکر کا اظہار کیا کہ میں تو دعوت عام کی غرض سے باہمی جنگ کو ختم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اگر جنگ پھر چھڑ گئی تو میری سب کوشش اکارت جائے گی۔

ابو بصیرؓ نے اس کا اندازہ لگایا کہ اب جو مکہ سے مجھے گرفتار کرنے کی غرض سے آئیں گے وہ پورے انتظام کے ساتھ آئیں گے، اس لیے میرا مدینہ رہنا مصلحت کے خلاف ہے، چنانچہ وہ مدینہ طیبہ سے نکل کر ساحل سمندر (عیص) پر آکر قیام پذیر ہوگئے (۱۲۲) اور اس شاہراہ پر مقیم ہوئے جہاں سے قریش کے کاروان تجارت شام کو آتے جاتے تھے۔ دوسری جانب جب وہ غلام مکہ پہنچا تو اس نے مکہ والوں کو پورا واقعہ سنایا اس طرح جو مسلمان قریش کی قید میں تھے ان کو خبر ہوگئی چنانچہ مکہ کے یہ بے بس مسلمان راتوں کی تاریکی میں چھپ چھپا کر ابو بصیرؓ کے پاس گئے۔ ابو جندلؓ بن سہیل بن عمرو بھی کسی طریقہ سے مکہ سے چھوٹ کر یہاں آگئے۔ چنانچہ ایک روایت کے مطابق ستر آدمیوں کی ایک جماعت (۱۲۳) یہاں جمع ہوگئی۔ اب ان لوگوں نے قریش کے شام آنے جانے والے ہر قافلہ کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنی شروع کردی۔ (۱۲۴) کفار میں سے جو بھی ادھر سے گزرتا اسی سے ان کے ہاتھ کی چھینی ہوئی دولت اور اپنے گھر بار کی قیمت وصول کرتے اور قصاص میں ان کو بھی ختم کردیتے۔ (۱۲۵) یہاں تک کہ قریش کے تجارتی قافلوں کا وہاں سے گزر مشکل ہوگیا اور مسلمانوں کی اس مظلوم جماعت کی تاخت بڑھتی ہی چلی گئی۔ غرض یہ کہ قریش نے تنگ آکر کچھ آدمی آپ کی خدمت اقدس میں بھیجے کہ ہم آپ کو اللہ اور قرابت کا واسطہ دیتے ہوئے التماس کرتے ہیں کہ آپؐ اس جماعت کو مدینہ واپس بلالیں۔ (۱۲۶) اب جو بھی آپؐ کے پاس جائے گا ہم اس کو ہرگز واپس نہیں لیں گے غرض کہ صلح نامہ کی سب سے ناگوار شرط کو انہوں نے خود ہی واپس لے لیا۔ (۱۲۷) چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ایک والا نامہ ابو بصیرؓ کے نام ارسال فرمایا اور اسے اپنے ساتھیوں سمیت مدینہ چلے آنے کو کہا۔ (۱۲۸) یہ والا نامہ ابو بصیرؓ کے پاس اس وقت پہنچا جب وہ اس دنیا سے آخرت کو انتقال فرما رہے تھے۔ امام سہیلیؒ نے لکھا ہے کہ جب آپ کا والا نامہ ابو بصیرؓ کے پاس پہنچا تو وہ پڑھتے جاتے تھے اور خوش ہوتے جاتے تھے یہاں تک کہ روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی اور والا نامہ ان کے سینہ پر تھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ہاتھ میں تھا۔ (۱۲۹) سیدنا ابو جندلؓ نے سیدنا ابو بصیرؓ کی تجہیز و تکفین کی اور انہیں اسی جگہ دفن کردیا اور اس کے قریب ایک مسجد تعمیر کردی۔ پھر وہ سب آدمیوں کو ساتھ لے کر مدینہ طیبہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس طریقہ سے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے کشادگی پیدا فرمادی جو مکہ سے قریش کی سزاؤں کی وجہ سے بھاگ کر مدینہ آنا چاہتے تھے لیکن معاہدہ کی رو سے مدینہ میں انہیں پناہ نہیں مل سکتی تھی۔ معاہدہ کے بعد کچھ مسلمان عورتیں بھی بھاگ کر مدینہ پناہ لینے کے لیے آئیں۔ قریش نے معاہدہ کی رو سے انہیں بھی واپس مانگا، لیکن آپؐ نے ان کے اس مطالبہ کو معاہدہ کی رو سے ہی مسترد کردیا۔ بقول ابن اسحٰق ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط نے اسی زمانے میں ہجرت کی اور حدیبیہ کی قرارداد کے بموجب ان کے دو بھائی عمارہ اور ولید انہیں واپس لینے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ (۱۳۰) لیکن رسول اللہ ﷺ

نے صلح نامہ کی تمام قانونی باریکیوں کو سامنے رکھتے ہوئے ساتھ بھیجنے سے انکار کر دیا۔ آپ کا استدلال یہ تھا کہ:

"کان الشرط فی الرجال دون النساء" (۱۳۱)

"شرط مردوں کے بارے میں تھی نہ کہ عورتوں کے بارے میں۔"

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ بظاہر یہ شرط صلح نامہ حدیبیہ میں مردوں (رجل) کی صراحت کے ساتھ موجود نہ تھی جیسا کہ ابن ہشام کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے:

"من اتی محمداً من قریش بغیر اذن ولیه رده علیهم" (۱۳۲)

یا جیسا کہ واقدی نے لکھا ہے:

"ومن اتاه من اهل مکة مسلماً رده الیهم ومن جاء من اهل مکة من اصحابه فهو لهم" (۱۳۳)

یا جیسا کہ ابو عبید کا جملہ ہے کہ:

"انه من اتی رسول الله ﷺ مسلماً رده الیهم ومن اتاهم من المسلمین لم یردوه الیه." (۱۳۴)

تاہم مذکورہ بالا واقعہ کی روشنی میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایات بالمعنی ہیں ورنہ اصل میں یہ شرط کفار قریش کی طرف سے تھی اور ان کی جانب سے یہ الفاظ معاہدے میں لکھوائے گئے تھے کہ:

"علیٰ انه لا یاتیک منا رجل وان کان علیٰ دینک الا رددته الینا." (۱۳۵)

"یہ کہ تمہارے پاس ہم میں سے کوئی بھی مرد آئے اگرچہ وہ تمہارے دین ہی پر ہو تو تم اسے ہماری طرف واپس کرو گے۔"

حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی سیاسی بصیرت کی روشنی میں شرط صلح کے الفاظ سے جو فائدہ اٹھایا تھا اس انداز پر خود قریش کے لوگوں نے بھی نہ سوچا تھا پھر رسول اللہؐ نے مدینہ آنے والی مسلمان عورتوں کے بارے میں جو موقف اختیار کیا تھا اس کی تصدیق وحی الٰہی سے بھی ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے مسلمان مہاجرات کے بارے میں تفصیلی ضابطہ اور اس کے ضمن میں قانون شہادت کو سورۂ ممتحنہ (۱۳۶) میں بیان کر دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ (۱۳۷)

"اے اہل ایمان! جب مومن عورتیں ہجرت کر کے تمہارے پاس آئیں تو (ان کے مومن ہونے کی) جانچ پڑتال کر لو اور ان کے ایمان کی حقیقت اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ پھر جب تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ مومن ہیں تو انہیں کفار کی طرف واپس نہ کرو نہ تو وہ کفار کے لیے حلال ہیں اور نہ کفار ان کے لیے حلال۔"

اسی کے ساتھ ساتھ دوسرا مسئلہ یہ پیدا ہوا کہ جب عورتیں ایمان لا کر بیعت کے لیے رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوں تو آپؐ ان سے کن باتوں کا عہد لیں، اس کا جواب وحی الٰہی نے یہ دیا کہ:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا

يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (۱۳۸)

"اے نبیؐ! جب تمہارے پاس مومن عورتیں بیعت کرنے کے لیے آئیں اور اس بات کا عہد کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں گی، چوری نہ کریں گی، زنا نہ کریں گے، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی، اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان گھڑ کر نہ لائیں گی اور کسی امر معروف میں تمہاری نافرمانی نہ کریں گی تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے حق میں اللہ سے دعائے مغفرت کرو۔"

ان دونوں مسائل کے سلسلے میں مندرجہ ذیل احکام بھی سورۂ ممتحنہ میں بیان کر دیے گئے جن کا تعلق اسلام کے عائلی قانون سے بھی ہے اور بین الاقوامی قانون سے بھی۔

(۱) اول یہ کہ جو عورت مسلمان ہو جائے وہ اپنے کافر شوہر کے لیے حلال نہیں رہتی اور نہ کافر شوہر اس کے لیے حلال رہتا ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ جو منکوحہ عورت مسلمان ہو کر دارالکفر سے دارالاسلام میں ہجرت کر آئے اس کا نکاح آپ سے آپ ٹوٹ جاتا ہے اور جو مسلمان بھی چاہے اس کا مہر دے کر اس سے نکاح کر سکتا ہے۔

(۳) تیسرے یہ کہ جو مرد مسلمان ہو جائے اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ اس کی بیوی اگر کافر ہے تو وہ اسے اپنے نکاح میں روکے رکھے۔

(۴) چوتھے یہ کہ اگر دارالکفر اور دارالاسلام کے درمیان صلح کے تعلقات موجود ہوں تو اسلامی حکومت کو دارالکفر کی حکومت سے یہ معاملہ طے کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کہ کفار کو جو منکوحہ عورتیں مسلمان ہو کر دارالاسلام میں ہجرت کر آئی ہوں ان کے مہر مسلمانوں کی طرف سے واپس دے دیے جائیں اور مسلمانوں کی منکوحہ کافر عورتیں جو دارالکفر میں رہ گئی ہوں ان کے مہر کفار کی طرف سے واپس مل جائیں۔(۱۳۹)

بہر حال صلح حدیبیہ کے بعد سورۂ ممتحنہ نے مسلمانوں اور کفار و مشرکین کے درمیان سابق کے ازدواجی رشتوں کو ختم کر دیا اور آئندہ کے لیے ان کے بارے میں ایک قطعی اور واضح قانون بنا دیا۔(۱۴۰)

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ معاہدہ حدیبیہ کے بعد دعوت و تبلیغ کا دور شروع ہوا۔ آپؐ نے اپنی زیادہ تر توجہ اسلام کی دعوت پھیلانے میں صرف کی۔ چنانچہ ہجرت کے ساتویں برس آپؐ نے دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں اور امراء کو خطوط لکھے جن میں انہیں اللہ کی توحید اور اپنی نبوت پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ اس دعوت کے بھی بڑے اچھے اثرات مرتب ہوئے اور اسلام کا پیغام مختلف ممالک میں پھیل گیا کچھ لوگوں نے اس دعوت کو قبول کیا لیکن جنھوں نے قبول نہیں کیا وہ اس دعوت کے پیغام سے آشنا اور باخبر ہو گئے کہ اسلام کیا کہتا ہے۔(۱۴۱) اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:(۱۴۲)

۱۔ حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی بجانب.......... قیصر روم ہرقل اعظم

۲۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ السہمی //.......... کسریٰ پرویز

۳۔ حضرت عمروؓ بن امیہ الضمری //.......... نجاشی شاہ حبش

۴۔ حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ لخمی //.......... مقوقس شاہ مصر

۵۔ حضرت شجاعؓ بن وہب اسدی //.......... حارث بن ابی شمر شاہ غسان

۶۔ حضرت سلیطؓ بن عمرو العامری //.......... ہوذہ بن علی رئیس یمامہ

۷۔ حضرت عمروؓ بن العاص //.......... امرائے ادمان جیفر وعبد (فرزندان الجلندی)

۸۔ حضرت علاءؓ بن الحضرمی //.......... منذر بن ساوی العبدی امیر بحرین

۹۔ حضرت مہاجرؓ بن امیہ مخزومی (۱۴۳) //.......... حارث بن عبد کلال رئیس یمن

نجاشی شاہ کے پاس نامۂ مبارک پہنچا اس نے اسلام قبول کرلیا۔ آپ کی خدمت میں مراسلہ بھیج کر آپ کی نبوت کی تصدیق کی۔(۱۴۴) مصر کے مقوقس نے آپؐ کے قاصد کو عزت و احترام سے ٹھہرایا آپ کی خدمت میں دو مصری لڑکیاں اور خچر تحفۃً بھیجے۔(۱۴۵) قیصر ہرقل کے پاس مراسلہ بھیجا اس نے ابوسفیان (۱۴۶) کو طلب کر کے آپؐ سے متعلق چند سوالات کیے جو ان دنوں تجارت کے سلسلے میں وہاں تھے جوابات سن کر قیصر کو آپ کی صداقت کا یقین ہوگیا اس نے ابوسفیان سے کہا کہ اگر تمہارے جوابات صحیح ہیں تو میرے قدم گاہ تک آپ کا قبضہ ہو جائے گا قیصر اسلام کی طرف مائل تھا لیکن عیسائی پادریوں اور امراء کا رویہ دیکھ کر وہ سلطنت کی طمع میں اسلام کی دولت سے محروم رہ گیا۔(۱۴۷) ایران کے پرویز نے آپؐ کے نامۂ مبارک کو چاک کر ڈالا (۱۴۸) آپ کو اطلاع ہوئی فرمایا ''اس کی سلطنت کے بھی اس طرح پرزے ہوں گے بعض روایات کے مطابق یمن (۱۴۹) کے گورنر کے ایلچی (۱۵۰) آپؐ سے ملنے مدینہ آئے تھے ابھی وہ واپس بھی نہ ہوئے تھے کہ پرویز کو اس کے بیٹے شیرویہ نے قتل کر ڈالا۔(۱۵۱) عرب کے بہت سے رؤسا نے اسلام قبول کرلیا۔ دعوت اسلام کے خطوط بھیجنے سے اسلام کے چرچے اندرون عرب کے علاوہ بیرون عرب بھی ہونے لگے رؤساء عرب اور نجاشی کا اسلام ہرقل اور مقوقس کا اسلامی سفراء سے اچھا سلوک اور یمن کے گورنر باذان (۱۵۲) کے اسلام لانے سے قریش کے اذہان و قلوب پر اسلام کی عظمت واضح نظر آنے لگی۔

آج تک جتنی بڑی بڑی لڑائیاں مسلمانوں نے لڑیں تھیں ان کا تعلق قریش کے ساتھ تھا، جیسے بدر، احد اور خندق کی جنگیں، لیکن اب صلح کے بعد جب قریش کی تلوار نیام میں چلی گئی تو جنوب کی طرف سے مسلمانوں کو اطمینان ہوگیا، چنانچہ اس مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلمانوں نے اب تمام تر توجہ شمالی عرب اور وسط عرب کی تمام مخالف طاقتوں کی طرف مبذول کرلی۔(۱۵۳) اس دس سالہ امن سمجھوتے سے یہود اور بنو غطفان دونوں کو سخت نقصان ہوا کہ انہیں اپنی شرانگیزیوں اور دسیسہ کاریوں اور فتنہ کی آگ بھڑکانے میں مشکل پیش آنے لگی اور ان کا ایک مضبوط بازو ان سے الگ ہوگیا۔(۱۵۴) لہٰذا اب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے شورش پسند غداروں کی سرکوبی کی اور شمال میں یہود کو سرنگوں کر کے ان کے یکے بعد دیگرے تمام مراکز توڑ ڈالے اور ساتھ ہی ساتھ متفرق قبائل کی شوریدہ سری کا بھی خاتمہ کردیا۔(۱۵۵) ابھی صلح حدیبیہ پر تین ماہ ہی گزرے تھے کہ یہودیوں کی سازشوں کا سب سے بڑا گڑھ خیبر اس کے بعد فدک (۱۵۶)، وادی القریٰ (۱۵۷)، تیما (۱۵۸)، تبوک وغیرہ یہودی

بستیاں نہ رہیں بلکہ اسلامی بستیاں ہو گئیں جن میں رہنے کی شرط اسلام کے ساتھ وفاداری اور ہر قسم کی فتنہ انگیزی سے دور رہنا تھا۔(۱۵۹)

یہودیوں کا عرب میں سب سے بڑا مرکز خیبر تھا۔ اس کی دولت مندی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ دورِ جاہلیہ میں قریش شادیوں کے موقع پر ان سے زیورات کرائے پر لیا کرتے تھے اور ایک مرتبہ ضائع شدہ زیور کا ہرجانہ دس ہزار دینار ادا کیا تھا۔(۱۶۰) بنی نضیر نے خیبر آ کر یہاں کے یہود کو اکسایا حیی بن اخطب کے بعد سلام بن ابی الحقیق نے غطفان اور اس کے آس پاس کے قبائل کو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر آمادہ کر کے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کیں۔ آپؐ کے ایما پر ایک انصاری عبداللہؓ ابن عتیک نے اس کو قتل کر دیا۔ سلام کے بعد اس کے جانشین اسیر بن رزام نے مسلمانوں کے خلاف قبائل کا دورہ کر کے مقابلہ کے لیے ایک لشکر تیار کیا۔ آنحضرت ﷺ نے مصالحت کے ذریعے اس فتنہ کو دبانے کی کوشش کی۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ بھیجے گئے کہ اسیر بن رزام کو مدینہ لا کر اس کی حکومت کی تصدیق کی جائے، اسیر، عبداللہؓ کے ساتھ روانہ ہوا راستہ میں اس کو بدگمانی پیدا ہوئی۔ عبداللہؓ کے ہمراہ عبداللہ بن انیس کی تلوار چھیننی چاہی، عبداللہؓ بن رواحہ نے اسے قتل کر دیا۔ اسیر کے قتل سے یہودیوں کو بہانہ ہاتھ آ گیا۔ قبائل عرب میں غطفان اور فزارہ نے یہود کا ساتھ دیا۔(۱۶۱) دوسری جانب منافقین کی ریشہ دوانیوں میں بھی تیزی آ گئی اور اس طرح ان تین گروہوں (منافقین، یہود اور قبائل عرب) کی مشترکہ سازش سے مدینہ پر حملہ کا منصوبہ بن گیا لیکن اس سے قبل کہ وہ شرمندۂ تکمیل ہوتا رسول اللہ ﷺ یہود خیبر کی سرکوبی کے لیے بغیر کسی توقف کے روانہ ہو گئے کیوں کہ جارحیت کو روکنے کے لیے اس قسم کے اقدامات کرنا کسی بھی ضابطہ قانون واخلاق کی رو سے ممنوع نہیں اور آپ کی تو شروع سے یہ حکمت عملی رہی ہے کہ دشمن کو اس کے سنبھلنے سے پہلے ہی کچل دیا جائے۔(۱۶۲) چنانچہ خیبر کے لیے رسول اللہ محرم کی آخری تاریخوں میں (۱۶۳) چودہ سو مومنین کی جماعت لے کر نکلے۔(۱۶۴) یہ خبر تمام عرب میں پھیل گئی۔ قریش بے تابی کے ساتھ انجام کے منتظر تھے کہ خیبر کے یہودی مسلمانوں کا حملہ ناکام بنا دیں گے اکثر نے تو شرطیں تک لگا رکھی تھی۔(۱۶۵) آنحضرتؐ نے منزل مقصود سے پہلے مصلحتاً غطفان و خیبر کے درمیان واقع ایک میدان رجیع میں قیام کیا تا کہ یہود خیبر کے درمیان حائل ہو کر خیبر کے لیے مدد و کمک کا راستہ روک دیں۔(۱۶۶) چنانچہ اہل غطفان رسول اللہ ﷺ کی آمد پر یہود کی مدد کے لیے نکلے بھی تھے لیکن ایک منزل سے آگے بڑھنے کی ہمت نہ کر سکے۔(۱۶۷) ایک تو اس لیے کہ انھیں یہ اطلاعات ملی تھیں کہ خود ان کی آبادی خطرہ میں ہے۔(۱۶۸) اور دوسرے رسول اللہ ﷺ کا رجیع میں قیام ان کے آگے جانے میں مزاحم تھا۔ بہر حال آنحضرت ﷺ کا جنگی منصوبہ نتیجہ خیز رہا۔ یعنی آپ دشمنوں کے اتحاد اور ان کی کمک کا راستہ روکنے میں کامیاب ہو گئے اس کے بعد خیبر کی مہم سر کرنے میں تقریباً دو ماہ صرف ہوئے۔ لڑائی کا سلسلہ اوائل صفر سے ربیع الثانی کے آخر تک جاری رہا لیکن بالآخر فتح مسلمانوں کو حاصل ہوئی۔(۱۶۹)

خیبر میں تین حلقوں میں واقع یہود سے دس قلعے تھے نام نطاۃ، صعب بن معاذ، زبیر، حصن شق، حصن البر، حصن ابی، قموص، وطیح اور سلام تھے۔ مسلمانوں نے یکے بعد دیگرے سب قلعے فتح کر لیے یہودیوں کا سردار مرحب، محمد بن مسلمہ انصاریؓ کے ہاتھوں مارا گیا۔(۱۷۰) اور بعض روایات کے مطابق حضرت علیؓ نے اسے قتل کیا۔(۱۷۱) اس معرکہ میں ترانوے (۹۳) یہودی اور ستر (۷۰)

مسلمان شہید ہوئے۔(۱۷۲) اس طرح صلح حدیبیہ کے کچھ ہی عرصے کے بعد (۱۷۳) رسول اللہؐ نے یہودیوں کے سب سے بڑے مستحکم اور مضبوط مرکز خیبر (۱۷۴) کو فتح کرلیا۔

خیبر کی فتح کے بعد یہود کی اراضی پر مسلمانوں نے قبضہ کرلیا۔ یہود نے معاوضہ میں نصف پیداوار ادا کرنے کے لیے اراضی کی واپسی کی درخواست کی آپؐ نے منظور فرمالیا۔ جب بٹائی کا وقت آتا آپؐ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو بھیج دیتے وہ پیداوار کو دو (۲) حصوں میں تقسیم کرکے کہتے جو حصہ چاہے لے لو۔(۱۷۵) یہود پر اس کا اثر یہ پڑا کہ مولانا شبلی کا بیان ہے کہ "یہود اس عدل پر متحیر ہو کر کہتے تھے کہ زمین و آسمان ایسے ہی عدل سے قائم ہیں۔"(۱۷۶)

خیبر میں رئیس خیبر کی صاحبزادی صفیہ بنت حیی قید ہوئیں آپؐ نے آزاد کرکے انہیں اپنے عقد میں لے لیا۔(۱۷۷) خیبر کی تسخیر کے بعد بھی یہودیوں کی خفیہ سازشیں جاری رہیں سلام بن مشکم یہودی کی بیوی زینب نے آپ کی دعوت کی کھانے میں زہر ملادیا۔ آپؐ نے چکھتے ہی تھوک دیا۔ ایک صحابی بشیرؓ بن براء کھاتے ہی شہید ہوگئے۔ آپؐ نے ان کے قصاص میں زینب کو قتل کرا دیا۔(۱۷۸) خیبر کے بعد یہود کے مراکز فدک، وادی القریٰ اور تما تھے۔ چنانچہ فدک اور تما کے یہود نے کسی تعرض کے بغیر قبول اطاعت و ادائے جزیہ دونوں شرائط تسلیم کرلیں۔(۱۷۹) البتہ وادی القریٰ کے یہودیوں نے تھوڑی سی مزاحمت کی لیکن جلد ہی ہتھیار ڈال دیے اور ان ہی شرائط پر صلح کرلی جن پر خیبر والوں نے کی تھی اور جزیہ دینا منظور کرلیا۔(۱۸۰) اس طرح یکے بعد دیگرے یہ تمام بستیاں ریاست نبویؐ کے زیر نگین آگئیں اور یہود کا سنگین خطرہ ہمیشہ کے لیے ختم ہوگیا۔(۱۸۱) غزوہ خیبر میں مسلمانوں کی کامیابی سے قریش بڑے مرعوب ہوئے دوسری طرف مدینہ کے شمال سے بڑھتی ہوئی جارحیت کا قلع قمع ہوگیا۔(۱۸۲) خیبر کی فتح کے ساتھ ہی سورۃ فتح کے مطابق فتح قریب (۱۸۳) مغانم کثیرہ (۱۸۴) اور غنائم اخروی (۱۸۵) کا وعدۂ خداوندی بھی پورا ہوگیا۔(۱۸۶) اور پھر آہستہ آہستہ وسط عرب کے تمام قبیلے ایک ایک کرکے مسلمان ہوگئے اور جو مسلمان نہیں ہوئے انہوں نے باج گزاری قبول کرلی۔ یہ تھیں وہ برکتیں جو اس صلح کی بدولت مسلمانوں کو حاصل ہوئیں۔(۱۸۷)

ذی قعدہ سن ۷ھ میں رسول اللہ ﷺ دو ہزار مسلمانوں کے ہمراہ عمرہ قضا کے لیے روانہ ہوئے۔(۱۸۸) قریش، مکہ سے نکل گئے قرارداد حدیبیہ کے مطابق تین روز تک مکہ میں قیام فرمایا۔ ادائے عمرہ کے دوران مسلمانوں کے اعمال و کردار نے اہل مکہ پر جو اثر پیدا کیا وہ اپنی مثال آپ تھا۔(۱۸۹)

صلح حدیبیہ کا ایک اور اعجاز جنگ موتہ کی صورت میں سامنے آیا کہ جب صرف تین ہزار مسلمان سپاہیوں پر مشتمل اسلامی فوج نے ایک لاکھ جنگجوؤں پر مشتمل سپر پاور رومی لشکر پر فتح حاصل کی۔ جنگ موتہ کا واقعہ اس وقت عمل میں آیا کہ جب آنحضرتؐ نے دعوت اسلام کا خط دے کر حارثؓ بن عمیر ازدی کو بصریٰ بھیجا جنہیں شام کے سرحدی رئیس شرجیل بن عمرو غسانی نے شہید کردیا ایلچی کا قتل اعلان جنگ کے مترادف ہے لہٰذا آپؐ نے زیدؓ بن حارثہ کو اسلامی فوج کا سالار مقرر کرکے ہدایات فرمائیں کہ زیدؓ کے شہید ہونے کے بعد جعفرؓ بن ابو طالب سالار ہوں گے اور ان کی شہادت کے بعد عبداللہؓ بن رواحہ سردار ہوں گے۔(۱۹۰)

جمادی الاول سن ۸ھ کو موتہ کے مقام پر مسلمانوں کا رومیوں کے عظیم لشکر سے مقابلہ ہوا۔ تینوں سالار یکے بعد دیگرے شہید

ہوئے اب خالدؓ بن ولید نے قیادت سنبھالی اور نہایت بہادری سے لڑے کہ آٹھ تلواریں ان کے ہاتھ سے ٹوٹ گئیں۔(۱۹۱) اور دربار رسالتؐ سے "سیف اللہ" کا خطاب پایا اور مسلمانوں نے رومیوں کو شکست دی۔(۱۹۲) رومیوں سے مسلمانوں کی اس معرکہ آرائی کی خبر نے قریش کو حیرت میں ڈال دیا۔(۱۹۳)

رمضان المبارک ۸ ہجری میں اب مسلمانوں نے فتح مکہ کے لیے پیش قدمی کی (۱۹۴) فتح مکہ کا پس منظر دراصل صلح حدیبیہ کی وہ شرط تھی کہ جس کی رو سے قبائل عرب فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں شامل ہوں، چنانچہ قبیلہ خزاعہ مسلمانوں کا اور بنی بکر قریش کا علی الاعلان حلیف بن گیا تھا۔(۱۹۵) فریقین پر قرارداد کا احترام اور امانت و دیانت برتنا لازم تھا، لیکن قریش نے اس کو بھی پامال کر ڈالا، خیانت کے مرتکب ہوئے اور بغیر کسی جواز کے بنو خزاعہ پر حملہ میں بنو بکر کی آدمیوں اور اسلحہ دونوں سے مدد بھی کی۔(۱۹۶) اس طرح شرائط مذکورہ کی صریح خلاف ورزی بالآخر صلح نامہ حدیبیہ کے خاتمہ کا باعث ہوئی۔(۱۹۷) معاہدہ کی پامالی کے بعد (۱۹۸) قریش کو خود بھی بہت ندامت ہوئی۔(۱۹۹) پھر رسول اللہؐ نے دس ہزار آدمیوں کا لشکر جرار لے کر ان کی جانب کوچ کیا۔(۲۰۰) اسلامی لشکر کی اتنی بڑی تعداد بجائے خود اس پر دلالت کرتی ہے کہ عرب کے دیگر قبائل نے معاونت و شرکت کی اور قدیم و جدید تاریخی ماخذ میں بھی اس کی تصریح ہے کہ اس لشکر میں قبیلہ سلیم، مزینہ، غفار، اسلم کے بالترتیب ایک ہزار، ایک ہزار، چار سو اور چار سو آدمی اور اسد، تمیم، اشجع اور جہینہ کے بھی کافی افراد شریک تھے۔(۲۰۱) اس کا مطلب یہ ہے کہ عرب کے وہ قبائل جو صلح حدیبیہ سے پہلے عموماً اور غزوہ خیبر سے پہلے خصوصاً ریاست نبویؐ کے خلاف محاذ آراء تھے۔ صلح حدیبیہ اور فتح خیبر کے بعد اس کے معین و مددگار بن گئے گویا صلح حدیبیہ کے بعد اشاعت اسلام کی تحریک نے روز افزوں ترقی کی اور بے شمار افراد حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ اس بناء پر نہ تو یہ امر تعجب خیز ہے کہ مکہ کی پیش قدمی میں دس ہزار افراد کیسے شریک ہو گئے جب کہ اس سے پہلے اسلامی لشکر نسبتاً بہت مختصر رہا تھا اور نہ اس پر حیرت کی کوئی وجہ ہے کہ اتنی بڑی فوج کے ساتھ مدینہ سے مکہ تک کا طویل سفر اس خاموشی اور رازداری کے ساتھ کیسے کیا گیا کہ قریش کو خبر نہ ہو سکی اور نہ قریش کے ہمدرد معاون قبائل ان کی مدد کو پہنچ سکے۔ واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہؐ راستہ میں پڑنے والے کم و بیش تمام قبائل کو یا تو اپنا ہمنوا بنا چکے تھے یا آپؐ نے غیر جانبدار رہنے پر ان کو راضی کر لیا تھا نیز پیش قدمی میں آپؐ نے ایسی رازداری برتی تھی کہ دشمن بے خبر تھا۔ پھر یہود خیبر، ان کے ہمسایہ بستیاں اور قبائل کی ایک بڑی تعداد مغلوب ہو چکی تھی اس لیے قریش مکہ تنہا رہ گئے اور تنہا رہ کر قریش یا عرب کی کسی بھی طاقت کے لیے ریاست نبویؐ سے ٹکرانے کا حوصلہ نہ تھا۔(۲۰۲) اسی لیے جب ابوسفیان نے رسول اللہؐ کے لشکر فتح کو دیکھا اور حد نظر تک آدمی دکھائی دیے تو حضرت عباسؓ سے یوں اظہار تاثر کیا کہ:

"ابوالفضل! تمہارے بھتیجے کی سلطنت تو بہت بڑھ گئی!"

حضرت عباسؓ نے کہا "تمہاری خرابی ہو یہ سلطنت نہیں ہے، یہ تو نبوت ہے۔"

ابوسفیان نے کہا "بے شک"(۲۰۳)

لہٰذا یہ صلح حدیبیہ کا ہی فیض تھا کہ رمضان ۸ ہجری میں مکہ بڑی آسانی سے فتح کر لیا گیا۔(۲۰۴) ایک ایسے شہر کی فتح عمل میں

آئی جس کی آغوش میں رسول اللہ ﷺ اور ریاست نبوی کی دشمنی پروان چڑھی، جو آٹھ سال تک مدینہ کے خلاف محاذ آرائی کا مرکز رہا اور جس کے باشندوں نے جسم و جان کی ساری صلاحیتیں، اپنا مال و متاع اور اپنے مادی وسائل عداوت خدا اور رسولؐ کے لیے وقف کر رکھے تھے۔ اس کی فتح اس امن و سلامتی کے ساتھ ہو جاتی ہے کہ نہ قتل و غارت گری کا بازار گرم ہوتا ہے نہ گھروں کو نذر آتش کیا جاتا ہے اور نہ آبروئیں لوٹی جاتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی اس فیاضی اور رواداری کو دنیا کی تاریخ فتوحات میں یقیناً ایک گرانقدر اضافہ قرار دیا جائے گا۔

ان تفصیلات کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ قریش کی طرف سے عہد شکنی کے باوجود رسول اللہؐ نے صلح حدیبیہ کی معنویت یعنی "امن و سلامتی" کو فتح مکہ کے موقع پر بھی برقرار رکھا اور اس طرح صلح حدیبیہ میں جس فتح مبین کا اعلان ہوا تھا اس کی تعبیر "فتح مکہ" کی صورت میں سامنے آگئی۔ گویا "صلح حدیبیہ نے دو ہی سال کے اندر عرب میں طاقت کا توازن اتنا بدل دیا کہ قریش اور مشرکین کی طاقت دب کر رہ گئی اور اسلام کا غلبہ یقینی ہو گیا۔"

مندرجہ بالا مباحث کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ صلح حدیبیہ کا واقعہ سیاست نبویؐ میں ایک اہم موڑ ثابت ہوا، جس نے سہ طرفہ مقاصد کو حاصل کرنے میں ریاست کی مساعدت کی۔ اس کے ذریعے پہلے درجہ میں قریش کو خاموش کرنے اور دوسرے درجے میں ان کی طاقت حتمی طور پر ختم کرنے میں مدد ملی، دوسری طرف یہود کے متعدد اہم مراکز زیرنگیں کرنے کے مواقع اسی عظیم صلح نے فراہم کیے اور پھر اسی صلح کے باعث قبائل عرب کی ایک بڑی تعداد ریاست نبوی کی مطیع و فرمانبردار بن گئی اور انہوں نے رسول اللہؐ کے سیاسی اقتدار کو تسلیم کر لیا۔ (۲۰۵)

حواشی و حوالہ جات

(۱) یہ گھاسوں کے نام ہیں جو کہ مکہ میں ہوتی ہیں۔

(۲) بخاری جلد۱، ص۴۵۲

(۳) اگرچہ وہ کافر ہی تھے تاہم تقاضا بشری کے تحت آباؤ اجداد کی محبت فطری و قدرتی امر تھا۔

مقام حدیبیہ

لفظ "حدیبیہ" عربی کا لفظ ہے، جو "ح" کے حرف دال کے فتح اور یا کے سکون کے ساتھ ہے۔ بعض نے اس یا کو "ساکن" پڑھا ہے اور بعض مشدد، اور بعض اس کو دونوں طرح ہی نکالتے ہیں (معجم البلدان جلد۲ ص۲۲۹) از علامہ یاقوت حموی

بقول علامہ خطابی: "حدیبیہ کو حدیبیہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ لفظ عربی لفظ "حدب" سے ماخوذ ہے جس کے معنی ٹیڑھے کے ہیں۔ چونکہ اس مقام پر ایک ٹیڑھا درخت موجود تھا جہاں حضور نبی اکرمؐ نے "بیعت رضوان" کی تھی اس وجہ سے وہ مقام حدیبیہ کہلاتا ہے۔"

جب کہ متعدد احادیث مبارکہ میں وہاں پر ایک بہت پرانے کنویں کی وجہ سے اس مقام کا نام حدیبیہ کہلاتا ہے کیوں کہ یہ کنواں اپنے محل وقوع کی وجہ سے حدیبیہ کے نام سے معروف تھا اور اس کنویں کا محل وقوع ٹیڑھا میڑھا سا تھا۔

چونکہ جانب جدہ، مکہ اور حدیبیہ کا درمیانی فاصلہ "۹" میل یا ایک منزل کہلاتا ہے اس لیے اس مقام کو مکہ کے نزدیک ترین گردانا گیا ہے اور اس کا کچھ حصہ حرم میں داخل ہوتا ہے اور کچھ حصہ زمین حرم سے باہر "حل" کہلاتا ہے موجودہ دور میں یہ مقام شمیسی کہلاتا ہے جہاں پولیس کی تفتیشی مرکز موجود ہے۔ جہاں مکہ میں غیر مسلم کے داخلوں کی روک تھام کی جاتی ہے کیوں کہ مکہ میں غیر مسلم کا داخلہ قطعی طور پر ممنوع ہے اور تاریخ میں یہی مقام "فتح مبین" اور "بیعت رضوان" ہے۔ مدینہ منورہ سے یہ مقام "نو ۹" منزل کی مسافت پر ہے۔ (مسعود لطفی، صلح حدیبیہ علم و عرفان پبلشرز، جنوری ۲۰۰۳ء، ص۲۲۶)

(۴) محمود احمد ظفر، حکیم، سیرت خاتم المعصومین، تخلیقات، لاہور، اگست ۲۰۰۱ء، ص۴۱۷

(۵) عبدالباری، ایم اے، رسول کریم کی جنگی اسکیم، الفیصل، لاہور، اپریل ۱۹۸۲ء، ص۱۳۱

(۶) محمد سلیمان، سلمان منصور پوری، قاضی، رحمۃ للعالمینؐ، ج اول، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ص۲۱۲

(۷) رؤف اقبال، ڈاکٹر، عہد نبویؐ کے غزوات و سرایا، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، دسمبر ۱۹۹۱ء، ص۱۷۵-۱۷۶

(۸) محمد سلیمان، سلمان منصور پوری، قاضی، رحمۃ للعالمینؐ، ج اول، ص۲۱۲

(۹) واقدی نے لکھا ہے ثم اذن رسول اللہ فی الرجل (الواقدی ص۲۸۲) نیز ملاحظہ ہو: ابن ہشام ج۳، ص۳۲۲

(۱۰) شرکائے سفر کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ ابن ہشام نے دو روایتیں نقل کی ہیں:

ایک سات سو کی اور دوسری چودہ سو کی (ج۳، ص۳۲۲) ابن سعد نے چودہ سو کے علاوہ ساڑھے چودہ سو اور سولہ سو کی تعداد کا بھی ذکر کیا ہے (ج۲، ص۹۵) طبری نے سات سو، تیرہ سو، چودہ سو، چودہ سو کی روایات لکھی ہیں (ج۲، ص۶۲۱) ابن حزم کے بیان کے مطابق تیرہ سو سے چودہ سو کے درمیان تھے (جوامع السیر ۱، ص۲۰۷) ان تمام روایات میں سے چودہ سو کی روایت زیادہ مشہور و متداول ہے۔ نیز بخاری میں بھی حضرت براء بن عازب اور جابر بن عبداللہ وغیرہ سے یہی تعداد مروی ہے (البخاری، ج۲، ص۵۹۸ کتاب المغازی) اور ہمارے نزدیک بھی اس کی ترجیح کی ایک مزید دلیل یہ ہے کہ غزوہ خیبر کے موقع پر رسول اللہؐ نے یہ اعلان فرما دیا تھا کہ لا یخرجن معنا الا راغب فی الجہاد (ابن سعد ج۲، ص۱۰۶) اس کے نتیجے میں وہی لوگ اس میں شامل ہوئے جو حدیبیہ میں رسول اللہؐ کے ہمسفر تھے اور ان کی تعداد بھی چودہ سو ہی تھی (ایضاً)

(۱۱) محمد سلیمان، سلمان منصور پوری، قاضی، رحمۃ للعالمینؐ، ج اول، ص۲۲۳

(۱۲) زرقانی، ج۲، ص۱۸۰، فتح الباری، ج۵، ص۲۴۲، طبقات ابن سعد، جلد۲، ص۶۹، عیون الاثر جلد۲، ص۱۹۰، ۱۹۱

(۱۳) رؤف اقبال، ڈاکٹر، عہد نبویؐ کے غزوات و سرایا، ص۱۷۶

(۱۴) وہ جانور جسے حج و عمرہ میں ذبح کرتے ہیں۔

(۱۵الف) رؤف اقبال، ڈاکٹر/ عہد نبویؐ کے غزوات و سرایا، ص ۱۷۶

(۱۵ب) ابن سعد کی روایت کے مطابق یہ بسر بن سفیان تھا اور عذیر الاشطاط (عسفان) پر ملا تھا۔ (ابن سعد ج ۲، ص ۹۵)

(۱۶) یہ مقام رسول اللہؐ کے پڑاؤ سے آٹھ میل کی مسافت پر تھا۔

(۱۷) ابن ہشام، ج ۳، ص ۳۲۲، ۳۲۳

(۱۸) ابو یوسف، ص ۲۰۸

(۱۹) ابن ہشام، ج ۳، ص ۳۲۳

(۲۰) الواقدی، ص ۳۸۵

(۲۱) ابو یوسف، ص ۲۰۸

(۲۲) ایضاً

(۲۳) محمود احمد ظفر، حکیم/ سیرت خاتم النبیینؐ، ص ۴۳۲

(۲۴) ابن ہشام، جلد ۳، ص ۳۲۳

(۲۵) ابن ہشام، ج ۳، ص ۳۱۰

(۲۶) رؤف اقبال، ڈاکٹر/ عہد نبویؐ کے غزوات و سرایا، ص ۱۷۸

(۲۷) محمود احمد ظفر، حکیم/ سیرت خاتم النبیینؐ، ص ۴۳۲

(۲۸) ابن ہشام، جلد ۳، ص ۳۲۳

(۲۹) فتح الباری، جلد ۵، ص ۲۴۳

(۳۰) ابن ہشام، جلد ۳، ص ۳۲۵

(۳۱) محمود احمد ظفر، حکیم/ سیرت خاتم النبیینؐ، ص ۴۳۳

(۳۲الف) رؤف اقبال، ڈاکٹر/ عہد نبویؐ کے غزوات و سرایا، ص ۱۷۸

(۳۲ب) عبدالباری ایم اے/ رسول کریمؐ کی جنگی اسکیم، المعصل، لاہور، ۱۳ اپریل ۱۹۸۴ء، ص ۱۳۲

(۳۳) محمود احمد ظفر، حکیم/ سیرت خاتم النبیینؐ، ص ۴۳۳

(۳۴) ابن ہشام، جلد ۳، ص ۳۲۵

(۳۵) ابن ہشام جلد ۳، ص ۳۲۶

(۳۶) ابن سعد جلد اول، ص ۴۴

(۳۷) امام ابو یوسف نے لکھا ہے کہ عروہ بن مسعود سے گفتگو کے دوران رسول اللہؐ نے یہ واضح کر دیا کہ "ہم لوگ جنگ کرنے نہیں آئے ہیں بلکہ عمرہ ادا کرنے اور اپنے قربانی کے جانور قربان کرنے آئے ہیں۔ کیا تم اتنا کر سکتے ہو کہ میری قوم کے پاس جاؤ کہ یہ لوگ اب بھی میرے اہل خاندان ہیں انہیں جنگ نے ڈرا دیا ہے ان کی بھلائی اس میں نہیں کہ جنگ ان کو جو نقصانات پہنچا چکی ہے، اب اس پر مزید کوئی اضافہ کریں (اور ان سے کہنا کہ) وہ میرے اور اپنے درمیان ایک مدت (امن) طے کر لیں جس میں ان کی نسل بڑھے گی ہمیں ان کے شر سے نجات حاصل رہے گی۔" (ابو یوسف ص ۲۰۹)

(۳۸) ابن ہشام، جلد ۳، ص ۳۲۷

(۳۹) مغیرہ بن شعبہؓ نے اس وقت خود پہنا ہوا تھا اس وجہ سے عروہ بن مسعود ثقفی انہیں پہچان نہ سکا تھا

(۴۰) ابن ہشام، جلد ۲، ص ۳۵۹

(۴۱) محمد سلیمان سلمان، منصور پوری قاضی/ رحمۃ للعالمینؐ، جلد اول، لاہور، ص ۲۴۴

(۴۲) شبلی نعمانی، علامہ/ سیرت النبیؐ، جلد اول، ص ۳۳۰

(۴۳) صحیح بخاری، عن مسور بن مخرمہ، باب الشروط فی الجہاد، ص ۷۹

(۴۴) زرقانی، جلد ۲، ص ۱۹۲

(۴۵) محمد حسین ہیکل، حیاتِ محمدؐ، ص ۴۱۰

(۴۶) ابن ہشام، جلد ۲، ص ۳۲۴

(۴۷) ابن ہشام جلد ۳، ص ۳۲۹۔ یہاں یہ بتانا بے جا نہ ہوگا کہ اس روز رسول اللہ کی نگہبانی کا فریضہ حضرت محمد بن مسلمہ انجام دے رہے تھے اور انہوں نے ہی قریش کے دستہ کو پکڑا تھا۔ (حلبی جلد ۳، ص ۲۱)

(۴۸) سورۃ الفتح، آیت ۲۴

(۴۹) رؤف اقبال، ڈاکٹر/ عہد نبویؐ کے غزوات و سرایا، ص ۱۸۱

(۵۰) ایضاً

(۵۱) ابن ہشام، جلد ۳، ص ۳۲۹

(۵۲) ابن ہشام، جلد ۳، ص ۳۲۸

(۵۳) القرآن الحکیم سورۃ محمد ۳۵۔ اسے ابو عبید نے اپنی کتاب الاموال میں بھی ذکر کیا ہے (ابو عبید، جلد ۲، ص ۱۹۱، فقرہ ۴۴۴)

(۵۴) القرآن الحکیم سورۃ البقرۃ ۱۹۰

(۵۵) نثار احمد، ڈاکٹر/ عہد نبویؐ میں ریاست کا نشو و ارتقاء، نقوش رسول نمبر، جلد پنجم، ص ۱۳۹

(۵۶) بخاری عن عبداللہ بن زید، سلمہ ابن ہشام کے بیان کی رو سے بایعہم رسول اللہ علی الموت (ابن ہشام جلد ۳، ص ۳۳۰) جابر کہتے ہیں بایعنا علی الموت (ایضاً)

(۵۷) بخاری عن ابن عمر

(۵۸) صحیح بخاری عن براء و جابر

(۵۹) ابن خلدون جلد اول ص ۱۳۵

(۶۰) محمد سلیمان سلمان، قاضی منصور پوری، رحمۃ للعالمینؐ، جلد اول، ص ۲۱۴

(۶۱) زرقانی جلد ۲، ص ۲۰۶، ۲۰۸

(۶۲) بیعت رضوان یعنی جس میں اللہ کی رضا شامل تھی اور جس سے اللہ راضی ہوا، دیکھیے سورۃ الفتح (آیت ۱۰-۱۸)

(۶۳) القرآن الحکیم سورۃ فتح ۴۸:۱۸

(۶۴) فتح الباری جلد ۷، ص ۳۲۵

(۶۵) ابن ہشام جلد ۳، ص ۳۳۱

(۶۶) القرآن الحکیم سورۃ الفتح

(۶۷) ایضاً

(۶۸) زرقانی جلد ۲، ص ۱۹۳

(۶۹) محمد احمد باشمیل، صلح حدیبیہ ص ۲۰۱-۲۰۲

(۷۰) ابن ہشام، ج ۳، ص ۳۳۲/ صحیح بخاری عن مسور بن مخرمہ، باب الشروط فی الجہاد ص ۷۹

(۷۱) ایضاً / ایضاً۔ یہی سہیل جو آج اسم مبارک محمد کے ساتھ رسول اللہ لکھنے پر اعتراض کرتا ہے چند سال کے بعد دلی شوق اور امنگ سے مسلمان ہو گیا تھا۔ انتقال نبویؐ کے بعد مکہ معظمہ میں اس نے اسلام کی حقانیت پر ایسی زبردست تقریر کی تھی جو ہزاروں مسلمانوں کے لیے استحکام و تازگی ایمان کا باعث ٹھہری تھی۔ بیشک یہ اسلام کا عجیب اثر ہے کہ وہ جانی اور دلی دشمنوں کو دم بھر میں فدائی بنا لیتا ہے (محمد سلیمان سلمان منصور پوری قاضی، رحمۃ للعالمینؐ، ج ۱، شیخ غلام علی اینڈ سنز، کراچی، ص ۲۸۵)

(۷۲) ابو جندل پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے اور کفار مکہ ان کو پابجولاں کر کے اور قید و بند کی صعوبتیں دے کر طرح طرح کی ایذائیں پہنچا رہے تھے۔

(۷۳) رؤف اقبال، ڈاکٹر، عہد نبویؐ کے غزوات و سرایا، ص ۱۸۵

(۷۴) محمود احمد ظفر، حکیم، سیرت خاتم النبیین، ص ۷۵۰

(۷۵) آنحضرت کا یہ فرمانا کہ ابو جندل کو مجھے دے دو معاہدے کے خلاف بالکل نہ تھا۔ اس معاہدے کے بعد جو کوئی مسلمان ہو کر مدینہ آتا، ان کے مطالبے کا حق مکہ والوں نے حاصل کیا تھا۔ ابو جندل تو اس معاہدے سے بہت پہلے مسلمان ہوئے تھے اور مدینہ ابھی پہنچے نہ تھے۔ اس بنا پر اس معاہدہ کا تعلق ان سے نہیں تھا، لیکن سہیل نے قریش کی خیر خواہی کے لیے ضروری سمجھا کہ معاہدہ ہو جائے ورنہ بلاوجہ خونریزی ہوگی اور مکہ کے لوگ ہی زیادہ مارے جائیں گے، وہ اگر اس وقت لڑکے کو لے کر نہ جاؤں گا، تو قوم بدگمان ہو جائے گی اور معاہدہ نہ ہو پائے گا، اس لیے وہ اصرار کر کے لڑکے کو لے گیا۔ مسلمان سہیل کی اس مصلحت کو نہ سمجھ سکے اور اس صورت حال کو دیکھ کر بے حد مضطرب ہو گئے۔

(۷۶) محمد احمد باشمیل، صلح حدیبیہ، ص ۲۹۰

(۷۷) ایضاً، ص ۲۹۲

(۷۸) اصح السیر: ۲۹۳

(۷۹) محمد رؤف اقبال، ڈاکٹر/ عہد نبویؐ کے غزوات و سرایا، ص ۱۸۶

(۸۰) محمود احمد ظفر، حکیم، سیرت خاتم النبیین، ص ۷۵۰

(۸۱) صحیح بخاری باب الشروط فی الجہاد، ص ۳۸۰/ قاضی محمد سلیمان سلمان، منصور پوری، رحمۃ للعالمین، ص ۲۲۶

(۸۲) محمد احمد باشمیل، صلح حدیبیہ، ص ۲۹۹

(۸۳) ایضاً

(۸۴) ابن ہشام، جلد ۳، ص ۳۳۶

(۸۵) ابن ہشام، جلد ۳، ص ۳۳۶

(۸۶) ایضاً۔ رسول اللہ کا یہ جواب اس لحاظ سے قابل غور ہے کہ اس میں رسول اللہؐ نے حاکمیت باری تعالیٰ کا اظہار بھی کر دیا اور اپنی حیثیت بھی واضح کر دی، علاوہ ازیں اس ایک جملہ میں اسلام کے سیاسی نظریہ کی توضیح بھی موجود ہے یعنی یہ کہ اسلام میں سیاست بھی الٰہی ہدایات کے تابع ہے۔

(۸۷) محمد احمد باشمیل، صلح حدیبیہ، ص ۳۰۷۔۳۰۸

(۸۸) ابن ہشام، جلد ۳، ص ۳۳۶

(۸۹) محمد احمد باشمیل، صلح حدیبیہ، ص ۳۰۸۔۳۰۹

(۹۰) نثار احمد، ڈاکٹر/ عہد نبویؐ میں ریاست کا نشو و ارتقاء، ص ۱۳۱

(۹۱) طبقات، جلد ۲، ص ۷۱

(۹۲) محمود احمد ظفر، حکیم، سیرت خاتم النبیین، ص ۷۵۱

(۹۳) زاد المعاد، جلد ۲، ص ۱۲۸

(۹۴) القرآن الحکیم سورۃ الفتح: ۲۸:۲۷

(۹۵) القرآن الحکیم سورۃ الفتح: ۱

(۹۶) ابن سعد جلد ۲، ص ۱۰۴

(۹۷) نثار احمد، ڈاکٹر/ عہد نبویؐ میں ریاست کا نشو و ارتقاء، ص ۱۳۱

(۹۸) رؤف اقبال، ڈاکٹر/ عہد نبویؐ کے غزوات و سرایا، ص ۱۸۶

(۹۹) فتح الباری، جلد ۵، ص ۲۳۵۔۲۵۶۔ زرقانی جلد ۲، ص ۱۹۰، طبقات ابن سعد، جلد ۲، ص ۷۰
عیون الاثر جلد ۲، ص ۱۶۰۔۱۷۳، بخاری جلد ۱، ص ۳۷۸۔۳۸۱، جلد ۲، ص ۵۹۸۔۶۰۰
مسلم جلد ۲، ص ۱۰۳، ۱۰۵، ۱۰۶، زاد المعاد جلد ۲، ص ۱۲۲، ۱۲۷، ابن ہشام جلد ۲، ص ۳۰۸، ۳۲۲

(۱۰۰) رؤف اقبال، ڈاکٹر/ عہد نبویؐ کے غزوات و سرایا، ص ۱۸۶

(۱۰۱) ابن سعد، جلد ۲، ص ۱۰۳

(۱۰۲) نثار احمد، ڈاکٹر/عہد نبویؐ میں ریاست کا نشوو ارتقاء، ص ۱۳۵

(۱۰۳) محمود احمد ظفر، حکیم/سیرت خاتم النبیینؐ، ص ۵۲۷

(۱۰۴) رونۂ اقبال، ڈاکٹر/عہد نبویؐ کے غزوات و سرایا، ص ۱۸۶

(۱۰۵) مودودی، ابوالاعلیٰ، مولانا/تفہیم القرآن، جلد ۵، ص ۴۱

(۱۰۶) قریش کی اس شکست میں ایک وجہ غالباً یہی تھی کہ وہ اب تک رسول اللہؐ اور مسلمانوں کو محض ایک گروہ سمجھتے رہے اور اس حقیقت سے صرف نظر کرتے رہے کہ ان کا مقابلہ اب محض ایک گروہ سے نہیں بلکہ ایک "ریاست" سے ہے (Margol LOUTH p.66) غلطی کا احساس اب ہوا ہے مگر بے سود۔

(۱۰۷) یہ واقعہ خود صلح نامہ میں موجود ہے۔ (واقدی)

(۱۰۸) رونۂ اقبال، ڈاکٹر/عہد نبویؐ کے غزوات و سرایا، ص ۱۸۶۔۱۸۷

(۱۰۹الف) رونۂ اقبال، ڈاکٹر/عہد نبویؐ کے غزوات و سرایا، ص ۱۸۷

(۱۰۹ب) قاضی محمد سلیمان، سلمان، منصور پوری/رحمۃ للعالمینؐ، جلد اول، ص ۲۱۸

(۱۱۰) محمود احمد ظفر، حکیم/سیرت خاتم النبیینؐ، ص ۵۲۷

(۱۱۱) القرآن الحکیم سورۃ المائدہ/۶۷

(۱۱۲) القرآن الحکیم سورۃ المائدہ/۳

(۱۱۳) پرویز/معراج انسانیت، ادارہ طلوع اسلام، لاہور، ۱۹۶۸ء، ص ۶۷۱

(۱۱۴) اس ضمن میں وہ جواب قابل ذکر ہے جو رسول اللہؐ نے حضرت عمرؓ کے استفسار پر دیا تھا۔ دیکھیے واقدی، ص ۳۸۷

(۱۱۵) مسلم، جلد ۲، ص ۱۰۵

(۱۱۶) مسلم جلد ۲، ص ۱۰۵

(۱۱۷) ابن ہشام، جلد ۲، ص ۲۲۳

(۱۱۸) ابن ہشام، جلد ۳، ص ۳۲۷۔۳۲۸

(۱۱۹) محمود احمد ظفر، حکیم/سیرت خاتم النبیین ص ۵۲۷

(۱۲۰) رونۂ اقبال، ڈاکٹر/عہد نبویؐ کے غزوات و سرایا، ص ۱۸۹

(۱۲۱) بخاری، کتاب الصلح، کتاب المغازی

(۱۲۲) محمد احمد باشمیل/الصلح حدیبیہ، ص ۲۹۲

(۱۲۳) ام کلثوم کے مطابق تین سو (۳۰۰) آدمی۔ ملاحظہ ہو زرقانی جلد ۲، ص ۲۰۳

(۱۲۴) محمود احمد ظفر، حکیم/سیرت خاتم النبیینؐ، ص ۵۵۷

(۱۲۵) رونۂ اقبال، ڈاکٹر/عہد نبویؐ کے غزوات و سرایا، ص ۱۸۹

(۱۲۶) ابن ہشام جلد ۲، ص ۳۲۳

(۱۲۷) زرقانی جلد ۲، ص ۲۰۳/پرویز/معراج انسانیت، ص ۶۷۱

(۱۲۸) محمد احمد باشمیل/الصلح حدیبیہ ص ۲۹۳

(۱۲۹) روض الانف، جلد ۲، ص ۲۳۳/عیون الاثر، جلد ۲، ص ۱۷۸، ۱۸۰/سیرۃ ابن ہشام، جلد ۲، ص ۳۲۳، ۳۲۴

(۱۳۰) ابن ہشام، جلد ۳، ص ۳۳۰

(۱۳۱) مودودی، ابوالاعلیٰ/تفہیم القرآن، جلد ۵، ص ۳۲۷، ۳۲۸

(۱۳۲) ابن ہشام، جلد ۳، ص ۳۳۲

(۱۳۳) واقدی، ص ۳۸۷

(۱۳۴) ابوعبید، جلد۲، ص ۱۵۷۔ فقرہ ۳۳۱

(۱۳۵) البخاری، جلد ا، ص ۳۸۰، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد

(۱۳۶) سورۃ الممتحنہ (آیات ۱۰ تا ۱۲)

(۱۳۷) ایضاً: ۱۰

(۱۳۸) سورۃ الممتحنہ ۱۲

(۱۳۹) مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، مولانا/ تفہیم القرآن، جلد ۵، ص ۴۲۷۔ ۴۲۸

(۱۴۰) ایضاً، ص ۴۲۸، واضح رہے کہ اس قانون کو فقہائے اسلام نے چار بڑے بڑے عنوانات کے تحت مرتب کیا ہے ان عنوانات اور ان کی ضروری تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو (ایضاً ص ۴۲۸ تا ۴۳۲)

(۱۴۱) محمد احمد باشمیل/ صلح حدیبیہ، ص ۲۹۱

(۱۴۲) علی محمد شاہین، پروفیسر، تاریخ اسلام، مکتبہ فریدی، جون ۱۹۸۵، ص ۱۵۶

(۱۴۳) ابن سعد نے عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی کا نام دیا ہے۔

(۱۴۴) ابن سعد جلد اول، ص ۱۵

(۱۴۵) ابن سعد جلد اول، ص ۱۵

(۱۴۶) بخاری، باب جہاد

(۱۴۷) علی محمد شاہین پروفیسر، تاریخ اسلام، ص ۱۵۷

(۱۴۸) نثار احمد، ڈاکٹر/ عہد نبویؐ میں ریاست کا نشوو ارتقاء، ص ۱۵۳

(۱۴۹) اس زمانے میں یمن کا صوبہ ایران کے زیر اثر تھا۔

(۱۵۰) یہ دو اشخاص تھے رسول اللہؐ نے انہیں کسریٰ کے قتل کی خبر دی۔

(۱۵۱) طبری جلد ۲، ص ۶۵۶

(۱۵۲) باذان رسول اللہؐ کی اس پیش گوئی کے پورا ہونے سے بہت متاثر ہوا، اس طرح باذان اور وہ سب مولد قبائل جو یمن میں ابناء کہلاتے تھے اسلام لے آئے۔ ملاحظہ ہو: ابن سعد جلد ا، ص ۲۶۰ اور طبری جلد ۲، ص ۶۵۵

(۱۵۳) روشن اقبال، ڈاکٹر/ عہد نبویؐ کے غزوات و سرایا، ص ۱۸۸

(۱۵۴) محمود احمد ظفر، حکیم/ سیرت خاتم النبیینؐ، ص ۵۶۷

(۱۵۵) نثار احمد، ڈاکٹر/ عہد نبویؐ میں ریاست کا نشوو ارتقاء، ص ۱۴۱

(۱۵۶) ابن ہشام، جلد ۳، ص ۳۶۸

(۱۵۷) البلاذری (فتوح) ص ۴۱

(۱۵۸) تیما کا یہودی مرکز بھی جمادی الثانی ۷ھ میں فتح ہوا اور پھر یکے بعد دیگرے یہ تمام بستیاں ریاست نبویؐ کے زیر نگیں آ گئیں۔ نثار احمد، ڈاکٹر/ عہد نبویؐ میں ریاست کا نشوو ارتقاء، ص ۱۴۶

(۱۵۹) روشن اقبال، ڈاکٹر/ عہد نبویؐ کے غزوات و سرایا، ص ۱۸۸

(۱۶۰) السرخسی، شرح سیر الکبیر جلد ا، ص ۱۸۶

(۱۶۱) علی محمد شاہین، پروفیسر/ تاریخ اسلام، ص ۱۵۷

(۱۶۲) نثار احمد، ڈاکٹر/ عہد نبویؐ میں ریاست کا نشوو ارتقاء، ص ۱۴۵

(۱۶۳) عموماً مورخین نے غزوۂ خیبر کے لیے رسول اللہؐ کی روانگی محرم میں بتائی ہے لیکن ابن سعد نے اسے جمادی الاول ۷ھ کا واقعہ بتایا ہے (جلد ۲، ص

(۱۶۳) ہوسکتا ہے رسول اللہؐ ربیع الثانی تک خیبر، فدک اور وادی القریٰ کے معاملات سے فارغ ہو کر جب مدینہ واپس پہنچے ہوں تو جمادی الاول کا مہینہ شروع ہو گیا ہو اور شاید اس بناء پر ابن سعد نے اس غزوہ کو جمادی الاول کا واقعہ بتایا ہو۔ (نثار احمد، ڈاکٹر/ عہد نبویؐ میں ریاست کا نشوونما ارتقاء، نقوش جلد ۵، رسول نمبر، ص ۲۹۸)

(۱۶۴) ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ حدیبیہ کے سفر میں بھی تعداد یہی چودہ سو تھی کیوں کہ صلح حدیبیہ کے فوراً بعد نازل ہونے والی سورۃ الفتح میں رسول اللہؐ کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ خیبر کی مہم پر صرف انہیں لوگوں کو لے جائیں جو حدیبیہ میں آپؐ کے ساتھ تھے (الفتح ۱۵) اور رسول اللہؐ نے مدینہ سے چلتے وقت یہ اعلان کر دیا تھا کہ "ہمارے ہمراہ اس کے سوا کوئی نہ جائے جسے جہاد کا شوق ہے۔ (ابن سعد، جلد ۲، ص ۱۰۶)

(۱۶۵) علی محمد شاہین، پروفیسر، تاریخ اسلام ص ۱۵۷

(۱۶۶) ابن ہشام جلد ۳، ص ۳۴۴

(۱۶۷) ابن ہشام جلد ۳، ص ۳۴۴

(۱۶۸) ایضاً

(۱۶۹) ابن سعد جلد ۲، ص ۱۱۰

(۱۷۰) ابن ہشام جلد ۳، ص ۳۸۰

(۱۷۱) شاہ معین الدین ندوی، تاریخ اسلام، جلد ۱، ص ۳۹

(۱۷۲) علی محمد شاہین، پروفیسر/ تاریخ اسلام، ص ۱۵۸

(۱۷۳) رسول اللہؐ حدیبیہ سے ذیقعدہ ۶ ھ کی بالکل آخری تاریخوں میں واپس تشریف لائے اور پھر ذی الحجہ کے بعد محرم میں خیبر کے لیے تشریف لے گئے (ثم اقام رسول اللہؐ بالمدینۃ حین رجع من الحدیبیۃ ذالحجۃ و بعض المحرم) ابن ہشام جلد ۳، ص ۳۴۲

(۱۷۴) اس کی مضبوطی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہود نے وہاں متعدد قلعے تعمیر کر رکھے تھے۔ ان قلعوں کی تعداد مورخین نے مختلف بتائی ہے لیکن ابن سعد نے ۹ قلعوں کے نام لکھے ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیے (ابن سعد جلد ۲ ص ۱۰۶) علامہ شبلی نے خیبر کے قلعوں کی تعداد ۶ بتائی ہے اور ان کے نام ساعم، قموص، نطاۃ، قصارہ، شق اور مربطہ لکھے ہیں (شبلی، سیرۃ النبیؐ جلد ۱، ص ۴۸۲)

(۱۷۵) محمد مظہر، ڈاکٹر/ پیغام اور پیغامبر، میگزین، اکیڈمی کراچی، دسمبر ۱۹۸۲ء، ص ۳۳۱

(۱۷۶) شبلی نعمانی، علامہ/ سیرۃ النبیؐ، جلد ۱، ص ۴۸۶/ بخاری، غزوہ خیبر

(۱۷۷) صحیح مسلم و ابوداؤد

(۱۷۸) ابن خلدون، جلد ۱، ص ۱۵۰

(۱۷۹) علی محمد شاہین، پروفیسر/ تاریخ اسلام، ص ۱۵۸

(۱۸۰) البلاذری (فتوح) ص ۳۱

(۱۸۱) نثار احمد، ڈاکٹر/ عہد نبویؐ میں ریاست کا نشوونما ارتقاء، ص ۱۳۵-۱۳۶

(۱۸۲) علی محمد شاہین، پروفیسر/ تاریخ اسلام، ص ۱۵۸

(۱۸۳) القرآن الحکیم سورۃ الفتح: ۱۸

(۱۸۴) ایضاً: ۱۹

(۱۸۵) ایضاً: ۲۱

(۱۸۶) نثار احمد، ڈاکٹر/ عہد نبویؐ میں ریاست کا نشوونما ارتقاء، ص ۱۳۶

(۱۸۷) رفیع اقبال، ڈاکٹر/ عہد نبویؐ کے غزوات و سرایا، ص ۱۸۸

(۱۸۸) ابن سعد جلد ۱، ص ۳۶۲

(۱۸۹) علی محمد شاہین، پروفیسر/ تاریخ اسلام، ص ۱۵۸

(۱۹۰) بخاری، غزوۂ موتہ

(۱۹۱) بخاری، غزوۂ موتہ
(۱۹۲) بخاری، غزوۂ موتہ
(۱۹۳) کلیم محمد شاہ جہان پوری/ تاریخ اسلام، ص ۱۵۹
(۱۹۴) ابن سعد، جلد ۲، ص ۱۳۳
(۱۹۵) ابن ہشام، جلد ۳، ص ۳۳۶
(۱۹۶) ابن سعد، جلد ۲، ص ۱۳۲
(۱۹۷) نثار احمد، ڈاکٹر/ عہد نبویؐ میں ریاست کا نشو و ارتقاء، ص ۱۳۳
(۱۹۸) ابن ہشام، جلد ۳، ص ۳۳_۳۶
(۱۹۹) ابن سعد، جلد ۲، ص ۱۳۳
(۲۰۰) ایضاً
(۲۰۱) ابن ہشام، جلد ۳، ص ۳۳
(۲۰۲) نثار احمد، ڈاکٹر/ عہد نبویؐ میں ریاست کا نشو و ارتقاء، ص ۱۳۶_۱۳۷
(۲۰۳) ابن سعد، جلد ۲، ص ۱۳۵
(۲۰۴) ابن ہشام، جلد ۳، ص ۴۱۔ ابن سعد نے تصریح کی ہے کہ ابن ہدہ کا قتل تھا اور آپؐ بعد عصر روانہ ہوئے۔ (ابن سعد، جلد ۲، ص ۱۳۵)
(۲۰۵) نثار احمد، ڈاکٹر/ عہد نبویؐ میں ریاست کا نشو و ارتقاء، ص ۱۳۷
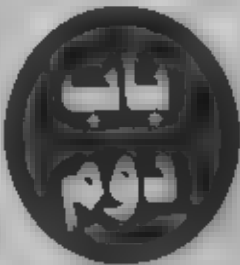
باب
دوم
صلح حدیبیہ کی سیاسی ؛ عسکری اہمیت

باب دوم: صلح حدیبیہ کی سیاسی و عسکری اہمیت:

﴿فصل اوّل﴾

صلح حدیبیہ، متن اور دفعات:

عربی متن:

باسمک اللّٰھم

ھٰذا ما صالح علیہ محمد بن عبداللّٰہ و سہیل بن عمرو

واصلحا علی وضع الحرب عن الناس عشر سنین یامن فیھن النّاس ویکف بعضھُم عن بعض.

علیٰ انہ من قدم مکۃ من اصحاب محمد حاجاً او معتمراً اویبغی من فضل اللّٰہ فھُو آمن علی دمہ ومالہ، ومن قدم المدینۃ من قریش مجتازاً الیٰ مصر او الیٰ الشام یبغی من فضل اللّٰہ فھو آمن علی دمہٖ ومالہٖ

علیٰ انّہ من اتی محمداً من قریش بغیر اذن ولیہ ردہ علیھم ومن جاء قریشاً ممن مع محمدلم یر دّہ علیہ.

وانّ بیننا عیبۃ مکفوفۃ، وانہ لا اسلال ولا اغلال.

وانّہ من احبّ ان یدخل فی عقد محمد وعھدہ دخلہ، ومن احبّ ان یدخل فی عقد قریش وعھدھم دخل فیہ.

فتواثبت خزاعۃ فقالوا: "نحن فی عقد محمد وعھدہ" وتواثبت بنو بکر فقالوا: "نحن فی عقد قریش وعھدھم".

وانک ترجع عنّا عامک ھذا، فلا تدخل علینا مکۃ، وانّہ اذا کان عام قابل خرجنا عنک فدخلتھا باصحابک فاقمت بھا ثلاثاً، معک سلاح الراکب، السیوف فی القرب، ولا تدخلھا بغیرھا.

وعلیٰ انّ ھٰذا الھدی حیث ماجئناہ ومحلّہ فلا تقدمہ علینا.

اشھد علی الصلح رجال من المسلمین ورجال من المشرکین.:

ابوبکر الصدیق و عمر بن الخطاب و عبدالرحمن بن عوف و عبداللّٰہ بن سہیل بن عمرو و سعد بن ابی وقاص و محمود بن مسلمۃ

ومکرز بن حفص (و......؟ من المشرکین)

وعلی بن ابی طالب و کتب......(۱)

معاہدۂ حدیبیہ کا ترجمہ:

تیرے نام سے اے اللہ

یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو میں طے ہوا۔

ان دونوں نے اس بات پر صلح کر لی ہے کہ دس سال تک جنگ روک دی جائے جس دوران میں لوگ امن سے رہیں اور ایک دوسرے سے رکے رہیں۔

یہ کہ محمدؐ کے ساتھیوں میں سے جو حج یا عمرے یا تجارت کے لیے مکہ آئے تو اس کی جان و مال کا امان ہوگا اور قریش کا جو شخص تجارت کے لیے مصر یا شام (بروایت ابو عبید عراق یا شام) جاتے ہوئے مدینے سے گزرے تو اسے جان و مال کا امان حاصل ہوگا۔(۲)

یہ کہ قریش کا جو شخص اپنے ولی (سرپرست) کی اجازت کے بغیر محمدؐ کے پاس آئے گا تو آپؐ ان کے سپرد کر دیں گے۔ اور محمدؐ کے ساتھیوں میں جو شخص قریش کے پاس آجائے گا وہ اسے آپؐ کے سپرد نہیں کریں گے۔

یہ کہ ہم میں باہم سینے ہر طرح بند رہیں گے (جن میں باہر سے کوئی غداری داخل نہ ہو سکے گی) اور نہ تو خفیہ کسی دوسرے کو مدد دی جائے گی، نہ علانیہ خود خلاف عہد دغا کریں گے۔

یہ کہ جو محمدؐ کے معاہدے اور ذمہ داری میں داخل ہونا چاہتا ہے وہ بھی ایسا کر سکے گا اور جو قریش کے معاہدے اور ذمہ داری میں داخل ہونا چاہتا ہے وہ بھی ایسا کر سکے گا۔

(اس پر قبائل خزاعہ نے اٹھ کر کہا کہ ہم محمدؐ کے معاہدے اور ذمہ داری میں شریک ہوتے ہیں اور بنی بکر نے کہا کہ ہم قریش کے معاہدے اور ذمہ داری میں شریک ہوتے ہیں)

یہ کہ تو اس سال ہمارے پاس سے واپس چلا جائے گا اور ہمارے ہاں مکہ نہ آئے گا البتہ سال آئندہ ہم باہر چلے جائیں گے اور تو اور تیرے ساتھی وہاں (مکے میں) داخل ہو کر تین راتیں ٹھہر سکیں گے۔ تیرے ساتھ سوار کا ہتھیار ہوگا یعنی تلوار میان میں پڑی ہوئی۔ اس کے سوا کوئی اور ہتھیار لے کر تو وہاں نہ آ سکے گا۔

یہ کہ یہ قربانی کے جانور وہیں رہیں گے جہاں ہم نے ان کو پایا (یعنی حدیبیہ میں) اور ان کو حلال کر دیا جائے گا اور ان کو ہمارے پاس (مکہ قربانی کے لیے) نہیں لایا جائے گا اور صراحت کہ ہمارے اور تمہارے حقوق اور واجبات برابر کے ہوں گے۔

(غالباً) مہر نبوی　　　(غالباً) مہر سہیل بن عمرو

گواہان اسلام: ابوبکر، عمر، عبدالرحمن بن عوف، عبداللہ بن سہیل بن عمرو، سعد بن ابی وقاص، محمود بن مسلمہ، ابو عبیدہ بن الجراح وغیرہ۔

گواہان قریش: مکرز بن حفص وغیرہ

کاتب: علیؑ بن ابی طالب (۳)

اہم بنود الصلح:

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (۴)

معاہدۂ حدیبیہ پر ایک تفصیلی نظر:

جس معاہدہ میں قریش کے وکیل سہیل ابن عمرو تھے، اس قرارداد کا عنوان مختلف لفظوں میں ہے:

الف: هذا ما صالح عليه محمد بن عبدالله وسهيل بن عمرو.

یہ معاہدہ ہے محمدؐ بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو کا۔

ب: هذا ما قاضى عليه محمد بن عبدالله اهل مكة.

یہ معاہدہ ہے محمدؐ بن عبداللہ کا اہل مکہ سے باسمک اللھم!

یہ معاہدہ صلح ہے محمدؐ بن عبداللہ کا جو سہیل بن عمرو کے ساتھ ہوا ان شرائط پر۔

۱۔ فریقین میں دس سال کے لیے جنگ کرنا ممنوع ہے۔

۲۔ ان دس برسوں میں اگر یاران محمدؐ مندرجہ ذیل تین اغراض میں سے کسی ایک کے لیے مکہ میں آئیں تو اہل مکہ پر ان کی جان اور مال کی ذمہ داری ہے۔

الف: حج کے لیے

ب: عمرہ کے لیے

ج: تجارت کے لیے

مسلمانوں پر قریش کی ذمے داری:

۳۔ اگر قریش تجارت کے لیے مدینہ کے راہ سے مصر یا شام کی طرف جائیں تو مسلمان ان کی جان اور مال کے ذمہ دار ہوں گے۔

۴۔ اہل مکہ میں سے جو شخص اپنے خاندانی سربراہ کی اجازت کے بغیر مسلمان ہو کر مدینہ چلا آئے تو محمدؐ پر اس کا مکہ لوٹا دینا واجب ہے۔

۵۔ بخلاف (نمبر۴) کے اگر کوئی شخص مدینہ میں سے اسلام ترک کر کے مکہ میں پناہ گزین ہو تو قریش اسے واپس نہیں کریں گے۔

نواحی قبائل کے لیے:

۶۔ ان قبائل میں سے جو قبیلہ اہل مکہ کے ساتھ معاہد رہنا چاہے وہ مختار ہے اگر کوئی قبیلہ اسی قبیلہ کی مانند محمدؐ کے ساتھ

معاہدہ کرنا چاہے تو یہ بھی آزاد ہے۔

(اس موقع پر بنو خزاعہ نے محمدؐ کے ساتھ معاہدہ کرلیا اور بنو بکر نے قریش کے ساتھ)

۷۔ اس مرتبہ محمدؐ اور آپؐ کے ہمراہیوں کو عمرہ کیے بغیر واپس لوٹنا ہوگا۔

۸۔ آئندہ سال وہ مکہ میں عمرہ کے لیے آنے کے مجاز ہیں۔

۹۔ ان کے داخلے پر قریش اور انکے ہمسائے شہر خالی کردیں گے۔

۱۰۔ مسلمان اپنے ساتھ صرف سواری کے شایاں اسلحہ لاسکتے ہیں مگر تلواریں میان میں ہوں نہ کہ کسی اور غلاف سے ڈھکی ہوئی۔

۱۱۔ انہیں مکہ میں تین روز سے زیادہ قیام کی اجازت نہ ہوگی۔

۱۲۔ مسلمان اس سفر میں عمرہ کے لیے ھدی کے جانور جو اپنے ہمراہ لاتے ہیں وہ منٰی میں لے جاکر ذبح نہیں کیے جاسکتے یہ مسلمان جائیں اور ان کی ھدی اور اس کا مذبح! فقط

فریقین میں سے اس معاہدہ پر مندرجہ ذیل افراد کے دستخط ہوئے۔

مسلمانوں میں سے:

(۱) حضرت ابوبکر صدیق (۲) حضرت عمر بن الخطاب (۳) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (۴) حضرت عبداللہ بن سہیل بن عمرو (۵) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ (۶) حضرت محمود بن سلمہ

از طرف مشرکین مکہ.....؟

محرر وثیقہ: علی بن ابی طالب (۵)

کتاب قریش الی رسول اللہ فی استرداد من فر منھم

مغازی الواقدی ورق ۱۴۲ ب، قابل بہ ص ۷۵۱۔۷۵۲

بعد ماتم أمر الحدیبیة فر ابو بصیر ولحق برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکتبت قریش الیہ:

قد عرفت ماشارطناک علیہ، واشھدنا بیننا وبینک من رد من قدم علیک من أصحابنا، فابعث الینا بصاحبنا (۶)

قریش کا خط بخدمت رسول اللہ ﷺ:

حدیبیہ میں فریقین کی قرارداد مصالحت کے مطابق ہمارے ان اشخاص کی واپسی کے آپ ذمہ دار ہیں جو مکہ سے فرار ہوکر مدینہ پہنچ گئے ہیں۔

لہٰذا ہمارے اس آدمی کو واپس بھجوا دیجیے۔

یہ خط ابو بصیر صاحب ؓ کی واپسی کے متعلق ہے جس کے جواب کی نقل نہیں ملی اور نہ اس خط کا مصدر دریافت ہو سکا۔(۷)
دیگر تفصیل کے لیے دیکھیے:(۸)

ب: رسول اللہ کا خط بنام ابو بصیر برائے واپسی از عیص:

رسول اللہ ﷺ نے ابو بصیر کی طرف مدینہ چلے آنے کا خط لکھا مگر اس لمحہ ابو بصیر بستر مرگ پر کروٹ بدل رہے تھے ان کی رحلت کے بعد ان کے تمام ساتھی مدینہ چلے آئے۔
ان دونوں خطوں کے اصل الفاظ اور مصادر نہیں ملے۔(۹)

صلح حدیبیہ (متن و دفعات) قرآن حکیم کی روشنی میں:

قرآن کریم نے صلح حدیبیہ کے متعلق بیان کرتے ہوئے اسے ایک قابل تعریف تاریخی صلح قرار دیا ہے اور اس کے اُن عظیم فوائد کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جن کی حقیقت کا عام صحابہ رسول اللہ ﷺ کی طرح ادراک نہ کر سکے تھے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اس صلح کا شدید معاوضہ کیا، قرآن کریم نے صلح حدیبیہ کے متعلق اعلان کرتے ہوئے اسے مسلمانوں کی ایک بڑی فتح قرار دیا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سورۂ فتح میں جو حدیبیہ سے واپسی پر راستے میں نازل ہوئی تھی، اسے فتح مبین قرار دیا ہے اللہ تعالیٰ صلح حدیبیہ کی تعریف کرتے ہوئے بیان فرماتا ہے:

﴿ "إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ٥ لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا" ﴾(۱۰)

جیسا کہ صحیح بخاری میں بیان ہے کہ عام مفسرین اور محدثین کا خیال ہے کہ سورۂ فتح صلح حدیبیہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اس سورت میں فتح سے مراد تاریخی صلح حدیبیہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا اہل صلح حدیبیہ کی تعریف کرنا:

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اُن اصحاب شجرہ کی تعریف کی ہے جنہوں نے حدیبیہ میں رسول کریم ﷺ کے ہاتھ پر موت کی بیعت کی ہے اور ان کے متعلق اپنی رضا کا اعلان کیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ "لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا" ﴾(۱۱)

مفسرین کے بیان کے مطابق اس جگہ سکینت سے مراد طمانیت ہے اور یہ بیعت رضوان ہے اور "فتح قریب" سے مراد صلح ہے اللہ تعالیٰ حدیبیہ میں بیعت کرنے والوں کے عمل کی تعریف کرتے ہوئے ان کی بیعت رسول کو اپنی بیعت قرار دیتا ہے اور

یہ تکریم کا نہایت اعلیٰ مرتبہ ہے فرماتا ہے:

﴿"إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا"﴾(۱۲)

سورۂ فتح میں قرآن کریم نے اعراب کے ان مشرکوں اور منافقوں کی تقبیح کی ہے جن کے پاس سے مکہ اور مدینہ کے درمیان حضرت نبی کریم ﷺ گزرے اور انہیں اس تاریخی سفر میں اپنی مصاحبت اختیار کرنے کی دعوت دی، پس وہ دیر کرنے لگے پھر یہ گمان کرتے ہوئے رک گئے کہ حضرت نبی کریم ﷺ اور آپؐ کے اصحابؓ قریش کے سامنے شکست کھا جائیں گے اور کہنے لگے کہ محمد (ﷺ) قتل ہونے کے لیے نکلے ہیں اور بڑے کینہ قوم کے پاس جا رہے ہیں پس انہوں نے آپؐ کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ان منافقین اور مشرکین کی تقبیح کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿"وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ الظَّانِّينَ بِاللَّهِ ظَنَّ السَّوْءِ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا"﴾(۱۳)

اسی طرح اس نے منافقین کے اس دوسرے گروہ کی فضیحت کی ہے جو نفاق میں غرق ہو چکے تھے، جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فاتحانہ شان کے ساتھ اور آپؐ کے اصحابؓ کو محفوظ واپس آتے دیکھا تو وہ رسول اللہ ﷺ سے اپنے لیے استغفار کرنے کا مطالبہ کرنے لگے حالانکہ خود انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا تھا، نیز جب آپؐ نے ان سے مدد مانگی تو وہ آپؐ سے علیحدہ ہو گئے اور جب آپؐ نے ان سے نکلنے کو کہا تو انہوں نے اپنے اموال و اولاد میں مشغولیت کا عذر کیا، حالانکہ حقیقت میں وہ یہ خیال کرتے تھے کہ حضرت نبی کریم ﷺ اور آپؐ کے اصحابؓ کا مقبرہ قریش کے سامنے حرم میں بنے گا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس تاریخی سفر میں صلح عظیم پر منتج ہوا آپ کی مرافقت سے رک گئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے خبیث ارادوں کو رسوا کر دیا اور رسول کریم ﷺ پر واضح کر دیا کہ وہ ان سے اور ان کی دسیسہ کاریوں سے محتاط رہیں، فرماتا ہے:

﴿سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا يَقُولُونَ بِأَلْسِنَتِهِم "مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ قُلْ فَمَن يَمْلِكُ لَكُم مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا"﴾(۱۴)

پھر فرماتا ہے:

﴿"بَلْ ظَنَنتُمْ أَن لَّن يَنقَلِبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَىٰ أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَزُيِّنَ ذَٰلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ وَظَنَنتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ وَكُنتُمْ قَوْمًا بُورًا"﴾(۱۵)

اسی طرح قرآن کریم نے سورہ فتح میں قریش کے جاہلی تکبر و تعصب کی طرف اشارہ کیا ہے جو انہوں نے مسلمانوں کو حرم سے روکنے کے لیے اختیار کیا اور اس مخفی حکمت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جو صلح حدیبیہ کے موقع پر بعض لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہی جس کی وجہ سے انہوں نے اس کا معارضہ کیا تھا پھر اس نے جنگ کی بجائے اپنے نبی کی اتباع کے اسباب کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ مکہ میں مشرکین کے درمیان کچھ مسلمان موجود تھے اگر نبی کریم ﷺ جنگ کی راہ اختیار کرتے اور فتح حاصل

کر لیتے تو ان کمزور مسلمانوں میں سے بہت سے لوگ بغیر کسی علم کے جیش نبویؐ کے ہاتھوں تباہ ہو جاتے اور انہیں بڑی تکلیف ہوتی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ھُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَصَدُّوْکُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْھَدْیَ مَعْکُوْفًا اَنْ یَّبْلُغَ مَحِلَّہٗ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْھُمْ اَنْ تَطَئُوْھُمْ فَتُصِیْبَکُمْ مِّنْھُمْ مَّعَرَّۃٌ بِغَیْرِ عِلْمٍ لِیُدْخِلَ اللّٰہُ فِیْ رَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ لَوْ تَزَیَّلُوْ﴾

ایک اور جگہ فرماتا ہے:

﴿ھُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَصَدُّوْکُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْھَدْیَ مَعْکُوْفًا اَنْ یَّبْلُغَ مَحِلَّہٗ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْھُمْ اَنْ تَطَئُوْھُمْ فَتُصِیْبَکُمْ مِّنْھُمْ مَّعَرَّۃٌ بِغَیْرِ عِلْمٍ لِیُدْخِلَ اللّٰہُ فِیْ رَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ لَوْ تَزَیَّلُوْا﴾

﴿لو عرجوا من عند المشرکین...... لَوْ تَزَیَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْھُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا﴾(۱۶)

یعنی ہم آپ کو ان پر مسلط کردیں گے اور تم بزور شمشیر مکہ میں داخل ہو گے، لیکن تم حکمت کو نہیں جانتے، ہم نے جنگ کی بجائے صلح کے طریق کو اختیار کر کے تقیہ کو برابر کردیا ہے اگر تم جنگ کرتے تو پھر بھی تم قریش پر فتح حاصل کرتے لیکن اس حکمت سے ہم نے کمزور مسلمانوں کو جیش اسلامی کے نقصان پہنچانے سے بچالیا کیوں کہ جنگ کے وقت مسلم اور مشرک کی تمیز کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے دونوں فریقوں کے خون محفوظ کر کے اور ایک کو دوسرے سے روک کر اس صلح کی کامیابی کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ فرماتا ہے:

﴿وَھُوَ الَّذِیْ کَفَّ اَیْدِیَھُمْ عَنْکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ عَنْھُمْ بِبَطْنِ مَکَّۃَ مِنْ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَکُمْ عَلَیْھِمْ وَکَانَ اللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا﴾(۱۷)

اسی طرح قرآن کریم نے اس سورت میں مسلمانوں کے لیے تاکید کے ساتھ بیان کیا ہے کہ اگر وہ حدیبیہ کے سال اہل مکہ سے جنگ کرتے تو انہیں شکست دے کر ان پر غالب آجاتے لیکن ایک حکمت کے تحت جس سے مسلمان نا آشنا تھے جو بعد میں انہیں معلوم ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فریقین کے درمیان جنگ برپا ہونے میں حائل ہوگیا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَلَوْ قٰتَلَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا یَجِدُوْنَ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا﴾(۱۸)

اسی طرح قرآن کریم نے قریش کے تکلیف پہنچانے اور مسلمانوں کو مضطرب کرنے اور مذاکرات میں ان کے نمائندے سہیل بن عمرو کے ڈینگیں مارنے اور دستاویز صلح میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کے لکھنے پر بت پرستانہ حمیت دکھانے اور روح جاہلیت کی روش پر چلنے کی مذمت کی ہے، اسی طرح قرآن کریم نے قریش کے مضطرب کرنے اور ان کی جاہلانہ تحدیوں کے سامنے حضرت نبی کریم ﷺ کے صبر و حکمت کی تعریف کی ہے کہ انہوں نے اپنے پرجوش جذبات کو دبایا اور پرسکون رہے اور باوجود صلح کے ناپسند کرنے کے انہوں نے اپنے نبی کی اطاعت کو اختیار کیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿اِذْ جَعَلَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْحَمِیَّۃَ حَمِیَّۃَ الْجَاھِلِیَّۃِ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ

وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝ لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِن شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِن دُونِ ذَٰلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا﴾ (۱۹)

اسی طرح قرآن کریم نے مسلمانوں کو حدیبیہ سے واپسی پر یہ یقین دلایا کہ ان کے نبی نے انہیں جو خبر دی ہے کہ وہ عنقریب مکہ میں داخل ہوں گے، وہ برحق ہے اور اس کے واقع ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں اور وہ لازماً عمرہ کرتے ہوئے سر بلند کر کے مکہ میں داخل ہوں گے جس طرح کہ ان کے نبی نے انہیں بتایا ہے۔

فرماتا ہے:

﴿"لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِن شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ"﴾ (۲۰)

اسی طرح جن لوگوں نے اس صلح کی حکمت کو نہ سمجھتے ہوئے اسے ناپسند کیا اور اس پر تعریض کی ان کو اس طرف توجہ دلائی ہے کہ جس صلح کو تم ناپسند کر رہے ہو اس کے عظیم الشان فوائد ہیں اور یہ اسلامی جماعت کی ایک فتح ہے۔

فرماتا ہے:

﴿" فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِن دُونِ ذَٰلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا"﴾ (۲۱)

"سورۃ الفتح" کی آیات مبارکہ پر ایک نظر:

﴿" لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ "﴾ (۲۲)

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کا خواب سچا کر دکھایا۔"

حضور اکرمؐ نے عمرے کی غرض سے جس سفر کا ارادہ فرمایا تھا اس سے پہلے آپؐ نے ایک خواب دیکھا تھا کہ آپ عمرہ ادا فرما رہے ہیں۔ نبی کا خواب ایک نوع کی وحی ہوتا ہے، چنانچہ آپؐ نے اسی کی بنیاد پر سفر اختیار فرمایا۔ جب صلح حدیبیہ کے بعد یہ طے ہو گیا کہ عمرہ اس سال نہ ہو سکے گا تو بعض حضرات نے یہ خیال کیا کہ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ وہ خواب جھوٹا ہو گیا۔ نعوذ باللہ من ذالک!!

حضور اکرم ﷺ نے یہ وضاحت فرما کر ان کے اس مغالطے کو دور کیا کہ میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ یہ خواب اسی سال ضرور پورا ہو گا، ہم عمرہ ان شاء اللہ ضرور کریں گے، یہ خواب غلط نہیں ہے۔ کم از کم اس سفر کا یہ فائدہ تو ہوا کہ مشرکین مکہ نے مسلمانوں کی حیثیت کو تسلیم کر لیا اور آئندہ سال کے لیے طے ہو گیا کہ مسلمان عمرہ ادا کریں گے اور مشرکین ان کی راہ میں حائل نہیں ہوں گے۔ چنانچہ اگلے سال کے ذوالقعدہ ۷ھ میں وہ عمرہ ہوا جسے عمرۂ قضاء کہتے ہیں۔ تو یہاں دراصل اسی بات کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کہ اللہ نے اپنے رسول کا خواب سچا کر دکھایا۔

﴿ "لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِنْ دُونِ ذَٰلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا" ﴾ (۲۳)

"تم یقیناً داخل ہو گے مسجد حرام میں، انشاء اللہ پوری امن کی حالت میں، اپنے سروں کو مونڈتے ہوئے بھی اور بال ترشوائے ہوئے بھی، اس حالت میں کہ تمہیں کسی کا خوف نہ ہوگا تو اللہ جانتا ہے جو کچھ کہ تم نہیں جانتے پس اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے ایک قریبی فتح کا سامان کر دیا۔"

یعنی یہ کہ یہ صلح اب تمہارے لیے کامیابیوں کے نئے نئے دروازے کھولنے کا باعث بنے گی۔ تم بہت جلد اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگے کہ صلح کے جس معاہدے کو قریش مکہ اپنی فتح سمجھ رہے تھے، وہ ان کی شکست تھی۔ چنانچہ وہ عمومی تاثر محمد رسول اللہ ﷺ نے دب کر صلح کی ہے، غلط ثابت ہوا اور یہ صلح مسلمانوں کے حق میں ایک فتح عظیم ثابت ہوئی۔

اس کے بعد یہاں سورۃ الفتح کے آخری رکوع میں بھی وہی آیت مبارکہ وارد ہوئی ہے جو آنحضور ﷺ کے مقصد بعثت کے بیان کے ضمن میں قرآن حکیم کی اہم ترین آیت ہے۔ (واضح رہے کہ یہ آیت اس سے قبل سورۃ الصف کے درس کے ضمن میں ہمارے مطالعے سے گزر چکی ہے) اس آیت کو اگر پورے قرآن مجید کا عمود قرار دیا جائے تو غلط نہ ہوگا۔

فرمایا:

﴿ "هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ" ﴾ (۲۴)

"وہی ہے (اللہ) جس نے اپنے رسول (محمد ﷺ) کو مبعوث فرمایا الہدیٰ (قرآن حکیم) اور دین حق دے کر، تاکہ غالب کر دے اسے پورے کے پورے دین (یعنی نظام زندگی) پر۔"

﴿ "وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا" ﴾ (۲۵) "اور کافی ہے اللہ گواہی دینے والا۔"

اللہ کا یہ فیصلہ ہے کہ یہ ہو کر رہے گا اور یہ دعوت درحقیقت اپنی اس منزل سے قریب ہوا چاہتی ہے، کامیابی اس کے قدم چوما چاہتی ہے۔ اگلی آیت میں فرمایا: "مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ" (۲۶) "محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔"

"وَالَّذِينَ مَعَهُ" (۲۷) "اور وہ لوگ کہ جو ان کے ساتھ ہیں۔"

یعنی آپؐ پر ایمان لانے والے آپؐ کے صحابہؓ آپؐ کے جاں نثار آپؐ کے دست و بازو، آپؐ کے اعوان و انصارؓ۔ یہ مقام عظمت صحابہ کے بیان کے ضمن میں بڑی اہمیت کا حامل ہے فرمایا:

"وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" (۲۸)

"اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار کے مقابلے میں بڑے سخت اور آپس میں انتہائی نرم ہیں۔"

انہیں اس کی پرواہ نہیں ہوتی کہ مقابلے میں ان کا باپ ہے یا بیٹا۔ ان کا رشتہ صرف اللہ اور اس کے رسولؐ سے ہے۔ ان کی تمام محبتیں اس معیار پر اور اسی ایک بنیاد پر از سر نو استوار ہو چکی ہیں۔ جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"من احب للّٰہ وابغض للّٰہ واعطی للّٰہ ومنع للّٰہ فقد استکمل الایمان" (۲۹)

جس نے کسی سے محبت کی تو اللہ کے لیے کی، کسی سے بغض اور عداوت رکھی تو اللہ کے لیے رکھی، کسی کو کچھ دیا تو اللہ کے لیے دیا اور کسی سے کچھ روکا تو صرف اللہ کے لیے روکا، تو وہ ہے کہ جس نے اپنے ایمان کی تکمیل کر لی۔"

صحابہ کرامؓ اس معیار پر کاملاً پورے اترتے ہیں چنانچہ غزوۂ بدر میں چشم فلک نے وہ نظارہ دیکھا کہ باپ ادھر ہے اور بیٹا ادھر، ماموں ادھر ہے تو بھانجا ادھر، بھتیجا ادھر ہے تو چچا ادھر۔ ادھر حضور اکرم ﷺ ہیں اور ادھر عباس بن عبدالمطلب ہیں جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے۔ ادھر حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں اور ادھر ان کے بیٹے عبدالرحمٰن۔ اور ایمان لانے کے بعد عبدالرحمٰن بن ابی بکر (رضی اللہ عنہما) نے جب اپنے والد محترم حضرت ابوبکر صدیقؓ سے یہ کہا کہ ابا جان! میدان بدر میں آپ میری تلوار کی زد میں آ گئے تھے لیکن میں نے آپ کا لحاظ کیا تو جواب میں حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: بیٹے! یہ اس لیے تھا کہ تمہاری جنگ حق کے لیے نہیں تھی، خدا کی قسم، اگر کہیں تم میری زد میں آ جاتے تو میں بالکل نہ چھوڑتا۔ اس لیے کہ یہاں معاملہ بالکل بدل چکا ہے۔ تاہم دوسری طرف وہ آپس میں انتہائی نرم اور مہربان ہیں۔ ایک دوسرے کے دکھ درد کو بانٹنے والے، ایک دوسرے کے دکھ اور درد کو اپنے باطن میں محسوس کرنے والے، اس شان کے حامل جس کی تعبیر علامہ اقبال نے ایک شعر میں اس طرح کی ہے کہ۔

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن! (۳۰)

اور جس کا نقشہ سورۃ المائدہ میں ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے:

﴿"يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ"﴾ (۳۱)

"ان سے اللہ محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں، اہل ایمان کے حق میں بہت ہی نرم ہیں لیکن کافروں کے لیے بہت سخت ہیں۔"

کفار کے مقابلے میں ان کے موقف میں کہیں کسی کمزوری کا اظہار نہیں ہوتا۔

﴿"يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ"﴾ (۳۲)

"اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ (جان اور مال لگاتے کھپاتے ہیں) اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا کوئی اثر قبول نہیں کرتے۔"

اب ہم سورۃ الفتح کی آخری آیت کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ فرمایا گیا:

﴿"تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا"﴾ (۳۳)

"تم انہیں دیکھتے ہو رکوع کرتے اور سجدہ کرتے ہوئے وہ اپنے رب کے فضل اور اس کی رضا کے متلاشی ہیں۔"

ذہن میں رکھیے کہ بندۂ مومن کی شخصیت کے یہ دو رخ ہیں جن کا ذکر قرآن میں متعدد مقامات پر ملتا ہے۔ ایک رخ محبت خداوندی، جذبۂ عبودیت اور اس کی کیفیات سے متعلق ہے جب کہ دوسرا جہاد و قتال اور ایثار و قربانی سے عبارت ہے۔ یہاں

ان الفاظ میں پہلے رخ کا بیان ہے کہ:

"تَرٰاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا"(۳۴)

"ان کی زندگی کا یہ نقشہ تمہارے سامنے ہے کہ وہ اللہ کی جناب میں رکوع اور سجود کرنے والے ہیں، وہ اپنے رب کے فضل کے طالب اور اس کی رضا کے جویا ہیں۔ ان کا نصب العین بس رضائے الٰہی کا حصول ہے۔

"سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُوْدِ"(۳۵)

"ان کی نشانی ہے، ان کے چہرہ میں (ان کی پیشانیوں میں) سجدوں کے اثرات سے"

"ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيْلِ "(۳۶)

"یہ ان کی مثال ہے تورات میں اور ان کی یہ تمثیل ہے انجیل میں بھی۔"

تورات اور انجیل کے بارے میں یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے بارے میں پیشن گوئیاں ان کتابوں میں موجود تھیں جن میں سے بہت سی کھرچ دی گئیں نام و نشان مٹانے کی ہر ممکن سعی کی گئی پھر بھی کہیں کہیں کوئی کوئی پیشن گوئی باقی رہ گئی۔ قرآن مجید کے یہ الفاظ ثابت کرتے ہیں کہ صرف حضور اکرم ﷺ کی نہیں بلکہ صحابہ کرامؓ کی علامات کا بیان بھی تورات اور انجیل میں تھا، ان کی شخصیتوں کے نمایاں اوصاف اور خدوخال بھی ان میں درج تھے۔ وہ مشہور واقعہ اس بات کی تائید کرتا ہے جو بیت المقدس کی فتح کے ضمن میں تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہے کہ جب مسلمان افواج یروشلم کا محاصرہ کیے ہوئے تھیں اور محاصرہ بھی بہت طول پکڑ گیا تو وہاں محصور عیسائی رہنماؤں نے کہا کہ ایک درویش بادشاہ کی علامات ہماری کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں جس کے ہاتھوں یہ شہر فتح ہوگا۔ بعد میں ثابت ہوا کہ وہ درویش بادشاہ حضرت عمرؓ تھے۔ اس لیے کہ وہ جب بیت المقدس تشریف لائے تو وہاں کے لوگوں نے اپنی کتابوں سے حضرت عمرؓ کا حلیہ ملانے کے بعد شہر کے دروازے مسلمانوں کے لیے یہ کہتے ہوئے کھول دیے کہ یہی وہ شخص ہے جس کی علامات ہماری کتابوں میں درج ہیں۔

آگے فرمایا: "كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهِ"(۳۷)

"اس کھیتی کے مانند جو پہلے اپنی سوئی نکالتی ہے، پھر اس کی کمر کو مضبوط کرتی ہے، پھر ذرا موٹی ہوتی ہے، پھر کھڑی ہو جاتی ہے اپنی نال پر" "يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ"(۳۸)

"کاشت کار کو وہ بڑی بھلی لگتی ہے۔ (اس کا دل اس کھیتی کو دیکھ کر باغ باغ ہو جاتا ہے) تا کہ دلوں میں جلن پیدا ہو جائے کفار کے۔" یہاں کھیتی سے مراد صحابہ کرامؓ کی جماعت ہے۔ یہ پودا جو شروع میں بڑا نرم و نازک اور کمزور تھا اب ایک تناور درخت کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کا کاشت کار کون ہے؟ خود اللہ تبارک و تعالیٰ جس کی یہ کھیتی ہے یا پھر وہ ذات گرامی ﷺ جس نے اپنے خون جگر سے اس کھیتی کو سینچا ہے۔ آپ کا دل اس شاندار فصل کو دیکھ کر باغ باغ ہو جاتا ہے اور وہ کفار و منافقین جن کو صحابہ کرامؓ سے بغض تھا، ان کی کامیابیوں پر اپنے دل میں جلن اور گھٹن محسوس کرتے ہیں۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُم مَّغْفِرَةً وَّأَجْرًا عَظِيْمًا"(۳۹)

"ان لوگوں میں سے جو ایمان اور عمل صالح کے معیار پر پورا اتریں، اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔"

دنیا میں بھی فتح و کامرانی ان کے قدم چوم رہی ہے اور آخرت کے اعتبار سے وہ کامیاب و کامران ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان صاحب ایمان اور نیکوکار لوگوں سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔

مسلمانوں کو فتح خیبر کی خوشخبری:

اسی طرح قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح خیبر کی خوشخبری دی ہے اور یہ کہ انھیں خیبر سے بہت سی غنائم ملیں گی نیز یہ اشارہ بھی کیا ہے کہ پیچھے رہ جانے والے منافقین اور بدو اس جیش نبویؐ میں شامل ہونے کی کوشش کریں گے جو عنقریب فتح خیبر کے لیے مارچ کرے گا اور ان کی یہ کوشش اجر و ثواب اور اسلام کی مضبوطی کے لیے نہ ہوگی بلکہ غنیمت حاصل کرنے کے لیے ہوگی اور قرآن کریم نے حضور اکرم ﷺ کو انتباہ کیا ہے کہ وہ ان پیچھے رہنے والے لوگوں کو غزوہ خیبر میں شامل ہونے کی اجازت نہ دیں بلکہ اسی شخص کو اجازت دیں جس نے اپنی زندگی کو خطرے میں ڈالا ہو اور حضور اکرم ﷺ کی اتباع کی ہو اور آپؐ کے ساتھ بغیر کسی خوف کے حدیبیہ میں گیا ہو اللہ تعالیٰ فتح خیبر کی خوشخبری دیتے ہوئے اور مشرک منافقین کی حالت کو واضح کرتے ہوئے فرماتا ہے:

"وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُونَ آيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ" (۴۰)

جو لوگ حملۂ خیبر میں غنیمت کے حصول کی خاطر شامل ہونے کی کوشش کریں گے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ إِلٰى مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ يُرِيدُونَ أَنْ يُّبَدِّلُوا كَلَامَ اللّٰهِ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُونَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا" (۴۱)

یہ آیت ان بدوؤں کے ساتھ خاص ہے جو عمرہ حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہ گئے تھے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس آیت میں خبر دی ہے کہ یہ پیچھے رہ جانے والے فتح خیبر کے لیے مسلمانوں کے روانہ ہونے کے وقت پوچھیں گے کہ وہ بھی غنیمت کے حصول کے لیے ان کے ساتھ چلے جائیں حالانکہ دشمنوں سے جنگ کرنے کے وقت یہ پیچھے رہ گئے تھے پس اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ وہ ان کے گناہ کی سزا کے طور پر انھیں اجازت نہ دے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے صرف اہل حدیبیہ سے خیبر کی غنائم کا وعدہ کیا ہے، پیچھے رہنے والے بدوؤں کو ان میں شامل نہیں کیا پس یہ قانوناً اور قیاساً بھی انھیں نہیں مل سکتیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دے دیا کہ وہ حدیبیہ سے پیچھے رہنے والے بدوؤں کو غزوۂ خیبر میں شریک ہونے سے روک دیں اور صرف اُنہی لوگوں کو غزوہ خیبر میں شریک ہونے کی اجازت دیں جو آپؐ کے حکم کو قبول کرتے ہوئے آپؐ کے ساتھ حدیبیہ کی طرف گئے تھے۔ حالانکہ اس خروج میں جان کا خطرہ تھا تو آپ کو یہ حکم بھی دیا کہ اگر یہ لوگ جہاد کرنے میں

صادق ہیں تو آپؐ ان پیچھے رہنے والے بدوؤں کو دعوت دیں کہ وہ غزوۂ خیبر کے سوا دیگر شدید معرکوں میں شمولیت کے لیے تیاری کریں۔

فرماتا ہے:

"قُل لِّلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ إِلَىٰ قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ فَإِن تُطِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا وَإِن تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُم مِّن قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا" (۴۲)

اس آیت کریمہ میں یہ تصریح موجود ہے کہ معرکۂ خیبر کے بعد مسلمانوں اور دیگر جنگجو قوموں کے درمیان سخت معرکہ آرائی ہوگی اور یہ خوف ناک معرکے حنین، یمامہ، فارس اور روم میں برپا ہوئے اور جو مسلمان ایمان وثواب کے لیے ان معرکوں میں شامل ہوئے انہوں نے بڑی کامیابی حاصل کی۔

اصحاب شجرہ کی فضیلت:

اس میں کچھ شبہ نہیں کہ جن صحابہؓ نے اس تاریخی سفر میں حضور اکرم ﷺ کا ساتھ دیا، انہوں نے عملی طور پر ثابت کر دیا کہ وہ ایمان ویقین کے بلند ترین مقام پر ہیں اور ان کے ایمان میں کسی قسم کی ملونی شامل نہیں نیز وہ شجاعت کے ایسے مقام پر ہیں، جس تک دوسرے معاصرین نہیں پہنچ سکے، اس لیے کہ انہوں نے اس سفر میں رسول اکرم ﷺ کی رفاقت اختیار کی حالانکہ وہ اس یقین پر قائم تھے کہ انہیں متعدد مصائب اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا نیز اس سفر میں انہیں قریش کے ساتھ ایک سخت جنگ لڑنی پڑے گی بلکہ مدینہ سے خروج کی تیاری کے وقت ہی وہ یقین رکھتے تھے کہ ان کے اور قریش کے درمیان جوان کے ساتھ حالت جنگ میں تھے، جنگ کے شعلے بھڑک اٹھیں گے...... اور وہ بدر کی شکست کا بدلہ لینے کے لیے موقع کی تلاش میں ہیں لیکن اس بات نے کسی بھی حال میں ان کی کم ہمت کو نہیں توڑا اور نہ ہی ان کے دلوں میں کچھ تردد ہوا کہ وہ اس پُر خطر سفر میں رسول کریم ﷺ کی رفاقت اختیار کرنے سے موخر رہیں اسی وجہ سے وہ اس بات کے مستحق ہوئے کہ انہیں خیر امت اور شجاع اور غیور کہا جائے اور جب قریش کی سرکشی اور لاف وگزاف حد کو پہنچ گئی، تو آپؐ نے اس سرکشی کو ایک حد کے اندر رکھنے کے لیے قریش کے خلاف جنگ کے عزم کا اعلان کیا اور صحابہؓ نے حدیبیہ میں درخت تلے آپ کی بیعت کے لیے ایک دوسرے سے سبقت کی اس بات نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے ہاں صحابہؓ کے شرف وعظمت کو اور بھی بڑھا دیا۔

اللہ تعالیٰ کا اصحاب شجرہ کی تعریف کرنا:

آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ میں، ان صحابہؓ کے مواقف کی تعریف کی گئی ہے اور عسرت کے وقت میں انہوں نے اپنے کھرے ایمان، صدق اسلام اور شدت اخلاص ووفا سے جو اچھے کارنامے سر انجام دیے ان کی وجہ سے انہیں سعادت ابدی کی خوشخبری دی گئی ہے، اس نازک وقت میں اسلام کی طرف منسوب ہونے والا ایک گروہ اس خوف کے تحت پیچھے رہ گیا کہ

مسلمانوں کو اس سفر میں قریش کے ساتھ ایک جنگ کرنی پڑے گی جو عملاً اس جنگ کے خطرات سے گھرا پڑا ہے، اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں حدیبیہ کے اس چندہ گروہ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا (۴۳)

اور اہل حدیبیہ کے بیعت کرنے کو اپنی بیعت قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے۔

"إِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيْهِمْ فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ وَمَنْ أَوْفٰى بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ أَجْرًا عَظِيْمًا" (۴۴)

صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ہمیں فرمایا تم تمام روئے زمین کے لوگوں سے بہتر ہو اور ہم حدیبیہ میں چودہ سو آدمی تھے اگر مجھے دکھائی دیتا ہوتا تو میں تمہیں درخت کی جگہ بتاتا۔ (۴۵)

حضرت جابرؓ کی دوسری روایت میں ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے درخت تلے بیعت کی ہے ان میں سے کوئی آدمی بھی آگ میں داخل نہیں ہوگا۔

اہل حدیبیہ بدر کی مانند ہیں:

اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے اہل بدر اور اہل حدیبیہ کو بخش دیا ہے اور ابن عبدالبرؒ نے غزوات میں لکھا ہے کہ حدیبیہ والوں کے سوا کوئی شخص اہل بدر کے برابر نہیں ہو سکتا اور نہ ان کے قریب پہنچ سکتا ہے، اور شعبیؒ، اللہ تعالیٰ کے قول (والسابقون الاولون من المہاجرین والانصار) کی تفسیر میں لکھتا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو بیعت رضوان میں شامل تھے۔

صلح حدیبیہ (متن و دفعات):

تاریخ کے آئینے میں:

اگرچہ عامۃ المسلمین ان شرائط سے تنگ دل اور مغموم تھے جنہیں حضور اکرم ﷺ نے قبول کر لیا تھا مگر اس صلح سے مسلمانوں کو عظیم فوائد پہنچے بلکہ جن لوگوں نے شرائط صلح سے تنگی محسوس کی ان کے بعد جو لوگ ہوئے انہیں دعوت اسلام کے لیے بڑی مدد ملی اور بعض لوگوں نے حسن نیت سے آپؐ سے سوال کیا کہ وہ محسوس فوائد کہاں ہیں جنہیں صلح حدیبیہ نے مسلمانوں پر سخت شرائط عائد کر کے ثابت کیا ہے، حالانکہ خود رسول اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو حرم سے روک دینے کا اعتراف کیا ہے پس انہوں نے حرم سے باہر ہی اپنے احرام کھول دیے اور طواف بیت اللہ کے بغیر ہی مدینہ لوٹ گئے حالانکہ ان کا بڑا مقصد یہی تھا اور وہ مدینہ سے تکلیف برداشت کر کے اسی مقصد کو پورا کرنے کے لیے آئے تھے، اس سوال کا جواب یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے سہیل بن عمرو کے

ساتھ اس صلح میں یہ اقرار و اتفاق نہیں کیا کہ مسلمانوں کو ہمیشہ ہمیش کے لیے طواف کرنے اور حرم میں داخل ہونے سے روک دیا جائے گا آپؐ نے صرف اس امر پر اتفاق کیا ہے کہ عمرہ کے ساتھ مسلمانوں کا حرم میں داخلہ اس سال نہیں بلکہ اگلے سال ہوگا اور اس بات کی طرف رسول کریم ﷺ نے اشارہ بھی کیا ہے اور اپنے معارض صحابہؓ کو رضامند کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔(۳۶)

اگر اس کو ڈپلومیسی کہنا درست ہے تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ نے نہایت عقل مندی کے ساتھ اعلیٰ ڈپلومیسی اور عسکری سیاست سے کام لیا ہے اور اس کے مطابق چلنے سے آپؐ نے بہت سی جانوں کو بچا لیا ہے جن کے خون بہانے سے آپ کو کوئی دلچسپی نہ تھی بلکہ آپؐ حرم کے اندر خون بہانے کو نہایت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے جن کا سہولت اور کثرت سے بہانا ممکن تھا جس طرح جابر لیڈر بنوک شمشیر اپنے مقاصد کو پورا کرتے ہیں اسی طرح رسول اکرم ﷺ بھی بنوک شمشیر مکہ میں داخل ہونے پر قادر تھے لیکن آپ کو تو اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا تھا۔ اس نے اس خونریز داخلہ کی بجائے آپ کو فقط ایک سال بعد زیارت بیت اللہ کے لیے پُر امن واپسی سے فضیلت بخشی اس لیے آپؐ نے اس شرط کو جسے قریشی نمائندے نے لکھوایا تھا قبول کر لیا، جس کا فیصلہ تھا کہ مسلمان اس سال مکہ میں داخل ہوئے بغیر واپس چلے جائیں اور آئندہ سال انہیں مکہ میں داخل ہونے کا حق ہوگا اس تاخیر کے ساتھ اتفاق کرنے میں مسلمانوں کی کون سی حق تلفی ہوئی ہے خصوصاً اگر ہم اس تاخیر پر نگاہ غائر ڈالیں تو یہ سینکڑوں بلکہ ہزاروں جانوں کے بچانے کا بڑا سبب بنی ہے، اگر حضور اکرم ﷺ اس تاخیر سے اتفاق نہ کرتے اور بزور قوت مکہ میں داخل ہونے پر اصرار کرتے تو ممکن تھا کہ فریقین کی جانب سے ہزاروں جانیں تلف ہو جاتیں پھر اس امر سے کیا فرق پڑتا ہے کہ انسان جب تک اپنے حق کے حاصل کرنے کا حق رکھتا ہے، اسے آج لے لے یا کل لے لے، معاہدہ صلح حدیبیہ اس بات پر مشتمل ہے کہ مسلمان اپنے حق کو وصول کرنے کا حق رکھتے ہیں کہ وہ حق آئندہ سال بیت اللہ کا طواف کرنا ہے، اس امر میں اسلام اور مسلمانوں کی کون سی حکمت اور مصلحت ہے کہ رسول اکرم ﷺ اپنے سینکڑوں صحابہؓ کی جانوں کو خطرہ میں ڈال دیں جب کہ انہیں ان کی بے حد ضرورت ہے۔ خصوصاً اس نئی اسلامی حکومت کی تعمیر کے خوش قسمت مرحلہ میں جو اپنی دعوت کی حمایت میں آدمیوں کی بہت محتاج ہوتی ہے۔ جس کی جڑیں، گہرائیوں میں راسخ ہونا شروع ہوتی ہیں، کیا یہ کوئی مصلحت اور حکمت کی بات ہے کہ آپؐ خطرہ میں پڑنے کا اقدام کرتے اور اپنے اصحابؓ کو جنگ میں موت کی بھینٹ چڑھا دیتے جو بلاشبہ تباہ کن ہوتی، آپؐ جلد بازی کی نسبت اپنے اصحابؓ کا ایک قطرہ خون بہائے بغیر ایک سال بعد اپنے مقصد کو پورا کرنے پر قادر تھے۔
آپ کو اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا تھا اور آپؐ ایک رسول کی طرح محبت اور رواداری کے شعار کے علمبردار تھے اور ایک راہنما اور مصلح کی طرح تھے جو جانوں کی حفاظت و صیانت کے لیے آتا ہے نہ کہ خونریزی کرنے اور جانوں کے ضیاع کے لیے آتا ہے، وہ تو غیر مسلموں کے خون بھی نہیں بہاتا، پھر آپ ایک لیڈر کی طرح اپنے صحابہؓ کی جانوں کی حفاظت کے ذمہ دار تھے۔ آپؐ اس خطرہ میں پڑنے کا اقدام کر ہی نہ سکتے تھے جس سے ایک بے ضرورت تباہ کن جنگ میں آپ کو حصہ لینا پڑتا، ہاں یہ بات تب ہوتی جب آپؐ اپنے ان صحابہؓ کے پُر جوش جذبات کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے جن کے حواس اس بات کے سمجھنے سے قاصر تھے جسے تجربہ کار اور ذمہ دار لیڈر نے سمجھا تھا، پھر رسولؐ کے پاس اللہ تعالیٰ کے ہاں سے وحی آتی ہے اور وہ امر

الٰہی کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا۔(۴۷)

رسول اکرم ﷺ نے قریش کی اس شرط کو قبول کر لیا جس کے بموجب اس سال مکہ میں آپ کا داخلہ ممنوع ہو گیا ہاں اگلے سال آپؐ اور آپؐ کے اصحابؓ مکہ میں داخل ہو سکتے تھے۔(۴۸) قریش نے اس شرط کے لکھوانے سے یہ مظاہر کیا کہ انہوں نے مسلمانوں پر فتح حاصل کر لی ہے۔ جب کہ یہ شرط حقیقت میں ایک باریک اور شفاف پردہ سے زیادہ حیثیت تھی جسے ان کی مت پرستانہ لاف وگزاف اور جاہلی تکبر نے ہوا دی تھی۔ یہ شکست انہیں اس صورت میں ہوئی کہ انہوں نے اس آدمی کے سامنے جھک کر یہ بات قبول کر لی کہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے کا حق حاصل ہے اور وہ ان کے طواف بیت اللہ کے حق کو تسلیم کرتے ہیں جس کے تسلیم کرنے سے وہ انکار کرتے رہے یہاں تک کہ ان کے نمائندے نے معاہدہ صلح پر دستخط کر دیے جس میں مسلمانوں کے اس حق کو تسلیم کیا گیا ہے اس شرط سے قریش نے جو کچھ حاصل کیا وہ یہ تھا کہ آپؐ کے موافق اصحابؓ نے بھی اس کو بڑی بات خیال کیا کہ رسول اکرم ﷺ نے عمرہ کے لیے مکہ میں داخلہ کو ایک سال پیچھے کر دیا ہے قریش کے لیڈروں نے سب سے نمایاں بات اسے ہی خیال کیا یا مشرکین عرب کے سطحی لوگوں کو اس وہم میں ڈال دیا کہ اس بات میں قریش کو مسلمانوں پر بڑی فتح حاصل ہوئی ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے زیادہ سے زیادہ جس بات پر اتفاق کیا ہے وہ یہ ہے کہ آپؐ اپنے حق کو ایک سال کی تاخیر سے حاصل کریں گے اور قریش تو اس صلح کی پختگی سے قبل مسلمانوں کے اس حق کو تسلیم کرنے سے ہی انکار کرتے تھے۔(۴۹)

قریش نے اس صلح کو پختہ کر کے مسلمانوں کے حق کو تسلیم کرنے پر مہر لگا دی ہے جس کے تسلیم کرنے سے وہ انکار کرتے تھے اور سخت قسمیں کھاتے تھے کہ وہ مسلمانوں کو کبھی یہ حق نہیں لینے دیں گے اسی لیے وہ مکہ سے نکل کر تمام قوت کے ساتھ حدیبیہ میں آگئے تا کہ وہ اس گھمنڈانہ قسم کو پورا کریں اور کسی شرط اور قید کو قبول کیے بغیر اور بغیر کسی قسم کی گفتگو کے مسلمانوں کو واپس مدینہ جانے پر مجبور کر دیں، مگر جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمان حدیبیہ میں ٹھہرنے کا مصمم ارادہ کیے ہوئے ہیں اور اس کی وجہ سے ایسا مسلح تصادم بھی ہو سکتا ہے جس میں ہمیشہ کے لیے ان کی ہستی ختم ہو سکتی ہے خصوصاً درخت تلے بیعت کرنے کے بعد یہی مفہوم مراد لیا جا سکتا ہے کہ مسلمان عام لام بندی کر رہے ہیں اور مجبوری کی صورت میں جنگ میں حصہ لینے کے لیے بھی تیار ہیں قریش نے بھی سمجھ لیا کہ جب مسلمان حملہ کے لیے مجبور ہو گئے تو وہ ان کے مقابلے کی تاب نہیں لاسکیں گے اس لیے وہ اس آدمی کے سامنے جھک گئے اور اپنی قسم سے رجوع کر لیا اور آئندہ سال عمرہ کے لیے مسلمانوں کے مکہ میں داخل ہونے پر متفق ہو گئے۔(۵۰) لیکن ان کا یہ رجوع بھی عین شکست ہی تھا پس یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو گئی کہ اس اہم اور پیچ دار قضیہ میں زبردست فتح حاصل کرنے والے مسلمان تھے نہ کہ مشرکین، گزشتہ اور معاصر عسکری اور سیاسی ماہرین کا خیال ہے کہ آنحضرت ﷺ کا اپنے اصحاب کے ساتھ اس معاہدہ میں کامیاب ہو کر اس صورت میں واپس آنا اس قدر پختہ اور مضبوط اقدام ہے کہ جس کا قوم کا کوئی ذمہ دار لیڈر ہی اقدام کر سکتا ہے اور عملی اقدام سے قبل ہی نتائج کا اندازہ کر لیتا ہے تاریخ کے اسکالروں اور فلسفیوں نے صلح حدیبیہ کو بڑی فتح خیال کیا ہے، جسے حضور اکرم ﷺ نے اسلام اور مسلمانوں کے لیے حاصل کیا تھا، قضیہ حدیبیہ

اور تاریخی صلح کو جس پر سارا چکر ختم ہوا، گہری نظر سے دیکھنے والا معلوم کر لیتا ہے کہ اس قضیہ سے عقائدی، سیاسی، ادبی اور اطلاعاتی فوائد حاصل ہوئے جن کا اسلام اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچا۔(۵۱) ہم اس جگہ بعض فوائد کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

قریش کا مسلمانوں کے وجود کو تسلیم کرنا:

مکہ میں دعوت اسلام کے آغاز سے نیز پندرہ سال سے بلکہ صلح حدیبیہ تک قریش حضور اکرم ﷺ اور آپؐ کے اصحابؓ کو ایک چھوٹی سی جماعت خیال کرتے تھے، جس کا کوئی وجود ہی نہ ہو، وہ ان کی طرف اس طرح دیکھتے، جیسے ان فقیروں کو، جو رہزن اور قانون کے باغی ہوں، جن کو وہ اپنی حکومت کے آگے جھکانا ضروری سمجھتے تھے اور انہیں اپنی بُت پرستانہ کہانت کی اطاعت کے دائرہ میں واپس لانا چاہتے تھے یا اُن سے کسی ذریعے سے نجات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ قریش نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ کسی دن وہ ان کے ساتھ مد مقابل لوگوں کی طرح ایک ہی دسترخوان پر بیٹھ کر گفتگو کریں گے اور وہ ایک تحریری معاہدہ میں انہیں ایک قوم کے طور پر تسلیم کریں گے جس کا اپنا ایک وجود ہوتا ہے بلکہ ایک حکومت کی طرح تسلیم کریں گے جس کا اپنا رعب و داب اور اثر و رسوخ ہوتا ہے قریش نے حکومتی طور پر مسلمانوں کو تسلیم کرنے سے انکار کیا مگر حدیبیہ کے روز انہوں نے ان کے وجود کو پوری طرح تسلیم کر لیا اور ان کے نمائندے نے بین الاقوامی تاریخی دستاویز پر دستخط کر دیے جو اس اعتراف کو متضمن ہے یہ صلح حدیبیہ کا سب سے پہلا سیاسی فائدہ ہے بلکہ سب سے اہم فائدہ ہے جس میں قریش نے حکومتی طور پر اعتراف کیا کہ حضور اکرم ﷺ اور آپؐ کے اصحابؓ ایک ایسی قوم بن گئے ہیں جس کا اپنا وجود ہے بلکہ ایک حکومت بن گئی ہے جس کی اپنی ایک اہمیت ہے، یہ اعتراف اس معاہدہ صلح کی دستاویز میں کیا گیا ہے۔ جو مختلف شرائط پر مشتمل ہے۔ ان میں ایک یہ شرط بھی ہے کہ مسلمانوں اور قریش کے درمیان دس سال تک صلح رہے گی اور صلح انہیں دو فریقوں میں ہوتی ہے جو کم از کم عسکری اور سیاسی لحاظ سے ہم پلہ ہوں، مسلمانوں کی عسکری اور حکومتی ہمسری کا انکار، قریش پندرہ سال تک کرتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے معاہدہ حدیبیہ میں حکومتی سطح پر دستخط کر کے مسلمانوں کی ہمسری کا اعتراف کر لیا۔(۵۲)

گویا حضور اکرم ﷺ نے قریش کے ساتھ اس تاریخی صلح کے معاہدہ میں کامیابی حاصل کر کے ان سے یہ اعتراف کروالیا، حالانکہ قریش کو اس سے کوئی دلچسپی نہ تھی اگر حضور اکرم ﷺ قضیہ حدیبیہ میں باوجود طاقت رکھنے کے قریش کے بالمقابل صبر و ضبط سے کام نہ لیتے اور نرمی کی سیاست کو اختیار نہ کرتے تو اس کے حدوث کی توقع ہی نہیں کر سکتے تھے۔ جب کہ سادات قریش نے اس قضیہ میں مسلمانوں کے بالمقابل عناد، بدائی، سختی اور تہدید و وعید کی سیاست کو اختیار کیا اور انہوں نے اعلان کیا کہ وہ حدیبیہ میں مسلمانوں سے مکمل جنگ کریں گے یا وہ بغیر کسی قید اور شرط کے واپس چلے جائیں اور یہ کہ قریش کسی وقت اور کسی بھی حالت میں انہیں مکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے، پھر انہوں نے اس موقف سے رجوع کر کے بلکہ اسے ترک کر کے اپنا وفد حدیبیہ کی طرف بھیجا، تاکہ وہ اس صلح کی دستاویز پر دستخط کرے۔ جس کے متعلق قریش کا خیال یہ تھا کہ وہ ان کی فتح ہے۔(۵۳) جب کہ واقعہ یہ ہے کہ قریش کو اس میں بڑی سیاسی شکست ہوئی کیوں کہ انہوں نے ذلیل ہو کر یہ اصول تسلیم کر لیا

تھا کہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے اور عمرہ کرنے کا حق حاصل ہے، حالانکہ قریش نے قسم اٹھائی تھی کہ نتائج خواہ کچھ بھی ہوں وہ انہیں عمرہ ادا نہیں کرنے دیں گے۔

مشرکین کا حقیقت اسلام کو سمجھنا:

صلح حدیبیہ کے مذاکرات کے دوران دعوت اسلامیہ نے جو فوائد حاصل کیے ان میں مسلمانوں اور خصوصاً ان کے نبی کا حدیبیہ میں قیام کے دوران وہ تصرف ہے جس کی وجہ سے آپ کو ان لیڈروں اور سادات میں ایک قابل احترام مقام حاصل ہو گیا جنہیں قریش نے ثالث کے طور پر اس مشکل کو حل کرنے کے لیے بھیجا تھا، جو ان کے اور مسلمانوں کے درمیان قائم تھی۔

قریش کے اطلاعاتی وسائل نے عربوں کو مسلمانوں کے متعلق یہ تصور دیا کہ وہ جنگ کے داعی اور خون چوسنے والے ہیں نیز وہ اس دفعہ بڑی تعداد کے ساتھ زیادتی کرنے اور حرمت والے شہر میں حرمت والے خون کو بہانے کے لیے آئے ہیں مگر جلد ہی قریش کے اس جھوٹے پروپیگنڈے کا کھوکھلا پن ظاہر ہو گیا اور قریش اس جھوٹے پروپیگنڈے کے پردے میں جو نتائج حاصل کرنا چاہتے تھے، اس کے الٹ نتائج ظاہر ہوئے قریش کے دوستوں اور حلیفوں میں سے جو شخص بھی ثالث بن کر حدیبیہ میں آیا اس کے ذہن میں مسلمانوں کی وہی بگڑی ہوئی تصویر موجود تھی جسے قریش کے جھوٹے اور خود غرضانہ پروپیگنڈے نے بنایا تھا لیکن اسے جلد ہی صرف مسلمانوں سے رابطہ کرتے ہی اصل حقیقت معلوم ہو جاتی اور وہ قریش کی طرف واپس چلا جاتا اور اس کے ذہن سے اس بگڑی ہوئی تصویر کا نقشہ غائب ہو چکا ہوتا اور اس کی جگہ مسلمانوں کی ایک روشن تصویر جلوہ گر ہو جاتی اور اس پر واضح ہو جاتا کہ مسلمان قریش کے تصور کے مطابق جنگ کے خواہاں نہیں بلکہ وہ خیر کے داعی ہیں اور ان کے آنے کا باعث صرف حرمات الٰہیہ کی تعظیم اور بیت الحرام کی زیارت کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ (۵۴) یہ ثالث واپس جا کر قریش کو ملامت کرتے اور موقف کے الجھاؤ کی ذمہ داری صرف انہی پر ڈالتے جس سے خونریز تصادم ہو سکتا تھا ان ثالثوں نے مسلمانوں کے مقصد کی بلندی، حسن نیت کو از خود محسوس کر لیا جیسے کہ دوسرے اور تیسرے ثالث عروہ بن مسعود اور حلیس بن زبان نے بیان کیا ہے۔ یہ سب ادبی اور سیاسی فوائد ہیں، جنہیں مسلمانوں نے قریش کی اضطراب انگیزی اور جاہلی تحدیات کے بالمقابل حضور اکرم ﷺ کے حکیمانہ تصرفات کے نتیجے میں حاصل کیا، اگر حضور اکرم ﷺ اس پیچ دار قضیہ میں حلم وضبط کی سیاست کو اختیار نہ کرتے تو مسلمان ان عظیم فوائد کو حاصل نہ کر سکتے۔

شرک کے پڑاؤ میں پھوٹ:

صلح حدیبیہ کے فوائد میں سے ایک یہ فائدہ بھی حاصل ہوا کہ شرک کے پڑاؤ میں قریش اور اسکے حلیفوں کے درمیان بڑی پھوٹ پیدا ہو گئی اور ان کے ثالثوں نے انہیں ان کے عناد و مکابرت پر ملامت کی اور انہیں مشورہ دیا کہ وہ مسلمانوں کے حق طواف بیت اللہ کے حصول میں حائل نہ ہوں اور انہوں نے ان کے لیڈروں کو یہ بات بھی گوش گزار کی کہ دوسروں کی طرح

مسلمان بھی مناسک عمرہ کی ادائیگی کی خاطر مکہ میں داخل ہونے کے لیے اصرار کرنے میں خطا کار نہیں، جیسا کہ قریش کو حلیس بن زبان پر غصہ آیا، حالانکہ وہ ان کا سب سے طاقت ور حلیف تھا اس نے حقیقت کو صراحت کے ساتھ بیان کرتے ہوئے کہا کہ وہ مسلمانوں کو طواف بیت اللہ سے روک کر بری کارروائی کر رہے ہیں، یہ وہ بات ہے جیسا کہ حلیس نے اشارہ کیا ہے کہ کسی عربی کے لیے ممکن ہی نہیں کہ وہ اس کو برداشت کرے یا اس پر قائم رہے کیوں کہ یہ بغاوت اور ظلم ہے، زمانے گزر گئے جن لوگوں کو ارض حرم کی سیادت نصیب ہوئی ہے ان میں سے کسی نے بھی اس قسم کا اقدام نہیں کیا، جب حلیس نے مسلمانوں کے مقصد کی پاکیزگی اور موقف کی سلامتی کو از خود محسوس کر لیا تو اس نے مسلمانوں کے بارے میں قریش کو یہی بات سنا دی مگر قریش نے اس کا مقابلہ کیا اور اس کی رائے کو کمزور قرار دیا۔ اس نے قریش کو دھمکی دی کہ اگر انہوں نے اس کی یہی آواز پر کان نہ دھرا تو وہ باہمی معاہدے کو باطل قرار دے دے گا اور اپنے جوانوں کو ان کے اکٹھ سے نکال کر لے جائے گا۔ اس پر انہوں نے مسلمانوں کا راستہ کھول دیا کہ وہ بیت اللہ کا طواف کر لیں، جس بات نے قریش کو بے قرار کر دیا اور وہ اپنے طاقتور حلیف کا تقرب حاصل کرنے لگے وہ یہ تھی کہ جب تک قریش اپنے بھنور سے نکلنے کا راستہ نہ پالیں اس وقت تک وہ اپنی دھمکی پر عمل نہ کرے۔ اس کے بعد انہوں نے حلیس سے وعدہ کیا کہ وہ اس بھنور سے نکلنے کا راستہ بنانے کی سعی کریں گے جس میں اس کی رضامندی بھی شامل ہوگی اور ان کی کچھ آبرو بھی باقی رہ جائے گی اور اس میں مسلمانوں کے لیے زیارت بیت اللہ کی اجازت بھی شامل ہوگی جس سے قریش نے مسلمانوں کو روکا ہوا تھا اور وہی حلیس کی الجھن کی اساس اور ناراضگی کا منبع تھی۔ (۵۵)

حلیس بن زبان کی تہدید دوسری بڑی پھوٹ تھی جس کا سامنا حرم میں بت پرستوں کے اکٹھ کو کرنا پڑا، اس بات نے قریش کو اس بات کے سوچنے پر آمادہ کیا کہ وہ اعتدال کا راستہ اختیار کریں اور حمایت اور اکڑپن کی سیاست کو خیر باد کہہ دیں اور یہ وہ بات ہے جو قریش کو بادل نخواستہ تاریخی صلح کے معاہدہ پر دستخط کرنے کی طرف لائی۔

ثقیف کے سردار کا پیچھے ہٹنا:

اس کے علاوہ جیسا کہ ثقیف کا سردار اور قریش کا حلیف اور داماد عروہ بن مسعود بت پرستوں کے اکٹھ سے الگ ہوا اس نے یہ اقدام قریش کی ان کارروائیوں پر اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا جو مسلمانوں کو زیارت بیت اللہ سے مانع تھیں جب وہ حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ سے ملا تو اس نے بیان کیا کہ آپ کی کارروائیاں رشد و اعتدال پر قائم ہیں حالانکہ قریش نے اُسے آپؐ سے مذاکرات کرنے اور مدینہ کی طرف واپس جانے پر رضامند کرنے کے لیے بھیجا تھا، عروہ بن مسعود نے قریش سے کہا کہ محمد ﷺ نے تمہیں ایک اچھی اسکیم پیش کی ہے اس پیش کش کو قبول کر لو، میں تمہارا خیر خواہ ہوں پھر اس نے انہیں وضاحت سے کہا کہ جب تم نبی کریم ﷺ سے لڑو گے تو شکست تمہارے نصیب میں ہوگی، اس نے کہا "مجھے خدشہ ہے کہ تم اس پر غالب نہیں آسکو گے۔ (۵۶) مگر جب قریش نے اپنے دوسرے طاقتور حلیف کے مشورے کو قبول نہ کیا تو اس نے غضب ناک ہو کر اور اس عناد کی ذمہ داری ان پر ڈالتے ہوئے کہا اے گروہ قریش! میرے نزدیک عنقریب تمہیں مصیبت پہنچے گی، یعنی مسلمانوں کو زیارت

بیت اللہ سے روکنے کی وجہ سے پھر وہ بت پرستوں کے اکٹھ کو چھوڑ کر اپنی قوم کے ساتھ طائف چلا گیا۔ (۵۷) اس امر میں کچھ نزاع نہیں کہ شرک کے پڑاؤ میں جو بڑی پھوٹ پڑی یہ ان فوائد میں سے ایک ہے جسے مسلمانوں نے اس صلح میں حاصل کیا۔ یہ پھوٹ جہاں قریش کے ضعف کا سبب بنی وہاں مسلمانوں کے مرکز کی مضبوطی کا سبب بھی بنی۔ یہ وہ بات ہے جو قریش کو اس حق کے اعتراف کی طرف لے گئی بلکہ اس نے انہیں مجبور کر دیا کہ وہ مسلمانوں کے طواف بیت اللہ کے حق کو تسلیم کریں۔ بلکہ انہوں نے صلح حدیبیہ کی دستاویز میں حق کے تسلیم کرنے پر دستخط کیے، جس کو بعد کے واقعات نے شرک اور مشرکین پر اسلام کی سب سے بڑی فتح ثابت کر دیا۔

مسلمانوں کے حالات کے متعلق مشرکین کا تاثر:

شاید صلح حدیبیہ سے اسلام اور مسلمانوں نے جو سب سے بڑا فائدہ حاصل کیا وہ یہ تھا کہ اس صلح نے مسلمانوں اور مشرکوں کو مساوی طور پر ایک دوسرے سے ملنے جلنے کا موقع دیا، اس میل جول کے نتیجے میں لوگ ایک دوسرے سے مطمئن ہو گئے، نیز صلح کے نتیجے میں مشرکوں نے مسلمانوں اور اسلام کی صحیح حقیقت کو سمجھ لیا۔ (۵۸) نہ اس تصور کی طرح جو بت پرستوں کے بنگلوں نے انہیں مکہ میں دیا تھا مشرکین کے دانشوروں نے قریب سے مسلمانوں کے حالات کو دیکھ کر بہت اچھا اثر لیا حتیٰ کہ صلح حدیبیہ پر ابھی دس سے کچھ زیادہ مہینے بھی نہیں گزرے تھے کہ بت پرستوں میں سے اور خصوصاً قریش میں سے اسلام میں اس سے بھی زیادہ آدمی داخل ہو گئے، جتنے پندرہ سال میں داخل ہوئے تھے اس رائے پر دلیل دینے کی ضرورت نہیں کہ جس روز صلح حدیبیہ ہوئی مسلمانوں کی تعداد بڑے سے بڑے اندازے کے مطابق دو ہزار سے زیادہ نہ تھی جب کہ آٹھویں سال میں اور فتح مکہ سے تھوڑا عرصہ قبل ان کی تعداد دس ہزار سے زیادہ تک پہنچ گئی۔

صلح حدیبیہ......فتح عظیم:

اللہ تعالیٰ کے فضل، پھر صلح حدیبیہ کی برکت سے دو سال کے میل جول، تعارف اور فریقین کے درمیان آزادانہ مناقشات و مذاکرات سے ان لوگوں کی اکثریت اسلام میں داخل ہو گئی۔ اس لیے بعد میں اس صلح کو فتح عظیم کے نام سے موسوم کیا گیا۔ (۵۹)

ابن اسحاق، زہری سے بیان کرتا ہے کہ صلح حدیبیہ سے قبل اسلام میں اس سے بڑی فتح نہیں ہوئی بلکہ جہاں لوگ ملتے، جنگ کرتے، جب صلح حدیبیہ ہوئی اور جنگ ختم ہو گئی اور لوگ ایک دوسرے سے امن میں ہو گئے تو انہوں نے آپس میں بحث و مباحثہ کیا پس جو شخص کچھ بھی سمجھتا تھا وہ اسلام کے متعلق گفتگو کر کے اس میں داخل ہو گیا اور ان دو سالوں میں پہلے سے بھی زیادہ لوگ اسلام میں داخل ہو گئے اس میل جول اور تعارف نے مشرکوں کو یہ موقع دیا کہ وہ مسلمانوں کی حقیقی صورت کو دیکھیں، مشرک، مسلمانوں میں اس عجیب انقلاب کو دیکھ کر حیران رہ گئے، ایام جاہلیت میں وہ جن باتوں پر قائم تھے اب ان کے الٹ،

ان میں تبدیلی آچکی تھی۔ وہ تھوڑا عرصہ قبل انہی مشرکوں جیسے تھے، اناری، ان پر حکمران تھی، جسمانی خواہشات ان کو قابو کیے ہوئے تھیں اور وہ بتوں کے پرستار تھے۔ حرمات کی بے حرمتی کرنے والے اور جرائم کے مرتکب تھے، ان کے درمیان اور چرنے والے حیوان کے درمیان کوئی فرق نہ تھا لیکن آج وہ ان پر ہر بات میں فوقیت رکھتے تھے صدق وصفا، اطاعت اور نظام کی پابندی کے لحاظ سے ان پر فائق تھے، فی الجملہ وہ ایک نئی مخلوق بن گئے تھے اور ایسے فضائل ومحاسن سے آراستہ تھے، جسے کسی قریشی نے کبھی دیکھا بھی نہ تھا قریشی مشرک حیران ہو کر پوچھتے تھے کہ وہ کیا راز ہے جس سے یہ لوگ انسانیت کے بلند مقام پر پہنچ گئے ہیں اور جس نے انہیں احترام و بزرگی کے مقام پر کھڑا کر دیا ہے حتیٰ کہ وہ لوگ بھی جو مکہ سے ان کے ساتھ جنگ کرنے اور انہیں بنوک شمشیر مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کو نکلے تھے وہ بھی اس بلند مقام تک پہنچ گئے ہیں یہ سوال بڑے اصرار سے اس روز سے قریش کے دانشوروں کے ذہن میں گردش کر رہا تھا جب سے صلح حدیبیہ ہو کر ان کا مسلمانوں سے میل جول ہوا تھا اور انہوں نے ان میں وہ حیران کن تبدیلی محسوس کی کہ وہ بھلائی کے راستے کے سوا اور کسی طرف چلنا جانتے ہی نہیں، قریش اپنے سرداروں کے گمراہ کن پروپیگنڈے کی وجہ سے رسول اکرم ﷺ کے اصحاب ؓ کو اس نقصان رساں حیوان کی طرح دیکھتے تھے جو زندہ رہنے کا حق نہیں رکھتا، مسلمانوں کی یہ بگڑی ہوئی تصویر قریش کے اذہان میں سادات مکہ کے پروپیگنڈہ نے بنائی تھی، لیکن حقیقت نے اس بگڑی ہوئی تصویر کو مٹا کر اس کی جگہ ان مسلمانوں کی حقیقی اور روشن تصویر بنا دی، جن میں سے کوئی آدمی بھی بت پرستی کو چھوڑ کر اسلام قبول نہیں کرنا چاہتا تھا یہاں تک کہ وہ اخلاق، عادات اور نفسیاتی لحاظ سے پوری طرح بدل گیا۔ عام مشرکین کے نزدیک جنہیں صلح حدیبیہ نے مسلمانوں سے میل جول اور ان کی حقیقت کی معرفت کا موقع دیا، یہ بات حیرت اور سوال کا موجب تھی۔(۶۰)

مسلمانوں کے متعلق ثقیف کے سردار کی رائے:

جن بہت سے لوگوں کو صلح حدیبیہ کے مذاکرات کے دوران اور صلح کے ایام میں مسلمانوں سے میل جول کا موقع ملا، انہوں نے اس فوری اور حیران کن انقلاب پر حیرت کا اظہار کیا جسے اسلام نے اپنے حلقہ بگوش ہونے والے افراد میں پیدا کیا اور وہ اس نمایاں اور روشن صورت میں پیدا ہوا کہ کل کے خونریز اور رہزن اسلامی ہدایت سے مس ہوتے ہی انسانیت اور اخلاقیات کے اعلیٰ درجات پر فائز ہو گئے، مثلاً مغیرہ بن شعبہ جو ایک فریب او چھا اور دلیر رہزن نوجوان تھا، جو قبول اسلام سے قبل قتل اور لوٹ مار کی پرواہ نہیں کرتا تھا اور زمانہ بت پرستی میں اس کی اس خصلت کو تمام قبائل ثقیف جانتے تھے، اس نے زمانہ جاہلیت میں قبول اسلام سے چند روز قبل جو آخری بھیانک جرم کیا وہ یہ تھا کہ اس نے خیانت سے بنو مالک کے بارہ آدمیوں کو قتل کر دیا جو مصر سے واپسی کے سفر میں اس کے رفیق تھے، یہ نوجوان جو شرک کے زمانے میں اوچھے پن تہور، وحشی پن اور رہزنی کی علامت تھا، اسے قریش نے قضیہ حدیبیہ میں رسول اکرم ﷺ کے سر پر کھڑے دیکھا جو آپ کی زندگی کا امین بلکہ اس کی حفاظت کا ذمہ دار بن کر نگرانی کر رہا تھا جسے اسلام نے چھپٹا مارنے والے عقاب سے ایک مضبوط چال چلن کا انسان بنا دیا جو ذمہ داری

کا شعور رکھتا تھا اور بہادری، شرافت اور اپنے قائد اعلیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے احکام کی پابندی کرنے میں اعلیٰ مقام پر فائز تھا، دور جاہلیت میں جن باتوں کی وجہ سے وہ مشہور تھا، اسلام نے اس کی ہر چیز میں تبدیلی پیدا کردی تھی، ثقیف کے سردار کو اس امر سے بہت حیرت ہوئی کہ اس کا بھانجا جو ماضی میں ایک دلیر رہزن تھا۔ اب مسلمانوں کے نبیؐ کی زندگی کا امین ہے۔(۶۱)
صرف اس کے بھانجے کی حالت کی تبدیلی ہی نے اس کے اندر حیرت اور سوال پیدا نہیں کیا بلکہ ثقیف کے سردار کو مسلمانوں کے ساتھ اختلاط کا جو موقع ملا اس نے بھی اس کے اندر حیرت کے جذبات کو پیدا کیا کیوں کہ اس نے حدیبیہ میں قریش کی جانب سے جو سفارت کے فرائض سرانجام دیے اس کی وجہ سے اس نے مسلمانوں کے بہت سے احوال کو معلوم کیا جو اس کے لیے بڑے حیرت انگیز تھے، جس کا اس کے دل پر گہرا اثر تھا، جس کی وجہ سے بالآخر وہ اسلام میں داخل ہوا اور شہید ہو کر مرا اور وہ طائف میں اپنی قوم ثقیف کو اسلام کی دعوت دیتا تھا۔

قریشِ مکہ کی صراحت:

صلح حدیبیہ کے فوائد میں ایک یہ فائدہ بھی تھا کہ عروہ بن مسعود مسلمانوں کے حیرت انگیز حالات سے اس قدر متاثر ہوا کہ جب وہ قریش کی طرف سے سفیر بن کر آنحضرت ﷺ سے گفتگو کر رہا تھا تو اس کا اثر اس پر چھایا ہوا تھا اور جب وہ حدیبیہ سے اپنے قریشی حلیفوں کی طرف واپس آیا تو وہ مسلمانوں کے متعلق صحیح تاثرات کا حامل تھا اور اس نے یہ حیرت انگیز تاثرات اپنے قریشی حلیفوں سے پوشیدہ نہیں رکھے بلکہ اس نے اسلام میں داخل ہونے والے ہر شخص کی زندگی میں جو عظیم انقلاب دیکھا، اسے صراحت کے ساتھ ان کے سامنے بیان کیا اور قریش کو ان تبدیلیوں کی طرف بھی متوجہ کیا جو ان کے مفاد کے خلاف رونما ہو رہی تھیں اور اس کامل انقلاب کے نتائج کو سارا علاقہ دیکھ رہا تھا جو اسلام ہر اس انسان کے دل میں پیدا کر رہا تھا، جو دین اسلام اور اس کے نبیؐ کی اتباع کو اختیار کر لیتا تھا اس نے حدیبیہ سے واپس آکر سادات مکہ سے کہا اے گروہ قریش! میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی کی حکومتوں کو دیکھ آیا ہوں، قسم بخدا، جس طرح محمد ﷺ اپنے اصحابؓ میں ہے، میں نے کسی بادشاہ کو بھی اپنی قوم میں بھی اس طرح کا نہیں دیکھا، میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جو اسے کبھی بے یار و مددگار نہیں چھوڑیں گے، پس مجھے اپنی رائے سے آگاہ کرو۔(۶۲) اور اس میں کچھ شبہ نہیں کہ عروہ بن مسعود نے پوری راست بازی اور امانت کے ساتھ سادات مکہ کو صحیح تاثرات پہنچا دیے جن کا بہت سے لوگوں پر بڑا اثر ہوا۔

دلوں میں اسلام کا جاگزیں ہونا:

مشرکین کے جن لیڈروں اور ثالثوں اور دیگر لوگوں نے قضیہ حدیبیہ اور اس کے بعد معاہدہ صلح میں مسلمانوں کے ساتھ میل جول کیا اور ان کی حقیقت سے واقفیت حاصل کی وہ بھی عروہ بن مسعود سے کم متاثر نہ تھے ان کے اندر مسلمانوں کی حالت کے مشاہدہ سے ایک حیرت اور تعجب پیدا ہوا، عربوں کی فطرت میں خواہ وہ مشرک ہوں، جھوٹ سے نفرت کرنا اور صراحت سے

بات بیان کرتا پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن مشرکین نے حدیبیہ میں مسلمانوں سے ملاقات اور میل جول کیا اور معاہدہ صلح کے بعد ان سے معاملات کیے انہوں نے مسلمانوں اور ان کی جدید سوسائٹی کے متعلق جمہور قریش کو اپنے کامل تاثرات سے آگاہ کیا اس سوسائٹی کی اساس توحید پر تھی اور اس میں انہوں نے بھلائی صاف دلی، محبت، رواداری اور اجتماعیت کے زندہ نمونے دیکھے اور اس نئے دین نے ان کے طرز زندگی کو درست کر دیا تھا، سب سے زیادہ حیرت انہیں مسلمانوں کے انتظامی کنٹرول پر ہوئی جس کی پابندی مسلمان دین جدید کی تعلیمات کے مجموعہ اساسی کے طور پر کرتے تھے اس پابندی کے التزام نے ان کے دلوں سے جاہلیت کے قابل نفرت اکھڑ پن اور تنگ نظر قبائلی عصبیت کو اکھاڑ پھینکا جو بسا اوقات جذباتی انگیخت کے باعث ظالمانہ جنگوں کے بھڑکانے کا سبب بن جاتی تھی اور ہر خشک و تر کو کھا جاتی تھی، اس جاہلی انارکی کی جگہ حیرت انگیز اور خوش منظر اسلامی انضباط نے لے لی جس کی تنفیذ اور پابندی کے لیے محمدؐ بن عبداللہ کا ایک پرسکون کلمہ کافی تھا جو مسلمانوں کے نبی تھے اور مسلمان ان کے مومن اور مصدق تھے اور بطیب خاطر ان کی اتباع کرنے والے تھے۔ (۶۳)

انضباط اسلامی کا زندہ نمونہ:

اور شاید انضباط اسلامی کی سب سے شاندار زندہ مثال جس نے مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کر دیا، ابوجندل بن سہیل بن عمرو کا وہ واقعہ تھا جسے بعض سادات قریش نے حدیبیہ میں دیکھا اور اس سے متاثر ہوئے اور ششدر رہ گئے اس واقعہ سے سہیل بن عمرو بے حد متاثر ہوا، اس نے اور قریشی وفد کے دیگر ممبران نے مذاکرات کے دوران دیکھا کہ جب سہیل اپنے بیٹے کے گریبان کو پکڑے اس کے منہ پر تھپڑ مار رہا تھا تاکہ اسے مشرک قریش کے پاس واپس لے جائے حالانکہ وہ مسلمان تھا اور پابجولاں، حدیبیہ میں مسلمانوں کے جذبات میں تلاطم پیدا ہو گیا اور وہ غصہ سے بھر گئے سہیل بن عمرو اور دیگر ممبران وفد اور تمام ان لوگوں نے جو مشرکین میں سے وہاں حاضر تھے انہوں نے دیکھا کہ حضرت محمد ﷺ کے فرمودہ ایک پرسکون کلمے نے ان کو غصہ پینے والے اور اپنے برانگیختہ جذبات کو لگام دینے والے بنا دیا۔ ہاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ابوجندلؓ کو ایک پرسکون بات یہ فرمائی کہ:

"ہم نے ان لوگوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ کیا ہے اور ہم نے انہیں اور انہوں نے ہم کو ایک عہد دیا ہے اور ہم ان سے عہد شکنی نہیں کر سکتے۔" (۶۴)

یہ بات آپؐ نے ابوجندلؓ سے اس وقت فرمائی جب اس نے آپؐ سے پناہ کا حق طلب کیا، سہیل اور بقیہ ممبران وفد نے دیکھا کہ چودہ سو اصحاب النبی ﷺ اس عہد کی وجہ سے جو ان کے نبیؐ نے دستاویز صلح میں دیا ہے انہیں سہیل بن عمرو مشرک اور اس کے مسلمان بیٹے کے درمیان کسی کارروائی کو بروئے کار لانے سے کس طرح روکے ہوئے ہے، باوجود یہ کہ انہیں سہیل بن عمرو اور مشرکین کے خلاف بے حد غصہ آ رہا تھا پھر بھی انہوں نے کسی ساکن چیز کو ابوجندلؓ کی حمایت میں حرکت نہیں دی اور باوجود اس بات کے کہ انہیں ابوجندلؓ کی حمایت پر پوری قدرت حاصل تھی وہ اس کے لیے جب کہ وہ ان کے پڑاؤ کو چھوڑ رہا تھا اور اس کا

باپ اس کے گریبان کو پکڑے ہوئے اس کے منہ پر مشرکانہ بداخلاقی کے ساتھ تھپڑ مار رہا تھا، اس کے پیچھے سوائے آنسو بہانے کے اور کچھ نہ کر سکے، اس لیے کہ رسول اکرم ﷺ کا پرسکون کلمہ جو آپ نے ابوجندلؓ سے فرمایا۔ اسے صبر کی تلقین کر رہا تھا اس نے ان مسلمانوں کے لیے کچھ حدود مقرر کر دیں جن کے پاس وہ اپنے بھائی ابوجندلؓ کے المیہ کے بالمقابل اپنی کارروائیوں کو روکے رہے، انہوں نے آنحضرت ﷺ کے اس پرسکون کلمے کو اپنے لیے ایک حکم سمجھا کہ وہ اپنے بھائی ابوجندلؓ کی مدد میں ہمدردی کی حدود سے آگے نہیں بڑھیں گے اور اسے صبر و ثبات کے اختیار کرنے کی ترغیب دیں گے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کی بے چینی کو دور کر دے اور اس کی رہائی کی کوئی سبیل پیدا کر دے اور علاوہ وہ اس عہد پر اپنے قائد اور نبی کی خواہش کے مطابق کھڑے ہو گئے، جو اس بات کے شدید خواہش مند تھے کہ مسلمان اس معاہدہ کی نصاً اور روحاً پابندی کریں، مسلمانوں اور ان کے جدید معاشرہ کے متعلق یہ حیران کن اور روشن تاثرات ان تمام لوگوں نے بیان کیے ہیں جو صلح حدیبیہ میں موجود تھے یعنی قریشی وفد کے ممبروں نے یہ بات مکہ کے جمہور قریش کو پہنچائی اور مکہ کے پڑوسیوں، کنانہ اور خزاعہ تک بھی پہنچائی اور وہ اس سے بہت متاثر ہوئے۔

قریش اور حرم کے پڑوسیوں کے عقل مندوں کے دل میں یہ سوال اور بھی بڑے زور سے پیدا ہوا کہ اس بات کا راز کیا ہے؟ اور اس معاشرے کے اصحاب کے متحد و متفق ہونے کی حقیقی تفسیر کیا ہے، قریش تو ان کی تحقیر و تنقیص کے لیے ان پر "صابی" کا نام اطلاق کرتے ہیں۔

یہ معاشرہ اس قسم کا ہے کہ ہر مذہب و عقیدہ کا آدمی اس کے ممبران کا اجلال و احترام کرتا ہے، بلکہ چاہتا ہے کہ وہ بھی اس معاشرے کا ایک فرد ہو، آزادانہ ریسرچ اور پاکیزہ موازنہ کی روشنی میں مشرکین مکہ اور دوسرے لوگوں کے دانشوروں نے اس عظیم سوال کا جواب معلوم کر لیا ہے اور وہ اس عظیم معاشرہ کے قیام کی صحیح تفسیر تک پہنچ گئے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اسلام اور صرف اسلام ہی نے اس معاشرے کو قائم کیا ہے اور اس کی تعلیمات کی پابندی اور اس کے فرائض کی ادائیگی ہی نے معاشرہ محمدیؐ کے افراد کو فضائل استقامت پابندی طریق، بلند اخلاق اور اتحاد سے آراستہ کیا ہے۔ حضرت محمد ﷺ ابھی حدیبیہ سے مدینہ جانے والے راستہ پر ہی تھے کہ اس صحیح تفسیر کو سمجھ کر سادات مکہ کے بڑے بڑے عقلمندوں نے اسلامی معاشرے کے متعلق اپنے صحیح تاثرات لوگوں تک پہنچائے اور ان عقلاء کے دلوں میں اسلام میں داخل ہونے اور اسلامی معاشرہ میں شامل ہونے کا خیال سا گیا جس کے افراد کے فضائل و شمائل کی صلح حدیبیہ سے مکہ واپس آنے والوں نے گواہی دی، یہ قریشی دانشور اپنے اسلام میں داخل ہونے اور اسلامی معاشرہ میں جس کے افراد نے قریشی مشرکوں کے دلوں پر جادو کی طرح اثر کر رہا تھا، شامل ہوئے اور اس کے اعلان کے لیے کسی مناسب موقع کے منتظر رہے، جو زعماء اور لیڈر حدیبیہ میں مسلمانوں کی روح پرور کیفیت سے متاثر ہوئے اور ان کے دلوں میں حلقہ بگوش اسلام ہونے کا خیال سا گیا۔ ان میں خالدؓ بن ولید، عمروؓ بن العاص اور عثمانؓ بن طلحہ شامل تھے، ابھی حدیبیہ کے اثر انگیز واقعات پر ایک سال بھی نہیں گزرا تھا کہ قریش کے شہسوار اور ان سوار دستوں کے سالار، خالدؓ بن ولید نے جو حدیبیہ کے بحران میں مسلمانوں کو حرم میں داخل ہونے سے روکنے یا انہیں تباہ کرنے کے لیے سینکڑوں سواروں کے ساتھ نکلا تھا۔ صفا پر کھڑے ہو کر قریش کو پتھر مارنے کی طرح صراحت کے ساتھ کہا کہ محمد ﷺ رسالت و دعوت حقہ کے حامل ہیں اور ہر عقل مند کو ان کی پیروی

کرنی چاہیے خالد نے بلند آواز سے کہا اے گروہ قریش! ہر عقل مند پر یہ بات عیاں ہو چکی ہے کہ محمد ﷺ نہ ساحر ہیں نہ کذاب اور ہر عقل مند کو ان کی پیروی کرنی چاہیے، پھر اس نے اپنے ہتھیار لیے اور گھوڑے پر سوار ہو کر اعلان اسلام کے لیے مدینہ کی طرف چل پڑا، اس کے ساتھ اس کے دو دوست عثمان بن طلحہ العبدری اور عمرو بن العاص السہمی بھی رفیق سفر تھے اور وہ بھی خالد کی ہی رائے رکھتے تھے، اس طرح صلح حدیبیہ اور اس کے واقعات اور اس پر مرتب ہونے والے امور نے مشرک عقلاء کے دلوں میں گہرے جذبات و احساسات پیدا کیے اور یہی احساسات انہیں اسلام کی طرف لے آئے اور وہ اسلام میں داخل ہو گئے اور یہ بات کوئی حقیقت سے دور نہیں بلکہ عین حقیقت ہے کہ صلح حدیبیہ سب سے بڑی فتح ہے اور دور رس اثرات کی حامل ہے اور اسلام کے ستونوں کو مضبوط کرنے اور اس کی حکومت کی بنیاد ڈالنے میں بڑی کارگر ہے۔" (۶۵)

خیبر کے یہود اور شمال کے لیے فراغت:

اسی طرح صلح حدیبیہ کے فوائد میں سے آنحضرت ﷺ کا یہود خیبر کے ساتھ عسکری لحاظ سے حساب چکانے کے لیے فارغ ہونا بھی ہے یہ لوگ جزیرہ عرب میں مسلمانوں کے سب سے خطرناک دشمن خیال کیے جاتے تھے، صلح حدیبیہ سے قبل، خیبر میں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ شدید کینہ رکھنے والے یہودی چھپے رہتے تھے، جن کی مدد دس ہزار یہودی جانباز کرتے تھے اور ان کی یہ شدید خواہش تھی کہ وہ مسلمانوں کو نیست و نابود کر دیں، مسلمانوں کے لیے اس یہودی خطرہ کا دانائی کے ساتھ ازالہ کرنا ضروری تھا، جو ان کے وجود کو ختم کرنے کی دھمکیاں دے رہا تھا اور وہ اس طرح ہو سکتا تھا کہ تمام جزیرہ میں یہودیوں کے وجود کا قلع قمع کرنے کے لیے جنگ ان کے صحن میں جا کر لڑی جائے اور عملاً یہ کام غزوہ خیبر میں ہوا۔

رسول اکرم ﷺ چودہ سو جانبازوں کے ساتھ دھیرے دھیرے خیبر کی طرف بڑھے اور جنگ کو یہود کے صحن میں منتقل کر دیا جو تقریباً پانچ دن کے فاصلہ پر تھا اور اس جنگ میں اس دخیل یہودی عناصر کا خاتمہ کر دیا گیا جس کا دفاع جزیرہ عرب کی سب سے زبردست فوج کرتی تھی۔

عسکری علوم کے پیمانہ کے مطابق رسول اکرم ﷺ کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ مدینہ کی حفاظت کے لیے کوئی جنگی فوج چھوڑے بغیر جنگ کو مدینہ سے پانچ روز کی مسافت پر یہود کے دس ہزار جانبازوں کے مقابلہ کے لیے لے جائیں، اگر صلح حدیبیہ نہ ہوتی اور آپ اپنے سب سے بڑے دشمن قریش سے مطمئن نہ ہوتے جو اسلامی وجود کو ختم کرنے کے لیے یہود سے کم رغبت نہ رکھتے تھے جن کی مدد آٹھ ہزار جانبازوں کی فوج کرتی تھی باوجود یہ کہ قریش اپنے جذبات و احساسات کے لحاظ سے یہود خیبر کے ہمنوا تھے اور مسلمانوں پر ان کی فتح کے خواہاں تھے، مگر مسلمانوں کے ساتھ قریش نے جو صلح کی اس نے ان پر یہ پابندی عائد کر دی کہ وہ اس جنگ سے غیر جانب دار رہیں جو مسلمانوں اور یہود خیبر کے درمیان دو ماہ سے چل رہی تھی یہاں تک کہ وہ خیبر کے تمام یہودیوں وادی القریٰ، فدک، تیماء اور تمام شمالی علاقوں پر مسلمانوں کی فتح پر ختم ہوئی۔ (۶۶)

اس موقع پر یہ بات درست معلوم ہوتی ہے کہ اسلامی فوجوں کی کامل فراغت نے انہیں یہ طاقت بخشی کہ وہ اپنا پورا بوجھ خیبر

اور شمال کے یہودیوں سے جنگ کرنے اور ان پر غالب آنے کے لیے صرف کردیں اور یہ وہ عظیم سیاسی فائدہ ہے جسے مسلمانوں نے مشرک قریشیوں اور ان کے حلیف کنانیوں سے حدیبیہ میں صلح کر کے حاصل کیا۔

اشاعتِ اسلام کی راہیں ہموار ہوئیں:

اسی طرح صلح حدیبیہ کے ذریعے نبی کریم ﷺ کو یہ موقع ملا کہ آپؐ بازنطینی حکومت کو مسلمانوں کی فوجی طاقت کے متعلق بتانے کے لیے جزیرہ عرب کی حدود سے باہر پہلا فوجی حملہ کریں جب تک مسلمانوں نے حدود شام کو پار کر کے رومی علاقے میں اسی میل اندر داخل ہو کر جو اردن کے علاقہ میں ہے، اس حکومت کو یہ نہیں بتایا کہ مسلمان بھی کوئی طاقت ہیں اس سے قبل وہ مسلمانوں کو کسی حساب و کتاب میں شمار نہ کرتی تھی، قریش اور مسلمانوں کی صلح کے دوران رسول اکرم ﷺ نے تین ہزار جانبازوں کا ایک فوجی دستہ تیار کیا اور یہ عہد نبوی کا سب سے بڑا دستہ تھا۔ آپؐ نے اس دستہ کو حکم دیا کہ وہ شام میں رومی علاقے کو روند ڈالے اور جس حد تک وہ اس کے اندر جاسکتا ہے چلا جائے، یہ دستہ موتہ بستی تک چلا گیا اور وہاں پر مسلمانوں اور رومی فوجوں کے درمیان پہلی سخت ترین جنگ ہوئی اور اس معرکہ کا نام جنگ موتہ رکھا گیا۔(۶۷)

اس خطرناک جنگ میں مسلمانوں نے فوجی لحاظ سے کامیابی حاصل نہ کی بلکہ انہوں نے سیاسی اور معنوی لحاظ سے عظیم فتوحات حاصل کیں اور رومی فوجوں کے سالاروں کے اذہان میں مسلمان فوجی کی حقیقت کے متعلق جو تصورات تھے ان کی انہوں نے اصلاح کردی نیز اس فوجی کی شجاعت و بسالت نے رومی لیڈروں کو حیرت میں ڈال دیا اور ان کے اذہان سے یہ بات ہمیشہ کے لیے نکال دی کہ مسلمان فوجی کمزور ہوتا ہے اس معرکہ میں تین ہزار مسلمان سپاہی ایک لاکھ رومی فوج کے سامنے ڈٹے رہے اور بغیر کسی اناری اور اضطراب کے اپنے تین سالاروں کے کھونے اور رومی فوجوں کو خطرناک نقصان پہنچانے کے بعد واپس لوٹ آئے۔

اس بات نے رومیوں کو مرعوب کردیا اور وہ جزیرہ عرب سے جنگ کرنے سے کترانے لگے حالانکہ رومی قیادت اس جنگ کو دمشق میں لڑنے کا فیصلہ کرچکی تھی۔

شرق اوسط کے بادشاہوں کو دعوت اسلام:

اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے صلح کے زمانے میں شرق اوسط کے امراء اور بادشاہوں سے رابطہ کر کے انہیں دعوت اسلام دی اور وہ اس طرح کہ آپؐ نے ہجرت کے ساتویں سال ہر بادشاہ اور امیر کی طرف اپنے صحابہؓ کے ذریعے خاص خطوط بھیجے، جن میں انہیں دعوت اسلام دی گئی جن جن علاقوں کے امراء اور بادشاہوں کو یہ خطوط ملے ان پر ان خطوط کے مختلف اثرات ہوئے۔ ان رسائل کی تاثیر کے اختلاف کے باوجود ان کا پہنچنا اور قبائل میں ان کی خبر کا پھیلنا بلاشبہ دعوت اسلامی کے مفاد میں ہوا۔(۶۸)

عیص کے انقلابی اور ساحل میں کمزوروں کی حکومت:

قضیہ حدیبیہ کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے ہم نے بتایا تھا کہ مکہ کے قید خانوں میں بہت سے مسلم نوجوان انواع و اقسام کی

اذیتیں، ذلتیں اور عذاب برداشت کر رہے تھے، ان میں ابوجندل بن سہیل بن عمرو بھی شامل تھا، جو حدیبیہ کے مشہور واقعہ کا ہیرو ہے، ہم نے قضیہ حدیبیہ پر بحث کرتے ہوئے بتایا کہ رسول اکرم ﷺ نے معاہدہ میں قریش سے یہ عہد کیا تھا کہ آپ مکہ سے آنے والی کسی آدمی کو پناہ کا حق نہیں دیں گے اور اسے واپس کر دیں گے اور خواہ وہ مسلمان ہی ہو اُسے مدینہ میں ٹھہرنے کی اجازت نہیں دیں گے، اس شرط کو سہیل بن عمرو نے لکھایا تھا اور حضور اکرم ﷺ نے اسے قبول کر لیا تھا اور مسلمان اس شرط کے قبول کرنے سے بہت تنگ ہوئے تھے۔(۶۹) ابوجندلؓ کا واقعہ اور حدیبیہ میں اس کا المیہ پہلا امتحان تھا جس سے گزر کر مسلمانوں نے عہد کو پورا کیا اور مسلمان ابوجندلؓ کو معاہدہ کی شرائط کو پورا کرتے ہوئے ان کے مشرک باپ کو واپس کر دیا جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

قریش کے خلاف کمزوروں کا انقلاب:

صلح حدیبیہ سے مسلمانوں کو سب سے بڑا فائدہ اور قریش کو جو سب سے بڑا نقصان پہنچا وہ یہ تھا کہ قریش کے نمائندے نے معاہدہ صلح میں مذاکرات کے دوران ایک سخت شرط لکھوائی جسے حضور اکرم ﷺ نے قبول کر لیا جس کی وجہ سے حدیبیہ میں صحابہؓ کے درمیان شدید معارضہ پیدا ہوا اور وہ شرط یہ تھی کہ حضور اکرم ﷺ عہد کریں کہ قریش کی طرف سے اگر کوئی آدمی اپنے اہل کی اجازت کے بغیر خواہ مسلمان ہو کر آپؐ کے پاس آئے، آپؐ اسے قریش کی طرف واپس کریں گے، یہ شرط قریش کے لیے اس قدر مصیبت اور نقصان کا باعث بنی کہ قریش نے مجبور ہو کر حضور اکرم ﷺ سے التجا کی اور آپؐ سے رحم کی اپیل کرتے ہوئے کہا کہ معاہدہ کی شرائط میں سے آپؐ اس شرط کا ختم کرنا منظور فرمالیں اور قریش کی جانب سے جو آدمی آپؐ کے پاس آئے آپؐ اسے قبول کر لیں اور واپس نہ کریں جب رسول اکرم ﷺ اس شرط کی تنفیذ پر قائم ہو گئے تو قریش کے قید خانوں سے بھاگنے والے اور ان سے تمرد اختیار کرنے والے مسلمان ساحل عیص میں پناہ لینے لگے، جہاں پر قریش اور دیگر قبائل کے تین سو جانباز اکٹھے ہو گئے انہوں نے مشرکین مکہ کے خلاف انقلاب برپا کر دیا اور ابوبصیرؓ کی قیادت میں قریش کے تجارتی قافلوں پر حملے کرنے لگے، وہ قافلے ہمیشہ شام سے سامان لے کر مکہ کی طرف آتے تھے نیز وہ قافلہ کے ساتھ چلنے والے قریشیوں کو قتل کرنے لگے، اس بات نے قریش کو زبردست مالی اور جانی نقصان پہنچایا۔ یہ مسلمان انقلابی عقیدہ کے لحاظ سے حضور اکرم ﷺ اور آپؐ کے اصحابؓ سے دوستی رکھتے تھے جو مدینہ میں رہائش پذیر تھے۔

حضور اکرم ﷺ معاہدہ کی شرط کے مطابق قریش نے لکھوایا تھا، انہیں مدینہ میں اقامت اختیار کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے تھے، قریش نے حضوا کرم ﷺ سے التجا کی اور آپؐ سے رحم کی اپیل کرتے ہوئے گزارش کی کہ آپ عیص کے مسلمان انقلابیوں سے کہیں کہ وہ قریش کے خلاف اپنی بغاوت کو ختم کر دیں اور قریش کا جو آدمی آپؐ کے پاس مدینہ میں رہنے کے لیے آئے آپ اسے مدینہ میں رہنے کی اجازت دے دیں تاکہ قریش کے تجارتی قافلے بچ جائیں، تجارت قریش کی ریڑھ کی ہڈی تھی جو ان نوجوان انقلابیوں کے ہاتھوں ٹوٹ چکی تھی۔

آنحضرت ﷺ نے باوجود اپنی قوم کے مشرک ہونے کے ان کی بات کو مان لیا اور انقلابیوں کے لیڈر ابوبصیرؓ اور اس کے نائب ابوجندلؓ کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ خود اور ان کے انقلابی بھائی مدینہ آجائیں اور عیص میں اپنے مقامات کو چھوڑ دیں، انقلابیوں نے حضور اکرم ﷺ کے احکام کو قبول کیا اور مدینہ کی طرف واپس آگئے۔(۷۰)

قضیہ حدیبیہ اور شرائطِ صلح کے اسباق:

صلح حدیبیہ کے اس تاریخی قضیہ نے منفرد طور پر تاریخ اسلام پر جو اثر ڈالا اس کی بناء پر وہ اس بات کا استحقاق رکھتا ہے کہ ہم ان اسباق کی طرف اشارہ کردیں جن کو ہر دیکھنے والا انسان اپنے دین و دنیا میں ان سے مستفید ہوسکتا ہے۔ اور انہیں اچھی طرح یاد رکھ سکتا ہے۔

اس پُر پیچ قضیہ میں جو کارروائیاں رسول اکرم ﷺ نے کیں، ان سے صحابہؓ نے حکمت وحلم، صبر، ضبطِ نفس، صحیح سیاست، دُور اندیشی، وفائے عہد، شرافت، دانائی، چوکسی، رواداری، شوریٰ اور احترام معارضہ کے ساتھ قابو نہ ہونے کے بہت سے سبق سیکھے۔ قسم بخدا یہ وہ سبق ہیں جو تدبر و حفظ کے لائق ہیں اور مسلمان قائدین کو ان کی روشنی میں مشکلات کو حل کرنا اور بحرانوں کا سامنا کرنا چاہیے۔(۷۱)

۱۔ شرافت اور چوکسی:

اس قضیہ میں سب سے پہلا سبق جو صحابہؓ نے حاصل کیا شاید وہ شرافت اور چوکسی کا تھا، باوجودیکہ رسول اکرم ﷺ عمرہ کے لیے نکلے تھے اور آپؐ جنگ کے خواہاں بھی نہ تھے اور باوجود اس کے کہ آپؐ نے عمرہ کا اعلان بھی کردیا تھا کہ قریش کو یہ خیال نہ ہو کہ آپؐ ان سے جنگ کرنا چاہتے ہیں اور باوجود اس امر کے کہ آپؐ اور عام صحابہؓ بے سلے لباس کے نکلے تھے اور عمرہ کا احرام پہنے ہوئے تھے پھر بھی آپؐ نے ہنگامی حالات سے نپٹنے کے لیے سواروں کا ایک دستہ عبادؓ بن بشر کی قیادت میں اپنے آگے بھجوادیا اور انٹیلی جنس کی کارروائیاں بھی کیں اور اپنے صحابہ کو ضروری اسلحہ بھی دیا(۷۲) نیز آپؐ نے انٹیلی جنس کا ایک جوان مکہ کی طرف بطور جاسوس بھی بھیجا تاکہ وہ آپ کو راستے میں مل کر بتائے کہ آپؐ کے خروج کا اثر قریش پر کس حد تک پڑا ہے تاکہ آپؐ ہر امر کے لیے تیاری کرلیں اور ہر منصوبے کا نقشہ تیار کرلیں اور عملاً آپؐ ابھی اپنے اصحابؓ کے ساتھ عسفان کے علاقہ اشطاط میں جو مکہ کے قریب ہے، نہیں پہنچے تھے کہ آپ کو انٹیلی جنس کے ذریعہ اہل مکہ کے متعلق ہر وہ ضروری بات معلوم ہوگئی جو آپؐ سے معرکۂ بدر سے جنگ کی حالت میں تھے، آپؐ نے انٹیلی جنس کے جوان سے جو معلومات حاصل کیں، ان سے آپؐ نے خوب استفادہ کیا اور خالد بن ولید کی قیادت میں قریش کے جو سوار دستے(۷۳) کراع الغمیم میں پڑاؤ کیے ہوئے تھے، ان کے ساتھ مسلح تصادم سے بچنے کے لیے آپؐ نے اپنا راستہ دائیں طرف بدل لیا، اس طرح آپؐ نے جنگ کی آگ بھڑکانے سے بچاؤ اختیار کرلیا، جس کے بھڑکانے میں آپ کو کوئی دلچسپی نہ تھی۔(۷۴)

۲۔ اضطراب کے وقت ضبط نفس:

آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہؓ کو یاد کرنے کے لیے جو عملی درس دیا اُسے ہر انسان کو یاد رکھنا چاہیے جو ذمہ داری اور قیادت کے مقام پر ہو اور وہ ضبط نفس اور اعصاب پر کنٹرول کرنے کا تعلق ہے اور جہلاء کی تحدی اور بے وقوفوں کے مضطرب کرنے کے وقت صبر و تحمل کا اختیار کرنا ہے، اس خلق سے آنحضرت ﷺ آراستہ تھے اور آپؐ نے تنگی کی سخت ترین گھڑیوں اور مسلمانوں پر ظلم کے وقت بھی اس کا التزام کیا، حالانکہ آپؐ اس وقت مضطرب کرنے والے تہور پسندوں کو دگنی سزا دینے کی قدرت رکھتے تھے، لیکن آپؐ نے یہ کام اس لیے نہ کیا کہ ایسا کرنا ضروری نہ تھا، مدینہ سے آنحضرت ﷺ کے خروج کا پہلا اور آخری مقصد بیت اللہ کی زیارت تھا اور یہ مقصد محض صلح پسندانہ تھا جسے قریش بھی جانتے تھے اور آپؐ رواجی طور پر مسلمانوں کے لیے آئے ہیں، لیکن قریش کی بت پرستانہ عقل کا احمقانہ فیصلہ یہی تھا کہ وہ آپؐ کے اصحابؓ کو بیت اللہ کی زیارت سے روکیں گے، محض اس خبر سے کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنے اصحابؓ کے ساتھ مدینہ سے خروج کیا ہے، شیطان نے ان کے مشرک لیڈروں کے نتھنوں میں پھونک ماردی اور انہوں نے عام تیاری کرنے کا اعلان کردیا اور اپنی تمام عسکری طاقتوں کو جمع کرلیا اور پھر مسلمانوں سے لڑنے اور انہیں بنوکِ شمشیر بیت اللہ کی زیارت سے روکنے کے لیے لے کر حدودِ مکہ سے باہر آگئے (۷۵)۔

باوجود یکہ ان کی انٹیلی جنس نے انہیں خبر دی کہ رسول اکرم ﷺ اور آپؐ کے اصحابؓ ان سے جنگ کرنے کے لیے نہیں آئے بلکہ صرف بیت اللہ کی زیارت کے لیے آئے ہیں، ان کے ساتھ قربانی کے جانور بھی ہیں اور وہ جامہ ہائے احرام بھی پہنے ہوئے ہیں لیکن اندھی جاہلیت نے مشرکوں کو جادۂ صواب سے منحرف کردیا، قریش کا اپنی فوجوں کے ساتھ نکلنا اور خالد بن ولید کا اپنے سواروں کے ساتھ کراع الغمیم (۷۶) میں پڑاؤ کرنا ایک جوش دلانے والی تحدی اور زبردست اضطراب پیدا کرنے والی بات تھی جو نہایت آسانی کے ساتھ حدودِ حرم کے اندر یا باہر مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان خطرناک جنگ کے بھڑکانے کا باعث بن سکتی تھی، جس میں بہت خونریزی ہوتی جن کے بہانے میں آپ کو کوئی دلچسپی نہ تھی اور اس میں بہت سی جانیں ضائع ہوجاتیں جن میں سے آپ کسی بھی جان کے ضیاع کے خواہش مند نہ تھے، قریش کی سرکشی اور تحدی اور اضطراب کو جواز بنا کر ان سے مسلح تصادم شروع کردیتے اور وہاں سے گزرتے جہاں پر خالد بن ولید پڑاؤ کیے ہوئے تھے اور بنوکِ شمشیر حدودِ حرم میں داخل ہوجاتے، خصوصاً اس لیے بھی کہ قریش پہلے سے جانتے تھے کہ جب بھی حضور اکرم ﷺ نے مکہ کی طرف اپنا راستہ بنانے کے لیے ان پر حملہ کیا ہے ان کی فوجوں کو ہی نقصان ہوا ہے کیوں کہ آپؐ کے پیچھے وہ چودہ سو منچلے جوان تھے جنہیں مشرکین مکہ نے جنگ کے میدانوں میں اچھی طرح دیکھا بھالا تھا جن میں سے تین سو تیرہ نے بدر کے معرکہ میں قریش کے زبردست لشکر کو جو ایک ہزار چیندہ سواروں اور صنادید پر مشتمل تھا تباہ و برباد کردیا تھا اور ان میں سے سات سو نے احد کے روز تین ہزار جانبازوں کو رسوا کن شکست دی جنہیں قریش نے اسلام کے وجود کو مٹانے کے لیے تیار کیا تھا، مگر رسول اکرم ﷺ نے باوجود پوری طاقت رکھنے کے قریش کے اضطراب و تحدی کا مقابلہ بڑے حلم و صبر سے کیا اور ان کی حماقت اور زیادتی کا جواب بڑی دانش مندی اور

عقل مندی سے دیا یہاں تک کہ جب آپ کو یہ اطلاع پہنچی کہ وہ آپؐ سے جنگ کے لیے تلے ہوئے ہیں تو آپؐ نے بڑے افسوس کے ساتھ یہ تاریخی کلمہ فرمایا: ''قریش کا بُرا ہو انہیں جنگ نے تباہ کر دیا ہے اگر وہ میرے اور دوسرے عربوں کے درمیان راستہ کھول دیں تو انہیں کیا ہے اگر وہ مجھے تکلیف دیتے تو بھی ان کا منشا پورا ہو جاتا اور اگر اللہ تعالیٰ مجھے ان پر غلبہ دیتا تو وہ بہت بڑی تعداد میں اسلام میں داخل ہو جاتے اور اگر ان کے ساتھ مل کر لڑتے تو انہیں قوت حاصل ہوتی۔(۷۷) پھر آپؐ نے اپنے اصحابؓ کو حکم دیا کہ وہ اس راستے پر چلیں جو کراع الغمیم میں پڑاؤ کیے ہوئے دستوں کے پاس سے نہ گزرتا ہو، آپؐ نے یہ اقدام بزدلی اور جنگ کے خوف سے نہ کیا تھا بلکہ ان خونوں کو بچانے کے لیے کیا جو بغیر کسی ضرورت کے بہائے جاتے تھے اور عملاً حضور اکرم ﷺ کے حکیمانہ تصرف سے کتنی ہی جانیں بچ گئیں اگر آنحضرت ﷺ قریش کی فوج سے عدم تصادم کی کارروائی نہ کرتے تو ممکن تھا کہ کئی سو جانیں ضائع ہو جاتیں اور ان وجودوں میں بہت سے ایسے لوگ بھی شامل تھے جو مشرکین کی فوج کے سردار تھے پھر بعد میں وہ اسلامی افواج کے سالار بنے جنہوں نے قیصر و کسریٰ کے تختوں کو الٹ دیا۔ جیسے خالدؓ بن ولید، عکرمہؓ بن ابو جہل، صفوانؓ بن امیہ، عمروؓ بن العاص اور سہیلؓ بن عمرو اور ان جیسے دوسرے صنادید قریش، اگر آنحضرت ﷺ اپنے اصحابؓ کے ساتھ راستہ بدل کر حدیبیہ میں پڑاؤ نہ کرتے تو یہ لوگ اس معرکہ میں پچھڑ کر گر پڑتے اسی طرح ہر ذمہ دار لیڈر کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان جیسے مواقف میں ضبط نفس اور دھیما پن اختیار کرنے کے سبق اخذ کرے اور امور کا جائزہ لینے میں امت اور دین کی مصلحت کو مدنظر رکھے نہ کہ جذبات، اکڑپن، خواہشات اور خالی خولی بہادرانہ باتوں کو مدنظر رکھے۔(۷۸)

۳۔ مکالمے کا اسلوب اور اس کا احترام:

قضیہ حدیبیہ سے تیسرا سبق یہ مستنبط ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے عمدہ معارضہ کے اصول وضع کیے ہیں اور معارضہ کرنے والا خواہ کسی بھی مقام کا ہو اس کو ایذا دینے سے تعرض نہیں کیا، اس شرط پر کہ اس معارض کی نیت بخیر ہو اور اس کے معارضہ کا باعث اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت ہو اور جب معارضہ کا باعث خواہشات یا شخصی مصلحت ہو یا ایسے اصولوں کو راسخ کرنا ہو جو اسلام اور امت کی مصلحت کے مخالف ہوں تو یہ ایسا معارضہ ہے جس کا قلع قمع کرنا ضروری ہے اور وہ کسی احترام کے لائق نہیں، حضرت عمر فاروقؓ کے صریح اور قوی معارضہ میں، جو آپؐ نے صلح کی بعض ان شرائط پر کیا جو آنحضرت ﷺ کے اور مشرکین کے درمیان طے ہو چکی تھیں، سے بڑا سبق ملتا ہے، حضرت عمرؓ بن الخطاب معاہدہ صلح کے وقت سے ہی دلی یقین کے ساتھ سمجھتے تھے کہ قریشی نمائندے سہیل بن عمرو نے معاہدہ میں جو بعض شروط لگائی ہیں اور حضور اکرم ﷺ نے انہیں قبول کر لیا ہے وہ امت اسلامیہ کی ہتک عزت کا باعث ہیں اور ان سے ہماری ذلت ہوتی ہے، یہ آپ کا ایک عام انسان کی طرح فہم و احساس اور شعور تھا لیکن وہ حضور اکرم ﷺ کی نسبت اصابت رائے، دور اندیشی اور امور کی گہرائیوں کا احاطہ کرنے کے لحاظ سے قطعاً اس مقام پر نہ تھے جس پر آپؐ قائم تھے۔ دوسرے یہ کہ انہیں آسمان سے وحی آتی تھی اور ان سے کسی کام کا صدور امر الٰہی ہی سے ہوتا تھا، یہی وجہ ہے کہ حضرت ابن خطابؓ معاہدہ کی ان شرائط سے بالکل آگاہ نہیں ہو سکتے تھے جن پر آپؐ نے اتفاق کیا اور ان پر دستخط

کرنے اور گواہی دینے کے سوا کوئی کام باقی نہ رہ گیا تھا۔ یہاں تک کہ آپؓ شدید معارضہ کا اظہار کرتے ہوئے اٹھے اور حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں چلے گئے اور نہایت صراحت کے ساتھ سید الحکماء اور امام العقلاء کے سامنے معاہدہ کی بعض شرائط کے متعلق اس معارضہ کا اظہار کیا، خصوصاً قریش کی اس شرط کے متعلق جس میں یہ ذکر تھا کہ مسلمان اس سال مناسک عمرہ کی ادائیگی کے بغیر مکہ سے واپس چلے جائیں اور یہ کہ قریش میں سے جو شخص مسلمانوں کے پاس آئے اور خواہ وہ مسلمان ہی ہو، حضور اکرم ﷺ اسے واپس کریں اور اس کے بالمقابل جو شخص مسلمانوں سے مرتد ہو کر اور ان کی جماعت کو چھوڑ کر قریش کے پاس آئے گا وہ اسے واپس نہیں کریں گے۔(۷۹) ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب ان شروط کے متعلق اعلانیہ معارضہ کرتے ہوئے حضور اکرم ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے، کیا آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول نہیں؟ آپؐ نے فرمایا میں خدا کا سچا رسول ہوں تو حضرت ابن خطابؓ نے کہا کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں؟ آپؐ نے جواب دیا بالکل ہم حق پر ہیں اور وہ باطل پر ہیں تو حضرت عمرؓ نے کہا پھر ہم اپنے دین کے بارے میں ذلت کیوں قبول کریں؟ رسول اکرم ﷺ نے ابن خطابؓ کے صریح اور قوی معارضہ پر برا نہیں منایا اور نہ آپ کو ڈانٹ پلائی بلکہ آپؐ نے حضرت عمرؓ کو صحیح طریق سے ان شرائط پر رضا مند کرنے کی کوشش کی جو انہیں مسلمانوں کے لیے تباہ کن نظر آرہی تھی، آپؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ آپؐ وہی کام کرتے ہیں جس میں اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت ہو، دوسرے یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کارروائی کرتے ہیں آپؐ نے حضرت عمر فاروقؓ کے معارضہ کے جواب میں فرمایا ''میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور اس کی نافرمانی کرنے والا نہیں اور وہ میرا مددگار ہے۔''(۸۰)

حضرت عمر فاروقؓ کے شدید اور سخت معارضہ کا نبی البدیہہ جواب دینے کے بعد بھی ابن خطابؓ کے مسلسل معارضہ و مناقشہ کرنے پر سید البشرؐ کا دل تنگ نہیں ہوا، یہاں تک کہ مناقشہ اس حد تک پہنچ گیا کہ حضرت عمرؓ نے صراحت کے ساتھ کہا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپؐ نے ہمیں نہیں بتایا تھا کہ ہم بیت اللہ میں آئیں گے اور اس کا طواف بھی کریں گے؟ حضور اکرم ﷺ نے بڑے پرسکون انداز میں فرمایا ہاں، کیا میں نے آپ کو بتایا تھا کہ ہم اس سال بیت اللہ جائیں گے؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا نہیں اس پر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، تو اس کے پاس آنے والا ہے اور اس کا طواف کرنے والا بھی ہے، حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے رابطہ کر کے انہیں بتایا کہ میں نے ان شرائط کے متعلق معارضہ کیا ہے اور میں ان کا کوئی جواز نہیں سمجھتا۔ آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ کیا یہ اللہ کے سچے رسول نہیں؟ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا ہاں وہ اللہ تعالیٰ کے برحق رسول ہیں حضرت عمرؓ نے کہا کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں، حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا ہاں ایسا ہی ہے، تو حضرت عمرؓ نے کہا پھر ہم اپنے دین کے بارے میں ذلت کیوں قبول کریں؟ اس موقع پر حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت فاروق اعظمؓ سے کہا، اے جوان وہ اللہ کے رسول ہیں اور وہ اپنے رب کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہ ان کا مددگار ہے، حضرت عمرؓ نے جواب دیا، میں جانتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا ان کے فرمانبردار رہو، خدا کی قسم وہ حق پر ہیں۔(۸۱)

حضرت عمر فاروقؓ کا شرمندہ ہونا:

حضرت عمرؓ نے اس معارضہ پر اپنی ندامت کا صراحت کے ساتھ اعلان کیا وہ خود بیان کرتے ہیں کہ وہ معارضہ کے کفارہ میں روزے رکھتے رہے، صدقہ وخیرات کرتے رہے اور غلام آزاد کرتے رہے۔(۸۲)

اشکال کے اہم نقطہ کی وضاحت:

جس شرط میں یہ ذکر تھا کہ آنحضرت ﷺ قریش کی طرف سے آنے والے شخص کو خواہ وہ مسلمان ہی ہو، واپس کریں گے اور اگر مسلمانوں کی طرف سے کوئی آدمی قریش کی طرف آئے گا تو وہ اسے واپس نہیں کریں گے۔(۸۳)

یہ شرط خاص طور پر مسلمانوں کی پریشانی کا باعث تھی اس لیے وہ اسے ایک بشر کی طرح نہ ہضم کر سکے اور نہ نگل سکے، حتیٰ کہ جب لوگوں نے سنا کہ حضور اکرم ﷺ نے اس شرط سے موافقت کر لی ہے تو ایک آدمی نے کہا سبحان اللہ! وہ اس آدمی کو جو مسلمان ہو کر آئے گا مشرکین کی طرف کیسے واپس کریں گے، مسلمانوں کو اس شرط سے بڑا غم ہوا مگر حضور اکرم ﷺ نے اپنے حکیمانہ اسلوب اور راست گفتاری سے غم کے تمام بادلوں کو بکھیر دیا جو مسلمانوں کے دلوں پر چھائے ہوئے تھے آپ ﷺ نے اس شرط کے ضمن میں جسے آپ کے قبول کرنے پر وہ بُرا مناتے تھے۔ فرمایا:

''ان میں سے جو آدمی ہمارے ساتھ ملنا چاہے گا (یعنی وہ مسلمان جسے ہم اپنے ہاں ٹھہرنے کی اجازت نہیں دیں گے) اللہ تعالیٰ اس کے لیے اور ہمارے لیے کوئی سبیل پیدا کر دے گا اور جو ہم میں سے ان کے پاس جائے گا اللہ تعالیٰ اسے تباہ کر دے گا اور وہ کفر کرنے کے زیادہ لائق ہیں۔''(۸۴)

یہ تفسیر نبویؐ ایک معقول اور واقعاتی تفسیر تھی جس نے مضطرب دلوں کو سکون بخشا۔ حتیٰ کہ حضرت عمر بن الخطابؓ جو اس شرط کے قبول کرنے کے متعلق سب صحابہؓ سے زیادہ سخت معارضہ کرنے والے تھے انہوں نے بھی اس قول نبوی کو قبول کر لیا اور سمجھ لیا کہ یہ فعل رسولؐ ہی درست ہے، یہ ایک بڑا اہم سبق تھا جو حضور اکرم ﷺ نے اپنے اصحابؓ کو دیا، جس کی روشنی میں یہ بات واجب ہوتی ہے کہ انسان جذبات کے جوش اور انفعال کے دوران امور کی تفسیر اور استخراج نتائج میں جلد بازی سے کام نہ لے اس طرح وہ غلطی میں پڑ جائیں گے جیسا کہ بعض صحابہؓ نے رسول اکرم ﷺ کے اس شرط کے قبول کرنے پر جلد بازی کی اور وہ غلطی میں پڑ گئے کہ یہ شرط مسلمانوں اور ان کے دین کی ہتک کا موجب ہے۔ جب رسول اکرم ﷺ نے انہیں جذبات سے الگ ہو کر عقل کی زبان سے بات سمجھائی تو ان پر اپنی غلطی واضح ہو گئی کہ اس شرط کے قبول کرنے میں ان کی کوئی ذلت نہیں جس کے متعلق یہ سن کر کہ حضور اکرم ﷺ نے اسے قبول کر لیا ہے وہ ہلاکت کے قریب پہنچ گئے تھے۔(۸۵)

وفائے عہد:

شاید صلح حدیبیہ کے اسباق میں سے سب سے زیادہ بلیغ سبق وہ ہے جو آنحضرت ﷺ نے بہ حیثیت قائد اور حاکم، وفائے عہد کے متعلق دیا اور یہ کہ ایک شریف اور ذمہ دار آدمی جب قول دے دے تو خواہ اسے کس قدر نقصان اور تکالیف پہنچیں وہ اپنے

عہد کو پورا کرے یہ شان دار سبق ہم ابوجندل کے اثر انگیز واقعہ سے حاصل کرتے ہیں، حدیبیہ کے مذاکرات میں سربراہ وفد سہیل بن عمرو کا ایک نوجوان بیٹا تھا، جسے اللہ تعالیٰ نے مکہ میں اسلام کی طرف ہدایت دی تو اس کے باپ نے اسے قید کر کے قید خانے میں ڈال دیا اور اسے بت پرستی کی طرف واپس آنے کے لیے مجبور کرنے لگا اور اس کی تعذیب کے لیے تیار ہو گیا لیکن اس نے صبر و تحمل سے کام لیا اور اپنے دین صحیح پر مسلمان کے طور پر قائم رہا ابوجندلؓ کو اپنے باپ کے قید خانے سے بھاگنے کا موقع مل گیا اور وہ پابجولاں مسلمانوں کے پڑاؤ میں پہنچ گیا اور اس نے اپنے دین کو لے کر بھاگتے ہوئے اپنے آپ کو مسلمانوں کے آگے ڈال دیا اور ان سے حمایت کا طالب ہوا کیوں کہ وہ مسلمان ہو کر ان میں سے ہو گیا تھا اور ان کی طرف ہی آیا تھا، پس مسلمانوں نے اسے خوش آمدید کہا اور مبارک باد دی جونہی اسکے باپ سہیل بن عمرو نے اسے مسلمانوں کے درمیان دیکھا تو اس کے چہرے پر تھپڑ مارنے لگا پھر اس کو گریبان سے پکڑ کر گھسیٹنے لگا اور دھکے دینے لگا تاکہ اسے شرک کے پڑاؤ میں واپس لے جائے، ابوجندلؓ نے مسلمانوں سے مدد طلب کرتے ہوئے پکار کر کہا اے مسلمانو! کیا مجھے مشرکوں کی طرف لوٹایا جائے گا کہ وہ مجھے میرے دین کے بارے میں فتنہ میں ڈالیں، کیا تم اس سلوک کو نہیں دیکھتے جس سے میں دوچار ہوں، معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے ابوجندلؓ کی حمایت میں جلد مداخلت کرتے ہوئے اسے اس کے مشرک باپ کے ہاتھ سے چھین لیا تاکہ وہ ان کے ساتھ رہے اور یہی اس کی خواہش تھی کیوں کہ وہ ان کی سوسائٹی کا ایک فرد بن گیا تھا، سہیل بن عمرو نے اپنے بیٹے کو گرفتار کرنے کے لیے طاقت کا سہارا نہیں لیا بلکہ اس نے حضور اکرم ﷺ کے پاس احتجاج کیا اور آپؐ سے مطالبہ کیا کہ معاہدہ صلح کی شرط کے مطابق آپؐ میرے بیٹے کو میرے سپرد کر دیں کیوں کہ اس میں لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ اس شخص کو واپس کرنے کے پابند ہوں گے جو قریش کی جانب سے اپنے اہل کی اجازت کے بغیر آئے گا، سہیل بن عمرو نے اپنے اس احتجاج میں کہا، یہ پہلی بات ہے، جس پر میں نے آپ کو قاضی بنایا ہے، ابوجندلؓ کے آنے سے پیشتر میرے اور آپؐ کے درمیان قضیہ طے ہو چکا ہے۔(۸۶) آپؐ نے جو سب سے بڑھ کر وفائے عہد کرنے والے تھے معاہدہ کی نصاً اور روحاً پابندی کرتے ہوئے سہیل بن عمرو سے کہا آپ درست کہتے ہیں اور آپؐ نے سہیل بن عمرو مشرک کو اپنے مسلمان بیٹے کو گرفتار کرنے اور مکہ واپس لے جانے کی اجازت دے دی۔(۸۷) باوجود یہ کہ آپ کو اس بات کا علم تھا کہ اس کارروائی سے مسلمانوں کے جذبات کو شدید اذیت پہنچے گی، ہاں آپؐ نے سہیل بن عمرو سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ اپنے بیٹے کو مسلمانوں کے ساتھ رہنے کی اجازت دے دے آپؐ نے فرمایا اسے میری پناہ اور امان میں رہنے دو، یہ عربوں کی ایک قدیم عادت ہے، سہیل نے جواب دیا، میں اسے آپ کی پناہ میں دینے والا نہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے اپنے مطالبہ کو دوہرایا اور فرمایا ایسا کر دیجیے، سہیل نے دوبارہ انکار کرتے ہوئے کہا، میں ایسا کرنے والا نہیں ہوں، اس موقع پر قریشی وفد کے دو ممبروں حویطب بن عبدالعزیٰ اور مکرز بن عمرو نے مداخلت کرتے ہوئے ابوجندلؓ کو پناہ دے دی اور عہد کیا کہ مکہ میں اس کو تکلیف نہیں ہوگی ان دونوں نے حضور اکرم ﷺ سے کہا اے محمد ﷺ ہم نے آپ کی خاطر اسے پناہ دی ہے، ہم اسے عذاب نہیں دیں گے۔(۸۸) سہیل بن عمرو نے اپنے نوجوان مسلمان بیٹے کو لیا تاکہ وہ اسے دیگر قریشی مسلمان نوجوانوں کے ساتھ قید میں ڈال دے جنہیں حضور اکرم ﷺ اور مہاجرین کے ساتھ ملنے سے ان کے اہل کی سرکشی نے روکا ہوا تھا۔(۸۹)

آنحضرت ﷺ کا حضرت ابو جندلؓ کو صبر و تحمل کی تعلیم دینا:

جب ابو جندل کو اس کا باپ گھسیٹ رہا تھا تو اس نے بلند آواز سے پکار کر کہا اے مسلمانو! کیا مجھے مشرکین کی طرف لوٹایا جائے گا کہ وہ مجھے میرے دین کے متعلق فتنہ میں ڈالیں؟ (۹۰) اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے ابو جندلؓ سے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ میں کوئی ایسی کارروائی نہیں کرسکتا جس کے باعث میں تجھے تیرے مشرک باپ کی قید سے چھڑالوں، کیوں کہ یہ اس عہد کا توڑنا ہے، جسے آپؐ نے تھوڑا عرصہ قبل قریش کو دیا تھا آپؐ نے ابو جندلؓ سے فرمایا ہمارے اور لوگوں کے درمیان معاہدہ صلح ہوا ہے اور ہم نے انہیں اور انہوں نے ہمیں عہد دیا ہے اور ہم ان سے خیانت نہیں کریں گے مگر رسول اکرم ﷺ نے اس المیہ کے بالمقابل جس کی شرائط آپؐ کے اور ابو جندلؓ کی رہائی کے درمیان حائل ہوگئی تھیں ابو جندلؓ کو تسلی دی اور خوشخبری بھی دی کہ اس کی اور اس کے مسلم نوجوان ساتھیوں کی جو مکہ کے قید خانوں میں تنگی سے وقت گزار رہے ہیں رہائی کا وقت قریب آچکا ہے، آپؐ نے ابو جندلؓ کے ساتھ اس کی غم خواری کرتے ہوئے فرمایا اے ابو جندل صبر کر اور رک جا، اللہ تعالیٰ تیرے اور تیرے کمزور ساتھیوں کے لیے رہائی کی سبیل بنانے والا ہے۔ (۹۱) ابو جندلؓ نے بیان نبوی کو قبول کیا اور حضور اکرم ﷺ کی خوشخبری سے مطمئن ہوگیا، پس وہ اپنے مشرک باپ کی بات مان گیا اور وہ اسے مکہ واپس لے آیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے سال سے بھی کم عرصہ میں بشارت رسولؐ کے مطابق اس کے لیے رہائی کی صورت پیدا کردی۔ (۹۲) جیسا کہ اس واقعہ کی تفصیل ہم اپنے گزشتہ اوراق میں بیان کرچکے ہیں۔

شاندار سبق اور سخت آزمائش:

حق بات یہ ہے کہ ایک شدید اور سخت آزمائش کی وجہ سے ایک مسلم نوجوان اپنے دین کے ساتھ مسلمانوں کی طرف بھاگا پھر اسے دوبارہ شرک کے جہنم میں پھینکنے کے لیے چھین لیا گیا حالانکہ اس نے اس جہنم سے نکل کر حدیبیہ میں اسلامی سوسائٹی میں پناہ لی تھی، مسلمانوں کو اس منظر سے شدید رنج والم پیدا ہوا حتیٰ کہ ان میں سے بہت سے آدمی اس بہترین نوجوان پر رحم کھاتے ہوئے رو پڑے اور وہ اس کے مشرک باپ کو بت پرستانہ سخت گیری کے ساتھ اسے گھسیٹتے ہوئے دیکھ رہے تھے، ان کے دلوں میں یہ پُر زور خواہش تھی۔ بلکہ ان کے بس میں تھا کہ وہ اس صادق الایمان نوجوان کو اس کے باپ کی بت پرستانہ سخت گیری سے نجات دلائیں اور وہ دیکھ رہے تھے کہ سہیل بن عمرو اپنے مسلمان بیٹے کو ان کے سامنے بت پرستانہ سخت گیری سے گھسیٹ رہا ہے اور بیڑیوں کے سخت دباؤ کی وجہ سے اس کے قدموں سے خون بہہ رہا ہے حق بات یہ ہے کہ یہ ایک ایسا منظر تھا جسے دیکھ کر دل آنکھوں سے پہلے رو پڑتے ہیں۔ لیکن مسلمان، اس مسلم نوجوان کو چھڑانے کے لیے کیا کرتے اور وہ کیا کرسکتے تھے؟

وہ اس دلدوز منظر کے سامنے اپنے آپ کو یوں محسوس کرتے تھے کہ ان کے ہاتھ پیچھے کی طرف بندھے ہوئے ہیں اور یہ ہاتھ اس عہد کی پابندی نے باندھے تھے، جو حضرت نبی کریم ﷺ نے قریش کو دیا تھا اور اس بات کی عظمت کے لیے تھا جس کی تنفیذ اس معاہدہ صلح کی رُو سے لازم آتی تھی جس نے ان کی مشکیں باندھ دی تھیں اور وہ سہیل بن عمرو سے متعرض ہونے کی جرأت نہ

کر سکتے تھے جس نے اپنے نوجوان مسلمان بیٹے کی آزادی سلب کر لی اور اسے بت پرست معاشرہ میں واپس جانے پر مجبور کیا جس میں وہ زندگی گزارنا نہیں چاہتا تھا اور ابن اسحاق نے ابو جندل کے واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ مسلمانوں پر یہ بات گراں گزری اور ان کو بہت غم ہوا، قریب تھا کہ وہ غم سے ہلاک ہو جاتے اور بعض نے تو الم اور جلن کے باعث حضور اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ قریش کی طرف اس آدمی کو کیوں لوٹاتے ہیں جو مسلمان ہو کر آتا ہے اور قریش اس شخص کو واپس کیوں نہیں کرتے جو ان کی طرف مرتد ہو کر جاتا ہے، یہ بات وہ اس لیے پوچھتے تھے کہ جس بات کا احاطہ علم نبویؐ نے کیا ہوا تھا وہ اس کا احاطہ نہ کر سکتے تھے پھر ان کا ادراک ان مقاصد کے حصول سے قاصر تھا جن کا ادراک رسول اکرم ﷺ کو بخوبی تھا چنانچہ اس استفسار کا حضور اکرم ﷺ نے نہایت حکیمانہ منطقیانہ اور واقع کے مطابق جواب دیا جو مومن دلوں کے لیے مرہم کی طرح بن گیا اور انہیں اس غم سے نجات دی جس سے وہ خاص طور پر ابو جندلؓ کے واقعہ کے بعد دو چار ہوئے تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے جواب دیا کہ جو شخص مسلمانوں میں سے مرتد ہو کر قریش کی طرف جائے گا اللہ تعالیٰ اسے واپس نہ لائے کیونکہ اس میں کوئی بھلائی نہیں اور مسلمان اس انسان سے کیا فائدہ حاصل کر سکتے ہیں جو ان کے دین کو چھوڑ گیا ہے۔

اب رہے وہ کمزور مسلمان جنہوں نے مسلمانوں سے حق پناہ طلب کیا اور حضور اکرم ﷺ نے انہیں کفار مکہ کی طرف لوٹا دیا، عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے لیے رہائی کی سبیل بنائے گا۔ اس میں کچھ شبہ نہیں جب تک وہ اپنے دین پر قائم رہیں گے، اگر مکہ کے قید خانوں میں وہ ایمان کا ٹیکس ادا کرتے تو انہیں کیا ہوتا؟ ان سے پہلے ان کے بھائیوں نے عقیدہ سے تمسک کی وجہ سے ان سے بھی زیادہ تکالیف برداشت کی ہیں حتیٰ کہ ان میں سے بعض خوف ناک اور وحشیانہ عذاب سے مر گئے اور سابقون الاولون کے درمیان چوٹی کے آدمی بن گئے جیسے عمارؓ اور اُم عمارؓ بلالؓ (۹۳) اور مصعبؓ بن عمیر (۹۴) مشرکین کے قید خانوں میں ان لوگوں نے خوف، بھوک اور وحشیانہ تعذیب کے جو مزے چکھے، انہوں نے ان کو خوب صورت بنا دیا اگر یہ تعبیر صحیح ہے تو دنیا بھر میں ان کی باتوں کا چرچا ہو گیا اور عقیدہ کی راہ میں ان کی قربانی اور فداکاری سے تاریخ ہمیشہ ان کی معطر یاد سے مہکتی رہے گی، گویا رسول اکرم ﷺ نے زبان حال سے وفائے عہد کرتے ہوئے ابو جندلؓ اس کے مشرک باپ کی طرف یہ کہتے ہوئے واپس کر دیا کہ ابو جندلؓ اور اس کے بھائیوں کو عقیدہ کے تحفظ میں جو عذاب مکہ کے قید خانوں میں دیا جا رہا ہے اس پر وہ ثابت قدم رہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو نجات دینے والا ہے اور ان کے لیے تکالیف سے نکلنے کی سبیل پیدا کرنے والا ہے، کیا اللہ تعالیٰ نے سچے مومنوں کے لیے نہیں فرمایا کہ "وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا ○ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ" (۹۵)

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کو پورا کر دیا اور ابو جندل اور اس کے کمزور بھائیوں کے لیے مکہ کے قید خانوں سے نکلنے کی سبیل پیدا کر دی ابھی ایک سال سے بھی کم عرصہ نہیں گزرا تھا کہ وہ مکہ کے قید خانوں سے بھاگ گئے اور ایک ایسی طاقت بن گئے جس سے کفار مکہ خوف کھانے لگے کیوں کہ انہوں نے ان راستوں پر قبضہ کر لیا تھا جن پر شام سے آنے والے مشرکین کے قافلے گزرتے تھے۔ (۹۶) یہاں تک کہ قریش نے تنگ آ کر خود آپؐ سے درخواست کی کہ آپؐ انہیں مدینہ واپس بلا لیں اس طرح قریش نے اس شرط کو خود ہی منسوخ کر دیا۔ (۹۷)

﴿حواشی و حوالہ جات﴾

(۱) الدکتور محمد حمید اللہ الحیدر آبادی، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ فی العہد النبوی والخلافۃ الراشدۃ، القاہرہ مطبعۃ لجنۃ التالیف والترجمۃ والنشر، ۱۲ رجب من سنۃ ۱۳۶۰ھ (المقابل ۱۰ اغسطس من سنۃ ۱۹۴۱ء) ص ۱۳ تا ۱۴

(۲) یہ دفعہ ابن اسحاق اور ابن ہشام میں نہیں ہے۔ نہ ہی تاریخ طبری میں۔ لیکن تفسیر طبری ابوعبید کی کتاب الاموال فتوح بلاذری اور بکری وغیرہ میں ہے۔

(۳) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ص ۹۰۔۹۱

(۴) اسمٰعیل محمد احمد، صلح الحدیبیۃ، دار الفکر، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۳۹۱ھ۔ ۱۹۷۱ء۔ ص ۲۰۲ تا ۲۰۳

(۵) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر حیدر آبادی، سیاسی وثیقہ جات، از عہد نبویؐ تا بہ خلافت راشدہؓ مجلس ترقی ادب، لاہور مترجمہ مولانا ابو یحییٰ امام خان نوشہروی، ص ۳۲ تا ۳۴

(۶) الدکتور محمد حمید اللہ الحیدر آبادی، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ فی العہد النبوی والخلافۃ الراشدۃ، ص ۱۲

(۷) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر حیدر آبادی، سیاسی وثیقہ جات، از عہد نبویؐ تا بہ خلافت راشدہؓ، مترجمہ مولانا ابو یحییٰ امام خان نوشہروی، ص ۳۵

(۸) الدکتور محمد حمید اللہ الحیدر آبادی، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ فی العہد النبوی والخلافۃ الراشدۃ، ص ۱۷

(۹) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر حیدر آبادی، سیاسی وثیقہ جات، از عہد نبویؐ تا بہ خلافت راشدہؓ، مترجمہ مولانا ابو یحییٰ امام خان نوشہروی، ص ۳۵۔۳۸

(۱۰) القرآن الحکیم سورۃ فتح آیت ۱

(۱۱) القرآن الحکیم سورۃ فتح آیت۔ ۱۸

(۱۲) القرآن الحکیم سورۃ فتح آیت ۱۰

(۱۳) القرآن الحکیم سورۃ فتح آیت۔ ۶

(۱۴) القرآن الحکیم سورۃ فتح آیت۔ ۱۱

(۱۵) القرآن الحکیم سورۃ فتح آیت۔ ۱۲

(۱۶) القرآن الحکیم سورۃ فتح آیت۔ ۲۵

(۱۷) القرآن الحکیم سورۃ فتح آیت۔ ۲۴

(۱۸) القرآن الحکیم سورۃ فتح آیت۔ ۲۲

(۱۹) القرآن الحکیم سورۃ فتح آیت۔ ۲۶۔۲۷

(۲۰) القرآن الحکیم سورۃ الفتح۔ ۲۷

(۲۱) القرآن الحکیم سورۃ الفتح۔ ۲۷

(۲۲) القرآن الحکیم سورۃ الفتح۔ ۲۷

(۲۳) القرآن الحکیم سورۃ الفتح۔ ۲۷

(۲۴) القرآن الحکیم سورۃ الفتح۔ ۲۷

(۲۵) القرآن الحکیم سورۃ الفتح۔ ۲۷

(۲۶) القرآن الحکیم سورۃ الفتح۔ ۲۷

(۲۷) القرآن الحکیم سورۃ الفتح۔ ۲۷

(۲۸) القرآن الحکیم سورۃ الفتح۔ ۲۷

(۲۹) الامام مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، کراچی، جلد ۱، ص ۱۷۱

(۳۰) شاعر مشرق، ڈاکٹر محمد اقبال، کلیات اقبال، مکتبہ عائل، لاہور ۲۰۰۴

(۳۱) القرآن الحکیم سورۃ المائدہ آیت ۵۴
(۳۲) القرآن الحکیم سورۃ الفتح آیت ۲۹
(۳۳) القرآن الحکیم سورۃ الفتح آیت ۲۹
(۳۴) القرآن الحکیم سورۃ الفتح آیت ۲۹
(۳۵) القرآن الحکیم سورۃ الفتح آیت ۲۹
(۳۶) القرآن الحکیم سورۃ الفتح آیت ۲۹
(۳۷) القرآن الحکیم سورۃ الفتح آیت ۲۹
(۳۸) القرآن الحکیم سورۃ الفتح آیت ۲۹
(۳۹) القرآن الحکیم سورۃ الفتح آیت ۲۹
(۴۰) القرآن الحکیم سورہ فتح آیت۔ ۲۰
(۴۱) القرآن الحکیم سورہ فتح آیت۔ ۱۵
(۴۲) القرآن الحکیم سورہ فتح آیت۔ ۱۶
(۴۳) القرآن الحکیم سورہ فتح آیت۔ ۱۸
(۴۴) القرآن الحکیم سورہ فتح آیت۔ ۱۰
(۴۵) ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں اس درخت کو کٹوا دیا تھا
(۴۶) القادری، محمد طاہر، ڈاکٹر، سیرۃ الرسول کی ریاست اہمیت، منہاج القرآن پبلی کیشنز، لاہور، اکتوبر ۲۰۰۶ء، ص ۷۰۔۷۱
(۴۷) باشمیل محمد احمد، صلح حدیبیہ، نفیس اکیڈمی، کراچی، ستمبر ۱۹۸۵ء، ص ۲۷۱
(۴۸) نصیر احمد ناصر، ڈاکٹر، پیغمبر اعظم و آخر، فیروز سنز، لاہور، ص ۵۸۰
(۴۹) روشن اقبال، ڈاکٹر، عہد نبویؐ کے غزوات و سرایا، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، دسمبر ۱۹۹۱ء، ص ۱۸۶
(۵۰) محمود احمد ظفر، حکیم، سیرت خاتم النبیینؐ، تخلیقات، اگست ۲۰۰۱ء، ص ۷۵۳
(۵۱) باشمیل، محمد احمد، صلح حدیبیہ ص ۲۷۳
(۵۲) مسعود مفتی، صلح حدیبیہ، علم و عرفان پبلشرز، لاہور، جولائی ۲۰۰۳ء، ص ۳۳
(۵۳) عبدالمتعال الصعیدی، عہد نبوی کی اسلامی سیاست، مرتبہ شیخ محمد احمد پانی پتی، ادارہ فروغ اردو، لاہور، ۱۹۶۰ء، ص ۲۳۰
(۵۴) اسرار احمد، ڈاکٹر، فتح و نصرت کا نقطۂ آغاز صلح حدیبیہ، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، مارچ ۲۰۰۵ء، ص ۷
(۵۵) محمد ابوالخیر کشفی، ڈاکٹر، حیات محمدؐ قرآن حکیم کے آئینے میں، دارالاشاعت، کراچی، اپریل ۲۰۰۶ء، ص ۱۶۳۔۱۶۴
(۵۶) ندوی، شاہ معین الدین احمد، تاریخ اسلام، جلد اول، مقتدر اکیڈمی پاکستان، کراچی، نومبر ۱۹۷۵ء، ص ۶۲
(۵۷) ابن ہشام، جلد دوم، ص ۳۷۳۔ تاریخ طبری جلد اول ص ۳۳۱
(۵۸) نصیر احمد ناصر، ڈاکٹر، پیغمبر اعظم و آخرؐ، ص ۵۸۲
(۵۹) قریشی، محمد صدیق، پروفیسر، رسول اکرمؐ کا نظام جاسوسی، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص ۱۹۰
(۶۰) باشمیل، محمد احمد، صلح حدیبیہ ص ۲۸۱
(۶۱) محمود احمد ظفر، حکیم، سیرت خاتم النبیینؐ، ص ۷۳۵
(۶۲) عبدالمتعال الصعیدی، عہد نبوی کی اسلامی سیاست، مرتبہ شیخ محمد احمد پانی پتی، ص ۲۱۶۔۲۱۷
(۶۳) باشمیل، محمد احمد، صلح حدیبیہ ص ۲۸۵
(۶۴) مسعود مفتی، صلح حدیبیہ، ص ۳۰
(۶۵) باشمیل، محمد احمد، صلح حدیبیہ ص ۲۸۸

(۶۶) عبدالباری، ایم اے، رسول اکرم کی جنگی اسکیم، الفیصل لاہور، اپریل ۱۹۸۳ء، ص ۱۳۳

(۶۷) ندوی، شاہ معین الدین احمد، تاریخ اسلام، جلد اول، ص ۶۸۔۶۹

(۶۸) سید محمد سلیم، پروفیسر، افکار سیرت، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی، اگست ۲۰۰۵ء، ص ۹۸

(۶۹) محمد ابوالخیر کشفی، ڈاکٹر، حیات محمد قرآن حکیم کے آئینے میں، ص ۱۶۸

(۷۰) باشمیل، محمد احمد، صلح حدیبیہ ص ۲۹۳

(۷۱) ایضاً ص ۲۵۵

(۷۲) طبقات ابن سعد جلد دوم ص ۹۵/محمد صدیق قریشی، پروفیسر، رسول اکرم کا نظام جاسوسی، ص ۱۵۸

(۷۳) اس دستے میں عکرمہ بن ابی جہل بھی شامل تھا۔

(۷۴) محمد احمد باشمیل، صلح حدیبیہ ص ۲۵۶

(۷۵) ابن ہشام جلد دوم، ص ۳۱۹/محمد صدیق قریشی، پروفیسر، رسول اکرم کا نظام جاسوسی، ص ۱۵۶

(۷۶) یہ مقام مکہ کے قریب ایک گاؤں ہے۔

(۷۷) ابن ہشام، جلد دوم ص ۳۱۹

(۷۸) باشمیل، محمد احمد، صلح حدیبیہ ص ۲۵۹

(۷۹) محمد طاہر القادری، ڈاکٹر، سیرۃ الرسول کی ریاستی اہمیت، منہاج القرآن پبلی کیشنز، اکتوبر ۲۰۰۶ء، ص ۷۱

(۸۰) مسعود مفتی، صلح حدیبیہ ص ۲۷

(۸۱) محمد ابوالخیر کشفی، ڈاکٹر، حیات محمد قرآن حکیم کے آئینے میں، ص ۱۶۹

(۸۲) باشمیل، محمد احمد، صلح حدیبیہ ص ۲۶۷

(۸۳) نصیر احمد ناصر، ڈاکٹر، پیغمبر اعظم و آخر، فیروز سنز، لاہور، ص ۵۸۰

(۸۴) عبدالمتعال الصعیدی، عہد نبوی کی اسلامی سیاست، مترجم شیخ محمد احمد پانی پتی، ص ۲۲۳

(۸۵) باشمیل، محمد احمد، صلح حدیبیہ ص ۲۶۳

(۸۶) رشدہ اقبال، ڈاکٹر، عہد نبوی کے غزوات و سرایا، ص ۱۸۵

(۸۷) ندوی، شاہ معین الدین احمد، تاریخ اسلام، جلد اول، مختصر اکیڈمی پاکستان، کراچی، نومبر ۱۹۷۵ء، ص ۶۳

(۸۸) امتاع الاسماع: ۲۹۳/رشدہ اقبال، ڈاکٹر، عہد نبوی کے غزوات و سرایا، ص ۱۸۶

(۸۹) محمد احمد باشمیل، صلح حدیبیہ ص ۲۶۵

(۹۰) محمود احمد ظفر، حکیم، سیرت خاتم النبیین، ص ۷۵۰

(۹۱) محمد ابوالخیر کشفی، ڈاکٹر، حیات محمد قرآن حکیم کے آئینے میں، ص ۱۱۷

(۹۲) باشمیل، محمد احمد، صلح حدیبیہ ص ۲۶۶

(۹۳) ندوی، شاہ معین الدین احمد، تاریخ اسلام، جلد اول، ص ۳۵

(۹۴) ایضاً ص ۵۲

(۹۵) القرآن الحکیم سورہ طلاق، آیت ۲۔۳

(۹۶) باشمیل، محمد احمد، صلح حدیبیہ ص ۲۶۹

(۹۷) ایضاً ص ۲۹۲

باب دوم

﴿فصل دوم﴾

معاہدات نبویؐ میں صلح حدیبیہ کی اہمیت:

آج معاہدات کا دور ہے۔ پچھلی صدی میں بے شمار معاہدات دنیا کی مختلف قوموں کے درمیان ہوئے۔ سب سے پہلے اور مشہور معاہدہ بین الاقوامی سطح پر ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم اول کی ابتدا کے بعد ۱۹۱۸ء میں اس کی اختتام پر "لیگ آف نیشنز" کے نام سے ہوا، جس کا قیام جنیوا میں ہوا لیکن یہ معاہدہ اس وقت ٹوٹ گیا جب ۱۹۳۹ء میں دوسری جنگ عظیم برپا ہوئی، جس کے خاتمے پر یونائیٹڈ نیشنز کے نام سے بیسویں صدی کا سب سے بڑا معاہدہ ۱۹۴۵ء میں ہوا جو آج تک بظاہر قائم ہے لیکن پہلی مجلس اقوام ہو یا دوسری اقوام متحدہ دونوں عالمی امن کے قیام کے لیے تشکیل دی گئیں، اس کے باوجود ان کے اندر جنگ بازی کی باتیں ہوتی رہیں۔ اس لیے دونوں اداروں کی مدت کو سرد جنگ کا زمانہ کہا گیا جو آج تک جاری ہے انسانیت کی قیمت پر قومیت کے مفاد کا بول بالا دونوں عالمی معاہدوں پر مبنی بین الاقوامی اداروں کا شعار اور کردار رہا ہے۔ ڈپلومیسی کے ذریعے طاقتور قومیں امن کے نام نہاد مذکورہ اداروں میں کم زور قوموں کو زور زبردستی سے دباتی اور چالاکی وعیاری سے بیوقوف بناتی رہی ہیں، ان اداروں کی سرپرستی میں بالعموم انصاف کے بجائے ظلم ہوتا رہا ہے۔ ان پر غلبہ ہمیشہ یورپ اور امریکہ کی جابرانہ سیاست کا رہا ہے۔ اقبال نے لفظوں میں دونوں ادارے "داشتہ پیرک افرنگ" ہیں اور یہاں کے مذاکرات پر اقبال کا یہ تبصرہ صادق آتا ہے۔ (۱)

> گرمی گفتار اعضائے مجالس الاماں
> یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگ زرگری

بیسویں اور اکیسویں صدی کے بین الاقوامی معاہدوں اور ان پر قائم اداروں سے صحیح معنوں میں عالم انسانیت کو حریت، مساوات اور اخوت کے وہ فائدے نہیں پہنچے اور نہ امن وامان کا وہ تحفظ ملا جن کے دعوے کیے اور نعرے لگائے گئے بلکہ ہوشیار اور قوی ملکوں نے عام طور پر نادان اور کم زور ملکوں کو فریب دیا اور نقصان پہنچایا۔ فلسطین کا مسئلہ اس تلخ حقیقت کی نمایاں ترین مثال ہے۔ اسرائیل کے ناجائز اور ظالمانہ قیام سے لے کر آج تک آدھی صدی سے زیادہ مدت میں صرف فریب ودغا اور جور وجفا کا ایک چکر لگا رہا ہے۔

اس صورت حال کے برخلاف ساتویں صدی عیسوی میں پیغمبر اسلام، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی قیادت میں جو معاہدے غیر مسلموں کے ساتھ ہوئے وہ عصر حاضر کی انسانیت کو امن وامان اور عدل وانصاف کا سبق دیتے ہیں وہ ایک تاریخی حیثیت اور اصولی حقیقت رکھتے ہیں جن کی تفصیل دنیا کے تمام انسانوں اور قوموں کو بچی آزادی، برابری اور برادری کا پیغام دیتی ہے اس کے تجزیے سے واضح ہوتا ہے کہ جس چیز کو صحیح معنوں میں انصاف کہتے ہیں وہ کیا ہے اور ہر قسم کے اختلافات کے درمیان اتفاق،

اتحاد رواداری اور سمجھ داری کی راہیں کس طرح پیدا ہو سکتی ہیں۔ اقبال کے لفظوں میں: (۲)

تفریق ملل حکمت افرنگ کا مقصود

اسلام کا مقصود فقط ملت آدم

اسلام دین انسانیت ہے، پیغمبر رحمت، محسن انسانیت ﷺ خاتم النبیین اور رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث کیے گئے حضور اکرم ﷺ جب مبعوث ہوئے تو نہ صرف دنیائے عرب بلکہ مشرق و مغرب اور پوری دنیا میں طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا، لوٹ مار، باہمی جنگ و جدال روز و شب کا مشغلہ تھا۔ مرکزیت اور احترام قانون سے انسانیت کو دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔

''مکہ معظمہ'' جہاں رسالت مآب کی بعثت ہوئی یہ خطہ اس حوالے سے سب سے ممتاز تھا چنانچہ عہد جاہلیت میں اہل مکہ کی کوئی مرکزی تنظیم نہ تھی، معمولی بات پر جنگ شروع ہوتی اور نسل در نسل جاری رہتی عرب جاہلیت کی ان جنگوں اور خون ریزیوں کو مورخین ''ایام العرب'' سے موسوم کرتے ہیں جن کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے۔ ''تاریخ الجاہلیہ'' کے مولف ڈاکٹر عمر فروخ جنہوں نے عہد جاہلیت کی جنگوں پر نہایت علمی اور تحقیقی بحث کی ہے، ایک موقع پر لکھتے ہیں:

''عہد جاہلیت کی جنگیں اتنی زیادہ ہیں کہ جنہیں کسی عہد یا زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں کیا جا سکتا۔'' (۳)

معروف عرب محقق جرجی زیدان کے مطابق عہد جاہلیت کی جنگ کی تاریخ چوتھی صدی عیسوی کے اواسط سے شروع ہوتی ہے اور رسالت مآبؐ کے زمانہ بعثت چھٹی صدی عیسوی کے اوائل تک جاری رہتی ہے۔ (۴)

رسول اللہ ﷺ کو خاتم الانبیاء، ہادی عالم اور رحمت مجسم بنا کر مبعوث کیا گیا، آپ کو جو دین عطا کیا گیا اسے ''اسلام'' سراپا سلامتی اور ''ایمان'' سراپا امن کے ناموں سے موسوم کیا گیا۔ پیغمبر رحمتؐ نے ۲۳ سال کے مختصر عرصے میں اپنی فہم و فراست، تدبر اور دانشمندی، سیاسی بصیرت اور حکمت عملی کی بدولت دنیائے عرب سے قتل و غارت گری اور طوائف الملوکی کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر کے دین امن و سلامتی ''دین اسلام'' کو ایک مہذب اور امن پسند دین کے طور پر عالمگیر سطح پر متعارف فرمایا۔ (۵)

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شخصیت اور کردار میں منجانب اللہ نبوت کے منصب پر فائز کیے جانے سے قبل ہی وہ اعلیٰ اوصاف و اخلاق ظاہر ہونے لگے تھے جو عظمت انسانی اور رسالت الٰہی کے خواص ہیں۔ امن پسندی اور انصاف پسندی کا ایک اظہار ''حلف الفضول'' میں رسول اللہ ﷺ کی شرکت ماقبل نبوت سے ہوا۔ یہ حلف ان افراد کے نام سے منسوب ہے جن میں ہر ایک کے اسم گرامی میں فضیلت کا لفظ ایک جز ہے، اس لیے کہ اس عہد نامے کے اصل اور ابتدائی محرکین یہی افراد تھے ان کا مقصد یہ تھا کہ عربوں کے درمیان آئے دن جو جنگیں اور ان میں ظلم و ستم ہوتے ہیں ان کو روکا جائے اور ان کی تلافی کی جائے تاکہ لوگ امن و چین سے رہیں اور ہر ایک کو انصاف ملے۔

دوسرا واقعہ جو نبی کریم ﷺ کی نبوت سے پہلے ہوا یہ تھا کہ خانہ کعبہ کی جزوی و معمولی مرمت کے بعد جب حجر اسود کو اس کی مخصوص جگہ رکھنے کی نوبت آئی تو مختلف قبائل کے سرداروں میں سخت اختلاف ہوا، یہاں تک کہ لڑائی کے لیے تلواریں نکل آئیں، اس لیے کہ ہر سردار مقدس حجر اسود کو اس کی اصلی جگہ پر رکھنے کا اعزاز تنہا حاصل کرنا چاہتا تھا۔ آخر طے یہ پایا کہ اگلی صبح جو شخص خانہ

کعبہ میں سب سے پہلے نظر آئے وہ جھگڑے کا فیصلہ کرے۔ یہ شخص حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ثابت ہوئے۔ حضور اکرم ﷺ نے ایک چادر منگوا کر حجر اسود کو اس پر رکھ دیا اور ہر قبیلے کے سردار سے کہا کہ وہ اس چادر کے کونے یا حصے پکڑ لے۔ اس طرح جب مقدس پتھر اپنی خاص جگہ کے قریب آ گیا تو حضور اکرم ﷺ نے خود اسے اٹھا کر مقررہ جگہ پر رکھ دیا۔ چنانچہ سب لوگوں کو اطمینان ہو گیا اور لڑائی کے بجائے لوگوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

حضرت محمد ﷺ کی سیرت کے ایسے واقعات نے نبوت سے قبل آپ کو "صادق" اور "امین" کے لقب سے مشہور کرا دیا۔ اس صداقت و امانت کا جوہر حضرت محمد ﷺ کی امن و انصاف کے لیے شیفتگی تھی یہ وصف حضور اکرم ﷺ کی فطرت سلیم کا ایک جزو ترکیبی اور آپؐ کے اعلیٰ اخلاق کا ایک امتیازی نشان تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی حیثیت سے نبوت کے بعد مکہ میں حضرت محمد ﷺ کے تیرہ سال اسلام کے بنیادی عقیدہ توحید کی تبلیغ اور اس راہ کی شخصیتوں اور مصیبتوں میں گزرے۔ قریش مکہ عام طور پر اسلام کا پیغام سننے کو روادار نہیں تھے، اس سلسلے میں وہ ختم المرسلینؐ سے کوئی معاہدہ تو کیا، مکالمہ کے روادار نہیں تھے۔ توحید کے سوال پر وہ صادق و امین کی کوئی بات سننے کو تیار نہ تھے، بلکہ مسلسل درپے آزاد تھے۔ اس لیے ان سے گفت و شنید کا کوئی موقع نہیں تھا۔ اس کے باوجود مکہ کے کچھ لوگ ایمان لائے، پھر مدینہ میں ایمان لانے والوں کی تعداد بڑھتی گئی، یہاں تک کہ ان کی دعوت پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے رسول اللہ ﷺ نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی۔

برخلاف مکہ کے مدینہ میں رسول اللہ ﷺ ایک مبلغ ہونے کے ساتھ ساتھ ملت اسلامیہ کے امیر المومنین کی حیثیت سے تشریف لائے اور شہر میں آپ کا استقبال بھی ایک بڑی جمعیت نے اسی حیثیت سے کیا۔ لہٰذا اب آپؐ کے سامنے اسلام کی ترویج و اشاعت کے علاوہ اہل اسلام اور ان کے مرکز کی حفاظت اور اس کا استحکام بھی تھا۔ شہر کی اکثریت مسلمان تھی اور مسلمان ہو رہی تھی، مگر یہودی بھی معتدبہ تعداد میں تھے کچھ مشرکین کی آبادی بھی تھی، آس پاس کے قبائل کے علاوہ کفار مکہ کا خطرہ بھی تھا اور عرب کی سرحدوں پر وقت کی دو بڑی طاقتوں، مسیحی روم اور مجوسی ایران کی طرف سے حملے کے اندیشے بھی تھے۔ اللہ کے رسول کی نگاہیں اسلام کے مستقبل کی ترقی کے لیے عرب و عجم کے آفاق پر لگی ہوئی تھیں۔ قرآن نازل ہو رہا تھا اللہ کا پیغام پھیل رہا تھا۔ دنیا کے بہترین معاشرے اور ریاست کی تشکیل کے احکام اللہ کی طرف سے مل رہے تھے۔ ایک نظریہ حیات اور اس پر مبنی نظام زندگی کا نقشہ ابھر رہا تھا جس کی تکمیل ہونی تھی اور وہ ہمیشہ کے لیے دنیا و آخرت دونوں کے لیے تاریخ انسانی کا واحد مثالی نصب العین آخری طور پر بننے والا تھا۔

اس عظیم الشان کائناتی نصب العین کی تعمیر و ترقی جس امت مسلمہ کے ہاتھ ہونی تھی اس کا مرکز مدینۃ النبیؐ بن رہا تھا۔ یہاں سے پھوٹنے والی حق کی روشنی مشرق و مغرب پر صدیوں سے چھائی ہوئی تاریکی کو دور کرنے والی تھی اور آنے والی صدیوں میں قیامت تک کے لیے پوری انسانیت کی رہنمائی رب العالمین کے بنائے قانون قدرت کے مطابق، جس کا نام دین اسلام ہے، رحمۃ للعالمینؐ کے زیر قیادت، مادی و روحانی سدرۃ المنتہیٰ تک مکمل توازن کے ساتھ کرنے والی تھی۔ عہد قدیم ختم ہو رہا تھا اور عصر جدید شروع۔ اتنی بڑی مہم کو انجام دینے کے لیے جو خیر امت برپا کی گئی تھی اس کے صدر مقام کا تحفظ ایک ایسی زبردست اخلاقی

قوت سے کرتا تھا جو سیاسی طور پر بھی محکم ہو۔ یہی وہ بلند عزائم اور اعلیٰ مقاصد تھے جن کے حصول کے لیے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے انتہائی تدبر وفراست اور عدل وانصاف کے ساتھ ریاست مدینہ کی مستحکم بنیاد رکھی اور ایک عالمگیر انقلاب عظیم برپا فرمادیا۔

سپاہ سالار اعظم ﷺ نے دین اسلام کو ایک مہذب اور امن پسند دین کے طور پر عالمگیر سطح پر متعارف فرمایا۔ آنحضرت ﷺ کی دس سالہ مدنی زندگی میں ۸۳ کے قریب غزوات وسرایا ہوئے گویا آپ کو ہر سال آٹھ نو جنگوں سے نبرد آزما ہونا پڑا، آپؐ نے اقامت دین، بحالی حقوق اور پرامن بقائے باہمی کے لیے جہادی عمل جاری رکھا اور اس دس سالہ عہد میں فرمان ربانی اور قتال کرو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور زیادتی مت کرو، تحقیق، اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (البقرہ/۲/۱۰۹) کو ہمیشہ رہنما اصول کے طور پر پیش نظر رکھا۔ جس کے نتیجے میں دس لاکھ مربع میل تک اسلامی سلطنت کو غلبہ حاصل ہوا، تاہم عہد رسالت کی پوری جنگی تاریخ میں مقتولین کی تعداد مہینے میں دو بھی نہ تھی، دس سال میں ایک سو بیس مہینے ہوتے ہیں، ایک سو بیس مہینوں میں ۲۴۰ افراد بھی ان جنگوں میں نہیں مرے، دشمن کے مقتولین کی تعداد اس سے کم تھی۔ (۶) محسن انسانیتؐ کے مثالی عہد کی ان فتوحات کا جو ریکارڈ قائم ہوا اس کی مثال پوری دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

اس مختصر تجزیے سے اس امر کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ محسن انسانیت ﷺ نے دین اسلام کے ابدی پیغام کو عالمگیر سطح پر متعارف کرانے، عالم انسانیت کی صلاح وفلاح، انسان دوستی، پرامن بقائے باہمی، رواداری اور مثالی انسانی معاشرے کے قیام کے لیے جو کہ درحقیقت دین اسلام کا حقیقی مقصد ہیں ہر ممکن پرامن ذرائع کا استعمال کیا اور جنگ کو جسے اسلام کی اصطلاح میں ''جہاد'' سے تعبیر کیا جاتا ہے محض اعلائے کلمۃ الحق، دین اسلام کی سربلندی، اسلام کے آفاقی پیغام کی عالمگیر ترویج واشاعت کی راہ میں حائل رکاوٹوں کے خاتمے، ظلم اور انسان دشمنی کے سدباب کے لیے ناگزیر حالات میں اختیار کیا اور ان جنگوں میں بھی مثالی اخلاق، انسان دوستی اور رحمدلی کے ابواب رقم کیے گئے، سیاست میں اخلاقی عناصر داخل کیے گئے۔

پرامن بقائے باہمی اور اسلام کے آفاقی پیغام کی عالمگیر ترویج واشاعت کے لیے رسول اکرمؐ نے ہر ممکن پرامن ذرائع کا استعمال فرمایا اور بسا اوقات قوت واقتدار اور غلبے کے باوجود فریق مخالف سے ''معاہدات امن وصلح'' کیے گئے جن میں رواداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسلام کے پیغام امن وصلح کو ترجیحی طور پر اپنایا گیا، نظریہ توحید کے مطابق تمام انسانوں کی بہتری، ساری دنیا میں امن کا قیام، ظلم کا خاتمہ اور اسلام کی رہنمائی میں عالم انسانیت کے معاشی اور اجتماعی حقوق کی بحالی، دین اسلام کے آفاقی پیغام کی ترویج واشاعت۔

رسول اکرم ﷺ نے سیاست خارجہ میں معاہدات اور حلیفانہ تعلقات کی طرف غیر معمولی توجہ فرمائی کیوں کہ آپؐ جنگ وجدل سے انتہائی ممکن حد تک بچ نکلنا چاہتے تھے، تاکہ ایسی پرسکون فضا میں دعوت حق کا کام بخوبی ہو سکے اور جنگی جذبات درمیان میں حائل نہ ہوں جنگی کارروائیاں جہاں کہیں بقائے ریاست، بقائے امن یا بقائے اسلام کے لیے ناگزیر ضرورت بن گئیں، وہاں آپؐ نے کسی درجے کی ہچکچاہٹ سے کام نہیں لیا۔ کھلا میدان امن وآشتی سے خالی کرنا ممکن ہو تو پھر آپؐ نے لازماً صلح وآشتی کا راستہ اختیار کیا۔

معاہدات استوار کرنا اور حلیفانہ تعلقات قائم کرنا کوئی آسان کام نہیں ہوتا خصوصاً جب کہ مذہبی اختلافات اور سیاسی تعصبات موجود ہوں اور کئی مخالف طاقتیں مداخلت بھی کر رہی ہوں پھر ایسے قبائل اور عناصر سے معاہدات طے کرنا اور بھی زیادہ مشکل ہو جاتا ہے جو سابق تعلقات نہ رکھنے کی وجہ سے بالکل اجنبی ہوں۔ اس کام کے لیے بڑی سیاسی مہارت اور تدبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ مخاطب کے حالات اور رجحانات کو دیکھنا، قوت کو پہچاننا توازن قوت کو سمجھنا، مخالف طاقتوں کے اثرات کا مطالعہ کرنا، شرائط کے فوری اور دوررس اثرات پر نظر رکھنا اور پھر نفسیاتی لحاظ سے گفت وشنید میں اثر پیدا کرنا، ایسے بے شمار لوازم کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔

محسن انسانیت ﷺ نے اس دائرہ کار میں جس درجے کی سیاسی بصیرت اور قائدانہ مہارت وقابلیت کا نمونہ پیش کیا ہے، اس کی مثال کہیں نہیں مل سکتی، کیوں کہ رسول اکرمؐ نے مختلف حالات میں مختلف نوعیت کے معاہدات اور حلیفانہ تعلقات قائم کرتے ہوئے کسی بھی موقع پر نظریہ حق، اپنے اخلاقی اصولوں اور سیاسی مرتبے کو ذرا سا بھی نقصان نہیں پہنچنے دیا، بلکہ جتنے معاہدات اور حلیفانہ اتحاد آپؐ نے قائم فرمائے، خواہ ان کی نوعیت سیاسی تھی، اقتصادی یا فوجی ان سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کی۔(۷)

رسول اکرم ﷺ کے غیر مسلموں سے معاہدات جو آپ کی سیاسی بصیرت، فہم وفراست اور پرامن بقائے باہمی کا کھلا مظہر رہیں کا آغاز آپ کی مکی زندگی سے ہوتا ہے۔ مکے میں قریش اسلام کے دینی نظام اور سیاسی اثر کے خلاف تھے، آنحضرت ﷺ نے انہیں ایک طاقتور حریف سمجھ کر معاملات طے کرنے کی کوشش کی، جس میں ہمیں اس عہد کے تعلقات میں پیغمبرانہ عزیمت کے علاوہ سیاسی فراست کا اعلیٰ نمونہ بھی نظر آتا ہے۔

چنانچہ ہادی اعظم ﷺ نے حریف طاقتوں کے سامنے دو باتیں پیش کیں:

(۱) میں تمہارے لیے دنیا کی بہتری کا پیغام لایا ہوں۔ (۲) میرے ساتھ مل کر خدائے واحد کا نعرہ بلند کرو، انسانوں کی اجتماعی بہتری کا نظام بروئے کار آجائے گا۔

معاہدات عہد نبویؐ کے متعلق یہ بات ذہن نشین رہے کہ ان کا اطلاق ان معاہدات پر ہوتا ہے جو حضور اکرم ﷺ کی ہجرت مدینہ کے بعد اور بالخصوص قیام ریاست مدینہ کے بعد مختلف اقوام وممالک سے کیے گئے یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت مبارکہ کا اصل مقصد اعلائے کلمۃ اللہ تھا۔(۸)

جنگ ایک ناگزیر لائحہ عمل تھی اور صرف ایسی مجبوری کے موقع پر یہ انتہائی اقدام اٹھایا جاتا جب کہ مخالفین کسی طرح راہ راست پر نہ آتے تھے آنحضرتؐ پوری طرح کوشش فرماتے کہ کسی طرح جنگ ٹل جائے، چنانچہ اس مقصد کے تحت آپ خود بھی اور آپؐ کے جاں نثار صحابہ کرامؓ بھی عین میدان جنگ میں مخالفین کے سامنے شرائط صلح پیش کرتے، اگر مخالفین ان میں سے کوئی ایک شرط قبول کر لیتے تو ان سے جنگ فوراً بند کر دی جاتی۔ دوران جنگ بھی اگر کوئی صلح کی درخواست کرتا تو آپ شرف قبولیت بخشتے۔ اسی بناء پر صلح اور اس کے معاہدات مزاج نبویؐ کے عین مطابق ہیں کیوں کہ آپ کا اصل مشن امن وامان کا قیام اور عدل وانصاف کا اجراء ونفاذ تھا۔

''صلح حدیبیہ'' میں آپؐ نے صحابہ کرامؓ کی ناگواری کے باوجود بعض ایسی شرائط بھی قبول فرمائیں جو بظاہر آپؐ کے خلاف جاتی

تھیں مقصد یہ تھا کہ کسی طرح امن وامان قائم ہو جائے۔ فتح خیبر میں بھی آپؐ نے اپنی مفتوح اقوام سے ان کی مرضی کے مطابق معاہدہ فرمایا۔ اس طرح بے شمار مثالیں سیرت نبویؐ سے مل سکتی ہیں اور پھر آپؐ کسی سے معاہدہ فرماتے تو اس کا پورا احترام فرماتے۔ آپؐ کے دشمنوں کو بھی آپؐ سے کبھی بدعہدی اور بے وفائی کی شکایت نہ ہوئی۔ معاہدات عہد نبویؐ کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں سے ہر معاہدے کی کامل پابندی کی گئی، سیاسی اور عسکری حالات میں تفاوت کے باوجود ان معاہدات کی ہر شق اب بھی اسی طرح قابل عمل اور باعث امن عالم انسانی ہو سکتی ہے۔(۹)

عہدِ رسالتؐ میں معاہدات کے مختلف ادوار:

عہد نبویؐ کے معاہدات کی مختلف نوعیتیں ہیں اور یہ مختلف نوعیتیں مختلف ادوار سے متعلق ہیں۔

(۱) معاہدات کا پہلا دور غزوۂ بدر سے قبل کے زمانے (۲ ہجری) کا ہے، اس دور کے معاہدات کے پس منظر میں قریش کا اعلان جنگ کارفرما ہے، اس لیے جن قبائل کے ساتھ دوستی، حلف یا ان کی غیر جانب داری سے مدینے کی نوزائیدہ مملکت کو فائدہ پہنچ سکتا تھا، ان کے ساتھ معاہدات طے پائے۔ قریش مکہ کی سیاسی اور اقتصادی برتری اور ان کی اعلیٰ معاشرتی مقام کی وجہ سے اس طرح کے معاہدوں کی تعداد زیادہ نہ ہو سکی، البتہ جو تین معاہدے اس دور میں طے پائے وہ اس دور میں مملکت مدینہ کی کمزور عسکری حالت کے پیش نظر سودمند ثابت ہوئے۔

(۲) دوسرے دور کا واحد مگر اہم معاہدہ "صلح حدیبیہ" ہے، اس معاہدے کے اثرات دوررس تھے اور سیرت نبوی کا یہ واقعہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ فقہاء نے اس معاہدے کی شقوں سے امور خارجہ سے متعلق اہم اصول وضع کیے ہیں۔

(۳) معاہدات عہد نبویؐ کا تیسرا دور "صلح حدیبیہ" سے لے کر فتح مکہ تک کا ہے، اب وہ زمانہ شروع ہوتا ہے جب یہ معاہدے معاہدات سے زیادہ امان ناموں کا مقام رکھتے ہیں۔ یہ معاہدات یک طرفہ قسم کی ان مراعات پر مبنی ہیں جو آنحضرتؐ مفتوح قبائل کو از خود عطا فرماتے تھے، جیسا کہ وادی خیبر کی شکست خوردہ یہودی آبادی کے معاہدے سے ثابت ہوا اگر آپؐ ان مفتوح یہودیوں کو غلام بنا لیتے یا قتل کر دیتے یا ملک بدر کر دیتے تو آپ کا یہ عمل اس دور کے رواج اور خود شریعت موسوی کے عین مطابق ہوتا۔

فتح مکہ کے بعد تقریباً پورا عرب اسلامی مملکت میں شامل ہو چکا تھا، جو قبائل اسلام قبول کرتے تھے ان کے ساتھ کسی قسم کے معاہدے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ جو قبائل یا قبائل کے وہ افراد جو خارج از اسلام رہنا چاہتے تھے، انہیں "جزیہ" کے عوض امان عطا کی جاتی تھی، اس دور کے عہد ناموں کو معاہدات کی فہرست میں اس لیے شامل کیا جاتا کہ ان امان ناموں میں ان مراعات کا ذکر ہے جو حضور اکرم ﷺ نے ان ذمیوں کو عطا فرمائی تھیں۔(۱۰)

اس طرح رسول اکرم ﷺ نے ۲۳ سال کی مکی اور مدنی زندگی میں اپنے حریف غیر مسلموں جن میں مشرکین مکہ، یہود مدینہ اور نجران اور اس کے اطراف کے عیسائی شامل تھے، معاہدے کیے، ان سیاسی، سفارتی اور مصالحتی معاہدوں کی ایک طویل فہرست

ہے اسلامی دنیا کے نامور محقق اور سیرت نگار ڈاکٹر حمید اللہ نے عہد نبویؐ اور عہد خلافت راشدہ کے تمام معاہدات کو "الوثائق السیاسیہ فی العہد النبویؐ والخلافۃ الراشدۃ" کے زیر عنوان کتاب میں یکجا مدون کر دیا ہے۔ بعد ازاں یہ کتاب "عہد نبویؐ کے سیاسی وثیقہ جات" کے نام سے مجلس ترقی ادب لاہور سے ۱۹۶۰ء میں شائع ہوئی۔(۱۱)

رسول اکرم ﷺ کے غیر مسلموں سے کیے گئے معاہدات میں (۱) میثاق مدینہ سن ۱ ہجری، (۲) صلح حدیبیہ سن ۶ ہجری، (۳) معاہدہ نجران سن ۶ ہجری قابل ذکر اہمیت کے حامل ہیں۔ اسلام کا دامن توثیق معاہدات کے سلسلے میں بڑا وسیع ہے، اس کے نزدیک اگر برسر جنگ قوم بھی مصالحت کے لیے ہاتھ بڑھائے تو جب تک اس سے مسلمانوں کو کوئی شدید نقصان نہ ہو یا اس میں کھلا ہوا فریب نہ نظر آتا ہو اس وقت تک اس کا خیر مقدم کرنا ضروری ہے، البتہ اسلامی تعلقات اور سیرت طیبہ کی روشنی میں توثیق معاہدات کے سلسلے میں چند اصولی باتوں کے لحاظ کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔

(۱) یہ کہ اس معاہدے کا اثر اسلام کی بنیادی تعلیم پر نہ پڑتا ہو، یعنی اس کے ذریعے کوئی حلال، حرام یا حرام، حلال نہ قرار پاتا ہو۔

(۲) یہ کہ معاہدے میں دونوں فریقوں کی رضامندی شامل ہو، یعنی اس میں جبر کا پہلو نہ ہو۔

(۳) یہ معاہدہ نہایت واضح اور کھلے الفاظ میں ہو اور اس میں دونوں فریقوں کے حقوق و فرائض کو صاف صاف متعین کر دیا گیا ہو۔(۱۲)

دوسری طرف معاہدات امن و صلح کے سلسلے میں فقہائے کتاب و سنت کی روشنی میں یہ سوال اٹھایا ہے کہ کیا کسی دشمن یا دوست ملک سے دائمی معاہدہ کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ زیادہ تر فقہائے کرام اس طرف گئے ہیں کہ اہل کفر سے دائمی معاہدہ صحیح نہیں۔ امام ابن تیمیہ بھی اسی رائے کے حامی ہیں، وہ قرآن کی آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ ترجمہ: اور نہ کمزوری دکھاؤ اور نہ غمگین ہو، تم ہی بلند رہو گے اگر تم مومن بن کر رہے۔" (آل عمران/۱۳۹)

بعض فقہاء کی یہ رائے ہے کہ اگر مطلق معاہدہ کر لیا جائے تو مستقل طور پر جہاد کے ترک کے مترادف ہوگا، مشہور حنبلی عالم ابن قدامہ لکھتے ہیں بغیر کسی مدت کے تعین کے مطلق معاہدہ صلح کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ یہ معاہدہ بالکلیہ جہاد کے ختم کرنے کے مترادف ہے۔(۱۳)

جب کہ فقہاء کا دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ دائمی معاہدہ قرآن پاک کے منشاء اور رسول اکرم ﷺ کے تعامل کے مطابق ہے، اسلام میں اصل چیز تو امن ہے، جنگ کسی شرعی ضرورت کی بناء پر کی جاتی ہے۔

یہ حضرات قرآن حکیم کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ ترجمہ: اگر وہ تم سے جنگ سے باز آجائیں اور امن و صلح کی پیش کش کریں تو اب تمہارے لیے ان کے خلاف جنگ کا کوئی راستہ اللہ نے نہیں رکھا۔(۱۴) (تفصیلی فقہی مطالعہ اگلی سطور میں ملاحظہ فرمائیے)

معاہدات کے مختلف فریق:

عہد نبویؐ میں تین بڑی غیر مسلم قوتوں یہود مدینہ، مشرکین مکہ اور نجران کے عیسائیوں سے رسول اکرم ﷺ نے سیاسی معاہدے کیے یہ تاریخی معاہدات غیر مسلم قوتوں اور حکومتوں سے سیاسی اور سفارتی تعلقات اور معاہدات کے لیے اسلام کی پوری ۱۴ سو سالہ تاریخ میں اسلام کے قانون بین الاقوام کی حیثیت رکھتے ہیں اور غیر مسلم ممالک اور قوتوں سے باہمی تعلقات اور پرامن بقائے باہمی کے حوالے سے رہنما دستاویز ہیں۔ اگر چہ ان معاہدات نبویؐ کی اہمیت اپنی جگہ مقدم ہے تاہم ان میں صلح حدیبیہ کو اپنے عالمگیر اثرات کی بدولت ایک خاص مقام حاصل ہے۔ اس حوالے سے ایک تفصیلی تفہیمی مطالعہ ہم اگلی سطور میں پیش کر رہے ہیں جس سے مقصود ان معاہدات نبویؐ کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے ان میں صلح حدیبیہ کی اہمیت و مقام کا اندازہ کرنا ہے۔

۱۔ میثاق مدینہ سن اہجری، سیاست نبویؐ اور پرامن بقائے باہمی کی مثالی دستاویز:

''میثاق مدینہ'' رسول اکرم ﷺ کی سیاسی بصیرت اور حکمت عملی کا مثالی شاہکار ہونے کے ساتھ ساتھ رواداری، امن وسلامتی، آزادی اور عدل وانصاف کے ہر جوہر سے مزین ہے۔ اس تاریخی معاہدے کی بدولت خاتم النبیینؐ نے ۱۴ سو سال قبل ایک ایسا ضابطہ انسانی معاشرے میں قائم فرمایا جس سے شرکائے معاہدہ میں ہر گروہ اور ہر فرد کو پیغمبر آخر واعظمؐ کے فلسفۂ عدل وانصاف کی بدولت عقیدہ مذہب کی آزادی اور حصول انصاف کا حق حاصل ہوا، انسانی زندگی کی حرمت قائم ہوئی۔ یہ تاریخی دستاویز اور اس کی دفعات اپنی حقیقت پر آپ گواہ ہیں امن وسلامتی، حریت اور عدل وانصاف کا ہر جوہر اس میں موجود ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے تحقیق اور دلائل سے ثابت کیا ہے کہ میثاق مدینہ دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور ہے، موصوف نے اس تاریخی حقیقت کو ثابت کرنے کے لیے انگریزی میں ایک کتاب "The First Written Constitution in the World" کے نام سے لکھی، جو ۱۹۷۵ء میں لاہور سے شائع ہوئی۔ (۱۵)

اس معاہدے کی بدولت اسلامی سوسائٹی کے مقاصد، پرامن بقائے باہمی، مذہبی رواداری، قیام امن اور انسانی اقدار کے تحفظ میں مدد ملی۔ غیر مسلموں اور مختلف المذاہب افراد واقوام کے حقوق وفرائض اور مذہبی آزادی ورواداری کا اصول وضع ہوا۔

میثاق مدینہ کی بدولت آپؐ نے ایک عظیم مدبر حکومت اور سیاست دان کے طور پر مختلف الخیال اور مختلف العقیدہ منتشر لوگوں کو یکجا کرنے کا کام مکمل مہارت سے انجام دیا۔ یہ تاریخ ساز میثاق دو حصوں میں تقسیم ہے۔ پہلے حصے میں ۲۳ دفعات ہیں اور دوسرے میں ۲۴، پہلا حصہ مسلمانوں کے باہمی تعلقات اور حقوق وفرائض کی نشاندہی کرتا ہے جب کہ دوسرا حصہ اہل اسلام اور اہل مدینہ کے باہمی تعلقات اور دیگر امور کی وضاحت کرتا ہے۔ (''میثاق مدینہ'' کی جملہ دفعات اور اس کے متعلق مزید معلومات ''عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی'' ص ۷۵ تا ۱۰۵ مطبوعہ اردو اکیڈمی کراچی میں دیکھی جاسکتی ہے۔) (۱۶)

میثاق مدینہ کی ہر دفعہ معاہداتی دنیا میں اپنی ایک انفرادیت رکھتی ہے اور یہ بھی وضاحت ہوتی ہے کہ اسلامی مملکت میں دوسری مذہبی اور سیاسی اقلیتوں کا کیا درجہ ہے اور ایک غیر سودی سماجی بہبود کی بہترین بنیاد فراہم کرتا ہے، نیز اس سے یہ بھی قیاس کیا

جاسکتا ہے کہ اپنے پڑوسی ممالک کے ساتھ اسلامی مملکت پرامن رہنے کی کتنی خواہش رکھتی ہے۔ اس بناء پر اس تاریخی معاہدے کو یورپین مورخین نے بہت زیادہ اہمیت دی ہے۔(۱۷)

مدینے میں اسلام کی خارجہ اور داخلہ پالیسی کے حوالے سے یہ پہلا معاہدہ ہے جس میں رسول اکرم ﷺ نے یہود مدینہ کے تین مرکزی قبائل بنوقینقاع، بنونضیر، بنوقریظہ اور انصار و مہاجرین گویا اسلامیان مدینہ اور یہود کو ایک مشترکہ پلیٹ فارم پر جمع کر کے پرامن بقائے باہمی اور مستحکم ریاست کے اصول وقوانین کی تشکیل فرمائی، اہل مدینہ کے روابط کو منظم کردیا، قانون کی حکمرانی قائم فرمائی، حقوق وفرائض کا تصور اجاگر کیا، جس سے اسلامی سوسائٹی کے مقاصد کی تکمیل اور پرامن معاشرے کے قیام میں زبردست مدد ملی۔(۱۸) اگرچہ امت مسلمہ رسول اللہ ﷺ کے زیر قیادت بالادست تھی، مگر معاہدہ مکمل مساوات اور عدل کے ساتھ ہوا۔ اس عقیدے کی آزادی، سماجی انصاف، بلا امتیاز باہمی تعاون، اتحاد، بھائی چارگی، دوستی وبہی خواہی اور اشتراک عمل، بالخصوص ملی دفاع اور بین الاقوامی سیاست میں، یعنی داخلی اور خارجی ہر قسم کے تعلقات میں، وہ نکات ہیں جن سے بہتر شرائط کا تصور ایک ملک کے باشندے اور شہریوں کے مختلف طبقات کے درمیان امن و جنگ کسی بھی معاملے میں نہیں کیا جاسکتا نہ تو روسو کا معاہدہ عمرانی (Social Contract) نہ موجودہ جمہوری سیکولر دستور اس معاہدہ نبویؐ سے زیادہ رواداری، برابری اور عدل اجتماعی کی دفعات پیش کرسکتا ہے۔ دشمن سے صلح کے معاملے میں مذہبی لڑائی کا استثناء خاص کر قریش مکہ کی ریشہ دوانیوں کا سدباب کرنے کے لیے کیا گیا، اس لیے کہ وہ جارحیت (Aggression) پر تلے ہوئے تھے اور مدینہ کے مسلمان ان کے ساتھ حالت جنگ (State of Beligerency) میں تھے۔ یہ ایک ایسا اندیشہ تھا جو مذکورہ معاہدے کے فوراً بعد ۲ھ کی جنگ بدر میں کفار مکہ کی حملہ آوری سے بالکل صحیح ثابت ہوگیا۔ بہرحال یہ معاہدہ براہ راست مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان ہوا اور مدینہ میں نبی کریم ﷺ کی ہجرت کے فوراً بعد ہی ہوا۔ مدینہ کے غیر یہودی باشندے بالعموم مسلمان ہوچکے تھے اور اکثریت انہی کی تھی۔ رسول اکرم ﷺ کی حیثیت امیر المومنین کی تھی، اس طرح یہ معاہدہ اصلاً دو مذہبی طبقوں کے درمیان تھا جو ایک ہی ملک کے باشندے تھے۔ یہ معاہدہ یہودیوں کے ساتھ اس لیے بھی ہوا تھا کہ مدینہ میں کسی دوسرے مذہب کے ماننے والے شہری اتنی کثرت سے نہیں تھے، جب کہ دیگر لوگ مسلمان ہوچکے تھے، اگرچہ ان میں منافق بھی تھے جس کے حقوق شہریت مسلمانوں کے برابر تھے بلکہ ان کو ملت اسلامی سے خارج ہی نہیں کیا گیا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی وسیع نظر تھی جو سراسر رحم وکرم پر مشتمل تھی۔ معاہدے کا اطلاق تمام شہریوں کے لیے تھا اور اس کی پاس داری مسلمانوں کی خاص ذمہ داری تھی۔

مغرب کا معروف مستشرق سر ولیم میور ''میثاق مدینہ'' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے اس معاہدے کی بدولت آپؐ نے ایک عظیم مدبر حکومت اور سیاستدان کی طرح مختلف الخیال اور مختلف العقیدہ منتشر لوگوں کو یکجا کرنے کا کام بڑی مہارت سے انجام دیا۔

میثاق مدینہ کی اہم اور قابل توجہ دفعات حسب ذیل ہیں:

یہ میثاق محمد کی ایک تحریری دستاویز ہے۔ یہ ایک معاہدہ ہے جو مسلمانوں اور مدینے کے ان لوگوں کے درمیان طے پایا جو ان کے اتحادی بن گئے ہیں اور جہاد کے محاذ پر دفاع کے سلسلے میں ان کا ساتھ دیں گے۔

☆ خون بہا کا موجودہ قانون ہی باقی رہے گا اور دونوں فریق اس معاملے میں عدل و انصاف کے اصول پر قائم رہیں گے۔

☆ جو مسلمان امن شکنی کرے گا، فتنہ و فساد برپا کرے گا، قابل اعتراض طریقہ اختیار کرے گا، سرکشی اور سیسہ کاری میں حصہ لے گا، دوسرے مسلمان اس کا ساتھ نہ دیں گے، ایسے مسلمان کو سب مسلمان مل کر سزا دیں گے خواہ یہ شخص ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

☆ مسلمان مسلمان کے مقابلے میں کافر کی مدد نہ کرے گا، بلکہ جنگ کی صورت میں باہمی تعاون سے کام کریں گے، مسلمانوں کی صلح ایک ہے، کوئی مسلمان کسی دوسری طاقت سے تنہا صلح نہ کرے گا۔

☆ یہود میں سے جو لوگ مسلمانوں کے اتحادی بنیں گے انہیں مذہبی آزادی کا حق ہوگا اور مسلمان اپنے مذہب کے معاملے میں آزاد ہوں گے۔ بنی عوف کے یہود مسلمانوں کے نظام اجتماعی میں داخل سمجھے جائیں گے اور اسی طرح دوسرے یہودی قبائل بھی۔

☆ سب مسلمان اس معاہدے سے متفق ہیں، اس سے برگشتہ ہونا کسی مسلمانوں کے لیے جائز نہیں، فریقین میں اختلاف ہوگا تو فیصلے کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

☆ فریقین ایک دوسرے کے معاون اور بہی خواہ رہیں گے، باہم سچے مشیروں کی طرح کام کریں گے، بشرطیکہ معاملہ جائز ہو ناجائز نہ ہو۔

☆ مدینہ، فریقین کے لیے امن کا شہر ہوگا۔ مدینے میں رہنے والے اور غیر ملکی مسافر کو امن حاصل ہوگا، اسے خدا اور رسول کی پناہ حاصل ہوگی، یہاں قتل کرنا اور فساد پھیلانا حرام ہوگا۔

☆ خارجی تعلقات صرف رسول اکرمؐ کی منظوری سے قائم ہوں گے۔

☆ کسی تیسری طاقت سے صلح کی جائے گی تو وہی معتبر ہوگی جس میں دونوں فریق شریک ہوں گے۔ مذہبی جنگ اس سے مستثنیٰ ہوگی۔(۱۹)

۲۔معاہدہ صلح حدیبیہ......پیغمبر رحمت کی انسان دوستی اور امن پسندی کا شاہکار:

دوسرا تاریخ عالم کا سب سے منفرد و موثر اور نہایت انقلاب آفرین معاہدہ ۶ ہجری میں قریش مکہ اور ختم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے درمیان صلح حدیبیہ کے نام سے طے پایا۔(۲۰) میثاق مدینہ کی صورت میں یہود مدینہ سے جو معاہدہ امن یا معاہدہ تعلقات و امداد باہمی ہوا تھا وہ داخلی دشمن سے معاہدے کی حیثیت سے تھا لیکن صلح حدیبیہ کا معاہدہ مشرکین مکہ کی ایک ایسی خارجی دشمن قوم سے تھا جو ۲۰ برس کے طویل عرصے سے مسلمانوں پر ظلم توڑ رہی تھی اور برسرپیکار تھی، اس کے باوجود حدیبیہ کے معاہدے کی ایک ایک دفعہ پر سرسری نظر ڈالنے سے اندازہ ہوگا کہ نبی اکرمؐ امن و صلح کے کتنے خواہشمند تھے، اور آپؐ نے پرامن بقائے باہمی کے تحت معاہدے کو ترجیح دے کر جنگ سے اتنا گریز فرمایا کہ اس میں عام صحابہؓ کو ذلت محسوس ہوئی۔

معاہدات نبویؐ میں صلح حدیبیہ کی اہمیت پر مبنی ایک فقہی مطالعہ:

حقیقت یہ ہے کہ اسلام ایک مکمل اور جامع صفات ضابطۂ حیات ہے اور عالمی دین ہے جو کہ قانون و اخلاق پر مبنی اصولوں کی روشنی میں قومی و بین الاقوامی تعلقات کو فروغ دیتا ہے اور ایسی قانون سازی کی طرف راہ ہموار کرتا ہے جس سے انسانی تکریم اور قومی وقار کی سلامتی کے ساتھ انسانی فلاح و بہبود ممکن ہو سکے۔ اسی فلاح و بہبود کے لیے اسلام نے باہمی معاہدات کی مشروعیت، ان کی پابندی اور معاہدہ شکنی کی ممانعت کے لیے واضح اصول و تصورات پیش کیے ہیں، جس کی عملی تطبیق آپؐ کے غیر مسلموں کے ساتھ معاہدات کی شکل میں موجود ہے۔ آپؐ کے یہ معاہدات ریاستی نظم و نسق کے ساتھ ساتھ دیگر اقوام و ملل کے ساتھ اسلامی ریاست کے تعلقات کے سلسلے میں ہمارے لیے واضح راہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ ذیل میں معاہدات نبویؐ میں "صلح حدیبیہ" کی اہمیت پر جامع بحث کی گئی ہے۔ اس معاہدے کے مزید اہم سیاسی و فقہی پہلوؤں کا مطالعہ پیش خدمت ہے۔

یکم ذوالقعدہ ۶ھ کو رسول اللہ ﷺ تقریباً چودہ سو صحابۂ کرامؓ کے ساتھ عمرہ کی ادائیگی کے لیے مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔ جب آپؐ عذیر اشطاط پہنچے تو پتہ چلا کہ قریش مکہ نے مسلمانوں کی آمد کی خبر سن کر لشکر جمع کیا ہے اور مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے ہیں۔ آپؐ حدیبیہ پہنچے تو قریش کی طرف امن کی سفارت بھیجی اور واضح کیا کہ ہم محض زیارت کعبہ کے لیے آئے ہیں، جنگ کرنے نہیں۔ اہل مکہ کی طرف سے آپؐ کے قاصد کو قتل کرنے کی کوشش کی گئی وہ بڑی مشکل سے جان بچا کر واپس آیا۔ اس کے بعد آپؐ نے حضرت عثمان غنیؓ کو بطور سفیر مکہ مکرمہ بھیجا۔ قریش مکہ کی طرف سے بھی بدیل بن ورقاء، مکرز بن حفص، عروہ بن مسعود اور سہیل بن عمرو کو بطور سفیر بھیجا گیا چنانچہ دونوں فریقوں کے مابین صلح کا معاہدہ طے ہوا۔ (۴۱)

معاہدۂ صلح کی ضرورت:

اس معاہدۂ صلح کے پس منظر میں کئی اسباب و عوامل کارفرما تھے مثلاً:

☆ ۶ھ میں روم و فارس کی لڑائی فارس کی شکست پر ختم ہوئی (۴۲) اور مسلمانوں کے لیے اس بات کا بہترین موقع میسر آیا کہ وہ فارس کے باجگوار علاقوں پر توجہ بڑھائیں، جس کے لیے اہل مکہ سے امن و صلح ضروری تھی۔ (۴۳)

☆ یہود مدینہ کی فطری شیطانیوں اور معاہدہ توڑنے کے سبب رسول اکرم ﷺ نے انہیں مدینہ سے نکال باہر کیا۔ (۴۴) یہ یہودی مدینہ کے آس پاس کے علاقوں، خیبر تا شام بکھر گئے اور انہوں نے دوسرے یہود و مشرکین کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف متحدہ محاذ قائم کر لیا۔

☆ مدینہ کے شمال مشرق میں غطفان و فزارہ وغیرہ قبائل (جو کہ یہود کے حلیف بھی تھے) نے مسلمانوں کے خلاف مشرکین کے ساتھ اتحاد کر لیا۔ (۴۵)

☆ مدینہ کے منافقین، مسلمانوں کے خلاف باہر کی تمام دشمن قوتوں کا ساتھ دینے کے لیے تیار بیٹھے تھے۔

☆ قریش مکہ جو کہ مسلمانوں کے طاقتور اور اہم ترین دشمن تھے مسلمانوں کے خلاف مسلسل ریشہ دوانیوں کا مرکز بنے

ہوئے تھے۔(۲۶)

علامہ سرخسی کے مطابق صورت حال یہ تھی کہ "اگر مسلمان مکہ جاتے ہیں تو خیبر وغطفان مدینے پر چڑھ دوڑتے اور اگر مسلمان خیبر جائیں تو مکہ والے آ کر مدینہ لوٹ لیں۔" کیوں کہ مدینہ بیچوں بیچ واقع ہے شمال میں خیبر پانچ منزل اور جنوب میں مکہ بارہ منزل پر ہے۔(۲۷)

مذکورہ بالا حالات کے مطابق مسلمانوں کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ ایک ہی وقت میں تمام دشمنوں کے ساتھ مقابلہ کر سکیں چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے ضروری سمجھا کہ کسی ایک دشمن کے ساتھ صلح کا معاہدہ کر لیا جائے۔

مشرکین مکہ سے صلح:

مسلمانوں کے سامنے یہ اہم مسئلہ تھا کہ کسی ایک دشمن کے ساتھ صلح کی جائے، لیکن سوال یہ بھی تھا کہ صلح کس کے ساتھ کی جائے؟ مسلمانوں کے دشمنوں میں ایک طرف قبائل غطفان وفزارہ تھے، جن کا معیار یہ تھا کہ وہ محض لوٹ مار کے شائق اور بے اصول خانہ بدوش عرب تھے۔(۲۸) چنانچہ ان پر دوستی کا اعتبار کرنا مناسب ہی نہ تھا۔ شمال میں یہود خیبر اور بعض دیگر یہود تھے جو تمدنی اور نسلی وجوہ سے عربوں سے الگ تھے نیز انہیں مدینہ سے اپنی جلاوطنی اور جائیداد کا داغ بھی تھا جو اس کے بغیر نہیں مٹ سکتا تھا کہ وہ اپنی جائیداد مسلمانوں سے واپس لیں۔(۲۹) چنانچہ ان کے ساتھ بھی صلح کے آثار نہ تھے۔ دوسری طرف مشرکین مکہ تھے جو کہ مکہ کے مستقل رہائشی وشہری باشندے تھے اور سیاسی شعور رکھتے تھے۔(۳۰) اور ان کے ساتھ صلح کے لیے میدان بہت سی وجوہات کی بناء پر کسی قدر ہموار بھی تھا۔ مثلاً

☆ مسلمان مہاجرین کی اکثریت مکہ سے تعلق رکھتی تھی۔

☆ صلح حدیبیہ سے قبل سخت قحط کے زمانے میں ایک مسلمان سردار ثمامہ نے اہل مکہ کی خوراک کی رسد بند کر دی تھی جو آپ کی سفارش سے دوبارہ بحال کر دی گئی۔ جس سے یقیناً اہل مکہ کے دلوں میں نرم گوشہ پیدا ہوا۔(۳۱)

☆ اسی زمانہ میں رسول اللہ ﷺ نے مکہ کے غرباء فقراء کی امداد کے لیے پانچ سو اشرفیاں بھی روانہ کی تھیں جس سے اہل مکہ بہت متاثر ہوئے۔(۳۲)

☆ صلح حدیبیہ سے قبل رسول اکرم ﷺ نے مکہ کے انتہائی با اثر سردار ابوسفیان بن حرب کی صاحبزادی سے عقد فرمالیا۔(۳۳)

☆ مشرکین مکہ کی عراق وشام کی تجارتی گزرگاہ پر مسلمانوں نے اثر ورسوخ جمالیا جس سے اہل مکہ کو خاصا معاشی نقصان پہنچ رہا تھا جو کہ جانبین کی صلح سے ہی دور ہو سکتا تھا۔

☆ ذیقعد کا مہینہ تھا، نیز آگے ایسے مہینے آرہے تھے جو قریش کے نزدیک بھی مقدس سمجھے جاتے تھے، ان مہینوں میں دشمنوں کے ساتھ جنگ حرام سمجھی جاتی تھی۔

☆ قریش کو اپنی بدنامی کا اندیشہ تھا کہ مبادا دنیا والے یہ نہ کہیں کہ قریش لوگوں کو حج بیت اللہ سے روکتے ہیں۔

☆ حج کعبہ پر اتفاق اور قریش کے ساتھ ہم قبلہ ہونا وغیرہ یہ تمام وہ اسباب تھے جن کی بنیاد پر قریش کے ساتھ صلح کے واضح آثار نظر آرہے تھے، آپؐ نے ہر ممکن کوشش کی کہ مشرکین مکہ کے ساتھ جنگ سے بچا جائے اور صلح ہی کی جائے۔ اس کا اظہار کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی، جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے آج قریش مجھ سے جو مطالبہ کریں گے میں اسے قبول کروں گا۔(۳۴) چنانچہ حدیبیہ کے مقام پر سفارتیں شروع ہوگئیں بالآخر سہیل بن عمرو کے ساتھ طویل گفت وشنید کے بعد معاہدہ طے پایا کہ:

مسلمان اس سال مکہ آئے بغیر واپس ہوجائیں اور آئندہ برس عمرہ کریں۔ دس سال تک فریقین باہم جنگ نہیں کریں گے۔ اگر کوئی مسلمان مکہ سے بھاگ کر مدینہ جائے تو واپس کیا جائے گا تجارت وغیرہ مسالمانہ ضرورتوں سے ایک دوسرے کے علاقے سے گزرنے کی اجازت ہوگی۔ قبائل میں جو مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ حلیفی کرنا چاہے یا قریش کے ساتھ، وہ ایسا کرسکتے ہیں۔(۳۵)

معاہدۂ حدیبیہ کی اہمیت وافادیت:

قریش کی پسندیدہ شرائط کا یہ معاہدہ بظاہر تو مسلمانوں کے مفاد میں نہ تھا لیکن بعد میں ثابت ہوا کہ دراصل یہ معاہدہ مسلمانوں کے لیے فتح مبین تھا، جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحاً مُّبِيناً"(۳۶)

"بے شک (اے نبی) ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی ہے۔"

قرآن مجید میں سورۃ الفتح کی مختلف آیات میں اس معاہدے کے دوررس سیاسی، مذہبی واقتصادی فوائد واثرات کی طرف نشاندہی کی گئی ہے مثلاً:

(i) "لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحاً قَرِيباً"(۳۷)

"یقیناً اللہ تعالیٰ مومنوں سے خوش ہوگیا جب کہ وہ درخت تلے آپ سے بیعت کر رہے تھے۔ ان کے دلوں میں جو تھا اسے اس نے معلوم کرلیا اور ان پر اطمینان نازل فرمایا اور انہیں قریب کی فتح عنایت فرمائی۔"

طبری نے مختلف روایات کو بنیاد بناتے ہوئے لکھا ہے کہ "فتحاً قریباً" سے مراد فتح خیبر ہے۔ اور "فانزل السکینہ علیہم" سے مراد صبر اور وقار (سے فیصلہ کرنا) ہے۔(۳۸)

(ii) "وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزاً حَكِيماً ۔ الخ"(۳۹)

"اور بہت سی غنیمتیں جنہیں وہ حاصل کریں۔"

(iii) "وَعَدَكُمُ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هَذِهِ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنكُمْ وَلِتَكُونَ آيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطاً مُّسْتَقِيماً ۔ الخ"(۴۰)

''اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت ساری غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے جنہیں تم حاصل کرو گے، پس یہ تو تمہیں جلد ہی عطا فرما دی اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیے۔''

''مغانم کثیرۃ تاخذونھا'' سے فتوحات اور اس کے نتیجے میں مالی فوائد کی طرف اشارہ ہے یعنی مشرکین ہوازن وغطفان، فارس اور روم وغیرہ کے غنائم مسلمانوں کو حاصل ہوں گے۔ ''وکف ایدی الناس عنکم'' سے یہود اور قریش سے مسلمانوں کی حفاظت مراد ہے۔(۴۱)

(۱۷) ''وَاُخْرٰی لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَیْھَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰہُ بِھَا''(۴۲)

''اور (تاکہ) تمہیں اور (غنیمتیں) بھی دے، جس پر اب تک تم نے قابو نہیں پایا، اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے قابو میں رکھا ہے۔''

''واخری لم تقدروا علیھا'' سے مکہ، خیبر، روم وفارس کے علاقوں کی فتح مراد ہے، جن کی طرف صلح حدیبیہ کے بعد فوراً ہی توجہ دی گئی۔''(۴۳)

امام زہری اس صلح کے فتح عظیم ہونے کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''فما فتح فی الاسلام فتح قبلہ کان اعظم منہ، انما کان القتال حیث التقی الناس، فلما کانت الھدنۃ، ووضعت الحرب، و آمن الناس بعضھم بعضاً، والتقوا، فتفاوضوا فی الحدیث والمنازعۃ، فلم یکلّم احد بالاسلام یعقل شیئاً الا دخل فیہ، ولقد دخل فی تینک السنتین مثل من کان فی الاسلام قبل ذلک او اکثر''(۴۴)

''اسلام میں اس سے قبل کوئی بڑی فتح نہ تھی۔ جنگ میں تو لوگ گتھم گتھا تھے۔ جب امن وسکون ہو گیا، جنگ ختم ہو گئی لوگ ایک دوسرے سے امن میں ہو گئے، وہ ایک دوسرے سے ملے، باہم بات چیت کی، جس نے بھی اسلام کی حقانیت کو سمجھا وہ اسلام میں داخل ہو گیا، ان دو سالوں میں اتنے لوگ مسلمان ہوئے جتنے اس سے قبل نہیں ہوئے تھے یا اس سے بھی زیادہ مسلمان ہوئے۔''

ابن ہشام، زہری کی اس رائے کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ زہری کی رائے کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب حدیبیہ کے لیے نکلے تو چودہ سو آدمی ساتھ تھے اور دو سالوں کے قلیل عرصے بعد فتح مکہ کے لیے نکلے تو دس ہزار آدمی ساتھ تھے۔(۴۵) چنانچہ وہ قبائل جو حدیبیہ کے موقع پر آپ کی دعوت کے باوجود مسلمانوں کے ساتھ نہیں نکلے تھے اور ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ''سیقول المخلفون الخ'' کا ارشاد فرمایا۔(۴۶) فتح مکہ میں مسلمانوں کے لشکر میں پیش پیش تھے جن میں قبیلہ اسلم کے چار سو، جہینہ کے آٹھ سو اور مزینہ کے ایک ہزار افراد شامل تھے۔(۴۷)

ا۔ معاہدۂ حدیبیہ

قریش مکہ اور مسلمانوں کے مابین طے ہونے والے معاہدہ کا اردو متن حسب ذیل ہے:(۴۸)

۱۔ اے اللہ! تیرے نام کے ساتھ(۴۹)

۲۔ یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد بن عبداللہ(۵۰) اور سہیل بن عمرو(۵۱) میں طے ہوا۔

۳۔ یہ صلح اس بات پر ہے کہ دس سال تک (فریقین کے مابین) جنگ روک دی جائے۔(۵۲) جس کے دوران میں لوگ امن سے رہیں اور ایک دوسرے سے رکے رہیں۔(۵۳)

۴۔ یہ کہ محمد ﷺ کے ساتھیوں میں سے جو حج یا عمرہ یا تجارت کے لیے مکہ آئے تو اسے جان و مال کا امان ہوگا اور قریش کا جو آدمی تجارت کے لیے مصر یا شام (بروایت ابوعبید، شام یا مشرق) جاتے ہوئے مدینہ سے گزرے تو اسے جان و مال کا امان حاصل ہوگا۔

۵۔ یہ کہ قریش کا جو فرد اپنے ولی (سرپرست) کی اجازت کے بغیر محمد (ﷺ) کے پاس آئے گا تو اسے ان (قریش) کی طرف واپس کر دیا جائے گا اور محمد (ﷺ) کے ساتھیوں میں سے جو فرد قریش کے پاس آجائے گا وہ اسے ان کے سپرد نہیں کریں گے۔(۵۴)

۶۔ اور یہ کہ ہم میں باہم سینہ بندی رہے گی۔(۵۵) نہ ایک دوسرے کے خلاف جنگ (۵۶) کی جائے گی نہ ہی خفیہ کارروائی۔(۵۷)

۷۔ جو شخص محمد (ﷺ) کے ساتھ معاہدے اور ذمہ داری میں شامل ہونا چاہیے وہ ان کے ساتھ شامل ہو جائے اور جو قریش کے ساتھ معاہدے اور ذمہ داری میں شریک بننا چاہے وہ ان کے ساتھ شریک بن سکتا ہے۔(۵۸)

۸۔ اور اس سال تم کو ہمارے پاس سے واپس جانا پڑے گا اور (تم) ہمارے ہاں مکہ میں داخل نہ ہو گے۔ البتہ اگلے سال ہم باہر چلے جائیں گے اور تم اپنے ساتھیوں کے ہمراہ وہاں (مکہ) داخل ہو کر تین راتیں ٹھہر سکو گے۔(۵۹) تمہارے پاس سوار کا ہتھیار ہوگا (یعنی) تلوار نیام میں پڑی ہو، اس کے سوا کوئی اور ہتھیار لے کر تم وہاں (مکہ) داخل نہیں ہو سکو گے۔(۶۰)

۹۔ اور یہ کہ قربانی کے جانور وہیں رہیں گے، جہاں ہم نے ان کو پایا (حدیبیہ) اور ان کو ہمارے پاس (مکہ میں) نہیں لایا جائے گا۔(۶۱)

معاہدہ حدیبیہ کے فقہی مباحث کا تفصیلی جائزہ:

معاہدہ حدیبیہ کے ضمن میں مختصر لغوی و فقہی توضیحات حواشی میں ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں البتہ اہم فقہی مباحث کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ سفارتی امور و احکام
۲۔ اہل حرب کے ساتھ جنگ بندی کے معاہدے کی مدت
۳۔ معاہدہ صلح کے بعد فریقین کی ذمہ داریاں
۴۔ غیر مسلموں کی شرائط پر جنگ بندی اور صلح
۵۔ غیر مسلموں کے علاقے سے مسلمانوں کی دارالسلام (اسلامی حکومت) میں آمد پر پابندی کا معاہدہ

۶۔ حکومتوں کے مابین مجرموں کے تبادلہ کا معاہدہ

۷۔ ہتھیاروں کی پابندی کا معاہدہ

۸۔ غیر مسلموں کے ساتھ تجارتی لین دین

ا۔ سفارتی امور و احکام، صلح حدیبیہ کی روشنی میں:

صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمانوں نے اپنا سفیر مشرکین مکہ کی طرف بھیجا دوسری طرف مشرکین مکہ کی طرف سے بھی کئی سفارتیں مسلمانوں کے پاس آئیں اور معاہدہ صلح پر اتفاق ہوا، جس سے امور سفارت سے متعلق کئی احکام کی وضاحت ہوتی ہے۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

سفارت کا مفہوم:

سفارت کا مادہ سفر ہے جس کے معنی "پردہ اٹھانا" اور کھولنے کے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ:

"سفرت بین القوم اسفر سفارۃ ای کشفت مافی قلب ھذا وقلب ھذا لا صلح بینھم"

"میں نے لوگوں کے مابین پردہ اٹھا دیا اور سفر کیا اور جو کچھ ان (دونوں اقوام) کے قلب میں تھا اسے کھول دیا تاکہ ان کے مابین صلح کرادوں۔" (۶۲)

عربی میں سفیر کو رسول بھی کہا جاتا ہے جیسے کہ "نبی اکرم ﷺ نے عامل بحرین منذر بن ساوی کی طرف لکھا "وان رسلی قد حمدوک" (میرے سفیروں نے تمہاری تعریف کی ہے) (۶۳)

سفیر:

سفیر سے مراد وہ فرستادہ ہے جو بھیجنے والے کے مقصد کو واضح انداز میں مرسل الیہ تک پہنچاتا ہے۔ سفیر کی مختلف تعریفات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ قوموں کے درمیان رابطے استوار کرتا ہے اور کشیدگی اور غلط فہمی کو دور کرتا ہے۔ مثلاً تاج العروس میں سفیر سے مراد ہے "قوموں کے درمیان صلح کرانے والا۔" (۶۴)

اصفہانی کے نزدیک سفیر وہ آدمی ہے جو کسی قوم کی بات کی وضاحت کے لیے بھیجا جاتا ہے وہ فریقین کی منافرت کو ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے اور سفیر کی بات بھیجنے والے کی بات کے برابر تصور کی جاتی ہے۔ (۶۵)

جدید تعریف کے مطابق بھی سفیر سے مراد کسی حکومت کا وہ نمائندہ ہے جس کو اپنے ملک کی جانب سے مکمل اختیارات حاصل ہوتے ہیں اور وہ اہم معاملات میں دوسری حکومت سے بات چیت کرتا ہے۔ (۶۶)

صلح حدیبیہ میں آپ کی طرف سے حضرت عثمانؓ کو مسلمانوں کا سفیر بنا کر مشرکین مکہ کے پاس بھیجا جانا، دوسری طرف مشرکین مکہ کے سفیروں سے امن و صلح کی بات چیت اور کوشش سے واضح ہوتا ہے کہ سفیر حکومت و قوم کا وہ نمائندہ ہوتا ہے جس کو اپنی حکومت کی

طرف سے بات چیت کرنے، اپنا موقف واضح کرنے اور دوسری حکومت یا قوم کا مؤقف سننے کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔

مذاکرات امن:

صلح حدیبیہ سے پتہ چلتا ہے کہ جنگ سے قبل امن وصلح کی کوشش کرنی چاہیے۔ جہاد سے مقصود یہ ہے کہ دین کی اشاعت اور غیر مسلموں کے شرور سے مسلمانوں کی جان، مال اور عزت کی حفاظت کی جائے اگر یہی فوائد صلح سے حاصل ہو رہے ہوں تو لڑائی کی بجائے صلح کرنا ہی بہتر ہے۔(۶۷)

معاہدہ حدیبیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صلح کی اس کوشش میں سفارت بہت اہمیت کی حامل ہے نیز جنگ سے بچنے کے لیے غیر مسلموں سے صلح کے لیے پہل کرنا بھی درست ہے اس ضمن میں ابن قیم لکھتے ہیں: "ومنها جواز ابتداء الامام بطلب صلح العدو اذا رای المصلحة للمسلمین فیه ولا یتوقف ذلک علی ان یکون ابتداء الطلب منهم"(۶۸)

سفیروں کے حقوق:

معاہدۂ حدیبیہ کے مطابق سفیر اپنی حکومت کی طرف سے ایک محترم نمائندہ کی حیثیت رکھتا ہے جس کے ساتھ حسن سلوک اور عزت واحترام سے پیش آنا چاہیے۔ صلح حدیبیہ سے قبل مسلمانوں کی طرف سے بھیجے جانے والے قاصد خراش بن خزاعی تھے جن کے ساتھ مشرکین مکہ نے بہت برا سلوک کیا ان کی سواری کو قتل کر دیا اور انہیں بھی قتل کرنے کی کوشش کی اس کے باوجود آپؐ نے مشرکین مکہ کے سفیروں کے ساتھ سلوک واحسان کا معاملہ فرمایا۔

قریش کی طرف سے آنے والے سفیر مکرز بن حفص کے متعلق آپؐ نے پہلے سے بتا دیا تھا کہ وہ فاجر آدمی ہے لیکن بحیثیت سفیر آپؐ نے اس کی بات سنی اور اچھا رویہ رکھا۔(۶۹) قریش کے ایک سفیر عروہ بن مسعود ثقفی نے گفتگو کے دوران آپؐ کی بے اکرامی کی اور جاہلیت کی بعض درشت عادات کا ارتکاب کرتے رہے لیکن آپؐ نے انہیں کوئی سرزنش نہیں فرمائی۔(۷۰)

سفیروں کو قید کرنا یا انہیں تکلیف پہنچانا جائز نہیں، ایک مرتبہ مسیلمہ کذاب کے دو سفیر آپؐ کے پاس آئے اور آپؐ کے سامنے مسیلمہ کی نبوت کا اقرار کیا۔ آپؐ نے انہیں نہ قید کیا نہ کوئی اور تعرض کیا بلکہ واضح فرمایا کہ تمہاری سزا تو قتل ہے لیکن سفیروں کو قتل کرنا (اسلام کی رو سے) جائز نہیں۔(۷۱)

مسلمانوں کے سفیر حضرت عثمانؓ کے قتل کی خبر پر آپ کا صحابہؓ سے جنگ کرنے کی بیعت لینے سے پتہ چلتا ہے کہ سفیر کا قتل اسٹیٹ کے خلاف اقدام جنگ کے برابر ہے۔

سفیر سے سربراہ مملکت کی ملاقات اور مذاکرات:

کسی ملک کے سفیر سے سربراہ مملکت براہ راست ملاقات کر کے اپنا موقف واضح کر سکتا ہے۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش کی طرف سے قبیلہ خزاعہ کے سردار بدیل بن ورقاء آئے تو آپؐ نے ان سے ملاقات فرمائی۔ آپؐ نے ان کی آمد کا مقصد پوچھا اور

پھر اپنا موقف واضح فرمایا کہ ہم جنگ کرنے نہیں آئے بلکہ زیارت کعبہ کے لیے آئے ہیں لہٰذا قریش کو چاہیے کہ ہم سے مصالحت کرلیں۔(۷۲) اسی طرح قریش کے دیگر سفراء مکرز بن حفص اور عروہ بن مسعود ثقفی اور آخر میں سہیل بن عمرو آئے آپؐ نے سب کے ساتھ بنفس نفیس ملاقات فرمائی بالآخر سہیل بن عمرو سے مذاکرات کامیاب ہوئے اور معاہدہ صلح طے ہوا۔(۷۳)

معاہدہ کی تحریری دستاویز:

معاہدہ شکنی، کسی بھی بداعتمادی و بدگمانی اور باہمی تنازعہ وغیرہ سے بچنے کے لیے معاہدہ کو لکھ لینا ضروری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ وَلْيَكْتُب بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَن يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا فَإِن كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَن يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَن تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا وَلَا تَسْأَمُوا أَن تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ ذَٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِندَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا "(۷۴)

"اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک دوسرے سے میعاد مقرر پر قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو (اسی آیت کے اگلے حصہ میں ہے) "اور قرض کو جس کی مدت مقرر ہے، خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو لکھنے میں کاہلی نہ کرو اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات بہت انصاف والی ہے اور گواہی کو بھی درست رکھنے والی اور شک وشبہ سے بھی زیادہ بچانے والی ہے۔"

اگرچہ جمہور مفسرین نے آیت میں کتابت کو ندب و استحباب پر محمول کیا ہے۔(۷۵) تاہم آیت میں "اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی" اور "الا ان تکون تجارۃ حاضرۃ تدیرونھا بینکم" سے مفہوم مخالف میں لکھنے کی تاکید ہوتی ہے یعنی ایسے معاہدات جن میں مدت کا تعین نہ ہو بالفاظ دیگر دائمی معاہدات کو لکھنا ضروری ہے۔(۷۶)

چنانچہ آپؐ نے معاہدہ حدیبیہ کو لکھوایا پھر اس کی نقل تیار کروائی اصل معاہدہ اپنے پاس رکھا اور نقل سہیل بن عمرو (سفیر قریش) کے حوالے فرمائی۔"(۷۷)

معاہدہ اور گواہ:

سفراء کے مابین طے ہونے والے معاملات میں گواہوں کی بہت اہمیت ہے۔ قرآن میں " وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ" (۷۸) "اور اپنے میں سے دو مرد گواہ رکھ لو۔" کی صورت میں اہم معاملات کے اندر گواہوں کی موجودگی کا حکم کیا گیا ہے۔ صلح حدیبیہ میں دونوں اطراف سے گواہوں کو شامل کیا گیا مسلمانوں کی طرف سے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، عبدالرحمٰنؓ بن عوف، سعدؓ بن ابی وقاص، ابوعبیدہؓ، محمودؓ بن مسلمہ اور مشرکین کی طرف سے حویطب بن عبدالعزیٰ، عبداللہ بن سہیل اور مکرز بن حفص گواہ بنائے گئے، جنہوں نے معاہدہ پر اپنے اپنے دستخط بھی ثبت کیے۔(۷۹)

۲۔اہل حرب کے ساتھ جنگ بندی کے معاہدے کی مدت:

صلح حدیبیہ کی دفعہ ۳ کی رو سے مسلمانوں اور مشرکین مکہ کے درمیان دس سال کے لیے جنگ بندی کا معاہدہ طے ہوا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل حرب کے ساتھ طویل مدت کی جنگ بندی اور صلح کے معاہدے کرنا بھی جائز ہے۔

اسلامی شریعت میں غیر مسلموں کے ساتھ امن معاہدے کے سلسلے میں باقاعدہ کسی مدت کا تعین نہیں کیا گیا چنانچہ قرآن مجید سے موقت اور غیر موقت ہر دو معاہدوں کے بارے میں دلیل ملتی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ"(۸۰)

''بجز ان مشرکوں کے، جن سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے اور انہوں نے تمہیں ذرا بھی نقصان نہیں پہنچایا نہ کسی کی تمہارے خلاف مدد کی ہے تو تم بھی ان کے معاہدے کی مدت ان کے ساتھ پوری کرو۔اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے۔''

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِندَ اللَّهِ وَعِندَ رَسُولِهِ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ"(۸۱)

''مشرکوں کے لیے عہد، اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کیسے رہ سکتا ہے سوائے ان کے جن سے تم نے عہد و پیمان، مسجد حرام کے پاس کیا ہے جب تک وہ لوگ تم سے معاہدہ نبھائیں تم بھی ان سے وفاداری کرو۔اللہ تعالیٰ متقیوں سے محبت رکھتا ہے۔''

مذکورہ بالا آیات میں پہلی آیت سے موقت جب کہ دوسری آیت میں مطلق معاہدہ امن کا ثبوت ملتا ہے۔(۸۲)

معاہدات نبوی ﷺ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے موقت اور غیر موقت دونوں طرح کے معاہدات کیے۔ موقت معاہدات میں مثلاً عقبہ بن ابی امیہ سے چار ماہ تک کا معاہدہ اور صلح حدیبیہ کا دس سال تک مدت کا معاہدہ ہے۔(۸۳) غیر موقت معاہدات میں بنو ضمرہ، بنو غفار، بنو اشجع، بنو خزاعہ، اہلیان نجران سے کیے جانے والے معاہدات سرفہرست ہیں۔(۸۴) یہ معاہدات اس بات کی دلیل ہیں کہ اسلامی ریاست، غیر مسلم ریاست یا خود مختار غیر مسلم قوت سے موقت اور غیر موقت دونوں طرح کے معاہدات صلح طے کر سکتی ہے۔

اہل حرب سے غیر موقت معاہدہ صلح کے بارے میں فقہاء کے دو موقف ہیں۔بعض فقہاء کے نزدیک غیر موقت معاہدہ جائز نہیں اور عند البعض اس کا جواز ہے۔اس اختلاف کی بنیاد دراصل یہ سوال ہے کہ غیر مسلموں سے تعلقات کی اصل بنیاد جنگ ہے یا امن؟''

جن فقہاء کے نزدیک تعلقات کی اصل جنگ ہے، وہ غیر موقت معاہدات کے جواز کے قائل نہیں اور جن کے نزدیک غیر مسلموں سے تعلقات کی اصل و بنیاد امن ہے وہ ایسے معاہدات کے جواز کے قائل ہیں۔

اول الذکر فقہاء میں امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام ابن تیمیہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ وہ قرآن مجید کی ان آیات سے استدلال کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ"(۸۵)

"مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو۔"

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ" (۸۶)

"تم نہ سستی کرو اور نہ غمگین ہو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایماندار ہو۔"

وہ ان آیات سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ صلح بجائے خود ایک کمزوری کی علامت ہے اور اللہ تعالیٰ مومنین کو مستقل طور پر اس صورت میں رکھنا پسند نہیں کرتا۔ نیز دائمی و غیر موقت معاہدہ اس لیے بھی درست نہیں کہ آئندہ ہو سکتا ہے کہ اسلام کے فروغ کے لیے اس معاہدہ کو ختم کرنا ضروری ہو جائے تو ایسی صورت میں معاہدہ شکنی کا ارتکاب کرنا پڑے گا۔ علاوہ ازیں ان فقہاء کے نزدیک اگر صلح کا دائمی معاہدہ کر لیا تو یہ مستقل طور پر جہاد کے ترک کرنے کے مترادف ہوگا۔ چنانچہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:

"لاتجوز المهادنة مطلقا من غير تقدير مدة لانه يفضى الى ترك الجهاد بالكلية"(۸۷)

فقہاء احناف کا مسلک یہ ہے کہ اگر امام المسلمین مسلمانوں کا فائدہ و مصلحت سمجھتا ہے کہ وہ غیر موقت و دائمی معاہدۂ امن کر سکتا ہے۔ کیوں کہ غیر مسلموں کے ساتھ ہر وقت جنگ کرنا فرض نہیں۔ امام سفیان ثوری اور بعض دیگر فقہاء، عطاء، عمرو بن دینار اور ابن شبرمہ وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں ان کا موقف یہ ہے کہ:

"الجهاد تطوع وليس بفرض وان الامر للندب ولايجب قتالهم الا دفعا لظاهر قوله تعالىٰ (فان قتلوكم فاقتلوهم)(البقره ۱۹۱) وقوله تعالى "وقاتلو المشركين كافة كما يقاتلونكم كافة" (التوبہ ۳۶)(۸۸)

"مشرکین کے ساتھ جنگ کرنا فرض نہیں جب تک کہ پہل خود ان کی طرف سے نہ ہو اگر ان کی طرف سے ابتدا ہو تو جنگ لازمی ہے اس ارشاد باری تعالیٰ کے تکمیل میں کہ "اگر وہ تم سے جنگ کریں تو انہیں قتل کرو۔" نیز یہ ارشاد کہ "تم سب مل کر مشرکین سے لڑو جس طرح وہ سب مل کر تم سے لڑتے ہیں۔"

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ فقہاء کا یہ اختلاف اس سوال کا نتیجہ ہے کہ مشرکین کے ساتھ تعلقات کی اصل جنگ ہے یا امن؟ اس سوال کی بنیاد پر بعض مغربی مولفین اور مستشرقین نے بعض فقہاء کے نقطۂ نظر کو منفی انداز میں پیش کر کے یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش کی ہے کہ فقہاء کے نزدیک غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کی اصل جنگ ہی ہے(۸۹)

بدایۃ المجتہد کے مؤلف نے اس مسئلے میں فقہاء کے نقطۂ نظر کو نہایت جامع اور مثبت انداز میں پیش کیا ہے اس موضوع پر فقہاء کی بحوث کو سمیٹتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ:

"فقہاء میں حالت امن کی تائید کرنے والوں میں امام مالک، امام شافعی اور امام ابوحنیفہ شامل ہیں۔ ان میں صرف امام شافعی

امن کی اس مدت کو جائز نہیں قرار دیتے جو اس مدت امن سے زیادہ طویل ہو جسے رسول اللہ ﷺ نے کفار کے ساتھ اختیار فرمایا۔(۹۰) کسی ضرورت کے بغیر امن کے جواز کے سلسلے میں فقہاء کے اختلاف کا سبب وہ ظاہری تعارض ہے جو آیات قرآنی: "فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ "(۹۱) اور ارشاد باری تعالیٰ ہے "وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ "(۹۲) کے درمیان نظر آتا ہے۔ چنانچہ جن لوگوں کے نزدیک آیت جنگ، آیت امن کے لیے ناسخ ہے وہ بغیر ضرورت و مصلحت، امن کی حالت کو جائز نہیں سمجھتے، دوسری طرف جن لوگوں کے خیال میں آیت امن کے ذریعے آیت جنگ کی تخصیص مراد ہے، وہ حالت امن کو صحیح قرار دیتے ہیں اگر وہ امام المسلمین کے نزدیک فائدہ مند ہو۔(۹۳)

بدایۃ المجتہد کے مؤلف کی مذکورہ بالا بحث سے فقہاء کی آرا کا اصل مزاج و مطلب سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ وہ یہ کہ اگرچہ بعض فقہاء غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات میں حالت جنگ کو اصل قرار دیتے ہیں لیکن ان کے نزدیک بھی انسانوں کی منفعت و مصلحت کی خاطر غیر مسلموں سے دیر تک صلح کرنا جائز ہے چنانچہ امام شافعی اور امام احمد وغیرہ کا مسلک اگرچہ یہ ہے کہ صلح حدیبیہ سے زائد مدت، یعنی دس سال سے زائد عرصہ کے لیے غیر مسلموں سے معاہدہ صلح کرنا جائز نہیں لیکن ساتھ ہی وہ اس بات کے قائل بھی ہیں کہ اگر مسلمانوں کا مفاد اس میں ہو کہ مدت میں اضافہ کیا جائے تو ایسا کرنا درست ہوگا۔ چنانچہ المغنی میں ہے "وقال ابو الخطاب ظاهر كلام احمد انه يجوز على اكثر من عشر على مايراه الامام من المصلحة وبهذا قال ابو حنيفة"(۹۴)

معاہدہ حدیبیہ کے ذیل میں ابن قیم لکھتے ہیں کہ اہل حرب سے دس سال کے لیے معاہدہ صلح کیا جا سکتا ہے اور مصلحت مسلمین کے پیش نظر اس سے زیادہ مدت کا معاہدہ کرنا بھی جائز ہے چنانچہ زاد المعاد میں آپ لکھتے ہیں:

"ومنها: جواز صلح اهل الحرب على وضع القتال عشر سنين، وهل يجوز فوق ذلك؟ الصواب: انه يجوز للحاجة والمصلحة الراجحة"(۹۵)

علاوہ ازیں مالکیہ، زیدیہ اور امام احمد کا بھی یہی مسلک ہے کہ صلح غیر موقت ہی اگر مسلمانوں کے مفاد و مصلحت میں ہو تو جائز ہے۔(۹۶) معروف حنفی فقیہ و محدث، بدر الدین عینی اس ضمن میں لکھتے ہیں کہ "اہل علم کے نزدیک صلح کی باقاعدہ کوئی حد مقرر نہیں۔ یہ مسلمانوں کی ضرورت و مصلحت اور امام و اہل الرائے کے اجتہاد پر موقوف ہے کہ اگر وہ چاہیں تو یہ معاہدہ کر سکتے ہیں۔"(۹۷)

۳۔معاہدۂ صلح کے بعد فریقین کی ذمہ داریاں:

صلح حدیبیہ کی رو سے صلح کے معاہدے کے بعد درج ذیل امور کی پابندی جانبین کے لیے ضروری ہو جاتی ہے۔

معاہدۂ کا احترام:

صلح حدیبیہ کی دفعہ نمبر ۶ کی رو سے پتہ چلتا ہے کہ معاہدۂ صلح کا نہایت درجہ تحفظ کیا جانا ضروری ہے چنانچہ معاہدہ کی دفعہ مذکورہ

میں ہے کہ "وان بیننا عیبۃ مکفوفۃ" یعنی صلح کو توڑنے کے بے کوئی غداری نہ ہو سکے گی۔

اسلام کی عمومی تعلیمات کی رو سے بھی معاہدات کا احترام کرنا نہایت ضروری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللّٰهِ إِذَا عَاهَدتُّمْ وَلَا تَنقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا إِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ" (۹۸)

"اور اللہ کے عہد کو پورا کرو جب کہ تم آپس میں قول و قرار کرو اور قسموں کو ان کی پختگی کے بعد مت توڑو حالانکہ تم اللہ تعالیٰ کو اپنا ضامن ٹھہرا چکے ہو، تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کو بخوبی جان رہا ہے۔"

قرآن میں اہل ایمان کی تعریف میں بتایا گیا ہے کہ "وہ اپنی امانتوں اور عہد و پیان کی نگہداشت کرتے ہیں چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ" (۹۹)

"رسول اللہ (ﷺ) نے بھی عہد شکن اور دھوکا باز کی سخت مذمت فرمائی ہے۔ (۱۰۰) اور عہد شکنی کو نفاق کی نشانی قرار دیا ہے۔ (۱۰۱)

معاہدہ کے کسی حصے کی خلاف ورزی:

صلح حدیبیہ کی رو سے پتہ چلتا ہے کہ معاہدہ کے کسی بھی جزو کی خلاف ورزی کرنا عہد شکنی اور بدعہدی کے زمرہ میں داخل ہے۔ چنانچہ جب حدیبیہ میں معاہدہ کی شرائط پر اصولی طور پر اتفاق ہو گیا لیکن ابھی شرائط لکھی جا رہی تھیں کہ سہیل بن عمرو کے صاحبزادے حضرت ابوجندلؓ بھاگ کر مسلمانوں سے آملے اور نہایت دردناک انداز میں مسلمانوں سے اپیل کی کہ انہیں واپس نہ بھیجا جائے مگر آپؐ نے انہیں واپس کر دیا اور فرمایا:

"انا قد اعطینا ھؤلاء القوم ما قد علمت ولا یصلح لنا فی دیننا الغدر و ان اللّٰہ جاعل لک ولمن معک من المستضعفین فرجاً و مخرجا فانطلق الی قومک" (۱۰۲)

"تم جانتے ہو کہ ہم نے ان لوگوں کے ساتھ معاہدہ کر لیا ہے۔ ہمارے دین میں عہد شکنی اور بے وفائی جائز نہیں اللہ تعالیٰ تمہارے اور تمہارے دیگر کمزور ساتھیوں کی کوئی صورت نکالے گا۔ لہٰذا تم اپنی قوم کے پاس واپس جاؤ۔"

اسی طرح کے ایک اور واقعہ کے مطابق آپؐ نے مکہ سے بھاگ کر مدینہ آنے والے صحابی ابوبصیر کو بھی واپس کر دیا۔ (۱۰۳)

ایک دوسرے کے نقصان سے گریز:

جب دو قوموں یا ممالک کے درمیان صلح یا جنگ بندی کا معاہدہ طے ہو جائے تو پھر ایک دوسرے کو نقصان پہنچانا جائز نہیں۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کی دفعہ نمبر ۲ میں ہے:

"یامن فیھن الناس ویکف بعضھم عن بعض" "لوگ امن سے رہیں اور ایک دوسرے سے رکے رہیں۔"

المبسوط میں ہے:

"لان الهدنة تقتض الكف عن انفسهم و اموالهم واعراضهم"(۱۰۴)

''معاہدہ صلح کی وجہ سے جان، مال اور عزت کی حفاظت ضروری ہو جاتی ہے۔''

غلطی سے اگر کسی معاہد کی جان و مال کو نقصان پہنچ گیا تو اس کا بدل ودیت ادا کرنی ضروری ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ"(۱۰۵)

''اور اگر مقتول اس قوم سے ہو کہ تم میں اور ان میں عہد و پیمان ہے تو خون بہا لازم ہے جو اس کے کنبے والوں کو پہنچایا جائے اور ایک مسلمان غلام آزاد کرنا بھی ضروری ہے۔''

معاہدہ حدیبیہ کی رو سے معاہدین کی افواج کا ایک دوسرے کی حدود میں تصرف اور ہر قسم کی خفیہ اور کھلی سازشوں میں حصہ دار بننا جائز نہیں۔ معاہدہ کی دفعہ نمبر ۶ سے اس اصول کی نہایت درجہ وضاحت ہوتی ہے۔ جس میں ہے کہ "ان بیننا عیبة مکفوفة، ولا اسلال ولا اغلال" ''باہم غداری نہیں کی جائے گی خفیہ اور کھل کر ایک دوسرے کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی۔''

صلح کے بعد باہمی ذمہ داریوں اور ضروری امور سے متعلق امام ماوردی لکھتے ہیں کہ معاہدہ صلح کے بعد تین امور ضروری ہو جاتے ہیں۔

۱۔ ظاہری موادعة: یعنی ایک دوسرے سے لڑائی کرنے اور نقصان پہنچانے سے احتراز۔

۲۔ باطنی خیانت: مثلاً کسی کو قتل کرنا یا مال چوری کر لینا وغیرہ۔

۳۔ معاملة فی الاقوال والافعال: یعنی باہم حسن قول اور حسن سلوک۔(۱۰۶)

۴۔ غیر مسلموں کی شرائط پر جنگ بندی اور معاہدۂ صلح

معاہدۂ حدیبیہ کی دفعہ نمبر ۱ میں جب ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' لکھا جانے لگا تو مشرکین مکہ کے سفیر سہیل نے اعتراض کیا کہ ہم اس کو نہیں جانتے آپ ''باسمک اللھم'' لکھیں۔ چنانچہ آپؐ نے باسمک اللھم لکھوا دیا۔ اسی طرح دوسری شق میں ''محمد رسول اللہ'' لکھنے پر سہیل نے پھر اعتراض کیا کہ تو آپؐ نے ''محمد بن عبداللہ'' لکھ دیا اور ساتھ ہی زبانی تصدیق فرما دی کہ اللہ کی قسم میں یقیناً اللہ کا رسول ہوں چاہے تم تسلیم کرو یا نہ کرو۔(۱۰۷)

مذکورہ بالا دونوں باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ ان کی طرف سے رکھی جانے والی شرائط پر صلح کی جاسکتی ہے بشرطیکہ وہ شرائط مسلمانوں کے حق میں مضر نہ ہوں چونکہ یہ دونوں باتیں ''باسمک اللھم'' اور ''محمد بن عبداللہ'' فریقین کے لیے درست تھیں مسلمانوں کے لیے بھی نہ اس میں کوئی جھوٹ تھا اور نہ ہی بت پرستی، لہٰذا آپؐ نے دونوں شرائط کو تسلیم کریں۔(۱۰۸)

معاہدہ حدیبیہ کی دیگر دفعات سے بھی اس کی تائید ہو رہی ہے۔ مثلاً معاہدہ کی دفعہ نمبر پانچ کے مطابق قریش کا جو فرد اپنے ولی کی اجازت کے بغیر محمد (ﷺ) کے پاس آئے گا تو اسے قریش کی طرف واپس کر دیا جائے گا اور مسلمانوں میں سے جو فرد قریش

کے پاس آئے گا وہ اسے ان کے سپرد نہیں کریں گے۔ علاوہ ازیں دفعہ نمبر ۸ کے مطابق مسلمانوں کا اس سال بغیر زیارت بیت اللہ واپس جانے کی شرط وغیرہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ مصلحت کے پیش نظر غیر مسلموں کی شرائط پر بھی معاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے عمومی مفاد اور بڑے فساد سے بچنے کی خاطر مشرکین کے ساتھ ایسا معاہدہ کرنا جائز ہے اگر چہ اس سے کچھ مسلمانوں کو تکلیف ہی کیوں نہ پہنچ رہی ہو۔(۱۰۹)

ابوعبید اور بعض دیگر فقہا اس ضمن میں لکھتے ہیں کہ اگر جنگ بندی اور صلح ہی مسلمانوں کے مفاد میں ہو تو اپنے پاس سے کچھ مال وغیرہ دے کر صلح کرنا بھی جائز ہے۔ اس کی دلیل کے طور پر اکثر فقہاء، غزوۂ احزاب کا واقعہ نقل کرتے ہیں۔ اس غزوہ میں تمام مشرکین عرب نے مسلمانوں کے خلاف اتحاد کرلیا تھا۔ انہوں نے دس دن تک مسلمانوں کا محاصرہ کیے رکھا جس سے مسلمانوں کو بڑی تکلیف کا سامنا کرنا پڑا جس کے متعلق قرآن مجید میں بھی اشارہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"إِذْ جَاءُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا"(۱۱۰)

"جب کہ (دشمن) تمہارے پاس اوپر سے اور نیچے سے چڑھ آئے اور جب کہ آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آگئے اور تم اللہ کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔"

اس موقع پر آپؐ نے قبائل غطفان کو الگ کرنے کے لیے ان کے سردار کو یہ پیش کش کی کہ اگر وہ مسلمانوں سے جنگ بندی کرے اور قبائل غطفان کو لے کر واپس ہو جائے اور مخالفین کا ساتھ نہ دے تو اسے ہر سال مدینہ کی کھجوروں کی پیداوار کا ثلث ۱/۳ دیا جائے گا۔(۱۱۱) چنانچہ شرح السیر میں ہے:

"ولا باس بدفع بعض المال علىٰ سبيل الرفع عن البعض اذا خاف ذهب لكل فاما اذا كان بالمسلمين قوة عليهم فانه لا يجوز الموادعةبهذ الصفة لأن فيها التزام الريبة و التزام الذل(الخ)(۱۱۲)

ابن قدامہ مذکورہ واقعہ حنین کو بنیاد بناتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کو بڑے نقصان سے بچانے کے لیے مال دے کر صلح کا معاہدہ کرنا بھی جائز ہے۔ امام احمدؒ اور شافعیؒ کی رائے بھی یہی ہے۔ المغنی میں ہے:

"واما ان صالحهم علىٰ مال نبذله لهم فقدا طلق احمد القول بالمنع منه و هو مذهب الشافعي لان فيه صغاراً للمسلمين وهذا محمول على غير حال الضرورة فاما ان دعت اليه ضرورة وهو أن يخاف على المسلمين الهلاک او الأسر فيجوز لانه يجوز للاسير فداء نفسه بالمال فكذا ههنا ولان بذله المال ان كان فيه صغار فانه يجوز تحمله لدفع صغار أعظم منه وهو القتل والأسر وسبي الذرية الذين يفضي سبهم الى كفرهم"(۱۱۳)

امام اوزاعی سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ ایسی صورت میں جب مسلمانوں کے قلعہ کو اہل کفر نے گھیر لیا ہو اور مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ ان سے مقابلہ مسلمانوں کے بس میں نہیں، کیا وہ (مسلمان) اپنے ہتھیار و اموال دے کر ان سے صلح کر سکتے ہیں؟

امام اوزاعی نے فرمایا کہ اس صورت میں ایسا کرنا جائز ہے۔(۱۱۴)

تاہم اس کا اصل مدار ضرورت شرعیہ پر ہے۔ بعض استثنائی حالات میں بقدر ضرورت بعض ناپسندیدہ امور بھی گوارا کیے جا سکتے ہیں۔ فقہاء نے قاعدۂ شرعیہ "الضرورات قد تبیح المحظورات"(۱۱۵) (ضرورتیں بھی ممنوع اشیاء کو مباح کر دیتی ہیں) کے ضمن میں بہت ساری ناپسندیدہ اشیاء کے گوارا کر لینے کو جائز قرار دیا ہے۔

۵۔ غیر مسلم ممالک کے مسلمان شہریوں کی اسلامی ریاست میں آمد پر پابندی کا معاہدہ:

صلح حدیبیہ کی دفعہ نمبر ۵ میں ہے کہ قریش کا کوئی آدمی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر محمد ﷺ کے پاس آئے گا تو اسے ان (قریش مکہ) کے حوالے کیا جائے گا۔ اس دفعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مسلمانوں کے مفاد میں ہو تو غیر مسلم ممالک کے ساتھ اس طرح کا معاہدہ کرنا بھی جائز ہے جس کے مطابق کسی غیر مسلم ملک کا مسلمان شہری ان کی اجازت کے بغیر اسلامی مملکت میں آئے تو ان کے مطالبہ پر واپس کر دیا جائے۔ ابن قیم لکھتے ہیں:

"ومنها، جواز صلح الكفار على رد من جاء منهم المسلمين، والا يرد من ذهب من المسلمين اليهم" نیز لکھتے ہیں "لا يجب رده بدون الطلب"(۱۱۶)

بعض شوافع فقہاء بھی اس شرط کے ساتھ صلح کے قائل ہیں کیوں کہ ان کے نزدیک ایسے معاملہ میں بھاگنے والے مسلمان پر ہجرت واجب نہیں رہتی۔(۱۱۷)

احناف اس شرط پر صلح جائز نہیں سمجھتے اور اس معاملہ کو حضور اکرم ﷺ کی خصوصیت شمار کرتے ہیں کیوں کہ اس معاملے میں مؤمنین کی آسانی کا علم حضور اکرم ﷺ کو وحی کے ذریعے ہو چکا تھا۔ ہمارے لیے ایسا کرنا جائز نہیں۔(۱۱۸) اس شرط کو ناجائز کہنے والے فقہاء حدیث نبوی کو بھی دلیل بناتے ہیں کہ (انا بری من مسلم بین المشرکین)(۱۱۹)

عہد حاضر میں جہاں ملکوں اور ان کی سرحدوں کے حوالے سے تمام قوانین طے ہوتے ہیں، نیز کسی اسلامی ملک پر پوری طرح دارالاسلام کا اطلاق بھی نہیں ہوتا، دوسری طرف غیر مسلم جمہوری ممالک میں مسلمان ہونے والے افراد کو مذہبی آزادی بھی ہوتی ہے۔ لہٰذا ان حالات میں شوافع کی رائے ہی قابل ترجیح معلوم ہوتی ہے۔

۶۔ حکومتوں کے مابین مجرموں کے تبادلہ کا معاہدہ:

معاہدہ کی دفعہ نمبر ۵ "قریش کا جو فرد اپنے ولی (سرپرست) کی اجازت کے بغیر محمد (ﷺ) کے پاس آئے گا تو اسے ان (قریش) کی طرف واپس کر دیا جائے گا" سے نیز واقعہ ابوبصیر و ابوجندل سے بعض فقہاء نے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر کسی غیر ملک کا مسلمان باشندہ وہاں کے قوانین کی خلاف ورزی کر کے مسلمان ملک میں آ جائے تو اُن (غیر مسلم حکومت) کے مطالبہ پر اسے واپس کیا جا سکتا ہے۔ بعض شوافع کے نزدیک کسی غیر مسلم سلطنت کے سپرد کرنا صرف اس صورت میں جائز ہے جب وہاں اس کے حقوق کا تحفظ ممکن ہو۔(۱۲۰) جدید قانون بین الاقوام میں ایسے افراد کی سپردگی کے معاہدات جو دو یا زیادہ ملکوں کے مابین

قرار پائیں، کو مجرموں کے تبادلہ کے معاہدات کہا گیا ہے تاہم جن ممالک میں ایسے معاہدات موجود نہیں ہیں ان میں بھی عالمی قوانین کے مطابق کسی ملک کی امن و سلامتی کو نقصان پہنچانے والے افراد کی سپردگی کا طریق کار رائج ہے۔(۱۲۱)

۷۔ہتھیاروں کی پابندی کا معاہدہ:

معاہدۂ حدیبیہ کی دفعہ نمبر ۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے ماسوا تلوار کے دیگر ہتھیاروں کے مکہ میں لے جانے پر پابندی کی شرائط کو قبول کر لیا تھا۔معاہدہ کی شق نمبر ۸ "فلا تدخل علینا مکۃ وانھا اذا کان عام قابل خرجنا عنک فدخلتھا واصحابک فاقمت بھا ثلاثا سلاح الرکب: السیوف فی القرب فلا تدخلھا بغیرھا" (۱۲۲) سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کا سربراہ مصلحت مسلمین کو دیکھتے ہوئے ہتھیاروں کے محدود استعمال یا وقتی طور پر ہتھیاروں کے استعمال کی پابندی کا معاہدہ کر سکتا ہے۔تاہم یہاں یہ سوال بھی ہوتا ہے کہ عصر حاضر میں ایٹمی ہتھیاروں کی بندش کے عالمی معاہدات کے تحت بعض ہتھیاروں کی خرید ممنوع ہے اور ایسی خرید و فروخت کو عالمی قوانین کی خلاف ورزی سمجھا گیا ہے۔۱۹۶۳ء میں امریکہ، روس اور برطانیہ کے معاہدہ کے تحت حالت امن میں زمین، زیر زمین (بحر میں) اور فضاء میں ایٹمی اسلحہ کے تجربات ممنوع قرار پائے اس معاہدہ کے مقاصد میں سے ایک مقصد ہتھیاروں کے پھیلاؤ کی روک تھام بیان کیا گیا ہے۔(۱۲۳)

اس مسئلے کو شرعی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو دلائل کی رو سے اسلامی ریاست کے لیے اسلحہ کی بندش کے معاہدات جائز نہیں۔کیوں کہ ایسے معاہدات اسلامی ریاست کے لیے ایٹمی اسلحہ سے محرومی کی صورت میں سامنے آتے ہیں جب کہ اسلامی ریاست اس بات کی پابند ہے کہ وہ دشمنوں کے خلاف ایسی تمام قوتوں سے لیس ہو جو اس کے دشمنوں کے پاس موجود ہیں تاکہ طاقت کا توازن رہے اور مقابل ریاست اسلامی سلطنت سے رعب و ہیبت کی کیفیت میں رہے۔نصوص قرآنی کا مطمع مقصود بھی یہی ہے۔آیت کریمہ (واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ)(۱۲۴) میں لفظ قوۃ سے تمام انواع کے ہتھیاروں کے حصول کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے۔

۸۔غیر مسلموں کے ساتھ تجارتی لین دین:

معاہدہ کی دفعہ نمبر ۴ سے پتہ چلتا ہے غیر مسلم معاہدین کے ساتھ تجارت کا لین دین کرنا جائز ہے۔قرآن مجید کی آیت بیع اپنے عموم کی وجہ سے اس کی دلیل کے طور پر پیش کی جا سکتی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا"(۱۲۵) "اور اللہ نے تجارت کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا۔"

رسول اللہ ﷺ کی کئی احادیث سے بھی غیر مسلموں کے ساتھ تجارت کے جواز کا پتہ چلتا ہے۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ:

"ان النبی ﷺ اشتری طعاماً من یھودی الی اجل و رھنہ درعہ من حدید"(۱۲۶)

"نبی ﷺ نے ایک یہودی سے ایک مدت کے لیے غلہ خریدا اور اس کے پاس اپنی لوہے کی زرہ رہن رکھی۔"

دوسری روایت میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ کا انتقال ہوا اور آپ کی زرہ یہودی کے پاس تیس صاع شعیر کے بدلہ میں رہن رکھی ہوئی تھی۔(۱۲۷)

ابن دقیق العید لکھتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ کفار سے معاملہ کرنا جائز ہے۔(۱۲۸) علاوہ ازیں حضرت ثمامہ بن اثال کا اہل مکہ کے لیے غلہ کی بندش اور آپ کا اس بندش کو ختم کرنے کا حکم دینا (۱۲۹) نیز خود رسول اللہ ﷺ کا ابوسفیان کو مکہ میں عجوہ کھجور بھیجنا اور ان سے کھالوں کا مطالبہ کرنا وغیرہ (۱۳۰) یہ تمام اس بات کے دلائل ہیں کہ غیر مسلموں سے تجارتی لین دین کرنے کی ممانعت نہیں۔

جمہور فقہاء، مالکیہ، احناف، شوافع، حنابلہ وغیرہ اس بات کے قائل ہیں کہ غیر مسلم حتی کہ حربی کے ساتھ بھی تجارتی لین دین کرنا جائز ہے البتہ یہ تجارت ایسی اشیاء کی نہیں ہونی چاہیے جس سے غیر مسلم کو براہ راست جنگی فائدہ پہنچے۔(۱۳۱)

نتائج:

معاہدہ حدیبیہ پر مذکورہ بحث سے مندرجہ ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

- ☆ معاہدہ صلح حدیبیہ مسلمانوں کے لیے فتح مبین ثابت ہوا۔
- ☆ سفیر قوم کا بااختیار نمائندہ ہوتا ہے جو کہ اس قوم کی طرف سے معاہدہ طے کرسکتا ہے۔
- ☆ سفیروں کے ساتھ حسن سلوک اور عزت واحترام کا معاملہ کرنا ضروری ہے۔
- ☆ امن کے قیام کے لیے جنگ سے قبل مذاکرات نہایت مستحسن عمل ہے۔
- ☆ غیر مسلم محاربین اگر صلح کی طرف مائل ہوں تو ان سے معاہدہ صلح کرنا بہتر ہے۔
- ☆ دو فریقوں کے مابین طے ہونے والے معاہدہ کا ریکارڈ رکھنا دونوں کے لیے ضروری ہے۔
- ☆ معاہدہ شکنی عظیم الشان جرم ہے۔
- ☆ معاہدے کے کسی حصے کی خلاف ورزی معاہدہ شکنی کے مترادف ہوگی۔
- ☆ معاہدہ امن کے بعد ایک دوسرے کی جان، مال اور عزت کو نقصان پہنچانا جائز نہیں۔
- ☆ غیر مسلموں کے ساتھ خارجی تعلقات کی بنیاد "امن" ہے۔
- ☆ اسلامی ریاست غیر مسلموں کے ساتھ مؤقت اور غیر مؤقت صلح کے معاہدات طے کرسکتی ہے۔
- ☆ مسلمانوں کی منفعت ومصلحت کی صورت میں غیر مسلموں کے ساتھ جنگ بندی کا مؤقت اور طویل معاہدہ کیا جاسکتا ہے۔
- ☆ مصالح مسلمین کی خاطر محارب کو کچھ دے کر صلح کرنا بھی جائز ہے۔
- ☆ غیر مسلموں کے ساتھ صلح کا معاہدہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ مسلمانوں کا اجتماعی مفاد مجروح نہ ہو۔
- ☆ ریاست کے دارالحکومت میں امن وامان کے خصوصی قوانین کا نفاذ کیا جاسکتا ہے۔

☆ بے گناہ اور جنگ سے لاتعلق رہنے والے شہریوں کو جنگی نقصان سے بچانے کی خاطر غیر مسلموں کے ساتھ پرامن علاقہ (No War Zone) کا معاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

☆ مصالح مسلمین کی خاطر ہتھیاروں کے استعمال کی پابندی کا معاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ البتہ ہتھیاروں کے حصول کی پابندی کا معاہدہ کرنا جائز نہیں۔

☆ غیر مسلموں کے ساتھ تجارتی لین دین کرنا جائز ہے۔

☆ دوسرے ممالک میں جانے کے لیے وہاں کے قوانین کی پابندی کرنا ضروری ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ صلح حدیبیہ شارع اسلامؐ کے بےنظیر تدبر اور فراست کا شاہکار ہے۔ یہ اسلام کی صلح جوئی اور امن پسندی کا لاجواب نمونہ ہے۔ پرامن بقائے باہمی اور بیرونی تعلقات کے قیام کا اس سے بہتر نمونہ ملنا دشوار ہے۔ یہ رسول اکرم ﷺ کی امن پسندی کا شاہکار ہے دنیا کا کوئی سیاسی دماغ ایسی حالت میں اس قسم کی شرائط منظور نہیں کرسکتا جب کہ اس کے ساتھ ایک جانباز فوج بھی ہو، لیکن آپؐ نے اسلام کے مطمع نظر کی تکمیل کے لیے اس معاہدے کی پوری پوری پابندی کی۔ حالانکہ حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ جیسے جانباز کمانڈر اس ظاہر میں نظر آنے والی کمزور صلح کے خلاف تھے جسے بعد ازاں قرآن حکیم نے "فتح مبین" قرار دیا اور جو درحقیقت فتح مکہ کا دیباچہ قرار پائی۔

اسلامی تاریخ اس پر متفق ہے کہ حدیبیہ کا یہی وہ معاہدہ اور صلح نامہ ہے جس نے فضا کو بدل دیا، عرب کے لوگوں کو یہ معلوم ہوگیا کہ اسلام انسانیت اور امن کا پیغام ہے اور مسلمان اس راہ میں اس حد تک صادق ہیں کہ انہوں نے وحشیانہ تشدد کے باوجود قیام امن کی کوششوں کو ترک نہیں کیا انہوں نے اپنی جانیں گنوادیں مگر اس یقین کا دامن نہیں چھوڑا جس کا منشا تمام دنیا کو اپنے حلقۂ اثر میں لینا تھا۔ (۱۳۲) صلح حدیبیہ سے ثابت ہوجاتا ہے کہ اسلام کی اشاعت میں تشدد کو کوئی دخل نہ تھا مسلمان اصولاً کبھی جارحیت پسند نہیں رہے اور عہد رسالتؐ سے خلافت راشدہؓ تک مسلمانوں نے جو بھی جنگ کی وہ دفاعی تھی، اس کا مقصد قیام امن تھا اور اس سے فتنہ پردازوں کی سرکوبی مقصود تھی، تاکہ وہ مسلمانوں کو نرم چارہ نہ سمجھیں اور کفار و مشرکین یا اہل کتاب اسلام کو ایک ناقابل شکست قوت سمجھیں۔ (۱۳۳)

یہی وجہ ہے کہ صلح حدیبیہ کا برقی اثر پورے عرب پر ہوا اور معاہدے کی وہ دفعات بھی کفار کے مفادات کے خلاف پڑیں جنہیں وہ اپنے حق میں سمجھتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مصالحت کے ماحول میں اس کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے کہ دو سال بعد ہی جب رسول اکرم ﷺ کی قیادت میں یہ کاروان اسلام کفار کی عہد شکنی کا سبق ان کو دینے کے لیے مکہ کی طرف بڑھا تو کوئی مزاحمت کرنے والا نہیں تھا اور ان لوگوں نے بھی توحید کا کلمہ پڑھ لیا جو اب تک کلمہ گویوں پر یورش کرتے رہے تھے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اسلام کو حالت جنگ نہیں، حالت امن راس آتی ہے بشرطیکہ اہل اسلام ایک طرف اسلام کے دشمنوں سے مقابلہ کرنے کی طاقت کا اظہار کریں اور دوسری طرف ان سے اپنے اخلاق کردار کا لوہا منوالیں۔ ایمان کی جرأت وفراست کا یہی کامیاب مرکب صلح حدیبیہ کے موقع پر دنیا کی نگاہوں کے سامنے آیا لہٰذا معاہدہ حدیبیہ کی بدولت دو حربی قوتوں مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان

پر امن بقائے باہمی کا معاہدہ خالصتاً رسول اکرم کی سیاسی بصیرت، امن پسندی، تدبر اور حکمت عملی کے نتیجے میں مسلمانوں کو دور رس اور فیصلہ کن ثمرات حاصل ہوئے جو نتیجے کے طور پر اسلام کی عالمگیر ترویج و اشاعت کا سبب قرار پائے اور مکے کی فتح مبین کا سامان بنے، جنگ بندی کے نتیجے میں مسلمانوں کو نادیدہ فوائد حاصل ہوئے اور اس مدت میں جو کم و بیش تین سالوں پر محیط ہے مسلمانوں نے پر امن ذرائع سے اپنی مملکت کو تقریباً دس گنا پھیلا کر پورے جزیرہ نما عرب کو اپنا مطیع اور زیر فرمان بنالیا۔ (۱۳۳)

''صلح حدیبیہ'' تحریک اسلام کی درخشندہ تاریخ کا نقطۂ آغاز ہے اس نے سارے عرب میں اسلام کے ثقافتی انقلاب کے لیے زمین ہموار کردی، اسی لیے قرآن حکیم نے ''صلح حدیبیہ'' کو ''فتح مبین'' سے تعبیر کیا ہے۔

سیرت نگار ڈاکٹر نصیر احمد ناصر ''صلح حدیبیہ'' کے بعض اہم نتائج و عواقب کی طرف اجمالی اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قریش جواب تک مسلمانوں کو مفرور اور کم تر سمجھتے تھے اور ان کے علیحدہ قومی تشخص اور آزاد حیثیت کو تسلیم نہیں کرتے تھے، اس معاہدے کی رو سے انہوں نے نہ صرف یہ سب کچھ بلکہ مدینے کی اسلامی ریاست کو بھی تسلیم کرلیا، یہ دونوں باتیں وہ تھیں جن کا قریش تصور بھی نہیں کرسکتے تھے لہٰذا یہ ان کی زبردست ذہنی اور سیاسی شکست تھی اور یہی آپ کا مطمح نظر بھی تھا۔ ان کی یہ شکست خوردہ ذہنیت ہی تھی جس کی وجہ سے انہوں نے بالآخر بغیر مزاحمت کے مکے کو مسلمانوں کے حوالے کردیا اور شکست قبول کرلی۔

قریش کے سامنے کوئی نصب العین نہ تھا لہٰذا صلح کے بعد مسلمانوں کی دشمنی اور مخالفت کا جذبہ سرد پڑا تو وہ مردہ اقوام کی طرح نشاط غفلت میں مست ہوگئے اس کے برعکس مسلمان ایک زندہ و بیدار قوم تھے اور ان کے سامنے ایک واضح نصب العین تھا یعنی تحریک اسلام کے ذریعے ایک عالمگیر ثقافتی یا دینی انقلاب لانا، لہٰذا انہوں نے سچے، سرگرم اور جان باز انقلاب پسند مجاہدوں کی طرح اسلام کی تحریک انقلاب کو جاری رکھا اور اس صلح کی بدولت انہیں بے خوف و خطر ہو کر عرب کے گوشے گوشے میں اسلام کی ترویج و اشاعت کا موقع مل گیا۔

رسول اکرم ﷺ چونکہ تمام اقوام عالم کے لیے رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث کیے گئے تھے لہٰذا آپؐ نے قریش سے فراغت پاتے ہی دوسرے ممالک کی طرف توجہ فرمائی اور ان کے حکمرانوں کو دعوت اسلام دی، اس طرح آپؐ نے باہر کی دنیا کو، اسلام سے روشناس کرانے کی کوششوں کا آغاز کیا۔

''صلح حدیبیہ'' کی بدولت جہاں مسلمانوں کے دلوں میں خود اعتمادی اور حوصلوں میں توانائی بدرجہ اتم پیدا ہوئی، وہاں نصاریٰ اور ان کے حلیف بت پرست قبائل کی ہمتیں پست ہوگئیں اور ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب بیٹھ گیا اور مسلمانوں کو آسانی سے انہیں مغلوب کرنے کا موقع مل گیا قریش کے سرداروں اور مذہبی پیشواؤں نے اہل مکہ اور بدویوں کو اسلام، پیغمبر اسلام اور مسلمانوں سے بدظن کرنے کی خاطر ان سے بہت سی لغو و بے بنیاد باتیں منسوب کر رکھی تھیں، معاہدہ امن و صلح کی بدولت جب انہیں مدینے جا کر رحمۃ للعالمین اور مسلمانوں سے کھل مل کر ملنے کا اور دین سمجھنے کا موقع ملا تو ان کے دلوں میں اسلام اور پیغمبر اسلامؐ سے عقیدت پیدا ہونے لگی اور وہ برضا و رغبت اسلام میں داخل ہونے لگے، علاوہ بریں مسلمانوں نے زندگی کے ہر شعبے میں حیرت انگیز ترقی کی تھی، اسے دیکھ کر بھی لوگ مرعوب و متاثر ہوتے تھے۔ نیز اسلام کی ثقافتی زندگی میں بھی لوگوں کے لیے

بڑی کشش تھی۔

دفاعی نقطۂ نظر سے اس معاہدے کا بنیادی مقصد یہود اور دیگر دشمن قبائل کو قریش کی امداد وحمایت سے محروم کر کے ان کے ریشہ دوانیوں اور فتنوں کا استیصال کرنا اور ان سے اسلام کو جو مستقل خطرہ لاحق تھا، اسے ہمیشہ کے لیے دور کرنا تھا۔ چنانچہ قریش سے صلح ہوتے ہی آپؐ سب سے پہلے خیبر کے یہود کی طرف متوجہ ہوئے جو جنگ احزاب کے ذمے دار تھے اور سارے عرب کو مسلمانوں کا استیصال کرنے کی خاطر متحد کر کے مدینے پر چڑھا لائے تھے اصل یہ ہے کہ جنگ احزاب کے تھوڑے ہی عرصے بعد قریش کو صلح کے لیے مجبور کر دینا آپؐ کے تدبر اور سیاسی حکمت عملی کی ایک واضح فتح (فتح مبین) تھی۔

اس اعتبار سے ''معاہدہ حدیبیہ'' آپؐ کے تدبر بے مثال کا ایک مثالی شاہکار تھا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ تحریک اسلام قریش اور یہود سے نجات ملتے ہی وہ حیرت انگیز ترقی کرنے لگی اور تین برس کے اندر اندر سارے جزیرہ نمائے عرب میں پھیل گئی اور اسے مسخر کرلیا بقول ڈاکٹر محمد حمید اللہ ''مسلمانوں کے لیے سخت ترین نازک زمانے میں ''حدیبیہ'' میں قریش کا اس صلح پر آمادہ ہو جانا اسلامی سیاست خارجہ کی ایک واقعی ''فتح مبین'' اور ''نصر عزیز'' تھی جس کے باعث ان کے ہاتھ کھل گئے اور فوری خطرات سے نجات ملنے پر انہوں نے آزادی کے ساتھ تین ہی سال میں پر امن ذرائع سے اپنی مملکت کو تقریباً دس گنا پھیلا کر پورے جزیرہ نمائے عرب کو اپنا مطیع بنالیا اور وہاں سے رومی اور ایرانی اثرات کو بالکل خارج کر کے ایک ایسی مستحکم ریاست قائم کردی جو پندرہ ہی سال میں تین براعظموں پر پھیل گئی اور جو اس سے ٹکرایا پاش پاش ہو کر رہ گیا اور جس نے سر تسلیم خم کیا وہ اسلام کی رنگ وزبان سے بالا قومیت میں برابری کے حصے کے ساتھ شریک ہو گیا یہی وہ ''صلح حدیبیہ'' ہے جسے عہد نبوی کی سیاست خارجہ کا شاہکار کہنا چاہیے۔ (۱۳۵)

(معاہدہ حدیبیہ کا متن رسول اکرم کی سیاسی زندگی از ڈاکٹر محمد حمید اللہ ص ۱۰۷، ۱۰۹ پر بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ (۱۳۶)

مذکورہ بالا دونوں معاہدوں کی بنیاد پر ائمہ فقہ نے جنگ وصلح کے بے شمار مسائل مستنبط کیے ہیں اور اسی سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ اسلام کے نزدیک اصل چیز امن وصلح ہے جنگ مجبوری کی صورت میں کی جاتی ہے۔ (۱۳۷) یہی وجہ ہے کہ آنحضرتؐ نے شروع ہی سے ایک عام مصالحتی انداز اختیار کیا تا کہ لوگوں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ مفاہمت کی راہیں کھلیں اور اسلام کی رحمت و برکت عوام وخواص پر مسلمانوں کے قول وفعل سے خود ظاہر ہو۔ چنانچہ ورود مدینہ کی ابتداء ہی میں آپؐ نے قرب وجوار کے قبائل سے بھی امن وامان کے معاہدے کے لیے صحابہؓ کی مہمیں بھیجیں ان میں ایک جہنیہ کا قبیلہ تھا جو مدینہ سے تین منزل پر آباد تھا ان سے معاہدہ ہوا کہ وہ فریقین سے یکساں تعلق رکھیں گے اور کسی کش مکش میں غیر جانب دار رہیں گے پھر آپؐ نے سرحدی قبیلہ بنو ضمرہ سے یہ معاہدہ کیا۔

''ان لوگوں کا جان ومال محفوظ رہے گا اور جو شخص ان پر حملہ کرے گا اس کے مقابلے میں ان کی مدد کی جائے گی، بجز اس صورت میں کہ یہ لوگ مذہب کے مقابلے میں لڑیں اور پیغمبرؐ جب ان کو مدد کے لیے بلائیں گے تو یہ مدد کو آئیں گے۔'' (۱۳۸)

یہی معاہدہ بنو ضمرہ کے حلیف بنو مدلج سے ہوا۔

غزوہ خیبر کے موقع پر جب یہودیوں کا زرخیز اور اہم قلعہ قموص فتح ہوا (۷۔۶ھ میں) تو ان کی درخواست پر حضور اکرم ﷺ نے

معاہدہ کرلیا کہ زمین یہود کے پاس رہے گی اور وہ سالانہ پیداوار کا نصف حصہ مسلمانوں کو ادا کریں گے چنانچہ حضرت عبداللہ بن رواحہ وقت پر وہاں جاتے اور پیداوار کے دو بالکل برابر حصے کر کے یہود سے کہتے کہ وہ جو حصہ لینا چاہیں وہ لے لیں، اس انصاف پر یہود حیران ہو کر اظہار خیال کرتے:

''زمین اور آسمان ایسے عدل سے قائم ہیں۔'' (۱۳۹)

سن ۷ ھ میں نبی کریم ﷺ نے خیبر، فدک، وادی القریٰ اور تیماء کے یہودیوں سے مصالحت کی جب کہ کفار و مشرکین سرنگوں ہو چکے تھے اور حجاز میں اسلام کی فتح کے آثار نمایاں تھے۔ خاص مدینہ میں بنی قریظہ سے معاہدہ کا واقعہ اس لیے قابل ذکر ہے کہ جب انہوں نے بدعہدی کی تو عبرت ناک سزا پائی۔

معاہدۂ نجران...... غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کی تاریخی دستاویز:

فتح مکہ کے بعد ۹ ہجری میں، نجران کے عیسائیوں نے مدینہ آ کر مصالحت کی درخواست کی تو ان کی یہ درخواست قبول کر لی گئی، عہد رسالت میں اسلام اور مسلمانوں کے تیسرے بڑے حریف اور مخالف مذہب عیسائی تھے۔ جزیرۃ العرب میں عیسائیوں کے مختلف مراکز تھے جن میں سب سے بڑا مرکز نجران تھا جب پورا جزیرہ عرب دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا تو نجران اور دوسرے علاقے کے عیسائیوں نے رسول اکرم ﷺ کے پاس معاہدہ صلح کے لیے اپنا وفد روانہ کیا، اس وقت مسلمان اس پوزیشن میں تھے کہ اگر چاہتے تو چند دن میں ان مقامات کو زیرنگیں کر لیتے لیکن رسول اکرم ﷺ نے ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی اور ان کو اپنے مذہب و مسلک پر رہنے کی پوری آزادی دے کر ان سے گویا مصالحت کر لی۔ آپ کا یہ صلح نامہ سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں آج بھی موجود ہے۔ ''معاہدہ نجران'' غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کی تاریخی دستاویز ہونے کے ساتھ ساتھ عقیدہ و عمل کی آزادی، رواداری اور امن پسندی کی اساس ہے۔

اس معاہدے کی بدولت عیسائی اقلیت کو جو حقوق حاصل ہوئے وہ درج ذیل ہیں:

- ☆ ان کی جان محفوظ رہے گی۔
- ☆ ان کی زمین، جائیداد اور اموال ان کے قبضے میں رہیں گے۔
- ☆ ان کے مذہبی نظام میں تبدیلی نہیں کی جائے گی۔
- ☆ مذہبی عہدیدار اپنے عہدوں پر برقرار رہیں گے۔
- ☆ صلیبوں اور سورتوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے گا۔
- ☆ ان کی کسی چیز پر قبضہ نہیں کیا جائے گا۔
- ☆ ان سے فوجی خدمت نہیں لی جائے گی۔
- ☆ اور نہ پیداوار کا عشر (دسواں حصہ) لیا جائے گا۔

☆ ان کے ملک میں فوج نہیں بھیجی جائے گی۔

☆ ان کے معاملات اور مقدمات میں پورا پورا انصاف کیا جائے گا۔

☆ ان پر کسی قسم کا ظلم نہ ہونے پائے گا۔

☆ کوئی ناکردہ گناہ کسی مجرم کے بدلے میں نہیں پکڑا جائے گا۔

☆ نہ انہیں کوئی ظالمانہ زحمت دی جائے گی۔

(معاہدہ نجران کا متن بلاذری کی مشہور کتاب فتوح البلدان ص ۲۷، دار النشر، قاہرہ، ۱۹۵۷ء، پر بھی دیکھا جاسکتا ہے۔(۱۴۰)

عہد رسالت میں رسول اکرم ﷺ کے غیر مسلموں سے کیے گئے مندرجہ بالا معاہدات قابل ذکر اہمیت کے حامل ہیں جو اسلام کی پوری تاریخ میں غیر مسلم دنیا سے مسلم حکومتوں کے سیاسی، سفارتی یا کسی بھی سطح پر کیے جانے والے معاہدات اور سمجھوتوں کے حوالے سے رہنما اصول کی حیثیت رکھتے ہیں تاریخ عالم میں کسی غالب قوت نے کسی کمزور طبقے کے ساتھ مصالحتی معاہدہ میں اتنی زیادہ رعاتیں کبھی نہیں کی ہیں۔ ایک بڑھتی ہوئی طاقت کی طرف سے ایک غیر مذہب کے ماننے والوں کے ساتھ اتنی باوقار مراعات بے نظیر ہیں اور ان سے واضح ہوتا ہے کہ دنیا میں اسلام کی ترویج و اشاعت اس کی زبردست اخلاقی قوت اور عادلانہ طریقہ کار کے سبب ہی ہوئی۔(۱۴۱)

آج معاہداتی سیاست کا دور ہے۔ بین الاقوامی ادارہ یونائیٹڈ نیشنز بھی دنیا کے ممالک و اقوام کے ایک معاہدے پر مبنی ہے۔ لیکن معاہدہ کیسا ہوتا ہے اور اس کی پابندی کس طرح کی جاتی ہے اس کا سبق اکیسویں صدی کو ساتویں صدی عیسوی کے ان معاہدات سے سیکھنا ہے جو حضرت محمد ﷺ نے مختلف قوموں قبیلوں اور فرقوں کے ساتھ کیے۔ اس سلسلے میں جو تاریخی واقعات اور حقائق گزشتہ سطور میں بیان کیے گئے ہیں ان کا تجزیہ کرنے سے حسب ذیل نکات آشکار ہوتے ہیں، جن پر موجودہ دنیائے انسانیت کو غور کرنا چاہیے تاکہ مستقبل میں عالمی امن وسلامتی کا موثر انتظام ہو سکے۔

اول: فریقوں کی طاقت وحیثیت کا لحاظ کیے بغیر انسانی رشتے سے برابری کی سطح پر گفت وشنید ہونی چاہیے۔

دوم: ہر حال میں عدل وانصاف سے کام لینا چاہیے۔

سوم: طاقتور کو کمزور کے ساتھ رعایت کرنی چاہیے۔

چہارم: طے شدہ شرطوں پر مضبوطی کے ساتھ عمل ہونا چاہیے۔

پنجم: ساری شرطیں علی الاعلان طے کی جائیں کوئی نکتہ خفیہ نہیں رکھا جائے۔

ششم: وقتی نفع ونقصان کا خیال نہیں کیا جائے، دور رس نتائج واثرات پر نگاہ رکھی جائے۔

ہفتم: معاہدات کی بنیاد نام نہاد قوم پرستانہ اغراض ومفادات پر نہیں رکھی جائے بلکہ اصول ونظریات اور عام انسانی فلاح پر رکھی جائے۔

عصر حاضر کے معاہدات مذکورہ بالا اوصاف وعناصر سے خالی ہیں اسی لیے ان میں جان نہیں اور وہ نہ تو پائیدار ثابت ہوتے ہیں نہ مفید، یہی سبب ہے پوری دنیا میں بڑھتی ہوئی بدامنی کا، ہر ملک اور ہر طبقے کو دوسرے سے خطرہ محسوس ہوتا ہے۔ باہمی اعتماد

مفقود ہے اور اطمینان ناپید، گفت وشنید کی گرم بازاری ہے۔ وفود کا تبادلہ ہوتا ہے اور خیالات کا بھی لیکن حاصل کچھ نہیں ہوتا۔ ہر فریق کو دوسرے کے مقابلے میں ذہنی عدم تحفظ ہے، لوگوں کی نیتیں صاف نہیں ہیں، یہ شبہات میں مبتلا ہیں۔ ایک باہمی دہشت کا توازن امن کے قرینوں کو کم سے کم اور جنگ کے آثار کو زیادہ سے زیادہ بڑھاتا چلا جا رہا ہے گروہ بندیاں ہو رہی ہیں سازشیں چل رہی ہیں۔ دفاع کے نام پر ہر ملک صرف حملہ آوری کی اپنی قوت میں اضافہ کر رہا ہے۔ بڑی طاقت یا طاقتوں کو کمزوروں کی کوئی فکر نہیں۔ مہلک سے مہلک ترین اسلحے ایجاد کیے جا رہے ہیں سائنس، صنعت اور ٹیکنالوجی کا سارا زور اسلحہ سازی اور جنگ بازی پر ہے بلا استثنا ہر ملک بڑی طاقت صرف طاقت کے لیے بننے کے چکر میں ہے ہر ملک کی دولت کا بیشتر حصہ اسی چکر میں صرف ہو رہا ہے عوام بیوقوف بنائے جا رہے ہیں۔ زمین سے آسمان تک پورا ماحول آلودہ ہو چکا ہے قدرت الٰہی کی عطا کردہ بے حساب نعمتیں غارت کی جا رہی ہیں۔ فضاء بالکل بگڑ چکی ہے ہواؤں میں زہر گھل رہا ہے دفاعی نظام اور عام تخفیف اسلحہ کا خواب اپنی تعبیر سے محروم ہو چکا ہے۔

یہ امن وامان اور صلاح وفلاح یا ترقی وعروج کا نہ تو تدبر ہے نہ ان کی تدبیر لہٰذا آج کی انسانیت کو اپنے بہترین مقاصد اور بلند عزائم کی تکمیل کے لیے تاریخ عالم کے مدبر اعظم (Greatest Statesman) حضرت محمد ﷺ کے انجام دیے ہوئے ان دانش مندانہ معاہدات کے مطالعے کی طرف رجوع کرنا پڑے گا جن کے نتیجے میں پورا عرب بھی آئے دن کی جنگوں سے نجات پا کر ایک ایسے پائدار اور ہمہ گیر امن سے ہم کنار ہوا جس نے روم وایران کی طاقت ورانہ جنگ بازیوں سے بھی عہد وسطیٰ کو چھٹکارا دلایا اور ایک ایسی فضا قائم کر دی جس میں ہونے والی انسانی ترقیات نے ہی دور جدید کے فروغ کی راہ ہموار کی یہاں تک کہ عروج آدم خاکی کی منزلوں کے نشانات بھی واضح کر دیے۔ معراج النبیؐ بجائے خود کائنات کی آخری سرحدوں تک بندہ رب العالمین (عبدہ) کے متوازن اور صالح ارتقاء کا ایک اشارہ ہے یہ رحمت للعالمین کی سیرت کا فیض ہے جس میں فتوحات اور معاہدات ہم معنی ہو جاتے ہیں۔

سا۱ھ سے ۹ھ کی مختصر مدت میں حضرت محمد ﷺ نے مختلف اوقات وحالات میں ایک طرف یہود ونصاریٰ سے معاہدات (Pacts) کیے تو دوسری طرف کفار مشرکین سے، یعنی حجاز یا عرب میں بسنے والی آبادی کے ہر اس فرقے اور طبقے سے جو اسلام کی حلقہ بگوش نہیں تھی بلکہ اسلام کی ترویج میں مزاحم تھی۔ قرآن ختم المرسلینؐ پر نازل ہو رہا تھا اور اس کے احکام وہدایات کی روشنی میں بیک وقت ایک مثالی معاشرے اور ایک مثالی ریاست کی قانون سازی ہو رہی تھی زمین پر اللہ کی بادشاہی قائم ہو رہی تھی اور مشرک قبائل سے لے کر اہل کتاب تک دنیا پرستانہ سیادت کا خاتمہ ہو رہا تھا، چنانچہ یہ سب مخالف ومعاند عناصر مدینہ سے ابھرنے والی اسلامی طاقت کے خلاف ہر قسم کی ریشہ دوانیاں اور محاذ آرائیاں کر رہے تھے۔ انہی عناصر کے ساتھ رسول اللہ ﷺ مصالحت کے معاہدے سیاسی سطح پر کر رہے تھے، یہاں تک کہ اللہ کے دین کی آخری شریعت کا نظام مکمل، غالب اور رائج ہو گیا۔ غیروں کے ساتھ یہ مصالحانہ رویہ نبی کریم ﷺ نے اس وقت بھی روا رکھا جب بے سروسامانی کے عالم میں انہوں نے مدینہ میں پہلا قدم رکھا تھا اور اس وقت بھی جب مرکز عرب، مکہ فتح ہو چکا تھا۔ تاریخ انسانی آج بھی حیرت کے ساتھ سوال کر سکتی ہے اس رویے کا

مطلب کیا تھا؟

اس سوال کا ایک ہی جواب ممکن، متوقع اور متصور ہے، وہ ہے عالم انسانیت میں قیام امن اور قیام عدل۔ ظاہر ہے کہ جس قائد اعظم ﷺ نے یہ رویہ اختیار کیا وہ کائنات کے سراپا رحمت تھے اور ان کی رسالت بلا امتیاز تمام انسانوں کے لیے تھی اسی لیے رب العالمین نے قرآن حکیم کی سورۂ انبیاء میں آپ کو ''رحمۃ للعالمین'' کا لقب عطا کیا۔ چنانچہ معاہدات صحیح معنوں میں اللہ تعالیٰ کے زیر ہدایت آفاقی کے لیے ایک نعمت تھے جس کے فلاحی اثرات پوری دنیا پر پڑے۔ ان معاہدات سے آفاقی رسول اللہؐ نے عالم انسانیت کے سامنے شہادت حق ادا اور اللہ کے کائناتی دین، اسلام کی حجت تمام کردی یہی معاہدات نبویؐ کی اصلی خصوصیت ہے۔

اس خصوصیت میں سبق مسلمانوں کے لیے بھی ہے، غیر مسلموں کے لیے بھی۔ یہی ہے دعوت اسلامی کی وہ ''حکمت'' جس کو اختیار کرنے کا حکم قرآن حکیم میں دیا گیا ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ کا نشان و معیار بھی یہی ہے۔ اسی کو کلام اللہ نے ''موعظہ حسنہ'' کہا ہے۔ یہ اللہ اور اس کے رسولؐ، ایمان کی ایک پہچان ہے جس کے کئی درجات ہیں فکر و بیان سے لے کر اظہار طاقت تک، احوال و مواقع کے مطابق، ایک تناسب اور توازن ہے حکمت دعوۃ الی اللہ حضرت محمد ﷺ کا ایک ''اسوۂ حسنہ'' ہے اور اس ''خلق عظیم'' کی ایک علامت ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا تھا۔ اکیسویں صدی کو اس کی ضرورت، ساتویں صدی سے کم نہیں، شاید زیادہ ہے۔ ہے کوئی خلافت علی منہاج النبوۃ یا قیادت ایک ارب سے زیادہ آبادی رکھنے والے پچاس سے زائد مسلم ممالک اور ملت میں جو سنت رسولؐ کی حکمت عملی (Strategy) کا نمونہ آج کی دنیا کے سامنے پیش کر سکے؟ یہی وہ سائنٹیفک تدبر ہے جس سے عالمی امن کے مظاہر ناقابل حل مسائل حل ہو سکتے ہیں اور ٹیکنالوجی ترقی کے تیسری جنگ کی طرف تیزی سے بڑھتے ہوئے قدم رک سکتے ہیں، بقول اقبال ایک ''جمعیۃ آدم'' نہ کہ ناکام اقوام متحدہ کے ذریعے!

﴿حواشی وحوالہ جات﴾

(۱) خضر راہ، بانگ درا، ص ۲۷
(۲) مکہ اور جنیوا، ضرب کلیم، ص ۵۲
(۳) عمر فروخ، تاریخ الجاہلیہ، دار العلم، بیروت، ۱۹۶۴ء، ص ۸۹
(۴) جرجی زیدان، العرب قبل الاسلام، قاہرہ، ۱۹۵۷ء، ص ۲۵۳
(۵) محمد ثانی، حافظ، ڈاکٹر، دور نبوی کے معاہدات امن وصلح اور عہد حاضر میں ان کا سیاسی اور دفاعی اہمیت، ماہنامہ تفسیر افکار، کراچی، شمارہ نمبر ۱، جون ۲۰۰۰ء، ص ۲۹
(۶) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر/ خطبات بہاولپور، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ص ۲۲۸، ۲۳۹
(۷) اسد سلیم شیخ، رسول اللہ کی خارجہ پالیسی، ص ۸۰
(۸) دیکھیے: الانفال ۳۳، ۲۸، الفتح/ ۲۸، ۲۱
(۹) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانشگاہ پنجاب لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۱۰/ ۱۹۶
(۱۰) ایضاً
(۱۱) جملہ معاہدات نبویؐ اور دیگر تفصیل کے لیے دیکھیے ! ڈاکٹر محمد حمید اللہ، الوثائق السیاسیۃ فی العہد النبوی والخلافت الراشدہ، لجنۃ التالیف والترجمہ، قاہرہ، ۱۹۴۱ء
(۱۲) ندوی، مجیب اللہ، اسلام کے بین الاقوامی اصول وتصورات، مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص ۶۸
(۱۳) ابن قدامہ/ المغنی ۲/ ۴۵۹، مطبوعہ بیروت
(۱۴) سورۃ النساء/ ۹۰
(۱۵) نیز دیکھیے ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی محررہ کتب:
☆ عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی، اردو اکیڈمی کراچی، ۱۹۸۷ء، ص ۷۶
☆ خطبات بہاولپور، ص ۲۳۶
☆ رسول اکرم کی سیاسی زندگی، دار الاشاعت کراچی، ۱۹۸۷ء، ص ۲۳۹
(۱۶) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی، ص ۵۷، ص ۱۰۵
(۱۷) ایضاً ص ۹۷-۹۸
(۱۸) محمد ثانی، حافظ، ڈاکٹر، دور نبویؐ کے معاہدات امن وصلح اور عہد حاضر میں ان کی سیاسی اور دفاعی اہمیت، ص ۳۷
(۱۹) ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، دار الفکر بیروت، جلد ۱، ص ۵۰۱-۵۰۴
(۲۰) اکرم ضیاء العمری، مدنی معاشرہ (عہد رسالتؐ میں) ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، جولائی ۲۰۰۵ء، ص ۳۶۶
(۲۱) ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، مطبعۃ الحلبی القاہرہ، ۳/ ۳۲۵، ابن قیم، زاد المعاد (تحقیق عبدالرزاق المہدی) دار الکتاب العربی، بیروت، ۲/ ۵۲۶ تا ۵۲۹) اس صلح پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عظیم فتح کی خوشخبری سنائی۔ (الفتح ۱)
(۲۲) القرآن الحکیم سورۃ الروم ۱
(۲۳) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، محمد حمید اللہ، رسول اکرم کی سیاسی زندگی، دار الاشاعت، کراچی، ص ۱۰۴-۱۰۵
(۲۴) مسلم، الصحیح، باب اجلاء الیہود من الحجاز، حدیث نمبر (۴۵۹۲، ۴۵۹۶)
(۲۵) البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الطائف، حدیث نمبر (۴۳۳۷)، ابن ہشام، م ن: ۲/ ۳۲۵، ۳۳۳، الواقدی، محمد، المغازی، موسسۃ الاعلمی للمطبوعات، بیروت، کتاب المغازی: ۲/ ۶۳۲
(۲۶) ملاحظہ ہوں قریش کی مسلمانوں کے خلاف بدر، احد، خندق وغیرہ کی جنگیں

(۲۷) السرخسی، المبسوط، دارالمعرفۃ بیروت، ۱۰/۸۶

(۲۸) بعض قبائل کے واقعات کے لیے ملاحظہ ہو، البخاری، الجامع الصحیح، کتاب المغازی، باب غزوۃ الرجیع، باب نمبر ۲۹ کی روایات العسقلانی، ابن حجر، فتح الباری بشرح صحیح بخاری، دارالمعرفۃ، بیروت، ۸/۲۶۰، ۷/۲۵۸

(۲۹) مسلم، الصحیح کتاب الجہاد، باب اجلاء الیہود من الحجاز، نیز باب جواز قتال من نقض العہد، حدیث نمبر (۴۵۹۲، ۴۵۹۶)

(۳۰) مثلاً ملاحظہ ہو واقعہ حلف الفضول، ابن ہشام، م ن ۱/۱۴۱، نیز قبل از اسلام مکہ میں سیاسی ادارے اور وزراتیں موجود تھیں، اہل مکہ حلیفی، وسفارتی اصول و ضوابط کے پابند تھے ملاحظہ ہو۔ ابن عبد ربہ، العقد الفرید، مطبعۃ لجنۃ التالیف والترجمۃ، قاہرہ ۱۹۵۳، ۳/۳۱۴، نیز الندوی، سلمان، تاریخ ارض القرآن، محمد سعید اینڈ سنز، کراچی، ۳۱۲، محمد حمید اللہ، عہد نبوی کا نظام حکمرانی، اردو اکیڈمی، سندھ، ص ۳۵

(۳۱) البخاری، کتاب المغازی، باب وفد بنی حنیفۃ، حدیث نمبر (۴۳۷۲)، ابن ہشام، م ن ۲/۶۳۹

(۳۲) اس کا اظہار ابوسفیان نے کیسے کیا؟ ملاحظہ ہو المبسوط (م ن) ۱/۹۲

(۳۳) ابن حبیب المحبر، طبع وزارۃ المعارف، سعودی عرب، ص ۸۸

(۳۴) البخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ مع اہل الحرب، حدیث نمبر (۲۷۳۱، ۲۷۳۲)

(۳۵) محمد حمید اللہ، مجموعۃ الوثائق السیاسۃ للعہد النبوی والخلافۃ الراشدۃ، دارالارشاد، بیروت، (طبع ثالث) ۱۹۶۹ء، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر ۱۱

(۳۶) القرآن الحکیم سورۃ الفتح ۱:

(۳۷) القرآن الحکیم سورۃ الفتح: ۱۸

(۳۸) الطبری، محمد بن جریر، جامع البیان (تفسیر طبری)، دارالمعرفۃ، بیروت، ۲۶/۵۵، ۵۶

(۳۹) القرآن الحکیم سورۃ الفتح: ۱۹

(۴۰) القرآن الحکیم سورۃ الفتح: ۲۰

(۴۱) روایات کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، تفسیر طبری، م ن: ۲۶/۵۵، ۵۷

(۴۲) القرآن الحکیم سورۃ الفتح: ۲۱

(۴۳) تفسیر طبری، ۲۶/۵۷، ۵۸، السہیلی، عبدالرحمٰن، الروض الانف، دارالنصر للطباعۃ، القاہرہ ۶/۴۶۸

(۴۴) الروض الانف، ۶/۴۶۸

(۴۵) نیز ملاحظہ ہو، ابن قیم، زادالمعاد، م ن، ۲/۵۳۶

(۴۶) القرآن الحکیم سورۃ الفتح: ۱۵، ۱۶، ملاحظہ ہو۔ تفسیر الطبری: ۲۶/۴۹

(۴۷) واقدی، کتاب المغازی، م ن: ۲/۸۰۰، نیز ابن ہشام: ۳/۳۴

(۴۸) ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۳/۳۲۵، ابن قیم، زادالمعاد: ۲/۵۲۶، ۵۲۹

(۴۹) صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ نے جب معاہدہ لکھوانا شروع کیا تو حضرت علیؓ سے فرمایا کہ لکھو "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" تو سہیل نے کہا کہ "ہم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" نہیں جانتے، آپ "باسمک اللھم" لکھیں۔ حضور اکرمؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا "اچھا یہی لکھ دو۔ چنانچہ "باسمک اللھم" ہی لکھا گیا (مسلم، الصحیح، کتاب الجہاد والسیر، باب صلح حدیبیۃ، حدیث نمبر (۴۶۳۱)، تفسیر الطبری، م ن: ۲۶/۵۹

(۵۰) (i) رسول اللہؐ نے جب "محمد رسول اللہ" لکھوانا چاہا تو سہیل نے دوبارہ مداخلت کی اور کہا خدا کی قسم! اگر ہم نے آپ کو اللہ تعالیٰ کا رسول مان لیا ہوتا تو ہم آپ سے جنگ ہی نہ کرتے۔ آپ محمد بن عبداللہ لکھیں اس پر رسول اللہؐ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کی قسم! میں یقیناً اللہ کا رسول ہوں چاہے تم تسلیم کرو یا نہ کرو۔" پھر آپؐ نے حضرت علیؓ کو محمد بن عبداللہ لکھنے کا حکم فرمایا۔ حضرت علیؓ نے اپنے ہاتھ سے اس کو مٹانے سے معذرت کردی چنانچہ رسول اللہؐ نے خود اسے مٹا دیا اور پھر "محمد بن عبداللہ" ہی لکھا گیا (مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب صلح حدیبیۃ، حدیث نمبر (۴۶۳۱)

(ii) اگر جنگ کرنا مسلمانوں کے مفاد میں نہ ہو تو امیر المسلمین غیر مسلم اہل حرب کی شرائط پر بھی صلح کر سکتا ہے مسلمانوں کے مفاد کے پیش نظر رسول اللہ اس موقع پر جنگ سے بچنا چاہتے تھے چنانچہ اس موقع پر آپؐ نے یہ ارشاد فرمایا کہ "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، کعبہ کے

اس تقدس اور حرمت کے سلسلے میں جو اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے آج قریش مجھ سے جو مطالبہ کریں گے میں اسے قبول کروں گا۔" (بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد، والمصالحۃ مع اہل الحرب وکتابۃ الشروط، حدیث نمبر (۲۷۳۱، ۲۷۳۲) نیز ملاحظہ ہو فتح الباری، م ن: ۳۲۹/۵)

(۱۱۱) حضرت علیؓ کا رسول اللہ" کا لفظ نہ مٹانا:

رسول اللہؐ نے حضرت علیؓ سے معاہدے میں لکھے ہوئے "رسول اللہ" کے الفاظ کاٹنے کے لیے فرمایا تو انہوں نے عرض کی کہ "میں ان الفاظ کو کاٹنے والا نہیں ہوں" علامہ نووی لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے جو کچھ کیا یہ ادب مستحب ہے، کیوں کہ ان کا گمان یہ تھا کہ نبی اکرمؐ نے ان الفاظ کو کاٹنے کا وجوبی حکم نہیں دیا اور اگر وجوبی حکم دیتے تو حضرت علیؓ سے حکم عدولی ممکن نہیں تھی۔ بعض علماء اس سے "الادب فوق الامر" کا ضابطہ بھی ثابت کرتے ہیں اور اس سلسلے میں حضرت ابوبکرؓ کا باوجود حکم نبوی کے نماز میں پیچھے ہٹنے کو بھی دلیل بناتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو، النووی، یحییٰ بن شرف، شرح مسلم، نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۷۵ھ، ۱۰۴/۲)

(۵۱) سہیل بن عمرو عرب کے نہایت فصیح و بلیغ مقرر تھے انہیں "خطیب قریش" کا خطاب دیا گیا تھا۔ جب یہ بطور سفیر بن کر مسلمانوں کے پاس آئے تو رسول اللہؐ نے فرمایا کہ سہیل کا آنا تمہارے لیے خوش آئند ہے۔ اب تمام معاملات آسان ہو جائیں گے۔ یہ فتح مکہ میں مسلمان ہوئے اور خلافت عمرؓ ۱۸ ہجری میں انتقال ہوا اور اسلام کے لیے بہت سی خدمات سرانجام دیں۔ مسند احمد، ۳۲۳/۲، ابن اثیر، عزالدین اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، دار الشعب، قاہرہ نمبر ۲۳۲۵)

(۵۲) غیر مسلم محاربین سے صلح:

مسلمانوں کے محاربین میں قریش سرفہرست تھے، ان کے ساتھ صلح کا معاہدہ کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ غیر مسلم کر صلح کی طرف مائل ہوں تو ان سے صلح کی جا سکتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "وان جنحوا للسلم فاجنح لها وتوكل على الله انه هو السميع العليم" (الانفال ۶۱) اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تو بھی صلح کی طرف جھک جا اور اللہ پر بھروسہ رکھ یقیناً وہ بہت سننے جاننے والا ہے۔"

(۵۳) صلح میں باہم یہ طے ہوا کہ "یامن فیھن الناس ویکف بعضھم من بعض" "لوگ آپس میں امن سے رہیں گے اور ایک دوسرے سے لڑائی نہیں کریں گے۔" معاہدے کی اس دفعہ سے معلوم ہوا کہ محاربین جب صلح کر لیں تو دوران صلح ان کا ایک دوسرے کو جانی و مالی نقصان پہنچانا جائز نہیں۔

(۵۴) اس شق سے مسلمانوں کے جذبات بہت مجروح ہوئے اور انہیں اس کا شدت سے ملال ہوا کہ قریش کے مظالم سے تنگ آ کر جو مسلمان بھاگ کر ان کے پاس آ جائے گا اسے واپس قریش کی تحویل میں دے دیا جائے گا۔ اس پر انہوں نے آپؐ سے عرض کیا "یا رسول اللہ (ﷺ)! کیا آپؐ معاہدے کی اس شق پر راضی ہیں۔"؟ رسول اللہؐ نے جواب دیا "ہاں! کیوں کہ جو شخص ہم سے بھاگ کر قریش کے پاس جائے گا اس کا ہم سے کوئی واسطہ نہیں اور جو شخص قریش سے بھاگ کر ہمارے پاس آئے گا اس کے لیے اللہ ضرور کوئی راستہ نکالے گا، چنانچہ دیکھا گیا کہ مکہ سے بھاگ کر آنے والوں کو مدینہ کی بجائے اہل مکہ کے تجارتی راستے پر قبضہ مل گیا جس سے اہل مکہ خوب پریشان ہوئے اور خود ہی اس شق کو ختم کرنے کی بات کی۔ (البیہقی، احمد بن الحسین، السنن الکبریٰ، مطبعۃ دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد ۱۳۵۴ھ، ۲۲۷/۹، نیز البخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد، والمصالحۃ مع اہل الحرب وکتابۃ الشروط، حدیث نمبر (۲۷۳۱، ۲۷۳۲) ص: ۲۱۷-۲۱۸، دلائل النبوۃ: ۲۳۳/۲، ۲۳۵)

(۵۵) یہاں "عیبۃ مکفوفۃ" کے الفاظ ہیں جن سے مراد یہ ہے کہ ہمارے درمیان اس صلح کو توڑنے کے لیے باہر سے کوئی غداری داخل نہ ہو سکے گی۔ الروض الانف میں ہے "ای صدور منطویۃ علی ما فیھا لا تبدی عداوۃ" (السہیلی، الروض الانف، ۲۸۸/۶) شرح الطیبی میں ہے "ای صدر نقیا من الغل والخداع مطویا علی حسن العھد والوفاء" (شرف الدین حسین بن محمد، شرح الطیبی علی مشکوۃ المصابیح، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی ۱۴۱۷ھ، ۸/۸۳، ۲۳۵/۵) مراد یہ ہے کہ ہمارے درمیان محفوظ عہد و پیمان ہے یعنی ایسے سینے ہیں کہ ان میں جو کچھ ہے وہ ان میں محفوظ ہے، وہ کسی قسم کی دشمنی کو ظاہر نہ کریں گے۔ آپؐ نے ایک موقع پر "عیبۃ" کے لفظ کو راز کی جگہ اور قابل اعتماد ہونے کے لیے بطور ضرب المثل بھی ذکر کیا ہے۔ (الروض الانف، ۲۸۸/۶)

(۵۶) یہاں "اغلال و اسلال" کے الفاظ ہیں اسل الشئی سے مراد ہے چپکے سے کوئی شے چرا لینا۔ "سل السیوف" سے مراد ہے تلوار سونتنا یعنی لڑائی کرنا۔ ضرب المثل بھی ہے "الخلۃ تدعو الی السلۃ" خصلت چوری کرنے کا سبب ہوتی ہے" (الروض الانف، ۲۸۹/۶، شرح الطیبی (م ن) ۸/۸۳، المنجد مادہ "سل")

(۵۷) (i) "اغلال" غل غلا وغلیلا دھوکے فریب والا ہونا "الغلول" مال غنیمت سے چوری کو بھی کہتے ہیں۔

(الزبیدی، تاج العروس مادہ "غل" سہیلی لکھتے ہیں "اغلال" سے مراد خیانت ہے (الروض الانف، ۲۸۹/۶)

ابن حجر لکھتے ہیں "لا اسلاب ولا اغلال" ای لا سرقۃ ولا خیانۃ" اور اس سے مراد یہ ہے کہ کسی قسم کی جانی و مالی خیانت خفیہ یا اعلانیہ نہ ہو گی۔ (والمراد ان یامن بعضھم من بعض فی نفوسھم واموالھم سرا وجھرا) (فتح الباری، م ن، ۲۵۲/۵)

(ii) اس شق سے واضح ہوا کہ معاہدہ کی پابندی کی جائے اور معاہدین کے معاملے میں کھلی اور خفیہ ہر دونوں طریقوں سے ایسے تمام امور سے احتراز کیا جائے جو کہ معاہدہ شکنی کا باعث بنیں۔

(۵۸) (i) اس کا واضح مطلب یہ تھا کہ جو افراد یا قبائل رسول اللہ کی اتباع کریں گے وہ قریش کے ظلم کا شکار نہ ہوسکیں گے چنانچہ یہ سن کر قبیلۂ خزاعہ نے فوراً کہا کہ ہم محمدؐ کے ساتھ اس معاہدہ میں شریک ہیں" (الروض الانف: ۶/ ۴۶۳، فتح الباری: ۵/ ۳۳۶)

(ii) اس معاہدہ سے قبل قریش نے مسلمانوں کو محض ایک بھگوڑا پارٹی کی حیثیت دی ہوئی تھی اسی بنیاد پر انہوں نے نجاشی سے مسلمانوں کو مکہ واپس کرنے کا مطالبہ بھی کیا تھا۔ علاوہ ازیں انہوں نے یہود مدینہ اور مشرکین مدینہ کو بھی یہ لکھا کہ ہمارے آدمیوں کو ہمارے حوالے کردو۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو (ابو داؤد، السنن، کتاب الخراج والفئے والامارۃ، باب فی خبر النضیر، حدیث نمبر (۳۰۰۴) معاہدہ کی بالخصوص اس شق سے قریش نے پہلی مرتبہ مسلمانوں کی سیاسی حیثیت کو تسلیم کیا اور ان سے مساوی سطح پر معاہدت طے کیے، جس کا فوری اظہار یہ ہوا کہ قبیلہ خزاعہ نے بلا خطر مسلمانوں کے ساتھ اتحاد کرلیا اور مسلمانوں سے باقاعدہ صلح کا معاہدہ بھی کیا (اس معاہدہ کا مکمل ذکر آئندہ صفحات میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے) (ابن ہشام ۳/ ۳۳۲، الروض الانف، ۶/ ۴۶۳، مجموعۃ الوثائق السیاسیہ، م ن، وثیقہ نمبر ۱۷۱)

(۵۹) کسی پابندی کی وجہ سے احرام کھولنے کی اجازت۔

معاہدے کی اس دفعہ کی رو سے رسول اللہؐ نے احرام اتار دیا اور حلق کروایا چنانچہ آپ کی دیکھ دیکھی تمام صحابہ بھی حالت حرام سے نکل گئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی آدمی کو عمرہ کرنے سے روک دیا جائے تو وہ ادائیگی عمرہ کے بغیر بھی حالت احرام سے باہر آسکتا ہے قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا" "اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر جو اس کی راہ پاسکتے ہوں اس گھر کا حج فرض کردیا ہے۔" (آل عمران ۹۷، نیز ارشاد نبوی ہے: "العمرۃ فی حج الاصغر" نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: "واتموا الحج والعمرۃ للہ فان احصرتم فما استیسر من الھدی" (البقرۃ ۱۹۶) "حج اور عمرے کو اللہ کے لیے پورا کرو، ہاں اگر تم روک لیے جاؤ تو جو قربانی میسر ہو اسے کر ڈالو۔"

کسائی، ابو عبیدہ اور اکثر اہل لغت کے نزدیک اس سے مرض یا نفقہ کا ختم ہوجانا یا دشمن کی وجہ سے پیدا ہونے والی رکاوٹ مراد ہے۔ جصاص اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ جمہور فقہاء کے نزدیک دشمن کی رکاوٹ کی بنا پر احرام کھولنا جائز ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، الجصاص، ابی بکر احمد بن علی، احکام القرآن، سہیل اکیڈمی، لاہور: ۱/ ۲۷۲، ۲۷۴)

عہد حاضر میں اس رکاوٹ کی ایک شکل یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اگر کسی نے غلط فہمی کی بنیاد پر احرام باندھ دیا اور سے ویزا کی سہولت میسر نہ آئی یا اس پر حکومتی جانب سے پابندی لگادی گئی تب بھی اس کے لیے احرام کھولنا جائز ہے۔

(۶۰) اس شق سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے ملک میں جانے کے لیے وہاں کی شرائط کی پابندی کرنا لازمی ہے۔

(۶۱) یہ شق صرف طبری نے ذکر کی ہے، ان کے علاوہ کسی دوسرے مصدر سے اس شق کی تصدیق نہیں ہوسکی۔

تفسیر طبری میں ہے "ولی ان ھذا الھدی حبسنا محلہ لانحرہ علینا فقال لھم رسول اللہ ﷺ نحن نسوقہ وانتم تردون وجوھھم فسار رسول اللہ ﷺ مع الھدی وسار الناس" (تفسیر الطبری، ۲۶/ ۵۵، مسند احمد ۴/ ۳۲۵ مزید ملاحظہ ہو، مجموعۃ الوثائق السیاسیہ، وثیقہ نمبر ۱۱)

(۶۲) ابن منظور الافریقی، لسان العرب، مادہ "سفر"

(۶۳) مجموعۃ الوثائق السیاسیہ، وثیقہ نمبر ۶۰ (نص ثانی)

(۶۴) الحسینی، السید محمد مرتضیٰ، تاج العروس، ۱۲/ ۳۱، مادہ "سفر"

(۶۵) الاصفہانی، الراغب، حسین بن محمد، المفردات فی غریب القرآن، ص: ۲۳۴ نیز "سفارۃ الرسول کعہ رۂ، مرسل" السرخسی، ۱۰/ ۲۹

(۶۶) Encyclopedia, Americana, USA, Americana Corporation, 1961, Vol.1, p.470

(۶۷) ایک حدیث میں ہے کہ "دشمن سے جنگ کی تمنا نہ کرو اور اللہ سے عافیت کا سوال کرو" صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب کراہۃ تمنی لقاء العدو، حدیث نمبر (۴۵۴۲)

(۶۸) زاد المعاد، م ن، ۲/ ۵۲۳

(۶۹) زاد المعاد، ۲/ ۵۲۹، ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، مکتبۃ المعارف، بیروت، ۴/ ۱۶۶

(۷۰) ابن ہشام، م ن ۳/ ۳۲۷، زاد المعاد، ۲/ ۵۲۸، قرآن مجید کی عمومی تعلیمات سے بھی سفراء کے لیے نرم گفتگو اور مجادلۂ حسنہ کا پتہ چلتا ہے۔ ارشاد باری

تعالیٰ ہے: "اذھبا الی فرعون انه طغی ہ فقولا له قولا لینا لعله یتذکر او یخشی" (طٰہٰ ۲۰: ۴۳-۴۴) نیز قرآن کی آیت "ولا تستوی الحسنة ولا السیئة ادفع بالتی ھی احسن" (فصلت: ۳۴، نیز النحل ۱۲۵) وغیرہ سے بھی اس کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

(۷۱) ابوداؤد، السنن، کتاب الجہاد، باب فی الرسل، حدیث نمبر (۲۷۶۱)

(۷۲) ابن ہشام ۳/۳۲۵، زاد المعاد: ۲/ ۵۲۸

(۷۳) ابن ہشام: ۳/ ۳۳۱، زاد المعاد: ۲/ ۵۲۹

(۷۴) القرآن الحکیم البقرہ۔ ۲۸۲

(۷۵) القرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۳/ ۳۷۷، ۳۷۸ نیز ابن کثیر، ابو الفداء عماد الدین اسماعیل تفسیر القرآن العظیم، مطبعۃ المنار، قاہرہ، ۱۳۴۶ھ: ۱/ ۳۳۶

(۷۶) محمد رشید رضا، تفسیر المنار: ۳/ ۱۰۰، ۱۰۵، قرآن مجید کی بعض دیگر آیات مثلاً "بایدی سفرۃ ہ کرام بررۃ" (عبس، ۱۵-۱۶) "سفرۃ" سے مراد محرر ہے۔ لسان العرب، مادۃ "سفر" اور "اذھب بکتبی ھذا" (النمل، ۲۸) سے بھی لکھی ہوئی دستاویز کی اہمیت کی طرف اشارہ ہے۔

(۷۷) الواقدی، کتاب المغازی، ۲/ ۶۱۲ معاہدہ حدیبیہ کی دو نقول تیار کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ معاہدہ میں پختگی اور توثیق نیز ممکنہ غلط فہمی وغیرہ سے بچنے کے لیے معاہدہ کی تحریر کا فریقین کے پاس ہونا ضروری ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو (احمد ابو الوفا محمد، المعاہدات الدولیۃ فی الشریعۃ الاسلامیۃ، ص ۳۵)

(۷۸) القرآن الحکیم سورہ البقرہ: ۲۸۲

(۷۹) ابن ہشام: ۳/ ۳۳۳

(۸۰) القرآن الحکیم سورۃ التوبہ: ۴

(۸۱) القرآن الحکیم سورۃ التوبہ ۷

(۸۲) ابن القیم، احکام اہل الذمۃ، دار العلم للملایین، بیروت ۱۹۸۳ء، ۲/ ۴۸۲، ۴۸۳

(۸۳) ابن ہشام: ۳/ ۳۳۲

(۸۴) ملاحظہ ہوں معاہدات، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، معاہدہ نمبر ۹۴، ۱۵۱، ۱۵۹، ۱۹۰، ۱۹۴، ۱۹۶، ۱۷۱، ۱۸۹ وغیرہ

(۸۵) القرآن الحکیم سورۃ التوبہ: ۵

(۸۶) القرآن الحکیم سورۃ آل عمران: ۱۳۹

(۸۷) ابن قدامہ، المغنی: ۸/ ۴۵۹

(۸۸) الشیبانی، السیر الکبیر، ۱/ ۱۹۰، ۱۹۴، ابن قدامہ، المغنی، ۹/ ۲۸۶، ۲۸۷، ۸/ ۳۳۵

(۸۹) ملاحظہ ہوں مجید خدوری "War and peace" ص ۲۴۱، ۲۵۰، ۲۵۱

(۹۰) اس سے مراد صلح حدیبیہ ہے جس کی مدت صلح دس برس تھی اسی بنیاد پر شوافع زیادہ سے زیادہ مدت صلح کو دس برس قرار دیتے ہیں۔ الشافعی، محمد بن ادریس، الام، دار المعرفۃ والنشر، بیروت، ۱۹۷۳ء، ۴/ ۲۰۰

(۹۱) (جب حرام مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو) (التوبہ: ۵)

(۹۲) اور اگر وہ (دشمن) سلامتی اور امن کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کے لیے آمادہ ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ کرو (الانفال: ۶۱)

(۹۳) ابن رشد الحفید، بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد، مطبعۃ الاستقامۃ، ۱۳۷۱ھ، ۱/ ۳۱۳

(۹۴) ابن قدامہ، المغنی، ۸/ ۴۶۰ نیز، شافعی، کتاب الام ۴/ ۲۰۰

(۹۵) زاد المعاد: ۲/ ۵۸۵، ۴۶۹

(۹۶) فقہاء کی آراء کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، ابن قدامہ، المغنی، ۸/ ۴۶۰۔ نیز ملاحظہ ہوں البہوتی، کشاف القناع علی متن الاقناع، مطبعۃ انصار السنۃ ۳/ ۸۸، فتح القدیر ۴/ ۲۹۳، الدسوقی، محمد بن احمد بن عرفۃ المالکی، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر للدردیر، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۶ء، ۲/ ۵۲۷، نیل الاوطار ۸/ ۲۰۲

(۹۷) عمدۃ القاری، ۱۵/ ۱۰۵

(۹۸) القرآن الحکیم سورۃ النحل: ۹۱

(۹۹) القرآن الحکیم سورۃ المومنون، ۸

(۱۰۰) البخاری، کتاب الجزیۃ والموادعۃ، باب اثم الغادر للبر والفاجر، حدیث نمبر (۳۱۸۸)

(۱۰۱) البخاری، م ن، حدیث نمبر (۳۱۷۸)

(۱۰۲) ابن ہشام: ۳/ ۳۳۷

(۱۰۳) ابن ہشام (م ن) نیز زادالمعاد ۲/ ۵۳۰

(۱۰۴) المبسوط ۱۰/ ۸۸، نیز البحر الرائق ۵/ ۷۹

(۱۰۵) النساء، ۹۲ تفسیر کے لیے ملاحظہ ہو، الرازی، فخر الدین، مفاتیح الغیب (تفسیر الکبیر) المطبعۃ الخیریۃ، ۱۳۰۷ھ، ۳/ ۳۸۸، تفسیر المنار، ۵/ ۳۳۳

(۱۰۶) الزحیلی، آثار الحرب، دار الفکر، دمشق، ۱۹۹۲ء، ۳۹۰ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، شرح السیر الکبیر ۵/ ۱۷۸۲، الخرشی حاشیۃ الخرشی: ۳/ ۱۵

(۱۰۷) مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب صلح الحدیبیۃ، حدیث نمبر (۴۶۳۱)

(۱۰۸) ابوعبید کتاب الاموال فقرہ: ۴۴۳، ابوعبید نے اس واقعہ کے ذیل میں حضرت علیؓ کا اثر بھی نقل کیا ہے کہ عراق میں حروریوں کی ایک باغی جماعت تھی جن سے مذاکرات کرنے کے لیے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو بھیجا گیا تو ان باغیوں نے دیگر اعتراضات کے ساتھ ایک اعتراض یہ بھی کیا کہ حضرت علیؓ نے اپنے مخالفین کے ساتھ معاہدے میں "امیر المومنین" کا لقب مٹا دیا اس کا مطلب ہے کہ وہ "امیر الکافرین" ہو گئے۔ اس کے جواب میں حضرت ابن عباسؓ نے صلح حدیبیہ کی وہ شرط بیان کی جس کے مطابق آپؐ نے "محمد رسول اللہ" کے بجائے "محمد بن عبداللہ" لکھ دیا تھا۔ ابوعبید، کتاب الاموال، طبع القاہرۃ، ۱۳۵۳ھ (م ن) فقرہ: ۴۴۳

(۱۰۹) زادالمعاد ۲/ ۵۳۳

(۱۱۰) القرآن الحکیم سورۃ الاحزاب: ۱۰

(۱۱۱) ابن ہشام ۳/ ۳۳۴، فقہاء کی آرا کے لیے ملاحظہ ہو، ابوعبید، کتاب الاموال، فقرہ: ۴۴۴، نیز فتح الباری، ۵/ ۳۰۷، ابوعبید نے اس کے جواز میں حضرت معاویہؓ کا اثر بھی نقل کیا ہے کہ انہوں نے بھی اپنے عہد حکومت میں ایسا کیا تھا۔ ابوعبید (ن م) فقرہ: ۴۴۴

(۱۱۲) شرح السیر ۴/ ۴

(۱۱۳) المغنی، ص ۸/ ۳۶۰-۳۶۱

(۱۱۴) الطبری، اختلاف الفقہاء، ۷/ ۱۸

(۱۱۵) ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم الحنفی، الاشباہ والنظائر، دار الفکر، بیروت، ص ۱۰۸، الحموی، احمد بن محمد، شرح الاشباہ والنظائر لابن نجیم، (غمز عیون البصائر) ادارۃ القرآن، کراچی: ۱/ ۲۵۱

(۱۱۶) زادالمعاد ۲/ ۵۳۵

(۱۱۷) فتح الباری: ۵/ ۲۵۴

(۱۱۸) شرح السیر: ۳/ ۹۴

(۱۱۹) العینی، شرح العینی ۷/ ۱۱۰-۱۱۱، ابن حجر، فتح الباری، ۶/ ۱۹۰، العینی، بدر الدین، عمدۃ القاری، ۱۰/ ۳۵

(۱۲۰) فتح الباری ۵/ ۲۵۴، ابن قدامۃ، المغنی، ۸/ ۳۶۵، شرح الخرشی، ۳/ ۱۵۱

(۱۲۱) ابوحنیف، القانون الدولی: ۲۹۳، ۲۹۵ نیز شلبی محمد الصادق، الاسلام والمعاہدات الدولیۃ، مکتبۃ الانجلو المصریۃ، القاہرۃ، ص ۲۳۴، ۲۳۵

(۱۲۲) مجموعۃ الوثائق السیاسۃ، وثیقہ نمبر ۱۱

(۱۲۳) شلبی محمد الصادق، الاسلام والمعاہدات الدولیۃ: ۲۵۹

(۱۲۴) القرآن الحکیم سورۃ الانفال، ۶۰، آیت مذکورہ سے مسئلہ کے اس پہلو کی وضاحت ہوتی ہے کہ ایٹمی اسلحہ کا حصول و تملک اور چیز ہے اور اس کا استعمال دوسری بات، ظاہر ہے کہ اسلامی ریاست جہاں اخلاقی اور قانونی طور پر اس بات کی پابند ہے کہ وہ ایسی مہارتیں حاصل کرے تو دوسری طرف وہ بے شمار اخلاقی

اور قانونی احکام کی پاسداری کی بھی پابند ہے جو شریعت اس پر ان ہتھیاروں کے استعمال کے سلسلہ میں عائد کرتی ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو (عقیلی (م ن) ص ۲۵۹)

(۱۲۵) القرآن الحکیم سورۃ البقرۃ: ۲۷۵

(۱۲۶) بخاری، کتاب البیوع، باب شراء النبی بالنسیۃ، مسلم، کتاب المساقاۃ والمزارعۃ، باب الرھن وجوازہ فی الحضر والسفر

(۱۲۷) البخاری، کتاب الرھن فی الحضر، باب الرھن عند الیھود، حدیث نمبر (۲۵۱۳)

(۱۲۸) احکام الاحکام: ۱۹۶/۳

(۱۲۹) ابن ہشام: ۶۳۹/۲

(۱۳۰) المبسوط ۹۲/۱۰، شرح السیر الکبیر ۷۰/۱

(۱۳۱) ملاحظہ ہو، شرح السیر الکبیر ۷۷/۳، فتح القدیر ۳۵۱/۴، البحر الرائق ۸۰/۵، مالک بن انس، المدونۃ الکبریٰ، مطبعۃ السعادۃ، ۱۳۲۳ھ، ۱۰۲/۳، الام ۱۹۸/۴، کشاف القناع ۸۵/۳، المغنی ۱۰/۲

(۱۳۲) محمد ثانی، حافظ، ڈاکٹر، دور نبیؐ کے معاہدات امن و صلح اور عہد حاضر میں ان کی سیاسی و دفاعی اہمیت، ص ۴۲

(۱۳۳) ایضاً

(۱۳۴) ایضاً ص ۴۳

(۱۳۵) نصیر احمد ناصر، ڈاکٹر، پیغمبر اعظم و آخر، فیروز سنز، لاہور، ص ۵۸۱، ۵۸۲

(۱۳۶) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ص ۱۰۷ تا ۱۰۹

(۱۳۷) محمد ثانی، حافظ، ڈاکٹر، دور نبویؐ کے معاہدات امن و صلح اور عہد حاضر میں ان کی سیاسی اور دفاعی اہمیت، ص ۴۵

(۱۳۸) سیرۃ النبیؐ، ص حصہ اول، ص ۳۱۱

(۱۳۹) ایضاً، ص ۳۹۰

(۱۴۰) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، الوثائق السیاسیہ فی العہد النبویؐ، ص ۷۹، ۸۰

(۱۴۱) محمد ثانی، حافظ، ڈاکٹر، دور نبویؐ کے معاہدات امن و صلح اور عہد حاضر میں ان کی سیاسی اور دفاعی اہمیت، ص ۴۶

باب دوم:

﴿فصل سوم﴾

مسلم اور غیر مسلم سیرت نگاروں کی نظر میں صلح حدیبیہ کی سیاسی و عسکری اہمیت

صلح حدیبیہ کے متعلق متقدمین سیرت نگاروں کا تجزیہ

معروف محقق و سیرت نگار ابن ہشام اپنی کتاب سیرۃ ابن ہشام میں صلح حدیبیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے امام زہریؒ کے حوالے سے رقمطراز ہیں کہ

سورۂ فتح کا نزول:

حضور مکہ سے واپس ہو کر مدینہ کو آرہے تھے، جب آپ مکہ مدینہ کے کے درمیان میں پہنچے سورۂ فتح نازل ہوئی۔ اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا (۱)

صلح حدیبیہ کا اثر اسلام کی اشاعت پر:

زہری کہتے ہیں حدیبیہ کی صلح سے بڑھ کر اس سے پہلے اسلام میں کوئی فتح نہیں ہوئی کیونکہ جنگ موقوف ہو گئی تھی اور لوگ گفتگو اور مباحثہ میں مشغول ہو گئے تھے۔ پس جس میں کچھ بھی عقل کا حصہ تھا وہ اسلام قبول کر لیتا تھا۔ زہری کے اس قول کی دلیل یہ بات ہے کہ جب حضور حدیبیہ میں آئے ہیں تو آپؐ کے ساتھ چودہ سو آدمی تھے جیسا کہ جابر نے بیان کیا ہے مگر اس کے دو ہی برس بعد جب آپؐ فتح مکہ کے واسطے آئے ہیں تب آپ کے ساتھ دس ہزار آدمی تھے۔

صلح حدیبیہ کے متعلق ایک شخص کا اعتراض اور حضورؐ کا جواب:

جب حضور حدیبیہ کے واقعہ کے بعد مدینہ میں آئے تو ایک شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ، حضور نے تو یہ فرمایا تھا کہ ہم امن کے ساتھ کعبہ میں داخل ہوں گے۔ حضورؐ نے فرمایا کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اسی سال داخل ہوں گے۔ اس نے کہا یہ تو آپؐ نے نہیں فرمایا۔ بس یہ اسی کے موافق ہے جو جبرائیل نے مجھ سے کہا ہے۔ (۲)

یہ وہ عہد نامہ ہے جس پر محمد بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو کے درمیان مصالحت ہوئی۔ دونوں فریقوں نے اس امر پر اتفاق کیا کہ دس سال تک جنگ بند کر دی جائے۔ لوگ امن و سکون سے رہیں اور ایک دوسرے سے تعرض نہ کریں۔ نہ کسی کا مال و متاع سرقہ کیا جائے گا اور نہ ہی کسی کو قیدی بنایا جائے گا اور ایک دوسرے کے راز لوگوں پر فاش نہیں کیے جائیں گے اور جو شخص بھی

قریش کے ساتھ عقد و عہد میں شریک ہونا چاہے اس کو اختیار ہو گا۔ نیز ان میں سے جو شخص اپنے سرپرستوں کی اجازت کے بغیر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آئے تو آپ اسے واپس کر دیں گے اور اگر اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں سے کوئی شخص (العیاذ باللہ) قریش کے مذہب پر واپس آ جائے تو وہ اس کو واپس نہیں کریں گے اور یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مع اپنے اصحابؓ کے اس سال بغیر عمرہ کیے واپس چلے جائیں گے اور اگلے سال ان ساتھیوں کے ہمراہ آ کر یہاں اقامت گزیں ہو سکتے ہیں اور عمرہ ادا کر سکتے ہیں۔ نیز جنگ کے آلات اور اسلحہ کو بھی ہمراہ نہیں لائیں گے۔ علاوہ مسافروں کے ہتھیاروں کے یعنی علاوہ تلواروں کے جو کہ اپنی اپنی میانوں میں محجوب و مستور ہوں گی۔ اس عہد نامہ پر ابو بکر، عمر، عثمان، عبدالرحمٰن، سعد، ابو عبیدہ اور محمد بن سلمہ و حویطب (رضی اللہ عنہم) گواہ ہیں اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اس کو تحریر کیا"۔

اس کی عظمت و اہمیت کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے فتح مبین سے تعبیر فرمایا ہے اور آپؐ پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا۔ بیشک ہم نے آپؐ کے لیے فتح مبین کا بندوبست فرما دیا ہے۔ (۳)

امام حافظ ابن حزم ظاہری کے مطابق:

رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بنی مصطلق سے لوٹنے کے بعد ماہ رمضان و شوال مدینہ میں گزارا اور ماہ ذی القعدہ ۶ ھ میں عمرہ کرنے کی غرض سے نکلے تھے۔ جنگ کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے سارے عرب و قرب جوار کے اہل بادیہ (دیہات کے باشندوں) کو بھی چلنے کے لئے کہا۔ ان میں سے اکثر نے تاخیر کی اس اندیشہ کی بنا پر کہ کہیں جنگ کی نوبت نہ آئے۔ رسول اللہ ﷺ ان مہاجرین و انصار کو جو آپؐ کے ساتھ تھے اور ان عربوں کو جو آپؐ کے ساتھ مل گئے تھے لے کر روانہ ہوئے۔ آپؐ نے اپنے ہدی (قربانی کے جانور) لئے۔ ذی الحلیفہ (۴) میں پہنچ کر آپؐ نے عمرہ کا احرام باندھا تا کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ آپ جنگ کے ارادے سے نہیں نکلے بلکہ صرف زیارت بیت اللہ کے لئے جاتے ہیں۔ آپؐ کے ساتھ نکلنے والوں کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ تھی۔ زیادہ سے زیادہ پندرہ سو افراد کا قول ہے اور کم از کم تیرہ سو افراد کا۔ بعض نے صرف سات سو کی تعداد بتائی ہے، لیکن یہ بالکل غلط خیال ہے۔ صحیح تعداد بلا شک و شبہ کے تیرہ سو سے پندرہ سو تک تھی۔

جب قریش کو آپؐ کے نکلنے کی خبر ملی تو ان کی بڑی تعداد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ کی زیارت سے روکنے کے لئے نکل آئی حتیٰ کہ وہ قتال کے لئے آمادہ تھی۔ قریش نے خالد بن ولید کو سواروں پر سپہ سالار کی حیثیت سے پہلے ہی کراع الغمیم (۵) روانہ کر دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر اس وقت پہنچی جب آپ عسفان میں تھے۔ یہاں پر آپؐ نے فرمایا کوئی ہے جو مجھے اس راستہ سے بچا کر جس پر قریش ہیں کسی دوسرے راستے سے لے چلے۔ یہ آپؐ نے اس لئے فرمایا تا کہ قریش سے جنگ کی نوبت نہ آئے۔ بنو اسلم میں سے ایک شخص نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں یہ خدمت انجام دے سکتا ہوں۔ یہ نیا راستہ بڑا مشکل اور دشوار گزار تھا، مگر آپؐ اسی راستہ پر چلے، جو دائیں طرف ظہر الحمض کے درمیان سے ہوتا ہوا ثنیۃ المرار پر نکلتا تھا۔ ثنیۃ المرار حدیبیہ کے نشیب میں ہے جو مکہ کے حصہ زیرین کے سامنے ہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثنیۃ المرار پر پہنچے تو آپ کی ناقہ بیٹھ گئی۔ اس کے بیٹھنے پر لوگوں نے کہا۔ اونٹنی اب اپنی جگہ نہیں چھوڑے گی۔ یہ تھک کر بیٹھ گئی ہے۔ آپ نے فرمایا یہ تھکی نہیں ہے۔ نہ یہ اس کی عادت ہے بلکہ اس کو اس پاک ہستی نے روک دیا ہے، جس نے مکہ سے اصحاب الفیل (۶) کو روک دیا تھا۔ اس موقعہ پر آپ نے فرمایا آج قریش مجھ سے کسی بھی ایسی چیز کا مطالبہ کریں جو صلہ رحمی، قرابت داری پر مبنی ہو تو میں انہیں وہ چیز دیئے بغیر نہ رہوں گا۔ اس کے بعد آپ نے لوگوں سے کہا۔ یہاں اتر پڑو۔ آپ سے کہا گیا۔ یا رسول اللہ ﷺ اس وادی میں جہاں ہم اترے ہیں پانی نہیں ہے۔ اس لئے یہ جگہ مناسب نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور اپنے ایک صحابیؓ کو دیا۔ اس صحابیؓ نے اس تیر کو ایک خالی کنویں میں گاڑ دیا۔ تیر کو گاڑتے ہی پانی کا فوارہ ابل پڑا، جس سے تمام لشکر سیراب ہوا۔ کہا گیا ہے کہ جو صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تیر لے کر کنویں میں اترے تھے وہ ناجیہ بن جندب ابن عمیر تھے۔ یہی وہ صاحب ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قربانیوں کے جانور لے جا رہے تھے۔ ایک قول کے مطابق جو صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تیر لے کر کنویں میں اترے تھے، وہ براء بن عازبؓ تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار قریش کے درمیان سفارت (پیغام رسانی) کا سلسلہ جاری تھا۔ باہم گفتگو نے طول کھینچا۔ یہاں تک کہ سہیل بن عمرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اس نے آپ سے مطالبہ کیا کہ آپ اس سال واپس لوٹ جائیں اور آئندہ سال عمرہ کے لئے آئیں۔ آپ مکہ میں بغیر ہتھیار کے داخل ہوں گے سوائے تلواروں کے اور وہ تلواریں بھی نیام میں ہوں گی۔ مکہ میں صرف تین دن قیام رہے گا اس سے زیادہ نہیں۔ یہ صلح دس سال تک رہے گی یعنی دس سال تک جنگ نہیں ہوگی۔

اس دوران ایک دوسرے سے تعرض نہیں کریں گے، امن سے رہیں گے، نیز صلح کی ان شرائط میں سے ایک شرط یہ تھی کہ کفار کا کوئی فرد مسلمان ہو کر مسلمانوں میں چلا جائے گا تو وہ واپس کر دیا جائے گا اور اگر کوئی فرد مسلمان میں سے مرتد ہو کر کفار کی طرف چلا جائے گا تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ بعض شرائط بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں، اس وجہ سے یہ صلح مسلمانوں پر بڑی شاق گزری۔ یہاں تک کہ بعض صحابہؓ کو اس پر اعتراض ہوا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم ربانی سے بخوبی واقف تھے۔ آپ یہ بھی جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اس میں مسلمانوں کے لئے کشادگی کی راہ پیدا کر دے گا اور یہ صلح مسلمانوں کے لئے اسلام کے غلبہ کا سبب بنے گی۔ آپ نے مسلمانوں کو اس حقیقت سے باخبر کیا۔ اس کے بعد صحابہؓ اس فیصلہ سے مانوس ہو گئے۔

بیعتِ رضوانؓ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح سے پہلے گفتگو کا آغاز کرنے کے لئے حضرت عثمانؓ کو بطور پیغام رساں مکہ بھیجا تاکہ کفار مکہ کو آپ کا پیغام پہنچائیں۔ قریش نے ان کو روک لیا۔ ان کے آنے میں تاخیر کی وجہ سے یہ خبر مشہور ہو گئی کہ وہ شہید کر دیئے گئے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا۔ حضرت عثمانؓ کے خون کا قصاص لینا ضروری ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہؓ کو جان نثاری پر بیعت کرنے کے لئے بلایا۔ تمام صحابہؓ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی کہ وہ جنگ سے فرار اختیار نہیں کریں

گے۔ یہی بیعتِ رضوان ہے جس کا ذکر قرآن شریف میں (۷) میں آیا ہے جس میں بیعت کرنے والوں کی تعریف کی گئی ہے اور ان کے لئے جنت کی بشارت دی گئی ہے۔

معاہدہ صلح میں یہ جو شرط تھی کہ جو مسلمان مکہ سے چلا جائے گا اس کو واپس کرنا ہوگا، اس میں مرد داخل تھے، عورتیں نہ تھیں۔ سو عورتوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے خاص حکم نازل کیا کہ جو عورتیں مسلمان ہوں، ان کو واپس نہ کیا جائے، البتہ اسلام کے معاملہ میں ان کا امتحان کرلیا جائے یعنی پوری تحقیق کرلی جائے کہ وہ واقعتہ مسلمان ہیں۔

اسی دوران جب ام کلثومؓ بنت عقبہ بن ابی معیط ہجرت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو ان کے دونوں بھائی عمارہ اور ولید، عقبہ کے بیٹے حضورؐ کی خدمت میں حدیبیہ کی شرط کے مطابق اپنی بہن کو لینے کے لئے آئے۔ آپؐ نے ام کلثومؓ کو واپس بھیجنے سے انکار کردیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو واپس کرنے سے منع کردیا تھا۔ انہی دنوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں روکے رکھنے سے منع کیا تھا اور کافر عورتوں کا نکاح اب مسلمانوں سے باقی نہیں رہا تھا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس لوٹ گئے۔ (۸)

حافظ ابن قیم کے مطابق:

مسلمانوں اور اہلِ مکہ میں دس سال کے لیے مصالحت ہوگئی اور عوام ایک دوسرے کی ایذا دہی سے مامون ہوگئے۔ اگلے برس آپ مکہ میں تشریف لائے اور تین دن وہاں قیام فرمایا اور حکم دیا کہ تلوار کے سوا کوئی ہتھیار نہ لیا جائے اور اسے بھی میان میں رکھا جائے۔ نیز یہ بھی طے پایا تھا کہ ہم آپؐ کے ساتھیوں میں سے آنے والے کو واپس نہ کریں گے اور ہمارے جانے والے ساتھیوں کو لوٹانا ہوگا۔ صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ ہم انہیں یہ (سہولتیں) دیں؟ آپؐ نے فرمایا جو ہم میں سے ان کی طرف چلا گیا۔ اسے اللہ نے (اپنی رحمت سے) دور کردیا اور جو ہمارے پاس آیا اور پھر ہم نے اسے لوٹایا تو اللہ تعالیٰ اس کے نکلنے کی راہ پیدا کردے گا۔

صلح حدیبیہ میں ہی اللہ تعالیٰ نے سر منڈانے کا فدیہ روزہ یا صدقہ یا قربانی قرار دیا۔ یہ حکم کعب بن عجرہ کے معاملہ میں نازل ہوا۔ حافظ ابن قیمؒ نے صلح حدیبیہ کے سلسلے میں متعدد فقہی پہلوؤں کو بیان کرتے ہوئے اس حوالے سے اس کی عظمت واہمیت کو اجاگر کیا ہے۔

واقعہ حدیبیہ کے سلسلہ میں فوائد فقہیہ:

ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشہر حج میں عمرہ فرمایا، کیونکہ آپ ذی قعدہ کو نکلے۔

فرمایا کہ (اللہ) وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق دے کر مبعوث فرمایا تاکہ اسے باقی تمام ادیان پر غالب کردے۔ پس جب دینِ اسلام کے اتمام اور اتمام ادیان پر غلبہ عطا کرنے کا کفیل خود اللہ تعالیٰ ہوگیا تو اس میں مسلمانوں کے قلوب کو قوت وفرحت حاصل ہوئی اور اس عہد پر انہیں ایقان حاصل ہوا کہ ضرور پورا ہو کر رہے گا اور یہ نہ سمجھو کہ حدیبیہ کے روز

جو اغماض واقع ہوا، وہ دشمن کی مدد اور اپنے رسول و دین سے اعراض کا سبب تھا اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے؟ جب کہ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور وعدہ کیا کہ اس دین کو باقی تمام ادیان پر غلبہ عطا کر دے گا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ اور اس کے صحابہؓ کی مدح فرمائی اور تورات و انجیل میں ان کی صفات منقولہ کا تذکرہ فرمایا۔ اس طرح یہ تورات و انجیل اور قرآن کے ارسال فرمانے والے کی حقانیت کا ثبوت ہے اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جو مذکورہ الہامی کتابوں اور ان صفات مشہورہ سے متصف ہیں اور وہ بات نہیں کہ جس کا تذکرہ کفار کرتے ہیں اور الزام دھرتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) یہ طالب دنیا اور حکومت کے خواہاں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شام کے نصاریٰ نے (صحابہؓ) کو دیکھا، ان کے طریقہ زندگی کا مطالعہ و مشاہدہ کیا۔ ان کے عدل و علم و عمل اور دنیا سے پرہیز آخرت کی طرف رغبت کا حاصل دیکھا تو کہنے لگے۔

یہ لوگ ان سے افضل ہیں، جنہوں نے مسیح علیہ السلام کی حمایت کا شرف حاصل کیا۔

یہ نصاریٰ کی رائے ہے، جو صحابہؓ کے مقام و فضیلت سے آگاہ تھے۔ بخلاف روافض کے کہ یہ صحابہؓ کے متعلق ایسی باتیں بناتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں روا نہیں رکھیں اور جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے اللہ گمراہ کرے اس کا کوئی کارساز اور رہنما نہیں۔(۹)

صلح حدیبیہ کے متعلق متاخرین سیرت نگاروں کا تجزیہ:

علامہ شبلی نعمانیؒ "سیرۃ النبیؐ" میں صلح حدیبیہ کے متعلق بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ صلح کے بعد تین دن تک آپؐ نے حدیبیہ میں قیام فرمایا، پھر روانہ ہوئے تو راہ میں یہ سورہ اتری۔

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا (۱۰) ہم نے آپ کو کھلی ہوئی فتح عنایت کی۔

تمام مسلمان جس چیز کو شکست سمجھتے تھے، خدا نے اس کو فتح کہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو بلا کر فرمایا کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ انہوں نے تعجب سے پوچھا کہ کیا یہ فتح ہے؟ ارشاد ہوا کہ "ہاں"! صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عمرؓ کو تسکین ہو گئی اور مطمئن (۱۱) ہو گئے۔ نتائج مابعد نے اس راز بستہ کی عقدہ کشائی کی۔ اب تک مسلمان اور کفار ملتے جلتے نہ تھے۔ اب صلح کی وجہ سے آمد و رفت شروع ہوئی۔ خاندان اور تجارتی تعلقات کی وجہ سے کفار مدینہ میں آتے، مہینوں قیام کرتے اور مسلمانوں سے ملتے جلتے تھے۔ باتوں باتوں میں اسلامی مسائل کا تذکرہ آ جاتا تھا۔ اس کے ساتھ ہر مسلمان اخلاص، حسن عمل، نیکوکاری، پاکیزہ اخلاق کی ایک زندہ تصویر تھا، جو مسلمان مکہ جاتے تھے، ان کی صورتیں بھی مناظر پیش کرتی تھیں، اس سے خود بخود کفار کے دل اسلام کی طرف کھنچے آتے تھے۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ اس معاہدہ صلح سے لے کر فتح مکہ تک اس قدر کثرت سے لوگ اسلام لائے کہ کبھی نہیں لائے تھے۔ حضرت خالدؓ (فاتح شام) اور حضرت عمروؓ بن عاص (فاتح مصر) کا اسلام بھی اس زمانے کی یادگار ہے۔ معاہدہ صلح میں یہ جو شرط تھی کہ جو مسلمان مکہ سے چلا آئے گا وہ پھر مکہ کو واپس کر دیا جائے گا۔ اس میں صرف مرد داخل تھے، عورتیں نہ تھیں۔ عورتوں کے متعلق خاص یہ آیت اتری۔

"یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا إِذَا جَاءَ کُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ اللّٰهُ أَعْلَمُ بِإِيْمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ وَآتُوْهُمْ مَا أَنْفَقُوْا وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوْهُنَّ أُجُوْرَهُنَّ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ"(۱۲)

مسلمانو! جب تمہارے پاس عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کو جانچ لو، خدا ان کے ایمان کو اچھی طرح جانتا ہے، اب اگر تم کو معلوم ہو کہ وہ مسلمان ہیں تو ان کو کافروں کے ہاں واپس نہ بھیجو، نہ وہ عورتیں کافروں کے قابل ہیں اور نہ کافر ان عورتوں کے قابل ہیں اور ان عورتوں پر ان لوگوں نے جو خرچ کیا ہو وہ تم ان کو دے دو اور تم ان سے شادی کر سکتے ہو بشرطیکہ ان کے مہر ادا کر دو اور کافرہ عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ رکھو۔

سلاطین کو اسلام کی دعوت:

(آخر ۶ھ (یا شروع) ۷ھ

ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ

حدیبیہ کی صلح سے کسی قدر اطمینان نصیب ہوا تو وقت آیا کہ اسلام کا پیغام تمام دنیا کے کانوں میں پہنچا دیا جائے۔ اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن تمام صحابہ کو جمع کیا اور خطبہ دیا تھا۔ لوگو! اے الناس! خدا نے مجھ کو تمام دنیا کے لئے رحمت اور پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، دیکھو حواریین عیسیٰ کی طرح اختلاف نہ کرنا، جاؤ میری طرف سے پیغام حق ادا کرو۔ اس کے بعد آپؐ نے قیصر روم، شہنشاہ عجم، عزیز مصر اور روسائے عرب کے نام دعوت اسلام کے خطوط ارسال فرمائے۔ جو لوگ خطوط لے کر گئے اور جن کے نام لے کر گئے۔ ان کی تفصیل (۱۳) ہے۔

حضرت دحیہ کلبی۔	قیصر روم
حضرت عبداللہؓ بن حذافہ سہمی۔	خسرو پرویز کجکلاہ ایران۔
حضرت حاطبؓ بن (ابی) بلتعہ۔	عزیز مصر
حضرت عمروؓ بن امیہ۔	نجاشی بادشاہ حبش
حضرت سلیطؓ بن عمرو بن عبدشمس۔	روسائے یمامہ۔
حضرت شجاعؓ بن وہب الاسدی۔	رئیس حدود شام، حارث غسانی۔ (۱۴)

معروف سیرت نگار قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری کے مطابق:

نبی اکرم ﷺ حدیبیہ ہی میں ٹھہرے ہوئے تھے کہ اسی آدمی کوہ تنعیم سے صبح کے وقت جب مسلمان نماز میں مصروف تھے، اس ارادے سے اترے کہ مسلمانوں کو نماز کے اندر قتل کر دیں۔ یہ سب لوگ گرفتار کر لیے گئے اور آنحضرت صلعم نے انہیں از راہ رحم

دلی دعفو چھوڑ دیا۔ اسی واقعہ پر قرآن مجید میں اس آیت کا نزول ہوا۔

"وَهُوَ الَّذِىْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ مِن بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ" (۱۵)

خدا وہ ہے جس نے وادی مکہ میں تمہارے دشمنوں کے ہاتھ تم سے روک دیے اور تمہارے ہاتھ بھی (ان پر قابو پانے کے بعد) ان سے روک دیے۔

الغرض یہ سفر بہت خیر و برکت کا موجب ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے معاہدین کے ساتھ معاہدہ کرنے میں فیاضی، حزم، دور بینی اور حملہ آور دشمنوں کی معافی میں عفو اور رحمۃ للعالمینی کے انوار کا ظہور دکھایا۔ حدیبیہ ہی سے مدینہ منورہ کو واپس تشریف لے گئے۔ اسی معاہدہ کے بعد سورۃ الفتح کا نزول حدیبیہ میں ہوا تھا۔ عمر فاروقؓ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! کیا یہ معاہدہ ہمارے لیے فتح ہے؟ فرمایا۔ ہاں (۱۶)

صلح کا حقیقی فائدہ:

امام زہریؒ نے معاہدہ کی دفعہ اول کے متعلق یہ تحریر فرمایا ہے کہ جانبین سے آمد و رفت کی روک ٹوک کے اٹھ جانے سے یہ فائدہ ہوا کہ لوگ مسلمانوں سے ملنے جلنے لگے اور اس طرح ان کو اسلام کی حقیقت اور حقیقت معلوم کرنے کے مواقع ملے اور اسی وجہ سے اس سال اتنے زیادہ لوگوں نے اسلام قبول کیا کہ اس سے پیشتر کسی سال اتنے مسلمان نہ ہوئے۔ (۱۷)

ان منکروں پر مسلمانوں کے سچے جوش، سادہ اور موثر طریق عبادت کا اور ان کی اعلیٰ دیانت و امانت کا (کہ خالی شدہ شہر میں کسی ایک پائی کا بھی نقصان نہ ہوا تھا) عجیب اثر ہوا، جس نے سیکڑوں کو اسلام کی طرف مائل کر دیا۔ (۱۸)

ڈاکٹر غلام جیلانی برق کے مطابق:

حدیبیہ ایک کنویں کا نام ہے جو مکہ سے بارہ میل شمال میں واقع تھا۔ جب حضورؐ ذی قعدہ ۶ ھ میں تقریباً پندرہ سو صحابہؓ کے ہمراہ عمرہ کے لیے روانہ ہوئے اور قریش تک یہ خبر پہنچی تو انہوں نے خالد بن ولید کو دو سو سوار دے کر آگے بھیجا کہ وہ مسلمانوں کو روکے۔ بلدرح (۱۹) میں فوجیں آمنے سامنے آ گئیں۔ لیکن حضور کترا کر حدیبیہ کی طرف نکل گئے اور وہاں ڈیرے ڈال دیے۔ وہاں سے آپؐ نے حضرت خراشؓ (۲۰) بن امیہ کو قریش کی طرف یہ پیغام دے کر بھیجا کہ ہم لڑنے کے لیے نہیں بلکہ صرف عمرہ کے لیے آئے ہیں۔ قریش نے انہیں گرفتار کر لیا۔ پھر آپؐ نے حضرت عثمانؓ کو بھیجا۔ وہ بھی دیر تک نہ لوٹے تو آپؐ نے تمام صحابہؓ سے ایک ببول کے درخت کے نیچے سرفروشی کی بیعت لی۔ یہ خبر قریش تک پہنچی تو انہوں نے سہیل (۲۱) بن عمرو کو بات چیت کے لیے بھیجا۔ کافی بحث و تمحیص کے بعد طے پایا کہ:

قبائل عرب کو اختیار ہو گا کہ جس کے ساتھ چاہیں معاہدہ کریں فریقین اس کا احترام کریں گے۔

تو یہ تھا معاہدۂ حدیبیہ۔ جب یہ لکھا جا رہا تھا تو قریش کے نمائندے سہیل کے فرزند، حضرت ابو جندلؓ (۲۲) جو اسلام لا چکے

تھے اور قریش کے ہاتھوں اذیتیں برداشت کر رہے تھے، کسی طرح رسیوں اور بیڑیوں سمیت بھاگ کر حضورؐ کی خدمت میں جا پہنچے لیکن آپؐ نے انھیں شرائط معاہدے کے مطابق لوٹا دیا۔

اس معاہدہ کے بعد مکہ کے لوگ آپس میں آزادانہ ملنے لگے اور اہل مدینہ کے حُسنِ کردار، حُسنِ معاملہ اور حسنِ صحبت سے متاثر ہونے لگے۔ اس سے اسلام کے خلاف نہ صرف عناد کم ہو گیا بلکہ بے شمار دلوں میں اس سیدھے سادھے دین کے لیے محبت بھی پیدا ہو گئی۔ یہ اس محبت کا نتیجہ تھا کہ جب دو سال بعد حضور مکہ میں داخل ہوئے تو چند گھنٹوں کے اندر اندر سارا مکہ مسلمان ہو گیا۔ (۴۳)

مفتی محمد شفیعؒ کے مطابق صلح حدیبیہ کے ثمرات و برکات کا ظہور:

سب سے پہلی بات تو اس واقعہ میں یہ ہوئی کہ قریش مکہ اور ان کے بہت سے متبعین پر ان کی ضد اور بے جا ہٹ دھرمی واضح ہو کر خود ان میں پھوٹ پڑ گئی۔ بدیل ابن ورقاء اپنے ساتھیوں کو لے کر ان سے الگ ہو گئے۔ پھر عروہ بن مسعود اپنی جماعت کو لے کر ان سے الگ ہو گئے۔ دوسرے یہ کہ صحابہ کرامؓ کی بے نظیر جاں نثاری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال اطاعت و محبت وعظمت دیکھ کر قریش مکہ کا مرعوب ہو جانا اور صلح کی طرف مائل ہونا، حالانکہ ان کے لئے مسلمانوں کا صفایا کر دینے کا اس سے بہتر کوئی موقع نہ تھا کیونکہ وہ اپنے گھروں میں مطمئن تھے۔

صلح و امان کی وجہ سے راستے مامون ہو گئے۔ دعوتِ اسلام کے لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے واسطے راستے کھل گئے۔ عرب کے وفود کو آپ کی خدمت کا موقع ملا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اور صحابہؓ نے گوشہ گوشہ میں دعوتِ اسلام کو پھیلایا۔ دنیا کے بادشاہوں کو دعوتِ اسلام دینے کے لئے خطوط بھیجے گئے۔ ان میں سے چند بڑے بڑے بادشاہ متاثر ہوئے، جس کا حاصل یہ نکلا کہ واقعۂ حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دعوتِ عام اور سب کو عمرے کے لئے نکلنے کی تاکید کے باوجود ڈیڑھ ہزار سے زیادہ مسلمان ساتھ نہیں تھے اور صلح حدیبیہ کے بعد جوق در جوق لوگ اسلام میں داخل ہوئے۔ اسی عرصے میں ۷ھ میں خیبر فتح ہو کر مسلمانوں کو سامان بڑی مقدار میں مل گیا اور ان کی مادی قوت مستحکم ہو گئی اور اس صلح پر دو سال گزرنے نہ پائے تھے کہ مسلمانوں کی تعداد اتنی کثیر ہو گئی جو اس سے پہلے تمام پچھلی مدت میں نہیں تھی۔

ائمہ فقہاء میں یہ اختلاف ہو گیا کہ مکہ مکرمہ صلح سے فتح ہوا یا جنگ سے۔ بہرحال بڑی سہولت کے ساتھ مکہ مکرمہ فتح ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خواب واقعہ بن کر سامنے آ گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بے خطر ہو کر بیت اللہ کا طواف اور پھر حلق و قصر کیا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ بیت اللہ میں داخل ہوئے اور بیت اللہ کی چابی آپؐ کے ہاتھ میں آ گئی۔

اس وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خصوصاً اور سب صحابہ کو عموماً خطاب کر کے فرمایا:

"یہ ہے وہ واقعہ جو میں نے آپؐ سے کہا تھا"۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بے شک کوئی فتح صلح حدیبیہ سے بہتر اور اعظم نہیں ہے۔

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے سے فرماتے تھے کہ "کوئی فتح صلح حدیبیہ کے برابر نہیں ہے"۔

لیکن لوگوں کی رائے اور بصیرت وہاں تک نہ پہنچی جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے درمیان ایک طے شدہ حقیقت تھی۔ یہ لوگ جلد بازی کرنا چاہتے تھے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی جلد بازی سے متاثر ہو کر جلدی نہیں کرتا بلکہ حکمت و مصلحت کے ساتھ ہر کام اپنے صحیح وقت پر انجام پاتا ہے۔ (۲۴ الف۔ب)

معروف سیرت نگار مولانا محمد ادریس کاندھلوی کے مطابق:

تقریباً دو ہفتہ قیام کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے واپس ہوئے جب مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے مابین پہنچے تو سورۂ فاتح نازل ہوئی۔ اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحاً مُّبِیْناً۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جمع کر کے انا فتحنا لک فتحاً مبیناً الی آخر السورۃ سنائی۔ صحابہ اس صلح کو اپنی شکست سمجھے ہوئے تھے جس کو اللہ تعالیٰ نے فتح مبین فرمایا، سن کر ازراہ تعجب آپؐ سے دریافت کیا یا رسول کیا یہ فتح ہے۔ آپؐ نے فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، بے شک یہ عظیم الشان فتح ہے۔ (۲۵)

امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ فتح حدیبیہ ایسی عظیم الشان فتح تھی کہ اس سے قبل اس شان کی فتح نصیب نہیں ہوئی۔ آپس کی لڑائی کی وجہ سے ایک دوسرے سے مل جل نہیں سکتے ہیں، صلح کی وجہ سے لڑائی ختم ہوئی اور امن قائم ہوا اور جو لوگ اسلام کو ظاہر نہیں کر سکتے تھے، اب وہ اعلانیہ طور پر احکام اسلام بجالانے لگے۔ آپس کی منافرت اور کشیدگی دور ہوئی۔ بات چیت کا موقعہ ملا۔ مسائل اسلامیہ پر گفتگو اور مناظرہ کی نوبت آئی۔ قرآن کریم کو سنا جس کا اثر یہ ہوا کہ صلح حدیبیہ سے لے کر فتح مکہ اس قدر کثرت سے لوگ اسلام لائے کہ ابتداء بعثت سے لے کر اس وقت تک اتنے مسلمان نہ ہوئے تھے۔ (۲۶)

صلح حدیبیہ اور بعض اہم دینی مسائل کا حل:

(۱) بادشاہ اسلام اور ذی رائے مسلمان اگر کافروں سے صلح کرنے میں اسلام اور مسلمانوں کا نفع اور مصلحت سمجھیں تو صلح کر لینا جائز ہے۔ ایسی صلح بھی معنی جہاد ہے کیونکہ مقصود جہاد سے کفر اور کافروں کے شر کو دفع کرنا ہے جو معنی اس صلح سے حاصل ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وان جنحوا للسلم فاجنح لھا وتوکل علی اللہ۔

اگر کافر صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی صلح کی طرف مائل ہو جائیں، مگر اعتماد (۲۷) اور بھروسہ اللہ عزوجل پر رکھیں۔ یعنی صلح پر بھروسہ نہ کریں۔

(۲) اگر صلح کرنے میں اسلام اور مسلمانوں کا نفع نہ ہو تو دب کر صلح کرنا جائز نہیں اس لئے ایسی صلح مسلمانوں کی تذلیل اور فریضۂ جہاد و قتال کی تعطیل کا باعث ہے۔ قال اللہ تعالیٰ فلا تھنوا وتدعوا الی السلم وانتم الاعلون واللہ معکم۔

پس مت سستی کرو اور نہ صلح کی طرف بلاؤ اور تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے۔

یعنی جہاد پر قدرت رکھتے ہوئے کافروں سے صلح جائز نہیں اور صلح کے معنی ترک قتال کے ہیں نہ کہ اتحاد کے، اس وجہ سے فقہاء نے صلح کیلئے لفظ موادعت کا استعمال کیا ہے اور موادعت کے معنی لغت میں ایک دوسرے کو جنگ اور قتال سے چھوڑ دینے کے ہیں۔

(۳) عند الضرورت کافروں سے بلا معاوضہ اور مال دے کر اور مال لے کر تینوں طرح صلح جائز ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد یہود مدینہ سے بلا معاوضہ دیے اور لیے معاہدہ فرمایا اور اس وقت یہ صلح فرمائی جو صلح حدیبیہ کے نام سے معروف ہے اور نصارائے نجران سے مال ٹھہرا کر صلح فرمائی اور غزوۂ احزاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیینہ بن حصن فزاری کو مدینہ کی نصف کھجوریں دے کر صلح کا ارادہ فرمایا۔ مفصل قصہ غزوۂ احزاب کے بیان میں گزر چکا ہے۔ معلوم ہوا کہ تینوں طرح صلح جائز ہے۔

(۴) اہل اسلام اور اہل کفر میں جب کسی مدت معینہ کیلئے صلح طے پا جائے تو اس کا لکھ لینا مناسب ہے، اس لئے کہ جو عقد اور معاملہ ایک عرصہ تک ممتد ہو حق جل وعلاء نے احتیاطاً اس کے لکھنے کا حکم دیا ہے۔

قال تعالیٰ یا ایھا الذین امنوا اذاتداینتم بدین الیٰ اجل مسمیٰ فاکتبوہ۔ اے ایمان والو جب کسی ادھار کا معاملہ کرو مدت معینہ تک تو اس کو لکھ لیا کرو۔

ہاں جو معاملہ اور جو عقد فوری اور وقتی ہو، زمانہ آئندہ پر محول نہ ہو اس کی کتابت ضروری نہیں۔

کما قال تعالیٰ. الا ان تکون تجارۃ حاضرۃ تدیرونھا بینکم فلیس علیکم جناح الا تکتبوھا۔ مگر جو معاملہ دست بدست ہو رہا ہو، تو اگر اس کو نہ لکھو تو کوئی حرج نہیں۔

معلوم ہوا کہ جو معاملہ ایسا نہ ہو اس کے نہ لکھنے میں حرج ہے یعنی اس کا لکھ لینا ضروری اور لازمی ہے۔ (۲۷)

(۵) عہد نامہ کی دو نقلیں ہونی چاہئیں تاکہ ہر فریق کے پاس ایک ایک نسخہ محفوظ رہے۔

(۶) اور ہر ایک نقل پر فریقین کے سربرآوردہ لوگوں کے دستخط ہونے چاہئیں جیسا کہ حدیبیہ میں جو عہد نامہ مرتب ہوا، اس پر فریقین کے دستخط ہوئے اور ایک نقل آپ ؐ کے پاس اور ایک نقل سہیل بن عمرو کے پاس رہی۔

(۷) شرائط صلح میں کسی شرط کے خلاف کرنا بدعہدی اور عہد شکنی ہے۔ اسی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو جندل ؓ اور ابو بصیر ؓ کو یہ کہہ کر واپس کیا کہ ہم عہد کر چکے ہیں، اس کے خلاف نہ کریں گے۔

(۸) اگر کسی ایک علاقہ کا مسلمان فرمانروا کسی سے کوئی معاہدہ کرے تو دوسرے علاقہ کا فرمانروا اور دوسرے علاقہ کے مسلمان اس کے پابند نہیں ہوں گے، جو مسلمان مکہ سے مدینہ بھاگ کر آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازروئے معاہدہ ان کو مشرکین مکہ کے حوالہ کر دیا۔ آپ ؐ پر فقط اسی حد تک پابندی تھی کہ دارالاسلام یعنی مدینہ منورہ میں ایسے شخص کو ٹھہرنے نہ دیں۔

ابو بصیر اور ابو جندل رضی اللہ عنہما نے جس جگہ جا کر پڑاؤ ڈالا وہ حدود مدینہ سے بالکل خارج تھا۔ ابو بصیر ؓ کی جماعت نے جو کچھ کیا وہ حدود مدینہ سے باہر کیا، نیز آپ ؐ کے حکم اور اجازت سے نہیں کیا۔ (فتح الباری وزادالمعاد۔) (۲۸)

(۹) ابو بصیر ؓ نے جس عامری شخص کو قتل کیا، وہ محض اپنے دین اور ایمان اور جان بچانے کی خاطر کیا، اس لئے کہ ابو بصیر ؓ جانتے

تھے کہ مکہ جانے کے بعد پھر طرح طرح سے ستایا جاؤں گا اور کفر اور شرک پر مجبور کیا جاؤں گا۔ اس بنا پر انہوں نے اس عامری کو قتل کر کے اپنی جان اور اپنے ایمان کو بچایا۔ (۲۹)

(۱۰) جو عورت مسلمان ہو کر دارالحرب سے ہجرت کر کے دارالاسلام میں چلی آئے تو اس کا (نکاح شوہر کافر سے فسخ ہو جاتا ہے اور اس طرح اگر کوئی مرد مسلمان ہو کر دارالحرب سے دارالاسلام میں چلا آئے تو اس کا نکاح اس کی کافرہ بیوی سے فسخ ہو جاتا ہے۔

(۱۱) لاتمسکو العصم الکوافر۔ کافر عورتوں کی عصمت کو روک کر نہ رکھو، یعنی ان کو چھوڑ دو اور ازدواجی تعلق ان سے منقطع کر دو اور مسلمان کو روا نہیں کہ ایک مشرکہ عورت کو اپنے نکاح میں رکھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اپنی دو مشرکہ بیبیوں کو جو مکہ میں تھیں ان کو طلاق دے دی۔ ایک کا نام قریبہ تھا، جس سے بعد میں معاویہ بن ابی سفیان نے نکاح کیا اور دوسری کا نام ام کلثوم تھا، جس سے بعد میں ابوجہم نے نکاح کیا۔ (فتح الباری ص ۲۶۱ ج ۵)

اس سے حضرات صحابہؓ کے ایمان کا پتہ چلتا ہے کہ اللہ کے حکم کے سامنے کسی تعلق اور محبت کی ذرہ برابر پروانہ تھی اور کہاں سے ہوتی ان کے دلوں میں تو ایک اللہ عزوجل کی محبت اتنی سما چکی تھی کہ اب دوسرے کے لئے گنجائش ہی نہ رہی تھی۔

ما جعل اللّٰہ لرجل من قلبین فی جوفہ۔ اللہ تعالیٰ نے کسی کے دو دل نہیں بنائے۔

(۱۲) ابن اسحاق کی روایت میں ہے لایسقط من شعرہ شی الا اخذوہ۔ یعنی جسد اطہر سے جو بال گرتا تھا، حضرات صحابہؓ اس کو کمال محبت اور عقیدت کے ساتھ ہاتھوں ہاتھ لے کر تبرکاً اپنے پاس محفوظ رکھتے تھے، جس سے معلوم ہوا کہ تبرک با ثار الصالحین جائز اور درست ہو۔ (۳۰)

اسی طرح جس شخص کو ایسی صورت پیش آئے کہ وہ حرم کے قریب ہو تو نمازیں حدود حرم ہی میں پڑھنی چاہئیں۔ عبداللہ بن عمرؓ کا یہی عمل تھا۔ (۳۱)

نیز اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک لاکھ نمازوں کا ثواب مسجد حرام کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ حدود حرم میں جہاں کہیں بھی نماز ادا کرے گا ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملے گا۔ (۳۲)

(۱۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ کو نحر اور حلق کا حکم دیا اور صحابہؓ نے اس میں ذرا توقف کیا تو آپؐ نے اُم المومنین ام سلمہؓ کے مشورہ پر عمل فرمایا، جس سے معلوم ہوا کہ عورتوں سے مشورہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ ان کا فہم اور فراست اور تقویٰ اور دیانت قابل اطمینان ہو۔ (۳۳)

(۱۶) سہیل بن عمرو کے اصرار سے آپؐ نے بجائے بسم اللہ کے باسمک اللّٰھم لکھنا منظور فرمایا، اگرچہ بسم اللہ کا لکھنا اعلیٰ اور افضل تھا، مگر چونکہ باسمک اللّٰھم بھی حق اور درست تھا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولیٰ اور افضل پر اصرار نہ فرمایا۔ (۳۴)

معروف محقق اور سیرت نگار ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے مطابق:

"صلح حدیبیہ" عہد نبوی کی سیاست خارجہ کا شاہکار ہے:

چنانچہ موصوف لکھتے ہیں: پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تاریخ عالم میں ایک انقلابی اور ایک عہد آفریں دور کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایران اور روم کی سلطنتیں دنیا پر چھا جانے کی کوشش میں باہم زندگی و موت کی آویزش میں مبتلا ہوگئی تھیں، اگرچہ چین اور ہند میں بھی متمدن قومیں حکمران تھیں، لیکن بحر متوسط اس زمانے میں بھی نہ صرف جغرافیائی اعتبار سے بلکہ سیاسی و معاشی حیثیت سے "وسط الارض" (میدی ترانین) تھا۔ یونان اس سمندر پر آباد ہے، تو روم بھی، مصر و شام بھی اس کے ساحل پر ہیں، تو خود عرب کی شمالی سرحدیں اسی پر ختم ہوتی ہیں۔ ایران بھی اپنے حدود مملکت اس تک پہنچانے کی کوشش میں تھوڑی مدت کے لیے کئی بار کامیاب ہو چکا تھا۔ قدرت نے عرب کو ایشیا، یورپ اور افریقہ کے تینوں براعظموں کے بیچوں بیچ پیدا کیا ہے اور اس عرب میں بھی مکہ آباد ساحلی علاقے کے وسط میں واقع ہے اور یہ کوئی شاعری نہیں بلکہ ایک واقعہ ہے کہ مکہ معظمہ ناف زمین پر آباد ہے اور پرانی دنیا کی کوئی عالمگیر تحریک اس سے بہتر مرکز مشکل سے پا سکتی ہے۔ یورپ کی سردیوں، افریقہ کی گرمیوں اور ایشیا کی سرسبزیوں میں سے ہر ایک کا کچھ نہ کچھ حصہ حجاز کو عطا ہوا ہے اور اس امر نے وہاں والوں کو تینوں براعظموں کی اخلاقی خوبیاں عطا کر دی تھیں۔ جنگی نقطۂ نظر سے بھی اس سے محفوظ مقام کم مل سکتے ہیں۔ ۱۳ ق ھ، ۶۱۰ء میں پیغمبر اسلام نے اپنے آبائی شہر مکہ میں اصلاح دین کی کوشش شروع فرمائی اور معدودے چند لوگوں کے ہم خیال ہونے کے ساتھ ساتھ عام اہل ملک کی دشمنی اور عملی مخالفت میں روز افزوں اضافہ ہوتا گیا۔ آخر تیرہ کٹھن سالوں کے اختتام پر ا ھ، ۶۲۲ء میں آپ کو وطن سے بے وطن ہو کر مدینہ منورہ جا رہنا پڑا، جیسا کہ معلوم ہے، نزاع میں آپؐ نے ایک تنظیم پیدا کرنے اور ایک شہری مملکت کے قائم کرنے میں کامیابی حاصل فرمائی، جس کا تحریری دستور تاریخ نے آج تک (۵۲) دفعات کی ایک دستاویز کی صورت میں محفوظ رکھا ہے (۳۵) مدینہ آنے کے چند ہی مہینوں بعد آپ آس پاس کے قبائلی علاقوں کا دورہ فرمانے اور ان سے حلیفانہ تعلقات فرمانے لگے۔ چنانچہ مدینے سے ینبع تک جو علاقہ ہے، وہاں کے قبائل (بنی ضمرہ و مدلج وغیرہ) نے باوجود اسلام قبول نہ کرنے کے اس بات پر آمادگی ظاہر کی کہ اگر کوئی مدینہ پر حملہ آور ہو تو یہ مسلمانوں کو مدد دیں اور اگر ان کے علاقے پر کوئی چڑھائی کرے، تو مسلمان ان کو مدد دیں۔ البتہ جارحانہ پیش قدمی میں غیر جانبداری برتی جائے۔ (۳۶) یہ وہی علاقہ ہے، جہاں سے کاروانی قافلے گزرا کرتے تھے اور مکے والے اگر شام، مصر یا عراق جانا چاہتے تو اسی راستے سے گزرتے تھے۔ اس راستے کی بندش قریش پر معاشی دباؤ ڈالنے میں اتنی موثر ثابت ہوئی کہ بدر کی فاش شکست بھی انہیں اتنا بے بس نہ کر سکی۔ ۳ ھ میں احد میں مسلمانوں کو صدمہ پہنچا، لیکن فوراً ہی انہوں نے اس کی تلافی یوں کی کہ نجد کے علاقے میں جو مدینے کے مشرق میں ہے، اپنے اثرات پھیلا دیئے اور مکے والوں کو عراق جانے کا جو متبادل کو تکلیف دہ راستہ باقی رہ گیا تھا، وہ بھی بند ہو گیا۔ اسی اثناء میں بنی قینقاع اور بنی النضیر کے یہودی

مضافات مدینہ سے جلاوطنی پر مجبور ہوئے، تو انہوں نے مدینہ کے شمال میں خیبر وغیرہ کی یہودی بستیوں میں جا کر بستا اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنا شروع کیں اور قریش وغطفان وغیرہ قبائل کو ورغلانے کا آغاز کیا۔ عرب کے شمال میں دومۃ الجندل ایک بڑا اہم کارروائی جنکشن تھا۔ مدینہ آنے والے کاروانوں کو یہاں چھیڑا جانے لگا۔ (۳۷) جو کوئی تعجب نہیں کہ یہودی سرمایہ داروں کے اثرات ہی کے باعث ہوا اور انہیں یہودیوں کی کوشش سے غطفان وفزارہ نے ایک طرف سے اور قریش اور ان کے حلیفوں نے دوسری طرف سے خندق کے معرکے میں مدینے کا محاصرہ کیا اور انتظام کر لیا گیا کہ عین نازک لمحے میں مدینے کے اندر کے بقیہ یہودی یعنی بنی قریظہ بھی غداری کریں جب کسی طرح یہ بلا ٹلی اور بنی قریظہ کو اپنے کیے کی سزا بھگتنی پڑی، تو خیبر و تماء اور وادی القریٰ ومقنا وغیرہ کے یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف نئے سرے سے شدید جدوجہد کا آغاز کیا۔

یہ مسلمانوں کے لیے بڑا نازک زمانہ تھا۔ شمال میں خیبر وغیرہ یہودی قوت کے مرکز تھے۔ شمال مشرق میں فزارہ وغطفان کے قبائل خیبر والوں کے حلیف تھے اور ان کی مسلمانوں سے بنتی نہ تھی اور جب موقع ملتا، یہ مسلمانوں کی تاخت کے درپے رہتے تھے۔ (۳۸) جنوب میں مکہ تھا، جس کی قوت چاہے معاشی طور سے متاثر ہوئی ہو، جنگی حیثیت سے برقرار تھی اور یہ سب کے سب غم وغصہ سے بے قرار اور مسلمانوں کے خلاف خار کھائے بیٹھے تھے اور سابقہ ناکامیوں کی خلش الگ تھی۔ آثار یہ نظر آرہے تھے کہ خیبر میں جا بسے ہوئے (جلاوطنان مدینہ یعنی) بنی النضیر کی کوششیں رنگ لائیں گی اور یہودی غطفان اور قریش سہ گانہ قوت مدینے پر حملہ بول دے گی۔ جس کی مدافعت آسان نہ تھی، معرکہ خندق میں دس ہزار کا لشکر مدینہ پر چڑھ آیا تھا، جس میں یہود شریک نہ تھے۔ مجوزہ حملے میں کچھ نہیں تو تین چار ہزار مزید سپاہیوں کا اضافہ ہو جاتا۔ خندق میں جوان اور بچے ملا کر مسلمانوں کے پاس کوئی تین ہزار آدمی تھے۔ اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوا تھا۔

ضرورت تھی کہ خیبر اور مکہ دونوں کی قوت کا استیصال کیا جائے، مگر مسلمانوں کے پاس اتنی قوت نہ تھی کہ وقت واحد میں ان دونوں مرکزوں پر حملہ کر سکتے یا کم از کم مدینے کی مدافعت کے قابل محافظ دستہ چھوڑ کر کسی ایک مرکز کو تباہ کر سکنے والی فوج روانہ کر سکتے۔ ساتھ ہی اس کا بھی خوف لگا ہوا تھا (جیسا کہ شمس الائمہ سرخسی نے کتاب المبسوط (۳۹) میں نہایت بالغ نظری اور تہ بینی سے واضح کیا ہے) کہ اگر مسلمان مکہ جاتے ہیں، تو خیبر غطفان مدینے پر چڑھ دوڑیں اور اگر مسلمان خیبر جائیں تو مکہ والے اپنے مواشی وموالی کے ساتھ آ کر مدینہ لوٹ نہ لیں کیونکہ مدینہ بیچوں بیچ واقع ہے۔ خیبر اس کے شمال میں کوئی آٹھ منزل کی مسافت پر ہے تو مکہ اس کے جنوب میں بارہ منزل پر ہے۔

ان حالات میں سیاست دانی کا اقتضاء یہی ہو سکتا ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک دشمن سے صلح کر کے دوسرے کے مقابلے میں اس کو دوست ورنہ کم از کم ناطرفدار بنا دیا جائے اور جب ایک سے فراغت ہو جائے گی، تو دوسرا خود ہی ہتھیار ڈال دے گا اور اسے پھر سرزوری کی جرأت نہ ہو گی۔ سوال یہ تھا کہ صلح کے والوں سے کی جائے یا خیبر والوں سے؟ خیبر کے حلیف ومعاون یعنی فزارہ وغطفان محض لوٹ مار کے شائق اور بالکل بے اصول خانہ بدوش عرب تھے۔ خیبر میں یہودی تھے، جو تمدنی اور نسلی وجوہ سے عربوں سے الگ تھے۔ ان کو اپنی جلاوطنی اور جائیداد کے لٹنے کا داغ تھا۔ جو جائیداد کی واپسی کے بغیر مٹ نہ سکتا تھا۔

سرمایہ داری کی وجہ سے کوئی معمولی "مابہ الاختلاط" ان کو مطمئن نہ کر سکتا تھا اور نہ ہی ان کی بات پر کوئی اعتماد کیا جا سکتا تھا، شاید یہ کہا جا سکتا ہے کہ خیبر کا مالدار مرکز ایک نسبتاً غیر جنگ جو قوم کے قبضے میں ہونے سے آسان تر مال غنیمت بھی تھا۔

دوسری طرف مکہ مسلمانوں کے لیے بہت سی رعایتوں کا متقاضی تھا۔ مسلمان مہاجرین سب مکی ہی تھے اور اہل مکہ ان کے رشتہ دار، کعبہ مسلمانوں کی نماز کا قبلہ اور حج کی منزل مقصود تھا۔ اہل مکہ کی تباہی سے زیادہ ان کا اسلام زیادہ مفید ہو سکتا تھا، کیونکہ قریش کے معاشی اور تمدنی تعلقات تمام عرب سے تھے اور ان کی صلاحیتیں تمام عرب میں سب سے زیادہ تھیں، کیوں کہ ان میں بات کا پاس تھا، وہ دھن کے پکے تھے، قومی مفاد کے لیے تن من دھن سے لگ جاتے۔ طبیعت مہمات پسند تھی، ادبی ذوق اور انتظام ملک کی قابلیت و ملکی بھی عام بدویوں کے مقابلے میں ان میں کہیں بڑھا ہوا تھا اور شاید یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کے معاشی دباؤ کے باعث اب وہ واقعی صلح پر آمادہ بھی ہو چکے تھے اور صرف لاج رکھنے کے لیے کسی اچھی شرط کے منتظر تھے۔ اتفاق سے اسی زمانے میں حجاز میں سخت قحط پڑا تھا اور مکے والوں کی رسد کے مرکز یمامہ پر بھی مسلمانوں کا (ثمامہ بن اثال کے اسلام لانے کے باعث) قبضہ ہو کر درآمد بند ہو گئی تھی۔ (۴۰) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بندش کا اثر محسوس کرا دینے کے بعد اپنی مرضی اور اختیار سے ممانعت (۴۱) اٹھا کر نیز مکے والوں میں سے غرباء و فقراء کی امداد کے لیے سرمایہ قحط میں اس زمانے میں پانچ سو اشرفیاں روانہ کر کے (۴۲) وہاں کے عوام کے دل موہ لیے تھے اور مکے کے سب سے بڑے اور بااثر سردار ابوسفیان کی لڑکی بی بی ام حبیبہؓ سے جو حبشہ گئی ہوئی تھیں، اس زمانے میں عقد غائبانہ کر لیا تھا۔ نیز مختلف سامان ضرورت (کھجور وغیرہ) ابوسفیان کو "ہدیہ" بھیج کر معاوضہ میں جانوروں کی کھالیں طلب کی تھیں۔ (۴۳) غرض باوجود حالتِ جنگ قائم رہنے کے یہ خاموش دلدہی کے کام جاری تھے۔ قریش کے حج کا زمانہ بھی آ گیا تھا، جس میں وہ مسلسل تین ماہ تک لڑائی بھڑائی حرام سمجھتے اور اس میں ان کا سخت ترین دشمن بلکہ قابل قصاص ملزم بھی ان کے شہر میں انہیں ملتا، تو اس پر ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ مسلمانوں نے بھی قریش ہی کے کعبے کو اپنا قبلہ بنا لیا تھا اور حج کعبہ کو بھی اپنے دین کا جز بنا لیا تھا، جس کا نفسیاتی اثر قریش پر پڑے بغیر رہ نہ سکتا تھا۔

ان حالات میں معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سوچا کہ اگر حج کے مہینوں میں مکہ جائیں اور ارادہ طواف کعبہ اور قربانی و عمرہ کے لیے ہو اور قریش کو منہ مانگی شرطیں پیش کی جائیں، تو کوئی تعجب نہیں جو وہ صلح پر آمادہ ہو جائیں اور اتفاق سے اسی زمانے میں نینوا کے مقام پر ایران و روم کی صدیوں سے چلی آنے والی جنگ ایران کی مکمل اور قطعی شکست پر منتج (۴۴) ہوئی تھی اور کچھ اور نہیں تو عرب میں جو "لاوارث" ایرانی صوبے مثلاً یمن، بحرین اور عمان تھے، ان کے متعلق حسب دلخواہ کارروائی کرنے کا اس بین الاقوامی صورت حال کے باعث ایک خداداد اور نادر موقع بھی ہاتھ آ گیا تھا۔ یمامہ پر قبضہ کے باعث مسلمان پہلے ہی بحرین و عمان کے قریب پہنچ گئے تھے۔ قریش کا ہموار ہونا یمن کا راستہ بھی کھول دیتا تھا اور رومیوں کی نینوا میں کامیابی ابھی فی الحال شمال میں کسی بڑی کارروائی میں مانع تھی۔

ہمیں معلوم ہے کہ مدینے میں قابل کار مسلمان مرد تقریباً تین ہزار تھے۔ اب ذی قعدہ کے مہینے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم چودہ سو آدمیوں کے ساتھ مدینے سے چلتے ہیں۔ حج کا احرام بندھا ہوا ہے اور ساتھ قربانی کے جانور ہیں اور ارادہ محض سالمانہ

ہے، اس لیے ساتھ جنگی ہتھیار تک نہیں ہیں۔ (البتہ کچھ دور جانے کے بعد حضرت عمرؓ کے مشورے سے احتیاطاً مدینے سے فوجی تخزن منگا لیا جاتا ہے۔ (۴۵) جو ساتھ تو رہتا ہے مگر بند حالت میں) مسلمان کافی فوج مدینے میں چھوڑ گئے تھے اور خاموشی کے ساتھ حدیبیہ کے مقام پر پہنچ گئے تھے، جہاں سے حدود حرم شروع ہوتے ہیں، جہاں سے ساحلی میدان ختم ہو کر دشوار گزار وادیاں اور پہاڑی سلسلے شروع ہوتے ہیں۔ مکے والوں کو اطلاع مل گئی تھی اور جنگی نقطہ نظر سے حدیبیہ کے درے کے دہانے پر حریف کے روکنے سے بہتر ان کے لیے کوئی اور مقام نہیں مل سکتا تھا۔ یہ جگہ مکہ سے صرف دس بارہ میل پر واقع ہے اور ایک طرح قریش اپنے گھر ہی میں رہ کر دروازے سے آئی ہوئی اور ہر طرح کی رسد اور مدد سے منقطع اسلامی فوج سے لڑ سکتے تھے۔

حدیبیہ میں آتے ہی سفارتی سرگرمی شروع ہوگئی۔ قریش کے نمائندے اور کارندے آ آ کر مقصد معلوم کرنے لگے۔ آخر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے داماد حضرت عثمانؓ کو مکہ بھیجا کہ مختار کل کی حیثیت سے گفت و شنید کریں۔ مکے میں عجیب بدنظمی تھی اور کوئی مرکزیت نہیں پائی جاتی تھی۔ ان کا سب سے بااثر سردار ابوسفیان بھی کسی نامعلوم راستے سے چھپ چھپا اور بچ بچا کر ان دنوں شام گیا ہوا تھا۔ اسی لیے حضرت عثمانؓ نظر بند ہو گئے اور ان کی واپسی میں دیر ہوئی تو مسلمانوں کو خوف ہوا کہ کہیں انہیں شہید نہ کر دیا گیا ہو۔ اب مسلمانوں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور حدیبیہ میں انہوں نے مرنے مارنے کا اقرار کیا جس کا ''اذ یبایعونک تحت الشجرۃ'' کے الفاظ میں قرآن مجید میں بھی ذکر ہے۔ قریش کو خبر ملی تو وہ گھبرائے۔ آخر صلاح کر کے انہوں نے سہیل بن عمرو کو مختار کل کر کے سفیر بنا کر حدیبیہ بھیجا اور تھوڑی سی رد و قدح کے بعد صلح نامہ طے ہو گیا۔

حدیبیہ کی اس صلح (یا بقول قریش ''شکست'') کو قرآن مجید میں مسلمانوں کے لیے ''فتح مبین'' اور ''نصر عزیز'' کے ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔ بادی النظر میں حیرت ہوتی ہے کہ یہ ''برعکس نہند نام زنگی کافور'' کیوں؟ لیکن ہم دیکھ چکے ہیں کہ اسلامی حکومت تو قریش کی منہ مانگی شرطیں منظور کرنے کو تیار تھی۔ صرف خیبر میں جنگ سے ان کی غیر جانبداری مطلوب تھی۔ اسے قریش نے منظور کر لیا تھا، بلکہ اس سے بھی زیادہ رعایتیں منظور کر لی تھیں۔ ''باسمک اللّٰھم'' کے فارمولے میں کوئی شرک یا بت پرستی نہیں ہے اور اس کو نیز ''محمدؐ بن عبداللہ'' کو منظور کرنے میں مسلمانوں کا کوئی نقصان نہ تھا۔ اسی طرح عمرے میں رکاوٹ معمولی امر ہے اور ''من استطاع الیہ سبیلا'' کے باعث اس وقت وہ مسلمانوں پر فرض ہی نہ تھا۔ یک طرفہ تحویل ملزمین کی توجیہہ خود جناب رسالت مآبؐ نے یہ فرمائی کہ ہمارے پاس سے بھاگ کر جانے والا کافر ہی ہو گا۔ ہمیں اس کی ضرورت نہیں اور قریش کے پاس سے بھاگ کر آنے والا مسلمان ہی ہو گا اور اگر وہ اپنے ہم وطنوں کے مظالم پر صبر کرے گا تو خدا اسے اجر دے گا۔ یوں بھی چند ہی دنوں میں اسلامی عملداری کے باہر نومسلموں نے قریشی کاروانوں کا کچھ وہ ناطقہ تنگ کر دیا کہ خود قریش نے جناب رسالت مآبؐ سے التجا کی کہ اس شرط کو منسوخ کر کے ان نومسلموں کو مدینہ بلا لیں اور تیسری شرط تو مسلمان خود ہی چاہتے تھے کہ قریش مسلمانوں سے صلح کر لیں اور مسلمانوں کی جنگوں میں غیر جانبدار رہیں اور اس میں ذرا بھی شبہ نہیں رہتا کہ مسلمانوں کے لیے سخت ترین نازک زمانے میں حدیبیہ میں قریش کا اس صلح پر آمادہ ہو جانا اسلامی سیاست خارجہ کی ایک واقعی ''فتح مبین''، ''نصر عزیز'' تھی، جس کے باعث ان کے ہاتھ کھل گئے اور فوری خطرات پر نجات

ملنے پر انہوں نے آزادی کے ساتھ تین ہی سال میں پرامن ذرائع سے اپنی مملکت کو تقریباً دس گنا پھیلا کر پورے جزیرہ نما عرب کو اپنا مطیع بنالیا اور وہاں سے رومی اور ایرانی اثرات بالکل خارج کر کے ایک ایسی مستحکم حکومت قائم کردی جو پندرہ ہی سال میں تین براعظموں پر پھیل گئی اور جو اس سے ٹکرایا، پاش پاش ہو کر رہ گیا اور جس نے سر تسلیم خم کردیا، وہ اسلام کے رنگ وزبان سے بالاقومیت میں برابری کے حصے کے ساتھ شریک ہو گیا۔

یہی وہ صلح حدیبیہ ہے جسے عہد نبوی کی سیاست خارجہ کا شاہکار کہنا چاہئے! اس معاہدہ کا متن عربی ماخذوں میں کہیں تو پورا پورا، کہیں جستہ جستہ ملتا ہے، جس کی تفصیل الوثائق السیاسیہ (مطبوعہ ۱۳۶۰ھ) میں دستاویز نمبر ۱۱ کے تحت دی گئی ہے۔

مزید حوالے ونسنسک کی مفتاح کنوز السنۃ میں تحت عنوان حدیبیہ ہیں۔(۴۷)

معروف سیرت نگار پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ ''ضیاء النبیؐ'' میں لکھتے ہیں کہ:

حضور نبی کریم ﷺ جب عسفان کے مقام پر پہنچے جو مکہ سے پچیس میل کے فاصلہ پر ہے یا بقول بعض کراع الغمیم کے مقام پر پہنچے تو یہ سورہ مبارکہ نازل ہوئی جس کی پہلی آیت ''إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا'' (۴۸) سورۃ الفتح نے اس حقیقت کو آشکارا کر دیا، صلح ہو جانے کے بعد مکہ اور مدینہ کے درمیان حالت جنگ کی کیفیت اختتام پذیر ہو گئی اور آنے جانے پر پابندیاں اٹھ گئی تھیں، چنانچہ تبلیغ اسلام کا کام اس زور شور سے ہوا اور ایسی کامیابیاں حاصل ہوئیں کہ گزشتہ انیس سال کی جدوجہد ایک طرف اور صلح کے بعد دو سال کی جدوجہد ایک طرف۔ قبائل کے قبائل فوج در فوج مدینہ طیبہ کا رخ کر رہے تھے اور حضور کے دست حق پرست پر اسلام قبول کر رہے تھے۔ اس سفر میں حضور کے ہمراہیوں کی تعداد چودہ سو کے قریب تھی اور دو سال بعد جب فتح مکہ کے لئے حضور روانہ ہوئے تو دس ہزار کا لشکر جرار ہمراہ تھا۔ نیز امن قائم ہو جانے کے بعد حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو یہ موقع مل گیا کہ جو علاقے اسلام کے زیر نگین ہو چکے تھے، ان میں اسلامی حکومت کو مستحکم بنیادوں پر قائم کر دیا جائے اور اسلامی قانون کے نفاذ سے مسلم معاشرہ کو ایک نئی اور پاکیزہ تہذیب اور تمدن کے سانچے میں ڈھال دیا جائے۔

اس صلح کا یہ فائدہ بھی کچھ کم اہم نہیں کہ قریش کی جانب سے جب اطمینان ہوا تو حضور ﷺ نے شمالی عرب اور وسط عرب کی مخالف طاقتوں کو مسخر کرنے کی طرف توجہ مبذول فرمائی۔ صلح حدیبیہ کے تین ماہ بعد یہودیوں کے اہم مراکز خیبر، فدک، وادی القری، تیمہ اور تبوک پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا اور وسط عرب میں پھیلے ہوئے بادیہ نشین قبائل جو پہلے قریش کے حلیف تھے، ایک ایک کر کے حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے یا انہوں نے حضور کی اطاعت قبول کر لی۔

اس سورت کے نازل ہونے کے بعد رحمت للعالمین ﷺ نے اپنے صحابہ کو فرمایا:

''چاشت کے وقت مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے۔ (یہ بات حضورؐ نے تین بار فرمائی)۔ صحابہؓ نے عرض کی، یا رسول اللہؐ! آپ کو ان گنت مبارکیں ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تو بتا دیا کہ وہ آپؐ کے ساتھ کیا معاملہ کرے گا۔ آپؐ فرمایئے! ہمارے ساتھ ہمارا رب کیا معاملہ کرے گا۔ تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔(۴۹)

"لِیُدْخِلَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَیُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِیْمًا" (۵۰) "یعنی تا کہ داخل کردے ایمان والوں اور ایمان والیوں کو باغوں میں، رواں ہیں جن کے نیچے نہریں۔ وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے اور دور فرمادے گا ان سے ان کی برائیوں کو اور یہ اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے"۔

جبرائیل امینؑ نے حاضر ہو کر ہدیہ تہنیت پیش کیا۔ پھر تمام صحابہؓ نے اپنے آقا کی فتح مبین پر دل کی گہرائیوں سے بصد خلوص مبارکباد عرض کی۔

آئندہ سال جب نبی کریم (ﷺ) اپنے صحابہؓ کو ہمراہ لے کر عمرہ قضا کرنے کے لئے تشریف لائے اور حلق کیا تو فرمایا یہ ہے جس کا میں نے تم سے وعدہ کیا تھا۔ جب ۸ ہجری میں مکہ فتح ہوا اور کعبہ کے کلید بردار نے کعبہ کی کلید بارگاہ رسالتؐ میں پیش کی تو حضورؐ نے فرمایا: عمرؓ بن خطاب کو میرے پاس بلا کر لاؤ۔ جب حاضر ہوئے تو چابی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ھٰذا الذی قلت لکم یہ وہ چیز ہے جو میں نے تم کو کہی تھی"۔ اور جب ۱۰ ہجری کو حجۃ الوداع کے لئے حضورؐ نے عرفات میں وقوف فرمایا تو حضورؐ نے فرمایا: اے عمر ھٰذا الذی قلت لکم یہ ہے وہ جو میں نے تمہیں کہا تھا"۔ حضرت عمرؓ نے عرض کی، یا رسول اللہؐ! اسلام میں کوئی فتح، صلح حدیبیہ سے بڑی نہیں ہے۔ (۵۱)

حضرت صدیق اکبر کا ایک ارشاد بڑا ایمان افروز ہے۔ آپ بھی سماعت فرمایئے:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اسلام میں کوئی فتح، فتح حدیبیہ سے بڑی نہیں، لیکن لوگوں کی عقلیں اس راز کو سمجھنے سے قاصر تھیں، جو محمد مصطفیٰ (ﷺ) اور آپؐ کے رب کے درمیان تھی۔ بندے جلد بازی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بندوں کی طرح جلد بازی نہیں کرتا یہاں تک کہ سارے امور اپنے انجام تک پہنچ جائیں۔ آپؓ نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ میں نے حجۃ الوداع کے موقع پر سہیل بن عمرو کو دیکھا کہ جب حضورؐ قربانی کے جانور ذبح کر رہے تھے تو وہ ان جانوروں کو پکڑ کر حضورؐ کے قریب لے آتا تھا اور جب حجام نے سرور عالم (ﷺ) کا حلق کیا تو میں نے دیکھا وہی سہیل ان موہائے مبارک کو چن رہا ہے اور میں دیکھا تھا کہ وہ انہیں اپنی آنکھوں پر رکھتا تھا۔ اس وقت مجھے سہیل کا وہ انکار یاد آ گیا جو حدیبیہ کے دن اس نے کیا تھا۔ بسم اللہ شریف لکھنے سے بھی اس نے انکار کیا اور محمد رسول اللہ لکھنے سے بھی انکار کیا۔ میں نے اللہ تعالیٰ کی اس بات پر حمد وثنا کی جس نے اس کو اسلام قبول کرنے کی توفیق بخشی۔

فصلوٰت اللہ تعالیٰ وبرکاتہ علی نبی الرحمۃ الذی ھدانا بہ وانقذنا بہ من الھلکۃ. (۵۲ الف۔ب)

"اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں اس نبی رحمتؐ پر جس کے طفیل اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت دی اور ہمیں ہلاکت سے نجات عطا فرمائی"۔

سیرت نگار مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری کے مطابق:

صلح حدیبیہ مسلمانوں کی فتح عظیم تھی کیونکہ قریش نے اب تک مسلمانوں کا وجود تسلیم نہیں کیا تھا اور انہیں نیست و نابود کرنے کا

تہیہ کیے بیٹھے تھے۔ انہیں انتظار تھا کہ ایک نہ ایک دن یہ قوم دم توڑ دے گی۔ اس کے علاوہ قریش جزیرۃ العرب کے دینی پیشوا اور دنیاوی صدر نشین ہونے کی حیثیت سے اسلامی دعوت اور عام لوگوں کے درمیان پوری قوت کے ساتھ حائل رہنے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ اس پس منظر میں دیکھئے تو صلح کی جانب محض جھک جانا ہی مسلمانوں کی قوت کا اعتراف اور اس بات کا اعلان تھا کہ اب قریش اس قوت کو کچلنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

نئی تبدیلی:

صلح حدیبیہ درحقیقت اسلام اور مسلمانوں کی زندگی میں ایک نئی تبدیلی کا آغاز تھا چونکہ اسلام کی عداوت و دشمنی میں قریش سب سے زیادہ مضبوط، ہٹ دھرم اور لڑاکا قوم کی حیثیت رکھتے تھے، اس لیے جب وہ جنگ کے میدان میں پسپا ہو کر امن و سلامتی کی طرف آ گئے تو احزاب کے تین بازوؤں قریش، غطفان اور یہود، میں سے سب سے مضبوط بازو ٹوٹ گیا اور چونکہ قریش ہی پورے جزیرۃ العرب میں بت پرستی کے نمائندے اور سربراہ تھے اس لیے میدان جنگ سے ان کے ہٹتے ہی بت پرستوں کے جذبات سرد پڑ گئے اور ان کی دشمنانہ روش میں بڑی حد تک تبدیلی آ گئی چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس صلح کے بعد غطفان کی طرف سے بھی کسی بڑی تگ و دو اور شور و شر کا مظاہرہ نہیں ہوا، بلکہ انہوں نے کچھ کیا بھی تو یہود کے بھڑکانے پر۔

جہاں تک یہود کا تعلق ہے تو وہ یثرب سے جلاوطنی کے بعد خیبر کو اپنی دسیسہ کاریوں اور سازشوں کا اڈہ بنا چکے تھے، وہاں ان کے شیطان انڈے بچے دے رہے تھے اور فتنے کی آگ بھڑکانے میں مصروف تھے۔ وہ مدینہ کے گرد و پیش آباد بدوؤں کو بھڑکاتے رہتے تھے اور نبی ﷺ اور مسلمانوں کے خاتمے یا کم از کم انہیں بڑے پیمانے پر زک پہنچانے کی تدبیریں سوچتے رہتے تھے، اس لیے صلح حدیبیہ کے بعد نبی ﷺ نے سب سے پہلا اور فیصلہ کن راست اقدام اسی مرکز شر و فساد کے خلاف کیا۔

بہرحال امن کے اس مرحلے پر جو صلح حدیبیہ کے بعد شروع ہوا تھا، مسلمانوں کو اسلامی دعوت پھیلانے اور تبلیغ کرنے کا اہم موقع ہاتھ آ گیا تھا، اس لیے اس میدان میں ان کی سرگرمیاں تیز تر ہو گئیں جو جنگی سرگرمیوں پر غالب رہیں۔ (۵۳)

معروف عرب مصنف محمد احمد باشمیل اپنی کتاب ”صلح حدیبیہ“ میں لکھتے ہیں کہ

اس تاریخی صلح کے انعقاد تک یا اس سے قبل جو کچھ بھی ہوا وہ عسکری ڈکشنری کے معروف معنوں کی رُو سے حربی معرکہ نہ تھا اور نہ ہی حدیبیہ کے کنکریلے نالے میں بدر کے نشیب، اُحد کی گھاٹیوں، خندق کے کناروں اور خیبر کی وادیوں اور چوٹیوں کی طرح کا قریش اور مسلمانوں کے درمیان کوئی خونریز معرکہ ہوا تھا جن کے نتائج اسلام اور مسلمانوں کے لیے بہت اچھے ہوئے تھے، لیکن صلح حدیبیہ کے مثبت نتائج بھی، ان کامیاب، خونریز اور فیصلہ کن معرکوں کے نتائج سے کم تر نہ تھے بلکہ رسول کریم ﷺ نے قریش سے حدیبیہ کے مقام پر جو صلح کی اس نے دعوت اسلامی کو (سیاسی، روحی، معنوی اور عسکری لحاظ سے) وہ فوائد پہنچائے جو آپ کو کسی بھی معرکہ سے حاصل نہیں ہوئے جس میں آپؐ اور آپؐ کے اصحابؓ نے تیر و تلوار یا نیزے کے ساتھ شمولیت کی ہو، اس بات کی

شہادت ان کبار صحابہؓ نے بھی دی ہے جنہوں نے اس صلح کے انعقاد پر، رسول کریم ﷺ سے سخت معارضہ کیا تھا نیز ان فوائد کی عظمت پر خود قرآن کریم نے بھی گواہی دی ہے اور قیامت تک پڑھی جانے والی آیات میں ان فوائد کا ذکر کر کے ان کو دوام بخشا ہے یعنی صلح حدیبیہ کو "الفتح المبین" قرار دیا ہے اور یہ وہ بات ہے جسے قرآن کریم نے عہد نبویؐ میں ہونے والے کسی بھی معرکہ یا واقعہ کو سوائے صلح حدیبیہ کے نتائج کے لحاظ سے ایسا قرار نہیں دیا یہاں پر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ صلح حدیبیہ کے مثبت نتائج کے لحاظ سے عہد نبویؐ میں اسلام اور بت پرستی کے درمیان ہونے والے سب سے بڑے معرکے سے بھی زیادہ کچھ حاصل کیا ہے جس سے اسلام کے پاؤں مضبوطی سے جم گئے اور عملاً بت پرستی کی بنیادیں کھوکھلی ہو گئیں، پھر گر پڑیں اور ان کا وجود مضمحل ہو گیا۔

ہم نے حدیبیہ کی اس تاریخی صلح کو اسلام کے فیصلہ کن معرکوں کے سلسلہ میں درج کیا ہے کیونکہ نتائج کے لحاظ سے اس پر "فیصلہ کن معرکہ" کا نام بکلی طور پر انطباق پاتا ہے۔

صلح حدیبیہ تاریخ کے اہم واقعات میں سے ایک عظیم واقعہ ہے، اس صلح کے ہوتے ہی جزیرہ عرب میں اسلام اور بت پرستی کے درمیان ہونے والی جنگ اسلام اور مسلمانوں کے مفاد میں ہو گئی یہاں تک کہ اس نے شرک اور بت پرستی کا مکمل طور پر خاتمہ کر دیا اور سیادت تامہ فقط توحید کے لیے باقی رہ گئی۔

صلح حدیبیہ میں حلم و صبر، ضبط نفس، ایفائے عہد، تنقید کو قبول کرنے معارضہ کرنے اور بلند اور شریفانہ مقاصد تک پہنچنے کے واسطے، تکالیف کو برداشت کرنے کے لیے بہت سے مواعظ و عبر، اسباق اور حکمتیں پائی جاتی ہیں جو اس لائق ہیں کہ ان کی ریسرچ کا اہتمام کیا جائے اور ان سے استفادہ کے لیے انہیں بنظر تعمق دیکھا جائے اور ان کے نور سے روشنی حاصل کی جائے۔

خصوصاً ان لوگوں کے لیے اس صلح میں بہت سی حکمتیں پائی جاتی ہیں جو کسی قوم کی منزل کی جستجو میں ہوں اور قیادت کی کرسی پر متمکن ہوں۔

ہجرت کے چھٹے سال رسول کریم ﷺ نے حدیبیہ کی پتھریلی زمین میں قریش کے ساتھ تاریخی صلح کا معاہدہ کیا اور آپؐ نے اس صلح کے کسی فقرے کے بُرے نتائج کے متعلق سوچا بھی نہ تھا جس نے ایک طرف قریش اور کنانہ اور دوسری طرف رسول کریم ﷺ اور خزاعہ کے درمیان ہونے والی جنگ کو دس سال کی مدت کے لیے ختم کر دیا تھا۔ اس دوران میں مسلمان اور مشرکین ایک دوسرے کے ساتھ صلح اور امن وامان سے زندگی بسر کرتے تھے۔

رسول کریم ﷺ نے اس صلح کے فقرات کا انتہائی باریک بینی سے التزام کیا اور اس کی عبادت پر دل و جان سے عمل کیا اور عملاً وفاداری کے اصول کا التزام کر کے اخلاق اسلامی کی اصالت پر دلیل پیش کر دی اور دو مسلمانوں کو ان کے مشرک اہل کے سپرد کر کے ان کے اخلاق کریمہ سے اپنی وابستگی کو واضح کر دیا، حالانکہ ابھی تک صلح کی دستاویز کی سیاہی بھی خشک نہیں ہوئی تھی۔ آپؐ نے یہ کام اس قاتل غم کے علی الرغم کیا جو آپؐ کے عام صحابہؓ پر چھایا ہوا تھا۔ بظاہر یہ تصرف مسلمانوں کی ذلت کا سامان لیے ہوئے تھا جیسا کہ رسول کریم ﷺ کے ایک وزیر کبیر عمرؓ بن خطاب نے اس کی صراحت کی ہے۔ (۵۴)

اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کو کامل صلاحیتوں سے نوازا تھا بلکہ صریح بات یہ ہے کہ کسی بھی پارٹی کے متعلق اظہار کیے بغیر اس

سے خیانت کی بُو کو سونگھا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ خِيَانَةً فَانبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ (۵۵)

وَإِنْ جنحوا للسلمه فاجنح لها وتوكل على الله انه هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وإن يريد واخيانتك فَقَد خَانُوا الله من قبل فامكن منهم والله عليمٌ حكيم (۵۶)

فتح مکہ کے بعد اہالیانِ مکہ خوشی خوشی اور بادل نخواستہ اسلام میں داخل ہو گئے اور بعد میں انہیں بڑا اطمینان حاصل ہو گیا، فتح مکہ کے بعد بت پرستی کے نشانات کو خوفناک سرعت کے ساتھ مٹایا جانے لگا، یہاں تک کہ ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ تمام اہل جزیرہ اسلام میں داخل ہو گئے، یہ فتح ہجرت کے آٹھویں سال ہوئی اور نویں سال بلا استثناء تمام جزیرہ پر حاوی ہو گیا، نویں سال کو وفود کا سال بھی کہتے ہیں کیونکہ اہل عرب کے وفود مدینہ میں آ کر اللہ کے دین میں داخل ہوتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔

" إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ○ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ○ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ○ " (۵۷)

(ترجمہ) جب خدا کی مدد اور فتح آ پہنچی اور آپ لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہوتا دیکھ لیں تو اپنے رب کی تسبیح وتحمید کیجئے اور اس سے استغفار کی درخواست کریں، وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

فتح مکہ ہر لحاظ سے بہت بڑی فتح تھی۔ (۵۸)

مولانا سید ابوالحسن ندویؒ اپنی کتاب "نبی رحمت" میں رقمطراز ہیں کہ:

جب مسلمانوں نے یہ صلح اور واپسی کی بات سنی اور انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح اس کو برداشت کیا تو یہ بات ان کے لئے اتنی روح فرسا ثابت ہوئی کہ ان کی جان پر بن گئی۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم لوگ بیت اللہ جائیں گے اور طواف کریں گے؟ انہوں نے کہا ہاں فرمایا تھا، لیکن انہوں نے تم سے یہ کہا تھا کہ تم اسی سال بیت اللہ بھی جاؤ گے اور طواف بھی کرو گے۔ (۵۹)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس صلح نامہ سے فارغ ہوئے تو آپ قربانی کے جانوروں کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کو جا کر ذبح کیا، اس کے بعد حلق کرایا۔ مسلمانوں کے لئے یہ بات کسی سانحہ سے کم نہ تھی، اس لئے کہ مدینہ سے نکلتے وقت ان کے دل میں اس کا وسوسہ بھی نہیں تھا کہ انہیں مکہ جانے اور عمرہ کرنے کا موقع نہ مل سکے گا، لیکن جب انہوں نے آپ کو قربانی کرتے اور حلق کراتے دیکھا تو سب اسی وقت تیزی سے کھڑے ہو گئے اور آپ کی اتباع کرتے ہوئے قربانی اور حلق میں مشغول ہو گئے۔ (۶۰)

ذلت آمیز صلح یا کھلی ہوئی فتح؟:

اس کے بعد آپ مدینہ تشریف لائے اور راستہ ہی میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

" إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ○ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ○ وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا ○" (۶۱)

اے محمد (اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے تم کو فتح دی، صریح و صاف تاکہ خدا تمہارے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دے اور تمہیں سیدھے راستہ پر چلائے اور خدا تمہاری زبردست مدد کرے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ کیا یہی فتح ہے؟

آپؐ نے فرمایا۔ ہاں! (۶۲)

یہ صلح فتح وظفر میں کیسے تبدیل ہوئی؟

آخر میں پیش آنے والے واقعات نے یہ ثابت کر دکھایا کہ صلح حدیبیہ سے (جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے موقف سے بہت کچھ اتر کر معاہدہ فرمایا تھا اور قریش کا مطالبہ مان لیا تھا اور انہوں نے بھی اس کو اپنی بڑی جیت اور نفع کا سودا سمجھا تھا اور مسلمانوں نے اس کو اپنی ایمانی قوت اور نبی کامل اطاعت کے جذبہ سے برداشت کر لیا تھا) دراصل اسلام کے اقبال وظفر مندی کا ایک نیا دروازہ کھل گیا اور اس کی وجہ سے اسلام کو جزیرۃ العرب میں اس قدر تیزی کے ساتھ فروغ ہوا کہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ اس نے فتح مکہ کا بھی دروازہ کھولا اور اسی کے نتیجے میں قیصر و کسریٰ، مقوقس، نجاشی اور امراء عرب کو دعوت اسلام دی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے بالکل صحیح ارشاد فرمایا ہے۔

"وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ. (۶۳)

مگر عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بری لگے اور وہ تمہارے حق میں بھلی ہو اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ تمہارے لئے مضر ہو اور (ان باتوں کو) خدا ہی بہتر جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

اس صلح کے بہترین فوائد و نتائج میں ایک یہ بات بھی تھی کہ قریش نے مسلمانوں کی حیثیت اور مرتبہ کو تسلیم کیا اور ایک باعزت اور طاقتور فریق کی حیثیت سے جس کے ساتھ معاہدے کئے جاتے ہیں اور مذاکرات ہوتے ہیں، ان کو ان کی جائز جگہ دی اور شاید اس صلح کا سب سے بہتر ثمرہ وہ جنگ بندی اور امن کی فضا تھی جس کی وجہ سے مسلمانوں کو (جو عرصہ جنگوں کے ایک طویل سلسلے میں الجھے ہوئے تھے اور جس نے ان کی ساری توانائی اور قوت نچوڑ لی تھی) اطمینان کی سانس لینے اور کسی قدر آرام کرنے، نیز اس پر سکون اور پر امن وقفہ میں یکسوئی اور جمعیت خاطر کے ساتھ اس کی دعوت پہنچانے اور فریضہ تبلیغ ادا کرنے کا بہترین موقع مل گیا۔

اس صلح نے مسلمانوں اور مشرکوں کو جو اب تک باہم دست و گریبان تھے، ایک دوسرے سے ملنے جلنے اور ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقع

بھی فراہم کیا اور اس کی وجہ سے اسلام کے وہ محاسن مشرکین کے سامنے آئے، جو اب تک اس قدر حسن وزیبائی کے ساتھ سامنے نہ آئے تھے۔ مثلاً شرک وبت پرستی کی نجات سے یکسر نجات، دشمنی وعداوت، انسانی خون کی پیاس اور قتل وغارت گری سے مکمل نفرت جو قومی شیوہ بن گیا تھا۔ اخلاقی قلب ماہیت وانقلاب جو پندرہ سال کی قلیل مدت میں ان لوگوں کی زندگی میں رونما ہوا تھا جو کسی دوسری قوم کے افراد یا کسی غیر ملک کے باشندے نہ تھے، ان ہی کے ہم قوم، ہم رنگ اور ہم زبان تھے۔ ان ہی کی طرح مکہ میں پیدا ہوئے تھے اور ان کی ایک عمر ان ہی کے ساتھ بسر ہوئی تھی، پھر یہ کس چیز کا کرشمہ تھا کہ وہ ان چند برسوں میں مٹی سے اکسیر اور پتھر سے پارس بن گئے تھے۔ اسلام کی تعلیمات اور صحبت نبویؐ کے سوا کوئی چیز اہل مکہ اور ان مہاجرین کے درمیان فرق کرنے والی نہ تھی، چنانچہ ایک سال بھی اس صلح پر نہ گزرا تھا اور مکہ بھی ابھی فتح ہونا باقی تھا کہ عربوں کی اتنی بڑی تعداد حلقہ بگوش اسلام ہوئی کہ گزشتہ پندرہ برسوں میں اس قدر نہ ہوئی تھی۔

تنہا ان دو برسوں میں اتنے آدمی داخل اسلام ہوئے جتنے اب تک ہوئے تھے، بلکہ شاید اس سے بھی زیادہ"۔ (۶۴)

ابن ہشام کہتے ہیں "زہری کے قول کی مزید دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ میں (بروایت جابر بن عبداللہ) چودہ سو آدمی تھے اس کے دو سال بعد فتح مکہ کے موقع پر آپؐ کے ساتھ دس ہزار صحابہؓ کی جمعیت تھی"۔ (۶۵)

اس جنگ بندی اور صلحنامہ کی بدولت ان مسلمانوں کو فائدہ پہنچا جو مکہ میں اپنی مجبوری وبے بسی کی وجہ سے باقی رہ گئے تھے اور قریش کے استہزاء واہانت کا ہدف بنے ہوئے تھے اور ابو جندلؓ کے ہاتھ پر قریش کے نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد نے اسلام قبول کیا، اسلام کے اس نئے داعی اور مبلغ کی یہ کوشش اور اسلام کا مکہ میں فروغ مشرکین کے لئے ایک دردِ سر بن گیا۔

یہ سب لوگ ابو بصیرؓ کے کاروانِ حق سے آملے اور دیکھتے ہی دیکھتے اسلام کی دعوت وقوت وشوکت کا ایک بڑا مرکز تعمیر ہو گیا۔ قریش کو اس کی بڑی فکر دامن گیر ہوئی، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ان لوگوں کو مدینہ بلالیں، چنانچہ آپؐ نے ایسا ہی کیا اور اس طرح جس تنگی ومصیبت میں یہ لوگ گرفتار تھے، اس سے ان کو نجات ملی۔ یہ سب دراصل اسی صلح کی برکت اور جنگ بندی کے اسی معاہدہ کا نتیجہ تھا۔ (۶۶) اس مصالحانہ اور امن پسندانہ رویہ کا جو آپؐ نے اس موقع پر اپنایا، نیز جنگ سے عدم دلچسپی صلح جوئی کے جذبہ اور بردباری واعتدال کے جس طرزِ عمل کا آپؐ سے اظہار ہوا، اس کا ایک فائدہ یہ بھی نکلا کہ وہ عرب قبائل جو ابھی اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے، اس نئے دین اور اس کے داعی کو نئی نظر سے دیکھنے لگے، ان کے دلوں میں اسلام کی عظمت اور اس کا وہ احترام اور محبت پیدا ہوگئی، جو اس سے پہلے نہ تھی۔ یہ ایک ایسا تبلیغی ودعوتی فائدہ تھا، جس کو معمولی نہیں کہا جاسکتا، اگرچہ اس کی کوئی کوشش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے نہیں کی تھی۔ (۶۷۔ الف۔ ب)

مولانا ابوالکلام آزاد اپنی کتاب "رسول رحمت" میں لکھتے ہیں کہ:

رسول اللہ ﷺ فرما چکے تھے کہ قریش میرے ساتھ صلح کرلیں اور میرا معاملہ عربوں پر چھوڑ دیں۔ عرب مجھ پر غلبہ پالیں گے تو قریش کا مقصد خود بخود پورا ہو جائے گی اور مجھے اللہ تعالیٰ غلبہ عطا کرے گا تو عرب گروہ در گروہ اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔

اب قریش نے صلح کی مستقل گفتگو کے لیے سہیل بن عمرو کو مختار بنا کر بھیجا۔ گفتگو کے بعد چند شرائط پر فیصلہ ہو گیا جن میں سے بعض شرائط مسلمانوں کو سخت ناگوار گزریں۔

شرطوں کی حقیقت:

بہ نظر غائر دیکھا جائے تو ان شرطوں میں بھی کوئی پریشان کن بات نہ تھی۔ البتہ ظاہر الفاظ میں سبکی کا ایک پہلو محسوس ہوتا تھا۔ خود رسول اللہ صلعم نے عمرؓ کے جواب میں فرمایا تھا:

میرا جو آدمی جائے گا، وہ ضرور منافق ہوگا۔ اس کا جانا ہی اچھا ہے۔ البتہ جس مسلمان کو ہم واپس کریں گے تو اس کے لیے خداوند کریم جلد سامان کر دے گا۔

کیا یہ حقیقت نہیں کہ مدینہ منورہ سے دانستہ مکہ مکرمہ آنے والے شخص کا معاملہ دو حالتوں سے خالی نہیں سمجھا جا سکتا تھا؟ یا تو اس کے دماغ میں فتور ہوتا یا دل میں۔ یعنی یا تو اسے سلامت ہوش و حواس سے عاری مانا جاتا یا دینی نقطہ نگاہ سے منافق قرار دیا جاتا۔ دونوں صورتیں حقیقتاً مستحق اعتنا نہ تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی ایسی مثال ہی نہیں ملتی، کسی نے مدینہ منورہ سے مکہ کا قصد کیا ہو۔

باقی رہا مدینہ منورہ سے قریش کے طلب کردہ آدمی کو واپس کرنے کا معاملہ تو معلوم ہے کہ جو مسلمان مکہ مکرمہ میں رہ گئے ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے تبلیغ اسلام کا انتظام فرما دیا۔ گویا ایسے لوگ بجائے خود مرکز تبلیغ بن گئے۔ یا انہوں نے باہر نکل کر اور مکہ و مدینہ دونوں سے الگ رہ کر ایک مرکز بنا لیا، جو انجام کار قریش کے لیے اس درجہ مصیبت خیز بن گیا کہ انہوں نے خود یہ شرط ختم کر دی۔ گویا یہ شرط حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین کی تقویت و توسیع اور قریش کی پشیمانی کا باعث بنی۔ (۶۸)

مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی اپنی کتاب "پیغمبر انسانیت" میں لکھتے ہیں کہ

معاہدے کے بعد تین دن حدیبیہ میں قیام رہا، پھر مدینے کو روانگی ہوئی۔ راستے میں یہ آیات نازل ہوئیں:

اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحاً مُّبِیْناً (۶۹) اے رسول! ہم نے تمہارے لیے واضح فتح کے دروازے کھول دیے۔

اس معاہدے کے فتح مبین ہونے کی تصدیق بعد کے واقعات نے کر دی۔

ایک بڑا فائدہ جو اس معاہدے سے ہوا اس کی طرف سیرت نگاروں کی نظر نہیں گئی۔ وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو اصل خطرہ ہر وقت اہل مکہ سے تھا کیونکہ مکہ عرب کا مرکز تھا اور اہل مکہ کا اثر و اقتدار سارے عرب پر تھا۔ اب ان سے NON-AGGRESSION PACT (ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کا معاہدہ) صلح حدیبیہ کی شکل میں ہو چکا تھا اور اہل مکہ مسلمانوں کی طاقت سے مرعوب ہو چکے تھے۔ گویا ان کے حملوں کی طرف سے اطمینان ہو گیا تھا۔ اب یہود خیبر تنہا رہ گئے تھے اور ان کی سرکوبی کے لیے راستہ صاف ہو گیا تھا۔ یہ خطرہ نہ تھا کہ اہل مکہ ان یہود کی حمایت میں مسلمانوں سے جنگ کریں گے، چنانچہ جلد ہی یہود خیبر جیسی فتنہ پرور قوم کا زور توڑ دیا گیا اور فتح خیبر فتح مبین کی تفسیر مبین بن کر سامنے آ گئی۔ حضورؐ یا صدیق اکبرؓ کے سوا

کون اس سیاسی گہرائی کو سمجھ سکتا تھا کہ دو بڑے دشمنوں میں سے ایک سے مصالحت کر کے دوسرے کا خاتمہ کر دیا جائے؟

چنانچہ وہی شرط معاہدہ جسے قریش اپنی سب سے بڑی فتح سمجھ رہے تھے، ان کے لیے سب سے زیادہ وبال جان بن گئی۔

اس پورے سفر حدیبیہ میں جہاں سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی عظمت و شخصیت نمایاں ہوتی ہے، وہاں صدیق رضی اللہ عنہ کی عاقلانہ تسلیم و رضا، فاروق رضی اللہ عنہ کے والہانہ جوش حق اور مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے کمال عشق و ادب اور ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی فراست و دانائی کا بھی واضح اندازہ ہوتا ہے۔(۷۰)

عباس محمود العقاد المصری، صلح حدیبیہ کے متعلق اپنی کتاب محمدؐ میں حضور کی حیرت انگیز سیاسی بصیرت کے متعلق بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

حضور نبی اکرم ﷺ کے بہت سے احکام و افعال سیاسی نوعیت کے ہیں لیکن آپ کی سیاسی صلاحیت و قابلیت کا شاندار مظاہرہ صلح حدیبیہ کے موقع پر ہوا۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ کی فہم و فراست، آپؐ کے حسن تدبر اور آپ کی معاملہ فہمی کے جوہر پوری طرح آشکار ہوئے۔

صلح حدیبیہ کے معاہدہ کی تفصیلات جس شخص کی نظر سے گزری ہیں وہ بخوبی جان سکتا ہے کہ بظاہر اس معاہدہ کی شرائط کس قدر مسلمانوں کے خلاف جاتی تھیں، لیکن حضور ﷺ کے دل میں ایک لمحہ کے لئے بھی یہ خیال نہیں پیدا ہوا کہ یہ شرائط ذلت آمیز ہیں جبکہ آپ ﷺ کے بعد جو شیلے صحابہ کرامؓ ان شرائط کو واقعتاً مسلمانوں کے لئے توہین آمیز سمجھتے تھے اور پھر یہی نہیں بلکہ حضور ﷺ نے اس معاہدہ کی پابندی کی اور اس پابندی کے نتیجہ میں اسلام کو خاطر خواہ فائدہ پہنچا۔ اس معاہدہ کے بعد حضور ﷺ کو قریش کی طرف سے قدرے اطمینان ہو گیا اور آپ ﷺ نے اپنی توجہ خیبر کے ان یہودیوں کی طرف مبذول فرمائی جنہوں نے خیبر کی بستی کو اسلام دشمن سرگرمیوں کا مضبوط قلعہ بنا رکھا تھا۔ اس کے علاوہ حضور ﷺ نے بیرونی ممالک کے سربراہوں کے نام دعوتی خطوط بھی ارسال فرمائے اور اسلام کی نشر و اشاعت کا کام زیادہ توجہ سے فرمانے لگے۔ حدیبیہ کی صلح کے موقع پر جب قرآن مقدس کی یہ آیات نازل ہوئیں انا فتحنا لک فتحا مبینا تو بہت سے مسلمان ان کے مفہوم کو نہیں سمجھ پائے تھے اور سوچتے تھے کہ یہ فتح کی کون سی قسم ہے لیکن دو سال کے مختصر عرصہ میں انہوں نے فتح مبین کا مشاہدہ خود اپنی آنکھوں سے کیا اور جب انہیں یہ اندازہ ہوا کہ بسا اوقات محض گفتگو اور سیاسی سوجھ بوجھ کے ذریعے بھی جنگ جیتی جا سکتی ہے۔

اس صلح حدیبیہ کو جو حضور ﷺ کی حیرت انگیز سیاسی بصیرت کا ایک بے مثال اور ناقابل فراموش شاہکار ہے، اس لحاظ سے بھی اسلامی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے کہ اس نے مسلمانوں کے سیاسی غلبہ کی راہ ہموار کر دی جس کے نتیجہ میں خالد بن ولیدؓ، معاویہ بن ابی سفیانؓ اور عمرو بن العاصؓ جیسے جلیل القدر سیاسی مدبر بھی اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے اور حضور ﷺ کی صداقت پر ایمان لے آئے۔(۷۱)

مولانا غلام غوث ہزاروی اپنی کتاب ”جنگ، سیرت نبویؐ کی روشنی میں“ صلح حدیبیہ کے نتائج واثرات اوراس کی دینی وسیاسی اہمیت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

سرور عالم ﷺ نے معاہدہ حدیبیہ کی تمام وہ شرطیں تسلیم کر لی تھیں جن کو ذلت آمیز اور شکست کے مترادف سمجھا جاتا تھا، لیکن آپؐ نے دیکھا کہ جو دور بینی اور دور اندیشی اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص مہربانی سے اپنے پیغمبر کو عطا فرمائی تھی، وہاں تک کسی دوسرے کی نگاہ نہیں پہنچ سکتی تھی، چنانچہ اس معاہدہ کے بعد خود بخود اسلام پھیلنے کی راہیں کھل گئیں۔

(۱) چنانچہ ۶ ہجری کو جب آپ عمرہ (حدیبیہ) کو جا رہے تھے، تو ہمراہ چودہ سو صحابہؓ تھے، مگر جب آپؐ اگلے سال ۷ ہجری کو عمرۃ القضا کے لیے تشریف لے جا رہے تھے تو آپؐ کے ہمرکاب دو ہزار صحابہؓ کی جماعت تھی اور جب دو سال کے بعد ۸ ہجری میں آپ مکہ معظمہ کی مہم پر مدینہ سے روانہ ہوئے تو آپؐ کے اشارے پر مرنے والے دس ہزار صحابہ کرام شریک تھے۔

(۲) اس معاہدہ کے بعد مدینہ سے مکہ معظمہ تک جنوبی علاقوں میں امن وامان قائم ہو گیا۔ اسلام خوب پھیلا، ناواقف عربوں کو مسلمانوں سے ملنے جلنے اور ان کو قریب سے دیکھنے اور اسلامی تعلیمات سننے کا خوب موقعہ ملا اور وہ حق کے سامنے سپر انداز ہو کر سچے مسلمان ہو گئے۔

(۳) جزیرۃ العرب میں یہودی فتنے کا استیصال ہو گیا اور ان کی فوجی وسیاسی حیثیت ختم ہو گئی۔

(۴) سرور عالم ﷺ نے تھوڑی تھوڑی فوج کے ذریعہ مخالف اسلام اور فتنہ پرداز قبائل کی طاقت ختم کر کے رکھ دی، جس نے بھی سر اٹھایا، جس قبیلے کے حملہ آور ہونے کی اطلاع ملی یا جہاں کہیں لشکر جمع ہونے کی اطلاع ملی۔ آپؐ اچانک ان کے سر پر جا پہنچے اور اصول مباغتہ (اچانک اور بے خبری میں دشمن کے سر پر جا پہنچنے) کو آپؐ نے ایسا استعمال کیا کہ دشمنوں کی کثرت وطاقت بے کار ہو کر رہ گئی۔

(۵) پھر ذرائع خبر رسانی کے فقدان کے باوجود پہاڑی علاقے کے دور دراز مقامات کی خبریں رکھنا آپؐ کے حسن تدبر اور پیغمبرانہ فراست کا نتیجہ تھا۔

(۶) جنگِ خیبر میں آپؐ غطفان کے عظیم قبیلہ کی چار ہزار جنگ جو فوج کو یہود کی امداد سے باز رکھنے میں کس عمدگی سے کامیاب ہوئے۔ آپؐ نے یہود وغطفان کے درمیان مقام رجیع میں فوجی پڑاؤ ڈال دیا اور ایک معمولی دستے کو غطفان کی طرف بڑھایا، جس سے غطفان کو اپنے گھروں کی فکر دامن گیر ہوئی۔ وہ یہود کی امداد کو نہ جا سکے، بلکہ گئے ہوئے بھی واپس آ گئے۔

(۷) حملہ کرنے کے لئے آپؐ نے تقریباً سارے سفر رات کو کیے تا کہ دشمن کو اطلاع نہ مل سکے۔

(۸) آپؐ نے خیبر کے سات قلعوں کو باہمی تعاون بھی نہ کرنے دیا۔ ہر ہر قلعہ پر تھوڑی تھوڑی فوج لگا کر ان کو اپنے دفاع میں معروف کر دیا۔

(۹) سرورِ عالم ﷺ نے پوری طاقت سے سب قلعوں پر یکدم حملہ نہیں کیا بلکہ فوج کے بڑے حصے اور بہتر طاقت کو ایک قلعہ پر لگا دیا اور جب وہ فتح ہوا تو دوسرے پر پوری طاقت سے توجہ فرمائی۔

(۱۰) اور جب ایک قلعہ والوں نے سختی سے مقابلہ کیا تو آپؐ نے ان کا پانی باہر سے کاٹ دیا، جس سے وہ بے بس ہو کر ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔

(۱۱) سرورِ عالم ﷺ نے ہر ہر قبیلے کا لشکر علیحدہ علیحدہ بنا کر علیحدہ علیحدہ جھنڈے دے دیئے تھے تاکہ ان کو اسلام کی سربلندی کے لیے زیادہ سے زیادہ اور ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر دین کی خدمت میں آگے ہونے کا شوق ہو۔ پھر ایک مصروفِ جنگ ہو تو دوسرے کو آرام کا موقع مل سکے۔ یہ بات آج کل کے طریقہ جنگ کے عین مطابق ہے۔

(۱۲) دشمن نے جب بھی صلح کی درخواست کی، آپؐ نے قبول کر کے ان پر سختی کرنے سے احتراز فرمایا۔ جان بخشی کے لیے کوئی موقع بھی ملا یا بہانہ ہاتھ آیا، آپؐ نے اس کے مطابق عمل کیا۔

خیبر سے واپسی پر آپؐ نے مختلف فوجی دستوں کی طرح حضرت اسامہ بن زیدؓ کو قوم جہنیہ کے ایک قبیلے کی طرف روانہ کیا تھا۔ لڑائی میں ایک شخص تلوار کی زد میں آیا تو اس نے لا الہ الا اللہ پڑھ لیا، مگر حضرت اسامہؓ نے اس کو قتل کر دیا۔ آپ کو خبر ہوئی تو حضرت اسامہؓ سے جواب طلبی فرمائی۔ حضرت اسامہؓ نے جواب میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس نے موت کے ڈر سے کلمہ پڑھا تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ کیا آپؐ نے اس کا دل چیر کر دیکھا۔ حضرت اسامہؓ نے توبہ کی اور پھر ساری عمر احتیاط برتی۔ اسی طرح ان فوجی دستوں میں آپؐ نے حضرت ابو قتادہؓ اور حضرت محلمؓ بن جثامہ کو بھی روانہ کیا تھا۔ یہ سفر کر رہے تھے کہ راستہ میں قوم اشجع کا ایک آدمی مال و متاع کے ساتھ سفر کر رہا تھا، اس نے اسلامی لشکر کو دیکھا تو اسلامی طریقہ سے السلام علیکم کہا، مگر محلم نے اس کو قتل کر دیا۔ یہ سمجھ کر کہ یہ دشمن قبیلے کا آدمی ہے اور ڈر کر سلام کہتا ہے۔ آپ کو خبر ہوئی۔ آپ سخت ناراض ہوئے اور اس مقتول عامر بن اضبط کے وارثوں کو پچاس اونٹ خون بہا دے کر راضی کیا اور اس طرح حضرت محلم قصاص سے بچ گئے۔ قتل بھی انہوں نے غلط فہمی سے کیا تھا۔ اس اصول کا رکا یہ نتیجہ ہوا کہ صلح اور جنگ دونوں حالتوں میں مسلمانوں کی ساکھ قائم ہو گئی اور دشمن بھی مسلمانوں کی ہر بات پر یقین کیے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔

(۱۳) آپؐ نے اس صلح نامہ کی فرصت میں بڑے بڑے بادشاہوں کو تبلیغی مکتوبات ارسال فرمائے، جن میں سے بعض مسلمان ہو گئے اور اس طرح اسلام کی دعوت ان تک اور ان کے ذریعے ساری دنیا تک جا پہنچی۔

(۱۴) آپؐ نے عراق اور شام کی سرحدات تک ایران و روم کی بے جا رعب کو ختم کر کے عرب قبائل کے لیے جو وہاں آباد تھے، اسلام کے دروازے کھول دیئے۔

(۱۵) آپؐ نے مبلغوں اور قاصدوں کو قتل کرنے والوں کی سرکوبی کر کے بین الاقوامی اصول کو زندہ کیا۔

(۱۶) آپؐ نے یورپ، ایشیا اور افریقہ میں پھیلی ہوئی عظیم رومی سلطنت سے (غزوہ موتہ کے موقعہ پر) جنگ کا آغاز کر کے اس سے جنگ کرنے کی مکمل معلومات حاصل کیں اور ساتھ ہی متصل عرب جنگ جو قبائل کو بھی مرعوب و متاثر کر دیا۔

(۱۷) یمن میں اسلام پھیل گیا اور اس طرح مکہ معظمہ کے قریش اور ان کی ساری طاقت مدینہ منورہ اور یمن کے درمیان دونوں طرف سے محصور ہوگئی۔ ان کے جنگی تصورات پر سخت اثر پڑا اور وہ مسلمانوں کو مغلوب کرنے اور ان سے لڑنے کی طاقت رکھنے سے مایوس ہوگئے۔

(۱۸) اب مسلمانوں کے سامنے جزیرۃ العرب میں قریش مکہ کے سوا کوئی قابل ذکر حریف باقی نہ تھا اور مکہ معظمہ کا فتح کرنا اب بہت ہی آسان اور بائیں ہاتھ کا کھیل تھا، مگر سرور عالم ﷺ کے ہاں عہد نامہ کی پاسداری اور قول و قرار کی پختگی و سچائی سب سے اہم واقدم بات تھی۔

حتیٰ کہ جب ۷ ہجری میں آپؐ دو ہزار صحابہؓ کے ہمراہ عمرۃ القضا کو تشریف لے گئے اور قریش مکہ بغض کی وجہ سے قریبی پہاڑوں پر چلے گئے تھے، جب بعض مسلمانوں کو خیال گزرا کہ اب یہاں قبضہ ہی کرلیا جائے، تو آپؐ نے کسی طرح اس کی اجازت نہ دی بلکہ معاہدے کے مطابق تین دن گزار کر فوراً واپس ہوگئے۔

(۱۹) تبلیغ کی تکمیل۔ معاہدہ حدیبیہ کے بعد صرف یہی دو سال مسلمانوں کو ملے کہ وہ اطمینان کے ساتھ اپنے قول عمل سے دعوت اسلام کا کام کریں۔ چنانچہ دیگر تبلیغی مساعی اور اثرات کے سوا یہ بات ہی بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ جب آپ عمرۃ القضا سے فارغ ہوئے، مشرکین پہاڑوں سے مسلمانوں کی عبادت، ان کا ضبط و ڈسپلن، ان کی امانت و دیانت، ان کی متانت اور بلند حوصلگی اور جذبۂ اطاعت دیکھتے رہے۔

ناممکن تھا کہ ان کے دلوں پر مخلصانہ کارروائیاں اثر انداز نہ ہوتیں۔ چنانچہ ابھی آپؐ وہیں تھے کہ خالد بن ولید جو اب تک کی تمام لڑائیوں میں مسلمانوں کے خلاف بڑی جرأت اور بہادری سے لڑتے رہے، مجمع عام میں بول اٹھے کہ لوگو! اب حقیقت واضح ہوچکی ہے۔ محمدؐ نہ ساحر (جادوگر) ہیں نہ شاعر۔ ان کے کلام میں دوسری طرح ہی کی لذت وحلاوت ہے۔ یہ کلام رب العالمین ہے۔ یہ بات ابوسفیان کو پہنچی۔ اس نے غصہ ہوکر خالد پر سختی کرنی چاہی کہ ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے روک دیا اور کہا اب آپؐ کس کس کو روکیں گے۔ مجھے خود اپنے پر خطرہ ہے کہ یہی بات نہ کہہ دوں۔ سال کے بعد تو سارے عرب یہی بات کہیں گے۔ چنانچہ چند دنوں کے بعد خالد بن ولید، عمرو بن العاص اور عثمان بن طلحہ جو خانہ کعبہ کے کلید بردار تھے، تینوں مسلمان ہوکر مدینہ منورہ تشریف لے آئے اور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ مکہ معظمہ نے اپنے جگر کے ٹکڑے بھیج دیے ہیں۔ پھر تبلیغ کے اتنے وسیع اثرات ہوئے کہ ۸ ہجری میں جب مسلمانوں کا لشکر فتح مکہ کے لیے آگے بڑھا تو اس میں دس ہزار صحابہؓ کا قدوسی لشکر شریک تھا۔

(۲۰) اس صلح نامہ کے زمانہ میں مسلمانوں نے جنگی و معاشی تیاری بھی مکمل کرلی۔ غزوہ خیبر کے بعد اہل اسلام کی اقتصادی حالت بہتر ہوگئی۔ اسلحہ جنگ پورا ہوگیا۔ باربرداری کا سامان مکمل ہوگیا، جس کو دیکھ کر ہی فتح مکہ کے دن مشرکین کے دل ہل رہے تھے۔

(۲۱) آپؐ نے نجاشی شاہ حبشہ کو پیغام بھیج کر وہاں کے مہاجرین کو اپنے پاس بلا کر اپنی طاقت میں اضافہ اور تیاری کی تکمیل کی۔

ان حالات و واقعات نے ثابت کردیا کہ نبوت اور دیگر نبوی صفات کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو جامعیت عطا

فرمائی تھی اور جس فوجی قابلیت اور اعلیٰ سپہ سالاری کا فرض جس عمدگی سے آپ ؐ نے انجام دیا، اس نبوی بصیرت کی نظیر رہتی دنیا تک نہیں مل سکتی۔(۷۲)

حربی اور عسکری امور کے ماہر عراقی فوج کے سابق کمانڈر انچیف محمود شیت خطاب کے مطابق:

غزوہ حدیبیہ کے اہم نتائج مندرجہ ذیل ہیں۔

ا: مسلمانوں کو قریش کے برابر ایک مساوی فریق تسلیم کر لیا گیا تھا اور یہ اسلامی حکومت کے متعلق حجاز میں رہنے والے بدترین اور طاقتور دشمن کی طرف سے پہلا اقرار تھا۔

ب: اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان قبائل سے معاہدے کا میدان کھل گیا تھا، جو اس سے قبل مسلمانوں سے معاہدہ کرتے جھجکتے تھے۔ قریش کی طاقت کی وجہ سے بھی اور اس لحاظ سے بھی کہ بیت اللہ مکہ میں تھا، جس کے ساتھ ان کی مذہبی ہمدردیاں تھیں اور وہ قریش کے قبضہ میں تھا۔ اس طرح مسلمانوں کی پوزیشن بڑی مضبوط ہوگئی۔

ج: اس معاہدہ سے قریش اور ان کے یہودی حلیفوں کے درمیان تفریق ہوگئی جو ہر وقت قبائل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برخلاف بھڑکاتے رہتے تھے۔

د: اس سے وہ اطمینان میسر ہوگیا، جس کی وجہ سے مسلمان اسلام کی نشر و اشاعت کے لیے یکسو ہوگئے۔

ہ: مسلمان اپنی مصلح حفاظت میں کامیاب ہو چکے تھے۔ عمومی طور پر مسلمان محفوظ اور امن کی حالت میں تھے اور ان کے جتھے ہوئے افراد مسلح تھے اور کفار سے لڑائی کر رہے تھے۔

و: مسلمانوں نے اپنے حق میں رائے عامہ کو ہموار کر لیا تھا۔ کیوں کہ قریش نے مسلمانوں کو مسجد الحرام سے روک کر ایک بہت بڑی سیاسی غلطی کی تھی۔ اس وجہ سے بہت سے قبائل مسلمانوں کی طرف جھک گئے تھے بلکہ خود قریش میں سے بھی بعض افراد مسلمانوں کے طرفدار ہوگئے تھے اور قریش کے قرب و جوار کا علاقہ بھی متاثر ہو چکا تھا۔ ان تمام چیزوں نے بعد میں عملی طور پر فتح مکہ کو آسان بنا دیا۔

یہ حدیبیہ کے نتائج ہیں اور یہ ان مقاصد میں سے چند ہیں جنہیں اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی نہ سمجھ سکا۔ پھر جب مسلمان مدینہ منورہ واپس آگئے اور مطمئن ہو کر بیٹھ گئے اور ان نتائج کے اچھے ثمرات ملاحظہ کیے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلمانوں کی رائے کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

"اسلام کے غلبہ کے لیے کوئی چیز بھی اتنی فائدہ مند ثابت نہیں ہوئی، جتنی صلح حدیبیہ مفید ثابت ہوئی"۔

پھر اس فتح و نصرت کے متعلق قرآن مجید میں آیات نازل ہوئیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

" إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا "(۷۳) یعنی: ہم نے آپ کو فتح مبین عنایت فرمائی۔

اس کے بعد مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُور اندیشی کا کلمہ پڑھنے لگے اور جس فتح قریب کی بشارت ان کو سنائی گئی تھی، اس کے ثمرات نظر کے سامنے آنے لگے۔

"لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ آمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُؤُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا"۔(۷۴)

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کا خواب سچا کر دکھایا کہ تم مسجد حرام میں امن و عافیت کے ساتھ خدا کی مرضی کے مطابق داخل ہو گے، سروں کو منڈوائے اور بالوں کو کتائے ہوئے، تمہیں کسی قسم کا خوف نہ ہوگا۔ اللہ وہ کچھ جانتا ہے، جو تم نہیں جانتے۔ سو اللہ نے تم کو اس سے پہلے فتح قریب عطا فرمائی۔

صلح حدیبیہ نے یہودیوں کو قریش کی کھلم کھلا امداد و اعانت سے محروم کر دیا تھا، لہٰذا خطرے کے وقت یہود اگر کسی سے تعاون اور امداد و اعانت کی توقع کر سکتے تھے، تو وہ بنو غطفان تھے۔

یہود کے پیش نظر صرف ایک چیز تھی، اپنا مفاد، یہ حاصل ہو جائے تو پھر انہیں ذرا پرواہ نہیں تھی کہ کس وسیلے اور ذریعے کو انہوں نے استعمال کیا ہے اور اس کے اثرات و ثمرات دوسروں کے لیے کیا ہو سکتے ہیں؟

مسلمانوں کے سامنے اب جو مقصدِ حیات فی الوقت رہ گیا تھا، وہ یہ تھا کہ قریش کے خلاف مسلمانوں کی ساری طاقت مجتمع کر کے سروسامانِ جنگ بہم پہنچایا جائے۔(۷۵)

معروف محقق استاد محمد حسین ہیکل کے مطابق:

مسلمانوں کے ذہن میں مدینہ جا کر زیارت کعبہ کے لئے سالِ آئندہ تک انتظار کرنے کے سوا کوئی اور گنجائش نہ تھی، انہیں یہ تلخ گھونٹ حلق سے اتارنا ہی پڑا اور صرف رسول اللہؐ کے تعمیلِ حکم کی وجہ سے اور نہ ان کی عادت یہ تھی کہ یا تو دشمن سے مقابلہ کر کے اسے بھگا دیتے یا خود کو اس کے حوالے کر دیتے، وہ اپنے لئے شکست کے نام سے واقف نہ تھے، اگر سرورِ دو عالم انہیں اجازت دیتے تو اپنے اس عقیدہ کے سہارے کہ "خدا جن کا ناصر و مددگار ہو ان کے لئے اللہ کے رسولؐ اور اس کے دین کی کامیابی میں کوئی شبہ نہیں" تو وہ مکہ میں داخل ہو کر دکھا دیتے۔

مسلمان قربانی کرنے اور احرام کھولنے کے بعد بھی حدیبیہ میں چند روز (تین ہفتے) تک ٹھہرے رہے۔ اس اثناء میں بعض مسلمان ایک دوسرے سے معاہدہ کی حکمت دریافت کرتے اور بعض اس حکمت پر اعتراض!

ع فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

مراجعت مدینہ اور فتح مبین کی بشارت:

حتیٰ کہ حدیبیہ سے واپسی کے لئے کوچ فرمایا اور مکہ سے مدینہ جاتے ہوئے وحی کے ذریعہ "فتح مبین" کی بشارت نازل

ہوئی۔ قرآن کی اس سورۃ کا نام ہی "فتح ہے"۔

"اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحاً مُّبِیْناً o لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَأَخَّرَ وَیُتِمَّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکَ وَیَھْدِیَکَ صِرَاطاً مُّسْتَقِیْماً" o (۷۶)

(اے پیغمبر یہ حدیبیہ کی صلح کیا ہوئی) حقیقت میں ہم نے تمہیں کھلا تمہاری فتح کر دی تا کہ (تم اس فتح کے شکریے میں دین حق کی ترقی کے لئے اور زیادہ کوشش کرو اور خدا اس کے صلے میں) تمہارے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کرے اور تم پر اپنے احسانات پورے کرے اور تم کو دین کے سیدھے رستے لے چلے (اور کوئی تمہارا مانع (مزاحم) نہ ہو۔

اس صلح میں مسلمانوں کو سب سے زیادہ اعتراض اس دفعہ پر تھا کہ اگر قریش مکہ میں سے جو شخص مسلمان ہو کر اپنے ولی کی اجازت کے بغیر مدینہ پہنچ جائے اُسے واپس لوٹانا پڑے گا اور اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص مرتد ہو کر مکہ میں چلا آئے تو اُسے واپس نہ کیا جائے گا۔

اس تضاد میں رسول اللہ کی رائے یہ تھی کہ مسلمانوں میں جو شخص مرتد ہو کر مکہ چلا جائے، اسے لوٹا کر مسلمانوں میں رکھنے کے کوئی معنی ہی نہیں! رہا اس شخص کا سوال جو اہل مکہ میں سے مسلمان ہو کر مدینہ میں آ جائے اور اُسے دوبارہ مکہ بھیج دیا جائے، تو ایسے شخص کے لئے اللہ تعالیٰ خود نجات کی سبیل پیدا کر دے گا، جیسا کہ حدیبیہ سے کچھ ہی عرصہ بعد رسول اللہ کی اصابت رائے پر آپؐ کے رفقا حیران رہ گئے۔

جب اسلام کو اس قدر تقویت حاصل ہو گئی کہ آج سے دو مہینے بعد رسول اللہؐ نے گرد و نواح کے بادشاہوں اور نوابوں کی طرف دعوتی خطوط بھیجے، تو رسول اللہ کی اصابت رائے کے نتائج جلد از جلد ظاہر ہونے پر آ گئے۔ (۷۷)

نامور سیرت نگار ڈاکٹر شیخ مصطفیٰ صباعیؒ کے مطابق:

یہ شرائطِ صلح جو اس وقت مسلمانوں پر گراں گزریں اور جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عقلمندی، بالغ نظری اور وحی کی ہدایت کے تحت منظور فرمایا تھا ان کی افادیت بعد میں ظاہر ہوئی۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس غزوۂ حدیبیہ کو فتح مبین کا نام دیا ہے۔ فرمایا گیا:

"اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحاً مُّبِیْناً o لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَأَخَّرَ وَیُتِمَّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکَ وَیَھْدِیَکَ صِرَاطاً مُّسْتَقِیْماً o وَّیَنْصُرَکَ اللّٰہُ نَصْراً عَزِیْزاً o" (۷۹)

اے نبیؐ! ہم نے تم کو کھلی فتح عطا کر دی تا کہ اللہ تمہاری اگلی پچھلی ہر کوتاہی سے درگزر فرمائے اور تم پر اپنی نعمت کی تکمیل کر دے اور تمہیں سیدھا راستہ دکھائے اور تم کو زبردست نصرت بخشے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے جو بیعت لی اس کے بارے میں فرمایا گیا:

"اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ فَمَنْ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِہٖ وَمَنْ اَوْفٰی

بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْراً عَظِيماً ٥" (۸۰)

اے نبیؐ! جو لوگ تم سے بیعت کر رہے تھے، وہ دراصل اللہ سے بیعت کر رہے تھے۔ ان کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ تھا۔ اب جو اس عہد کو توڑے گا، اسی کی عہد شکنی کا وبال اس کی اپنی ہی ذات پر ہوگا اور جو اس عہد کو وفا کرے گا جو اس نے اللہ سے کیا ہے، اللہ عنقریب اس کو بڑا اجر عطا فرمائے گا۔

وہ صحابہ کرامؓ جو بیعتِ رضوان میں شامل ہوئے انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشنودی کی سند عطا کی اور فرمایا:

"لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحاً قَرِيباً "٥ (۸۱)

اللہ مومنوں سے خوش ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے، ان کے دلوں کا حال اس کو معلوم تھا، اس لیے اس نے ان پر سکینت نازل فرمائی، ان کو انعام میں قریبی فتح بخشی۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کا ذکر کیا گیا جس کی وجہ سے غزوہ حدیبیہ پیش آیا۔ ارشاد ہوا:

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُؤُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِنْ دُونِ ذٰلِكَ فَتْحاً قَرِيباً ٥ (۸۲۔الف)

فی الواقع اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا تھا، جو ٹھیک ٹھیک حق کے مطابق تھا۔ انشاء اللہ تم ضرور مسجد حرام میں پورے امن کے ساتھ داخل ہو گے، اپنے سر منڈاؤ گے اور بال ترشواؤ گے اور تمہیں کوئی خوف نہ ہو گا۔ وہ اس بات کو جانتا تھا جسے تم نہ جانتے تھے، اس لیے وہ خواب پورا ہونے سے پہلے یہ قریبی فتح تم کو عطا فرما دی۔

یہ اشارہ فتح مکہ کے بارے میں معلوم ہوتا ہے، جو صلح حدیبیہ کے ثمرات میں سے ہے (۸۲۔ب) پھر اس دینِ مبین کے غلبہ و کامرانی کی نوید ان الفاظ میں سنائی گئی:

"هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدٰى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيداً ٥" (۸۳)

وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اس کو پوری جنس دین پر غالب کر دے اور اس حقیقت پر اللہ کی گواہی کافی ہے۔

صلح حدیبیہ کے متعلق دورِ حاضر کے چند نامور سیرت نگاروں کا تجزیہ:

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر اپنی کتاب "پیغمبر اعظم و آخرؐ" میں صلح حدیبیہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ

صلح حدیبیہ تاریخ اسلام کے اہم ترین واقعات میں سے ہے۔ اس سے تحریک اسلام کی تاریخ کا درخشندہ باب شروع ہوتا ہے۔ اس صلح کی بدولت جہاں مسلمانوں کے دلوں میں خود اعتمادی اور حوصلوں میں توانائی بدرجہ اتم پیدا ہوئی، وہاں یہود و نصاریٰ اور

ان کے حلیف بت پرست قبائل کی ہمتیں پست ہوگئیں اور ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رُعب بیٹھ گیا اور مسلمانوں کو آسانی سے انھیں مغلوب کرنے کا موقع مل گیا۔

قریش کے سرداروں اور مذہبی پیشواؤں نے اہلِ مکہ اور بدویوں کو اسلام، بانیٔ اسلامؐ اور مسلمانوں سے بدظن کرنے کی خاطر ان سے بہت سی لغو و بے بنیاد باتیں منسوب کر رکھی تھیں، معاہدۂ امن و صلح کی بدولت جب انھیں مدینے جا کر رحمۃ للعالمینؐ اور مسلمانوں سے کھل مل کر ملنے اور قرآن مجید سننے اور سمجھنے کا موقع ملا تو ان کے دلوں میں اسلام اور بانیٔ اسلامؐ سے عقیدت پیدا ہونے لگی اور وہ برضا و رغبت اسلام میں داخل ہونے لگے۔ علاوہ بریں مسلمانوں نے زندگی کے ہر شعبے میں حیرت انگیز ترقی کی تھی۔ اسے دیکھ کر بھی لوگ مرعوب و متاثر ہوتے تھے، نیز اسلام کی مثالی زندگی میں بھی عوام کے لیے بڑی کشش تھی۔

فوجی نقطۂ نظر سے اس معاہدے کا بنیادی مقصد یہود اور دیگر دشمن قبائل کو قریش کی امداد و حمایت سے محروم کر کے ان کی ریشہ دوانیوں اور فتنوں کا استیصال کرنا اور ان سے اسلامی ریاست کو جو مستقل خطرہ لاحق تھا، اسے ہمیشہ کے لیے دور کرنا تھا، چنانچہ قریش سے صلح ہوتے ہی آپؐ سب سے پہلے خیبر کے یہود کی طرف متوجہ ہوئے، جو جنگِ احزاب کے ذمّے دار تھے اور سارے عرب کو مسلمانوں کا استیصال کرنے کی خاطر متحد کر کے مدینے پر چڑھا لائے تھے۔ اصل یہ ہے کہ جنگِ احزاب کے تھوڑے ہی عرصے بعد قریش کو صلح کے لیے مجبور کر دینا آپؐ کے تدبر اور سیاسی حکمتِ عملی کی ایک واضح فتح (فتح مبین) تھی۔ اس اعتبار سے معاہدۂ حدیبیہ آپؐ کے تدبر بے مثال کا ایک مثالی شاہکار تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ تحریکِ اسلام کو قریش اور یہود کے خطرے سے نجات ملتے ہی وہ حیرت انگیز تیزی سے ترقی کرنے لگی اور تین برس کے اندر اندر سارے جزیرہ نمائے عرب میں پھیل گئی اور اسے مسخر کر لیا۔ بقول ڈاکٹر محمد حمید اللہ:

"مسلمانوں کے لیے سخت ترین نازک زمانے میں حدیبیہ میں قریش کا اس صلح پر آمادہ ہو جانا اسلامی سیاستِ خارجہ کی ایک واقعی "فتح مبین" اور "نصر عزیز" تھی، جس کے باعث ان کے ہاتھ کھل گئے اور فوری خطرات سے نجات ملتے پر انہوں نے آزادی کے ساتھ تین ہی سال میں پُرامن ذرائع سے اپنی مملکت کو تقریباً دس گنا پھیلا کر پورے جزیرہ نمائے عرب کو اپنا مطیع بنا لیا اور وہاں سے رُومی اور ایرانی اثرات کو بالکل خارج کر کے ایک ایسی مستحکم ریاست قائم کر دی جو پندرہ ہی سال میں تین براعظموں پر پھیل گئی اور جو اس سے ٹکرایا پاش پاش ہو کر رہ گیا اور جس نے سرِ تسلیم خم کیا وہ اسلام کی رنگ و زبان سے بالا قومیت میں برابری کے حصے کے ساتھ شریک ہو گیا۔ یہی وہ صلح حدیبیہ ہے جسے عہد نبوی کی سیاستِ خارجہ کا شاہکار کہنا چاہیے۔ (۸۴)

اس بحث سے اس امر کی توجیہ ہو جاتی ہے کہ کیوں پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدۂ حدیبیہ کو قبول کیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے فتح مبین سے تعبیر کیا ہے:

"(اے نبیؐ!) ہم نے تمھیں فتح دی، صاف و واضح فتح، تا کہ اللہ تمہاری اگلی پچھلی کوتاہی سے درگزر فرمائے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دے اور تمھیں سیدھے راستے پر چلائے اور تمہاری زبردست مدد کرے۔ (۸۵۔الف)

جب سورۃ الفتح نازل ہوئی تو بعض صحابہ کرامؓ نے یہ آیت سن کر پوچھا: یا رسول اللہؐ! کیا یہ فتح ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں۔ قسم

ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے یقیناً یہ فتح ہے۔(۸۵۔ب)

صلح حدیبیہ جس نے تحریک اسلام کو تین براعظموں (افریقہ، ایشیا اور یورپ) کی تاریخ کو صحیح سمت میں موڑ دینے اور ان کی ثقافت پر گہرے اثرات مرتب کرنے کے قابل بنانا تھا، اللہ تعالیٰ کی نظر میں بھی اس قدر اہم تھی کہ اس نے سورۃ الفتح میں بھی کئی مقام پر اس کا ذکر کیا ہے اور ان مجاہدین سے اپنی خوشنودی کا اظہار فرمایا ہے، جنہوں نے اس موقع پر ''فتح یا شہادت'' کے عہد پر آپ سے بیعت کی تھی:

''اللہ مومنوں سے خوش ہو گیا، جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے۔ اسے ان کے دلوں کا حال معلوم تھا، اس لیے اس نے ان پر سکینت نازل فرمائی، ان کو (انعام میں) قریبی فتح بخشی اور انہیں بہت سا مال غنیمت عطا کر دیا، جسے وہ (عنقریب) حاصل کریں گے۔ اللہ زبردست اور حکیم ہے۔ اللہ تم سے بکثرت مال غنیمت کا وعدہ کرتا ہے، جنہیں تم حاصل کرو گے۔ فوری طور پر تو یہ فتح اس نے تمہیں عطا کر دی اور لوگوں کے ہاتھ تمہارے خلاف اٹھنے سے روک دیے تاکہ یہ مومنوں کے لیے ایک نشانی بن جائے اور اللہ سیدھے راستے کی طرف تمہیں ہدایت بخشے۔ اس کے علاوہ دوسری اور غنیمتوں کا بھی تم سے وعدہ کرتا ہے، جس پر تم ابھی تک قادر نہیں ہوئے، ہو اور اللہ نے ان کو گھیر رکھا ہے، اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

''یہ کافر لوگ اگر اس وقت تم سے لڑ گئے ہوتے تو یقیناً پیٹھ پھیر جاتے اور کوئی حامی و مددگار نہ پاتے۔ یہ اللہ کی سنت ہے جو پہلے سے چلی آ رہی ہے اور تم اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔(۸۶۔الف)

چونکہ اس اہم بیعت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مومنوں سے خوش ہوا تھا، اس لیے اسے بیعت الرضوان کہتے ہیں۔ ان آیات میں ایک قابل غور نکتہ یہ ہے کہ اس میں قریبی فتح سے مراد فتح خیبر ہے، نیز اس میں سارے جزیرہ نمائے عرب کی فتح کی بھی پیش گوئی کی گئی ہے۔(۸۶۔ب۔ج)

معروف سیرت نگار ڈاکٹر خالد علوی کے مطابق:

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا (۸۸) (ہم نے آپ کو کھلی فتح عطا کی)۔

بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ یہ واقعی فتح مبین تھی اور اس کے نتائج مسلمانوں کے لئے انتہائی اطمینان بخش تھے۔ صلح سے پہلے مسلمان اور کافر ملتے جلتے نہ تھے اس کے بعد دونوں میں آمد و رفت شروع ہوئی۔ خاندانی اور تجارتی تعلقات کی وجہ سے قریش مدینہ منورہ آتے تو مسلمانوں سے بھی ملاقات ہوتی۔ ہر مسلمان اسلام کی سچی تصویر تھا۔ ان کے اخلاق، حسن عمل، نیکوکاری اور پاکیزہ سیرت کے باعث خود بخود کفار کے دل اسلام کی طرف کھنچنے لگے اور اسلام نہایت سرعت سے پھیلنے لگا۔ چنانچہ صلح حدیبیہ سے لے کر فتح مکہ تک جس کثرت سے کفار اسلام میں داخل ہوئے اس سے پہلے کبھی نہ ہوئے تھے۔(۸۹)

آنحضرت کا سب سے مقدم فریضہ خانہ کعبہ کو بتوں کی آلائش سے پاک کرنا اور اس میں توحید کا علم بلند کرنا تھا، لیکن قریش کی دشمنی اور عرب کی عام مخالفت کے باعث اب تک اس کا موقع نہ آیا تھا۔ صلح حدیبیہ کے باعث چند روز امن و امان ہو گیا، لیکن

معاہدہ حدیبیہ بھی قریش سے نبھ نہ سکا۔(۹۰)

ٹھیک آٹھ برس کے بعد آنحضرت مسلمانوں کے ساتھ اس سرزمین میں فاتحانہ انداز میں داخل ہوئے جس سے انتہائی بے کسی کی حالت میں محروم کیے گئے۔(۹۱۔الف۔ب)

علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی اپنی کتاب ''سیرت مصطفیٰ'' میں صلح حدیبیہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

اس صلح کو تمام صحابہؓ نے ایک مغلوبانہ صلح اور ذلت آمیز معاہدہ سمجھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس سے جو رنج وصدمہ گزرا وہ سب سے بڑھ کر تھا، مگر اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی کہ۔

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا۔(۹۲) اے حبیبؐ! ہم نے آپ کو فتح مبین عطا کی۔

خداوند قدوس نے اس صلح کو ''فتح مبین'' بتایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ ''فتح'' ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''ہاں یہ فتح ہے''۔

گو اس وقت اس صلح نامہ کے بارے میں صحابہؓ کے خیالات اچھے نہیں تھے، مگر اس کے بعد کے واقعات نے بتایا دیا کہ درحقیقت یہی صلح تمام فتوحات کی کنجی ثابت ہوئی اور سب نے مان لیا کہ واقعی صلح حدیبیہ ایک ایسی فتح مبین تھی، جو کہ میں اشاعت اسلام بلکہ فتح مکہ کا ذریعہ بن گئی۔(۹۳)

چنانچہ آپؐ نے روم کے بادشاہ ''قیصر'' فارس کے بادشاہ ''کسریٰ'' حبشہ کے بادشاہ ''نجاشی'' مصر کے بادشاہ ''عزیز'' اور دوسرے سلاطین عرب وعجم کے نام دعوت اسلام کے خطوط روانہ فرمائے۔(۹۴)

غرض اس صلح کے نتیجے میں مسلمانوں کو جو فوائد وبرکات حاصل ہوئے ان میں چند یہ ہیں:

اس صلح کے نتیجے میں صرف قریش ہی کی حد تک نہیں بلکہ ان کے تمام حلیف قبائل نے مدینہ کی اسلامی ریاست کے وجود کو تسلیم کر لیا اور اسلامی ریاست کے مقبوضات پر اسلامی ریاست کے اقتدار کو تسلیم کر لیا گیا، اس سے اسلامی ریاست کی حدود میں قیام امن کی راہیں کھل گئیں۔

مسلمانوں کے لئے بیت اللہ کی زیارت کا دروازہ کھل گیا۔ توحیدی دین کو بطور حقیقت عرب میں تسلیم کر لیا گیا۔ اس دین کو سمجھنے اور اس کی دعوت کی راہ میں جو سب سے بڑی رکاوٹ حائل تھی، وہ دور ہو گئی۔

قریش سے صلح کے بعد مسلمانوں نے شمال اور وسطی عرب کی تمام مخالف قوتوں کو بآسانی مسخر کر لیا۔ صلح حدیبیہ کے تین ہی ماہ گزرے تھے کہ اسلام کے مخالف دوسرے بڑے گڑھ یعنی خیبر، وادی القریٰ، تیما اور تبوک جیسے یہودیوں کے مراکز زیر نگیں ہوتے چلے گئے اور پھر وسط عرب کے تمام قبیلے جو یہود اور قریش کے ساتھ گٹھ جوڑ رکھتے تھے۔ ایک ایک کر کے تابع فرمان ہو گئے، اس طرح حدیبیہ کی صلح نے دو ہی سال کے اندر عرب میں قوت کا توازن اتنا بدل دیا کہ قریش اور مشرکین کی طاقت دب کر رہ گئی اور اسلام کا غلبہ یقینی ہو گیا۔(۹۵)

حدیبیہ کے ان واقعات میں سب سے اہم اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کی وہ قابل صد فخر سند ہے جو اللہ تعالیٰ نے بیعت رضوان میں شریک تمام صحابہؓ کو عطا فرمائی تھی۔ فرمایا:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ وَمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّأْخُذُوْنَهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَأْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُوْنَ آيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ وَأُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝ (۹۶)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ حدیبیہ کی فتح سے بڑھ کر کوئی فتح نہیں ہوئی، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ کے درمیان جو راز تھا، اس تک لوگوں کا ذہن نہ جا سکا۔ بندے عجلت پسند واقع ہوئے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ بندوں کی عجلت پسندی کی وجہ سے عجلت نہیں فرماتا جب تک کہ معاملات اس کی منشاء کے مطابق اپنے وقت معین پر تکمیل کو نہ پہنچ جائیں۔ (۹۷)

معروف ادیب اور سیرت نگار ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی کے مطابق:

اس صلح نامہ کی تشکیل و تحریر کے موقع پر جو پیچیدگیاں، ذہنی کشمکش اور اعصابی فضا پیدا ہوئی اس کو تاریخ نے اپنے صفحات میں محفوظ کر دیا۔

مسلمان جب حدیبیہ سے لوٹے تو وہ دل شکستہ تھے۔ یہ تو نبی کریم ﷺ سے ان کی بے مثال اور غیر معمولی وابستگی تھی کہ وہ اس "صلح" کو جھیل گئے۔ اگر اس جماعت میں ضبط و نظم کی ذرا سی بھی کمی ہوتی تو جذبات کے فیصلہ کے مطابق تلواروں کی جھنکار سے مکہ کی وادیاں گونج اٹھتیں اور یوں محرم مہینہ اور بیت اللہ کی حدود کی حرمت مجروح ہو جاتی۔ اس جماعت نے اپنے قائد اور رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کے سامنے اطاعت کا سر جھکا دیا تھا، مگر دلوں میں یہ سوال کھٹک رہا تھا کہ یہ ذلت آمیز صلح کیوں کی گئی (۹۸) اور دلوں کی اس کھٹک کے موسم میں حدیبیہ سے لوٹتے ہوئے سورۃ الفتح نازل ہوئی، سورۃ الفتح رات کو نازل ہوئی تھی۔ دوسری صبح صحابہ کرامؓ کو سنانے سے پہلے حضور ﷺ نے فرمایا کہ۔

"رات مجھ پر ایک (ایسی) سورۃ نازل ہوئی جو مجھے ان تمام چیزوں سے زیادہ پسند ہے جن پر سورج طلوع ہوا"۔

"إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ۝ هُوَ الَّذِيْ أَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْا إِيْمَانًا مَّعَ إِيْمَانِهِمْ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝"

"بے شک ہم نے آپ کو ایک فتح مبین (کھلی ہوئی فتح) عطا کی تا کہ اللہ تعالیٰ تمام اگلے پچھلے (دشمنوں) کے اتہامات سے آپ کی حفاظت فرمائے اور آپ پر اپنے احسانات کی تکمیل کر دے اور آپ کو سیدھے راستے پر لے چلے اور اللہ تعالیٰ آپ کو ایسا

غلبہ دے جس میں عزت ہی عزت ہو، وہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں سکینت (سکون و اطمینان) پیدا کی ہے تاکہ ان کے پہلے ایمان کے ساتھ ان کا ایمان اور زیادہ ہو اور آسمان و زمین کا سب لشکر اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور اللہ تعالیٰ (مصلحتوں کا) بڑا جاننے والا بڑی حکمت والا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو ایسی جنت میں داخل کر دے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور تاکہ ان کے گناہ دور کر دے اور یہ اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے"۔ (سورۃ الفتح ۴۸: آیات ۱ تا ۵)

صلح حدیبیہ کے بعد ہی خیبر فتح ہو گیا اور اس کے بعد فدک، وادی القریٰ، تما اور تبوک کی یہودی بستیاں اور گروہ مسلمانوں کے تابع ہو گئے۔ (۹۹)

یوں معاہدہ حدیبیہ "فتح مبین" ثابت ہوا اور دوسری فتوحات کا دیباچہ جن میں فتح خیبر اور فتح مکہ اہم ترین ہیں۔ سورۃ الفتح میں ان دونوں فتوحات کی بشارت دی گئی۔ یہاں چند آیات پیش کر دینی مناسب ہوں گی۔

"لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحاً قَرِيْباً ۝ وَمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَأْخُذُوْنَهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزاً حَكِيْماً ۝ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَأْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُوْنَ آيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطاً مُّسْتَقِيْماً ۝ وَأُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْراً ۝"

"بالتحقیق اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے خوش ہوا جب کہ یہ لوگ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے اور ان کے دلوں میں جو کچھ تھا اللہ تعالیٰ کو وہ بھی معلوم تھا پس اللہ تعالیٰ نے ان میں اطمینان پیدا کر دیا اور ان کو انعام میں قریبی فتح بخشی اور یہ کہ اس فتح میں بہت سی غنیمتیں بھی دیں جن کو یہ لوگ لے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ زبردست بڑا حکمت والا ہے، اللہ تعالیٰ نے تم سے (اور بھی) بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کر رکھا ہے جن کو تم لوگ لو گے سو فوری طور پر تم کو یہ (فتح) عطا کر دی اور لوگوں کے ہاتھ تم سے (تمہارے خلاف اٹھنے سے) روک دیے ہیں تاکہ یہ واقعہ اہل ایمان کے لئے ایک نشانی بن جائے اور اللہ تعالیٰ سیدھے راستے کی طرف تمہیں ہدایت بخشے اور ایک فتح اور بھی ہے جو تمہارے قابو میں نہیں آئی، اللہ تعالیٰ اس کو احاطہ میں لئے ہوئے ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے"۔ (۱۰۰)

ان آیات میں فتح قریب سے مراد "فتح خیبر" ہے، جو صلح حدیبیہ کا انعام تھی۔ قرآن نے اس بات کی تصریح کر دی کہ خیبر کی غنیمتیں اصحاب رضوان کے لئے مخصوص تھیں۔ اسی لیے حضور ﷺ نے خیبر پر حملہ کے وقت دوسروں کو شریک نہیں کیا تھا۔ حبشہ سے واپس آنے والے مہاجروںؓ اور بعض دوسرے صحابیوں کو حصہ دیا تھا وہ یا تو خمس سے دیا گیا یا اصحاب رضوانؓ کی اجازت و رضامندی سے۔ حق کے طور پر کسی کو کچھ نہ دیا گیا۔ اصحاب رضوانؓ کے مرتبہ کا شاہد تو خود قرآن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنی خوشنودی کا اظہار واشگاف الفاظ میں فرمایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بیعت کے دن اپنے ان اصحاب سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ آج تم اس کرہ ارض کی بہترین جماعت ہو۔

انتم خير اهل الارض۔(۱۰۱۔الف۔ب)

محقق اور سیرت نگار ڈاکٹر حافظ محمد ثانی ''صلح حدیبیہ'' کے بارے میں رقمطراز ہیں:

معاہدہ حدیبیہ کو سمجھنے کے لیے اس کے پس منظر کو سامنے لانا ضروری ہے اس لیے اس کی کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام مکے میں مسلسل تیرہ سال تک مصائب و مشکلات کا سامنا کرتے رہے،انہی مصائب سے بچنے کے لیے رسول اکرم ﷺ نے کچھ کمزور مسلمانوں کو حبشہ ہجرت کر جانے کا حکم فرمایا تھا،مگر خود اپنی ذات گرامی اور عام مسلمانوں کے بارے میں حکم الٰہی کا انتظار تھا،آخر کار جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو ہجرت کی اجازت مل گئی تو آپ ﷺ نے عام مسلمانوں کو ہجرت کی اجازت دے دی اور خود سب سے آخر میں صدیق اکبرؓ کے ہمراہ مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔مسلمانوں کو اس طرح اپنے آبائی وطن مکہ چھوڑنے کا غم تو تھا ہی مگر ان سب کو سب سے زیادہ صدمہ اللہ کے گھر کعبۃ اللہ کی زیارت اور اس کے اندر عبادت الٰہی سے محروم ہو جانے کا تھا،خود حضور اکرم ﷺ کے شیشہ قلب کی شکستگی اور حزن و ملال کا جو حال ہجرت کے وقت تھا اس کا اندازہ آپ ﷺ کی اس دعا سے کیا جا سکتا ہے جو آپ ﷺ نے دل سوز اور چشم گریاں کے ساتھ مکہ مکرمہ سے رخصت ہوتے وقت کی تھی۔رخصت ہوتے وقت جب آپ ﷺ کی نظر اللہ کے محبوب گھر پر پڑی تو آپؐ نے انتہائی پر سوز لہجے میں فرمایا!

انک لاحب ارض اللہ الی اللہ ولولا ان اہلک اخرجونی ما خرجت(۱۰۲)

اے مکہ! تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی سب سے محبوب زمین ہے،اگر تیرے رہنے والے مجھے نہ نکالتے تو میں تیری مبارک سرزمین سے ہرگز نہ نکلتا۔

پرامن بقائے باہمی اور بیرونی تعلقات کے قیام کا اس سے بہتر نمونہ ملنا دشوار ہے۔یہ شرائط منظور نہیں کر سکتا جب کہ اس کے ساتھ جانباز فوج بھی ہو،لیکن آپ ﷺ نے اسلام کے مطمح نظر کی تکمیل کے لیے اس معاہدے کی پوری پوری پابندی کی۔حالانکہ حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ جیسے کہ بظاہر اس ظاہر میں نظر آنے والی کمزور صلح حدیبیہ کے خلاف تھے جسے بعد ازاں قرآن نے ''فتح مبین'' قرار دیا اور جو درحقیقت فتح مکہ کا دیباچہ قرار پائی۔

اسلامی تاریخ اس پر متفق ہے کہ حدیبیہ کا یہی معاہدہ اور صلح نامہ ہے جس نے فضا کو بدل دیا،عرب کے لوگوں کو یہ معلوم ہو گیا کہ اسلام انسانیت اور امن کا پیغام ہے اور مسلمان اس راہ میں اس حد تک صادق ہیں کہ انہیں وحشیانہ تشدد کے باوجود قیام امن کی کوششوں کو ترک نہیں کیا۔انہوں نے اپنی جانیں گنوا دیں مگر اس یقین کا دامن نہیں چھوڑا۔جس کا منشاء پوری دنیا کو اپنے حلقہ اثر میں لینا تھا۔

اور معاہدہ حدیبیہ کی بدولت دو حربی قوتوں مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان پرامن بقائے باہمی کا معاہدہ خالصتاً رسول اکرم ﷺ کی سیاسی بصیرت،امن پسندی،تدبر اور حکمت عملی کے نتیجے میں مسلمانوں کو دوررس اور فیصلہ کن ثمرات حاصل ہوئے جو نتیجے کے طور پر اسلام کی عالمگیر ترویج و اشاعت کا سبب قرار پائے اور مکے کی فتح مبین کا سامان بنے۔جنگ بندی کے نتیجے کے طور پر

اسلام کی عالمگیر ترویج و اشاعت کا سبب قرار پائے اور مکے کی فتح مبین کا سامان بنے۔ جنگ بندی کے نتیجے میں مسلمانوں کو نادیدہ فوائد حاصل ہوئے اور اس مدت میں جو کم وبیش تین سالوں پر محیط ہے، مسلمانوں نے پرامن ذرائع سے اپنی مملکت کو تقریباً دس گنا پھیلا کر پورے جزیرہ نما عرب کو اپنا مطیع اور زیر فرمان بنالیا۔ "صلح حدیبیہ" تحریک اسلام کی درخشندہ تاریخ کا نقطہ آغاز ہے، اس نے سارے عرب میں اسلام کے ثقافتی انقلاب کے لیے زمین ہموار کردی، اس لیے قرآن مجید نے "صلح حدیبیہ" کو "فتح مبین" سے تعبیر کیا ہے۔

مذکورہ بالا دونوں معاہدوں کی بنیاد پر ائمہ فقہ نے جنگ و صلح کے بے شمار مسائل مستنبط کئے ہیں اور اسی سے یہ بات نکلتی ہے کہ اسلام کے نزدیک اصل چیز امن و صلح ہے، جنگ مجبوری کی صورت میں کی جاتی ہے۔(۱۰۳)

ڈاکٹر اسرار احمد صلح حدیبیہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

اس اہم واقعہ کو قرآن مجید نے فتح مبین قرار دیا ہے اور حدیبیہ سے واپسی پر یہ آیت نازل ہوئی کہ (إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا)(۱۰۴) "بے شک ہم نے (اے محمد ﷺ) آپ کے لیے تابناک اور کھلی فتح کا فیصلہ مقرر فرمایا"۔ صلح حدیبیہ کو رسول اللہ ﷺ کی انقلابی جدوجہد کے ضمن میں ایک نہایت اہم موڑ (turning point) کی حیثیت حاصل ہے۔ درحقیقت اس صلح اور معاہدہ کا مطلب یہ تھا کہ قریش نے نبی اکرم کو ایک "طاقت" کی حیثیت سے تسلیم (recognize) کرلیا۔ سیاسیات اور بین الاقوامی معاملات میں دراصل یہی بات فیصلہ کن ہوتی ہے کہ اگر کسی فریق کی قانونی و آئینی حیثیت تسلیم کرلی جائے تو اس کے لیے یہ بہت بڑی کامیابی ہوتی ہے۔ کیونکہ اس فریق کو بہت سے حقوق و تحفظات حاصل ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا قریش کی طرف سے مصالحت پر آمادہ ہو جانے اور ایک باضابطہ تحریری شکل میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ صلح کا معاہدہ کر لینے کا مطلب یہ ہے کہ گویا قریش نے یہ تسلیم کرلیا ہے کہ محمد ﷺ عرب کی ایک سیاسی اور عسکری طاقت ہیں جن سے انہوں نے صلح کا معاہدہ کیا ہے۔ یعنی قریش کو تسلیم کرنا پڑا کہ محمد ﷺ اب ایک ایسی طاقت ہیں جنہیں تسلیم کیے بغیر اب کوئی چارہ کار نہیں۔ اس صورت حال کے پس منظر میں مدینہ منورہ کی واپسی کے سفر کے دوران سورہ الفتح کی درج ذیل آیت نازل ہوئیں:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ......﴾(۱۰۵)

"بے شک جو لوگ (اے محمد ﷺ) آپ ﷺ سے بیعت کرتے ہیں اور وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ہے ان کے ہاتھ کے اوپر......"

اور

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ...﴾(۱۰۶)

"اے نبی ﷺ تحقیق اللہ راضی ہوگیا ایمان والوں سے جب وہ بیعت کرنے لگے آپ سے درخت کے نیچے......"

اور

﴿"لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ......﴾(۱۰۷)

بے شک اللہ نے سچ کر دکھایا اور اپنے رسول کو خواب کو حق کے ساتھ۔تم لازماً داخل ہو کر رہو گے مسجد حرام میں اگر اللہ نے چاہا آرام سے اپنے سروں کے بال مونڈتے اور کترتے ہوئے، بے کھٹکے......"

اس صلح حدیبیہ کے ثمرات وفوائد بہت سے ہیں، مختصراً یہ کہ صلح حدیبیہ ہی فتح مکہ کی تمہید بنی۔ نبی اکرم ﷺ کو ۶ ھ سے ۸ ھ تک امن وسکون کے جو دو سال ملے اس میں توحید کی انقلابی دعوت نے نہایت سرعت کے ساتھ وسعت اختیار کی اور مسلمانوں کو ایک بڑی جمعیت فراہم ہو گئی۔

دوسال بعد کی صورت حال:

دوسال کے بعد ہی حالات کافی بدل گئے۔اب نبی کریم ﷺ کی انقلابی جدوجہد کی کامیابی کے لیے فضا تیار ہو چکی تھی۔حضور ﷺ کا دست مبارک حالات کی نبض پر مستقل طور پر رہا ہے۔آپ ﷺ اب بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ اس وقت مکہ والوں میں کوئی دم خم موجود نہیں ہے اور اب کسی خونریز مقابلے کا سرے سے امکان ہی موجود نہیں ہے۔اب قریش میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ وہ مقابلہ میں آسکیں۔

﴿وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ۝ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَهُوْقًا﴾(۱۰۸)

"اور (اے نبی ﷺ) کہہ دیجئے: اے میرے رب! (جہاں تو مجھے داخل کرے تو) مجھ کو داخل کرنا اور (جہاں سے بھی تو مجھے نکالے تو) نکال مجھ کو سچا نکالنا اور مجھ کو عطا کر دے اپنے پاس سے حکومت کی مدد۔اور (اے نبی ﷺ) کہہ دیجیے کہ حق آ گیا اور باطل نکل بھاگا۔بے شک باطل ہے ہی بھاگ جانے اور مٹ جانے والا۔"

صورت حال کے ادراک اور شعور کی ضرورت:

یہ ہے اصل صورت حال جس کا ادراک وشعور ضروری ہے۔ظاہر بات یہ ہے کہ اگر حضور اکرم ﷺ کا خصوصی مشن اور آپ ﷺ کا امتیازی منصب یعنی دین حق کا بالفعل بنفس نفیس قائم کرنا نگاہوں کے سامنے نہ رکھا جائے تو کوتاہ نظری کے باعث یہ تضاد نمایاں نظر آئے گا دوسال پہلے حضور ﷺ بظاہر اہانت آمیز شرائط پر صلح نامہ فرما رہے ہیں اور دوسال کے بعد مخالف فریق کا رئیس اعظم خود مدینہ آ کر خوشامدیں کر رہا ہے، سفارشیں پہنچانے کی کوششیں کر رہا ہے کہ کسی طرح صلح کی تجدید کی جائے، لیکن حضور ﷺ ہیں کہ اس بات کی طرف توجہ ہی نہیں فرما رہے۔

درحقیقت سیرت النبی ﷺ کا صحیح فہم اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک یہ بات پیش نظر نہ رکھی ہو کہ اصل میں نبی کریم ﷺ کو کیا مشن تفویض کیا گیا تھا اور وہ کیا خصوصی ذمہ داری تھی جو حضور ﷺ کے سپرد کی گئی تھی!

الفاظ قرآنی ﴿ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ﴾
ایک شوشہ کے تغیر کے بغیر سورہ توبہ، سورہ الفتح اور سورۃ الصف میں وارد ہوئے ہیں۔ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ان الفاظ مبارکہ کو پورے قرآن حکیم کا عمود قرار دیا ہے، اگر یہ کہا جائے تو بالکل صحیح ہوگا کہ ان الفاظ مبارکہ کے ذریعے حضور اکرم ﷺ کو ایک صالح انقلاب عملاً برپا کرنے کا مشن سونپا گیا تھا۔(۱۰۹)

اس معاہدہ کی رو سے اسلامی ریاست کو اس خطرے سے نجات مل گئی جو اسے مکہ سے درپیش تھا۔ تاہم یہ معاہدہ فتح عظیم کا مقدمہ بنا۔ قرآن حکیم نے اسے فتح مبین (۱۱۰) اور نصر عزیز (۱۱۱) کے ناموں سے یاد کیا ہے۔(۱۱۲)

معروف سیرت نگار پروفیسر ڈاکٹر نثار احمد کے مطابق:

صلح حدیبیہ کے بعد فریقین پر قرارداد کا احترام اور امانت و دیانت برتنا لازم تھا۔ لیکن قریش نے اس کو بھی پامال کر ڈالا، خیانت کے مرتکب ہوتے اور بغیر کسی جواز کے بنو خزاعہ پر حملہ میں بنو بکر کی آدمیوں اور اسلحہ دونوں سے مدد بھی کی۔(۱۱۳) اس طرح شرائط مذکورہ کی صریح خلاف ورزی بالآخر صلح نامہ حدیبیہ کے خاتمہ کا باعث ہوئی۔ رسول اکرم ﷺ کو ان شرائط سے اس لیے کوئی تشویش لاحق نہیں ہوئی کہ آپ ﷺ کے پاس سے قریش کی طرف جانے کی کوشش صرف وہی شخص کر سکتا تھا جسے اسلام ناپسند ہو ورنہ ایک مسلمان جیتے جی یہ گوارا نہیں کر سکتا تھا۔(۱۱۴)

ان شرائط کا قریش پر ایک الٹا اثر یہ بھی ہوا کہ ایک عرصہ کی کشیدگی اور سلسلہ جنگ و جدال نے کفار اور مسلمانوں کے باہمی میل جول کا سلسلہ منقطع کر رکھا تھا۔ ان شرائط نے آتش مبارزت کو فرو کیا تو مخالفین و مشرکین مکہ نے مدینہ آنا جانا شروع کر دیا۔ اس یک طرفہ آمد و رفت سے کفار و مشرکین کی غلط فہمیاں دور ہوئیں۔ انہیں مسلمانوں اور اسلام کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شعوری اور غیر شعوری طور پر دونوں طریقوں سے اسلام کی اشاعت اتنی تیزی سے ہوئی کہ اس سے قبل ۱۹ سال میں بھی نہ ہوئی تھی۔

جنگوں کے پیہم سلسلے نے پہلے ہی قریش کی ہمتیں پست کر رکھی تھیں اور ان میں ان کا جان و مال کا بے حد اتلاف ہو چکا تھا۔ نیز رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اقتصادی ناکہ بندی نے جس صورت حال سے دوچار کر دیا تھا ان کی ساری توجہ اسی صورت حال کی بہتری سے بدلنے کی طرف تھی۔ اس لیے صلح حدیبیہ کے ذریعے یہ مقصد انہوں نے حاصل کرنا سمجھا اور مسلمانوں کے لیے اس میں دعوتی نقطہ نظر سے یہ گنجائش پیدا ہو گئی تھی کہ وہ جنوب کے علاقوں میں اپنی سرگرمیاں جاری رکھ سکیں۔ اس کا قرینہ یہ بھی تھا کہ اس زمانہ میں شاہ ایران شہر براز نے رومیوں سے شکست کھائی اور قرآن میں مذکور الم غلبت الروم کی پیش گوئی (۱۱۵) پوری ہو گئی۔ اس کا نتیجہ اور کچھ نہ سہی تو یہ بہر حال ہوا کہ بقول ڈاکٹر حمید اللہ ''لاوارث ایرانی صوبے یمن، بحرین، عمان کے متعلق حسب

دلخواہ کارروائی کرنے کا ایک خداداد موقع ہاتھ آ گیا۔(۱۱۶)

صلح حدیبیہ کی اہم دفعات و شرائط اور اس کے بعض اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے مزید چند نکات قابل ذکر معلوم ہوتے ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) صلح نامہ حدیبیہ کا ایک اصولی اور بنیادی نتیجہ یہ نکلا جیسا کہ ایک جگہ مولانا مودودیؒ نے لکھا ہے کہ(۱۱۷)''اس میں پہلی مرتبہ اسلامی ریاست کا پہلی مرتبہ باقاعدہ طور پر وجود تسلیم کیا گیا۔ اس سے پہلے تک عربوں کی نگاہ میں حضور ﷺ کی حیثیت محض قریش اور قبائل عرب کے خلاف خروج کرنے والے ایک گروہ کی تھی اور آپ ﷺ کو برادری باہر (outlaw) سمجھتے تھے۔(۱۱۸)

اب خود قریش نے آپ ﷺ سے معاہدہ کر کے سلطنت اسلامی کے مقبوضات پر آپ ﷺ کا اقتدار مان لیا اور قبائل عرب کے لیے یہ دروازہ بھی کھول دیا کہ ان دونوں سیاسی طاقتوں میں سے جس کیساتھ چاہیں حلیفانہ معاہدہ کرلیں۔''(۱۱۹)

(۲) صلح نامہ حدیبیہ میں قریش نے مسلمانوں کے لیے بیت اللہ کا راستہ روک کر ایک فاش سیاسی غلطی کی تھی۔ اس کی وجہ سے رائے عامہ مسلمانوں کے حق میں ہموار ہو گئی اور بہت سے قبائل مسلمانوں کی طرف جھک گئے اور قریش کے قرب و جوار کا علاقہ بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ ان تمام چیزوں نے بعد میں عملی طور پر فتح مکہ کو آسان بنا دیا۔(۱۲۰) صلح حدیبیہ پر بحث کے بعد اب ہم پھر اس بات کی تمہید کے مطابق اس دور توسیع میں اہم پہلو کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

صلح حدیبیہ سے رسول اکرم ﷺ کو اپنی اس پالیسی کو عملی جامہ پہنانے کا موقع میسر آ گیا کہ مخالف طاقتوں کو پہلے درجہ میں تو متحد ہی نہ ہونے دیا جائے اور پھر دوسرے درجہ میں علیحدہ بننے والی سیاسی اکائیوں کو سرنگوں کر دیا جائے صلح حدیبیہ نے ریاست نبوی ﷺ کے دو زبردست مخالفین یعنی قریش اور یہودی حلیفوں کے مابین تفریق کر دی۔ اب یہ بات طے تھی کہ یہود کی جانب پیش قدمی کی صورت میں نہ تو قریش ان کی مدد کر سکیں گے اور نہ اس سے دارالحکومت مدینہ کو خطرہ لاحق ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے باعث جنوب کی طرف سے اطمینان حاصل ہو جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے شمالی عرب اور وسط عرب کی تمام مخالف طاقتوں کو بآسانی مسخر کر لیا۔(۱۲۱)

چنانچہ صلح حدیبیہ پر بمشکل ڈیڑھ ماہ ہی گزرا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کے سب سے بڑے مستحکم اور مضبوط مرکز (۱۲۲) خیبر کو فتح کر لیا۔ بہت ممکن تھا کہ خیبر کو مزید مہلت مل جاتی مگر ایک طرف تو مدینہ کے منافقین، اپنی ریشہ دوانیوں میں مصروف تھے دوسری طرف اس سے یہود کی ہمت بڑھی تو انہوں نے سفارت کے ذریعہ بنو غطفان سے مدد و تعاون کی درخواست کی جسے فوراً قبول کر لیا گیا تھا۔(۱۲۳) اس طرح ان تین گروہوں (منافقین، یہود اور قبائل عرب) کی مشترک سازش سے مدینہ پر حملہ کا منصوبہ بن گیا لیکن اس سے قبل کہ وہ شرمندہ تکمیل ہوتا رسول اللہ ﷺ یہود و خیبر کی سرکوبی کے لیے بغیر کسی توقف کے روانہ ہو گئے کیونکہ جارحیت کو روکنے کے لیے اس قسم کے اقدامات کرنا بھی ضابطہ، قانون و اخلاق کی رو سے ممنوع نہیں اور آپ ﷺ کی تو شروع ہی سے یہ حکمت عملی رہی کہ دشمن کو اس کے سنبھلنے سے پہلے ہی کچل دیا جائے۔ چنانچہ خیبر کے لیے رسول اکرم ﷺ محرم کی آخری تاریخوں میں (۱۲۴) چودہ سو مومنین کی جماعت لے کر نکلے (۱۲۵) اور منزل مقصود سے پہلے معاً غطفان و خیبر کے درمیان واقع ایک میدان رجیع میں قیام کیا۔ تاکہ یہود خیبر کے درمیان حائل ہو کر خیبر کے لیے مدد و کمک کا راستہ روک دیں۔

(١٢٦) چنانچہ اہل غطفان کے رسول اللہ ﷺ کی آمد پر یہودیوں کی مدد کے لیے بھی نکلے بھی تھے لیکن ایک منزل سے آگے بڑھنے کی ہمت نہ کر سکے۔(١٢٧) ایک تو اس لیے کہ انہیں یہ اطلاعات ملی تھیں کہ خود ان کی آبادی خطرہ میں ہے۔(١٢٨) اور دوسرے رسول اللہ ﷺ کا رجیع میں قیام ان کے آگے جانے میں مزاحم تھا۔ بہر حال آنحضرت ﷺ کا جنگی منصوبہ نتیجہ خیز رہا۔ یعنی آپ ﷺ دشمنوں کے اتحاد اور ان کی کمک کا راستہ روکنے میں کامیاب ہو گئے اس کے بعد خیبر کی مہم سر کرنے میں تقریباً دو ماہ صرف ہوئے۔ لڑائی کا سلسلہ اوائل صفر سے ربیع الثانی کے آخر تک جاری رہا لیکن بالآخر فتح مسلمانوں کو حاصل ہوئی۔(١٢٩) اور اس طرح یہود کا سنگین خطرہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ خیبر کی فتح کے ساتھ ہی سورہ فتح کے مطابق فتح قریب (١٣٠) مغانم کثیرہ (١٣١) اور غنائم اخروی (١٣٢) کا وعدہ خداوندی بھی پورا ہو گیا۔

فتح خیبر نے بعض دوسری فتوحات کو جنم دیا۔ مثلاً خیبر کے انجام کی اطلاع قریب کی یہودی آبادی "فدک" پہنچی تو وہاں کے لوگوں نے بغیر لڑے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی نصف اراضی پیش کر کے صلح کر لی۔(١٣٣) یہودیوں نے تھوڑی سی مزاحمت کی لیکن جلد ہی ہتھیار ڈال دیے اور ان ہی شرائط پر صلح کر لی جن پر خیبر والوں نے کی تھی۔ اور جزیہ دینا منظور کر لیا تھا۔(١٣٤) اس سے متصل تیماء کا یہودی مرکز بھی جمادی الثانی ٧ھ میں ٹوٹ گیا اور اس طرح یکے بعد دیگرے یہ تمام بستیاں ریاست نبوی ﷺ کی زیر نگیں آ گئیں۔

یہودیوں کے مفتوح ہو جانے سے عرب کی سیاسی صورت حال میں واضح تغیر رونما ہوا۔ اسلامی ریاست کے دشمنوں میں سے ایک دشمن کا بالکل استیصال ہو گیا جو دراصل تمام دشمنوں مثلاً قبائل عرب خصوصاً غطفان اور قریش وغیرہ کی نہ صرف پشت پناہی کرتا تھا بلکہ ان کو آمادہ فساد بھی کرتا تھا اور ان سب کے اتحاد سے خطرناک صورت پیدا ہو جاتی تھی لیکن اب تو ایک طرف قریش مکہ اور یہود نیز دیگر قبائل کو جنگی اتحاد اور صلح حدیبیہ کی بناء پر ٹوٹ چکا تھا۔ اور دوسری طرف خیبر کے مغلوب ہو جانے سے قبائل عرب بھی یار و مددگار رہ گئے۔ اس طرح قریش مکہ کا ایک انتہائی اہم بازو ٹوٹ گیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ علاقہ جو یہود اور قریش کا منتظر اثر تھا کہ اسلام کی سیاسی اور حربی سے مرعوب و متاثر ہو گیا اور ان قبائل کے ذہن و فکر تک اسلام کی رسائی ہو گئی جو اب تک اس روشنی سے محروم تھے۔

اس بیان کی تائید تاریخی طور پر اس طرح سامنے آتی ہے کہ جب قریش نے بنی خزاعہ پر حملے میں بنی بکر کو مدد کر کے حدیبیہ کے معاہدہ کو پامال کر دیا۔(١٣٥) جس پر قریش کو خود بھی بہت ندامت تھی (١٣٦) تو رسول اللہ ﷺ نے دس ہزار آدمیوں کا لشکر جرار لیکر رمضان ٨ھ میں ان کی جانب کوچ کیا۔(١٣٧) اسلامی لشکر کی اتنی بڑی تعداد بجائے خود اس پر دلالت کرتی ہے کہ عرب کے دیگر قبائل نے معاونت و شرکت کی اور قدیم و جدید تاریخی ماخذ میں اس کی تصریح ہے کہ اس لشکر میں قبیلہ سلیم، مزینہ، غفار، اسلم کے بالترتیب ایک ہزار، چار سو آدمی اور اسد، تمیم، اشجع اور جہینہ کے بھی کافی افراد شریک تھے۔(١٣٨) اس کا مطلب یہ ہے کہ عرب کے وہ قبائل جو صلح حدیبیہ سے پہلے عموماً اور غزوہ خیبر سے پہلے خصوصاً ریاست نبوی ﷺ کے خلاف محاذ آرا تھے۔ صلح حدیبیہ اور فتح خیبر کے بعد اس کے معین و مددگار بن گئے۔ گویا صلح حدیبیہ کے بعد اشاعت اسلام کی تحریک نے جیسا کہ پہلے کہا گیا روز

افزوں ترقی کی اور بے شمار افراد حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔اس بناء پر نہ تو امر تعجب خیز ہے کہ مکہ کی پیش قدمی میں دس ہزار افراد کیسے شریک ہوگئے جبکہ اس سے پہلے اسلامی لشکر نسبتاً بہت مختصر ہوتا ہے اور نہ اس حیرت کی کوئی وجہ ہے کہ اتنی بڑی فوج کیساتھ مدینہ سے مکہ کا طویل سفر اس خاموشی اور رازداری کیساتھ کیسے کیا گیا کہ قریش کو خبر نہ ہوسکی اور نہ قریش کے ممد و معاون ان کی مدد کو پہنچ سکے۔ واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ راستہ میں پڑنے والے کم و بیش تمام قبائل کو یا تو اپنا ہمنوا بنا چکے تھے یا آپ ﷺ نے غیر جانبدار رہنے پر ان کو راضی کر لیا تھا۔ نیز پیش قدمی میں آپ ﷺ نے ایسی رازداری برتی تھی کہ دشمن بے خبر تھا۔ پھر یہود خیبر ان کی ہمسایہ بستیاں اور قبائل کی ایک بڑی تعداد مغلوب ہو چکی تھی اس لیے قریش تنہا رہ گئے اور تنہا رہ کر قریش یا عرب کسی بھی طاقت کے لیے ریاست نبوی ﷺ سے ٹکرانے کا حوصلہ نہ تھا اس لیے رمضان ۸ھ میں مکہ بڑی آسانی سے فتح کر لیا گیا۔ (۱۳۹)

ایک ایسے شہر کی فتح عمل میں آئی جس کی آغوش میں رسول اللہ ﷺ اور ریاست نبوی ﷺ کی دشمنی پروان چڑھی جو آٹھ سال تک مدینہ کے خلاف محاذ آرائی کا مرکز رہا اور جس کے باشندوں نے جسم و جان کی ساری صلاحیتیں، اپنا مال و متاع اور اپنے مادی مسائل عداوت خدا اور رسول ﷺ کے لیے وقف کر رکھے تھے۔اس کی فتح اس امن سلامتی کے ساتھ ہو جاتی ہے کہ نہ قتل و غارت گری کا بازار گرم ہوتا ہے نہ گھروں کو نذر آتش کیا جاتا ہے اور نہ آبروئیں لوٹی جاتی ہیں۔رسول اللہ ﷺ کی اس فیاضی اور رواداری کو دنیا کی تاریخ فتوحات میں یقیناً ایک گرانقدر اضافہ قرار دیا جائے گا۔

ان تفصیلات کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ قریش کی طرف سے عہد شکنی کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ کی معنویت یعنی ''امن و سلامتی'' کو فتح مکہ کے موقع پر برقرار رکھا اور اس طرح صلح حدیبیہ میں جس فتح مبین کا اعلان ہوا تھا اس کی تعبیر ''فتح مکہ'' کی صورت میں سامنے آگئی۔ گویا ''صلح حدیبیہ'' نے دو ہی سال کے اندر عرب میں طاقت کا توازن اتنا بدل دیا کہ قریش اور مشرکین کی طاقت دب کر رہ گئی اور اسلام کا غلبہ یقینی ہو گیا۔

مندرجہ بالا مباحث کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کا واقعہ سیاست نبوی ﷺ میں ایک اہم موڑ ثابت ہوا، جس نے سہ طرفہ مقاصد کو حاصل کرنے میں ریاست کی مساعدت کی اس کے ذریعہ پہلے درجہ میں قریش کو خاموش کرنے اور دوسرے درجہ میں ان کی طاقت کو حتمی طور پر ختم کرنے میں مدد ملی، دوسری طرف یہود کے متعدد اہم مراکز زیر نگین کرنے کے مواقع اسی صلح نے فراہم کیے پھر اسی صلح کے باعث قبائل عرب کی ایک بڑی تعداد ریاست نبوی ﷺ کی مطیع و فرمانبردار ہوگئی اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے سیاسی اقتدار کو تسلیم کر لیا۔ (۱۴۰)

آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی جس میں آپ ﷺ کو صریح فتح کی مبارک باد دی گئی تھی جو اس معاہدہ کی تحریر کی صورت میں آپ کو نصیب ہوئی اور جو مستقبل قریب میں مسلمانوں کے گناہوں کی بخشش، ان پر خدائی نعمتوں کے اتمام صراط مستقیم کی جانب ان کی رہنمائی اور ایک باعزت فتح و کامرانی کی تمہید کا سبب بنے گی وہ وحی یہ تھی۔

﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنۢبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُۥ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝ وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا﴾ (۱۴۱)

اور اس معاہدہ کی دستاویز عظیم الشان فتح کیونکر نہ کہلاتی جب کہ اس میں قریش کے مقابلہ میں کھلی ہوئی سیاسی کامیابی تھی جیسا کہ اس کی وضاحت کر چکے ہیں اور وہ فضائل مزید براں ہیں جنہیں حق تعالیٰ نے شمار کرایا ہے ان میں اعلیٰ ترین گناہوں کی بخشش ہے کیونکہ یہ معاہدہ مسلمانوں کی خون ریزی سے بچاؤ ان کے محترم مہینوں کی بے حرمتی سے محفوظ رہنے اور اس بے حرمتی کی صورت میں تمام عرب کی متوقع ناراضی سے بھی بچے رہنے کا سبب بنا۔

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس معاہدہ کے ذریعے آپ ﷺ کو قریش پر کسی حملہ و تشدد سے روک دیا گیا تھا لیکن معلوم ہونا چاہیئے کہ خود اسلام اصولی طور پر آپ ﷺ کو کسی تشدد کی اجازت نہیں دیتا۔ جیسا کہ حق تعالیٰ کا صریح ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَعْتَدُوْا إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾ (۱۴۲)

کسی پر ظلم و زیادتی نہ کرو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

یہ وہ سیاسی بصیرت تھی جو نبی کریم ﷺ سے اپنی سیاسی زندگی کے پہلے ہی دور اور پہلے ہی فیصلہ میں ظاہر ہوئی۔

عیاری و دھوکہ بازی کوئی سیاست نہیں ہے جس کا تصور موجودہ زمانہ کے ارباب سیاست رکھتے ہیں اور وہ برملا یہ بھی کہتے ہیں کہ "سیاست کا نہ کوئی مسلک ہوتا ہے نہ کوئی دین۔" (۱۴۳)

نامور سیرت نگار پروفیسر چودھری غلام رسول چیمہ کے مطابق:

بعد کے نتائج نے یہ واضح کر دیا کہ وہ صلح فی الواقعہ فتح مبین تھی۔ جنگ و پیکار کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ملک امن و امان قائم ہو گیا۔ مسلمان کفار آپس میں ملنے جلنے لگے۔ خاندانی اور تجارتی تعلقات کی وجہ سے کفار مدینہ آنے جانے لگے۔ ملاقاتوں سے اسلام کی حقانیت سے آگاہ ہونے لگے۔ اس صلح سے لے کر فتح مکہ تک اتنے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے کہ اس سے قبل نہیں ہوئے تھے۔ حضرت عمرو بن العاص اور حضرت خالد بن ولید بھی اسی زمانہ میں مسلمان ہوئے تھے۔

حرمت شراب کے زمانہ کی تعیین میں سیرت نویس حضرات کا اختلاف ہے۔ بعض ۳ھ بتاتے ہیں اور بعض ۶ھ۔

حقیقت یہ ہے کہ حرمت شراب کا حکم تدریجاً آیا ہے۔ اول یہ سمجھایا کہ اس میں کچھ منافع بھی ہیں لیکن اس کا نقصان منافع سے بڑھ کر ہے۔

﴿يَسْأَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا إِثْمٌ كَبِيْرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا﴾ (۱۴۴)

تجھ سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں۔ کہو ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے منافع بھی ہیں اور ان کی برائی ان کے فائدے سے بڑی ہیں۔

پھر حکم ہوا کہ نشہ کی حالت میں نماز میں مت آؤ۔

﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَأَنْتُمْ سُكَارٰى﴾ (۱۴۵)

نماز کے قریب نہ جاؤ جب تم نشہ کی حالت میں ہو۔

بالآخر قطعی حکم کا سورہ مائدہ میں نازل فرمایا۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (۱۴۶)

یعنی اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ شراب اور جوا اور بت اور پانسے ناپاک کام صرف شیطان کے عمل سے ہیں۔ سو اس سے بچو تا کہ تم کامیاب رہو۔

سورہ مائدہ کے اکثر حصوں کے نزول پانچویں اور ساتویں سال ہجری کے درمیان ہوا۔

ربیع الآخر ۶ ھ رسول کریم ﷺ نے دودھیل اونٹنیاں اپنے غلام رباح اور اپنے چرواہے کے ہمراہ چرنے کے لیے بھیجی تھیں اور سلمہ بن اکوعؓ بھی ان کے ساتھ تھا۔ بنو غطفان کے سواروں نے زیر قیادت عیینہ فزاری چراگاہ پر چھاپہ مارا اور اونٹ ہانک کر لے گئے۔ رسول کریم ﷺ پانچ سو سواروں کے ساتھ (جن میں سلمہ بن اکوع شامل تھے) ڈاکوؤں کا تعاقب کیا اور سارے اونٹ چھڑا لیے۔

اس غزوے پر رسول کریم ﷺ نے تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا آج ہمارے سب سے بہتر شہسوار ابو قتادہ اور سب سے بہتر پیادہ سلمہ ہیں اور آپ ﷺ نے مجھے دو حصے دیے ایک پیادہ کا حصہ اور دوسرا شہسوار کا حصہ اور مدینہ واپس ہوتے سلمہ بن اکوعؓ کو یہ شرف بخشا کر اپنی عضباء نامی اونٹنی پر اپنے پیچھے سوار فرمایا۔

اس غزوہ کے دوران رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کا انتظام ابن ام مکتوم کو سونپا اور غزوے کا پرچم مقداد بن عمرو کو عطا فرمادیا۔ (۱۴۷)

خیبر پر حملہ کی تیاری:

رسول کریم ﷺ نے غطفان اور یہود کے حملوں کی مدافعت کے لیے محرم ۷ ھ میں اس لشکر کو روانگی کا حکم دیا۔ جو صلح حدیبیہ میں شامل تھے اور ان کے سوا دوسرے لوگوں کی شمولیت سے انکار نہ فرمایا مگر انہیں غنیمت سے مستثنیٰ فرمادیا۔ (۱۴۸)

لشکر کی تعداد سولہ سو تھی۔ جن میں دو سو سوار اور باقی پیدل تھے۔ ازواج مطہرات میں سے ام سلمہؓ ساتھ تھیں۔ حضرت سباع بن عرفطہ غفاری کو مدینہ کا افسر مقرر کیا تھا۔

آپ ﷺ نے تین علم تیار کرائے۔ ایک ایک حضرت حبابؓ بن منذر اور حضرت سعد بن عبادہؓ کو عنایت فرمائے۔ ایک خاص علم جس کا پھریرا حضرت عائشہؓ کی رداء سے تیار ہوا تھا وہ حضرت علیؓ کو دیا۔

آپ ﷺ نے خیبر اور بنی غطفان کے درمیان مقام رجیع میں فوجیں اتاریں۔ بنو غطفان کو یہ خوف لاحق ہوا کہ مسلمان ہماری بستیوں پر حملہ آور ہوں گے۔ اس وجہ سے گھروں میں ہی مدافعت کے لیے موجود رہے اور خیبر کے یہودیوں کی اعانت کے لیے نہ نکلے۔

خیبر میں دس قلعے تھے جن میں بیس ہزار جنگی سپاہی رہتے تھے۔ (۱) ناعم (۲) نطاۃ (۳) صعب ابن معاذ (۴) قلعہ الزبیر (۵) حصن شق (۶) حصن البر (۷) حصن ابی (۸) قموص (۹) وطیح (۱۰) سلام۔

ان سب میں قموص نہایت مضبوط اور محفوظ قلعہ تھا۔ مرحب عرب کا مشہور پہلوان اسی قلعہ کا رئیس اعظم تھا۔ ابن ابی الحقیق کا

خاندان بھی یہیں رہتا تھا۔

لشکر اسلام نے مقام صہبا میں پہنچ کر نماز عصر ادا کی۔ پھر وہاں ہی ستو پانی گھول کر پیا۔

اسی سال ۷ھ حضرت عثمان بن ابی طلحہ کلید بردار کعبہ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے غزوہ خیبر کے سلسلے میں چند متعدد سے احکامات جاری ہوئے۔

چند فقہی مسائل

۱۔ پنجہ دار پرند حرام ہو گئے۔
۲۔ درندہ جانور حرام کر دیے گئے۔
۳۔ گدھا اور خچر حرام کر دیا گیا۔
۴۔ متعہ کو مسلمانوں کے لیے ہمیشہ کے لیے حرام کر دیا گیا۔
۵۔ چاندی سونے کا بہ تفاضل خریدنا حرام ہو گیا۔ (۱۴۹)

شاہان عرب وعجم کو دعوت اسلام:

قرآن کریم میں فرمایا گیا:

ادع الی سبیل ربک بالحکمہ والموعظة الحسنة قل یاهل الکتاب تعالو الی کلمة سوآء بیننا الا نعبداً الا الله ولا نشرک به شیئا ولا یتخذ بعضنا ارباباً من دون الله (۱۵۰)

کہو اے اہل کتاب اس بات کی طرف آؤ۔ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں گے۔ نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں گے اور نہ ہم میں سے کوئی کسی کو سوائے اللہ کے رب بنائے۔

فتح مکہ ۸ھ۔ تاریخ اسلام کا عظیم واقعہ:

رمضان ۸ھ مطابق جنوری ۶۳۰

انا فتحنا لک فتحاً مبیناً

ہم نے تیرے لیے ایک کھلی فتح کی راہ کھول دی۔ (۱۵۱)

دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا۔ (۱۵۲)

جس رات قریش کی جانب سے معاہدہ حدیبیہ کی خلاف ورزی طور پر دھجیاں اڑائی جا رہی تھیں بنو خزاعہ کے چند مظلوموں نے تلواروں کی دھاروں کے نیچے رسول اللہ ﷺ سے فریاد کی۔ "اے محمد ﷺ ہماری مدد کیجئے اور فریاد سنیئے۔ بنو بکر نے ہم ظلم کیا ہے۔" چنانچہ قبیلہ بنو خزاعہ کا سردار عمرو بن سالم چالیس ناقہ سواروں کی جمعیت میں مدینہ پہنچا رسول کریم ﷺ مسجد میں صحابہ کرام کے درمیان

تشریف فرما تھے۔ عمرو بن سالم مکہ کی بدعہدی اور مظالم کی شکایت ایک نہایت پردرد نظم بیان کی ہے۔اس نظم کے چند شعر ہیں۔

(۱) ان قریشا اخلفوک الموعدا — ونقضوا میثاقک المؤکدا
(۲) وجعلوا لی فی کداء رصدا — وزعموا ان لست ادعو احدا
(۳) وھم اذل و اقل عددا — ھم بیتونا بالوتیر ھجدا
وقتلونا رکعاً وسجدا

(۱) قریش نے آپ ﷺ کے ساتھ وعدہ خلافی کی ہے اور انہوں نے اس مضبوط معاہدے کو جو آپ سے کیا توڑ ڈالا ہے۔
(۲) اور ہمیں خشک گھاس کی طرح پامال کر دیا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری امداد کے لیے کوئی نہیں آئے گا۔
(۳) وہ ذلیل اور تعداد میں قلیل ہیں۔ انہوں نے وتیر (۱۵۳) میں ہم کو سوئے ہوئے جالیا اور ہمیں رکوع اور سجود کی حالت میں قتل کر دیا۔

آپ ﷺ نے ان کی دردبھری فریاد سنی اور تسلی دی اور کہا کہ ہم تمہاری امداد کریں گے آپ ﷺ نے قریش کے پاس قاصد بھیجا اور شرائط پیش کیں۔

ابوسفیان مدینہ پہنچا۔ تو اپنی بیٹی حضرت ام حبیبہؓ کے گھر گیا۔ جب اس نے رسول کریم ﷺ کے بستر ے پر بیٹھنے کا ارادہ کیا تو ام حبیبہؓ نے بستر لپیٹ دیا۔

ابوسفیان کہنے لگا۔ اے بیٹی! کیا تو نے اس بستر کے باعث میری طرف سے اعراض کر لیا ہے؟ یا نبی ﷺ سے ملنے کے باعث میری طرف سے منہ پھیر لیا ہے؟

ام حبیبہؓ نے جواب دیا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے اور آپ ناپاک مشرک ہیں۔
وہ کہنے لگا۔ اللہ کی قسم میرے بعد تجھے خرابی ہوگی۔ (۱۵۴)
صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے بعد قبائل جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہوتے ہی چلے گئے اور اسلام پھیلتا چلا گیا۔ (۱۵۵)

سیرت نگار ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری صلح حدیبیہ کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ:

واپسی کے لیے دوران سفر میں سورۃ فتح نازل ہوئی: ”بے شک ہم نے آپ ﷺ کو ایک کھلم کھلا فتح دی“ (۱۵۶)
رسول اکرم ﷺ نے اس سورۃ کے نزول پر گہری خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ”آج رات مجھ پر ایک سورۃ نازل ہوئی ہے جو مجھے ان تمام اشیاء سے زیادہ عزیز ہے جن کے اوپر سورج طلوع ہوتا ہے۔ (یعنی دنیا و مافیہا)“ (۱۵۷)
حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی یہ آیت ”بے شک ہم نے آپ ﷺ کو کھلی فتح دی“ صلح حدیبیہ کی طرف اشارہ کرتی ہے (۱۵۸) صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ اس میں آپ کا تو بھلا ہو گیا، مگر ہمارا کیا ہوگا؟ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ”تاکہ اللہ تعالیٰ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو ایسی بہشت میں داخل کرے جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی“ (الفتح ۴۸:۵)

آیت ربانی سنتے ہی لوگ رسول اللہ ﷺ کی طرف دوڑ پڑے۔ اس وقت آپ ﷺ اپنے اونٹ پر سوار تھے۔ آپ ﷺ نے لوگوں کے سامنے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ "بے شک ہم نے تمہیں کھلی فتح سے نوازا ہے" ایک شخص نے سوال کیا: "یا رسول اللہ! کیا یہ ہماری فتح ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا: "ہاں بے شک اقسم ہے اس خدا کی جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے یقیناً یہ ہماری فتح ہے۔" (۱۵۹) مسلمانوں کا حسرت وملال یکدم فرحت وشادمانی سے تبدیل ہو گیا انہوں نے فوراً محسوس کر لیا کہ وہ اس معاہدے کی حکمتوں اور اس کے ممکنہ نتائج کو سمجھنے سے قاصر رہے تھے اور حکم خداوندی کی اطاعت ہی ان کے اور دعوت اسلامی کے حق میں بہتر ثابت ہوگی۔

بعد کے واقعات نے بھی اس امر کی تصدیق کر دی کہ اس معاہدہ امن کے اندر کتنی گہری حکمتیں پوشیدہ تھیں اور اس مہم کے نتائج کس قدر عالی شان اور شاندار ثابت ہوئے جنہیں اللہ تعالیٰ نے کھلی فتح کا نام دیا ہے۔ ایسا کیوں نہ ہوتا جب کہ اسی موقع پر قریش نے پہلی بار مسلمانوں کے وجود کو تسلیم کیا۔ ایسا کیوں نہ ہوتا جب کہ اسی موقع پر قریش نے پہلی بار مسلمانوں کے وجود کو تسلیم کیا اور ان سے مساوی سطح پر معاملات طے کیے۔ اس سے قبل وہ لوگوں کے سامنے مسلمانوں کو بدترین تصویر پیش کیا کرتے تھے نہ صرف شہر مکہ، بلکہ پورہ جزیرہ نما عرب پر اس معاہدے کے دوررس اثرات مرتب ہوئے (۱۶۰)۔

مسلمانوں کو صلح حدیبیہ کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ انہیں کچھ عرصہ کے لیے مشرکین کی جانب سے امن حاصل ہو گیا۔ اس دوران میں انہوں نے اپنی تمام تر توجہ خیبر کے یہودیوں پر مرکوز کر دی جو مسلمانوں کے خلاف مسلسل اشتعال انگیزی میں مصروف تھے۔

اس عرصے میں مسلمانوں کو اسلام کی نشر واشاعت کا بھی خوب موقع ملا۔ زہری کہتے ہیں: "اس سے پہلے اسلام کو اتنی بڑی فتح نصیب نہ ہوئی تھی۔ مسلمانوں کا مشرکین سے، جب بھی واسطہ پڑا، نتیجہ جنگ کی شکل میں نکلا تھا، لیکن اب دونوں گروہوں نے آپس میں جنگ بندی کا اعلان کر دیا تھا۔ سب لوگ امن کی حالت میں ایک دوسرے سے ملتے تھے اور ایک ایسا شخص نہیں ہوتا جو سنجیدگی اور متانت کے ساتھ اسلام کے متعلق گفتگو نہ کرتا اور اس میں داخل ہوئے بغیر رہ جاتا۔ دو سال کے قلیل عرصے میں اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد ان تمام مسلمانوں سے دو چند ہو گئی جو اب تک مسلمان ہوئے تھے۔" (۱۶۱)

ابن ہشام کہتے ہیں: "زہری کی رائے کی تائید اس حقیقت سے ہوتی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ کی جانب روانہ ہوئے تو آپ ﷺ کے ساتھیوں کی تعداد ۱۴۰۰ تھی، جب آپ ﷺ دو سال بعد فتح مکہ کے ارادے سے نکلے تو آپ ﷺ کے ہمراہ دس ہزار مسلمانوں کا جم غفیر تھا۔" (۱۶۲)

ہجرت کر کے آنے والی عورتوں کے ضمن میں یہ قرآنی آیت نازل ہوئی کہ:

جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو تم ان کا امتحان کر لیا کرو۔ ان کے ایمان کو اللہ ہی خوب جانتا ہے، پس اگر ان کو مسلمان سمجھو تو ان کو کفار کی طرف واپس مت کرو۔ نہ تو وہ عورتیں ان کافروں کے لیے حلال ہیں اور نہ ہی وہ کافر ان عورتوں کے لیے حلال ہیں۔ (الممتحنہ ۶۰: ۱۰) (۱۶۳)

رسول اللہ ﷺ مکے سے آنے والی خواتین کا امتحان لیا کرتے تھے۔ جب آپ ﷺ نے یہ دیکھتے کہ ان خواتین اپنا دین بچانے

کی خاطر کے ہجرت کی ہے تو آپ ﷺ انہیں مدینے میں قیام کرنے کی اجازت دیتے اور ان کے شوہروں کو ان کی مہر کی رقم ادا کر دیتے تھے، جب کہ صلح حدیبیہ سے قبل رسول اللہ ﷺ مہر کی یہ رقوم انہیں واپس فرمایا کرتے تھے۔(۱۶۴)

مسلم خواتین کو قریش کے حوالے نہ کرنے کی دو وجوہ تھیں۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ معاہدے کی شرائط میں خواتین شامل نہ تھیں، بلکہ یہ صرف مردوں سے مخصوص تھا۔ صحیح بخاری میں اس معاہدے کا جو متن نقل کیا گیا ہے اس میں یہ شرط ان الفاظ کے ساتھ درج ہے: "ہمارے کسی مرد کو یہ اجازت نہیں ہوگی کہ وہ آپ ﷺ لوگوں کے پاس آئے اور آپ ﷺ کے ساتھ رہنے لگے۔"(۱۶۵)

دوسری وجہ تھی کہ قرآن کریم کی ایک آیت ایسی ہے تمام شرائط کو منسوخ کر دیتی ہے جو خواتین کے متعلق ہوں۔ "جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو تم ان کا امتحان کر لیا کرو......"(الممتحنہ ۶۰:۱۰)(۱۶۶)

اس آیت کے ذریعے مسلمان خواتین کو مشرک مردوں سے شادی کی ممانعت کر دی گئی، اگر چہ ابتدائے اسلام میں انہیں ایسا کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ اسی طرح مسلمان مردوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ مشرک خواتین کے ساتھ شادی کے بندھن کو توڑ دیں۔ "اور کافر عورتوں کی ناموس کو اپنے قبضہ میں نہ رکھو۔"(الممتحنہ ۶۰:۱۰)(۱۶۷)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت عمرو بن عاص نے، جو مکے کے دو نامور اصحاب تھے، اس وقت قبول اسلام کیا اور مدینے ہجرت کی، جب قریش نے اپنی یہ شرط ختم کرنے کا اعلان کر چکے جس کی رو سے مکے سے مدینے جانے والے مسلمانوں کی واپسی ضروری تھی۔ یہ استنباط اس لیے ہے کہ قدیم ماخذ میں ایسا کوئی سراغ نہیں ملتا کہ قریش نے ان اصحاب کی واپسی کا مطالبہ کیا ہو۔

فریقین کے درمیان ہتھیاروں کے استعمال کی پابندی تقریباً ۱۷یا ۱۸ ماہ جاری رہی، ایک روز قریش نے یہ پابندی توڑ دی۔ ہوا یوں کہ مکہ کے نزدیک الوتیر کے مقام پر بنو بکر نے جو قریش کے حلیف تھے، مسلمانوں کے حلیف خزاعہ پر حملہ کر دیا اور حملے میں قریش بھی شریک ہو گئے۔(۱۶۸) خزاعہ نے مسلمانوں سے مدد طلب کی۔ اس طرح صلح کا یہ معاہدہ کالعدم ہو گیا۔ اس معاہدہ کے کالعدم ہونے کا نتیجہ مکہ کی فتح کی شکل میں سامنے آیا۔(۱۶۹)

صلح حدیبیہ کے متعلق چند نامور غیر مسلم سیرت نگاروں کا تجزیہ

معروف سیرت نگار جنرل گلب پاشا اپنی تصنیف "محمد رسول اللہؐ" میں صلح حدیبیہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

بعد میں بہت سے مفسرین اور شارحین نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ صلح حدیبیہ نے مسلمانوں کو بہت بڑا فائدہ پہنچایا۔ اگر جنگی فتح ہو بھی جاتی تو مسلمانوں کو اتنا فائدہ نہیں پہنچتا تھا جتنا صلح حدیبیہ سے پہنچا۔

صلح حدیبیہ کے وقت عام مسلمان پست ہمتی اور مایوسی کا شکار اتنے زیادہ ہو گئے تھے کہ اس کے روشن پہلوؤں کی طرف ان کا

درمیان جاری نہیں رہا تھا۔ ایک دوسرے کے جان و مال کی حفاظت کے عہد و پیمان نے مسلمانوں اور مشرکین کو یہ موقع فراہم کیا کہ وہ آزادانہ طور پر ایک دوسرے سے مل سکیں۔ تبادلہ خیال کر سکیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان اور بت پرست ایک دوسرے سے کافی بحث و مباحثہ کرنے لگے۔ مسلمانوں کو اپنے عقیدے کے پرچار کا موقع ملنے لگا۔

آیا حضور ﷺ بھی اس حقیقت سے آگاہ تھے یا نہیں اس کے تعلق سے کچھ کہنا بہت مشکل ہے۔ قرین قیاس یہی ہے کہ حضور ﷺ کے آگے صلح حدیبیہ کا روشن پہلو ضرور رہا ہوگا۔ بار بار ہم دیکھ چکے ہیں کہ حضور ﷺ کو لڑائیاں پسند نہیں تھیں۔ اپنے تجربات کی بناء پر آپ یہ ضرور محسوس کر سکتے تھے کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے مذہبی خیالات کے رخ کو پلٹانے کا خاص ملکہ دیا تھا۔ اس فن میں آپ ﷺ کو کمال حاصل تھا۔ آپ ﷺ کی اس خصوصیت کی بناء پر آپ ﷺ کو یقین تھا کہ آپ ﷺ اپنی صلاحیت میں نہ حسن کمال استعمال میں لا کر لوگوں کے ذہنوں میں اپنی بات بٹھا سکتے ہیں تبلیغ جس بہتر طریقے سے امن کے زمانے میں کی جا سکتی ہے جنگ کے دوران نہیں ہو سکتی شاید اسی لیے آپ ﷺ نے اس موقع پر صلح کو ترجیح دی۔

معاہدہ حدیبیہ نے اور مسلمانوں کے عمرے نے مکہ کی رائے عامہ کو حضور ﷺ کی مرضی کے مطابق کافی ہموار کر دیا تھا۔ لوگ ذہنی طور پر آپ ﷺ کی طرف کھنچ رہے تھے یہ عین ممکن ہے حضور ﷺ نے خود بھی دس سال تک انتظار کرنا لاحاصل سمجھا۔ مکہ کی طرف دس سال کے بعد کوچ کرنا کونسی عقلمندی تھی جبکہ مکہ ایک پکے ہوئے پھل کی طرح آپ کی آغوش میں گرنے کے لیے بے چین تھا۔ حضور ﷺ نے موقع سے فائدہ اٹھانا مناسب سمجھا۔ بنی کنانہ نے جو صورت حال پیدا کر دی تھی اس سے استفادہ کرتے ہوئے معاہدہ حدیبیہ کی تنسیخ کو ضروری سمجھا۔ جس کے نتیجے میں مکہ کی پرامن فتح عمل میں آئی۔ (۱۷۰)

معروف سیرت نگار گونسٹن ویرژیل گیورگیو کے مطابق:

رسول اللہ ﷺ کے پیمان کے منعقد کرنے سے مدینہ کو اقتصادی محاصرہ سے چھڑا دیا تھا کیونکہ معاہدے کے بعد کاروان مدینہ بلا خوف و خطر مکہ کا رخ کر سکتے تھے۔ معاہدے کی وجہ سے مسلمان دس سال تک آزادانہ زندگی بسر کر سکتے تھے۔ اور جس کے ساتھ چاہے معاہدہ و اتحاد قائم کر سکتے تھے۔

اس زمانے تک مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن اہل مکہ تھے۔ پیمان متارکہ کی بناء پر مسلمان دس سال اہل مکہ کی طرف سے آسودہ رہ سکتے تھے۔

مسلمانوں میں اتنی استعداد کہاں تھی کہ وہ ایسے بڑے بڑے سیاسی فائدوں کو سمجھ سکتے تھے کہ جو حضرت محمد ﷺ نے بغیر لڑے بھڑے اور بغیر ہاتھ سے کچھ دیئے حاصل کر لیے تھے۔

یہ عظیم سیاسی فتح جو مسلمانوں کو حدیبیہ میں نصیب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں اپنے پیغمبر پر ایک آیت نازل فرمائی۔ یہ اڑتالیسویں سورت الفتح کی آیت جو اس طرح شروع ہوتی ہے۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا (۱۷۱) ہم نے آپ ﷺ کو فتح مبین دی ہے۔

بعض علمائے اسلام کا خیال یہ ہے کہ یہ آیت صلح حدیبیہ کے بعد فتح مکہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی اور بعض کا خیال ہے کہ فتح خیبر سے متعلق ہے۔

کچھ علماء اسلام کہتے ہیں کہ اس آیت کا تعلق تمام فتوحات اسلامی سے ہے جن میں حدیبیہ کی سیاسی فتح بھی شامل ہے۔(۱۷۲)

حضور ﷺ کی نگاہ حدیبیہ کے موقع پردہ کچھ دیکھ رہی تھی جو کوئی دوسرا نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اگرچہ آپ ﷺ کے ساتھیوں نے اس معاہدے کی شقوں سے اتفاق نہیں کیا۔ لیکن آپ ﷺ کو الہامی رہنمائی حاصل تھی جس نے آپ ﷺ کو یہ راستہ منتخب کرنے پر آمادہ کیا۔ آپ ﷺ نے ایک بالکل نئے راستے کو آزمانے کا فیصلہ کیا جسے آپ ﷺ کے قریب ترین صحابہ بھی سمجھنے سے قاصر رہے اور مایوسی کی شدت سے سکتے کی حالت میں وہاں بیٹھے رہے۔ آپ ﷺ کو دل کی گہرائیوں سے اس بات کا بھروسہ تھا جو آپ ﷺ کر رہے ہیں، اس کے مثبت نتائج سامنے آئیں گے۔ گو یہ اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنے والی بات نظر آتی تھی، لیکن آپ ﷺ یہ جانتے تھے کہ جب تک خانہ کعبہ سے دور رہتے ہیں، بدو آپ ﷺ کے حلیف بننے میں ہچکچاہٹ کا شکار رہیں گے۔ آپ ﷺ کو ثابت کرنا تھا کہ آپ ﷺ کے صحابہ بھی عرب کے اس مقدس ترین مقام کے اتنے ہی شیدائی ہیں جتنے کہ بدو تھے۔ مکہ کے ساتھ صلح نامہ کرنے سے آپ ﷺ نے خانہ کعبہ تک رسائی حاصل کر لی تھی جو کہ اس پراپیگنڈا جنگ میں اہم ہتھیار کے طور پر استعمال ہو سکتی تھی اور قریش سے شعوری طور پر تسلیم کرا لیا تھا کہ اب مدینہ کی وہی حیثیت تھی جو کہ مکہ کی تھی۔ یہ معاہدے کی ایک اہم شق تھی جس کی وجہ سے تمام معاہدوں سے آزاد ہونے کے بعد بدو قبائل نے قریش کی بجائے امت کے ساتھ اتحاد کو ترجیح دی۔

جب مغربی نقاد اسلام کو جہاد کے حوالے سے ایک جارح مذہب قرار دیکر تنقید کا نشانہ بناتے ہیں تو انہیں حضور ﷺ کے امن کی اخلاقیات کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے جن کا نزول آپ ﷺ پر اس وقت ہوا جب آپ ﷺ اس قابل ہو گئے کہ جنگ سے شکست خوردہ عرب پر اس امن کے فلسفے کا اطلاق کر سکیں۔

آپ ﷺ اس معاہدے کی شقوں سے تکنیکی بنیادوں پر نمٹنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ عرب میں یہ ایک رواج عام تھا۔ قریش نے بھی حضور ﷺ کے ساتھ ایسی ہی ایک کوشش ایک سال بعد کی۔ ایک ماہر عرب سیاستدان کی طرح آپ قبائلی نظام کے قوانین کو اپنے حق میں استعمال کرنے کا فن جانتے تھے۔ آج کے جدید مغربی کے لیے ہو سکتا ہے یہ چیز ناقابل قبول ہو۔ آج لوگ سمجھتے ہیں کہ قبائلی اقدار ظالم اور منفی غیرت پر مبنی تھیں۔ یہ نظام قدیم ادوار میں امن وامان برقرار رکھنے میں بہت مؤثر ثابت ہوا تھا۔ عرب میں یہ صدیوں سے مؤثر رہا، مگر اب اس کا وقت ختم ہو گیا ہے۔ حضور ﷺ نے اپنے ہم عصروں کی طرح اس نظام سے گہری وابستگی رکھتے تھے اور اس کی بنیادی اقدار کو تسلیم بھی کرتے تھے۔ یہ تب معاشرتی امن اور نظم وضبط قائم رکھنے کا واحد ذریعہ تھا۔

قرآن پاک کی معاشرتی قانون سازی کے تحت حضور ﷺ نے قبائلی نظام کو ایک قلم مسترد نہیں کیا۔ بدلا لینے کے عمل کو نیکی اور معاشرتی و مذہبی فریضہ کے طور پر دیکھا گیا۔ مسلمانوں کو ضرور آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت کا تقاضا کرنا چاہیے۔ جدید دور کے لوگوں کے لیے اس قبول کرنا آسان نہیں ہے۔ ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ کیوں حضرت محمد ﷺ نے اس قانون کو ختم نہیں کیا، لیکن ساتھ ہی ساتھ معاف کرنے کی بھی تبلیغ فرمائی۔

ہمیں یہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ حضرت عیسیٰ حکمران نہیں تھے، جیسا کہ حضور ﷺ حدیبیہ کے معاہدے کے بعد بنے۔ انہیں معاشرتی نظام کے لیے خود کچھ نہیں کرنا پڑا بلکہ اس کام کے لیے روم کی مذہبی انتظامیہ اور سرکاری عہدے داران موجود تھے۔ (۱۷۳)

غیر مسلم سیرت نگار آر۔ وی۔ سی بوڈے اپنی کتاب "محمد رسول اللہ" میں رقمطراز ہیں:

درحقیقت حضرت محمد ﷺ کا یہ معاہدہ سیاسی سطح پر ایک نہایت اہم اور کامیاب معاہدہ تھا۔ اپنے پورے پس منظر کے ساتھ کہ ابھی چھ ہی برس پہلے بھی اہل مکہ آپ ﷺ پر پتھر برسایا کرتے تھے، برسر عام آپ ﷺ کو تنگ کرتے تھے اور آپ ﷺ کس طرح رات کے اندھیرے میں مکہ سے ہجرت کی تھی اور آپ ﷺ کے صرف ستر ساتھیوں نے کن مصائب سے مکہ چھوڑا تھا اور مدینہ پہنچے تھے لیکن اب تو صورت حال بالکل مختلف تھی۔

مسلمانوں کو پورا پورا مقام دیا گیا اور ایک فریق مقابل سمجھ کر ان کے ساتھ معاہدہ کیا گیا تھا۔

پھر آنحضرت ﷺ کو یہ بھی معلوم تھا کہ اب مسلمان آئندہ سال نہایت امن اور عزت کے ساتھ حج بیت اللہ کے لیے آسکیں گے۔ اور اگر یہ سلسلہ ایک بار شروع ہو گیا تو یقیناً مسلمان پروقار طور پر ہر سال حج کے لیے آسکا کریں گے۔ اس معاہدے کے چند ہی دن بعد عرب کے مختلف قبائل مسلمانوں کے پاس آکر ان سے الحاق کرنے پر تیار ہو گئے۔ اس کے بعد لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ صرف ایک ہفتے کے دوران اتنے لوگوں نے اسلام قبول کرلیا کہ سابقہ چھ برسوں میں بھی اتنے لوگ مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے تھے۔ مختلف قبائل کے سرداروں نے بھی اسی دور میں اسلام کو اپنایا تھا۔

اس سلسلے میں مسلمانوں کے راست جذبوں اور حضور نبی کریم ﷺ کے اسی معاہدے سے متعلق قرآن حکیم میں ارشاد باری ہوا کہ:

"اور وہی خدا جس نے ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے وادی مکہ میں روک رکھے، بعد اس کے کہ تمہیں ان پر قابو دے دیا تھا اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اسے دیکھنے والا ہے۔" (۱۷۴)

پھر اسی طرح بیعت رضوان کے بارے میں بھی قرآن نے وضاحت کر دی کہ:

"خدا مومنوں سے راضی ہوا، جب وہ تیرے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے، سو خدا نے جان لیا کہ جو کچھ ان کے دلوں میں ہے۔ پس ان پر سکون و اطمینان اتارا اور فتح قریب عطا کی۔" (۱۷۵)

عالمی دعوت و تبلیغ ۶۲۸ء

صلح حدیبیہ کے بعد مسلمانوں کو یک گونہ امن و سکون میسر آیا تو آپ ﷺ نے دعوت حق کو عالمی سطح پر پھیلانے پر توجہ دی۔

اسلام کے سفارت کار:

بے شمار سیرت نگار اور مورخ اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ کلام اور گفتگو میں نہایت شائستہ اور نہایت اخلاق و ادب سے بات چیت کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ اور اسلام کے قاصد اور پیامبر بھی اسی وصف سے متصف تھے

لوگوں پر ان کی باتیں، تقاریر اور کلام بلاشبہ اثر کرتا تھا۔
آنحضرت ﷺ نے قاصد اور مبلغ بعض ایسے افراد مقرر کر رکھے تھے جو اپنے عہد میں اس سے پہلے کامیاب تاجر اور لین دین کرنے والے لوگ تھے۔ وہ دیگر بیرونی علاقوں کی تہذیب و تمدن اور رسم و رواج کے ساتھ ساتھ زبان اور لسانی آداب سے بھی بخوبی واقف تھے۔ وہ قاصد یا سفیر اس قابل تھے کہ اپنے آپ کو روم، یونان، ایران اور حبشہ وغیرہ میں باآسانی متعارف کرا سکیں۔
ان سفارت کاروں کے لیے حضور نبی کریم ﷺ نے چاندی کی ایک مہر بنوا رکھی تھی۔ اس مہر پر اوپر سے نیچے کی طرف اللہ رسول محمد کے الفاظ کندہ تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اس عہد کے دیگر شاہان عالم کی تمام مہروں میں سے یہ مہر امتیازی اور بامعنی تھی۔ یہ کسی بھی سلطنت یا خطہ و زمین تک محدود نہیں تھی۔ بیرونی دنیا کے ساتھ اسی مہر کے نشان سے خط و کتابت اور مراسلت فرماتے تھے۔(۱۷۶)

غیر مسلم سیرت نگار سردار گوردت سنگھ کے مطابق:

صلح حدیبیہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت جلد مکہ فتح ہو گیا۔ یہ اس صلح ہی کا نتیجہ اور اثر تھا۔(۱۷۷)

ہندو سیرت نگار سوامی لکشمن پرشاد کا تبصرہ:

آنجہانی سوامی لکشمن معروف ہندو سیرت نگار اپنی کتاب ''عرب کے چاند'' میں صلح حدیبیہ کے متعلق بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ صلح حدیبیہ بظاہر حضور انور ﷺ نے نہایت ذلت آمیز شرائط پر کی تھی مگر اس میں ایک نہایت گہری حکمت خداوندی مضمر تھی جسے سمجھنے کے لیے حضرت محمد ﷺ ایسے نبی برحق کے دماغ کی ضرورت تھی۔ عام مسلمان اس صلح کی اپنی ذلت کا ایک نہایت افسوسناک مظاہرہ سمجھتے تھے اس لیے خداوند کریم و بصیر نے عام مسلمانوں کے اطمینان خاطر اور آسودگی قلب کے لیے ایک آیت نازل فرمائی جس میں صلح حدیبیہ کی ایک قسم کی ''فتح مبین'' سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ مستقبل قریب میں پیش آنے والے واقعات نے اس بات پر مہر توثیق ثبت کر دی کہ صلح حدیبیہ واقعی ایک فتح مبین ہی کا پیش خیمہ تھی۔(۱۷۸)

﴿حواشی وحوالہ جات﴾

(۱) القرآن الحکیم سورہ فتح ۔۱

(۲) ابو محمد عبدالملک بن ہشام مترجم شیخ محمد اسماعیل پانی پتی، مقبول اکیڈمی، لاہور، جون ۱۹۹۱ء، ۱۹۷۷ء۔

(۳) امام عبدالرحمٰن ابن جوزی، مترجم علامہ محمد اشرف سیالوی، فرید بک اسٹال، لاہور۔

(۴) ملاحظہ ہو واقدی ص ۳۸۳ ابن ہشام ج ۳ ص ۳۲۱ طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۶۹ طبری ج ۲ ص ۷۱ انساب الاشراف ج ۱ ص ۱۹۹ ابن سیدالناس ج ۲ ص ۱۱۳ ابن کثیر ج ۴ ص ۱۶۴ زاد المعاد ج ۲ ص ۳۰۱ الامتاع ص ۲۷۱۔ ۵ چونکہ یہ معاہدہ بمقام حدیبیہ کے مقام پر لکھا گیا تھا اس وجہ سے اس کو صلح حدیبیہ بھی کہتے ہیں اگرچہ یہ صلح بظاہر مغلوبانہ دب کر ہوئی تھی لیکن خدا نے اس کو نتیجتاً فتح مبین قرار دیا ہے چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد جو مژدہ سنایا گیا وہ ان الفاظ میں تھا انا فتحنا لک فتحا مبینا (اے نبی ہم نے تم کو کھلی فتح عطا کر دی)۔ ۶۔ یہ مقام مدینہ سے چھ میل کی مسافت پر ہے اور اہل مدینہ کا میقات ہے۔

(۵) یہ ایک وادی ہے جو عسفان سے آٹھ میل پر مکہ معظمہ کی جانب ہے۔

(۶) آپ کا اشارہ ابرہہ کے لشکر کی طرف تھا۔ جس کو اللہ نے مکہ میں داخل ہونے سے باز رکھا۔

(۷) یہ اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔ لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم واثابھم فتحا قریبا (سورہ فتح آیت 18) (خدا مسلمانوں سے راضی تھا جبکہ وہ تیرے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے سو خدا نے جان لیا جو کچھ ان لوگوں کے دلوں میں تھا سو خدا نے ان پر تسلی نازل کی)۔

(۸) امام حافظ ابن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ مترجم محمد سردار احمد (فاضل عربی) مکتبہ علمیہ گلشن آباد، کراچی، ۱۹۸۳ء۔

(۹) حافظ ابن قیم، مترجم رئیس احمد جعفری، زاد المعاد، جلد دوم نفیس اکیڈمی، کراچی۔

(۱۰) القرآن الحکیم سورہ فتح ۔۱

(۱۱) صلح حدیبیہ کے واقعات صحیح بخاری میں نہایت تفصیل سے مذکور ہیں، لیکن اصل موقع یعنی غزوات کے ذکر میں نہیں بلکہ کتاب الشروط میں اس بنا پر ارباب سیر کی نگاہ سے یہ واقعات رہ گئے۔ غزوات میں جستہ جستہ واقعات ہیں۔ ہم نے ان کو بھی لیا ہے۔ باقی جزئیات صحیح مسلم اور ابن ہشام سے ماخوذ ہیں۔

(۱۲) القرآن الحکیم سورہ ممتحنہ ۔۱۰

(۱۳) طبری (ج ۳ ص ۱۵۵۹) "س" اور ابن ہشام (باب خروج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الملوک "س" ۲، ہرقل کا پورا واقعہ فتح الباری (ج اول ص ۳ "س") شرح صحیح بخاری سے لیا گیا ہے۔ اصل صحیح بخاری (بخاری کیف کان بدء الوحی و کتاب الجہاد باب دعا النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی الاسلام والنبوۃ) "س" میں مجمل واقعہ ہے۔ زائد تفصیلیں حافظ ابن حجر نے اور کتابوں سے بڑھائی ہیں۔

(۱۴) علامہ شبلی نعمانی، علامہ سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی، جلد اول، جلد دوم، مکتبہ مدینہ اردو بازار لاہور، صفر المظفر ۱۴۰۸ھ۔

(۱۵) القرآن الحکیم سورہ فتح آیت ۲۳

(۱۶) بخاری عن ابی وائل۔

(۱۷) ابو جندل کی طرح ایک شخص ابو بصیر تھا۔ وہ مسلمان ہو کر مدینہ پہنچا۔ قریش نے اسے واپس لانے کے لیے دو شخص نبی صلعم کی خدمت میں بھیجے۔ آنحضرتؐ نے ابو بصیر کو ان کے سپرد کر دیا۔ راستہ میں ابو بصیر نے ان میں سے ایک کو دھوکا دے کر مار دیا اور دوسرا نبی صلعم کی خدمت میں اطلاع کے لیے گیا۔ اس کے پیچھے ابو بصیر بھی پہنچا۔ نبی صلعم نے اسے فساد انگیز فرمایا۔ اس خطاب سے خوفزدہ ہو کر وہاں سے بھی بھاگا۔ قریش نے ابو جندل اور اس کے ساتھ ایمان لانے والوں کو مکہ سے نکال دیا۔ ابو جندل کو چونکہ مدینہ آنے کی اجازت نہ تھی، اس لیے اس نے مکہ سے شام کے راستہ پر ایک پہاڑی پر قبضہ کر لیا۔ جو قافلہ قریش کا آتا جاتا اسے لوٹ لیتا (کیونکہ قریش فریق جنگ تھے) ابو بصیر بھی اسی سے جا ملا۔

ایک دفعہ ابو العاص بن ربیع کا قافلہ بھی شام سے آیا۔ ابو جندل وغیرہ ابو العاص سے واقف تھے۔ سیدہ زینب بنت رسول کا اس سے نکاح ہوا تھا (ابو العاص کے مشرک رہنے سے افتراق ہو چکا تھا) ابو جندل نے قافلہ کو لوٹ لیا، مگر کسی جان کا نقصان نہ ہوا، اس لیے کہ ابو العاص ان میں تھا۔ ابو العاص وہاں سے سیدھا

مدینہ آیا اور حضرت زینبؓ کی وساطت سے ماجرا کی اطلاع نبی صلعم تک پہنچائی۔ نبی صلعم نے معاملہ صحابہ کے مشورہ پر چھوڑ دیا۔ صحابہ نے ابوالعاص کی تائید میں فیصلہ کیا۔ جب ابوجندل کو اس فیصلہ کی اطلاع ملی تو انھوں نے سارا اسباب رسی اور مہار شتر تک ابوالعاص کو واپس کر دیا۔ ابوالعاص مکہ پہنچا سب لوگوں کا روپیہ پیسا اسباب لوٹایا۔ پھر منادی کرائی کہ اگر کسی کا کوئی حق مجھ پر رہ گیا ہو تو بتا دے۔ سب نے کہا تو بڑا امین ہے۔ ابوالعاص نے کہا اب میں جاتا ہوں اور مسلمان ہوتا ہوں۔ مجھے ڈر تھا کہ اگر اس سے پہلے مسلمان ہو جاتا تو لوگ الزام لگاتے کہ ہمارا مال مار کر مسلمان ہو گیا ہے۔ نبی صلعم نے ابوجندل اور اس کے ساتھیوں کو بھی اب مدینہ بلا لیا تاکہ وہ قریش کو نہ لوٹ سکیں۔

(۱۸) محمد سلیمان سلمان پوری، قاضی، رحمۃ للعالمینؐ، ص ۱۱۷

(۱۹) علاقہ: مکہ کے مغرب میں ایک وادی (معجم۔ ج ۳۔ ص ۳۶۴)

(۲۰) خراش بن امیہ بن الفضل الکعبی الخزاعی حضورؐ کے ہمراہ حدیبیہ اور بعد کے غزوات میں شامل ہوئے اور خلافت معاویہ (۴۰۔۶۰ھ) کے دوران وفات پائی۔ (استیعاب۔ ج ۱۔ ص ۴۴۲)

(۲۱) سہیلؓ بن عمرو بن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک القرشی العامری قریش کے ایک معزز سردار تھے۔ نیز فصیح اللسان خطیب بھی۔ جب بدر میں اسیر ہوئے تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ اس کے سامنے کے دو دانت نکال دیے جائیں تاکہ اس کی فصاحت ختم ہو جائے۔ حضورؐ نے فرمایا: جانے دو، شاید اس کی فصاحت سے کبھی ہم بھی فائدہ اٹھا سکیں۔ چنانچہ فتنہ ارتداد میں آپؓ نے لوگوں کو راہ راست پر لانے کے لیے فصیح و بلیغ خطبے دیے اور جنگ یرموک (۱۵ھ) میں وفات پائی۔ (استیعاب۔ ج ۲۔ ص ۵۷۶)۔

(۲۲) ابوجندلؓ کا نام تھا عبداللہ بن سہیل بن عمرو، جنھے اسلام لانے کے بعد باپ نے زنجیروں میں باندھ دیا تھا۔ یہ کسی طرح زنجیریں نکال کر ساحل بحر پر چلے گئے اور چند دیگر مسلمانوں کے ساتھ مل کر قریش کے تجارتی قافلوں کو لوٹنے لگے۔ فتح مکہ کے بعد یہ کام چھوڑ دیا۔ ان کی وفات خلافت عمرؓ کے دوران (۱۳۔۲۳ھ) ہوئی تھی۔ (استیعاب۔ ج ۲۔ ص ۶۳۲)۔

(۲۳) طبقات۔ ج ۱۔ ص ۲۲۸۔ تلخیص ص ۳۰، شبلی ج ۱۔ ص ۲۲۷۔ غلام جیلانی برق، ڈاکٹر، مہمات رسولؐ، نقوش رسول نمبر جلد ۴ لاہور

(۲۳۔الف) معارف القرآن ج ۸ ص ۶۶ تا ۵۴

(۲۳۔ب) محمد شفیع، مولانا مفتی، سیرۃ رسول اکرمؐ، ادارہ اسلامیات لاہور، رمضان المبارک ۱۴۰۲ھ۔

(۲۵) رواہ احمد و ابوداؤد و الحاکم۔

(۲۶) فتح الباری ج ۵ ص ۲۵۶، ج ۵ ص ۲۵۷، زرقانی جلد ۲، ص ۲۱۰۔

(۲۷) سبحان اللہ یہ اللہ کا کلام ہے کہ مسئلہ صلح کے ساتھ توکل علی اللہ کا مسئلہ بھی بیان کیا جا رہا ہے۔

(۲۸) شرح السیر الکبیر جلد ۳، ص ۶۔

(۲۹) روض الانف جلد ۲، ص ۲۲۳۔

(۳۰) فتح الباری جلد ۵، ص ۲۵۰۔

(۳۱) فتح الباری جلد ۵، ص ۲۵۵، زاد المعاد جلد ۲، ص ۱۲۸۔

(۳۲) زاد المعاد جلد ۲، ص ۱۲۸۔

(۳۳) روض الانف جلد ۲، ص ۲۲۳۔

(۳۴) سیرۃ المصطفیٰ حصہ دوم۔ شیخ التفسیر والحدیث مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی دامت فیوضہم دوم مطبوعہ مکتبہ عثمان طبع کتاب شد۔

(۳۵) اس پر ڈاکٹر محمد حمید اللہ مضمون "دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور"۔ مجلہ طیلسانین حیدرآباد دکن جولائی ۱۹۳۹ء، ملاحظہ ہو۔

(۳۶) ان کے متن کے لیے دیکھیے ڈاکٹر محمد حمید اللہ عربی تالیف الوثائق السیاسیہ (قاہرہ ۱۳۶۰ھ)۔

(۳۷) التنبیہ والاشراف للمسعودی ص ۲۴۸۔

(۳۸) عیینہ بن حصن الفزاری کی غارت مدینہ کی طرف اشارہ ہے۔ جلد ۱۰ ص ۸۶۔

(۳۹) مبسوط سرخی جلد ۱۰، ص ۸۶

(۴۰) سیرۃ ابن ہشام ص ۹۹۷ تا ۹۹۸۔ استیعاب ابن عبدالبر، سوانح عمری ص ۲۷۸۔
(۴۱) ایضاً۔
(۴۲) مبسوط سرخسی جلد ۱۰ ص ۹۱ تا ۹۲ شرح السیر الکبیر سرخسی جلد ۱ ص ۶۹۔
(۴۳) مبسوط سرخسی جلد ۱۰ ص ۹۲ شرح السیر الکبیر سرخسی جلد ۱ ص ۷۰۔
(۴۴) دیکھئے گرلانڈ کی جرمن کتاب "قیصر ہرقل کی جنگی مہمیں"۔
(۴۵) تاریخ طبری ص ۱۵۳۶۔
(۴۶) یہ واقعہ ابن اسحٰق اور ابن ہشام میں نہیں ہے۔ نہ ہی تاریخ طبری میں ہے، لیکن تفسیر طبری، ابوعبید، کتاب الاموال، فتوح البلاذری اور بکری وغیرہ میں ہے۔
(۴۷) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبوی کی سیاست خارجہ کا شاہکار، نقوش رسول نمبر، جلد ۳، لاہور۔
(۴۸) القرآن الحکیم سورۃ الفتح۔ ۱۔
(۴۹) ایضاً، صفحہ ۲۷۔
(۵۰) القرآن الحکیم سورۃ الفتح: ۵۔
(۵۱) "اصح السیر" جلد ۱، صفحہ ۲۲۷۔
(۵۲۔ الف) ایضاً۔
(۵۲۔ ب) محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء النبیؐ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، جلد ۴، ذوالحجہ ۱۴۱۸ھ۔
(۵۳۔) صفی الرحمٰن مبارکپوری، الرحیق المختوم، المکتبہ السلفیہ لاہور، ستمبر ۱۹۸۷ء۔
(۵۴) ابوجندل بن سہیل بن عمرو کو اس کے مشرک باپ کے سپرد کرنے کے قصے کی تفاصیل کو محمد احمد باشمیل صاحب کی کتاب "صلح حدیبیہ" میں دیکھیے اور آپؐ کے ابوبصیر کو دشمنوں (مشرکین) کے سپرد کرنے کا قصہ اس کتاب میں بیان ہو چکا ہے اور ان ستر نوجوانوں کو جو قریش میں سے مسلمان ہو چکے تھے) مدینہ میں پناہ دینے سے روک دینے کا قصہ جو مکہ کے خوفناک قید خانوں سے بھاگ کر مدینہ میں پناہ لینے کی سوچ رہے تھے آپ نے یہ سب کارروائی صلح حدیبیہ کی تاریخی دستاویز کی تحریر پر التزاماً عمل پیرا ہونے کے لیے کی۔
(۵۵) القرآن الحکیم سورۃ الانفال ۵۸
(۵۶) القرآن الحکیم سورۃ الانفال ۸۱
(۵۷) القرآن الحکیم سورۃ النصر آیت ۱
(۵۸) باشمیل، محمد احمد، صلح حدیبیہ، نفیس اکیڈمی کراچی، ستمبر ۱۹۸۵ء
(۵۹) صحیح بخاری، باب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ مع اہل الحرب۔
(۶۰) تفصیل کے لئے دیکھیں زاد المعاد ج ۱ ص ۳۸۳۔
(۶۱) القرآن الحکیم سورۃ الفتح۔ ۱۔ ۳۔
(۶۲) دیکھئے صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر باب "صلح الحدیبیہ"۔
(۶۳) القرآن الحکیم سورۃ البقرہ ۲۱۶
(۶۴) سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۳۲۲۔
(۶۵) ایضاً۔
(۶۶) زاد المعاد ج ۱ ص ۳۸۸۔ ص ۳۸۹۔
(۶۷۔ الف) دیکھئے سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۷۷۔ ص ۲۷۸۔
(۶۷۔ ب) ابوالحسن ندوی، مولانا، نبی رحمتؐ، حصہ اوّل، مجلس نشریات کراچی، ۱۹۷۸ء ص ۲۸۸/۲۹۱۔
(۶۸۔ الف) تاریخ عرب (انگریزی) ص ۱۳۲

(٦٨ب) ابوالکلام آزاد، غلام رسول مہر، رسول رحمت شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ١٩٧٠ء ص ٣٧٧ تا ٣٨٢

(٦٩) القرآن الحکیم سورۃ الفتح ١۔

(٧٠) شاہ محمد جعفر پھلواروی، پیغمبر انسانیتؐ، ادارہ ثقافت اسلامیہ کراچی ص ٣٩٠۔٣٩٥۔

(٧١) عباس محمد العقاد المصری، مترجم حافظ محمد عادل دلیچہ، نظر ثانی وحواشی محمد عارف گل آگہی پبلی کیشنز لاہور، جنوری ٢٠٠١ء ص ١٨٦ تا ١٨٧۔

(٧٢) غلام غوث محمد ہزاروی، مولانا، جنگ سیرت نبوی کی روشنی میں، محمود پبلی کیشنز لاہور، ستمبر ٢٠٠٠ء ص ١٨٠ تا ١٨٣۔

(٧٣) القرآن الحکیم سورۃ الفتح ١۔

(٧٤) القرآن الحکیم سورۃ الفتح ۔٢٧۔

(٧٥) محمد خطاب شیت، مترجم سید رئیس احمد جعفری، ما حضرت بحیثیت سپہ سالار شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ پبلشرز کراچی (س۔ن) ص ٣٣٣ تا ٣٥٠۔

(٧٦) القرآن الحکیم سورۃ الفتح ۔٢٩، ٢١۔

(٧٧) وکیل محمد حسین مصری، مترجم ابو یحییٰ امام خان نوشہروی، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ١٩٥٥ء ص ٨٠٢ تا ٨٠٥۔

(٧٨) غلام رسول، سیرت سید البشرؐ، بک ورلڈ خانم بازار لاہور نومبر ١٩٦٣ء ص ٣٢٨ تا ٣٢٩۔

(٧٩) القرآن الحکیم سورۃ الفتح ۔١۔٢۔

(٨٠) القرآن الحکیم سورۃ الفتح ۔١٠۔

(٨١) القرآن الحکیم سورۃ الفتح ۔١٨۔

(٨٢۔الف) القرآن الحکیم سورۃ الفتح ۔١٢۔

(٨٢۔ب) غلام رسول، سیرت سید البشرؐ، بک ورلڈ خانم لاہور، نومبر ١٩٦٣ء، ص ٣٣٠

(٨٣) القرآن الحکیم سورۃ الفتح ۔١٩۔

(٨٤) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ص ١٢٥ تا ١٢٦۔

(٨٥۔الف) القرآن الحکیم سورۃ الفتح ٢٨۔

(٨٥۔ب) مسند احمد، ابوداؤد، ابن جریر۔

(٨٦۔الف) القرآن الحکیم سورۃ الفتح ٢٨: ١٨ تا ٢٣۔

(٨٦۔ب) الممتحنہ ٦٠، ١٠، ١١۔

(٨٧) نصیر احمد ناصر، ڈاکٹر، پیغمبر اعظم و آخرؐ، فیروز سنز، کراچی، ص ٥٨٣۔٥٨٠

(٨٨) القرآن الحکیم سورۃ الفتح ۔١۔

(٨٩) احادیث سیر کی تمام کتب میں بکثرت لوگوں کے اسلام لانے اور وفود کے آنے کا تذکرہ ہے۔ سیرۃ ٢٠٦/٢٠٥۔

(٩٠) سیرۃ ٣١/٣٠٢۔٣٩۔

(٩١۔الف) بخاری، کتاب المغازی، باب این رکز النبی الرایۃ یوم الفتح، ٩١/٥۔

(٩١۔ب) خالد علوی، ڈاکٹر، انسان کاملؐ، الفیصل لاہور، ١٩٧٣ء ص ٣٠ تا ٣٥۔

(٩٢) القرآن الحکیم سورۃ الفتح ١۔

(٩٣) سیرت ابن ہشام ج ٣ ص ٢٧٧، ص ٢٧٨۔

(٩٤) اعظمی، عبدالمصطفیٰ، سیرت مصطفیٰ، الحمد پبلی کیشنز، لاہور ١٨٠٠ء، ص ٢٦٢ تا ٢٦٧۔

(٩٥) ابن ہشام ص ٣٣۔

(٩٦) القرآن الحکیم سورۃ الفتح ١٨، ٢١۔

(٩٧) میاں محمد نواز مرحوم، مدون عزیز الرحمٰن، صلح حدیبیہ اور بیعت رضوان، المسیر ۃ، ربیع الاول ١٤٢٦ھ۔

(۹۸) بخاری شریف، کتاب المغازی (غزوۃ الحدیبیہ)۔

(۹۹) الرحیق المختوم بحوالہ رسول رحمت ﷺ مترجمہ مولانا غلام رسول مہر صفحہ ۳۷۹، لاہور۔

(۱۰۰) القرآن الحکیم سورۃ الفتح ۴۸: آیات ۱۸ تا ۲۱۔

(۱۰۱۔الف) بخاری، کتاب المغازی (غزوۃ الحدیبیہ)۔

(۱۰۱۔ب) سید محمد ابوالخیر کشفی، ڈاکٹر، معیشت محمد قرآن حکیم کے آئینے میں، ادارہ اشاعت کراچی، اپریل ۲۰۰۶ء ص ۱۴۹ تا ۱۷۴۔

(۱۰۲) ۲/۳۰۹ ابن ہشام السیرۃ النبویہ

(۱۰۳) حافظ محمد ثانی، ڈاکٹر، سرور نبوی ﷺ کے معاہدات امن و صلح اور عہد حاضر میں ان کی سیاسی اور دفاعی اہمیت، ماہنامہ تعمیر افکار کراچی، جون ۲۰۰۰ء ص ۳۹ تا ۴۵

(۱۰۴) القرآن الحکیم سورۃ الفتح ۱:

(۱۰۵) القرآن الحکیم سورۃ الفتح: آیت ۱۰

(۱۰۶) القرآن الحکیم سورۃ الفتح آیت ۱۸

(۱۰۷) القرآن الحکیم سورۃ الفتح: آیت ۲۷

(۱۰۸) القرآن الحکیم سورۃ بنی اسرائیل: ۸۰۔۸۱

(۱۰۹) اسرار احمد، ڈاکٹر، منہج انقلاب نبوی، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، اگست ۲۰۰۳ء، ص ۲۱۵ تا ۲۶۳

(۱۱۰) قرآن الحکیم ۴۸:۱

(۱۱۱) قرآن الحکیم ۴۸:۳

(۱۱۲) محمد صدیق قریشی، پروفیسر، رسول اکرم ﷺ کی نظام جاسوسی، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور ۱۹۹۰ء ص ۱۹۰۔

(۱۱۳) ابن سعد ج ۲ ص ۱۳۳

(۱۱۴) اس ضمن میں وہ جواب قابل ذکر ہے جو رسول اکرم ﷺ نے حضرت عمرؓ کے استفسار پر دیا تھا۔ دیکھئے: واقدی ص ۳۸۷

(۱۱۵) القرآن الحکیم سورۃ الروم

(۱۱۶) حمید اللہ، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی ص ۸۷۔

(۱۱۷) مودودی۔ تفہیم القرآن۔ ج ۵ ص ۳۱

(۱۱۸) قریش کی شکست کی ایک وجہ غالباً یہ بھی تھا کہ وہ اب تک رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو محض ایک "گروہ" سمجھتے رہے اور اس حقیقت سے صرف نظر کرتے رہے کہ ان کا مقابلہ اب محض ایک گروہ سے نہیں بلکہ ایک "ریاست" سے ہے۔ (MARGOLIOUTH P.56) غلطی کا احساس اب ہوا ہے مگر بے سود۔

(۱۱۹) یہ بات تو خود صلح نامہ میں موجود ہے۔ (دفعہ ۵)

(۱۲۰) محمود شیث خطاب، ص ۲۰۷

(۱۲۱) رسول اللہ حدیبیہ سے ذی قعدہ ۶ھ کی بالکل آخری تاریخوں میں واپس تشریف لائے اور پھر ذی الحجہ کے بعد محرم میں خیبر کے لیے تشریف لے گئے (ثم رسول اللہ بالمدینۃ حین رجع من الحدیبیۃ ذا الحجہ بعض المحرم) ابن ہشام ج ۳ ص ۳۳۲۔

(۱۲۲) اس کی مضبوطی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہود نے وہاں متعدد قلعے تعمیر کر رکھے ہوئے تھے ان قلعوں کی تعداد مورخین نے مختلف بتائی ہے لیکن ابن سعد نے ۹ قلعوں کے نام لکھے ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھئے (ابن سعد ج ۲ ص ۱۰۲) علامہ شبلی نے خیبر کے قلعوں کی تعداد ۶ بتائی ہے اور ان کے نام سالم، قموص، نطاۃ، قصارہ، شق اور مربطہ لکھے ہیں (شبلی، سیرۃ النبی ﷺ ج ۱ ص ۴۸۴)

(۱۲۳) ابن ہشام ج ۳ ص ۳۳۶،۳۳۲۔ نیز ملاحظہ ہو (MUHAMMAD AT MADINA, WATT: P.93,217,218

(۱۲۴) عموماً مورخین نے غزوہ خیبر کے لیے رسول اللہ ﷺ کی روانگی محرم میں بتائی ہے لیکن ابن سعد نے اسے جمادی الاولیٰ ۷ھ کا واقعہ بتایا ہے۔ (ج ۲ ص ۱۰۶) ہو سکتا ہے رسول اللہ ﷺ ربیع الثانی تک خیبر، فدک اور وادی القریٰ کے معاملات سے فارغ ہو کر جب مدینہ واپس پہنچے تو جمادی الاولیٰ کا مہینہ شروع ہو گیا ہو اور شاید اسی بنا پر ابن سعد نے اس غزوہ کو جمادی الاولیٰ کا واقعہ بتایا ہو۔

(۱۲۵) ہم پہلے بتا چکے ہیں حدیبیہ کے سفر کے میں بھی تعداد یہی چودہ سو تھی۔ کیونکہ صلح حدیبیہ کے فوراً بعد نازل ہونے والی سورہ الفتح میں رسول اللہ ﷺ یہ حکم دیا گیا کہ خیبر کی مہم پر صرف انہیں لوگوں کو لے جائیں گے جو حدیبیہ میں آپ ﷺ کے ساتھ تھے (الفتح ۱۵) اور رسول اللہ ﷺ نے مدینہ سے چلتے وقت یہ اعلان کر دیا تھا کہ "ہمارے ہمراہ اس کے سوا کوئی نہ جائے جسے جہاد کا شوق نہ ہو۔ (ابن سعد، ج ۲، ص ۱۰۶)

(۱۲۶) ابن ہشام ج ۳ ص ۳۴۴

(۱۲۷) ایضاً

(۱۲۸) ایضاً

(۱۲۹) ابن سعد ج ۲ ص ۱۱۰

(۱۳۰) الفتح

(۱۳۱) ایضاً

(۱۳۲) ایضاً

(۱۳۳) ابن ہشام ج ۳ ص ۳۶۸

(۱۳۴) البلاذری (فتوح) ص ۴۱۔

(۱۳۵) ابن ہشام ج ۳ ص ۳۷،۳۶

(۱۳۶) ابن سعد ج ۲ ص ۱۳۴

(۱۳۷) ایضاً

(۱۳۸) ابن ہشام ج ۳ ص ۳۴۲

(۱۳۹) ایضاً۔ ابن سعد نے تصریح کی ہے کہ ان بعد کا تھا اور آپ بعد عصر روانہ ہوئے (ابن سعد ج ۲ ص ۱۳۵)

(۱۴۰) نثار احمد، ڈاکٹر، عہد نبوی ﷺ میں ریاست کا نشوو ارتقاء، ص ۱۴۴ تا ۱۴۷۔

(۱۴۱) القرآن الحکیم سورۃ الفتح: پ ۲۶۔ ع ۹

(۱۴۲) القرآن الحکیم سورۃ المائدہ آیت ۸۷

(۱۴۳) سید عبد المجید الخطیب مندوب خاص وزیر عظم دولت سعودیہ عربیہ برائے پاکستان سابق معلم مدرسہ حرم کعبہ ترجمہ مولانا محمد عادل قدوسی گنگوہی، جولی قرآن سوسائٹی صدر کراچی، (س ن) ص ۶۰ تا ۶۵

(۱۴۴) القرآن الحکیم سورۃ البقرۃ ۲: ۲۱۹

(۱۴۵) القرآن الحکیم سورۃ النساء ۴: ۴۳

(۱۴۶) القرآن الحکیم سورۃ المائدہ ۵: ۹۰۔ ۹۱

(۱۴۷) تفصیل دیکھیے۔ صحیح بخاری باب غزوہ قرد ۲۰۳/۱۲، صحیح مسلم باب غزوہ ذی قرد وغیرہ ۱۱۳/۱۲، ۱۱۴، ۱۱۵۔ زاد المعاد ۱۲۰/۲۔

(۱۴۸) حیات محمد ۵۱۰ اردو ایڈیشن

(۱۴۹) بخاری کتاب المغازی باب غزوہ خیبر۔ سیر ۳۳۵/۳۶،۳۳۶

(۱۵۰) القرآن الحکیم سورۃ آل عمران ۳: ۱۲۳

(۱۵۱) القرآن الحکیم سورۃ الفتح ۔

(۱۵۲) اسکیا، ۲۳:۲

(۱۵۳) وتیرا ایک چشمہ کا نام ہے۔ جس پر بنو غزارہ رہتے تھے۔ (معجم البلدان)

(۱۵۴) زاد المعاد مصنفہ ابن قیم ذکر فتح مکہ۔

(۱۵۵) پروفیسر چوہدری غلام رسول چیمہ، حصہ اول، علم و عرفان پبلشرز لاہور، جنوری ۲۰۰۲ء ص ۳۶۱ تا ۳۷۵۔

(۱۵۶) صحیح بخاری، (ابن حجر، فتح الباری، حدیث ۴۱۷۷)

(۱۵۷) ایضاً

(۱۵۸) ایضاً، حدیث ۴۱۷۲۔ قتادہ نے اس کی تشریح یوں کی ہے کہ حدیبیہ کے بیان والی حدیث حضرت انس کی ہے اور یہ کہ حدیبیہ کے بیان والی حدیث صرف حضرت انس کی اور یہ کہ عکرمہ کا کہنا یہ ہے کہ یہ الفاظ "خدا کرے کے تمہارے لیے بھلا ثابت ہو" حضرت عکرمہ کے ہیں۔

(۱۵۹) ابوداؤد، معالم السنن، کتاب الجہاد، ۲۷۳۶؛ احمد، مسند، ۴۲۰:۱؛ حاکم، مستدرک، ۴۵۹:۲۔ انہوں نے کہا: "صحیح سند کے ساتھ، ایک طویل حدیث جسے امام بخاری اور امام مسلم نے روایت نہیں کیا"۔ ذہبی ان سے متفق ہیں۔

(۱۶۰) ابن ہشام، سیرۃ، ۳۹۳:۲-۳، ابن اسحٰق کی روایت سے۔ واقدی، مغازی، ۷۸۹:۲؛ طبری، تاریخ، ۳۵:۳؛ ابن زنجویہ، الاموال، ۱۰۴:۱

(۱۶۱) ابن ہشام، سیرۃ، ۳۲۲:۳

(۱۶۲) ایضاً

(۱۶۳) صحیح بخاری، (ابن حجر، فتح الباری، حدیث ۲۷۱۱-۲۷۱۲)

(۱۶۴) ابن ہشام، سیرۃ، ۳۲۱:۳، عروہ "مرسل" روایت ہے۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۲۲۹:۹۔ زہری اور عبداللہ بن ابی بکر بن حزم کی "مرسل" روایات ہے۔

(۱۶۵) صحیح بخاری (ابن حجر، فتح الباری، ۲۷۱۱-۲۷۱۲) لیکن ۲۴۰:۶ میں، یہ لیث کے ذریعے عقیل کے بجائے لفظ رجل (کوئی مرد) کے لفظ احد (کوئی شخص) کے ساتھ ہے۔ اگر مختلف روایات کا موازنہ کرکے اور غور کرکے مختلف طریقے کے باوجود لفظ وہی ہے، یہ فیصلہ کرنا ممکن ہوتا کہ زیادہ قرین قیاس کیا ہے تو ہم بلاتامل یہ فیصلہ کر سکتے تھے کہ خواتین اس میں شامل نہیں تھیں۔

(۱۶۶) صحیح بخاری: فتح الباری، ۲۷۱۱-۲۷۱۲

(۱۶۷) ایضاً، بیہقی، السنن الکبریٰ، ۲۲۸:۹؛ ابن کثیر، تفسیر، ۳۵۱:۴

(۱۶۸) ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۶۷۸:۴، ایک "حسن" ایک سند کے ساتھ۔ ہیثمی، موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان، ۱۱۳:۳؛ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۱۹۴۳۶؛ ہیثمی، کشف الاستار عن زوائد البزار، ۳۳۲:۲۔ بزاز کی سند کی بابت ابن حجر کا کہنا ہے کہ "یہ ایک حسن موصول سند ہے" (فتح الباری، ۵۱۰:۷)

(۱۶۹) اکرم ضیاء العمری مترجم عذرا نسیم فاروقی، مدینہ مدنی معاشرہ (عہد رسالت ﷺ میں) ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، جولائی ۲۰۰۵ء ص ۳۸۹ تا ۳۹۰

(۱۷۰) جنرل گلب پاشا مترجم حبیب حیدرآبادی محمد رسول اللہ ﷺ۔ سٹیزن پبلشرز کراچی (س۔ن) ص ۳۶۲ تا ۴۰۳

(۱۷۱) القرآن الحکیم سورۃ ۴۸ الفتح۔

(۱۷۲) کونسٹن ورجل گیورگیو مترجم عبدالصمد صارم الازہری، مکتبہ معین الادب، لاہور، فروری ۱۹۷۴ء ص ۲۹۲ تا ۲۹۸۔

(۱۷۳) کیرن آرم اسٹرانگ، مترجم محمد عاصم بٹ، حضرت محمد ﷺ پیغمبر اسلام کی مبسوط اور مستند سوانح حیات، نگارشات لاہور، فروری ۲۰۰۳ء ص ۲۸۴ تا ۲۹۷

(۱۷۴) القرآن الحکیم سورۃ ۴۸ الفتح، آیت: ۲۷

(۱۷۵) القرآن الحکیم سورۃ ۴۸ الفتح، آیت: ۱۸

(۱۷۶) آر۔ وی۔ سی بوڈلے، تلخیص و ترجمہ محمد علی چراغ، فیروز سنز پبلشرز لاہور، ۱۹۸۸ء ص ۲۰۱ تا ۲۰۷۔

(۱۷۷) سردار گوربت سنگھ دوارا ابو سر، مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور، ۱۹۸۶ء ص ۷۷ تا ۹۲۔

(۱۷۸) سوامی لکشمن (آنجہانی)، عرب کا چاند، مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور ۲۷۷ تا ۲۷۸

باب دوم

﴿فصل چہارم﴾

صلح حدیبیہ اور رسول اللہ ﷺ کی سیاستِ خارجہ

رسول اکرم ﷺ کی خارجہ پالیسی کی بنیادیں:

ا۔ دعوت توحید:

رسول اکرم ﷺ کی خارجہ پالیسی کا اولین اور بنیادی مقصد وہی تھا جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا تھا۔ یعنی دعوت توحید۔ دنیا میں حضرت محمد ﷺ تک جتنے بھی انبیاء تشریف لائے انہوں نے سب سے پہلے انسانوں کو جس بات کی طرف دعوت دی وہ یہ تھی کہ " اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِیَّاہُ "(۱) یعنی اس مالک حقیقی کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔

آسمانی تعلیمات کا یہ وہ بنیادی نقطہ ہے جسے ہر نبی اور رسول کے پیغام میں اصل الاصول کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو جب جیل میں تبلیغ دین کا موقع ملا تو جیل کے ساتھیوں کو انہوں نے سب سے پہلے جو حیات افروز سبق دیا وہ یہ تھا:

"اے میرے جیل کے ساتھیو! کیا یہ مختلف اور متعدد چھوٹے خدا اس اکیلے طاقتور سے بہتر ہو سکتے ہیں۔"

یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (۲)

حضرت شعیبؑ اور حضرت ہودؑ نے قوم کو پکارا تو ان کی سب سے پہلی پکار یہ تھی:

یا قوم اعبدوا اللّٰہ مالکم من اللّٰہ غیرہ

حضرت نوحؑ مبعوث ہوئے تو ان کا اولین پیغام یہ تھا:

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاتَّقُوْہُ وَاَطِیْعُوْنِ (۳)

اس کی بندگی اور اس کی اطاعت۔

یہ وہ لازوال حقیقت تھی جسے اجاگر کرنے کے لیے انبیائے کرامؑ کی بعثت ہوئی اور جو آدمی کی فطرت میں ودیعت کر دی گئی ہے۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت زمانہ فطرت کی لازوال حقیقت سے صرف نظر کر کے تباہی کو دعوت دے رہا تھا اور انسان انسانیت کو خاک میں ملا رہا تھا۔ اس حقیقت میں قرآن میں فرمایا گیا کہ "اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے خدا نے تم کو بچا لیا۔"(۴) حضور اکرم ﷺ کی بعثت کا سب سے بڑا مقصد یہی ٹھرا کہ بنی نوع انسان کو ظلمت کے اندھیروں اور تاریکیوں سے نکال کر روشنیوں کی طرف لایا جائے۔ قرآن حکیم میں ہے:(۵)

"الرٰ، یہ ایک کتاب ہے جو ہم نے اے رسول تم پر نازل کی ہے تاکہ تم انسانیت کو پروردگار کے حکم سے ظلمت سے نکال کر روشنی کی

طرف لاؤ اس رب کے راستے کی طرف جو غالب اور ستودہ صفات ہے۔"

ایک اور جگہ ارشاد ہے: (۶)

"وہی (اللہ ہے) جس نے اپنے رسول کو ضابطہ ہدایت اور دینِ حق دے کر اس غرض سے بھیجا ہے کہ وہ ہر دین کے مقابلے میں اسے (پوری انسانی زندگی پر) غالب کر دے۔ اگرچہ یہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔"

چنانچہ آنحضرتؐ نے "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" (۷) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں، کا پیغام انسانوں تک پہنچایا اور دعوت دی کہ خدا قانون ساز ہے اور محمدؐ تمام دنیا خصوصاً بنی نوع انسان کو اللہ تعالیٰ کے احکام کی ترسیل کے لیے مبعوث کیے گئے ہیں۔ اللہ صرف ایک ہے، اس نے ہمیں بنایا ہے، وہی ہماری پرورش کرتا ہے۔ اس کے حکم سے موت آتی ہے اور وہی ہماری دنیاوی زندگی کا حساب لے گا اور جیسے بھی چاہے گا سزا یا جزا دے گا۔ انسان اللہ کی مخلوق ہے چنانچہ اسے زندگی کے تمام شعبوں میں، خواہ یہ مسلک کا معاملہ ہو یا عقیدہ کا، معاشرتی رویہ ہو یا سیاسی یا کچھ اور، اپنے خالق و مالک کے احکام کی پابندی کرنی چاہیے (۸) دعوت توحید کا یہ اصول رسالت مآب کی خارجہ پالیسی میں ہمیشہ اور ہر حالت میں قائم رہا۔ حج کا موقع تھا یا تجارتی میلوں کا رونق، جنگ کا پڑاؤ پڑا یا غیر ملکی وفود کی آمد ہر موقع پر اس دعوت حق کو لوگوں تک پہنچانا آپ کا مقصود اول رہا۔ حتیٰ کہ غیر ملکی سربراہان مملکت کو بھی دعوتی خطوط ارسال کر کے اس ذمہ داری کو پورا فرمایا۔

آنحضرت ﷺ کی خارجہ پالیسی کے بنیادی مقصد یعنی دعوت توحید کے ضمن میں بعض دیگر اصول بھی متعین ہو جاتے ہیں جو دفاع اور استحکام ریاست کے لیے ضروری خیال کیے جاتے ہیں۔

۲۔ دفاع ریاست:

دنیا کی تمام ریاستیں ہر زمانے میں بیرونی حملوں سے بچاؤ کے لیے مختلف اقدامات اور بندوبست کرتی آئی ہیں۔ اس غرض سے بیرونی طاقتوں سے تعلقات جوڑے اور ان سے امداد و تعاون بھی حاصل کیا۔ آنحضرت ﷺ کی سربراہی میں قائم پہلی اسلامی ریاست شدید بیرونی خطرات سے دوچار تھی۔ قریش مکہ کی ایذا رسانیوں اور ظلم و ستم سے تنگ آ کر مدینہ آنے والے مسلمانوں کو ہر وقت یہ خطرہ لاحق رہتا کہ مکے والے کسی بھی وقت حملہ کر سکتے ہیں ان خطرات میں نئی اسلامی ریاست کے دفاع کے لیے اقدامات ناگزیر ہو گئے تھے۔ ویسے بھی نظام حق کی اقامت، اس کے تحفظ اور اسکے فروغ کے لیے سیاسی اور فوجی قوت کی بھی ضرورت تھی۔ چنانچہ داخلی امن مستحکم ہو جانے کے بعد رسول خداؐ نے مدینہ سے باہر آباد قبائل سے رابطہ پیدا کیا۔ پیغمبر اسلامؐ نے ان قبائل سے خاص طور پر تعلق پیدا کیا جن کے علاقوں میں سے قریش مکہ کے تجارتی قافلے گزر کر عراق، شام یا مصر کی طرف آتے جاتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ ان قبائل کے ساتھ بیرونی حملہ کے خلاف باہمی فوجی امداد کی بنیاد پر دفاعی معاہدے کرنے میں کامیاب رہے۔

۳۔ امنِ عالم:

یہ بات مسلمات دین میں سے ہے کہ ہر دور اور ہر قوم میں کوئی نہ کوئی نبی بھیجا گیا مگر یہ سب نبی ایک خاص خطۂ زمین، ایک خاص

زمانے اور ایک خاص قوم کے لیے تھے، ان میں کسی کی شریعت عالمگیر نہ تھی، ان میں سے کسی کا پیغام سارے زمانوں کے لیے نہ تھا، لیکن محمدؐ کی نبوت اور شریعت کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ کسی خاص قوم یا زمانے تک محدود نہ تھی بلکہ تمام بنی نوع انسان کے لیے تھی اور آنحضرت ﷺ کا مقصد بھی یہ تھا کہ ایک ایسا عالمی معاشرہ قائم ہو جو امن وسلامتی پر مبنی ہو کیوں کہ اسلام امن کے فروغ اور سلامتی کی ترویج کو عزیز رکھتا ہے۔ قرآن میں ہے:

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

''اور اللہ ان کے خوف کو امن میں تبدیل فرمادے گا۔ (۹)

اللہ امن وسلامتی کے قیام میں کچھ اس طرح تمہارا حامی ومددگار ہوگا کہ گھر کی چار دیواری میں زندگی گزارنے والی پردہ نشین خاتون تن تنہا کسی محافظ ومعاون کے بغیر مدینہ سے الحمرا کا اس سے بھی لمبا سفر بلا تامل کر سکے گی اور کوئی چور اور رہزن اسے خوف زدہ نہ کر سکے گا۔ (۱۰)

ایک آیت مبارکہ میں تو قرآن حکیم نے بڑے واضح الفاظ میں یہ اعلان بھی ضروری سمجھا کہ حضرت محمد ﷺ کی بعثت اور کتاب اللہ کے نزول کا اصل مقصد یہ ہے کہ بنی نوع انسان پر سلامتی کی راہیں کھول دی جائیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آچکی ہے۔ اللہ اس کے ذریعے ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے طلب گار ہیں سلامتی کے راستوں کی ہدایت کرتا اور اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آتا ہے۔''

اسلام کے نزدیک سلامتی اور امن کے راستے ہی دراصل روشنی کے راستے اور صراط مستقیم ہیں اور وہ راستے جو فتنہ وفساد اور خونریزی کی طرف جاتے ہیں اللہ کے نزدیک بنی نوع کی گزرگاہ بننے کے قابل نہیں ہیں۔ (۱۱)

۴۔ معاہدات کا احترام:

اسلام نے اس اصول پر بطور خاص زور دیا ہے کہ معاہدات کا پورا پورا احترام کیا جائے معاہدے پر عملدرآمد میں خیانت اور خلاف ورزی کو قطعاً حرام قرار دیا ہے اور نقض عہد کو بدترین عمل قرار دیا ہے اور اس امر کی طرف رہنمائی فرمائی ہے کہ معاہدے کا حقیقی مقصد امن اور سلامتی کو بحال کرنا ہے خواہ حالات کتنے ہی اضطراب انگیز اور تشویش ناک کیوں نہ ہوں اور اس بات سے خبردار کیا ہے کہ معاہدے پر سختی سے عملدرآمد کیا جائے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اے ایمان والو! اپنے معاہدات پورے کیا کرو۔'' (۱۲)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

''اور تم عہد کو پورا کرو بے شک عہد کے بارے میں جواب دہی کرنی ہوگی۔'' (۱۳)

اور حد تو یہ ہے کہ ایک معاہد قوم کے خلاف مسلمان، مسلمانوں سے مدد کی اپیل کریں تو وہ ایسا کرنے کی مجاز نہیں قرآن میں ہے:

''اور اگر وہ دینی معاملہ میں تم سے مدد مانگیں تو ان کی مدد کرنا تم پر واجب ہے ہاں اس قوم کے خلاف تم ان کی مدد نہیں کر سکتے کہ تم میں

اوران میں معاہدہ ہو۔"(۱۴)

البتہ دوسرا فریق اگر معاہدے کی خلاف ورزی کرے گا یا دشمن کی طرف سے بدعہدی کا اندیشہ ہو تو اسلام معاہدے کو توڑنے کی اجازت دیتا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے:

"اگر آپ کو دشمن سے خیانت اور بدعہدی کا اندیشہ ہو تو پھر برسر عام معاہدہ ختم کر دیں اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"(۱۵)

۵۔ التوائے جنگ یا صلح:

آپؐ نے بلاجواز جنگ سے ہمیشہ گریز کیا اور ان راستوں کو پسند فرمایا جو صلح کی طرف مائل تھے اور جب بھی دیکھا کہ دشمن مائل بہ صلح ہے تو آپؐ نے اسے فوری قبول فرمایا۔

آنحضرت ﷺ کا یہ طرز عمل قرآن مجید کے اشارہ کے بالکل عین مطابق تھا کہ:

"(اے محمدؐ) اگر دشمن مائل بہ صلح ہو تو آپ بھی ایسا ہی کریں اور اللہ پر بھروسہ کریں۔ بلاشبہ وہ سمیع وعلیم ہے، اور وہ دھوکہ دینے کی تدبیر کریں گے تو اللہ کافی ہے۔ وہ خدا ہی ہے جس نے خود آپ کی اور مومنوں کی (ایسے موقع پر بھی) مدد فرمائی۔"(۱۶)

۶۔ بلاوجہ تنازعہ سے پرہیز:

تمام بنی نوع انسان بحیثیت خلقت آپس میں برابر اور ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ کوئی شخص یا کوئی قوم، نسل، رنگ یا علاقہ کی بنیاد پر دوسرے سے برتر نہیں ہو سکتی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا۔"(۱۷)

اسلام نسل انسانی کی وحدت کا پیغامبر ہے اور اس کا تقاضا ہے کہ ایک عالمی انسانی برادری قائم کی جائے لہٰذا بلاوجہ کسی سے تنازعہ پیدا کرنا ناجائز ہے۔ قرآن نے غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کو وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔ یعنی "اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا جنہوں نے تم سے جنگ کی۔ تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ انصاف کو پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ صرف ایسے (غیر مسلم) لوگوں سے تمہیں دوستی پیدا کرنے سے روکتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ کی تمہیں گھروں سے نکالا اور تمہارے بے گھر کرانے میں دشمنوں کی مدد کی اور جو بھی ایسے لوگوں سے دوستی رکھے گا تو ایسے لوگ ظالم ہوں گے۔(۱۸)

۷۔ حق کی معاونت اور ظلم سے اجتناب:

رسول اللہ ﷺ کی خارجہ پالیسی کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ آپؐ نے ہمیشہ حق کی حمایت کی اور ظلم کی مخالفت کی۔ مسلمانوں کو جنگ کی اس لیے اجازت دی گئی کہ عدوان اور ظلم کو روکا جائے، دین کی آزادی برقرار رہے اور دعوت اسلامیہ کی نشر و اشاعت کی حفاظت کا

سروسامان بہم پہنچ سکے۔ اسلام نے جہاں جنگ کی اجازت دی ہے وہاں ظلم، انتقام اور کمزوروں پر ظلم وزیادتی سے بھی منع کیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ امن اور سلامتی برقرار رہے، حالات سازگار اور پرامن ہوں اور عدل وانصاف کے زیر سایہ آدمی زندگی گزار سکے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں قتال نہیں کرتے ہو اور ان کمزور مردوں عورتوں اور بچوں کی راہ میں نہیں لڑتے ہو جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اس آبادی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی دوست اور مددگار مقرر فرما دے۔''(۱۹)

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

''واللہ تمہیں ضرور نیکی کا حکم دینا ہوگا، برائی سے روکنا ہوگا، ظالم کے ہاتھ پکڑنے ہوں گے اور اسے حق کی طرف موڑ دینا اور حق پر مجبور کرنا ہوگا ورنہ اللہ تعالیٰ تم سب کو ایک جیسا کر دے گا۔''(۲۰)

۸۔ داخلی اور اندرونی استحکام:

کوئی بڑی سے بڑی سلطنت بھی جو سخت اندرونی خلفشار میں مبتلا ہو اکثر حقیر اور کمزور دشمنوں تک کا مقابلہ نہیں کر سکتی تاریخ عالم اس کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ مدینہ کی پہلی اسلامی ریاست اپنے قیام کے وقت یہود ونصاریٰ اور خود انصار کے دو گروہوں اوس وخزرج کی پرانی عداوت کی وجہ سے عدم استحکام کا شکار تھی، دفاع مدینہ کے لیے ضروری تھا کہ ان تمام فرقوں اور گروہوں کو ایک سیاسی وحدت میں پرو دیا جائے چنانچہ رسالت مآب ﷺ نے سب سے پہلے اس کے لیے کوششیں کیں اور تمام فریقین کو ایک معاہدہ پر متفق کیا۔ اس معاہدہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ رسول اکرم ﷺ مدینہ میں مامون زندگی بسر کرنے اور قوت وطاقت اور وسائل عسکری کو فراہم کرنے میں اچھی طرح کامیاب ہو گئے۔ ساتھ ہی ساتھ مذہبی، اقتصادی اور معاشرتی اختلافات کے باوجود دفاع وطن کے لیے سب کو متحد اور صف واحد بنانے میں کامیاب ہو گئے بیرونی حملے اور غارت گری کے خلاف بھی اور داخلی اختلافات کا تصفیہ اور فیصلہ کرنے میں بھی۔ علی الرغم اس بات کے کہ قلیل التعداد ہونے کے باوجود صرف مسلمان ہی جیش رسول کی حیثیت رکھتے تھے اور دشمن کی غارت گری یا حملے کے وقت اس جیش پر آپ اعتماد کر سکتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ ان کے دلوں میں عقیدہ راسخ پیدا کرنے میں کامیاب ہوئے۔ یہ لوگ اس عقیدے کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے، ان کے سامنے ایک مقصد اور نصب العین تھا جو بالکل صاف اور واضح تھا اور مسلمان اس کے تحفظ اور دفاع کے لیے ان پر ہر چیز قربان کرنے کو تیار تھے۔(۲۱) مسلمانوں کا یہ جذبہ ایثار وقربانی رسول اللہ ﷺ کی سیاست خارجہ میں کامیابیوں کا ایک بہترین اصول قرار پایا۔

۹۔ فنون حرب کی ترقی واستفادہ:

اگر کوئی مکمل اور مضبوط فوج حکومت کے پاس نہ ہو تو وہ ہر دشمن کے لیے ایک نہایت آسان شکار ہے۔ دشمن اس کے بارے میں آس لگائے رکھتا ہے اور اس کی قوت وشوکت سے خائف نہیں ہوتا، لیکن اگر ایک مضبوط اور قوی فوج موجود ہو تو دشمن اس کی سنتا ہے اور اس کا

احترام کرتا ہے اور وہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ اپنے شوق جور وستم کا اسے نشانہ بنائے لہٰذا امن وامان برقرار رہتا ہے۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
"ان کے مقابلے کے لیے جتنی طاقت مجتمع کر سکتے ہو کرلو اور گھوڑے پالو۔ اس طریقے سے اپنے اور خدا کے دشمنوں پر اپنی دھاک بٹھا دو اور اپنے ان دشمنوں کو بھی مرعوب کرو جنھیں تم نہیں جانتے خدا جانتا ہے اور تم جو کچھ راہ خدا میں خرچ کرو گے وہ تمھیں پورا پورا دے دیا جائے گا اور تم پر کسی طرح ظلم نہ ہونے پائے گا۔" (۲۲)
جنگ کے سلسلے میں اسلام نے ایک تو قوت وطاقت کے سروسامان اور دوسرے رباط کا بندوبست یعنی اسلحہ وسامان پر زور دیا ہے۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
"کافر تو یہی چاہتے ہیں کہ تم اپنے اسلحہ اور سامان سے ذرا غافل ہو تو وہ تم پر ایک ہی دفعہ ٹوٹ پڑیں۔" (۲۳)
اس طرح اسلام اسلحہ سازی کے لیے معاملہ حربیہ کا سامان بہم پہنچانے کی بھی ترغیب دیتا ہے اور فولاد و آہن کا بطور خاص اس سلسلے میں ذکر کرتا ہے کہ عسکری اغراض کے لیے اس سے استفادہ کیا جائے۔
قرآن کریم میں ہے:
"اور ہم نے لوہا اتارا، جس میں شریک جنگ کا (زور) بھی ہے اور لوگوں کے لیے منافع بھی تاکہ اللہ معلوم کرے کہ کون اس کی اور اس کے رسول کی مدد کرتا ہے بے شک خدا قوی اور غالب ہے۔" (۲۴)
رسول خدا ﷺ نے فوجی تربیت کی ہر طرح سے حوصلہ افزائی فرمائی۔ آپؐ بہ نفس نفیس گھڑ دوڑ کے میدان میں جاتے اور جیتنے والوں میں انعامات تقسیم فرماتے۔ تیر اندازوں کو نشانہ بازی کی مشق کرائی جاتی۔ پتھر پھینکنے کی تربیت دی جاتی اور اسی طرح کے دوسرے فنون حرب میں نوجوانوں کو مہارت دلائی جاتی۔ رسول خدا ﷺ ایسے مواقع پر اکثر موجود ہوتے جس سے نوجوانوں کی زبردست حوصلہ افزائی ہوتی۔ نیز رسول اللہ ﷺ نے ہر جنگ سے پہلے پوری طرح سامان مکمل کیا اور اپنی مادی ومعنوی انتہائی طاقت اکٹھی کرنے میں کبھی تردد سے کام نہ لیا۔ اسلحہ سازی کے بارے میں آنحضرتؐ نے یہ ارشاد فرما کر بھی مسلمانوں کی حوصلہ افزائی فرمائی کہ:
"ایک تیر، تین مسلمانوں کے داخلہ جنت کا سبب بن جاتا ہے۔
(۱) جہاد فی سبیل اللہ میں تیر اندازی کرنے والے کو
(۲) بنانے والا جو اپنے عمل میں ثواب واجر خداوندی کا یقین رکھتا ہو۔ اور
(۳) اس شخص کو جو گرے ہوئے تیر اٹھا کر، پھر تیر انداز کے حوالے کرتا ہے۔
پس تم تیر اندازی کیا کرو۔ اسپ رانی کیا کرو اور ہاں! تمہاری تیر اندازی، تمہاری اسپ رانی سے مجھے زیادہ عزیز ہے۔" (۲۵)

۱۰۔ خبر رسانی:

دشمن سے مامون رہنے کے لیے ضروری ہے کہ اپنی قوت اور مواصلات کی نگہبانی کی جائے، دشمن کو معلومات حاصل کرنے سے روکا جائے، نیز دشمن کی فوجی تیاریوں اور سیاسی چالوں کا بھی بروقت پتہ لگایا جائے تاکہ دشمن اچانک حملہ نہ کر سکے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی

فوجوں کی حفاظت کے لیے تمام غزوات میں انتظام کیے اور اپنی کوشش پوری طرح صرف کردی کہ دشمن کو معلومات حاصل نہ ہو سکیں اور اسی طرح وہ امن میں رہ سکیں۔(۲۶) آپؐ نے اپنے تمام اعمال میں رازداری سے کام لیا اور مسلمانوں کو اپنے راز محفوظ رکھنے کی ترغیب دی۔ آنحضرت ﷺ کے پاس دشمن کے متعلق معلومات حاصل کرنے کا پورا بندوبست موجود تھا۔ اسلامی مملکت کے شعبہ اطلاعات کو خاص طور پر فروغ دیا گیا۔ ملک کے اندر اور باہر نامہ نگار مقرر کیے گئے جو مکہ، نجد، طائف اور متعدد دوسرے مقامات کے اسلام کے زیر نگین آنے سے قبل بھی رسول اللہ ﷺ کو پل پل کی خبریں ارسال کرتے رہتے تھے۔

۱۱۔ معاشی دباؤ یا ناکہ بندی:

آنحضرت ﷺ کی خارجہ پالیسی کا اساسی کلیہ یہ تھا کہ مخالف عناصر کا خون بہانے کی بجائے اسے بے بس کر دیا جائے تا کہ وہ تعاون کرے یا وہ مزاحمت چھوڑ دے یہ کلیہ خاص طور پر قریش مکہ کے خلاف اپنایا گیا۔ مدینہ چونکہ قریش کی معروف تجارتی گزرگاہ کے سرے پر واقع تھا اور یہ سب جانتے ہیں کہ قریش نے آنحضرتؐ اور آپؐ کے پیروکاروں کو کس طرح تکلیفیں دے کر ترک وطن پر مجبور کیا تھا۔ آپؐ نے مختلف اقدامات فرما کر قریشی کاروانوں کا راستہ بند کر دیا تا کہ معاشی دباؤ میں آکر وہ مسلمانوں کی دشمنی ترک کر دیں۔

۱۲۔ تالیف قلبی:

سیاسی مقاصد کے لیے مملکت کی خفیہ سروس، نو مسلموں اور غیر مسلموں کی امداد و اعانت کی گنجائش اسلام میں رکھی گئی ہے۔ قرآنی آیت میں کہا گیا ہے:

''زکوٰۃ مفلسوں کے لیے ہے اور محتاجوں (غیر مسلموں میں) کے لیے اور وہ ان کے لیے جو اس (کی وصولی) کا کام کرتے ہیں اور ان کے لیے جن کی تالیف مطلوب ہے۔'' اور اسیروں اور غلاموں کی گردن چھڑانے (آزاد کرانے) کے لیے اور قرضداروں کے قرض ادا کرنے کے لیے اور اللہ کی راہ میں (صرف کرنے کے لیے) اور مسافروں کے لیے، یہ اللہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا (فرض ہے) اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔''(۲۷)

محسن انسانیتؐ نے تالیف قلبی کے اصول کے تحت دشمنوں تک کی مدد فرمائی تا کہ ان میں مسلمانوں کے بہی خواہ پیدا ہوں اور مختلف مواقعوں پر ان سے فائدہ اٹھایا جائے۔

۱۳۔ انسانی خون کی عزت و حرمت:

رسول اللہ ﷺ نے اپنی جنگوں میں ہمیشہ انسانیت کے احترام کا اصول مقدم رکھا اور کسی بے گناہ کو کبھی کوئی تکلیف نہیں پہنچائی اور ہمیشہ بے گناہوں کے مال اور جان کی حفاظت کے خواہش مند رہے۔ مسلمان غزوہ موتہ پر جانے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے وصیت فرمائی کہ ''عورتوں، بچوں اور معذور لوگوں کو قتل نہ کیا جائے، کسی مکان کو نہ گرایا جائے، کوئی درخت نہ کاٹا جائے۔''(۲۸)

یہی وجہ ہے کہ عہد نبویؐ میں دس سال میں دس لاکھ مربع میل سے زیادہ کا علاقہ فتح ہوا جس میں یقیناً کئی ملین آبادی تھی۔ اسی طرح

روزانہ تقریباً ۲۷۴ مربع میل کے اوسط سے دس سال تک فتوحات کا سلسلہ ہجرت سے وفات تک جاری رہا۔ ان فتوحات میں دشمن کے ماہانہ دو سے بھی کم آدمی قتل ہوئے۔ اسلامی فوج کا نقصان اس سے بھی کم ہے۔ (۲۹)

ارشاد نبویؐ ہے: ''میں رحمت کا پیغمبر ہوں، میں جنگ کا پیغمبر ہوں۔'' (۳۰)

۱۴۔ بین الاقوامی اصولوں کی پاسداری:

اسلام کا بین الاقوامی قانون قاصدوں اور سفیروں کو امن دینے اور انکی حفاظت کرنے پر مشتمل ہے، انھیں کسی حالت میں بھی کوئی اذیت نہیں پہنچائی جاسکتی۔ مسیلمہ کذاب کے دو قاصد ابن النوحہ اور ابن اثال جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ انہوں نے کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا اگر میں کسی قاصد کو قتل کرنے والا ہوتا تو تمہیں قتل کر دیتا۔

☆ رسول اکرم ﷺ کی سیاست خارجہ کا اسلامی تاریخ کی روشنی میں جائزہ:

ابن سعد نے یزید بن رومان کی روایت نقل کی ہے۔ (۳۱) کہ رسالت مآب نبوت کے پہلے تین برس مکہ میں خفیہ طور پر تبلیغ کرتے رہے چوتھے برس آپؐ نے دعوت اسلام کا برملا اعلان فرمایا۔ جب حضور اکرم ﷺ نے نبوت کا اعلان فرمایا اور تمام اہل مکہ کو توحید کا پیغام پہنچایا تو کفار مکہ اپنے بتوں کی مخالفت برداشت نہ کر سکے اور آنحضرتؐ کے خلاف ہو گئے اور طرح طرح کی اذیتیں دیں۔ کون سا ایسا ظلم تھا جو ان کفار نے آپ پر روانہ رکھا تھا ان حالات میں حضور اکرم ﷺ نے اپنے صحابہؓ کی ایک جماعت کو حبشہ کی طرف ہجرت کا حکم فرمایا۔ جہاں کا عیسائی حکمران نجاشی بڑا منصف مزاج اور رحم دل تھا۔ اس جماعت میں گیارہ مرد اور چار عورتیں شامل تھیں۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) حضرت عثمانؓ (بن عفان) (۲) حضرت رقیہؓ (جو رسول اکرمؐ کی صاحبزادی تھیں) (۳) حضرت ابو حذیفہؓ (۴) حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف (۵) حضرت مصعبؓ بن عمیر (۶) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۷) حضرت سہلہؓ (بنت سہیل) (۹) حضرت ام سلمہؓ (بنت ابی امیہ) (۱۰) حضرت عثمان بن مظعون جمحی (۱۱) حضرت عامرؓ بن ربیعہ (۱۲) حضرت لیلیٰؓ بنت ابی (حثمہ) (۱۳) حضرت ابو سبرہؓ بن ابی رہم (۱۴) حضرت حاطبؓ بن عمرو (۱۵) حضرت سہیل بن بیضا (۳۲)

حبشہ کی طرف ہجرت کا فرمان دے کر حضور اکرم ﷺ محض ایک محفوظ و مامون پناہ کی تلاش ہی نہ چاہتے تھے بلکہ ان کے نزدیک ایک ایسی جماعت کی تیاری مقصد تھا جو سمندر پار جا کر حبشہ کے عوام بادشاہ اور حکومت کے طور طریقے اور مزاج کو سیکھیں اور اسلام کی مقبولیت کے لیے لائحہ عمل مرتب کریں۔ اگرچہ مہاجرین کی جماعت حبشہ میں محض تین ماہ ٹھہری اور غلط خبر کی بناء پر انہیں واپس مکہ آنا پڑا۔ لیکن اس سے جو فوائد آپؐ حاصل کرنا چاہتے تھے وہ حاصل ہو چکے تھے۔

انہی حالات میں مکہ سے حبشہ کی طرف دوسری ہجرت واقع ہوئی۔ اس دفعہ ہجرت کرنے والوں میں ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتیں شامل تھیں۔ قریش نے سمندر تک ان کا تعاقب کیا مگر یہ لوگ کشتیوں میں بیٹھ کر روانہ ہو چکے تھے۔ (۳۳) یہ صورت حال کفار مکہ کے لیے

پریشان کن تھی۔ انہوں نے عبداللہ بن ربیع اور عمرو بن عاص پر مشتمل وفد کو قیمتی تحائف دے کر نجاشی کے پاس بھیجا اور استدعا کی کہ مہاجرین کو اپنی سلطنت سے نکال دے لیکن شاہ حبشہ نجاشی ایک منصف المزاج حکمران تھا اس نے قریش کے تمام مطالبات رد کر دیے اور نتیجتاً کفار مکہ کا بھیجا ہوا وفد ناکام لوٹا اور مسلمانوں کو حبشہ میں قیام کی نہ صرف اجازت ملی بلکہ خود حاکم حبشہ نجاشی نے اسلام قبول کیا اور تاحیات اس عقیدے پر قائم رہا۔ بعض مستشرقین ہجرت حبشہ کو ایک معمولی واقعہ قرار دے کر اس کا سطحی تذکرہ کرتے ہیں یا اسے ناکام قرار دیتے ہیں جب کہ اس ہجرت کو آنحضرت کی سیاست خارجہ کے حوالے سے ایک اہم مقام حاصل ہے اس ہجرت سے اسلام ایک براعظم سے دوسرے براعظم پہنچا۔ عرب و عجم کی تفریق ختم ہوئی اور سیاہ و سفید کا فرق مٹا۔ ان عظیم فوائد کے باوجود ہجرت حبشہ کو کس طرح ناکام قرار دیا جاسکتا ہے؟

دعوت و تبلیغ اسلام اور ہجرت حبشہ کے نتیجے میں آنحضرت کو بعض اہم کامیابیاں نصیب ہوئیں اور حضرت حمزہؓ، حضرت عمر بن الخطابؓ، حضرت طفیل بن عمرو دوسیؓ اور حضرت ابوذر غفاریؓ جیسی ہستیاں دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئیں تو قریش نے ظلم و ستم کی انتہا کر دی۔ کیوں کہ قریش کی اکثریت توحید سے انکار اور بت پرستی پر بضد تھی۔ ان حالات میں آپؐ نے عقبہ ثانیہ کی بیعت کے بعد مسلمانوں کو یثرب کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت فرمائی۔ بیعت کرنے والے صحابہ یثرب کو سدھارے۔ وہ آپ کی دی گئیں ہدایات کے مطابق اپنی راہ بدل بدل کر سفر کرتے رہے تاکہ تعاقب میں قریش کے ہتھے نہ چڑھ جائیں۔ ان کے مکہ سے جانے کے تین روز بعد قریش کو علم ہوا کہ محمدؐ اور یثرب کے کچھ افراد کے مابین ایک معاہدہ حرب طے پا چکا ہے۔ اب قریش نے ان کا تعاقب کیا لیکن قریش کے سریع السیر سوار بھی ان کو نہ پکڑ سکے کیوں کہ اہل یثرب راہ بدل بدل کر سفر کرتے رہے۔ سوء اتفاق سے سعدؓ بن عبادہ قریش کے ہاتھ لگ گئے، ان پر خوب مار پڑی۔ (۳۴) قریش نے انہیں مکہ میں زندان میں ڈال دیا۔ آخر کار جبیر بن مطعم اور حارث بن امیہ نے ان کو رہائی دلوائی کہ ان دونوں کے ساتھ ان کی شناسائی تھی۔

جب قریش کے مظالم ان گنت ہو گئے تو آپؐ نے عام مسلمانوں کو مدینہ کی جانب ہجرت کرنے کا حکم دے دیا۔ اس پر مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے گروہ مکہ سے نکلتے اور مدینہ کی راہ لیتے خود آپؐ پر اتنے مظالم ڈھائے گئے کہ آپ کی زبان مبارک سے بے اختیار نکلا کہ "اس راہ میں مجھ کو اتنا ستایا گیا جتنا کسی دوسرے نبی کو نہیں ستایا گیا۔" عام مسلمانوں کی اس نقل مکانی میں بے حد احتیاط برتی گئی لیکن چند روز کے بعد ہی قریش مکہ کو علم ہو گیا کہ مسلمان مکہ چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ مسلمان اتنی تعداد میں مکہ چھوڑ گئے کہ مکہ ویران ہو گیا۔ اب قریش کو ہر لحظہ یہ خطرہ رہتا تھا کہ کہیں آپ بھی مکہ چھوڑ کر نہ چلے جائیں اس لیے انہوں نے آپ کی نگرانی شروع کر دی۔ ان کے چیدہ چیدہ سرداروں نے دارالندوہ (۳۵) میں آپؐ کے خلاف ایک گھناؤنی سازش تیار کی۔ آپ کو قتل کرنے کے منصوبے پر غور کرنے کے لیے دارالندوہ میں خفیہ اجلاس بلایا جس میں چند قبائلی سردار شیبہ و عتبہ، ابوسفیان، طعیمہ بن عدی، حارث بن عامر، نضر بن حارث بن کلدہ، ابوالبختری بن ہشام، زمعہ بن اسود، حکیم بن حزام، ابوجہل بن ہشام اور امیہ بن خلف وغیرہ شامل تھے۔ (۳۶) انہوں نے طے کیا کہ ہر قبیلے سے ایک ایک نوجوان منتخب کر کے یکبارگی آپؐ پر حملہ کیا جائے کیوں کہ بنی عبد مناف ساری قوم سے لڑائی کا خطرہ مول نہ لے سکیں گے۔ اس طرح یہ سب کی مشترکہ ذمہ داری ہوگی اور سب مل کر خون بہا ادا کریں گے۔ (۳۷) بقول مولانا سید ابوالحسن ندوی اس طرح "اجتماعی جرم" کا منصوبہ طے کیا

گیا۔(۳۸) آپ کے قتل کا منصوبہ مکمل طور پر مخفی رکھا گیا۔اسی معاملہ کی طرف ہی ارشاد ربانی ہوتا ہے:

﴿وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ﴾(۳۹)

''وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جب کہ منکرین حق تمہارے خلاف تدبیریں سوچ رہے تھے کہ تمہیں قید کر دیں یا قتل کر ڈالیں یا جلاوطن کر دیں۔وہ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ تعالیٰ اپنی تدبیر فرما رہا تھا اور اللہ کی تدبیر سب سے بڑھ کر ہوتی ہے۔''

دار الندوہ میں ہونے والی اس سازش کے متعلق آپ کو آپ کی ایک پھوپھی نے آ کر آگاہ کر دیا جنہوں نے اس سازش کے متعلق اپنے خاوند سے سنا تھا۔(۴۰)

رسول اللہ ﷺ کے قتل کے منصوبے، طائف کے سفر میں ایذا رسانی، شعب ابی طالب میں نظر بندی کے تین سال یہ جو کچھ ہوا بقول علامہ شبلی نعمانیؒ ''کو نہایت دردانگیز اور حسرت خیز تھا، لیکن تعجب انگیز نہ تھا، دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسی مثال نہیں ہے کہ نامانوس اور اجنبی صدائیں بہ رغبت سن لی گئی ہوں حضرت نوح علیہ السلام کو سینکڑوں برس تک قوم کی نفرت اور وحشت کا سامنا رہا۔یونان دنیا کی شائستگی کا معلم اول ہے تاہم اسی حکمت کدہ میں سقراط کو زہر کا پیالہ پینا پڑا۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دار و رسن کا منظر پیش آیا۔اس بناء پر عرب اور قریش نے جو کچھ کیا وہ سلسلہ واقعات کی غیر معمولی کڑی نہ تھی لیکن غور طلب یہ ہے کہ اس کے مقابلے میں سرور عالم ﷺ نے کیا کیا کیا؟

سقراط زہر کا پیالہ پی کر فنا ہو گیا، حضرت نوح علیہ السلام نے مخالفت سے تنگ آ کر قیامت خیز طوفان کی استدعا کی اور دنیا کا ایک بڑا حصہ برباد ہو گیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام تیس چالیس اشخاص کی مختصر جماعت پیدا کر کے بروایت نصاریٰ سولی پر چڑھ گئے لیکن سرور کائنات ﷺ کا فرض ان سب سے بالا تھا۔(۴۱)

حضرت جناب بن الدرتؓ نے جب قریش کی ایذا رسانیوں سے تنگ آ کر آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کی کہ آپؐ ان کے حق میں بددعا کیوں نہیں فرماتے؟ تو آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور فرمایا کہ ''تم سے پہلے وہ لوگ گزرے ہیں جن کے سر پر آرے چلائے جاتے اور چیر ڈالے جاتے تھے تاہم وہ اپنے فرض سے باز نہ آئے، خدا اس کام کو پورا کرے گا، یہاں تک کہ شتر سوار صنعاء سے حضرموت تک سفر کرے گا اور اس کو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا۔(۴۲)

حضرت محمد ﷺ مشکلات و مصائب کے حالات میں حکم الٰہی سے مدینہ ہجرت کر گئے۔ارشاد ربانی نازل ہوا کہ:

وَقُلْ رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا O(۴۳)

''اور اے نبیؐ دعا کیجیے کہ میرے پروردگار مجھے داخل کر سچائی کے ساتھ داخل ہونے کی جگہ اور مجھے نکال سچائی کے ساتھ نکلنے کی جگہ سے اور اپنی طرف سے ایک طاقت کو میرا مددگار بنا دے۔''

آپؐ نے ہجرت کے معاملے میں بھی مکمل رازداری سے کام لیا۔موسم گرما کی ایک دوپہر آپؐ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاں تشریف لے گئے اور انہیں ہجرت کے حکم سے آگاہ فرمایا۔(۴۴)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اپنے منصوبے کی تفصیلات سے آگاہ فرمانے کے بعد آپؐ واپس گھر تشریف لائے اور حضرت علیؓ پر اس راز کو منکشف کیا اور لوگوں کی امانتیں ان کو لوٹانے کے لیے ان کے سپرد کیں۔آپؐ نے حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر اپنی سبز حضرموتی چادر اوڑھا

کرلٹایا۔ رات بھیگی تو آپ سورۂ یٰسین کی تلاوت فرماتے ہوئے گھر سے نکلے۔ آپؐ نے مشت بھر خاک پہرہ دار اشخاص پر پھینک دی جو گہری نیند سو رہے تھے۔ آپؐ ان کے سامنے سے گزر گئے اور کسی کو نظر نہ آئے۔ (۴۵) جن مشرکین نے آپؐ کے گھر کا محاصرہ کیا ہوا تھا ان کے نام درج ذیل ہیں: (۴۶)

ابوجہل، ابولہب، امیہ بن خلف، اُبی بن خلف، عقبہ بن ابی معیط، نضر بن الحارث، زمعہ بن الاسود، حکم بن العاص، طعیمہ بن عدی، نبیہ بن حجاج، منبہ بن حجاج، ابن الغیطلہ۔

صبح کاذب کے وقت قریش بستر رسولؐ پر حضرت علیؓ کو دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے اور قریش کی تمام کوششیں بے سود رہیں۔ سید مناظر احسن گیلانی کے الفاظ میں "بہرحال قریش کا آخری منصوبہ اسی خاک میں مل گیا جو ان کے سروں پر پڑی تھی۔" مکی زندگی ختم ہو گئی اس زندگی میں جو کچھ دکھانا تھا جن باتوں کا تجربہ کرنا تھا جس کی گواہیاں مہیا کرنی تھیں سب کام پورا ہو گیا۔ بڑے صبر، بڑے سکون، انتہائی ثبات، کامل استقامت سے پورا ہوا۔ (۴۷)

آپؐ اپنے گھر سے نکلے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رہائش گاہ پر پہنچے۔ ان کو ساتھ لے کر منصوبے کے مطابق تاریکی میں چل پڑے اور راستہ بدل کر صعوبتیں و تکالیف برداشت کرتے ہوئے بالآخر قصہ مختصر یہ کہ آپؐ جمعۃ المبارک ۱۲ ربیع الاول بمطابق ۲ جولائی ۶۲۲ء کی صبح یثرب پہنچے۔ (۴۸) یہ ہجرت تاریخ اسلام میں انتہائی اہمیت کی حامل ہے کیوں کہ یہی انقلاب اسلامی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ یہاں ہجرت مدینہ کے واقعات ہمارا موضوع بحث نہیں بلکہ حضور اکرم ﷺ کی خارجہ حکمت عملی کے ایک اہم پہلو کی حیثیت سے ہجرت کی اہمیت کا جائزہ لینا مقصود ہے۔

چنانچہ حضور اکرم ﷺ کے مدینہ جا بسنے کے بعد یہ حکم عام تھا کہ جو شخص مسلمان ہو وہ مدینہ ہجرت کر آئے۔ ارشاد ربانی ہوا:
جب تک یہ لوگ خدا کی راہ میں ہجرت نہ کر جائیں اس وقت تک ان میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ۔" (۴۹)
ایک اور جگہ ارشاد فرمایا گیا:
"اور وہ لوگ جو ایمان تو لائے لیکن ہجرت نہیں کی تو تم کو ان کی وراثت سے کوئی تعلق نہیں جب تک وہ ہجرت نہ کر جائیں۔" (۵۰)

اس حکم کے مختلف مقاصد تھے جن کے حاصل ہونے تک یہ اصول برقرار رہا۔ ہجرت کے بعد بھی قریش مکہ نے مسلمانوں کو چین نہ لینے دیا تھا اور ان کے خلاف مختلف سازشیں کرتے رہے حتیٰ کہ اہل مدینہ کو کہلا بھیجا کہ آنحضرت ﷺ کو قتل کر دیں یا اپنے ملک سے نکال دیں۔ اس پر عمل نہ کرنے کی صورت میں جنگ کی دھمکی دی۔ اس صورت حال میں مدینہ پر قریش مکہ کی طرف سے حملہ کا ہر وقت خطرہ رہتا چونکہ مدینہ کی کل دس ہزار آبادی میں سے مسلمان بمشکل پانچ سو کی تعداد میں تھے۔ اس طرح اس تھوڑی سی قوت کے ساتھ مذکورہ خطرہ کا مقابلہ مشکل تھا۔ اس لیے شہر میں مسلمانوں کی آبادی میں اضافہ کے لیے یہ تدبیر ناگزیر تھی، اس کے علاوہ دوسرا مقصد یہ تھا کہ مدینہ میں رہ کر نومسلموں کے لیے اسلامی ماحول کے مطابق بہتر تعلیم و تربیت کا بندوبست ہو سکے ورنہ غیر مذہب والے ہمسائے بہلا پھسلا کر، ڈرا دھمکا کر، خانگی یا اجتماعی یا سرکاری دباؤ ڈال کر فتنے میں مبتلا کر سکتے ہیں۔ چنانچہ خود عہد نبوی میں مہاجرین حبشہ میں سے کم از کم دو باوجود نجاشی کی غیر متعصبانہ حکومت کے اس عیسائی ماحول میں عیسائی بن گئے تھے ایک بی بی سودہ کا شوہر سکران دوسرا ام حبیبہ کا

شوہر عبیداللہ بن جحش۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی کسی قبیلے کا وفد مدینہ آ کر اسلام قبول کرنے کا اظہار کرتا تو آنحضرت ان لوگوں کو مدینہ آ بسنے کی ہدایت فرماتے البتہ چند قبائل کو اس شرط سے مستثنیٰ رکھا گیا تھا۔(۵۱) جس طرح قبیلہ جہینہ کے وفد کو آپؐ نے فرمایا کہ "تم لوگ اپنے ملک ہی میں رہو اور تمہیں وہی حقوق اور وہی ثواب حاصل ہوگا جو مہاجرین کو حاصل ہوتا ہے۔" کسی قبیلے کو یہ رعایت دیتے وقت یہ خیال ضرور رکھا گیا کہ یا تو اس قبیلہ کے اکثریا تمام افراد مسلمان ہوئے ہوں یا پھر وہ اپنے قبیلہ میں سیاسی طاقت رکھتے ہوں تا کہ ان کے مرتد ہونے کے امکانات باقی نہ رہیں سات سال تک اس اصول کی پابندی ہوتی رہی اور اس کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا۔ ان سات برسوں میں مدینہ کی مسلمان آبادی میں خاطر خواہ اضافہ ہوا اور جب مدینہ کے یہودی قبائل کو ایک معاہدے کی خلاف ورزی کی سزا کے طور پر جلاوطن ہونا پڑا تو علاقے میں طاقت کا توازن بھی مسلمانوں کے حق میں ہوگیا۔ بالآخر نتیجہ فتح مکہ کی صورت میں نکلا اور اعلان نبویؐ شائع ہوا کہ "لا ہجرۃ بعد الفتح" فتح کے بعد ہجرت کی ضرورت نہیں۔(۵۲) گویا ہجرت کے اصول کے تحت مدینہ میں مسلمانوں کی باقاعدہ آبادکاری کی گئی تھی۔

مولانا ابوالکلام آزاد ہجرت نبوی کو فتح مدینہ سے تعبیر کرتے ہیں" کیوں کہ یہ میدان کارزار کی فتح سے بھی بڑھ کر دلوں کی آبادیوں اور روحوں کی اقلیموں کی فتح ہے اور اس فتح سے میدان جنگ کی فتح مندیاں بھی حاصل ہوتی ہیں۔ یثرب کی پوری آبادی اس کے سامنے جھک جاتی ہے اور ایمان کے ایسے جوش اور عشق و اطاعت کی ایسی خود فروشیوں کے ساتھ اس کے استقبال کے لیے تیار ہو جاتی ہے جو تاریخ عالم کے کسی بڑے سے بڑے فاتح اور شہنشاہ کو بھی میسر نہ آئی ہوگی۔"(۵۳) ہجرت نے مسلمانوں کو ایک امت کا درجہ دیا اور ان کو ظالموں کے خلاف تلوار اٹھانے کی اجازت دی۔ قرآنی حکم نے واضح طور پر جہاد کا مقصد بھی بیان فرما دیا یعنی امن و انصاف کا تحفظ۔ اسلامی ریاست کا سیاسی، معاشرتی، معاشی اور عسکری اساس کی وضاحت قرآن حکیم کی کئی ایک آیات میں کی گئی ہے۔(۵۴) جہاد فی سبیل اللہ ظالموں کے ہاتھوں سے مظلوموں کی نجات ہے۔ اسلامی ریاست کو دنیا سے جہالت کا خاتمہ کرنا اور تمام مشرکانہ اقوال و افعال کے بتوں کو پاش پاش کرنا تھا اور ایسا جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعے ہی ممکن ہے جس میں کسی بھی قسم کی ذاتی اغراض کارفرما نہیں ہوتیں اور نہ ہی اس کی تہ میں جوع الارض، قومی مفادات، جنون یا معاشی تشدد ایسے عوامل کارفرما ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ یہ ایک دائمی امن کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ آپ کو آغاز سے ہی کئی ایک قوتوں کے ساتھ برسرپیکار ہونا پڑا۔ ایک طرف قریش تھے جن کو کسی بھی صورت یہ گوارا نہ تھا کہ مسلمان پنپیں کیوں کہ اس طرح ان کا مستقبل تاریک ہوتا تھا۔ دوسری طرف یہودی تھے جو خود کو خدا تعالیٰ کی چنیدہ قوم قرار دیتے تھے ایک تیسری قوت منافقین تھے جو مار آستین بھی تھے اور مار آستاں بھی۔ یہ قریش اور یہودیوں کی نسبت زیادہ خطرناک تھے۔ ان کا سردار عبداللہ بن اُبی تھا۔ جسے ہجرت نبویؐ سے قبل یثرب کا بادشاہ بنانے کی تمام تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ ایک اور مخالف قوت بازنطین سلطنت تھی جو اپنے دور کی سپر طاقت تھی یہ عیسائیت کا دم بھرتی تھی۔ اس کا اور مدینہ کی اسلامی ریاست کا ٹکراؤ ایک ناگزیر حقیقت تھی کیوں کہ اول الذکر تثلیث اور موخر الذکر کی اساس وحدانیت تھی۔

رسول اللہ کو جہاد کا حکم ہجرت کے دوسرے برس بارہ صفر کو دیا گیا۔(۵۵) ورنہ اس سے قبل آپؐ اور مسلمان تیرہ برس تک قریش کی ایذا رسانیوں پر صبر کرتے رہے جب مظالم کی انتہا نہ رہی تو آپؐ اپنے وطن مولود سے یثرب کو ہجرت کر گئے۔ بیعت عقبہ ثانی کے موقع پر

جب قریش کے مخبروں نے بیعت ہوتے دیکھ لی تو حضرت عباسؓ بن عبادہ نے آپؐ سے عرض کیا تھا "اے اللہ کے رسولؐ! اس خدا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ اگر آپؐ چاہیں تو ہم کل ہی اہل منی پر اپنی تلواریں اٹھالیں گے اور شمشیر بکف ان پر ٹوٹ پڑیں گے اور بتادیں گے کہ جنگ کیا ہوتی ہے۔ لیکن آپؐ کی دوررس نگاہوں نے اس بات کی اجازت نہ دی کہ یہ اقدام بہت قبل از وقت تھا۔(۵۶)

جہاد کا حکم ملتے ہی آپؐ نے دو تدابیر اختیار فرمائیں:

اولاً: شام کو جانے والی قریش کی تجارتی شاہراہ، جو ان کے لیے سرمایہ افتخار تھی، بند کرنے کے اقدامات کیے۔

ثانیاً: مدینہ کے گردونواح میں آباد مختلف قبائل سے معاہدات کیے اور اپنی طاقت میں بتدریج اضافہ کیا اور وقت آنے پر مسلمانوں نے دفاع اسلام و مسلمین کا حق ادا کر کے ایک لافانی مثال قائم کردی، ان معاہدات کا مقصد یہ تھا کہ قریش کی معیشت پر دباؤ پڑے اور وہ صلح کے لیے درخواست کریں اور دیگر قبائل کو مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ نہ کریں۔

کسی بھی ملک کی خارجہ سیاست میں معاہدانہ روابط کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی سیاست خارجہ میں معاہدات اور حلیفانہ تعلقات کی طرف غیر معمولی توجہ فرمائی کیوں کہ آپؐ جنگ و جدل سے انتہائی ممکن حد تک بچ نکلنا چاہتے تھے تاکہ ایسی پرسکون فضا میں دعوت حق کا کام بخوبی ہو سکے اور جنگی جذبات بیچ میں حائل نہ ہوں۔ جنگی کارروائیاں جہاں کہیں بقائے ریاست، بقائے امن یا بقائے اسلام کے لیے ناگزیر ضرورت بن گئیں وہاں تو آپؐ نے کسی درجہ کی ہچکچاہٹ سے کام نہیں لیا، لیکن اگر جنگ سے بچ کے نکلا جاسکتا ہو اور ریاست کا سیاسی تحفظ واستحکام اور دعوت کے لیے کھلا میدان امن و آشتی سے خالی کرنا ممکن ہوتو پھر آپؐ نے لازماً صلح و آشتی کا راستہ اختیار کیا۔ خود رسول اللہ ﷺ نے معاہدہ عقبہ کے نتیجے میں مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی، پھر ریاست کا وجود تلوار کے زور سے نہیں بلکہ دستوری معاہدے کے بل پر استوار ہوا۔ معاہدات عمل میں لانا اور حلیفانہ تعلقات قائم کرنا کوئی آسان کام نہیں ہوتا خصوصاً جب کہ مذہبی اختلافات اور سیاسی تعصبات موجود ہوں اور کئی مخالف طاقتیں مداخلت بھی کر رہی ہوں پھر ایسے قبائل اور عناصر سے معاہدات طے کرنا اور بھی زیادہ مشکل ہو جاتا ہے جو سابق تعلقات نہ رکھنے کی وجہ سے بالکل اجنبی ہوں۔ اس کام کے لیے بڑی سیاسی مہارت کی ضرورت ہوتی ہے مخاطب کے حالات اور رجحانات کو دیکھنا، قوت کو پہچاننا، توازن قوت کو سمجھنا، مخالف طاقتوں کے اثرات کا مطالعہ کرنا، شرائط کے فوری اور دوررس نتائج پر نظر رکھنا، مخالف طاقتوں کے اثرات کا مطالعہ کرنا، شرائط کے فوری اور دوررس نتائج پر نظر رکھنا اور پھر نفسیاتی لحاظ سے گفت وشنید میں اثر پیدا کرنا۔ ایسے بے شمار لوازم کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ محسن انسانیتؐ نے اس دائرہ کار میں جس درجے کی سیاسی بصیرت اور قائدانہ مہارت اور قابلیت کا نمونہ پیش کیا ہے اس کی مثال کہیں نہیں مل سکتی کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے مختلف حالات میں مختلف نوعیت کے معاہدات اور حلیفانہ تعلقات قائم کرتے ہوئے کسی بھی موقع پر نظریہ حق، اپنے اخلاقی اصولوں اور سیاسی مرتبے کو ذرا سا بھی نقصان نہیں پہنچنے دیا بلکہ جتنے معاہدات اور اتحادات آپؐ نے قائم فرمائے خواہ ان کی نوعیت سیاسی تھی، اقتصادی یا فوجی ان سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کی۔ اس کا اندازہ معاہدات کی تفصیل اور تاریخی حقائق پر مبنی نتائج و ثمرات سے بخوبی ہو جاتا ہے۔(۵۷)

رسول اکرم ﷺ کی سیاسی و عسکری زندگی میں آپ کی خارجہ حکمت عملی نے اہم ترین کردار ادا کیا اور اس خارجہ پالیسی کی کامیابی کا دارومدار بڑی حد تک معاہدانہ روابط اور غزوات و سرایا پر تھا۔ وہ اسلامی لشکر جس میں آنحضرتؐ نے خود شرکت کی اسے غزوہ کا نام دیا گیا۔ اس کے برعکس جس لشکر میں آپؐ شرکت نہ کرتے اسے بعث یا سریہ کہا گیا۔(۵۸) غزوہ بدر سے قبل جو سرایا اور غزوات لڑے گئے ان کی تفصیل یہ ہے:

سریہ سیف البحر، سریہ رابغ، سریہ خرار، غزوہ ودان یا ابوا، غزوہ بواط، غزوہ صفوان، غزوہ ذوالعشیرہ اور سریہ نخلہ۔ یہ مہمات رمضان ا ھ سے رجب ۲ھ تک کے درمیانی عرصے میں پھیلی ہوئی ہیں ان میں سے کچھ مہمات کی غرض و غایت قریش کی تجارتی شاہراہ پر نظر رکھنا تھی جب کہ بعض کا مقصد اردگرد کے قبائل کے ساتھ دوستی کے معاہدات طے کرنا تھا۔ بعض قبائل کے ساتھ معاہدات طے کرنے کے بعد ان کو ناوابستہ کر دیا گیا۔ ان حملوں میں سے ایک نخلہ پر کیا گیا جو کہ طائف اور مکہ کے درمیان واقع تھا۔ صفوان پر حملہ انتقامی نوعیت کا حامل تھا۔ ان مہمات میں صرف مہاجرین نے حصہ لیا کیوں کہ ابھی آپؐ نے انصار پر عسکری بوجھ ڈالنا مناسب خیال نہ کیا کیوں کہ ان کے احسانات پہلے ہی بہت زیادہ تھے دوسرے مہاجرین کو جغرافیائی لحاظ سے اردگرد کے ماحول سے واقف کرانا ضروری تھا۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ ان مہمات میں خون کا ایک قطرہ بھی نہ بہایا گیا۔

غزوۂ بدر اور غزوۂ احد کی درمیانی مدت میں غزوۂ بدر، سریہ عمیر بن عدی، سریہ سالم بن عمیر، غزوۂ بنو قینقاع، غزوۂ سویق، غزوۂ بنو سلیم، سریہ بنو سلیم، سریہ محمد بن مسلمہ، غزوہ غطفان، سریہ قردہ اور غزوۂ احد وقوع پذیر ہوئے۔ یہ رمضان ۲ھ سے شوال ۳ھ تک کے عرصہ پر محیط ہیں۔ ایک طرف ہمیں اگر غزوہ بدر کی عظیم الشان فتح نظر آتی ہے تو دوسری طرف غزوہ احد میں وقتی شکست بھی نمایاں دکھائی دیتی ہے۔ ان لڑائیوں میں انصار نے بھی شرکت کی، کیوں کہ اب ان میں بھی شوق جہاد بیدار ہو چکا تھا۔ بنو سلیم اور غزوہ سویق کی لڑائیاں محض انتقامی نوعیت کی حامل تھیں۔ میثاق مدینہ کی رو سے مدینہ کے یہودیوں پر یہ فرض عائد ہوتا تھا کہ وہ کسی بھی خطرہ کے وقت مسلمانوں کی طرف دست تعاون بڑھائیں بنی قینقاع نے خود ہی میثاق مدینہ کی خلاف ورزی کی۔ ایک شہر میں دو مختلف العقائد قومیں پرامن طریقے سے زندگی بسر نہیں کر سکتی تھیں۔ ایک نہ ایک دن کسی ایک فریق نے دوسرے سے اپنی پسند کی بات منوا لینی تھی غزوہ بدر میں قریش کو عبرتناک شکست کا سامنا کرنا پڑا اس لیے انہوں نے آئندہ شام کی طرف جانے والا اپنا راستہ تبدیل کر لیا۔ ان مہمات میں سے کئی ایک ہمیں محض دو افراد کے درمیان مقابلے کی حد تک محدود نظر آئیں گی جب کہ کچھ کا دائرہ گروہوں کے درمیان تیروں کے تبادلہ کی حد تک پھیلا ہوا ہے کچھ مہمات محض طاقت کے مظاہرہ سے تعلق رکھتی ہیں تاکہ دشمن پر دبدبہ ڈال کر اسے مرعوب کیا جا سکے۔ یہی وہ عرصہ ہے جب قریش نے مدینہ کے اردگرد کے کچھ قبائل کو ورغلا کر ان کے ساتھ حلیفی کے معاہدے کیے اور ان کو مدینہ پر حملہ آور ہونے میں اپنے ساتھ شامل کیا۔

اگلا مرحلہ احد اور احزاب کے غزوات کا ہے۔ اس دور کا آغاز شوال ۳ھ میں ہوتا ہے اور ذیقعدہ ۵ھ کو اس کا خاتمہ ہوا۔ اس دور میں غزوہ حمراء الاسد، سریہ قطن، سریہ عبداللہ بن انیس، سریہ رجیع، سریہ بئر معونہ، سریہ عمرو بن امیہ، غزوہ بنو نضیر، غزوہ بدر الاخری، غزوہ دومۃ الجندل، غزوہ بنو مصطلق اور غزوہ احزاب رونما ہوئے۔ مسلمانوں نے غزوہ احد کی عارضی شکست کا بدلہ غزوہ احزاب کی قابل قدر فتح سے چکا دیا۔ یہ

فتح انہوں نے آسانی سے حاصل نہ کی بلکہ اس کے لیے انکو ایک کٹھن اور دشوار گزار راہ اختیار کرنا پڑی۔ غزوہ احد میں دشمن نے یہ خیال کر لیا تھا کہ اب اسلام محض چند روز کا مہمان ہے اس لیے انہوں نے مدینہ پر ضرب کاری لگانے کے لیے ایک خاص منصوبہ بندی کی لیکن آپ کو ہر دم ان کے ناپاک عزائم کی اطلاعات ملتی رہتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے ہر دفعہ آگے بڑھ کر دشمن کے علاقے میں جا کر ان کی قوت کو چیلنج کیا۔ بنی نضیر کو اپنی قوت پر بڑا مان تھا جسے آپؐ نے توڑا۔ ان کا وجود فتنوں اور شورشوں کا منبع تھا۔ وہ ہر وقت ملت اسلامیہ کے ہر قومی ابتلاء میں ان کا استحصال کرنے کی کوشش میں رہتے۔ ان کا اخراج اس لیے بھی ضروری تھا کہ اگر کبھی کوئی دشمن مدینہ پر حملہ آور ہوتا تو یہ پانچویں کالم کا کردار ادا کرتے۔ ان کا اخراج مدینہ میں امن و سلامتی کا مبداء ثابت ہوا اگر ایک طرف مسلمانوں کو غزوہ احد میں وقتی ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تھا تو یہ قابل فخر کارنامہ بھی آپؐ ہی کا حصہ ہے کہ آپؐ نے دوسرے روز ہی غزوہ حمراء الاسد میں شرکت کی۔ آپ کو ایسی اطلاعات ملی تھیں کہ ابوسفیان مدینہ پر حملہ آور ہونے کی نیت سے واپس آ رہا ہے اس لیے اس کا سدباب ضروری تھا۔ غزوہ احد میں ابوسفیان نے یہ بڑھا کی کہ اگلے سال بدر میں پھر معرکہ ہو گا آپؐ نے اس کے اس چیلنج کو قبول کرتے ہوئے وقت مقررہ پر بدر کا سفر اختیار کیا لیکن وہ نہ آیا اب قریش نے مدینہ پر ایک موثر ضرب لگانے کے لیے احزاب کو اپنے ساتھ ملایا اور مدینہ پر چڑھ دوڑے۔

ذیقعدہ ۵ھ سے محرم ۷ھ تک کی درمیانی مدت میں سریہ عبداللہ بن عتیق، غزوہ بنو قریظہ، غزوہ بنو لحیان، غزوہ قردہ، سریہ مرزق، سریہ ذی القصہ، سریہ سیح، سریہ جموم، سریہ طرف، سریہ وادی القریٰ، سریہ دومۃ الجندل، سریہ فدک، سریہ عبداللہ بن رواحہ، سریہ کرز بن جابر الفہری، غزوہ حدیبیہ اور غزوہ خیبر تاریخ میں اپنی جگہ بنا گئے۔ ان میں کئی ایک دفعہ مشرکین نے مدینہ پر حملہ آور ہونے کی ناکام کوشش کی۔ غزوہ احزاب کے دوران بنو قریظہ کی آزادی ضمیر و مذہب دی گئی، ان کی جان و مال کی حفاظت کا وعدہ کیا گیا، لیکن انہوں نے خود ہی نقض عہد کیا اور میثاق مدینہ کو پس پشت ڈالا۔ جب تک وہ اس پر قائم رہے کہ آپؐ جنگ پر آمادہ نہ ہوئے اور اس عہد کو مطلقاً پورا فرمایا۔ اب ان کو ان کے کیے کی ان کی پسند کے ثالث کے فیصلے کے مطابق سزا دی گئی۔ غزوہ بدر کے بعد قریش نے بحرہ احمر کے ساحل والی تجارتی شاہراہ کی بجائے نجد کا راستہ اختیار کیا۔ آپؐ نے ایسی اطلاعات ملتے ہی ان کا اس علاقے میں قافیہ تنگ کرنا شروع کیا اس عرصہ کا قابل ذکر واقعہ صلح حدیبیہ کے معاہدے پر دستخط کیے۔ دو سال کے بعد قریش نے اس معاہدے کی تنسیخ کا اعلان کر دیا اور اس طرح آپ کو مکہ کو فتح کرنے کا موقع فراہم ہو گیا۔ آپؐ نے اپنے تمام دشمنوں کو معاف کر دیا۔ تاریخ ایسی کوئی دوسری مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

فتح مکہ کے بعد آپؐ نے شمالی عرب کے مختلف یہودی قبائل کی قوت توڑنے اور مکہ کے گرد و پیش کے قبائل میں اپنا دائرہ اثر بڑھانے میں وقت صرف کیا۔ اس عرصہ میں سریہ خالدؓ بن ولید، سریہ عمروؓ بن العاص، سریہ سعدؓ بن زید اشہلی، سریہ خالدؓ بن ولید، غزوہ حنین، غزوہ طائف، سریہ عیینہ بن حصن، سریہ قطبہؓ بن عامر، سریہ ضحاکؓ بن سفیان کلابی، سریہ علقمہ بن مجزر مدلجی، سریہ بنو طے، غزوہ تبوک، سریہ خالدؓ بن ولید اور سریہ علی مرتضیٰ وقوع پذیر ہوئے۔ آپؐ کے ارتحال کے وقت پورا جزیرہ نمائے عرب اسلام کے آگے سرنگوں ہو چکا تھا۔ آپؐ کے دور میں بارہ لاکھ مربع میل سے زیادہ علاقہ فتح ہوا لیکن آپؐ کے ۲۷ غزوات میں سے صرف ۹ میں لڑائی ہوئی باقی ۱۸ میں دشمن بغیر کسی مزاحمت کے بھاگ گیا۔ (۵۹)

اور پھر ایک وقت وہ بھی آیا کہ جب آپ کی پیش گوئی درست ثابت ہوئی اور اسلام نہ صرف پورے عرب کا مذہب ٹھہرا بلکہ یمن و

بحرین سے باہر حبشہ و روم تک جا پہنچا۔ یہ آپ کی خارجہ حکمت عملی کا ہی ثمر تھا۔

قبل از اسلام دنیا میں جو بھی مذاہب آئے ان میں یہودیت اور عیسائیت زیادہ ممتاز ہیں لیکن یہ دونوں مذاہب سرزمین عرب میں اپنی جڑیں نہ پکڑ سکے۔ یہودیت نہایت ہی تنگ نظر مذہب ہے اور اخلاقیات یا امید و رجا کا درس دینے کی بجائے خود غم و آلام کی المناک داستان ہے۔ یہودی خود کو برگزیدہ قوم گردانتے ہیں اور ان کے نزدیک خدا صرف انہی سے تعلق رکھتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت عیسائیت کی قبا بھی تار تار ہو چکی تھی۔ نظریہ تثلیث جنم لے چکا تھا مسیحیت نے عیسیٰ کو خدا کا بیٹا ٹھہرانے کے ساتھ ساتھ دنیا میں دارالراہبات کا بھی اضافہ کیا۔

اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت کا آپ پر خاتمہ کیا۔ اسی لیے آپ کی تعلیمات کا دائرہ قومی وملکی نہ تھا آپؐ نے یہ نہ فرمایا کہ میں صرف بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلانے آیا ہوں بلکہ فرمایا کہ تمام عالم انسانیت کو غیر الٰہی غلامیوں سے نجات دلانا میرا مقصد ظہور ہے۔ اسلام نے روئے زمین کو انسانیت کا وطن اکبر قرار دے کر اس کی اجڑی ہوئی بستی کو آباد کیا اور اس کی دوبارہ رونق کا اعلان کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کسی ایک علاقے، ایک تمدن یا ایک معاشرت کی اصلاح کے لیے مبعوث نہیں فرمایا بلکہ اسلام مذہب واحد ہے اور آپؐ ہادی کائنات، آپؐ نے انسانوں کو صرف سینا کی چوٹیوں یا ہمالیہ کی گھاٹیوں میں بسنے والے خدا کی طرف نہیں بلایا بلکہ تمام نظام ہستی کے پروردگار کے حضور سربسجود ہونے کی دعوت دی۔ جس طرح اللہ تعالیٰ شہنشاہ مطلق ہے اسی طرح آپؐ رسول مطلق ہیں۔ باری تعالیٰ فرماتا ہے۔

(۱) وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا (۶۰)

"اور (اے نبی) ہم نے آپ کو تمام ہی انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔"

(۲) وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعٰلَمِينَ ۝ (۶۱)

"اور اے نبی ہم نے نہیں بھیجا تم کو مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت کے طور پر۔"

(۳) هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدٰى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ (۶۲)

"وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے پورے کے پورے دین پر غالب کر دے خواہ مشرکین کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو"۔

(۴) قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا (۶۳)

"(کہہ دیجیے اے نبی) لوگو میں رسول ہوں اللہ کا تم سب کی طرف"۔

رسالت مآبؐ نے آغاز ہی میں یہ ظاہر کر دیا تھا کہ آپؐ کے پیغام اور حکمت عملی کا تعلق تمام معمورہ ارض سے ہے۔

انی رسول اللہ الیکم خاصۃ والی الناس عامۃ (۶۴)

"میں خدا کا رسول ہوں نہ صرف عربوں کے لیے بلکہ انسانیت عامہ کے تمام افراد کے لیے"

بعثت الی الاحمر والاسود۔

"میں کالے اور گورے سب کی طرف بھیجا گیا ہوں"۔

ایک اور مقام پر فرمایا۔

وکان النبی یبعث الیٰ قومه خاصة وبعثت الی الناس عامة.

"پہلے ہر نبی خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اور میں تمام انسانوں کے لیے مبعوث ہوا ہوں"۔

آپؐ نے نہایت صراحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ: "زمین کی کنجیاں میرے ہاتھ میں دی گئی ہیں۔"

پھر ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین کو میرے قبضہ میں دے دیا ہے میری نگاہیں مشرق اور مغرب کے منطقوں پر پڑ چکی ہیں اور میری امت کی مملکت ان پر قائم ہوگی۔" (۶۵)

ایک دفعہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ: "میری پانچ خصوصیات تمام انبیاء سے ممیز ہیں۔ (۶۶) یعنی

اولاً: مہینہ بھر کی راہ تک میری مدد صرف رعب سے کی گئی ہے۔

ثانیاً: میرے لیے سارے زمین کو مسجد اور پاک بنائی گئی ہے۔ میری امت میں سے جس کسی کو جس جگہ نماز کا وقت آجائے وہ اس جگہ نماز پڑھ لے۔

ثالثاً: مجھ سے پہلے کسی نبی کے لیے غنیموں کا مال حلال نہیں کیا گیا تھا، میرے لیے غنیمتیں حلال کر دی گئی ہیں۔

رابعاً: مجھے شفاعت دی گئی۔

خامساً: ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔

نبی کریمؐ نے تمام انسانوں کو ایک کلمۂ توحید پر مرکوز ہونے کی دعوت دی چونکہ آپؐ خاتم المرسلین ہیں اس لیے آپؐ کی تعلیمات ابدی فضائل سے آراستہ کی گئی ہیں۔ چند قرنوں کے بعد دنیا جدید ٹیکنالوجی کی بدولت ایک وحدت میں مربوط ہونے والی تھی۔ اس وقت سے قبل ہی اسلام نے بین الاقوامیت کا نعرہ لگایا تاکہ بعد کے مادی دور کے ذہنی، نظریاتی، اخلاقی اور مقصدی اعتبار سے نوع انسانی کو ایک رشتے میں پرونا محال نہ ہو۔ آپؐ نے انسانیت کو اس کی قدر و منزلت کا پتہ دیا۔ آپؐ نے بین الاقوامی امور میں وہ رموز بتلائے کہ عصر حاضر کی تہذیب و تمدن نے بھی اس سے رہنمائی حاصل کی۔ اس کا اعتراف بعض مستشرقین نے بھی کیا ہے۔

آنحضرتؐ کی تعلیمات نے اکیس (۲۱) برس کی زندگی اور مدنی زندگی کے گیارہ (۱۱) برس کی مختصر سی مدت میں دنیا ہی بدل ڈالی۔ مٹی سے جوہر پیدا ہو گیا اور جوہر بھی وہ جسکی قیمت میں قیصر و کسریٰ کے شاہی تاج لگنے والے تھے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اب کسریٰ ہوگا نہ قیصر۔ آپؐ کی حیات طیبہ میں ہی بحر اسلام کی موجیں عرب کی پڑوسی سلطنتوں سے ٹکرانے لگیں۔

بعثت نبویؐ سے لے کر صلح حدیبیہ (۶ھ) تک قریب قریب جزیرہ نما عرب کا بیشتر حصہ حلقۂ بگوش اسلام ہو گیا۔ رسول اللہؐ کے ذمہ جو کام توحید کی اشاعت کا سونپا گیا تھا اس کے لیے ضروری تھا کہ سفارتی ادارہ کو زیادہ فعال اور منظم بنایا جائے۔ اسلام ایک آفاقی دین تھا، جس نے زمان و مکان کی حدود و قیود سے بالاتر ہو کر تمام انسانوں کی فلاح و سعادت کے لیے ایک جامع نظام حیات پیش کیا، اس نظام میں دعوت دین یا نظریہ کی اشاعت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ رسول اکرمؐ نے سفراء کے فرائض میں دعوت دین کے فریضہ کو سب سے زیادہ اہمیت دی ہے۔ ایک نظریاتی مملکت کے سفراء کی ذمہ داریاں بہت اہم ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے انتخاب اور تقرر کے موقع

پر حضور اکرم ﷺ اس چیز کا خاص خیال رکھتے تھے کہ وہ پکے مسلمان ہوں، دین کا وسیع علم رکھتے ہوں، اپنے افکار و خیالات کے اظہار کا اچھا خاصہ ملکہ حاصل ہو اور اپنی بات موثر اور مدلل انداز میں پیش کر سکیں، لوگوں کی نفسیات کو سمجھتے ہوں اور جس قوم یا جس ملک میں بحیثیت سفیر جا رہے ہوں، وہاں کے حالات اور ان کی زبان سمجھتے ہوں۔ ایک اچھے سفیر کے لیے ضروری اوصاف اور خوبیوں کا ذکر کتانی نے کیا ہے۔ اس کے مطابق ایک عمدہ سفیر کے لیے کم از کم چار اوصاف لازمی و ناگزیر ہیں۔ اعلیٰ فراست و ذہانت، عمدہ زبان و طرز ادا، جاذب نظر شخصیت اور علاقہ تقرری و ادائگی فرائض کی زبان پر قدرت، یہ وہ اوصاف تھے جو ایک اچھا سفیر بناتے تھے۔ اس کے علاوہ رسول کریم ﷺ موقعہ محل کی مناسبت سے مخصوص و موزوں شخص کا انتخاب کرتے تھے اور اس کی روانگی سے قبل حسب معمول اس کو ہدایت دیتے تھے کہ نرم اور اچھی گفتگو کریں، رحمت و نرم دلی کا مظاہرہ کریں، سختی اور سخت روی سے پرہیز کریں، آسانی پیدا کریں اور اختلاف و تصادم سے گریز کریں، خوشخبری سنائیں، نفرت و عداوت سے اجتناب کریں اور رحمت و اتفاق کا زور اپنائیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی خارجہ حکمت عملی کے تحت مختلف سفیروں کو مختلف اغراض و مقاصد کے لیے روانہ فرمایا۔ کچھ سفیر تبلیغ اسلام کے لیے بھیجے گئے تھے تو کچھ دوسرے صلح کے معاہدے کرنے کے لیے، کچھ نے دوسروں کو امان دی تھی تو کچھ اور نے بادشاہوں سے مسلم طبقات کی واپسی کی درخواست اور اپنے علاقہ یا ملک میں مقیم ایک مسلمان عورت سے امام کی شادی کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔

اسلامی ریاست میں کسی سفیر کی پہلی تقرری عسکری یا نیم عسکری مہموں کے دوران ہوئی تھی۔ ۳ھ/۶۲۵ء میں جب بنو نضیر کے غزوہ کے دوران رسول اکرم ﷺ نے حضرت محمد بن مسلمہ اوسی کو سفیر بنا کر بنو نضیر کے یہودیوں کے پاس اس غرض سے بھیجا تھا کہ وہ رسول اکرم ﷺ سے ان کے معاملہ میں آخری فیصلے سے آگاہ کر دیں۔ دو برس بعد جب مدینہ احزاب کے محاصرہ میں گھر چکا تھا تو تین مسلم سفیروں حضرت سعد بن معاذ اوسی، سعد بن عبادہ خزرجی اور عبداللہ بن رواحہ خزرجی کی تقرری ہوئی تھی۔ ان کو بنو قریظہ کے پاس بھیجا گیا تھا تا کہ ان کو ان کے عہد و معاہدہ یاد دلائیں جو انہوں نے اسلامی ریاست کے ساتھ کیا تھا اور ان کو احزاب میں شامل ہونے سے روکیں۔ صلح حدیبیہ کے دوران تین مسلمان سفیروں کو مکہ بھیجا گیا تھا۔ ان میں حضرت عثمانؓ بھی شامل تھے۔ قریش کی جانب سے بھی متعدد سفیر آئے تھے۔ صلح حدیبیہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے متعدد سفیروں کو جزیرہ نمائے عرب کے مختلف حصوں کے علاوہ بعض پڑوسی ممالک کے حکمرانوں کے پاس بھی بھیجا تھا۔

صلح حدیبیہ کے بعد اور اندرون عرب کی تمام قابل ذکر مزاحمتوں کے ختم ہو جانے کے بعد ایک مسئلہ تو ان علاقوں کا تھا جو ابھی تک ریاست نبویؐ کے مطیع نہ ہوئے تھے۔ دوسرا مسئلہ یہ تھا کہ بیرون عرب اسلام سے پیغام کو پہنچایا جائے اور وہاں بھی حاکمیت الٰہی کی طرح نو ڈالی جائے کہ یہ رسول اللہ کی بعثت کا واضح حصہ تھا۔ آپؐ نے بین الاقوامی معاملات کی درستی کے لیے ان سلاطین، امراء اور والیان ریاست کو دعوت اسلام دینے کا فیصلہ کیا جو حجاز کے متصل علاقوں پر حکومت کرتے تھے ان میں سے کچھ تو خود مختار تھے اور کچھ حکومت روم یا ایران کے باجگوار۔

ان ممالک میں شاہی نظام کی گرفت اتنی سخت تھی کہ عوام کی آزادی ان کے فرمانرواؤں کی نظر التفاف کا دوسرا نام تھا۔ ان فرمانرواؤں نے استقفوں اور مذہبی پیشواؤں کا تعاون حاصل کر کے انسانیت کو اپنے پاؤں تلے روندا۔ اسلام سرخ و سفید، کالے اور گورے کے امتیاز کو ختم

کرنے کے لیے آیا۔ اس نے بنی نوع انسان کے شاندار اور تابناک مستقبل کا مژدہ سنایا اور انسان کی زندگی کے اجتماعی، معاشرتی، سیاسی، ذہنی اور روحانی پہلوؤں کے متعلق اوامر و نواہی جاری کر کے آزادی، مساوات اور اخوت کا صحیح درس دیا۔ اس سے قبل عیسیٰ نے انسانی اخوت کا جو نظریہ پیش کیا گیا تھا اس کی اساس تھیوکریسی کے اس نظریہ پر تھی جو یہودیوں کے ہاں رائج تھا۔ اسی لیے ان کی تحریک کو ناکامی سے دوچار ہونا پڑا۔ وحدانیت کا پرچار اور عالمگیر اخوت کے نظریئے کا بول بالا کرنے کی خاطر رسالت مآبؐ نے ان حکمرانوں کو الناس علیٰ دین ملوکھم کے مصداق دعوت اسلام دی اور مختلف سربراہان ریاست کو "عظیم الروم"، "عظیم فارس"، "عظیم القبط" کہہ کے مخاطب فرمایا۔

ان سربراہان ریاست کو مکتوبات لکھتے وقت آنحضرتؐ نے ایسے بین الاقوامی آداب کو ملحوظ خاطر رکھا جن کو جدید سفارتی آداب میں شامل کیا گیا ہے۔ جو سفیر جس علاقے میں بھیجا گیا وہ وہاں کی زبان پر دسترس رکھتا تھا تاکہ اسے کسی قسم کی دشواری پیش نہ آئے۔ سفراء کو جو خطوط دیے گئے، ان پر بالترتیب اللہ، رسول اور محمدؐ کے الفاظ تین سطور میں لکھے جاتے تھے اس مقصد کے لیے آپؐ نے باہتمام خاص چاندی کی خاتم تیار کروائی جس کے نگینے میں یہ الفاظ منقش تھے۔ عرب میں خطوط پر مہر لگانے کا رواج سب سے پہلے حضور نبی کریمؐ سے ہی شروع ہوا (۶۷) خطوط میں یہ جملہ بطور خاص لکھوایا جاتا۔ "اَسْلِم تَسلَم" اسلام لاؤ، سلامتی پاؤ گے۔ آپ کی سیاسی بصیرت کا یہ عالم ہے کہ اس جملے کے یہ معنی بھی ہیں کہ اطاعت کرو تو سلامتی پاؤ گے اور بلاغت کا یہ بھی کمال ہے کہ اس میں ڈپلومیسی سے کام لیتے ہوئے دھمکی بھی مضمر ہے یعنی اگر نہ مانو گے تو پھر خیر نہیں۔ بعینہٖ فعلیک اثم المجوس یا اثم اھل القبط کے جملے میں لفظ اثم کا دوسرا مفہوم ہے مذہبی بھی اور سیاسی بھی۔ مذہبی اس لحاظ سے کہ تم پر قوم کا وبال عند اللہ ہوگا یا آخرت میں ہوگا۔ سیاسی اس اعتبار سے کہ تمہیں کیفر کردار سے دوچار ہونا پڑے گا۔ یہ جدید ڈپلومیسی کی ایک اعلیٰ ترین مثال ہے لیکن اس سے آپ کا مقصد (نعوذ باللہ) دھوکہ دہی نہ تھا بلکہ یہ آپ کی فصاحت و بلاغت کا کمال ہے کہ اس سے دو مفہوم لیے جا سکیں۔ پھر یہ امر بھی غور طلب ہے کہ یہ دونوں مفہوم اپنے دامن میں جو مقاصد رکھتے تھے ان کا حصول سیاسی و مذہبی دونوں نقطۂ نگاہ سے سوائے دائمی امن و سلامتی کے کچھ اور نہیں تھا۔

ان مکاتیب کی ترسیل سے گرد و نواح کے والیان ریاست پر یہ امر واضح ہو گیا کہ اب عرب پہلے کی طرح ایک لاوارث قطعۂ زمین نہیں ہے، بلکہ وہاں باقاعدہ ایک نظام پنپ رہا ہے، جس کے تحت ایک منظم حکومت قائم ہو چکی ہے۔

سفراء کی روانگی کے متعلق دو روایات ہیں۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ وہ ایک ہی دن یعنی یکم محرم الحرام ۷ھ بمطابق ۱۱ مئی ۶۲۸ء بروز بدھ مدینہ سے روانہ ہوئے اور بعض مورخین کے نزدیک ان کی روانگی مختلف اوقات میں عمل میں آئی۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ عیسائی فرمانرواؤں کو لکھے گئے خطوط میں یہ آیت خصوصی طور پر درج کی جاتی تھی (۶۸)

یا اھل الکتب تعالوا الیٰ کلمۃ سواء بیننا و بینکم الا نعبد الا اللہ و لا نشرک بہ شیأ و لا یتخذ بعضنا بعضاً اربابا من دون اللہ (۶۹)

"اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنا لے"۔

رسول اکرمؐ کے کوئی ڈھائی تین سو خطوط تاریخ کے اوراق پر محفوظ ہیں لیکن صحیح تعداد اس سے بہت زیادہ ہونا چاہیے کیونکہ آپ کی

مملکت دس لاکھ مربع میل کے وسیع و عریض رقبے پر پھیلی ہوئی تھی اور دس برس تک حکمرانی کے فرائض آپؐ ہی کو انجام دینے پڑتے تھے۔

(۷۰) آپؐ نے مقوقس کو جو مکتوب ارسال فرمایا وہ مصر کے کتب خانے میں اب تک اصلی حالت میں موجود ہے۔ اسی طرح قیصر روم کے نام آپ کا نامہ مبارک استنبول کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ روایات کے مطابق رسول اللہؐ نے صلح حدیبیہ کے بعد درج ذیل سفیروں کو اسلام کی دعوت کے لیے مختلف ممالک میں روانہ کیا تھا۔

(۱)	حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی کو	رومی شہنشاہ ہرقل کے پاس
(۲)	حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی کو	خسرو پرویز، ایران کے پاس
(۳)	حضرت عمرو بن امیہ ضمیری کو	نجاشی حبش اصحمہ کے پاس
(۴)	حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کو	مقوقس مصر کے پاس
(۵)	حضرت شجاع بن وھب اسری کو	ملک تخوم شام کے پاس

سیاسی طور پر ان سفارتوں کا مقصد یہ تھا کہ پڑوسی شاہان وقت کو اسلامی دعوت کے ساتھ ساتھ اسلامی ریاست کے ساتھ کسی قسم کی مفاہمت اور صلح کے لیے آمادہ کیا جائے تاکہ ایک طرف تو اسلام کی عالمگیر تبلیغ کا دروازہ کھلے تو دوسری طرف تصادم و جارحیت کے امکانات یا خطرات میں کمی پیدا ہو۔ نتیجتاً ان سفارتوں نے اپنے اپنے علاقہ کے حکمرانوں میں خیر سگالی اور دوستی کے جذبات پروان چڑھانے میں کافی موثر کردار ادا کیا تھا۔

ان کے علاوہ حضرت علا بن حضرمی، حضرت عمرو بن عاص سہمی اور حضرت مہاجر بن ابی امیہ مخزومی کو بالترتیب بحرین، عمان اور حمیر (یمن) بھیجا گیا تھا۔ ۹ھ / ۶۳۱ء۔ ۶۳۰ء کم از کم سات سفیروں کو جزیرہ نمائے عرب کے مختلف حکمرانوں اور قبیلوں کے پاس بھیجا گیا۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱)	حضرت نمیر بن خرشہ ثقفی	طائف کے قبیلوں کے پاس
(۲)	حضرت ظبیان بن مرثد سدوسی	قبیلہ بکر بن وائل کے پاس
(۳)	حضرت حارث بن عمیر ازدی	شاہ بصریٰ حارث بن عمیر غسانی کے پاس
(۴)	حضرت عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی	حمیر کے پاس
(۵)	حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی	اسقف نجران صغاطر الاسقف کے پاس
(۶)	حضرت علقمہ بن فغواء خزاعی	حضرت ابوسفیان بن حرب اموی کے پاس
(۷)	حضرت عمرو بن فغواء خزاعی	

= = = =

پہلی پانچ سفارتیں کلی طور پر سیاسی تھیں یا مذہبی یا دونوں مقاصد پیش نظر تھے جبکہ آخری دو سفیروں کو رسول اکرمؐ نے کچھ رقم دے کر بھیجا تھا تاکہ غریب قریشیوں میں اس کو تقسیم کر دیا جائے۔

حیات نبویؐ کے آخری برس مختلف علاقوں کو بھیجے جانے والے سفیروں کی تعداد سولہ تھی۔ غیر مسلم حکمرانوں اور قبیلوں کے پاس جو سفیر

بھیجے گئے ان کا مقصد متعلقہ علاقوں یا قبیلوں کو اسلامی ریاست کا مطیع بنانا یا ان سے حلیفی کرنا تھا۔ مسلم سرداروں کے پاس یا تو اس غرض سے سفیر بھیجے گئے تھے کہ ان سے ان کے اپنے قبیلہ یا پڑوس کے قبیلہ میں تبلیغ اسلام کا کام لیا جائے یا ان کے قبیلے کے باغیوں کی سرکوبی کے لیے ان کے مسلم طبقات کی حمایت اور مدد حاصل کی جائے۔ عموماً ایسی سفارتیں کامیاب ہوئیں۔ سوائے مسیلمہ کذاب اور شاہ بصریٰ کے نام کی سفارت کے۔ مسیلمہ کذاب نے مسلمان سفیر حضرت حبیب زید کو مار ڈالا جبکہ شاہ بصریٰ حارث بن عمیر غسانی نے سفیر نبوی حضرت حارث بن عمیر ازدی کو قتل کر دیا تھا۔ جس کے نتیجے میں اسلامی ریاست کو فوج کشی کرنی پڑی تھی۔ درج ذیل گوشوارہ سے سفیران نبوی ﷺ کی تفصیل کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

سفیر	علاقہ یا منزل	تاریخ تقرری	نوعیت
حضرت عمر بن خطابؓ	بدر/قریش مکہ	۲ھ/۶۲۳	لشکر قریش کو واپس مکہ جانے کا حکم پہنچایا
محمد بن مسلمہؓ	بنو نضیر	ذیقعدہ ۴ھ	یہودی قبیلہ کو اخراج کے فیصلہ نبویؐ سے آگاہ کرنا
نعیم بن مسعودؓ	غطفان۔ قریش/قریظہ	۵ھ/اپریل ۶۲۷	احزاب کے مختلف گروہوں سے گفتگو کے لیے
سعد بن معاذؓ	بنو قریظہ	= = = =	یہودی قبیلہ کو معاہدہ پر قائم رہنے کی یاددہانی
سعد بن عبادہؓ	= = = =	= = = =	= = = =
عبداللہ بن رواحہؓ	= = = =	= = = =	= = = =
خراش بن امیہؓ	قریش مکہ	ذیقعدہ ۶ھ/مارچ ۶۲۸	مسلمانوں کے مکہ میں داخلہ کی اجازت کے حصول کے لیے
عثمان بن عفانؓ	= = = =	= = = =	= = = =
علی بن ابی طالبؓ	= = = =	= = = =	صلح حدیبیہ کا معاہدہ طے کرنے کے لیے
دحیہ بن خلیفہؓ	قیصر روم ہرقل	محرم ۷ھ/مئی ۶۲۸	دعوت اسلام، معاہدہ صلح، دوستی
حاطب بن ابی بلتعہؓ	مقوقس مصر	= = = =	= = = =
عبداللہ بن حذافہ	کسرائے ایران خسرو پرویز	= = = =	= = = =
شجاع بن وہب	حارث بن ابی شمر شاہ تخوم شام	= = = =	= = = =
مہاجر بن ابی امیہ	شاہ یمن (حمیر)	= = = =	= = = =
سلیط بن عمرو	سردار یمامہ ہوذہ بن علی	= = = =	= = = =
عمرو بن امیہ	شیخ مکہ ابو سفیان اموی	= = = =	تحائف لے کر
= = = =	شاہ حبشہ نجاشی	= = = =	مسلمانوں کو لانے کے لیے دعوت
عمرو بن العاص	شاہان عمان جعفر و عبد	ذیقعدہ ۸ھ/فروری مارچ ۶۳۰ء	دعوت اسلام، معاہدہ صلح، دوستی

علاء بن حضرمی	شاہ بحرین منذر بن ساوی	= = = =	= = = =
حضرت ابوذر	شاہ عمان	= = = =	= = = =
علقمہ بن فغواء	شیخ مکہ ابوسفیان	۹ھ/۶۳۰ء	قریش کے غرباء کے لیے رقم لے کر
عمرو بن فغواء	= = = =	= = = =	= = = =
نمیر بن خرشہ	طائف ثقیف	= = = =	دعوت، معاہدہ صلح، دوستی
عثمان بن مرثد	بکر بن وائل	= = = =	= = = =
حارث بن عمیر	شاہ بصری شرجیل بن عمرو غسانی	= = = =	= = = =
عیاش بن ابی ربیعہ	شاہ حمیر (قوم)	= = = =	= = = =
دحیہ بن خلیفہ	معاطر الاسقف / نجران	= = = =	= = = =
وبر بن یحنس	ابنا ما یمن	۱۰-۱۱ھ/۶۳۱-۲ء	کی بغاوت کو کچلنے کا حکم لے کر
ابوعامر	حدود شام	= = = =	= = = =
قطن بن حارثہ	بنو کلیب / اور حلفاء	= = = =	= = = =
عمرو بن امیہ	مسیلمہ کذاب / یمامہ	= = = =	اس کے خط کا جواب
حبیب بن زید	= = = =	= = = =	= = = =
عبداللہ بن وہب	حضرت ثمامہ بن اثال	= = = =	دعوت، معاہدہ صلح، دوستی
فرات بن حیان عجلی	بنو عامر	= = = =	= = = =
صلصل بن شرحبیل	بنو صیدا / اسد بنی دیل	= = = =	مسیلمہ کی بغاوت کو کچلنے کا حکم لے کر
ضرار بن الازور	بنو حارثہ بنی قریظہ	= = = =	= = = =
عبداللہ بن موزع	قبائل یمن	= = = =	= = = =
عبداللہ بن بدیل بن ورقاء	= = = =	= = = =	= = = =
عبدالرحمن	ذوالکلاع، ذو ظلیم	= = = =	= = = =
جریر بن عبداللہ	ذو زود و ذو قرآن	= = = =	دعوت، صلح، دوستی
اقرع بن عبداللہ	جہیم	= = = =	= = = =
زیاد بن حنظلہ	ابح	= = = =	= = = =
نعیم بن مسعود		= = = =	= = = =

مکتوبات بھیجنے کی اس حکمت عملی نے نہایت دوررس اثرات مرتب کیے جزیرہ نما عرب کی ویوی ریاستوں میں اسلام کا پیغام پہنچا اور وہاں کے لوگوں کو یہ جاننے کا موقع ملا کہ عرب میں ایک انقلاب برپا ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور انسان کی مساوات کا علمبردار ہے۔ ان والیان ریاست میں سے کئی ایک نے اسلام کے دامن میں پناہ تلاش کی۔ اس کا ایک خوشگوار اثر یہ پڑا کہ ان کے عوام نے بھی ان کی تقلید کی جنھوں نے اسلام قبول نہ کیا اور داعی اسلامؐ کے متعلق مضحکہ خیز رویہ اختیار کیا وہ دراصل ان کی قوطیت اور رہبانیت کی بازگشت تھی جس نے ان کے ظلم و استبداد کی وجہ سے جنم لیا تھا ان کے خود ساختہ نظام کا خاتمہ ہونے والا تھا کہ استبدادیت کی حیات چند ساعتیں ہوتی ہیں۔ کسریٰ خود اپنے بیٹے کے ہاتھوں ہلاک ہوا، کسی انسان کا اس سے بڑھ کر عبرت ناک انجام کیا ہو سکتا ہے۔ درحقیقت جب اس نے گھمنڈ میں رسالت مآبؐ کے نامۂ مبارک کو چاک کیا تو آپؐ نے یہ خبر سن کر فرمایا: ''مزق ملکہ'' یعنی اس نے میرے خط کو چاک کر کے اصل میں اپنی ریاست کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ ان الفاظ میں کسریٰ کی قضا مضمر تھی کچھ ہی سالوں بعد ایران کی قدیم سلطنت عرب کے بدوؤں کے قدموں پر سجدہ ریز تھی۔ (۷۱)

بین الاقوامیت کے اس دور کے آغاز نے اندرونی سطح پر بھی استحکام پیدا کرنے میں مدد دی اسلامی ریاست کے مطمع نظر میں وسعت پیدا ہوئی۔ یہیں سے آپؐ نے اپنی ریاست کے لیے ان خطوط کا تعین کیا جو دراصل آپؐ کی نبوت کا مقصود تھا۔ جہاد فی سبیل اللہ کی شراب مسلمانوں کی گھٹی میں ڈال دی گئی۔ وہ فتح مکہ کے بعد کسی عیش و عشرت میں نہیں پڑے بلکہ اس جذبے کو مزید جلا ملی۔

ان سفارتوں کی روانگی سے آپؐ کے رفقاء کو سفارتی امور میں دسترس حاصل ہوئی۔ عظیم الشان درباروں میں جانے کا موقع ملا۔ اس طرح ان کو ان والیان ریاست اور ان کی رعیت کے متعلق بہت کچھ جاننے کا موقع ملا۔ آپؐ نے عام طور پر ایسے سفراء کا انتخاب کیا جو ان علاقوں کی زبان جانتے تھے جہاں ان کو بھیجا جا رہا تھا۔ اس طرح مسلمانوں میں دوسری زبانیں سیکھنے کا میلان پیدا ہوا۔ علم کی کئی راہیں ان پر کھلیں، آنے والے سالوں میں مسلمانوں نے دنیا بھر میں علم و فن کے جو چراغ روشن کیے ان کی روشنی سے غیروں نے بھی فیضان حاصل کیا۔

۱۰ھ کو تاریخ اسلام میں عام الوفود یعنی وفدوں کے سال کا مقام حاصل ہے۔ اس وقت تک تمام عرب ہدایت اسلام کے سرچشمے سے فیضیاب ہو چکا تھا۔ تمام منفی رجحانات کو تسخیر کرنے کے بعد اب اسلامی ریاست شہری ریاست کے اگلے مدرج، قومی ریاست میں قدم رکھ چکی تھی۔ قبائل کے ساتھ معاہدات کا سلسلہ جاری تھا اور سرکشوں کو میدان کارزار میں ہزیمت اٹھانا پڑی تھی۔ اسلامی ریاست میں اب غیر مسلم بھی شامل تھے جنھوں نے اسلامی سیادت کو قبول کر کے جزیہ دینا منظور کر لیا تھا اس سال عرب کے دور دراز گوشوں سے وفود مدینے آئے اور اسلام قبول کیا یہ دور فتح مکہ کے بعد کے تین سالوں ۸، ۹، ۱۰ھ پر پھیلا ہوا ہے۔ مختلف سیرت نگاروں میں وفود کی تعداد کے بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ ابن اسحاق نے صرف چندرہ وفود کا حال بیان کیا ہے جب کہ حافظ ابن قیم اور قسطلانی نے چونتیس وفود پر اکتفا کیا ہے۔ دمیاطی، مغلطائی اور زین الدین عراقی، ابن سعد کے ساتھ متفق ہیں جس نے ستر وفود کا تذکرہ کیا ہے سب سے بڑھ کر تعداد مصنف سیرت شامی نے بیان کی ہے جس کے خیال میں ایک سو چار وفود مدینہ آئے اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔ وفود کی کثرت کی بناء پر: يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا (۷۲) کا صحیح مفہوم ہمارے سامنے آ جاتا ہے، عام الوفود سے قبل بھی کچھ وفود مدینہ آئے تھے۔ بلا شبہ یہ آپؐ کی خارجہ حکمت عملی کی زبردست کامیابی تھی۔

﴾حواشی وحوالہ جات﴿

(۱) القرآن الحکیم سورہ بنی اسرائیل ۳۳
(۲) القرآن الحکیم سورہ یوسف ۳۹
(۳) القرآن الحکیم سورہ نوح ۔ ۳
(۴) القرآن الحکیم سورہ آل عمران ۔ ۱۰۳
(۵) القرآن الحکیم سورہ ابراہیم ۔ ۱
(۶) القرآن الحکیم سورہ القصص، آیت ۸۸
(۷) القرآن الحکیم سورۃ الصف، آیت ۹
(۸) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر/ محمد رسول اللہ، ترجمہ نذیر حق، نقوش، جلد ۲، ص ۵۳۳
(۹) القرآن ۵۵:۳۳
(۱۰) احمد بن حنبل، مسند احمد
(۱۱) کوثر نیازی، مولانا/ اسلام ہمارا دین، ص ۷۱ ۔ ۷۲
(۱۲) القرآن الحکیم سورۃ المائدہ ۔ ۱
(۱۳) القرآن الحکیم سورہ الاسراء ۔ ۷
(۱۴) القرآن الحکیم سورۃ الانفال ۔ ۷۲
(۱۵) القرآن الحکیم سورۃ الانفال ۵۸
(۱۶) القرآن الحکیم سورۃ الانفال ۶۱ ۔ ۶۲
(۱۷) القرآن الحکیم سورۃ النساء ۔ ۱
(۱۸) القرآن الحکیم سورۃ الممتحنہ ۸ ۔ ۹
(۱۹) القرآن الحکیم سورۃ تفسیر النساء ۔ ۷۵
(۲۰) الحدیث، الترمذی محمد بن عیسیٰ، جامع الترمذی، موسوعۃ الحدیث الشریف الکتب الستہ، دار السلام، ریاض ۲۰۰۰ء، ابواب الفتن، باب امر بالمعروف، رقم الحدیث ۲۱۶۹، ص ۱۸۲۹
(۲۱) رئیس احمد جعفری/ حضور بحیثیت سپہ سالار، ص ۸۸ ۔ ۸۹
(۲۲) القرآن الحکیم سورۃ الانفال ۔ ۶۰
(۲۳) القرآن الحکیم سورۃ النساء ۔ ۱۰۲
(۲۴) القرآن الحکیم سورۃ الحدید ۔ ۲۵
(۲۵) الحدیث، مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱۹۵۶ء، جلد ۱، ص ۳۸۲
(۲۶) محمد حمید اللہ ڈاکٹر، محمد رسول اللہ، نقوش جلد نمبر ۲، ص ۲۳۲
(۲۷) القرآن الحکیم سورۃ توبہ ۔ ۶۰
(۲۸) دیکھیے غزوۂ موتہ
(۲۹) محمد حمید اللہ ڈاکٹر، رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ص ۳۳۲
(۳۰) الحدیث، مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱۹۵۶ء، جلد ۱، ص ۳۱۵

(۳۱) طبقات ابن سعد، جلد اول، ص ۳۱۵

(۳۲) شبلی نعمانی، علامہ، سیرۃ النبیؐ، جلد اول، ص ۲۳۷۔۲۳۹

(۳۳) قاضی محمد سلیمان، سلمان، رحمۃ للعالمینؐ، جلد اول، ص ۵۸

(۳۴) ابن ہشام، جلد اول، ص ۳۳۹

(۳۵) دارالندوہ، مسجد حرام کے بالکل متصل واقع تھا اور اس کا دروازہ کعبہ کی طرف کھلتا تھا۔ یہ قصیٰ بن کلاب کا مکان تھا اور اہم امور پر مشوروں اور فیصلوں کی جگہ بھی۔

(۳۶) قاضی محمد سلیمان، سلمان، رحمۃ للعالمینؐ، جلد اول، ص ۸۴

(۳۷) ابن ہشام، جلد اول، ص ۵۳۰

(۳۸) نبی رحمتؐ، جلد اول، ص ۱۶۴

(۳۹) قرآن حکیم سورۃ الانفال ۳۰

(۴۰) حمید اللہ، ڈاکٹر، محمد رسول اللہؐ، ص ۵۹

(۴۱) شبلی نعمانی، علامہ، سیرۃ النبیؐ، جلد اول، ص ۲۶۱

(۴۲) صحیح بخاری، باب ہجرۃ النبی واصحابہ من المشرکین، ذکر ایام جاہلیۃ

(۴۳) قرآن حکیم ۱۷:۸۰

(۴۴) ابن ہشام، جلد اول، ص ۳۳۲/ زاد المعاد جلد دوم، ص ۱۲۶

(۴۵) ابن ہشام، جلد اول، ص ۵۳۱/ عیون الاثر جلد اول، ص ۱۷۹، بحوالہ سیرۃ المصطفیٰ، جلد اول، ص ۳۶۱، مولانا محمد ادریس کاندھلوی۔ ابن حاتم کی روایت میں ہے کہ جس کی تصحیح حاکم نے کی ہے کہ اس وقت جس جس کافر کے سر پر یہ خاک پڑی تھی وہ سب روز بدر ہلاک ہو گئے۔ بحوالہ مدارج النبوت جلد دوم، ص ۱۲۷، شیخ عبدالحق محدث دہلوی

(۴۶) زاد المعاد، جلد دوم، ص ۱۱۷، ابن الشیطلہ کا ذکر حافظ ابن قیم نے نہیں کیا۔

(۴۷) مناظر احسن گیلانی، النبی الخاتمؐ، ص ۸۴

(۴۸) یہ تاریخ سید امیر علی نے لکھی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

The Spirit of Islam p. 49

(۴۹) القرآن الحکیم النساء ۱۰۱

(۵۰) قرآن الحکیم سورۃ انفال ۲۷

(۵۱) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص ۲۷

(۵۲) ایضاً

(۵۳) ابوالکلام آزاد، مولانا، مرتبہ غلام رسول مہر، رسول رحمتؐ، ص ۲۱۲

(۵۴) قرآن حکیم ۲:۱۹۳؛ ۸:۴۰

(۵۵) قرآن حکیم ۲۲:۳۹۔۴۰۔ علامہ زرقانی کا خیال ہے کہ یہ آیت ۱۱ صفر ۲ھ میں نازل ہوئی (زرقانی جلد اول، ص ۳۸۷) جب کہ بعض کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ قتال کی آیت کا نزول ہجرت کے پہلے برس سے ہوا۔

(۵۶) ابن ہشام، جلد اول، ص ۳۹۷

(۵۷) نعیم صدیقی، محسن انسانیتؐ، ص ۲۹۹

(۵۸) سریہ کے لغوی معنی رات کو سیر کرنے کے ہیں۔ اہل سیر کی اصطلاح میں لشکر کا وہ ٹکڑا جسے دشمن کے مقابلے پر بھیجا گیا اسے سریہ کہتے ہیں۔ صاحب مواہب کا کہنا ہے کہ سریہ لشکر کا وہ ٹکڑا ہے جو لشکر سے جدا ہو کر جائے پھر اس لشکر میں لوٹ کر شامل ہو جائے اور ان کی تعداد سو سے پانچ سو ہو۔ اور اگر پانچ سو سے زیادہ ہو تو اسے "منسر" کہتے ہیں۔ اگر یہ تعداد آٹھ سو سے زیادہ ہو تو اسے "جیش" کہتے ہیں۔ اگر یہ چار ہزار سے زائد ہو تو "جحفل" اور لشکر عظیم کو "خمیس" کہتے ہیں۔ جس میں پانچ ٹکڑے ہوں یعنی مقدمہ، قلب، میمنہ، میسرہ اور ساقہ اور کتیبہ وہ لشکر ہے جو مجتمع ہو اور بکھرا ہوا نہ ہو۔ (مدارج النبوت جلد دوم ص ۱۳۱۔۱۳۲ شیخ عبدالحق محدث دہلوی)

(۵۹) بعض مورخین اور سیرت نگار، غزوہ خیبر اور غزوہ وادی القریٰ کو الگ الگ غزوات جان کر پوری تعداد ۲۸ بتاتے ہیں لیکن صحیح تعداد ۲۷ ہی ہے۔ اس لیے کہ جب خیبر اور وادی القریٰ کے واقعات ایک ہی سفر کے دوران پیش آئے تو پھر دونوں کو الگ الگ غزوات ماننے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہی۔
(سیرت ابن ہشام اردو مترجمہ شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی لاہور ۱۹۶۱ء، ص ۵۸۲/ طبقات ابن سعد جزو ثانی، ص ۲۷) اردو ترجمہ، مولانا عبداللہ عمادی، جامعہ عثمانیہ دکن، ۱۹۴۴ء، التنبیہ الاشراف، ص ۱۱۳/ مسعودی۔ ترجمہ مولانا عبداللہ عمادی، جامعہ عثمانیہ دکن، ۱۹۲۶ء)

(۶۰) القرآن الحکیم ۳۳:۲۸

(۶۱) القرآن الحکیم ۲۱:۱۰۷

(۶۲) القرآن الحکیم ۶۱:۹

(۶۳) القرآن الحکیم ۷:۱۵۸

(۶۴) تاریخ الکامل، ابن اثیر جلد ۲، ص ۲۲

(۶۵) مشکوٰۃ افضل سید المرسلین، ص ۵۱۲

(۶۶) بخاری و مسلم بحوالہ تفسیر ابن کثیر بسلسلہ تفسیر ۳۳:۲۸

(۶۷) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، جلد اول، ص ۳۱۹

(۶۸) قاضی محمد سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین، جلد اول، ص ۱۹۵

(۶۹) القرآن الحکیم ۳۰:۲۳

(۷۰) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، جلد اول، ص ۳۱۹

(۷۱) طبقات ابن سعد، حصہ دوم، ص ۳۶

(۷۲) القرآن الحکیم سورہ النصر ۲

باب دوم

﴿فصل پنجم﴾

رسول اکرم ﷺ کی امن پسندی اور بر ائے امن بقائے باہمی میں صلح حدیبیہ کی اہمیت

رسول اکرم ﷺ بحیثیت داعیٔ امن واخوت

بعثت نبویؐ سے قبل بالعموم اور ساتویں صدی عیسوی میں بالخصوص دنیا میں امن کی حالت انتہائی مخدوش تھی۔ انسان ہر شرف سے محروم، پستی وذلت کی آخری انتہا پہ کھڑا تھا۔ دنیا کے جو علاقے تہذیب وتمدن سے عاری مشہور ہیں، ان کی تو بات ہی کیا، وہ علاقے بھی جہاں کی تہذیب وتمدن کی ضوفشانیوں کا چرچا ہے، اس وقت انسانیت وآدمیت کے لیے موجب ننگ وعار تھے۔ انسانی اخوت بر بنائے انسانیت اور مساوات بر بنائے وحدت آدمیت کا چلنا اس عہد میں نہ تھا، دنیا میں ہر جگہ ہر خطے، ہر علاقے میں انسان طبقوں میں بٹا ہوا تھا۔ سماجی تقسیم کہاں نہیں تھی، اونچ نیچ، ذات پات، اشراف وغلام، ادنیٰ واعلیٰ پیمانے الگ، ان کی حیثیت ومرتبہ جدا، ان سے ہر جگہ امتیازی سلوک کیا جاتا تھا۔ روم، ہندوستان، ایران وعرب، ہر ملک، ہر خطے میں اخوت ومساوات بے معنی الفاظ تھے اور اقتدار واختیار، دولت وثروت کے آگے ہر شرف ہیچ تھا۔ خود غرضی وعیاشی، بغض وانتقام اور انانیت وشیطنیت کے عفریت، انسانیت کو ہر سمت سے ڈس رہے تھے۔(۱)

اس وقت کی دو متمدن اور طاقتور سلطنتیں روم وفارس باہم برسرپیکار تھیں اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے بڑی سے بڑی جنگ سے بھی گریز نہیں کرتی تھیں۔ بڑی طاقتوں کی یہ معرکہ آرائیاں انہی تک محدود نہ تھیں بلکہ ان میں ان کی حلیف اور سرحدی ریاستوں کو بھی ملوث ہونا پڑتا۔ اس طرح بڑی طاقتوں کی خانہ جنگی پورے عالمی امن کو تباہ کیے ہوئے تھی۔ یہی نہیں بلکہ خود ان ریاستوں کے اندر بھی امن وسلامتی کی فضا موجود نہ تھی کبھی سیاسی ابتری کی وجہ سے فتنہ وفساد پھیلتا، کبھی ہوس اقتدار کے سبب خونریزی ہوتی تو کبھی مذہبی تعصب کی بناء پر ایک طبقے کو تہہ وتیغ کیا جاتا۔ جزیرہ عرب کے رہنے والے قبائل اپنی معاشی ضروریات کے پیش نظر لوٹ مار کو اپنا پیشہ بنائے ہوئے تھے اور کاروانی راستوں کو پر خطر بنایا ہوا تھا۔ نیز معمولی معمولی جھگڑوں کی بناء پر باہم لڑائیوں سے باز نہ آتے تھے بلکہ لڑائیاں انتقام در انتقام طویل خونریز جنگوں میں بدل جاتیں۔ گویا فتنہ وفساد، ظلم وستم اور بدامنی کی فضا ہر خطے میں موجود تھی۔ ایسے پرآشوب حالات اور کرب ناک ذلتوں سے آدمی کو نکالنے والے اور حیات نو کا پیغام سنانے والے حزن ودرد، رحمۃ للعالمینؐ ہی تھے۔(۲)

حضور ختمی مرتبت ﷺ کی بعثت صرف مسلمانوں ہی کے لیے خیر وبرکت کا باعث نہیں بلکہ آپ ﷺ کی آمد تمام بنی نوع انسان کے لیے بے پایاں سعادت وکامرانی کا سبب ہوئی۔ حضور اکرم ﷺ کی آمد سے پہلے بھی نور خداوندی ضیا بار ہوتا رہا مگر یہ ضوفشانی

مختلف قبائل اور متفرق اقوام وملل کے محدود دائروں میں ہوتی تھی، ہر قبیلے اور ہر بستی کے لیے جداگانہ نبی تھے، بلکہ بعض اوقات ایک ہی قبیلے میں بیک وقت ایک سے زائد نبی بھی ہوتے تھے۔ دنیا کا نظام قبائل اور چھوٹی چھوٹی اقوام میں منقسم تھا اور عام انسانیت کا سرے سے کوئی تصور ہی نہ تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی بھیڑوں کی گلہ بانی پر مامور تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اس قوم کے داعی تھے جو کنعان کے علاقے سے ابھر رہی تھی اور سام بن نوح کے نسبی سلسلے سے تعلق رکھتی تھی، ان کا مقصد اس قوم کو فرعون کی غلامی سے نجات دلانا تھا۔ بین الاقوامیت کا تصور ان دنوں ناپید تھا۔ ابھی عالمگیر اجتماعیت کا تصور اس قدر وسیع نہ ہوا تھا کہ "انسانیت" کا جامہ اس پر زیب دیتا۔ علوم وفنون پر یونانی، ایرانی، چینی، مصری، ہندی تہذیبوں کی چھاپ تھی۔ اس لیے انسانیت کے ہمہ گیر تصور کا پیدا ہونا محال تھا۔ انسانیت کا کوئی تصور تھا تو انہی قوموں کے حوالے سے تھا، خود قبائل واقوام میں بھی ایک ترجیح یافتہ گروہ مختلف علوم وفنون پر قبضہ جمائے بیٹھا تھا اور قوم کے باقی ماندہ افراد گویا ان ترجیح یافتہ افراد کے لیے غلاموں کی حیثیت رکھتے تھے اس لیے تمام انسانی حقوق سے محروم تھے جملہ انسانی حقوق حکمراں طبقے کے لیے مخصوص ہوتے تھے اور عوام کے لیے کالانعام کا لقب استعمال ہوتا تھا جو دور شہنشاہیت تک مروج رہا۔ ہر قوم میں غلام ہوتے تھے جو انسانی حقوق سے بے بہرہ ہوتے اور انہیں انسان نہیں بلکہ نصف انسان سمجھا جاتا تھا۔ وہ بھی استحصالی مقاصد کی تکمیل کے لیے یورپ تک میں علمائے حیاتیات اسی کے قائل تھے۔

ایسے حالات میں انسانوں میں ایک آزاد معاشرے کا بنیادی تصور کیوں کر پیدا ہوتا۔ ایک ایسا ارفع واعلیٰ تصور جو جملہ بنی نوع انسان کو محیط ہو اور انہیں انسانی حقوق سے نوازتا ہو یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے پہلے جملہ مذاہب اور مکاتب فکر میں انسانیت کا مطلق تصور مفقود تھا جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے مطابق لاٹھی والے تو انسان تھے اور بقیہ سب انسان نما حیوان یا چوپایوں کا درجہ رکھتے تھے۔ بلاشبہ توریت اور انجیل میں بنی آدم کا ذکر ہے مگر بنی آدم سے مراد یا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار لیے جاتے ہیں یا حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد، وہ آدم جو صرف سامی نسل کا جداعلیٰ ہے توریت اور انجیل میں یہ تصور ہی نہیں کہ سب انسان خواہ وہ اسود (کالے) ہوں یا احمر (سرخ) ہوں، ابیض (سفید) ہوں یا اصفر (پیلے)، ایک ہی باپ کی اولاد ہیں، اس لیے یکساں حقوق رکھتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹوں سے مختلف نسلیں چلتی ہیں اسی لیے انہیں آدم ثانی کہا گیا ہے مگر اصولی طور پر کہیں نہیں آیا کہ سب انسان حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں، اگرچہ یہ اثر یہودیوں کی ایرانیوں سے مصاحبت کا نتیجہ ہے۔ ذات پات کی تفریق خالص آریائی نظریہ ہے، کیوں کہ آریائی فلسفۂ فکر میں انسانی مساوات اور ہم اجدادیت کا تصور ہی نہیں، اگر ہے بھی تو کوئی قوم جداعلیٰ کے پاؤں سے اور کوئی قوم اس کے پیٹ سے اور کوئی قوم اس کے بازوؤں سے اور کوئی قوم اس کے سر سے پیدا ہوئی۔ اسی کو ورن آشرم کہا جاتا ہے یہ نبی کریم ﷺ کی تعلیم کا فیضان تھا جس نے ساری انسانیت کو ایک ہی شخص کی نسل قرار دیا اور برملا کہا کہ کوئی انسان سوائے تقویٰ کے کسی پر فوقیت کا حق نہیں رکھتا۔ اصولی طور پر سب برابر ہیں اور کوئی شخص محض اس وجہ سے فضیلت کا حق دار نہیں کہ وہ ایک خاص نسل سے ہے، یا فلاں کی اولاد سے ہے۔ انسانی وحدت کا یہ ایسا مکمل تصور ہے کہ اس سے کم یا زیادہ وجود میں آنا ممکن نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود اپنی ذات کو بھی اس

ہمہ گیر تصور سے مستثنٰی یا بالاتر قرار نہیں دیا اور واضح الفاظ میں فرمایا کہ میں بھی آدمؑ کی اولاد ہوں اب رہتی دنیا تک کوئی نبی یا رسول پیدا نہیں ہوگا جو انسانیت کی ایسی مکمل و مستقل تعریف پیش کرے خالق ارض و سمانے انسانیت کے لیے اپنے دین کی رو سے تخلیق انسانیت کا حقیقی نظریہ پیش کر دیا ہے اور یہی نظریہ اسلام کا اصل اصول ہے۔

حکیم الامت علامہ ڈاکٹر محمد اقبال نے اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''اسلام سے بڑھ کر انسان دوستی اور وسیع المشربی ہے کہاں؟ اسلام ہی نے پہلے وحدت انسانی پر زور دیا، اسلام ہی نے اخلاقی اور اجتماعی، ہر اعتبار سے اس کا کامل و مکمل تصور قائم کیا۔ لہٰذا امت محمد ﷺ کی تشکیل ہوئی اور یہ سب امتیازات باطل سے جو انسان اور انسان میں حائل اور اس کی وحدت کے منافی ہیں اور جنہیں اقوام امم کا جداگانہ تشخص اور طریق زندگی کی آڑ میں اب پھر سر اٹھایا ہے جب تک یہ امتیازات اور گروہ بندیاں قائم ہیں، نہ انسان دوستی اور وسیع المشربی میں کوئی معنی پیدا ہوں گے نہ افراد و اقوام کے اندر اس خالص ضمیر کی تخلیق ہو سکتی ہے جس سے اس کا مستقبل وابستہ ہے اس کی تخلیق ہوگی اور دنیا فی الواقع انسان دوستی اور وسیع المشربی کا اختیار کرے گی تو اس اجتماعی عمل کے بدولت جس کی تکمیل کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ ہے شریعت اسلامی کا اتباع۔''

معاشرتی انداز میں یہ سوچا جائے تو اسلام نے حاکم و محکوم اور آمر و مامور کی تخصیص بھی ختم کر دی ہے مگر ایک ایسا معاشرہ وجود میں لایا گیا ہے جن میں کوئی کام مشاورت کے بغیر طے نہیں پا سکتا، جس میں نہ کوئی چھوٹا ہے نہ بڑا۔ ہر فرد معاشرہ کو مشورے کا ناقابل انتقال حق دیا گیا ہے، بشرطیکہ یہ مشورہ قوانین خداوندی سے متعارض نہ ہو اور یہ قوانین خداوندی دراصل فطرت انسانی کا دوسرا نام ہے اللہ تعالیٰ کا کوئی قانون ایسا نہیں جو فطرت انسانی کے خلاف ہو۔ ان قوانین کی متابعت کرنے میں ہر انسان اپنی ہی فطرت کے مطابق عمل کرتا ہوا محسوس کرتا ہے گویا اتباع شریعت میں بھی انسانی محکومیت کا کوئی شائبہ موجود نہیں۔

علاوہ ازیں نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت سے متعلق خیر و برکت کی جو جو پیش گوئیاں کی گئیں تھیں وہ بھی دراصل مظلوم دنیا کی دادرسی کی علامت ہیں۔ حضور ﷺ کی ولادت کی برکت سے بارشیں مناسب انداز میں ہوئیں، پھل کثرت سے پیدا ہوئے اور فضائیں معطر و منور ہو گئیں۔ حضور ﷺ پر نور کی ولادت کی منظر کشیوں اور ماحول نمائیوں کا یہ منظر غائر مطالعہ کیا جائے تو صوری و معنوی انداز میں یہ ساری نشانیاں ایک خوش حال، فارغ البال، حسین و جمیل دنیا کا نقشہ پیش کرتی ہیں اور صاف نظر آ رہا ہے کہ اس مسعود و مولود کی برکت دنیا میں جہل کی تاریکی علم و عرفان کے نور سے بدل جائے گی۔ پیداوار میں معتدبہ اضافہ ہوگا موسمی حالات نہایت خوش گوار اور دل آویز ہو جائیں گے۔ آسمان ستاروں سے چمک اٹھے گا۔ کسریٰ کے محل کے کنگروں کا گرنا، آتش کدوں کا سرد ہو جانا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب اس بات کی علامات ہیں کہ حضور ﷺ کی انسانی تحریک سے ایک ایسا نور پھوٹے گا جس سے کائنات کی ساری ظلمت چھٹ جائے گی اور انسان اس تحریک علم سے اتنا فیض یاب ہوگا کہ زمین و آسمان کی تمام قوتوں کو اپنے تصور میں لا کر انہیں انسانیت کی خدمت کے لیے وقف کر دے گا۔ انسانیت پوری آزادی کے ساتھ اپنے ارتقائی مراحل طے کرتی چلی جائے گی۔ امن، چین اور صلح کا دور دورہ ہوگا اور بالآخر ایک ایسا فلاحی معاشرہ قائم ہوگا جو مثالی ہوگا اور ساری کائنات اپنے رب کے نور سے چمک اٹھے گی۔ (۳)

قرآن حکیم نے اس حقیقت کو اس انداز سے پیش کیا ہے کہ: (۴)

"اور کہہ دیجئے کہ سچ آیا اور جھوٹ چھٹ گیا۔ بے شک جھوٹ مٹنے کو ہے۔"

اسلام کا سلسلہ خود حضرت آدم علیہ السلام سے جاری ہوا اور محمد رسول اللہ ﷺ پر دین مکمل ہوا اور اس طرح سے رسولوں کا سلسلہ بھی خاتم النبیین پر مکمل ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کی ذات عالی صفات کو اللہ تعالیٰ اور امت مسلمہ کے لیے عظیم اور عالمین کے لیے رحمت فرمایا۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کے کلام سے ہی معلوم ہو جاتی ہے۔ (۵)

"تحقیق اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر احسان فرمایا ہے جو انہیں میں سے ایک رسول بھیجا۔ وہ ان پر آیات پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے۔ انہیں کتاب اور دانائی کی بات سکھاتا ہے اور وہ (لوگ) تو اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔" (۶)

معلم کتاب و حکمت نبی کریم ﷺ نے اپنی تعلیم و تربیت اور عمل کے ذریعے نہ صرف قیام امن کی ترغیب دی اور دہشت گردی سے باز رہنے کا پیغام دیا بلکہ ہر شخص کو اللہ کی زمین سے ظلم و استبداد، جبر و کرہ اور بدامنی کے خاتمے کا ذمہ دار قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ نے اللہ کے بندوں کو اللہ کا پیغام پہنچاتے ہوئے فرمایا!

"اللہ کے دیے ہوئے رزق سے کھاؤ اور پیو اور زمین میں فساد برپا نہ کرتے پھرو۔" (۶)

ایک اور موقع پر فرمایا گیا:

"بلاشبہ، ان لوگوں کی سزا، جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ ہے کہ انہیں قتل کیا جائے یا سولی دیا جائے یا ان کے ہاتھ اور پیر مختلف اطراف سے کاٹ دیے جائیں، اور وہ جلاوطن کر دیے جائیں، یہ تو دنیا میں ان کی ذلت و خواری ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا ہی عذاب ہے۔ (۷)

جب کہ ایک اور موقع پر فرمایا گیا:

"اور اللہ کی دی ہوئی نعمتوں سے، اپنی آخرت بناؤ، اور دنیا سے اپنے حصے کو فراموش نہ کرو (غریبوں، کم زوروں پر) احسان کیا کرو، جیسے اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا ہے اور ملک میں فتنہ فساد برپا کرنے کی خواہش نہ کیا کرو، بے شک اللہ فساد برپا کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔" (۸)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اپنے بھائی کی مدد کرو، چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو۔" کسی نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ میں مظلوم کی مدد کرتا ہوں لیکن ظالم کی مدد کیسے کروں، آپ ﷺ نے فرمایا ظالم کو ظلم سے روکو، یہی ظالم کی مدد کرنا ہے۔ (۹)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ نبی رحمت ﷺ کا ارشاد ہے کہ "رحمٰن، رحم کرنے والوں پر رحم فرماتا ہے، پس تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔"

ذرا غور فرمایئے اور سوچئے کہ کیا ماضی یا حال میں کوئی قائد نظر آتا ہے جس نے اس تاکید کے ساتھ قیام امن اور انسداد دہشت گردی کی تعلیم دی ہو، آپ کا جواب نفی میں ہوگا کہ ایسی تعلیم وہ لیڈر دے ہی نہیں سکتا جو سیاسی شہرت، عزت اور دولت کا بھوکا ہو!

جب کہ آفاقی پیغام پہنچانے والے معلم کامل ذاتی اغراض وخواہشات سے مبرا ہیں۔ وہ صرف انسانیت کے ہم درد ہیں، لوگوں کی پریشانیاں ان کے لیے پریشانی کا سبب ہوتی ہیں۔ وہ صرف انسانوں کی بھلائی کے خواہاں ہیں، بالخصوص امت مسلمہ کے لیے نہایت ہی ہم درد اور مہربان ہیں۔ رحمٰن ورحیم اللہ، فتنہ وفساد کو ہرگز پسند نہیں فرماتا، وہ ہرگز نہیں چاہتا کہ اس کا لگایا ہوا چمن کوئی اجاڑے، وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے بندوں کو ظلم وستم سے کوئی اپنا غلام بنائے، وہ نہیں چاہتا تھا کہ انتہا پسند اور دہشت گرد، اس کی زمین کو اس کے بندوں کے لیے جہنم بنادیں، اس نے اس دنیا کو حقیقی جنت کا نمونہ بنایا ہے، پس وہ پسند فرماتا ہے کہ یہاں کے باسی حتیٰ کہ جانور بھی پرسکون زندگی بسر کرسکیں، پس اس نے مخصوص بندوں کو منصب نبوت ورسالت عطا فرما کر مبعوث فرمایا، تاکہ وہ اپنی امتوں کو انسانی اقدار سے روشناس کرائیں۔ امن شکنی، دہشت گردی اور انتہا پسندی کی دلدل سے نکال کر باعزت و باوقار قوم بنائیں۔ امن وامان کی زندگی بسر کرنے کا ڈھنگ سکھائیں، لہٰذا جملہ انبیاء اور مرسلین نے صلح وآشتی کا پیغام دیا، مظلوموں کی مدد کی اور ظالموں کو نیست ونابود کیا۔ بلاشبہ بحیثیت آخری نبی محمد ﷺ کی تعلیمات دائمی ہیں۔ ان کے عطا کردہ اصول زندگی پر ہر ملک، ہر قوم اور ہر دور کے لیے تھیں۔ رب العالمین نے انہیں رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا، پس ان کی تعلیم و تربیت مخلوق کے لیے ذریعہ رحمت ہے۔ ان کا پیغام، پیغام رحمت ہے۔ پیغام امن وامان ہے، ان کے احکام اور ان کی تعلیم سکون وطمانیت کی ضمانت ہے ذریعہ عزت وعظمت ہے۔ اس حقیقت کے ثبوت کے لیے سیرت طیبہؐ پوری دنیا کے لیے پیغام امن وسلامتی ہے۔(۱۰)

نبی کریم ﷺ نے کفار مکہ کی جانب سے پہنچائی جانے والی تکالیف ومصائب کا مقابلہ بڑی استقامت سے کی اور صحابہ کرامؓ کو بھی صبر کی تاکید فرمائی۔ کفار مکہ جس بے رحمی سے آپ ﷺ کے ساتھ پیش آئے اس کی نظیر ملنا مشکل سے ملے گی۔ اذیت رسانی کا یہ سلسلہ حضور ﷺ کے پیارے چچا حضرت ابوطالب کی وفات کے بعد تو اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ رسول اللہ ﷺ طائف تشریف لے گئے اور جب وہاں آپ ﷺ نے ایمان لانے کی دعوت دی تو نہ صرف یہ کہ اہل طائف اور سرداران طائف نے انکار کردیا بلکہ بدسلوکی کی بھی انتہا کردی۔ نبی اکرم ﷺ پر جب آپ ﷺ طائف چھوڑنے لگے تو پتھروں کی بارش کردی گئی۔ آپ ﷺ شدید زخمی ہوئے، نعلین مبارک خون سے بھر گئے۔ آپ ﷺ ایک پتھر پر بیٹھ گئے اور اللہ کی رحمت کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ کی دعا کے اختتام پر حضرت جبرائیلؑ حاضر ہوئے اور عرض کیا: "اگر آپ ﷺ حکم دیں تو وادی طائف کے دونوں اطراف کے پہاڑوں کو اس طرح یکجا کردیا جائے کہ درمیان میں رہنے والا ہر ذی روح نیست ونابود ہوجائے" جواب میں رحمۃ للعالمین نے فرمایا: "نہیں۔ اگرچہ یہ لوگ آج اسلام قبول نہیں کر رہے ہیں لیکن میں پرامید ہوں کہ ان کی آئندہ نسلیں ایمان لے آئیں گی۔" تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو فرماتا ہے۔ "ہم نے آپ ﷺ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے۔"

رسول اللہ ﷺ کیونکہ رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجے گئے تھے لہٰذا بارہا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ ہدایت دی کہ درگزر کریں ان کے ساتھ جو بدزبانی اور ایذارسانی کرتے ہیں۔"

"عادت کر درگزر کی اور حکم کر نیکی کرنے کا۔"(۱۱)

سورہ توبہ کی آیت ۶۱ ارشاد ربانی ہے۔

"یقین رکھتا ہے اللہ پر، یقین کرتا ہے مسلمان کی بات کا اور رحمت ہے ایمان والوں کے حق میں۔"

قرآن حکیم کی آیات اس بات کی تصدیق کرتی ہیں کہ رحم (۱۲) ایک ایسی صفت ہے جو رسول اکرم ﷺ کے دل کے قریب ترین ہے۔

"سو کچھ اللہ ہی کی رحمت ہے جو تم نرم دل مل گئے ان کو اور اگر تم ہوتے تند خو سخت دل تو متفرق ہو جاتے تمہارے پاس سے" (۱۳)

آگے اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کی بارے میں فرماتا ہے:

"ایمان والوں پر نہایت شفیق و مہربان ہیں۔" (۱۴)

رحم کے حوالہ سے نبی اکرم ﷺ کی بے شمار احادیث مبارکہ و روایات ہیں۔ مثلاً

☆ جو رحم کرتے ہیں دوسروں پر اللہ رحمٰن رحیم ان پر رحم فرماتا ہے۔

☆ رحم کرو آپس میں تا کہ وہ جو آسمانوں میں ہے تم پر رحم فرمائے۔"

تجھ کو جو ہم نے بھیجا ہے سو مہربانی کر اور جہاں کے لوگوں پر (۱۵)

عبداللہ بن یوسف علی نے لکھا ہے کہ آیت کے نزول کے بعد از روئے منطق بھی کوئی جواز نہیں رہتا کہ اسلام کا یہ پیغام کسی خاص خاندان کی منتخب قوم یا آل ابراہیم یا آل داؤد یا ہندو، آریا، یہود، عرب یا عجم، ترک، منگولین، افریقن، امریکن وغیرہ کے لیے مخصوص و محدود ہے۔ یہ صفت تمام بنی نوع انسان اور خلقت کے لیے یکساں نافذ العمل ہے۔

اہل عرب میں دور جاہلیت و بت پرستی کے دوران عام رواج تھا کہ ان میں سے جب کوئی مر جاتا تھا تو اس کے تمام مویشی مرنے والے کے مقبرے کے ساتھ باندھ دیے جاتے تھے کہ وہ بھی اسی کے ساتھ مر جائیں۔ اسلام نے یہ ذمہ داری عائد کہ جانوروں کے ساتھ اچھا سلوک اور رحم کا معاملہ کیا جائے۔ اس اسلامی تصور و قانون نے تمام دنیا پر حقیقت آشکار کر دی کہ رحم صرف انسانوں پر ہی نہیں بلکہ جانوروں پر بھی کیا جانا لازم ہے۔ (۱۶)

زمانہ جاہلیت میں انسانی جان کی قدر و قیمت باقی نہیں رہی تھی۔ خود انسان کے ہاتھوں انسانی ہلاکت نے انسانوں کے خون کو اتنا سستا کر دیا تھا کہ جنگ و جدل کے علاوہ انسانی حقوق کو کھیل سمجھا جانے لگا۔ دنیا میں انسانی لڑائی کی ابتداء کتنی ہی مجبوری کی حالت میں ہوئی لیکن اس کا اثر انسانی زندگی پر بہت برا پڑا اور جب ایک انسان کی نظر میں انسانی جان کی کوئی وقعت ہی باقی نہیں رہی تو صرف غیر کی جان لینا ایک معمولی بات سمجھا گیا، بلکہ خود اپنی جان کو ہلاک کرنا اور خودکشی کر کے مر جانا بھی دنیا کے نزدیک کوئی معیوب امر نہیں سمجھا گیا اور انسانی قتل ایک ایسا کھیل بن کر رہ گیا ہے۔ جو کسی معقول وجہ کے بغیر بھی کھیلا جانے لگا۔ افلاس سے پریشان ہو کر خودکشی کرنا، لڑکوں اور لڑکیوں کو قتل کر دینا، بیوہ عورت کو مردہ خاوند کے ساتھ اور غلاموں کو دوستوں کی تفریح کے لیے آگ میں جلانا، بتوں کی نذر و نیاز کے لیے غلاموں کو ذبح کرنا، نمود و نمائش اور بہادری کے لیے کسی کو بھی تباہ و برباد کر دینا، ایک قبیلہ کا دوسرے قبیلہ پر صرف برتری حاصل کرنے کے لیے جنگ کرنا۔

جنگ کے ہولناک طریقے صرف دنیا کی غیر مہذب اور وحشی قوموں ہی میں نہ تھے بلکہ جو قومیں تہذیب یافتہ کہلاتی تھیں، ان

میں اس سے بھی زیادہ اپنے دشمن کی ذلت کا سامان پایا جاتا تھا، وحشت اور بربریت کے ان دل گداز واقعات کے ساتھ تہذیب یافتہ قوموں کے دور میں انسان کو تباہ و برباد کرنے کے لیے طریقے ایجاد کیے گئے، زیادہ دور نہ جایئے صرف دو ڈھائی ہزار سال پہلے کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے اور روم و ایران کی لڑائیوں کا حال دیکھا جائے، جو اس زمانے میں ہوئیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان لڑائیوں میں ان تمام درندگیوں اور سفاکیوں کے علاوہ جن کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے اور بھی باتیں ایسی ہوتی تھیں جن سے روح انسان لرز جاتی ہے۔ ان لڑائیوں میں ایک دوسرے کے مذہبی جذبات و احساسات کے ساتھ وحشیانہ سلوک کیا جاتا تھا۔ عبادت خانوں کو آگ لگائی جاتی تھی، عبادت خانوں کے خدمت گزاروں اور مجاوروں کو قتل کیا جاتا تھا اور عبادت خانہ کی خدمت گزار لڑکیوں کی عصمت دری کی جاتی تھی۔ زندہ انسانوں کی کھال کھینچا کر اس میں بھس بھرا جاتا تھا، سفیر جن کا کام محض نامہ و پیغام پہنچانا ہوتا تھا، اس دور میں ان تک کو قتل کیا جاتا تھا یا زہر دے کر مروا دیا جاتا تھا۔

اس زمانہ میں جنگ کا مفہوم ہی یہ تھا کہ وہ قتل و غارت گری، شقاوت و سنگ دلی، وحشت و بربریت، درندگی و سفاکی، لوٹ مار، آشفتگی اور بے رحمی کا مجموعہ ہو۔ یہ تمام باتیں جنگ کے معنی میں اس طرح شامل ہوگئی تھیں کہ کوئی انسان مشکل ہی سے اس جنگ کا تصور کرسکتا تھا، جس میں لوٹ مار اور قتل عام اور آتش زنی نہ ہو یا جس میں عورتوں اور بچوں، بوڑھوں اور بیماروں کو قتل نہ کیا جاتا ہو، یا جس میں دوسرے کو غلام بنانے اور ان کی عبادت گاہوں کو خراب کرنے کی خواہش نہ ہو۔ کسی ایسی جنگ کا جو اخلاقی حدود کی پابندی کے ساتھ لڑی جائے تصور کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہوگیا تھا۔ (۱۷)

اس امر سے انکار نہیں ہوسکتا کہ ہر زمانے میں لوگوں نے لڑائی کے متعلق کچھ قانون اور قواعد بنائے، ہر تہذیب کے دور میں جنگی اصلاحات پر غور کیا گیا تاہم وہ سب درندگی پر مبنی تھیں اور اسلام نے جنگ کا جو طریقہ کار بیان کیا وہ کسی دوسرے کو نصیب نہ ہوسکا۔ زمانہ قبل از اسلام میں قیدیوں کے جسم میں سوراخ کرکے اس میں رسی یا ڈوری ڈال کر باندھ دیا جاتا تھا۔ قیدیوں کو قتل کردیا جاتا، انہیں بھوکا مارا جاتا، ان پر طرح طرح کے مظالم ڈھا کر آہستہ آہستہ جان نکالی جاتی تھی، درختوں سے باندھ کر ستم کا نشانہ بنایا جاتا تھا، سولی پر چڑھا کر تو آموز تیر اندازوں کے سپرد کردیا جاتا تھا۔

لیکن اسلام کے بعد جب مختلف غزوات میں ناحق خون بہانے والے کفار و مشرکین مکہ جب قید ہو کر دربار محسن انسانیتؐ میں آئے تو رحمۃ اللعالمینؐ نے قیدیوں کو مہمانوں کی حیثیت دی اور صحابہؓ کو حکم دیا جو خود کھاؤ، وہی ان کو کھلاؤ۔ پیغمبر ﷺ نے حاکم و محکوم کی مساوات کا نظریہ پیش کیا، آنحضرت ﷺ نے خود ہی اپنی ذات کے خلاف ٹارٹ اور دیوانی دونوں قسم کے مقدمات سنے اور مدعیوں کے حق میں فیصلے صادر کیے۔ (۱۸)

۱۷ رمضان ۲ھ غزوہ بدر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی صفیں درست فرمائیں۔ صف کی درستگی کے دوران ایک عجیب واقعہ پیش آیا، آپ کے ہاتھ میں ایک تیر تھا جس کے ذریعہ آپ صف سیدھی فرما رہے تھے کہ سوادؓ بن غزیہ نامی صحابی کا پیٹ پر جو صف سے کچھ آگے نکلے ہوئے تھے تیر کا دباؤ ڈالتے ہوئے فرمایا برابر ہو جاؤ، سوادؓ نے کہا! اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ نے مجھے تکلیف پہنچادی بدلہ دیجیے، آپ ﷺ نے اپنا پیٹ کھول دیا اور فرمایا بدلہ لے لو، سوادؓ آپ ﷺ کے پیٹ سے چمٹ گئے اور آپ

ﷺ کے پیٹ کا بوسہ لینے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسود! تمہیں اس حرکت پر کس نے آمادہ کیا؟ انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ جو کچھ درپیش ہے آپ ﷺ دیکھ رہے ہیں میں نے چاہا کہ اس موقع پر آپ ﷺ سے آخری سابقہ یہ ہو کہ میری جلد آپ ﷺ کی جلد سے چھو جائے۔ اس پر رسول اکرم ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی۔ (۱۹)

ایک موقع پر رسالت مآب ﷺ صحابہ کو مال تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک آدمی آیا اور حرص کے مارے آنحضرت ﷺ پر ٹوٹ پڑا، آپ ﷺ کے ہاتھ میں کھجور کی چھڑی تھی، آپ ﷺ نے اس سے کونچ دیا جس کی وجہ سے اس کے چہرہ پر معمولی زخم آ گیا۔ آپ ﷺ نے دیکھا تو اسی وقت فرمایا کہ آؤ اور مجھ سے قصاص لو، لیکن اس نے کہا یا رسول اللہؐ میں نے معاف کر دیا۔

''مصنف عبدالرزاق'' میں روایت ہے کہ رسالت مآب ﷺ نے اپنے آخری ایام میں لوگوں سے ارشاد فرمایا! اگر میں نے کسی کی عزت و ناموس پر حرف گیری کی ہو تو وہ میری عزت و ناموس سے بدلہ لے لے، اگر میں نے کسی کی کمر پر ضرب لگائی ہو تو وہ میری کمر پر ضرب لگا کر بدلہ لے لے، اور جب کسی سے میں نے مال لیا ہے تو میرے مال سے لے لے۔

انسانیت کے محسن اعظم سید عرب و عجم حضرت محمد ﷺ نے عالم انسانیت کو عدل و انصاف کا یہ مثالی نظریہ تاریخ انسانی کے اس دور میں فرمایا جب شاہانہ حکومتوں میں بادشاہ اور شاہی خاندان کے افراد کی زد سے مستثنیٰ تصور کیے جاتے تھے، مگر عدل مصطفوی کا یہ عالم تھا کہ ہر قانون الٰہی کی تعمیل کا اصل نمونہ اس کا رسولؐ اور اہل بیت رسول تھے۔ (۲۰)

عصر حاضر میں جب سیاسی اور مذہبی مفاد سے ہٹ کر علمی و تحقیقی سطح پر دنیائے کفر کا رابطہ اسلام اور دنیائے اسلام سے ہوا تو پیغمبر اسلام کی عظمت کے اعتراف میں آپ ﷺ کی ذات سے عقیدت کا اظہار کے جذبے نے یہاں کے محققین اور دانش وروں کی تحریروں اور تقریروں کو بھی تعصبات کی زنجیروں سے رہائی دلائی۔

وہ یورپی مفکرین جنہوں نے مذہبی تعصب کی اندھی عینک کو اتار کر رحمۃ اللعالمین محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کیا وہ آپ ﷺ کی عظمت میں رطب اللسان نظر آئے ہیں۔ ڈاکٹر لوتھرا پنی تصنیف جدید دنیائے اسلام میں لکھتے ہیں!

نپولین بونا پارٹ نے کہا کہ ''اپنی قوم کو وجود باری تعالیٰ کا سبق خود حضرت موسیٰؑ نے دیا، حضرت عیسیٰؑ نے سلطنت روم میں اور قدیم براعظموں میں، حضرت محمدؐ نے بھی اعلان کیا مگر عرب بڑے ہی بت پرست تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چھ سو سال بعد ابراہیم و اسماعیلؑ اور موسیٰؑ و عیسیٰؑ کی تعلیمات کو جب لوگ بھول گئے تو محمد ﷺ نے انہی مقام کبریا پھر یاد دلایا۔ محمد ﷺ کی ذات ایک مرکز ثقل تھی جس کی طرف لوگ کھنچے چلے آتے تھے۔ ان کی تعلیمات نے لوگوں کو اپنا مطیع و گرویدہ بنا لیا اور ایک گروہ پیدا ہو گیا جس نے چند سال میں اسلام کا غلغلہ نصف دنیا میں بلند کر دیا۔ اسلام کے پیروؤں نے دنیا کو جھوٹے خداؤں سے چھڑا لیا۔ انہوں نے بت سرنگوں کر دیے۔ موسیٰؑ و عیسیٰؑ کے پیروؤں سے ۱۵ سو سال میں کفر کی نشانیاں اتنی منہدم نہ کی تھیں، جتنی ان متبعین اسلام نے صرف پندرہ برس میں کر دیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ محمد ﷺ کی ہستی بہت بڑی ہستی ہے۔''

لین پول نے ایک لیکچر میں جو انہوں نے لیکچر کی سیریز ''لیکچرز آف محمد ﷺ'' میں دیئے یوں کہتے ہیں!

''محمدؐ کی شخصیت رحم و شجاعت دونوں کا مجموعہ ہے۔ وہ اکیلے برسوں تک اپنے ہم وطنوں کی نفرت کا مقابلہ کرتے رہے۔ وہ اس

قدر خلیق تھے کہ ہر ایک کے ساتھ محبت سے ملتے تھے اگر کوئی شخص ہاتھ ملاتا تو اس شخص کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ خود پہلے کبھی علیحدہ نہ کرتے تھے وہ غیروں کے ساتھ شفقت کرتے تھے ان کی بے ریا دوستی و ہمدردی عظیم فیاضی، شجاعت، رسالت سے بے شک مستحسن تعریف ہے۔ ان پر ظلم وجبر پرستی کے جو الزامات عائد کیے جاتے ہیں، ہم تحقیق کی بنیاد پر کہنا چاہتے ہیں کہ سب بے سروپا ہیں۔ بے شک محمد ﷺ کی شخصیت عظیم وجلال تھی۔"

انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا لکھتا ہے کہ:

آپ ﷺ کی سیرت کا سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ عظیم فتوحات کے باوجود محمد ﷺ کی انسانیت اور انسانیت نوازی میں کمی نہیں بلکہ اضافہ ہوتا چلا گیا۔" (۲۱)

پیغمبر اسلام ﷺ سے متعلق عصر حاضر کے ایک مشہور عیسائی دانشور جارج برنارڈ شا کی رائے ملاحظہ فرمائیں:

"میں نے پیش گوئی کی تھی کہ مستقبل میں محمد ﷺ کا دیا ہوا دین مقبول ہو کر رہے گا۔ درحقیقت یہ دین آج بھی یورپ کو پسند آنے لگا ہے۔ قرون وسطیٰ میں عیسائی مذہبی طبقہ اپنی ناواقفیت یا گھناؤنے تعصب کی بناء پر اسلام کی تصویر کو زیادہ سے زیادہ خوفناک بنا کر پیش کیا تھا۔ دراصل وہ محمد ﷺ اور ان کے دین سے نفرت میں حد سے زیادہ تجاوز کر رہے تھے۔ وہ ان کو حضرت مسیح کا دشمن سمجھتے تھے۔ میرے نزدیک یہ فرض ہے کہ محمد ﷺ کو انسانیت کا نجات دہندہ قرار دیا جائے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اگر ان جیسا کوئی آج کی دنیا کی قیادت سنبھال لے تو وہ یقیناً ساری مشکلات کے حل میں کامیاب ہو سکے گا اور دنیا کو امن و فلاح سے بہرہ یاب کر سکے گا۔"

پیغمبر اسلام ﷺ نے انسان کو اس کائنات میں کتنے اعلیٰ وارفع مقام کی نشاندہی فرمائی۔ یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ اس نے اپنا صحیح تشخص فراموش کر دیا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ بعثت سے قبل کائنات اور زمین کی ہر شے انسان کے نزدیک برتر بلکہ خدا تصور کی جاتی تھی۔ اینٹ، پتھر، درخت، چاند، سورج، ستارے، بادل، دریا اور پہاڑ وغیرہ سب ان کے دیوتا تھے۔ ان کو انسان کی نفع رسانی کے لیے بیش از بیش استعمال کرنے کی بجائے اس تصور کے زندان میں قید ہو کر اپنے تمام اعضاء معطل و مفلوج کر لیے کہ ان کے دیوتا خود بخود ان کی ضروریات کی تکمیل کریں گے۔ اس صورت حال کے منطقی نتیجہ میں تسخیر کائنات کا علم (تحقیق وجستجو) عزم اور جدوجہد جو انسان کا اثاثہ تھی گم ہو گئی اور وہ توہمات کا شکار ہو کر تخلیقی قوتوں سے محروم ہو گئے جب پیغمبر اسلام ﷺ نے انسان کو اس کے صحیح تشخص سے روشناس کرایا تو تحقیق وجستجو، ترقی، آزادی ضمیر، انسانی تکریم وحقوق اور پاکیزہ زندگی کا وہ دریا جو خشک ہو چکا تھا پھر پورے عالم کو سیراب کرنے لگا جس کے بغیر تاریخی حقائق و واقعات شاہد ہیں کہ آج کی دنیا اپنے موجودہ علوم وتحقیق سے یقیناً محروم ہو جاتی۔ (۲۲)

عبد و معبود کے درمیان رشتے کی پہچان اور امن و سلامتی کے قیام کی اس منزل تک پہنچنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے انسانیت کو ایک خدا کی طاقت تسلیم کرنے، اسی کی عبادت کرنے اور اسی ہی کے قوانین و ضوابط پر عمل پیرا ہونے کا نظریہ دیا ہے۔ کیونکہ یہی ایک راستہ ہے جس پر چل کر انسان بے شمار معنوی آقاؤں کے ظلم وستم اور غلامی سے چھٹکارا پا سکتا تھا (۲۳)۔ رسول

خدا ﷺ نے ان تمام مشرک طاقتوں کو جو کہ دنیا میں فتنہ و فساد کا باعث بنی ہوئی تھیں اللہ کا یہ پیغام دے کر باطل کر دیا کہ، "تمہارا اللہ صرف ایک اللہ اور بجز اس اللہ کے کوئی اللہ نہیں ہے اور وہ بہت بڑا مہربان اور بہت ہی زیادہ رحم والا ہے۔" (۲۴)

بلاشبہ خدا کو چھوڑ کر تم جن کی عبادت کرتے ہو وہ بھی تم جیسے بندے ہیں۔" (۲۵)

"اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کا چاہتا ہے تنگ کرتا ہے۔" (۲۶)

اس عقیدہ کے تحت عرب و عجم، عدنانیوں اور قحطانیوں سب کا خدا ایک ہی ٹھہرا اور جب تک سارے جہاں کے انسانوں کا خدا ایک نہ ہو اس وقت تک مساوات انسانی کی کوئی حقیقی صورت قائم نہیں ہو سکتی۔ پھر صلح حدیبیہ کے نتیجے میں ہونے والی فتح مکہ کے بعد جب حضور ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو انبیاء علیہ السلام کی تصویریں مٹانے کا حکم دیا اور تین سو ساٹھ بتوں کو بھی ملیا میٹ کر دیا جو مشرکوں کے معبود تھے۔ (۲۷) جن افراد نے نظریہ توحید کو قبول کیا وہ اپنے ہی جیسے انسانوں کے آگے جھکنے کے نتیجے میں پہنچنے والی مصیبتوں سے آزاد ہوئے اور ذمہ داری اور احتساب کے لیے صرف خدا کی ذات واحد کی طرف رجوع کر کے اپنے آپ کو امن اور سلامتی کی راہ پر ڈال دیا۔

سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ کے مطابق:

"آدمی کو قابو میں رکھنے والی چیز صرف ذمہ داری کا احساس ہی ہے، اگر کسی شخص کو یہ یقین ہو جائے کہ وہ جو چاہے کرے، کوئی اس سے جواب طلب کرنے والا نہیں ہے اور نہ اس کے اوپر ایسی کوئی طاقت ہے جو اسے سزا دے سکے تو آپ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ وہ شتر بے مہار بن جائے گا، یہ بات جس طرح ایک شخص کے معاملہ میں صحیح ہے اسی طرح ایک خاندان، ایک طبقہ، ایک قوم اور تمام دنیا کے انسانوں کے معاملہ میں بھی صحیح ہے۔ ایک خاندان جب یہ محسوس کرتا ہے کہ اس سے کوئی جواب طلب نہیں کر سکتا تو وہ قابو سے باہر ہو جاتا ہے۔ ایک طبقہ بھی جب ذمہ داری اور جواب دہی سے بے خوف ہو جاتا ہے تو دوسروں پر ظلم ڈھانے میں اسے کوئی تامل نہیں ہوتا۔ ایک قوم یا ایک سلطنت بھی جب اپنے آپ کو اتنی طاقت ور پاتی ہے کہ اپنی زیادتی کے کسی برے نتیجے کا خوف اسے نہیں ہوتا تو وہ جنگل کے بھیڑیے کی طرح کمزور بکریوں کو پھاڑنا شروع کر دیتی ہے۔ دنیا میں جب بد امنی پائی جاتی ہے اس کی ایک بڑی وجہ یہی ہے کہ جب تک انسان اپنے سے بالاتر کسی اقتدار کو تسلیم نہ کرے اور جب تک اسے یقین نہ ہو کہ مجھ سے اوپر کوئی ایسا ہے جس کو مجھے اپنے اعمال کا جواب دینا ہے اور جس کے ہاتھ میں اتنی طاقت ہے کہ ظلم کا دروازہ بند ہو اور صحیح امن قائم ہو سکے...... ! ایسی طاقت سوائے خداوند عالم کے اور کون سی ہو سکتی ہے؟

خود انسانوں میں سے کوئی ایسا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جب انسان، یا جس انسانی گروہ کو بھی آپ حیثیت دیں گے خود آپ اس کے شتر بے مہار ہو جانے کا امکان ہے خود اس سے اندیشہ ہے تمام فرعونوں کا ایک فرعون وہ خود ہی بن جائے گا اور خود اس سے خطرہ ہے کہ خود غرضی اور جانب داری سے کام لے کر وہ بعض انسانوں کو گرائے گا اور بعض کو اٹھائے گا۔" (۲۸)

غرض رسول اللہ ﷺ عقیدۂ توحید کے تحت عرب کے اندر ایک ایسی جماعت تشکیل دینے میں کامیاب ہوئے جس کے ارکان خود بھی امن میں آگئے تھے اور دوسروں کو بھی فتنہ و فساد اور بد امنی پھیلانے سے روکا تھا۔ آنحضرت ﷺ کا مقصد چونکہ پورے عالم

میں امن کا قیام تھا۔ اس لیے آپ ﷺ نے امن وسلامتی کا پیغام روم و فارس، یمن، حبشہ اور دیگر سلطنتوں تک بھی پہنچایا۔ ان ممالک کے فرمانرواؤں کے نام آپ ﷺ کے خطوط اسی مقصد کے لیے تھے۔ حضور ﷺ کے ان خطوط کے اثرات کے نتیجے میں پیدا ہونے والے حالات نے آپ ﷺ کے جانشینوں کے لیے ایسے مواقع پیدا کر دیے کہ وہ روم وایران میں داخل ہو کر ظلم وستم اور بدامنی کا خاتمہ کر کے وہاں ایسے نظام کی بنیاد رکھتے جو امن وسلامتی کا سب سے بڑا داعی تھا۔

ام المومنین حضرت جویریہ بنو مصطلق کے سردار کی بیٹی تھیں۔ حضرت جویریہ قیدیوں میں آئی تھیں۔ حضور ﷺ نے ان سے نکاح فرمایا تو جماعت کے لوگوں نے پورے قبیلہ کے قیدیوں کو رہا کر دیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ پورا قبیلہ رہزنی چھوڑ کر امن پسند اور مطیع نظام بن گیا۔ (۲۹) ام حبیبہ قریش کے سردار اعلیٰ کی صاحبزادی تھیں۔ اس نکاح کے بعد ابوسفیان حضور ﷺ کے مقابلے پر میدان میں آنے سے کتراتا رہا۔ بی بی ماریہ قبطیہ مصر کی تھیں اور پہلے عیسائی رہ چکی تھیں۔ ان کا ایرانی الاصل ہونا خیال کیا جاتا ہے۔ بی بی صفیہ کا تعلق خیبر کے یہود سے تھا۔ اس مختصر سے مطالعہ سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ نکاحوں کے ذریعہ مسلمانوں میں پرانی عصبیتوں کو دور کرنے کی آنحضرت ﷺ نے کتنی وسیع کوشش فرمائی بلکہ نتائج بتاتے ہیں کہ یہ کوشش بے کار نہ رہیں۔

انسانی تکریم کے لیے یہ محسن انسانیت ﷺ کا اعلان تھا کہ ہر شخص پیدائش کے لحاظ سے یکساں قابل احترام ہے، فرمان ہے:

ولقد کرمنا بنی آدم "ہم نے تمام انسانوں کو واجب التکریم پیدا کیا ہے۔"

حقیقی امن کے قیام کے لیے ضروری ہے کہ رنگ ونسل اور قومی عصبیت کو زک پہنچے اور ایسے اصول فراہم ہوں جو انسانوں کے درمیان مساوات پیدا کر سکیں، قرآن میں ارشاد فرمایا:

"لوگو ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تا کہ تم ایک دوسرے کو شناخت کر سکو۔ خدا کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔" (۳۰)

حضور اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اعلان فرمایا:

تم سب آدم کی اولاد ہو آدم مٹی سے پیدا کیے گئے۔" (۳۱)

معاملات حکومت میں بھی رسول اللہ ﷺ کسی قسم کے فرق کو روا نہیں رکھا۔ صلاحیت اور قابلیت کے مطابق تمام کو مشاورت میں شامل فرمایا۔ عدل وانصاف کے معاملے میں طبقاتی فرق کو یہ کہہ کر ختم کر ڈالا کہ "خدا کی قسم اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو اس کے ہاتھ کاٹ ڈالتا۔" (۳۲) پھر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایک قبلہ، قانون اور قیادت کی یکساں فراہمی نے بھی مسلمانوں کی تفاوتوں کو ختم کیا اور ان کا رخ ایک وحدت کی طرف موڑا۔ روزانہ پانچ وقت کی نماز، جمعہ، عیدین اور حج کے اوقات نے تو اس فرق کو بالکل ہی ختم کر کے ہی رکھ دیا۔ آنحضرت ﷺ کے یہ تمام اقدامات عدم مساوات کے خاتمے اور افراد میں ہمدردی، محبت اور ربط قائم کر کے ایسے معاشرہ کے قیام کے لیے تھے جو امن وسلامتی کا بہترین نمونہ ہو۔

بعثت نبوی ﷺ کے عالمی امن کی تباہی میں عدم مساوات کے علاوہ ایک سبب انسانی جان کی حرمت کا ناپید ہونا بھی تھا لہٰذا پائیدار امن وسلامتی کے قیام کے لیے انسانی جان کی حرمت کی سبق بھی بانی انقلاب ﷺ نے پیش کیا۔ "جس نے کسی شخص کو بغیر اس کے کہ

اس نے قتل نفس کا ارتکاب کیا ہو یا زمین میں فساد برپا کیا ہو، قتل کر دیا، اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے اسے زندہ رکھا تو اس نے گویا تمام انسانوں کو زندہ رکھا۔"

دولت انسانی معاشرہ کے لیے خون کا درجہ رکھتی ہے۔ خون جسم کے کسی ایک حصہ میں رک جائے اور گردش نہ کرے تو ہلاکت کا خطرہ ہے۔ اسی طرح دولت پورے معاشرہ میں گردش نہ کرے اور مخصوص لوگوں کے پاس جمع ہو جائے تو یہ بھی صحت مندانہ زندگی کی علامت نہیں۔ اس سے طرح طرح کے مفاسد جنم لیتے ہیں اور امن اجتماعیت کا شیرازہ درہم برہم کر کے رکھ دیتے ہیں۔ عرب جیسے کم پیداوار والے ملک میں دولت، سیم وزر، اجناس، زرعی اراضی اور مویشیوں کی شکل میں نہایت محدود حلقوں میں سمٹی ہوئی تھی۔ اس سمٹی ہوئی دولت کو عوامی طبقوں میں پھیلانا ہی سب سے ٹیڑھا مسئلہ تھا۔ حضور ﷺ نے اسلام کے معاشی قوانین کے تحت ایسے اقدامات فرمائے جو دولت کو گردش میں رکھنے کے لیے بالکل کافی ثابت ہوئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ان آبادیوں کا جو مال ومتاع اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو عطا کیا ہے وہ اللہ اور رسول، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے مخصوص ہے۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ دولت تمہارے صاحب ثروت لوگوں ہی کے درمیان چکر کھاتی رہے۔"

اسلام کا یہ اصول ایک ایسا معاشی نظام قائم کرتا ہے جس میں باعزت طور پر تمام لوگوں کی ضروریات پوری ہو سکیں اور ان کے درمیان ایک قسم کا معاشی توازن پیدا ہو سکے۔ (۳۳)

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جس نے اپنے بھائی کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا اور پانی سے اس کی پیاس بجھائی تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو جہنم سے سات خندقوں کے فاصلے پر رکھے گا اور ہر دو خندقوں کے درمیان پانچ سو سال کے سفر کا فاصلہ ہے۔" (۳۵)

قرآن میں ہے:

"اور جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو انہیں دردناک سزا کی خبر دے دو، جس دن اسے جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا۔ پھر اس کے ساتھ ان کی پیشانیاں ان کے پہلو اور ان کی پشتیں داغی جائیں گی، یہی ہے جو تم نے اپنے لیے خزانہ جمع کیا تھا، سو جو کچھ جمع کرتے تھے، اس کا مزا چکھ لو۔" (۳۶)

حضور ﷺ کا فرمان ہے:

"جس شخص نے دینار یا درہم یا سونے یا چاندی کی اینٹ یا چاندی جمع کی، اسے کسی قرض خواہ کی خاطر نہ رکھا یا راہ خداوندی میں خرچ نہ کیا تو وہ کنز ہے، جس کے ساتھ قیامت کے دن داغ لگائے جائیں گے۔" (۳۷)

خود اسلامی ریاست کے سربراہ حضور اکرم ﷺ نے اپنی وفات کے بعد نہ کوئی درہم چھوڑا، نہ کوئی دینار، نہ کوئی دوسری چیز، سوائے اس مادہ خچر جس کا رنگ سفید تھا، جس پر آپ ﷺ سواری کرتے تھے اور زنجیر اپنے ہتھیار اور کچھ زمین اور اسے بھی آپ ﷺ نے خدا کی راہ میں صدقہ کر دیا تھا۔ (۳۸) حضور ﷺ کے سماجی مساوات اور اقتصادی اخوت کے نئے نظام اور امیر اور غریب کے اس واضح فرق کو کم کرنے میں اہم کردار ادا کیا تاہم جو انسانوں کے مابین کشمکش اور پھر بدامنی کا باعث بنتا ہے۔

انسان الاعظم ﷺ نے لا اکراہ فی الدین "دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں" کا اصول انسانیت کو عطا فرمایا جس کے مطابق ہر شخص کو کوئی بھی دین اختیار کرنے کی آزادی تھی۔ آپ ﷺ کی بعثت سے قبل مذہبی گروہ ایک دوسرے کو شمہ برابر برداشت نہیں کرتے تھے۔ مجوسیت، یہودیت، عیسائیت اور دیگر مذاہب میں خونریز جنگیں برپا کرتی تھیں، ہر مذہب ایک دوسرے کی نظر میں باطل تھا۔ یہ پیغمبر اسلام ﷺ تھے جنہوں نے تمام انبیاء کرام کو برحق تسلیم کیا بلکہ یہ بھی حکم دیا کہ بتوں کو بھی برا نہ کہو۔

حضور اکرم ﷺ کی بعثت کی وقت عالمی امن کو تباہ و برباد کرنے والے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی تھا کہ مختلف قوموں کے افراد کے اندر مذہبی رواداری نہیں رہی تھی۔ ایک مذہب اپنے اندر دوسرے مذہب کے افراد کا داخلہ روکتا ہے تو دوسرے مذہب کے پیروکار دیگر مذاہب کو برداشت نہ کرتے ہوئے قتل و غارت تک اتر آتے ہیں! آنحضرت ﷺ نے جس دین کی تبلیغ فرمائی وہ پر امن بقائے باہمی اور مذہبی رواداری کا اصول کا قائل تھا۔

قرآن میں ہے:

"اللہ ہمارا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی، ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے تمہارے لیے، ہماری کچھ بحث نہیں اللہ ہم سب کو جمع کرے گا اور اس کے پاس واپس جانا ہے۔" (۳۹)

حضور اکرم ﷺ نے لوگوں کو زبردستی دین قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ رواداری کا مظاہرہ کیا ارشاد باری تعالی ہے۔

"اور اہل کتاب کے ساتھ احسن طریقے سے بحث کرو، سوائے ان لوگوں کے جو ان میں سے ظالم ہوں، اور کہو کہ ہم ایمان لائے اس پر جو ہم پر اتارا گیا، اور تم پر اتارا گیا ہے اور ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔" (۴۰)

قرآن حکیم میں رواداری کی یہی وہ تعلیم ہے جو احترام آدمیت کو ہمیشہ اہمیت دیتی ہے۔ بجران کے عیسائیوں کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے انہیں بھی مسجد نبوی ﷺ میں ٹھہرایا اور اس کا خیال نہیں کیا کہ یہ توحید کے بجائے تثلیث پر ایمان رکھتے ہیں۔ ایک یہودی کا جنازہ گزرا تو آپ ﷺ کھڑے ہو گئے، ایک صحابی نے گزارش کی۔ "یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو ایک یہودی کا جنازہ تھا۔" تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا! کہ کیا یہ ایک انسانی جان نہ تھی؟ جب تم کوئی جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ۔" پھر حضور ﷺ نے بتوں کو برا بھلا کہنے سے بھی منع فرمایا کہ کہیں مشرکین نا سمجھی کی وجہ سے اللہ رب العزت کی شان میں گستاخی نہ کر بیٹھیں۔ یہی نہیں حضور ﷺ نے دعوت اسلام کی غرض سے جو خطوط عیسائی اور یہودی حکمرانوں کے نام ارسال فرمائے ان کے آغاز میں عموماً یہ آیت (۴۱)

(اے اہل کتاب آؤ اس بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان متفق علیہ ہے) تحریر فرمائی۔

گویا دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کو ان امور پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے کی دعوت دی جو ان کے درمیان قدر مشترک کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بعض مورخین اور مستشرقین کا خیال ہے کہ سورۃ توبہ کے نزول کے بعد عیسائیوں اور یہودیوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے طرز عمل میں تبدیلی واقع ہو گئی تھی۔ سورۃ التوبہ میں یہودیوں اور عیسائیوں کے بارے میں فرمایا گیا۔

"اہل کتاب جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جن کو اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ نے حرام ٹھہرایا ہے اور نہ سچے دین کو قبول کرتے ہیں ان سے اس وقت تک لڑو کہ وہ ماتحت ہو کر وہ تمہاری رعایا بن کر جزیہ دینا منظور کر لیں۔ یہود میں سے بعض کہتے ہیں کہ عزیز اللہ کے بیٹے ہیں اور عیسائیوں میں سے اکثر کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں یہ ان کا قول ہے ان کے منہ سے کہنے کا (جس کا واقع میں کہیں نام ونشان نہیں) یہ بھی ان لوگوں کی سی باتیں کرتے ہیں جو ان سے پہلے کافر ہو چکے ہیں۔" (۴۲)

مصری محقق ڈاکٹر محمد حسین ہیکل سیرۃ الرسولؐ میں لکھتے ہیں کہ "سورہ توبہ کی ان آیات کے پیش نظر جو سرور کائنات کی زندگی کے آخری دور میں نازل ہوئی تھیں بہت سے مؤرخین کا یہ خیال ہے کہ اہل کتاب سے متعلق رسول اللہ ﷺ کا موجودہ رویہ آپ ﷺ کے پچھلے رویہ سے بالکل مختلف تھا۔ بعض مستشرقین نے بھی اس نظریہ کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان آیات میں اہل کتاب کو مشرکین کے ساتھ ایک سطح پر رکھا گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "محمد ﷺ کی یہودیت اور مسیحیت کی مدد سے جزیرۃ العرب سے بت پرستی کا قلع قمع کرنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ آغاز رسالت میں وہ بار بار اس امر کا اعلان کرتے رہے کہ وہ عیسیٰ، موسیٰ، ابراہیم اور گزشتہ انبیاؑ کے ادیان کو دوبارہ دنیا میں قائم کرنے کے لیے آئے ہیں۔ لیکن بعض مشرکین کے مقابلے میں انہیں پے در پے کامیابی نصیب ہوئیں اور یہ نظر آنے لگا کہ وہ قلیل عرصہ میں ان پر کامل فتح حاصل کر لیں گے تو انہوں نے یہود سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی اور ان پر عرصہ حیات تنگ کرنے لگے حتی کہ انہوں نے جزیرہ نما عرب سے نکل کر ہی دم لیا۔

تاہم اسی دوران انہوں نے مسیحوں سے رشتہ الفت ومودت کو پوری طرح استوار رکھا اور لوگوں کے سامنے ایسی آیات بھی پیش کرتے ہیں جو مسیحوں کی تعریف وتوصیف سے پر ہوتی تھیں...... لیکن فتح مکہ کے بعد جب انہیں عرب میں کامل اقتدار حاصل ہو گیا اور ان کی راہ میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی تو انہوں نے عیسائیوں سے بھی وہی سلوک کرنے کا ارادہ کیا جو اس سے قبل مشرکین اور یہود سے کر چکے تھے اور انہوں نے عیسائیوں کو بھی انہی لوگوں کے زمرے میں شامل کر لیا جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے۔ حالانکہ ان کی کامیابی میں بہت بڑا دخل عیسائیوں کی امداد ومعاونت کو بھی ہے۔ یہ حبشہ کے عیسائی ہی تھے جنہوں نے محمد ﷺ کے پیروں کو اس وقت اپنے ہاں پناہ دی جب اللہ کی یہ زمین ان کے لیے تنگ ہو چکی تھی۔ بعد میں خود محمد ﷺ اہل نجران اور دوسرے عیسائیوں کو یہ عہد نامہ لکھ کر دیا تھا کہ انہیں اسلامی ریاست کے تحت بدستور اپنے دین پر قائم رہنے اور اپنی عبادات پر اور رسوم بجا لانے کی مکمل آزادی ہوگی۔" (۴۳)

مغربی دنیا کا دعویٰ ہے کہ اس نے عورت کو مساوی حقوق دیے ہیں یہ اپنی جگہ بین حقیقت ہے کہ یہ تاریخ کا ارتقائی عمل ہے جس کی مضبوط بنیاد پیغمبر اسلام ﷺ نے تعمیر کی تھی۔ اسلام سے قبل عورتوں کی حالت غلاموں سے بدتر تھی۔ سب سے پہلے آنحضرت ﷺ نے عورتوں کو مال و جائیداد میں حقوق عطا کیے۔ مساوات کے متعلق سورۃ البقرہ میں ارشاد ہوا،

"اور عورتوں کا حق مردوں پر ایسا ہی ہے جیسے دستور کے مطابق مردوں کا حق عورتوں پر ہے۔" (۴۴)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ، رسول اللہ ﷺ کی سیاسی وعسکری زندگی میں امن کے حوالے سے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہوئے رقم طراز

ہیں کہ:

''عہد نبوی ﷺ کی جنگیں تاریخ انسانی میں غیر معمولی طور سے ممتاز ہیں، اکثر دگنی تگنی اور بعض اوقات دس گنی قوت سے مقابلہ ہوا اور قریب قریب ہمیشہ ہی فتح حاصل ہوئی، دو سرے چند محلوں پر مشتمل ایک شہری مملکت (CITY STATE) سے جو آغاز ہوا، وہ روزانہ دو سو چوہتر (۲۷۴) مربع میل کی اوسط سے وسعت اختیار کرتی ہے اور دس سال بعد جب آنحضرت ﷺ کی وفات ہوئی تو تو دس لاکھ سے بھی زیادہ مربع میل کا رقبہ آپ ﷺ کے زیر اقتدار آچکا تھا، اس تقریباً ہندوستان کے برابر وسیع علاقے کی فتح میں، جس میں یقیناً ملیوں آبادی تھی، دشمن کے بہ مشکل ڈیڑھ سو آدمی قتل ہوئے، مسلمان فوج کو مشکل سے اس دس سال میں ماہانہ ایک سپاہی شہید ہوتا رہا۔ انسانی خون کی یہ عزت و تکریم تاریخ عالم میں بلاخوف تردید بے نظیر ہے۔(۴۵)

ڈاکٹر صاحب مزید لکھتے ہیں:

''ان فتوحات کا دوسرا پہلو قبضے کا استحکام، مفتوحین کی ذہنیت کی کایا پلٹ اور ان کا مکمل طور پر اپنا لیا جانا اور ایسے افسروں کی تربیت کا کیا جانا ہے کہ آپ ﷺ کی وفات کے پندرہ ہی سال بعد تین براعظموں ایشیاء، افریقہ اور یورپ پر پھیلے ہوئے علاقوں پر مدینے کی حکومت قائم ہو جانا، یہ تمام اور دیگر امور ہمیں عہد نبوی ﷺ کی جنگوں کا مطالعہ کرنے کا غیر معمولی طور پر شائق بنا دیتے ہیں۔(۴۶)

بعض مستشرقین حقائق سے چشم پوشی کرتے ہوئے عہد رسالت ﷺ کے غزوات کی تعداد کچھ زیادہ بتاتے ہیں اور اصل حقائق کے بجائے مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں۔ مگر ان جنگوں میں کشت و خون کس حد تک ہوا۔ کتنے آدمی مارے گئے اور کتنے گرفتار ہوئے؟ پھر اس تعداد کا موازنہ دنیا کی مشہور جنگوں سے کرنے کے بعد واضح ہو جاتا ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں جنگی کارروائیوں کی زیادتی کو بنیاد بنا کر کشت و خون کا جو افسانہ تراشا گیا ہے اس میں کہاں تک صداقت ہے۔

عہد نبوی ﷺ کی تمام لڑائیوں میں طرفین کا جو نقصان ہوا اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ (۴۷)

غزوات وسرایا — مقتولین کی تعداد

		لشکر اسلام	لشکر دشمن	شہدائے	مقتولین	
		تعداد سپہ سالار	تعداد سپہ سالار	اسلام	کفر	
۱	غزوہ بدر رمضان ۲ھ	۳۱۳۔ نبی اکرمؐ	۱۰۰۰ ابوجہل	۲۲	۷۰	
۲	غزوہ سویق ذی الحجہ ۲ھ	۲۰۰۔ نبی کریمؐ	۲۰۰ ابوسفیان ۳۰۰۰۔ قبیلہ	۲	x	ابوسفیان مدینہ تک آیا اور مسلمانوں کو شہید اور پھل دار درختوں کو کاٹ کر چلا گیا
۳	غزوہ بنو سلیم محرم ۳ھ	۲۰۰۔ نبی کریمؐ	بنو غطفان و بنو سلیم	۲	؟	
۴	سریہ محمد بن مسلمہ ربیع الاول ۳ھ	۵ محمد بن مسلمہ	کعب بن اشرف	x	۱	

۵	غزوہ احد شوال ۳ھ	۶۵۰۔ نبی کریمؐ	۱۰۰۰ ابوسفیان	۷۰	۳۰	
۶	سریہ عبداللہ بن انیس محرم ۴ھ	عبداللہ بن انیس	ا۔ سفیان ہزلی	x	۱	
۷	سریہ رجیع صفر ۴ھ	۱۰۔ عاصم بن ثابت	۱۰۰ قبیلہ عضل وقارہ	۱۰	x	
۸	سریہ بیر معونہ صفر ۴ھ	۷۰۔ منذر بن عمرو	ایک بڑی جماعت	۶۹	x	عمرو بن امیہ الضمری بچ گئے
۹	سریہ عمرو بن امیہ الضمری ربیع الاول ۴ھ	ا۔ عمرو بن امیہ	قبیلہ بنو کلاب	x	۲	
۱۰	غزوہ بنو مصطلق شعبان ۵ھ	نبی کریمؐ	بنو مصطلق حارث بن ضرار	x	۱۰	
۱۱	غزوہ احزاب ذیقعدہ ۵ھ	۳۰۰۰ نبی اکرمؐ	دس ہزار ابوسفیان	۶	۱۰	
۱۲	سریہ عبداللہ بن عتیک ذیقعدہ ۵ھ	۵ عبداللہ بن عتیک	ابورافع اسلام بن ابوالحقیق	x	۱	
۱۳	غزوہ بنو قریظہ ذی الحجہ ۵ھ	نبی کریمؐ	بنو قریظہ	۲	۴۰۰	
۱۴	غزوہ ذی قردہ ربیع الثانی ۶ھ	۵۰۰ نبی اکرمؐ مع سلمہ بن اکوع	بنو غطفان	۳	۱	ڈکیتی کا واقعہ
۱۵	سریہ ذی القصہ ربیع الثانی ۶ھ	۱۰۔ محمد بن مسلمہ	۱۰۰ بنو ثعلبہ	x		عالمان دین شہید، محمد بن مسلمہ بچ گئے
۱۶	سریہ وادی القریٰ رجب ۶ھ	۱۵ زید بن حارثہ	ساکنان وادی القریٰ	۹		بطور گشت گئے تھے دشمن نے حملہ کر دیا۔
۱۷	سریہ عبداللہ بن رواحہ شوال ۶ھ	۳۰ عبداللہ بن رواحہ	۱۳۰ اسیر بن رزام	x	۳۰	یہ لڑائی غلط فہمی کی بناء پر ہوئی تھی
۱۸	غزوہ عرینیین شوال ۶ھ	۲۰ سوار کرز بن جابر الفہری	قبیلہ عکل وعرینہ کنانہ بن ابوالحقیق	x	۸	بیمار علاج کرانے آئے تھے پھر ڈکیتی کی۔
۱۹	غزوہ خیبر محرم ۷ھ	۱۴۰۰ حضور اکرمؐ	۱۰۰۰۰ یہود خیبر	۱۸	۹۳	
۲۰	غزوہ وادی القریٰ محرم ۷ھ	۱۳۸۲۔ حضور اکرمؐ	یہودان وادی القریٰ	۱	۱۱	
۲۱	سریہ حسمیٰ۔ جمادی الثانی ۷ھ	۵۰۰ زید بن حارثہ	۱۰۲ ہنید بن عوص جذری	x	۲	
۲۲	سریہ ابن ابوالعوجا ذی الحجہ ۷ھ	۵۰ ابن ابی العوجا	بنو سلیم	۴۹	x	

۲۳	سریہ ذات اطلح ربیع الاول ۸ھ	۱۵ - کعب بن عمیر الغفاری	بنو قضاعہ	۱۴	x	
۲۴	سریہ موتہ جمادی الاول ۸ھ	۳۰۰۰ زید بن حارثہ	ایک لاکھ شرجیل غسانی	۱۲	نامعلوم	
۲۵	غزوہ فتح مکہ رمضان المبارک ۸ھ	دس ہزار نبی کریمؐ	قریش مکہ	۲	۱۲	
۲۶	سریہ خالد بن ولید شوال ۸ھ	۳۵۰ خالد بن ولید	بنو خزیمہ	x	۹۵	مقتولین کا خون بہا ادا کیا گیا
۲۷	غزوہ حنین شوال ۸ھ	۱۲ ہزار نبی اکرمؐ	بنو ہوازن بنو ثقیف وغیرہ	۶	۷۱	محاصرہ کیا گیا
۲۸	غزوہ طائف شوال ۸ھ	۱۲ ہزار نبی اکرمؐ	بنو ثقیف	۱۳	x	سب مسلمان ہو گئے۔
				۳۲۲	۸۴۸	

جن جنگوں میں باقاعدہ فریقین میں معرکہ کارزار گرم ہوا ان میں مقتولین کی تعداد درج ذیل ہے۔

	مسلمان	دشمن
(۱) غزوۂ بدر	۲۲	۷۰
(۲) غزوہ احد	۷۰	۳۰
(۳) غزوہ احزاب	۶	۱۰
(۴) غزوہ بنو قریظہ	۴	۴۰۰
(۵) غزوہ خیبر	۱۸	۹۳
(۶) سریہ موتہ	۱۲	نامعلوم
(۷) غزوہ مکہ	۲	۱۲
(۸) غزوہ حنین	۶	۷۱
(۹) غزوہ طائف	۱۲	x
	۱۵۲	۲۸۶

گویا حضور اکرمؐ کے زندگی بھر کے معرکوں میں مقتولین کی اصل تعداد ایک ہزار تک نہیں پہنچتی۔ ان جنگوں میں آٹھ سال کا عرصہ لگا اور دس لاکھ مربع میل پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی تحقیق کے مطابق یہ وسعت ۲۷۴ مربع میل فی یوم نکلتی ہے۔

ایک عظیم جرنیل کی پالیسی یہ ہوتی ہے اور ہونی بھی چاہے کہ فتح کا مقصد بھی حاصل ہو جائے اور جانی یا مالی نقصان بھی کم سے کم ہونے پائے۔ خواہ یہ نقصان اپنی فوج اور علاقہ سے تعلق رکھتا ہو یا دشمن کے مقتولین اور علاقہ سے، اگر کوئی جرنیل کشتوں کے پشتے لگا کر کوئی ملک فتح بھی کر لیتا ہے تو ایسی فتح کو فوج کی بہادری کا کارنامہ تو قرار دیا جا سکتا ہے، لیکن سپہ سالار کی دانشمندی اور حکمت عملی کو اس سے کم ہی تعلق ہوتا ہے، کیونکہ اصل مقصد علاقہ کو فتح کرنا ہوتا ہے نہ کہ انسانی خون بہانا۔ لہٰذا اگر ایسے نقصان کے بغیر یا کم از کم نقصان برداشت کر کے یہ مقصد حاصل ہو جائے تو یہ سپہ سالار کی عظمت کی دلیل ہوتی ہے۔ اس پہلو سے اگر ہم حضور اکرم کی زندگی اور کارناموں کا مندرجہ بالا تفصیل کی روشنی میں جائزہ لیتے ہیں تو آپ دنیا بھر کے جرنیلوں سے ممتاز نظر آتے ہیں۔ (۴۸)

رسول اللہؐ نے جنگوں میں کشت و خون سے قطعی پرہیز فرمایا کیونکہ آپ کی جنگوں کا مقصد ہی عالمی امن کا قیام تھا۔ یہی وجہ ہے کہ چند سو جانیں ضائع ہوئیں، مگر آٹھ سال کے عرصہ میں دس لاکھ مربع میل کے علاقے پر امن و امان قائم ہو گیا۔ ڈاکٹر حمید اللہ کی تحقیق کے مطابق یہ وسعت ۲۷۴ مربع میل فی یوم نکلتی ہے۔ اس طرح ۲۷۶ مستقل سیاسی اکائیاں ایک ریاست اور ایک وحدت میں مدغم ہو گئیں اور ۸۲ لاکھ ۵ ہزار آدمی (حضور کی زندگی میں) خدائے واحد بزرگ و برتر کے پرستار بن گئے۔ (۴۹)

اس کے برعکس لیفٹیننٹ کرنل بی ایم کول نے اپنی کتاب دی ان ٹولڈ اسٹوری The Untold story (ان کہی کہانی) میں لکھا کہ حضرت انسان کی پانچ ہزار سالہ تحریری تاریخ میں پندرہ ہزار جنگیں ہوئی ہیں، گویا اوسطاً تین جنگیں فی سال ہوتی رہیں۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ اس پانچ ہزار سالہ دور میں صرف تین سو ایسے خوش قسمت سال تھے، جب باقاعدہ اور گرم جنگ نہیں ہوئی، گویا اس دور کا صرف چھ فیصد حصہ جنگ سے محفوظ رہا، لیکن وہ بھی زیادہ تر اس لیے کہ یہ کسی جنگ کے بعد کا وقفہ تھا یا پھر کسی جنگ کی تیاری کا زمانہ تھا اور جنگ کا مطلب کیا ہے؟ انسانوں کی موت، مرگ انسانیت (۵۰)

آنحضرتؐ نے قیام امن کے سلسلے میں جو جنگیں لڑیں ان کا تقابل اگر دیگر جنگوں سے کیا جائے تو ہمیں معلوم یہ چلتا ہے کہ دیگر جنگوں میں انسانیت کی بڑی غارت گری ہوئی، زمانہ قبل از اسلام کی تمام جنگوں نیز عرب کی قبائلی جنگوں یا اس دور کی مہذب حکومتوں، ایران و روم کی جنگوں میں انسانوں کے بے دریغ کشت و خون اور وحشت و بربریت کی جو تصویر سامنے آتی ہے، اسلام کو اس سے کوئی بھی واسطہ نہیں۔ ایسی لڑائیوں سے تقابل لاحاصل ہے۔ ہم تقابل کے لیے صرف دو قسم کی لڑائیاں ملحوظ رکھیں گے۔

(۱) مقدس لڑائیاں یعنی مذہب کے نام لڑی جانے والی جنگیں۔

(۲) عصر حاضر کی مہذب ترین اقوام کی جنگیں، کیونکہ بین الاقوامی قانون صلح و جنگ پر ان اقوام کو ناز ہے اور یہ امن و بقا اور تکریم انسانیت کا دعویٰ لے کر اٹھی ہیں۔

مذہبی جنگیں:

دنیا صلیبی جنگوں کو دینی جنگیں شمار کرتی ہے۔ ان جنگوں کا آغاز عیسائی دنیا کی طرف سے جنہوں نے دین عیسیٰ کی حمایت میں تلوار نکالی تھی، مگر افسوس ہے کہ قوانین عیسیٰ کی جو بے حرمتی ان عیسائیوں نے کی وہ اور کسی جگہ نہ ہوئی تھی، ان نام نہاد دینی جنگوں

کا مقصد گبن کے الفاظ میں یہ تھا۔

"انہیں امید تھی کہ ترک امیروں سے ہاتھ آئی ہوئی لوٹ کھسوٹ ہر ایک شہری کو امیر بنا دے گی۔ غیروں کی بیویوں کی خواہش اور یونان کی تمنا صلیب کے ان علمبرداروں کے قلب سے اتنی ہی قریب تھی جتنا کہ ان کی زبانوں سے دور تھی"۔(۵۱)

صلیبی جنگوں میں پاپائے روم نے اپنی پوری طاقت سے امراء کے باہمی تنازعات ختم کرا کے اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ متحد ہو کر حضرت عیسیٰ کے مدفن کو مسلمانوں سے آزاد کرائیں۔ ان جنگوں کے متعلق بھی عیسائی مصنف لکھتا ہے کہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ صلیبی جنگوں میں شمولیت کا مقصد دین کی نسبت دنیوی فوائد کا حصول زیادہ تھا۔

۱۰۹۶ء کے موسم گرما میں صلیبی فوج نے ارض مقدس کا رخ کیا۔ ارض مقدس کے چند حکمرانوں کے سوا پوری دنیائے اسلام بے حسی کا شکار تھی، جبکہ یورپ کے اکثر ممالک صلیبی فوج میں شامل ہو گئے تھے۔

۱۰۹۸ء تک شام کے بہت سے مقامات صلیبیوں کے ہاتھ آ چکے تھے۔ بالآخر ۱۵ جولائی ۱۰۹۹ء کو بیت المقدس بھی صلیبی فوج نے فتح کر لیا۔ فتح کے بعد کشت و خون کا بازار گرم ہوا۔ عورتیں اور بچے بھی بے دریغ قتل کیے گئے۔ گلیوں میں ہر طرف خون بہہ رہا تھا اور جب ایک مسلمان بھی زندہ نہ رہا تو ان بے رحم سپاہیوں نے اپنے کپڑوں سے گرد اور خون کو جھاڑا اور عیسیٰ کے گرجا میں شکرانہ بجالانے کے لیے دو زانو ہو گئے۔(۵۲)

یہ وہی بیت المقدس تھا کہ جب اسے مسلمانوں نے فتح کیا تو عیسائیوں کا ایک قطرہ بھی خون نہ بہایا گیا اور باوجود اصرار کے حضرت عمرؓ نے کلیسا میں نماز اس لیے ادا نہ کی کہ بعد میں کلیسا کو مسجد بنانے کی ریت نہ پڑ جائے۔

ع
ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

اب عیسائیوں کے ہاں عہد نامہ کے احترام کا حال بھی سن لیجیے۔ مسلمانوں سے عہد شکنی میں اہل یورپ کو اولیت حاصل ہے۔ یورپ کے ایک جرنیل ہولیڈی نے ترکوں پر کئی بار حملے کیے اور ہر بار شکست کھاتا۔ پھر صلح کا عہد کرتا، پھر دوسرے ہی سال مسلمانوں کے ساتھ بغاوت کرتا تھا، جس کی وجہ یہ تھی کہ اس کے پاس پوپ کا فتویٰ موجود تھا کہ

"مسلمانوں کے ساتھ عہد ناموں کو توڑنا جائز ہے"۔

ہولیڈی اور اس دور کے دوسرے بادشاہوں کو بابائے روم عہد ناموں کو توڑنے کے احکام جاری کرتا تھا۔ اوڈیسی اس (ODY SSEUAS) لکھتا ہے کہ پولینڈ اور ہنگری کے نوجوان بادشاہ کو پوپ کے نمائندے نے عہد نامہ توڑنے پر اکسایا۔(۵۳)

موقع دیکھ کر عہد نامہ توڑنے کی داستان تو بڑی پرانی ہے، البتہ اسے توڑنے کے لیے مذہب کی طرف سے مقدس اختیارات مل جانا یہ مسیحیت کی مقدس جنگوں کو ہی شرف حاصل ہوتا رہا۔

اب صلیبی جنگوں میں "امان" کے احترام کا قصہ بھی سن لیجیے۔

پہلی صلیبی جنگوں کے بعد طرابلس کے مسلمان بادشاہ نے کاؤنٹ بوہیمانڈ کو پیغام بھیجا کہ وہ معاہدہ کرنے کو تیار ہے۔ ساتھ ہی دس گھوڑے اور سونا بھی خیر سگالی کے طور پر بھیجا، مگر کاؤنٹ نے کہا کہ وہ صرف ایک شرط پر معاہدہ کر سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ

عیسائی ہو جائے۔(۵۴)

اور یہ سب کچھ اس وقت ہوا تھا، جب کاؤنٹ امان دے چکنے کے بعد اور پورے شہر کے زن و مرد کو موت کے گھاٹ اتار رہا تھا۔ بوہیمانڈ نے ترجمان کے ذریعہ مسلمان امیروں کو بتایا کہ اگر وہ صدر دروازے کے اوپر والے محل میں پناہ لے لیں تو ان کو ان کی بیویوں اور ان کے بچوں کو پناہ دے دی جائے گی اور ان کا مال واپس کر دیا جائے گا۔ شہر کا ایک کونہ بھی مسلمانوں کی لاشوں سے خالی نہ تھا اور چلنا پھرنا دشوار ہو گیا تھا۔ بوہیمانڈ نے جن کو امن دی تھی، پکڑوا کر ان کو سونا چاندی اور زیورات ان سے لے لیے۔ان میں سے بعض کو مروا دیا اور باقی ماندہ کو انطاکیہ میں غلام بنا کر بھیج دیا گیا۔(۵۵)

یہ تو تھا عیسائیوں کا مفتوح مسلمانوں سے سلوک۔اب دیکھیے انہوں نے آپس میں کیا کچھ کیا۔

(۱) یورپ کی مقدس مذہبی انجمنوں نے جس قدر نفوس کو ہلاک کیا۔ان کی تعداد لاکھوں سے زائد ہے۔

(۲) جان ڈیوڈ پورٹ نے اپنی کتاب اپالوجی آف محمد اینڈ قرآن میں مذہبی عدالت کے احکام سے ہلاک شدہ نفوس کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ بتائی ہے، جو عیسائیوں کے ہاتھوں عیسائیوں کی ہوئی تھی۔

(۳) اکیلی سلطنت سپین نے تین لاکھ چالیس ہزار عیسائیوں کو قتل کیا تھا، جن میں بیس ہزار آدمی زندہ جلائے گئے تھے۔

(۴) دوسری جنگ عظیم میں ہٹلر نے پانچ لاکھ یہودیوں کو محض اس بنا پر قتل کر دیا تھا کہ وہ یہودی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔(۵۶)

اس کے علاوہ جنگ مہا بھارت جو ہندوؤں کے دو بڑے خانوادوں کورو اور پانڈو کے درمیان ہوئی، خالص مذہبی جنگ تھی، جس میں کرشن جی مہاراج جو ہندوؤں میں اوتار تسلیم کیے جاتے تھے، پانڈوؤں کے سرپرست اور طرفدار تھے اور حقیقت یہ ہے کہ اس جنگ کو بھڑکانے اور اسے طویل تر بنانے میں کرشن جی کے اپدیشوں کو بہت دخل تھا۔اس مقدس مذہبی جنگ میں فریقین کے مقتولین کی تعداد کروڑوں تک جا پہنچتی ہے۔(۵۷)

بیسویں صدی کا آفتاب طلوع ہوتے ہی چشم فلک نے براعظم ایشیا کو آگ اور خون کے دریا سے گزرتے دیکھا۔یہاں دو ریاستوں روس اور جاپان کے مابین علاقائی استحقاق کا تنازعہ اتنی شدت اختیار کر گیا کہ انسان کی حیوانیت سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں انسانوں کے قتل عام سے بھی مطمئن نہ ہوئی بلکہ ظلم کے لیے تباہ کن مظاہرے کیے گئے کہ تاریخ زمین دہشت زدہ ہو گئی اور آسمان نے خون کے آنسو بہائے۔

۲۸ جولائی ۱۹۱۴ء کو عالمی جنگ کا آغاز ہو گیا درحقیقت قتل کی سازش میں ہتھیار طریقہ اور ہدایت دینے والوں میں سربیا کے اعلیٰ عہدے داران بھی شامل تھے، ولی عہد کے قتل کی خبر آسٹریا پہنچی تو انہوں نے سخت قسم کا انتقام لینے کا فیصلہ کیا اور سربیا کو مکمل طور پر تباہ کرنے کا ارادہ کیا۔جرمنی نے آسٹریا اور ہنگری کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔دوسری طرف زار بادشاہت کے تحت روسی وزیر خارجہ سازانوف نے سربیا کے سفیر کو یقین دلایا کہ روس کسی بھی صورت سربیا، آسٹریا اور ہنگری کے حملے کو برداشت نہیں کرے گا۔

۲۸ جولائی ۱۹۱۴ء کو سربیا نے آسٹریا پر حملہ کر دیا۔دوسری جانب روس نے فوجوں کو جمع کرنا شروع کر دیا تو جرمنی نے روس کو بارہ گھنٹے کا نوٹس دیا کہ وہ مداخلت نہ کرے لیکن روس نے یہ الٹی میٹم ماننے سے انکار کر دیا، اس لیے جرمنی نے روس کے خلاف جنگ

کا آغاز کر دیا۔ اس جنگ کے پھیلنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ جنگ میں سربیا کو فرانس اور فرانس کو برطانیہ کی حمایت حاصل تھی، چنانچہ برطانیہ کی جنگ میں شرکت کی ایک وجہ یہ تھی کہ جرمنی نے بیلجیئم پر بھی حملہ کر دیا تھا، جس کے ساتھ دفاعی معاہدے میں برطانیہ پابند تھا کہ بیلجیئم پر جارحیت کی صورت میں وہ اس کا ساتھ دے گا۔ روس میں ۱۹۱۷ء تک اتحادیوں کے ساتھ مل کر لڑتا رہا، لینن کی پالیسی کے تحت روس جو اب "سوویت یونین" بن چکا تھا، جنگ سے علیحدہ ہو گیا، روس کی جنگ سے علیحدگی سے یہ تاثر لیا جانے لگا کہ اب جنگ میں اتحادیوں کی پوزیشن کمزور ہو جائے گی۔ امریکہ کو اپنی عدم مداخلت کی پالیسی ترک کرنا پڑی، در حقیقت جرمنی امریکہ کے مستقبل کے لیے خطرہ بنتا جا رہا تھا، اس لیے موقع کی نزاکت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے امریکہ جنگ میں کود پڑا، اس کا انجام اتحادیوں کی فتح اور محوری طاقتوں کی شکست کی صورت میں سامنے آیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس جنگ کے شعلوں نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ۵۱ ماہ تک جاری رہنے والی اس جنگ عظیم میں دنیا کے ساڑھے چھ کروڑ افراد براہ راست ملوث تھے۔ ان میں سے تقریباً پچاسی لاکھ سے زائد افراد لقمۂ اجل بن گئے۔ ۲ کروڑ ۲۰ لاکھ افراد مستقل یا عارضی طور پر زخمی ہوئے اور تقریباً ۸۵ لاکھ ہی لاپتہ ہوئے۔ ایک اندازے کے مطابق 4 کھرب ڈالر کا نقصان ہوا، تمام جنگی مقامات، راستے، نہریں اور متعدد شہر ملیامیٹ ہو گئے، یورپ کی لاکھوں ایکڑ اراضی بنجر ہو گئی اور تجارتی سامان سے لدے ہوئے بے شمار بحری جہاز غرق کر دیے گئے۔

آخر کار ۱۸ جنوری ۱۹۱۸ء کو امریکی وڈ ولسن نے اپنا ۱۴ نکاتی امن فارمولا پیش کیا جس کو قبول کرتے ہوئے پہلے جرمنی ہتھیار پھینک کر صلح کے لیے تیار ہوا اور بعد میں آسٹریا اور ترکی کے ہتھیار ڈالنے سے یہ جنگ ختم ہوئی اس امن عہد نامے نے ہارنے والوں سے زندہ رہنے کا حق چھین لیا، ان کی عزت نفس کو مجروح کیا گیا۔ انہیں مجبور کیا گیا کہ وہ ان مظالم کا جواب دوبارہ آگ و خون کے کھیل سے دیں، جس سے رہی سہی انسانیت بھی جل کر راکھ ہو گئی، پھر مزید یہ کہ ہٹلر اور مسولینی کی خوفناک شخصیتوں نے ایسے تنازعات کی آبیاری کی، جو بڑھتے بڑھتے دوسری جنگ عظیم کی شکل اختیار کر گئی۔ آمریت اور سامراجیت کی آڑ میں قومیت کے نعروں نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ ۱۹۳۹ء کو ہٹلر نے اپنی پالیسی (پوری قوت کے ساتھ) حملہ کے تحت حملہ کر کے چار ہفتوں میں پولینڈ، چار دن میں ہالینڈ اور دو ہفتوں میں بیلجیئم کو فتح کرنے کے بعد فرانس اور پھر فن لینڈ کی جانب پیش قدمی کی جو دوسری جانب یورپ اور افریقہ سے متصل علاقوں میں مسولینی کی قیادت میں اٹلی اتحادیوں سے برسرپیکار ہوا، ابھی براعظم ایشیا خاموش تھا کہ اٹلی اور جرمنی نے اتحادی جاپان کے پرل ہاربر پر حملہ کر کے تاریخی غلطی کرتے ہوئے امریکہ کو جنگ میں شمولیت کی دعوت دے دی، اس طرح جنگ کا پانسہ دیکھتے ہی دیکھتے بدل گیا اور امریکہ کی رفاقت اتحادیوں پر غالب آ گئی۔ ستمبر ۱۹۴۳ء میں اٹلی نے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈالے، ۸ مئی ۱۹۴۵ء میں جاپان نے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈالے۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد مغربی طاقتوں کی دیکھا دیکھی جاپان کو بھی سپر پاور بننے کا خیال آیا۔ جاپان پہلے ہی چینی صوبے کوریا اور چوزن پر قبضہ کر چکا تھا۔ جاپان یہ سمجھتا تھا کہ اگر منچوریا پر اس نے قبضہ کر لیا تو موقع سے فائدہ اٹھا کر روس اس علاقے پر ہاتھ پھیر دے گا چنانچہ ۱۹ ستمبر ۱۹۳۱ء کو جاپان نے مکڈن پر حملہ کر دیا اور وجہ یہ تھی کہ ہم نے ۱۸ اور ۱۹ ستمبر کی درمیانی شب چین سے جاپان جانے والی مکڈن کی ریلوے لائن چینی

سپاہیوں کو اڑاتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس محدود جنگ کے نتیجے میں ۱۰ ہزار چینی سپاہیوں نے ہتھیار ڈالے۔
نومبر کے وسط تک جاپانی فوجوں نے قبضہ کرلیا اور اس کے بعد دیکھتے ہی دیکھتے جاپانی فوجوں کا رخ منچوریا کی جانب ہو گیا۔ ۱۹۳۳ء کو جاپانی فوجیں دیوار چین تک پہنچ گئیں۔ یہاں ایک سوال ذہن پر دستک دیتا ہے کہ چین جیسے وسیع رقبے اور کثیر آبادی والے ملک کے حصوں پر جاپان نے ایسے قبضہ کرلیا کہ اس کا جواب زیادہ مشکل نہیں ہے کیونکہ اس وقت کا چین آج کے چین سے مختلف تھا۔ برطانیہ نے اپنے مفاد کی خاطر چینیوں کو منشیات (افیون) کی لت میں مبتلا کر دیا تھا، ایک محتاط اندازے کے مطابق چین کو "سویا ہوا چین" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا، الغرض یہ کہ جاپان نے چینی علاقوں پر قبضہ کرلیا جو دوسری جنگ عظیم تک جاپانی اقتدار اعلیٰ کی چھتری تلے منچوریہ کے نام نہاد حکومت کے تحت رہے اور انجمن اقوام عالم خاموش تماشائی بنی رہیں۔
دوسری جنگ عظیم تباہ کاریوں کے اعتبار سے پہلی جنگ عظیم سے بہت آگے نکل گئی۔ اس جنگ میں تمام بین الاقوامی قوانین اور روایات اور اخلاقیات کو بالائے طاق رکھ کر کھنڈر پر امن کے جس تاج محل (مجلس اقوام) کو تعمیر کیا گیا تھا، وہ بھی برقرار نہ رہ سکا۔ شہر کے شہر کھنڈرات بن گئے۔ آبادیاں معدوم ہو گئیں، فضا اور پانی سب ہی انسانی خون میں تر تھے، اس جنگ میں زہریلی گیسوں سے لے کر ایٹم بم تک استعمال کیے گئے۔ چند ہی لمحوں میں ہیروشیما اور ناگاساکی میں بسنے والے لاکھوں باسیوں کو موت کی ابدی نیند سلا دیا گیا، سمندروں، ہواؤں اور فضاؤں میں اتنا زہر پھیلا دیا کہ مدتوں اس کے اثرات دنیا کے جان داروں پر مرتب ہوتے رہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ انسانی عظمت کا وہ تقدس خاک میں مل گیا، جو اسے باقی جانداروں پر فوقیت بخشتا تھا۔
آج دنیا ایک بار پھر تیسری عالمی جنگ کی لپیٹ میں نظر آرہی ہے، یقیناً اس عالمی جنگ کے فیصلے کے ساتھ ہی کائنات سے انسانی زندگی کا وجود بھی ختم ہو جائے گا، ہر طرف خون ہی خون کا سمندر ہوگا، خطے میں امن اور خوشحالی کے لیے ضروری ہے کہ آپس میں ہونے والے تنازعات کو باہمی مشاورت سے حل کرنے کی کوشش کریں۔

خون اپنا ہو یا پرایا ہو
نسل آدم کا خون ہے آخر
جنگ مشرق میں ہو کہ مغرب میں
امن عالم کا خون ہے آخر

عسکری ماہرین کے مطابق ۱۹۴۵ء سے اب تک دنیا میں ۱۸۰ سے زائد مختلف خوفناک جنگیں ہو چکی ہیں، جن میں مجموعی طور پر ۸ کروڑ ۹۰ لاکھ ۳۷ ہزار لوگ مارے جا چکے ہیں، اس وقت دنیا کے ۶۸ ممالک میں جنگیں ہو رہی ہیں، ۳۶ بڑے تنازعات ہیں، جن پر ہر سال ۱۸ ہزار ایک سو ملین ڈالر خرچ ہوتے ہیں، جبکہ ان تنازعات پر ایک لاکھ ۹۴ ہزار ۵ سو ملین ڈالر اب تک خرچ ہو چکے ہیں۔ (۵۸)
ان جنگوں میں حصہ لینے والے سب کے سب انسانیت کے علمبردار تھے، جو آپس میں بے دریغ کشت و خون بہا کر انسانیت اور امن و آشتی کا علم بلند کر رہے تھے۔

پہلی جنگ عظیم میں ابتداء چھ ممالک نے حصہ لیا۔ جنگ کے اختتام پہ یہ تعداد بڑھتے بڑھتے سولہ تک پہنچ گئی تھی۔ جرمنی اور آسٹریا ایک طرف تھے۔ دوسری طرف حق پرست اتحادی تھے یعنی برطانیہ، اٹلی، فرانس اور روس۔

اتحادی اس جنگ کا یہ مقصد بتلاتے تھے کہ چھوٹی سلطنتوں کی آزادی اور حفاظت کو برقرار رکھنے کے لیے یہ جنگ لڑی جارہی ہے، اس چھوٹے سے مقصد کے حصول کے لیے جس قدر قتل وغارت ہوا، اس نقشہ ہم یہاں پیش کر رہے ہیں۔ اس کا نقشہ کو پیش کرنے سے مقصد صرف یہی نہیں کہ ہلاک شدہ نفوس کی تعداد کا صحیح پتہ چل جائے، بلکہ یہ بھی ہے کہ ان جنگوں کے مقاصد، یورپی اقوام کے خفیہ معاہدات، اندرونی جھگڑے، عربوں سے غداری اور عہد شکنی کے بے شمار واقعات کے حوالہ جات آئیں گے۔ یہ نقشہ آپ کو ابتدائی معلومات مہیا کرے گا۔

سردست اتنا ہی سمجھ لیجئے کہ حق پرست اتحادیوں نے ظاہری اتحاد کے پردے میں خفیہ معاہدات کے ذریعہ اس غرض وغایت کی اس قدر مٹی پلید کی کہ چھوٹی سلطنتوں کا کچومر نکل گیا۔ اس جنگ میں مقتولین کی تعداد ایک محتاط اندازہ کے مطابق پچاسی لاکھ اٹھائیس ہزار کے لگ بھگ، مجروحین قیدی اور لاپتہ لوگوں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے۔ مصارف جنگ اربوں ڈالر تک جا پہنچی اور اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ صرف یہ کہ بڑی طاقتوں نے بندر بانٹ کے ذریعہ چھوٹی سلطنتوں کی آزادی کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ (۵۹)

دوسری جنگ عظیم میں ۱۹۳۹۔۴۵ء میں ۲۸ ممالک شریک ہوئے، مقتولین کی تعداد ایک کروڑ ۵۰ لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ جاپان کے شہر ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم پھینک کر جان ومال اور زمین کی جو بربادی کی گئی وہ سب کے سامنے ہے۔

پہلی جنگ عظیم ۱۹۱۴ء۔۱۹۱۸ء

دوسری جنگ عظیم ۱۹۳۹ء۔۱۹۴۵ء

ممالک	ہلاک	قیدی یا لاپتہ	ہلاک
آسٹریلیا			
ہنگری صرف پہلی جنگ			۲۶ ۹۷۶
آسٹریا	۱۲،۰۰،۰۰۰	۲۲،۰۰،۰۰۰	۲۸۰
اٹلی	۶ ۵۰	۶ ۰۰	۱ ۴۹ ۴۹۶
امریکہ	۱ ۲۶	۳ ۵۰۰	۲ ۹۱ ۵۵۷
برطانیہ	۹۰۸ ۳۷۱	۹ ۹۱ ۶۵۴	۳ ۵۷ ۱۱۹
بلجیئم	۱۳ ۷۱۶	۳۳ ۶۵۹	۸ ۴۶۰

بلغاریہ	۸۷ ۵۰۰	۲۷ ۰۲۹	۲ ۹۷۱
پرتگال	۷ ۲۲۲	۲ ۳۱۸	ـ
پولینڈ	ـ	ـ	۲ ۶۴
ترکی	۳ ۲۵ـ	۲ ۵۰	ـ
جاپان	۳۰۰	۳	۱۲ ۷۰ـ
جرمنی	۱۷ ۷۳ ۷۰۰	۱۱ ۵۲ ۸۰۰	۳۲ ۵۰ـ
جنوبی افریقہ	ـ	ـ	۲ ۶۸۳
برازیل	ـ	ـ	۹۴۳
چیکوسلواکیہ	ـ	ـ	۲ ۶۸۳
چلی	ـ	ـ	۱۳ ۲۳ ۵۱۲
ڈنمارک	ـ		۴ ۳۳۹
روس	۱۷ ۰۰ـ	۲۵ ۰۰ـ	۲۱ ۱۵ ۰۰۰
رومانیہ	۳ ۳۵ ۷۰۲	۸۰ـ	۳ ۵۰ـ
سربیہ	۴۵ـ	۱ ۵۲ ۹۵۸	ـ
فرانس	۱۳ ۵۷۰ ۸۰۰	۵ ۳۷ـ	۲ ۰۱ ۵۶۸
فن لینڈ			۷۹ ۰۳۷
کینیڈا			۳۲ ۳۱۲
ناروے			۲ـ
نیدرلینڈ			۶ ۵۰۰
نیوزی لینڈ	ـ	ـ	۱۱ ۶۲۵
ہندوستان	ـ	ـ	۳۲ ۱۳۱
ہنگری			۱ ۳۷ ۴۳۵
یوگوسلاویہ			۳ ۰۵ـ
یونان	ـ۵ـ	ـاـ	۱۷۰۴۳
	۸۵ ۲۸ ۳۱۵	۸۵ ۴۳ ۹۱۹	۱۳۹ ۴۲ ۹۶۴

(۶۰)

اس سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں:

(۱) پہلی جنگ عظیم متواتر ۴ سال جاری رہی۔ اس میں ۱۴ ممالک نے حصہ لیا۔ ۸۵ لاکھ سے زائد آدمی مارے گئے اور اتنے ہی قیدی یا لاپتہ ہوئے۔

(۲) دوسری جنگ عظیم متواتر ۶ سال جاری رہی۔ اس میں ۲۸ ممالک نے حصہ لیا اور مقتولین ڈیڑھ کروڑ تھے، یعنی دوسری جنگ میں عرصہ جنگ ڈیڑھ گنا، شریک ممالک دوگنا اور مقتولین دوگنا ہے۔

(۳) پہلی جنگ میں جن ۱۴ ممالک نے حصہ لیا۔ ان میں صرف دو ممالک پرتگال اور ترکی نے دوسری جنگ میں حصہ نہیں لیا۔ باقی سب کے سب دوسری جنگ میں شریک رہے۔

(۴) ذاتی اغراض و مقاصد کے تحت جنگیں اور ان کے بعد کے سمجھوتے علاقہ میں امن قائم نہیں کرتے بلکہ فتنہ وفساد اور ظلم کو اور زیادہ بھڑکا دیتے ہیں۔ چنانچہ پہلی جنگ کے بعد جب معاہدہ فرسائی میں شرائط طے پا گئیں تو اکثر سیاسی مبصرین نے اسی وقت کہہ دیا تھا کہ اس معاہدۂ صلح میں آئندہ جنگ کا بیج بو دیا گیا ہے۔ (۶۱)

مندرجہ بالا تقابلی جائزے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ عہد نبویؐ میں قیام امن کے سلسلے میں لڑی جانی والی تمام جنگیں بجائے خود انسانیت کی بقاء اور اس کی قدر و قیمت سے لبریز تھیں کیونکہ رسول اللہؐ اس جہاں میں رحمۃ للعالمین بن کر تشریف لائے اور امن اسلام کی اساس ہے۔

اس امر سے انکار نہیں ہوسکتا کہ ہر زمانہ میں لوگوں نے لڑائی کے متعلق کچھ قانون اور قواعد بنائے۔ ہر دور میں جنگی اصلاحات پر غور کیا گیا، تاہم اسلام نے جنگ کا جو طریقہ کار بیان کیا، وہ کسی دوسرے کو نصیب نہ ہوسکا۔ حضرت محمدؐ جو تمام دنیا کے لیے رحمت اور پیام امن بن کر تشریف لائے تھے، انہوں نے جنگ و جدل کا ایک بالکل نیا انداز پیش کیا، ایک سبق آموز راستہ اختیار کیا، جو اپنی نظیر آپ تھا، لڑائی کے متعلق جو قوانین مرتب کیے ان سے نہ صرف جنگ کا مفہوم بدل گیا بلکہ بڑی حد تک دنیا کو انسانی خون کی قدر اور انسانی جان کی قیمت معلوم ہوگئی۔

حضرت محمدؐ نے دنیا کے سامنے جنگ کا ایک ایسا نظریہ پیش کیا، جس سے دنیا نا آشنا تھی۔ آپؐ نے بتایا کہ جنگ اور قتل تو دراصل ایک مذموم اور بری چیز ہے، جس سے ہر شخص کو پرہیز کرنا چاہیے، لیکن جب دنیا میں اس سے بڑھ کر ظلم اور فتنہ وفساد پھیل جائے اور سرکش لوگ اللہ کی مخلوق کے امن و راحت کو فنا کرنے کے درپے ہو جائیں، تو مجبوراً رفع شر کی غرض سے جنگ کو اختیار کیا جاسکتا ہے اور اس وقت یہ گناہ نہیں رہتا، بلکہ امن عامہ کی غرض سے ضروری اور فرض ہو جاتا ہے، اسی بناء پر آپؐ نے ان تمام الفاظ کو جنگ کے لیے استعمال کیے جاتے تھے، ترک کر دیا اور اپنے قانون میں جنگ کا نام جہاد رکھا۔ جہاد کے معنی ہیں، دشمن کو دفع کرنے میں انتہائی کوشش کرنا۔ یہ لفظ ہی ان تمام ظالمانہ تصورات سے پاک ہے، جو اس سے بیشتر لڑائی اور جنگ کے نام میں داخل تھے۔

محمدؐ نے جہاد کا قانون بنا کر دنیا کو یہ بتایا کہ جنگ اصلی مقصد نہیں ہے، نہ جنگ کا مقصد کسی قوم یا آبادی کو بالکل تباہ کرنا ہے، بلکہ اصل مقصد تو فتنہ اور فساد اور شریر لوگوں کی شرارت کو روکنا ہے اور جب یہ مقصد پیدا ہو جائے تو فوراً جنگ بند کر دینا چاہیے۔ (۶۲)

قرآن حکیم نے اسی مقصد کو ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے:

﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ﴾ (۶۳)

"اگر خدائے تعالیٰ بعض امن پسند لوگوں کے ہاتھوں سے بعض شرارت پسند اور بدمعاشوں کی سرکوبی نہ کراتا تو زمین میں فساد برپا ہو جاتا"۔

پھر ایک اور جگہ فرمایا:

﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيرًا﴾ (۶۴)

"اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کی قوت سے شرارت پسند طبقے کو دفع نہ کراتا تو کسی قوم کا عبادت خانہ محفوظ نہ رہتا، نہ تکیے محفوظ رہ سکتے تھے، نہ گرجا کا تحفظ ہو سکتا تھا، نہ یہودی کی عبادت گاہیں اور نہ مساجد، غرض کوئی عبادت گاہ بچ نہ سکتی تھی"۔

اس آیت میں بھی جہاد کا مقصد ہی شرارت اور فساد روکنا بتایا گیا ہے۔ حضرت محمدؐ نے جہاد کا قانون وضع کرنے سے پہلے انسانی جان کی اہمیت سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ دنیا جس چیز کو کھیل سمجھے ہوئے تھی، قرآن نے اس کو سخت گناہ بتایا اور اس کی مذمت کی"۔

﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ﴾۔ (۶۵)

اور فرمایا:

﴿مَن قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا﴾ (۶۶)

اگر کسی انسان کو بدون اس بات کے کہ اس نے زمین میں فساد برپا کیا ہو یا کسی آدمی کو مار ڈالا ہو، قتل کیا گیا ہو، تو یہ بہت بڑا گناہ ہے اور ایسا کرنے والے کی مثال ایسی ہے، جیسے اس نے تمام دنیا کے انسانوں کی جان کو خطرہ میں ڈال دیا"۔

بچوں کو جو لوگ قتل کر ڈالتے تھے، ان کے متعلق فرمایا:

ان قتلهم كان خطأً كبيراً (۶۷)

"بچوں کا قتل خدا کے نزدیک بہت ہی بڑا گناہ ہے"۔ نبی کریمؐ نے بڑے بڑے گناہوں کو شمار کرتے ہوئے فرمایا:

"کسی انسان کو ناحق قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے"۔ پھر فرمایا "حشر میں سب سے پہلے دو چیزوں کا حساب ہوگا، ایک نماز کا اور ایک خون کے دعویٰ کا"۔

حضرت محمدؐ نے انسانی جان کے تحفظ اور حفاظت کی تاکید کرتے ہوئے یہ بھی بتایا کہ جس طرح دوسرے انسان کو قتل کرنا ایک بدترین گناہ ہے، اسی طرح کوئی شخص اپنے آپ کو بھی ہلاک نہیں کر سکتا۔ خودکشی کرنا بھی ایک بدترین جرم قرار دیا گیا۔ انسانی جان

کے اس احترام اور اس کی حفاظت کے بعد ظاہر ہے کہ جہاد کے قانون میں کس قدر احتیاط سے کام لیا گیا ہوگا اور کن مجبوریوں کے بعد جہاد کا حکم دیا گیا ہوگا۔

﴿ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ﴾ (۶۸)

''فتنہ وفساد قتل سے بھی برا ہے''۔ اور برائی کو روکنے کے لیے مجبوراً جہاد کیا جا سکتا ہے۔

اور ایک جگہ فرمایا ہے:

﴿ إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُن فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ ﴾ (۶۹)

''اگر تم شرارت پسند اور فتنہ پردازوں کے خلاف جہاد نہ کرو گے تو زمین میں بہت بڑا فتنہ اور فساد برپا ہو جائے گا''۔

اور امن عامہ خطرے میں پڑ جائے گا۔ جہاد فی سبیل اللہ کا مقصد صرف ایک ہی بتایا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دین اور اس کا کلمہ بلند ہو اور اسلام پر عمل کرنے والے آزادی کے ساتھ خدا کی عبادت اور خدا کے دین پر عمل کر سکیں۔

حضرت محمدؐ نے فرمایا: ''جو شخص اپنی شہرت یا فخر یا حصول مال یا اپنے مرتبہ کی بڑائی یا دشمن سے ذاتی انتقام یا قومی عصبیت یا دنیوی دکھاوے کے لیے جنگ کرتا ہے تو یہ جہاد فی سبیل اللہ نہیں ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ تو یہ ہے کہ جہاد کرنے والوں کا صرف ایک ہی مقصد ہو اور وہ یہ کہ اللہ کا دین بلند ہو اور خدا کی زمین پر مسلمان آزادی کے ساتھ اس کی عبادت کر سکیں، نیک باتوں کو جاری کر سکیں اور بُری باتوں کو روک سکیں۔

حضرت محمدؐ کے قانون میں جنگ کا اعلان صرف اس وقت ہو سکتا ہے، جب مسلمانوں پر ظلم کیا جائے یا ان سے جنگ کی جائے۔ مسلمانوں کا گھر اور ان کی زمینیں چھینی جائیں۔ مسلمانوں پر ان کے مذہبی عقائد کے باعث تشدد کیا جائے، جس زمین یا ملک پر مسلمانوں کو اقتدار حاصل ہو، وہاں سے ان کو بے دخل کیا جائے، اللہ کے راستے سے روکا جائے اور دین قبول کرنے میں مزاحمت کی جائے۔ مسلمانوں کو اسلام ترک کرنے پر مجبور کیا جائے یا اسلام کی توہین کی جائے اور دین کو برا کہا جائے۔ مسلمانوں کے مذہب کو گالیاں دی جائیں۔ دشمن عہد کر کے بدعہدی کرے یا عہد کو توڑ دے۔ دارالاسلام میں بدامنی اور فساد کیا جائے۔ مسلمانوں کی کوئی جماعت دشمنوں کے پنجے میں گرفتار ہو جائے اور اس کو ستایا جائے۔

جب تک ان وجوہات میں سے کوئی وجہ موجود نہ ہو جنگ نہ کی جائے، جس طرح وجوہات جنگ کی تفصیل ہے۔ اسی طرح حضرت محمدؐ کے قانون جہاد میں جنگ کے آداب، اس کے اخلاقی حدود، جنگ کرنے والوں کے حقوق وفرائض مقاتلین وغیر مقاتلین کا باہمی امتیاز اور ہر ایک کے حقوق، معاہدہ کرنے والے کے حقوق، سفیروں کے حقوق، قیدیوں کے حقوق، مفتوح قوموں کے حقوق اور ان کے ساتھ برتاؤ، یہ تمام امور نہایت تفصیل کے طور پر بیان کیے گئے ہیں۔

حضرت محمدؐ کے قانون جہاد میں جنگ کو صرف ایک اخلاقی حیثیت دی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ جنگ صرف ان سے ہی کی جائے، جو جنگ پر آمادہ ہوں۔ حریف مقابل کی عورتوں، بچوں، بوڑھوں، زخمیوں، اندھوں، اپاہجوں اور مجنوں دیوانوں کو قتل نہ کیا جائے۔ سیاح، خانقاہ نشین، زاہد، عبادت گاہوں کے مجاور قتل نہ کیے جائیں۔ راہبوں اور عابدوں کو نہ ستایا جائے۔ دشمن کو

باندھ کر اور تکلیف دے دے کر نہ مارا جائے۔ اعلانِ جنگ سے قبل دشمن پر غفلت کی حالت میں حملہ نہ کیا جائے۔ جانوروں کو ہرگز ہلاک نہ کیا جائے، کھیتیاں نہ جلائی جائیں، پھل دار درخت نہ کاٹے جائیں، دشمن کی لاشوں کو روندا نہ جائے، یعنی ناک، کان، ہونٹ وغیرہ کاٹ کر شکل نہ بگاڑی جائے۔ آبادیاں ویران نہ کی جائیں۔ دشمن سے عہد کر کے پورا کیا جائے، جو عہد کر کے کسی دشمن کو مار ڈالے، اس کو جنت کی خوشبو بھی میسر نہ ہو گی اور جو لوگ اطاعت قبول کر لیں، ان کے جان و مال کا احترام کیا جائے، قیدیوں پر سختی نہ کی جائے۔

فتح مکہ کی جنگ میں محمدؐ نے اعلان کیا تھا کہ کسی مجروح پر حملہ نہ کیا جائے۔ بھاگتے ہوئے کا پیچھا نہ کیا جائے، جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے، اس پر حملہ نہ کیا جائے۔(۷۰)

حضرت محمدؐ کے قانونِ جہاد کی یہ مختصر دفعات ہیں، جن سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دنیا جنگ کے نام پر جن وحشیانہ جرائم کا ارتکاب کرتی رہی ہے، ان میں اس قانون سے کس حد تک اخلاقی اصلاح کی گئی ہے اور یہ مبالغہ نہ ہو گا کہ محمدؐ کا قانون اس قدر جامع، مکمل اور اخلاقی قانون ہے کہ دنیا جنگ کے متعلق اس سے بہتر قانون پیش کرنے سے عاجز رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عہد نبوی کی جنگیں احترامِ آدمیت اور تکریم انسانیت سے سرشار ہیں کیونکہ اسلام سراپا دینِ امن ہے۔

اسلامی اور بین الاقوامی قوانینِ جنگ کا تقابل:

بین الاقوامی قانون کا آغاز:

یہاں مناسب ہو گا کہ ہم اسلامی اور بین الاقوامی قوانین جنگ کا ایک تقابلی جائزہ لیں، لہٰذا اس تقابلی تجزیہ کے لیے ضروری ہے کہ ہم دیکھیں کہ صلح و جنگ سے متعلق بین الاقوامی یا بین الملی قانون کیا ہے اور اس کے ماخذ کون کون سے ہیں۔

سترہویں صدی عیسوی سے قبل یورپ میں بین الاقوامی قوانین صلح و جنگ کا تصور تک موجود نہ تھا۔ سترہویں صدی کے آغاز میں ۱۹۱۸ء میں جب یورپ میں جنگ سی سالہ چھڑی تو اس میں وحشت و بربریت کے وہی مظاہرے ہوئے، جو دورِ جاہلیت میں رائج تھے۔ ذاتی اغراض و مقاصد کے تحت 'جنگ' جنگ میں بہیمانہ طور پر قتل و غارت اور لوٹ مار، قیدیوں کا قتل یا زندگی بھر کے لیے غلامی اور پھر ان سے انسانیت سوز سلوک، یہی کچھ یورپ میں اس وقت تک رائج تھا، اس وحشت و بربریت نے کچھ دردمند لوگوں کے ضمیر کو جھنجوڑا کہ اس وحشت و بربریت کو ختم کرنے کے لیے جنگ کے لیے کچھ اخلاقی ضوابط مقرر کیے جانے چاہئیں، چنانچہ اس سلسلہ میں سب سے پہلی کوشش ہالینڈ کے ایک دردمند مقنن گروٹیوس نے کی۔ اس نے ۱۶۲۵ء میں ایک کتاب شائع کی، جس میں جنگ کے اخلاقی ضوابط پیش کیے گئے تھے، جن کی حیثیت محض سفارشات کی تھیں۔

اہل یورپ مذہب سے تو پہلے ہی بیزار تھے۔ پھر مسیحیت میں انہیں مذہب کی طرف سے ایسے قوانین کی کچھ راہنمائی بھی نہیں مل سکتی تھی۔ لہٰذا گروٹیوس کی اس کتاب کو قبول عام حاصل ہوا اور یہ کتاب ہائیڈل برگ کی یونیورسٹی میں بطور نصاب شامل کر لی گئی۔

بعدازاں دوسرے مصنفین اور سیاسی مدبرین نے تصنیفات، رسائل اور مضامین کے ذریعہ گروٹیوس کے مشن کی آبیاری کی اور آگے بڑھانے کی کوشش کی۔

بین الاقوامی قانون کے مآخذ:

آج کا بین الاقوامی قانون دو اقسام پر مشتمل ہے۔ پہلی قسم تحریری یا مدون ہے، جو مندرجہ ذیل اجزاء پر مشتمل ہے:

۱۔ اخلاقی گروہ یا سیاسی مدبرین کے افکار و تصانیف جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔

۲۔ مختلف اقوام کے آپس کے سمجھوتے اور تحریری معاہدات جن کی رو سے جنگ کے لیے ضوابط طے کر لیے گئے ہیں۔

۳۔ مختلف امن کانفرنسوں میں پیش یا پاس ہونے والی تجاویز، جو مختلف ادوار میں جنیوا، ہیگ اور دوسرے مقامات پر منعقد ہوتی رہیں۔

بین الاقوامی قانون کی دوسری قسم غیر مدون یا بے لکھی ہے، جو متحارب اقوام کے باہمی معاملات اور عملی سیاسیات سے عبارت ہے۔ ان دونوں مندرجہ اقسام میں سے کون سی قسم زیادہ معتبر یا مستند ہے اور اختلاف کی صورت میں حجت بننے کی صلاحیت کس میں ہے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا آج تک کوئی تصفیہ نہیں ہو سکا اور حقیقت یہ ہے کہ قانونی گروہ یا قانون کے مدون کرنے والے ایک مہذب قاعدہ وضع کرتے ہیں تو فوجی گروہ اسے قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے اور چونکہ عمل کی تمام قوتیں فوجی گروہ کے ہاتھ میں ہوتی ہیں اس لیے کتابوں میں لکھا پڑا قانون کتابوں میں ہی دھرا رہتا ہے اور اصلی قانون جنگ وہ ہوتا ہے جس کو فوجیں خود اپنے عمل سے میدان جنگ میں وضع کرتی ہیں۔

فوجی گروہ یہ کہتا ہے کہ جنگ کو کسی ضابطہ اور قانون کے تحت لانا سرے سے ممکن ہی نہیں ہے۔ جنگ اور قانون میں ایک فطری تناقض یہ ہے کہ جنگ قانون کی عین طبیعت کے خلاف ہے اور جنگ کا اصلی قانون وہ نہیں جو ہیگ اور جنیوا میں مرتب کیا گیا ہے، بلکہ وہ ہے جسے میدان جنگ میں اقوام اور سنگینیں مدون کرتی ہیں۔

اسلامی قانون اور بین الاقوامی قانون کا بنیادی فرق:

اب دیکھئے اصلیت کے اعتبار سے اسلامی قانون اور بین الاقوامی قانون میں مندرجہ ذیل بنیادی امور میں فرق پایا جاتا ہے:

۱۔ اسلامی قانون ایک بالاتر ہستی کا عطا کردہ ہے، لہٰذا کم از کم مسلمانوں کے لیے حجت ہے، لیکن دنیاوی قانون انسانوں کو اپنا بنایا ہوتا ہے، لہٰذا وہ نزاع کی صورت میں کسی بھی فریق کے لیے قابل حجت نہیں ہوتا۔

۲۔ مسلمان اسلامی قانون کے تابع ہو کر چلتا ہے۔ مسلمانوں کو اس میں ترمیم کا اختیار نہیں دیا گیا، لیکن بین الاقوامی قانون میں چونکہ ہر وقت رد و بدل ممکن ہے، لہٰذا یہ قانون خود اقوام کی مرضی کے تحت چلتا ہے اور جس چیز کو کوئی ''بڑی طاقت'' پسند نہیں کرتی

وہ قانون سے حذف کردی جاتی ہے۔

۳۔ بین الاقوامی قانون صرف ان حکومتوں کے لیے حجت بن سکتا ہے، جنہوں نے معاہدہ پر دستخط کردیے ہوں یا تجاویز سے متفق ہوں۔ ان میں سے اگر ایک فریق اس معاہدہ کی خلاف ورزی کرتا ہے تو دوسرے کے لیے خلاف ورزی از خود جائز ہو جاتی ہے، جب کہ مسلمان کو محارب فریق کی قانون شکنی سے کچھ سروکار نہیں ہوتا۔ وہ بہر حال اسلامی قانون کی پابندی کرنے پر مجبور ہے۔

مقابل:

اسلامی اور بین الاقوامی قوانین کا تقابل پیش کرنے کے لیے ہم انہیں درج ذیل اقسام میں تقسیم کرتے ہیں۔

(الف) قوانین جو ایک دوسرے سے متصادم ہیں۔

(ب) وہ قوانین جو نظری اعتبار سے تو آپس میں ملتے جلتے ہیں، لیکن عملی اعتبار سے متصادم ہیں۔

(ج) ایسے قوانین جو دونوں میں ملتے جلتے اور موافقت رکھتے ہیں۔

اس ترتیب سے ہم یہ تقابل ذرا تفصیل سے پیش کرتے ہیں۔

(الف) متصادم قوانین

۱۔ جنگ کے اغراض و مقاصد:

پہلے یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ یورپ میں ضوابط جنگ کی تدوین کا آغاز گریشس کی مشہور کتاب کی تصنیف سے ہوا تھا۔ اس کتاب میں مصنف نے جنگ کے جائز و ناجائز مقاصد میں امتیاز پیدا کرنے کی کوشش کی، لیکن عہد جدید کے بین الاقوامی قانون نے اس سوال کو قطعاً خارج از بحث قرار دے دیا ہے۔ موجودہ دور میں مندرجہ ذیل مقاصد کو عملاً جنگ کے آغاز کے لیے جائز مقاصد سمجھا جاتا ہے۔

۱۔ اپنی تجارت کو فروغ دینے کے لیے دنیا کی شرافت کا اجارہ حاصل کرنا۔

۲۔ اگر کوئی حریف تجارت و صنعت کے میدان میں آگے بڑھ رہا ہو تو اس کا سر کچل دینا۔

۳۔ اپنے دور دراز مقبوضات کے راستہ میں جو ممالک واقع ہوں، انہیں اپنے زیر اثر لانا۔

۴۔ ملکوں اور سلطنتوں کے حصے بخرے کرنا اور کمزور اقوام کو اپنا غلام بنانا۔

۵۔ اگر کسی قوم سے دشمنی ہو جائے، خواہ کسی وجہ سے ہو تو اسے مٹا دینا یا کم از کم اس کا زور توڑ دینا۔

یہ ہیں وہ مقدس حقوق جن کی بناء پر جنگ کا آغاز ہوتا ہے اور مغربی اقوام کا تعامل انہیں جائز قرار دیتا ہے۔

اب دیکھیے اسلامی قانون مندرجہ بالا مقاصد میں کسی ایک مقصد کو جائز قرار نہیں دیتا اور ان اغراض کے تحت کی جانے والی جنگ کو فساد فی الارض قرار دیتا ہے اور اس فساد فی الارض یا ذاتی اغراض و مقاصد کے تحت لڑی جانے والی جنگوں کے خاتمہ کے

لیے جہاد کو فرض قرار دیتا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ اغراض و مقاصد جنگ کے لحاظ سے اسلامی قانون اور مغربی قانون آپس میں متصادم ہیں۔

جزیہ اور خراج کے بجائے اقتصادی تباہی:

اسلام مفتوح قوم سے جزیہ وصول کر کے اس ملک کے دفاعی اخراجات کا خود ذمہ دار بنتا ہے۔ اس حفاظت میں قاصر رہے، تو رقم واپس کر دیتا ہے۔ جزیہ کی شرح کا تعین لوگوں کی حالت دیکھ کر نرمی کا اسلوب اختیار کرتا ہے۔ وصولی میں جبر کا قائل نہیں اور مفتوح قوم کے معذور افراد سے جزیہ لینے کی بجائے بیت المال سے ان کے وظائف مقرر کرتا ہے۔

یہی صورت حال خراج کی ہے، اس کی شرح کا تعین زمین کی پیداوار کو ملحوظ رکھ کر نہایت واجبی شرح مقرر کرتا ہے اور وصولی میں کسی طرح کے جبر کا روادار نہیں۔ فصل کا نقصان ہونے کی صورت میں خراج لینے کی بجائے اس کی مدد کے لیے ہاتھ بڑھاتا ہے۔

یہ دونوں ٹیکس ایسے ہیں جو ہر ملک میں رعایا سے وصول کیے جاتے ہیں، حکومت خواہ اپنی ہو یا غیر قوم کی، یہ ٹیکس ہر قوم اور ہر ملک میں رہا ہے اور حکومتوں کے اخراجات کا بیشتر حصہ انہی ٹیکسوں سے پورا کیا جاتا ہے۔

اسلام نہ تو مفتوح اقوام پر کوئی ناجائز ٹیکس عائد کرتا ہے، نہ ہی انہیں اقتصادی طور پر کمزور یا مفلوج کرنے کا خواہش مند ہے، بلکہ مسلمانوں کی ہمیشہ اس کے خلاف کوشش رہی ہے۔

مغرب کی مہذب اقوام فی الواقعہ جزیہ اور خراج جیسے ٹیکس عائد نہیں کرتیں اور انہوں نے مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لیے جزیہ اور خراج پر اعتراضات کی بارش کی۔ اب یہ دیکھنا چاہیے کہ اس پہلو میں مفتوح اقوام کے ساتھ ان کا اپنا کردار کیسا ہے؟

جنگ عظیم اول ۱۹۱۷ء میں فرانس اور روس میں ایک خفیہ معاہدہ ہوا کہ دریائے رہائن کے مغربی حصے کا تمام علاقہ جرمنی سے چھین کر فرانس کے ساتھ ملحق کر دیا جائے گا۔ رہائن کا یہ علاقہ نہایت زرخیز تھا، لہٰذا فرانس نے اس خفیہ معاہدہ کو اپنے دوستوں یعنی برطانیہ اور امریکہ وغیرہ سے بھی صیغہ راز میں رکھا۔ جب اختتام جنگ کے بعد صلح کانفرنس میں تقسیم غنائم کا مسئلہ پیش ہوا تو امریکہ اور انگلستان نے ڈٹ کر فرانس کے اس مطالبہ کی مخالفت کی۔ آخر فرانس کے وزیر اعظم موسیو کلیمنشو نے یہ تجویز پیش کی کہ جرمنی پر جو تاوان جنگ عائد کیا گیا ہے، اس کی ضمانت کے طور پر رہائن کا علاقہ پندرہ سال کے لیے فرانسیسی قبضہ میں دے دیا جائے۔ اس چال کو فرانس کے سیاستدان بھی نہ سمجھ سکے اور انہوں نے وزیر اعظم کی مخالفت کی تو وزیر اعظم صاحب نے جواب دیا کہ:

"۱۵ سال کے تعین کا مقصد یہ ہے کہ جرمنی کے ہاتھ سے اس کے بیرونی علاقے چھین کر اس پر اتنا تاوان ڈال دیا جائے کہ وہ اس کی مدت معینہ کے اندر ادا کرنے کے قابل ہی نہ ہے اور ہم پندرہ سال گزرنے کے بعد علاقہ رہائن کو ہمیشہ کے لیے ملحق کر دیں"۔

چنانچہ وزیر اعظم کی اس تجویز پر اپنوں اور بے گانوں سب کا اتفاق ہو گیا تھا۔

دوسرا کام فرانس نے یہ کیا کہ پولینڈ کی نئی ریاست کا نقشہ کچھ اس طرح مرتب کر لیا کہ اس سے مشرقی پروشیا دولت پروشیا کے باقی علاقوں سے بالکل منقطع ہو گیا اور ایسی صورت پیدا کر دی۔ اگر جرمنی کسی وقت بھی جنگ عظیم کے مصائب پر افاقہ پا جائے تو

افاقہ پاتے ہی سب سے پہلے فرانس کے بجائے پولینڈ سے اُلجھ جائے اور یہ بات فی الواقع پوری ہو کر رہی۔ ۱۹۳۹ء میں دوسری جنگ عظیم کا آغاز آخر کار پولینڈ پر جرمنی کے حملہ سے ہوا۔

پھر جب ۱۹۲۲ء میں فرانس کو یہ خدشہ لاحق ہوا کہ جرمنی ان تمام پابندیوں کے باوجود ۱۵ سال کے اندر رہائن کو واگزار کرانے میں کامیاب ہو جائے گا تو اس نے اپنے شکار پر ایک اور کاری ضرب لگانے کا فیصلہ کر لیا اور وہ یہ تھا کہ جرمنی کے ایک دوسرے زرخیز علاقہ روہر پر فوج کشی کر کے اس پر مستقل قبضہ کر لیا جائے، چنانچہ ۱۹۲۳ء کی ابتداء ہی میں فرانس نے فوجیں بھیج کر جرمنی کو اس علاقہ سے محروم کر دیا جس پر اس کی صنعتی اور معاشی زندگی کا تمام تر انحصار تھا۔

ہم اس مختصر جائزہ میں زیادہ مثالیں پیش نہیں کر سکتے۔ ورنہ خفیہ معاہدات خاتم کا جو حال آپ پڑھیں گے، آپ کو وہی کچھ نظر آئے گا کہ ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور ہوتے ہیں اور کھانے کے اور۔ ان کی نظری سیاست جتنی دلفریب نظر آتی ہے۔ عملی سیاست اتنی ہی گھناؤنی نظر آئے گی۔ اسلام ایسی منافقت، دو عملی اور ڈپلومیسی کو کسی قیمت پر گوارا نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ کا واضح حکم ہے:

"كَبُرَ مَقْتًا عِندَ اللَّهِ أَن تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ"۔ (۷۱)

"خدا اس بات سے سخت بیزار ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں"۔

مغربی اقوام کو جزیہ اور خراج پر تو یہ اعتراض ہے کہ ان کی وصولی سے مفتوح اقوام کو اقتصادی طور پر کمزور کر دیا جاتا ہے، لیکن اس کے بجائے تاوان جنگ کی شکل اقوام اور پھر اس بہانے مفتوح قوم کے زرخیز علاقوں پر جبراً قبضہ کر کے انہیں اقتصادی طور پر بالکل تباہ کر دینے میں انہیں کوئی زیادتی نظر نہیں آتی۔

(ب) نظری اعتبار سے موافق قوانین

ا۔ ایفائے عہد اور خفیہ معاہدات:

ایفائے عہد کو اسلامی نقطۂ نگاہ سے ایمان کا ایک حصہ قرار دیا گیا ہے۔ تاریخ اسلام سے کئی ایسی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں، جن سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے بڑے نازک اوقات میں اور اپنا نقصان اٹھا کر بھی عہد و معاہدہ کو حتی الامکان پورا کیا ہے، جہاں تک نظری حیثیت کا تعلق ہے، مغربی قانون بھی وعدے کی پابندی پر زور دیتا ہے کیونکہ معاہدات کیے ہی اس لیے جاتے ہیں کہ فریقین ایک طے شدہ امر کے مطابق مطمئن ہو کر اپنی پالیسی وضع کریں، لیکن عملی حیثیت سے ہم دیکھتے ہیں کہ مغرب کی مہذب دنیا نے موقع سے فائدہ اٹھانے کی خاطر ظاہری معاہدات کے زیریں خفیہ معاہدات کا سلسلہ جاری کر رکھا ہے اور اس منافقت کا نام فن سیاست یا ڈپلومیسی رکھ لیا ہے۔ اس ڈپلومیسی اور خفیہ معاہدات کا منظر جو پہلی جنگ عظیم میں سامنے آیا وہ کچھ اس طرح ہے۔

یہ یاد رہے کہ ابتداء میں اس جنگ میں حصہ لینے والے صرف چھ سات ممالک تھے۔ ایک فریق جرمنی، آسٹریلیا اور ہنگری پر مشتمل تھا۔ دوسرے فریق میں برطانیہ، فرانس، روس اور اٹلی شامل تھے۔ یہی دوسرا فریق اپنے آپ کو حق پرست ہونے کا دعویٰ لے کر اٹھا تھا اور اتحادی کہلاتا تھا۔ اتحادی اپنے مفادات کی خاطر ترکی کی حکومت کا زور ختم کرنا چاہتے تھے، لہٰذا عرب ممالک کو

بغاوت پر اُکسانے اور اپنے ساتھ ملانے کے لیے یہ چال چلی کہ بار بار عربوں کو یہ یقین دلایا گیا کہ جنگ کے اختتام پر عربوں کی آزاد اور خود مختار حکومت قائم کر دیں گے اور یہ جنگ محض عربوں کو ترکی کے پنجۂ ستم سے نجات دلانے کے لیے لڑی جا رہی ہے۔

چنانچہ جب ۱۱ مارچ ۱۹۱۷ کو جنرل ماڈ بغداد میں داخل ہوا تو اس نے ایک عام اعلان شائع کیا، جس کے الفاظ یہ تھے:

"ہم آپ کے شہر میں فاتحانہ حیثیت سے داخل نہیں ہوئے۔ ہم آپ کے دشمن نہیں بلکہ نجات دہندہ ہونے کی حیثیت سے آپ کو آزادی دلوانے آئے ہیں۔ بغداد کے باشندوں کو جان لینا چاہیے کہ ہم ان کے ملک پر حکومت نہیں کرنا چاہتے۔ ہمارا مقصد تو یہ ہے کہ ان کے علماء وفقہا کی دیرینہ آرزوئیں پوری ہوں۔ ان کا ملک ایک مرتبہ پھر آزاد ہو اور اس میں ایسے آئین وقوانین نافذ ہوں جو ان کی مقدس شریعت اور قومی روایات کے مطابق ہوں"۔

اور جنگ کے خاتمہ پر پھر فرانس اور انگلستان کی جانب سے ایک مشترکہ منشور بلادِ عرب میں شائع کیا گیا جس میں یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ:

"یہ جنگ جو دنیا کو جرمنی کے توسیعی عزائم سے بچانے کے لیے برپا کی گئی تھی، اس کے خطرات ومصائب کو مشرق تک وسیع کرنے کی وجہ صرف یہ تھی کہ برطانیہ اور فرانس ان تمام اقوام کو جو ایک طویل زمانہ سے جور وستم کا تختہ مشق بنی ہوئی تھیں، کامل آزادی دلانا چاہتے ہیں اور ان کا مقصد یہ تھا کہ ایسی وطنی حکومتیں اور ادارات قائم کیے جائیں جو ان قوموں کی اپنی رغبت وخواہش پر مبنی ہوں اور جن میں کوئی دوسرا دخیل نہ ہو"۔

ان اعلانات سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ اتحادیوں نے ترکی حکومت کا خاتمہ کرنے اور عربوں کی بھرپور حمایت حاصل کرنے کے لیے صرف دورانِ جنگ ہی نہیں جنگ کے اختتام پر بھی ایسے اعلانات اور معاہدات کر لیے تھے، جو فی الواقع عربوں کے مفاد میں تھے، لیکن اصل حقیقت اس کے علاوہ کچھ اور تھی۔ فرانس اور برطانیہ نے ۱۹۱۵ء اور ۱۹۱۶ء میں آپس میں خفیہ معاہدات کیے۔ ۱۹۱۶ء کا خفیہ معاہدہ کی رُو سے یہ طے ہوا کہ جنگ کے خاتمہ کے بعد:

ا۔ عراق کلیتہً برطانیہ کے قبضہ میں رہے گا۔

ب۔ شام پورے کا پورا فرانسیسی سلطنت کے دائرہ میں رکھا جائے گا۔

ج۔ فلسطین ایک بین الملی علاقہ ہوگا اور حیفہ اپنے بندرگاہ سمیت برطانیہ کے اثر میں رہے گا۔

د۔ باقی رہے وہ ممالک جو عراق اور سواحل شام کے درمیان واقع ہیں، سو ان کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ ایک حصہ فرانس کے زیرِ اثر ہوگا اور دوسرا برطانیہ کے زیرِ اثر۔

ادھر یہ معاہدات طے پا چکے تھے اور ادھر یہ حق پرست عربوں کو بہانگ دہل یہ یقین دلا رہے تھے کہ وہ محض ان کے نجات دہندہ ہیں اور جنگ کے بعد انھیں ایک آزاد اور خود مختار ریاست قائم کرنے میں مدد دیں گے، جس پر ان کا کسی قسم کا تسلط نہ ہوگا۔

۲۔ مہلک آلاتِ جنگ کا استعمال:

جنگ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دشمن کی قوت کے دوران کو مفلوج کر کے اسے اطاعت پر مجبور کر دیا جائے اور اس کے حصول کا بہترین طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اپنے اور دشمن کے مال و جان کو نقصان کم سے کم ہو۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ بے دریغ قتل و غارت یا دہشت گردی کے بعد بھی دشمن اطاعت پر آمادہ نہیں ہوتا، لہٰذا انسانیت کا تقاضا یہ ہے کہ دشمن کے جان و مال کی تباہی کو اصل مقصد نہ سمجھا جائے بلکہ اس سے حتی الامکان احتراز کیا جائے، لیکن موجودہ دور کے آلاتِ جنگ اور بمبار ہوائی جہاز اس لحاظ سے انتہائی وحشیانہ کردار ادا کرتے ہیں، نہ ہی وہ مقاتلین اور محاربین کی کوئی تمیز روا رکھتے ہیں اور شاید رکھ بھی نہیں سکتے۔ ایسے وحشیانہ افعال سے بربادی و ہلاکت تو اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے، لیکن بھی کوئی علاقہ فتح نہیں ہوتا۔ اس صورت حال نے مغربی اقوام کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ وہ ایسے افعال پر پابندیاں عائد کریں، چنانچہ ۱۸۶۸ء اور ۱۹۰۷ء کی تجاویز میں یہ اصول تسلیم کیا گیا کہ دشمن کو ایسا جانی نقصان نہ پہنچایا جائے، جو جنگ کے مقاصد میں تو کوئی مدد نہ دے، مگر اس کی تکالیف میں غیر معمولی اضافے کا باعث ہو۔ اس اصول کے مطابق حسب ذیل اشیاء کا استعمال ممنوع قرار دیا گیا۔

۱۔ اشتعال پذیر اور آتش گیر مادے، جن کا وزن ''۱۴'' اونس سے کم ہو۔

۲۔ پھٹنے والی گولیاں جو جسم میں داخل ہو کر پھیل جاتی ہیں۔

۳۔ زہریلی اور دم گھوٹنے والی گیس۔

۴۔ بیلونوں اور ہوائی جہازوں سے گولے برسانا۔

یہ تجاویز بھی بس صفحۂ قرطاس ہی میں رہیں۔ پہلی جنگ عظیم میں ان تمام مہلک آلات کا فریقین کی طرف سے بے دریغ استعمال کیا گیا۔ پھر دوسری جنگ عظیم میں ایٹم بم کے استعمال نے تو ان تجاویز کے پرخچے تک اڑا دیے۔

اسلام نے اس بارے میں ایک زریں اصول بتلا دیا ہے کہ بے مقصد اور بلا ضرورت دشمن کے جان و مال سے حتی الامکان گریز کیا جائے۔ محض دہشت پھیلانے کے لیے افعال کا کوئی جواز نہیں اور اس اصول پر عملدرآمد کی بہترین مثالیں صلح حدیبیہ اور فتح مکہ ہیں۔ رہا دشمن کے جدید سے جدید تر مہلک آلات کے استعمال کا مسئلہ، تو اسلام نے اس سلسلہ میں یہ ہدایت دی ہے کہ ایسے باہمی سمجھوتے کرنے کے بعد وہ پہل کر کے عہد شکنی کے مرتکب نہیں ہو سکتے، ہاں اگر دشمن پہل کرے تو جوابی کارروائی کی جا سکتی ہے، مگر وہ بھی اس حد تک جس حد تک دشمن نے زیادتی کی ہو اور اگر پھر بھی عفو و درگزر سے کام لیا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

" فمن اعتدی علیکم فاعتدو اعلیہ بمثل ما اعتدی علیکم ص واتقوا اللّٰہ ". (۴۷)

''جو کوئی تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی اس نے کی ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو''۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

وجزاؤ اسیۃ لسیئۃ مثلھا فمن عفاوا صلح فاجرۃ علی اللّٰہ (۷۵)

ترجمہ: بدی کا بدلہ بدی ہے اس کے مثل اور جو کوئی معاف کردے اور اصلاح کرے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے"

"وان عاقبتم فعاقبو ابمثل ماعوقبتم بہ ط ولئن صبرتم لھو خیر لصبرین". (۷۶)

"اگر تم سزا دو تو اتنی ہی سزا دو جتنی تمہیں تکلیف دی گئی ہے اور صبر کرو تو یہ صابروں کے لیے زیادہ بہتر ہے"۔

یہ ہے وہ جامع اصول جس کی مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے۔ دشمن کی کارروائیاں جارحانہ ہوں یا ظالمانہ اور منتقمانہ، ہر جگہ یہی اصول مدنظر رکھا جائے گا۔

۳۔ مفتوحین سے سلوک:

سترہویں صدی کے آغاز تک اقوام مغرب بھی اس قدیم قدرتی فن کی قائل تھی کہ جو شہر بزور شمشیر فتح ہو تو فاتحین کو یہ حق ہوتا ہے کہ مفتوح شہروں میں گھس کر بے دریغ قتل و غارت کریں۔ انہیں امان دینے کا بھی کوئی تصور موجود نہ تھا، اگرچہ جنگ سی سالہ کی وحشت و بربریت دیکھنے کے بعد یورپ کا ضمیر اسے برا سمجھنے لگا تھا تاہم بعد میں ہونے والے معرکوں میں اس کا کوئی جواز نہیں پایا جاتا۔ ۱۷۹۰ء میں ترک اور روس میں جنگ چھڑ گئی۔ روسی فوجیں فتح یاب ہوئیں۔ آسمٰعیل میں داخل ہوئیں تو انہوں نے مقاتلین و غیر مقاتلین سب کو تلوار کے گھاٹ اتارا۔ ۱۸۲۷ء میں فرانس نے قسطنطنیہ فتح کیا تو اس کی فوجیں مسلسل تین دن قتل و غارت میں مشغول رہیں۔ ۱۸۵۷ء میں انگریزی فوجوں نے دلی کو فتح کیا تو آزادی سے قتل عام کا بازار گرم کیا۔

بالآخر ۱۸۹۹ء کی ہیگ کانفرنس میں یہ طے پایا کہ شمشیر سے فتح ہونے والے شہروں میں قتل و غارت اور لوٹ مار نہیں کیا جائے گی، بگر عملاً یہ طریقہ پھر بھی بند نہیں ہوا۔ ۱۹۲۰ء میں یورپ کی مہذب ترین سلطنتوں کی زیر سرپرستی یونانیوں نے سمرنا اور تھریس میں داخل ہو کر غیر مقاتل شہری آبادیوں کے ساتھ اسی قدیم وحشت کا مظاہرہ کیا جس کی وجہ یہ ہے کہ مغرب کا قانون بڑی طاقتوں کے سامنے بالکل بے بس ہے اور آئندہ بھی ایسا ہی ہونے کا امکان ہے۔

ج۔ موافقہ قوانین

ا۔ غیر مقاتل افراد کے حقوق:

گروشیس نے اپنی تاریخی کتاب میں ایک یہ سفارش بھی کی تھی کہ:

"جنگ میں بطور ایک شریفانہ رعایت کے (نہ کہ بطور ایک قانون کے) بچوں، بوڑھوں، عورتوں، پادریوں، کاشت کاروں، تاجروں اور اسیران جنگ کو قتل و غارت سے محفوظ رہنا چاہیے"۔

یہ محض ایک سفارش تھی جس کو فوجی گروہ نے قبول نہیں کیا۔ دو سو برس بعد تک یورپ نے اس میں کوئی ترقی نہیں کی۔ چنانچہ انیسویں صدی کے وسط میں ہندوستان کی جنگ آزادی میں انگریزی فوجوں نے ہولناک مظالم کیے، جن کے تصور سے انسانی ضمیر

کانپ اٹھتا ہے، پھر رفتہ رفتہ یورپ نے وہی طریقہ اختیار کر لیا، جو آج سے چودہ سو سال قبل اسلام نے پیش کیا تھا۔ فرق صرف یہ ہے کہ اسلام اس قانون کی پابندی کو لازمی قرار دیتا ہے، جب کہ مغرب آج بھی اسے محض ایک شریفانہ رعایت سمجھتا ہے۔

۲۔ زخمی اور بیمار افراد کی نگہداشت:

۱۸۶۴ء میں سوئٹزرلینڈ کی حکومت نے جنیوا کے مقام پر ایک بین الاقوامی اجتماع منعقد کر کے بیماروں، زخمیوں اور مصابیوں سے متعلق چند قوانین مرتب کیے جن کی توثیق جنیوا کی تیسری کانفرنس منعقدہ ۱۹۰۶ء میں جا کر ہوئی۔ یہ قوانین بھی جنہیں مغربی اقوام نے بعد از خرابی بسیار اختیار کیا ہے، اسلامی قوانین کا چربہ معلوم ہوتے ہیں، لیکن یہ سمجھوتہ بھی عملاً بے کار ہی رہا، کیونکہ پہلی جنگ عظیم میں فریقین نے ایک دوسرے کے ہسپتالی جہاز بڑی بے دردی سے تباہ کر دیے، حالانکہ ان پر معاہدہ کے مطابق سرخ صلیب سے نشان بھی لگے ہوئے تھے۔

ہیگ کانفرنس کے مختلف سمجھوتوں کا اصل مقصد یہ تھا کہ جن لوگوں کو بیماری یا زخم نے جنگ لڑنے سے معذور کر دیا ہے، ان کو علاج سے بے توجہی کے ذریعہ مزید ایذاء دینا یا انہیں قتل کر دینا، انسانیت کے خلاف ہے۔ بالخصوص جبکہ ان کی ایذا رسانی اور قتل سے مقاصد جنگ کے حصول میں بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اب دیکھیے اسلام نے اپنی فوجوں کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنے حریف کے اچھے یا برے طرز عمل سے بے پروا ہو کر اپنے ذاتی فرض کے طور پر بے چاروں اور زخمیوں پر اور اسے تمام لوگوں پر رحم و کرم سے کام لیں، جو زخمیوں کی طرح معذور ہوں اور یہ حکم اس وقت دیا گیا جب کہ دشمن اس طرح کے رحم کے تصور سے بھی ناآشنا تھا۔ (۷۷۔ الف)

زندگی کے میلے یا موت کے اندھیرے؟

عالم انسانیت کو تابناک یا ہیبت ناک مستقبل میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہوگا

۲۰۰۹ء میں جون کی چودہ تاریخ کو اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل بان کی مون نے اکیس ستمبر کو عالمی سطح پر منائے جانے والے عالمی یوم امن کے حوالے سے سو یوم قبل ایک مہم کا آغاز کیا تھا جس کا نعرہ تھا "دنیا کو لازماً غیر مسلح ہونا چاہیے۔" اس مہم کے دوران تمام تر توجہ جوہری اسلحے کے ذخائر میں تخفیف اور جوہری عدم پھیلاؤ پر مرکوز کی گئی۔ اس کے علاوہ ہر سال عالمی سطح پر چوبیس تا تیس اکتوبر ہفتۂ تخفیف اسلحہ منایا جاتا ہے۔ اس کا آغاز اقوام متحدہ کے قیام کی سال گرہ کے موقع پر جنرل اسمبلی کے 1978ء میں منعقدہ خصوصی اجلاس میں منظور کی جانے والی قرارداد نمبر ایس۔ 10/2 کے تحت ہوا تھا۔ 1995ء میں جنرل اسمبلی نے اس ضمن میں حکومتوں کے ساتھ غیر سرکاری تنظیموں کو بھی کوششیں کرنے کی دعوت دی تاکہ وہ عالمی ادارے کی جانب سے اس بارے میں تیار کی جانے والی تحقیقی رپورٹس اور جمع کی جانے والی معلومات سے استفادہ کر کے دنیا بھر کے لوگوں کا شعور بیدار کریں۔

اقوام متحدہ کے مطابق اس وقت دنیا کو سب سے زیادہ خطرہ وسیع تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں سے ہے جن میں نیوکلیائی، حیاتیاتی اور کیمیائی ہتھیار اور میزائل شامل ہیں۔ دوسرے نمبر پر روایتی ہتھیار آتے ہیں جن میں چھوٹے ہتھیار سرفہرست ہیں۔ تاہم تخفیف اسلحہ کے بارے میں روز افزوں کوششوں کے باوجود دنیا کو لاحق خطرات میں روز بہ روز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اقوام

متحدہ اس ضمن میں بہت سی کامیابیاں ملنے اور بہت سے معاہدات ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، لیکن دوسری جانب عالمی طاقتیں آئے دن کسی نہ کسی نئے اور پہلے سے زیادہ خطرناک ہتھیار کا تجربہ کرتی رہتی ہیں۔ دفاعی تجزیہ نگاروں کے مطابق صرف امریکا میں موجود نیوکلیائی ہتھیار دنیا کو کئی مرتبہ صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے کافی ہیں۔

دنیا بھر میں اسلحے کے پھیلاؤ اور اس کی تجارت پر گہری نگاہ رکھنے والے اسٹاک ہوم انٹرنیشنل پیس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ (SIPRI) کے مطابق اگرچہ سابق سوویت یونین کی تحلیل سے ایک برس قبل یعنی 1990ء میں عالمی سطح پر فوجی اخراجات میں کمی واقع ہوئی تھی، جو ایک کھرب امریکی ڈالرز سے کچھ زیادہ تھے، لیکن 2005ء میں اس میں پھر اضافہ دیکھا گیا اور وہ پھر اتنے ہی ہو گئے تھے۔ فوجی اخراجات پر نگاہ رکھنے والے، ماہرین اقتصادیات اور سماجیات اس بات پر متفق ہیں کہ جب بھی کوئی ملک اپنے فوجی اخراجات میں اضافہ کرتا ہے تو اس کا فوری اور لازمی اثر تعلیم، صحت اور سماجی فلاح کے منصوبوں پر پڑتا ہے اور ان کے بجٹ میں کمی کر دی جاتی ہے۔

سپری کی رپورٹ کے مطابق دنیا بھر کے فوجی اخراجات پوری دنیا کی مجموعی قومی آمدنی (جی ڈی پی) کا ہر سال ڈھائی فی صد ہڑپ کر جاتے ہیں یوں اس دنیا کے ہر باسی کے ذمے 173 امریکی ڈالرز کے مساوی رقم آتی ہے۔ ایک اور رپورٹ کے مطابق چند برسوں میں ان اخراجات میں پچیس فی صد اضافہ دیکھنے میں آیا ہے اور دنیا کے حالات کے تناظر میں ان اخراجات میں اضافے کا رجحان جاری رہے گا۔ اس دوڑ میں امریکا سب سے آگے ہے۔ دہشت گردی کے خلاف امریکا کی جانب سے لڑی جانے والی جنگ میں سات برسوں میں اس کے 502 ارب ڈالرز خرچ ہو چکے ہیں۔ دوسری جانب ماہرین سیاسیات کے مطابق اس وقت دنیا بھر میں 34 مقامات پر مسلح تصادم کا سلسلہ جاری ہے اور ان میں سے ہر ایک میں کم از کم ایک ہزار افراد کی موت یقینی ہوتی ہے۔

اتنے خطرناک حالات میں تصویر کا دوسرا رخ دکھانے والے ماہرین کہتے ہیں کہ آج دنیا بھر میں جتنے فوجی اخراجات کیے جا رہے ہیں اگر وہ بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے منصوبوں پر خرچ کیے جائیں تو یہ دنیا جنت ارضی میں تبدیل ہو جائے۔ وہ اس ضمن میں مختلف ہتھیاروں اور آلات کی قیمت کے تناظر میں اس رقم کو مثبت مقاصد کے لیے استعمال کرنے کی صورت میں سامنے آنے والے نتائج پیش کرتے ہیں۔

دنیا بھر میں 2008ء میں کل 1464 کھرب امریکی ڈالرز کے مساوی فوجی اخراجات کیے گئے تھے۔ اسی برس صرف امریکا نے 607 کھرب امریکی ڈالرز کی مساوی رقم اس مد میں خرچ کی تھی جو کل عالمی فوجی اخراجات کا 41.5 فی صد حصہ بنتا ہے۔ چین کا حصہ 5.8، فرانس کا 4.5، انگلستان کا 4.6، روس فیڈریشن کا 4، جرمن کا 3.26، جاپان کا 3.2، اٹلی کا 2.8، سعودی عرب کا 2.6 اور بھارت کا 2.1 فی صد حصہ تھا۔ افسوس ناک بات یہ ہے کہ 2005ء سے 2008ء کے دوران مختلف ممالک نے اپنی مجموعی قومی آمدنی کا 11.4 تا 0.7 فی صد حصہ فوجی اخراجات کی نذر کر دیا۔ ان میں بعض ایسے ممالک بھی شامل ہیں جو غربت اور پس ماندگی کی دلدل میں گردن تک دھنسے ہوئے ہیں، مثلاً چاڈ، ایتھوپیا، گیبون، بوٹسوانا وغیرہ۔

اسلحے کے ضمن میں جوہری ہتھیاروں کے بعد جن ہتھیاروں کا نمبر آتا ہے وہ طیارہ بردار جہاز، کروز میزائل، ٹینک یا توپیں نہیں ہیں، بلکہ وہ چھوٹے ہتھیار ہیں۔ مثلاً ہینڈ گن، پستول، سب مشین گن، مارٹر، بارودی سرنگیں، گرینیڈ، ہلکے میزائل وغیرہ۔ اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق جنگوں اور تنازعات میں ان ہی چھوٹے ہتھیاروں سے نوے فی صد سویلینز کی ہلاکتیں ہوتی ہیں۔ ایک رپورٹ کے مطابق جدید دور میں ہر سال دنیا بھر میں تنازعات کی وجہ سے تقریباً تین لاکھ اور قتل یا خودکشی کی وجہ سے دو لاکھ افراد ہلاک ہو جاتے ہیں۔ دنیا بھر میں چھوٹے ہتھیاروں کے خفیہ کاروبار کا سالانہ حجم دو تا دس ارب امریکی ڈالرز کے مساوی بتایا جاتا ہے۔ ہر گزرتے لمحے میں کہیں نہ کہیں ایک شخص پستول سے ہلاک ہو رہا ہوتا ہے۔ 98 ممالک میں 1134 ادارے چھوٹے ہتھیاروں یا گولہ بارود کی پیداوار میں کسی نہ کسی طرح مصروف ہیں۔ دنیا بھر میں بنائے جانے والے آتشیں اسلحہ کا 80 فی صد حصہ سویلینز خریدتے ہیں۔ اس وقت دنیا میں 639 ملین آتشیں اسلحہ موجود ہے، جس کا 59 فی صد حصہ قانونی طور پر سویلینز کے پاس ہے۔ چھوٹے ہتھیار اس لیے زیادہ خطرناک ثابت ہوتے ہیں کہ ان کی عمر طویل ہوتی ہے، دیکھ بھال کی کم ضرورت پڑتی ہے، نسبتاً سستے اور آسانی سے دست یاب ہوتے ہیں، کم جگہ میں آجاتے ہیں اور ان کی نقل و حمل آسان ہوتی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق دنیا بھر میں 500 ملین چھوٹے اور ہلکے ہتھیار موجود ہیں یعنی ہر بارہ میں سے ایک فرد کے پاس ایسا کوئی نہ کوئی ہتھیار موجود ہے۔

فوجی اخراجات کا دوسرا مطلب تعلیم، صحت، روزگار اور سماجی بہبود کے منصوبوں پر کم اخراجات ہوتے ہیں۔ مثلاً 2008ء میں امریکا نے اپنے کل وفاقی میزانیے کا 44.4 فوجی مقاصد کے لیے، 19.7 فی صد صحت کے لیے، غربت ختم کرنے کے لیے 11.8 فی صد، تعلیم اور روزگار کے لیے 2.2 فی صد، سائنس، توانائی اور ماحول کے لیے 2.5 فی صد خرچ کیا۔ ترقی پزیر ممالک بھی اس دوڑ میں پیچھے نہیں ہیں، لیکن جب ایسے ممالک اس دوڑ کا حصہ بنتے ہیں تو ان ممالک کے عوام کا جینا دوبھر ہو جاتا ہے۔ وہ مہنگائی، محاصل کی بلند شرح اور سماجی بہبود کے منصوبوں میں کٹوتی کی وجہ سے زندہ درگور ہو جاتے ہیں۔ چناں چہ اب وقت آگیا ہے کہ دنیا کے باسیوں کو یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ انہیں ہیبت ناک مستقبل چاہیے یا تاب ناک۔ (م۔ ب)

نیٹو اور دنیا کے دس سرفہرست ممالک کے فوجی اخراجات کا جائزہ

عالمی رینکنگ	ملک	فوجی اخراجات (امریکی ڈالرز میں)	سال
	دنیا بھر کے مجموعی فوجی اخراجات	1,470,000,000,000	2008ء
	نیٹو کی تنظیم کے کل فوجی اخراجات	1,049,875,309,000	
1	ریاست ہائے متحدہ امریکا	663,700,000,000	2010ء (تخمینہ)
2	یورپی یونین کے ممالک	663,700,000,000	2010ء (متوقع)
3	عوامی جمہوریہ چین	70,308,600,000	2009ء
4	انگلستان	65,149,500,000	مالی سال 2009ء-2010ء
5	جاپان	48,860,000,000	2008ء
6	فرانس	47,421,250,000	2010ء (متوقع)
7	جرمنی	45,930,000,000	2008ء
8	ترکی	40,936,000,000	2009ء
9	اٹلی	40,050,000,000	2008ء
10	روسی فیڈریشن	39,600,000,000	2009ء

کس ہتھیار کے بدلے میں کیا مثبت تبدیلی لائی جا سکتی ہے۔ مختصر ترین جائزہ

ہتھیار کا نام اور قیمت (امریکی ڈالرز میں)	کتنے [illegible] کی [illegible] ہو سکتی ہے	پینے کے پانی کے لیے کتنے [illegible] جا سکتے ہیں	کتنے [illegible] کی [illegible] ہو سکتی ہے	کتنے [illegible] سکتے ہیں	کتنوں کو [illegible] سکتے ہیں	کتنے سکول بن سکتے ہیں	کتنے [illegible] ہیں	[illegible] کے [illegible] جا سکتے ہیں	کتنے [illegible] شروع کر سکتے ہیں
[illegible] 12 [illegible] طیارہ (ایک عدد)	2064102064	1150510	31446541	31466331	713316	270196	53504548	10851872	41152267
[illegible] (30 کروڑ)	206128206	92041	2515733	2517306	57065	21616	4280364	6556150	3292181
[illegible] 64 [illegible] (50 کروڑ)	128205128	57525	1572327	1573317	35666	13510	2676277	5347594	2057613
ایک امریکی طیارہ بردار جہاز (2 ارب 62 کروڑ)	7230769231	3244437	86673245	86738043	2011556	781962	150892825	30180470	110049383
[illegible] 47 کلاشنکوف (600)	1538	1	19	19	0	0	32	64	25

جب کہ اسلام و قرآن کے مطالعے سے معلوم چلتا ہے کہ اسلام و قرآن حکیم میں جا بجا زندگی بخش قیام امن کی تشریح ملتی ہے۔ جس میں سے چند مثالیں ذیل میں درج ہیں:

۱۔ زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔(۷۸)
۲۔ لوگوں کے ساتھ اچھی بات کرو۔(۷۹)
۳۔ نیکیوں کی طرف سبقت کرو۔(۸۰)
۴۔ اللہ کے راستے میں خرچ کرو۔(۸۱)
۵۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ بھلائی مت بھولو۔(۸۲)
۶۔ جو کچھ جاتا رہا، اس کا افسوس نہ کرو(۸۳)
۷۔ نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو۔(۸۴)
۸۔ عدل کرو۔ یہ تقویٰ کے قریب ہے۔(۸۵)
۹۔ جب تک وہ تم سے سیدھے رہیں تم ان سے سیدھے رہو۔(۸۶)
۱۰۔ اور مت جھکو ظالموں کی طرف ورنہ تمہیں لگے گی آگ۔(۸۷)
۱۱۔ بری بات کے جواب میں وہ کہہ جو بہتر ہے۔(۸۸)
۱۲۔ نہ چلو شیطان کے قدموں پر۔(۸۹)
۱۳۔ پورا بھر دو ماپ اور نہ ہو نقصان دینے والے۔(۹۰)
۱۴۔ اور تولو سیدھی ترازو۔(۹۱) ۱۵۔ اور نہ بھولو اپنا حصہ دنیا سے۔(۹۲)
۱۶۔ اور آخر بھلا ہے تقویٰ والوں کا۔(۹۳)
۱۷۔ اپنے گال نہ پھلا لوگوں کی طرف اور مت چل زمین پر اتراتا۔(۹۴)
۱۸۔ اور چل بیچ کی چال اور نیچی رکھ اپنی آواز۔(۹۵)
۱۹۔ کہو بات سیدھی۔(۹۶)
۲۰۔ اور برائی کا داؤ الٹے گا اسی داؤ والوں پر(۹۷)
۲۱۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔(۹۸)
۲۲۔ اور آدمی کو وہی ملتا ہے جو اس نے کمایا۔(۹۹)
۲۳۔ اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں(۱۰۰)
۲۴۔ بے شک بھلا ہوا اس کا جو سنورا۔(۱۰۱)
۲۵۔ البتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔(۱۰۲)

۲۶۔ اور سجدہ کر اور قریب ہو جا۔ا (۱۰۳)

۲۷۔ "والصلح خیر" یعنی صلح خیر ہے۔ (۱۰۴)

۲۸۔ اللہ سے ڈرو اور باہم صلح رکھو اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اگر تم مومن ہو۔ (۱۰۵)

۲۹۔ اگر وہ (یعنی کفار) بڑائی کرتے کرتے اس سے گریز کریں (تم سے نہ لڑیں) اور تمہیں صلح کی پیشکش کریں تو پھر اللہ تمہیں ان سے لڑنے کی اجازت نہیں دیتا۔ (۱۰۶)

۳۰۔ اگر دشمن صلح وصفائی کا ہاتھ پھیلائے تو تم بھی اپنا ہاتھ آگے کر دو اور اللہ پر توکل کرو۔ وہ سننے والا اور جاننے والا ہے، اگر وہ تم سے دھوکہ کرنا چاہیں تو جان لو کہ اللہ تمہارے لیے کافی ہے"۔ (۱۰۷)

حقیقت یہ ہے کہ اسلام چاہتا ہے کہ یہ دل سوختہ اور اطمینان باختہ دنیا امن و آشتی اور اخوت و مساوات کا گہوارہ بن جائے۔ انسان اپنی جہالت وحماقت اور اپنی حرص و آز کی وجہ سے دنیا کو دار المحن بنانے کی بجائے نہایت تحمل و بردباری اور شفقت ومحبت سے اسے ہمیشہ کیلئے دار السلام یعنی دار الامن بنائے۔ (۱۰۸) اسلام کا مقصد اصلیہ یہ ہے کہ وہ دنیا کو وحدت کے رشتے میں منسلک کر دے۔ ایسی وحدت جس کی بنیاد خدائے واحد کے اعتقاد اور اس کی پرستش پر ہو اور جو لوگ اس رشتے میں منسلک ہو جائیں، ان کے درمیان دین کی بنیادوں پر ایسی نفیس معاشرت قائم کرے کہ نفس کا کوئی داعیہ اور دنیا کا کوئی تقاضا ان کی وحدت ویکجہتی کو پارہ پارہ نہ کر سکے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے اسلام نے ایک بہترین معاشرتی نظام پیش کیا اور ہمیشہ صلح کی جانب توجہ مبذول کرائی اور امن وسلامتی کی تعلیمات سے پوری دنیا کو متعارف کرایا۔ (۱۰۹)

چنانچہ کم از کم آنحضورؐ کی حیات طیبہ اور تاریخ اسلام میں اس کی دو مثالیں ایسی ہیں، جو پوری تاریخ عالم میں اپنی مثال آپ ہیں۔ دونوں مواقع پر حضور پاکؐ اپنے صحابہ کرامؓ کے ہمراہ غالب قوت کے مالک تھے اور تمام آثار وقرائن اور اسباب و وسائل ان کے حق میں تھے، لیکن انہوں نے غالب ہونے کے باوجود صلح نامہ حدیبیہ کو ظاہراً ایک مغلوب کی طرح قبول کرنے میں بھی ذرا سا تامل نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے "فتح مبین" اور "نصر عزیز" بنا دیا...... اور فتح مکہ تو گویا ان کا شاہکار ہے اور پوری تاریخ انسانی اس کے سامنے دست بستہ اور سر بسجدہ ہے۔ ایک طرف بیس سالہ ظلم وتشدد، وحشت و بربریت، ریشہ دوانی و سیہ کاری اور دوسری طرف رحمت للعالمین کا یہ اعلان جس پر حرف بحرف عمل ہوا کہ "آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو"۔ انتقام کا شائبہ تک نہیں۔ محبت ومودت، رافت ورحمت اور امن وسلامتی کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے، ایک ایسی فتح جس میں نہ کوئی فاتح تھا، نہ مغلوب، ایک ایسی فتح جسے فتح الفتوح کہا جا سکتا ہے، ایک ایسی فتح جو فتح الخیر تھی، فتح الایثار تھی، فتح الایمان تھی، فتح الاسلام تھی اور یہ اس لیے آنحضورؐ تمام جہانوں کیلئے سراپا رحمت اور اسلام سراسر امن وسلامتی کے لیے دنیا میں آیا تھا۔ (۱۱۰)

محسن اعظمؐ کی حیات طیبہ کا سب سے آخری فرض دنیا میں اللہ کی حاکمیت کا اعلان تھا، چنانچہ ۹ ذی الحجہ ۱۰ھ بروز جمعہ/ ۶ مارچ ۶۳۲ء میں رحمۃ للعالمینؐ نے آخری حج ادا فرمایا، ایک لاکھ چوبیس ہزار فرزندانِ توحید کو مخاطب کر کے آپؐ نے امن وسلامتی کی تعلیمات پر مبنی اپنے ابدی پیغام میں تمام امور جاہلیت کو اپنے قدموں تلے پامال کرتے ہوئے عدل ومساوات، احترام انسانی اور

حقوق کی ادائیگی کا مثالی درس دیا۔(۱۱۱) خاص طور پر قرآن عظیم پر چلنے کی ہدایت فرمائی، فرمایا "میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، جب تک تم انہیں مضبوطی سے تھامے رہو گے، گمراہ نہیں ہو گے، ایک اللہ کا قرآن اور دوسرا میرا فرمان۔(۱۱۲)

حجۃ الوداع کے موقع پر انسانیت رحمۃ للعالمین کی تعلیمات و فرامین کے سائے میں اپنے عروج و کمال پر تھی، آج اللہ کی رحمت بھی اپنے اتمام کو پہنچ چکی تھی، اس اجتماع میں جو آیات مبارکہ نازل ہوئیں، ان کا ترجمہ پیش ہے

"آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتوں کو پورا کر دیا اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا ہے"۔(۱۱۳)

تکمیلِ دین اور اتمام نعمت کی اس آیت کے ساتھ خاتم النبیینؐ نے فریضۂ رسالت کا پورا پورا حق ادا فرما دیا، مکہ سے مدینہ واپس تشریف لاتے ہوئے راستے بھر مسلمانوں کو آخرت کی تیاری، تزکیۂ نفس، عبادات کی ادائیگی، عدل و مساوات کے قیام کی نصیحتیں فرماتے رہے۔

المختصر یہ کہ پیغمبر آخر و اعظم حضرت محمدؐ نے بعثتِ نبوت کے بعد مکہ معظمہ میں بارہ سال پانچ ماہ اور چند روز قیام فرمایا، یہ زمانہ اساسی عقائد، بنیادی اسلامی قوانین کے ظہور اور اسلامی معاشرہ کی تنظیم کا زمانہ تھا۔ ہجرت مدینہ کے بعد مدینہ میں دس سال قیام ہوا، یہاں دینی جماعت نے حتی تنظیم سے ربط پیدا کیا، اجتماعی ہیئت قائم ہوئی، میدان جنگ گرم ہوئے، معاہدے طے پائے، معاہدہ شکنوں کے خلاف انضباطی کارروائی عمل میں لائی گئی، اسلام کے اصولوں کی حکومت قائم ہوئی اور ایک اللہ کے نام پر ساری دنیا جمع کرنے کیلئے عالمگیر فتح کا رخ متعین ہوا۔ ۲۳ سال کی مدت میں دنیا بدل گئی، ایک بڑی اور بے مثال تبدیلی رونما ہوئی، جس نے مدت کے تصورات، زمانہ دراز کے خیالات، عرصہ کی تنظیمات اور سالہا سال کی تاریخ اقوام اور حکومتوں کو ختم کر دیا۔ ساری عمر کے دشمن دوست ہو گئے، صدیوں کے جنگجو قبائل ایک امت بن گئے، تمام بھلائیوں کی حکومت قائم ہو گئی اور برائیوں کی ہر عمارت اپنی بنیادوں پر بیٹھ گئی، اسلام کا دور شروع ہوا، اسلام کا نظام عدل و انصاف اور انسانی مساوات عملی بنیادوں پر قائم ہوا، اسلامی حکومت کی تاسیس عمل میں آئی، جو دنیا میں سب سے برے تھے، سب سے اچھے ہو گئے، جو برے کاموں کے لیے مشہور تھے، ان کے سارے کام اچھے ہو گئے، خدا کی شان ہے کہ پلک جھپکتے ہی ساری دنیا میں ایک ایسا انقلاب برپا ہو گیا کہ اس سے بہتر انقلاب نہ تاریخ نے دیکھا اور نہ اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کے مثالی نظام امن و سلامتی سے علیحدہ ہو کر آئندہ تاریخ دیکھے گی۔(۱۱۴)

حواشی و حوالہ جات

(۱) نثار احمد، پروفیسر، ڈاکٹر، پیغمبر رحمت ﷺ، "روزنامہ جنگ، اسلامی صفحہ اقرأ" جمعۃ المبارک ۳ اگست ۲۰۰۱ء۔

(۲) سید سلیم شیخ، رسول اللہ کی خارجہ پالیسی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۹۲ء، ص ۱۹۷

(۳) محمد اختر مسلم، پیغمبر رحمت ﷺ کی ولادت باسعادت: عالم انسانیت پر احسان عظیم، روزنامہ جنگ، اشاعت خصوصی عید میلاد النبی ﷺ ۲۰۰۰ء

(۴) القرآن الحکیم سورۃ اسراء آیت ۸۸

(۵) محمد لطیف، رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ نسل انسانی کے لیے بہترین نمونہ، روزنامہ جنگ "اقرأ" جمعۃ المبارک ۳۰ جون ۲۰۰۰ء

(۶) القرآن الحکیم سورۃ آل عمران ۱۶۴

(۷) القرآن الحکیم سورۃ المائدہ ۳۲

(۸) القرآن الحکیم سورۃ القصص ۷۷

(۹) محمد بن اسمٰعیل، الامام، صحیح بخاری، رقم الحدیث ۲۴۴۳، کتاب المظالم والغصب، باب اعن اخاک ظالما او مظلوما، ص ۱۹۲، موسوعۃ الحدیث الشریف الکتب الستۃ، دار السلام للنشر والتوزیع، الطبعۃ الثالثۃ ۱۴۲۱ھ

(۱۰) سعادت علی قادری، سید، اسلام کا پیغام امن وسلامتی اور دہشت گردی کا خاتمہ، روزنامہ جنگ "اقرأ" جمعۃ المبارک ۲۵ جون ۲۰۰۴ء

(۱۱) القرآن الحکیم ۷:۱۹۹

(۱۲) رحم کے لغوی معنی تحمل، عفو و درگزر، بطور خاص کمزور کے معاملہ میں یا اس کے ساتھ جو آپ کی طاقت کی زد میں آسکتا ہو۔ قرآن حکیم کی تمام سورتوں میں یا تو اس صفت ربانی کی تشریح موجود ہے یا اس کے فوائد بیان کیے گئے ہیں۔ قرآن حکیم کی ابتدائی سورہ، سورہ فاتحہ میں جسے ہم ام القرآن کہتے ہیں، اس صفت کا تذکرہ کچھ اس طرح ہے "بے حد مہربان" "نہایت رحم کرنے والا" (۱:۲) قرآن حکیم، اللہ سبحان وتعالیٰ کی اس صفت کے تذکرہ سے پر ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد ربانی ہے "اور جو کوئی کرے گناہ یا اپنا برا کرے، پھر اللہ سے بخشوائے تو وہ پائے گا اللہ کو بخشنے والا" (۴:۱۱۰) ہمارے اطراف جتنی بھی خلقت موجود ہے وہ اللہ ہی سبحانہ وتعالیٰ کی رحمت کی تصدیق کرتی ہے اور اس کی شہادت دیتی ہے۔ "اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۳۳:۲۴) یہ ایک ایسی آیت ہے جس کا ذکر سب سے زیادہ مرتبہ قرآن میں ذکر آیا ہے۔ جس سے اس صفت کی فضیلت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں سورۃ النساء کی آیت نمبر ۵۲ میں اسی صفت کی بزرگی کا تذکرہ ہے۔ سورۃ احزاب میں آٹھ بار اس کا ذکر آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بے شمار صفات ہیں لیکن وہ اپنی صفت رحمانی کو سب سے زیادہ پسند فرماتا ہے: "اور اللہ چاہتا ہے تم کو معاف کرے اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ (۴:۲۶) سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۵۲ میں ارشاد ربانی ہے۔ "اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

(۱۳) القرآن الحکیم ۳:۱۵۹

(۱۴) القرآن الحکیم ۹:۱۲۸

(۱۵) القرآن الحکیم ۲۱:۱۰۷

(۱۶) سراج الدین عزیز، اسلام امن وسلامتی کا علمبردار، روزنامہ جنگ "اقرأ" جمعۃ المبارک ۱۳ نومبر ۱۹۹۸ء

(۱۷) مخدوم زادہ احمد خیر الدین انصاری، رسول اکرم ﷺ کی جنگی اور دفاعی حکمت عملی، ماہنامہ سیمائی کراچی، ہادی اعظم نمبر ربیع الاول ۱۴۲۶ھ، اپریل ۲۰۰۵ء شمارہ نمبر ۳، ص ۲۷۰۔۲۷۱

(۱۸) عبد الغفور زاہد، پیغمبر امن وسلامتی ﷺ "روزنامہ جنگ" عید میلاد النبی ﷺ ایڈیشن، ربیع الاول ۱۴۲۲ھ، ۲۰۰۱ء

(۱۹) الرحیق المختوم ص ۳۲۷

(۲۰) محمد ثانی، ڈاکٹر حافظ، انسانیت کا محسن اعظم ﷺ کا نظریہ عدل وانصاف، روزنامہ جنگ، عید میلاد النبی ﷺ ایڈیشن، ربیع الاول ۱۴۱۹ھ ۷ جولائی ۱۹۹۸ء۔

(۲۱) محمد انور خان، پروفیسر ڈاکٹر، ایک عالم ہے ثناخواں آپ ﷺ کا، روزنامہ جنگ، عید میلاد النبی ایڈیشن، ربیع الاول ۲۰۰۰ء۔

(۲۲) ارشاد الحق تھانوی، مولانا، پیغمبر اسلام ﷺ کی انقلابی شخصیت، روزنامہ جنگ، عید میلاد النبی ﷺ ایڈیشن ربیع الاول ۱۴۰۲ھ (۱۹۸۲ء)

(۲۳) اسد سلیم شیخ، رسول اللہ کی خارجہ پالیسی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۲ء، ص ۲۰۸۔
(۲۴) القرآن الحکیم سورۃ البقرہ۔ آیت۔ ۱۴۲
(۲۵) القرآن الحکیم سورۃ الاعراف۔ آیت۔ ۱۹۳
(۲۶) القرآن الحکیم سورۃ العنکبوت۔ آیت نمبر۔ ۶۲
(۲۷) سلیمان سلمان منصور پوری، رحمۃ للعالمینؐ، جلد۔ ۱، غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ص ۲۴
(۲۸) پروفیسر سیڈیو، تاریخ العرب، ص ۳۰
(۲۹) سلیمان منصور پوری، رحمۃ اللعالمین جلد۔ غلام علی اینڈ سنز لاہور
(۳۰) القرآن الحکیم۔ ۲۹: ۳۰
(۳۱) محمد حسین ہیکل، محمد رسول اللہؐ
(۳۲) نعیم صدیقی، محسن انسانیت
(۳۳) حمید اللہ، ڈاکٹر، محمد رسول اللہ ﷺ نمبر، نقوش جلد ۲۔ لاہور، ص ۵۳۳
(۳۴) احمد بن حنبل، مسند احمد
(۳۵) کوثر نیازی، اسلام ہمارا دین، ص ۷۳۔ ۷۴
(۳۶) القرآن الحکیم سورۃ التوبہ۔ ۳۴۔ ۳۵
(۳۷) رئیس احمد جعفری، حضور بحیثیت سالار، ص ۸۸۔ ۸۹
(۳۸) حمید اللہ ڈاکٹر، محمد رسول اللہ ﷺ نقوش جلد نمبر ۲، لاہور، ص ۶۲۲
(۳۹) القرآن الحکیم الشوریٰ۔ ۳۔ ۱۵
(۴۰) القرآن الحکیم سورۃ العنکبوت: ۴۵
(۴۱) سورہ القرآن الحکیم سورۃ العنکبوت، ۴۶
(۴۲) القرآن الحکیم سورۃ توبہ ۲۹ تا ۳۰
(۴۳) حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، دار الاشاعت، کراچی، ص ۲۲۳
(۴۴) القرآن الحکیم سورۃ البقرہ ۲۱۸
(۴۵) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبوی ﷺ کے میدان جنگ، لاہور، ادارہ اسلامیات، ص ۱۴
(۴۶) ایضاً ص ۱۹۔ ۲۰
(۴۷) سید قسیم حسین قادری، اسلامی ریاست، علماء اکیڈمی، لاہور جون ۱۹۸۴ء، ص ۳۷۵
(۴۸) ایضاً ص ۳۷۶
(۴۹) ایضاً ص ۳۷۷
(۵۰) انعام الحق کوثر، پروفیسر ڈاکٹر، رسول اکرم بحیثیت داعی امن واخوت، ماہنامہ مسیحائی کراچی، ہادی اعظم نمبر ربیع الاول ۱۴۲۶ھ، اپریل ۲۰۰۵ء، ص ۱۹۷
(۵۱) ایڈورڈ گبن، رومی سلطنت کا زوال اور تباہی، ص ۳۱
(۵۲) گلزار احمد، بریگیڈیئر، صلیبی جنگوں کی کہانی، بحوالہ جہاد ص ۵۵
(۵۳) ایضاً ترکی یورپ میں، بحوالہ جہاد، ص ۳۶۷
(۵۴) گلزار احمد، بریگیڈیئر، پہلی صلیبی جنگ، بحوالہ جہاد ص ۷۹
(۵۵) ایضاً ص ۷۷
(۵۶) قاضی سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین، ج ۲، مطبوعہ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ص ۴۱۳

(۵۷) ایضاً ص ۲۱۵

(۵۸) نورین انصاری، جنگیں ہی کیوں ـــــ روزنامہ امن کراچی، ادارتی صفحہ ۲۰۰۶

(۵۹) سید شمیم حسین قادری، اسلامی ریاست، ص ۳۸۴

(۶۰) عالمی معلومات، فیروز سنز، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۳۷۷ تا ۳۷۹

(۶۱) سید شمیم حسین قادری، اسلامی ریاست، ص ۳۸۵ تا ۳۸۶

(۶۲) مخدوم زادہ احمد فخر الدین انصاری، رسول اکرم کی دفاعی اور جنگی حکمت عملی، ص ۲۷۱ تا ۲۷۲

(۶۳) القرآن الحکیم سورۃ البقرہ ۲۵۱

(۶۴) القرآن الحکیم سورۃ الحج ۴۰

(۶۵) القرآن الحکیم سورۃ الانعام ۱۵۱

(۶۶) القرآن الحکیم سورۃ المائدہ ۳۲

(۶۷) القرآن الحکیم سورۃ الانفال ۷۳

(۶۸) القرآن الحکیم سورۃ البقرہ ۱۹۰

(۶۹) القرآن الحکیم سورۃ الانفال ۷۳

(۷۰) باشمیل، محمد احمد، فتح مکہ، نفیس اکیڈمی کراچی، دسمبر ۱۹۸۴ء ص ۲۲۵

(۷۱) القرآن الحکیم سورۃ الصف ۴

(۷۲) واضح رہے کہ ایسے معاہدات دوسرے "سپر طاقتوں" یعنی امریکہ اور روس سے بھی مختلف ادوار میں رکھے گئے تھے۔

(۷۳) محمد الامیر، اسلام کا قانون جنگ و صلح، بحوالہ کتاب الاکلیل شرح مختصر خلیل۔ ص ۱۹۰

(۷۴) القرآن الحکیم ۲:۱۹۳

(۷۵) القرآن الحکیم ۲۲:۴۰

(۷۶) القرآن الحکیم ۱۶:۱۲۶

(۷۷۔الف) بعض حنفی اور شافعی فقہاء نے کاشتکاروں اور تاجروں کو بھی بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کی طرح غیر متقاتل لوگوں میں شمار کیا ہے، اس لیے کہ وہ جنگ میں حصہ نہیں لیتے اور تاکید کی ہے کہ انہیں کوئی اذیت نہ پہنچائی جائے۔ (محمد الامیر، اسلام کا قانون جنگ و صلح۔ ص ۱۱۱ بحوالہ، کتاب الخراج یحییٰ ابن آدم ص ۳۳)

(۷۷۔ب) رضوان احمد طارق، زندگی کے میلے یا موت کے اندھیرے؟ سنڈے میگزین، ۱۱ اکتوبر ۲۰۰۹ء، روزنامہ جنگ، کراچی، ص ۹

(۷۸) القرآن الحکیم سورۃ البقرہ: ۱۱

(۷۹) القرآن الحکیم سورۃ البقرہ: ۸۳

(۸۰) القرآن الحکیم سورۃ البقرہ: ۱۷۸

(۸۱) القرآن الحکیم سورۃ البقرہ: ۱۹۵

(۸۲) القرآن الحکیم سورۃ البقرہ: ۲۳۷

(۸۳) القرآن الحکیم سورۃ آل عمران: ۱۵۳

(۸۴) القرآن الحکیم سورۃ المائدہ: ۳۲

(۸۵) القرآن الحکیم سورۃ المائدہ: ۸

(۸۶) القرآن الحکیم سورۃ الاحزاب: ۷

(۸۷) القرآن الحکیم سورۃ الرعد: ۱۸

(۸۸) القرآن الحکیم سورۃ المومنون: ۹۶

(۸۹) القرآن الحکیم سورۃ النور: ۳۱
(۹۰) القرآن الحکیم سورۃ الشعرا: ۱۸۱
(۹۱) القرآن الحکیم سورۃ الشعرا: ۱۸۲
(۹۲) القرآن الحکیم سورۃ القصص: ۷۷
(۹۳) القرآن الحکیم سورۃ القصص: ۷۸
(۹۴) القرآن الحکیم سورۃ لقمان: ۱۸
(۹۵) القرآن الحکیم سورۃ لقمان: ۱۹
(۹۶) القرآن الحکیم سورۃ الاحزاب: ۷۰
(۹۷) القرآن الحکیم سورۃ فاطر: ۴۳
(۹۸) القرآن الحکیم سورۃ الزمر: ۵۳
(۹۹) القرآن الحکیم سورۃ النجم: ۳۹
(۱۰۰) القرآن الحکیم سورۃ الصف: ۳
(۱۰۱) القرآن الحکیم سورۃ الاعلیٰ: ۱۴
(۱۰۲) القرآن الحکیم سورۃ الفجر: ۶، ۱
(۱۰۳) القرآن الحکیم سورۃ العلق: ۱۹
(۱۰۴) القرآن الحکیم سورۃ النساء: ۱۲۸
(۱۰۵) القرآن الحکیم سورۃ انفال: آیت ۱
(۱۰۶) القرآن الحکیم سورۃ النساء: آیت ۹۰
(۱۰۷) القرآن الحکیم سورۃ الانفال آیت ۶۱
(۱۰۸) انعام الحق کوثر، پروفیسر ڈاکٹر، رسول اکرم بحیثیت داعی امن و اخوت، ص ۱۷۳
(۱۰۹) محمد مظہر بقا، مولانا ڈاکٹر مفتی، صلح جوئی اور تعلیمات نبویؐ، ماہنامہ سیمائی کراچی، سیرت رسول نمبر، ص ۱۵۵
(۱۱۰) انعام الحق کوثر، پروفیسر، ڈاکٹر، رسول اکرم بحیثیت داعی امن و اخوت، ص ۱۷۲
(۱۱۱) ابن حجر، فتح الباری ۳۹/۸
(۱۱۲) مرقاۃ المفاتیح، شرح مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الایمان باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، الفصل الثالث رقم الحدیث ۱۸۶، جلد ۱، ص ۳۹۲، مکتبہ رشیدیہ لاہور، زکریا شیخ الحدیث مولانا، اوجز المسالک شرح موطا مالک، کتاب القدر، باب النھی عن القول بالقدر، رقم الحدیث ۱۶۰۱، جلد ۱۶، ص ۲۵، دارالقلم دمشق الطبعۃ الاولی ۱۴۲۴ھ ـ ۲۰۰۳ء
(۱۱۳) القرآن الحکیم سورۃ المائدہ آیت ۳
(۱۱۴) محمد ثانی، ڈاکٹر حافظ، انسانیت کے محسن اعظم کا نظریہ عدل و انصاف، روزنامہ جنگ، عید میلاد النبیؐ ایڈیشن ۱۴۱۹ھ ـ ۱۹۹۸ء
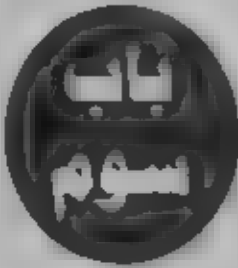
باب
سوم
”صلح حدیبیہ“ اور رسول اکرم ﷺ کی
خارجہ پالیسی

باب سوم

﴿فصل اول﴾

"صلح حدیبیہ" اور رسول اکرم ﷺ کی خارجہ پالیسی

رسول اکرم ﷺ کی خارجہ پالیسی میں صلح حدیبیہ کی اہمیت

مسلمانوں کے لیے قریش سے دس سالہ امن کا سمجھوتا ہو جانے کا مطلب ان کی طرف سے ایک مستقل، قریبی اور حقیقی خطرے کا ٹل جانا اور جزیرہ نمائے عرب کی تسخیر کی راہ ہموار ہو جانا تھا۔(۱) اس نے مسلمانوں کو یہ موقع فراہم کر دیا کہ وہ نہ صرف تمام جزیرہ نمائے عرب میں بلکہ جزیرہ نمائے عرب سے باہر بھی اپنی تبلیغی سرگرمیوں کو وسعت دیں۔(۲) چنانچہ معاہدہ حدیبیہ کی بدولت قریش سے فراغت ملتے ہی آپ نے اپنے رسالتی مشن کی تکمیل یعنی تحریک اسلام کو عالمگیر بنانے کی خاطر اسے بیرونی ممالک سے روشناس کرانے کی کوششوں کا آغاز کر دیا۔ یہ اہم حقیقت ہمیشہ ہمارے ذہن نشین رہنی چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ سے پہلے جتنے انبیاء و رسول اس دنیا میں تشریف لائے ان کی رسالت خاص تھی اور اپنی قوم اور قبیلے تک محدود تھی، لیکن یہ امتیاز صرف محمد رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہے کہ آپ کی بعثت روئے زمین کی ہر قوم اور ہر جنس کے لیے ہوئی۔ تمام انسانوں کے لیے، تمام دنیا کے لیے ہوئی یعنی آپ کی رسالت و نبوت عام ہے اور بعثت، بعثت تام ہے۔ قرآن مجید کی آیات اس بارے میں بہت صاف ہیں:

(۱) ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے بشارت پہنچانے والا ڈر سنانے والا بنا کر دنیا میں رسول بنایا ہے۔(۳)

(۲) خدا وہ ہے جس نے اپنے رسول کو روشن دلائل اور سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ وہ سب دینوں پر غلبہ حاصل کرے۔(۴)

(۳) ہم نے آپ کو تمام اہل عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔(۵)

(۴) ان سے کہہ دیجیے کہ اے انسانی نسل کے بچو! میں تم سب کے لیے اللہ کا رسول ہوں۔(۶)

چنانچہ بر بنائے رسالت، رسول اللہ ﷺ پوری دنیا کو دعوت اسلام دینے پر مامور کیے گئے تھے۔ یوں تو آغاز کار سے ہی رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعوت کو محدود و مخصوص نہیں کیا تھا۔ آپ کی دعوت ہر قوم، ہر نسل، ہر قبیلے اور ہر مقام اور زمانے کے لیے تھی۔ آپ کے ماننے والوں میں ایسے لوگوں کی تعداد شروع سے ہی اچھی خاصی رہی ہے جن کا نسبی و نسلی تعلق عرب سے نہ تھا اور رنگ، زبان اور وطن کے لحاظ سے بھی وہ مختلف تھے، اس سلسلے میں حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت صہیب رومیؓ، حضرت بلال حبشیؓ اور حضرت عداس نینوائی کا نام روشن ہے۔

صلح حدیبیہ کے بعد اور اندرون عرب کی تمام قابل ذکر مزاحمتوں کے ختم ہو جانے کے بعد ایک مسئلہ تو ان علاقوں کا تھا جو ابھی تک ریاست نبویؐ کے مطیع نہ ہوئے تھے۔ دوسرا مسئلہ یہ تھا کہ بیرون عرب اسلام کے پیغام کو پہنچایا جائے اور وہاں بھی حاکیت الٰہی کی طرح نو ڈالی جائے کہ یہ رسول اکرم ﷺ کی بعثت کا واضح حصہ تھا۔(۷)

رسول اکرم ﷺ کا زمانہ بادشاہت و شہنشاہیت، سرداری و سرمایہ داری اور جاگیرداری کا تھا، لہٰذا اس عہد کے عوام کا دین دین مملوک ہوتا تھا۔ چنانچہ آپؐ نے اپنے وسائل اور حالات و مقتضیات کے مطابق شہنشاہوں اور ان کے حکام اعلیٰ کو دعوت اسلام دی اور سفیروں کے ذریعے انہیں خطوط بھجوائے۔

غالباً یکم محرم ۷ھ/۱۱ جولائی ۶۲۸ء کا عہد آفرین دن تھا کہ پیغمبر اسلامؐ نے صحابہؓ کو جمع کیا اور خطبہ فرمایا: "اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام جہانوں کے لیے رحمت اور پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ دیکھو! عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی طرح اختلاف نہ کرنا، اٹھو اور میری طرف سے پیغام حق پہنچاؤ۔" بعد ازاں آپؐ نے ایک ہی دن میں چھ حکمرانوں کے نام دعوت اسلام کے خطوط لکھوا کر سفیروں کے ذریعے بھجوائے۔ ان کے نام یہ ہیں۔(۸)

۱۔ حضرت دحیہ بن خلیفہ الکلبیؓ — قیصر روم۔
۲۔ حضرت عمرو بن امیہ الضمریؓ — نجاشی بادشاہ حبش۔
۳۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ — خسرو پرویز، شہنشاہ ایران۔
۴۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ — عزیز مصر۔
۵۔ حضرت سلیط بن عمرو عامریؓ — روسائے یمامہ۔
۶۔ حضرت شجاع بن وھب الاسدیؓ — حارث غسانی، رئیس حدود شام۔

اس کے علاوہ بعض عرب روساء اور بڑی طاقتوں کے طفیلی ریاستوں کے سربراہوں کے نام بھی خطوط و فرامین بھیجے گئے۔ ان دعوتی و تبلیغی خطوط کا سلسلہ ۱۰ ہجری کے اواخر تک جاری رہا۔ سربراہان ریاست کو مکتوب لکھتے وقت آنحضرتؐ نے ایسے بین الاقوامی آداب کو ملحوظ خاطر رکھا جن کو جدید سفارتی آداب میں بھی شامل کیا گیا ہے جو سفیر جس علاقے میں بھیجا گیا وہ وہاں کی زبان پر دسترس رکھتا تھا تاکہ اسے کسی قسم کی دشواری پیش نہ آئے۔(۹) تاہم سربراہان مملکت اور روساء کے نام بھیجے گئے خطوط کا تفصیلی جائزہ لیا جانا ضروری ہے۔(۱۰)

(۱) ہرقل، قیصر روم کے نام:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝

محمدؐ کی طرف سے جو اللہ کا بندہ اور رسول ہے، بنام ہرقل "عظیم روم"۔

سلامتی ہے اس پر جو ہدایت کی پیروی کرتا ہے۔ بعد ازیں، میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں مسلمان ہو جاؤ، سلامت رہو

گے اور اللہ تمہیں دہرا اجر دے گا۔ اگر تم نے روگردانی کی تو تمہاری جاہل رعایا کا گناہ بھی تم پر ہوگا۔ اے اہل کتاب (اختلاف و نزاع کی ساری باتیں چھوڑ کر) اس بات پر آجاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں طور پر مسلم ہے، یعنی اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں کسی ہستی کا شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو رب (ان داتا، خدا) نہ بنائے پھر اگر اس (اصول) سے روگردانی کرو تو گواہ رہنا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار بندے (مسلمان) ہیں۔ (۱۱)

مہر

اللہ، رسول، محمد

آپ کا مکتوب گرامی حضرت دحیہ کلبیؓ نے امیر بصریٰ (علاقہ حوارن) کی وساطت سے قیصر روم ہرقل کو دیا، جو ان دنوں ایران کے کسریٰ کو شکست فاش دینے کی خوشی میں بیت المقدس میں سجدۂ شکر ادا کرنے گیا ہوا تھا۔ ہرقل نے خط سن کر اہل دربار سے دریافت کیا کہ مدعی نبوت کی قوم کا کوئی شخص اس شہر میں موجود ہو تو اسے حاضر کرو۔ قریش مکہ کی ایک جماعت کو، جو کاروبار کے سلسلے میں وہاں گئی ہوئی تھی، دربار میں پیش کیا گیا۔ ہرقل نے امیر جماعت ابوسفیان سے رسول اللہؐ سے متعلق متعدد سوالات پوچھے۔ ابوسفیان کا بیان ہے کہ اس خوف سے کہ کہیں اپنے ساتھیوں کی موجودگی میں جھوٹ بول کر بدنام نہ ہو جاؤں مجھے لامحالہ آپؐ کے متعلق سچ بولنا پڑا۔ ان کے سوال و جواب کا خلاصہ یہ ہے۔

''محمدؐ عالی نسب ہیں۔ آپؐ کے خاندان میں نہ تو کوئی بادشاہ گزرا ہے اور نہ کبھی کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ دعویٰ نبوت سے پہلے آپؐ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ آپ کی پیروی کمزور لوگ کرتے ہیں، جن کی تعداد گھٹتی نہیں بڑھتی جاتی ہے۔ جنگ میں کبھی ہم اور کبھی آپؐ غالب رہتے ہیں۔ آپؐ نے کبھی عہد شکنی نہیں کی، لیکن حال ہی میں ہم نے آپؐ سے معاہدہ کیا ہے۔ دیکھیں آپ کیا کرتے ہیں۔'' (۱۲)

ابوسفیان کا جواب سن کر ہرقل اس قدر متاثر ہوا کہ اس کی زبان سے بے ساختہ نکلا کہ یہ تمام علامتیں سچے نبی کی ہیں۔ اس نے پھر پوچھا ''اچھا یہ بتاؤ کہ آپ کس بات کا تم لوگوں کو حکم دیتے ہیں؟'' ابوسفیان بولا ''نماز، روزہ، صلہ رحمی اور عفاف کا۔'' ہرقل نے کہا، ''اگر یہ صحیح ہے تو آپؐ بالیقین نبیؐ ہیں۔ ہم یہ جانتے تھے کہ ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے، لیکن اس کا علم نہیں تھا کہ اس کا ظہور تم لوگوں میں سے ہوگا۔'' اس نے عقیدت کا اظہار بھی کیا، مگر اسلام نہ لایا۔ اصل یہ ہے کہ قوت و حکومت اور دولت و شہرت کے نشے میں سیہ مست فرعون، ہامان اور قارون نہ اس طرح ایمان لاسکتے تھے اور نہ لاسکے لیکن اس دعوت کا فائدہ یہ ہوا کہ تحریک اسلام کو دربار شاہی میں اپنے اظہار کا اور اہل دربار سے اپنے آپ کو متعارف کرانے کا موقع مل گیا۔ یہ معمولی نہیں، تاریخی واقعہ تھا۔ اس کا چرچا ہونا تھا اور خوب ہوا۔ (۱۳) یہ بات معنی خیز ہے کہ ہرقل نے، جو رومۃ الکبریٰ کا شہنشاہ اور فاتح ایران تھا، کیوں آپؐ کے نامۂ مبارک میں اس قدر دلچسپی اور عقیدت کا اظہار کیا اور پھر جواب میں مندرجہ ذیل خط لکھا:

قیصر روم کا جوابی خط:

بحضور احمد رسول اللہؐ، جن کے ظہور کی بشارت عیسیٰؑ نے بھی دی۔ من جانب قیصر روم۔

حضور کا فرمان آپ ؐ کے سفیر کے توسل سے موصول ہوا۔ میں آپ ؐ کے رسول ؐ ہونے کا اقرار کرتا ہوں۔ آپ ؐ کے ظہور کی بشارت عیسیٰ بن مریم نے بھی انجیل میں دی۔ میں نے اپنی ساری رومی رعیت کو آپ ؐ پر ایمان لانے کی دعوت دی، لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ اگر وہ آپ ؐ پر ایمان لے آتے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا۔ حضورؐ کاش! میں آپ کی خدمت میں باریاب ہو سکوں اور آپ ؐ کے پاؤں دھوؤں۔ (۱۴)

(۲) شاہِ فارس کسریٰ پرویز کے نام: (۱۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝

محمد رسول اللہ کی طرف سے کسریٰ کے نام، جو فارس کا حکمران ہے۔

سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے، اللہ اور اس کے رسول ؐ پر ایمان لائے اور گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ (معبود و محبوب اور مطلوب و مقصود) نہیں۔ وہ ایک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد ؐ اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہے۔ میں تمہیں اللہ کی طرف آنے کی دعوت دیتا ہوں۔ میں جملہ نوعِ انسانی کے لیے اللہ کا رسول ؐ ہوں تا کہ جو لوگ "زندہ" ہیں، انہیں بد عملیوں سے ڈرایا جائے اور کافروں پر حجت قائم ہو۔ اسلام قبول کرلو، سلامت رہو گے۔ اگر انکار کرو گے تو سارے مجوسیوں کا وبال تم پر ہوگا۔" (۱۷)

مہر

اللہ، رسول، محمد

حضرت عبداللہ بن حذافہ السہمی ؓ نے یہ نامہ نبوی ؐ والیِ بحرین کے توسط سے کسریٰ کو پہنچایا۔ کسریٰ نے یہ خط سنا تو غصے سے آگ بگولا ہو گیا اور اسے چاک کر کے پرزے پرزے کر دیا، لیکن تھوڑے ہی عرصے بعد وہ خود ہلاک ہو گیا اور پھر اس کی سلطنت کے پرخچے اڑ گئے اور حضورِ اکرم ﷺ کے مجاہدین کو اس کا وارث بنا دیا گیا۔

آپ ؐ پیغمبر تھے، اس لیے آپ ؐ کے خط کا اسلوب پیغمبرانہ تھا اور سرنامے پر پہلے آپ کا اور پھر شہنشاہ ایران کا نام لکھا تھا۔ خسرو پرویز فرعونِ وقت تھا، اس نے اسے اپنی توہین سمجھا اور از حد برافروختہ ہوا اس نے فوراً والیِ یمن باذان کو حکم بھجوایا کہ وہ حجاز سے مدعیِ نبوت کو گرفتار کر کے دربار میں حاضر کرے۔ باذان نے امتثالِ امر میں بابویہ اور خرخسرہ نامی دو اہلکاروں کو آپ ؐ کے پاس بھیجا۔ انہوں نے بارگاہِ رسالت ؐ میں پہنچ کر آپ کو ایران چلنے کے لیے کہا اور دھمکی دی کہ انکار کی صورت میں شہنشاہ ایران مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا۔ آپ ؐ پیکرِ حلم و رحمت اور آدابِ سفارت کا پاس کرنے والے تھے۔ ایلچیوں سے صرف یہ فرمایا "تم واپس جاؤ اور کہہ دو کہ اسلامی سلطنت کسریٰ کے پایۂ تخت تک پہنچے گی۔" ایک روایت میں ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا کہ جاؤ، کسریٰ ہلاک ہو چکا ہے، چنانچہ جب وہ یمن پہنچے تو اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ خسرو پرویز اپنے بیٹے شیرویہ کے ہاتھوں ہلاک ہو چکا ہے۔ (۱۸)

(۳) شاہ حبش کے نام:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؎

از جانب محمد رسول اللہ ﷺ بنام نجاشی اصحم (یا اصحمہ) بادشاہ حبش۔

''سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی طلب و جستجو رکھتا ہے، واضح ہو کہ میں تمہارے سامنے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتا ہوں، جس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ بادشاہ (الملک) ہے۔ ہر قسم کے نقص سے منزہ (القدوس) خود سلامت (السلام) امن دینے والا (المومن) اور نگہبان (المہیمن) ہے۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریم اللہ کی روح اور کلمہ ہیں۔ اللہ نے اسے پاک دامن کنواری مریم میں القا کیا، جس سے وہ حاملہ ہوئیں تو اللہ نے عیسیٰ کو اپنی روح اور نفخ سے پیدا کیا۔ جس طرح آدم کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور میں تم کو اور تمہارے جیش کو اللہ عزوجل کی طرف بلاتا ہوں۔ میں نے اللہ کا حکم پہنچا دیا اور نصیحت کر دی۔ تم میری نصیحت قبول کرو اور سلام پر جو اللہ کی ہدایت کی پیروی کرتا ہے۔ (۱۹)

اللہ، رسول، محمد

مہر

اس بات کا یاد دہانی کے طور پر اعادہ کیا جاتا ہے کہ عرب اور حبش کے درمیان ایک مدت سے تجارتی اور دوستانہ تعلقات تھے۔ چنانچہ جب کے میں قریش نے مسلمانوں کی زندگی اجیرن کر دی تھی تو انہوں نے ہجرت کر کے حبشہ میں پناہ لی تھی۔ نجاشی نے مسلمانوں اور اسلام سے اپنی گہری دلچسپی کا اظہار کیا تھا اور وہ اسلام کے عقائد سے آگاہ ہو گیا تھا۔ چنانچہ آنحضرت کا نامہ مبارک اسے ملا تو اس نے اس کی بہت تعظیم کی، پھر اسلام اور آپؐ سے اپنی عقیدت کا اس قدر اظہار کیا کہ اس سے مورخین اور ارباب سیرت نے یہ استنباط کیا کہ نجاشی نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ (۲۰) بہر حال، آپؐ کے اس غیر معمولی نوعیت کے نامۂ مبارک کا خوب چرچا ہوا اور اس سے تحریک اسلام کو حبشہ کے عوام سے روشناس کرانے میں بڑی مدد ملی۔ نجاشی نے آپ کی خدمت میں خطوط بھی بھیجے تھے، جو محفوظ ہیں۔ دو خط پیش کیے جاتے ہیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؎

بخدمت جناب محمد رسول اللہ من جانب اصحم ابن ابجر

اے اللہ کے نبیؐ! میں آپؐ کے حضور سلام اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت کا ہدیہ پیش کرتا ہوں۔ اس اللہ کی طرف سے جو تنہا معبودیت کے لائق ہے اور جس نے مجھے اسلام قبول کرنے کی توفیق فرمائی۔ اے رسول اللہ! یہ جو آپؐ نے عیسیٰ کی ولادت کے متعلق تحریر فرمایا ہے، تو خداوند ارض وسما کی قسم! حضرت عیسیٰ میں اس سے زیادہ کوئی اور بات نہیں اور آپؐ پر جو قرآن نازل ہوا ہے تو اس کے من جانب اللہ ہونے پر بھی مجھے یقین ہے۔ آپؐ کے عم زاد بھائی اور ان کے رفقاء ہمارے ہاں تشریف لے آئے

ہیں۔ہم نے آپؐ کے بھائی کے ہاتھ پر آپ کی بیعت کر لی ہے اور خدائے رب العالمین کی وحدانیت کا اعتراف کر لیا ہے۔
آپ کی خدمت میں اپنے بیٹے ارہا ابن اصحم بن ابجر کو بھیج رہا ہوں، لیکن اپنے نفس کے سوا دوسروں کی ذمے داری لینے سے قاصر ہوں۔اگر حکم ہو تو میں خود بھی حاضر ہونے کے لیے آمادہ ہوں۔یارسول اللہؐ جب میں آپ کی رسالت پر ایمان لے آیا تو آپؐ کے حکم کی تعمیل کیا مشکل ہے۔والسلام علیک یارسول اللہؐ"۔
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ
بخدمت جناب محمد نبی (ﷺ) من جانب نجاشی
السلام علیک یارسول اللہ من اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔بعد ازیں۔
میں نے آپؐ کے خاندان کی مسلمان بی بی سیدہ ام حبیبہؓ بنت ابوسفیان کا آپؐ سے نکاح کر دیا ہے اور آپؐ کے لیے مندرجہ ذیل اشیاء ہدیۃً ارہا کے ہمراہ بھیج رہا ہوں۔ایک قمیص، ایک پاجامہ، ایک ردا اور چرمی موزوں کی ایک جوڑی۔والسلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"

(۴) والی مصر کے نام:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ
محمدؐ کی جانب سے جو اللہ کا بندہ اور رسولؐ ہے۔
مقوقس کے نام جو قبط (مصر) کا حکمران ہے۔
سلامتی ہے اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔بعد ازیں میں تم کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔اسلام قبول کرو، سلامت رہو گے (یا تم سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا) اسلام قبول کرو، اللہ تمہیں دہرا اجر دے گا۔اگر تم روگردانی کی تو اہل قبط کا وبال تم پر ہوگا۔
اے اہل کتاب! اس بات کی طرف آؤ جو ہمارے تمہارے درمیان متفق علیہ ہے۔یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، ہم میں سے بعض، بعض کو اللہ کے سوا اپنا رب (ان داتا، رازق و مالک) نہ بنائیں۔پھر اگر اس (اصول) سے روگردانی کرو تو گواہ رہنا کہ ہم اللہ کے فرماں بردار بندے (مسلمان) ہیں۔"(۲۱)
اللہ، رسول، محمد

مہر
حضرت ابن بلتعہؓ یہ نامۂ مبارک لے کر والیٔ مصر مقوقس کے دربار میں پہنچے اور اس موقع پر انہوں نے اس سے موثر و بلیغ انداز میں خطاب بھی کیا، جس کا ملخص یہ ہے:
"مصر میں پہلے بھی ایک ایسا شخص (فرعون) ہو گزرا ہے، جو اپنے آپ کو رب اعلیٰ کہتا تھا، اس کے انجام سے نصیحت پکڑو، ایسا نہ ہو کہ دوسرے تم سے عبرت حاصل کریں۔میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں، جس میں ایک اللہ ہی کافی ہے۔بلاشبہ حضرت

عیسیٰ کی بشارت حضرت محمدؐ کے حق میں ایسی ہی ہے جیسی حضرت موسیٰ کی بشارت حضرت عیسیٰ کے حق میں۔ میں تم کو قرآن کی طرف بلاتا ہوں، جس طرح تم یہود کو انجیل کی طرف بلاتے رہے۔ تم نے نبی کا زمانہ پایا ہے۔ غور کرو کہ اب تمہیں کیا کرنا چاہیے؟"

مقوقس نے جواب دیا، میں نے ان کے متعلق غور کیا ہے۔ وہ کسی بری بات کا حکم نہیں دیتے اور نہ کسی اچھی بات سے منع ہی کرتے ہیں۔ نیز میں نہ تو انہیں جھوٹا جادوگر اور نہ جھوٹا کاہن ہی سمجھتا ہوں۔ میں ان میں نبوت کی علامات بھی محسوس کرتا ہوں اور مزید غور کروں گا۔

چنانچہ اس نے رسول اللہ کا نامۂ گرامی تعظیم سے لیا اور اسے ایک قیمتی ڈبے میں بند کر دیا پھر اس نے عربی لکھنے والے کاتب کو بلایا اور آپ کی خدمت میں مندرجہ ذیل خط لکھوایا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

محمد بن عبداللہ کے نام، مقوقس عظیم قبط کی طرف سے۔

سلام ہو آپؐ پر۔ اما بعد، میں نے آپ کا مکتوب پڑھا اور اس میں جو کچھ آپؐ نے ذکر کیا ہے اور جس بات کی طرف بلاتے ہیں، اس کو سمجھا۔ مجھے یہ معلوم ہے کہ ایک نبی باقی ہے، مگر میرا گمان تھا کہ اس کا خروج شام میں ہوگا۔ میں نے آپؐ کے قاصد کی عزت و تکریم کی اور آپؐ کے لیے دو کنیزیں بھیجی ہیں، جن کا قبط (مصری قوم) میں بلند مقام ہے۔ میں نے آپؐ کے لیے خلعت اور سواری کے لیے ایک خچر تحفے کے طور پر بھیجے ہیں والسلام علیک۔"

ان کنیزوں کا نام ماریہ اور سیرین تھا۔ خچر کو دُلدُل کہتے تھے، جو حضرت معاویہؓ کے عہد خلافت تک زندہ رہا۔ مقوقس نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کو خلعت اور ایک سو مثقال سونا دیا۔ (۲۲)

مقوقس نے اسلام تو نہ قبول کیا، لیکن اہل دربار اور عوام پر یہ حقیقت آشکارا ہو گئی کہ عرب میں نبی منتظر کا ظہور ہو چکا ہے۔ آپؐ کے نامۂ مبارک نے مصر کی سرزمین میں غیر مرئی انداز میں اسلام کا ایسا بیج بویا جس نے دو تین عشروں ہی کے بعد ایک عظیم درخت بن کر سارے ملک کو اپنے سائے میں لے لینا تھا۔

(۵) حاکم یمامہ ہوذہ کے نام:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

از محمد رسول اللہ بنام ہوذہ بن علی۔

سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ جان لو کہ میرا دین وہاں تک پھیلے گا، جہاں تک چوپائے اور گھوڑے جا سکتے ہیں۔ اسلام قبول کرو تو سلامت رہو گے (یا تم سے تعرض نہیں کیا جائے گا) اور جو علاقہ تمہارے ماتحت ہے، اسے تمہارا بنا دیں گے۔ (۲۳)

اللہ، رسول، محمد

مہر

رسول اللہؐ کے قاصد حضرت سلیط بن عمرو عامریؓ کو ہوذہ کے دربار میں عزت و احترام سے لایا اور بٹھایا گیا۔ ہوذہ نے بڑی توجہ سے نامۂ مبارک کو سنا اور جواب میں آپ کو لکھوایا:

"کتنی اچھی اور حسین بات ہے، جس کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں۔ عرب میرے رتبے کی عزت کرتے ہیں۔ بعض اختیارات مجھے تفویض کیجیے ہم اتباع کریں گے۔"

ہوذہ نے حضرت سلیطؓ کے ذریعے اپنا خط اور تحفے کے طور پر ہجر کا کپڑا آپ کی خدمت میں بھیجا۔ آپؐ نے یہ خط سنا تو فرمایا:

"اگر وہ مجھ سے ایک بالشت زمین بھی طلب کرے گا تو میں نہیں دوں گا، جو کچھ اس کے قبضے میں ہے، وہ جانے والا ہے۔"(۲۴) سچے نبی کی کہی بات تھی، سچ ثابت ہوئی۔

(۶) حارث بن شمر غسانی کے نام:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہ

از محمد رسول اللہؐ بنام الحارث ابن ابی شمر۔

سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور اس پر ایمان لائے اور اس کی تصدیق کرے۔ میں تمھیں اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ اللہ پر ایمان لاؤ، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس طرح تمہارا ملک تمہارے پاس باقی رہے گا۔"(۲۵)

رسول اللہ ﷺ نے ان کے علاوہ اور بھی حکمرانوں اور قبائلی سرداروں کو وقتاً فوقتاً تبلیغی خطوط لکھے اور اپنا فریضۂ رسالت احسن و موثر طریقے سے ادا کر دیا۔ یاد دہانی کے طور پر اس نکتے پر زور دیا جاتا ہے کہ آپؐ کے ہر کام میں حکمت ہوتی تھی اور حکمت منصوبہ بندی کو چاہتی ہے۔ منصوبہ فوری نوعیت کا بھی ہوتا ہے اور طویل المیعاد بھی۔ آپؐ چونکہ تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے تھے، اس لیے آپ کا تبلیغی منصوبہ زمانی و مکانی بھی تھا اور عالمگیر و سرمدی نوعیت کا بھی۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ آپؐ نے اپنے ان تبلیغی خطوط کے ذریعے بیرونی ممالک میں اسلام کا جو بیج بویا، اسے زود یا بدیر شجر طیبہ بننا اور اپنے ثمرات سے اہل دنیا کو مستفیض کرنا تھا۔ اسلام کے بڑے بڑے ثمرات کیا ہیں؟ توحید، حسن و نور، حق و صداقت، عدل و اخوت، امن و سلامتی وغیرہ۔

ہمیں یہ حقیقت کبھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ آپؐ کے رسالتی یا تبلیغی خطوط تاریخ کی انتہائی اہم و مستند دستاویزات اور روح اسلام و نبوت کے آئینہ دار ہیں۔ تاریخ کا یہ ریکارڈ صیہونی و صلیبی مشنریوں کے لیے جن کا منصب و مقصود اسلام اور پیغمبر اعظم و آخرؐ سے متعلق مسلمانوں میں بالخصوص اور غیر مسلموں میں بالعموم تشکیک پیدا کرنا ہے، ایک ایسا چیلنج ہے، جس کے وہ کبھی حریف نہیں ہو سکتے اور جس نے ان کے ابلیسی پروپیگنڈے کی قلعی کھول دی ہے۔

والیٔ بصریٰ کے نام مکتوب اور دیگر متفرق سفارتیں:

بصریٰ کے حاکم کے پاس حارث بن عمرآپ کا نامہ مبارک لے کر گئے۔ راستے میں موتہ کے مقام پر وہاں کے سردار شرجیل غسانی نے حارث بن عمرؓ کو شہید کروادیا۔

رسول کریم ﷺ نے ان کے علاوہ اور بھی بے شمار قبائل کے سرداروں ریاستوں کے والی اور سیاسی قیادت رکھنے والے معززین کے پاس اپنے نمائندوں کو بھیجا مثلاً یمن کے بادشاہ حارث بن عبدکلال حمیری کے پاس مہاجر ابن امیہ مخزومی کو بھیجا۔ قبیلہ بنو کلاب کے سمعان بن قریظہ کے پاس عبداللہ بن عوسجہ عرنی کو بکر بن وائل کے پاس ظبیان بن مرثد کو قبیلہ ہمدان کے رؤساء حارث مسروح اور نعیم بن عبدکلال کے پاس عیاش بن ربیعہ مخزومی کو طائف کے مشہور قبیلہ بنوثقیف کے پاس خبیر بن خرشہ کو مسیلمہ کذاب کے پاس سائب بن عوام کو اور حضرت وائل بن حجر کو خود انہی کے قبیلے کے لوگوں کے پاس پیغام دے کر بھیجا۔(۲۶)

مکتوبات نبوی کی تحریر اور اسلوب کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے مختلف مملکتوں میں قائم شاہی نظام جو غیر انسانی بنیادوں پر قائم تھا کو چیلنج کرتے ہوئے اللہ کی توحید کی طرف بلایا۔ اکثر ممالک میں شاہی نظام کی گرفت اتنی سخت تھی کہ عوام کی آزادی ان کے فرمانرواؤں کی نظر التفات کا دوسرا نام تھا۔ ان فرمانرواؤں نے مذہبی پیشواؤں کا تعاون حاصل کرکے انسانیت کو اپنے پاؤں تلے روندا۔ اسلام سرخ وسفید، کالے اور گورے کے امتیاز کو ختم کرنے کے لیے آیا اس نے بنی نوع انسان کی شاندار اور تابناک مستقبل کا مژدہ سنایا اور انسان کی زندگی کے اجتماعی معاشرتی، سیاسی، ذاتی اور روحانی پہلوؤں کے متعلق اوامر ونواہی جاری کرکے آزادی، مساوات اور اخوت کا درس دیا۔ یہ درس اس انداز سے دیا کہ آپؐ کے لب ولہجہ میں ذرہ برابر نیازمندی نہیں۔ ذاتی مفاد کی تلویث، مرعوبیت یا کمزوری نہیں بلکہ ایک خاص وقار ہے۔ عزم ثبات ہے۔ اس پر اعتماد اور پرخلوص دعوت کے انتہائی اثرات مرتب ہوئے۔ ہر خط کے آغاز میں بسم اللہ سے حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ مطلق العنان بادشاہ محض اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے دیے گئے نظام کے دائرے میں آجائیں۔

رسول اللہ ﷺ کے مکاتیب میں محض بادشاہوں اور امراء ہی کو مخاطب نہیں کیا گیا تھا بلکہ عوام الناس بھی اس میں شامل تھے۔ مکتوب مملکتوں کے سربراہوں کے نام لکھنے کا مقصد یہ تھا کہ بین الاقوامی قوانین کی رو سے خطوط ہمیشہ سربراہان ریاست کو بھیجے جاتے ہیں پھر یہ اس دور کی بات ہے کہ جب کہ عام شہریوں کے حقوق بادشاہوں کے مقابلے میں کچھ بھی نہ تھے اور وہ سیاسی آزادی نہ تھی جس سے کام لے کر وہ اپنے بارے میں کوئی فیصلہ کرسکیں۔ ملوک وسلاطین کو دعوت اسلام دیتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے سیاست وتدبر اور بالغ نظری کا صدرجہ ثبوت فراہم کیا۔ آپؐ نے نہ صرف بڑی طاقتور ریاستوں کو دعوت اسلام دی بلکہ ان کے زیر اثر اور ماتحت سرحدی ریاستوں کو بھی جھنجوڑا۔ سیاسی لحاظ سے اس کا مقصد یہ تھا کہ طفیلی ریاستوں کو کسی طرح ان بڑی طاقتور مملکتوں سے علیحدہ کردیا جائے جن سے وہ قوت پارہی تھیں۔

چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے سفیر دحیہ کلبی کے ذریعے قیصر روم کو مکتوب روانہ کیا تو اس کے ساتھ ساتھ سلطنت روم

کے حلیف اور ماتحت علاقوں کے سربراہوں کو بھی خطوط روانہ کیے ان میں حبشہ کے حاکم نجاشی، اسکندریہ کے حاکم مقوقس، حاکم دمشق حارث بن ابی شمر الغسانی، شام کے سربراہ جبلہ بن الایہم، عامل معان فروہ بن عمرو الجزامی، ضغاطر اسقف اور سرداران قبیلہ لخم، کلب، داریون اور بلی وغیرہ کے نام مراسلات قابل ذکر ہیں۔ اس طرح آپؐ نے روم اور اس کے تمام خطے کو اپنی دعوت کا ہدف بنایا۔ دوسری جانب سلطنت فارس اور اس کے ماتحت تمام امراء و روسا کو بھی مخاطب کیا۔ اس سلسلے میں شاہ فارس کسریٰ پرویز، یمامہ کے ہوذہ بن علی، بحرین کے حاکم اور سرداران قبیلہ بکر بن وائل وغیرہ کے نام مکتوب قابل ذکر ہیں۔ ان مذکورہ ملوک وسلاطین کے نام مکتوبات کے نتائج خواہ کچھ بھی رہے ہوں اس کے اثرات عالمی سیاسی حالات پر بہت گہرے پڑے۔ حضور اکرم ﷺ کی یہ سفارتی حکمت عملی یقینی طور پر کامیاب رہی۔ مثلاً عمان، بحرین اور یمن کے امراء انہی سفارتوں کے نتیجے میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ یہ علاقے اپنی زرخیزی اور دولت واثرات کے لحاظ سے دیگر تمام عرب علاقوں سے ممتاز حیثیت کے مالک تھے، پھر حضور اکرم ﷺ سے برسرپیکار عرب قبائل کو ان ہی علاقوں سے غلہ اور اسلحہ فراہم کیا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ جانتے تھے کہ جب تک دشمن قبائل کو ان علاقوں سے غلہ اور اسلحہ فراہم کیا جاتا رہے گا، جنگ وجدل کا سلسلہ جاری رہے گا۔ اس لیے ان امارتوں کے ریاست نبویؐ کے زیر اثر آجانے سے رسول اللہ ﷺ کو زبردست کامیابی ہوئی۔ اسی طرح اسلامی ریاست کی حدود پھیلتے ہوئے پرامن طور پر عمان، بحرین اور یمن تک جا پہنچیں۔

مکتوبات کے ذریعے دعوت الٰہی پر بعض حکمرانوں نے ردعمل کے طور پر اسلام کو قبول تو نہ کیا لیکن دلوں پر اثرات ضرور محسوس کیے جیسے یمامہ کے امیر ہوذہ بن علی نے قبول دعوت کے لیے کچھ شرائط پیش کیں۔ بالآخر وہ تباہ ہوا۔ مصر کا حکمران مقوقس خط پڑھ کر بہت متاثر ہوا اور قاصد کی تکریم کرتے ہوئے حضور اکرم ﷺ کے لیے تحائف ارسال کیے لیکن اسلام لانے سے ہچکچایا۔ گویا اخلاقی اعتبار سے ان علاقوں میں نرم گوشے پیدا ہوئے اس کے برعکس شہنشاہ فارس پرویز نے نامۂ مبارک چاک کر ڈالا اور اپنے عامل باذان کو رسول اللہ ﷺ کی گرفتاری کے لیے لکھا۔ نتیجتاً ایک طرف تو یمن سلطنت ایران سے کٹ کر خود بخود رسول اللہ ﷺ کی زیر سیادت آ گیا اور دوسرے یہ کہ کسریٰ پرویز شیرویہ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ ایران میں خانہ جنگی شروع ہو گئی اور وہ اپنی سرحدوں کا دفاع نہ کر سکا اس طرح ایران کے اکثر علاقوں پر رومیوں نے قبضہ جما لیا۔ پھر بصریٰ کے حاکم نے حضرت حارثؓ بن عمیر جن کو حضور اکرم ﷺ نے سفیر بنا کر بھیجا تھا قتل کر ڈالا۔ حاکم بصریٰ عیسائی تھا اور براہ راست قیصر روم کے احکام کے تابع تھا۔ ایک خود مختار ریاست کے سفیر کا قتل معمولی جرم نہ تھا یہ بین الاقوامی سفارتی آداب کے سراسر منافی تھا لہٰذا اس سانحہ کی اطلاع ملتے ہی جمادی الاولیٰ ۸ھ میں تین ہزار مجاہدین کی ایک فوج رسول اللہ ﷺ نے سرحد شام کی جانب روانہ فرمائی تاکہ یہ علاقہ آئندہ مسلمانوں کے لیے پرامن ہو جائے اور یہاں کے لوگ مسلمانوں کو کمزور سمجھ کر ان پر زیادتی کی جرأت نہ کریں۔ جنگ موتہ کے واقعات وتفصیلات میں جائے بغیر شرحبیل بن عمرو کی ایک لاکھ فوج سے تین ہزار مجاہدین کا ٹکرانا معمولی بات نہ تھی اس پر ایک مصنف نے یوں تبصرہ کیا کہ:

''اس تیور کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے تھا کہ مجاہدین اسلام بالکل پس جاتے لیکن سارا عرب اور تمام مشرق قریب یہ دیکھ کر ششدر رہ

گیا کہ ایک اور ۳۳ کے اس مقابلہ میں بھی کفار مسلمانوں پر غالب نہ آ سکے۔ یہی چیز تھی جس نے شام اور اس سے متصل رہنے والے نیم آزاد عربی قبائل کو بلکہ عراق کے قریب رہنے والے نجدی قبائل کو بھی جو کسریٰ کے زیر اثر تھے اسلام کی طرف متوجہ کر دیا اور وہ ہزاروں کی تعداد میں مسلمان ہو گئے۔ بنی سلیم (جن کے سردار عباس بن مرداس السلمی تھے) اور اشجع اور غطفان اور ذبیان اور فزارہ کے لوگ اسی زمانے میں داخل اسلام ہوئے اور اسی زمانے میں سلطنت روم کی عربی فوجوں کا ایک کمانڈر فروہ بن عمرو الجذامی مسلمان ہوا۔" (۲۷)

جنگ موتہ جو کہ حضور اکرم ﷺ کے بھیجے ہوئے ایک سفیر کے قتل کے ردعمل میں واقع ہوئی کا ایک سیاسی فائدہ عربوں کو یہ بھی حاصل ہوا کہ انہیں شہنشاہ روم اور اس کی عظیم الشان قوت سے ٹکرانے کا حوصلہ مل گیا۔ پچھلی تاریخ میں عربوں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ وہ روم کی طاقت کا مقابلہ کر سکتے ہیں لیکن جنگ موتہ نے عربوں کی اجتماعی نفسیات بدل ڈالی۔ نیز دنیا پر یہ بھی واضح ہو گیا کہ اسلامی ریاست اپنے مقصد کے حصول، اپنی آزادی اور خود مختاری کو برقرار رکھنے کے لیے کسی بھی طرح سے مقابلہ کرنے کو تیار ہے۔ جنگ موتہ کے ان اثرات کے باوجود عرب سرحدوں کی طرف رومیوں کے خطرات کم نہ ہوئے بلکہ رومی فیصلہ کن معرکے کے لیے خود کو تیار کر چکے تھے۔ نتیجہ ۹ھ میں تبوک کے مقام پر حضور اکرم ﷺ نے مقابلہ کی غرض سے پڑاؤ کیا۔ حضور اکرم ﷺ نے حربی اور سیاسی منصوبہ بندی کچھ اس طرح سے کی کہ مسلمان فوج رومیوں کی تیاری مکمل ہونے سے قبل ہی مقابلہ پر پہنچ گئی۔ تبوک میں قیام کے دوران ہی آپ نے قیصر روم کو تحریر فرمایا کہ:

"میں تمہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں اگر تم اسلام قبول کر لیتے ہو تو جو مراعات مسلمانوں کو حاصل ہوں گی وہ تمہیں حاصل ہوں گی اور جو واجبات ان پر عائد ہوتے ہیں وہی تم پر عائد ہوں گے، لیکن اگر تم دائرۂ اسلام میں داخل نہیں ہونا چاہتے تو پھر جزیہ ادا کرو۔ اس لیے کہ اللہ فرماتا ہے کہ:

اہل کتاب میں سے جو لوگ اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ اللہ و رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں اور نہ دین حق کی اطاعت قبول کرتے ہیں ان سے جنگ جاری رکھو یہاں تک کہ وہ ماتحت کرتے ہوئے خود جزیہ ادا کریں۔"

اس جرأت مندانہ اقدام کا ایک سیاسی فائدہ یہ ہوا کہ تبوک میں قیام کے دوران وہ سرحدی ریاستیں جو اب تک رومیوں کے زیر اثر تھیں ریاست نبوی کی باج گزار بن گئیں۔ ایلہ، اہل جربا و اذرح، دومۃ الجندل اور مقنا کے قبائل ان میں شامل تھیں۔ اس طرح ریاست نبوی کی حدود براہ راست جزیرہ نمائے عرب کی انتہائی شمالی سرحدوں تک پہنچ گئیں۔

حضور پاک ﷺ کی مذکورہ بین الاقوامی سفارت سرگرمیوں کا بالآخر نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام ایک عالمی قوت کے طور پر پہچانا گیا اور عرب کے بہت سے قبائل جو دور دراز علاقوں سے تعلق رکھتے تھے اس عالمی قوت کے ساتھ ناطہ جوڑنے کی خواہش کرنے لگے اور اس مقصد کے لیے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں اپنے وفود اور سفیر مدینہ بھیجے۔ ان وفود سے متعلق تفصیلات میں جانے سے قبل ضروری ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے غیر ملکی وفود اور سفیروں کے ساتھ برتاؤ کا جائزہ لیا جائے۔

اسلام میں سفارتی آداب:

بین الاقوامی سطح پر اسلام سے قبل بھی یہ روایت موجود تھی کہ غیر ملکی سفیروں سے اچھا برتاؤ کیا جائے۔ان کا تحفظ ہو اور ان سے بدسلوکی اور ایذا رسانی سے گریز کیا جائے۔قدیم یونانی مفکرین ارسطو اور افلاطون نے بھی اپنی کتابوں میں سفارتی نمائندوں کے تحفظ اور سہولتوں کا ذکر کیا ہے لیکن اس روایتی قانون کی موجودگی کے باوجود اس پر پوری طرح عمل نہ کیا جاتا تھا۔تاریخ میں بہت سی ایسی مثالیں موجود ہیں جب سفیروں کے ساتھ غیر مہذب سلوک کیا گیا، انہیں یرغمال بنایا گیا حتیٰ کہ بعض نمائندوں کو قتل بھی کیا گیا۔لیکن رسول اللہ ﷺ نے اپنی تعلیمات اور طرزِ عمل سے دنیا پر یہ واضح کر دیا کہ سفارتی نمائندے ہمیشہ قابل احترام ہوتے ہیں اور ان کی زندگی کا تحفظ لازم ہے جیسا کہ عامر بن طفیل کے وفد کے گستاخانہ رویہ کے ردِ عمل کے طور پر آپؐ کے طرزِ عمل سے ظاہر ہے عامر بن طفیل، اربد بن قیس اور جبار بن سلمیٰ پر مشتمل تین رکنی وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ان سرداران قوم کے عزائم خطرناک تھے۔عامر بن طفیل نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ انتہائی گستاخانہ اور غیر مہذب انداز میں گفتگو کی۔واپسی پر اس نے دھمکی بھی دی کہ وہ اپنے مسلح لشکروں سے مدینہ کو تہس نہس کر دے گا۔اس غیر مہذب گفتگو کے باوجود آپؐ نے اس کے ساتھ بھی سفارتی آداب کے تحت برتاؤ کیا اور اس کے جانے کے بعد یہ دعا کی کہ اے اللہ عامر کے فتنوں سے ہمیں محفوظ فرما۔اسی طرح مسیلمہ کذاب کے سفیروں سے بھی بہتر سلوک کیا گیا باوجود اس کے کہ ان سفیروں نے تمام سفارتی آداب کو نظر انداز کرتے ہوئے بڑی بدتمیزی کا مظاہرہ کیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے صرف یہ فرمایا کہ:

''خدا کی قسم اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سفیروں کا قتل جائز نہیں، تو میں ضرور تمہاری گردنیں اتروا دیتا۔''(۲۸)

ساٹھ افراد پر مشتمل نجران کا ایک وفد مدینہ آیا، یہ لوگ عیسائی تھے اور بیت المقدس کی طرف منہ کر کے عبادت کرتے تھے۔ان لوگوں کو مسجد نبویؐ میں ٹھہرایا گیا۔انہوں نے مسجد نبویؐ میں نماز ادا کرنا چاہی بعض صحابہ کرامؓ نے انہیں روکنا چاہا تو رسول اللہؐ نے مسلمانوں کو اس سے روک دیا اور فرمایا کہ ان مہمانوں کو اپنے مسلک کے مطابق نماز پڑھنے دو، چنانچہ انہوں نے عیسائیت کے مطابق مسجد نبویؐ میں نماز ادا کی۔(۲۹)

قبیلہ بنو ثقیف کے وفد کی بڑی عزت افزائی کی گئی اور انہوں نے مسجد نبویؐ میں ٹھہرایا ان کے لیے خصوصی طور پر خیمے لگوائے گئے۔حضرت خالد بن سعد نے العاص کو ان کا پروٹوکول افسر مقرر کیا گیا ضرورت کے وقت حضور پاک ﷺ نے مدینہ آنے والے سفراء اور وفود کی مالی مدد بھی فرمائی۔قبیلہ حذیفہ کے وفد کے پاس جانے کے لیے کھانے پینے کا سامان پورا نہ تھا، آپؐ نے حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ ان کے لیے اشیائے خورد و نوش کا انتظام کر دیا جائے۔(۳۰) اس طرح وفد بنو ثعلبہ کو جاتے ہوئے پانچ اوقیہ چاندی دی۔رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو سفیروں کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا تھا:

ان (وفد ثعلبہ) کے ساتھ اس طرح خاطر مدارت کرو جس طرح وفود کے ساتھ خاطر مدارت کی جاتی ہے۔''(۳۱)

اس کے علاوہ جن افراد کو آپؐ دوسرے علاقوں میں سفیر بنا کر بھیجتے ان کو بھی ہدایات فرماتے کہ وہ سفارتی آداب کو ملحوظ رکھیں اور حفظ مراتب کا خیال رکھتے ہوئے فرائض انجام دیں۔ بین الاقوامی تعلقات کے ضمن میں سفراء اور وفود کے جان و مال کے تحفظ و عزت و احترام کی اہمیت کے پیش نظر ہی رسول اکرم ﷺ نے آخری ایام میں وصیت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ان نمائندوں کی عزت و مدارت اسی طرح کرتے رہنا جس طرح میں کرتا ہوں۔ اصل الفاظ اس طرح تھے:

حضرت محمدؐ کی غیر ملکی نمائندوں کے ساتھ برتاؤ کی تعلیمات اور ان کے ساتھ مثالی طرز عمل کا نتیجہ یہ نکلا کہ بین الاقوامی طور پر اسلامی ریاست کی عزت و وقار میں اضافہ ہوا نیز اس سے غیر ملکی سفیروں کے متعلق بین الاقوامی قوانین کی تیاری میں بھی فائدہ حاصل ہوا اور مختلف زمانوں میں مختلف بین الاقوامی تنظیموں اور اداروں نے سفراء سے متعلق قوانین کی تیاری کے لیے ان سے استفادہ بھی کیا ہو۔

تحریک اسلام کو عالمگیر بنانے کی سرگرمیوں کے نتائج:

رسول اکرم ﷺ کی سفارتی حکمت عملی کے حوالے سے ہم بیان کر چکے ہیں کہ مختلف مملکتوں کے بادشاہوں اور امراء کے نام جو خطوط آپؐ نے ارسال فرمائے تھے ان کے نتائج میں جنگ تبوک کے بعد مسلمانوں کو سب سے بڑا فائدہ یہ پہنچا کہ طاغوتی طاقتوں کے سامنے مدینہ کی ایک نئی اسلامی ریاست کو تسلیم کیا جانے لگا اور خود عربوں کے اندر بڑی طاقتوں کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ پیدا ہوا۔ عرب کے بہت سے قبائل جو ابھی تک اس نئی اسلامی ریاست کے تابع نہیں ہوئے تھے اس بات کے انتظار میں تھے کہ قریش مکہ اور حضورؐ کے تعلقات کیا رخ اختیار کرتے ہیں گویا وہ کسی فیصلہ کن نتیجے کے انتظار میں تھے۔ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے جب پرامن طور پر قریش مکہ پر غلبہ حاصل کر لیا تو حالات بدل گئے۔ عرب قبائل جو ابھی تک تذبذب کا شکار تھے اس نئی اسلامی ریاست کے ساتھ اپنا تعلق اور ناطہ جوڑنے کی خواہش کرنے لگے بالکل اسی طرح جیسے ہر دور میں عظیم طاقتوں کے ساتھ چھوٹے ممالک تعلقات قائم کرنے کے آرزومند ہوتے ہیں یا مجبور ہوتے ہیں۔ مختلف علاقوں سے قبائل نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں وفود بھیجے تاکہ وہ اس نئی مذہبی اور سیاسی طاقت کا ایک حصہ بن سکیں یا اس کے ساتھ تعلقات قائم کر سکیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''جب اللہ کی مدد اور فتح آئے اور جب لوگوں کو تم دیکھو کہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے ہیں تو اپنے رب کی ثناء کرتے ہوئے اس کی پاکی بولو اور اس سے بخشش چاہو بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔'' (القرآن) (۳۲)

رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے والے وفود کی تعداد کے بارے میں اختلاف رائے موجود ہے۔ ابن اسحاق نے پندرہ وفود کا ذکرہ کیا ہے، حافظ ابن قیم اور قسطلانی کے مطابق چونتیس وفود حاضر ہوئے۔ دمیاطی، مغلطائی اور زین الدین عراقی، ابن سعد کے ساتھ متفق ہیں جس نے ستر وفود کا تذکرہ کیا ہے۔ مصنف سیرت شامی کے مطابق ایک سو چار وفود مدینہ آئے اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔ بہرحال سب سے زیادہ وفود ۹ھ میں آئے اسی بناء پر اس سال کو ''عام الوفود'' کہا جاتا ہے۔ یہاں مقصد حضور اکرم

ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے والے وفود کا واقعاتی اور تفصیلی ذکر کرنا نہیں بلکہ ان وفود کی رسول اکرم ﷺ کی خارجہ سیاست میں اہمیت کا جائزہ لینا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے والے وفود کی اہمیت کا پہلا عنصر سفارتی نوعیت کا ہے۔یعنی مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ نے غیر ملکی سفیروں اور وفود کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ کیا۔گزشتہ صفحات میں اس کی کئی مثالیں دی جا چکی ہیں یہاں صرف یہ کہنا ہی کافی ہوگا کہ آپؐ نے ان وفود کو عزت واحترام بخشا اور ان کی خاطر ومدارج کے لیے خاص اہتمام فرماتے ہوئے افسران مہماندار بھی مقرر کیے نیز واپسی پر ان کو تحفے وتحائف سے بھی نوازا۔سفارتی آداب کے یہ اصول آج کے جدید دور میں بھی مسلمہ ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش ہونے والے وفود کی اکثریت نے اسلام قبول کیا اور اسلامی تعلیمات کے درس سیکھے۔جن وفود کے اراکین آپ کی طرف سے تعلیمات ملنے کے باوجود دائرۂ اسلام میں داخل نہ ہوئے ان میں سے بعض نے دوستی اور صلح کے معاہدے کیے گویا دونوں لحاظ سے فائدہ اسلامی ریاست کو ہی پہنچا۔رسول اکرم کی خارجہ پالیسی کا بنیادی اور اولین اصول اسلام کا پیغام پہنچانا تھا کیوں کہ وہ اس مقصد کے لیے ہی بھیجے گئے تھے۔اس مقصد کو حاصل کرتے ہوئے آپؐ نے سیاسی وحربی طریقے بھی اختیار کیے۔یہ آپ کی سیاسی بصیرت کا نتیجہ تھا کہ آپ کی خدمت میں جتنے وفود حاضر ہوئے ان سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔(۳۳)

رمضان ۱ ہجری میں ہجرت کے چھ ہی ماہ بعد جب آنحضرت ﷺ نے قریش کے متعلق اپنی سیاست متعین کرلی کہ ان پر معاشی دباؤ ڈالا جائے اور اس سلسلے میں قریش کی تجارتی گزرگاہوں پر مقیم قبائل سے رابطہ کی ضرورت محسوس ہوئی۔جہینہ کا قبیلہ اس مقام پر تھا جو قریشیوں کے تجارتی کاروانوں کی گزرگاہ تھی۔اس قبیلے کے عبدالعزیٰ بن بدر، اخیانی اور ابو دوعہ وفد کی شکل میں آپ کی خدمت میں مدینہ تشریف لائے۔اسی قبیلے کے ایک اور شخص عمرو بن مرہ الجہنی نے آپؐ کے متعلق سن کر اپنا بت منہدم کرڈالا اور آپؐ کے پاس آکر اسلام قبول کیا۔(۳۴)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے مطابق عمرو الجہنی سے یا آنحضرتؐ نے ہجرت کے بعد خود کوئی معاہدہ حلیفی کیا تھا یا کم از کم انصار کی پرانی حلیفی کی تجدید کرکے اب سارے مسلمانان مدینہ کے لیے (جن کے سیاسی سردار خود "رسول اللہؐ" بن گئے تھے) عام کردیا تھا۔(۳۵)

اس طرح قبیلہ مزینہ بھی اس اہم تجارتی شاہراہ پر واقع تھا جو قریش کے مواصلات کی شہ رگ تھی۔اس قبیلہ کے چار سو افراد پر مشتمل وفد نے مدینہ منورہ میں آنحضرت ﷺ کی بارگاہ میں حاضری دی۔ان میں بلال بن حارث، نعمان بن مقرن، ابو اسماء عبداللہ بن بردہ اور بشیر بن محتفز قابل ذکر ہیں۔قبیلہ کے ایک سردار کو قبیلہ کی جاگیریں عطا ہوئیں گویا آنحضرت ﷺ نے قیمتی جاگیر دے کر قبیلہ کو اس کا پابند کیا کہ قریشی آمدورفت کو روکنے میں مدد دے۔پھر جب ارکان وفد نے ہجرت کی خواہش کا اظہار کیا تو آپؐ نے ان سے فرمایا کہ رہو مہاجر ہو۔لہٰذا تم لوگ اپنے مال ومتاع کی جانب واپس جاؤ۔"(۳۶)

رسول اکرم ﷺ کی ارکان وفد کو نصیحت کا سیاسی مقصد یہ تھا کہ مدینہ کے یہ مسلمان اپنے مقام پر رہ کر قریش مکہ کے تجارتی قافلوں کی اطلاع کرتے رہیں اور مدینہ کی قیمتی اور زرخیز زمینوں کی نگرانی کرتے رہیں پھر قبیلہ عامر بن عکرمہ کا وفد حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔آپؐ نے ان کے سردار کو بھی ایک جاگیر عطا فرمائی تاکہ وہ بھی قریش کا تجارتی راستہ بند کرنے میں

مددگار ثابت ہو۔ اشجع بظاہر قبیلہ غطفان کی ایک شاخ ہے یہ بھی قریش کے کاروانی راستے پر مدینے کے شمال میں بستے تھے۔ قریش کی تجارتی ناکہ بندی میں کامیابی کے بعد ۵ ہجری یہ قبیلہ معاشی مسائل کا شکار ہوا تو اپنا ایک وفد مدینہ بھیجا اور حضور اکرم ﷺ سے صلح کی۔ قریش مکہ کی تجارتی ناکہ بندی کی پالیسی کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ان مذکورہ وفود نے بہت اہم کردار ادا کیا تھا۔ نتیجتاً معاشی دباؤ کو برداشت نہ کرتے ہوئے قریش مکہ صلح حدیبیہ پر رضامند ہوئے اور مسلمانوں کو ایک قوت ماننے پر مجبور ہوئے تھے۔

جو سفرا و یا وفود کے اراکین حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ آپ کی دعوت اور اسلامی تعلیمات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ یہی وجہ ہے اکثر وفود کے اراکین نے اسلام قبول کیا اور اسلامی احکامات سیکھے اور اپنے قبائل کو واپس جا کر لوگوں کو تبلیغ کی نتیجتاً عرب قبائل دائرہ اسلام میں داخل ہوتے گئے اور اسلام نہ صرف عرب کی سرحدوں کو چھونے لگا بلکہ پڑوس کی عظیم سلطنتوں کے اندر بھی اس کے اثرات نمایاں ہونے لگے۔ گویا عرب کے دور دراز سرحدی قبائل میں اسلام کو ایک مذہبی اور سیاسی قوت بنانے میں ان وفود نے اہم کام کیا جو حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔

۵ ہجری میں بنو سعد بن بکر نے ضمام بن ثعلبہ کو اپنا سفیر بنا کر حضور اکرم کی خدمت میں بھیجا۔ ضمام حضور اکرم ﷺ سے مختلف سوالات و جوابات کے بعد ایمان لائے اور اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے اور لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے کہا۔ لات اور عزیٰ بہت بُرے ہیں، لوگوں نے کہا ضمام! برص اور کوڑھ اور جنون سے ڈرو اور ایسی بات زبان پر نہ لاؤ۔ انہوں نے کہا، خدا کے بندو! خدا کی قسم! یہ بت نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ فائدہ۔ اللہ تعالیٰ نے رسول گرامی کو بھیج دیا ہے ان پر کتاب نازل کی اور تمہیں شرک و کفر سے نجات کی راہ دکھا دی ہے جس شرک و کفر میں تم مبتلا تھے میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمدؐ اللہ تعالیٰ کے عبد مکرم اور رسولؐ ہیں اور میں تمہارے پاس احکام لے کر آیا ہوں کہ انہوں نے کن چیزوں کا حکم دیا ہے اور کن چیزوں سے منع فرمایا ہے۔ اس بیان پر شام سے قبل ہی تمام لوگ مسلمان ہو گئے۔ قبیلہ دوس کے طفیل بن عمرو دوسی آپ کی دعوت پر مسلمان ہوئے۔ واپس جا کر اپنے قبیلہ کو دعوت دیتے رہے۔ نتیجتاً ۷ھ میں دوس کے ستر یا اسی مسلمانوں کا وفد مدینہ منورہ آیا۔ ان میں حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عبداللہؓ بن ازہیرؓ بھی شامل تھے۔ (۳۷) ۸ ہجری میں جب آپؐ جعرانہ سے واپس ہوئے آپؐ نے قیس بن سعد بن عبادہ کو یمن میں قبیلہ صداء کے ساتھ چار سو مسلمانوں کی قیادت میں جنگ کی غرض سے روانہ فرمایا۔ صداء کے ایک شخص زیاد بن حارث اپنی قوم کی طرف سے سفیر بن کر حاضر ہوئے آپؐ نے جیش کو واپس طلب کر لیا۔ بعد میں زیاد بن حارث پندرہ افراد پر مشتمل ایک وفد لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔ قبیلہ صداء میں اسلام سرعت سے پھیلا حجۃ الوداع کے موقع پر اس قبیلے کے ایک سو افراد آپ کی زیارت کو حاضر ہوئے۔ (۳۸)

قبیلہ مراد کے فروہ ابن مسیک مرادی، کندہ کے بادشاہوں کو چھوڑ کر اور ان سے کنارہ کشی اختیار کر کے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ تبوک سے واپسی پر رسول اللہ کی خدمت میں بادشاہان حمیر کا مکتوب پہنچا۔ جو حرث بن عبد کلال، نعیم بن عبد کلال اور ذو رعین، معافر اور ہمدان کے امیر، نعمان نے زرعہ ذویزن مالک ابن مرہ ہادی کے ہاتھ بھجوایا گیا تھا اس میں تحریر تھا کہ ہم اسلام لا چکے ہیں اور شرک اور اہل شرک سے کنارہ کش ہو چکے ہیں۔ آپؐ نے جواباً احکام اسلام لکھ بھجوائے۔

فروہ ابن عمر ابن النافرہ جذامی نفاثی نے ایک قاصد کو اپنے اسلام لانے کی اطلاع کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ فروہ شام روم کی طرف سے ان عربوں پر عامل مقرر تھے جو ان کے قریب رہتے تھے۔ شام میں معان اور اس کے آس پاس کا علاقہ ان کے زیر انتظام تھا جب شاہ روم کو ان کے اسلام لانے کی خبر ملی تو انہیں بلا کر گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا اور بالآخر ان کا سر قلم کر دیا گیا۔

فتح مکہ کے بعد وفد ثمامہ اور وفد الحدان آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا اور زکوٰۃ سے متعلق احکامات وصول کیے۔ اسی طرح وفد شیبان، وفد تجیب، وفد خولان، وفد محی، وفد خسین، وفد بلی، وفد عذرہ، وفد ثقیف، وفد تمیم، وفد سلیم، وفد باہلہ، وفد غامد اور وفد حضر موت اور کئی دیگر وفود کے اراکین رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر اسلام کے دائرہ میں داخل ہوئے ان وفود کے اسلام لانے اور واپس جانے پر تبلیغی کام سے مسلمانوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوا اور حدود ریاست اسلام میں بھی وسعت پیدا ہوتی گئی اس طرح اسلام ایک عالمگیر طاقت اور مذہب بننے لگا۔

وفود کا تجزیاتی مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض قبائل کی طرف سے بھیجے گئے وفود اسلام قبول کیے بغیر واپس لوٹے البتہ صلح کے معاہدے کیے۔ بنو تغلب کے آئے ہوئے وفد کے کچھ اراکین عیسائی تھے، جنہوں نے اسلام قبول نہ کیا البتہ اس شرط پر صلح کی کہ وہ خود عیسائیت پر قائم رہیں گے لیکن اپنی اولاد کو عیسائیت کی تعلیم نہیں دیں گے۔ نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے اسلام کی دعوت دی، قرآن پاک سنایا لیکن وہ اسلام لانے کے لیے تیار نہ تھے۔ آپؐ نے مباہلہ کی پیشکش کی لیکن وہ کترا گئے بالآخر دو ہزار حلے سالانہ دینے پر صلح ہوئی اور یمن سے جنگ کی صورت میں چند چیزوں کی عاریتاً مدد کی بھی شرط رکھی گئی۔ (۳۹) واپسی پر آپؐ نے ابو عبیدہؓ بن جراح کو بعض امور کی غرض کے ساتھ بھیجا جن کے فیضان صحبت سے پورا نجران منور ہو گیا۔ بعض وفود کی آمد میں قبولیت اسلام کے ساتھ ساتھ اقتصادی امداد کا عنصر بھی نظر آتا ہے۔ ۹ ہجری میں تبوک سے واپسی پر بنو فزارہ کا وفد حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وفد کے اراکین نے جو کمزور سواریوں پر سوار ہو کر آئے تھے عرض کی کہ ہمارے شہر خشک سالی کی زد میں ہیں، ہمارے مویشی ہلاک ہو گئے، ہمارا علاقہ قحط کا شکار ہے اور کھیتیاں خشک ہو گئیں ہیں۔ آپؐ اپنے رب سے ہمارے لیے دعا کریں۔ حضور اکرم ﷺ نے دعا فرمائی۔

"اے اللہ! اپنے شہروں اور چوپایوں کو سیراب فرما، اپنی رحمت عام فرما اور اپنے مردہ شہر کو زندگی عطا فرما۔ اے اللہ! ہمیں سیراب کرنے والی، خوشگوار تازگی بخش، وسیع اور ہمہ گیر بارش جلدی عطا فرما۔ دیر سے نہیں، مفید ہو، نقصان دہ نہ ہو۔ اے اللہ، ہمیں رحمت کی بارش عطا فرما جو باعث عذاب مکانات کو گرانے والی، افراد کو غرق اور فنا کرنے والی نہ ہو اے اللہ، ہمیں بارش عطا فرما اور دشمنوں کے خلاف ہماری مدد فرما۔" (۴۰)

حضور اکرم ﷺ کی دعا قبول ہوئی اور وادی فزارہ میں قحط ختم ہوا اور کھیتیاں سرسبز ہو گئیں غرض رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جتنے وفود حاضر ہوئے اسلام اور حضور اکرم ﷺ سے متاثر ہوئے بغیر واپس نہ گئے۔ اکثر مسلمان ہوئے اور جو اسلام نہ لا سکے حضور اکرم ﷺ نے اپنی سیاسی بصیرت کے کمال پر ان سے صلح کے معاہدات کیے جن سے مسلمانوں نے بھرپور انداز میں فائدہ

اٹھایا۔

مشہور مصری مصنف، ہیکل نے اس پر یوں تبصرہ کیا ہے۔

''جزیرہ نمائے عرب میں کوئی ایسا نہ تھا جس نے بت پرستی کے بعد اسلام قبول نہ کر لیا ہو۔ عرب کے مشرکین بت پرستی چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوتے گئے تا آنکہ تمام ملک بتوں کی پرستش سے بے نیاز ہو کر خدائے یکتا کی عبادت پر کاربند ہو گیا از خود اطاعت گزارانہ حیثیت سے آیا۔ نہ کسی قبیلہ پر دباؤ ڈالا گیا اور نہ کسی کے معاملہ میں کشت و خون کی نوبت آنے پائی۔'' (۴۱)

الغرض صلح حدیبیہ نے اسلامی تاریخ میں انتہائی دُور رس اثرات مرتب کیے۔ ان اثرات کی بدولت ہی اس کی اہمیت مسلم ہے۔ اس صلح نے اسلامی تاریخ کے دھارے کا رخ ہی تبدیل کر دیا۔ عہد نبویؐ میں فتوحات کے جس سلسلے کا آغاز ہوا اس کی کڑیاں عہد خلافت راشدہؓ سے ہوتی ہوئی بہت دُور تک چلی جاتی ہیں اور یہ سب صلح حدیبیہ کا ہی ثمر اور اس کے فتح مبین ہونے کا منہ بولتا تاریخی ثبوت ہے جس کی بدولت اسلام کی خارجہ پالیسی میں اس کی اہمیت دو چند ہو کر اجاگر ہو چکی ہے۔

﴿حواشی و حوالہ جات﴾

(۱) نصیر احمد ناصر، ڈاکٹر/پیغمبر اعظم و آخر، ص ۵۹۱

(۲) اکرم ضیاء العمری، مدنی معاشرہ (عہد رسالت میں) ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، جولائی ۲۰۰۵ء، ص ۳۹۸

(۳) القرآن: الحکیم سورۃ الاحزاب ۴۵

(۴) القرآن: الحکیم سورۃ الفتح آیت ۲۸

(۵) القرآن: الحکیم سورۃ الانبیاء ۱۰۷

(۶) القرآن: الحکیم سورۃ الاعراف ۱۵۸

(۷) اسد سلیم شیخ، رسول اللہ کی خارجہ پالیسی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۹۲ء، ص ۵۷-۵۸

(۸) نصیر احمد ناصر، ڈاکٹر، پیغمبر اعظم و آخر، کراچی، ص ۵۹۱

(۹) ابن ہشام، باب الخروج، رسول اللہ الی الملوک، طبری، ۳:۱۵۵۹

(۱۰) اسد سلیم شیخ، رسول اللہ کی خارجہ پالیسی، لاہور ۱۹۹۲ء، ص ۵۸

(۱۱) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر/سیاسی وثیقہ جات (اردو ترجمہ) ص ۵۱، ۵۲، اس نامہ مبارک کا متن حسب ذیل ہے۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ من محمد رسول اللہ الی ہرقل عظیم الروم۔

سلام علی من اتبع الہدیٰ۔ اما بعد۔ فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام۔ اسلم تسلم۔ یوتک اللہ اجرک مرتین۔ فان تولیت فان علیک اثم الاریسیین۔ ویا اہل الکتب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم ان لا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا۔ ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشہدوا بانا مسلمون۔"

(۱۲) اس خط کے اصل ہونے کے متعلق مغرب کے بعض یہودی و عیسائی مستشرقین (مثلاً گولڈ تسیہر کاتانی وغیرہ) نے جانتے بوجھتے ہوئے شکوک و شبہات کا اظہار کیا ہے اور اسے جعلی ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے ان اسلام دشمن مستشرقین کا مدلل و مسکت جواب دیا ہے۔ (دیکھیے ان کی کتاب رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ص ۲۳۳ تا ۲۴۷ ملخصاً)

(۱۳) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر/سیاسی وثیقہ جات، ص ۵۱، ۵۲

(۱۴) موضوع مذکور

(۱۵) اس بادشاہ ایران کا نام پرویز بن ہرمز بن نوشیرواں تھا۔ اس نامہ مبارک کا متن مندرجہ ذیل ہے:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ من محمد رسول اللہ الی کسریٰ عظیم فارس۔

سلام علیٰ من اتبع الهدیٰ و آمن بالله و رسوله وشهدان لا اله الا الله وحده لا شریک له وان محمداً عبده ورسوله. ادعوک بدعایة الله فانی انا رسول الله الیٰ الناس کافة لینذر من کان حیا ویحق القول علی الکٰفرین. اسلم تسلم فان ابیت فعلیک اثم المجوس."

(۱۶) قرآن حکیم کی اصطلاح میں زندہ وہ شخص ہے، جس کا قلب یا ضمیر مردہ نہ ہو، بلکہ زندہ ہو اور اس میں سننے اور سمجھنے کی صلاحیت مفقود نہ ہو گئی ہو، اور اسے حق کی طلب و جستجو ہو۔ اصل میں زندہ شخص وہ ہوتا ہے، جس کا قلب زندہ ہو اور قلب زندہ وہ ہوتا ہے جس میں تقویٰ ہو۔

(۱۷) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر/سیاسی وثیقہ جات، ص ۷۲، ابو البرکات عبدالرؤف دانا پوری، اصح السیر، کراچی، تاریخ ندارد، ص ۳۳۵ بعد

(۱۸) طبری، ۳:۲ ۱۵۷ بعد، ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اس موضوع پر محققانہ و مفصل بحث کی ہے اور اس خط سے متعلق اسلام دشمن مستشرقین کے اعتراضات کا مسکت جواب دیا ہے (رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ص ۲۳۳ تا ۲۵۳)

(۱۹) نامہ نبوی کا متن۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ من محمد رسول اللہ الی النجاشی ملک الحبشۃ۔

اسلم انت فانی احمد الیک اللّٰہ الذی لا الٰہ الا ھو الملک القدوس السلام المومن المھیمن واشھد ان عیسیٰ بن مریم روح اللّٰہ و کلمۃ القاھا الیٰ مریم البتول الطیبۃ المحصنۃ فحملت بعیسیٰ فخلقہ اللّٰہ من روحہ و نفخہ کما خلق آدم بیدہ وانی ادعوک و جنودک الیٰ اللّٰہ عزوجل و بلغت و نصحت فاقبلو نصیحتی والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ" (دیکھیے دانا پوری، اصح السیر، ص ۳۳۶، نیز دیکھیے ڈاکٹر محمد حمید اللہ، سیاسی وثیقہ جات، ص ۳۶، ۷۷ بعد۔ وہی مصنف، رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ص ۱۸۷، ۱۸۸ بعد۔ اس کتاب میں ڈاکٹر موصوف نے اس نامۂ مبارک سے متعلق مستشرقین کے اعتراضات کا مدلل و مفصل جواب دیا ہے۔

(۲۰) طبری، ۳، ۱۵۶۹ تا ۱۵۷۰، صبح الاعشیٰ، ۶، ۳۶۶ تا ۳۶۷، ابن کثیر، ۳، ۸۳۔ ابن قیم، زاد المعاد، ۳، ۶۰ تا ۶۱، محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ص ۱۶۴ تا ۱۸۴۔ نجاشی کے خطوط جو اس نے آپ کی خدمت میں بھیجے تھے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے مستشرقین کے اعتراضات سے بڑی دلچسپ اور محققانہ بحث کی ہے۔

(۲۱) رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ص ۱۹۹ تا ۲۳۲۔ اس خط کے اصلی ہونے پر بعض مستشرقین نے اعتراضات کا مدلل و مسکت جواب دیا ہے۔

آپ کے گرامی نامہ کا متن:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ من محمد عبداللہ و رسولہ الی المقوقس

عظیم القبط. سلام علیٰ من اتبع الھدیٰ. اما بعد. فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام. اسلم یؤتک اللّٰہ اجرک مرتین. فان تولیت فعلیک اثم اھل القبط. یا اھل الکتب تعالوا الیٰ کلمۃ سوآء بیننا وبینکم ان لا نعبد الا اللّٰہ. ولا نشرک بہ شیئاً. ولا یتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون اللّٰہ فان تولوا فقولوا اشھدو بانا مسلمون."

اللہ، رسول، محمد، مہر

دیکھیے طبری، ۳، ۱۵۶۹ تا ۱۵۷۰، صبح الاعشیٰ، ۶، ۳۶۶ تا ۳۶۷، ابن کثیر، ۳، ۸۳، زاد المعاد، ۳، ۶۰ تا ۶۱

(۲۲) محل مذکور، نیز دیکھیے ابن القیم، زاد المعاد، ۳، ۱۸۳ تا ۱۸۷، دانا پوری، اصح السیر، ص ۳۳۸ بعد

(۲۳) آپؐ کے نامہ مبارک کا متن، جسے آپؐ نے سلیط بن عمروؓ کے ذریعے بھجوایا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ من محمد رسول اللّٰہ الیٰ ھوذۃ بن علی. سلام علیٰ من اتبع الھدیٰ واعلم ان دینی سیظھر الیٰ منتھی الخف والحافر فاسلم تسلم واجعل لک ماتحت یدیک۔

اللہ رسول محمد مہر

(۲۴) زاد المعاد، ۳، ۱۹۴ تا ۱۹۵، اصح السیر، ص ۳۳۹ بعد

دیکھیے: (۱) سیرۃ ابن ہشام، ۴

(۲) القلقشندی، صبح الاعشیٰ، ۶، ۳۷۷ تا ۳۸۰ بعد، ۳۶۹ بعد

(۳) مسند احمد بن حنبل، ۳، ۳۳۰ بعد، ۳۳۰ تا ۳۵۰

(۴) سہیلی، روض الانف، ۲، ۳۲۰ تا ۳۲۵ بعد

(۵) تاریخ طبری، ص ۱۵۶۵ تا ۱۵۷۰ بعد

(۶) بلاذری، فتوح البلدان، ص ۳۶۰ تا ۳۷۰

(۲۵) آپؐ کے نامۂ مبارک کا متن، جسے آپؐ نے شجاع بن وہب کے ذریعے بھجوایا۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ من محمد رسول اللہ الی الحارث ابن ابی شمر۔

سلام علیٰ من اتبع الھدیٰ وامن بہ و صدق وانی ادعوک الیٰ ان تومن باللّٰہ وحدہ لاشریک لہ یبقیٰ لک ملکک"

اللہ، رسول، محمد، مہر

(۲۶) طبقات ابن سعد، جلد ۲، ۲، ص ۷۵

(۲۷) مودودی، ابو الاعلیٰ، تفہیم القرآن، جلد ۲، ص ۱۶۸-۱۶۹

(۲۸) ابن ہشام، سیرۃ النبیؐ، جلد ۲، ص ۲۷۸

(۲۹) السیرۃ الحلبیہ، جلد ۲، ص ۳۳۵

(۳۰) الخصائص الکبریٰ، جلد ۲، ص ۳۲

(۳۱) الطبقات الکبریٰ، جلد ۱، ص ۲۹۰

(۳۲) القرآن الحکیم، سورۃ النصر: ۲

(۳۳) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، جلد ۲، ص ۳۳۶

(۳۴) طبقات ابن سعد، حصہ دوم، ص ۱۳۰

(۳۵) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، ص ۲۷۹

(۳۶) طبقات ابن سعد، حصہ دوم، ص ۷۵

(۳۷) زاد المعاد، جلد سوم، ص ۲۷۱ ۔ طبقات ابن سعد حصہ دوم ص ۱۵۵

(۳۸) ایضاً، ص ۱۲۲

(۳۹) نقوش رسول نمبر، جلد ۷، ص ۲۷۹

(۴۰) طبقات ابن سعد عربی، جلد ۱، ص ۲۹۷، بحوالہ "نقوش رسول نمبر"، جلد ۷، ص ۶۹۷

(۴۱) محمد حسین ہیکل، حیات محمدؐ، ص ۵۸۳

باب سوم:

﴿فصل دوم﴾

فتوحاتِ نبویؐ اور صلح حدیبیہ

فتوحاتِ نبویؐ کی اہمیت:

رسول اکرمؐ نے زندگی کے تمام پہلوؤں پر بالعموم اور معاشرتی پہلوؤں کے متعلق بالخصوص نہایت تفصیل اور وضاحت سے قولاً اور فعلاً ہدایات چھوڑی ہیں۔ چونکہ انسان خود جنگ کا "اہم ترین" ہتھیار ہے۔(۱) جنگ معاشرتی زندگی کا اہم جزو بھی ہے، اس لیے حضور اکرمؐ نے جنگ سے متعلق اتنی واضح اور مفصل ہدایات چھوڑی ہیں کہ کسی دوسرے نظامِ حیات میں نظر نہیں آتیں۔ اگر جنگ پر واضح احکام نہ صادر فرمائے جاتے تو جنگ کے وجوہ و اسباب غلط قرار پاتے اور یوں امت مسلمہ عدل و انصاف قائم کرنے کی بجائے خود ظالموں کی صف میں شامل ہو جاتی۔ علاوہ بریں تفصیلی احکامات کی غیر موجودگی میں یہ خدشات بھی رہ جاتے کہ امت مسلمہ سے بھی دوسری امتوں کی طرح جنگ کے دوران ایسے اعمال سرزد ہوتے رہیں گے جو نسل انسانی کے لیے بے جا آزار اور مصیبت کا باعث بنیں گے۔ جنگ معاشرتی زندگی کا جزو ہونے کے باوصف جنگ یہ مقام ہرگز نہیں رکھتی کہ اس کی تمنا کی جا سکے۔(۲) جنگ ایک ایسا عمل ہے جس میں دو فریق ایک دوسرے کو پچھاڑنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ وہ مزید مزاحمت کے قابل نہ رہے۔

"جنگ ایسا شدت آمیز عمل ہے جس سے ہم دشمن کو اپنی خواہشات ماننے پر مجبور کر سکتے ہیں"۔(۳)

یہاں تک درست ہے مگر جس بات کی یاد دہانی ضروری ہے وہ یہ ہے کہ جنگ کی شدت کے باوجود جنگ میں حصہ لینے والے فریقین کو حلقۂ انسانیت سے خارج نہیں قرار دیا جا سکتا، اس لیے جنگ میں اپنی اپنی طاقت کو شدت سے استعمال کرنے کے باوجود فریقین کے پیش نظر یہ بات رہنی چاہیے کہ وہ کسی کا دشمن بننے سے قبل انسان ہے اور اس کے دشمن بھی انسانی برادری ہی کے افراد ہیں۔ تاریخ میں سب سے پہلے اس طرح شدت مندی کی بدولت تباہ ہونے والی طاقت آشوری مملکت تھی۔ مسلسل اور بے مقصد جنگوں کے اخراجات اور فاتح افواج کے ہاتھوں تباہوں اور کھنڈرات پر تصرف نے اس فاتح قوم کو اس قابل نہ رہنے دیا تھا کہ ملک کے نظم و نسق کو برقرار رکھ سکتی۔

یہ درست ہے کہ:

"آشوریوں نے جنگ کے فن میں از حد ترقی کی اور ہر فتح کے بعد اپنی جنگی صلاحیت میں اضافہ کرتے چلے گئے"۔

مگر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ:

"جنگ کے سلسلہ دراز کے ساتھ ساتھ توانائی پہلے تقسیم ہوئی، پھر تفریق ہوئی اور حاصل ضرب صفر نکلا"۔(۴)

آشوریوں کے لیے جب جنگ فی نفسہ ایک قابل قدر عمل بن گئی تو ان کی فتوحات کا انجام ملبے کے ڈھیروں اور سروں کے میناروں کی قطاروں کے ماسوا کچھ نہ رہا۔ معاملہ یہاں تک پہنچا کہ:

"اس وسیع مملکت کو قابو میں رکھنے کے لئے وسائل ناپید ہو گئے"۔(۵)

بعد کی حکومتوں اور مملکتوں (یونانی اور رومی دونوں) کا حال بھی اس سے کچھ مختلف نہیں رہا۔ ظلم و زیادتی، قتل و غارت گری، تباہی و بربادی سے انسانی تاریخ بھری پڑی ہے، چنانچہ

"روم دنیا میں غلاموں کی سب سے بڑی منڈی تھا اور ان غلاموں کو جنگوں کے ذریعہ حاصل کیا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں غلاموں کے ذریعہ علاقوں کی آبادی بڑھائی جاتی تھی اور غلاموں کی نسل کشی سب سے زیادہ منافع بخش صنعت بن گئی تھی۔(۶)

یورپ کی قدیم جنگوں میں تباہیاں جب انتہا کو پہنچیں تو:

"عمر اور جنس کے امتیاز کے بغیر قتل و غارت کا بازار گرم کیا جانے لگا۔ بچوں کو ماؤں کے سینے سے جدا کیا جاتا تھا اور جن بیواؤں کے خاوندان کی آنکھوں کے سامنے قتل کیے جاتے تھے۔ خود انہیں بھی اغوا کر لیا جاتا تھا"۔(۷)

کانسٹنائن، بازنطین، فیلانکس کی طرح جسٹینین کا عہد بھی تباہی و بربادی سے بھرپور تھا اور زندہ وار اس کی جنگیں تھیں نیز مملکت کی کمزوری اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ حملہ آوروں کی نظر بھی ہر وقت لوٹ مار کی طرف جمی رہتی تھیں اور امن و امان کی حالت یہ تھی کہ:

"شریف سے شریف رومی اپنی کاہلی اور بے کاری کے سبب غلام بنا کر سیتھین کی قید میں لے جاتے تھے اور ان کا بادشاہ آگ اور خون کے مناظر قلعے کی دیواروں تک پھیلتے ہوئے اپنے محل میں بیٹھ کر دیکھا کرتا تھا"۔(۸)

لڑائی کے مناظر قابل تصور حد تک پست ہو چکے تھے۔

"قیدیوں کی جلد زندہ ادھیڑی جاتی تھی یا وہ چار بانسوں کے درمیان لٹکائے جاتے اور کبھی ڈنڈوں سے اس قدر پیٹے جاتے کہ موت واقع ہو جاتی یا پھر انہیں مکانوں کے اندر بند کر کے زندہ جلا دیا جاتا"۔(۹)

بہرحال آج بھی انسان نے تاریخ سے سبق حاصل نہیں کیا، جوں جوں تمدن ترقی کر رہا ہے، متمدن انسان اپنے آپ کو تمام پابندیوں سے آزاد کرتا جا رہا ہے، اس کی جنگوں میں الجھاؤ پیدا ہوتا جا رہا ہے اور خونریزی میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ:

"اس کی منصوبہ بندی کرنے والوں اور اس میں حصہ لینے والوں کے اذہان پر پہلے سے زیادہ بوجھ پڑ رہا ہے"۔(۱۰)

جنگ اور تاریخی حقائق!

لہٰذا تاریخ گواہ ہے کہ ہر دور میں انسان نے اپنے محدود گروہ کے مفاد کی خاطر انسانی خون کو ارزاں کیا۔ اس کا علاج صرف اس بات میں نظر آتا ہے کہ انسان اور اس کے مفاد کو جب تک کسی پائیدار اور محکم اخلاقی قانون کا تابع نہ کیا جائے گا، اس وقت تک جنگ کی ہولناکیاں رونما ہوتی رہیں گی، چنانچہ اس ضمن میں اسلام ہی وہ واحد دین ہے، جو مکمل رہنمائی فرماتا ہے، لہٰذا عالم انسانی

کی جنگوں سے جو بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے، وہ یہ ہے کہ ملت اسلامیہ کی جنگوں کے علاوہ کسی جنگ میں بھی انسانی حرمت کی بنیادی حقیقت کو سامنے نہیں رکھا گیا، اس کی وجہ صرف یہ رہی ہے کہ اسلام کے علاوہ دوسرے تمام نظام ہائے حیات جنگ سے متعلق احکام و اوامر سے عاری ہیں اور ان نظام ہائے حیات کے بانیوں نے اپنے عمل سے جنگ لڑنے کی مثال نہیں چھوڑی، جس پر کاربند رہ کر ان کے پیرو جنگ کو انسانی اخلاق و کردار کی حدود کے اندر رکھ سکتے۔ دور جدید میں طاقت و قوت کا سرچشمہ یورپ اور امریکہ میں واقع ہے، لہٰذا عہد حاضر کی تباہ کاریوں کو محدود کرنے کے لیے یورپ اور امریکہ کے رائج فلسفۂ حیات سے کوئی سبق نہیں لیا جاسکتا۔ آج کے انسان کی بدقسمتی یہ ہے کہ یورپ اور امریکہ جس فلسفۂ حیات پر ایمان رکھتے ہیں اور جس پر دور حاضر کے معروف ترین مؤرخ ٹوائن بی کو فخر ہے۔ (۱۱) اس میں بھی جنگ سے متعلق کسی طرح کے احکام موجود نہیں اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کسی جنگ میں حصہ لیا جس سے ان کی امت اپنی جنگوں کے دوران اپنے نبی علیہ السلام کی قائم کردہ حدود کو پیش نظر رکھتی۔ جنگ کی تباہ کاریوں کو محدود کرنے کی مثال صرف غزوات نبویؐ سے حاصل ہوتی ہے۔ غزوات نبویؐ اس وجہ سے بھی اہمیت کے حامل ہیں کہ تاریخی دور میں صرف رسول اکرمؐ ہی واحد رسول خالق العالمین ہیں، جنھوں نے جنگ میں عملی طور پر حصہ لیا اور فوجوں کی تربیت و تیاری سے لے کر عین میدان جنگ میں قیادت تک کی ذمہ داریاں بہ نفس نفیس ادا کیں۔ ساتھ ہی ساتھ اس نو سال کی طویل جنگ (۱۲) کے عرصہ میں دفاعی معاملات کے علاوہ مملکت کے نظم و نسق کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ آج چودہ سو سال گزر جانے کے باوجود صرف نبی کریمؐ کے اسوۂ مبارکہ سے یہ سبق حاصل کیا جاسکتا ہے کہ جنگ کی طرف کیوں اور کس وقت رجوع کیا جائے، جنگ کس صورت میں شدت سے کی جائے اور کن حالات میں جنگ کے ہتھیار رکھ دیے جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی حضورؐ کا اسوۂ حسنہ ہی جنگ کی تباہ کاریوں کو محدود کرسکتا ہے۔

اگرچہ تمام انسانی معاشرے کسی نہ کسی نظریۂ حیات کے قائل رہے ہیں اور اب بھی ہیں، تاہم اگر جنگ میں شامل معاشروں کے پسند کردہ نظریۂ حیات میں اعلان جنگ اور پھر جنگ کے دوران طرز عمل پر کوئی پابندیاں عائد نہ ہوں تو ان معاشروں کے پیروشتر بے مہار کی طرح بے قابو ہو کر مظالم کا لامتناہی سلسلہ شروع کرسکتے ہیں، چونکہ اسلام کے علاوہ کسی دین و مذہب کا مکتب خیال میں جنگ سے متعلق واضح احکام موجود نہیں اور کسی بانی مذہب یا مکتب خیال نے جنگ میں شرکت کے ذریعہ کوئی مثال نہیں چھوڑی، اسی لیے جب ان ادیان کے ماننے والے میدان جنگ کا رخ کرتے ہیں تو خود اپنے ہی دین کے احکام کو پس پشت ڈالتے رہے ہیں۔ تاریخ جنگ شاہد ہے کہ ان ادیان کے اخلاقی ضابطے صرف ان عبادت گاہوں تک ہی محدود ہیں اور جب وہ زندگی کی رزمگاہ میں پہنچ جاتے ہیں تو ان پر اپنے ادیان کے اخلاقی ضابطوں کی گرفت قائم نہیں رہتی اور اسی لیے ان کے اعمال درندگی کی سطح تک پہنچ جاتے ہیں۔

ملت اسلامیہ کے سامنے اکثر و بیشتر جنگ کا جواز اس کا فی سبیل اللہ ہونا رہا ہے۔ درست ہے کہ مسلمانوں نے ایسی جنگیں بھی کی ہیں، جن میں ان کا مقصد اسلامی نقطۂ نظر سے غلط رہا ہے، مگر اس کے باوجود اکثر و بیشتر مسلمان فوجوں کا کردار عدل و انصاف کی قائم کردہ حدود کے اندر ہی رہا ہے۔ اس کے برعکس دوسری ملتوں نے جنگ کے دوران اپنے محدود قومی اور نسلی مفاد کو

ترجیح دی ہے۔ مختلف اقوام کے افراد جنگ کے دوران مختلف اصول پیش نظر رکھتے ہیں۔

"ان کے قائدین نے مختلف نعروں سے اپنے نوجوانوں کے جوش کو ابھارا ہے۔ نیلسن (پیشہ ورانہ) فرض شناسی کی دعوت دیا کرتا تھا۔ نپولین قومی شان و شوکت کا نعرہ بلند کرتا تھا"۔ (۱۳)

نسلی برتری اور دیگر امتیازات جنگ کا ایک بنیادی محرک:

اس طرح کہیں نسلی برتری اور کہیں وطنی سربلندی کو محرک جنگ اور نعرۂ عمل قرار دیا جاتا رہا، لیکن مسلمان افواج کے نعرہ "اللہ اکبر" کے الفاظ تک محدود ہوا کرتا تھا۔ اسلامی لشکروں کی جنگ فی سبیل اللہ کے دوران ان لشکروں کی افواج کا کردار ہمیشہ اسلامی ضابطۂ اخلاق اور قوانین کے تابع رہا۔ نبی کریمؐ کی زیر قیادت لڑی گئی لڑائیوں میں سپاہیوں کے کردار اور اخلاق کا معیار اتنا بلند رہا کرتا تھا کہ چودہ صدیوں کے دوران اس پایہ کی ایک مثال بھی پیش نہیں کی جاسکی۔ تاریخ اسلام کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک طرف حضورؐ کی لڑائیاں "جنگ ایک عداوت آمیز عمل ہے" کی تائید کرتی ہیں، مگر دوسری طرف جوںہی دشمن صلح پر آمادہ ہوتا ہے، تو جود وسخا اور بخشش و عطا کے وہ دریا نظر آتے ہیں کہ جنگ کے پیدا کردہ تمام شعلے اور غبار مٹتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ حضور اقدسؐ کی ان ہی لڑائیوں کے دوران اور ان کے بعد کے طرزِ عمل سے ایک ایسا جنگی ضابطہ وجود میں آیا جس نے انسانیت کو جنگ کی شدت کو قابل برداشت بنانے اور انسانی سطح پر لانے کا فریضہ ادا کیا۔ غزوات نبویؐ ہی جنگ سے متعلق 'کب' 'کیوں' اور 'کیسے' جنگ لڑی جائے؟ کے سوالوں کا جواب دے سکتے ہیں۔

غیروں میں جنگ سے متعلق ہدایات و احکام کے اس فقدان کا یہ نتیجہ رہا ہے کہ یورپ گزشتہ پانچ صدیوں سے عالم انسانی کو سیکڑوں بار جنگ کے شعلوں میں دھکیل چکا ہے اور ابھی اس کی خونخواری کی پھڑکتی ہوئی رگ کو سکون حاصل نہیں ہوسکا ہے۔ یورپ کے مفکر تسلیم کرتے ہیں کہ "جنگ کے ذریعہ قومی اختلافات کو ختم کرنے کا طریقہ ناپائیدار ہے" مگر اس خیال کو وہ عملی جامہ اس لیے نہیں پہنا سکتے کہ جس نظریۂ حیات کے وہ پیرو ہیں، اس میں جواز جنگ کے متعلق کوئی ہدایات موجود نہیں۔ یورپ کے پاس بین الاقوامی سطح پر جو تھوڑی بہت روشنی موجود ہے، وہ تمام تر اسلام کے ساتھ تعلقات قائم ہونے کے بعد کی بات ہے اور یہی وجہ ہے کہ یورپ بین الاقوامی قانون وضع کرنے کے میدان میں مبتدی سا نظر آتا ہے۔ اسلام نے ہی بین الاقوامی قانون کی بنیاد رکھی ہے، اسی لیے "اسلام کا بین الاقوامی قانون ظاہر کرتا ہے کہ اس کا مطمع نظر ایک پُر امن عالمی معاشرہ ہے"۔ (۱۴) اس پُر امن عالمی معاشرے کی خواہش یورپ کے مفکروں کی توجہ سے صدیوں قبل کی بات ہے۔ آج کا یورپی مفکر جب یہ کہتا ہے کہ

"اسلامی بین الاقوامی قوانین عہد جدید کے بین الاقوامی قوانین سے مطابقت رکھتے ہیں"۔ (۱۵)

تو دراصل اس کے تحت الشعور سے یہ آواز بلند ہو رہی ہوتی ہے کہ عہد جدید کے مفکرین بین الاقوامی قوانین وضع کرتے ہوئے اسلام اور محمد رسول اللہؐ کے مرہون منت ہیں، مگر چونکہ ان قوانین کے ماخذ کا اعتراف کرتے ہوئے وہ سبکی محسوس کرتے ہیں، اس لیے خاموشی اختیار کر لیتے ہیں۔

اسلام کے بین الاقوامی قانون کی تہ میں جہاد کا اصول ہے۔ جس کی وجہ سے دوست، غیر جانبدار اور دشمن ملک کی تمیز ہو سکتی ہے اور ہر ایک کے ساتھ تعلقات رکھنے کے اصول وضع کیے جا سکتے ہیں۔ جب عیسائی یورپ نے مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگوں کا آغاز کیا تب جا کر کہیں عیسائیت نے عیسائی سپاہی اور عیسائی فوج کے وجود کو قبول کیا۔ ورنہ یورپ کی عیسائیت فوج کو دین سے خارج قرار دے چکی تھی۔ نیک دل عیسائی ہمیشہ فوج کی زندگی کو غیر عیسائی زندگی تصور کرتے تھے۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ مارٹن لوتھر سے پوچھا گیا تھا کہ آیا "فوجی سپاہی عیسائی رہ سکتا ہے؟" (۱۶) اس سوال کی تہ میں اس دور کے سپاہیوں کا پست کردار تھا جو زمانہ امن اور ایام جنگ کے دوران یکساں طور پر عیسائیت کے احکام اور اصولوں کے منافی ہوا کرتا تھا۔ یہ ان کی غلطی نہ تھی۔ عیسائیت نے اپنے نظام سے جنگ کو خارج رکھا تھا۔ جنگ سے متعلق احکام کے فقدان کو قبول کرنے والا نظریہ حیات عسکری زندگی گزارنے والوں کو اپنے دوسرے احکام ماننے پر کس طرح مجبور کر سکتا تھا۔ خصوصاً جب جنگ اور جنگ کرنے والی فوج کا وجود ہی اس کا قانون قبول نہیں کرتا۔ یہی وجہ رہی ہے کہ آج تک عیسائی افواج کے اعمال اور کردار ہر طرح کی پابندیوں سے آزاد رہے ہیں۔ جہاں تک یورپ کے ممالک کے شوق جنگ جوئی کا تعلق ہے اور جنگ کے دوران کشت و خون کا بازار گرم کرنے کا سوال ہے وہ اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ نپولین کی جنگ یعنی انیسویں صدی کے آغاز سے لے کر دوسری جنگ عظیم کے ختم ہونے تک یورپ اور امریکہ کی بڑی لڑائیوں میں دو کروڑ چھتیس لاکھ نوے ہزار سے زائد فوجی مارے گئے۔ (۱۷) ان لڑائیوں میں غیر فوجیوں کی اموات کا کہیں حساب نہیں رکھا گیا اور اس صدی کی پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے بعد جو بیماریاں وباء کی صورت میں دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلیں اور ان سے جو تباہیاں رونما ہوئیں ان کا حساب بھلا کون بتا سکتا ہے؟

یہ تباہی اور بربادی اسی صورت میں محدود کی جا سکتی ہے کہ جنگ کو قوانین کا تابع کیا جائے۔ جنگ سے متعلق قوانین کی اہمیت اسی وقت واضح ہوتی ہے جب ختم المرسلین کی لڑائیوں سے متعلق مکمل آگاہی حاصل کی جائے۔ دنیا کے سپہ سالاروں میں آپ ہی واحد کامیاب سپہ سالار ہیں، جنہوں نے جنگ کو اس کی شدت کے باوجود انسانی ہمدردی کے تابع بنائے رکھا اور آپؐ کے سپاہیوں نے جنگ کے دوران اور جنگ کے بعد اس بلند کردار کا مظاہرہ کیا کہ دوسرے مکاتب فکر کے پیرو زمانہ امن میں بھی پیش نہیں کر سکے۔

جنگ میں شدت ناگزیر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا مطالعہ جاری رکھنا چاہیے تاکہ ہر ممکن طریقہ سے اس کی شدت کو حدود کے اندر رکھا جائے۔ یوں بھی جنگ کا مطالعہ کیے بغیر آزاد زندگی ممکن نہیں۔

"جنگ کی تاریخ کا مطالعہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ یہ نسل انسانی کی تاریخ ہے۔ جنگ میں لوگ اس لیے مرتے ہیں کہ دوسرے زندہ رہ سکیں"۔ (۱۸)

جنگوں کے مطالعہ و جائزہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جب جنگ کسی اصول کے تحت نہیں لڑی جاتی تو اس کی خونریزی بھی تمام اصولوں سے عاری ہو جاتی ہے۔ نپولین کی جنگیں چونکہ کسی اصول کی پابند نہ تھیں، اس لیے ان کی خونریزی اس دور کی تمام جنگوں سے تجاوز کر گئی تھی۔ آسٹیرلز کے مقام پر

"مکس ہوڈن کے تیس ہزار سپاہیوں میں سے صرف دو ہزار بچے تھے، باقی ماندہ یا تو مارے گئے یا گرفتار ہو گئے تھے"۔(۱۹)
نپولین جب روس پر حملہ آور ہوا تو اس کے پاس ساڑھے چار لاکھ کے قریب فوج تھی، جس روز وہ واپس فرانس پہنچا تو اس کے پاس صرف چھبیس ہزار سپاہی رہ گئے تھے۔ یہ یورپ کی فضا اور تہذیب کا پیدا کردہ اور مشہور ترین سپہ سالار تھا۔
جب تک جنگ اور جنگ میں حصہ لینے والے انسان کا مطالعہ دقت نظر سے نہیں کیا جاتا، اس وقت تک نہ تو جنگ کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی جنگ کی خونریزیاں حدود کے اندر پابند رکھی جا سکتی ہیں۔
"اگر امن چاہتے ہو تو جنگ کو سمجھنے کی کوشش کرو"۔(۲۰)
نہایت کارآمد مشورہ ہے۔ جنگ سے متعلق قوانین کا فقدان اور جنگ کے تمام پہلوؤں کو زیر غور نہ رکھنے کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ یورپ کو دور جدید کے مادی اور اقتصادی قوتوں کی پرستش کے اصول نے جنگ کے ایک ایسے لامتناہی سلسلہ سے دوچار کر دیا ہے، جو ختم ہونے میں ہی نہیں آتا اور جو دور جہالت سے بدتر کردار کے مظاہروں کو ترقی دیتا جا رہا ہے۔
"یوں معلوم ہوتا ہے کہ جوں جوں انسانیت متمدن ہوتی جاتی ہے، اس کی جنگیں اسی مناسبت سے زیادہ خونریز ہوتی جا رہی ہیں۔ یہ ماننا پڑے گا کہ موجودہ دور میں طے شدہ انسانی طرز عمل کو نہایت بے حجابی سے پامال کیا گیا ہے"۔(۲۱)

جنگ کے تدارک اور سد باب میں اسلام کا کردار:

دور جدید کا بین الاقوامی قانون یورپ اور اسلامی دنیا کے میل جول کا نتیجہ ہے اور اعتراف نہ کرنے کے باوجود اسے قرآن و سنت پر مبنی کہا گیا ہے۔ یہ وہی احکام ہیں جو قرآن میں دشمن ممالک، غیر جانبدار ممالک اور دوست ممالک کے ساتھ تعلقات رکھنے کے متعلق اللہ سبحانہ نے صادر فرمائے اور جن پر حضور اقدسؐ نے عمل کے ذریعہ عالم انسانی کے لیے نشاندہی فرمائی ہے کہ ان قوانین پر کس طرح عمل کیا جائے۔ عہد و پیمان کی پابندی، جنگی قیدیوں کے ساتھ سلوک، دشمن کے زخمیوں اور اس کے مقتولوں کی لاشوں کی تدفین، جب دشمن ہتھیار ڈال دے تو اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے اور جب دشمن صلح کی طرف رغبت دکھائے تو کس سرعت سے ہتھیار ایک طرف کو رکھ دیے جائیں۔ یہ اور اسی طرح میدان جنگ سے متعلق دوسری ہدایات ایسے روشن چراغ ہیں جن سے ہدایت حاصل کیے بغیر اگر جنگ لڑی جائے تو انسانوں اور حیوانوں کی کشمکش میں فرق نہیں رہ جاتا۔ حضور انورؐ سے ایک ہزار سال بعد یورپ کو خیال پیدا ہوا کہ بین الاقوامی سطح پر متفقہ طرز عمل سے ہی جنگ کی شدت میں کمی کی جا سکتی ہے۔ اس وجہ سے

"سترہویں صدی کی جنگ میں انسانی طرز عمل کی جھلک پیدا ہو گئی تھی۔ مثال کے طور پر جنگ کے قیدیوں کے ساتھ سلوک اور جنگی قیدیوں کی واپسی سے متعلق سمجھوتے وغیرہ......"۔(۲۲)
آج یورپ نے مسلمان افواج کی مثالوں سے سبق لے کر چند قوانین پر اتفاق رائے کا مقام تو حاصل کر لیا ہے، مگر ابھی تک پوری اقوام ان قوانین پر صمیم قلب سے عمل نہیں کر سکیں۔ چہ جائیکہ ان کے اعمال و کردار میں صحابۂ نبی آخر الزماںؐ کے کردار کی جھلک

پیدا ہو۔ موجودہ دور کے یورپی مفکر تسلیم کرتے ہیں کہ آج دنیا کو ایسے ماہر جنگ کی ضرورت ہے جس کے منصوبوں میں عظیم تزویرات کی خوبیاں جھلکتی ہوں۔ عظیم تزویرات سے وہ جنگی تزویرات مقصود ہیں جن میں جنگ میں فتح حاصل کرنے کے علاوہ مابعد جنگ کے زمانہ کی خوشحالی اور زمانہ امن کی ضروریات شامل ہوں اور یوں انسانیت کی فلاح و بہبود کی راہیں جنگ کے ذریعہ پیدا ہو سکیں۔ کون نہیں جانتا کہ اس طرح کی عظیم تزویرات جنگ کی تاریخ میں پہلی بار سپہ سالار اور شاہ مدینہ کے جنگی منصوبے میں دیکھی گئیں اور پھر ان کی سنت پر عمل کرنے والے لاتعداد سپہ سالاروں نے عملاً ثابت کر دکھایا کہ عظیم تزویرات صرف اسلام کے نام لیواؤں کے منصوبوں میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ ابو بکرؓ، عمرؓ، عمرو بن العاصؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، ابو عبیدہؓ، معاویہ بن ابی سفیانؓ، صلاح الدین ایوبی، بایزید یلدرم اور سلطان محمد فاتح قسطنطنیہ جیسے نامور سپہ سالاروں کے نام عظیم تزویرات کے قائل سپہ سالاروں کی فہرست میں بہت اونچا مقام پاتے ہیں۔ انہوں نے اپنے اپنے دور کی جنگوں کے منصوبے تیار کرتے وقت مابعد جنگ کے زمانہ امن کی ضروریات کو ہمہ وقت پیش نظر رکھا اور یہی وجہ تھی کہ فتوحات تباہی و بربادی کا باعث نہ بن سکیں، بلکہ جہاں جہاں ان کی فتوحات پہنچی تھیں وہاں انسانیت، خوشحالی اور فراوانی کے ان دیکھے دور کی نعمتوں سے مالا مال ہو جاتی تھی۔

رسول اکرمؐ کی جنگوں سے آگہی کے بعد ایک عجیب و غریب حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ حضورؐ نے اس کامیاب دفاعی جنگ کے نتیجہ میں انسانیت کو ایک اچھوتا سیاسی ڈھانچہ عطا فرمایا، مگر اس کے باوجود جس ملک میں یہ تجربہ کیا گیا تھا، وہاں کی سیاسی فضا کو مکدر نہیں ہونے دیا گیا۔ مدینہ کی ریاست نو سال کے عرصہ میں اوسطاً ۲۷۴ میل روزانہ کے حساب سے وسعت حاصل کرتی رہی، مگر اس طول و عرض کے باوجود ایک سو سے کم مجاہد مقامِ شہادت سے فیض یاب ہو سکے۔ (۲۳) اس قدر کم اتلاف کی وجہ یہ تھی کہ غزوات نبوی کا مقصد نہ تو مملکت مدینہ کو وسعت دینا تھا اور نہ ہی دولت یا شان و شوکت کا حصول پیش نظر تھا۔ حضورؐ کے پیش نظر تو پیام ربانی کو انسانیت تک پہنچانا تھا۔ اس امانت کو نسل انسانی تک پہنچانے کے خلاف جو طاقت بھی مزاحمت کرتی حضورؐ اس کو اپنے راستے سے ہٹا کر اپنا فریضہ پورا کرتے، چونکہ حضورؐ کو پیامِ ربانی کو انسانیت تک پہنچانا تھا، اس لیے حضورؐ کی لڑائیوں کا مقصد انسانیت کو ختم کرنا کبھی نہ ہو سکتا تھا۔ آنحضرتؐ کا فریضہ تو اسی صورت پورا ہو سکتا تھا کہ جن انسانوں تک یہ پیغام پہنچانا تھا وہ زندہ رہیں۔ آپؐ موجودہ دور کے تصور جنگ کے ہرگز قائل نہ ہو سکتے تھے، جس میں جنگ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دشمن کی افواج کو تباہ کیا جائے۔ دوسری جنگ عظیم کئی مہینوں تک اس لیے ختم نہ کی گئی اور لاکھوں انسان اس لیے موت کے گھاٹ اترتے رہے کہ جرمنی غیر مشروط شکست تسلیم نہیں کر رہا تھا۔ یعنی جرمنی کی طرف سے جنگ ختم کرنے اور شکست تسلیم کرنے کی پیش کش اس لیے روکی گئی کہ وہ غیر مشروط نہ تھی۔

غزوات نبویؐ کے محرکات و پس منظر:

حضور اقدسؐ کے غزوات میں آپؐ کے پیش نظر یہ مقصد تھا کہ آپؐ اللہ کی طرف سے مفوضہ فریضہ بطریق احسن ادا فرمائیں۔ فتح و شکست اللہ کے ہاتھ میں تھی۔ (۲۴) آپؐ جانتے تھے کہ مکہ جزیرۃ العرب کی سب سے بڑی طاقت تھی۔ یہ بھی آپؐ کے علم

میں تھا کہ اہل مکہ نے کئی قبائل کے ساتھ دفاعی معاہدے کر رکھے تھے، مگر مکہ کی افرادی قوت اور مادی وسائل آپ کو مرعوب نہ کر سکتے تھے، اس لیے کہ آپ کا مقصد اس امانت کو انسانیت تک پہنچانا تھا، جو آپ کے سپرد کی گئی تھی۔ اس مقصد کی تکمیل پر آپ کی توجہ مرکوز ہونے کی وجہ سے آپ کے غزوات میں کہیں ظلم اور زیادتی کا شائبہ تک نظر نہیں آتا۔

عہد حاضر کی جنگوں میں فریقین کی فوجوں کے پیش نظر یہ مقصد ہوتا ہے کہ دشمن کی افواج کو تباہ کیا جائے یا اس کے ملک کو اتنا تباہ کیا جائے کہ وہ اپنی قوت ارادی کھو کر فاتح کے احکام قبول کرنے پر مجبور ہو جائے، یہی وجہ ہے کہ عہد جدید کی جنگوں میں تباہی اور بربادی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ جنگ کے بعد طرفین کی بستیاں ملبے کے ڈھیر نظر آتی ہیں اور فاتح و مفتوح اقتصادی طور پر تباہ و برباد ہو چکے ہوتے ہیں۔ برطانیہ گزشتہ دو جنگوں میں فاتح بن کر نمودار ہوا ہے، مگر ان فتوحات کے نتیجہ میں سیاسی اور اقتصادی طور پر وہ اپنی پہلی اختتام جنگ کا نعرہ بے معنی ہو کر رہ گیا ہے۔ اگر تاریخ عالم کی کسی جنگ سے جنگ کا اختتام وجود میں آیا تو وہ حضور اکرم کی جنگ تھی، جو نو سال کے بعد جزیرۃ العرب کو صرف امن و امان ہی نہیں بلکہ اسے وہ مقام عطا کر گئی کہ جنہوں نے کعبۃ اللہ کی دیوار کے سائے میں گردنیں جھکائی تھیں، مگر آزاد کر دیے گئے تھے۔ وہ فاتح بن کر افق عالم میں نمودار ہوئے۔ عالم انسانی کی جنگوں کی تاریخ میں اگر کبھی کسی فاتح کو اپنا مقصد یعنی قیام امن اور عدل و انصاف فراواں ہونا کلی طور پر حاصل ہوا تو وہ صرف حضور اکرم کی مثال ہے ورنہ کبھی کسی اور فاتح نے اپنا مقصد کلی طور پر حاصل نہیں کیا ہے۔

جنگ کے پیدا کردہ تاثرات ایسے شدید ہوتے ہیں کہ اگر سپہ سالار نے اپنی افواج کے لیے اخلاق و کردار کے اعلیٰ معیار پر کاربند رہنے کی ضرورت پر زور دیا ہو اور ان کی تربیت میں انضباط اور خوف الٰہی جیسی بلند قدروں کو شامل نہ کیا ہو تو فوج کے افراد سے اس اعلیٰ و ارفع کارکردگی کی امید نہیں کی جا سکتی، جس میں جنگ کی شدتوں کے باوصف انسان کو انسانیت کی بلند سطح پر قائم رہنا ضروری ہوتا ہے۔ حضور اقدسؐ نے اپنی فوج کے افراد کی تربیت اپنے اعلیٰ معیار پر کی تھی کہ آپ کی فوج کے ایک ایک سپاہی کا کردار مثالی نظر آتا ہے، لہٰذا حضورؐ کی سپاہیانہ قابلیت کا ایک پہلو اپنی فوج کو صحیح تربیت دینا بھی ہے۔(۴۵)

درست کہ قوموں کی تعمیر کے لیے عام طور پر صدیاں درکار ہوتی ہیں، مگر شارع اعظمؐ کے تربیت یافتہ مہاجرین مکہ کی چھوٹی سی جماعت نے جب اپنے سامنے ملت اسلامیہ کا وسیع و عریض مکتب پایا تو انہوں نے حضورؐ سے حاصل کیے ہوئے خصائل اور اخلاق و کردار کی ترتیب کو اپنے شاگردوں میں عام کر دیا۔ مدینہ پہنچ کر اس سمت جو پہلا قدم حضورؐ نے اٹھایا تھا، وہ "مواخات" کا سلسلہ تھا۔ بادی النظر میں تو یہ نادار مہاجرین کی دستگیری کے لیے انصار مدینہ میں سے ایک ایک بھائی کا تعین تھا، مگر یہ رشتہ فیصلہ کرتے وقت ہادی برحق نے دونوں جانب کی طبیعتوں اور مزاج کو اس درجہ نظر کے سامنے رکھا تھا کہ کچھ عرصہ کے بعد سلسلہ مواخات کے بھائی بہر معنی "من تو شدم تو من شدی" کے مصداق ایک دوسرے کے اندر سمو گئے تھے۔ یوں حضورؐ کے تربیت یافتہ ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، ابو عبیدہؓ، زبیر بن العوامؓ، ابوذر غفاریؓ، سلمان فارسیؓ اور بلال حبشیؓ جیسے اصحاب گرامی قدر کی محبت نے حضورؐ کی دی ہوئی تربیت کو چار چاند لگائے اور خارجہؓ بن زید، عتبان بن مالکؓ، اوس بن ثابتؓ، سعید بن معاذؓ، سلامہؓ بن وقش، منذرؓ بن عمرو، ابو درداءؓ اور ابو رویحؓ جیسی جلیل القدر شخصیتیں وجود میں آ گئیں۔

خیرالبشرؐ نے اپنے عہد کی جس طرز جنگ کو عرب میں دیکھا تھا یا ارد گرد کے ممالک کی جنگوں کے متعلق جو کچھ آپ سن سکتے تھے ان میں نہ تو کوئی اصول کارفرما ہوا کرتا تھا اور نہ اس ماحول میں جنگ کی حدت اور خونریزی پر کسی طرح کی پابندی عائد کی جا سکتی تھی۔ ان جنگوں کی تہہ میں جو مقاصد کارفرما ہوئے تھے وہ وسعت مملکت، حصول دولت یا شخصی اقتدار کی ہوس تک محدود ہوا کرتے تھے، اسی لیے دشمن کی فوجوں کو تباہ کرنا، حصول مقصد کا پہلا مرحلہ ہوا کرتا تھا۔ حضور اقدسؐ نے جنگ کو ایک نیا مقصد عطا فرمایا اور اپنے عمل سے ثابت کیا کہ عدل و انصاف اور نسل انسانی کے اندر مساوات کا قیام ہی جنگ کا قابل قدر مقصد کہلا سکتا ہے۔ سرور کونین کی جنگ کو احکام الہٰی کے تابع رہنا تھا جس دین کے حکم کے تحت آپؐ میدان جنگ کا رخ فرمایا کرتے تھے، تو اس دین کے باریک سے باریک اشارے سے بھی مخالف عمل کی نہ گنجائش تھی اور نہ کوشش کا امکان۔ الہ العٰلمین نے جنگ کو بہترین عبادت کا مقام عطا فرمایا ہے۔ یہ عبادت اسی کی ہے جس نے یہ دین آپؐ کے ذریعہ بنی نوع انسان کو عطا فرمایا ہے۔ پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ جنگ کا رخ کرتے وقت یا اس کے دوران اسی دین کے کسی حکم کے خلاف کوئی عمل سرزد ہو۔

امت مسلمہ کی نجات اور اس کی کامیابی کا راز اس بات میں مضمر ہے کہ وہ من حیث الملت وحدت کا ثبوت پیش کرے اور اپنے افراد کے اندر ہادی برحقؐ کے تربیت یافتہ اصحاب کا سا جذبۂ ایثار و قربانی اور شوق شہادت پیدا کرے۔ ایثار و قربانی اور شہادت کا شوق کمزور طبیعتوں کو عطا نہیں ہوا کرتا۔ اس لیے دور حاضر کے مسلمان مفکروں اور اصحاب امر کا فرض ہے کہ وہ امت مسلمہ کے عوام الناس کے اخلاق کی صحت کی طرف توجہ دیں۔ جب تک مسلمانوں کی اکثریت کے اندر عہد نبویؐ کے اخلاق اور کردار کا عکس وجود میں نہ آئے گا، عالم اسلامی غیروں کی سیاسی اور اقتصادی زنجیروں سے نجات حاصل نہیں کر سکتا۔ جو ملت دوسرے انسانوں کی غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہو، وہ عبدیت خداوندی کا دعویٰ کس طرح کر سکتی ہے۔ عبدیت خداوندی سے محرومی تو انسان کو شرک کا مرتکب بنا دیتی ہے۔ ملت اسلامیہ کو مخاطب کر کے الہ العٰلمین نے فرمایا ہے کہ وہ دنیا کی بہترین امت ہے، اس لیے کہ وہ دوسری امتوں کو نیکی کا حکم دیتی ہے اور بدی سے منع کرتی ہے۔ (۲۶) امتوں کو حکم وہی ملت دے سکتی ہے جس کے پاس طاقت ہو اور جو ظالم اقوام کو میدان جنگ میں شکست دے کر قیام عدل و انصاف پر مجبور کر سکے یعنی جو ملت حضور اکرمؐ کے نقش قدم پر چل کر میدان جہاد کا رخ کر سکے اور جس نے اپنے اندر وہاں سے کامیاب و کامران لوٹنے کی استعداد پیدا کی ہو۔ وہی ملت، ملت اسلامیہ کہلا سکتی ہے۔ اس کے برعکس جو قوم عبدیت خداوندی کا اعتراف کرتے ہوئے غیر اللہ سے ڈرتی ہو، جسے قوانین خداوندی پر عمل کرنے میں اس لیے عار ہو کہ گمراہ دنیا اسے غیر مہذب کہے گی اور جو الہ العٰلمین کی الٰہیت کا اعلان اس لیے نہ کرتے ہوں کہ اس طرح انہیں اپنی زندگیوں کو ایک صحت بخش مگر کڑے قانون کا پابند کرنا پڑے گا وہ ملت بہترین امت نہیں کہلا سکتی۔ اس لیے کہ دوسروں کو نیکی کا حکم دینا تو کجا وہ خود اپنے اندر نیکی کی خاصیتیں پیدا کرنے سے قاصر رہتی ہے۔

رسول اکرمؐ کی جنگ کا خالص فنی پہلو بھی ہے۔ آج کل ایک نہایت ہی غیر فوجی نظریہ پیش کیا جا رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ چونکہ حضور اقدسؐ کی لڑائیوں میں فریقین کی فوجوں کی تعداد عصر حاضر کے لاتعداد لشکروں سے بہت کم ہوا کرتی، اس لیے ان لڑائیوں کے حالات کے مطالعہ سے کوئی فنی رہنمائی حاصل نہیں ہو سکتی۔ خیال رہے کہ یہ نظریہ ہنی بال اور سیزر کی لڑائیوں کے متعلق پیش

نہیں کیا جاتا، حالانکہ ان کے لشکر بھی عہد حاضر کے لشکروں کے مقابلے میں ازحد کم تعداد میں ہوا کرتے تھے، مگر چونکہ ہنی بال اور سیزر کی لڑائیوں پر یورپی محققین نے تصنیفات پیش کی ہیں، اس لیے ان کا مطالعہ فن جنگ کے لحاظ سے سودمند سمجھا جاتا ہے، اگر افادیت کے خیال سے عصر حاضر کے لاتعداد لشکروں کی لڑائیوں پر گہری نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ ان لڑائیوں میں لشکروں کی صفیں براعظموں کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک اس طرح پھیلی ہوئی ہیں کہ ان لشکروں کے کمانداروں ذہنی جمود کا شاہکار ہوکر رہ جاتے ہیں۔ ان کے لشکروں کی حرکت اس درجہ معدوم ہوتی ہے کہ ان لڑائیوں میں کسی طرح کے فن کا مظاہرہ ہی نہیں کیا جاسکتا، اسی لیے سپہ سالاری کا معیار گرتا جارہا ہے۔

''اگر ہم پہلی جنگ عظیم پر نگاہ ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ تاریخ جنگ میں یہ جنگ سب سے زیادہ خونخواری کی مظہر تھی اور اس میں سپہ سالاری کا معیار اسی تناسب سے کمتر تھا۔(۲۷)

ہم اس سے یہی نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں کہ کثیر التعداد افواج جب محدود علاقے میں شانہ بشانہ کھڑے ہوکر مورچہ بند ہوجاتی ہیں یا مجبوراً قسم کی پختہ کمین گاہوں میں محصور ہوجاتی ہیں تو پھر حرکی جنگ ناممکن ہوجاتی ہے اور سپہ سالاروں کی تزویراتی اور تدبیراتی منصوبہ بندی کے لیے جگہ میسر نہیں آتی۔ ایسے حالات میں پائین ترین درجوں کی کمان کے علاوہ کسی طرح کی کمان کا امکان نہیں رہتا اور سپہ سالاروں کی ذمہ داریاں سامان رسد پہنچانے اور نظریاتی یا نفسیاتی قسم کے بیانات دینے تک محدود ہوجاتی ہیں۔ یوں:

''سپہ سالاری اپنے پیدا کردہ دیو بے پیکر کی غلام بن جاتی ہے''۔(۲۸)

پہلی عالمی جنگ کے متعلق صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس طرح سے جنگ نہیں لڑی جاتی اور:

''پہلی جنگ عظیم میں ایک بات واضح طور پر ابھر کر سامنے آجاتی ہے کہ
اس طرح کے بے پناہ لشکروں کی اعلیٰ کمان، تزویراتی حرکت مفقود ہونے کی وجہ سے بے بسی میں مبتلا رہتی ہے''۔(۲۹)

اس جنگ میں صرف یہ ہوتا رہا تھا کہ:

''کماندار اپنی فوجوں کو اندھا دھند موت کے منہ میں دھکیلتے رہے تھے اور خود محاذ کے حالات سے یکسر ناواقف رہے تھے۔ عہد قدیم کے سپہ سالاروں نے ایسی غلطی کبھی بھی نہ کی تھی''۔(۳۰)

فن جنگ کے طالب علموں نے شاید اس امر کی طرف بھی بہت کم توجہ دی ہے کہ

''نپولین کی قابلیت کا اظہار اس موقع پر ہوا تھا جب وہ ۱۷۹۶ء میں تیس ہزار فوج کی کمان کرتے ہوئے فتح مند ہوا تھا۔ جب ۱۸۱۲ء میں اسے ساڑھے چار لاکھ فوج کے ساتھ ناکامی ہوئی تھی تو وہ سپہ سالاری کے جوہر مطلق نہ دکھا سکا تھا۔(۳۱)

تاریخ جنگ اس بات کی شاہد ہے کہ جہاں کہیں بڑے لشکر تیار کیے گئے ہیں، وہاں سپہ سالاری کا معیار پست رہا ہے۔ بہرکیف کمیت اور کیفیت کو علیحدہ علیحدہ رکھنا ازحد ضروری ہوا کرتا ہے۔

''فن کے معیار کا اندازہ تصور کے پھیلاؤ سے نہیں لگایا جاسکتا''۔(۳۲)

جو بات تاریخ دان کی نظروں سے اوجھل رہی ہے، وہ یہ ہے کہ حضور اقدس ہزاروں کی تعداد کے مقابلے میں سیکڑوں کا لشکر

صف آراء کیا کرتے اور اس تناسب کے باوجود حضورؐ کے دور میں نہ تو کسی صحابہ کمانڈر کو کسی سریہ کے دوران شکست ہوئی اور نہ ہی کسی موقع پر دشمن آپؐ کے مقابلے میں فتح حاصل کر سکا۔

تاریخ جنگ میں تواتر کے ساتھ کم سے کم تعداد کی فوج استعمال کرنے کی ایسی مثالیں کہیں نظر نہیں آتیں، جب مدینہ پہنچ کر حضور اقدسؐ نے منظم ملت اور ریاست کی بنیاد ڈالی تو آپؐ کے سامنے لاتعداد مسائل تھے۔ کسی شے کا وجود میں لانا مشکل ہوا کرتا ہے۔ ریاست کو وجود میں لانا اور اس کے منتظمین کو تربیت دے کر امور مملکت سرانجام دینے کیلئے تیار کرنا انتہائی مشکل کام ہے۔ ریاست سے متعلق مسائل اور ان کو حل کرنے کا اثر عقل وخرد اور احساسات رکھنے والے افراد پر پڑتا ہے۔ زندہ افراد کے مسائل کے حل کے نتیجے میں ایک نہ ایک فریق کے موقف کے خلاف فیصلہ کرنا ہوتا ہے۔ اگر ان مسائل کے حل حق وصداقت پر مبنی نہ ہوں تو معاشرہ انتشار کا شکار ہو جاتا ہے۔ حضور اقدسؐ نے جب ریاست کی بنیاد ڈالی تو امت کے اندرونی انتظام وانصرام کے بعد امور مملکت کا سب سے اہم مسئلہ دفاع ملک وملت کی طرف توجہ دینا تھا۔ دفاع کی تیاری کے لیے وقت اور محنت کے علاوہ وسائل کی ضرورت ہوتی ہے۔ وسائل میں یوں تو ہر دور میں مختلف ہتھیار استعمال ہوتے رہے ہیں، مگر جنگ کا سب سے اہم ہتھیار انسان رہا ہے اور اس کی ذہنی وجسمانی ساخت تقریباً ہر دور میں ایک سی رہی ہے۔ البتہ جس طرح فولاد سے تلوار اور دوسرے ہتھیار بناتے وقت تلوار اور دوسرے ہتھیاروں کی کارکردگی کا معیار کاریگر کی فنی مہارت، اس کی محنت، نیک نیتی اور خلوص پر منحصر ہوا کرتا ہے، اسی طرح جنگ کے لیے اس کے اہم ترین ہتھیار یعنی انسان کی تیاری اور تربیت اس دور کے سپہ سالار اعظم کی فنی مہارت، محنت، نیک نیتی، خلوص اور اپنے شاگردوں سے انس ومحبت پر منحصر ہوا کرتی ہے۔ حضور اقدسؐ نے اپنے چند ساتھیوں کو انتہائی محنت سے جنگ کے صبر آزما ماحول کے لیے تیار کرنا شروع کیا اور یہ ذمہ داری اس خوبی سے سرانجام دی کہ انہیں تربیت کے دوران یہ احساس تک نہ ہوا کہ وہ سپہ سالاری اور کمانداری کے فرائض کے لیے تیار کیے جا رہے ہیں۔

افرادی قوت کی فراہمی اور تیاری کے علاوہ مادی وسائل کی فراہمی کا مسئلہ بھی درپیش تھا اور آج چودہ صدیوں کے بعد ان وسائل کی جو کمی تھی، اس کا اندازہ بمشکل لگایا جا سکتا ہے۔ وسائل کی کمی کا علاج حضورؐ نے ایک ایسے اقتصادی نظام کے ذریعہ کیا جس کا تجربہ آج تک کسی معاشرے میں نہیں ہوا تھا۔ (۳۳) سب سے بڑی دقت یہ تھی کہ وقت کم تھا اور دشمن دفاع کی تیاری کے لیے شاذ ونادر ہی مہلت دیا کرتا ہے، اسی لیے ارشاد ربانی بھی ہے کہ تیاری مکمل ہو یا نہ ہو دشمن کے حملہ آور ہونے پر میدان جنگ کا رخ ضرور کرو۔ (۳۴) فوج کی تیاری چونکہ نہایت اہم مسئلہ ہے، اس لیے عصر حاضر کے وہ سیاستدان جنہیں افواج کے مختلف پہلوؤں کا ذاتی تجربہ ہوا کرتا ہے، وہ بھی افواج کی تربیت اور تیاری کی خاطر آہستہ رفتار کی شکایت کرتے رہتے ہیں۔

"چرچل اس بات کو ذہن نشین کرنے سے قاصر رہا کہ فوج کی تربیت اور تیاری کے لیے کم از کم تین سال کی مدت درکار ہوتی ہے"۔ (۳۵)

مدتوں سے قائم مملکتوں کو افرادی قوت کی فراہمی میں چنداں دقت نہیں ہونی چاہیے۔ ان کی قائم افواج ان کی محفوظ اور زمانہ جنگ کی بھرتی کی تربیت آسانی سے ہاتھ میں لے سکتی ہیں، مگر جب گنتی کے چند افراد ہجرت کر کے ایک نئے شہر میں جا کر پناہ

لیں اور ان کے پہنچتے ہی ایک براعظم کی سب سے بڑی طاقت ان کے خلاف اعلان جنگ کر دے اور چند افراد اپنے چند میزبانوں سمیت ایک فوج قائم کرنے کا اہم فریضہ ہاتھ میں لے لیں، تو دنیا کے کسی دور کا اور کرہ ارض کے خطے کا قوی ماہر یہ نہیں کہے گا کہ یہ لوگ چند ماہ کے عرصہ سے اندر دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک سوشل دور اپنا محاذ قائم کر سکیں گے۔ تاریخ جنگ کے معجزات کے سرفہرست یہ معجزہ ہے کہ واقعتاً ایسا ہی ہوا اور تجربہ کار دشمن کے جہاندیدہ اور دلیر افراد پر مشتمل چار گنا بڑا لشکر ان کا مقابلہ نہ کر سکا اور واپس مکہ لوٹ گیا۔(۳۶)

حضور اقدسؐ کو جس افرادی قوت کا مہیا کرنا تھا اس میں پائین ورجود کے کمانداروں کی تربیت اور ان کا چناؤ خاصی اہمیت رکھتا تھا۔ سب سپاہی ایک سے نہیں ہوتے۔ کسے کمان سونپی جائے اور کن کن کو صف میں رہنے دیا جائے؟ کماندار اعظم کی نظر انتخاب پر جب تک پوری فوج کو کلی اعتماد نہ ہو، اس وقت تک افسروں، ماتحت افسروں اور عہدیدار سے تقرر کا مسئلہ بخیر وخوبی انجام نہیں پا سکتا۔ یہ حضورؐ کے تدبر، وسعت نظر، استقامت اور انصاف پروری وعدل گستری کا ثبوت ہے کہ کمانداروں کے چناؤ اور تقرر، ان کی تربیت اور بالآخر ان کو میدان جنگ میں کمان سونپنے کے معاملہ میں ایسا ایک واقعہ بھی پیش نہیں آیا کہ کسی سمت سے اعتراض ہوا ہو، حالانکہ حضور اقدسؐ نے غلاموں اور غلام آزادوں کو کمان کے معاملے میں اشراف قریش کے نجیب ترین افراد پر کمان عطا فرمائی۔

فن جنگ پر عبور آسان نہیں۔ یہ فن ہے اور سائنس بھی۔ اس میں علم وخبر کو بھی دخل ہے اور غور وفکر پر بھی بہت کچھ منحصر ہوتا ہے۔ اس کے لیے تربیت اور تجربہ بنیادی مقام رکھتے ہیں۔ ان ضروریات سے مستثنیٰ ذات پیغمبر کی ہی ہو سکتی ہے، ورنہ عام انسانوں کے لیے عسکری ماحول میں استادانِ فن کے ہاتھوں تربیت کا ہونا از بس ضروری ہوتا ہے، جو جنگوں میں سپہ سالاروں کی نا اہلی اور نامکمل تربیت کی وجہ سے ہاری گئیں، ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ یوں تو فن جنگ سادہ اور سیدھا سا فن نظر آتا ہے، مگر اس کی پیچیدگیاں جنگ کے طوفان اور تلاطم سے دست وگریبان ہونے کے بعد ہی نظر آتی ہیں۔ حضور اقدسؐ جس طرح پڑھنے لکھنے کے معاملہ میں ''اُمّی'' تھے، کسے کے سامنے زانوئے ادب تہہ نہیں کیا تھا، اس طرح فن جنگ سیکھنے کے لیے کسی کے سامنے نظریں نیچی نہیں کی تھیں۔ مشیت ایزدی کو یہی منظور تھا کہ ختم الرسل کا استاد ہونے کا کوئی فرد بشر دعویٰ نہ کر سکے اور پھر یہ بات بھی تو تھی کہ جو نظام حیات حضورؐ لے کر آئے تھے، وہ فی نفسہ مکمل تھا۔ اس میں جنگ سے متعلق بہت کچھ شامل تھا اور جو باتیں رہ گئی تھیں، ان کی عملی مثال پیش کرنے کا حق صرف آپ کو تھا۔ اگر آپ کسی کی رائے پر چل کر دفاع سے متعلق اصولی معاملات طے فرماتے تو ان فیصلوں کو ''اتباع رسول'' کے قابل ہونے کا مقام حاصل نہ ہوتا۔ جب تک از اول تا آخر حضورؐ دفاع ملک وملت کے سامنے سنت رسول اکرمؐ کی ہدایت ورہبری کہاں میسر آتی۔ کتنا اہم فریضہ تھا۔ جنگ کی تیاری، جنگ کی تربیت اور جنگ لڑنے کے طور طریقے جو قیامت تک ایک طرف فن جنگ اور دوسری طرف اخلاق وکردار کا بلند معیار پیش کریں۔ نسل انسانی کی چشم حیران نے اس سے اہم ذمہ داری کسی دور میں نہ دیکھی تھی۔

جہاد کے امتیازات:

دفاع سے متعلق شاید اہم ترین ذمہ داری نظریاتی پہلو سے متعلق تھی۔ اس ذمہ داری کو نئے یعنی "اسلام کے تصور جنگ" کے مطابق عمل کے ذریعہ سمجھانا تھا۔ یہ "تصور جنگ" اسلامی تعلیمات پر مبنی ہونے کی وجہ سے فرائض رسالت میں شامل تھا۔ اس کی تکمیل کے لیے حضور اقدسؐ کو سربراہ مملکت اور سپہ سالار اعظم کے مناصب اختیار کرنے تھے۔ فرائض رسالت کو سربراہ مملکت کی حیثیت سے عملی طور پر پورا کرنا، دین و دنیا کا یہ امتزاج اور دین و دنیا کو ایک ہی لڑی میں پرونے کا عمل تاریخی دور میں نسلِ انسانی کے لیے نیا بھی تھا اور سمجھنے سمجھانے کے لیے وقت آمیز بھی، مگر اس کی اہمیت کی بنا پر اس کی طرف خاص توجہ دینی تھی۔ انسان اس کرۂ ارض کی زندگی کے آخری دور میں قدم رکھ چکا تھا۔ اب روح و بدن کو ایک ہی قانون کے تابع کرنا تھا اب زندگی ایک وحدت بنادی گئی تھی، اس لیے اب حکومت، سپہ سالاری، عبادت گزاری اور دنیا داری ایک ہی کل کے جزو بن چکے تھے۔ کل اور جز دونوں کا سبق دینے والے اللہ العٰلمین کا آخری پیغام بردار زندگی کے ہر پہلو پر عمل کر کے مثالیں قائم کر رہا تھا تا کہ خدا کے دربار میں پیش ہونے کے لیے انسانیت قیامت تک نسل انسانی کے لئے بہترین نا خداؐ کے طرز عمل سے شناسا رہے۔

غزوات رسول اللہؐ میں ایک اہم نکتہ نگاہوں کے سامنے آتا ہے، جسے موجودہ دور کے کار پردازان مملکت کے لیے دفاع ملک و ملت کے دوران نگاہ کے سامنے رکھنا ضروری ہے۔ حضور اقدسؐ ایک مخصوص نظریہ حیات پیش فرما رہے تھے۔ ہر نظریہ حیات دفاع ملت کے متعلق خاص تصور جنگ کا حامل ہوا کرتا ہے۔ غزوات نبویؐ کے دوران ایک واقعہ بلکہ یوں کہیے کہ ایک لمحہ بھی ایسا نہیں آتا، جس میں حضورؐ کے نظریہ حیات اور تصور یا طرز جنگ میں کسی طرح کا تضاد یا ٹکراؤ واقع ہوا ہو۔ کوئی قوم اپنی دفاعی کوششوں میں کامیاب نہیں ہو سکتی، اگر وہ اپنے یعنی عوام الناس کے نظریہ حیات سے اور اس نظریہ حیات کے پیش کردہ تصور جنگ سے ہٹ کر اپنی جنگ کو عملی جامہ پہنائے، مثال کے طور پر آج کل نظریاتی مملکتوں کا وجود ہے۔ ہر نظریاتی مملکت کا اپنا علیحدہ تصور جنگ ہے۔ اب اگر اشتراکی مملکت یہ چاہے کہ وہ ملی زندگی تو اشتراکی نظریہ حیات کے مطابق جاری رکھے، البتہ جنگ کے دوران وہ دور تجارت یا موجودہ دور کے سرمایہ دارانہ جنگی تصورات کے مطابق اپنی ذمہ داریاں پوری کرے تو ان کا یہ تضاد انہیں ناکامی کی طرف لے جائے گا۔ (۳۷) اسی طرح اگر کسی سرمایہ دار ملک کی حکومت اپنی افواج سے یہ مطالبہ کرے کہ وہ اشتراکی یا اسلامی تصور جنگ کو قبول کرتے ہوئے میدان جنگ میں اترے تو یقیناً ان کا سپہ سالار اعظم معذرت خواہ ہوتے ہوئے اپنا استعفیٰ پیش کر دے گا۔ اس حقیقت کے باوجود ایسی مملکت موجود ہیں جن کے سربراہان اور اصحاب اور شہری اور قومی زندگی کو لادینی نظام کے مطابق فروغ دینا چاہتے ہیں مگر اپنی افواج سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ کسی نظریاتی تصور جنگ کے مطابق جنگ کریں (۳۸) حضور اقدسؐ کے نظام حیات کے مطابق اللہ العٰلمین کے سوا کسی کی اطاعت کی اجازت نہ تھی۔ اس اصول کے تحت حضورؐ کی فوج کے سپاہی اگر شکست قبول کرتے تو اس کے یہ معنی تھے کہ وہ غیر اللہ کی اطاعت قبول کر رہے ہیں۔ ان ادوار ان کے مطالعہ سے یہ بات کھل کر سامنے آجائے گی کہ حضورؐ کی نو سالہ جنگ کے دوران حضورؐ کے ایک سپاہی نے بھی ہتھیار ڈال کر دشمن

کی اطاعت قبول نہیں کی جب کہ موتہ کے مقام پر حضورؐ کا تین ہزار کا لشکر دو لاکھ سے زائد فوج سے مقابلہ کر رہا تھا، مگر ایک سپاہی نے بھی کفار کا قیدی بننا قبول نہیں کیا۔ اگر یہ لڑائی کسی دوسرے نظریۂ حیات یا غیر اسلامی تصور جنگ کے مطابق لڑی جارہی ہوتی تو یقیناً کئی سپاہی اس لڑائی میں کامیابی کو غیر ممکن سمجھتے ہوئے ہتھیار ڈال دیتے یا ان کا سپہ سالار یہ کہہ کر شکست قبول کر لیتا کہ اتنے بڑے اور تربیت یافتہ شاہی لشکر کے مقابلہ کے لئے اس کے پاس افرادی قوت اور جنگی وسائل کم تھے، اس لیے وہ ہتھیار ڈالنے میں حق بجانب تھا، چونکہ اس کا نظریۂ حیات اسے غیر اسلامی قانون کے تابع ہونے اور غیر اللہ کی اطاعت قبول کرنے کی اجازت نہ دیتا تھا اور اس نظام حیات کا جو تصور جنگ تھا، اس میں بھی ہتھیار ڈالنا اور اسلام سے مرتد ہونا ہم معنی بات ہے۔ اس لیے اس سے اور اس کے سپاہیوں کے ذہن میں ہتھیار ڈالنے کا سوال پیدا نہ ہوا۔

ایک اور بات جو غزوات نبویؐ سے واضح ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ پوری ملت کے سامنے ایک ہی مقصد ہو تو ملت بڑے بڑے مصائب جھیل کر مشکل ترین ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکتی ہے۔ دور رسالتؐ میں ملت اسلامیہ کے سامنے قیام عدل وانصاف کا مقصد تھا۔ وہ اپنے آپ کو بہترین امت سمجھتے تھے اور ان کا ایمان تھا کہ ان کے ذریعۂ گناہ و عصیاں سے پُر معاشرہ پاکیزگی اختیار کرے گا۔ وہ اپنے آپ کو نیکی کے لیے صاحب امر سمجھتے تھے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ان کے دشمن لاتعداد ہیں، وہ دشمنوں کے وسیع مادی وسائل سے بھی باخبر تھے، ان سے اپنی افرادی قوت بھی پوشیدہ نہ تھی۔ مگر ملی مقصد کی وحدت کا یہ عالم تھا کہ انہیں یقین تھا کہ وہ کامیاب رہیں گے۔ تاریخ بھی بتاتی ہے کہ ملی مقصد کی وحدت اور ایمان کی پختگی نے انہیں کامیابی عطا فرمائی۔

جنگ کا ایک مقصدِ اعلیٰ ہوا کرتا ہے، جہاں تک فوری مقصد کا تعلق ہے، وہ دشمن کو شکست تسلیم کرنے پر مجبور کرنا ہوتا ہے۔ البتہ مقصد اعلیٰ جنگ کے بعد کے حالات کو سازگار بنانے کے متعلق اور معاشرے کو صحت مند پُر امن حالات دینے سے متعلق بھی ہو سکتا ہے، اگر یہ درست ہے کہ مقصد اعلیٰ مابعد جنگ کے دوران بہتر حالات، معاشرے کی صحت اور خوشحالی کہلا سکتا ہے، تو پھر ضروری نہیں کہ قتال یعنی لڑائی کی طرف رجوع کیا جائے۔ ممکن ہے کہ تیسرے فریق کے بیچ بچاؤ کے ذریعہ سفارتی تعلقات کی کامیابی کے نتیجہ میں یا اقتصادی دباؤ کے استعمال سے بالواسطہ طور پر یعنی لڑائی کے بغیر ہی مقصد اعلیٰ کی تکمیل کی جاسکے۔ تاریخی دور میں پہلی بار مقصد اعلیٰ کے حصول کا یہ طریقہ ختم الرسل محمد رسول اللہؐ نے استعمال کیا۔ قبائل کے ساتھ غیر جانبداری کے عہد نامے، بااثر قبائل کے ساتھ سمجھوتے، دوستی کی جانب مائل قبائل کی مملکت مدینہ میں شمولیت اور اقتصادی ہتھیار کا استعمال غرضیکہ لڑائی کے بغیر اس جنگ میں کامیابی حاصل کرنے کی طرف کئی قدم اٹھائے گئے جس کا اعلان دشمن کر چکا تھا اور جس کی طرف وہ بار بار رجوع کر چکا تھا۔ عصر حاضر کے مغربی مفکرین نے اس طرز جنگ کو ''بالواسطہ اقدامات کی تزویرات'' کا نام دیا ہے۔ (۳۹) اگر کسی سپہ سالار نے بالواسطہ طریق کار کی تزویرات کے ذریعہ اور آخری لڑائی کے بغیر مکمل فتح حاصل کی ہے اور اپنے مقصد اعلیٰ یعنی زمانہ مابعد جنگ کے مقاصد کی کما حقہ تکمیل کی ہے، تو وہ حضورؐ ہیں۔ حضورؐ نے جنگ کا تصور پیش کیا ہے، اس سے اسی طریقہ کار کی جنگ معرض وجود میں آسکتی ہے۔ اس نکتہ نے ایک اور اہم اصول وضع کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضورؐ نے جب سفارتی، اقتصادی، پوری افرادی قوت کے استعمال، ملت کے اجتماعی معاشی وسائل اور نفسیاتی میدان کو کامل طور پر استعمال کیا تو

جنگ کی تاریخ میں پہلی بار کلی جنگ اور تی جنگ کا آغاز ہوا۔ کلی جنگ کا تصور بعد میں پھیلا دیا گیا۔ اسلام سے سبق لینے والے موجود تھے۔ انقلاب فرانس کے موقع پر ایک بار پھر کلی جنگ کا آغاز ہوا اور دوسری جنگ عظیم میں پہلے جرمنی اور پھر اشتراکی روس نے اس نظریے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کی، مگر دونوں ملکوں کے نظام حیات اور تصور جنگ اسلام سے مختلف تھے۔ ان کا مقصد اعلیٰ وہ نہ تھا، جو حضور اقدسؐ نے اپنے سامنے رکھا تھا۔ اس لیے وہ کلی جنگ کو قتال کی ضروریات تک محدود کر سکے۔ انہوں نے بالواسطہ طریق کار کی ترویجات کو اقتصادیات اور نفسیات پر حاوی تو کیا، مگر سفارتی تعلقات توڑنے اور آخری لڑائی لڑنے کے بغیر فتح کے اصول کو نہ اپنا سکے، اس لیے ان کی جنگ خونخواری اور تباہی و بربادی کے بلند ترین مدارج پر پہنچے بغیر اختتام کو نہ پہنچ سکی۔ کلی جنگ اور ملی جنگ کو جو نہی اپنے اصل ماحول یعنی اسلامی نظریہ سے خارج کر کے استعمال کیا گیا، اس نے بہیمیت اور درندگی کے انتہائی مناظر کا مظاہرہ فاخرانہ اور متکبرانہ انداز میں کیا۔ اس کلی جنگ کو جب حضورؐ کے مقصد اعلیٰ یعنی قیام عدل و انصاف اور آزادیٔ عالم انسان کے لیے استعمال کیا گیا تھا، تو آخری لڑائی لڑے بغیر فتح کا حسین و جمیل عطیہ الٰہ العلمین کی جانب سے انعام کے طور پر عطا ہوا تھا۔

جنگ کے دوران افرادی قوت کے مکمل استعمال سے یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ مختلف معاشرے اپنے اپنے نظریۂ جنگ کے زیر اثر مختلف طبائع کے حامل انسان وجود میں لاتے ہیں۔ یہ عمل اس قدر غیر محسوس طور پر واقع ہوتا رہتا ہے کہ ارباب اختیار کے لیے اس کے وجود کا علم ہونے کے باوجود اس عمل کے مدارج کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہوتا ہے۔ بہت کم سربراہ مملکت اور سپہ سالار اس کے صحیح مقام سے واقف ہوتے ہیں، اسی لیے کہ جنگ کے دوران اپنے یا دشمن کی افواج کے کمانداروں اور صف کے سپاہیوں کی کارکردگی، ہمت، شجاعت، قوت ارادی اور استقلال کے صحیح مقام کا اندازہ لگانا مشکل ہوا کرتا ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ عہد حاضر کے جنگی مورخ اور مفکر یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ:

"جنگ میں انسانی قوت ارادی کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ تمام حالات اور رکاوٹوں کا اندازہ صحیح طور پر کیا جا سکتا ہے۔ البتہ انسانی قوت برداشت اور قوت ارادی کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ (۴۰)

جن معاشروں میں اپنا اپنا واضح نظریۂ حیات موجود نہ ہو ان کے کمانداروں کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی سپاہ کی قوت برداشت اور قوت ارادی کا صحیح اندازہ نہ لگا سکتے ہیں۔ جہاں تک اسلام کے پہلے سپہ سالار اعظم کا تعلق ہے، انہیں نہ صرف اپنے سپاہیوں کی قوت برداشت اور قوت ارادی کا پورا پورا علم تھا بلکہ انہیں دشمن کی ان خاصیتوں کا بھی پورا پورا اندازہ تھا۔ اس بات کا ثبوت یہ ہے کہ حضورؐ ہزاروں کے مقابلہ میں سیکڑوں کا لشکر روانہ کرتے رہے اور جہاں دشمن چار پانچ سو کا لشکر مہیا کر سکتا تھا، وہاں بھی پچاس ساٹھ مجاہدوں سے زیادہ کی مہم روانہ نہ فرمائی۔ اگر حضورؐ کو دونوں لشکروں کی تربیت، قوت برداشت اور قوت ارادہ کا صحیح علم نہ ہوتا تو اس قدر کم تناسب کے لشکر روانہ کرنے کے باوجود آپ کو ہر بار کامیابی حاصل نہ ہوتی۔ (۴۱) چنانچہ حضورؐ کے غزوات میں کم سے کم طاقت کے استعمال کے اصول کی بہترین مثالیں ملتی ہیں۔ صحیح قوت کے استعمال کو جنگ کے اصولوں میں اہم مقام حاصل ہے۔ حضورؐ نے اپنے سپاہیوں کی اخلاقی اور عسکری تربیت اپنے ہاتھوں سے کی تھی۔ اخلاقی اور ایمانی قوت پر

حضورؐ نے بہت محنت صرف کی تھی۔ اس کو حضورؐ نے جہادِ اعظم کا نام دیا ہے اور یہی خاصیت قوتِ ارادی اور قوتِ برداشت کو محکم و مضبوط کرنے کا باعث بنا کرتی ہے۔ جہاد بالسیف میں وہی عالی وقار اور خوددار ہستیاں صبر و استقامت کا نمونہ بن سکتی ہیں جن کا اللہ پر مکمل ایمان ہو، جو اسلام کے قبول کردہ نظامِ حیات سے روگردانی کو شرک و کفر کی زندگی سمجھتے ہوئے اللہ کی بزرگی، برتری کی شہادت دینے کے لیے اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کرنے کو زندگی کی معراج سمجھتے ہوں۔ ایسے سپاہی حضورؐ کے دستِ شفقت اور حضور کی نگرانی میں تیار ہوئے تھے اور حضور کو پورا پورا اندازہ تھا کہ آپؐ کے سپاہی شہادت پا سکتے ہیں، لیکن انہیں اپنا مقام چھوڑنے پر اور پسپا ہونے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ یہی اندازہ اور علم تھا جس کی وجہ سے حضور تعداد و وسائل کی کمی کے باوجود دشمن کی ہر للکار کا جواب میدانِ جنگ میں دیا کرتے تھے اور ایک بار بھی اس خدشہ کا اظہار نہیں کیا کہ وسائل و تعداد کی کمی کہیں خطرہ کا باعث نہ بن جائے۔

حضورؐ کے لائے ہوئے پیغامِ ربانی میں جہاد انفرادی اور اجتماعی فریضہ ہے۔ حضورؐ نے اس فریضہ کی ادائیگی کی غرض سے تمام ابتدائی ذمہ داریاں بطریقِ احسن انجام فرمائیں۔ حضورؐ کے خلاف جس جنگ کا اعلان کیا گیا تھا، اس جنگ میں آپؐ کا مقصد اعلیٰ انسانیت کو لاتعداد زنجیروں سے نجات دلانا تھا، اسی لیے یہ جنگ قدیم و جدید تمام جنگوں سے مختلف جنگ تھی۔ ہر معاشرے کا جنگ کا تصور مختلف ہوا کرتا ہے اور اس کی بنا اس معاشرے کے نظریۂ حیات پر ہوا کرتی ہے، سولھویں صدی سے انیسویں صدی کے اوائل تک یورپ کے ممالک ''تجارتیت'' نے جغرافیائی قومیتوں اور سرمایہ پرستی کے نظام کو جنم دیا۔ اس نظریۂ حیات کے تحت جو جنگیں واقع ہوئیں وہ نپولین کی تباہ کن جنگوں اور لڑائیوں پر منتج ہوئیں۔ ان لڑائیوں کا مشاہدہ اور مطالعہ کرنے والے مفکروں نے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق جنگ پر تبصرہ پیش کیا ہے۔ جانمی کہتا ہے کہ جنگ ''ایک جنون پرور اور خونخوار کھیل ہے''۔ یعنی وہ سرے سے بے مقصد اور لاحاصل عمل ہے۔ اس نے دیکھا تھا کہ نپولین فتوحات کے شوق اور فرانس کے پرچم کو بلند سے بلند کرنے کے جنون میں اپنے ملک کی آبادی کو بار بار جنگ کے شعلوں میں جھونکتا رہا اور ہر بار اس کا دعویٰ رہا کہ فرانس کے لیے پُر وقار زندگی کا راز میدانِ جنگ کی کامیابی میں مضمر ہے۔ وہ انقلاب کی پیداوار تھا، مگر اپنے لیے شہنشاہیت اور بھائیوں کے لیے بادشاہت کے لالچ کے سامنے دوزانو ہوتا رہا۔ نپولین کے دور میں یا اس کے بعد کی پوری جنگوں سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ ہر جنگ صرف تباہی اور بربادی اور خونخواری و بربریت کا نام ہے، کم نگاہی سے کم نہ ہوگا۔ جنگ جیسے عمل کے مقاصد بلند بھی ہوئے ہیں اور آئندہ بھی ہو سکتے ہیں۔ تلوار اگر بے گناہ کا گلا کاٹ سکتی ہے تو بسا اوقات معصوموں کو لوٹنے والوں کے گلے بھی کاٹا کرتی ہے۔ سوال نیت اور مقاصد کا ہوا کرتا ہے۔

حضورِ اقدسؐ جنگ فی سبیل اللہ کو بلند ترین فریضہ سمجھتے تھے، اس لیے کہ حضور کی جنگ کا مقصد انسانیت کو لاتعداد زنجیروں سے نجات دلانا تھا۔ کسی سپہ سالار کا جنگ سے متعلق تصور اور نظریہ اس کی جنگوں کے مقاصد سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ حضورؐ فاتح سپہ سالار ہیں۔ حضور کی جنگ کا مقصد اس بات سے معلوم ہو سکتا ہے کہ آپؐ نے فتح کے بعد مفتوح دشمن کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ حضورِ اقدسؐ کے خلاف کئی قبائل نے جنگ کی اور بالآخر آپؐ نے ہر ایک کو شکستِ فاش دی۔ غزواتِ نبویؐ سے معلوم چلتا ہے کہ

ان فتوحات کے بعد مفتوح قبائل کی زندگی نے ایک نیا رخ اختیار کیا اور وہ رخ کبھی ان کے تصور میں بھی نہ آ سکتا تھا۔ تاریخی دور میں اگر اس جنگ کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ اس جنگ کا مقصد خود جنگ کو ختم کرنا تھا تو وہ صرف رسول اکرم کی جنگ تھی، جس کے بعد اس خطے نے صدیوں تک طبل وغارہ کی آواز نہ سنی۔

اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جنگ کا مطالعہ صرف اس خیال سے نہ کیا جائے کہ اس کے دوران ہونے والے واقعات کا تذکرہ کر دیا جائے، بلکہ جنگ کے نتیجہ میں انسانیت کو جو جائز حقوق میسر آتے ہیں اور ان حقوق کے بعد جو آزادی اور جو مسرتیں حاصل ہوتی ہیں، ان کا تجزیہ کرنا بھی سودمند ہوگا۔ جب جنگ اصولوں کے تحفظ کے لیے لڑی جائے اور کسی مجبور ومحکوم انسانی گروہ کو آزادی اور انصاف دلانے کا مقصد لے کر دست شمشیر کو بلند کیا جائے تو لازم ہو جاتا ہے کہ ان اصولوں کو ہر صورت دوران جنگ ملحوظ خاطر رکھا جائے، جن کے لیے تلوار اٹھائی گئی تھی۔ مزید براں یہ بھی خیال رکھنا ہوگا کہ جو لوگ دست شمشیر بلند کرتے ہیں، وہ خود کسی طرح کے ظلم وستم کا موجب نہیں بلکہ ہر ہر قدم پر عدل وانصاف کا اعلیٰ ترین نمونہ پیش کرتے ہیں۔

تاریخ جنگ میں کئی مثالیں ملیں گی، جہاں پر آزادی کے نام پر تلوار اٹھائی گئی، مگر ان جنگوں کے اختتام پر آزادی کے نام لیواؤں نے دوسروں کی آزادی سلب کرنے سے دریغ نہ کیا۔ تاریخ میں امن اور صلح کے نام پر بھی جنگ شروع کی گئی، مگر ان جنگوں نے لاتعداد انسانی بستیوں کو امن وامان سے محروم کر دیا۔ دنیا میں کئی بار دین ومذہب کے نام پر دست شمشیر بلند ہوا، مگر اس ہاتھ نے جنگ کے دوران خود اپنے دین کے احکام اور اصولوں کو پامال کیا۔ حضور کی جنگ واحد جنگ ہے، جس کے اختتام پر مفتوح کو آزادی ملی اور ان ہارے ہوؤں کو پہلے سے کہیں زیادہ امن وامان اور خوشحالی وفراوانی نصیب ہوئی اور جس دین کے نام پر اور جس نظریہ حیات کے دفاع کے لیے ہاتھ میں تلوار لی گئی تھی، اس دین اور اس نظریہ حیات کے ایک اصول یا ایک حکم کو بھی فراموش نہیں کیا گیا۔ دنیا کو نئی سیاسی فکر اور سیاسیات میں نئی طرح ڈالنے کے باوجود ملک میں سیاسی افراتفری واقع نہیں ہونے دی گئی اور حالانکہ اقتصادی ہتھیار پوری مستعدی سے استعمال کیا گیا اور تجارتی راہوں کی کامیاب ناکہ بندی کی گئی، ملک میں اقتصادی اور معاشی تباہی واقع نہیں ہونے دی گئی اور تو اور جنگ کے اختتام کے لیے صلح کے لیے دشمن کی طرف ہاتھ بڑھانے میں پہل کی حالانکہ جنگی صورت حال یہ تھی کہ دشمن کو مکمل تباہ وبرباد کیا جا سکتا تھا۔ ہم پورے وثوق سے کہتے ہیں کہ اس طرح کی صلح پرور، امن بخش اور عدل گسترانہ جنگ تاریخ عالم میں کہیں نظر نہیں آتی۔ جب جنگ کے مقاصد اس طرح کے ہوں تو جنگ کو انفرادی اور اجتماعی فرض قرار دیا جاتا ہے۔

"آزادی ایک ایسا تحفہ ہے جس کا حقدار ہونا ضروری ہے"۔ (۴۲)

انسانوں کی اپنی اخلاقی کمزوریاں ان کی آزادی میں حائل ہوتی رہتی ہیں، مگر ان کے دلوں پر مہر (۴۳) لگ جانے کی وجہ سے وہ اپنے لیے صحیح راہ کی تمیز کرنے کے قابل نہیں رہتے اور اپنی کمزوریوں کو محاسن سمجھتے ہیں۔ قدرت کی طرف سے یہ فیصلہ کیا جا چکا ہے کہ تیز طبیعتوں کے مالک اپنے غصہ (کبروناز) کے ذریعہ سے اپنی زنجیریں ڈھالتے ہیں (۴۴) مگر انسانوں کی یہ کمزوری دوسروں کو یہ حق نہیں دیتی کہ وہ ان کمزور طبیعتوں کو غلام بنا کر ان کی آئندہ نسلوں پر مظالم ڈھاتے رہیں۔ جو انسانی

گروہ ظالم کے مضبوط ہاتھوں کو ظلم سے روک سکتا ہے، اس پر فرض ہو جاتا ہے کہ وہ مظلوم کے لیے عدل و انصاف کی راہوں کو ممکن بنائے اور تماشائی کی طرح ایک طرف کھڑے ہو کر ظلم و ستم میں خاموش حصہ دار کی طرح شمولیت کا مجرم نہ بن جائے۔

"مجھے کسی ایسی صداقت کا علم نہیں جو بے عملی کا مظاہرہ کرے۔ میں صداقت کو پُرعمل دیکھنے کا قائل ہوں۔ جب صداقت بے عمل ہو جاتی ہے اور بازوؤں کو لپیٹ کر مظالم کا تماشا دیکھتی رہتی ہے تو اس کے یہ معنی ہو جاتے ہیں کہ وہ ظلم کی اجازت دے رہی ہے۔(۴۵)

یہ نظریہ اس اصول اور اس حکم ربانی سے لیا گیا ہے جس کے تحت سرور انبیاء محمد رسول اللہؐ نے پورے جزیرۃ العرب کے اعلان جنگ کو قبول کر کے اپنی تلوار کو نیام سے نکالا تھا۔ جب مظلوم انسان اللہ کے دربار میں فریاد کریں کہ:

وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا" "اے اللہ تو ہمیں اپنی طرف سے ایک مددگار بھیج"۔(۴۶)

تو پھر اللہ کے عبادت گزار متقی اور پرہیز گار بندے اپنا اہم ترین دینی فریضہ:

"وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" "اللہ کی راہ میں قتال (جہاد) کرو"۔(۴۷)

ادا کرتے ہیں اور اس حکم پر عمل کرتے ہیں یوں وہ اللہ اور اللہ کے قانون کی بزرگی و برتری پر ایمان رکھتے ہوئے اپنی جان پیش کر کے اس کے خالق و مالک ہونے کی شہادت پیش کرتے ہیں۔

جو انسان بے چوں و چرا ظلم سہتے ہیں اور ایک ضرب کے بعد دوسری ضرب پر آمادگی کا اظہار کرتے ہوئے ظالم کی خوشی کو اپنے لیے باعث افتخار سمجھتے ہیں، وہ حقیقی معنوں میں گنہگار ہوتے ہیں۔ ظلم سہنا اور خاموشی سے ظالموں کے غیر منصفانہ رویہ یا نظام کے تحت زندگی بسر کرنا گناہ عظیم ہے، اس لیے کہ مظلوم حقیقت میں ظالم کے خوف سے جواباً ہاتھ نہیں اٹھاتا۔ اللہ کے سوا کسی اور طاقت کا خوف دل میں رکھنا اور مہر بہ لب رہنا اللہ کی الوہیت سے انکار کے مترادف ہے اور جو اللہ کی الوہیت سے منکر ہوتے ہیں ان کا حشر دونوں جہانوں میں دوزخ کی آگ میں سلگتے رہنا ہوتا ہے۔ وہ موت سے ڈرتے ہیں اور اس لیے جہاد سے منہ موڑ لیتے ہیں اور اسی لیے ضرورت جہاد کے منکر ہوتے ہیں، ظالم ہوتے ہیں۔ ظالم کے ہاتھوں موت کا خوف انہیں دائرہ عبدیت سے خارج کر دیتا ہے۔ انہیں نہ اللہ پر ایمان ہوتا ہے اور نہ ہی اپنے آپ اور اپنی دفاعی قوتوں پر یقین ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کی نگاہ میں ظالم کی طرح مظلوم بھی گنہگار قرار دیا گیا ہے۔(۴۸)

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ رسول اکرمؐ کی جنگ جارحانہ تھی یا دفاعی۔ تو اس سوال کے مقصد کی نوعیت پر ہے۔ اگر لفظ جارحانہ سے مراد جارحانہ لیا جا رہا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضورؐ کی جنگ جارحانہ نہیں بلکہ مدافعانہ تھی۔ حضورؐ کی جنگ اللہ کے حکم کے تحت تھی اور اللہ جارحانہ کارروائی اور زیادتی کی اجازت نہیں دیتا۔(۴۹) البتہ اگر جارحانہ سے وہی معنی لیے جا رہے ہوں، جو جنگ کی نوعیت اور طرز کو واضح کرتے ہیں تو پھر اس کا جواب تفصیلی بحث کا متقاضی ہے۔ سر دست مختصراً یہ کہنا کافی ہوگا کہ حضورؐ اس طویل جنگ کے دوران تزویراتی میدان میں یعنی فوجوں کو حرکت میں لانے اور لڑائی کے لیے صف آراستہ کرنے میں جارحانہ طرز عمل کے قائل رہے، البتہ تدبیراتی میدان یعنی فی نفسہ لڑائی کے دوران آپؐ نے بیشتر طور پر دفاعی تدبیرات پر

عمل کیا اور جونہی دشمن کے حملے کا زور ختم ہوتا ہوا محسوس ہوا، تو پھر اپنی فوج کو جارحانہ کارروائی یعنی حملے کا حکم دے دیا اور حملہ اس وقت تک جاری رکھا، جب تک دشمن کو میدان جنگ سے باہر نہ نکال دیا۔ اس جارحانہ تزویرات اور مدافعانہ تدبیرات کی نہایت معقول وجہ تھی۔ حضورؐ کی فوج تعداد اور وسائل میں دشمن سے کمتر تھی۔ حضورؐ کے حلیف کمتر ہی نہیں بلکہ مملکت مدینہ کے قیام کے وقت ایک قبیلہ بھی موجود نہ تھا، جس کا تعاون مملکت مدینہ کو حاصل تھا، ایسے میں سیاسیات اور نفسیات کے میدان میں اگر حضور اکرمؐ جارحانہ طرز عمل نہ رکھتے، تو مملکت مدینہ کو حلیف کہاں سے میسر آتے، اس کے وجود اور اس کی طاقت کا احساس دوسرے قبائل کو کس طرح ہوتا اور اس کی افواج کو اعلیٰ تربیت اور اس کے ہر مقام پر بوقت ضرورت پہنچنے کی صلاحیت کس طرح زبان زد خاص و عام ہوتی۔ یہ نفسیاتی فتح صرف اس وجہ سے ہوئی کہ جہاں کہیں دشمن کی حرکت کی اطلاع ملتی، حضور اقدسؐ چھوٹے چھوٹے لشکر ملک کے مختلف حصوں میں روانہ کرتے۔ ان سفروں کے ذریعہ ایک طرف تو فوج کی تربیت ہوتی رہتی تھی، دوسری طرف ماتحت افسروں اور جوانوں کو جغرافیائی معلومات حاصل ہوتیں اور موسمیاتی اثرات کے مقابلہ کی صلاحیت پیدا ہوتی رہتی تھی۔ مزید براں کمانداروں میں خود اعتمادی پیدا ہونے کے علاوہ مملکت مدینہ کی واقعی اور قانونی حدود کا تعین ہوتا رہتا تھا ان مہموں کے ذریعہ مملکت کی حدود میں اضافہ بھی ہوتا رہا اور مختلف قبائل اس کے ساتھ دفاعی اور غیر جانب داری کے معاہدوں کے ذریعہ منسلک ہوتے رہے، اگر حضورؐ اس طور پر جارحانہ تزویرات پر عمل پیرا نہ رہتے، تو پہل کرنے اور حالات کو قابو میں رکھنے کی استعداد آخر وقت تک دشمن کے ہاتھ میں رہتی۔ جہاں تک عین لڑائی کا تعلق تھا، آپ آغاز مدافعانہ کارروائی سے کرتے، مگر آپ "مکمل دفاع" کے ہرگز قائل نہ تھے۔ جونہی حملہ آور کے ابتدائی حملے کی شدت ختم ہوتی ہوئی محسوس ہوتی، آپ اپنی فوج کو جوابی حملے کا حکم دے دیتے۔ عالم انسانی کے کامیاب ترین سپہ سالاروں کی طرح آپ کو لڑائی کے پیچ و خم پر عبور تھا، بلکہ دنیا کے بہت کم سپہ سالار ایسے ہیں، جنہوں نے لڑائی کے دوران لڑائی کے زیر و بم پر اس قدر مکمل قابو رکھا ہو کہ جس طرح اور جس طرف چاہا اس کا رخ موڑ دیا اور شاذ و نادر ہی ایسے سپہ سالار ہوں گے جنہوں نے:

"اپنے سپاہیوں کی طاقت کو اس طرح ایک ہی نکتہ پر مرکوز رکھا ہو"۔ (۵۰)

جس طرح کہ حضورؐ کر سکتے تھے۔ جوں جوں لڑائی کی حالت بدلتی رہتی تھی، حضورؐ کا منصوبہ اسی مناسبت سے ظاہر ہوتا رہتا تھا، ایسے محسوس ہوتا ہے کہ حضورؐ اپنا مکمل منصوبہ پہلے سے تیار نہ کرتے تھے۔ یا کم از کم وہ اس وقت تک ظاہر نہ ہوتا تھا، جب تک اس کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔ شاید اسی وجہ سے دشمن آپؐ کے ارادوں کو کبھی بھی نہ بھانپ سکا۔ جونہی بدلتے ہوئے حالات کے تحت آپؐ کے منصوبہ میں تبدیلی آتی تو ناگہانیت کے اثرات واضح ہو جاتے اور اس کے کمانداروں کے حواس باختہ ہو جاتے۔ فتح کا آغاز دشمن کے کمانداروں کی ذہنی حالت کو پریشان کرنے سے ہوا کرتا ہے۔

حضورؐ کے غزوات سے یہ بات صاف طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ جنگ نہ تو صرف انسانوں کے ذریعہ لڑی جاتی ہے اور نہ ہی صرف وسائل کی برتری کے بل بوتے پر لڑی جا سکتی ہے، بلکہ جنگ انسانوں کے دست و بازو، قوت ارادی، ہتھیاروں اور وسائل کے صحیح امتزاج کے ذریعہ لڑی جا سکتی ہے۔ یہ امتزاج کماندار اعظم کے صحیح اقدام پر منحصر ہوا کرتا ہے۔ حضورؐ نے یہ مثال قائم کی

ہے کہ ملت کی تمام تر روحانی اور مادی قوتوں کو یکجا کر کے انہیں جنگ کو کامیاب طور پر لڑنے کے لیے استوار کیا جائے۔ دنیا نے حضورؐ کے نقش قدم پر چلنے میں صدیاں لگا دیں، مگر چونکہ ایمان وایقان اور تقویٰ کا عنصر شامل نہ تھا، اس لیے کلی جنگ پر بیسویں صدی کے وسائل کے ذریعہ عمل کرنے کے باوجود ان میں طرح طرح کی خامیاں رہ گئیں۔ جہاں کلی جنگ میں قوم کی پوری مادی اور افرادی طاقت لگا دی، وہاں ایمان وایقان کی کمی اور تقویٰ الٰہی کے فقدان کی وجہ سے ظلم وتعدّد کی طرف ہاتھ بڑھ گئے۔ اس ظلم وتشدد نے دشمن کے ارادوں کو مزید تقویت دی اور یوں جیتے ہوئے میدان ہاتھوں سے نکل گئے۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران جرمنی نے جس کلی جنگ میں امتیازی حیثیت حاصل کر لی تھی، اس کی شکست کی یہی وجہ تھی۔ بیسویں صدی کے مفکرین نے جبری بھرتی اور دولت کو قومیانے کے اصول کے ذریعہ کلی جنگ کا ایک نقشہ پیش کیا ہے، مگر یہ مفکر حضور اقدسؐ کی عہد کی کلی جنگ کے صحیح خدوخال پہچاننے سے قاصر رہے ہیں۔ اس خامی کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس میں فی سبیل اللہ اور قومی مفاد مکمل طور پر شامل نہ تھے بلکہ اگر کسی زمانے میں "جنگ شاہوں کے مفاد کے لیے لڑی جاتی تھی، تو گزشتہ بیسویں صدی اور اب اکیسویں صدی میں جبری بھرتی کے ذریعے جنگ ممالک کے ایک مخصوص طبقہ کے مفاد کے لیے لڑی جا رہی ہے"۔ (۵۱) اس صدی کی جنگوں کی اساس عدل وانصاف پر نہیں رکھی گئی۔ جو لوگ اس دور میں طاقت ور ممالک کے امور کے بست وکشود پر مسلط رہے ہیں، وہ اندرونی معاملات میں بھی عدل وانصاف پر کاربند نہیں رہ سکے، اس لیے جنگ کے دوران ان کے لیے ممکن نہیں کہ وہ اپنے سپہ سالاروں کو مجبور کریں کہ جنگ صحیح طور پر لڑی جائے۔

"ہیگ نہایت کم درجہ کا سپہ سالار تھا۔۔۔۔۔ وزیر اعظم کو اس بات کا پورا علم تھا۔۔۔۔۔ اس سے کمان نہیں لی گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سیاسی قوت جن برطانوی طبقات کے ہاتھ میں تھی، وہ وہی طبقہ تھا جس سے ہیگ کا تعلق تھا۔ (۵۲)

یعنی حکومت کی نیم مطلق العنانی اسی طبقہ کے رحم وکرم پر تھی، جس کی نمائندگی ہیگ کر رہا تھا، جبکہ جس جنگ کا نمونہ رحمۃ للعالمینؐ نے پیش کیا، اس جنگ کی تہہ میں کسی طبقہ کے مفاد پوشیدہ نہ تھے۔ یہ جنگ کلیتاً صداقت کے تحفظ اور آزادیٔ انسان اور انسانی معاشرے میں قیام عدل وانصاف کے لیے لڑی گئی تھی۔ عدل وانصاف، امیر وغریب، حاکم ومحکوم، سیاہ وسفید اور بالادست و زیردست میں امتیاز نہیں برتتا۔ یہی وجہ تھی کہ حضور اقدسؐ کو جبری بھرتی کے قوانین نافذ کرنے کی بجائے دعوت کے ذریعہ افرادی اور مالی وسائل حسب ضرورت مہیا ہو جایا کرتے تھے اور آپؐ اپنی جنگ کو عہد حاضر کی کلی جنگ کی خرابیوں سے مبرا رکھنے میں کامیاب رہے، اگر اسی کلی جنگ کو مطلق جنگ کا نام دیا گیا ہے تو یقیناً یہ مطلق اور کلی جنگ کا اوّلین اور بہترین نمونہ تھا۔

جہاں تک "عظیم تر ذویات کا تعلق ہے (۵۳) اسلام کے پہلے سپہ سالار اعظمؐ نے انسانی زندگی کے ہر شعبے کو جنگ کے لیے بروئے کار لانے کا اصول دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اس طرح اقدام عمل بیشتر وقت آپؐ کے ہاتھ میں رہا۔ دنیا نے کہیں بیسویں صدی میں پہنچ کر اس اصول کو سمجھا کہ "فوجوں کی نقل وحرکت، ہتھیاروں کی ایجاد، صنعت اور استعمال، بڑی طاقتوں کے ساتھ عہد وپیمان اور امور خارجہ، عسکری اختیارات کے نظام کا وجود میں لانا اور اسے چلانا، جغرافیہ کی تفاصیل کا فراہم کرنا اور ان سے استفادہ کرنا" یعنی ان تمام امور کو کلی طور پر ذہن کے سامنے رکھنا اور "استعمال کرنا کلی جنگ کا خاصہ ہے"۔ (۵۴) اس کے بغیر

جنگ میں کامیابی مشکل ہو جاتی ہے۔ اس طرح کی کلی جنگ اور اس کے لیے تزویرات عظیم کی مثال حضور اقدسؐ نے ساتویں صدی میں پیش کی تھی۔

ایک اور پہلو جس کی طرف نگاہ رکھنا ضروری محسوس ہوتا ہے، وہ فوجوں کے اندر بلکہ قوم وملت کے اندر انضباط کا پہلو ہے۔ فوج ملت کا حصّہ ہوا کرتی ہے، وہ خلاء میں زندگی بسر نہیں کر سکتی، اگر ملی کردار اور اس پر مبنی ملی انضباط مفقود ہو گا تو قوموں کے اندر انضباط پیدا کرنا یا قائم کرنا ناممکن ہو جائے گا۔ حضورؐ نے چونکہ ملی زندگی کو ملی کردار پر مبنی ملی انضباط کے ذریعہ مستحکم کیا تھا، اس لیے اس ملت نے جو فوج مہیا کی وہ بلند کردار اور بلند تر انضباط سے مزین ہونے کی وجہ سے استقامت کا بہترین نمونہ پیش کر سکتی تھی۔ حضور اقدسؐ کے نکتہ چیں بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ

"مسلمان سپاہی اپنی صفوں میں اس ثابت قدمی سے لڑے جیسے کوئی مضبوط دیوار ہو۔ ایک فرد بھی اپنے مقام سے نہیں ہٹتا تھا۔ اس کے برعکس کلبی صفوں کے انضباط کے متعلق ہمیں کوئی اطلاع موصول نہیں ہوئی"۔ (۵۵)

یہی انضباط تھا جو مسلمان سپاہیوں کی پامردی اور ثابت قدمی کی تہہ میں کارفرما رہتا تھا اور اس انضباط کی اساس ایمان باللہ پر تھی۔

حضورؐ کی جنگ کے میدان پورے جزیرۃ العرب کے صحراؤں میں پھیلے ہوئے تھے۔ ایک مقام سے دوسرے مقام تک ناسازگار موسم میں سفر بھی دشواریوں سے پُر رہا کرتا تھا۔ یوں بھی صحرائی جنگ کے مطالبات دوسرے جغرافیائی مقامات کی نسبت بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ صحرا چاہتا ہے کہ جو شے اسے اپنے پاؤں تلے روندے وہ اسے اپنے تودوں کی نرم اور حسین لہروں کی لپیٹ میں لے کر چین کی نیند سو جائے۔ وسیع و عریض، ہر طرف خاموشی پھیلی ہوئی لامتناہی ویرانی اپنے سینوں کو چھلنی کرنے والوں کو نگل جانا چاہتی ہے۔ صرف وہی اس کے سینے پر سوار ہو کر زندہ رہ سکتے ہیں جو اپنی قوت ارادی کے بل بوتے پر سوار ہو کر زندہ رہ سکتے ہیں، جو اپنی قوت ارادی کے بل بوتے پر اپنے آپ میں اس کے بازوؤں کی لپیٹ سے محفوظ رہنے کی استطاعت پیدا کر سکیں۔ اس سے پوری طرح واقفیت حاصل کرنے کے لیے سالہا سال تک اس کے سرد و گرم اور اس کی سختی و نرمی سے ہم آہنگی پیدا کرنے کی صلاحیت وجود میں لانا پڑتی ہے۔ وہی اس تجربے میں کامیاب اترتے ہیں جن کے ذہنی اور جسمانی قواء غیر معمولی طور پر مضبوط ہوں۔ عصر حاضر کے بہت کم سپہ سالاروں نے اس کو اپنے قدموں تلے روندنے کی ہمت کی ہے۔ ان کے مفکر اعتراف کرتے ہیں کہ:

"صحرائی جنگ، خندقی جنگ کی نسبت مشکل ہے۔ خندقی جنگ کے عوامل معلوم ہوتے ہیں اور ان کا سدّباب کیا جا سکتا ہے"۔ (۵۶)

صحرائی جنگ کا ہر مرحلہ ناگہانیت کی صورت پیدا کرتا رہتا ہے اور تو اور سکندر اعظم اس سے پہلو بچا کر مشرق کی جانب نکل گیا اور نپولین تو اس کی سخت اور کرخت سرزمین کے چہرے کی شکنوں کو دیکھ کر واپس یورپ پلٹ گیا تھا۔ مسلمان فوجوں نے اسے اپنے استعمال کے لیے مکمل طور پر اپنے قبضہ میں کر لیا تھا۔ شاید اس لیے کہ وہ اس کی شاموں کے بڑھتے ہوئے سایوں کی مہیب

تنہائیوں میں پرورش پا کر جواں ہوئے تھے۔ بیسویں صدی کے ایک مصنف کے یہ الفاظ درست نظر آتے ہیں کہ:

"ہم نے صحرا کی زندگی میں بادیہ نشینوں اور انسان کی ابتدائی زندگی کا عکس دیکھا اور بادیہ نشینوں اور قدیم انسان کی طرح (ہماری) فوج نے اس میں رہنا اور جنگ کرنا شروع کر دیا...... وہ لوگ (اطالوی) صحرا کو اپنے قابو میں لانا چاہتے تھے اور اس پر فتح حاصل کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اپنی زندگیاں آسائش میں گزارنا شروع کیں اور یوں صحرا کا منہ چڑایا، مگر بالآخر صحرا نے انہیں شکست فاش دے دی۔ (۵۷)

اسلام کے پہلے سپہ سالار اعظمؐ نے جو تربیتی لائحہ عمل اپنی فوجوں کو صحرا دوستی اور صحرا سے ہم مزاج ہونے کے لیے مرتب کیا تھا، وہ شاید اس عصر کے لوگوں کو بے مصرف نظر آیا ہو اور اسی لیے انہوں نے اس پہلو کو غیر اہم قرار دے کر اس پر روشنی نہ ڈالی ہو، البتہ آج جب تاریخ کا طالب علم حضور اقدسؐ کے تربیتی پروگرام کی جانب نگاہ کرتا ہے، تو اس کے لبوں سے بے ساختہ سبحان اللہ جیسے بلیغ الفاظ تو نکل پڑتے ہیں، یہی وہ تربیت تھی جس نے ایمان باللہ، انضباط اور ذہنی بیداری کے ساتھ مل کر کتنی کے مجاہدوں کو اس عصر کی طاقت ور ترین مملکتوں کے سامنے صف آراء ہونے کی ہمت دلائی اور وہی صحرا جو بڑی مملکتوں اور قبائلی لشکروں کو یکساں طور پر ناقابل عبور نظر آیا کرتا تھا اور وہ اس سے خائف رہا کرتے تھے، اسے ان جانبازوں نے شمالاً جنوباً اور شرقاً غرباً نہ معلوم کتنی مرتبہ مسکراتے ہوئے عبور کیا اور غیر متوقع طور پر ہر قیام مقصود تک پہنچ کر اپنے دشمنوں کو تعجب اور حیرت کا شکار بنایا۔

غزوات نبویؐ کے عسکری و دفاعی پہلو اور قیام امن میں ان کا کردار:

حضور سرور کونینؐ کے غزوات کے نکتہ چیں بھی دنیا میں موجود رہے ہیں اور انہوں نے اسلام کو عسکری دین اور حضور اقدسؐ کو جنگ کے ذریعہ تبلیغ کرنے والا پیغمبر کہا ہے۔ اس نکتہ چینی کی تہہ میں وہ احساس کمتری رہا ہے، جو ان کے اپنے مسخ شدہ دین کی خامیوں کی وجہ سے پیدا ہوتا رہا ہے۔ اس طرح کی نکتہ چینیوں میں انصاف کے تقاضوں کو ہمیشہ نظر انداز کیا گیا ہے۔ حضورؐ تاریخ کے واحد رسول اللہ ہیں جن کی زندگی کے ہر پہلو پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے۔ جیسا کہ ایک عیسائی مبلغ باز ورتھ سمتھ کو یہ تسلیم کرنا پڑا ہے کہ

"ہم زرتشت اور کنفیوشیس کے متعلق سقراط کے حالات سے کم جانتے ہیں، موسیٰ اور بودھ کی زندگی کے متعلق امبرا سے اور سیزر (کی زندگی) سے کم جانتے ہیں اور حضرت عیسیٰ کی زندگی کی صرف چند جھلکیوں کے متعلق جانتے ہیں، مگر ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی) کے متعلق اتنا ہی جانتے ہیں، جتنا لوتھر اور ملٹن کے متعلق۔ یہاں نہ کوئی اپنے آپ کو دھوکا دے سکتا ہے اور نہ دوسروں کو۔ یہاں روز روشن کا اجالا ہر شے اور ہر شخص پر پڑ رہا ہے"۔ (۵۸)

محض نکتہ چینی کی غرض سے تصانیف پیش کرنے والے مستشرقین دراصل صرف اپنے آپ کو دھوکا دیتے رہے ہیں۔ دوسروں کو دھوکا وقتی طور پر دیا جا سکتا ہے۔ دائمی دھوکا تو انسان کی اپنی ذات تک محدود ہوتا ہے۔ انہوں نے حضورؐ کی جنگ کو صرف اس غرض سے بے ربط اور غیر منطقی طریق پر پیش کیا ہے تاکہ یہ الزام لگا سکیں کہ پہل حضورؐ کی طرف سے کی گئی تھی، حالانکہ یہ مقابلہ، بہت سی

جنگوں کا مجموعہ نہ تھا بلکہ ایک ہی جنگ کی مختلف مہمیں اور لڑائیاں تھیں۔ جنگ کا آغاز ایک اعلان سے ہوا تھا، جب جنگ چھڑ جاتی ہے تو پھر فریقین اپنی قوت استعمال کرنے اور قوت کے استعمال کے لیے وقت اور مقام کے تعین کے مجاز ہوتے ہیں۔ دو عالمی جنگیں ہمارے اسی دور میں واقع ہوئی ہیں اور کئی سال تک جاری رہی ہیں۔ محاذ کو اور ہر حملے یا ہر لڑائی کو اگر علیحدہ جنگ کا نام دیا جائے اور اس میں یہ ڈھونڈنے کی سعی لا حاصل کی جائے کہ کون اس محاذ کو کھولنے یا اس لڑائی کو شروع کرنے کا ذمہ دار تھا، تو استدلال کتنا بے ربط ہو جائے گا اور تاریخ کا اساسی مقصد جو صداقت کی چھان بین ہوا کرتا ہے، وہ کس قدر مجروح ہو کر رہ جائے گا۔ ان مستشرقین نے بھی مکہ و مدینہ کی جنگ کی ہر لڑائی کو علیحدہ جنگ کا نام دے کر عجیب وغریب دلائل و براہین کے ذریعہ پہل کی ذمہ داری حضور پر ڈالی ہے اور تو اور صلح حدیبیہ کے سفر کے متعلق غلط بیانی سے احتراز نہیں کیا گیا۔ مکہ و مدینہ کا یہ مقابلہ ایک ہی جنگ تھی، جس میں کئی لڑائیاں اور بہت سی مہمیں واقع ہوئیں۔

مستشرقین کی ان تصانیف کا مقصد نہایت واضح رہا ہے۔ ذات باری تعالیٰ پر ہر دین کے پیرو کسی نہ کسی شکل میں ایمان رکھتے ہیں۔ نظام زندگی کی حیثیت سے اسلام کے خدوخال اگر دوسرے ادیان کی نسبت زیادہ روشن اور واضح ہیں، تو وہ اس حیات کامل کی وجہ سے ہیں، جو حضور سرور دو عالم فخر انبیاء محمد رسول اللہؐ نے مکہ اور مدینہ میں گزاری تھی اور جس کے نقش قدم پر چل کر مسلمانوں نے مجبور و محکوم انسان کو نیم کرۂ ارض پر انسانی استبداد اور ظلم وستم سے آزادی دلائی تھی، اگر آج کا مسلمان اپنی توجہ ایک بار پھر اس حیات کامل پر مرکوز کر دے تو اس میں ایک بار پھر وہ چنگاری پیدا ہو سکتی ہے جس کی روشنی میں ہدایت پا کر وہ آزاد و سر بلند زندگی بسر کر سکتا ہے۔ اگر دنیائے اسلام یورپ کی غلامی سے آزاد ہو جائے تو یورپ کے کارخانوں کی چمنیاں ٹھنڈی پڑنے کا خطرہ ہے، اس لیے یورپ اور امریکہ کی تمام تر فاضل دولت مشنری اداروں کی معرفت مسلمان کو ذات ختم الرسلؐ کی سیرت سے دور کرنے کی فکر میں مصروف نظر آتی ہے۔ یورپی مصنفوں نے اسلام پر جو تصانیف پیش کی ہیں، ان کی اکثریت اٹھارہویں صدی کے آخری نصف سے لے کر آج کے زمانے تک سے متعلق ہے۔ یہ وہی زمانہ ہے جب یورپ کے ممالک افریقہ اور ایشیا میں عالم اسلامی کو پہلے سیاسی غلامی کی زنجیروں اور پھر اقتصادی غلامی کی زنجیروں میں جکڑ چکے تھے۔ ہر مسلمان ملک پر کسی نہ کسی یورپی ملک کا بالواسطہ یا بلاواسطہ تسلط قائم تھا۔ مستشرقین نے بھی مسلمان پڑھے لکھے طبقے کے ذریعہ حج کو دولت کا ضیاع بتایا اور کبھی جہاد کو بربریت کا مظہر دکھایا۔ بالآخر قرآن تک کو نام نہاد مسلمانوں کے ذریعہ کلام رسول اللہؐ ثابت کرنے کی کوشش کی تاکہ قرآن کے ہر احکام کو غیر دائمی قرار دے کر ان میں رد و بدل کیا جا سکے۔ (۵۹) اور قرآن حکیم کو تصنیف رسول اللہؐ کا مقام دینے کے بعد یہ استدلال پیش کیا جائے کہ جس شخص نے اپنے کلام کو اللہ کا کلام بتایا ہے، نعوذ باللہ، وہ مقام پیغمبرانہ کا حامل کس طرح ہو سکتا ہے۔ اس طرح کے استدلال اور مبنی بر دروغ منطق کی تہہ میں صرف یہ مقصد رہا ہے اور آج بھی موجود ہے کہ دنیائے اسلام اس حیات کامل کی ذات مبارک کی مرکزی حیثیت سے محروم کر دی جائے۔ جب سیرت رسول اللہؐ کی عملی مثال موجود نہ رہے گی تو قرآن کا سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ناممکن نہیں، تو مشکل ضرور ہو جائے گا اور یوں یورپ اور امریکہ کے ممالک اس دین کے ماننے والوں یعنی دنیا کی آبادی کے پانچویں حصہ کو دائمی طور پر محکوم بنائے رکھیں گے۔

یورپ کی اسلام دشمنی کی کوئی حد نہیں۔ دنیائے اسلامی حقیقی اسلام سے دور رہتے ہوئے بھی جب تک مسلمان کہلاتی رہے گی اس وقت تک یورپ، چاہے وہ سرمایہ دارانہ نظام کی تحت زندگی گزار رہا ہو، اشتراکی اور اشتمالی نظریات پر عمل کرے یا ایک بار پھر جاگیرداری یا تجارتیت کی طرف لوٹ جائے، وہ دنیائے اسلام کا دشمن ہی رہے گا۔ ایک زمانہ تھا، جب مسلمان ہسپانیہ کے حاکم تھے۔ آج وہاں الحمراء کے محل الزہراء کے کھنڈرات اور مسجد قرطبہ کی لطیف و جمیل عمارت کے سوا ان کا نوحہ کناں کوئی نہیں۔ کبھی کریمیا کو خالص اسلامی ملک کہا جاتا تھا۔ آج ان کے لاشوں کے انبار بھی وہاں کی مٹی میں جذب ہو چکے ہیں۔ پھر وسط ایشیاء کی سلطنتوں کی باری آئی۔ آج وہاں کا مسلمان اپنے گھر میں اجنبی کا مقام حاصل کر چکا ہے۔ ہندوستان کے مسلمان جب یورپ میں مسلمانوں کی پسپائی کی خبریں سنتے تھے، تو بہ در گوش والی صورت اختیار کر لیا کرتے تھے، بالآخر جب ان کی باری آئی تو ان کا جو حشر ہوا، وہ دوسروں سے کچھ کم نہ تھا۔ یہ اسی خطہ کے مسلمان تھے، جنھوں نے پندرھویں صدی عیسویں کے اوائل میں اپنی ساحلی بستیوں سے، بحری بیڑے کو رسد اور پانی اس لیے نہیں لینے دیا تھا کہ انہیں خوف تھا کہ کہیں ترک ہندوستان پر قابض نہ ہو جائیں۔ نتیجہ معروف ہے۔ ترک تو بحر ہند میں بحری اڈے نہ ہونے کی وجہ سے لوٹ گئے، مگر ہندوستان کا مسلمان یورپی تاجروں کی غلامی پر مجبور ہو گیا۔ گزشتہ ادوار میں خالص دینی مخالفت اس دشمنی کی بنیاد تھی، آج وجہ پرخاش ایک اور بھی ہے، اس لیے یورپ مسلمانوں کا آئندہ بھی دشمن رہے گا، وہ اس لیے کہ جو نظام حیات مسلمان نے قبول کیا ہے، وہ ان کے سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام کے لیے موت کا مقام رکھتا ہے اور یہی وجہ تھی کہ اہل مکہ اس نظام زندگی کو پھلنے پھولنے کا موقع نہ دینا چاہتے تھے۔ اس نظام حیات کا بنیادی اصول یہ ہے کہ اگر اس کو قبول کرنے والے آزادانہ طور پر اسلام کے مطابق زندگی گزار سکیں تو وہ میدان جہاد میں اتر کر ختم ہو جانے کو ترجیح دیں گے، اگر زندہ لوٹے تو فاتح بن کر اس نظام حیات کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالیں گے۔ جہاد فی سبیل اللہ کا یہ نظریہ کسی غیر مسلم معاشرے کو قبول نہیں اور اسی لیے غیر اسلامی دنیا مسلمان سے ہمیشہ خائف رہی ہے اور آئندہ بھی رہے گی۔ یہ حقیقت ہے کہ:

"اسلام ابھی بہت بڑی طاقت ہے اور اسی لیے اس کے خلاف بلقان والوں کی مخالفت اور یہودیوں کی نفرت منظر عام پر آتی رہتی ہے اور (اسی لیے) ہندو بھی خوفزدہ رہتا ہے اور تو اور روس جیسی قوت بھی ان کی دشمنی کا دم بھرتی ہے"۔ (۶۰)

یہی اسلام دشمنی تھی جس نے منگولوں کو عیسائیت کے ساتھ سمجھوتہ کرنے پر مجبور کیا تھا۔ انہوں نے ایک خط میں فرانس کے بادشاہ کو لکھا تھا۔

"ہمیں یہ اعلان کرنے کی اجازت ہے کہ تمام عیسائیوں کو مسلمانوں کی غلامی اور ان کے ٹیکسوں سے نجات دلائی جائے"۔ (۶۱)

منگولوں نے پوپ کے پاس ایک سفارت بھی روانہ کی اور مسلمانوں کے خلاف مدد کا اقرار کیا، مگر پوپ کو ایسے طاقت ور حلیف کی مدد کا قائل نہ کیا جا سکا۔ اگر اسلامی دنیا یہ چاہتی ہے کہ وہ اسلام سے وابستہ رہے تو پھر اسے اسلام کے اجتماعی نظام اور بالخصوص فلسفۂ جہاد کو سمجھ کر اس پر مکمل طور پر عمل کرنا ہوگا اور یہ صرف اس صورت ممکن ہو سکتا ہے جب رسول اکرمؐ کے غزوات کو بغور سمجھا جائے۔ ابتدائی ادوار میں سب سے اہم پہلو دفاع ملت اور ملت کے زیر تصرف جغرافیائی مقامات کا دفاع ہے، حضورؐ کی

مدنی زندگی دفاع ملت کو مرکزی نکتہ بنا کر غزوات اور غزوات سے متعلق امور کو سلجھانے کی زندگی ہے۔ دنیائے اسلام کی حیات کا آغاز ہو چکا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ اسلامی ممالک حضورؐ کے دفاعی اقدامات کو پیش نظر رکھ کر اپنی اجتماعی زندگی کو تشکیل دیں۔ حضورؐ کی زندگی کی مثال سے بہتر ذریعہ ہدایت ناممکن ہے۔ آج دنیائے اسلام منتشر ہے اور اسے جن مسائل کا حل درکار ہے، وہ امور حیات کامل کی روشنی میں ہی حل ہو سکتے ہیں۔

"اگر منتشر اجزا کو یکجا کرنے میں عظمت مضمر ہے یا اگر فاتح کو مرد عظیم کہا جا سکتا ہے تو پھر تاریخ حضورؐ کی مثال پیش نہیں کر سکی"۔ (۶۲)

اور اسی لیے مسلمان ملت کا مستقبل اس عظیم ترین انسان کی زندگی کے اتباع پر منحصر ہے۔

جن وسائل کے ساتھ رسول اکرمؐ نے غزوات کا آغاز کیا یا اگر اس تناسب کو ذہن میں رکھا جائے جو حضورؐ کی افواج کے مابین موجود تھا تو ظاہر ہوگا کہ آج کی اسلامی دنیا کے پاس نسبتاً زیادہ مادی وسائل موجود ہیں۔ یہ درست ہے کہ:

"جنگ میں کامیابی صرف اخلاقی برتری کے ذریعہ حاصل نہیں ہوئی۔ فتح حاصل کرنے میں مادی وسائل، فوجوں کا انضباط، افسروں کی تدبیراتی قابلیت بھی کارفرما ہوتی ہے"۔ (۶۳)

مگر یہ سب کچھ اس کوشش و کاوش سے حاصل ہو سکتا ہے جس کے دوران اس عظیم سنت نبوی کو نگاہ کے سامنے رکھا جائے اور حضورؐ کی جنگ ان باتوں کے اہتمام و انصرام کی جانب خصوصیت کے ساتھ رہبری کرتی ہے۔ حضورؐ نے ایک "امّی" امت کو جنگ کے تمام امور سمجھائے اور سکھائے حالانکہ کہا جاتا ہے کہ:

"قوموں کو نرم مٹی کی طرح نہیں ڈھالا جا سکتا"۔ (۶۴)

مگر تاریخ ثابت کرتی ہے کہ آپؐ نے اپنی ملت کو نرم مٹی کی طرح ہاتھوں سے ڈھالا اور انہیں وہ پختگی عطا فرمائی کہ جو ان سے ٹکرایا وہ ان کی قوت کی تاب نہ لا سکا اور چکنا چور ہو گیا۔ حضورؐ نے ملت کی تمام قوت اور تمام وسائل کو اس خوبی سے یکجا اور انہیں جہاد میں شامل کیا کہ حضورؐ کی مثال کو نگاہ میں رکھتے ہوئے عصر حاضر کے عسکری مفکر یہ مشورہ دیتے ہیں کہ جنگی تیاری میں" فوجوں کی بھرتی، ان کی تربیت، ان کو ہتھیار فراہم کرنا، ان کو سامان رسد پہنچانا اور ان کو سدھانا شامل ہے۔" (۶۵)

اور ان کاموں کے لیے وقت درکار ہوتا ہے، یہ سب زمانہ امن میں ہی کیے جانے والے کام ہیں، زمانہ جنگ تو افراتفری اور بھاگ دوڑ میں صرف ہو جاتا ہے، لہٰذا ان تمام تیاریوں کے ضمن میں زمانہ امن کی کیفیت و حالات پیدا کرنے کی روشن ترین مثال ہمیں سیرت مطہرہؐ میں صلح حدیبیہ (فتح مبین) کی صورت میں دکھائی دیتی ہے، جس طرح آپؐ نے دشمن سے صلح کر کے وقت حاصل کیا اور اس وقت کا درست استعمال کرتے ہوئے اس طاقت و قوت کو مزید مجتمع اور مضبوط و مستحکم کیا۔ انسان کی پوری سیاسی و عسکری تاریخ میں اس جیسی ایک مثال بھی نہیں ملتی، چنانچہ ضروری ہے کہ دنیائے اسلام صلح حدیبیہ کی روشنی میں سیرت نبی آخر الزماں کی مدنی زندگی کے اہم ترین پہلو یعنی جہاد فی سبیل اللہ کو سمجھیں اور اس کی روشنی میں اپنی عملی زندگی کو استوار کرے۔

فتوحاتِ نبویؐ میں صلح حدیبیہ کی اہمیت:

مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کی نظریاتی طاقت قرآن حکیم اور احادیثِ نبویؐ کے عظیم سرچشموں سے ابھری تھی اور اخلاقی قوت اسلامی نظام کی حکمتِ بالغہ سے۔(۶۶) اس کے قیام و استحکام میں مادی طاقت کی ضرورت تھی۔(۶۷) جسے فوجی قوت کی شکل میں رسول اکرمؐ کی حکیمانہ پالیسی نے وجود بخشا۔ اس لیے اسلامی ریاست اور نبویؐ حکومت دونوں کے قیام، ارتقاء اور تکمیل میں کلیدی کردار آپؐ کی عسکری تنظیم اور فوجی محکمے نے ادا کیا تھا۔(۶۸) ایک اعتبار سے اسلامی ریاست کا وہ سب سے فعال اور موثر شعبہ تھا اور اسلام کے سیاسی اداروں اور حکومتی محکموں میں اس کو اوّلیت کا شرف بھی بڑی حد تک حاصل تھا، کیونکہ ہجرتِ نبویؐ کے بعد مؤاخات اور دستورِ مدینہ کے نفاذ کے ساتھ ساتھ اوّلین مہمیں بھی ترتیب دی گئی تھیں۔(۶۹) جن کے ساتھ نبویؐ فوجی تنظیم کا آغاز ہوا۔ نبوی عسکری نظام میں جن افسروں اور کارکنوں کو مقرر کیا گیا تھا، ان میں سرایا کے امیر، جیشِ نبویؐ کے سالار، جرس کے افسر و کارکن، معسکر یا خیمہ گاہ کے سالار، عرض و معاینہ کے نگران و مہتمم، خیل یا شہسوار فوج کے کماندار، صوبائی فوج کے سپہ سالار، اسلامی افواج کے علم بردار، طلیعہ یا گشتی دستوں کے افسر و سپاہی، جاسوس و نگران، راہبر و دلیل، اموالِ غنیمت کے افسر، اسلحہ و ہتھیار کے نگران اور محافظ جسم دستوں کے سالار شامل تھے۔(۷۰) جبکہ ذاتِ نبویؐ اسلامی افواج کی سالارِ اعلیٰ تھی اور اسی کو دوسرے افسرانِ حکومت کی مانند سالارانِ لشکر کے عزل و نصب، تقرری و تبدیلی اور برخاستگی کا اختیار حاصل تھا۔

اصحابِ سیر و مغازی میں عہدِ نبویؐ کے سرایا(۷۱) صحابہ کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک ان کی تعداد صرف ۳۵ ہے اور ۷۳ تک پہنچا دیتے ہیں، کچھ ۴۸، کچھ ۵۰ اور ۶۶ بتاتے ہیں، جبکہ آپؐ کے غزوات کی مجموعی تعداد مورخین کے نزدیک ۲۷ ہے۔ بعض مورخین اور سیرت نگار غزوہ خیبر اور غزوہ وادی القریٰ کو الگ الگ غزوات مان کر پوری تعداد ۲۸ بتاتے ہیں، لیکن صحیح تعداد ۲۷ ہی ہے۔(۷۲) ان ۲۷ غزوات میں سے صرف نو (۷۳) غزوات میں جدال و قتال کی نوبت آئی اور باقی غزوات پُرامن طور پر صلح یا معاہدات پر ختم ہوئے، بعض میں دشمن مقابلہ سے پہلے ہی فرار ہو گیا اور قتال کی نوبت نہیں آئی۔(۷۴)

مندرجہ ذیل سطور میں غزواتِ نبوی کا ایک مختصر جائزہ اور فتوحاتِ نبویؐ میں غزوہ صلح حدیبیہ کی اہمیت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے:

غزوۃ الابواء یا غزوۂ ودّان

(صفر ۲ھ بمطابق اگست ۶۲۳ء)

صفر ۲ھ میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس بحکمِ الٰہی جہاد کی غرض سے مدینہ سے نکلے۔ مدینہ میں سعدؓ بن عبادہ انصاری کو نائب مقرر کیا گیا۔(۷۵) آپ کی معیت میں صرف ساٹھ مہاجرین کی ایک جماعت تھی۔ اس مہم جو جماعت کا علم سفید تھا۔ جسے حمزہؓ نے اٹھایا ہوا تھا۔(۷۶) ابن سعد نے اس غزوہ کا مقصد قافلۂ قریش کا روکنا بتایا ہے۔ ابن ہشام کا کہنا ہے کہ قریش اور ابن ضمرہ سے جنگ کا ارادہ تھا، لیکن قرین قیاس امر یہ ہے کہ بنی ضمرہ چونکہ قریش کے ہم نسب تھے، اس لیے ممکن ہے کہ قریش مکہ

سے ان کی ساز باز ہو رہی ہو، اس بات کے امکانات اس لیے اور بھی روشن ہو جاتے ہیں کہ اس قبیلہ کی آبادی اس شاہراہ پر واقع تھی، جس سے قریش کے شام کی طرف جانے والے تجارتی راستے گزرتے تھے، لہٰذا آتے جاتے قریش کو ان لوگوں سے ملنے اور مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے کا موقع ملتا ہوگا۔ رسول اللہؐ نے اس خطرہ کو محسوس کیا کہ دشمن کا ایک حلیف کے اتنے قریب ہے، لہٰذا آپؐ نے ضرورت محسوس کی کہ ان سے صلح کر کے اس خطرہ کا سدِ باب کر دیا جائے۔ اس مقصد کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے آپؐ نے خود تشریف لے جانا مناسب خیال فرمایا۔ ظاہر ہے کہ جہاں اس مہم کا مقصد قریش کی قوت کو کم کرنا تھا، وہاں ان کو خائف کرنا بھی مقصود تھا، تا کہ وہ اپنی ریشہ دوانیوں کو زیادہ شدت سے جاری نہ رکھ سکیں۔ بہر حال آپؐ مدینہ سے روانہ ہو کر ابواء پہنچے جہاں آپ کی والدہ ماجدہ کا مزار ہے، پھر آپؐ مقام ودان تشریف لے گئے۔ ان جگہوں کے درمیان صرف ۶ میل کا فاصلہ ہے اور مدینہ سے یہ مقامات تقریباً ۸۰ میل دور ہیں چونکہ اس مہم میں دونوں مقامات شامل تھے، اس لیے اس غزوہ کو ودان اور ابواء دونوں سے نسبت دی جاتی ہے۔ (۷۷)

بنو ضمرہ کے سردار مخشی بن عمرو ضمری نے بغیر کسی جدال وقتال کے آپؐ سے صلح کر لی اور ایک تحریری معاہدہ طے پا گیا۔ غزوہ ابواء کو اوّل المغزوات قرار دیا جاتا ہے۔ (۷۸)

۲۔ غزوۂ بواط

(ربیع الاول سن ۲ھ بمطابق ستمبر ۶۲۳ء) (۷۹)

ربیع الاول میں آپ تقریباً دو سو (۸۰) مہاجرین کے ہمراہ اس تجارتی قافلہ پر مسلمانوں کی قوت کا رعب قائم کرنے کے لیے تشریف لے گئے۔ جو امیہ بن خلف الجمحی کی سرکردگی میں جا رہا تھا۔ یہ ایک سو شمشیر بکف جوانوں اور اڑھائی ہزار اونٹوں کے گلہ پر مشتمل تھا۔ (۸۱) اس مرتبہ میں سائب بن عثمان بن مظعون عامل مقرر فرمایا۔ (۸۲) اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو رایتِ لشکر سپرد کیا۔ (۸۳) بواط جہاں آپ تشریف لے گئے، مدینہ منورہ سے تقریباً ۴۸ میل کے فاصلہ پر علاقہ جہینہ کا ایک پہاڑی مقام ہے اور ملک شام کے تجارتی راستہ سے متصل واقع ہے۔ (۸۴) اس مرتبہ بھی لڑائی جھگڑے کی نوبت نہیں آئی، لہٰذا آپ تشریف لے آئے۔

۳۔ غزوۂ سفوان یا غزوہ بدر الاولیٰ

(ربیع الاول سن ۲ بمطابق ستمبر ۶۲۳ء)

یہ غزوہ مورخین کے نزدیک بالاتفاق ماہ ربیع الاول میں پیش آیا۔ صرف ابن ہشام نے ابن اسحاق کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ غزوہ ذی العشیرہ کے بعد جمادی الآخر میں ہوا۔ (۸۵) ربیع الاول کی روایت متواتر اور قوی ہے۔

ربیع الاول ۲ھ میں کرز بن جابر الفہری نے مدینہ کی چراگاہوں پر شب خون مارا اور کچھ جانور لوٹ لیے۔ جب آنحضرت صلعم کو اطلاع ہوئی تو آپؐ نے زیدؓ بن حارثہ کو مدینہ پر عامل مقرر فرمایا۔ (۸۶) اور خود کرز کے تعاقب میں تشریف لے گئے،

یہاں تک کہ آپؐ بدر کے اطراف میں سفوان نامی جگہ پر جا پہنچے۔ کرز بن جابر صاف بچ کر نکل گیا اور اس کے نہ ملنے پر آپؐ واپس مدینہ تشریف لے آئے۔ اس غزوہ میں علیؓ آپؐ کے علمبردار تھے۔ (۸۷) آپؐ اس مہم پر ستر افراد کی معیت میں تشریف لے گئے تھے۔ (۸۸) چونکہ آپ کرز بن جابر کی تلاش میں نکلے تھے، اس لیے بعض سیرت نگار اور مورخ اس کو غزوہ طلب کرز بن جابر بھی کہتے ہیں۔ (۸۹)

۴۔ غزوہ ذی العشیرہ

(جمادی الآخر سن ۲ھ بمطابق نومبر ۶۲۳ء)

جمادی الاول ۲ھ کے آخری ایام میں آپ کو معلوم ہوا کہ قریش کا ایک تجارتی قافلہ ابوسفیان کی سرکردگی میں مکہ سے شام کی طرف جا رہا ہے۔ آپؐ نے مدینہ پر ابوسلمہ بن عبدالاسد المخزومی کو عامل مقرر فرمایا۔ (۹۰) اور خود ڈیڑھ سو مہاجرین کی معیت میں قریش کے قافلے کو روکنے کے لیے بڑھے۔ (۹۱) آپ کی اس جماعت کا علم سفید تھا اور علمبردار امیر حمزہؓ تھے۔ (۹۲) مدینہ سے نکلتے ہی آپؐ عام راستہ چھوڑ کر روانہ ہوئے (۹۳) اور مختلف مقامات سے گزرتے ہوئے جن کا ذکر ابن ہشام نے صراحت سے کیا ہے، آپؐ دوبارہ صخرات ایمام یا صخرات اثمام کے پاس عام راستے سے مل گئے، پھر آپؐ نے وادی ینبوع میں عشیرہ نامی مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ (۹۴) یہیں پہنچ کر آپ کو معلوم ہوا کہ قریش کا قافلہ راستہ بدل کر نکل گیا ہے۔ (۹۵) یہاں آپؐ نے جمادی الاول و جمادی الآخر کے چند روز بسر کیے اور بنو مدلج سے معاہدہ کیا۔ ایک روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ اسی غزوہ کے دوران کسی دن حضرت علیؓ کے جسم پر بہت سی مٹی لگی دیکھ کر ان کی کنیت ابوتراب مقرر کی تھی۔ (۹۶)

غرض بنو مدلج سے صلح کر کے حضورؐ جمادی الآخری میں مدینہ لوٹ آئے۔

۵۔ غزوۂ بدر عظمیٰ:

(رمضان سنہ ۲ھ بمطابق مارچ ۶۲۴ء)

غزوۂ بدر کے اسباب و محرکات:

غزوہ بدر الکبریٰ کے اسباب مذہبی، سیاسی اور معاشی تھے:

اسلام کی روز افزوں ترقی سے قریش کے بت پرستانہ نظام کا سنگھاسن ڈول رہا تھا اور قریش کو خطرے کی گھنٹی کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ قریش خود کو راہ راست پر خیال کرتے تھے۔ طاقت کے گھمنڈ میں وہ مسلموں کو طرح طرح کی اذیتوں میں مبتلا کرتے۔ اسی مقصد کے تحت وہ مدینہ اور حبشہ کے مقتدر لوگوں اور حکمرانوں کو یہ ترغیب دے رہے تھے کہ وہ ان "برگشتگان دین" کو اپنے ہاں پناہ نہ دیں۔

اب مسلمانوں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا، انہوں نے قریش کو معاشی طور پر نقصان پہنچانے کا عزم کیا اور ان کے تجارتی قافلوں

کو روکنے کا پروگرام بنایا۔ قریش کو مسلمانوں کے اس اقدام سے زبردست فکر لاحق ہو گئی، اگر وہ کوئی اور راستہ اختیار کرتے تو مسافت میں طوالت کا خطرہ تھا۔ مزید براں ان راستوں میں رسد اور غذائی قلت کا امکان ان کے لیے مزید مشکلات پیدا کر سکتا تھا۔

سریہ نخلہ میں جو لوگ گرفتار اور واصل جہنم ہوئے، وہ ابنائے امیہ تھے۔ عمرو بن الحضرمی، عبداللہ حضرمی کا بیٹا تھا، جو حرب بن امیہ (امیر معاویہؓ کے دادا) کا حلیف تھا۔ حرب قریش کا رئیس اعظم تھا اور عبدالمطلب کے بعد اُسے ریاستِ عام حاصل ہوئی تھی۔ گرفتار شدگان میں عثمان و نوفل، مغیرہ کے پوتے تھے۔ مغیرہ، ولید کا باپ اور خالدؓ کا دادا تھا۔ حرب کے بعد دوسرے درجے کا رئیس تسلیم کیا جاتا تھا، اہل مکہ نے اس واقعہ کو اپنی توہین خیال کیا اور اس طرح انتقام خون کی بنیاد قائم ہو گئی۔

انہی دنوں رسالت مآب صلعم نے سنا کہ قریش کا ایک قافلہ ابوسفیان کی سرکردگی میں شام سے واپس آ رہا ہے، اس قافلے میں چالیس افراد تھے۔ (۹۷) اس قافلے میں مخرمہ بن نوفل اور عمرو بن العاص قابل ذکر ہیں۔ آپؐ نے هذه عير قريش فيها اموالهم فاخرجوا اليها لعل الله ينفلكموها.

"یہ قریش کا قافلہ ہے اس میں ان کے (مختلف قسم کے) مال ہیں۔ پس ان کی طرف نکلو، شاید اللہ تمہیں اس میں سے کچھ غنیمت دلا دے"۔

اُدھر آپؐ نے طلحہؓ بن عبیداللہ اور سعدؓ بن زید کو قافلہ کی خبر رسانی کے لیے مقرر فرمایا۔ یہ دونوں حضرات مقام حوار میں آ کر کشد الجہنی کے ہاں پہنچ کر گھات لگا کر بیٹھ گئے۔ جب قافلہ اُن کے پاس سے گزرا تو انہوں نے جلدی سے مدینہ پہنچ کر آپ کو اطلاع دی، لیکن اس سے پیشتر آپ کو اطلاع مل چکی تھی۔ دوسری طرف ابوسفیان بھی بے خبر نہ تھا، اس نے فوراً ہی احتیاطی تدابیر اختیار کیں اور ضمضم بن عمرو الغفاری کو اجرت پر مکہ بھیجا۔ اس نے مکہ کے مضافات میں پہنچ کر اپنی ناقہ کے ناک اور کان کاٹ دیے، اس کا پالان الٹا کر کے کوہان پر رکھ دیا اور اپنی قمیص کا گریبان اور عقب سے دامن چاک کر کے آواز بلند چلانا شروع کر دیا:

"اے قریش تمہارا قافلہ خطرہ میں ہے۔ محمدؐ اپنے رفقاء سمیت ابوسفیان پر حملہ کرنے کو ہے۔ امید نہیں کہ تم اپنا مال بچا سکو۔ کون دلاور ہے جو ابوسفیان کو بچانے کے لیے نکلے"۔

ابوجہل نے ضمضم کے واویلا کرنے پر اہل قریش کی "غیرت" کو للکارا۔ اس پر پورے مکہ کے باسیوں میں ایک آگ لگ گئی۔ البتہ کچھ لوگ جو مسلمانوں کے مبینہ اقدام کو جائز سمجھتے تھے کیونکہ قریش نے ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے تھے، اسی لیے وہ پہلے حبشہ اور پھر مدینہ ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے، لیکن ایسے لوگوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی۔ اکثریت قافلے کے سامان میں اپنے حصے کے بارے میں متفکر تھی۔ قریش کو اصل کھٹکا بنو کنانہ کی طرف سے بھی تھا کہ وہ دشمنی کی بنا پر قریش پر اُس وقت دھاوا نہ بول دیں، جب وہ مسلمانوں کے بالمقابل صف آراء ہوں۔ یہ خبر بنو کنانہ کے ایک سردار مالک بن جعشم المدلجی تک پہنچی تو اس نے بنو کنانہ کی طرف سے قریش کو مطمئن کر دیا، اس طرح ابوجہل اور عامر حضرمی کی ہمت بندھی اور ابوجہل ایک ہزار سورماؤں کی قیادت کرتا ہوا اور مدینہ کی طرف چل پڑا۔

۱۲ رمضان ۲ھ کو رسول کریم صلعم نے ابن مکتوم کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا۔ (۹۸) اور ۳۱۳ افراد (۹۹) کی معیت میں

مدینہ سے نکلے۔ جب آپؐ روحا کے مقام پر پہنچے تو ابولبابہ بن عبدالمنذر کو واپس کیا اور مدینہ کا عامل مقرر فرمایا۔(۱۰۰) آپؐ نے ایک پرچم علیؓ مرتضیٰ کو عطا کیا، اس کا نام عقاب تھا۔ دوسرا پرچم انصار کے سعدؓ بن معاذ کو عطا فرمایا۔ یہ دونوں پرچم سیاہ تھے، اس کے علاوہ آپؐ نے ایک پرچم مصعبؓ بن عمیر کو بھی عطا کیا، جو سفید رنگ کا تھا۔ مسلمانوں کے پاس دو گھوڑے تھے، جو زبیر بن العوام کی ملکیت تھے، اس کے علاوہ مقداد بن قری کنوی کا ایک گھوڑا تھا۔ نیز ستر اونٹ بھی اُن کے تصرف میں تھے۔ مسلمان مختلف راستوں سے ہوتے ہوئے ذفران پہنچے تو آپ کو اطلاع ملی کہ قریش اپنے قافلے کی حفاظت کے لیے نکل پڑے ہیں۔

ذفران میں آپؐ نے مشاورتی اجتماع طلب فرمایا تو ابوبکر صدیقؓ نے خوب تقریر کی۔ پھر عمرؓ اور مقدادؓ بن عمرو نے آپ کو اپنی اعانت کا یقین دلایا۔ اس کے بعد آپؐ نے انصار کی طرف سے بھرپور حمایت کا یقین دلایا، اس پر آپؐ نے فرمایا:

"چلو اور خوش ہو جاؤ کہ اللہ نے مجھ سے دونوں گروہوں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا ہے، واللہ اس وقت گویا میں بلاشبہ ان لوگوں کے بچھڑنے کے مقامات دیکھ رہا ہوں۔(۱۰۱)

اس کے بعد آپؐ نے ذفران سے بدر کی جانب کوچ فرمایا۔ بدر بیضوی شکل کا ایک میدان ہے، جو چاروں طرف سے پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے۔ اس کی لمبائی تقریباً پانچ میل اور چوڑائی چار میل ہے۔ یہاں سے بحر احمر زیادہ سے زیادہ دس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ بدر ایک کنواں تھا، جس کے مالک کا نام بدر تھا، جس کا تعلق بنی غفار سے تھا۔(۱۰۲) اسی طرح بعض کا خیال ہے کہ بدر عرب کے میلوں میں سے ایک میلہ تھا، جہاں ہر سال بازار لگتا تھا۔(۱۰۳) شام کو آپ علی المرتضیٰؓ، زبیرؓ بن عوام اور سعدؓ بن ابی وقاص کو قریش کے تجارتی قافلہ کی سُراغرسانی کے لیے بھیجا۔ یہ اسلم اور ابو یسار نامی دو غلاموں کو پکڑ لائے (۱۰۴) اور اُن سے پوچھ گچھ شروع کر دی۔ انہوں نے کہا کہ ہم قریش کے لیے پانی لے کر جانے والے ہیں۔ مسلمانوں نے اسے جھوٹ خیال کیا اور انہیں زدوکوب کیا۔ آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا "جب یہ سچ کہتے ہیں تو تم ان کا زدوکوب کرتے ہو اور جب انہوں نے دروغ گوئی سے کام لیا تو تم نے انہیں چھوڑ دیا"۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا "یہ قریش کی تباہی کا دن ہے"۔

قریش کے لشکر میں عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوالبختری بن ہشام، حکیم بن حزام، نوفل بن خویلد، الحارث بن عامر بن نوفل، طعیمہ بن عدی بن نوفل، النضر بن الحارث، زمعہ بن الاسود، ابوجہل بن ہشام، اُمیّہ بن خلف، نُبیہ اور منبہ بن حجاج، سہیل بن عمرو اور عمرو بن عبدود جیسے سرکردہ افراد شامل تھے۔

دوسری طرف ابوسفیان کا قافلہ بچ گیا، اُس نے قریش کو لکھ بھیجا کہ وہ لوٹ آئیں، اس وقت قریش جحفہ کے مقام پر تھے۔ عمائدین قریش نے ابوسفیان کے مشورے پر عمل کرنے کے لیے آمادگی کا اظہار کیا، لیکن ابوجہل نے کہا "اللہ کی قسم ہم واپس نہ جائیں گے۔ تین روز قیام کریں گے، کاٹنے کے قابل جانور کاٹیں گے اور کھانا کھلائیں گے، شراب پلائیں گے، گانے والیاں ہمارے سامنے گائیں گی، عرب میں ہماری شہرت کے ڈنکے بجیں گے، ہمارے جانے اور اکٹھے ہونے کی خبر پھیلے گی، پھر ہمارا رعب داب ان پر چھا جائے گا، اس لیے چلنا چاہیے۔(۱۰۵)

دونوں لشکر بدر میں اترے۔ قریش نے نرم زمین پر قبضہ جمالیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے بارش کا نزول فرمایا اور اس طرح قریش کے

لیے چلنا پھر مشکل ہو گیا۔ قریش کے لشکر کی تعداد ایک ہزار تھی اور ان کا سپہ سالار عتبہ بن ربیعہ تھا، جس نے "نشانِ شجاعت" کے طور پر سینے پر شتر مرغ کے پروں کی تصاویر سجا رکھی تھیں۔ قریش کا ہر فرد ایک زرہ بکتر لگائے ہوئے، ضرورت سے زیادہ ہتھیار سجائے ہوئے تھا۔ قریش نے اپنے ایک سو گھوڑوں کو سونے کے زیورات سے آراستہ کیا ہوا تھا۔ وہ اپنی طاقت پر اتنے نازاں تھے کہ جب ایماء بن رحضہ الغفاری نے قریش کو ہتھیاروں اور افرادی قوت کی پیش کش کی تو قریش نے کہا کہ ہم میں مسلمانوں کے مقابلے میں کوئی کمزوری نہیں، تمہاری پیش کش کے ہم شکر گزار ہیں۔ (۱۰۶)

حکیم بن حزام نے عتبہ بن ربیعہ کو جنگ نہ کرنے پر آمادہ کیا تو ان دونوں نے قریش سے کہا کہ واپس چلے جاؤ اور جنگ نہ کرو، لیکن ابو جہل نے شر انگیزی کی اور عمرو بن حضرمی کے بھائی عامر بن الحضرمی کو عمرو کے خون کا بدلہ لینے کے لیے اُکسایا، وہ چلایا: "ہائے عمرو! اس کا اثر یہ ہوا کہ لڑائی چھڑ گئی۔ (۱۰۷)

الاسود بن عبدالاسد المخزومی ایک بدنیت کافر تھا، وہ آگے بڑھا اور قسم کے کھائی کہ میں مسلمانوں کے حوض میں سے پانی پیوں گا یا اُسے توڑ دوں گا۔ اس کے مقابلے کے لیے امیر حمزہؓ نکلے اور اُس پر ایسا وار کیا کہ اس کی ٹانگ پنڈلی کے درمیان سے کٹ گئی، لیکن وہ رینگتا ہوا حوض میں جا پڑا۔ امیر حمزہؓ نے حوض ہی میں اس پر وار کر کے اُسے واصلِ جہنم کیا۔

اس کے بعد عتبہ بن ربیعہ اپنے بھائی شیبہ اور بیٹے ولید کے ساتھ نکلا۔ اس کے مقابلے میں عوفؓ بن معوذ اور عبداللہؓ بن رواحہ نکلے تو عتبہ نے رسالت مآب صلعم کو پکار کر کہا کہ ہمارے ہمسر بھیجو۔ آپؐ نے عبیدہؓ بن الحارث، حمزہؓ اور علی مرتضیٰؓ کو بھیجا۔ عبیدہؓ عتبہ سے، حمزہؓ شیبہ سے اور علی مرتضیٰؓ ولید سے برسر پیکار ہوئے۔ شیبہ اور ولید فوراً ہی ہلاک ہوئے۔ عبیدہؓ اور عتبہ میں زبردست مقابلہ ہوا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو شدید زخمی کیا کہ دونوں ناقابلِ حرکت ہو گئے۔ حمزہؓ اور علیؓ نے عتبہ کو ہلاک کر دیا اور عبیدہؓ کو اٹھا کر اپنے ساتھیوں میں واپس لائے۔

اب قریش نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا، آپؐ نے مسلمانوں کو پہل نہ کرنے کی ہدایت فرمائی، پھر آپؐ نے ایک تیر سے مسلمانوں کی صفیں درست فرمائیں اور اس کے بعد آپؐ اپنے سائبان میں تشریف لے گئے۔ آپؐ کے پاس ابو بکر صدیقؓ کے سوا کوئی اور نہ تھا۔ آپؐ کی زبان پر یہ دعا تھی۔

"اے اللہ! اگر تُو نے آج اس جماعت کو ہلاک کر دیا تو پھر تیری پرستش نہ کی جائے گی"۔

لڑائی میں مسلمانوں کا کوڈ ورڈ "منصور امت" تھا۔

مسلمانوں میں پہلے شہید ہونے والے مہجع تھے، جو عمرؓ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ پھر حارثہؓ بن سراقہ پانی پیتے ہوئے شہید ہوئے۔ اس کے اور عمیرؓ بن حمام اور عوفؓ بن حارث جامِ شہادت نوش کیا۔ رسول اللہؐ نے مٹھی بھر کنکریاں لیں اور قریش کی جانب منہ کر کے فرمایا "شاہت الوجوہ" (چہرے بگڑ جائیں) اور پھر اُن کی طرف کنکریاں ماریں۔ آپؐ کے حکم پر مسلمانوں نے عام پر حملہ کیا تو قریش کے پاؤں اکھڑنے لگے۔ جب ابلیس (سراقہ کی شکل میں) فرشتوں کو دیکھ کر بھاگا تو ابو جہل، جو گشت کر رہا تھا، نے کہا کہ گھبراؤ نہیں یہ تو محمدؐ کی طرف سے سکھا پڑھا آیا تھا کہ تمہیں عین موقع پر بزدل کر دے۔

لات و عزیٰ کی قسم آج مسلمانوں کو ان کے نبی سمیت گرفتار کرلیں گے۔ آگے بڑھو اور سخت حملہ کرو۔ دیکھو خبردار انہیں قتل نہ کرنا، زندہ پکڑنا تا کہ انہیں دل کھول کر سزا دیں۔

لیکن اب محل شرک اجڑ گیا۔

غزوہ بدر میں ۱۴ (چھ مہاجرین، آٹھ انصار) مسلمان شہید ہوئے، جبکہ ۷۰ کفار ہلاک ہوئے اور اتنے ہی گرفتار ہو کر قیدی ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے یوم الفرقان قرار دیا۔ بدر کا معرکہ جمعہ کے روز سترہویں رمضان کو پیش آیا۔ فتح کی خبر مدینہ میں ۱۸ رمضان المبارک کو پہنچی۔

اللہ تعالیٰ نے بدر کی پیش گوئی مسلمانوں کو کردی تھی، جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

(۱) "فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ○ يَغْشَى النَّاسَ هَذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ○ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ ○ أَنَّىٰ لَهُمُ الذِّكْرَىٰ وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُّبِينٌ ○ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلَّمٌ مَّجْنُونٌ ○ إِنَّا كَاشِفُو الْعَذَابِ قَلِيلًا إِنَّكُمْ عَائِدُونَ ○ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ إِنَّا مُنتَقِمُونَ ○" (۱۰۸)

(۲) "كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِن بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ ○" (۱۰۹)

بدر کا دن فیصلے کا دن تھا، جس کا مدت سے انتظار تھا:

"وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَن يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ ○ (۱۱۰)

رسالت مآب ﷺ نے مسلمانوں کو مال غنیمت جمع کرنے کا حکم دیا اور بڑبونگ کی بجائے اس کی تقسیم کا باضابطہ قاعدہ مقرر فرمایا۔ قیدیوں کے بارے میں آپؐ نے ابوبکر صدیقؓ سے مشورہ لیا تو انہوں نے فدیہ لے کر رہا کر دینے کی صلاح دی۔ عمر فاروقؓ نے دشمنانِ اسلام کی گردن زنی کا خیال پیش کیا۔ آپؐ نے فرمایا: "یہ کفار قریش اپنے انہی بھائیوں کی طرح ہیں، جو اُن سے پہلے تھے"۔ نوحؑ نے دعا کی کہ "خداوندا زمین پر کافروں میں سے کوئی آباد گھر والا باقی نہ رکھ"۔ موسیٰؑ نے کہا "ہمارے پروردگار ان کی دولت کو میٹ دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے"۔ ابراہیمؑ نے فرمایا "جس نے میری پیروی کی وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو خدا غفور و رحیم ہے"۔ عیسیٰؑ نے کہا "الٰہی اگر تو ان نافرمانوں پر عذاب بھیجے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف کر دے تو تُو غالب اور دانا ہے"۔ اس کے بعد آپؐ نے قیدیوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ "تم لوگ وہ قوم ہو جس میں فریب اور دغا سے قتل کر دینے کا رواج ہے تو تم میں سے کوئی زر فدیہ یا اپنا سر دیے بغیر لوٹ کر نہ جا سکے گا"۔ قیدیوں سے چار چار ہزار درہم فدیہ وصول کیا گیا، جو امیر تھے، اُن سے زیادہ رقوم لی گئیں۔ اس طرح قریش پر اڑھائی لاکھ درہم سے زائد کا مالی بار پڑا۔ ان ستر قیدیوں میں النضر، عقبہ، عباس بن عبدالمطلب اور آپ کا داماد ابوالعاص (سیدہ زینبؓ کا خاوند) شامل تھے۔ ابوالعاص کو اس شرط پر رہا کر دیا گیا کہ وہ سیدہ زینبؓ کو مدینہ بھیج دے گا۔ النضر اور عقبہ نے آپ کو اذیتیں دینے میں کچھ فروگذاشت نہ چھوڑی تھی اور جن کو اپنے کئے پر تاسف قطعاً نہ تھا۔ جب آپؐ نے النضر کی بیٹی کی فریاد سنی تو آپ کی آنکھوں

میں آنسو بھر آئے۔ قیدیوں میں سہیل بن عمرو بھی تھا، جو آپؐ کے خلاف بدگمانی کیا کرتا تھا۔ عمر فاروقؓ نے مشورہ دیا کہ اُس کے سامنے کے دانت اکھیڑ دیے جائیں، لیکن آپؐ نے فرمایا کہ اگر میں اسے مُثلہ کروں گا تو اللہ تعالیٰ میرے نبی ہونے کے باوجود مجھے بھی سزا دے گا۔

یہاں اُن دو واقعات کا ذکر برمحل معلوم ہوتا ہے جن میں مستشرقین نے رنگ آمیزی کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب عقبہ بن ابی معیط نے مقتل کی طرف جاتے ہوئے کہا کہ "میرے بعد میرے بچوں کی خبر گیری کون کرے گا تو آنحضرتؐ نے جواب دیا کہ "جہنم کی آگ"۔ ایسا واقعہ محسنِ انسانیت کی طرف منسوب کرنا نہایت ناانصافی ہے۔

فاتح قوم عام طور پر نشۂ پندار میں مست ہو جاتی ہے، لیکن حضورؐ کی زبان مبارک پر خدا واحد، لاشریک کی تعریف ہوتی تھی۔ ایسا شخص جو بچوں کے ساتھ نہایت شفقت سے پیش آتا ہو، اس سے ایسی توقع کرنا غیر دانشمندی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپؐ نے صبیہ النار یعنی آگ کے بچے کا کہا تھا۔ عقبہ کے بچے اسی نام سے پکارے جاتے تھے۔ عقبہ خود قبیلہ اجلاس سے تعلق رکھتا تھا، جس کی شاخ وادی الصفرا کے قریب آباد تھی، یہ لوگ بنی النار یعنی آگ کی اولاد کہلاتے تھے۔ اس بنیاد پر مستشرقین نے یہ واقعہ گھڑ لیا۔

دوسرا واقعہ آنحضرتؐ کا قریش کے مُردوں کو دفنانے کے وقت انہیں سخت اور دُرشت الفاظ میں خطاب کرنا ہے، اس کی اصلیت یہ ہے کہ آپؐ مُردوں کے دفنانے والے گڑھے کے کنارے پر کھڑے ہو گئے۔ ہر ایک نعش کو قبر میں اتارتے وقت اس کا نام بتایا گیا۔ پھر آپؐ نے یہ الفاظ دہرائے "اے میرے اقربا! تم نے مجھے کاذب قرار دیا جبکہ دوسرے مجھ پر ایمان لائے۔ تم نے مجھے وطن سے نکالا جبکہ دوسروں نے مجھے گلے سے لگایا۔ آہ! تمہارا کیا انجام ہونے والا تھا۔ افسوس! خدا کا وعدہ پورا ہو کر رہا"۔ آپؐ نے یہ کلمات جذبۂ رحمی کے تحت ادا کیے۔

گزشتہ واقعات کی روشنی میں یوم بدر بے شک بطشۂ کبریٰ یعنی بڑی پکڑ کا دن تھا۔

مسلمان درج ذیل اسباب کی بنا قلیل وسائل کے باوجود فتح یاب ہوئے:

مسلمانوں کو امداد غیبی حاصل تھی۔

مسلمانوں میں بے مثال اتحاد و اتفاق کی وجہ سے جذبہ فدا کاری بدرجۂ اتم موجود تھا۔ اسلام کے رشتے نے انہیں بنیان مرصوص بنا دیا تھا، جبکہ قریش میں باہم نفاق تھا، ان کے منہ جدا جدا تھے اور ان میں ولولہ اور جوش نہ تھا، اُن کا سپہ سالار عتبہ ہی لڑنے پر تیار نہ تھا۔ قبیلہ زہرہ کے لوگ بدر تک آ کر واپس چلے گئے تھے۔

مسلمانوں کی حربی پوزیشن مضبوط اور اونچی جگہوں پر تھیں، اس لیے وہ کفار مکہ کو عددی اکثریت میں نظر آئے تھے۔ اس کے برعکس قریش کی پوزیشنیں، نشیبی جگہوں پر تھیں۔ وہ مسلمانوں کو کم نظر آتے تھے، بارش ہو جانے سے وہاں کیچڑ اور دلدل ہو گئی، چنانچہ وہ کیچڑ میں دھنس رہے تھے۔ قریش نے عمر بن وہب الجمحی کو مسلمانوں کی تعداد کا اندازہ لگانے بھیجا۔ اُس نے گھوڑا لشکر کے اردگرد دوڑایا اور پھر لوٹ آیا اور مسلمانوں کی تعداد تین سو سے کچھ زیادہ یا کچھ کم بتائی، لیکن مہلت مانگ کر دوبارہ گیا کہ کہیں گھات لگا کر مسلمان نہ چھپے ہوں۔ پھر وہ اس وادی میں بہت دور تک چلا گیا اور کوئی چیز نہ دیکھی تو واپس آ کر کہا "میں نے کوئی

چیز دیکھی تو نہیں، لیکن لوگو! میں نے دیکھا کہ بلائیں موتوں کو اٹھا کر لا رہی ہیں۔ یثرب کی اونٹنیوں پر موتیں دھری ہیں۔ ان لوگوں کے لیے بجز ان کی تلواروں کے نہ کوئی حفاظت کا سامان ہے اور نہ کوئی پناہ گاہ ہے۔ میں تو یہی خیال کرتا ہوں کہ ان کا کوئی شخص تمہارے کسی شخص کو قتل کیے بغیر قتل نہ ہوگا۔ جب وہ لوگ اپنی تعداد کے برابر تمہیں ختم کر دیں گے تو پھر جینے میں کیا لطف رہ جائے گا۔ اب جو چاہو، رائے دو"۔(۱۱۱)

مسلمانوں کی صفوں میں بڑا عمدہ نظم وضبط تھا۔ رسول کریمؐ نے خود تیر لے کر مسلمانوں کی صفوں کو درست فرمایا۔ ہر سپاہی اپنے مقصود سے آگاہ تھا اور وہ جان کی بازی لگانے کو تیار تھا۔ اس کے برعکس کفار کی فوج میں کوئی ترتیب اور صف بندی نہ تھی۔

مسلمان جذبۂ جہاد اور شوق شہادت سے سرشار تھے۔ ان کو یقین تھا کہ شہادت حاصل کی تو اللہ کی خوشنودی حاصل ہوگی، جبکہ کفار کے پیش نظر دنیوی زندگی ہی تھی۔ حضور نبی کریمؐ کی ذاتی بہادری سے سپاہیوں کے حوصلے بڑھ رہے تھے، جبکہ قریش کی قیادت ناقص تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی نقل وحرکت اور پلٹ جھپٹ بڑی تیز تھی، اس کے برعکس کفار کا معاملہ چوپٹ تھا۔

رسالت مآبؐ کی حربی تدابیر اس قدر کارگر ثابت ہوئیں کہ کفار کی تمام چالیں دھری کی دھری رہ گئیں کیونکہ حضور اقدسؐ نے اپنی پسند کے میدان جنگ میں دشمن کو لڑنے پر مجبور کیا تھا۔

"ہم اہل مکہ کی ہمت شکنی اور سراسیمگی کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں، جب اُن کی فوج پٹی ہوئی شکست خوردہ مکہ لوٹی تو اُن کے کئی سورما سردار غائب تھے۔ اُن کا سامان لٹ چکا تھا اور اب دشمن کی ملکیت تھی۔ شہر میں شدید کھلبلی اور جوش جنون کی لہر انتہا کو پہنچ گئی۔ لوگوں نے قسم اٹھائی کہ وہ اپنے مقتولین کا ماتم نہیں کریں گے جب تک وہ اپنے دشمن سے انتقام نہیں لیتے۔(۱۱۲)

بدر میں مسلمانوں کی فتح نے دُور رس اثرات مرتب کیے۔ اُن کا استحصال رک گیا اور قریش کے ہاتھوں مسلمانوں کی عقوبت اور تعذیب کا دور لد گیا۔ مسلمانوں کی فتح نے توہم پرست اہل مکہ کے دلوں پر ہیبت طاری کر دی، اب اُن کو یقین ہو گیا کہ اسلام کے ساتھ مذاق نہیں کیا جا سکتا۔ قریش قیادت سے محروم ہو گئے اور ان کے سرداروں کی بہادری کا بھرم طشت از بام ہو گیا۔ قریش کی فوجی قیادت کا جنازہ نکل گیا اور اس کی عظمت بدر میں دفن ہو گئی۔ اہل مکہ کی نگاہوں میں نبی کریمؐ کی رسالت معتبر ہو گئی اور مدینہ میں آپؐ کی قدر و منزلت زیادہ ہو گئی۔ آئندہ سے مدینہ تمام عرب کے بڑے شہروں میں سرفہرست آ گیا۔ لیکن فتح نے آپؐ میں بحیثیت انسان کچھ تبدیل نہ کیا۔ آپؐ پہلے جیسے ہی عجز و انکسار کا مجسمہ رہے۔ مسلمانوں کے ہاتھ جو مال غنیمت لگا، اس سے ان کی حالت قدرے سدھری اور حاصل ہونے والا سامان حرب آئندہ لڑی جانے والی جنگوں میں کام آیا۔

(۶) غزوہ بنی قینقاع

(شوال سن ۲ھ بمطابق اپریل ۶۲۴ء)

ابن سعد، طبری اور مسعودی کا اس امر پر اتفاق ہے کہ غزوہ بنی قینقاع شوال سن ۲ھ میں واقع ہوا، لیکن صحیح یہی ہے کہ یہ غزوہ ماہ شوال کے نصف آخر ۲ھ میں ہوا۔

غزوہ بنی قینقاع کے اسباب کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو معلوم چلتا ہے کہ رسول اللہؐ نے مدینہ میں مقیم ہونے کے بعد یہودیوں سے صلح کے جو معاہدے کیے تھے، ان میں دیگر یہودی قبائل کے ساتھ ساتھ بنو قینقاع بھی شامل تھے۔ غزوہ بدر تک وہ اس معاہدہ پر قائم رہے۔ جنگ بدر ہوئی تو ان لوگوں نے نافرمانی و حسد کا اظہار کیا اور عہد و میثاق کو توڑ ڈالا۔ اسی پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ " واما تخافن من قوم خيانة فانبذ اليهم على سواء ان الله لا يحب الخائنين " اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت یعنی عہد شکنی کا اندیشہ ہو تو آپؐ ان کے عہد کو مساوی طور پر واپس کر دیجئے۔ بے شک اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (۱۱۳)

ابن ہشام نے اس جنگ کا فوری سبب اس واقعہ کو بتایا ہے کہ "ایک مسلمان عورت کوئی چیز فروخت کرنے کے لیے سوق بنی قینقاع میں آئی اور ایک یہودی سنار کی دوکان پر بیٹھ گئی۔ پہلے تو بعض یہودی لفنگے اس بات پر مصر ہوئے کہ وہ عورت اُن کو اپنا چہرہ کھول کر دکھائے۔ جب اس عورت نے ان کی یہ خواہش پوری نہیں کی تو اس سنار نے شرارت کے طور پر اس عورت کے کپڑے کا نیچے کا سرا پچھلے حصہ کی طرف سے ایک کانٹے سے اس طرح اٹکا دیا کہ جب وہ عورت اٹھی تو اس کا ستر کھل گیا۔ اس پر یہودیوں نے خوب تالیاں بجائیں اور مذاق اڑایا۔ اس عورت نے شور و غل کیا تو ایک مسلمان اس کی مدد کو پہنچ گیا۔ بات بڑھ گئی۔ سنار مسلمان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ یہودیوں نے ہجوم کر کے اس مسلمان کو شہید کر دیا۔ اس واقعہ سے مسلمانوں اور یہودیوں میں کشیدگی پیدا ہو گئی۔ (۱۱۴)

رسول اللہ کو علم ہوا تو آپؐ نے سوق بنی قینقاع میں پہنچ کر یہودیوں سے فرمایا "اے معشر یہود! خدا سے ڈرو کہیں تمہارے اوپر بھی وہی عذاب نازل نہ ہو جو بدر کی جنگ میں نازل ہوا"۔

نبی کریمؐ کے اس ارشاد کا یہودیوں نے یہ گستاخانہ جواب دیا "اے محمدؐ! تم قریش کو قتل کر کے اتراؤ نہیں۔ وہ لوگ لڑائی کے فن سے واقف نہیں تھے، اس لیے تم نے انہیں ہرا دیا۔ ہم سے تمہیں جنگ کرنی پڑی تو حقیقت معلوم ہو جائے گی اور پتہ چل جائے گا کہ تم کو کن بہادروں سے سابقہ پڑا ہے"۔ (۱۱۵)

چنانچہ رسول اللہؐ نے جب ان کا یہ جواب سنا تو آپؐ نے مجبوراً ان پر چڑھائی کا اعلان کیا۔ مدینہ میں حضرت ابولبابہ عبدالمنذر انصاریؓ کو اپنا قائم مقام بنا کر وسط شوال ۲ھ میں صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ بنو قینقاع کی آبادی پر حملہ کر دیا۔ رایت لشکر حضرت امیر حمزہؓ کو سپرد کیا۔ پندرہ روز تک آپؐ نے ان کا محاصرہ کیے رکھا، یہاں تک کہ ذی القعدہ کی چاند رات آ گئی۔ بنی قینقاع محاصرہ کی تنگیوں سے پریشان ہو کر صلح پر آمادہ ہو گئے۔ رسول اللہؐ نے ان کی شرارتوں اور گستاخیوں کی وجہ سے ان کی مشکیں کسوائیں۔ آپ کا ارادہ ان سب کو تہ تیغ کر دینے کا تھا، لیکن چونکہ بنو قینقاع کے قبیلہ خزرج سے حلیفی کے تعلقات تھے، اس لیے ان کا سردار عبداللہ بن ابی سلول ان کی حمایت پر کھڑا ہو گیا اور بہت اصرار کر کے رسول اللہؐ سے ان کی جان بخشی کرائی۔ لہٰذا حضور اقدسؐ نے بنی قینقاع کو قتل تو نہیں کیا، لیکن آپؐ نے ان سب کو مدینہ سے نکل جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ یہ فیصلہ ہو گیا کہ وہ اپنا مال و اسباب مسلمانوں کے حوالے کریں اور اپنے بیوی بچوں کو لے کر کسی دوسرے مقام کی طرف چلے جائیں۔ چنانچہ

سات سو افراد نے جن میں سو زرہ پوش تھے۔ مدینہ سے نکل کر اذرعات (شام) کا رخ کیا۔ رسول اکرمؐ نے مال غنیمت میں سے خمس نکال کر باقی مال مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔

۷۔ غزوۂ سویق

(ذی الحجہ سن ۲ھ بمطابق جون ۶۲۳ء)

غزوۂ بدر میں شکست کھانے کے بعد ابوسفیان نے عہد کیا کہ اگلے سال وہ انتقام لینے کے لیے ایک لشکر جرار لے کر آئے گا۔ کچھ مدت کے بعد مدینہ سے نعیم بن مسعود الاشجعی (۱۱۶) عمرہ کی نیت سے مکہ آیا۔ ابوسفیان نے اُس سے مسلمانوں کی عسکری تیاریوں کی بابت دریافت کیا، تو نعیم نے جواب دیا کہ وہ مکمل طور پر تیار ہیں۔ ابوسفیان نے قحط سالی کے باعث اس سال لڑنے سے اپنی مجبوری کا اظہار کیا۔ اس نے نعیم کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ مدینہ جا کر مسلمانوں کو کسی بھی طرح روکے اور اس خدمت کے صلے میں اُسے معقول رقم دینے کا وعدہ کیا۔ سہیل بن عمرو اس معاملہ میں ضامن بنا۔

واپسی پر نعیم نے خفیہ طریقے سے مسلمانوں کو جہاد سے روکنا شروع کر دیا۔ اُس کے بہکانے سے کئی ایک مسلمان جہاد میں جانے سے رک گئے۔ جب آپ کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپؐ نے فرمایا کہ "قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر میرے ہمراہ کوئی نہ جائے گا، تو میں خود تنہا جاؤں گا"۔ اس کے بعد بہکاوے میں آنے والے مسلمان بھی آمادۂ جہاد ہوئے۔ (۱۱۷)

ابوسفیان کا نعیم کے ذریعے مسلمانوں میں بزدلی پھیلانا اور ظاہر کرنا کہ وہ اس دفعہ لڑائی کے لیے تیار نہیں، ایک چال تھی، کیونکہ وہ دو سو چاق و چوبند سواروں کے ایک دستے کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوا تا کہ اپنی منت پوری کر سکے۔ ظاہر ہے کہ وہ اچانک حملہ آور ہونا چاہتا تھا۔ وہ مدینہ کے حالات جاننے کے لیے بنی نضیر کے سردار سلام بن مشکم کے ہاں ٹھہرا۔ چونکہ مسلمان چوکس تھے، اس لیے اُسے مدینہ پر شب خون مارنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ البتہ اس نے مدینہ کے ایک نخلستان کو نذر آتش کرنے کے علاوہ معبدؓ بن عمرو انصاری کو شہید کر دیا۔ (۱۱۸)

جونہی آپ کو اطلاع ملی، آپؐ نے اپنے سپاہیوں کے ساتھ اُس کا تعاقب کیا اور قرقرۃ الکدر تک جا پہنچے۔ قریش نے جب محسوس کیا کہ ان کا تعاقب کیا جا رہا ہے، تو وہ حواس باختہ ہو کر بھاگے۔ اس حواس باختگی میں وہ اپنے ستوؤں کے تھیلے پھینکتے چلے گئے، جنھیں مسلمانوں نے اٹھا لیا۔ اس وجہ سے یہ غزوہ سویق مشہور ہو گیا۔ (۱۱۹)

۸۔ غزوۂ قرقرۃ الکدر یا قرارۃ الکدر

(محرم سن ۳ھ بمطابق جولائی ۶۲۴ء)

محرم ۳ھ میں حضور کو اطلاع ملی کہ بنو سلیم اور بنو غطفان کا ایک بڑا گروہ بحران میں مسلمانوں سے جنگ کی تیاریاں کر رہا ہے۔ آپؐ نے اپنی سپاہ کو تیاری کا حکم دیا، لیکن ظاہر نہ فرمایا کہ کہاں جانے کا ارادہ ہے۔ آپ کی معیت میں تین سو اصحابؓ تھے، جب

آپ بحران (۱۲۰) سے ایک شب کے سفر کو پہنچے تو بنو سلیم کا ایک فرد ملا۔ آپؐ نے اس سے اس کی قوم کے پڑاؤ کا پوچھا۔ اس نے بتایا کہ وہ لوگ تو متفرق ہو چکے ہیں اور اب اپنے اپنے کام میں مصروف ہیں۔ آپؐ نے اسے محبوس رکھنے کا حکم دیا اور وہاں سے کوچ کیا۔ بڑھتے بڑھتے آپ قرقرۃ الکدر کی طرف نکلے۔ یہ مقام عرب کی طرف ارحضہ کے قریب واقع ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ مقام بنو سلیم کا گھاٹ تھا۔ آپؐ نے وہاں تین روز تک قیام فرمایا۔ لڑائی کی نوبت نہ آئی، اس لیے کہ مدمقابل میں مقابلے کی سکت نہ تھی۔ اس کے اموال مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ یہ پانچ سو اونٹ تھے، جو مجاہدین میں تقسیم کر دیے گئے۔ اس کے بعد آپؐ عازم مدینہ ہوئے۔ واپسی پر آپؐ نے اس قیدی کو رہا کر دیا۔ (۱۲۱)

۹۔ غزوۂ ذی امر یا غزوہ بنی غطفان

(ربیع الاول سن ۳ ھ بمطابق ستمبر ۶۲۳ء)

ایک ماہ سے کچھ ہی زیادہ ہوا تھا کہ رسول اللہ کو اطلاع ملی کہ نجد کے ایک مقام ذوامر میں ثعلبہ و محارب کی ایک جماعت نے آپ کو تمام اطراف سے گھیر لینے کا مقصد کیا ہے اور اس میں بنو محارب کا ایک شخص دعثور بن الحارث پیش پیش ہے۔ آپؐ نے صحابہ کو جمع کیا اور سب کے مشورے سے ان پر حملہ آور ہونے کا مقصد فرمایا۔

چنانچہ آپؐ نے مدینہ میں حضرت عثمانؓ کو اپنا قائم مقام بنایا اور چار سو پچاس صحابہؓ کے ہمراہ جن کے پاس گھوڑے تھے، ۱۲/ ربیع الاول کو روانہ ہوئے۔ آپؐ نے دور تک سفر کیا۔ پہاڑوں کی وادیاں چوٹیاں دیکھ ڈالیں، مگر دشمن سے مڈبھیڑ نہ ہوئی۔ ایک روز اتفاق سے کافی بارش ہوئی، جس سے آپؐ کے اور صحابہؓ کے کپڑے بھیگ گئے۔ آپؐ نے اپنے دونوں کپڑے اتار کر ایک درخت پر لٹکا دیے تاکہ وہ خشک ہو جائیں، خود اسی درخت کے نیچے لیٹ گئے۔

اسی وقت ایک دشمن اسلام کسی طرف سے آنکلا، اس کے ہاتھ میں تلوار تھی، رسول اللہؐ کے سرہانے تلوار سونت کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا "آج آپ کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟"

آپؐ نے اطمینان سے جواب دیا "اللہ!"۔

یہ سن کر اس پر ایسا رعب طاری ہوا کہ تلوار ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی۔ آپؐ نے وہ تلوار اٹھا کر اس سے پوچھا "اب تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائے گا"۔

اس نے کہا کوئی نہیں۔ یہ کہہ کر کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ پھر اپنے قبیلہ میں واپس جا کر اسلام کی تبلیغ کرنے لگا۔ بہر حال اس غزوہ میں نہ کوئی مقابلہ ہوا نہ جدال و قتال کی نوبت آئی اور نہ مال غنیمت ہاتھ لگا۔ ۱۰ دن باہر رہ کر ۲۳/ ربیع الاول کو آپؐ مدینہ واپس تشریف لے آئے۔

۱۰۔ غزوہ بحران یا غزوۂ بنی سلیم

(جمادی الاولیٰ سن ۳ھ بمطابق اکتوبر ۶۲۴ء)

قبیلہ بنی سلیم، بحران میں آباد تھے۔ یہ علاقہ مدینہ سے ۶۹ میل کے فاصلہ پر واقعہ ہے۔ جمادی الاولیٰ میں آپ کو اطلاع ملی کہ بنی سلیم کا مجمع آپؐ کے خلاف بحران کے مقام پر ہو رہا ہے۔ آپؐ نے اس خطرہ کا سدباب کرنے کے لیے حملہ کا قصد کیا۔

چنانچہ آپؐ نے مدینہ میں حضرت ابن مکتومؓ کو اپنا قائم مقام بنایا اور ۶/ جمادی الاوّل کو تین سو صحابہؓ کی جماعت کے ساتھ بحران کی جانب کوچ فرمایا۔ وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ دشمن آپ کی آمد کی اطلاع پا کر منتشر ہو گئے ہیں اور خطرہ رفع ہو گیا ہے۔

لہٰذا اس غزوہ میں بھی جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ آپؐ ۱۰ دن باہر رہ کر ۱۶ جمادی الاوّل سن ۳ھ کو مدینہ لوٹ آئے۔

۱۱۔ غزوۂ اُحد

(۷/ شوال سن ۳ھ بمطابق ۲۳/ مارچ ۶۲۵ء)

قریش کو بدر سے میدان میں انتہائی ذلت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ انہوں نے روزِ اوّل ہی اس بدنامی کے داغ کو دھونے کی تیاریاں شروع کر دیں اور تجارت کا تمام تر منافع انتقامی جنگ کے لیے جمع رکھا۔ (۱۲۲) عورتوں اور شاعروں (عمرو جمحی اور مسافع) نے قریش کے جذبات برانگیختہ کرنے میں ایک موثر کردار ادا کیا۔ قریش اور ان کے حلیف میدان جنگ میں تقدیر کا فیصلہ سننے کے لیے تیار ہو گئے۔ قبائل کنانہ اور اہل تہامہ بھی ان کی رفاقت اور اعانت پر تیار ہو گئے، جو ان کے زیرِ اثر تھے۔ قریش نے کمال رازداری سے سامان جنگ فراہم کیا، مگر آنحضرتؐ کے چچا عباس، جو ابھی مکہ میں ہی مقیم تھے، نے ایک تیز رو قاصد آپ کی خدمت میں بھیج کر آپ کو حالات کی اطلاع دی۔

قریش نے اپنے ساتھ اپنی عورتوں کو بھی لیا تا کہ وہ ان کا حوصلہ بڑھاتی رہیں۔ ہندہ بنت عتبہ (زوجہ ابوسفیان) بار بار وحشی (۱۲۳) کو کہتی کہ "میرا کلیجہ بھی ٹھنڈا کر اور اپنا بھی"۔

بہر طور قریش کا یہ لشکر، جس میں ۲۸۰۰ پیادہ اور ۲۰۰ سوار تھے، ابوسفیان کی قیادت میں بڑھتے بڑھتے جبل عینین کے دامن میں فروکش ہوا۔ یہ جگہ مدینہ کے مقابل وادی قناۃ کے کنارے بطن سبخہ میں واقع ہے۔ آپؐ نے قریش کی یلغار کی خبر سنی تو مسلمانوں سے مشورہ کیا اور فرمایا "اگر تمہاری رائے یہ ہو کہ ہم لوگ مدینہ میں ہی ٹھہریں تو اس صورت میں قریش مدینہ پر آ کر حملہ آور ہوں گے۔ عبداللہ بن اُبی بھی ہمنوا تھا کہ مدینہ میں ہی رہ کر مقابلہ کیا جائے، لیکن وہ مسلمان جو بدر میں شرکت نہ کر سکے تھے، ان کا موقف یہ تھا کہ باہر نکل کر دشمنوں سے نبرد آزما ہوں۔ عبداللہ بن اُبی نے پھر اس بات پر اصرار کیا کہ وہ مدینہ میں رکنا ہی بہتر ہے۔ دوسری طرف وہ لوگ اصرار کرتے رہے جو مدینہ سے باہر نکل کر لڑنا چاہتے تھے، تا آنکہ آپ گھر میں داخل ہوئے اور ہتھیار لگا کر باہر نکلے۔ لوگوں نے یہ خیال کیا کہ شاید آپؐ مدینہ میں رہ کر ہی مقابلہ کرنا چاہتے تھے، اس لیے یہ کہنے لگے کہ حضورؐ اگر یہیں ٹھہر کر لڑنے کا ارادہ ہو تو یونہی کیجیے۔ آپؐ نے فرمایا کہ نبی کو لائق نہیں کہ ہتھیار پہن کر اتارے۔ چنانچہ آپ ایک

ہزار افراد کی جمعیت میں جمعۃ المبارک کو مدینہ سے نکلے اور مدینہ میں ابن اُمّ مکتوم کو نائب مقرر فرمایا۔ (۱۲۴)

جب آپ شوط پہنچے، یہ جگہ مدینہ اور اُحد کے درمیان واقع تھی، تو عبداللہ بن اُبی نے شر انگیزی کی اور تقریباً ایک تہائی جماعت لے کر واپس ہو گیا اور یہ جواز پیش کیا کہ تم میری مخالفت کرتے ہو اور میرے سوا دوسروں کی بات سنتے ہو۔ اس کے اثر سے بنو سلمہ اور بنو حارثہ بھی واپس جانے کو تھے، لیکن پھر باز رہے۔ آپ نے اس کی پرواہ نہ کی اور صرف سات سو افراد کے ساتھ پیش قدمی کی۔ اس موقع پر انصار نے آپ سے عرض کی کہ "یا رسول اللہ! کیوں نہ ہم اپنے یہودی حلیفوں سے مدد حاصل کر لیں"۔ آپ نے فرمایا "اس کی ضرورت نہیں"۔ (۱۲۵)

اُحد مدینہ سے تین میل فاصلہ پر ہے۔ اس کے دامن میں پہنچ کر آپ نے پچاس تیر اندازوں پر مشتمل ایک دستے کا عبداللہؓ بن جبیر کو امیر مقرر فرمایا۔ یہ تیر انداز اس وقت سفید لباس میں ملبوس ہونے کے باعث نمایاں تھے۔ آپ نے ان کو پہاڑی پر چڑھنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اس بات کا خیال رکھو کہ دشمن عقب سے نہ حملہ کر دے۔ ہمیں فتح ہو یا شکست، تم اپنی جگہ سے نہ ہلنا۔ اس روز آپ نے دو زرہیں زیب تن کیں اور مصعبؓ بن عمیر کو علم عطا کیا۔ (۱۲۶) پھر آپ نے زبیرؓ بن عوام کو ایک جانب اور منذرؓ بن عمرو کو دوسری جانب امیر مقرر فرمایا۔ آپ نے لشکر میں جنہیں کم عمر خیال کیا، انہیں لوٹا دیا۔ ان میں عبداللہؓ بن عمر، اسامہؓ بن زید، اسیدؓ بن ظہیر، براءؓ بن عازب، زیدؓ بن ارقم، زیدؓ بن ثابت، عرابہؓ بن اوس اور عمروؓ بن حزام شامل تھے، جنہیں قدرے توانا خیال کیا، انہیں اجازت دے دی۔ ان میں سمرہؓ بن جندب اور رافع بن خدیج شامل تھے، ان دونوں کی عمریں پندرہ پندرہ سال کی تھیں۔ (۱۲۷)

دوسری طرف قریش نے احابیش کو بھی ساتھ ملایا ہوا تھا۔ مختلف قبائل میں عمرو بن العاص، عمرو بن عبداللہ جمحی، مسافع بن عبد مناف، عبداللہ بن الزبعری اور ہبیرہ بن ابی وہب کو بھیج کر رضا کار جمع کیے تھے۔ اس طرح قریش کا لشکر، تین ہزار سپاہ جس میں سات سو زرہ پوش اور دو سو گھڑ سوار شامل تھے، بڑے کروفر سے مقابلہ پر آڈٹا۔ ان کے داہنے حصے پر خالد بن ولید اور بائیں حصہ پر عکرمہ بن ابو جہل تعینات تھے۔ ان کا علم بردار بنو عبد الدار تھا۔ لڑائی شروع ہوئی۔ قریش کی عورتیں سولہ سنگار کیے پیچھے کھڑی دف بجا بجا کر طربیہ نغموں سے فضاء کو مسحور کرنے لگیں۔

نحن بنات الطارق
نمشی علی النمارق
ان تقبلوا نعانق
او تدبروا نفارق

ہم آسمان کے تاروں کی بیٹیاں ہیں
ہم قالینوں پر چلنے والی ہیں
اگر تم بڑھ کر لڑو گے تو ہم تم سے گلے ملیں گے
اور پیچھے قدم اٹھایا تو الگ ہو جائیں گے

مسلمانوں کا نعرہ اُمت اُمت مارو مارو تھا۔ شروع دن میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا حتیٰ کہ کفار کے قدم اکھڑ گئے۔ ان کے علمبرداروں کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ عمرہ بنت علقمہ جاریہ نے جھنڈا اٹھا کر قریش کی طرف رخ کرتے ہوئے بلند کیا، تو قریش اس کے اردگرد جمع ہونے شروع ہو گئے۔ مختلف ہاتھوں سے ہوتا ہوا یہ جھنڈا ابو طلحہ کے حبشی صواب کے ہاتھ آیا۔ اس کے دونوں ہاتھ کٹ گئے تو وہ گھٹنوں کے بل گرا اور سینے اور گلے سے جھنڈے کو تھام لیا اور قتل ہونے تک اس نے اسے گرنے نہ دیا۔

قریش کو بھاگتے دیکھ کر پہاڑی پر متعین تیر انداز بھی نیچے اتر آئے اور دریا طلبی میں مال غنیمت سمیٹنے لگے۔ اس طرح قریش اس راستے سے خالد بن ولید کی قیادت میں حملہ آور ہوئے، دریں اثناء کسی نے افواہ اڑا دی کہ حضور اقدس شہید ہو گئے۔ اب مسلمان تتر بتر ہونے لگے۔ دشمنوں کا ایک ریلا آپ کی طرف بڑھا اور آپؐ پر سنگباری شروع کر دی، جس سے آپ کا سامنے والا نچلا دانت ٹوٹ گیا اور چہرے اور ہونٹوں پر زخم آئے۔ آپؐ کے دانت مبارک شہید کرنے والا عتبہ بن وقاص تھا اور پیشانی مبارک عبداللہ بن شہاب زہری نے زخمی کی۔ ابن قمئہ نے رخسار کا بالائی حصہ اس طرح زخمی کیا کہ خود کی دو کڑیاں اندر گھس گئیں۔ آپؐ ایک پہلو پر گر پڑے، علی المرتضیٰؓ نے آپ کا دست مبارک پکڑا اور طلحہؓ بن عبیداللہ نے سہارا دے کر آپ کو اٹھایا اور سیدھا کیا۔ مالکؓ بن سنان نے خون چوس چوس کر نگلا۔ اس موقع پر بھی آپؐ نے اپنے دشمنوں کو کوئی بددعا نہ دی بلکہ فرمایا:

"رب اغفر لقومی فانهم لا یعلمون"

"اے اللہ میری قوم کو بخش دے وہ نہیں جانتے"۔

چند فدائین، سات انصاری اور دو مہاجر، نے آپ کو گھیرے میں لے لیا تاکہ آپ کو مزید گزند نہ پہنچے، اس طرح کئی جاں نثار شہید ہوئے۔ جن مسلمانوں نے آپ کی شہادت کا سنا تھا، وہ مایوسی میں بکھر گئے، لیکن کعبؓ بن مالک نے آپ کو پہچانا اور مسلمانوں کو مژدہ جانفزا سنایا۔ آپؐ نے ان کو اکٹھا کیا اور ایک گھاٹی کی طرف چلے گئے۔ قریش نے آپ کا وہاں تعاقب کیا، ان چڑھنے والوں کے سالار خالد بن ولید تھے۔

عمر فاروقؓ اور مہاجرین کی ایک جماعت نے زبردست مقابلہ کر کے انہیں پہاڑ سے اترنے پر مجبور کر دیا۔ ابو سفیان پہاڑ کے نیچے کھڑا ہو کر کہہ رہا تھا:

اعل هبل اعل هبل۔

"یعنی ہبل کا بول بالا ہو، ہبل کا بول بالا ہو"۔

آپؐ نے فرمایا: **اللّٰہ اعلیٰ واجل اللّٰہ اعلیٰ واجل یعنی**

"اللہ بہت بلند ہے اور جلال و عزت والا ہے، اللہ بہت بلند ہے اور جلال و عزت والا ہے۔ اللہ بہت بلند ہے اور جلال و عزت والا ہے"۔

اب ابو سفیان نے بڑھک لگائی کہ لنا العزیٰ ولا عزیٰ لکم یعنی "ہمارا بت عزیٰ ہے تمہارا کوئی عزیٰ نہیں"۔ آپؐ نے فرمایا اللہ مولانا والکافرون لا مولیٰ لهم یعنی "اللہ ہمارا مولا ہے اور کافروں کا کوئی مولا نہیں"۔

ابوسفیان کہنے لگا کہ آج کا دن بدر کے دن کا بدلہ ہے۔ یہ تو ہاتھوں ہاتھ سودا ہے، ایک کے بدلے ایک ہے۔

آپؐ نے فرمایا، ہرگز برابری نہیں۔ ہمارے شہداء زندہ ہیں اور روزیاں دیے جارہے ہیں اور تمہارے مقتولین جہنم میں عذاب کیے جارہے ہیں۔

ہندا اور دیگر عورتوں نے مسلمان شہداء کے ناک کان کاٹ کاٹ کر ان کے ہار اور پازیب وغیرہ بنائیں۔ ہندا نے خود یہ ہار پہنے اور اپنے ہار، بندے اور آویزے اتار کر وحشی کو دے دیے، جس نے حمزہؓ کو شہید کیا تھا۔ ہندا نے حمزہؓ کا پیٹ چاک کر دیا تھا اور اُن کا کلیجہ چبانا چاہا، لیکن نگل نہ سکی، اس لیے اُگل دیا۔ پھر اونچی چٹان پر چڑھ گئی اور بلند آواز سے چیخ کر یہ شعر پڑھے:

نحن جزینا کم لیوم بدر　　　　والحروب بعد الحرب ذات سعر

"آج ہم نے جنگ بدر کا بدلہ اتار دیا۔ پہلی لڑائی کے بعد دوسری لڑائی ہوتی ہے تو وہ زیادہ جوشیلی اور شعلہ باز ہوتی ہے"۔(۱۲۷)

ابوسفیان جاتے جاتے آئندہ سال جنگ کی دھمکی دے گیا، جسے آپؐ نے قبول فرمایا۔(۱۲۸) غزوہ احد میں ستر مسلمان شہید ہوئے اور چالیس زخمی ہوئے، جبکہ قریش کے ۲۲ افراد قتل ہوئے، واصل جہنم ہوئے۔(۱۲۹) غزوہ احد جو ہفتہ کے دن لڑا گیا، ابتلا اور آزمائش کا دن تھا۔ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو آزمایا اور منافقین کو بے نقاب کر دیا۔ مسلمانوں کو عارضی ہزیمت دو وجوہ کی بناء پر اٹھانا پڑی:

(ا)۔ شروع دن میں کفار کو پسپا ہونا پڑا تو پہاڑی پر تعینات تیر انداز بھی نیچے اتر پڑے اور مال غنیمت اکٹھا کرنے میں مصروف ہو گئے، کفار کے ایک دستے نے اس سے فائدہ اٹھایا اور مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا جس سے بھگدڑ مچ گئی۔

(ب) جب کفار پسپا ہونے لگے تو مسلمان ان کا تعاقب کرنے کی بجائے مال غنیمت سمیٹنے میں لگ گئے۔

اگرچہ اُحد کا خاتمہ مسلمانوں کے لیے ہزیمت کی شکل میں ہوا، قریش کے لیے یہ فتح (۱۳۰) ایسی نہ تھی جس کی وہ امید لگائے ہوئے تھے یا وہ اس پر اترا سکتے۔ خالد کی چابکدستی نے ثمر اور نتائج پیدا نہ کیے۔ اہل مکہ نے مسلمان شہداء کی لاشوں کی بے حرمتی کر کے اپنے وحشی ہونے کا ثبوت دیا، لیکن وہ مدینہ پر قبضہ نہ کر سکے، کعبہ کے دیوتاؤں کی اسلام کے اللہ تعالیٰ پر فتح نہ ہو سکی۔ ان کے ہاتھ ایک بھی جنگی قیدی نہ لگا، پھر بھی مسلمانوں کے وقار کو سنگین دھچکا لگا۔ اُحد کی جنگ نے بدر کی شہرت کو گہنا دیا، اس فتح کی یاد پارینہ ہو گئی۔ عرب، یہودی، عیسائی اور منافقین تمام ہی مسلمانوں کے خلاف کمربستہ ہو گئے۔ انہوں نے یہ خیال کیا کہ مسلمانوں کے ہاتھوں ان کی شکست محض عارضی تھی۔

مسلم افواج کی کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مضافات کے بدو قبائل نے مسلمان مبلغین کو دعوت دی کہ وہ ان کے ہاں آ کر اسلام کا پرچار کریں۔(۱۳۱) اس طرح حیلے بہانے سے ان کو شہید کر دیا۔ بنو عامر اور بنو سلیم کی دھوکہ دہی سے ایسے ستر داعین اسلام نے شہادت کا پیالہ لبوں سے لگایا۔

ایک اور قبیلہ مصطلق تھا، جس نے اپنے سردار حارث کی سرکردگی میں اسلام کے خلاف بغاوت کر دی، لیکن اس نے مسلمانوں کی قوت کا غلط اندازہ لگایا تھا، اسی غلط اندازے کی وجہ سے وہ لڑائی میں مارا گیا۔

۱۲۔ غزوۂ حمراء الاسد

(۸ شوال سن ۳ ھ بمطابق ۲۳ مارچ ۶۲۵ء)

یہ غزوہ دراصل غزوہ احد کا تکملہ تھا۔ اُحد سے جب ابوسفیان مقام روحا پر پہنچا تو اسے یہ احساس ہوا کہ قریش کی فتح مکمل فتح نہ تھی۔ دوسری طرف آنحضرت کو بھی پہلے سے یہ گمان تھا کہ قریش پلٹ کر حملہ کر دیں، اس لیے آپ حمراء اسد تک تقریباً ۶۳۰ ساتھیوں کی معیت میں تشریف لے گئے۔ (۱۳۲) یہ جگہ مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر تھی۔ اس وقت تک قبیلہ خزاعہ مشرف بہ اسلام نہ ہوا تھا، لیکن اس کی ہمدردیاں مسلمانوں کے ساتھ تھیں۔ اس کا سردار معبد خزاعی آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے بعد ابوسفیان سے ملا۔ ابوسفیان نے اسے اپنے منصوبہ سے آگاہ کیا، تو معبد نے کہا "میں دیکھتا ہوں کہ محمدؐ اس لاؤ لشکر کے ساتھ آ رہے ہیں کہ ان کا مقابلہ ناممکن ہے"۔ یہ سن کر ابوسفیان نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔

مسلمانوں کے اس مظاہرے کا یہ اثر ہوا کہ دشمن نے ان کو کمزور سمجھ کر الٹے پاؤں مدینہ پر حملہ نہ کیا۔

۱۳۔ غزوۂ بنی النضیر

(ربیع الاوّل سن ۴ ھ بمطابق اگست ۶۲۵ء)

بنی نضیر یہودیوں کا ایک جنگجو قبیلہ تھا، جو میثاقِ مدینہ میں شریک تھا۔ ان کا محلہ حرہ شرقیہ مسجد نبویؐ کے جنوب مشرق میں تھا۔ ان کے اور بنو قریظہ کے محلے میں عوالی کے باغ حدِ فاصل تھے۔ ان کی تعداد بظاہر دو ڈھائی ہزار سے زیادہ نہ تھی۔

یہ قبیلہ درپردہ مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف رہتا تھا اور قریش کے ساتھ ساز باز کرتا رہتا تھا۔ آپؐ نے ان کی مذموم سرگرمیوں پر شروع سے ہی کڑی نظر رکھی ہوئی تھی۔ غزوہ بدر کے بعد کعب بن اشرف اپنے چالیس ساتھیوں سمیت مکہ گیا تا کہ قریش کے دکھ میں شریک ہو سکے۔ اس نے ان کو تلقین کی کہ وہ عزم نو کے ساتھ ایک دفعہ پر اٹھ کھڑے ہوں۔ کعب کی ماں کا تعلق بنی نضیر سے تھا۔ ظاہر ہے کہ اس کی اُن سرگرمیوں میں اسے ان کی درپردہ حمایت بھی حاصل ہوگی۔

غزوہ سویق کے موقع پر ابوسفیان نے خفیہ طور پر بنی نضیر کے سرکردہ افراد کے ہاں ہی قیام کیا تھا، جنہوں نے اسے مدینہ کے ایسے مقامات کی نشان دہی کی تھی، جہاں سے حملہ کیا جانا ممکن تھا۔

پھر قریش نے عبداللہ بن اُبَی کو خط لکھا تھا کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ محمدؐ کے خلاف اٹھ کھڑا ہو۔ آپ کو ایسی بھیانک سازش کی خبر ہوگئی، جو اسلامی ریاست کے خلاف کی جا رہی تھی۔

غزوہ احد میں مسلمانوں کو عارضی طور پر ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا، تو بنی نضیر کی مذموم سرگرمیوں میں اچانک شدت آگئی۔ ایک دفعہ آپ عمرو بن امیہ الضمری کے ہاتھوں قتل ہونے والے بنو عامر کے دو افراد کا خون بہا دینے بنی نضیر کے ہاں تشریف لے گئے۔ بظاہر وہ پُرتپاک طریقے سے ملے اور آپ کو تکریم کے ساتھ ایک دیوار کے سایہ میں بٹھایا، لیکن درپردہ عمرو بن جحاش نضری کو اس کام پر مامور کیا کہ وہ ایک بالا خانے سے ایک بھاری پتھر گرا کر آپ کو شہید کر دے۔ ان کے ایک سردار سلام بن مشکم نے اس

تجویز کی سختی سے مخالفت کی اور کہا کہ یہ اس عہد کے قطعاً خلاف ہے، جو ہمارے اور ان کے درمیان ہو چکا ہے، لیکن وہ لوگ اپنے ارادے سے باز نہ آئے اور بد عہدی پر آمادہ ہو گئے۔ (۱۳۳) جب یہ بدسرشت یہ ارادہ کر رہے تھے اسی وقت حضور اکرم کو کشف سے معلوم ہو گیا، چنانچہ سازش بے نقاب ہونے پر آپؐ وہاں سے تشریف لے آئے۔ (۱۳۴)

جب رجیع اور بئر معونہ کے دردناک واقعات پیش آئے تو بنی نضیر نے خوشی سے بغلیں بجائیں۔ انہوں نے ایسا ہی کوئی ڈرامہ اسٹیج کرنے کے خیال سے آپ کو ایک مذہبی مناظرہ کرنے کی دعوت دی۔ ان کا ارادہ تھا کہ اس مناظرے کے دوران میں ان کے مسلح افراد آپ کو شہید کر دیں گے۔ انہوں نے آپؐ سے کہا کہ اگر مناظرے کا نتیجہ آپؐ کے حق میں رہا تو وہ اسلام قبول کر لیں گے۔ آپ تیس افراد کی معیت میں ان کے ہاں تشریف لے گئے۔

بنی نضیر کی اس سازش کو بنی نضیر کی ایک عورت نے اپنے ایک منہ بولے بھائی (جو مسلمان تھے) پر افشا کر دیا، جنہوں نے آپؐ کو اس سے مطلع کیا۔ اس طرح آپؐ نے مناظرے کا ارادہ ہی ترک کر دیا۔ اسی واقعہ کو تھوڑے اختلاف کے ساتھ ابو داؤد اور فتح الباری نے بھی بیان کیا ہے۔ (۱۳۵) دریں اثناء آپ کو اطلاع ملی کہ بنی نضیر کو قریش کا ایک پیغام موصول ہوا کہ وہ محمدؐ کو قتل کر دیں، بصورت دیگر قریش سے لڑائی کیلئے تیار رہیں۔

ان حالات میں یہ ضروری تھا کہ بنی نضیر کے خلاف کوئی اقدام کیا جائے۔ آپؐ نے ان کو تن تنہا کرنے کے لیے بنی قریظہ کے ساتھ معاہدے کی تجدید کی۔ اس کے بعد آپؐ نے بنی نضیر کی طرف بھی اسی مقصد کے لیے رجوع کیا۔ انہوں نے عبداللہ بن اُبی کی شہ پر پہلے لیت و لعل کی، اس کے بعد صاف مکر گئے۔ اب آپؐ نے ان کا محاصرہ کیا کیونکہ یہ میثاقِ مدینہ کی صریحاً خلاف ورزی تھی۔ پندرہ روز کے محاصرے کے بعد انہوں نے ہتھیار پھینک دیے۔ ان کو مدینہ سے جلاوطن کر دیا گیا۔ (۱۳۶) یہ واقعہ ربیع الاول ۴ھ میں پیش آیا۔ بنی نضیر کی جلاوطنی کے بعد مسلمان پانچویں کالم سے محفوظ ہو ئے۔ اس کے علاوہ بھی اَن گنت معاشی اور سیاسی فوائد حاصل ہوئے۔

۱۴۔ غزوہ بدر الموعد یا غزوہ بدر الثالث

(ذیقعدہ سن ۴ھ بمطابق اپریل ۶۲۶ء)

غزوہ احد سے چلتے وقت ابو سفیان نے للکار کر کہا تھا کہ "ہمارے تمہارے درمیان آئندہ برس بدر کے مقام پر پھر مقابلہ ہوگا۔" مسلمانوں نے بھی اس سے اس چیلنج کو قبول کر لیا تھا۔

ایک سال کی جو میعاد مقرر کی تھی جب وہ قریب آئی تو ابو سفیان کو فکر لاحق ہوئی دراصل وہ اس وقت جنگ کے لیے بالکل آمادہ نہ تھا اور چاہتا تھا کہ کسی طرح اس موقع پر طویل سفر اور جدال اور قتال سے بچ جائے۔ لیکن ساتھ ہی اپنی عزت کا بھی خیال تھا اس کی خواہش تھی کہ جنگ سے بیٹھ رہنے کا اظہار اس کی طرف سے نہ ہو بلکہ مسلمانوں کی جانب سے کوتاہی ظاہر ہو۔ چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لیے ابو سفیان نے اپنے مختلف ذرائع سے مدینہ کے قرب و جوار میں اپنی تیاریوں کا زبردست پروپیگنڈہ

کیا۔ لیکن اس کا خاطر خواہ اثر نہ ہوا کیونکہ رسالت مآب ﷺ کو اپنے جاسوسوں کے ذریعے لمحہ بہ لمحہ ہونے والے واقعات اور پیش رفت کا پتہ چلتا رہتا تھا۔ یہ اطلاعات مکہ سے بنوخزاعہ آپ ﷺ کو پہنچاتے تھے۔ جب سے مسلمانوں نے قریش کی شام جانے والی شاہراہ کی ناکہ بندی کی تھی۔ قریش کی معاشی کمر ٹوٹ کر رہ گئی تھی۔ اس کے برعکس مسلمانوں کو مختلف محاذوں پر کامیابیاں حاصل ہوئیں تھیں اور ان کی تعداد میں خاصا اضافہ ہوا تھا۔

بہرحال آپ ﷺ نے تمام خطرات سے بلند ہو کر جہاد کا اعلان فرمادیا اور مسلمانوں کو یہ بھی ہدایت کردی کہ وہ سامان تجارت بھی ساتھ لے کر چلیں تاکہ ذیقعدہ کے پہلے ہفتہ میں بدر کے مقام پر جو بازار لگتا ہے وہ اس میں شرکت کر سکیں۔ (۱۳۷) آپ ﷺ کے ارشاد کے بموجب مسلمان تیار ہو گئے۔ سامان تجارت بھی ساتھ لے لیا۔ آپ ﷺ نے اس مرتبہ حضرت عبداللہ بن رواحہ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ (۱۳۸)

جھنڈا حضرت علیؓ کو سپرد کیا اور پندرہ سو صحابہؓ کی معیت میں بدر الصفراء کی جانب روانہ ہو گئے۔ (۱۳۹) ذیقعدہ کی چاند رات کو آپ ﷺ مع لشکر بدر الصفراء میں پہنچ گئے۔ دوسرے دن صبح سے وہاں بازار لگ گیا۔ مسلمانوں نے سامان تجارت جو ساتھ لے گئے تھے فروخت کر کے سو فیصدی منافع کمایا۔ (۱۴۰)

دوسری طرف چونکہ ابوسفیان بڑ بھی ہانک چکا تھا اور دور دور پروپیگنڈا بھی کر چکا تھا۔ لہٰذا نہ چاہتے ہوئے بھی وہ دو ہزار کی جمعیت کے ساتھ عسفان تک آیا اور وہیں رک گیا، کیونکہ وہ دل ہار بیٹھا تھا، اس نے قریش سے کہا "اے گروہ قریش! (جنگ کے نقطہ نظر سے) ہریالی اور شادابی کا سال ہی تمہارے لیے بہتر ہو سکتا ہے، اس میں تم اونٹوں کو درختوں سے پتے کھلا سکو گے اور ان کا دودھ بھی پی سکو گے۔ یہ یہاں قحط کا سال ہے (اس میں فی الوقت جنگ مناسب نہ رہے گی) اس لیے میں واپس ہو رہا ہوں، تم بھی واپس چلو۔" یہ سن کر وہ قریش واپس ہو گئے۔ (۱۴۱)

رسول اللہ ﷺ نے آٹھ روز بدر الصفراء میں قیام فرما کر انتظار کیا تھا۔ بالآخر بن خزاعہ نے خبر دی کہ قریش عسفان سے واپس مکہ چلے گئے ہیں۔ یہ اطلاع ملنے پر آپ ﷺ واپس مدینہ تشریف لے آئے۔ اگرچہ مقابلہ نہ ہوا پھر بھی مسلمانوں کی عسکری ساکھ میں بہت زیادہ اضافہ ہوا جب کہ ارد گرد کے قبائل پر واضح ہو گیا کہ قریش کے غبارے سے ہوا نکل گئی ہے۔

اس غزوہ میں آپ ﷺ سولہ دن مدینہ سے باہر رہے۔ (۱۴۲) گویا آپ ﷺ کی واپسی ۱۲ یا ۱۳ ذیقعدہ بمطابق ۱۵ یا ۱۶ اپریل ۶۲۶ء کو ہوئی۔

۱۵۔ غزوۂ ذات الرقاع

(محرم سن ۵ھ بمطابق جون ۶۲۶ء) (۱۴۳)

رقاع کے معنی پیوند یا پٹیاں ہیں چونکہ اس غزوہ کے موقع پر حضور ﷺ جس علاقہ میں تشریف لے گئے تھے وہاں، کے پتھر اور چٹانیں مختلف رنگوں کے تھے۔ کسی کا رنگ سرخ تھا کسی کا سفید اسی لیے یہ علاقہ ذات الرقاع کے نام سے مشہور ہے اس کی جائے

وقوع مقامات سعد اور شقرہ کے درمیان نجد میں ہے۔ (۱۴۴)

ابھی غزوہ بنی نضیر کو چند روز ہی گزرے تھے کہ آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ بنو غطفان کے قبائل بنی محارب اور بنی ثعلبہ مدینے پر حملہ آور ہونے کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ بنو غطفان نے غزوہ بدر میں قریش کا ساتھ دیا تھا اور اس کے بعد انہوں نے مدینے پر حملہ کی کوشش کی تھی۔ وہ خیبر کے یہودیوں کے بھی حلیف تھے۔ بنو ثعلبہ اور بنو محارب نے دھوکہ سے مبلغین اسلام کو اپنے ہاں بلا کر شہید کر ڈالا تھا۔ اس بات، کا بھی قوی امکان موجود ہے کہ ان کو مدینہ کے خلاف برانگیختہ کرنے میں بنی نضیر نے کوئی کردار ادا کیا ہو۔

ان حالات میں آپ ﷺ نے حضرت عثمان بن عفان ؓ کو اپنا قائم مقام فرمایا۔ (۱۴۵) اور ۱۰ محرم ۵ھ بمطابق ۱۱ جون ۶۲۶ء کو ۸ سو یا بعض روایات کے مطابق کوئی چار سو مجاہدین کے ساتھ ان کی شورش فرو کرنے کے لیے نجد روانہ ہو گئے تھے۔ (۱۴۶) پہلے آپ ﷺ وادی شقرہ نامی ایک مقام پر پہنچے جہاں سے آپ ﷺ نے طلایہ گرد دستوں کو مختلف سمتوں میں روانہ فرمایا۔ ان دستوں نے رات کو واپس آ کر اطلاع دی کہ دشمن کا دور دراز تک کوئی نام ونشان نہیں ہے۔ چنانچہ وہاں سے آپ ﷺ روانہ ہو کر مقام نخل پر آئے جو قبیلہ غطفان کے علاقے کا ایک گاؤں تھا۔ وہاں سے بڑھتے بڑھتے آپ ﷺ ذات الرقاع جا پہنچے جہاں شورش پسند عناصر جمع تھے۔ تعداد میں زیادہ ہونے کے باوجود وہ آپ ﷺ کی آمد کی خبر سن کر پہاڑوں میں منتشر اور روپوش ہو گئے۔ حواس باختگی میں وہ عورتیں، ساز وسامان اور مویشی بھی چھوڑ گئے تھے۔ یہ سب کچھ مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔

آپ ﷺ اس مہم میں حد درجہ محتاط ہو گئے کہ واپسی پر یہ خطرہ موجود تھا کہ دشمن جوابی کارروائی نہ کرے۔ اس لیے مسلمان باری باری رات کو پہرہ دیتے تھے اور دن کو پھونک پھونک کر قدم بڑھاتے تھے۔ اس خطرہ کے پیش نظر آپ ﷺ نے پہلی مرتبہ صلوٰۃ الخوف ادا کی۔ تاہم دشمن کو کسی بھی قسم کی جوابی کارروائی کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ لہٰذا آپ ؐ نے بغیر جدال وقتال کے مدینہ کی جانب مراجعت فرمائی اور ۲۵ محرم ۵ھ بمطابق ۲۶ جون ۶۲۶ء کو مدینہ سے تین میل دور مقام ضرار میں پہنچ گئے۔ غالباً اسی دن مدینہ میں نزول اجلال فرمایا۔ اس طرح اس غزوہ میں ۱۵ دن صرف ہوئے۔

۱۶۔ غزوہ دومۃ الجندل

(ربیع الاول ۵ھ بمطابق اگست ۶۲۶ء)

دومۃ الجندل دمشق کی جانب جزیرہ نما عرب کے شمال میں ایک سرے پر واقع ہے۔ مدینہ سے اس کی مسافت ۱۳، ۱۴ دن کی ہے۔ (۱۴۷) وہاں کا حاکم اکیدر بن عبدالملک مذہباً نصرانی اور ہرقل اعظم کا فرمانبردار تھا۔ وہ اور اس کے علاقہ کے آدمی، مدینہ سے اس طرف جانے والے مسلمان تاجروں کو بے حد پریشان کرتے تھے۔

جب ان کی زیادتی کی مسلسل اطلاعات ملنے لگیں تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے خلاف جہاد فرمایا اور وہ مدینہ میں حضرت سباع بن عرفطہ غفاری (۱۴۸) کو اپنا قائم مقام بنا کر ۲۵ ربیع الاول بمطابق ۲۴ اگست ۶۲۶ء کو مع ایک ہزار صحابہؓ دومۃ الجندل کی

جانب روانگی فرمائی۔ منزل مقصود پر پہنچے تو آپ ﷺ کو چند چرواہے ملے جن کے کچھ اونٹ آپ ﷺ کے ہاتھ آ گئے کوئی شخص مقابلہ کے لیے نہیں نکلا اور اس لیے لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔ محض ایک شخص گرفتار ہوا جس کی زبانی آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ جب مسلمانوں نے چرواہوں کے اونٹ پکڑے اسی وقت وہ لوگ جو مقابلہ کے لیے تیار تھے دوڑ بھاگ گئے جو شخص گرفتار ہوا تھا وہ آپ ﷺ کی معمولی سی کوشش سے مشرف بہ اسلام ہوا۔

چند روز بعد دومۃ الجندل کے قریب قیام فرما کر آپ ﷺ مدینہ کی جانب لوٹے اور ۲۰ ربیع الاول یا آخر سنہ ۵ھ بمطابق ۱۸ ستمبر ۶۲۶ء کو واپس پہنچ گئے۔

۱۷۔ غزوہ المریسیع یا غزوہ بنی المصطلق

(شعبان ۵ھ بمطابق دسمبر ۶۲۶ء، جنوری ۶۲۷ء)

اسے غزوہ مصطلق بھی کہا جاتا ہے، قریش نے ایک دفعہ پھر مغربی تجارتی راستے کو اختیار کرنے کے لیے قسمت آزمانے کا فیصلہ کیا۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے انہوں نے اپنے ساحلی حلیف خزاعہ کی شاخ بنو مصطلق سے رابطہ قائم کیا اور اسے اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ مدینہ پر حملہ کر دے۔ ان کو امید تھی کہ بنو مصطلق کو دیگر ساحلی قبائل بھی امداد دیں گے اور اس طرح یہ تجارتی شاہراہ دوبارہ بحال ہو جائے گی۔ لیکن خزاعہ کی دیگر شاخوں کے مدینہ کی اسلامی ریاست سے دوستانہ تعلقات قائم ہو چکے تھے یہی وجہ تھی کہ اس منصوبے کی بروقت خبر ہو گئی کہ بنو مصطلق کا سردار حارث بن ضرار مسلمانوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے بھاری جمعیت جمع کر رہا ہے۔

بنو مصطلق کا علاقہ بحر احمر کے کنارے جدہ اور القدید کے درمیان واقع تھا اور مدینہ تک کی مسافت خاصی طویل تھی۔ یہاں ایک بڑے چشمے کا نام مریسیع تھا جس کے آس پاس یہ لوگ آباد تھے۔ آپ ﷺ نے بریدہؓ بن حصیب اسلمی کو تصدیق احوال کے لیے روانہ فرما دیا۔ وہ گئے اور حارث بن ضرار سے ملے اور اس سے گفتگو کی۔ واپس آ کر آپ ﷺ نے فراہم کردہ اطلاع کے صحیح ہونے کی خبر دی۔ (۱۴۹)

آپ ﷺ نے اس مہم کے لیے مسعود بن ہنیدہ اسلمی کو لشکر کا رہبر مقرر کیا تاکہ وہ اس کو منزل تک پہنچائے۔ (۱۵۰)

اسلامی لشکر نے نہایت سرعت سے پیش قدمی کر کے دشمن کو اچانک جا لیا۔ راستے میں دشمن کا ایک جاسوس ملا۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ ایک سے زائد جاسوس پکڑے گئے تھے جن سے لشکر کے بارے میں پوچھا گیا۔ پہلے تو وہ انکار کرتے رہے۔ بعد ازاں عمر فاروقؓ کے ڈرانے دھمکانے سے انہوں نے اعتراف کیا۔ پھر انہوں نے حضور ﷺ کے حکم سے قتل کر دیا گیا۔ (۱۵۱)
جب کفار کو آپ ﷺ کی آمد اور اپنے جاسوسوں کے قتل کی خبر ملی تو ان پر اس قدر رعب چھا گیا کہ حارث کے قبیلہ کے لوگ بھی منتشر ہو گئے۔ لیکن آپ ﷺ نے پیش قدمی کر کے ان کو جا لیا۔ دشمن کے دس افراد مارے گئے باقی کو گرفتار کر لیا گیا جن کی تعداد سات سو سے زائد تھی۔ مال غنیمت میں دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں ہاتھ آئیں۔ گرفتار شدگان میں ایک جویریہ بھی

تھیں جن کے ساتھ آپ ﷺ نے عقد کر لیا۔ ان کی وجہ سے باقی قیدیوں کو رہا کر دیا گیا۔

اس غزوہ میں بہت سے منافقین بھی ساتھ مل گئے تھے جو اس سے قبل کسی جنگ میں شریک نہ ہوئے تھے۔ ان کے پیش نظر غنیمت اور دنیاوی سامان کا لالچ تھا۔ انہوں نے منزل مقصود پر مہاجرین اور انصار کے درمیان جھگڑا پیدا کرنے کی کوشش کی اور عبداللہ بن ابی نے معاملے کو ہوا دی۔ چنانچہ اس نے انصار کو مخاطب کر کے کہا" تم نے یہ بلا خود مول لی ہے اور مہاجرین کو اتنا سر چڑھا لیا ہے کہ وہ اب تم سے ہمسری کرتے ہیں۔ معاملہ اب بھی ہاتھ سے نہیں گیا ہے۔ اگر تم ان کی مدد اور حمایت سے دست کش ہو جاؤ تو وہ بھی مدینہ سے نکل جائیں گے۔ (۱۵۲)

حضرت زیدؓ بن ارقم نے اس واقعہ کی خبر آپ ﷺ کو دی۔ جب عبداللہ بن ابی کو افشائے راز ہوا تو آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور قسمیں اٹھا کر اپنی معصومیت کا دعویٰ کرنے لگا۔ آپ ﷺ نے اس سے درگزر کیا۔ (۱۵۳) لیکن ساتھ ہی آپ ﷺ نے کوچ کا حکم بھی دے دیا حالانکہ آپ ﷺ نے اس وقت عام طور پر منزل سے سفر نہیں کیا کرتے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ لوگ عبداللہ بن ابی کے فتنہ سے خالی الذہن ہو جائیں۔ زید بن ارقمؓ کی اطلاع کی تصدیق اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمائی: (۱۵۴)

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ۔

"ترجمہ: اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نادانستہ نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کیے پر پشیمان ہو۔"

۱۸۔ غزوہ خندق یا غزوہ احزاب:

(شوال سن ۵ھ بمطابق مارچ ۶۲۷ء)

احد کے دن یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف مشرکین کی نفرت دیکھی اور آئندہ سال لڑائی لڑنے کی ابوسفیان کی دھمکی سنی تو ان کی مسرت کا ٹھکانا نہ تھا۔ لیکن اگلے سال قریش قحط سالی کی وجہ سے واپس چلے گئے تو سلام بن ابی حقیق، حی بن اخطب، کنانہ بن ابی حقیق، ہوذہ بن قیس، ابو عمار وائل، سلام بن مشکم اور کنانہ بن ربیع پر مشتمل یہودیوں کا ایک وفد مکہ گیا اور قریش کو رسالت مآب ﷺ سے جنگ کی دعوت دی، ان کی طرف دوستی و حمایت کا ہاتھ بڑھایا اور خود اہل کتاب ہونے کے باوجود یہ تک کہہ دیا" محمد ﷺ اور ان کے ساتھی (معاذ اللہ) گمراہ ہیں اور تم لوگ صحیح راستہ پر ہو اور تمہارا موقف درست ہے۔"

قریش اور ابوسفیان تو پہلے ہی سے تیار تھے۔ یہودیوں کی شہ پا کر وہ مدینہ پر حملہ کرنے اور ایک بڑی فیصلہ کن جنگ کے ذریعہ اس قدیم تنازعہ کو نمٹانے کے لیے آمادہ ہو گئے۔ اپنی اس کوشش میں نمایاں کامیابی حاصل کر کے یہودیوں کے مذکورہ بالا رئیس، بنی غطفان کے پاس گئے اور انہیں بھی محمد ﷺ سے دعوت مبارزت دی اور اپنی اعانت کا بھی یقین دلایا۔ وہ بھی آمادہ جنگ ہو گئے۔ اس کے بعد عرب کے دیگر قبائل کو اس پر آمادہ کر لیا گیا۔

بالآخر قریش ابوسفیان کی قیادت میں چار ہزار کا لشکر لے کر نکلے۔ ظہران میں بنو سلیم ان سے مل گئے، اس کے علاوہ بنو اسد،

فزارہ، اشجع اور بنو مرہ بھی آن ملے۔ غطفان اور ان کا سردار عینیہ بن حصن بھی آ گیا۔ اس طرح ان لوگوں کی تعداد دس ہزار ہو گئی۔ (۱۵۵) یہ لشکر تین مستقل فوجوں میں منقسم تھا۔ عینیہ بن حصن بنو فزارہ کی نمائندگی کر رہا تھا۔ بنو مرہ کی نمائندگی حارث بن عوف نے کی اور مسعر بن رخیلہ نے بنو اشجع کی قیادت کی۔ (۱۵۶) ابن سعد کا خیال تھا کہ غطفان کی فوجیں عینیہ بن حصن فزاری کی کمان میں تھیں۔ بنو اسد طلحہ کی افسری میں تھے اور ابو سفیان بن حرب سپہ سالار کل تھا۔ (۱۵۷)

جب رسول کریم ﷺ کو ان دشمنان اسلام کی جنگی تیاریوں کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے سلمان فارسیؓ کے مشورہ پر خندق کھودنے کا حکم دیا۔ (۱۵۸) پر خندق سلع کے سامنے کھودی گئی۔ یہ پہاڑ تھا جو مسلمانوں کی پشت پر تھا۔ خندق کی تیاری میں آپ ﷺ نے بنفس نفیس حصہ لیا۔ (۱۵۹) اندازاً اس کی چوڑائی ۱۰ گز، عمیق ۵ گز اور مجموعی لمبائی ۲/۱۔۳ میل تھی۔ کھدائی کے کچھ آلات بنو قریضہ سے معاہدہ کے تحت مستعار لیے گئے۔ خندق کے ساتھ کئی چوکیاں بنائی گئیں تاکہ اس کے ہر حصہ کی نگرانی ہو سکے۔ خندق کی تیاری تک دشمنان اسلام جرف اور زغانہ کے درمیان پڑاؤ ڈال چکے تھے۔ جرف مدینہ کے شمال مغرب میں کوئی تین میل اور زغانہ اس سے ذرا آگے ہے۔

رسول کریم ﷺ کوئی تین ہزار مسلمانوں کو لے کر مدینہ نکلے۔ (۱۶۰) آپ ﷺ نے پہاڑ کو پشت پر رکھا اور خندق مسلمانوں اور کفار کے درمیان حائل تھی۔ آپ ﷺ نے عبداللہ بن ام مکتوم کو مدینہ کا حاکم مقرر فرمایا۔ بچوں اور عورتوں کو قلعوں میں پہنچا دیا گیا تاکہ وہ محفوظ رہیں۔ خندق کی تیاری کے دوران جن منافقین نے تساہل سے کام لیا اس طرح حی بن اخطب نے بنو قریظہ کو بھی طویل مباحثہ کے بعد ورغلایا۔ آپ ﷺ صورت حال کا علم ہوا تو سعدؓ بن معاذ، سعدؓ بن عبادہ، خوات بن جبیر اور عبداللہؓ بن رواحہ کو حالات سے آگاہ ہونے کے لیے بھیجا۔ انہوں نے بنو قریظہ کی عہد شکنی کی تصدیق کی اس طرح بنی حارثہ نے بھی آپ ﷺ سے واپس جانے کی اجازت طلب کی اور استدلال یہ پیش کیا کہ ہمارے گھر خالی ہیں۔ حالانکہ ان کے گھر خالی نہ تھے وہ تو صرف راہ فرار چاہتے تھے۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا! اللہ اکبر! اے مسلمانوں مقام مسرت ہے ابتلاء شدید تر صورت اختیار کر گیا ہے اور نفاق ظاہر ہو گیا ہے۔

احزاب نے تقریباً ایک ماہ تک محاصرہ کیے رکھا لیکن خندق حائل ہونے کی وجہ سے جنگ نہ ہو سکی۔ دونوں طرف سے تیر اندازی اور سنگ باری ہوتی رہی۔ قریش کے چند سواروں نے خندق عبور کرنے کی کوشش کی ان میں عمرو بن عبدود بن قیس، عکرمہ بن ابو جہل، ہبیرہ بن ابی وہب مخزومی، ضرار بن خطاب شاعر اور ابن مرداس نے خندق کو ایک تنگ جگہ سے پار کیا۔ علیؓ ایک جمعیت کے ساتھ ادھر سے گزرے اور عمرو کو اسلام کی دعوت دی لیکن اس نے مقابلہ کو ترجیح دی۔ عمرو قتل ہوا اور باقی سوار شکست کھا کر بھاگ گئے۔

مسلمانوں کا شعار حم لا ینصرون تھا۔ مسلمانوں کو سخت آزمائش سے گزرنا پڑا۔ آپ ﷺ نے عینیہ بن حصن اور حرث بن عوف، جو غطفان کے سردار تھے، کو مدینہ کے پھلوں کے ایک ثلث پر مصالحت کا ارادہ فرمایا اس سلسلے میں مذاکرات جاری ہو گئے قطعی فیصلے سے قبل آپ ﷺ نے سعدؓ بن معاذ اور سعد بن عبادہؓ سے مشورہ طلب کیا۔ انہوں نے عرض کی "اے رسول اللہ ﷺ! اگر

اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے تو پھر بسرو چشم۔ اور اگر آپ ﷺ ہمارے لیے ایسا کرنا چاہتے ہیں تو اس کی ضرورت نہیں۔ ہم مشرک تھے۔ اس وقت یہ لوگ صرف مہمانی یا خرید کی صورت میں کھا سکتے تھے۔ اب جبکہ ہمیں اسلام کی وجہ سے عزت ملی ہے تو ہم ان کو لڑے بغیر ہرگز مال نہ دیں گے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، "میرا یہ محض ارادہ تھا کیونکہ تمام عرب متحد ہو کر تمہارے خلاف نبرد آزما ہونے والے ہیں اور تمہارے لیے دشواریاں پیدا کر رہے ہیں۔ میں ان کی طاقت کسی حد تک توڑنا چاہتا تھا۔"

اس پر سعد بن معاذؓ نے وہ پرچہ لیا اور اس پر جو تحریر تھی اسے مٹا ڈالا اور عرض کی "اب کفار ہمارے خلاف قوت آزمائی کر لیں۔" (۱۶۱)

دریں اثناء نعیم بن مسعود بن عامر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گذارش کی کہ میں اسلام قبول کر چکا ہوں لیکن میرے قبیلے غطفان کو اس کا علم نہیں۔ اب آپ ﷺ کا جو منشاء ہو فرمائیے۔"

آپ ﷺ نے فرمایا، "تم مشرکین کی صفوں میں انتشار پیدا کر سکتے ہو کیونکہ الحرب خدعۃ یعنی جنگ مغالطہ کا نام ہے۔" (۱۶۲) نعیم پہلے بنو قریظہ کے پاس پہنچے کہ دور جاہلیت میں ان کے ندیم تھے۔ ان کو سمجھایا کہ یہ شہر تمہارا ہے اس میں تمہاری اولاد اور املاک ہیں۔ اگر حملہ آور جیت گئے تو لوٹ مار میں تم بھی متاثر ہو گے۔ بصورت دیگر یہ اپنے اپنے شہروں کو چلے جائیں گے اور تم محمد ﷺ کے رحم و کرم پر ہو گے۔"

بنو قریظہ نے نعیم کے مشورے کو قبول کر لیا۔ پھر نعیم قریش کے پاس پہنچے اور ان کو یہ نکتہ سمجھایا کہ تمہارا بہی خواہ ہوں اس لیے تمہیں حقیقت حال سے آگاہ کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ یہودی اپنے اس برتاؤ پر بہت نادم ہیں جو انہوں نے محمد ﷺ کے ساتھ کیا ہے۔ انہوں نے محمد ﷺ کو اپنی ندامت کی اطلاع دے دی ہے اور ان سے پوچھا ہے کہ ہم قبیلہ قریش اور قبیلہ غطفان کے اشراف پکڑ کر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کرنے کو تیار ہیں، ہم آپ ﷺ کے ساتھ ہیں۔" نعیم نے مزید بتایا" تم یہود کے پاس کسی کو بھیج کر میری بات کی تصدیق کر لو خبردار اپنے آدمی بطور رہن نہ بھیجنا۔"

اب نعیم بنو غطفان کے پاس پہنچے اور ان کو بھی وہی کچھ کہا جو قریش کو کہا تھا اور اس طرح ان کے دلوں پر ہیبت اٹھائی۔

اسی اثناء میں ابوسفیان اور رؤسائے غطفان نے قریش اور غطفان کے کچھ افراد کے ساتھ عکرمہ بن ابوجہل کو بنو قریظہ کے پاس روانہ کیا اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ جنگ پر آمادہ کیا۔ بنو قریظہ نے یوم سبت کی آڑ لی اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ "ہم اس وقت تک نہیں لڑ سکتے جب تک تم اپنے کچھ آدمی ہمارے پاس بہ طور رہن نہ رکھو۔" قریش اور غطفان کے کچھ افراد کے ساتھ عکرمہ بن ابوجہل کو بنو قریظہ کے پاس روانہ کیا اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ جنگ پر آمادہ کیا۔ بنو قریظہ نے یوم سبت کی آڑ لی اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ ہم اس وقت تک نہیں لڑ سکتے جب تک تم اپنے کچھ آدمی ہمارے پاس بطور رہن نہ رکھو۔" قریش اور غطفان نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا لیکن ساتھ ہی جنگ پر اکسایا۔

اس طرح دشمنان اسلام آپس میں ہی تفرقہ اور انتشار کا شکار ہو گئے اور ساتھ ہی موسم سرما کی یخ بستہ ہواؤں نے ایسے تیز

جھونکے چلے کہ قریش کی ہانڈیاں الٹ گئیں (۱۶۳) آپ ﷺ نے حذیفہ بن یمان کو ان کی خبر لینے کو بھیجا، انہوں نے واپس آکر اطلاع دی کہ وہ واپسی کی تیاری شروع کر رہے ہیں۔

اگلی صبح آپ ﷺ بھی مسلمانوں کو لے کر مدینہ واپس تشریف لے آئے۔ مدینہ کو مکمل تباہی سے بچالیا گیا جب کہ یہودی بھی وہاں موجود رہے اور اہل مکہ کے ساتھ برابر کے شریک تھے جنگ خندق کا نتیجہ تنظیم کا محض انبوہی طاقت کی ایک تازہ فتح تھی۔ (۱۶۴)"

The result of the " Battle of Duten" was a fresh victory of organization over shear mass power.

غزوۂ احزاب میں چھ مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا جبکہ مشرکین کے تین افراد ہلاک ہوئے۔ (۱۶۵)

۱۹ غزوہ بنی قریظہ

(ذی قعدہ سن ۵ ھ بمطابق اپریل ۶۲۷ء)

غزوہ احزاب میں محاصرے میں جب روز افزاں شدت پیدا ہوتی چلی گئی تو نہایت ہی نازک دور آگیا۔ اس کے لیے ساز باز غالباً آغاز ہی سے خفیہ خفیہ شروع ہو چکی تھی۔ چونکہ مدینہ پر خندق کی وجہ سے عام یورش ناممکن تھی اس لئے مسلمانوں کو شکست سے ہم کنار کرنے کے لیے دوسرا طریقہ وضع کیا گیا یعنی جنگ مدینہ کے اندر سے شروع کی جائے۔ ابوسفیان اور اس کی فوج نے خندق کو تو عبور کرنے میں ناکام رہے لیکن وہ بنو قریظہ سے رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے اور اس کے کچھ ساتھیوں نے بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد کو کسی نہ کسی طرح میثاق مدینہ سے بد عہدی پر آمادہ کر لیا۔ اس طرح ان کی میثاق مدینہ کی خلاف ورزی ڈھکی چھپی نہ رہی۔ اس کے ساتھ ساتھ منافقین بھی تھے تو جو ایک فریق کے راز دوسرے فریق کو بتانے میں کوئی تامل نہ کرتے تھے۔

بنو قریظہ کی غداری کی اطلاع میں سب سے پہلے عمر فاروقؓ نے آپ ﷺ کو دی اور عرض کیا کہ "یارسول اللہ! میرے علم میں یہ بات آئی ہے کہ بنو قریظہ نے اپنا معاہدہ توڑ دیا ہے اور اب ہمارے ساتھ بحالت جنگ میں ہیں۔" اس انکشاف پر آپ ﷺ کی پریشانی فطری تھی۔ آپ ﷺ نے زبیرؓ بن عوام کی صورت حال کی آگاہی کے لیے بھیجا۔ پھر اسی خیال سے کہ انصار کہیں یہ خیال نہ کریں کہ ان کو نظر انداز کیا گیا، سعدؓ بن معاذ اور سعدؓ بن عبادہ کو بلا بھیجا۔ (۱۶۶)

وہ آئے اور ان سے فرمایا، "جاؤ اور دیکھو کہ حقیقت کیا ہے، اگر یہ جھوٹ ہو تو صاف کہہ دینا۔ لیکن اگر سچ ہو تو یہ مجھے اس طرح بتانا کہ صرف مجھے ہی پتہ چلے"۔

یہ حضرات بنو قریظہ کے قلعے میں پہنچے۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ وہ واقعی معاہدہ توڑ چکے ہیں۔ انہوں نے یہودیوں کو معاہدے کی پاسداری کرنے کے لیے زور دیا تو وہ بولے "لاعقد بیننا وبین محمد ولا عهد یعنی ہمارے اور محمد ﷺ کے مابین کوئی عہد و پیمان

نہیں ہے۔"

آپ ﷺ کے فرستادوں نے بنو قینقاع کو بنی قریظہ اور بنی نضیر کی قسمت کا حوالہ دے کر سمجھانے کی کوشش کی لیکن ان کو احزاب کی فتح کا اس قدر یقین تھا کہ وہ کسی کی بات سنتے ہی نہ تھے۔ کعب پر بدعہدی کا رنگ غالب آچکا تھا۔ سعدؓ بن معاذ نے اسے برا بھلا کہا اور انجام بد سے بھی ڈرایا مگر اس پر کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ یہ حضرات واپس آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے کہا "عضل" اور "رقارہ"۔ یہ وہ دو قبائل تھے جنہوں نے خبیبؓ اور ان کے ساتھیوں کو دھوکا دیا تھا۔ آپ ﷺ بات کی تہہ تک پہنچ گئے جب کہ دوسرے سننے والے حقیقت احوال سے واقف نہ ہو سکے۔ اس طرح آپ ﷺ کی ہدایت کے مطابق یہ فرض ادا کر دیا گیا تا کہ مسلمانوں میں ہراس اور بددلی پیدا نہ ہو۔ آپ ﷺ نے اللہ اکبر کہنے کے بعد فرمایا کہ مسلمانو خوش ہو جاؤ۔ (۱۶۷)

بنو قریظہ کے مردوں کی تعداد چھ سو کے قریب تھی۔ دو ہزار نیزے، ڈیڑھ ہزار تلواریں، ڈیڑھ ہزار ڈھالیں اور تین سو زرہیں ان کے پاس مسلمانوں کے خلاف استعمال کرنے کے لیے موجود تھیں۔ انہوں نے ابتلاء کے اس وقت مسلمانوں کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے کا فیصلہ کیا۔ ابوبکر صدیقؓ کا کہنا ہے کہ اس واقعہ کے بعد مسلمانوں کی تشویش میں اضافہ ایک فطری امر تھا کہ کہیں ہمارے پیچھے عورتوں اور بچوں پر حملہ نہ ہو جائے اس تشویش کے پیش نظر ابوبکر صدیقؓ بار بار کوہ سلع پر چڑھ کر دیکھتے تھے کوئی سانحہ تو رونما نہ ہو گیا ہو۔ اب یہ ضروری تھا کہ خندق پر موجود فوج کی تعداد کم کی جائے اور شہر کے اندر اس کی تعداد تعینات کی جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ایک سو افراد واپس بھیج دیے تا کہ کسی ممکنہ شورش کا مقابلہ کیا جا سکے۔ اسی اثناء میں خبر ملی کہ حیی بن اخطب قریش اور غطفان پر زور دے رہا ہے کہ ان میں سے ہر کوئی ایک ہزار سپاہی رات کو بنو قریظہ سے قلعے میں بھیج دے۔ جہاں سے وہ شہر کے قلب پر حملہ کریں گے اور اس طرح مسلمانوں کی عورتوں اور بچوں کو اٹھالیں۔ نامعلوم اسباب کی بناء پر مقررہ رات ایک سے زائد دفعہ ٹلتی رہی۔ اس طرح یہ ناپاک منصوبہ مکمل نہ ہو سکا لیکن حفظ ماتقدم کے تحت آپ ﷺ نے زیدؓ بن حارث کو تین سو سپاہیوں کے ساتھ گلیوں میں گشت کرنے کا فریضہ سونپا۔

میثاق مدینہ کی رو سے بنو قریظہ کو مدینہ کی اسلامی ریاست میں شہری حقوق حاصل تھے لیکن انہوں نے عہد شکنی اور مسلمانوں کے دشمن حیی بن اخطب کو اپنے قلعے میں پناہ دی۔ ان شواہد کی روشنی میں جب عسکری سیاسی اور ملکی نکتہ نگاہ سے مزید مہلت دینا ایک غیر منطقی اقدام ہوتا۔ آپ ﷺ نے مقدمۃ الجیش کے طور پر علی المرتضیٰؓ کو بنو قریظہ کی طرف بھیجا۔ جب وہ وہاں پہنچے تو حیی بن اخطب اور دوسرے یہودیوں کو آپ ﷺ کی شان میں گستاخانہ کلمات کہتے سنا۔ وہ فوراً ہی واپس آگئے۔ راستے میں ان کی ملاقات رسول کریم ﷺ سے ہوئی۔ علی المرتضیٰؓ نے عرض کیا کہ آپ ﷺ ادھر تشریف نہ لے جائیں کیونکہ وہ آپ ﷺ کی شان میں گستاخانہ رویہ اختیار کیے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "مجھے دیکھتے تو کچھ نہ کہتے" اور فی الواقعہ ایسا ہی ہوا۔ آپ ﷺ نے ان کے قریب پہنچ کر با آواز بلند کہا:

یا اخوان القردۃ ھل اخذا کم اللّٰہ وانزل بکم نعمتہ

"اے بندروں کی برادری! کیا اللہ تعالیٰ نے تم کو ذلیل نہیں کیا تھا اور تم پر اپنا غضب نہیں بھیجا تھا"

جواب میں بنو قریظہ نے کہا: "اے ابوالقاسم! آپ ﷺ ناواقف نہیں۔(۱۶۸)

آپ ﷺ بنو قریظہ کے خلاف اپنے جاسوسی کا کامیاب نظام کی بناء پر ہی اقدام کر سکے۔ وہ اپنی حربی تیاریوں سے معمولی سا فائدہ بھی اٹھا سکے۔ کیونکہ آپ ﷺ کی سریع الحرکت فوج نے ان کی فکری اور ذہنی قوت کو ناکارہ بنا کر رکھ دیا۔ آپ ﷺ نے ان کا محاصرہ کر لیا جو پچیس روز تک جاری رہا۔ بالآخر انہوں نے سعدؓ بن معاذ کو اپنا ثالث مقرر کیا جنہوں نے فیصلہ دیا کہ بنو قریظہ کے قابل جنگ مردوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کا مال و زر تقسیم کر دیا جائے، ان کی عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر لیا جائے۔(۱۶۹)

۲۰۔ غزوہ بنی لحیان

(ربیع الاول سن ۶ ہجری بمطابق جولائی ۶۲۷ء)

بنی لحیان نے اصحابؓ رجیع کے ساتھ جو ظالمانہ سلوک کیا تھا۔ آپ ﷺ نے ان کو سزا دینے کے لیے دو سو مجاہدین کے ساتھ رخت سفر باندھا۔ روانگی کے وقت آپ ﷺ نے یہ ظاہر کیا کہ آپ ﷺ شام کا ارادہ رکھتے ہیں۔ مقصد یہ تھا کہ اثنائے راہ میں اگر دشمن پر کوئی کامیاب چھاپہ مارنے کا موقع مل سکے تو اس سے فائدہ اٹھائیں۔(۱۷۰)

مدینہ سے نکل کر آپ ﷺ شام کی جانب غراب نامی پہاڑ کی راہ لی۔ پھر آپ ﷺ نے مخیص نامی پہاڑ کے قریب سے ہوتے ہوئے تبراء پہنچے۔ یہاں سے آپ ﷺ بائیں جانب مڑے اور بین نامی وادی سے گزرتے ہوئے صخیرات الیمام آئے۔ اس کے بعد آپ ﷺ سیدھے مکے کی شاہراہ جس سے حاجی سفر کرتے ہیں، پر جا پہنچے۔ وہاں آپ ﷺ نے تیز چلنا شروع کیا۔ اس طرح شتاب روی کے غران پر منزل کی۔ یہ رابغ اور عسفان کے درمیان ایک وادی ہے جو مقام سایلہ تک چلی جاتی ہے۔ یہاں بنولحیان کی بستیاں واقع تھیں۔

منزل پر پہنچ کر آپ ﷺ نے ابوبکر صدیقؓ کو دو سو افراد کے ساتھ آگے بھیجا تا کہ وہ اتم نامی مقام تک جا کر دشمن کا پتا لگائیں، جو آپ ﷺ کی آمد کی خبر سن کر پہاڑوں کی جانب بھاگ گئے۔ ابوبکر صدیقؓ کراع الغمیم تک گئے مگر کوئی مقابلہ نہ ہوا وہاں سے واپس آئے۔ اس سریہ کے بھیجنے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ قریشؓ کو مسلمانوں کے آنے کا حال معلوم ہو جائے اور ان پر رعب طاری ہو جائے۔

اس کے بعد ۱۴ ربیع الاول ۶ھ بمطابق ۱۳ اگست ۶۲۷ء کو ۱۴ دن باہر گزار کر آپ ﷺ مدینہ تشریف لے آئے۔(۱۷۱)

۲۱۔ غزوہ غابہ یا غزوہ ذی قرد

ربیع الاول ۶ھ بمطابق اگست ۶۲۷ء)

غابہ مدینہ منورہ کے شمال میں شام کے راستے پر ایک جنگل تھا جہاں چراگاہیں تھیں جن میں چرنے کے لیے مدینہ کے بعض آدمی اپنے جانور چھوڑ دیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنی دودھ دینے والی بیس اونٹنیاں اسی جگہ چھوڑ رکھی تھیں اور ان کی نگرانی

پر ابوذرؓ کے بیٹے مامور تھے۔ غابہ کا مدینہ سے فاصلہ بارہ میل یا ایک دن کے مسافت کے بقدر تھا۔ (۱۷۲)

ذی قرد، خیبر کے راستہ میں ایک جگہ تھی جس کا فاصلہ مدینہ سے دو دن کی مسافت کے بقدر تھا (۱۷۳)

یہ جگہ اپنے چشمے کی وجہ سے مشہور اور اہم تھی۔ اس غزوہ میں رسول اللہ ﷺ اس چشمے تک تشریف لے گئے تھے۔ چونکہ اس غزوہ کا تعلق غابہ اور ذی قرد دونوں سے ہے اس لیے بعض کے یہاں اس کا تذکرہ غزوہ ذی قرد کے نام سے ملتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ ۱۴ ربیع الاول ۶ ہ بمطابق ۳ اگست ۶۲۷ء بروز دوشنبہ غزوہ بنی لحیان سے واپس آئے۔ ابھی آپ ﷺ کو لوٹے ہوئے مشکل سے دو دن ہوئے تھے کہ ۱۶ ربیع الاول ۶ھ بمطابق ۵ اگست ۶۲۷ء شب چہار شنبہ کو عینیہ حصن بن حذیفہ بن بدر الفزاری بنو غطفان کے چالیس سواروں کو لے کر الغابہ پر حملہ آور ہوا۔ ابوذر غفاریؓ کے بیٹے کو قتل کر دیا اور ان کی زوجہ لیلیٰ کو اٹھایا، نیز رسول اللہ ﷺ کی بیس اونٹنیاں بھی جو اس چراگاہ میں چرتی تھیں ہنکا کر لے گیا۔

سلمہؓ بن عمر بن الاکوع اسلمی پہلے فرد تھے جنہیں اس غارت گری کا علم ہوا، یہ صبح سویرے ہی تیر و کمان سے آراستہ ہو کر غابہ کے ارادے سے نکلے۔ انہوں نے دشمن کو دیکھ کر یا صباحاہ کا نعرہ لگایا پھر دشمن پر ٹوٹ پڑے، جب پتھر پھینکتے تو انا ابن الاکوع والیوم الرضع "یہ تو میں بن الاکوع ہوں۔ آج کا دن کمینے آدمیوں کی ہلاکت کا دن ہے۔" کہتے۔

ان کی پکار رسالت مآب ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ نے مدینہ میں "الفزع الفزع" (خطرہ خطرہ) کا نعرہ لگایا۔ اس پر سب مسلمان سوار جوق در جوق آئے اور پھر آپ ﷺ کے گرد جمع ہو گئے۔ مدینہ سے روانگی سے قبل حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کو اپنا قائم مقام مقرر کیا اور حضرت سعد بن عبادہؓ کو ان کی قوم کے تین سو آدمیوں کے ساتھ مدینہ کی حفاظت کے لیے چھوڑ دیا (۱۷۴) راستے کی رہبری کے لیے ابو حدرد اسلمی کو اپنے ساتھ لیا۔ (۱۷۵) اور پانچ سو افراد کے ساتھ دشمن پر حملہ آور ہوئے۔ اپنے سب مویشی چھڑا لیے اور لیلیٰ کو واپس لائے۔ اس مہم میں حبیب بن عینیہ بن حصن کو قتل کیا گیا۔ (۱۷۶)

رسول اللہ ﷺ ذی قرد میں ایک شبانہ روز مقیم رہے وہاں آپ ﷺ صلوٰۃ الخوف ادا کی۔ سو سو (۱۰۰-۱۰۰) اصحابؓ میں ایک ایک اونٹ تقسیم کر دیا جسے ذبح کرتے اور کھاتے تھے۔ اسی اثناء میں سعد بن عبادہؓ نے مدینہ سے آپ ﷺ کی ضرورت میں کئی بورے کھجور اور دس اونٹ روزانہ روانہ کیے اور اس طرح رسد کی کوئی کمی نہیں ہوئی۔

مال غنیمت کو آپ ﷺ نے تقسیم فرمایا تو حضرت سلمہؓ کو ایک حصہ پیدل کا اور ایک سوار کا دیا۔ ایک دن رات ذی قرد کے چشمے کے قریب قیام کر کے ۱۹ ربیع الاول ۵ھ کو آپ ﷺ نے مدینہ کی جانب مراجعت فرمائی۔ حضرت سلمہؓ کو اپنے پیچھے اونٹنی پر سوار ہونے کا شرف بخشا۔ ۲۱ ربیع الاول مطابق ۱۰ اگست ۶۲۷ء کو چاشت کے وقت مدینہ کے قریب پہنچ گئے۔ اور دوپہر سے پہلے مدینہ میں داخل ہو گئے۔

۴۲۔غزوہ (صلح) حدیبیہ

(ذی القعدہ سن ۶ ھ بمطابق مارچ ۶۲۸ ء)

اس واقعہ کو غزوہ ان معنوں میں کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بہ نفس نفیس اس میں شریک ہوئے۔ ورنہ یہ کوئی جنگی مہم نہیں تھی بلکہ آپ ﷺ صحابہؓ کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ عمرہ کی نیت سے مکہ کی جانب روانہ ہوئے تھے۔

غزوہ (صلح) حدیبیہ کے اسباب کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مکہ سے مسلمانوں کو نکلے ہوئے تقریباً چھ برس گزر گئے تھے لیکن وطن کی یاد اکثر ان کے دلوں میں چٹکیاں لیتی رہتی تھی بعض صحابہؓ تو مکہ کو یاد کر کے روتے تھے۔ ادھر حج کی تمنا رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کے دلوں میں شدت اختیار کرتی جا رہی تھی۔ حج زمانہ جاہلیت سے ہی عربوں کا ایک قومی شعار سمجھا جاتا تھا۔ دشمنوں تک کو اس کی ادائیگی سے نہیں روکا جاتا تھا۔ ایسی صورت حال میں مسلمانوں کو بھی پورا حق پہنچتا تھا کہ وہ اس کو ادا کر سکیں۔

اہل مدینہ کو اس امر سے مطلع کیا، بلکہ آس پاس کی اور بستیوں میں بھی اعلان کرا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شمع رسالتؐ کے ۱۴۰۰ پروانے اس سفر سعادت میں آپ ﷺ کے ہمرکاب ہو گئے۔ قریش مکہ کو یہ یقین دلانے کے لیے کہ مسلمانوں کا ارادہ محض عمرہ کرنے کا ہے لڑنے جھگڑنے کا نہیں آپ ﷺ کے حکم سے سب نے مدینہ سے ہی احرام باندھے۔ قربانی کے جانور ساتھ لیے۔ سوائے نیام کی تلوار کے اور کوئی ہتھیار ساتھ نہیں لیا اور ذی قعدہ کی چاندرات یعنی ۳۰ شوال ۶ ہجری بمطابق ۱۳ مارچ ۶۲۸ ء بروز دوشنبہ مکہ کی جانب روانہ ہوئے۔

تمام صلح جویانہ تدابیر کے باوصف قریش مکہ کو آپ ﷺ کی آمد سخت ناگوار ہوئی۔ انہوں نے جمع ہو کر طے کیا کہ آپ ﷺ کو اور کسی مسلمان کو حدود حرم میں داخل نہ ہونے دیا جائے گا۔ اس کے لیے وہ مرنے مارنے پر تیار ہو گئے۔ یہی نہیں بلکہ انہوں نے باقاعدہ سوار فوج خالد بن ولید کی سرکردگی میں کراع الغمیم کی طرف بھیج دی۔ آنحضرت ﷺ کو ان باتوں کی اطلاع عسفان کے مقام پر ملی۔ لہٰذا آپ ﷺ نے مکہ کا تمام راستہ چھوڑ کر ثنیۃ المرار کی راہ اختیار کی اور حدیبیہ کے مقام پر پہنچ کر قیام فرمایا۔

حدیبیہ مکہ مکرمہ کے مغرب کی طرف ۱۲ میل (۱۷۷) کے فاصلہ پر ایک کنواں تھا۔ اس کے نام پر آبادی کو بھی حدیبیہ کہا جانے لگا۔ آج کل اس مقام کو شمیسی یا شمیسہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور یہ اس سڑک پر واقع ہے جو مکہ کو جدہ سے ملاتی ہے۔

حدیبیہ میں سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں خزاعہ کے سردار بدیل بن ورقاء اپنے چند ساتھیوں کے حاضر ہوئے۔ ان کے ذریعہ آپ ﷺ نے اپنے مقصد سفر سے قریش مکہ کو مطلع کیا اور کہلا بھیجا کہ ہم صرف عمرہ کی غرض سے آئے ہیں اور ہمارا مقصد لڑنا جھگڑنا نہیں اور نہ کسی قسم کا ہنگامہ ہے۔ جب یہ پیغام قریش کو ملا تو انہوں نے ایک رئیس عروہ بن مسعود ثقفی کو مزید گفتگو کے لیے بھیجا اس کا انداز نہایت گستاخانہ اور توہین آمیز تھا لیکن آپ ﷺ نے خاموشی سے برداشت کیا اور متانت اور سنجیدگی سے تمام باتوں کا جواب دیا۔ البتہ عروہ کی بعض حرکتوں کو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت ابو مغیرہ بن شعبہؓ برداشت نہ کر سکے

اور ان دونوں نے عروہ کو سخت سست باتیں کہیں۔

عروہ نے مکہ واپس جا کر حضور ﷺ کی پوری گفتگو قریش کے سامنے دہرا دی۔ اور رسول اللہ ﷺ کی شان وعظمت اور صحابہؓ کی اطاعت کا بھی پورا نقشہ کھینچ دیا۔ لیکن غالباً قریش اس باتوں سے متاثر نہیں ہوئے کیونکہ کچھ عرصہ تک ان کے پاس سے کوئی جواب نہیں آیا۔ تب آنحضرت ﷺ نے خراش بن امیہ خزاعی کو قاصد بنا کر قریش کے پاس بھیجا۔ لیکن انہوں نے خراش کے قاصد ہونے کا بھی کچھ خیال نہیں کیا اور اس کو قتل کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ لوگوں نے کہا سنا تو باز رہے خراش وہاں سے چھوٹ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے قریش نے ایک شرارت اور کی اور وہ یہ کہ چالیس پچاس آدمیوں کو اسلامی لشکر کی طرف روانہ کیا کہ اگر حضور ﷺ کے صحابہ میں سے کوئی ہاتھ لگ جائے تو اس کو گرفتار کر لائیں۔ (۱۷۸) ان لوگوں نے مسلمانوں کے قریب پہنچ کر پتھر برسانے شروع کر دیے۔ صحابہؓ نے ان لوگوں کو گرفتار کر کے حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ لیکن حضور ﷺ نے ان کو معافی دے کر چھوڑ دیا۔

آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ پھر مفاہمت کی کوشش کی۔ آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ تم قریش کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ ہمیں عمرہ کرنے دیں اور کسی قسم کی ناخوشگوار فضا پیدا نہ کریں۔ حضرت عمرؓ نے اپنے مزاج کی تیزی اور قریش کے ساتھ اپنی دشمنی کا حال بتا کر عرض کیا کہ "آپ ﷺ بجائے میرے عثمانؓ بن عفان کو بھیجیں کہ وہ حلیم الطبع ہیں اور قریش کے نزدیک مجھ سے زیادہ بہتر اور عزیز بھی ہیں۔"

حضور ﷺ نے اس تجویز کو پسند فرمایا اور حضرت عثمانؓ کو اشراف قریش کے پاس پیغام دے کر بھیجا کہ، "ہم جنگ کی غرض سے نہیں آئے بلکہ ہمارا مقصد محض کعبہ کی زیارت ہے لہٰذا وہ مزاحم نہ ہوں۔" (۱۷۹)

حضرت عثمانؓ نے مکہ پہنچ کر حضور ﷺ کا پیغام قریش کو دیا۔ وہ کہنے لگے:

"اے عثمانؓ! ہم محمد ﷺ اور ان کے اور ان کے ساتھیوں کو ہرگز زیارت نہیں کرنے دیں گے۔
تم اگر چاہو تو خانہ کعبہ کی زیارت کر سکتے ہو۔"

حضرت عثمانؓ نے کہا! میں حضور ﷺ کے بغیر طواف و زیارت نہیں کر سکتا۔"

ان کے اس جواب پر قریش بہت برہم ہوئے انہوں نے ان کو پکڑ کر بٹھا لیا اور حضور ﷺ کے پاس واپس نہیں جانے دیا۔ مسلمانوں کو یہ اطلاع ملی کہ عثمانؓ شہید کر دیے گئے ہیں۔ اس پر مسلمان عموماً اور آنحضرت ﷺ خصوصاً بہت رنجیدہ ہوئے اور آپ ﷺ نے فرمایا میں اس وقت تک یہاں سے نہیں جاؤں گا جب تک عثمانؓ کے خون کا بدلہ مشرکین سے نہیں لے لوں گا۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے ببول کے ایک درخت سے تکیہ لگا کر بیٹھ گئے اور جملہ صحابہؓ سے قصاص عثمانؓ کے لیے بیعت لینے لگے۔ تمام صحابہؓ نے نہایت جوش وخروش سے آپ ﷺ کے دست مبارک پر جاں نثاری کی بیعت کی۔ اسی بیعت کو قرآن حکیم نے "بیعت الرضوان" کہا ہے اور سورۂ فتح میں ان الفاظ میں اس کا ذکر کیا ہے:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ

وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ﴾ (۱۸۰)

"خدا مسلمانوں سے راضی ہوا جب وہ (اے محمد ﷺ) درخت کے نیچے تمہارے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب کا حال جان لیا۔ ان پر تسلی نازل فرمائی اور ان کو قریبی فتح عطا فرمائی۔"

بیعت الرضوان کا ایک اہم پہلو یہ تھا کہ چونکہ حضرت عثمان ؓ کی شہادت کی خبر مصدقہ نہیں تھی اس لیے حضور ﷺ نے اس موقع پر ان کی جانب سے بھی بیعت کی اور اپنے بائیں ہاتھ کو حضرت عثمان کا ہاتھ قرار دے کر اس کو اپنے دائیں ہاتھ پر مارا اور فرمایا کہ "وہ اللہ کی حاجت اور اس کے رسول ﷺ کی حاجت میں گئے ہیں۔" (۱۸۱)

قریش نے بیعت کا حال سنا تو وہ ذرا نرم پڑے اور اپنے قاصد بھیج کر مفاہمت و مصالحت کی کوشش کرنے لگے۔ چنانچہ انہوں نے سہیل بن عمرو عامری کو چند آدمیوں کے ہمراہ آپ ﷺ کی خدمت میں بھیج کر کہلوایا کہ:

"آپ ﷺ اس سال واپس چلے جائیں ورنہ تمام عرب یہ کہیں گے کہ محمد ﷺ نے زبردستی عمرہ کر لیا اور قریش کچھ نہ کر سکے اس میں ہماری بڑی بدنامی ہوگی۔" (۱۸۲)

سہیل بن عمرو مکہ سے روانہ ہو کر آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچا۔ آپ ﷺ نے دور سے دیکھ کر سمجھ لیا کہ صلح کا پیغام لے کر آ رہا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے بھی صحابہؓ سے فرمایا کہ "اس کو قریش نے صلح کے لیے بھیجا ہے۔"

بہر حال سہیل آیا اس نے حضور ﷺ کے سامنے ایک لمبی چوڑی تقریر کی۔ آپ ﷺ سنتے رہے جب وہ ختم کر چکا تو پھر صلح کی بات چیت شروع ہوگئی۔ اس نے کچھ تجویزیں پیش کیں جن کو حضور ﷺ نے تھوڑی بہت تبدیلی کے بعد مان لیا۔ زبانی طے ہو جانے کے بعد ان باتوں کو تحریر میں لایا جانے تھا۔ حضرت عمرؓ کو خیال ہوا کہ اس سے مسلمانوں کی کمزوری کا اظہار ہوتا ہے لیکن حضور ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ "میں یہ جو کچھ کر رہا ہوں خدا کے حکم سے کر رہا ہوں۔" تو حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے بعد میں وہ اپنی اس آزادانہ گفتگو پر بے حد پشیمان ہوئے اور بطور کفارہ " بکثرت نمازیں پڑھیں اور بہت کچھ صدقہ دیا۔" (۱۸۳)

صلح کی بات چیت کو تحریر میں لانے کے لیے حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کو طلب کیا انہوں نے لکھنا شروع کیا تو اپنے قاعدہ کے مطابق پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھی سہیل نے اعتراض کیا اور کہا بسم اللہ کو تو پہچانتے ہیں مگر الرحمن الرحیم کو نہیں جانتے لہٰذا اس کی جگہ "باسمک اللھم" لکھو۔ حضور ﷺ کے فرمانے سے حضرت علیؓ نے یہ تبدیلی کر دی۔ اس کے بعد یہ عبارت شروع ہوئی۔ "یہ وہ صلح نامہ ہے جو محمد ﷺ اور سہیل بن عمرو کے مابین طے ہوا۔"

اس پر سہیل معترض ہوا اور کہنے لگا کہ ہماری اور آپ ﷺ کی لڑائی اس بات پر تو ہے کہ آپ ﷺ کو خدا کا رسول نہیں مانتے لہٰذا آپ بجائے محمد رسول اللہ ﷺ کے اپنا اور اپنے والد کا نام لکھئے۔ حضور ﷺ نے مصالحت کے پیش نظر حضرت علیؓ سے یہ تبدیلی کرنے کو کہا لیکن حضرت علیؓ نے عرض کیا: "میں یہ الفاظ نہیں بدل سکتا" اس پر حضور ﷺ نے خود "محمد ﷺ رسول اللہ" کے الفاظ مٹا دیئے اور ان کی جگہ محمد بن عبداللہ لکھوایا۔ غرض پورا صلح نامہ اس طرح مرتب ہوا۔

"یہ وہ (صلح نامہ) ہے جس پر محمد بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو نے صلح کی دونوں نے دس سال تک ہتھیار رکھ دینے کا عہد کیا

کہ ہوگ امن سے رہیں اور ایک دوسرے سے تعرض نہ کریں اس طرح کہ نہ خفیہ چوری ہو نہ خیانت ہو، یہ معاہدہ ہمارے درمیان ایک بند صندوق کا حکم رکھتا ہے جو چاہے کہ محمد ﷺ کی ذمہ داری میں داخل ہو تو وہ ایسا کر سکے گا۔
جو شخص یہ پسند کرے گا کہ قریش کے عہد میں داخل ہو تو وہ بھی ایسا کر سکے گا۔ ان میں جو شخص بغیر اپنے ولی کی اجازت محمد ﷺ کے پاس آئے گا تو وہ اسے اس کے ولی کے پاس واپس کر دیں گے۔ اس سال محمد ﷺ اپنے صحابؓ کو ہمارے پاس سے واپس لے جائیں گے اور سال آئندہ وہ ہمارے پاس مع اپنے اصحاب کے اسی طرح آکر کے میں تین دن قیام کریں گے کہ ہمارے یہاں سوائے ان ہتھیاروں کے کوئی ہتھیار لے کر داخل نہ ہوں گے جو مسافر کے ہتھیار ہوتے ہیں۔ اور وہ تلواریں جو چمڑے کے میان میں ہوتی ہیں۔"
ابو بکرؓ بن ابی قحافہؓ۔ عمرؓ بن الخطاب۔ عبدالرحمانؓ بن عوف۔ سعدؓ بن ابی وقاص۔ عثمانؓ بن عفان۔ ابو عبیدہؓ بن جراح۔ محمدؓ بن مسلمہ۔ حوطب بن الفزی اور مکرز بن حفص بن الاحیف اس کے گواہ ہوئے۔ (۱۸۴)
ویسے تو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس بات کا کافی ملال تھا وہ بغیر عمرہ کئے واپس جا رہے ہیں مگر زیادہ تکلیف اپنے صلح نامہ کے اس فقرہ سے ہوئی۔
"ان میں سے جو شخص بغیر اپنے ولی کی اجازت کے محمد ﷺ کے پاس آئے گا تو وہ اسے اس کے ولی کے پاس واپس کر دیں گے۔"
اور جب فوراً ہی اس کا عملی نمونہ بھی ان کی آنکھوں کے سامنے آیا تو وہ بے چین ہو گئے ہوا یہ کہ صلح نامہ کے فریق ثانی سہیل بن عمرو کے صاحب زادے حضرت ابو جندلؓ اپنے باپ کی مرضی کے خلاف مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے اور اس جرم کی پاداش میں قریش مکہ کے پاس قید تھے وہ صلح نامہ لکھے جانے کے دوران بیڑیاں پہنے ہوئے آئے اور کھڑے ہو گئے۔ سہیل نے اپنے بیٹے کو وہاں کھڑا دیکھ کر ان کے منہ پر طمانچہ مارا اور حضور ﷺ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ "اے محمد ﷺ! معاہدہ کے مطابق میں اپنے بیٹے کو تمہارے ساتھ نہیں جانے دوں گا۔"
حضور ﷺ نے فرمایا تو سچ کہتا ہے۔ سہیل نے یہ جواب سن کر ابو جندلؓ کو کھینچ کر قریش کے پاس لے جانا چاہا۔ ابو جندلؓ حسرت و یاس کے لہجے میں کہنے لگے۔
"یا رسول اللہؐ! اور اے مسلمانو! کیا میں کافروں میں پہنچا دیا جاؤں گا تاکہ وہ مجھے تکلیفیں دیں۔"
مسلمان یہ سن کر تڑپ کر رہ گئے۔ رسول اللہ ﷺ کو بھی قلق ہوا۔ لیکن آپ ﷺ نے نہایت ناصحانہ اور مشفقانہ انداز میں فرمایا:
"ابو جندلؓ! تم چند روز اور صبر کرو۔ عنقریب خداوند تعالیٰ تمہارے واسطے کشادگی کرے گا۔ میں مجبور ہوں کہ میں نے عہد کر لیا اور عہد کے خلاف نہیں کر سکتا۔" (۱۸۵) حضرت عمرؓ نے بھی ابو جندلؓ کے پاس پہنچ کر ان کو بہت کچھ تسلی دی۔ صلح نامہ کی تحریر سے فراغت ہوئی تو حضور ﷺ کھڑے ہوئے۔ آپ ﷺ نے اپنے اونٹ کو قربان کیا اور خراش بن امیہ سے سر منڈوایا۔ آپ ﷺ کو دیکھ کر صحابہؓ نے بھی قربانیاں کر کے سر منڈوائے۔
دس روز اور بعض روایتوں کے مطابق بیس دن آپ ﷺ الحدیبیہ میں مقیم رہے اس کے بعد امام زہریؒ کی روایت کے بموجب آپ ﷺ

مدینہ کی جانب روانہ ہوئے جب آپ ﷺ مقام جحفان میں تھے تو "إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا" نازل ہوئی جس میں صلح کو اللہ تعالیٰ نے جو ہر ظاہر اور پوشیدہ بات کو جانتا ہے فتح مبین سے تعبیر کیا ہے۔" (۸۶)

جب یہ سورۂ (فتح) نازل ہوئی اور آپ ﷺ نے صحابہ کو بتایا تو ان سب نے آپ ﷺ کو مبارک باد دی۔

سفر پورا کر کے آپ ﷺ نے غالباً ذیقعدہ کی آخری تاریخوں میں مدینہ منورہ میں داخل ہوئے جہاں آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کو اپنا قائم مقام مقرر فرمادیا تھا۔

صلح نامہ کے مطابق آپ ﷺ دوسرے سال ذیقعدہ کے مہینہ میں عمرہ ادا کیا یہ عمرہ "عمرۃ القضاء" کہلاتا ہے۔ اس کے لیے ۶ ذیقعدہ ۷ھ بمطابق ۶ مارچ ۶۲۹ء بروز دوشنبہ آپ ﷺ ان تمام صحابہ کو جو صلح حدیبیہ کے موقع پر ساتھ تھے اور بغیر عمرہ ادا کیے واپس آگئے تھے لیکر مدینہ سے روانہ ہوئے۔ حضرت سباع بن عرفطہ کو اپنا قائم مقام فرمایا۔ مکہ پہنچ کر آپ ﷺ نے اور صحابہؓ نے عمرہ ادا کیا، قربانی کی اور سر منڈوایا۔ تین روز مکہ میں مقیم رہے۔ اسی دوران میں حضرت میمونہؓ بنت الحارث الہلالیہ سے نکاح کیا۔ پھر آپ ﷺ مقام سرف میں پہنچ گئے۔ وہیں اور لوگ بھی آپ ﷺ سے آملے۔ شام کو ابو رافع جو مکہ میں ٹھہر گئے تھے۔ حضرت میمونہؓ کو لیکر آگئے۔ رات آپ ﷺ نے سرف میں گذاری۔ شب کے آخری حصہ میں وہاں سے روانہ ہوئے اور مدینہ میں آگئے۔

صلح حدیبیہ اپنے نتائج کے اعتبار سے فتح مبین کہی جاتی ہے اس غزوہ (صلح) حدیبیہ سے مسلمانوں کو کئی فائدے حاصل ہوئے اور یہ صلح، تمام فتوحات نبویؐ میں اہم اور افضل ترین فتح ثابت ہوئی کہ جس کے بعد فتوحات اسلامی کے ایک طویل اور اہم ترین سلسلے کا آغاز ہوگیا۔ اس صلح کے چند فوائد حسب ذیل ہیں: ابن خلدون نے امام زہریؒ کے حوالے سے تاریخ میں لکھا ہے:

(۱) صلح حدیبیہ سے پہلے جنگ و جدال کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے سے مل نہیں سکتے تھے اور اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا انتظام باقاعدہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ صلح، اور امن قائم ہوا تو لوگوں کو ملنے کا موقع ملا اور جادلۂ خیالات سے لوگوں پر اسلام کی حقانیت ظاہر ہوئی اور وہ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔ چنانچہ دو سال میں جتنے لوگ مسلمان ہوئے اتنے آغاز اسلام سے اس وقت تک کی طویل مدت میں بھی نہیں ہوئے تھے۔

(۲) سلاطین کو تبلیغی مراسلات صلح حدیبیہ کے بعد ہی بھیجے گئے جس کی وجہ سے آفتاب اسلام کی کرنیں عرب کی حدود سے نکل کر دوسرے ملکوں پر پڑنے لگیں۔ اور وہاں کے لوگ بھی اس نئے دین سے متعارف ہونے لگے۔

(۳) صلح حدیبیہ کے بعد اور ابو بصیر عتبہ بن اسید کے مکہ سے بھاگ آنے اور پھر وہاں سے ساحل سمندر کے قریب ایک مقام عیص میں مقیم ہوجانے سے مکہ کے بے کس اور ستم رسیدہ مسلمانوں کو کفار کے دست تظلم سے بچ نکلنے کا ایک ٹھکانہ مل گیا اور وہ بھاگ بھاگ کر وہاں پہنچنے لگے۔ کچھ دنوں میں ان کی جمعیت اتنی ہوگئی کہ قریش کے تجارتی قافلوں کے لیے وہ ایک مستقل خطرہ بن گئی۔ مجبوراً قریش کو اپنی وہ شرط ختم کرنا پڑی کہ "اگر مکہ کا کوئی شخص بھاگ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے گا تو وہ واپس مکہ بھیج دیا جائے گا۔" اس کے ختم ہوتے ہی رسول اللہ ﷺ نے تمام آوارہ وطن اور مکہ میں مقیم مسلمانوں کو لکھ دیا کہ وہ مدینہ چلے آئیں۔ اس کا نتیجہ یہ

ہوا کہ ابو بصیر اور ان کے مکہ میں مقیم مسلمان مکہ سے رسول اللہ ﷺ کے پاس چلے آئے اس سے قریش کو یہ فائدہ ہوا کہ ان کا تجارتی راستہ کھل گیا اور مسلمانوں کو یہ آرام نصیب ہوا کہ وہ قریش کے ظلم و تعدی سے بچ کر اپنے مسلمان بھائیوں سے آملے۔

(۴) عقبہ بن ابی معیط کی صاحب زادی حضرت ام کلثوم جو مسلمان ہو چکی تھیں ہجرت کر کے مدینہ آگئیں اور ان کے ساتھ ان کے بھائی عمارہ اور ولید بھی آئے۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ انہیں واپس مکہ بھیج دیا جائے۔ لیکن آپ ﷺ نے انکار فرما دیا۔ اس کے ساتھ یہ حکم بھی نازل ہو گیا کہ کافرہ عورتیں مسلمانوں کی زوجیت میں نہیں رہ سکتیں۔ لہٰذا جب صحابہؓ کی بیویاں ابھی تک، کافرہ اور مکہ میں مقیم تھیں اس حکم کے بموجب ان سب نے ان بیویوں کو طلاق دے دی۔ (۱۸۷)

۲۳۔ غزوہ خیبر

(محرم سن ۷ھ بمطابق مئی ۶۲۸ء)

خیبر مدینہ کے شمال میں تقریباً دو سو کلو میٹر کے فاصلے پر ایک مقام تھا۔ یہاں پانی کی فراوانی ہے جو زرخیزی و شادابی کا باعث ہے۔ یہاں کے یہودی زرگر تھے وہ طلائی زیورات اور ظروف عرب کے اشراف کے ہاتھ بیچا کرتے تھے اور بعض دفعہ کرایہ پر بھی چیزیں اٹھا دیتے تھے۔ بنو قینقاع اور بنی نضیر مدینہ سے جلاوطنی کے بعد یہیں آکر آباد ہوئے۔ یہاں بھی انہوں نے اپنی ریشہ دوانیاں جاری رکھیں۔ یہودی سردار اسیر بن رزام نے مختلف قبائل کا دورہ کیا، اور مسلمانوں کے خلاف ان کے جذبات کو برانگیختہ کیا۔ اس طرح خیبر میں کم و بیش میں پچیس ہزار سپاہ پر مشتمل ایک لشکر جرار جمع ہو گیا۔ (۱۸۸) اور انہوں نے اپنے قلعوں میں کافی مقدار میں سامان جمع کر لیا۔ خیبر سے مدینہ کی اسلامی ریاست کے خلاف فسادات جنم لیتے تھے۔ امام سرخسی کے ایک بیان سے پتہ چلتا ہے کہ خیبر کے یہودیوں اور قریش مکہ کے درمیان ایک خفیہ معاہدہ طے ہوا تھا۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

لما کان بین اهل مکة واهل خیبر من المواعدة علیٰ ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اذا توجه الی احد الفریقین اغار الفریق الآخر

"اہل مکہ اور اہل خیبر کے یہود کے درمیان یہ معاہدہ تھا کہ اگر رسول اللہ ﷺ دونوں میں سے کسی ایک فریق پر حملہ کریں تو دوسرا فریق اس کی جنگی مدد کرے گا۔"

مسلمانوں میں اس اتحاد سے نبرد آزما ہونے کی قوت نہ تھی لہٰذا آپ ﷺ نے اعداء اسلام کے ایک بازو کو مفلوج کرنے کی ٹھان لی۔ اس طرح آپ ﷺ کی فہم و فراست کی بدولت معاہدہ حدیبیہ طے پایا تھا جسے عام مسلمانوں نے اس کی شرائط کو بادی النظر میں دیکھتے ہوئے پسپائی سے تعبیر کیا تھا لیکن وقت نے ثابت کیا کہ یہ حقیقت میں اسلام کے لیے ایک عظیم فتح تھی۔ اس معاہدہ کے طے پا جانے کے بعد خیبر کے یہودیوں نے پیش بینی کر لی کہ اب مدینہ اور خیبر کے درمیان جنگ ناگزیر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے کئی ایک حفاظتی اقدامات کئے۔ ویسے بھی غزوہ احزاب میں ان کی شکست کے زخم ہرے ہو گئے۔ انہوں نے انتقام لینے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے انہوں نے ارد گرد بھی مکر و فریب کا جال بچھا دیا۔

مدینہ کے اندر ابھی تک منافقین موجود تھے جن کے اذہان کی آبیاری عبداللہ بن ابی کرتا رہتا تھا جو اب خیبر کے یہودیوں کا ایجنٹ اور جاسوس تھا۔

آپ ﷺ کے پاس لحہ بہ لحہ یہ خیبر کے یہودیوں کے مذموم سرگرمیوں کی خبریں پہنچتی تھیں۔ آپ ﷺ کو اپنے ذرائع سے یہ بھی معلوم تھا کہ ان کا مسلسل رابطہ مشرقی رومی سلطنت کے ساتھ بھی ہے اور بنو غطفان ابھی تک خیبر کے پکے اتحادی تھے۔ اگر ان دونوں کو موقع دیا گیا تو یہ دو طاقتیں مدینہ پر چڑھ دوڑیں گی۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ہولناک نتائج سامنے آسکتے تھے۔ اس کے علاوہ معاہدہ حدیبیہ کا بھی کوئی فائدہ باقی نہیں رہ جاتا تھا۔ خیبر کے خلاف کسی بھی قسم کے قطعی اقدام سے پیشتر آپ ﷺ نے بنو غطفان کے ساتھ رابطہ قائم کیا کہ مدینہ اور غطفان کے یہ بہترین مفاد میں ہے کہ وہ امن کا ایک معاہدہ طے کر لیں۔ انہوں نے کہلا بھیجا کہ وہ خیبر کے حلیفوں کو تنہا چھوڑنے پر تیار نہیں اور مدینہ اور خیبر کے درمیان لڑائی کی صورت میں غیر جانبدار نہیں رہیں گے۔ (۱۸۹) انہوں نے اس حقیقت کو بالکل نظر انداز کر دیا کہ ان کے دوسرے حلیف (قریش) نے تو مدینہ سے صلح کا معاہدہ طے کر لیتا ہے۔

تیزی سے بدلتے ہوئے ان حالات میں آپ ﷺ نے یہ فیصلہ کیا کہ خیبر پر ضرب کاری لگائی جائے۔ آپ ﷺ نے تیاریوں کے سلسلے میں نہایت احتیاط برتی۔ صرف ان لوگوں سے مشورہ کیا گیا جو آپ ﷺ کے بہت ہی قریب تھے اور غزوہ حدیبیہ میں شریک تھے۔ آپ ﷺ نے اس مہم میں عبداللہ بن نعیم اشجعی کو بطور راہبر اپنے ساتھ لیا۔ (۱۹۰) ان کے علاوہ حسیل بن نویرہ، جن کا تعلق قبیلہ غطفان کے خاندان اشجع سے تھا اور خیبر کے نواح میں رہتے تھے، کو بھی ایسی صاع کھجور کی اجرت پر ایسا ہی فریضہ سونپا گیا۔ (۱۹۱) آپ ﷺ نے محرم ۷ھ میں سرعت کے ساتھ خیبر کا رخ کیا۔ آپ ﷺ کے ساتھ چودہ سو پیدل افراد اور دو سو سوار تھے۔ آپ ﷺ نے ثنیۃ الوداع کا شمالی راستہ اختیار کیا۔ پھر عاب پہنچے جو مدینہ کے شمال میں چند میل کے فاصلے پر واقع ہے اور عزبہ اور جرف کے درمیان پڑتا ہے وہاں سے آپ ﷺ جبل احد کے مغرب میں واقع تمنا نامی مقام پر پہنچے۔ جہاں سے آپ ﷺ اشجع سے ہوتے ہوئے عصر پہاڑ کے راستے چلے۔ یہ مدینہ اور وادی فرع کے تقریباً نصف میں واقع ہے۔ یہاں سے بڑھتے بڑھتے آپ ﷺ سہباء پہنچے کے لیے آخری پڑاؤ تھا۔ یہاں بنو غطفان کے لوگ مسلح ہو کر آپ ﷺ کے راستے میں حائل ہو گئے۔ کیونکہ وہ خیبر کے اتحادی تھے۔ اس جگہ پہنچنے سے پہلے آپ ﷺ نے رجیع کے مقام پر پڑاؤ ڈالا تھا، جو غطفان اور خیبر کے درمیان فوجی اہمیت کا ایک مقام تھا۔ پڑاؤ ڈالنے کا مقصد غطفان سے خیبر جانے والی شاہراہ کو کاٹ دینا تھا تاکہ ان دونوں حلیفوں کے درمیان کوئی رابطہ نہ رہے۔ یہاں آپ ﷺ نے ارادہ کیا کہ اگر وہ خیبر کی مدد کو بڑھتے ہیں تو ان سے پہلے نپٹ لیا جائے گا کیونکہ بعد میں لڑائی کے وقت اگر جنوب سے بھی حملہ ہو جائے تو صورت حال زیادہ نقصان دہ ہو گی۔ جب غطفان کو اس اقدام کی خبر ہوئی تو انہیں اپنے گھربار کی فکر دامن گیر ہوئی اور وہ اپنے علاقے کو واپس چلے گئے۔ (۱۹۲) اس طرح مسلمانوں کے لیے ایک ہی طرف توجہ مرکوز کرنا ممکن ہوا۔ ایسا ایک باخبر نظام جاسوسی ہی کی وجہ سے ہوا۔ اگر یہ نظام موثر نہ ہوتا تو آپ ﷺ جان بوجھ کر سیدھے راستے کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار نہ کرتے۔ رجیع میں ہی آپ ﷺ نے اپنا عسکری صدر مقام

قائم کیا جس میں اسباب باربرداری، خیموں اور مستورات کو چھوڑا گیا۔

خیبر کے یہودیوں کو گمان بھی نہ ہوسکا کہ مسلمان اس طرح اچانک ان کے سر پر آ پہنچیں گے۔ آپ ﷺ رات کے وقت یہاں اترے تھے، مگر شب خون مارنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ اس لیے یہیں خیمہ زن ہو گئے۔ صبح ہوئی تو یہودیوں نے دیکھا کہ وہ محاصرے میں آچکے تھے۔ (۱۹۳) آپ ﷺ نے پہلے ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جب انہوں نے انکار کیا تو انہوں نے ان کے قلعوں پر حملہ کیا۔

خیبر مضبوط قلعوں کے لیے مشہور تھا جن میں ہر وقت مسلح قوت تیار رہتی۔ یہ آٹھ قلعوں کا مجموعہ تھا۔ النطاۃ، الشق، الناعم، الکتیبہ، الوطیح، السلالم، القموص اور صعب بن معاذ۔ ان میں سب سے مستحکم قلعہ القموص کا تھا۔ محاصرہ کے دوران میں آپ ﷺ کو یہ تجویز پیش کی گئی کہ نخلستان کے درختوں کو کاٹ دیا جائے تو یہودی ہتھیار ڈال دے گا۔ مگر آپ ﷺ نے اس تجویز کو پسند نہ کیا۔ یہودیوں کی یہ عادت تھی کہ وہ اپنے قلعوں کے آس پاس اور کھلے میدان میں نکل کر لڑائی سے ڈرتے تھے۔

آپ ﷺ نے خیبر کی مہم کے دوران میں عباد بن بشر کے زیر کمان ایک مسلم طلیعہ بھی تشکیل دی۔ انہوں نے چھٹی رات وسط شب قبیلہ اشجع کا ایک یہودی جاسوس پکڑا۔ اس نے اسلام قبول کرتے ہوئے آپ ﷺ کو یہ اطلاع بھی دی کہ نطاۃ کے یہودی آج شب کو اپنی عورتوں اور بچوں کو قلعہ الشق میں منتقل کر دیں گے۔ نیز وہ اپنا خزانہ قلعہ نطاۃ کے اندر دفن کر رہے ہیں۔ اس نے یہ بھی اطلاع دی کہ قلعہ صعب کے اندر ایک زمین دوز کمرہ ہے جس میں منجنیقوں، دبابوں، زرہوں اور تلواروں کا وافر ذخیرہ موجود ہے۔ جب آپ ﷺ اس میں داخل ہوں گے تو وہ آپ ﷺ کو وہاں خفیہ اسرار بتا دے گا۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ قصر وقلعہ کے اندر پانی ایک زمین دوز نالی کی راہ سے جاتا ہے اگر پانی کا راستہ بند کر دیا جائے تو فتح ممکن ہے۔

ان اطلاعات کی روشنی میں جب آپ ﷺ نے اقدامات کیے تو محصورین باہر نکلنے پر مجبور ہو گئے۔ چودہ روز کے محاصرے کے بعد پورا خیبر سرنگوں ہو گیا۔ (۱۹۴) اس کے ساتھ ہی اسلام کی راہ میں حائل سب سے بڑی رکاوٹ دور ہو گئی۔

۲۴۔ فتح مکہ:

(رمضان سن ۸ھ بمطابق جنوری ۶۳۰ء)

صلح حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ اور قریش کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا اس کی اہم ترین شق یہ تھی کہ ۱۰ برس تک وہ ایک دوسرے کے خلاف ہتھیار نہیں اٹھائیں گے اور مکمل طور پر صلح و آشتی سے رہیں گے اس امر کے وہ لوگ بھی پابند ہوں گے، جو مسلمانوں اور قریش کی حمایت میں ہوں گے۔ اس صلح نامہ کے لکھے جانے کے وقت ہی قبیلہ خزاعہ نے رسول اللہ ﷺ کی حمایت حاصل کر لی اور بنو بکر نے قریش کی حمایت حاصل کی، لہٰذا وہ دونوں اسی وقت سے اس معاہدہ کے پابند ہو گئے لیکن بنو بکر اور قریش اس عہد کو پورے دو سال بھی نہ نبھا سکے۔ انہوں نے اس کی خلاف ورزی کی نتیجتاً معاہدہ ٹوٹ گیا اور جنگ ناگزیر ہو گئی۔

دراصل خزاعہ اور بنو بکر کے درمیان ایام جاہلیت سے لڑائیاں چلی آتی تھیں۔ خزاعہ نے بنو بکر کے ایک حلیف مالک بن عباد

حضرمی کو مار ڈالا تھا اور اس کا بدلہ لینے کے لیے بنو بکر نے بنو خزاعہ پر حملہ کر کے ان کے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا۔ پھر خزاعہ نے اسود بن رزن کے تین بیٹوں کو مار ڈالا اور بنو بکر اس کا بدلہ چکانے کی فکر میں لگ گئے۔ یکا یک بطحا کی گھاٹیوں سے آفتاب اسلام طلوع ہوا اس نے ان سب کی توجہ کو اپنی جانب مبذول کر لیا وہ اپنی آپس کی مخالفتوں اور رقابتوں کو بھول گئے اور الکفر ملت واحدۃ کا صحیح مصداق بن کر مسلمانوں کی ایذا رسانی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ صلح حدیبیہ تک ان کی توجہ سوائے اس ایک مسئلہ کے اور کسی جانب نہ ہو سکی کہ جس طرح ہو مسلمانوں کو نیچا دکھایا جائے جب ۶ھ میں مسلمانوں اور قریش کے درمیان صلح ہو گئی اور وقتی طور پر مشرکین کی توجہ مسلمانوں کی طرف سے ہٹی تو پھر ان کی پرانی رقابتیں ابھر کر آ گئیں۔ چونکہ اس مرتبہ بنو بکر کی باری تھی کہ وہ اپنے تین مقتولین کا بدلہ لیں جو سالہا سال سے واجب چلا آ رہا تھا۔ (۱۹۵) اس لیے انہوں نے اس کام کے لیے قریش سے امداد طلب کی۔ قریش نے ان سے وعدہ کر لیا اور صفوان بن امیہ، حویطب بن عبدالعزیٰ، مکرز بن حفص بن الاحنف وغیرہ بھیس بدل کر ان کے ساتھ ہو گئے اور رات کے وقت بنو خزاعہ پر حملہ کر کے سوتے وقت انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ آناً فاناً بیس آدمی مار ڈالے یہی نہیں بلکہ جب بنو خزاعہ کے لوگ بیدار ہوئے تو اپنی جان بچانے کے لیے حرم میں پناہ لی تو وہاں بھی ان ظالموں نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا اور کتنا ہی وہ خدا کا واسطہ دیتے رہے لیکن انہوں نے یہ کہہ کر لا الہ الیوم (آج خدا کوئی چیز نہیں ہے) ان کو بے دریغ قتل کیا۔

بنو خزاعہ کو جب کوئی اور راستہ دکھائی نہ دیا تو عمرو بن سالم الخزاعی چالیس سواروں کو ساتھ لے کر مکہ سے مدینہ پہنچا اور رسول اللہ ﷺ کو پوری روداد سنا کر امداد کا طالب ہوا۔

نبی کریم ﷺ نے ظلم و جور کی یہ داستان سنی تو آپ ﷺ ایک دم کھڑے ہو گئے اپنی چادر کو کھینچتے تھے اور کہتے تھے:

"میری بھی مدد نہ کی جائے اگر میں اس چیز سے بنی کعب کی مدد نہ کروں جس سے میں اپنی مدد کرتا ہوں۔" (۱۹۶)

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا۔ "یہ ابر بنی کعب کی مدد کے لیے ضرور برسے گا۔" (۱۹۷)

قریش اور بنو بکر کی اس عہد شکنی کے بعد اب آپ ﷺ پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی تھی کہ آپ ﷺ جنگ سے گریز کریں۔ لیکن ایک بار پھر آپ ﷺ نے قریش کی جانب صلح کا ہاتھ بڑھایا اور انہیں حسب ذیل تین (۳) شرطیں لکھ بھیجیں کہ ان میں سے کوئی ایک قبول کر لو۔

(۱) بنو خزاعہ کے مقتولوں کا خون بہا ادا کرو۔

(۲) بنو بکر کی حمایت سے الگ ہو جاؤ۔

(۳) اعلان کر دو کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا ہے۔

قریش نے جوش میں آ کر تیسری شرط منظور کر لی بعد میں اپنی عجلت پر پچھتائے اور ابو سفیان کو مدینہ کی طرف دوڑایا کہ "جا کر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ معاہدے کی تجدید کرائے۔"

ابو سفیان نے مدینہ پہنچ کر بہت کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی اور جنگ کا دروازہ جو قریش نے اپنی حماقت و جہالت سے ایک

بار پھر کھول دیا تھا، بند نہ ہو سکا۔

چنانچہ آپ ﷺ نے مکہ پر حملہ کی تیاری شروع کر دی۔ قبائل عرب اسلم، غفار، مزنیہ، جہنیہ، اشجع اور سلیم کو اطلاعیں بھیج دی گئیں۔ ان میں سے بعض مدینہ پہنچ کر ہی شامل ہو گئے اور بعض راستے میں آ ملے۔ اس طرح اسلامی لشکر دس ہزار ہو گیا۔

مہاجرین و انصار کے علاوہ قبیلہ سلیم کے ایک ہزار، قبیلہ مزینہ کے ایک ہزار، قبیلہ غفار کے چار سو اور قبیلہ اسلم کے چار سو آدمی تھے۔ اسد، تمیم، اشجع اور جہینہ کے بھی کافی افراد شریک ہوئے۔

حضور اکرم ﷺ چاہتے تھے کہ آپ ﷺ کے حملے کی اطلاع قریش مکہ کو معلوم نہ ہو اس لیے آپ ﷺ نے اپنی تیاریوں کو انتہائی راز میں رکھا لیکن آپ ﷺ کے مشہور صحابی حضرت حاطبؓ ابن ابی بلتعہ کے بیوی بچے اور دیگر اہل خاندان مکہ میں تھے ان کے خیال سے انہوں نے ایک عورت کو خط دے کر مکہ کی طرف روانہ کیا جس میں قریش پر حملہ کی اطلاع دی گئی۔ یہ خط پکڑا گیا۔ حضرت حاطبؓ سے باز پرس ہوئی تو انہوں نے حقیقت حال واضح کر دی۔ حضرت عمرؓ کو ان کی اس بات پر غصہ آیا لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کو معاف کر دیا۔

۱۰ رمضان المبارک ۸ ہجری بمطابق ۲ جنوری ۶۳۰ء بروز چہار شنبہ بعد نماز عصر رسول اللہ ﷺ دس ہزار مسلمانوں کو ساتھ لیکر مکہ کی جانب روانہ ہوئے۔ مدینہ میں آپ ﷺ نے ابو ذر غفاریؓ کو اپنا قائم مقام مقرر کیا۔ (۱۹۸) مقام صلصل پر پہنچ کر دو سو مسلمانوں کے ہمراہ حضرت زبیر بن العوامؓ کو آگے بھیجا۔ ذوالحلیفہ یا جحفہ کے مقام پر حضرت عباس عم رسول اللہ ملے جو ہجرت کر کے مدینہ کی طرف جا رہے تھے۔ انہوں نے اپنا سامان بھجوایا اور خود اسلامی لشکر کے ساتھ مکہ کی طرف واپس چل دیے۔ (۱۹۹)

لشکر اسلام مقام قدید میں وارد ہوا تو حضور ﷺ نے مختلف حضرات کو لواء اور رایت لشکر عطا فرمائے۔ ہر قبیلہ کا جھنڈا جداگانہ تھا۔

یہاں سے روانہ ہو کر آپ ﷺ ۱۷، ۱۸ رمضان کو عشاء کے وقت مرالظہران پہنچے اور وہاں لشکر نے پڑاؤ ڈالا آپ ﷺ کے حکم سے مسلمان کافی بڑے علاقہ میں پھیل گئے اور جگہ جگہ چولہے بنا کر آگ روشن کی۔ رات کو پہرے پر حضرت عمرؓ کو عامل بنایا گیا۔

ادھر باوجود یہ کہ قریش کو مسلمانوں کے حملے کی خبر آخری وقت تک نہیں ہوئی تاہم وہ ابو سفیان کی ناکام کوشش کی بناء پر بہت فکر مند تھے اور انہیں یہ یقین ہو گیا تھا کہ مسلمان کسی نہ کسی وقت مکہ پر ضرور حملہ کر دیں گے۔ لہٰذا وہ جملہ احتیاطی تدابیر اختیار کر رہے تھے اور دو دو چار چار آدمی رات کو گھوم پھر کر معلوم کرتے رہتے تھے کہ اسلامی لشکر تو نہیں آ گیا ہے۔

اتفاق سے جس روز مسلمان مرالظہران میں اترے اس شب کو ابو سفیان، حکم بن حزام اور بدیل بن ورقا گشت کرتے ہوئے مرالظہران کی طرف جا نکلے دور سے انہوں نے جابجا آگ روشن دیکھی تو بے حد پریشان ہوئے اور آپس میں قیاس آرائیاں کرنے لگے۔

ادھر حضرت عباسؓ نے سوچا کہ اگر قریش پر یکایک حملہ کر دیا گیا تو ان کا زبردست نقصان ہو گا لہٰذا وہ رسول اللہ ﷺ کے خچر پر سوار ہو کر ان کو خطرے سے آگاہ کرنے کے لیے چل پڑے۔ مقام اراک پر پہنچے تو ابو سفیان اور بدیل کی آوازیں کان میں پڑیں۔ حضرت عباسؓ تیزی سے ان کی طرف بڑھے اور دونوں کو مخاطب کر کے کہا، "یہ رسول خدا ﷺ کا لشکر ہے اس لیے تم لوگ

ہوشیار ہو جاؤ۔" (۲۰۰) پھر ابو سفیان کو اپنی پناہ میں لیا اور اس کے دونوں ساتھیوں کو لے کر بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اس وقت ان کو اپنے ڈیرے میں رکھو۔ میں کل صبح ان سے آکر گفتگو کروں گا۔"

دوسرے دن پھر حضرت عباسؓ ان کو حضور ﷺ کی خدمت میں لائے۔ آپ ﷺ سے کچھ سوال و جواب ہوئے آخر حضرت عباسؓ کے کہنے سے ابو سفیان اور اس کے دونوں ساتھی اسلام لے آئے، اور اس طرح دربار نبوتؐ سے اس شخص کو بھی معافی کا پروانہ مل گیا جس نے بار بار اسلام کے استیصال کی کوشش کی تھی۔ یہی نہیں بلکہ آپ ﷺ نے اس موقع پر آپؓ کو وہ امتیاز بخشا جو کسی کو بھی نصیب نہیں ہوا۔ آپ ﷺ نے اعلان کر دیا کہ، "جب ہم مکہ میں داخل ہو جائیں گے تو صرف ان لوگوں کو امان ملے گی جو (۱) حرم میں داخل ہو گا (۲) ابو سفیان کے مکان میں پناہ لے گا یا (۳) اپنے گھر میں داخل ہو کر دروازہ بند کرے گا۔

جب ابو سفیان دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا تو اس کے دل میں اسلام کی شان و عزت کا نقشہ گہرا کرنے کے لیے آپ ﷺ نے حضرت عباسؓ کو مشورہ دیا کہ وہ اسے لے کر ایک ٹیلے پہ کھڑے ہو جائیں اور اس ٹیلے کے نیچے سے اسلامی لشکر گذارا جائے۔ حضرت عباسؓ نے اس ارشاد کی تعمیل کے لیے ابو سفیان کو لے کر ایک ٹیلے پر کھڑے ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے آہنی پوش لشکر کے ساتھ ان کے سامنے سے گذرے۔ آپ ﷺ اپنی اونٹنی القصواء پر سوار ہو کر ابو بکرؓ اور اسید بن حضیرؓ کے درمیان تھے ابو سفیان نے یہ شان دیکھی تو وہ بے ساختہ کہہ اٹھا:

"ابو الفضل (عباسؓ) تمہارے بھتیجے کی سلطنت تو بہت بڑھ گئی ہے۔"

حضرت عباسؓ نے کہا "تمہاری خرابی ہو۔ یہ سلطنت نہیں ہے۔ یہ تو نبوتؐ ہے۔" ابو سفیان نے جواب دیا "بے شک۔" (۲۰۱)

۲۰ رمضان سن ۸ بمطابق ۱۲ جنوری ۶۳۰ء کو لشکر اسلامی کی ترتیب قائم کی گئی، میمنہ پر خالد بن ولیدؓ کو، میسرہ پر حضرت زبیر بن عوامؓ کو اور مقدمۃ الجیش پر ابو عبیدہ بن الجراحؓ کو مقرر فرمایا۔ (۲۰۲) ایک لشکر حضرت سعد بن عبادہؓ کی سرکردگی میں تھا۔ یہ ترتیب قائم کرنے کے بعد آپ ﷺ نے حکم دیا سعد بن عبادہؓ جنوب مغرب کے راستے سے اور خالدؓ جنوب کی طرف نچلی سمت (مسفلہ) سے شہر میں داخل ہوں۔ (۲۰۳) اور جب تک کوئی آڑے نہ آئے اس وقت تک جنگ نہ کریں اور صفا پر آپ ﷺ سے آملیں، حضرت زبیر بن العوامؓ جن کے ہاتھ میں رسول اللہ ﷺ کا پرچم تھا۔ انہیں حکم ہوا کہ مکہ میں شمال کی طرف سے بالائی حصہ یعنی کراء سے داخل ہوں اور مقام حجون پر جھنڈا نصب کر کے آپ ﷺ کی آمد تک وہیں ٹھہرے رہیں۔ (۲۰۴) حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ کے لیے حکم تھا کہ وہ شمال مغرب کی جانب بطن وادی سے مکہ میں داخل ہونے کا راستہ پکڑیں یہاں تک مکہ میں حضور ﷺ کے آگے اتریں۔ (۲۰۵)

لشکر اسلامی ان ہدایتوں کے بموجب چل کر شہر میں داخل ہوا۔ خود حضور ﷺ نے اذاخر کا پہاڑی راستہ اختیار کیا اہل مکہ کی جانب سے کسی جگہ کوئی مزاحمت نہیں ہوئی البتہ الخندمہ میں قریش کی ایک جماعت کے ساتھ صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور عکرمہ بن ابی جہل اور حماش بن قیس نے حضرت خالدؓ کی فوج کو اندر آنے سے روکا اور ہتھیار لیکر مقابلہ پر آگئے۔ کچھ لوگ تیر برسانے لگے۔ مجبوراً حضرت خالد کو بھی مدافعت کے لیے ہتھیار کام میں لانے پڑے۔ تھوڑی دیر تک دست بدست جنگ ہوتی

رہی۔ قریش کے چوبیس اور ہذیل کے چار آدمی مارے گئے جو باقی بچے وہ بھاگ گئے۔ دو مسلمان شہید ہوئے۔(۲۰۶)

اذاخر کی پہاڑی سے اترتے وقت رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی آپ ﷺ نے فرمایا میں نے قتال سے منع کیا تھا" لیکن جب آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ "پہلے اہل مکہ مقابلہ پر آئے تو بعد میں خالدؓ کو بھی شمشیر زنی کرنی پڑی" تو آپ ﷺ نے فرمایا" اللہ کا فیصلہ سب سے بہتر ہے۔"(۲۰۷)

قتل و جدال کے اس معمولی سے واقعہ کی وجہ سے مؤرخین میں دو رائیں ہو گئیں ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ مکہ بزور شمشیر فتح ہوا اور بعض کہتے ہیں کہ صلح و امن کے ساتھ قبضہ میں آیا۔ الغرض ۲۰ رمضان ۸ھ بمطابق ۱۲ جنوری ۶۳۰ء مکہ فتح ہو گیا۔ حضور ﷺ کے حجون میں چمڑے کا ایک خیمہ لگا دیا گیا اور اسی میں آپ ﷺ نے قیام فرمایا۔ مکہ میں داخل ہو کر آپ ﷺ نے سواری پر ہی سات مرتبہ کعبہ کا طواف کیا اس کے بعد کعبہ کے کلید بردار عثمان بن طلحہ سے کعبہ کی کنجی لی اور اندر تشریف لے گئے۔ کعبہ کے اندر اور باہر جتنی تصویریں دیواروں پر بنی ہوئی تھیں وہ سب مٹا دی گئیں اس سے آپ ﷺ کو بے انتہا خوشی ہوئی اور آپ ﷺ بارگاہ رب العزت میں سجدہ شکر بجالائے۔ کعبہ کے گرد و پیش کے ۳۶۰ بت رکھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی اس سے ایک ایک بت کو گراتے جاتے اور یہ آیت پڑھتے جاتے:

﴿جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾ (۲۰۸)

کعبہ سے باہر آکر آپ ﷺ نے دروازہ بند کر دیا اور کنجی عثمان بن طلحہ کو واپس کرتے ہوئے فرمایا کہ "یہ کنجی ہمیشہ تمہارے خاندان میں رہے گی اور سوائے ظالم کے کوئی تم سے نہیں لے سکے گا۔" ظہر کی نماز کا وقت آیا تو آپ ﷺ کے حکم سے حضرت بلالؓ نے خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان دی۔ آپ ﷺ نے نماز پڑھائی، دوسرے دن ۲۱ رمضان ۸ھ کو بعد نماز ظہر آپ ﷺ نے خطبہ دیا۔

"ایک خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا۔ اپنے بندہ کی مدد کی اور تمام جتھوں کو تنہا توڑ دیا۔

ہاں تمام مفاخر، تمام انتقامات، تمام خون بہا۔ سب میرے قدموں کے نیچے ہے۔ صرف کعبہ کی تولیت اور حجاج کی آب رسانی اس سے مستثنیٰ ہے۔"

اے قوم قریش! اب جاہلیت کا غرور اور نسبت کا افتخار خدا نے مٹا دیا۔

تمام لوگ آدمؑ کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔"

اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ تلاوت فرمائی: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ (۲۰۹)

فتح کے بعد آپ ﷺ نے سب کو امان دے دی۔ صرف گیارہ مردوں اور چار عورتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا۔

مرد: (۱) عکرمہ بن ابو جہل (۲) ہبار بن الاسود (۳) عبداللہ بن سعد بن ابی سرح (۴) مقیس بن حبابۃ اللیثی (۵) حویرث

بن نقید (۶) عبداللہ بن خطل الادرمی (۷) وحشی بن حرب (۸) کعب بن زہیر (۹) حارث بن طلاطل (۱۰) عبداللہ بن زبعری (۱۱) ہبیرہ بن ابی وہب مخزومی۔

عورتیں: (۱) ہند بنت عتبہ (۲) سارہ عمرو ہاشم کی آزادہ کردہ لونڈی (۳) فرتنا (۴) قریبہ۔

ان میں سے ابن خطل، حویرث بن نقید، مقیس بن صبابہ، حارث بن طلاطل اور ابن خطل کی لونڈی قریبہ کو قتل کر دیا گیا۔ ہبیرہ ابی وہب مخزومی، فتح مکہ کے روز بھاگ کر نجران چلا گیا اور وہیں حالت سفر میں مرا۔ جبکہ وحشی بن حرب، کعب بن زہیر، عکرمہ بن ابو جہل، ہبار بن الاسود، عبداللہ بن سعد بن ابی سرح، عبداللہ بن زبعری، ہند بنت عتبہ، ابن خطل کی دوسری لونڈی فرتنی، عمرو بن ہاشم کی لونڈی سارہ (۲۱۰) مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

اس کے بعد لوگ اسلام لانے کے لیے بیعت کی غرض سے مکہ میں جمع ہوئے۔ حضور ﷺ کوہ صفا پر بیٹھ گئے۔ حضرت عمرؓ ایک درجہ نیچے بیٹھ کر لوگوں سے بیعت کراتے رہے۔ مردوں کی بیعت سے فراغت ہوئی تو عورتوں کی باری آئی۔ ابتداء میں ان سے بیعت کا یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ پانی کے ایک برتن میں پہلے رسول اللہ ﷺ ہاتھ ڈالتے پھر وہ عورت ہاتھ ڈال کر اقرار کرتی۔ اس کے بعد صرف اقرار ہی کو کافی سمجھا گیا۔ (۲۱۱) غرض اس طرح مکہ کی بڑی آبادی مشرف بہ اسلام ہو گئی۔

فتح مکہ کے بعد پندرہ دن آپ ﷺ نے وہاں قیام فرمایا ۶ شوال ۸ھ کو غزوہ حنین کے لیے تشریف لے گئے اور مکہ میں عتاب بن اسید بن ابی العیص بن امیہ بن عبدالشمس کو اپنا قائم مقام بنایا۔

۲۵۔ غزوہ حنین یا غزوہ ہوازن:

(شوال سن ۸ھ بمطابق جنوری، فروری ۶۳۰ء)

اس غزوہ کو غزوہ حنین یا ہوازن کے علاوہ اوطاس بھی کہتے ہیں۔ قبیلہ ہوازن نے جب تسخیر مکہ کی خبر سنی تو ان کے رئیس مالک بن عوف نصری نے مسلمانوں کے خلاف ایک لشکر جرار جمع کرنا شروع کر دیا۔ اس کی آواز پر بنی ثقیف نے بھی لبیک کہا۔ اس کے علاوہ قبائل نصر، جشم، سعد بن بکر، ہلال اور قیس عیلان نے بھی اپنی طرف سے حمایت کی علامت کے طور پر کچھ رضا کار بھیجے۔ ہوازن کی اہم شاخوں میں قبیلہ کعب اور کلاب کے لوگوں نے قطعاً شرکت نہ کی۔ بنو جشم کا سردار درید بن صمہ نہایت سن رسیدہ تھا اس لیے اسے ایک ہودے میں بٹھا کر لایا گیا وہ فن حرب کے طویل تجربے کی بنا پر شریک جنگ ہوا تھا۔ احلاف کا سربراہ قارب بن اسود کو مقرر کیا گیا۔ بنو مالک میں دو سربراہ مقرر ہوئے ایک ذوالخمار سبیع بن حارث، اور دوسرا اس کا بھائی احمر بن حارث مجموعی طور پر کمان مالک بن عوف نے سنبھالی۔ اس نے لوگوں کو اپنے اموال، عورتیں اور بچوں کو بھی ساتھ لے جانے کا حکم دیا۔ اس کے بعد یہ لشکر اوطاس نامی ایک مقام پر پہنچا۔

جب رسالت مآب ﷺ کو ان قبائل کی تیاری کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے بھی روانگی کا عزم فرمایا۔ آپ ﷺ کو علم ہوا کہ صفوان کے پاس زرہیں اور اسلحہ موجود ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر اس قبیلے نے قبول اسلام کے لیے مہلت مانگی تھی اور یہ مہلت کا

زمانہ تھا۔ ہتھیاروں کی قلت کے باعث آپ ﷺ نے قبیلہ صفوان سے ایک سو زرہیں اور ضرورت کے مطابق ہتھیار مستعار لیے۔(۲۱۲) آپ ﷺ نے بارہ ہزار صحابہؓ کے ساتھ مکہ سے نکلے، اپنی غیر حاضری میں آپ ﷺ نے عتاب بن اسید کو مکہ کا عامل مقرر فرمایا۔(۲۱۳)

صبح کے دھندلکے میں جب اسلامی لشکر وادی حنین میں پہنچا۔ دشمن پہلے ہی وہاں پہنچ چکا تھا، اس نے ہر مخفی راستے، ہر گوشے اور ہر تنگ گھاٹی سے آ کر مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا مسلمانوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ آپ ﷺ دائیں جانب ہٹ کر کھڑے ہو گئے اور آواز دینے لگے کہ ”لوگو! کدھر جاتے ہو، ادھر میرے پاس آؤ۔ میں اللہ کا رسول اور محمد ﷺ عبداللہ کا بیٹا ہوں۔“ (۲۱۴)

حالت یہ تھی کہ بھاگنے میں اونٹ سے اونٹ بھڑ رہا تھا اور لوگ بھاگتے چلے جا رہے تھے۔ آپ ﷺ کے ساتھ مہاجرین اور اہل بیت میں سے چند آدمی باقی رہ گئے تھے، ان میں ابو بکر صدیقؓ اور عمرؓ فاروق، علی المرتضیٰؓ، عباسؓ، ابو سفیان بن حارث، فضل بن عباسؓ، ربیعہ بن حارث، اسامہ بن زیدؓ اور ایمنؓ بن عبید تھے۔(۲۱۵)

ادھر ہوازن کا ایک آدمی سرخ اونٹ پر ایک سیاہ جھنڈا لیے ہوئے تھا جسے لمبے سے نیزے کے سرے پر لگا رکھا تھا۔ وہ ہوازن کے آگے آگے تھا۔ جب یہ شخص کسی کو زد میں لیتا تو اسے نیزے سے مار دیتا اور جب یہ لوگ پیچھے چھوٹ جاتے تو جھنڈا بلند کر کے انہیں دکھاتا وہ پھر اس کے پیچھے لگ جاتے تھے۔

آپ ﷺ کے ارشاد پر عباسؓ بن عبدالمطلب نے بآواز بلند کہا: یا معشر الانصار! یا معشر اصحاب الشجرہ! یعنی انصار کے گروہ! اے بیعت رضوان کرنے والو! تو لوگوں نے جواب دیا کہ: لبیک، لبیک۔ اب ہر شخص اونٹ موڑنے لگا لیکن وہ اسے موڑنے پر قادر نہ تھا۔ اس لیے وہ اپنی زرہ اس کی گردن میں ڈالتا اور اپنی تلوار اور ڈھال کے ساتھ اچھل کر اتر پڑتا اور اونٹ کو چھوڑ دیتا، پھر آواز کے رخ پر چل پڑتا اور آپ ﷺ کے پاس پہنچ جاتا۔ اس طرح کوئی ایک سو افراد آپ ﷺ کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ انہوں نے کفار کا سامنا کیا۔ خوب گھمسان کا رن پڑ رہا تھا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: حمی الوطیس یعنی آتش جنگ پوری طرح بھڑک اٹھی ہے اور اس میں گرمی آ گئی ہے۔(۲۱۶) اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کی نصرت بھی بھیجی حتیٰ کہ کفار کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ ان کے ستر آدمی مارے گئے، ان میں مالک بن عوف بھی شامل تھا۔ جب کہ صرف پانچ مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا۔

حنین کے قیدیوں اور مال غنیمت میں چھ ہزار پارچہ جات چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار سے زائد بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی تھی۔(۲۱۷) یہ تمام چیزیں جعرانہ میں رکھی گئیں اور مسعود بن عمرو غفاری کو نگرانی پر مقرر کیا گیا۔ آپ ﷺ نے قیدیوں کو بلا معاوضہ چھوڑ دیا اور ان کو کپڑے بھی عطا کیے۔ قیدیوں میں ہی آپ ﷺ کی رضاعی ہمشیرہ شیماؓ بھی تھیں۔ آپ ﷺ نے ان کے ساتھ احسن سلوک کیا اور انہیں مکحول نامی ایک غلام اور ایک باندی عنایت فرمائی۔(۲۱۸) شیماء نے ان دونوں کی شادی کر دی۔

۲۶۔غزوہ طائف:

(شوال سن ۸ھ بمطابق فروری ۶۳۰ء)

غزوہ حنین کے بعد بنو ثقیف طائف (۲۱۹) واپس آئے اور قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے اور انہوں نے اپنی ضروریات زندگی جمع کرلیں جو انہیں ایک سال کے لیے کافی تھیں۔(۲۲۰) اب وہ جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔(۲۲۱) آپ ﷺ کو اطلاع ملنے پر بارہ ہزار افراد کے ساتھ طائف کی طرف آئے اور اس کے قریب ڈیرے ڈال دیے۔لشکر اسلام کے لیے قلعہ کے محاصرے کا پہلا اتفاق تھا۔اہل قلعہ نے مسلمانوں پر پتھروں کی بارش ہونا شروع کردی، اس سے آپ ﷺ کے چند رفقاء شہید ہو گئے۔(۲۲۲) اب آپ ﷺ نے سقوط طائف کے لیے درج ذیل تدابیر اختیار فرمائیں:

۱۔منجنیق، دبابے اور عرادے اور اسی طرح کے قلعہ شکن آلات استعمال کیے۔لیکن اہل طائف کو جو محاصرہ کی مدافعت کا غالباً تجربہ رکھتے تھے، ان سے کوئی خاص نقصان پہنچا۔انہوں نے دبابوں پر منڈھے ہوئے چمڑے کو دہکتی ہوئی فولادی سیخوں میں جلا کر ایک اور شدید تیر اندازی کے ذریعے اسلامی لشکر کو بڑھنے سے روک دیا۔

۲۔فصیل کے اطراف میں کانٹے بچھا دیے گئے تاکہ دشمن کی آمدورفت میں دشواری پیدا ہو۔

۳۔نفسیاتی اثرات پیدا کرنے کے لیے یہ اعلان کیا گیا کہ دشمن کا جو غلام بھاگ کر آئے اور حلقہ بگوش اسلام ہو وہ آزاد سمجھا جائے گا۔اس اعلان کا خاطر خواہ اثر ہوا۔

۴۔معاشی دباؤ ڈالنے کے لیے دھمکی دی گئی کہ قلعہ کے باہر تمام باغات کو تباہ کردیا جائے گا۔یہ محض ایک دھمکی تھی کیونکہ آپ ﷺ رحمۃ اللعالمین تھے اس لیے آپ ﷺ کے حکم سے باغات کی قطع برید روک دی گئی۔

منجنیق اور دبابہ کا فن عروہؓ بن مسعود اور غیلانؓ ابن سلمہ جرش سے سیکھ کر آئے تھے۔مسلسل تیر اندازی اور سنگ باری ہوتی رہی تا آنکہ جب شدخہ کے مقام پر جو طائف کی چار دیواری کے پاس تھا لڑائی ہوئی۔آپ ﷺ کے کچھ صحابہ ایک دبابہ میں میں داخل ہوئے اور اسے دھکیل کر طائف کی چار دیواری تک لے گئے تاکہ اس میں شگاف کر کے راستہ بنا لیں۔یہ دیکھ کر ثقیف نے آگ میں گرم کی ہوئی لوہے کی سلاخیں مارنا شروع کیں تو یہ لوگ مجبور ہو کر دبابہ سے نکل آئے۔جب وہ باہر آئے تو ثقیف نے ان پر تیروں کی بارش کردی جس سے کئی صحابہ شہید ہوئے۔لوگوں نے آپ ﷺ سے عرض کی کہ آپ ﷺ اہل طائف کو اللہ اور قرابت سے بلالیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا:"میں انہیں اللہ اور رحم قرابت سے بلاتا ہوں۔چنانچہ آپ ﷺ کے منادی نے منادی کی کہ جو آدمی قلعے سے اتر کر ہماری طرف آجائے، وہ آزاد ہے۔اس پر دس کے قریب آدمی حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے انہیں آزاد کردیا۔(۲۲۳) لیکن باقی قلعہ والوں کی صورت بدستور ویسی ہی تھی۔اب آپ ﷺ نے نوفل بن معاویہ دیلی سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے۔

انہوں نے عرض کیا کہ لومڑی بھٹ میں گھس گئی ہے اگر یہ کوشش جاری رہی تو پکڑی جائے گی اور اگر چھوڑ دی گئی تو بھی نقصان نہیں دے سکتی۔

چنانچہ آپ ﷺ نے عمر فاروقؓ کو حکم دیا کہ لوگوں کو کوچ کرنے کی اجازت سنادی جائے۔ اس سے لوگوں کو کوفت ہوئی، کہنے لگے کہ طائف فتح تو ہوا نہیں اور ہم واپس چلے جائیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا! "اچھا تو کل جنگ کرو۔"

صبح ہوئی تو مسلمان گھائل ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہم کل انشاء اللہ واپس جائیں گے۔ اس سے لوگ خوش ہوئے اور انہیں یقین ہو گیا۔ چنانچہ انہوں نے کوچ کی تیاری کر دی۔

بعد میں اہل طائف از خود ہو کر اسلام لائے۔

اس غزوہ میں دونوں طرف کے کثیر لوگ زخمی ہوئے۔ بارہ مسلمانوں نے جام شہادت نوش فرمایا۔ جن میں سے ۷ قریشی تھے ۴ انصاری اور ایک بنی لیث سے تھا۔ طائف کا محاصرہ پندرہ راتوں تک جاری رہا۔ (۲۲۴) آپ ﷺ نے عثمان بن ابی العاص الثقفی کو طائف کا عامل مقرر فرمایا۔ (۲۲۵)

۲۷۔ غزوۂ تبوک:

(رجب تا رمضان ۹ھ بمطابق اکتوبر تا دسمبر ۶۳۰ء)

رسالت مآب ﷺ کو معلوم ہوا کہ قیصر ہرقل مدینہ پر حملہ کرنا چاہتا ہے تا کہ سریہ موتہ کا داغ دھویا جائے۔ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو تیاری کا حکم دیا۔ یہ تنگی دعسرت، گرمی کی تیزی و شدت اور قحط سالی کا زمانہ تھا۔ آئندہ موسم کا پھل پک چکا تھا اور لوگ اس حالت میں اپنے گھروں سے نکلنا پسند نہ کرتے تھے۔ عام طور پر آپ ﷺ جب کسی غزوے وغیرہ کا فیصلہ فرماتے تو نہایت رازداری سے کام لیتے۔ لیکن اس دفعہ لمبی مسافت، موسم کی شدت اور دشمنوں کی کثرت کا ذکر، صراحت سے فرمادیا تا کہ اچھی تیاری کر لی جائے۔ (۲۲۶)

اس موقع پر منافقین نے مسلمانوں کے حوصلے پست کرنے کے لیے موسم کی شدت وغیرہ سے بچنے کو کہا لیکن ان کا داؤ کامیاب نہ ہو سکا اور آپ ﷺ تیس ہزار افراد کے ساتھ مدینہ سے نکلے۔ آپ ﷺ نے مدینہ پر محمدؓ بن مسلمہ کو عامل مقرر فرمایا۔ جب یہ لشکر ثنیۃ الوداع میں پہنچا تو عبداللہ بن ابی نے اپنا لشکر اسلامی لشکر سے الگ ٹھہرایا اور روانگی کے وقت وہ اپنے لشکر کو واپس آ گیا۔

اسلامی لشکر سرحد پر گیا۔ اس سے دشمن پر رعب طاری ہو گیا۔ اس لیے لوائی کا عزم ترک کر دیا گیا۔ آپ ﷺ نے تبوک میں تقریباً دس رات قیام کیا۔ جب آپ ﷺ مدینہ کے قریب پہنچے تو مردوں، عورتوں اور بچوں نے مدینہ سے نکل کر آپ ﷺ کا استقبال کیا۔ بچوں کی زبان پر یہ اشعار تھے۔ (۲۲۷)

طلع البدر علینا ... من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا ... ما دعا للہ داعی

یعنی ہم پر چاند طلوع ہوا ہے، وداع کی گھاٹیوں سے، ہم پر شکر کرنا واجب ہے، جب تک بلائے کوئی بلانے والا۔

حربی نقطۂ نظر سے غزوہ تبوک کی اہمیت یوں ہے:

ا۔ آپ ﷺ نے تبوک جانے کا اعلان فرمایا، اس کا دشمن پر خاطر خواہ اثر پڑا۔ اسے یقین ہی نہ آیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے تیاری ہی نہ کی۔ اس غزوہ ہی میں آپ ﷺ نے اذرح معاہدات طے فرمائے تھے۔

(۲) اس غزوہ میں خون کا ایک قطرہ بھی نہ بہا لیکن فتح و نصرت کے تمام فوائد حاصل ہو گئے۔

(۳) اسلامی فوج کی بہترین تربیت ہو گئی اور اسے شدائد موسم کا سامنا کرنا پڑا، اس طرح وہ جفاکش ہو گئے۔

(۴) اسلامی فوج کا مورال بہت بلند ہوا۔ اس ہم سے پہلے رومیوں کی سطوت و جبروت کا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔

مختصر یہ کہ اگر ہم تمام فتوحات نبویؐ سے غزوہ (صلح) حدیبیہ کے فوائد کا موازنہ کریں تو بلاشبہ تمام فتوحات نبویؐ میں غزوہ (صلح) حدیبیہ اس لیے ممتاز حیثیت اختیار کر لیتا ہے کہ اسے نا صرف قرآن نے فتح مبین اور نصر عزیز کے نام سے یاد فرمایا بلکہ اس غزوہ نے فتوحات نبویؐ و دیگر اسلامی فتوحات پر ان مٹ اور نا قابل فراموش نقوش چھوڑے اور اس غزوہ کے بعد ریاست اسلامی کی حدود دن بدن وسعت ہی اختیار کرتی چلی گئی اور اسلام عرب سے نکل کر دنیا کے دیگر خطوں میں بھی جا پہنچا اور اس طرح قبول اسلام میں تاریخی اضافہ ہوا اور اسلام دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرتا ہوا دنیا کے دیگر گوشوں میں بھی پھیلتا ہی چلا گیا۔

اس لیے ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اس غزوہ (صلح) حدیبیہ کو سیاست نبوی کا شاہکار قرار دیا ہے۔

﴿حواشی وحوالہ جات﴾

(۱) بروڈی۔ برنارڈ، تزویرات کے نشان راہ (انگریزی) پرسٹن ۱۹۴۴ء، ص ۱۷۸ (ڈپ پک سے اقتباس)

(۲) دشمن سے جنگ میں روبرو ہونے کی تمنا نہ کرو اور اللہ سے پناہ مانگتے رہو۔ (حدیث) عبدالرحمن عزام نے اپنی کتاب "اسلام" میں بھی اس حدیث کا حوالہ دیا ہے۔ ص ۱۷۰

(۳) کلازوٹز۔ جنگ، جلد ۱، کیگن پال (انگریزی) لندن ۱۹۴۹ء، ص ۲

(۴) ظفر مسعود، آواز دوست، مکتبہ جدید، لاہور، ۱۹۶۲ء، ص ۴۵۔

(۵) فلر۔ جے۔ ایف۔ سی میجر جنرل۔ مغرب کی فیصلہ کن جنگیں۔ ایر اینڈ سپاٹس وڈ۔ لندن، ۱۹۵۴ء، جلد ۱، ص ۹۔

(۶) ایضاً ص ۱۷۶

(۷) ایضاً ص ۲۶۶۔ (ایمس مارسلے لی نس سے اقتباس)

(۸) گبن۔ رومی سلطنت کی پستی اور زوال، ہنری باہن، لندن ۱۸۵۴ء، جلد ۲۔ ص ۳۳۰۔

(۹) ایضاً۔ ص ۳۳۰

(۱۰) بروڈی۔ برنارڈ، تزویرات کے نشان راہ (انگریزی) ص ۱۷۸۔ (ڈپ پک سے اقتباس)

(۱۱) ٹوائن بی۔ تاریخ کا مطالعہ۔ تلخیص۔ سمروِیل۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس لندن، تیسری بار ۱۹۴۹ء، ص ۳۶۵۔

(۱۲) حضور اقدسؐ نے نو سال کے عرصہ میں ستائیس غزوات کے دوران کم و بیش سات سو اکتیس دن مدینے سے باہر گزارے۔ یہ عرصہ دور مدینہ کا پانچواں حصہ بنتا ہے۔

(۱۳) ایسٹر۔ کرنل۔ بحری، بری اور فضائی تزویرات (انگریزی) ہرز ے لندن۔ ۱۹۱۳ء ص ۱۹۔

(۱۴) شیبانی۔ سیر (آٹھویں صدی کے ایک مفکر کی تالیف) اسلام کا بین الاقوامی قانون (انگریزی) ترجمہ مجید خدوری، جاپ کنز۔ بالٹی مور۔ میری لینڈ۔ ۱۹۶۵ء، ص ۳۔

(۱۵) ایضاً ص ۹

(۱۶) ارل میڈ۔ جدید تزویرات کے بانی (انگریزی) میکاولی پر مضمون۔ پرنسٹن۔ ۱۹۰۳ء۔ ص ۷۔

(۱۷) چیمبرلین انسائیکلو پیڈیا۔ جلد ۱۴۔ (انگریزی) پرگامان پریس۔ لندن۔ ۱۹۶۷ء۔ ص ۲۰۴۔

(۱۸) لالمن۔ جنگ کا چہرہ (انگریزی) جرمن سیار نٹ۔ ۱۹۶۳ء۔ ص ۱۱

(۱۹) ایضاً ص ۲۷۔

(۲۰) لڈل ہارٹ۔ کپتان۔ جنگ سے حقیقی انکار (انگریزی) فیبر اینڈ فیبر۔ لندن ۱۹۴۳ء۔ ص ۱۹۔

(۲۱) منٹگمری۔ فیلڈ مارشل۔ جنگ کی تاریخ (انگریزی) کالنز۔ لندن ۱۹۶۸ء ص ۵۳۶۔

(۲۲) ارل میڈ۔ جدید تزویرات کے بانی (انگریزی) میکاولی پر مضمون۔ ص ۲۳۔

(۲۳) اس تعداد میں موتہ کی لڑائی کے شہداء کی تعداد شامل نہیں۔ یہ تعداد ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی تالیف "عہد نبویؐ کے میدان جنگ" (اردو) سے لی گئی ہے۔ مطبوعہ لاہور۔ ص ۳۔

(۲۴) "افسوس اہل قریش کے ذہنوں پر جنگ کا خیال حاوی ہو چکا ہے"۔

(۲۵) رسول اکرمؐ کی تربیت ہی تو وہ امتیازی پہلو ہے کہ جس کے باعث اسلام اور دیگر مذاہب کی جنگوں میں امن و سلامتی اور وحشت و بربریت کا واضح فرق تاریخ کا حصہ بن چکا ہے۔

(۲۶) كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران: ۳: ۱۱۰)

(۲۷) لڈل ہارٹ۔ جنگ کے متعلق افکار۔ ر۔ ں۔ ص ۱۳۲۔

(۲۸) ایضاً ص ۸۰۔

(۲۹) ایضاً ص ۱۳۳۔

(۳۰) ایضاً ص ۲۱۸۔

(۳۱) ایضاً ص ۲۱۹۔

(۳۲) ایضاً ص ۲۱۹۔

(۳۳) ایضاً ص ۲۲۲

(۳۴) العصر و مصلطاً و لا قتالاً

(۳۵) کینیڈی۔ میجر جنرل۔ یہ جنگ کا فریضہ (انگریزی) ہچنس۔ لندن، ۱۹۵۷ء ص ۱۳۳۔

(۳۶) سریہ سابق۔ صفر ۲ ہجری۔

(۳۷) روس اور چین کے کار پردازان مملکت اپنی افواج کی تربیت کے دوران اشتراکی تصور اور طریق جنگ پر زور دیتے رہے ہیں۔ اس ضمن میں ماؤزے تنگ اور روسی جرنیلوں کی تصنیفات ملاحظہ ہوں۔

(۳۸) یہ غلطی موجودہ دور کے مسلمان ممالک کے سربراہوں سے ہو رہی ہے۔ وہ یورپ اور امریکہ سے ذہنی طور پر متاثر ہونے کی وجہ سے انتظام مملکت لادینی اصولوں پر قائم کرنا چاہتے ہیں، مگر جب بھی ان کی افواج کو میدان جنگ کا رخ کرنا پڑتا ہے انہیں جہاد کے تصور کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس تضاد فکری کی وجہ سے انہیں دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

(۳۹) لڈل ہارٹ۔ بالواسطہ اقدامات کی ترجیحات۔ (انگریزی) فیبر اور فیبر۔ لندن ۱۹۲۹ء۔ (اس فن پر انگریزی زبان میں شاید یہ پہلی کتاب ہے اور اس کے مطالعہ سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ از اول تا آخر مصنف کے پیش نظر غزوات رسول کی مثالیں ہیں۔

(۴۰) لڈل ہارٹ۔ بالواسطہ اقدامات کی ترجیحات (انگریزی) ر۔ ں۔ ص ۱۶۰۔

(۴۱) اس ضمن میں میثاق مدینہ کی شق نمبر ۳۲ قابل توجہ ہے۔

(۴۲) ٹکر، فرانسس، لفٹننٹ جنرل، جنگ کی تربیت (انگریزی) کاسل، لندن، ۱۹۴۸ء ص ۸۔

(۴۳) ختم اللہ علیٰ قلوبھم۔ البقرہ۔ ۲:۷

(۴۴) ٹکر، فرانسس۔ لیفٹیننٹ جنرل۔ جنگ کی تربیت (انگریزی) ص ۱۲۔

(۴۵) ایضاً ص ۱۲۔

(۴۶) واجعل لنا من لدنک ولیاً (القرآن، سورۃ النساء، آیت ۷۵)

(۴۷) قاتلوا فی سبیل اللہ۔ القرآن سورۃ البقرہ ۲:۱۹۰

(۴۸) "جن لوگوں کی جان فرشتے اس حالت میں نکالتے ہیں کہ وہ اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہوتے ہیں، ان سے (فرشتے) کہتے ہیں یہ تم کیا کر رہے تھے۔ وہ کہتے ہیں ہم دنیا میں مغلوب (غلام قوم) تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ کی زمین اتنی کشادہ نہ تھی کہ تم اس میں کہیں ہجرت کر جاتے۔ تو ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے"۔ ۴:۹۷ النساء۔

(۴۹) "اللہ کی راہ میں جنگ کرو مگر زیادتی مت کرو"۔ البقرہ ۲:۱۹۰۔

(۵۰) منٹگمری۔ فیلڈ مارشل، قیادت کا راستہ (انگریزی) کالنز، لندن ۱۹۶۱ء ص ۳۲۔

(۵۱) کرزن۔ لفٹننٹ کرنل۔ "دفاع کے ذریعہ جنگ نہیں جیتی جا سکتی" ہائن مین۔ لندن ۱۹۴۲ء۔ ص ۱۷۔

(۵۲) ایضاً ص ۱۰۳۔ (یہ پہلی جنگ عظیم کے دوران برطانوی فوج کا فرانس کے محاذ پر کمانڈر تھا۔)

(۵۳) عصر حاضر کے مفکرین نے عظیم ترجیحات کا نام ان منصوبوں اور ان مقاصد پر مبنی ترجیحات کو دیا ہے جو زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہونے کے علاوہ مابعد جنگ کے امن اور زندگی کی سہولتوں کو ملحوظ خاطر رکھیں۔

(۵۴) کرزن لفٹیننٹ کرنل۔ "دفاع کے ذریعہ جنگ نہیں جیتی جا سکتی" ہائن مین۔ لندن ۱۹۴۲ء۔ ص ۱۷۔

(۵۵) مارگولیتھ۔ محمدؐ۔ پٹنم۔ لندن ۱۹۲۳ء۔ ص ۳۱۱۔

(٥٦) سوربیلا، الریقی شاٹ (انگریزی) ہنش ہملٹن۔ لندن ۱۹۴۵ء۔ ص ۲۱۔

(٥٧) جیکس۔ بکنر ہڈ میلیبی جیکسن۔ لندن۔ ۱۹۶۷ء۔ ص ۵۱۔

(٥٨) مسعود یار خاں، واحد رسول کامل (انگریزی) اسلامک فورم۔ کراچی ۱۹۶۸ء، ص ۲۰۰۔

(٥٩) ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے اپنی انگریزی کی کتاب (اسلام) میں بھی اس طرز کا استدلال پیش کیا ہے۔

(٦٠) کاکا۔ کے۔ ایل۔ صحرائی جنگجو (انگریزی)، لاہور، ۱۹۳۳ء، ص ۱۱۲

(٦١) لیمب ہیرلڈ۔ چنگیز خان (انگریزی) (ڈبل ڈے کمپنی۔ نیو یارک ۱۹۵۶ء۔ صفحہ ۲۳۳۔

(٦٢) خورشید احمد اور احمد انیس۔ پیغمبر اسلام (انگریزی) سیرت اکادمی۔ کراچی۔ ۱۹۷۶ء، ص ۲۷۸ مع عملی سے اقتباس۔

(٦٣) اول میلہ۔ جدید تر دیہات کے بانی (انگریزی) میادلی پر مضمون، ۱۹۰۲ء، ص ۷۔

(٦٤) سٹریٹ فورڈ۔ آزادی کی قیمت (انگریزی) جیکی اینڈ سنز۔ لندن ۱۹۳۳ء۔ ص ۱۸۔

(٦٥) کلازوٹز۔ جنگ۔ جلد اول (انگریزی)۔ کگن پال۔ لندن ۱۹۳۹ء۔ ص ۲۔

(٦٦) لیسین مظہر صدیقی۔ پروفیسر، عہد نبوی کا نظام حکومت، الفیصل لاہور، جون ۱۹۹۵ء۔ ص ۳۷۔

(٦٧) اسلامی معاشرہ اور ریاست کی تشکیل و تعمیر کے لیے مادی قوت بالخصوص فوجی طاقت حاصل کرنے کا حکم الٰہی جہاد و قتال کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ انفال نمبر ٦٠ میں خاص طور سے دیا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ دشمنانِ دین کے لیے مسلمانوں کو ہر قوت و طاقت جمع کرنی چاہیے۔ خاص کر شہسوار فوج (خیل) کی طاقت، تاکہ اس کے ذریعہ قریب و جوار اور دور دراز کے دشمنوں کے ساتھ ساتھ معاصر و متاخر تمام اعداء کو خوف و دہشت میں رکھا جائے۔

(٦٨) لیسین مظہر صدیقی، پروفیسر عہد نبوی کا نظام حکومت، ص ۳۷۔

(٦٩) ہجرت نبویؐ کے چھ ماہ کے اندر ہی مسجد نبوی کی تعمیر، مواخاۃ کی تشکیل، دستور مدینہ کی تنفیذ اور ابتدائی مہمّوں کی شروعات ہوئی۔

(٧٠) لیسین مظہر صدیقی، پروفیسر، عہد نبوی کا نظام حکومت، ص ۳۷۔ ۳۸۔

(٧١) مورخین ایسی کسی مہم کو جو صحابیؓ کی سرکردگی میں بھیجی گئی۔ سریہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

(٧٢) سیرت ابن ہشام اردو، مرتبہ شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی لاہور ۱۹۶۱ء ص ۵۸۲/ طبقات ابن سعد جزو ثانی اردو، ترجمہ مولانا عبداللہ عمادی، جامعہ عثمانیہ دکن ۱۹۴۴ء ص ۲۷/ التنبیہ والاشراف، مسعودی، ترجمہ مولانا عبداللہ عمادی۔ جامعہ عثمانیہ دکن ۱۹۲۶ء۔ ص ۱۱۳

(٧٣) (۱) بدر (۲) احد (۳) خندق (۴) قریظہ (۵) مصطلق (۶) خیبر (۷) عام الفتح (۸) حنین (۹) طائف۔

(٧٤) طبقات ابن سعد ص ۱، ابن ہشام، ص ۵۸۲، التنبیہ والاشراف ص ۱۱۳۔

(٧٥) ابن ہشام حصہ اول ص ۶۳۹، تاریخ طبری حصہ اول ص ۱۵۳، تاریخ ابن خلدون حصہ اول ص ۷۶۔

(٧٦) تاریخ طبری حصہ اول ص ۱۵۳، ابن سعد ج ۲، ص ۲، ابن ہشام ص ۶۳۹، التنبیہ والاشراف ص ۱۱۷، سیرت النبیؐ ص ۳۱۔

(٧٧) ابن ہشام، ص ۶۵۰۔

(٧٨) محمد صدیق قریشی، پروفیسر، رسول اکرمؐ کی سیاست خارجہ، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور ۱۹۸۷ء ص ۲۵۸۔

(٧٩) ابن ہشام ص ۶۵۰، لیکن طبری و ابن خلدون ربیع الاول نے لکھا ہے، ملاحظہ فرمائیں تاریخ طبری حصہ اول ص ۱۵۱، تاریخ ابن خلدون حصہ اول ص ۷۶۔ ایک جگہ طبری نے بھی ربیع الاول لکھا ہے۔ ص ۱۵۳۔

(٨٠) تاریخ طبری حصہ اول ص ۱۵۳۔

(٨١) تاریخ طبری حصہ اول ص ۱۵۳۔ ابن خلدون حصہ اول ص ۷۶۔

(٨٢) ابن ہشام حصہ اول ص ۶۵۰، ابن خلدون حصہ اول ص ۷۶۔ لیکن طبری کا خیال ہے کہ سعد بن معاذ امیر مقرر کیے گئے، تاریخ طبری حصہ اول ص ۱۵۳۔

(٨٣) ابن سعد ص ۵۔

(٨٤) ایضاً

(٨٥) ابن ہشام ص ۴۸۸۔

(٨٦) ابن ہشام حصہ اول ص ۶۵۲، تاریخ طبری حصہ اول ص ۱۵۳۔

(۸۷) تاریخ طبری حصہ اول ص ۱۵۳۔
(۸۸) رحمۃ للعالمین مسلم جلد دوم ص ۲۳۱ قاضی محمد سلیمان منصور پوری۔
(۸۹) ابن سعد ص ۵۔ التنبیہ والاشراف ص ۱۸
(۹۰) تاریخ طبری حصہ اول ص ۱۵۳۔
(۹۱) ابن سعد ص ۹۔
(۹۲) تاریخ طبری حصہ اول ص ۱۵۳۔
(۹۳) محمد صدیق قریشی پروفیسر، رسول اکرم کی سیاست خارجہ، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۸۷ء ص ۱۵۹۔
(۹۴) ابن ہشام ص ۱۸۷۔
(۹۵) یہی قافلہ جب شام سے لوٹا تو آپ ﷺ خود اس سے مزاحمت کے لیے بڑھے اس دفعہ غزوہ بدر وقوع پذیر ہوا۔
(۹۶) اس روایت پر ابن ہشام، ابن سعد اور طبری کا اتفاق ہے۔ اس کے راوی اول حضرت عمار بن یاسر ہیں۔
(۹۷) زاد المعاد جلد دوم ص ۱۷۶۔ ابن ہشام نے یہ تعداد تیس اور چالیس کے درمیان نقل کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں حصہ اول ص ۶۵۹۔
(۹۸) ابن ہشام حصہ اول ص ۶۶۵، زاد المعاد جلد دوم ص ۱۷۶۔
(۹۹) حافظ ابن قیم نے یہ تعداد ۳۱۳ نقل کی ہے۔ ۸۳ مہاجرین ۶۱ قبیلہ اوس کے اور ۱۷۰ خزرج کے یعنی ۳۱۴ کی تعداد ہے۔
(۱۰۰) ابن ہشام حصہ اول ص ۶۶۵۔
(۱۰۱) ایضاً ص ۶۶۹۔
(۱۰۲) شرح مسلم جلد پنجم کتاب الجہاد، ابن ہشام حصہ اول ص ۶۷۰۔
(۱۰۳) ابن ہشام حصہ اول ص ۶۷۲۔
(۱۰۴) اول الذکر بنی الحجاج اور موخر الذکر بنی العاص بن سعید کا غلام تھا۔
(۱۰۵) ابن ہشام حصہ اول ص ۶۷۲۔
(۱۰۶) ایضاً ص ۶۷۵۔
(۱۰۷) ایضاً ص ۶۷۷، زاد المعاد جلد دوم ص ۱۸۰۔
(۱۰۸) القرآن الحکیم ۳۳:۱۰ـ۱۲۔
(۱۰۹) القرآن الحکیم ۸:۵۔
(۱۱۰) القرآن الحکیم ۸:۷۔
(۱۱۱) ابن ہشام حصہ اول ص ۶۷۶۔
(۱۱۲) Holland Edith. The story of Muhammad P.123.
(۱۱۳) القرآن الحکیم: سورۃ الانفال ۵۸
(۱۱۴) ابن ہشام حصہ اول ص ۶۹۹
(۱۱۵) ایضاً ص ۶۹۹
(۱۱۶) یہ وہی صاحب ہیں جنہوں نے غزوہ احزاب میں ایک اہم کردار ادا کیا۔
(۱۱۷) تاریخ طبری جلد اول ص ۱۳۶۳۔
(۱۱۸) زاد المعاد جلد دوم ص ۱۸۵۔
(۱۱۹) عربی میں سویق ستوؤں کو کہتے ہیں۔
(۱۲۰) بحران مدینہ سے ۹۶ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہیں قبیلہ بنی سلیم آباد تھا۔
(۱۲۱) مغازی الرسول ص ۱۹۶ واقدی۔

(١٢٢) غزوہ بدر کے قریب جو قریشی قافلہ ابو سفیان کی قیادت میں مکہ پہنچا تھا، وہ پچاس ہزار مثقال سونا اور ایک ہزار اونٹ منافع میں لایا تھا۔ یہ تمام مال مالکوں میں تقسیم نہ کیا گیا بلکہ سامان جنگ کی تیاری میں لگا دیا گیا۔

(١٢٣) قریشی جبیر بن مطعم کا ایک حبشی غلام تھا۔ یہ اس انداز سے تیر پھینکتا کہ کم ہی خطا جاتا۔ جبیر نے اسے اپنے چچا طعمہ بن عدی کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے ساتھ لیا تھا اور اسے حمزہؓ کو شہید کرنے کے صلہ میں آزاد کر دینے کا وعدہ کیا۔ نیز اللہ کی شان ہے کہ یہی وحشی بعد کو مشرف بہ اسلام ہوئے اور جنگ یمامہ میں مسیلمہ کذاب ان ہی کی تیر کا نشانہ بنا۔

(١٢٤) طبقات ابن سعد جز دوئم ص ٢٨۔

(١٢٥) ابن ہشام حصہ دوم ص ٦٨۔

(١٢٦) طبقات ابن سعد جز دوئم ص ٢٨۔

(١٢٧) زاد المعاد جلد دوم ص ١٩٢۔

(١٢٨) ابن ہشام حصہ دوم ص ٦٢۔

(١٢٩) ایضاً ص ص ۔ ٩٩ ۔ ١٠٣ ۔

(١٣٠) یہاں ایک اہم نکتہ کو اور بس سمجھ لینا انتہائی ضروری ہے کہ عسکری قوانین و ماہرین کی رو سے فاتح وہ ہوتا ہے جو میدان جنگ میں ڈٹا رہے اور شکست خوردہ وہ ہے جو میدان چھوڑ کر بھاگ جائے۔ اب اس اصول کی روشنی میں دیکھا جائے تو مسلمان میدان میں رہے جبکہ کفار میدان چھوڑ گئے لہٰذا وہ مورخین اور مصنفین جنھوں نے احد کو مسلمانوں کی شکست قرار دیا انھیں اس عسکری قانون کی رو سے دوبارہ اپنے اس غلط نقطۂ نظر سے رجوع کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

(١٣٠) ابن ہشام جلد دوم ص ١٨٩۔

(١٣١) ابن سعد نے غزوہ حمراء الاسد کے لیے روانگی کے وقت آپ کی حالت یوں بیان کی ہے "آپ اس حالت میں روانہ ہوئے کہ چہرۂ مبارک مجروح تھا اور پیشانی مبارک زخمی تھی۔ دندان مبارک ٹوٹا ہوا تھا اور نیچے کا ہونٹ اندر کی جانب سے مجروح تھا، داہنا شانہ ابن قمیہ کی تلوار کی ضرب سے سست تھا اور دونوں گھٹنے چھلے ہوئے تھے۔ (طبقات کبیر۔ جز دوئم ص ٦٢)۔

(١٣٢) طبقات ابن سعد ص ٤٣۔

(١٣٣) ابن ہشام جلد دوم ص ٢١٥۔

(١٣٤) ابو داؤد باب فی خبر النضیر، فتح الباری جلد ہفتم ص ٢٣٣۔

(١٣٦) ابن ہشام جلد دوم ص ٢٢٦۔

(١٣٧) طبقات ابن سعد جز دوئم ص ٤٦

(١٣٨) حافظ ابن قیم نے عبداللہ بن رواحہ لکھا ہے دیکھیے زاد المعاد جلد دوم ص ٢٢٣ جب کہ ابن ہشام نے عبداللہ بن ابی سلول لکھا ہے دیکھیے ابن ہشام حصہ دوم ص ٢٢٦

(١٣٩) طبقات ابن سعد جز دوئم ص ٤٦

(١٤٠) التنبیہ والاشراف ص ٥١

(١٤١) ابن ہشام جلد دوم ص ٢٣٢، زاد المعاد جلد دوم ص ٢٠٢۔

(١٤٢) التنبیہ والاشراف ص ٥١

(١٤٣) ابن ہشام نے اس غزوہ کا زمانہ جمادی الاولیٰ ۴ھ بتلایا ہے اور اس کا ذکر غزوہ بدر الموعد یا غزوہ بدر الاخری سے پہلے کیا ہے۔ سیرۃ ابن ہشام ص ٢٠٤۔

(١٤٤) ابن سعد ص ٤٨، التنبیہ والاشراف ص ٥٢، ابن ہشام نے ذات الرقاع کی وجہ تسمیہ بتائی ہے کہ کفار نے اپنے جھنڈوں پر کچھ لکھا تھا۔ (ابن ہشام ص ٢٠٤)۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ "ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ جہاد کو نکلے اور ہم چھ آدمیوں کے حصہ میں ایک اونٹ تھا۔ جس پر باری باری ہم چڑھتے تھے۔ بالآخر ہمارے پاؤں زخمی ہو گئے اور میرے دونوں پیر زخمی ہو گئے اور ناخن گر پڑے ہم نے ان زخموں پر چیتھڑے لپیٹے اسی وجہ سے جہاد کا نام غزوہ ذات الرقاع پڑ گیا۔ (صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر ص ٩٣٩) ان تینوں روایات میں ابن سعد اور مسعودی کی روایت، قرین صحت معلوم ہوتی ہے، یعنی اس علاقہ کی چٹانوں کے مختلف رنگوں کی وجہ سے اس کا نام ذات الرقاع ہوا۔

(١٤٥) ابن ہشام نے لکھا ہے کہ حضرت ابوذر غفاریؓ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنایا۔ (ص۔ ٢٠٤)

(۱۴۶) زادالمعاد جلد دوم ص ۲۰۳۔

(۱۴۷) ابن سعد نے ۱۵، ۱۶ دن بتائی ہے۔ مسعودی نے التنبیہ والاشراف میں دو روایتیں دی ہیں ایک ۱۵ شبوں کی دوسری ۱۳ شبوں کی لیکن دوسری ہی روایت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ اس غزوہ میں مجموعی طور پر آپ کو تقریباً ایک مہینہ لگا اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب ایک طرف کے سفر کی مدت ۱۳ دن بھی جائے۔

(۱۴۸) ابن سعد ص ۸۰، ابن ہشام ص ۲۴۰ مسعودی نے التنبیہ والاشراف میں حضرت ام ابن مکتوم کا نام لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو ص ۵۳۔

(۱۴۹) ابن ہشام جلد دوم ص ۲۳۵، زادالمعاد جلد دوم ص ۲۰۵۔

(۱۵۰) اسد الغابہ جلد چہارم ص ۳۶۰۔

(۱۵۱) مدارج النبوت جلد دوم ص ۲۶۹۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔

(۱۵۲) ابن ہشام جلد دوم ۲۳۶، تاریخ طبری جلد اول ص ۲۷۳، طبقات ابن سعد جلد دوم ص ۴۳۔

(۱۵۳) ایضاً ۲۳۷، زادالمعاد جلد دوم ص ۲۰۵، ۲۰۸

(۱۵۴) قرآن الحکیم سورۃ الحجرات: ۶

(۱۵۵) ابن ہشام حصہ دوم ص ۲۳۹، طبقات ابن سعد جلد دوم ص ۴۷، فتح الباری جلد ۷ ص ۳۰۱

(۱۵۶) ابن ہشام حصہ دوم ص ۲۳۳

(۱۵۷) طبقات ابن سعد جلد دوم ص ۴۷

(۱۵۸) ابن ہشام حصہ دوم ص ۲۳۳، زادالمعاد جلد دوم۔ ص ۲۱۰۔

(۱۵۹) ابن ہشام حصہ دوم ص ۲۳۳۔

(۱۶۰) ایضاً ص ۲۳۹۔

(۱۶۱) ابن ہشام حصہ دوم ص ۲۳۳۔

(۱۶۲) ایضاً ص ۲۳۹۔

(۱۶۳) القرآن الحکیم: سورۃ الاحزاب: ۹

(۱۶۴) Hell, prof : The Arab civilization.pg .29

(۱۶۵) ابن ہشام حصہ دوم ۲۶۳۔

(۱۶۶) ابن ہشام حصہ دوم ص ۲۵۶، زادالمعاد جلد دوم ص ۲۱۰

(۱۶۷) ایضاً

(۱۶۸) ابن ہشام جلد دوم ص ۲۷۱۔

(۱۶۹) ایضاً ص ۲۷۷۔۲۷۸۔

(۱۷۰) تاریخ طبری جلد اول ص ۳۰۶۔

(۱۷۱) ایضاً ۳۵۱

(۱۷۲) طبقات ابن سعد ص ۱۰۲، التنبیہ والاشراف ص ۲۱۔

(۱۷۳) التنبیہ والاشراف ص ۲۱۔

(۱۷۴) طبقات ابن سعد ص ۱۰۵۔

(۱۷۵) اسد الغابہ جلد پنجم ص ۱۶۹۔۱۷۰۔

(۱۷۶) ابن ہشام جلد دوم ص ۳۳۵۔۳۳۶۔

(۱۷۷) ابن سعد اور مسعودی نے یہ فاصلہ ۹ میل بتایا ہے۔ ظاہر ہے ان کی مراد عربی میل سے ہوگی۔ ۲۱۰۲ گز کا ہوتا ہے اس حساب سے یہ مسافت تقریباً ۱۲ میل ہوتی ہے۔

(۱۷۸) ابن ہشام ص ۳۵۱۔۳۵۲۔

(۱۷۹) ایضا

(۱۸۰) القرآن الکریم سورۃ الفتح۔ ۱۸۔

(۱۸۱) ابن سعد ص ۱۲۸۔

(۱۸۲) سیرۃ ابن ہشام ص ۳۵۲۔

(۱۸۳) ایضا ص ۳۵۳۔

(۱۸۴) طبقات ابن سعد جزو ثانی ص ۱۲۸۔۱۲۹ ابن ہشام نے محمد بن مسلمہ کی جگہ ان کے بھائی محمود بن مسلمہ کا نام لکھا ہے۔

(۱۸۵) سیرۃ ابن ہشام ص ۳۵۳۔

(۱۸۶) القرآن الکریم: سورۃ الفتح آیت: ۱۔

(۱۸۷) تاریخ ابن خلدون جلد اول سیرۃ النبی ﷺ ص ۳۶۲۔۳۶۳۔ سیرۃ النبی ﷺ جلد ۱ ص ۳۶۰۔۳۶۱

(۱۸۸) شرح السیر الکبیر جلد اول ص ۱۰۱۔

(۱۸۹) مغازی الرسولؐ، ص ۳۶۲ واقدی

(۱۹۰) اسد الغابہ جلد سوم ص ۲۶۸۔

(۱۹۱) ایضا جلد دوم ص ۱۶۔ تاریخ طبری جلد سوم ص ۲۳۔

(۱۹۲) ابن ہشام جلد دوم ص ۳۹۵

(۱۹۳) ہم اس بات سے متفق نہیں ہو سکتے کہ آپ ﷺ کی روانگی کی خبریں مدینہ سے روانگی سے پہلے ہو غطفان اور خیبر پہنچ گئی ہوں گی، جیسا کہ ایک مصنف نے لکھا ہے ملاحظہ فرمائیں:

Bashmeal Ahmad ; Ghazawa Khyber p-113

مصنف موصوف نے ہر موقف محض اس دلیل پر اختیار کیا ہے کہ کیمپ کے اندر سے دشمن کا ایک جاسوس پکڑا گیا تھا کیونکہ اس طرح یہودیوں کو تو پہلے سے چوکنا ہو جانا چاہیے تھا، لیکن ہوا اس کے برعکس۔ نماز فجر کے بعد اسلامی لشکر نے دیکھا کہ اہل خیبر اپنے کھیتوں اور کام کاج کی جگہوں کی طرف رواں دواں ہیں۔ اسلامی لشکر کو دیکھ کر انہوں نے الٹے پاؤں بھاگنا شروع کر دیا۔ انہیں بھاگتا دیکھ کر آپؐ نے فرمایا: ''اللہ اکبر! خیبر برباد ہو گیا۔ جب ہم ایک قوم کے علاقے میں اترے تو ڈرائے جانے والوں کی صبح بری ہوئی''۔ ابن ہشام جلد دوم ص ۳۹۲۔

(۱۹۴) بخاری کتاب الفضائل باب غزوہ خیبر ص ۲۰۷۔

(۱۹۵) تاریخ ابن خلدون جلد اول ص ۳۸۰

(۱۹۶) طبقات ابن سعد جز ثانی ص ۱۷۲

(۱۹۷) ایضا۔

(۱۹۸) ابن سعد نے عبداللہ ابن مکتوم کا نام لکھا ہے، طبقات ص ۱۷۵۔

(۱۹۹) تاریخ ابن خلدون حصہ اول ص ۳۸۳۔

(۲۰۰) تاریخ ابن خلدون، ص ۳۸۳

(۲۰۱) ایضا

(۲۰۲) ایضا

(۲۰۳) آج کل اس کو حلہ مسلطہ کہتے ہیں۔

(۲۰۴) فتح الباری جلد ۸، ص ۸

(۲۰۵) باشمیل فتح مکہ ص ۱۵۴

(۲۰۶) زرقانی جلد ۲ ص ۳۱۰، فتح الباری جلد ۸ ص ۹۔

(۲۰۷) طبقات ابن سعد ص ۱۷۷۔

(۲۰۸) القرآن الحکیم: سورۃ ۱۷ اسراء آیت: ۸۱۔

(۲۰۹) القرآن الحکیم سورۃ ۴۹ الحجرات آیت نمبر ۱۳۔

(۲۱۰) بعض کے نزدیک یہ لونڈی قتل کی گئی لیکن مشہور روایت یہ ہے کہ اس نے اسلام قبول کر لیا اور سیدنا عمرؓ کے عہد خلافت تک زندہ رہی۔

(۲۱۱) تاریخ طبری حصہ اول ص ۳۰۲۔

(۲۱۲) ابن ہشام حصہ ص ۴۲۰۔

(۲۱۳) ایضاً

(۲۱۴) ایک روایت یہ ہے کہ آپ ﷺ یہ کلمات دہرا رہے تھے انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب میں پیغمبر ہوں، یہ بات جھوٹ نہیں ہے، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

(۲۱۵) ابن ہشام حصہ دوم ص ۵۲۳، زاد المعاد، حصہ دوم، ص ۳۴۹۔ حافظ ابن قیم نے یہ نام ایمن بن ام ایمن لکھا ہے۔

(۲۱۶)۔ آپ ﷺ نے اس سے پہلے کبھی ایسا جملہ نہیں فرمایا تھا۔

(۲۱۷)۔ زاد المعاد حصہ دوم ص ۳۴۴۔

(۲۱۸)۔ ابن ہشام حصہ دوم ص ۵۳۲۔

(۲۱۹)۔ طائف کو پہلے وج کہتے تھے۔ جب اس کو مستحکم کر دیا گیا اور اس کے گرد شہر پناہ کے طور پر چار دیواری بنا دی گئی تو طائف کہنے لگے۔

(۲۲۰)۔ زاد المعاد جلد دوم ص ۳۴۸۔

(۲۲۱)۔ ابن ہشام حصہ دوم ص ۵۶۵۔

(۲۲۲)۔ ایضاً ص ۵۸۱۔

(۲۲۳) زاد المعاد جلد دوم ص ۳۳۹۔

(۲۲۴) فتوح البلدان ص ۹۳۔

(۲۲۵) ایضاً ص ۹۸

(۲۲۶) ابن ہشام حصہ دوم ص ۵۱۹۔ لیکن حافظ ابن قیم کا خیال ہے کہ کم ہی ایسے غزوات ہیں جن میں نبی ﷺ نے اس قدر رازداری سے کام لیا ہوگا جس قدر غزوہ تبوک میں تنگ حالی اور بعد مسافت کے باعث رازداری سے کام لیا۔ (زاد المعاد جلد سوم ص ۳۳)

(۲۲۷) بعض راویوں کا بیان ہے کہ یہ اشعار آپ ﷺ کی ہجرت کے وقت پڑھے گئے، یہ خام خیالی ہے کیونکہ وداع کی وادیاں شام کی جانب ہیں جنہیں مکہ سے مدینہ آنے والا نہیں دیکھتا اور نہ ادھر سے گزرتا ہے۔ ہاں اگر وہ شام کو جانا چاہے تو یہ ضرور راستہ میں پڑتی ہیں۔

باب سوم

﴿فصل سوم﴾

صلح حدیبیہ کے سیاسی اثرات:

ریاست مدینہ کی توسیع و ترقی کی راہ میں سنگ گراں طاقتوں کے خاتمے کی غرض سے رسول اللہ ﷺ نے یہ حکمت عملی اختیار کی کہ اول تو ان کو آپس میں متحد ہونے کا کوئی موقع نہ دیا جائے اور پھر ان سے علیحدہ علیحدہ طور پر نمٹ لیا جائے۔ تاریخی اعتبار سے اندرون عرب ریاست کی قابل ذکر مخالفانہ طاقتیں تین تھیں، ایک مشرکین مکہ، دوسرے یہود اور تیسرے قبائل عرب۔ خصوصاً اس علاقے کے قبائل جو مدینہ کے شمال مشرق، جنوب مشرق اور مکہ کی جانب جنوب مغرب میں آباد تھے اور جن کی ہمدردیاں یہود خیبر اور مشرکین مکہ میں باہم تقسیم تھیں یا دونوں کے لیے یکساں تھیں غزوۂ احزاب کے موقع پر یہی تینوں طاقتیں مل کر مدینہ پر حملہ آور ہوئیں تھیں۔ ان طاقتوں کو اگرچہ اس موقع پر ناکامی ہوئی تھی اور اس نے ان کے وقار کو بہت سخت صدمہ پہنچایا تھا، نیز یہ تمام عناصر ایک دوسرے سے بڑی دل شکستگی اور بیزاری کی حالت میں منتشر ہوئے تھے لیکن اس کے باوجود الکفر ملۃ واحدۃ کے مصداق پر ان کے دوبارہ متحد ہو جانے کے امکان کو نظر انداز نہ کیا جا سکتا تھا۔(۱) لہٰذا مسئلہ یہ تھا کہ ان طاقتوں کو باہم ملنے سے روکنے کی تدبیر کیا کی جائے اور ان تینوں میں سے پہلے کس سے نبرد آزما ہوا جائے۔

غزوۂ احزاب اور صلح حدیبیہ کے درمیانی عرصہ میں رسول اللہ ﷺ کا عرب کے جن قبائل سے مسلسل سابقہ پیش آیا اور ان کے ساتھ جو معاملہ کیا گیا اس کا اندازہ ان مہمات سے لگایا جا سکتا ہے جن کا ذکر گزشتہ اوراق میں کیا جا چکا ہے۔ ان کارروائیوں میں اگرچہ صد فی صد کامیابی اس معنی میں نہیں ہو سکی کہ دشمن کو بہر صورت مغلوب کر دیا جاتا کیوں کہ بعض مواقع پر ایسا ہوا کہ دشمن مقابلہ کی تاب نہ لا کر فرار ہو گیا یا اسلامی لشکر مختلف موانعات کی بناء پر اپنا کوہر مقصود حاصل نہ کر سکا لیکن یہ بات بہر حال طے ہے کہ ان سرگرمیوں سے یہ ثابت ہو گیا کہ قبائل عرب سخت پریشان ہیں اور ان کے حوصلے پست ہو چکے ہیں اس لیے ریاست مدینہ کو فوری طور پر ان سے کوئی بڑا خطرہ متوقع نہیں تھا نیز ان سے فیصلہ کن معرکہ کو موخر بھی کیا جا سکتا تھا۔

دوسری بڑی طاقت یہود کی تھی ان کی اگرچہ متعدد بستیاں تھیں لیکن مرکزی طاقت خیبر میں مرکوز تھی۔ مدینہ سے نکلنے والے یہود بنی قینقاع اور بنی نضیر کی ایک بڑی تعداد بھی یہیں آبسی تھی۔ ان میں سب سے زیادہ فعال یہود بنو نضیر تھے جو نہ صرف یہود خیبر بلکہ ہمسایہ عرب قبائل میں بھی اپنے سرمایہ دارانہ اثرات ڈال کر ریاست مدینہ کے خلاف جذبات مسلسل ابھارا کرتے تھے غرض خیبر یہودی طاقت کا سب سے بڑا گڑھ، ریاست مدینہ کے خلاف ایک نہایت ہی فعال اڈہ اور جنگی سازشوں کا مرکز تھا۔ اس دوران رسول اکرم ﷺ دوسرے محاذوں پر بہت مصروف رہے، لیکن یہودیوں کی طرف سے بھی غفلت نہیں برتی چنانچہ ان کا زور توڑنے کے لیے آپؐ نے پہلے تو رمضان ۶ ہجری میں حضرت عبداللہ بن عتیکؓ کی سرکردگی میں ایک سریہ بھیج کر رئیس خیبر ابو رافع سلام بن ابی

الحقیق کو اس کے کیفر کردار تک پہنچا دیا۔(۲) اس کا قتل یہود خیبر کے لیے غیر معمولی نقصان تھا لیکن اس وار کو وہ سہہ گئے اور پھر اپنا امیر اسیر ابن زارم کو بنا لیا، وہ بھی ریاست مدینہ کے خلاف سرگرم ہو گیا اور عرب قبائل خصوصاً غطفان وغیرہ سے سازش کر کے مدینہ پر حملہ کرنے کے منصوبے بنانے لگا۔(۳) آنحضرت ﷺ کو اطلاع ملی تو تحقیق حال کے بعد عبداللہ بن رواحہ کی کمان میں تیس آدمیوں کا ایک دستہ اسیر کی فہمائش اور اسے راہ راست پر لانے کی غرض سے شوال ٦ ہجری میں خیبر روانہ کیا۔ اسیر ملاقات کے بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس آنے کے لیے آمادہ ہو کر عبداللہ کے ساتھ چل بھی دیا لیکن راستے میں اس نے ایک مسلمان مجاہد (عبداللہ بن انیس) کی تلوار چھیننے کی ناکام کوشش کی۔ تلوار پر قبضہ کرنے کی کوشش نیت قتل پر صاف دلالت تھی چنانچہ اسیر بن زارم اور اس کے بیشتر ساتھی مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔(۴) اسیر اور اس کے ساتھیوں کے قتل سے یہودیوں پر جو افتاد آ پڑی تھی، اس سے سنبھلنے کے لیے اور مدینہ پر حملہ کا نئے سرے سے منصوبہ بنانے میں کچھ نہ کچھ وقت کا لگنا فطری تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے اسی مختصر سی مہلت سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ کچھ ہی روز بعد ذی قعدہ کا مہینہ شروع ہونے والا تھا جو اہل عرب کے نزدیک حرام مہینہ تھا۔ گویا ذی الحجہ اور ذی قعدہ دو ماہ کا عرصہ التوائے جنگ کا از خود سبب بن گیا اور ٹھیک اسی زمانے میں قبائل عرب اور یہود خیبر کی طرف سے تمام اندیشوں سے بے نیاز ہو کر رسول اللہ ﷺ نے حرم مکہ کا رخ کیا جہاں صلح حدیبیہ کا عظیم الشان واقعہ ظہور پذیر ہوا۔

صلح حدیبیہ کا واقعہ مختصراً یہ ہے کہ شوال ٦ ہجری میں ایک اشارہ خداوندی (خواب) کی تعمیل میں رسول اللہ ﷺ نے زیارت کعبہ کے لیے مکہ روانگی کا فیصلہ کیا۔(۵) اور اس کا اعلان عام بھی کر دیا کہ جو ساتھ چلنا چاہے کاروان زیارت میں شامل ہو جائے۔(٦) اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تقریباً چودہ سو افراد اس سفر سعادت میں آپؐ کے ہمراہ ہو گئے۔(۷) قریش مکہ کو یہ یقین دلانے کے لیے کہ مسلمانوں کا ارادہ لڑائی جھگڑے کا نہیں صرف زیارت اور عمرہ کا ہے آپؐ کے حکم سے سب نے ذوالحلیفہ (مدینہ) سے ہی احرام باندھا (۸) قربانی کے جانور ساتھ لیے، نیام کی ہوئی تلوار کے سوا کوئی ہتھیار نہ لیا اور ماہ ذی قعدہ میں مکہ کی جانب روانہ ہوئے (۹)۔ تمام صلح جویانہ تدابیر کے باوجود قریش مکہ کو آپ کی آمد سخت ناگوار ہوئی اور انہوں نے جمع ہو کر یہ طے کیا کہ آنحضرت ﷺ یا کسی اور مسلمان کو حدود حرم میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔ اس کے لیے وہ مرنے مارنے پر تیار ہو گئے۔ یہی نہیں بلکہ انہوں نے باقاعدہ سوار فوج خالد بن ولید کی سرکردگی میں کراع الغمیم کی طرف بھیج دی (۱۰)۔ آنحضرت ﷺ کو ان باتوں کی اطلاع عسفان کے مقام پر ملی (۱۱)۔ لہٰذا آپؐ نے مکہ کا عام راستہ چھوڑ کر ثنیۃ المرار کی راہ اختیار کی اور دشوار گزار راستے سے ہو کر حدیبیہ پہنچ گئے (۱۲)۔ اسی مقام پر آپؐ کے اور قریش مکہ کے درمیان متعدد سفارتوں کے تبادلے اور مذاکرات کے بعد بالآخر ایک تحریری معاہدہ مرتب ہوا (۱۳)۔ جسے صلح حدیبیہ کہتے ہیں۔

بادی النظر میں یہ واقعات بہت زیادہ اہم نہیں معلوم ہوتے لیکن فی الحقیقت اس صلح کے اتنے گہرے مذہبی، سیاسی، عسکری اور تہذیبی وتمدنی اثرات رونما ہوئے جس نے اسے آئندہ کی تاریخ میں ایک لازوال مقام عطا کیا۔ اس کا جائزہ لینے کے لیے ہمیں اس واقعہ کی بعض تفصیلات اور چند دوسرے پہلوؤں پر بطور خاص نگاہ ڈالنی ہوگی۔

سب سے پہلی قابل غور بات رسول اللہ ﷺ کی عمرہ کی نیت اور اس کا اعلان عام ہے۔ کسی بھی مہم پر روانگی کے ضمن میں رسول اللہ

ﷺ کا بالعموم طریقہ یہ تھا کہ منزل مقصود کے تعین کو مبہم رکھتے تھے اور ظاہر ہے کہ اس طریقہ کار میں جہاں بہت سی حکمتیں ہیں اسی طرح اس موقع پر آپ کا عام منادی کرانا اور منزل مقصود کا تعین بھی معنی خیز ہے۔ تاریخی روایات سے اندازہ یہ ہوتا ہے کہ اس اعلان نے مسلم اور غیر مسلم عناصر پر متضاد اور نمایاں اثرات مرتب کیے۔ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کا معاملہ تو یہ تھا کہ حرم مکہ ان کا قبلہ تھا۔(۱۴) اور تحویل قبلہ کے بعد سے تو بیت اللہ سے مذہبی اور قلبی لگاؤ شوق کی تمام حدود کو عبور کر چکا تھا کہ وہ اب ان کی تمام سعی و کاوش اور جدوجہد کا مرکز، حرکت و عمل کا ملجا، ان کی تمناؤں کا محور اور قبلۂ مقصود تھا۔ اس لیے ایک طرف خواب زیارت نے رسول اللہ ﷺ کی آتش شوق کو بھڑکا دیا اور ان کو گویا مکہ کی جانب کوچ کرنے کا اشارہ دے دیا اور آپ بغیر کسی توقف کے امتثال امر میں نکل کھڑے ہوئے تو دوسری طرف وفور شوق میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد بھی شرف ہم رکابی کے لیے تیار ہو گئی۔ دوسری جانب عمرہ زیارت کا یہ اعلان منافقین اور اعراب پر بجلی بن کر گرا۔ اعلان کے مطابق یہ لوگ بھی شریک کارواں ہو سکتے تھے، لیکن

﴿كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ﴾ (۱۵) (گویا موت کے منہ میں ہنکائے جا رہے ہیں) کے مصداق ان کی ایک بڑی تعداد نے اس سفر پر جانے کو موت کے منہ میں جانے سے تعبیر کرتے ہوئے کنارہ کشی اختیار کی۔

﴿بَلْ ظَنَنتُمْ أَن لَّن يَنقَلِبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَىٰ أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَزُيِّنَ ذَٰلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ وَظَنَنتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ وَكُنتُمْ قَوْمًا بُورًا﴾ (۱۶)

(بلکہ تم نے یوں سمجھا کہ رسول اور ان کے ہمراہ مومنین اپنے گھر والوں میں کبھی لوٹ کر نہ آئیں گے اور یہ بات تمہارے دلوں کو اچھی بھی معلوم ہوتی تھی اور تم نے بڑی بدگمانی کی اور تم برباد ہونے والے لوگ ہو گئے۔)

حقیقت یہ ہے کہ اعراب و منافقین کے یہ خدشات بے وجہ نہ تھے دوسرے ظاہر پرستوں کی طرح وہ لوگ بڑی حیرت سے یہ دیکھ رہے تھے کہ آنحضرت ﷺ یہ قدم اس وقت اٹھا رہے ہیں جب کہ ریاست مدینہ کے لیے خطرات ہی خطرات ہیں اور مدینہ کے چاروں طرف اس کے دشمنوں کے مسکن موجود ہیں پھر سفر بھی قریش مکہ کی سرزمین کا درپیش ہے جن سے کچھ بعید نہیں کہ اشہر حرم کی تمام حرمت کو بالائے طاق رکھ کر اپنے علاقے میں آئے ہوئے (دشمن) کو واپس نہ جانے دیں (۱۷)۔ اس صورتحال میں سفر مکہ میں شرکت منافقین کے نزدیک اپنے آپ کو خواہ مخواہ ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف تھی اعراب و منافقین کے اس طرز فکر کی تصدیق قرآن حکیم کے متعدد ارشادات سے بھی ہوتی ہے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ لوگ صرف اپنے مفاد کی پرستش کرنے والے تھے اسی لیے سورہ فتح میں مذکورہ بالا آیت سے متصلاً یہ فرمایا کہ:

﴿سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ﴾ (۱۸)

"جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے وہ عنقریب جب تم (خیبر کی) غنیمتیں لینے چلو گے کہیں گے کہ ہم کو بھی اجازت دو کہ ہم تمہارے ساتھ چلیں۔"

غرض ان ہی وجوہ سے اعراب و منافقین نے بالعموم خاموش تماشائی بنے رہنے اور کنارہ کش رہنے میں زیادہ عافیت محسوس کی۔
عمرہ کے لیے رسول اکرم ﷺ کے اعلان نے قریش کو بھی سخت امتحان میں ڈال دیا اور ایک جدید العہد مصنف کے بقول ان پر

پروپیگنڈے کی زبردست جنگ مسلط کردی۔(۱۹) قریش کے لیے مشکل یہ تھی کہ اگر وہ قافلہ رسول کو بیت اللہ کی زیارت سے روکتے ہیں تو پورا عرب اسے دیکھ لے گا اور ہر ایک کہہ اٹھے گا کہ یہ سراسر زیادتی ہے۔اس سے ہر قبیلہ تشویش میں مبتلا ہو جائے گا کہ نہ معلوم اس کو کب حرم کعبہ کے داخلہ سے محروم کردیا جائے اگر جنگ کرتے ہیں تب بھی یہ بات مشتہر ہوتی ہے کہ قریش نے ذی قعدہ کے حرام مہینہ کا احترام خاک میں ملا دیا جو صدیوں سے حج وزیارت کے لیے متبرک ومحترم سمجھا جاتا ہے اور اگر رسول اللہ ﷺ کو اتنے بڑے قافلے کے ساتھ شہر مکہ میں بخیریت داخل ہونے دیتے ہیں تو پورے ملک میں قریش کا رعب ودبدبہ ختم اور اس کی ہوا اکھڑ جائے گی۔چنانچہ قریش کے اس ذہنی ردعمل اور کشمکش کی جھلک بعد کے واقعات میں صاف نظر آتی ہے۔اسی کشمکش کی بناء پر ان کے زعماء کو کسی ایک نتیجہ پر پہنچنے اور آخری فیصلہ کرنے میں ہفتوں لگ گئے۔(۲۰)

مختصراً رسول اکرم ﷺ کے اعلان پر ردعمل کی یہ مختلف لہریں تھیں جو مختلف سمتوں سے ابھر رہی تھیں۔ان حالات میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا عمرہ کے لیے روانگی کا اعلان غیر معمولی نوعیت کا تھا اور پھر بحالت احرام اور سربکف ہو کر دشمن کے علاقے میں جانا رسول اللہ ﷺ کی سیاسی وعسکری ذہانت، تدبر، معاملہ فہمی، دور اندیشی، بے خوفی، بے جگری، قائدانہ بصیرت، ہمت وحوصلہ، دلسوزی ودرد سوزی اور نگاہ بلند پر بہت بڑی شہادت فراہم کرتا ہے۔

تاریخی واقعات کے مطالعہ سے اندازہ یہ ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کسی اندیشہ ہائے خام میں مبتلا نہیں تھے۔بلا خوف وخطر آپؐ کی پیش قدمی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آپ کو قریش کی اصل حالت کا پوری طرح علم تھا اور آپ کی نگاہ دوررس زمانے کی رفتار کو اچھی طرح جانچ رہی تھی۔چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ دوران سفر عسفان کے مقام پر بشر ابن سفیان الکعبی (۲۱) ملا اور اس نے کہا:

"یا رسول اللہ! قریش آپ کی آمد کی اطلاع پا چکے ہیں۔عورتوں بچوں سمیت نکل آئے ہیں۔چیتے کی کھالوں میں ملبوس ہیں۔ ذی طویٰ میں اپنے ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں اور انہوں نے یہ عہد کرلیا ہے کہ آپ کو ہرگز داخل نہ ہونے دیں گے۔اور سواروں کے رسالے کو خالد بن ولید کی کمان میں کراع الغمیم کی طرف بھیج دیا ہے۔"(۲۲)

اور کتاب الخراج کی روایت کے مطابق اسی مقام پر بنی کعب کے چند افراد نے یہ اطلاع دی کہ:

"یا رسول اللہ! ہم دیکھ کر آرہے ہیں کہ قریش نے اپنے احابیش کو جمع کرلیا ہے اور انہیں خزیرہ کھلا رہے ہیں ان کا ارادہ یہ ہے کہ آپ کو بیت اللہ جانے سے روک دیں۔"(۲۳)

لیکن ان اطلاعات کی بناء پر نہ تو رسول اللہ ﷺ پر ایک لمحہ کے لیے بھی رعب طاری ہوا اور نہ آپؐ کے عزم میں فرق آیا بلکہ اس موقع پر آپؐ نے جو کچھ ارشاد فرمایا وہ آپ کی بے باکی اور بے پناہ قائدانہ صلاحیت، جرأت اقدام اور مخالفت کی نفسیاتی کیفیت کا پوری طرح اندازہ کرلینے کو ظاہر کرتا ہے۔آپؐ نے فرمایا کہ:

"یا ویح قریش لقد اکلتھم الحرب ماذا علیھم لو خلوا بینی وبین سائر العرب، فان ھم اصابونی کان ذلک الذی ارادوا، وان اظھرنی اللہ علیھم دخلوا فی الاسلام وافرین، وان لم یفعلوا قاتلوا وبھم قوۃ، فما تظن قریش، فواللہ لا ازال اجاھد علی الذی بعثنی اللہ بہ، حتی یظھرہ اللہ او تنفرد ھذہ السالفۃ۔"(۲۴)

"قریش کا بُرا ہو (کہ راستہ روکتے ہیں!) جنگوں نے ان کا کچومر نکال دیا ہے۔ ان کا کیا حرج ہے کہ وہ بیچ میں سے ہٹ جائیں اور مجھے اور پورے عرب کو نمٹ لینے دیں۔ اگر عرب مجھے ختم کر دیں تو قریش کی مراد بر آئے گی اور اگر اللہ نے مجھے عربوں پر غلبہ عطا کر دیا تو ایسی صورت میں اگر قریش چاہیں تو جوق در جوق اسلام میں داخل ہو جائیں ورنہ وہ قوت رکھتے ہیں، اس وقت لڑیں (اور اگر یہ بھی پسند نہیں تو پھر) قریش میرے متعلق کس مغالطہ میں ہیں؟ خدا کی قسم میں اس حق کو لے کر جس کے ساتھ مجھے خدا نے مبعوث کیا ہے آخر دم تک لڑوں گا یہاں تک کہ یا تو اس حق کو خدا غالب کر دے یا میری گردن کٹ جائے۔"

آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کی تہہ میں اہل مکہ کے لیے رحم و خیر خواہی کا ایک سیل رواں موجزن ہے۔ چاہے اس کی وجہ یہ ہو کہ مکہ میں رسول اللہ ﷺ اور دیگر مسلمانوں کے اعزہ و اقارب موجود تھے اور ان کے بارے میں یہ توقع ہو سکتی تھی کہ اپنی کج روی سے باز آ جائیں یا دوسرے الفاظ میں اہل مکہ کی جاہی سے زیادہ ان کا اسلام مفید ہو سکتا تھا اور ان کا اسلام اہل عرب پر بھی یقیناً اثر انداز ہو سکتا تھا۔ نیز خواہ اس کی وجہ اشہر حرم اور بیت اللہ کی حرمت و محبت ہو اور خواہ اس میں یہ حکمت ہو کہ اور قریش دشمنی سے دست کش ہو جائیں تو دوسرے دشمنوں سے نمٹنا آسان ہو گا اور چاہے اپنے مقصد یعنی اعلائے کلمۃ الحق پر یقین کامل کا اظہار چاہتے ہوں بہر حال یہ بات یقینی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تمام اہم اور پیچیدہ معاملات کی عقدہ کشائی کے لیے جنگ کے بجائے امن کی راہ اختیار کی اس لیے اصولاً یہ ارشاد فرما دیا تھا کہ صلح آپ کو ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے (۲۵)۔ نیت بھی عمرہ کی تھی (جس پر پورا عرب شاہد تھا) مسلح بھی نہ تھے، قریش سے فوری تصادم سے بچنے کے لیے حدیبیہ پہنچنے کا راستہ بھی بدل دیا تھا۔ (۲۶) حدیبیہ کے قریب اونٹنی کے بیٹھ جانے پر یہ مدعا ظاہر کیا تھا کہ آج اہل مکہ انسانیت کی بھلائی کے لیے مجھ سے جس شرط کا مطالبہ کریں گے میں اسے تسلیم کر لوں گا۔ (۲۷) قریش کے سفراء (مثلاً عروہ بن مسعود) کی گستاخیوں پر بھی ضبط و تحمل سے کام لیا تھا۔ (۲۸) یہاں تک کہ جب قریش مکہ کا ایک دستہ معسکر رسول کا چکر لگانے اور موقع ملنے پر کسی صحابیؓ یا خود رسول اللہ ﷺ پر ہاتھ صاف کر لینے کی ہدایت لے کر آیا بلکہ اس نے کچھ تیر برسائے اور سنگ باری بھی کی تھی تب بھی آپؐ نے ان کی یہ شرارت برداشت کر لی اور پھر صلح کی آخری کوشش کی علامت کے طور پر گرفتار ہونے والوں کو معاف کر کے آزاد کر دیا۔ (۲۹) علاوہ ازیں اپنے سفیروں کو بھیج کر بھی قریش کو یہ باور کرانے کی کوشش کی مسلمانوں کا ارادہ قطعاً مسالمانہ ہے اور وہ جنگ کے ارادے سے یہاں نہیں آئے ہیں چنانچہ بدیل بن ورقاء نے قریش سے جا کر یہ کہا کہ "تم لوگ عجلت سے کام لے رہے ہو محمد قتال کے لیے نہیں آئے، زیارت کے لیے آئے ہیں۔ (۳۰) اور حضرت عثمانؓ کے ذریعے جو پیغام یا خط (۳۱) رسول اللہ ﷺ نے قریش کے نام بھیجا تھا اس سے بھی مقصود ان کی فہمائش تھی اور مدعا بھی تھا کہ آپ کی آمد جنگ کے لیے ہرگز نہیں ہے بلکہ خاص زیارت بیت اللہ کے لیے ہے۔ (۳۲) اسی خواہش کا اظہار آپؐ بمقام عسفان بشر بن سفیان الکعبی (۳۳)، بدیل بن ورقاء (۳۴) مکرز بن حفص (۳۵) اور عروہ بن مسعود ثقفی (۳۶) کے سامنے بھی فرما چکے تھے تمام لوگوں سے ایک ہی قسم کی بات کہنے کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ امن و عافیت کے سب سے زیادہ متمنی تھے اور اپنے مقصد زیارت کو بار بار موکد کر رہے تھے۔

قریشِ مکہ کی ہٹ دھرمی اور پیغمبرِ رحمت ﷺ کی امن پسندی:

بہر صورت رسول اللہ ﷺ کی ان تمام صلح جویانہ تدابیر کے باوجود بھی جب قریش کی شر پسند طبیعت نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ میں روک لیا اور یہ خبر مشہور ہوگئی کہ ان کو شہید کر دیا گیا ہے۔(۳۷) تو آپ کا پیمانۂ صبر چھلک اٹھا۔ اس خبر کو تسلیم کر لینے کی ایک معقول وجہ یہ تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے اپنے سفیر خراش بن امیہ الخزاعی کو قریش کے پاس بھیجا تھا تو ان کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا تھا کہ اشراف قریش نے ان کے اونٹ کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور خود خراش کے قتل کا بھی ارادہ کر لیا لیکن احابیش کی مداخلت سے ان کی جان بچ گئی اور وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آگئے۔(۳۸) ظاہر ہے کہ جو لوگ ایک دفعہ اس قسم کی حرکت کر چکے تھے ان سے دوبارہ اسی قسم کا سلوک غیر متوقع نہ تھا، لہٰذا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خبر شہادت ملتے ہی رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے جان نثاری و جان سپاری کی وہ بیعت لی(۳۹) جو تاریخ میں "بیعت رضوان" کے نام سے مشہور ہے۔(۴۰) کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کے سفیر کا قتل کر دیا جانا آداب سفارت کے لحاظ سے بھی ناقابل برداشت تھا اور غیرت و حمیت کے خلاف بھی اور آپ کو یہ حکم بھی مل چکا تھا کہ:

"ولا تھنوا و لا تدعوا الیٰ السلم وانتم الاعلون واللّٰہ معکم"(۴۱)

"اور کمزوری کا اظہار کرتے ہوئے صلح کی طرف نہ بلاؤ حالانکہ تم ہی سب سے بلند ہو اور اللہ تمہارے ساتھ ہے۔"

اس لیے اس موقع پر کمزوری دکھانے کا مطلب سیاسی شکست سے کم نہ تھا اس لیے رسول اللہ ﷺ نے لڑتے مرنے اور اہل مکہ کو سزا دینے کا فیصلہ کر لیا کیوں کہ اس کا تمام تر جواز قریش خود مہیا کر چکے تھے اور قرآن اس موقع پر رسول اکرم ﷺ کو حرمت پامال کرنے کی اجازت یہ کہہ کر دے چکا تھا کہ:

"اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ."(۴۲)

"حرمت والا مہینہ، حرمت والے مہینے کے بدلے میں ہے اور یہ حرمتیں تو عوض معاوضہ کی چیزیں ہیں۔"

مطلب یہ ہے کہ اشہر حرم کا احترام، احترام کے بدلے میں ہے یعنی اگر کوئی تم سے ماہ محترم میں جنگ کرے تو تم بھی اس سے جنگ کرو کیوں کہ جب اس نے اس کی حرمت کا خیال نہ کیا تو یہ تم پر بھی واجب نہیں ہے۔ اس جواز کے علاوہ قرآن اس بات کی بھی صراحت کر دیتا ہے کہ اگر اس وقت بالفعل جنگ واقع ہو جاتی تو رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو یقیناً فتح حاصل ہوتی اور اہل کفر کو ذلت و رسوائی کے سوا کچھ نہ ملتا۔ الفاظ یہ ہیں کہ:

"وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا"(۴۳)

"اور اگر تم سے یہ کافر لڑتے تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے۔ پھر نہ ان کو کوئی دوست ملتا نہ مددگار۔"

بہت ممکن ہے کہ قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر محض رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کا ردعمل دیکھنے کے لیے اڑائی ہو یا اس کی وجہ کوئی اور ہو۔(۴۴) بہر صورت جب ان تک بیعت رضوان کی اطلاع پہنچی اور انہیں رسول اکرم ﷺ کے عزم صمیم کا پتہ

چل گیا تو آخر کار وہ صلح پر آمادہ ہو گئے۔(۴۵) اور انہوں نے سہیل بن عمرو کو یہ اختیار دے کر بھیجا کہ:

"ائت محمداً فصالحہ و لا یکن فی صلحہ الّا ان یرجع عنا عامہ ھذا، فواللّٰہ لا تحدث العرب عنا انہ دخلہا علینا عنوۃً ابداً.(۴۶)

"تم محمدؐ کے پاس جاؤ اور ان سے مصالحت کرو، لیکن یہ یاد رکھنا کہ یہ اس شرط کے بغیر نہ ہو کہ وہ اس سال یہاں سے واپس چلے جائیں ورنہ خدا کی قسم عرب باتیں بنائیں گے کہ وہ بزور داخل ہوئے تھے۔"

گویا اس موقع پر بھی قریش کوئی سیاسی یا حربی فائدہ حاصل نہ کر سکے اور ہر دو قسم کی کامیابی رسول اللہ ﷺ کے حصے میں آئی اور اس طرح فریقین کے صلح پر آمادہ ہو جانے سے ایک فیصلہ کن جنگ ٹل گئی۔ یہاں یہ بتانا بے محل نہ ہو گا کہ قرآن نے یہ تصریح کی ہے کہ جنگ کی صورت میں اہل مکہ کا نقصان بہت زیادہ ہوتا لیکن خونریزی کی وجہ سے کفار کے علاوہ ان اہل ایمان کو بھی گزند پہنچنے کا احتمال تھا جنہوں نے اپنے ایمان و اسلام کو ظاہر نہیں کیا تھا۔(۴۷)

اب دوسرا اہم اور قابل غور مسئلہ یہ ہے کہ ان شرائط و دفعات کا مطالعہ کیا جائے جو فریقین یعنی رسول اللہ ﷺ اور قریش کے وکیل سہیل بن عمرو کے درمیان طے پائیں۔ یہاں اصل عبارت یا متن کو نقل کرنے کے بجائے بہتر ہو گا کہ صلح نامہ حدیبیہ کی مرکزی دفعات کو مختلف ماخذ کی روشنی میں بیان کر دیا جائے۔ ان کو ہم اس طرح پیش کر سکتے ہیں۔

(۱) اول یہ کہ...... (اس مرتبہ) محمد (ﷺ) کو اہل مکہ نے جہاں (حدیبیہ میں) روک دیا ہے، وہ قربانی کے جانور وہیں حلال کر دیں اور نہ تو مکہ میں داخل ہوں نہ (خانہ کعبہ کا) طواف کریں۔(۴۸)

(۲) دوم یہ کہ...... فریقین نے اس بات پر صلح کر لی ہے کہ جنگ اس سال تک کے لیے روک دی جائے۔(۴۹) اور اس دوران لوگ امن و امان کی زندگی گزاریں اور ایک دوسرے (پر اقدام) سے رکے رہیں۔(۵۰)

(۳) سوم یہ کہ...... قریش میں سے جو آدمی اپنے ولی (یا سرپرست) کی اجازت کے بغیر محمد (ﷺ) کے پاس جائے گا تو وہ اسے واپس کر دیں گے اور اگر محمد (ﷺ) کے آدمیوں میں سے کوئی قریش کے پاس آ جائے تو وہ اسے واپس نہیں کریں گے۔(۵۱)

(۴) چہارم یہ کہ...... باہم کینے ہر طرح بند رہیں گے اور اس سلسلے میں نہ تو خفیہ بدعہدی ہو گی اور نہ کھلی خیانت کا ارتکاب کیا جائے گا۔(۵۲)

(۵) پنجم یہ کہ...... جو محمد (ﷺ) کے معاہدہ اور ذمہ داری میں داخل ہونا چاہے، وہ ایسا کر سکتا ہے اور جو قریش کے معاہدے اور ذمہ داری میں داخل ہونا چاہتا ہے وہ بھی ایسا کر سکے گا۔(۵۳)

(۶) ششم یہ کہ...... آپ (محمد ﷺ) اس سال واپس (مدینہ) چلے جائیں اور ہمارے یہاں مکہ میں نہ داخل ہوں۔ ہاں آئندہ سال آئیں گے تو ہم آپ کے لیے (مکہ سے) نکل کر باہر چلے جائیں گے۔ پھر آپ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ مکہ میں داخل ہوں اور تین دن قیام کر لیں اور اس وقت آپ کے پاس صرف ایک مسافر کا ہتھیار یعنی تلوار ہونی چاہیے اور وہ بھی نیام میں ہو۔ دوسری صورت میں داخلہ ممکن نہ ہو گا۔(۵۴)

(۷) اہم یہ کہ..... (مسلمانوں میں سے) جو کوئی حج یا عمرہ کے ارادے سے یا یمن یا طائف جاتے ہوئے مکہ سے گزرے تو اسے امان حاصل ہوگا۔ اور مشرکوں میں سے جو کوئی شام یا مشرق (عراق) جانا چاہے گا تو اسے بھی امان حاصل ہوگا۔ (۵۵)

مندرجہ بالا دفعات کے ظاہری اسلوب سے معلوم ہوتا ہے کہ قریش نے اپنی ضد پوری کرلی اور وہ اپنے منصوبے کے مطابق رسول اکرم ﷺ کو حرم کعبہ میں داخل ہونے سے روکنے میں بھی کامیاب ہوگئے نیز اپنے اصرار کے بموجب انہوں نے معاہدہ کے متن سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور محمد رسول اللہ حذف کرا کے بالترتیب باسمک اللّٰھم اور محمد بن عبداللہ لکھوا لیا۔ (۵۶) اور دوسری دفعات بھی حسب منشا مرتب ہوگئیں۔ اپنی دانست میں انہوں نے اسے بڑی کامیابی خیال کیا اور شرائط صلح کی معنویت اور اطلاقات پر غالباً وہ اس لیے غور نہ کر سکے کہ جذباتی طور پر مغلوب تھے اور شاید ابوسفیان (۵۷) اور دوسرے زعماء کی باہم مشورت میں بھی صرف اسی رخ پر گفتگو ہوئی کہ کسی طرح رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو حرم میں داخلے سے روک دیا جائے کیوں کہ "پورے عرب کی نگاہوں میں رسوا ہونے سے وہ اسی صورت میں بچ سکتے تھے۔" (۵۸) شرائط صلح کی ترتیب و تسوید کے وقت مسلمانوں میں سے بھی بعض افراد نے اسے قبول کرنے میں سخت تامل کیا کیوں کہ اس کا مضمون غیرت ایمانی کے خلاف نظر آتا تھا اور حضرت ابو جندلؓ کا واقعہ بطور پس منظر موجود تھا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس کا اظہار بھی بڑی بے باکی سے کر دیا تھا (۵۹)۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کی طرف سے جواب یہ تھا کہ:

"انا عبداللّٰہ و رسولہ لن اخالف امرہ ولن یضیعنی." (۶۰)

"میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ میں اس کے حکم کی خلاف ورزی کسی حال میں نہیں کر سکتا اور نہ وہ کسی صورت میں مجھے ضائع ہونے دے گا۔"

آپ کا یہ جواب صرف وقتی تسلی و تشفی کے لیے یا داخلی نہ تھا بلکہ بعد میں ہونے والے واقعات اور تاریخ نے بھی یہ ثابت کر دیا کہ اللہ کے رسولؐ اور اس کے بندے نے جس دور اندیشی سے بازی کو پلٹ دیا وہ بلاشبہ سیاست نبوی کا بہت بڑا اعجاز ہے چنانچہ حدیبیہ سے مدینہ کی جانب رخ موڑا ہی تھا (۶۱) کہ وحی الٰہی نے یہ مژدہ سنا دیا کہ:

﴿ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ﴾ (۶۲)

ابن سعد نے بروایت مجاہد ان الفاظ خداوندی کو "انا قضینا لک قضاءً مبینا"۔ (۶۳) کے مترادف قرار دے کر بجا طور پر مدعا کو واضح کر دیا ہے یعنی ہم نے آپؐ کے لیے کھلا ہوا فیصلہ کر دیا اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اس میں قریش کی قسمت کا فیصلہ ہوگیا اور یہ فیصلہ ہوگیا کہ پرچم فتح اب صرف مسلمانوں کے ہاتھ میں رہے گا۔ براء بن عازب کا یہ قول کتنی تاریخی صداقت کا حامل ہے کہ جس کو لوگ فتح مکہ کہتے ہیں ہم تو اسے یوم الحدیبیہ (بیعت الرضوان) کہتے ہیں۔ (۶۴) (کیوں کہ یہی باعث فتح مکہ ہے) اور پھر ایسا ہی ہوا کہ مسلمان مسلسل پیش قدمی کرتے رہے اور ریاست مدینہ کے حدود میں بھی انتہائی تیز رفتاری سے اضافہ ہوتا چلا گیا۔

صلح نامۂ حدیبیہ کی مذکورہ دفعات میں سے اس دفعہ کو جس میں جنگ کو ایک خاص مدت کے لیے ملتوی کرنے پر اتفاق رائے ہوا، سرسری انداز سے لینا مناسب نہیں۔ اس دفعہ کی رو سے مسلمانوں کا صلح پر راضی ہو جانا تو بالکل منطقی ہے کیوں کہ اس طرح وہ دو

مخالف سمتوں میں اپنے طاقتور دشمنوں میں سے ایک کو خاموش کر کے دوسری جانب پوری توجہ دے سکتے تھے لہٰذا یہی ہوا کہ صلح حدیبیہ کے ذریعے قریش کی تلوار نیام میں چلی گئی تو اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر رسول اکرم ﷺ نے مدینہ کے شورش پسند غداروں کی سرکوبی کی اور شمال میں یہودکو سرنگوں کر کے ان کے یکے بعد دیگرے تمام مراکز توڑ ڈالے اور ساتھ ہی ساتھ متفرق قبائل کی شوریدہ سری کا بھی خاتمہ کر دیا۔ ان تمام کاموں کے لیے یکسوئی اور وقت کی ضرورت تھی جسے صلح حدیبیہ سے التوائے جنگ کی صورت میں رسول اکرم ﷺ کو مل گیا۔

البتہ قابل غور امر یہ ہے کہ قریش نے اس صلح کو اور ایک خاص مدت تک اپنے سب سے بڑے حریف کو آزاد چھوڑنا کیوں گوارا کرلیا؟ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح قریش سے صلح مسلمانوں کی ایک بڑی ضرورت تھی، اسی طرح رسول اکرم ﷺ سے صلح قریش کی سب سے بڑی ضرورت تھی کیوں کہ اس وقت صورت حال یہ تھی کہ قریش کی عسکری اور فوجی طاقت کو ناقابل اندمال چرکے لگ چکے تھے۔ معیشت کا دامن بُری طرح پارہ پارہ تھا۔ ریاست مدینہ کی طرف سے تجارتی راستوں پر دباؤ ناقابل برداشت حد تک بڑھتا چلا جارہا تھا۔(۶۵) قریش کی معاونت کرنے والے قبائل بھی ریاست مدینہ کے خلاف حتی کارروائیوں میں ناکام ہو چکے تھے۔ مسلمان اپنی حربی وسیاسی برتری کا ثبوت متعدد بار دے چکے تھے۔ شاید اسی لیے قریش کے سب سے زیادہ بااثر سردار ابوسفیان سے جھنجلا کر خود رسول اللہ ﷺ پر اوچھا وار کرنا چاہا اور واقعہ حدیبیہ سے ذرا پہلے ایک آدمی کو لالچ دے کر آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے کے لیے بھیجا لیکن وہ اپنے ارادے میں ناکام رہا اور پھر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے عمرو بن امیہ الضمری کے ذریعے جوابی کارروائی (۶۶) نے ابوسفیان کی غلط فہمیوں کو دور کر دیا تھا۔

علاوہ بریں رسول اکرم ﷺ کی اب تک کی تگ ودتاز میں مشرکین، یہود، منافقین اور متربصین غرض سبھی یہ سمجھ چکے تھے کہ ریاست مدینہ کی نوخیز طاقت کو محض ہتھیاروں اور فوجوں کے بل پر شکست نہیں دی جاسکتی اور اس واقعہ حدیبیہ کے سلسلے میں بھی قریش رسول اللہ ﷺ کی پامردی اور مسلمانوں کا عزم واستقلال متعدد پہلوؤں سے جانچ چکے تھے۔ مثلاً جب خالد بن ولید کی سرکردگی میں کفار مکہ کے مقدمۃ الجیش کا رسول اکرم ﷺ سے آمنا سامنا ہوا تو رسول اکرم ﷺ کی طرف سے مقابلہ کے لیے عباد بن بشر کی کمان میں بیس سواروں کا ہراول دستہ بھی پوری طرح مستعد تھا۔(۶۷) اور وقت ضرورت کے لیے بقول طبری مخزن بھی رسول اکرم ﷺ کے ساتھ تھا۔(۶۸) مسلمانوں کے جوش و جذبے کا عالم یہ تھا کہ جب حدیبیہ آتے ہوئے ایک مقام پر رسول اکرم ﷺ نے خطاب کر کے مشورہ طلب کیا اور یہ کہا کہ:

”تم لوگ مجھے مشورہ دو کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ تمہاری رائے میں ہمیں سرزمین مکہ کی طرف بڑھنا چاہیے یا ان لوگوں کی طرف چلیں جو ان کی مدد کر رہے ہیں اور ان کی پیٹھ پیچھے ان کی عورتوں اور بچوں کو جالیں پھر اگر یہ (مکہ میں) بیٹھے رہ جاتے ہیں تو شکست خوردہ ہو کر بیٹھیں گے اور انتقام لیا جاچکا ہوگا اور اگر ہمارا پیچھا کرتے ہیں تو کمزور ہو کر پیچھا کریں گے اور اللہ انہیں ذلیل کر دکھائے گا۔“(۶۹)

اس پر کسی آدمی نے بھی اپنا قدم پیچھے نہیں ہٹایا اور عزیمت کا انتہائی مظاہرہ کرتے ہوئے رسول اکرم ﷺ سے یہ عرض کیا کہ:

"یارسول اللہ ﷺ! ہماری رائے یہ ہے کہ سر یعنی اہل مکہ کی طرف چلیں کیوں کہ اللہ ضرور آپ کی مدد کرے گا۔ معاونت فرمائے گا اور آپ کو غلبہ عطا کرے گا۔"

اور مقداد نے کہا کہ "خدا کی قسم ہم آپ سے وہ بات نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے اپنے نبی سے کہی تھی کہ "اذھب انت و ربک فقاتلا انا ھھنا قاعدون" (۷۰)

اس گفتگو کے پیش نظر ہر شخص کی طرح قریش نے بھی اندازہ کرلیا کہ تقریباً ڈیڑھ ہزار افراد کا یہ عزم وحوصلہ، صبر وثبات اور اپنی فتح پر یقین کامل کیا معنی رکھتا ہے۔ پھر قریش عین موقع پر ایک اور مشکل میں گرفتار ہو گئے یعنی اس روز احابیش (۷۱) (مختلف قبائل کے لشکروں) کے سردار حلیس بن علقمہ نے قریش کی طرف سے بے جا ضد اور اپنے سامنے ہدی وشعائر اللہ کی بے حرمتی دیکھی تو وہ عالم طیش میں قریش پر برس پڑا اور یہ کہہ کر دست کش ہو گیا کہ:

"یا معشر قریش! و اللّٰہ ما علی ھٰذا حالفنا کم و لا علیٰ ھٰذا عاقدنا کم ایصد عن بیت اللّٰہ من جاء معظماً لہ. والذی نفس الحلیس بیدہ لتخلن بین محمد و بین ماجاء لہ، اؤ لا نفرن بالا حابیش نفرہ رجل واحد" (۷۲)

"اے قریش کے لوگو! خدا کی قسم اس بات پر ہم تم ایک دوسرے کے حلیف نہیں بنے تھے اور نہ اس بات پر ہمارا تمہارا معاہدہ ہوا تھا کہ جو شخص زیارت بیت اللہ اور اس کی عزت وتکریم کی غرض سے آیا ہوا سے روکا جائے گا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں حلیس کی جان ہے، یا تو محمد جس مقصد سے آئے ہیں انہیں پورا کرنے دو یا میں تمام حبشیوں کو لے کر ایک ساتھ الگ ہوا جاتا ہوں۔"

قریش نے اس کا غصہ دیکھ کر اس سے درخواست کی کہ:

"مہ کف عنّا یا حلیس حتیٰ ناخذ لا نفسنا ما نرضیٰ" (۷۳)

"ذرا ٹھہرو ہمیں اتنی مہلت تو دے دو کہ ہم اپنے لیے کوئی ایسی بات تو طے کرلیں جس پر ہم سب راضی ہوں۔"

ان الفاظ سے قریش کی کمزوری صاف جھلک رہی ہے احابیش عسکری اعتبار سے ان کا بہت بڑا سرمایہ تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ جن اخلاقی وجوہ سے حلیس نے قریش سے تعاون نہ کیا وہی وجوہ قریش کے دوسرے اعیان و انصار کے لیے بھی عدم تعاون کا سبب بنے۔ نیز حدیبیہ میں قیام کے دوران رسول اللہ ﷺ نے ہر معاملہ میں جس صبر و وقار، پرہیزگاری، عفو و درگزر، ایفائے عہد کا ثبوت دیا اور ایک رسول کے شایان شان طرز عمل اختیار کیا تھا۔ (۷۴) اور اس کے برعکس قریشیوں کی طرف سے حمیت و جاہلیۃ کا جو مظاہرہ ہوا (۷۵) اس نے دوست و دشمن سب کے قلوب کو مسخر کرنے میں اہم حصہ لیا اس قسم کے حوصلہ شکن حالات میں ظاہر ہے قریش کے پاس نہ تو مادی وسائل اتنے وافر تھے کہ وہ مسلمانوں سے لڑسکیں اور نہ اخلاقی قوت ان کے پاس تھی اور نہ ہی ان کا موقف معیار صداقت پر پورا اترتا تھا کہ ان اسباب نے جنگ کے بجائے قریش کو صلح کے لیے مجبور کر دیا نیز مدت صلح متعین ہو جانے سے قریش کو آئندہ کی جنگ کے لیے زیادہ تیاریوں کا موقع بھی مل رہا تھا۔

صلح نامہ حدیبیہ کی بعض دفعات کو قریش اپنے لیے خاص طور پر مفید سمجھتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ یہ دفعات رسول اکرم ﷺ کے

عہد نبویؐ کی سیاسی تاریخ پر صلح حدیبیہ کے اثرات:

صلح نامہ حدیبیہ کی اہم دفعات و شرائط اور اس کے بعض اثرات کا جائزہ لینے کے بعد اب آخر میں ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ صلح حدیبیہ سے سیاست پر کیا اثرات مرتب ہوئے اور ریاست مدینہ کے لیے توسیع و ترقی کی راہ کس حد تک ہموار ہوئی چنانچہ اس سلسلے میں چند نکات قابل ذکر ہیں:

(۱) صلح نامہ حدیبیہ کا ایک اصولی اور بنیادی نتیجہ یہ نکلا جیسا کہ ایک جگہ مولانا مودودیؒ نے لکھا ہے کہ (۸۳) ''اس میں پہلی مرتبہ اسلامی ریاست کا وجود باقاعدہ تسلیم کیا گیا۔ اس سے پہلے تک عربوں کی نگاہ میں حضور اکرم ﷺ کی حیثیت محض قریش اور قبائل کے خلاف خروج کرنے والے ایک گروہ کی تھی اور وہ آپ کو برادری باہر (OUT LAW) سمجھتے تھے۔ (۸۴) اب خود قریش ہی نے آپؐ سے معاہدہ کر کے سلطنت اسلامی کے مقبوضات پر آپ کا اقتدار مان لیا اور قبائل عرب کے لیے یہ دروازہ بھی کھول دیا کہ ان دونوں سیاسی طاقتوں میں سے جس کے ساتھ چاہیں حلیفانہ معاہدات کر لیں۔'' (۸۵)

(۲) صلح نامہ حدیبیہ میں قریش نے مسلمانوں کے لیے بیت اللہ کا راستہ روک کر ایک فاش سیاسی غلطی کی تھی۔ اس وجہ سے رائے عامہ مسلمانوں کے حق میں ہموار ہو گئی اور بہت سے قبائل مسلمانوں کی طرف جھک گئے اور قریش کے قرب و جوار کا علاقہ بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ ان تمام چیزوں نے بعد میں عملی طور پر فتح مکہ کو آسان بنا دیا۔ (۸۶) صلح حدیبیہ پر بحث کے بعد اب ہم پھر اس بات کی تمہید کے مطابق اس دور توسیع میں تیسرے پہلو کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

صلح حدیبیہ سے رسول اللہ ﷺ کو اپنی اس پالیسی کو عملی جامہ پہنانے کا موقع میسر آ گیا کہ مخالف طاقتوں کو پہلے درجہ میں تو متحد ہی نہ ہونے دیا جائے اور پھر دوسرے درجہ میں علیحدہ علیحدہ بننے والی سیاسی اکائیوں کو سرنگوں کر دیا جائے۔ صلح حدیبیہ نے ریاست مدینہ کے دو زبردست مخالف یعنی قریش مکہ اور یہودی حلیفوں کے مابین تفریق کر دی۔ اب یہ بات طے تھی کہ یہود کی جانب پیش قدمی کی صورت میں نہ تو قریش ان کی مدد کر سکیں گے اور نہ ان سے دارالحکومت مدینہ کو خطرہ لاحق ہوگا یہی وجہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے باعث جنوب کی طرف سے اطمینان حاصل ہو جانے کے بعد رسول اکرم ﷺ نے شمالی عرب اور وسط عرب کی تمام مخالف طاقتوں کو بآسانی مسخر کر لیا۔

چنانچہ جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ صلح حدیبیہ پر بمشکل ڈیڑھ ماہ ہی گزرا تھا (۸۷) کہ رسول اکرم ﷺ نے یہودیوں کے سب سے بڑے مستحکم اور مضبوط مرکز (۸۸) خیبر کو فتح کر لیا۔ بہت ممکن تھا کہ خیبر کو مزید مہلت مل جاتی مگر ایک طرف تو مدینہ کے منافقین اپنی ریشہ دوانیوں میں معروف تھے دوسری طرف اس سے یہود کی ہمت بڑھی تو انہوں نے ایک سفارت کے ذریعے بنی غطفان سے مدد و تعاون کی درخواست کی جسے فوراً قبول کر لیا گیا تھا۔ (۸۹) اس طرح ان تین گروہوں (منافقین، یہود اور قبائل عرب) کی مشترکہ سازش سے مدینہ پر حملہ کا منصوبہ بن گیا، لیکن اس سے قبل کہ وہ شرمندہ تکمیل ہوتا رسول اکرم ﷺ یہود خیبر کی سرکوبی کے لیے بغیر کسی توقف کے روانہ ہو گئے کیوں کہ جارحیت کو روکنے کے لیے اس قسم کے اقدامات کرنا کسی بھی ضابطہ قانون

داخلاق کی رو سے ممنوع نہیں اور آپ کی تو شروع سے یہ حکمت عملی رہی ہے کہ دشمن کو اس کے سنبھلنے سے پہلے ہی کچل دیا جائے چنانچہ خیبر کے لیے رسول اکرم ﷺ محرم کی آخری تاریخوں میں (۹۰) چودہ سو مومنین کی جماعت لے کر نکلے (۹۱) اور منزل مقصود سے پہلے مصلحاً غطفان و خیبر کے درمیان واقع ایک میدان رجیع میں قیام کیا تاکہ یہود خیبر کے درمیان حائل ہو کر خیبر کے لیے مدد و کمک کا راستہ روک دیں۔(۹۲) چنانچہ اہل غطفان رسول اکرم ﷺ کی آمد پر یہود کی مدد کے لیے نکلے بھی تھے لیکن ایک منزل سے آگے بڑھنے کی ہمت نہ کر سکے۔(۹۳) ایک تو اس لیے کہ انھیں یہ اطلاعات ملی تھیں کہ خود ان کی آبادی خطرہ میں ہے۔(۹۴) اور دوسرے رسول اکرم ﷺ کا رجیع میں قیام ان کے آگے جانے میں مزاحم تھا۔ بہرحال آنحضرت ﷺ کا جنگی منصوبہ نتیجہ خیز رہا۔ یعنی آپ دشمنوں کے اتحاد اور ان کی کمک کا راستہ روکنے میں کامیاب ہو گئے اس کے بعد خیبر کی مہم سر کرنے میں تقریباً دو ماہ صرف ہوئے۔ لڑائی کا سلسلہ اوائل صفر سے ربیع الثانی کے آخر تک جاری رہا لیکن بالآخر فتح مسلمانوں کو حاصل ہوئی۔(۹۵) اور اس طرح یہود کا سنگین خطرہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا خیبر کی فتح کے ساتھ ہی سورۂ فتح کے مطابق فتح قریب (۹۶) مغانم کثیرہ (۹۷) اور غنائم اخروی (۹۸) کا وعدۂ خداوندی بھی پورا ہوا۔

فتح خیبر نے بعض دوسری فتوحات کو جنم دیا۔ مثلاً خیبر کے انجام کی اطلاع قریب کے یہودی آبادی "فدک" پہنچی تو وہاں کے لوگوں نے بغیر لڑے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی نصف اراضی پیش کر کے صلح کر لی (۹۹) البتہ وادی القریٰ کے یہودیوں نے تھوڑی سی مزاحمت کی لیکن جلد ہی ہتھیار ڈال دیے اور ان ہی شرائط پر صلح کر لی جن پر خیبر والوں نے کی تھی اور جزیہ دینا منظور کر لیا۔(۱۰۰) اسی سے متصل تیماء کا یہودی مرکز بھی جمادی الثانی سن ۷ ہجری میں ٹوٹ گیا اور اس طرح یکے بعد دیگرے یہ تمام بستیاں ریاست مدینہ کی زیر نگیں آ گئیں۔

یہودیوں کے مفتوح ہو جانے سے عرب کی سیاسی صورت حال میں واضح تغیر رونما ہوا۔ اسلامی ریاست کے دشمنوں میں سے ایک دشمن کا بالکل استیصال ہو گیا جو دراصل دوسرے تمام دشمنوں مثلاً قبائل عرب خصوصاً غطفان اور قریش وغیرہ کی نہ صرف پشت پناہی کرتا تھا بلکہ ان کو آمادۂ فساد بھی کرتا تھا اور ان سب کے اتحاد سے خطرناک صورت پیدا ہو جاتی تھی لیکن اب ایک طرف تو قریش مکہ اور یہود نیز دیگر قبائل کا جنگی اتحاد صلح حدیبیہ کی بناء پر ٹوٹ چکا تھا اور دوسری طرف خیبر کے مغلوب ہو جانے سے قبائل عرب بھی بے یار و مددگار رہ گئے۔ اس طرح قریش مکہ کا ایک انتہائی اہم بازو ٹوٹ گیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ علاقہ جو یہود اور قریش کا منطقۂ اثر تھا اسلام کی سیاسی اور حربی برتری سے مرعوب و متاثر ہو گیا اور ان قبائل کے ذہن پر فکر تک اسلام کی رسائی ہو گئی جو اب تک اس روشنی سے محروم تھے۔

اس بیان کی تائید تاریخی طور پر اس طرح سامنے آتی ہے کہ جب قریش نے بنی خزاعہ پر حملے میں بنی بکر کی مدد کر کے حدیبیہ کے معاہدہ کو پامال کر دیا۔(۱۰۱) جس پر قریش کو خود بھی بہت ندامت تھی۔(۱۰۲) تو رسول اکرم ﷺ نے دس ہزار آدمیوں کا لشکر جرار لے کر رمضان ۸ ہجری میں ان کی جانب کوچ کیا۔(۱۰۳) اسلامی لشکر کی اتنی بڑی تعداد بجائے خود اس پر دلالت کرتی ہے کہ عرب کے دیگر قبائل نے معاونت و شرکت کی اور قدیم و جدید تاریخی مآخذ میں بھی اس کی تصریح ہے کہ اس لشکر میں قبیلہ سلیم، مزینہ، غفار، اسلم کے بالترتیب ایک ایک ہزار، چار سو اور چار سو آدمی اور اسد، تمیم، اشجع اور جہینہ کے بھی کافی افراد شریک

تھے۔(۱۰۴) اس کا مطلب یہ ہے کہ عرب کے وہ قبائل جو صلح حدیبیہ سے پہلے عموماً اور غزوہ خیبر سے پہلے خصوصاً ریاست مدینہ کے خلاف محاذ آراء تھے۔ صلح حدیبیہ اور فتح خیبر کے بعد اس کے معین و مددگار بن گئے گویا صلح حدیبیہ کے بعد اشاعت اسلام کی تحریک نے جیسا کہ پہلے کہا گیا روز افزوں ترقی کی اور بے شمار افراد حلقۂ بگوش اسلام ہوئے اس بناء پر نہ تو یہ امر تعجب خیز ہے کہ مکہ کی پیش قدمی میں دس ہزار افراد کیسے شریک ہو گئے جب کہ اس سے پہلے اسلامی لشکر نسبتاً بہت مختصر ہوتا ہے اور نہ اس پر حیرت کی کوئی وجہ ہے کہ اتنی بڑی فوج کے ساتھ مدینہ سے مکہ تک کا طویل سفر اس خاموشی اور رازداری کے ساتھ کیسے کیا گیا کہ قریش کو خبر نہ ہو سکی اور نہ قریش کے ہمدرد و معاون قبائل ان کی مدد کو پہنچ سکے۔ واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ راستہ میں پڑنے والے کم و بیش تمام قبائل کو یا تو اپنا ہمنوا بنا چکے تھے یا آپؐ نے غیر جانبدار رہنے پر ان کو راضی کر لیا تھا نیز پیش قدمی میں آپؐ نے ایسی رازداری برتی تھی کہ دشمن بے خبر تھا پھر یہود خیبر، ان کی ہمسایہ بستیاں اور قبائل کی ایک بڑی تعداد مغلوب ہو چکی تھی اس لیے قریش مکہ تنہا رہ گئے تنہا رہ کر قریش یا عرب کی کسی بھی طاقت کے لیے ریاست مدینہ سے ٹکرانے کا حوصلہ نہ تھا اس لیے رمضان سن ۸ ہجری میں مکہ بڑی آسانی سے فتح کر لیا گیا۔(۱۰۵)

ایک ایسے شہر کی فتح عمل میں آئی جس کی آغوش میں رسول اللہ ﷺ اور ریاست مدینہ کی دشمنی پروان چڑھی جو آٹھ سال تک مدینہ کے خلاف محاذ آرائی کا مرکز رہا اور جس کے باشندوں نے جسم و جان کی ساری صلاحیتیں، اپنا مال و متاع اور اپنے مادی وسائل عداوت خدا اور رسولؐ کے لیے وقف کر رکھے تھے۔ اس کی فتح اس امن و سلامتی کے ساتھ ہو جاتی ہے کہ نہ قتل و غارت گری کا بازار گرم ہوتا ہے نہ گھروں کو نذر آتش کیا جاتا ہے اور نہ آبروئیں لوٹی جاتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی اس فیاضی اور رواداری کو دنیا کی تاریخ فتوحات میں یقیناً ایک گرانقدر اضافہ قرار دیا جائے گا۔

ان تفصیلات کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ قریش کی طرف سے عہد شکنی کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ کی معنویت یعنی ''امن و سلامتی'' کو فتح مکہ کے موقع پر بھی برقرار رکھا اور اس طرح صلح حدیبیہ میں جس فتح مبین کا اعلان ہوا تھا اس کی تعبیر ''فتح مکہ'' کی صورت میں سامنے آ گئی گویا ''صلح حدیبیہ'' نے دو ہی سال کے اندر عرب میں طاقت کا توازن اتنا بدل دیا کہ قریش اور مشرکین کی طاقت دب کر رہ گئی اور اسلام کا غلبہ یقینی ہو گیا۔

مندرجہ بالا مباحث کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کا واقعہ سیاست نبویؐ میں ایک انتہائی اہم موڑ ثابت ہوا جس نے سہ طرفہ مقاصد کو حاصل کرنے میں ریاست کی مساعدت کی۔ اس کے ذریعے پہلے درجہ میں قریش کو خاموش کرنے اور دوسرے درجے میں ان کی طاقت حتمی طور پر ختم کرنے میں مدد ملی، دوسری طرف یہود کے متعدد اہم مرکز زیر نگیں کرنے کے مواقع اسی صلح نے فراہم کیے اور پھر اس صلح کے باعث قبائل عرب کی ایک بڑی تعداد ریاست مدینہ کی مطیع و فرمانبردار بن گئی اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے سیاسی اقتدار کو تسلیم کر لیا۔

زیر نظر مباحث کی تمہید میں قبائل عرب کے حوالے سے ہم آگے بڑھنے سے پہلے چند مزید وضاحتیں ضروری سمجھتے ہیں۔

صلح حدیبیہ اور رسول اللہ ﷺ کی سیاسی حکمت عملی:

عام قبائل عرب (علاوہ یہود و قریش) کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی حکمت عملی بنیادی طور پر یہ تھی کہ قبائل سے بگاڑ مول لینے کے بجائے صلح کے ذریعے کام نکالا جائے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ طبعاً صلح جو امن پسند تھے اور آپ جس دین یعنی اسلام کو لے کر آئے تھے اس کا لفظی معنوی اور عملی تقاضا بھی یہی تھا کہ تمام معاملات میں امن وسلامتی کی راہ اختیار کی جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے بے فائدہ جنگ وجدال سے سروکار نہیں رکھا اور نہ دشمن کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اسے نیچا دکھانا آپ کا مقصود تھا۔ آپؐ اس کے علاقے پر تسلط جمانا اور دنیوی حکمرانوں کی طرح قوت وطاقت اور شان وشوکت کا اندھا دھند یا غیر ضروری مظاہرہ بھی پسند نہ کرتے تھے۔ اس کے برعکس دشمن سے اس کی کمزوری کی حالت میں رحمت وشفقت کا سلوک کر کے ہدایت کا سامان بہم پہنچانا اور احسان کی روش اختیار کرنا آپ کا معمول تھا۔ غرض رسول اللہ ﷺ کی شروع سے ہی کوشش یہ رہی کہ مصالحت اور مذاکرات کے ذریعے مقصد کو حاصل کیا جائے۔ مدینہ آنے کے بعد بنو ضمرہ اور بنو مدلج وغیرہ سے معاہدات اس کا کافی ثبوت ہیں۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی آپؐ نے اہل مکہ کو ان کے کرتوتوں کا مزا چکھانے کے بجائے رحم ومروت کا سلوک کیا۔ البتہ جب آپ کو جنگ پر مجبور کر دیا جاتا تھا، امن کی تمام راہیں مسدود ہو جاتیں اور امن وسلامتی اسلام اور ریاست اسلامی کو ہدف بنایا جاتا تو اس وقت مدافعت سے کام لینا اور خاموشی اختیار کر لینا فرائض حکومت کے لحاظ سے بھی غلط تھا اور فرائض رسالت کے تقاضوں کے خلاف بھی۔ اس لیے آپؐ ایسے قبائل کی سرکوبی کے لیے ہر آن مستعد رہتے تھے جو یا تو مسلمانوں کے خلاف سازش کر کے دارالحکومت مدینہ پر حملہ آور ہوتے تھے یا اس کے منصوبے بناتے تھے اور جس کی کافی مثالیں صلح حدیبیہ سے پہلے بیان کی جا چکی ہیں۔ علاوہ ازیں چونکہ "لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ" اسلام کا اصل الاصول ہے اس لیے آپؐ نے کسی قبیلہ کو اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا البتہ اسلام کی سیاسی حاکمیت کے آگے سرنگوں کرنے میں بھی کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اور اس سلسلے میں آپؐ نے اس درجہ رعایت سے کام لیا کہ قبائل کے محض ظاہری اقرار ایمان کو کافی سمجھا۔ اسی لیے اس وقت ایسے قبائل بھی نظر آتے ہیں جو اپنے اسلام میں مخلص تھے۔ ایسے بھی پائے جاتے ہیں جو صرف ظاہری طور پر اسلام لائے تھے اور ایسے بھی تھے جنہوں نے اسلام کا قلادہ اپنے گلے میں تو نہ ڈالا البتہ ریاست اسلامی کی اطاعت قبول کر لی تھی۔

صلح حدیبیہ سے پہلے تک عرب قبائل کی سرگرمیاں سامنے آ چکی ہیں اور صلح حدیبیہ کے نتیجے میں فتح مکہ تک ان کا کردار بھی واضح ہو چکا ہے۔ فتح مکہ تک پہنچتے پہنچتے یہ بات تو صاف نظر آتی ہے کہ قبائل عرب کا زور بالکل ٹوٹ گیا ہے کیوں کہ ان کی پشت پناہی کرنے والی یہود خیبر اور قریش مکہ کی دونوں طاقتیں ختم ہو گئیں جو قبائل "انتظار کرو اور دیکھو" کا مسلک رکھتے تھے فتح مکہ کے بعد انہوں نے بھی ہوا کا رخ دیکھ لیا اور ریاست اسلامی کے تابع ہو گئے۔ قبائل عرب پر فتح مکہ کا اثر پڑنا بھی لازمی تھا۔ مسلمانوں کا مکہ پر فتحیاب ہو جانا بہت سے قبائل کے لیے صداقت کی علامت بن گیا کیوں کہ سیکڑوں برس سے عرب کی روایت یہ چلی آ رہی تھی کہ مکہ پر اس کا قبضہ ہو سکتا ہے جو اللہ کا فرستادہ اور اس کا محبوب ہو۔ بصورت دیگر اس کا انجام "اصحاب فیل" (۱۰۶) سے مختلف نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ بخاری نے ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

"فیقولون اترکوہ وقومہ فانہ ان ظہر علیہم فہو نبی صادق"(۱۰۷)

"وہ کہتے ہیں اس کو اور اس کی قوم کو چھوڑ دو (بے اعتنائی برتو) پس اگر یہ ان (اپنی قوم) پر غالب آگیا تو سمجھنا کہ وہ سچا نبی ہے۔"

اس کے باوجود جن قبائل کو یہ صورتحال بھی متاثر نہ کرسکی اور انہوں نے انتظار یا مزاحمت کا رویہ جاری رکھا وہ بالآخر بعد کے واقعات وحوادث سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ چنانچہ فتح مکہ کے بعد جب ہوازن ثقیف، نصر، جشم اور بعض دوسرے جاہلیت پرست قبائل نے اپنی ساری طاقت حنین کے میدان میں لاکر جھونک دی۔(۱۰۸) تاکہ اس اصلاحی انقلاب کا آخری بار راستہ روک دیں جو فتح مکہ کے بعد مرحلہ تکمیل میں داخل ہوگیا تھا تو ان کی یہ آخری کوشش بھی ناکام ہوئی۔(۱۰۹) غزوہ حنین پر عربوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی جنگوں کا تقریباً خاتمہ ہوگیا۔ وہ تمام بڑے بڑے قبائل جو اپنے آپ کو قریش کا ہمسر سمجھتے تھے مغلوب ہوگئے اور اسی کے ساتھ عرب کی قسمت کا بھی قطعی فیصلہ ہوگیا کہ اسے دارالاسلام بن کر رہنا ہے اور یہ ثابت ہوگیا کہ "دین حق دوسرے تمام ادیان (باطلہ) پر غالب آکر رہے گا کیوں کہ اللہ کے رسول کو اسی لیے بھیجا گیا تھا۔"(۱۱۰) لیکن یہ غلبہ، یہ سلطانی، نفس کی تسکین اور شان وشکوہ کے اظہار کے لیے نہ تھی بلکہ ﴿لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ﴾ (۱۱۱) کا تقاضا تھی۔ شاید اس لیے جب ابوسفیان نے رسول اللہ ﷺ کے لشکر فتح کو دیکھا اور حد نظر تک آدمی ہی آدمی دکھائی دیے تو حضرت عباسؓ سے یوں اظہار تاثر کیا کہ:

"ابوالفضل! تمہارے بھتیجے کی سلطنت تو بہت بڑھ گئی!"

حضرت عباسؓ نے کہا: "تمہاری خرابی ہو یہ سلطنت نہیں ہے یہ تو نبوتؐ ہے۔"

ابوسفیان نے کہا: "بے شک!"(۱۱۲)

یہ حقیقت سامنے آجانے کے بعد کہ اسلام کے سیل رواں کو روکنے والی کوئی قوت نہیں رہی ہم دیکھتے ہیں کہ قبائل عرب کا میلان اسلام کی طرف بڑھ جاتا ہے اور وہ جوق در جوق (۱۱۳) مدینہ آکر اظہار اطاعت کرنے لگے بلکہ ابھی آپ مکہ ہی میں مقیم تھے کہ ہوازن کا وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پھر ثقیف، بنو عبدالقیس، طے، کندہ اور دیگر قبائل کے وفود نے بھی ایمان واسلام میں دیر نہیں دلائی۔(۱۱۴) اس طرح حنین کے بعد دراصل اندرون عرب، ریاست اسلامی کی قابل ذکر مخالف قوتوں نے دم توڑ دیا اور اب "صرف چند پراگندہ عناصر ملک کے مختلف گوشوں میں باقی رہ گئے" اور جن کا استیصال کرنے میں بھی مزید ایک سال سے زیادہ کا عرصہ نہ لگا۔

(۳) اب ہم تیسرے نکتہ کی طرف آتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اندرون عرب کی تمام قابل ذکر مزاحمتوں کے ختم ہوجانے کے بعد ایک مسئلہ تو ان علاقوں کا تھا جو ابھی تک ریاست نبویؐ کے مطیع نہ ہوئے تھے۔ دوسرا مسئلہ یہ تھا کہ بیرون عرب اسلام کے پیغام کو پہنچایا جائے اور وہاں بھی حاکمیت الٰہی کی طرح تو ڈالی جائے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا واضح مقصد تھا۔

رسول اللہ ﷺ سے پہلے انبیاء ورسل اس دنیا میں تشریف لائے ان کی رسالت خاص تھی ان کی نبوت ان کی اپنی قوم اور اپنے قبیلے

تک محدود تھی لیکن یہ امتیاز صرف محمد رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہے کہ آپ کی بعثت روئے زمین کی ہر قوم اور ہر جنس کے لیے ہوئی۔ تمام انسانوں کے لیے، تمام دنیا کے لیے ہوئی یعنی آپ کی رسالت و نبوت عام ہے اور بعثت، بعثت تام ہے۔ اس پر دلالت قرآن میں بھی موجود ہے(۱۱۵) اور احادیث میں بھی اس کی وضاحت وصراحت پائی جاتی ہے(۱۱۶)

سیاستِ نبویؐ کے عالمگیر اثرات:

چنانچہ بربنائے رسالت رسول اللہ ﷺ پوری دنیا کو دعوت اسلام دینے پر مامور کیے گئے تھے، یوں تو آغاز کار سے ہی رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعوت کو محدود و مخصوص نہیں کیا تھا۔(۱۱۷) آپ کی دعوت ہر شخص، ہر قوم، ہر نسل، ہر قبیلے اور ہر مقام اور ہر زمانے کے لیے تھی۔ اسلام کی بنیاد بھی توحید پر ہے جو ایک عالمگیر وحدت کا نشان ہے۔ آپؐ کے ماننے والوں میں ایسے لوگوں کی تعداد شروع سے ہی اچھی خاصی رہی ہے جن کا نسبی و نسلی تعلق عرب سے نہ تھا اور رنگ، زبان اور وطن کے لحاظ سے بھی وہ مختلف تھے۔ اس سلسلے میں حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت صہیب رومیؓ، حضرت بلال حبشیؓ وغیرہ کا نام روشن مثال ہے۔ حج کے زمانے میں دنیا کے مختلف حصوں سے آئے ہوئے لوگوں تک تبلیغ کرنا آپ کی مکی زندگی کا خاصہ ہے اور پھر انہی لوگوں کے ذریعے نیز جاں نثاران اسلام کے تجارتی سفروں کے وسیلہ سے اسلام کا پیغام عرب سے باہر پہنچ رہا تھا اور پھر مدینہ آنے کے بعد تو ریاست اسلامی کے قیام و فروغ اور پیہم فتح کاموں نے اسلام کا نام اطراف و جوانب میں پھیلا دیا تھا لیکن ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کی عالمی حیثیت کے قیام و استحکام کے حوالے سے یہ تمام سرگرمیاں عمومی نوعیت کی تھیں البتہ صلح حدیبیہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے عالمی دعوت کے سلسلے میں بطور خاص اہتمام فرمایا۔

چنانچہ اس واقعہ کو تمام مورخین اور اصحاب سیر نے صراحتاً لکھا ہے کہ صلح حدیبیہ سے فارغ ہو کر رسول اللہ ﷺ نے متعدد شاہان عالم، فرمانروایان عرب اور دیگر امراء و روٴسائے قبائل کے نام خطوط و مکاتیب ارسال فرمائے۔(۱۱۸) ان مکتوبات گرامی کا بنیادی مقصد تبلیغ و ہدایت تھا۔(۱۱۹) اور ان خطوط کو سب سے پہلے محرم ۷ھ میں مدینہ سے جاری کیا گیا۔(۱۲۰)

ابن سعد کے بیان کے مطابق رسول اکرم ﷺ نے ایک ہی دن میں چھ قاصدوں کی ایک جماعت کو مراسلات دے کر روانہ کیا۔(۱۲۱) ان کو بھیجتے وقت آپؐ نے ان پر یہ امر واضح کر دیا تھا کہ میں چونکہ پوری دنیا کے لیے رسول رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں اس لیے اب موقع آ گیا ہے کہ میں سارے انسانوں سے خطاب کروں۔(۱۲۲) ہمارے نزدیک یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ مراسلات نبویؐ کا یہ سلسلہ یہیں ختم ہو گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی اس جماعت کے علاوہ متعدد دوسرے سفیروں اور قاصدوں کو بھی رسول اللہ ﷺ نے عرب کے مقامی روٴسا اور بیرونی انتداب کے ماتحت ملوک و امراء کے پاس خطوط و فرامین دے کر بھیجا تھا۔ اس لیے تاریخی شہادت کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ان دعوتی و تبلیغی خطوط کا سلسلہ محرم ۷ھ سے ۱۰ھ کے اواخر تک جاری رہا۔ شاید اسی لیے طبری نے مدت مراسلت کو وفات نبوی تک شمار کیا ہے۔(۱۲۳) اور ترمذی کی ایک روایت سے بھی یہی متبادر ہوتا ہے کہ سلسلہ مراسلت آپؐ کے وصال مبارک سے کچھ پہلے تک جاری رہا۔ اصل الفاظ یہ ہیں:

"ان رسول اللّٰہ ﷺ کتب قبل موتہ الیٰ کسریٰ والیٰ قیصر و الی النجاشی والیٰ کل جبار یدعوھم الیٰ اللّٰہ۔"(۱۲۴)

صلح حدیبیہ کے بعد سلاطینِ عالم کے نام فرامین نبویؐ اور ان کے اثرات:

"رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات سے قبل ہی کسریٰ، قیصر، نجاشی اور (دنیا کے) ہر صاحب اقتدار واختیار کے نام (خط) لکھا اور انہیں اللہ کی طرف دعوت دی۔"

بہرحال ہمارے متذکرہ بالا بیان کا خلاصہ یہ ہوا کہ:

۱۔ مراسلات کم وبیش تین سال تک جاری رہی اس لیے مکاتیب کی تعداد ہمارے قدیم مورخین (ابن ہشام، ج ۴، ص ۲۔ ابن سعد ج ۱، ص ۲۶۹) کے اندازے سے محض چھ یا نو تک محدود نہیں ہے۔

۲۔ مراسلت محض سلاطین روم وفارس سے ہی نہیں کی گئی بلکہ اس کے مخاطب دنیا کے تمام صاحبان اقتدار سیاست تھے اور

۳۔ ان مکاتیب کا بنیادی مقصد دعوت وتبلیغ تھا۔

رسول اللہ ﷺ کے تمام مکاتیب ومراسلات کی سیاسی اہمیت اور ان کے بعض اہم نکات کا جائزہ لیں گے۔ جن کا براہ راست تعلق ریاست اسلامی کی توسیع وترقی سے ہے۔

مکاتیب کی تحریر اور ترسیل کا آغاز جیسا کہ ہمیں معلوم ہے صلح حدیبیہ کے فوراً بعد ہوا یعنی جب کہ ریاست مدینہ کے حالات بڑی نزاکت کے حامل تھے لیکن اسی دور اور ان ہی حالات میں آنحضرتؐ نے دنیا کے بڑے بڑے صاحبان اختیار واقتدار کو حاکمیت الٰہی کی طرف بلایا اور ایسے انداز سے بلایا کہ آپؐ کے لب ولہجہ میں ذرہ برابر نیاز مندی نہیں، ذاتی مفاد کی کاوش، مرعوبیت یا کمزوری نہیں بلکہ ایک خاص طنطنہ ہے، وقار ہے، استغنا ہے، عزم وثبات ہے اور ایک خاص تحکم ہے، جس طرح ایک پر اعتماد اور پرخلوص بات مخاطب پر اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہتی، اسی طرح مکتوب کے اس انداز خاص نے مخاطبین کو مرعوب کیے بغیر نہیں چھوڑا۔ چنانچہ تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کی دنیا کی سب سے بڑی سلطنت کے فرمانروا وشہنشاہ یعنی قیصر روم نے مکتوب نبویؐ پر جس قسم کے ردعمل کا اظہار کیا اس کو ابوسفیان کے اس معنی خیز جملہ میں صاف دیکھا جاسکتا ہے جو سراسر مبین شہادت پرمبنی ہے کہ:

ای عباد اللہ لقد امر امر ابن ابی کبشہ، اصبح ملوک بنی الاصفر یھابونہ فی سلطانھم بالشام۔ (۱۲۵)

"اللہ کے بندو! دیکھو، ابن ابی کبشہ کا معاملہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا ہے کہ ملوک بنی الاصفر بھی اپنی اپنی سلطنتوں میں شام (جیسے دور دراز مقام) پر بیٹھے ڈرتے ہیں۔"

خطوط پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے ہی معلوم ہوجاتا ہے کہ ان کا ایک خاص اسلوب ہے یعنی ہر خط کا آغاز بسم اللہ سے پھر مرسل کی حیثیت سے اپنا نام پھر مکتوب الیہ کا نام اور پھر کم سے کم الفاظ اور انتہائی جچے تلے انداز میں اپنے مدعا کا اظہار ایسی زبان میں ہے جو انداز سفارت کی تمام نزاکتوں اور جامعیت کی حامل ہے اور جو فی الواقع آنحضرتؐ کی ذہنی ونفسی برتری کو ثابت کرتی

ہے۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ مکاتیب شاہی درباروں اور امرائے وقت کو کیوں بھیجے اور ان کا مخاطب عام آدمیوں سے کیوں نہیں ہے؟ اس کا ایک سیدھا سادہ جواب تو یہ ہے کہ مکتوب ہمیشہ سربراہان ریاست کو بھیجے جاتے ہیں علاوہ ازیں یہ اس دور کی بات ہے جب کہ عوام الناس کے شہری حقوق بادشاہوں کے مقابلہ میں کچھ بھی نہ تھے اور نہ انہیں وہ سیاسی آزادی حاصل تھی جس سے کام لے کر وہ اپنے بارے میں خود کوئی فیصلہ کر سکیں۔ اس دور کی بادشاہی قیادتیں خداوندی کے ہم پلہ تھیں۔

دنیا کے سیاسی نظام کے تحت روم و فارس کی ہمسایہ سلطنتوں کے سربراہ خدائی حقوق کے دعویدار تھے ملوکیت اور جاگیردارانہ نظام کا وہاں تسلط تھا اور اس کے تحت قوت حاکمہ بالآخر ایک مطلق العنان شخصیت میں مرتکز تھی اس ارتکاز قوت کا اہم ترین سیاسی نکتہ یہ تھا کہ حاکم کے منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ قانون ہے اور خود حاکم ہر قانون سے بالاتر ہے۔ اسلام کا نظام حیات اور اس کا تصور سیاست ان سب کی ضد ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے تحریری طور پر "اسلام" کی طرف دعوت دی تو اس کا مطلب یہ تھا کہ مطلق العنان فرمانرواؤں سے کہا گیا کہ وہ اپنے اس حق کو ترک کریں کہ ان کے منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ قانون ہے اور وہ خود قانون سے مستثنیٰ ہیں۔ اس کے بجائے مطالبہ یہ تھا کہ وہ حاکمیت الٰہی کا اقرار کریں اور ایک ایسے قانون و آئین کے تحت آجائیں جس میں کسی کے ساتھ رورعایت نہیں کی جاتی۔

علاوہ ازیں آنحضرت ﷺ نے ان ملوک و امراء کو حاکمیت الٰہی تسلیم کرنے کی دعوت محض ان کی انفرادی حیثیت میں نہیں دی تھی بلکہ (راعی اور رعایا کی پوری اجتماعی ذمہ داری کا احساس دلاتے ہوئے) ان کی قوم کے لیے بھی تھی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے قیصر کو لکھا کہ:

"فان تولیت فعلیک اثم الا ریسیین."(۱۲۶)

"اگر تم نے روگردانی کی تو تمہارے اوپر تمہاری قوم کا بوجھ گناہ بھی ہوگا۔"

اور حاکم مصر (اسکندریہ) کو تحریر کیا تھا کہ:

"اثم القبط"(۱۲۷)

اور کسریٰ کو رقم کیا تھا:

"فان ابیت فعلیک اثم المجوس."(۱۲۸)

مجموعی طور پر اس کا مفہوم یہ تھا کہ اگر تم نے اسلام قبول نہ کیا تو اس صورت میں تمہاری رعایا کا وبال بھی تمہاری گردن پر ہوگا اور اس کے برعکس اگر اسلام قبول کر لو گے تو یوتک اللّٰہ اجرک مرتین (۱۲۹) یعنی اجر وثواب بھی دوہرا ہوگا۔ مکاتیب نبوی کا مطالعہ یہ بھی واضح کرتا ہے کہ ملوک وسلاطین کو دعوت اسلام دیتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے سیاست وتدبر اور بالغ نظری کا عمدہ ترین ثبوت فراہم کیا۔ اس مرحلہ پر جب کہ ریاست اسلامی کا بتدریج ارتقاء ہو رہا تھا یہ بھی ضروری تھا کہ ریاست اسلامی کو عرب کی سرحدی ریاستوں اور بڑی طاقتوں دونوں کے دست برد سے محفوظ کر لیا جائے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے صرف مرکزی قوتوں کو ہی نہیں جھنجھوڑا بلکہ ان مراکز سے قوت پانے والے تمام دوسرے عناصر کو بھی بے اثر کرنا ضروری خیال کیا یعنی ایران وروم کے

ماتحت عرب کے جن علاقوں یا سرحدوں پر طفیلی ریاستیں قائم تھیں ان کو نظر انداز کر کے شاہان ذی اقتدار کو دعوت دینا ریاست اسلامی کے لیے بجائے خود مفید و موثر نہ ہو سکتا تھا اور اندرون عرب ان کی نمائندہ و اقتدار کی موجودگی ریاست کے لیے پریشان کن ثابت ہو سکتی تھی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے جہاں روم و فارس اور دوسری سلطنتوں کے بااختیار حکمرانوں کو مخاطب کیا تو اسی کے ساتھ ساتھ ذیلی امراء و روسا کو بھی اسلام کی دعوت پیش کی اس میں یہ حکمت بھی موجود تھی کہ اعوان و انصار کے علیحدہ ہو جانے سے بڑی قوتیں بھی یقیناً متاثر ہوں گی۔

بہرحال تاریخی طور پر یہ ثابت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے سفیر حضرت دحیہ کلبیؓ کے ذریعے قیصر روم کو مکتوب روانہ کیا۔(۱۳۰) تو اس کے ساتھ ساتھ انتداب روم کے ماتحت تمام علاقوں کے فرمانرواؤں کو بھی خطوط روانہ کیے ان میں نجاشی (۱۳۱) (حاکم حبشہ) مقوقس (۱۳۲) (حاکم اسکندریہ)، حارث بن ابی شمر الغسانی (۱۳۳) (حاکم دمشق)، جبلہ بن الایہم (۱۳۴) (حاکم شام)، فروہ بن عمرو الجذامی (۱۳۵) (عامل بلقاء یا معان)، صغاطر اسقف (۱۳۶) اور سرداران قبیلہ لخم، کلب، داریون اور بلی وغیرہ (۱۳۷) کے نام مراسلات قابل ذکر ہیں۔ گویا سلطنت روم اور اس کے پورے منطقہ اثر کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعوت کا ہدف بنایا۔ دوسری جانب سلطنت فارس اور اس کے ماتحت تمام امراء و روسا کو بھی مخاطب کیا اور اس سلسلے میں کسریٰ پرویز (۱۳۸) (شاہ فارس)، ثمامہ بن اثال اور ہوذہ بن علی (۱۳۹) (حاکمان یمامہ)، منذر بن ساوی اور ہلال بن امیہ (۱۴۰) (حاکمان بحرین)، اہل بحرین (۱۴۱) ہرمزان (۱۴۲) (حاکم رامہرمز) اور سرداران قبیلہ بکر بن وائل (۱۴۳) وغیرہ کے نام خطوط قابل توجہ ہیں۔

مذکورہ بالا اشخاص کے نام مکاتیب ارسال فرما کر رسول اکرم ﷺ نے اسلام کی عالمی حیثیت کے قیام کے جس عظیم الشان کام کا آغاز کیا اس کے اثرات عالمی سیاسی حالات پر بھی بہت گہرے پڑے اور ریاست نبویؐ کے توسیع و ارتقاء کے باب میں بھی انہوں نے بہت اہم کردار ادا کیا لہٰذا آگے بڑھنے سے پہلے ہمیں مخاطبین اور ریاست نبویؐ دونوں پر مکاتیب کے اثرات کا جائزہ لینا ہوگا۔
اس وقت کی دنیا کے ان ملوک و سلاطین اور روسا کا رویہ جنہیں رسول اللہ ﷺ نے مخاطب کیا، خواہ کچھ ہی رہا ہو یعنی انہوں نے دعوت اسلام کو قبول کیا یا ٹھکرایا لیکن یہ بہرحال طے ہے کہ آپ کی یہ خط و کتابت اپنے نتائج کے لحاظ سے یقینی طور پر کامیاب رہی مثلاً عمان (۱۴۴)، بحرین (۱۴۵) اور یمن (۱۴۶) کے امراء اس مراسلت کے نتیجے میں حلقۂ بگوش اسلام ہوئے۔ یہ علاقے اپنی زرخیزی اور دولت و اثرات کے لحاظ سے عرب کے دیگر تمام علاقوں سے بڑھے ہوئے تھے۔ اور دراصل ان عرب قبائل کو جو ریاست اسلامی سے برسر پیکار رہتے تھے ان ہی علاقوں سے غلہ اور اسلحہ فراہم کیا جاتا تھا۔ اس طرح یہ قبائل مسلمانوں کے خلاف ان کے دشمن کو بالواسطہ مدد پہنچاتے رہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ جانتے تھے کہ جب تک مسلمانوں کے دشمن قبائل کو ان علاقوں سے غلہ اور اسلحہ فراہم ہوتا رہے گا جنگ و جدل کا سلسلہ جاری رہے گا اس لیے ان امارتوں کے ریاست اسلامی کے زیر اثر آ جانے سے رسول اللہ ﷺ کو زبردست کامیابی حاصل ہوئی، اس کا نتیجہ یہ بھی نکلا کہ ریاست اسلامی کے حدود مدینہ کے جنوب اور جنوب مشرق میں پرامن طریقے سے عمان، بحرین اور یمن کے علاقوں تک پھیل گئے۔

بعض حکمرانوں نے بین بین رویہ اختیار کیا یعنی نہ دعوت کو رد کیا نہ قبول مثلاً یمامہ کا ایک امیر ہوذۃ بن علی تھا۔ سلیط بن عمرو العامری اس کے پاس خط لے کر پہنچے (۱۴۷) تو اس نے قبول دعوت کے لیے کچھ شرائط پیش کیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کو نا منظور فرما دیا اور یہ پیش گوئی بھی کر دی کہ:

"باد و باد ما فی یدیه" (۱۴۸)

"وہ بھی برباد ہوا اور وہ بھی جو اس کے ہاتھوں میں ہے۔"

چنانچہ ہوذہ کو زیادہ مہلت نہ مل سکی اور سن ۸ ہجری میں ان دنوں جب کہ آپؐ فتح مکہ سے فارغ ہو کر مدینہ واپس ہو رہے تھے کہ ہوذہ کا انتقال ہو گیا۔ (۱۴۹) مقوقس جو شاہ روم کے ماتحت مصر (اسکندریہ) کا حکمراں تھا۔ اسے رسول اللہ ﷺ کا خط حاطب بن ابی بلتعہ نے پہنچایا (۱۵۰) وہ خط پڑھ کر وہ بہت متاثر بھی ہوا اور قاصد اور خط دونوں کی تعظیم و تکریم بھی کی اور رسول اللہ ﷺ کے لیے ہدایا بھی ارسال کیے لیکن اسلام لانے پر بخل کیا۔ (۱۵۱) گویا مذکورہ خطوط و مکاتیب نے اخلاقی اعتبار سے ان علاقوں میں نرم گوشے پیدا کر دیے۔

مکاتیب پر ردعمل کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ مخاطبین نے اسلام کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے آپ کو تباہی کی دعوت دے دی۔ مثلاً شہنشاہ فارس کسریٰ پرویز نے نامۂ مبارک چاک کر ڈالا اور اپنے عامل باذان کو رسول اللہ ﷺ کی سرزنش کے لیے لکھا۔ (۱۵۲) اس کا نتیجہ ایک طرف تو یہ نکلا کہ یمن سلطنت ایران سے کٹ کر خود بخود رسول اللہ ﷺ کے زیر سیادت آ گیا اور دوسرے یہ کہ کسریٰ پرویز شیرویہ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ (۱۵۳) اور پھر اس کے بعد ایران میں خانہ جنگی شروع ہو گئی اور دور افتادہ سرحدات کا تحفظ کمزور ہو گیا۔ سلطنت روم اسی انتظار میں تھی چنانچہ رومی فوجیں حرکت میں آ گئیں اور ایران کے اکثر علاقے رومیوں کی سلطنت میں شامل ہو گئے۔

فارس کے علاوہ روم کی طرف سے بھی شدید ردعمل کا اظہار کیا گیا۔ رسول اکرم ﷺ نے ایک خط حضرت حارث بن عمیرؓ کے ہاتھوں شاہ بصریٰ کے پاس بھی بھیجا تھا۔ (۱۵۴) حاکم بصریٰ عیسائی تھا اور براہ راست قیصر روم کے احکام کا تابع تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے قاصد موتہ تک پہنچے تھے کہ انہیں شرحبیل بن عمرو الغسانی نے روکا اور قتل کر دیا۔ (۱۵۵) تمام بین الاقوامی سفارتی آداب کو پس پشت ڈال کر ایک خود مختار ریاست کے سفیر کا قتل معمولی جرم نہ تھا لہٰذا اس سانحہ کی اطلاع ملتے ہی رسول اکرم ﷺ نے جمادی الاول سن ۸ ہجری میں تین ہزار مجاہدین کی ایک فوج سرحد شام کی جانب روانہ کی۔ (۱۵۶) تاکہ یہ علاقہ بھی آئندہ مسلمانوں کے لیے پر امن ہو جائے اور یہاں کے لوگ مسلمانوں کو کمزور سمجھ کر ان پر زیادتی کی جرأت نہ کریں۔ (۱۵۷) جنگ موتہ کی تفصیلات سے قطع نظر تین ہزار مجاہدین کی مٹھی بھر جماعت موتہ کے مقام پر شرحبیل بن عمرو کی ایک لاکھ سے زائد فوج سے جا ٹکرائی۔ (۱۵۸) اس پر تبصرہ کرتے ہوئے عصر حاضر کے ایک مصنف نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ:

"اس تہور کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے تھا کہ مجاہدین اسلام بالکل پس جاتے لیکن سارا عرب اور تمام مشرق قریب یہ دیکھ کر ششدر رہ گیا کہ ایک اور ۳۳ کے اس مقابلہ میں بھی کفار مسلمانوں پر غالب نہ آ سکے۔ یہی چیز تھی جس نے شام اور اس سے متصل رہنے والے نیم آزاد

عربی قبائل کو بلکہ عراق کے قریب رہنے والے نجدی قبائل کو بھی جو کسریٰ کے زیر اثر تھے اسلام کی طرف متوجہ کر دیا اور وہ ہزاروں کی تعداد میں مسلمان ہو گئے۔ بنی سلیم (جن کے سردار عباس بن مرداس السلمی تھے) اور اشجع اور غطفان اور ذبیان اور فزارہ کے لوگ اسی زمانہ میں داخل اسلام ہوئے اور اسی زمانہ میں سلطنت روم کی عربی فوجوں کا ایک کمانڈر فروہ بن عمرو الجذامی مسلمان ہوا۔" (۱۵۹)

اس معرکہ کا ایک نتیجہ اور بھی نکلا جسے اکثر و بیشتر نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔ جنگ موتہ سے پہلے کم از کم پانچ سو سال کی پچھلی تاریخ میں اہل عرب نے کبھی سوچا ہی نہ تھا کہ وہ شہنشاہ روم اور اس کی عظیم الشان قوت سے ٹکرا سکتے ہیں لیکن جنگ موتہ نے عربوں کی اجتماعی نفسیات بدل ڈالی۔ نتیجہ خواہ کچھ ہی رہا ہو یہ سب نے دیکھ لیا کہ ریاست نبوی کی ۳۳ گنا مختصر فوج نے اپنی بے سروسامانی اور قلت کے علی الرغم رومیوں پر حملہ کیا اور بے جگری و بے خوفی کے ساتھ لڑ کر یہ ثابت کر دیا کہ اہل عرب رومیوں سے برسرپیکار ہو سکتے ہیں اور ان کی عددی برتری سے مرعوب نہیں ہو سکتے۔ اسلامی فوج نے اپنے اس سیاسی موقف کو بھی مخالف پر پوری طرح واضح کر دیا کہ ریاست نبویؐ کی آزادی و خود مختاری کو برقرار رکھنے کے لیے ہر سطح پر مقابلہ کیا جائے گا اور فی الحقیقت حربی نتیجہ سے زیادہ یہی اخلاقی و سیاسی نتائج زیادہ اہم ہیں اور ہمارے نزدیک ان کا حصول جنگ موتہ کے افادی پہلو کو مزید بڑھا دیتا ہے۔

جنگ موتہ نے بہرحال تمام اہل عرب، اطراف و جوانب کے قبائل اور خود قیصر روم کو پوری طرح چوکنا کر دیا تھا۔ جنگ موتہ کے ظاہری نتیجہ نے ممکن ہے ان کی ہمت افزائی کی ہو اور اسی لیے ان عربی قبائل نے بھی مزید مقابلے کی تیاریاں شروع کر دیں جو انتساب روم سے حلقہ میں شامل تھے اور موتہ کے موقع پر جنہوں نے رومیوں کی اعانت بھی کی تھی۔ مثلاً قضاعہ کی ایک جماعت اس ارادہ سے روانہ ہوئی کہ مدینۃ النبیؐ پر حملہ آور ہو لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنے ارادہ میں کامیاب ہو، رسول اکرم ﷺ نے حسب سابق جمادی الآخر سن ۸ ہجری میں حضرت عمرؓ بن العاص کی سرکردگی میں ایک ہم ذات السلاسل کی طرف بھیج کر اس کی سرزنش کر دی۔ (۱۶۰)

لیکن اس کے باوجود رومی خطرہ کم نہیں ہوا اور چند ہی روز بعد یہ اطلاعات ملنے لگیں کہ شام میں رومیوں کا اجتماع عظیم ہو گیا ہے اور ہرقل نے اپنے آدمیوں کو ایک سال کی (پیشگی) تنخواہ دے دی ہے، اس کے ہمراہ قبیلہ لخم، جذام و عاملہ و غسان وغیرہ کو بھی لا یا گیا ہے اور اپنے مقدمات الجیش کو بلقا تک بھیج دیا ہے۔ (۱۶۱) رسول اکرم ﷺ ہمیشہ کی طرح اب بھی مستعد تھے، آپؐ رومیوں کی ان تیاریوں کا مطلب اچھی طرح سمجھتے تھے۔ آپؐ نے بغیر کسی تامل کے ان سے ٹکرانے کا فیصلہ کر لیا کیوں کہ اس موقع پر کمزوری دکھانا مسلمانوں کی ہوا خیزی کا باعث ہوتا اور شہنشاہ روم کے اس رعب و دبدبہ میں مزید اضافہ ہو جاتا جو ایرانیوں کو شکست دے کر وہ پہلے ہی قائم کر چکا تھا۔ پھر دار الحکومت مدینہ پر پیش قدمی تو ظاہر تھی ان حربی و سیاسی نقصانات کے علاوہ یہ بھی اندیشہ تھا کہ ایک تو وہ عصبیت جاہلیہ ان واقعات سے شہ پا کر پھر سے جی اٹھے گی اور کفر و شرک کی ان طاقتوں کو تازہ خون مل جائے گا جن پر آخری ضرب جنگ حنین میں لگائی جا چکی تھی۔

دوسری طرف مدینہ کے منافقین تھے جو ابو عامر راہب (۱۶۲) کے واسطے سے غسان کے عیسائی امراء اور خود قیصر کے ساتھ اندرونی ساز باز رکھتے تھے اور جنہوں نے اپنی ریشہ دوانیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے مدینہ سے متصل ہی مسجد ضرار تعمیر کر رکھی تھی۔ ان کی خواہش تھی کہ ریاست اسلامی کو جلد از جلد تباہ کر دیا جائے ان وجوہ سے رسول اکرم ﷺ نے موقع کی نزاکت محسوس کرتے ہوئے

رومیوں کے خلاف فوج کشی کا اعلان فرما دیا اور اس سلسلے میں اتنی عجلت سے کام لیا کہ نہ ملک میں قحط سالی کی پروا کی، نہ موسم کی شدت اور بے پناہ گرمی کا خیال کیا اور نہ مجاہدین کی بے سروسامانی کو خاطر میں لائے اور ہمیشہ کی طرح اس مرتبہ بھی دشمن کی نقل و حرکت سے قبل ہی رجب ۹ ہجری میں تیس ہزار فوج کے ساتھ شام کی جانب روانہ ہو گئے۔(۱۶۳) اور تقریباً دو ہفتہ کے دشوار ترین سفر کے بعد تبوک پہنچ کر خیمہ زن ہو گئے۔ تبوک میں آپ کا قیام بیس دن تک رہا۔(۱۶۴) اس اثناء میں نہ رومیوں کا کوئی لشکر مقابلہ پر آیا اور نہ لڑائی ہوئی۔ اس موقع پر رومیوں کے سامنے نہ آنے کی ہمیں یہ توجیہہ مناسب معلوم ہوتی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ رومیوں کی تیاریاں مکمل ہونے سے پہلے ہی مقابلہ پر پہنچ گئے تو انہوں نے سرحد سے فوجیں ہٹا لینے کے سوا کوئی چارہ نہ پایا جنگ موتہ ۳ ہزار اور ایک لاکھ کے مقابلے کی جو شان وہ دیکھ چکے تھے اس کے بعد ان میں اتنی ہمت نہ تھی کہ خود رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں جہاں ۳۰ ہزار فوج آرہی ہو وہاں لاکھ دو لاکھ آدمی لے کر میدان میں آجاتا۔(۱۶۵)

تبوک کے قیام میں رسول اکرم ﷺ نے ایک جرأت مندانہ اقدام یہ بھی کیا کہ ایک مکتوب قیصر روم کو یہ تحریر فرمایا کہ "میں تمہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں اگر تم اسلام قبول کر لیتے ہو تو جو مراعات مسلمانوں کو حاصل ہوں گی وہ تمہیں حاصل ہوں گی اور جو واجبات ان پر عائد ہوتے ہیں وہی تم پر عائد ہوں گے لیکن اگر تم دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہونا چاہتے تو پھر جزیہ ادا کرو۔

اس لیے کہ اللہ فرماتا ہے کہ:

قاتلوا الذین لایومنون باللّٰہ وبالیوم الآخرہ ولا یحرمون ما حرم اللّٰہ و رسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتب حتیٰ یعطوا الجزیہ عن یدوھم صاغرون.

"اہل کتاب میں سے جو لوگ اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ اللہ و رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں اور نہ دین حق کی اطاعت قبول کرتے ہیں ان سے جنگ جاری رکھو یہاں تک وہ ماتحتی قبول کرتے ہوئے خود آخر جزیہ ادا کریں۔"

بصورت دیگر تم فلاحین اور اسلام کے درمیان حائل نہ رہو۔ وہ چاہیں تو دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائیں یا پھر جزیہ دیں۔(۱۶۶) شاید اس مکتوب کا جواب رسول اللہ ﷺ کو مطلوب نہ تھا۔(۱۶۷) مقصود تو تھا صرف اظہار جرأت اور اخلاقی فتح، پھر اس اخلاقی فتح سے رسول اکرم ﷺ نے جو مزید سیاسی اور حربی فوائد حاصل کیے ان میں سے ایک فائدہ تو تبوک کے قیام ہی میں حاصل ہو گیا یعنی وہ سرحدی ریاستیں جو اب تک رومیوں کے زیر اثر تھیں ریاست اسلامی کی باجگوار بن گئیں چنانچہ حاکم ایلہ یحنہ بن روبہ خود آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جزیہ دینا منظور کیا۔(۱۶۸) رسول اکرم ﷺ نے اس پر یہ شرط لگائی کہ ان کی آبادیوں میں سے جو مسلمان گزرے گا وہ اس کی مہمان داری کریں گے۔(۱۶۹) اہل جرباء و اذرح نے بھی جزیہ پر صلح کر لی۔(۱۷۰) اس کے بعد رسول اکرم ﷺ نے دومۃ الجندل کو مطیع بنایا۔ آپؐ نے ایک دستہ فوج دے کر حضرت خالدؓ بن ولید کو اکیدر بن عبدالملک کی طرف بھیجا۔ ایک معمولی سی جھڑپ کے بعد وہ قید ہوا اور آخر کار اس نے جزیہ پر صلح کر لی۔(۱۷۱) پھر اہل مقنا کے عیسائی رؤسا نے بھی جزیہ کی شرط پر مصالحت کر لی۔(۱۷۲)

ان سرگرمیوں کا صاف نتیجہ یہ نکلا کہ ریاست اسلامی کے حدود اقتدار براہ راست جزیرہ نمائے عرب کی انتہائی شمالی سرحدوں تک

پہنچ گئے اور وہ عرب قبائل اب خود ان کے حریف بن گئے جن کو رومی سلطنت اب تک عرب کے خلاف استعمال کرتی رہی تھی۔ اور جواب مسلمانوں کے حلیف بن چکے تھے مذکورہ بالا عیسائی قبائل کو ریاست اسلامی کے زیر اثر لا کر رسول اکرم ﷺ نے ایک بہت بڑا کارنامہ انجام دیا تھا۔ اس سے رومی سلطنت کے منطقہ اثر میں گہرے شگاف پڑ گئے جن کی وجہ سے صفر ۱۱ ہجری میں اسامہ بن زید کی وہ مہم بالآخر حضرت ابوبکرؓ کے دور میں کامیابی سے ہمکنار ہوئی جسے ابتدائی طور پر رسول اکرم ﷺ نے روانہ کیا تھا۔ (۱۷۳) اور پھر آگے چل کر اس بناء پر بلاد روم میں اسلام کے اثر و نفوذ، توسیع و اشاعت کے دروازے کھل گئے۔ اسلام مستقبل قریب کی بین الاقوامی طاقت کی حیثیت سے محسوس کیا جانے لگا اور جنگ موتہ میں مسلمانوں کی عارضی پسپائی کے آثار و نقوش بھی محو ہو گئے علاوہ ازیں مذکورۃ الصدر عیسائی سرحدی ریاستوں کی اطاعت نے رقبہ جنگ پر مسلمانوں کے غلبہ اور تسلط کو قائم کر دیا اور اس طرح ''آنحضرت ﷺ حدود شمال پر مرکزی نظام کی تنظیم میں پوری طرح کامیاب رہے۔'' (۱۷۴)

غزوۂ تبوک کے نتیجہ میں عیسائیوں، رومیوں اور غسانیوں کا زور ٹوٹا تو ریاست اسلامی کے ایک اہم اور خطرناک گروہ کا منصوبہ بھی ناکام ہو گیا۔ منافقین کی تمام ہمدردیاں آغاز سے ہی ریاست اسلامی کے دشمنوں کے لیے تھیں اور وہ کوئی ایسا موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے جس کے ذریعے اسلامی ریاست اور اسلامی معاشرہ کو نقصان پہنچایا جا سکے۔ غزوۂ احد، محاصرہ بنو نضیر، غزوہ احزاب، غزوہ بنو قریظہ، غزوہ بنی مصطلق کے مواقع پر انہوں نے مسلمانوں میں بے دلی پھیلانے، ان میں عصبیت جاہلیت کی آگ بھڑکانے، ان کے خلاف سازشیں کرنے، ریاست اسلامی کے دشمنوں کے لیے جاسوسی کرنے اور اسلام و رسول اکرم ﷺ پر الزامات و اعتراضات کرنے میں بھی بخل نہیں کیا تھا ان کی یہ حرکتیں اگرچہ اکثر اوقات سنگین نتائج کی راہ ہموار کر دیتی تھیں تاہم رسول اکرم ﷺ نے ان کے شر و فساد کا دفعیہ کرنے پر ہی اکتفا کیا اور غزوۂ تبوک سے پہلے تک ان کے ساتھ نرمی و ملاطفت اور عفو و درگزر کا سلوک فرماتے رہے۔ رسول اکرم ﷺ کے اس نرم رویہ کا سبب غالباً ایک تو یہ تھا کہ منافقین زبان سے بہر حال اسلام و ایمان کا اقرار کرتے تھے اور ان کا شمار بھی زمرہ مسلمین میں ہوتا تھا اس لیے ان کے خلاف تادیبی کارروائی خود مسلمانوں میں بد دلی اور ناگواری کے جذبات پیدا کر سکتی تھی دوسرے یہ کہ ان کے ہم قبیلہ اور ہم محلہ افراد کی جماعت بھی موجود تھی جو اسلام کے معاملہ میں انتہائی مخلص تھے اور اپنے رشتہ دار منافقین پر خود ہی شاہد عادل بنتے جا رہے تھے۔ تیسرے یہ کہ ریاست کے لیے اندرونی و بیرونی طور پر اتنے خطرات درپیش تھے کہ ان سے عہدہ برآ ہوئے بغیر منافقین سے قلع قمع کرنا مناسب نہ تھا لیکن اب جب کہ رسول اللہ ﷺ داخلی و خارجی اور سیاسی و حربی ہر محاذ پر پوری طرح فتحیاب ہو چکے تھے۔ وہ مناسب وقت آ گیا تھا کہ اس گروہ کو قرار واقعی سزا دی جائے اور منافقت کی فصل کاٹ کر رکھ دی جائے۔ حاکم حقیقی کی طرف سے بھی ہدایت آ گئی تھی کہ:

﴿یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ﴾ (۱۷۵)

''اے پیغمبر! کفار اور منافقین دونوں کا پوری قوت سے مقابلہ کیجیے اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آیئے۔''

گویا کہا یہ گیا کہ جو سخت برتاؤ کھلے ہوئے منکرین حق کے ساتھ ہو وہی سخت برتاؤ ان چھپے ہوئے منکرین حق کے ساتھ بھی روا رکھا جائے۔ چنانچہ اس کی تعمیل میں غزوۂ تبوک پر جانے سے پہلے ہی رسول اللہ ﷺ نے اس یہودی گھر میں آگ لگوا دی تھی۔ (۱۷۶) جہاں منافقین کا گروہ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے کے لیے جمع ہوتا اور پھر ہدایت خداوندی کے تحت ہی تبوک سے واپس

تشریف لاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں داخلہ سے چند صحابہ کرامؓ کو یہ حکم دے دیا تھا کہ مسجد ضرار کو منہدم کر دیں۔(۱۷۷) واقعہ یہ ہے کہ منافقین کو کم وبیش نو سال تک سوچنے سمجھنے اور دین حق کے بارے میں مطمئن ہو جانے کا موقع دیا جا چکا تھا اور اگر وہ واقعی خیر خواہی اور اخلاص برتتے اور اپنے طرز عمل کو درست کر لیتے تو ظاہر ہے ان سے تعرض کا سوال نہ تھا مگر اس طویل مہلت سے بھی انہوں نے فائدہ نہیں اٹھایا۔ اس لیے لامحالہ ان کے خلاف کارروائی کی گئی۔ اب ان کے ساتھ نہ تو مزید رعایت کی کوئی گنجائش موجود تھی اور نہ منشائے خداوندی ان کے حق میں تھی یہاں تک کہ تبوک سے واپسی پر کچھ ہی دنوں بعد عبداللہ بن ابی کا انتقال ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے از راہ ترحم نماز اور دعائے مغفرت کرنی چاہی تو آپ کو اس سے بھی روک دیا گیا۔(۱۷۸) واقعہ یہ ہے کہ عبداللہ بن اُبی کی موت سے منافقین کو دوہرا نقصان اٹھانا پڑا ایک تو یہ کہ ان کی فعال قیادت ختم ہو گئی اور دوسرے یہ کہ اُن کی ساری تگ ودو ابن اُبی کی ناچوشی کے لیے ہی تھی اس کا موقع غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کی اخلاقی فتح اور رومیوں کی خاموشی، نیز یہود، کفار قریش اور دیگر قبائل عرب کے مفتوح ومغلوب ہو جانے اور سب سے بڑھ کر ابن اُبی کی موت سے حاصل نہ ہو سکا اب ان کے سارے منصوبے بکھر چکے تھے۔ اس پر مستزاد یہ کہ غزوۂ تبوک کے بعد سورۂ توبہ میں منافقین کے کردار، ان کی ایک ایک حرکت اور طرز عمل کی پوری قلعی کھول دی گئی۔(۱۷۹) یہاں تک کہ کسی منافق کے لیے یہ ممکن نہ رہا کہ اپنے آپ کو پوشیدہ رکھ سکے۔ اب تازہ الہامی احکام کی روشنی میں ان سے کسی قسم کی رورعایت کا سوال بھی نہ تھا۔ ان وجوہ سے بحیثیت ایک گروہ کے منافقین کا خاتمہ ہو گیا اور یہ درحاصل غزوۂ تبوک ہی کا ایک نتیجہ ہے۔

تبوک کی مہم سے عصبیت جاہلیہ اور کفر وشرک کی تحریک بھی بری طرح متاثر ہوئی اور اس کا مستقبل تاریک ہو گیا اور مولانا مودودیؒ کے الفاظ میں "تبوک کی بلا جنگ فتح نے عرب میں ان لوگوں کی کمر توڑ دی جو اب تک جاہلیت قدیمہ کے بحال ہونے کی آس لگائے بیٹھے تھے، خواہ وہ اعلانیہ مشرک ہوں یا اسلام کے پردہ میں منافق بنے ہوئے ہوں۔ اس آخری مایوسی نے ان میں سے اکثر وبیشتر کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہنے دیا کہ اسلام کے دامن میں پناہ لیں اور اگر خود نعمت ایمانی سے بہرہ ور نہ بھی ہوں تو کم از کم آئندہ نسلیں بالکل اسلام میں جذب ہو جائیں۔ اس کے بعد ایک برائے نام اقلیت شرک وجاہلیت میں ثابت قدم رہ گئی۔ وہ اتنی بے بس ہو گئی تھی کہ اس اصلاحی انقلاب کی تکمیل میں کچھ بھی مانع نہ ہو سکتی تھی جس کے لیے اللہ نے اپنے رسول کو بھیجا تھا۔" (۱۸۰)

یہاں یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ سورۂ توبہ کی ابتدائی ۳۷ آیات اسی مرحلہ پر یعنی ذی قعدہ سن ۹ ہجری میں نازل ہوئیں۔(۱۸۱) ان آیات میں چند ایسے اقدامات کا حکم دیا گیا تھا جن کی تکمیل سے عرب مکمل طور پر دارالاسلام بن رہا تھا۔ اگرچہ فتح مکہ پر بھی کچھ مرکزی مقامات کفر وشرک منہدم کیے گئے تھے۔(۱۸۲) لیکن اب تقریباً پورے عرب کا نظم ونسق بالکلیہ اہل ایمان کے ہاتھ میں آ گیا تھا اور تمام مزاحم قوتیں بے بس ہو کر رہ گئی تھیں اس لیے حکم یہ دیا گیا کہ مشرکین سے اظہار برأت کیا جائے۔(۱۸۳) ان کے ساتھ معاہدات ختم کر دیے جائیں۔(۱۸۴) قدیم مشرکانہ نظام کا مکمل استیصال کر ڈالا جائے (۱۸۵) کعبہ کا انتظام صرف مسلمانوں کے ہاتھ میں ہونا چاہیے (۱۸۶)، نیز بیت اللہ کے حدود میں شرک وکفر کی تمام رسمیں بند کر دی جائیں (۱۸۷) اور عرب کی تمدنی زندگی میں جو بھی آثار جاہلیت باقی رہ گئے ہیں انہیں محو کر دیا جائے چنانچہ اس سلسلے میں ایک اہم جاہلی رسم نسیٔ کو باقاعدہ موقوف کر دیا گیا۔(۱۸۸)

مہم تبوک کا آخری لیکن اہم ترین نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ عرب کے گوشے گوشے سے وفود آنے لگے اور رسول اکرم ﷺ کی سیاسی قیادت پر صاد کرنے لگے۔ وفود کتنے تھے اور عرب کے کس کس گوشے سے آکر مدینہ حاضر ہوئے اس کا تفصیلی بیان ابن سعد کے یہاں موجود ہے ابن سعد کے شمار کے مطابق کل ۷۱ وفود آئے لیکن مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ سب سے پہلا وفد قبیلہ مزینہ کا تھا، جو رجب ۵ ہجری میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا تھا (۱۸۹) اور آخری وفد غالباً محارب کا تھا جو حجۃ الوداع یعنی ذی الحجہ ۱۰ ہجری میں رسول اللہ ﷺ سے ملا تھا۔ (۱۹۰) ابن سعد کی تصریحات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوۂ تبوک سے پہلے تک وفود خدمت نبویؐ میں حاضر ہو چکے تھے ان کی تعداد پندرہ کے لگ بھگ ہے۔ (۱۹۱) ان کے علاوہ فزارہ، مرہ (۱۹۲) اور داریین (۱۹۳) کا وفد تبوک سے رسول اللہ ﷺ کی واپسی پر مدینہ آیا۔ خولان (۱۹۴)، سلامان (۱۹۵) غسان (۱۹۶) حارث بن کعب (۱۹۷)، الرہاویین (۱۹۸) اور بجیلہ (۱۹۹) کے وفود ۱۰ ہجری کے مختلف مہینوں میں آئے جب کہ وفد تمیم (۲۰۰)، کلاب (۲۰۱)، بنی البکاء (۲۰۲)، بنی تجیب (۲۰۳)، حمیر (۲۰۴) کے وفود نے ۹ ہجری میں اظہار اطاعت کیا اور تقریباً چالیس وفود ایسے ہیں (۲۰۵) جن کی آمد کو ابن سعد نے متعین تو نہیں کیا ہے لیکن غالب امکان یہی ہے کہ ان کی آمد بھی سن ۹ ہجری میں واقعہ تبوک کے بعد ہوئی۔ بہرصورت زمانہ کا فرق کچھ ہی ہو جس طرح یہ بات طے ہے کہ مذکورہ وفود نے اسلام کی سیاسی حاکمیت اور ریاست نبوی کی سیادت کو تسلیم کر لیا، اسی طرح ان وفود کی آمد اس امر کو بھی ثابت کر دیتی ہے کہ عرب کے ہر گوشے اور ہر جانب ریاست اسلامی کا سکہ رواں ہو گیا۔ یہ تو ہو سکتا ہے اور اس کی تائید بھی تاریخی واقعات سے ہو جاتی ہے کہ عرب میں رہنے والے تمام لوگوں نے اسلام قبول نہ کیا تھا مگر اس میں کسی کو کلام نہیں کہ یہ سب کے سب ریاست اسلامی کے باشندے تھے خواہ آزاد حیثیت سے اور چاہے ذمی کی حیثیت سے اور جیسا کہ ہم اوپر کہہ چکے ہیں کہ آخری وفد ذی الحجہ ۱۰ ہجری میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تھا۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ ریاست اسلامی کے حدود میں توسیع کا عمل آپ کی وفات سے کچھ عرصے پہلے تک جاری رہا اور پھر حجۃ الوداع (۲۰۶) کے موقع پر ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (۲۰۷) "آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بحیثیت دین کے پسند کر لیا۔" کے ارشاد خداوندی کے بموجب دین کے اتمام و اکمال کے ساتھ ہی ساتھ ریاست اسلامی کا ارتقاء بھی مکمل ہو گیا۔ گویا سن ۱ ہجری میں ریاست کی تاسیس سے سن ۱۰ ہجری میں ریاست کی تکمیل تک کے دس سالہ عرصہ میں رسول اللہ ﷺ کا اقتدار بلا شرکت غیرے پورے عرب پر قائم ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ کی ریاست و بعثت کا مقصد (جس کے لیے آپ کو مبعوث کیا گیا تھا) یعنی غلبہ اسلام اور دعوت الی اللہ بھی اتمام کو پہنچا اور اللہ کا یہ ارشاد تاریخ کی پوری روشنی میں ظاہر ہو گیا کہ:

﴿يُرِيدُونَ أَن يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَن يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ﴾ (۲۰۸)

"یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں مگر اللہ اپنے نور کو اتمام کو پہنچائے بغیر نہ رہے گا۔ خواہ کافروں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔ وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے دوسرے تمام ادیان پر غالب کر دے۔"

حواشی و حوالہ جات

(۱) ڈاکٹر حمید اللہ نے المبسوط کے حوالے سے کہا ہے کہ قریش اور اہل خیبر میں معاہدہ تھا۔ دیکھیے محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرم کی سیاسی زندگی، دارالاشاعت، کراچی، ص ۸۵

(۲) تفصیل کے لیے دیکھیے: ابن سعد جلد ۲، ص ۹۱۔۹۲

(۳) ایضاً ص ۹۲

(۴) ایضاً

(۵) خواب یہ دیکھا کہ اپنے اصحابؓ کے ساتھ مکہ گئے اور طواف سے متمتع ہوئے ہیں (زرقانی جلد ۲، ص ۱۷۹)

(۶) واقدی نے لکھا ہے ثم اذن رسول اللہ فی الحج (الواقدی، ص ۳۸۳) نیز ملاحظہ ہو، ابن ہشام، جلد ۳، ص ۳۲۲

(۷) شرکائے سفر کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ ابن ہشام نے دو روایتیں نقل کی ہیں۔ ایک سات سو کی اور دوسری چودہ سو کی (جلد ۳، ص ۳۲۲) ابن سعد نے چودہ سو کے علاوہ ساڑھے پندرہ سو اور سولہ سو کی تعداد کا بھی ذکر کیا ہے (جلد ۲، ص ۹۵) طبری نے سات سو، تیرہ سو، چودہ سو، پندرہ سو کی روایات لکھی ہیں (جلد ۲، ص ۲۷۱) ابن حزم کے بیان کے مطابق تیرہ سو سے چودہ سو کے درمیان تھی (جوامع السیر ۲، ص ۲۰۷) ان تمام روایات میں سے چودہ سو کی روایت زیادہ مشہور و متداول ہے۔ نیز بخاری میں بھی حضرت براء بن عازب اور جابر بن عبداللہ وغیرہ سے یہی تعداد مروی ہے (البخاری، جلد ۲، ص ۵۹۸ کتاب المغازی) اور ہمارے نزدیک بھی اس کی ترجیح کی ایک مزید دلیل یہ ہے کہ غزوہ خیبر کے موقع پر رسول اللہؐ نے یہ اعلان فرما دیا تھا کہ: لا یخرجن معنا الا راغب فی الجہاد (ابن سعد، جلد ۲، ص ۱۰۶) اس کے نتیجے میں وہی لوگ اس میں شامل ہوئے جو حدیبیہ میں رسول اللہؐ کے ہمسفر تھے اور ان کی تعداد میں چودہ سو ہی تھی۔ (ایضاً)

(۸) الواقدی، ص ۳۸۳۔ نیز البخاری، جلد ۲، ص ۵۹۸، ذوالحلیفہ اہل مدینہ کی میقات ہے اور مدینہ سے اس کا فاصلہ تقریباً چھ میل ہے۔

(۹) مورخین و اصحاب سیر کی متفق روایت یہی ہے کہ رمضان و شوال میں رسول اللہ کا قیام مدینہ میں رہا اور ذوالقعدہ سن ۶ھ میں عمرہ کی نیت سے نکلے (ابن ہشام، جلد ۳، ص ۳۲۱) البتہ امام ابو یوسف کا بیان ذرا مختلف ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہؐ حدیبیہ کے لیے رمضان میں نکلے (دیکھیے: ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج، المطبعۃ السلفیہ، قاہرہ، ۱۳۵۲ھ، ص ۲۰۸) ڈاکٹر حمید اللہ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ چونکہ ۱۰ھ سے پہلے تک اسلامی تقویم درست نہ ہوئی تھی اور نسی وغیرہ کا قاعدہ مروج تھا اس لیے قمری اور کبیسہ کے دو قسم کے کیلنڈر رائج تھے چنانچہ ۶ھ میں ان دونوں کے درمیان دو ماہ کا فرق تھا۔ چنانچہ مثال کے طور پر قمری کا ماہ رمضان کبیسہ کے ذوالقعدہ کے مساوی تھا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

Hamidullah Dr.M Diplomatic Relations of Islam with Iran in the time of the Prophet. (Apaper read at the second session of Idara-i- Maraif-i-Islam Proceedings of the Idara-i Ma' arif-i- Islamia, Lahore 1938, P-97

ڈاکٹر حمید اللہ کی اس تصریح کی روشنی میں امام ابو یوسف کے قول میں کوئی معارضہ باقی نہیں رہتا۔ ہاں ایک روایت عبداللہ بن عمر سے رجب کے بارے میں بھی منقول ہے لیکن اس کی تردید خود حضرت عائشہؓ نے یہ کہہ کر فرما دی کہ ابن عمر سے بھول ہوئی۔ علاوہ ازیں حضرت انسؓ بن مالک اور دوسرے صحابہؓ کے اقوال سے بھی حضرت عائشہؓ کے قول کی تائید ہوتی ہے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: البخاری (جلد ۱، ص ۲۳۸۔۲۳۹) کتاب المناسک

(۱۰) ابن ہشام جلد ۳، ص ۳۲۳

(۱۱) ایضاً ص ۳۲۲

(۱۲) ایضاً ۳۲۳، ۳۲۴۔ واقدی نے لکھا ہے کہ جب اہل مکہ کو معلوم ہوا کہ رسول اللہؐ نے حدیبیہ پر نزول اجلال فرما لیا ہے تو یہ خبر ان پر بجلی بن کر گری (فشق ذلک علیہم) دیکھیے: الواقدی، ص ۳۸۴۔ حدیبیہ کا مقام حدود حرم سے متصل واقع ہے حدیبیہ اور مکہ کے درمیان ایک منزل کی مسافت ہے۔ اس جگہ ایک کنواں تھا جس کا نام حدیبیہ تھا اور پھر بعد میں یہ علاقہ بھی حدیبیہ کہلانے لگا، کہا جاتا ہے کہ اس کا کچھ حصہ حدود حرم کے اندر اور کچھ باہر واقع ہے (یاقوت الحموی، جلد ۲، ص

۲۲۹)ابن سعد نے مکہ سے حدیبیہ کا فاصلہ ۹ میل لکھا ہے۔(جلد۲،ص۹۶)

(۱۳)واقدی،ص۳۸۷۔تفصیل کے لیے: ابن ہشام جلد۳،ص۳۲۵ تا ۳۳۱

(۱۴)القرآن الحکیم سورۃ البقرۃ۔۱۴۳

(۱۵)القرآن الحکیم سورۃ الانفال:۶۱

(۱۶)القرآن الحکیم سورۃ الفتح:۱۲

(۱۷)شاید اس خدشہ کو مسلمانوں نے بھی محسوس کیا تھا کہ قریش مکہ کی بدظنی رنگ لا سکتی ہے چنانچہ رسول اللہؐ جب ذی الحلیفہ پہنچے تو حضرت عمرؓ نے آپ کی توجہ اس طرف دلائی کہ دشمن کے علاقہ میں بغیر اسلحہ اور دوسری جنگی تیاری کے بغیر تشریف لے جا رہے ہیں، جو مناسب نہیں معلوم ہوتا۔اس پر رسول اللہؐ نے کسی کو مدینہ بھیجا۔وہ وہاں سے پورا حربی سامان یعنی وہاں جس قدر اسلحہ اور جانور وغیرہ تھے سب کو ساتھ لے آیا لیکن مکہ کے قریب پہنچ کر وہاں لے جانے سے روک دیا۔(طبری،جلد۲،ص۶۲۲)

(۱۸)القرآن الحکیم سورۃ الفتح۔۱۸

(۱۹)محمود شیث خطاب،الرسول القائد،دارالقلم ۱۹۶۲ء،ص۲۷۹

(۲۰)مورخین نے حدیبیہ میں قیام کی مدت ۱۹ تا ۲۰ دن بتائی ہے۔ملاحظہ ہو:(الحلبی،جلد۳،ص۲۷)

(۲۱)ابن سعد کی روایت کے مطابق یہ بسر بن سفیان تھا اور عذر کا مقام (عقب عسفان) پر ملا تھا۔(ابن سعد جلد۲،ص۹۵)

(۲۲)ابن ہشام جلد۳،ص۳۲۲،۳۲۳

(۲۳)ابو یوسف،ص۲۰۸

(۲۴)ابن ہشام،جلد۳،ص۳۲۳

(۲۵)الواقدی،ص۳۸۵

(۲۶)ابن ہشام،جلد۳،ص۳۲۳

(۲۷)ایضاً،ص۳۲۴

(۲۸)ایضاً،ص۳۲۷

(۲۹)ایضاً،ص۳۲۹۔یہاں یہ بتاتے چلے جانا ہوگا کہ اس روز رسول اللہؐ کی نگہبانی کا فریضہ حضرت محمد بن مسلمہ انجام دے رہے تھے اور انہوں نے ہی قریش کے دستہ کو پکڑا تھا(الحلبی جلد۳،ص۲۱)

(۳۰)ابن ہشام،جلد۳،ص۳۲۵

(۳۱)واقدی،ص۳۸۴

(۳۲)ابن ہشام،جلد۳،ص۳۲۹

(۳۳)ایضاً،ص۳۲۲،ص۳۲۳

(۳۴)ایضاً،ص۳۲۵

(۳۵)ایضاً،ص۳۲۶

(۳۶)امام ابو یوسف نے لکھا ہے کہ عروہ بن مسعود سے گفتگو کے دوران رسول اللہؐ نے یہ واضح کر دیا کہ "ہم لوگ جنگ کرنے نہیں آئے ہیں بلکہ عمرہ ادا کرنے اور اپنے قربانی کے جانور قربان کرنے آئے ہیں۔کیا تم اتنا کر سکتے ہو کہ میری قوم کے پاس جاؤ کہ یہ لوگ اب بھی میرے اہل خاندان ہیں انہیں جنگ نے ذرا دبا دیا ہے ان کی بھلائی اس میں نہیں کہ جنگ ان کو جو نقصانات پہنچا چکی ہے اب اس پر مزید کوئی اضافہ کریں (اور ان سے کہا کہ) وہ میرے اور اپنے درمیان ایک مدت (امن) طے کر لیں جس میں ان کی نسل بڑھے گی،ہمیں ان کے شر سے نجات حاصل رہے گی۔(ابو یوسف،ص۲۰۹)

(۳۷)ابن ہشام،جلد۳،ص۳۲۹

(۳۸)ایضاً،ص۳۲۸

(۳۹) ابن ہشام کے بیان کی رو سے بایعھم رسول اللہ ﷺ علی الموت (ایضاً، ص ۳۳۰)
جابر کہتے ہیں بایعنا علی الموت (ایضاً)

(۴۰) بیعت رضوان یعنی جس میں اللہ کی رضا شامل تھی اور جس سے اللہ راضی ہوا۔ دیکھیے سورۃ الفتح (آیت ۱۰، ۱۸)

(۴۱) محمد (۳۵) اسے ابو عبید نے اپنی کتاب الاموال میں بھی ذکر کیا ہے (ابو عبید، جلد ۲، ص ۱۹۱، فقرہ ۳۳۳)

(۴۲) القرآن الحکیم سورۃ البقرۃ: ۱۹۳

(۴۳) القرآن الحکیم سورۃ الفتح: ۲۲

(۴۴) ابو عبید نے لکھا ہے کہ اس بیعت نے یرغمال شدہ مشرکین کو ترغیب دلائی اور انھوں نے امن وصلح کی پیش کش کی۔ اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ: وھو الذی کف ایدیھم عنکم وایدیکم عنھم ببطن مکۃ من بعد ان اظفرکم علیھم وکان اللہ بما تعملون بصیرا (الفتح ۲۴) ملاحظہ ہو: ابو عبید (جلد ۲، ص ۱۵۷ فقرہ ۴۳۱) اسی طرح ابن سید الناس نے اپنی کتاب عیون الاثر میں لکھا ہے کہ مشرکین مکہ نے حضرت عثمانؓ کو یرغمال بنالیا اور رسول اللہؐ نے اپنے پاس مشرکین کو خطرات کے پیش نظر یرغمال بنالیا تھا (جلد ۲، ص ۱۲۲) چالیس پچاس قریشیوں کا جو دستہ رسول اللہؐ پر حملہ آور ہونے کے لیے آیا تھا پھر گرفتار ہوا تھا اس کے آدمیوں کو روک لیا اور یقیناً اس وقت تک یرغمال بنائے رکھے جب تک کہ حضرت عثمانؓ ان کے ہاں سے واپس معسکر رسولؐ میں نہ آگئے۔

(۴۵) دیکھیے واقدی (ص ۲۸۶) نیز ابن ہشام (جلد ۳، ص ۳۳۰) اور سیرۃ حلبیہ میں ہے کہ:
ولما علمت قریش بھذہ البیعۃ خافوا وارسلوا اھل الرای بالصلح (الحلبی جلد ۳، ۲۲) واقدی نے یہ بھی لکھا ہے کہ صلح کی درخواست کے ساتھ قریش نے عروہ بن مسعود اور مکرز بن حفص کو بھیجا تھا (الواقدی ص ۲۸۵) اور امام ابو یوسف کا بیان ہے کہ صلح کے لیے سہیل بن عمرو کے ساتھ ساتھ مکرز بن حفص کو بھی اختیار صلح دیا تھا (ابو یوسف۔ ۲۱۰) اور طبری کی تصریح کے مطابق صلح کرنے کے لیے قریش نے سہیل بن عمرو، حویطب بن عبدالعزیٰ اور حفص کو بھیجا تھا (طبری ج ۲، ص ۶۳۹)

(۴۶) ابن ہشام جلد ۳، ص ۳۳۶

(۴۷) القرآن الحکیم سورۃ الفتح

(۴۸) الواقدی، ص ۳۸۷

(۴۹) ابن ہشام جلد ۳، ص ۳۳۲۔ صلح کی مدت واقدی کے یہاں دو سال (ص ۳۸۷) اور ابو عبید کی کتاب الاموال میں چار سال (ابو عبید جلد ۲، ص ۱۵۷ فقرہ ۴۳۱) مرکوز ہے۔

(۵۰) ابن ہشام جلد ۳، ص ۳۳۲۔ واقدی کا جملہ یہ ہے کہ: نہ ہمارے لوگ تم کو اور نہ تمہارے لوگ ہم کو ایذا پہنچائیں (الواقدی، ص ۳۸۷) ابو عبید کے یہاں فقرہ اس طرح ہے: ان یامن بعضھم بعضاً اور اضافہ یہ ہے کہ علی الا اغلال ولا اسلال (ابو عبید جلد ۲، ص ۱۵۷) یہ اضافہ ابن سعد نے بھی نقل کیا ہے (ابن سعد جلد ۲، ص ۹۷)

(۵۱) ابن ہشام جلد ۳، ص ۳۳۲۔ واقدی کے یہاں جملہ اس طرح ہے:
ومن اتاہ من اھل مکۃ مسلماً ردہ الیھم ومن جاء من اھل مکۃ من اصحابہ فھو لھم (ص ۳۸۷) اور ابو عبید کے الفاظ یہ ہیں: انہ من اتی رسول اللہ ﷺ مسلماً ردہ الیھم ومن اتاھم من المسلمین لم یردوہ الیہ۔ (جلد ۲، ص ۱۵۷۔ فقرہ ۴۳۹)

(۵۲) ابن ہشام کا فقرہ یہ ہے کہ وان بیننا عیبۃ مکفوفۃ وانہ لا اسلال ولا اغلال (جلد ۳، ص ۳۳۲) اس کے پہلے حصے کا ترجمہ ہم نے ڈاکٹر حمید اللہ سے لیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس شق کا پورا ترجمہ یوں کیا ہے: "یہ کہ ہم میں باہم سینے ہر طرح بند رہیں گے (جن میں باہر سے کوئی غداری داخل نہ ہو سکے گی) اور نہ تو خفیہ کسی دوسرے کو مدد دی جائے گی نہ اعلانیہ خود خلاف عہد دغا کریں گے۔" (حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، دار الاشاعت کراچی، ص ۹۱) محمود شیت خطاب نے اس کا مدعا یہ سمجھا ہے کہ "یعنی ہم تم سے رکے رہیں گے اور تم ہم سے" (محمود شیت خطاب، ص ۲۷۰) ہمارے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ باہم ہر طرح رازداری برتی جائے گی نیز دل کو ایک دوسرے سے صاف رکھیں گے یعنی باہم خلوص برتا جائے گا۔ یا یہ کہ دلوں کی عداوتیں دلوں میں رہیں گی، نہ انھیں ظاہر کیا جائے گا نہ بد عہدی اور خیانت کی جائے گی۔ نیز دیکھیے ابو یوسف، ص ۲۱۰

(۵۳) ابن ہشام جلد ۳، ص ۳۳۲۔ اس شق کے تحت قبائل خزاعہ نے رسول اللہؐ کے معاہدے اور ذمہ داری میں اور بنی بکر نے قریش کے معاہدہ اور ذمہ داری

میں شریک ہونے کا اعلان کیا (ایضاً)۔

(۵۴) ایضاً۔ واقدی کے یہاں اس دفعہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ: "وعلیٰ اھل مکۃ محمد بن عبداللّٰہ ان یخلوا لہ مکۃ عاماً قابلا ثلاثۃ ایام وعلیٰ محمد لا ھل مکہ ان لا یدخل احد منھم بسلاح الا سلاح یجعل فی قراب وھوا لسیف۔" (الواقدی، ص ۲۸۸)

(۵۵) ابوعبید جلد ۲، ص ۷۰۵، فقرہ ۳۳۱۔ اس دفعہ کو بلاذری نے بھی ابوعبید کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ (البلاذری، فتوح، ص ۴۳) یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس شق کو بالعموم مورخین اور اصحاب سیر نے ذکر نہیں کیا ہے نیز ڈاکٹر حمید اللہ نے وضاحت کے سلسلہ میں معاہدہ کے حوالے سے یہ صراحت کی ہے کہ "ہمارے اور تمہارے حقوق و واجبات برابر ہوں گے۔" (حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرم کی سیاسی زندگی، دارالاشاعت، کراچی، ص ۹۱) لیکن ہمیں اس کا حوالہ نہیں مل سکا۔

(۵۶) ابن ہشام جلد ۳، ص ۳۳۲

(۵۷) ڈاکٹر حمید اللہ نے بغیر کسی حوالے کے یہ عجیب بات لکھی ہے کہ "ان کا سب سے بااثر سردار ابوسفیان کسی نامعلوم راستے سے چھپ چھپا کر اور بچ بچا کر ان دنوں شام گیا ہوا تھا اس لیے حضرت عثمان نظر بند ہو گئے ــــ الخ" (رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ص ۸۸) حالانکہ اگر روایات کھنگالیں تو متعدد مآخذ میں اس کی موجودگی کا تذکرہ پایا جاتا ہے، مثلاً ابن ہشام نے حضرت عثمانؓ کی سفارت کے ضمن میں بروایت ابن اسحاق صراحت سے لکھا ہے کہ "حضرت عثمان مکہ کی جانب گئے تھے ابان بن سعید العاص سے ملے (مکہ میں داخل ہونے سے یا اس سے پہلے) اور رسول اللہ کا پیغام پہنچایا پھر عثمان آگے چلے یہاں تک کہ ابوسفیان اور دوسرے عظمائے قریش تک جا پہنچے اور رسول اللہ کا پیغام پہنچا دیا۔" (جلد ۳، ص ۳۲۹) کم و بیش یہی بیان واقدی کا بھی ہے بلکہ لکھا ہے کہ جب حضرت عثمانؓ نے رسول اللہ کا خط ابوسفیان کو پہنچایا تو اسے لے کر وہ دوسرے امراء سے مشورہ کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ (الواقدی، ص ۲۸۴) اور طبری نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اس وقت جب کہ صلح کی تیاری ہو رہی تھی مشرک بہ ابوسفیان (ابوسفیان نے رسول اللہؐ پر اچانک یورش کر دی) ملاحظہ ہو (جلد ۲، ص ۶۲۹) اور حضرت عثمانؓ کی سفارت میں لکھا ہے کہ: فانطلق عثمان حتی اتی ابی ابا سفیان وعظماء قریش (ایضاً ص ۶۳۱) اور السیرۃ الحلبیہ میں بھی ابوسفیان کی موجودگی کا ثبوت موجود ہے (الحلبی: جلد ۳، ص ۱۳) علاوہ ازیں ڈاکٹر صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ "اس وقت مکہ میں عجب بدنظمی تھی۔" (رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ص ۸۸) ہمارے خیال میں اس وقت کی مخصوص صورت حال میں اسے بدنظمی کی بجائے "اختلاف رائے" کہنا زیادہ مناسب ہوگا کیوں کہ رسول اللہؐ نے حدیبیہ پہنچ کر اور اعلان عمرہ کی شکل میں پروپیگنڈہ کی جو جنگ ان پر مسلط کر دی تھی، اس سے عہدہ برآ ہونے میں انہیں سخت دقت پیش آ رہی تھی اور پھر یہی ہوا کہ انہوں نے ایک طرف سے اپنا دامن بچایا تو دوسری طرف الجھ کر رہ گیا۔

(۵۸) ابن ہشام، جلد ۳، ص ۳۳۱

(۵۹) حضرت عمرؓ کی شدت کا اندازہ ان کے لب و لہجہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ جس کا اظہار انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے اور اس کے بعد رسول اللہؐ سے کیا ابن اسحاق کی روایت کے مطابق حضرت عمرؓ رسول اکرم کو مخاطب کر کے کہا تھا: الست برسول اللّٰہ؟ قال بلیٰ! قال اولسنا بالمسلمین؟ قال بلیٰ! قال اولیسوا بالمشرکین؟ قال بلیٰ قال فعلام نعطی الدنیۃ فی دیننا۔ (ابن ہشام جلد ۳، ص ۳۳۱) لیکن بعد میں جوش سرد پڑنے پر انہیں اس گفتگو کا احساس ہوا چنانچہ زندگی بھر پچھتاتے رہے اور نماز، روزہ، صدقہ، خیرات کی صورت میں اس کا کفارہ ادا کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ (ایضاً)

(۶۰) ایضاً۔ رسول اللہ کا یہ جواب اس لحاظ سے قابل غور ہے کہ اس میں رسول اللہؐ نے حاکمیت باری تعالیٰ کا اظہار بھی کر دیا اور اپنی حیثیت بھی واضح کر دی۔ علاوہ ازیں اس ایک جملہ میں اسلام کے سیاسی نظریہ کی توضیح بھی موجود ہے یعنی یہ کہ اسلام میں سیاست بھی الٰہی ہدایات کے تابع ہے۔

(۶۱) سورۃ الفتح کا نزول مکہ و مدینہ کے درمیان راستہ میں ہوا۔ (ابن ہشام جلد ۳، ص ۳۳۳) ابن سعد کے بقول یہ سورۃ مقام ضجنان (یعنی مکہ سے تقریباً ۲۵ میل دور) میں نازل ہوئی (جلد ۲، ص ۹۸)

(۶۲) القرآن الحکیم سورۃ الفتح: ۱

(۶۳) ابن سعد جلد ۲، ص ۱۰۳

(۶۴) ایضاً

(۶۵) علامہ ابن قیم کے بیان کے مطابق اس سے پہلے سریہ نجد ہو چکا تھا جس میں یمامہ سے بنی حنیفہ کے سردار ثمامہ بن آثال الحنفی کو گرفتار کر کے لایا گیا تھا۔ رسول اللہؐ کے اصرار پر ثمامہ نے اسلام قبول کر لیا اس کا اسلام قبول کرنا قریش مکہ کے لیے جاں کنی ثابت ہوا کیوں کہ یمامہ مکہ کا پیداواری علاقہ تھا۔ ثمامہ نے (جوش اسلام میں) مکہ کی طرف غلہ بھیجنا بند کر دیا۔ اس سے قریش سخت تنگ آ گئے اور انہوں نے رسول اللہؐ سے قرابت داری کا واسطہ دے کر درخواست کی کہ ثمامہ

کو لکھیں کہ غلہ ان کی طرف بھیجا جائے چنانچہ آپؐ نے ازراہِ کرم گندم بھیجنے کی ہدایت فرمادی (زادالمعاد جلد ۲) بقول ڈاکٹر حمید اللہ اسی زمانے میں حجاز میں سخت قحط پڑا تھا اور اس موقع پر آپؐ نے قریش مکہ کی خاموشی دلداری کے کام جاری رکھے (رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ص ۸۶۔۸۷) پھر حدیبیہ سے پہلے تک رسول اللہ کی روانہ کی ہوئی متعدد مہموں کے نتیجے میں قریش کے لیے تمام شمالی علاقوں خصوصاً شام سے تجارت کرنا بالکل ناممکن ہو گیا تھا اور اسی لیے انہوں نے معاہدہ کی ایک دفعہ میں اس مشکل کے ازالہ کی کوشش کی۔

(۶۶) ابن سعد جلد ۲، ص ۹۲،۹۳ (سریہ عمرو بن امیہ الضمری)

(۶۷) ایضاً۔ ص ۹۵

(۶۸) طبری جلد ۲، ص ۶۲۲

(۶۹) ابو یوسف، ص ۲۰۸

(۷۰) ایضاً

(۷۱) احابیش عرب میں تیر انداز قبائل تھے سیاہ رنگ ہونے کی وجہ سے ان کو حبشیوں کی طرف منسوب کیا گیا یا یہ حبشی کی بناء پر کہلاتے ہیں جو مکہ کی ایک جانب ایک پہاڑ تھا (محمود شیت خطاب، ص ۲۶۶) اس کے علاوہ احابیش ان مختلف افراد پر بھی بولا جاتا تھا جو مختلف قبائل سے تعلق رکھتے ہوں۔

(۷۲) ابن ہشام جلد ۲، ص ۳۲۶

(۷۳) ایضاً

(۷۴) دیکھیے القرآن الحکیم سورۃ الفتح: ۲۶

(۷۵) ایضاً

(۷۶) پرویز، معراج انسانیت، ادارہ طلوع اسلام، لاہور، ۱۹۶۸ء، ص ۶۷۱

(۷۷) تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: ابن ہشام جلد ۳، ص ۳۲۷، ۳۲۸

(۷۸) ایضاً، ص ۳۳۲

(۷۹) ابن سعد جلد ۲، ص ۱۳۳

(۸۰) اس ضمن میں وہ جواب قابل ذکر ہے جو رسول اللہؐ نے حضرت عمرؓ کے استفسار پر دیا تھا۔ دیکھیے واقدی: ص ۳۹۷

(۸۱) القرآن الحکیم سورۃ الروم ۲

(۸۲) حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ص ۸۷

(۸۳) مودودی، ابوالاعلیٰ، مولانا، تفہیم القرآن، جلد ۵، ص ۳۱

(۸۴) قریش کی شکست میں ایک وجہ غالباً یہی تھی کہ وہ اب تک رسول اللہؐ اور مسلمانوں کو محض "ایک گروہ" سمجھتے رہے اور اس حقیقت سے صرف نظر کرتے رہے کہ ان کا مقابلہ اب محض ایک گروہ سے نہیں ہے بلکہ ایک "ریاست" سے ہے۔ (Margoliouth, p.56) غلطی کا احساس اب ہوا ہے مگر بے سود۔

(۸۵) یہ بات تو خود صلح نامہ میں موجود ہے۔ (دفعہ ۵)

(۸۶) محمود شیت خطاب، ص ۳۱۰

(۸۷) رسول اللہؐ حدیبیہ سے ذی قعدہ ۶ھ کی بالکل آخری تاریخوں میں واپس تشریف لائے اور پھر ذی الحجہ کے بعد محرم میں خیبر کے لیے تشریف لے گئے (ثم اقام رسول اللہ بالمدینہ حین رجع من الحدیبیہ ذاالحجۃ و بعض المحرم) ابن ہشام جلد ۳، ص ۳۴۲

(۸۸) اس کی مضبوطی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہود نے وہاں متعدد قلعے تعمیر کر رکھے تھے ان قلعوں کی تعداد مورخین نے مختلف بتائی ہے لیکن ابن سعد نے ۹ قلعوں کے نام لکھے ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیے (ابن سعد جلد ۲، ص ۱۰۶) علامہ شبلی نے خیبر کے قلعوں کی تعداد ۶ بتائی ہے اور ان کے نام سالم، قموص، نطاۃ، قصارہ، شق اور مربط لکھے ہیں (شبلی، سیرۃ النبیؐ، جلد ۱، ص ۳۸۲)

(۸۹) ابن ہشام جلد ۳، ص ۳۳۶، ۳۴۴، نیز ملاحظہ ہو: (Watt, Muhammad at Medina. p 93-217-218)

(۹۰) عموماً مورخین نے غزوہ خیبر کے لیے رسول اللہؐ کی روانگی محرم میں بتائی ہے لیکن ابن سعد نے اسے جمادی الاول سن ۷ھ کا واقعہ بتایا ہے (جلد ۲، ص

۱۰۲) ہوسکتا ہے رسول اللہؐ ربیع الثانی تک خیبر، فدک اور وادی القریٰ کے معاملات سے فارغ ہو کر جب مدینہ واپس پہنچے ہوں تو جمادی الاول کا مہینہ شروع ہو گیا ہو اور شاید اس بنا پر ابن سعد نے اس غزوہ کو جمادی الاول کا واقعہ بتایا ہو۔

(۹۱) ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ حدیبیہ کے سفر میں بھی تعداد یہی چودہ سو تھی کیوں کہ صلح حدیبیہ کے فوراً بعد نازل ہونے والی سورۃ الفتح میں رسول اللہ کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ خیبر کی مہم پر صرف انہیں لوگوں کو لے جائیں جو حدیبیہ میں آپؐ کے ساتھ تھے (الفتح ۱۵) اور رسول اللہؐ نے مدینہ سے چلتے وقت یہ اعلان کر دیا تھا کہ "ہمارے ہمراہ اس کے سوا کوئی نہ جائے جسے جہاد کا شوق ہو" (ابن سعد، جلد ۲، ص ۱۰۶)

(۹۲) ابن ہشام جلد ۳، ص ۳۴۴

(۹۳) ایضاً

(۹۴) ایضاً

(۹۵) ابن سعد جلد ۲، ص ۱۱۰

(۹۶) القرآن الحکیم سورۃ الفتح: ۱۸

(۹۷) ایضاً ۱۹

(۹۸) ایضاً ۲۱

(۹۹) ابن ہشام، جلد ۳، ص ۳۶۸

(۱۰۰) البلاذری (فتوح) ص ۴۱

(۱۰۱) ابن ہشام، جلد ۴، ص ۳۱، ۳۶

(۱۰۲) ابن سعد، جلد ۲، ص ۱۳۳

(۱۰۳) ایضاً

(۱۰۴) ابن ہشام جلد ۴، ص ۴۲

(۱۰۵) ایضاً۔ ابن سعد نے تصریح کی ہے کہ دن بدھ کا تھا اور آپؐ بعد عصر روانہ ہوئے۔ (ابن سعد، جلد ۲، ص ۱۳۵)

(۱۰۶) الفیل (۱تا۵)

(۱۰۷) البخاری

(۱۰۸) ابن ہشام جلد ۴، ص ۸۰

(۱۰۹) ایضاً، ص ۹۲

(۱۱۰) القرآن الحکیم سورۃ الفتح (۲۸)

(۱۱۱) ایضاً

(۱۱۲) ابن سعد، جلد ۲، ص ۱۳۵

(۱۱۳) اس کی پیش گوئی خود قرآن نے کر دی تھی: النصر (۱۔۲)

(۱۱۴) السعیدی، ص ۱۷۸

(۱۱۵) دیکھیے القرآن الحکیم: التوبہ (۳۳)، الفتح (۲۸)، النساء (۷۹)، الانبیاء (۱۰۷)، الاعراف (۱۵۸)، الاحزاب (۴۰)، سبا (۲۸) اور الفرقان (۱) وغیرہ وغیرہ۔

(۱۱۶) بخاری میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں دی گئیں یعنی:

(۱) مجھے رعب اور دھاک کے ذریعے سے فتح و نصرت دی گئی۔

(۲) میرے لیے تمام روئے زمین سجدہ گاہ بنائی گئی

(۳) غنیمت کا مال میرے لیے حلال کیا گیا اور مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کے لیے حلال نہ تھا۔

(۴) مجھے شفاعت کا درجہ عنایت ہوا۔

(۵) مجھ سے پہلے انبیاء خاص اپنی اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتے تھے اور میں تمام دنیا کے لیے مبعوث ہوا (البخاری، جلد۱، ص۲۲، کتاب الصلوٰۃ)

(۱۱۷) اظہار دعوت کے موقع پر دیکھیے رسول اللہؐ کا پہلا خطبہ بمقام صفا، جس میں صاف فرما دیا کہ: واللّٰه الذی لا الٰه الا هو انی رسول اللّٰه الیکم خاصةً والی الناس عامة (ابن اثیر جلد۲ ص۶۱) نیز دیکھیے: ذکی صفوت، احمد جمہرۃ خطب العرب فی عصور العربیۃ الزاہرہ۔ مطبعۃ مصطفیٰ البابی، مصر، ۱۹۳۳ء، جلد۱، ص۵۱

(۱۱۸) ابن ہشام جلد۲، ص۲۵۴

(۱۱۹) ایضاً

(۱۲۰) ابن سعد جلد۱، ص۲۵۸۔ ابن ہشام نے بتصریح لکھا ہے کہ حدیبیہ سے فارغ ہو کر رسول اللہؐ نے خطوط و رسائل بھیجے (جلد۲، ص۲۵۴) اور یہ واضح ہے کہ حدیبیہ سے فراغت ذی الحجہ ۶ھ کے اواخر یا محرم ۷ھ کے اوائل میں ہوئی (ابن حبیب بغدادی، ص۱۱۵) اس لیے محرم ۷ھ میں ارسال مکاتیب قرین صحت ہے۔ البتہ بعض مورخین نے اسے ۶ھ کا واقعہ بتایا ہے۔ مثلاً طبری (ج۲، ص۶۴۴) اور ابن کثیر (البدایہ والنہایہ، مکتبۃ المعارف، بیروت، ۱۹۶۶ء، جلد۴، ص۲۶۲) لیکن اپنے بیان و تفصیل میں سن ۷ھ کی تصریح و ترجیح بھی قائم کردی ہے۔

(۱۲۱) ابن سعد جلد۱، ص۲۵۸۔ ابن سعد نے جن چھ قاصدوں کا ذکر کیا ہے ان میں عمرو بن امیہ الضمری، دحیہ الکلبی، عبداللہ بن حذافہ، حاطب بن ابی بلتعہ، شجاع بن وہب اور سلیط بن عمرو شامل ہیں جن کو بالترتیب نجاشی، قیصر روم، کسریٰ، شاہ مصر، ابن شمر الغسانی اور ہوذہ بن علی الحنفی کے پاس خطوط دے کر بھیجا گیا (ایضاً ص۲۵۸ تا ۲۶۲) ابن ہشام نے اس کے مقابلے میں تفصیل کچھ زیادہ دی ہے اور مزید قاصدوں میں عمرو بن العاص، علاء بن الحضرمی اور مہاجر بن امیہ کا ذکر کیا ہے جن کو علی الترتیب سربراہ عمان، حاکم بحرین اور حاکم یمن کی جانب روانہ کیا گیا۔ علاوہ ازیں ابن ہشام نے سلیط بن عمرو کو ثمامہ بن آثال اور ہوذہ بن علی دونوں کی جانب سفیر مانا ہے اور شجاع بن وہب کے لیے لکھا ہے کہ انہیں حارث بن ابی شمر کے ساتھ ساتھ جبلہ بن ایہم کی طرف بھی بھیجا گیا تھا۔ (ایضاً ص۲۵۴، ۲۵۵)

(۱۲۲) ایضاً

(۱۲۳) طبری، جلد۲، ص۶۴۵

(۱۲۴) ترمذی۔ ابو عیسیٰ، جامع الترمذی، اصح المطابع (کتب خانہ رشیدیہ) دہلی، جلد۲، ص۹۶ (ابواب الاستیذان والادب عن رسول اللہ ﷺ) اس حدیث کو مسلم نے بھی معمولی سے تغیر کے ساتھ نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: مسلم بن الحجاج، القشیری، الصحیح، اصح المطابع، دہلی ۱۳۴۹ھ، جلد۲، ص۹۹، کتاب الجہاد والسیر)

(۱۲۵) طبری جلد۲، ص۶۴۸، مسلم نے بھی ابو سفیان کا یہ قول ایک طویل حدیث میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے کہ: لقد امر امر ابن ابی کبشة انه لیخافه ملک بنی الاصفر (مسلم، جلد۲، ص۹۹)

(۱۲۶) البخاری، جلد۲، ص۶۵۴، نیز ابن سعد جلد۱، ص۲۶۱

(۱۲۷) الحلبی، جلد۳، ص۲۸۱

(۱۲۸) طبری جلد۲، ص۶۵۴، ۶۵۵

(۱۲۹) ابو عبید، جلد۱، ص۲۲ فقرہ ۵۶، نیز الحلبی جلد۳، ص۲۸۱۔ واضح رہے کہ اس فقرہ کو اہل کتاب کے قبول اسلام کے لیے بھی سمجھا جاسکتا ہے یعنی ایک تو اپنے اسرائیلی مذہب کے ماننے کا ثواب اور دوسرا قبول اسلام کا ثواب دوہرا۔ لیکن ہماری موجودہ بحث کے سیاق و سباق میں اسے رعایا کے تعلق سے عام معنوں میں لینا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے یعنی ایک اجر ذاتی قبول دین کا اور دوسرا اجر اس کے اتباع میں قوم کے اسلام کا۔

(۱۳۰) دحیہ کلبی کے ذریعے قیصر روم کو مکتوب پہنچانے کی روایت عام طور پر تمام ماخذ میں منقول ہے (مثلاً ابن ہشام جلد۲، ص۲۵۴، ابن سعد جلد۱، ص۲۵۹ وغیرہ) لیکن ایک روایت یہ بھی ہے کہ دحیہ کے ساتھ ساتھ عدی بن حاتم کو بھی روانہ کیا گیا جو اس وقت تک اگرچہ نصرانی تھے لیکن دحیہ کی معیت میں گئے تھے (زرقانی جلد۳، ص۳۳۵) خط کے متن کے لیے ملاحظہ ہو: ابو عبید (جلد۱، ص۲۲، ۲۳، ۲۴، فقرہ ۵۶، ۵۹) البخاری (جلد۲، ص۶۵۴، کتاب التفسیر) مسلم (جلد۲، ص۹۸۔۹۹ کتاب الجہاد والسیر) ترمذی (جلد۲، ص۹۶ ابواب الاستیذان والادب) نیز طبری (جلد۲، ص۶۴۹) وغیرہ۔ طبری نے متن میں دوسروں کے

برخلاف یہ جملہ نقل کیا ہے کہ وہاں قول فان اسلم فلاکار بی ملیک (ایضاً) ابن طولون نے لکھا ہے کہ جب قیصر کے سامنے رسول اللہ کا مکتوب گرامی پڑھا گیا تو اس نے یہ کہا کہ ھذا کتاب لم اسمع بہ بعد سلیمان النبی بسم اللہ الرحمن الرحیم (ابن طولون، شمس الدین محمد بن علی بن محمد۔ اعلام السائلین عن کتب سید المرسلین، مکتبۃ القدس، دمشق، ۱۳۴۸ھ، ص ۱۳) یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ رسول اللہؐ نے قیصر روم کے نام ایک دوسرا مکتوب اور سفارت تبوک سے بھی بھیجی تھی۔ ابو عبید (جلد ۱، ص ۲۲،۲۱ فقرہ ۵۵)

(۱۳۱) ابن سعد جلد ۱، ص ۲۵۸ (سب سے پہلے انہی کو روانہ کیا گیا) متن کے لیے ملاحظہ ہو: طبری، جلد ۲، ص ۶۵۲۔ نجاشی نے اس کا جواب رسول اللہ کی خدمت میں بھیجا تھا (ایضاً، ص ۶۵۲، ۶۵۳)

(۱۳۲) ابن سعد، جلد ۱، ص ۲۶۰ تا ۲۶۱۔ الحلبی، جلد ۳، ص ۲۸۱

(۱۳۳) ابن ہشام جلد ۲، ص ۲۵۴، طبری جلد ۲، ص ۶۵۲۔ نیز دیکھیے: حمید اللہ، الدکتور محمد، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ فی العہد النبوی والخلافۃ الراشدۃ، مطبعۃ لجنۃ التالیف والترجمۃ والنشر، قاہرہ ۱۹۴۱ء، ص ۴۱ (مکتوب ۴۷)

(۱۳۴) ابن ہشام کے مطابق جبلہ کے لیے خط لے کر شجاع بن وہب گئے تھے (جلد ۲، ص ۲۵۵) نیز حمید اللہ (الوثائق) ص ۴۲

(۱۳۵) ابن سعد، جلد ۱، ص ۲۸۱

(۱۳۶) ایضاً، ص ۲۷۶۔ نیز حمید اللہ (الوثائق) ص ۴۲، ۴۳

(۱۳۷) ان کے نام خطوط کی تفصیل و متن کے لیے ملاحظہ ہو: حمید اللہ (الوثائق، ص ۴۲ تا ۴۹)

(۱۳۸) طبری، جلد ۲، ص ۶۵۴، ۶۵۵

(۱۳۹) ابن ہشام جلد ۲، ص ۲۵۴۔ ابن سعد جلد ۱، ص ۲۶۲، نیز حمید اللہ (الوثائق) ص ۶۵

(۱۴۰) ابن ہشام جلد ۲، ص ۲۵۴۔ ابن سعد جلد ۱، ص ۲۷۲۔۲۷۶، نیز حمید اللہ (الوثائق) ص ۵۵، ۵۶، ۵۷ اور ۶۳

(۱۴۱) ابن حبیب بغدادی، ص ۷۷، نیز حمید اللہ (الوثائق) ص ۵۹

(۱۴۲) حمید اللہ (الوثائق) ص ۵۳

(۱۴۳) ایضاً، ص ۱۳۷

(۱۴۴) عمان پر اس زمانے میں جلندی کے دو بیٹوں جیفر و عیاذ (یا جیفر و عبد۔ ابن حبیب بغدادی، ص ۷۷) کی حکمرانی تھی ان دونوں بھائیوں کی طرف حضرت عمرو بن العاص رسول اللہ کا مکتوب لے کر گئے (ابن ہشام جلد ۲، ص ۲۵۴) تھوڑی سی رد و کد کے بعد ان دونوں بھائیوں نے اسلام قبول کر لیا۔ عمرو بن العاص زکوٰۃ اور وصولی کے لیے وہیں ٹھہر گئے یہاں تک کہ جب رسول اللہ کا وصال ہوا تو یہ وہیں تھے۔ (ابن سعد جلد ۱، ص ۲۶۳)

(۱۴۵) بحرین کا حاکم منذر بن ساوی تھا، رسول اللہؐ نے علاء بن الحضرمی کو قاصد بنا کر بھیجا تھا۔ (ابن ہشام جلد ۲، ص ۲۵۴) اسے جعرانہ سے واپسی پر روانہ کیا گیا تھا اور یہ لکھا تھا کہ: "تم جب تک اصلاح کرتے رہو گے تمہیں تمہارے عہدے سے نہیں ہٹائیں گے۔" (ابن سعد، جلد ۱، ص ۲۶۳) یہاں چونکہ سلطنت ایران کے اثر سے مجوس و یہود بھی رہتے تھے اس لیے ان پر جزیہ عائد کیا گیا (ایضاً)

(۱۴۶) یمن کا صوبہ ایران کے زیر اثر تھا۔ وہاں کا عامل باذان تھا۔ رسول اللہ کا مکتوب جس وقت کسریٰ کو ملا تھا تو اس نے اسے پھاڑ کر باذان کو لکھا تھا کہ وہ دو بہادر آدمیوں کو بھیجو جو اس گستاخ شخص کو گرفتار کر کے میرے سامنے حاضر کرے جس نے مجھے خط لکھنے کی جرأت کی ہے۔ باذان نے شہنشاہ کے حکم کی تعمیل میں دو اشخاص کو رسول اللہ کی گرفتاری کے لیے مدینہ بھیجا۔ یہ دونوں حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہؐ نے انہیں کسریٰ کے قتل کی خبر دی۔ وہ اس خبر کو لے کر باذان کے پاس واپس گئے تو باذان اور وہ سب مولد قبائل جو یمن میں ابناء کہلاتے تھے اسلام لے آئے۔ ملاحظہ ہو: ابن سعد جلد ۱، ص ۲۶۰ اور طبری جلد ۲، ص ۶۵۵

(۱۴۷) ابن ہشام، جلد ۲، ص ۲۵۴

(۱۴۸) ابن سعد، جلد ۱، ص ۲۶۲

(۱۴۹) ایضاً

(۱۵۰) ابن ہشام جلد ۲، ص ۲۵۴

(۱۵۱) ابن سعد جلد ۱، ص ۲۶۰

(۱۵۲) ایضاً جلد ۲، ص ۱۲۸۔ طبری جلد ۲، ص ۶۵۵

(۱۵۳) طبری جلد ۲، ص ۶۵۶

(۱۵۴) ابن سعد جلد ۲، ص ۱۲۸

(۱۵۵) ایضاً

(۱۵۶) ایضاً

(۱۵۷) واضح رہے کہ اس سے پہلے یہ واقعہ ہو چکا تھا کہ ربیع الاول ۸ ہجری میں (یعنی موتہ سے بمشکل ایک ماہ قبل) رسول اللہؐ نے ۱۵ آدمیوں کا ایک وفد حضرت کعب بن عمیر الغفاریؓ کی قیادت میں سرحد شام سے متصل قبائل میں دعوت اسلام دینے کے لیے روانہ کیا تھا۔ یہ قبائل زیادہ تر عیسائی تھے اور رومی سلطنت کے زیر اثر تھے ان کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ ان لوگوں نے اسلام قبول کرنے کے بجائے وفد پر تیروں سے بارش کی مجبوراً اہل وفد کو بھی مقابلہ کرنا پڑا لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس وفد کے تمام آدمی قتل ہو گئے صرف ایک (قائد وفد) باقی بچے اور رسول اللہؐ کے پاس پہنچے اور واقعہ عرض کیا۔ (ایضاً، ص ۱۲۷، ۱۲۸)

(۱۵۸) اس عظیم الشان فوج میں شمالی عرب کے سرحدی قبائل مثلاً بہراء، وائل، بکر، لخم، جذام وغیرہ کے لوگ بھی شامل تھے (تفصیل: ابن سعد، جلد ۲، ص ۱۲۹) ڈاکٹر حمید اللہ نے لکھا ہے کہ یہ مذکورہ قبائل نیز کلب، تغلب، قین، بلی اور قضاعہ وغیرہ) رومی بازنطینی سلطنت کے زیر اثر تھے اور جن کو قیصر روم کی طرف سے سالانہ ۱۵ سیر سونا بطور وظیفہ ملتا تھا۔ (رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ص ۱۷۲)

(۱۵۹) مودودی، ابوالاعلیٰ، مولانا، تفہیم القرآن، جلد ۲، ص ۱۶۸، ۱۶۹

(۱۶۰) ابن سعد، جلد ۲، ص ۱۳۱

(۱۶۱) ایضاً، ص ۱۶۵

(۱۶۲) ابو عامر راہب کا تعلق قبیلۂ اوس سے تھا۔ قبیلہ میں برتری اور بڑا اثر و رسوخ رکھتا تھا۔ اس کا پورا نام ابو عامر عبد عمرو صیفی بن النعمان تھا جو بنی ضبیعہ بن زید میں سے تھا۔ یہی شخص حنظلہ الغسیل کا باپ تھا، ابو عامر نے زمانہ جاہلیت ہی میں رہبانیت اختیار کر لی تھی۔ موٹے کپڑے پہنا کرتا اور راہب کہلاتا تھا (ابن ہشام جلد ۲، ص ۲۳۴) رسول اللہؐ مدینہ پہنچے تو اس کی اہمیت و برتری ختم ہو گئی اور عبد اللہ بن ابی کی طرح اس کے دل میں بھی کینہ پیدا ہو گیا بلکہ اس معاملہ میں ابن ابی سے آگے بڑھ گیا۔ اسے کسی قیمت پر اسلام اور رسول اللہ کی برتری و سیادت منظور نہ تھی اس لیے اپنے دس ہم مشرب آدمیوں کو لے کر مکہ چلا گیا۔ رسول اللہؐ نے مکہ فتح فرمایا تو وہاں سے طائف بھاگا لیکن طائف کے لوگوں نے بھی اسلام قبول کر لیا تو شام میں جا بسا اور پھر اس کی زندگی کا سورج بھی وہیں غروب ہو گیا۔ (ایضاً، ص ۲۳۵)

(۱۶۳) ابن سعد، جلد ۲، ص ۱۶۶

(۱۶۴) ایضاً

(۱۶۵) مودودی، ابوالاعلیٰ، مولانا، تفہیم القرآن، جلد ۲، ص ۱۷۰، ۱۷۱

(۱۶۶) ابو عبید، جلد ۱، ص ۲۱، ۲۲، فقرہ ۵۵۔ ابو عبید کہتے ہیں کہ آپ کی یہ عبارت کہ بصورت دیگر تم فلاحین اور اسلام کے درمیان حائل نہ ہو، سے مراد خاص طور پر کاشتکار اور کسان طبقہ نہیں ہے بلکہ اس سے مراد اس کی مملکت کے تمام باشندے ہیں (ایضاً) ابو عبید کے متن میں قرآن کی جس آیت کو نقل کیا گیا ہے وہ سورۂ توبہ کی ۲۹ آیت ہے۔

(۱۶۷) ڈاکٹر حمید اللہ نے لکھا ہے کہ: "قیصر کا جواب جو یعقوبی نے محفوظ کیا ہے اور جس میں قیصر کے اسلام کا اعلان ہے صریحاً فرضی معلوم ہوتا ہے کہ کیوں کہ بعد کے واقعات اس کی تائید نہیں کرتے علاوہ بریں قیصر کا خط بزنطینی اسلوب میں ہونا چاہیے حالانکہ یہ جواب خالص عربی بدوی انداز میں ہے۔" (رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ص ۱۸۰)

(۱۶۸) ابن ہشام جلد ۲، ص ۱۶۹)

(۱۶۹) البلاذری (فتوح) ص ۶۶

(۱۷۰) ابن ہشام، جلد ۲، ص ۱۶۹، نیز دیکھیے: البلاذری (فتوح) ص ۶۶

(۱۷۱) ابن ہشام، جلد ۲، ص ۱۷۰، نیز دیکھیے: البلاذری (فتوح) ص ۶۸

(۱۷۲) مصالحت کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: البلاذری (فتوح) ص ۶۶، ۶۷

(۱۷۳) ابن ہشام، جلد ۴، ص ۱۵۳

(۱۷۴) محمود شیت خطاب، ص ۴۹۹

(۱۷۵) القرآن الحکیم سورۃ التوبہ: ۷۳

(۱۷۶) سویلم الیہودی کا گھر جاسوم میں تھا۔ منافقین وہاں جمع ہو کر مسلمانوں کو تبوک میں جانے سے روکنے کی سازشیں کرتے تھے چنانچہ رسول اللہؐ نے طلحہ بن عبید اللہ اور کچھ دوسرے صحابہؓ کو اسے جلانے اور منہدم کرنے کے لیے بھیجا تھا (ابن ہشام، جلد ۴، ص ۱۶۰)

(۱۷۷) ابن اسحاق کے قول کے مطابق رسول اللہؐ جب ذی اوان پہنچے جو مدینہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر تھا تو آپؐ نے مسجد ضرار کو ڈھانے کے لیے چند صحابہؓ کو روانہ فرمایا تھا۔ (ایضاً، ص ۱۷۳) ان میں سے دو کے نام ابن ہشام نے دیے ہیں یعنی مالک بن الدخشم اور معن بن عدی یا اس کا بھائی عاصم بن عدی (ایضاً، ص ۱۷۳) جن منافقین نے اس مسجد کی بنیاد ڈالی اور بنایا ان کی تعداد تقریباً بارہ ہے (ناموں کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ایضاً، ص ۱۷۳) منافقین اس مسجد کی آڑ میں جو کھیل کھیلنا چاہتے تھے اس کی منصوبہ بندی میں عبداللہ بن ابی اور منافقین کے دوسرے اکابرین کے علاوہ ابو عامر راہب کا دماغ بھی شامل تھا، جس کے بارے میں ہم بتا چکے ہیں کہ وہ پہلے مدینہ سے بھاگ کر مکہ گیا تھا جہاں مسلمانوں کے خلاف جنگوں میں کفار و مشرکین کا حامی و ناصر بنا رہا اور پھر شام میں جا کر رومیوں کو ریاست اسلامی پر حملہ کے لیے بھڑکاتا رہا بہر حال مسجد ضرار کا مدعا یہ تھا کہ ایک طرف تو ابو عامر کی اسلام دشمن سرگرمیوں کو مدد پہنچائی جا سکے اور دوسری طرف ایک ایسا محفوظ مقام میسر آ جائے جہاں عام مسلمانوں سے بچ کر وہ جمع ہو سکیں۔ وہاں ساز و سامان جمع کر سکیں اور ان سب پر مذہب کا پردہ بھی پڑا رہے مختصر یہ کہ مسجد ضرار کی تعمیر جیسا کہ قرآن نے کہا ہے خالص ناپاک سازش کے تحت عمل میں آئی تھی۔ (التوبہ ۱۰۷ تا ۱۱۰) مزید برآں منافقین نے اپنے اعمال بد کی مکمل پردہ پوشی کی غرض سے یہ جسارت بھی کروائی کہ رسول اللہؐ پر اس کے افتتاح کے لیے زور ڈالا جائے۔ اس سلسلے میں انہوں نے معصومانہ انداز سے خدمت نبویؐ میں یہ عرض کیا کہ اس سے بارش میں اور سرد راتوں میں عام لوگوں خصوصاً ضعیفوں اور معذوروں کو آسانی ہو جائے گی جو مسجد نبویؐ اور مسجد قبا سے دور رہتے ہیں اور جن کو ان مساجد میں وقت پر حاضری میں مشکل ہوتی ہے۔ رسول اللہؐ نے ان کی اس درخواست کو ٹال دیا اور یہ فرمایا کہ "اس وقت میں جنگ کی تیاری میں مشغول ہوں اور ایک بڑی مہم درپیش ہے اس سے واپس آ کر دیکھوں گا۔" اس کے بعد آپ تبوک روانہ ہو گئے اور آپ کی عدم موجودگی میں یہ اپنی حرکتیں کرتے رہے لیکن اس سے پہلے کہ یہ مزید کوئی گل کھلاتے رسول اللہؐ نے تبوک سے واپسی میں اس کے منہدم کرنے کا حکم دے دیا۔

(۱۷۸) القرآن الحکیم سورۃ التوبہ: ۸۴

(۱۷۹) القرآن الحکیم سورۃ التوبہ ۹۷ تا ۱۰۱

(۱۸۰) مودودی، ابو الاعلیٰ، مولانا، تفہیم القرآن، جلد ۲، ص ۱۷۱

(۱۸۱) سورۃ توبہ کے مباحث، مضامین اور اس کے مختلف اجزاء پر تفصیلی بحث کے لیے دیکھیے: ایضاً، ص ۱۶۹ تا ۱۷۳

(۱۸۲) بیت اللہ کی تطہیر اور اس میں موجود تمام بتوں کو خود رسول اللہؐ نے اپنے ہاتھوں سے سرنگوں کیا۔ آپؐ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جس کی ضرب ہر بت پر مارتے تھے اور جاء الحق و زھق الباطل...... الخ پڑھتے جاتے تھے۔ (ابن ہشام جلد ۴، ص ۵۹۔ ابن سعد ج ۲، ص ۱۳۶۔ خانہ کعبہ کی تصویروں کو بھی مٹا دیا گیا (ابن ہشام ج ۴ ص ۵۵)) خانہ کعبہ کی تطہیر کے علاوہ دوسرے اہم مقامات پر جو کئی بت نصب تھے اور اہل عرب جن کی پرستش کرتے تھے ان کو ڈھانے کے لیے آپؐ نے فتح مکہ کے ساتھ ہی صحابہؓ کو روانہ فرمایا جن میں سے حضرت خالدؓ بن ولید کو تہامہ کی جانب (ایضاً، ص ۷۱) اور عزیٰ کے انہدام کے لیے بھی (ابن سعد جلد ۲، ص ۱۳۵، ۱۳۶) علی ابن ابی طالب کو ہو جزیمہ کی طرف (ابن ہشام جلد ۴، ص ۷۲، ۷۳) پھر رسول اللہؐ نے سعد بن زید الاشہلی کو بجانب مناۃ رمضان ۸ ہجری میں ہی روانہ کیا۔ عمرو بن العاص کو سواع کی جانب بھیجا اور اسی طرح سے دوسرے بتوں مثلاً بوانہ، ذوالکفین وغیرہ کا قصہ ختم کرنے کے لیے صحابہؓ کو مقرر کیا۔
(ابن سعد، جلد ۲، ص ۱۳۷)

(۱۸۳) القرآن الحکیم سورۃ التوبہ: ۱

(۱۸۴) ایضاً ۴، ۷، ۱۰، ۱۲، ۱۳

(۱۸۵) ایضاً ۱ تا ۵

(۱۸۶) ایضاً ۱۷ تا ۱۸

(۱۸۷) ایضاً ۱۸، ۲۹، ۳۲

(۱۸۸) ایضاً ۳۶، ۳۷

(۱۸۹) ابن سعد جلد ۱، ص ۲۹۱

(۱۹۰) ایضاً، ص ۲۹۹

(۱۹۱) ان وفود کے نام یہ ہیں: (۱) وفد حریش (ایضاً جلد ۱، ص ۲۹۱)، (۲) وفد اشجع (ایضاً ص ۳۰۶)، (۳) وفد الاشعرین (ایضاً ص ۳۴۸)، (۴) وفد جذام (ایضاً ص ۳۵۴)، (۵) وفد جعفیہ (ایضاً ص ۳۳۳)، (۶) وفد ازد (ایضاً ص ۳۳۷)، (۷) وفد ثعلبہ (ایضاً ص ۲۹۸)، (۸) وفد باہلہ (ایضاً ص ۳۰۸)، (۹) وفد سلیم (ایضاً ص ۳۰۷)، (۱۰) وفد ثقیف (ایضاً ص ۳۱۲)، (۱۱) وفد صداء (ایضاً ص ۳۲۶) (۱۲) وفد خشین (ایضاً ص ۳۲۹)، (۱۳) وفد غامد (ایضاً ص ۳۳۱)، (۱۴) وفد سعد بن بکر (ایضاً ص ۲۹۹)، (۱۵) وفد اسد (ایضاً ص ۲۹۲)

(۱۹۲) ابن سعد جلد ۱، ص ۲۹۷

(۱۹۳) ایضاً جلد ۱، ص ۳۳۳

(۱۹۴) ایضاً ص ۳۲۳

(۱۹۵) ایضاً ص ۳۳۳

(۱۹۶) ایضاً ص ۳۲۸

(۱۹۷) ایضاً ص ۳۲۹

(۱۹۸) ایضاً ص ۳۲۳

(۱۹۹) ایضاً ص ۳۲۷

(۲۰۰) ایضاً ص ۲۹۳

(۲۰۱) ایضاً ص ۳۰۰

(۲۰۲) ایضاً ص ۳۰۴

(۲۰۳) ایضاً ص ۳۲۳

(۲۰۴) ایضاً ص ۳۵۶

(۲۰۵) ایضاً ص ۳۴۱ تا ۳۵۹

(۲۰۶) حجۃ الوداع کے موقع پر آپ کا خطبہ ہم نے طوالت کے سبب نقل نہیں کیا۔

(۲۰۷) القرآن الحکیم سورۃ ۵ سورۃ المائدۃ ۳

(۲۰۸) الاحزاب: ۳۲، ۳۳، یہی مضمون الصف ۸، میں بیان کیا گیا ہے۔

باب سوم

﴿فصل چہارم﴾

اسلامی تاریخ کے عسکری اور سیاسی معاہدوں پر صلح حدیبیہ کے اثرات:

جیسا کہ ہم واضح کر چکے ہیں کہ۔۔۔۔رسول اللہ ﷺ کی بعثت سارے عالم کے لیے تھی اور آپ ﷺ تمام دنیا کو امن و سلامتی سے ہمکنار کرنے آئے تھے لہٰذا آپ ﷺ کی کوششیں صرف داخلی امن و امان کے قیام، عدل کے فروغ اور فتنہ فساد کے دفعیہ تک محدود نہ تھیں اور نہ آپ ﷺ کا منشا محض مفاد کا تحفظ تھا بلکہ آپ ﷺ کی حکومت کا قیام تمام انسانوں کی فلاح و نجات کے لیے عمل میں آیا تھا چنانچہ ان مقاصد کے حصول کے لیے رسول اللہ ﷺ نے اندرون عرب اور بیرون عرب کی چھوٹی بڑی طاقتوں، معاصر بادشاہوں اور امراء و روساء سے مناسب موقع ملتے ہی ربط پیدا کیا، انھیں دین حق کی دعوت دی، ضرورت کے تحت ان سے معاہدے کیے اور خط و کتابت کے ذریعے انھیں باضابطہ امن و سلامتی کا پیغام پہنچایا۔ چنانچہ ہجرت کے کچھ ہی عرصے بعد بنو ضمرہ اور جہینہ سے معاہدے، نجاشی سے خطوط کا تبادلہ، ہرقل اور کسریٰ کے نام خطوط کی ترسیل وغیرہ کا مدعا یہی تھا۔(۱)

اس ضمن میں سب سے اہم ترین کردار رسول اکرم ﷺ کے امن و صلح پر مبنی اور پُر امن بقائے باہمی کے تحت کیے جانے والے معاہدات نے ادا کیا۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے معاہدات کے سلسلے میں کبھی بھی اور کوئی بھی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا اور معاہدات کے ذریعہ سیاسی کامیابیاں حاصل کرتے چلے گئے۔ اس ضمن میں معاہدہ جہینہ، معاہدہ حدیبیہ، معاہدہ ثقیف، معاہدہ دومۃ الجندل، معاہدہ مقنا، اور معاہدہ نجران وغیرہ کو بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے۔(۲)

معاہدات نبوی ﷺ میں سب سے اہم اور حیران کن اثرات صلح حدیبیہ نے مرتب کیے اور یہ اثرات تاریخ اسلام کے تمام معاہدات اور امن و صلح کا احاطہ کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں جیسا کہ ہم واضح کر چکے ہیں کہ صلح حدیبیہ دراصل پُر امن بقائے باہمی کے تحت کیا جانے والا وہ معاہدہ تھا جس کی بنیادیں وسیع النظری، وسیع القلبی، حسن سلوک، رواداری اور روشن خیالی اعتدال پسندی پر قائم تھیں، جس کی وسعت قلب و ظرف کے سبب غیر مسلم اسلام کے دامن لطف و کرم میں سمٹتے چلے گئے اور اسلام نہ صرف عرب بلکہ پوری دنیا میں تیزی کے ساتھ پھیلتا چلا گیا اس لیے قرآن حکیم نے اسے "فتح مبین" سے تعبیر کیا۔ بلکہ نامور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اسے سیاست نبوی ﷺ کا شاہکار قرار دیا۔(۳) حالانکہ جس وقت معاہدہ طے پارہا تھا تب مسلمان اس معاہدے کی حکمت اور رسول اکرم ﷺ کی سیاسی بصیرت اور اللہ کی مصلحت کو سمجھنے سے قاصر تھے۔ جب کہ اللہ کے رسول ﷺ مستقبل کی آنکھ سے تمام کامیابیوں اور کامرانیوں کو وقوع پزیر ہوتے ہوئے دیکھ رہے تھے اور پر سکون اور مطمئن تھے، تاہم مسلمانوں پر ایک اضطرابی کیفیت طاری تھی لیکن

سورۂ فتح کا نزول اور پھر آنے والے حالات، واقعات و اثرات نے مسلمانوں پر صلح حدیبیہ کی اہمیت کو اچھی طرح مکمل طور پر واضح کر دیا اور چونکہ سیرت نبوی ﷺ تمام مسلمانوں کے لیے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔(۴) لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ سیرت نبوی ﷺ کے اس پہلو نے تمام مسلمانوں کی سیاسی و عسکری زندگی پر گہرے اثرات مرتب کئے چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد عمل میں آنے والے تاریخ اسلام کے تمام معاہدات امن و صلح میں ہمیں اس تاریخ ساز معاہدے کی واضح جھلک نظر آتی ہے۔ گویا یہ معاہدہ بعد کے تمام معاہدات امن و صلح کی بنیاد قرار پایا۔ اور ایک مکمل مثال ثابت ہوا۔

نیز انتہائی کلیدی کردار ادا کرتے ہوئے بڑے اہم اور قوی اعتبار سے اثر انداز ہوا ان معاہدات کے ذریعے اسلام نے غیر مسلم اقلیتوں اور ذمیوں کو بڑے حقوق دیے جو کہ مثالی ہیں اور اس طرح ان کے دلوں کو فتح کر لیا۔ نیز غیر مسلموں کے قبول اسلام کی شرح میں ریکارڈ اضافہ ہوا اور اسلامی ریاست مختصر عرصے میں کرۂ ارض کے طول و عرض میں پھیل گئی۔(۵) اور ثابت ہو گیا کہ اسلام جنگ کا نہیں بلکہ امن و صلح و سلامتی کا دین ہے لہٰذا یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اسلام کا بحیثیت دین امن و سلامتی ایک مختصر جائزہ لیں، اس جائزے میں پیش کی جانے والی دین اسلام کی خصوصیات ہی دراصل ان معاہدات کا اصول اور بنیاد تھیں۔ اس جائزے کی روشنی میں ہم موضوع کی اہمیت کے اعتبار سے تاریخ اسلام کے چیدہ چیدہ معاہدات امن و صلح کا بھی تذکرہ کریں گے جس کی بدولت ہمیں ان معاہدات پر صلح حدیبیہ کے اثرات کا بھی بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔

پر امن بقائے باہمی کے تحت کیے جانے والے نبوی ﷺ معاہدات کی بنیادیں، اصول اور خصوصیات:

اسلام شرف انسانیت کا علم بردار دین ہے، ہر فرد سے حسن سلوک کی تعلیم دینے والے دین میں کوئی ایسا اصول یا ضابطہ روا نہیں رکھا گیا جو شرف انسانیت کے منافی ہو۔

دیگر طبقات میں معاشرہ کی طرح اسلامی ریاست میں اقلیتوں کو بھی ان تمام حقوق کا مستحق قرار دیا گیا ہے، جن کا ایک مثالی معاشرے میں تصور کیا جا سکتا ہے۔ اقلیتوں کے حقوق کی اساس معاملات دین میں جبر و اکراہ کے عناصر کی نفی فراہم کی گئی:

﴿لَآ إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَن يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انفِصَامَ لَهَا وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ.﴾(۶)

"دین میں کوئی زبردستی نہیں، بے شک ہدایت گمراہی سے واضح طور پر ممتاز ہو چکی ہے، سو جو کوئی معبودانِ باطل کا انکار کر دے اور اللہ پر ایمان لے آئے تو اس نے ایک ایسا مضبوط حلقہ تھام لیا جس کے لیے ٹوٹنا (ممکن) نہیں، اور اللہ خوب جاننے والا ہے۔"

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا:

لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ.(۷)

"(سو) تمہارا دین تمہارے لیے اور میرا دین میرے لیے ہے۔"

اسلامی معاشرے میں اقلیتوں کے حقوق کو کتنی زیادہ اہمیت دی گئی ہے، اس کا اندازہ حضور نبی کریم ﷺ کے اس فرمان مبارک سے

ہوتا ہے۔

الا من ظلم معاهداً و انتقصه او كلّفه فوق طاقته او اخذ منه شيئاً بغير طيب نفس فانا حجيجه يوم القيامة.(٨)

"خبردار! جس کسی نے کسی معاہد (اقلیتی فرد) پر ظلم کیا یا اس کو اس کی استطاعت سے زیادہ تکلیف دی یا اس کی رضا کے بغیر اس سے کوئی چیز لی تو بروز قیامت میں اس کی طرف سے (مسلمان کے خلاف) جھگڑوں گا۔"

صرف ایک تنبیہ ہی نہیں بلکہ ایک قانون ہے جو حضور نبی اکرم ﷺ کے دور مبارک میں جاری تھا، جس پر بعد میں بھی عمل درآمد ہوتا رہا اور اب بھی یہ اسلامی دستور مملکت کا ایک حصہ ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے:

انّ رجلاً من المسلمين قتل رجلاً من اهل الكتاب، فرفع الى النبى ﷺ، فقال رسول الله ﷺ: انا احق من وفى بذمته، ثم امر بقتله، فقتل.(٩)

"ایک مسلمان نے اہل کتاب کو قتل کر دیا اور وہ مقدمہ حضور نبی کریم ﷺ کے پاس فیصلے کے لیے آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اہل ذمہ کا حق ادا کرنے کا سب سے زیادہ ذمہ دار ہوں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے قاتل کے بارے میں قتل کرنے کا حکم دیا اور اسے قتل کر دیا گیا۔"

حضور نبی کریم ﷺ اقلیتوں کے بارے میں مسلمانوں کو ہمیشہ متنبہ فرماتے تھے، چنانچہ ایک دن آپ ﷺ نے معاہدین کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

من قتل معاهداً لم يرح رائحة الجنة وانّ ريحها توجد من مسيرة اربعين عاماً.(١٠)

"جس کسی نے کسی معاہد (اقلیتی فرد) کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو نہیں پائے گا حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس برس کی مسافت تک پھیلی ہوئی ہے۔"

اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ جنت سے بہت دُور رکھا جائے گا درا صل یہ تنبیہات اس قانون پر عمل درآمد کروانے کے لیے ہیں جو اسلام نے اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے عطا کیا۔

غیر مسلموں کے جو بیرونی وفود حضور کریم ﷺ کی خدمت میں آتے ان کی حضور نبی کریم ﷺ خود میزبانی فرماتے چنانچہ جب مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں حبشہ کے عیسائیوں کا وفد آیا تو آپ ﷺ نے ان کو مسجد نبوی ﷺ میں ٹھہرایا اور ان کی مہمان نوازی خود اپنے ذمہ لی اور فرمایا:

انهم كانوا لاصحابنا مكرمين، وانّى احب ان اكافئهم.(١١)

"یہ لوگ ہمارے ساتھیوں کے لیے ممتاز و منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لیے میں نے پسند کیا کہ میں بذاتِ خود ان کی تعظیم و تکریم اور مہمان نوازی کروں۔"

ایک دفعہ نجران کے عیسائیوں کا چودہ رکنی وفد مدینہ منورہ آیا۔ آپ ﷺ نے اس وفد کو مسجد نبوی ﷺ میں ٹھہرایا اور اس وفد میں شامل

مسیحیوں کو اجازت دی کہ وہ اپنی نماز اپنے طریقہ پر مسجد نبوی ﷺ میں ادا کریں۔ چنانچہ یہ مسیحی حضرات مسجد نبویؐ کی ایک جانب مشرق کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے۔(۱۲)

حضور نبی کریم ﷺ کی ان تعلیمات کی روشنی میں چودہ سو سال گزرنے کے باوجود بھی آپ ﷺ کے زمانے سے لے کر ہر اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کو حقوق کا تحفظ حاصل رہا۔

اقلیتوں سے حضور نبی کریم ﷺ کے حسن سلوک کا نتیجہ تھا کہ ان کا برتاؤ بھی آپ ﷺ کے ساتھ احترام پر مبنی تھا۔ ایک جنگ میں آپ ﷺ کا حلیف ایک یہودی جب مرنے لگا تو لوگوں نے اس سے پوچھا کہ تیری بڑی جائیداد ہے، اس کا وارث کون ہوگا؟ تو اس یہودی نے کہا کہ محمد رسول اللہ ﷺ میری جائیداد کے وارث ہوں گے۔ یہ اسلامی ریاست میں اقلیتوں سے حسن سلوک کا ایک غیر مسلم کی طرف سے اعتراف تھا۔

آپ ﷺ کا اہل کتاب کے علاوہ مشرکین (بت پرست اقوام) سے بھی جو برتاؤ رہا، اس کی بھی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی۔ مشرکین مکہ وطائف نے آپ ﷺ پر بے شمار مظالم ڈھائے، لیکن جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو آپ ﷺ کے ایک انصاری کمانڈر حضرت سعدؓ بن عبادہؓ نے ابوسفیان سے کہا:

الیوم یوم الملحمۃ۔

"آج لڑائی کا دن ہے۔"

یعنی آج کفار سے جی بھر کر انتقام لیا جائے گا تو آپ ﷺ ناراض ہو گئے اور ان سے جھنڈا لے کر ان کے بیٹے قیس کے سپرد کر دیا اور ابوسفیان سے فرمایا:

الیوم یوم المرحمۃ۔(۱۳)

"(آج لڑائی کا نہیں بلکہ) آج رحمت کو عام کرنے (اور معاف کر دینے) کا دن ہے۔"

پھر آپ ﷺ نے مخالفین سے پوچھا کہ بتاؤ میں آج تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کروں گا؟ تو انہوں نے کہا کہ جیسے حضرت یوسفؑ نے اپنے خطاکار بھائیوں کے ساتھ برتاؤ کیا تھا، آپ ﷺ سے بھی وہی توقع ہے۔ اس جواب پر آپ ﷺ نے وہی جملہ ارشاد فرمایا جو حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کے لیے فرمایا تھا:

لا تثریب علیکم الیوم، اذھبوا فانتم الطلقاء (یعنی تم سے آج کوئی بوجھ گرفت نہیں تم سب آزاد ہو)۔(۱۴)

حضور نبی کریم ﷺ کا بڑا دشمن ابوسفیان تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

من دخل دار ابی سفیان فھو آمن (جو ابوسفیان کے گھر میں آج داخل ہوا وہ امن میں ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کو اس طرح پورا کیا کہ جو بھی اس دن ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوا اسے امان مل گئی۔(۱۵)

مکہ مکرمہ میں حضور نبی کریم ﷺ کی مخالفت کرنے میں سب سے زیادہ دو اشخاص کا دخل تھا، وہ ابولہب کے بیٹے تھے، جنہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کو ایذائیں دی تھیں۔ فتح مکہ کے روز یہ دونوں گستاخ کعبۃ اللہ کے پردوں کے پیچھے جا چھپے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے

ان دونوں کو خود کعبۃ اللہ کے پردوں کے پیچھے سے نکالا اور معاف کر دیا۔(۱۵ب)

قانون کی نظر میں اقلیتوں کا مساوی مقام:

امام ابو یوسف اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ''کتاب الخراج'' میں لکھتے ہیں کہ عہد نبوی ﷺ اور خلافت راشدہ میں تعزیرات اور دیوانی قانون دونوں میں مسلمان اور غیر مسلم اقلیت کا درجہ مساوی تھا۔(۱۶)

حضور نبی کریم ﷺ کے عہد میں ایک دفعہ ایک مسلمان نے ایک غیر مسلم کو قتل کر دیا۔ حضور ﷺ نے قصاص کے طور پر اس مسلمان کے قتل کیے جانے کا حکم دیا اور فرمایا: انا احق من اوفی بذمتہ۔(۱۷)

''غیر مسلموں کے حقوق کی حفاظت میرا سب سے اہم فرض ہے''۔

دوسری روایت کے مطابق آپ ﷺ نے انا اکرم من وفی ذمتہ فرمایا۔(۱۸)

آپ ﷺ کی اس تعلیم پر عمل درآمد کے بے شمار نظائر دور خلافت راشدہ میں بھی ملتے ہیں:

۱۔ حضرت علیؓ کے پاس ایک مسلمان کو پکڑ کر لایا گیا جس نے ایک غیر مسلم کو قتل کیا تھا۔ پورا ثبوت موجود تھا۔ اس لیے حضرت علیؓ نے قصاص میں اس مسلمان کو قتل کیے جانے کا حکم دیا۔ قاتل کے ورثاء نے مقتول کے بھائی کو معاوضہ دے کر معاف کرنے پر راضی کر لیا۔ حضرت علیؓ کو جب اس کا علم ہوا تو آپؓ نے اسے فرمایا:

لعلھم فزعوک او ھددوک۔

''شاید ان لوگوں نے تجھے ڈرا دھمکا کر تجھ سے یہ کہلوایا ہو''۔

اس نے کہا نہیں بات دراصل یہ ہے کہ قتل کیے جانے سے میرا بھائی تو واپس آنے سے رہا اور اب یہ مجھے اس کی دیت دے رہے ہیں، جو پسماندگان کے لیے کسی حد تک کفایت کرے گی۔ اس لیے خود اپنی مرضی سے بغیر کسی دباؤ کے میں معافی دے رہا ہوں۔ اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا، اچھا تمہاری مرضی۔ تم زیادہ بہتر سمجھتے ہو، لیکن بہرحال ہماری حکومت کا اصول یہی ہے کہ:

من کان لہ ذمتنا فدمہ کدمنا، ودیتہ کدیتنا۔(۱۹)

''جو ہماری غیر مسلم رعایا میں سے ہے اس کا خون اور ہمارا خون برابر ہے اور اس کی دیت ہماری دیت ہی کی طرح ہے''۔

۲۔ ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت علیؓ نے فرمایا:

اذا قتل المسلم النصرانی قتل بہ۔(۲۰)

''اگر کسی مسلمان نے عیسائی کو قتل کیا تو مسلمان (عوضاً) قتل کیا جائے گا''۔

۳۔ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا:

دیۃ الیھودی والنصرانی والمجوسی مثل دیۃ الحر المسلم۔(۲۱)

''یہودی، عیسائی اور مجوسی کی دیت آزاد مسلمان کی دیت کے برابر ہے''۔

اسی قول کی بنا پر فقہا نے یہ اصول تشکیل دیا ہے کہ اگر مسلمان کسی ذمی کو بلا ارادہ قتل کر دے تو اس کی دیت بھی وہی ہوگی جو مسلمان کو بلا ارادہ قتل کرنے سے لازم آتی ہے۔(۲۲)

۴۔ ایک دفعہ حضرت عمرو بن عاص والی مصر کے بیٹے نے ایک غیر مسلم کو ناحق سزا دی۔ خلیفۂ وقت امیر المومنین حضرت عمرؓ کے پاس جب اس کی شکایت ہوئی تو انہوں نے سرعام گورنر مصر کے بیٹے کو اس غیر مسلم مصری سے سزا دلوائی اور ساتھ ہی فرمایا:

متی استعبدتم الناس وقد ولدتهم امهاتهم احرارا۔(۲۳)

"تم نے کب سے لوگوں کو اپنا غلام سمجھ لیا ہے حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا تھا"۔

۵۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک ذمی کو قتل کر دیا، اس پر:

فکتب فيه عمر بن الخطابؓ ان يدفع الیٰ اولياء المقتول فان شاؤ وا قتلو او ان شاؤ واعفو ا فدفع الرجل الی ولی المقتول الیٰ رجل فقتله۔(۲۴)

"آپ نے حکم دیا کہ قاتل کو مقتول کے وارثوں کے حوالے کیا جائے۔ اگر وہ چاہیں قتل کر دیں، ورنہ معاف کریں۔ چنانچہ وہ مقتول کے وارث کو دے دیا گیا اور اس نے اسے قتل کر دیا"۔

۶۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں عبید اللہ بن عمرؓ کے قتل کا فتویٰ دے دیا گیا تھا، کیونکہ انہوں نے ہرمزان، حفینہ اور ابولولو کی بیٹی کو اس شبہ میں قتل کر دیا تھا کہ شاید وہ حضرت عمرؓ کے قتل کی سازش میں شریک تھے۔(۲۵)

۷۔ حضرت عثمانؓ کے دور میں ابن شاس جذامی کے شام کے کسی علاقے میں ایک شخص کو قتل کر دیا، معاملہ حضرت عثمانؓ تک پہنچنے پر آپؓ نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ صحابہ کرامؓ کی مداخلت پر آپؓ نے ایک ہزار دینار دیت مقرر کی۔(۲۶)

۸۔ عظیم محدث ابن شہاب زہریؒ فرماتے ہیں:

ان دية المعاهد فی عهد ابی بکر و عمر و عثمان رضی الله تعالیٰ عنه مثل دية الحر المسلم۔(۲۷)

"بے شک ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں ذمی کی دیت آزاد مسلمان کی دیت کے برابر تھی"۔

قانون کے نفاذ میں مساوات کا حق:

اسلامی ریاست میں تعزیرات میں ذمی اور مسلمان کا درجہ مساوی ہے۔ جرائم کی جو سزا مسلمان کو دی جائے گی وہی ذمی کو بھی دی جائے گی۔ ذمی کا مال مسلمان چرائے یا مسلمان کا مال ذمی چرائے دونوں صورتوں میں سزا یکساں ہوگی۔(۲۸)

دیوانی قانون میں بھی ذمی اور مسلمان کے درمیان کامل مساوات ہے۔ حضرت علیؓ کے ارشاد اموالهم کاموالنا (۲۹) کے معنی ہی یہ ہیں کہ ان کے مال کی ویسی ہی حفاظت ہونی چاہیے جیسی مسلمانوں کے مال کی ہوتی ہے۔ اس باب میں ذمیوں کے حقوق کا اتنا لحاظ رکھا گیا ہے کہ اگر کوئی مسلمان ان کی شراب یا ان کے خنزیر کو بھی تلف کر دے تو اس پر ضمان لازم آئے گا۔ در المختار میں ہے:

ويضمن المسلم قيمة خمره و خنزيره اذا اتلفه۔(۳۰)

"مسلمان اس کی شراب اور اس کے سور کی قیمت ادا کرے گا اگر وہ اسے تلف کر دے"۔

ذمی کو زبان یا ہاتھ پاؤں سے تکلیف پہنچانا، اس کو گالی دینا، مارنا پیٹنا یا اس کی غیبت کرنا، اسی طرح ناجائز ہے جس طرح مسلمان کے حق میں ناجائز ہے:

ویجب کف الاذیٰ عنه وتحرم غیبته کالمسلم۔(۳۱)

"غیر مسلم سے اذیت کو روکنا اسی طرح واجب ہے جس طرح مسلمان سے اور اس کی غیبت کرنا بھی اسی طرح حرام ہے"۔

نجی زندگی اور شخصی رازداری کا حق:

مملکت اسلامیہ میں ہر فرد کو نجی زندگی گزارنے کا حق حاصل ہے کہ کوئی شخص بغیر اس کی اجازت اور رضامندی کے اس کے گھر میں داخل نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ ہر شخص کا مکان نجی اور پرائیویٹ معاملات کا مرکز اور اس کے بال بچوں کا مستقر ہوتا ہے۔ اس حق پر دست درازی خود فرد کی شخصیت پر دست درازی ہے اور یہ کسی طرح جائز نہیں۔ گھروں میں بغیر اجازت داخل ہونے کی صریح ممانعت آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّىٰ يُؤْذَنَ لَكُمْ وَإِن قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۝ (۳۲)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو، جب تک کہ گھر والوں کی رضا نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج لو۔ یہ طریقہ تمہارے لیے بہتر ہے، توقع ہے کہ تم اس کا خیال رکھو گے ۝ پھر اگر وہاں کسی کو نہ پاؤ تو وہاں داخل نہ ہو جب تک کہ تمہیں اجازت نہ دی جائے اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس ہو جاؤ یہ تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے ۝"

اسلامی ریاست میں اقلیتوں کو بھی نجی زندگی اور شخصی رازداری کا حق اسی طرح حاصل ہے جس طرح مسلمانوں کو اس لیے کہ اسلامی قانون نے ان کے لیے یہ اصول طے کیا ہے کہ جو حقوق مسلمانوں کو حاصل ہیں وہ ان کو بھی حاصل ہوں گے اور جو ذمہ داریاں مسلمانوں پر ڈالی گئی ہیں وہ ان پر بھی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بقول ان سے جزیہ اس لیے لیا جاتا ہے تاکہ ان کے جان و مال کی اسی طرح حفاظت کی جا سکے جس طرح ہمارے جان و مال کی حفاظت ہوتی ہے۔ (۳۳)

مذہبی آزادی کا حق:

اسلام خدائے واحد کی بندگی کی دعوت دیتا ہے، لیکن دوسرے مذاہب کے لوگوں پر اپنے عقائد بدلنے اور اسلام قبول کرنے کے لیے دباؤ نہیں ڈالتا، نہ کسی جبر و اکراہ سے کام لیتا ہے۔ دعوت حق اور جبر و اکراہ بالکل الگ حقیقتیں ہیں۔ اسلام کے پیغام حق کے

ابلاغ کا قرآن حکیم نے یوں بیان کیا:

ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة و جادلهم بالتی هی احسن انّ ربک هو اعلم بمن ضلّ عن سبیله وهو اعلم بالمهتدین ٥ (۳۴)

"(اے رسول معظمؐ!) آپ اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلایئے اور ان سے بحث (بھی) ایسے انداز سے کیجئے جو نہایت حسین ہو۔ بے شک آپ کا رب اس شخص کو (بھی) خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کو (بھی) خوب جانتا ہے ٥"

اسلام نے ایسے طریق دعوت سے منع کیا جس سے کسی فریق کی مذہبی آزادی متاثر ہوتی ہے، دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

لَآ إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ. (۳۵)

"دین میں کوئی زبردستی نہیں، بے شک ہدایت گمراہی سے واضح طور پر ممتاز ہو چکی ہے"۔

شریعت کی یہ حکمت عملی ہے کہ غیر مسلموں کو ان کے مذہب و مسلک پر برقرار رہنے کی پوری آزادی ہوگی۔ اسلامی مملکت ان کے عقیدہ و عبادت سے تعرض نہ کرے گی۔ اہل نجران کو حضور نبی اکرم ﷺ نے جو خط لکھا تھا اس میں یہ جملہ بھی درج:

ولنجران و حاشیتهم جوار الله و ذمة محمد النبی رسول الله علیٰ انفسهم وملّتهم وارضهم و اموالهم و غائبهم وشاهدهم وبیعهم و صلواتهم لا یغیروا اسقفا عن اسقفیته ولا راهباً عن رهبانیة ولا واقفاً عن وقفانیته وکل ماتحت ایدیهم من قلیل او کثیر. (۳۶)

"نجران اور ان کے حلیفوں کو اللہ اور اس کے رسول محمد ﷺ کی پناہ حاصل ہے۔ ان کی جانیں، ان کی شریعت، زمین، اموال، حاضر و غائب اشخاص، اس کی عبادت گاہوں اور ان کے گرجا گھروں کی حفاظت کی جائے گی۔ کسی پادری کو اس کے مذہبی مرتبے، کسی راہب کو اس کی رہبانیت اور کسی صاحب منصب کو اس کے منصب سے ہٹایا نہیں جائے گا اور ان کی زیر ملکیت ہر چیز کی حفاظت کی جائے گی"۔

مختلف ادوار میں گرجا گھر اور کلیسے اسلامی حکومت میں موجود رہے ہیں۔ کبھی بھی انہیں ادنیٰ گزند تک نہیں پہنچائی گئی بلکہ حکومت نے ان کی حفاظت کی ہے اور غیر مسلموں کو ان میں عبادات کی انجام دہی کے لیے سہولتیں فراہم کی ہیں۔

اقلیتوں کے شخصی معاملات بھی ان کی شریعت (Personal law) کے مطابق طے کیے جائیں گے، اسلامی قانون ان پر نافذ نہیں کیا جائے گا۔ جن افعال کی حرمت ان کے مذہب میں بھی ثابت ہے، ان سے تو وہ ہر حال میں منع کیے جائیں گے، البتہ جو افعال ان کے ہاں جائز اور اسلام میں ممنوع ہیں انہیں وہ اپنی بستیوں میں آزادی کے ساتھ کرسکیں گے اور خالص اسلامی آبادیوں میں حکومت اسلامیہ کو اختیار ہوگا کہ انہیں آزادی دے یا نہ دے:

ولا یمنعون من اظهار شیء مما ذکرنا من بیع الخمر والخنزیر والصلیب وضرب الناقوس فی قریة او موضع لیس من امصار المسلمین ولو کان فیه عدد کثیر من اهل الاسلام وانما یکره ذلک فی امصار المسلمین وهی

التی یقام فیھا الجمع والاعیاد والحدود، واما اظھار فسق یعتقدون حرمتہ کالزنا وسائر الفواحش التی ھی حرام فی دینھم فانھم یمنعون من ذلک سواء کانوا فی امصار المسلمین او فی امصارھم. (۳۷)

"جو بستیاں اور مقامات مسلمانوں کے شہروں میں سے نہیں ہیں، ان میں ذمیوں کو شراب وخنزیر بیچنے اور صلیب نکالنے اور ناقوس بجانے سے نہیں روکا جائے گا خواہ وہاں مسلمانوں کی کتنی ہی کثیر تعداد آباد ہو۔ البتہ یہ افعال مسلمان آبادی کے شہر میں مکروہ ہیں جہاں جمعہ و عیدین اور حدود قائم کی جاتی ہوں۔ رہا وہ فسق جس کی حرمت کے وہ بھی قائل ہیں، مثلاً زنا اور دوسرے تمام فواحش جو ان کے دین میں بھی حرام ہیں تو اس کے اظہار سے ان کو ہر حال میں روکا جائے گا۔ خواہ مسلمانوں کے شہر میں ہوں یا خود ان کے شہر میں"۔

یعنی اقلیتیں اپنی قدیم عبادت گاہوں کے اندر رہ کر اپنے تمام مذہبی امور بجا لا سکتے ہیں، حکومتِ اسلامیہ اس میں دخل دینے کی مجاز نہیں ہے۔ تاہم اس ذیل میں اقلیتوں کو مسلمانوں کے شعائر مذہبی کے احترام کو ملحوظ رکھنا ہوگا۔ حضرت ابن عباسؓ کا فرمان ہے کہ:

ایما مصر مصرتہ العرب فلیس للعجم ان یبنوا فیہ بناء بیعۃ ولا یضربوا فیہ ناقوساً ولا یشربوا فیہ خمراً ولا یتخذوا فیہ خنزیراً ایما مصر کانت العجم مصرتہ یفتحہ اللّٰہ علی العرب فنزلوا علیٰ حکمھم فللعجم ما فی عھدھم وللعجم علی العرب ان یوفوا بعھدھم۔ (۳۸)

"جن شہروں کو مسلمانوں نے آباد کیا ہے، ان میں ذمیوں کو یہ حق نہیں ہے کہ نئی عبادت گاہیں اور کنائس تعمیر کریں، یا ناقوس بجائیں، شرابیں پئیں اور سور پالیں۔ باقی رہے وہ شہر جو عجمیوں کے آباد کیے ہوئے ہیں اور جن کو اللہ نے عربوں (یعنی مسلمانوں) کے ہاتھ پر فتح یاب کیا اور انہوں نے مسلمانوں کے حکم پر اطاعت قبول کر لی تو عجم کے لیے وہی حقوق ہیں جو ان کے معاہدے میں طے ہو جائیں اور عرب پر ان کا ادا کرنا لازم ہے"۔

مرتد کی سزا اور آزادیِ عقیدہ:

وہ مسلمان جو دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے اس کا معاملہ اقلیتوں سے مختلف ہوگا۔ اگر کوئی مسلمان احکام اسلام کا پابند ہونے اور اس کے عقیدہ پر ایمان لانے کے بعد اگر اس سے پلٹتا ہے تو وہ گویا اس ارتداد سے فتنہ کا دروازہ کھول دیتا ہے اور مملکت سے بغاوت کرتا ہے جو موجب سزا ہے اس لیے کہ وفائے عہد سے برگشتگی ملکی قانون سے بغاوت اور بہت بڑا جرم ہے اور یہ امر دور جدید کے قانون میں بھی معروف و متعین ہے جس کی سزا اکثر ریاستی قوانین میں موت مقرر کی گئی ہے۔

ارتداد کی سزا کے نظائر دنیا کے اکثر آئینی و دساتیری قوانین میں موجود ہیں۔ اسلام نے مرتد کو بھی سزا دینے سے قبل راہ راست کی قبولیت کا موقع پانے کا حق عطا کیا ہے۔ حضرت امام محمد بن حسن شیبانی فرماتے ہیں:

واذا ارتد المسلم عن الاسلام عرض علیہ الاسلام فان اسلم فبھا والا قتل مکانہ الا ان یطلب فان طلب ذلک اجل ثلاثۃ ایام۔ (۳۹)

"اگر کوئی مسلمان اسلام سے برگشتہ ہو جائے تو اسے دوبارہ اسلام کی دعوت دی جائے گی۔ اگر وہ اسلام قبول کر لے تو خوب،

بصورت دیگر اسے فوراً قتل کردیا جائے گا، تاہم اگر وہ غور و فکر کے لیے کچھ مہلت طلب کرے تو اسے تین دن کی مہلت دی جائے گی"۔

اگر ارتداد کا ارتکاب عورت نے کیا ہو تو اسے مرد مرتد کی نسبت رجوع الی الحق کے زیادہ مواقع فراہم کیے جائیں گے۔

ولا تقتل المرتدة ولكنها تحبس ابداً حتى تسلم بلغنا عن ابن عباس انه قال: اذا ارتدت المراة عن الاسلام حبست ولم تقتل وبلغنا عن رسول الله ﷺ انه نهى عن قتل نساء المشركين فى الحرب فانا ندر القتل عنها بهذا ومالها و كسوتها كله لها. وافعالها فى البيع والشراء والعتق والهبة كلها جائزة. (۳۰)

"مرتد ہو جانے والی عورت کو سزائے موت نہیں دی جائے گی بلکہ اسے عمر قید کی سزا دی جائے گی یا اس وقت تک قید رکھا جائے گا جب تک وہ دوبارہ اسلام قبول نہ کر لے۔ ہم تک حضرت ابن عباس کا یہ فرمان پہنچا ہے کہ جب کوئی عورت ارتداد اختیار کرے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ قید کیا جائے گا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی میدان جنگ میں مشرکین کی عورتوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔ اس معاملے میں بھی میں انہیں قتل سے بچانا چاہوں گا۔ اس کی املاک واموال اس کی ملکیت رہیں گے اور اس کے خرید و فروخت، غلاموں کی آزادی اور ہدیہ سے متعلق معاہدے وافعال معتبر ہوں گے"۔

واذا رفعت المرتدة الى الامام فقالت: ما ارتددت، وانا اشهدان لا اله الا الله وان محمد رسول الله كان هذا توبة منها. (۳۱)

"جب کسی مرتدہ کو حاکم کے سامنے پیش کیا جائے اور وہ اپنے ارتداد کا انکار کرتے ہوئے کہے میں اس کی گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک محمدؐ، اللہ کے رسول ہیں تو یہ اس کی توبہ تصور کی جائے گی (اور اسے سزا نہیں ہوگی)"۔

اقتصادی اور معاشی آزادی کا حق:

غیر مسلم پر اسلامی حکومت میں کسب معاش کے سلسلے میں کسی قسم کی پابندی نہیں ہے، وہ ہر کاروبار کر سکتا ہے، جو مسلمان کرتے ہوں۔ سوائے اس کاروبار کے جو ریاست کے لیے اجتماعی طور پر نقصان کا سبب ہو۔ وہ جس طرح مسلمانوں کے لیے ممنوع ہوگا، اسی طرح ان کے لیے بھی ممنوع ہوگا، مثلاً سودی کاروبار، جو بالآخر پوری سوسائٹی کے لیے ہلاکت کا باعث بنتا ہے یا دیگر اس نوعیت کے کام وغیرہ۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے اہل نجران کو لکھا:

اما ان تذروا الربا واما ان تاذنوا بحرب من الله ورسوله. (۳۲)

"سود چھوڑ دو یا اللہ اور اس کے رسولؐ سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ"۔

احکام القرآن میں آیت: واخذهم الربا وقد نهوا عنه واكلهم اموال الناس بالباطل اور يايها الذين امنوا لا تاكلوا اموالكم بينكم بالباطل کے تحت امام جصاص فرماتے ہیں:

فسوى بينهم وبين المسلمين فى المنع من الربا. (۳۳)

"اللہ تعالیٰ نے ان (ذمیوں) اور مسلمانوں کے درمیان سود کی ممانعت کو برابر قرار دیا ہے۔"

اس اصول کے علاوہ جو تجارت ان کو پسند ہو کریں، یہاں تک کہ وہ اپنے محلوں اور شہروں میں خنزیر اور شراب بھی رکھ سکتے ہیں، ان کی خرید و فروخت کر سکتے ہیں۔ در مختار میں ہے:

ویضمن المسلم قیمة خمرہ و خنزیر اذا اتلفه۔(۴۴)

"یعنی اگر کوئی مسلمان غیر مسلم اقلیتی فرد کی شراب یا خنزیر کو نقصان پہنچائے گا تو اسے اس کا تاوان ادا کرنا پڑے گا۔"

لیکن یہ چیزیں وہ مسلمانوں کے شہر میں نہ لائیں گے اور نہ ہی مسلمانوں کے ہاتھ بیچیں گے۔(۴۵)

پیشوں کے اعتبار سے وہ کوئی بھی پیشہ اختیار کر سکتے ہیں اور مسلمانوں کو اُجرت پر ان سے کام کروانے کی کسی قسم کی ممانعت نہیں ہے۔ اسلام میں کسی پیشہ کی وجہ سے کسی غیر مسلم سے کسی بھی نوعیت کی کوئی دوری رکھنے کا ہلکا سا اشارہ بھی نہیں ملتا۔ تجارتی معاملات میں جو ٹیکس مسلمان دیتے ہیں وہ ان کو بھی دینا ہوگا۔

اجتماعی کفالت میں اقلیتوں کا حق:

جس طرح اسلامی بیت المال کسی مسلمان کو معذور ہو جانے یا بوجہ عمر رسیدگی اور غربت کے محتاج ہو جانے پر کفالت کی ذمہ داری لیتا ہے اسی طرح اسلامی بیت المال پر ایک غیر مسلم کے معذور ہونے یا عاجز ہونے کی صورت میں اس کی کفالت لازم ہے۔

کتاب الاموال میں ابو عبید نے حضرت سعید بن مسیبؓ سے ایک روایت نقل کی ہے:

انّ رسو ل الله ﷺ تصدق صدقة علیٰ اهل بیت من الیهود فهی تجری علیهم۔(۴۶)

"رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کے ایک گھرانہ کو صدقہ دیا اور (حضور ﷺ کے وصال کے بعد بھی) وہ انہیں دیا جا رہا ہے۔"

حضرت زید بن حارثؓ سے روایت ہے:

انّ صفیة زوج النبی ﷺ، تصدقت علیٰ ذوی قرابة لها، فهما یهودیان، فبیع ذٰلک بثلاثین الفاً۔(۴۷)

"بے شک ام المومنین نبی اکرم ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت صفیہؓ نے اپنے رشتہ داروں کو صدقہ دیا، حالانکہ وہ دونوں یہودی تھے جو تیس ہزار (درہم) کے عوض فروخت کیا گیا۔"

عمرو بن میمون، عمرو بن شرجیل اور مرة ہمدانی سے روایت کیا گیا ہے کہ:

انهم کانو یعطون الرهبان من صدقة الفطر۔(۴۸)

اسی طرح کتاب الخراج ابو یوسف میں ہے:

وجعلت لهم ایما شیخ ضعف عن العمل او اصابته آفة من الآفات او کان غنیاً فافتقر وصار اهل دینه یتصدقون علیه طرحت جزیته وعلیٰ من بیت ما المسلمین وعیاله ما اقام بدار الهجرة و دارالاسلام۔(۴۹)

"وہ راہبوں کو صدقہ فطر میں سے دیتے تھے۔"

"اگر ان کے ضعیف العمر اور ناکارہ لوگوں یا آفت رسیدہ یا بعد از غنی فقیر ہو جانے والوں کو، ان کے مذہب کے لوگ ان کو خیرات دینے لگیں، سے جزیہ ہٹا لیا جائے گا اور مسلمانوں کے بیت المال سے ان کے نان نفقہ کا بندوبست کیا جائے گا جب تک کہ وہ اسلامی ملک میں رہیں گے۔"

عملی طور پر اس کی تاریخ اسلامی میں بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ غیر مسلم اقلیتوں کے معذور افراد کو اسلامی بیت المال سے باقاعدہ الاؤنس ملتا رہا ہے۔ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ یہودی کو دیکھا جو ضعیف ہو چکا تھا تو آپؓ نے اس کے لیے ماہانہ وظیفہ مقرر فرما دیا۔ اجتماعی کفالت کے حق اور حقوق عامہ میں اسلامی حکومت کی نگاہ میں مسلم اور غیر مسلم کا کوئی فرق نہیں ہے بلکہ وہ بالکل برابر کے شہری ہیں۔

روزگار کی آزادی کا حق:

اسلام میں ہر جائز ذریعہ روزگار کو مستحسن قرار دیا گیا ہے حدیث مبارکہ ہے:

ما اکل احد طعاما قط خیرا من ان یاکل من عمل یدیہ وان نبی اللہ داؤد علیہ السلام کان یاکل من عمل یدیہ۔(۵۰)

"کوئی بھی اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر اور کھانا نہیں کھا سکتا اور اللہ کے نبی داؤدؑ اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔"

اسلامی مملکت میں اقلیتوں سمیت ہر فرد کو یہ حق حاصل تھا کہ تجارت، صنعت و زراعت غرضیکہ جو کام بھی وہ کرنا چاہے کر سکتا ہے، بشرطیکہ ان چیزوں کے قریب نہ جائے، جنہیں شریعت نے حرام قرار دیا ہے، جیسے سودی معاملات ہیں اور جائز حدود میں بھی قدروں کا لحاظ رکھے، اپنے کام کی وجہ سے کسی دوسرے کی تجارت صنعت کے درپے آزار نہ ہو۔ یہ اسلامی معاشرے میں ناجائز ہے۔ جب فرد جائز کام کرے گا تو اس کا حاصل اور ثمر اس کا حق ہوگا، اس لیے کہ یہ اس کی محنت اور پسینہ کی کمائی ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ (۵۱)

"اور یہ کہ انسان کے لیے کچھ نہیں ہے مگر وہ جس کی اس نے سعی کی ہے۔"

حکومت کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی فرد کو جائز کاموں کے کرنے سے روک دے، البتہ اگر کوئی شرعی ضرورت ہو تو ایسا کر سکتی ہے۔ مثال کے طور پر وہ اپنے ملازمین کو تجارت اور کمائی کرنے سے روک سکتی ہے، تا کہ وہ اپنے اثر و نفوذ اور منصب کا ناجائز فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ اس لیے عمر بن خطابؓ اپنے گورنروں کی مالیت کا محاسبہ کرتے تھے، اگر ان میں سے کوئی یہ جواز پیش کرتا کہ میں نے تجارت سے نفع کما کر یہ دولت اکٹھا کی ہے تو آپ فرماتے:

نحن انما بعثناکم ولاۃ ولم نبعثکم تجارا۔(۵۲)

"ہم تمہیں والی بنا کر بھیجتے ہیں تاجر نہیں۔"

تحفظ اور سلامتی کا حق:

اسلامی ریاست اقلیتوں کے تحفظ اور سلامتی کی ذمہ دار ہے۔ اگر اسلامی ریاست کا کسی دوسری قوم سے معاہدہ ہو تو اس قوم کے تحفظ وسلامتی کی ذمہ داری بھی اسلامی ریاست پر ہوگی:

وان کان من قوم بینکم و بینھم میثاق فدیۃ مسلمۃ الیٰ اھلہ وتحریر رقبۃ مؤمنۃ۔(۵۳)

"اور اگر وہ (مقتول) تمہاری دشمن قوم سے ہو اور وہ مومن (بھی) ہو تو (صرف) ایک غلام/باندی کا آزاد کرنا (ہی لازم) ہے اور اگر ہو (مقتول) اس قوم میں سے ہو کہ تمہارے اور ان کے درمیان (صلح کا) معاہدہ ہے تو خون بہا (بھی) جو اس کے گھر والوں کے سپرد کیا جائے اور ایک مسلمان غلام/باندی کا آزاد کرنا (بھی لازم) ہے۔"

اقلیتوں کی جان کی حرمت حضور نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث مبارکہ سے واضح ہوتی ہے:

دیۃ الیھودی والنصرانی و کل ذمی مثل دیۃ المسلم۔(۵۴)

"یہودی، عیسائی اور ہر ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کی طرح ہے"۔

خلفائے راشدینؓ کے دور میں اصول پر عمل کیا جاتا رہا اور ذمیوں کی دیت مسلمانوں کی دیت کے برابر ادا کی جاتی تھی۔

دوران فتوحات غیر مسلم اقوام سے جو معاہدات ہوئے ان میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ غیر مسلم رعایا کے تحفظ، سلامتی اور بنیادی ضروریات کی حکومت ذمہ دار ہوگی۔ چنانچہ حیرہ کے باشندوں کو جو پروانہ امان دیا گیا اس کا ایک حصہ یہ ہے:

"جو غیر مسلم بوڑھا ہو جائے اور کام نہ کر سکے یا کوئی ناگہانی آفت اسے ناکارہ بنا دے یا پہلے دولت مند ہو، بعد میں کسی حادثہ کی وجہ سے غریب ہو جائے تو ایسے آفت رسیدہ لوگوں سے نہ صرف یہ کہ حکومت کوئی ٹیکس وصول نہیں کرے گی بلکہ ان کو اور ان کے اہل و عیال کو سرکاری خزانہ سے گزارہ الاؤنس بھی مہیا کیا جائے گا"۔(۵۵)

تاریخ اسلام میں اس اصول کی متعدد عملی مثالیں ملتی ہیں۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ایک بوڑھے یہودی کو بڑی خستہ حالت میں دیکھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: خدا کی قسم! یہ انصاف کا تقاضا نہیں کہ ہم اس کی جوانی میں تو اس سے فائدہ اٹھائیں اور اسے بڑھاپے میں اس طرح رسوا ہونے دیں چنانچہ آپؓ نے حکم صادر فرمایا کہ اس بوڑھے کو زندگی بھر اس کی ضرورت کے مطابق بیت المال سے وظیفہ دیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی آپؓ نے ملک کے گورنروں کو لکھا کہ وہ غیر مسلم کے رعایا کے مستحق اور غریب افراد کو بیت المال سے پابندی اور باقاعدگی کے ساتھ تنخواہیں دیں۔(۵۶)

اسی طرح غیر مسلموں کو وظائف دینے کی کئی مثالیں تاریخ اسلام میں موجود ہیں۔ ہر دور میں اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے اسلام کے قوانین پر عمل کیا جاتا رہا اور جب بھی سرکش امراء نے اس کے خلاف عمل کیا ہے تو علماء وفقہاء نے انہیں اس سے باز رکھنے یا کم از کم ان سے اس کی تلافی کرانے کی کوشش کی ہے۔ تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ ولید بن عبدالملک اموی نے دمشق کے کنیسہ یوحنا کو زبردستی عیسائیوں سے چھین کر مسجد میں شامل کر لیا۔ بلاذری کے مطابق:

فلما استخلف عمر بن عبدالعزیز شکیٰ النصاریٰ الیه مافعل الولید بهم فی کنیستهم فکتب الیٰ عامله بامره بردما زاده فی المسجد۔(۵۷)

"جب حضرت عمر بن عبدالعزیز تخت خلافت پر متمکن ہوئے اور عیسائیوں نے ان سے ولید کے کنیسہ پر کیے گئے ظلم کی شکایت کی تو انہوں نے اپنے عامل کو حکم دیا کہ مسجد کا جتنا حصہ گرجا کی زمین پر تعمیر کیا گیا ہے اسے منہدم کر کے عیسائیوں کے حوالہ کردو"۔

جب ولید بن یزید نے رومی حملہ کے خوف سے قبرص کے ذمی باشندوں کو جلاوطن کر کے شام میں آباد کیا تو اس پر فقہائے اسلام اور عام مسلمان سخت ناراض ہوئے اور اسے گناہ عظیم سمجھا۔ پھر جب یزید بن ولید نے ان کو دوبارہ قبرص میں لے جا کر آباد کر دیا تو اسے عوام الناس نے بنظر احسن دیکھا اور کہا کہ یہی انصاف کا تقاضا ہے۔ اسماعیل بن عیاش کا بیان ہے کہ:

فاستفظع ذلک المسلمون واستعظمه الفقهاء فلما ولی یزید بن الولید بن عبدالملک ردهم الی قبرس فاستحسن المسلمون ذلک من فعله ورأوه عدلا۔(۵۸)

"اس فعل کو عام مسلمانوں اور فقہا نے غلط قرار دیا اور جب یزید بن الولید بن عبدالملک آیا تو اس نے قبرص کے باشندوں کو واپس کر دیا۔ اس کے اس عمل کی عام مسلمانوں نے تعریف کی اور اسے عدل وانصاف پر مبنی قرار دیا"۔

بلاذری کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ جبل لبنان کے باشندوں میں سے ایک گروہ نے بغاوت کر دی۔ اس پر صالح بن علی بن عبداللہ نے ان کی سرکوبی کے لیے ایک فوج بھیجی، جس نے ان کے ہتھیار اٹھانے والے مردوں کو قتل کر دیا اور باقی لوگوں میں سے ایک جماعت کو جلاوطن کیا اور ایک جماعت کو وہیں آباد رہنے دیا۔ امام اوزاعیؒ اس زمانہ میں زندہ تھے۔ انہوں نے صالح کو اس ظلم پر سخت تنبیہ کرتے ہوئے بغاوت میں حصہ نہ لینے والوں کو قتل کرنے اور گھروں سے نکالنے کی مذمت کی اور ایک طویل خط لکھا، جس کے چند فقرے یہ ہیں:

ما قلمت علمت فکیف تؤخذ عامة بذنوب خاصة حتّٰی یخرجوا من دیارهم واموالهم. وحکم اللّٰه تعالیٰ: ﴿لاتزر وازرة وزر اخری﴾. واحق الوصایا أن تحفظ و ترعی وصیة رسول اللّٰه ﷺ: "من ظلم معاهداً وکلفه فوق طاقته فانا حجیجه۔"(۵۹)

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ عام لوگوں کو بعض خاص لوگوں کے جرم کی سزا کیوں کر دی جا سکتی ہے اور کس بنا پر انہیں ان کے گھروں اور ان کی جائدادوں سے بے دخل کیا جا سکتا ہے۔ حالانکہ اللہ کا یہ حکم ہے کہ لاتزر وازرۃ وزر اخری اور یہ ایک واجب التعمیل حکم ہے۔ تمہارے لیے بہترین نصیحت یہ ہے کہ تم رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کو یاد رکھو کہ "جو کوئی کسی معاہد پر ظلم کرے گا اور اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بار ڈالے گا اس کے خلاف میں خود مدعی ہوں گا"۔

تمدنی اور معاشرتی آزادی کا حق:

اسلامی ریاست میں اقلیتیں اپنی قومی اور تہذیبی روایات کے مطابق رہ سکیں گی۔ یہاں تک کہ ان کے شخصی معاملات یعنی نکاح،

طلاق بائن حد کہ نکاح محرمات بھی اگر ان کے تہذیبی شعائر میں رائج ہو تو اس سے بھی کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔

ایک دفعہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حضرت حسن بصریؒ سے دریافت فرمایا کہ خلفائے راشدینؓ نے اہل ذمہ کو نکاح محرمات کی کیوں اجازت دے دی تھی اور شاید آپ اس پر پابندی لگانا چاہتے تھے کیونکہ یہ فعل شناعت کے اعتبار سے اس قدر شنیع ہے کہ فطرت سلیمہ اسے ہرگز قبول نہیں کرتی۔ جواب میں حضرت حسن بصریؒ نے لکھا:

انما بذلوا الجزیة لیترکوا علی ما یعتقدون وانما انت متبع ولا مبتدع والسلام۔ (۶۰)

"انہوں نے جزیہ اس لیے دیا ہے کہ انہیں ان کے اعتقادات پر چھوڑ دیا جائے اور آپ تو خلفائے راشدینؓ کی پیروی کرنے والے ہیں نہ کہ نئی راہ نکالنے والے"۔

اسلامی ریاست میں اندر سوائے حرم کے وہ جہاں چاہیں سکونت اختیار کر سکتے ہیں اور اسی طرح ترک سکونت کا بھی انہیں اختیار ہے۔ حرم سے مراد مکہ مکرمہ ہے اور اس میں مشرک کے داخلہ پر پابندی نص سے ثابت ہے، اس لیے وہ وہاں نہ رہ سکیں گے۔

اسلامی معاشرے میں مسلمانوں پر بھی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ اقلیتوں سے نیکی، انصاف اور حسن سلوک پر مبنی رویہ اختیار کریں۔

لَا یَنْهٰکُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَیْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۝ (۶۱)

"(اے مسلمانو!) اللہ تم کو ان لوگوں کے ساتھ نیکی کا برتاؤ اور انصاف کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہ لڑے اور نہ انہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نکالا (بلکہ) اللہ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ۝"

اقلیتوں کی حفاظت اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے:

اسلامی ریاست میں اقلیتوں کو دفاعی ذمہ داریاں ادا کرنے پر مجبور کیا جا سکتا بلکہ ان کا دفاع اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے اور اسلامی حکومت غیر مسلموں کے جان و مال اور آبرو کی حفاظت کرے گی۔ (۶۲)

چونکہ اسلامی ریاست اقلیتوں کو جان و مال اور آبرو کا تحفظ فراہم کرتی ہے اور ان پر کوئی دفاعی ذمہ داری بھی عائد نہیں کرتی لہٰذا اس کے عوض اقلیتیں اسلامی ریاست کو مالیاتی طور پر contribute کرتے ہیں جسے اسلامی قانون میں جزیہ کہا گیا ہے۔ اسلامی ریاست میں اقلیتوں پر جزیہ عائد کرنے کے معاملے میں بھی عدل و انصاف اور حسن سلوک کی تعلیم دی گئی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امرائے لشکر کو لکھا:

الا یضربوا الجزیة علی النساء ولا علی الصبیان وان یضربوا الجزیة علی من جرت علیه الموسی من الرجال۔ (۶۳)

"عورتوں اور بچوں پر جزیہ عائد نہ کریں اور صرف ان مردوں پر جزیہ عائد کریں، جن کے بال اگ آئے ہوں (بالغ ہو گئے ہوں)"۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک مقام سے گزر ہوا تو آپؓ نے ایک بوڑھے نابینا یہودی کو بھیک مانگتے ہوئے دیکھا۔ آپؓ نے

اس سے پوچھا:

فما الجاک الیٰ ما اری؟ قال: اسئال الجزیة والحاجة والسن. فاخذ عمر بیده وذهب به الیٰ منزله فرضخ له بشیٔ من المنزل، ثم ارسل الی خازن بیت المال فقال: انظر هذا و ضرباء ه، فواللّٰه! ما انصفناه ان اکلنا شبیبه ثم نخذله عندالهرم. (۶۴)

تمہیں اس پر کس بات نے مجبور کیا؟ اس نے کہا کہ بوڑھا ضرورت مند ہوں اور جزیہ بھی دیتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور گھر لائے اور اسے اپنے گھر سے کچھ دیا، پھر اسے بیت المال کے خازن کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ اس کا اور اس جیسے اور لوگوں کا خیال رکھو اور ان سے جزیہ لینا موقوف کر دو کیونکہ یہ کوئی انصاف کی بات نہیں ہے کہ ہم نے ان کی جوانی میں ان سے جزیہ وصول کیا اور اب بڑھاپے میں ان کو اس طرح رسوا کریں''۔

جزیہ کی مقدار مقرر کرنے میں بھی ذمیوں پر تشدد کرنا ممنوع ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصیت ہے کہ لا یکلفوا فوق طاقتهم جتنا مال دینا ان کی طاقت سے باہر ہو انہیں اس کے ادا کرنے کی تکلیف نہ دو۔(۶۵)

جزیہ کے عوض ان کی املاک کا نیلام نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم ہے:

لا تبیعن لهم فی خراجهم حماراً ولا بقرة ولا کسوة شتاء ولا صیف. (۶۶)

''خراج میں ان کا گدھا یا ان کی گائے یا ان کے سردی و گرمی سے بچانے والے کپڑے نہ بیچنا''۔

ایک اور موقع پر اپنے عامل کو بھیجتے وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

لا تبیعن لهم کسوة شتاء ولا صیفاً، ولا رزقاً یا کلونه، ولا دابة یعملون علیها، ولا تضربن احداً منهم سوطاً واحداً فی درهم ولا تقمه علیٰ رجله فی طلب درهم، ولا تبع لأحد منهم عرضا فی شیٔ من الخراج، فانا انما امرنا ان ناخذ منهم العفو، فان انت خالفت ما امرتک به یاخذک اللّٰه به دونی، وان بلغنی عنک خلاف ذلک عزلتک. (۶۷)

''ان کے جاڑے گرمی کے کپڑے اور ان کے کھانے کا سامان اور ان کے جانور جن سے وہ کھیتی باڑی کرتے ہیں، خراج وصول کرنے کی خاطر نہ بیچنا نہ کسی کو درہم وصول کرنے کے لیے کوڑے مارنا، نہ کسی کو کھڑا رکھنے کی سزا دینا اور نہ خراج کے عوض کسی چیز کا نیلام کرنا کیوں کہ ہم، جو ان کے حاکم بنائے گئے ہیں، ہمارا کام نرمی سے وصول کرنا ہے۔ اگر تم نے میرے حکم کے خلاف عمل کیا تو اللہ میرے بجائے تمہیں سزا دے گا اور اگر مجھے تمہاری خلاف ورزی کی خبر پہنچی تو میں تمہیں معزول کر دوں گا''۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام کے گورنر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو فرمان لکھا تھا اس میں منجملہ اور احکام کے ایک یہ بھی تھا کہ:

وامنع المسلمین من ظلمهم ولاضرارهم واکل اموالهم الا بحلها. (۶۸)

''مسلمانوں کو ان پر ظلم کرنے اور انہیں ضرر پہنچانے اور ناجائز طریقے سے ان کے مال کھانے سے منع کرنا''۔

شام کے سفر میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ ان کے عامل جزیہ وصول کرنے کے لیے ذمیوں کو دھوپ میں کھڑا کر کے اوران کے سروں پر تیل ڈال کر سزائیں دے رہے ہیں۔ اس پر آپؓ نے فرمایا:

فدعوهم، لا تكلفوهم ما لا يطيقون، فاني سمعت رسول الله ﷺ يقول: لا تعذبوا الناس فان الذين يعذبون الناس في الدنيا يعذبهم الله يوم القيامة وامر بهم فخلى سبيلهم (۶۹)

"ان کو چھوڑ دو، تم ان کو تکلیف نہ دو جس کی وہ طاقت نہیں رکھتے، میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ لوگوں کو عذاب نہ دو بے شک وہ لوگ جو لوگوں کو دنیا میں عذاب دیتے ہیں اللہ انہیں قیامت کے دن عذاب دے گا۔ آپؓ کے حکم پر انہیں چھوڑ دیا گیا"۔

ہشام بن حکم نے حمص کے ایک سرکاری افسر عیاض بن غنم کو دیکھا کہ وہ ایک قبطی کو جزیہ وصول کرنے کے لیے دھوپ میں کھڑا کر رہا ہے۔ اس پر انہوں نے اسے ملامت کی اور کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے:

انّ الله يعذّب الذين يعذّبون الناس في الدنيا. (۷۰)

"اللہ ان لوگوں کو عذاب دے گا جو دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں"۔

فقہائے اسلام نے نادہندگان کے حق میں صرف اتنی اجازت دی ہے کہ انہیں تادیباً قید بے مشقت کی سزا دی جاسکتی ہے۔ امام ابو یوسفؒ نے لکھا ہے:

ولكن يرفق بهم ويحبسون حتى يؤدوا ما عليهم. (۷۱)

"اوران سے نرمی سے پیش آیا جائے گا اور ادائگی جزیہ تک انہیں قید کیا جائے گا"۔

جو ذمی محتاج اور فقیر ہو جائیں، انہیں صرف جزیہ ہی معاف نہیں کیا جائے گا بلکہ ان کے لیے اسلامی خزانہ سے وظائف بھی مقرر کیے جائیں گے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے اہل حیرہ کو جو امان نامہ لکھ کر دیا تھا اس میں لکھتے ہیں:

وجعلت لهم ايما شيخ ضعف عن العمل او اصابته آفة من الآفات او كان غنياً فافتقر و صار اهل دينه يتصدقون عليه طرحت جزيته وعيل من بيت مال المسلمين وعياله. (۷۲)

"میں نے ان کے لیے یہ حق بھی رکھا ہے کہ جو کوئی شخص بڑھاپے کے سبب از کار رفتہ ہو جائے یا اس پر کوئی آفت نازل ہو جائے، یا وہ پہلے مال دار تھا پھر فقیر ہو گیا یہاں تک کہ اس کے ہم مذہب لوگ اس کو صدقہ و خیرات دینے لگے، تو اس کا جزیہ معاف کر دیا جائے گا اور اسے اور اس کے بال بچوں کو ریاست کے بیت المال سے خرچ دیا جائے گا"۔

اگر کوئی ذمی مر جائے اور اس کے حساب میں مکمل جزیہ یا جزیہ کا بقایا واجب الادا ہو تو وہ اس کے ترکہ سے وصول نہیں کیا جائے گا اور نہ اس کے ورثاء پر اس کا بار ڈالا جائے گا کیونکہ یہ اس پر قرض نہیں ہے۔ امام ابو یوسفؒ لکھتے ہیں:

ان وجبت عليه الجزية فمات قبل ان تؤخذ منه او اخذ بعضها وبقي البعض لم يؤخذ بذلك ورثته ولم تؤخذ من تركته لان ذلك ليس بدين عليه. (۷۳)

''اگر اس پر جزیہ واجب ہو تو اس کی کل یا کچھ ادائیگی سے قبل وہ مر جائے تو اس پر بقیہ واجب الادا جزیہ وارثوں سے وصول نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ اس پر قرض نہیں ہے''۔

عسکری خدمات سے استثناء کا حق:

اسلامی ریاست میں ذمی فوجی خدمت سے مستثنیٰ ہیں اور دشمن سے ملک کی حفاظت تنہا مسلمانوں کے فرائض میں شامل ہے چونکہ ان سے جزیہ اسی حفاظت کے معاوضہ میں وصول کیا جاتا ہے، اس لیے اسلام نہ تو ان کو فوجی خدمت کی تکلیف دینا جائز سمجھتا ہے اور نہ ان کی حفاظت سے عاجز ہونے کی صورت میں جزیہ وصول کرتا۔ اگر مسلمان ان کی حفاظت نہ کر سکیں تو انہیں ذمیوں کے اموال جزیہ سے فائدہ اٹھانے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ جنگ یرموک کے موقع پر رومیوں نے مسلمانوں کے مقابلہ پر ایک زبردست فوج جمع کی اور مسلمانوں کو شام کے تمام مفتوح علاقے چھوڑ کر ایک مرکز پر جمع ہونے کی ضرورت پیش آئی تو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے امراء کو لکھا کہ:

''جو کچھ جزیہ وخراج تم نے ذمیوں سے وصول کیا ہے انہیں واپس کر دو اور ان سے کہو کہ اب ہم تمہاری حفاظت سے عاجز ہیں، اس لیے تم اپنے معاملے کے لحاظ سے آزاد ہو۔ اس لیے ہم نے جو مال تمہاری حفاظت کے معاوضہ میں وصول کیا تھا اسے واپس کرتے ہیں''۔

اس حکم کے مطابق تمام لشکروں کے امراء نے جمع شدہ رقم واپس کر دی۔ (۷۴)

اقلیتوں سے معاہدے کی پاسداری اسلامی ریاست کا فرض ہے:

اگر اقلیتوں نے اسلامی ریاست سے کوئی معاہدہ کیا ہو تو اسلامی ریاست اسے ہر حال میں پورا کرنے کی پابند ہوگی:

العقد فهو انه لازم في حقنا حتیٰ لايملک المسلمون نقضه بحال من الاحوال واما في حقهم فغير لازم. (۷۵)

''عقد ذمہ مسلمانوں کی جانب ابدی لزوم رکھتا ہے یعنی وہ میثاق کرنے کے بعد پھر توڑ دینے کے مختار نہیں ہیں، لیکن دوسری جانب ذمیوں کو اختیار ہے کہ جب تک چاہیں اس پر قائم رہیں اور جب چاہیں توڑ دیں''۔

ذمی خواہ کیسے ہی بڑے جرم کا ارتکاب کرے اس کا ذمہ نہیں ٹوٹتا، حتیٰ کہ جزیہ بند کر دینا، مسلمان کو قتل کرنا یا کسی مسلمان عورت کی آبرو ریزی کرنا بھی اس کے حق میں ناقص ذمہ نہیں ہے البتہ صرف تین صورتیں ایسی ہیں جن میں عقد ذمہ باقی نہیں رہتا، ایک یہ کہ وہ مسلمان ہو جائے دوسری یہ کہ وہ دارالاسلام سے نکل کر دشمنوں سے جا ملے، تیسری یہ حکومت اسلامیہ کے خلاف علانیہ بغاوت کر دے۔ (۷۶)

جنگی قیدیوں کے حقوق:

اسلام نے جنگی قیدیوں سے حسن سلوک کی تعلیم دی ہے۔ جنگ بدر کے ایک قیدی کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر رحم کرے، یہ اپنے اہل وعیال سے اچھا کھانا ہمیں کھلاتے تھے اور اپنے گھر کے لوگوں سے کہیں زیادہ ہماری آسائش کا خیال رکھتے تھے۔ مخالفین

سے یہ سلوک اس لیے کیا جاتا تھا کہ اسلام دشمن کو بھی تکریم انسانیت کا مستحق سمجھتا ہے اور کسی کے فکر اور عقیدے میں جبر و جور کے ذریعے تبدیلی پسند نہیں کرتا، اس کا واضح ارشاد ہے:

﴿لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ﴾۔(۷۷)

"دین کے معاملہ میں جبر روا نہیں"۔

جب دین کے معاملے میں جبر روا نہیں تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ غیر مسلموں کو انسانی حقوق سے محروم کر دیا جائے۔

نا صرف عہد نبویؐ اور خلافت راشدہؓ بلکہ عہد بنو امیہ، بنو عباس، عہد فاطمین مصر، عہد ترکان عثمان اور عہد مغلیہ تک تقریباً پوری اسلامی تاریخ ہی غیر مسلموں اور معاہد ذمیوں کے ساتھ صلح حدیبیہ کی طرز پر رواداری حسن سلوک، انسانیت نوازی، وسیع نظری اور وسعت قلب و ظرف پر مبنی نادر واقعات اور مثالوں سے لبریز ہے تاہم پر امن بقائے باہمی کے اصول پر مبنی صلح و معاہدات کا ذخیرہ اور تفصیل ہمیں عہد نبویؐ اور خلافت راشدہؓ کے بعد عہد ترکان عثمانؓ میں اسلامی تاریخ کے دیگر اداروں کی نسبت زیادہ ملتی ہے لہٰذا اسی اعتبار سے ہم نے عہد ترکان پر نسبتاً زیادہ تفصیلی روشنی ڈالی ہے جبکہ عہد نبویؐ اور عہد خلافت راشدہؓ سے منسلک تاریخی واقعات و معاہدات کا تفصیلی تذکرہ باب اوّل کی فصل سوم اور باب چہارم کی فصل اوّل تا پنجم میں ہم نے تفصیل سے پیش کیا ہے۔ یہاں ہم موضوع کے اعتبار سے سرسری تذکرے کے ساتھ اس جائزہ کا آغاز کرتے ہیں۔

عہد نبویؐ کی باقاعدہ نبویؐ سیاست کا آغاز ہجرت مدینہ کے بعد ہوا۔ مکہ میں تو مسلمانوں کا مقابلہ صرف مشرکین ہی سے تھا جبکہ ہجرت کے بعد مدینہ میں صورتحال مختلف تھی۔ اب مسلمانوں کا سابقہ بیک وقت نا صرف مشرکین بلکہ یہود و منافقین سے بھی تھا۔ یہودی اسلام کے پرانے دشمن رہے ہیں۔

عہد نبویؐ اور خلافت راشدہؓ میں رواداری کے واقعات و امن معاہدات:

"آنحضرت ﷺ کے زمانے میں بھی یہودیوں کی دشمنی مشہور تھی، مگر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ یہودی چھوٹی باتوں کی ٹوہ لیتے پھرتے ہیں اور حرام مال کھاتے چلے جاتے ہیں۔ پھر بھی جب وہ لوگ آپؐ کے پاس معاملات کا فیصلہ کرانے کے لئے آئیں تو اگر فیصلہ کیجئے تو انصاف کے ساتھ کیجئے کیونکہ اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے (۷۸) جنگ کی حالت میں بھی ظلم اور زیادتی کرنے کی ممانعت کی، جو لوگ تم سے لڑیں، اللہ کی راہ میں ان سے لڑو، لیکن کسی قسم کی زیادتی نہ کرو، اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا (۷۹) جنگ کے موقع پر پناہ دینے کی تلقین کی گئی ہے اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص تم سے پناہ چاہے تو اس کو پناہ دو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے کلام کو سن لے، پھر اس کو اس کی جگہ واپس پہنچا دو (۸۰)

جنگی دشمنوں سے بدعہدی کرنے کی سخت ممانعت کی گئی ہے۔ مشرکین میں سے جن کے ساتھ تم نے عہد و پیمان کیا، پھر انہوں نے عہد کی پابندی میں کمی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی تو ان کے ساتھ عہد و پیمان کی جو مدت مقرر ہے، اس کو پورا کرو، جو لوگ بدعہدی سے بچتے ہیں اللہ ان کو دوست رکھتا ہے۔ (۸۱)

فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنے دشمنوں اور خون کے پیاسوں کے ساتھ جو عفو ودرگزر اور رحم وکرم کا برتاؤ کیا وہ دنیا کی عجیب و غریب مثال ہے۔ آپؐ کے سامنے وہ جباران قوم تھے جو اسلام کو مٹانے کے لئے آگے تھے۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے، جو آپؐ پر گالیوں کے بادل برسایا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو آپؐ کے راستے میں کانٹے بھی بچھایا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو آپ کی ایڑیوں کو لہولہان کردیا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو مسلمانوں کو جلتی ریت پر لٹا کر ان کے سینے پر آتشیں مہریں لگایا کرتے تھے، ان سب کو مخاطب کر کے فرمایا، تم پر آج کچھ الزام نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔ (۸۲)

آپؐ نے کبھی کفار ومشرکین کو برا بھلا نہیں کہا، ہمیشہ ان کی ہدایت کی دعا کرتے رہے کہ اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے کہ وہ حق و باطل کو نہیں پہچان سکتے، ایک مرتبہ مشرکین کے مظالم سے تنگ آکر صحابہؓ نے آپؐ سے ان کے لئے بددعا کی درخواست کی، تو آپؐ نے فرمایا میں لعنت کرنے کے لئے نہیں بھیجا گیا ہوں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

رحمت للعالمینؐ کے قبضہ میں جب پورا جزیرۃ العرب آگیا تو نجران کے عیسائیوں کے ساتھ آپ کا پہلا معاملہ ہوا، آپؐ نے ان کو یہ حقوق دیئے کہ نجران اور اس کے اطراف کے باشندوں کی جانیں، ان کا مذہب، ان کی زمینیں، ان کا مال، ان کے حاضر و غائب، ان کے قافلے، ان کی سورتیں اللہ کی امان اور اس کے رسول کی ضمانت میں ہیں۔ ان کی موجودہ حالت میں کوئی تغیر نہ کیا جائے گا اور نہ ان کے حقوق میں سے کسی حق میں دست اندازی کی جائے گی اور نہ سورتیں بگاڑی جائیں گی، کوئی اسقف یا راہب اپنے عہدہ سے نہ ہٹایا جائے گا، ان کے زمانہ جاہلیت کے کسی جرم یا خون کا بدلہ نہ لیا جائے گا، نہ فوجی خدمت لی جائے گی، نہ ان پر عشر لگایا جائے گا اور نہ اسلامی فوج ان کی سرزمین کو پامال کرے گی، نہ ان پر ظلم ہوگا...... جب تک وہ لوگ مسلمانوں کے خیرخواہ رہیں گے، ان کے ساتھ جو شرائط کئے گئے ہیں، ان کی پابندی کی جائے گی، ان کو ظلم سے کسی بات پر مجبور نہ کیا جائے گا۔ (۸۳)

رسول اللہ ﷺ کی ان تعلیمات پر صحابۂ کرام کا بھی یہی عمل رہا، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں جب حضرت خالدؓ بن ولید نے حیرہ کو فتح کیا تو اہل حیرہ کو یہ ضمانت دی گئی کہ ان کی خانقاہیں اور گرجے نہ ڈھائے جائیں گے اور نہ ان کے عید کے دن ان کو ناقوس بجانے اور صلیبیں نکالنے سے روکا جائے گا۔ (۸۴)

حضرت عمرؓ نے جب بیت المقدس فتح کیا تو وہاں کے عیسائیوں کو یہ حقوق دیئے کہ ان کی جان کی امان ہوگی، ان کے گرجوں میں سکونت اختیار نہ کیا جائے گی، نہ وہ گرائے جائیں گے اور نہ ان کو اور ان کے احاطوں کو نقصان پہنچایا جائے گا، نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی، نہ مذہب کے معاملہ میں ان پر جبر کیا جائے گا، نہ ان کو کسی قسم کا کوئی نقصان پہنچایا جائے گا (۸۵) حضرت عمرؓ ہی کے زمانہ میں جب جرجان فتح ہوا، تو وہاں کے لوگوں سے یہ معاہدہ کیا گیا کہ ان کی جان، مال، مذہب اور شریعت کے لئے امان ہے، ان میں سے کسی چیز میں کوئی تغیر نہ کیا جائے گا، (۸۶) جب حضرت ابوعبیدہؓ نے شام کو فتح کیا تو حضرت عمرؓ نے ان کو لکھ بھیجا کہ مسلمانوں کو روکو کہ ذمیوں پر ظلم نہ کرنے پائیں، نہ ان کو کوئی نقصان پہنچائیں، نہ ناجائز طور پر ان کا مال کھائیں، ان سے جو شرطیں کی گئی ہیں اور ان سے جو وعدے کئے گئے ہیں، ان کو پورا کیا جائے۔ (۸۷)

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص حضرت عمرؓ نے زمانہ میں بڑے جلیل القدر فاتح تھے، حضرت عمرؓ نے ان کو ایک طویل فرمان بھیج کر یہ

ہدایت دی کہ فوج کا پڑاؤ ذمیوں کی آبادی سے دور رکھا کرو، ان کی آبادی میں انہی لوگوں کو جانے کی اجازت دو، جن کی دیانت اور امانت پر تم کو پورا بھروسہ ہو اور جو ان کے ساتھ بُرا سلوک نہ کریں کیونکہ تم پر ان کے جان و مال کے احترام اور ان کی حفاظت کی ذمہ داری ہے جس کو پورا کرنا تمہاری آزمائش ہے، جس طرح ان پر عہد کی پابندی کی ذمہ داری اور اس کی آزمائش ہے، جب وہ اس ذمہ داری کو پورا کرتے ہیں، تم بھی ان کے ساتھ اچھا سلوک رکھو اور جن لوگوں نے تم سے صلح کر لی ہے ان پر ظلم کر کے دشمن پر فتح حاصل کرنے کی کوشش نہ کرو۔(۸۸)

حضرت علیؓ کے زمانہ میں ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا، حضرت علیؓ نے قاتل کو قتل کرنے کا حکم دے دیا، مگر مقتول کے بھائی نے خون بہا کر قاتل کو معاف کر دینا چاہا تو حضرت علیؓ نے اس سے فرمایا کہ تم جانو، تمہارا کام جانے جس (یعنی ذمی) کی ذمہ داری ہم پر ہے، اس کا خون ہمارے خون کے برابر اور اس کی دیت ہماری دیت کے برابر ہے۔(۸۹)

تاریخ اسلامی پر صلح حدیبیہ کے اثرات یعنی رواداری، وسیع القلبی، وسیع النظری، حسن سلوک، انسان دوستی اور پرامن بقائے باہمی کے اصول پر مبنی واقعات و معاہدات کی نادر مثالیں:

بنوامیہ (دمشق) کی امن پسندی:

خلافت راشدہؓ کے بعد حضرت امیر معاویہؓ کے ہاتھوں خلافت بنوامیہ کا آغاز ہوا۔ بنوامیہ نے ایک عرصے عالم اسلام پر حکومت کی گو کہ ان کا طرز حکومت خلافت راشدہؓ کے معیار کا نہ تھا تاہم اسلامی تاریخ میں انہوں نے ایک اہم کردار ادا کیا اور ان کا عہد حکومت میں بھی صلح حدیبیہ کے تناظر میں غیر مسلموں اور معاہد ذمیوں کے ساتھ رواداری، حسن سلوک اور وسعت قلب و ظرف کی کئی نادر مثالیں ملتی ہیں۔ چنانچہ بنوامیہ کی رواداری کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ ان کے مفتوحہ علاقوں خصوصاً شام اور عراق میں دفتری زبان عربی کے بجائے رومی، فارسی ہی رہی۔ خراج کے محکمے میں عربوں کے بجائے دوسری قومیں ہی سیاہ و سفید کی مالک بنی رہیں۔(۹۰)

بنوامیہ کی علمی رواداریاں:

امیر معاویہؓ نے اپنی حکومت کے زمانہ میں غیر قوموں کی بڑی حوصلہ افزائی کی انہوں نے ایک عیسائی کو دربار کا منشی مقرر کیا۔ ابن آثال ایک عیسائی تھا۔ امیر معاویہؓ نے حمص میں اس کو ایک معزز عہدہ دیا، وہ طبیب بھی تھا، اس لیے امیر معاویہؓ کے لیے طب کی بعض کتابیں یونانی زبان سے ترجمہ کیں۔(۹۱)

امیر معاویہؓ کا پوتا خالد تھا، اس کو اسلامی علوم و فنون سے بڑا لگاؤ تھا، لیکن جب اس کو طب اور کیمیا سے واقفیت حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا تو اس نے عیسائی طبیبوں کی شاگردی اختیار کر لی اور مریانس نامی ایک راہب عالم سے علم کیمیا سیکھا اور اس فن میں تین مختصر کتابیں بھی لکھیں، اس نے عیسائی عالموں کو بلا کر یونانی اور قبطی زبانوں کی کتابوں کے ترجمے کرائے، ان میں مشہور مترجم اصطفن تھا۔(۹۲)

مروان بن الحکم کے دربار کا مشہور طبیب ماسرجیس تھا جو یہودی تھا، اس نے بشپ ایران کی اقرابادین کا عربی ترجمہ سریانی زبان میں کیا۔(۹۳)

اس وقت مال گزاری اور خراج کے دفتروں میں سارا حساب کتاب یا تو لاطینی یا پہلوی زبان میں رکھا جاتا تھا۔

ہشام بن عبدالملک کے زمانہ میں علوم وفنون کی بڑی ترقی ہوئی۔ اس نے غیر قوموں کی بڑی سرپرستی کی، اس کے زمانہ میں خالد بن عبداللہ قسری عراق کا حاکم اعلیٰ مقرر ہوا، وہ اپنی علمی بے تعصبی کے لیے بے حد مشہور ہوا۔ شہنشاہ ایران نے فرقۂ مانویہ کے پیشوا مانی کو قتل کرا دیا تھا اور حکم دیا تھا کہ اس فرقہ کا ایک آدمی بھی زندہ نہ رہنے پائے چنانچہ اس کے پیرو پناہ لینے کے لیے ہر جگہ مارے مارے پھرتے تھے۔ خالد نے ان کو پناہ دی اور اس فرقہ کے لوگ اس کو مربی سمجھنے لگے تھے۔ ہشام کا میر منشی سالم غیر زبانوں میں مہارت رکھتا تھا۔ اس نے ارسطو کے رسالوں کا ترجمہ عربی زبان میں کیا۔ اس کے بیٹے جبلہ نے فارسی زبان کی بہت سی کتابوں کا ترجمہ عربی زبان میں کیا۔ ہشام کو شاہان عجم کے علمی ذخیرہ میں ان کی ایک مصور تاریخ بھی ہاتھ آئی تھی، جس میں قواعد سلطنت، تعمیرات اور دوسرے علوم وفنون بھی درج تھے۔ ہشام نے اس کا ترجمہ عربی میں کرایا۔(۹۳)

محمد بن قاسم کی امن پسندی:

ولید بن عبدالملک (۷۰۵۔۱۵ء) کے زمانے میں عراق کے حاکم حجاج ابن یوسف (المتوفی ۹۵ھ، ۷۱۳ء) نے محمد بن قاسم کو فارس سے سندھ کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ یہ فوجی مہم اس لحاظ سے بڑی تاریخی کہی جاسکتی ہے کہ لشکر کشی کے باوجود اس میں مذہبی رواداری اور فراخ دلی کا وہی عملی نمونہ پیش کیا گیا جو اسلام کی صحیح تعلیم تھی۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا ہے کہ اس کی فوج سندھ میں پھول برساتی ہوئی داخل ہوئی، اس کی فوج کے نیزوں سے کسی کو کاری زخم نہیں لگا۔ اس کی تلواروں سے خون نہیں بہا، اس کے آتشیں اسلحہ سے بربادی اور اس کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے غارتگری نہیں ہوئی، لڑائی بہر حال ہولناک اور خوں ریز ہوا کرتی ہے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ خوں ریز اور ہولناک لڑائیوں کے بعد ان عرب فاتحوں کا سلوک مفتوحوں کے ساتھ کیا رہا۔

حجاج بن یوسف کی پُر امن نصیحتیں:

عام طور سے حجاج بن یوسف ایک بڑا جابر اور خونیں حاکم سمجھا جاتا ہے، لیکن سندھ کی فتوحات کے سلسلے میں اس نے محمد بن قاسم کو جو پہلی تحریر میں ہدایتیں بھیجیں، اس میں اور باتوں کے علاوہ یہ بھی تھیں:

خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہو، صبر کرتے رہو، دشمن کے ملک میں پہنچو تو کشادہ جگہ میں اترو، جب ہاتھیوں کی فوج سامنے آئے تو الگ الگ ٹکڑیاں بنالو اور جب وہ حملہ کریں تو ایک جگہ جم کر ان پر تیر برساؤ، برگستوان کو شیر اور ہاتھی کی شکل کا بنواؤ۔(۹۵)

"ہمیشہ تلاوت قرآن میں مشغول رہا کرو، دعائیں پڑھتے رہو، خدائے عزوجل کا ذکر ہر وقت زبان پر رکھو، توفیق الٰہی سے نصرت کے خواہاں رہو، خداوند تعالیٰ تم کو فتح دے گا، لاحول ولا قوۃ الا باللہ العظیم کو اپنا مددگار بناؤ...... جب دشمنوں سے مقابلہ کرو تو

خاموش رہو، اگر دشمن نعرے لگائیں، تحش بکیں اور لڑنے آئیں تو ان سے اس وقت تک نہ لڑو جب تک حکم نہ پہنچے...... (۹۶)

"جو مال، متاع، ہاتھی گھوڑے تمہارے ہاتھ آئیں، ان کو تم اپنی ملکیت نہ سمجھو تا کہ تم اپنے یاروں میں نیک نام رہو، ہر ایک کا احترام کرو اور سب کی دل جوئی میں لگے رہو، لشکر کو جن چیزوں کی احتیاج ہو اس کو رفع کرنے کی کوشش کرو، جب علاقہ پر حکومت یقینی ہو جائے اور قلعے محفوظ ہو جائیں تو جو کچھ بچے اس کو رعایا کی رفاہ اور بہبود میں خرچ کرنے میں دریغ نہ کرو، ان کے کھانے پینے کا پورا انتظام کرو، سپاہیوں کو مال غنیمت بھی دو اور ایسی فیاضی کرتے رہو کہ لشکر میں غلہ ارزاں ہو، کاشتکاروں اور تاجروں کے سامنے ہر قسم کی رعایت کرو کیونکہ ان کی مرفہ حالی اور آسودگی سے ملک مزروع اور آباد رہتا ہے اور اس طرح وہ تمہاری طرف بھی مائل رہیں گے۔ (۹۷)

"جو کوئی تم سے انتظام یا ولایت کا طلب گار ہو تو اس کو ناامید نہ کرو، اس کے التماس کو قبول کرو، رعایا کو امان دے کر ان کے دلوں کو مضبوط کرو، بادشاہی کے چار ارکان ہیں (۱) مدارا (یعنی خاطر داری)، مواساۃ (دلجوئی)، مسامحت (ہمدردی)، مصاہرت (رشتہ داری) (۲) مال اور عطیہ کا لینا دینا (۳) دشمنوں کی مخالفت میں صحیح رائے قائم کرنا (۴) رعب، مہابت، شہامت، قوت اور شوکت کا اظہار کرنا، ان باتوں سے دشمنوں کو زیر کرنا چاہیے۔ راجہ جس بات کا التماس کریں، اس کو پورا عہد کر کے ان کو راہ پر لاؤ، جب وہ خدمت کے لیے آمادگی کا اظہار کریں اور مال گزاری خزانے میں ادا کرتے رہیں تو ان کو ہر طرح کی قوت پہنچاتے رہو، دشمنوں کے مکر و فریب سے بچتے رہو ..... مسلمانوں کا کوئی سفیر کہیں بھیجو تو اس کا مذہبی عقیدہ درست ہونا چاہیے تا کہ وہ ہر بات کو رعب کے ساتھ جھجک کے بغیر کہہ سکے..... جو شخص وحدانیت الٰہی کا اقرار کرے اور تمہاری اطاعت قبول کر لے، تو اس کے تمام مال و اسباب، علاقے، زمین، کھیتی کو برقرار رکھو اور جو اسلام قبول نہ کریں ان کو اسی حد تک گزند پہنچاؤ کہ وہ مطیع ہو جائیں، جو لوگ تمرد اختیار کریں تو ان سے لڑنے کے لئے تیار رہو، ایسی جگہ جا کر لڑو جہاں زمین کشادہ ہو تا کہ مرد مرد کے ساتھ اور سوار سوار کے ساتھ میدان میں جولانیاں کر سکیں۔ جب لڑائی میں مصروف ہو جاؤ تو کرم الٰہی پر توکل کرو۔ (۹۸)

محمد بن قاسم کا فیاضانہ برتاؤ:

حجاج بن یوسف بڑا زبردست حاکم گزرا ہے۔ اس کے احکام کی سرتابی مشکل سے ہوا کرتی تھی۔ محمد بن قاسم اس کو اپنا شفیق بزرگ سمجھتا رہا کیونکہ وہ اس کا چچازاد بھائی ہونے کے علاوہ اس کا داماد بھی تھا۔ حجاج بھی اس کو بہت محبوب رکھتا تھا، اس لیے دونوں کے فکر و عمل میں بڑی ہم آہنگی رہی۔ اس کے علاوہ محمد بن قاسم میں ذاتی طور پر غیر معمولی شرافت و اخلاق اور شرافت نفس تھی، اس لیے اس نے نہ صرف حجاج کے احکام کی پوری تعمیل کی، بلکہ جنگ کے بعد اس نے اپنے مفتوحوں، صلح خواہوں اور امن پسندوں سے جو روادارانہ سلوک اور فیاضانہ برتاؤ کیا، وہ دنیا کی تاریخ میں اپنی مثال آپ ہے۔

سندھ پر فوج کشی کی ایک وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ لنکا کے راجہ نے حجاج بن یوسف کے پاس خیر سگالی کا ایک وفد بھیجا، تو اس کے وفد کے ساتھ آٹھ جہاز تھے، جن میں راجہ کی طرف سے تحائف بھرے تھے، ان جہازوں میں ایک مسلمان تاجر کی بیوہ عورت اور یتیم لڑکے اور لڑکیاں بھی تھیں، اور مسلمان عورت اور مرد بھی حج کے ارادہ سے ان پر سوار ہو گئے تھے۔ یہ جہاز بلاد قاذرون میں پہنچے تو باد

مخالف کی وجہ سے دیبل کی طرف بھٹک گئے۔ یہاں کے بحری قزاقوں نے ان جہازوں کا سارا مال لوٹ لیا اور مسافروں کو قید کرلیا۔ ان قیدیوں میں قبیلہ عزیز کی ایک عورت بے اختیار پکار اٹھی یا حجاج اغثنی (اے حجاج بچاؤ) حجاج کو جب اس کی خبر ہوئی تو وہ بے تاب ہو گیا اور اس نے سندھ فتح کرنے کا مصمم ارادہ کیا۔ پہلے دو فوجی مہموں کو تو ناکامی ہوئی، لیکن محمد بن قاسم ہر طرح کامیاب رہا۔ وہ اردبیل فتح کر کے دیبل کی طرف بڑھا اور جب اس کو فتح کرنے میں لگا ہوا تھا تو ایک برہمن اس کے پاس آیا اور عرض کی کہ ہماری نجوم کی کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ لشکر اسلام کی فتح ہوگی۔ پھر ایک جوتشی نے آکر یہی بشارت دی اور اس نے یہ بھی کہا کہ اگر میرے اہل وعیال کے جان و مال کی امان دی جائے تو وہ ان مسلمان قیدیوں کا پتہ بتا سکتا ہے، جو لنکا کے جہاز پر سے گرفتار کر لیے گئے ہیں۔ محمد بن قاسم نے اس کو امان دی اور اسی کی مدد سے وہ قیدی محمد بن قاسم کے پاس لائے گئے۔ یہ قیدی ایک ایسے شخص کی حراست میں تھے، جو عاقل، دانا، پرہیز گار اور ادیب بھی تھا۔ محمد بن قاسم نے اس کو سزا دینا چاہی، لیکن اس نے عرض کیا کہ قیدی خود بتائیں گے کہ اس نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ قیدیوں نے بالاتفاق کہا کہ اس نے ہماری تواضع و مدارات کی، جس کے لیے ہم اس کے شکر گزار ہیں اور وہ ہمیشہ اسلامی لشکر کی خوش خبری سے ہمارے دلوں کو تسکین دیتا رہا۔ یہ سن کر محمد بن قاسم نے اس شخص کو معاف کر دیا، جس کے بعد اس نے اسلام قبول کرلیا۔ محمد بن قاسم نے خوش ہو کر اس کو دیبل میں اپنا نائب مقرر کیا اور یہ پورا علاقہ اس کی امارت میں دے دیا (۹۹ الف)

مفتوحین سے حسن سلوک:

نیرون کے محاصرہ کے بعد جب محصورین نے اس کے قلعہ کا دروازہ کھول دیا تو اس کی خبر محمد بن قاسم نے حجاج کو دی، اس نے فوراً لکھا کہ جو تم سے امان چاہتے ہیں، ان کو پناہ دو۔ اگر کسی جگہ کے اکابر تم سے آکر ملیں تو ان کو قیمتی خلعت دو اور ان کو اکرام و انعام سے سرفراز کرنا ضروری سمجھو، عقل کو اپنا پیشوا بناؤ تا کہ اس علاقہ کے امراء اور معارف تمہارے قول و فعل پر اعتماد کریں۔ محمد بن قاسم نے ان ہدایتوں پر عمل کیا اور نیرون کے حاکم کو کہلا بھیجا کہ اب جب کہ قلعہ کا دروازہ کھل گیا ہے، تمہارے اکرام و احترام میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جائے گی۔ اس پیام کے بعد نیرون کا حاکم بہت سے تحائف لے کر محمد بن قاسم کے پاس آیا، پھر اپنے قلعہ میں واپس ہو کر محمد بن قاسم کی ضیافت کی اور برابر اس کے پاس تحفے بھیجتا رہا۔ لشکر میں غلہ کی کمی تھی، جس کو اس نے پورا کیا۔ (۹۹ ب)

محمد بن قاسم کے اس سلوک کا اثر سندھ کے اور دوسرے باشندوں پر بھی پڑا، جب وہ سیوستان کی طرف بڑھا تو اس کا حاکم راجہ داہر کا بھتیجا بجھرا (بجے رائے) تھا۔ وہاں کے بودھوں اور دوسرے لوگوں نے بجھرا کے پاس ایک عرضداشت بھیجی کہ ہم کو معلوم ہے کہ محمد بن قاسم کے پاس امیر حجاج کا فرمان ہے کہ جو شخص اس سے امان مانگے اس سے عہد و پیمان کر کے اس کو اپنی پناہ میں لے لو۔ اہل عرب بہت باوفا ہیں، وہ جس بات کا وعدہ کر لیتے ہیں اس کو پورا کرتے ہیں۔ بہتر ہے کہ ہم ان سے عہد و پیمان کر لیں۔ بجھرا نے لوگوں کی باتیں نہ مانیں، لڑائی ہوئی اور اس کو شکست ہوئی، جس کے بعد سیوستان کے لوگوں نے محمد بن قاسم کی اطاعت قبول کر لی، سیوستان تک اسلامی لشکر کو پہنچانے میں نیرون کے حاکم نے ہر طرح مدد کی۔ (۱۰۰)

محمد بن قاسم سیوستان سے سیسم کی طرف بڑھا، تو راستہ میں راجہ داہر کے ایک ماتحت حاکم کاکا کوتک نے اس کی اطاعت قبول کر

لی، وہ منہ مہا بودھ تھا، جب اپنے ماتحت سرداروں اور معتمدوں کے ساتھ محمد بن قاسم کے پاس پہنچا تو اس نے ان کی بڑی عزت کی۔ محمد بن قاسم نے اس سے پوچھا، اے امیر ہند! تمہارے یہاں خلعت دینے کی کیا رسم ہے۔ کاکا نے جواب دیا کہ ہمارے یہاں یہ رسم ہے کہ خلعت پانے والے کو کرسی دی جاتی ہے، اس کو ریشم اور حریر کے ہندو وضع کے کپڑے پہنائے جاتے ہیں اور اس کے سر پر پگڑی باندھی جاتی ہے۔ محمد بن قاسم نے کاکا کو اسی طرح خلعت عطا کیا، جس سے نواح کے لوگوں پر اطاعت گزاری کا بڑا اچھا اثر پڑا۔ محمد بن قاسم اور کاکا سے دوستانہ تعلقات پیدا ہو گئے۔ اس دوستی سے اسلامی لشکر کو آئندہ فتوحات میں بڑی مدد ملی۔ کاکا نے بھی اسلامی طاقت سے ہر قسم کے فوائد حاصل کیے۔ اس کے پاس بڑی دولت جمع ہو گئی اور اس کے دشمن اس کی راہ سے ہٹ گئے۔ (۱۰۱)

محمد بن قاسم ۹۳ھ میں قلعہ اشبہار کو فتح کر کے دریائے سندھ کے مغربی کنارے آیا، تو سوریتہ کے حاکم موکہ بن بسایا نے بیس سرداروں کے ساتھ اس کے سامنے سپر ڈال دی۔ جب یہ لوگ اس کے پاس آئے تو موکہ کو کرسی پر بٹھایا، ایک لاکھ درہم بطور انعام عطا کیے۔ ایک سبز چتر بھی مرحمت کیا، جس کی چوٹی پر مور بنا ہوا تھا۔ علاقہ بیٹ کی حکومت بھی اس کے سپرد کی اور ایک عہد نامہ لکھ کر دیا کہ اس علاقہ کی حکومت اس کے خاندان میں نسلاً بعد نسل قائم رہے گی۔ اس کے سرداروں کو بھی خلعت اور گھوڑے دیے۔ ان عنایتوں کی وجہ سے موکہ عربوں کا بڑا وفادار بن گیا۔ اس نے آئندہ فتوحات میں ہر قسم کی مدد پہنچائی۔ (۱۰۲)

ضرورت سے زیادہ رواداری پر حجاج بن یوسف کا انتباہ:

راجہ داہر اپنے ماتحت حاکموں کو اس طرح محمد بن قاسم سے ملتے دیکھ کر بہت پریشان ہوا۔ اس نے اپنے بیٹے جے سیہ (جے سنگھ) کو عربوں کی پیش قدمی روکنے کے لیے بیٹ کی طرف روانہ کیا۔ وہ بڑھ کر دریائے انک کے ساحل پر مقیم ہوا۔ یہاں پچاس روز تک دونوں فوجیں قریب ہی پڑی رہیں۔ محمد بن قاسم کے لشکر میں قحط پڑ گیا۔ گھوڑے بڑی تعداد میں مرنے لگے۔ راجہ داہر خوش ہوا اور طنز آمیز باتیں لکھ کر اس کو صلح کا پیغام بھیجا۔ یہ معلوم کر کے حجاج نے مزید گھوڑے اور سامان بھیجے۔ محمد بن قاسم کی ضرورت سے زیادہ رواداری سے اندیشہ ناک ہو کر بطور انتباہ یہ لکھا کہ تم دشمنوں کو امان دینے میں بڑے حریص ہو گئے ہو۔ یہ امر مجھ کو مکروہ معلوم ہوتا ہے، جس دشمن کی عداوت کا امتحان ہو چکا ہو اس کو امان دینا مناسب نہیں۔ وضیع اور شریف کو ایک سطح پر نہیں رکھنا چاہیے، عقل سے اس طرح کام انجام دو کہ دشمنوں کو تمہارے عجز کا خیال نہ ہو، مدت سے تم دشمنوں کے مقابل میں پڑے ہو، تم صلح کی کوشش کرتے ہو، اس صلح جوئی کو لوگ تمہارے فتور و قصور پر محمول کریں گے۔ تم اپنی سیاست اور شجاعت کو بیدار رکھو، اپنی سہم و تہم پر بھروسہ کرو، راست گو اور قوی رائے بنے رہو، غفلت کو راہ نہ دو، عزم مصمم کے ساتھ خدا کے آگے دل و جان کو حاضر رکھو۔ (۱۰۳)

محمد بن قاسم کی وسیع القلبی پر تبصرہ:

شمس العلماء، ذکاء اللہ نے محمد بن قاسم کے کارناموں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

اگرچہ محمد بن قاسم کی نوعمری اور شباب کا عالم تھا، مگر وہ بڑا مدبر اور بڑا شجاع تھا، شمشیر اور تدبیر دونوں سے کام لیتا تھا، اگر اتفاقیہ کہیں

شمشیر سے کچھ ستم کیا تو تدبیر سے اس کی مکافات بھی ضرور کی، اگر کہیں بتوں کو توڑا تو اس کے ساتھ بت خانوں کی مرمت کرنے کا بھی حکم دے دیا۔ اگر کہیں لوٹ مار سے دشمنوں کو خستہ حال کیا تو ان کو بیت المال سے معاوضہ بھی دلا دیا۔ قدیم قاعدہ جو ہندوؤں کا تھا کہ زر مال گزاری میں سے تین فیصدی خزانہ شاہی میں اس لیے داخل کرتے تھے کہ اس روپیہ سے برہمنوں کو خدمات کا معاوضہ دیا جائے، وہ اس نے بدستور قائم رکھا۔ یہاں جو شخص ہندی سندی ذی لیاقت اس کو ملا اس کی قدر شناسی کی، بلکہ یہاں کے لائق آدمیوں کو اس نے ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالا اور سرفراز کیا، اس نے یہاں کے وزیروں کو وزیر اور مشیر اپنا مقرر کیا اور اپنے پاس ان کو رکھا، غرض مردم شناسی اور دلجوئی اس پر ختم تھی۔ دشمنوں کے ساتھ جو اس نے نیک سلوک کیے تھے، وہ کمتر کوئی کیا کرتا ہے۔ (۱۰۴)

موجودہ دور کے ہندو مورخین مسلمانوں کے دور کی تاریخ پر تبصرہ کرنے میں اپنے ذاتی اور قومی جذبات سے مغلوب ہو جاتے ہیں، پھر بھی ان کے قلم سے تعریفی کلمات کبھی کبھی نکل پڑتے ہیں۔ جادو ناتھ سرکار اپنی مشہور تصنیف ''تاریخ اورنگ زیب'' میں ایک جگہ ضمنی بحث میں یہ لکھ گئے ہیں:

''شروع کے عرب فاتحوں خصوصاً سندھ کے فاتحوں نے عقلمندانہ اور مفید حکمت عملی اختیار کر رکھی تھی کہ وہ غیر مسلموں کی عبادت گاہوں اور مذہبی مراسم کو مطلق نہ چھیڑتے، جب وہ کسی شہر پر قبضہ کر لیتے تو وہاں کی غیر مسلم آبادی کو اسلام قبول کرنے کو کہتے، اگر وہ قبول کر لیتے تو ان کو وہی حقوق حاصل ہو جاتے جو فاتحوں کے ہوتے، ورنہ پھر ان کو جزیہ ادا کرنا پڑتا، جس کے بعد ان کو اپنے مذہب کے مراسم ادا کرنے کی آزادی ہوتی۔ (۱۰۵)

الہ آباد یونیورسٹی کے سابق پروفیسر ڈاکٹر ایشوری پرشاد نے محمد بن قاسم کے کارناموں پر جہاں تنقیدیں کی ہیں، وہاں یہ بھی لکھتے ہیں:

سندھ پر محمد بن قاسم کا حملہ تاریخ کی رومانی داستانوں میں سے ایک ہے۔ اس کی شگفتہ نوجوانی، اس کی جرأت مندی، اس کی بہادری اور فوجی مہمات کے درمیان اس کے شریفانہ برتاؤ اور آخر میں اس کے زوال کی المناک سے اس کی ذات کے گرد شہادت کا ہالہ دکھائی دیتا ہے۔ اس نے اپنی نوجوانی میں سپہ گری کا جو جوہر دکھایا اس سے اس کی ذات سے بڑی امیدیں بندھ گئیں، اس لیے وہ ہندوستان کی مہم پر بھیجا گیا۔ حجاج نے اس کے ساتھ چھ ہزار منتخب شامی اور عراقی سپاہی کیے۔ اس کی معیت میں اتنے ہی اونٹوں کے مسلح سوار تھے۔ تین ہزار اونٹوں پر حربی سامان لادے گئے...... محمد مکران پہنچا تو یہاں کے حاکم محمد ہارون نے اور فوجی سامان اور پانچ منجنیق مہیا کیے، جو دیبل بھیج دیئے گئے، ان عرب سپاہیوں کے علاوہ محمد بن قاسم نے اپنے جھنڈوں کے نیچے ان جاٹوں اور میدیوں کو جمع کیا جو ہندوؤں کی غیر روادارانہ حکومت سے عاجز تھے اور بہت ذلت برداشت کر رہے تھے۔ وہ گھوڑے پر سوار نہیں ہو سکتے تھے، ان کو اچھے کپڑے پہننے کی ممانعت تھی، ان کو ننگے سر رہنے کا حکم تھا۔ ان ذلتوں سے وہ محض لکڑ ہارے اور پن بھرے بن کر رہ گئے تھے۔ ان کے دلوں میں ایسا عناد بھرا ہوا تھا کہ انہوں نے اپنی قسمت کو فوراً ایک اجنبی کے سپرد کر دیا۔ (۱۰۶)

عربوں کی عام رواداری:

سندھ میں عربوں اور سندھی عربوں کی حکومت ۹۰ھ سے ۴۱۶ھ تک یعنی ۳۲۶ برس تک رہی۔ اس مدت میں زراعت سندھی باشندوں ہی کے سپرد رہی۔ کاشتکاروں سے مال گزاری وصول کرنے کے لئے سندھی ہی مقرر کیے جاتے، ان کی ملازمت موروثی ہوتی۔ شروع میں مال گزاری عموماً اتنی ہی وصول کی گئی جو وہ پہلے کرتے آئے تھے۔ ہندوؤں کے رسم و رواج میں کوئی مداخلت نہیں کی گئی۔ ہندوؤں کے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ ان کی پنچایت میں ہوا کرتا تھا۔ ہندوؤں کی عبادت گاہیں لڑائی کے زمانے میں تو مسمار ہوئیں یا جن میں بے شمار دولت پوشیدہ رکھی جاتی تھی، ان کے خلاف فتح و تسخیر کے سلسلے میں فوج کشی ضروری ہوئی مگر امن کے زمانہ میں ان کو وہی درجہ دیا گیا جو اسلامی ممالک میں عیسائیوں کے گرجوں اور آتش پرستوں کے آتش کدوں کو دیا گیا تھا۔ ڈاکٹر بنی پرشاد لکھتے ہیں:

ہندوستان میں کسی حکومت کے مقبول ہونے کے لیے ایک ضروری شرط یہ بھی ہے کہ اس کے باشندوں کو مذہبی فرائض انجام دینے اور عبادت کرنے میں آزادی ہو، ہندوستان کے مسلم حملہ آوروں نے مذہبی رواداری کی اہمیت کو بہت جلد محسوس کر لیا تھا اور اپنی حکمت عملی اسی کے مطابق بنائی۔ آٹھویں صدی میں محمد بن قاسم نے سندھ میں اپنی حکومت کا جو نظم و نسق قائم کیا وہ اعتدال اور رواداری کی روشن مثال ہے۔ (۱۰۷)

بنو امیہ اندلس کی صلح جوئی اور امن پسندی:

بنو امیہ نے دمشق کے علاوہ اندلس میں بھی اسلامی رواداری کا ثبوت دیا چنانچہ انہوں نے جس رواداری سے اندلس میں حکومت کی۔ اس کا اعتراف یوروپین مورخین بھی کرتے ہیں۔ موسیو لیبان لکھتا ہے کہ عربوں نے اندلس کے باشندوں کے ساتھ وہی سلوک کیا جو انہوں نے شام اور مصر میں کیا تھا۔ ان کے مال، قلعے، ان کے قوانین ان کے ہم قوم حکام کے زیر انصاف رہنے کے حقوق انہیں عطا کیے گئے۔ ایک سالانہ جزیہ بہ چند شرائط ان پر لگایا گیا، جو امرا کے لیے ایک دینار اور عام رعایا کے لیے نصف دینار تھا۔ یہ شرائط اس قدر نرم تھیں کہ رعایا نے بلا تکرار قبول کر لیا۔ عربوں کو پھر بڑے بڑے جاگیرداروں میں سے کسی سے مقابلہ کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ (تمدن عرب ص ۳۹-۲۳۸)

بنو عباس کی صلح جوئی اور امن پسندی:

بنو امیہ کی طرح بنو عباس نے بھی تاریخ اسلام میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ خلفائے بنو عباس بھی صلح جوئی اور امن پسندی میں اپنی مثال آپ تھے۔ ان کے عہدِ حکومت میں بھی غیر مسلموں اور معاہد ذمیوں کو بڑے حقوق حاصل تھے۔ عباسی خلفاء میں ہارون الرشید ایک بے مثال، امن پسند اور صلح جو خلیفہ گزرا ہے۔ اس نے پر امن بقائے باہمی کے اصول پر مبنی بازنطینیوں سے صلح کے معاہدے کیے ......دراصل عہد نبویؐ، عہدِ خلافت راشدہؓ اور عہد بنو امیہ کی طرح عباسیوں کے دور میں بھی رومیوں سے برابر جنگ ہوتی رہی۔ خلیفہ

مہدی کے زمانہ حکومت (۷۷۵ء۔۷۸۵ء) میں بازنطینیوں نے میخائیل کی نگرانی میں اسی ہزار فوج کے ساتھ اس کے علاقہ کو تخت و تاراج کرنے کی کوشش کی اور مراسہ پر یورش کر کے اس کو راکھ کا ڈھیر کر دیا اور وہاں کے لوگوں کے بے دردی سے تہ تیغ کیا۔ خلیفہ مہدی کی فوج حسن بن قحطبہ کی سرداری میں انتقام لینے کے لیے پہنچی تو رومیوں نے مراجعت کی، اسی کے بعد یزید بن اسید سلمی نے قالیقلا کے نواح میں رومیوں کے تین قلعے حاصل کر لیے۔ بازنطینی پھر حملہ آور ہوئے تو مہدی ان سے جنگ کرنے کے لیے خود روانہ ہوا۔ اس نے حلب کو اپنا فوجی صدر مقام بنایا اور اپنے لڑکے ہارون رشید کو تجربہ کار فوجی سرداروں کے ساتھ رومیوں سے برسرپیکار ہونے کے لیے بھیجا۔ انہوں نے سمالو کا قلعہ فتح کرنے کے علاوہ اور چھوٹے چھوٹے علاقے تسخیر کیے۔ مہدی کو کچھ اطمینان ہوا تو وہ بیت المقدس کی زیارت کے لیے چلا گیا اور ہارون رشید کو آرمینیا اور آذربائیجان کا حاکم اعلیٰ مقرر کیا۔ کچھ دنوں کے بعد رومی میخائیل کی نگرانی میں نوے ہزار فوج کے ساتھ مسلمانوں کے علاقہ پر پھر ٹوٹ پڑے۔ ہارون رشید ایک بڑی فوج لے کر ایشیائے کوچک میں داخل ہوا۔ نجیطا رومی نے بڑھ کر اس کا مقابلہ کیا، لیکن اس کو شکست فاش ہوئی۔ اس کے بعد ہارون رشید کی فوج قسطنطنیہ کی طرف بڑھی۔ رومی شہنشاہ لیو چہارم کی بیوہ آئرین اپنے لڑکے کونسطنطائن کی طرف سے حکومت کر رہی تھی۔ اس نے دیکھا کہ مسلمانوں کی فوج باسفورس کے ساحل تک پہنچ گئی ہے۔ اس نے مقابلہ کیا تو اس کو بھی شکست ہوگی، اس لیے صلح کی خواستگار ہوئی۔ ہارون رشید نے رواداری سے کام لیا اور سالانہ خراج پر صلح کر لی۔ یہ واقعہ ۷۸۳ء کا ہے۔ یہ رواداری سیاسی حیثیت سے صحیح نہیں ہوئی۔ ہارون رشید کی فوجی قوت اس وقت بہت زیادہ تھی۔ وہ آسانی سے قسطنطنیہ فتح کر سکتا تھا، جس کے بعد رومی حکمرانوں اور مسلمانوں سے وہ خوں ریز تصادم ختم ہو جاتا، جو بعد میں برابر ہوتا رہا (۱۰۸)

ہارون رشید کے دور میں (۷۸۶ء۔۸۰۹ء) میں رومی اپنی غیر رواداری میں اس سے پھر متصادم ہو گئے۔ آئرین کے زمانہ میں جو صلح ہوئی تھی اس کو نظر انداز کر کے وہ عباسیوں کے علاقوں پر حملہ آور ہوئے، مگر ان کی فوج بُری طرح پسپا ہوئی۔ رومیوں کے کئی شہروں پر ہارون رشید کی فوج کا قبضہ ہو گیا، جن میں سائپرس اور کریٹ بھی شامل تھے۔ وہ پھر صلح کے خواستگار ہوئے اور سالانہ اخراج ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ نرم دل ہارون رشید نے ان وعدوں پر یقین کیا۔ اس کو خیال ہوا کہ اب ان کی طرف سے بدعہدی نہیں ہوگی، لیکن ظالم اور بدعہد آئرین نے اپنے کمسن بچے کونسطنطائن ششم کو اندھا کر کے خود اگلس کے نام پر تخت نشین ہوگئی۔ وہ خواجہ سراؤں کے سہارے پانچ برس تک حکومت کرتی رہی، لیکن اس سے عاجز ہو کر یونانیوں نے اس کے خلاف بغاوت کی۔ وہ معزول کر کے جلاوطن کر دی گئی اور اس کی جگہ پر نی سی فورس تخت نشین ہوا۔ اس نے ہارون رشید سے جو صلح کی تھی، اس کو نظر انداز کر کے ہارون رشید کو ایک مراسلہ بھیجا جس میں لکھا تھا "رومی شہنشاہ نی سی فورس کی طرف سے عربوں کے فرماں روا ہارون کو معلوم ہو کہ مجھ سے پہلے ملکہ نے تم کو ایک فرزین کا درجہ دیا اور وہ اس بساط میں پھنس گئی اور تمہارے پاس دولت کا ایک انبار بھیج دیا۔ یہ ایک عورت کی کمزوری اور حماقت کے سبب ہوا۔ اب جب تم یہ خط پڑھو تو جتنی دولت تم کو یہاں سے ملی ہے اس کو واپس کر دو، ورنہ میرے اور تمہارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔

ہارون رشید کو یہ اہانت آمیز خط ملا تو اس کے غصہ کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اس نے اسی خط کے پشت پر جواب لکھوایا: "امیر المومنین ہارون رشید کی طرف سے رومیوں کے کتے نی فورس کو معلوم ہو کہ اس کا جواب تم پڑھنے کے بجائے کانوں سے سنو گے" اور اسی روز

وہ اپنی فوج لے کر روانہ ہو گیا اور بازنطینیوں کے ایک شہر ہرکلیا میں دم لیا۔ دونوں میں جنگ ہوئی۔ نی سی فورس کو شکست ہوئی، جس نے توبہ کر کے صلح کی درخواست کی۔ خراج کی ایک بڑی رقم دینے کا وعدہ کیا۔ ہارون رشید نے پھر اپنی فراخدلی اور فیاضی سے کام لیا۔ صلح کر کے واپس ہو گیا، لیکن وہ اپنی قیام گاہ پر دم لینے بھی نہیں پایا تھا کہ نی سی فورس نے پھر بدعہدی کی۔ موسم خراب ہوا تو اس نے صلح کو نظر انداز کر دیا۔ ہارون رشید کے علاقہ پر حملہ آور ہو گیا۔ نی سی فورس کی توقع کے خلاف ہارون رشید برف باری، بادو باران کا خیال کیے بغیر بڑی سرعت اور عجلت کے ساتھ اس کے سر پر آدھمکا۔ لڑائی ہوئی، تو نی سی فورس زخمی ہوا اور میدان جنگ میں اپنے بے شمار مقتول سپاہیوں کو چھوڑ کر ہارون رشید کے سایہ عاطفت میں پناہ لی اور ایک بار پھر صلح کا جویا ہوا۔ ہارون رشید نے پھر رواداری اور نرمی سے کام لیا، لیکن عیارانی سی فورس نے ایک بار اور بدعہدی کی۔ لڑائی ہوئی تو پھر اس کو شکست ہوئی اور صلح کا طلب گار ہوا۔ ہارون رشید نے اس پر بھروسہ کر کے ایک بار پھر نرمی برتی، لیکن جب وہ رے میں ایک بغاوت کو فرو کرنے میں مصروف تھا تو نی سی فورس نے ایک بار اور سر اٹھایا۔ اس مرتبہ ہارون رشید کے لڑکے قاسم نے اس کی سرکوبی کی اور ایک بار پھر نی سی فورس کو معاف کر دیا گیا۔

ہارون رشید جب ماوراء النہر کی بغاوت کو فرو کرنے میں مصروف تھا تو نی سی فورس دغابازی سے باز نہیں آیا اور عباسیوں کی سرحد کو پامال کر کے بڑی غارت گری اور خوں ریزی کی۔ اس دغابازی پر عربوں میں جہاد کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ہارون رشید کو بھی بڑا اشتعال پیدا ہو گیا۔ اس کے ارد گرد ایک لاکھ پینتیس ہزار مجاہد جمع ہو گئے۔ بڑے تجربہ کار فوجی امرا ساتھ تھے، جن میں یزید ابن مخلد اور شرجیل بن معن بن زید زیادہ نمایاں تھے۔ لشکریوں نے بڑے کارنامے انجام دیے۔ وہ جس علاقہ سے گزرتے لوگ ان کا خیر مقدم کرتے۔ شہر کے دروازے کھولتے رہے۔ اس طرح پورے ایشیائے کوچک کو رومیوں سے خالی کرا لیا گیا۔ وہ بحر اسود تک پہنچ گئے۔ نی سی فورس نے پھر فوج بھیجی، مگر وہ بہت جلد پسپا ہو گئی۔ ہرکلیا ہارون رشید کے تسلط میں آ گیا، تو یونانی پھر معافی کے خواہاں ہوئے۔ ہارون رشید کی فراخ دلی اور نرمی پھر ابھری اور ان کو معاف کر کے ان کو امان دے دی۔ مسلمان مورخین لکھتے ہیں کہ ہارون رشید کی یہ رواداری اس کی بے جا فیاضی اور دلداری کا نتیجہ تھی، اگر اس وقت عربوں کا قبضہ قسطنطنیہ پر ہو گیا ہوتا تو دنیا کے تمدن اور امن و امان کا نقشہ اس وقت تک کچھ اور ہو جاتا۔ یونانیوں سے پھر فراخ دلانہ صلح کر لی گئی۔ نی سی فورس نے خراج ادا کرنے کا وعدہ کر لیا، لیکن ۸۰۸ء میں اس نے پھر دغا دیا اور مسلمانوں کے تخت و تاراج کے لیے آگے بڑھا۔ اس وقت ہارون رشید خراسان کی ایک فوجی مہم میں تھا۔ ایک بار پھر مذہبی جوش و خروش ابھرا۔ ہارون رشید کو خیال ہوا کہ نرمی اور رواداری اب کام نہ دے سکے گی۔ نی سی فورس کو عبرت ناک سزا دینے کے لیے تیار ہوا۔ رکہ کو اپنے بیٹے قاسم کے سپرد کیا۔ دوسرے لڑکے امین کو بھی وہاں چھوڑا اور اپنے ایک اور لڑکے کے ساتھ یونانیوں کی طرف بڑھا، لیکن طوس کے قریب صانع آباد پہنچا تو بیمار پڑا اور اللہ کو پیارا ہوا۔ (۱۰۹)

عباسی خلیفہ ہارون رشید کی رواداری:

ہارون رشید نے اپنی رواداری میں ۸۰۱ء میں یروشلم کے عیسائیوں کو شارلی مین کی نگرانی اور اقتدار میں دے دیا تھا۔ اس کے باوجود اندلس کے عربوں کی حکومت اس کی نظروں میں کھٹکتی رہی۔ اس کے خلاف اس کی فوجی مہم جاری رہی، لیکن وہاں کی طاقتور

حکومت سے بازی نہ لے جاسکا ت ۸۱۰ء میں الحکم سے صلح کر کے خاموش ہو گیا۔(۱۱۰)

ہارون رشید اپنے پیچھے رواداری، فراخ دلی، نیک نامی، سیرت کی بلندی اور کردار کی پاکیزگی کا ایک ایسا نمونہ چھوڑ گیا ہے جس کا مقابلہ اور موازنہ دنیا کے بہتر سے بہتر فرماں رواؤں سے کیا جاسکتا ہے۔ قاضی امام ابو یوسفؒ نے اس کے لیے ایک کتاب لکھی، جو کتاب الخراج کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس میں انہوں نے حکمرانی کے رموز بتائے ہیں، جہاں اور باتیں لکھی ہیں وہاں ہارون رشید کے لیے یہ نصیحتیں بھی تھیں:

امیر المومنین کو اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی ذمہ داری سپرد کی ہے۔ اس کا ثواب بھی بہت بڑا ہے اور عذاب بھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس امت کا ذمہ دار بنایا ہے تو اس کے ذریعہ آپ کو آزمائش میں مبتلا کیا ہے، اگر تقویٰ نہیں تو اس کے بغیر کسی چیز کی بنیاد مستحکم نہیں ہوسکتی۔ تقویٰ احتیاط سے حاصل ہوتا ہے، جو شخص خدا کے لیے تقویٰ اختیار کرتا ہے، خدا اس کو بچاتا ہے۔ بادشاہوں کو اللہ کے سامنے اسی طرح جوابدہ ہونا پڑتا ہے جس طرح چرواہا اپنے مالک کے سامنے ہوتا ہے۔ آپ حق وانصاف قائم کریں، اگرچہ تھوڑی دیر ہی سہی۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے خوش قسمت وہ راعی ہوگا جس کے ذریعہ اس کی رعایا کو خوش بختی حاصل ہو۔ کج روی اختیار کرنے سے رعایا بھی سیدھی راہ سے ہٹ جاتی ہے۔ اللہ کا خوف ہمیشہ نگاہ میں رہے جس کے بعد ملامت کرنے والوں کا خوف نہیں رہتا ہے۔ خراج کے عمال کو مقرر کرتے وقت یہ خیال رکھا جائے کہ وہ صالح، پاک دامن اور معتبر ہوں، وہ ظالم نہ ہوں، خراج ادا کرنے والوں کی تحقیر نہ کریں، نافرمانوں کے ساتھ سختی ضرور کریں، مگر ذمیوں کے ساتھ عدل، مظلوموں کے ساتھ انصاف، ظالموں پر درشتی اور عام لوگوں سے درگزر کا طریقہ اختیار کریں، اگر کسی عامل یا والی کے متعلق ظلم، رعایا کے مال میں خیانت، حرام خوری یا بدکرداری ثابت ہو جائے، تو اس کو عہدہ پر برقرار رکھنا، اس سے مدد لینا، رعایا کے معاملہ میں اس کو مختار بنانا اور حکومت کے معاملات میں شریک کرنا حرام ہے۔ اس کو ایسی عبرتناک سزا دینا چاہیے جس سے دوسروں کو سبق ہو اور کوئی آئندہ ایسے کاموں کی جرأت نہ کرے۔ سرکاری خبر رساں اور پرچہ نگار بھی ثقہ اور عادل ہوں تاکہ وہ حکام کی کوئی خبر نہ چھپانے پائیں اور نہ ہی اس میں اپنی طرف سے کوئی اضافہ کریں(۱۱۱)

ہارون رشید نے کتاب الخراج ہی کے تمام وصایا کو اپنی حکمرانی کا رہنما اصول بنایا اور یہی صحیح اسلامی تعلیمات تھیں جن پر عمل کر کے اس نے اپنے دور حکومت کو زریں اور اپنے کردار کو بہترین بنا دیا تھا۔ اس کا اعتراف یوروپی مورخین بھی کرتے ہیں۔

ہارون رشید (۸۰۹-۷۸۶ء) کے بارے میں ایک انگریز مورخ رقمطراز ہے کہ اس کے نام کے ساتھ عادل لکھا جاتا۔ وہ بہادر، فیاض اور فراخ دل تھا۔ وہ مطلق العنان ضرور تھا، مگر اس نے اپنی مطلق العنانی کو غلط مصرف میں لانے کی لالچ کبھی نہیں کی۔ اس نے جو کچھ کیا اس کی رعایا کبھی اس سے آزردہ نہیں ہوئی۔ اس کی حکومت کا واحد مقصد یہ رہا کہ اس کی رعایا خوش رہے، وہ نیکیوں اور خوبیوں کو پسند کرتا اور جب کبھی اس کو بھلائی کرنے کا موقع آیا تو اس نے کبھی اس کو ضائع ہونے نہیں دیا۔(۱۱۲)

مامون الرشید کی صلح جوئی اور امن پسندی:

عباسیوں میں مامون الرشید اپنی گوناگوں صفات کے لیے نمایاں رہا۔ اس کی سیرت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ مجھ کو عفو میں جو مزہ آتا ہے، اگر لوگ جان جائیں تو جرم اور نافرمانی کا میرے پاس تحفہ لے کر آئیں۔ (۱۱۳) اس کے زمانہ میں بھی یونانی عباسیوں کے قلمرو پر یورش کرتے رہے، ان کے شہنشاہ تھیوفی لس نے عباسیوں کی سرحد میں داخل ہو کے بے دردی سے مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ مامون اس کا انتقام لینے کے لیے روانہ ہوا۔ اس کی فوج تھیوفی لس کی سرحد میں پہنچی تو شہنشاہ نے اس کو لکھ بھیجا کہ یہاں تک اس کے آنے میں جو کچھ اخراجات ہوئے ہیں، وہ ادا کر دے گا، جس قدر مسلمان ہمارے ملک میں قید ہیں۔ ان کو ہم کسی عوض کے بغیر رہا کر دیں گے اور عباسیوں کے جو شہر رومی فوج سے برباد ہوئے ہیں، ان کی وہ مرمت کرا دے گا۔ ان تینوں شرطوں میں سے وہ جس کو پسند کریں، اس کے لیے بھی قابل قبول ہوگا جس کے بعد خلیفہ اپنے دارالخلافہ کو واپس ہو جائیں۔
یہ پیام مامون کے پاس پہنچا تو اس نے پہلے تو دو رکعت نماز پڑھی، گویا اس بات کا شکر ادا کیا کہ وہ رومی شہنشاہ دبنے کے لیے تیار ہے، پھر اس نے سوچا کہ یہ شرطیں فتح کے مقابلہ میں کم نہیں ہیں۔ رومی شہنشاہ کو یہ کہلا بھیجا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرح تم سے کہتا ہوں کہ تم اپنا تحفہ اپنے پاس رکھو، یہ بھی قبول نہیں کہ جو مسلمان تمہارے یہاں قید ہیں، وہ رہا کر دیے جائیں کیونکہ اگر وہ دین کے لیے لڑنے گئے تھے تو قید ان کے لیے مایۂ فخر ہے اور اگر ان کا مقصد دنیا حاصل کرنا تھا تو وہ قید ہی کے مستحق ہیں۔ تیسری شرط بھی منظور نہیں کی کہ قید ہوتے وقت جس مسلمان عورت نے ہائے محمد کہہ کر پکارا ہوگا، اس کی اس دردناک آواز کو روم کے بڑے سے بڑے قلعے کے عوض میں بھی نہیں فروخت کر سکتا۔ (۱۱۴)

اس موقع پر مامون نے رومیوں کے قرہ، ماجدہ، اشناس اور اسناد کے رومی قلعوں کو فتح کیا۔ اس کے بعد وہ دمشق واپس آ گیا، لیکن کچھ دنوں کے بعد اس کو خبر ملی کہ رومیوں نے طرطوس اور مصیصہ پہنچ کر مسلمانوں کو بے رحمی سے قتل کرایا۔ مامون پھر ان سے محاذ آرائی کے لیے روانہ ہوا۔ اس کے سپہ سالاروں نے اس مہم میں رومیوں کے تقریباً تیس قلعے فتح کیے اور مامون کی فوج بڑھتی ہوئی شہنشاہ روم سے معرکہ آرا ہوئی۔ ایک سخت جنگ کے بعد وہ پسپا ہوا۔ صلح کی درخواست کی، لیکن کچھ دنوں کے بعد یہ رومی پھر برسرپیکار ہوئے تو مامون نے فوج کشی کر کے قلعہ لولو پر قبضہ کرلیا۔ پھر حفظ ماتقدم کی خاطر حدود روم کے قریب طوانہ میں ایک شہر بسایا جس سے تین فرہنگ کے فاصلہ پر شہر پناہ تیار کی گئی۔ اس میں چار صد دروازے بنائے گئے اور ہر دروازہ پر ایک مستحکم قلعہ تعمیر کیا گیا (۱۱۵)

معتصم باللہ کی صلح جوئی اور امن پسندی:

مامون کے جانشین معتصم باللہ (۸۴۲ء، ۸۳۲ء) کو بھی یونانیوں سے سخت جنگ کرنی پڑی۔ وہ معتصم کے علاقہ زبطرہ پر پونے دو لاکھ لشکر سے حملہ آور ہوا۔ بہت سے شہر جلا کر خاک کر دیے۔ عورتوں اور بچوں کو زبردستی پکڑ کر اپنی غلامی میں لے لیا۔ معتصم کی جائے پیدائش زبطرہ تھی، اس کو راکھ کا ڈھیر کر دیا۔ وہاں کے لوگوں کی آنکھوں میں آتشیں سلاخیں جھونک کر اندھا کر دیا، اوروں کا منہ

کردیا۔ معتصم باللہ اس کا انتقام لینے کے لیے روانہ ہوا۔ یہاں پر یہ واقعہ لکھنے کے قابل ہے کہ اس مہم پر کوچ کرنے سے پہلے معتصم ایک مسافر کی ضرورت کے بقدر سامان لے کر دربار عام میں آیا اور بغداد کے قاضی عبدالرحمٰن بن اسحاق، شعبہ ابن سہل اور ان کے ساتھ تین سو اٹھائیس دوسرے حکام دولت کو بلا کر ان کے روبرو وصیت کی کہ میری جاگیر کا ایک ثلث میری اولاد کو ایک ثلث میرے موالی کو دیا جائے گا اور تیسرا ثلث خدا کی راہ میں صرف کیا جائے۔ وہ اپنی لشکر کشی میں تھوتی لس کی جائے پیدائش تک پہنچ گیا اور جس طرح اس کی جائے پیدائش کو راکھ کا ڈھیر بنا دیا گیا تھا، اسی طرح اس نے بھی اس جگہ کو برباد کر دیا۔ معتصم اس لشکر کشی میں یونانیوں پر آخری ضرب کاری لگا کر ہمیشہ کے لیے معاملہ ختم کر دینا چاہتا تھا۔ رومیوں سے اس کے فوجی سرداروں کی کئی لڑائیاں ہوئیں۔ آخر میں تھیوٹی لس پسپا ہوا تو اس نے جھلا کر اپنی پسماندہ فوجوں کا سر قلم کر دیا۔ ان کو کوڑوں سے پٹوایا۔ اس کے بعد پھر رومیوں نے معتصم کی فوج سے عموریہ میں سخت مقابلہ کیا، لیکن ان کو پھر شکست ہوئی اور جب معتصم کی فوج اس میں داخل ہو رہی تھی تو لوٹ مار شروع کر دی، مگر معتصم نے اس کو سختی سے روک دیا۔ عموریہ کی فتح کے بعد وہ قسطنطنیہ پر حملہ کرنا چاہتا تھا تا کہ رومیوں کی وجہ سے عباسیوں کا درد سر ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے، مگر وہ ایسا نہ کر سکا (۱۱۶) اس کی سلطنت کے اندر عربوں اور ترکوں کی آویزش کی وجہ سے اس کو مراجعت کرنی پڑی۔ (۱۱۷)

آئندہ یہ رومی عباسیوں کے بجائے سلجوقیوں سے برسر پیکار رہے۔ عباسیوں اور رومیوں کی محاذ آرائی پر تبصرہ کرتے ہوئے موسیو لیبان نے لکھا ہے کہ خلفائے بغداد کی فوجی قوت ان کی شان و شوکت کے مطابق تھی۔ اس کی عظمت بیرونی ممالک میں اس درجہ کی تھی کہ قسطنطنیہ کے شہنشاہ یونان و روم کے جانشین تھے، مگر خلیفہ کو خراج دینے پر مجبور تھے۔ انہوں نے اس خراج سے بچنے کے لیے بہت کوششیں کیں، مگر کامیاب نہیں ہوئے۔ (۱۱۸)

غیر قوموں کے ساتھ عباسیوں کی عام رواداری اور امن پسندی:

میدان جنگ سے ہٹ کر قلمرو حکومت کے اندر دوسری قوموں کے ساتھ عباسیوں کی جو عام رواداری رہی، ذرا اس کی بھی تھوڑی سی جھلکیاں ملاحظہ فرمایئے۔

مولانا شبلی نعمانیؒ لکھتے ہیں:

"مامون کے عہد میں دوسری قوموں کو جو حقوق حاصل تھے، مہذب سے مہذب گورنمنٹ میں بھی اس سے زیادہ نہیں ہو سکتے۔ مجوسی، عیسائی، لامذہب اس کی وسیع حکومت میں نہایت آزادی سے بسر کرتے تھے۔ خاص دارالخلافہ بغداد میں بہت سے گرجے نئے تعمیر ہوئے، جن میں رات دن ناقوس کی صدائیں گونجتی رہتی تھیں۔ دربار میں ہر مذہب و ملت کے علماء و فضلاء حاضر رہتے تھے اور مامون ان کے ساتھ نہایت عزت و توقیر سے پیش آتا تھا، جبرئیل بن بختیشوع ایک عیسائی تھا، وہ اس کی قدر و توقیر کرتا تھا کہ عام حکم دے دیا تھا کہ جو شخص کسی ملکی عہدہ پر مقرر کیا جائے، جبرئیل کی خدمت میں حاضر ہو، خراسان میں جو کالج بنوایا تھا، اس کا پرنسپل یعنی مہتمم اعظم ایک عیسائی کو مقرر کیا جس کا نام میسوح تھا"۔ (۱۱۹)

مولانا شبلی نعمانی نے اس سلسلے میں ایک عجیب وغریب واقعہ لکھا ہے۔ مامون کے ایک عزیز کا دوست عبدالمسیح بن اسحاق کندی تھا، مامون نے اس کو نہایت نرم لفظوں میں ایک دوستانہ خط لکھ کر اس کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ عبدالمسیح نے اس کا جو جواب دیا وہ نہایت اشتعال انگیز تھا۔ اس کو عیسائیوں نے بعد میں ایک رسالہ کی صورت میں شائع کر دیا، جو مولانا شبلی کی نظر سے گزرا۔ اس کو پڑھ کر وہ لکھتے ہیں کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کی نسبت جو الفاظ لکھے تھے، ان کو پڑھ کر دل کانپ اٹھا، مگر مامون کے سامنے یہ خط پیش ہوا تو اس نے پڑھ کر اس پر یہ لکھ دیا کہ جو مذہب دنیا کے کام کا ہے، وہ زرتشت کا مذہب ہے، جو محض آخرت کے لیے مفید ہے وہ عیسائی مذہب ہے، لیکن دین و دنیا دونوں کے لیے جو مذہب موزوں ہے وہ اسلام ہے۔(۱۲۰)

بعد کے عباسی خلفاء خلیفہ المعتصم باللہ (۲۱۸ھ، ۲۲۷ھ بمطابق ۸۳۳ء، ۸۴۱ء) ایک عیسائی حکیم سلمویہ کی بیماری میں خود عیادت کو جاتا تھا اور جب اس نے انتقال کیا تو ایک دن کھانا نہیں کھایا اور حکم دیا کہ اس کا جنازہ دارالخلافہ میں لا کر رکھا جائے اور اس کے عزیز بخور وشمع کے ساتھ عیسائیوں کے طریقہ کے مواقف اس پر نماز پڑھی۔(۱۲۱)

معتضد باللہ (۲۷۹ھ، ۲۸۹ھ۔ بمطابق ۸۹۲ء، ۹۰۲ء) کے دربار میں جہاں تمام وزراء اور امراء دست بستہ کھڑے رہتے تھے۔ وہاں وزیراعظم اور ثابت بن قرہ کو جو ایک صابی المذہب عالم تھا، بیٹھنے کی اجازت تھی۔ ایک دن معتضد اور ثابت بن قرہ ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر ٹہل رہے تھے کہ دفعتاً معتضد نے ہاتھ کھینچ لیا، ثابت ڈر گیا۔ معتضد نے کہا ڈرو نہیں، میرا ہاتھ اوپر تھا، میں نے گستاخی پسند نہ کی، اہل علم کا ہاتھ اوپر ہونا چاہیے۔(۱۲۲)

طائع باللہ (۳۶۳ھ، ۳۸۱ھ بمطابق ۹۷۴ء، ۹۹۱ء) کے دور میں عضد الدولہ دیلمی خلافت بغداد کی قسمت کا مالک بن گیا تھا۔ اس کا وزیراعظم نصر بن ہارون ایک عیسائی تھا۔ اسی نے عضد الدولہ کی خاص اجازت سے تمام ممالک اسلامی میں گرجے تعمیر کرائے (۱۲۳)

اسی سلسلہ میں مولانا شبلی لکھتے ہیں علامہ شریف الرضی مسلمانوں کے ایک بڑے فرقہ کے پیشوا تھے۔ ابواسحاق صابی کی وفات پر بڑا دردانگیز مرثیہ لکھا اور جب اس کے مزار کی طرف سے گزرے تو اس کی تعظیم کے لیے سواری سے اتر پڑے تھے اور پیادہ آگے بڑھتے (۱۲۴)

مقتفی لامر اللہ کی صلح جوئی اور امن پسندی:

۵۳۰ھ سے ۵۵۵ھ یعنی ۱۱۳۵ء سے ۱۱۶۰ء تک عباسی خاندان کا فرماں روا رہا۔ اس نے عباسیوں کی زوال پذیر حکومت کو ازسرنو ترتیب دیا اور خلافت کا وقار اور اثر پیدا کرنے میں کامیاب رہا۔ اس کے زمانہ میں نسطوری عیسائیوں کے پیٹریارک عبدیشوع سوم نے عیسائیوں کی طرف سے ایک درخواست دی۔ اس پر ایک فرمان جاری کیا گیا، جو اس زمانہ کے فن محاضرہ کی ایک کتاب تذکرہ مرتبہ ابن حمدون میں درج ہے۔ اس کی عبارت بہت ہی پُر تکلف ہے۔ آدھے فرمان میں حمد ونعت ہے، پھر امیر المومنین کی حکومت کی برکت اور عدل پروری کا ذکر ہے، اس کے بعد یہ کہا گیا ہے کہ:

''چونکہ خدا نے امیر المومنین کو اپنے بندوں کے معاملات کا منتظم بنایا ہے اور اپنی زمین اور اپنے بلاد کا بار اس پر ڈالا ہے، اس لیے وہ اپنی رعایا پر نہایت باخبر آنکھوں سے حکومت کرتا ہے اور ان کی فلاح کی نہایت خبر گیری کے ساتھ حفاظت کرتا اور ان کے بہبود کے

لیے اس توجہ سے کام کرتا ہے کہ وہ ان کے تمام اندیشوں کو مٹا دیتا ہے اور ان کی رسیوں کو جوڑ دیتا ہے اور ان کی چراگاہوں کو گھاس سے بھر دیتا ہے اور ان کی تمام دلی خواہشوں کو پورا کر دیتا ہے۔ اس کی توجہ مسلمانوں ہی پر نہیں ہے، بلکہ وہ تمام لوگ جن کے ساتھ امیر المومنین کا معاہدہ ہے، خواہ وہ دور ہوں یا نزدیک اور رعایا کے مختلف طبقوں میں سے جو اہل کتاب اس عہد محافظت کی شرائط میں داخل ہیں، جس کی شریعت نے ذمیوں کے متعلق ذمہ داری لی ہے، اس کا (خلیفہ کا) عمل عاطفت ان سب تک پہنچتا ہے، چنانچہ ان کی آنکھیں، ان کے کان اس کے گواہ ہیں"۔

اس کے بعد فرمان میں یہ ہے:

"تجھ کو اس تحریر کے ذریعے سے تمام نسطوری عیسائیوں کا "جاثلیق" مقرر کیا جاتا ہے، جو دارالاسلام (بغداد) اور دیگر بلاد اسلام میں آباد ہیں، تجھ کو ان کا سردار بھی بنایا جاتا ہے اور نیز یونانی، یعقوبی اور ملکیہ فرقوں کا بھی، خواہ ان کی نمائندگی کی گئی ہو یا نہ کی گئی ہو اور جو ان نسطوریوں کے ساتھ کسی دوسرے ملک میں مخالفت رکھتے ہیں، تیرے تمام اہل مذہب میں صرف تجھ کو گرجاؤں اور مذہبی جلسہ گاہوں میں کیتھولک کے نشانات پہننے کا اختیار ہے، کسی ارچ، بشپ یا ڈیکن کو ان کے پہننے کا یا ان میں شرکت کرنے کا استحقاق نہ ہوگا کیونکہ یہ اس بات کی نشانیاں ہیں کہ وہ اس عالی منصب اور عزت کے ماتحت ہیں جو تجھے بخشی گئیں، اگر ان عہدہ داروں میں کوئی تیرے ساتھ مخاصمت یا اختلاف کرے گا یا تیرے احکام سے بغاوت کرے گا اور تیرے فیصلوں کو نہ مانے گا، اس پر مقدمہ چلا کر سزا دی جائے گی، تا آنکہ وہ باز آجائے اور اس کی خدمت جائے، تاکہ دوسروں کو ایسا کرنے کی جرأت نہ ہو، تمہارے قوانین کے احکام کلیتہ محفوظ ہیں۔ امیر المومنین اپنے پیشرو ائمہ سے مستند طریقہ عمل کے اتباع میں جو انہوں نے تیرے پیشرو جاثلیقوں کے ساتھ برتے تھے، قانونی حقوق تیرے پیرووں کو عطا کیا ہے کہ تیری جان، تیرے مال اور تیری قوم کی حفاظت کی جائے گی۔ تمہاری بہبود کی ترقی میں کوشش کی جائے گی۔ تمہارے طریق دفن وکفن کا احترام کیا جائے گا۔ تمہارے گرجاؤں اور خانقاہوں کی حفاظت کی جائے گی۔ اس معاہدہ کی شرائط کی تعبیر میں ہم اس طریق عمل کے پابند ہیں، جو اپنے اصول کے تحت پابند (ارتھوڈکس) خلفاء کا تھا، جس کی اتباع ہمارے ائمہ اسلاف کرتے رہے، یہ کہ ہم تم سے راضی رہیں گے، بشرطیکہ جزیہ ادا کرتے رہو، جو تمہارے عاقل، بالغ اور ذی مقدور مردوں سے لیا جائے گا۔ نابالغ مرد اور عورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ یہ ٹیکس شروع کے رحمانہ اصول کے تحت پابندی کے ساتھ سال میں ایک مرتبہ وصول کیا جائے گا۔ امیر المومنین نے اپنی مہربانی سے عیسائیوں کے مختلف فرقوں کی نزاعات میں حکم تھا منظور کر لیا ہے تاکہ زبردست سے زبردست کا انصاف حاصل کیا جائے اور گمراہوں کو راہ پر لایا جائے اور ان کی مذہبی ضروریات کے لحاظ سے ان کی خبر گیری کی جائے اور وہ اپنے مذہب پر صاف اور سیدھی راہ سے عمل کر سکیں۔ ان انعامات کو جو تجھ کو عطا کیے گئے ہیں، مستحق ہیں جو تیری روح کی خواہشوں کو پورا کرتے ہیں۔ امیر المومنین کے لیے شکر گزاری، احسان مندی اور وفاداری کے ثبوت میں دعاء اور طلب رحمت کیا کرو"۔

اس فرمان میں نسطوری عیسائیوں کو جو رعایتیں دی گئیں وہ وہی ہیں جن کی تعلیم اسلام نے دی ہے۔ جس پر خود رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین عمل پیرا رہے۔

آل سلجوق اور عیسائی:

بنو عباس کی حکومت جیسے جیسے کمزور ہوتی گئی تو مختلف علاقوں میں علاقائی سلطنتیں قائم ہوتی گئیں۔ ان ہی میں آل سلجوق کی بھی حکومت تھی۔ ان کا خاندان گیارہویں صدی سے تیرہویں صدی تک ایشیائے وسطیٰ اور اس کے ملحق علاقوں پر حکومت کرتا رہا۔ ان میں طغرل بیگ نے ۱۰۶۳ء الپ ارسلان نے ۱۰۷۲ء ملک شاہ نے ۱۰۹۳ء محمود لدر برکیارن نے ۱۱۰۴ء، ملک شاہ ثانی اور محمد نے ۱۱۱۷ء اور سنجر نے ۱۱۵۷ء تک حکومت کی۔ ان تمام علاقوں کے مسلم فرماں رواؤں نے جو کسی زمانے میں خلفائے بغداد کے زیر نگیں تھے، طغرل کی اطاعت قبول کرلی تھی۔ اس کا نام بغداد میں بھی جمعہ کے خطبہ میں پڑھا جاتا تھا اور وہ ملک الشرق والغرب کہلانے لگا تھا۔ الپ ارسلان کے ماتحت سلجوقیوں کی فتوحات کی حد دریائے جیحوں تک جا پہنچا تھی۔ آرمینیوں اور بازنطینیوں کی شکست کے بعد تو قریب قریب سارا ایشیائے کوچک سلجوقیوں کے زیر نگیں ہوگیا تھا۔ یہ اقتدار عیسائیوں کو کیسے پسند آسکتا تھا، رومن امپائر جو اس زمانہ میں یونانی امپائر کہلانے لگا تھا، برابر سلجوقیوں پر ضرب کاری لگانے کی فکر میں رہا، چنانچہ اس کے شہنشاہ روماتوس دیو جانس (۱۰۶۷ء۔ ۱۰۷۲ء) کی الپ ارسلان سے ایک زبردست جنگ ہوئی، روماتوس میدان جنگ میں پکڑا گیا اور جب وہ الپ ارسلان کے سامنے پیش کیا گیا تو اس کی مرقع آرائی ایک انگریز مورخ نے جس طرح کی ہے اس سے دونوں کی رواداری اور غیر رواداری کا اندازہ ہوگا۔

الپ ارسلان کی صلح جوئی اور امن پسندی:

صبح کو شاہی قیدی الپ ارسلان کے سامنے لایا گیا۔ الپ ارسلان کو ابھی تک شبہ تھا کہ شہنشاہ کی یہ بدقسمتی ہو سکتی ہے، لیکن جب اس کو اپنے قاصدوں کے ذریعہ سے یہ یقین ہوا کہ یہ شہنشاہ ہے اور پھر اس کے کچھ ہمراہی اشکبار آنکھوں سے اپنے مفلوم فرماں رواں کے قدموں کو چوم رہے تھے تو سلطان اس کی طرف مائل ہوا۔ کونسٹن ٹائن کا جانشین معمولی طور سے ترکوں کے ایوان میں لے جایا گیا۔ اس کو حکم ملا کہ ایشا کے مالک کے سامنے زمیں بوس ہو۔ اس نے بادل نخواستہ اس کی تعمیل کی۔ الپ ارسلان اپنے تخت پر سے اٹھا اور اس نے رومی شہنشاہ کی گردن پر اپنا پاؤں رکھا۔ پاؤں رکھنے کی روایت تو مشکوک ہے، لیکن اگر اس نے ایسا کیا تو اس کے یہاں کی یہی قومی رسم تھی، اس کے بعد وہ جس طرح پیش آیا اس کی تعریف اس کے حسب دشمنوں نے بھی کی ہے اور یہ آج کل کی متمدن دنیا کے لیے درس ہوسکتا ہے۔ اس نے شاہی قیدی کو زمین پر سے اٹھایا اور بہت ہی نرمی سے اس سے تین بار ہاتھ ملایا، پھر اس کو یقین دلایا کہ اس کی زندگی اور اس کا رتبہ پہلے کی طرح برقرار رہے گا کیونکہ وہ خود ایک فرماں روا ہے اور اس نے اپنے برابر کے لوگوں کا احترام کرنا سیکھا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ زمانہ میں کیا کیا انقلابات ہوتے رہتے ہیں۔ ایوان سے روماتوس بغل کے ایک خیمہ میں لے جایا گیا، جہاں سلطان کے عہدیدار اس کی شان اور رتبہ کے مطابق پیش آتے رہے۔ وہ سلطان کے پاس روزانہ دو مرتبہ لایا جاتا۔ سلطان اس کو اپنے ساتھ پورے اعزاز سے بٹھاتا۔ آٹھ دنوں تک دونوں میں آزادانہ اور بے تکلفانہ انداز میں گفتگو ہوتی رہی۔ فاتح کی کسی بات یا اس کی

کسی نگاہ سے بھی مفتوح کی کوئی بے قدری ہوتی نظر نہیں آئی، البتہ سلطان نے اس کی نالائق رعایا کی ضرور بہ زور مذمت کی، جس نے اپنے بہادر فرماں روا سے خطرے کے وقت ساتھ چھوڑ دیا اور پھر اس نے اپنے شاہی قیدی کی توجہ ان غلطیوں کی طرف بھی دلائی جو لڑائی لڑنے میں کی گئی تھیں، جب صلح کی گفتگو شروع ہوئی تو الپ ارسلان نے اپنے مفتوح قیدی سے پوچھا کہ اس کو کس قسم کے سلوک کی توقع ہے۔ شہنشاہ نے بڑے اطمینان، لیکن بے توجہی کے ساتھ جواب دیا جس سے اس کی آزاد طبیعت کا اظہار ہوتا ہے۔ اس نے کہا: اگر آپ ظالم ہیں تو میری جان لیں گے اور اگر آپ اپنے غرور کے تابع ہیں تو مجھ کو اپنے رتھ کے پہیوں میں باندھ کر گھسیٹ لیں گے اور اگر آپ کو اپنے مفاد کا خیال ہوگا تو مجھ سے فدیہ لیں گے اور مجھ کو اپنے ملک میں واپس کر دیں گے۔ اس کے جواب میں سلطان نے کہا کہ اگر آپ فاتح ہوتے تو میرے ساتھ کیا کرتے۔ یونانی شہنشاہ کو اپنی دانشمندی اور شکر گزاری کے جذبے کی بناء پر اپنے اندرونی جذبات کو دبائے رکھنا چاہیے تھا، لیکن اس نے غضب ناک لہجہ میں جواب دیا کہ اگر مجھ کو فتح ہوتی تو میں آپ کو کوڑے سے پٹواتا۔ ترک فاتح کو اس جواب پر ہنسی آ گئی۔ اس نے کہا کہ عیسائی مذہب کی تو یہ تعلیم ہے کہ دشمنوں سے محبت کرو، ان سے جو صدمہ پہنچے تو اس کو معاف کر دو، لیکن اسی کے ساتھ اس نے یہ بھی کہا کہ اس کے ساتھ وہ ایسا سلوک نہیں کرے گا، جو قابل مذمت ہو۔ بہت غور و فکر کے بعد الپ ارسلان نے یہ فیصلہ کیا کہ شہنشاہ کو آزادی ان شرائط پر دی جائے کہ وہ ایک ملین فدیہ کے علاوہ تین لاکھ ساٹھ ہزار سالانہ خراج ادا کرتا رہے۔ دونوں شاہی خاندانوں میں شادی بیاہ کے ذریعہ سے رشتے قائم ہوں اور جو مسلمان یونانیوں کی قید میں ہیں وہ رہا کر دیے جائیں۔ رومانوس نے شکستہ دلی سے ساتھ کر اس صلح کو منظور کر لیا، جس کو اس نے اپنی سلطنت کی شان و شوکت کے خلاف تصور کیا۔ اس کے بعد سلطان کی طرف سے اس کو ایک خلعت فاخرہ عطا کیا گیا۔ اس کے امرا اور معززین اس کو واپس کر دیے گئے۔ سلطان نے بہت ہی اخلاق سے اس سے معانقہ کیا، بیش قیمت تحفے دیے اور فوجی اعزاز کے ساتھ رخصت کیا۔ وہ جب اپنی سلطنت کے حدود میں پہنچا تو اس کو اطلاع ملی کہ اس کے محل اور صوبوں میں اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ اس لیے کہ اب وہ ایک قیدی ہے۔ اس کے لیے بڑی آزردگی سے دو لاکھ اشرفیاں جمع کی گئیں، جن کو اس مفتوح فرماں روا نے سلطان کے پاس بھیج کر اپنا فدیہ ادا کیا، اس کے یہ معنی تھے کہ اس نے اپنی ذلت اور بزدلی کا اعتراف کر لیا۔ (۱۲۵)

واضح رہے کہ یہ تفصیل کسی مسلمان مورخ کے حوالے سے نہیں لکھی جا رہی ہے، جس سے شبہ ہو کہ مبالغہ اور جانبداری سے قلمبند کی گئی ہے بلکہ ایک عیسائی مورخ ہی کی تحریر ہے۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے مضمون نگار۔ ایل ہوارٹ نے بھی اعتراف کیا ہے کہ سلجوقی فرماں روا اپنی عیسائی رعایا کے ساتھ اچھا سلوک کرتے تھے، جس سے ان کی نیک نامی رہی۔ (۱۲۶)

اسی خاندان کے فرماں روا ملک شاہ کے وزیر نظام الملک نے اس کے لیے جو سیاست نامہ لکھی تھی، اس میں عاملوں، مقطعوں، قاضیوں، خطیبوں، رئیسوں، امیروں، حکومت کے مشیروں، فوجی سرداروں، لشکریوں، غلاموں، فریادرسوں اور مظلوموں سے جس نرمی، رواداری اور فراخ دلی کی تعلیم دی گئی ہے، وہی دراصل اسلامی تعلیمات کی صحیح اور سچی روح ہے۔

صلاح الدین ایوبی کی صلح جوئی اور امن پسندی:

صلاح الدین ایوبی جب فاتح ہو کر بیت المقدس میں داخل ہوا تو اس نے اپنی رواداری، فراخ دلی اور انسانی محبت کا جو ثبوت دیا، اس کی تعریف یورپین مورخوں نے بھی کی ہے۔ ایڈورڈ گبن لکھتا ہے کہ انصاف کا تقاضا ہے کہ اس ترک فاتح کی رحم دلی کی تعریف کی جائے۔ اس نے مفتوحوں کو کسی مصیبت اور پریشانی میں مبتلا ہونے نہیں دیا، وہ ان سے بھاری رقمیں وصول کر سکتا تھا، لیکن تیس ہزار کی رقم لے کر ستر ہزار قیدیوں کو آزاد کیا۔ دو تین ہزار کو تو اس نے رحم کھا کر یوں ہی چھوڑ دیا، اس طرح قیدیوں کی تعداد گھٹ کر گیارہ سے چودہ ہزار تک رہ گئی۔ جب یروشلم کی ملکہ اس کے سامنے آئی تو اس نے نہ صرف انتہائی مہربانی سے باتیں کیں بلکہ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، اس نے جنگ کے یتیموں اور بیواؤں میں خیرات تقسیم کی، جنگ کے زخمیوں کے علاج اور دیکھ بھال کے لیے ہر طرح کی سہولتیں فراہم کیں۔ وہ قرآن کے دشمنوں کے ساتھ ہر طرح کی سختی سے پیش آنے میں حق بجانب تھا، مگر اس نے جس فیاضانہ رحمدلی کا ثبوت دیا، اس سے وہ نہ صرف تعریف و تحسین بلکہ محبت کیے جانے کا مستحق ہے۔ (۱۲۷)

اسٹینلی لین پول نے اپنی کتاب صلاح الدین میں لکھا ہے کہ جب یروشلم مسلمانوں کے حوالہ کیا جا رہا تھا تو سلطان کی سپاہ اور معزز ذمہ دار افسروں نے گلی کوچوں میں انتظام قائم کر رکھا تھا۔ یہ سپاہی اور افسر ہر قسم کی زیادتی کو روکتے تھے، اسی کا نتیجہ تھا کہ کسی عیسائی کو کوئی گزند نہیں پہنچا۔ شہر سے باہر جانے کے کل راستوں پر سلطان کا پہرہ تھا اور ایک نہایت معتبر امیر باب داؤد پر متعین تھا کہ زر فدیہ دینے والے شہر کے باہر بغیر کسی روک ٹوک کے چلے جائیں۔ (۱۲۸)

اور جب بیت المقدس پر مسلمانوں کا قبضہ ہونے کو تھا تو بطریق ہیر یکلوس کی طرف سے اس کا سفیر بلیان سلطان صلاح الدین سے صلح کی گفتگو کرنے گیا۔ اس نے جو گفتگو کی اس سے عیسائیوں کی سفاکی اور بے رحمی کا بھی اندازہ ہوگا۔ وہ سلطان کے پاس پہنچا تو اس نے اس کو مخاطب ہو کر کہا:

"سلطان! آپ اس بات کو جان لیں کہ ہم خدا کے سپاہی ہیں اور خدا ہی کو معلوم ہے کہ وہ آدمی کتنے ہیں، جو شخص آپ کے رحم و کرم کے بھروسہ پر لڑائی میں تساہل کر رہے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ اس شہر پر بھی ایسا ہی لطف و کرم کریں گے جیسا کہ آپ نے اور شہروں پر کیا ہے۔ یہ لوگ مرنا نہیں چاہتے، زندہ رہنا چاہتے ہیں، لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہمارا مرنا ضروری ہے، بس ہم خدا کی قسم ہی کھا کر کہتے ہیں کہ ہم پہلے اپنے بیٹوں، بیٹیوں اور اپنی عورتوں کو قتل کریں گے۔ اپنی دولت، اپنا مال و متاع جو کچھ ہم رکھتے ہیں اسے پھونک دیں گے اور تمہارے لوٹنے کے لیے ایک حبہ بھی نہیں چھوڑیں گے اور نہ کوئی اور چیز، نہ کوئی مرد نہ عورت زندہ، جسے آپ غلام بنا سکیں گے اور جب ہم سب کچھ کر لیں گے تو پھر الصخرہ کے گنبد اور مسجد اقصیٰ کو آگ لگا دیں گے اور دوسرے مقامات مقدمہ کا بھی یہی حال کریں گے، جتنے مسلمان غلام اس وقت ہمارے پاس ہیں اور ان کی تعداد پانچ ہزار ہے، ان سب کو قتل کر دیں گے، ہر مویشی اور سواری کے جانوروں کو ذبح کر ڈالیں گے۔ پھر ہم سب مل کر تم پر حملہ کریں گے اور تم سے اپنی جانوں کے لیے لڑیں گے اور ہم میں سے کوئی ایسا نہ ہوگا جو تم میں سے دس پانچ کو اپنے مرنے سے پہلے نہ مار ڈالے، اس طرح ہم یا تو پوری شان سے مریں یا فتح ہماری ہوگی"۔ (۱۲۹)

ان دھمکیوں کا شریفانہ جواب صلاح الدین کی طرف سے یہ تھا:

"اگر یروشلم خوشی سے لڑے بغیر میرے حوالہ کر دیا گیا تو اہل یروشلم پر رحم کر کے ان سب کو اسیران جنگ تصور کر کے ان سے زر فدیہ لے کر انہیں رہا کر دیا جائے گا۔ ہر مرد کو دس اشرفیاں دے کر رہائی حاصل کرنی ہوگی۔ زر فدیہ کی اغراض کے لیے دو عورتیں یا دس بچے ایک مرد کے برابر سمجھے جائیں گے۔ رہے محتاج اور مساکین جن کے پاس زر فدیہ کے لیے ایک اشرفی بھی نہ ہوگی تو ایسے دس ہزار آدمیوں کو بیس ہزار اشرفیوں کے عوض رہا کیا جائے گا۔ یہ رقم عیسائی بادشاہ ہنری کی رقم سے جو اب تک شہسوار اسپطار کے پاس محفوظ ہے، ادا کی جائے، چالیس دن کے اندر زر فدیہ ادا کرنے کی مہلت ہے، اس کے بعد جس قدر آدمی شہر میں رہ جائیں گے وہ غلام بنائے جائیں گے۔(۱۳۰)

عیسائیوں نے اپنی دھمکیوں کے باوجود ان ہی شرائط پر صلح کر لی اور یروشلم کو مسلمانوں کے حوالہ کر دیا، اس کے بعد اسی عیسائی مورخ ہی کا بیان ہے:

"صلاح الدین نے کبھی پہلے اپنے کو ایسا عالی ظرف اور باہمت نائٹ ثابت نہیں کیا تھا جتنا کہ اس موقع پر کیا، جب کہ یروشلم مسلمانوں کے حوالہ کیا جا رہا تھا۔ اس کی سپاہ اور معزز افسران نے جو اس کے ماتحت تھے شہر کے گلی کوچوں میں انتظام قائم کر رکھا۔ یہ سپاہی اور افسر ہر قسم کی زیادتی کو روکتے تھے۔ اس کا نتیجہ تھا کہ کسی عیسائی کو کوئی گزند نہ پہنچا۔ شہر سے باہر جانے کے کل راستوں پر سلطان کا پہرہ تھا اور ایک نہایت معتبر امیر باب داؤد پر متعین تھا تا کہ جو شہر والے زر فدیہ ادا کر چکے ہیں، وہ باہر چلے جائیں۔(۱۳۱)

اس موقع پر کلیسا کے مقدس بطریق نے جو نمونہ پیش کیا اس کا ذکر عیسائی مورخ سے سنیے:

"مقدس مآب بطریق یروشلم نے جو اخلاق اور ایمان دونوں سے عاری تھے، گرجاؤں کی دولت سمیٹی، سونے کے پیالے اور آب مطہر رکھنے کا سامان حتیٰ کہ عہد مسیح جو طلائی ظروف رہتے تھے، اپنے قبضے میں کیے۔ اس کے ساتھ اپنا ذاتی اندوختہ جو بہت تھا محفوظ کر لیا۔ یہ جمع کی ہوئی دولت اس کی اتنی تھی کہ اگر چاہتا تو بہت سے غریب عیسائیوں کا زر فدیہ دے کر ان کو آزاد کرا دیتا۔ جب مسلمان امیروں نے سلطان سے کہا کہ اس بے ایمان اور نالائق پادری کو لوٹ کا مال لے جانے سے روکا جائے تو سلطان نے جواب دیا کہ جو قول اسے دے چکا ہوں، اس سے پھر نہیں سکتا۔ غرض اور لوگوں کی طرح یہ بڑا پادری دس اشرفیاں دے کر آزاد ہو گیا۔ اس عیسائی پادری کو ایک مسلمان بادشاہ نے اس کا سبق دیا کہ خیر و خیرات کے اصلی معنی کیا ہیں۔ باب داؤد سے چالیس روز تک آزاد شدہ عیسائیوں کے باہر نکلنے کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ رعایت کا زمانہ ختم ہوا، اس پر بھی ہزارہا غریب اور مفلس عیسائی جنہیں بخیل اور کنجوس تاجروں یا مالدار عیسائی اداروں نے غلام بننے کے لیے چھوڑ دیا تھا، شہر میں رہ گئے"۔(۱۳۲)

اس کے بعد صلاح الدین اور اس کے بھائی العادل نے ان غلاموں کے ساتھ جو رواداری اور فیاضی دکھائی، وہ تاریخ کی اور بھی زریں مثال ہے، جس کو ہم اسی عیسائی مورخ کی زبانی بیان کرتے ہیں:

"العادل اپنے بھائی صلاح الدین کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ خدا کے فضل و کرم سے میں نے اس ملک اور شہر کے فتح کرنے میں آپ کی مدد کی ہے، اس لیے درخواست ہے کہ مجھ کو ایک ہزار غلام ان غریب آدمیوں میں سے دیں جو اس وقت یروشلم میں موجود ہیں۔

صلاح الدین نے جب پوچھا کہ اتنے غلام لے کر کیا کرو گے، تو العادل نے جواب دیا کہ جو کچھ میرے جی میں آئے گا وہ کروں گا۔ اس پر سلطان نے العادل کو ایک ہزار غلام دے دیے۔ العادل نے سب کو خدا کی راہ میں آزاد کیا۔ بطریق اور بالیان سلطان کے پاس آئے اور یہی درخواست انہوں نے بھی کی۔ سلطان نے ایک ہزار غلام ان کو بھی دیے اور وہ آزاد کیے گئے۔ (۱۳۳)

یہ سب کچھ دیکھ کر صلاح الدین کا شریفانہ اور کریمانہ اخلاق اور بھی ابھر آیا، اس نے خود کیا کیا، وہ بھی اسی مورخ کی زبانی سننے کے لائق ہے:

''اب صلاح الدین نے اپنے امیروں سے کہا کہ میرے بھائی نے اپنی طرف سے اور بالیان اور بطریق نے خیرات کی۔ اب میں بھی اپنی طرف سے خیرات کرتا ہوں، یہ کہہ کر اس نے اپنی سپاہ کو حکم دیا کہ شہر کے تمام گلی کوچوں میں منادی کر دیں کہ تمام بوڑھے آدمی جن کے پاس زر فدیہ ادا کرنے کو نہیں ہے، آزاد کیے جاتے ہیں کہ جہاں چاہیں وہ جائیں اور یہ سب باب العیزر سے نکلنے شروع ہوئے اور سورج نکلنے سے سورج ڈوبنے تک ان کی صفیں شہر سے نکلتی رہیں۔ یہ خیر و خیرات تھی جو سلطان صلاح الدین نے بے شمار مفلسوں اور غریبوں کے ساتھ کی۔ (۱۳۴)

اس کے بعد ان نائٹوں کی بیوائیں اور بیٹیاں سلطان کے پاس روتی ہوئی آئیں کہ وہ زر فدیہ ادا کر کے کہاں جائیں کیونکہ ان کے شوہر یا تو قید خانہ میں ہیں یا مارے جا چکے ہیں۔ ان کو روتے دیکھ کر خود سلطان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ان کو تسلی دی، پھر ان کے شوہروں کو قید خانہ سے آزاد کیا اور جن کے شوہر مر چکے تھے، انہیں خزانے سے اتنے روپے دلوائے کہ جہاں وہ گئیں سلطان کی فیاضی کا چرچا کیا''۔ (۱۳۵)

سلطان کے ان اوصاف پر تبصرہ کرتے ہوئے یہی عیسائی مورخ لکھتا ہے:

''سلطان کے ان احسانات پر غور کرتے ہیں تو وہ وحشیانہ حرکتیں یاد آتی ہیں، جو شروع کے صلیبیوں نے ۱۰۹۹ء میں یروشلم کی فتح پر کی تھیں۔ جب گوڈفرے اور ٹنکرڈ یروشلم کے کوچہ اور بازار میں گزرے تھے، تو وہاں مُردے پڑے اور جاں بہ لب زخمی لوٹتے تھے، جب کہ بے گناہ اور لاچار مسلمانوں کو ان صلیبیوں نے سخت اذیتیں دے کر مارا تھا اور زندہ آدمیوں کو انہوں نے جلایا تھا، جہاں قدس کی چھتوں اور برجوں پر جو مسلمان پناہ لینے چڑھے تھے، وہیں ان صلیبیوں نے انہیں اپنے تیروں سے چھید کر گرا دیا تھا اور جہاں ان کے اس قتل عام نے مسیحی دنیا کی عزت کو بدنما داغ لگایا تھا، جب اس مقدس شہر کو ظلم و بدنامی کے رنگ میں انہوں نے رنگ دیا تھا، جہاں رحم و محبت کا وعظ جناب مسیح نے سنایا تھا اور فرمایا تھا کہ خیر و برکت والے ہیں وہ لوگ جو رحم کرتے ہیں، ان پر خدا کی برکتیں نازل ہوتی رہتی ہیں۔ جس وقت یہ عیسائی اس پاک اور مقدس شہر کو مسلمانوں کا خون کر کے اس کو مذبح بنا رہے تھے، جس وقت وہ اس کلام کو بھول گئے تھے اور یہ ان بے رحم عیسائیوں کی خوش قسمتی تھی کہ سلطان صلاح الدین کے ہاتھوں ان پر رحم و کرم ہو رہا تھا، صفات خداوندی میں سب سے بڑھ کر صفت رحم ہے، رحم عدل کا تاج اور اس کا جلال ہے، جہاں عدل اپنے اختیار اور استحقاق سے کسی کو جان سے مار سکتا ہے، رحم جان بچا سکتا ہے، اگر سلطان صلاح الدین کے کاموں میں صرف یہی کام دنیا کو معلوم ہوتا کہ اس نے کس طرح یروشلم کو بازیاب کیا، تو صرف یہی کارنامہ اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کافی تھا کہ وہ نہ صرف اپنے زمانہ کا بلکہ تمام زمانوں

کا سب سے بڑا عالی حوصلہ اور جلالت و شہامت میں یکتا اور بے مثل شخص تھا''۔(۱۳۶)

اسٹینلی لین پول سلطان کی رواداری کے اوصاف بیان کرنے میں بالکل نہیں تھکتا۔ اپنی کتاب ختم کرنے سے پہلے سلطان کی وفات کے ذکر میں لکھتا ہے کہ لڑائی ختم ہو گئی اور سلطان یروشلم میں تھا تو سالزبری کا اسقف زائرین کے ساتھ وہاں کی مقدس جگہوں کی زیارت کے لیے پہنچا تو سلطان نے اسے کہلا بھیجا کہ اس کے قیام کے لیے مفت مکان موجود ہے، اسقف نے یہ کہہ کر انکار کیا کہ وہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ صرف زیارت کے لیے آیا ہے۔ چند روز کے بعد وہ سب واپس چلے جائیں گے، اس کے بعد سلطان نے اپنے خدام کو حکم دیا کہ وہ اسقف اور اس کے ہمراہیوں کی خدمت کرتے رہیں، پھر اس کو قیمتی تحائف بھیجے، اپنے یہاں مدعو بھی کیا اور اس کی صلیب مقدس کی زیارت بھی کی، جب یہ ملاقات ختم ہوئی تو سلطان نے اس سے دریافت کیا کہ وہ کوئی چیز چاہتا ہے تو وہ بیان کرے۔ اسقف نے مہلت مانگی، دوسرے دن اس نے درخواست کی کہ وہ رومن کیتھولک مذہب کے قسیسوں کو اجازت دے کہ وہ تربت مسیح پر شامی عیسائیوں کے ساتھ خدمات دینیہ ادا کرنے میں مدد کریں اور نذر و نیاز سے جو آمدنی ہو اس میں سے ان قسیسوں کو گزارا دیا جائے۔ اسقف نے اس کو بھی درخواست دی کہ بیت اللحم اور ناصرہ میں بھی یہی سہولتیں دی جائیں۔ سلطان نے دونوں باتیں منظور کر لیں، اسقف نے اپنی مرضی سے قسیس مقرر کیے اور اس طرح ان کی عبادت کا معقول انتظام ہو گیا(۱۳۷)

یہ واقعہ بھی ذکر کرنے کے لائق ہے کہ جب صلاح الدین کرک کے محاصرہ میں تھا تو یروشلم کے فرماں رواں کی سوتیلی بہن ازابیلا کی شادی کی تقریب کا جشن وہاں منایا جا رہا تھا۔ صلاح الدین نے اپنے اس دشمن کے پاس شادی کا کھانا بھیجا اور فوج کو حکم دیا کہ جس برج میں دولہا اور دلہن ہیں اس پر تیر نہ پھینکے جائیں۔(۱۳۸)

دولت عثمانیہ اور عیسائی:

دولت عثمانیہ چھ سو برس سے زیادہ یورپ، ایشیا اور افریقہ پر اپنا پرچم لہراتی رہی۔ اس کا انتہائی عروج اس وقت ہوا جب اس میں جزائر سائپرس اور کریٹ کے علاوہ بحر کیسپین سے بحر روم پھر بحر بلوائے بصرہ، مصر شام اور عدن کی پہاڑی سے عرب کے جنوبی ساحل تک کے علاقے اس کے زیر نگیں رہے۔ بحر ہند اور بحر احمر پر بھی اس کا قبضہ رہا۔ تاریخ میں تین امپائر یاد کیے جاتے ہیں۔ رومن امپائر، ترکس امپائر اور برٹش امپائر۔ دولت عثمانیہ کا فرماں روا سلیمان اعظم فخر کرتا تھا کہ وہ بہت سی مملکتوں کا فرماں رواں، تین براعظموں کا شہنشاہ اور دو بحروں کا مالک ہے۔ سلیم ثالث کی سلطنت میں یورپ، ایشیا اور افریقہ کی چھبیس ولایتیں شامل رہیں۔ فرانسیسی مورخ ولاڈون کینفر کے بقول ترک تین چوتھائی دنیا کے مالک تھے اور سترہویں صدی عیسوی تک ترکی یورپ کی سب سے زبردست طاقت تھی۔

عثمان خان کی صلح جوئی اور امن پسندی:

مگر یہ حقیقت ہے کہ عیسائیوں نے ان ترکوں کو کبھی چین لینے نہیں دیا۔ ان کو دکھ تھا کہ یورپ میں مسلمانوں کی حکومت کیسے قائم ہو

گئی حالانکہ ان میں بہت سے فرماں روا ایسے تھے، جن کی صلح جوئی، امن پسندی رواداری اور جہاں بانی پر دنیا فخر کر سکتی تھی۔ اس خاندان کا دوسرا فرماں رواں عثمان خان اول تھا، جو ارطغرل کا بیٹا تھا۔ اسٹینلی لین پول اس کے متعلق لکھتا ہے:

ایک سلطان ہونے کے باوجود وہ اپنی سادگی میں خلفائے راشدینؓ کی یاد تازہ کرتا تھا۔ وہ اپنے گوناگوں اوصاف کے لیے ایسا مشہور رہا کہ اس کی تلوار محفوظ رکھی گئی، جو اس حکومت کے ہر نئے حکمراں کی کمر میں یہ دعا مانگ کر باندھی جاتی کہ اللہ تعالیٰ اس میں عثمان ہی جیسی خوبیاں پیدا ہوں، وہ جب مرا تو اس کے مکان میں صرف ایک کفتان، ایک سوتی عمامہ، لکڑی کا ایک چمچہ، ایک نمک دان، چند گھوڑے، زراعت کے لیے چند جوڑی بیل، بھیڑوں کے کچھ گلے اور اسلحہ کے علاوہ اور کوئی قیمتی چیز نہ تھی۔ (۱۳۹)

اس کی لڑائیاں بازنطینی حکومت سے ہوتی رہیں، لیکن وہ شکست کھاتی رہی اور اس کے کئی قلعے اور مورچے اس کے زیرنگیں ہوتے گئے۔ بازنطینیوں نے دشمنی میں تاتاریوں کو عثمانی سلطنت پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ وہ حملہ آور ہوئے، لیکن وہ بھی شکست کھا گئے۔ عثمان کے زمانہ میں بازنطینیوں نے ایشیائے کوچک کے بیشتر علاقے خالی کردیے۔ اس طرح اس کی حکومت کے اندر بڑی تعداد میں یونانی اور سلافی باشندے رہنے لگے جو مسلمان ہو کر ترکوں میں گھل مل گئے۔ لارڈ ایورسلے نے لکھا ہے کہ یہ عیسائی کسی جبر کے بغیر مسلمان ہوئے کیونکہ اس زمانہ میں کوئی قتل عام نہیں ہوا اور نہ قیدیوں کو غلام بنا کر فروخت کیا گیا، بلکہ ان کے اسلام لانے کی وجہ یہ ہوئی کہ قسطنطنیہ کے یونانیوں نے ان کو بالکل چھوڑ رکھا تھا، وہ اسلام میں داخل ہوئے تو شادی بیاہ کے ذریعہ ایسے گھل مل گئے کہ وہ بھی عثمانی کہلانے لگے۔ لارڈ ایورسلے رقم طراز ہے (۱۴۰) کہ عثمان مذہب اور نسل کی تفریق نہیں کرتا اور اپنی پوری رعایا کے ساتھ انصاف کرتا، جنگ میں مال غنیمت کو اپنے سپاہیوں میں برابر تقسیم کردیتا۔ کچھ غرباء کے لیے بھی محفوظ رکھتا، (۱۴۱) اور جب وہ اپنے بستر مرگ پر تھا تو اپنے جانشین اورخان کو یہ نصیحت کی کہ وہ اپنی رعایا کی فلاح و بہبود کا پورا خیال رکھے، اس سے اس کو اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم حاصل ہوتا رہے گا۔ (۱۴۲)

ایڈورڈ کریسی نے لکھا ہے کہ اس میں دوسرے لوگوں کے پیار اور محبت حاصل کرنے اور ان کے لیے ان کا سرگرم بنانے کی بڑی صلاحیت اور قوت تھی اور یہی امپائر کے بانیوں کی خوبی ہوتی ہے (۱۴۳) اس کی حکومت ۱۲۸۸ء سے ۱۳۲۶ء تک رہی۔

اورخان کی صلح جوئی اور امن پسندی:

اورخان حکمران (۱۳۸۰ء، ۱۳۲۶ء) ہوا تو بازنطینی ایشیائے کوچک کے علاقے واپس لینے کے لیے عثمانی سلطنت پر حملہ آور ہوگئے۔ شہنشاہ اینڈرومیکس لڑائی میں زخمی ہو کر واپس ہوگیا اور اس کے کچھ علاقے اورخان کے زیرنگیں ہوگئے۔ اسی کے بعد میسیا کا دارالسلطنت بھی عثمانیوں کے قبضہ میں آگیا۔ اسٹینلی لین پول کی تاریخ میں ہے کہ ان فتوحات کے بعد مفتوحین کو اختیار دیا گیا کہ وہ اپنا قیمتی اور ضروری سامان لے کر جہاں چاہیں جاسکتے ہیں۔ اس طرح فاتحوں کی پوزیشن وہاں مضبوط ہوگئی (۱۴۴) لارڈ ایورسلے کا بیان ہے کہ بعض مفتوحین نے خود سے اسلام قبول کرلیا اور یورپ جانا پسند نہیں کیا۔ (۱۴۵) بازنطینیوں نے اورخان سے صلح کرلی تو بیس برس تک عثمانیوں کو امن سے حکومت کرنے کا موقع ملا۔ اس اثناء میں اورخان نے ایک ہزار عیسائی لڑکوں کو منتخب کر کے انہیں

فوجی تعلیم دینی شروع کی اور ان کے ذریعے سے جو فوج تیار ہوئی، وہ ینی چری کہلانے لگی۔ یہ سلسلہ تین سو سال تک برابر جاری رہا۔ ان میں کچھ اپنی خوشی سے مسلمان ہو جاتے، ینی چری نے عثمانی سلطنت میں اہم کردار ادا کیا۔ (۱۴۶)

اورخان کو بازنطینیوں سے اس وقت تصادم کرنے کا موقع ملا، جب وہاں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ شہنشاہ اینڈرینکس کا انتقال ۱۳۲۸ء میں ہوا، تو اس کا گرینڈ چانسلر کنٹا کوزین اس کے نابالغ لڑکے پلیلوگس کا ولی بن گیا اور ملکہ اینا کے ساتھ اس کا مدار المہام مقرر ہوا، لیکن چار برس کے بعد کنٹا کوزین خود شہنشاہ بن بیٹھا جو ملکہ کو ناگوار گزرا اور خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ دونوں نے اورخان سے مدد مانگی۔ کنٹا کوزین نے اپنی لڑکی تھیوڈرا کو اورخان کی بیوی بنانے کے بدلہ میں چھ ہزار عثمانی سپاہی مانگے اورخان نے یہ شرط منظور کر لی اور یہ شادی بہت دھوم دھام سے رچائی گئی۔ اورخان داماد بن کر اپنے خسر کے یہاں قسطنطنیہ بھی گیا۔ (۱۴۷)

کنٹا کوزین نے اس فوج کی مدد سے قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا، ایک سال کے بعد ملکہ سے اس بات پر صلح ہو گئی، کہ کنٹا کوزین اس کی بیوی، ملکہ اینا اور شہزادہ جان پلیلوگس چاروں تخت نشین کر دیے جائیں۔ اس تاجپوشی کے بعد کنٹا کوزین نے اپنی ایک لڑکی کی شادی شہنشاہ خان سے کر دی۔ شہزادی تھیوڈرا اورخان کی بیوی بنی رہی اور اس کو مسیحیت پر قائم رہنے کی اجازت دے دی گئی، ۱۳۴۵ء میں سرویا کے حکمراں اسٹیفن ڈوشن سالونیکا پر حملہ کر کے قسطنطنیہ پر یلغار کرنا چاہتا تھا کہ کنٹا کوزین اور جان پلیلوگس دونوں اورخان سے پھر مدد کے خواستگار ہوئے، اورخان نے اس مرتبہ بیس ہزار لشکری بھیجے اور اسٹیفن ڈوشن کی مراجعت کرنے پر مجبور کیا، لیکن کچھ دنوں کے بعد کنٹا کوزین نے تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لیے تو ملکہ اور پلیلوگس میں خانہ جنگی شروع ہو گئی، کنٹا کوزین نے اورخان سے پھر مدد مانگی، اس کے بدلے یوروپین ساحل کا ایک قلعہ پیش کرنے کا وعدہ کیا، اورخان کی مدد سے وہ تخت و تاج کا مالک بن بیٹھا، اس کے بعد اورخان کے قبضے میں گیلی پولی آ گیا، جس کے بعد عثمانیوں کا قدم یورپ میں جمنے لگا، قسطنطنیہ میں کنٹا کوزین کے خلاف پھر بغاوت ہوئی، جس کے بعد وہ حکومت سے دست بردار ہو گیا اور جان پلیلوگس تخت پر بٹھایا گیا، اس نے پچاس برس تک حکومت کی، مگر یہ روز بروز اتنی کمزور ہو گئی کہ اس کے شہنشاہ نے دولت عثمانیہ کا ایک باج گذار بن کر رہنے پر اکتفا کیا۔ (۱۴۸)

ان واقعات سے عثمانیوں کی صلح جوئی، امن پسندی اور رواداری کا اندازہ ہو گا، وہ بازنطینیوں کی بھی مدد کرتے رہے اور ان سے شادی بیاہ کا رشتہ بھی قائم کیا، وہ چاہتے تو قسطنطنیہ کو اپنے زیر نگیں لا سکتے تھے، مگر ایسا کرنا پسند نہیں کیا۔

مراد اوّل کی صلح جوئی اور امن پسندی:

عثمانیوں کی بڑھتی ہوئی قوت کو یورپ کے عیسائی گوارا نہ کر سکے، روم کے کلیسا کو بھی تردد پیدا ہوا تو پوپ اربن پنجم نے ہنگری، سرویا، بوسنیا اور ولاچیا کے فرماں رواؤں کو آمادہ کیا کہ وہ مل کر عثمانیوں کی حکومت پر ضرب کاری لگائیں گے۔ ۱۳۶۲ء میں ان اتحادیوں نے مل کر اعلان کیا کہ وہ مسلمانوں کو یورپ سے نکال کر دم لیں گے، مگر اورخان کے جانشین مراد اول نے ان کو مارٹیزا کی جنگ میں شکست فاش دی، اس جنگ کے بعد بلقان کے جنوب کا سارا علاقہ سلطنت عثمانیہ کے زیر نگیں ہو گیا، مراد نے اب اپنا دار السلطنت پہلے یورپ میں تھریس کے پاس ڈیموٹیکا میں بنایا، پھر اورنہ منتقل کر دیا۔ جنگ مارٹیزا کے بعد قسطنطنیہ کے شہنشاہ

اینڈرونکس نے اپنی حفاظت کی خاطر سلطان مراد کا باج گذار ہونا منظور کر لیا اور لڑائی کے موقع پر عثمانیوں کی مدد کرنے کا بھی وعدہ کیا، مگر وہ یورپ کی حکومتوں کو مراد کے خلاف ابھارنے کی کوششوں میں لگا رہا، اس نے اپنے عقائد کے خلاف کلیسائے رومہ کی برتری تسلیم کر لی، لیکن وہ مراد کے خلاف کلیسا اور یورپ کی اور عیسائی حکومتوں کو نہ ابھار سکا، وہ اتنا نادار ہو چکا تھا کہ وینس کے ساہوکاروں سے رقم لے کر اس نے رومہ کا سفر کیا، جب رومہ سے واپس آ رہا تھا تو وینس کے ساہوکاروں نے اس کو گرفتار کر لیا، اس کے بڑے لڑکے نے اس کو آزاد کرانا پسند نہیں کیا، لیکن اس کے چھوٹے لڑکے مینوئیل نے قرض کسی طرح ادا کیا جس کے بعد شہنشاہ نے قسطنطنیہ آ کر اس کو تاج و تخت کا شریک بنا لیا، اینڈرونکس کے بڑے لڑکے نے مراد کے چھوٹے لڑکے شہزادہ صاوجی سے مل کر سازش کی کہ اینڈرونکس اور سلطان مراد دونوں کو تخت سے اتار کر اپنے اپنے علاقے میں فرماں روا بن جائیں، مگر یہ دونوں شہزادے ناکام ہوئے، شہنشاہ قسطنطنیہ نے ایک جدید معاہدہ کے بعد دولت عثمانیہ کی باج گذاری از سر نو تسلیم کر لی، مراد کی قوت یورپ میں بڑھتی گئی، بلغاریہ، مقدونیہ اور سرویا بھی اس کے زیر نگین ہو گئے اور یہ سب اس کے باج گزار رہے۔ بلغاریہ کے بادشاہ نے تو اپنی لڑکی بھی مراد کو پیش کی، مراد کی قوت بڑھتی گئی، یہ مسیحی حکومتوں کو کب گوارا ہو سکتا تھا، اس لیے ایک بار پھر سرویا، بوسنیا، بلغاریہ، البانیا، ولاچیا اور ہنگری نے ایک عظیم الشان اتحاد کر کے ترکوں کے استیصال کا بیڑا اٹھایا۔ ۱۳۸۹ء میں کسووا کے مقام پر مراد سے ایک زبردست جنگ ہوئی، ایک سروی لشکری نے پر فریب طریقہ پر مراد کے پاس پہنچ کر اس پر خنجر سے وار کیا، جس سے اس کو کاری زخم لگا، مگر اسی حالت میں وہ جنگ کی قیادت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کو فتح ہوئی، جس کے بعد یہ حکومتیں دولت عثمانیہ کی باج گذار بنی رہیں، گو وہ کچھ نہ کچھ لڑائیاں لڑتے رہے۔ (۱۴۹)

مراد کے بارے میں یورپی مؤرخ لکھتے ہیں کہ جہاں بانی میں اپنی سختی کے باوجود نرم دل تھا، اس سے لوگ محبت بھی کرتے تھے اور ڈرتے بھی، بہت کم بولتا اور جو کچھ کہتا اس میں بڑی گہرائی ہوتی۔ (۱۵۰)

اس نے مسیحی حکومتوں کو اپنے زیر نگیں ضرور کر لیا، لیکن عیسائیوں کو پوری مذہبی آزادی دے رکھی تھی، اس کا ثبوت اس خط سے ملتا ہے جو ۱۳۸۵ء میں یونانی کلیسا کے بطریق اعظم نے یورپ اربن ششم کو لکھا تھا، بطریق مذکور نے اقرار کیا ہے کہ مراد نے کلیسا کو کامل آزادی دے رکھی تھی، اسی کا نتیجہ تھا کہ ۱۳۶۰ء سے ۱۳۸۹ء تک بطریق اعظم کے دفتر میں کوئی شکایت بھی عثمانیوں کے ہاتھوں ارباب کلیسا کے ساتھ بدسلوکی کی درج نہیں ملتی۔ (۱۵۱)

بایزید اوّل یلدرم کی صلح جوئی اور امن پسندی:

مراد اول کے جانشین بایزید اول یلدرم (۱۳۶۲ء-۱۳۸۹ء) پر عیسائیوں سے نمٹنے میں سخت وقت گذرا، سرویا شروع میں اس کا سخت مخالف رہا، لیکن آخر میں اس کو مصالحت کرنی پڑی، سرویا کے حکمران نے اپنی بہن ڈسپینا کو بایزید کے نکاح میں دے دیا، جس کے بدلے میں اس نے سرویا کی خود مختاری قائم رکھی، اس نے قسطنطنیہ کے فرمان روا جان پلیلوگس سے ایک جدید صلح نامہ جس کی رو سے شہنشاہ اس کا باج گذار ہو گیا، اور ایشیائے کوچک کا ایک قلعہ فلاڈلفیا بایزید کے حوالے کرنے کا وعدہ کیا، اور جب فلاڈلفیا کے

یونانی افسران نے اس کو خالی کرنے سے انکار کر دیا تو شہنشاہ کی یونانی فوج نے اس کو خالی کرا کے بایزید یلدرم کے حوالے کیا، جب جان پلیلوگس نے قسطنطنیہ میں تین گرجے مسمار کر کے ان کے سامان سے نئے قلعے تعمیر کرانے کی کوشش کی تو بایزید یلدرم نے اس کو ایسا کرنے سے روکا، لیکن وہ چند دنوں کے بعد وفات پا گیا، اس کا لڑکا مینوئیل بایزید یلدرم کے یہاں نظر بند تھا وہ اس کے یہاں سے بھاگ گیا، اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تو بایزید اپنی فوج کو لے کر وہاں پہنچا تو اور قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا، لیکن اس محاصرہ کا خاتمہ بازنطینی حکومت کے ایک بار پھر باج گذار بن جانے پر ہوا، ادھر ولا چیا اور بلغاریا نے بایزید یلدرم کو چین لینے نہیں دیا، اور وہ اس کے خلاف لڑائیاں لڑتے رہے بایزید ان سب کو مغلوب کرتا رہا، پھر ان عیسائیوں نے اپنا محاذ بدل دیا، بایزید یلدرم کے حرم میں شہزادی ڈیسپنا آ گئی تھی اس نے اس کو شراب نوشی کی ترغیب دی اور اس کے بعد ہر قسم کی فاسقانہ زندگی کی طرف مائل کیا جس میں اس کے اسلاف کبھی مبتلا نہ ہوئے تھے، ان عیسائیوں کا وطیرہ یہ بھی رہا کہ جب وہ مسلمان حکمرانوں اور فاتحوں کو مغلوب نہیں کر سکتے تو وہ اپنی شہزادیوں اور عورتوں کو بھیج کر ان کو مغلوب کر لیتے۔

محمد ثانی فاتح کی صلح جوئی اور امن پسندی:

محمد ثانی فاتح نے ۱۴۵۱ء سے ۱۴۸۱ء تک حکومت کی، اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے مئی ۱۴۵۳ء میں قسطنطنیہ فتح کیا۔ قسطنطنیہ کی فتح کے بعد سلطان محمد فاتح جس وقت یہاں داخل ہوا تو اس کا ذکر لارڈ ایورسلے نے اپنی کتاب ٹرکش امپائر میں اس طرح کیا ہے کہ "داخلہ کے ابتدائی چند گھنٹوں کے بعد اس موقع پر کوئی قتل عام نہیں ہوا، آتش زنی بھی زیادہ نہیں ہوئی، سلطان نے گرجاؤں اور دوسرے عمارتوں کو محفوظ رکھنے میں پوری کوشش کی، اور وہ اس میں کامیاب رہا، (۱۵۲) پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ نے اپنی مشہور کتاب پریچنگ آف اسلام میں لکھا ہے کہ قسطنطنیہ کے عیسائیوں نے اطاعت قبول کر لی تو وہاں کے کلیسا کے بطریق کو یہ رعایتیں دی گئیں کہ وہ شہر میں جلوس کے ساتھ نکل سکتے ہیں، اور وہ اپنی عدالت میں اپنے مقدمے کے خود فیصلے کر سکتے ہیں، اپنے مجرموں کو موت کی سزا بھی دے سکتے ہیں، وہ اپنی عیسوی فقہ پر عمل کر سکتے ہیں (۱۵۳)۔ (دعوت اسلام، اردو ترجمہ ص ۱۲۶۔۱۲۵، پہلا ایڈیشن (لارڈ ایورسلے نے سلطان محمد فاتح کی اس رواداری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ محمد ثانی کی عظیم الشان رواداری یورپین حکومت کی سیاسی اخلاقیات سے بہت آگے تھی، اہل اسپین نے ان مسلمانوں کے ساتھ جنہوں نے اپنے گرفتار کرنے والوں، یعنی عیسائیوں کا مذہب قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا، ان کو ملک سے نکالتے وقت یہ نمونہ پیش نہیں کیا، محمد ثانی نے یونانیوں اور قسطنطنیہ کے دوسرے باشندوں کو ترغیب یا جبر سے مسلمان ہونے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ (۱۵۴)

سلیم اول کی صلح جوئی اور امن پسندی:

اس کی حکومت ۱۵۱۲ء سے شروع ہو کر ۱۵۲۰ء میں ختم ہوئی وہ عام طور سے ظالم حکمراں سمجھا جاتا تھا، لیکن اپنی رعایا میں بہت مقبول تھا، اس لیے کہ اس کا جو طرز عمل افراد کے لیے ظلم کا حکم رکھتا تھا، وہی رعایا کے حق میں رحمت بن جاتا تھا۔ (۱۵۵) اس کے عہد میں

اسپین سے معاہدہ عمل میں لایا گیا۔(۱۵۶)

سلیمان اعظم قانونی کی صلح جوئی اور امن پسندی:

اس نے ۱۵۲۰ء سے ۱۵۶۶ء تک حکومت کی، وہ دولتِ عثمانیہ کا سب سے بڑا اور شاندار دور گذرا ہے، اور اپنے وقت کا سب سے بڑا شہنشاہ بھی، وہ اپنے رحم و کرم کے لیے مشہور تھا، انصاف اس کا شیوہ تھا، وہ اپنی عدالت میں نسل و رنگ اور مذہب کی کوئی تفریق نہ کرتا، اس کا عام حکم تھا کہ رعایا کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی روا نہ رکھی جائے۔ امیر، غریب، مسلم اور غیر مسلم کے ساتھ یکساں طور پر انصاف کیا جائے، یورپ کے عیسائی قسطنطنیہ میں اپنی شکست پر سینہ کوبی میں مشغول تھے، مسلمانوں سے بدلہ لینے میں جوش سے لبریز تھے، دولتِ عثمانیہ کی بیخ کنی کے لیے ہر قسم کے باہمی اتحاد کے لیے کوشاں تھے، مگر اس نے اپنی عالی دماغی اور فوجی کارکردگی اور بحری طاقت سے ان عیسائیوں کو ہر محاذ پر پسپا کیا، اور بلغراد، وینس، روڈس، ہنگری، ویانا، اسٹاریا اور جزائر اسپین وغیرہ جیسے علاقے اس کے قلمرو میں شامل تھے۔ اس کی وسیع سلطنت میں بیں مختلف نسلوں کے لوگ آباد تھے، ان میں تیس لاکھ یونانی، بیس لاکھ آرمنی تھے۔ سلافی نسل کے پینسٹھ لاکھ باشندے تھے۔ بلغاریہ سرویا، بوسینا، مونٹی نگرو، مولڈیویا اور البانیہ میں چالیس لاکھ آباد تھے، رومی نسل کے لوگ ولاچیا اور مولڈیویا میں سکونت پزیر تھے، تاتاریوں کی تعداد پندرہ لاکھ تھی، البانیہ کے ارناؤط تقریباً پندرہ لاکھ تھے، ہنگری میں مگیار اور ٹرانسلوینیا میں جرمن نسل کے لوگ تھے، ان سب کو سلیمان اعظم نے ہر طرح مطمئن رکھا، جس میں اس کی رواداری، صلح جوئی اور امن پسندی کا بڑا عمل دخل رہا، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ جب ۱۵۳۵ء میں شہنشاہ چارلس اور فرانس میں جنگ چھڑی تو فرانس سلیمان اعظم کی مدد کا خواست گار ہوا، دونوں میں جو معاہدہ ہوا اس کو رعایت سلطانی سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس معاہدے کی رو سے فرانسیسیوں کو پانچ فی صد محصول کے معاوضہ میں تمام ترکی بندرگاہوں میں تجارت کرنے کی اجازت دی گئی، فرانسیسی تاجروں کے مقدمات خود ہی ان کے سپرد کر دیے گئے، سلطنتِ عثمانیہ کے فرانسیسی باشندوں کو انتقال جائیداد سے متعلق وصیت کرنے کے لیے مخصوص حقوق دیئے گئے اور نہ صرف انہیں کامل مذہبی آزادی دی گئی، بلکہ ان کے مقامات مقدسہ کی نگہبانی بھی ان ہی کو تفویض کر دی گئی، فرانس کے بادشاہ کو بے کے بجائے بادشاہ کے لقب سے یاد کیا، اس لیے اس کو اپنے برابر سمجھا۔

اس نے اپنی غیر مسلم رعایا کے لیے لگان وغیرہ کے جو قوانین مرتب کیے تھے، اس بنا پر جاگیردار واجب ادائیگی سے زیادہ مستحق نہ تھے، اسی لیے ایڈورڈ کریسی نے لکھا ہے کہ سلطان کے ایک معاصر مورخ کا بیان ہے کہ سرحدی عیسائی ممالک کے باشندے بھاگ بھاگ کر سلطنت عثمانیہ میں پناہ لیتے تھے اور اپنے ہم مذہب عیسائی آقاؤں کے جور و تعدی پر ترکوں کی نرم حکومت کو ترجیح دیتے تھے، یہاں آکر خوش رہتے کہ عشر کے علاوہ ان پر اور کسی قسم کا محصول یا تکلیف دہ بار عائد نہیں کیا جاتا۔(۱۵۷)

لارڈ ایورسلے لکھتا ہے کہ:

”وہ ترکی میں قانونی کی حیثیت سے جانا جاتا تھا، اس لیے کہ اس نے اپنے عہد میں بڑی قانونی اصلاحات کیں، جو سب انصاف پر مبنی تھیں، جاگیرداری کے قوانین بالکل بدل گئے۔ جاگیرداروں کی جاگیرداری کا نظام یورپ کے ملکوں کی طرح تھا۔ لیکن اب اس کو

سادہ کردیا گیا، جس سے رعایا کی حالت میں ترقی ہونے لگی، لگان کے مقرر کردینے سے ان کی کافی حفاظت ہوگئی اور ان کی حالت ہنگری اور روس کے کسانوں سے بہتر ہوگئی، موریا کے یونانی وینس کی حکومت سے زیادہ ترکوں کی حکومت کو پسند کرنے لگے تھے، ہنگری کے بہت سے کسانوں نے اپنا وطن چھوڑ دیا اور رومینا آکر آباد ہوگئے، جہاں ترکوں کی حکومت بہت مہربان اور انسان دوست تھی، سلیمان کی چھیالیس ۴۶ برس کی حکومت میں لوگوں کی قناعت پسندی اور اطمینان کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ اس زمانہ میں کوئی بغاوت نہیں ہوئی، حالانکہ اس کے اندر بیس نسلوں کے لوگ آباد تھے اور وہاں فوجیں بھی متعین نہ تھیں، کیونکہ وہ ہنگری اور ایران کی مہموں میں بھیج دی گئی تھیں۔" (۱۵۸)

سلیم ثانی کی صلح جوئی اور امن پسندی:

سلیم ثانی (۱۵۶۶ء۔۱۵۷۴ء) کے عہدِ حکومت میں ۱۵۷۳ء میں جب وینس نے باب عالی سے صلح کی گفتگو شروع کی اور حسبِ ذیل معاہدہ مرتب ہوا، وینس نے نہ صرف قبرص کو فتح اور اس پر سلطنت عثمانیہ کا قبضہ تسلیم کرلیا بلکہ اس کے حل کرنے میں جو اخراجات دولت عالیہ کو برداشت کرنے پڑے اور جن کا تخمینہ تین لاکھ تھا ان کی ادائیگی بھی منظور کی، جزیرہ زانطہ کے لیے جمہوریہ وینس اب تک پانچ سو دوکات کا خراج ادا کرتی تھی، اس معاہدہ کی رو سے خراج کی مقدار ڈیڑھ ہزار دوکات مقرر ہوگئی، البتہ قبرص کا خراج جو آٹھ ہزار دوکات سالانہ آیا کرتا تھا، وہ اب موقوف کردیا گیا، ڈلماشیا اور البانیا میں فریقین کے جو مقبوضات جنگ لیپانٹو سے قبل تھے وہی برقرار رکھے گئے۔ (۱۵۹)

احمد اوّل کی صلح جوئی اور امن پسندی:

احمد اول (۱۶۱۷ء۔۱۶۰۳ء) کے زمانہ میں بھی آسٹریا اور ٹرانسلوینیا نے اس سے چھیڑ چھاڑ رکھی، جس کے نتیجہ میں سیتوا توروک کا صلح نامہ ہوا، اس کی رو سے کچھ قلعے آسٹریا کو دے دیے گئے، اور آسٹریا عثمانی حکومت کا باج گزار نہیں رہا، لیکن سلطان نے فرانس اور انگلستان سے دوستانہ تعلقات رکھے، مگر اسپین اور روس اس کے دشمن بنے رہے۔ (۱۶۰)

مصطفیٰ ثانی کی صلح جوئی اور امن پسندی:

مصطفیٰ ثانی (۱۷۰۳ء۔۱۶۹۵ء) کے عہد میں ترکوں کو آسٹریا کے مقابلہ میں تیموار اور ہنگری میں جو فتوحات ہوئیں تو ان کے حوصلے بڑھے لیکن اس کے دوسرے سال آسٹریا کے مقابلے میں ان کو زنٹا کے مقام پر شکست ہوئی تو عیسائی حکومتیں خوش تھیں کہ اب مسلمانوں کی حکومت یورپ سے جلد ختم ہو جائے گی، اب دولت عثمانیہ اپنے عیسائی دشمنوں سے گھری ہوئی تھی، اور جب اس لڑائی کے بعد کارلوونز کا صلح نامہ ہوا، تو اس میں آسٹریا، روس، پولینڈ، وینس، برطانیہ اور ہالینڈ شریک ہوئے اور اس میں یہ طے پایا کہ آسٹریا کا قبضہ ٹرانسلوینیا اور ہنگری کے ان علاقوں پر رہے گا جو دریائے مروش کے شمال اور دریائے تھاس کے مغرب میں واقع تھے، ہنگری کا صرف ایک ثالث عثمانیوں کے قبضے میں رہا، آسٹریا، ہنگری اور ٹرانسلوینیا، حکومت عثمانی کو خراج دینے سے آزاد کردیے گئے۔ وینس کا قبضہ موریا اور البانیہ پر برقرار رکھا گیا،

آبنائے کورتھ کے شمالی علاقے میں دولت عثمانیہ کو دلائے گئے، پولینڈ کو پوڈولیا اور کامینک مل گئے، روس کو شہر ازف اور بحر ازف کے شمالی علاقے دلائے گئے۔ اس صلح نامہ سے یورپ کی عیسائی حکومتیں خوش تھیں کہ عثمانیوں کا اقتدار یورپ سے جاتا رہا۔(۱۶۱)

احمد ثالث کی صلح جوئی اور امن پسندی:

احمد ثالث (۱۷۳۰ء-۱۷۰۳ء) کے زمانہ میں ترکوں نے اپنے آپ کو بہت کچھ سنبھالا، اور عیسائی حکومتوں کے تعصب اور عداوت کے مقابلہ میں اچھی طرح مقابلہ کیا، روس کی للچائی نظریں عثمانیوں کے علاقوں پر پڑ رہی تھیں۔ گو دونوں میں صلح کا معاہدہ تھا، مگر روس بحر اسود کے ساحل پر جو نئے قلعے بنوا رہا تھا تو عثمانی اس کو اپنے لیے خطرہ سمجھتے رہے اسی زمانہ میں روس اور سویڈن کی جنگ ہوئی، تو سویڈن کا فرماں روا چارلس نے اس سے شکست کھا کر سلطنتِ عثمانیہ کے حدود میں پناہ لی، جہاں اس کا شاہانہ استقبال کیا گیا، روس کو یہ ناگوار گزرا، اس نے چارلس کو اس کے حوالے کر دینے کی فرمائش کی، لیکن احمد ثالث نے اس کو یہ جواب دیا کہ آئین شرافت کی خلاف ورزی ممکن نہیں، روس نے کچھ دھمکیاں دیں تو ان کی پرواہ نہیں کی گئی۔ روس کے کلیسا نے ترکوں کے خلاف نفرت پھیلانی شروع کی اور ترکوں کو یورپ سے نکالنا ایک مذہبی فریضہ قرار دیا چنانچہ جب اس جنگ کا اعلان کیا گیا تو روسی علم پر ایک طرف صلیب کی تصویر تھی اور دوسری طرف یہ لکھا ہوا تھا: "خدا اور مسیحیت کے لیے" روس کی طرف سے بلقان کی سلائی قوموں کو سلطنت عثمانیہ کے خلاف ابھارا گیا، پیٹر اعظم خود فوج لے کر عثمانیوں سے لڑنے کے لیے روانہ ہوا، تو غیظ وغضب میں بڑھتا ہوا دریائے پرتھ کو عبور کر کے ایک ایسی جگہ پر خیمہ زن ہوا کہ اس کے ایک بازو پر دریا تھا، دوسرے پر ایک دلدل تھا۔ سامنے کی پہاڑیوں پر ترکوں کی توپ تھی، جس کی توپوں کی زد میں اس کی پوری فوج آگئی تھی، پیٹر اعظم پریشان ہوا کہ وہ اور اس کی پوری فوج ترکوں کی توپوں سے ہلاک کر دی جائے گی، اس موقع پر پیٹر اعظم کی ملکہ کیتھرائین نے ترکوں سے منت وزاری کی، جنھوں نے روسیوں سے سفاکانہ اور بے رحمانہ سلوک کرنے کے بجائے اس سے قلعۂ ازف، شہر تنگروک اور کچھ اور علاقے لے کر پیٹر اعظم اور اس کی فوج کی جان بخشی کر دی، پیٹر اعظم نے وعدہ کیا کہ وہ سلطان کی رعایا کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچائے گا اور سویڈن کے فرماں روا چارلس کو اپنے وطن واپس جانے میں مزاحمت نہ کرے گا۔ مگر پرتھ کی یہ صلح عارضی رہی، روس کی وفاداری پر عثمانیوں کو یقین نہ رہا۔

آسٹریا معاہدہ کارلوڈز کا پابند نہ رہا اور وہ عثمانیوں کے علاقوں پر قابض ہونے کی فکر میں رہا، اس نے وینس سے مل کر عثمانیوں سے پھر جنگ کی۔ بلغراد کی جنگ میں عثمانیوں کو شکست ہوئی، اور آسٹریا، سرویا اور مغربی لاجیا پر قابض ہوگیا، سرویا کے باشندے ترکوں کے مقابلے میں آسٹریا کی حکومت پسند نہیں کرتے تھے، اسی لیے ڈینوب کے جنوبی علاقوں پر آسٹریا کا قبضہ عارضی ثابت ہوا۔ بائیس ۲۲ سال کے بعد عثمانیوں نے بلغراد کو پھر فتح کیا تو سرویا کے باشندوں نے آسٹریا والوں کو نکال باہر کیا، بلغراد کی لڑائی کے بعد جو صلح نامہ ہوا اس میں بہت سے عثمانی علاقے آسٹریا اور وینس کو دلائے گئے۔(۱۶۲)

محمود اول کی صلح جوئی اور امن پسندی:

محمود اول (۱۷۳۰ء۔۱۷۵۴ء) کے عہد میں عثمانیوں کے خلاف یورپ کی عیسائی حکومتوں کی سازشیں بہت بڑھ گئیں، روس قسطنطنیہ کی فتح کا خواب دیکھنے لگا، اور اس نے اپنے اس ارادہ کا اعلان بھی کیا کہ وہ ترکوں کو یورپ سے نکال کر رہے گا، قسطنطنیہ کی فتح میں پہلا سنگ گراں کریمیا تھا، جس نے اپنی تجارت کی خاطر عثمانی سلطنت سے تعلقات اچھے رکھے تھے مگر روسی اس پر حملہ آور ہوئے، اور جب کریمیا کے اندر روسی فوج داخل ہوئی تو دو ہزار مکانات، محلات اور تمام پبلک عمارتیں برباد کردی گئیں، بوڑھوں، بچوں اور عورتوں پر ذرا بھی رحم نہیں کیا۔ جہاں روسی فوج کی مطلق مزاحمت نہیں کی گئی وہاں بھی شہروں اور قصبوں میں آگ لگادی گئی اور باشندوں کو تہ تیغ کیا گیا، قدیم یادگاریں مٹادی گئیں، کتب خانے اور مدرسے شعلوں کی نذر کردیے گئے، عبادت گاہیں منہدم کردی گئیں۔(۱۶۳)

روس کی دوسری فوجیں اور طرف بھی بڑھ رہی تھیں۔ البتہ یوکرین میں ترکوں نے ان کو شکست دی اور تیس ہزار روسیوں کو قیدی بنا لیا۔ اس افراتفری کے زمانہ میں آسٹریا بھی خفیہ طور سے روس سے مل گیا اور دونوں نے سلطنت عثمانیہ کے مختلف حصوں پر حملے کردیے، کریمیا پر ترکوں کا قبضہ پھر ہو گیا تھا، مگر روس اور آسٹریا کی فوجوں کی یلغار اس پر از سرِ نو ہوئی، تو کریسی کا بیان ہے کہ روسی فخر کرتے تھے کہ اس حملہ میں انہوں نے چھ ہزار مکانات، اڑتیس مسجدیں، دو گرجے اور پچاس چکیاں جلاڈالیں۔

آسٹریا عثمانیوں سے برابر برسرپیکار رہا، کبھی ان کے علاقوں پر قابض ہوجاتا اور کبھی ان کو خالی کردیتا۔ بالآخر ترکوں کے مشہور جنرل محمد پاشا نے اس کو پیٹرو وارڈین کے مقام پر شکست فاش دی، جس کے بعد بلغراد کی صلح ہوئی۔ اس کی رو سے بلغراد، بوسنیا، سرویا اور ولاچیا کے تمام علاقے عثمانیوں کو واپس کردیے گئے۔ یہ عثمانیوں کی عظیم الشان کامیابی تھی۔ اس کے بعد بائیس سال تک عیسائی حکومتیں عثمانیوں سے جنگ کرنے کی ہمت نہ کرسکیں۔(۱۶۴)

مصطفیٰ ثالث کی صلح جوئی اور امن پسندی:

مصطفیٰ ثالث (۱۷۵۷ء۔۱۷۷۳ء) کے زمانہ میں ترکوں کی یہ کوشش رہی کہ عیسائی حکومتوں سے اتحاد رکھیں اور اپنے اندرونی حالات کی اصلاح کی طرف زیادہ توجہ کریں۔ اس زمانہ میں روس اور آسٹریا میں بڑی دشمنی ہوگئی تھی۔ البتہ پروشیا فریڈرک ثانی اعظم کی حکومت میں غیر معمولی طاقت کے ساتھ ابھر چکا تھا۔ ۱۷۶۱ء میں عثمانی سلطنت نے پروشیا سے دوستی کا معاہدہ کرلیا، مگر فریڈرک اعظم نے بہت جلد اس معاہدہ کو مسترد کرکے عثمانیوں کے دشمنوں سے رشتۂ اخوت جوڑ لیا۔ اسی درمیان میں روس کی کیتھرائن ثانیہ نے اپنے شوہر زار کو قتل کرا کے خود تخت پر بیٹھ گئی۔ فریڈرک نے اس سے دوستی کا معاہدہ کرلیا اور دونوں نے مل کر پاس پڑوس کی سلطنتوں پر یلغار شروع کردی۔ پہلے دونوں نے پولینڈ کی تقسیم کرا کے اس کو اپنے اپنے قبضہ میں رکھنا چاہا۔ پہلے پروشیا کی فوجوں نے پولینڈ پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد کیتھرائن کے ایک سابق آشنا اسٹانسلاس کو اس کے تخت پر بٹھایا۔ عثمانیوں نے اس ظالمانہ کارروائی کے خلاف

احتجاج کیا تو روس نے کریمیا، موریا، مونٹی نگرا اور جارجیا میں ان کے خلاف بغاوت پھیلانے کی کوشش شروع کر دی، تو اکتوبر ۱۷۶۸ء میں عثمانیوں کو روسیوں کے خلاف محاذ آرائی کرنی پڑی۔ روس بڑی تیاریوں کے ساتھ جنگ میں شریک ہوا۔ ابتداء میں ترکوں کو فتح ضرور ہوئی، لیکن جب روسیوں نے مولڈیا پر قبضہ کر لیا، تو کیتھرائن نے عثمانیوں کے خلاف موریا، کریمیا، پھر مصر اور شام میں بھی بغاوت پھیلانے کی کوشش کی اور جب ترکی اور روسی بیڑوں کا مقابلہ ہوا تو ترکوں کو اپنی بہادرانہ جنگ کے بعد آخر میں شکست ہوئی اور عثمانی جہازوں کی بڑی بربادی ہوئی۔ روس کی فتوحات سے آسٹریا اور پروشیا دونوں متردد ہوئیں۔ ان کو اپنے اوپر روسی غلبہ کا خطرہ محسوس ہونے لگا۔ فرانس اس وقت تک دولت عثمانیہ کا دوست تھا، لیکن روس کے خلاف اس نے عثمانیوں کی کوئی مدد نہیں کی بلکہ اندرونی طور پر اس کی یہ کوشش رہی کہ دولت عثمانیہ اور روس کو وہ باہم لڑاتا رہے اور خود علیحدہ رہے۔ انگلستان بھی دولت عثمانیہ کی دوستی کا دم بھرتا تھا، مگر خفیہ طور سے روسیوں کو جنگ میں پوری مدد دے رہا تھا۔ عثمانیوں کا دوست بن کر اور ان کے رازوں سے واقف ہو کر روس کو باخبر رکھتا، مگر فرانس، انگلستان کی حکمت عملی کو پسند نہیں کرتا تھا کیونکہ ہندوستان میں انگلستان نے فرانس کو زیر کر کے وہاں اپنی حکومت قائم کرنے جا رہا تھا۔ انگلستان کو ہندوستان میں روس سے کوئی خطرہ نہ تھا، اس لیے اس کا حامی خفیہ طور سے بنا رہا۔ پروشیا کو خیال ہوا کہ روس کی فتوحات سے سلطنت عثمانیہ کمزور ہو گئی تو روس اس کے لیے بڑا خطرہ بنا رہے گا، مگر وہ روس ہی کی مدد سے پولینڈ کی تقسیم چاہتا تھا، اس لیے خود ان عیسائی حکومتوں کے تعلقات ایک دوسرے کے ساتھ فریب، مکاری اور غداری پر مبنی تھے۔ آسٹریا کی پالیسی اور بھی پُرفریب تھی۔ وہ روس کی بڑھتی ہوئی قوت سے خائف ہو کر دولت عثمانیہ سے اتحاد چاہتا تھا اور اسی بہانے اس کے علاقہ پر قبضہ کرنا چاہتا تھا، مگر روس کو ناراض بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے کبھی دولت عثمانیہ اور کبھی روس کی طرف مائل ہو جاتا، پھر وہ فرانس اور دولت عثمانیہ کے اتحاد کو بھی پسند نہیں کرتا تھا، مگر اس کی مخالفت کر کے دولت عثمانیہ کو بدظن بھی نہیں کرنا چاہتا تھا، مگر جب روس نے کریمیا پر قبضہ کر لیا تو آسٹریا دولت عثمانیہ سے ایک معاہدہ کرنے پر تیار ہو گیا، جس میں یہ تجویز پیش کی گئی کہ روس کے مقابلہ میں آسٹریا دولت عثمانیہ کی مدد کرے گا۔ اس کا کوئی حصہ آسٹریا علیحدہ نہ ہونے گا اور پولینڈ کے استقلال کی حفاظت کرے گا، مگر قبل اس کے کہ آسٹریا اس پر دستخط کرے کیتھرائن نے سلطنت عثمانیہ کی تقسیم سے متعلق جو تجویزیں آسٹریا کے پاس بھیجیں اس میں یہ پیش کیا کہ دولت عثمانیہ کے علاقوں کو روس اور آسٹریا اپنے قبضہ میں لے کر ترکوں کو دریائے ڈینوب تک محدود رکھا جائے۔ آسٹریا دولت عثمانیہ سے بے رخی اختیار کر کے روس کی طرف مائل ہو گیا، مگر انگلستان نے اس معاہدہ کو فاش کر دیا، جو آسٹریا اور دولت عثمانیہ سے ہوا تھا۔ روس اور پروشیا لینڈ کی تقسیم کے لیے راضی ہو چکے تھے۔ آسٹریا بھی اس تقسیم سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا، اس لیے آسٹریا نے شرافت اخلاق اور عہد و پیمان کے ایفا کا خیال کیے بغیر پولینڈ اور سلطنت عثمانیہ کی تقسیم سے متعلق کیتھرائن سے مراسلت شروع کر دی۔ اس پُرفریب ماحول میں لڑائیاں بھی ہوتی رہیں اور صلح کی باتیں بھی کی گئیں۔ دو مرتبہ صلح کے شرائط مرتب ہوئے، مگر فریقین ان کو تسلیم کرنے پر راضی نہ ہوئے، تو ۱۷۷۳ء میں سلسٹریا میں روسیوں اور عثمانیوں میں ایک بڑی لڑائی ہوئی۔ روسیوں کو اس میں زبردست شکست ہوئی، مگر روسیوں نے اس کا بدلہ شوملہ اور جیک پر قبضہ کر کے لیا اور وہاں داخل ہو کر بڑے مظالم کیے، ان کی آمد کی خبر سن کر اکثر باشندے ان جگہوں کو چھوڑ کر کہیں اور چلے گئے، مگر جب روسی وہاں داخل ہوئے تو تقریباً تمام کمزور اور بوڑھے مردوں،

بیکس عورتوں اور بچوں کے ساتھ بڑا ہی وحشیانہ سلوک کیا۔ عورتیں، بچے اور بوڑھے سب کے سب دیواروں سے ٹکرا ٹکرا کے مار ڈالے گئے۔ ان کے مظالم سے پورا یورپ چیخ اٹھا۔ عثمانی فوج بھی ان مظالم کے خلاف متحرک ہوئی اور دارنا کی جنگ میں روسیوں کو شکست دی۔ (۱۶۵)

عبدالحمید اوّل کی صلح جوئی اور امن پسندی:

عبدالحمید اول (۱۷۷۳ء۔۱۷۸۹ء) کے زمانہ میں ۱۷۷۴ء میں روسیوں نے ہرسوا کے مقام پر ترکوں سے پھر ایک جنگ کی اور ان کو شکست دی، مگر اس کو جانی اور مالی نقصان زیادہ ہوا۔ اس کے یہاں وبائی بیماریاں بھی پھیلی ہوئی تھیں۔ کیتھرائن کے خلاف شورش بھی تھی، اس لیے روس نے عثمانیوں سے آسان شرائط پر صلح کر لی۔ صلح نامہ کینارجی میں روس تقریباً ان تمام عثمانی علاقوں سے دست بردار ہو گیا جن پر اس کی فوجوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ البتہ کریمیا اور اس کے سرحدی علاقوں میں آزاد تاتاری حکومت قائم کر دی اور کچھ قلعے روسیوں کے قبضہ میں رہے، روس کے سفیروں کو عیسائیوں کی طرف سے عثمانی حکومت کو معروضات پیش کرنے کی اجازت دی گئی۔ یہ حق کسی دوسری مسیحی حکومت کو نہیں دیا گیا۔ روس کی رعایا کو بیت المقدس کی زیارت کی بھی عام اجازت دی گئی اور وہ ہر قسم کے محصول سے بری کر دیے گئے۔ روس کے تجارتی جہازوں کو سمندروں میں آمد و رفت کی پوری آزادی دی گئی۔ دولت عثمانیہ نے روسی سفیر کو عیسائیوں کی طرف سے معروضات پیش کرنے کا جو حق دیا، یہ اس کی صلح جوئی، امن پسندی اور رواداری تھی، لیکن اس سے عیسائیوں نے بے جا فائدہ اٹھایا، جس سے دولت عثمانیہ پریشان رہی۔

سینٹ کیتھرائن نے بہت جلد اس صلح نامہ کو نظر انداز کر دیا۔ اس نے اپنی زندگی کا مقصد یہ بنا رکھا تھا کہ ترکوں کو یورپ سے نکال کر قسطنطنیہ پر قبضہ کر لے اور جب اس کا ایک پوتا ۱۷۷۸ء میں پیدا ہوا تو اس کا نام قسطنطین رکھا اور اس کی تربیت ایسی دلائی شروع کی کہ اس کو قسطنطنیہ کا فرماں رواں ہونا ہے اور بازنطینی شہنشاہیت کو واپس لانا ہے اور اس نے آسٹریا سے یہ معاہدہ کر لیا کہ دولت عثمانیہ کو ختم کرنے کے بعد کتنے علاقے آسٹریا اور کتنے روس کے پاس رہیں گے۔ اس تقسیم کا پورا نقشہ تیار کر لیا گیا۔ یہ بھی تجویز تھی کہ تھریس، مقدونیا، بلغاریہ، شمالی یونان اور بلغاریہ کو ملا کر ایک نئی سلطنت قائم کی جائے گی، جس کا دارالسلطنت قسطنطنیہ ہو گا اور اس کا شہنشاہ کیتھرائن کا پوتا کونس ٹن ٹائن ہو گا۔

اس منصوبہ کی تکمیل کے لیے کیتھرائن بے چین تھی، اس لیے وہ کریمیا پر حملہ آور ہو گئی اور وہاں کی تاتاری حکومت کو ختم کر کے کریمیا اور اس کے ملحق علاقہ کیوبان کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ تاتاری اس کے خلاف جنگ پر آمادہ ہوئے تو ان کا قتل عام شروع کر دیا گیا۔ تیس ہزار تاتاری تہ تیغ کر دیے گئے۔ روسیوں کے مظالم سے ۷۵ ہزار ارمنی عیسائی بھی وہاں سے فرار ہوئے، جن میں سات ہزار کے علاوہ باقی سب فاقہ کشی اور سردی کی شدت سے ہلاک ہو گئے۔

کیتھرائن کے اس اقدام سے ترک، فرانس اور انگلستان سب ہی چوکنا ہوئے، لیکن ان میں سے کوئی دولت عثمانیہ کا ساتھ دینے لیے تیار نہیں ہوا۔ کیتھرائن کو یقین ہو چلا کہ وہ قسطنطنیہ کو آسانی سے فتح کر لے گی۔ دولت عثمانیہ کو اعلان جنگ کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ

تھا۔ انگلستان عثمانیوں کا ہمدرد بنا رہا، لیکن روس کے پردہ میں دشمنی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ اس کی کوشش تھی کہ فرانس اور دولت عثمانیہ میں اتحاد نہ ہو اور دولت عثمانیہ تنہا روس کے خلاف لڑنے کے لیے تیار ہو جائے۔ آسٹریا نے بھی عثمانیوں کو فریب میں مبتلا رکھا کہ وہ روس سے صلح کرادے گا، مگر پھر یکایک وہ بلغراد پر حملہ آور ہوا، مگر ترکوں نے اس کی فوج کو اس طرح گھیر لیا کہ اس کے سب لشکری ترکوں کے ہاتھوں قتل کیے جاتے، مگر ان کے کمانڈر نے معافی مانگ کر ان کی جانیں بچالیں۔ دولت عثمانیہ نے آسٹریا پر پہلے بھی طرح طرح کے احسانات کیے تھے، مگر بقول یوروپین مورخ کریسی حکومت آسٹریا پر حرص و ہوس کا اتنا غلبہ تھا کہ احسان مندی، ایمان داری اور وقار و عزت کے شریفانہ جذبات اس کو ذرا بھی متاثر نہ کر سکے، چنانچہ ۱۷۷۸ء میں آسٹریا نے عثمانیوں کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا، مگر منڈیا کے مقام پر ترکوں نے آسٹریا کو شکست دی۔ اگست ۱۷۶۸ء میں روس نے عثمانیوں کے خلاف جنگ کر کے اوکزانوف کا محاصرہ کیا تو اس میں ترکوں کو شکست ہوئی، اس کے سقوط کے بعد کریسی نے یہ لکھا ہے:

ترکی عورتیں اور بچے جن کی تعداد تقریباً چار سو تھی، اوکزانوف کی فتح کے بعد جب شہر سے نکال کر روسی فوج کے پڑاؤ میں لائے گئے، تو پہلی رات سب کو ایک خیمہ میں ٹھہرا دیا گیا۔ موجودہ حالات میں ان کے قیام کے لیے اس سے بہتر کوئی انتظام نہیں کیا جا سکتا تھا، گو اس رات کو سخت برف باری ہو رہی تھی اور ان غریبوں کو سردی کی شدت اور کپڑوں کے نہ ہونے سے بے حد تکلیف تھی۔ ان میں سے بہتیرے دشمنوں کی شدید تکلیف میں مبتلا تھے...... ان سب پر کامل سکوت طاری تھا، کوئی عورت نہ روتی تھی اور نہ آہ و فغاں کرتی تھی، حالانکہ ان میں سے شاید ہر ایک کا باپ یا بچہ یا شوہر قتل ہو چکا تھا۔ یہ عورتیں سکون اور استقلال کے لہجہ میں باتیں کرتی تھیں اور جو سوالات ان سے کیے جاتے، ان کے جوابات کسی اضطراب کے بغیر دیتیں۔ یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا تھا کہ ان کی یہ حالت بے حسی کا نتیجہ ہے یا پھر اس کا سبب تسلیم و رضا کی وہ تعلیم ہے جو ان کا مذہب انہیں دیتا ہے۔ (۱۶۶) کریسی نے لکھا ہے کہ عبدالحمید مخلصانہ طور پر اپنے وزراء، جنرلوں اور اپنے امپائر کے ہر طبقہ کے لوگوں کے ساتھ صلح کا جویا رہا۔ (۱۶۷) مگر یورپ کے عیسائیوں نے اس کو چین سے نہیں رہنے دیا۔

سلیم ثالث کی صلح جوئی اور امن پسندی:

سلیم ثالث (۱۸۰۷۔۱۷۸۹ء) کے زمانہ میں آسٹریا کی طرف سے عثمانی علاقوں پر برابر یلغار ہوتی رہی۔ ترکوں نے ان کے خلاف لڑائیاں لڑیں، مگر وہ کامیاب نہ ہوئے۔ بوسنیا اور سرویا پر آسٹریا کا قبضہ ہو گیا۔ فریقین میں چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوتی رہیں، دونوں اپنی اپنی فتح و شکست سے مطمئن نہ تھے، تو ۱۷۹۱ء میں ایک صلح نامہ ہوا، جس سے آسٹریا نے وہ تمام علاقے عثمانیوں کو واپس کر دیے جن پر وہ قابض ہو گئے تھے۔

کیتھرائن اب تک قسطنطنیہ کی فتح کا خواب دیکھ رہی تھی۔ وہ فخریہ کہتی کہ اگر مغربی سلطنتوں نے اس کو سینٹ پیٹرس برگ چھوڑنے پر مجبور کیا تو وہ قسطنطنیہ کو اپنا دارالسلطنت بنالے گی، اس نے اپنے پوتے قسطنطین کو اس کا پہلا حکمران نامزد بھی کر دیا، اسی مقصد کی خاطر اس نے یونانیوں کو عثمانیوں کے خلاف بغاوت کرنے پر آمادہ کیا اور اپنے بحری بیڑے سے ان کی مدد بھی کی۔ شروع میں ترکوں کو فتح ہوئی،

انہوں نے یونانی بیڑے کو تباہ کیا، لیکن کیتھرائن کی فوج نے اسماعیل پر قبضہ کر لیا، جو بحر اسود سے تقریباً چالیس میل کے فاصلہ پر دولت عثمانیہ کا ایک اہم قلعہ تھا۔ روسی فوجوں نے اس میں داخل ہو کے جو درندگی دکھائی، اس کے منظر دیکھ کر خود روسی سپہ سالار کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ (۱۶۸)

عیسائی حکومتوں کے باہمی تعلقات میں بڑی منافقت رہی۔ ان کی دوستی اور دشمنی میں ان کا اپنا مفاد غالب رہتا۔ روس کی بڑھتی ہوئی طاقت یورپ کو اور مسیحی حکومتوں کو پسند نہ آئی۔ پروشیا، ہالینڈ اور انگلستان کے دباؤ سے کیتھرائن عثمانیوں سے صلح کرنے کے لیے اپنی مرضی کے خلاف تیار ہو گئی، جس کے بعد روس نے عثمانیوں کے تمام علاقے ان کو واپس کر دیے۔ یونان بھی ان کے زیرنگیں رہا، البتہ دریائے نیسٹر روس کی نئی سرحد قرار پائی، مگر کیتھرائن یاسی کے اس صلح نامہ سے مطمئن نہ تھی۔ اس کا ارادہ تھا کہ پہلے پولینڈ پر اس کا پورا تسلط ہو جائے تو پھر عثمانیوں کی طرف متوجہ ہو۔ ۱۷۹۵ء میں جب اس نے آسٹریا اور پروشیا سے مل کر پولینڈ کی تقسیم کرا لی تو تین لاکھ فوج اور ایک زبردست بحری بیڑا تیار کر کے عثمانی علاقوں پر حملہ کرنا چاہا تو ۱۷۹۶ء میں اس کی موت ہو گئی۔

اسی درمیان میں انقلاب فرانس کی وجہ سے یورپ کی سیاست بدلنی شروع ہو گئی۔ لوئی شانزدہم کا وہاں قتل ہوا۔ اس کے بعد نپولین بوناپورٹ کا عروج ہوا۔ اس کا بس چلتا تو پورا یورپ کیا بلکہ پورے ایشیا کو اپنے اور فرانس کے زیرنگیں کر دیتا۔ اس نے وینس کی قدیم جمہوری حکومت کو تہس نہس کر دیا، پھر اپنی فاتح فوج کے ساتھ آسٹریا کی طرف بڑھا۔ عثمانی چاہتے تو فرانس سے مل کر اپنے قدیم دشمنوں سے بدلہ لیتے، مگر ان کی سیاست کی شرافت اور اخلاق میں ایسی چیزیں روا نہیں رہیں۔ نپولین کی فتوحات کے سلسلہ میں جزائر اینوبین اور ایڈریاٹک کے مشرقی ساحل کے علاقے آگئے، تو فرانسیسی علاقہ سلطنت عثمانیہ کی سرحد سے بالکل متصل ہو گیا، جس کے بعد نپولین کو عثمانی مقبوضات کی طرف بڑھنے کا خیال پیدا ہوا۔ عثمانی سلطنت اندرونی طور پر کچھ کمزور ہو چلی تھی، اس لیے نپولین کے عزم کو اور تقویت پہنچی۔ وہ چاہتا تھا کہ اس حکومت کا خاتمہ اس کے ہاتھوں ہو۔ اس نے پہلے عثمانی علاقوں میں اپنے ایجنٹ بھیج کر وہاں بغاوت پھیلانے کی کوشش کی، پھر مصر کی طرف رخ کیا، مصر کی فتح سے اس کو اپنے دو ارادوں کی تکمیل کی فکر تھی۔ ایک تو عثمانی سلطنت پر ضرب کاری لگانی تھی، دوسرے اس کا ارادہ تھا کہ وہ مصر کو فتح کر کے ہندوستان پر حملہ کرے گا اور وہاں برطانیہ کی قوت کو تباہ کر کے اپنے اور فرانس کے لیے ایک عظیم ایشیائی سلطنت قائم کرے گا۔ دولت عثمانیہ اور مصر سے دوستانہ تعلقات تھے۔ نپولین نے ان تعلقات کی مطلق پروا نہ کی۔ اس کا ارادہ تھا کہ ایشیا میں ایک بڑی سلطنت قائم کر کے یونانیوں اور دوسرے عیسائی فرقوں کو دولت عثمانیہ کے خلاف ابھارے، پھر ترکوں کو شکست دے کر قسطنطنیہ پر قبضہ کرلے اور پھر وہاں سے یورپ پر حملہ آور ہو۔

مئی ۱۷۹۸ء میں نپولین اپنی فوج لے کر طولون سے روانہ ہوا۔ پہلے مالٹا کو زیر کیا، پھر اسکندریہ کی طرف بڑھا، پھر قاہرہ کے قریب مصر کے مملوکوں سے جنگ اہرام ہوئی، وہ ہارے اور نپولین کو فتح ہوئی اور مصر پر اس کا قبضہ ہو گیا اور جب قاہرہ کے لوگوں نے اس کے خلاف بغاوت کی تو اس کو جس طرح فرو کیا گیا، اس کا حال ایک یورپی مورخ ہی کی زبانی سنیے:

''یہ بغاوت ہولناک، وحشیانہ اور ظالمانہ طریقہ سے فرو کی گئی، دستے قائم کر کے فوج باغیوں پر ٹوٹ پڑی اور انہیں بیچ بیچ ذبح کر کے ڈال دیا۔ بوناپارٹ نے حکم دے دیا تھا کہ تمام مسلح باشندے جو سڑک پر پائے جائیں قتل کر دیے جائیں۔ باغیوں نے جلد اطاعت

قبول کرلی، اگرچہ ان کے پانچ ہزار سے زیادہ آدمی قتل ہو گئے۔ نپولین کی رحمدلی کی بہت کچھ تعریف کی گئی ہے، لیکن اس کی رحمدلی کی ایک مثال یہ ہے کہ ایک مقررہ مدت تک تیس قیدی روزانہ قتل کیے جاتے رہے۔ مقصد یہ تھا کہ لوگوں کے دلوں میں دہشت بیٹھ جائے۔ ایک روز صبح فرانسیسی دستے خچروں کا ایک جھنڈ جن پر بورے لدے ہوئے تھے، ہنکاتے ہوئے قاہرہ میں لائے، اس وقت وہاں آدمیوں کا بڑا اژدہام تھا، ہر شخص یہ معلوم کرنے کا مشتاق تھا کہ بوروں میں کیا چیز ہے۔ سپاہیوں نے بہ یک وقت تمام بورے کھول ڈالے۔ ان کے اندر سے سیکڑوں سر برآمد ہوئے...... آخر ان بدنصیبوں کا جرم کیا تھا، صرف یہ کہ وہ اپنے وطن کو آزاد کرانا چاہتے تھے، جسے دشمن نے حملہ کر کے برباد کر ڈالا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ریگستان کے سیاہ باشندے یورپین تہذیب کے متعلق کوئی اچھی رائے قائم نہ کریں گے"۔(۱۶۹)

مصر اگرچہ عملاً مملوکوں کے زیر تسلط تھا، مگر دولت عثمانیہ کی سیادت وہاں تسلیم کی جاتی تھی۔ نپولین کے ارادوں سے انگلستان اور روس دونوں کو تشویش ہوئی، اس لیے پہلے انگلستان نے عثمانی سلطنت کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا، پھر روس نے بھی فرانس کی دشمنی میں عثمانی سلطنت کا ساتھ دیا اور اس نے اپنا جنگی بیڑا بھی پیش کرنے کا وعدہ کیا۔ روس اپنی منافقانہ پالیسی کی وجہ سے عثمانی حکومت کا دوست بن گیا اور روسی اور ترکی بیڑوں نے مل کر جزائر ایڈین پر قبضہ کر لیا۔ اس اثناء میں نپولین شام کی طرف بڑھ گیا۔ ۱۷۹۹ء میں اس نے غزہ اور یافہ کو فتح کر لیا۔ یافہ کے ترکی دستے نے اپنے اسلحے اس شرط پر ڈالے تھے کہ وہ جنگی قیدی سمجھے جائیں، لیکن نپولین نے ایفائے وعدہ کے بجائے پورے دستہ کو قتل کرا دیا، پھر وہ عکا کی فتح کے لیے بڑھا، مگر اس قلعہ کو ترکوں کی بہادری کی وجہ سے فتح نہ کر سکا اور مصر کو واپس ہوتے وقت بڑی حسرت سے کہا کہ اس حقیر قلعہ کے ساتھ مشرق کی قسمت وابستہ تھی یعنی اب وہ ہندوستان پہنچ کر ایک مشرقی سلطنت قائم نہ کر سکے گا۔

اسی زمانہ میں روڈس کی پندرہ ہزار عثمانی فوج خلیج ابوقیر میں پہنچی اور فرانسیسیوں کو آسانی سے شکست دے دی۔ یہ سن کر نپولین قاہرہ سے چل کر ابوقیر پہنچا اور ترکوں سے جنگ کی۔ ترک فاتح ہو گئے، مگر اپنی بداحتیاطی سے پھر سپر ڈال دی، جس کے بعد مصر پر نپولین کا قبضہ برقرار رہا، مگر پھر ترکی اور انگریزی فوجوں نے مل کر نپولین کی فوج کو قاہرہ میں ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیا اور مصر پر پھر دولت عثمانیہ کا از سر نو قبضہ ہو گیا۔ اس کے بعد ایک صلح نامہ ہوا، جس میں فرانس نے مصر پر دولت عثمانیہ کی فرماں روائی تسلیم کی۔ اس کے بدلہ میں اہل فرانس کو وہ مراعات دی گئیں جو سلطنت عثمانیہ کی طرف سے پہلے حاصل تھیں۔

عثمانیوں کو پھر بھی چین نصیب نہیں ہوا، سرویا میں ان کے خلاف پھر شورش ہو گئی، جو یہاں تک بڑھی کہ وہ آزادی کا مطالبہ کرنے لگا۔ ادھر روس اور فرانس میں جنگ چھڑ گئی تھی، روس اس جنگ میں دولت عثمانیہ کو اپنی حمایت میں استعمال کرنا چاہتا تھا۔ وہ بحر اسود کے جنوبی مشرقی ساحل پر اپنا اقتدار بڑھا رہا تھا اور اس کے ساحل پر ایک اور جنگی قلعہ بنا لیا تھا، پھر جب روس نپولین کے خلاف آسٹریا اور انگلستان سے اتحاد کرنے جا رہا تھا تو اس کی طرف سے یہ مطالبہ ہوا کہ عثمانی حکومت اس سے ایک جارحانہ اور مدافعانہ اتحاد کر لے اور اپنی تمام رعایا کو جو یونانی کلیسا کی پیرو ہو، اس کی ماتحتی میں دے دیا جائے۔ عثمانیوں کے لیے ان مطالبات کو قبول کرنا ممکن نہ تھا۔ اس درمیان میں یورپ میں پھر جنگ چھڑ گئی۔ ایک طرف فرانس اور دوسری طرف روس اور انگلستان تھے۔ دونوں فریقوں نے سلطنت عثمانی

کو اپنا حلیف بنانے کی کوشش کی۔ نپولین نے آسٹریا اور روس کی فوجوں کو شکست فاش دی تو روس کی طرف سے عثمانیوں کو زیادہ خطرہ نہیں رہا، مگر برطانوی بیڑا عثمانیوں کے خلاف متحرک ہو کر قسطنطنیہ سے چند میل کے فاصلہ پر لنگر انداز ہو گیا اور عثمانیوں پر دباؤ ڈالا کہ وہ روس اور انگلستان سے اتحاد کر لے اور اپنا بیڑہ اور درہ دانیال کے قلعے انگلستان کے حوالے کر دیے جائیں اور مولڈیویا اور ولاچیا پر روس کا قبضہ تسلیم کر لیا جائے، مگر دولت عثمانیہ اس کے لیے تیار نہیں ہوئی تو انگریزی بیڑہ ذلت کے ساتھ واپس ہو گیا، مگر پھر انگریزی فوج مارچ ۱۸۰۷ء میں اسکندریہ پر حملہ آور ہو گئی، وہاں بھی اس فوج کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ روس نے عثمانیوں کو تخت پر بیٹھنے نہیں دیا اور اپنے سلسلۂ جنگ کو چھوٹی چھوٹی لڑائیوں سے جاری رکھا۔ (۱۷۰)

مصطفیٰ رابع کی امن پسندی:

مصطفیٰ رابع کے مختصر زمانہ (۸۔۱۸۰۷ء) میں یوروپین طاقتوں کی سازشیں عثمانیوں کے خلاف جاری رہیں۔ نپولین نے روسیوں کو فریڈ لینڈ میں زبردست شکست دی تو پھر روس نے نپولین سے یہ خفیہ معاہدہ کیا کہ ترکوں کو قسطنطنیہ اور رومیلیا کے علاوہ باقی تمام ولایتوں سے نکال دیا جائے اور ان کی سلطنت کو باہم تقسیم کر لیں۔ اس تقسیم میں قسطنطنیہ کو بھی حاصل کرنے کا اصرار ہوا، لیکن نپولین اس پر راضی نہ ہوا۔ نپولین عثمانیوں کا حلیف تھا، لیکن ذاتی اغراض کی خاطر سلطنت عثمانیہ کو قربان کرنے کے لیے تیار ہو گیا، مگر اس پر جلد عمل نہ ہو سکا۔

محمود ثانی کی صلح جوئی اور امن پسندی:

محمود ثانی (۱۸۳۹ء۔۱۸۰۸ء) کے عہد میں بھی نپولین اور زار الیگزنڈر میں عثمانی سلطنت کو تقسیم کرنے کا معاہدہ ہوتا رہا۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لارڈ ایورسلے لکھتا ہے کہ اس میں شبہ نہیں کہ نپولین اپنے نئے حلیف کو چھوڑ دینے اور ان کی سلطنت کے حصے بخرے کرنے کے لیے ان کے قدیم دشمن سے مل جانے پر راضی تھا۔ تاریخ میں غداری کی اس سے بڑی مثال نہیں مل سکتی۔ (۱۷۱) آسٹریا کو نپولین کے عزائم معلوم ہوئے تو اس نے خوف زدہ ہو کر عثمانی سلطنت اور انگلستان کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کی اور ۱۸۰۹ء میں درۂ دانیال کا صلح نامہ ہو گیا۔ روس کے خلاف ترکوں کو جنگ کا اعلان کرنا پڑا، مگر ان کو کامیابی نہیں ہوئی اور ان کے اہم جنگی قلعے روسیوں کے قبضے میں چلے گئے۔ اس درمیان میں الیگزنڈر اور نپولین کے تعلقات خراب ہو گئے، تو روس نے عثمانیوں سے صلح کر لی اور بخارسٹ کے صلح نامہ میں روس نے عثمانیوں کو بہت سے مقامات واپس کر دیے اور دریائے پرتھ دونوں سلطنتوں کے درمیان حد فاصل قرار پایا۔ سرویا اس سے مطمئن نہ تھا اور وہاں عثمانی سلطنت کے خلاف بغاوت شروع ہو گئی، بالآخر ان کی ملکی، مذہبی اور عدالتی خودمختاری تسلیم کر لی گئی، مگر عثمانی سلطنت کے سلطان کی فرماں روائی قائم رکھی گئی۔

اسی زمانہ میں یونان نے عثمانی سلطنت کے خلاف بغاوت کر دی حالانکہ خود یوروپی مورخوں کا بیان ہے کہ ان کے ساتھ عثمانی فرماں رواؤں کا جتنا اچھا سلوک رہا، کسی اور جگہ دیکھنے میں نہیں آیا۔ عثمانیوں کی عام حکمت عملی یہ تھی کہ وہ جب کوئی علاقہ فتح کرتے تو

اس سے صرف خراج وصول کر لینے پر قناعت کر لیتے۔ وہاں کی زبان، رسم و رواج اور مذہبی معاملات میں کوئی مداخلت نہ کرتے۔ سر چارلس ایلیٹ لکھتا ہے کہ جنوب مشرقی یورپ پر حکومت ترکوں کی تھی۔ انیسویں صدی تک اس کے مذہب، تعلیم، تجارت اور مالیات کا انتظام یونانیوں کے ہاتھوں میں تھا۔(۱۷۲)

یونان اور اس کے متعلقہ جزائر کی حکومت بھی یونانیوں کے سپرد تھی، ان کا کوئی عہدیدار سال میں ایک مرتبہ عثمانی سلطنت کے پاس خراج ادا کرنے جاتا، پھر کوئی وہاں نظر نہیں آتا، انہیں ہتھیار رکھنے کی بھی اجازت تھی، ان کو بحری بیڑے رکھنے کی آزادی حاصل تھی، جس سے ان کی۔

بحری قوت برابر بڑھتی رہی۔ یونانیوں کو سلطنت عثمانیہ کے ملکی معاملات میں بڑا اقتدار حاصل تھا۔ قسطنطنیہ کا ایک حصہ فنار کہلاتا تھا۔ اس میں یونانی کلیسا کا بطریق اور اونچے درجے کے پادری اور اسقف رہا کرتے تھے۔ وہاں دولت مند یونانی بھی آکر بس گئے تھے۔ یہ لوگ کلیسا کے شعبۂ مال کے گماشتے بھی تھے۔ وہ عثمانی سلطنت کی طرف سے محصول جمع کرتے تھے۔ بعض یونانی عہدۂ وزارت پر بھی مامور ہوئے۔ سلطنت عثمانیہ کے غیر ملکی معاملات زیادہ تر ان ہی کے ہاتھوں میں رہے۔ اٹھارہویں صدی میں مولڈیویا اور ولاچیا کی امارت بھی ان ہی کے سپرد کر دی گئی۔ جارج فنلے اپنی مشہور کتاب تاریخ یونان میں لکھتا ہے کہ حکومت عثمانیہ کو بعض حیثیتوں سے یورپ میں سب سے زیادہ مستند حکومت تھی، تاہم دوسرے اعتبار سے سب سے زیادہ متحمل اور روادار بھی تھی۔ وہ جسم کو قید کرتی تھی، لیکن دماغ کو آزاد چھوڑتی تھی۔ اس کی عیسائی رعایا کے نیچے کے طبقے یورپ کے دوسرے حصوں کے مساوی طبقوں کی بہ نسبت ذہنی حیثیت سے عموماً زیادہ ترقی یافتہ تھے۔ اٹھارہویں صدی کے آخر کے قریب عثمانی تسلط کا بار اس قدر ہلکا ہو گیا کہ یونانی ایک ترقی کرنے والی قوم بن گئے تھے۔ یونانیوں کو پوری شخصی آزادی حاصل تھی۔ معاشرتی مدارج کی ترقی میں یونانیوں کے مقابلہ میں ترکوں کے لیے سیاسی رکاوٹیں عموماً زیادہ تھیں۔ صوبوں کے بہت کم ترک باشندوں کو انتظام حکومت میں کبھی بھی اتنا دخل حاصل ہوا، جتنا اہل فنار کو حاصل تھا۔ دیہاتی علاقوں میں اسلامی آبادی کے مسلمان افسر شاذ ہی لوگوں کو بے انصافی سے بچانے کی اتنی قدرت رکھتے تھے جتنی یونانی جماعتوں کو حاصل تھی، انہیں یونانیوں سے کم حقوق و مراعات حاصل تھے۔ یونانیوں کی مذہبی آزادی پر آئر لینڈ کے کیتھولک رشک کرتے تھے۔ یورپ کی کسی قوم پر محصول کا بار اتنا ہلکا نہ تھا جتنا یونانیوں پر تھا اور نہ کسی قوم پر تحصیلی حیثیت سے اس قدر کم پابندیاں عائد تھیں۔ یونانی کلیسا کے پاس بڑی دولت تھی اور تمام ترکی میں اس کا سیاسی اقتدار بھی زیادہ تھا۔ یورپ میں سلطنت عثمانیہ کے محاصل کا بڑا حصہ یونانی ہی وصول کرتے تھے اور بہت سے اضلاع کی میونسپلٹیوں میں ان کو غیر محدود اختیارات حاصل تھے۔(۱۷۳)

ایک دوسرا یورپی مورخ ایلیسن فلپس لکھتا ہے کہ سلطان کی عیسائی رعایا اپنے مذہبی ارکان کے ادا کرنے، دولت جمع کرنے اور تعلیم حاصل کرنے میں بالکل آزاد تھی۔ عیسائی کلیسا نیز حکومت کے اونچے درجے تک ترقی کر سکتا تھا۔ عثمانی حکومت کے اونچے درجے تک ترقی کر سکتا تھا۔ ایک عیسائی کسی صوبہ کا گورنر بھی ہو سکتا تھا۔ عثمانی حکومت میں کسانوں کا درجہ اٹھارہویں صدی میں یورپ کے اکثر حصوں سے کہیں بہتر تھا۔ زرعی غلامی جو تمام عیسائی یورپ میں تقریباً عالمگیر تھی، ترکی میں مفقود ہو چکی تھی اور ترکی مملکت کے بہت سے حصوں میں کاشتکاروں کو ایسی خوشی حاصل تھی کہ اس سے بعض ان قوموں کے کسان جو زیادہ مہذب سمجھے جاتے تھے، واقف بھی نہ

تھے۔(۱۷۴)

یہ ساری رعایتیں عثمانی سلطنت میں نہ صرف یونان کے عیسائیوں کو حاصل تھیں بلکہ ان تمام علاقوں میں بھی رائج تھیں، جہاں جہاں عیسائی آباد تھے، مگر یورپ کی بڑی عیسائی حکومتوں کو عثمانی سلطنت سے ازلی دشمنی تھی، اس لیے جہاں اور علاقوں کے عیسائی باشندوں کو اس کے خلاف ابھارا، وہاں یونانیوں کو بھی اس کے خلاف بغاوت کرنے پر آمادہ کیا۔ روس کے پیٹر اعظم اور ملکہ کیتھرائن دونوں نے یونان کو اپنا آلۂ کار بنانے کی کوشش کی اور اس کو یقین دلایا کہ روس اس کو مکمل آزادی دلا دے گا اور جب عثمانی فوجیں ینینا کے والی علی پاشا کی سرکوبی میں مشغول ہوئیں تو یونانیوں نے باغیانہ روش اختیار کی، جس کی پوری مدد روسیوں نے کی۔ فروری ۱۸۲۱ء میں ایک یونانی امیر نے جس کا باپ مولڈیویا اور ولاچیا کا حاکم رہ چکا تھا اور جو اس وقت روسی فوج کا افسر تھا، مولڈیویا میں داخل ہو کر علم بغاوت بلند کیا اور تمام یونانیوں کو سلطنت عثمانیہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کی دعوت دی۔ مولڈیویا کے باشندوں نے اس بغاوت کا ساتھ نہیں دیا کیونکہ ان کو یونانیوں اور روسیوں کے مظالم کا تجربہ ہو چکا تھا، مگر یونانیوں اور روسیوں نے مولڈیویا میں مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ ہر طبقہ کے ترکوں، تاجروں، سپاہیوں اور جہاز رانوں کو بے دردی سے قتل کر دیا۔ کلیسا نے اس بغاوت کو مذہبی جنگ قرار دیا اور روس کے نام سے اس بغاوت سے پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی گئی۔ قسطنطنیہ کے لوگوں پر کفر کا فتویٰ دیا گیا، مگر عثمانی حکومت نے اس بغاوت پر قابو پالیا، تو موریا کے یونانی ترکوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کے لیے اٹھے اور اپریل ۱۸۲۱ء میں پچیس ہزار ترکوں کو تہ تیغ کر دیا گیا اور جو ترک بھاگ کر قلعہ بند شہروں میں پہنچ گئے تھے، ان کے قلعوں کو سر کر کے ان کا سفاکانہ قتل کیا گیا۔(۱۷۵) سلطنت عثمانیہ کو اس کا انتقام لینے کا جذبہ فطری تھا۔ اسی افراتفری میں یونانیوں نے ایک ایسے جہاز کو گرفتار کر لیا جس میں قسطنطنیہ کے شیخ الاسلام حج کو جا رہے تھے۔ انہوں نے شیخ الاسلام کی نظر کے سامنے ان کے لڑکوں اور خاندان والوں کو ذبح کر کے سمندر میں پھینک دیا۔ اس کے بعد ترک مسافر قتل کیے گئے اور آخر میں خود شیخ الاسلام کو سخت اذیتوں کے ساتھ قتل کیا۔ جارج فنلے لکھتا ہے کہ معذور، مجبور، بوڑھے اور مرد اور اونچے طبقہ کی عورتیں، خوبصورت لونڈیاں غلام اور کم سن بچے، جہاز کے عرشہ پر گائے بیل کی طرح ذبح کر دیے گئے۔ یونانیوں کی یہ سفاکیاں ابھی ختم نہیں ہوئیں۔ یونانیوں اور ترکوں کا پہلا مقابلہ ٹریپوڑا کے قریب والٹیٹی پر ہوا، تو ترکوں نے ہتھیار ڈال دیے جس کے بعد یونانیوں نے پھر ان کا قتل عام شروع کیا۔ ان کے تمام مردوں، عورتوں اور بچوں کو قتل کر دیا۔ ایک یونانی پادری اس موقع پر موجود تھا۔ اس نے اس کے چشم دید حالات اس طرح لکھے ہیں کہ عورتیں بندوق کی گولیوں اور تیغوں کے زخم سے مجروح ہو کر سمندر کی طرف بھاگی تھیں تو انہیں عمداً گولیوں سے مارا جاتا تھا۔ مائیں شیر خوار بچوں کو سینے سے لگائے ہوئے اپنی برہنگی کو چھپانے کی غرض سے سمندر میں کود پڑتی تھیں، لیکن جب وہ پانی میں چھپنے کی کوشش کرتیں تو یہ سنگدل رائفل بردار انہیں گولیوں کا نشانہ بناتے۔ شیر خوار بچوں کو ماؤں کے سینوں سے چھین کر چٹانوں سے ٹکراتے اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے۔ تین چار سال کے بچے زندہ سمندر میں پھینک دیے جاتے تھے۔(۱۷۶) اس قتل عام سے جو بچ گئے تھے ان کو یونانیوں نے خصوصاً عورتوں اور بچوں کو جمع کیا اور پہاڑی کی ایک گھاٹی میں لے جا کر ایک ایک کو قتل کر ڈالا۔(۱۷۷) ۱۸۲۱ء سے ۱۸۲۳ء تک یونانی علاقوں میں بغاوت کی شورش جاری رہی اور زیادہ تر علاقے عثمانیوں سے آزاد ہو گئے۔ یورپ کی مسیحی حکومتوں

نے ان کا ساتھ دیا۔ ان کی ہمدردی میں دین مسیحی کے نام سے ایک زبردست تحریک بھی چلائی گئی۔ انگلستان اور فرانس اس تحریک کے حامی ہو گئے۔ انگلستان کا مشہور شاعر لارڈ بائرن اور اسی طرح فرانس کا شاعر وکٹر ہیوگو بھی اس تحریک کے حامی ہو گئے، لیکن لارڈ بائرن کو جب باغیوں کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا، تب اس کو اندازہ ہوا کہ یونانی سردار اپنے نفاق، سازش اور خود غرضی کی خاطر یہ تحریک چلا رہے ہیں۔ برطانیہ، دولت عثمانیہ سے اچھے تعلقات رکھتا تھا، مگر وہ بھی یونانیوں کی پاسداری کرنے لگا، مگر ۱۸۲۵ء میں عثمانیوں نے نوارینو کے مقام پر یونانیوں کو شکست دی، جب یونانیوں نے ہتھیار ڈال دیے تو ان کا خیال تھا کہ ان کے ساتھ وہی ظالمانہ سلوک کیا جائے گا، جو انہوں نے ترکوں کے ساتھ کیا ہے، لیکن عثمانی سپہ سالار ابراہیم پاشا نے ان کو فرانسیسی اور آسٹروی جہازوں میں سوار کر کے کلاماتا روانہ کر دیا، کچھ مسلمان انتقام کی خاطر اکٹھے ہوئے تو ابراہیم پاشا نے ان کو روکا اور یہ یونانی عثمانی پیدل فوج کی سنگینوں کے سایہ میں جہازوں تک پہنچا دیے گئے۔ (۱۷۸)

اسی کے بعد عثمانیوں نے موریا پر پھر سے قبضہ کر لیا، جس کے بعد یونان کی نئی قومی حکومت کو جزیرہ پوروس میں منتقل ہو جانا پڑا، مگر یورپ کی مسیحی حکومتوں کی دشمنی جاری رہی اور جب ۱۸۲۵ء میں روس میں الیگزنڈر کا انتقال ہو گیا تو اس کا بھائی نکولس اس کا جانشین ہوا۔ اس نے ترکوں کو یورپ سے نکال دینا اپنی زندگی کا بڑا مقصد قرار دیا۔ عثمانی سلطنت پر دباؤ ڈال کر معاہدۂ آق کرمان کرایا، جس میں مولڈیویا اور ولاچیا کو تقریباً پوری خود مختاری دے دی گئی۔ سرویا کو زیادہ سے زیادہ آزادی دلائی گئی، پھر بھی مسیحی حکومتیں مطمئن نہیں ہوئیں اور ۱۸۲۷ء میں روس، انگلستان اور فرانس کا ایک معاہدہ ہوا، جس میں یہ طے کیا گیا کہ یونان کو سلطنت عثمانی سے بالکل آزاد کرا دیا جائے اور سلطان کی فرماں روائی صرف نام کے لیے باقی رہے۔ حکومت عثمانی اس کے لیے راضی نہیں ہوئی تو اتحاد ثلاثہ نے ایک جنگی بیڑہ بھیج کر یونانیوں کی مدد کی اور نوارینو کی بحری لڑائی میں عثمانی بیڑہ برباد کر دیا گیا۔ ہزاروں ترک ہلاک ہو گئے۔ نوارینو کی اس بحری جنگ کے بعد زار نکولس خود لڑائی لڑنے کے لیے میدان میں آ گیا۔ فوج لے کر مولڈیویا میں داخل ہو گیا اور ایک روسی بیڑہ درۂ دانیال کی طرف بھیجا، پھر اس کی کچھ فوجیں عثمانیوں کے ایشیائی صوبوں میں بھی داخل ہو گئیں۔ بحر یونان میں اس کا بیڑہ پہلے سے موجود تھا، روسیوں کو مولڈیویا اور ولاچیا میں کامیابی ہوئی، پھر انہوں نے عثمانیوں کے اور جنگی قلعے بھی فتح کر لیے، ایشیائے کوچک میں بھی ان کی کامیابی ہوئی، بالآخر عثمانیوں نے روس سے صلح کرنے میں پیش قدمی کی اور اورنہ میں ایک صلح نامہ ہوا، جس میں یہ طے پایا کہ جن عثمانی علاقوں پر روس نے قبضہ کر لیا ہے، وہ واپس کر دیے جائیں، لیکن دولت عثمانیہ پچاس لاکھ پونڈ تاوانِ جنگ ادا کرے اور جب تک یہ تاوان ادا نہ ہو روس ان علاقوں پر قابض رہے۔ یونان ایک خود مختار مملکت قرار پایا۔ البانیہ کے صوبے دولت عثمانیہ کے سرحدی صوبے بنائے گئے۔ جزائر آئیونین پر برطانیہ کا قبضہ تسلیم کیا گیا۔ کریٹ اور تھریس کے ایشیائی ساحل پر عثمانیوں کو فرماں روائی رہی۔ اس لوٹ میں فرانس شریک نہ تھا، لیکن اس صلح نامہ کے دوسرے ہی مہینہ جولائی ۱۸۳۰ء میں اس نے الجزائر پر قبضہ کر لیا، جو عثمانیوں کی فرماں روائی تسلیم کرتا تھا اور جب سلطنت عثمانی اور مصر کے محمد علی پاشا سے اختلاف ہوا اور لڑائی کی نوبت آ گئی تو روس نے عثمانیوں کو مدد دینے کے بہانے اپنا جنگی بیڑہ باسفورس کے ذریعہ قسطنطنیہ کے قریب بھیج دیا۔ انگلستان اور فرانس کو تشویش ہوئی کہ کہیں قسطنطنیہ پر روسیوں کا تسلط نہ ہو جائے، اس لیے ان دونوں نے دباؤ ڈال کر محمد علی اور عثمانی سلطنت سے صلح کرا دی، جس کی رو سے بیت المقدس، طرابلس،

حلب، دمشق اور اطنہ کی حکومتیں محمد علی کو مل گئیں۔ یہ عثمانی سلطنت کے لیے اچھا نہ ہوا اور مسیحی حکومتیں خوش تھیں کہ یہ اور کمزور ہوگئی اور یہ اور بھی کمزور ہوتی گئی، جب مصر کے محمد علی نے اپنے اور مطالبات منوانے کے لیے اپنی جنگ جاری رکھی، اسی میں عیسائی حکومتوں کا مفاد بھی تھا، اس لیے وہ اس کو ہوا دیتی رہیں، مگر وہ مصر کے محمد علی کے بڑھتے ہوئے اثرات کو بھی دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔(۱۷۹)

فرانسیسی مصنف ولا ڈون کیمر کے بیان کے مطابق محمود ثانی کو اپنے عیسائی باشندوں کا بڑا خیال رہتا، وہ دورہ کرتا تو ان سے ملتا، ان کے مطالبات کو پورا کرتا، ان کی شکایتیں سنتا، ان کی دادرسی کرتا، ان کے شکووں کو دور کرتا اور ان کو مطمئن کر کے خوش ہوتا کہ اس کی تمام رعایا میں قوم وملت کے امتیاز کے بغیر انصاف کی حکمرانی ہو رہی تھی۔(۱۸۰)

ایڈورڈ کریسی دولت عثمانیہ کے حکمرانوں کی اچھی تصویر نہیں کھینچتا، مگر محمود ثانی نے اپنی مملکت میں جتنی اصطلاحات کیں، ان کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا ہے اور لکھتا ہے کہ سلطان نے ان اصطلاحات کے دستاویزات پر لکھا کر کوئی اس سے ناواقف نہ رہے کہ میرا یہ فرض ہے کہ میں اپنی تمام رعایا کو تکلیف دہ باتوں سے دور رکھنے میں ان کی مدد کروں اور میری یہ مسلسل کوشش ہے کہ ان کی مصیبتوں کے بار کو ہلکا کروں، ان میں اضافہ نہ کروں اور ان کو امن وامان کا یقین دلاؤں، ان پر مظالم کے قوانین اللہ تعالیٰ کے حکم اور میری حکمرانی کی فلاح کے خلاف ہے۔(۱۸۱)

سلطان عبدالمجید خان کی صلح جوئی اور امن پسندی:

یہ سلطان سولہ سال کی عمر میں فرماں رواں ہوا۔ اس کی مدت حکومت ۱۸۳۹ء سے ۱۸۶۱ء تک رہی۔ انگلستان، فرانس، روس، آسٹریا اور پروشیا مصر کے محمد علی کی بڑھتی ہوئی قوت کو اپنے مصالح کے خلاف سمجھتے تھے، اس لیے ان کی حمایت اور انگریزوں کے بحری بیڑے کی مدد سے محمد علی سے پورا شام خالی کرالیا، جس کے بعد ایک صلح کے ذریعہ سے یہ طے پایا کہ صرف مصر کی پاشائی محمد علی اور اس کے ورثہ کے لیے مستقل کر دی جائے، بقیہ تمام علاقے اس کے قبضہ سے نکال لیے جائیں۔ اس کے بعد بارہ سال تک دولت عثمانیہ کو کسی غیر ملکی طاقت سے جنگ نہیں کرنی پڑی۔ اس مدت میں یہاں بہت سی اصلاحات کی گئیں۔ سلطان عبدالمجید خان کے باپ سلطان محمود نے ایک دستور اپنی زندگی میں بنایا تھا۔ اس کا اعلان اپنی حکومت کے زمانے میں کیا۔ یہ تاریخ میں "خط شریف گل خانہ" کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں جہاں قرآن اور سنت کی پابندی کا لحاظ رکھا گیا ہے، وہاں عیسائیوں کو زیادہ سے زیادہ مراعات دیے گئے اور اس خط شریف کے مطابق سلطان عبدالمجید نے اپنا دستور بنایا جس میں عیسائیوں کے لیے ضابطے بنائے گئے جن کے علیحدہ علیحدہ ٹکڑوں کو اس طرح جمع کیا جاسکتا ہے:

تمام رعایا کی جان ومال اور عزت وآبرو کی ضمانت جو خط شریف گل خانہ میں کی گئی ہے اس کی توثیق کی جاتی ہے۔ اس باب میں رعایا کے مراتب ومذاہب میں کسی قسم کا امتیاز جائز نہ ہوگا۔ ان تمام حقوق ومراعات کی ازسرنو تصدیق کی جاتی ہے جو نصاریٰ اور سلطنت کے دوسرے فرقوں کو دیے گئے ہیں۔ ان حقوق ومراعات پر بلاتاخیر نظر ثانی کر کے زمانہ اور سوسائٹی کی ضروریات کے مطابق انہیں ترقی دی جائے گی اور اس غرض سے بطریق کے زیر صدارت ایک مجلس منعقد کی جائے گی، جو مذکورۂ بالا اصلاحات پر بحث کر

کے اپنی رائے حکومت میں پیش کرے گی۔ سلطان محمد فاتح اور اس کے جانشینوں نے جو حقوق بطریق کو عطا کیے تھے، ان میں جدید حق کا اضافہ کیا جائے گا اور آئندہ بطریق کا انتخاب تمام عمر کے لیے ہوا کرے گا۔ نصاریٰ اور دوسرے فرقوں کے بطریقوں، اسقفوں اور مذہبی عہدہ داروں کو باب عالی کے تجویز کردہ طریقے کے مطابق وفاداری کا حلف لینا پڑے گا۔ وہ تمام محصول اور چندے جو مختلف فرقوں کے پادری اپنی جماعتوں سے وصول کیا کرتے ہیں، ممنوع قرار دیے جاتے ہیں۔ مقررہ تنخواہیں بطریقوں، اسقفوں اور تمام چھوٹے بڑے مذہبی عہدہ داروں کو ان کے مراتب اور خدمات کے لحاظ سے دی جائیں گی۔ پادریوں کی منقولہ یا غیر منقولہ جائداد سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔ موجودہ کلیساؤں، مدرسوں، اسپتالوں اور قبرستانوں کو برقرار رکھنے کی عام اجازت ہے، اگر کسی جدید کلیسا، مدرسہ، قبرستان یا اسپتال کے تعمیر کرنے کی ضرورت ہوگی اور بطریق یا اس فرقہ کا مذہبی پیشوا اسے منظور کرے گا تو ہر جدید تعمیر کا نقشہ باب عالی میں پیش کیا جائے گا، اگر کوئی وجہ مانع نہ ہوگی تو سلطان نقشہ کو ملاحظہ کر کے تعمیر کی منظوری خود صادر فرمائے گا۔ ہر فرقہ کو اپنے مذہبی فرائض کی ادائیگی پوری آزادی حاصل ہوگی۔ وہ تمام القاب و امتیازات جن سے رعایا کے بعض طبقے اعلیٰ اور بعض ادنیٰ شمار ہوتے ہیں۔ ہمیشہ کے لیے شاہی دفتر سے خارج کیے جاتے ہیں، اسی طرح عہدیداروں اور عام لوگوں کو بھی دل آزار اور اہانت آمیز کلمات کے استعمال سے سختی سے روکا جاتا ہے۔ اس حکم کی خلاف ورزی کرنے والے سزا کے مستوجب ہوں گے چونکہ تمام مذاہب کو آزادی حاصل ہے، اس لیے کوئی شخص اپنے مذہب کی وجہ سے ستایا نہ جائے گا۔ اور نہ کسی کو اپنا مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ ملکی اور فوجی عہدے تمام رعایا کے لیے یکساں طور پر کھلے رہیں گے۔ تقرر صرف قواعد و ضوابط کے مطابق اور قابلیت کی بنا پر ہوگا۔ ہر فرقہ کو علوم و فنون کے مدارس قائم کرنے کی اجازت ہے، البتہ نصاب تعلیم اور اساتذہ کا انتخاب ایک مخلوط مجلس کی زیر نگرانی ہو گا اور جن میں فریقین مختلف فرقوں کے ہوں گے۔ مخلوط عدالتوں ہی میں پیش کیے جائیں گے اور ان کا اجلاس بر سر عام ہوا کرے گا۔ صوبوں کے دیوانی کے مقدمات بھی مخلوط عدالتوں میں وکیل اور قاضی کی موجودگی میں پیش ہوں گے۔ ان عدالتوں کا اجلاس بھی بر سر عام ہوگا، جن مقدمات میں فریقین ایک ہی فرقہ کے ہوں گے، یا جو مقدمات وراثت سے متعلق ہوں گے، وہ فریقین کی خواہش کے مطابق یا ان کے بطریق کے سامنے پیش ہوں گے یا ان کی قومی مجلس کے مسلمانوں کے علاوہ دوسرے فرقوں کو بھی فوج میں بھرتی کرنے کے ضوابط مرتب کر کے جلد شائع کر دیے جائیں گے۔ عیسائی اور دوسرے فرقوں کی نگرانی کے لیے ایک افسر مقرر ہوگا، جو اپنے مشوروں سے اسٹیٹ کونسل کو مدد دے گا۔ یہ افسر صدر اعظم کی مجلس وزراء میں سے منتخب کیے جائیں گے اور ان کا تقرر ایک سال کے لیے ہوا کرے گا۔(۱۸۲)

یہ وہی حقوق ہیں جو رسول اللہ صلی علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ کے زمانے میں عیسائیوں اور غیر مسلموں کو دیے گئے تھے، جن کا ذکر ہم آغاز میں کر چکے ہیں، اسی کی پابندی ہر اسلامی حکومت میں کی گئی۔ دولت عثمانیہ کا ہر فرماں رواں اسی کا پابند رہا، جیسا کہ گزشتہ اوراق سے ظاہر ہے، دولت عثمانیہ پر یورپی مورخوں نے جو کچھ لکھا ہے، ان میں سے کسی نے عیسائیوں اور غیر مسلموں کے ساتھ ان کی سفاکی اور ظلم کا ذکر نہیں کیا ہے بلکہ ان کی رواداری کا ذکر بار بار کیا ہے۔ اس کے برخلاف عیسائی فاتحوں اور سپاہیوں کی ظالمانہ حرکتوں کا ذکر کرتے ہیں تو کہیں کہیں وہ رو پڑتے ہیں، لیکن مسلمان حکمراں اپنی رواداری اور فراخ دلی میں چاہے جیسے اچھی حکومت

کرتے رہے ہوں، ان کے معاصر حکمراں اور خصوصاً کلیسا کے پادری ان پر طرح طرح کے الزامات رکھ کر عیسائیوں میں ان کے خلاف نفرت پیدا کرتے رہے اور اس نفرت کو مقدس مذہبی جنگ میں تبدیل کرنے میں کامیاب ہوتے گئے۔ پھر عیسائی حکومتیں ان کے خلاف جو سازشیں یا تخریبی کارروائیاں کرنے میں شریفانہ اخلاق کو جس طرح بالائے طاق رکھتی رہیں، اس کو تدبر، سیاست اور حکمت عملی قرار دے کر اپنی سیاسی فہم اور بصیرت پر ناز کرتے رہے۔ ان کے نزدیک جنگ کرنے یا کرانے میں ضابطۂ اخلاق کا پابند ہونا اہل سیاست اور ارباب تدبر کا شیوہ نہیں ہوتا، بلکہ فضا میں منڈلاتے ہوئے گدھوں کے وطیرہ کو اپنانے میں کامیاب حکمت عملی قرار دیتے رہے۔ اس قسم کا سیاسی اخلاق مسلمان حکمرانوں کے یہاں نہیں رہا۔ اسی لیے وہ چالاک اور فریب کار حریفوں سے مات کھاتے تھے۔

سلطان عبدالمجید خان کے زمانہ میں دولت عثمانیہ نے بڑی ترقی کی، اس کو بارہ برس تک مسیحی حکومتوں سے جنگ نہ کرنی پڑی تو اس نے اپنے یہاں کی رواداری حکومت کی وجہ سے اچھی اچھی اصلاحات کر کے اپنے سلطنت کے لوگوں کو بھی مطمئن کیا اور بیرونی اور بین الاقوامی اقتدار بھی بڑھایا۔ روس کی نگاہوں میں یہ بات کھٹکتی رہی، لیکن سلطان نے اس کو لڑائی لڑنے کا موقع نہیں دیا، مگر جب ہنگری نے اپنے یہاں آزادی کا مطالبہ کیا تو روس اور آسٹریا عثمانی علاقوں کی آزادی کے لیے کوشاں تھے، مگر ہنگری کی آزادی کی تحریک کو دونوں نے مل کر کچل کر رکھ دیا اور جب ہنگری کے فوجی سردار نے ترکی میں پناہ لی تو دونوں نے عثمانیوں سے جنگ کرنے کی دھمکی دی، مگر عثمانی سلطنت نے اپنے شریفانہ اخلاق کی وجہ سے ان پناہ گزینوں کو ان کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ روس اور آسٹریا عثمانی سلطنت کے خلاف لڑائی کی تیاری کرنے والے ہی تھے کہ انگلستان نے دولت عثمانیہ کی حمایت کرنے کا اعلان کیا، تو دونوں جنگ نہ کر سکے۔ روس نے پھر انگلستان سے مل کر یہ سازش کی کہ دونوں مل کر جلد از جلد سلطنت عثمانیہ پر حملہ کر دیں اور اسے آپس میں بانٹ لیں اور انگلستان کو سمجھایا کہ سلطنت عثمانی کی حیثیت جلد دم توڑنے والے مرد بیمار کی ہے۔ انگلستان سردست اس کے لیے تیار نہیں ہوا، مگر روس میں نکولس جنگ کی تیاری میں مشغول رہا اور جب اس زمانہ میں فلسطین کے مقامات مقدسہ کا سوال اٹھا تو روس نے مطالبہ کیا کہ سلطنت عثمانیہ اپنے تمام عیسائی فرقوں کا محافظ روس کو قبول کر لے، حالانکہ عیسائیوں کو ہر قسم کی آزادی اور رعایتیں حاصل تھیں۔ وہ محصول ادا کیے بغیر بیت المقدس اور دوسرے مقامات مقدسہ کی زیارت کر سکتے تھے۔ وہ قسطنطنیہ کے ایک خاص حصے میں نئے گرجے بھی تعمیر کر سکتے تھے اور اگر ان کو کچھ شکایتیں ہوں تو روس کلیسائے یونان کی طرف سے حکومت عثمانیہ کو معروضات پیش کر سکتا تھا...... ہر حال میں سلطنت عثمانیہ ہی ان کی محافظ ہوتی، مگر روس کا جارحانہ مطالبہ یہ تھا کہ عیسائیوں کا محافظ اس کو تسلیم کیا جائے۔ اس کا مقصد صرف چھیڑ چھاڑ اور مداخلت کا بہانہ حاصل کرنا تھا۔ دولت عثمانیہ کے انکار پر روس نے جنگ چھیڑ دی۔ روسی فوجیں دریائے ڈینوب کو عبور کر کے مولڈیویا اور ولاچیا پر قابض ہو گئیں۔ سائی نیٹ کے مقام پر ترکوں سے شکست کھا گئیں۔ انگلستان اور فرانس کو روس کی توسیع پسندی گوارا نہ تھی، اس لیے وہ دونوں عثمانی سلطنتوں کے طرفدار ہو گئے۔ آسٹریا بھی روسی عزائم سے خوف زدہ ہوا، پھر تو ترکوں سے روسیوں کو پے در پے شکستیں ہوئیں۔ ایشیا کی طرف بھی روسی فوجیں بڑھ گئی تھیں۔ شروع میں ان کو کامیابی حاصل ہوئی، لیکن پھر ترکوں سے شکست کھانے لگیں، اسی درمیان میں زار نکولس کا انتقال ۱۸۵۵ء میں ہو گیا۔ وہ اپنی

زندگی میں دولت عثمانیہ کو ختم کرنے کے ارادہ میں کامیاب نہیں ہوا۔اس کا لڑکا الکزنڈر ثانی اس کا جانشین ہوا تو اس کی بھی یہی پالیسی رہی، مگر روسیوں کی پے در پے شکستوں کے بعد اس کو صلح کرنی پڑی، جو صلح نامۂ پیرس کے نام سے مشہور ہوا۔اس کی رو سے وہ تمام علاقے جو دوران جنگ میں فریقین سے فتح کر لیے تھے، واپس کر دیے گئے۔سلطان سے بلا امتیاز نسل و مذہب رعایا کی اصلاح کا وعدہ لیا گیا اور یوروپی حکومتوں نے بھی یقین دلایا کہ وہ سلطنت عثمانیہ کے اندرونی معاملات میں دخل نہ دیں گی۔بحر اسود تمام قوموں کے تجارتی جہازوں کے لیے کھول دیا گیا۔جنوبی بسرابیا مولڈیویا میں شامل کر دیا گیا۔مولڈیویا اور ولاچیا پر عثمانی سلطنت کی فرماں روائی بدستور قائم رہی۔برطانیہ، آسٹریا اور فرانس نے دولت عثمانیہ کی آزادی اور سالمیت کو قائم رکھنے کی ضمانت بھی لی۔اس صلح نامہ سے روس کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا۔سلطنت عثمانیہ کی تقسیم اور قسطنطنیہ پر قبضہ کرنے کا اس کا خواب پورا نہ ہو سکا۔

روس کو یہ کیسے گوارا ہو سکتا تھا، اس نے آگے چل کر اس صلح نامہ کو نظر انداز کر دیا مگر جن حکومتوں نے عثمانیہ سلطنت میں مداخلت نہ کرنے کی ضمانت دی تھی وہی اندر اندر کریٹ، سرویا، مونٹی نگرو، بوسنیا، ہرزگووینا، بلغاریہ اور پھر ایشیا میں جدہ اور لبنان میں عثمانی سلطنت کے خلاف شورش برپا کرنے کی کوشش کرتی رہیں۔جدہ میں عیسائیوں اور مسلمانوں میں جھگڑا ہوا تو اس میں انگریز قونصل کی بیوی ماری گئی۔برطانوی حکومت نے غصہ میں اپنا بیڑہ بھیج کر اس پر گولہ باری کرائی۔لبنان میں مسلمان دروزیوں اور کیتھولک مارونیوں کے دو فرقوں میں جھگڑا شروع ہوا تو پادریوں کے بھڑکانے سے اس شورش نے مذہبی جنگ اختیار کر لی اور نہایت تیزی سے شام کے اکثر حصوں میں پھیل گئی۔مارونیوں نے قتل و غارت کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا اور جب دروزی مسلمان ان پر غالب آئے، تو انہوں نے انتقامی غصہ میں تمام عیسائیوں خصوصاً دمشق کے عیسائیوں کو قتل کر کے اس خطہ کو ان سے پاک کر دینا چاہا، مگر ان عیسائیوں کے لیے امیر عبدالقادر اور الجزائری فرشتۂ رحمت بن گیا۔یہ امیر وہی تھا جس نے الجزائر میں فرانسیسیوں کے خلاف سترہ برس تک جنگ کی۔وہ فرانسیسیوں کے اس غاصبانہ قبضہ کو پسند نہ کرتا تھا۔اپنے وطن کی آزادی کے لیے برابر لڑتا رہا۔جب وہ پسپا ہوا تو فرانسیسیوں نے اس کو قید میں ڈال دیا، جہاں وہ بارہ برس تک رہا، جب وہ آزاد کیا گیا تو آخر میں دمشق میں آکر آباد ہو گیا۔جب دمشق کے مسلمانوں نے عیسائیوں کا قتل عام کرنا چاہا تو امیر عبدالقادر نے کسی پس و پیش کے بغیر اپنے کو اس آگ کے شعلہ میں ڈال دیا اور ایک چھوٹی سی فوج کے ساتھ اس نے عیسائیوں کو عوام الناس سے چھڑایا۔اپنے محل میں لا کر ان کو پناہ دی اور عرب سواروں کی پہرہ بندی کر دی۔وہ فرانس کا قدیم دشمن تھا، مگر ایک سے زیادہ مرتبہ اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر خونخوار ٹولیوں کو پسپا کیا۔ان پناہ گزینوں کے لیے بے دریغ روپے خرچ کیے اور پھر عیسائی محافظین کی نگرانی میں ان کو بیروت پہنچایا، جہاں ان کو کسی قسم کا خطرہ نہ تھا۔فرانسیسی مورخ ولاڈون کیبر کے اس کارنامہ پر لکھتا ہے کہ اس کی یہ شرافت اور اس کی یہ شریفانہ بہادری ایک لمحہ کے لیے بھی کم نہ ہوئی۔اس کی زندگی کا یہ صفحہ ایسا شاندار ہے جس کے آگے ایک صدی کا کارنامہ بھی مدہم پڑ جاتا ہے۔(۱۸۳)

شام میں کچھ ہو رہا تھا۔اس سے یورپ کی مسیحی حکومتوں نے فائدہ اٹھانا چاہا۔فرانس کیتھولک فرقہ کا حامی بن گیا، لیکن انگلستان کو فکر دامن گیر ہوئی کہ کہیں فرانس کا قبضہ شام پر نہ ہو جائے، اس لیے ۱۸۶۰ء میں یہ طے کیا گیا کہ یورپ کی ایک متحدہ فوج وہاں امن قائم کرنے کے لیے بھیجی جائے، مگر اس سے پہلے عثمانی سلطنت کی فوج وہاں پہنچ گئی اور دروزیوں اور مارونیوں کی لڑائی کو ختم کرایا۔

یہ بات لکھنے کے لائق ہے کہ جن عثمانی سپاہیوں نے وہاں کے باشندوں کے ساتھ ظلم کیا تھا، ان میں سے ایک سو گیارہ سپاہیوں کو گولی مار دی گئی۔ ستاون بڑے بڑے ورروزی پھانسی پر لٹکائے گئے۔ مسلمان والی دمشق کو سزائے موت دی گئی، سیکڑوں درروزی جلاوطن کردیے گئے اور پھر مسلمان حاکم بیروت کو معزول کردیا گیا اور عیسائیوں کے نقصانات کی تلافی کے لیے سات کروڑ پچاس لاکھ قرش کی رقم بالاقساط ادا کی گئی۔ ظلم کے خلاف یہ عدل پروری مسلمانوں کے ساتھ مسیحی حکومتوں نے کبھی نہیں دکھائی۔ (۱۸۴)

لارڈ ایورسلے نے سلطان عبدالمجید کی برائیوں کا ذکر کرنے کے باوجود لکھا ہے کہ اس میں جبلی طور پر بہت سی قوتیں اور خوبیاں تھیں اور وہ دولت عثمانیہ کے تمام حکمرانوں میں سب سے زیادہ انسان دوست تھا۔ (۱۸۵)

سلطان عبدالحمید خان ثانی کی مذہبی رواداری:

اس سلطان کا زمانہ ۱۸۷۶ء سے ۱۹۰۹ء تک رہا، جو کافی طویل اور مذہبی رواداری کے اعتبار سے مثالی تھا۔ اس نے اپنی حکومت کے آغاز میں ملک کے دستور کے مطابق اس پر زور دیا کہ سلطنت کے تمام باشندوں کو بلاامتیاز مذہب وملت کے برابر حقوق دیے جائیں اور حکومت کے عہدے سب کے لیے یکساں طور پر کھلے رہیں اور سب کے لیے ایک مشترکہ قانون ہو۔ جلسوں اور پریس کو آزادی ہو، عدل وانصاف پر زور دیا جائے اور جبری تعلیم رائج کی جائے۔ اس اعلان پر ملک کا ہر طبقہ خوش ہوا۔ مسجدوں میں چراغاں کیا گیا، سڑکوں پر جلوس نکال کر سلطان زندہ باد کے نعرے لگائے گئے، یونانی اور آرمینی بطریقوں نے بھی مبارکباد پیش کی۔ (۱۸۶)

سلاطینِ دہلی کی صلح جوئی اور امن پسندی:

اسلامی تاریخ میں سلاطینِ دہلی کا دورِ حکومت بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ ہندوستان میں مسلمان حکمرانوں کا طرزِ حکومت بھی بلا شبہ صلح حدیبیہ کے طرز پر رواداری، فراخدلی، انسان دوستی، وسیع النظری اور وسعت قلب وظرف کے اصولوں اور بنیادوں پر قائم رہا ہمیشہ سے مسلمانوں کا یہ عقیدہ رہا ہے کہ حکومت الحاد، بے دینی، کفر اور شرک کے ساتھ عرصہ دراز تک قائم رہ سکتی ہے، مگر جبر، ظلم اور چیرہ دستی سے برقرار نہیں رکھی جاسکتی ہے، اسی نے ہندوستان کے مسلمان فرمانرواؤں نے اپنے دورِ حکومت میں عدل وانصاف پر ہر زمانہ میں زور دیا، یہ عدل پسندی اور انصاف پروری اور رواداری اور فراخدلی ہر دور میں اسلامی حکومت کا طرہ امتیاز رہا۔

سلاطینِ دہلی کی صلح جوئی، امن پسندی اور انسانیت نوازی پر ہندو دانش وروں کا تبصرہ:

ہندوستان میں اسلامی حکومت اور مسلمان بادشاہوں کی رواداری، فراخدلی، دل جوئی اور انسانیت نوازی کے روشن پہلوؤں کا اعتراف بعض ہندو مؤرخین نے بھی کیا ہے، مثلاً ڈاکٹر تاراچند اپنی کتاب ''ہندوستانی کلچر پر اسلام کے اثرات'' میں رقمطراز ہیں کہ:

''جب مسلمانوں کی حکومت ہندوستان میں قائم ہوئی تو انھوں نے ہندوؤں کو مختلف عہدوں پر مقرر کرنا ضروری قرار دیا، محمود غزنوی کی فوج میں بھی بکثرت ہندو سپاہی تھے، جو اس کی حمایت میں وسط ایشیاء میں جا کر لڑے، اس کے ہندو فوجی کمانڈار تلک نے اس کے ایک مسلمان فوجی عہدیدار نیالتگین کی بغاوت فرو کی اور جب قطب الدین ایبک نے ہندوستان میں رہ کر حکومت کرنے کا فیصلہ کرلیا تو

اس نے ملکی نظام کو چلانے کے لیے ہندوؤں ہی کو مقرر کیا کیونکہ ان کے بغیر سارا نظام درہم برہم ہو جاتا، مسلمان ہنرمندوں، محاسبوں اور محرروں کو اپنے ساتھ نہیں لاتے تھے، ہندوؤں نے ہی ان کے لیے عمارتیں بنائیں، جن میں پرانی چیزیں نئے حالات کے مطابق شامل کی گئیں، ہندوستاروں ہی نے مسلمان حکمرانوں کے لیے ڈھالے اور ہندو محاسبوں ہی نے ان کا حساب کتاب درست کیا۔ پنڈتوں نے ہندو قوانین پر عمل درآمد کرانے میں ان سلاطین کو مشورے دیے اور برہمن نجومیوں کی رائے سے حکومت اور دربار کے مختلف کام انجام پاتے تھے، مسلمان ہندوستان آئے تو اس کو انہوں نے اپنا وطن بنایا، وہ ہندوؤں کے اردگرد رہتے تھے، اس لیے دائمی مخاصمت و عناد کے ساتھ ان کے لیے زندگی بسر کرنا ممکن نہ تھا، اس باہمی میل جول سے ایک نے دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کی بہت سے ہندوؤں نے اسلام قبول کرلیا، لیکن مذہب کی تبدیلی سے ان میں زیادہ فرق پیدا نہیں ہوا، جب مسلمانوں سے مغلوب ہوجانے کا صدمہ جاتا رہا تو ہندو مسلمان دونوں نے ایک ایسا طرز زندگی اختیار کرنے کی کوشش کی، جس سے دونوں اچھے ہمسایہ کی طرح زندگی بسر کرسکیں۔(۱۸۷)

پروفیسر شری رام شرما دی کریسنٹ ان انڈیا میں لکھتے ہیں:

''سیاسی نظام کی اچھائی اور برائی کا انحصار غلبہ اور اقتدار کی قوت پر نہیں بلکہ ملک کے اچھے نظم ونسق پر ہے، لیکن ملک کا نظم ونسق ہر زمانے کے لیے یکساں نہیں ہوسکتا، بلکہ زمانہ اور ماحول کے ساتھ بدلتا رہتا ہے اس لئے مغلوں سے پہلے سلاطین دہلی نے جو نظم ونسق قائم کیا، اس کو اسی زمانہ کے معیار کے مطابق پرکھنا چاہیے، یہ سلاطین ہندوستان میں فاتح بن کر ضرور داخل ہوئے، لیکن مفتوحین سے ان کا میل جول جیسے جیسے بڑھتا گیا، ان دونوں کے جنگجویانہ جذبات مٹ کر خوش گوار تعلقات پیدا ہوگئے، معاشرتی اور ثقافتی امتزاج کے ساتھ سیاسی تعلقات کا بہتر ہونا از حد ضروری تھا، اس لیے مسلمان حکمراں سیاسی نظم ونسق کو جلد از جلد بہتر بنانے کی کوشش میں لگے رہے، بلبن کے زمانہ سے بابر کے زمانہ تک ان فرماں رواؤں کی یہی کوشش رہی کہ حکومت کی سرحدوں کو وسیع کرنے کے ساتھ ملک میں عام نظم ونسق میں ترقی ہوتی رہے، اس نظام کا اچھا برا ہونا، سلاطین اور ان کے صوبے کے گورنروں کے ذاتی اوصاف اور کردار پر بھی منحصر تھا۔(۱۸۸)

کے ایم۔ چینکر لکھتے ہیں:

''اس کو تسلیم کرنا صحیح نہیں کہ سلاطین دہلی کے عہد میں ہندوؤں کے ہاتھ سے تجارت چھین لی گئی اور مسلمان حملہ آور فوجی ہی رہے، وہ تجارت کو پسند نہ کرتے تھے، ہندوستان کا تجارتی کاروبار، ہنڈی اور قرض کے ذریعہ ہوتا تھا، جو مسلمانوں کے لیے عجیب ودپیچیدہ چیز تھی، حکومت یا سرکاری عمال کی وجہ سے تاجروں پر بڑا بار ضرور پڑتا، لیکن بنئے اس زمانے میں سوسائٹی کے ضروری اجزا اسی طرح رہے جیسے کہ آج کل ہیں، ہندو سوسائٹی جوں کی توں محض اس لیے رہی کہ حکومت کا مقامی نظم ہندوؤں ہی کے ہاتھوں میں رہا، اونچے عہدیدار تو مسلمان ہوتے، لیکن نیچے کے تمام عہدے ہندوؤں ہی کو دیے جاتے، پٹواری، محاسب، خزانچی، اسی طرح عہدہ دار ہند وہی ہوتے گورنر اور دوسرے بڑے بڑے عہدوں پر مسلمان مامور کیے جاتے......اس نظام کی بنیاد پر التمش اور علاؤالدین خلجی دونوں نے ایک مختصر مدت میں، امن بحال کرکے اپنی اپنی حکومتوں کی عمارتیں کھڑی کرلیں، اور اسی نظام کی بدولت صوبائی گورنر قلیل فوج کی مدد

سے آسانی سے صوبوں کی حکومتیں قائم کر لیتے۔(۱۸۹)

ڈاکٹر ایشوری پرشاد نے اپنی کتاب "ہسٹری آف قرونہ ٹرکس" میں محمد شاہ تغلق کی حکومت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

پورے نظام سلطنت کا گہرا مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ مسلمانوں کی حکومت اب ایک مرتب شکل میں ہو گئی تھی، مسلمانوں کی فوج سے وہ پہلا سا متعصبانہ جوش وخروش بھی جاتا رہا تھا، ان کے برتاؤ میں سختی باقی نہیں رہ گئی تھی، زندگی جب پر امن ہو گئی تو سیاسی فرائض کی نوعیت بھی بدل گئی اور ترقی پسند خیالات بھی پیدا ہونے لگے، ہندوؤں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جانے لگا، حکمران طبقہ کو رواداری اور معاشرتی یگانگت کا احساس پیدا ہونے لگا، ایک ترقی یافتہ سلطنت میں طرح طرح کے مسائل اٹھتے رہے، جس کی وجہ سے حکمراں کو ایسی پالیسی اختیار کرنی پڑی کہ وہ خود بھی رہے اور دوسروں کو بھی رہنے دے، اس لیے سلطان محمد تغلق نے ہندوؤں کے ساتھ کوئی نازیبا روش نہیں اختیار کی، بلکہ اس نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا، ان کو عہدے دیئے، اس نے ستی کو رکوادیا جو اس کی روشن خیالی کی دلیل ہے۔(۱۹۰)

ڈاکٹر ایشور ٹوپا نے فیروز شاہ تغلق کی حکومت کا جائزہ لے کر یہ لی بکس ان پر ی مقل ن نس لکھی:

"فیروز شاہ کی حکومت کی اسپرٹ میں رعایا کی حفاظت مضمر تھی اور رعایا کی فلاح و بہبود کے لئے ہمیشہ کوشاں رہا۔ اس کے اس جذبہ کا ایک بین ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ اس نے رعایا کو دو کرور ٹنکے کی معافی دی، سلطان محمد تغلق کے عہد میں ایک مرتبہ جب بڑی تباہی آئی تو حکومت کی طرف سے رعایا کو دو کرور ٹنکے دیئے گئے، فیروز شاہ کے عہد میں جب اس قرض کی وصولی کا سوال اٹھا تو معلوم ہوا کہ اگر یہ قرضہ وصول کیا گیا تو رعایا کی زبوں حالی اور بے چارگی اور بڑھ جائے گی، اس لئے یہ کل قرضہ معاف کر دیا گیا اور رعایا کے اطمینان کے لیے قرض کے سارے کاغذات ان کے سامنے شاہراہ عام پر جلا کر خاکستر کر دیئے گئے، عوام کے ساتھ انتہائی ہمدردی کے مظاہرہ کا یہ عجیب وغریب طریقہ تھا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ فیروز شاہ میں عوام کو مطمئن اور خوشحال بنانے کا کتنا غیر معمولی جذبہ موجود تھا، اس قسم کی شاہانہ نوازشوں سے رعایا کے دلوں میں بھی تشکر اور وفاداری کا صحیح جذبہ پیدا ہوتا تھا، جس سے دونوں کے تعلقات استوار رہتے تھے:

"فیاضی اور رحمدلی کا شاہانہ مظاہرہ زراعت اور لگان کے سلسلہ میں بھی کیا جاتا تھا، کسان ریاست کی ریڑھ کی ہڈی ہوتے، اس لیے ان کے دکھ اور درد دور کرنے سے دور رس نتائج ہوتے تھے، فیروز شاہ نے دیہی آبادی کی بدحالی اور مصیبت کم کرنے کے تمام غیر دانش مندانہ قوانین بالکل ختم کر دیئے، اس کا بڑا لحاظ رکھا گیا کہ لگان کھیتوں کی پیداوار اور کسانوں کی مالی حالت کے مطابق وصول کیا جائے، کسی حال میں ان پر بار نہ ہونے پائے، چنانچہ ایسے تمام لگان ختم کر دیئے گئے جن میں کچھ زیادتی تھی، فیروز شاہ سے پہلے یہ رواج تھا کہ کسانوں کو صرف ایک گائے رکھنے کا حق حاصل ہوتا تھا، فیروز شاہ نے اس رواج کو بھی ختم کر دیا، زراعت کی ترقی اور رعایا کی خوش حالی کے لئے نئے نئے قوانین بنائے گئے، اس کی خاص طور پر نگرانی رکھی گئی کہ حکومت کے واجب الادا لگان سے زیادہ رقم وصول نہ کی جائے، اگر قانون کی خلاف ورزی کی وجہ سے کسانوں کو نقصان پہنچا تو فوراً تاوان ادا کیا جائے جاتا۔

"فیروز شاہی عہد میں عدل وانصاف کی حکومت تھی، کسی شخص کو بھی دوسرے پر ظلم وتعدی کرنے کا حق نہ تھا، تمام ملک میں امن و

سکون تھا، ایسے حالات پیدا کیے گئے کہ لوگوں کی زندگی میں خود بخود ترقی پیدا ہوتی گئی، اعلیٰ اور ادنیٰ ہر طبقہ کے لوگ مطمئن اور مسرور زندگی بسر کرنے لگے، چیزوں کی فراوانی تھی، جو سستے داموں میں ملتی تھیں، اس لیے عام رعایا قانع اور دولت مند ہوگئی، فیروز شاہ کا یہ کارنامہ پیغمبر اسلام ﷺ کے ان قوانین کی بدولت تھا جو اس نے اپنی ریاست اور بادشاہت کے لئے اختیار کئے تھے۔(۱۹۱)

اے، سی چٹرجی اپنی کتاب اے شارٹ ہسٹری آف انڈیا میں لکھتے ہیں۔

''اس دور میں یعنی (سلاطین دہلی کے عہد میں) اسلام کی اشاعت کا اندازہ ہند کی موجودہ صورت حال سے کیا جاسکتا ہے، ہند کے شمال مغربی خطہ یعنی کشمیر، مغربی پنجاب، سرحد اور سندھ میں تین چوتھائی سے زیادہ آبادی مسلمان ہوگئی، اسی طرح بنگال میں آدھے سے زیادہ لوگ مسلمان ہیں، ان کے شمال اور مشرقی اضلاع میں یہ تناسب کچھ بڑھا ہوا ہے، باقی صوبوں میں مسلمان اقلیت میں ہیں، یہاں دس میں ایک (اس سے بھی کم تعداد میں ہیں) ان کی ایک بڑی تعداد شہروں اور قصبوں میں رہتی ہے، ہند کے شمال مغربی حصہ میں مسلمانوں کی اکثریت کی وجہ یہ ہوئی کہ مغرب کی طرف کے بہت سے مسلمان یہاں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ مقامی باشندوں نے بھی اسلام قبول کرلیا تھا مگر بنگال کی یہ شکل نہ تھی، یہاں صرف مقامی باشندوں نے اسلام اختیار کرلیا، اور اس بات کی پوری تحقیق نہیں ہوسکی کہ بنگال میں اسلام کے پھیلنے کے کیا اسباب تھے یہ مسئلہ اتنا پیچیدہ ہے کہ اس مختصر سے مقالے میں اس پر تفصیلی بحث کی گنجائش نہیں ہے، ظن غالب یہ ہے کہ ہندوؤں کی پابندیوں نے بنگال کی نیچ ذاتوں کو اس نئے مذہب کے قبول کرنے پر آمادہ کرلیا آٹھویں صدی سے بارہویں صدی تک بنگال پر پال خاندان کی حکومت تھی، جو بدھ مت کا پیرو تھا، اس کے زمانہ میں نیچ ذاتوں کو بڑی آزادی حاصل تھی، جب حسین خاندان کے لوگ جنوب کی بنگال میں داخل ہوئے تو وہ اپنے ساتھ ہندومت اور اس کی تمام معاشرتی پابندیاں بھی لے آئے جن سے نیچ ذاتوں کے جذبات کو ہمیشہ ٹھیس لگتی تھی اور جب بارہویں صدی میں اسلام آزادی اور مساوات کا ڈنکا بجاتا ہوا، بنگال پر پہنچا تو عوام کی طبیعتیں خود بخود اس کی طرف مائل ہوگئیں، لوگ جوق در جوق مسلمان ہوتے چلے گئے یہ ایک ایسا بڑا سبب ہے کہ اس کے ہوتے کسی دوسرے سبب کی تلاش کی حاجت نہیں۔ (مختصر تاریخ ہند مترجمہ محمد یوسف کوکن، ص ۱۹-۲۱۸)

''ہندوستانی تہذیب اور اسلام'' کے عنوان سے ایک مضمون میں ان ہسی، مہتا، آئی سی ایس نے اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کیا ہے: ''ہندوستان کے مسلمانوں کی بادشاہوں کی بت شکنی تو سب جانتے ہیں...... مگر...... میسور کے حیرت انگیز مندر ابھی تک ان بت شکنوں کے ہاتھوں محفوظ رہے۔ اجنتا اور ایلورا کے برہمن اور بودھی آثار کے تحفظ میں...... مسلمانوں کا بھی ہاتھ ہے...... ہم کو اس پر تعجب نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اسلام نے ہندوستان میں کوئی نئی قوم لا کر آباد نہیں کی، اسلام یہاں صرف ایک نورانی مشعل لایا تھا، جس نے زمانہ قدیم میں جب کہ پرانا تمدن انحطاط پذیر ہو رہا تھا اور پاکیزہ مقاصد محض ذہنی معتقدات بن کر رہ گئے تھے، انسانی زندگی کو چھائی ہوئی ظلمتوں سے پاک کر دیا، دوسرے ممالک کی طرح ہندوستان میں بھی سیاست سے زیادہ خیالات کی دنیا میں اسلام کی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا، آج کی وسیع اسلامی دنیا میں ایک روحانی برادری ہے، جس کو توحید اور مساوات کے مشترک عقیدے کو ایمانی رشتہ باہم منسلک کئے ہوئے ہے، بدقسمتی سے اس ملک میں اسلام کی تاریخ صدیوں تک حکومت سے وابستہ رہی، جس کی وجہ سے اسلام کی اصلی نوعیت پر پردہ پڑ گیا......'' (۱۹۲)

اتول چندر چٹرجی اپنی کتاب "اے شارٹ ہسٹری" میں لکھتے ہیں:

گردوپیش کے دل چسپی لینا، اور ان کو مخصوص نوعیت کے مطابق نئی صورت دے دینا اسلام کا کمال ہے...... وہ روحانی قوت جس نے معمولی ہاتھ پاؤں کے انسانوں کو ہیبت آفریں اور جان باز بنا دیا تھا، عصر حاضر میں بھی کارہائے عظیم ظہور میں لاسکتی ہے، اسلام کی تعلیم کسی مخصوص جماعت کے ساتھ ملکیت نہیں، ساری دنیا اس کی مشترک وارث ہے، ہندوستان میں اسلام کی کامیابیوں سے صرف مسلمانوں ہی کو تعلق نہیں بلکہ ساری ہندوستانی قوم کو اس پر فخر ہو سکتا ہے۔ (۱۹۳)

مغل حکمرانوں کی صلح جوئی اور امن پسندی:

ہندوستان میں مغل حکمرانوں نے صلح جوئی اور امن پسندی پر مبنی اسلامی طرز حکومت کی ایک طویل تاریخ رقم کی۔ ان کی طرز حکمرانی کی اہمیت کا اندازہ مندرجہ ذیل جائزے سے بہ خوبی لگایا جا سکتا ہے۔

پروفیسر رام پرشاد کھوسلا اور مغل حکومت:

پروفیسر رام پرشاد کھوسلا ایم۔اے پنجاب، بی۔اے (آکسن) پنجاب کے رہنے والے تھے اور پٹنہ یونیورسٹی میں تاریخ کے پروفیسر تھے، تاریخ ہند پر ان کی کتاب "مغل کنگ شپ اینڈ نوبلیٹی" ۱۹۳۴ء میں انڈین پریس الہ آباد سے شائع ہوئی تھی، اس کے خاتمہ میں انہوں نے جو کچھ لکھا ہے، اس کے اقتباسات ملاحظہ کے لیے درج ذیل ہیں: (۱۹۴)

فیض رساں بادشاہت:

مغلوں کی بادشاہت ہندوستان کے ازمنہ وسطیٰ کے لیے بین طور پر فائدہ مند تھی، ان کی حکومت مطلق العنان ضرور تھی، لیکن انہوں نے اس ملک کے قدیم حقوق میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کی، ان کی بادشاہت کے عیوب اپنی جگہ پر ہیں اور کوئی مطلق العنان حکومت کلیتہً باعث رحمت نہیں ہو سکتی، لیکن مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ مغلوں کی حکومت اپنی شان وشوکت کے ساتھ اس زمانہ کے لیے بالکل مناسب تھی اور اپنی خوبیوں ہی کی وجہ سے یہ پرشکوہ حکومت ایک طویل مدت تک قائم رہی، اس خاندان میں مسلسل چھ ایسے بادشاہ گزرے ہیں، جن کی شخصیت بہت اعلیٰ رہی تھیں، عام طور پر ان کی حکومت میں نرمی اور رحم دلی تھی، انہوں کبھی اپنی قوم کی رعایا کی فلاح و بہبود سے لاپرواہ ہو کر استعمال نہیں کیا، وہ کبھی لوگوں کے نجی معاملات میں دخل نہیں دیتے تھے، ملک کے رسم ورواج کو کسی قانون کے ذریعے پس پشت نہیں ڈالتے تھے، نظری طور پر ان کی حکومت مطلق العنان ضرور تھی، لیکن عملی طور پر بڑی ہی فیض رساں تھی۔

قیام امن:

مغلوں کا دور حکومت شروع ہوا تو سیاسی اور مذہبی رواداری، صلح جوئی اور امن پسندی کا ایک نیا باب کھل گیا چنانچہ پورے ملک میں ایک ایسا دبدبہ قائم تھا کہ، دور دراز صوبوں کے حکام بھی ان کے خلاف سر اٹھانے کی جرأت مشکل سے ہی کرتے تھے، مغلوں کے

زمانہ میں جب کہیں بدامنی ہوتی تو سختی سے روک دی جاتی تھی، اس عہد کے حکمرانوں نے امن وامان قائم کر کے ملک کو کمزور حکومت اور جرائل نظام حکومت کی خرابیوں سے بچائے رکھا، ان کو قوت واقتدار کی ہوس ضرور تھی، لیکن اس کے ساتھ وہ رعایا کی فلاح و بہبود کے لیے بھی برابر کوشاں رہے، اگر امراء کو شاہانہ سرپرستی میں ترقی ہوئی تو ادنیٰ درجہ کے لوگوں کو بھی شاہانہ عنایتوں کے بدولت خوشحالی نصیب ہوئی۔

عدل گستری:

مغل حکمراں عدل کو ایک مقدس فریضہ سمجھتے تھے ان کے زمانہ میں ادنیٰ آدمی کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ براہ راست بادشاہ کی خدمت میں پہنچ کر انصاف کا طلب گار ہو، گو اس حق کے استعمال کا موقع کم آتا تھا، تاہم اس کی وجہ سے بے انصافی کی بڑی روک تھام رہتی تھی، بعض اوقات یہ حق رعایا کے لیے بڑی نعمت ثابت ہوتا تھا۔

مذہبی رواداری:

عدل وانصاف میں اہتمام اور مذہبی رواداری کی پالیسی کی وجہ سے عوام ہمیشہ مطمئن رہے، اسلامی ریاستوں میں سیاست اور مذہب کا گہرا لگاؤ رہا ہے لیکن مغلوں کی مذہبی رواداری کی وجہ سے کوئی خطرہ پیدا ہونے نہیں پایا اور کسی زمانہ میں بھی یہ کوشش نہیں کی گئی کہ حکمراں قوم کا مذہب محکوموں کا بھی مذہب بنایا جائے حتیٰ کہ اورنگزیب نے بھی حصول ملازمت کے لیے اسلامی شرط نہیں رکھی تھی، مغلوں کے عہد میں Corporation Act یا Five Miles Act کی کوئی مثال نہیں ملتی، لوگوں کے ضمیر کے خلاف کوئی Act of Uniformity جیسا قانون نہیں بنایا گیا۔ ایلزبتھ کے زمانے میں ایک ایسا قانون تھا جس کے ذریعہ جبری طور پر عبادت کرائی جاتی تھی، مغلوں کے زمانہ میں اس قسم کا جبر نہیں کیا گیا۔

Bortholomew's Day کے جیسے قتل عام سے مغلوں کی تاریخ کبھی داغدار نہیں ہوئی، مذہبی جنگ کی خوں ریزی سے یورپ کی تاریخ بھری ہوئی ہے، لیکن مغلوں کے عہد میں ایسی مذہبی جنگ کی کوئی مثال نہیں ملتی، بادشاہ مذہب اسلام کا محافظ اور نگہباں ضرور سمجھا جاتا تھا، لیکن اس نے غیر مسلم رعایا کے عقائد پر کوئی دباؤ نہیں ڈالا، بابر سے لے کر اورنگزیب کی تخت نشینی تک مغلوں کی تاریخ تنگ نظری اور فرقہ پرستی کی تنگی سے تقریباً پاک ہے، مغلوں میں ولندیزیوں سے زیادہ رواداری تھی، یورپین مورخ اورم کا بیان ہے کہ ولندیزیوں نے متعصبانہ پالیسی اختیار کی تھی، اور جب مرہٹوں نے عیسائی مذہب اختیار کرنے سے انکار کیا تو بہت سے مرہٹہ خاندانوں پر بڑی سختیاں کی گئیں، ان ولندیزیوں سے شیواجی کی مخالفت کی ایک وجہ یہ بھی تھی، وہ ولندیزیوں کو اپنے مذہب کا دشمن سمجھتا تھا، اسی انتقام میں اس نے ہندوستان کے مغربی حصہ کے ولندیزیوں سے چوتھ وصول کیا۔

رعایا نوازی:

مغلوں کے زمانہ میں وقتاً فوقتاً جو شاہی اعلانات ہوتے رہے، ان سے مغلوں کی رعایا پروری کا اندازہ ہوتا ہے، اکبر کہا کرتا تھا

کہ ظلم ہر شخص کے لیے ناجائز ہے اور بادشاہ کے لیے خصوصیت کے ساتھ اور بھی ناروا ہے کہ وہ تو دنیا کا محافظ ہوتا ہے، جہانگیر اپنی تزک میں لکھتا ہے کہ:

بہر نگہبانی خلق خدا شب نہ کنم دیدہ بخواب آشنا
از پے آسودگی جملہ تن رنج پسندم بہ تن خویشتن

اورنگزیب نے شاہ جہاں کو اس کی معزولی کے بعد ایک موقع پر لکھا تھا کہ خداوند تعالیٰ اس کو کچھ عطا کرتا ہے، جس میں رعایا کی حالت سدھارنے اور ان کی حفاظت کی صلاحیت ہوتی ہے، حکمرانی کے معنی لوگوں کی نگہ بانی ہے، نہ کہ تن پروری اور عیاشی۔

مغل اپنے اقوال کا ثبوت عمل سے دیتے تھے، ان کا نظام سلطنت نہ صرف مستحکم بلکہ فائدہ مند بھی تھا، حکومت کا استحکام اور اقتدار لوگوں کے حق میں بہت مفید تھا، اسی کی بدولت ایک عرصہ تک ملک میں امن اور اقتصادی خوش حالی رہی۔

مغلوں کا طرز حکومت، اگرچہ مطلق العنان تھا، لیکن اس زمانہ کے لیے یہی طرز حکومت موزوں تھا، حکومت کے لیے عوام کی نمائندہ جماعت کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی تھی، تمام لوگ اس طرز زندگی سے مطمئن تھے، جس کو وہ اپنی خواہش سے اختیار کر لیتے تھے، حکومت کا انحصار بظاہر فوجی قوت پر تھا، لیکن عملاً وہ فیض رساں تھا، رعایا کے ساتھ تمام پرانی چیزیں باقی رہنے دی گئیں، ان کے رسم و رواج کو قائم رکھا گیا، جس سے ملک کو ترقی ہوتی رہی اور لاقانونیت کو روکے رکھا، امن وامان پر زیادہ زور دیا گیا، مغلوں کے شخصی استبداد میں مستعدی اور ہوش مندی تھی اس لئے کامیاب رہا، ازمنہ وسطیٰ میں اصلی خطرہ انارکی یعنی طوائف الملوکی کا پھیلنا تھا، کسی کے ہاتھ میں تمام اقتدار کا مرکوز ہو جانا خطرہ نہیں سمجھا جاتا تھا، ان مغلوں نے ملک میں تخریبی عناصر کو بڑھنے نہیں دیا، قانون کا اقتدار اعلیٰ کامیابی کے ساتھ ہر حال میں برقرار رکھا گیا، گو زیادہ تر بادشاہ کی خواہش کا نام قانون ہوتا ہے لیکن لوگوں نے اس زمانہ کے طرز حکومت کو آسانی سے تسلیم کر لیا تھا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ طرز ان کے سیاسی خیالات ورجحانات کے مطابق تھا، اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مغل مطلق العنان ضرور تھے۔ لیکن اس کے ساتھ بڑے مدبر اور سیاست داں بھی تھے۔

ڈاکٹر پی۔ سرن اور مغل حکومت:

بنارس ہندو یونیورسٹی کے سابق پروفیسر ڈاکٹر پی، سرن ایم اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی نے اپنی مشہور کتاب دی پروونشل گورنمنٹ آف دی موغلو میں مغلوں کے نظام عدل اور پولیس کے انتظامات پر بڑا سیر حاصل تبصرہ کیا ہے، زیر نظر مقالے میں ان کی کتاب کے کچھ حصہ کا پورا اردو ترجمہ یہاں پیش کرتے ہیں، اس سے یہ اندازہ ہوگا کہ مغلوں کے نظام عدل میں کیسی رواداری اور فراخدلی تھی، تب ہی تو ان کی حکومت کی مدت اتنی طویل رہی، اس کتاب کا ۱۹۴۰ء کا اڈیشن راقم کے پیش نظر ہے، اس کے فاضل مصنف نے دیباچہ میں اعتراف کیا ہے کہ انہوں نے جو کچھ لکھا ہے، اس کو حرف آخر نہ سمجھا جائے بلکہ اس موضوع کو اور بھی بہتر طریقے سے پیش کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ پوری محنت کی جائے، پھر بھی اس سلسلہ میں ان کی تحقیقات حاضر خدمت ہیں۔

مغلوں کے زمانہ میں عدل کے عام نظام تین افراد پر خاص طور پر مشتمل تھا، بادشاہ، صدر اور دیوان اعلیٰ، بادشاہ وقت کے بعد

محکمہ عدل وانصاف کا سب سے بڑا عہدہ دار صدر ہوتا تھا اور وہ قاضی القضاۃ کے فرائض بھی ادا کرتا تھا، اس کے فرائض کی ادائیگی میں دیوان اعلیٰ مدد دیا کرتا تھا، مفتی کا ذکر برابر آتا ہے، مگر یہ کوئی سرکاری عہدہ نہ تھا بلکہ وہ غیر سرکاری طور پر فتوے دیا کرتا تھا، صدر کے پاس جب کاموں کی زیادتی ہوتی تھی تو وہ میر عدل کا تقرر کر کے کام کا بار ہلکا کرتا تھا، لشکر کے ساتھ جو قاضی ہوتے تھے، وہ بھی میر عدل کہلاتے تھے۔

حکومت کا نظامِ عدل:

عام طور سے علاقے، صوبے، سرکار اور پرگنوں میں تقسیم تھے، ہر سرکار کے نظم ونسق کے لیے چار عہدہ دار ہوتے تھے، فوجدار، کوتوال، عامل اور قاضی، فوجدار اس کی نگرانی کرتا تھا کہ قانون کی پابندی ہو رہی ہے، امن قائم ہے، سرکاری حکام فرائض صحیح طریقے سے انجام دے رہے ہیں اور کہیں فتنہ فساد کا تو احتمال نہیں ہے، وہ بادشاہ وقت کے تمام احکام کو نافذ کراتا، لیکن اس کا محکمۂ عدل و انصاف سے کوئی تعلق نہ ہوتا تھا، کوتوال کی حیثیت مجسٹریٹ، پولیس کے سربراہ اور بلدیہ کے صدر کی ہوتی تھی، سرکار میں جو جرائم ہوتے، ان کے مقدمات اس کے پاس ہوتے، کوتوال اور قاضی کی عدالتوں کے مقدموں کی تصریح تو نہیں ملتی، لیکن ایسا معلوم ہوتا کہ غیر مذہبی مقدمے کوتوال کے سامنے پیش ہوتے تھے اور مذہبی شرعی معاملات مثلاً نکاح، طلاق، وراثت یا شہری جھگڑے کے مقدمات قاضی کی عدالت میں طے ہوتے، عدل وانصاف کا محکمہ کوتوال اور قاضی دونوں کے ذمہ ہوتا تھا، عامل بھی ان دونوں سے تعاون کرتا تھا، کیونکہ رہزنوں، چوروں اور فسادیوں کو اسی کے ذریعہ سزا ملتی تھی، کوتوال کی کچہری؟ (۱۹۵)

اعترافات:

مسلمانوں کے حسن سلوک کا اعتراف غیر مسلموں کی زبان سے:

مسلمانوں کی اعلیٰ ظرفی اور وسعت قلب وظرف کا کئی خود حقیقت شناس غیر مسلم مورخین نے بڑے فاش اور برملا انداز میں اعتراف کیا ہے، انہوں نے بڑی صفائی اور صداقت کے ساتھ مانا ہے کہ اسلام اور شارع اسلام علیہ الصلوۃ والسلام نے غیر مسلموں اور مسلمانوں میں عملی طور پر کسی قسم کا فرق وامتیاز روا نہیں رکھا ہے نیز تسلیم کیا ہے کہ مسلم ملوک وسلاطین نے اپنے مفتوح غیر مسلموں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ ملاطفت اور حسن سلوک کا مظاہرہ کیا۔

مؤرخ کا اعتراف:

مسٹر ہنری کوپی نے اپنی تاریخ "فتح ہسپانیہ" میں اس برتاؤ کے متعلق جو مسلمان، یہودی اور عیسائیوں سے کیا کرتے تھے، یہ تحریر کیا ہے:

"میں اس سے قبل اس برتاؤ کے متعلق جو یہودی اور عیسائیوں کے ساتھ کیا جاتا تھا، تفصیل کے ساتھ لکھ چکا ہوں۔ از روئے قیاس

اگر دیکھا جائے تو یہ مسئلہ کچھ دشوار نہ تھا لیکن ممالیہ بہ تعصب و عناد مذہبی اس میں بڑی بڑی دشواریاں تھیں باوجود اس کے کہ مسلمان اپنے مذہب کی پابندی میں سخت ہیں اور دیگر مذاہب کو ناقص اور باطل سمجھتے ہیں تو بھی اس برتاؤ کے مقابلے میں جو عیسائی فرقے آخر زمانہ میں ایک دوسرے کے ساتھ روا رکھتے تھے اور نیز اس برتاؤ کے مقابلہ میں جو عیسائیوں نے ہر زمانہ میں یہودیوں کے ساتھ روا رکھا ہے۔ مسلمانوں کا برتاؤ تمام اہل مذاہب سے نہایت مسالحت اور مسالمت کا تھا۔ یہی تو بڑی قوی وجہ تھی کہ مفتوحہ اقوام ان کی اطاعت، سہولت اور آسانی کے ساتھ برداشت کر لیتی تھیں۔ البتہ مرتدوں کو سزائے موت دی جاتی تھی (۱۹۶)۔ جو لوگ مطلوبہ خراج ادا کر دیتے تھے وہ اپنے مذہب میں آزاد تھے۔ یہ مذہبی آزادی اور مسالمت پیغمبر کا ایک فیاضانہ خیال اور نیز سیاسی ضابطہ تھا، یوں دیکھو تو معلوم ہوتا ہے کہ گویا ان کے مذہب کی اصل اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ تمام کفار کو غارت (۱۹۷) کر دیا جائے (۱۹۸)۔

ایک اور اعتراف:

ایک اور فرنگی مورخ صاف اور واشگاف الفاظ میں کہتا ہے:

"ان برائیوں سے اگر قطع نظر کر کے دیکھا جائے جو ایک ایسی فوج کشی کے ساتھ ضرور پیدا ہو جاتی ہیں تو بھی فاتحوں کی پالیسی فیاضانہ تھی۔ جس عیسائیوں نے ملک مفتوحہ میں رہنا پسند کیا، ان کے جان و مال کو پوری پوری حفاظت کی گئی۔ انہیں پورا حق حاصل تھا کہ اپنے طور پر اپنی عبادت کریں، معینہ حدود میں انہیں کے قانون رائج تھے، بعض ملکی اور فوجی عہدوں پر ان کا تقرر کیا گیا ان کی عورتوں کو اجازت تھی کہ وہ فاتحوں کے ساتھ شادی بیاہ کریں، غرض از روئے قانون ان کے ساتھ ایسا کوئی برتاؤ نہیں کیا جاتا تھا جس سے وہ مفتوح یا غلام معلوم ہوں، یہ سچ ہے کہ بعض معاملات میں عیسائی ظلم و ستم کے یا عام شورش کے شکار ہو جاتے تھے۔(۱۹۹)

لیکن بحیثیت مجموعی ان کی حالت ان تمام عیسائیوں سے بہتر تھی (۲۰۰) جو آخر زمانہ میں عیسائی حکومتوں کے تحت تھے اور ہمارے بے کس آباؤ اجداد کی حالت کے مقابلے میں جو نارمن فتح کے بعد کی تھی بہت ہی اچھی تھی (۲۰۱)

ایک اعتراض کا جواب:

امتیازی لباس کے بارے میں جو اعتراض کیا گیا اس کا جواب خود ایک عیسائی اہل قلم نے بہت خوب دیا ہے:

"اڈنبرا ریویو کے ایک مضمون نگار نے وان کریمر کی کتاب خلفائے بغداد پر ریویو کرتے ہوئے لکھا ہے:

بعض نے اس پر بہت کچھ زور دیا کہ عیسائیوں کو ایک خاص قسم کا لباس پہننا پڑتا ہے لیکن یہ کسی ذلت کے خیال سے نہ تھا۔ بلکہ مختلف اہل مذاہب کے امتیاز کے لیے تھا، عیسائیوں کی دماغی سعی بے اثر نہ رہی۔ مسلمان یونانی فلسفہ علم طب اور دیگر دقیق فنون کے لیے ان کے ممنون ہیں اور اسلامی خیالات میں عیسائی مذہب کی وجہ سے بہت کچھ تغیر و تبدل پیدا ہوا۔ نسطورین کیتھولک اور پرنس آف دی کیپ لوئی کو بغداد میں جو وقعت حاصل تھی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان دیگر مذاہب کے سرداروں سے اچھا برتاؤ کرتے تھے۔(۲۰۲)"

قیاس اور عمل:

بعض فقہی مسائل سے یہ قیاس کہ مسلمان غیر مسلموں کے ساتھ ظلم وستم کرتے ہوں گے، عمل کی دنیا میں واقعات ومشاہدات کے بعد باطل ہو جاتا ہے۔ بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے مذہبی اعتبار سے اپنے عہد وزوال میں بھی اپنے ماتحت غیر مسلموں کو کسی شکایت کا موقع نہیں دیا۔

"پروفیسر جے۔ آر ایل پورٹر اپنے لیکچر میں جو انہوں نے بمقام گلاسگو ماہ دسمبر ۱۸۷۶ء میں دیا یہ کہتے ہیں،

"تاریخ ثابت کرتی ہے نیز سلاطین ترکی اور تاریخ ہسپانیہ سے بھی یہ ثابت ہے کہ فقہ اسلامی کی مذہبی بنیاد و قیاس خواہ کیسی ہی سخت کیوں نہ ہو لیکن عملاً وہ کبھی تمام مذاہب میں کامل مسالمت کے راستہ میں حائل نہیں ہوئی جو لوگ ان کے قومی مذہب سے اختلاف رکھتے ہیں، انہیں صرف ایک قسم کا ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے، باقی معاملات میں وہ آزاد ہیں۔ یہ مشہور بات ہے اور کوئی اس سے انکار نہیں کرسکتا کہ مختلف عیسائی اقوام مثلاً ارمنی، یونانی، شامی، ترکی میں ابتدائے سلطنت سے اب تک کامل آزادی کے ساتھ رہتے ہیں۔ اور یہی نہیں بلکہ ہر قوم کو سلطان نے اپنے اپنے دیوان اور مذہبی معاملات کے انتظام کرنے کا حق دے رکھا ہے شہر اور مضافات کی کونسلوں میں بھی ہر فرقہ کا مذہبی وکیل بیٹھتا ہے اور اس کے ساتھ ملکی وکیل بھی رہتا ہے۔ کیا اب ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہاں مذہبی آزادی نہیں؟

ترکی کی تاریخ کا یورپ کی عیسائی اقوام کی تاریخ سے مقابلہ کیجئے ترکی نے کبھی تحقیقات اور مذہب کی عدالتیں قائم کر کے قاعدہ اور ضابطہ نہیں بنایا نہ شرمناک ظلم وستم اور جبر وتعدی کی۔ اس کا دامن اس دھبہ سے پاک رہا ہے ترکی نے کبھی ظالمانہ طور پر ان سے لوگوں کو جو اس کے مذہب سے اختلاف رکھتے تھے جلا وطن نہیں کیا۔ ان غریب بے خانماں یہودیوں کو جنہیں جرمنی، انگلینڈ، فرانس، اسپین نے پے در پے طرح طرح کی ایذائیں اور تکلیفیں پہنچائیں، ترکی ہی نے پناہ دی۔" (۲۰۳)

عیسائی اور مسلمان:

عیسائی اور مسلمانوں کے باہمی سلوک کے بارے میں یہ وقیع شہادت ایک ایسی دستاویز ہے جو ہمیشہ یادگار رہے گی۔

"میں بلا تامل اس امر کا اظہار کرتا ہوں کہ ترکی افسر دولت عثمانیہ کے اس حصہ میں عیسائیوں اور یہودیوں سے نہایت مصالحت کا برتاؤ کرتے تھے اور میں نے کبھی کوئی ایک واقعہ ایسا نہیں سنا جس میں انہوں نے ان سے برا برتاؤ کیا ہو یا لڑائی جھگڑے ہوئے ہوں، درحقیقت جہاں تک میرا تجربہ ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ مسلمان عیسائیوں کے ساتھ معاملہ میں بہت متحمل ہیں۔ حالانکہ عیسائیوں کا معاملہ مسلمانوں سے ایسا نہیں ہے عیسائیوں کو وہی حقوق اور رعایتیں حاصل ہیں، جو ان کے مسلمان بھائیوں کو، اور اگرچہ انصاف بہت مستعدی کے ساتھ نہیں کی جاتا لیکن بے رو رعایت کیا جاتا ہے۔ (۲۰۴)

ایک اور شہادت:

ذیل میں ہم ایک شہادت پیش کرتے ہیں یہ پہلی سے زیادہ وقیع اور یادگار حیثیت کی حامل ہے۔
کپتان سن کلیر اور چارلس بروفی مصنفین TWELVE YEARS STUDY OF THE EASTERN QUESTION (دوازدہ سالہ مطالعہ برائے مسئلہ شرق) میں لکھتے ہیں کہ:

"اگر ترک عیسائی رعایا سے نفرت کرتے ہیں تو اس لیے نہیں کہ وہ عیسائی ہیں کیونکہ اگر وہ کسی مذہب کو اپنے بعد بہتر سمجھتے ہیں تو وہ عیسائی مذہب ہے، بلکہ یہ نفرت ان خصائل و اخلاق کی وجہ سے ہے۔ ایک حساس طبیعت کا شخص ایک سال کا کلیسائے یونانی کے مقتداؤں کے ساتھ رہنے کے بعد انکار نہ کر سکے گا کہ تمام امور میں یہاں تک کہ مذہب میں بھی شرقی کلیسا پیروان اسلام سے بدرجہا کم تر ہے۔"(۲۰۵)

معروف مستشرق ڈاکٹر آرنلڈ (T.W Arnold) لکھتا

"Had attempts been made to convert them by force when they first come under Mohammadan rule , it would not have been possible for Christians to have survived among them up to the times of the Abbasid Caliphs.(206)

"اگر مسلمانوں کے دور اقتدار میں عیسائیوں کو جبراً مسلمان بنانے کی کوششیں کی گئی ہوتیں تو عباسی خلفاء کے زمانے میں عیسائیوں کے لیے زندہ رہ جانا ہرگز ممکن نہ ہوتا۔"

یہی وجہ تھی کہ:

The native christian certainly preferred the rule of the Muhammadan to that of Crusades.(207)

"مقامی عیسائی لوگ صلیبیوں کے بجائے مسلمانوں کے اقتدار میں رہنے کو ترجیح دیتے تھے۔"

واٹ (Watt M.Watt) کے مطابق:

The Christians were probably better off as Dhimmis under Muslim Arab rule than they had been under the Byzantine Greeks.(208)

"عیسائی عوام کو مسلمان حکمرانوں کے ماتحت بطور ذمی رہتے ہوئے یونان کے بازنطینی حکمرانوں کی ماتحتی کی نسبت زیادہ تحفظ اور بہتر زندگی میسر تھی۔"

بقیہ اسلامی دنیا کی طرح اسپین کی عیسائی آبادی پر بھی بقیہ عیسائی دنیا سے تعلقات قائم کرنے پر کوئی پابندی نہیں تھی اور نہ اس بات پر پابندی تھی کہ وہ ان سے مالی معاونت لے کر اپنے لیے چرچ اور عبادت گاہیں قائم کریں بلکہ انہوں نے ملک کی اقتصادی سرگرمیوں میں بہت اہم کردار ادا کیا اور مسلم اسپین اور یورپ کے بقیہ عیسائی ممالک کے ساتھ تجارت بھی کرتے رہے، نویں صدی کے وسط میں Eulogio کے دو بھائیوں Alvaro اور Isidoro نے فرانس کے ساتھ وسیع پیمانے پر تجارت کی۔(۲۰۹)

عیسائیوں کو ملک کی معاشی زندگی میں مرکز و محور کی حیثیت حاصل تھی ان میں تاجر بھی تھے، دست کار بھی اور کسان بھی۔ انہیں ملک کے ہر علاقے میں پیشہ وارانہ حیثیتیں حاصل تھیں۔ عیسائیوں کو بطور سول سرونٹ اور عسکری افسروں کے اس بات کی اجازت تھی کہ وہ ملک کے انتظام و انصرام میں حصہ لیں۔ Eulogio کے چھوٹے بھائی جوزی کو قرطبہ کی حکومت میں ایک اہم منصب حاصل تھا۔(۲۱۰)

مسلمان عیسائیوں پر اتنا زیادہ انحصار کرتے تھے کہ انہیں بیرون ممالک سفیر بنا کر بھیجا جاتا تھا۔ عیسائی مختلف قصبات اور شہروں میں بڑی تعداد میں رہتے تھے اور ان کے گھر مسلمان کے گھروں سے صرف ایک دیوار کے ذریعے ہی الگ کیے ہوئے تھے۔ یعنی ان کے اور مسلمانوں کے گھروں میں صرف ایک دیوار کا فرق تھا۔ ان کے اپنے Tax Collector ہوتے تھے جو ان سے ٹیکس اکٹھا کر کے سرکاری اور ریاستی خزانے میں جمع کرواتے تھے۔ وہ کئی گروپوں میں تقسیم کیے گئے اور ہر گروپ کا ایک سربراہ تھا جو کہ ٹیکس اکٹھا کرنے کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ عیسائیوں کے مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لیے ان کے اپنے جج ہوتے تھے جنہیں Censors یا ''قاضی انصاری'' یا ''قاضی الاعاجم'' کہا جاتا تھا۔ ان کی تقرری Visigothic قوانین کے تحت کی جاتی تھی۔ ان کے اپنے جج ہی ان کی اپیل کی عدالتوں کی صدارت کرتے تھے تاہم انہیں موت کی سزا یا اس طرح کے کیس سننے کی یا عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان مقدمات کی سماعت کی اجازت نہیں تھی۔ خلیفہ کے دربار میں غیر مسلموں کے اپنے نمائندے ہوتے تھے جنہیں ''کاتب الشام'' کہا جاتا تھا اور انہیں قابل احترام اور معزز عیسائی خاندان سے بھرتی کیا جاتا تھا۔(۲۱۱)

مندرجہ بالا جائزے اور اعترافات کی روشنی میں ہم تاریخ اسلام اور اس کے روشن وصف، صلح جوئی، اور وسعت قلب و ظرف پر امن پسندی پر مبنی پر امن بقائے باہمی کے اصول کے تحت کیے جانے والے سیاسی و عسکری معاہدات پر رواداری، انسانیت نوازی، حسن سلوک، وسیع القلبی اور وسیع النظری کے پس منظر میں صلح حدیبیہ کے تاریخ ساز اثرات کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔

اس فصل میں ہم نے عہد نبوی ﷺ سے مغلیہ دور تک کے واقعات و معاہدات پر صلح حدیبیہ کے اثرات کا اندازہ لگانے اور احاطہ کرنے کی کوشش کی، اگر غور کیا جائے تو اسلامی تاریخ عہد مغلیہ پر ہی ختم نہیں ہوتی بلکہ وہ تو آج بھی جاری ہے اور جب تک عالم اسلام یا ایک بھی اسلامی ملک قائم ہے لکھی جاتی رہے گی لہٰذا جدید دنیائے اسلام کے تاریخی معاہدات اور ان پر صلح حدیبیہ کے اثرات کو ہم نے باب پنجم ''صلح حدیبیہ'' اور عہد حاضر کے بین الاقوامی معاہدات کی فصل اول، بیسویں صدی عیسوی کے اہم بین الاقوامی معاہدات اور صلح حدیبیہ۔ تقابلی جائزہ، میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

حواشی و حوالہ جات

(۱) حافظ محمد ثانی، ڈاکٹر/ دورِ نبوی ﷺ کے معاہداتِ امن و صلح اور عہدِ حاضر میں ان کی سیاسی اور دفاعی اہمیت، ماہنامہ تعمیر افکار کراچی، شمارہ نمبر ۱۰، جون ۲۰۰۰ء ص ۲۹۔

(۲) عبدالحئی، پروفیسر/ عصرِ حاضر میں معاہداتِ نبوی ﷺ کی ضرورت و اہمیت، ماہنامہ تعمیر افکار کراچی شمارہ نمبر ۱۵، اکتوبر ۲۰۰۰ء، ص ۳۲۔

(۳) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر/ عہدِ نبوی ﷺ کی سیاستِ خارجہ کا شاہکار، نقوش رسول ﷺ جلد ۱۲، لاہور، ص ۵۵۵

(۴) محمد احمد باشمیل/ صلح حدیبیہ، ص ۔ ۱۳

(۵) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر/ عہدِ نبوی ﷺ میں نظامِ حکمرانی، ص ۹۹

(۶) القرآن الحکیم، سورۃ البقرۃ ۲: ۲۵۶

(۷) القرآن الحکیم، سورۃ ۲۵ الفرقان ۶۰

(۸) i۔ ابوداؤد، السنن، کتاب الخراج، باب فی تعشیر، ۳: ۱۷۰، رقم: ۳۰۵۲

ii۔ ابن ابی حاتم، الجرح والتعدیل، ۲: ۲۱

iii۔ منذری، الترغیب والترہیب، ۴: ۷، رقم: ۴۵۵۸

iv۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۸: ۱۱۵

v۔ عجلونی، کشف الخفاء، ۲: ۱۸۵، رقم: ۲۳۴۱

(۹) i۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۸: ۳۰

ii۔ احمد بن حنبل، المسند، ۵: ۳۲۳

iii۔ ابونعیم، مسند ابی حنیفہ، ۱: ۱۰۴

iv۔ احمد بن حنبل، الامام، ۷: ۳۱۰

v۔ شیبانی، المبسوط، ۲: ۴۸۸

vi۔ ابن رشد، بدایۃ المجتہد، ۲: ۲۹۴

vii۔ ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱: ۳۲۱

viii۔ زیلعی، نصب الرایۃ، ۴: ۳۳۶

ix۔ مبارک پوری، تحفۃ الاحوذی، ۴: ۵۵۶

(۱۰) i۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجزیۃ، باب اثم من قتل، ۳: ۱۱۵۴، رقم: ۲۹۹۵

ii۔ ابن ماجہ، السنن، کتاب الدیات، باب من قتل معاہدا، ۲: ۸۹۶، رقم: ۲۶۸۶

iii۔ ربیع، المسند، ۱: ۳۶۷، رقم: ۹۵۶

iv۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۸: ۱۳۳

v۔ منذری، الترغیب والترہیب، ۳: ۲۰۴، رقم: ۳۶۹۳

vi۔ صنعانی، سبل السلام، ۴: ۶۹

vii۔ شوکانی، نیل الاوطار، ۷: ۱۵۵

(۱۱) i۔ بیہقی، شعب الایمان، ۶: ۵۱۸، رقم: ۹۱۱۵

ii۔ صیداوی، معجم الشیوخ، ۱: ۹۷

iii۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ، ۲: ۳۶

(۱۲) i۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱: ۳۵۷

ii۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۴: ۲

iii۔ ابن قیم، زاد المعاد، ۳: ۶۲۹

(۱۳) i۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۸: ۹

ii۔ ابن عبد البر، الاستیعاب، ۲: ۵۹۷

iii۔ حلبی، انسان العیون، ۳: ۲۳

iv۔ خزاعی، تخریج الدلالات السمعیۃ، ۱: ۳۲۵

(۱۴) i۔ سیوطی، الجامع الصغیر، ۱: ۲۲۰، رقم: ۳۶۸

ii۔ عسقلانی، فتح الباری، ۸: ۱۸

iii۔ مناوی، فیض القدیر، ۵: ۱۷

(۱۵) i۔ مسلم، الصحیح، کتاب الجہاد، باب فتح مکۃ، ۳: ۱۴۰۶، رقم: ۱۷۸۰

ii۔ ابو داود، السنن، کتاب الخراج، باب ما جاء فی خبر مکۃ، ۳: ۱۶۲، رقم: ۳۰۲۱

iii۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۷: ۳۹۸، رقم: ۳۶۹۰۰

iv۔ عبد الرزاق، المصنف، ۵: ۳۷۶

v۔ دار قطنی، السنن، ۳: ۶۰، رقم: ۲۳۳

vi۔ ابو عوانہ، المسند، ۴: ۲۹۰

vii۔ بزار، المسند، ۴: ۱۲۲، رقم: ۱۲۹۲

viii۔ طحاوی، شرح معانی الآثار، ۳: ۳۲۱

ix۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۶: ۳۴، رقم: ۱۰۹۶۱

(۱۵ب) زیلعی، نصب الرایۃ، ۳: ۳۳۶

(۱۶) ابو یوسف، کتاب الخراج: ۱۸۷

(۱۷) i۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۸: ۳۰

i شافعی، المسند، ۱: ۳۲۳

ii۔ مبارک پوری، تحفۃ الاحوذی، ۴: ۵۵۷

iii۔ زیلعی، نصب الرایۃ، ۳: ۳۳۶

iv۔ ابو نعیم، مسند ابی حنیفۃ، ۱: ۱۰۴

v۔ ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱: ۳۶۹

vi۔ شیبانی، المبسوط، ۴: ۴۸۸

vii۔ شافعی، الام، ۷: ۳۲۰

viii۔ ابن رشد، بدایۃ المجتہد، ۲: ۳۹۹

(۱۸) دارقطنی، السنن، ۳: ۱۳۳
i۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۸: ۳۰
ii۔ عسقلانی، ۲: ۲۶۳، رقم: ۱۰۰۹
iii۔ صنعانی، سبل السلام، ۳: ۲۲۵
iv۔ شوکانی، نیل الاوطار، ۷: ۱۵۳
v۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۸: ۳۳
vi۔ ابو یوسف، کتاب الخراج: ۱۸۷
vii۔ شافعی، المسند: ۳۲۳
viii۔ شافعی، الام، ۷: ۳۲۱
ix۔ شیبانی، الحجۃ، ۴: ۳۵۵
x۔ زیلعی، نصب الرایۃ، ۴: ۳۶۳
xii۔ عسقلانی، الدرایۃ، ۲: ۲۶۳
xiii۔ شوکانی، نیل الاوطار، ۷: ۱۵۳
(۲۰) شیبانی، الحجۃ، ۴: ۳۳۹
i۔ شافعی، الام، ۷: ۳۳۰
(۲۱) شیبانی، الحجۃ، ۴: ۳۲۲
i۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۵: ۴۰۷، رقم: ۲۷۳۳۹
ii۔ عبدالرزاق، المصنف، ۱۰: ۹۵، ۹۷، ۹۹
iii۔ ابن رشد، بدایۃ المجتہد، ۲: ۳۱۰
iv۔ صنعانی، سبل السلام، ۳: ۲۵۱
v۔ زیلعی، نصب الرایۃ، ۳: ۳۶۸
vi۔ عسقلانی، الدرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ، ۲: ۲۶۲
(۲۲) حصکفی، در المختار، ۲: ۲۲۳
i۔ ابن عابدین شامی، رد المحتار، ۳: ۲۲۳
(۲۳) حسام الدین، کنز العمال، ۲: ۲۵۵
i۔ اسماعیل محمد میتا، مبادی اسلام و تمہید: ۲۷
(۲۴) بیہقی، السنن الکبریٰ، ۸: ۳۲
i۔ شافعی، الام، ۷: ۳۲۱
ii۔ شیبانی، الحجۃ، ۴: ۳۲۵
iii۔ زیلعی، نصب الرایۃ، ۳: ۳۳۷
(۲۵) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۵: ۲۷
i۔ عسقلانی، الدرایۃ، ۲: ۲۶۳
(۲۶) شافعی، المسند، ۱: ۳۲۴
(۲۷) شیبانی، الحجۃ، ۴: ۳۵۱

i- شافعی، الام، ۷:۳۲۱

(۲۸) ابو یوسف کتاب الخراج: ۱۰۸، ۱۰۹

(۲۹) ابن قدامہ المغنی، ۹:۲۸۹

(۳۰) حصکفی، الدر المختار، ۲:۲۲۳

i- ابن عابدین شامی، رد المختار، ۳:۲۷۳

(۳۱) حصکفی، الدر المختار، ۲:۲۲۳

i- ابن عابدین شامی، الدر المختار، ۳:۲۷۳-۲۷۴

(۳۲) القرآن، النور، ۲۴:۲۷، ۲۸

(۳۳) ابن قدامہ المغنی، ۹:۲۸۹

(۳۴) القرآن، النحل، ۱۶:۱۲۵

(۳۵) القرآن، البقرہ، ۲:۲۵۶

(۳۶) ابن سعد، الطبقات الکبری، ۱:۲۲۸، ۳۵۸

i- ابو یوسف، کتاب الخراج ۷۸

(۳۷) کاسانی، بدائع الصنائع، ۷:۱۱۳

(۳۸) ابن ابی شیبہ المصنف، ۶:۴۷۶، رقم: ۳۲۹۸۳

i- بیہقی، السنن الکبری، ۹:۲۰۲

ii- ابن قدامہ المغنی، ۹:۲۸۳

iii- رزقی، احکام اہل الذمہ، ۲:۱۱۸۱، ۱۱۹۵، ۱۲۲۳

iv- ابن ضویان، منار السبیل، ۱:۲۸۳

(۳۹) شیبانی، السیر الصغیر: ۳۸

(۴۰) شیبانی، السیر الصغیر: ۴۱

(۴۱) شیبانی، السیر الصغیر: ۴۳

(۴۲) جصاص، احکام القرآن، ۳:۸۹

i- جصاص، الفصول فی الاصول، ۲:۴۷

(۴۳) جصاص، احکام القرآن، ۳:۸۹

(۴۴) علاء الدین حصکفی، الدر المختار، ۲:۲۲۳

i- ابن عابدین شامی، رد المختار، ۳:۲۷۳

(۴۵) کاسانی، بدائع الصنائع، ۷:۱۱۳

(۴۶) ابو عبید، کتاب الاموال: ۱۹۹۳

i- زیلعی، نصب الرایہ، ۳:۳۹۸

ii- سیواسی، شرح فتح القدیر، ۶:۳۶۷

iii- عسقلانی، الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ، ۱:۳۲۶

(۴۷) ابو عبید، کتاب الاموال، ۱۹۹۳

(۴۸) ابو عبید، کتاب الاموال: ۱۹۹۴

(۴۹) ابو یوسف، کتاب الخراج: ۱۵۵
i- محمد حمید اللہ، الوثائق السیاسیہ: ۳۱۷، وثیقہ: ۲۹۱
(۵۰) محمد حسین ہیکل، الفاروق عمر، ۲: ۲۰۳
(۵۱) القرآن الحکیم، سورۃ النجم، ۳۹
(۵۲) محمد حسین ہیکل، الفاروق عمر، ۲: ۲۰۳
(۵۳) القرآن الحکیم سورۃ النساء، ۴: ۹۲
(۵۴) عبد الرزاق، المصنف، ۱۰: ۹۷، ۹۸
i- ابن رشد، بدایۃ المجتہد، ۲: ۳۱۰
(۵۵) ابو یوسف، کتاب الخراج: ۱۵۵
(۵۶) ابو یوسف، کتاب الخراج: ۱۵۰
(۵۷) بلاذری، فتوح البلدان: ۱۵۰
(۵۸) بلاذری، فتوح البلدان: ۱۸۰
(۵۹) بلاذری، فتوح البلدان: ۱۸۶
(۶۰) سیواسی، شرح فتح القدیر، ۴: ۳۷۴
i- سرخسی، المبسوط، ۵: ۳۹
(۶۱) القرآن الحکیم، سورۃ الممتحنہ، ۶۰: ۸
(۶۲) کاسانی، بدائع الصنائع، ۷: ۱۱۱
i- شربینی، مغنی المحتاج، ۴: ۲۳۳
ii- منصور بن یونس، کشاف القناع، ۳: ۹۳
iii- زحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ۶: ۳۲۶
(۶۳) عبد الرزاق، المصنف، ۱۰: ۲۲۲، رقم: ۱۹۲۷۳
i- عبد الرزاق، المصنف، ۱۰: ۸۵، رقم: ۱۸۴۰۰
ii- ابن ابی شیبہ، المصنف، ۶: ۴۱۸، ۴۲۹، رقم: ۳۲۳۳۶، ۳۲۳۴۰
iii- بیہقی، السنن الکبری، ۹: ۱۹۵، ۱۹۸
iv- ابن حزم، المحلی، ۷: ۳۴۷
v- ابن قدامہ، المغنی، ۸: ۴۷۶، ۵۰۷
vi- عسقلانی، تلخیص الحبیر، ۲: ۳۳۲
(۶۴) ابن قدامہ، المغنی، ۸: ۵۰۹
i- ابو یوسف، کتاب الخراج: ۱۵۰
(۶۵) بیہقی، السنن الکبری، ۹: ۲۰۶
(۶۶) ابن قدامہ، المغنی، ۹: ۲۹۱
(۶۷) ابو یوسف، کتاب الخراج: ۱۴۷
(۶۸) ابو یوسف، کتاب الخراج: ۱۵۳
(۶۹) امام ابو یوسف، کتاب الخراج: ۱۳۵

(۷۰) مسلم، الصحیح، کتاب البر، باب الوعید الشدید، ۴: ۲۰۱۸، رقم: ۲۶۱۳

i۔ ابو داؤد، السنن، کتاب الخراج، باب فی التشدید، ۳: ۱۰۶، رقم: ۳۰۴۵

ii۔ نسائی، السنن الکبری، ۵: ۲۳۶، رقم: ۸۷۷۱

iii۔ احمد بن حنبل، المسند، ۳: ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۶۸

iv۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۲: ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۹، رقم: ۵۶۱۲، ۵۶۱۳

v۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۲: ۱۷۱، رقم: ۴۴۱

vi۔ بیہقی، السنن الکبری، ۹: ۲۰۵

vii۔ ہیثمی، موارد الظمآن: ۳۷۷، رقم: ۱۵۶۷

(۷۱) ابو یوسف، کتاب الخراج: ۱۳۳

(۷۲) محمد حمید اللہ، الوثائق السیاسیۃ: ۲۹۷، وثیقہ: ۳۴۱

i۔ ابو یوسف، کتاب الخراج: ۱۵۵

(۷۳) ابو یوسف، کتاب الخراج: ۱۳۳

(۷۴) ۔ ابو یوسف، کتاب الخراج: ۱۵۰

i۔ بلاذری، فتوح البلدان: ۱۶۱

(۷۵) کاسانی، بدائع الصنائع، ۷: ۱۱۲

(۷۶) کاسانی، بدائع الصنائع، ۷: ۱۱۳

(۷۷) القرآن الحکیم سورۃ البقرۃ، ۲: ۲۵۶

(۷۸) القرآن الحکیم سورۃ المائدۃ، ع ۔ ۶

(۷۹) القرآن الحکیم سورۃ البقرۃ، ع ۔ ۳۳

(۸۰) القرآن الحکیم سورۃ التوبۃ، ع ۔ ۱

(۸۱) القرآن الحکیم سورۃ التوبۃ، ع ۔ ۱

(۸۲) سیرۃ النبیؐ، جلد اول

(۸۳) فتوح البلدان بلاذری مطبوعہ مصر، ص ۲۷، و دیز رحمت شائع کردہ دار المصنفین، ص ۲۲۸ ۔ ۲۲۷

(۸۴) کتاب الخراج، ص ۵۴

(۸۵) طبری، ج ۵، ص ۲۴۰۵

(۸۶) طبری جلد ۵، ص ۲۶۸۵

(۸۷) امام ابو یوسف، کتاب الخراج، مصر، ص ۸۴

(۸۸) العقد الفرید، جلد ۱، ص ۳۰۶، و دیز رحمت، ص ۱۵۰

(۸۹) سنن بیہقی، ج ۲، ص ۳۴، و دیز رحمت، ص ۲۳۶

(۹۰) المامون

(۹۱) شبلی نعمانی، علامہ، مقالات شبلی، جلد ۶، ص ۳

(۹۲) مقالات شبلی، ص ۵

(۹۳) ایضاً ص ۵

(۹۴) مقالات شبلی، جلد ۶، ص ۷ ۔ ۶

(۹۵) فتح نامہ حیدرآباد ایڈیشن، ص ۹۹۔۹۸

(۹۶) ایضاً ص ۱۰۱

(۹۷) ایضاً ص ۱۲۶

(۹۸) ایضاً ص ۱۲۹۔۱۲۸

(۹۹ الف) ایضاً ص ۱۰۸۔۱۰۹

(۹۹ ب) ایضاً ص ۱۱۷۔۱۱۸

(۱۰۰) ایضاً ص ۱۱۹۔۱۲۰

(۱۰۱) ایضاً ص ۱۲۳۔۱۲۲

(۱۰۲) ایضاً ص ۱۳۶۔۱۳۵

(۱۰۳) فتح نامہ ص ۱۵۲۔۱۵۱

(۱۰۴) تاریخ ہندوستان، جلد ۱، ص ۳۳۵

(۱۰۵) ایضاً جلد ۳، ص ۲۵۲

(۱۰۶) ہسٹری آف میڈیول انڈیا، ص ۵۶۔۵۵

(۱۰۷) ہسٹری آف جہانگیر، ص ۸۹۔۸۸

(۱۰۸) ابن اثیر جلد ۲، ص ۲۰/ تاریخ اسلام از معین الدین احمد ندوی، جلد ۳، ص ۱۷۔۱۷/ امیر علی
ہسٹری آف سراسینز، ص ۲۳۳

(۱۰۹) ابن اثیر، جلد ۶، ص ۶۰۔۶۱/ تاریخ اسلام جلد ۳، از شاہ معین الدین احمد ندوی، ص ۱۰۵۔۱۰۳
امیر علی، ہسٹری آف سراسینز، ص ۵۱۔۲۳۶

(۱۱۰) انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، گیارہواں ایڈیشن، عنوان شارلیمین، ہسٹری آف سریسنز آف سید امیر علی، ص ۲۷۸، مقالات شبلی جلد ۶، ص ۳۲۸۔۳۲۷

(۱۱۱) کتاب الخراج میں یہ علیحدہ علیحدہ لکھے ہوئے ہیں جن کو تاریخ اسلام جلد ۳، ص ۱۳۱،۱۲۹ شائع کردہ دارالمصنفین میں اور زیادہ تفصیل سے جمع کر دیا گیا ہے۔

(۱۱۲) ہسٹورینز ہسٹری آف دی ورلڈ جلد ۸، ص ۲۱۰

(۱۱۳) مولانا شبلی نعمانی، المامون، ص ۱۵۳

(۱۱۴) مروج الذہب مسعودی، بحوالہ المامون از مولانا شبلی نعمانی، ص ۱۱۹۔۱۱۸

(۱۱۵) تفصیل کے لیے دیکھیے: ابن کثیر جلد ۲، ص ۱۱۰، المامون از مولانا شبلی نعمانی، ص ۱۲۱،۱۱۹
تاریخ اسلام حصہ سوم از شاہ معین الدین احمد ندوی، ص ۱۱۶، امیر علی، ص ۲۷۳۔۲۷۲

(۱۱۶) تفصیل کے لیے دیکھیے: ابن اثیر جلد ۶، ص ۱۶۶۔۱۶۲، تاریخ اسلام از جناب شاہ معین الدین احمد ندوی، حصہ سوم، ص ۲۰۲۔۱۸۹

(۱۱۷) ابن کثیر جلد ۲، ص ۶، تاریخ اسلام حصہ سوم، از جناب شاہ معین الدین ندوی، ص ۲۰۳،۲۰۲، امیر علی، ص ۲۷۵۔۲۷۲

(۱۱۸) سید سلیمان، تمدن عرب

(۱۱۹) مولانا شبلی، المامون، ص ۱۵۸

(۱۲۰) المامون، ص ۱۵۹۔۱۵۸

(۱۲۱) المامون، ص ۱۶۲

(۱۲۲) المامون، ص ۱۳۳

(۱۲۳) المامون، ص ۲۱۰

(۱۲۴) المامون، ص ۱۹۳

(۱۲۵) ہسٹورین ہسٹری آف دی ورلڈ جلد دوم، ص ۵۶۔۲۵۵

(۱۲۶) اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۱، ص ۱۶۱

(۱۲۷) ایڈورڈ گبن، جلد ۶، ص ۵۰۔۳۹۹

(۱۲۸) صلاح الدین از اسٹینلی لین پول، اردو ترجمہ از عنایت اللہ دہلوی، ص ۳۰۲

(۱۲۹) ایضاً ص ۳۰۰

(۱۳۰) ایضاً ص ۳۰۱

(۱۳۱) ایضاً ص ۳۰۲

(۱۳۲) ایضاً ص ۳۰۳

(۱۳۳) ایضاً ص ۳۰۳

(۱۳۴) ایضاً ص ۳۰۴

(۱۳۵) ایضاً ص ۳۰۴

(۱۳۶) سلطان صلاح الدین از اسٹینلی لین پول، اردو ترجمہ از مولوی محمد عنایت اللہ دہلوی، ص ۳۰۵۔۱۹۹

(۱۳۷) ایضاً ص ۱۲۔۳۱۳

(۱۳۸) ایضاً ص ۵۔۳۰۴

(۱۳۹) اسٹینلی لین پول، ترکی، ۱۸۸۸ء ایڈیشن ص ۳۳۔۳۲

(۱۴۰) لارڈ ایورسلے، دی ٹرکش امپائر، ۱۹۲۳ء ایڈیشن، ص ۱۷۔۱۶

(۱۴۱) ایضاً ص ۱۷

(۱۴۲) ایضاً ص ۱۹

(۱۴۳) ایڈورڈ کریسی، دی اوٹومن ٹرکس ۱۸۵۸ء ایڈیشن، ص ۱۸۔۱۷

(۱۴۴) اسٹینلی پول، ترکی، ص ۲۵

(۱۴۵) لارڈ ایورسلے، دی ٹرکش امپائر، ص ۲۲

(۱۴۶) اسٹینلی لین پول، ترکی، ص ۲۶۔۲۷

(۱۴۷) کریسی جلد اول، ص ۲۹

(۱۴۸) لارڈ ایورسلے، دی ٹرکش امپائر، ۱۹۲۳ء ایڈیشن، ص ۲۹۔۲۶

(۱۴۹) مزید تفصیلات / لارڈ ایڈورڈ کریسی کی کتاب دی اوٹومن ٹرکس باب سوم اور اسٹینلی لین پول ٹرکی کے باب سوم میں اور لارڈ ایورسلے کی ٹرکش امپائر باب سوم میں ملیں گے۔

(۱۵۰) لارڈ ایورسلے، ٹرکش امپائر، ص ۳۳، لین پول، ترکی، ص ۳۶

(۱۵۱) ہربرٹ گبنس، تاریخ دولت عثمانیہ، جلد اول، دار المصنفین اعظم گڑھ، ص ۵۳

(۱۵۲) ایورسلے، ص ۸۸، تاریخ دولت عثمانیہ جلد اول، ص ۸۰

(۱۵۳) ٹی ڈبلیو آرنلڈ، پریچنگ آف اسلام، ص ۱۲۷

(۱۵۴) لارڈ ایورسلے، ٹرکش امپائر، ص ۸۹

(۱۵۵) تاریخ دولت عثمانیہ، شائع کردہ دار المصنفین جلد اول، ص ۱۵۸، ترکی از اسٹینلی لین پول جلد اول، ص ۱۶۴۔۱۵۲

(۱۵۶) محمد عزیر، دولت عثمانیہ، جلد اول، معارف پریس اعظم گڑھ، ۱۹۵۸ء، ص ۱۸۳

(۱۵۷) ایضاً جلد ۱، ص ۲۳۰

(۱۵۸) لارسا ایچ سلے، دولت عثمانیہ، ص ۱۳۶

(۱۵۹) محمد عزیر، ڈاکٹر، دولت عثمانیہ، ص ۲۲۷/ ایڈورڈ کریسی، ہسٹری آف عثمانلی ترکس، جلد اول، ص ۱۵۸، ۲۳۶/ اسٹینلی لین پول، ص ۲۰۹، ایچ سلے، ص ۱۳۲

(۱۶۰) کریسی، جلد اول، ص ۸۸۔۸۳، ایچ سلے، ص ۱۵۸

(۱۶۱) کریسی، جلد ۲، ص ۵۔۱، ۸۹، ایچ سلے، ص ۱۹۔۱۸۲، تاریخ دولت عثمانیہ، جلد اول، ص ۱۲۵، ۲۱۶

(۱۶۲) کریسی، جلد ۲، ص ۱۵۶۔۱۰۷، ایچ سلے، ص ۲۰۲۔۱۹۱، تاریخ دولت عثمانیہ، جلد ۱، ص ۳۱۔۳۲۴

(۱۶۳) کریسی، جلد ۲، ص ۱۸۱۔۱۸۰

(۱۶۴) کریسی، جلد ۲، ص ۲۰۶، ۲۹۰، ایچ سلے، ص ۲۱۰۔۲۰۲، تاریخ دولت عثمانیہ، جلد اول، ص ۳۳۲۔۳۶۳

(۱۶۵) کریسی، جلد اول، ص ۵۳۔۲۰۸، ایچ سلے، ص ۲۱۹۔۲۲۰، تاریخ عثمانیہ، جلد اول، ص ۳۹۲۔۳۶۳

(۱۶۶) کریسی، جلد ۲، ص ۳۔۲۹۲، ایچ سلے، ص ۲۲۸، ۲۲۹، دولت عثمانیہ، جلد اول، ص ۳۶۵۔۳۶۷

(۱۶۷) ایضاً، جلد ۲، ص ۲۵۵

(۱۶۸) ایچ سلے، ص ۲۳۱

(۱۶۹) ہسٹورین ہسٹری آف دی ورلڈ، جلد ۲۴، ص ۳۶۷، دولت عثمانیہ، جلد اول، ص ۶۲، ۳۶۱

(۱۷۰) کریسی، جلد ۲، ص ۳۳۰، ۲۹۵، ایچ سلے، ص ۲۵۲۔۲۲۸، تاریخ دولت عثمانیہ، جلد اول، ص ۸۲، ۳۷۶

(۱۷۱) ایچ سلے، ص ۲۵۳

(۱۷۲) ایسٹرن کوئیسچن از میریٹ، ص ۱۹۸، تاریخ دولت عثمانیہ، جلد ۲، ص ۱۵

(۱۷۳) جارج فنلے، تاریخ یونان، جلد ۵، ص ۸۹۔۱۲۸، جلد ۶، ص ۸۔۱۸، تاریخ دولت عثمانیہ جلد ۲، ص ۲۰، ۱۹

(۱۷۴) دی وار آف گریک انڈی پنڈنس از ایلیسن فلپس ۱۸۹۷ء ایڈیشن، تاریخ دولت عثمانیہ، جلد ۲، ص ۳۳

(۱۷۵) لارا ایچ سلے، ص ۲۶۲

(۱۷۶) جارج فنلے، تاریخ یونان، جلد ۶، ص ۲۱۵، تاریخ دولت عثمانیہ، جلد ۲، ص ۳۳

(۱۷۷) ایضاً، ص ۲۱۹، تاریخ دولت عثمانیہ، جلد ۲، ص ۳۳

(۱۷۸) جارج فنلے، تاریخ یونان، جلد ۶، ص ۳۳۴، تاریخ دولت عثمانیہ، جلد ۲، ص ۳۹

(۱۷۹) ایڈورڈ کریسی، جلد ۲، ص ۳۰۔۳۱۴، ایچ سلے، ص ۵۲۵۔۲۵۵

(۱۸۰) لاوڈن کمز، اردو ترجمہ ۲۲، تاریخ دولت عثمانیہ، جلد ۲، ص ۷۸

(۱۸۱) ایڈورڈ کریسی، جلد ۲، ص ۳۵۰

(۱۸۲) ایڈورڈ کریسی، جلد ۲، ص ۶۰۔۳۵۷، ایچ سلے، ص ۳۶۵، ۳۷۷، تاریخ دولت عثمانیہ، جلد ۲، ص ۹۱۔۸۱

(۱۸۳) لاوڈن کمز، تاریخ دولت عثمانیہ، اردو ترجمہ، جلد اول، ص ۵۰۶، ص ۱۰۷۔۱۰۶

(۱۸۴) تاریخ دولت عثمانیہ، جلد ۲، ص ۱۰۷

(۱۸۵) ترکش امپائر، ص ۳۱۳

(۱۸۶) مختصر تاریخ ہند، مترجمہ محمد یوسف کوکن، ص ۱۹، ۲۱۸

(۱۸۷) تاراچند، ڈاکٹر، ہندوستانی کلچر پر اسلام کے اثرات، ص ۱۲۷۔۱۳۶

(۱۸۸) شری رام شرما، پروفیسر، کریسنٹ ان انڈیا، ص ۱۹۰۔۱۸۹

(۱۸۹) کے ایم پنیکر، اے سروے آف انڈین ہسٹری، ص ۱۲۹، ۱۳۰

(۱۹۰) ایشوری پرشاد، ڈاکٹر، ہسٹری آف قرونہ ترکس، ص ۳۰۲

(۱۹۱) ایشوری ٹوپا، ڈاکٹر، پولیٹکس ان پری مغل ٹائمز، ص ۳۲۳۔۳۲۸

(۱۹۲) اے سی چٹرجی، اے شارٹ ہسٹری آف انڈیا

(۱۹۳) اتول چندر چٹرجی، اے سی چٹرجی، اے شارٹ ہسٹری

(۱۹۴) رام پرشاد کھوسلا، پروفیسر مغل کنگ شپ اینڈ نوبلٹی، انڈین پریس الہ آباد ۱۹۳۴ء

(۱۹۵) پی سرن، پروفیسر، دی پروونشل گورنمنٹ آف دی مغلز، ۱۹۴۱ء، ایڈیشن

(۱۹۶) واضح رہے کہ اسلام میں قتل مرتد جائز نہیں ہے بشرطیکہ وہ باغی اور طاغی نہ ہو، ہنری کوپی صاحب اس بارے میں اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں جو ان کے اہل مذہب مسلسل پیدا کرتے چلے آرہے ہیں۔

(۱۹۷) ہنری کوپی صاحب کا یہ خیال بھی غلط ہے جس مذہب کی اصل تمام کفار کو غارت کر دینے کی اجازت دیتی ہو، وہ روادار کیسے ہوسکتا ہے اور روادار بھی ایسا کہ جس جگہ گیا ہو، وہاں رواداری کا ریکارڈ قائم کر دیا ہو، جس کا اعتراف خود ہنری کوپی صاحب بھی فرما رہے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جن کافروں کو غارت کرنے کی اجازت دی گئی ہے وہ وہی ہیں جو خود بھی مسلمانوں کو غارت کرنے پر تل گئے ہوں اور کسی طرح صلح و سلام کی زندگی بسر کرنے پر آمادہ نہ ہوں۔

(۱۹۸) ہنری کوپی، تاریخ فتح ہسپانیہ اہل عرب مع کا ماحصل تمدن جو انھوں نے یورپ کو بخشی، جلد ۲، مطبوعہ لندن ۱۸۸۱ء، ص ۳۲۷

(۱۹۹) بعض اوقات "جس طرح عیسائی ظلم و ستم یا عام شورش کا شکار ہو جاتے ہیں" اسی طرح خود مسلمانوں کے عہد حکومت میں بعض اوقات مسلمان بھی ظلم و ستم یا عام شورش کے شکار ہو جاتے تھے" لہٰذا یہ کوئی قابل ذکر شکایت نہیں۔

(۲۰۰) اصل چیز یہی ہے اور اس پر غور کرنا چاہیے۔

(۲۰۱) تاریخ اسپین

(۲۰۲) اڈنبرگ ریویو EDINBURG REVIEW نمبر (۳۶۸) بابت ماہ اپریل ۱۸۸۲ء مضمون نمبر ۳ تمدن اہل مشرق زیر حکومت ملاحظہ ہو صفحہ ۳۵۱، ۳۵۲، ولن اے کریمر مطبوعہ وانا ۱۸۷۵ء

(۲۰۳) یہ فقرہ جے، آر ایل پاورڈ کے لیکچر سے اقتباس ہے جو انھوں نے ۱۸۷۶ء ماہ دسمبر میں بمقام گلاسگو میں دیا۔

(۲۰۴) The Army Man Compaign by charles williem, Paris. p-10

(۲۰۵) کپتان سن کلیر اور چارلس بروفی مصنفین Twenty Years Study of the Eastion question (بیس سالہ مطالعہ برائے مسئلہ مشرق)

(۲۰۶) Dr. T.W Arnald, The Praching of Islam, P.50

(۲۰۷) Dr. T.W Arnald, The Praching of Islam, P.96

(۲۰۸) Watt.M. Watt, Islamic Political Thought, P-51

(۲۰۹) Levi.Provercal E, de Histoire de L,Espagne Musulmane, p-35

(۲۱۰) F.J. Simonet, Historia de los Mozarabes, de Espana, p-383-4

(ii) Hole, Edwyn, Andalas: Spain under the Muslims, p.49

(۲۱۱) Dozy, Spanish Iskam, p-272

باب سوم

﴿فصل پنجم﴾

صلح حدیبیہ اور فتح مکہ پر اس کا اثر:

حدیبیہ میں قریش اور رسول اللہ ﷺ کے مابین جو معاہدہ ہوا تھا اس میں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ قبائل جس کے عہد و پیمان میں چاہیں داخل ہو جائیں اور جو قبیلہ جس فریق کے ساتھ شامل ہوگا وہ اس فریق کا ایک حصہ سمجھا جائے گا لہٰذا ایسا کوئی قبیلہ اگر کسی سے زیادتی یا حملے کا شکار ہوگا تو یہ خود اس فریق پر حملہ اور زیادتی سمجھی جائے گی جس فریق کے عہد و پیمان میں وہ داخل ہوگا۔ چنانچہ بنو بکر قریش کے عہد و پیمان میں داخل ہو گئے اور بنو خزاعہ رسول اللہ ﷺ کے عہد و پیمان میں۔ ان دونوں قبائل میں عہد جاہلیت سے ہی عداوت اور کشاکش چلی آ رہی تھی، کیوں کہ مالک بن عباد حضرمی ایک دفعہ مال تجارت لے کر بنو خزاعہ کے علاقے کے اندر داخل ہوا۔ خزاعہ کے لوگوں نے اس کا تمام مال لوٹ کر اس کو قتل کر دیا۔ بنو بکر نے موقع پا کر حضرمی کے بدلہ میں بنو خزاعہ کے ایک شخص کو قتل کر ڈالا۔ اس کے جواب میں بنو خزاعہ نے اپنے ایک آدمی کے بدلہ میں بنو بکر کے تین سرداروں ذویب، سلمی اور کلثوم کو میدان عرفات میں حدود حرم کے قریب موت کے گھاٹ اتار دیا۔

حدیبیہ میں جب قریش اور مسلمانوں کے درمیان دس سال کے لیے صلح کا معاہدہ ہو گیا اور فریقین ایک دوسرے سے مطمئن ہو گئے تو بنو بکر نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر اپنا پرانا بدلہ چکانے کا عزم کر لیا ان کی پرانی رقابتیں ابھر آئیں چونکہ اس مرتبہ بنو بکر کی باری تھی کہ وہ اپنے تین مقتولین کا بدلہ لیں جو سالہا سال سے واجب چلا آ رہا تھا(۱)۔ چنانچہ بنو بکر میں نوفل بن معاویہ دیلی نے ایک جماعت کے ساتھ سن ۸ ہجری میں بنو خزاعہ پر رات کی تاریکی میں حملہ کر دیا۔ اس وقت بنو خزاعہ کے لوگ وتیرہ نامی ایک چشمہ پر سو رہے تھے۔ اس حملہ میں بنو خزاعہ کے ۳۰ آدمی مارے گئے۔ قریش میں سے صفوان بن امیہ، شیبہ بن عثمان، سہیل بن عمرو، حویطب بن عبدالعزیٰ اور مکرز بن حفص (۲) نے پوشیدہ طور پر ہتھیاروں سے بنو بکر کی مدد کی بلکہ رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھا کر قریش کے کچھ آدمی بھی اس حملہ میں شریک ہو گئے۔ بنو خزاعہ نے بھاگ کر حرم میں پناہ لی مگر ان کو وہاں بھی قتل سے پناہ نہ ملی۔ (۳)

بنو خزاعہ کے آدمی مکہ میں بدیل بن ورقاء خزاعی کے مکان میں گھس گئے لیکن بنو بکر اور قریش کے رؤسا نے گھروں میں گھس کر انہیں مارا اور ان کا مال و اسباب لوٹ لیا۔ وہ لوگ یہ سمجھتے رہے کہ مکہ کا اور حرم کا معاملہ ہے رسول اللہ ﷺ یہاں سے کافی دور ہیں، ان کو اس واقعہ کی اطلاع نہ ہوگی، لیکن جب صبح ہوئی تو قریش کو اس جرم پر ندامت ہوئی وہ سمجھ گئے کہ ہم نے عہد شکنی کی ہے جو معاہدہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیا تھا، اس کو ہم نے توڑ ڈالا ہے۔

قریش اور بنو بکر کی طرف سے نقض عہد کی خبر لے کر قبیلہ بنو خزاعہ کا سردار عمرو بن سالم خزاعی چالیس آدمیوں کے وفد کے ہمراہ برق رفتاری سے مدینہ آیا۔ (۴) سرکار دو عالم ﷺ اس وقت صحابہ کرام کے حلقہ میں تشریف فرما تھے عمرو بن سالم نے ان تمام ہولناک ستم

راتوں سے آگاہ کیا جو بنوخزاعہ کے خلاف روا رکھی گئی تھیں۔ اس نے سرکار دو عالمؐ کے سامنے کھڑے ہو کر اشعار میں بنو بکر کی پیمان شکنی اور وتیر پر ان کے حملہ کو بیان کیا ان اشعار میں سے چند اشعار یہ تھے:

یا رب انی ناشد محمداً

حلف ابینا و ابیه الا تلدا

اے خدا! میں محمدؐ کو وہ معاہدہ یاد دلاتا ہوں جو ہمارے اور ان کے باپ داداؤں کے درمیان قدیم زمانے سے ہو چکا ہے۔

فانصر هداک الله نصراً اعتدا

وادع عباد الله یاتوا مددا

تو خدا آپ کو سیدھی راہ پر چلائے۔ آپ ہماری بھرپور مدد کیجیے اور خدا کے بندوں کو بلایئے۔ وہ سب امداد کے لیے آئیں گے۔

فیهم رسول الله قد تجرّدا

ان سیم خسفاً وجهه تربّدا

ان مدد کرنے والوں میں رسول اللہ بھی غضب کی حالت میں ہوں کہ اگر انہیں ذلت کا داغ لگے تو ان کا تیور بدل جائے۔

هم بیتونا بالوتیر هجّداً

وقتلونا رکعاً وسجّداً

ان لوگوں (بنی بکر و قریش) نے "مقام وتیر" میں ہم سوتے ہوؤں پر شب خون مارا اور رکوع و سجدہ کی حالت میں بھی ہم لوگوں کو بیدردی کے ساتھ قتل کر ڈالا۔

ان قریشاً اخلفوک الموعدا

ونقضوا میثاقک المؤکدا

یقیناً قریش نے آپ سے وعدہ خلافی کی ہے۔ اور آپ سے مضبوط معاہدہ کر کے توڑ ڈالا ہے۔(۵)

پھر کہا کہ "یا رسول اللہؐ! مدد کیجیے۔" آپؐ نے اس کی روداد سننے کے بعد فرمایا: "اے عمرو بن سالم! میں ضرور تمہاری مدد اور دستگیری کروں گا۔"(۶) پھر حضور اکرمؐ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر اشارہ کیا اور فرمایا کہ یہ ابر کا ٹکڑا بھی بنی کعب کی نصرت چاہتا ہے۔(۷)

ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے ظلم و جور کی یہ داستان سنی تو آپ ایک دم کھڑے ہو گئے اپنی چادر کھینچتے تھے اور کہتے تھے:

"میری بھی مدد نہ کی جائے اگر میں اس چیز سے بنی کعب کی مدد نہ کروں جس سے میں اپنی مدد کرتا ہوں۔"(۸)

پھر آپؐ نے اس سے پوچھا کہ کیا سارے بنو بکر اس حملہ میں شریک تھے۔ عمرو نے کہا: سب نے بلکہ بنو نفاثہ اور ان کا سردار نوفل بھی اس میں شریک تھا۔ آپؐ نے عمرو بن سالم سے ان کی امداد کا وعدہ فرمایا اور حکم دیا کہ تم ابھی واپس جاؤ اور پہاڑوں کی گھاٹیوں میں الگ الگ چھپ جاؤ۔ خزاعہ کے یہ چالیس سوار تھے۔ آپؐ نے انہیں منتشر ہو جانے کا حکم اس لیے دیا کہ آپ ان کی مدد کو مخفی رکھنا چاہتے تھے۔

اس کے بعد بدیل بن ورقا بھی بنو خزاعہ کے چند افراد کے ساتھ آپ کی خدمت میں پہنچا اور دکھ و الم کی یہ ساری داستان گوش گزار کی

اور رسول اللہ کو بتایا کہ حملہ میں کون سے لوگ مارے گئے اور کس طرح سے قریش مکہ نے بنو بکر کی پشت پناہی کی۔ اس کے بعد یہ لوگ واپس چلے گئے۔ اُن کے واپس مکہ جانے کے بعد آپ ؐ نے فرمایا کہ "اب ابوسفیان معاہدے کی تجدید کے لیے مدینہ آئے گا۔ (۹)

قریشِ مکہ کے پاس رسول اکرمؐ کے سفیر کی روانگی:

آپ ؐ نے قریش کے پاس اپنا ایک سفیر بھیجا اور تین شرائط پیش کیں کہ ان میں سے کوئی ایک منظور کی جائے:

۱۔ مقتولین کا خون بہا ادا کیا جائے۔

۲۔ قریش بنو بکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں۔

۳۔ معاہدہ حدیبیہ کی تنسیخ کا اعلان کر دیا جائے۔

قاصد نے جب آپ کا یہ پیغام پہنچایا تو قریش کی طرف سے قرطہ بن عمرو نے یہ جواب دیا کہ ہم نہ مقتولین خزاعہ کی دیت دیں گے اور نہ بنو نفاثہ کے عہد و پیمان سے علیحدگی اختیار کریں گے۔ ہاں معاہدہ حدیبیہ کے فسخ پر راضی ہیں۔ اس طرح قریش نے جوش میں آکر تیسری شرط منظور کر لی لیکن بعد میں انہیں خیال آیا کہ یہ تو وہ طفلانہ حرکت کر بیٹھے ہیں لہٰذا قاصد کے روانہ ہونے کے بعد انہیں ندامت ہوئی کہ ہم نے جو کچھ کیا ہے یہ درست نہیں۔ چنانچہ چند روسائے قریش ابوسفیان کے پاس گئے اور یہ کہا کہ اگر یہ معاملہ نہ سلجھا تو پھر سمجھ لو کہ یقیناً محمدؐ ہم پر حملہ کر دیں گے۔ ابوسفیان نے کہا کہ میری بیوی ہند بنت عتبہ نے ایک خواب دیکھا ہے کہ مقام "حجون" سے مقام "خندمہ" تک ایک خون کی نہر بہتی ہوئی آرہی ہے پھر ناگہاں وہ خون غائب ہو گیا۔ قریش نے اس خواب کو بہت ہی منحوس تصور کیا اور خوف و دہشت سے سہم گئے۔ اس کے بعد انہوں نے انجام کی سنگینی کو مدنظر رکھتے ہوئے باہمی مشورے سے یہ طے کیا کہ ابوسفیان کو اپنا نمائندہ بنا کر تجدید صلح اور مدت صلح کو بڑھانے کے لیے مدینہ روانہ کیا جائے (۱۰)۔ لہٰذا انہوں نے تجدید عہد کے لیے ابوسفیان کو مدینہ بھیجا۔ (۱۱) اس نے بدیل بن ورقا اور اس کے ساتھیوں کو واپس آتے دیکھ کر ان سے استفسار کیا کہ "کیا تم محمدؐ کے پاس نہیں گئے تھے؟" بدیل نے کہا "نہیں" لیکن ابوسفیان کو یقین نہیں آیا لہٰذا جب بدیل مکہ کی جانب روانہ ہوا تو ابوسفیان نے کہا کہ اگر وہ مدینہ گیا تھا تو وہاں اپنے اونٹ کو چارہ ضرور کھلایا ہوگا لہٰذا ابوسفیان اس جگہ گیا جہاں بدیل نے اپنے اونٹ کو بٹھایا تھا۔ اس نے وہاں اونٹ کی ایک مینگنی لے کر توڑی تو اس میں سے کھجور کی گٹھلی برآمد ہوئی۔ اس پر اسے پختہ یقین ہو گیا کہ وہ مدینہ سے واپس آرہا ہے۔ (۱۲) اس نے کہا "میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ بدیل ضرور مدینہ سے آرہا ہے اور یہ گٹھلی مدینہ ہی کی کھجور کی ہے۔" ابوسفیان نے کہا یہ تو غضب ہو گیا۔ بدیل نے مکہ کا تمام ماجرا آپ کو سنا دیا ہوگا۔

بہر حال ابوسفیان منزلیں طے کرتا ہوا مدینہ پہنچا اور سیدھا رسول اللہؐ سے گفتگو کرنے کے بجائے ادھر ادھر کی کن سن لینے کا منصوبہ بنا کر اپنی صاحبزادی ام المومنین سیدہ ام حبیبہ سلام اللہ علیہا کے گھر گیا۔ قریش کے معاملے میں رسول اللہ ﷺ کے رجحانات کا اندازہ ام المومنین کو بھی تھا۔ لیکن آپ ؐ کے ارادہ کے بارے میں کوئی اطلاع نہ تھی۔ ابوسفیان نے جب آپ ؐ کے بستر پر بیٹھنا چاہا تو سیدہؓ نے فوری طور پر بستر لپیٹ دیا۔ ابوسفیان یہ دیکھ کر کچھ پریشان ہو گیا اور کہنے لگا "بیٹی! تو نے بستر کو لپیٹ دیا، کیا اس بستر کو میرے قابل نہ سمجھا؟

مجھے بستر کے قابل نہ سمجھا؟" سیدہؓ نے جواب دیا "یہ رسول اللہ کا بستر ہے، اس پر ایک ایسا شخص جو شرک و کفر کی نجاست سے ملوث ہو، ہرگز نہیں بیٹھ سکتا۔" ابوسفیان نے جھلا کر کہا "بیٹی! خدا کی قسم، تو میرے بعد شر میں مبتلا ہوگئی ہے۔" سیدہؓ نے جواب دیا، "شر میں نہیں بلکہ کفر کی ظلمت سے نکل کر اسلام کے نور میں داخل ہوگئی ہوں اور مجھے آپ پر تعجب ہے کہ آپ قریش کے سردار ہو کر پتھروں کو پوجتے ہیں جو نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں؟"

ابوسفیان بیٹی کی اس بات سے غضبناک ہو کر مسجد نبویؐ میں بارگاہ رسالتؐ میں حاضر ہوا اور تجدید معاہدہ اور صلح بڑھانے کے لیے عرض کیا، لیکن آپؐ نے ابوسفیان کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ پھر وہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے پاس آیا اور ان سے اس بارے میں بارگاہ نبوتؐ میں سفارش کی درخواست کی۔ انہوں نے کہا میں اس بارے میں کچھ نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد وہ سیدنا عمرؓ بن الخطاب کے پاس آیا اور ان سے اس بارے میں اپنی خواہش کا اظہار کیا اور سفارش کی درخواست کی۔ انہوں نے اس سے کہا "اس میں سے جو متصل ہوا اللہ اس کو منقطع کر دے اور جو جدید ہوا اس کو کہنہ و فرسودہ کر دے۔" پھر کہا "بھلا میں تم لوگوں کے لیے سرکار دو عالمؐ کی خدمت میں سفارش کروں گا؟ خدا کی قسم! اگر مجھے لکڑی کے ٹکڑے کے سوا کچھ بھی دستیاب نہ ہو تو میں اسی کے ساتھ تم لوگوں سے جہاد کروں گا۔" ابوسفیان نے کہا "خدا کی قسم! میں نے تم سے زیادہ شریر کسی قوم کا معاہدہ نہیں دیکھا۔" پھر وہ فاطمۃ الزہرہؓ کے پاس آیا، حضرت سیدنا حسینؓ بن علیؓ بھی موجود تھے۔ حضرت فاطمہؓ نے اسے علی المرتضیٰؓ سے رجوع کرنے کو کہا۔ چنانچہ ابوسفیان نے حضرت علیؓ سے ملاقات کی اور کہا "علیؓ! میرے ساتھ تمہارا سب سے گہرا نسبی تعلق ہے۔ میں ایک شدید ضرورت سے آیا ہوں، ایسا نہ ہو کہ جس طرح نامراد آیا ہوں اسی طرح نامراد واپس جاؤں۔ تم میرے لیے محمدؐ سے اس بارے میں سفارش کر دو۔" سیدنا علیؓ نے کہا "ابوسفیان! تجھ پر افسوس، رسول اللہؐ نے ایک بات کا عزم کر لیا ہے لہٰذا ہم اس بارے میں آپ سے کوئی بات نہیں کر سکتے۔" اس کے بعد ابوسفیان سیدہ فاطمہؓ کی طرف متوجہ ہوا اور کہا "کیا آپ اپنے اس بیٹے کو حکم دے سکتی ہیں کہ وہ لوگوں کے درمیان پناہ دینے کا اعلان کر کے ہمیشہ کے لیے عرب کا سردار ہو جائے۔ سیدہ فاطمہؓ نے کہا! واللہ! میرا یہ بیٹا ابھی اس درجہ کو نہیں پہنچا کہ لوگوں کو پناہ دینے کا اعلان کر سکے اور پھر رسول اللہؐ کے ہوتے ہوئے کون پناہ دے سکتا ہے؟ اب ابوسفیان نے سیدنا علیؓ سے کہا کہ معاملہ نہایت سنگین ہو گیا ہے لہٰذا کوئی طریقہ بتائیے؟ سیدنا علیؓ نے کہا "میری سمجھ نہیں آتا۔ البتہ تم بنو کنانہ کے سردار ہو، لہٰذا کھڑے ہو کر لوگوں کے درمیان امان کا اعلان کر دو۔ اس کے بعد تم اپنے شہر واپس چلے جاؤ۔ ابوسفیان نے کہا "علیؓ کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ بات میرے لیے کچھ کارآمد ہوگی؟" سیدنا علیؓ نے کہا "نہیں، خدا کی قسم، میں اسے کارآمد تو نہیں سمجھتا، لیکن اس کے علاوہ کوئی اور صورت بھی سمجھ میں نہیں آتی۔ چنانچہ ابوسفیان یہاں سے اٹھ کر سیدھا مسجد گیا اور اپنا سیدھا ہاتھ اپنے الٹے ہاتھ پر مار کر کہا "میں نے حلف کی تجدید کی اور لوگوں کے درمیان صلح کرا دی۔" یہ کہہ کر وہ مکہ کی طرف لوٹ گیا۔ (۱۳) اس سے بڑھ کر اس ہاتھ کی اور کیا مثال ہوگی، جب وہ مکہ واپس پہنچا اور اپنی کوششوں کی تفصیل اہل مکہ کو سنائی تو سب نے اسے بیوقوف بتایا اور کہا، "خدا کی قسم! ہم نے تجھ سا احمق نہیں دیکھا۔ تو نہ ہمارے لیے جنگ لے کر آیا ہے کہ اس کی تیاری کریں اور نہ صلح لے کر آیا ہے کہ مطمئن ہو جائیں۔" (۱۴) ابوسفیان نے کہا "خدا کی قسم! اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہ بن سکی۔" اس کے بعد قریش کے مدبرین مستقبل کے لیے لائحہ عمل سوچنے کے لیے بیٹھ گئے۔ (۱۵)

رسول اکرم ﷺ کی جنگی تیاریاں:

اب مدینہ میں یہ صورت حال تھی کہ مکمل رازداری کے ساتھ جنگ کی تیاریاں شروع ہو گئیں کیوں کہ احترام معاہدہ اور مظلوموں اور حلیفوں کی فریادرسی کے علاوہ ایک اہم مسئلہ یہ بھی تھا کہ اگر اب اس معاملہ میں چشم پوشی سے کام لیا جائے گا تو قریش اور اس کے حلیفوں کی دست درازی سے دوسرے قبائل بھی محفوظ و مامون نہیں رہ سکتے جو اہل اسلام کے حلیف ہیں چنانچہ معاہدہ کی پابندی مظلوم فریق کی فریادرسی اور اپنے حلیف قبائل کی آئندہ حفاظت کی غرض سے نبی کریم ﷺ مکہ کا عزم فرمایا اور ابوسفیان کے لوٹنے کے بعد آپؐ نے مسلمانوں کو ایک جنگی سفر کے لیے تیاری کا حکم دیا۔ اور آس پاس کے قبائل کو بھی تیاری کے لیے کہلا بھیجا لیکن اس کی تشہیر کو مناسب نہ سمجھا بلکہ پوری رازداری کے ساتھ تیاری کی گئی اور ہر ممکن کوشش کی گئی کہ اہل مکہ کو اس بارے میں کوئی خبر پہنچنے نہ پائے لہٰذا آپؐ نے یہ وضاحت نہ فرمائی کہ یہ سفر کس سمت اور کہاں کے لیے ہوگا۔ حتیٰ کہ آپؐ کے انتہائی قریبی رفقاء حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کو بھی علم نہ تھا کہ آپ کا ارادہ کہاں کا ہے؟ رازداری کا یہ عالم تھا کہ طبرانی کی ایک روایت کے مطابق رسول اکرم ﷺ نے پیمان شکنی کی خبر آنے سے تین دن قبل ہی سیدہ عائشہؓ کو حکم دے دیا تھا کہ آپ کا ساز و سامان تیار کر دیں لیکن کسی کو پتہ نہ چلے، اس کے بعد سیدہؓ کے پاس ان کے والد ابوبکرؓ آئے، پوچھا بیٹی! یہ کیسی تیاری ہے؟ سیدہؓ نے کہا مجھے کچھ معلوم نہیں۔ (۱۶) سیدنا ابوبکرؓ نے کہا "یہ بنو اصفر یعنی رومیوں سے جنگ کا وقت نہیں، پھر آپ کا ارادہ کس طرف کا ہے؟ سیدہؓ نے کہا "واللہ مجھے علم نہیں۔" (۱۷) اسی اثناء میں آپ تشریف لے آئے تو آپؐ نے فرمایا "مکہ جانے کا ارادہ ہے لیکن اسے راز میں رکھنا۔"

ابتدائی اقدامات کے طور پر آپؐ نے تمام سرحدیں بند کرا دیں تاکہ کوئی بھی فرد نہ تو مدینہ چھوڑ کر باہر جائے اور نہ ہی مدینہ میں داخل ہو۔ آپؐ نے علی المرتضیٰؓ کی قیادت میں کچھ مختلف راستوں کی نگرانی کے لیے دستے مقرر کر دیے۔ جو تجارتی قافلے مدینہ آتے وہ شہر کے باہر ہی توقف کرتے اور وہیں پر اپنی اشیاء فروخت کرتے، بعد ازاں وہ اشیاء اندرون شہر لائی جاتیں اس طرح مدینہ میں ہونے والی سرگرمیوں کا اخفاء ممکن ہو سکا۔

آپؐ نے مختلف علاقوں میں اتحادی قبائل کو چند ساعتوں کے نوٹس پر تیار رہنے کا حکم دیا لیکن ان کو بھی اپنی منزل مقصود کا پتہ نہ بتایا۔ (۱۸) ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا خیال ہے کہ رازداری سے حلیف قبائل کو ایک اطلاع بھیجی گئی کہ تمہارا سوار مدینہ آئے، رسالت مآب تم سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ وہ لوگ مدینہ آئے تو آپؐ نے ہر ایک سے فرداً فرداً علیحدہ رازداری سے آنے والی مہم کے متعلق بتایا لیکن یہ نہیں بتایا کہ کہاں جانا ہے۔ آپؐ نے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ وہ مدینہ نہ آئیں بلکہ ہم تمہارے علاقے سے گزریں گے تو تمہاری فوج کو اپنے ساتھ لے لیں گے۔ (۱۹) اس کے ساتھ ہی آپؐ نے ہر سو اپنے جاسوس پھیلا دیے تاکہ مسلمانوں کی نقل و حرکت کی اطلاع کسی بھی صورت قریش کو نہ ہو سکے۔ آپؐ نے مدینہ کے اندر بھی اپنے جاسوس مقرر کر رکھے تھے تاکہ اہل مدینہ کی طرف سے قریش تک کوئی اطلاع نہ پہنچ سکے۔ ان تمام احتیاطوں کا مقصد یہ تھا کہ اگر قریش تک اطلاعات پہنچ جاتی ہیں تو اس طرح مسلمانوں کو زیادہ نقصان پہنچنے کا احتمال ہوگا، بلکہ نقصان تمام قبائل پر تقسیم ہوگا نہ کہ کسی خاص ایک قبیلے پر اور اس طرح تمام قبائل کو نقصان پہنچے گا نہ صرف مسلمانوں کا اور اس چیز

کی کیا ضمانت ہو سکتی تھی کہ سب سے زیادہ نقصان انہی لوگوں کو پہنچے گا جو ایسے قبائل سے منسوب ہوں جو مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا سبب بنیں۔(۲۰)

رازداری کی وجہ سے مدینہ میں ہدف کے متعلق دو خبریں سرگرم تھیں۔

۱۔ آپؐ رومیوں سے لڑنے جا رہے ہیں۔

۲۔ آپ کا ہدف بنو سلیم ہے جو مسلمانوں کے لیے مشکلات پیدا کر رہا ہے۔

ان پیش بندیوں اور احتیاطی تدابیر کے باوجود حاطبؓ بن ابی بلتعہ نے قبیلہ مزینہ کی سارہ نامی ایک عورت کے ہاتھ مکہ کے چند مشرکین کے نام ایک خط لکھ کر بھیجا۔ اُسے حاطبؓ نے دس دینار اور ایک چادر کے عوض مامور کیا تھا۔ اس خط میں رسول اکرم ﷺ کے جنگی ارادہ کا انکشاف کیا گیا تھا۔ ان مشرکین میں صفوان بن اُمیہ، سہیل بن عمرو اور عکرمہ بن ابو جہل شامل تھے۔(۲۱)

سارہ ایک ذی کافرہ تھی۔(۲۲) اور عمرو بن ابی صیفی نام کے ایک تاجر کی کنیز تھی۔ ایک تاجر کی حیثیت سے عمرو بن ابی صیفی کو شہر سے اشیاء خرید و فروخت لانے اور لے جانے کی اجازت تھی اس لیے سارہ کے شہر سے آنے پر کسی نے اس سے پرسش نہ کی یہی وجہ ہے کہ وہ مدینہ سے نکلی اور عام راستے کو چھوڑ کر غیر معروف راستوں سے آسانی کے ساتھ عازم مکہ ہو گئی۔

کشاف غیب نے قبل از وقت اس راز کو طشت از بام کر دیا تو لسان نبوتؐ سے حکم صادر ہوا کہ علیؓ، زبیرؓ اور مقدادؓ (۲۳) خاخ کے باغ میں فوری پہنچیں۔ وہاں ایک شتر سوار عورت ملے گی۔ اس کے پاس ایک خط ہوگا۔ وہ خط چھین لائیں۔ آپؐ نے انہیں متنبہ کیا کہ وہ عورت کوئی چیز ضائع نہ کرنے پائے۔ چنانچہ ارشاد گرامی کی فوری تعمیل ہوئی۔ خاخ کا باغ مدینہ طیبہ سے قریباً بارہ میل تھا۔ یہ تینوں حضرات خدمت گرامی میں پیش ہوئے۔ پیغمبر کا حکم سنتے ہی تینوں نے گھوڑے دوڑاتے ہوئے خاخ کے باغ میں پہنچے وہاں آپ کی نشاندہی کے مطابق ایک عورت ملی۔ اس سے استفسار کیا اور تلاشی لی گئی لیکن کہیں خط نہ ملا یہ تینوں صحابیؓ پریشان ہو گئے لیکن پھر کہا "خدا کی قسم اللہ کا رسول کبھی غلط نہیں کہہ سکتا۔ سیدنا علیؓ نے اس عورت سے کہا "میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ نہ رسول اللہؐ نے کبھی جھوٹ بولا اور نہ ہم جھوٹ کہہ رہے ہیں۔ خط تمہارے پاس موجود ہے۔ تم خود وہ خط نکال کر ہمیں دے دو ورنہ قتل کر دی جاؤ گی۔ دھمکی سے عورت کو اپنے قتل کا یقین ہو گیا اب اس نے امان چاہی جو اسے دے دی گئی۔ اب اس نے اپنے سر کے بالوں کی مینڈھوں میں سے نکال کر یہ خط ان کے حوالے کیا۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ سارہ خط کے مندرجات سے واقف نہ تھی اس پر حاطبؓ کی مہر لگی ہوئی تھی ان تینوں نے عورت کو چھوڑ دیا اور خط لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

حاطبؓ کے خط کا مضمون یہ تھا (۲۴)

"منجانب حاطب بن ابی بلتعہ بنام سہیل بن عمرو، عکرمہ بن ابو جہل اور صفوان بن امیہ۔

اما بعد! اے اہل قریش! آنحضرتؐ ایک عظیم الشان لشکر جرار لے کر تم پر چڑھائی کرنے آ رہے ہیں جو سیلاب کی طرح امڈا چلا آ رہا ہے۔ واللہ وہ اگر تنہا بھی تمہارے مقابلے کو آئے تب بھی خدا انہیں فتح عطا فرماتا اور اپنا ان سے کیا ہوا وعدہ پورا فرماتا۔ پس اب تم اپنے بارے میں سوچ سمجھ لو۔ والسلام"

واقدی کی ایک روایت میں خط کا یہ مضمون درج ذیل تھا: (۲۵)

''آنحضرتؐ نے لوگوں میں جہاد عام کا اعلان فرمادیا ہے۔ میرے نزدیک اُن کا رخ تمہاری ہی طرف ہے۔ میں نے مناسب خیال کیا کہ اس موقع پر تم پر کچھ احسان کردوں۔'' (۲۶)

حاطب صحابہ کبار میں سے تھے اور ارباب دانش و بینش میں سے تھے۔ اُن کا تعلق قبیلہ لخم سے تھا جو شمالی حجاز اور شام کے عرب قبائل میں سے تھا۔ وہ مہاجر بھی تھے اور بدری بھی۔ وہ اب تک کے معرکوں میں آپؐ کے ساتھ رہے تھے۔ وہ آپ کا نامۂ مبارک بھی مقوقس بادشاہ مصر اور اسکندریہ کے پاس لے کر گئے تھے۔ اُن کے متعلق کئی ایک روایات ہیں کہ وہ بنی اسد ابن عبدالعزیٰ کے حلیف تھے۔ ایک دوسری روایت کے مطابق وہ زبیرؓ بن عوام کے حلیف یا عبداللہؓ بن حمیر اسدی کے آزاد کردہ غلام تھے۔ زمانہ جاہلیت میں ان کا شمار قریش کے شہسواروں اور شعراء میں ہوتا تھا۔ (۲۷)

حضرت حاطبؓ ایسے صحابی سے مخبری جیسے جرم کا ارتکاب کوئی معمولی بات نہ تھی۔ آپؐ نے حضرت حاطبؓ کو طلب فرمایا اور پوچھا ''اے حاطبؓ تمہیں کس بات نے ایسا کرنے پر آمادہ کیا؟''

حضرت حاطبؓ نے عرض کیا، ''یا رسول اللہ ﷺ! میرے بارے میں عجلت نہ فرمائی جائے۔ خدا کی قسم، میں خدا اور اس کے رسولؐ پر ایمان رکھتا ہوں نہ میں نے دین بدلا ہے اور نہ مرتد ہوا ہوں میرے بیوی بچے ہنوز مکہ میں ہیں اور وہاں ان کا کوئی حامی نہیں ہے۔ میں صرف قریش کا حلیف تھا ان سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔ دوسرے مہاجرین قریش ہیں ان کی حمایت کے لیے ان کے اقربا وہاں موجود ہیں اس لیے نسبی تعلق نہ ہونے کے سبب میں نے ان کی ہمدردی اس طرح حاصل کرنی چاہی تھی۔'' (۲۸)

ابن مردویہ کی روایت میں ابن عباسؓ، عمر فاروقؓ سے راوی ہیں۔

''فکتبت کتابا لا یضر اللہ و رسولہ''

''پس میں نے ایک خط لکھا (کہ جس میں میرا یہ نفع ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا کوئی نقصان نہیں)

آپؐ نے فرمایا کہ ''حاطبؓ نے سچی بات تم لوگوں سے کہہ دی ہے۔''

اس پر حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا کہ ''حضور اکرم ﷺ آپؐ مجھے اجازت دیں میں اس کی گردن ماردوں کیوں کہ اس نے کھلی مخالفت کی ہے۔''

آپؐ نے فرمایا، ''عمرؓ! تمہیں کیا معلوم؟ بلاشبہ اہل بدر کے لیے اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ جو چاہو کرو بلاشبہ میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔'' (۲۹)

اس پر حضرت عمر فاروقؓ اشکبار ہو گئے اور عرض کیا کہ ''اللہ عزوجل اور اللہ کے رسول کو زیادہ علم ہے۔'' (۳۰)

اس موقع پر قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی۔ (۳۱)

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُم مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَن تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ إِن كُنتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي تُسِرُّونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنتُمْ وَمَن يَفْعَلْهُ مِنكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝"

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے کے لیے اور میری رضا جوئی کی خاطر (وطن چھوڑ کر گھروں سے) نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ تم ان کے ساتھ دوستی کی طرح ڈالتے ہو حالانکہ جو حق تمہارے پاس آیا ہے اس کو ماننے سے انکار کر چکے ہیں۔ اور ان کی روش یہ ہے کہ رسول اور خود تم کو صرف اس قصور پر جلاوطن کرتے ہیں کہ تم اپنے رب، اللہ پر ایمان لائے ہو۔ تم چھپا کر ان کو دوستانہ پیغام بھیجتے ہو حالانکہ جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو اور جو اعلانیہ کرتے ہو، ہر چیز کو میں خوب جانتا ہوں، جو شخص بھی تم میں سے ایسا کرے وہ یقیناً راہ راست سے بھٹک گیا۔"

بہر حال آپ ﷺ نے حضرت حاطب ؓ بن ابی بلتعہ کو معاف فرما دیا۔ (۳۲) اور حکم دیا کہ حاطب ؓ کا ذکر اچھے انداز میں کیا کریں۔ (۳۳) اس کے بعد ۱۰ رمضان المبارک سن ۸ ہجری بمطابق ۲۲ دسمبر ۶۲۹ء (۳۴) کو دس ہزار (۳۵) خدا پرست اور خدا شناس مجاہدین کا باوقار لشکر سید المرسلین ﷺ کی زیر قیادت اور زیر کمان مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوا۔ (۳۶) اسلامی لشکر کی یہ روانگی بعد نماز عصر ہوئی۔ (۳۷) مدینہ میں آپ ﷺ نے ابوذر غفاری ؓ کو اپنا قائم مقام مقرر کیا۔ (۳۸) کوچ کے وقت آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی (۳۹)

"اللھم اضرب علی اذانھم فلا یسمعوا حتی نبغتھم بغتۃ"

"اے اللہ! تو ان کے کانوں پر ایسی بہری لگا دے کہ جب تک اُن کے سروں پر نہ پہنچ جاؤں انہیں میرے کوچ کی خبر نہ ہو۔"

آپ ﷺ کے لشکر جرار میں انصار، مہاجرین، بنو سلیم، مزینہ، غطفان اور دوسرے کئی ایک قبائل شامل تھے۔ اس وقت تک مسلمان عسکری اور حربی نقطۂ نظر سے ایک زبردست اور ناقابل تسخیر قوت بن چکے تھے۔ مسلمانوں کے پاس اتنا زیادہ سامان جنگ تھا کہ اس سے قبل ان کو سامان جنگ بھی میسر نہ آیا تھا۔ اس کے باوجود آپ ﷺ نے پوری احتیاطی تدابیر اختیار کیں۔ مکہ کے تمام راستے مسدود کر دیے گئے خانہ بدوشوں کی تمام نقل و حرکت روک دی گئی۔ دشمن کے جاسوسوں کے ممکنہ اقدامات کو روکنے کے جوابی جاسوسی کا طریقہ اختیار کیا گیا اور ہر کسی کی نقل و حرکت پر کڑی نظر رکھی گئی۔ روانگی کے وقت بھی آپ غیر معروف راستوں سے ہوتے ہوئے مکہ روانہ ہوئے تاکہ یہ پتا نہ چل سکے کہ آپ کدھر کا ارادہ رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے مکہ کے راستے کی درستی اور دشمن کے حالات کے تجسس پر غالب بن عبداللہ کو مامور کیا۔ (۴۰) از دواج مطہرات ؓ میں سے سیدہ ام سلمہ ؓ اور سیدہ میمونہ ؓ آپ ﷺ کے ہمراہ تھیں۔ مقام صلصل پر پہنچ کر دو سو مسلمانوں کے ہمراہ حضرت زبیر ؓ بن العوام کو آگے بھیجا جب آپ ﷺ مقام ذوالحلیفہ یا جحفہ پہنچے تو آپ ﷺ کے عم محترم سیدنا عباس ؓ بن عبدالمطلب اور ام فضل ؓ اپنے اہل و عیال کے ہمراہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ جاتے ہوئے ملے۔ آپ ﷺ کے ارشاد کے مطابق سامان اور اہل و عیال تو مدینہ بھیج دیے اور آپ ﷺ کے ساتھ لشکر اسلام میں شریک ہو کر جہاد کے لیے مکہ مکرمہ چل پڑے۔ (۴۱) سیدنا عباس ؓ ایمان تو پہلے ہی لا چکے تھے لیکن قریش سے اپنا ایمان مخفی رکھا تھا۔ یہاں آپ ؓ حجاج کو زم زم پلانے کے معزز عہدہ پر فائز تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے سیدنا عباس ؓ کو فرمایا "عباس ؓ! آپ کی یہ ہجرت آخری ہجرت ہے جیسے میری نبوت آخری نبوت ہے۔" سیدنا عباس ؓ اگرچہ مسلمان ہو چکے تھے لیکن مکہ میں

قیام صرف حضور اکرم ﷺ کے حکم سے تھا تا کہ ان کی وساطت سے قریش کی کارگزاریوں کا پتہ چلتا رہے۔ (۴۲)

مقام ابواء پر (جو کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک بستی کا نام ہے اور آپ کی والدہ ماجدہ کی قبر بھی یہیں ہے) پہنچے تو آپ کے چچازاد بھائی ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب (جو کہ آپؐ کے رضاعی بھائی بھی تھے، اعلان نبوت سے قبل آپؐ کے نہایت گہرے دوست بھی تھے۔ کسی وقت آپؐ سے جدا نہ ہوتے تھے اور جب آپؐ نے اعلان نبوت فرمایا تو آپ کی ہجو میں شعر کہنے شروع کر دیے) اور آپؐ کے پھوپھی زاد بھائی عبداللہ بن امیہ آپ سے ملے۔ (عبداللہ بن امیہ آپ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے تھے۔ یہ بھی آپؐ کے مکہ میں شدید مخالفین میں سے تھے) ان دونوں حضرات نے آپؐ سے ملنا چاہا، لیکن آپؐ نے شرف باریابی نہ بخشا، کیوں کہ آپؐ نے ان دونوں سے بہت تکلیفیں اٹھائی تھیں۔ سیدہ ام سلمہ سلام اللہ علیہا نے ان دونوں کی سفارش کی اور عرض کیا "اے اللہ کے رسول! ایک آپ کا چچازاد بھائی اور دوسرا پھوپھی زاد بھائی، لہٰذا آپ انہیں مل لیں۔ آپؐ نے فرمایا "مجھے ان سے ملنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ چچیرے بھائی نے میری آبروریزی کی اور پھپھیرے بھائی نے مکہ میں مجھے یہ کہا تھا کہ "خدا کی قسم! میں تجھ پر ہرگز ایمان نہ لاؤں گا اگرچہ تو سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ جائے اور میں اپنی آنکھوں سے تمہیں دیکھ رہا ہوں اور ایک دستاویز لے کر آسمان سے چڑھ جائے اور میں اپنی آنکھوں سے تمہیں دیکھ رہا ہوں اور ایک دستاویز لے کر آسمان سے اترے اور چار فرشتے تیرے ساتھ ہوں جو اس بات کی تصدیق کریں کہ اللہ نے تجھے رسول بنا کر بھیجا ہے، پھر بھی میں تجھ پر ایمان نہ لاؤں گا۔"

سیدہ ام سلمہؓ نے عرض کیا، "یا رسول اللہ! جب ان سے بھی بڑے دشمن آپؐ کے مکارم اخلاق سے بہرہ یاب ہوئے تو آپؐ کے چچازاد اور پھوپھی زاد بھائی اس سے کیوں محروم رہیں؟ ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب کو جب پتہ چلا کہ آپؐ ملنے سے اعراض فرما رہے ہیں تو اس نے کہلا بھیجا کہ اگر آپؐ اپنی بارگاہ میں حاضری کی اجازت نہ دیں گے تو میں اپنے بیٹے جعفر (اس کا بیٹا جعفر بھی اس کے ساتھ تھا) کو ساتھ لے کر صحرا میں نکل جاؤں گا اور وہاں بھوکا پیاسا اپنی جان دے دوں گا۔ رحمۃ للعالمینؐ نے ان کی ندامت اور سیدہ ام سلمہؓ کی سفارش کے پیش نظر ان دونوں کو اپنی بارگاہ میں حاضری کی اجازت مرحمت فرما دی۔ حاضر ہوتے ہی یہ دونوں مشرف با اسلام ہو گئے۔

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا علیؓ نے سفیان بن حارث کو یہ کہا کہ آپؐ کے چہرہ انور کے سامنے کھڑے ہو کر وہ کہیں جو یوسف کے بھائیوں نے ان سے کہا تھا:

"تا اللہ لقد آثرک اللہ علینا و ان کنا لخاطئین" (۴۳)

"اللہ کی قسم، بے شک اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت بخشی اور یقیناً ہم خطا کار تھے۔"

ابوسفیان بن حارث نے یہی کہا اور رحمت عالمؐ نے جواب میں یہی فرمایا:

لاتثریب علیکم الیوم، یغفر اللہ لکم ھو ارحم الراحمین (۴۴)

"آج تم پر کوئی الزام نہیں، اللہ تعالیٰ تمہارا قصور معاف فرمائے اور وہ سب سے بڑا مہربان ہے۔"

یہ دونوں بھی جانبازی اور سرفروشی کے لیے آپؐ کے ہمرکاب ہو گئے۔ (۴۵)

ابوسفیانؓ بن حارث نے پھر چند اشعار بھی کہے جن کا ترجمہ یہ ہے:

"تیری عمر کی قسم، جس وقت میں نے اس مقصد کے لیے جھنڈا اٹھایا تھا کہ لات کے شہسوار محمدؐ کے شہسواروں پر غالب آجائیں اس وقت میری یہ کیفیت تھی کہ جیسے ایک مسافر تیرہ و تار رات میں حیران و سرگرداں ہو، لیکن الحمدللہ اب یہ وہ وقت ہے کہ مجھے ہدایت دی جارہی ہے اور میں ہدایت پا رہا ہوں۔ مجھے میرے نفس کے بجائے ایک ہادی نے ہدایت دی اور اللہ کا راستہ اس شخص نے مجھے بتایا جسے میں نے ہر موقع پر دھتکار دیا تھا۔"

یہ سن کر رسول اللہؐ نے ان کے سینے پر ایک ضرب لگائی اور فرمایا تم نے مجھے ہر موقع پر دھتکارا تھا۔(۴۶)

حافظ ابن سید الناس نے لکھا ہے کہ بعد میں سیدنا ابوسفیان بن حارثؓ اسلام میں اس قدر پختہ ہو گئے کہ قبول اسلام کے بعد احیاء کے سبب سے رسول اللہؐ کے چہرۂ انور کی طرف کبھی سر اٹھا کر نہ دیکھا۔ رسول اللہ بھی ان سے بڑی محبت فرماتے تھے۔ آپؐ نے ان کے لیے جنت کی بشارت دی اور فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ یہ سیدنا حمزہ بن عبدالمطلبؓ کا بدل ثابت ہوں گے۔(۴۷) جب ان کی وفات کا وقت آیا تو فرمانے لگے "مجھ پر ہرگز نہ رونا کیوں کہ اسلام لانے کے بعد میں نے کبھی کوئی گناہ کی بات نہیں کی۔"(۴۸)

رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ ان قدسی صفات مردان کار کا دس ہزار کا لشکر اور ان کے قائد روزے سے تھے۔ عسفان اور قدید کے درمیان کدید نامی چشمے پر پہنچے تو پانی مانگا اور اپنی سواری پر بیٹھے ہوئے پورے لشکر کو دکھا کر آپؐ نے دن میں پانی نوش فرمایا اور سب کو روزہ چھوڑ دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ آپؐ اور آپؐ کے اصحابؓ نے سفر اور جہاد میں ہونے کی وجہ سے روزہ رکھنا موقوف کر دیا۔(۴۹) اس کے بعد آپؐ نے سفر جاری رکھا یہاں تک کہ آپؐ ۱۷، ۱۸ رمضان کو عشاء کے وقت مر الظہران (وادی فاطمہ) پہنچ گئے اور وہاں نزول فرمایا۔ سیدنا عمرؓ کو پہرے پر عامل بنایا گیا۔(۵۰)

رات کا پہلا پہر تھا۔ جب آپؐ نے دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ مکہ کے قریب نزول فرمایا۔ یہ مقام مکہ سے قریباً ایک منزل پر ہے۔ دس ہزار مجاہدین اسلام کے خیمے پوری وادی میں پھیل گئے اور پھر آپؐ کے حکم سے رات کے وقت خیموں کے سامنے الاؤ روشن کیے گئے تو افق بعید بھی روشن ہو گیا ایسا معلوم ہونے لگا کہ گویا ایک شہر آباد ہو گیا ہے۔ اس اقدام کا مقصد دشمن کے دل پر ہیبت ڈالنا تھا جس نے اصل تعداد سے مسلمانوں کو بہت زیادہ سمجھ لیا۔(۵۱)

جس رازداری کے ساتھ یہ سفر کیا گیا اس کی کامیابی یہ تھی کہ قریش کو حبس الطریق یعنی راستوں کی بندش کے باعث مر الظہران تک مسلمانوں کے لشکر کی آمد کا پتہ نہ چلا۔ آپؐ اتنی تیزی سے قریش کے سر پر جا پہنچے کہ ان کے لیے یہ ممکن ہی نہ رہا کہ اپنے اتحادی قبائل سے رابطہ قائم کر سکیں یا کوئی مناسب تدبیر ہی سوچ سکیں۔ اس مہم سے پہلے آپؐ نے قریش کے بارے میں تازہ ترین معلومات بھی جمع کیں اور ان کی عسکری قوت، تنظیم، چوکیوں اور قیادت وغیرہ کے متعلق آگاہی حاصل کی۔

حقیقت یہ ہے کہ آپؐ نے قریش کو نیست و نابود کرنے کی بجائے ان کو معاشی اقتدار سے بے بس کرنے اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی فوجی قوت میں اضافہ کرنے کو ترجیح دی تا کہ خون خرابہ بھی نہ ہو اور اپنا مقصد بھی پورا ہو جائے۔(۵۲) بہرحال قریش کو اپنی پیمان شکنی کی وجہ سے دغدغہ لگا ہوا تو تھا کہ خدا معلوم رسول اکرمؐ کب ہم پر حملہ آور ہو جائیں اور یہ بھی ہے کہ قریش کے کچھ سرداروں کے کانوں میں یہ

بھنک پڑی ہوئی تھی کہ ایک بہت بڑا لشکر آ رہا ہے۔ اسی بھنک میں جاسوسی کی غرض سے تحقیق طور پر قریش کے چند رؤسا اور سردار ابوسفیان بن حرب، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء مکہ سے اسی چھان بین کے لیے نکلے ہوئے یہاں پہنچ گئے، اس وسیع وعریض میدان کو جو میلوں کی وسعت کو اپنی آغوش میں لیے ہوئے تھا جگمگاتا دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے۔ انہیں اس بات کا وہم وگمان بھی نہ ہوا کہ یہ شان وشوکت اور آگ کے الاؤ کا یہ بحر ناپیدا کنار محمدؐ اور ان کے ساتھیوں کا ہے، جن کو چند سال پہلے سب کچھ چھین کر نہایت کسمپرسی کی حالت میں مکہ سے نکالا گیا تھا۔ خزاعہ وغیرہ قبائل کی طرف ان کا توسن خیال دوڑنے لگا۔ سیدنا عباس بن عبدالمطلب کا بیان ہے کہ خدا کی قسم! میں رسول اللہؐ کے سفید خچر پر سوار جا رہا تھا کہ مجھے ابوسفیان اور بدیل بن ورقاء کی گفتگو سنائی دی۔ وہ باہم تکرار اور رد وقدح کر رہے تھے ابوسفیان کہہ رہا تھا کہ اللہ کی قسم! میں نے جیسی آگ اور جیسا لشکر آج رات دیکھا ہے اس سے پہلے اتنا بڑا لشکر کبھی نہیں دیکھا۔ بدیل بن ورقاء اس کے جواب میں کہہ رہا تھا، ”خدا کی قسم، یہ بنو خزاعہ کا لشکر ہے، جنگ نے انہیں چھیل کر رکھ دیا ہے اس پر ابوسفیان کہہ رہا تھا، خزاعہ اس سے کہیں کمتر اور ذلیل ہیں کہ یہ ان کی آگ اور ان کا لشکر ہو۔“ (۵۳)

سیدنا عباسؓ نے ان دونوں کی یہ گفتگو اس وجہ سے سن لی کہ جونہی اس لشکر نے مرالظہران میں پڑاؤ ڈالا، سیدنا عباسؓ رسول اللہؐ کے سفید خچر پر سوار ہو کر نکلے تاکہ اگر کوئی لکڑہارا یا کوئی آدمی مل جائے تو اس کے ذریعے قریش کو یہ خبر پہنچائی جائے تاکہ وہ آپؐ کے مکہ میں داخلہ سے پہلے آپؐ کے پاس حاضر ہو کر امان طلب کر لیں۔ (۵۴) اب لکڑہارے یا ایک آدمی کے بجائے انہیں مکہ کا سردار ابوسفیان مل گیا۔ سیدنا عباس فرماتے ہیں کہ میں نے ابوسفیان کی آواز پہچان لی اور میں نے کہا ”ابوحنظلہ!“ اس نے بھی اندھیرے میں میری آواز پہچان لی اور بولا ”ابوالفضل“، میں نے کہا ”ہاں“ اس نے کہا ”کیا بات ہے؟“ میرے ماں باپ تجھ پر قربان۔ میں نے کہا ”یہ رسول خدا کا لشکر ہے، اس لیے تم لوگ ہوشیار ہو جاؤ۔“ (۵۵) ابوسفیان نے کہا ”اب کیا کیا جائے؟“ میرے ماں باپ تجھ پر قربان، میں نے کہا ”خدا کی قسم! اگر انہوں نے تمہیں پالیا تو تمہاری گردن ماردیں گے، لہٰذا اس خچر پر تم میرے پیچھے بیٹھ جاؤ، میں تمہارے لیے امان طلب کرتا ہوں۔ چنانچہ ابوسفیان میرے پیچھے بیٹھ گیا اور اس کے دونوں ساتھی (بدیل بن ورقاء اور حکیم بن حزام) واپس چلے گئے۔

اب اس کو وہ بارگاہ نبوتؐ میں پیش کرنے کے لیے جانے لگے تو سیدنا عباسؓ نے مناسب سمجھا کہ ابوسفیان کو پورے لشکر کا ایک چکر لگوا دیں تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے لشکر اسلامی کی عظمت اور شوکت دیکھ لے اور یہ بھی ملاحظہ کرلے کہ اسلام کس طرح قبائل عرب کو فتح کر چکا ہے اور اب ان کے لیے بہتر کیا ہے؟ یہ خود غور وفکر کر لیں۔ سیدنا عباسؓ نے ابوسفیان کو اپنے پیچھے خچر پر بٹھا لیا اور قبائل کے خیموں کا گشت کرانے لگے۔ خود فرماتے ہیں کہ جب میں کسی الاؤ کے پاس سے گزرتا تو لوگ پوچھتے کون ہے؟ لیکن جب دیکھتے کہ رسول اللہؐ کا خچر ہے اور میں اس پر سوار ہوں تو کوئی تعرض نہ کرتے۔ یہاں تک میں سیدنا عمرؓ بن الخطاب کے الاؤ کے پاس سے گزرا۔ انہوں نے پوچھا، کون ہے؟“ اور اٹھ کر میری طرف آئے جب انہوں نے میرے پیچھے ابوسفیان کو بیٹھے دیکھا تو کہنے لگے ”ابوسفیان! اللہ اور اس کے رسول کا دشمن، الحمدللہ بغیر کسی عہد وپیمان کے ہاتھ آ گیا۔“ اور تلوار لے کر لپکے کہ دشمن اسلام ابوسفیان کو اس سے پہلے ختم کر دیں کہ وہ بارگاہ رحمۃ للعالمینؐ میں جا کر پروانۂ امن حاصل کر سکے لیکن سیدنا عباسؓ جہاندیدہ آدمی تھے وہ اس بات سے غافل نہیں تھے کہ حضرت عمرؓ کا کیا ارادہ ہے؟ انہوں نے فوراً خچر کو ایڑ لگائی اور تیز کر دیا۔ فرماتے ہیں کہ عمر بن خطابؓ سے پہلے آپؐ کے خیمہ میں پہنچ گیا۔ اتنے میں حضرت عمرؓ بن

خطاب بھی خیمہ میں گھس آئے۔ اب سیدنا عمرؓ کا اصرار تھا کہ "اے اللہ کے رسول! اجازت دیجیے کہ اس مجسمۂ مجسم کے بوجھ سے زمین کو ہلکا کردوں۔" سیدنا عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا "یا رسول اللہ! میں نے ابوسفیان کو پناہ دی ہے جب ابوسفیان کے بارے میں سیدنا عمرؓ نے بار بار قتل کے لیے کہا تو میں نے کہا "عمرؓ! ٹھہرو، خدا کی قسم، اگر بنو عدی بن کعب (سیدنا عمرؓ کا قبیلہ) کا آدمی ہوتا تو تم ایسی بات نہ کہتے۔" سیدنا عمرؓ نے کہا "عباسؓ! خدا کی قسم، تمہارا اسلام لانا میرے نزدیک خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب ہے اور اس کی وجہ میرے نزدیک صرف اور صرف یہ ہے کہ سرورِ دو عالم ﷺ کے نزدیک تمہارا اسلام لانا خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب ہے۔" بہرحال دونوں حضرات میں تیز تیز باتیں بھی ہوئیں لیکن جان بخشی اور امان کی جو دیوار پختہ ہو چکی تھی وہ منہدم نہ ہوئی۔

یہ بحث ختم ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عباسؓ سے فرمایا کہ اس وقت ابوسفیان کو اپنے خیمہ میں لے جائیں اور صبح کو اپنے ساتھ لائیں۔ ایک روایت میں ہے کہ ابوسفیان کے دونوں ساتھی مکہ واپس جانے کے بجائے پہلے ہی رحمت عالم ؐ کے حضور پہنچ کر اسلام سے مشرف ہو چکے تھے اور آپ ؐ نے ان دونوں (بدیل بن ورقاء اور حکیم بن حزام) سے حالات دریافت فرمائے۔ پھر یہ دونوں آپ ؐ سے اجازت لے کر رات ہی کو واپس مکہ چلے گئے تاکہ اہل مکہ کو صورت حال سے آگاہ اور انہیں پر امن رہنے کی ہدایت کردیں اور بتادیں کہ اب لڑنے کا کوئی فائدہ نہیں، اب تم لوگوں میں آپ کی فوج کا مقابلہ کرنے کی طاقت ختم ہو گئی ہے۔

حضرت عباسؓ، ابوسفیان کو اپنے خیمہ میں لے گئے اور صبح کے وقت اس کو لے کر بارگاہِ نبوت ؐ میں حاضر ہوئے۔ ابوسفیان بن حرب کی اسلام دشمنی کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں تھی۔ مکہ میں رسول کریم ﷺ کو سخت سے سخت ایذائیں دینا، مدینہ پر بار بار حملہ کرنا، قبائل عرب کو اشتعال دلا کر حضور اکرم ﷺ کے قتل کی بارہا سازشیں، یہودیوں اور تمام کفار عرب سے ساز باز کر کے اسلام اور بانی اسلامؐ کے خاتمے کی کوششیں۔ یہ وہ ناقابل معافی جرائم تھے جو پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ ابوسفیان کا قتل بالکل درست و جائز اور برمحل ہے لیکن رسول اکرم ﷺ جن کو قرآن نے "رؤف و رحیم" کے لقب سے یاد کیا ہے۔ ان کی رحمت چمکار چمکار کر ابوسفیان کے کان میں کہہ رہی تھی کہ اے مجرم! مت ڈر۔ یہ دنیا کے سلاطین کا دربار نہیں بلکہ یہ رحمۃ للعالمین کی بارگاہِ رحمت ہے۔ لہٰذا ابوسفیان اپنی جگہ مطمئن تھا کہ وہ اس صادق و امین کے حضور میں حاضر ہے۔ جس کے کسی بھی ساتھی کی زبان سے نکلا ہوا لفظ "امان" وہ پختہ حصار ہے، جس کو توڑا نہیں جا سکتا، لیکن لسان نبوت نے اس کے ان سنگین جرائم میں سے کسی جرم کا تذکرہ نہیں کیا۔ بخاری شریف کی روایت تو یہی ہے کہ ابوسفیان بارگاہ اقدس ؐ میں حاضر ہوئے تو فوراً ہی اسلام قبول کر لیا۔ اس لیے جان بچ گئی۔ (۵۶) مگر ایک روایت یہ بھی ہے کہ حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء نے تو فوراً رات ہی میں اسلام قبول کر لیا مگر ابوسفیان نے صبح کو کلمہ پڑھا۔ (۵۷) اور بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ ابوسفیان اور حضور اکرم ﷺ کے درمیان ایک مکالمہ ہوا اس کے بعد ابوسفیان نے اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ وہ مکالمہ یہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیان کو دیکھ کر فرمایا "ابوسفیان، تم پر افسوس! کیا تمہیں اب تک پتہ نہیں چلا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔"

ابوسفیان نے کہا "میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ ؐ کتنے بردبار، کتنے کریم، کتنے حلیم اور کتنے صلہ رحمی کرنے والے ہیں حسن سلوک اور آپ کی صداقت وحشت کا قائل ہوں۔ آپ ؐ کے مکارم اخلاق کو تسلیم کرتا ہوں، میں اچھی طرح سمجھ چکا ہوں کہ اللہ کے سوا اگر کوئی اور اللہ ہوتا تو آج ہمارے کام آتا۔

آپ ؐ نے پھر فرمایا "ابوسفیان تم پر افسوس، کیا تمہارے لیے اب بھی وقت نہیں آیا کہ تم یہ جان سکو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ابوسفیان نے پھر کہا کہ میرے ماں باپ آپ ؐ پر قربان ہوں، آپ کس قدر حلیم وکریم اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں، لیکن آپ کی نبوت کے بارے میں اب بھی دل میں کچھ نہ کچھ کھٹک رہا ہے۔ سیدنا عباسؓ نے اشارہ کیا کہ اس وقت اس بحث کا موقع نہیں ہے کلمہ شہادت پڑھ لو، ابوسفیان کو بھی احساس ہوا چنانچہ انہوں نے کہا:

"اشهدان لا اله الا الله واشهد ان محمدا رسول الله"(۵۸)

ابوسفیان کی طرح اور بھی کئی لوگ تھے کہ اس ہنگامی حالت میں ان کا ذہن صاف نہیں تھا، لیکن رعب یا ڈرانے دھمکانے سے کسی کا ذہن صاف نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ یہ طریقہ اختیار نہیں کیا گیا بلکہ تالیف قلب کا طریقہ اختیار کیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دو تین ہفتہ کی مدت میں جب رسول اللہ ﷺ مکہ اور اطراف مکہ میں تشریف فرما رہے ذہنوں کی تمام الجھنیں اور دلوں کی تمام کھٹک جاتی رہی اور یہ مولفۃ القلوب کامل الایمان ہو گئے۔ چنانچہ ابوسفیان کا اپنا اقرار ہے کہ اللہ نے میرے دل میں اسلام کو داخل کر دیا۔(۵۹) پھر یہی ابوسفیان تھے کہ غزوہ طائف میں مسلمان کی فوج میں شامل ہو کر انہوں نے کفار سے جنگ کی اور اسی میں ان کی ایک آنکھ زخمی ہو گئی۔پھر یہ جنگ یرموک میں بھی جہاد کے لیے گئے یہاں تک کہ اپنی دونوں آنکھیں کفر کے خلاف جہاد میں قربان کر دیں۔(۶۰)

ابوسفیان کے اسلام قبول کر لینے کے بعد سیدنا عباسؓ نے بارگاہ رسالت ؐ میں عرض کیا "ابوسفیان سرداران مکہ میں سے ہے، لہٰذا آپ ؐ اس کے لیے کوئی مناسب معاملہ کر دیں جو اس کے لیے باعث عزت و شرف اور موجب امتیاز ہو" ارشاد فرمایا "اعلان کر دو کہ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو اس کے لیے امن ہے۔" ابوسفیان نے عرض کیا "یارسول اللہ، میرا گھر کوئی اتنا بڑا نہیں، اس میں سب آدمی کہاں سما سکتے ہیں؟" فرمایا "جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائے اس کے لیے امان ہے۔" ابوسفیان نے کہا "یارسول اللہ مسجد حرام میں اتنے آدمی کہاں آسکتے ہیں؟" فرمایا "اچھا جو شخص اپنا دروازہ اندر سے بند کر لے وہ بھی مامون ہے۔"(۶۱)

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ دور جاہلیت میں بھی سیدنا ابوسفیان اور سیدنا عباسؓ میں دوستی اور ہم نشینی تھی۔ مورخین نے لکھا ہے کہ بنو ہاشم اور بنو امیہ کے اکابر اور بزرگ آپس میں دوستی رکھتے تھے، چنانچہ انہی قدیم مراسم کے تحت ان دونوں کی بھی آپس میں دوستی اور ہم نشینی تھی۔اسی دوستی کے تحت سیدنا عباسؓ ابوسفیانؓ کے ساتھ اس نرمی اور بردباری سے پیش آرہے تھے۔(۶۲)

ابوسفیان جو کچھ بھی تھا ذاتی طور پر ایک شریف انسان تھا۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے اپنی کتاب "محمد رسول اللہ" میں لکھا ہے کہ:

"مکہ میں نیک دل اشراف کی بھی کمی نہ تھی۔جب کچھ آوارہ لڑکے (بڑوں کے ایما پر) مکہ کی گلیوں میں رسول اللہ ﷺ کا تعاقب کرتے اور ان پر پتھر وغیرہ پھینکتے، اس وقت اگر رسول اللہ ابوسفیان کے گھر کے قریب ہوتے تو حضور اکرم ﷺ اس گھر میں پناہ حاصل کر سکتے تھے۔ابوسفیان خود آوارہ چھوکروں کو ڈانٹ کر بھگا دیتے، جب یہ آوارہ منش لڑکے بھاگ جاتے تو رسول اللہ اپنی راہ لیتے۔ایک روز بزدل اور کمینے ابوجہل نے رسول اللہ کی صاحبزادی سیدہ فاطمہؓ کے منہ پر تھپڑ مارا وہ رونے لگیں۔ابوسفیان ادھر سے گزر رہے تھے، انہوں نے سیدہؓ سے رونے کا سبب پوچھا، جب سیدہ فاطمہؓ نے انہیں تمام ماجرا سنایا تو ابوسفیان نے سیدہ فاطمہؓ کو بازو سے پکڑ لیا اور سیدھے ابوجہل کے پاس گئے اور اسکے دونوں ہاتھ قابو کر لیے پھر انہوں نے سیدہ فاطمہؓ سے کہا کہ وہ ابوجہل کے منہ پر تھپڑ ماریں اور اپنا

بدلہ چکائیں۔ سیدہ فاطمہؓ نے ابوجہل کو تھپڑ مارا اور مسکراتی ہوئی چلی گئیں۔ فطری بات ہے کہ جب رسول اللہ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ ابوسفیان کے لیے اظہار تشکر کے بغیر نہ رہ سکے۔" اس واقعہ سے ابوسفیان کی ذاتی شرافت ضوافشاں ہے۔

۱۷ رمضان المبارک سن ۸ ہجری کی صبح رسول اکرم نے لشکر کو روانگی کا حکم فرمایا تو سیدنا عباسؓ سے فرمایا کہ ابوسفیان کو پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر کھڑا کر دو تاکہ وہ لشکر اسلام کی شان و شوکت کو بخوبی اپنی آنکھوں سے دیکھ سکے۔ اسلامی لشکر میں الگ الگ قبیلوں کے دستے تھے، ان کے اپنے علم تھے، اپنے علم بردار تھے۔ ہر بٹالین یکے بعد دیگرے ابوسفیان کے سامنے سے گزرنے لگی۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ بدیل بن ورقاء اور حکیم بن حزام بھی اہل مکہ کو اسلامی لشکر کے بارے میں آگاہ کرنے کے بعد واپس یہاں پہنچ گئے تھے۔ ابوسفیان نے سرزمین عرب میں ایسا نظام اس سے قبل کب دیکھا تھا وہ خدا پرست اور خداشناس مجاہدین کا یہ لشکر جرار دیکھ کر نہایت متاثر ہوا کہ کس شان و شوکت کے ساتھ وہ گزر رہے ہیں۔ آٹھ سال قبل تو حضور اکرم ﷺ کو ہم نے اس شہر سے نکالا تھا۔ ان کے قتل کا منصوبہ بنایا تھا لیکن آج وہی شخص ہاں شکوہ ایک بھاری جمعیت کے ساتھ اس شہر میں داخل ہو رہا ہے۔ چنانچہ ابوسفیان نے سیدنا عباسؓ سے کہا:

"یا ابا الفضل لقد اصبح ملک ابن اخیک الیوم عظیما"

"ابوالفضل! تمہارے بھائی کے بیٹے کی سلطنت بہت عظیم ہوگئی ہے۔"

سیدنا عباسؓ نے فوراً ٹوکا "یہ سلطنت نہیں، نبوت ہے۔" ابوسفیان نے کہا "بے شک جب تو اور بھی اچھا ہے۔" (۶۳)

یعنی سیاست اقتدار اور جبر و قہر نے یہ نظام قائم نہیں کیا جو سلطنت کی خصوصیت ہے بلکہ پیغمبرانہ صداقت، دیانت و امانت اور اعلیٰ اخلاق نے دلوں کو فتح کیا ہے، پھر دعوت الی اللہ کے نصب العین پر سب کو متحد کر کے ایثار و فدائیت کا یہ نظام بنایا ہے جس کا مقصد ذاتی اور قومی اقتدار نہیں بلکہ خداشناسی، خدا پرستی، خدمت خلق، اعلاء کلمۃ الحق اور اس پر اپنی جان قربان اور فدا کرنا۔

ابوسفیان پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے اسلامی لشکر کے دستوں کو دیکھ رہا تھا اور یہ خدائی فوج ایک نرالی شان کے ساتھ اس کے سامنے سے گزر رہی تھی۔ قبائل اپنے اپنے پرچم لیے گزر رہے تھے جب کوئی قبیلہ اپنا جھنڈا لیے گزرتا تو ابوسفیان پوچھتا یہ کون لوگ ہیں؟ سیدنا عباسؓ جواب میں فرماتے کہ یہ فلاں قبیلہ ہے۔ ابوسفیان کہتا مجھے اس قبیلہ سے کیا واسطہ؟ سب سے پہلے حضرت خالدؓ بن ولید ایک ہزار نو سو سپاہیوں پر مشتمل دستہ کو لے کر گزرے پھر بعد میں مختلف قبائل کے دستے گزرتے رہے اور ابوسفیان ان کو دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہا تھا پھر آخر میں کوکبہ نبویؐ ظاہری اور باطنی شکوہ و جلال کے ساتھ، مہاجرین و انصار کے مسلح اور زرہ پوش سبز لشکر کے درمیان جلوہ افروز ہوا۔ (۶۴) مہاجرین کا علم سیدنا زبیر بن عوامؓ کے ہاتھ میں تھا اور انصار کا علم سیدنا سعد بن عبادہؓ انصاری کے ہاتھ میں تھا۔ یہاں انسانوں کے بجائے صرف لوہے کی باڑھ دکھائی دے رہی تھی۔ ابوسفیان نے پوچھا "ابوالفضل، یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا "یہ انصار و مہاجرین کے جلو میں رسول اللہ جلوہ فرما ہیں۔"

سیدنا سعد بن عبادہؓ قبیلہ خزرج کے سردار ہاتھ میں انصار کا پرچم لیے ہوئے جب گزر رہے تھے تو ان کی نظر ابوسفیان پر پڑی۔ ابوسفیان کو دیکھ کر جوش آیا کیوں کہ اسے ہر لڑائی کے میدان میں قریش کے لشکر کی کمان کرتے دیکھا تھا۔ اس لیے فرط جوش میں یہ کہہ اٹھے:

الیوم یوم الملحمة "آج گھمسان کا دن ہے۔"

الیوم تستحل الکعبة "آج کعبہ میں قتل و قتال حلال ہوگا۔"

ابوسفیان نے گھبرا کر پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ سیدنا عباسؓ نے فرمایا "یہ مہاجرین و انصار کا دستہ ہے جس میں رسول اللہ جلوہ فرما ہیں۔ ابوسفیان کی نظر جو چہرہ انور پر پڑی تو پکار اٹھے، "حضور! آپؐ نے سنا، سعد بن عبادہ کیا کہتے ہوئے گئے۔" پھر سعد بن عبادہؓ کی بات آپ کو سنائی۔ ارشاد فرمایا: "سعدؓ نے غلط کہا ہے۔ آج تو خانہ کعبہ کی بے حرمتی نہیں ہوگی بلکہ آج کا دن وہ دن ہے کہ اللہ تعالیٰ کعبہ کی عظمت میں اور اضافہ کرے گا۔"

"الیوم یوم المرحمة" آج کا دن تو رحمت کا دن ہے۔(۶۵)

سیدنا عثمان بن عفانؓ اور سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے عرض کیا "یارسول اللہ! ہمیں خطرہ ہے کہ کہیں سعد بن عبادہ قریش کے اندر مار دھاڑ نہ مچا دیں، کیوں کہ ان کے جذبات مچلے ہوئے ہیں۔ آپؐ نے اسی وقت ان کے پاس آدمی بھیجے اور سیدنا سعد بن عبادہؓ سے جھنڈا لے کر ان کے صاحبزادے قیسؓ بن سعد کو دے دیا۔(۶۶) قیسؓ بڑے ٹھنڈے دل و دماغ کے آدمی تھے۔ انہیں اپنے آپ پر قابو رکھنے کا ملکہ بھی حاصل تھا۔ انہوں نے اپنے والد کو بھی جنگ کے شعلے بھڑکانے کی اجازت نہ دی۔ ابن ہشام کا بیان ہے کہ آپؐ نے حضرت سعدؓ سے پرچم لے کر علی المرتضیٰؓ کو دے دیا۔(۶۷)

جب رسول اللہ ﷺ ابوسفیان کے پاس سے گزر گئے تو سیدنا عباسؓ نے ابوسفیان سے کہا "اب دوڑ کر اپنی قوم کے پاس جاؤ۔" ابوسفیان نہایت تیزی سے مکہ پہنچا اور نہایت بلند آواز سے اعلان کیا: "قریش کے لوگو! محمد تمہارے پاس اتنا بڑا لشکر لے کر آئے ہیں کہ کسی کی طاقت نہیں کہ اس کا مقابلہ کر سکے۔ اسلام لے آؤ، سلامت رہو گے، لہٰذا جو ابوسفیان کے گھر میں گھس جائے، اسے امان ہے۔"

ابوسفیان کی بیوی ہند جو ابھی اسی ترنگ میں تھی یہ سن کر بھڑک اٹھی اور ابوسفیان کی مونچھیں نوچ لیں اور چلا کر بولی "اے بنی کنانہ! یہ بڈھا فرتوت پاگل ہو گیا ہے کوئی اس کی بات نہ مانے، معلوم نہیں کیا کیا بک رہا ہے اور بہت بُرا بھلا کہا۔" ایک اور روایت میں ہے کہ ہند کہنے لگی "اس موٹے چربیلے شخص کو جو مشک کی طرح پھولا ہوا ہے، مار ڈالو، قوم اس کے باعث تباہ ہوگئی۔(۶۸) لوگ جمع ہوگئے کہ ان دونوں کو کیا ہو گیا۔ ابوسفیان نے کہا "بی بی! خیریت اسی میں ہے جو میں کہہ رہا ہوں، ورنہ تباہ ہو جائے گی گھر میں جا کر دروازہ بند کر کے بیٹھ جا۔" پھر لوگوں سے کہا "تمہاری بربادی ہو، دیکھو، تمہاری جانوں کے بارے میں یہ عورت دھوکہ میں نہ ڈال دے، کیوں کہ محمدؐ اتنا بڑا لشکر لے کر آئے ہیں کہ جس سے مقابلہ کی کسی میں طاقت نہیں۔ اس لیے جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اسے امان ہے۔" لوگوں نے کہا "اللہ تجھے غارت کرے، تیرا گھر ہمارے کتنے آدمیوں کے کام آسکتا ہے؟ ابوسفیان نے کہا کہ جو شخص اپنا دروازہ بند کر لے اسے بھی امان ہے۔ میں تم سے سچی بات کہہ رہا ہوں۔ یہ سن کر لوگ اپنے اپنے گھروں اور مسجد حرام کی طرف بھاگے جب کہ کچھ اپنے ہتھیار زمین پر رکھ کر کھڑے ہو گئے۔(۶۹) البتہ بعض سرکشوں نے اپنے کچھ اوباشوں کو لگا دیا اور کہا کہ انہیں ہم آگے کیے دیتے ہیں اگر قریش کو کچھ کامیابی ہوئی تو ہم ان کے ساتھ رہیں گے اور اگر ان پر ضرب لگی تو ہم سے جو کچھ مطالبہ کیا جائے منظور کر لیں گے۔

رسول اللہ ﷺ مرالظہران سے روانہ ہو کر ذی طویٰ پہنچے۔ اس اعزاز فتح پر فرط تواضع سے آپؐ نے اپنا سر جھکا رکھا تھا، یہاں تک کہ داڑھی کے بال کجاوے کی لکڑی سے لگ رہے تھے۔ ذی طویٰ میں ۲۰ رمضان ۸ ہجری مطابق ۱۲ جنوری ۶۳۰ء کو لشکر اسلامی کی ترتیب و

تقسیم یوں فرمائی کہ میمنہ پر حضرت خالد بن ولیدؓ کو، میسرہ پر حضرت زبیر بن عوامؓ کو اور مقدمۃ الجیش پر ابو عبیدہ بن الجراحؓ کو مقرر فرمایا۔(۷۰) ایک لشکر حضرت سعد بن عبادہؓ کی سرکردگی میں تھا۔ یہ ترتیب قائم کرنے کے بعد آپ ؐ نے حکم دیا کہ حضرت سعد بن عبادہؓ جنوب مغرب کے راستے سے اور حضرت خالدؓ جنوب کی طرف نچلی سمت (مسفلہ) سے شہر میں داخل ہوں (۷۱) اور جب تک کوئی آڑے نہ آئے اس وقت تک جنگ نہ کریں اور صفا پر آپ ؐ سے آملیں۔

سیدنا زبیر بن عوامؓ جن کے ہاتھ میں رسول اللہ ﷺ کا پرچم تھا۔ انہیں حکم ہوا کہ مکہ میں شمال کی طرف سے بالائی حصے یعنی کداء سے داخل ہوں اور مقام حجون پر جھنڈا نصب کر کے آپ کی آمد تک وہیں ٹھہرے رہیں۔(۷۲) سیدنا ابو عبیدہ بن الجراح پیادے پر مقرر تھے۔ انہیں حکم فرمایا کہ وہ شمال مغرب کی جانب بطن وادی سے مکہ میں داخل ہونے کا راستہ پکڑیں یہاں تک کہ مکہ میں حضور اکرم ﷺ کے آگے اتریں۔(۷۳)

ذی طویٰ سے پیغمبر اسلام ﷺ کی ہدایات کے مطابق اسلامی لشکر کے تمام دستے اپنے اپنے مقررہ راستوں سے چل پڑے خود پیغمبر اسلام نہایت تواضع کے ساتھ بادشاہوں کی شاہانہ شان سے نہیں بلکہ پیغمبرانہ وقار کے ساتھ سر جھکائے ہوئے ۲۰ رمضان بمطابق ۱۱ جنوری بروز جمعرات مکہ میں داخل ہوئے۔(۷۴) آپ ؐ نے ایسے اقدامات کیے کہ خوں ریزی نہ ہونے پائے بجز ایسے اشخاص کے جو مسلمانوں سے مقابلہ کریں۔ اس مقصد کے لیے آپ ؐ نے خبر رسانی کے مکمل ترین انتظامات کیے تا کہ آپ کو ہر بات کی اطلاع ملتی رہے۔ بخاری کی روایت کے مطابق جب آپ مکہ میں داخل ہوئے تو ناقہ پر سوار نہایت خوش الحانی سے سورۂ فتح پڑھ رہے تھے۔ ایک وقت تھا کہ آپ ؐ سیدنا ابو بکر صدیقؓ کی معیت میں نہایت بے بسی اور بے کسی کی حالت میں یہاں سے نکلے تھے اور آج وہ وقت ہے کہ آپ ؐ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نصرت سے فاتحانہ طور پر اس شہر میں داخل ہو رہے ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے داخلہ کی شان یہ تھی کہ آپ ؐ اپنی ناقہ پر سوار اسامہ بن زیدؓ آپ ؐ کے ردیف، سر پر سیاہ عمامہ (۷۵) اور زبان مبارک پر سورۂ فتح جو رقت انگیز انداز سے تلاوت فرما رہے تھے، خشوع وخضوع کا یہ عالم کہ سر مبارک جھکتے جھکتے ہودج کے کنارے سے لگ گیا تھا(۷۶) جبین نبوت اسی ہودج کے کنارے پر سجدہ ریز تھی۔ آپ ؐ کی یہ کیفیت تواضع خداوند قدوس کا شکر ادا کرنے اور اس کی بارگاہ عظمت میں اپنے عجز و نیاز مندی کا اظہار کرنے کے لیے تھی۔(۷۷)

رسول اللہ ﷺ مکہ کی بالائی جانب سے مکہ میں داخل ہوئے جب کہ سیدنا خالد بن ولیدؓ کو اسفل مکہ سے داخل ہونے کا حکم تھا اور یہ تاکید کی تھی کہ خود قتال کی ابتداء نہ کرنا۔ حضور اکرم ﷺ کے اس اعلان رحمت نشان یعنی مکمل امن وامان کا فرمان جاری کر دینے کے بعد ایک قطرہ خون بہنے کا کوئی امکان ہی نہیں تھا لیکن عکرمہ بن ابو جہل وصفوان بن امیہ وسہیل بن عمرو اور حماس بن قیس نے مقام ''خندمہ'' میں بنو بکر اور حارث بن عبد مناۃ اور کچھ قبیلہ ہذیل اور کچھ اوباش قریش کو مقابلہ کے لیے جمع کیا۔ چنانچہ سیدنا خالدؓ جب خندمہ پہنچے تو ان لوگوں نے ہلہ بول دیا جب حضرت خالدؓ نے ان کے اس ہلہ کا جواب دیا تو سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ بنو بکر کے قریباً بیس آدمی اور بنو ہذیل کے چار آدمی قتل ہوئے۔ باقی ماندہ مشرکین میں بھگدڑ مچ گئی۔ کوئی مکان میں جا کر چھپ گیا اور کوئی پہاڑ پر چڑھ گیا۔ حماس بن قیس جو مسلمانوں سے جنگ کے لیے ہتھیار ٹھیک کرتا رہتا تھا، بھاگ کر اپنے گھر میں جا گھسا اور اپنی بیوی سے کہنے لگا ''دروازہ بند کر لو۔'' بیوی

بولی وہ کہاں گیا جو تم کہا کرتے تھے؟ کہنے لگا:

"اگر تم نے خندمہ کے معرکہ کا حال اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوتا جب صفوان اور عکرمہ بھاگ کھڑے ہوئے اور سونتی ہوئی تلواروں نے ہمارا استقبال کیا جو کلائیوں اور کھوپڑیوں کو اس طرح کاٹتی جارہی تھیں کہ سوائے شوروغوغا اور ہمہمہ کے اور کچھ سنائی نہ دیتا ہے تو تو ملامت کا ایک ادنیٰ کلمہ بھی زبان سے نہ نکالتی۔(۷۸)

صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور عکرمہ بن ابی جہل، حماش بن قیس، جو کہ ان حملہ آوروں کے سرغنہ تھے اس واقعہ کے اصل محرک تھے۔ جونہی سیدنا خالدؓ بن ولید کا دستہ قریب پہنچا، انہوں نے تیروں کی باڑھ چھوڑ دی، لیکن خالدؓ کے جوابی حملہ سے لمحہ بھر میں اپنے مقتول چھوڑ کر بھاگ گئے۔ صفوان، سہیل اور عکرمہ خالدؓ کی تلوار کی کاٹ اور اس کی جنگی مہارت سے بخوبی واقف تھے، لہٰذا خود کو خالدؓ کے نرغے میں دیکھا تو جان بچانے کے لیے ادھر ادھر بھاگ گئے۔ اس کے بعد سیدنا خالدؓ مکہ کے گلی کوچوں میں سے گزرتے ہوئے آپ کی حسب ہدایت کوہ صفا پر آپؐ سے جا ملے۔ اس مڈبھیڑ میں ان کے دو ساتھی سیدنا کرز بن جابر فہریؓ اور سیدنا خنیس بن خالد بن ربیعہ شہید ہو گئے۔ بخاری کی روایت میں انہی دو حضرات کی شہادت کا ذکر ہے مگر زرقانی وغیرہ کتابوں سے پتا چلتا ہے کہ تین صحابہ کرامؓ کو کفار قریش نے قتل کر دیا وہ دو جو اوپر ذکر کیے گئے اور ایک حضرت سلمہ بن المیلاء تھے۔ وجہ یہ ہوئی کہ یہ حضرات خالدؓ کے دستہ سے بچھڑ کر ایک دوسرے راستہ پر چل پڑے اور ان اوباشوں نے انہیں اکیلا سمجھ کر شہید کر دیا۔(۷۹)

واقدی اور طبرانی نے اس چھوٹے سے معرکے کی تفاصیل بیان کی ہیں جن کی وجہ سے حضرت خالدؓ کو مکہ کے جنوب میں اس میں حصہ لینا پڑا، واقدی کہتا ہے کہ جب حضرت خالدؓ داخل ہوئے تو انہوں نے قریش اور ان کے حلیفوں کا ایک جتھہ دیکھا جو آپ کے مقابلہ کے لیے وہاں اکٹھے ہوئے تھے ان میں صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابو جہل اور سہیل بن عمرو بھی شامل تھے انہوں نے آپ کو داخل ہونے سے روکا اور ہتھیار اٹھالیے اور تیر اندازی شروع کر دی اور کہنے لگے تو زبردستی کبھی مکہ میں داخل نہیں ہو سکے گا، حضرت خالدؓ نے اپنے اصحاب کو آواز دی اور ان سے جنگ کی تو ان میں سے قریش کے چوبیس آدمی مارے گئے اور حزورہ (۸۰) میں قتل ہونے والوں نے بری طرح شکست کھائی اور ہر طرف پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے ان میں سے ایک پارٹی پہاڑوں کی چوٹیوں پر چلی گئی، مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا تو ابوسفیان اور حکیم بن حزام نے بلند آواز سے کہا اے گروہ قریش! کیوں اپنی جانوں کو گنواتے ہو جو اپنے گھر میں داخل ہو جائے گا وہ امن و امان میں رہے گا اور جو ہتھیار ڈال دے گا وہ بھی امن و امان میں رہے گا تو لوگ گھروں میں گھسنے لگے اور دروازے بند کرنے لگے اور ہتھیاروں کو راستوں میں پھینکنے لگے تاکہ مسلمان انہیں قبضہ میں کر لیں۔

واقدی کہتا ہے کہ جب رسول کریم ﷺ اذاخر گھاٹی کے راستے پر چڑھے تو آپؐ نے تلواروں کی چمک کو دیکھ کر فرمایا یہ چمک کیسی ہے؟ کیا میں نے قتل سے منع نہیں کیا تھا؟ آپؐ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! خالدؓ بن ولید سے جنگ کی گئی ہے اگر ان سے جنگ نہ کی جاتی تو وہ نہ لڑتے اس پر رسول کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے بہتر فیصلہ فرمایا ہے۔(۸۱)

سیدنا زبیر بن عوام مکہ کی بالائی جانب سے داخل ہوئے اور آگے بڑھ کر حجون (۸۲) میں مسجد فتح کے پاس رسول اللہ ﷺ کا جھنڈا نصب کیا۔(۸۳) اور وہیں ٹھہر کر آپ کا انتظار کرنے لگے، یہاں تک کہ آپؐ وہاں تشریف لے آئے۔(۸۴) جونہی اسلامی فوج مکہ میں داخل

ہوئی اعلان کر دیا گیا "جو شخص ہتھیار ڈال دے اس کو امان جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے اس کو امان، جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اس کو امان، جو شخص حکیم بن حزام کے گھر میں پناہ لے لے اس کو امان اور جو حرم میں داخل ہو جائے اس کو امان ہے۔"

فتح مکہ اور رسول اکرم کا مکہ معظمہ میں ورودِ مسعود:

رمضان المبارک کی بیس تاریخ، پیر کا دن، امن، پناہ اور حفاظت جان و مال کے اعلان کے ساتھ تقدس مآب مجاہدین کا مکہ میں فاتحانہ داخلہ ہوا یہ نبوت کا داخلہ تھا کسی بادشاہ کا داخلہ نہ تھا کہ خون کی ندیاں بہائی جاتیں۔ یہاں تو ہر طرف امن و امان کے پھول بکھیرے جا رہے تھے۔ ارشاد ہوا کہ شعب بنی ہاشم میں قیام کا انتظام کیا جائے۔ یہ وہی شعب بنی ہاشم تھی جہاں تین سال تک تمام بنو ہاشم کا سوشل بائیکاٹ کر کے انہیں محصور رکھا گیا۔ آپؐ کے لیے سرخ چمڑے کا خیمہ لگایا گیا۔ جس میں آپؐ رونق افروز ہوئے۔ پہلے غسل فرمایا پھر آٹھ رکعت پڑھیں۔(۸۵) یہ چاشت کا وقت تھا۔ اس سے نماز چاشت کا استحباب بھی ثابت ہوتا ہے اور نماز فتح کا بھی، یہ نماز بہت ہی مختصر طور پر ادا فرمائی لیکن رکوع و سجدہ مکمل طور پر ادا فرماتے رہے۔(۸۶) سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ فاتح ایران نے بھی کسریٰ کے دارالسلطنت مدائن کو فتح کرنے کے بعد اس کے قصر ابیض (White House) میں آٹھ رکعت نماز پڑھی تھی۔

بعض روایات میں ہے کہ شہر میں داخل ہونے سے قبل عرض کیا گیا "یا رسول اللہؐ! اپنے آبائی دولت کدہ پر استراحت فرمانے کا ارادہ ہو تو اس کا انتظام کیا جائے؟ ارشاد فرمایا" نہ میں آبائی گھر میں اترنا چاہتا ہوں اور نہ میرے قدر دانوں نے اسے میرے لیے باقی رہنے دیا ہے۔" یہ فرمانے کے بعد اپنے مختصر خیمے میں تشریف لے گئے، لیکن قلب مبارک بے حد مسرور اور ہر بن مو شکر خداوندی میں رطب اللسان تھا کہ آج اس شہر میں ان مظلومین کی معیت میں فاتحانہ غلبہ حاصل ہوا ہے جن پر یہاں تیرہ سال ظلم کے پہاڑ توڑے گئے۔

خیمہ میں زیادہ دیر تک قیام نہ فرمایا بلکہ جلد باہر تشریف لائے اور اپنی ناقہ قصواء پر سوار ہوئے۔ حضرت اسامہؓ بن زید کو اونٹنی پر اپنے پیچھے بیٹھا کر مسجد حرام کی طرف روانہ ہوئے اور حضرت بلالؓ اور کعبہ کے کلید بردار حضرت عثمان بن طلحہ حجبی بھی آپؐ کے ساتھ تھے اور آپؐ فرما رہے تھے اے اللہ! زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔(۸۷) جس وقت رسول کریم ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ مسجد میں داخل ہوئے اس تاریخی لمحہ میں انسانیت کا چہرہ دمک اٹھا، اس دخول سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو گیا کہ وہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔

﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ آمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُؤُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ○ هُوَ الَّذِيْ أَرْسَلَ رَسُوْلَهُ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ○ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّأَجْرًا عَظِيْمًا﴾(۸۸)

بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھلایا جو مطابق واقع کے ہے کہ تم لوگ مسجد حرام میں انشاء اللہ ضرور جاؤ گے امن و

امان کے ساتھ کہ تم میں کوئی سر منڈا تا ہوگا کوئی بال کترا تا ہوگا تم کو کسی طرح کا اندیشہ نہ ہوگا۔ سو اللہ تعالیٰ کو وہ باتیں معلوم ہیں جو تم کو معلوم نہیں پھر اس سے پہلے لگے ہاتھ ایک فتح دے دی۔ وہ اللہ ایسا ہے کہ اس نے اپنے رسول کو ہدایت دی اور سچا دین دے کر دنیا میں بھیجا ہے تا کہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے اور اللہ کافی گواہ ہے۔ محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز ہیں اور آپس میں مہربان ہیں، اے مخاطب تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں کبھی سجدہ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضا مندی کی جستجو میں لگے ہیں ان کے آثار بوجہ تاثیر سجدہ کے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں یہ ان کے اوصاف توریت میں ہیں اور انجیل میں ان کا یہ وصف ہے کہ جیسے کھیتی، اس نے اپنی سوئی نکالی پھر اس نے اس کو قوی کیا پھر وہ موٹی ہوئی پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی کہ انسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی تا کہ ان سے کافروں کو جلا دے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو کہ ایمان لائے ہیں اور نیک کام کر رہے ہیں مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔

جب رسول کریم ﷺ اور آپ کی فوج مسجد میں داخل ہوئے تو سب سے پہلے آپ نے بیت اللہ کا طواف کیا آپ شدید بھیڑ اور ناقہ پر سوار ہونے کی وجہ سے طواف کے دوران رکن کو جس میں حجر اسود ہے کھونٹی سے بوسہ دیتے تھے۔(۸۹) موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے طواف کے بعد دو رکعتیں پڑھیں پھر زمزم کی طرف واپس آ کر اسے دیکھا اور پانی منگوایا اور وضو کیا، لوگ آپ کے وضو کے پانی کو حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑتے، مشرکین اس کیفیت سے متعجب ہو کر کہتے ہم نے تو کبھی نہ ایسا بادشاہ دیکھا ہے نہ سنا ہے اور رسول کریم نے مقام ابراہیم کو اپنی آج کی جگہ تک پیچھے کر دیا پہلے یہ بیت اللہ سے ملا ہوا تھا۔(۹۰) واقدی کہتا ہے کہ جب رسول کریم ﷺ طواف سے فارغ ہوئے تو اپنی سواری سے نیچے اترے اور معمر بن عبد اللہ بن نضلہ (۹۱) آپ کی سواری کو باہر لے گئے پھر رسول اکرم ﷺ زرہ اور خود پہنے مقام ابراہیم پر گئے (ان دنوں وہ کعبہ کے ساتھ ملا ہوا تھا) آپ کا عمامہ دونوں کندھوں کے درمیان پڑا تھا آپ نے وہاں دو رکعت نماز پڑھی پھر زمزم کی طرف واپس آ کر اسے دیکھا......اور فرمایا اگر بنو عبد المطلب پر غلبہ کا اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ میری پیروی میں انہیں زمزم نہیں نکالنے دیں گے تو میں ڈول نکالتا، حضرت عباس بن عبد المطلبؓ نے ڈول نکالا تو آپ نے اس سے پانی پیا یہ کہا جاتا ہے کہ ڈول نکالنے والا ابو سفیان بن الحارث بن عبد المطلب تھا اور بیت اللہ کے طواف کے وقت آپ کی سواری کی باگ پکڑنے والا جانثین کا لیڈر محمد بن مسلمہ انصاری (۹۲) تھا۔

مسلمانوں نے بھی رسول کریم ﷺ کے ساتھ طواف کیا۔ آپ ہر بار کھونٹی کے ساتھ رکن کو بوسہ دیتے یہاں تک کہ سات دوڑیں پوری ہوگئیں، واقدی کہتا ہے کہ جب رسول کریم ﷺ کعبہ میں پہنچے آپ نے مسلمانوں کی معیت میں اسے دیکھا تو آپ نے اپنی سواری پر آگے بڑھ کر رکن کو اپنی کھونٹی سے بوسہ دیا اور آپ نے تکبیر کہی، مسلمانوں نے بھی آپ کے تکبیر کہنے کی وجہ سے تکبیر کہی اور بار بار کہی یہاں تک کہ مکہ تکبیر سے ہل گیا اور آپ کو انہیں خاموشی اختیار کرنے کے لیے اشارہ کرنا پڑا، مشرکین پہاڑوں کی چوٹیوں سے یہ ساری کارروائی دیکھ رہے تھے۔(۹۳)

یہ انقلاب زمانہ کی ایک حیرت انگیز مثال ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ جن کا لقب "بت شکن" ہے، ان کی یادگاہ خانہ کعبہ کے اندرونی حصار تین سو ساٹھ بتوں کی قطار تھی فاتح مکہ کا حضرت خلیل کا جانشین جلیل ہونے کی حیثیت سے فرض اولین تھا کہ یادگار خلیل کو

بتوں کی نجس اور گندی آلائشوں سے پاک کریں۔ چنانچہ آپ خود بہ نفس نفیس ایک کمان (۹۴) لے کر کھڑے ہوئے اور ان بتوں کو کمان کی نوک سے ٹھوکے مار مار کر گراتے جاتے تھے اور ﴿جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾ (۹۵) کی آیت تلاوت فرماتے جاتے تھے یعنی حق آ گیا اور باطل مٹ گیا اور باطل مٹنے ہی کی چیز تھی۔ (۹۶)

پھر ان بتوں کو جو بیت کعبہ کے اندر تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ وہ سب نکالے جائیں۔ چنانچہ وہ سب بت نکال باہر کیے گئے انہی بتوں میں حضرت ابراہیمؑ وحضرت اسمٰعیلؑ کے مجسمے بھی تھے جن کے ہاتھوں میں فال کھولنے کے تیر تھے آپؐ نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کافروں کو مار ڈالے ان کافروں کو خوب معلوم ہے کہ ان دونوں پیغمبروں نے کبھی بھی فال نہیں کھولا۔ بعض روایات میں ہے کہ جب آپؐ اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ ہر طرف تصویریں ہیں جن میں حضرت ابراہیمؑ وحضرت اسمٰعیلؑ کی تصویریں بھی تھیں تمام تصویروں کو آپؐ کے حکم سے مٹا دیا گیا اور آب زمزم سے دھویا گیا۔ بہر حال جب تک ایک ایک بت کعبہ کے اندر سے نہ نکل گیا۔ آپؐ نے کعبہ کے اندر قدم نہیں رکھا جب تمام بتوں سے کعبہ پاک ہو گیا تو آپؐ اپنے ساتھ حضرت اسامہ بن زیدؓ اور حضرت بلالؓ اور عثمان بن طلحہ کو لے کر خانہ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے اور بیت اللہ شریف کے تمام گوشوں میں تکبیر پڑھی اور دو رکعت نماز بھی ادا فرمائی۔ اس کے بعد باہر تشریف لائے۔ (۹۷) دیکھا کہ صحن میں لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا ہے سب منتظر ہیں کہ زبان رسالتؐ سے ان دشمنوں اور مجرموں کے متعلق سزا کے کیا احکام صادر ہوتے ہیں۔

فتح مکہ کے بعد پیغمبر امن کا تاریخ ساز خطبہ:

رحمۃ للعالمین ﷺ نے کعبہ کے دروازے کے دونوں بازو پکڑ لیے اور باب کعبہ پر کھڑے ہو کر قریش کے اجتماع کے سامنے چند بنیادی اصولوں کا اعلان فرمایا۔ یہ خطبہ فاتح پیغمبر کا تھا جو انسان کو آداب انسانیت سکھانے کے لیے آیا تھا اور جس نے ماضی کی داستان کو گلدستہ طاق نسیان بنا کر ان لوگوں کو مستقبل کی شاہراہوں کی طرف ان الفاظ میں رہنمائی فرمائی، فرمایا:

۱۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں، اس نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا، اور اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تمام جتھوں کو تنہا شکست دی۔

۲۔ ہر ایک رسم و ریت، کسی بھی خون یا مال کا مطالبہ، جو روایتی طور پر چلا آ رہا ہے، آج وہ سب میرے ان قدموں کے نیچے ہے یعنی سب ختم ہے، مگر بیت اللہ کی دربانی اور کلید برداری اور حاجیوں کو پانی پلانے کا انتظام یعنی پرانی رسم و رواج کا یہ دو منصب باقی رہیں گے۔

۳۔ یہ بھی سن لو، کوئی شخص غلطی سے مارا جائے یا کوڑے یا لاٹھی کی ضرب سے کوئی مر جائے جس کو شبہ عمد کہا جاتا ہے، اس میں دیت مغلظہ ہوگی یعنی سو اونٹ جن میں چالیس حاملہ اونٹنیاں ہوں گی۔

۴۔ اے قریش کے لوگو! جاہلیت کی نخوت اور باپ دادا کا فخر جو تمہارے اندر تھا کہ ہم سب سے اونچے ہیں اور جاہلیت کی یہ نخوت کہ باپ دادا کی عظمت کی وجہ سے اپنے آپ کو بڑا سمجھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان تمام باتوں کا خاتمہ فرما دیا ہے اب ایک ہی حقیقت

تسلیم کی جائے گی کہ تمام انسان آدم علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے۔(۹۸)

۵۔ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

"اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، تم میں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں باعزت اور ذی وقار شخص وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو یعنی جو سب سے زیادہ خدا شناس اور خدا ترس ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔(۹۹)

بے شک اللہ نے شراب کی خرید و فروخت کو حرام فرما دیا ہے۔(۱۰۰)

خطبہ کے ختم ہونے کے بعد آپؐ نے مجمع پر نظر ڈالی۔ یہ مجمع انہیں مجرمین کا تھا جو قریباً گزشتہ بیس سال سے اسلام کو نیست و نابود کرنے اور پیغمبر اسلامؐ کے قتل کے منصوبے بنا رہے تھے یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے ذات اقدس رحمت دو عالم کو ہر قسم کے ظلم و ستم کا تختہ مشق بنایا۔ اپنی زبانوں سے آپؐ پر گالیوں کے کانٹے پھینکے۔ آپ کی شان اقدس میں گستاخیاں کیں آپؐ کے ساتھیوں کو مختلف اذیتیں دے کر اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کیں پھر ہجرت کے بعد بھی ان خدا شناس لوگوں کو آرام سے بیٹھنے نہ دیا۔ بدر و احزاب کی جنگیں انہی کو ختم کرنے کے لیے لڑی گئیں۔ اب یہ سارے مجرمین پابجولاں تھے، محصور تھے، ایک لشکر جرار کے شکنجہ میں کسے ہوئے تھے اب یہ سارے نظریں جھکائے قیدیوں کی طرح آپؐ کے فیصلہ کے منتظر تھے، لیکن لب کشائی کی جرأت کسی میں نہ تھی حالانکہ اس سے قبل ان کی یہی زبانیں پیغمبر اسلامؐ اور اس کے ساتھیوں پر آگ برسایا کرتی تھیں۔ آپؐ نے خود ہی جوش رحمت میں ارشاد فرمایا:

"یا معشر قریش اما ترون انّی فاعلٌ بکم"

"اے گروہ قریش! تم کیا سمجھتے ہو کہ میرا فیصلہ تمہارے متعلق کیا ہوگا؟"

آج رسول اللہؐ کے ان ازلی دشمنوں کی جان آپ کی مٹھی میں تھی۔ جلو میں دس ہزار مسلح جانثاروں کا لشکر آپؐ کے ایک اشارہ سے سب کے سرتن سے جدا ہو سکتے تھے لیکن یہ مقدس وجود انسان کا دشمن نہیں یہ قابل صد مدحت محمدؐ تھے۔ اللہ کے نبی، پروردگار عالم کے رسول، آپؐ ان لوگوں میں سے نہیں تھے جن کے دل میں ایک لمحہ کے لیے بھی بنی نوع انسان کے ساتھ دشمنی یا انتقام کا جذبہ ابھر سکے۔ نہ سخت گیر تھے اور نہ متکبر اور جن لوگوں سے پوچھا کہ میں آج تم سے کیا سلوک کرنے والا ہوں؟ وہ اگرچہ سب ظالم تھے، جفاکار تھے، مشرک و کافر تھے، لیکن مزاج شناس بھی تھے اور سخن شناس بھی۔ انہوں نے وہی جواب دیا جو آپ کی شان کے مطابق تھا:

"خیرا اخٌ کریمٌ و ابن اخٍ کریم"

"ہم آپؐ سے بھلائی اور خیر کی توقع رکھتے ہیں کیوں کہ آپؐ خود شریف ہیں اور شریف بھائی کے چشم و چراغ ہیں۔"

حافظ ابن حجرؒ نے "الاصابہ" میں لکھا ہے کہ یہ جواب دینے والے سہیل بن عمرو تھے جنہوں نے صلح حدیبیہ میں آپؐ سے شرائط طے کی تھیں، ابو جندلؓ کے والد۔ ان کا جواب سنتے ہی رحمت کے بحر بے کراں میں جوش آیا تو آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے پھر جواب میں فرمایا "میں تم سے اسی طرح ہم کلام ہوں، جس طرح یوسفؑ اپنے بھائیوں سے ہوئے تھے۔ میں آج کے دن تم سے کسی طرح کا انتقام نہیں لوں گا۔ اللہ تمہیں معاف فرمائے جو بڑا رحم دل اور مہربان ہے۔"(۱۰۱) یعنی جو کچھ ہونا تھا ہو چکا آج تم پر کوئی الزام نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔"(۱۰۲)

ایک ہی کلمہ سے ان کے بیس سال کے جرموں کو معاف کر دیا اور وہ سب آزاد ہو گئے۔ (۱۰۳) بالکل غیر متوقع طور پر ایک دم اچانک یہ فرمان رسالت سن کر سب مجرموں کی آنکھیں فرط ندامت سے اشکبار ہو گئیں اور ان کے دلوں کی گہرائیوں سے جذبات شکریہ کے آثار آنسوؤں کی دھار بن کر ان کے رخساروں پر بہنے لگے اور کفار کی زبانوں پر "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کے نعروں سے حرم کعبہ کے در و دیوار پر ہر طرف انوار کی بارش ہونے لگی ناگہاں بالکل ہی اچانک اور دفعتاً ایک عجیب انقلاب برپا ہو گیا کہ سماں ہی بدل گیا۔ فضا ہی پلٹ گئی۔

خطبہ سے فراغت کے بعد آپ مسجد حرام میں بیٹھ گئے بیت اللہ کی کنجی آپؐ کے ہاتھ میں تھی۔ یہ چابی قیام مکہ کے زمانے میں آپؐ نے ایک روز عثمان بن طلحہ سے مانگی تھی اور اس نے یہ چابی آپ کو دینے سے انکار کر دیا تھا۔ آپؐ نے عثمان سے فرمایا تھا کہ ایک روز یہ چابی میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جس کو چاہوں گا دوں گا۔ اب وہ وقت آ گیا تھا چابی آپؐ کے ہاتھ میں تھی۔ عثمان بن طلحہ بھی دولت ایمان سے بہرہ ور ہو چکے تھے۔ اب اس چابی کو حاصل کرنے کی کئی دلوں میں خواہش پیدا ہوئی کیوں کہ کعبہ کی کلید برداری ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔ سیدنا عباسؓ نے بھی اس چابی کو حاصل کرنے کی خواہش کی۔ (۱۰۴) سیدنا علیؓ نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! حجاج کو پانی پلانے کا اعزاز تو ہمارے پاس ہے ہی اگر حجابت (۱۰۵) اور کلید برداری کا یہ شرف بھی ہمیں حاصل ہو جائے تو ہماری خوش قسمتی ہے، لیکن آپؐ نے محنت و مشقت والا منصب یعنی سقایہ اُن کو عطا کیا۔ (۱۰۶)

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی:

"اے پیغمبرؐ! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو پہنچاؤ۔"

ارشاد فرمایا: "عثمان بن طلحہ کہاں ہیں؟"

عثمان بن طلحہؓ حاضر خدمت ہوئے، ارشاد ہوا، "یہ اپنی چابی لیجیے، یہ حسن سلوک اور عہد وفا کا دن ہے۔" (۱۰۷)

ابن سعد کی روایت ہے کہ آپؐ نے عثمانؓ سے فرمایا کہ "یہ چابی ہمیشہ کے لیے لے لو یعنی یہ قیامت تک تمہارے خاندان میں رہے گی۔ میں نے یہ چابی خود نہیں دی بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں دلوائی ہے۔ سوائے ظالم اور غاصب کے اور کوئی تم سے یہ چابی نہ چھینے گا۔ اے عثمانؓ! اللہ نے تم لوگوں کو اپنے گھر کا امین بنایا ہے لہٰذا اس بیت اللہ سے تمہیں جو کچھ ملے اس سے دستور اور معروف کے مطابق کھانا۔ (۱۰۸)

اب نماز ظہر کا وقت ہوا تو سیدنا بلالؓ کو حکم فرمایا کہ بام کعبہ پر چڑھ کر اذان دیں۔ قریش مکہ کے لیے یہ ایک بالکل نئی چیز تھی جس میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسالت محمدیہ کا پکار پکار کر اعلان ہو رہا تھا اور وہ بھی کعبہ کی چھت سے جو کہ مکہ میں سب سے اونچی چھت تھی۔ یہ اس توحید و رسالت کا اعلان تھا جس کی اہل مکہ گزشتہ بیس سال سے مخالفت کر رہے تھے۔ آج اس کا اعلان انہی کے شہر میں ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے ایک غلام کے ہاتھوں ہو رہا تھا۔ چنانچہ کچھ لوگوں کی رگ حمیت پھڑکی۔ اس وقت ابو سفیان بن حرب، عتاب بن اسید، خالد بن اسید اور حارث بن ہشام اور دیگر سرداران قریش صحن کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عتاب اور خالد نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے باپ اسید کی عزت رکھ لی کہ اس آواز کے سننے سے پہلے ہی وہ اس دنیا سے چلا گیا اگر وہ اس دنیا سے نہ اٹھالیا گیا ہوتا تو اسے یہ ناگوار آواز سننی پڑتی۔ (۱۰۹) اس پر حارث بن ہشام بولا، "سنو! خدا کی قسم اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ آپ حق پر ہیں تو میں ضرور آپ کی اتباع کرتا۔ ابو سفیان نے کہا "دیکھو، خدا کی قسم، میں کچھ نہیں کہتا کیوں کہ اگر میں نے کوئی لفظ اپنی زبان سے نکالا تو یہ کنکریاں بھی میرے

متعلق خبر دے دیں گی۔ تھوڑی دیر بعد سرکار دو عالم ﷺ ادھر سے گزرے اور ان تینوں کو اکٹھا بیٹھے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ ابھی تم لوگوں نے جو باتیں کی ہیں وہ مجھے معلوم ہو چکی ہیں۔ پھر آپ ؐ نے ان تمام کی گفتگو دہرا دی۔ یہ سن کر حارث بن ہشام اور عتاب بن اسید بول اٹھے کہ ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ آپ ؐ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔ خدا کی قسم، کوئی اور شخص ہمارے ساتھ نہ تھا جو اس گفتگو سے باخبر ہوتا اور ہم کہتے کہ اس نے آپ کو یہ خبر دی ہوگی۔ (۱۱۰)

مسلمان ہو جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عتاب بن اسیدؓ کو مکہ کا گورنر مقرر فرما دیا۔ عتاب کی عمر اس وقت ۲۱ سال تھی اور ایک درہم روزانہ ان کا وظیفہ مقرر فرمایا۔ (۱۱۱) اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو اس خدمت پر مامور فرمایا کہ وہ نو مسلموں کو مسائل و احکام اسلام کی تعلیم دیتے رہیں۔ (۱۱۲)

سیدنا بلالؓ جب بام کعبہ پر اذان دے رہے تھے تو قریش کے کچھ نوجوان جن میں سولہ سالہ ابو محذورہ بھی تھے، اذان کی نقلیں اتارنے لگے۔ ابو محذورہ بلند آواز اور خوش الحان تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کو نقل اتارتے دیکھ کر فرمایا کہ پکڑو ان کو چنانچہ کچھ تو بھاگ گئے اور کچھ پکڑے گئے ان میں ابو محذورہ بھی تھے۔ آپ ؐ نے ابو محذورہ کی خوش الحانی کے پیش نظر ان کو روک لیا اور باقی بچوں کو چھوڑ دیا۔ ابو محذورہ سمجھے کہ شاید میں قتل کر دیا جاؤں گا۔ آپ ؐ نے ابو محذورہ سے فرمایا "اذان دو، انہوں نے بادل ناخواستہ اذان دی۔ اذان کے بعد انہیں ایک تھیلی عطا فرمائی جس میں کچھ درہم تھے اور سر اور پیشانی پہ دست مبارک پھیرا اور پھر سینہ اور شکم پر ہاتھ پھیرا اور یہ دعا دی۔ "بارک اللہ فیک و بارک اللہ علیک"

آپ ؐ کا ان کے سر، منہ، سینہ اور شکم پر ہاتھ پھیرنا تھا کہ اسلام کے بارے میں ساری نفرت کافور ہو گئی اور قلب آپ کی محبت سے لبریز ہو گیا پھر خود ہی عرض کی کہ اے اللہ کے رسولؐ! مجھ کو مکہ کا موذن مقرر فرما دیجیے۔ آپ ؐ نے ان کی درخواست قبول فرماتے ہوئے انہیں مکہ کا موذن مقرر فرما دیا۔ (۱۱۳) اب گورنر ۲۱ سالہ اور موذن مکہ ۱۶ سالہ۔ سیدنا عتاب بن اسیدؓ اپنی وفات تک مکہ کے گورنر رہے اور جس روز سیدنا صدیق اکبرؓ کا انتقال ہوا اسی روز ان کا بھی انتقال ہوا۔ (۱۱۴) اور سیدنا ابو محذورہؓ بھی مدت العمر مکہ کے موذن رہے اور سنہ ۵۹ھ میں مکہ ہی میں وفات پائی۔ (۱۱۵) سیدنا بلالؓ کی طرح یہ بھی اسلام کے ایک نامور موذن تھے۔

بیت اللہ سے فراغت کے بعد آپ کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور دیر تک قبلہ رو ہو کر دعا مانگتے رہے۔ انصار مدینہ ہر موقع پر شریک اور ہر منظر کو دیکھ رہے تھے۔ حضرات انصار میں سے بعض کو یہ خیال آیا کہ اب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی سرزمین جو آپ کی جائے پیدائش اور آپ کا اصلی وطن تھا، فتح کرا دیا ہے تو آپ ؐ مدینہ کیوں جانے لگے۔ آپ اب یہیں قیام فرمائیں گے اور ہم شرف قربت سے محروم ہو جائیں گے یہ سوچ سے کمال محبت کی دلیل تھی چند ایک حضرات نے آپس میں ایسی گفتگو بھی کی۔ نبی کریم ﷺ جب دعا سے فارغ ہو چکے تو فرمایا کہ تم لوگوں نے آپس میں کیا باتیں کیں ہیں؟ انہوں نے کہا " کچھ نہیں!" مگر جب آپ ؐ نے اصرار کیا تو انہوں نے اپنا اندیشہ ظاہر کیا، آپ ؐ نے فرمایا:

"ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا میں اللہ کا بندہ اور رسول ہوں میں نے اللہ کے حکم سے ہجرت کی ہے۔ اطمینان رکھو میرا تمہارا ساتھ چھوٹنے والا نہیں جینا مرنا اب تمہارے ساتھ ہے۔"

آپ کا یہ جواب سن کر انصار کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔(۱۱۶)
فتح مکہ کے روز اگرچہ آپؐ نے عفو عام کا اعلان کردیا لیکن پندرہ آدمیوں کے بارے میں اعلان کیا کہ وہ جہاں ملیں انہیں قتل کردیا جائے اگرچہ ان سے کوئی شخص غلاف کعبہ کے نیچے چھپا ہوا ملے تب بھی انہیں قتل کردیا جائے۔(۱۱۷) جن لوگوں کے بارے میں یہ فرمان جاری ہوا تھا ان میں سے بعض لوگ ادھر ادھر روپوش ہوگئے بعض بھاگ کر مکہ سے دور چلے گئے لیکن ان اشتہاری مجرموں کے بارے میں یہ سختی کسی کینہ یا برہمی کی وجہ سے نہ تھی اللہ کا رسول ان باتوں سے مبرا تھا، بلکہ ان لوگوں نے خود ہی اپنے اعمال شنیعہ کی وجہ سے یہ روز بد دیکھا۔ ان مجرموں سے بعض نے تو اسلام قبول کرلیا اور بعض قتل ہوگئے۔ ان میں سے چند کا مختصر تذکرہ تحریر کیا جاتا ہے۔

ا۔ عبداللہ بن خطل:

عبداللہ بن خطل، بنو تیم ابن غالب سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ مسلمان ہوگیا تھا۔ اس کو حضور اکرمؐ نے زکوۃ کے جانور وصول کرنے کے لیے بھیجا اور ساتھ میں ایک دوسرے مسلمان کو بھی بھیج دیا کسی بات پر دونوں میں تکرار ہوگئی تو اس نے اس مسلمان کو قتل کردیا اور قصاص کے ڈر سے تمام جانوروں کو لے کر مکہ بھاگ نکلا اور مرتد ہوگیا۔(۱۱۸) فتح مکہ کے دن یہ بھی ایک نیزہ لے کر مسلمانوں سے لڑنے کے لیے گھر سے نکلا تھا لیکن مسلم افواج کا جلال دیکھ کر کانپ اٹھا اور نیزہ پھینک کر بھاگا اور خانہ کعبہ کے پردوں سے جا کر لپٹ گیا چنانچہ سیدنا سعید بن حریث مخزومی(۱۱۹) اور ابو برزہ اسلمیؓ(۱۲۰) نے وہیں جاکر حجر اسود اور مقام ابراہیم کے پاس اس کو قتل کردیا۔(۱۲۱)

۲۔۳۔ قریبہ اور فرتنی:

یہ دونوں ابن خطل کی لونڈیاں تھیں اور روز و شب آپ کی ہجو کیا کرتی تھیں۔ ان میں سے ایک ماری گئی اور دوسری نے امان طلب کی۔ چنانچہ وہ بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہوکر مسلمان ہوگئی خلافت عمرؓ کے دور میں ایک سوار کے گھوڑے کے نیچے آجانے کے باعث انتقال ہوا۔

۴۔ سارہ:

یہ بنو المطلب میں کسی کی لونڈی تھی۔ بعض کے نزدیک قتل کی گئی لیکن مشہور روایت یہ ہے کہ اس نے اسلام قبول کرلیا اور سیدنا عمرؓ کے عہد خلافت تک زندہ رہی، یہی وہ عورت تھی جو حاطب بن ابی بلتعہ کا خط لے کر مدینہ آرہی تھی اور خاخ کے باغ کے قریب یہ خط پکڑا گیا تھا۔

۵۔ حویرث بن نقید:

یہ شاعر تھا۔ آپ کی ہجو لکھا کرتا تھا۔ آپ کو ایذا پہنچایا کرتا تھا۔ عباس آپ کی دونوں صاحبزادیاں فاطمہؓ اور ام کلثومؓ کو مکہ سے مدینہ لے کر جارہے تھے(۱۲۲) کہ حویرث نے ان دونوں کو پریشان کیا اور اس اونٹ کو جس پر رسول اکرم کی دونوں بیٹیاں سوار تھیں ایک نوکدار پھل چبھویا تھا اور ان دونوں کو نیچے گرادیا تھا۔ سیدنا علیؓ نے اسے قتل کیا۔ محمد احمد باشمیل لکھتے ہیں کہ میرے سامنے جو ماخذ موجود ہیں ان میں الحویرث کے خون کو مباح قرار دینے کی یہی وضاحت پائی جاتی ہے کہ وہ ان لوگوں میں شامل تھا جو رسول اکرم ﷺ کو ایذا دیا کرتے

تھے۔ لیکن میرا خیال یہ ہے کہ اس کے خون کو مباح قرار دینے کا سبب ان اسباب کے علاوہ کوئی اور ہے، کیوں کہ رسول اکرم ﷺ اپنے نفس کے لیے انتقام نہیں لیتے تھے۔ اگر رسول اکرم ﷺ کو اذیت دینے کی بات ہے تو جب آپ مکہ میں ان کے پاس مقیم تھے تو سبھی مشرکین آپ کو اذیت دیا کرتے تھے بلاشبہ الحویرث نے کوئی اور جرم کیا تھا جس کی وجہ سے وہ عبداللہ بن خطل اور مقیس بن صبابہ کی طرح قتل کا مستحق قرار پایا، جنہیں مکہ میں قصاص کے طور پر قتل کیا گیا تھا۔ واللہ اعلم (۱۲۳)۔

۶۔ مقیس بن صبابہ:

مقیس بن صبابہ کے قتل کے حکم کا نفاذ، اس کے عمزاد صفا اور مروہ کے درمیان کیا، یہ حکم بطور قصاص کے تھا کیوں کہ وہ ایک مسلمان کو قتل کر کے مرتد ہو گیا تھا، ابن اسحق نے بیان کیا ہے کہ مقیس بن صبابہ کا بھائی ہشام مسلمان تھا، اسے غلطی سے ایک انصاری نے غزوہ بنی مصطلق میں، مشرکین میں سے سمجھ کر قتل کر دیا تو رسول اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ مقیس کی دیت اس کے بھائی ہشام کو دی جائے (مقیس مدینہ میں آیا ہوا تھا) جب ہشام نے دیت لے لی تو انصاری پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا پھر مرتد ہو کر مکہ بھاگ گیا۔ (۱۲۴) اس کو نمیلہ بن عبداللہ لیثی نے قتل کیا جو مقیس کی قوم سے تھے۔

۷۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح:

یہ پہلے مسلمان تھے اور کاتب وحی بھی لیکن بعد میں مرتد ہو کر کفار سے جا ملے تھے اور قرآن میں تحریف کی ڈینگیں مارنے لگے۔ ان کے قتل کا حکم ہوا۔ یہ بھاگ کر اپنے رضاعی بھائی عثمانؓ بن عفان کے پاس پناہ گزیں ہوئے۔ انہوں نے سفارش کی نبی کریمؐ دیر تک خاموش رہے پھر معاف فرما دیا۔ انہوں نے دوبارہ اسلام قبول کیا۔ اب ایسے مسلمان ہوئے کہ اسلام رگ و پے میں بس گیا۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ کی خلافتوں کے زمانے میں مصر وغیرہ کے گورنر رہے۔ ان ہی کے تعاون سے حضرت معاویہؓ نے بحیرۂ روم میں ایک بڑا جہازی بیڑہ تیار کر کے ذات السواری کی جنگ میں رومیوں کو شکست فاش دی تھی اور ان کا جہازی بیڑہ تباہ کر دیا تھا۔ سیدنا عبداللہؓ بن سعد بن ابی سرح نے اسلام کی نمایاں خدمات سرانجام دیں، صبح کی نماز میں انتقال فرمایا۔ رضی اللہ تعالیٰ وارضاہ۔

۸۔ عکرمہ بن ابوجہل:

یہ اسلام کے مشہور دشمن ابوجہل کے بیٹے تھے۔ اسلام کی دشمنی باپ سے وراثت میں ملی تھی۔ اس لیے ان کی اسلام دشمنی کا کیا کہنا؟ فتح مکہ کے روز سیدنا خالدؓ بن ولید کے دستے پر حملہ کیا اور بھاگ کر یمن چلے گئے لیکن ان کی بیوی "ام حکیم" جو ابوجہل کی بھتیجی تھیں۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور اپنے شوہر عکرمہ کے لیے بارگاہ رسالتؐ میں معافی کی درخواست پیش کی نبی رحمتؐ نے معاف فرما دیا۔ ام حکیم خود یمن گئیں اور معافی کا حال بیان کیا عکرمہ حیران رہ گئے اور انتہائی تعجب کے ساتھ کہا کہ "کیا مجھ کو محمدؐ نے معاف کر دیا؟ بہرحال اپنی بیوی کے ساتھ بارگاہ رسالتؐ میں مسلمان ہو کر حاضر ہوئے نبی کریمؐ نے جب ان کو دیکھا تو بے حد خوش ہوئے فرط مسرت سے تیزی سے اٹھ کھڑے ہوئے کہ جسم مبارک پر چادر تک نہ تھی۔ (۱۲۵) اور زبان پر یہ الفاظ تھے "مرحبا بالراکب المهاجر" اے ہجرت

کرنے والے سوار تمہارا آنا مبارک ہو۔(۱۲۶) پھر حضرت عکرمہؓ نے خوشی خوشی نبی کریمؐ کے دست حق پرست پر بیعت اسلام کی۔(۱۲۷) سیدنا صدیق اکبرؓ کے عہد خلافت میں جنگ اجنادین میں شہید ہوئے شہادت کے وقت آپ کے جسم پر تیر اور تلوار کے ستر سے زیادہ زخم تھے۔رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

۹۔ ہبار بن الاسود:

یہ وہ شخص ہے جس نے مکہ سے مدینہ ہجرت کرتے ہوئے آپ کی سب سے بڑی صاحبزادی سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کی سواری کو اس زور سے کونچا دیا کہ سواری بے تحاشا بھاگ اٹھی سیدہ زینبؓ زمین پر گر پڑیں اور ان کا حمل ساقط ہو گیا۔اس کے بعد یہ روپوش ہو گیا۔پھر ایک روز آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے اسلام قبول کرنے کا اعتراف کر کے اپنے قصوروں کی معافی مانگی۔آپؐ نے معاف فرما دیا۔

۱۰۔ وحشی بن حرب:

یہی وہ وحشی ہیں جنہوں نے جنگ احد میں رسول اللہؐ کے چچا حضرت حمزہؓ کو شہید کر دیا تھا۔یہ بھی فتح مکہ کے دن بھاگ کر طائف چلے گئے تھے مگر پھر طائف کے ایک وفد کے ہمراہ بارگاہ رسالتؐ میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے۔حضور اکرم ﷺ نے ان کی زبان سے اپنے چچا کے قتل کی خونی داستان سنی اور رنج وغم میں ڈوب گئے مگر ان کو بھی آپؐ نے معاف فرما دیا لیکن یہ فرمایا کہ وحشی! تم میرے سامنے نہ آیا کرو۔حضرت وحشی کو اس کا بے حد ملال رہتا تھا۔پھر جب حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت کے زمانے میں مسیلمۃ الکذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا اور لشکر اسلام نے اس ملعون سے جہاد کیا تو حضرت وحشیؓ بھی اپنا نیزہ لے کر جہاد میں شامل ہوئے اور مسیلمۃ الکذاب کو قتل کر دیا۔
حضرت وحشی اپنی زندگی میں کہا کرتے تھے کہ قتلت خیر الناس فی الجاهلية وقتلت شر الناس فی الاسلام.
یعنی میں نے دور جاہلیت میں بہترین انسان (حضرت حمزہ) کو قتل کیا اور اپنے دور اسلام میں بدترین آدمی (مسیلمۃ الکذاب) کو قتل کیا۔
انہوں نے دربار اقدس میں اپنے جرائم کا اعتراف کر کے عرض کیا کہ کیا خدا مجھ جیسے مجرم کو بھی بخش دے گا؟ تو یہ آیت نازل ہوئی کہ:
"قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ. (۱۲۸)
"اے رسولؐ! آپ فرما دیجئے کہ میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر حد سے زیادہ گناہ کر لیا ہے۔اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو جاؤ۔اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا۔وہ یقیناً بڑا بخشنے والا اور بہت مہربان ہے۔" (۱۲۹)

۱۱۔ کعب بن زہیر:

یہ ۹ھ میں اپنے بھائی کے ساتھ مدینہ آ کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔اور حضور اکرم ﷺ کی مدح میں اپنا مشہور قصیدہ "بانت سعاد" پڑھا۔ حضور اکرم ﷺ نے خوش ہو کر ان کو اپنی چادر مبارک عنایت فرمائی۔حضور اکرم ﷺ کی یہ چادر مبارک کعب بن زہیرؓ کے پاس تھی۔حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے دور سلطنت میں ان کو دس ہزار درہم پیش کیے کہ یہ مقدس چادر ہمیں دے دو،مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی یہ چادر مبارک ہرگز ہرگز کسی کو نہیں دے سکتا،لیکن آخر حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت کعب بن زہیرؓ کی وفات

کے بعد ان کے وارثوں کو بیس ہزار درہم دے کر وہ چادر لے لی اور عرصہ دراز تک وہ چادر سلاطین اسلام کے پاس ایک مقدس تبرک بن کر باقی رہی۔ (۱۳۰)

۱۲۔ حارث بن طلاطل:

یہ بھی بڑا موذی تھا اور آپ کی ہجو کیا کرتا تھا۔ سیدنا علیؓ نے اس کو قتل کیا۔

۱۳۔ عبداللہ بن زبعری:

یہ شاعر تھے اور آپ کی ہجو کیا کرتے تھے۔ فتح مکہ کے روز ڈر سے بھاگ کر نجران چلے گئے۔ پھر مدینہ منورہ حاضر خدمت ہو کر مشرف با اسلام ہو گئے۔

۱۴۔ ہبیرہ بن ابی وہب مخزومی:

یہ سیدنا علیؓ کا بہنوئی تھا اور آپؐ کی بہن ام ہانی بنت ابی طالب کا شوہر۔ اسلام کا بہت بڑا دشمن۔ فتح مکہ کے روز بھاگ کر نجران چلا گیا اور وہیں حالت کفر میں مرا۔

۱۵۔ ہند بنت عتبہ زوجہ ابی سفیان:

اس نے بھی حاضر خدمت ہو کر اسلام قبول کر لیا اور گھر جا کر بتوں کو یہ کہہ کر توڑ ڈالا کہ خدا کی قسم، ہم تمہاری ہی وجہ سے دھوکہ میں رہے۔

اسلام ابی قحافہ:

ابی قحافہ سیدنا صدیق اکبرؓ کے والد ماجد تھے۔ یہ مکہ میں رہتے تھے اور ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ رسول اکرم ﷺ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے کہ سیدنا صدیق اکبرؓ اپنے بوڑھے باپ کو لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے ان کی عمر کو دیکھ کر فرمایا "ابوبکرؓ! تم نے بڑے میاں کو گھر پر ہی کیوں نہ رہنے دیا میں خود ان کے پاس آ جاتا۔" لیکن جاں نثار نبوت ابو بکرؓ نے جواب دیا "یارسول اللہ! آپ میرے باپ کے پاس خود چل کر جائیں اس سے بہتر ہے کہ میرا باپ خود اپنے پاؤں پر چل کر آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو۔"

آپؐ نے سیدنا ابوقحافہ کے سینہ پر دست مبارک پھیرا اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ابوقحافہ کے مسلمان ہونے پر سیدنا ابوبکرؓ کو مبارک باد دی، لیکن سیدنا صدیق اکبرؓ نے عرض کیا، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، ابوطالب اگر اسلام لے آتے تو مجھے زیادہ خوشی ہوتی۔ (۱۳۱)

اسلام سہیل بن عمرو:

سہیل بن عمرو مکہ کے روسا اور اشراف میں سے تھے۔ یہ ابوجندلؓ کے والد تھے جن کا ذکر صلح حدیبیہ میں گزر چکا ہے۔ نہایت ذیرک اور عقل مند انسان تھے اور خطیب قریش کے نام سے مکہ میں مشہور تھے، حدیبیہ میں حضور اکرم ﷺ سے شرائط صلح انہوں نے ہی طے کر کے معاہدہ لکھوایا تھا۔ فتح مکہ کے روز اپنے بیٹے عبداللہ کی معرفت بارگاہ رسالتؐ میں امان طلب کی جو کہ دے دی گئی۔ حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا، "جو شخص بھی سہیل سے ملے وہ اس کی طرف تیز نظروں سے نہ دیکھے، قسم ہے مجھے اپنی زندگانی کی بے شک سہیل بڑا عاقل اور شریف ہے۔ سہیل جیسا شخص اسلام سے ناآشنا نہیں رہ سکتا۔" سہیل نے غزوہ حنین سے واپسی پر جعرانہ میں اسلام قبول کیا۔ فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین میں آپؐ کے ساتھ رہے۔ جنگ یرموک میں جام شہادت نوش فرمایا۔ رضی اللہ عنہ و ارضاہ (۱۳۲)

اسلام صفوان بن اُمیہ:

صفوان بن اُمیہ سرداران قریش میں سے تھا۔ ان کا باپ امیہ بن خلف جنگ بدر میں مارا گیا تھا، جس کی وجہ سے یہ بھی اسلام اور مسلمانوں کے سخت خلاف تھے اور طویل عرصے تک خلاف رہے۔ سیدنا خالد بن ولیدؓ جب مدینہ اسلام کے لیے جا رہے تھے تو انہیں بھی اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی۔ انہوں نے کہا کہ اگر سارا مکہ بھی مسلمان ہو جائے میں پھر بھی مسلمان نہیں ہوں گا۔ چنانچہ فتح مکہ کے روز یہ بھی اپنی جان کے خطرہ کی وجہ سے مکہ سے بھاگ کر مدینہ چلے گئے۔ انکے چچازاد بھائی عمیر بن وہب جمحی نے خدمت نبویؐ میں حاضر ہو کر ان کے لیے امان طلب کی۔ آپؐ نے امان دے دی اور علامت کے طور پر عمیر بن وہب کو اپنا وہ عمامہ بھی عنایت فرمایا جو آپؐ نے مکہ میں داخلہ کے وقت سر پر باندھ رکھا تھا۔ عمیر صفوان کے پاس پہنچے جو اس وقت یمن جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ عمیر انہیں لے کر بارگاہ رسالتؐ میں حاضر ہوئے، صفوان نے آپؐ سے دو ماہ کی مہلت مانگی تا کہ میں اس معاملہ پر بخوبی غور وفکر کر لوں۔ آپؐ نے فرمایا "تمہیں چار ماہ کی مہلت ہے۔" صفوان جنگ حنین تک مسلمان نہیں ہوئے لیکن اس کے بعد اسلام قبول کر لیا۔ (۱۳۳) ان کی بیوی پہلے ہی مسلمان ہو چکی تھی اس لیے آپؐ نے دونوں کا پہلا نکاح ہی برقرار رکھا۔

یہ تو صرف چند لوگوں کے قبول اسلام کا ذکر کیا گیا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ پورا مکہ ہی بیعت کے لیے اُمنڈ آیا تھا۔ ہبیرہ بن وہب داماد ابوطالب جیسا کوئی بدبخت نہ ہو گا جس نے اسلام کی دعوت کو قبول نہ کیا ہو عکرمہ بن ابی جہل اور ابوسفیان ان کی اہلیہ ہندہ، ان کا بیٹا یزید بن ابی سفیان، معاویہ بن ابوسفیان (۱۳۴) اور دوسرے اشراف اور روسا قریش مسلمان ہو گئے کیوں کہ اب انہیں بھی پتہ چل گیا تھا کہ اسلام کے سوا کامیابی کی اور کوئی راہ نہیں بلکہ اب تو وہ بھی گزشتہ زندگی پر کف افسوس ملنے لگے تھے جو اسلام کی مخالفت میں گزری چنانچہ آپ کوہ صفا کی پہاڑی کے نیچے ایک بلند مقام پر بیٹھے لوگ جوق در جوق آ کر آپؐ کے دست حق پرست پر اسلام کی بیعت کرنے لگے۔ سیدنا عمرؓ آپؐ سے ایک درجہ نیچے بیٹھے تھے اور لوگوں سے عہد و پیمان لے رہے تھے۔ مردوں کی بیعت سے فراغت ہوئی تو

عورتوں کی باری آئی۔ ابتداً ان سے بیعت کا یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ پانی کے ایک برتن میں پہلے رسول اللہؐ ہاتھ ڈالتے پھر وہ عورت ہاتھ ڈال کر اقرار کرتی۔ اس کے بعد صرف اقرار ہی کو کافی سمجھا گیا۔ (۱۳۵) غرض اس طرح مکہ کی بڑی آبادی مشرف بہ اسلام ہو گئی۔ حضرت بی بی عائشہؓ کا بیان ہے کہ خدا کی قسم! آپؐ کے ہاتھ نے بیعت کے وقت کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔ صرف کلام ہی سے بیعت فرما لیتے تھے۔ (۱۳۶)

جو عورتیں اس وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، ان میں مشہور عورتیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ ام ہانی بنت ابی طالب، سیدنا جعفر طیارؓ اور سیدنا علیؓ کی بہن۔

۲۔ ام حبیبہ بنت عاص بن امیہ، زوجہ عمرو بن عبدود

۳۔ عاتکہ بنت ابی العیص، عتاب بن اسیدؓ کی پھوپھی

۴۔ اروئ بنت ابی العیص، عتاب بن اسیدؓ کی پھوپھی۔

۵۔ ہند بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان بن حرب۔

ان عورتوں میں سے ہند بنت عتبہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ قریش کی سردار عورتوں میں سے تھیں اور نہایت زیرک، ہوش مند، خوددار اور بڑی عقل مند تھیں اور اپنی قوم اپنی صنف کے لیے رئیس سمجھی جاتی تھیں۔ (۱۳۷)

یہ حضرت ابوسفیانؓ کی بیوی اور حضرت امیر معاویہؓ کی والدہ تھیں۔ یہ وہی ہند ہیں جنھوں نے جنگ احد میں حضرت حمزہؓ کا شکم چاک کر کے ان کے جگر کو نکال کر چبا ڈالا تھا اور ان کے کان ناک کو کاٹ کر اور آنکھ کو نکال کر ایک دھاگہ میں پرو کے گلے کا ہار بنایا تھا۔

چنانچہ یہ نقاب ڈال کر حاضر خدمت ہوئیں۔ وہ اپنی جگہ پر نہایت خائف تھیں کیوں کہ سابقہ احوال ان کی نظر کے سامنے تھے۔ لیکن طبقات ابن سعد کی روایت میں ہے کہ جب وہ بیعت کے لیے حاضر ہوئیں تو پہلے کچھ گفتگو کی اور اپنا نام لے کر عرض کیا کہ میں ہند بنت عتبہ ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے پہچان لیا اور فرمایا: ''مرحبا لک'' خوش آمدید۔ بارگاہ رسالتؐ سے یہ الفاظ ہند کی کتاب زندگی کا ایک اہم باب ہے۔ (۱۳۸)

علامہ ابن حیان نے تفسیر البحر المحیط جلد ۸ ص ۲۵۸ پر لکھا ہے کہ ہند نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ ہمیں گزشتہ واقعات کی معافی فرمائی جائے۔

ہند زوجہ ابوسفیان نے اپنی بیعت کے دوران رسول اللہ ﷺ سے نہایت دلیری کے ساتھ گفتگو کی۔ ان کا مکالمہ حسب ذیل ہے۔

رسول اللہؐ: تم خدا کے ساتھ کسی کو شریک مت کرنا۔

ہند بنت عتبہ: یہ اقرار آپؐ نے مردوں سے تو نہیں لیا لیکن بہر حال ہم کو منظور ہے۔

رسول اللہؐ: چوری مت کرنا۔

ہند بنت عتبہ: میں اپنے شوہر (ابوسفیان) کے مال میں سے کچھ لے لیا کرتی ہوں۔ معلوم نہیں یہ بھی جائز ہے یا نہیں؟

رسول اللہؐ: اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا۔

ہند بنت عتبہ: ہم نے تو بچوں کو پالا تھا اور جب وہ بڑے ہو گئے تو آپؐ نے جنگ بدر میں ان کو مار ڈالا۔ اب آپؐ جانیں اور وہ جانیں۔(۱۳۹)

حضرت بی بی عائشہ صدیقہ کا بیان ہے کہ ہند بنت عتبہ بارگاہ نبوتؐ میں آئیں اور یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! روئے زمین پر آپؐ کے گھر والوں سے زیادہ کسی گھر والے کا ذلیل ہونا مجھے محبوب نہ تھا، مگر اب میرا یہ حال ہے کہ روئے زمین پر آپؐ کے گھر والوں سے زیادہ کسی گھر والے کا عزت دار ہونا مجھے پسند نہیں۔(۱۴۰)

ایک اور روایت میں ہے کہ ہند نے کہا: "یا رسول اللہ! اسلام لانے سے قبل آپؐ کے چہرہ سے زیادہ کوئی چہرہ مجھے مبغوض نہ تھا اور آپؐ سے زیادہ میں کسی کو اپنا دشمن نہ سمجھتی تھی اور اب اسلام لانے کے بعد آپؐ کے چہرۂ انور سے محبوب اور کوئی چہرہ نہیں اور آپؐ سے زیادہ کوئی اور مجھے محبوب نہیں۔" آپؐ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا: "ابھی میری محبت میں اور زیادتی ہوگی۔"

اس کے بعد وہ گھر گئیں اور گھر میں رکھے ہوئے بتوں کو اپنے ہاتھوں سے توڑتی جارہی تھیں اور یہ کہتی جارہی تھیں کہ تمہی نے ہمیں اب تک دھوکے میں ڈالے رکھا۔(۱۴۱)

فتح مکہ کے دوسرے روز محمد ابن اسحاق کی روایت کے مطابق ایک خزاعی نے ایک ہذیلی مشرک کو اپنی سابقہ دشمنی کی وجہ سے قتل کر دیا۔ آپ کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپؐ نے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

"اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے جس دن آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا، اسی دن سے مکہ کو حرمت والا شہر ٹھہرایا، اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کی حرمت کی وجہ سے قیامت تک کے لیے محترم ہے۔ کوئی آدمی جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لیے حلال نہیں کہ وہ اس شہر میں خون بہائے یا یہاں کا کوئی درخت کاٹے۔ اگر کوئی شخص اس وجہ سے رخصت اختیار کرے کہ رسول اللہؐ نے یہاں قتال کیا تو اس سے کہہ دو کہ اللہ نے اپنے رسول کو اجازت دی تھی، لیکن تمہیں اجازت نہیں دی ہے اور میرے لیے بھی اسے صرف دن کی ایک ساعت کے لیے حلال کیا گیا۔ اہل مکہ کی نافرمانی پر اور ناراضی کی وجہ سے اور آگاہ ہو جاؤ کہ اس کی حرمت پھر ویسی ہی ہوگئی جس طرح کل اس کی حرمت تھی۔ پس تم سے جو حاضر ہے وہ میرا یہ پیام ان لوگوں کو پہنچا دے کہ جو غائب ہیں۔ اے گروہ خزاعہ! قتل سے اپنے ہاتھ کو اٹھاؤ۔ تم نے ایک شخص کو مار ڈالا جس کی دیت (خون بہا) میں دوں گا جو شخص آج کے بعد کسی کو قتل کرے گا تو مقتول کے گھر والوں کو دو باتوں میں سے ایک بات کا اختیار ہوگا، یا تو خون کے بدلے قاتل کا خون لے لیں یا مقتول کی دیت لے لیں۔"(۱۴۲)

بعد ازاں نبی کریم ﷺ نے اپنے پاس سے اس شخص کی دیت سو اونٹ ادا فرمائی جس کو خزاعہ نے قتل کیا تھا۔(۱۴۳)

ایک روایت میں ہے کہ اس کے بعد یمن کے ایک آدمی نے جس کا نام ابو شاہ تھا، اٹھ کر عرض کیا "یا رسول اللہ! میرے لیے یہ لکھوا دیجیے۔ ارشاد فرمایا: "اکتبوا لابی شاہ" یعنی "ابو شاہ کے لیے یہ لکھ دو۔"(۱۴۴)

آپؐ نے اس خطبے میں یہ تاریخی اعلان کیے جن کا آوازہ ۱۷۸۹ء میں فرانس کے یوم انقلاب کے موقع پر سنایا گیا:

فتح مکہ کے ہمہ گیر اثرات:

ا۔ اعلان امن:

مکہ دارالامان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے عالم کی پیدائش سے قبل ہی حرم قرار دے دیا تھا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی (۱۴۵) اس تحریم کے باعث یہاں کسی کو خون بہانے کی اجازت نہیں۔ یہاں حرمت کے باعث درخت کاٹنا بھی حرام ہے۔ حرم ابراہیمؑ کے عہد سے لے کر عصاۃ کو بچا رہا ہے اور اسلام نے بھی اسے برقرار رکھا۔ ہاں مقیس اور ابن خطل اور ان کے ہمراہیوں کو نہیں بچایا۔ اس ساعت مکہ حرم نہیں تھا جب ساعت ختم ہوگئی تو حرمت لوٹ آئی۔ کسی صحابیؓ یا تابعیؒ نے اس کی حرمت میں شک نہیں کیا بلکہ حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ ''اگر میں حرم میں اپنے والد خطاب کے قاتل کو دیکھ لوں تو اسے بالکل نہ چھیڑوں۔ یہاں تک کہ وہ یہاں سے نکل جائے۔'' اس طرح عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ ''اگر میں یہاں عمرؓ کے قاتل کو دیکھ لوں تو بھی اس سے تعرض نہ کروں گا۔'' اسی طرح ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ''اگر میں حرم میں اپنے والد کے قاتل کو دیکھ لوں تو بھی یہاں سے نکل جانے تک اسے کچھ نہ کہوں۔'' (۱۴۶)

۲۔ اعلان آزادی:

آپؐ نے اہل مکہ کو کہا ''جاؤ اور اپنے اپنے کاروبار زندگی میں مصروف ہو جاؤ۔ اب تم سب کے سب آزاد ہو۔ حالانکہ آپؐ کے سامنے وہ جباران قریش تھے جو اسلام کو مٹانے کے لیے اپنا سب کچھ لٹانے پر بھی تیار تھے۔ ان کے ہاتھوں اور زبانوں سے آپ کی عزت محفوظ نہ تھی۔ تیغ وسنان سے آپ کی شان میں گستاخیاں کی تھیں۔ مسلمانوں کو دہکتے انگاروں پر لٹانے والے بھی تھے لیکن آپؐ نے ان سے کوئی تعرض نہ فرمایا اور ان سے انتہائی نیک سلوک کیا۔

۳۔ حرمت جان انسانی:

عربوں کے ہاں دستور تھا کہ خون کا انتقام لینا خاندانی فرض سمجھتے اور یہ انتقام نسل در نسل چلتا۔ اسے نہایت فخر کی بات سمجھا جاتا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اسلام ان سب کے مٹانے کے لیے آیا تھا اور یہ کہ ''میں نے انہیں پاؤں سے کچل دیا۔'' آپؐ نے ثابت کر دیا کہ آپ کا منصب اصلاح و تعمیر تھا نہ کہ تخریب و انتقام، انسانی عظمت کا تحفظ تھا نہ کہ خون ریزی و خون آشامی۔ اس کے مقابلے میں ۱۰۹۹ء میں جب صلیبیوں نے بیت المقدس کو فتح کیا تو انہوں نے ستر ہزار مسلمانوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔

۴۔ اعلان مساوات انسانی:

آپؐ نے مساوات عالم قائم کی۔ (۱۴۷) اور فرمایا کہ تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے جو نسلی برتری پر فخر کرے گا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ عظمت کا ایک ہی سبب ہے اور وہ ہے دین اسلام کی اطاعت اور خدا ترسی۔

مکہ میں داخل ہوئے تھے اور مکہ سے روانگی کے دن کو شمار نہیں کیا کیوں کہ آپ صبح سویرے ہی مکہ سے حنین کے لیے روانہ ہو گئے تھے اور امام بخاری کی روایت میں آنے اور جانے کے دونوں دنوں کو بھی شمار کر لیا گیا ہے۔ اس لیے انیس دن آپ مکہ میں مقیم رہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (۱۵۰)۔

اس دوران آنحضرت ﷺ مکہ کے اسلامی ریاست میں داخل ہونے کی وجہ سے وہاں کے نظم ونسق کی ترتیب، گورنر کا تقرر، اسلام میں داخل ہونے والوں کی تعلیم وتربیت میں ان کی راہ نمائی فرماتے رہے۔ آپ نے یہ منادی کرادی:

"من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلا یدع فی بیتہ صنما"

"جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے گھر میں ہر بت کو منہدم کردے۔"

خانہ کعبہ کے تمام بتوں اور دیواروں کی تصاویر کو توڑ پھوڑ کر اور مٹا کر مکہ کو تو حضورؐ نے بت پرستی کی لعنت سے پاک کر ہی دیا تھا، لیکن مکہ کے اطراف میں بھی بت پرستی کے چند مراکز تھے یعنی لات، مناۃ، رسواع، عزیٰ، یہ چند بڑے بڑے بت تھے جو مختلف قبائل کے معبود تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کے لشکروں کو بھیج کر ان سب بتوں کو توڑ پھوڑ کر بت پرستی کے سارے طلسم کو تہس نہس کردیا اور مکہ نیز اس کے اطراف وجوانب کے تمام بتوں کو نیست ونابود کردیا۔ (۱۵۱) چنانچہ ۲۵ رمضان المبارک سن ۸ ہجری کو سیدنا خالدؓ بن ولید کو تیس سواروں کی جمعیت کے ساتھ عربوں کے مشہور بت عزیٰ کو گرانے کے لیے بھیجا۔ عزیٰ نخلہ میں تھا اور قریش اور بنو کنانہ اس کی پوجا کرتے تھے۔ بنو شیبان اس بت کے مجاور تھے۔ سیدنا خالدؓ نے نخلہ جا کر اس بت کو منہدم کردیا۔ واپسی پر رسول اللہؐ نے پوچھا کہ خالدؓ! اس بت کو منہدم کرتے ہوئے تم نے کچھ دیکھا بھی تھا۔ عرض کیا "نہیں"۔ ارشاد فرمایا کہ پھر تم نے صحیح معنوں میں اسے منہدم نہیں کیا، پھر جاؤ اور اسے ڈھادو۔ سیدنا خالدؓ پھر واپس گئے اور اسے نیچے تک منہدم کردیا۔ اب کی بار ایک سیاہ رو، ننگی، پراگندہ بال عورت نکلی۔ مجاور اسے چیخ چیخ کر پکارنے لگے۔ سیدنا خالدؓ نے اسے اس زور سے تلوار ماری کہ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اس کے بعد بارگاہ رسالتؐ میں آ کر اس کی تفصیل بیان کی۔ آپ نے بیان فرمایا: "ہاں وہی عزیٰ تھی۔ اب وہ مکمل طور پر مایوس ہو چکی ہے کہ تمہارے اس ملک میں کبھی بھی اس کی پوجا کی جائے گی۔" (۱۵۲)

اسی طرح سیدنا عمروؓ بن العاص کو سواع بت کو منہدم کرنے کے لیے بھیجا گیا۔ یہ بت مکہ مکرمہ سے تین میل کے فاصلہ پر رہاط میں بنو ہذیل کا ایک بت تھا۔ سیدنا عمروؓ بن العاص جب وہاں پہنچے تو مجاور نے ان کے آنے کا مقصد پوچھا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کے تحت اس بت کو ڈھانے کے لیے آیا ہوں۔ مجاور نے کہا کہ تم اس بت کو ڈھا نہیں سکو گے۔ سیدنا عمروؓ نے پوچھا "کیوں؟" مجاور نے کہا "یہ بت تمہیں ڈھانے سے روک دے گا۔ سیدنا عمروؓ نے فرمایا "افسوس ہے تم ابھی تک اس باطل عقیدے پر قائم ہو، کیا یہ بت سنتا اور دیکھتا ہے؟ جو مجھے روک دے گا۔" پھر اس بت پر ایک ایسی کاری ضرب لگائی جس سے وہ پاش پاش ہو گیا اور مجاور سے کہا کہ تو نے دیکھ لیا کہ تمہارا یہ خدا پاش پاش ہو گیا لیکن وہ مجھے روک نہیں سکا۔ سیدنا عمروؓ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ اس کے خزانہ والا مکان منہدم کردیں۔ مکان ڈھایا گیا لیکن اس میں سے کچھ نہ ملا۔ مجاور یہ دیکھتے ہی فوراً مسلمان ہو گیا اور کہا "اسلمت للہ" "میں اللہ کے لیے اسلام لایا۔" (۱۵۳)

ایک اور بت عربوں میں بہت مشہور تھا اس کو مناۃ کہتے تھے۔ ۲۶ رمضان المبارک کو سید سعد بن زید اشہلیؓ کو بیس سواروں کے ہمراہ اسے منہدم کرنے کے لیے روانہ کیا۔ یہ بت قدید کے قریب مشلل میں نصب تھا اور اوس، خزرج اور غسان وغیرہ کا یہ بت کہلاتا تھا۔ جب سیدنا سعد بن زیدؓ پہنچے تو مجاور نے آنے کی غرض پوچھی، انہوں نے فرمایا کہ "اس بت کو ڈھانے کے لیے آیا ہوں۔ اس نے کوئی مداخلت نہ کی اور کہا کہ تم جانو اور تمہارا کام جب سیدنا سعد بن زیدؓ اس کو ڈھانے کے لیے آگے بڑھے تو ایک سیاہ رو، کالی کلوٹی، ننگی، پراگندہ بال عورت نکل جو اپنا سینہ پیٹ رہی تھی۔ اس سے مجاور نے کہا کہ اپنے ان نافرمانوں کو جو تمہیں ڈھانے کے لیے آئے ہیں، پکڑ لے لیکن مجاور ابھی یہ جملہ ختم بھی نہ کرنے پایا تھا کہ سیدنا سعد بن زیدؓ نے تلوار مار کر اس کا کام تمام کر دیا، پھر لپک کر اس بت کو مکمل طور پر منہدم کر دیا۔ (۱۵۴)

غرض یہ کہ رمضان کا پورا مہینہ بت شکنی میں گزرا اور اللہ تعالیٰ کی اس سرزمین سے بتوں اور کفر و شرک کی نجاست کے دھلوانے میں صرف ہوا۔

سیدنا خالدؓ بن ولید جب عزیٰ کو ڈھانے کے بعد بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہوئے تو شوال کے شروع میں رسول اللہؐ نے انہیں بنو خذیمہ کے پاس ساڑھے تین سو مجاہدین کے ساتھ تبلیغ اسلام کے لیے روانہ فرمایا۔ یہ لوگ یلملم کے قریب غمیصا نامی ایک تالاب کے کنارے پر رہتے تھے۔ آپ نے انہیں جا کر اسلام کی دعوت دی اور وہ لوگ مسلمان ہو گئے۔ لیکن گھبراہٹ میں یا کسی اور وجہ سے انہوں نے "اسلمنا" کے بجائے "صبانا صبانا" یعنی ہم نے اپنا دین چھوڑ دیا، ہم نے اپنا دین چھوڑ دیا۔" کہا۔ اس پر سیدنا خالدؓ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ انہیں گرفتار کر کے قتل کر دیا جائے۔ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ اور ان کے ساتھیوں نے خالدؓ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ ۹۵ آدمی قتل ہو گئے۔ واپس آ کر جب رسول اللہ ﷺ سے اس بات کا تذکرہ کیا تو آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر دو مرتبہ یہ فرمایا "اے اللہ! خالدؓ نے جو کچھ کیا میں اس سے بالکل بری ہوں۔" (۱۵۵)

پھر رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علیؓ کو بہت سا مال دے کر ان مقتولین کی دیت ادا کرنے کے لیے بھیجا اور سیدنا علیؓ کو یہ بھی تاکید فرمائی کہ ضیاع نفوس اور اموال کے معاملہ میں جاہلیت کے ناپ تول کو اپنے قدموں تلے روند دیجیے۔ سیدنا علیؓ نے نہایت فراخ دلی سے دیت اور ان کے نقصانات کا تاوان ادا کیا اور اس کے بعد جو رقم بچ گئی اس کو بھی احتیاطاً ان پر تقسیم کر دیا تا کہ اگر کوئی اور بھی ان کا نقصان ہوا جس کا ابھی پتہ نہیں چلا تو اس کی بھی تلافی ہو جائے۔

اس معاملہ میں سیدنا خالدؓ اور سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ میں کچھ سخت کلامی بھی ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس بات کا پتہ چلا تو آپؐ نے سیدنا خالدؓ سے فرمایا "خالدؓ! میرے رفقاء کو کچھ کہنے سے باز رہو۔ اللہ کی قسم، اگر احد پہاڑ سونا ہو جائے اور وہ سارے کا سارا تم اللہ کی راہ میں خرچ کر دو جب بھی تم میرے ان ساتھیوں میں سے کسی ایک آدمی کی ایک صبح کی عبادت یا ایک شام کی عبادت کو نہیں پہنچ سکتے۔

سیدنا علیؓ نے جب واپس آ کر آپ کو اپنی کارکردگی سے آگاہ کیا تو آپؐ بہت خوش ہوئے اور فرمایا اصبت و احسنت۔ (۱۵۶)

فتح مکہ و تطہیر کعبہ کی صورت میں بانی کعبہ سیدنا خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانشین حضور رحمۃ للعالمین ﷺ نے اپنے مورث اعلیٰ کے مشن کو مکمل فرما دیا، در حقیقت فتح مکہ کا سب سے بڑا مقصد یہی تھا کہ شرک و بت پرستی کا خاتمہ اور توحید خداوندی کا بول بالا ہو جائے۔

چنانچہ یہ عظیم مقصد بحمدہ تعالیٰ بدرجہ اتم حاصل ہو گیا کہ:

آنجا کہ بود نعرہ کفار و مشرکان
اکنون خروش نعرہ اللہ اکبر است (۱۵۷)

لہٰذا فتح انقلاب نبوی میں صلح حدیبیہ نے کلیدی کردار ادا کیا، چنانچہ صلح حدیبیہ فتح مکہ کی تمہید اور فتح مکہ دراصل تطہیر کعبہ کا اختتامی مرحلہ ثابت ہوا کہ جب حق باطل پر غالب آ گیا اور باطل مٹ گیا فتح مکہ رسول اللہؐ اور صحابہ کرامؓ کے طویل خواب کی انتہائی حسین تعبیر تھی جس کے پس پردہ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی حکمت و بصیرت، بالغ نظری، صبر و استقامت اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے غیبی مدد اور تائید فتح و نصرت کارفرما تھی۔ تاریخ گواہ ہے کہ قرآن حکیم کی پیش گوئی (فتح مبین) حرف بہ حرف درست ثابت ہوئی اور صلح حدیبیہ رسول اللہ ﷺ کی سیاست خارجہ کے ایک عظیم شاہکار کے روپ میں سامنے آئی، نہ صرف فتح مکہ بلکہ عالمگیر اشاعت اسلام کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ غزوہ فتح مکہ کی بدولت لوگ اسلام سے بہت قریب ہو گئے اور پورے جزیرۃ العرب کے دینی اور سیاسی افق پر مسلمانوں کا آفتاب عالم تاب چمکنے لگا اور اب ہر قسم کی دینوی قیادت بھی مسلمانوں کے ہاتھ آ گئی اور حالت یہ ہو گئی کہ عرب اقوام اب وفود کی شکل میں بارگاہ رسالتؐ میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے لگے اور اگلے دو سالوں میں اسلام اس تیزی سے پھیلا جو گزشتہ بیس سال میں نہ پھیل سکا۔ چنانچہ غزوہ فتح مکہ میں آپؐ کے لشکر کی تعداد دس ہزار تھی۔ اب اس کے بعد ہر غزوہ میں یہ تعداد تیزی سے بڑھنے لگی یہاں تک کہ حجۃ الوداع میں آپؐ کے ساتھیوں کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی۔

فتح مکہ کے بعد مکہ اور اس کا حرم از سر نو امن و سلامتی کا گہوارہ بن گئے جہاں دوبارہ سے توحید کے نور کی درخشندہ و تابندہ رو اٹھ کر آسمان سے ٹکرائی، وہ رو جس کی ضیاء نے عموماً روز اول اور خصوصاً چودہ سو سال سے تمام کرۂ ارض کو منور کر رکھا ہے۔

فتح مکہ کی صورت کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ شوافع کہتے ہیں کہ مکہ پُر امن طریق پر حوالے ہوا۔ مالکی اور حنفی فقہا کی رائے ہے کہ زور و قوت سے فتح کیا گیا۔

لیکن یہ واضح ہے کہ مکہ عنوۃً فتح ہوا۔ آپؐ نے اس مہم میں بالواسطہ رسائی کا اصول پیش نظر رکھا، یہ عہد حاضر کے فن حرب میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس اصول کے تحت دشمن کے علاقے میں پروپیگنڈہ کے ذریعے مخالف جذبات کو زائل اور مزاحمت کے ارادے کو کمزور کر دیا جاتا ہے۔ دشمنوں کو اس کے حلیفوں سے جدا کیا جاتا ہے اور اس ملک میں بے چینی پیدا کی جاتی ہے اور اعصابی جنگ شروع کر کے اس کے حوصلوں کو پست تر کر دیا جاتا ہے۔ فتح مکہ کی اس مہم میں آنحضرت ﷺ کی حربی صلاحیتوں ہی کی بدولت بغیر خون ریزی کے ایسی عظیم الشان فتح حاصل ہوئی جو تاریخ عالم میں فن جنگ کا عجیب و غریب نمونہ سمجھی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ اسلامی لشکر نہایت مستعدی سے دشوار گزار پہاڑی راستوں سے ہوتا ہوا مکہ تک پہنچا اور نہایت رازداری سے کام لیا گیا اور اس کے اچانک مکہ پہنچ جانے کے باعث قریش مکہ کچھ بھی نہ کر سکے۔ آپؐ نے اہل مکہ سے مصالحت کی نہ کوئی صلح نامہ مرتب ہوا۔ آپؐ نے باقاعدہ اپنی فوج کا میمنہ اور میسرہ مرتب کیا۔ ایک طرف سے حضرت خالدؓ اور دوسری طرف سے حضرت زبیر بن عوامؓ اپنی اپنی فوجوں کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ "ابوسفیان کے گھر یا اپنے گھر کے دروازے بند کرنے، خانہ کعبہ میں پناہ لینے والے یا

ہتھیار ڈالنے والوں سے ہم تعرض نہیں کریں گے، اگر مکہ محض صلح سے مفتوح ہوتا تو آپ ایسا ہرگز نہ فرماتے کیوں کہ صلح تو خود ہی عمومی امن کی ضمانت ہوتی ہے۔ مکہ اگرچہ فتح ہوا لیکن اس کی اراضی فاتحین میں تقسیم نہیں کی گئی جیسا کہ غنیمت کا حکم ہے۔ آپؐ نے کسی مہاجر کو بھی اس کا مکان نہیں دلوایا کیوں کہ مکہ کی اراضی و مکانات کا حکم مختلف ہے مکہ قربانیوں اور عبادات کی جگہ ہے اور اہل اسلام کا قبلہ ہے اس لیے تمام اہل اسلام مشترک طور پر اس کے حصہ دار ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ کسی کی ملکیت ہو نہیں سکتے۔ مزید برآں مکہ کی تمام زمین حرم ہے وہ بھی کسی خاص شخص کی ملکیت نہیں ہو سکتی اس پر مجاہدؒ، عطاؒ، طاؤسؒ، امام مالکؒ، ابوحنیفہؒ، سفیان ثوریؒ، امام احمدؒ اور اسحق بن راہویہ متفق ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ دوسری مفتوحہ اراضی کی طرح مکہ کی اراضی حرم و مہ پر خراج نہ لگایا گیا۔ خراج دراصل زمین کا جزیہ ہوتا ہے اور یہ زمین پر عائد کیا جاتا ہے جیسے صاحب استطاعت اصحاب پر جزیہ عائد کیا جاتا ہے حرم معظم اور محترم ہونے کے باعث اس بات سے بلند و برتر ہے کہ اس پر خراج لگایا جائے۔

فتح مکہ نے دو شہری حکومتوں (یعنی مکہ اور مدینہ) کے درمیان کشمکش ختم کردی۔ مکہ اہل عرب کا تجارتی، روحانی اور سیاسی مرکز چلا آ رہا ہے۔ اس پر قبضہ سے دیگر عرب قبائل نے بھی اسلام قبول کرنے میں ہی اپنی عافیت سمجھی۔

عمرو بن سلمہ مشہور صحابی کا کہنا ہے:

''عرب قریش کے اسلام کا انتظار کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ محمدؐ کو ان کی قوم (قریش) پر چھوڑ دو، اگر محمدؐ ان پر غالب آ گئے تو بے شبہ وہ پیغمبر ہیں۔ پس جب مکہ فتح ہوا تو ہر قبیلہ نے اسلام کی طرف پیش دستی کی۔ (۱۵۸)

اسلام کی تبلیغ میں جو دیر لگی وہ زیادہ تر قومی اور خاندانی مخالفت کی وجہ سے تھی اب جب کہ باطل کا سنگ راہ ہٹ گیا تو وہ عرب جو قبائلی زندگی بسر کر رہے تھے اب محمدؐ کی قیادت و سیاست میں ایک قوم بن گئے جو پوری دنیا کو اپنے پاؤں تلے روندنے والی تھی اب دعوت اسلام کے لیے یہ خطرہ نہ رہا کہ اس کے دعاۃ جہاں جائیں تو ان کی جانوں کو خطرہ ہو۔ فتح مکہ کے بعد ہجرت کا حکم منسوخ کر دیا گیا۔ اس سیاست کا نتیجہ دو گونہ تھا مسلمان فوج کے لیے محفوظ رضا کاروں میں روز افزوں اضافہ اور نو مسلموں میں اسلام کی گہرائی۔ (۱۵۹)

فتح مکہ اس امر کا بین ثبوت ہے کہ محمدؐ کی لڑائیاں سیاسی لڑائیاں نہیں تھیں بلکہ محض دینی لڑائیاں تھیں جن میں وہ خوں ریزیاں جو دوسری لڑائیوں کا خاصہ ہوتی تھیں بالکل مفقود تھیں۔ ''تمام جرنیلوں کو واضح احکامات دیے گئے کہ وہ کسی صورت میں بھی حملے میں پہل نہ کریں اور صبر و تحمل کا دامن نہ چھوڑیں کیوں کہ یہ محمدؐ کی زبردست خواہش تھی کہ مکہ کو میانہ روی اور حلم سے فتح کریں نہ کہ تشدد کے ذریعے۔ یہ سچ ہے کہ مسلح مقاومت کرنے والوں کو تہ تیغ کر دیا جاتا تھا لیکن خاموشی سے مطیع ہونے والوں کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہ پہنچایا گیا۔ آپؐ نے اپنے ایک جرنیل کو جوش میں باتیں کرتے ہوئے یہ کہتے سنا ''جنگ کے دن کوئی بھی جگہ مقدس نہیں ہوتی'' تو آپؐ نے فوراً ہی اس کی جگہ ٹھنڈے مزاج کا ایک کمانڈر مقرر فرما دیا۔ (۱۶۰) اگر آپؐ چاہتے تو اپنے دشمن کا سر قلم کر سکتے تھے جن کے ظلم و استبداد سے تنگ آ کر آپؐ اپنا گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔

پروفیسر گب مکہ کے بلا خون ریزی قبضہ اور اس کی تسخیر کی وجوہات کی تفصیل پیش کرتے ہوئے رقمطراز ہے: (۱۶۱)

''مدینہ میں آپؐ نے شمال کی طرف مکہ کے اہم تجارتی راستہ کو اس سے دور کیا بدو قبائل کے خلاف آپ کی مہمات، جو اس حیثیت سے

فائدہ اٹھانے کے ایک بڑے منصوبے کا حصہ معلوم ہوتی ہیں، عظیم مہارت اور بصیرت کے ساتھ مکمل کی گئیں تاکہ مکہ کی ناکہ بندی کر کے اسے مسخر کیا جائے یہ پیش بینی کر لی گئی تھی کہ اس اشتعال سے ایک مسلح تصادم ہوگا۔ لیکن تین لڑائیاں یعنی بدر، احد اور خندق جو ہجرت کے دوسرے، تیسرے اور پانچویں سال میں لڑی گئیں، ان کی اہمیت محض ایک قصہ سے زیادہ نہیں۔ چاہے وہ مسلم روایت میں کتنی ہی بڑی کیوں نہ دکھائی دیں۔ یہ محمدؐ کے مقاصد کے لیے لازی تھا کہ آخرکار مکہ اپنے ہی ارادے سے داخل اسلام ہو جائے۔ آپ کی ممتاز سیاسی بصیرت کی وجہ سے سات برس کی جدوجہد کے بعد بالآخر مکہ ادغام ہوا، ایک شکست خوردہ اور کشیدہ خاطر دشمن کی حیثیت سے نہیں، اگرچہ ایک پرجوش ساجھی کی حیثیت سے نہیں تو ایک رضامند کی حیثیت سے تھا اور جب دو سال بعد اسلام کو آپ کی وفات پر سب سے بڑے بحران کا سامنا کرنا پڑا تو مکہ درحقیقت عرب میں اسلامی تفوق کے دوبارہ قیام میں پیش پیش تھا۔"

حواشی و حوالہ جات

(۱) تاریخ ابن خلدون، جلد ۱، ص ۳۸۰
(۲) ابن ہشام، جلد ۲، ص ۳۶۰، زاد المعاد، جلد ۲، ص ۲۸۱
(۳) زرقانی، جلد ۲، ص ۲۸۹
(۴) ابن ہشام، جلد ۲، ص ۳۶۵، حافظ ابن قیم نے اس کا نام عمرو بن عاص خزاعی لکھا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں: زاد المعاد، جلد ۲، ص ۲۸۱
(۵) عبدالمصطفیٰ اعظمی، سیرت المصطفیٰ، المدینہ پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص ۳۰۷
(۶) زرقانی، جلد ۲، ص ۲۹۰
(۷) ابن ہشام، جلد ۲، ص ۳۶۵، زاد المعاد، جلد ۲، ص ۲۸۱، طبقات ابن سعد، جلد ۲، ص ۱۷۲
(۸) طبقات ابن سعد، جلد ۲، ص ۱۷۲
(۹) ابن ہشام، جلد ۲، ص ۳۶۶
(۱۰) زرقانی، جلد ۲، ص ۲۹۱، فتح الباری، جلد ۸، ص ۴
(۱۱) فتح الباری، جلد ۷، ص ۴، زرقانی، جلد ۲، ص ۲۹۱
(۱۲) ابن ہشام، جلد ۲، ص ۳۶۶ / محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور
(۱۳) زاد المعاد، جلد ۲، ص ۲۸۱۔۲۸۲، فتوح البلدان، ص ۶۷
(۱۴) فتوح البلدان، ص ۶۷، زرقانی، جلد ۲، ص ۲۹۱۔۲۹۲
(۱۵) زرقانی، جلد ۲، ص ۲۹۲
(۱۶) زاد المعاد، جلد ۲، ص ۲۸۳
(۱۷) زرقانی، جلد ۲، ص ۲۹۷، زاد المعاد، جلد ۲، ص ۲۸۳
(۱۸) زرقانی، جلد ۲، ص ۲۹۲
(۱۹) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، ص ۲۸۵
(۲۰) محمود خطاب شیث، آنحضرت بحیثیت سپہ سالار، ص ۳۲۱
(۲۱) بخاری، کتاب المغازی، جلد ۲، ص ۶۱۹، زرقانی، جلد ۲، ص ۲۹۸
(۲۲) بخاری، کتاب الجہاد والسیر، جلد ۲، ص ۱۸۵، ابن خلدون کا خیال ہے کہ اس قاصدہ کا نام حریثہ کنود تھا۔ ملاحظہ فرمائیں: تاریخ ابن خلدون، جلد ۱، ص ۱۵۸
(۲۳) ایک روایت میں ابو مرثد غنوی کا نام بھی ہے۔
(۲۴) البدایہ والنہایہ، جلد ۴، ص ۲۸۴، محمد رضا، محمد رسول اللہ، ص ۳۰۰
(۲۵) محمد رضا، محمد رسول اللہ، ص ۳۰۰
(۲۶) فتح الباری، جلد ۷، ص ۵۲۱، زرقانی، جلد ۲، ص ۲۹۸
(۲۷) ۳۰ھ میں عثمان غنیؓ کی خلافت کے زمانے میں ان کا انتقال ہوا۔
بخاری کتاب المغازی، جلد ۲، ص ۵۶۷، ابن ہشام، جلد ۲، ص ۲۷۰۔۲۷۱، مغازی الرسول، ص ۳۲۸۔۳۲۹
واقدی بحوالہ زاد المعاد، جلد ۲، ص ۱۳۹
(۲۸) ایضاً
(۲۹) ایضاً
(۳۰) بخاری، جلد ۱، ص ۴۲۲، جلد ۲، ص ۶۱۲، زرقانی، جلد ۲، ص ۲۹۸، البدایہ والنہایہ، جلد ۴، ص ۲۸۴، فتح الباری، جلد ۷، ص ۵۲۱

(۳۱) قرآن الحکیم سورۃ الممتحنہ:۱

(۳۲) بخاری، جلد ۲، ص ۶۱۲، غزوۃ الفتح

(۳۳) غور کریں کہ جس جرم کی سزا صرف موت ہو سکتی تھی آپ ﷺ نے اسے حسن نیت پر محمول فرما کر معاف کر دیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جرم کی محض ظاہری نوعیت کو دیکھ کر سزا کا تعین نہیں کرنا چاہیے بلکہ خارجی احوال و ظروف ایسے بھی ہوتے ہیں جو جرم کی سنگینی کو ہلکا کر دیتے ہیں یا سنگین بنا دیتے ہیں۔ ہاں اگر جاسوس دشمن سے باقاعدہ ساز باز رکھتا ہو اور اس کا باقاعدہ معاوضہ بھی وصول کرتا ہو تو اس کے قتل کا جواز ہے۔

(۳۴) ابن ہشام کی روایت کے مطابق یکم جنوری ۶۳۰ء بروز پیر آیا ہے۔

(۳۵) بعض روایات میں آیا ہے کہ فتح مکہ میں آپ ﷺ کے ساتھ بارہ (۱۲) ہزار کا لشکر تھا۔ ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ مدینے سے روانگی کے وقت دس ہزار کا لشکر ہو پھر راستے میں بعض قبائل اس لشکر میں شامل ہو گئے ہوں تو مکہ پہنچ کر اس لشکر کی تعداد بارہ ہزار ہو گئی ہو۔ (عہد المصطفیٰ ﷺ، سیرت مصطفیٰ، الحمد پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۰ء، ص ۳۱۲)

(۳۶) ابن ہشام، جلد ۲، ص ۳۶۲۔ ابن ہشام نے یہاں یہ تحریر کیا ہے جب کہ جوزی نے اسے بدھ لکھا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں: عبد الرحمٰن ابن جوزی، الوفا ص ۷۳۰

(۳۷) فتح الباری، جلد ۸، ص ۴

(۳۸) ابن سعد نے عبد اللہ ابن ام مکتوم کا نام لکھا ہے۔ طبقات ص ۱۷۵

(۳۹) زاد المعاد، جلد ۲، ص ۲۸۳۔ ابن ہشام نے دعا کے الفاظ یہ تحریر کیے ہیں۔

اللّٰھم خذ العیون والاخبار عن قریش حتی نبغتھا فی بلادھا.

"اے اللہ! آنکھوں اور مخبروں کو قریش سے پکڑ لے یہاں تک کہ ہم ان کے بلاد پر اچانک حملہ آور ہو جائیں۔" ابن ہشام، جلد ۲، ص ۳۹۶

(۴۰) اصابہ، جلد پنجم، ص ۱۸۷

(۴۱) تاریخ ابن خلدون، جلد ۱، ص ۳۸۳

(۴۲) زرقانی، جلد ۲، ص ۳۰۰

(۴۳) القرآن الحکیم ۹۱:۱۳

(۴۴) القرآن الحکیم ۔۹۲:۱۲

(۴۵) زرقانی، جلد ۲، ص ۳۰۴

(۴۶) عیون الاثر، جلد ۲، ص ۲۲۸، ابن ہشام، جلد ۲، ص ۴۰۱

(۴۷) زرقانی، جلد ۲، ص ۳۰۱۔۳۰۲

(۴۸) عیون الاثر، جلد ۲، ص ۲۲۸، زاد المعاد، جلد ۲، ص ۲۹۳

(۴۹) بخاری، جلد ۲، ص ۶۱۳، زرقانی، جلد ۲، ص ۳۰۰، سیرت ابن ہشام جلد ۲، ص ۴۰۰

(۵۰) طبقات ابن سعد، جلد ۲، ص ۱۳۵

(۵۱) بلاذری، فتوح البلدان، ص ۶۷۔۶۸

(۵۲) مبسوط، جلد ۱۰، ص ۹۰۔۹۱، سرخسی بحوالہ محمد حمید اللہ ڈاکٹر، عہد نبوی ﷺ کے میدان جنگ، ص ۸۱

(۵۳) عیون الاثر، جلد ۲، ص ۲۲۸، بخاری، جلد ۲، ص ۶۱۳

(۵۴) عیون الاثر، جلد ۲، ص ۲۲۸، زرقانی، جلد ۲، ص ۳۰۴

(۵۵) تاریخ ابن خلدون، ص ۳۸۴

(۵۶) بخاری، جلد ۲، ص ۶۱۳، باب این رکز النبی الرایۃ

(۵۷) زرقانی، جلد ۲، ص ۳۰۴

(۵۸) بلاذری، فتوح البلدان، ص ۶۷۔۶۸

(۵۹) بخاری، جلد ۱، ص ۶۱۳

☆اسی طرح حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بارے میں محدث ابن عساکر کی ایک روایت ہے کہ یہ مسجد حرام میں بیٹھے ہوئے تھے اور حضور اکرم ﷺ سامنے سے نکلے تو انہوں نے اپنے دل میں یہ کہا کہ کون سی طاقت ان کے پاس ایسی ہے کہ یہ ہم پر غالب رہتے ہیں۔ تو حضور اکرم ﷺ نے ان کے دل میں چھپے ہوئے خیال کو جان لیا اور قریب آکر آپ نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ ہم خدا کی طاقت سے غالب آجاتے ہیں۔ یہ سن کر انہوں نے بلند آواز سے کہا کہ "میں شہادت دیتا ہوں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔" اور محدث حاکم اور ان کے شاگرد امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کو دیکھ کر اپنے دل میں کہا کہ "کاش! میں ایک فوج جمع کر کے دوبارہ ان سے جنگ کرتا۔" ادھر ان کے دل میں یہ خیال آیا ہی تھا کہ حضور اکرم ﷺ نے آگے بڑھ کر ان کے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ "اگر تو ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ تجھے ذلیل و خوار کر دے گا۔" یہ سن کر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ توبہ و استغفار کرنے لگے اور عرض کیا کہ مجھے اس وقت آپ کی نبوت کا یقین ہو گیا۔ کیوں کہ آپ نے میرے دل میں چھپے ہوئے خیال کو جان لیا۔ (زرقانی، ج ۲، ص ۳۳۶)

یہ بھی روایت ہے کہ جب سب سے پہلے حضور اکرم ﷺ نے ان پر اسلام پیش فرمایا تھا تو انہوں نے کہا کہ "پھر میں اپنے معبود عزیٰ کو کیا کروں گا؟" تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے برجستہ فرمایا تھا کہ "تم عزیٰ پر پاخانہ پھر دینا۔" چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے جب عزیٰ کو توڑنے کے لیے حضرت خالد بن ولید کو روانہ فرمایا تو ساتھ میں حضرت ابوسفیان کو بھی بھیجا اور انہوں نے اپنے ہاتھ سے اپنے معبود عزیٰ کو توڑ ڈالا۔ یہ محمد بن اسحاق کی روایت ہے اور ابن ہشام کی روایت یہ ہے کہ عزیٰ کو حضرت علی نے توڑا تھا۔ واللہ اعلم۔ (زرقانی، جلد ۲، ص ۳۲۹)

(۶۰) سیرت ابن ہشام، جلد ۲، ص ۴۰۳، و زرقانی، جلد ۲، ص ۳۱۲

(۶۱) ابن ہشام، جلد ۲، ص ۴۰۲، مسلم جلد ۲، ص ۱۰۲، المصنف عبدالرزاق جلد ۵، ص ۳۷۶، المصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱۴، ص ۴۹۶، البدایہ والنہایہ جلد ۴، ص ۲۹۰، عیون الاثر جلد ۲، ص ۲۲۹، نسب قریش ص ۱۲۲، طبقات جلد ۲، ص ۹۸، و انساب الاشراف، جلد ۲، ص ۱۲۱، ابوسفیان نے حیاء کی وجہ سے ایک مدت تک آپ کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ آپ نے ان کے لیے جنت کی خوشخبری سنائی۔ (زرقانی جلد ۲، ص ۳۰۰)

(۶۲) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الاستیعاب جلد ۲، ص ۸۶، اسد الغابہ جلد ۵، ص ۲۱۶، کتاب المحبر لابی جعفر محمد بن حبیب، ص ۱۷۵

(۶۳) ابن ہشام، جلد ۲، ص ۳۶۹، تاریخ ابن خلدون، ص ۳۸۴

(۶۴) اسے سبز لشکر اس لیے کہا گیا کہ اس میں ہتھیار بہت تھے جن میں ایک قسم کی سبزی نظر آتی تھی۔ ابن ہشام، جلد ۲، ص ۳۶۹

(۶۵) زرقانی، جلد ۲، ص ۳۰۶

(۶۶) فتح الباری، جلد ۸، ص ۸

(۶۷) ابن ہشام، جلد ۲، ص ۳۸۲

(۶۸) ایضاً، ص ۳۶۹

(۶۹) زرقانی، جلد ۲، ص ۳۱۴

(۷۰) تاریخ ابن خلدون، ص ۳۸۴

(۷۱) آج کل اس کو محلہ مسفلہ کہتے ہیں۔

(۷۲) فتح الباری، جلد ۸، ص ۸۔ بخاری جلد ۲، ص ۶۱۴ باب این رکز النبی رایتہ، و زرقانی، جلد ۲، ص ۳۰۴۔۳۰۶

(۷۳) محمد احمد باشمیل، فتح مکہ، ص ۲۵۴

(۷۴) اس میں بڑا اختلاف ہے کہ مکہ کون سی تاریخ میں فتح ہوا؟ اور آپ کس تاریخ کو مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے؟ امام بیہقی ۱۳ رمضان۔ امام مسلم نے ۱۶ رمضان بتایا اور بعض روایات میں ۱۷ رمضان اور ۱۸ رمضان بھی مروی ہے مگر محمد بن اسحاق نے اپنے مشائخ کی ایک جماعت سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ ۲۰ رمضان سن ۸ھ کو مکہ فتح ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (زرقانی جلد ۲، ص ۲۹۹)

(۷۵) بخاری میں ہے کہ آپ کے سر مبارک پر "مغفر" تھا۔ آپ کے ایک جانب حضرت ابوبکر صدیق اور دوسری جانب حضرت اسید بن حضیر تھے اور آپ کے چاروں طرف جوش میں بھرا ہوا اور ہتھیاروں میں ڈوبا ہوا لشکر تھا جس کے درمیان کوکبۂ نبوی تھا۔ ابن اسحٰق بیان کرتا ہے کہ رسول اللہ ایک یمنی سرخ چادر کے پلو کو لپیٹے ہوئے تھے۔

(۷۶) سیرت ابن ہشام، جلد ۴، ص ۲۸

(۷۷) زرقانی، جلد ۲، ص ۳۲۰۔۳۲۱

(۷۸) سیرت ابن ہشام، جلد ۲، ص ۵۰۰، عیون الاثر جلد ۲، ص ۲۳۲

(۷۹) زرقانی جلد ۲، ص ۳۱۰، فتح الباری جلد ۸، ص ۹

(۸۰) یہ مکہ کا ایک بازار تھا، جسے حرم میں اضافے کے وقت اس میں شامل کر دیا گیا تھا۔ معجم الیاقوت، جلد ۳، ص ۳۷۱

(۸۱) مغازی الواقدی، جلد ۲، ص ۸۲۶۔ زرقانی، جلد ۲، ص ۳۱۰، طبقات ابن سعد ص ۱۷۷

محمد احمد باشمیل، فتح مکہ، ص ۲۵۶۔۲۵۷

(۸۲) جس کو آج کل جنت المعلیٰ کہتے ہیں۔

(۸۳) مغازی الواقدی، جلد ۲، ص ۸۲۸

(۸۴) امام بخاری کہتے ہیں کہ ہم سے قاسم بن خارجہ نے اس نے حفص بن میسرہ سے اس نے ہشام بن عروہ سے اس نے اپنے باپ سے بیان کیا کہ انہیں حضرت عائشہؓ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے سال کداء سے داخل ہوئے جو مکہ کے بالائی حصے میں ہے۔ ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ ابو اسامہ اور وہب نے بھی یہی بیان کیا ہے چنانچہ ہم سے عبید بن اسمٰعیل نے بیان کیا اس نے ابو اسامہ سے اس نے ہشام سے اس نے اپنے باپ سے بیان کیا وہ کہتا ہے کہ رسول کریمؐ فتح مکہ کے سال مکہ کے بالائی جانب کداء سے داخل ہوئے اور یہی بات صحیح ترین ہے اگر اسکا مقصد یہ ہے کہ مرسل، مسند متقدم سے زیادہ صحیح ہوتی ہے تو کلام میں ظلم پیدا ہو جاتا ہے ورنہ کداء (مد کے ساتھ) وہی مذکورہ جگہ ہے جو مکہ کے بالائی علاقہ میں ہے۔ اور کدیٰ مقصود ہے جو مکہ کی ترائی میں ہے اور یہی مشہور اور زیادہ مناسب ہے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۳، ص ۲۹۳) (معجم البلدان میں ہے کہ کداء (سماء کی طرح) مکہ کے بالائی علاقہ میں ایک پہاڑ ہے اور یہ وہ گھاٹی ہے جو قبرستان کے پاس ہے اس طرف کو المعلاۃ کہتے ہیں اسی جانب سے رسول کریمؐ داخل ہوئے تھے اور کدیٰ (ثریٰ کی طرح) مکہ کی ترائی میں ایک پہاڑ ہے اس سے حضور اکرمؐ باہر نکلے تھے)

(۸۵) واقدی/کتاب المغازی، جلد ۲، ص ۸۳۱، سیرت حلبیہ، جلد ۲، ص ۲۰۹، بخاری جلد ۱، ص ۲۷۳۔ البدایہ والنہایہ جلد ۳، ص ۳۰۰

(۸۶) بخاری، جلد ۲، ص ۶۱۵، باب منزل النبی یوم الفتح

(۸۷) سیرت حلبیہ، جلد ۲، ص ۲۰۹

(۸۸) القرآن الحکیم سورۃ الفتح آیت ۲۷ تا ۲۹

(۸۹) بخاری، جلد ۲، ص ۶۱۴

(۹۰) البدایہ والنہایہ، جلد ۳، ص ۳۰۰

(۹۱) معمر بن عبداللہ بن نضلہ بن نافع بن عوف عدوی، قرشیؓ، سابقون الاولون صحابہ میں سے ہیں آپؓ نے دو ہجرتیں (حبشہ اور مدینہ منورہ کی طرف) کیں، آپ ان لوگوں میں سے ہیں جو حضرت جعفرؓ اور ان کے ساتھیوں کی واپسی سے قبل مکہ واپس آ گئے تھے پھر آپؓ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی۔

(۹۲) مغازی الواقدی، جلد ۲، ص ۸۳۶

(۹۳) ایضاً، ص ۸۳۶

(۹۴) بعض روایات میں چھڑی آیا ہے۔

(۹۵) القرآن الحکیم سورۃ الاسراء آیت ۱۷:۱۸

(۹۶) بخاری، جلد ۲، ص ۶۱۴، فتح مکہ

(۹۷) بخاری جلد ۱، ص ۲۱۸، باب من کبر فی نواحی الکعبۃ، بخاری، جلد ۲، ص ۶۱۴ فتح مکہ

(۹۸) ابن ہشام، جلد ۲، ص ۲۷۸

(۹۹) القرآن الحکیم ۴۹:۱۳/ البدایہ والنہایہ جلد ۳، ص ۳۰۱

(۱۰۰) سیرت ابن ہشام، جلد ۲، ص ۴۱۲، مختصراً و بخاری وغیرہ

(۱۰۱) ابن ہشام، جلد ۲، ص ۲۷۸، تاریخ طبری جلد ۳، ص ۱۲۳

(۱۰۲) زرقانی، جلد ۲، ص ۳۲۸

(۱۰۳) البدایہ والنہایہ جلد ۳، ص ۳۰۱

(۱۰۴) زاد المعاد، جلد ۲، ص ۱۵۲

(۱۰۵) حجاج کو پانی پلانے اور خانہ کعبہ کی خدمت کے محکمے۔

(۱۰۶) ابن ہشام، جلد ۲، ص ۴۷۹

(۱۰۷) البدایہ والنہایہ جلد ۴، ص ۳۰۱

(۱۰۸) زرقانی جلد ۲، ص ۳۳۰، فتح الباری، جلد ۸، ص ۱۵، طبقات ابن سعد جلد ۲، ص ۱۷۱

(۱۰۹) اصابہ تذکرہ حاطب بن ابی بلتعہ جلد ۲، ص ۲۵۱، زرقانی، جلد ۲، ص ۳۳۶، ابن ہشام جلد ۲، ص ۳۹۲

(۱۱۰) زرقانی، جلد ۲، ص ۳۳۶، البدایہ والنہایہ جلد ۴، ص ۳۰۳

(۱۱۱) فتوح البلدان ص ۱۷۱، سیرت ابن ہشام، جلد ۲، ص ۴۱۲، ص ۳۹۹

(۱۱۲) مدارج النبوۃ، جلد ۲، ص ۳۴۴

(۱۱۳) بعض روایات میں ہے کہ حنین سے واپسی پر انہیں مؤذن مقرر کیا گیا۔

(۱۱۴) استیعاب جلد ۲، ص ۱۵۲

(۱۱۵) الاستیعاب ترجمہ ابو محذورہ

(۱۱۶) سیرت ابن ہشام، جلد ۲، ص ۴۱۶، زرقانی جلد ۲، ص ۳۴۲، البدایہ والنہایہ جلد ۴، ص ۳۰۷، عیون الاثر جلد ۲، ص ۲۳۹، مسلم باب فتح مکہ، ابوداؤد، باب ما جاء فی خبر مکہ، مسند احمد جلد ۲، ص ۵۳۸

(۱۱۷) ابن ہشام، جلد ۲، ص ۴۲۷

(۱۱۸) سیرت ابن ہشام، جلد ۲، ص ۵۹

(۱۱۹) سعید بن حریث بن عمرو بن عثمان بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم مخزومی قریشی، فتح سے قبل مسلمان ہوئے، واقدی کہتا ہے کہ وہ اپنے بھائی عمرو بن حریث سے بڑے تھے اس سے ابن مندہ نے اس کے بھائی سعید بن حریث سے بیان کیا ہے وہ کہتا ہے کہ رسول کریمؐ نے فرمایا کہ جس نے جاگیر یا گھر فروخت کیا اور اس کی قیمت کو مقرر نہ کی اس میں اس کے لیے برکت نہ ہوگی۔ (اصابہ جلد ۲، ص ۴۴) آپ کوفہ میں فوت ہوئے۔ بعض کہتے ہیں کہ یزید بن معاویہ کے عہد میں واقعہ حرہ میں قتل کر دیا گیا۔ (ابن عبدالبر)

(۱۲۰) ابو برزہ اسلمی کا نام نضلہ بن عبدالحرث ہے۔ اسلام کے سابقون میں سے ہیں خیبر اور بعد کے معرکوں میں حاضر ہوئے، خلفائے راشدینؓ کے عہد کی فتوحات میں حصہ لیا، خراسان میں رہے، خوارج کے ساتھ جنگ میں حضرت علیؓ کے ساتھ شامل تھے اور عبدالملک کے زمانے میں مہلب کے ساتھ خوارج سے جنگ کرنے میں شریک تھے۔ وفات ۶۴ھ میں ستر سال کے لگ بھگ خراسان میں ہوئی۔

(۱۲۱) البدایہ والنہایہ جلد ۴، ص ۲۹۹، زرقانی، جلد ۲، ص ۳۳۱

(۱۲۲) سیرت ابن ہشام، جلد ۲، ص ۵۹

(۱۲۳) محمد احمد باشمیل، فتح مکہ، ص ۳۶۵

(۱۲۴) ایضاً

(۱۲۵) امام مالک، موطا کتاب النکاح

(۱۲۶) مشکوٰۃ کتاب الادب

(۱۲۷) امام مالک، موطا کتاب النکاح

(۱۲۸) القرآن الحکیم، سورۃ احزاب آیت ۵۳

(۱۲۹) مدارج النبوۃ، جلد ۲، ص ۳۰۲

(۱۳۰) ایضاً، ص ۳۲۸

(۱۳۱) سیرۃ حلبیہ، جلد ۲، ص ۳۱۱

(۱۳۲) ایضاً، ص ۳۲۹، الاستیعاب ترجمہ سہیل بن عمرو

(۱۳۳) طبری، جلد ۲، ص ۳۳۵

(۱۳۴) سیدنا معاویہؓ بن سفیان عمرۃ القضا میں مسلمان ہو گئے لیکن اپنے والد سے اسلام چھپائے رکھا۔

(۱۳۵) تاریخ طبری، جلد ۱، ص ۳۰۳

(۱۳۶) بخاری، کتاب الشروط، ص ۳۷۵

(۱۳۷) البدایہ والنہایہ، جلد ۷، ص ۵۱، اسد الغابہ، جلد ۵، ص ۵۶۲

(۱۳۸) طبقات ابن سعد، جلد ۸، ص ۱۷۱

(۱۳۹) طبری، جلد ۳، ص ۱۶۴۳

(۱۴۰) بخاری، باب ذکر ہند بنت عتبہ، ص ۵۳۹

(۱۴۱) بہر حال حضرت ابوسفیان اور ان کی بیوی ہند بنت عتبہ دونوں مسلمان ہو گئے۔ (رضی اللہ عنہما) لہٰذا ان دونوں کے بارے میں بدگمانی یا ان دونوں کی شان میں بدزبانی روافض کا مذہب ہے۔ اہل سنت کے نزدیک ان دونوں کا شمار صحابہ اور صحابیات کی فہرست میں ہے۔ ابتداء میں گو ان دونوں کے ایمان میں کچھ تذبذب رہا ہو مگر بعد میں یہ دونوں صادق الایمان مسلمان ہو گئے اور اسی ایمان ہی پر ان دونوں کا خاتمہ ہوا۔ (رضی اللہ عنہما)

(۱۴۲) ابن ہشام، جلد ۲، ص ۴۰۳، بخاری، جلد ۲، ص ۶۱۴، فتح مکہ

(۱۴۳) ایضاً، ص ۴۱۵-۴۱۶

(۱۴۴) سنن ابی داؤد، جلد ۱، ص ۳۷۶

(۱۴۵) یاایھا الذین امنوا انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا وان خفتم عیلۃ فسوف یغنیکم اللہ من فضلہ ان شاء ۔۹:۲۸

(۱۴۶) زاد المعاد، جلد ۲، ص ۳۰۸-۳۰۹

(۱۴۷) انما المؤمنون اخوۃ، القرآن الحکیم ۴۹:۱۰

(۱۴۸) القرآن الحکیم ۶۰:۱۲-۱۳

"اے نبی! جب تمہارے پاس مومن عورتیں بیعت کرنے کے لیے آئیں اور اس بات کا عہد کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں گی، چوری نہ کریں گی، زنا نہ کریں گی، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی، اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان گھڑ کر نہ لائیں گی اور کسی امر معروف میں تمہاری نافرمانی نہ کریں گی تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے حق میں اللہ سے دعائے مغفرت کرو، یقیناً اللہ درگزر فرمانے اور رحم کرنے والا ہے۔
اے لوگو جو ایمان لائے ہو، ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جن پر اللہ نے غضب فرمایا ہے، جو آخرت سے اسی طرح مایوس ہیں جس طرح قبروں میں پڑے ہوئے کافر مایوس ہیں۔"

(۱۴۹) بخاری، جلد ۲، ص ۶۱۵

(۱۵۰) عبد المصطفیٰ اعظمی، سیرت مصطفیٰ، ص ۴۴۶

(۱۵۱) زرقانی، جلد ۲، ص ۳۳۹

(۱۵۲) عیون الاثر، جلد ۲، ص ۲۳۹، طبقات، جلد ۲، ص ۱۴۵

(۱۵۳) عیون الاثر، جلد ۲، ص ۲۳۹، طبقات، جلد ۲، ص ۱۴۵

(۱۵۴) عیون الاثر، جلد ۲، ص ۲۵۰

(۱۵۵) ایک روایت یہ ہے کہ صرف بنو سلیم نے ان لوگوں کو قتل کیا تھا۔ مہاجرین اور انصار نے قتل نہیں کیا تھا۔

(۱۵۶) زرقانی، جلد ۳، ص ۳۰، البدایہ والنہایہ، جلد ۴، ص ۳۱۳، عیون الاثر، جلد ۲، ص ۲۵۰، طبقات، جلد ۲، ص ۱۴۷

(۱۵۷) عبد المصطفیٰ اعظمی، سیرت مصطفیٰ، ص ۴۴۶

(۱۵۸) بخاری، باب فتح مکہ

(۱۵۹) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، جلد ۱، ص ۲۶۴

Irving, Washington, Life of Muhammad, p. 150(۱۶۰)

Gibb, Prof. H-AA.R.Muhammad, P.29(۱۶۱)
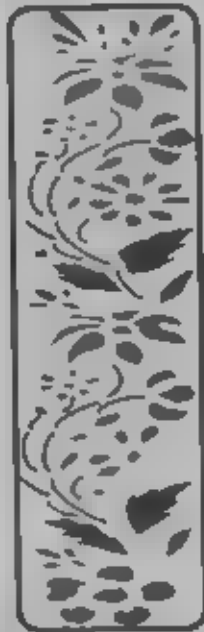
صلح حدیبیہ اور عہدِ خلافت راشدہؓ کے

معاہدات۔تقابلی جائزہ

باب چہارم
صلحِ حدیبیہ اور عہدِ خلافت راشدہؓ کے معاہدات۔ تقابلی جائزہ

﴿فصلِ اول﴾

عہدِ صدیقیؓ کے معاہدات اور صلحِ حدیبیہ:

خلافت کا مفہوم:

خلافت لغت کے اعتبار سے کسی کی "گدی نشینی" یا "جانشینی" کو کہا جاتا ہے اور اصطلاح میں حضرت جناب نبی کریم ﷺ کی حیثیت سے متعلق دینی اور دنیاوی امور میں فرمانروائی کے استحقاق کو کہتے ہیں۔ خلیفہ کی ذات اور شخصیت از روئے شرع تمام معاملات دینی و دنیاوی میں فرمانروائی کی حقدار تھی اور یہ فرمانروائی شریعت کے دستور اور قوانین کی پابند تھی۔

خلافت کا حقیقی مقصد ناموس اسلام کا تحفظ اور شرعی زاویہ نگاہ سے حکومت کے نظم و نسق کی تنظیم اور اس کا قیام تھا۔(۱) اسلام کے عہد اولین میں خلیفہ رسول کو تین القاب سے پکارا جاتا تھا:

(i) خلیفہ (ii) امیر المومنین (iii) امام (۲)

خلیفہ کے القاب:

حضرت ابو بکرؓ عالم اسلام کے نظم و نسق اور اسلام کے فروغ اور اشاعت میں چوں کہ نبی کریم ﷺ کے جانشین تھے اس لیے آپؓ "خلیفۃ الرسول اللہ" سے یاد کیے جانے لگے۔ آپؓ کے بعد حضرت عمرؓ نے یہ منصب سنبھالا تو کچھ وقت تک آپؓ "خلیفہ الرسول اللہ" کے لقب سے ملقب رہے۔ لیکن یہ لقب زیادہ عرصے تک نہ چل سکا چونکہ اس لقب میں ترکیبی ثقل پیدا ہو گیا تھا۔ لہٰذا خلیفہ ثانی کے عہد میں خلیفہ کے لیے "امیر المومنین" کا لقب اختیار کیا گیا اور خلیفہ کو امام اس لیے کہا جاتا تھا کہ اسے مذہبی تقدس حاصل تھا اور وہ نماز میں امامت کے فرائض انجام دیتا تھا جو مسلمانوں میں دینی مرکزیت پیدا کرنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ (۳)

خلافتِ راشدہؓ کا ارتقائی پس منظر:

اسلامی حکومت کا عہد اول اپنے صحیح خد و خال کے اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ بنظر غائر جب ہم ارتقائی پس منظر دیکھتے ہیں تو وہ دو ادوار میں منقسم پایا جاتا ہے۔ عہد صدیقی اور عہد فاروقی تاریخی، سیاسی، سماجی اور عالمگیر انقلابات کی وجہ سے دور اول ہے اور عہد عثمانی و علوی دور ثانی ہے۔ اس تقسیم سے خدانخواستہ موخر الذکر دور کی تنقیص ہرگز مقصود نہیں کیوں کہ اسلامی تاریخ میں دونوں ادوار

بابرکت اور مثالی ہیں اور ان ادوار کی ہر ایک شخصیت اپنے اوصاف وکمال میں بلند مرتبہ اور باکمال ہے۔ لیکن پہلا دور اجتماعی زندگی کے محاسن اور امت کے اتحاد و اتفاق کے لحاظ سے زیادہ مکمل، زیادہ معیاری اور مثالی ہے۔ وجہ اس کی یہی ہے کہ ابتداء میں "خلیفہ" کو جن مشکلات کا سامنا تھا بعد میں آنے والوں کے لیے وہ نہ رہیں کیوں کہ دور اول کے خلفاء ان مشکلات سے نبرد آزما ہو کر ان کو حل کر چکے تھے اور جس حسن تدبیر کے ساتھ انہوں نے اسلام کی سیاسی، معاشی، سماجی راہیں ہموار کیں تو آنے والوں کے لیے کوئی زیادہ دشوار مرحلہ باقی نہ رہا۔

حضور اکرم ﷺ کی نگاہ بصیرت نے اپنے دونوں رفقاء کار کی جو صلاحیتیں مشاہدہ فرمائی تھیں ان کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا:

وزرائی من اهل الارض ابو بکرؓ و عمرؓ (۴)

ترجمہ: "ابوبکرؓ و عمرؓ روئے زمین پر بسنے والوں میں میرے وزیر ہیں۔"

زبان رسالت کی یہ بشارت اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ جو حضرات پیغمبر اعظم ﷺ کی حیات مبارکہ میں اسلامی حکومت کا کام وزیر کی حیثیت سے انجام دے چکے ہوں تو ان میں سیاسی تدبر کس درجہ کمال کا پایا جاتا ہوگا۔

ایک اطالوی لارڈ کاؤنٹ ہنری دی کاسٹری نے اپنی کتاب "اسلام" میں ہمدکلے پادری کا بیان نقل کیا ہے جو خراج تحسین سے کم نہیں ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں:

"ابوبکرؓ و عمرؓ نے اپنے ہاتھ میں سلطنت کی زمام لے کر اس کو چار چاند لگا دیے اور سیاسی حکمت عملی کا ایک ایسا نقش پیش کر کے دکھایا جس نے ساری دنیا سے خراج تحسین حاصل کیا۔ یہ کہنا بغیر کسی مبالغہ کے صحیح ہوگا کہ یہ دونوں یونان کی بیزنطینی سلطنت کے جن حکمرانوں اور اعلیٰ کمانڈروں سے برسر جنگ تھے ان کے مقابلے میں دونوں زیادہ مستقل مزاج، زیادہ انصاف پسند، زیادہ بردبار اور قانع، زیادہ شریف، باعظمت، جری اور اولوالعزم اور زیادہ بلند مرتبہ تھے۔ (۵)

خلافت راشدہؓ کا دور اول انہی دو ہستیوں کا دور ہے۔

خلافت کی ابتداء:

آنحضرت ﷺ (۶۱۰ء تا ۶۳۲ء) کی حکومت خالص خدائی اور دینی حکومت تھی۔ صحابہؓ کا اعتقاد تھا کہ آپ ﷺ کی حکومت کا محور "وحی خداوندی" ہے۔ خدا حضرت جبرئیلؑ کے ذریعے سے احکام بھیجتا ہے۔ آپ ﷺ انہیں عملی جامہ پہناتے ہیں۔ آپ ﷺ کا دنیا سے پردہ فرما جانا مسلمانوں کی تاریخ کا سب سے المناک حادثہ تھا۔ چنانچہ اس حادثے کے رونما ہوتے ہی مسلمانوں کی آنکھوں میں دنیا تاریک ہو گئی۔ اب کیا ہوگا......!

اب تک یہ تھا کہ رسالت مآب ﷺ اس دنیا میں تشریف فرما تھے، ان پر وحی نازل ہوتی تھی، ان کے پاس جبرئیل امینؑ تشریف لاتے تھے، ان سے اور خدا سے کلام و پیام کا سلسلہ جاری تھا، یہ سلسلہ اب ٹوٹ گیا۔

اب وحی قیامت تک کسی پر نہیں آئے گی۔

اب جبرئیل امین قیامت تک اس خاک دانِ عالم پر قدم نہیں رکھیں گے۔
اب خدا قیامت تک کسی بندے کو شرف کلام نہیں عطا کرے گا!

پھر اب کیا ہوگا؟...... اب گتھیاں کیوں کر سلجھیں گی، مشکلات کا حل کس طرح ہوگا؟ معاملات کے سلجھنے کی کیا صورت ہوگی؟ حالات کو روبرو کون کرے گا؟ لہٰذا اس المناک حادثہ کے رونما ہوتے ہی تمام مسلمان حواس باختہ ہوگئے اور اس خبر کی تصدیق کرنے کو کوئی تیار نہ تھا۔ فاروق اعظمؓ بھی سخت جلال میں تھے اور برسر منبر فرما رہے تھے اگر کوئی آپ ﷺ کی وفات کا ذکر بھی زبان پر لائے تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ عین اس وقت نازک موڑ پر حضرت صدیق اکبرؓ نمودار ہوئے اور فرمایا عمرؓ بس خاموش۔ آپ ﷺ وفات پا چکے ہیں اور آپ ﷺ سے پہلے بھی رسولوں نے وفات پائی ہے تو کیا تم اسلام سے پھر جاؤ گے۔

فمن کان یعبد محمداً فقد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حیٌ لا یموت (۶)

ترجمہ: جو شخص حضرت محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا تو وہ وفات پا چکے اور جو اللہ کی عبادت کرتا ہے تو وہ زندہ ہے جسے کبھی موت نہ آئے گی۔"

حضرت صدیق اکبرؓ کے اس برمحل اقدام نے امت مسلمہ کا شیرازہ بکھرنے سے بچالیا۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جانشینی کا سوال ایک سیاسی ہنگامہ کی شکل میں اٹھا۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ آپ ﷺ نے اس کا واضح فیصلہ اپنی حیات میں نہیں فرمایا تھا۔ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے:

انہ قال یوم الجمل ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یعہد الینا عہداً ناخذ بہ فی امارۃ (۷)

ترجمہ: "یعنی نبی کریم ﷺ ہم کو کوئی ایسی کھلی دستاویز نہیں دی جس کے مطابق حکومت کسی خاص فرد کو سپرد کی جاتی، لیکن ہم پہلے سے جانتے تھے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔"

اس وقت کا یہ اختلاف بہت تباہ کن ہوتا مگر حضرت صدیق اکبرؓ بروقت شورائے عام میں پہنچے اور سب کو ابو عبیدہؓ یا عمرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ اسلامی نظام اس بحران سے نکل گیا اور بالآخر خاندان نبوت ﷺ کے اکابر، خاندان ہاشمی کے بزرگ انصار اور مہاجرین سب ایک فیصلہ پر متفق ہوگئے۔ چنانچہ آپ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکرؓ منصب خلافت پر فائز ہوئے۔ آپؓ پہلے شخص تھے جنہیں اسلام کی حکومت کے قائد اول ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

اس طرح فکر اور غم کے اندھیرے میں سیدنا ابوبکر صدیقؓ ہی کا پرنور چہرہ چمکتا ہوا لوگوں کو نظر آیا۔ یہ ابوبکرؓ وہی تھے، جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ایک اشارے پر اپنا سب کچھ قربان کر دیا، جنہوں نے رسول ﷺ کو بچانے کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دی، اور اب کہ لوگ بدحواس ہو رہے تھے، وہ امید کے پیامبر بن کر تشریف لائے، انہیں دیکھتے ہی لوگوں کی ڈھارس بندھ گئی، ناامیدی کافور ہوگئی یا اس کی جگہ اس نے لے لی، اور رسول اللہ ﷺ کی جانشینی پر وہ شخص مامور ہوگیا جو رسول اللہ ﷺ کو بہت زیادہ محبوب تھا، جو رسول اللہ کا بہت زیادہ معتمد تھا، وہ دنیا میں پہلا شخص تھا جس کے مال کو رسول اللہ ﷺ نے اپنا مال سمجھا اور مسند خلافت پر بیٹھ کر ابوبکرؓ نے ثابت کر دیا کہ ملت اسلامیہ نے پریشانی کے ہجوم میں ان پر جو اعتماد کیا تھا، وہ کتنا صحیح تھا۔

ولادت سرور عالم ﷺ کے دو برس چند ماہ بعد، یعنی ۳ ولادت محمدی ﷺ ۵۷۲ء میں حضرت ابوبکرؓ مکہ میں پیدا ہوئے...... آویں

پلے بڑھے، ماں باپ نے نام عبدالکعبہ رکھا تھا، لیکن قبول اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ نے عبدالکعبہ سے بدل دیا، خوب رو اور خوش اندام تھے، عتیق نام پڑ گیا۔

اور چونکہ رسول اللہ کی اطلاعات پر آپ فوراً ہی صداقت کی مہر ثبت کر دیا کرتے تھے لہٰذا آنحضرت ﷺ نے آپ کو صدیق کے لقب سے نوازا۔ ابن اسحاق و قتادہ کا بیان ہے کہ شب معراج کی صبح سے آپ صدیق کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ (۸)

دولت مند گھرانے کے فرد تھے، جب سے شعور کو پہنچے، تجارت کو ذریعہ معاش بنایا، اور اس میں خوب پھلے پھولے اور کامیاب رہے، تجارت کے سلسلہ میں مکہ کے باہر بھی جاتے رہتے تھے، زیادہ تر شام کی طرف۔

آنحضرت ﷺ کے تقریباً ہم عمر تھے، بچپن سے دوستانہ تعلقات تھے، یہ آنحضرت ﷺ کی صحبت اور فطرت سلیم کا اثر تھا کہ عہد جاہلیت بھی پاک دامن رہے، نہ لہو و لعب میں حصہ لیا، نہ خرافات اور لغویات میں، سیرت اور کردار کی بلندی کے باعث اپنے قبیلہ اور قوم میں عزت اور احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔

زبیر بن بکار اور ابن عساکر نے معروف بن خربوذ کی زبانی لکھا ہے کہ ابوبکر صدیقؓ قریش کے ان گیارہ افراد میں سے تھے جنہیں جاہلیت و اسلام دونوں زمانوں میں عزت و شرف حاصل رہا۔ (۹)

رسول اکرم ﷺ نے جب اسلام کی دعوت دی، تو سب سے پہلے بغیر کسی تامل اور تذبذب کے (مردوں میں) جس نے اس دعوت پر لبیک کہا، وہ حضرت ابوبکرؓ ہی تھے۔

اس طرح آپ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ آزاد لوگوں میں سب سے پہلے کلمہ پڑھنے والے ہیں اور اس بات پر خود بھی رشک فرماتے تھے کہ میں اسلام لانے والا پہلا شخص ہوں۔ (۱۰)

اور پھر آنحضرتؐ کے آخری ایام و علالت کے زمانے میں یہ حضرت ابوبکرؓ ہی تھے جنہیں رسول اللہ ﷺ کی جگہ نماز کی امامت کا شرف حاصل ہوا۔

آپؓ کو خدا نے فطرتاً نرم دل اور بنی نوع انسان کا ہمدرد پیدا کیا تھا، آنکھوں میں مروت تھی، دل دردمندی اور خوف الٰہی سے بھرا ہوا تھا، کبھی کسی کو مصیبت میں نہ دیکھ سکتے تھے جہاں تک بن آتا خدا ترسی اور فیاضی سے کام لیتے لوگوں کے ساتھ نیکی اور بھلائی سے پیش آتے، جود و کرم کا جوہر دکھاتے غریبوں کی خبر گیری کرتے محتاجوں کے پیٹ بھرتے اور مظلوم غلاموں کو مول لے کر آزاد کرتے۔

آپؓ کا شمار قریش کے رؤسا اور اکابر میں تھا، انساب عرب سے خوب واقف تھے، حالات اُمم (سابقہ) سے بخوبی آگاہ تھے، اس لیے معاملہ فہم مانے جاتے تھے دارالندوہ میں جو اہم معاملہ پیش آیا اس میں آپؓ کی رائے زیادہ اہم اور باوقعت تسلیم کی جاتی تھی۔ اتقاء اور پرہیزگاری کا یہ عالم تھا کہ کبھی جھوٹ نہ بولتے، شراب کو عہد جاہلیت ہی میں اپنے اوپر حرام کر لیا تھا، قوم میں جب بھی کوئی قتل ہو جاتا، خون بہا کی رقم مشخص کرنا اور قاتل کو اپنی کفالت و حراست میں رکھنا خاص آپؓ کا کام تھا۔

حضرت بلالؓ کا آقا ان کے قبول اسلام کے باعث بہت ناراض اور برہم تھا اور طبعاً سفاک اور بے رحم بھی، اس نے چاہا بلالؓ اسلام سے دست بردار ہو جائیں، جب یہ نہ ہو سکا تو وہ انتقام پر اتر آیا وہ چلچلاتی ہوئی دھوپ میں، تپتی ہوئی ریت پر انہیں لٹا دیتا، پھر

سینہ پر وزنی اور گرم پتھر رکھ دیتا اور کہتا جب تک لات و عزیٰ پر ایمان نہیں لاؤ گے یونہی گت بنتی رہے گی مگر اس ظلم و ستم کا جواب حضرت بلالؓ کی زبان پر صرف ایک تھا، احد، احد یعنی اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے۔
حضرت ابوبکرؓ کی نظر سے جب یہ لرزہ خیز منظر گزرا، فوراً حضرت بلالؓ کو خریدا، محض للہ آزاد کر دیا۔
قبول اسلام کے بعد جس فدا کاری، ایثار اور خلوص کے ساتھ، آنحضرت ﷺ کا ساتھ دیا، اس کی کوئی دوسری مثال نہیں مل سکتی۔
ایک مرتبہ اپنا سارا اثاثہ راہ خدا میں دے دیا، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا گھر میں کچھ چھوڑا ہے؟ فرمایا خدا اور اس کا رسولؐ۔

ہجرت کے بعد جب مدینہ میں مسجد نبویؐ کے لیے آپؐ نے زمین خریدی تو اس کی قیمت حضرت ابوبکرؓ ہی نے ادا کی ہجرت کے موقع پر اپنی جان خطرہ میں ڈال کر آل و اولاد کو یونہی مکہ میں بے آسرا اور بے سہارا چھوڑ کر ذات رسالت ﷺ کے ساتھ ہو لیے اور غار ثور میں پناہ گزین ہوئے، یہاں کفار ڈھونڈتے ڈھونڈتے جب قریب پہنچے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ پر آنحضرت کی خیر طلبی کے بعد باعث اضطراب سا طاری ہوا، آپؐ نے کامل سکون کے ساتھ "لاتحزن ان اللہ معنا" (مت ڈرو خدا ہمارے ساتھ ہے)
آنحضرت ﷺ کے ساتھ تقریباً تمام غزوات میں جوش اور فدا کاری کے ساتھ شرکت کی جب بڑے بڑے کار آزمودہ اور سرد و گرم چشیدہ لوگوں کے پائے ثبات میں لغزش آ گئی، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے استقلال اور استقامت، فدا کاری اور جانثاری، دوستی اور رفاقت میں کوئی فرق نہیں آیا۔

حضرت ابوبکرؓ کی خشیت اور تقویٰ:

امام احمد نے بحوالہ معاذ بن جبلؓ لکھا ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ ایک مرتبہ ایک باغ میں تشریف لے گئے وہاں ایک درخت کے سائے میں ایک چڑیا کو بیٹھے دیکھ کر ٹھنڈی آہ بھری اور فرمایا اے چڑیا! تو بڑی خوش نصیب ہے درختوں کے پھل کھاتی ہے، درختوں کے سایہ میں رہتی ہے اور حساب و کتاب سے مبرا ہے۔ کاش میں تیری طرح ہوتا۔ کبھی فرماتے کاش میں کسی مسلمان کے سینے کا بال بن جاتا، نماز پڑھتے وقت آپ لکڑی کی طرح کھڑے رہتے تھے۔ (۱۱)

دنیا سے بے رغبتی:

ایک موقع پر پانی طلب فرمایا تو شہد کا شروب خدمت میں پیش کیا گیا۔ دہن مبارک کے قریب لے گئے تو بے ساختہ آپؓ پر گریہ طاری ہو گیا، یہاں تک کہ حاضرین بھی رونے لگے، پھر توقف کے بعد فرمایا کہ ایک روز میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا تو کسی چیز کو آپؐ دھتکارنے لگے کہ دور ہو جا، میرے استفسار پر آپؐ نے فرمایا کہ دنیا میرے پاس جسم کی صورت میں متشکل ہو کر آئی تھی اس کو دور کر رہا تھا تو مجھے اس وقت وہی بات یاد آ گئی اور یہ خوف ہوا کہ کہیں میں دنیا کے قریب میں نہ آ جاؤں۔ (۱۲)
آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد تقریباً بالاتفاق، آپؓ کو جانشین رسول منتخب کیا گیا۔ اس گراں بار ذمہ داری کو جس سچائی اور بے

لوٹی کے ساتھ آپؓ نے انجام دیا۔ وہ آپؓ کا یہ حصہ تھا۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جب زکوٰۃ کی عدم ادائیگی، ارتداد کی کارفرمائی اور نام نہاد مدعیان نبوت کی دعوت کا سلسلہ شروع ہوا تو ایمان اور کردار کی پوری استقامت کے ساتھ آپؓ نے ان حالات کا مقابلہ کیا اور بالآخر ان کا استیصال کر کے دم لیا، حالات کی ابتری اور نزاکت کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ تک نے مانعین زکوٰۃ کے بارے میں نرمی کا مشورہ دیا تھا۔ (۱۳) لیکن حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا، تم جاہلیت میں تو بڑے سخت تھے، لیکن انت جبان فی الاسلام اور اسلام قبول کرنے کے بعد پست حوصلہ بن گئے اس موقع پر اگر حضرت ابوبکرؓ سے ذرا بھی کمزوری سرزد ہوتی تو اسلام پر کبھی نہ ابھر سکتا۔

بیعت کے بعد ..... ''حضرت ابوبکرؓ منبر پر چڑھے اور رسول اللہ ﷺ کی نشست گاہ سے ایک زینہ نیچے بیٹھے، اللہ کی حمد و ثناء بیان کی اور کہا میں تم لوگوں پر والی بنادیا گیا، حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں، اگر میں راہ راست پر چلوں تو پیروی کرو، اگر کجی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کردیں، میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ بزرگی میں تم سے افضل ہوں.....''

حضرت ابوبکرؓ منصب خلافت پر فائز ہونے کے بعد بھی بہت سادہ زندگی بسر کرتے تھے، انہوں نے اپنی کامیاب تجارت کو چھوڑ کر خلافت کا بار گراں اٹھایا اور انتہائی اور فقرو بیت کے ساتھ زندگی بسر کی۔ انہوں نے لوگوں میں بیت المال سے مساویانہ تقسیم کی کسی کو کسی پر فضیلت نہیں دی، وہ بیت المال سے روزانہ تین درہم بطور مدد معاش لیا کرتے تھے اور خلیفہ رسول اللہ کہلاتے تھے۔''

خلافتِ صدیقیؓ پر ایک نظر:

حضرت ابوبکر صدیقؓ جب مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو آپؓ نے نبی اکرم ﷺ کے مقرر کیے ہوئے گورنروں کو بحال رکھا اور حکومت کے دیگر شعبے ممتاز صحابہ کرامؓ کے سپرد فرمائے۔ چنانچہ مالیات کا شعبہ حضرت ابوعبیدہؓ اور عدالت کا محکمہ حضرت عمرؓ کے حوالے کیا، اس میں آپ نے مناسبت اور تبحر کا لحاظ رکھا تھا۔ دوسرے اہم معاملات حکومت میں آپ اصحاب رائے اور ارباب فقہ سے مشورہ لے لیا کرتے تھے، ان میں حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابی ابن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ امتیازی وجہد کھتے ہیں۔

قاضیوں کے تقرر کا اختیار اپنے صوبوں میں گورنروں کو حاصل تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں بلاد عرب حسب ذیل صوبوں میں تقسیم تھے۔ مکہ، مدینہ، طائف، صنعاء، حضر موت، خولان، زبید، جند، نجران، جرش، بحرین۔ (۱۴)

اگرچہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا یہ زمانہ صرف سوا دو سال کی مختصر مدت تک محدود ہے لیکن اس قلیل مدت میں بھی آپؓ نے وہ کارنامے انجام دیئے جو سیاسی اور عسکری اعتبار سے حیرت انگیز قرار دیے گئے۔ (۱۵) لہٰذا یہ سوا دو سال اہمیت کے لحاظ سے اپنے دامن میں ایسے دوررس، فیصلہ کن اور نازک تر واقعات، حالات اور کیفیات کے حامل تھے ان میں سے کوئی ایک واقعہ بھی تاریخ کا رخ بدل سکتا تھا۔ اگر آپؓ نے مانعین زکوٰۃ کو ذرا بھی ڈھیل دی ہوتی یا مرتدین کے ساتھ رعایت کی ہوتی یا باطل مدعیان نبوت کے ساتھ چشم پوشی کی ہوتی یا جیش اسامہ کے معاملہ میں تاخیر روا رکھی ہوتی، یا کم از کم اسامہؓ کی سپہ سالاری ختم کردی ہوتی تو ان میں سے ایک واقعہ

بھی اپنے نتائج کے اعتبار سے اسلام کی تاریخ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کمزور بنا دیتا۔ لیکن آپؓ نے ہر مرحلہ پر ایسے استقلال، استقامت اور حوصلہ کا ثبوت دیا کہ لوگوں میں ایک نئی امنگ پیدا ہوگئی، لڑکھڑاتے ہوئے قدموں میں وہ استقلال پیدا ہوا کہ وہ کوہ گراں کی طرح ثابت اور مستقل ہو گیے۔

خلافت کے بعد آپؓ کا مشاہرہ:

آپؓ کا پہلے سے کپڑے کا کارخانہ مقام سخ میں قائم تھا اور اسی کے ذریعے آپؓ اپنی معاشی ضروریات کو پورا فرماتے تھے۔ چھ مہینے تک اس سلسلے کو جاری رکھنے کے بعد پھر مستقل مدینہ میں اقامت گزین ہوئے اور اپنے معاشی مسائل کی بھی فکر دامن گیر ہوئی۔ غور و فکر کے بعد فرمایا کہ خدا کی قسم لوگوں کے معاملات کی ذمہ داری اور تجارت ایک ساتھ نہیں چل سکتی۔ اس منصب کے لیے کامل فراغت اور بھرپور توجہ کی ضرورت ہے جب کہ دوسری طرف میرے اہل وعیال کے لیے بھی کچھ معاشی انتظام ضروری ہے۔ تو آپؓ نے فرمایا میری قوم جانتی ہے کہ میرا کاروبار ایسا ہے کہ اس سے میرے اہل وعیال کی کفالت بہ آسانی ہوسکتی ہے مگر اب میں عامۃ المسلمین کے کاموں میں مشغول ہوگیا ہوں تو اب ابوبکرؓ کے اہل وعیال بیت المال سے کھائیں گے اور میں مسلمانوں کا کام کروں گا۔ (۱۶) چنانچہ آپؓ نے تجارت ترک کردی اور بقدر ضرورت بیت المال سے خرچ لینے لگے۔ صحابہؓ نے آپؓ کے ذاتی مصارف کے لیے ابتداء میں کم اور بعد میں گنجائش ہوجانے کے بعد آخری زمانے میں سالانہ چھ ہزار درہم وظیفہ منظور کیا تھا۔ (۱۷) ابن سعد نے عطاء بن سائب کے حوالے سے لکھا ہے کہ بیعت لینے کے دوسرے دن حضرت ابوبکرؓ اپنے ہاتھ میں کچھ چادریں لیے بازار جارہے تھے اتنے میں حضرت عمرؓ نے برسرِ راہ پوچھا، کہاں تشریف لے جارہے ہیں؟ آپؓ نے جواب دیا ان چادروں کو بیچنے کے لیے بازار جارہا ہوں؛ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا یہ آپ کیا کررہے ہیں۔ اب آپ مسلمانوں کے خلیفہ ہیں۔ فرمایا تو پھر میرے اہل وعیال کا خرچ کیسے پورا ہوگا؟ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا چلیے اس کام کی تکمیل ابوعبیدہؓ کریں گے چنانچہ حضرت ابوعبیدہؓ کے پاس دونوں حضرات گئے جن سے حضرت عمرؓ نے کہا ایک مہاجر کی اوسط درجہ کی خورد ونوش کے برابر بغیر کسی کی بیشی کے آپؓ کے لیے خوراک اور سردی اور گرمی کے ملبوسات کا انتظام کردو اور کپڑے پرانے ہوجانے پر واپس لے کر ان کے بدلے نئے دے دیا کرنا۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے لیے بقدر ضرورت لباس وخوراک کا انتظام کیا اور ساتھ ہی نصف بکری کا گوشت بھی روزینہ مقرر کیا اور دو ہزار درہم سالانہ تنخواہ مقرر کی۔ لیکن آپؓ نے فرمایا کہ یہ تنخواہ میرے لیے ناکافی ہے۔ کیوں کہ میرے متعلقین زیادہ ہیں جب کہ تم لوگوں نے مجھے تجارت سے بھی روک دیا تو انہوں نے ڈھائی ہزار مقرر کردی۔ (۱۸)

خدمت عظیم:

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی یوں تو ساری زندگی، اسلام اور داعی اسلام کی خدمت میں گزری، لیکن آپؓ کی سب سے بڑی خدمت قرآن کی کتابی صورت میں (مصحف کے نام سے) ترتیب ہے، اگر آپؓ نے بروقت اس طرف توجہ نہ کی ہوتی، تو اس سلسلے میں بعد کو

مفاسد کے پیدا ہو جانے کا اندیشہ تھا، لیکن آپؓ نے بروقت اقدام واہتمام کرکے قرآن کریم کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پائندہ کردیا۔

وفات:

جمادی الآخر ۱۳ھ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ علیل ہوئے بیماری جب شدت پکڑ گئی، تو حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین نامزد کیا۔

طبرانی نے مسند میں بحوالہ امام حسنؓ لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے انتقال سے پہلے فرمایا: ''اے عائشہؓ! یہ نوزائیدہ دودھ دینے والی اونٹنی جس کا دودھ ہم لوگ استعمال کرتے تھے اور ہمارے کھانے کا یہ بڑا پیالہ اور یہ دھاری دار چادر جسے ہم اوڑھتے تھے ان سب سے ہم نے اپنی خلافت کے زمانے میں استفادہ کیا ہے جب کہ ہم مسلمانوں کے کام انجام دے رہے تھے۔ اب میرے انتقال کے بعد یہ سب چیزیں حضرت عمرؓ کو دے دینا۔ چنانچہ حسب وصیت جب حضرت عائشہؓ نے بیت المال کی یہ سب چیزیں حضرت عمرؓ کے پاس روانہ فرمادیں تو حضرت عمرؓ نے فرمایا اے ابوبکرؓ! اللہ تعالیٰ آپؓ پر رحم وکرم کی بارشیں کرے آپؓ نے مجھ پر بوجھ لادیا ہے۔ اسی طرح انتقال سے کچھ دن قبل حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ:

''میں نے خلافت کے زمانے میں بیت المال کا کوئی روپیہ پیسہ نہیں لیا البتہ موٹا جھوٹا کھایا اور معمولی لباس پہنا۔''(۱۹)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں سے کہا کہ حساب لگا کر یہ بتاؤ کہ اپنے عہد خلافت میں، میں نے ''بیت المال'' کی کتنی رقم خرچ کی ہے؟

چنانچہ حساب لگایا گیا تو پورے عہد خلافت کی رقم آٹھ ہزار درہم نکلی۔(۲۰) چنانچہ حکم صادر کیا کہ میں نے بیت المال سے جو مال لیا اس کے عوض فلاں مقام پر جو میرا باغ ہے اسے فروخت کرکے قیمت بیت المال میں داخل کردی جائے حضرت ابوبکرؓ نے اپنے غسل کے لیے اپنی بیوہ بنت عمیس کو وصیت کی، انہوں نے وفات کے بعد انہیں غسل دیا رات کے وقت دفن کیے گئے۔ ان کی وفات ۲۲ جمادی الآخر ۱۳ھ کو ہوئی۔(۲۱)

نماز جنازہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے پڑھائی، وہ اسی مکان میں دفن کیے گئے جس میں رسول اللہ ﷺ کی قبر ہے، وفات کے وقت ان کی عمر ۶۳ برس کی تھی ان کی خلافت دو سال چار ماہ رہی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ گورے، دبلے پتلے تھے، رخسارے سبک تھے، پسلیاں جھکی ہوئی تھیں مہندی اور کسم کا خضاب لگاتے تھے، حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں جن لوگوں سے فتویٰ لیا جاتا تھا وہ یہ تھے۔ حضرت علیؓ ابن ابی طالب، حضرت عمرؓ بن خطاب، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت زیدؓ بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ۔

وقت رحلت صدیق اکبرؓ کی معاشی تعلیمات:

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے غابہ کی ۲۰ وسق کھجوریں مجھے ہبہ کردی تھیں۔ جب مرض الوفات کا غلبہ ہونے لگا تو ارشاد فرمایا: بیٹی میں تمہیں ہر حال میں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ تمہارے افلاس سے مجھے دکھ ہوتا ہے اور تمہاری خوش حالی سے مجھے

راحت ملتی ہے۔ غابہ کی جو کھجوریں میں نے ہبہ کی تھیں اگر تم نے ان پر قبضہ کرلیا ہو تو خیر، ورنہ میری موت کے بعد وہ کھجوریں میرا ترکہ ہوں گی۔ تمہارے دوسرے دو بہن بھائی ہیں ان کھجوروں کو ازروئے قرآن ان سب میں تقسیم کردینا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا، اے بزرگ باپ، میں حکم کی تعمیل کروں گی، اگر اس سے بہت زیادہ مال بھی ہوتا تو میں آپ کے ارشاد پر اسے چھوڑ دیتی۔

وفات سے کچھ عرصہ قبل ارشاد فرمایا:

بیت المال کا وظیفہ کا حساب کیا جائے جو میں نے آج تک وصول کیا ہے، حساب کیا گیا تو معلوم ہوا کل آٹھ ہزار درہم دیا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا! میری زمین فروخت کر کے یہ تمام رقم ادا کردی جائے۔ اسی وقت زمین فروخت کردی گئی اور رسول امینؐ کے یارِ غار کے ایک ایک بال کو بیت المال کے بار سے سبکدوش کردیا گیا جب یہ ادائگی ہو چکی تو ارشاد فرمایا

تحقیقات کی جائیں کہ خلافت قبول کرنے کے بعد میرے مال میں کیا کچھ اضافہ ہوا ہے۔ معلوم ہوا پہلا اضافہ ایک حبشی غلام کا ہے جو بچوں کو کھلاتا ہے اور مسلمانوں کی تلواریں صیقل کرتا ہے۔ دوسرا اضافہ ایک اونٹنی کا ہے جس پر پانی لایا جاتا ہے۔ تیسرا اضافہ ایک سو روپے کی چادر کا ہے۔ ارشاد فرمایا میری وفات کے بعد یہ تینوں چیزیں خلیفہ وقت کے پاس پہنچادی جائیں۔ انتقال کے روز دریافت فرمایا حضرت محمد ﷺ نے کس روز رحلت فرمائی تھی، لوگوں نے کہا پیر کے دن، ارشاد فرمایا تو میری آرزو بھی یہی ہے کہ میں آج رخصت ہوجاؤں۔ اگر اللہ تعالیٰ اسے پورا کردے تو میری قبر آنحضرت ﷺ کے مرقد مبارک کے پاس بنائی جائے۔ موت کی ساعتیں لحہ بہ لحہ قریب آرہی تھیں۔ حضرت عائشہؓ اس ڈوبتے ہوئے چاند کے سرہانے بیٹھی تھیں اور آنسو بہا رہی تھیں، غم آلود اور حسرت انگیز خیالات آنسوؤں کے ساتھ ساتھ دماغ کی پہنائی سے اتر رہے تھے اور زبان سے بہہ رہے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے یہ شعر پڑھا۔ بہت سی نورانی صورتیں ہیں جن سے بادل بھی پانی مانگتے تھے وہ یتیموں کے فریادرس تھے اور بیواؤں کے پشت پناہ تھے یہ سن کر حضرت صدیق اکبرؓ نے آنکھیں کھول دیں اور فرمایا: میری بیٹی یہ رسول اللہ ﷺ کی شان تھی۔ (۲۲)

عہد صدیقیؓ پر صلح حدیبیہ کے اثرات یا صلح حدیبیہ کی جھلکیاں

عہد صدیقیؓ میں غیر مسلموں / مرتدین سے عفو و درگزر کی مثالیں:

تاریخ اسلام کے اوراق کی ورق گردانی سے معلوم چلتا ہے کہ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کا زمانہ خلافت و حکومت غیر مسلموں کے ساتھ رواداری، مساوات اور حسن سلوک کا دور تھا۔ سوچ تو یہ ہے کہ آپؓ مسند خلافت پر متمکن ہونے سے پہلے بھی غیر مذہب کے لوگوں کے لیے اپنے دل میں نرم گوشہ رکھتے تھے اور غیروں اور بیگانوں، بلکہ دشمنوں اور مخالفوں تک کے لیے آپؓ کے من کے دامن میں بڑی گنجائش تھی۔ یہاں ضروری ہوگا کہ ہم اس بارے میں تاریخی حقائق کا ایک جائزہ لیں۔

اسیرانِ جنگ بدر:

اسلام کی تاریخ میں جنگ بدر کو غیر معمولی حیثیت اور اہمیت حاصل ہے، اس جنگ میں بے سروسامانی کے باوجود خدا نے مسلمانوں کو غلبہ عطا فرمایا اور ساز و سامان کی فراوانی کے باوجود کفار کے حصہ میں شکست اور ہزیمت آئی اور اس شکست و ہزیمت کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ دشمن (کفار) کے بہت سے آدمی گرفتار کر لیے گیے۔

اب سوال یہ پیدا ہوا کہ ان لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے؟ وقت کا عام طریق کار یہ تھا کہ جو لوگ میدان جنگ میں گرفتار ہوتے تھے غلام بنا لیے جاتے تھے اور غلامی کے بعد ان پر لرزہ خیز اور ہولناک مظالم ڈھائے جاتے تھے انہیں مارا جاتا تھا ان سے دن بھر کام لیا جاتا تھا ان کی بے عزتی کی جاتی تھی، ان کے ساتھ ننگ انسانیت سلوک کیا جاتا تھا، انہیں فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا غرض شقاوت اور بہیمیت کا رونگٹے کھڑے کرنے والا برتاؤ ان مجبوروں کے ساتھ روا رکھا جاتا تھا اور ان غریبوں کو نہ فریاد کی اجازت تھی نہ آہ و نالہ کی۔

کیا اسلام بھی وقت کی عام سفاکیوں کی پیروی کرتا اور اسیران جنگ بدر کو غلام بنا کر، ان پر طرح طرح کے ستم توڑتا؟ یہ بات اسلام کی سرشت اور مزاج کے خلاف تھی، معاملہ بے حد اہم تھا، رحمۃ للعالمین ﷺ نے یہ مسئلہ صحابہ کرامؓ کے سامنے بغیر حسن و صلاح و مشورہ پیش کیا۔

حضرت عمرؓ نے رائے دی کہ ان کو قتل کر دیا جائے اور حالات کے لحاظ سے عمر فاروقؓ کی یہ رائے مناسب بھی تھی یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے مکہ میں اسلام کی تبلیغ ناممکن بنادی تھی، جنہوں نے داعی اسلام کی زندگی اجیرن کردی تھی، جنہوں نے مسلمانوں کو ترک وطن اور ہجرت پر مجبور کر دیا تھا، جنہوں نے مدینہ کے یہودیوں سے مل کر سازشیں کی تھیں کہ مسلمان امن اور عافیت کی زندگی پردیس میں بھی نہ بسر کرنے پائیں حضرت عمرؓ کی اس رائے پر اگر عمل کیا جاتا تو ہرگز کوئی ظلم نہ ہوتا، کسی کی ناانصافی نہ ہوتی بلکہ عین انصاف ہوتا۔

لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پانسہ پلٹ دیا۔ انہوں نے یہ رائے ظاہر فرمائی کہ اسیران جنگ کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے اپنی رائے کی تائید میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جو باتیں فرمائیں ان میں ایک اہم بات یہ تھی کہ ممکن ہے آگے چل کر یہ لوگ اسلام و مقام قبول کرلیں۔

رحمۃ للعالمین ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے قبول فرمائی اور رب العالمین نے بھی ثابت کر دیا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رائے کتنی صحیح تھی یہ واقعہ ہے کہ اسیران جنگ بدر میں سے، متعدد لوگ اسلام کی حقانیت سے متاثر ہوکر رضا کارانہ طور پر کچھ عرصہ بعد حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے اگر یہ لوگ قتل کر دیے جاتے یا غلام بنا لیے جاتے تو بے شک وقت کے رواج اور تعامل کے مطابق یہ کوئی بڑی بات نہ ہوتی، لیکن ان کی آزادی توسیع اسلام میں ممد و معاون ہوئی، اسلام کی یہ رواداری اور وسعت گوئی دیکھ کر دشمن بھی اسلام کا کلمہ پڑھنے لگے۔

شام کے پادری کا سر کاٹنے پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کا اظہار ناراضگی:

بیہقی نے عقبہ بن عامر سے روایت کی ہے کہ عمروؓ بن عاص اور شرجیل بن حسنہ نے حریہ کے ہاتھ بطریق شام کے پادری کا سر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس بھیجا جب آپؓ کے پاس آیا تو آپؓ نے اس فعل سے منع کیا۔ عقبہ نے عرض کیا کہ یا خلیفۂ رسول اللہ وہ بھی تو ہمارے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں۔

آپؓ نے فرمایا کہ عمروؓ بن عاص اور شرجیل فارس اور روم کی اقتدا کرتے ہیں کسی کا سر نہ کاٹ کر روانہ کیا جائے ہمیں اقتدا کے لیے قرآن اور حدیث کافی ہیں۔"

مسلمانوں کی ہجو پر ذمی کو سزا دینے کی ممانعت:

اگر کوئی ذمی، وہ غیر مسلم جو مسلمانوں کی پناہ میں ہو مسلمانوں کی من حیث القوم ہجو کرے، ان کی برائیاں بیان کرے ان کے خلاف توہین آمیز اور اشتعال انگیز گیت گئے تو اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟ سنیئے:

کچھ آدمی مہاجرین امیہ حاکم یمامہ کے پاس دو عورتوں کو جن میں سے ایک رسول اللہؐ کی شان مبارک کے خلاف اور دوسری مسلمانوں کے خلاف ہجو آمیز گیت گایا کرتی تھیں۔ پکڑ لائے حکام یمامہ نے دونوں کو یہ سزا دی کہ ان کے ہاتھ کٹوا دیے اور دانت نکلوا ڈالے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کو لکھا کہ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ تم نے دو عورتوں کو ایسی ایسی سزا دی ہے اگر تم نے ان کے سزا دینے میں جلدی نہ کی ہوتی تو میں اس عورت کے متعلق کہ جس نے حضور اکرمؐ کی شان مبارک میں گستاخی کی ہے قتل کی سزا تجویز کرتا کیوں کہ انبیاء علیہ السلام کی شان سب سے اعلیٰ ارفع ہے۔ خصوصاً اگر کوئی ایسی گستاخی کسی مسلمان سے سرزد ہو تو وہ مرتد ہے یا غدار محارب اور اس کے متعلق جو مسلمانوں کی ہجو کرتی تھی، اگر وہ اسلام کا دعویٰ کرتی ہے کہ تو اس کی تادیب کرنا اور اسے شرم دلانا چاہیے تھا۔ ہاتھ پیر نہ کاٹنا چاہیے تھے اور اگر ذمیہ ہے تو یہ شرک سے زیادہ برا فعل نہ تھا جب اس کے شرک پر صبر کیا جاتا ہے اس فعل پر بھی کرنا چاہیے تھا ہاتھ پیر سوائے قصاص کے کٹوا دینے کو میں مکروہ سمجھتا ہوں کیوں کہ ایسی سزا پانے والے کو ہمیشہ شرم دامنگیر رہتی ہے۔ (۲۳)

اس واقعہ کی آخری سطروں پر غور کیجیے حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں: مسلمان قوم کی ہجو، شرک سے برا فعل نہیں ہے، جب اسے گوارا کرتے ہوئے ایک کافر کو ہم نے اپنے ذمہ میں لے لیا تو پھر کمتر جرم پر سنگین سزا کیونکر دی جا سکتی ہے۔ یہ بھی ملاحظہ فرمایئے کہ ہر حالت میں خواہ معاملہ دشمن ہی کیوں نہ ہو حضرت ابوبکر انسانیت کے پہلو کو کتنا عزیز رکھتے تھے۔ فرماتے ہیں، اس طرح کی سزائیں، جن لوگوں کو ملتی ہیں وہ ہمیشہ دوسروں سے آنکھ ملاتے ہوئے شرماتے ہیں سزا کا مقصد اصلاح ہے نہ کہ رسوائی اور تضحیک۔

کیا یہ باریکیاں ان لوگوں نے بھی کبھی پیش نظر رکھیں جنہوں نے مسلمانوں پر غلبہ پایا؟ واقعات وحقائق کا جواب انکار میں ہے۔

عہد صدیقیؓ کا سب سے پہلا کام:

مسند خلافت پر بیٹھنے کے بعد سب سے پہلا کام جو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کیا وہ جیش اسامہؓ کی روانگی تھی، یہ وہ لشکر تھا جسے رسول

اللہ ﷺ نے مرتب فرمایا تھا اور کفار کی سرکوبی کے لیے روانگی کا حکم دیا تھا، لیکن قبل اس کے کہ یہ لشکر کوچ کرے آپ کی وفات ہوگئی، حالات بہت نامساعد تھے لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ کی عزیمت نے اس لشکر کی روانگی میں تاخیر نہ روا رکھی اور نہ روانگی کا حکم صادر کردیا اور خود پیادہ اس کی مشایعت کی اسامہؓ اونٹ پر سوار تھے اور عبدالرحمنؓ بن عوف، حضرت ابوبکرؓ کے گھوڑے کو آگے سے لگام پکڑ کر لا رہے تھے، اسامہؓ نے کہا اے خلیفہ رسول اللہؐ یا تو آپ بھی سوار ہوجائیں ورنہ میں اتر جاتا ہوں، حضرت ابوبکرؓ نے کہا یہ دونوں باتیں نہیں ہوسکتیں نہ تم اتر سکتے ہو اور نہ میں سوار ہوں گا میں اس وقت اس لیے پیدل چل رہا ہوں تاکہ اللہ کی راہ میں کچھ دیر تک پیدل چل کر اپنے قدم خاک آلود کرلوں کیوں کہ مجاہد کے ہر قدم کے عوض میں سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں سات سو درجے بڑھائے جاتے ہیں اور اس کی سات سو خطائیں معاف کی جاتی ہیں۔

یہ لشکر ایک بڑی مہم پر جا رہا تھا، یہ اسلام کی فوج تھی، جو غیر مسلموں کی زیادتی، ظلم اور عدوان کا انتقام لینے جارہی تھی، تلوار جب میان سے نکلتی ہے تو کسی کے ساتھ رعایت نہیں کرتی، لیکن اسلام کی تلوار امدھا دھند کبھی نہیں چلتی، چلتے چلتے حضرت ابوبکرؓ رکے اور فرمایا:

ذرا ٹھہر جاؤ۔ میں دس باتوں کی تم کو نصیحت کرتا ہوں۔ ان کو اچھی طرح یاد رکھو۔

(۱) خیانت نہ کرنا۔

(۲) نفاق نہ برتنا۔

(۳) بدعہدی نہ کرنا۔

(۴) مثلہ نہ کرنا (اعضائے جسم کو قطع نہ کرنا)۔

(۵) کبھی چھوٹے بچے کو، پیر مرد کو اور عورت کو قتل نہ کرنا۔

(۶) کسی کھجور کے درخت کو نہ کاٹنا اور جلانا۔

(۷) اور کسی ثمر دار درخت کو قطع نہ کرنا سوائے کھانے کی ضرورت کے۔

(۸) بیکار کسی بکری، گائے اور اونٹ کو ذبح نہ کرنا۔

(۹) تم کو ایسے لوگ بھی ملیں گے جو ترک دنیا کر کے خانقاہوں میں بیٹھ گئے ہیں، ان سے کوئی تعارض نہ کرنا۔

(۱۰) بعض لوگ تمہارے لیے کھانے کے خوان لائیں گے اگر تم اس میں سے کچھ کھانا چاہو تو اللہ کا نام لے کر کھانا۔

جنگ میں دشمن کا خون پانی کی طرح بہایا جاتا ہے، لیکن اسلام کی جنگ میں خیانت سے روکا جاتا ہے، نفاق سے دور رہنے کی ہدایت کی جاتی ہے، بدعہدی سے منع کیا جاتا ہے مثلہ سے باز رہنے کا حکم دیا جاتا ہے، درختوں کے کاٹنے اور جلانے، دشمن کے جانوروں کو پکڑنے اور ذبح کرنے سے روکا جاتا ہے اور ترک دنیا کر کے خانقاہوں میں بیٹھنے والے (عیسائی پادری، راہب وغیرہ) لوگوں سے تعارض کرنے کا ممانعت فرمائی جاتی ہے۔

کیا اس جنگ کو بھی مقدس نہیں کہا جاسکتا؟ کیا ایسی جنگ میں بھی، کسی پر زیادتی ممکن ہے؟ کیا دنیا میں اسلام کے سوا کسی اور نے بھی

اسکی لڑائیاں لڑی ہیں؟

جنگ ارتداد اور صدیق اکبرؓ:

آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیقؓ جلوہ آرائے مسند خلافت ہوئے تو اس منصب پر فائز ہوتے ہی آپؓ کو ایک نہایت سنگین اور خطرناک صورت حال سے دوچار ہونا پڑا، اس کا اگر بروقت تدارک آپؓ نے نہ کیا ہوتا تو اسلام کا ماننے والا ایک فرد بھی اس کرۂ ارض پر باقی نہ رہتا، جیسے ہی آنحضرت ﷺ نے اس دنیا سے پردہ فرمایا، قبائل کی بہت بڑی تعداد مرتد ہوگئی، اور یہ ارتداد، صرف ارتداد نہ تھا، اپنے ساتھ بغاوت کی شورش بھی لایا، درحقیقت یہ ارتداد دین سے نہیں حکومت سے تھا، کسی عقیدہ کی تبدیلی نہ تھی، حکومت کا تختہ الٹ دینے کی سازش تھی۔

طبری کی روایت ہے:

تھوڑی ہی مدت میں بلا استثناء رسول اللہ ﷺ کے مقرر کردہ تمام امراء نے اپنے اپنے مستقر سے یہ اطلاع دی کہ ہر جگہ فتنہ ارتداد برپا ہوگیا ہے کوئی قبیلہ ایسا نہیں جو کہ کل یا اس کے کچھ لوگ مرتد ہو کر باغی نہ ہو گئے ہوں اور مسلمانوں پر ہر طرح کی مصیبت اور پریشانی چھائی ہوئی ہے۔(۲۴)

اگر یہ ارتداد صرف دین سے ہوتا، یعنی کسی شخص نے یا کچھ لوگوں نے یا ایک بہت بڑی جماعت نے اپنا عقیدہ تبدیل کرلیا ہوتا، اسلام کے بجائے کسی اور مذہب کو اپنا لیا ہوتا، تو ان کے ساتھ جبر اور تشدد کی ضرورت نہیں تھی، اس لیے کہ دین کے معاملے میں اسلام کسی طرح کا جبر وجور روا نہیں رکھتا، جیسا کہ اسلام کی تعلیمات سے مکمل طور پر عیاں ہوتا ہے، وہ واضح طور پر کہتا ہے:

﴿لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ﴾(۲۵) دین کے معاملے میں کسی طرح کا جبر وجور جائز نہیں ہے۔

اسی کا ارشاد یہ بھی ہے:﴿لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِىَ دِيْنِ﴾(۲۶)

تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین۔

متعدد قرآنی آیات میں اسلام نہ قبول کرنے والوں یا اسلام قبول کر کے ارتداد اختیار کرنے والوں کا ذکر ہے لیکن سارے قرآن میں کہیں بھی انہیں قتل کردینے یا ہدف تعزیر بنانے کا ذکر نہیں ہے پھر بھلا حضرت ابوبکر صدیقؓ جیسا جانشین رسول کیونکر یہ کرسکتا تھا کہ روح اسلام کے منافی کوئی قدم اٹھاتا؟ بات یہی تھی کہ ارتداد کی آڑ میں بغاوت کی جارہی تھی، مسلمانوں کو ختم کردینے کے منصوبے بنائے جارہے تھے دین اسلام کو مٹا دینے کی سازش کی جارہی تھی، ظاہر ہے کوئی حکومت بھی شورش، بدامنی اور بغاوت پر خاموش نہیں رہ سکتی سوائے دبانے اور کچلنے پر مجبور ہے۔

یہ بڑا نازک وقت تھا، آنحضرت ﷺ کے وصال نے مسلمانوں کی نگاہ میں دنیا تیرہ و تار کردی تھی۔ جیش اسامہؓ کی روانگی نے ان کی فوجی حیثیت اندرون خانہ کمزور کردی تھی، وسائل و ذرائع پہلے ہی نہ ہونے کے برابر تھے، اب اور زیادہ مفقود نظر آرہے تھے، ان حالات میں قبائل عرب کی ایک بہت بڑی تعداد نے ارتداد اختیار کیا، بغاوت اور شورش اختیار کی اور مدینہ منورہ پر حملہ کی تیاریاں

شروع کر دیں اور یہ ارتداد بھی کیسا عجیب تھا یعنی صرف یہ نہیں کہ ہم اسلام ترک کرتے ہیں یہ تھا کہ زکوٰۃ نہیں دیں گے گویا صرف ارتداد ہی نہیں، بغاوت اور شورش ہی نہیں فساد انگیزی بھی، فتنہ آرائی بھی، مسلمانوں کے اندر تفرقہ پیدا کرنے کی سعی نارروا بھی، ارتداد بھی اور اسلام کا دعویٰ بھی۔

یہ بڑی نازک گھڑی تھی، اس موقع پر اگر ذرا بھی نرمی کا اظہار کیا جاتا تو مسلمان ہی ختم تھے، اسلامی حکومت بھی اور اسلام بھی، لیکن آنحضرتﷺ کا وہ رفیق بدر و قبر اپنی عزیمت سے اس مرحلہ کو جیت لے گیا اس نے ظاہری بے سروسامانی کے باوجود اعلان جہاد کیا اور ارتداد کا لبادہ اوڑھنے والے باغیوں کی کمر توڑ دی، جمعیت منتشر کر دی اور اسلام کا دبدبہ پھر قائم کر دیا۔

ارتداد کے وقت صورت حال کیا تھی؟ اسے ہم طبری کے حوالے سے پیش کرتے ہیں:

ان قبائل نے اپنے وفد مدینے بھیجے تھے یہ مدینے آ کر عمائد مدینہ کے یہاں فروکش ہوئے حضرت عباسؓ کے علاوہ اور سب نے ان کو اپنے یہاں مہمان بنا لیا اور ان کو حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں لے آئے، اس شرط کے ساتھ کہ وہ نماز تو پڑھتے رہیں مگر زکوٰۃ نہ دیں، اللہ نے حضرت ابوبکرؓ کو حق پر راسخ کر دیا انہوں نے کہا کہ اگر یہ زکوٰۃ کی اونٹ باندھنے کی رسی بھی نہ دیں گے تو میں ان سے جہاد کروں گا، اس وقت (زکوٰۃ کے جانوروں کی رسیاں بھی زکوٰۃ ادا کرنے والوں پر عائد تھیں) حضرت ابوبکرؓ نے ان کی بات نہ مانی مدینے کے قریب والے مرتدین کا وفد ان کے پاس سے واپس آ گیا اور انہوں نے اپنے قبائل سے کہا کہ اس وقت مدینے میں بہت کم آدمی ہیں حملہ کرنے کا اچھا موقع ہے حضرت ابوبکرؓ بھی غافل نہ تھے انہوں نے اس وفد کے اخراج کے بعد مدینے کے تمام ناکوں پر باقاعدہ پہرے متعین کر دیے۔ حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت عبداللہؓ بن مسعود اس کام پر مقرر کیے گئے، اس کے علاوہ حضرت ابوبکرؓ نے تمام اہل مدینہ کو حکم دیا کہ وہ مسجد میں جمع ہوں اور پھر ان سے کہا کہ تمام ملک کافر ہو گیا ہے اور وہ تمہاری قلت تعداد کو دیکھ گئے ہیں وہ ضرور دن یا رات، میں تم پر حملہ آور ہوں گے، دشمن کی سب سے قریب جماعت یہاں سے صرف ایک ڈاک کی منزل پر ہے، وہ چاہتے تھے کہ ہم ان کے شرائط قبول کر کے ان سے سمجھوتہ کر لیں مگر ہم نے ان کی بات نہ مانی اور ان کے شرائط مسترد کر دیے لہٰذا اب مقابلے کے لیے بالکل تیار ہو جاؤ۔

اور یہ واقعہ ہے کہ:

''حضرت ابوبکرؓ کی اس تقریر کے بعد صرف تین راتیں گزری تھیں کہ مرتدین نے رات ہوتے ہی مدینہ پر حملہ کر دیا۔'' (۱۷)

حضرت ابوبکرؓ سمجھ رہے تھے کہ کیا ہونے والا ہے لہٰذا انہوں نے اسباب و وسائل کی نایابی کے باوجود دفاع اور پھر ہجوم کی تیاری کر لی، نتیجہ یہ ہوا کہ مدینے پر حملہ کرنے والے مشرکین بری طرح ہارے لیکن مضافات اور مقامات بعید میں، جو مسلمان موجود تھے وہ مرتدین کی دست برد سے کیونکر بچ سکتے تھے، چنانچہ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مشرکین نے ان مسلمانوں کو ستانا شروع کر دیا، بلکہ اپنی قوت و طاقت اور مسلمانوں کی درماندگی اور پریشانی کا اندازہ کرنے کے بعد:

''انہوں نے ظلم پر کمر باندھی بنی ذبیان اور بنی عبس نے اپنے یہاں کے مسلمانوں پر اچانک حملہ کر کے ان کو نہایت بے دردی سے، طرح طرح کے عذاب دے کر شہید کر ڈالا (پھر) ان کی تقلید میں دوسرے قبائل نے بھی مسلمانوں کے ساتھ یہی (سلوک) کیا۔''

کیا ان مرتدین کے ساتھ رفق اور نرمی کا برتاؤ کیا جاسکتا تھا؟ کیا ان کے ساتھ رعایت کرنے کے معنی خودکشی کے نہ تھے؟ اور کیا مرتدین، ایسے ہی ہوتے ہیں؟ کیا کسی عقیدہ یا دین سے برگشتہ ہو جانے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ تلوار باندھ کر میدان میں آئیں اور خون کے دریا بہا دیں؟ مجبوروں اور نہتوں کو قتل کریں، شہروں اور آبادیوں پر حملہ کریں، اگر ارتداد اس کا نام ہے تو پھر بغاوت کو کیا کہیں گے؟ نہیں یہ مرتد نہیں باغی تھے۔

ان لوگوں کی سرکوبی، اخلاقی، سیاسی، جنگی، قومی، ملکی، ہر نقطۂ نظر سے ضروری تھی چنانچہ وہ کی گئی لیکن اندھا دھند نہیں، حدود سے تجاوز کر کے نہیں، انصاف وعدل اور انسانیت کے اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر نہیں، حضرت ابوبکرؓ نے ان مرتد یعنی باغی قبائل کی سرکوبی کے لیے متعدد اطراف میں جیوش روانہ کیے لیکن اقدام وہجوم سے پہلے اتمام حجت بھی کر لیا چنانچہ آپؓ نے تمام مرتدین کو ایک پیام بھی خط کی صورت میں بھیجا، جو حسب ذیل ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

یہ خط حضرت ابوبکرؓ خلیفہ رسول اللہؐ کی جانب سے ان تمام اور خاص لوگوں کے نام ہے جن کو یہ موصول ہو چکا ہے وہ اسلام پر قائم ہوں یا اس سے مرتد ہو گئے ہوں، سلامتی ہو ان پر جنہوں نے راہ راست کی اتباع کی یا ہدایت کے بعد ضلالت اور گمراہی اختیار نہیں کی، میں تمہارے سامنے اس معبود حقیقی کی جس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں ہے تعریف کرتا ہوں اور اعلان کرتا ہوں کہ اللہ واحد لاشریک ہے اور محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں اللہ کا جو پیام وہ ہمارے لیے لائے ہم اس کا اقرار کرتے ہیں اور جو اس سے انکار کرے ہم اسے کافر سمجھتے ہیں اس سے جہاد کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے محمدؐ کو واقعی اپنی جانب سے اپنی مخلوق کے لیے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا اور اللہ کی جانب اس کے حکم سے دعوت دینے والا اور ایک شمع روشن بنا کر مبعوث فرمایا، تاکہ وہ جو زندہ ہوں ان کو اللہ کا خوف دلائیں اور اس طرح منکرین کے برخلاف بات پکی ہو جائے جس نے اس کی بات مانی اللہ نے اسے راہ راست بتادی اور جس نے ان سے انکار کیا رسول اللہؐ نے اللہ کے حکم سے اسے اچھی طرح سزا دی یہاں تک کہ وہ خوشی سے یا بادل ناخواستہ اسلام لے آیا، پھر اللہ نے اپنے رسول کو اپنے پاس بلا لیا مگر وہ اللہ کے حکم کو پوری طرح سے نافذ کر چکے تھے اور اس کی امت کے ساتھ مخلصانہ خیرخواہی کر چکے تھے اللہ نے ان کی موت کی صاف اطلاع خود رسول اللہؐ اور تمام مسلمانوں کو اپنی کتاب میں جسے اس نے نازل فرمایا ہے پہلے سے دے دی تھی اسی کے متعلق وہ فرماتا ہے:

"اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ"

"بے شک تم مرنے والے ہو، اور وہ سب بھی مرنے والے ہیں۔"

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِکَ الْخُلْدَ ؕ اَفَاِنْ مِّتَّ فَھُمُ الْخٰلِدُوْنَ"

"ہم نے تم سے پہلے کسی انسان کو بقائے دوام نہیں دی تو کیا اگر تم مر گئے تو وہ ہمیشہ جیتے رہیں گے؟"

پھر اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے فرماتا ہے:

"وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ"

"محمد بھی ایک رسول ہیں ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں کیا اگر وہ مر جائیں یا مارے جائیں تم اپنے پچھلے پیروں پلٹ جاؤ گے اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ کو ہرگز کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا اور اللہ ضرور اپنے شکر گزار بندوں کو جزائے خیر دے گا۔"

اس لیے جو لوگ محمد کی عبادت کرتے تھے ان کو آگاہ ہو جانا چاہیے کہ محمدؐ مر گئے اور جو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرتے تھے، ان کو اطمینان رکھنا چاہیے کہ اللہ ان کا نگہبان ہے وہ زندہ جاوید ہے نہ اسے موت ہے نہ اسے نیند اور اونگ آتی ہے، وہ اپنی بات کا محافظ ہے اپنے دشمن سے پورا پورا انتقام لینے والا ہے، میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ سے ڈرتے رہو اور اسی طرح اپنا حصہ اور نصیبہ اس سے حاصل کر سکو اور تمہارے نبیؐ جو اللہ کا پیام تمہارے پاس لائے ہیں اس سے بہرہ ور ہو سکو اور اللہ کی ہدایت پر گامزن رہو اللہ کے دین پر مضبوطی سے قائم رہو جسے اللہ ہدایت نہ دے وہ گمراہ ہے اور جسے اللہ معاف نہ کرے وہ سخت مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے، جس کی اعانت اللہ نہ کرے وہ ذلیل اور ناکام رہ جاتا ہے، جس کی ہدایت اللہ نے کی وہ واقعی راہ راست پر گامزن ہوا اور جسے اللہ نے گمراہ کر دیا وہ بالکل گمراہ ہوا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"مَن يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَن يُضْلِلْ فَلَن تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُّرْشِدًا"

"جسے اللہ نے ہدایت دی وہ واقعی کامیاب ہوا اور جسے اللہ نے گمراہ کر دیا تو اس کے بعد ہرگز اسے کوئی صحیح اور خیر خواہ رہبر نہیں مل سکتا اور جب تک کوئی اس دین الٰہی کا اقرار نہ کرے اور نہ دنیا میں اس کا کوئی عمل مقبول ہوگا اور نہ آخرت میں کوئی بدلہ یا معاوضہ قبول کیا جائے گا مجھے معلوم ہوا ہے کہ بہت سے لوگ اسلام لانے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے بعد اس سے مرتد ہو گئے ہیں، ان کو یہ جسارت اس لیے ہوئی کہ انہوں نے اللہ کے متعلق غلط اندازہ قائم کیا ہے اور اس کے طریقہ کار سے وہ واقف نہیں اور انہوں نے شیطان کے اغوا کو قبول کیا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ أَفَتَتَّخِذُونَهُ وَذُرِّيَّتَهُ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِي وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ بِئْسَ لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا"

"اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے جو جن تھا اس لیے اس نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی تو اب کیا تم اسے اور اس کی جماعت کو میرے سوا اپنا مالک بناتے ہو حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں راہ راست سے ہٹنے والوں کو یہ بہت برا معاوضہ ملا۔"

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا إِنَّمَا يَدْعُو حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيرِ"

"بے شک، شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اسے اپنا دشمن ہی سمجھو۔ اس کی جماعت تم کو اس لیے اغوا کرتی ہے کہ تم دوزخ میں جاؤ۔"

میں نے فلاں شخص کو مہاجرین، انصار اور پہلے تابعین کی جمعیت کے ساتھ تمہارے پاس بھیجا ہے اور ان کو حکم دیا ہے کہ تاوقتیکہ وہ اللہ کا

کر لیتے تھے معاف کر دیتے تھے اس پر اصرار نہیں کرتے تھے کہ باقاعدہ توبہ نامہ دیا جائے اور عفو جرائم کی درخواست کی جائے۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد عمروؓ بن العاص، عمان سے مدینہ آتے ہوئے قرۃ بن ھبیرہ کے پاس مہمان کے طور پر ٹھہرے، قرۃ نے عمروؓ بن العاص کی ایسی شاندار دعوت کی کہ میزبانی کا حق ادا کر دیا جب وہ روانہ ہونے لگے تو قرہ نے ان سے کہا:

”عرب یہ بات بھی گوارا نہیں کر سکتے کہ اپنی آمدنی کا ایک حصہ تمہیں بطور لگان (زکوٰۃ) دیں، البتہ اگر یہ رقمی مطالبہ معاف کر دیا جائے تو وہ تمہاری بات گوش ہوش سے سنیں گے بھی اور مانیں گے بھی اور اگر تم یہ نہیں کر سکتے تو پھر ان کو اطاعت وانقیاد سے ہاتھ دھولو!

اس اثناء میں حضرت خالدؓ بن ولید مرتدین (یعنی باغیوں) سے جنگ کرنے کے لیے نکلے انہوں نے دو ہم جرم سرداروں قرہ بن ھبیرہ اور عیینہ بن حصن کو گرفتار کر کے حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں روانہ کر دیا، دربار خلافت میں پہنچنے کے بعد.....

قرۃ نے کہا اے خلیفہ رسول اللہؐ میں مسلمان ہوں عمروؓ بن العاص میرے اسلام کے شاہد ہیں، وہ جب میرے پاس اثنائے سفر میں آئے میں نے ان کو اپنا مہمان بنایا ان کی تعظیم وتکریم کی اور ان کی حفاظت کی، حضرت ابوبکرؓ نے عمروؓ بن العاص کو بلا کر اس کی تصدیق چاہی عمروؓ نے تمام واقعہ بیان کیا اور جو کچھ قرہ نے کہا تھا وہ کہا بیان کرتے کرتے جب وہ زکوٰۃ کے متعلق اس کی گفتگو کو بیان کرنے لگے قرہ نے کہا اب بس کیجیے آگے بیان نہ کیجیے آپؐ پر اللہ کی رحمت ہو عمروؓ نے کہا یہ نہیں ہو سکتا میں پوری بات حضرت ابوبکرؓ سے بیان کروں گا چنانچہ انہوں نے تمام گفتگو بیان کر دی حضرت ابوبکرؓ نے اسے معاف کر کے اس کی جان بخشی کر دی۔ (۳۰)

حضرت ابوبکرؓ کا یہ اقدام صرف اس بات پر مبنی تھا کہ انہوں نے قرہ کی ندامت محسوس کر لی تھی، جب وہ عمروؓ بن العاص کو زکوٰۃ والی بات بتانے سے منع کر رہا تھا تو گویا وہ اپنی غلطی پر ندامت کا اظہار کر رہا تھا۔

اسی طرح عیینہ بن حصن، قرۃ سے بھی زیادہ مجرم تھا۔ اس نے قرۃ کی طرح اظہار ندامت بھی نہیں کیا بلکہ اپنی دریدہ دہنی اور گستاخی پر قائم رہا:

عیینہ بن حصن اس حالت میں کہ اس کے دونوں ہاتھ رسی سے اس کی گردن پر بندھے تھے مدینہ آیا، مدینہ کے لڑکے کھجور کی شاخوں سے اسے کوچتے تھے اور کہتے تھے اے اللہ کے دشمن، ایمان لانے کے بعد تو کافر ہو گیا اس نے جواب دیا کہ میں آج تک اللہ پر ایمان ہی نہیں لایا تھا، حضرت ابوبکرؓ نے اسے بھی معاف کر کے اس کی جان بخشی کر دی۔ (۳۱)

ملاحظہ فرمایئے: ایک شخص ہے جو بجرم ارتداد ماخوذ ہے۔ اس کی تشہیر ہو رہی ہے اور اس حالت میں بھی وہ کہہ رہا ہے۔

”میں آج تک اللہ پر ایمان ہی نہیں لایا“

مگر حضرت ابوبکر صدیقؓ یہ دیکھ کر کہ اب سانپ کے دانت ٹوٹ چکے ہیں باغی کا زور ختم ہو چکا ہے اس کی جان بخشی کر دیتے ہیں اور پروانہ معافی صادر کر دیتے ہیں کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ لڑائی انہی لوگوں سے کی گئی جو صرف مرتد ہی نہیں بلکہ باغی بھی تھے، لیکن جن کا باغیانہ دم خم ختم ہو گیا انہیں معاف کر دیا گیا۔

اسی طرح سے عہد صدیقیؓ میں غیر مسلموں سے رواداری، حسن سلوک اور وسعت قلب وظرف کی ایک اور مثال ملاحظہ فرمایئے:

نجران کے عیسائیوں سے رسول اللہؐ نے ایک معاہدہ فرمایا تھا اور انہیں ذمی کی حیثیت سے وہ تمام سہولتیں دی تھیں جو ایک باعزت

باشندہ ریاست کو حاصل ہوتی ہیں آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد اہل نجران کا ایک وفد حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپؓ نے بے تامل تجدید عہد کا فرمان صادر کر دیا اس فرمان کی عبارت یہ تھی:

"یہ فرمان اللہ کے غلام ابوبکرؓ خلیفۂ رسول اللہ کی طرف سے اہل نجران کے لیے لکھا جاتا ہے، میں نے ان کو (اہل نجران کو) اپنی اور اپنی فوج کی طرف سے پناہ دی اور جو فرمان معافی رسول اللہؐ نے انہیں دیا تھا، میں بھی اسے تسلیم کرتا اور اس کی توثیق کرتا ہوں۔"

آگے چل کر اسی فرمان میں ارشاد فرمایا:

"ان کی جان، مذہب، املاک، حاشیہ، متعلقین چاہے وہ اس وقت نجران میں ہوں یا باہر ہوں، اس کے پادری، راہب اور گرجا جہاں وہ بنے ہوئے ہیں اور تھوڑی یا زیادہ جس قدر ان کی املاک ہیں ان سب کو ان کے حق میں رہنے دیتے ہیں بشرطیکہ جو سرکاری لگان مقرر ہے وہ ادا ہوتا رہے اور جب وہ اپنے واجبات پورے کر دیں تو پھر ان کو خارج البلد کیا جائے نہ ان سے عشر لیا جائے نہ کسی پادری کو اس کے حلقے سے بدلا جائے اور کسی راہب کو اس کی خانقاہ سے نکالا جائے جو کچھ اس تحریر میں لکھا گیا ہے اس کے ایفاء کی محمد رسول اللہ کی ضمانت اور تمام مسلمانوں کی نگہبانی کی ضمانت دی جاتی ہے اس کے ساتھ اہل نجران کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ مسلمانوں کے خیر خواہ اور وفادار رہیں۔"

ابن عمرو اور عمرو مولیٰ ابوبکرؓ نے اس تحریر پر اپنی شہادت ثبت کی۔ (۳۲)

کیا یہ ضمانت آج بھی کوئی ترقی یافتہ قوم، کسی محکوم قوم کو دے سکتی ہے؟

گزشتہ اوراق میں سیوطی کی تاریخ الخلفاء کے حوالے سے ہم ایک ذمیہ عورت کا واقعہ درج کر چکے ہیں، ذیل میں وہ واقعہ دوبارہ اس لیے درج کرتے ہیں کہ مسئلہ کے بعض نئے پہلو نظر کے سامنے آتے ہیں، ملاحظہ ہو طبری کی روایت:

جس عورت نے مسلمانوں کی ہجو میں اشعار گائے تھے، اس کے متعلق امیر المومنینؓ نے مہاجر کو لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے اس کو ہاتھ کاٹنے اور دانت توڑنے کی سزا دی ہے اگر وہ عورت مدعی اسلام تھی تو اس کو تادیب اور تنبیہ کرنا کافی تھا نہ کہ اس کے اعضا کاٹنا اور اگر ذمی تھی تو بخدا اسکے جس جرم سے تم نے اب تک درگزر کیا وہ اس سے کہیں زیادہ بڑا تھا۔ اگر میں اس قسم کی باتوں پر تمہاری گرفت کروں تو ممکن ہے کوئی ناگوار صورت پیش آجائے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ ایسا طرز عمل اختیار کرو جس میں امن رہے، کبھی کسی کو قطع اعضاء کی سزا نہ دو کیوں کہ یہ گناہ ہے اور اس سے لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا ہوتی ہے، البتہ قصاص کی صورت میں اور بات ہے۔ (۳۳)

فتوحات کا سلسلہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد گرامی ہی سے شروع ہو گیا تھا، حضرت خالدؓ بن ولید اور دوسرے سرداروں کی سرکردگی میں اسلام کے جیوش و عساکر کافروں سے ان کی شرارتوں اور دراندازیوں کے باعث جنگ و پیکار کا سلسلہ کامیابی کے ساتھ جاری رکھے ہوئے تھے لیکن فتوحات سے اس دور میں بھی اور کہیں بھی ایسا نہیں ہوا کہ ان حدود سے تجاوز کیا گیا ہو جو اسلام نے جنگ و پیکار کے سلسلے میں مقرر کر دیے ہیں چنانچہ طبری کی روایت ہے:

"خالدؓ اور ان کے تمام افسروں نے ان فتوحات کے دوران میں کاشتکار طبقے سے کوئی تعرض نہیں کیا کیوں کہ حضرت ابوبکرؓ کی طرف سے ان کو ایسی ہی ہدایات دی گئی تھیں البتہ ان جنگجو لوگوں کی اولاد کو جو اہل عجم کی خدمات ملکی انجام دیتے تھے گرفتار کر لیا۔ کاشتکاروں

میں سے جو مقابلے پر نہیں آئے ان کو بھال رہنے دیا اور ان کو ذمی بنالیا۔(۳۴)

حضرت خالدؓ کی سرکردگی میں حضرت ابوبکرؓ کے حسب الحکم، مجمیوں سے جنگ شروع ہوئی، ان لڑائیوں میں الیس کی جنگ خاص طور پر اہمیت رکھتی ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس میں دشمن کے ستر ہزار آدمی میدان جنگ میں کھیت رہے جب اتنے آدمی ہلاک ہوئے تو ظاہر ہے ایران جنگ کی تعداد بھی بہت کافی ہوگی۔ اس جنگ کا واقعہ ہے کہ جب دشمن نے شکست کھائی اور راہ فرار اختیار کی تو مسلمانوں کی طرف سے قتل و غارت کا سلسلہ فوراً بند کر دیا گیا چنانچہ جیسے ہی......!

خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی اور ان کے دشمن کو مغلوب کر دیا، حضرت خالدؓ نے اعلان کر دیا قید کرو، قید کرو، بجز اس کے کہ جو تمہارا مزاحم ہو کسی کو قتل نہ کرو۔"(۳۵)

اسی طرح عیسائیوں کے ایک عرب قبیلہ سے جب حضرت خالدؓ کی مڈبھیڑ ہوئی اور وہ جنگ میں زیر ہو گیا تو حضرت خالدؓ نے اسلام یا جزیہ پیش کیا ان لوگوں نے اسلام قبول نہیں کیا جزیہ دینے پر راضی ہو گئے اور خیر سگالی کے طور پر اپنے فاتح حضرت خالدؓ کی خدمت میں بہت سے تحائف بھیجے، حضرت خالدؓ نے یہ تحائف دربار خلافت میں بھیج دیے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے ان تحائف کو تحفے کے طور پر نہیں قبول کیا بلکہ جزیہ میں محسوب کر لیا۔"

اس کے بعد حضرت خالدؓ نے کہا تین چیزوں میں سے تم ایک کو اختیار کر دیا تو ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ اس صورت میں ہمارے تمہارے حقوق ایک ہو جائیں گے پھر خواہ تم یہاں سے کہیں ہجرت کر جاؤ یا اپنے وطن میں مقیم رہو یا جزیہ دینا قبول کر دیا مقابلہ اور لڑائی، کیوں کہ خدا کی قسم میں تمہارے مقابلے کے لیے ایسی قوم لایا ہوں جو موت کی اس سے زیادہ فریفتہ ہے جتنا کہ تم زندگی کے، ان لوگوں نے کہا کہ ہم آپ کو جزیہ ادا کرتے ہیں حضرت خالدؓ نے کہا کہ کم بختو تم پر افسوس ہے کفر گمراہی کا ایک میدان ہے احمق ترین عرب وہ ہے جو اس میدان میں بھٹکتا پھرتا ہو، اس کو دو رہنما ملیں ایک عربی مگر وہ اس کو چھوڑ دے دوسرا عجمی اور اس سے رہنمائی چاہے۔

ان لوگوں نے حضرت خالدؓ سے ایک لاکھ نوے ہزار پر مصالحت کر لی اور دوسرے وفود نے بھی۔ ان کی تقلید کی اور حضرت خالدؓ کی خدمت میں تحائف بھیجے حضرت خالدؓ نے ہذیل کاہلی کے ذریعے سے فتح کی خوشخبری اور وہ تحائف حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں بھیج دیے، حضرت ابوبکرؓ نے ان کو جزیے میں محسوب کر کے قبول کر لیا اور حضرت خالدؓ کو لکھا کہ یہ تحائف اگر جزیے میں شامل نہیں تو خیر ورنہ تم ان کو جزیے میں شامل کر کے بقیہ رقم وصول کر کے اپنی فوج کی تقویت کے لیے کام میں لاؤ۔(۳۶)

کیا یہ دیانت صرف مسلمانوں ہی پر ختم نہیں ہوگی؟ کیا آج بھی فاتح مفتوح کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتا ہے؟

عہد صدیقیؓ میں حضرت خالدؓ بن ولید مرتدین کے استیصال کے درپے رہے جس میں وہ کامیاب ہوئے خلیفۂ رسولؐ حضرت ابوبکر صدیق عرصہ سے عراق پر نیا محاذ قائم کرنے پر مائل تھے کہ سیاسی خطرہ اس طرف سے بھی تھا تب؟

حضرت خالدؓ یمامہ میں تھے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ان کی طرف یہ فرمان بھجوایا:

"(اے خالدؓ) اب عراق کی طرف کوچ کیجیے اور مقام فرج الہند کی ابلّہ کے نام سے مشہور ہے اسے پہلے فتح کیجیے اہل فارس اور ان کے ہاں کے غیر ملکی باشندوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیئے۔"(۳۷)

حضرت خالدؓ کو جب یہ خط ملا تو انہوں نے یمامہ سے (مستی) ابوالحرباذبہ (آزادبہ) کے ہاتھوں ہرمز پہ سالار سرحد فارس کے نام مندرجہ ذیل خط بھیجا:

"اگر تم اسلام قبول کرلو تو ہماری جانب سے کوئی تعرض نہ ہوگا ورنہ تم اپنی ذات اور اپنی قوم کی طرف سے ہماری رعیت ہونے کا قبالہ لکھ دو اور ادائے جزیہ کا ذمہ قبول کرلو اگر تم نے اس کی تعمیل نہ کی تو ایک دن خود کو ملامت کیے بغیر نہ رہو گے میں اس قوم وہ اپنے ہمراہ لیے ہوئے حملہ کرتا ہوں جسے موت سے اسی طرح محبت ہے جس طرح تمہیں زندگی سے لگاؤ ہے۔

عہد صدیقیؓ کے معاہدات پر صلح حدیبیہ کی طرز پر عفو و درگزر، رواداری، مساوات، وسعت قلب و ظرف، وسیع القلبی و وسیع نظری، صبر و تحمل، رعایا پروری اور انسانیت نوازی پر مبنی معاہدات و واقعات کی چند مزید مثالیں:

عہد صدیقیؓ میں، حضرت خالدؓ نے عراق اور شام کے متعدد مقامات پر یلغار کی، حیرہ کے عیسائی تاب نہ لا سکے، انہوں نے صلح کا پرچم لہرایا اور صلح کرلی، معاہدہ یہ طے پایا:

اہل حیرہ کے ساتھ امن و رواداری پر مبنی حضرت خالدؓ کا معاہدہ:

حضرت خالدؓ نے اہل حیرہ کو حسب ذیل معاہدہ لکھ کر دیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

یہ معاہدہ خالدؓ بن ولید نے عدی کے دونوں بیٹوں عدی اور عمر سے اور عمرو بن عبدالمسیح سے اور ایاس بن قبیصہ سے اور حیری بن اکال سے کیا ہے یہ لوگ اہل حیرہ کے نقیب ہیں انہوں نے ان لوگوں کو اس معاہدے کی تکمیل کے لیے مجاز گردانا ہے اور وہ اس معاہدے پر رضامند ہیں، معاہدہ اس امر پر ہے کہ اہل حیرہ سے اور ان کے پادریوں اور راہبوں سے سالانہ ایک لاکھ نوے ہزار درہم جزیہ وصول کیا جائے گا مگر غیر مستطیع تارک الدنیا راہب اس سے مستثنیٰ ہوں گے اس کے معاوضے میں ہم ان کے جان و مال کی حفاظت کریں گے اور جب تک ہم حفاظت نہ کریں جزیہ نہ لیا جائے گا، اگر ان لوگوں نے اپنے کسی قول یا فعل سے اس کی خلاف ورزی کی تو یہ معاہدہ فسخ ہو جائے گا اور ہم ان کی حفاظت کی ذمہ داری سے بری ہو جائیں گے۔ (۳۸)

تاریخ تحریر ماہ ربیع الاول ۱۲ھ

اس کے علاوہ حضرت خالدؓ نے اہل حیرہ کے نام یہ فرمان بھی جاری کیا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

خلیفۂ رسول اللہ حضرت ابوبکر صدیق "رضی اللہ عنہ" نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں یمامہ سے براہ راست عراق میں عرب و عجم دونوں قسم کے باشندوں کے ہاں پہنچوں انہیں اللہ عزوجل اور اس کے رسول "علیہ السلام" کی طرف آنے کی دعوت دوں جس پر جنت کی

بشارت و نجات منحصر ہے اگر یہ دعوت وہ قبول کرلیں تو ان کے حقوق ان سے پہلے مسلمانوں کے برابر ہیں اور جو ذمہ داری ان پر ہے وہ ذمہ داری ان پر ہے۔

میں جب حیرہ میں وارد ہوا تو میرے پاس ایاس بن قبیصہ طائی اپنے چند رکاب داروں کو مشایعت میں لیتے ہوئے آئے میں نے انہیں خدا اور رسول اللہ کی طرف بلایا تو انہیں منظور نہ ہوا۔ تب میں نے ان کے سامنے جزیہ یا جنگ دونوں میں سے کوئی ایک امر پیش کیا تو انہوں نے کہا ہمیں لڑائی کرنا منظور نہیں البتہ اہل کتاب کی مانند ہم جزیہ پر صلح کر سکتے ہیں اور میں نے اسے منظور کرلیا شمار میں ان کی تعداد ۷ ہزار مردوں پر مشتمل تھی اب ان میں (معذور) قابل معافی مردوں کا شمار کیا تو وہ ایک ہزار نکلے آخر ساٹھ ہزار (۳۹) جزیہ تجویز کیا گیا۔

اور ان پر مندرجہ ذیل پابندیاں عائد کی گئیں:

جس طرح یہود اور نصاریٰ پر خدا کا عہد اور میثاق عائد کیا ہے تم بھی ان شرائط کے پابند ہو گے۔

۱۔ کسی کافر کی مسلمانوں کے خلاف اعانت مت کرو۔

۲۔ مسلمانوں کی مخالفت نہ کرو۔

۳۔ ہمارے دشمن کو ہمارے خفیہ راز مت بتاؤ۔

یہ عہد اس قسم کے ہیں جو خدا تعالیٰ نے پہلے نبیوں کی امتوں سے بھی لیے ہیں۔

۴۔ اگر وہ ان دفعات کی پابندی نہ کریں گے تو ہماری طرف سے بھی ان کی امان وہی کا معاہدہ ختم ہو جائے گا۔

۵۔ اور ایفا کی صورت پر جس میں ادائے جزیہ بھی شامل ہے ہم ان کی کسی وقت اعانت اور حمایت میں سبقت سے دریغ نہ کریں گے ہماری فتوحات میں بھی ان کی طرف سے اطاعت وایفاد اس طرح رہے اور وہ بھی ہماری امان میں اس طرح رہیں گے جس طرح انہوں نے کسی نبی سے عہد و میثاق کیا ہے بشرطیکہ وہ ہماری مخالفت کے در پے نہ ہوں۔

اگر وہ ہمارے ماتحت رہیں گے تو ان کے لیے ذمیوں کے سے جملہ مراعات ہوں گے۔ لیکن وہ کسی معاملہ میں ہماری مخالفت کے در پے نہ ہوں۔

اور جزیہ مندرجہ ذیل اشخاص پر سے ساقط ہے اور دیگر شرائط:

۱۔ ان بوڑھوں سے جو کام کاج نہیں کر سکتے۔

۲۔ آسمانی سلطانی کے ہاتھوں جاہ شدگان پر سے۔

۳۔ جو تونگر غریب ہو کر اپنے ہم مذہب کے امراء کی خیرات پر بسر کرتا ہو۔

۴۔ اسلامی بیت المال سے ان ریاست کی طرف سے ہر سہ قسموں کے عیال کی پرورش کے لیے وظیفے دیے جائیں گے۔

۵۔ اگر ذمیوں کا غلام مسلمان ہو جائے تو اسے مسلمانوں کی منڈی میں نیلام کیا جائے گا اور آخری بولی پر یہ رقم ان کے مالک کو دی جائے گی اس میں کسی قسم کا فریب یا بولی ختم کرنے میں تاخیر اور ادائے قیمت میں مہلت روا نہ رکھی جائے گی۔ (۴۰)

۶۔ذمی لوگ فوجی لباس کے سوا جو چاہیں پہنیں البتہ مسلمانوں کی سی پوشش نہ ہو۔
۷۔فوجی لباس پہننے کی صورت میں ان پر مقدمہ چلایا جائے گا اگر وہ عدالت کو مطمئن نہ کر سکے تو اس جرم کے مطابق انہیں سزا دی جائے گی۔
۸۔وہ اپنے ہاں کے سرکاری مسلمان سربراہوں کو مقررہ جزیہ ادا کرتے رہیں۔
۹۔اگر وہ مسلمانوں سے کسی قسم کی اعانت کے طلب گار ہوں خواہ مالی امداد ہو اس سے دریغ نہ کیا جائے گا۔(۴۱)
تاریخ میں سوشل سیکورٹی کی یہ پہلی مثال ہے جو ایک فاتح قائد نے ان لوگوں کو دی جو جنگ میں مقابلے کی تاب نہ لا کر صلح کے خواہاں تھے۔(۴۲) اسلام کی وسیع النظری اور خلفاء کی اپنی رعایا سے ہمدردی کی ایسی مثال شاید ہی کوئی پیش کر سکے۔
لیکن ان عادلانہ، منصفانہ اور روادارانہ برتاؤ کا ان عیسائیوں نے جواب کیا دیا؟ تاریخ ہمیں بتاتی ہے:
یہ تحریر اہل حیرہ کے حوالے کردی گئی تھی مگر حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کے بعد اہل سواد مرتد ہو گئے تو ان لوگوں نے اس معاہدے کی توہین کی اور چاک کر ڈالا اور دوسرے لوگوں کے ساتھ یہ بھی پھر گئے اس کے بعد ان لوگوں پر اہل فارس کا تسلط ہو گیا۔
جب مثنیٰ نے حیرہ کو دوبارہ فتح کیا تو ان لوگوں نے اسی معاہدے پر تصفیہ چاہا مگر مثنیٰ نے اسے منظور نہیں کیا اور ان پر دوسری شرط عائد کی اس کے بعد جب مثنیٰ بعض مقامات پر مغلوب ہو گئے تو ان لوگوں نے پھر وہی حرکت کی اور لوگوں کے ساتھ پھر گئے، باغیوں کی اعانت اور معاہدے کی توہین کی اور اس کو چاک کر دیا پھر جب اس کو سعدؓ نے فتح کیا تو ان لوگوں نے پھر سابقہ معاہدوں پر تصفیہ چاہا سعدؓ نے کہا ان دونوں میں سے کوئی ایک معاہدہ پیش کرو، مگر وہ لوگ پیش کرنے سے قاصر رہے۔اس لیے سعدؓ نے ان پر خراج عائد کیا اور ان کی مالی استطاعت کی تحقیقات کرنے کے بعد علاوہ موتیوں کے چار لاکھ کا خراج عائد کیا۔(۴۳)
ان پیہم شرارتوں اور فتنہ طرازیوں کے بعد یہ اہل حیرہ اس سے مستحق تھے کہ پھر ان سے کوئی معاہدہ نہ کیا جائے اور انہیں سخت سے سخت سزا دی جاتی لیکن جانشین رسولؐ کے دور میں ایسا نہیں ہو سکتا تھا، رحمۃ للعالمینؐ نے بار بار خطا کاروں کا طرز عمل بھی یہی رہا، ہر غلطی معاف فرمائی، ہر جرم بخش دیا۔
عہد صدیقیؓ میں ہمیں ایک عجیب شرط اور اس کے نفاذ کا بھی معلوم چلتا ہے، چنانچہ واقعہ کچھ یوں ہے کہ ایک مسلمان شویل نے جب آنحضرتؐ سے فتح حیرہ کی پیش گوئی سنی تھی تو عرض کیا تھا کہ کرامہ میری ہوگی، میں اس سے شادی کروں گا اور آپؐ نے ہاں کہہ دیا تھا، یہ کرامہ عبدالمسیح کی بیٹی تھی جو حیرہ کے عیسائیوں کا سردار تھا، حیرہ عہد صدیقیؓ میں فتح ہوا۔شویل نے صلح نامہ مرتب ہونے سے پہلے حضرت خالدؓ کو یہ واقعہ یاد دلایا، انہوں نے اہل حیرہ سے اسی شرط پر مصالحت کی کہ کرامہ شویل کو دے دی جائے گی یہ بات کرامہ کے خاندان والوں کو بہت گراں گزری مگر کرامہ نے اپنے اہل خاندان سے کہا کوئی بات نہیں، تم صبر سے کام لو جس عورت کی عمر اسی سال کی ہو چکی ہے اس کے بارے میں تم کیوں فکر مند ہوتے ہو؟ اس شخص نے مجھے جوانی میں دیکھا ہوگا اور سمجھتا ہے کہ جوانی ہمیشہ قائم رہتی ہے۔ یہ بات کرامہ کے اہل خاندان کی سمجھ میں آ گئی، انہوں نے اسے خالدؓ کے پاس بھیج دیا حضرت خالدؓ نے اسے شویل کے حوالے کردیا کرامہ نے شویل سے کہا، میں بڑھیا ہو چکی ہوں اب بھلا تمہارے کس کام کی رہی؟ معاملہ مجھ سے کام لو بہتر یہ ہے کہ:

"مجھ سے فدیہ لے لو۔ شویل نے کہا، مگر قیمت معین کرنے کا اختیار مجھے ہوگا۔ کرامہ نے کہا، ہاں تمہیں اختیار ہے جتنی چاہو مقرر کرو، شویل نے کہا، میں اپنی ماں کی اولاد نہیں ہوں اگر تجھ سے ایک ہزار درہم سے کم لوں، کرامہ نے شویل کو دھوکہ دینے کے لیے کہا او ہو یہ تو بہت ہے اس کے بعد وہ رقم لا کر شویل کو دے دی اور اپنے گھر واپس چلی گئی۔

لوگوں کو معلوم ہوا تو سب شویل کو برا بھلا کہنے لگے انہوں نے کہا میں سمجھتا تھا کہ ہزار سے اوپر کوئی عدد نہیں ہے لوگوں نے کہا تم جا کر ان سے جھگڑو شویل حضرت خالدؓ کے پاس آئے اور کہا میری مراد انتہائی عدد سے تھی مگر لوگ کہتے ہیں کہ عدد ہزار سے اوپر بھی ہوتا ہے۔ حضرت خالدؓ نے کہا تم کچھ چاہتے تھے اور اللہ نے کچھ چاہا، ہم اس پر عمل کریں گے جو ظاہر ہے تم جانو تمہاری نیت جانے خواہ تم صادق ہو یا کاذب ہم اس تصفیے میں اب کوئی تبدیلی نہیں کر سکتے۔ (۴۴)

معاہدہ حضرت خالدؓ بن ولید باشندگان موضع بانقیا و بارو لسما اور الیس کے ساتھ:

جب حضرت خالدؓ سواد عراق میں ان مواضع تک آ پہنچے تو قریہ بانقیا و بارو لسما اور الیس (ہر سہ مقامات) کے باشندوں نے ان سے صلح کر لی اور شرائط صلح ابن صلوبا سے طے ہوئے یہ واقعہ ۱۲ھ کا ہے۔ حضرت خالدؓ نے ان سے جزیہ پر معاہدہ کر کے مندرجہ ذیل تحریر ان کے حوالے کر دی: (۴۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؁

من جانب خالد بن ولید بہ طرف ابن صلوبا السوادی (مقیم ساحل دریائے فرات) تم اللہ کی پناہ میں ہو اور جزیہ کے بالعوض تمہارا قتل روک دیا گیا ہے تم نے اپنی ذات، اہل جزیرہ اور باشندگان موضع بانقیا و بارو لسما کی طرف سے ایک ہزار درہم جزیہ میں پیش کیے اور میں نے (یہ) قبول کر لیے میرے ہمراہی مسلمان بھی تمہاری اس روش سے خوش ہیں تمہارے لیے اس جزیہ کے بالعوض خدا، اس کے رسول محمدؐ اور مسلمانوں کی پناہ ہے۔

گواہ

ہشام بن ولید

معاہدہ خالدؓ بہ اہل بانقیا و بسما (۴۶)

حضرت خالدؓ کے اہل حیرہ سے معاہدہ کے بعد صلوبا بن نسطونا مالک موضع قس الناطف خالدؓ کے لشکر میں حاضر ہوا اور موضع بانقیا و بسما کے بارے میں یہ معاہدہ کیا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؁

یہ تحریری معاہدہ امان خالدؓ بن ولید کی طرف سے صلوبا بن سطونا اور اس کی قوم کے لیے ہے۔

ا۔ تمہیں دس ہزار دینار سالانہ جزیہ دینا ہوگا مگر اس میں خرزہ (۴۷) نہ لیے جائیں گے یہ رقم دولت مند اور غریب دونوں پر ان کی

وسعت کے مطابق عائد ہوگی۔

(اے صلوبا!) آپ اپنی قوم کے سردار ہیں اور وہ آپ کی سیادت پر مطمئن ہیں میں نے اپنے ہمراہیوں کی رضامندی سے آپ پر یہ رقم عائد کی ہے جس پر آپ کی قوم بھی مطمئن ہے اس رقم کے عوض میں آپ کی امان اور ہماری طرف سے حمایت دونوں کا ذمہ لیا جاتا ہے جو جزیہ کے عوض میں ہے اگر جزیہ نہ دو گے تو ہماری طرف سے حمایت نہ ہوگی۔

گواہان:

۱۔ ہاشم بن ولید

۲۔ قعقاع بن عمرو

۳۔ جریر بن عبداللہ حمیری

۴۔ حنظلہ بن ربیع

تاریخ تحریر ماہ صفر ۱۲ھ

معاہدہ خالدؓ مع اہل عانات:

جب حضرت خالدؓ بن ولید عانات کی بستیوں سے گزرے تو ایک پادری حاضر ہوا اس نے صلح کی درخواست کی تب یہ فرمان اسے عنایت فرمایا:

۱۔ وہ ہماری نماز پنج گانہ کے سوا ہر وقت اپنا ناقوس بجائیں ان پر پابندی نہیں۔

۲۔ وہ شوق سے اپنی عید پر صلیب کا جلوس نکالیں۔

ان کی ذمہ داری۔

۱۔ مسلمان مسافر کی ۳ روز تک ضیافت کریں۔

۲۔ اور وقت پر مسلمانوں کی جان و مال کی نگہداشت کریں۔

عہد صدیقیؓ میں بمثل معاہدہ اہل عانات، اہل قیب وکواثل سے بھی معاہدہ کا ذکر ملتا ہے تاہم اس کی نقل کہیں عیاں نہیں ہوئی۔اسی طرح عہد صدیقیؓ میں اہل قرقیسا سے بھی معاہدہ کا ذکر ملتا ہے تاہم اس کے متن کی نقل بھی دستیاب نہیں ہے۔(۴۸)

معاہدہ خالدؓ مع اہل بہقباذ:

بسم اللہ الرحمن الرحیم ﷺ

فرمان من جانب خالد بن ولید بنام زاد ابن بُہیش وصلوبا ابن نسطونا۔

تم دونوں ہماری پناہ میں ہو جس پناہ کے عوض میں تم پر جزیہ واجب الادا ہے بہقباذ اسفل اور بہقباذ الاوسط جن دونوں کے تم سربراہ

ہوان کے بھی تم ضامن ہو۔(عبداللہ ابن سلام کی روایت میں) ان کی طرف سے لڑائی نہ ہونے کے بھی ذمہ دار ہو۔

۱۔تم دونوں کو سالانہ دو لاکھ جزیہ دینا ہوگا۔

۲۔اس کے سوا ہر اس شخص پر جو قوت بازو سے کما سکتا ہے سالانہ ایک ہزار جزیہ علیحدہ ہوگا جیسا کہ بانقیا اور بسمار کے باشندوں پر عائد ہوا۔

جس طرح آپ لوگ مجھ پر اور میرے ہمراہی مسلمانوں پر مطمئن ہیں اسی طرح ہم بھی اہل باعتباز الاسفل اور اہل باعتباز الاوسط پر خوش ہیں۔

۴۔ہمیں رقم مقررہ کے سوا تمہارے اموال سے کوئی تعرض نہیں۔

۵۔لیکن آل کسریٰ اور ان کے ندیموں کے اموال بحق خلافت ضبط ہوں گے۔

گواہان:

۱۔ہشام بن ولید۔

۲۔قعقاع بن عمرو۔

۳۔جریر بن عبداللہ الحمیدی

۴۔بشیر بن عبداللہ بن الخصاصیہ

۵۔حنظلہ بن الربیع

نوشتہ ماہ صفر ۱۲ھ(۳۹)

ان معاہدوں میں غور طلب بات یہ ہے کہ اس امر کی وضاحت کردی جاتی تھی کہ:

"ہم تمہاری حفاظت کریں گے تو جزیہ کے حق دار ہوں گے ورنہ نہیں!"

عہد حاضر میں اس کی مثال ملنا محال ہے یہ صرف اسلام ہی کا خاصہ ہے کہ اس کے عہد گرامی میں محکوموں سے جبری چندے لیے جاتے تھے نہ جبری تعاون حاصل کیا جاتا تھا بلکہ جزیہ بھی اس وقت تک لیا جاتا تھا جب تک ان کی حفاظت ممکن ہو اور اگر حالات ایسے ہوں کہ مسلمان اپنی اس "ذمہ داری" کو انجام نہ دے سکیں تو پھر جزیہ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

عہد صدیقیؓ کے معاہدات کے جائزہ سے معلوم چلتا ہے کہ معاہدہ حدیبیہ کی طرح یہ معاہدات بھی اپنے دامن میں کس قدر روشن خیالی، اعتدال پسندی، رواداری، مساوات، احترام آدمیت و تکریم انسانیت، وسیع القلبی و وسیع الفکری کے حامل ہیں اور عہد صدیقیؓ کس قدر عہد نبوی کا مثالی نمونہ تھا۔

جرجہ کا قبول اسلام اور شہادت:

جنگ یرموک کا ایک واقعہ......!

یہ جنگ تاریخ اسلام میں غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے، مسلمان بہت کم تھے اور عیسائی حد شمار سے خارج، وقت بھی بڑا نازک ہے۔ عین اس حالت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خبر وفات حضرت خالدؓ کو ملتی ہے وہ اس خبر کو افشا نہیں کرتے۔

جنگ جاری رہتی ہے!

اور اسی جنگ کے دوران ایک عجیب واقعہ رونما ہوتا ہے۔ اور اس طرح کے عجیب واقعات تاریخ اسلام کے جزو بن چکے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ دشمن لشکر کا ایک سورما!

جرجہ اپنی صف سے نکل کر دونوں صفوں کے درمیان کھڑا ہو گیا اور آواز دی خالدؓ اپنی فوج سے نکل کر میرے پاس آئیں، حضرت خالدؓ بڑھ کر اس کے پاس پہنچے اور اپنی جگہ ابو عبیدہؓ کو کھڑا کر گئے جرجہ نے حضرت خالدؓ کو دونوں صفوں کے درمیان ٹھہرا لیا۔ دونوں اتنے قریب ہو گئے کہ ان کے گھوڑوں کی گردنیں آپس میں مل گئیں کیوں کہ دونوں نے ایک دوسرے کو امان دے دی تھی۔

جرجہ نے کہا اے خالدؓ سچ کہنا جھوٹ نہ بولنا، شریف جھوٹا نہیں ہوتا اور نہ مجھے دھوکہ دینا کیوں کہ کریم النفس انسان ایسے شخص کو دھوکا نہیں دیتا جو خدا کا واسطہ دے کر آتا ہے۔ کیا اللہ نے تمہارے نبیؐ پر آسمان سے کوئی تلوار اتاری ہے اور انہوں نے وہ تلوار تم کو دے دی ہے کہ تم جس قوم پر اس تلوار کو کھینچتے ہو وہ شکست ہی پاتی ہے۔ حضرت خالدؓ نے کہا ایسا تو نہیں ہے جرجہ نے پوچھا پھر تمہارا نام سیف اللہ کیوں ہے؟ حضرت خالدؓ نے کہا اللہ نے ہم میں اپنے ایک نبی کو مبعوث کیا اس نے ہم کو دعوت دی پہلے تو ہم میں سے کسی نے ان کی بات نہ مانی بلکہ اس سے الگ الگ رہے مگر کچھ عرصے کے بعد بعض لوگوں نے اس کی تصدیق کی اور اس کے پیرو ہو گئے اور بعض اس سے دور رہے اور اس کو جھٹلایا میں بھی ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے اس کی تکذیب کی اس سے دور رہے اور اس سے لڑے مگر اللہ نے ہمارے دلوں اور پیشانیوں کو پکڑ لیا اور ہم کو ہدایت دی، ہم نے اس کی پیروی کی پھر اس پیغمبر خداؐ نے مجھ کو فرمایا کہ تم اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہو جس کو اللہ نے مشرکین پر کھینچا ہے، آپؐ نے میرے لیے نصرت کی دعا فرمائی ہے، یہی وجہ ہے کہ میں سیف اللہ مشہور ہوں اور مشرکوں کے لیے سب سے زیادہ سخت مسلمان ہوں، جرجہ نے کہا بے شک تم مجھ سے سچ سچ کہہ رہے ہو۔

جرجہ نے کہا اے خالدؓ بتاؤ تم مجھے کن باتوں کی طرف دعوت دیتے ہو حضرت خالدؓ نے کہا میں تم کو اس امر کی طرف دعوت دیتا ہوں کہ تم شہادت دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمدؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اور اقرار کرو کہ محمدؐ جو کچھ لائے ہیں وہ اللہ کی طرف سے ہے، جرجہ نے کہا اور جو شخص تمہاری اس بات کو نہ مانے حضرت خالدؓ نے کہا، وہ جزیہ ادا کرے ہم اس کی جان و مال کی حفاظت کریں گے۔ جرجہ نے کہا اگر کوئی جزیہ بھی نہ دے؟ حضرت خالدؓ نے کہا ہم اس کو اعلان جنگ دیں گے اور اس کے بعد اس سے لڑیں گے۔ جرجہ نے کہا، اچھا جو شخص تمہاری اس دعوت کو آج قبول کرے اس کا درجہ کیا ہوگا حضرت خالدؓ نے کہا خدا تعالیٰ نے جو ہم پر فرائض عائد کیے ہیں ان کے لحاظ سے اعلیٰ، ادنیٰ اور اول، آخر سب مساوی اور ہم رتبہ ہیں۔

جرجہ نے کہا، اے خالدؓ جو شخص آج تمہارے مذہب میں داخل ہوتا ہے کیا اس کو وہی اجر وثواب ملے گا جو تم کو ملے گا؟ حضرت خالدؓ نے کہا، ہاں بلکہ ہم سے زیادہ! اس نے کہا وہ تمہارے برابر کیسے ہو سکتا ہے؟ حالانکہ تم سب سے سبقت رکھتے ہو، حضرت خالدؓ نے کہا اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم لوگ اسلام میں اس وقت داخل ہوئے تھے اور اپنے نبی ﷺ سے ہم نے اس وقت بیعت کی تھی جب کہ وہ ہم میں بقید حیات تھے۔ آسمان پر سے آپؐ پر خبریں آتی تھیں، آپؐ ہم کو کتابوں کی خبریں سناتے تھے اور اللہ کی نشانیاں دکھاتے تھے۔ ہماری طرح جس شخص نے یہ چیزیں دیکھی اور سنی ہیں اس کا تو فرض تھا کہ وہ اسلام قبول کر کے آپؐ سے بیعت کرے مگر تم نے وہ عجیب باتیں اور وہ خدائی کہانیاں کہاں دیکھی اور سنی ہیں جن کا ہم کو موقع ملا ہے، اس لیے تم میں سے جو شخص صداقت اور خلوص نیت سے اس دین میں داخل ہوگا وہ ہم سے افضل ہوگا۔

جرجہ نے کہا خالدؓ قسمیہ کہو کہ تم نے مجھ سے یہ باتیں سچ کہی ہیں تم نے مجھے دھوکا تو نہیں دیا اور نہ میرا دل خوش کرنا چاہا، حضرت خالدؓ نے کہا بخدا میں تم سے سچ کہتا ہوں، مجھے تمہارا یا تم میں سے کسی کا ذرا خوف نہیں ہے خدا گواہ ہے کہ میں نے تمہارے سوالات کا جواب ٹھیک ٹھیک دیا ہے۔ جرجہ نے کہا میں آپؓ کی صداقت کو تسلیم کرتا ہوں، پھر اس نے اپنی ڈھال کو پلٹ دیا اور حضرت خالدؓ کے ساتھ چلا آیا اور ان سے درخواست کی کہ آپؓ مجھے اسلام کی تعلیم دیجیے حضرت خالدؓ جرجہ کو اپنے ہمراہ اپنے خیمے میں لائے اس کے اوپر مشکیزہ انڈیل کر آپؓ نے اس کو غسل کرایا اس کے بعد جرجہ نے دو رکعت نماز پڑھی۔

جرجہ کو حضرت خالدؓ کے ساتھ پلٹتے دیکھ کر رومیوں نے حملہ کر دیا وہ سمجھے کہ جرجہ حملہ کرتا ہوا جارہا ہے رومیوں نے اس حملہ سے مسلمانوں کو ان کی جگہ سے ہٹا دیا مگر مددگار دستے جن کے افسر عکرمہ اور حارث بن ہشام تھے اپنی جگہ جمے رہے، اس کے بعد حضرت خالدؓ اور ان کے ساتھ جرجہ اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر واپس آئے اس وقت رومی مسلمانوں کی فوج میں گھسے ہوئے تھے۔ حضرت خالدؓ نے مسلمانوں کو للکارا جس سے ان کے قدم جم گئے اور رومی اپنی جگہوں کو واپس ہو گئے۔ حضرت خالدؓ رومیوں پر چڑھ دوڑے تلواروں پر تلواریں چلنے لگیں یہاں تک کہ دن چڑھنے سے لے کر غروب آفتاب تک حضرت خالدؓ اور جرجہ دشمنوں کی گردنیں اڑاتے رہے اور آخرکار جرجہ شہید ہو گئے، جرجہ نے بجز ان دو رکعات کے جو انہوں نے اسلام لانے کے وقت پڑھی تھیں اور کوئی نماز سجدے کے ساتھ ادا نہیں کی، ظہر اور عصر کی نمازیں سب نے اشاروں سے ادا کی تھیں۔ (۵۰)

عہد صدیقیؓ میں دشمن بھی اسلام اور مسلمانوں کی عظمت کے معترف تھے:

عہد صدیقیؓ میں فتوحات کا سلسلہ جاری ہے!

جب حضرت خالدؓ سوئی پہنچ گئے تو وہاں جاتے ہی صبح ہونے سے ذرا قبل اس کے باشندوں پر شب خون مارا یہ لوگ قبیلہ بہراء کے تھے، ان میں ایک جماعت شراب نوشی کا لطف اٹھا رہی تھی، درمیان میں شراب کا کونڈا رکھا تھا اور مطرب یہ اشعار گا رہا تھا۔

(ترجمہ) ''دوستو مجھے ابوبکرؓ کی فوج کے آنے سے پہلے پلا دو، شاید ہماری موت قریب آ گئی ہے جس سے ہم بے خبر ہیں تم مجھے بلور کے جام میں شراب ارغوانی پلا دو اور پھر پلا دو، ہاں ایسی نفیس شراب پلا دو جس سے سارے رنج وغم دور ہو جائیں، میں سمجھتا ہوں کہ صبح

نہ ہونے پائے گی کہ بشر کی طرف سے خالدؓ اور اس کی فوج ہم پر چھاپہ مارے گی لہٰذا اگر قتل و غارت سے پہلے اور کنواریوں کے بے پردہ ہونے سے پہلے تم یہاں سے بھاگ جانا چاہتے ہو تو بھاگ جاؤ۔"

بعض لوگوں کا بیان ہے کہ وہ مطرب اس حملے میں قتل ہو گیا اور اس کا خون اس شراب کے کونڈے میں مل گیا۔

سوئی سے روانہ ہو کر حضرت خالدؓ نے مرج راہط میں غسان پر چھاپہ مارا وہاں سے بڑھ کر قناۃ بصریٰ پہنچے وہاں ابوعبیدہ بن الجراح، شرحبیل بن حسنہ اور یزید بن ابی سفیان پہلے سے موجود تھے ان سب نے مل کر قناۃ بصریٰ کو محصور کر لیا مجبوراً بصریٰ والوں نے جزیہ پر صلح کر لی اور خدا نے بصریٰ پر مسلمانوں کو فتح عنایت فرما دی۔ شام کے علاقے کا یہ پہلا شہر ہے جو حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ خلافت میں فتح ہوا اس کے بعد یہ سب امراء عمروؓ بن العاص کی امداد کے لیے فلسطین کی طرف روانہ ہوئے عمروؓ اس وقت فلسطین کے نشیبی علاقے میں عربات میں مقیم تھے رومیوں کو مسلمانوں کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ جلق چھوڑ کر اجنادین میں پہنچے ان کا سپہ سالار ہرقل کا حقیقی بھائی تذارق تھا۔ اجنادین فلسطین کے علاقے میں رملہ اور بیت جبرین کے درمیان ایک شہر ہے عمروؓ بن العاص کو جب ابوعبیدہؓ بن الجراح، شرحبیل حسنہ اور یزید بن ابی سفیان کے آنے کی اطلاع ملی تو وہ ان کے ساتھ مل گئے اور سب نے اجنادین پر جمع ہو کر رومیوں کے سامنے صف آرائی کی۔

داستان ابھی ختم نہیں ہوئی، جاری ہے..... عروہ بن زبیر کی روایت یہ ہے کہ رومیوں کا سپہ سالار ان میں ایک شخص قبقلار نامی تھا ہرقل قسطنطنیہ جاتے وقت اس کو شام کے امراء پر اپنا نائب مقرر کر گیا تھا اور تذارق اپنے ساتھ کی رومی فوجوں کو لے کر اس کے پاس آ گیا تھا مگر علمائے شام کا خیال یہ ہے کہ رومیوں کا سپہ سالار تذارق تھا۔ واللہ اعلم

جب طرفین کے لشکر قریب ہو گئے قبقلار نے ایک عربی شخص کو بلایا جس کے متعلق سنا گیا ہے کہ وہ قبیلہ قضاعہ کے تزید بن حیدان کے خاندان سے تھا جس کا نام ابن ہزارف تھا قبقلار نے اس سے کہا تم ان لوگوں میں جا کر ایک دن رات ٹھہرو اس کے بعد آ کر مجھے ان کے حالات سے باخبر کرو، وہ شخص عربوں کی فوج میں داخل ہو گیا عربی وضع قطع ہونے کی وجہ سے کسی نے اس کو اجنبی نہ سمجھا، وہ ایک رات اور ایک دن وہاں مقیم رہا پھر قبقلار کے پاس واپس آیا اس نے پوچھا کہو کیا خبر لائے ہو؟ اس نے کہا وہ لوگ رات کو راہب ہیں اور دن کو شہ سوار ہیں ان کے انصاف کا یہ حال ہے کہ اگر ان کے بادشاہ کا فرزند بھی چوری کرے تو وہ اس کا ہاتھ کاٹ ڈالتے ہیں اور اگر زنا کا مرتکب ہو تو وہ اس کو سنگسار کرتے ہیں۔

قبقلار نے یہ سن کر کہا کہ اگر تم یہ باتیں سچ کہہ رہے ہو تو سطح زمین پر ان سے مقابلہ کرنے کی بہ نسبت میں یہ بہتر سمجھتا ہوں کہ زمین کے اندر سما جاؤں، اے کاش! خدا مجھ پر اتنا کرم فرمائے کہ مجھے ان سے چھٹکارا دلا دے نہ میں ان پر فتح پاؤں اور نہ وہ مجھ پر۔

اس کے بعد لڑائی شروع ہو گئی لوگ ایک دوسرے پر جھپٹ پڑے اور قتل کا بازار گرم ہو گیا۔ مسلمانوں کی لڑائی کا حال دیکھ کر قبقلار پریشان ہو گیا اس نے رومیوں سے کہا تم میری آنکھوں پر پٹی باندھ دو انہوں نے پوچھا کیوں؟ اس نے کہا، آج کا دن بڑا منحوس ہے میں اس کو دیکھنا نہیں چاہتا میں نے دنیا میں آج تک ایسا سخت دن نہیں دیکھا ہے، چنانچہ اس کا سر قلم کیا تو وہ کپڑے میں لپٹا ہوا تھا۔

اجنادین کی جنگ ۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۳ھ کو واقع ہوئی تھی۔ (۵۱)

عہد صدیقیؓ کا اختتام:

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد گرامی پر ایک اجمالی نظر ہم نے ڈال لی اور معلوم کرلیا کہ خلافت راشدہ کا یہ پہلا دور جو آنحضرت ﷺ کی وفات کے معاً بعد شروع ہوا تھا غیر مسلموں کے ساتھ رواداری، حسن سلوک اور وسعت قلب وظرف کے اعتبار سے کیسا رہا؟ کیسے کیسے بے پناہ مجرموں کو معافیاں دی گئیں، کیسے کیسے خطاکاروں کو نوازا گیا، کیسے کیسے دشمنوں پر عفو وکرم کی بارش کی گئی، کیسے کیسے باغیوں، مفسدوں فتنہ طرازوں، دراندازوں، سازش کرنے والوں اور تفرقہ پیدا کرنیوالوں کو لطف وعطا کے دامن میں پناہ دی گئی...... صلح حدیبیہ کی طرز پر، پرامن بقائے باہمی کے اصول پر مبنی معاہدات عمل میں لائے گئے۔ اور اس طرح مساوات انسانی، احترام آدمیت اور تکریم انسانیت کو یقینی بنایا گیا۔ غرض عہد صدیقی میں تمام انسانیت صدیق اکبرؓ کے دامن رحمت میں سما گئی تھی۔ بقول شاعر:

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی؟

مرے جرم ہائے سیاہ کو ترے عفو بندہ نواز میں

یہ شعر، اپنی معنویت اور صداقت کے اعتبار سے رسالت مآبؐ کے پہلے جانشین اور خلیفہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں بھی پورے طور پر صادق آتا ہے اور کیوں نہ ہو، آخر یہ رحم وکرم یہ لطف وعطا، یہ خطا بخشی اور جرم پوشی، یہ لطف ومدارا، یہ رعایت ومروت حضرت صدیق اکبرؓ نے لی کہاں سے تھی؟ کیا ان تمام عادات شریفہ اور خصائل عالیہ کا سرچشمہ، ذات رسالتؐ پناہ ہی نہیں تھی؟ یہ سارے مظاہر اسی ذات گرامی پرتو اور صدقے کا نتیجہ تھے۔

اصل بات یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی شخصیت کو ذات رسالت مآبؐ میں اس طرح جذب کرلیا تھا کہ وہ صحیح معنی میں مزاج شناس رسولؐ بن گئے تھے۔

(۳۱) طبری ج۱، ح۳، ص ۵۱

(۳۲) طبری ج۱، ح۳، ص ۱۲۹

(۳۳) طبری ج۱، ح۳، ص ۱۳۸

(۳۴) طبری ج۱، ح۳، ص ۱۴۷

(۳۵) طبری ج۱، ح۳، ص ۱۵۴

(۳۶) طبری ج۱، ح۳، ص ۱۶۰

(۳۷) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، سیاسی وثیقہ جات، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۰ء

(۳۸) طبری ج۱، ح۳، ص ۱۷۰

(۳۹) غالباً درہم ہے نہ کہ دینار کیوں کہ فی کس ایک دینار سے زائد جزیہ نہیں اور ان کی تعداد چھ ہزار ہے۔

(۴۰) قاضی ابو یوسف، کتاب الخراج، المطبعۃ السلفیہ، قاہرہ، ۱۳۸۲ھ، ص ۴۳

(۴۱) ایضاً

(۴۲) محمد سعد اللہ، بنیادی ضروریات زندگی اور اسلام، ص ۳۳۳

(۴۳) طبری ج۱، ح۳، ص ۱۶۲۔۱۶۳

(۴۴) طبری ج۱، ح۳، ص ۱۶۶

(۴۵) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، سیاسی وثیقہ جات، ص ۲۳۴

(۴۶) ابوعبیدہ اور ابن ساطیہ وطیمہ مقام ہیں۔

(۴۷) [illegible] ۵۰۰۰ ایرانی سکہ ہے جو ایران کے فوجی ملازموں کے سوا رعایا کے ہر فرد سے بطور ٹیکس لیا جاتا تھا۔

(۴۸) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، سیاسی وثیقہ جات، ص ۲۳۸

(۴۹) ایضاً ص ۲۳۹

(۵۰) طبری ج۱، ح۳، ص ۲۰۱

(۵۱) طبری ج۱، ح۳، ص ۲۱۵

باب چہارم:

﴾فصل دوم﴿

عہدِ فاروقی کے معاہدات اور صلح حدیبیہ

تعارف:

عمر نام، ابوحفص کنیت، فاروق لقب، والد کا نام خطاب اور والدہ کا نام ختمہ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔ عمر بن الخطابؓ بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن رباح بن عبداللہ بن قرط بن رواح بن عدی بن کعب بن لوئی بن فہر بن مسالک۔ (۱) عدی کے دوسرے بھائی مرہ تھے، جو رسول اللہؐ کے اجداد میں سے ہیں، اس لحاظ سے حضرت عمرؓ کا سلسلہ نسب آٹھویں پشت میں رسول اللہؐ سے جا کر مل جاتا ہے۔

حضرت عمرؓ کا خاندان ایام جاہلیت سے نہایت ممتاز تھا، آپؓ کے جد اعلیٰ عدی عرب کے باہمی منازعات میں ثالث مکرر ہوا کرتے تھے اور قریش کو کسی قبیلہ کے ساتھ کوئی ملکی معاملہ پیش آجاتا تو سفیر بن کر جایا کرتے تھے اور یہ دونوں منصب عدی کے خاندان میں نسلاً بعد نسلاً چلے آرہے تھے، دادھیال کی طرح حضرت عمرؓ ننہال کی طرف سے بھی نہایت معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے، آپؓ کی والدہ ختمہ، ہاشم بن مغیرہ کی بیٹی تھیں اور مغیرہ اس درجہ کے آدمی تھے کہ جب قریش کسی قبیلہ سے نبرد آزما کے لئے جاتے تھے، تو فوج کا اہتمام ان ہی کے متعلق ہوتا تھا۔ (۲)

حضرت عمرؓ ہجرت نبویؐ سے چالیس برس پہلے پیدا ہوئے (۳) ایام طفولیت کے حالات پردۂ خفا میں ہیں، بلکہ سن رشد کے حالات بھی بہت کم معلوم ہیں، شباب کا آغاز ہوا تو ان شریفانہ مشغلوں میں مشغول ہوئے جو شرفائے عرب میں عموماً رائج تھے، یعنی نسب دانی، سپہ گری، پہلوانی اور خطابت میں مہارت پیدا کی، خصوصاً شہ سواری میں کمال حاصل کیا، اسی زمانے میں انہوں نے لکھنا، پڑھنا بھی سیکھ لیا، چنانچہ زمانہ جاہلیت میں جو لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے، ان میں سے ایک حضرت عمرؓ بھی تھے (۴)

تعلیم و تربیت سے فارغ ہونے کے بعد فکر معاش کی طرف متوجہ ہوئے، عرب میں لوگوں کا ذریعہ معاش زیادہ تر تجارت تھا، اس لئے انہوں نے بھی یہی شغل اختیار کر لیا اور اسی سلسلہ میں دور دور ممالک کا سفر اختیار کیا، اس سے آپؓ کو بڑے تجربے اور فوائد حاصل ہوئے، آپؓ کی خودداری، بلند حوصلگی، تجربہ کاری اور معاملہ فہمی اس کا نتیجہ تھی اور ان ہی اوصاف کی بناء پر قریش نے آپؓ کو سفارت کے منصب پر مامور کر دیا تھا، قبائل میں جب کوئی پیچیدگی پیدا ہو جاتی تھی تو آپؓ ہی سفیر بن کر جاتے تھے اور اپنے غیر معمولی فہم و فراست اور تجربہ سے اس عقدہ کو حل کرتے تھے۔ (۵)

حضرت عمرؓ چالیس مردوں اور گیارہ خواتین کے بعد ایمان لائے۔ آپؓ کی اسلام آوری کے بعد مکہ میں اسلام کا اعلان کیا گیا۔ آپؓ کا شمار سابقین الاولین میں ہوتا ہے۔ آپؓ عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔ خلفائے راشدینؓ میں آپ دوسرے خلیفہ ہیں اور آپؓ کو رسول اللہؐ کے خسر ہونے کا شرف حاصل ہے۔ صحابہؓ کی جماعت میں آپ سب سے زیادہ عالم زاہد تھے۔ آپؓ کی زبانی ۵۳۹ احادیث

مروی ہیں (۶)

حضرت ابو بکرؓ جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور اپنی زندگی کی طرف سے ان کو مایوسی ہوئی تو انہیں خطرہ پیدا ہوا کہ اگر خلافت کا انتظام اپنی زندگی میں کسی ایسے شخص کے سپرد نہ کیا جو مسلمانوں کی شیرازہ بندی کر سکے تو ممکن ہے کہ پھر آپس میں پہلے کی طرح اختلاف پیدا ہو اور خارجی دشمن اس نازک موقع سے فائدہ اٹھائیں۔ آپؓ کی دوررس نگاہ نے ایسے شخص کی جستجو شروع کی جو اسلامی ریاست کے نظم و نسق کو صحیح معنی میں سنبھال سکے اور مسلمانوں کو اپنی فہم و فراست اور بیدار مغزی سے باہمی اختلافات سے بچالے۔ آپؓ کی نظر میں اس منصب کے لیے ایسا شخص موزوں تھا جو سخت ہو مگر سنگ دل نہ ہو، نرم دل ہو مگر بزدل نہ ہو۔ اس وقت آپؓ کی نگاہ انتخاب حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ پر پڑی، ان دونوں میں مابہ الامتیاز خصوصیت یہ تھی کہ حضرت عمرؓ کسی کام کا عزم کر لیتے پھر اگر انہیں یقین ہو جاتا کہ یہ مصلحت کے خلاف ہے تو اپنا عزم فسخ کر دیتے تھے۔ یہ ان کی نفسانی خصوصیت تھی۔ حضرت علیؓ کی فطرت تھی کہ جب وہ کسی کام کا بیڑا اٹھا لیتے تو اسے کر کے ہی دم لیتے۔ انہیں کوئی چیز ارادہ سے باز نہ رکھ سکتی تھی، اس لئے حضرت ابو بکرؓ کی فہم و فراست نے حضرت عمرؓ کو ترجیح دی، لیکن آپؓ نے اپنی انفرادی رائے سے ان کا تقرر مناسب نہ سمجھا اور ممتاز اور صائب الرائے صحابہؓ سے مشورہ لیا۔ سب نے آپؓ کی رائے کی تحسین کی اور حضرت عمرؓ کی بے حد تعریف کی جن صحابہ کرامؓ سے مشاورت کی گئی ان میں حضرت عثمان غنیؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت اسید بن حضیرؓ، حضرت سعید بن زیدؓ، قاضی مصر خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان حضرات کے علاوہ بھی دیگر مہاجرین و انصار سے مشورہ لیا گیا۔ سب نے متفقہ طور پر آپؓ کو اس منصب کے لئے موزوں ترین شخص قرار دیا۔ اس مشورہ کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت عثمان غنیؓ کو بلا کر حضرت عمرؓ کے بارے میں یہ تحریر لکھوادی۔ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، میں نے عمرؓ کو تمہارا حاکم مقرر کیا ہے، اگر انہوں نے عدل و انصاف اور فلاح و بہبود کے کام کیے تو میرا خیال ان کے بارے میں غلط نہیں، اگر ظلم و استبداد کے مرتکب ہوئے تو میں بے قصور ہوں۔ مجھے غیب کا علم نہیں ہے۔ میں نے ظاہری حالت پر اعتبار کر لیا ہے۔ خدا جانتا ہے میری نیت اچھی ہے''۔ (۷)

حضرت ابو بکرؓ نے اس دنیا سے رخت سفر باندھا، حضرت عمرؓ کی نامزدگی قوم نے تسلیم کر لی اور وہ منصب خلافت پر فائز ہو گئے۔

حضرت ابو بکرؓ رقیق القلب تھے، رحم دل تھے، بامروت تھے، حضرت عمرؓ سخت مزاج تھے، اصول کے معاملات میں متشدد تھے، حق کے معاملہ میں رعایت اور مروت کے قائل نہیں تھے، لیکن مسند خلافت پر متمکن ہونے کے بعد ان میں وہ نرمی اور وسعت آ گئی، جو اس منصب کے لئے ضروری تھی، لوگ برسر منبر انہیں ٹوک دیتے تھے، ان پر اعتراض کرتے تھے۔ ان کی فکر و رائے سے اختلاف کرتے تھے اور زیادہ تر یہ اختلاف تند و ترش لہجہ میں ہوتا تھا، لیکن حضرت عمرؓ نے کبھی قوت اور طاقت کے بل پر لوگوں کی آواز دبانے کی کوشش نہیں کی، وہ راتوں کو گشت کر کے دیکھتے تھے کہ کون آسودہ حال ہے، کون فاقہ مست۔ وہ بھوکوں کو دیکھ کر لرز جاتے تھے، خود کاندھے پر اناج کی بوری رکھتے اور لے کر پہنچتے تھے، وہ لوگوں کا حق دلانے میں ذرا بھی تاخیر گوارا نہ کرتے تھے، وہ اپنے غلام کو بھی وہی کھلاتے تھے، جو خود کھاتے تھے، وہی پہناتے تھے، جو خود پہنتے تھے، بحر و بر کی حکومت ان کے ہاتھ میں تھی، لیکن لباس فاخرہ نہ خود پہنا، نہ اپنے عاملوں اور گورنروں کو پہننے دیا، ایران و روم کے خزانے ان کے قدموں میں لا کر ڈال دیئے گئے، لیکن ان کے دسترخوان کی سادگی میں فرق نہ آیا۔ ممالک غیر کے سفیر ان سے ملنے کے لئے آئے تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ یہ زمین پر معمولی سا لباس

پہنے ہوئے جو شخص دراز ہے، یہی اس پر ہیبت و عظمت شخصیت کا حامل ہے، جس کے نام سے باطل لرزتا اور ناحق کانپتا ہے، بیت المقدس میں ایک فاتح فوج کے سپہ سالار اعلیٰ کی حیثیت سے عمرؓ نے جب قدم رکھا تو یہ پیوند لگا ہوا لباس ان کے بدن پر تھا، لیکن رعب و جلال کا یہ عالم کہ اکڑی ہوئی گردنیں انہیں دیکھتے ہی ادب سے جھک گئیں!

خلافت فاروقیؓ:

حضرت ابوبکرؓ کی نامزدگی قوم نے تسلیم کر لی اور حضرت عمرؓ خلافت کے منصب پر فائز ہو گئے، آپؓ نے ۲۸ / جمادی الآخر ۱۳ھ کو زمام خلافت ہاتھ میں لی۔ (۸) تقریباً ساڑھے دس سال تک اس شان کے ساتھ فرائض خلافت سرانجام دیئے کہ وہ تاریخ اسلام کے ایک روشن اور تابناک باب کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کی طرح حضرت عمرؓ کا دور خلافت بھی بے نفسی و بے لوثی اور فدائیت کا دور تھا۔ اپنی ذات کے لئے کچھ نہیں چاہا، اپنے خاندان کے لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا، اپنے دوستوں اور ساتھیوں کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی، کمزور کا ساتھ دیا، مظلوم کی دادرسی کی، ظالم کو سزا دی، انصاف اور مساوات کے معاملہ میں بڑی سے بڑی شخصیت کا لحاظ بھی نہ کیا، جبلہ بن ایہم غسانی چھوٹا موٹا بادشاہ تھا، قبول اسلام کے بعد مکہ آیا، طواف کی حالت میں ازار پر ایک بدو کا پاؤں پڑ گیا، اس کی نخوت اس بدتمیزی کو برداشت نہ کر سکی بدو کے منہ پر طمانچہ مار دیا۔ اس نے دربار خلافت میں استغاثہ پیش کیا۔ فیصلہ جبلہ کے خلاف ہوا، وہ فرار ہو کر مرتد ہو گیا، لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے اسلام کی آن پر حرف نہ آنے دیا۔

فاروق اعظمؓ کی اہلیت:

جس وقت حضرت فاروق اعظمؓ مسند خلافت پر زینت افروز ہوئے تو اس منصب کی اہلیت کی صفات مسلمانوں کے سامنے درج ذیل تھیں۔

(۱) آپؓ کو حکومت کے اہم کاموں کا وسیع تر تجربہ حاصل تھا کیوں کہ آپؓ عہد نبویؐ میں نبی کریمؐ کے وزیر رہے۔

(۲) عہد صدیقیؓ میں محکمہ عدلیہ کے امیر اور مشیر اول تھے۔

(۳) کئی برس کے تجربات نے آپ کی فطرت میں حکومتی کاموں کو سنبھالنے اور سلجھانے کی استعداد اور صلاحیت پیدا کر دی تھی۔

(۴) نبی کریمؐ کا ارشاد گرامی تھا کہ "میرے بعد ابوبکرؓ کی پیروی کی جائے اور ابوبکرؓ کے بعد عمرؓ کی"۔ (۹)

(۵) تمام صحابہ کرامؓ کی بھی رائے یہی تھی کہ "حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ ہی امت کے لیے بہترین ہے۔ روزانہ کی گفتگو میں بھی اسی حیثیت سے حضرت عمرؓ کا ذکر آتا تھا۔ (۱۰) اور آپؓ کی فراست نے کئی بار اس حد تک کامیابی حاصل کی کہ آپؓ کے فیصلوں کی تصدیق کے لیے قرآن کی آیات نازل ہوئیں۔ امن اور جنگ کے زمانے کا یہی وسیع تجربہ تھا جس کی بناء پر عہد فاروقی میں اسلامی حکومت آفتاب نصف النہار تک پہنچا۔ (۱۱)

(۶) فاروق اعظمؓ سے پہلے اسلامی جماعت کے افراد پچاس کے قریب تھے اور وہ بھی مشرکین سے خائف، مغلوب اور کسی

چیز کا انتقام نہ لینے پر مجبوراً عمل پیرا، لیکن آپ کے مسلمان ہونے کے بعد اسلام کے قلعہ کا دروازہ کھل گیا۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا اسلام ایک فتح، ہجرت ایک امداد اور حکومت ایک رحمت تھی۔ جب تک حضرت عمرؓ اسلام نہیں لائے تھے ہم کھلے میدان میں نماز تک نہیں پڑھ سکتے تھے۔ (۱۲) ان تمام مندرجہ بالا اہلیتوں و صلاحیتوں کی بناء پر مسلمانوں نے بخوشی آپؓ کو مسند خلافت پر فائز کیا اور آپؓ کو امیر المومنین کا خطاب دیا اور آپؓ نے اس کو قبول فرما کر پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ (۱۳) اور بحمد اللہ آپؓ نے امت کی توقعات سے بڑھ کر خدمات انجام دیں۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔

(۷) حضرت عمرؓ جہاد کے ہر محاذ پر آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہے۔

فاروق اعظمؓ کے عظیم کارنامے:

آپؓ نے دس سال چھ مہینے اسلامی حکومت کا اقتدار سنبھالا، اس قلیل مدت میں جو کارنامے آپ نے انجام دیے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) آپ نے اسلامی قلمرو کو ایران، آذر بائیجان، دمشق، انطاکیہ اور اسکندریہ تک پہنچایا۔ عدن سے انطاکیہ تک اور بحرین سے کیشا تک اسلامی حکومت قائم فرمائی۔

(۲) امیر المومنینؓ کی حیثیت سے دنیا میں اسلامی نظام قائم کیا اور نئے شہر آباد کیے۔

(۳) محصولات عائد کیے اور ان کی قسمیں متعین کیں۔

(۴) حکومت کے دفتر کو باضابطہ بنایا، دفتر حکومت کے باضابطہ مشیر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ مقرر کیے گئے۔

(۵) فوج کو باقاعدہ منظم کیا اور ان کی نئی تنظیم کا طریقہ ایجاد کیا۔

(۶) سلطنت کے علاقوں کو تقسیم کیا اور نئے صوبے قائم کیے۔

(۷) گورنروں کا تقرر فرمان خاص سے کرتے، ہر تقرر کے ساتھ ہدایات کی دستاویز ہوتی۔ گورنروں کو ہدایت تھی کہ رشوت نہ لیں، خدا کی مخلوق پر ظلم نہ کریں، قیمتی لباس اختیار نہ کریں۔ عام لوگوں پر اپنے دفتر اور گھر کا دروازہ بند نہ کریں۔ عام شہری ناراض نہ ہونے پائیں۔ شہری مسلمان ہو یا غیر مسلم کوئی گورنر ان کے حقوق کو پامال نہ کر سکتا۔

(۸) آپؓ کا فرمان تھا جو گورنر یا فوجی افسر کسی شہری کو بے وجہ سزا دے گا، میں اس کو سزا دوں گا، چنانچہ آپؓ نے کوفہ کے گورنر کو عام شکایت پر معزول کیا۔ بصرہ کے گورنر سے ایک شکایت پر جواب طلب کیا۔ قادسیہ اور مدائن کے کمانڈر کے خلاف ایک شکایت کی تحقیق کی۔ مصر کے گورنر اور ان کے بیٹے کے خلاف ایک قبطی شہری کی شکایت پر مقدمہ قائم کیا۔

(۹) ہر مسلمان آپؓ کی مجلس شوریٰ کا رکن تھا۔ مرد ہی نہیں عورتیں بھی بحث میں حصہ لیتی تھیں۔

(۱۰) مسجد نبویؐ کے ایوان عام میں جو مسائل امیر المومنین کی طرف سے پیش کیے جاتے تھے، ان پر رائے دینے اور ان کی مخالفت یا موافقت کرنے کا ہر شخص مجاز تھا۔ آپؓ نے عوام کی خدمت کو حکومت کے اولین قوانین میں سے ایک قانون قرار دیا۔ محنت طلب کاموں میں خود حصہ لیا (۱۴)

فاروق اعظمؓ کی صوبائی تقسیم:

حضرت عمر فاروقؓ نے عہد خلافت میں جب اسلامی ریاست کا دائرہ وسیع ہوا تو اسے چند بڑے صوبوں میں تقسیم کر دیا تا کہ نظم و نسق اور مالیات کے انتظام میں آسانی ہو۔ یہ صوبے حسب ذیل تھے "اہواز"، "بحرین" کا ایک صوبہ، "بجستان"، "مکران"، "کرمان" کو ملا کر ایک علیحدہ صوبہ "طبرستان" کا ایک صوبہ بلاد فارس کو تین صوبوں میں تقسیم کر دیا۔ عراق کے دو حصے کر دیے۔ ایک کا صدر مقام "کوفہ" تھا دوسرے کا "بصرہ" تھا۔ بلاد شام کو بھی دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک کا مرکز "حمص" تھا اور دوسرے کا "دمشق" تھا، "فلسطین" ایک مستقل صوبہ تھا۔ "افریقہ" کے تین ٹکڑے کر دیے۔ "مصر" کا مرتفع علاقہ "مصر" کا نشیبی علاقہ "مغربی مصر" اور "صحرائے لیبیا"۔(۱۵)

عہد فاروقیؓ اپنے امتیازات اور خصائص کے اعتبار سے تاریخ اسلام کا مایہ ناز دور ہے۔ رسول اکرمﷺ کی وفات کے بعد جب حضرت ابو بکرؓ مسند آرائے خلافت ہوئے تو انہیں نازک ترین اور سنگین ترین صورت حال سے دوچار ہونا پڑا، مگر وہ غیر معمولی فراست ایمانی، اصابت رائے اور عزم و استقامت کے حامل نہ ہوتے تو شاید اسلام کی تاریخ آج کچھ اور ہوتی، وقت کی نزاکت دیکھتے حضرت عمرؓ جیسا شخص بھی نرمی اور ملاطفت کا مشورہ، باغیوں اور فتنہ طرازوں کے ساتھ دے رہا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ اگر یہ مشورہ قبول کر لیتے تو پھر تاریخ اسلام میں کوئی عمرؓ نہیں ابھر سکتا تھا، یہ مشورہ رد کر کے انہوں نے درحقیقت ایک نئے شاندار اور سبق آموز عہد کی تشکیل کی۔ یہ مشورہ نہ مان کر انہوں نے اسلام کا وقار بلند کر دیا، اسلام کی آن اور شان میں چار چاند لگا دیے، اسلام کی عظمت اور بزرگی کا پرچم چار دانگ عالم میں بلند کر دیا، داخلی امن اور خارجی دبدبہ کی وہ مثال قائم کی جس کی نظیر چشم فلک نے پھر کبھی نہ دیکھی، ابو بکرؓ جب مسند خلافت پر بیٹھے تو حالات کی ناسازگاری انتہا کو پہنچی ہوئی تھی، ڈھائی سال کے بعد اس عالم فانی سے رخصت ہوئے تھے، جب یہ مسند انہوں نے عمرؓ کو سونپی تو حالات بالکل بدل چکے تھے، مرتدین کا فتنہ ختم ہو چکا تھا، اندرونی امن و امان کا دور دورہ تھا، انصار اور مہاجرین میں نہ صرف یہ کہ کسی طرح کی آویزش اور کشمکش نہیں تھی بلکہ وہ اخوت باہمی کا پیکر ایک بار پھر بن چکے تھے، نظم مملکت میں کسی طرح کا خلل اندازی کا موقعہ نہیں باقی رہ گیا تھا، باغیوں، شرپسندوں اور فتنہ انگیزوں کا قلع قمع کیا جا چکا تھا، اللہ کے بندوں پر اللہ کی حکومت قائم کی تھی، زکوٰۃ ادا کی جا رہی تھی، فرائض واجبات اور سنت کی انجام دہی میں کسی طرح کی رکاوٹ نہیں تھی، کسی طرح کا خلل نہیں تھا، ساری امت سمع و طاعت کا پیکر بن چکی تھی، کجی، سرکشی اور بغاوت کے جراثیم ختم ہو چکے تھے، ابو بکرؓ کو نظم و نسق کی عمارت خود بنانی پڑی اور کوئی شبہ نہیں انہوں نے یہ عمارت اپنا خون پانی ایک کر کے بنائی، ذرا بھی اگر چوکتے تو عمارت ہی ختم تھی اور معمار بھی، عمرؓ نے اس عمارت کی تزئین و آرائش اس شان سے کی کہ وہ بالکل نئی معلوم ہونے لگی اور بلاشبہ یہ ان کا بہت بڑا کارنامہ ہے، جسے کبھی اور کسی حالت میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

منصب خلافت پر فائز ہونے کے بعد حضرت ابو بکرؓ صرف ڈھائی سال زندہ رہے، حضرت عمرؓ تقریباً دس سال تک جاہ و جلال اور شان و تجمل کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ مدت کا یہ فرق بھی تاریخ کے دامن پر نقش و نگار کرنے کے سلسلے میں کافی اثر انداز رہا ہے۔

صلح حدیبیہ کے اثرات وثمرات اور فاروق اعظمؓ کا طرز عمل:

اب ہم صلح حدیبیہ کے تناظر میں عہد فاروقی کا ایک جائزہ لیتے ہیں اور دیکھیں گے کہ رعایا پروری اور انسانیت نوازی، رواداری، حسن سلوک اور وسعت قلب وظرف سے نقطۂ نظر سے یہ دور کیسا تھا؟ اس دور میں رعایا کی کیا حالت تھی، ان کے حقوق کا کس حد تک خیال رکھا جاتا تھا؟ اور بطور خاص یہ کہ عہد فاروقی میں غیر مسلموں کی کیا کیفیت رہی؟ جانشین رسولؐ نے ان کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ کیا؟ خود اپنی حکومتوں اور مملکتوں میں وہ کس طرح کی زندگی بسر کرتے تھے؟ اور اسلام کے سایۂ عاطفت میں آجانے کے بعد ان کا کیا حال ہوتا تھا؟ نیز بالخصوص ان معاہدات کا جائزہ، جو صلح حدیبیہ کی طرز پر، پُرامن بقائے باہمی کے اصول کے تحت اور مساوات انسانی، احترام آدمیت اور تکریم انسانیت کے پیش نظر کیے گئے، جن کی بدولت تمام غیر مسلم اسلام کے دامن لطف وکرم میں سمٹ آئے۔

اس داستان کو اگر پھیلایا جائے تو ہزاروں صفحات بھی ناکافی ہوں گے، تاہم ہم اسے سمیٹ کر چند صفحات میں بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔

حضرت عمرؓ کے بارے میں ان کے معاصرین میں سے بعض لوگ یہ رائے رکھتے تھے کہ ان کے مزاج میں تشدد اور سختی ہے اور یہ رائے کچھ غلط بھی نہ تھی، تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں برہم ہو کر جس طرح وہ داعی اسلام کا خاتمہ کرنے چلے تھے، پھر راستہ میں اپنی ہمشیرہ کے اسلام کا حال معلوم کر کے جس طرح وہ انہیں سزا دینے گھر پہنچے اور اس جرم میں انہیں مارتے مارتے لہولہان کر دیا، غزوۂ بدر کے موقعہ پر اسیران جنگ کے سلسلہ میں جب آنحضرتؐ نے صحابہؓ سے ان کے مستقبل کے بارے میں مشورہ فرمایا تو جہاں حضرت ابوبکرؓ نے یہ رائے دی کہ انہیں قیدی بنا کر رکھا جائے پھر لطف واحسان یا وزیر اور معاوضہ کے تحت انہیں رہا کر دیا جائے، وہاں حضرت عمرؓ نے بے تامل یہ رائے دی کہ ان کی گردن اڑا دی جائے، اس لیے کہ یہ کفر کے اکابر تھے اور انہوں نے اسلام کے راستہ میں دشواریوں کے پتھر نہیں پہاڑ لا کر کھڑے کر دیے تھے۔ حضرت عمرؓ کی یہ رائے کچھ بے جا بھی نہ تھی، پھر فتح مکہ سے ذرا پیشتر جب ابوسفیان کاشانۂ اعانت میں پہنچے تو جہاں عباسؓ اور علیؓ انہیں پروانۂ معافی دلانے کے ساعی تھے، وہاں عمرؓ قتل کی اجازت حاصل کرنے کے درپے تھے۔ حالات کے لحاظ سے اس موقع پر بھی حضرت عمرؓ کی رائے غلط نہ تھی، اس شخص نے اسلام، داعی اسلامؐ اور اسلام قبول کرنے والوں کے ساتھ جو کچھ کیا تھا، اسے نہ فراموش کیا جاسکتا تھا، نہ معاف کیا جاسکتا تھا، لیکن رحمۃ للعالمین کی بارگاہ عفو ومرحمت کی بارگاہ تھی۔ تعزیر وانتقام کا دربار نہ تھا، یہاں سے ہمیشہ بڑے بڑے خطا کاروں کو سنگین ترین جرائم کے باوجود پروانۂ عفو ملا، ابوسفیان کی قسمت یاور تھی، لرزاں وترساں آیا تھا، شاداں وفرحاں واپس گیا، ان واقعات سے حضرت عمرؓ کے رجحان اور مزاج کا بہ آسانی اندازہ ہو جاتا ہے، ان کی درشتی مزاج کی شکایت جب حضرت ابوبکرؓ سے نامزدگی خلافت کے وقت کی گئی تو انہوں نے جواب دیا تھا کہ وہ سختی اس لیے کرتے ہیں کہ میں ملاطفت کا خوگر ہوں لیکن جب ذمہ داری کی باگ ان کے ہاتھ میں آئے گی تو یہ صورت نہ رہے گی اور کوئی شبہ نہیں، حضرت ابوبکرؓ کی یہ رائے بالکل درست ثابت ہوئی۔

مسند خلافت پر بیٹھنے کے بعد حضرت عمرؓ کا طرز عمل بالکل بدل گیا اور جہاں تک غیر مسلموں کا تعلق ہے، سراپا رحمت ومرحمت بن گیا! اب ہم اختصار کے ساتھ حضرت عمرؓ کے عہد گرامی کے کچھ واقعات پیش کریں گے۔

عہد فاروقیؓ کا رعایا پروری اور انسانیت نوازی کے نقطہ نظر سے ایک جائزہ:

خلیفہ کی حیثیت اور رعایا کے حقوق:

اسلام میں خلافت کا سلسلہ گو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد سے شروع ہوا اور ان کے قلیل زمانہ خلافت میں بھی بڑے بڑے کام انجام پائے، لیکن منظم اور باقاعدہ حکومت کا آغاز حضرت عمرؓ کے عہد سے ہوا، حضرت عمرؓ کی خلافت جمہوری طرز حکومت سے مشابہ تھی یعنی تمام ملکی وقومی مسائل مجلس شوریٰ میں پیش ہو کر طے پاتے تھے، اس مجلس میں مہاجرینؓ و انصارؓ کے منتخب اور اکابر اہل الرائے شریک ہوتے تھے اور بحث و مباحثہ کے بعد اتفاق آراء یا کثرت رائے سے تمام امور کا فیصلہ کرتے تھے، مجلس کے ممتاز اور مشہور ارکان یہ ہیں:

حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت زیدؓ بن ثابت (۱۶) (رضی اللہ عنہم اجمعین)

مجلس شوریٰ کے علاوہ ایک مجلس عام بھی تھی جس میں مہاجرین و انصار کے علاوہ تمام سرداران قبائل شریک ہوتے تھے، یہ مجلس نہایت اہم امور کے پیش آنے پر طلب کی جاتی تھی، ورنہ روزمرہ کے کاروبار میں مجلس شوریٰ کا فیصلہ کافی ہوتا تھا، ان دونوں مجلسوں کے سوا ایک تیسری مجلس بھی تھی، جس کو ہم مجلس خاص کہتے ہیں، اس میں صرف مہاجرین صحابہؓ شریک ہوتے تھے (۱۷)

مجلس شوریٰ کے انعقاد کا عام طریقہ یہ تھا کہ منادی ''الصلوٰۃ الجامعۃ'' کا اعلان کرتا تھا، لوگ مسجد میں جمع ہو جاتے تھے، تو حضرت عمرؓ دو رکعت نماز پڑھ کر مسئلہ بحث طلب کے متعلق مفصل خطبہ دیتے تھے، اس کے بعد ہر ایک کی رائے دریافت کرتے تھے (۱۸)

جمہوری حکومت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص کو اپنے حقوق کی حفاظت اور اپنی رائے کے اظہار کا موقع دیا جائے، حاکم کے اختیارات محدود ہوں اور اس کے طریق عمل پر ہر شخص کو نکتہ چینی کا حق ہو، حضرت عمرؓ کی خلافت ان تمام امور کی جامع تھی، ہر شخص آزادی کے ساتھ اپنے حقوق کا مطالبہ کرتا تھا، اور خلیفہ وقت کے اختیارات کے متعلق خود حضرت عمرؓ نے متعدد موقعوں پر تصریح کر دی تھی کہ حکومت کے لحاظ سے ان کی کیا حیثیت ہے، نمونہ کے لیے آپؓ کی ایک تقریر کے چند فقرے درج ذیل ہیں:

انما انا ولکم کولی الیتیم ان استغنیت استعففت وان افتقرت اکلت بالمعروف لکم علیّ ایھا النّاس خصال فخذونی بھا لکم علی ان لا اجتبی شیئاً من خراجکم ومما افاء اللّٰہ علیکم الا من وجھہ لکم علیّ اذا وقع فی یدی ان لا یخرج منی الافی حقہ وما لکم ان ازید فی اعطیاتکم واسد ثغور کم ولکم علی ان لا القیکم فی المھالک (۱۹)

''مجھ کو تمہارے مال میں اسی طرح حق ہے جس طرح یتیم کے مال میں اس کے مربی کا ہوتا ہے، اگر میں دولت مند ہوں گا تو کچھ نہ لوں گا اور اگر صاحب حاجت ہوں گا تو اندازہ سے کھانے کے لیے لوں گا، صاحبو! میرے اوپر تمہارے متعدد حقوق ہیں جن کا تم کو مجھ سے مواخذہ کرنا چاہیے، ایک یہ کہ ملک کا خراج اور مال غنیمت بے جا طور پر صرف نہ ہونے پائے، ایک یہ کہ تمہارے روزینے بڑھاؤں اور تمہاری سرحدوں کو محفوظ رکھوں اور یہ کہ تم کو خطروں میں نہ ڈالوں''۔

مذکورہ بالا تقریر صرف دلفریب خیالات کی نمائش نہ تھی بلکہ حضرت عمرؓ نہایت سختی کے ساتھ اس پر عامل بھی تھے، واقعات اس کی

حرف بحرف تصدیق کرتے ہیں۔

چناں چہ حضرت عمرؓ بھی اپنی کفالتی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے بیت المال سے بقدر ضرورت لینے لگے، بعد میں آپ نے بھی اصحاب بدریین کی مانند اپنی ذات کے لیے سالانہ پانچ ہزار مقرر کیے۔ (۲۰) عوام الناس نے امیر المومنین کو جو سرکاری مراعات دینے کا فیصلہ کیا وہ یہ تھا:

فقوته وقوت عياله لا وكس ولا شطط وكسوتهم وكسوة للشتاء والصيف و دابتان (۲۱)

ترجمہ: ''یعنی آپ کے لیے اور آپ کے اہل خانہ کے لیے بقدر کفالت خورد ونوش کا سامان جس میں نہ بہت زیادہ تنگی ہو اور نہ بہت زیادہ فراخی، سردی اور گرمی کے موسم کے جداگانہ ملبوسات، نقل وحمل، حج اور جہاد کے لیے دو سواریاں۔

حضرت علیؓ نے اس موقع پر اپنا فیصلہ دیا تھا۔

ما صلحک واصلح عيالک بالمعروف ليس لک من هذا المال غيره (۲۲)

''یعنی امیر المومنین آپؓ کو عام دستور کے مواقف اپنی اور اپنے گھر والوں کی ''کفالت'' کے بقدر بیت المال سے لینے کا حق ہے اس سے زائد کا آپؓ کو استحقاق نہیں''۔

سب نے آپؓ کی اس تجویز سے اتفاق کیا اور بالآخر یہی طے پایا:

فقال القوم القول قول ابی تراب (۲۳)

فاروق اعظمؓ عمر بھر اسی فیصلہ پر بخوشی قائم رہے اور رات دن محنت کر کے اپنی رعایا کے ناداروں کو وہ کچھ دیا جو پہلے کبھی ان کے پاس نہ تھا اور اپنے لیے ہمیشہ اتنا ہی لیا جتنا کہ حق بنتا تھا۔ آپؓ نے کھانے پینے کی ضرورتوں کے سلسلہ میں تقسیم کا اصول رائج کیا۔ چناں چہ خود ان کے الفاظ موجود ہیں:

''میرا معاشی حق اتنا ہی ہے جس قدر قریش کے عام انسان کا نہ کہ سرمایہ دار کا''۔ (۲۴)

اگر میں پیٹ بھر کر کھڑا ہو جاؤں اور دوسرے انسان بھوکے ہوں تو اس کے یہ معنی ہوں گے میں حکومت کا اچھا والی نہیں ہوں۔

بئس الوالی انا ان شبعت والناس جياع (۲۵)

آپؓ ہی کا ارشاد ہے:

''بیت المال اللہ کا مال ہے، جس کی بے انتہا حفاظت کرتا ہوں اور یتیموں کا مال ان کو دلاتے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتا، اگر تونگر ہو جاؤں تو بیت المال سے بالکل کچھ نہ لوں گا اور اگر ضرورت مند محتاج ہو گیا تو بقدر ضرورت اس میں سے کھانے پینے کے لیے لوں گا اور جب مالدار ہو جاؤں گا تو بیت المال سے لیا ہوا قرض واپس کروں گا۔ آپؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ والد بزرگوار کو جب کبھی ضرورت ہوتی تو بیت المال کے ناظم کے ذریعے بیت المال سے قرض لیتے اگر تنگی کی وجہ سے بروقت بیت المال کا قرضہ ادا نہ کر سکتے تو منتظم بیت المال آپؓ سے سخت تقاضہ کرتا اور آپؓ اس سے مہلت مانگ لیتے اور پھر جب آپؓ کے پاس انتظام ہو جاتا تو بیت المال کا قرض فوراً ادا کر دیا کرتے تھے۔ (۲۶)

عہد فاروقیؓ میں حیوانات کے حقوق:

خلیفہ ثانی کا عہد دنیائے اسلامی کا تابندہ عہد ہے اور خلیفۃ المسلمین کو اپنے دور اقتدار میں جو ذمہ داری سونپی گئی تو اس کا احساس حضرتؓ کو اس شدت سے تھا کہ میری رعایا کے انسان تو انسان اگر جانور بھی میرے عہد میں میری سلطنت کی حدود میں بھوکا پیاسا مر جائے تو اس کا بھی مجھ سے مواخذہ ہوگا، فرماتے ہیں:

لو مات جمل جیاعا علیٰ شط الفرات لخشیت ان یسالنی اللہ عنہ (۲۷)

ترجمہ: ''اگر فرات کے کنارے بھوک کی وجہ سے کوئی اونٹ مر جائے تو مجھے خوف ہے کہ پروردگار اس پر مجھ سے مواخذہ فرمائیں گے۔ ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

لو ماتت شاة علی الفرات جائعة لظننت ان اللہ یسالنی عنها یوم القیامة (۲۸)

ترجمہ: ''اگر دریائے فرات کے ساحل پر کوئی بکری بھی بھوک کی وجہ سے مر جائے تو میرا گمان یہ ہے کہ قیامت کے روز اللہ پاک اس کے بارے میں مجھ سے باز پرس فرمائیں گے''۔

جس حاکم کے دل میں خلق خدا کا اتنا درد ہو وہ کب کسی مخلوق سے غفلت برت سکتا ہے وہ خود تو بھوکا رہ سکتا ہے لیکن اپنی دست نگر رعایا کو بھوکا نہیں دیکھ سکتا۔ آپؓ کی ان تعلیمات سے آنے والے حکمرانوں کو بھی احساس ذمہ داری پیدا کرنا مقصود ہے کہ حاکم فقط انسانوں کا ''کفیل'' نہیں ہوتا بلکہ اپنی حدود سلطنت میں بسنے والی ہر مخلوق کی ''کفالت'' اس کے ذمہ ہے، لیکن یہ ذمہ داری اس شق میں ہوگی کہ اس جانور کا مالک اگر ہے تو اس کو اس جانور کے کھانے پینے کے انتظام پر مجبور کیا جائے گا اور اضطراری حالت میں بیت المال سے بھی ایسے جانوروں کی کفالت کی جا سکتی ہے۔

فاروق اعظمؓ کی رعایا کے ساتھ کھانے میں مساوات:

جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں فاروق اعظمؓ کی خلق خدا کے ساتھ ہمدردی کے بارے میں لکھ چکے ہیں کہ وہ خود تو بھوکے رہ سکتے ہیں لیکن اپنی رعایا کو بھوکا نہیں دیکھ سکتے تو یہ کوئی لفظی شگوفہ نہیں بلکہ فاروق اعظمؓ نے عملاً ایسا کر کے دکھایا کہ جو چیز اپنی رعایا کو میسر نہیں اس کو اپنے کھانے میں شامل کھانا چھوڑ دیا۔ چناں چہ آپؓ کے عہد خلافت میں ۱۸ھ میں مدینہ اور اطراف مدینہ میں شدید قحط سالی پیدا ہو گئی جس کو ''عام الرمادہ'' یعنی ''راکھ کا سال'' کا نام دیا گیا، اس آزمائش کے زمانہ میں آپؓ نے اپنی رعایا کے لیے جو غذائی اجناس کی فراہمی کے لیے اقدامات کیے تو وہ قابل ہزار تحسین ہیں۔ آپؓ رعایا کے غم میں گھلے جا رہے تھے اور ان کی ''کفالت'' کے انتظام کے لیے اتنے متفکر تھے کہ لوگ کہتے ہیں:

لو لم یرفع اللہ المحل عام الرمادة لظننا ان عمرؓ یموت هماً بامر المسلمین (۲۹)

ترجمہ: ''اگر اللہ پاک ''عام الرمادہ'' کے قحط کو ختم نہ فرماتے تو ہم کو گمان تھا کہ فاروق اعظمؓ اس غم میں گھل گھل کر مر جاتے''۔

اس قحط کے دوران اپنی رعایا کو فراوانی سے گوشت میسر نہ آنے پر خود حضرت عمرؓ نے گوشت کا استعمال بالکل ترک فرما دیا تھا اور بجائے گھی کے صرف تیل استعمال فرماتے تھے جس کے استعمال کی وجہ سے آپؓ کے چہرے کی رنگت سیاہ پڑ گئی تھی اور صحت خراب ہو

گئی۔(۳۰)

حضرت عتبہ بن فرقد نے آذربائیجان فتح کرلیا تو انہوں نے دو بڑی ٹوکریوں میں مٹھائی بھر کر ان کو چمڑے اور نمدے سے اچھی طرح ڈھک کر اپنے آزاد کردہ غلام تحیم کے واسطے سے فاروق اعظمؓ کی خدمت میں بھیجی۔ جب تحیم حضرت عمرؓ کی خدمت میں پہنچے تو حضرتؓ نے دریافت فرمایا کہ تم میرے پاس کیا لائے ہو؟ درہم یا دینار؟ پھر ان ٹوکروں کو کھولنے کا حکم دیا۔ مٹھائی چکھی اور کہا مزا اچھا ہے، لیکن کیا یہ مٹھائی تمام مہاجرین نے بھی سیر ہو کر کھائی ہے؟ انہیں نے کہا جی نہیں یہ تو آپؓ ہی کے لیے بھیجی ہے، اس پر آپؓ نے حضرت عتبہ کو لکھا:

من عبداللہ عمرؓ امیر المومنین الیٰ عتبۃ بن فرقد اما بعد فلیس من کدک ولا کدامک ولا کدابیک لانا کل مالا یشبع منہ المسلمون فی راحلھم(۳۱)

ترجمہ: "اللہ کے بندے عمرؓ امیر المومنین کی طرف سے عتبہ بن فرقد کی طرف: اما بعد یہ (مٹھائی) نہ تو تمہاری محنت ومشقت کا نتیجہ ہے اور نہ ہی تمہاری ماں کی محنت ومشقت کا اور نہ ہی تمہارے باپ کی محنت ومشقت کا، لہٰذا ہم ایسی کوئی چیز نہیں کھاتے جو مسلمانوں کے گھروں میں وافر مقدار میں موجود نہ ہو"۔

یہی عتبہ بن فرقد جو بعد میں کسی صوبے کے گورنر بنے حضرت عمرؓ کی خدمت میں کسی موقع پر حاضر ہوئے۔ حضرت عمرؓ اس وقت کھانا تناول فرما رہے تھے انہیں اندر ہی طلب فرمالیا۔ حضرت عمرؓ کی معمولی غذا کو دیکھ کر گورنر عتبہ نے کہا آپؓ کھانے میں کیا ایسی غذا استعمال نہیں کرتے جس کو میدہ کہتے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے پوچھا اے بن فرقد، کیا عرب میں مجھ سے زیادہ اقتدار رکھنے والا کوئی ہے؟ انہوں نے کہا! اے امیر المومنینؓ! آپؓ سے زیادہ اقتدار رکھنے والا کون ہے! حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ کیا سارے مسلمانوں کو میدہ میسر آسکتا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں! تو حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ میں بہت ہی برا حاکم ہوں کہ خود تو اچھی غذا کھاؤں اور لوگوں کو خراب اور بری غذا کھلاؤں(۳۲)

عمال رعایا سے ممتاز نہیں ہیں:

فاروق اعظمؓ نہ صرف یہ کہ اپنے لیے تعیشانہ زندگی ناپسند کرتے بلکہ اپنے عمال کے لیے معاشی زندگی عام لوگوں سے ممتاز رکھنے پر سخت پابندی عائد کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت بلالؓ نے شکایت کی کہ امرائے شام پرندے کا گوشت اور میدے کی روٹی کے علاوہ کچھ اور کھانا ہی نہیں جانتے۔ حالاں کہ عام لوگوں کو یہ کھانا میسر نہیں ہوتا۔ اس پر حضرت فاروق اعظمؓ نے سخت گرفت کی اور تمام عمال سے اقرار لیا کہ روزانہ فی کس دو روٹی اور زیتون کا تیل اور سرکہ تقسیم کرنا ہوگا اور مال غنیمت کی تقسیم بھی مساویانہ طور پر ہوگی۔(۳۳) شام کے گورنر حضرت سیدنا امیر معاویہؓ مدینہ منورہ آئے تو عجمیوں کی طرح شاندار کپڑے زیب تن کئے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے دیکھتے ہی ان پر کوڑے برسانے شروع کردیے۔ وہ کہنے لگے امیر المومنین کس لیے! امیر المومنین کس لیے؟ آپؓ مارتے رہے جواب نہ دیا۔(۳۴)

آذربائیجان کے گورنر عتبہ بن فرقد کو ایک مرتبہ آپؓ نے خط لکھا اور اس میں تاکید کی۔

یاعتبۃ بن فرقد ایاکم والتنعم (۳۵)

ترجمہ: ''اے عتبہ بن فرقد تم عیش پرستی سے بچے رہنا''۔

حضرت عمرؓ نے عمال میں سادگی پیدا کرنے کو قانونی شکل دے رکھی تھی اور جب کبھی کسی شخص کو گورنر مقرر فرماتے تو کبار صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں تحریری عہد لیتے۔ اس پر مہاجرین وانصار کی گواہیاں ثبت کراتے۔ عہد نامہ کی شرائط مندرجہ ذیل تھیں:

لا یرکب برذونا ولا یاکل نقیاً ولا یلبس رقیقاً یغلق باباً دون حاجات الناس (۳۶)

ترجمہ: ''(یہ گورنر) ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا، چھنا ہوا صاف آٹا نہیں کھائے گا، باریک کپڑے زیب تن نہیں کرے گا، اپنے دروازے پر کوئی پہرہ دار نہ بٹھائے گا تا کہ اہل حاجات کی رسائی اس تک مشکل نہ ہو''۔

فاروق اعظمؓ اس عہد نامہ کو لکھ کر طاق نسیاں میں نہ ڈالتے تھے اور اسی لکھے ہوئے پر اکتفا کو کافی نہ جانتے تھے بلکہ اپنے عمال کی نگرانی اور محاسبہ کے لیے حضرت محمد بن مسلمہ کو محاسب دیانہ مقرر کر رکھا تھا۔ چناں چہ جو گورنر ان شرائط مذکورہ کی پاسداری نہ کرتا تو آپؓ اس سے باز پرس فرماتے اور تحقیق کے بعد معزول فرما دیتے۔ چناں چہ ایک مرتبہ کا واقعہ لکھا ہے کہ فاروق اعظمؓ مدینہ منورہ کے کسی بازار میں گزر رہے تھے کہ کسی شخص نے آپ کو مخاطب کر کے کہا۔

یا عمر اتری ھذہ الشروط تنجیک من اللہ تعالیٰ وعاملک عیاض بن غنم علیٰ مصر قد لبس الرقیق واتخذ الحجاب (۳۷)

ترجمہ: ''اے عمرؓ کیا آپؓ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ شرطیں آپؓ کو خدا کے سامنے جواب دہی سے چھٹکارا دے دیں گی؟ جبکہ مصر میں آپؓ کے مقرر کردہ عامل عیاض بن غنم باریک لباس استعمال کرتے ہیں اور دروازے پر پہرے دار بھی بٹھا رکھا ہے''۔

حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے مقرر کردہ محاسب محمد بن مسلمہ کو فوراً طلب فرمایا اور حکم دیا کہ عیاض بن غنم کو جس حالت میں پائیں اسی حالت میں فوراً لے آئیں۔ محمد بن مسلمہ مصر پہنچے تو معاملہ درست پایا، دروازے پر چوکیدار بیٹھا ہوا ہے، اندر گئے تو عیاض بن غنم کو باریک اور نرم لباس میں ملبوس پایا۔ انہوں نے عیاض کو امیر المومنینؓ کے پاس چلنے کا حکم دیا۔ وہ مہلت مانگنے لگے تا کہ اپنی قبا پہن لیں، لیکن محمد بن مسلمہ نے کہا کہ اسی حال میں چلنا ہوگا اور اسی حال میں لے کر حاضر ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں حکم دیا کہ اپنی قمیص اتار دو۔ ان کے لیے اون کا ایک کرتہ منگوایا ایک گلہ بھیڑوں کا طلب کیا اور ایک لاٹھی ہاتھ میں لیکر عیاض سے فرمایا:

البس ھذہ المدرعۃ وخذ ھذہ العصا وارع ھذہ الغنم واشرب واسق من مربک واحفظ الفضل علینا اسمعت (۳۸)

ترجمہ: ''یہ کرتہ پہن لو اور یہ لاٹھی پکڑ لو اور ان بھیڑوں کو چرایا کرو خود بھی ان کا دودھ پیو اور راہ گیروں کو بھی پلایا کرو اور جو باقی بچ جائے اسے ہمارے لیے حفاظت سے رکھو، سنا تم نے؟''

راوی کہتے ہیں عیاض نے کہا اس سے تو موت بہتر ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا:

لم تکرہ ھذا و انما ابوک غنماً لانہ کان یرعیٰ الغنم

ترجمہ: ''تم اس کام کو کیوں ناپسند کر رہے ہو جب کہ تمہارے باپ کو غنم کا نام بھی اسی لیے دیا گیا تھا کہ وہ بھیڑیں چرایا کرتے تھے''۔

عیاضؓ نے حکم فاروقؓ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور یہ کام منظور کر لیا تو حضرت عمرؓ نے انہیں معاف فرما کر ان کے عہدے پر بحال فرمایا۔ اس اصلاح کے بعد حضرت عیاضؓ ان تمام تکلفات سے ایسے بیگانہ ہوئے کہ پھر کوئی سادگی میں ان کی ہمسری نہ کر سکا۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں:

فلم یکن له عامل یشبهه (۳۹)

کوفہ کے گورنر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے اپنے لیے کوفہ میں ایک محل تعمیر کروایا جب کہ روایات میں یہ تصریح موجود ہے کہ یہ ڈیوڑھی یا محل ضرورت کے تحت تھا تا کہ اسے بند کر کے بازار کے شور و غل سے بچا جا سکے لیکن فاروق اعظمؓ کو جب علم ہوا کہ اس کی وجہ سے لوگوں کی فریاد رسی نہ ہو سکے گی تو محمد بن مسلمہ کو روانہ کر کے اس ڈیوڑھی اور محل میں آگ لگوا کر اس کو ختم کرا دیا۔ (۴۰)

عہدِ فاروقیؓ کے نظامِ مالیات کا جائزہ:

ایک تحقیق کے مطابق "بیت المال" کا باقاعدہ قیام حضرت عمرؓ کے زمانے میں ۱۵ھ میں ہوا اس کی وجہ بحرین کا پندرہ لاکھ درہم کا مال غنیمت تھا۔ ایک بیت المال مدینہ منورہ میں قائم کیا گیا۔ یہ مرکزی بیت المال تھا۔ اس کے ناظم حضرت عبداللہ بن ارقمؓ تھے۔ اس مرکزی بیت المال کے تحت کئی بیت المال مختلف صوبوں کے مراکز میں قائم کیے گئے۔ ان کے نگراں حضرت عبداللہ بن ارقمؓ کے ماتحت ہوتے تھے۔ (۴۱)

عامۃ المسلمین کی املاک کا تحفظ اور ان کی مساویانہ تقسیم:

زید کے والد اسلم راوی ہیں کہ ہم سے ایک دن حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"میں تمہارے اور تمہاری کمائیوں کے ذرائع کے درمیان حائل ہو گیا ہوں۔ تم میں سے جس کے پاس بھی مال ہے تو وہ ہمارے دست تصرف میں ہے۔ لہٰذا تم میں سے کوئی بھی جانور کی پشت پر رکھے جانے والے نمدہ یا پالان کو بہ نظر تحقیر نہ دیکھے۔ یہ عامۃ المسلمین کی دولت ہے۔ کوئی مسلمان بھی ایسا نہیں جس کا اس میں حصہ نہ ہو۔ یہی اشیاء جب کسی کی انفرادی ملکیت ہوتی ہیں تو اسے بڑی چیز سمجھا جاتا ہے، لیکن جب مسلمان کی مشترکہ ملکیت میں ہوتی ہیں تو انہیں بے وقعت سمجھا جاتا ہے اور یہ کہہ کر ٹال دیا جاتا ہے کہ اللہ کا مال ہے۔ (۴۲)

حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو کسی علاقے کا خراج وصول کرنے کے لیے عامل مقرر کیا تھا۔ چنانچہ آپ نے ایک لاکھ درہم یا دینار لے کر آئے۔ حضرت عمرؓ نے اس رقم کو بہت زیادہ خیال کیا اور ارشاد فرمایا:

ان کنت صادقاً فلیاتین الراعی نصیبه من هذا المال بالیمن ودمه فی وجهه (۴۳)

ترجمہ: "اگر آپؓ یہ سچ کہتے ہیں کہ خراج کی مقدار وہ جو آپؓ بتا رہے ہیں تو پھر یمن کا رہنے والا چرواہا بھی اس مال میں حصہ دار ہے۔ ایسی حالت میں کہ سفر کی وجہ سے اس کا چہرہ تمتماتا ہوا ہو"۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں جب قیصر و کسریٰ کے خزینے اور دفینے مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کے بیت المال میں منتقل ہو گئے تو اس دور میں بھی آپؓ کو بچا اور سنبھال کر رکھنے کی فکر لاحق نہیں ہوئی۔ آپؓ نے اس کی پرواہ بھی نہ کی کہ بچا اور گن گن کر رکھنا

طول اقتدار کا ذریعہ اور دیگر اقوام سے لڑائیوں میں فتح مندی کی وجہ ہوتا ہے۔ آپؓ کے نزدیک اسلام کی ترویج اسلامی ریاست کا پھیلاؤ اور غلبہ اخلاص عمل، استقامت اور اللہ کریم کی راہ میں مر مٹنے کے جذبے سے ممکن ہے۔ ان کے جذبہ صادق ہی کا کرشمہ تھا کہ گو سرکاری خزانہ سرخ و سفید (سونا چاندی) سے خالی رہتا تھا مگر اسلام جزیرہ عرب سے نکل کر شام، عراق، ایران اور مصر کی حدود میں داخل ہو گیا۔ بڑے بڑے جابروں کی گردنیں عظمت اسلام کے سامنے جھک گئیں۔ اللہ کریم کا بول بالا ہوا اور کفار و مشرکین اطاعت کی گردن ڈالنے پر آمادہ ہو گئے۔ ایک مرتبہ کسی دور اندیش نے بچا کر رکھنے کی طرف ترغیب دلائی تو فرمایا:

انّی لا اعد للحادث الذی یحدث سویٰ طاعۃ اللّٰہ ورسولہ وھی عدتنا التی بلغنا بھا ما بلغنا

ترجمہ: ''میں مستقبل کے حادثات کے لیے تو بچا اور تیار کر کے نہیں رکھتا البتہ (بچانے یا نہ بچانے میں) اللہ کریم اور اس کے رسول کریم کی فرمانبرداری ضرور کرتا ہوں اور دراصل یہی وہ ہماری جمع جوڑ ہے جس نے ہمیں کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا''۔ (۴۴)

البتہ تنخواہوں اور مقررہ وظائف کے لیے رقم محفوظ رکھی جاتی تھی۔ مؤرخین کے مطابق مدینہ منورہ کے مرکزی بیت المال میں اس مقصد کے لیے مجموعی رقم تین کروڑ درہم سالانہ رکھی جاتی تھی۔ (۴۵) آپؓ کی دلی تمنا یہ تھی کہ آپؓ کی قلمرو میں بسنے والے ہر فرد و بشر کو اس بیت المال سے اس کا حصہ بغیر تکلیف کے پہنچا کرے اور اس شخص کو اپنا حصہ وصول کرنے کے لیے کوئی مشقت برداشت کرنی نہ پڑے۔ چنانچہ ایک مرتبہ فرمایا:

لئن بقیت لیبلغن الراعی بصنعاء نصیبہ من ھذا الفئی (۴۶)

ترجمہ: ''اگر میں زندہ رہا تو اس مال فئی میں سے ہر مسلمان حتیٰ کہ صنعاء یمن میں بسنے والے چرواہے کو بھی اس کا حصہ از خود پہنچے گا''۔

ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

اما واللّٰہ لئن بقیت لا رامل اھل العراق لا یفتقرون الیٰ امیر بعدی (۴۷)

ترجمہ: ''خدا کی قسم اگر میں زندہ رہا تو عراق کی بیواؤں کو اتنا مال دار کر دوں گا کہ پھر میرے بعد کسی امیر کی ان کو محتاجی نہ ہوگی''۔

آپؓ نے لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

ایھا النّاس انّ اللّٰہ قد کلفنی ان اصرف عنہ الدعاء (۴۸)

ترجمہ: ''لوگو! اللہ نے مجھے اس بات کا مکلف بنایا ہے کہ اس تک جانے والی دعاؤں کو روکوں'' ایک موقع پر فرمایا:

ومن اراد ان یسأل عن المال فلیأتنی فانّ اللّٰہ جعلنی خازناً وقاسماً (۴۹)

ترجمہ: ''اور جو شخص مال کا سوال کرنا چاہے تو وہ میرے پاس آئے اس لیے کہ اللہ نے مجھے (بیت المال کا) خزانچی اور تقسیم کنندہ بنا دیا''۔

نو واردین اور مہمان و مسافر کا بیت المال پر حق:

فاروق اعظمؓ جس طرح اپنی رعایا کی ''کفالت'' کے لیے ہر لحہ متفکر رہتے تھے وہیں نو واردین، مہمان اور مسافر کی ''کفالت'' کے لیے سرکاری انتظام کر رکھا تھا۔ اکثر شہروں میں سرائے خانے قائم فرما رکھے تھے جہاں مسافروں کے لیے طعام و قیام کی سہولتیں موجود تھیں۔ مسافرین کو سرکاری خزانہ یعنی بیت المال سے کھانا تیار ہو کر ملتا تھا۔ چنانچہ تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے:

اتخذ عمر دار الدقیق فجعل فیہا الدقیق والسویق والتمر والزبیب وما یحتاج الیہ یعین بہ المنقطع وضع فیما بین مکۃ و المدینۃ بالطریق ما یصلح من ینقطع بہ (۵۰)

ترجمہ: "حضرت فاروق اعظمؓ نے ایک شعبہ خوراک قائم فرما رکھا تھا جس میں آٹا، ستو، کھجوریں، کشمش اور دیگر اشیائے صرف رکھی ہوتی تھیں جو بوقت ضرورت مسافروں اور راستہ بھٹکنے والوں کے لیے کام آتی تھیں"۔

اس کے علاوہ مکہ، مدینہ کے درمیان راستوں میں مسافر خانے تعمیر کروائے تاکہ مسافرین اور بھولے بھٹکے آرام کر سکیں۔ مدینہ طیبہ کا جو مہمان خانہ تھا یہ عام لنگر خانہ تھا۔ فاروق اعظمؓ خود وہاں لوگوں کی میزبانی کے فرائض انجام دیتے تھے اور مہمانوں کو خود کھانا لا کر کھلاتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک قاصد دربار خلافت میں حاضر ہوا تو اس نے دیکھا کہ امیر المومنینؓ ہاتھ میں عصا لیے لوگوں کو خود کھانا کھلا رہے ہیں (۵۱) نماز عشاء کے بعد پھر آ کر مسجد میں ہر شخص کا چہرہ دیکھتے اور اس سے پوچھتے کہ کھانا کھایا ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص بھوکا ہوتا تو اس کو لے جا کر کھانا کھلاتے۔ (۵۲)

قحط سالی میں رعایا کے حقوق کی فکر اور انتظام:

عہد فاروقی کا مشہور قحط ۱۸ھ میں پیش آیا جس کا کچھ تذکرہ پہلے بھی گزر چکا ہے، اسے مورخین نے "عام الرمادہ" کا نام دیا ہے اس پریشانی کے موقع پر حضرت عمرؓ نے بڑی مدبرانہ پالیسیوں کا مظاہرہ کیا اور اپنی رعایا کے لیے غلہ کا بندوبست فرمایا۔ اپنے مختلف صوبہ داروں کے نام غلہ کی رسد روانہ کرنے کے لیے احکام ارسال فرمائے۔

مصر کے گورنر حضرت عمرو بن العاصؓ نے جواب میں لکھا کہ:

"میں اتنے اونٹوں پر غلہ لدوا کر بھیج رہا ہوں کہ جب اس قطار کا پہلا اونٹ مدینہ منورہ پہنچے گا تو آخری اونٹ مصر سے نکل رہا ہو گا۔ (۵۳) حضرت عمرؓ نے سمندر کی راہ سے مدینہ کے گورنر کو "جار" کی بندرگاہ پر غلہ روانہ کرنے کے لیے لکھا تاکہ عام مسلمانوں کے لیے کافی ہو تو حضرت عمر بن العاصؓ نے بحیرہ قلزم کی راہ سے بیس جہاز روانہ کئے اور ہر ایک جہاز پر کم و بیش تین تین ہزار "اردب" غلہ تھا۔ (۵۴) (ایک اردب تقریباً دو من کا ہوتا ہے) یہاں تک کہ جب یہ مدینہ کی بندرگاہ "جار" پر لنگر انداز ہوئے تو حضرت عمرؓ چند صحابہ کے ساتھ "جار" کی بندرگاہ پر تشریف لے گئے جہازوں کو دیکھا۔ پھر جس کے ذمہ غلہ سپرد کرنا تھا اس کی ذمہ داری میں تحویل کیا اور غلہ رکھنے کے لیے وہاں بڑے بڑے دو گودام بنوائے اور حضرت زید بن ثابتؓ کو حکم دیا کہ لوگوں کے نام ان کے مرتبے کے موافق لکھے جائیں۔

وامرہ ان یکتب لھم صکاکا من قراطیس ثم ختم اسافلھا فکان اول من صک وختم اسفل صکاک (۵۵)

ترجمہ: "آپؓ نے انہیں حکم دیا کہ لوگوں کے کاغذوں پر چیک لکھے جائیں پھر اس کے نیچے مہر لگائی جائے، سب سے پہلے آپؓ ہی نے چیک جاری کئے اور چیک کے نیچے مہر ثبت فرمائی"۔

عہد فاروقیؓ میں اپاہج، نادار، مفلوج و معذور کے حقوق:

آپؓ کا حکم تھا کہ سلطنت اسلامی میں جو بھی نادار غریب، معذور اپاہج لوگ ہوں تو ان سب کے لیے سرکاری خزانہ سے وظیفہ مقرر

کیا جائے۔ لاکھوں سے متجاوز آدمی فوجی دفتر میں داخل تھے جن کو گھر بیٹھے خوراک ملتی تھی۔ پہلے یہ انتظام شروع کیا تو حکم دیا کہ ایک جریب (جو تقریباً 25 سیر کا ہوتا ہے) آٹا پکایا جائے جب یہ تیار ہو گیا تو تیس آدمیوں کو کھلایا۔ دونوں وقت کے لیے یہ مقدار کافی ٹھہری تو فرمایا کہ ایک آدمی کو مہینے بھر کی خوراک کے لیے دو جریب آٹا کافی ہے۔ پھر حکم دیا کہ ہر شخص کے لیے اتنی مقدار آٹا مقرر کر دیا جائے (۵۶) اعلان عام کے لیے منبر پر چڑھے اور پیمانہ ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ میں نے تم لوگوں کے لیے اس قدر خوراک مقرر کر دی ہے جو شخص اس کو گھٹائے گا اسے خدا سمجھے (۵۷) ایک روایت میں ہے کہ پیمانہ ہاتھ میں لے کر یہ الفاظ فرمائے۔

انی قد فرضت لکلّ نفس مسلمة فی شهر مدی حنطة وقسطی خل

ترجمہ: "میں نے ہر مسلمان کے لیے فی ماہ دو مد گیہوں اور دو قسط سرکہ مقرر کیا"۔

اس پر ایک شخص نے کہا کہ کیا غلام کے لیے بھی؟ فرمایا ہاں غلام کے لیے بھی اور غربا و مساکین کے لیے بھی۔ (۵۸)

حضرت عمرؓ نے نہ صرف شہریوں بلکہ دیہاتیوں کے لیے بھی باقاعدہ تجربہ کرنے کے بعد کہ ہر شخص روزانہ کس قدر کھا پی سکتا ہے۔ ان کے روزینے مقرر کیے تھے۔ (۵۹) جو لوگ دارالخلافہ مدینہ تک نہیں پہنچ سکتے تھے تو انہیں مہینہ پر آٹا، کھجوریں وغیرہ گھر گھر بھجواتے اور تمام گاؤں والوں کے لیے سامان سے لدے ہوئے اونٹ بھیجے جاتے تھے۔ (۶۰) یہاں یہ بات بھی باعث دلچسپی ہوگی کہ قحط کے زمانے میں حضرت عمرؓ نے باقاعدہ راشن بندی کا نفاذ کیا تھا، لیکن راشن بندی کی مقدار یونٹ محض صوفے یا آرام دہ کرسی پر بیٹھ کر طے نہیں کی بلکہ باقاعدہ تجربے کیے کہ ہر شخص مہینہ بھر میں کتنی غذا کھا سکتا ہے؟ پھر اسی لحاظ سے ہر شخص کے لیے غذا کی مقدار مقرر کی جب ہر شخص کو پیٹ بھر کر غذا ملنے لگے تو اس صورت میں نہ چور کے بازار میں جانے کی حاجت، نہ مصنوعی زائد راشن کارڈ بنانے کی ضرورت۔ یوں چور بازار بھی پنپ نہیں سکتا اور پھر سرمایہ دار تاجر چور بازاری کے ذریعے غریبوں کی دولت سمیٹ نہیں سکتے۔ محنت کرنے والے طبقہ کو خواہ جسمانی محنت کرنے والا ہو خواہ دماغی محنت کرنے والا اگر پیٹ بھر غذا نہ ملے تو اس کی کارکردگی کا معیار بلند نہیں ہو سکتا۔ ملک میں خاطر خواہ دولت پیدا نہیں کی جا سکتی۔ نتیجہ میں ملک افلاس اور نکبت کی دلدل میں پھنستا رہتا ہے۔ (۶۱)

رعایا کی خوشحالی کیلئے لباس کی تقسیم اور سڑکوں، مکانوں کی تعمیرات:

بیت المال کی آمدنی میں جب اضافہ ہوا تو امیر المومنین کی طرف سے لباس بھی تقسیم ہونے لگے۔ آپؓ نے ان کے لیے پکی اینٹوں کے نئے اور ہوادار مکانات تعمیر کروائے۔ کوفہ، بصرہ اور فسطاط میں نئے شہر آباد کیے جن میں کشادہ کشادہ سڑکیں، دکانیں اور چوک بنوائے۔ ہر محلہ میں اونٹوں تک کے باندھنے کی جگہ الگ رکھی۔ نہریں کاٹ کر شہروں میں آب رسانی کا انتظام کیا، اس طرح ملک کے ہر ایک باشندہ کو کھانے کے لیے کھانا، پہننے کے لیے کپڑا اور رہنے کے لیے مکان نصیب ہوا (۶۲) یہاں اس حقیقت کو ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اسلام نے چودہ سو سال پہلے ہی اسلامی ریاست کے بجٹ میں بے روزگاروں، معذوروں اور غربا و مساکین کی امداد کے لیے ایک خاص حصہ مختص کر دیا جب کہ انگلستان میں امداد محتاجان کا قانون 1901ء میں پاس کیا گیا اور بیورج اسکیم اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے مشہور ہے۔

بیت المال پر شیر خوار بچوں کا حق:

فاروق اعظمؓ نے ایک مرتبہ شیر خوار بچوں کو ماں کی گود میں روتے ہوئے دیکھا تو اس کی ماں کو تاکید کی کہ بچے کو بہلائے۔ کچھ دیر بعد پھر ادھر سے گزرے تو بچے کو پھر روتا پایا تو غصہ میں اس کی ماں سے کہا کہ تو بڑی بے رحم ماں ہے، اس نے کہا کہ تم کو اصل حقیقت معلوم نہیں بلاوجہ مجھے دق کرتے ہو۔ بات یہ ہے کہ عمرؓ نے حکم دیا ہے کہ جب تک بچے دودھ نہ چھوڑیں اس وقت تک ''بیت المال'' سے ان کا وظیفہ مقرر نہ کیا جائے۔ میں اس غرض سے اس کا دودھ چھڑانا چاہتی ہوں اس وجہ سے یہ رو رہا ہے۔ حضرت عمرؓ پر رقت طاری ہوگئی اور فرمانے لگے کہ اے عمرؓ! تو نے کتنے بچوں کا خون کیا ہوگا۔ اس دن منادی کرادی کہ بچے جس دن پیدا ہوں تو اسی دن سے ان کے روزینے مقرر کردیے جائیں۔ (۶۴)

بیت المال سے لاوارث بچوں کی کفالت:

گمنام اور لاوارث بچوں کی ''کفالت'' بیت المال کے ذمہ ہوتی تھی، لہٰذا جب کوئی بچہ جس کا باپ نہ ہوتا یا جس کو کسی راہ گزر پر ڈال دیا جاتا تھا تو اسے امیر المومنینؓ کی خدمت میں لایا جاتا تو آپؓ اس کے لیے سو درہم مقرر کرتے۔ اس کا ولی مہینے کے مہینے اس کا فریضہ آکر لے جاتا، امیر المومنینؓ سال کے سال اس کو جاکر دیکھتے اور اس کے حق میں حسن سلوک کی ہدایت کرتے اور اس کی رضاعت اور پرورش کے اخراجات کا حکم دیتے۔ (۶۵) گمنام، لاوارث بچے (لقیط) کا نفقہ بیت المال سے ہوگا اور یہی حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے مروی ہے۔

دلیل اس کی یہ ہے کہ لقیط ایک ایسا مسلمان ہے جو کمانے سے عاجز ہے نہ اس کا کوئی مال ہے اور نہ ہی کوئی قرابت دار ہے، تو وہ اسے اس کی طرح سمجھا جائے گا، جس کا کچھ مال نہ ہو (۶۶) جیسے معذور اور تہی دست کا خرچ بیت المال میں ہوتا ہے، اس طرح لقیط کا بھی خرچ بیت المال سے ہوگا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ لقیط کی میراث بیت المال میں داخل ہوتی ہے۔ اسی طرح جس کو حاصلات ملے وہی خرچ اٹھاتا ہے۔ (۶۷)

اہل قدسیہ کے بچوں کا بیت المال پر حق:

جنگ قادسیہ میں جو شریک ہوئے ان کا کوئی بچہ ایسا نہ رہا جو وظیفہ نہ پاتا ہو۔ خالد بن عرفطہ العذری حضرت عمرؓ کے پاس آئے، پوچھا جنہیں تم چھوڑ آئے ہو ان کا کیا حال ہے؟ کہا میں نے انہیں اس حال میں چھوڑا ہے کہ وہ اللہ سے دعائیں کرتے ہیں کہ وہ ان کی عمریں آپؓ کی عمر میں جوڑ دے۔ قادسیہ کو روندنے والوں میں سے ایک بھی ایسا نہیں جسے دو ہزار یا ڈیڑھ ہزار عطا نہ ملتی ہو نہ بچوں میں چاہے لڑکا ہو یا لڑکی، کوئی بچہ ایسا ہے جو سو درہم اور دو جریب ماہانہ نہ پاتا ہو، بولے یہ ان کا حق ہے جسے میں ان تک پہنچا کر سعادت پاتا ہوں۔ اگر یہ مال خطاب (حضرت عمر کے والد) کا ہوتا تو میں کبھی نہ دیتا، میں جانتا ہوں کہ عطاء ان ضرورتوں سے زیادہ ہے، اگر ان میں سے ہر شخص جب اس کو عطاء ملے وہ اس میں سے ایک بکری خرید لیا کرے تو اس سے اس کے سوار میں اضافہ ہوگا اور اس کے بعد اس کی اولاد خالی ہاتھ نہ ہوگی، اس مال میں سے کچھ نہ کچھ اس کے پاس باقی ہوگا۔ (۶۸)

خواتین کا بیت المال پر حق:

حضرت عمرؓ نے امہات المومنینؓ کے لیے بارہ ہزار مقرر کیے۔ اسی طرح مہاجرات اول کے لیے ایک ایک ہزار مقرر کیے۔ ان ہی میں حضرت اسماء بنت عمیسؓ اور اسماء بنت ابی بکرؓ اور ام عبدؓ یعنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی والدہ بھی تھیں۔ (۶۹)

ہشام الکلبی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ وہ خود خزانہ کا دفتر لیے ہوئے "قدید" پہنچے، عورت مرد سب ان کے پاس جمع ہو جاتے نہ کوئی باکرہ ایسی ہوتی جو ان کے پاس حاضر نہ ہو اور نہ ثیبہ سب کو ان کی عطاء دست بدست دیتے۔ پھر عسفان جاتے اور وہاں بھی یہی کرتے، ان کا یہی دستور رہا حتیٰ کہ اللہ سے جا ملے۔ (۷۰)

امام، مؤذن، معلم کا بیت المال پر حق:

تبلیغ اسلام ہی وہ ذریعہ ہے جس میں اسلام کی سربلندی اور بقاء کی ضمانت ہے اور اس کے لیے باقاعدہ ایک شعبہ مقرر ہونا چاہیے جو ہمہ تن اس مقدس فریضے کی ادائیگی میں مشغول رہے۔ اب جو حضرات ان مقدس فریضے کے لیے بے لوث خدمات میں مشغول ہوں اور انہوں نے تمام تر مشاغل دنیوی کو خیر باد کہہ کر امت مسلمہ کی دینی خدمت کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا ہو اور حصول معاش کے لیے وقت نہ نکال پاتے ہوں تو ارباب حکومت اس بات کی ذمہ داری قبول کریں کہ ایسے مخلصین ملک و مذہب کی اور ان کے اہل و عیال کی کفالت سرکاری خزانے سے کی جائے تا کہ وہ یکسوئی کے ساتھ اپنے ان مذہبی فرائض کو انجام دیتے رہیں۔ چنانچہ امام ابن الجوزیؒ نے سیرت العمرین میں روایت نقل کی ہے کہ:

ان عمرؓ و عثمانؓ کانا یرزقان المؤذنین والائمۃ والمعلمین

"یعنی حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اپنے عہد خلافت میں موذنوں، اماموں اور اساتذہ کو ماہانہ تنخواہیں دیا کرتے تھے۔ نیز ابو عبید قاسم ابن سلام کتاب الاموال میں اور علامہ زیلعیؒ نصب الرایہ میں یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اپنے ایک عامل کو لکھا:

ان اعط الناس علیٰ تعلیم القرآن اجراً

"یعنی قرآن کی تعلیم دینے والوں کو اجرت دی جائے"۔ (۷۱)

جبکہ دوسرا مطلب یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ قرآن کی تعلیم حاصل کرنے والوں کے لیے وظیفہ مقرر کیا جائے۔ اس قول کے راجح ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ اس حکم پر گورنروں نے یہ لکھا کہ بعض لوگوں نے قرآن سیکھنے کی رغبت کے بغیر محض وظیفہ حاصل کرنے کے لیے طالب علم بننا اختیار کر لیا ہے، مگر حضرت عمرؓ نے اس کے باوجود وظیفہ بند نہیں فرمایا۔ (۷۲) اور جواب دیتے ہوئے حضرت عمرؓ نے انہیں لکھا، لوگوں کو شرافت و مروت اور صحبت کی بناء پر وظائف دو۔

شادی شدہ کے لیے دگنی عطاء:

نبی کریمؐ کی سنت مستمرہ تھی کہ جب مال یعنی آپؐ کے پاس آتا تھا تو آپؐ اسے اسی دن تقسیم فرما دیتے تھے اور اس میں اس بات کا لحاظ رکھتے تھے کہ شادی شدہ کو دو حصے اور کنوارے کو ایک حصہ دیتے تھے۔ چنانچہ فاروق اعظمؓ نے بھی اپنے عہد خلافت میں اس تقسیم کا

لحاظ رکھا۔ چنانچہ سفیان بن وہب کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ مال فیئی کو لوگوں میں تقسیم فرمایا تو ہر تنہا فرد کو آدھا دینار ملا اور جو اپنی بیوی کے ساتھ تھا سے ایک دینار دیا۔ (۷۳)

صحابہؓ کے رشتہ داروں کا بیت المال پر حق:

اسلم کہتے ہیں کہ ایک دن ہم حضرت عمرؓ کے ساتھ تھے کہ ایک بدوی عورت ان کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے کہا یا امیر المومنین، میں خفاف بن ایماءؓ کی بیٹی ہوں، جو رسول اکرمؐ کے ساتھ غزوہ حدیبیہ میں شریک رہے تھے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا، یہ قریبی رشتہ داری ہے۔ اور حکم دیا اس خاتون کو کھانے اور لباس کا خرچ دیا جائے۔ (۷۴) ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص سال کے آٹھ ماہ گزار کر انتقال کر گیا تو حضرت عمرؓ نے اسے اس کے پورے سال بھر کے وظیفہ کا دو تہائی دے دیا۔ (۷۵)

مذکورہ سابقہ تحقیقات سے یہ واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اپنی ریاست کے حکمران کو عوام کا خون چوسنے کے لیے نہیں بٹھاتا بلکہ ہر فرد و بشر کی "معاشی کفالت" کرنے کا سخت پابند بناتا ہے۔ مرد ہو یا عورت، بچہ ہو یا بوڑھا، مسلمان ہو یا غیر مسلم، انسان ہو یا حیوان ان سب کے لیے حاکم وقت "کفالت" کا ایسا بندوبست کرے گا جس طرح ایک گھر کا سربراہ اپنے گھر میں رہنے والی اولاد، مویشیوں کی "کفالت" کی فکر کرتا ہے۔

لیکن شومئی قسمت کے ہمارے حکمران ایک دورے پر کروڑوں روپے لٹانے والے انہیں وائے عوام کی دولت کو سمیٹنے کے اور کوئی قانون بنانا اور اس پر عمل کرانا نہیں آتا۔ غریب کو دو وقت کی روٹی سکون سے نصیب نہیں۔ ایک ایک گھر کے کئی افراد ہیں جن میں مرد و زن سب ہی شامل ہوں کماتے ہیں، پھر قرض کے بوجھ تلے دبے رہتے ہیں۔ اپنا سر چھپانے کے لیے ایک معقول گھر تک حاصل نہیں کر پاتے۔ بمشکل تمام اگر ساری جمع پونجی خرچ کر کے ایک مکان خرید بھی لیں تو اس پر ہاؤس بلڈنگ کا لاکھوں روپے کا قرض ساری زندگی بھر بھر کر بوڑھے ہو جاتے ہیں۔

کاش عہد اولین کے حکمرانوں کے یہ تاریخی کارنامے جواب فقط تحقیقی کتابوں کی زینت کے سوا کچھ نہیں عہد حاضر کے حکمرانوں کے لیے سرمہ بصیرت بن جائیں تو کیا ہی اچھا ہو کہ پھر وہ اپنی شاہ خرچی پر لٹنے والی رقم کو اگر ملک کے غریب غرباء میں تقسیم کر دیں تو کتنے ہی خاندانوں کے ہاں خوشی کے چراغ روشن ہو جائیں۔ ایک آزاد اسلامی مملکت میں مسلمان (حکمران) کا حقیقی منصب یہ ہے کہ پرائے شگون پر اپنی ناک کٹوانے کے بجائے نہ صرف خود اسلام کا عملی نمونہ بنے بلکہ دنیا بھر کو دعوت دے کہ تم افراط و تفریط کی کس بھول بھلیوں میں پھنس گئے ہو۔ انسانیت کی فلاح کی منزل اس راستے پر چلے بغیر ہاتھ نہیں آسکتی جو چودہ سو سال پہلے انسانیت کے محسن اعظم محمد مصطفیٰؐ نے دکھائی تھی۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی، تمام بولہبی است

عمر فاروقؓ نے بڑے عظیم تجربے کی روشنی میں فرمایا: "ان الامودۃ الی الامیر ماادی الامیر الی اللہ عزوجل فاذا رتع الامیر رتعوا۔ (۷۶) یعنی حکام اور عوام صحیح طور پر تمام کا حق اسی وقت ادا کرتے ہیں جیسا کہ امیر وقت خدا کے کاموں کو درست طور پر ادا کرتا رہے، لیکن جب امیر قوم چرنے چگنے لگتا ہے تو پوری قوم چرنے چگنے لگتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب امیر دولت و آسائش حاصل

کرنے کے غلط ذرائع اختیار کرتا ہے اور رشوت وخیانت کو دخل دیتا ہے تو حکام و عمل اور شہری عوام میں بد دیانتی، بلیک بازی، رشوت خوری، خیانت پسندی اور اسی نوع کی تمام برائیاں فروغ پاتی ہیں۔ شیخ سعدیؒ نے کیا ہی خوب کہا ہے۔

بر نیم بیضہ چوں سلطان ستم رواداد
زنند لشکر یانش ہزار مرغ بہ سیخ

یعنی اگر بادشاہ صرف ایک انڈا بطور ظلم حاصل کرتا ہے تو سمجھ لو کہ اس کے لشکری ہزاروں مرغ ظلماً صاف کر ڈالیں گے۔

قادسیہ و مدائن وغیرہ ممالک فارس فتح کرنے کے بعد جب حضرت عمرؓ کو کسریٰ کی مرصع تلوار اور اس کا سنہری کمربند اور زبرجد وغیرہ قیمتی پتھر پیش کیے گئے تو حضرت عمرؓ نے اہل لشکر کی امانت داری پر خوش ہو کر فرمایا کہ جس قوم نے ایسی چیزوں کو ادا کر دیا وہ مسلمہ طور پر بڑی امانت دار ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا " انک عففت فعفت الرعیۃ " یعنی آپ کا دامن پاک وصاف ہے تو آپ کے عمال ورعایا بھی پاک دامن ہیں (۳۳)

حضرت عمرؓ نے اپنے ایک تحصیلدار کی آمد پر بیت المال کے غلہ سے ان کے کھانے کے لئے کچھ کھجوریں پیش فرمائیں۔ انہوں نے کھانا شروع کیا اور کہا امیر المومنین آپ بھی کھائیے۔ آپؓ نے انکار فرمادیا تو انہوں نے کہا ہم تو بیت المال کے جانوروں کا دودھ پیتے ہیں۔ کسی پر سوار ہوتے ہیں کسی کا گوشت کھاتے ہیں۔ فرمایا میں تمہاری مانند نہیں ہوں، تم لوگ وصولی صدقات میں محنت کرتے ہو ان جانوروں کی دم کے ساتھ رہتے ہو تم ان کے دودھ اور سواری وغیرہ سے فائدہ اٹھاؤ تو کوئی حرج نہیں ہے، لیکن میں بیٹھے بٹھائے کیا حق رکھتا ہوں۔

ایک بار حضرت عمر فاروقؓ بیمار ہو گئے۔ طبیب نے شہد کے استعمال کا مشورہ دیا۔ خلیفہ کے گھر اس قدر رقم نہیں تھی کہ شہد خرید کر وقت ضرورت کے لئے محفوظ رکھتے۔ بیت المال میں شہد کا کپا بھرا ہوا تھا مگر بلا اجازت استعمال کی جرأت کہاں تھی۔ خدا کا خوف تھا چنانچہ باہر تشریف لائے اور منبر پر چڑھ کر لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا، یہ بات پیش آئی ہے اگر آپ حضرات اجازت دیں تو میں بیت المال کے شہد سے تھوڑا سا لے کر استعمال کروں ورنہ بلا اجازت وہ مجھ پر حرام ہے۔ لوگوں نے ایک زبان ہو کر اجازت دے دی۔

حضرت عمرؓ کی دیانت وامانت پر اس پہلو سے بھی غور کیجئے کہ وہ معمولی کپڑے کے دو جوڑے عام مسلمانوں کی طرح بیت المال سے لیتے تھے، جب پھٹ جاتے تو اس پر پیوند لگاتے چلے جاتے۔ خطبہ جمعہ ہو یا فتح شام کا سفر ہو ہمیشہ ایسے ہی بارہ چودہ پیوند والے کپڑوں میں دیکھے گئے۔ حضرت انسؓ وحضرت ابو عثمان نہدیؒ وغیرہ کی روایت ہے کہ وہ بحالت خلافت جمعہ کے دن بھی منبر پر جن کپڑوں میں دیکھے گئے ان میں کبھی بارہ، کبھی چودہ پیوند شمار کیے گئے۔

حضرت عمرؓ جب سفر شام پر تشریف لے گئے تو اس وقت بھی آپؓ کے جسم پر بارہ پیوند والے کپڑے تھے اس سفر کے لئے بھی آپؓ نے کوئی تکلف نہیں کیا حالانکہ یہ انتہائی اہم سفر تھا اور ایک ایسے حکمران کا سفر تھا جس کی سطوت وعظمت کی دھاک دور دور تک بیٹھی ہوئی تھی۔ لیکن اسلام کے سچے خادم اور اللہ کے پاک باز بندے حضرت عمر فاروقؓ نے اس میں بھی وہی لباس زیب تن کیا جس پر بارہ پیوند تھے۔ پھر لوگوں کے بہت اصرار کے بعد آپؓ نے سفید ریشمی کپڑے پہنے اور ایک رومی گھوڑے پر سوار ہوئے لیکن پھر فوراً اتر پڑے اور فرمانے لگے کہ اس کے استعمال سے مجھ میں تکبر اور نفاق کی بدبو آتی ہے۔ خدا میری لغزش کو معاف فرمائے۔ لاؤ میرے

وہی پیوند والے کپڑے لاؤ۔ چنانچہ وہی پہنا کر بطریق (پادری) کے پاس تشریف لے گئے۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح نے اہل قلعہ کو پکارا کہ امیر المومنین آگئے۔

فهد البطرك عنقه ونظر اليه فزعق ذعقة وقال هذا هوا للذى صفته ونعته فى كتبنا

یعنی آپ کو دیکھ کر بڑے پادری نے ٹھنڈی سانس لی اور کہنے لگا کہ ہماری کتابوں میں فاتح بیت المقدس کا جو حلیہ تھا وہی حلیہ اس خلیفہ کا ہے۔ اب بیت المقدس کا دروازہ کھول دو۔ (۷۸)

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے پاس آپؓ کے خسر آئے کہ بیت المال سے ان کی کچھ مدد کر دی جائے۔ حضرت عمرؓ نے ناراض ہو کر فرمایا کہ بیت المال کسی کی شخصی ملکیت ہے کہ آدمی جس طرح چاہے اس میں تصرف کرے اور اعزہ واباء کو دے۔ یہ تو تمام مسلمانوں کا حق ہے اس میں کسی کے ساتھ کوئی مراعات نہیں ہو سکتی۔ یہ کہنے کے بعد اپنے ذاتی مال سے دس ہزار درہم کی امداد دی۔ (۷۹)

حضرت عمرؓ نے مہاجرین اولین کا چار چار ہزار درہم وظیفہ مقرر کیا اور اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کا ساڑھے تین ہزار۔ حضرت عمرؓ سے کسی نے سوال کیا کہ جب ابن عمرؓ بھی مہاجرین اولین میں سے ہیں تو پھر ان کا وظیفہ چار ہزار سے کیوں کم ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ انہوں نے تو اپنے ماں باپ کے ساتھ ہجرت کی تھی (صحیح بخاری پ ۱۵ باب ہجرت)

حضرت عمرؓ کی دیانت وامانت کی انتہا دیکھیے کہ انہوں نے اپنے صاحبزادہ کو مہاجرین اولین کے برابر اس لئے نہیں دیا کہ ان لوگوں کی طرح نہیں سمجھا جنہوں نے خود ہجرت کی بلکہ ان کی ہجرت کو اپنی ہجرت کے تابع سمجھا۔ اگر دیانتداری وامانت پسندی کا اس قدر عظیم جذبہ نہ ہوتا تو اسی وقت نظری وباریک بینی کی نوبت نہ آتی اور اپنے اہل وعیال کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچاتے۔ سخت افسوس ہے کہ خود کو مسلمان کہلانے والے ہی کچھ بدنصیب وبدنہاد لوگ ہیں جو اس مہط دیانت وسراپا امانت کو برا بھلا کہتے ہیں۔

خلیفہ وقت کا سب سے بڑا فرض حکام کی نگرانی اور قوم کے اخلاق وعادات کی حفاظت ہے، حضرت عمرؓ اس فرض کو نہایت اہتمام کے ساتھ انجام دیتے تھے، وہ اپنے ہر عامل سے عہد لیتے تھے کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا، باریک کپڑے نہ پہنے گا، چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا، دروازہ پر دربان نہ رکھے گا، اہل حاجت کے لیے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا۔ (۸۰) اسی کے ساتھ اس کے مال واسباب کی فہرست تیار کرا کے محفوظ رکھتے تھے اور جب کسی عامل کی مالی حالت میں غیر معمولی اضافہ کا علم ہوتا تو، جائزہ لے کر آدھا مال بٹا لیتے تھے (۸۱) اور بیت المال میں داخل کر لیتے تھے، ایک دفعہ بہت سے عمال اس بلا میں مبتلا ہوئے، خالد بن صعق نے اشعار کے ذریعہ سے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی، انہوں نے سب کی املاک کا جائزہ لے کر آدھا آدھا مال بٹالیا اور بیت المال میں داخل کر لیا۔

موسم حج میں اعلان عام تھا کہ جس عامل سے کسی کو شکایت ہو وہ فوراً بارگاہ خلافت میں پیش کرے۔ (۸۲) چنانچہ ذرا ذرا سی شکایتیں پیش ہوتی تھیں اور تحقیقات کے بعد اس کا تدارک کیا جاتا تھا۔

ایک دفعہ ایک شخص نے شکایت کی کہ آپؓ کے فلاں عامل نے مجھ کو بے قصور کوڑے مارے ہیں، حضرت عمرؓ نے مستغیث کو حکم دیا کہ وہ مجمع عام میں اس عامل کو کوڑے لگائے۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے التجا کی کہ عمال پر یہ عمل گراں ہوگا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ میں ملزم سے انتقام نہ لوں، عمروؓ بن العاص نے منت سماجت کر کے مستغیث کو راضی کیا کہ ایک ایک تازیانے کے عوض دو دو اشرفیاں لے کر اپنے حق سے باز آئے۔ (۸۳)

حضرت خالد سیف اللہ جو اپنی جانبازی اور شجاعت کے لحاظ سے تاریخ اسلام کے گوہر شاہوار اور اپنے زمانہ کے نہایت ذی عزت اور صاحب اثر بزرگ تھے محض اس لیے معزول کر دیے گئے کہ انہوں نے ایک شخص کو انعام دیا تھا، حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی، تو انہوں نے حضرت ابو عبیدہ سپہ سالار اعظم کو لکھا کہ خالد نے یہ انعام اپنی گرہ سے دیا تو اسراف کیا..... اور بیت المال سے دیا تو خیانت کی، دونوں صورتوں میں وہ معزولی کے قابل ہیں۔ (۸۴)

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ جو بصرہ کے گورنر تھے، شکایتیں گزریں کہ انہوں نے اسیران جنگ میں سے ساٹھ رئیس زادے منتخب کر کے اپنے لیے رکھ چھوڑے ہیں اور کاروبار حکومت زیاد بن سفیان کے سپرد کر رکھا ہے اور یہ کہ ان کے پاس ایک لونڈی ہے، جس کو نہایت اعلیٰ درجہ کی غذا بہم پہنچائی جاتی ہے، جو عام مسلمانوں کو میسر نہیں آ سکتی، حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰ اشعری سے مواخذہ کیا تو انہوں نے دو اعتراضوں کا جواب تسلی بخش دیا، لیکن تیسری شکایت کا کچھ جواب نہ دے سکے چنانچہ لونڈی ان کے پاس سے لے لی گئی۔ (۸۵)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے کوفہ میں ایک محل تعمیر کرایا جس میں ڈیوڑھی بھی تھی، حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ اہل حاجت کو رکاوٹ ہوگا، محمدؓ بن مسلمہ کو حکم دیا کہ جا کر ڈیوڑھی میں آگ لگا دیں، چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ خاموشی سے دیکھتے رہے۔ (۸۶)

عیاض بن غنم عامل مصر کی نسبت شکایت پہنچی کہ وہ باریک کپڑے پہنتے ہیں اور ان کے دروازہ پر دربان مقرر ہے، حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہ کو تحقیقات پر مامور کیا، محمد بن مسلمہؓ نے مصر پہنچ کر دیکھا تو واقعی دروازہ پر دربان تھا اور عیاضؓ باریک کپڑے پہنے ہوئے تھے، اسی ہیئت اور لباس کے ساتھ لے کر مدینہ آئے۔ حضرت عمرؓ نے ان کا باریک کپڑا اتروا دیا اور بالوں کا کرتہ پہنا کر جنگل میں بکریاں چرانے کا حکم دیا، عیاضؓ کو انکار کی مجال نہ تھی، مگر بار بار کہتے تھے اس سے مر جانا بہتر ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ تو تمہارا آبائی پیشہ ہے، اس میں عار کیوں ہے؟ عیاضؓ نے دل سے توبہ کی اور جب تک زندہ رہے نہایت خوش اسلوبی سے اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ (۸۷)

حکام کے علاوہ عام مسلمانوں کی اخلاقی اور مذہبی نگرانی کا خاص اہتمام تھا، حضرت عمرؓ جس طرح خود اسلامی اخلاق کا مجسم نمونہ تھے، چاہتے تھے کہ اسی طرح تمام قوم مکارم اخلاق سے آراستہ ہو جائے، انہوں نے عرب جیسی فخار قوم سے فخر و غرور کی تمام علامتیں مٹا دیں، یہاں تک کہ آقا اور نوکر کی تمیز باقی نہ رہنے دی، ایک دن صفوان بن امیہ نے ان کے سامنے ایک خوان پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے فقیروں اور غلاموں کو ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا اور فرمایا کہ خدا ان لوگوں پر لعنت کرے جن کو غلاموں کے ساتھ کھانے میں عار آتا ہے۔ (۸۸)

ایک دفعہ حضرت ابی بن کعبؓ جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے، مجلس سے اٹھے تو لوگ ادب اور تعظیم کے خیال سے ساتھ ساتھ چلے، اتفاق سے حضرت عمرؓ آ نکلے، یہ حالت دیکھ کر ابی بن کعبؓ کو ایک کوڑا لگایا، ان کو نہایت تعجب ہوا، اور کہا خیر تو ہے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا:

اما تری فتنۃ للمتبوع و مذلۃ للتابع (۸۹)

"تمہیں معلوم نہیں ہے کہ یہ امر متبوع کے لیے فتنہ اور تابع کے لیے ذلت ہے"۔

شعر و شاعری کے ذریعہ ہجو و بدگوئی عرب کا عام مذاق تھا، حضرت عمرؓ نے نہایت سختی سے اس کو بند کر دیا، حطیہ اس زمانہ کا مشہور ہجو گو شاعر تھا، حضرت عمرؓ نے اس کو قید کر دیا اور آخر اس شرط پر رہا کیا کہ پھر کسی کی ہجو نہیں لکھے گا۔ (۹۰) ہوا پرستی، رندی اور آوارگی

نہایت شدت سے روک تھام کی، شعراء کو عشقیہ اشعار میں عورتوں کا نام لینے سے قطعی طور پر منع کر دیا، شراب خوری کی سخت سزا کر دی، چالیس درے سے اسّی درے کر دیے۔

حضرت عمرؓ کو اس کا بڑا خیال تھا کہ لوگ عیش پرستی اور تنعم کی زندگی میں مبتلا ہو کر سادگی کے جوہر سے معرانہ ہو جائیں، افسروں کو خاص طور پر عیسائیوں اور پارسیوں کے لباس اور طرزِ معاشرت کے اختیار کرنے پر چشم نمائی فرمایا کرتے تھے، سفر شام میں مسلمان افسروں کے بدن پر حریر و دیبا کے حلے اور پرتکلف قبائیں دیکھ کر اس قدر خفا ہوئے کہ ان کو سنگریزے مارے اور فرمایا تم اس وضع میں میرا استقبال کرتے ہو۔(۹۱)

مسلمانوں کو اخلاق ذمیمہ سے باز رکھنے کے ساتھ ساتھ مکارم اخلاق کی بھی خاص طور پر تعلیم دی، مساوات اور عزتِ نفس کا خاص خیال رکھتے تھے اور تمام عمال کو ہدایت تھی کہ مسلمانوں کو مارا نہ کریں اس سے وہ ذلیل ہو جائیں گے۔(۹۲)

عہد فاروقیؓ میں غیر مسلم رعایا اور معاہد ذمی کی حیثیت:

اسلام کے مفتوح علاقوں میں جو غیر مسلم خلافت کے باج گذار آباد تھے، خلفاء راشدینؓ نے ان کے مال و جان و مذہب کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا اور ان کو ہر طرح کے حقوق و مراعات دیے تھے۔ آج اقلیتوں کے ساتھ جو سلوک کیا جا رہا ہے اس کو خلافت راشدہ کی رعایا پروری و انسانیت نوازی کے نمونوں سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ مسلمانوں کے مفتوحہ ومملوکہ لاکھوں میل لمبے چوڑے علاقوں میں غیر مسلم محکوم اور باج گذار رعایا اس پرعیش وفراوانی اور کمال آزادی سے زندگی گزار رہی تھی کہ جس کی نظیر اب چشم فلک شاید دوبارہ نہیں دیکھ سکتی۔

آج ملکی باشندوں کے سماجی تحفظ کے لیے آئے دن مختلف حکومتوں کی جانب سے مختلف اسکیمیں پیش ہوتی ہیں۔ گزشتہ جنگ عظیم دوم کے دوران بیورج اسکیم کا بڑا چرچا رہا، لیکن بہت کم عمل کی نوبت آئی۔ ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بیورج اسکیم جس کا اس قدر چرچا ہے اس کے اچھے اصول حضرت فاروق اعظمؓ نے اسلامی مملکت میں رائج کیے تھے۔ اس ''سماجی کفالت'' میں عربی، عجمی مسلمان چھوٹے بڑے، آزاد، غلام، مرد، عورت، شہری اور دیہاتی غرض سب ہی شریک تھے۔ یہاں تک کہ اس ''معاشی کفالت'' میں غیر مسلموں کو بھی نظر انداز نہیں کیا بلکہ ان کی بھی بے دریغ امداد کی جاتی تھی۔(۹۳) نادار مسلمانوں کی امداد کے لیے ''زکوٰۃ'' کا محصول مسلمانوں کے مالداروں سے لیا جاتا تھا۔ اب رہا محصول جزیہ، محصول خراج اور غیر مسلم باشندوں سے محصول درآمد کی وصولی تو اس سے نادار ذمی رعایا کی بھی کافی امداد کی جاتی تھی۔(۹۴) عمر بن نافع راوی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کسی کے دروازے پر سے گزر رہے تھے تو دیکھا کہ ایک بوڑھا نابینا بھیک مانگ رہا ہے۔ آپؓ نے اس کا شانہ پکڑ کر دریافت فرمایا تو کس مذہب سے تعلق رکھتا ہے؟ اور یہ بھیک کیوں مانگ رہا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں یہودی ہوں، معذوری ومحتاجی اور جزیہ ادا کرنے کے لیے بھیک مانگ رہا ہوں۔ حضرت عمرؓ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور جو کچھ دینا تھا اس کو دے دیا اور ''بیت المال'' کے نگران کو بلا کر آئندہ کے لیے تاکید کی کہ اس قسم کے لوگوں کو تلاش کر کے ''بیت المال'' سے ان کی ''کفالت'' کیا کریں۔

انظر هذا وضرباءه فو الله ما انصفنا ان اكلنا شبية ثم نخذله عند الهرم، انّما الصدقات للفقراء والمساكين

والفقراء، هم المسلمون وهٰذا المساكين من المساكين من اهل الكتاب وضع عنه الجزية وعن ضربائه (۹۵)

ترجمہ: ''اس شخص کو اور اس قسم کے دیگر لاچار (غیر مسلم) لوگوں کو تلاش کرو، بخدا ہم انصاف کرنے والے نہیں ہو سکتے کہ ان کی جوانی کی کمائی (جزیہ) تو کھائیں اور ان کے بڑھاپے کے وقت بھیک مانگنے کی ذلت میں مبتلا کر دیں''، کیونکہ قرآن کریم کا ارشاد ہے: ''بے شک صدقات فقراء اور مساکین کے لیے ہیں'' ''تو میری رائے یہ ہے کہ اس میں فقراء سے مسلمانوں کے نادار مراد ہیں جبکہ مساکین سے اہل کتاب کے مفلس و نادار لوگ مراد ہیں۔'' اور حضرت عمرؓ نے اس شخص کو اور اس طرح کے تمام نادار اہل کتاب کا جزیہ ساقط کر دیا۔

شام کے سفر میں دمشق جاتے ہوئے عیسائیوں کی اس جماعت کی طرف سے آپؓ کا گزر ہوا جو جذام میں مبتلا تھی۔ آپؓ نے ان کی اس قابل رحم حالت کو دیکھ کر یہ حکم دیا کہ ان کو صدقات میں سے مدد دی جائے اور ان کے لیے بیت المال سے باقاعدہ روزینے جاری کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ (۹۶) فاروق اعظمؓ کے بیان کردہ آخری الفاظ: ''جوانی کی کمائی کھائیں اور بڑھاپے میں رسوا چھوڑ دیں'' قابل غور ہیں، جس طرح حکومتیں مالداروں سے محصول وصول کیا کرتی ہیں اسی طرح نادار ہو جانے پر سرکاری خزانہ سے مدد کرنا حکومتوں کا فرض ہونا چاہیے۔ یہ نہیں کہ جب تک لوگوں کے پاس دولت رہی تھی، خوب محصول وصول کیا اور جب وہ نادار اپاہج اور ضعیف ہو گئے تو ان کو نظر انداز کر دیا۔ (۹۷)

غیر مسلم ذمی رعایا کی یہ ''کفالت'' یا ان پر ناروا بوجھ نہ ڈالنا صرف فاروق اعظمؓ کی ذاتی شفقت کا نتیجہ نہ تھا بلکہ یہ اسلام کی مستقل معاشی پالیسی ہے کہ اس کی مملکت کی حدود اربعہ میں رہنے والے ہر ذی روح بنیادی ضروریات سے محروم نہ رہے اور کسی پر محض اس وجہ سے بوجھ نہ ڈالا جائے کہ وہ غیر مسلم ہے چنانچہ یہ معمولی جزیہ جو غیر مسلموں سے ان کی جان، مال اور عزت کی حفاظت کے صلے میں لیا بھی جاتا ہے، تو صرف ان مردوں سے جو کمانے کے اہل ہوتے ہیں۔ عورتوں، بچوں اور غلاموں سے نہیں وصول کیا جاتا۔ (۹۸) الغرض اسلام کا معاشی نظام اسلامی ریاست کو پابند بناتا ہے کہ وہ اپنی تمام رعایا اور بالخصوص ایسے افراد جن کی حالت قابل رحم ہے ان کی بلاتمیز مذہب و نسل ''کفالت'' کرے اور اس کے لیے اسلام کے مالیاتی نظام میں ایک پوری مد مقرر کر دی گئی ہے جو ایسے افراد کی ''کفالت'' کے لیے مالیات فراہم کرے گی۔ (۹۹)

ذمی کے بدلے مسلمان کا قتل:

انصاف اور معدلت اور انسانیت کا جہاں تک تعلق تھا، حضرت عمرؓ کا طرز عمل بھی وہی تھا، جو رسالت مآبؐ کا اور حضرت ابو بکرؓ کا تھا، یعنی حق اور انصاف کے معاملہ میں مسلم اور غیر مسلم کے درمیان کسی طرح کا امتیاز روا نہیں رکھا جا سکتا، چنانچہ علامہ ابو بکر جصاص ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں: ان رجلا من المسلمين قتل رجلا من عباديين فقدم اقوه علىٰ عمر بن الخطاب فكتب عمر ان يقتل۔

ایک مسلمان نے عبادیوں (۱۰۰) کے ایک آدمی کو قتل کر ڈالا۔ حضرت عمرؓ سے فریاد کی گئی، آپؓ نے مسلمان کے قتل کا حکم صادر فرما دیا۔ (۱۰۱)

بظاہر یہ بہت معمولی سا واقعہ ہے، ایک شخص پر قتل کا جرم ثابت ہوا اسے قتل کی سزا ملی، لیکن اسے سیاست کی عینک سے دیکھئے، یوں ملاحظہ فرمائیے کہ قتل کرنے والا، حاکم قوم کا ایک فرد ہے اور قتل کیا جانے والا محکوم طبقہ کا ایک مجبور اور بے بس شخص ہے، پھر دیکھیے کیا یہ واقعہ معمولی نظر آسکتا ہے؟ انگریزوں نے عرصہ دراز تک ہندوستان پر حکومت کی، ان کے عہد حکومت میں کیا حال رہا، آخری چند سالوں سے قطع نظر، کیا یہ واقعہ اور حقیقت نہیں ہے کہ "صاحب" کی ٹھوکر، قلی کی تلی پھاڑ دیتی تھی، صاحب کا سفر جاری رہتا تھا اور قلی سفر آخرت اختیار کر لیتا تھا۔ امریکہ سے بڑھ کر تمدن مآب، انسانیت نواز اور تہذیب پرست ملک کون ہوگا۔ کیا وہاں آئے دن حکمران قوم کے افراد محکوم حبشیوں کو ذرا ذرا سی بدگمانیوں پر قتل نہیں کر دیتے؟ اور یہ قتل کے واقعات چوری چھپے نہیں ہوتے، بر سر عام ہوتے ہیں۔ کیا امریکی حکومت انہیں قتل کی سزا دیتی ہے؟ لیکن آج سے چودہ سو سال قبل جب غیر مسلم، مسلمانوں کے "ذمہ" میں آجاتے تھے، تو ان کے ساتھ بالکل مساوات کا برتاؤ کیا جاتا تھا اور مساوات کا یہ عالم تھا کہ قاتل مسلمان کی گردن بھی سلامت نہیں رہ سکتی تھی۔

ذمی کے حقوق کا پاس ولحاظ:

حضرت عمرؓ کی خدمت میں اپنی نوعیت کی سب سے پہلی درخواست پیش ہوئی!

ایک شخص نے گھوڑوں کی پرورش اور پرداخت کا کام شروع کرنا چاہا، اس کام کے لیے اسے زمین کی ضرورت تھی۔ یہ کام اگرچہ ذاتی حیثیت میں شروع کیا جا رہا تھا، لیکن اس کے فوائد قومی تھے، اس سے اسٹیٹ کو فائدہ پہنچتا تھا، افراد قوم کی آمدنی اور سلسلہ کارکردگی میں اضافہ ہوتا تھا، آج کل کی اصطلاح میں یہ خالص قسم کی اقتصادی منصوبہ بندی کا ایک جزو تھا۔ ایسے مقاصد کے لیے حکومتیں عطیے دیتی ہیں، ٹیکس معاف کرتی ہیں، محصول میں کمی کرتی ہیں اور ہر ممکن قسم کی سہولت دیتی ہیں، کیونکہ یہ کام حوصلہ افزائی کے مستحق ہوتے ہیں۔ درخواست دہندہ ہر اعتبار سے قابل اعتماد تھا، اس لیے کہ اس کے حالات کا جائزہ لے کر ابوموسیٰ اشعریؓ نے جو بصرہ کے گورنر تھے، اس کی سفارش کی تھی۔ سفارش کرنے والا شخص صرف ایک صوبہ کا گورنر ہی نہیں تھا خود بھی ایک جلیل القدر شخصیت رکھتا تھا۔ وہ اگر گورنر نہ ہوتا تو بھی اس کی سفارش کے بغیر کسی معقول وجہ کے نظر انداز نہیں کی جا سکتی تھی۔

حضرت عمرؓ نے یہ سفارش قبول فرمائی، لیکن چند شرائط کے ساتھ اور وہ شرائط کیا تھیں؟ یہ کہ

(۱) زمین جزیہ کی نہ ہو۔

(۲) اس میں جو پانی جاتا ہو، وہ جزیہ کی زمین سے بہہ کر نہ جاتا ہو!

یعنی قومی منفعت کا ایک کام شروع کرنے کی اجازت بھی اس وقت دی جا سکتی ہے، جب اس سے کسی غیر مسلم کے حقوق پر اثر نہ پڑتا ہو، غیر مسلم رعیت کو کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچتی ہو، اسے کسی جائز شکایت کا موقعہ نہ ملتا ہو۔

بصرہ میں ایک شخص تھا جسے نافع کہتے تھے۔ کنیت اس کی عبداللہ تھی۔ یہ پہلا شخص تھا جس نے بصرہ میں گھوڑوں کی پرورش و پرداخت کا کام شروع کیا۔ وہ مدینہ مبارک گیا اور حضرت عمرؓ سے درخواست کی کہ بصرہ میں ایک زمین ہے، جو خراجی زمینوں میں سے ہے۔ اگر وہ مجھے عطا کر دی جائے تو اس سے مسلمانوں کا کچھ نقصان نہ ہوگا۔ ابوموسیٰؓ نے بھی اس کے حق میں لکھا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کی درخواست منظور کی اور ابوموسیٰؓ کو لکھ دیا کہ وہ زمین اس کو جاگیر میں دے دی جائے۔

ہم سے سعید بن سلیمان نے کہا اس نے کہا۔ ہم سے عبادہ ابن عوام نے کہا اور اس سے عوف الاعرابی نے کہ ”میں نے ابو موسیٰؓ کو حضرت عمرؓ کا مکتوب پڑھا کر سنایا۔ اس میں لکھا تھا:
”ابو عبداللہ نے مجھ سے دجلہ کے کنارے سے ایک زمین مانگی ہے جس میں وہ گھوڑوں کی پرورش و پرداخت کرے گا۔ اگر وہ زمین جزیہ کی نہ ہو اور اس میں جو پانی جاتا ہو وہ بھی جزیہ کی زمین سے بہہ کر نہ جاتا ہو تو وہ اس کو دے دو“۔ (۱۰۲)
محکوم قوم کے افراد کے حقوق کی یہ پاس داری اور نگہداشت کیا صرف اسلام ہی کا حصہ نہیں ہے؟ کیا اس طرح کی روشن اور تابناک مثالیں کسی اور ملت کی تاریخ میں بھی مل سکتی ہیں؟

جان کا بدلہ جان:

حق و انصاف کے معاملہ میں کبھی یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ یہ مسلمان ہے اور وہ غیر مسلم، لہٰذا اسے مخصوص رعایتیں اور سہولتیں دی جائیں اور اس کی فریاد بھی نہ سنی جائے، اس کی دادرسی نہ ہونے پائے۔
ذمی عیسائیوں کے ایک مقام حیرہ کی داستان سنیے:
حضرت عمرؓ کے زمانہ میں قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک ذمی کو قتل کر دیا، آپؓ نے حکم دیا کہ قاتل مقتول کے ورثا کے حوالہ کر دیا جائے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ (۱۰۳)
حضرت عمرؓ کا عہد پیش قدمی، اقدام اور فتح و کامرانی کا عہد تھا۔ اسلام کا قافلہ حجاز کی سرزمین سے نکل کر دور دور کے گلزاروں، وادیوں، شہروں اور بستیوں تک پہنچ چکا تھا۔ بیت المال میں لاکھوں سے متجاوز رقوم، جزیہ اور غنیمت اور خراج کی مد میں داخل ہوا کرتی تھیں۔ رقوم وصول کرنے کا کام عامل اور گورنر کرتے تھے اور ان کے بارے میں ہر طرح اطمینان کر لیا جاتا تھا کہ یہ بددیانت تو نہیں ہے ظلم و جور سے کام تو نہیں لیتے؟ غیر مسلموں پر دستِ تعدی تو نہیں دراز کرتے؟ اس سلسلہ میں سب سے پہلا اقدام یہ ہوتا تھا:
شعبی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا دستور تھا کہ جب کسی عامل کو مقرر کرتے تو اس کے مال کی فہرست لکھ لیا کرتے۔ (۱۰۴)
یہ احتیاط اس لیے کی جاتی تھی کہ عامل یا گورنر کے بارے میں ہمیشہ یہ معلوم ہوتا رہے کہ یہ کتنے پانی میں ہے؟ جب اس منصب پر فائز ہوا، تو اس کی مالی حالت کیا تھی؟ اور فائز ہونے کے بعد اس کے مالی وسائل و ذرائع کی کیا کیفیت تھی؟
اس احتیاطی اقدام کے بعد دوسرا اقدام یہ ہوتا تھا کہ بیت المال میں جو رقم عامل یا گورنر نے بھیجی ہے یہ کس زمین کی ہے؟ اس کے حصول میں جبر و جور اور ظلم و زیادتی سے کام تو نہیں لیا گیا ہے؟ جبر و جور اور ظلم و زیادتی کا جرم عام تھا۔ اس میں یہ تخصیص نہ تھی کہ اگر مسلمان پر ہو تو قابل تعزیر اور غیر مسلم پر ہو تو ناقابل التفات۔ اس بات میں مسلم اور غیر مسلم کے حقوق یکساں تھے، چنانچہ تاریخ بتاتی ہے کہ:
عمرؓ کے پاس جب عراق کا خراج آتا تھا تو دس ذمہ دار افسر کوفہ سے اور دس بصرہ سے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور چار مرتبہ شرعی قسم کھا کر آپؓ کو یقین دلاتے تھے کہ یہ رقم حلال ہے، کسی مسلمان یا ذمی کے ساتھ وصول نہیں کی گئی۔ (۱۰۵)
آپ نے ملاحظہ فرمایا! حضرت عمرؓ ذمی کا بھی اتنا ہی خیال کرتے ہیں جتنا ایک مسلمان کا۔

بحرین کا خراج:

حضرت ابو ہریرہؓ صحابی رسولؐ تھے۔ ان کی جلالت شان سے کون واقف نہیں؟ خود حضرت عمرؓ بھی ان کے قدر شناس تھے، لیکن سوال جب معاملہ کا ہو تو ان سے بھی پوچھ گچھ اس طرح ہوتی تھی، جس طرح دوسروں سے اور یہ پوچھ گچھ جس چیز سے تعلق رکھتی تھی وہ صرف ایک ہی بات تھی کہ آیا یہ مال طیب ہے یا نہیں؟

ملاحظہ ہو:

حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا: میں بحرین سے حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا۔ صلاۃ عشاء کا آخر وقت تھا، ملاقات ہوئی، سلام کیا۔ پہلے انہوں نے لوگوں کا حال پوچھا۔ پھر کہا ''کیا لائے ہو؟'' میں نے کہا۔ ''پانچ لاکھ لایا ہوں۔ کہا'' جانتے بھی ہو کیا کہہ رہے ہو؟'' میں نے کہا۔ ''ایک لاکھ اور ایک لاکھ اور ایک لاکھ۔ اسی طرح پانچ مرتبہ کہا۔'' بولے تھکے ہو، نیند کا خمار ہے، اپنے بال بچوں میں جاؤ اور سو رہو۔ صبح کو آنا''۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں۔ صبح ہوتے ہی میں ان کے پاس گیا۔ پوچھا۔ ''کیا لائے ہو؟'' میں نے کہا۔ ''پانچ لاکھ''۔ پوچھا۔ ''کیا لائے ہو؟'' میں نے کہا۔ ''پانچ لاکھ''۔ پوچھا۔ ''کیا طیب ہیں؟'' میں نے کہا۔ ''ہاں''۔

رقم بہت زیادہ تھی، یہ ابتداء کا زمانہ تھا۔ اتنی بڑی رقم جو حضرت عمرؓ کو یقین نہیں آیا، بار بار پوچھا، رقم کتنی ہے؟ پھر موقعہ دیا کہ رات گزار کر صبح پھر جب وہی عدد دہرایا گیا اور یقین ہو گیا کہ ہاں رقم واقعی پانچ لاکھ ہے تو پھر استفسار فرمایا کہ آیا یہ رقم ''طیب بھی ہے؟'' یعنی کسی مسلم اور ذمی پر جبر کر کے تو نہیں حاصل کی گئی ہے؟ جب یہ یقین ہو گیا، تب وہ بیت المال میں داخل کی گئی۔

شرائط صلح:

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اسلامی عساکر وجیوش بلاد و احصار میں پھیل گئے۔ دشمن کو ہر میدان میں استقبال کیا گیا اور یہی دشمن جب مجبور ہو گیا اس میں تاب جنگ نہ رہی اور جنگ جاری رکھنا اس کے لیے ناممکن ہو گیا اور اس نے مجبوراً صلح و سلام کی سلسلہ جنبائی کی، تو اس کی مجبوری سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ اس کے پیش کیے ہوئے شرائط پر صلح کر لی:

المغیرہؓ بن شعبہ عمرؓ بن الخطاب کی جانب سے الکوفہ کے والی ہو کے آئے، ان کے ساتھ حذیفہ بن الیمان کے نام آذربائیجان کی ولایت کا پروانہ تھا۔ المغیرہؓ نے وہ پروانہ حذیفہ کے پاس بھیج دیا۔ حذیفہ اس وقت نہاوند میں یا اس کے قریب تھے۔ حذیفہ وہاں سے چل کر اردبیل آئے۔ یہ آذربائیجان کا مستقر حکومت تھا۔ مرزبان یہیں رہتا تھا اور اس کے لیے یہاں خراج کی آمدنی وصول کی جاتی تھی، مرزبان نے ان سے جنگ کرنے کے لیے باجروان، میمذ، النریر، سراۃ الشیز اور المیانج وغیرہ کے باشندوں سے سپاہی جمع کیے، چند روز مسلمانوں سے شدید جنگ کی پھر تمام اہل آذربائیجان کی طرف سے آٹھ (اوقیہ) وزن کے آٹھ لاکھ درہم پر اس شرط سے صلح کر لی کہ ان میں سے کسی کو قتل نہ کیا جائے اور بلاد سبجان وسیلان وساتر دوان کے کردوں کے مقابلے میں انہیں غیر محفوظ نہ چھوڑا جائے اور خاصۃ اہل الشیز کو ان کی عیدوں پر زیف (رقص) سے اور (اس موقع پر) جو اعمال وہ کرتے ہیں ان سے نہ روکا جائے۔ (۱۰۷)

کیا یہ رعایتیں حد درجہ فراخ دلانہ، عادلانہ اور شریفانہ نہیں ہیں؟

فتح دمشق:

دمشق کی فتح ایک اہم واقعہ ہے۔ اس فتح نے شام پر مسلمانوں کے قبضہ اور استیلا کو مستقل حیثیت دے دی۔ عیسائیوں نے بڑی سخت مزاحمت کی۔ انہوں نے دفاع میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیا۔ سر دھڑ کی بازی لگا دی، لیکن قسمت کے فیصلہ کو کوئی نہیں بدل سکتا۔ خدا کی مرضی ہر حالت میں پوری ہو کر رہتی ہے اور خدا کی مرضی بھی تھی کہ "خیر امت" کو اس کے خیر و احسان کا صلہ دیا جائے اور وہ صلہ فتح دمشق اور دوسرے فتوحات کی صورت میں مسلمانوں کو مل کر رہا۔

لیکن دمشق کی فتح، بڑے "ڈرامائی" انداز میں ہوئی۔ اس کے ایک دروازہ سے خالدؓ بن ولید ایک کشور کشا اور فاتح کی حیثیت سے دشمن کے سر کاٹتے، اس کی مزاحمت کو کچلتے، اس کی دفاع کو پامال کرتے اور اس کی آزادی کو غلامی سے بدلتے ہوئے داخل ہوئے اور دوسرے دروازہ سے وہ مسلمان لشکر داخل ہوا جس نے عیسائیوں کی درخواست اماں قبول کر لی تھی، حالانکہ وہ عیسائی تھے، جنہوں نے آخر وقت تک لڑنے کا عہد کیا تھا اور مسلمانوں سے اماں نہ لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ یہ دونوں مسلمان فوجیں لڑ کر بہ زور قوت داخل ہونے والی اور درخواست صلح قبول کر کے امن کا پرچم ہلاتی ہوئی داخل شہر ہوئیں تو شہر دو حصوں میں بٹ گیا۔ صلح کا پرچم دیکھ کر لڑنے والی فوجوں نے قتل اور خوں ریزی کا سلسلہ فوراً بند کر دیا اور سارے شہر کو حلقۂ امن و صلح میں داخل کر لیا، حالانکہ از روئے انصاف، عیسائیوں کا آخر وقت تک لڑنے والا حصہ جسے بہ زور قوت مغلوب کیا گیا تھا، کوئی استحقاق اس رعایت کا نہیں رکھتا تھا، لیکن رحمت اللعالمین ﷺ کی امت، جب رحمت کا مظاہرہ کرتی ہے تو وہ عام ہوتا ہے خاص نہیں ہوتا۔ وہ جود و عطائی کی بارش بن کر آتی ہے اور بارش کے قطرے ہر طرف گرتے ہیں۔ نشیب پر بھی، راز پر بھی۔

آپ اب یہ داستان تاریخ کی زبان سے سنیں:

اسی عرصے میں اہل دمشق کے پادری کے یہاں لڑکا پیدا ہوا۔ اس خوشی میں اس نے سب لوگوں کی دعوت کی۔ رومیوں نے خوب کھایا پیا، یہاں تک کہ وہ لوگ اپنی اپنی متعینہ جگہ کی نگرانی سے بالکل بے خبر ہو گئے۔ مسلمانوں میں خالدؓ کے سوا اور سب لوگ رومیوں کی اس حالت سے ناواقف تھے۔ خالدؓ کی کیفیت یہ تھی کہ نہ خود سوتے اور نہ کسی کو سونے دیتے تھے۔ ان کو رومیوں کی سب باتوں کا علم رہتا تھا۔ ان کی آنکھیں بہت تیز تھیں۔ وہ اپنی سمت میں ہمیشہ مصروف رہتے، چنانچہ آپؓ نے کچھ رسیاں اور ڈوریاں سیڑھیوں اور کمندوں کی شکل کی تیار کیں اور دعوت کے روز شام ہوتے ہی خالدؓ اور قعقاع بن عمرو اور مذعور بن عدی اور ان جیسے چند اصحاب روانہ ہوئے اور اپنے لوگوں کو یہ ہدایت کر گئے کہ جب شہر پناہ سے تم لوگ ہماری تکبیروں کی آوازیں سنو تو فوراً ہماری طرف چڑھ آؤ اور دروازے پر حملہ کر دو۔

جب خالدؓ اور ان کے رفیق اپنے قریب کے دروازے کے پاس پہنچ گئے تو ان لوگوں نے وہ ڈوریاں شہر پناہ کے کنگروں پر پھینک دیں اس وقت ان کی کمروں پر وہ مشکیں بندھی ہوئی تھیں جن کے ذریعے سے انہوں نے خندق کو تیر کر پار کیا تھا، جب ڈوریاں ان کنگروں میں بخوبی اٹک گئیں تو قعقاع اور مذعور ان کو پکڑ کر اوپر چڑھ گئے اور ان دونوں نے باقی تمام رسیاں اور ڈوریاں اوپر کنگروں سے باندھ دیں۔

شہر پناہ کے جس حصے پر مسلمانوں نے یورش کی تھی وہ نہایت مستحکم اور ناقابل تسخیر تھا۔ خالدؓ کے تمام ساتھی کچھ اوپر چڑھ گئے اور کچھ دروازے پر پہنچ گئے، جب فصیل پر سب لوگ باطمینان چڑھ گئے تو خالدؓ نے اسی مقام پر دوسرے چڑھنے والوں کی حفاظت کے لیے کچھ محافظ چھوڑ دیے اور خود اپنی جماعت کو لے کر نیچے اترے اور اوپر والوں کو تکبیر کہنے کا حکم دیا۔ ان کی تکبیروں کی آوازیں سنتے ہی کچھ مسلمان دروازے کی طرف دوڑے اور کچھ ان رسیوں کی طرف جھپٹ پڑے اور چھلانگیں مارتے ہوئے اوپر چڑھ گئے۔ خالدؓ نے اپنے قریب کے دشمنوں پر حملہ کر دیا اور ان کو وہیں سلا دیا۔ اس کے بعد دروازے پر پہنچ کر دربانوں کا خاتمہ کر دیا۔

اہل شہر اور دوسرے تمام لوگوں پر پریشانی اور بدحواسی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ وہ سب اپنی اپنی جگہوں پر پہنچے۔ ان کی کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ یہ واقعہ کیا ہے۔ مسلمان ہر طرف اپنے اپنے پاس والوں کو تہ تیغ کر رہے تھے۔ خالدؓ اور ان کے رفیقوں نے دروازے کی زنجیروں کو تلواریں مار مار کر کاٹ دیا اور دروازے کو اسلامی لشکر کے لیے کھول دیا۔ مسلمان اندر گھس گئے۔ خالدؓ کے دروازے کے پاس ایک بھی جنگجو ایسا نہ رہا، جس کو قتل نہ کر دیا گیا ہو۔

جب خالدؓ کو اس حملے میں خاطر خواہ کامیابی ہو گئی اور وہ اپنی طرف کے دروازے پر بہ جبر قابض ہو گئے تو اس طرف کے دشمن بھاگ بھاگ کر دوسرے دروازوں کی طرف پناہ لینے کے لیے دوڑے۔ ان دروازوں کی طرف کے دشمنوں کو مسلمانوں نے نصف نصف تقسیم پر مصالحت کی دعوت دی تھی، مگر اس تجویز کو انہوں نے مسترد کر دیا تھا اور دفاع پر اڑے رہے تھے، مگر جب خالدؓ نے ان پر اچانک حملہ کر دیا تو وہ لوگ فوراً اپنی طرف کے مسلمانوں سے صلح کے خواستگار ہو گئے۔ مسلمانوں نے اس کو منظور کر لیا چنانچہ رومیوں نے اندر سے دروازے کھول دیے اور مسلمانوں سے کہا جلد اندر آؤ اور ہم کو اس دروازے کے حملہ آوروں سے بچاؤ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان تمام دروازوں کی طرف کے مسلمان صلح کے ساتھ شہر میں داخل ہوئے اور خالدؓ اور دوسرے اسلامی امرا وسط شہر میں اس طرح ایک دوسرے سے ملے کہ ایک جماعت قتل اور غارت گری میں مصروف تھی اور دوسری جماعت صلح اور امن دہی کے ساتھ داخل ہو رہی تھی، مگر جب صلح ہو گئی تو مسلمانوں نے خالدؓ کی طرف کے حصے کو بھی صلح کے حکم میں شامل کر دیا۔ (۱۰۸)

رحم و کرم کا مظاہرہ:

فتح و کامیابی اور ہجوم و اقدام کے عالم میں بھی کافروں اور غیر مسلموں کے ساتھ رحم و کرم کا برتاؤ کیا جاتا تھا اور انہیں زیادہ سے زیادہ رعایتیں اور سہولتیں دی جاتی تھیں، حالانکہ دشمن تو اپنی ذمہ داریوں کو خود محسوس کرتے ہیں دوسروں کی تقلید نہیں کرتے اور اگر کرتے ہیں تو غلط امور میں نہیں:

ابو عبیدہ نے قورس کے قصد سے کوچ کیا اور اپنے آگے آگے عیاض کو روانہ کیا۔ یہاں کے راہبوں میں سے ایک راہب ان سے ملا اور اس نے اہل قورس کی جانب سے صلح کی درخواست کی۔ عیاض نے اس کو ابو عبیدہ کے پاس بھیجا۔ وہ اس وقت جبرین و تل اعزاز (۱۰۹) کے درمیان تھے۔ انہوں نے اس سے صلح کر لی اور قورس آ کر اس کے باشندوں سے عہد پیمان کیا اور انہیں وہی عطا کیا جو اہل انطاکیہ کو عطا کیا تھا اور راہب کو اس کے گاؤں شرقینا کے لیے ایک وثیقہ لکھ دیا۔ پھر انہوں نے اپنے رسالے پھیلا دیے، جنہوں نے بقابلس کی آخری حدود تک ارض قورس فتح کر لی۔ (۱۱۰)

اس معاہدہ کی روح صرف فراخ دلی اور رواداری تھی، ورنہ مجبوروں کے ساتھ کون معاہدہ کرتا اور سہولتیں دیتا ہے؟

اہلِ نجران کی جلاوطنی:

''جزیرۃ العرب میں دو مذہب باقی نہیں رہ سکتے!''۔ یہ ارشادِ رسول کا تھا، یعنی جزیرہ العرب میں اب کفر اور شرک ساتھ ساتھ، پہلو بہ پہلو نہیں رہ سکتے۔

اب سوال پیدا ہوا کہ نجران کے غیر مسلموں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ یہ تو طے تھا کہ انہیں اپنے مذہب پر قائم رہنے کی صورت میں ترکِ وطن کرنا پڑے گا کیونکہ اسلام کی رو سے کسی کو تبدیلِ مذہب پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، لیکن ان نجرانی غیر مسلموں میں دو طرح کے لوگ تھے، ایک وہ جن سے کسی طرح کا معاہدہ نہیں تھا اور یہ خود اس وقت پابہ رکاب تھے۔ دوسرے وہ مسلمان جو مسلمانوں کے ''ذمہ'' میں آ چکے تھے اور مسلمان ان کے جان و مال کے ذمہ دار بن چکے تھے۔

اس اہم مسئلہ کا فیصلہ حضرت عمرؓ کو کرنا تھا اور انہیں اپنے اس اقدام کی تمام ذمہ داری کو پیشِ نظر رکھنا تھا۔ انہوں نے اپنی اس ذمہ داری کو کس خوبی کے ساتھ انجام دیا، ملاحظہ فرمایئے:

سالم کی روایت ہے کہ عمرؓ نے سب سے پہلے جو فوج جنگ کیلئے روانہ کی وہ ابوعبیدہ کی سرکردگی میں تھی، ان کے بعد یعلی ابن امیہ کو یمن کی طرف روانہ کیا اور ان کو حکم دیا کہ اہلِ نجران کو جلاوطن کر دیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی علالت کے زمانے میں ابوبکرؓ سے اور ابوبکرؓ نے اپنی علالت کے زمانے میں اس کی وصیت فرمائی تھی۔ عمرؓ نے یعلی بن امیہ سے فرمایا تھا کہ تم ان لوگوں کے پاس جاؤ ان کو ان کے دین کے بارے میں پریشان نہ کرو بلکہ ان کو مہلت دو، ان میں سے جو لوگ اپنے مذہب پر قائم رہیں ان کو جلاوطن کر دو اور جو لوگ اسلام قبول کر لیں ان کو ان کے وطن میں مقیم رہنے دو اور جلاوطنی کے بعد اس سرزمین کو ان کے وجود سے بالکل صاف کر دو اور ان سے کہہ دو کہ تم کو دوسرے شہروں میں جانے کا اختیار ہے اور ان کو بتلا دو کہ ہم تم کو اس لیے جلاوطن کر رہے ہیں کہ خدا اور رسول کا حکم ہے کہ جزیرۃ العرب میں دو مذہب باقی نہ رکھے جائیں، اس لیے جو شخص اپنے مذہب پر رہنا چاہتا ہے وہ یہاں سے نکل جائے چونکہ وہ لوگ ہمارے ذمی ہیں اور خدا رسولؐ کے حکم مطابق ہم پر ان کا حق واجب ہے۔ اس لیے ہم زمین کے عوض ان کو زمین عطا کریں گے۔ (۱۱۱)

تاریخ ایک سنجیدہ علمی موضوع ہے۔ اس میں جذبات کو دخل نہیں ہوتا، اس میں کامل غیر جانبداری کے ساتھ کام لیا جاتا ہے۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر کے دکھایا جاتا ہے۔ مؤرخ کے لیے یہ پابندی ہے کہ اپنی قوم، ملک، ملت، مذہب کی تاریخ میں بھی وہ تحریف سے کام نہ لے۔ جانبداری کا مظاہرہ نہ کرے، تعصب اور ناروا داری کا مظاہرہ نہ کرے، ہم نے ان اصولوں کو قدم قدم پر پیشِ نظر رکھا اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن تقابل بھی تاریخ ہی کا ایک حصہ ہے۔ ایک قوم کی جب ہم تاریخ بیان کرتے ہیں، اس کے کارنامے پیش کرتے ہیں تو کسی طرح بھی یہ ممکن نہیں کہ دوسروں سے ان کارناموں کا مقابلہ نہ کیا جائے۔

نجران کے غیر مسلموں کو جب جلاوطن کیا گیا، تو بلاشبہ بنیادی عنصر مذہب ہی تھا اور یہ جلاوطنی کا اصول عام تھا۔ عیسائی اپنے ہاں سے جب مسلمان کو نکالتے تھے، تو مذہب ہی کی بناء پر اور ان کا یہ اخراج بہ یک بینی و دو گوش ہوتا تھا۔ ان کی ہر چیز بہ حق سرکار ضبط کر لی

جاتی تھی، مکان ودکان، جائداد، جاگیر، کھیت اور اس ضبطی کا کوئی معاوضہ نہیں دیا جاتا، لیکن اسلام نے یہ نہیں کیا۔ اس نے جلاوطنی کے سلسلہ میں سہولتیں دیں، اسباب منقولہ لے جانے کی اجازت دی اور اہل ذمہ یعنی مسلمان کے ذمہ میں آئے ہوئے غیر مسلموں کو انکی مالیت کا معاوضہ بھی دیا۔

یہ واقعہ تو آج سے ڈیڑھ ہزار برس پہلے کا ہے۔

لیکن ۱۹۴۷ء میں جب سیکولر ہندوستان کے ایک صوبہ مشرقی پنجاب سے مسلمانوں کا جبری انخلا عمل میں آیا تو ان کے ساتھ کیا برتاؤ ہوا؟ کیا وہ اپنے ساتھ کچھ بھی لا سکے، کیا انہیں ان کی اس حکومت نے جس کی مسلمان رعایا تھے، کوئی معاوضہ دیا؟ اسے بھی چھوڑیے، جو مسلمان ہندوستان ہی میں رہے ان کے ساتھ کیا کیا گیا؟ سارے ہندوستان کو چھوڑیے، دارالحکومت دہلی کو ہی، کیا آج بھی دہلی شہر میں ایسے کافی مسلمان نہیں، جن کے مکان، قرول باغ، سبزی منڈی اور دوسرے ہندو علاقوں میں ہیں، لیکن نہ وہ ان مکانوں میں رہ سکتے ہیں نہ ان کا کرایہ وصول کر سکتے ہیں نہ انہیں فروخت کر سکتے ہیں۔ کیا سیکولر حکومت کے گن اب بھی مذہبی حکومت کے مقابلہ میں گائے جائیں گے؟ کیا اب بھی یہ کہا جائے گا کہ مذہب کشت وخون سکھاتا ہے اور قومیت امن دولت تقسیم کرتی ہے؟

گالی دینے والا پادری:

حضرت عمرؓ ہی کے دور کا ایک اہم اور ناقابل فراموش واقعہ ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں۔ اس واقعہ سے اندازہ ہوگا کہ دریدہ دامن گستاخ، بدتمیز اور شورش پسند دشمنوں کے ساتھ بھی مسلمانوں کا سلوک ٹھیک اور شریفانہ وروادارانہ ہی رہتا تھا۔ وہ ظلم وزیادتی سے ہر حال میں گریز کرتے تھے۔ وہ واقعہ یہ ہے:

حضرت عمرؓ بن الخطاب نے عیاضؓ کو لکھا کہ عمیر بن سعد کو عین الوردہ بھیجو۔ انہوں نے بھیج دیا اور ان کے آگے طلائع بھیجے، جنہوں نے کسانوں کی ایک جماعت پر چھاپا مارا جس میں دشمن کے مویشی غنیمت میں ان کے ہاتھ لگے۔ اہل شہر نے دروازے بند کر لیے اور ان پر عسرادہ (۱۱۲) نصب کیے اور اس سے مسلمانوں پر تیر اور پتھر برسائے، جن کے صدمات سے بہت سے مسلمان شہید ہو گئے۔ یہ دیکھ کر ان کے بطریقوں میں سے ایک بطریق سامنے آیا اور اس نے مسلمانوں کو گالی دے کر کہا۔ "تمہیں اب تک جن سے سابقہ پڑا ہے ہم ان جیسے نہیں ہیں"۔

لیکن اس دم کا نتیجہ کیا نکلا؟

ان عیسائیوں کے حصہ میں شکست آئی اور شکست کے بعد کیا ہوا؟ کیا مسلمانوں نے ان پر کوئی زیادتی کی؟ نہیں یہ کچھ نہیں ہوا اور بالآخر "یہ شہر بھی صلح پر فتح کر لیا گیا"۔ (۱۱۳)

ان لوگوں کو کوئی سزا نہیں دی گئی۔ ان سے کوئی باز پرس نہیں کی گئی، ان سے کسی طرح کا انتقام نہیں لیا گیا، ان کے ساتھ روادارانہ برتاؤ کیا گیا، ان کو یہ عزت دی گئی کہ ان سے صلح کر لی گئی اور ان میں جس نے چاہا اپنے مذہب پر قائم رہا، جس کی مرضی ہوئی وہ مسلمان کے ذمہ میں آ گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں ذمی اور معاہد کی بڑی حیثیت ہے۔ عہد رسالت مآبؐ اور عہد خلافت راشدہؓ میں ذمیوں اور غیر مسلموں

کے ساتھ جو برتاؤ کیا گیا، وہی دلیل راہ کے طور پر فقہا اور بعد کے ملوک وسلاطین کے پیش نظر رہا، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے معاملات ومسائل میں یعنی فقہی ممالک خواہ کتنے ہی سخت متشددانہ کیوں نہ ہوں، لیکن جہاں تک غیر مسلموں اور ذمیوں کا تعلق ہے، انہیں کہیں بھی کسی ملک سے بھی، کسی قسم کا گزند نہیں پہنچا ہے، ان کے حقوق بڑی فراخ دلی کے ساتھ تسلیم کیے گئے ہیں، چنانچہ حربیوں کی امان کے سلسلہ میں یہ تصریحات قابل غور ہیں:

ومن قال لحربي قد اجرتک او امنتک او لا باس علیک و نحو هذ فقد امنه ويصح الامان من كل مسلم عاقل مختار حرًا كان او عبدا، رجلا كان او امرءة.

اور جو شخص کسی حربی سے یہ کہہ دے کہ میں نے تجھے پناہ دی، یا میں نے تجھے امان دی یا ''کوئی پرواہ نہ کر'' یا اسی طرح کے الفاظ تھے، تو وہ حربی مامون تسلیم کرلیا جائے گا۔

امان، ہر عاقل، مختار، مسلمان حربی کو دے سکتا ہے خواہ وہ آزاد ہو یا غلام، مرد ہو یا عورت۔ (۱۱۴)

ذرا تصور کیجئے عہد تہذیب حضارت کی دوسری جنگ عظیم میں، اگر کسی طرح ہٹلر انگریزوں کے ہاتھ پڑ جاتا یا مسولینی، حبش کے ہاتھ آ جاتا یا سٹالن، ہٹلر کے قبضہ میں آ جاتا یا تو جو، روز ویلٹ کے ہتھے چڑھ جاتا یا اس کی برعکس صورت ہوتی، تو کیا ان میں سے کوئی بھی سلامت رہ سکتا تھا؟ کسی کی جان بھی محفوظ رہ سکتی تھی، ایسے تمام لوگ جو غلط حب وطن کے باعث دوسری قوموں کے دشمن بن جاتے ہیں، جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں، دنیا کے امن وامان پر اثر انداز ہوتے ہیں، ان کے بارے میں ایک عام اصول اور دستور یہ ہے کہ فاتح قومیں انہیں اپنی بنائی ہوئی عدالت میں پیش کرتی ہیں اور عبرت انگیز سزا دیتی ہیں، چنانچہ دیکھ لیں جنگ عظیم ثانی کے بعد جو جنگی مجرم ہاتھ آئے ان کے ساتھ کیا برتاؤ ہوا؟ ان میں سے کافی لوگ موت کے گھاٹ اتر گئے، جو بچ گئے وہ آج تک تعذیب و عقوبت کے شکار بنائے جا رہے ہیں!

لیکن اسلام کا نقطۂ نظر دوسرا ہے، وہ خاطی کو جب پکڑ لیتا ہے تو اسے معاف کر دیتا ہے، اس کے ساتھ رعایتیں کرتا ہے، اس کی قدر و منزلت کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ دل سے دوست بن جاتا ہے اور پھر کم ہی ایسا ہوتا ہے کہ وہ دوبارہ لڑائی اور دشمنی کا نام لے اور اگر وہ ایسا کرتا بھی ہے تو اس کی قوم اس کا ساتھ نہیں دیتی، وہ احسان کا بدلہ برائی سے کم ہی دیتی ہے۔ (۱۱۵)

شاید اسی قسم کی مثالیں تھیں جنہیں پیش نظر رکھ کر فقہاء کو بھی اس کی تصریح کرنی پڑی کہ مقاتلہ اسی سے جائز ہے جو برسرپیکار ہو، یہ تصریح اسلام کی روح کا عین منشا اور مقتضا ہے۔ ذیل کی تصریح ہمارے دعوے کی بہترین دلیل ہے:

(جنگ آزما لوگوں میں سے) کوئی لڑکا قتل نہ کیا جائے گا، نہ پاگل کو قتل کیا جائے گا، نہ عورت، نہ راہب، نہ شیخ فانی، نہ کہن سال بیمار، نہ اندھا نہ وہ شخص جسے (مسلمانوں سے) مقاتلہ کرتے نہ دیکھا گیا ہو۔ (۱۱۶)

غرض اس مشکوک حیثیت کے باوجود حضرت عمرؓ نے ان کے جذبات کی رعایت ملحوظ رکھی اور انہیں جزیہ سے مستثنا کر دیا۔

خراج میں اضافہ نہ کرنے کا عہد:

ایک دوسرا واقعہ ملاحظہ ہو: مجھ سے بکر بن الہیثم نے کہا، ان سے عبداللہ بن صالح نے، ان سے اللیث بن سعد نے، ان سے یزید

بن ابی علاقہ نے اور ان سے عقبہ بن عامر الجہنی نے کہا۔ اہل مصر کے لیے عہد و پیمان تھا۔ عمرو نے انہیں یہ نوشتہ دیا تھا کہ "تمہارے اموال اور تمہارے خون اور تمہاری عورتیں اور تمہاری اولادیں امان میں ہیں۔ ان میں سے ایک بھی فروخت نہیں کیا جائے گا اور یہ کہ تم سے تمہارے دشمن کا خوف دور کیا جائے گا اور ان پر خراج (اس شرط کے ساتھ لگایا کہ اس میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ عقبہ کہتا ہے: میں اس کا شاہد ہوں۔ (۱۱۷)

غرض ذمیوں کے ساتھ معاہدین کے ساتھ اور غیر مسلموں کے ساتھ ہر موقعہ پر رعایت ہی کی گئی، انہیں کبھی ہدف ستم نہیں بنایا گیا اور اسلام میں اس طرح کی ان گنت مثالیں ہیں۔

غیر مسلم عرب سے تعاون:

اہل فارس کی جنگ میں یا کسی دوسری جنگ میں اگر کوئی عرب اپنے دین پر قائم رہتے ہوئے مسلمانوں کی مدد کرنا چاہتا تھا تو مسلمان اس امداد کی پوری پوری قدر کرتے تھے۔

جب لڑائی طول پکڑ گئی اور بہت سخت ہو گئی تو مثنیٰ نے انس بن ہلال کے پاس جا کر کہا کہ اے انس اگرچہ تم ہمارے دین پر نہیں ہو مگر بہادر عرب ہو، جب تم مجھ کو مہران پر حملہ کرتے ہوئے دیکھو تو تم بھی میرے ساتھ حملہ کرنا اور یہی بات مثنیٰ نے ابن مردی الفہر سے کہی۔ ان دونوں نے اس بات کو منظور کیا، مثنیٰ نے مہران پر حملہ کر کے اس کو سامنے سے ہٹا دیا اور اس کے میمنے میں گھس گئے اور ان کے ساتھ مشرکین کو پھٹ پڑے اور دونوں طرف کی قلب کی فوجیں ایک جگہ جمع ہو گئیں۔ آسمان پر غبار کا بادل چھا گیا۔ بازوؤں کی فوجیں خونریزی میں مصروف تھیں، نہ مشرکین اپنے امیر کی مدد کے لیے جا سکتے تھے، نہ مسلمان اس روز مسعود اور مسلمانوں کے دوسرے کئی قائد شہید ہو گئے۔ مسعود نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اگر تم ہم کو شہید ہوتے ہوئے دیکھو تو تم اپنے کام سے دست کش نہ ہونا کیونکہ لشکر ہٹتا ہے اور پھر واپس ہوتا ہے، اپنی صفوں میں ثابت قدم رہنا اور اپنے قریب والوں کے کام آتے رہنا۔ مسلمانوں کے قلب نے مشرکین کے قلب کے چھکے چھڑا دیئے۔ ایک تغلبی نصرانی لڑکے نے مہران کو قتل کر دیا اور اس کے گھوڑے پر چڑھ بیٹھا۔ مثنیٰ نے مہران کے اسلحہ اس لڑکے کے رسالے کے افسر کو دے دیئے، اس وقت یہی طریقہ تھا کہ جب کوئی مشرک اسلامی فوج میں شریک ہو کر کسی کو قتل کرتا تو اس کے مقتول کے اسلحہ قاتل کے دستے کے قائد کو دے دیئے جاتے تھے اور لڑائی کے دو قائد تھے۔ ایک جریر دوسرے ابن الہوبر چنانچہ مہران کے اسلحہ ان دونوں نے تقسیم کر لیے۔

مغفر بن ثعلبہ کا بیان ہے کہ بنی تغلب کے چند نوجوان گھوڑوں پر سوار ہو کر آئے اور جب مسلمانوں اور ایرانیوں میں جنگ شروع ہوئی تو انہوں نے کہا کہ ہم عربوں کے ساتھ ہو کر عجمیوں سے لڑیں گے، ان میں سے ایک نوجوان نے مہران کو قتل کر دیا۔ مہران اس روز ایک کیت گھوڑے پر سوار تھا، جس کے جسم پر زرہ نما جھول پڑی ہوئی تھی اور اس کی پیشانی اور دم پر پیتل کے زرد چاند لگے ہوئے تھے۔ وہ نوجوان اس گھوڑے پر سوار ہو گیا اور ان الفاظ میں اپنے نسبی فخر کا اظہار کرنے لگا۔ انا الغلام التغلبی انا قتلت المرزبان۔ ترجمہ: میں تغلبی جوان ہوں، میں نے ایرانی رئیس کو قتل کیا ہے۔ اس کے بعد جریر اور ابن الہوبر اپنی قوم کے لوگوں کو لے کر آئے اور بطور تعظیم اس نوجوان کا پاؤں پکڑا اور اس کو گھوڑے سے اتارا۔ (۱۱۸)

عمال کی تادیب:

حضرت عمرؓ اس بات کا سختی سے احتساب کرتے تھے کہ وہ رعیت پر مسلم وذمی زیادتی نہ کرنے پائیں، یہ واقعہ ملاحظہ ہو:

حضرت عمرؓ بن الخطاب اپنے عمال کے اموال (کی مقدار و مالیت) لکھ لیتے تھے اور پھر اس میں جو اضافہ ہوتا اس کا ایک حصہ اور کبھی کل کا کل ضبط کر لیتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے عمرو بن العاص کو لکھا: "مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے پاس اب ایسے سامان، غلام، ظروف اور جانور ہیں جو اس وقت نہیں تھے، جب میں نے تمہیں مصر کا والی مقرر کیا تھا"۔ عمرو نے اس کا یہ جواب دیا کہ "ہماری زمین زراعت اور تجارت کی زمین ہے اور اس سے ہمیں اتنی آمدنی ہوتی ہے جو ہمارے مصارف سے زائد ہوتی ہے"۔ حضرت عمرؓ نے اس کے جواب میں انہیں لکھا کہ "مجھے عمال السوء کا کافی تجربہ ہو چکا ہے اور تمہارا جو خط آیا ہے وہ ایسے شخص کا خط معلوم ہوتا ہے جسے حق کی گرفت نے بے چین کر دیا ہو۔ میں تم سے بدگمان ہو گیا ہوں اور محمد بن مسلمہ کو مال تقسیم کرنے تمہارے پاس بھیجتا ہوں، تم اس سے اپنا راز کہہ دو، جو کچھ وہ مانگے اسے دے دو اور اس کو اپنے اوپر سختی کرنے سے معاف رکھو، کیونکہ بات کھل چکی ہے"۔ چنانچہ اس نے (عمرو کے) اموال کی تقسیم کی۔ المدائنی، عیسیٰ بن یزید کے حوالہ سے کہتا ہے: جب محمدؒ بن مسلمہ نے عمرو بن العاص کا مال تقسیم کیا تو عمرو نے کہا۔ "ابن حنتمہ (۱۱۹) نے ہمارے ساتھ جس زمانے میں یہ برتاؤ کیا ہے، وہ یقیناً برا زمانہ ہے۔ العاص ریشم پہنتے تھے، جس کے حاشیہ دیباج (۱۲۰) کے ہوتے تھے۔ محمد نے کہا۔ "خاموش۔ اگر یہ ابن حنتمہ کا زمانہ نہ ہوتا، جس سے تم کراہت کرتے ہو تو تم اپنے گھر کی انگنائی میں اس حال میں پائے جاتے کہ بکری کی ٹانگیں تمہاری ٹانگوں میں ہوتیں۔ اس کے دودھ کی زیارت تمہیں خوش کرتی اور اس کی قلت تمہیں ناخوش کرتی"۔ عمرو نے کہا۔ "خدا کے لیے یہ بات عمرؓ سے نہ کہنا۔ مجالس کی گفتگو کے لیے امانت ضروری ہے"۔ محمدؒ نے کہا "جو باتیں مجھ میں اور تم میں ہوئی ہیں وہ عمرؓ کے جیتے جی نہیں کہوں گا"۔ (۱۲۱)

اس واقعہ سے معلوم ہوگا کہ کتنے جزئی واقعات پر حضرت عمرؓ نگاہ رکھتے تھے اور اعمال کے احتساب میں خواہ ان کی شخصیت کیسی ہی کیوں نہ ہو کس طرح کی رورعایت سے کام نہیں لیتے تھے۔

ارض سواد کا فیصلہ:

سواد کا علاقہ جب فتح ہوا، تو حضرت عمرؓ نے اسے عام مسلمانوں میں تقسیم نہیں کیا۔ وہاں کے لوگوں کو ذمی بنا لیا اور ملکیت قوم کی قرار دیا تاکہ اس سے مسلمان اپنی حکومت میں برابر منتفع ہوتے رہیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ یہ ذمی افراد واشخاص کے بجائے حکومت کی رعایا بن گئے اور جزیہ ادا کر کے انہوں نے وہ تمام حقوق اور مراعات حاصل کر لیے، جو مسلمانوں کو حاصل تھے۔

حضرت عمرؓ نے السواد کا علاقہ ان لوگوں کے لیے محفوظ رکھا جو مردوں کی صلب اور عورتوں کے رحم میں ہیں اور اہل السود کو ذمی قرار دیا۔ ان سے جزیہ لیا جاتا ہے اور ان کی زمینوں پر خراج ہے۔ وہ ذمی ہیں، ان کے لیے بند غلامی نہیں ہے۔ سلیمان نے کہا: ولید بن عبدالملک نے اہل السواد کو لئے قرار دینا چاہا تھا، لیکن میں نے اس کو حضرت عمرؓ کے طرز عمل کی خبر دی جو انہوں نے اس بات میں اختیار کیا تھا اور اللہ نے اس کو ان کے ساتھ ایسا کرنے سے باز رکھا۔

ایسی ہی شاندار مثالوں کا نتیجہ تھا کہ بعد کے آنے والے ملوک وسلاطین نے بھی اگر اس جادہ سے ہٹنے کی کوشش کی تو انہیں فوراً

ٹوک دیا گیا اور وہ ایسا نہ کر سکے۔

ذمّی کی رعایت خاص:

انہی رعایتوں کا یہ نتیجہ تھا کہ غیر مسلموں کو مسلمانوں کے حقوق میں برابر کا شریک کر لیا گیا، چنانچہ شرع اسلام کی رو سے، اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کو غلطی سے ہلاک کر دے، تو اسے کفارہ دینا پڑے گا، لیکن بالکل یہی صورت ان غیر مسلموں کے لیے بھی، جو مسلمانوں کے ذمہ میں آ چکے ہیں یعنی کسی ذمّی کو اگر کوئی مسلمان غلطی سے قتل کر دے، تو اس کا کفارہ بھی وہی ہے جو مسلمان کا:

ومن قتل مؤمنا او ذميا بغير حق اوشارك فيه او في اسقاط جنين فعليه كفارة وهي تحرير رقبة مؤمنة فمن لم يجد فصيام شهرين متتابعين.

جس شخص نے کسی مسلمان یا ذمّی کو بغیر کسی (معقول) وجہ کے قتل کیا یا قتل میں شرکت کی یا اسقاط جنین کا موجب بنا، تو اس پر کفارہ واجب ہے کسی مسلمان غلام کا آزاد کرنا، یا دو ماہ تک مسلسل روزے رکھنا۔ (۱۲۲)

رہا کے عیسائیوں سے صلح:

مسلمانوں اور عیسائیوں میں بار بار لڑائیاں ہوئیں اور خدا کے فضل سے مسلمان ہی غالب آئے، لیکن انہوں نے کبھی بھی نشۂ فتح سے سرشار ہو کر غیر مسلموں کے ساتھ سختی اور تشدد کا مظاہرہ نہیں کیا۔

عیاض الرہا آئے (۱۸ھ) یہاں کے باشندوں نے مسلمانوں پر گھنٹہ بھر تیر برسائے، پھر ان کے جنگ آزما میدان میں نکلے، مسلمانوں نے انہیں ہزیمت دی، حتیٰ کہ ان کو مدینہ (شہر) میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا، لیکن تھوڑے ہی دن بعد وہ صلح و اماں کے طالب ہوئے۔ عیاض نے (ان کی درخواست) قبول کر لی اور انہیں ایک تحریر دی جو یہ ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ تحریر عیاض بن غنم کی طرف سے الرہا کے اسقف کے لیے ہے، اگر وہ میرے لیے اس شرط پر شہر کا دروازہ کھولے گا کہ ہر شخص کی طرف سے ایک دینار اور دو مُدی گیہوں دے گا تو اس کی جان اور اموال کے لیے اور ان لوگوں کے لیے جو اس کے ساتھ اور پیرو ہوں، امان ہے۔ اس پر گم کردہ راہوں کی رہنمائی، پلوں اور سڑکوں کی درستی اور مسلمانوں کی خیر خواہی لازم ہے۔ اس پر خدا گواہ ہے اور اسی کی گواہی کافی ہے۔ (۱۲۳)

اس معاہدہ کی ایک ایک سطر سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان عیسائیوں کے جذبات اور احساسات کا کتنا زیادہ خیال رکھا گیا ہے اور ان پر کوئی ایسی شرط نہیں عائد کی گئی، جو ان کے لیے تکلیف دہ یا ناقابل برداشت یا ذلت آمیز ہو۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ:

ذیل میں جو واقعہ درج کیا جاتا ہے، وہ اپنی نوعیت میں اسی طرح کا ہے، اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ شرارت پسند دشمنوں سے بھی مسلمانوں کا سلوک شریفانہ ہی رہا۔

عیاض کی طلیعہ (۱۲۴) نے (۱۸ھ) الرقہ پہنچ کر ایک آ گیر کی آبادی پر جو عربوں اور کسانوں کی ایک قوم پر مشتمل تھی، چھاپہ مارا

اور اس میں بہت ہی غنیمت اس کے ہاتھ میں آئی۔ آ کیر کے باشندوں میں سے جو بچ نکلے وہ بھاگ کر شہر چلے گئے۔ عیاض آگے بڑھ کر باب الرقہ پر خیمہ زن ہوئے۔ یہ اس کے دروازوں میں سے ایک دروازہ تھا۔ اہل شہر نے مسلمانوں پر گھنٹہ بھر تیر بازی کی جس سے بعض مسلمان زخمی ہوئے، عیاض پیچھے ہٹے کہ دشمن کے تیر اور پتھر ان تک نہ پہنچ سکیں اور انہوں نے گھوڑے پر سوار ہو کر شہر کے گرد چکر لگایا اور اس کے دروازوں پر فوج کی ٹکڑیاں متعین کیں، پھر اپنے لشکر میں آئے اور (شہر کے چاروں طرف) سرایا پھیلا دیئے، جنہوں نے دیہات سے قیدی پکڑے اور کثیر سامان خوراک حاصل کیا۔ یہ فصلوں کی کٹائی کا زمانہ تھا۔ جب اس حالت کو پانچ چھ مہینے گزر گئے تو شہر کے قائد (بطریق) نے عیاض کے پاس طلب امان کا پیغام بھیجا۔ عیاض نے اس کو امان دی اور شہر کے تمام باشندوں کی جانوں اور ان کے مالوں اور ان کی اولاد اور ان کے شہر کو امان دے کر اس سے صلح کر لی اور کہا مگر زمین ہماری ہے، کیونکہ ہم نے اس کو مغلوب کیا ہے اور اس کی حفاظت کی ہے۔ پھر ساری زمین خراج انہی کے پاس رہنے دی اور جن زمینوں کے لینے سے انہوں نے انکار کیا وہ عشر پر مسلمانوں کو دے دیں۔ عیاض نے تمام اہل الرقہ پر عورتوں اور بچوں کے سوائی کس ایک ایک دینار سالانہ جزیہ لگایا اور چند قفیرہ (۱۲۵) گیہوں مقرر کیے۔ (۱۲۶)

نقض عہد کسی طرح گوارا نہیں:

سرکاری پالیسی سے قطع نظر ذاتی طور پر بھی حضرت عمرؓ اس بات کا بڑا لحاظ رکھتے تھے کہ کوئی ایسا موقع نہ آنے پائے، جس سے ذمیوں کو غلط فہمی پیدا ہو اور وہ مسلمانوں کے ایفائے عہد سے متعلق بدگمان ہو جائیں۔ اس سلسلہ میں شام کا ایک واقعہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے، جس سے حضرت عمرؓ کے جذبۂ پاس کا اندازہ ہوگا:

مجھ سے ہشام بن عمار نے کہا۔ انہوں نے کہا ہم سے الولید بن مسلم نے کہا، ان سے تمیم بن عطیہ نے اور ان سے عبداللہ بن قیس نے کہ: میں ان لوگوں میں سے تھا جو حضرت عمرؓ سے ابو عبیدہ کے ساتھ اس وقت ملے تھے، جب وہ شام سے آئے تھے۔ حضرت عمرؓ گزر رہے تھے کہ اہل آذرعات میں سے مقلیسن ہاتھوں میں تلواریں اور مہندی لیے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا انہیں (اس سے) روکو"۔ ابو عبیدہ نے کہا۔ "امیر المومنینؓ یہ ان کی سنت ہے (یا ایسا ہی کلمہ کہا) اگر آپؓ انہیں اس سے منع کریں گے تو وہ یہ سمجھیں گے کہ ان سے جو عہد کیا گیا ہے، آپؓ کے دل میں اس سے نقض کا ارادہ ہے۔"۔ کہا۔ "اچھا نہ روکو"۔ وہ حالانکہ ان عیسائیوں کو اگر اس طرح آنے سے منع کیا جاتا، تو یہ ظاہر یہ ایسی کوئی بات نہیں تھی، جس سے نقضِ عہد کا گمان کیا جاتا، لیکن محض تالیف قلب کے خیال سے حضرت عمرؓ نے ابو عبیدہؓ کی بات مان لی۔ (۱۲۷)

عیاض اور ابو عبیدہؓ:

غیر مسلموں سے جو شرائط صلح کیے جاتے تھے، وہ حد درجہ نرم ہوتے تھے، اگر مسجد کی تعمیر مدنظر ہوتی تھی، تو بھی یہ کام جبر و جور سے نہیں کیا جاتا تھا۔ ان سے باقاعدہ اجازت لی جاتی تھی اور اجازت حاصل کرنے کے بعد مسجد کی بنیاد پڑتی تھی۔ تاریخ میں اس طرح بہت سے واقعات ملیں گے، نمونۃً ملاحظہ ہو:

ابو عبیدہؓ حلب کی طرف سے روانہ ہوئے، ان کے مقدمہ پر عیاض بن غنیم الفہری تھے۔ ان کے والد کا نام عبد غنم (۱۲۸) تھا، جب

یہ اسلام لائے تو انہوں نے پسند نہیں کیا کہ عبد غنم کہلائیں اور کہا۔ "میں عیاض بن غنم ہوں"۔ (جب وہ یہاں پہنچے تو) انہوں نے دیکھا کہ اہل شہر قلعہ بند ہیں، یہ خیمہ زن ہو گئے، کچھ دن گزرنے پر اہل شہر نے اپنی جانوں کے لیے اور اپنے اموال کے لیے اور اپنی شہر پناہ کے لیے اور کنیسوں کے لیے اور اپنے قلعہ کے لیے اعلان وصلح کی درخواست کی۔ عاض نے انہیں اپنی امان دے دی اور ان سے صلح کر لی اور مسجد کے لیے ان سے ایک جگہ مستثنیٰ کرالی۔ ان امور پر ان سے صلح کرنے والے عیاض اور اس صلح کو نافذ کرنے والے ابوعبیدہؓ تھے۔ (۱۶۹)

صلح بذریعہ نامہ پیام:

آج کل بھی یہ دستور ہے کہ جب کوئی ہار جاتا ہے تو وہ اپنے اعیان واکابر کو بھیج کر صلح کرتے ہیں، اور وہ مجوزہ دست خط کر دیتے ہیں لیکن اسلام میں.........؟

اور بعض کا دعویٰ ہے کہ ابوعبیدہؓ نے حلب میں ایک متنفس بھی موجود نہیں پایا، اس لیے کہ وہ ان کے آنے کی خبر سنتے ہی انطاکیہ چلے گئے۔ انہوں نے یہیں بیٹھے بیٹھے اپنے شہر کے لیے صلح کی درخواست کی اور نامہ و پیام کے ذریعہ تمام معاملات طے کیے اور جب صلح کی تکمیل ہو گئی تو حلب کی طرف واپس آ گئے۔ (۱۳۰)

ایسا اس لیے ہوا کہ مقصد صلح کرنا تھا، غیر مسلموں کو زندہ رہنے کا حق دینا تھا، اگر یہ مد نظر نہ ہوتا تو، وہی کچھ ہوتا جو آج مہذب اور متمدن حکومتیں کر رہی ہیں۔

جزیہ پر صلح......ایک اور واقعہ:

حاضر (۱۳۱) طے ایک قدیم جگہ ہے۔ یہ لوگ حرب فساد کے بعد جو ان کے دو فرقوں کے درمیان ہوئی تھی یہاں آ کر مقیم ہوتے تھے، اس کے بعد ان میں سے کچھ دو پہاڑوں (اجی وسلمیٰ) کے درمیان ٹھہر گئے اور باقی ماندہ مختلف شہروں میں ٹھہر گئے جب ابوعبیدہ ان کے پاس آئے تو ان میں سے بعض اسلام لائے اور بہتوں نے جزیہ پر صلح کر لی اور پھر آسانی سے اسلام قبول کر لیا لیکن جو ان کی جماعت سے الگ ہو گئے تھے وہ الگ رہے، جو جماعت سے الگ ہو گئے، یعنی، جنہوں نے مسلمانوں سے صلح نہ چاہی ان پر کوئی زیادتی نہ کی گئی، جنہوں نے ذمہ میں آنا پسند کیا، انہیں جزیہ کی شرط پر ذمی بنا لیا گیا۔

جزیہ کی نوعیت:

اور یہ جزیہ، جس پر صلح کی جاتی ہے، یہ کوئی ظالمانہ ٹیکس نہ تھا، ایک معمولی سا محصول، اور وہ بھی انتہائی رعایتوں کے ساتھ، بہت سے مستثنیات کے ساتھ، اس کی مقدار اس محصول سے بہت کم تھی، جو مسلمانوں سے لیا جاتا تھا، جزیہ صرف اہل کتاب سے لیا جاتا ہے، لیکن مشرکوں کو بھی رعایت دی جاتی ہے تھی، اور ان کے حقوق تسلیم کر لیے جاتے تھے:۔

ولا تؤخذ الجزیة الا من اهل الکتاب وهم یهود و النصاریٰ و المجوس: اذا التزموا اداء الجزیة (۱۳۲)

جزیہ صرف اہل کتاب سے لیا جائے گا۔ اہل کتاب سے مراد۔ یہودی نصاریٰ ہیں اور مجوس بھی۔ بشرطیکہ ادائی جزیہ کا التزام کر لیں۔

نقض عہد کے بعد صلح:

ایک خاص واقعہ:

ابوعبیدہؓ حلب سے انطاکیہ کی طرف روانہ ہوئے، یہاں جند قنسرین کے باشندوں میں سے ایک گروہ قلعہ بند تھا۔ مہرویہ پر جو انطاکیہ سے تقریباً دو فرسخ (۱۳۳) پر ہے، دشمن کی ایک جماعت سے ان کی مٹھ بھیڑ ہوئی، انہوں نے اسے منتشر کر دیا، اس نے شہر میں پناہ لی، انہوں نے شہر کے تمام دروازوں سے اس کا محاصرہ کر لیا اور فوج کا ایک بھاری حصہ باب فارس اور اس دروازہ پر جس کو باب البحر کہتے ہیں متعین کر دیا۔ آخر انہوں نے جزیہ اور جلاوطنی پر صلح کر لی، ان میں سے بعض جلاوطن ہو گئے اور بعض مقیم رہے (جو مقیم رہے) ان کو امان دی گئی اور ان میں سے بالغ پر ایک دینار اور ایک جریب مقرر کیا گیا، پھر انہوں نے نقض کیا، ابوعبیدہؓ نے ان کی جانب عیاض بن غنم اور حبیب بن مسلمہ کو بھیجا اور دونوں نے پہلی ہی صلح پر اس کو فتح کر لیا۔ (۱۳۴)

نقض عہد کے بعد، بھی صلح کر لینا، قوت کے باوجود اس کا استعمال نہ کرنا، صرف مسلمانوں کا شیوہ تھا، اور یہی وہ چیز تھی جس نے اسلام کی سب سے زیادہ تبلیغ کی ہے۔

جبلہ اور حضرت عمرؓ:

جبلہ غسانی کا واقعہ، مختلف صورتوں میں، اسلامی لٹریچر کا ایک جزو بن چکا ہے لیکن اس واقعہ کی صحیح نوعیت ہم ذیل میں تاریخی طور پر درج کرتے ہیں، جس سے اندازہ ہوگا کہ حضرت عمرؓ، باہمہ تختی مزاج، اسلام کے معاملہ میں کتنے نرم تھے؟

جبلہ عمر بن خطابؓ کے پاس، بحالت نصرانیت آیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو اسلام اور ادائے صدقہ کی دعوت دی۔ اس نے انکار کیا اور کہا۔ ''اگر تو اپنے دین پر قائم رہے اور جزیہ دے''۔ اس پر اس نے ناک چڑھائی۔

حضرت عمرؓ نے کہا۔ ہمارے پاس تیرے لیے تین باتوں میں سے ایک کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اسلام یا جزیہ اور یا یہ کہ جہاں تیرا جی چاہے تو چلا جا، چنانچہ وہ تیس ہزار آدمیوں کے ہمراہ بلاد الروم چلا گیا۔ حضرت عمرؓ کو جب یہ خبر ہوئی تو نادم ہوئے، عبادہ بن الصامت نے انہیں ملامت کی اور کہا، ''اگر آپؓ اس سے صدقہ لینا قبول کر لیتے اور پھر اس کی تالیف (قلب) کرتے تو وہ ضرور مسلمان ہو جاتا۔

پھر جب ۲۱ھ میں (حضرت) عمرؓ نے عمیر بن سعد الانصاری کو بلاد الروم کی طرف جیش اعظم کے ساتھ بھیجا اور انہیں الصائفۃ کا والی کیا اور یہ اولین الصائفۃ تھی تو انہیں حکم دیا کہ جبلہ بن الایہم سے بہ تلطف پیش آنا اور اسے باہمی قرابت کا پاس دلا کر بلاد اسلام کی طرف دعوت دینا اور کہنا کہ: ''جو صدقہ تم نے دینے کو کہا تھا وہی دو اور اپنے دین پر قائم رہو''

عمیر روانہ ہو کر بلاد روم میں داخل ہوئے اور (حضرت) عمرؓ نے جبلہ سے جو کچھ کہنے کا حکم دیا تھا اس سے کہا، اس نے ان کی بات رد کر دی، اور اسی پر قائم رہا کہ بلاد روم ہی میں رہے گا۔ (۱۳۵)

حضرت عمرؓ کا یہ طرز عمل، اس بات کا ثبوت ہے کہ لوگوں کا اسلام پر مائل کرنے کے لیے، وہ زیادہ سے زیادہ رعایتیں اور سہولتیں دینے کو تیار ہو جاتے تھے۔ یہ رعایت جو قبول کر لیتا تھا، وہ اسلامی حلقہ کا ایک ممبر بن جاتا تھا، اور جو نہیں شریک ہوتا تھا۔ اس پر کسی

طرح کی زیادتی نہیں کی جاتی تھی۔

ایک اثر انگیز واقعہ:

دنیا میں اپنی نوعیت کا پہلا اور آخری واقعہ:

مجھ سے ابوحفص الدمشقی نے کہا، اور انہوں نے کہا کہ ہم سے سعید بن عبدالعزیز نے کہا کہ جب مسلمانوں کو یہ خبر ملی کہ (ہرقل) نے فوجیں جمع کی ہیں جو یرموک کی جنگ کے لیے ان کی طرف بڑھ رہی ہیں تو انہوں نے اہل حمص کو وہ سارا خراج واپس کر دیا جو ان سے لیا تھا اور کہا۔ "ہم دوسرے مشاغل کے باعث تمہاری نصرت حفاظت سے معذور ہو گئے ہیں، اب تم جانو اور تمہارا کام"۔ اس پر اہل حمص نے کہا "ہمیں تمہاری حکومت اور تمہارا عدل اس ظلم و جور سے بہت زیادہ محبوب ہے جس میں تمہارے آنے سے قبل مبتلا تھے۔ ہم ہرقل کی فوج کی مدافعت کریں گے اور تمہارے عامل کے ساتھ مل کر شہر کی حفاظت کریں گے۔" اور یہود نے کہا کہ "تورات کی قسم ، ہرقل کا عامل حمص میں اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتا جب تک وہ ہمیں مغلوب نہ کر لے اور ہماری کوششیں ضائع نہ ہو جائیں۔ پھر انہوں نے شہر کے دروازے بند کر لیے اور ان کی حفاظت کرنے لگے اور یہی ان شہروں کے یہود و نصاریٰ نے بھی کیا جن سے صلح ہو چکی تھی، انہوں نے کہا، اگر رومی اور ان کے ساتھی مسلمانوں پر غالب ہو گئے تو تمہاری جو حالت تھی، وہی پھر ہو جائے گی، اور اگر ایسا نہ ہوا تو جب تک ایک مسلمان بھی زندہ ہے ہم اسی حالت میں رہیں گے۔" پھر جب اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ہزیمت دی اور مسلمانوں کو غالب کیا تو انہوں نے اپنے شہروں کے دروازے کھول دیے اور مقلسین (گانے بجانے والوں) کو ساتھ لے کے نکلے، جشن منایا، اور خراج ادا کیا۔ (۱۳۶)

جس تہذیب میں جنگوں کے وقت محکوموں سے سب کچھ چھین لینا، عین ثواب ہو وہ اس واقعہ کا بڑی مشکل سے ہی یقین یقین کرے گی، اس کی سمجھ ہی میں نہیں آ سکتا کہ دنیا میں ایسا بھی ہو سکتا ہے، لیکن ایسے ناممکنات اسلام ہی کے لیے خاص ہیں۔

سابق مرتدین سے حسن سلوک:

اہل ردہ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ نے جو سلوک کیا تھا، اور اس واقعہ ارتداد نے جو خطرناک اور نازک صورت حال اختیار کر لی تھی، اس پر ہم گفتگو کر چکے ہیں، لیکن اس کے باوجود:

تمام راویوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ابوبکرؓ مرتدین اور عجمیوں کی جنگ میں فتنہ ارتداد کے کسی شخص سے مدد نہیں لیتے تھے مگر عمرؓ نے ان کو فوج میں بھرتی کیا اور جنہوں نے اپنی خدمات پیش کیں ان کو قبول کر لیا۔ (۱۳۷)

حضرت عمرؓ کا خط:

حضرت عمرؓ نے اپنے مامور عساکر سعد کو ایک خط لکھا، اس خط میں، انہوں نے عجمیوں کے بارے میں فرمایا:

اگر تم میں سے کوئی شخص بطور کھیل کے بھی کسی عجمی کو امان دے یا ایسا اشارہ کرے یا ایسے الفاظ کہے جن کو عجمی نہ سمجھتے ہوں مگر وہ اس کو امان جانیں تو تم اس امان کو برقرار رکھو۔ (۱۳۸)

اہل بعلبک سے عہد نامہ:

حضرت عمرؓ کے عہد گرامی میں فتوحات کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو چکا تھا، ان مفتوحین میں ہر طرح کے لوگ تھے۔ رومی بھی فارسی بھی، اور عرب بھی، ان میں اہل کتاب بھی تھے، مشرک بھی اور ملحد دہریئے بھی، نیز اسلام کے بدترین مخالف، اور اعدعدو بھی، ان کی گردنیں ہمیشہ اکڑی رہتی تھیں، لیکن مغلوب ومفتوح ہونے کے بعد وہ اکڑی ہوئی گردن جب خم کھاتی، اور جھکتی تھی تو، اسلامی حکومت کے ارباب کار نہ ان کا استہزا کرتے تھے۔ نہ اہانت آمیز شرائط قبول کرنے پر مجبور کرتے تھے۔ بعلبک جب فتح ہوا تو رومیوں، فارسیوں اور عجمیوں سے یہ معاہدہ عمل میں آیا۔

جب ابو عبیدہؓ مدینہ و دمشق کے معاملہ سے فارغ ہو کر حمص کی طرف جاتے ہوئے بعلبک سے گزرے تو یہاں کے باشندوں نے ان سے صلح وامان کی درخواست کی اور انہوں نے ان سے ان کی جان اور ان کے اموال اور ان کے کھیتوں کو امان دے کر صلح کر لی اور ان کے لیے یہ لکھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

یہ امان نامہ فلاں بن فلاں کے لیے اور اہل بعلبک۔ اس کے رومیوں اور اس کے فارسیوں اور اس کے عربوں۔۔۔ کے لیے ہے۔ ان کے نفوس'' ان کے اموال، ان کے کنیسہ اور ان کی محل سرائیں۔۔ خواہ وہ داخل مدینہ میں ہوں یا اس کے باہر۔۔ اور ان کی چکیاں امان میں ہیں رومیوں کو اجازت ہے کہ وہ پندرہ میل کے اندر اپنے مویشی چرائیں اور کسی قریہ عامرہ (آباد گاؤں) میں بارہ ربیع الاول و جمادی الاول گذرنے تک نہ آئیں۔ اس کے بعد جہاں چاہیں اتر سکتے ہیں ان میں سے جو اسلام لائے گا اس پر وہی فرائض ہوں گے جو ہم پر ہیں ان کے تاجروں کو ان کے شہروں میں سفر کرنے کی اجازت ہے جن سے ہماری صلح ہو چکی ہے۔ ان میں جو اپنے مذہب پر قائم رہے گا، اس پر جزیہ واجب ہے۔ اس پر اللہ شاہد ہے اور اس کی شہادت کفایت کرتی ہے۔ (۱۳۹)

ذمیوں کے ساتھ رعایت:

اور جزیہ قبول کرنے کے بعد ان ذمیوں کے مراعات وحقوق کی کیا کیفیت ہوتی تھی؟ کاغذ پر ان کے جو حقوق ہوتے تھے۔ عمل میں آ کر وہ اور زیادہ بڑھ جاتے تھے، حد یہ ہے کہ ان کی بدعہدی اور نقض عہد تک پھر ان کے ساتھ رعائتیں کی جاتی تھیں۔

''اگر کوئی ذمی، یا معاہد، التزام، جزیہ کے انقضاع کا مرتکب ہو، مسلمانوں سے مقاتلہ کرتا ہو، یا حکومت کے قوانین نہ مانتا ہو، یا دورا لحرب کی طرف بھاگ جائے، تو اس کا خون اور مال حلال ہے لیکن اس کی عورتوں اور اولاد کے ساتھ اس وقت تک مسلمان تو نقض عہد نہیں کریں گے، جب تک وہ بھی، اس کے ساتھ دارالحرب نہ بھاگ گئے ہوں''۔ (۱۴۵)

افراد پر جزیہ، زمین پر خراج:

ہرقل نے مسلمانوں سے شکست کھائی، لیکن شکست تسلیم نہیں کی وہ ہارنے کے بعد تازہ دم ہو کر پھر، جنگ وپیکار کی تیاریوں میں مصروف ومنہمک ہو جایا کرتا تھا، ایسا بھی ہوتا تھا کہ وہ خود میدان جنگ میں نہ آتا تو مگر دوسروں کو بھڑکا کر میدان جنگ میں بھیج دیتا، اس

کی قوت زبردست تھی، وسائل بے پناہ تھے، مال وزر کی کمی نہ تھی، ساز وسامان جنگ کی فراوانی تھی، باایں ہمہ وہ مسلمانوں کے سامنے نہ ٹھہر سکا، کبھی بھی اس کی یہ تمنا نہ بھر آئی کہ وہ مسلمانوں کو شکست دے کر اپنے دل کے حوصلے پورے کرتا، اسی طرح کا ایک واقعہ:۔

ہرقل نے انطاکیہ پہنچ کر روم و اہل الجزیرہ کو نفیر دی اور ان کی کمان خاص اور معتمد لوگوں میں سے ایک کو بھیجا الاردن میں فحل پر مسلمانوں کی ان سے مڈبھیڑ ہوئی وہ بڑی بے جگری سے لڑے، مگر اللہ نے مسلمانوں کو غالب کیا۔ ان کا بطریق دس ہزار آدمیوں کے ساتھ مارا گیا۔ بقیۃ السیف مون الشام میں منتشر ہو گئے اور بعض ہرقل کے پاس چلے گئے اہل فحل قلعہ گیر ہو گئے۔ مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ حتیٰ کہ وہ اس پر امان خواہ ہوئے کہ اپنے افراد پر جزیہ اور اپنی زمین پر اخراج دیں گے، مسلمانوں نے انہیں ان کے جان اور ان کے اموال پر امان دی اور یہ وعدہ کیا کہ ان کی دیواریں مسمار نہیں کی جائیں گی۔ اس معاہدہ کے ولی ابو عبیدہؓ بن الجراح تھے۔ (۱۴۱)

بیمار عیسائیوں کی مالی امداد:

اوپر جو واقعات درج کیے گئے ہیں، وہ حضرت عمرؓ کے دور سے تعلق رکھتے ہیں خود حضرت عمرؓ کا ذاتی طور پر یہ عالم تھا کہ اگر وہ غیر مسلموں کے کسی گروہ یا جماعت کو مبتلائے مصیبت دیکھتے تو ان کی ساری خطاکاریں اور شرارتیں بھول کر امداد و اعانت پر کمربستہ ہو جایا کرتے تھے۔

اور یہ امداد بغیر کسی شرط کے ہوتی تھی، حقیقت یہ ہے اس طرز عمل نے غیر مسلموں کے دلوں میں اسلام کی عظمت پیدا کی اور وہ غور کرنے پر مجبور ہوئے کہ یہ بے لاگ طرز عمل صرف اس دین کے پیروؤں کا ہو سکتا ہے جو واقعی آسمانی ہو، چنانچہ ذیل کا واقعہ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے:

حضرت عمر بن خطابؓ ارض دمشق میں الجابیہ جاتے وقت نصاریٰ کی ایک جماعت پر سے گذرے جو جذام میں مبتلا تھی اور اس کو دیکھ کر حکم دیا کہ: ان لوگوں کو صدقات میں کچھ دیا جائے اور ان کے لیے مد معاشیں جاری کی جائیں۔'' (۱۴۲)

ذمی کے احسان کا بدلہ:

کسی ذمی کی طرف سے، اگر ذرا بھی معقولیت، اور انسانیت، شرافت اور دوستی کا مظاہرہ ہوتا تھا تو وہ یاد رکھا جاتا تھا، اور موقع ملتے ہی اس کا بدلہ دیا جاتا تھا اور عملی طور پر اس کی امداد و اعانت کا خواہ کتنی ہی قلیل اور ناقابل التفات کیوں نہ ہو، شکر و سپاس کے ساتھ اعتراف کیا جاتا تھا۔

اس سلسلے میں ہم، دیر خالد کا ایک واقعہ پیش کرتے ہیں، جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے دلچسپ اور سبق آموز بھی ہے، اور شاید عہد جدید کے ارباب سیاست کے لیے، عام اس سے کہ وہ مشرق سے تعلق رکھتے ہوں، یا مغرب کے باشندے ہوں حیرت انگیز اور ناقابل یقین بھی، کیونکہ اس طرح کی باتوں پر نہ وہ عمل کرنے کی عادی ہیں، نہ غور کرنے کے:

ہشام کہتا ہے میں نے الولید مسلم کو کہتے سنا ہے کہ:

خالدؓ بن ولید اس دیر ساکنوں سے جو دیر خالد کے نام سے مشہور ہے یہ شرط کی تھی کہ ان کے خراج میں تخفیف کر دی جائے گی کیونکہ انہوں نے ان کو وہ سیڑھی لا کر دی تھی جس پر وہ چڑھے تھے، اور ابو عبیدہؓ نے یہ شرط ان کے لیے نافذ کر دی۔ (۱۴۳)

اس موقعہ پر بات یہ یاد رکھنے کی ہے کہ شرط کے نفاذ کا موقعہ حضرت خالدؓ کو نہیں ملا، بلکہ اس کا نفاذ ان کے جانشین حضرت ابوعبیدؓ نے کیا۔

عیسائی عالم کی قدرومنزلت:

یہ واقعہ کہ جب حضرت عمر بن العاص نے (عہد فاروقی میں) مصر فتح کیا تو مشہور عیسائی (۱۴۴) فلسفی جان (JOHN) عربوں کا یحیٰ نوی) دربار میں حاضر ہوا۔ عیسائی مورخ ابن العبری لکھتا ہے:(۱۴۵)

اور جان۔ عمروؓ بن العاص کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عمرو بن العاص نے اس کی علمی فضیلت سے واقف ہو کر عزت افزائی کی (ندیموں) میں داخل کر لیا اور عمرو بن العاص نے اس کی زبان سے وہ فلسفیانہ الفاظ سنے جس سے عرب کبھی مانوس نہ تھے۔"

ابن ندیم نے بھی اس روایت کی تائید کرتا ہے۔ اس مورخ کے یہ الفاظ ہیں۔

ولما فتحت مصر علیٰ ید عمرو بن العاص دخل الیہ و اکرمہ وراٰی لہ موضعاۃ

اس کے بعد دوسرے امرائے عرب نے بھی فلسفہ کی قدردانی کی اور ترجمہ علوم یونانی پر کثیر دولت صرف کردی، اور بقول صاعد السی یہ بھی قابل تسلیم ہے کہ صدر اسلام میں عربوں نے ممالک غیر کے علوم وفضول پر توجہ نہیں کی اور صرف اپنی زبان اور قرآن کے فدائی تھے۔ البتہ طب اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ وہ قدیم عربوں (۱۴۶) میں موجود تھی لیکن ہنوز ابتدائی حالت میں تھی۔

رعایت ہی رعایت:

یہ امر واقعہ ہے کہ اسلام کے حکومت وفرماں روائی میں، جو آسائشیں اور فراغتیں غیر مسلموں کو حاصل تھیں وہ خود اپنی قومی حکومت کے زمانہ میں بھی انہیں حاصل نہیں تھیں، یہی وجہ ہے کہ وہ گو عقائد کے لحاظ سے، اسلام سے کوئی سروکار نہیں رکھتے تھے، لیکن دل سے دعا مانگا کرتے تھے کہ مسلمان کامیاب ہوں، اور وہ ان کے زیر سایہ امن وراحت کی زندگی بسر کرسکیں۔

حضرت خالدؓ بن ولید نے، حیرہ کے باشندوں کو، جو امان نامہ عطا فرمایا تھا، اس کی عبارت کا ایک حصہ کچھ یوں بھی تھا:

وجعلت لھم ایما شیخ ضعف عن العمل او اصابتہ آفۃ من الآفات طرحت جزیتہ وعید من بیت من المسلمین ھوو عیالہ.

میں نے ان ذمیوں کے لیے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ ان میں سے اگر کوئی شخص بڑھاپے کی وجہ سے مجبور ہو جائے یا کسی آفت کا شکار ہو جائے تو اس کا جزیہ ساقط ہو جائے گا اور اس کے متعلقین مسلمانوں پر بیت المال کے عیاں شمار ہوں گے۔

یعنی ان کے نان نفقہ کا بندوبست سرکاری خزانہ سے کیا جائے گا۔ آج کل کی حکومتیں تو اپنے ہم مذہب اور ہم قوم لوگوں کی بیکاری سے تنگ ہیں، غیر مذہب اور غیر قوم کے لوگوں کی نگہداشت اور امداد کیا کرے گی، لیکن اسلام کے دور حکومت میں غیر قوم اور غیر مذہب کے لوگوں سے معاہدہ کیا جاتا تھا کہ اگر تم ناکارہ ہو گئے تو ہم تمہاری امداد کریں گے۔

غلام کی عطا کردہ امان:

غلام کی حیثیت ہی کیا ہوتی ہے؟ وہ تو اپنے آقا کا تابع ہوتا ہے۔ نہ اپنا مالک، نہ اپنے مال کا مالک، نہ کسی ارادہ میں آزاد، نہ کسی

محفل میں مختار، نہ کسی معاہدے کا سزاوار، لیکن اسلام کا سلوک اپنے غلاموں سے بالکل مختلف تھا۔ اسلام میں غلام کا مقام وہی تھا جو ایک مسلمان کا ہوتا ہے اور ہونا چاہیے، چنانچہ وہ سب کچھ کرسکتا تھا۔

فارس کے علاقہ کے مسلمان ایک شہر کا محاصرہ کرتے ہیں، محصورین کی مزاحمت اس حد تک کمزور ہو جاتی ہے کہ شہر کا فتح ہونا بالکل یقینی ہو جاتا، عین اس حالت میں اسلامی فوج کا ایک غلام شہزادیوں کے نام امان نامہ لکھتا ہے اور اسے تیر باندھ کر شہر میں پھینک دیتا ہے۔ دوسرے دن جب اسلامی فوج شہر پر حملہ کرتی ہے تو اہل شہر دروازہ کھول کر باہر آ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک مسلمان ہم کو امان دے چکا ہے، اب تم کیوں برسر پیکار ہو؟ امان نامہ دیکھا جاتا ہے تو علم ہوتا ہے، ایک غلام کی تحریر ہے، حضرت عمرؓ سے استصواب ہوتا ہے، جواب ملتا ہے اور اس کے ذمہ کی وہی قیمت ہے جو عام مسلمانوں کے ذمہ کی ہے، لہٰذا اس کی دی ہوئی امان نافذ کی جائے۔
مجھ سے عمرو الناقد نے کہا اس سے مروان بن معاویہ انضر اری نے اس سے عاصم الاحول نے اور اس سے فضیل بن زید الرقاشی نے کہ ہم شہر باج کا بشدت مہینہ بھر محاصرہ کیے رہے۔ ہمارا خیال تھا کہ ہم اس کو ایک دن فتح کر لیں گے۔ ہم نے ایک دن ان سے جنگ کی اور اپنے معسکر کی طرف آ گئے۔ ایک غلام ہم سے بچھڑ کر پیچھے رہ گیا۔ وہ سمجھے بھگوڑا ہے۔ اس غلام نے ان کے لیے امان لکھی اور تیر میں باندھ کے ان کی جانب پھینک دی۔ دوسرے دن جب ہم جنگ کے لیے نکلے تو وہ اپنے قلعہ سے باہر آئے اور کہا۔ ”لو یہ تمہاری امان ہے“۔ ہم نے عمرؓ کو لکھا۔ جواب آیا۔ ”مسلمانوں میں سے ایک غلام کا ذمہ تمہارے ذمہ کی مثل ہے۔ اس کی امان نافذ کرو“۔ ہم نے اس کی عطا کردہ امان نافذ کر دی۔ (۱۴۷)

غلام کے چند اور حقوق:

اسلام نے چونکہ غلامی کو ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا، اس لیے غلاموں کے حقوق زیادہ سے زیادہ ہیں اور آقاؤں کے کم سے کم۔ ایک طرف یہ تائید کی گئی ہے کہ انہیں وہی کھلاؤ جو کھاؤ، جو خود پہنو وہی پہناؤ، زیادہ محنت نہ لو، اگر کوئی ایسا کام ہو جو زیادہ مشقت طلب ہو تو خود بھی ان کا ہاتھ بٹاؤ اور ان کے ساتھ سخت کلامی سے نہ پیش آؤ، انہیں گالی نہ دو، ان کے ساتھ دل شکن برتاؤ نہ کرو، دوسری طرف انہیں تقریباً وہ تمام سہولتیں دی گئیں ہیں، جو ایک مسلمان کو مسلم مملکت کے شہری کی حیثیت سے حاصل ہیں۔

انہی احکام و ہدایات کے پیش نظر فقہ نے غلاموں کے جو حقوق متعین کیے ہیں، ان کا ایک نمونہ:

حد (شرعی سزا) اس شخص پر واجب ہوتی ہے جو مکلف ہو، (باہوش اور بالغ ہو) کار جرم کی حرمت سے واقف ہو، یہ حد صرف امام یا اس کا نائب مقرر کر سکتا ہے۔ البتہ باندی یا غلام کا مالک اپنے موروثی غلام کو زنا کاری کے جرم میں کوڑے لگا سکتا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، اگر تمہاری کوئی باندی زنا کی مرتکب ہو، تو اس کے کوڑے لگاؤ، لیکن غلام کا مالک چوری کے جرم میں ہاتھ نہیں قطع کر سکتا، نہ ارتداد کے جرم میں ہلاک کر سکتا ہے، نہ غلام کو کوڑے لگا سکتا ہے، نہ شادی شدہ لونڈی کو سزائے تازیانہ دے سکتا ہے اور غلام کی حد آزاد کے مقابلہ میں نصف ہے اور جو شخص کسی جرم کا ارتکاب کرے اور اس کا مقر بھی ہو، گواہوں کے نہ ہونے کی صورت میں پھر اپنے اقرار جرم سے پھر جائے تو اس کی حد ساقط ہو جائے گی۔ (۱۴۸)

حریت انسانی کا احترام:

اسلام نے غلامی کو ہرگز کوئی مستقل حیثیت نہیں دی، اس کے پیش نظر یہ بات نہیں تھی کہ غلامی مستقل طور پر قائم رہے، اس نے غلامی کو کم کرتے کرتے ختم کر دینے کا اصول قائم کیا اور اس سے بہتر کوئی صورت غلامی کو ختم کر دینے کی ہو بھی نہیں سکتی تھی۔ اوپر کی سطروں میں فقہ اسلامی کی کتابوں میں غلامی کی ایک قسم "مدبر" آتی ہے:

"مدبر بننے کا مفہوم یہ تھا کہ آقا اپنے غلام کی آزادی کے لیے مرنے سے قبل وصیت کر دے۔ آقا کے مرنے کے بعد یہ غلام آزاد ہو جاتا ہے۔ ائمہ کا اجماع ہے اگر ایک شخص کے قبضہ میں عاقل بالغ غلام ہے اور وہ دعویٰ کرے کہ یہ میرا غلام ہے اور غلام کو اس سے انکار ہو، ایسی حالت میں قسم کے بعد غلام کا قول معتبر ہوگا اور اسے آزاد خیال کیا جائے گا۔ اس جگہ اسلام کے مشہور قانون "شہادت مدعی پر اور قسم مدعا علیہ پر ضروری ہے" کے مطابق یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اسلامی زاویہ نگاہ سے غلامی ایک عارضی چیز ہے، اس لیے مدعی کی شہادت کو پیش کرنے کی تکلیف دی گئی اور مدعا علیہ کی قسم پر اکتفا کیا گیا۔

اسلام کا قانون ہے کہ ایک پڑا ہوا بچہ اگر وہ دو شخصوں کے درمیان وجہ نزاع ہو، ایک شخص مسلمان ہو، دوسرا غیر مسلم۔ مسلمان کا دعویٰ ہو کہ یہ میرا غلام ہے اور کافر کہتا ہو یہ میرا بچہ ہے، اس وقت قاضی کافر کے حق میں فیصلہ کرے گا تاکہ اسے آزادی حاصل ہو سکے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسلام نے انسانی آزادی کا کتنا احترام کیا ہے۔!

غلام نہ بنانے کا عہد: ایک خاص واقعہ:

ابو موسیٰ اور عثمان بن ابی العاص نے عمرؓ کی آخر خلافت میں ارجان جزیہ و خراج پر صلحاً فتح کیا۔ پھر دونوں نے ناحیہ، ارشیر، خرہ میں شیراز اس شرط پر فتح کیا کہ اس کے باشندے ذمی ہوں گے اور خراج دیں گے جو ان میں جلاوطن ہونا چاہے، اسے رخصت ہوگی اور یہ کہ انہیں قتل کیا جائے گا نہ لونڈی غلام بنایا جائے گا۔ پھر دونوں نے اسی ناحیہ میں سینیز فتح کیا اور اس کی زمین اس کے باشندوں کے ہاتھ میں رہنے دی کہ اس کو آباد کریں۔ (۱۴۹)

صلح بغیر جنگ کے:

ایسا بھی ہوتا تھا کسی مقام پر مسلمانوں نے لشکر کشی کی، وہاں کے لوگ خوف زدہ ہو گئے اور سرکشی چھوڑ کر صلح پر مائل ہو گئے، تو ان سے صلح کر لی جاتی تھی، ابو موسیٰ جندیسابور کی طرف گئے، سابوری والے ان کی لشکر کشی سے سراسیمہ ہو گئے، امان چاہی، ابو موسیٰ نے ان کو امان دی اور اس پر صلح کر لی کہ نہ ان میں کسی کو قتل کیا جائے گا اور نہ لونڈی غلام بنایا جائے گا اور نہ ان کے اموال سے تعرض کیا جائے گا، لیکن اسلحہ مسلمانوں کا حق ہے۔ (۱۵۰)

نقض عہد کے بعد مقاتلہ، پھر دور غلامی، پھر رہائی!

ایک مقام صلح کے ماتحت مسلمانوں کا زیر نگیں بن جاتا ہے، لیکن غیر مسلموں کی طرف سے نقض عہد ہوتا ہے۔ مسلمان تلوار سنبھالتے ہیں اور ان نقض عہد کرنے والوں سے جنگ کرتے ہیں اور اسی جنگ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پیمان شکن شکست کھاتے ہیں اور

مسلمان غالب آتے ہیں، ان کی عہد شکنی پر مسلمان برہم ہیں اور اس کی سزا یہ دیتے ہیں کہ ان کے مردوں اور عورتوں اور لڑکوں کو لونڈی غلام بنا لیتے ہیں۔

یہ بات وقت کے عام قانون کے مطابق بالکل جائز اور مناسب تھی، اس پر کسی طرح کا اعتراض نہیں کیا جا سکتا تھا، جن لوگوں نے شرارت کا آغاز کیا تھا، نقضِ عہد کر کے خود جنگ اور مقاتلہ کو دعوت دی تھی، انہیں اپنی ان سرگرمیوں کے نتائج بھی بھگتنا چاہیے تھے اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ انہیں غلام بنا لیا جائے تاکہ پھر وہ سر نہ اٹھا سکیں۔ اب ان سے عہد ہی نہ کیا جائے کہ پھر انہیں عہد شکنی کا موقعہ ہی نہ دیا جائے کہ پھر کسی تلخ اور تکلیف دہ تجربہ کی نوبت آئے۔ لیکن کیا فاتح مسلمانوں کے اس طرز عمل کو مملکت کے سربراہ اعلیٰ نے گوارا کر لیا۔

مجھ سے اسحاق بن ابی اسرائیل نے کہا، اس سے ابن المبارک نے اس سے ابن جریج نے اور اس سے عطاء الخراسانی نے کہ: تستر پہلے صلحاً فتح ہوا، پھر اہل تستر نے نقض کیا۔ مہاجرین نے ان کے مقاتلین کو قتل کیا اور عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنایا۔ یہ لونڈی غلام اس وقت تک اپنے مالکوں کے پاس رہے کہ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ جو لوگ تمہارے قبضے میں ہیں انہیں رہا کر دو۔ (۱۵۱)

صحابہ کا قاتل اور مسلمانوں کا دربار خلافت سے پروانہ رہائی حاصل کرتا ہے:

میدان جنگ میں ایک دشمن گرفتار ہوتا ہے، یہ دشمن لڑائی کے دوران میں بہت سے مسلمانوں کو قتل کر چکا ہے، اس کے ہاتھ سے دو صحابی رسول بھی جام شہادت نوش کرتے ہیں۔ اب یہ بالکل بے بس ہے، اسے مدینہ منورہ دربار خلافت میں بھیجا جاتا ہے کہ یہ اپنے کیفر کردار کو پہنچے۔ حضرت عمرؓ خلافت پر تشریف فرما ہیں۔ وہ اس شخص کی کارروائیوں سے خوب واقف ہیں اور ان کا قطعاً کوئی ارادہ نہیں ہے کہ اسے زندہ چھوڑیں، وہ اس سے گفتگو کا آغاز کرتے ہیں، وہ بات نہیں کرتا، حضرت عمرؓ اس سے کہتے ہیں (لاباس) مت ڈر، بات کر، یہ بات روانی سخن میں منہ سے نکل جاتی ہے، لیکن شرع اور فقہ کی اصطلاح میں یہ لفظ کلمہ "امان" ہے، یعنی اگر کوئی مسلمان کسی دشمن (غیر مسلم) سے یہ کہہ دے، مت ڈر، تو پھر اس کے معنی یہ لیے جاتے ہیں تو اسے امان دے دی گئی۔ اب اس کا خون حرام ہے، اسے قتل نہیں کیا جا سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے یہ بات اس ارادہ سے نہیں کہی تھی کہ اسے اماں دی جاتی ہے۔ سلسلہ گفتگو جاری کرنے کے لیے آمد سخن میں ایک بات کہہ دی تھی، جب وہ سزا دینے پر تیار ہوئے تو یہ لفظ یاد دلایا گیا، اور وہ اسے رہا کر دینے پر مجبور ہو گئے:

ہم سے ابو عبیدہؒ نے کہا، اس سے مروان بن معاویہ نے، اس سے حمید نے اور اس سے انسؓ نے کہ: ہم نے تستر کا محاصرہ کیا۔ ہرمزان نے ہتھیار ڈال دیے۔ ابو موسیٰؓ نے ہرمزان کو میرے ساتھ حضرت عمرؓ کے پاس بھیجا، میں اس کو لے کر مدینہ مبارک پہنچا۔ حضرت عمرؓ نے اس سے کہا: "کچھ بات کر"۔ اس نے کہا۔ "زندہ رہنے والوں کی سی یا مرنے والوں کی سی"۔ بولے "بات کر ڈر نہیں"۔ ہرمزان نے کہا۔ "ہم عجمی اس وقت تک تمہیں مارتے اور دباتے رہے جب تک اللہ نے ہمیں اور تمہیں جب لینے کو آزاد چھوڑ دیا تھا، لیکن جب اللہ تمہارے ساتھ ہو گیا تو ہمارے ہاتھ تمہارے مقابلہ سے عاجز ہو گئے"۔ حضرت عمرؓ نے کہا: "انسؓ! کہو کیا کہتے ہو؟" میں نے کہا۔ "میں اپنے پیچھے ایک تیز کانٹا اور کتے کی طرح چٹنے والا دشمن چھوڑ آیا ہوں، اگر امیر المومنینؓ اسے قتل کر دیں گے تو اس کی قوم زندگی سے مایوس ہو جائے گی اور جان توڑ کر لڑے گی اور اگر اس کو زندہ رہنے دیا تو اسے زندگی کا لالچ دامن گیر ہو گا۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ "اے انسؓ! سبحان اللہ، اس نے براء بن مالک اور مجزاۃ ثور الدوسی کو قتل کیا ہے"۔ میں نے کہا۔ "امیر المومنینؓ کے پاس اس

کے قتل کی کوئی سبیل نہیں ہے"۔ بولے "کیا اس نے تجھے کچھ دے دیا ہے؟" میں نے کہا۔ "نہیں۔ لیکن امیر المومنینؓ ہی نے اس سے کہا تھا۔ "لاباس" بولے۔ "یہ میں نے کب کہا؟ شاہد لاؤ ورنہ میں پہلے تمہیں سزا دوں گا"۔ انس کہتے ہیں۔ میں اٹھا اور زبیرؓ بن عوام کے پاس گیا۔ وہ اس وقت مجلس میں موجود تھے اور انہیں وہ بات یاد تھی جو مجھے یاد تھی۔ وہ آئے اور انہوں نے شہادت دی۔ حضرت عمرؓ نے ہرمزان کو رہا کر دیا، وہ اسلام لایا اور اس کے لیے روزینہ مقرر کر دیا گیا۔ (۱۵۲)

ہرمزان اپنی چشم تماشا سے یہ حیرت انگیز الفاظ دیکھ کر عمرؓ اور انسؓ کا مباحثہ اپنی چشم تماشا سے دیکھ رہا تھا، جب اس نے دیکھا کہ ایک غیر ارادی لفظ کے بعد اسلام نے اسے رہائی کا مستحق اور امان کا سزاوار قرار دے دیا ہے، تو اس کا دل پگھلا، اس دین کی طرف وہ مائل ہوا، پھر جب اس نے دیکھا کہ وہ شخص جس کی جبروت سے روم لرزہ براندام اور جس کے جلال سے فارس لرزاں اور ترساں ہے، جس کے منہ سے نکلا ہوا ایک حرف کسی ایک شخص کا نہیں ملکوں اور ملتوں کی قسمت کا فیصلہ کر دیتا ہے اور وہ حرف، حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے، پھر اسے چیلنج نہیں کیا جا سکتا، اس کی خلاف ورزی نہیں کی جا سکتی۔ وہ صاحب جبروت و جلال شخص اپنے خدا اور رسولؐ کے قانون کے سامنے بے بس ہو کر اسے رہا کر دیتا ہے، تو اب وہ مسلمان نہ ہوتا تو کیا کرتا؟ اس کے لیے اس کے سوا اور چارہ کار بھی کیا تھا؟ ہرمزان مسلمان ہو گیا۔

مسلمان ہونے کے بعد وہ مسلمانوں میں شامل کر لیا گیا، اس کا روزینہ بھی بیت المال سے دوسرے مسلمانوں کی طرح مقرر کر دیا گیا۔

لوگوں کو یہ باتیں نہیں یاد رہتیں، صرف اسلام کی تلوار یاد رہتی ہے۔

اسیران جنگ کی رہائی:

ہمارا یہ دعویٰ کہ اسلام غلامی کو جائز نہیں رکھتا، یہ ایسا دعویٰ ہے کہ قدم قدم پر جس کی تائید سنت رسول کریمؐ اور اسوۂ خلفائے راشدینؓ سے ملتی ہے اور یہ ایسی دلیل ہے جسے ماننے اور تسلیم کرنے پر ہر مسلمان خواہ وہ کسی ملک کا کیوں نہ ہو، مجبور ہے۔

اپنے دعویٰ کے ثبوت میں مزید دلیل کے طور پر ہم ذیل میں ایک اور واقعہ پیش کرتے ہیں:

مجھ سے سعدیہ نے کہا، اس سے شریک نے، اس سے ابو اسحاق نے اور اس سے المہلب بن ابی صفرہ نے کہ "ہم نے مناذر کا محاصرہ کیا، بہت سے اسیران جنگ ہمارے ہاتھ آئے۔ حضرت عمرؓ نے لکھا: مناذر بھی السود کی بستیوں کی مثل ایک بستی ہے جو لوگ تمہارے ہاتھ آئے ہیں انہیں رہا کر دو۔ (۱۵۳)

اور یہ رہائی ازروئے احسان تھی، نہ ان سے فدیہ لیا گیا، نہ جرمانہ۔

حضرت عمرؓ کی مداخلت:

اب ایک اور واقعہ ملاحظہ فرمایئے، جو اپنے گوناگوں شیوں کے لحاظ سے دلچسپ بھی ہے اور سبق آموز بھی:

سیاہ الاسواری یزدجرد کے مقدمہ پر تھا، پھر اس نے سیاہ الاسواری کو الاہواز کی طرف بھیجا اور وہ الکلبانیہ پر اترا۔ ابو موسیٰ الاشعریؓ السوس کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ سیاہ نے جب اسلام کا غلبہ اور مسلمانوں کی سربلندی دیکھی اور دیکھا کہ السوس فتح ہو گیا ہے اور ابو موسیٰؓ کے پاس پیہم کمک پہنچ رہی ہے تو اسے نے ابو موسیٰؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم تمہارے ساتھ تمہارے دین میں اس شرط پر داخل

ہونا چاہتے ہیں کہ ہم ان عجمیوں سے جو تمہارے دشمن ہوں، تمہارے ساتھ مل کر قتال کریں گے۔ اگر تمہارے درمیان اختلاف ہو تو تم ہم کسی فریق سے جنگ نہیں کریں گے اور اگر کبھی عربوں نے ہم سے جنگ کی تو ان کو ہم سے دفع کرنا تم پر لازم ہوگا اور ہمیں اختیار ہوگا کہ ہم جس شہر میں چاہیں رہیں اور تم میں سے جس کے ساتھ چاہیں اتریں اور یہ کہ ہمیں عطاء شرف دیئے جائیں گے، اس کے متعلق تمہارا وہ امیر ہم سے معاہدہ کرے جس نے تمہیں بھیجا ہے"۔ ابو موسیٰؓ نے کہلا بھیجا کہ "تمہارے وہی حقوق ہوں گے جو ہمارے ہیں اور تم پر وہ فرائض ہوں گے جو ہم پر ہیں"۔ انہوں نے کہا۔ "ہم اس پر رضامند نہیں"۔ ابو موسیٰ نے عمرؓ کو یہ ماجرا لکھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ "جو کچھ وہ چاہتے ہیں انہیں عطا کردو"۔ (ابو موسیٰؓ نے امتثال کیا۔ وہ اپنے مقام سے) نکل آئے اور مسلمانوں سے آملے اور ابو موسیٰؓ کے ساتھ تستر کے حصار میں شریک ہوئے، مگر جنگ میں حصہ نہیں لیا۔ ابو موسیٰؓ نے سیاہ سے کہا۔ "اے دوست! تم اور تمہارے ساتھی ویسے نہیں نکلے جیسا ہم نے گمان کیا تھا"۔ اس نے کہا۔ "میں تمہیں بتاتا ہوں کہ ہمارا نقطۂ نظر وہ نہیں ہے جو تمہارا ہے اور نہ تم میں ہماری حرمت ہے جس کا ہمیں خوف ہو اور جس کی خاطر ہم (تمہارے ساتھ مل کر) جنگ کریں۔ ہم تمہارے دین میں ابتداء میں صرف بچاؤ کی غرض سے داخل ہوئے تھے اور اس غرض سے کہ اللہ ہمیں اچھا اور بہت رزق دے گا "۔ اس کے بعد ابو موسیٰؓ نے ان کے لیے عطاء شرف مقرر کیے۔

یہ لوگ جب البصرہ پہنچے تو انہوں نے پوچھا کہ کون سا قبیلہ رسول صلعم سے زیادہ قریبی نسبت رکھتا ہے"۔ کہا گیا "بنی تمیم"۔ اس سے پہلے ان کا ارادہ تھا کہ بنی الازد سے محالفہ کریں، لیکن پھر انہوں نے بنی الازد کو چھوڑ کر بنی تمیم سے محالفہ کیا، پھر ان کے لیے تخطیط کی گئی اور وہ اپنی اپنی زمینوں میں اترے۔

انہوں نے اپنے لیے نہر کھودی جو نہر الاساورہ کے نام سے معروف ہے۔ (۱۵۴)

محکوم کے شرائط:

مسلمان جب کسی شہر یا عامرہ کو فتح کرتے تھے، تو شرائط صلح وہ نہیں پیش کرتے تھے، محکوموں کی طرف سے پیش ہوتے تھے اور مسلمان انہیں قبول کر لیتے تھے:

مجھ سے اسحاق نے کہا، اس سے اس کے باپ سلیمان نے اور اس سے اس کے مشائخ نے کہ: اہل صامغان وورا باذ نے عتبہ سے جزیہ اور خراج پر اس شرط سے صلح کی کہ انہیں قتل نہ کیا جائے، لونڈی، غلام نہ بنایا جائے اور انہیں ان کے مذہب سے نہ روکا جائے۔ (۱۵۵)

جزیہ پر صلح:

ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایک کا انجام دیکھ کر دوسرا عبرت حاصل کرتا تھا۔ ایک کی شکست دیکھ کر دوسرا صلح پر تیار تھا اور مسلمان پوری فراخ دلی سے یہ التماس قبول کر لیتے تھے:

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے عتبہ بن فرقد السلمی کو ۲۰ھ میں الموصل کا والی کیا۔ اہل نینویٰ نے عتبہ سے جنگ کی، عتبہ نے شرقی جانب کا قلعہ بہ زور فتح کر کے دجلہ عبور کیا۔ یہ دیکھ کر دوسرے قلعے کے باشندوں نے صلح کر لی کہ جزیہ دیں گے اور ان میں جو لوگ جلا وطن ہونا چاہیں انہیں جلا وطنی کی رخصت ہوگی۔

عتبہ نے الموصل میں بہت سے دیر پائے سب نے جزیہ پر صلح کر لی ا۔

ذمی کی دیت کا فیصلہ:

نجدی مذہب کے معاملہ میں بڑے متشدد ہوتے ہیں۔ یہ وہی ہیں جنہیں "وہابی" کہا جاتا ہے، لیکن ذمیوں کی دیت کا سوال جب علمائے نجد کے سامنے آیا، تو اپنی تشدد پسندی کے باعث وہ بھی اس مسئلہ میں کوئی ایسی بات نہ کہہ سکے جو ان کی تشدد پسندی کا ثبوت ہوتی، چنانچہ ایک "فتویٰ" ملاحظہ ہو۔

اذا ضرب المشرک وجرح فدمه هدر الآ الذمی و المعاهد والمستامن فديتهم اذا اصيبت نفس احدهم ثمانمائة درہ درلجرح ينظر فيما على قدر دياتهم.

(کسی لڑائی جھگڑے میں) اگر کوئی مشرک مجروح ہو یا مارا جائے، تو اس کا خون ہدا (مباح) ہے لیکن اگر ذمی یا معاہد یا مستامن پر یہ گزرے تو اس کی دیت جان جانے کی صورت میں دی جائے گی، جو آٹھ سو درہم ہے اور مجروح ہونے کی صورت میں زخم کی دیات کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔ (۱۵۶)

حضرت عمرؓ کا غیر مسلم غلام:

اب ہم حضرت عمرؓ کا ایک اور واقعہ پیش کرتے ہیں۔ یہ واقعہ اس شخص کا ہے جو دنیا کی ایک بہت بڑی مملکت کا سربراہ، ایک مثالی، کار گزار، جرأت مند، باحوصلہ، بہادر، شجاع اور اقتدار جدید کی حامل قوم کا سردار اعلیٰ تھا، جس کے جلال و جبروت کا یہ عالم تھا کہ روم و فارس کے ایوان اس کے ذکر سے لرزتے تھے، ملوک و سلاطین اس کے سامنے بید لرزاں کی طرح کانپتے اور سہمتے ہوئے حاضر ہوتے تھے، جس کی ہیبت اور عظمت کا یہ عالم تھا کہ اس کے اشارہ چشم کی خلاف ورزی بھی بڑے بڑوں کے لیے ناممکن تھی، وہ جو چاہتا تھا ہوتا تھا، جو کہتا تھا، اس کی تعمیل ہو کر رہتی تھی، جو فیصلہ کر لیتا تھا، اس کی تعمیل وقت کے جبابرہ تک کے لیے سرمایہ فخر و سعادت تھی، لیکن وہی باجبروت شخص اپنے غلام کا مذہب اپنی مرضی کے مطابق تبدیل نہ کر سکا۔

روی عن هلال المكالی عن وسق الرومی قال كنت مملوک عمر فكان يقول لی اسلم فانک ان اسلمت استعنت بک علی امانة المسلمين فانه لا ينبغی ان استعين علىٰ امانتهم من ليس منهم فابيت فقال اكراه فی الدين فلما حضرته الوفات اعتقنی فقال اذهب حيث شت.

ہلال لاتی وستا روی سے روایت کرتے ہیں کہ میں عمرؓ کا مملوک (غلام) تھا، انہوں نے مجھے فرمایا: اسلام قبول کر لے، اگر تو مسلمان ہو جائے تو مسلمانوں کی امانت کے سلسلہ میں تو میرا ہاتھ بٹا سکے گا، کیونکہ یہ کام کسی غیر مسلم سے نہیں لیا جا سکتا، لیکن میں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آپؓ نے فرمایا:

لا اكراه فی الدين یعنی دین کے معاملہ میں کسی طرح کا جبر روا نہیں، پھر جب آپؓ کا وقت وفات قریب آیا، تو آپؓ نے مجھے آزاد کر دیا اور فرمایا "تیرا جہاں جی چاہے چلا جا!"۔ (۱۵۷)

کیا یہ واقعہ اپنے اندر کوئی عبرت نہیں رکھتا؟ کیا دنیا کے مانے ہوئے اور عہد جدید کے سربرآوردہ مورخ TOYNBEE کی نظر

سے یہ واقعہ نہیں گزرا؟ اس نے دنیا کی تاریخ مذہب لکھتے وقت اسلام کے بارے میں جو کچھ لکھا، وہ صرف علم سینہ ہی پر مبنی ہے؟ تصورات اور تخیلات ہی کا شاہکار ہے؟ صرف سنی سنائی باتوں پر مشتمل ہے؟ اگر نہیں تو پھر یہ الفاظ اس کے قلم سے کیوں کر نکلے؟

(مسلمان) اپنے مذہبی اصولوں کے مطابق اس امر پر مجبور ہیں کہ دوسرے مذاہب کو برباد کرنے کے لیے تشدد اختیار کریں، لیکن اس کے باوجود کئی صدیوں تک دوسرے مذاہب کے ساتھ ان کا برتاؤ روادارانہ رہا! عیسائیوں کو صرف یہ حکم تھا کہ وہ تبلیغ کریں اور راہ ہدایت دکھائیں، لیکن اقتدار حاصل کرتے ہی انہوں نے تلوار سنبھال لی اور ان لوگوں کے درپے ہو گئے، جو ان کے ہم مذہب نہیں تھے۔ ہم ایسا محسوس کرتے ہیں کہ اگر مغربی ممالک کے عیسائی سارا سین (مسلمان) اور ترکوں کے بجائے ایشیائی ممالک کو فتح کرتے، تو آج ایک قوم کا کہیں نشان بھی نہ ملتا اور وہ مسلمانوں کے ساتھ ذرا بھی روادارانہ برتاؤ نہ کرتے!

عہد فاروقیؓ کے رعایا پروری اور انسانیت نوازی پر مبنی فرامین و معاہدات اور صلح حدیبیہ:

بنام سعد بن ابی وقاصؓ:

۱۔ مجھے القا ہوا ہے کہ تمہارے مقابلہ میں دشمن کو شکست ہوگی اس لئے شک کو دل سے نکال کر خشیت اللہ کو جگہ دو۔

۲۔ اگر تمہارا کوئی سپاہی کسی فارسی کو اشارے یا اپنی بولی میں امان دے، جسے فارسی امان سمجھے تو تم اسے امان ہی قرار دو۔

۳۔ میدان جنگ میں باہم ہنسی مذاق سے پرہیز کرتے رہو۔

۴۔ دشمن سے جو وعدہ کیا گیا ہو اسے پورا کرو۔ ایفائے وعدہ غدار مخالف پر بھی مؤثر ہوتی ہے اس کے مقابلے میں نقض عہد غلطی سے بھی کیا جائے تو انجام ہلاکت ہے۔ نقض عہد سے تمہاری طاقت کم اور دشمن کی قوت میں اضافہ ہوگا اور تمہاری فتح شکست سے بدل جائے گی۔

۵۔ مبادا! تمہارا رویہ مسلمانوں کی ہتک کا باعث ہو یا انہیں کسی صدمہ سے دوچار ہونا پڑے۔

فرمان کا دوسرا نسخہ: بروایت ابووائل:

ہم (سعد بن ابی وقاص) کی ماتحتی میں خانقین میں تھے، جب یہ فرمان وارد ہوا" قلعہ میں دشمن کی فوج کے محاصرہ پر انہیں خدا کے فیصلہ کے نام سے امان مت دو، تمہیں خدا کی مرضی کا تو علم ہی نہیں۔ البتہ اپنے فیصلہ (یا حکم) پر امان دو جس کے مطابق تم مختار ہو"۔ یہ بھی دشمن کے لیے امان ہی ہے کہ تم میں سے کوئی شخص دشمن کے سپاہی سے کہہ دے

"مت ڈرو!"

یا

"خوف مت کھاؤ!"

یا "مترس!" (در فارسی مترس)

کہ الفاظ کا منطوق خدا کے علم میں ہے۔

قادسیہ کے متعلق حضرت عمرؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ کی خط و کتابت:

از طرف حضرت عمر بنام سعد (بر مقام زرود ان)

کسی معتمد علیہ کو فرج الہند کی طرف بھیجئے جو وہاں مورچہ لگا لے اگر دشمن تم پر عقب سے حملہ آور ہو تو یہ اسے وہاں روک لے۔

اس پر سعدؓ نے مغیرہؓ ابن شعبہ کو ۵ سو سپاہی دے کر وہاں تعینات کیا ادھر سعدؓ جب قادسیہ (مقام) سے شراف تک آ پہنچے تو حضرت عمرؓ کی طرف اپنے پڑاؤ کی اطلاع لکھی۔ یہ مقام غضی اور جبانہ کے درمیان تھا۔ حضرت عمرؓ کا خط یہ ہے

یہ خط پہنچنے پر ان ہدایات پر عمل کرو!

۱۔ تمام لشکر دس حصوں میں تقسیم کیا جائے۔

۲۔ ہر دس سپاہیوں پر ایک افسر مقرر ہو۔

۳۔ دس دس سپاہیوں کے دس حصوں (ایک سو) پر ایک بڑا افسر ہو۔

۴۔ اور انہیں مندرجہ ذیل حصوں میں تقسیم کر دو۔

(الف) میمنہ

(ب) میسرہ

(ج) قلب

(د) پیدل

(ھ) سوار

(و) گشتی دستہ

۵۔ اس معاملہ میں اکابر صحابہ اور مقتدر مسلمانوں سے بھی مشورہ کرتے رہو۔

۶۔ اب ان پر علیحدہ علیحدہ افسر مقرر کر کے انہیں مقررہ جہتوں میں بھجوا دو۔

۸۔ ان میں جو دستہ قادسیہ پہنچ جائے وہ وہاں پڑاؤ کر لے۔

۹۔ مغیرہؓ بن شعبہ کو فرج الہند سے واپس بلا لو اور مجھے تمام صورت حال سے آگاہ کرو۔

سعدؓ نے مغیرہؓ بن شعبہ اور قبائل کے سرداروں کی طرف قاصد بھجوائے سب جمع ہو گئے، فوج کی گنتی ہوئی، انہیں شراف ہی میں مرتب کر لیا گیا۔ سرداروں کو حکم دیا کہ اپنے اپنے دستہ کو دس دس پر تقسیم کریں، تب ان پر سپہ سالار متعین کیے گئے اور یہی دستور زمانہ نبی ﷺ میں بھی تھا۔

اور حضرت عمرؓ نے اسی اصول کے مطابق دیوان (۱۵۸) (وظائف) بھی مقرر کیے۔

ہر ایک دستہ پر اکابر صحابہ کو افسر مقرر کیا، جس میں جنگی مہارت کا خیال بھی تھا۔ اسی طرح میمنہ، میسرہ، قلب، ساحلہ اور گشتی دستوں کو مرتب کیا گیا جیسا کہ حضرت عمرؓ کی ہدایات تھیں۔ عمرؓ نے مندرجہ ذیل ماہرین کو بھی سعد کے پاس بھجوا دیا۔

۱۔ عبدالرحمن ابن ربیعہ باہلی ذوالنور کو جمع غنیمت اور تقسیم اموال کے لئے۔

۲۔ سلمان فارسی کو ترتیب لشکر اور راستے بتانے کے لئے۔

۳۔ ھلال الہجری کو ایرانیوں کی ترجمانی کے لئے۔

۴۔ زیاد بن سفیان کو کتاب معاہدات کے لئے۔

مقام شراف پر سعدؓ بن ابی وقاص کے نام حضرت عمرؓ کا یہ فرمان پہنچا:

۱۔ شراف سے (فوجوں سمیت) قلب فارس کی طرف کوچ کرو، خدا پر بھروسہ رکھو اور ہر مشکل میں اس سے امداد طلب کرو!

اے سعدؓ! تم اس قوم پر حملہ کرنے کو ہو جو تم سے تعداد میں زیادہ، اسلحہ میں فائق، بہادر اور شجاعت پیشہ ہے، جن کی بستیاں سر بفلک ہیں، قدم قدم پر قدرتی چشمے اور فوجی استحکامات ہیں، یہ اگرچہ میدانی علاقہ ہے، مگر اس میں دریاؤں اور نالوں کی کثرت سے نقل و حرکت دشوار ہے دیکھو!

۱۔ مقابلہ کے وقت بلا توقف حملہ کر دو۔

۲۔ ان سے کسی قسم کا مباحثہ مت کرو۔

۳۔ دشمن بڑا عیار ہے اس کی جنگی چالوں پر نگاہ رکھو۔

۴۔ ایسے قوی دشمن پر لگن کے بغیر قابو نہیں پایا جا سکتا اور قادسیہ پہنچنے کے بعد!

۵۔ قادسیہ صدیوں سے باب فارس کے درجہ پر ہے۔ یہاں ان کے فوجی استحکامات مضبوط ہیں۔ محل وقوع کے اعتبار سے بھی زرخیز جگہ ہے۔ قیب کے فرائض وہاں کا پہاڑ ادا کر رہا ہے۔ قادسیہ کے ادھر دریا اور نہریں ہیں۔ دریا پر پل ہے جس پر فوجی استحکامات ہیں۔ تمہیں قادسیہ کی پہاڑی پر جانے والے تمام راستوں پر مورچے لگا دینا چاہئیں۔ تمہاری فوج کے ایک طرف (ادھر) فارس کا علاقہ ہو اور دوسری جانب صحرا!

۶۔ تم اپنے مورچے پر ڈٹ جاؤ۔

۷۔ دشمن تمہارا فوجی نظم دیکھ کر ایک دم ٹوٹ پڑے گا، اگر تم صبر و ثبات سے اپنی جگہ پر مدافعت کرتے رہے تو امید ہے کہ فتح حاصل کرو گے اور تمہاری اس قربانی پر خدا تعالیٰ تم سے خوش ہوگا۔

۸۔ دشمن اس مقصد پر شکست کے بعد پھر کبھی دل جمعی سے حملہ نہ کرے گا اور اگر وہ آگے بڑھے گا تو اس کا دل اس کے ساتھ نہ ہوگا۔

اور اگر تم نے شکست کھائی تب!

۹۔ تم وہاں سے ہٹ کر اس صحرا میں آ جانا جس کے طور طریقے تم دشمن سے زیادہ جانتے ہو پھر خدا تعالیٰ لڑائی کا پہلو پلٹ دے گا اور تمہیں فتح نصیب ہوگی۔

۱۰۔ دیکھو! فلاں روز شراف سے کوچ کر کے مقام عذیب الہجانات اور عذیب القوادس کے درمیان پڑاؤ ڈالو، اپنے خیمہ کے مشرق اور مغرب دونوں طرف فوجیوں کو ٹھہراؤ!

ایضاً

فرمان عمرؓ بنام سعدؓ در بارہ احکام متعلقہ قادسیہ:

۱۔ مبادا نا امیدی کا وسوسہ دل میں پیدا ہو۔

۲۔ لشکر میں عزم وثبات کی تلقین کرتے رہو۔

۳۔ آنے والی گھڑی کی آزمائش کے لئے خلوص نیت سے تیاری کرتے رہو۔

۴۔ اس راہ میں جان سپاری کو اللہ کی خوشنودی کا وسیلہ اور انعام کا موجب سمجھو!

۵۔ جو سپاہی ان دونوں باتوں سے خالی الذہن ہوں، ان کے قلوب میں یہ جذبہ تازہ کرو کیونکہ خدا کی امداد خلوص نیت کے مطابق ہوتی ہے اور جس انداز سے قربانی کی جائے اسی انداز سے خدا کی طرف سے انعام ملتا ہے۔

۶۔ مبادا! ماتحتوں کو تمہارے ہاتھ سے گزند پہنچے یا ان سے بے انصافی ہو۔

۷۔ جس مہم پر تم جارہے ہو اس کی تکمیل میں غلطی اور سہو نہ ہونے پائے۔

۸۔ تم میں سے ہر فرد خدا کی پناہ مانگتا رہے اور لاحول ولاقوۃ الا باللہ کا ورد کرتا رہے۔

اور مجھے ان سوالات کا جواب دیجیے؟

۱۔ تمہاری فوجیں کہاں تک آپہنچیں؟

۲۔ ایرانی لشکر کس مقام پر ہے؟

۳۔ ان کا سپہ سالار کون ہے؟

میں کچھ اور ہدایات بھی لکھنے کو تھا اگر مجھے وہاں کے حوادث کا اور علم ہوتا!

۴۔ یہ ضرور لکھو کہ مسلمانوں کا پڑاؤ کس مقام پر ہے؟

۵۔ یہ مقام مدائن (پایہ تخت فارس) سے کتنی دور ہے؟ یہ جغرافیہ اس تفصیل سے لکھو گویا میں ان مقامات کو موقعہ پر چل پھر کر دیکھ رہا ہوں؟

۶۔ مجھے لشکر کے حالات اور ضروریات سے بھی آگاہ کرو؟

۷۔ خدا سے ڈرتے رہو اسی سے اعانت اور فتح کی امید رکھو۔ مبادا اپنی قوت پر فخر کرنے لگو۔ البتہ خدا نے ہم سے فتح کا وعدہ ضرور کیا ہے اور وہ اپنے وعدہ کو بھی نظر انداز نہیں کرتا تم سے کوئی ایسا فعل نہ ہونا چاہیے جس سے موجودہ کامیابی اور نصرت خطرے میں پڑ جائے اور تمہارے سوا کوئی اور قوم خدا کی مہربانی کی مورد قرار پائے!

حضرت عمرؓ اور سعدؓ کی قادسیہ کے متعلق خط و کتابت:

حضرت سعد کی طرف سے عریضہ ا۔ (فرمان کا جواب)

"قادسیہ مقام خندق اور عتیق کے درمیان واقع ہے۔

اس کی بائیں سمت: حیرہ اور اس سے دور تک دونوں طرف سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔
ایک طرف سمندر ہماری پشت پر ہے اور دوسری سمت دریائے مخصوص ہے جو خورنق اور حیرہ کے درمیان بہتا ہے۔
اور دائیں سمت میں: دجلہ مقام تک دریا اور ندی امنڈ رہی ہے۔ میرے یہاں آنے سے قبل اہل سواد میں سے جن لوگوں نے مسلمان افسروں کے ساتھ معاہدے کیے تھے، وہ قادسیوں کے دباؤ سے منحرف ہو گئے ہیں۔ اس وقت رستم ہمارے مقابلہ میں ہے، وہ ہماری اور ہم اس کی قوت توڑنے کے درپے ہیں۔ معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے، مقدر کا لکھا ہو کر رہے گا، ہم اپنے لئے خدا سے بہتر انجام کے طلب گار ہیں"۔

حضرت عمرؓ کی طرف سے جواب:

"تمہارا خط ملا مطلوم سمجھا خدا کی امداد کے بھروسے پر اپنے دشمن کے کمزور ہونے تک وہیں پڑاؤ رکھو، انجام خدا ہی کے علم میں ہے، اگر دشمن کو شکست ہو تو مدائن تک اس کا تعاقب نہ چھوڑیے، انشاء اللہ مدائن تمہارے ہاتھوں فتح ہو کر رہے گا"۔

از سعدؓ بخدمت عمرؓ در بارۂ فتح قادسیہ:

واضح ہو کہ
ہمیں اللہ تعالیٰ نے اہل فارس پر فتح عطا فرمائی اور انہیں ان کے پہلوں کی مانند شکست سے دوچار کیا، مگر طویل اور شدید جنگ کے بعد یہ وقت دیکھنا نصیب ہوا۔
مسلمان اس فتح کی بدولت ان نعمتوں سے بہرہ مند ہوئے جو نعمتیں ہم میں سے بہتوں نے بھول کر بھی نہ دیکھی تھیں۔ آخر اللہ نے اہل فارس کو ان چیزوں سے مستفیض ہونے سے دور کر دیا اور ان کی بجائے مسلمانوں کے لئے وقف کر دی گئیں۔ ان دنوں مسلمان ساحل دریا پر چہل قدمی کر رہے ہیں، کبھی سرسبز وشاداب پہاڑوں پر مٹرگشت ہے اور گاہے عام شاہراہوں پر گھوم رہے ہیں۔
افسوس ہے کہ مسلمانوں میں سے سعد بن عبید القاری اور فلاں وفلاں نیز ان کے ماسوا کئی اور ایسے مسلمان کام آ گئے ہیں جن کے نام سے میں واقف نہیں، ان کے نام صرف اللہ کو معلوم ہیں۔ جنگ میں کام آنے والے یہ لوگ کتنے ستودہ صفات تھے، رات بھر قرآن مجید کی تلاوت میں رطب اللسان رہتے، جیسے شہد کی مکھیاں اپنے چھتوں سے چمٹی ہوتی ہیں۔ یہ لوگ شرافت کے مجسمہ تھے، جن کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ان کے بعد جو لوگ زندہ رہ گئے ہیں وہ کتنے برگزیدہ سہی مگر یہ خدا کی راہ میں شہید ہونے کے بغیر ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

حضرت عمرؓ کا جواب در بارہ بنائے شہر کوفہ:

سعدؓ نے حضرت عمرؓ کے حضور فتح کی جو نوید لکھی۔ جواب میں حضرت عمرؓ نے تحریر فرمایا
"(اس) فتح کے بعد کوئی اور شے طلب مت کرو"۔
اس جملہ کے جواب میں سعد نے اپنی تحریر میں عرض کیا

"یہ تو پگ ڈنڈی ہے اور میدان تو ابھی آگے ہے"۔

حضرت عمرؓ کا فرمان:

"اس سے آگے قدم مت بڑھاؤ، مبادا اہل فارس کا تعاقب شروع کر دو۔ مفتوحہ علاقہ کے قریب مسلمانوں کے لئے دارالہجرۃ اور چھاؤنی بناؤ۔ زنہار میرے اور مسلمانوں کے درمیان سمندر حائل کر دو۔"

اس فرمان پر سعدؓ نے شہر انبار میں پڑاؤ ڈال دیا، مگر یہاں رہ کر وہ نڈھال رہنے لگے، اکثروں کو تپ نے گھیر لیا، سعدؓ نے حضرت عمرؓ کو اس حادثہ سے مطلع کیا تو عمرؓ نے یہ خط بھجوایا۔

"عربوں کا مزاج اونٹ کا سا ہے جو آب وہوا اونٹ کے لئے موزوں ہے، وہی ان کے موافق ہے، بخلاف اس کے بکری سرسبز و شاداب وادی میں خوش رہتی ہے۔

فوج کے لئے ایسا مقام تجویز کیجئے جس کے ایک طرف سمندر اور اس کے دوسری طرف صحرا ہو"۔

تب سعدؓ نے وہ مقام تجویز کیا، جو آج کوفہ کے نام سے موسوم ہے۔ سعدؓ نے ہمراہیوں سمیت یہاں پڑاؤ کیا اور مسجد و رہائشی مکانات کے لئے احاطے کھینچ دیے۔

مسلمان لشکریوں کا عریضہ بحضور عمرؓ:

یہ عریضہ انس بن حلیس کے ہاتھوں بھجوایا گیا

مضمون عریضہ

سواد (عراق) کے جن باشندوں نے ہمارے ساتھ معاہدہ کیا تھا، بعد میں ان میں سے تین مقامات بانقیا، بسما اور الیس کے سوا تمام اپنے معاہدوں سے منحرف ہو گئے تھے اور یہ جواب طلبی پر کہتے ہیں کہ انہیں اہل فارس کھینچ کر میدان میں لے آئے، اتنا صحیح ہے کہ انہوں نے ہم پر ہتھیار نہیں اٹھائے، نہ اپنے گھروں کو چھوڑ کر کہیں اور آباد ہوئے۔

حضرت عمرؓ کی طرف سے انس بن حلیس کے خط کا جواب:

اللہ تعالیٰ مجبوری کے ہر معاملہ میں رخصت کو ملحوظ کراتا ہے مگر دو معاملات میں رخصت (رعایت) نہیں

الف: عدل

ب: یاد خدا

انصاف کرتے ہوئے ایک کو ترجیح اور دوسرے کو نظر انداز کرنا جائز نہیں۔ اپنے بیگانے دونوں کے لئے ایک ہی ناپ تول ہونا چاہیے۔ انصاف دیکھنے میں نرم ہے، مگر نفوذ میں قوی اور جور و باطل کے اندمال میں موثر ہے اور اگر وہ (انصاف) دیکھنے میں بھی قوی ہو تو کفر کے حق میں بے حد متاثر ہو جاتا ہے

کہنا یہ ہے کہ

باشندگان سواد عراق میں سے جو لوگ اپنے وعدہ پر رہے اور تمہارے دشمن کی مدد بھی نہ کی ان کے لئے تمہاری طرف سے امان ہے، مگر وہ تمہیں جزیہ ادا کریں۔

لیکن جو لوگ خود کو مجبور کہتے ہیں یا وہ لوگ جو اپنا گھر بار چھوڑ کر دوسری جگہوں پر جا بسے ہیں، ان کے بارے میں تم جو چاہو کرو، انہیں معاف کر دو یا انہیں فارس میں بھجوا دو!

سعدؓ بن ابی وقاص کا دوسرا عریضہ:

سواد کے غیر مسلم باشندے جو لڑائی کے موقع پر اپنی بستیوں سے نکل لئے تھے، ان میں سے ایک گروہ واپس لوٹ آیا۔ یہ گروہ اپنے معاہدے پر قائم رہا اور ہمارے دشمن کے ساتھ ہو کر ہم سے جنگ نہیں کی، ان کے ساتھ ہمارا جو معاہدہ تھا اسے ہم نے پورا کر دیا ہے!

دوسرا گروہ جو مدائن میں پناہ گزین ہوا اس میں سے بھی ایک حصہ ہمارے خلاف میدان میں نہیں آیا اور ان کا دوسرا گروہ ہمارے خلاف مجبور کر کے لایا گیا اور اس گروہ نے کسی نہ کسی طرح خود کو ہمارے حوالے کر دیا!

امیر المومنینؓ! یہاں کی مفتوحہ اراضی کا کہیں اور نمونہ نہیں اس کے اصل باشندے ادھر ادھر بکھر گئے ہیں اور مسلمان قلیل تعداد میں ہیں، جن مفتوحین سے ہمارا معاہدہ ہوا ہے، غنیمت ہے کہ ان کی تعداد ہنوز کافی ہے، اگر ان کے ساتھ لطف و کرم کیا جائے تو ملک پھر سے آباد ہو سکتا ہے، اس بارے میں کیا حکم ہے؟

حضرت عمرؓ کا جواب۔ بنام سعدؓ:

اہل سواد میں جو لوگ اپنے گھروں میں چپکے بیٹھے رہے، اگرچہ وہ کسی معاہدہ میں شریک نہیں چونکہ وہ تمہارے خلاف لڑائی میں شامل نہیں ہوئے ان کا معاملہ وہاں کے عام ذمیوں کا سا ہے، اسی ذیل میں وہاں کے کسان شمار ہوں! اور ان کے سوا ہر وہ شخص جو تمہارے خلاف لڑائی میں شامل نہیں ہوا، اسے بھی اسی ذیل میں رکھئے۔

ان میں سے غلط بیانی کرنے والوں کے ساتھ جو سلوک خود چاہو وہ کرو!

جو لوگ تمہارے خلاف دشمن کے معاون ہوئے یا اپنا گھر بار چھوڑ کر چلے گئے، ان کے بارے میں بھی تمہیں اختیار ہے، اگر چاہو تو انہیں ان کے گھروں میں پھر سے آباد کر دو اور ان کے ساتھ ذمیوں کا سا معاملہ کرو! وہ اسے بھی گوارہ نہ کریں تو ان کا متروکہ باہم غنیمت میں تقسیم کر لو۔

سعدؓ کا دوسرا خط (بخدمت امیر المومنین عمرؓ بن الخطاب)

مضمون:

قادسیہ اور بہر شیر دونوں کے وسط میں خونریزی کے بعد ہم نے بہر شیر پر قبضہ کر لیا ہے، وہاں کے باشندوں نے ہم سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ میں نے چاروں طرف سرکاری گھڑ سوار دوڑا دیئے جو نواحی بستیوں اور پہاڑیوں میں دبکے ہوئے کسانوں کو سمیٹ کر بہر شیر میں لے آئے ہیں ان لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟

خط کا جواب من جانب امیر المومنین عمرؓ

ان میں سے ایسے کسانوں کے لئے جنھوں نے تمہارے خلاف جنگ میں اقدام نہیں کیا ان کے لئے امان ہے

اور جو لوگ تم سے لڑے ہیں ان کے ساتھ تم جو مناسب سلوک چاہو کرو!

(سعدؓ نے مدائن کی نواحی بستیوں کے بکھرے ہوئے ایرانیوں کو مدائن میں جمع کیا جو گنتی پر ایک لاکھ تیس ہزار سے زائد تھے۔ ان میں سے ایک لاکھ کے سوا باقی سب لوگ گھر بار والے تھے۔ سعدؓ نے ان میں سے ہر ایک کے عمل کے مطابق انہیں تین قسموں میں تقسیم کر کے عمرؓ سے ان کی بابت پوچھا۔)

حضرت عمرؓ کا جواب:

۱۔ جو کسان اپنے گھروں ہی میں رہے، ان کے اموال سے تعرض مت کرو۔

۲۔ اور ان میں سے جو کسان چلے گئے یا دشمن کی حمایت میں ہم سے لڑے اور آج وہ تمہارے رحم و کرم پر ہیں، ان کے ساتھ وہ سلوک کرو جو ہم نے سواد فتح کرنے پر وہاں کے کسانوں سے کیا تھا۔

۳۔ ان دونوں قسموں کے سوا جو نیا معاملہ پیش آئے اس میں میری ہدایت پر عمل کرنا!

سعدؓ کا جواب بخدمت حضرت عمرؓ:

"لیکن ان منتوطین میں جو لوگ کسان نہیں ان سے کیا سلوک کیا جائے؟"

حضرت عمرؓ کا جواب:

۱۔ ان میں سے جو لوگ کسان نہیں اور ان پر تقسیم بھی لاگو نہیں ہوئی ان کا معاملہ تمہاری صواب دید پر موقوف ہے۔

۲۔ مگر جو لوگ تم سے لڑائی میں مغلوب ہونے کے بعد اپنی اراضی چھوڑ کر بھاگ گئے تو ان کی اراضی ریاست کی ملکیت ہے۔

۳۔ اور اگر تم نے ایسے لوگوں کو خود یک جا کر کے انہیں ذمی قرار دے دیا تو اب وہ ذمی ہی رہیں گے۔

۴۔ اور اگر یہ لوگ تمہاری دعوت پر واپس نہیں آئے تو ان کا متروکہ تمہارے لئے مال غنیمت ہے۔

فرمان عمرؓ بنام سعدؓ بر تقریب فتح عراق:

آپ کا یہ خط ملا کہ مسلمان فاتحین عراق اب سے تقسیم غنیمت کے در پے ہیں

جواب یہ ہے کہ!

۱۔ لشکریوں نے جس قدر منقولہ مال جمع کیا ہے اسے شرکائے جنگ پر تقسیم کر دیا جائے۔

۲۔ مگر سواد کی اراضی اور دریاؤں پر وہاں کے قدیم باشندوں ہی کو کاشت کے لیے بحال رکھا جائے۔

اس (نمبر۲) سے مقصد یہ ہے کہ ذرائع پیداوار اور ان کی آمدنی ہمارے اور آپ کے بعد آنے والے مسلمانوں کے لئے برقرار رہے

جس کے لئے آج تقسیم کر لینے سے آمدنی کے یہ سوتے بعد میں آنے والوں کے لئے خشک ہو جائیں گے!

سعدؓ!

آپؓ کو یاد ہونا چاہیے کہ فتح سواد پر متوجہ ہونے سے قبل میں نے حکم دیا تھا کہ حملہ سے پہلے وہاں کے باشندوں کو اسلام کی دعوت دی جائے، جو شخص مسلمان ہو جائے وہ اور دوسرے مسلمان دکھ سکھ دونوں میں مساوی ہیں اور ان واردان اسلام کو بھی غنیمت میں برابر کا حصہ دار قرار دیا جائے۔

مگر اہل سواد میں سے جو لوگ لڑائی کے بعد اسلام لائے ہوں، وہ بھی دکھ سکھ دونوں میں عام مسلمانوں کے مساوی ہیں۔ اس گروہ کے اموال پر مسلمان فوج قابض ہو چکی ہے۔ (۱۵۹) اس بارے میں میرا یہی حکم ہے۔

امیر المومنین عمرؓ کا فرمان بنام اہل بصرہ:

(درباره تقرر صوبیداری ابوموسیٰ اشعریؓ)

۱۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری اکابر صحابہ میں سے ہیں اور جن ۶ صحابہ نے کتاب وسنت میں ملکہ حاصل کیا ان میں ۶ ویں (ابوموسیٰؓ) ہیں بقیہ پانچ یہ حضرات ہیں۔

۱۔ حضرت عمرؓ

۲۔ حضرت علیؓ

۳۔ حضرت ابی بن کعبؓ

۴۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ

۵۔ حضرت زید بن ثابتؓ

حضرت ابوموسیٰؓ ریاست کی طرف سے تیس سال تک مختلف شعبوں پر افسر اعلیٰ کی حیثیت سے متعین رہے۔

اہواز، فارس اور کرمان کی فتوحات سے ہیں۔ عہد عثمانؓ میں امیر المومنینؓ کے اصرار سے کوفہ کی گورنری قبول فرمائی مگر حضرت علیؓ کی خلافت کے پہلے سال گورنری سے محروم کر دیئے گئے، بایں ہمہ صفین میں جناب علیؓ کی طرف سے تحکیم پر آپ کو مختار قضا دار رکھا گیا۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں بصرہ کی قضاۃ بھی ابوموسیٰ کو تفویض تھی۔ حضرت عمرؓ کا وہ مشہور اور مفصل فرمان انہی ابوموسیٰ اشعریؓ کی طرف ہے، جو دستور ریاست اور فیصلہ جات میں فصل الخطاب کے درجہ پر تسلیم کیا گیا ہے۔

اے باشندگان بصرہ!

واضح ہو کہ!

میں نے ابوموسیٰؓ کو تم پر گورنر مقرر کیا ہے اور انہیں ان امور میں پابند کر دیا گیا ہے۔

۱۔ کمزوروں کی دادرسی

۲۔ تمہارے دشمنوں سے مقابلہ

۳۔ تمہاری تکلیفوں میں کفالت

۴۔ اموال غنیمت کی نگرانی۔ اور تقسیم

۵۔ اور آپ لوگوں کی صحیح رہنمائی

فرمان عمرؓ بنام ابوموسیٰ اشعریؓ:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من جانب عبداللہ عمر امیر المومنین . بنام عبداللہ ابن قیس (ابو موسیٰ اشعری ؓ)

سلام علیک!

واضح ہو کہ!

پیش آمدہ مقامات میں صحیح فیصلہ قرآن کا مقرر کردہ فرض اور سنت نبوی کا قابل تمسک فریضہ ہے۔

اس طریق سے کر!

۱۔ دوران سماعت میں مقدمہ پر خوب غور کرو۔

۲۔ جو فیصلہ نافذ نہ ہو پائے اس کا حکم بے معنی ہے۔

۳۔ اہل مقدمہ میں برسر اجلاس کسی گروہ یا فرد کے ساتھ امتیاز مت رکھو، جس سے مقتدر گروہ یا فرد تم سے اپنے بارے میں رعایت کا متوقع ہو جائے اور کم درجہ فرد یا فریق تمہاری طرف سے بے انصافی کا خوف دل میں بٹھا لے۔

۴۔ مدعی سے اس کے دعویٰ اور شہادت طلب کرو۔

۵۔ اور مدعی کے انکار شہادت اور مدعا علیہ سے حلف (۱۶۰) لو

۶۔ عدالت میں مسلمان اہل معاملہ کے درمیان مصالحت کی کوشش کرنا جائز ہے۔ مگر صلح میں جائز اور ناجائز کا امتیاز قائم رہے۔

نظر ثانی:

۶۔ ہر ایک فیصلہ (تجویز) پر بعد میں نظر ثانی جائز ہے اس لئے کہ صداقت ازلی ہے اس کے خلاف قائم رہنے سے اس کی طرف رجوع بہتر ہے۔

۷۔ ایسے مقدمات بھی پیش ہو سکتے ہیں جن میں فی الوقت کتاب وسنتؐ سے رہبری نہ ہو سکے۔

(الف) ان مقدمات کے لئے دوسرے دوسرے نظائر سے مدد حاصل کرو۔

(ب) یا قیاس (۱۶۱) و اجتہاد سے کام لو۔

۸۔ مدعی اپنا ثبوت یا گواہ پیش کرنے کے لئے تاریخ مہلت کی درخواست کرے تو اسے یہ موقع دیا جائے۔

۹۔ اس کے بعد اگر وہ لیت و لعل کرے تو اس کے خلاف فیصلہ نافذ کر دو۔ اس طرح ظلم و ستم کے داغ مٹ جائیں گے اور فریقین کے لئے فیصلہ پر اعتراض کا راستہ بند ہو جائے گا۔

۱۔ شہادت میں ہر ایک برابر (۱۶۲) ہے۔
مندرجہ ذیل افراد کے سوا کہ گواہ
(الف) سزا یافتہ نہ ہو
(ب) پیشہ ور (گواہ) نہ ہو۔
(ج) ایسا موالی نہ ہو جو اپنی غلامی کی نسبت اصل آقا کے سوا دوسروں سے کرتا ہو۔
(د) نہ وہ آزاد (۱۶۳) جو اپنی خاندانی نسبت اور خاندان یا فرد سے کرے۔
یاد رہے کہ انسان کوئی فریب کیوں نہ کرے خدا تعالیٰ حقیقت سے آگاہ اور انسان سے در پردہ برائیوں کا معاملہ اس کے ہاتھ میں ہے، اگرچہ مقدمات کا فیصلہ ظاہری شہادت ہی پر موقوف ہوتا ہے۔

دوران سماعت میں عدالت کا رویہ:

۱۱۔ زنہار عدالت میں اہل معاملہ کے ساتھ ترش روئی سے پیش آؤ یا ان کا بیان سننے سے گھبرا جاؤ یا کسی فرد کے ساتھ سخت کلامی کرو۔
حکام اگر بر سر اجلاس انصاف و صداقت قائم رکھنے کی کوشش کرے تو خدا کا انعام اور عوام میں اچھی شہرت حاصل کر سکتا ہے۔
والسلام علیک!

ایضاً از حضرت عمرؓ بنام ابو موسیٰ اشعریؓ:

۱۔ واضح ہو کہ عوام اپنے بادشاہ سے دور رہتے ہیں خدا کی پناہ اگر میں اور آپؓ ایسی کورانہ روش اور کینہ توزی پر گام زن ہوں (جس سے عوام ہم سے دور رہیں)
۲۔ روز مرہ عدالت کیجئے اگرچہ تھوڑی دیر کے لئے ہو۔
۳۔ اگر بیک وقت دو ایسے امر پیش ہوں کہ ایک میں عاقبت اور دوسرے میں دنیا کا سود و بہبود ہے تو عاقبت کو ترجیح دیجئے۔
دنیا فنا ہونے والی ہے اور عاقبت کو دوام حاصل ہے۔
۴۔ بدکردار لوگوں پر پوری نگرانی رکھئے۔
۵۔ مسلمان مریضوں کی عیادت میں کوتاہی نہ کیجئے۔
۶۔ ان کے جنازہ میں شرکت کیجئے۔
۷۔ عوام کے لئے اپنا دروازہ کھلا رکھئے اور ان کے معاملات میں ذاتی طور پر بھی دلچسپی لیتے رہئے۔ آپؓ بھی تو انہی میں سے ایک فرد ہیں البتہ ان کے مقابلہ میں آپ کی ذمہ داری کہیں زیادہ ہے۔
اے ابو موسیٰؓ!
۸۔ مجھے آپؓ اور آپؓ کے اہل بیت کی عوام کے مقابلہ میں خوش لباسی، پر تکلف کھانوں اور اعلیٰ سواری کی اطلاع ملی ہے اس سے بچتے رہئے کہ مویشی کی مانند ہری ہری دوب سے پیٹ بھرتے رہنا خود کو فربہ بنانا ہے اور فربہی کا نتیجہ آخر میں ادا ہوتا ہے۔

۹۔ حاکم کی کج روی کے اثر سے رعیت بھی اسی قسم کی ہو جاتی ہے بد بخت ہے کہ وہ حاکم جس کی وجہ سے عوام بد بخت ہو جائیں۔ والسلام

فرمان حضرت عمرؓ بنام معاویہ بن ابو سفیانؓ:

دربارۂ سماعت مقدمات

واضح ہو کہ فصل مقدمات کے بارے میں تمہیں ۵ امور کی ہدایت کرتا ہوں جس میں تمہارے لئے بہتری ہے اور میری اس میں ذاتی غرض نہیں۔

۱۔ مدعی سے شہادت لو

۲۔ اور مدعی کے انکار شہادت پر مدعا علیہ سے صاف اور قطعی حلف لو۔

۳۔ اہل معاملہ میں کمزور فراق کے ساتھ ایسی نرمی اختیار کئے رکھو جس سے وہ آپؐ کے انصاف کی توقع کر سکے اور (وہ) اپنا مقدمہ بلاخوف وہراس پیش کر پائے۔

۴۔ اہل معاملہ میں سے غریب الوطن افراد کے ساتھ التفات ہو تو ورنہ وہ اپنا حق چھوڑ کر الٹے پاؤں لوٹ جائے گا، اگر حاکم اس کی طرف دیکھنے کی زحمت تک نہ کرے تو وہ اپنے دعوٰی سے دستبردار بھی ہو سکتا ہے۔

۵۔ فریقین میں اس وقت تک صلح کی کوشش کرتے رہو جب تک حقیقت واضح نہ ہو جائے۔

فرمان حضرت عمرؓ بنام امیر لشکر نعمانؓ بن مقرن:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از طرف عبداللہ عمر امیر المومنین بنام نعمان مقرنؓ

سلام علیک!

۱۔ خدائے واحدہ لاشریک کی حمد وثناء کے بعد یہ کہ مجھے عجمیوں کے نہاوند میں لشکر جرار کے ساتھ جمع ہونے کی اطلاع پہنچی ہے۔

۲۔ میرا یہ خط پہنچنے پر اپنے ہمراہی فوج کو خدا کے امر اور اس کے بھروسے پر لے کر نہاوند کا رخ کرلو۔

۳۔ اپنی فوج کو دشوار گزار راستوں پر نہ لے جانا۔ انہیں تکلیف ہوگی، ان کے آرام اور قیام کا خیال رکھنے مبادا فوج کو گھنے نشیبی جنگل کی راہ پر ڈال دو۔ میرے لئے ایک مسلمان کی قیمت ایک لاکھ دینار سے زیادہ ہے۔ والسلام علیکم۔

عیسائی کا ترکہ:

گورنر نے خط لکھا کہ مصر کے بعض لاوارث عیسائی راحب مال دولت چھوڑ کر مرتے ہیں، ان کی میراث کس کو دی جائے۔ جواب آیا: "صاحب اولاد راہبوں کا ترکہ ان کی اولاد کو دے دیا جائے اور جس کے اولاد نہ ہو اس کا ترکہ بیت المال میں جمع کر دیا جائے

کیونکہ مسلمان اس کے وارث ہیں۔(۱۶۴)

حضرت عمرؓ کا اجتہاد:

ذیل کا خط حضرت عمرؓ کے ان بہت سے اجتہادات میں سے ایک ہے، جن کی بنیاد نہ تو قرآن کے مدنی قوانین پر ہے اور نہ سنتِ رسولؐ پر بلکہ جو وقت اور ضرورت کے تقاضوں سے اجتماعی فلاح کے لیے وجود میں آئے تھے اور جن کو ایجاد کرنے والا مجتہد پورے خلوص سے یہ سمجھتا تھا کہ اسلام کا مزاج ان کا متحمل ہو سکتا ہے، ابو موسیٰ اشعریؓ نے لکھا کہ جب مسلمان تاجر دار الحرب کو جاتے ہیں تو وہاں کی حکومت ان سے دس فیصدی تجارتی ٹیکس لیتی ہے، کیا ہم بھی دار الحرب سے آنے والے تاجروں پر ٹیکس لگائیں؟ حضرت عمرؓ نے اس کی اجازت ہی نہ دی بلکہ تجارتی ٹیکس کا ایک ضابطہ مقرر کیا جس میں حربی، ذمّی اور مسلمان سب کو شامل کیا:

''جب حربی تاجر ہمارے علاقہ میں آئیں تو ان سے دس فیصدی ٹیکس لو جو مسلمان تاجروں سے دار الحرب میں لیا جاتا ہے۔

۲۔ ذمّی تاجروں سے پانچ فیصدی وصول کرو۔

۳۔ مسلمان تاجروں سے جب ان کا مال دو سو درہم قیمت کا ہو تو ڈھائی فیصدی کے حساب سے ٹیکس لیا جائے، پھر ہر چالیس درہم کے مال پر ایک درہم کی شرح سے ٹیکس بڑھاتے رہو۔(۱۶۵)

حضرت عمرؓ نے حربی تاجر کے مال پر دس فیصدی ٹیکس مقرر کیا تھا، جس کا مدعا بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ دار اسلام میں حربی تاجر کا داخل ہونا وجوبِ ٹیکس کے لیے کافی تھا اور مدتِ قیام کا ٹیکس سے کوئی تعلق نہ تھا، لیکن ایک دوسری روایت اس بات کی خبر دیتی ہے کہ ٹیکس کی مذکورہ شرح یعنی دس فیصدی اس حالت میں تھی، جب حربی تاجر اسلامی حکومت میں چھ ماہ یا اس سے کم رہتا، اگر اس کو ایک سال تک رہنا پڑتا تو ٹیکس کی شرح کم ہو کر پانچ فیصدی ہو جاتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ پہلا خط لکھتے وقت حربی تاجر کی مدتِ قیام کا پہلو خلیفہ کے ذہن میں نہ تھا، پھر جب ان کی توجہ اس طرف دلائی گئی اور ان کو محسوس ہوا کہ تاجر کا زیادہ دن پردیس میں رہنا مالی اور ذہنی ہر دو اعتبار سے اس پر بار بن جائے گا، تو انہوں نے اس کے حق میں رعایت ضروری سمجھی، عراق و شام کے تجارتی ٹیکس کے نگران اعلیٰ زیاد بن حدیر راوی ہیں کہ میں نے مرکز کو لکھا کہ بعض حربی تاجروں کو (غالباً سامان نہ بکنے کی صورت میں) بہت دن تک اسلامی حکومت میں رکنا پڑتا ہے۔ کیا ان سے بھی اتنا ہی ٹیکس لیا جائے جتنا ان تاجروں سے جو جلد مال بیچ کر وطن لوٹ جاتے ہیں؟

جواب ملا:

''حربی تاجر اگر اسلامی حکومت میں چھ ماہ سے کم رہیں تو ان سے دس فیصدی ٹیکس لیا جائے، لیکن اگر ان کو ایک سال رہنا پڑے تو پانچ فیصدی وصول کیا جائے۔(۱۶۶)

غیر مسلموں کے حقوق کی خاطر حضرت عمرؓ کی مسلمانوں پر برہمی:

ذیل کے خط کے بارے میں دو باتیں یاد رکھنے کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کی روایت ان مورخوں کی طرف سے ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ اہواز ابو موسیٰ اشعریؓ نے فتح کیا تھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس کو قدیم تاریخوں میں فتوح اعثم اور عہد قریب کی تاریخوں میں ناسخ التواریخ نے نقل کیا ہے، گویا بالکل یقینی ہے کہ ناسخ التواریخ کا ماخذ اعثم ہی ہے کیونکہ خط کا مضمون اور اس کا پس منظر اعثم اور

تاریخ دونوں میں ایک ہے، فرق بس اتنا ہے کہ اعثم نے صیغۂ غائب میں خط کا ذکر کیا ہے اور تاریخ نے صیغۂ متکلم میں تاریخ الملوک والرسل (طبری) فتوح البلدان (بلاذری) اور اخبار الطوال (دینوری) جیسی پرانی تاریخوں میں نہ تو خط کا ذکر ہے اور نہ ان واقعات وحوادث کی طرف کوئی اشارہ جو خط کے موجد و محرک ہیں۔ خط کا سیاق وسباق یہ ہے کہ ابو موسیٰ اشعریؓ سوس فتح کر کے جب تُستر کی طرف بڑھے تو معلوم ہوا کہ والیِ اہواز ہُرمُزان اپنے خزانے لے کر تُستر آ گیا ہے اور وہاں فارسیوں اور کردوں پر مشتمل ایک فوج تیار کر لی ہے اور ایک دوسری فوج یزدجرد نے بھی اس کی مدد کے لیے بھیجی ہے۔ اس کے لشکر کی مجموعی تعداد ساٹھ ہزار اور مسلمانوں کی دس ہزار سے کم بتائی گئی ہے۔ ہونے والی جنگ پر ہُرمُزان کی موت وزیست کا انحصار تھا چنانچہ اس نے اہواز کا سب سے موزوں شہر تُستر منتخب کیا۔ تُستر دریائے دُجیل کے کنارہ قدرتی رکاوٹوں کی اوٹ میں ایک قلعہ بند شہر تھا۔ اس کی شہر پناہ بہت مضبوط اور بلند تھی۔ ہُرمُزان نے خود اس کی مرمت کرائی اور کھانے پینے کا سامان اور چارہ ذخیرہ کیا (اخبار الطوال ص ۱۲۷ لیڈن) شہر کے اندر ایک اور قلعہ تھا جو ہفت خوان سے آنکھ ملاتا تھا، یہاں ہُرمُزان کے خزانے اور دفتر تھے اور یہ اس کا آخری ملجا تھا:

ابو موسیٰؓ اور ان کے ساتھیوں کو جب ان حقائق کا علم ہوا تو انہوں نے مرکز سے مدد طلب کی۔ حضرت عمرؓ نے بلا تاخیر کوفہ کے گورنر عمار اور حلوان کے عامل جریر بن عبداللہ بجلی کو فرمان بھیجے کہ فوراً ابو موسیٰؓ کی مدد کو فوج لے کر جائیں۔ یہ دونوں فوجیں جب پہنچیں تو مسلمانوں کی کل تعداد بیس ہزار ہو گئی۔ ابو موسیٰؓ نے اطمینان کا سانس لیا، یہ جمعیت ضرورتِ محاصرہ زیادہ سمجھی گئی اور اس کا ایک حصہ دو سالاروں جریر اور نعمانؓ بن مقرن کی کمان میں رامہرمز کی طرف بھیجا گیا تاکہ وہاں کے باشندوں کو مشرف با اسلام ہونے کی دعوت دیں اور اگر اس سمت سے کوئی فوج ہرمزان کی مدد کو آئے تو اس کو تتر بتر کر دیں۔ جریر رامہرمز کے باہر خیمہ زن ہوئے اور نعمانؓ شہر کے نواح میں چلے گئے تو جریر نے گھیرا ڈال دیا۔ کئی سخت مقابلوں کے بعد شہر کے لوگوں نے ہار مان لی۔ جو لوگ بھاگ سکے وہ بھاگ گئے باقی قید کر لیے گئے اور ان کا سامان اور جانور فوج نے آپس میں بانٹ لیا۔ اس واقعہ کی خبر جب ابو موسیٰؓ کو ہوئی جو ہنوز تُستر کے محاذ پر تھے، تو وہ بہت آزردہ ہوئے اور اکابر فوج سے کہا: میں نے رامہرمز کے باشندوں کو چھ ماہ کی مہلت اور امان دی تھی تاکہ وہ قبولِ اسلام کے بارے میں خوب غور کر لیں، مگر جریر اور کوفہ کی فوجوں نے جلد بازی کی اور میعاد گزرنے سے پہلے شہر کا محاصرہ کر کے بزور شمشیر اس کو فتح کر لیا اور اہلِ شہر کے بال بچوں، مال ومتاع اور مویشیوں کو آپس میں بانٹ لیا۔ اس سنگین معاملہ میں آپ لوگوں کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا: آپ صورتِ حال سے خلیفہ کو مطلع کیجیے اور ان کے فیصلہ کے مطابق عمل کیجیے۔ یہی کیا گیا، حسبِ توقع حضرت عمرؓ کو افواجِ کوفہ کی دست درازی ناگوار گزری، تاہم ان کے لیے یہ باور کرنا ہی دشوار تھا کہ جریرؓ اور ان کی فوج نے سالارِ اعلیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کی ہو گی۔ معاملہ نازک اور تحقیق طلب تھا۔ انہوں نے ابو موسیٰؓ کو خط نہیں لکھا جن کی حیثیت مدعی کی تھی، بلکہ فوج کے ممتاز صحابہ کی ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی جس میں انس بن مالک حذیفہ بن یمان اور براء بن عازب قابلِ ذکر ہیں:

"اس حادثہ کی کھوج کیجیے۔ یہ معلوم کیجیے کہ ابو موسیٰؓ نے جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے رامہرمز کے باشندوں کو چھ ماہ کی مہلت دی تھی یا نہیں اور آیا کوئی تحریری معاہدہ اس باب میں ان سے کیا گیا تھا۔ اس معاملہ میں خاص احتیاط ضروری ہے۔ ابو موسیٰؓ سے بھی حلف لیا جائے اور اگر وہ از روئے حلف کہیں کہ انہوں نے چھ ماہ کی مہلت دی تھی، تو وہ تمام غلام اور لونڈیاں جو رامہرمز سے لائی گئی ہیں، واپس کر دی جائیں اور اگر کوئی عورت کسی مسلمان سے حاملہ ہو گئی ہو تو اس کو روک لیا جائے حتیٰ کہ اس کے بچہ پیدا ہو۔ پھر اس کو اختیار ہے

چاہے وہ اسلام لا کر مسلمان کے ساتھ رہے اور چاہے رامہر حزلوٹ جائے۔(۱۶۷)

مصر کے مفتوحوں سے سلوک:

عمرؓ بن عاص بڑی صلاحیتوں کے آدمی تھے، اسلام سے پہلے ان کا شمار قریش کے شہ سواروں میں ہوتا تھا۔ چمڑے اور عطر کی تجارت کرتے تھے۔ شام، مصر اور حبشہ کے سفر کر چکے تھے، جہاں مختلف مذاہب کے لوگوں سے ملنے جلنے اور مختلف تمدنوں، طور و طریق اور اخلاق کے مشاہدہ سے ان کی نظر میں وسعت اور خیالات میں توازن پیدا ہو گیا تھا۔ ۸ ھ میں فتح مکہ سے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ خالدؓ بن ولید اور عثمانؓ بن طلحہ مل کر رسول اللہ کی خدمت میں اسلام لانے حاضر ہوئے تو آپؐ نے ان کو دیکھ کر صحابہ سے کہا، "مکہ نے اپنے جگر پارے تمہارے پاس پھینک دیئے!" رسول اللہؐ نے عمروؓ کی بڑی قدر کی اور پہلے ان کو قبائل عرب میں دعوت و اشاعت اسلام کا کام سونپا، پھر عمان میں معلم اور محصّل زکوٰۃ مقرر کیا۔ ردّہ کی افراتفری میں مدینہ آ گئے اور جب کچھ عرصہ بعد خلیفۂ اوّل نے شام فتح کرنے کی سالاروں کے تحت فوجیں بھیجیں تو صوبہ فلسطین کی فتح پر آپ کو مامور کیا۔ شام میں انہوں نے بڑی لیاقت سے اپنے فرائض انجام دیئے اور کئی نازک موقعوں پر تدبر اور دلیری سے کام لے کر کامیابی حاصل کی۔ جنوبی شام کی فتح اور انتظام میں ان کی خدمات ممتاز تھیں۔

۱۸ ھ میں شام کی فتح مکمل ہوئی تو حضرت عمرؓ نے ان کو مصر فتح کرنے بھیجا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مصر کا منصوبہ خود انہوں نے بنایا تھا۔ ۲۵ ھ تک مصر کے گورنر رہے۔ مصر کے لوگوں نے بالعموم ان کا خیر مقدم کیا۔ زمینداروں اور کاشتکاروں سے ان کا معاملہ نرم تھا، زراعت کی ترقی اور کاشتکاروں کی بہبودی ان کے پیش نظر تھی، گو مرکز کے دباؤ میں اگر وہ اس خواہش کو پورا نہ کر سکے۔ ان کی انسانیت اور رواداری کی ایک مثال یہ ہے کہ جب اسکندریہ کا عظیم اور متمول شہر کئی ماہ کے پُر مشقت اور خوں ریز محاصرہ کے بعد بزور شمشیر فتح ہوا تو انہوں نے نہ تو کسی کو قتل کیا نہ کسی کو قید کیا نہ غلام بنایا بلکہ معاف کر دیا۔

اسکندریہ کی فتح کا ذکر کرتے ہوئے اس زمانہ کا ایک مصری عیسائی پادری لکھتا ہے: "عمروؓ بن عاص نے معاہدہ کے مطابق جزیہ وصول کیا، گرجا گھروں کی کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا، نہ لوٹ مار کی، نہ کسی کا مال و دولت غصب کیا بلکہ انہوں نے گورنری کے تمام ایام میں مقامی باشندوں کی حفاظت کی اور ان کو ظلم و تشدد سے اپنی امان میں رکھا۔(۱۶۸)

غلاموں کو رہا کر دو:

غلامی کے ترک و انسداد کا ایک اور واقعہ:

ابن عبدالحکم نے اپنی فتوح مصر میں چار دیہاتوں کے نام لیے ہیں، جو اسکندریہ کی عملداری میں تھے اور جن کو بزور تلوار فتح کیا گیا تھا۔ ان میں ایک دیہات کا نام سلطیس تھا، یہاں سے جو عورتیں اور بچے غلام بنائے گئے تھے، خاص ان کے بارے میں حضرت عمرؓ کا ایک خط یا اس کا حصہ ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے:

"اہل سلطیس کے جو غلام تمہارے پاس ہوں، ان کو اسلام کی دعوت دو، اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو ان کے حقوق و ذمہ داریاں

دوسرے مسلمانوں کی طرح ہوں گی اور اگر وہ اپنے مذہب پر رہنا چاہیں تو ان کو چھوڑ دو تاکہ وہ اپنے گاؤں چلے جائیں۔(۱۶۹)

ہدایت نامہ عمرؓ:

رعایا کے ٹیکس کے سلسلہ میں باقاعدگی اور رعیت کے معاملات سے دلچسپی لینے کی تاکید:

واقدی کی فتوح مصر میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے عمروؓ بن عاص کو یہ ہدایت نامہ بھیجا:

السلام علیک، میں اس معبود کا سپاس گزار ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور اس کے نبیؐ پر درود بھیجتا ہوں۔ میرا یہ خط پڑھ کر خدا کے دشمنوں کو جہاں جہاں وہ ہوں ٹھکانے لگا دو ان کے ساتھ کوئی رعایت یا نرمی نہ برتو۔

۲۔ رعیت کے معاملات سے ذاتی دلچسپی لو اور جہاں تک ہو سکے ان کے ساتھ انصاف اور رواداری سے پیش آؤ۔

۳۔ لوگوں کی خطائیں معاف کر دو، خدا تمہاری خطائیں معاف کرے گا۔

۴۔ جو قوانین اور معاملات ملک میں رائج ہوں انہیں بحال رکھو۔

۵۔ رعایا کے ٹیکس کی شرح اور تفصیلی خراج کے رجسٹروں میں درج کرو۔

۶۔ انصاف کے ذریعے امن وعافیت کو فروغ دو۔

۷۔ حکومت واقتدار آنی جانی ہے، جو چیز باقی رہے گی وہ اچھی شہرت ہے یا ان مٹ رسوائی۔(۱۷۰)

اور یہ تھے حضرت عمرؓ!

اور یہ رعایا کے حسن سلوک کی تاکید کرنے والے خراج کے حسابات درست رکھنے کا حکم دینے والے (تاکہ باقاعدگی سے ذمیوں کو تکلیف نہ ہو) وہ حضرت عمرؓ تھے، جن کا اسلامی اصولوں کے معاملہ میں خود اپنی اولاد تک کے ساتھ عدل ومساوات پر مبنی سلوک تھا۔(۱۷۱)

ذمیوں سے حسن سلوک کا حکم:

یہ خط حضرت عمرؓ نے والی مصر عمروؓ بن العاص کے نام تحریر فرمایا تھا:

واضح ہو کہ میں نے مدینہ کے مردوں، عورتوں اور بچوں کا وظیفہ "دیوان عطاء" میں مقرر کر دیا ہے ان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو جہاد کے لیے مصر یا دوسرے محاذوں پر چلے گئے تھے ان کا اور ان کے بیوی بچوں کا وظیفہ میری مقرر کردہ شرح کے مطابق جاری رکھو، اور جن لوگوں کا وظیفہ یہاں مقرر نہیں ہوا ہے اور وہ مصر میں آباد ہو گئے ہیں ان کا وظیفہ مقرر کر دو اور اس طرح شرح وہ ہو جو ان کے جیسی خدمت والے دوسرے مسلمانوں کے لیے مقرر کی گئی ہے خود اپنا وظیفہ دو سو دینار مقرر کر دو۔ یہ وہ رقم ہے جو جنگ بدر میں شریک ہونے والے مہاجر اور انصار کو دی گئی ہے میں نے اتنا وظیفہ تمہارے کسی ہم مرتبہ کو نہیں دیا ہے تم کو زیادہ دینے کی وجہ ہے کہ تم حاکم ہو مجھے معلوم ہے کہ تمہیں سرکاری مدوں کے لیے روپے کی ضرورت ہوگی، ان مصارف کے لئے خراج بڑھاؤ۔ تحصیل خراج انصاف اور حق کے اصول پر رہو۔ جب خراج جمع ہو جائے تو بلا کسی تصرف کے اس سے مسلمانوں کے وظائف اور ضروری مصارف نکال لو اور باقی مجھے بھیج دو۔ تم کو یاد رکھنا چاہیئے کہ مصر سے خمس نہیں لیا جائے گا کیوں کہ اسے معاہدہ کے ذریعے فتح کیا گیا ہے مصر اور مصر میں جو

کچھ ہے مسلمانوں کی دولت ہے، اس دولت سے پہلے ان لوگوں کو دو جو سرحدوں کی حفاظت کرتے ہیں اور سرکاری فرائض انجام دیتے ہیں"

عمر یاد رکھنا اللہ تم کو اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے، وہ اپنی کتاب میں فرماتا ہے:

وہ چاہتا ہے کہ قرآن کی بتائی ہوئی راہ پر چلا جائے، تم کو یہ بھی یاد رہے کہ تمہاری عملداری میں ذمی اور معاہد لوگ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ اچھے سلوک کی تاکید کی ہے اور قبطیوں کے ساتھ بھی اچھے برتاؤ کی فہمائش کی ہے چنانچہ آپؐ نے فرمایا ہے، قبطیوں سے حسن سلوک کرو، وہ تمہاری حفاظت میں داخل ہوں گے، وہ تمہارے ہم نسب بھی ہیں، ان سے رشتہ یہ ہے کہ حضرت اسماعیل کی ماں قبطی تھیں، رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جو معاہد پر ظلم کرے گا یا اس کی طاقت سے زیادہ خراج یا جزیہ لے گا تو قیامت دن میں اس کا گریبان پکڑوں گا، خبردار عمروؓ، کہیں رسول اللہ ﷺ تمہارا گریبان پکڑیں، رسول اللہ ﷺ جس کے گریبان گیر ہوئے خدا بھی اس کا گریبان گیر ہوگا۔ اس قوم کا حاکم بن کر ایک بڑی آزمائش میں ڈالا گیا ہوں مجھے اپنی کمزوری کا احساس ہونے لگا ہے، میری رعایا ہر طرف پھیل گئی ہے، میری ہڈیاں گھس گئی ہیں۔ خدا سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے اٹھا لے، نہ میری تعریف کرنے والا کوئی ہو نہ برائی کرنے والا۔ بخدا مجھے ڈر رہتا ہے اگر کوئی اونٹ تمہاری عملداری کے دور ترین حصہ میں لاپرواہی سے ضائع ہو جائے تو قیامت کے دن مجھ سے جواب طلب ہوگا۔ (۱۷۲)

معاہدات فاروقی:

معاہدہ نعمانؓ بن مقرن بہ اہل ماہ مہرذان

(وہاں کے ذمیوں کے لیے)

۱۔ ان کے اموال، نفوس اور اراضی کا ہر ایک پر ان کا قبضہ بدستور تسلیم کیا جاتا ہے۔

۲۔ انہیں نہ تو ان کے دین سے ہٹایا جائے گا اور نہ ہی شریعت سے تعرض کیا جائے گا۔

۳۔ انہیں ہر سال ایک مرتبہ جزیہ ادا کرنا ہوگا یہ جزیہ ہمارے مقرر کردہ امیر کو پیش کرنا ہوگا جزیہ کے عوض ان کی حمایت کی جائے گی۔

۴۔ جزیہ کے مکلف صرف بالغ مرد ہوں گے۔

۵۔ جزیہ ہر فرد کی وسعت مال کے مطابق ہوگا۔

۶۔ انہیں نو وارد مسلمانوں کی حفاظت کرنا ہوگی۔

۷۔ گذرگاہوں کی درستی اور حفاظت بھی ان کے ذمہ ہوگی۔

۸۔ مسلمان فوجی دستوں کی ایک دن رات کی مہمانی اور قیام طعام کا انتظام بھی ان کے ذمہ ہے۔

۹۔ اگر انہوں نے کسی معاملہ میں دھوکا دیا اور شرائط میں کمی کی تو ہماری طرف سے امان کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔

گواہان: (۱) عبداللہ بن ذی سہمین

(۲) قعقاع بن عمرو

(۳) جریر بن عبداللہ

تاریخ تحریر: ماہ محرم ۱۹ ہجری۔

معاہدہ حذیفہ ابن یمان بہ اہل ماہ دینار:

(یہاں کے ذمیوں کے لیے)

۱۔ ان کے اموال، نفوس اور اراضی ہر ایک پر ان کا قبضہ بدستور تسلیم کیا جاتا ہے۔

۲۔ انہیں نہ تو ان کے دین سے ہٹایا جائے گا اور نہ ان کی شریعت سے تعرض ہوگا۔

۳۔ انہیں ہر سال میں ایک مرتبہ جزیہ ادا کرنا ہوگا یہ جزیہ ہمارے مقررہ کردہ امیر کو پیش کرنا ہوگا جزیہ کے عوض میں ان کی حمایت کی جائے گی۔

۴۔ جزیہ کے مکلف بالغ مرد ہوں گے۔

۵۔ جزیہ ہر فرد کی وسعت مال کے مطابق ہوگا۔

۶۔ انہیں نووارد مسلمانوں کی رہبری کرنا ہوگی۔

۷۔ گزرگاہوں کی درستی اور حفاظت بھی ان کے ذمہ ہوگی۔

۸۔ مسلمان فوجی دستوں کی ایک دن رات کی مہمانی اور قیام کا انتظام بھی ان کے ذمے ہے۔

۹۔ اگر انہوں نے کسی معاملہ میں دھوکا یا شرائط میں تبدیلی کی تو ہماری طرف سے امان کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔

گواہان: (۱) قعقاع بن عمرو

(۲) نعیم بن مقرن

(۳) سوید بن مقرن

تاریخ تحریر ماہ محرم

معاہدہ اصفہان:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ولیلہ من جانب عبداللہ برائے اہل فاذو سفان (۱۷۳) و اہل اصبھان اور نواح ابں ھر در مقامات

۱۔ تم سب اس جزیہ کے عوض میں مامون ہو جو تم اپنی وسعت کے مطابق سالانہ ادا کرو۔

۲۔ یہ رقم ہر مرد بالغ کی طرف واجب ہوگی اور ہمارے مقررہ محصل کو پیش کرنا ہوگی۔

۳۔ آمد و رفت کے راستوں کی درستی اور نووارد مسلمانوں کو ان کی صحیح سمت بتانا بھی تمہارے ذمہ ہوگا۔

۴۔ مسلمان مہمانوں کو ایک دن کی مہمانی اور ان میں بے سوار سپاہی کے لیے سواری کا انتظام بھی تمہیں کرنا ہوگا۔

۵۔ کسی مسلمان کے ساتھ رعب وداب کے ساتھ پیش آنا جرم ہے۔

۶۔ مسلمان سے ہمدردی اور ان کے حضور مقررہ جزیہ ادا کرنا ہوگا۔

ان سب شرائط کی تکمیل کے عوض میں تمہیں امان ہے۔

اور اگر تم عائد کردہ امور میں سے کسی امر میں کمی کی یا تمہارے کسی فرد سے ایسا ہوا اور اس فرد کی حوالگی سے تم نے انکار کیا تو تمہاری امان سلب کر لی جائے گی۔

اگر تم میں سے کسی شخص نے مسلمان کو سب (دشنام) کیا تو اس کی سزا دی جائے گی اور مسلمانوں کے قتل اور تمہارے قاتل کو قتل کیا جائے گا۔

محرر: عبداللہ بن قیس

گواھان: (۱) عبداللہ بن قیس

(۲) عبداللہ بن ورقاء

(۳) عصمہ بن عبداللہ

معاہدہ از نعیم بن مقرن برائے اھل رے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

از نعیم بن مقرن الزینی بن قولہ۔ برائے اھل رے اور ان کے معاہدین!

۱۔ تمہارے ہر ایک بالغ مرد پر حسب استطاعت سالانہ جزیہ عائد کیا جاتا ہے۔

۲۔ جزیہ کے ساتھ مسلمانوں کی ہمدردی بھی تم پر لازم ہے۔ ان میں سے مسافروں کو راستے بتانا دشمن سے ان کی مخبری نہ کرنا اور ان کے دشمن سے عدم تعاون اور ان کے حقوق واموال میں خیانت سے باز رہنا تم پر واجب ہے۔

۳۔ مسلمان نووارد کی ایک شبانہ روز مہمانی کرنا لازم ہے اور ان کی تعظیم وتکریم کرنا تم پر واجب ہے۔

۴۔ مسلمانوں کو سب کرنا یا اس کی توھین سخت سزا کی مستوجب ھوگی کسی مسلمان کو زدوکوب کرنے کی سزا قتل ہوگی اگر حکومت کو ایسے باغیوں کی ھمارے حوالے نہ کی گیا تو اس جرم پر تمام بستی (۱۷۴) پر حملہ بول دیا جا سکتا ہے۔

محرر اور گواہ؟

معاہدہ نعیم بن مقرن بہ مردان شاہ قلعہ دنباوند واھل دنباوند الخوار ولارز والشرز

بسم اللہ الرحمن لرحیم

معاہدہ از جانب نعیم بن مقرن برائے (مندرجہ ذیل افراد)

۱۔ مردان شاہ مصمغان (۱۷۵) دنباوند

۲۔ اہل دنباوند

۳۔ اہل جوار

۴۔ اہل لارز

۵۔ اہل شرز

۱۔ تم اور تمہارا ہر فرد اس وقت تک مامون سمجھا جائے گا جب تک تمہاری سرزمین کے باشندے اطاعت گزار ہیں اور مسلمان امین (جو سرحدوں کا محافظ ہے) کی فرمان برداری پر جان ودل سے کاربند رہیں۔

۲۔ تمہیں سالانہ دولاکھ درہم جزیہ ادا کرنا ہوگا اور اس درہم کا وزن (۱۷۶) (۷) .... ہوگا۔

اگر تم ان شرائط کے پابند رہے تو ہماری طرف سے کسی قسم کا تعرض نہ ہوگا اور نہ تمہارے معاملات میں تمہاری خواہش کے بغیر دخل اندازی ہوگی۔

لیکن اس معاہدہ پر اظہار رضامندی نہ کرنے والے کے لئے ہماری طرف سے شرائط کے منحرف ہونے پر کوئی امان اور عفو نہ ہوگا۔

کاتب اور گواہ۔؟

معاہدہ سوید بن مقرن بہ اہل قومس اور اس کے نواحی باشندگان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معاہدہ از طرف سوید بن مقرن برائے باشندگان قومس ونواح قومس۔

مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ ان کے نفوس اموال ومذہب کے بارے میں جو امان دی جاتی ہے۔

۱۔ ہر مرد بالغ اپنی وسعت کے مطابق سال بسال جزیہ ادا کرے۔

۲۔ ہر فرد پر مسلمانوں کی خیر طلبی اور دشمن سے ان کی جاسوسی میں اجتناب واجب ہے۔

۳۔ تم پر مسلمانوں کی گزرگاہوں کی درستگی کی پابندی ہے۔

۴۔ اپنی بستی میں مسلمانوں کے ورود پر ان کی شبانہ روز اوسط درجہ کے کھانے کی مہمانی تمہارے ذمہ ہے۔

ان شرائط میں سے کسی ایک شرط کی عدم پابندی یا کسی مسلمان کی توہین پر ہماری طرف سے یہ امان ختم ہوجائے گی۔

کاتب وگواہ۔؟

معاہدہ از سوید بن مقرن برائے رزبان صول بن رزبان و اہل دھستان و جملہ باشندگان جرجان:

یہ معاہدہ سوید بن مقرن کی طرف سے مندرجہ بالا افراد کے لئے ہے۔

تمہارے لئے مندرجہ ذیل شرائط کی پابندی پر امان اور حمایت کا وعدہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ ہر مرد بالغ اپنی وسعت کے مطابق سالانہ جزیہ ادا کرے۔

۲۔ جزیہ کے پابند افراد میں سے جو شخص اپنی مصیبت میں ہم سے اعانت کا خواستگار ہو ریاست کی طرف سے اس کی امداد کی جائے گی۔

۳۔ ایسے ہر فرد کا مال، جان، مذہب اور شریعت ہماری گرفت سے آزاد ہے۔

۴۔ انہیں ہمارے راہ گزر مسافروں کو ان کی صحیح سمت بتانا ہوگی۔

۵۔ مسلمانوں سے ہمدردی کرنا ان پر واجب ہے۔

۶۔ نو وارد مسلمانوں کی مہمانی ان پر لازم ہے۔

۷۔ مبادا تم لوگ ہماری مخبری کرو یا کسی رقم و جنس کی ادائگی میں خیانت کا ارتکاب کرو۔

۸۔ اگر غیر متعلق افراد میں سے کوئی فرد یا قبیلہ ان کے ہاں آباد ہو جائے تو اس پر بھی یہی پابندی اور اس کے لئے یہی مراعات ہوں گی۔

۹۔ اور جو فرد یا قبیلہ یہاں سے ترک وطن کرنا چاہے اسے معاہدین کی سرحد تک امن کے ساتھ پہنچانا ریاست کا ذمہ ہے۔

۱۰۔ مسلمان کی سب پر انہیں سزا ملے گی۔

۱۱۔ اور مسلمان کے قتل پر قاتل کو مباح الدم قرار دیا جائے گا۔

گواہان: (۱) سواد بن قطبہ

(۲) ہند بن عمر

(۳) سماک بن مخرمہ

(۴) عتیبہ بن نہاس

محررہ در ۱۸ ہجری

معاہدہ از طرف سوید بن مقرن برائے فرخان سپہ سالار و رئیس اعظم خراسان متعین بر طبرستان و جیل جیلان از محاربین بہ عساکر اسلامیہ:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معاہدہ از سوید بن مقرن برائے فرخان سپہ سالار اعظم (و رئیس خراسان) متعین بر طبرستان و جیل جیلان از محاربین بہ عساکر اسلامیہ تمہارے لئے مندرجہ ذیل شرائط پر امان ہے۔

۱۔ اپنے خطہ اور اس کے گرد و نواح کے چوری پیشہ لوگوں پر نگرانی رکھنا۔

۲۔ ہمارے دشمنوں کو اپنے ہاں پناہ نہ دینا۔

۳۔ اپنے ماتحت علاقہ پر ہمارے متعینہ صوبہ دار کو سالانہ ۵ لاکھ درہم بسکہ رائج الوقت در طبرستان بطور جزیہ ادا کرنا

تب ہماری طرف سے کوئی تعرض ہوگا نہ تمہاری سرزمین کو روندا جائے گا اور نہ تمہاری اجازت کے بغیر ہمارا لشکر ادھر سے گزرے

گا۔ فریقین کو ایک دوسرے سے بہتر سلوک کرنا ہوگا۔ مبادا ہمارے دشمنوں (۱۷۷) کو اپنے ہاں پناہ دو یا ہماری مخبری کرو یہ خیانت ہو گی اور اس سے معاہدہ ختم ہو جائے گا۔

گواہان: (۱) سواد بن قطبہ تمیمی

(۲) ہند ابن عمر المرادی

(۳) سماک بن مخرمہ اسدی

(۴) سماک بن عبید عبسی

(۵) عتیبہ بن نہاس البکری

تاریخ تحریر ۱۸ ہجری

معاہدہ عتبہ بن فرقد بہ اہل آذربیجان:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معاہدہ از عتبہ فرقد عامل امیر المومنین عمر بن الخطابؓ بہ اہل آذربیجان!

اس خطہ کے لئے مندرجہ ذیل امور میں کامل امن وامان اور آزادی ہے۔ ہر قسم کی اراضی، پہاڑ اور ان کے اطراف کے وادیاں، چشمے، ہر کرومہ کی آزادگی، ان کی جان و مال، مذہب اور شریعت سے عدم تعرض بالعوض اس حد تک جزیہ کے جو وہ اپنی استطاعت کے مطابق ادا کر سکیں اور یہ بھی مندرجہ ذیل افراد پر سے ساقط ہے۔

۱۔ کم سن بچوں پر سے ساقط ہے

۲۔ عورتوں پر سے ساقط ہے

۳۔ بے مایہ مرد پر سے ساقط ہے

۴۔ جو شخص ہماری طرف سے جہاد میں شریک ہو اس سے اس سال کا جزیہ ساقط ہے

۵۔ اگر دوسرے خطہ کا فرد یا قبیلہ ان کے ہاں آباد ہو جائے تو وہ بھی انہی شرائط کا پابند اور ان مراعات کا مستحق ہے۔

۶۔ اور اگر ان میں کوئی فرد یا قبیلہ اپنے وطن سے ترک اقامت کرنا چاہے تو اپنی سرحد تک اس کی حفاظت ہم پر واجب ہے۔

محرر: جندب

گواہان:

۱۔ بکیر بن عبداللہ اللیثی

۲۔ سماک بن خرشہ انصاری

تاریخ ۱۸ ہجری

حضرت عمرؓ کے عہد میں ماتحت ذمیوں پر جزیہ اور تشخیص کنندہ افسروں کے نام (صدر دفتر کے رجسٹر میں) لکھ دیے گئے، ان

افسروں کی متعین کردہ رقم سرکاری طور پر تسلیم کردی گئی جس پر ذیل کا فرمان بصورت قانون نافذ کردیا گیا۔

۱۔ ہمارے ماتحت ذمیوں میں سے جو فلاں و۔و۔و۔ بستیوں اور ملکوں کے رئیس یا باشندے ہیں ان پر ہمارے سپہ سالار خالدؓ بن ولید نے جزیہ کی صورت میں جو رقم عائد کی ہے ان ذمیوں کو اس رقم (جزیہ) کے علاوہ ہر قسم کے مالی بار سے سبکدوش کیا جاتا ہے۔ مجھے خالدؓ کی مقرر کردہ رقوم منظور ہیں۔

۲۔ جو شخص مقررہ جزیہ میں رد و بدل پر مصر ہو اس کے خلاف خالدؓ اور تمام مسلمان ان کے معاون ہیں۔

۳۔ مسلمانوں کی طرف سے غیر مسلم کو پناہ دینا اور اس سے صلح دونوں کام ہمیں منظور ہیں اس بارے میں ہم تم سے متفق ہیں۔

۴۔ خالدؓ کے سوا دوسرے مسلمان نگران اور سپہ سالار بھی ایسے معاہدوں پر مندرجہ ذیل صحابہؓ کی شہادت ثبت کرالیا کریں۔

ھشام، قعقاع، جابر بن طارق، جریر، بشیر، حنظلہ، ازداد، حجاج (بن ذوالحق) مالک بن یزید۔

فرمان عمرؓ بنام مغیرہ ابن شعبہؓ امیر بصرہ در بارہ خصی کردن اسپان:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

از طرف عبداللہ عمر امیر المومنین بنام مغیرہ ابن شعبہ

السلام علیکم!

خدائے برتر وحدہ لاشریک کی حمد و ثناء کے بعد!

میری طرف اور عبداللہ (۱۷۸) نے لکھا ہے کہ وہ بصرہ میں ابن غزوان (۱۷۹) کے عہد امارت میں دو کام کرتے رہے

۱۔ کھیتی باڑی

۲۔ تو مر گھوڑوں کا خصی کرنا

ابو عبداللہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ بصرہ میں نمبر ۲ کا آغاز انہوں نے کیا ہے۔

میری رائے یہ ہے کہ ابو عبداللہ کے دونوں کام مفید ہیں۔ آپ دونوں کاموں میں ان کی مدد کیجئے، البتہ کھیتی باڑی کی اراضی ذمیوں کی خراجی زمین نہ ہو اور نہ ان چشموں سے اس کی آب پاشی کی جائے جو خراجی چشمے ہیں، بہرصورت ابو عبداللہ سے مناسب سلوک کیجئے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کاتب۔ معیقیب بن ابو فاطمہ

تاریخ تحریر ماہ صفر ۱۷ھ

از حضرت عمرؓ: نافع ابو عبداللہ کی سفارش بنام عامل بصرہ ابو موسیٰ اشعریؓ:

بصرہ سے قبیلہ ثقیف کے ایک صاحب نافع ابو عبداللہ مدینہ آئے اور حضرت عمرؓ سے عرض کیا۔

"بصرہ میں بود و باش پر وہاں کی آب وہوا (۱۸۰) سے ہمیں کوئی تکلیف نہیں پہنچی، وہاں کی اراضی بھی خراج سے مستثنیٰ ہے۔ میں

وہاں کھجوروں کو خصی کرنا چاہتا ہوں، مناسب ہو تو مجھے اجازت دی جائے"۔ اس پر حضرت عمرؓ نے عامل بصرہ ابوموسیٰ اشعریؓ کی طرف یہ خط لکھا

"اگر نافع کی یہ اطلاع صحیح ہے تو اسے کاشت کی اجازت دی جائے"۔

بروایت ابوخُمیلہ

میں نے حضرت عمرؓ کا یہ خط بنام ابوموسیٰؓ پڑھا کہ

ابوعبداللہ نے مجھ سے دجلہ کے کنارے کی اراضی طلب کی ہے، اگر ان کی یہ اطلاع صحیح ہے کہ وہ اراضی خراجی نہیں اور لگان سے بھی مستثنیٰ ہے اور خراجی چشمے سے اس کی آبپاشی بھی نہیں ہوتی تو یہ اراضی ابوعبداللہ کے سپرد کر دیجئے۔

اہل افغانستان سے معاہدہ:

من جانب امیر لشکر مسلمانان عبداللہ بن عمر

افغانستان کے صوبہ ہرات کے بادشاہ سے معاہدہ!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حکم نامہ از عبداللہ بن عامر بنام بادشاہ هرات و بوشنج و باد غیس!

جس معاہدہ میں عبداللہ بن عامر نے انہیں مندرجہ ذیل امور کا پابند کیا

۱۔ خوف خدا ملحوظ رہے!

۲۔ مسلمانوں کی ہمدردی کے پیش نظر ہو!

۳۔ اپنے ماتحت کاشتکاروں کی اصلاح اور ان پر مزروعہ اراضی کی منصفانہ تقسیم کی جائے اور انہیں ماتحت علاقہ کی جملہ اراضی اور پہاڑوں کی پیداوار پر بدستور قابض رکھا جائے۔

۴۔ بادشاہ ہرات کو ہمارے حضور مقررہ جزیہ ادا کرنا ہوگا اور عدم ادائیگی کی صورت میں معاہدہ و امان دونوں ختم ہو جائیں گے۔

کاتب: ربیع بن نہشل

مہر: ابن عامر

پھر تذکرہ ایرانیاں:

سپہ سالار سرحد مرو الروز کا خط بنام امیر الجیش احنف بن قیس

بخدمت امیر الجیش!

میں اس "اللہ" برتر و بالا کی حمد و ثنا بیان کرتا ہوں جس کے ہاتھ میں کل غلبہ ہے اور جسے وہ ہر لمحہ اپنی مشیت کے مطابق استعمال کر سکتا ہے۔ آج ایک شخص قعر ذلت میں ہے تو کل وہی مختار و سربلند ہے اور بالعکس ازیں ایک شخص آج ممتاز و سربلند ہے تو کل وہی

سرنگوں پڑا ہے۔

مصالحت کے لئے عریضہ ھذا پیش کرنے کا سبب یہ ہے کہ میں اس راہ میں مسلمانوں کی جدوجہد دیکھ کر بہت متاثر ہوا، خصوصاً ان کے صاحب الامر (۱۸۱) کی لشکریوں میں تکریم و تعظیم سے! اے مسلمان مرحبا!

درخواست ہے کہ میں ان شرائط پر آپ سے مصالحت کے لئے حاضر ہو سکتا ہوں۔

ایران کا یہ حصہ جس پر میں قابض ہوں، اسے ملوک کسریٰ نے یکے بعد دیگرے ہمارے ایک جداعلیٰ کو اس خدمت کے عوض میں بطور جاگیر عنایت فرمایا، جو ہمارے اس جد نے ایک اژدہے کے کچل دینے کی شکل میں کی۔ یہ اژدہا انسان کو سموچا نگل جاتا تھا، اس کی دہشت سے راستے بند ہو گئے اور گرد و نواح کی بستیاں خالی ہو گئیں!

میں آپ کے حضور ساٹھ ہزار درہم سالانہ بطور خراج بھی پیش کر دیا کروں گا مگر نہ تو میرے قبیلہ مرزبانی میں سے کسی فرد سے اراضی کا لگان وصول فرمائیں اور نہ میرے اہل بیت میں سے کسی مرزبانی کو اس کے گھر سے نکالا جائے۔

اگر یہ درخواست منظور ہو تو میں حاضر خدمت ہونے کی عزت حاصل کروں؟

یہ عریضہ اپنے حقیقی بھائی مالک کے ہاتھوں بھجوا رہا ہوں، جو معاہدہ کے لئے ان مبادی پر گفتگو کریں گے!

(خط کا جواب) از احنف ابن قیس بنام باذان محافظ سرحد و سرداران ریاست:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

از طرف صخر (۱۸۲) بن قیس امیر الجیش بنام باذان محافظ و سرداران ریاست ایران!

سلامتی ہے اس کے لئے جو راہ ہدایت کا متلاشی اور امن و آشتی کا خواہاں ہے۔

واضح ہوا کہ تمہارے بھائی مالک میرے ہاں آئے اور انہوں نے تمہاری طرف سے صلح کی درخواست مناسب پیرائے میں پیش کی جسے میں نے اپنے ہمراہی مسلمانوں کے سامنے بیان کیا کہ وہ اور میں صلح کے معاملہ میں یکساں مختار ہیں۔

۱۔ ہم آپ کے ساتھ بالعوض ۶۰ ہزار درہم سالانہ جزیہ کے صلح منظور کرتے ہیں، جو رقم آپ اپنے خطہ کے کاشتکاروں سے وصول کر کے جمع کرائیں گے، میرے بعد اس ملک میں آنے والے مسلمان امیر بھی اس معاہدہ کے پابند رہیں گے۔

ہمیں یہ شرط بھی منظور ہے کہ آپ کے ایک جداعلیٰ نے اس اژدہا کے قتل میں جو بنی آدم کے لئے موت بنا ہوا تھا، ایسا کارنامہ دکھایا جس کے عوض میں کسریٰ جیسے دشمنان خویش نے آپ کے جداعلیٰ کو جاگیر کے طور پر اس اراضی پر قابض کر دیا۔ ہم بھی اس جاگیر پر خراج وصول نہ کریں گے۔ تمام زمین اللہ اور اس کے رسول کی ملکیت ہے۔ خدا جسے چاہے عطا فرما دے۔

۲۔ مگر اس رعایت کے عوض میں اگر مسلمان لڑائی کے موقعہ پر آپ سے مدد کے طلب گار ہوں تو آپ کو اپنے سرداروں سمیت ان کی اعانت کرنا ہوگی۔

۳۔ اگر آپ کے خلاف آپ کے ہم مشرب لڑائی میں نکلیں تو مسلمان فوج آپ کی امداد کرے گی۔

۴۔ ہماری طرف سے امداد کی یہ شرط میرے بعد میرے قائم مقام بھی پوری کریں گے۔

۵۔ ہم آپ کو اور آپ کے قریبی اہل بیت کو ہر قسم کے خراج سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔

اگر آپ مسلمان ہو جائیں اور رسول اللہ کی اطاعت پر قائم رہیں تو مسلمان آپ کے لئے جود و کرم کا دروازہ کھول دیں گے اور آپ کا احترام اپنا فرض سمجھیں گے۔ اس سے آپ میں اور مسلمانوں میں بھائی چارہ بھی ہو جائے گا۔

بہر صورت میں اس معاملہ کا پابند ہوں۔ میرا باپ، مسلمان اور ان کے آباؤ اجداد سب پابند ہیں۔

گواہان. (۱) جزء ابن معاویہ۔ (یا معاویہ ابن جزء السعدی)

(۲) حمزہ بن ہرماس از قبیلہ مازنی

(۳) حمید بن خیار از قبیلہ مازنی

(۴) عیاض بن ورقاء اسیدی

محرر: کیسان مولی بنی شیبہ

تاریخ دوشنبہ ماہ محرم بہ نشان مہر احنف "(نعبد اللہ)" (۱۸۳)

اہل ارمینیا سے معاہدہ:

معاہدہ امن اہل دبیل (در ارمینیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معاهده امن من جانب حبیب بن مسلمه برائے باشندگان دبیل از نصاریٰ و مجوس و یهود. موجود بن درو طن و غیر موجود بن (بهر یک !)

بعوض ادائے جزیہ و خراج۔ اور وفاداری!

تمہارے نفوس، اموال، گرجے، خانقاہیں اور بستیوں کی فصیلیں کسی سے تعرض نہ ہوگا!

تم میں سے ہر ایک کے لئے امان اور ہماری جانب سے ایفائے عہد ہوگا!

خط من جانب حبیب بن مسلمہ بنام باشندگان طفلس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

از طرف حبیب بن مسلمہ بنام اعالیان طفلس!

سلامت باشید! میں خدائے برتر وحدہ لاشریک کی حمد و ثناء کے بعد لکھتا ہوں

کہ تمہارے سفیر نقلی نے مجھ سے میرے ہمراہی مسلمانوں کے بالمواجہ گفتگو میں کہا کہ

"خدا نے ہمیں باعزت بنایا ہے"۔ جواباً لکھا جاتا ہے کہ اسی طرح اللہ نے ہمیں قلت تعداد اور ناقابل بیان جہالت و ذلت کے بعد معزز و محترم فرمایا ہے جس پر ہم بصد عجز اس کے احسان کا اعتراف کرتے ہیں! فالحمد للہ رب العالمین والسلام علی رسولہ وصلوٰتہ۔ جیسا کہ اس نے ہمیں راہ حق دکھایا۔

آپ کے سفیر تغلی نے یہ بھی کہا ہے کہ "ہم آپ لوگوں کے رعب وداب سے تھرا اٹھے ہیں" تو یہ اللہ کا رعب ہے نہ کہ ہمارا دبدبہ!
تغلی نے یہ بھی کہا ہے کہ "آپ لوگ ہم سے صلح کرنا چاہتے ہیں" تو صلح سے مجھے اور میرے ہمراہیوں کو بھی انکار نہیں!
تمہارے سفیر (تغلی) نے ہمارے سامنے کچھ ہدیہ بھی پیش کیا ہے جس کی قیمت میں نے اپنے ہمراہیوں سمیت لگائی تو یہ ایک ہزار دینار تک پہنچ گئی۔ یہ چیزیں ہدیہ کی بجائے جزیہ میں محسوب (۱۸۴) ہوں گی اور جزیہ صرف ایک ہزار دینار سالانہ ہوگا۔
بلکہ ہماری طرف سے ہر ایک کنبہ پر ایک دینار کامل سالانہ جزیہ یہ ہوگا (جو فدیہ نہیں)
اور میں نے مومنین کی جماعت کے بالسویہ آپ لوگوں کے لئے شرائط صلح اور امان پر ایک خط لکھ دیا ہے جو ہماری طرف سے عبدالرحمٰن بن جز السلمی آپ کے پاس لا رہے ہیں، وہ بڑے عالم وصاحب الرائے اور کتاب اللہ کے ماہر ہیں، اگر آپ کو اس خط کے شرائط منظور ہوں تو وہ اسے آپ کے حوالے کر دیں گے۔ بصورت انکار میں تمہیں خدا اور رسول سے جنگ کا الٹیمیٹم دیتا ہوں جس میں مسلمان بھی شریک ہیں ان اللہ لا یحب الخائنین والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

الفاظ امان نامہ برائے اہالیان طفلس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من جانب حبیب بن مسلمہ

یہ معاہدہ ہے حبیب بن مسلمہ کی طرف سے برائے اہل طفلس (سابق رایائے ہرمز)

۱۔ فی گھر ایک کامل دینار جزیہ (سالانہ) کے بالعوض تمہارے لئے یہ مراعات تسلیم کی جاتی ہیں۔

۲۔ تمہارے نفوس، اولاد اور اہل وعیال، گرجوں، خانقاہوں، دین اور طریق عبادت پر کلی امان ہے، لیکن رقم جزیہ کم کرنے کے لئے ادھر ادھر کے گھروں کو ایک گھر میں منضم نہ کر لینا اسی طرح ہم بھی جزیہ کی رقم بڑھانے کے لئے ایک گھر کو زیادہ گھروں پر تقسیم نہ کریں گے۔

۳۔ تمہیں خدا اور رسولؐ اور مومنین کے دشمنوں کے خلاف حسب استطاعت ہماری امداد کرنا ہوگی۔

تم پر ذیل کے شرائط بھی عائد کئے جاتے ہیں۔

۴۔ رہ گزر مسلم مسافر کی ایک شبانہ روز دعوت! جو اہل کتاب کے حلال خورونوش سے ہو!

۵۔ رہ گزر مسلمانوں کو ان کی منزل کا راستہ بتانا اس حد تک کہ تمہیں ان کے ہمراہ دور تک نہ جانا پڑے۔

۶۔ اگر تمہاری بستیوں کے گردونواح میں کسی مسلمان کی لاش پائی گئی تو اس لاش کے قریب رہنے والوں پر مقتول کی دیت واجب ہوگی۔ جس کی ادائیگی ان مسلمانوں کے حضور ہوگی جو اس لاش کے قریب رہتے ہوں، اگر مسلمان قریب میں نہ ہوں تو دوسری بات ہے (یعنی دیت دور کے مسلمان کے حوالے کرنا ہوگی)

۷۔ اور اگر تم لوگ کفر سے توبہ کر کے مسلمان ہو جاؤ اور ادائے نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کر لو تم ہمارے بھائی بن جاؤ گے۔

۸۔ بخلاف اس کے تم میں سے جو شخص کفر پر رہ کر بھی جزیہ ادا نہ کرے وہ اللہ کے رسولؐ اور مومنین کا دشمن

ہے اور ایسوں کے خلاف خداوند عالم مسلمانوں کا معاون ہے۔

۹۔ اگر مسلمان اپنی جگہ کسی معاملہ میں مشغول ہوں اور اس لحہ تمہارا دشمن تمہیں گھیر لے تو اس حالت میں مسلمان تمہاری امداد نہ کرنے پر معذور ہوں گے ! نہ کہ اپنی ذمہ داری سے پہلو تہی کرنے والے ! مگر یہ مسلمان اپنی مشغولیت سے یک سو ہو کر تمہاری حمایت ضروری کریں گے۔

یہ ہے فریقین کی ذمہ داری !

شہد اللّٰہ وملائکتہ ورسلہ والذین آمنوا و کفیٰ باللّٰہ شہیداً

(اس پر گواہ ہے اللہ، اس کے فرشتے، رسول اور مومنین ! اور اللہ کی شہادت کافی ہے)

امان نامہ برائے اہالیان طفلس کی تجدید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تجدید امان نامہ از جراح بن عبداللہ برائے اہل تفلیس از پرگنہ منجلیس (درعلاقہ جرزان !)

یہاں کے رئیس میرے پاس وہ امان نامہ لائے جو (میرے مقدم) حبیب بن مسلمہ نے بالعوض جزیہ کے لئے انہیں عطا فرمایا اور اپنے علاقہ میں پن چکیوں اور انگوروں کی پیداوار پر سالانہ ایک سو درہم مزید جزیہ کے ان پر عائد کیا۔

حبیب بن مسلمہ کے اس امان نامہ کی تفصیل یہ ہے

۱۔ ان کے پرگنہ منجلیس کے مواضع آواری اور ساویا پر ان کا قبضہ برقرار رکھا جاتا ہے۔

۲۔ اور ان کے مواضع طعام و دیدونا از پرگنہ قویا درعلاقہ جرزان پر بھی ان کا قبضہ تسلیم کیا جاتا ہے۔

۳۔ اس تمام علاقہ کی پن چکی اور انگوروں کے باغات پر بھی ان کا حق تسلیم کیا جاتا ہے۔

میں (جراح بن عبداللہ) ان کے پیش کردہ امان نامہ کو نافذ کرتا ہوں اور اپنے ہم مسلک مسلمانوں کو حکم دیتا ہوں کہ وہ جزیہ اور خراج (ایک سو درہم سالانہ) پر اضافہ نہ کریں۔

جس فرد حکومت کے سامنے میرا یہ تصدیق نامہ پڑھا جائے وہ ان ذمیوں پر زیادتی نہ کرے۔ انشاء اللہ۔

امان نامہ از بکیر ابن عبداللہ بہ اہالیان موقان از قبج !

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ معاہدہ ہے بکیر بن عبداللہ کی طرف سے اھالیان موقان از کوہ قبج کے لئے !

ان کے اموال ونفوس اور مذہب وشریعت ہر ایک کے لئے امان ہے۔

الف: سالانہ ایک دینار یا اس قیمت کی کوئی شے ان کے ہر ایک مرد بالغ کی طرف سے بطور جزیہ کے !

ب: مسلمانوں کی ہمدردی، ان کے رہ گزر مسافروں یا فوج کی رہبری اور ایک رات دن کی خورد ونوش بھی ان کے ذمے ہے۔

ج: ان کی طرف سے تا ایفائے شرائط ہر سہ ہماری طرف سے امان ہے اور اللہ تعالیٰ اس میں ہمارا معاون ہے !

اگر ان شرائط میں غداری ہوئی تو جب تک تمام غداروں کو ہمارے حوالے نہ کریں گے دونوں قسموں کو ایک دوسرے کا معاون سمجھا جائے گا۔

گواہان:

۱۔ شماخ ابن ضرار

۲۔ رساس بن جنادب

۳۔ حملہ بن جوتہ

تاریخ تحریر ۲۱ھ

معاہدہ بہ شہر براز واہل ارمینیا ورئیس ارمن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ امان نامہ ہے جو سراقہ بن عمرو عامل امیر المومنین عمرو بن الخطاب نے رئیس شہر براز اور اہالیان ارمینیا کو لکھوا کر دیا۔

۱۔ ان کے جان و مال اور مذہب ہر ایک لئے پوری امان ہے۔

۲۔ آرمینیہ کے قدیم اور نو آباد اور ان کے گرد و نواح کے ذمی اپنے مسلمان صوبہ دار کے اعلان عام پر اس کے ہمراہ کوچ کریں، اگر چہ ان کے نزدیک بظاہر خطرہ ہی کیوں نہ ہو ایسے لوگوں پر کوئی مالی جزیہ نہ ہوگا اگر جزیہ کے عوض میں جنگوں پر ہماری امداد کرنا ان پر واجب ہوگا۔ (۱۸۵) جو شخص اس امداد سے پہلو تہی کرے اسے اہل آذربیجان پر عائد کردہ جزیہ کے مطابق رقم ادا کرنا ہوگی۔

۳۔ جزیہ حسب مقدور ہوگا۔

۴۔ رہ گزر مسافران کو ان کی منزل تک رہنمائی کرنا ہوگی۔

۵۔ اپنے ہاں نو وارد مسلمانوں کی ایک شبانہ روز ضیافت کرنا لازم ہوگی۔

گواہان:

۱۔ عبدالرحمٰن بن ربیعہ

۲۔ سلمان بن ربیعہ

۳۔ بکیر بن عبداللہ

۴۔ مرضی بن مقرن

محرر اور گواہ نیز

معاہدہ خالدؓ بن ولید بہ اہل دمشق از شام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ تحریری معاہدہ ہے خالدؓ بن ولید کی طرف سے اہل دمشق کے لئے!

ا۔ میں ان کی جان و مال اور عبادت خانوں کی حفاظت کی ذمہ داری اس طرح سے لیتا ہوں کہ:

ا۔ ان کے شہر کی فصیلیں منہدم نہ کرائی جائیں گی۔

۲۔ مسلمان ان کے سکونتی مکانوں میں آباد نہ ہوں گے۔

۳۔ ان کے ساتھ ہر طرح سے بہتر سلوک کیا جائے گا۔

جن مراعات کے عوض میں انہیں جزیہ ادا کرنا ہوگا، ہماری طرف سے ان شرائط کی پابندی، خدا اس کے رسول صلعم اور خلفاء و مومنین پر ہے۔

گواہان:

ا۔ ابوعبیدہؓ بن جراح

۲۔ شرجیل بن حسنہ

۳۔ قضاعی بن عامر

محررہ ۱۳ھ

معاہدہ ابوعبیدہؓ بن جراح بہ اہل دمشق (۱۸۶)

بہ پابندی شرائط ذیل نصاریٰ کے گرجوں اور یہود کی عبادت گاہوں سے تعرض نہ کیا جائے گا۔

ا۔ یہود اور نصاریٰ دونوں میں کوئی فریق نئی عبادت گاہ تعمیر نہ کرے۔

۲۔ مسیحی اپنی صلیب کے جلوس مسلمانوں کے مجالس آبادیوں میں نہ لائیں۔

۳۔ مسلمانوں کی اذان و نماز سے قریب اور ادائے نماز کے دوران میں یہود اور نصاریٰ میں سے کوئی فرقہ ناقوس نہ بجائے۔

۴۔ اپنی اپنی عیدوں پر یہود و نصاریٰ دونوں میں کوئی فریق اپنا مذہبی علم نہ نکالے۔

۵۔ اور عید کے دن بھی یہ دونوں ہتھیار لگا کر نہ نکلیں۔

۶۔ دونوں فریق اسلحہ بندی اپنے گھروں میں بھی نہ کریں ورنہ انہیں سزا دی جاسکے گی۔

۷۔ اپنے سؤروں کے گلے مسلمانوں کے میدانوں اور اراضی کی طرف نہ لائیں۔

۸۔ راستہ بتانے میں مسلمان رہ گزر کی رہنمائی کریں۔

۹۔ دریاؤں پر اپنے خرچ سے پل تعمیر کرائیں۔

۱۰۔ نووارد مسلمانوں کی تین شبانہ روز ضیافت کریں۔

۱۱۔ زنہار! جو کسی مسلمان کو دشنام سنائیں یا اسے زدوکوب کریں۔

فرمان امیر المومنین عمرؓ بن الخطاب بنام ابوعبیدہؓ بن جراح درباره تقسیم اراضی سواد عراق

فتح سواد عراق پر ابوعبیدہؓ بن جراح نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مشرکین کی شکست کی اطلاع کے ساتھ مندرجہ ذیل امور کے لئے اجازت طلب کی۔

(الف) جملہ اموال غنیمت کی تقسیم پر اصرار

(ب) مفتوحہ بستیوں کی تقسیم کی درخواست

(ج) مغلوب باشندوں کی تقسیم کا تقاضا

(د) اراضی و باغات کی تقسیم پر ضد

حضرت عمرؓ نے ان میں سے ہر ایک شے کی تقسیم سے منع فرمایا اور ابوعبیدہؓ کی طرف مندرجہ ذیل خط لکھا)

اے ابوعبیدہؓ!

آپؓ کے خط میں لکھے ہوئے یہ دونوں مسئلے میری نظر سے گزرے

(الف) مفتوحین سے شرائط صلح!

(ب) ان کے اموال کے ساتھ جملہ غنیمت کی تقسیم کا مطالبہ!

میں نے آپ کا خط اصحاب رسول اللہ صلعم کے سامنے رکھ دیا اور ان میں سے ہر ایک صاحب نے اپنی اپنی صواب دید کے مطابق اظہار رائے فرمایا۔

اس بارے میں میری رائے کتاب اللہ کے تابع ہے۔

بہ تفصیل ذیل

"مَا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللّٰهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ○ مَا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ ۚ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۖ إِنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ○ لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ○" (۱۸۷)

جو (مال) اللہ اپنے رسول کو (ان) بستیوں کے لوگوں سے مفت میں دلوا دے تو وہ اللہ کا (حق) ہے اور رسول کا اور (رسول کے) قرابت داروں کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور (بے توشہ) مسافروں کا حق ہے۔ یہ حکم (اس لئے دیا گیا) کہ جو لوگ تم میں مال دار ہیں، یہ (مال) (ان ہی) میں دائر نہ رہے (مسلمانو!) جو چیز پیغمبر تم کو ہاتھ اٹھا کر دے دیا کریں تو وہ لے لیا کرو اور جس چیز (کے لینے) سے تم کو منع کریں (اس سے) دست کش رہو اور خدا (کے غضب) سے ڈرتے رہو (کیونکہ) خدا کی مار بڑی سخت ہے (وہ

مال جو بے لڑے مفت میں ہاتھ لگا ہے کن جملہ اور حق داروں کے) محتاج مہاجرین کا (بھی حق) ہے جو (کافروں کے ظلم سے) اپنے گھر اور مال سے بے دخل کر دیے گئے اور اب وہ خدا کے فضل اور (اس کی) خوشنودی کی طلب گری میں لگے ہیں اور خدا اور اس کے رسول کی مدد کو کھڑے ہو جاتے ہیں یہی تو سچے (مسلمان) ہیں!

ان دونوں آیتوں کے منطوق وہ حضرات ہیں جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے ہجرت کی۔

جن کے بعد (ان کے اموال کے مستحق) مدینہ کے انصار ہیں جن کا یہ استحقاق اسی سلسلہ اور اسی سورۃ کی مندرجہ ذیل آیات سے واضح ہے۔

"وَالَّذِينَ تَبَوَّؤُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ"(۱۸۸)

اور ہاں! (وہ مال جو بے لڑے ہاتھ آیا ہے) ان کا (بھی حق) ہے جن مسلمانوں نے ابھی ہجرت نہیں کی اور وہ ان کے آنے سے پہلے مدینہ میں رہتے اور اسلام میں داخل ہو چکے ہیں جو ان کی طرف ہجرت کر کے آتا ہے اس سے وہ محبت کرنے لگتے ہیں اور (مال غنیمت میں سے) مہاجرین کو جو (کچھ بھی دے) دیا جائے اس کی وجہ سے یہ اپنے دل میں اس کی کوئی طلب نہیں پاتے، اپنے اوپر تنگی ہی کیوں نہ ہو (مہاجرین بھائیوں کو) اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اور بخل تو سب ہی کی طبیعتوں میں ہوتا ہے مگر جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے تو ایسے ہی لوگ فلاح پائیں گے!

اور انصار مدینہ کے بعد (آنے والی) اولاد آدم میں سے ہر وہ سفید و سیاہ مسلمان ہے جو مہاجرین اور انصار دونوں طبقوں کے دنیا سے گزر جانے کے بعد آئے۔ گو ہے بمصداق این الفاظ

"وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ". (۱۸۹)

(اور ہاں! جو مال بے لڑے ہاتھ آیا ہے) ان کا (بھی حق) ہے جو مہاجرین اولین کے بعد (ہجرت کر کے) آئے۔

اے ابو عبیدہؓ!

منذکرۃ الصدر اشیاء (اراضی اور باغات وغیرہ) ذمیوں ہی کے پاس رہنے دیجئے۔(۱۹۰)

آن سے آن کی وسعت کے مطابق جزیہ وصول کر کے مسلمانوں میں تقسیم کرتے رہئے۔

ان (ذمیوں) کی بحالی سے وہاں کی زمین آباد رہے گی اور وہی اپنی زمین پر کاشتکاری کے لئے زیادہ موزوں ہیں۔

آپؓ اور آپؓ کے ہمراہی فاتحین کو ان ذمیوں کی ذات پر بھی تقسیم کا حق نہیں۔

آپؓ نے ان سے کیے ہوئے جس معاہدہ کی اطلاع دی ہے اس کے مطابق اب آپؓ ان باشندوں کو تقسیم کر کے غلام نہیں بنا سکتے، ان سے جس قسم کے جزیہ پر آپؓ نے معاہدہ کیا ہے اس سے زیادہ ان سے کچھ وصول نہیں کیا جا سکتا۔

خداوند عالم نے ہمارے اور آپ دونوں کے لیے اپنی کتاب میں فرمایا ہے۔

"قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ○" (۱۹۱)

لڑائی کرو ان لوگوں سے جو نہیں ایمان لاتے ساتھ اللہ کے اور نہ ساتھ دن پچھلے کے اور نہیں حرام سمجھتے اس چیز کو کہ اللہ نے اور رسولؐ نے حرام کیا اور نہیں قبول کرتے دین سچا ان لوگوں میں سے جو دیے گئے ہیں کتاب یہاں تک کہ دیویں جذیہ ہاتھ اپنے سے اور وہ ذلیل ہوں۔

جزیہ پر فیصلہ ہونے کے بعد آپؓ ان سے کوئی اور شے وصول نہیں کر سکتے اس کے جواز کے لئے ہمارے پاس کوئی دلیل ہی نہیں۔

پھر دیکھئے! اگر ہم انہیں تقسیم ہی کر لیں تو ہمارے بعد آنے والوں کے لئے کیا رہ جائے گا ان کی متروکہ اراضی لق ودق میدان ہو کر نہ رہ جائے گی؟ ہمارے بعد آنے والے مسلمانوں کو اس سرزمین کے اندر کوئی بات چیت کرنے والا بھی تو نظر نہ آئے گا مگر ان (ذمی مفتوحین) کو ان کی اراضی پر آباد رکھنے کی صورت میں ہم اور آپؓ تا زیست ان کی وجہ سے معیشت حاصل کر سکیں گے۔

ہمارے اور ان ذمیوں کے بعد نسلاً بعد نسل ہماری اولاد ان کی اولاد سے خراج وصول کر کے اپنی گزر بسر میں سہولت حاصل کرتی رہے گی۔

اور یہاں کے (یہ) ذمی اس وقت تک مسلمانوں کے غلام بھی رہیں گے جب تک اسلام غالب ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ

۱۔ ان سے صرف جزیہ پر اکتفا کیا جائے۔

۲۔ زنہار! جو انہیں غلام بنایا جائے۔

۳۔ مسلمانوں کو ان پر ظلم نہ کرنے دیجئے۔

۴۔ مبادا! ان کا مال ناجائز طریق سے کھایا جائے۔

۵۔ معاہدہ میں کی ہوئی شرائط کا ایک ایک حرف پورا کیجئے اور معاہدہ میں ان کے عیددن پر صلیب کے بغیر جلوس کی شرط قلم زن کر دیجئے، وہ شہر سے باہر صلیب اور علم کے ساتھ دونوں اپنے اپنے جلوس سال بھر میں ایک مرتبہ اجازت سے نکال سکتے ہیں، لیکن مسلمانوں کے محلوں اور مسجدوں کے قریب سے انہیں صلیب کا جلوس نہ لے جانے دیجئے۔

امان نامہ از ابوعبیدہؓ بن جراح بہ روٴسائے بعلبک

(ابوعبیدہ بن جراح شہر دمشق فتح کرنے کے بعد اہل حمص کو مغلوب کرنے کے لئے بڑھے تو راستے میں بعلبک آ گیا، وہاں کے باشندوں نے امان طلب کی جس پر یہ معاہدہ قرار پایا)

یہ امان نامہ ہے۔ فلاں۔ د۔ فلاں اور باشندگان بعلبک کے لئے جن میں رومی، ایرانی اور عرب سب شامل ہیں۔

۱۔ ان کے جان ومال اور مکانات آبادی اور آبادی سے باہر دونوں قسموں کے لئے امان وحفاظت کی ذمہ داری ہے۔

۲۔ رومی باشندوں کے لئے صرف اس میں استثنیٰ ہے کہ وہ اپنے گھوڑوں کے ریوڑ بستیوں سے ۱۵ میل دور رکھیں اور آبادی میں ہرگز نہ لائیں البتہ ماہ ربیع الثانی اور جمادی الاولیٰ میں وہ ان ریوڑوں کو بستیوں میں رکھ سکتے ہیں۔

۳۔ معاہدین میں سے جو افراد اسلام قبول کرلیں ان کے لئے کوئی پابندی نہیں جیسے ہم ہیں ویسے ہی وہ!

۴۔ ان معاہدین کے تاجر ہمارے اور ہمارے معاہدین کے ہاں جہاں چاہیں جائیں، جس طرح یہ لوگ ہمارے ذمی ہیں، اسی طرح وہ ہمارے ذمی ہیں۔

شهد الله و كفىٰ بالله شهيداً (اس معاہدہ پر اللہ تعالیٰ گواہ ہے اور اس کی شہادت کافی ہے۔)

امان نامہ برائے باشندگان بیت المقدس از امیر المومنین عمر بن الخطابؓ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ امان عبداللہ بن عمر امیر المومنینؓ کی طرف سے باشندگان ایلیا کے لیے ہے۔

مشروط بہ دفعات ذیل:

۱۔ ان کے اموال، جان، عبادت گاہیں، صلیب، مریض و توانا ہر ایک شے سے عدم تعرض کیا جائے گا۔

۲۔ گرجوں کے لیے رعایت یہ ہے کہ وہ مسمار کیے جائیں گے نہ ان کا رتبہ کم کیا جائے گا نہ ان کے اندر اور باہر سے کوئی شے دور کی جائے گی ان کی صلیب کے طول و عرض اور نقش و نگار سے بھی تعرض نہ ہوگا۔

۳۔ یہ مراعات ان کے ساتھ بھلے برے دونوں قسم کے حلیفوں لے لیے بھی ہیں۔

۴۔ ان کے اموال میں بھی دخل اندازی سے مستثنیٰ ہوں گے۔

۵۔ ان کے دینی اعمال سے بھی مواخذہ نہ ہوگا۔

۶۔ ان سے بلاوجہ پرسش ہوگی نہ ضرر رسائی ہوگی۔

۷۔ اور ایلیا میں ان کے جوار میں کسی یہود کو بھی آباد نہ کیا جائے گا۔

باشندگان ایلیا کے لیے شرائط:

۱۔ جزیہ میں ان پر اہل مدائن مندرجہ ذیل شرائط کے پابند بھی ہوں گے۔

۲۔ وہ اپنے علاقہ سے رومی اور چوری پیشہ لوگوں کو نکال دیں۔

۳۔ اگر دونوں گروہ، ہماری رعیت بن کر وفاداری سے ایلیا میں رہنا چاہیں تو رہیں ان کے لیے بھی وہی مراعات اور شرائط ہوں گی جو ایلیا کے اصلی باشندوں کے لیے ہیں۔

۴۔ ایلیا کی اقامت اگر یہ چھوڑنا چاہیں تو ہماری مفتوحہ مملکت میں ہم ان کی جان اور اموال کی حفاظت کریں گے ان کے ایلیا سے نکل جانے کی صورت میں ان کے متروکہ گرجے اور صلیب بحال رہیں گے۔

۵۔ ساکنان ایلیا میں سے جن لوگوں نے ہمارے خلاف جنگوں میں حصہ لیا مثلاً ان کے فلاں شخص کے ہاتھ سے ہمارا فلاں سپاہی قتل ہوا ایسے لوگوں سے باز پرس نہ ہوگی اور ان کے لیے نئے جزیہ میں بھی وہی شروط ہوں گے جو ایلیاہ کے عوام کے لئے ہیں۔

۶۔ ایلیاء سے ملک بدر ہونے والوں کے سوا ملک میں مقیم باشندوں سے فصل کی کٹائی کے موقعہ پر جزیہ وصول کیا جائے گا۔
اس تحریر پر اللہ، اس کے رسول ﷺ، خلفاء اور مومنین سب کی ضمانت ہے بشرطیکہ وہ (طے شدہ) جزیہ ادا کرنے میں کوتاہی نہ کریں!
گواہان: (۱) خالدؓ بن ولید (۲) عمروؓ بن العاص
(۳) عبدالرحمٰن بن عوف (۴) معاویہ ابن ابوسفیان
کاتب: معاویہؓ ابن سفیان
بتاریخ: ۱۵ھ

نامہ امان از امیر المومنین عمر بن الخطابؓ برائے ساکنان شہر لد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

1۔ یہ مراعات ہیں عبداللہ بن عمر امیر المومنینؓ کی طرف سے باشندگان لدّ اور ان کے فلسطینی حلیفوں کے لیے!
۲۔ ان کے اموال، جانیں، عبادت گاہیں، صلیب، مریض اور توانا اور تمام ملت کو امان دی جاتی ہے۔
۳۔ ہم ان کے گرجے نہ مسمار کریں گے نہ ان میں سکونت اختیار کریں گے نہ ان کے لوگوں کو تکلیف پہنچائی جائے گی۔
۴۔ ان مراعات کے عوض میں:
باشندگان لدّ اور ان کے فلسطینی حلیف ہمیں باشندگان مدائن شام کے برابر جزیہ ادا کریں اور اہل مدائن کے جملہ شروط کی پابندی ان پر واجب ہوگی۔

معاہدات عیاض بن غنم:

الف: بہ ساکنان رقہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ امان نامہ ہے عیاض بن غنم کی طرف سے اہل رقہ کے لیے بعوض مقررہ جزیہ ہوگا!
حفظ و امان ہے ان کے جان و مال اور عبادت گاہوں کے لیے جن کو مسمار کیا جائے گا نہ ان میں سکونت کی جائے گی۔
بشرطیکہ!

۱۔ وہ مقررہ شرائط میں خیانت کے مرتکب نہ ہوں۔
۲۔ اور از سر نو کسی کنیسہ کی تعمیر نہ کریں۔
۳۔ گرجوں اور عہد فصیح میں ناقوس نہ بجائیں۔
۴۔ اور نہ صلیب کا جلوس نکالیں۔
۵۔ کسی مسلمان کو فریب سے قتل نہ کریں۔

اس تحریر پر خداء گواہ ہے وکفیٰ باللہ الشہیدا!

بہ مہر عیاض

ب: امان نامہ بہ (مقام) رھا کے پادری کے لیے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ امان نامہ عاص بن غنم کی طرف سے رھا کے پادری کے واسطے

۱۔ اگر تم ہمارے لیے شہر کا دروازہ کھول دو

۲۔ اور فی کس ایک دینار مع دو مد گندم کے سالانہ جزیہ ادا کرو

۳۔ ہمارے آدمیوں کی انہیں راستہ بتانے میں رہنمائی کرو۔

۴۔ پلوں اور راستوں کی درستگی کی پابندی کرو۔

۵۔ مسلمانوں کی خیر خواہی کرتے ہو۔

تب!

تمہاری اور تمہارے حلیفوں کی جان و مال کے لیے امان ہے اس تحریر پر خدا گواہ ہے وکفیٰ باللہ شھیدا!

مندرجہ بالا امان نامہ کی دوسری شکل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ امان نامہ ہے عیاض بن غنم اور ان کے ہمراہی مسلمانوں کی طرف سے ساکنان رھا کے لیے اگر وہ مندرجہ ذیل امور کی پابندی کریں تو ان کی جان، مال، اولاد، مستورات اور پن چکیاں ہر ایک کے لیے حفظ و امان ہیں۔

شرائط یہ ہیں!

۱۔ مقررہ جزیہ کی ادائگی

۲۔ پلوں کی درستگی

۳۔ اور ہمارے آدمیوں کو راستہ بتانے میں سبقت

اس معاہدہ میں اللہ تعالیٰ اس کے فرشتے اور مسلمان گواہ ہیں۔

امان نامہ عمروؓ بن العاص بہ اھل عین شمس

عمروؓ بن العاص نے مصر کے مشہور تاریخی شہر عین شمس پر دھاوا بول دیا اور ادھر سے مقابلہ لیے مصر کے قبطی اور نوبہ کے براری حل گئے حضرت زبیرؓ بن العوام فصیل شہر پر سے اچانک شہر میں داخل ہو گئے اہل شہر نے اپنی ہلاکت کا پیش خیمہ دیکھ کر امان کی درخواست پیش کی جو ان شرائط پر ہوئی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عمروؓ بن العاص نے ان شہریوں کو مندرجہ ذیل شرائط پر امان بخش دی ہے:

۱۔ ان کی جان، مال، گرجے، صلیب، ہموار اور نشیبی اراضی اور پانی کے ذخائر ان میں کسی شے سے تعرض نہ ہوگا لیکن وہ اپنی عبادت گاہوں میں اضافہ نہ کریں اور نہ ہماری طرف سے ان میں کمی ہوگی۔

۲۔ اہل نوبہ کو اپنے ہاں آباد نہ کریں۔

۳۔ جزیہ اور اطاعت اس حلقہ کے تمام باشندوں کے اتفاق رائے پر ہے جزیہ نیل کی طغیانی کے سال میں ۵ لاکھ اور اس کے اتار کے سال پیداوار میں کمی کے مطابق (جزیہ میں بھی) کمی ہوتی رہے گی۔

۴۔ اگر (یہ) ماتحت جزیہ میں بلا سبب کمی کے مرتکب ہوں تو ہماری طرف سے امان کے شرائط میں بھی کمی لازماً ہوگی۔

۵۔ اور جزیہ کے مطابق انکار پر امان مطلقاً ساقط ہو جائے گی۔

۶۔ چوری کی واردات پر اصلی مجرم کے سوا کسی اور سے تعرض نہ ہوگا اگر اس خطہ کے قدیم رومی اور اہل نوبہ شریک معاہدہ رہنا چاہیں تو ہمیں منظور ہے ان کی شرائط مصریوں کے موافق ہوں گے۔

۷۔ اور ان پر جزیہ وہاں کی پیداوار میں سے نواں حصہ ہے۔

۸۔ اہل نوبہ کے سالانہ اتنے ۔۔۔۔۔ گھوڑے ہمارے حوالہ کرنے ہوں گے اس رعایت کے بالعوض کہ ہم نہ تو ان پر حملہ کریں گے اور نہ انہیں داخلی اور خارجی عبادت سے روکا جائے گا۔

۹۔ اگر ان غیر ملکی (رومی اور بربری) باشندوں میں سے کوئی شخص ہماری اطاعت نہ کرنا چاہے تو اسے یہاں ترک سکونت پر سرحد تک امن سے پہنچانے کی ذمہ داری ہم پر ہوگی۔

گواہان

۱۔ زبیر

۲۔ عبداللہ

۳۔ محمد پسران زبیر

۴۔ وردان

فرمان امیر المومنین عمرؓ درباره اسیران مصر:

بروایت زیاد بن جزء الزبیدی

میں فتح مصر کے دوران میں عمروؓ بن العاص کے لشکریوں میں تھا۔ جب مصر کا شہر بلہیب فتح ہو جانے کے بعد وہاں کے اسیروں کو مدینہ و مکہ اور یمن تقسیم کر دیا گیا تو اسکندریہ کے رئیس نے عمروؓ بن العاص سے اپنے اسیروں کی واپسی کی درخواست کی عمروؓ نے یہ درخواست امیر المومنین عمرؓ کی خدمت میں بھجوا دی ہم لوگ حضرت عمرؓ کے فرمان کے منتظر تھے کہ مدینہ سے جواب آ گیا جو عمر بن العاص

نے ہمیں پڑھ کر سنایا۔

تمہارا یہ خط ملا کہ اسکندریہ کے رئیس اس شرط پر جزیہ ادا کرتے ہیں کہ ان کے اسیر واپس کر دیے جائیں جزیہ ہماری زندگی میں ہمارے لیے اور ہمارے بعد آنے والے مسلمانوں کے لئے ہے یہ آمدنی مجھے اس لیے زیادہ پسند ہے جو فوراً تقسیم ہو جانے سے اس طرح ختم ہو جاتی ہے جیسے وہ تھی ہی نہیں۔

اسکندریہ کے رئیس سے اس شرط پر جزیہ قبول کر سکتے ہو کہ جو اسیر امان پر تمہارے قبضہ میں ہیں انہیں اسلام قبول کرنے یا اپنے قدیم مذہب پر رہنے کا اختیار دیا جائے ان میں سے جو شخص مسلمان ہو جائے اس کا معاہدہ پہلے مسلمانوں کی مانند ہے کہ ہماری جانب سے ان پر کوئی شرط نہ ہو گی اور ان اسیروں سے جو شخص اپنے قدیم مذہب پر رہنا چاہتے ہیں۔ اس کو خوشی سے آزاد کر دیا جائے گا مگر اسے دوسروں کی مانند جزیہ ادا کرنا ہو گا۔

اور ان میں جو اسیر عرب میں لے جا کر مکہ و مدینہ اور یمن میں منقسم ہو گئے ہیں ان کے سمیٹنے کی ہم میں قدرت نہیں اور ہم صلح میں خود پر ایسی شرط عائد نہیں کر سکتے جس کے ایفاء پر ہمیں قدرت نہ ہو۔

اہل اطابلس سے معاہدہ:

فتح اسکندریہ کے بعد عمروؓ بن العاص نے مغرب کی طرف کوچ کر دیا اور برقہ پہنچنے پر اطابلس کا دارالسلطنت تھا وہاں کے باشندوں نے تیرہ ہزار دینار سالانہ جزیہ پر صلح کر لی پہلی قسط انہوں نے اپنے بیٹے اور گھر بار کا سامان بیچ کر پوری کی اور انہیں تحریری امان نامہ دے دیا گیا۔

مگر اس امان نامہ کی نقل نہیں ملی۔

عہد فاروقیؓ کا غروب آفتاب:

جو بھی انسان میں آیا فنا کا پروانہ ساتھ ہی لایا ہے۔ خود نہ اپنی مرضی سے آیا اور نہ جائے گا۔ ہر چھوٹی بڑی ذات کو فنا ہے۔

چنانچہ سعید بن المسیب کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ نے منیٰ سے روانہ ہو کر مقام ابطح میں اپنا اونٹ بٹھایا اور اس کے سہارے کھڑے ہو کر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کے یہ دعا کی: "اے اللہ! میں بہت بوڑھا ہو چکا ہوں، میری قوتیں جواب دے رہی ہیں، میرے خیالات منتشر ہیں قبل اس کے کہ ضعف عقلی نمودار ہو اور خرابیوں کا اندیشہ ہو تو مجھے اپنے پاس بلا لے"۔ چنانچہ ماہ ذی الحج ختم ہونے سے پہلے ہی آپؓ نے شہادت پائی۔ امام بخاریؒ ابو صالح کے حوالہ سے حضرت کعب احبار کا یہ بیان لکھا ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ توریت میں لکھا دیکھا گیا ہے کہ آپؓ شہید کیے جائیں گے جس پر آپؓ نے فرمایا یہ کیسے ہو گا۔ جزیرۃ العرب میں رہتے ہوئے مجھے شہادت ملے۔ راوی کا بیان ہے کہ کعب کا یہ بیان سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا اے اللہ! فی سبیل اللہ مجھے شہادت عطا فرما اور اپنے محبوب کے مدینہ پیغام اجل ارزانی فرما۔ (۱۹۳)

ایک دن خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا: میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک مرغ آیا ہے اور مجھ پر ٹھونگیں مار رہا ہے۔ اس کی تعبیر یہی ہو سکتی ہے کہ اب میری موت کا وقت آ گیا ہے۔ میری قوم مطالبہ کر رہی ہے میں اپنا ولی عہد مقرر کروں۔ یاد رکھو میں موت کا مالک

ہوں نہ ہی دین اور خلافت کا۔ خدا تعالیٰ اپنے دین اور خلافت کا خود محافظ ہے۔ وہ انہیں کبھی ضائع نہیں کرے گا۔ (۱۹۴)

امام زہریؒ کا بیان ہے کہ فاروق اعظمؓ نے ہر بالغ مشرک پر مدینہ کے اندر داخلہ پر پابندی عائد کر دی تھی تو حاکم کوفہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے امیر المومنینؓ کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ کوفہ میں ایک کاریگر نوجوان جو لوہار بڑھی ہونے کے ساتھ بہت کام جانتا ہے اور فن نقاشی میں ماہر ہے اگر اسے مدینہ حاضری کی اجازت مرحمت فرمائی جائے تو اس سے عوام کو بڑا فائدہ ہوگا۔ آپؓ نے اجازت صادر فرمائی۔ اس جوان نے مدینہ آمد کے بعد دربار خلافت میں حاضری دی اور پھر یہ شکایت پیش کی کہ مغیرہؓ بن شعبہ نے مجھ پر بہت زیادہ ٹیکس لگ رکھا ہے۔ آپ کم کرا دیجئے۔ (۱۹۵)

حضرت عمرؓ: کتنا ٹیکس ہے؟

فیروز: دو درہم روزانہ۔

حضرت عمرؓ: تمہارا پیشہ کیا ہے؟

فیروز: نجاری، نقاشی اور آہن گری۔

حضرت عمرؓ: ان صنعتوں کے مقابلہ میں یہ رقم کچھ بھی نہیں ہے۔

فیروز کے لیے جواب ناقابل برداشت تھا، وہ دانت پیستا ہوا باہر چلا گیا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ امیر المومنین میرے سوا ہر ایک کا انصاف کرتے ہیں چند روز کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے اسے پھر یاد فرمایا اور پوچھا سنا ہے کہ تم ایک چکی تیار کر سکتے ہو جو ہوا سے چلے؟

فیروز نے ترش روی سے جواب دیا کہ تمہارے لیے ایک ایسی چکی تیار کروں گا جسے یہاں کے لوگ کبھی نہیں بھولیں گے! فیروز رخصت ہو گیا تو آپؓ نے فرمایا یہ نوجوان مجھے قتل کی دھمکی دے گیا ہے۔ (۱۹۶)

سانحہ شہادت:

دوسرے دن فیروز نے ایک دو دھاری خنجر جو زہر آلود تھا جس کا قبضہ وسط میں تھا آستین میں چھپا کر صبح سویرے مسجد میں آ کر ایک گوشے میں بیٹھ گیا۔ حضرت عمرؓ کا دستور تھا کہ تکبیر سے پہلے صفیں درست کرنے کے لیے فرمایا کرتے تھے جب لوگ صفیں سیدھی کر لیتے تو حضرت عمرؓ امامت کراتے تھے اس روز بھی اسی طرح ہوا جب صفیں سیدھی ہو گئیں تو حضرت عمرؓ امامت کے لیے آگے بڑھے ابو لولو فیروز آپؓ کے پیچھے کھڑا ہوا اور جونہی نماز شروع کی فیروز نے دفعتاً گھات میں سے نکل کر چھ وار کیے جن میں سے ایک ناف کے نیچے پڑا۔ دنیا نے اس دردناک ترین حالت میں ایک عجیب منظر دیکھا۔ اس وقت جب کہ حضرت عمرؓ اپنے قدموں پر گر رہے تھے آپؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ پر کھڑا کر دیا اور خود وہیں زخموں کے اثر سے زمین پر گر پڑے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ایسی حالت میں نماز پڑھائی کہ امیر المومنین حضرت فاروق اعظمؓ سامنے پڑے تڑپ رہے تھے۔ (۱۹۷)

فیروز نے ساتھ ہی تیرہ اشخاص کو اور زخمی کیا اور حضرت عمرؓ کو اٹھا کر لایا گیا۔ آپؓ نے سب سے پہلے یہ دریافت فرمایا میرا قاتل کون ہے؟ لوگوں نے بتایا فیروز! اس جواب سے چہرہ انور پر بشاشت ظاہر ہوئی اور زبان مبارک سے فرمایا الحمد اللہ! میں کسی مسلمان کے ہاتھ سے قتل نہیں ہوا۔

بارہ آدمی زخمی کرنے کے بعد ابولولو پر ایک عراقی نے چادر پھینکی جس میں وہ لپٹ گیا اور جب اس نے آزادی کی راہ نہ پائی تو خود کشی کرلی۔ (۱۹۸) لوگوں کا خیال یہ تھا کہ زخم چنداں کاری نہیں اس لیے شفاء ہو جائے گی۔ چنانچہ طبیب بلایا گیا اس نے نبیذ اور دودھ پلایا مگر یہ دونوں چیزیں زخم کی راہ باہر آ گئیں اس سے تمام مسلمانوں پر افسردگی طاری ہو گئی اور وہ سمجھ گئے کہ اب حضرت عمرؓ جانبر نہ ہو سکیں گے۔

حضرت عمرؓ تنہا زخمی نہیں ہوئے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پورا مدینہ زخمی ہو گیا۔ خلافت اسلامیہ زخمی ہو گئی ہے اس سے بھی زیادہ یہ کہ خود اسلام پاک زخمی ہو گیا ہے۔ غم میں ڈوبے ہوئے لوگ آپؓ کی عیادت کے لیے آتے تھے اور بے اختیار آپ کی تعریفیں کرتے تھے۔ (۱۹۹)

سفرِ آخرت کی تیاری:

آخری گھڑیوں میں اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ کو بلایا اور پوچھا کہ ہم کتنے مقروض ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ چھیاسی ہزار درہم تقریباً اس پر ارشاد ہوا ہمارے مال میں سے ادا کر دینا بوقت ضرورت بنو عدی اور مزید ضرورت پر قریش سے لیکر ادا کر دینا۔ (۲۰۰)

آخری خواہش:

اپنے فرزند حضرت عبداللہؓ سے فرمایا تم ابھی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس جاؤ اور ان سے التماس کرو کہ عمر چاہتا ہے کہ اسے اپنے دو رفیقوں کے پاس دفن ہونے کی اجازت دی جائے۔ حضرت عبداللہؓ نے آپؓ کا یہ پیغام حضرت عائشہ کو پہنچایا کہ تو وہ بے حد دردمند ہوئیں اور فرمایا میں نے یہ جگہ اپنے لیے محفوظ رکھی تھی مگر اب میں عمرؓ کو اپنی ذات پر ترجیح دیتی ہوں۔ جب بیٹے نے آپؓ کی منظوری کی اطلاع دی تو آپؓ بہت خوش ہوئے اور اس آرزو کی قبولیت پر بے حد شکر و نیاز ادا کرنے لگے۔ (۲۰۱)

فاروق اعظمؓ کی شہادت:

انتقال سے کچھ وقت پہلے اپنے بیٹے عبداللہؓ سے ارشاد فرمایا میرے کفن میں بے جا اسراف نہ کرنا اگر اللہ کے ہاں بہتر ہوں تو مجھے از خود بہتر لباس مل جائے گا اگر بہتر نہیں ہوں تو بہتر کفن بے فائدہ ہے۔ پھر فرمایا میرے لیے لمبی چوڑی قبر نہ کھدوائی جائے اگر میں اللہ تعالیٰ کے ہاں رحمت کا مستحق ہوں تو از خود میری قبر از خود حد نگاہ تک وسیع ہو جائے گی۔ اگر مستحق رحمت نہ ہوں تو قبر کی وسعت میرے عذاب کی تنگی کو دور نہیں کر سکتی۔ پھر فرمایا: میرے جنازے کے ساتھ کوئی عورت نہ چلے۔ مجھے مصنوعی صفت سے یاد نہ کیا جائے۔ جب میرا جنازہ تیار ہو جائے تو مجھے جلدی قبر میں پہنچا دیا جائے۔ اگر مستحق رحمت ہوں تو مجھے رحمت ایزدی تک پہنچانے میں جلدی کرنی چاہیے اگر مستحق عذاب ہوں تو ایک برے آدمی کا بوجھ جس قدر جلد سے جلد کندھوں سے اتار پھینکا جائے اسی قدر بہتر ہوگا۔ ان درد انگیز وصایا کے تھوڑے ہی عرصہ بعد فرشتہ اجل سامنے آ گیا اور آپؓ جاں بحق تسلیم ہو گئے۔ (۲۰۲) حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ بدھ کے دن ۲۶ ذی الحج ۲۳ھ کو شہید ہوئے اور ہفتہ کے دن محرم کی چاند رات کو دفن کیے گئے، بوقت شہادت آپؓ کی عمر ۶۳ برس تھی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ کی عمر ۶۲ سال تھی۔ بعض کا قول ہے کہ ۶۱ اور بعض کہتے ہیں کہ ۶۰ سال،

واقدی کی رائے بھی ہے کہ شہادت کے وقت ان کی عمر ۶۰ سال تھی بعض کہتے ہیں کہ ۵۹ سال کی، بعض کہتے ہیں کہ ۵۰ سال کی بعض کہتے ہیں کہ ۵۴ سال کی تھی۔ (۲۰۳) آپؓ کی نماز جنازہ حسب وصیت حضرت صہیبؓ نے پڑھائی۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت سعد بن وقاصؓ اور حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف نے قبر میں اتارا اور دنیائے اسلام کے اس درخشندہ ترین آفتاب کو آقائے نامدار ﷺ کے پہلو میں ہمیشہ کے لیے سلا دیا گیا۔ (۲۰۴)

پہلو میں مصطفیٰ کے بنا آپؓ کا مزار
پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

انا للہ وانا الیہ راجعون ٥

حواشی وحوالہ جات

(۱) عسقلانی، حافظ، اصابہ جلد ۲ ص ۵۱۸
(۲) عقد الفرید، باب فضائل العرب
(۳) امام نووی کا بیان ہے کہ واقعہ فیل کے تیرہ سال بعد حضرت عمرؓ کی ولادت ہوئی۔
(۴) استیعاب تذکرہ عمرؓ بن الخطاب
(۵) بلاذری، فتوح البلدان بلاذری ص ۴۷۷
(۶) حافظ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابو بکر السیوطی، تاریخ الخلفاء، کراچی، نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۳ء ص ۱۱۴
(۷) حسن ابراہیم حسن، مترجم علیم اللہ، مسلمانوں کا نظم مملکت، کراچی، دارالاشاعت، (س۔ن) ص ۴۳
(۸) طبری ۲۳۷۱
(۹) ابن الاثیر جزری، اسد الغابہ، بحوالہ سابقہ، ص ۲۲۹ ج ۳۔
(۱۰) ایضاً بحوالہ بالا، ص ۲۱۴۔۲۱۵ ج ۳۔
(۱۱) حامد الانصاری غازی، اسلام کا نظام حکومت، "الفیصل، ناشران وتاجران کتب" لاہور (س۔ن)، ص ۱۱۴۔
(۱۲) علی بن ابی بکر الہیثمی، مجمع الزوائد، بحوالہ سابقہ، ص ۶۲ ج ۹۔
(۱۳) اسماعیل بن عمر ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، مطبعۃ السعادۃ ۱۳۴۸ھ، قاہرہ، ص ۲۷ ج ۷۔
(۱۴) حامد الانصاری غازی، اسلام کا نظام حکومت، بحوالہ سابقہ، ص ۱۱۲، ۱۱۳۔
(۱۵) ایضاً
(۱۶) علی متقی الہندی / کنز العمال ج ۳ ص ۳۳۳
(۱۷) فتوح البلدان بلاذری ص ۴۷۶
(۱۸) تاریخ طبری ص ۲۵۷۴
(۱۹) ابو یوسف القاضی / کتاب الخراج ص ۲۷
(۲۰) محمد یوسف الدین، اسلام کے معاشی نظریے، "الائیڈ بک کمپنی" ۱۹۷۴ء، کراچی، ص ۴۳۵ ج ۲۔
(۲۱) محمد بن جریر طبری، تاریخ طبری، بحوالہ سابقہ، ص ۱۶۳ ج ۴۔
(۲۲) محمد بن جریر طبری، تاریخ طبری، بحوالہ سابقہ، ص ۲۲۴ ج ۳۔
(۲۳) ایضاً بحوالہ بالا۔
(۲۴) ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، بحوالہ سابقہ، ص ۱۳۵ ج ۷۔
(۲۵) حامد الانصاری غازی، اسلام کا نظام حکومت، بحوالہ سابقہ، ص ۲۱۰۔
(۲۶) جلال الدین سیوطیؒ، تاریخ الخلفاء، بحوالہ سابقہ، ص ۱۳۲۔۱۳۳۔
(۲۷) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، بحوالہ سابقہ، ص ۲۱۰ ج ۳۔
(۲۸) ابو الفرج عبدالرحمٰن ابن جوزی، سیرت عمر بن خطاب، مصر "مطبعۃ السعادۃ، ۱۳۴۷ھ ص ۲۱۱۔
(۲۹) عبدالرحمٰن ابن جوزی سیرت عمر بن الخطاب، بحوالہ سابقہ، ص ۱۰۱۔
(۳۰) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، بحوالہ سابقہ، ص ۳۳۳ ج ۳۔
(۳۱) احمد بن یحییٰ بن جابر، فتوح البلدان، بحوالہ سابقہ، ص ۳۳۶۔
(۳۲) یوسف الدین، اسلام کے معاشی نظریے، بحوالہ سابقہ، ص ۳۲۸ ج ۲۔
(۳۳) احمد بن ابی یعقوب بن واضح الکاتب، تاریخ یعقوبی، مطبعہ لیدن (س۔ن) ص ۱۶۸ ج ۲۔
(۳۴) ابن حجر عسقلانی، الاصابہ فی تمیز الصحابہ، "دار المعارف" ۱۹۳۹ء، مصر، ص ۲۱۴ ج ۳۔

(۳۵) عبدالرحمن ابن جوزی، سیرت عمر بن خطابؓ، بحوالہ سابقہ، ص ۱۳۰۔

(۳۶) شاہ ولی اللہ، ازالۃ الخفاء، "نور محمد کتب خانہ" کراچی، (س۔ن)، ص ۲۵۲، ۲۵۳ ج ۳۔

(۳۷) امام ابو یوسف، کتاب الخراج، بحوالہ سابقہ، ۱۳۷۲ھ، ص ۴۲۔

(۳۸) محمد سعد اللہ، بنیادی ضروریات زندگی اور اسلام، بحوالہ سابقہ، ص ۲۲۵۔

(۳۹) قاضی ابو یوسف، کتاب الخراج، بحوالہ سابقہ، ص ۴۶۔

(۴۰) احمد بن حنبلؒ، مسند امام احمد، بحوالہ سابقہ، ص ۵۴ ج ۱۔

(۴۱) شمس الدین ذہبی، کتاب دول السلام فی التاریخ، "دائرۃ المعارف انتظامیہ" حیدرآباد (ہند)، ۱۳۲۷ھ، ص ۸۰ ج ۱۔

(۴۲) ابو عبید القاسم بن سلام، کتاب الاموال، بحوالہ سابقہ، ص ۲۰۴۔

(۴۳) قاضی ابو یوسف، کتاب الخراج، بحوالہ سابقہ، ص ۳۶۔

(۴۴) نور محمد غفاری لاہور، اسلام کا قانون محاصل، "مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری" طبع دوم ۱۹۸۹ء، ص ۴۷۔۴۸۔

(۴۵) احمد بن ابی یعقوب بن واضح الکاتب، تاریخ یعقوبی، بحوالہ سابقہ، ص ۱۷۵ ج ۲۔

(۴۶) ابو عبید قاسم بن سلام کتاب الخراج، بحوالہ سابقہ، ۳۷۱۔

(۴۷) قاضی ابو یوسف، کتاب الخراج، بحوالہ سابقہ، ص ۳۷۔

(۴۸) عبدالعزیز بن سلام، قواعد الاحکام فی مصالح الانام، "مکتبۃ الکلیات الازہریۃ" ۱۳۸۸ھ قاہرہ، ص ۱۳۸، ج ۱۔

(۴۹) احمد بن یحییٰ بن جابر بلاذری، فتوح البلدان، بحوالہ سابقہ، ص ۲۷۲۔

(۵۰) جلال الدین سیوطیؒ، تاریخ الخلفاء، بحوالہ سابقہ، ص ۱۰۷۔

(۵۱) ابن جریر طبری، تاریخ طبری، بحوالہ سابقہ، ۲۷۰۲۔

(۵۲) عبدالسلام ندوی، اسوۂ صحابہ، انڈیا، اعظم گڑھ (م۔ن) ۱۹۵۰ء، ص ۶ ج ۲۔

(۵۳) ابن سعد، طبقات الکبریٰ، بحوالہ سابقہ، ص ۲۴۳ ج ۳۔

(۵۴) محمد یوسف الدین، اسلام کے معاشی نظریے، بحوالہ سابقہ، ص ۳۸۲، ج ۲۔

(۵۵) احمد بن یعقوب، تاریخ یعقوبی، بحوالہ سابقہ، ص ۱۷۷ ج ۲۔

(۵۶) حافظ سعد اللہ، بنیادی ضروریات زندگی اور اسلام، بحوالہ سابقہ، ص ۳۳۸۔

(۵۷) احمد بن یحییٰ بن جابر البلاذری، فتوح البلدان، بحوالہ سابقہ، ص ۳۶۵۔۳۶۶۔

(۵۸) محمد سعد اللہ، بنیادی ضروریات زندگی اور اسلام، بحوالہ سابقہ، ص ۳۳۹۔

(۵۹) محمد یوسف الدین، اسلام کے معاشی نظریے، بحوالہ، سابقہ، ص ۳۸۷ ج ۲۔

(۶۰) محمد یوسف الدین، اسلام کے معاشی نظریے، بحوالہ سابقہ، ص ۳۸۳۔

(۶۱) محمد یوسف الدین، اسلام کے معاشی نظریے، بحوالہ سابقہ، ص ۳۷۹۔۳۸۰ ج ۲۔

(۶۲) ایضاً: بحوالہ بالا، ص ۳۹۷ ج ۲۔

(۶۳) نور محمد غفاری، اسلام کا قانون محاصل، بحوالہ سابقہ، ص ۱۴۰۔

(۶۴) حافظ محمد سعد اللہ، بنیادی ضروریات زندگی اور اسلام، بحوالہ سابقہ، ص ۳۳۸۔

(۶۵) احمد بن ابی یعقوب، تاریخ یعقوبی، بحوالہ سابقہ، ص ۱۷۱ ج ۲۔

(۶۶) شیخ زین الدین ابن نجیم، بحر الرائق، "مکتبہ رشیدیہ" کوئٹہ (س۔ن)، ص ۱۱۴۔ ج ۵۔

(۶۷) محمد یوسف الدین، اسلام کے معاشی نظریے، بحوالہ سابقہ، ص ۳۴۷ ج ۲۔

(۶۸) محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، بحوالہ سابقہ، ص ۲۱۵ ج ۳۔

(۶۹) محمد ابن سعد الطبقات الکبریٰ، بحوالہ سابقہ، ص ۲۳۹ ج ۳۔

(۷۰) ایضاً: بحوالہ بالا، ص ۲۱۳ ج ۳۔

(۷۱) نظام الدین شامزی، مرتب: عمران الحق کلیانوی، ارشاد الشامزی، "مکتبہ کلیانوی" کراچی، ۲۰۰۰ء، ص ۳۱۷۔

(۷۲) حفظ الرحمٰن سیوہاروی، اسلام کا اقتصادی نظام، "زاہد بشیر پرنٹرز" لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۱۲۷۔

(۷۳) ابوعبید قاسم بن سلام، کتاب الاموال بحوالہ سابقہ، ص ۳۶۲۔

(۷۴) ابوعبید قاسم بن سلام، کتاب الاموال بحوالہ سابقہ، ص ۳۹۷۔

(۷۵) ایضاً: بحوالہ بالا، ص ۳۹۰۔

(۷۶) کتاب الاموال ص ۵۔

(۷۷) منتخب کنزل العمال جلد ۴ ص ۳۹۱، سیرت عمر لابن الجوزی۔

(۷۸) ثمرات الاوراق علی حاشیہ المستطرف جلد ۲، ص ۱۸۔

(۷۹) تاریخ الخلفاء للسیوطی ص ۹۳۔

(۸۰) طبری ۲۷۲۷۔

(۸۱) فتوح البلدان ص ۲۴۹۔

(۸۲) تاریخ طبری ص ۲۶۸۔

(۸۳) کتاب الخراج ص ۹۶۔

(۸۴) ابن الاثیر ج ۲ ص ۳۱۸۔

(۸۵) طبری ص ۲۲،۱۰۲۷۔

(۸۶) کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۵۔

(۸۷) کتاب الخراج ص ۲۶۱۔

(۸۸) ادب المفرد باب فی کلمس، مقدمہ صلوٰۃ الاول۔

(۸۹) مسند داری ص ۷۰۔

(۹۰) اسد الغابہ تذکرہ زبرقان۔

(۹۱) طبری ص ۳۳۰۲۔

(۹۲) ابن سعد قسم اول جز ۳ ص ۲۰۱۔

(۹۳) محمد یوسف الدین، اسلام کے معاشی نظریے، بحوالہ سابقہ، ص ۳۳۰ ج ۲۔

(۹۴) ایضاً: بحوالہ بالا، ص ۷۵۴ ج ۲۔

(۹۵) امام ابو یوسف کتاب الخراج بحوالہ سابقہ، ص ۳۶۱۔

(۹۶) احمد بن یحییٰ بن جابر، فتوح البلدان بحوالہ سابقہ، ص ۳۷۶۔

(۹۷) محمد یوسف الدین، اسلام کے معاشی نظریے، بحوالہ سابقہ، ص ۷۵۶ ج ۲۔

(۹۸) محمد سعد اللہ، بنیادی ضروریات زندگی اور اسلام، بحوالہ سابقہ، ص ۳۵۸۔

(۹۹) نور محمد غفاری، اسلام کا قانون محاصل بحوالہ سابقہ، ۱۵۳۔

(۱۰۰) مرادوی۔ عیسائیوں کا ایک فرقہ تھا۔

(۱۰۱) احکام القرآن۔ ص ۱۵۶۔

(۱۰۲) فتوح البلدان دوم ص ۳۳۔

(۱۰۳) بربان شرح۔

(۱۰۴) تاریخ الخلفاء (سیوطی) ص ۱۲۷۔

(۱۰۵) کتاب الخراج امام ابو یوسف۔

(۱۰۶) فتوح البلدان، دوم، ص ۲۷۔

(۱۰۷) فتوح البلدان، دوم۔

(۱۰۸) طبری، ج ۱، ح ۳ ص ۲۴۳۵_۳۶

(۱۰۹) ابوالفدا، ص ۲۳۲۔ ج ا، ص ۱۲۱۔
(۱۱۰) فتوح البلدان دوم، ص ۲۳۱۔
(۱۱۱) طبری، ج ا، ج ۴، ص ۲۵۵۔
(۱۱۲) عسراوہ، منجنیق سے چھوٹا ہوتا ہے، اس سے سنگباری کی جاتی ہے۔
(۱۱۳) فتوح البلدان دوم، ص ۲۹۲۔
(۱۱۴) عمدۃ الفقہ (ابن قدامہ) ص ۱۵۷، مطبوعہ مصر۔
(۱۱۵) طبری، ج ا، ج ۴، ص ۲۵۸۔
(۱۱۶) فتوح البلدان دوم، ص ۳۰۳۔۳۰۷۔
(۱۱۷) فتوح البلدان دوم، ص ۳۴۷۔
(۱۱۸) طبری، ج ا، ج ۴، ص ۲۸۱۔
(۱۱۹) یعنی حضرت عمرؓ۔ حنتمہ ان کی والدہ کا نام تھا۔ وہ ہشام بن المغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم کی بیٹی تھیں۔ نووی، ص ۳۴۷۔
(۱۲۰) دیبا کا معرب ہے اعلیٰ قسم کے کپڑے کو دیباج کہتے ہیں۔ یہ بادشاہوں اور امیروں کے پہننے کا کپڑا تھا۔
(۱۲۱) فتوح البلدان، دوم ص ۳۶۰۔
(۱۲۲) عمدۃ الفقہ، (ابن قدامہ) ص ۱۳۳، مطبوعہ مصر۔
(۱۲۳) فتوح البلدان، دوم ص ۱۸۹۔
(۱۲۴) طلیعہ: تین چار آدمیوں کی ٹکڑی، جو بطور مقدمہ یا جاسوس کے ملک میں اطلاعات حاصل کرنے بھیجی جائے۔
(۱۲۵) قفیز ایک پیمانہ ہے جس میں دس طوک اناج آتا ہے۔
(۱۲۶) فتوح البلدان، دوم ص ۲۸۶۔
(۱۲۷) فتوح البلدان، دوم ص ۳۳۵۔
(۱۲۸) غنم جاہلیت کے بتوں میں سے ایک بت کا نام تھا۔
(۱۲۹) فتوح البلدان دوم، ص ۳۳۷۔
(۱۳۰) فتوح البلدان، دوم ص ۳۳۵۔
(۱۳۱) جغرافی اصطلاح میں حاضر اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں لوگ ایک مستقل ذریعہ حصول آب پا کر سکونت پذیر ہو جائیں۔
(۱۳۲) عمدۃ الفقہ (ابن قدامہ)، مطبوعہ مصر، ص ۱۵۸
(۱۳۳) ایک فرسخ آج کل کے حساب سے تقریباً پونے چار میل کے برابر ہوتا ہے دیکھو تقویم البلدان تحقیق امر السابعہ۔
(۱۳۴) فتوح البلدان دوم، ص ۳۳۸۔
(۱۳۵) فتوح البلدان دوم، ص ۳۳۰۔
(۱۳۶) فتوح البلدان دوم، ۳۳۲۔
(۱۳۷) طبری، ج ا، ج ۴، ص ۳۰۸۔
(۱۳۸) طبری، ج ا، ج ۴، ص ۳۱۲۔
(۱۳۹) فتوح البلدان ص ۲۰۸۔
(۱۴۰) عمدۃ الفقہ (ابن قدامہ)، مطبوعہ مصر، ص ۱۵۸
(۱۴۱) فتوح البلدان، ص ۱۸۵۔
(۱۴۲) فتوح البلدان، ص ۲۷۷۔
(۱۴۳) فتوح البلدان، ص ۲۸۲۔
(۱۴۴) جان کو علاوہ فلسفہ کے علم النحو میں بھی کمال حاصل تھا، اس لیے وہ عرماتی قوس (نحوی) مشہور تھا، لہٰذا عربوں نے بھی اسی خطاب یاد کیا۔
(۱۴۵) مختصر الدول ابو الفرج ملطی المعروف بن ابن العبری، مطبوعہ بیروت ۱۸۹۱ء، ص ۱۷۶

(۱۴۶) قدیم اطبائے عرب میں لقمان بن عادیا اور ابن حزیم مشہور ہیں اور عہد رسالت کا طبیب حارث بن کلدہ ثقفی تھا جس نے جندی سابور کی طبیہ یونیورسٹی میں تعلیم پائی تھی اور عہد امیر معاویہ میں فوت ہوا۔ از بلوغ الادب مطبوعہ بغداد۔

(۱۴۷) فتوح البلدان ص ۱۰۷۔

(۱۴۸) عمدۃ الفقہ (ابن قدامہ) مطبوعہ مصر، ص ۱۴۵

(۱۴۹) فتوح البلدان۔ ص ۱۰۳۔

(۱۵۰) فتوح البلدان، ص ۹۳۔

(۱۵۱) فتوح البلدان، ص ۹۳۔

(۱۵۲) فتوح البلدان، ص ۹۲۔

(۱۵۳) فتوح البلدان ص ۹۳۔

(۱۵۴) فتوح البلدان ص ۷۲۔

(۱۵۵) فتوح البلدان ص ۱۳۔

(۱۵۶) مجموعۃ الرسائل والمسائل النجدیہ ص ۴۵۶۔

(۱۵۷) احکام القرآن (جصاص) مطبوعہ مصر، ص ۳۳۔

(۱۵۸) مہاجرین وانصار سے لے کر حجاز ویمن کے شہری اور بدو ہر کے لئے سالانہ موجب کا رجسٹر تفصیل کتاب طذ مرۃ میں ملے گی۔

(۱۵۹) اس لئے مال واپس نہیں ہو سکتا۔ غنیمت میں اموال کی واپسی کا یہ اصول غزوہ حنین سے شروع ہوا اور آخر تک قائم رہا۔

(۱۶۰) مدعی کے انکار شہادت پر مدعا علیہ سے حلف لینا صدیوں سے محل نظر ہے۔ امام ابن القیم نے اپنی مشہور کتاب الطرق الحکمیہ میں اس سے ان معنوں میں انکار کر دیا ہے کہ اب مسلمانوں میں دیانت اس حد تک نہیں رہی کہ وہ ہر معاملہ میں سچا حلف لیں۔ راقم مترجم بھی یہی کہتا ہے کہ اب مدعا علیہ سے اس کے انکار پر حلف نہ لیا جائے بلکہ مروجہ طریق پر اس کے انکار کا ثبوت طلب ہو۔

(۱۶۱) یہاں قیاس واجتہاد سے مراد عقل ودانش کے ساتھ اصطلاحی قیاس واجتہاد مراد نہیں جس میں بعض قسم کے قیاس کو غلط اور فاسد قرار دیا گیا ہے۔ مسلکی اجتہاد کی بحثیں علمائے فقہ کی تصانیف کا مطالعہ کرنے سے واضح ہوتی ہیں۔

(۱۶۲) بعض علماء کے نزدیک غلام کی شہادت آزاد سے کم درجہ پر ہے اور بعض علماء اس کی شہادت کے آزاد سے ہم پلہ ہونے پر روایت حدیث میں اس کے آزاد سے برابر ہونے پر اسے برابری کا درجہ دیتے ہیں۔

(۱۶۳) اس کی صورت یہ ہے کہ ایک سوالی قبیلہ (الف) کے ایک فرد کا غلام تھا۔ الف نے اسے آزاد کر دیا لیکن قبیلہ ب شہرت میں الف سے برتر ہے۔ یہ آزاد شدہ غلام خود کو الف سے نسبت کی بجائے ب سے منسوب کرتا ہے چونکہ یہ غلام کاذب ہے اور کاذب کی شہادت ناقابل قبول ہے۔ اسی طرح فرد آزاد جو اپنے خاندان یا ابوت کی نسبت اصل کی بجائے غیر سے کرتا ہے یہ آزاد بھی ناقابل قبول شہادت ہے۔

(۱۶۴) کنز العمال، ۱۵۲،

(۱۶۵) کتاب الخراج یحییٰ بن آدم قرشی مطبوعہ مصر ص ۱۷۳۔

(۱۶۶) کتاب الخراج، یحییٰ بن آدم قرشی مطبوعہ مصر ص ۱۷۱۔

(۱۶۷) فتوح الشام ص ۹۵ و تاریخ الخواریخ ۳ ص ۱۷۰۔

(۱۶۸) اقتباس از تاریخ مصر ص ۱۲۔

(۱۶۹) فتوح مصر، ۸۳۔

(۱۷۰) واقدی، مصر، ص ۳۰۔

(۱۷۱) شرح فتح البلاذ مصر، و تاریخ عمر، ابن جوزی، ص ۱۴۳

(۱۷۲) ابن سعد، کنز العمال، ۳/۱۶۲۔

(۱۷۳) خاقتی چوکی" دو موقف جندی" (شرح الالفاظ فیسر کتاب سطر (۳۳۱)

(۱۷۴) متن میں لفظ " ومن بدل منهم فلم يسلم بر معه فقد طهر جماعتكم " ہے ان الفاظ کی شرح یوں ہے۔

" والجماعة تشتمل على جميع اهل البلاد ممن لهم حق التصويت "۔

(۱۷۵) متن میں لفظ معدان ہے "وعوام قلعہ دباوند من اعمال الرے، وقال جرمد ایضا و هی من القلاع القدیمۃ والحصون الوثیقۃ۔ الخ"

(۱۷۶) درہم کا وزن ہر صوبہ اور ملک میں مختلف ہے۔ مفتی محمد شفیع صاحب اوج دیو بندی نے بحوالہ مظاہر حق اس کا وزن ۳ ماشہ رتی اور ۵ رتی لکھا ہے۔ یہ رقم اہل ایران پر لگائی گئی جہاں کا درہم حجاز سے مختلف تھا۔ فارس کی سرزمین میں سے اہل طبرستان واہل جبل جیلان سے معاہدہ میں یہ الفاظ ہیں "و تتقی من ولی فرج ارضک ۵ الاف درہم من دراہم ارضک"۔

(۱۷۷) متن میں "ولا تودون لباغی" ہے "فی التقی خیرا کان اوشرا وابتغاء ظلم" ہے۔

(۱۷۸) ناسخ

(۱۷۹) طبری

(۱۸۰) بخلاف اس کے کوفہ میں آبادکاری سے عرب مسلمانوں کی ہمت گر گئی تھی۔

(۱۸۱) امیر المومنین عمر بن الخطاب۔

(۱۸۲) ایضاً ان کے دو نام ہیں۔ احنف و صخر۔

(۱۸۳) لفظ "عبداللہ" احنف صخر کی مہر کا طغریٰ تھا۔

(۱۸۴) خداوند عالم خائن کو پسند نہیں کرتا۔

(۱۸۵) جنگ میں فوجی شرکت یا جزیہ میں سے ایک کام ان کے ذمہ ہوگا۔

(۱۸۶) دمشق پر بیک وقت دو طرف سے حملہ ہوا اور دونوں سمتوں کے باشندوں نے امان طلب کر لی مگر حملہ آوروں یعنی خالدؓ اور عبیدہؓ دونوں حضرات کو ایک دوسرے کی سرگزشت کا علم نہ تھا۔ مفتوحین کے طلب امان پر دونوں فاتحین نے تحریری امان مفتوحین کے حوالے کر دی اور دونوں نافذ العمل تسلیم کی گئیں۔

(۱۸۷) القرآن ۵۹: ۷/۸

(۱۸۸) القرآن ۵۹: ۹

(۱۸۹) القرآن ۵۹: ۱۰

(۱۹۰) تا برقیامت

(۱۹۱) القرآن ۹: ۲۹

(۱۹۲) اس خط کے ماخذ سے معلوم ہوا کہ یہ خط ابھی تک صرف دو کتابوں میں منقول ہوا ہے۔

(۱) نخبۃ الدہر

(۲) نجوم الزاہرہ

فاضل گرامی محمد حسین ہیکل مصری نے بھی الفاروق عمر بن الخطاب میں یہ خط نقل کیا ہے مگر ان کی عادت ماخذ قلمبند کرنے کی نہیں۔ مقابلہ سے معلوم ہوا کہ وہ خط الفاظ کی رو سے لفظاً مختلف مگر معناً تقریباً یکساں ہے۔ مرحوم ہیکل نے اس خط کی وضعیت پر بھی بحث کی ہے کیونکہ کئی دونوں خطوں کے الفاظ لغات نادرہ سے بھی زیادہ نادر ہیں۔

(۱۹۳) جلال الدین سیوطیؒ، تاریخ الخلفاء، بحوالہ سابقہ، ص ۱۳۵۔۱۳۶

(۱۹۴) ابوالکلام آزاد، انسانیت موت کے دروازے پر، ادارہ اسلامیات ۱۹۹۰ء، لاہور، ص ۶۲

(۱۹۵) جلال الدین سیوطیؒ، تاریخ الخلفاء، بحوالہ سابقہ، ص ۱۳۶

(۱۹۶) ابوالکلام آزاد، انسانیت موت کے دروازے پر، بحوالہ سابقہ، ص ۶۳

(۱۹۷) ایضاً، بحوالہ بالا، ص ۶۳۔۶۴

(۱۹۸) جلال الدین سیوطیؒ، تاریخ الخلفاء، بحوالہ سابقہ، ص ۱۳۷

(۱۹۹) ابوالکلام آزاد، انسانیت موت کے دروازے پر، بحوالہ سابقہ، ص ۶۳

(۲۰۰) جلال الدین سیوطیؒ، تاریخ الخلفاء، بحوالہ بالا، ص ۱۳۸

(۲۰۱) ابوالکلام آزاد، انسانیت موت کے دروازے پر، بحوالہ سابقہ، ص ۶۷

(۲۰۲) ایضاً، بحوالہ بالا، ص ۶۸

(۲۰۳) جلال الدین سیوطیؒ، تاریخ الخلفاء، بحوالہ سابقہ، ۱۳۹۔۱۴۰

(۲۰۴) ابوالکلام آزاد، انسانیت موت کے دروازے پر، بحوالہ سابقہ، ۶۹

باب چہارم

﴿فصل سوم﴾

عہد عثانیؓ کے معاہدات اور صلح حدیبیہ

تعارف:

امیر المومنین عثمانؓ بن عفان ذوالنورین

نام ونسب، خاندان:

عثمان نام، ابوعبداللہ اور ابوعمر کنیت، ذوالنورین لقب، والد کا نام عفان، والدہ کا نام اروی تھا، والد کی طرف سے پورا سلسلہ نسب یہ ہے عثمان بن عفان بن ابی العاص ابن امیہ بن عبدشمس بن عبدمناف بن قصی القرشی، والدہ کی طرف سے سلسلہ نسب یہ ہے، اروی بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبدشمس بن عبدمناف، اسی طرح حضرت عثمانؓ کا سلسلہ پانچویں پشت میں عبدمناف پر آنحضرت ﷺ سے مل جاتا ہے، حضرت عثمانؓ کی نانی بیضاء ام الحکیم حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کی سگی بہن اور رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی تھیں اس لیے وہ ماں کی طرف سے حضرت سرور کائناتؐ کے قریشی رشتہ دار ہیں۔(۱) آپ کو ذوالنورین (دو نوروں والا) اس لیے کہا جاتا ہے کہ آنحضرتؐ کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے ان کے نکاح میں آئیں۔

حضرت عثمانؓ کا خاندان ایام جاہلیت میں غیر معمولی وقعت و اقتدار رکھتا تھا، آپ کے جداعلیٰ امیہ بن عبدشمس قریش کے رئیسوں میں تھے، خلفائے بنوامیہ اسی امیہ بن عبدشمس کی طرف منسوب ہو کر ''اموئین'' کے نام سے مشہور ہیں، عقاب یعنی قریش کا قومی علم اسی خاندان کے قبضہ میں تھا، جنگ فجار میں اسی خاندان کا نامور سردار حرب بن امیہ سپہ سالار اعظم کی حیثیت رکھتا تھا، عقبہ بن معیط نے جو اپنے زور اثر اور قوت کے لحاظ سے اسلام کا بہت بڑا دشمن تھا، اموی تھا، اسی طرح ابوسفیان بن حرب جنہوں نے قبول اسلام سے پہلے غزوۂ بدر کے بعد تمام غزوات میں رئیس قریش کی حیثیت سے رسول اللہ کا مقابلہ کیا تھا، اسی اموی خاندان کے ایک رکن تھے، غرض حضرت عثمانؓ کا خاندان شرافت، ریاست اور غزوات کے لحاظ سے عرب میں نہایت ممتاز تھا اور بنوہاشم کے سوا دوسرا کوئی خاندان اس کا ہمسر نہ تھا۔

حضرت عثمانؓ واقعہ فیل کے چھٹے سال یعنی ہجرت نبویؐ سے ۴۷ برس قبل پیدا ہوئے، بچپن اور سن رشد کے حالات پردۂ خفا میں ہیں، لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے عام اہل عرب کے خلاف اسی زمانہ میں لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا، عہد شباب کا آغاز ہوا تو تجارتی کاروبار میں مشغول ہوئے اور اپنی صداقت، دیانت اور راست بازی کے باعث غیر معمولی فروغ حاصل کیا۔

حضرت عثمانؓ اسلامی تبلیغ کے آغاز ہی میں دولت اسلام سے مشرف ہوئے۔(۲)

حضرت عثمانؓ خود اپنے اسلام لانے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں ایک بار گھر میں گیا تو اپنی خالہ سعدیٰ کو گھر والوں کے ساتھ بیٹھے دیکھا۔ میری خالہ کہانت بھی کیا کرتی تھیں۔ مجھ کو دیکھتے ہی یہ منظوم کلام کہا:

"اے عثمان تجھ کو بشارت ہو اور سلامتی ہو تین بار پھر تین بار اور پھر تین بار اور ایک بار تا کہ دس پورے ہو جائیں، تو خیر سے ملا اور شر سے محفوظ ہوا۔ خدا کی قسم تو نے ایک نہایت پاک دامن اور حسین عورت سے نکاح کیا تو خود بھی کنوارا ہے اور کنواری ہی سے تیری شادی ہوئی۔"

یہ سن کر مجھ کو بہت تعجب ہوا اور میں نے کہا اے خالہ کیا کہہ رہی ہیں، اس پر سعدیٰ نے یہ اشعار پڑھے:

عثمان یا عثمان یا عثمان

لک الجمال ولک الشان

ھذا نبی معہ البرھان

ارسلہ بحقہ الدیان

وجاءہ التنزیل والفرقان

فاتبعہ لا تغتالک الاوثان

ترجمہ: "اے عثمان (تین مرتبہ) تیرے لیے جمال بھی ہے اور شان بھی ہے، یہ نبی ہیں جن کے ساتھ نبوت و رسالت کے براہین اور دلائل بھی ہیں رب الجزاء نے ان کو حق دے کر بھیجا ہے۔ ان پر اللہ کا کلام اترتا ہے جو حق و باطل کے درمیان تمیز کرتا ہے۔ پس تو ان کی اتباع کر۔ کہیں بت تجھ کو گمراہ نہ کر دیں۔"

میں نے کہا کہ اے خالہ آپ تو ایسی ہستی کا ذکر کر رہی ہیں کہ جس کا شہر میں کبھی نام بھی نہیں سنا کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ اس پر سعدیٰ ایک جامع اور مختصر خاکہ حضور اکرم ﷺ کے بارے میں کھینچ کر اٹھ گئیں۔ ان کی باتیں میرے دل پر اثر کر گئیں۔ میں غور و فکر میں ڈوب گیا۔ حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچا انہوں نے یہ فکرمندی دیکھ کر وجہ دریافت کی میں نے سب کچھ بیان کر دیا۔ انہوں نے ان باتوں کی تصدیق کی اور کہا کہ اگر مناسب سمجھو تو آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر آپ کا کلام سنو۔ بات ہو ہی رہی تھی کہ حسن اتفاق دیکھیے کہ رسول اکرم ﷺ اس طرف سے گزرتے ہوئے دکھائی دیے اور حضرت علیؓ آپؐ کے ہمراہ تھے اور کوئی کپڑا آپؐ کے ہاتھ میں تھا۔ حضرت ابوبکرؓ آپ کو دیکھ کر اٹھے اور آہستہ سے آپؐ کے گوش مبارک میں کچھ عرض کیا، آپ تشریف لائے اور بیٹھ گئے اور حضرت عثمانؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا اے عثمان، اللہ جنت کی دعوت دیتا ہے تو تم اللہ کی دعوت کو قبول کرو اور میں اللہ کا رسول ہوں میں تمہاری طرف اور تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں۔

حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں:

"خدا کی قسم آپ کا کلام سنتے ہی ایسا بے خود ہو گیا اور بے اختیار ہوا کہ فوراً اسلام لے آیا اور یہ کلمات زبان پر جاری ہو گئے۔

اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ وان محمداً عبدہ و رسولہ

کچھ روز گزرے کہ آپ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ میرے نکاح میں آئیں اور سب نے اس رشتے کو بنظرِ استحسان دیکھا۔(۳)

خصوصیات:

نمبر۱۔علماء کا بیان ہے کہ کسی شخص کا نکاح کسی نبی کی دو بیٹیوں کے ساتھ نہیں ہوا البتہ حضرت عثمانؓ ہی وہ شخصیت ہیں جن کی شادی رسولِ اکرمؐ کی دو صاحبزادیوں کے ساتھ ہوئی (یکے بعد دیگرے) اسی لیے آپؓ کو "ذوالنورین" کہتے ہیں۔

نمبر۲: آپؓ ان لوگوں میں سے ہیں جو سب سے پہلے اسلام لائے۔

نمبر۳: سب سے پہلے ہجرت کی۔

نمبر۴: عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں اور حدیبیہ کے مقام پر بیعت رضوان جس کا ذکر قرآن حکیم ہے آپؓ ہی کی وجہ سے ہوئی۔

نمبر۵: آپؓ ان چھ لوگوں میں سے ہیں جن سے آپؐ رحلت تک راضی رہے۔

نمبر۶: آپؓ ان حضرات میں سے ہیں جنھوں نے قرآن جمع کیا۔

نمبر۷: غزوۂ ذات الرقاع اور غزوہ غطفان میں مدینہ میں حضورؐ کے خلیفہ بنے۔(۴)

نمبر۸: آپؐ نے فرمایا کہ اگر میرے پاس سو بیٹیاں بھی ہوتیں تو ہر ایک کے انتقال کے بعد دوسری کا نکاح عثمانؓ سے کرتا۔(۵)

حلیۂ مبارک

حضرت عثمانؓ کا قد درمیانہ، رنگ سرخ، سفید، گھنی داڑھی اور چوڑی ہڈی کے تھے، شانے چوڑے، پنڈلیاں بھری ہوئی، ہاتھ لمبے تھے جن پر بال بھی تھے، سر کے بال گھنے ہوئے اور کنپٹی کے بال کانوں تک تھے، دانت چمکدار اور خوب صورت تھے جنہیں سونے سے باندھ رکھا تھا اور زرد خضاب کیا کرتے تھے۔

رسول اکرم ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ کا حضرت عثمانؓ سے نکاح کر کے ام کلثومؓ سے فرمایا تھا تمہارے دولہا، تمہارے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور تمہارے والد (حضرت) محمد مصطفیٰ (ﷺ) سے صورت میں بہت مشابہ ہیں۔(۶)

پیغمبرِ انسانیتؐ کے انتقال کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ خلیفہ مقرر ہوئے اور یہ وقت بڑے امن سے گزرا۔ پھر حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ ہوئے اور آپ کا زمانہ بھی بڑی کامیابی سے گزرا۔ ۲۳ھ میں حضرت فاروق اعظمؓ نے انتقال فرمایا اور وصیت کی کہ عثمانؓ، علیؓ، زبیرؓ، طلحہؓ، سعد بن وقاصؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ یہ چھ آدمی تین دن کے اندر اندر کسی کو خلیفہ منتخب کرلیں پورے دو دن بحث میں گزر گئے اور کوئی بات طے نہ ہوئی۔ تیسرے دن حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا کہ ہم میں سے تین آدمی ایک ایک شخص کے حق میں دستبردار ہو جائیں تاکہ چھ کی بحث تین میں محدود ہو جائے، اس پر حضرت زبیرؓ، حضرت علیؓ کے حق میں دستبردار ہو گئے، حضرت طلحہؓ حضرت عثمانؓ کے حق میں اور حضرت سعد بن وقاصؓ، حضرت عبدالرحمٰن کے حق میں، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے فرمایا میں امیدواری سے دستبردار ہوتا ہوں، اب یہ بحث صرف حضرت علیؓ اور حضرت عثمان میں رہ گئی۔ چونکہ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے ایثار کیا تھا

اس لیے ان دونوں نے اپنا آخری فیصلہ ان کے سپرد کردیا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے تمام صحابہؓ کو مسجد میں جمع کر کے مختصری تقریر کی اور اپنا فیصلہ حضرت عثمانؓ کے حق میں دے دیا اور سب سے پہلے اسی مسجد میں خود بیعت کی۔ اس کے بعد حضرت علیؓ نے بیعت کی اور پھر تمام خلوق بیعت کے لیے ٹوٹ پڑی اور بنی امیہ کے معزز فرزند حضرت عثمانؓ رسول اللہ ﷺ کے جانشین ہوگئے۔ گو اس وقت یہ بات زبانوں پر نہ آئی ہوتا ہم دلوں نے یہ ضرور محسوس کیا، بیچے رسول ہاشمی کی مسند خلافت پر بنی امیہ کا ایک فرزند متمکن ہوگیا۔ یہ ۴ محرم ۲۴ھ کا واقعہ ہے۔ (۷)

حضرت عثمانؓ کا دور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے مقابلہ میں بالکل مختلف ہے، حضرت ابوبکرؓ نے ڈھائی سال خلافت کی، اس مختصر مدت میں انہوں نے باغیوں کو کچل دیا۔ امن وامان قائم کیا۔ بگڑے ہوئے حالات سنوارے، آنحضرت ﷺ کی وفات سے فائدہ اٹھا کر دشمن حوصلہ مندی کے ساتھ استیصال اسلام کے لیے کمر بستہ ہوگئے تھے لیکن ان کی ایک نہ چلی، اسلام کا دبدبہ قائم رہا، اس کی شوکت میں ذرا کمی نہ ہوئی، دشمن ناکام ہوئے اور اسلام کا پرچم لہراتا رہا۔ پھر حضرت عمرؓ مسند آرائے خلافت ہوئے، حضرت عمرؓ نے دس سال تک اس منصب کو نبھایا، اس عہد میں نہ صرف اندرونی امن وامان قائم رہا بلکہ فتوحات کا دروازہ بھی کھل گیا، مسلمانوں کے قافلے، جن کے ہاتھوں میں رہا کرتی تھی اونٹوں کی مہار ریگ زار عرب سے باہر نکلے، فتح وکامرانی نے ان کے قدم چومے، نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے روم وفارس کی عظیم الشان سلطنتوں کا چراغ گل کردیا اور سطوت وجلال کا لوہا منوالیا۔ حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ کا دور شروع ہوتا ہے۔ یہ تقریباً بارہ سال تک قائم رہا، اس عہد کو دو حصوں میں منقسم کیا جا سکتا ہے، پہلا نصف، فتوحات پر مشتمل ہے، دوسرا خانہ جنگی، فتنہ طرازی، باہمی کشت وخون اور تفرقہ آرائی پر مبنی ہے۔ ہمارے موضوع کا جہاں تک تعلق ہے، ہم صرف پہلے حصہ پر گفتگو کریں گے اور بتائیں گے کہ اس دور میں بھی خلیفہ کی حیثیت عہد صدیقیؓ وعہد فاروقیؓ سے مختلف نہیں تھی اور یہ دور بھی رعایا پروری اور انسانیت نوازی کے اعتبار سے بے مثال دور تھا نیز اس عہد میں بھی غیر مسلموں کے ساتھ عدل وانصاف اور رواداری کا سلسلہ اس شان کے ساتھ قائم رہا، جیسا کہ ہم عہد شیخین میں دیکھ چکے ہیں۔ بے شک اس عہد میں خانہ جنگی اور باہمی کشت وخون کا آغاز ہوا، مسلمانوں نے وہ تلوار جو دشمن کے سروں پر چمکتی تھی، آپس میں چلانی شروع کردی، لیکن اس افراتفری اور باہمی خانہ جنگی کے دور میں بھی مسلمان اپنے "ذمہ" کو نہیں بھولے، وہ غیر مسلموں کے ساتھ برابر لطف وکرم کا برتاؤ کرتے رہے ان کی خطائیں معاف کرتے رہے۔ ان کے جرائم معاف کرتے رہے۔ ان کی بغاوت اور سرکشی کا جواب رحم وکرم اور معافی کی صورت میں دیتے رہے۔ انہوں نے بدعہدی کی، نقض عہد کیا۔ موقع سے ناجائز فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کو قتل کیا لیکن جب مسلمانوں کو موقع ملا اور وہ پھر ان قابو چی دشمنوں پر غالب آئے تو انہوں نے نہ صرف کسی طرح کا انتقام نہیں لیا بلکہ اپنے روایات لطف وکرم کو قائم رکھا۔

حضرت عثمان غنیؓ بحیثیت ایک دیانت دار، امانت پسند اور فیاض خلیفہ:

خلیفہ کی کفالت سرکاری خزانے سے کی جاتی تھی تا کہ وہ اپنے فرائض منصبی دلجمی کے ساتھ ادا کرسکے ورنہ کسب معاش میں مشغول ہونے والا شخص اپنی رعایا کی خبر گیری کے لیے وقت کہاں سے نکالے گا؟ لیکن حضرت عثمان غنیؓ خاندانی مالدار تھے اور اسلامی خدمات

کے لیے بے دریغ دولت لٹا چکے تھے جن کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ تو اس ذاتی ثروت اور دولت مندی کی وجہ سے آپ بیت المال سے کچھ نہ لیتے تھے۔(۸) اور بہتر بھی یہی ہے کہ اگر حاکم وقت مالدار ہو تو پھر وہ سرکاری خزانے سے کچھ نہ لے۔ اسی طرح کی ہدایات اللہ پاک نے یتامیٰ کے نگرانوں کے لیے جاری فرمائی ہیں کہ مالداروں کو تو یتیموں کے اموال سے پہلو تہی اختیار کرنی چاہیے۔ البتہ جو سرپرست غریب ہو تو وہ دستور کے مطابق ان کے اموال سے حاصل کرلیا کرے۔(۹) اس تعلیم میں ہر دو فریق مصلحت کو پیش نظر رکھا گیا ہے تاکہ ایک فریق کی وجہ سے دوسرا فریق کسی مشکل کا شکار نہ ہونے پائے۔

حضرت عثمان غنیؓ کی مالی قربانیاں وانسانیت نوازی:

حضرت عثمانؓ انفاق فی سبیل اللہ میں اپنی مثال آپ تھے۔ انفاق فی سبیل اللہ نام ہے مالی ایثار کا کہ جس موقع پر اہل حاجت کو مالی معاونت کی ضرورت ہو اس موقع پر بغیر کسی معاوضہ کے اپنا مال محض رضائے الٰہی کے لیے خرچ کرنا پھر اس کو واپس بھی نہ لینا۔ صحابہ کرامؓ کی جماعت میں اس شعبہ میں حضرت عثمان غنیؓ کا نام سرفہرست ہے اور اسی صفت فیاضی کے ناتے آپؓ کو غنی کا لقب ملا۔ عہد رسالتؐ میں جس قدر مالی تنگی کا مسئلہ امت کو درپیش تھا شاید اس کے بعد اس کی مثال نہ مل سکے لیکن اس زمانے کی ہر مالی مشکل کی گھڑی میں آپؓ نے ارشاد نبویؐ پر مال وزر کے ڈھیر آپؐ کے قدموں میں نچھاور کردیے۔ چنانچہ مسلمانوں کو راحت پہنچانے کے لیے ایک کنواں بئر رومہ خرید کر وقف کیا۔ رسول پاکؐ نے بشارت دی تھی:

من یشتری بئر رومة فیجعلها صدقة للمسلمین سقاه اللّٰه یوم القیامة من العطش(۱۰)

ترجمہ: "جو شخص بئر رومہ کو خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کرے گا تو اللہ پاک اسے قیامت کی پیاس میں سیرابی نصیب فرمائیں گے۔"

اس بشارت عظمیٰ پر حضرت عثمان غنیؓ نے وہ کنواں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کردیا۔

حضرت عثمانؓ نے غزوہ تبوک میں جو مالی نذرانہ پیش کیا تو اس موقع پر رسول اکرم ﷺ کی خوشی کی انتہا نہ رہی ہوا یہ کہ نصاریٰ نے ہرقل کو خط لکھ کر مالی امداد طلب کی اور کہا کہ یہ شخص جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے ہلاکت میں مبتلا ہو چکا ہے قحط سالی کا شکار ہے، یہ موقع اچھا ہے کہ اس پر حملہ کرکے اس کو ختم کردیا جائے۔ چنانچہ اس نے ایک شخص کی سرکردگی میں چالیس ہزار کی نفری شام کے لیے روانہ کردی۔ نبی اکرم کو جب اطلاع ہوئی تو آپؐ نے اپنے اہل خیر حضرات کو مالی اعانت کے لیے آمادہ کیا اور اللہ سے ہر روز منبر پر یہ دعا کرتے:

اللّٰھم انک ان تھلک ھذہ العصابة فلن تعبد فی الارض(۱۱)

ترجمہ: "اے اللہ، اگر آپ نے اس مسلمانوں کی جماعت کو ہلاک کردیا تو پھر روئے زمین پر آپ کی عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔" اس موقع پر حضرت عثمانؓ نے ارادہ کیا کہ تمام سازوسامان سے لدے ہوئے اونٹ مہیا کیے جائیں تاکہ مسلمان قوت پاسکیں۔

لہٰذا یہ حضور اکرم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے:

اللہ کے رسولؐ، یہ دو سو اونٹ تمام سازوسامان کے ساتھ حاضر ہیں اور یہ دو سو اوقیہ لشکر کے لیے نذر ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور نعرہ تکبیر بلند کیا، صحابہ کرامؓ نے بھی نعرہ تکبیر بلند کیا۔

پھر حضور اکرم ﷺ دوسری مرتبہ کھڑے ہوئے اور صدقے کا حکم دیا، پھر حضرت عثمانؓ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ مزید دو سو اونٹ اور دو سو اوقیہ حاضر ہیں۔ پھر حضور اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ نے نعرہ تکبیر بلند کیا، پھر حضرت عثمانؓ اونٹ اور مال لے کر حاضر ہوئے، حضور اکرم ﷺ نے اپنی جھولی میں ان دیناروں کو ڈال لیا۔

حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کا بیان ہے کہ حضرت عثمانؓ نے دس ہزار دینار آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیے۔ آپؐ نے ان کو اپنے سامنے ڈال لیا اور ہاتھ سے الٹتے پلٹتے تھے اور حضرت عثمانؓ کو دعائیں دیتے جاتے تھے۔ (۱۲)

حسن بن واقع کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے ہزار دینار آستین میں لیے، حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور لا کر حضور اکرمؐ کی جھولی میں ڈال دیے۔ آپؐ ان کو الٹ پلٹ رہے تھے اور فرماتے کہ اس عمل کے بعد عثمانؓ کا کوئی عمل نقصان دہ نہیں ہو سکتا۔ (۱۳)

محاصرہ کے دوران طلحہ بن عبید اللہؓ، حضرت عثمانؓ کے پاس گئے تو حضرت عثمانؓ نے قسم دے کر پوچھا کہ تم بتاؤ ایک مرتبہ مسلمانوں نے حضور اکرمؐ سے بھوک کی شکایت کی تو میں گھی اور شہد کی مشکیزوں کے لیے کھڑا ہوا اور بہت سارا آٹا خریدا اور دستر خوان بچھا کر اس پر کھجور اور مکھن کا ملیدہ بنا کر اس پر رکھا۔ انہوں نے کہا جی ہاں بالکل درست کہا آپ نے، پھر حضرت عثمانؓ نے حضرت طلحہؓ کو قسم دے کر پوچھا کیا تم نہیں جانتے کہ ''جیش العسرۃ'' کو میں نے تیار کیا اس لشکر کے پیادہ کو سواری فراہم کی، بھوکے کو کھانا کھلایا اور ان کے برہنہ کو کپڑے پہنائے اور سو گھوڑے دیے، آپ کے الفاظ یہ ہیں:

حملت راجلهم واطعمت جائعهم و كسوت عاريهم والفمت سبعين فرساً

حضرت طلحہؓ نے اقرار کیا کہ جی ہاں آپؓ کی یہ خدمات ہیں۔ پھر آپؓ نے قسم دے کر کہا کہ بئر رومہ میں نے خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کیا۔ انہوں نے کہا جی ہاں آپ نے ہی یہ صدقہ جاریہ کا کام کیا۔ (۱۴)

ترمذی کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ مسجد کی جگہ مسلمانوں کے لیے تنگ پڑنے لگی تو حضور اکرمؐ نے فرمایا تھا:

من يشتري بقعة آل فلان فيزيدها في المسجد بخير له منها في الجنة(۱۵)

ترجمہ: ''جو شخص فلاں لوگوں کی زمین کا ٹکڑا خرید کر مسجد میں اضافہ کردے تو جنت میں اس سے بہتر اس کا حصہ ملے گا۔''

حضرت عثمانؓ نے ہی وہ حصہ خرید کر مسجد کی توسیع فرمائی۔ غرض یہ کہ حضرت عثمان غنیؓ کے دل میں شروع ہی سے خدا ترسی، خلق خدا کی داد رسی، اہل حاجت کی فریاد رسی کی صفات کوٹ کر بھری ہوئی تھیں اور خالصاً لوجہ اللہ ہمیشہ کھلانے میں پلانے میں پہنانے میں دل کھول کر مسلمانوں کی اعانت فرمائی اور اللہ کی دی ہوئی دولت کو سیٹ سمیٹ کر رکھنے کے بجائے نبی کریم ﷺ کے ایک چشم ابرو کے اشارے پر اپنا مال نچھاور کر دیا اور ہر موقع پر اللہ سے جنت کا سودا کر کے دیگر مسلمانوں پر سبقت لیتے گئے۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء۔

عہد عثمانیؓ کا نظام مالیات:

حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں نظام مالیات وہی رہا جو حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں مروج تھا، البتہ آپؓ کے زمانے

میں جنگلات کی پیداوار سے بھی آمدن ہونا شروع ہوگئی تھی۔ علاوہ ازیں اراضی حکومت کو لگان پر دیا جاتا رہا جس سے بذریعہ لگان آمدن ہونے لگی۔(۱۶) آپؓ کے بارہ سالہ زمانہ خلافت میں سے پہلے چھ سال تو بڑے اطمینان وسکون سے گزرے۔ فارس، خراسان، شمالی افریقہ اور جزیرہ قبرص کے علاوہ متعدد نئے علاقے فتح ہوئے۔ ان فتوحات سے مدینہ منورہ میں سیم وزر کا سیلاب آ گیا۔ امیرالمومنین نے دل کھول کر رعایا میں زر ومال تقسیم کیا یہاں تک کہ کوئی گھر گویا ایسا نہ رہ گیا جو متمول اور سرمایہ دار نہ ہو۔(۱۷) لیکن آپؓ ابھی کچھ کرنے نہ پائے تھے کہ آپؓ کے خلاف شورش برپا کردی گئی، کہا جاتا ہے کہ اس شورش کی ایک وجہ یہ تھی کہ کچھ لوگوں نے حد سے زیادہ مال ودولت جمع کر لیا تھا، جس کے خلاف صحابہؓ خاص طور پر حضرت ابوذر غفاریؓ نے آواز اٹھائی۔(۱۸)

اور یہ وہ خطرہ تھا جس کی نشاندہی حضور اکرم ﷺ نے پہلے ہی فرمادی تھی کہ تمہارے فقر وفاقہ سے مجھے کوئی خطرہ نہیں بلکہ تمہاری دنیاوی عیش کوشی سے دھڑکا لگا ہوا ہے۔

لا اخاف علیکم الفقر بل اخاف علیکم الدنیا(۱۹)

وفات سے کچھ عرصہ قبل مسلمانوں کو وعظ ونصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"مجھے تمام دنیا کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئی ہیں۔ اب مجھے یہ خوف نہیں کہ میرے بعد تم شرک کروگے۔ البتہ میں اس سے ڈرتا ہوں کہ کہیں دنیا میں مبتلا نہ ہو جاؤ اور اس کے لیے آپس میں کشت وخون نہ کرو اس وقت تم اس طرح ہلاک ہو جاؤ گے جس طرح پہلی قومیں ہلاک ہوئیں۔(۲۰)

چنانچہ حضرت عثمانؓ کے آخری زمانے میں جو فتنہ وفساد برپا ہوا اس کی ایک وجہ یہی نظر آتی ہے کہ دولت مندی اور تمول کی کثرت نے مسلمانوں میں بھی اس کے وہ لوازم پیدا کردیے جو ہر قوم میں ایسی حالت میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ تمول اور دولت کی کثرت کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کل قوم کے فوائد کے مقابلے میں ہر جماعت اور ہر فرد اپنے جماعتی اور شخصی فوائد کو ترجیح دینے لگتا ہے جس سے بغض وعناد پیدا ہو جاتا ہے۔ قومی وحدت کا شیرازہ بکھر جاتا ہے، دنیاوی رشک وحسد پیدا ہو جاتا ہے۔(۲۱) بہر حال یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ کا زمانہ خلافت مسلمانوں کے بڑے عروج اور فوز وفلاح اور تمول ووسعت کا زمانہ تھا۔ یہ فارغ البالی اور وسعت رزق دور عثانی کی غیر معمولی فتوحات کی بناء پر تھی۔ آپؓ کے عہد خلافت میں مال ودولت کی یہاں تک فراوانی ہوئی کہ ایک ایک گھوڑا لاکھ درہم قیمت میں خریدا گیا اور مدینہ منورہ میں ایک ایک بستان چار چار لاکھ درہم میں فروخت ہوا، ان ایام میں مدینۃ الرسول نہایت آباد اور معمور تھا، زر ومال کی ریل پیل تھی اور خیرات کی کثرت تھی۔ ہر طرف سے ملکوں کا خراج سمٹا ہوا مدینہ طیبہ پہنچ رہا تھا۔ دینی لحاظ سے تو مدینۃ الرسولؐ اسلامی دنیا کا مرکزی نقطہ تھا ہی دارالامان وقبۃ الاسلام کی دنیاوی عظمت ووجاہت بھی لوگوں کی آنکھیں خیرہ کر رہی تھیں۔"

اور یہ کچھ دارالخلافہ مدینہ ہی پر موقوف نہ تھا بلکہ ہر جگہ کا مسلمان اعلیٰ درجہ کی آسودگی اور فارغ البالی کی زندگی بسر کرنے لگا تھا۔ عہد رسالتؐ سے لے کر قرب قیامت تک مسلمانوں پر انتہائی آسودگی کے دو دور مقدر تھے۔ ایک عہد عثانی میں مسلمانوں کی غیر معمولی آسودہ حالی دوسرے قرب قیامت کو حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کے مبارک زمانے میں لوگوں کی حد سے

بڑھی ہوئی آسودگی، لیکن افسوس کہ عہد عثمانیؓ کی حد سے بڑھی ہوئی آسودگی اور مال و دولت کی کثرت و بہتات رنگ لائے بغیر نہ رہی۔ مسلمان اپنے ہی واجب الاطاعت خلیفہ کی جان کے لاگو ہو گئے۔ ان کے خلاف علم بغاوت لے کر اٹھے اور ان کی مخالفت میں یاوہ گوئی کرتے گئے یہاں تک کہ آخر کار ان کی جان لے کر ہی ان کا پیچھا چھوڑا۔ (۲۲)

عہد عثمانیؓ میں رعایا کی حالت:

رعایا پروری اور انسانیت نوازی کے نقطۂ نظر سے ایک مختصر جائزہ:

۳۰ ہجری میں خراسان کے اکثر شہر، نیشاپور، طوس، سرخس، مرو اور بیہق فتح ہوئے ان وسیع شہروں کی فتوحات کے بعد دولت اور مال غنیمت کے انبار لگ گئے تو حضرت عثمانؓ نے تمام لوگوں کو وظیفہ یومیہ تقسیم کیا، دولت کی فراوانی کا یہ عالم رہا کہ ہر شخص کو ایک ایک لاکھ بدرے اور ہمیانیاں دیں اور ہر بدرے میں چار ہزار اوقیہ آتے تھے (اوقیہ چالیس درہم کا پیمانہ ہے) حساب لگانے سے معلوم ہوا کہ ہر ایک ہمیانی میں ایک لاکھ ساٹھ ہزار روپے ہوئے۔ (۲۳)

ایک خستہ حال خاتون کی دادرسی:

حضرت عثمان غنیؓ کا غلام محجن ایک واقعہ نقل کرتا ہے کہ ایک مرتبہ میں حضرت عثمانؓ کے ساتھ ان کی زمین پر موجود تھا کہ ایک دیہاتی عورت خستہ حال، اندر داخل ہوئی اور کہنے لگی "انی قد زنیت" میں نے زنا کیا ہے۔

حضرت عثمانؓ نے کہا محجن اس کو باہر نکالو، میں نے نکال دیا وہ پھر لوٹ آئی اور پھر وہی بات دہرائی، حضرت عثمانؓ نے پھر مجھ سے کہا کہ اسے باہر نکال دو، وہ پھر لوٹ آئی، پھر وہی بات دہرائی، اس مرتبہ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ محجن تیرا ناس ہو مجھے اس کی خستہ حالی گناہ پر ابھارتی ہوئی لگ رہی ہے، اس کو اپنے ساتھ لے جاؤ اور اس کو اپنے ساتھ رکھو۔

فاشبعها واکسها

"اس کو پیٹ بھر کر کھانا کھلاؤ اور کپڑے پہناؤ۔"

چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا تو اس عورت نے اپنے قول سے رجوع کیا۔ حضرت عثمانؓ نے حکم دیا کہ ایک گدھے پر اس کے لیے کھجوریں اور آٹا اور کشمش لاد کر اس کو اس کے گھر چھوڑ آؤ۔ محجن کہتے ہیں کہ راستہ میں، میں نے اس عورت سے پوچھا کہ امیر المومنین کے سامنے جو تم زنا کا اقرار کر رہی تھیں اب بھی کرتی ہو یا نہیں؟ تو اس نے جواب دیا:

لا، انما قلت ذالک من ضر اصابنی (۲۴)

ترجمہ: "نہیں، میں نے وہ بات صرف اپنی سخت تکلیف کی وجہ سے کہی تھی۔"

ملازمین کی دادرسی:

امامت کبریٰ کی طرح امامت صغریٰ اور دیگر اہم دینی مشاغل رکھنے والے حضرات بھی چوں کہ اپنے اہل وعیال کی "معاشی کفالت"

کا بندوبست یکسوئی سے نہیں کر سکتے، اس لیے حضرت عمرؓ نے امام موذن اور معلم کے لیے سرکاری کفالت کا انتظام فرمایا تھا۔
یہ سلسلہ حضرت عثمان غنیؓ نے بھی جاری رکھا اور آپؓ بھی موذنوں، اماموں اور اساتذہ کو ماہانہ وظائف دیا کرتے تھے۔(۲۵)

رعایا کی عیال داری کے تناسب سے کفالت:

حضرت عمرؓ نے دیوان کے ذریعے جو سماجی تحفظ کیا تھا وہ عہد خلافت راشدہؓ اور بعد کے زمانے میں بھی جاری رہا۔ حضرت عمرؓ کے بعد بچوں کو عطا دینے کا طریقہ مدتوں جاری رہا۔(۲۶)

ابو اسحاق اپنے دادا خیار سے روایت کرتے ہیں کہ ان کا گزر حضرت عثمانؓ کی خدمت میں ہوا تو حضرت عثمانؓ نے ان سے پوچھا: "بڑے میاں، آپ کے ساتھ کتنے بال بچے ہیں؟" انہوں نے کہا میرے ساتھ (کنبہ) ہے۔

اس پر حضرت عثمانؓ نے کہا: ہم نے تمہارے لیے اتنا وظیفہ مقرر کر دیا ہے راوی کو یہ مقدار یاد نہ رہی اور فرمایا تمہارے بال بچوں میں سے ہر ایک کے لیے سو سو درہم ہیں۔(۲۷)

نومولود کی کفالت:

اسلام وہ واحد مذہب ہے جس نے بچے کے پیدا ہوتے ہی اس کی معاشی کفالت باپ کے ذمہ اور سرکاری خزانہ پر عائد کی ہے۔

چنانچہ محمد بن ہلال المدنی اپنے باپ کی وساطت سے اپنی دادی کے متعلق روایت کرتے ہیں کہ وہ حضرت عثمانؓ بن عفان کی خدمت میں حاضری دیا کرتی تھیں۔

ایک دن حضرت عثمانؓ نے انہیں نہ دیکھا تو اپنے گھر والوں سے دریافت کیا کہ آج فلاں خاتون مجھے نظر نہیں آئیں کیا وجہ ہے اس پر ان کی بیوی نے انہیں بتایا: امیر المومنین، آج رات اس کے ہاں بچہ ہوا ہے۔"

چنانچہ محمد بن ہلال کی دادی کہتی ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے مجھے پچاس درہم اور ایک چادر بھیجی اور کہلایا کہ یہ تیرے بیٹے کا وظیفہ ہے اور یہ اس کی پوشاک ہے، جب یہ ایک سال کا ہو جائے گا تو ہم اس کا وظیفہ بڑھا کر سو درہم کر دیں گے۔(۲۸)

حضرت عثمانؓ کی انفرادیت:

حضرت عثمانؓ وہ پہلی ہستی ہیں جنہوں نے جاگیریں دیں اور وظیفے مقرر کیے۔ جانوروں کے لیے چراگاہیں بنائیں، موذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں۔

پہلی عید کے موقع پر نماز سے پہلے ایک بلیغ تقریر فرمائی اور لوگوں کو حکم دیا کہ خود ہی حساب کر کے زکوٰۃ دیا کرو۔

آپؓ کے عہد خلافت میں دولت کی کثرت کے سبب لوگ خوش عیشی میں مبتلا ہو گئے اور غلیل سے شکار کرنا ان کا مشغلہ ہو گیا، کبوتر بازی کی دھوم مچ گئی تو آپؓ نے اپنی خلافت کے آٹھویں سال بنولیث کا ایک آدمی مقرر کیا جس کا یہ کام تھا کہ وہ کبوتروں کو پکڑ کر قینچ کر دیتا اور لوگوں کی غلیلیں توڑ ڈالتا تھا۔(۲۹)

شہادت عثمان غنیؓ:

۳۵ھ کے ایام تشریق کے عید الاضحیٰ میں حضرت عثمانؓ کی شہادت واقع ہوئی۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ جمعہ کے دن ۱۸ ذی الحج ۳۵ھ میں آپؓ کو شہید کیا گیا اور ہفتہ کے دن مغرب وعشاء کے درمیان جنت البقیع کے اندر اس مقام پر دفن کیے گئے جسے حش کوکب کہتے ہیں۔ آپؓ کی وصیت کے مطابق حضرت زبیرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور دفن بھی کیا۔(۳۰)

ترکہ عثمانیؓ:

جس دن حضرت عثمانؓ کی شہادت واقع ہوئی ان کے خزانچی کے پاس ڈیڑھ لاکھ دینار اور دس لاکھ درہم نقد جمع تھے۔ وادی القریٰ اور حنین میں ان کی جائیدادوں کی قیمت ایک لاکھ دینار تھی۔ اس کے علاوہ آپ نے بکثرت گھوڑے اور اونٹ چھوڑے تھے۔(۳۱)

عہد عثمانیؓ میں غیر مسلم رعایا اور معاہد ذمی کی حیثیت:

اور

صلح حدیبیہ کی طرز پر انسانیت نوازی اور پرامن بقائے باہمی پرمبنی اقدامات ومعاہدات، ایک مختصر جائزہ

پاس وفا کی تاکید

مسند آرائے خلافت ہونے کے بعد حضرت عثمانؓ نے حکومت کے حکام وعمال کے نام، ایک مکتوب تحریر فرمایا، یہ مکتوب موجودہ اصطلاح میں گویا، سرکاری پالیسی کا اعلان تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؓ اپنی حکومت کس اسلوب اور نہج پر چلانے کا ارادہ رکھتے تھے اور وہ وہی نہج تھی جو سنت نبویؐ اور اسوۂ شیخین پرمبنی تھی، چنانچہ فرماتے ہیں:

''اما بعد! اللہ تعالیٰ نے حاکموں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ امت کے نگہبان بنیں، محض خراج جمع کرنے والے نہ بنیں، اوائل اسلام کے لوگ نگہبان تھے۔ محض خراج جمع کرنے والے نہیں تھے، لیکن مجھے ڈر ہے کہ تم لوگ نگہبانی امت کے فرائض چھوڑ کر کہیں صرف خراج جمع کرنے نہ لگ جاؤ اگر ایسا ہوا تو حیاء امانت اور وفا سب کچھ تم سے رخصت ہو جائے گی بہترین عدل یہ ہے کہ تم مسلمانوں کے امور میں غور کرو جو ان کا حق تم پر ہے وہ انہیں دو، جو تمہارا حق ان پر ہے وہ ان سے لو، پھر ذمیوں کا جو حق تم پر ہے، وہ انہیں دو اور تمہارا جو حق ان پر ہے، وہ ان سے لو، اس کے بعد دشمن کی طرف متوجہ ہو اور اس پر فتح پاؤ لیکن جو اس سے وعدہ کرو وہ ضرور پورا کرو۔''

''معاہد'' پر ظلم نہ کرو:

''معاہد'' یعنی وہ غیر مسلم، جس سے مسلمانوں نے عہد کرلیا ہو، اور جو ان کے عہد میں آکر، امن وامان کی زندگی بسر کر رہا ہو، اسلام نے بڑی تاکید کی ہے کہ معاہد اور ذمی کے ساتھ کسی طرح کی زیادتی نہ ہونے پائے، چنانچہ حضرت عثمانؓ نے منصب خلافت پر فائز

ہونے کے بعد، سب سے پہلا جو کام کیا وہ یہی تھا۔ انہوں نے خراج اور جزیہ کی رقم وصول کرنے والوں کو تحریر فرمایا:

"اما بعد فان اللّٰہ خلق الخلق بالحق فلا یقبل الّا الحق خُذوا الحق واعطوا الحق بہ والامانۃ بالامانۃ قوموا علیھا ولا تکونوا اول من یسلبھا فتکونوا شرکاء من بعد کم الیٰ ما اکتسبتم والوفاء بالوفاء لاتظلموا الیتیم ولا المعاھد فان اللّٰہ خصم لمن یظلمھم"

"اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو حق کے ساتھ پیدا کیا، وہ حق ہی کو قبول کرتا ہے حق لو اور اس کے بدلے میں حق ہی دو، امانت، امانت کے ساتھ ہوتی ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہو اور ان لوگوں میں سے نہ ہو جو امانت میں خیانت کرتے ہیں۔ اس طرح تم اپنے بعد آنے والے خائنوں کے ساتھ شریک ہو گے۔ وفا وفا کے ساتھ ہوتی ہے تم یتیم پر اور جس کے ساتھ معاہدہ کیا ہو ظلم نہ کرو کیوں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا دشمن ہے جو ان لوگوں پر ظلم کرتے ہیں۔"

حضرت عثمانؓ کا اجتہاد:

قرآن کی رو سے جو قومیں "اہل کتاب" شمار ہوتی ہیں، وہ یہود و نصاریٰ ہیں، جزیہ انہی لوگوں سے لیا جا سکتا ہے عیسائی یا یہودی عورت سے نکاح بھی کیا جا سکتا ہے، اور نصرانیوں اور یہودیوں کے ہاتھ کا ذبیحہ بھی کھایا جا سکتا ہے، ان کے علاوہ جو قومیں ہیں وہ اہل کتاب نہیں شمار ہوں گی اور ان کے ساتھ اگرچہ رعایتیں کی جائیں گی، رواداری کا برتاؤ کیا جائے گا، ان کے دینی معاملات اور پرسنل لاء میں کسی طرح کی مداخلت نہیں کی جائے گی، لیکن ان کے ساتھ بہرحال اہل کتاب کا سا برتاؤ نہیں کیا جائے گا۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے ہجر کے مجوس پر یہ احسان فرمایا کہ ان سے اہل کتاب کے مانند جزیہ لے لیا اور اس طرح انہیں وہ سہولتیں عطا فرما دیں جو صرف اہل کتاب ہی کو حاصل ہو سکتی تھیں حالانکہ کھلی ہوئی بات ہے مجوس مشرک ہیں، پھر آنحضرتؐ کے اس اسوہ کی روشنی میں حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں فارس کے مجوسیوں کے ساتھ وہی سلوک کیا جو ہجر کے مجوس کے ساتھ کیا گیا تھا یعنی ان سے جزیہ لے لیا۔

حضرت عثمانؓ کے دور میں جب تیز رفتاری کے ساتھ فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا تو افریقہ کے بربر بھی مغلوب و مفتوح ہوئے یہ بالکل اجڈ وحشی اور سرتا سر مشرک تھے، ان کے شرک کے بارے میں کسی طرح کی تاویل بھی نہیں کی جا سکتی تھی لیکن حضرت عثمانؓ نے اجتہاد سے کام لے کر بربر سے بھی جزیہ لے لیا اور انہیں وہی سہولتیں عطا فرمائیں جو آنحضرتؐ نے ہجر کے اور حضرت عمرؓ نے فارس کے مجوس کو عطا فرمائی تھیں۔

حضرت عثمانؓ کا یہ واقعہ جہاں ان کی فراست دینی کا بہترین ثبوت ہے وہاں وہ ان کی معاملہ فہمی، تدبر اور مصلحت شناسی پر بھی دلالت کرتا ہے ان کا یہ اقدام ہر اعتبار سے مصالح امت کے مطابق تھا چنانچہ انہوں نے غور کیا جب ہجر اور فارس کے مجوس ذمی بنائے جا سکتے ہیں اور ان سے جزیہ لیا جا سکتا ہے تو یہی سلوک بربر کے ساتھ کیوں نہیں کیا جا سکتا جب کہ شرک دونوں میں مشترک ہے۔

واقعہ کی تاریخی تفصیل اس کی شاہد ہے کہ جانشین رسول کا برتاؤ، مفتوحین کے ساتھ حد درجہ روادارانہ، عادلانہ اور مساویانہ تھا، فتح کے بعد انہیں تنگ اور پریشان نہیں کیا جاتا تھا بلکہ ان کے لیے ڈھونڈ ڈھونڈ کر سہولتیں پیدا کی جاتی تھیں۔

اب اصل واقعہ ملاحظہ ہو:

مجھ سے حدیث بیان کی الحسین نے، انہوں نے کہا ہم سے حدیث بیان کی یحییٰ بن آدم نے ان سے ابن المبارک نے ان سے یونس بن یزید الایلی نے، ان سے الزہری نے اور ان سے سعید بن المسیب نے۔ رسول اللہ ﷺ نے مجوس ہجر سے اور (حضرت) عمرؓ نے مجوس فارس سے اور (حضرت) عثمانؓ نے بربر سے جزیہ لیا۔

ہم سے الحسین نے ان سے یحییٰ نے، ان سے عبداللہ بن ادریس نے، ان سے مالک بن انس نے اور ان سے الزہری نے اسی کی مثل حدیث بیان کی۔ (۳۲)

اس واقعہ کو ہم نے اس لیے زیادہ اہمیت دی کہ آج کل کچھ ارباب سیاست ان حقائق پر غور نہیں فرماتے چنانچہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آج ان مثالوں کی پیروی نہیں کی جا سکتی حالانکہ یہ غلط ہے، آج تو سب سے زیادہ ضرورت ہے ان مثالوں پر پیروی کرنے کی۔

بغاوت کا صلہ:

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں متعدد مقامات تھے جن پر مسلمانوں کا غلبہ اور تسلط ہو گیا اور ان کی زندگی تک کام خوش اسلوبی سے چلتا رہا کسی طرح کی شورش یا سرکشی یا بغاوت ظہور میں نہیں آئی، لیکن ان کے انتقال کے بعد متعدد مقامات پر بغاوت اور شورش کے شعلے بھڑک اٹھے، چنانچہ آرمینیا جو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں فتح ہوا تھا حضرت عثمانؓ کے سریر آرائے خلافت ہونے کے بعد باغی ہو گیا بغاوت کی سزا قتل و غارت ہی کی صورت میں دی جا سکتی ہے ہمیشہ سے یہی ہوتا آیا ہے اور شاید ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہے گا چنانچہ آرمینیا کے باغیوں کی سرکوبی کے لیے بھی اسلامی فوجیں روانہ ہوئیں باغیوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن بالآخر اسلامی فوجوں کے سامنے ٹھہر نہ سکے، چنانچہ......

جب حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں آرمینیا میں بغاوت ہوئی تو ۲۶ھ۔ ۶۴۶ء میں آپؓ نے حضرت معاویہ بن سفیان کو جنہیں آپؓ شام اور جزیرہ کا گورنر بنا چکے تھے حکم دیا کہ وہ دوبارہ آرمینیا پر چڑھائی کریں۔ حضرت معاویہؓ نے حبیب بن مسلمہ الفہری کو جو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی آرمینیا پر چڑھائی کر چکے تھے چھ ہزار فوج دے کر وہاں بھیجا، حبیب بن مسلمہ نے قالیقلا کا محاصرہ کر لیا جب شہر والوں کو ہر طرف سے مدد پہنچنی بند ہو گئی تو وہ مجبوراً اس شرط پر صلح کے طالب ہوئے کہ اگر ان کو امان دے دی گئی تو وہ جزیہ دینے کے لیے تیار ہیں چنانچہ یہ شرط قبول کر لی گئی قالیقلا کو سر کر لینے کے بعد وہاں کے کئی باشندوں کو جلاوطن کر دیا گیا کیوں کہ وہ سخت فتنہ پرداز اور فسادی تھے۔

اس واقعہ میں چند قابل غور امور نظر آتے ہیں:

(۱) باغیوں نے اسلامی فوج کے پہنچنے کے بعد کسی ندامت کا اظہار نہیں کیا نہ اطاعت پر آمادگی ظاہر کی، لڑے اور ڈٹ کر لڑے۔

(۲) جب کوئی آس باقی نہیں رہ گئی تو صلح پر تیار ہوئے۔

(۳) اسلامی لشکر نے ان کی اس کمزوری سے فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ صلح کر لی اور جزیہ عائد کر دیا۔

(۴) کسی قسم کی انتقامی کاروائی اسلامی فوج کی طرف سے نہیں کی گئی حالانکہ باغیوں کا طرز عمل اس کا متقاضی تھا کہ ان کے ساتھ سختی کا برتاؤ کیا جائے۔

(۵) حد یہ ہے کہ جو لوگ، حد درجہ فتنہ طراز، فساد انگیز اور شورش پسند ثابت ہوئے، انہیں بھی نہ قتل کیا گیا نہ جیل میں بند کیا گیا۔ نہ غلام بنایا گیا، نہ کسی اور طرح کی سختی کی گئی۔ بس یہ کیا گیا کہ انہیں جلا وطن کر دیا گیا تاکہ سانپ کے دانت ٹوٹ جائیں اور وہ دوبارہ نہ ڈس سکے، یہ اگر سزا تھی تو اس سے ہلکی اور نرم سزا کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ہمارے سامنے حال کے جو واقعات ہیں وہ تو یہ ہیں کہ دو آزاد اور خود مختار قومیں جو ہرگز ایک دوسرے کی مطیع اور محکوم نہیں ہوئیں جب لڑتی ہیں تو فاتح قوم، مغلوب قوم کے تمام سربرآوردہ اصحاب پر حب وطن کے جرم میں مقدمے چلاتی ہیں اور انہیں پھانسی پر لٹکا دیتی ہے ان کی جائیداد ضبط کر لیتی ہے اور انہیں عبرت انگیز سزا دیتی ہے حالانکہ ان کا جرم حب وطن کے سوا کچھ نہیں ہوتا انہیں سزا اس لیے دی جاتی ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کا ساتھ کیوں دیا اور دشمن سے کیوں لڑے لیکن اسلامی عہد حکومت میں ایسا کبھی نہیں کیا گیا؟

فتوحات عثمانیؓ:

حضرت عثمانؓ کے دور میں ایک عجیب بات نظر آتی ہے کہ اسلامی فوجوں کے غلبہ اور تسلط کا سلسلہ مختلف اطراف میں جاری رہا روم کے کئی قلعے سر ہوئے ایران کے کئی شہروں کو مطیع کیا گیا بربر علاقہ تک اسلامی فوجیں پہنچیں اور وہاں بھی مسلمانوں کا پرچم لہرانے لگا۔

لیکن ان تمام مقامات میں سے کہیں بھی ایسا نہیں ہوا کہ مسلمانوں نے غیر مسلموں پر ان کی بدعہدی، فساد انگیزی، شرارت، بغاوت اور سرکشی کے باوجود ظلم کیا ہو، انتقام لیا ہو، مسلمانوں کی تلواریں اس وقت تک چمکتی رہیں جب تک دشمن برسر جنگ رہا لیکن جہاں وہ ہتھیار ڈالنے اور صلح کرنے پر تیار ہوا فوراً ہی مسلمانوں کی تلواریں نیام میں چلی گئیں۔

اسکندریہ کو دوبارہ فتح کیا گیا لیکن جب فتح حاصل ہوگئی تو جنگ کرنے والوں کے ساتھ پوری پوری رعایت کی گئی ان سے کوئی تاوان نہیں لیا گیا۔ ان پر جرمانہ نہیں کیا گیا، انہیں کسی طرح ستایا نہیں گیا جزیہ پر دوبارہ معاملہ کر لیا گیا۔ (۴۳) اور ان کی پچھلی تمام خطائیں معاف کر دی گئیں۔

ایران اور عراق میں بھی یہی صورت حال قائم رہی اسلامی فوجیں اپنے ساتھ نرمی اور ملاطفت کا تحفہ لے کر پہنچیں انتقام تعزیر اور سزا کی تلوار لے کر نہیں۔

"ایران کی حدود خلفاء راشدینؓ کے عہد میں موجودہ ایران کی حدود سے بہت وسیع تھیں، اس زمانہ میں بلوچستان افغانستان، آذربائیجان، کردستان اور مشرقی آرمینیا کا وہ حصہ جو بحر قزوین سے ملتا ہے سب مملکت ایران میں شامل تھے، مسلمانوں نے اس کے اکثر حصہ کو فتح کر لیا تھا اور ان علاقوں میں جو عرب کی سرحد سے ملتے تھے مسلمانوں کی پائیدار سلطنت قائم ہو گئی تھی لیکن وہ علاقے جو عرب کی سرحد سے دور تھے وہاں مسلمانوں کا قبضہ اور تسلط مستحکم نہ تھا بعض حصے ایسے بھی تھے جہاں عہد فاروقیؓ میں مسلمان پہنچے بھی نہ تھے۔

حضرت عثمانؓ کی خلافت کے تیسرے سال کردوں نے بغاوت کی تو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے اس بغاوت کو فرو کرنے اور

باغیوں کو مغلوب کرنے کا ارادہ کیا، انہوں نے لوگوں کو جہاد کی ترغیب دی لیکن ساتھ ہی یہ کام بھی کیا کہ اپنا سارا مال و متاع چالیس خچروں پر بار کر لیا۔

اہل بصرہ دیکھ کر کہ ہمارے حاکم کے پاس اس قدر ساز و سامان ہے، بہت سیخ پا ہوئے اور ان کے ایک وفد نے حضرت عثمانؓ سے جا کر سارا قصہ بیان کیا۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے ابو موسیٰؓ کو ان کے عہدے سے معزول کر دیا اور ان کی جگہ اپنے ماموں زاد بھائی عبداللہ بن عامر قریشی کو مقرر کیا جو اس وقت پچیس سال کے تھے۔ نیز ابو موسیٰؓ اور عثمان بن ابی العاص والی عمان و بحرین کا سارا لشکر عبداللہ بن عامر کی زیر سرکردگی کر دیا۔ عبداللہ نے عبیداللہ بن معمر کو خراساں سے ہٹا کر فارس بھیج دیا اور خراساں کا والی عمر بن عثمان بن سعد کو بنا دیا۔ یہ تبدیلیاں کرنے کے بعد انہوں نے اپنے لشکر کو ساتھ لے کر پیش قدمی شروع کی اور بڑھتے بڑھتے فرغانہ تک پہنچ گئے دوسرے امرا کو بھی انہوں نے آگے بڑھنے کا حکم دیا اور اس طرح مسلمانوں کا لشکر چین کی حدود تک جا پہنچا۔

کچھ عرصہ بعد اہل فارس نے عبیداللہ بن معمر کے خلاف بغاوت کر دی اصطخر کے مقام پر دونوں فریقوں کا مقابلہ ہوا جس میں عبیداللہ مارے گئے جب یہ خبر ابن عامر کو پہنچی تو وہ ایک لشکر لے کر فارس کی طرف روانہ ہو گئے اصطخر کے مقام پر ایرانیوں کی فوجوں سے ان کا مقابلہ ہوا جس میں ایرانیوں کو شکست فاش اٹھانی پڑی اور شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ اصطخر کو فتح کرنے کے بعد ابن عامر نے اپنے لشکر کو آگے بڑھایا اور جور کے شہروں کو فتح کیا اس اثنا میں اصطخر والوں نے پھر بغاوت کر دی۔ ابن عامر لوٹے اور اصطخر کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ طویل عرصہ تک جاری رہا آخر منجنیقوں کے ذریعے شہر پر سنگ باری کر کے اس کو فتح کر لیا اس جنگ میں ہزاروں ایرانی مارے گئے۔

ان فتوحات سے فارغ ہو کر ابن عامر بصرہ واپس ہوئے ابھی وہ بصرہ پہنچے بھی نہ تھے کہ انہیں خراساں میں بغاوت کی خبریں ملیں وہ زیاد کو بصرہ میں اپنا قائم مقام بنا کر خراساں کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ سجستان کو فتح کرنے کے لیے ربیع بن زیاد حارثیؓ کو اور کرمان کو مغلوب کرنے کے لیے مجاشع بن مسعود سلمی کو مقرر کیا اس کے بعد نیشاپور روانہ ہوئے ہراول دستہ پر احنف بن قیس کو متعین کیا سب سے پہلا مقابلہ طبسین پر ہوا۔ یہ دو قلعے تھے اور خراساں کے لیے دروازوں کا کام دیتے تھے ان کو فتح کرنے کے بعد فوج کے سرداروں کو نیشاپور کے علاقوں کی طرف روانہ کیا اور انہوں نے اس کے ارد گرد کا سارا علاقہ فتح کر لیا۔

احنف بن قیس طخارستان کی طرف چلے، پہلے سواد نجرد پہنچے وہاں کے باشندوں نے تین ہزار درہم پر صلح کر لی پھر مرو الروز کی طرف رخ کیا پہلے تو وہاں کے باشندے مقابلہ میں آئے لیکن پھر صلح کر لی اس کے بعد انہوں نے بلخ نامی قصبہ پر قبضہ کر لیا۔

جب اہل طخارستان نے دیکھا کہ احنف بڑھتے ہی چلے آتے ہیں تو انہوں نے ایرانیوں اور ترکوں پر مشتمل ایک بہت بڑا لشکر جمع کیا۔ احنف سے ان کا مقابلہ کیا اور ان کو شکست فاش دی۔ اس کے بعد وہ بلخ کی طرف روانہ ہوئے جو طخارستان کا دارالحکومت تھا اور اس کو بھی فتح کر لیا۔

باقی سرداران فوج میں سے مجاشع بن مسعود سلمی کرمان گئے۔ پہلے انہوں نے دارالحکومت سیرجان کو فتح کیا اس کے بعد ارد گرد کے شہروں اور علاقوں پر حملے شروع ہو گئے۔ ربیع بن زیاد حارثیؓ سجستان پہنچے اور تمام علاقہ فتح کر لیا عبداللہ بن حازم نے قارن کا رخ

کیا اور اسے فتح کر لیا۔

ان تمام فتوحات میں بھی اس طرح کی مثال نہیں ملتی جو مسلمانوں کے ظلم اور زیادتی کی طرف اشارہ بھی کرتی ہو۔

بربر قبائل:

ہم بتا چکے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے اجتہاد سے کام لے کر مجوس کی طرح بربر سے بھی جزیہ وصول کیا اور اس طرح ایک بہت بڑا طبقہ اسلام کا حلقہ بگوش بن گیا۔

یہ بربر رومیوں کے باجگذار تھے، مسلمانوں سے جزیہ پر صلح کر لینے کے بعد پھر انہوں نے رومیوں کا دباؤ نہیں مانا، آج تو انہوں نے دیکھ لیا مسلمانوں کا ان کے ساتھ برتاؤ رومیوں کے مقابلہ میں کہیں بہتر اور انسانیت نواز تھا شاید یہی وجہ تھی کہ بربر نے جزیہ کی صورت میں جتنی رقم مسلمانوں کو خوشی خوشی دے دی اتنی رومیوں کو جبر وجور کے باوجود کبھی نہیں دی، چنانچہ ان سے پہلی مرتبہ جو جزیہ وصول ہوا اس کی میزان سترہ ہزار دینار تھی۔(۳۴)

ہرات کا صلح نامہ:

عبداللہ بن عامر نے ہرات پر فوج کشی کی، مرزبان ہرات نے جنگ کی صورت میں فلاح نہ دیکھی صلح پر آمادہ ہو گیا چنانچہ دس لاکھ درہم سالانہ خراج ادا کرنے کی شرط پر صلح ہو گئی، صلح نامہ کی عبارت کا یہ حصہ خاص طور پر قابل غور ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ معاہدہ صلح، عبداللہ بن عامر حاکم ہرات، دبوشنج، و بادغیس کی طرف سے ہے۔

حاکم ہرات کو لازم ہے کہ وہ خدا سے ڈرتا رہے اور مسلمانوں کا خیر خواہ رہے اور جتنی زمین اس کے تصرف اور قبضہ میں ہے اسے درست رکھے اور اسے آباد رکھنے کی کوشش کرے، ہرات کی ساری زمین، خواہ وہ میدانی ہو یا کوہستانی اس صلح کے ذیل میں آتی ہے حاکم ہرات رقم مقررہ اپنی اور اپنے ماتحتوں سے حصہ رصدی وصول کر کے ادا کرتا رہے عدل کو کام میں لائے البتہ جو شخص اپنا حصہ دینے سے انکار کرے گا اس کا عہد امان فسخ ہو جائے گا اور وہ مسلمانوں کے "ذمہ" میں نہیں رہے گا۔(۳۵)

تحفہ قبول کرنے میں احتیاط:

سب جانتے ہیں حضرت عمر تیز مزاج تھے یہی وجہ تھی کہ عوام و حکام سب ان سے خائف اور لرزاں و ترساں رہتے تھے، لیکن حضرت عثمان نرم، خوش مزاج اور نرم طبیعت تھے اور یہ صفت اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ اس سے بعض لوگوں نے ناجائز فائدہ بھی اٹھایا لیکن فائدہ جو کچھ اٹھایا گیا وہ صرف آپس میں تھا غیر مسلموں کا جہاں تک تعلق ہے عہد عثمانی کے عمال و حکام ان کے ساتھ اس وضع احتیاط پر قائم تھے جو عہد عمری کی خصوصیت تھی چنانچہ اس سلسلے میں ہم ایک واقعہ خاص طور پر پیش کرتے ہیں جو ہمارے دعوے کا بہترین ثبوت ہے:

احنف نے خوارزم کی طرف کوچ کیا اور بلخ میں اپنا قائم مقام اسید کو کر گئے اس زمانہ میں پارسیوں کی عید مہرجان ہوتی اہل بلخ نے

اپنے حاکم اسلام کو اس موقع پر بہت سے تحفے اور ہدیے بھیجے، یہ درہم دینار، ہیرے جواہرات طلائی و نقرئی، پارچہ جات وغیرہ پر مشتمل تھے۔ اسید نے خیال کیا یہ سارا سامان جزیہ کی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے چنانچہ انہوں نے متحیر ہو کر کہا صلح تو ہم نے درہم و دینار پر کی ہے پھر یہ ساز و سامان کیسا؟ پارسیوں نے عرض کیا بجا ارشاد ہوا لیکن یہ پیش کش جزیہ کی نہیں تحفہ اور ہدیہ کی ہے اور ہمارا ہمیشہ سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ اس یوم سعید پر ہم اپنے سرداروں اور حاکموں کی خدمت میں تحفے اور ہدیے پیش کرتے ہیں۔

یہ سن کر اسید نے کہا، میں سمجھا نہیں کہ یہ کیا معاملہ ہے ابھی تو میں اس مال کو رکھے لیتا ہوں پھر بعد میں فیصلہ کروں گا کہ اسے قبول کروں یا نہ کروں؟

چنانچہ اسید نے سارا مال و متاع امانت کے طور پر الگ رکھوا لیا پھر جب احنف واپس آئے تو ان سے ماجرا بیان کیا۔ احنف نے اہل فتح کو بلا کر استفسار کیا، انہوں نے جواب میں وہی کہا جو اسید سے کہا تھا، احنف وہ سب مال اپنے سردار عامر کے پاس لے گئے اور سارا واقعہ ان کے گوش گزار کر دیا۔

ابن عامر نے کہا، ٹھیک ہے تم یہ مال قبول کر لو مگر احنف نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ (۳۶)

کرمان کی بغاوت اور اطاعت:

کرمان، حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں فتح ہوا تھا آپ کی حیات تک یہاں کے لوگ، اطاعت کی زندگی بسر کرتے رہے لیکن حضرت عثمانؓ کے سریر آرائے خلافت ہونے کے بعد انہوں نے عہد شکنی کی اور بغاوت کے مرتکب ہوئے عبداللہ بن عامر نے مجاشع بن مسعود سلمی کو حکم دیا کہ وہ یہ مہم سر کریں مجاشع نے حمید کو فتح کر لیا اہل کرمان نے دیکھا مسلمانوں کے دبدبہ اور طنطنہ میں کوئی فرق نہیں آیا ہے اپنی غلطی پر نادم ہوئے اور صلح کی درخواست لے کر حاضر ہوئے اور جزیہ دینے پر آمادگی ظاہر کی ان کی اس درماندگی کو دیکھ کر ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا گیا۔ اور جزیہ پر ان سے صلح کر لی گئی۔ (۳۷)

قبرص کی بغاوت:

۳۳ھ میں اہل قبرص نے بغاوت کی فتح کے بعد سے اب تک یہ مطیعانہ زندگی بسر کر رہے تھے لیکن رومیوں کے بہکانے سے یہ بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ مسلمانوں کا یہ دستور تھا کہ وہ دوست کے دوست اور دشمن کے دشمن تھے جب تک اہل قبرص ٹھیک رہے، مسلمانوں نے ان کے ساتھ کوئی ناگوار سلوک نہیں کیا لیکن جب انہوں نے تلوار اٹھائی تو مسلمانوں نے بھی میان سے تلوار نکال لی چنانچہ ۳۳ھ میں مسلمانوں کی ایک فوج ان کی سرکوبی کے لیے پہنچی باغی مقابلہ کی تاب نہ لا سکے ان کی اکڑی ہوئی گردن، سر تسلیم بن کر خم ہو گئی کافی کشت و خون کے بعد یہ لوگ امان کے طالب ہوئے سالار لشکر اسلام نے ان کی جاں بخشی کی اور سابقہ معاہدہ کی تجدید کر دی۔ (۳۸)

اس سلسلے میں یہ پہلو خاص طور پر قابل غور ہے کہ بغاوت کے بعد جب دوبارہ اہل قبرص سے صلح کی گئی تو ان پر نئے شرائط نہیں ٹھونسے گئے بلکہ اتنی نرمی اختیار کی گئی کہ بالکل سابقہ معاہدہ پر پھر سے دستخط کر دیے گئے۔

کیا یہ رواداری اور سیر چشمی اور عالی حوصلگی کی انتہا نہیں ہے؟

شرائط صلح:

اہل قبرص کی بغاوت کا ذکر ہم کر چکے ہیں اور یہ بھی بتا چکے ہیں کہ اس بغاوت کو کچلنے کے بعد مسلمانوں نے کوئی انتقامی کارروائی نہیں کی بلکہ سابقہ شرائط پر تجدید صلح کر لی، لیکن یہ سابقہ شرائط کیا تھے یہ بھی معلوم کر لیں تو بہتر ہوگا، جب قبرص کے باشندے کسی طرح مسلمانوں کے حملہ کی تاب نہ لا سکے تو انہوں نے حسب ذیل شرائط پر صلح کی۔

(۱) ہر سال سات ہزار دینار خراج کے طور پر اہل قبرص دیا کریں گے۔

(۲) اگر ذمی دشمن پر اس کی شرارت کے باعث مسلمان حملہ کریں تو اہل قبرص مسلمان فوجوں کو اپنے حدود سے گزرنے کی اجازت دیں گے اور کوئی مزاحمت نہیں کریں گے۔

(۳) اہل قبرص کے دینی اور شخصی معاملات میں مداخلت نہ کی جائے گی۔

(۴) مسلمانوں کے ساتھ اہل قبرص کا رویہ دوستانہ رہے گا۔

مسلمانوں کے اس جنگی بیڑے کا امیر البحر عبداللہ بن قیس حارثی تھے، اس فتح نے مسلمانوں کے تسلط کا سارے افریقہ پر امکان پیدا کر دیا اور یورپ ان کی اس بحری طاقت سے لرزنے لگا عبداللہ اپنے فن میں ایسے یکتا تھے اور ایسی شجاعت اور دلیری کے ساتھ انہوں نے اپنے فرائض انجام دیے کہ ان کی کارکردگی کے عہد میں نہ کوئی سپاہی غرق آب ہوا نہ کوئی جہاز ڈوبا۔ اس سلسلے میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ عبداللہ کو کم وبیش پچاس بحری جنگیں لڑنا پڑیں۔

نجران کے عیسائی:

نجران کے عیسائیوں کا معاملہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ سے لے کر عہد ابوبکرؓ و عمرؓ اور پھر عہد عثمانؓ میں تازہ ہوتا رہا۔

آنحضرت ﷺ کے زمانے میں یہ لوگ مطیع ہوئے انہوں نے جزیہ دینا منظور کیا اور اپنے علاقے میں بدستور مقیم رہے حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں انہوں نے کچھ پر پرزے نکالے لیکن نہ ایسے کہ ان کے خلاف کوئی کارروائی ضروری ہوئی چنانچہ ان کے عہد میں بھی یہ بدستور اپنی زمینوں پر قابض اور متصرف رہے اور عافیت واطمینان کی زندگی بسر کرتے رہے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں انہوں نے کچھ ساز وسامان جنگ جمع کیا گھوڑے جمع کیے ہتھیار جمع کیے حضرت عمرؓ نے تاڑ لیا، یہ اب شرارت پر آمادہ ہیں چنانچہ انہوں نے اس حدیث نبویؐ کے پیش نظر کہ عرب میں دو مذہب اسلام اور کفر نہیں رہ سکتے انہیں جلاوطن کر کے عراق بھیج دیا انہیں نقل مکان کی زحمت تو ہوئی لیکن اور کسی طرح کی تکلیف سے یہ دوچار نہیں ہوئے کیوں کہ زمین کے بدلہ میں انہیں زمین دے دی گئی اور یہ سکھ کی زندگی حسب معمول بسر کرنے لگے۔

حضرت عثمانؓ کے زمانے میں یہ لوگ بارگاہ خلافت میں حاضر ہوئے اور نجران میں دوبارہ مقیم ہونے کی اجازت چاہی اور جزیہ وصول کرنے والوں کے طرز عمل کی کچھ شکایت بھی کی، حضرت عثمانؓ نے انہیں دوبارہ نجران میں بسنے اور آباد ہونے کی اجازت تو نہیں دی البتہ ان کے ساتھ حسن سلوک میں اور اضافہ کر دیا تاکہ ان کی تالیف قلوب ہو اور وطن چھٹنے کا انہیں جو صدمہ ہے، وہ دور

ہو جائے۔

چنانچہ اس سلسلے میں حضرت عثمانؓ نے جو فرمان بارگاہ خلافت سے صادر فرمایا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں:

"اما بعد میرے پاس نجران کا عاقب اور اسقف اور (چند) معززین رسول اللہ ﷺ کا فرمان لے کر آئے اور وہ پروانہ بھی انہوں نے مجھے دکھایا جو عمرؓ نے انہیں دیا تھا۔ میں نے اس کے متعلق عثمان بن حنیف سے گفتگو کی انہوں نے کہا میں ان لوگوں کے معاملے میں تحقیق کر کے اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ (شرط) زمینداروں کے لیے بہت نقصان دہ ہے کیوں کہ اس کی وجہ سے وہ اپنی زمینوں سے محروم ہو جاتے ہیں بنا برایں میں ان کی زمین کے معاوضہ میں بوجہ اللہ ان کے جزیہ میں سے دو سو حلے کم کر دیتا ہوں اور ان کے حق میں تمہیں وصیت کرتا ہوں اس لیے کہ یہ وہ قوم ہے جس کے لیے ذمہ ہے۔" (۳۹)

ان الفاظ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے نجران کے نصاریٰ کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرمائی لیکن جب پورا فرمان ہمارے سامنے آتا ہے تو صورت واقعہ کی مکمل تصویر سامنے آجاتی ہے اب وہ ملاحظہ فرمایئے:

اما بعد!

"اہل نجران، اپنے سر برآوردہ اصحاب کے ساتھ مرے پاس آئے، انہوں نے مجھ سے شکایت کی اور عمرؓ کا وہ معاہدہ دکھایا جو انہوں نے جلاوطن کرتے وقت انہیں دیا تھا میں نے ان کا حال معلوم کیا اور جو تکلیف وایذا مسلمانوں سے (جزیہ وصول کرنے کے سلسلے میں) انہیں پہنچتی رہی ہے وہ بھی معلوم ہوئی چنانچہ میں نے (اشاعت اور تالیف قلب کرتے ہوئے) ان کے جزیہ میں تخفیف کردی ہے اب تیس حلے سالانہ ان کے جزیہ میں سے معاف کیے جاتے ہیں، یہ رعایت انہیں دی جاتی ہے عراق میں جو زمین عمرؓ نے ان کی یمن کی زمین کے معاوضہ میں دی تھی میں بھی اسے بحال رکھتا ہوں اور تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ ان کے ساتھ نیکی سے پیش آؤ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ یہ لوگ ذمی ہیں اور ہمارے عہد میں اور ہماری پناہ میں ہیں، میں انہیں پہلے سے جانتا ہوں تم یہ کرو عمرؓ کا عہد نامہ دیکھ لو اور اس کے مطابق کارروائی کرو جس قدر زمین اس میں لکھی ہے وہ پوری کی پوری انہیں دے دو دوسرے جو شرائط ہیں ان پر بھی عمل کرو۔"

برقہ کی فتح:

مصر کی فتح سے عمروؓ بن العاص کے حوصلے بلند ہو گئے، وہ تھے بھی بڑے موقع شناس، مدبر، بیباک اور جری ان میں وہ تمام صلاحیتیں موجود تھیں جو ایک قائد میں ہونی چاہئیں وہ حکمت سے کام لینا بھی جانتے تھے اور تلوار سے بھی جب مصر پر قبضہ مکمل ہو گیا اور رومی مقابلہ کی تاب نہ لاکر بھاگ کھڑے ہوئے تو انہوں نے مغرب اقصیٰ پر اپنی توجہ مبذول کی اور یہاں بھی فتوحات کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ قائم کر دیا سب سے پہلے وہ برقہ پہنچے یہاں تک پہنچنے کے لیے انہیں ریگستان کی سختیاں برداشت کرنا پڑیں لیکن ان کی پیشانی پر شکن تک نہ آئی وہ یہاں پہنچے اور دشمن ان کے مقابلہ میں نہ ٹھہر سکا، آخر اس نے تین ہزار درہم سالانہ بطور جزیہ دینے کا عہد کر لیا اور صلح ہو گئی (۴۰) یہ فتح حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہوئی تھی لیکن کامل قبضہ اور تسلط حضرت عثمانؓ کے عہد میں ہوا، اور ایک مثال

بھی ایسی نہیں ملتی کہ مسلمان فاتحوں نے غیر مسلم مفتوحوں کے ساتھ ناروا اور نامناسب سلوک کیا ہو۔

قبطیوں کی وفاداری:

مصر پر مسلمان جب قابض ہوئے تو انہوں نے حسب معمول غیر مسلموں کے ساتھ شریفانہ اور عادلانہ سلوک کیا اس سلوک سے قبطی بہت متاثر ہوئے اس لیے کہ وہ دیکھ چکے تھے کہ مسلمانوں سے پہلے رومیوں کے عہد میں ان کے ساتھ کیسا تلخ برتاؤ ہوتا تھا حالانکہ یہ رومی، مذہبی، ثقافتی اور تہذیبی اعتبار سے ان سے بہت قریب تھے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مسلمانوں کو رومیوں کے مقابلہ میں ترجیح دینے لگے۔

چنانچہ حضرت عثمانؓ کے سر یرآرائے خلافت ہونے کے بعد جب مسلمانوں نے حضرت عمرؓ کی پالیسی ترک کر کے مصر سے آگے بڑھنا شروع کیا تو رومیوں کو شرارت اور بغاوت کا موقع مل گیا اسکندریہ میں جو رومی مقیم تھے انہوں نے شاہ روم کو پوشیدہ طور پر اطلاع دی کہ اس سے اچھا وقت مسلمانوں کے قلع قمع کا نہیں مل سکتا اس سے فائدہ اٹھایئے اس وقت یہاں صرف ایک بڑا جنگی جو مسلمان ہے اس کا آسانی سے قلع قمع ہو سکتا ہے باقی عام شہری ہیں، وہ رومیوں کا بحری بیڑہ دیکھ کر سراسیمہ ہو جائیں گے مسلمانوں کی فوج کا بڑا حصہ اس وقت بیرونی جنگوں میں مصروف ہے۔

شہنشاہ روم مصر پر دوبارہ قبضہ کرنے کے لیے بے چین تھا وہ اس وسیع زرخیز اور سرسبز و شاداب علاقہ سے دست بردار ہونا نہیں چاہتا تھا اس کا بحری بیڑہ واقعی بہت بڑا تھا بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ سمندر پر اس کی ضرورت تھی چونکہ مسلمان رومیوں کی طرف سے کوئی اندیشہ نہیں رکھتے تھے اس لیے انہوں نے کوئی تیاری اس سلسلے میں نہیں کی تھی۔

اسکندریہ کے رومیوں کی طرف سے جب یہ اطلاع ملی واضح رہے کہ اسکندریہ کے رومی ذمی کی حیثیت سے رہ رہے تھے اور مسلمانوں کا برتاؤ ان کے ساتھ بہت اچھا تھا تو اپنے جاسوسوں کی کارگزاری پر بہت خوش ہوا اور مانوئل پادری کی سربراہی میں ایک بیڑہ بھیج دیا یہ راتوں رات اسکندریہ کی بندرگاہ میں لنگر انداز ہو گیا رومیوں کی مدد اسکندریہ کے ذمی عیسائیوں نے کی مسلمان سپاہی واقعی بہت کم تھے نتیجہ یہ ہوا کہ رومی ایک مرتبہ پھر اسکندریہ پر قابض ہو گئے اور قابض ہوتے ہی انہوں نے قتل و غارت اور کشت و خون کا لرزہ خیز سلسلہ شروع کر دیا جو عرب سپاہی وہاں موجود تھے ان کا بڑا حصہ شہید ہو گیا۔

اس سلسلے میں سب سے زیادہ اہم اور قابل توجہ جو بات ہے وہ یہ کہ وہاں کے قبطی مسلمانوں کے ساتھ رہے انہوں نے رومیوں اور عیسائیوں کی ذرا بھی مدد نہیں کی اور بعد میں اس "جرم" کے باعث رومیوں کے ظلم و تعدی کے شکار بنے لیکن انہوں نے مسلمانوں کا ساتھ نہیں چھوڑا اور رومیوں کا ساتھ نہیں دیا۔(۴۱)

جرم کی سزا:

قبطیوں کا یہ جرم واقعی بہت بڑا، سنگین اور قطعاً ناقابل معافی تھا، رومی واقعی اس کی توقع نہیں رکھتے تھے کہ قبطی انہیں چھوڑ کر مسلمانوں کا ساتھ دیں گے، اور عین اس وقت جب وہ مسلمانوں کو قتل کر رہے تھے ان کے مفتوحہ مقامات فتح کر رہے تھے اور اسکندریہ پر قابض

ہو چکے تھے یہ قبطی رومیوں سے بالکل الگ تھے اگر ساتھ دیتے تھے تو مسلمانوں کا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ رومیوں نے جس طرح مسلمانوں کو لوٹا اور مارا بالکل یہی سلوک انہوں نے قبطیوں کے ساتھ بھی کیا ان کی تمام قیمتی چیزیں لوٹ لیں ان کے املاک اور جائیداد پر قبضہ کرلیا اس طرز عمل کا انجام یہ ہوا کہ اب تک اگر قبطی ڈھکے چھپے مسلمانوں کا ساتھ دیتے تھے تو اب کھل کر میدان میں آ گئے اور مسلمانوں کے دوش بدوش معروف کار ہو گئے۔(۴۴)

دنیا میں اس طرح کے واقعات صرف مسلمانوں ہی کے دور حکومت میں مل سکتے ہیں کہ مفتوحوں اور محکوموں نے ایسے نازک وقت پر جب وہ آسانی سے آزاد ہو سکتے تھے اور مسلمانوں کا قلع قمع کر سکتے تھے وہ ہر طرح کے شور و شر سے الگ رہے اور مسلمانوں کا صداقت اور وفاداری کے ساتھ دیتے رہے۔

فتح افریقیہ:

فتح افریقیہ بھی عہد عثمانی کا ایک شاندار اور حیرت انگیز تاریخی واقعہ ہے یہ واقعہ اس سلسلے کی ایک کڑی ہے جس نے مسلمانوں کی کامرانی میں اضافہ کیا، اور وہ سیل رواں کی طرح آگے بڑھتے رہے۔

تاریخ کی زبان یہ واقعہ اس طرح بیان کرتی ہے:

حضرت عبداللہ بن ابی سرہ کا مصر پر پورا اقتدار قائم ہو گیا تو انہوں نے حضرت عثمانؓ سے افریقیہ پر چڑھائی کرنے کی اجازت مانگی جو انہیں مل گئی اس پر انہوں نے بڑے زور شور سے تیاری شروع کردی تیاری مکمل ہونے پر وہ مصر سے نکلے اور تیونس کی حدود پر جا کر دم لیا مصر اور تیونس کا درمیانی فاصلہ ساحل کے راستے ساڑھے تین سو میل کا ہے، لیکن صحرائی راستہ کی مسافت بہت کم ہے اس واسطے عبداللہ نے اسی راستے کو اختیار کیا اور صحرا سے گزر کر اپنی منزل کی طرف بڑھنا شروع کیا۔

عبداللہؓ بن ابی سرح نے بغیر سوچے سمجھے ہی چڑھائی نہیں کردی بلکہ پورے غور و فکر اور سوچ بچار کے بعد اس کام کا بیڑہ اٹھایا۔ انہوں نے پہلے چھوٹے چھوٹے لشکر بھیجے تاکہ رومیوں کی طاقت کا اندازہ ہو سکے جب لڑائی ٹھن گئی تو رومیوں کے سردار غرنیوار نے اپنی فوج میں یہ اعلان کیا کہ جو شخص ابن ابی سرحؓ کو قتل کرے گا، میں اپنی بیٹی کی شادی اس سے کروں گا اور اس کو ایک ہزار انعام دوں گا۔

جب ابن ابی سرحؓ کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے بھی اپنے لشکر میں یہ منادی کرادی کہ جو شخص غرنیوار کو قتل کرے گا میں اس کو ایک ہزار دینار انعام دوں گا اور اس کی بیٹی کی شادی اس سے کردوں گا۔

صبح کے وقت سبیطلہ کے قریب رومیوں اور عربوں کے درمیان زبردست معرکہ شروع ہوا سبیطلہ جنوبی تیونس کے مشرقی علاقہ کا مشہور شہر ہے جو آج تک اپنی قدیم جگہ پر واقعہ ہے۔ رومیوں کی تعداد عربوں سے کہیں زیادہ تھی لیکن مسلمانوں نے ہمت نہ ہاری اور بڑے حوصلہ اور جواں مردی سے میدان میں ڈٹے رہے جب مسلمانوں نے دیکھا کہ لڑائی تیز سے تیز تر ہوتی جارہی ہے اور ہماری فتح کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تو ابن زبیرؓ نے ابن ابی سرحؓ کو یہ صلاح دی کہ فوج کا ایک حصہ میدان جنگ سے ہٹا لیا جائے اور باقی فوج دشمن سے لڑتی رہے، جب دشمن کی فوج تھک جائے تب بقیہ تازہ دم فوج کو میدان میں لایا جائے اور اس طرح دشمن کو تباہ و برباد

کر دیا جائے۔

ادھر ابن زبیرؓ نے رومی سپہ سالار پر تاک لگائی اور چند سواروں کو اپنے ساتھ لے کر اس پر حملہ کر دیا۔ وہ اس اچانک حملہ سے سنبھل نہ سکا اور ابن زبیرؓ کے نیزے نے اس کا کام تمام کر دیا۔ اس کے قتل سے رومیوں کی ہمت چھوٹ گئی اور مسلمانوں کے حوصلے پہلے سے بھی بلند ہو گئے انہوں نے رومیوں پر فوراً ایک زبردست حملہ کر دیا اور ان کی صفوں کی صفیں کاٹ کر رکھ دیں رومی اس حملے کی تاب نہ لا سکے اور بے تحاشا بھاگنا شروع کر دیا۔ مسلمانوں نے ان کا میلوں تعاقب کیا، سینکڑوں رومیوں کو قتل اور ہزاروں کو قیدی بنالیا۔ اس طرح عربی لشکر سبیطلہ اور اس کے قلعہ پر قابض ہو گیا۔

فتح حاصل ہونے کے بعد عبداللہ بن ابی سرح سبیطلہ میں ٹھہرے رہے اور اسے اپنی فوجی سرگرمیوں کا مرکز بنا کر شمالی جنوبی اور مشرقی علاقوں میں فوجیں بھیجنی شروع کر دی ان کے لشکر قصصہ، سبت کے غشمت کے قلعوں تک پہنچ گئے۔ ابن زبیر نے ساحل کا رخ کیا وہاں پہنچ کر سوسو پر حملہ کیا اور اس کو فتح کیا۔

رومی کوئی چارۂ کار نہ دیکھ کر پہاڑوں میں جا چھپے۔ انہوں نے اپنے انجام پر نظر کر کے یہ فیصلہ کیا کہ ابن ابی سرحؓ کو یہ پیشکش کی جائے کہ وہ ان سے تین سو قنطار سونا لے کر ان کے علاقہ سے دست بردار ہو جائیں چنانچہ ابتدائی بات چیت کے بعد دونوں فریقوں کی صلح کانفرنس ہوئی جس میں مندرجہ ذیل شرائط طے پائیں:

(۱) رومی تاوان جنگ ادا کریں جس کی مقدار تین سو قنطار سونا ہوگی۔ (۴۳)

(۲) مسلمان ان کے شہروں سے اپنا قبضہ ہٹالیں گے اور اس علاقہ سے نکل جائیں گے۔

(۳) مسلمانوں نے صلح سے قبل جو مال غنیمت حاصل کیا ہوگا وہ انہی کے پاس رہے گا لیکن صلح کے بعد اگر انہوں نے کچھ حاصل کیا ہوگا تو وہ لوٹانا ہوگا۔ (۴۴)

اس جنگ کو دیکھئے، فتح وشکست کے مناظر دیکھئے، پھر شرائط صلح پر ایک نظر ڈالیے اور اگر کہیں بھی مسلمانوں کی زیادتی، ناانصافی ظلم، شقاوت، سفاکی، درندگی اور بہیمیت کا کوئی واقعہ نظر آئے اس کی نشان دہی کر دی لیکن ایسا نہیں ہو سکے گا، مسلمانوں کی زیادتی اور ظلم کی نشان دہی ان کے بدترین نکتہ چین اور عیب جو دشمن بھی نہیں کر سکے، پھر کوئی اور بتا سکے گا؟

یہ بت واپس لے لو:

حضرت عثمانؓ کے عہد میں اسلامی مملکت کے حدود بہت زیادہ وسیع ہو گئے، یہ حدود ایک طرف ہندوستان سے ملتے تھے دوسری طرف شمالی افریقہ کے ساحل سے اور تیسری جانب یورپ کے دروازہ تک، توسیع مملکت کے اس دس سالہ دور میں، بہت سی خون ریز لڑائیاں ہوئیں طرفین کے آدمی قتل اور شہید ہوئے صلح کے معاہدے مرتب ہوئے اور ان معاہدوں پر مفتوحوں نے عمل بھی کیا اور انہیں توڑا بھی جب تک وہ عمل کرتے رہے اسلامی حکومت اپنے ''ذمہ'' کو نباہتی رہی، ان کی سرپرستی کرتی رہی، ان کے ساتھ رحم و کرم کا برتاؤ کرتی رہی اور انہوں نے ان معاہدوں کو توڑا، خیانت کا ارتکاب کیا پیمان شکنی کی تو حکومت اسلامیہ کے قشون قاہرہ، پھر

تلوار سونت کر میدان میں پہنچ گئے لیکن جیسے ہی دشمن نے ندامت کا اظہار یا اطاعت کا اعلان کیا مسلمانوں کی تلوار میان میں چلی گئی بغیر کسی انتقام کے، بغیر کسی سزا کے، بغیر نئے شرائط کے اضافے کے پھر قدیم شرائط پر صلح کر لی گئی، جنھوں نے پیمان شکنی کی تھی پھر ان پر اعتماد کر لیا گیا۔

پھر تو ہو گئیں تری وعدہ خلافیاں
پھر اعتبار ہے مجھے عہد جدید کا

سجستان فتح کرنے کے بعد عبدالرحمانؓ کی فوجیں کابل کی طرف بڑھیں اور کامیابی کے ساتھ مختلف بستیوں اور مقامات کو فتح کرتی ہوئی دور تک پہنچ گئیں یہاں کے لوگ مسلمانوں سے لڑنے کے لیے کوہ روز میں جمع ہوئے عبدالرحمانؓ تو آئے اس لیے تھے انہوں نے اس اقدام کا خیر مقدم کیا اور ان لوگوں کو اپنے محاصرہ میں لے لیا محاصرہ میں آنے کے بعد انہیں اندازہ ہوا کہ یہ جنگ سر نہیں ہو سکتی مسلمانوں سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا جنگ کا نتیجہ تباہی، بربادی اور ہلاکت کے سوا کچھ نہ ہوگا چنانچہ انہوں نے صلح کی استدعا کی جو منظور کر لی گئی۔

اس پہاڑ میں ایک طلائی بت نصب تھا، یہ بت کھوکھلا نہیں، اس کی آنکھیں یاقوت سرخ کی تھیں اور جسم ٹھوس سونے کا عبدالرحمانؓ ایک فاتح کی حیثیت سے جب وارد ہوئے تو ان کی نظر اس بت پر پڑی، وہ آگے بڑھے انہوں نے بت کے ہاتھ قطع کر دیے اس کی آنکھیں نکال لیں اور وہاں کے مرزبان یعنی سردار قوم سے فرمایا:

''تم نے دیکھ لیا، یہ بت کچھ نہیں کر سکتا، نہ نفع پہنچ سکتا ہے، نہ نقصان، میں اسے لینا نہیں چاہتا، لے جاؤ تم اسے۔'' (۴۵)

چنانچہ بت واپس کر دیا گیا صلح نامہ پر دستخط ہو گئے اور وہاں کے باشندوں کو وہی حقوق حاصل ہو گئے جو عملی طور پر مسلمانوں کو حاصل تھے۔

ذمیوں کے سبب عمروؓ بن العاص کی معزولی:

عمروؓ بن العاص کو حضرت عثمانؓ نے معزول کر دیا، اس معزولی کے متعدد اسباب بیان کیے جاتے ہیں اور تاریخی تلاش و تفحص کے بعد گو ان کی فہرست مختصر رہ جاتی ہے لیکن اس کا تنوع بہر حال قائم رہتا ہے لیکن ان اسباب میں ایک اہم ترین سبب یہ تھا کہ اسکندریہ کی بغاوت کچلنے کے سلسلے میں انہوں نے ذمیوں پر زیادتیاں کیں گو یہ ذمیہ معصوم نہیں تھے، موقع پرست اور قابل اعتبار تھے لیکن جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا کے حدود سے تجاوز کرنا بہر حال روح اسلام کے منافی تھا اور حضرت عثمانؓ جیسا شخص، مسند رسولؐ پر بیٹھ کر اس زیادتی کو بھی نہیں برداشت کر سکتا تھا چنانچہ جن ذمیوں کو عمروؓ بن العاص نے لونڈی اور غلام بنا لیا تھا، حضرت عثمانؓ نے انہیں۔

(۱) آزاد کیا۔

(۲) اور ان کے مستقر پر واپس کر دیا۔

(۳) اور عمروؓ بن العاص سے مصر کی ولایت چھین لی۔ (۴۶)

اس واقعہ سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اسلام کی نظر میں مسلمانوں کی پناہ میں آئے ہوئے ذمیوں کی کیا حیثیت اور کتنی زیادہ اہمیت ہے یہ واقعہ اس زمانہ کا ہے جب دوسری قومیں اور ملتیں محکوموں کے ساتھ ذرا ذرا سی باتوں پر سفاکانہ برتاؤ کی عادی تھیں اور رواداری، فراخ حوصلگی اور سیر چشمی کا یہ برتاؤ کرنے والے مسلمان جب بھی کافروں کے پنجہ میں گرفتار ہوئے تھے تو ان کی اس خصوصیت کو نظر انداز کر کے زیادہ سے زیادہ ہدف انتقام بنایا جاتا تھا، لیکن ان واقعات سے وہ ذرا بھی بددل نہیں ہوتے، اپنا فریضہ عزم وحوصلہ سے بے نیاز ہوکر وہ ہر حال میں انجام دیتے تھے۔(۴۷)

دبیل کے کافروں سے عہد نامہ:

حبیب بن مسلمہ نے فتح وکامرانی کے بعد دبیل کے عیسائیوں، یہودیوں اور مجوسیوں سے جو عہد نامہ کیا تھا، وہ تاریخ کا ایک زریں ورق ہے، مجوس اگرچہ اہل کتاب نہیں تھے لیکن ان کے ساتھ وہی سلوک کیا گیا جو اہل کتاب کے ساتھ کیا جاتا تھا اس معاہدہ کی روح تمام تر رواداری اور عفو وکرم ہے اس کا ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جس سے تشدد اور انتقام کی بو آتی ہو۔ تفصیل یہ ہے:

حبیب بن مسلمہ یہاں سے چل کر (بہ عہد عثمان غنیؓ) از وساط (۴۸) پہنچے یہ القریز کا قریہ تھا اور نہر الاکراد عبور کر کے مرج دبیل پر اترے اپنا رسالا (شہر کی طرف) بھیجا، پھر خود آگے بڑھے اور اس کے دروازہ پر خیمہ زن ہوئے اہل شہر نے قلعہ گیر ہوکر ان پر سنگباری شروع کی لیکن جب انہوں نے ان پر منجنیق سے سنگباری شروع کی تو وہ امان مانگنے لگے اور صلح کے خواستگار ہوئے اور ان سے صلح کر لی گئی ان کے سوار ترک تازیاں کرتے ہوئے جرنی پہنچے پھر انہوں نے اشوش اور ذات اللجم دسیس کو ستہ وواری الاحرار پر چھاؤنی چھائی اور دبیل کے تمام دیہات پر غالب ہوگئے انہوں نے سراج طیر و بغروند کی طرف بھی فوج بھیجی یہاں کا بطریق ان کے پاس آیا اور اس سے اس قرارداد پر صلح کر لی کہ وہ خراج دے گا مسلمانوں کا خیر خواہ رہے گا ان کی مہمان داری کرے گا اور ان کے دشمنوں کے خلاف ان کی مدد کرے گا دبیل کا صلح نامہ یہ تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حبیب بن مسلمہ کی یہ تحریر نصارائے اہل دبیل اور وہاں کے مجوس و یہود کے لیے ہے عام اس سے کہ وہ حاضر ہوں یا غائب میں نے تمہاری جانوں تمہارے اموال، تمہارے کنیسوں، تمہاری عبادت گاہوں اور تمہاری شہر پناہ پر تمہیں امان دی ہے اب تم امان میں ہو اور ہم پر تمہارے ساتھ وفائے عہد فرض ہے حتی کہ تم وفا کرو اور جزیہ وخراج دیتے رہو۔

حبیب بن مسلمہ نے اس پر اپنی مہر لگائی۔(۴۹)

ذرا اس امان کی وسعت دیکھیے جو لوگ حاضر ہیں موقع واردات پر موجود ہیں ان کے لیے تو امن وامان کا پروانہ لکھا ہی جا رہا ہے لیکن جو لوگ شرمسار ہوکر یا اپنے جرائم سے ڈر کر بھاگ گئے ہیں ان تک بھی یہ امان نامہ وسیع ہے اس سے بڑھ کر عفو وکرم اور بخشش و عطا کا نمونہ اور کیا ہوسکتا ہے؟

اللہ اور اس کے ملائکہ کی گواہی:

مسلمان جب کوئی معاہدہ کرتے تھے تو سچائی اور امانت کے ساتھ کرتے تھے ایسا کبھی نہیں ہوتا تھا کہ قلم سے کچھ لکھیں زبان سے

کچھ کہیں اور عمل سے کچھ کریں ان کے قلم، زبان اور عمل میں پوری ہم آہنگی ہوتی تھی۔ یہی حبیب بن مسلمہ جب تفلیس پہنچے اور ایک فاتح اور کشور کشا کی حیثیت سے پہنچے تو وہاں کے باشندوں کے لیے یہ صلح نامہ لکھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ تحریر حبیب بن مسلمہ کی طرف سے اہل تفلیس کے لیے ہے جو جرزان القرمز کے علاقہ تجلیس میں واقع ہے کہ ان کی جانوں اور ان کے معبدوں اور ان کے صومعوں اور انکی نمازوں اور ان کے دین کے لیے امان ہے بشرطیکہ وہ عاجزی کا اقرار کریں اور گھروں کے تمام افراد پر ایک دینار جزیہ دیں تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہوگا کہ جزیہ میں کمی کرنے کی غرض سے کئی گھر ملا کر ایک کرو اور نہ ہمارے لیے یہ جائز ہوگا کہ جزیہ میں اضافہ کرنے کی غرض سے گھروں میں تفریق کریں ہمارا حق یہ ہے کہ تم ہماری خیر خواہی کرو اللہ اور اس کے رسولؐ کے دشمنوں کے مقابلہ میں ہماری مدد کرو اور اہل کتاب کے طعام حلال سے حاجتمند مسلمانوں کی ایک رات کے لیے میزبانی کرو اگر کوئی مسلمان رستہ بھول کر تمہاری طرف آنکلے تو مسلمانوں کی قریب ترین آبادی تک پہنچا دو لیکن اس صورت میں کہ کوئی حائل ہو تمہارے لیے رخصت ہے۔

اگر تم اللہ کی طرف رجوع ہو جاؤ گے اور نماز پڑھنے لگو گے تو تم ہمارے دینی بھائی ہو ورنہ تم پر جزیہ ہے اگر مسلمان کسی دوسری طرف مشغول ہو کر تمہاری حفاظت سے عاجز ہو جائیں اور تمہارا دشمن تمہیں مغلوب کرلے تو اس کے لیے تم ماخوذ نہیں ہو گے اور نہ یہ بات تمہارے عہد کے لیے ناقص ہوگی یہ ہمارے حقوق اور یہ تمہارے فرائض ہیں۔(۵۰)

یہ کوئی وقتی اور مصلحتی معاہدہ نہیں تھا، سچا اور پر خلوص عہد نامہ تھا، اسے زیادہ سے زیادہ موثق اور مولد بنانے کے لیے خدا اور اس کے فرشتوں کی گواہی تک کرادی گئی ہے کیا ایک مسلمان اس سے زیادہ بھی کچھ کرسکتا ہے؟ وجہ نہیں تھی کہ اس کا احترام نہ کیا جاتا۔

معاہدہ از سعدؓ بن ابی سرح:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ عہد نامہ عبداللہ سعد ابن ابی سرحؓ اور نوبہ کے رئیس اور وہاں کے ان تمام باشندوں کے ساتھ قرار پایا ہے جو مقام اسوان سے لے کر اس کے دوسری سمت کی پہاڑی سرحد تک پھیلے ہوئے ہیں۔

متن!

عبداللہ سعدؓ ابن ابی سرح نے اہل نوبہ سے ایک لڑائی کے بعد انہیں امان دے دی ہے اس معاہدہ میں ہماری طرف سے "صعید مصر" (۵۲) کے مسلمان وہاں کے ذمی اور مصر کے دوسرے ضلعوں کے مقیم مسلمان یا تو مسلم اور ذمی بھی شریک ہیں۔

اے اہل نوبہ!

اب سے تم اللہ اور اس کے رسول محمد النبی ﷺ کی پناہ میں ہو بایں معنی کہ:

(الف) نہ ہم تمہارے ساتھ لڑائی کریں گے۔

(ب) اور نہ تمہیں مرعوب کرنے کے لیے لشکر لائیں گے۔

اور ہماری طرف سے تم پر مندرجہ ذیل شرائط عائد کی جاتی ہیں۔

(۱) اگر تم ہماری بستیوں یا علاقہ سے گزرو تو اقامت کیے بغیر آگے بڑھ جاؤ۔

(۲) اور اسی طرح اگر ہم تمہاری بستیوں سے گزریں تو اقامت کیے بغیر آگے نکل جائیں۔

(۳) لیکن تمہاری بستیوں میں گزرنے والے مسلمان یا ہمارے معاہد کی حفاظت تم پر لازم ہوگی۔

(۴) اگر مسلمانوں کا کوئی غلام بھاگ کر تمہارے ہاں آ پہنچے تو اسے ہمراہ لا کر ہمارے سپرد کرنا ہوگا مبادا اس غلام پر قبضہ یا اس کے گرفتار کنندہ مسلمان سے تعرض کرو۔

(۵) تمہاری سرزمین میں مسلمانوں نے جو مسجدیں تعمیر کی ہوں ان مسجدوں کی حفاظت، صفائی، ان میں روشنی اور ان کی تعظیم تم پر عائد کی جاتی ہے۔

(۶) تم سالانہ ۳۶۰ عدد غلام مسلمانوں کے حضور جزیہ میں پیش کرو، مگر یہ غلام بربری (۵۳) ہوں۔
ان غلاموں میں ظاہری کوئی کجی نہ ہو (جیسے کانے، بہرے، گونگے، لنگڑے، لولے اور اندھے نہ ہوں)

(۷) ان غلاموں میں مرد اور عورت دونوں قسمیں ہوں مگر نابالغ بچے، بوڑھی عورتیں اور بوڑھے مرد نہ ہوں۔

(۸) یہ غلام اسوان میں ہمارے متعینہ صوبہ دار کے حوالے کیے جائیں۔

(۹) اگر تم نے مسلمانوں کے کسی غلام کو پناہ دی۔

(۱۰) مسلمان یا ہمارے معاہد کو قتل کیا۔

(۱۱) جو مسجدیں مسلمانوں نے تعمیر کی ہیں انہیں مسمار کر دیا۔

(۱۲) مقررہ جزیہ (۳۶۰ غلاموں) میں کمی کر دی۔

تب! امان اور صلح دونوں ختم کر دیے جائیں گے پھر فریقین میں جو فیصلہ خدا کرے! وھو خیر الحاکمین!

ہم پابند ہیں خدا کے حکم اور اس کے میثاق اور اس کی پناہ کے اور پابند ہیں ہم اس کے رسول محمد ﷺ کی پناہ کے۔

اسی طرح تم پابند ہو اپنے دین کے مطابق حضرت مسیح، ان کے حواریوں اور اپنے اکابر اہل دین اور ملت کے احکام کے.... !اللہ الشاھد بیننا و بینکم علیٰ ذلک (اس معاہدہ پر فریقین کے درمیان خدا شاہد ہے)

کاتب: عمرو بن شرجیل

تاریخ تحریر: ماہ رمضان ۳۱ھ

فرمان حضرت عثمانؓ (امیر المومنین) بنام ولید بن عقبہ گورنر کوفہ:

مصر سے عمروؓ بن العاص کے عزل اور سعدؓ بن ابی سرح کے تقرر نے روم کے مسیحیوں کو اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کرنے پر پھر آمادہ کر دیا اس موقع پر حضرت عثمانؓ نے عمروؓ بن العاص کو (مکہ میں) لکھا آپ مصر میں سپہ سالار افواج کی حیثیت سے تشریف لے

جائیے عمرؓ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ "مرکھنی گائے کے سینگ میں تھامے رہوں اور سعدؓ اس کا دودھ نکال کر نوش فرمائیں! معاف فرمائیے!" عمرؓ کے انکار پر عثمانؓ نے گورنر کوفہ کو یہ حکم دیا:

"معاویہ بن ابوسفیانؓ نے میری طرف اس مضمون کا خط بھیجا ہے کہ رومی مصر پر لشکر جرار لے کر مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کے لیے نکل آئے ہیں میری رائے میں کوفہ کے مسلمانوں کو اپنے مصری مسلمان بھائیوں کی مدد کرنا چاہیے۔ جہاں بھی آپ مقیم ہوں یہ خط پہنچنے کے ساتھ ۸۔۱۰ ہزار دلاور مسلمانوں کا لشکر ان کی امداد کے لیے بھجوا دو۔"

عتاق:

حضرت عثمانؓ جتنے بڑے دولت مند تھے اتنے ہی زیادہ سخی، فیاض اور سیر چشم بھی تھے۔ وہ لوگوں کی مدد کرتے تھے، غریبوں کے کام آتے تھے، عزیزوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے تھے، دوستوں اور ساتھیوں کی امداد کرتے تھے جسے تباہ حال اور آشفتہ روزگار دیکھتے تھے دل و جان سے اس کی اعانت پر آمادہ ہو جاتے تھے، ابتدائے اسلام میں قدم قدم پر آپؓ نے زور گوہر نثار کیے، تاجدار نبوت کی خدمت میں اکثر آپؓ اپنی پونجی فخر و مسرت کے ساتھ نذر کیا کرتے تھے، غزوات احیاء کے موقع پر آپؓ کی مالی امداد ہمیشہ دوسروں سے زیادہ رہی، خدا کی راہ میں آپ نے دو لاکھا شرفی کی جائیداد معتق فرما دی تھی۔ (۵۴)

غلاموں کی مشکلوں اور بے بسی پر آپؓ کا دل کڑھا کرتا تھا، آپؓ کا معمول تھا کہ ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کرتے تھے۔

غلاموں کے ساتھ آپؓ کا برتاؤ حد درجہ شفقت اور رحم و کرم کا تھا، آپؓ بہت بڑے دولت مند تھے گھر میں غلاموں کی کھیپ کی کھیپ موجود تھی لیکن عالم یہ تھا کہ رات کو تہجد کے وقت عبادت کے لیے اٹھتے، خود ہی پانی لیتے اور وضو کر لیتے۔ آپؓ سے کہا گیا، آخر یہ اتنے غلام کس لیے ہیں کیوں نہیں ان میں سے کسی کو آپؓ جگا لیتے؟ جواب میں آپؓ نے فرمایا:

میں ان کے آرام میں خلل نہیں ڈالنا چاہتا رات آرام کے لیے ہے۔ (۵۵)

غرض عہد عثمانیؓ پر ایک سرسری نظر اگر ڈالی جائے تو با آسانی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس عہد میں بھی عہد رسالتؐ کی طرح اور دور صدیقیؓ و فاروقیؓ کی طرح غیر مسلموں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ مراعات اور رواداری کا برتاؤ کیا گیا، انہیں کسی طرح کی تکلیف نہیں دی گئی، ان پر کوئی ظلم نہیں کیا گیا، ان کی ہر طرح سے پاسبانی اور نگہداشت کی گئی۔

﴿حواشی وحوالہ جات﴾

(۱) عسقلانی، حافظ، ابن حجر/ فتح الباری، کتاب المناقب

(۲) جلال الدین سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص ۱۵۲

(۳) محمد ادریس کاندھلوی، سیرۃ المصطفیٰ، ص ۱۶۵ تا ۱۶۷

(۴) جلال الدین سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص ۱۵۶ تا ۱۵۳

(۵) علی متقی ہندی، کنز العمال، ج ۱۳، ص ۳۳

(۶) جلال الدین سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص ۱۵۴، ۱۵۵

(۷) ابوالکلام آزاد، انسانیت موت کے دروازے پر، ص ۷۳، ۷۵

(۸) شمس الدین سرخسی، المبسوط، قاہرہ "مطبعۃ السعادۃ" ۱۳۳۱ھ، ج ۳، ص ۱۹

(۹) القرآن: ۴:۳

(۱۰) علی متقی ہندی، کنزل العمال، ج ۱۳، ص ۵۳

(۱۱) ایضاً: ج ۱۳، ص ۴۳

(۱۲) علی متقی، کنزل الاعمال، ج ۱۳، ص ۳۷، ۳۸

(۱۳) امام ترمذی، جامع الترمذی، ج ۲، ص ۲۱۱

(۱۴) علی متقی ہندی، کنزل الاعمال، ج ۱۳، ص ۳۰

(۱۵) امام ابوعیسیٰ ترمذی، جامع الترمذی، ج ۲، ص ۲۱۱

(۱۶) نور محمد غفاری، اسلام کا قانون محاصل، ص ۵۰

(۱۷) محمد سعد اللہ، بنیادی ضروریات زندگی اور اسلام، ص ۳۵۹

(۱۸) رفیع اللہ شہاب، اسلامی ریاست کا مالیاتی اور بینکاری نظام، لاہور، دوست ایسوسی ایٹس، ۱۹۹۶ء، ص ۶۵

(۱۹) امام بخاری، صحیح بخاری، ج ۱، ص ۲۳۷

(۲۰) ابوالکلام آزاد، انسانیت موت کے دروازے پر، ص ۲۲

(۲۱) محمد سعد اللہ، بنیادی ضروریات زندگی اور اسلام، ص ۳۶۰

(۲۲) ابوالقاسم دلاوری، سیرت ذی النورین، ملتان، کتب خانہ صدیقیہ، (س ـ ن) ص ۵۴

(۲۳) جلال الدین سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص ۱۶۰

(۲۴) علی متقی ہندی کنز العمال، ج ۱۳، ص ۳۲ـ۳۳

(۲۵) نور محمد غفاری، اسلام کا قانون محاصل، ص ۱۲۸

(۲۶) محمد یوسف الدین، اسلام کے معاشی نظریے، ج ۲، ص ۳۵۱

(۲۷) ابوعبید قاسم بن سلام، کتاب الاموال، ص ۲۵۶ نمبر ۵۸۴

(۲۸) ابوعبید قاسم بن سلام، کتاب الاموال، ص ۲۵۵ نمبر ۵۸۶

(۲۹) جلال الدین سیوطیؒ، تاریخ الخلفاء، ص ۱۶۹، ۱۷۰
(۳۰) جلال الدین سیوطیؒ، تاریخ الخلفاء، ص ۱۶۷
(۳۱) رفیع اللہ شہاب، اسلامی ریاست کا مالیاتی اور بینکاری نظام، ص ۲۶
(۳۲) فتوح البلدان: ص ۱۳۶
(۳۳) فتوح البلدان
(۳۴) ابن خلدون
(۳۵) کامل ابن اثیر
(۳۶) کامل ابن اثیر
(۳۷) ایضا
(۳۸) کامل ابن اثیر
(۳۹) فتوح البلدان، ص ۱۰۹
(۴۰) فتوح البلدان
(۴۱) معجم البلدان
(۴۲) فتوح البلدان
(۴۳) خلفائے محمدؐ حصہ سوم، سیرت عثمان
(۴۴) ایضا
(۴۵) طبری
(۴۶) یعقوبی، ج ۱
(۴۷) کامل، ابن اثیر
(۴۸) ابن سرحل، ص ۱۱۱
(۴۹) فتوح البلدان، ص ۲۲۵
(۵۰) فتوح البلدان، ص ۲۲۷
(۵۱) مصر کے فاتح عمرو ابن العاص ہیں جو حضرت عمرؓ کی وفات تک مصر پر گورنر بھی رہے اب حضرت عثمانؓ نے عمرو کو معزول کر کے اپنے سوتیلے بھائی سعد ابن ابی سرح کو وہاں کا گورنر مقرر کیا۔
(۵۲) "صعید مصر" وہاں کے ایک خطہ کا نام ہے
(۵۳) بربری نہایت سرکش اور بغاوت پیشہ قوم تھی ان کی سرکشی توڑنے کے لیے یہ جزیہ مقرر کیا گیا
(۵۴) ابن سعد، ج ۳
(۵۵) ابن سعد، ج ۳

باب چہارم

﴿فصل چہارم﴾

عہد علی مرتضیٰؓ کے معاہدات اور صلح حدیبیہ

تعارف:

امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰؓ:

نام، نسب، خاندان:

علی نام، ابوالحسن اور ابوتراب کنیت، حیدر (۱) لقب، والد کا نام ابو طالب اور والدہ کا نام فاطمہ تھا۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔ علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی۔ چونکہ ابو طالب کی شادی اپنے چچا کی لڑکی سے ہوئی تھی، اس لیے حضرت علیؓ نجیب الطرفین ہاشمی اور آنحضرت ﷺ کے حقیقی چچازاد بھائی تھے۔

خاندانِ ہاشم کو عرب اور قبیلہ قریش میں جو وقعت وعظمت حاصل تھی، وہ محتاج اظہار نہیں۔ خانہ کعبہ کی خدمت اور اس کا اہتمام بنو ہاشم کا مخصوص طغرائے امتیاز تھا اور اس شرف کے باعث ان کو تمام عرب میں مذہبی سیاست حاصل تھی۔

حضرت علی مرتضیٰؓ کے والد ابو طالب مکہ کے ذی اثر بزرگ تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان ہی کی آغوش شفقت میں پرورش پائی تھی اور بعثت کے بعد ان ہی کے زیر حمایت مکہ کے کفرستان میں دعوت حق کا اعلان کیا تھا۔ ابو طالب ہر موقع پر آپؐ کے سینہ سپر رہے اور سرور کائنات ﷺ کو کفار کے پنجۂ ظلم وستم سے محفوظ رکھا۔ مشرکین قریش نے رسول اللہ ﷺ کی پشت پناہی اور حمایت کے باعث ابو طالب اور ان کے خاندان کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں، ایک گھاٹی میں اس کو محصور کر دیا، کاروبار اور لین دین بند کر دیا، شادی بیاہ کے تعلقات منقطع کر لیے، کھانا پینا تک بند کر دیا۔ غرض ہر طرح پریشان کیا، مگر اس نیک طینت بزرگ نے آخری لمحہ حیات تک اپنے عزیز بھتیجے کے سر سے دست شفقت نہ اٹھایا۔

آنحضرت ﷺ کی دلی آرزو تھی کہ ابو طالب کا دل نور ایمان سے منور ہو جائے اور انہوں نے اپنی ذات سے دنیا میں مہبط وحی (ﷺ) کی جو خدمت وحمایت کی ہے اس کے معاوضہ میں ان کو نعیم فردوس کی ابدی اور لا متناہی دولت حاصل ہو، اس لیے ابو طالب کی وفات کے وقت نہایت اصرار کے ساتھ کلمہ توحید کی دعوت دی۔ ابو طالب نے کہا، عزیز بھتیجے! اگر مجھے قریش کی طعنہ زنی کا خوف نہ ہوتا تو نہایت خوشی سے تمہاری دعوت قبول کر لیتا۔ (۲) سیرت ابن ہشام میں حضرت عباسؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ نزع کی حالت میں کلمہ توحید ان کی زبان پر تھا۔

عہدِ مرتضویؓ کے معاہدات اور صلح حدیبیہ:

خلفائے راشدینؓ میں حضرت علیؓ گوناگوں خصائص کے حامل ہیں، آپؓ کی تربیت آغوشِ نبویؐ میں ہوئی، شعور کی آنکھ کھولی تو اپنے ابن عم کو خدائے واحد کی پرستش کرتے، شرک کی مخالفت کرتے اور ہر طرح کی بے سروسامانی کے باوجود، مشرکوں اور کافروں کا مقابلہ کرتے دیکھا، لیکن ایک تماشائی کی حیثیت سے آپ نے بے تامل اسلام قبول کرلیا اور اس راستے میں کسی ایثار اور قربانی سے گریز نہیں کیا۔ کافروں اور مشرکوں سے آنحضرت ﷺ کو جتنی لڑائیاں لڑنی پڑیں، حضرت علیؓ اپنے پورے شکوہ شجاعت کے ساتھ ان میں شریک رہے۔ بدر کی لڑائی میں حضرت علیؓ کا جوشِ شہادت اپنی مثال آپ نظر آتا ہے، اُحد کے معرکہ میں جو گنتی کے چند لوگ آخر وقت تک ثابت قدم رہے، ان میں حضرت علیؓ کا جگمگاتا ہوا چہرہ کتنا روشن دکھائی دیتا ہے۔ جنگ خندق میں، جنگِ بنوقریظہ میں اور پھر جنگِ حنین میں، غرض کسی جنگ اور کسی معرکہ میں حضرت علیؓ کے سرفروشانہ کارنامے تاریخ کا ایک ناقابلِ فراموش واقعہ ہیں! اور ایسا کیوں نہ ہوتا۔ کوہِ صفا پر جب رسول اللہ ﷺ نے وانذر عشیرتک الاقربین کی تعمیل کرتے ہوئے اپنے اہلِ خاندان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

اے بنو مطلب!

میں تمہیں اس سرائے فانی اور عالمِ باقی کی سب سے اچھی اور گراں مایہ نعمت کی طرف دعوت دیتا ہوں، تم میں سے کون ہے جو میرا ساتھ دے؟ تم میں سے کون ہے جو میری رفاقت اور اعانت کا حق ادا کرے؟

محمدؐ کے منہ سے یہ الفاظ نکلے، مگر حاضرین میں سے صرف ایک چھوٹا بچہ آگے بڑھا اس نے کہا۔

''میں اگرچہ کمزور و ناتواں ہوں پھر بھی آپ کا ساتھ دوں گا، آپ کی مدد کروں گا''۔

یہ آواز حضرت علیؓ ابن ابی طالب، اسد اللہ الغالب کی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے تین بار اس سوال کا اعادہ فرمایا اور ہر مرتبہ حضرت علیؓ ہی کا جواب فضا میں گونجا اور کوئی شبہ نہیں عہدِ طفلی سے لے کر آنحضرت ﷺ کی وفات تک حضرت علیؓ نے زندگی کے ہر مرحلے پر آپؐ نے بھائی اور خدا کے رسول کا ساتھ دیا، بڑے سے بڑے خطرہ کی بھی پروا نہ کی اور اپنے عہدِ رفاقت پر قائم رہے۔

اب ہم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حیاتِ گرامی کے چند واقعات پیش کرتے ہیں، یوں تو حضرت علیؓ کی زندگی مجموعۂ صفات تھی، وہ آنحضرتؐ کے دور میں ان تمام ذمہ داریوں سے خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ عہدہ برآ ہوتے رہے جو ایک بھائی، ایک مسلمان اور ایک اُمتی کی حیثیت سے ان پر عائد ہوتی تھیں، یہی وجہ تھی کہ آنحضرتؐ نے انہیں اپنے سے وہ نسبت دی، جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی، (۳) خم غدیر کے موقع پر آپؐ نے حاضرین کو مخاطب کرکے فرمایا:

من کنت مولاہ فعلی مولاہ (۴)

(جس کا میں مولا (دوست) ہوں، اس کا علی بھی مولیٰ ہے)

آں حضرتؐ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں حضرت علیؓ تمام مہمات امور میں ان کے مشیر تھے۔ یہی کیفیت حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی رہی، چنانچہ ایک موقع پر حضرت علیؓ کی اصابتِ رائے اور فراستِ مومن سے متاثر ہوکر انہوں نے

فرمایا:

لو لا علی لھلک عمر

یعنی ''اگر علی نہ ہوتا عمر ہلاک ہو گیا ہوتا!''

پھر حضرت عثمانؓ کے عہد میں بھی وہ برابر الجھے ہوئے معاملات کو سلجھانے کی سعی کرتے رہے۔

چنانچہ عہد جدید کا ایک مورخ ابو الفرح لکھتا ہے!(۵)

تینوں خلفاءؓ کے عہد میں حضرت علیؓ ان سے بے حد قریب تھے اور تینوں کو ان پر بے حد اعتماد تھا۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں وہ آپؓ کے خاص مشیروں میں سے تھے۔ حضرت عمرؓ ہر اہم معاملہ میں ان سے مشورہ لیتے اور احکام شرعیہ میں ان سے استفتاء فرماتے تھے۔ سلطنت کے کاموں میں حضرت علیؓ پوری طرح دخیل تھے۔ آپ کے مشوروں کی قدر کی جاتی تھی، آپؓ کی رائے بڑے غور سے سنی جاتی اور اس پر عمل کیا جاتا تھا۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے ابتدائی سالوں میں بھی حضرت علیؓ امور سلطنت میں اسی طرح دخیل رہے جس طرح حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تھے۔ لیکن جب حضرت عثمانؓ نے بنی امیہ کو مناصب جلیلہ سے نوازنا شروع کیا تو حضرت علیؓ نے اس بات کو ناپسند فرمایا اور اس کے بعد اس دلچسپی سے ملکی معاملات میں حصہ نہیں لیا جس طرح پہلے لیتے تھے۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد خلافت کا بار آپ پر ڈالا گیا اور آپؓ نے یہ منصب طوعاً و کرہاً قبول فرمالیا، لیکن اب حالات بگڑ چکے تھے، فتنہ کا دور دورہ شروع ہو چکا تھا۔ عالم آشوب ہنگامہ آرائیوں کے نہ ختم ہونے والے سلسلہ کا آغاز ہو چکا تھا، خانہ جنگی، تفریق بین المسلمین، سازش اور جنگ زرگری نے عالم اسلام میں ایک عجیب تہلکہ کی سی کیفیت پیدا کر دی تھی، حضرت علیؓ کا عہد خلافت بہت مختصر رہا اور یہ عرصہ بھی فتنہ و آشوب کے مقابلہ اور استیصال میں صرف ہوا، انہیں تعمیری اصلاحی اور توسیعی کام کرنے کی ذرا بھی مہلت نہیں ملی، پھر بھی اگر ایک نظر ہم حضرت علیؓ کی زندگی پر ڈالیں، تو ہمیں معلوم ہو گا، ان حوصلہ فرسا حالات میں بھی وہ اپنے فرائض سے ایک لمحہ کے لئے بھی غافل نہیں ہوئے، مسلمانوں کے ساتھ خلیفۂ راشد کی حیثیت سے ان کا جو برتاؤ تھا، وہ تو تھا ہی، لیکن غیر مسلموں کے ساتھ خاص طور پر ان کا سلوک اس درجہ عادلانہ اور روادارانہ تھا کہ اس کی مثال ملنا مشکل ہے، فقہ حنفی نے غیر مسلموں اور ذمیوں کے سلسلہ میں جو اصول اور قواعد مرتب کئے ہیں ان کی بنیاد اور اساس ہی حضرت علیؓ کا یہ قول ہے کہ ''ذمیوں کا خون ہمارے خون کی طرح (معزز و محترم) ہے!''۔

اب اس سلسلہ میں حضرت علیؓ کی حیات گرامی کے چند واقعات پیش کرتے ہیں۔

عہد مرتضویؓ میں رعایا کی حالت:

رعایا پروری اور انسانیت نوازی کے نقطۂ نظر سے ایک مختصر جائزہ:

حضرت علیؓ جب بیت المال کے مالک اور امیر مطلق تھے، اس وقت کا حال یہ تھا کہ ایک بار برسر منبر مجمع عام میں فرمانے لگے ''من یشتری منی سیفی ھذا فلو کان عندی ثمن ازار مابعتہ'' یعنی یہ تلوار مجھ سے کون خریدے گا اگر میرے پاس ایک تہبند خریدنے کی بھی قیمت ہوتی تو میں اسے فروخت نہیں کرتا۔ ایک شخص نے کہا آپؓ تلوار فروخت نہ کریں ہم آپؓ کو قرض دے دیں

گے، اس سے آپ تہبند خرید لیں۔ امام عبدالرزاق فرماتے ہیں "کانت ہذہ الدنیا الا ما کان من الشام" یعنی یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ ملک شام کے علاوہ (جس پر حضرت معاویہؓ حاکم تھے) باقی ایک بڑی دنیا ان کے ہاتھ میں تھی مگر قصر خلافت میں بیٹھ کر بیت المال سے ایسی ضرورتوں کو نہیں نکالا کرتے تھے۔(۶)

ایک شخص حضرت علیؓ کے دربار خلافت میں ان کے پاس کسی ضرورت سے آیا، دیکھا کہ آپؓ ایک چھوٹے سے مکان میں فروکش ہیں اور ایک پرانی چادر اوڑھے ہوئے ہیں۔ جاڑے کا موسم تھا، راوی کا بیان ہے "وھو یرعد فیھا" یعنی جاڑے کی شدت سے کانپ رہے تھے۔ اس نے کہا آپ بیت المال سے بقدر ضرورت کیوں نہیں لے لیتے، اس قدر سختی کیوں برداشت کرتے ہیں۔ فرمایا یہ سادی اور پرانی چادر گھر سے لایا ہوں۔ مجھے اپنی ضرورت کے لیے بیت المال میں اس کے بقدر بھی نقصان پہنچانا گوارا نہیں ہے۔ اس واقعہ سے ان کی دیانت داری اور امانت پسندی کا حال صاف ظاہر ہے۔(۷)

آپؓ نے عہد خلافت میں جس طرح بیت المال کی چیزوں کی حفاظت فرمائی اس کا اندازہ حضرت ام کلثومؓ کے اس بیان سے کیجئے۔ وہ فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ بیت المال میں نارنگیاں آئیں، حضرت حسنؓ و حسینؓ بھی موجود تھے۔ ایک نارنگی انھوں نے لے لی۔ حضرت علیؓ نے دیکھا تو ان سے چھین لی اور مسلمانوں میں تقسیم کر دی۔(۸)

حضرت علیؓ بیت المال کا مال سب لوگوں میں برابر تقسیم کر رہے تھے۔ ایک شخص نے کچھ زیادہ طلب کیا تو آپؓ نے فرمایا "انما المال مال اللہ و انما اعطاء المال فی غیر حقہ تبذیر و اسراف" یعنی یہ مال اللہ کا مال ہے۔ کسی کو بلا حق کے زیادہ دے دینا اسراف و تبذیر ہے۔ جس کی شریعت میں اجازت نہیں۔(۹)

حضرت علیؓ کی خلافت کے زمانہ میں ایک روز بیت المال میں بہت سا شہد آیا جو مشکوں میں بھرا ہوا تھا۔ اتفاق سے اسی وقت آپؓ کے صاحبزادے حضرت حسنؓ کے یہاں چند مہمان آئے اور روٹی کے ساتھ کھانے کے لئے شہد کی ضرورت پڑی۔ حضرت حسنؓ نے امیر المومنین کے غلام قنبر سے کہا کہ ایک مشک کھول کر تھوڑا سا شہد لاؤ۔ جب شہد تقسیم ہونے لگے تو میرے حصہ سے اتنا وضع کر لینا۔ قنبر نے اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا اور تھوڑا سا شہد وزن کر کے دے دیا۔ تھوڑی دیر میں امیر المومنین حضرت علیؓ نے شہد تقسیم کرنے کے لئے مشکیں منگوائیں۔ ایک مشک میں کچھ شہد کم معلوم ہوا۔ آپؓ نے قنبر سے وجہ دریافت کی۔ اس نے کہا صاحبزادے حسنؓ کے یہاں مہمان آئے تھے۔ انہوں نے تھوڑا سا شہد اس شرط پر منگوا لیا تھا کہ جب تقسیم ہونے لگے تو ان کے حصہ سے اتنا شہد لے لیا جائے۔ یہ سن کر امیر المومنینؓ نہایت خفا ہوئے۔ آپؓ نے حکم دیا کہ حسنؓ فوراً حاضر کیے جائیں۔

حضرت حسنؓ حاضر ہوئے۔ حضرت امیر المومنینؓ نے اظہار خفگی کرتے ہوئے پوچھا، تمہیں بیت المال کی چیز لینے کی جرأت کیسے ہوئی؟ حضرت حسنؓ نے عرض کیا کہ جرات تو نہ ہوتی مگر صرف اس خیال سے کہ شہد میں میرا بھی حصہ ہے تھوڑا سا اس شرط پر منگوا لیا تھا کہ تقسیم کے وقت اتنا واپس کر دوں گا۔ امیر المومنینؓ نے فرمایا کہ ہاں یہ صحیح ہے کہ شہد میں تمہارا بھی حق ہے۔ مگر تقسیم ہونے سے قبل تمہیں اپنا حصہ لینے کا کیا حق تھا۔ اس سوال پر حضرت حسنؓ خاموش ہو گئے۔ امیر المومنینؓ نے فوراً شہد لانے کا حکم دیا اور حضرت حسنؓ نے فوراً شہد لا کر بیت المال میں داخل کر دیا اور مہمانوں کو شہد کھانا نصیب نہ ہوا۔(۱۰)

حضرت علیؓ کے پاس اصفہان سے کچھ مال غنیمت آیا۔ مستحقین میں اس کے حصے تقسیم کیے گئے تو اس میں ایک عمدہ روغنی روٹی بھی

نکلی تو اس کے بھی ٹکڑے کئے اور برابر برابر سب کے حصوں پر رکھ دیا تھا نہ خود لیا نہ اپنے اقربا کو دیا نہ کسی کے حصہ میں کم و بیش (۱۱)

امیر المومنین حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں موتیوں کا ایک ہار آیا اور بیت المال میں داخل کرلیا گیا۔ اس کی خبر آپ کی صاحبزادی کو ہوئی۔ صاحبزادی نے عید کے ایک روز قبل بیت المال کے افسر کے پاس کہلا بھیجا کل عید ہے تمام عورتیں اچھے اچھے لباس اور زیور سے آراستہ ہوں گی۔ میرے پاس کوئی زیور نہیں ہے۔ بیت المال میں جو موتیوں کا ہار آیا ہے تم اسے مجھے دو تا کہ میں عید کے موقع پر اسے پہن لوں۔ اس کے بعد نہایت احتیاط سے واپس کردوں گی۔ بیت المال کے افسر نے جواب دیا کہ میں صرف تین دن کے لئے یہ ہار دے سکتا ہوں۔ صاحبزادی راضی ہوگئیں اور تین کے وعدہ پر افسر نے بھیج دیا۔ عید کے دن اس ہار کو پہنا۔ اتفاقاً اس پر حضرت علیؓ کی نظر پڑ گئی۔ آپؓ نے اسے فوراً پہچان لیا اور دریافت کیا کہ ہار تمھیں کہاں سے ملا ہے؟ صاحبزادی نے عرض کیا کہ یہ ہار بیت المال کا ہے۔ بیت المال کے افسر سے تین دن کے لئے لیا ہے، کل واپس کردوں گی۔ یہ سنتے ہی امیر المومنینؓ نے بیت المال کے افسر کو طلب کیا۔ جب وہ حاضر ہوا تو آپؓ نے فرمایا کہ تم مسلمانوں کی امانت میں خیانت کرتے ہو؟ افسر نے کہا خدا کی پناہ، میں اور مسلمانوں کی امانت میں خیانت کروں، یہ کیونکر ممکن ہے؟ میں نے ہرگز ایسا نہیں کیا۔

امیر المومنینؓ نے کہا کہ تم نے بغیر میری اجازت کے موتیوں کا ہار میری بیٹی کو کیوں دیا؟ افسر نے کہا کہ چونکہ صاحبزادی نے طلب فرمایا تھا اور وہ بھی صرف تین دن کے لئے، اس لئے دے دیا ورنہ ہرگز نہ دیتا۔ امیر المومنینؓ نے فرمایا تم نے غلطی کی، تمھیں مسلمانوں کی رضامندی کے بغیر ایسا کرنا کسی طرح جائز نہ تھا۔ فوراً ہار لے کر بیت المال میں داخل کرو۔ میں اپنی لڑکی سے سخت ناراض ہوں، اگر اس نے تین دن کے وعدے پر نہ لیا ہوتا تو میں چوری کے جرم میں ماخوذ کر کے اس کو سخت سزا دیتا۔ بیت المال کے افسر نے اسی وقت صاحبزادی سے ہار طلب کیا۔ صاحبزادی امیر المومنینؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ عاریت کے طور پر دن بھر کی اجازت چاہی۔ امیر المومنینؓ نے فرمایا بیٹی کیا تم اپنے نفس کی خاطر انصاف کا خون کرنا چاہتی ہو۔ کیا تمام مسلمانوں کی لڑکیاں آج زیور سے آراستہ ہوں گی؟ صاحبزادی خاموش ہوگئیں اور ہار بیت المال کے افسر کو واپس کردیا۔ عید کے دن بھی بطور عاریت ان کے پاس نہ رہنے دیا۔ (۱۲۔الف)

حضرت علیؓ کی سادہ زندگی تو مشہور ہی ہے۔ ایک واقعہ علامہ ابو عبید قاسم ابن سلام نقل کرتے ہیں کہ موسم سرما میں وہ ایک بہت پرانی چادر اوڑھے ہوئے کانپ رہے تھے۔ کسی نے اعتراض کیا۔ فرمایا بس یہی موٹی اور سادی چادر مجھے میسر ہوسکتی ہے اس کے علاوہ کوئی دوسری چادر میرے گھر میں نہیں (۱۲۔ب)

حضرت علیؓ کھانے میں موٹا جھوٹا کھاتے تھے۔ علامہ شعرانی لکھتے ہیں "کان یعجب من اللباس ما قصر ومن الطعام ما خشن" یعنی کپڑا کم وسعت والا اور کھانا بھی موٹا جھوٹا پسند کرتے تھے۔ (۱۳)

حضرت علیؓ نے ایک بار عاصم نامی ایک شخص کو ڈانٹا کہ تم نے ٹاٹ اور کمبل وغیرہ پہن کر اور لذیذ کھانوں کو چھوڑ کر ایسی سخت زندگی کیوں اختیار کی؟ عاصم نے جواب دیا "فما بالک فی خشونۃ ما کلک وخشونۃ ملبسک" یعنی پھر آپؓ نے اپنے کھانے کپڑے میں ایسی درشتی و تنگی کیوں اختیار کی ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا میرا حال تم سے جدا ہے۔ خداوند کریم نے امراء خلفاء پر یہ فرض عائد کیا ہے کہ وہ غریب اور عوام جیسی زندگی گزاریں اور عیش و راحت کی پر تکلف معاشرت کے ذریعہ خود کو عوام سے ممتاز تر بنا

لیں۔(۱۴)

حضرت علیؓ اور رعایا پروری/مفادِ عامہ پر مبنی نظام مالیات:

حضرت علیؓ کا وجود رعایا کے لیے سایہ رحمت تھا۔ بیت المال کے دروازے فقراء و مساکین کے لیے کھلے ہوئے تھے اور اس میں جو رقم جمع ہوتی تھی نہایت فیاضی کے ساتھ مستحقین میں تقسیم کر دی جاتی تھی۔ ذمیوں کے ساتھ بھی نہایت شفقت آمیز برتاؤ تھا۔ ایران میں مخفی سازشوں کے باعث بار بار بغاوتیں ہوئیں، لیکن حضرت علیؓ نے ہمیشہ نہایت ترحم سے کام لیا۔ یہاں تک کہ ایرانی اس لطف و شفقت سے متاثر ہو کر کہتے تھے، خدا کی قسم اس عربی نے نوشیروان کی یاد تازہ کر دی۔(۱۵)

تقسیم دولت میں حضرت علیؓ کا فتویٰ

حضرت علیؓ کا ایک فتویٰ جس میں وہ مالداروں پر اپنے معاشرے کے غریب افراد کی کفالت ضروری قرار دیتے ہیں قابل توجہ ہے۔

ان اللّٰہ تعالیٰ فرض علی الاغنیاء فی اموالھم بقدر ما یکفی فقرائھم فان جاعوا و عروا و جھدوا فمنع الاغنیاء و حق اللّٰہ تعالیٰ ان یحاسبھم یوم القیامۃ و یعذبھم علیہ (۱۶)

ترجمہ: ''یقیناً اللہ تبارک و تعالیٰ نے اصحاب دولت و ثروت پر اتنی مقدار میں مال خرچ کرنا (اخلاقی) فرض قرار دیا ہے جو ان کے ضرورت مند افراد کی کفالت کر سکے۔ پس اگر لوگ بھوکے اور برہنہ اور سخت تکالیف سے دوچار ہوں تو اس کی بنیادی وجہ مالداروں کی طرف سے فقراء کے حق کی عدم ادائیگی کے سوا کچھ نہیں۔ اب اللہ کے ذمہ یہ حق ہے کہ اس کوتاہی پر بروز قیامت اغنیاء سے باز پرس فرمائیں اور ان کو عذاب میں مبتلا فرمائیں''۔

اس روایت سے ملتی جلتی ایک روایت تاریخ بغداد کے حوالے سے کنز العمال میں یہ بھی ملتی ہے کہ:

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اکرمؐ سے سنا کہ اللہ نے فقراء کے واسطے مالداروں کے اموال میں اتنی مقدار فرما دی ہے کہ وہ فقر کے لیے کافی ہو۔ پس اگر مالداروں نے اس مقدار فرض کو ان سے روک لیا ہے یہاں تک کہ وہ بھوکے اور ننگے ہو گئے اور سخت مشقت میں پڑ گئے تو اللہ تعالیٰ مالداروں سے سخت حساب لے گا اور ان کو بہت بڑا عذاب دے گا۔(۱۷)

ان روایات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے صاحب محلی ابن حزم ظاہری لکھتے ہیں:

''ہر ایک بستی کے ارباب دولت کا فرض ہے کہ وہ غرباء کی معاشی زندگی کے کفیل ہوں اور اگر مالی فئی ان غرباء کی معاشی کفالت کو پورا نہ کرے تو بادشاہ وقت ارباب دولت کو اس کفالت کے لیے مجبور کر سکتا ہے اور ان کی زندگی کے اسباب کے لیے یہ انتظام ضروری ہے کہ ان کی ضروریات کے مطابق روٹی مہیا ہو، پہننے کے لیے گرمی اور سردی دونوں موسم کے لحاظ سے لباس فراہم ہو اور رہنے کے لیے ایک ایسا مکان ہو جو ان کو بارش، گرمی، دھوپ اور سیلاب جیسے امور سے محفوظ رکھ سکے''۔(۱۸)

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

یہاں یہ بات قابل وضاحت ہے کہ کچھ لوگوں کو اس قسم کی روایات سے یہ اشتباہ ہوا ہے کہ شاید حضرت علیؓ زکوٰۃ کی مقدار منصوص میں کچھ اضافہ کرنا چاہتے ہیں یا یہ کہ فقراء کی ضرورت کی شدت میں اس کا تناسب بڑھتا یا گھٹتا ہے اور اس کی گنجائش موجود ہے، تو اس

قسم کی روایات کا تعلق ہرگز مقدار زکوٰۃ سے نہیں، البتہ صدقات نافلہ کے ذریعہ ایسے مواقع پر فقراء کی حاجت روائی کو اخلاقی فریضہ قرار دی گیا ہے تو اس کا اصل اور صحیح مطلب یہ ہوگا کہ حضرت علیؓ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ زکوٰۃ کی مقدار واجب کو پابندی سے ادا کرنے اور اسے صحیح مصرف فقراء و مساکین میں تقسیم کرنے سے غربت اور افلاس تو ختم نہیں ہو سکتی، اس لیے اصحاب اموال کے ذمہ میں مقدار واجب کے علاوہ اتنا مال فقراء و حاجت مندوں پر خرچ کرنا ضروری ہے جس سے زیادہ سے زیادہ غربت کا خاتمہ ہو سکے اور محتاج لوگوں کی غربت دور ہو سکے اگر وہ زکوٰۃ کی مقدار واجب کو ادا نہیں کرتے یا مقدار واجب کو ادا کرنے کے بعد انفاق مطلق سے لوگوں کی جائز ضروریات اور حاجات پوری نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ ایسے مالداروں کو سخت عذاب دے گا اور ان سے اس کا حساب لیا جائے گا جس سے یہ واضح ہوا کہ یہ حدیث مقدار زکوٰۃ کی مقدار واجب میں اضافہ کے لیے نہیں بلکہ انفاق مطلق کی ترغیب کے لیے ہے۔ لیکن حضرت علیؓ کی اس روایت سے یہ استدلال کرنا کہ حضرت علیؓ کسی شرح زکوٰۃ کے پابند تھے، دعویٰ بلا دلیل ہے، بلکہ حضرت علیؓ پر سراسر بہتان ہے۔ (۱۹)

حضرت علیؓ کی مالیاتی پالیسی:

حضرت علیؓ اپنی خلافت کے زمانے میں بیت المال سے ماہانہ (پانچ ہزار درہم (سالانہ) لینے لگے۔ (۲۰) فیئ کے بارے میں حضرت علیؓ کا طرز عمل بھی حضرت ابو بکرؓ کی طرح مساویانہ تقسیم ہی تھا۔ (۲۱) ایک مرتبہ حضرت علیؓ بیت المال میں داخل ہوئے اور انہوں نے اسے بے وقعت چیز سمجھتے ہوئے فرمایا:

"میں شام ہونے سے پہلے پہلے تیرے اندر ایک درہم بھی باقی نہ چھوڑوں گا"۔

پھر انہوں نے بنی اسد کے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ اس کا مال تقسیم کر دے اور اس نے وہ مال تقسیم کر دیا۔ حتیٰ کہ شام ہو گئی۔ ان سے کہا گیا:

"امیر المومنین! اگر آپؓ اس کو کچھ معاوضہ دے دیں تو کیسا رہے گا؟ فرمایا یہ اس کی مرضی پر ہے مگر یہ حرام ہے"۔ (۲۲)

نومولود کا وظیفہ:

ایک شخص کہتا ہے کہ میرے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا تو میں حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہوں نے اس نومولود کا اندراج سو (درہم) والوں کی فہرست میں کرا دیا۔

تمیم بن مسیح کہتے ہیں کہ میں حضرت علیؓ کے پاس راہ میں پڑا ہوا ایک بچہ اٹھا کر لے گیا اور انہوں نے اس کا اندراج سو (درہم) والوں کی فہرست میں کر دیا۔ (۲۳)

آپؓ نے جو مالی پالیسی اور دستور مقرر فرمایا تھا، وہ وہی تھا جسے آپؓ نے بیعت کے بعد اپنے خطبہ میں بیان کیا تھا: "لوگو! میں تم ہی میں سے ایک آدمی ہوں، جو حقوق تمہارے لیے ہیں وہی میرے لیے بھی ہیں اور جو ذمہ داریاں تم پر عائد ہوتی ہیں وہ مجھ پر بھی عائد ہوتی ہیں۔ میں تمہیں تمہارے نبیؐ کے طریقے پر چلاؤں گا۔ سن لو! عثمانؓ نے جتنی جاگیریں عطا کی ہیں اور اللہ کے مال میں سے جتنا مال بھی لوگوں کو انعام و اکرام کے طور پر دیا ہے، وہ بیت المال میں واپس لایا جائے گا کیوں کہ حقیقت کو کوئی چیز نہیں بدل سکتی۔ اگر میں

نے یہ دیکھا کہ اس مال کے ذریعے عورتوں سے شادی کی جا چکی ہے یا لونڈیاں خریدی جا چکی ہیں یا اس مال کو مختلف ملکوں میں پھیلایا جا چکا ہے تو بھی میں اسے واپس لاؤں گا کیوں کہ عدل میں بڑی وسعت ہے اور جس کے لیے حق تنگ ثابت ہو اس کے لیے ظلم وجور اور زیادہ تنگ ہوگا"۔

"لوگو! آگاہ رہو، ایسا نہ ہو کہ کل کو تم میں سے وہ لوگ جن پر دنیا چھا گئی اور وہ عمارتوں کے مالک بن گئے، جن لوگوں نے نہریں نکالیں، گھوڑوں پر سواری کی، غلام چھوکروں کو خدمت گار بنایا، انہیں جب اس عیش وعشرت سے محروم کر دوں اور ان کے اصل حقوق کی حدوں میں واپس لاؤں تو وہ کہنے لگیں کہ ابن ابی طالب نے ہمیں ہمارے حقوق سے محروم کر دیا۔ سنو! رسول اللہ ﷺ کے صحابی مہاجرین وانصار میں سے جو کوئی بھی یہ سمجھتا ہے کہ صحبت رسول کی وجہ سے اس کو دوسری پر فضیلت حاصل ہے، وہ جان لے کہ یہ فضیلت کل کو اللہ کے حضور کام آئے گی اور وہی اس کا اجر وثواب عطا کرے گا"۔ آگاہ رہو کہ جس شخص نے بھی خدا اور اس کے رسول کی دعوت پر لبیک کہی، ہماری ملت کی تصدیق کی، ہمارے دین میں داخل ہوا اور ہمارے قبلہ کی طرف رخ کیا، وہ اسلام کے دیے ہوئے حقوق کا مستحق اور اس کی مقرر کردہ حدود کا پابند ہو گیا۔ تم سب اللہ کے بندے ہو اور یہ مال اللہ کا مال ہے جو تمہارے درمیان مساوی طور پر تقسیم کیا جائے گا۔ اس سلسلے میں کسی کو کسی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ متقی لوگوں کے لیے اللہ کے پاس بہترین جزا ہے۔(۴۴)

حضرت علیؓ کے عہد میں تقسیم دولت:

حضرت علیؓ نے اپنی رعایا سے جو انصاف کا وعدہ کیا تھا اور دولت کی سطح کو ہموار کرنے کے لیے جو کہا تھا اس کو عملی جامہ بھی پہنایا۔ آپؓ کے اس خطبہ کا لب لباب یہی تھا کہ لوگوں میں عطایا کی تقسیم مساویانہ طریقے پر ہو فقط ریاست کا بیت المال بھرنا مقصود نہ تھا بلکہ آپؓ کا نظریہ تھا کہ بیت المال سب مسلمانوں کی مشترکہ جائیداد ہے۔ اس لیے سب کو اس سے وافر حصہ دیا جانا چاہیے۔ محض کسی دینی برتری کی بناء پر تقسیم عطایا میں کمی زیادتی نہ ہو اور آپؓ نے جس طرح لوگوں سے کہا تھا یہ مال اللہ کا ہے، تمہارے درمیان مساویانہ تقسیم ہونا چاہیے تو آپؓ نے ایسا ہی کیا۔

"ابو حکیم صاحب الحنا اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے ایک سال میں تین بار عطیے دیے۔ پھر (اسی سال) ان کے پاس اصفہان سے بھی مال آ گیا تو انہوں نے کہا! لوگو! صبح چوتھے عطیے کے لیے بھی آ جاؤ۔ مجھے یہ حق نہیں کہ تمہارا مال جمع کر کے رکھوں"۔

چناں چہ انہوں نے رسیاں تک بانٹ دیں، جنہیں بعض لوگوں نے قبول کیا اور بعض نے واپس کر دیا"۔(۴۵)

حضرت علیؓ کا ذاتی استغناء:

حضرت علیؓ کی رعایا پروری کی عملی تصویر گزشتہ صفحات میں تفصیل سے گزری۔ آپؓ کا یہی حال تھا کہ اپنی رعایا پر دل کھول کر لٹاتے تھے اور ان کو خوش دیکھ کر خود خوش ہوتے تھے، لیکن خود اپنا حال یہ تھا کہ نظر بن منصور نے عقبہ بن علقمہ سے روایات بیان کی کہ: "میں حضرت علیؓ کے پاس گیا تو ان کے سامنے کھٹا دودھ جس کی بو سے مجھے تکلیف ہو رہی تھی اور روٹی کا سوکھا ٹکڑا رکھا ہوا تھا۔ میں نے کہا:

"امیر المومنین کیا آپؑ ایسی چیزیں کھاتے ہیں؟ آپؑ نے جواب دیا: ابو الحبوب! رسول اللہ ﷺ اس سے زیادہ روکھا سوکھا کھاتے اور اس سے موٹا کپڑا پہنتے تھے (آپؑ نے اپنے لباس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا) اگر میں ان کی روش پر نہ چلوں تو اندیشہ ہے کہ ان کا ساتھ نہ نصیب ہو"۔

اسی طرح ہارون ابن عنترہ نے اپنے والد سے آپؑ کے بارے میں روایت نقل کی ہے کہ:

"میں خورنق میں حضرت علیؑ کے پاس گیا، جاڑے کا موسم تھا اور ان کے بدن پر صرف ایک پھٹا پرانا قطیفہ (مخملی لبادہ) تھا جس میں تھر تھر کانپ رہے تھے، میں نے عرض کیا: امیر المومنین اللہ نے آپؑ اور آپؑ کے گھر والوں کے لیے اس مال میں کچھ حق مقرر کیا ہے اور آپؑ اپنے ساتھ یہ برتاؤ کر رہے ہیں؟ آپؑ نے فرمایا: واللہ میں تمہارا کوئی نقصان نہیں کروں گا۔ یہ میرا وہی قطیفہ ہے جسے میں مدینہ سے لایا تھا"۔ (۲۶)

عنترہ کہتے ہیں: "میں نیروز یا مہر جان کے دن مقام رحبہ میں حضرت علیؑ کے پاس پہنچا۔ اس وقت ان کی خدمت میں زمیندار اور ان کے سامنے تحائف موجود تھے۔ پھر وہاں قنبر آئے اور انہوں نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر کہا: "اے امیر المومنینؑ (سخاوت کی وجہ سے) آپؑ کے پاس دولت رہتی نہیں ہے، حالاں کہ اس مال میں سے آپؑ کے اہل وعیال کا بھی حصہ ہے۔ میں نے آپؑ کے لیے کچھ مال چھپا کر رکھ لیا ہے۔ انہوں نے کہا: "وہ کیا ہے؟ میں نے کہا: چل کر ملاحظہ فرما لیجیے وہ کیا ہے! چناں چہ میں انہیں ایک گھر میں لے گیا جس میں سونے اور سونا چڑھی ہوئی چاندی کے برتنوں سے بھری ہوئی بوری تھی۔ یہ دیکھ کر انہوں نے کہا: تمہاری ماں تمہیں روئے۔ تم میرے گھر میں اتنی بڑی آگ لانا چاہتے تھے۔ پھر انہوں نے اس کا وزن کرایا اور اسے قبائل میں تقسیم کرنے کے لیے قبائل کے سرداروں میں ان کے حصہ رسد کے حساب سے بانٹ دیا"۔

پھر کہا:

هذا جناى و خياره فيه و كل جان يده الى فيه

ترجمہ: "یہ میرے چنے ہوئے پھل ہیں جن میں عمدہ عمدہ پھل بھی موجود ہیں۔ حالاں کہ دوسرے چننے والوں کے ہاتھ ان کے منہ کی طرف جا رہے ہیں (مطلب یہ ہے کہ لوگ خیانت کرتے ہیں اور دوسروں کی اچھی اچھی چیزیں اپنے لیے بچا لیتے ہیں، لیکن میں اپنے دامن کو اس خیانت سے پاک صاف رکھنا چاہتا ہوں اور اچھی بری ہر قسم کی امانت پوری طرح ادا کرتا ہوں) پھر کہا: اے دولت دنیا! میں تیرے فریب میں نہیں آسکتا دوسروں کو فریب دے۔ جعفر کے باپ محمد کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ کے پاس مال پہنچا تو انہوں نے تولنے اور پرکھنے والوں کو اپنے سامنے بٹھا کر سونے اور چاندی کے ڈھیر لگا دیے۔ پھر کہا: اے سرخ و سپید (سونا، چاندی اور دولت) تو سرخ ہو یا سپید مجھے دھوکہ نہیں دے سکتی، دوسروں کو دے پھر یہ شعر پڑھا۔

هذا جناى و خياره فيه و كل جان يده الى فيه.

ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ راوی شعر اس شعر کے دوسرے مصرعہ کو یوں روایت کرتے ہیں:

جب کہ ہر چننے والے ہاتھ اس کے منہ کی طرف ہے۔ (۲۷)

تجزیہ:

حضرت علیؓ نے اپنے ساتھ جو کچھ کیا، وہ ان باتوں سے ناواقف رہتے ہوئے نہیں کیا۔ دراصل وہ اس حقیقت کو اچھی طرح جانتے تھے کہ حاکم نمونہ بنتا ہے اور اس پر شک کی بھی بہت گنجائش ہوتی ہے۔ چوں کہ خزانہ عام اس کے تحت ہوتا ہے، لہٰذا اس پر اس میں خرد برد کا شبہ کیا جا سکتا ہے۔ وہ اپنے والیوں اور عام رعایا کے لیے احتیاط اور پرہیزگاری میں نمونہ بنتا ہے۔ چناں چہ آپؓ نے اپنے نفس کو حضرت ابوبکرؓ کی عزیمتوں کا پابند بنایا۔ جو لوگ اللہ کے دین میں رسول اللہؐ کے نائب مقرر ہوئے تھے، ان کے لیے یہ اونچا معیار ہی موزوں تھا۔ (۲۸)

حضرت علیؓ کا معاشی انصاف:

ہمارے دور کے حکمرانوں کا مزاج تقسیم عطایا میں اقرباء پروری ہوتا ہے، جو جتنا اس کی جھوٹی تعریف کرے اس کو نواز دیا جاتا ہے اور مخالف کو ظلم وتشدد اور احتساب کا نشانہ بنایا جاتا ہے جب کہ خلفائے راشدینؓ کا طرز عمل دیکھیے۔

کثیر بن نمر کہتے ہیں کہ ایک شخص کسی خارجی کی شکایت لے کر حضرت علیؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا: "میں نے اسے آپؓ کو گالی دیتے سنا، تو انہوں نے اس سے کہا: "جیسے اس نے مجھے گالی دی ہے تو بھی اسے گالی دیدے۔ اس شخص نے کہا اور وہ شخص آپ کو دھمکی بھی دیتا ہے: اس پر انہوں نے کہا جس نے مجھے قتل نہیں کیا اسے میں قتل نہیں کروں گا"۔ بعد ازاں حضرت علیؓ نے کہا: ہمارے اوپر ان کے تین حقوق ہیں: انہیں مسجدوں میں ذکر اللہ کرنے سے نہ روکیں اور جب تک یہ ہمارا ساتھ دیتے رہیں "فئے" سے انہیں محروم نہ کریں اور تاوقتیکہ یہ ہم سے جنگ پر نہ اتر آئیں، ان سے جنگ نہ کریں۔ (۲۹)

تجزیہ:

دیکھیے حضرت علیؓ لیے میں اس وقت تک خوارج کا حق تسلیم کر رہے ہیں جب تک کہ وہ بغاوت اور قانون شکنی نہ کریں، بایں ہمہ وہ جانتے تھے کہ خوارج انہیں گالیاں دیتے تھے، نہ صرف گالیاں بلکہ ان کے لیے اور بھی الجھنیں اور تکلیفیں پیدا کرتے تھے، لیکن بایں ہمہ وہ خوارج مسلمانوں کے معاملات اور ان کی آبادیوں میں شریک رہتے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ بعد میں وہ بغاوت کرنے لگے۔

مذکورہ بالا روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ وظائف اور روزینے ان شہریوں کے لیے ہیں جو اسلام کی حفاظت اور مدافعت کرتے رہیں۔ ان کے علاوہ دوسروں کے حقوق اسی وقت ہوتے ہیں جب ان پر آفات ومصائب آن پڑیں۔ (۳۰)

عہد مرتضویؓ میں غیر مسلم رعایا اور معاہد ذمی کی حیثیت اور صلح حدیبیہ کی طرز پر انسانیت نوازی اور پرامن بقائے باہمی پر مبنی واقعات اور معاہدات: ایک مختصر جائزہ

ا۔ کٹھن گھڑی:

حضرت عمرؓ کو شہید کر دیا گیا۔ یہ بہت بڑا حادثہ تھا۔ مدینہ کا ہر شخص سراسیمہ، پریشان اور مضطرب ہو گیا، خلیفۂ رسول کا قتل اور وہ بھی عمرؓ جیسے جلیل القدر خلیفہ کا قتل کوئی معمولی حادثہ نہ تھا۔ عبید اللہ ابن عمرؓ نے ابولولو کے ۲ ساتھیوں کو جو غیر مسلم اور ذمی تھے قتل کر دیا۔ ان

کا خیال تھا کہ حضرت عمرؓ کے قتل میں یہ دونوں بھی شامل تھے۔

لیکن اگر یہ شریک ہوتے تو بھی کیا شریعت اسلامیہ اس کی اجازت دیتی ہے کہ قانون اپنے ہاتھ میں لے لیا جائے اور عدالت سے رجوع کیے بغیر شک کی بناء پر ملزم کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے؟ حضرت علی کا صاف اور بے لاگ فیصلہ یہ تھا کہ ایسا نہیں ہو سکتا، جس شخص نے کسی ذمی کو قتل کیا ہے خواہ وہ کتنا بڑا آدمی ہی کیوں نہ ہو اسے بھی موت کی سزا ملنی چاہیے۔

حضرت عثمانؓ جیسے ہی مسند خلافت پر بیٹھے سب سے پہلا مقدمہ ان کی خدمت میں جو پیش ہوا، یہی تھا۔ حضرت عثمانؓ نے صحابہ کرامؓ سے مشورت کی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا عبیداللہ بن عمر کو قتل کی سزا ملنی چاہیے۔ حضرت علیؓ کی یہ رائے سن کر حاضرین پر ایک سکتہ چھا گیا۔ کوئی بھی یہ نہیں چاہتا تھا کہ کل حضرت عمر قتل کیے گئے اور آج ان کے بیٹے کی گردن اڑا دی جائے، لیکن حضرت علیؓ کے فتویٰ کی شرعی حیثیت پر نکتہ چینی کرنے کی کسی میں جرأت نہ تھی، آخر عمرو ابن العاص کے مشورہ سے حضرت عثمانؓ نے ایک درمیانی راستہ نکالا اور مقتولین کی دیت اپنے پاس سے ادا کر دی اور اس طرح یہ معاملہ ختم ہوا۔ (۳۱)

۲۔ ایک ذمی دربار علیؓ میں:

ذیل میں عہد مرتضوی کا ایک اور اہم واقعہ ہم درج کرتے ہیں جس سے شرع اسلامی میں ذمیوں کی اہمیت واضح ہوگی، آیات قرآنی، احادیث نبویؐ، فقہ اسلامیہ یہ ثابت کرنے کے بعد کہ اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دے گا، تو وہ بھی سزائے قتل پائے گا، ابو بکر جصاص نے عہد خلافت راشدہؓ کے امثال و نظائر بھی پیش کیے ہیں، چنانچہ ابو الجنوب الاسدی کی روایت بیان فرماتے ہیں:

حضرت علیؓ کے پاس اہل حیرہ کا ایک شخص آیا، اس نے کہا، یا امیر المومنین ایک مسلمان نے میرے لڑکے کو قتل کر دیا اور اس کا میرے پاس ثبوت بھی ہے، چنانچہ اس نے گواہوں کو پیش کیا اور انہوں نے گواہی دے دی، حضرت علیؓ نے ان گواہوں سے پوچھ گچھ کے بعد قاتل مسلمان کو طلب فرمایا اور ایک تلوار حیری کے ہاتھ میں دے کر فرمایا، قاتل کو قتل گاہ میں لے جاؤ تا کہ یہ حیری اسے قتل کر دے۔ اس حیری سے لوگوں نے کہا۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا، تم دیت قبول کر لو تا کہ ہم تمہارے ممنون ہوں اور تم دیت کی رقم سے اطمینان کی زندگی بسر کرو۔ حیری نے یہ بات مان لی، تلوار میان میں رکھی اور حضرت علیؓ کے پاس واپس آیا، آپ نے کہا شاید لوگوں نے تجھے بُرا بھلا کہا اور ڈرایا دھمکایا ہے؟ اس نے کہا نہیں خدا کی قسم نہیں۔ میں خوشی سے دیت لینے پر رضامند ہو گیا ہوں۔ حضرت علیؓ نے کہا، اگر یہ بات ہے تو تم جانو، پھر مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

"ہم نے ان ذمیوں کو وہ حقوق دیئے ہیں کہ ہمارا خون ان کے خون کی طرح اور ہماری دیت ان کی دیت کے مانند ہو جائے (۳۲)

۳۔ اہل کتاب کا احترام:

یہی وہ مصالح تھے جنھیں پیش نظر رکھ کر بعد میں فقہا نے اپنے اصول اور ضابطے مقرر کیے۔ فقہاء عام کافروں کے مقابلہ میں اہل کتاب کو یعنی عیسائیوں اور یہودیوں کو زیادہ مراعات دیتے ہیں۔ عام اس سے کہ وہ ذمی ہوں یا نہ ہوں یعنی مسلمانوں کے مفتوح ہوں یا اپنے علاقہ میں حاکمانہ زندگی بسر کرتے ہوں۔ انھیں جو حقوق حاصل ہیں وہ ہر حالت میں قائم رہیں گے۔ ان کے مسلمان ہو جانے کی صورت میں فقہ اسلامی کی رو سے تجدید نکاح کی ضرورت نہیں ہوگی۔

مسلمان عورت کے لیے کافر مرد سے نکاح کرنا حلال نہیں۔ نہ کسی مسلمان مرد کا کافرہ عورت سے نکاح جائز ہے۔ سوا اس صورت کے کہ وہ عورت آزاد ہو۔ (لونڈی نہ ہو) اور کتابیہ ہو، کسی کتابیہ عورت کو شوہر اگر اسلام قبول کر لے یا دونوں کافر میاں بیوی مسلمان ہو جائیں، تو ان کا نکاح قائم رہے گا۔ (۳۴)

۴۔ ذمیوں کے ساتھ حسن سلوک:

ذمیوں کے ساتھ حضرت علیؓ کا برتاؤ خاص طور پر بہت زیادہ رحم، ہمدردی اور رواداری کا تھا۔ وہ اسے ہرگز گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ ان کے ساتھ ناروا برتاؤ کیا جائے یا انہیں ہدف ظلم و ستم بنایا جائے۔ جب کبھی آپؓ کو کوئی ایسی اطلاع ملی تو آپؓ نے نہایت سختی کے ساتھ اس کے تدارک کی طرف توجہ فرمائی۔ ایک مرتبہ آپؓ کو معلوم ہوا کہ ایک عامل کا برتاؤ ذمیوں کے ساتھ اہانت آمیز ہے، آپؓ نے بہت سختی کے ساتھ انہیں ڈانٹا، اسی طرح ایک مرتبہ ذمیوں نے شکایت کی کہ ان کی نہر جس سے وہ اپنے کھیتوں کو پانی دیتے تھے، مٹی سے پٹ گئی ہے۔ آپؓ نے اس کی شکایت کی طرف فوراً توجہ کی اور وہاں کے عامل قرظہ بن کعب انصاری کو لکھا۔

"تمہارے علاقہ کے ذمیوں نے شکایت کی ہے کہ ان کی ایک نہر پٹ گئی ہے، اس کا بنانا مسلمانوں کا فریضہ ہے۔ تم اسے فوراً درست کرا دو، مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ ذمی اپنی زمین پر آباد رہیں۔ بجائے اس کے کہ وہ ترک وطن پر مجبور ہو جائیں اور ملک کی فلاح و بہبود میں حصہ لینے کے قابل نہ رہیں۔ (۳۵)

۵۔ حضرت علیؓ کا انصاف:

"آپؓ کے ایوان عدالت میں بلا امتیاز مذہب و ملت خویش و بیگانہ، امیر و غریب سب برابر تھے اگر خود آپؓ کسی مقدمہ میں فریق ہوتے تھے تو قاضی کے سامنے حاضر ہونا پڑتا تھا اور اگر ثبوت نہ ہوتا تو مقدمہ آپؓ کے خلاف فیصلہ ہوتا۔ ایک مرتبہ آپؓ کی زرہ گر پڑی اور ایک نصرانی کے ہاتھ لگی۔ حضرت علیؓ نے اسے دیکھ کر پہچانا اور قاضی شریح کی عدالت میں دعویٰ کیا، نصرانی کا دعویٰ تھا کہ وہ اس کی زرہ ہے۔ قاضی نے حضرت علیؓ سے پوچھا آپؓ کے پاس کوئی ثبوت ہے۔ آپؓ نے فرمایا نہیں۔ قاضی شریح نے نصرانی کے حق میں فیصلہ دیا۔ اس فیصلہ کا نصرانی پر اتنا اثر ہوا کہ وہ مسلمان ہو گیا اور کہا یہ تو انبیاء کا جیسا انصاف ہے کہ امیر المومنینؓ مجھے اپنی عدالت کے قاضی کے سامنے پیش کرتے ہیں اور قاضی امیر المومنینؓ کے خلاف فیصلہ دیتا ہے"۔ (۳۶)

۶۔ حضرت علیؓ کا اصول:

جنگ و پیکار و صلح و امن ہر حالت میں حضرت علیؓ کا اصول یہ تھا کہ حق کی مخالفت کرنے والوں سے صلح نہ کی جائے اور مظلوموں کے ساتھ جو سلوک کیا جائے وہ حق و انصاف کے عین مطابق ہو۔ نہج البلاغہ کے ایک خطبہ میں حضرت علیؓ فرماتے ہیں:

اپنی جان کی قسم!

جو لوگ حق کی مخالفت کرتے اور گمراہی میں مبتلا ہیں ان کے ساتھ میں کسی قسم کی سستی روا نہیں رکھ سکتا۔

اے بندگان خدا!

خدا سے ڈرو اور اس کے غضب سے بھاگ کر اس کے دامن رحمت میں پناہ لو۔
اس راستہ پر چلو جو اس نے تمہارے لئے مقرر کر دیا ہے!
جو امور تم پر لازم کر دیئے گئے ہیں، وہ ان کی (پوری پوری) پیروی کرو۔
پھر اگر تم فوراً کامیاب نہ ہوئے تو علی مستقبل میں تمہاری کامیابی کا ضامن ہے۔

۷۔ گورنر کے نام خط:

اپنے پُرآشوب عہد حکومت میں حضرت علیؓ کو سب سے زیادہ فکر یہ رہتی تھی کہ ان کا مقرر کیا ہوا حاکم رعایا پر ظلم وستم نہ کرے، کسی کو جائز شکایت کا موقع نہ دے، کسی کے ساتھ رعایت نہ کرے، جانب داری سے کام نہ لے، کسی پر زیادتی نہ کرے، چنانچہ آذربائیجان کے گورنر اشعث بن قیس کو تحریر فرماتے ہیں:

وان عملک لیس لک بطعمه ولکنه فی عنقک امانة (د) انت مسترعی لمن فوقک لیس لک ان تفتات فی رعیة ولا تخاطر الابوثیقة وفی یدیک مال من مال اللّٰہ عزوجل وانت من خزانه حتی تسلمه الی ولعلی ان لا اکون شروہ لک لک والسلام.

تمہارا یہ عہدہ کوئی خوان نعمت نہیں ہے بلکہ تمہارے گلے میں امانت ہے اور تم بالادست حاکم کے سامنے جواب دہ ہو، تمہارے ہاتھ میں جو مال ہے، خدا کا ہے تم اس کے خزانچی ہو، یہاں تک کہ اسے میرے پاس پہنچا دو، امید ہے میں تمہارے حق میں برا افسر ثابت نہ ہوں گا۔ (۳۶)

۸۔ ذمیوں کی شکایت:

ذمی کاشت کاروں نے حضرت علیؓ کے گوش مبارک تک عامل کی درشت مزاجی اور سخت برتاؤ کی شکایت پہنچائی، آپ نے لکھا:

تمہارے علاقے کے زمینداروں نے تمہاری سختی، سنگ دلی، تحقیر، بے پروائی کی شکایت کی ہے، میں نے انہیں منہ نہیں لگایا کہ مشرک ہیں، مگر ان سے بے پروائی برتنا بھی ٹھیک نہ تھا کہ ہم میں ان میں معاہدہ موجود ہے تو تم ایسا کرو کہ ان کے لئے نرمی کا لباس پہن لو، جس کے کناروں پر سختی کی گوٹ ہو۔ نرمی اور سختی کے بین بین سلوک کرو۔ نہ ایسا ہو کہ بالکل دور ہو جائیں اور نہ ایسا ہو کہ بالکل قریب آ جائیں۔ ایک درمیانی برتاؤ ان سے کرتے رہو۔ (۳۷)

۹۔ اپنے قاتل کے لئے حسن سلوک کی وصیت:

رحم، رواداری، حسنِ سلوک بدترین دشمن کے ساتھ بھی حضرت علیؓ مری رکھتے تھے۔ اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ آپ کا قاتل گرفتار ہو چکا ہے۔ آپؓ بستر مرگ پر دراز ہیں، موت سامنے کھڑی ہے، زندگی کے چند سانس باقی ہیں، لیکن اس آخری وقت بھی آپؓ کے منہ سے جو الفاظ نکلتے ہیں ان میں قاتل کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید موجود ہے:

تم سب کو میری وصیت ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور محمد ﷺ کی سنت کو ضائع نہ ہونے دینا۔ یہ دو ستون تم نے قائم کر

لئے تو کیا کہنا ہے تمہارا، کل میں تمہارا ساتھی تھا، آج تمہارے لئے عبرت ہوں اور آئندہ کل تم سے جدا ہو جانے والا ہوں، اگر میں بچ گیا تو اپنے خون کا خود مجھے اختیار ہے، فنا ہو گیا تو فنا ہی کی طرف مجھے لوٹنا تھا۔ قاتل کو معاف کر دوں گا تو یہ معاف کرنا میرے لئے قربت الٰہی کا سبب بن جائے گا اور اس میں تمہارے لئے بھی بھلائی ہوگی، تو اے لوگو! معاف کرو، کیا تم پسند نہیں کرتے کہ خدا تمہیں معاف کر دے۔

بخدا موت کے کسی پیامبر سے بھی میں نے کراہت نہیں کی، موت کے کسی قاصد سے بھی مجھے وحشت نہیں ہوتی، آج میری مثال اس پیاسے کی سی ہے جو پانی کی تلاش میں گھاٹ پر پہنچ گیا ہو یا گم گشتہ متاع کے جوئندہ کی، جسے اپنی جستجو میں کامیابی نصیب ہو گئی ہو۔ (خدا کے پاس جو کچھ ہے، نیکوکاروں کے لئے بہتر ہے) (۳۸)

یہ تو عام وصیت تھی، لیکن آپؓ نے اپنے دونوں صاحبزادوں حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

تم دونوں کو میری وصیت ہے کہ خدا سے ڈرتے رہنا اور دنیا کے پیچھے نہ دوڑنا، اگرچہ دنیا تمہارے پیچھے دوڑے۔ دنیا کی کسی محرومی پر نہ کڑھنا۔ ہمیشہ حق کے لئے تمہاری زبان کھلے۔ ہمیشہ ثواب ہی کے لئے تمہارا عمل ہو، ہمیشہ ظالم کے حریف بننا اور مظلوم کے مددگار۔

تم دونوں کو اپنی سب اولاد کو، سب خاندان کو اور ان سب لوگوں کو جن تک میری یہ تحریر پہنچے وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرتے رہیں، اپنا معاملہ درست رکھیں اور آپس میں اتفاق واتحاد سے رہیں کیونکہ میں نے تمہارے نانا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپس کا میل ملاپ عام روزے نماز سے افضل ہے۔

اور اللہ اللہ یتیموں کے بارے میں انہیں کھانے پینے کی تکلیف نہ ہونے پائے۔ تمہارے سامنے وہ تتر بتر نہ ہو جائیں۔

اور اللہ اللہ پڑوسیوں کے بارے میں کہ وہ تمہارے نبی کی وصیت ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حق میں برابر وصیت فرماتے رہے، یہاں تک کہ ہمیں گمان ہوا، انہیں وارث بھی قرار دے دیں گے۔

اور اللہ اللہ قرآن کے معاملے میں! قرآن کے عمل میں کوئی تم سے سبقت نہ لے جائے!

اور اللہ اللہ پروردگار کے گھر کے بارے میں جب تک جیتے رہنا اس سے دست بردار نہ ہونا۔ بیت اللہ سے بے پروائی کرو گے تو تمہاری بھی کسی کو پروا نہ رہے گی۔

اور اللہ اللہ راہ خدا میں اپنے مال سے اپنی جان سے اپنی زبان سے جہاد کے بارے میں۔ آپس میں میل محبت ہمدردی رکھنا، پھوٹ سے نااتفاقی سے بچنا۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے باز نہ رہنا، ورنہ شریروں کو تمہارا حاکم بنا دیا جائے گا۔ پھر دعائیں کرو گے مگر قبول نہ ہوں گی۔ (۳۹)

اولاد عبدالمطلب! خبردار ایسا نہ ہو مسلمانوں کا خون بہانے لگو اور کہو امیر المومنین کو مار ڈالا گیا ہے! خبردار میرے بدلے صرف میرے قاتل کو ہی قتل کرنا۔

دیکھو، اگر میں اس کی اس ضرب سے مر جاؤں تو قاتل کو بھی ایسی ہی ایک ضرب سے مارنا۔ اس کی شکل نہ بگاڑی جائے کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے خبردار کسی کے ناک، کان نہ کاٹو اگرچہ وہ کٹکھنا کتا ہی کیوں نہ ہو۔! (۴۰)

۱۰۔ کمزور تمہارے انصاف سے مایوس نہ ہوں:

اپنے ایک منصب دار کے نام آپؑ نے ایک خط تحریر فرمایا جس میں اسے تعلیم دی ہے کہ رعایا کے ساتھ کس طرح کر برتاؤ کرنا چاہیے، فرماتے ہیں:

تم ان لوگوں میں سے ہو جن سے دین کے قیام میں مدد لی جاتی ہے، جن کے ذریعہ گنہگاروں کی نخوت توڑی جاتی ہے اور جن کے وجود سے خطرناک سرحدی رخنوں کو بھرا جاتا ہے۔ اپنے ہر اس کام میں جو فکر پیدا کرنے والا ہے۔ خدا سے مدد مانگا کرو۔ رعایا سے نرمی اور سختی کا ملا جلا برتاؤ کرو۔ جہاں نرمی مناسب ہو نرمی برتو۔ جہاں سختی کے بغیر کام نہ چلے، سختی سے کام لو۔ رعایا کے لئے خاکسار بنو۔ اپنے دل میں اس کے لئے ترس پیدا کرو اور سب افراد کو اپنی نظر اشارے اسلام میں برابر رکھو تا کہ بڑے لوگ تم سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی طمع نہ کریں اور کمزور تمہارے انصاف سے مایوس نہ ہو جائیں۔ (۴۱)

افسران خراج کے نام:

حضرت علیؑ کو یہ بات گوارا نہ تھی کہ زکوٰۃ اور خیرات وصول کرنے میں حکام وعمال مسلمانوں اور ذمیوں کے ساتھ سنگ دلی، شقاوت اور درشتی کا طریقہ اختیار کریں۔ آپ بار بار اپنے حکام وعمال کو تاکید کرتے رہے کہ وہ کسی طرح بھی زیادتی اور زبردستی سے کام نہ لیں، چنانچہ زکوٰۃ وصول کرنے والوں کے نام آپ نے ایک فرمان جاری کیا، جو یہ ہے:

اللہ وحدہ لاشریک لہ کے تقوے کے ساتھ اپنے کام پر روانہ ہو، خبردار کسی مسلمان کی طرف سے اس حال میں نہ گزرنا کہ تمہیں ناپسند کرتا ہو، خدا کے مقرر کئے ہوئے حق سے زیادہ کچھ نہ لینا، جب کسی علاقے میں پہنچنا تو آبادی کے باہر کنوئیں پر اترنا، کسی کے گھر میں نہ اترنا، پھر سکون و وقار کے ساتھ آبادی میں داخل ہونا، لوگوں کو سلام کرنا، اگر انہوں نے صاحب سلامت نہ کی تو پروانہ کرنا، تم خود پوری طرح صاحب سلامت کرنا۔ اس کے بعد ان سے کہنا خدا کے بندو، اللہ کے ولی اور خلیفہ نے مجھے بھیجا ہے کہ تمہارے مال میں سے خدا کا حق وصول کر لوں، تو اب تم بتاؤ کہ خدا کا کوئی حق تمہارے مال میں واجب الادا ہے جسے اس کے ولی کے حوالے کیا جائے۔ تمہارے اس کہنے پر اگر کوئی انکار کرے تو حجت نہ کرنا۔ اگر کہے ہاں ہے تو اس کے ساتھ جانا مگر اس طرح کہ نہ ڈرانا، نہ دھمکانا، نہ ستانا بلکہ سونا چاندی جو کچھ پیش کرے، لے لینا۔

اور اگر اس کے پاس مویشی اور اونٹ ہیں تو ان کے گلے میں اس کی اجازت کے بغیر نہ جانا، کیونکہ اکثر جانور اسی کے تو ہیں اور جب مالک کی اجازت سے جانا تو اس طرح نہیں گویا تم افسر ہو۔ ہرگز کوئی سختی تمہاری طرف سے نہ ہونے پائے، کسی جانور کو نہ ہنکانا نہ سہمانا، نہ مالک کو اپنے طرز عمل سے رنجیدہ کرنا۔

جو کچھ مال ہو اس کے دو حصے کر دینا اور مالک کو اختیار دینا کہ اپنے لئے جو حصہ چاہے پسند کر لے اس کی پسند پر اعتراض نہ کرنا اب جو ایک حصہ رہا ہے اسے بھی دو حصوں میں بانٹ دینا اور مالک سے کہنا کہ جو حصہ چاہے اپنے لئے پسند کر لے اور تم اس کی پسند پر معترض نہ ہونا، اسی طرح تقسیم در تقسیم کرتے چلے جانا اور یہاں تک کہ اس مال میں جو خدا کا حق ہے نکل آئے تم اس حق کو لے لینا۔ لیکن اگر اس کارروائی کے بعد بھی مالک چاہے کہ پورے مال پر پھر سے تقسیم ہو تو تم بے چوں وچرا منظور کر لینا، سب جانوروں کو

دوبارہ ملا دینا اور پہلے کی طرح مالک کی مرضی کے مطابق تقسیم در تقسیم کرتے چلے جانا، یہاں تک کہ خدا کا حق بے باق ہو جائے، لیکن کوئی بوڑھا، مریل، لنگڑا، لولا، بیمار جیسی جانور نہ لینا۔

زکوٰۃ کے اس مال کو ایسے آدمی کے سپرد کر دینا جس کے دین پر تمہیں بھروسہ ہو، جو مسلمانوں کے مال کا ہمدرد ہو، یہاں تک کہ یہ مال ان کے ولی کے پاس پہنچ جائے اور وہی ان میں تقسیم کر دے۔ ایسے ہی آدمی کے سپرد کر دے جو خیر خواہ ہو، ترس کھانے والا ہو، امین ہو، حفاظت کرنے والا ہو، جانوروں کے حق میں بے رحم نہ ہو۔ انہیں ڈرانے تھکانے، ستانے، دبلا کر ڈالنے والا نہ ہو، پھر تم سب کچھ لے کر سستی کیے بغیر ہمارے پاس چلے آنا، ہم اس مال کو حکم الٰہی کے مطابق ٹھکانے لگا دیں گے۔

اور دیکھو جس آدمی کے سپرد جانور کرنا اسے تاکید کر دینا کہ بچے کو اونٹنی سے الگ نہ کرے اسے بہت نہ دوہے کہ بچوں کو بھوک سے نقصان پہنچے۔ سواری کر کے اسے ہلکان نہ کر ڈالے، سوار ہو کر دوسری اونٹنیوں اور اس میں انصاف سے کام لے، باری باری بیٹھے، تھکے ہوئے اونٹوں کو آرام دے، جس اونٹ کا کھر پھٹ جائے، یا وہ لنگڑانے لگے تو اس پر ترس کھائے، رستے میں جہاں جہاں پانی ملتا جائے، جانوروں کو خوب پلائے، ہری بھری زمین سے انہیں ہٹا کے شاہراہوں پر نہ چلے۔ اچھی طرح ستانے، پانی پینے اور چرنے کا انہیں موقع دے تاکہ جب ہمارے پاس پہنچیں تو خوب موٹے تازے ہوں، تھکے ماندے دبلے پتلے نہ ہوں۔ ہم انہیں کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق تقسیم کر دیں گے۔ تم ان سب باتوں پر عمل کرو گے جو تمہارے لئے بڑا اجر ہو گا اور تم ہدایت سے قریب تر ہو جاؤ گے۔ انشاء اللہ۔ (۴۲)

اسی طرح آپؑ نے افسران خراج کے نام بھی ایک فرمان جاری کیا جس میں غیر مسلموں کے ساتھ خاص طور پر حسن سلوک رعایت اور نرمی کی تاکید فرمائی ہے۔

خدا کے بندے علیؑ امیر المومنین کی طرف سے خراج کے افسروں کے نام!

امابعد! جو کوئی اپنے انجام سے نہیں ڈرتا خطروں سے اپنے بچاؤ کا سامان بھی نہیں کر سکتا، تمہیں جاننا چاہیے کہ جو مطالبہ تم سے کیا گیا ہے معمولی ہے، مگر اس کا ثواب بہت ہے، خدا نے ظلم و سرکشی کی جو ممانعت کی ہے، اگر اس پر سزا نہ ہوتی تو بھی اس سے بچنے کا جو ثواب مقرر ہو چکا ہے۔ ایسا ہے کہ اسے ترک دینے میں کوئی عذر نہیں ہو سکتا۔

پس اپنے معاملے میں لوگوں سے انصاف کرو اور ان کی ضرورتیں پوری کرنے میں برداشت سے کام لو، تم رعایا کے خزانچی ہو، امت کے وکیل ہو، اماموں کے سفیر ہو، کسی کو بھی اس کی ضرورت سے نہ روکو۔ خبردار ایسا نہ ہو کہ لوگ خراج ادا کرنے کے لئے اپنے گرمی جاڑے اپنی روزی کے مویشی اور غلام بیچنے لگیں، پیسے کے لئے کسی کو کوڑے نہ لگائے جائیں، کسی کا مال چاہے مسلمان ہو یا معاہد نہ چھونا، مگر ہاں یہ کہ اس کے پاس گھوڑا یا ہتھیار ہوں جن سے اہل اسلام کے خلاف کمک پہنچتا ہے تو بے شک کسی مسلمان کے لئے روا نہیں کہ ایسی چیزیں دشمنان اسلام کے ہاتھ میں چھوڑ دے کہ ان سے اسلام کو نقصان پہنچے۔ آپس میں ہمیشہ خیر خواہی کرتے رہو۔ فوج سے نیک برتاؤ جاری رکھو۔ رعایا کی مدد کرتے رہو اور دین الٰہی کی طاقت بڑھاتے رہو، خدا نے اپنی راہ میں جو کچھ خرچ کرنے کا حکم دیا ہے، خرچ کرتے رہو، اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہم اور تم سے چاہتا ہے کہ اس کی نعمتوں کا شکر بجالایا کریں اور اپنی طاقت بھر اس کی نصرت میں سرگرم رہیں، حالانکہ ہماری قوت بھی اللہ ہی کی بخشی ہوئی ہے۔

عہد خدا کا حرم ہے!

مالک اُشتر کے نام حضرت علیؓ نے ایک طویل خط تحریر فرمایا۔ یہ ایک نہایت قیمتی دستاویز ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ اس زمانہ میں نہ کالج تھے، نہ یونیورسٹی، نہ علم سیاست مرتب ہوا تھا، نہ عربوں کا حکمرانی کا تجربہ تھا اس پر بھی حضرت علیؓ نے انتہائی اختصار و بلاغت کے ساتھ حکمرانی اور سیاست مدن کے جو اصول اس تحریر میں جمع کر دیے ہیں، آج بھی متمدن دنیا کے حکمران ان سے بے نیاز نہیں ہو سکتے، اس نامۂ گرامی میں در حقیقت پورا دستور حکومت مرتب فرما دیا ہے۔

اس نامۂ گرامی میں ایک مقام پر آپؓ نے تحریر فرمایا:

اور دیکھو جب دشمن ایسی صلح کی طرف بلائے جس میں خدا کی رضامندی ہو تو انکار نہ کرنا، کیونکہ صلح میں تمہاری فوج کے لئے آرام ہے اور خود تمہارے لئے بھی فکروں سے چھٹکارا اور امن کا سامان ہے۔

لیکن صلح کے بعد دشمن سے خوف چوکس، خوب ہوشیار رہنا چاہیے، کیونکہ ممکن ہے صلح کی راہ سے اس نے تقرب اس لئے حاصل کیا ہو کہ بے خبری میں تم پر لوٹ پڑے، لہٰذا بڑی ہوشیاری کی ضرورت ہے، اس معاملے میں حسن ظن سے کام نہیں چل سکتا!

اور جب دشمن سے معاہدہ کرنا یا اپنی زبان اسے دے دینا تو عہد کی پوری پابندی کرنا، عہد کو بچانے کے لئے اپنی جان تک بازی لگا دینا کیونکہ سب باتوں میں لوگوں کا اختلاف رہا ہے، مگر اس بات پر سب متفق ہیں کہ آدمی کو اپنا عہد پورا کرنا چاہیے۔ مشرکوں تک نے عہد کی پابندی ضروری سمجھی تھی حالانکہ مسلمانوں سے بہت پیچھے تھے یا اس لئے کہ تجربوں نے انہیں بتا دیا تھا کہ عہد شکنی کا نتیجہ تباہ کن ہوتا ہے۔

لہٰذا اپنے عہد، وعدے، زبان کے خلاف کبھی نہ جانا، دشمن سے دغابازی نہ کرنا، کیونکہ یہ خدا سے سرکشی ہے اور خدا سے سرکشی بے وقوف و سرکش ہی کیا کرتے ہیں۔

اور عہد کیا ہے؟ خدا کی طرف سے امن و امان کا اعلان ہے، جو اس نے اپنی رحمت سے بندوں میں عام کر دیا ہے، عہد خدا کا حرم ہے، جس میں سب کو پناہ ملتی ہے اور جس کی طرف سب ہی دوڑتے ہیں۔

خبردار! عہد و پیمان میں کوئی دھوکا، کوئی کھوٹ نہ رکھنا اور معاہدے کی عبارت ایسی نہ ہونے دینا جو گول مول مبہم ہو، کئی کئی مطلب اس سے نکلتے ہوں، اگر کبھی ایسا ہو جائے تو عہد دے چکنے کے بعد ایسی عبارت سے فائدہ نہ اٹھانا۔

اور یہ بھی یاد رہے کہ معاہدہ ہو چکنے کے بعد اگر اس کی وجہ سے پریشانی لاحق ہو تو ناحق اسے منسوخ نہ کر دینا، پریشانی جھیل لینا بدعہدی کرنے سے کہیں بہتر ہے۔ بدعہدی پر خدا تم سے جواب طلبی کرے گا اور دنیا و آخرت میں اس کے مواخذے سے کہیں مفر نہ ہو گا۔

ذمیوں پر ظلم نہ ہو!

شام پر جب حضرت علیؓ نے چڑھائی کی تو عمال حکومت کے نام ایک فرمان صادر فرمایا جس میں انہیں اور فوجیوں کو تاکید کی کہ ہرگز ذمیوں کے علاقوں سے گزرتے ہوئے کسی طرح کی زیادتی اور دھاندلی نہ کی جائے، تاکید فرمائی کہ اگر کوئی سپاہی ذمیوں کو ستائے تو اسے قرار واقعی سزا دی جائے، ارشاد فرماتے ہیں:۔

اللہ کے بندے علیؓ امیر المومنین کی طرف سے ان تحصیلداروں جن کے علاقے سے فوج گزرے گی۔

اما بعد! میں نے فوجیں روانہ کی ہیں، یہ فوجیں انشاء اللہ تمہارے علاقوں سے گزریں گی، میں نے فوجیوں کو پوری تاکید کر دی ہے اور بتایا ہے کہ خدا انہیں انسانوں کو اذیت دینے اور شرارت کرنے سے منع فرما چکا ہے اور تم بھی سن لو کہ میں تمہارے اور ذمیوں کے معاملے میں فوج کی زیادتیوں سے بری الذمہ ہوں، لیکن ہاں سپاہی بھوک سے مر رہے ہوں اور پیٹ بھرنے کی کوئی سبیل نہ ہو تو اور بات ہے۔ ورنہ وہ زیادتی کریں تو انہیں سخت سزا دو۔ بدی کا انہیں پورا مزہ چکھاؤ لیکن اپنے غنڈوں کے ہاتھ بھی فوج کے ستانے اور حیران کرنے سے روکنا، میں تو فوج کے پیچھے موجود ہی ہوں۔ فوج کی طرف سے کوئی ظلم زیادتی یا ایسی بات ہو جو تمہیں بے بس کر ڈالے تو مجھے خبر کرنا۔ میں خدا کی مدد سے سب کچھ ٹھیک کر دوں گا۔ انشاء اللہ۔ (۴۳)

ذمیوں کے لئے ایک اور فرمان:

اسی مفہوم کو آپ نے سپہ سالاروں کے نام پر جو فرمان جاری کیا ہے، اس میں اور زیادہ واضح کر دیا ہے ارشاد ہوتا ہے۔

فوجیوں کی زیادتیوں میں بری الذمہ ہونے کا میں تمہارے سامنے اعلان کئے دیتا ہوں۔ فوجیوں کو ظلم و تعدی سے روکو اور شریروں کو سزائیں دو، خبردار کوئی ایسی بات ہم سے سرزد نہ ہونے پائے جو خدا کو بری لگے اور ہماری تمہاری دعاؤں پر در اجابت بند ہو جائے، کیونکہ اللہ عزوجل شانہ فرما چکا ہے ما یعبا بکم لو لا دعاؤ کم۔

اور یاد رکھو خدا جس قوم کو آسمان پر ناپسند کرتا ہے، وہ زمین پر برباد ہو جاتی ہے، لہٰذا اپنے لئے بھلا چاہو، اپنے سپاہیوں کو اچھی سیرت پر رکھو۔ رعایا کی مدد کرتے رہو۔ دین الٰہی کو قوت پہنچاؤ اور خدا کی راہ میں جیسا کہ اس کا مطالبہ ہے پوری طرح کام آؤ۔ کیونکہ خدا کے ہم پر اور تم پر بے شمار احسان ہیں، جن کا شکر بجالانا واجب ہے اور یہ کہ ہم سب اپنی پوری قوت سے اس کی نصرت میں لگ جائیں، اگرچہ سب قوت خدا ہی کی طرف سے ہے۔ والسلام۔ (۴۴)

ذمیوں کے ساتھ رحم و رعایت کی تاکید:

اپنے عہد اقتدار میں حضرت علی مرتضیٰؓ نے اس بات کا بڑی سختی کے ساتھ خیال رکھا ذمیوں پر کسی طرح کی زیادتی نہ ہونے پائے، ایک مرتبہ اپنے ایک عامل کو جب آپؓ نے اسی طرح کی نصیحتیں فرمائیں تو اس نے عرض کیا کہ ان پابندیوں کے ساتھ اگر میں جزیہ وصول کرنے جاؤں گا، تو جس طرح خالی ہاتھ جا رہا ہوں، اسی طرح خالی ہاتھ واپس آؤں گا، بیہقی سے ہم پورا واقعہ ذیل میں درج کرتے ہیں۔

"بزرگ سابور" جسے عرب "بزرخ سابور" کہتے تھے، ایک ضلع تھا، حضرت علیؓ نے ایک صاحب کو وہاں کی مال گزاری کے وصول کرنے پر مقرر فرمایا۔ رخصت کرتے ہوئے ان صاحب سے حضرت علیؓ نے فرمایا کہ دیکھنا! "ایک درم کے وصول کرنے پر کسی کو کوڑے سے نہ مارنا اور ہرگز ذمہ کی ان چیزوں کو بقایا میں نیلام نہ کرانا، روزی کا جو ذریعہ ہوں، گرما اور سرما کے لباس اور ان کے مویشی جن سے کاشت اور باربرداری وغیرہ کا کام لیتے ہوں ان کو ہاتھ نہ لگانا۔ اس شخص نے حضرت علیؓ سے کہا کہ "امیر المومنینؓ! پھر تو میں اسی طرح واپس ہو جاؤں گا، جیسے جا رہا ہوں یعنی کچھ وصول نہ ہو گا"۔ حضرت علی مرتضیٰؓ نے یہ سن کر فرمایا۔ "خواہ تم اسی طرح واپس ہی کیوں نہ ہو جاؤ"۔ پھر فرمایا تجھ پر

افسوس! مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے "العفو" یعنی زندگی کی اصل ضرورتوں سے جو بچ جائے اسے لوں۔ (۳۵)

غلاموں کے ساتھ حسنِ سلوک:

رسول اللہ ﷺ نے غلامی کا نظام ختم کرنے کی کوشش فرمائی، اس سلسلے میں سب سے پہلا اقدام آپؐ نے یہ کیا کہ مالکوں کو یہ بتادیا کہ آقا اور غلام کے مابین انسانیت کا رشتہ مشترک ہے، جو شخص اپنے غلام پر ظلم کرتا ہے، اسے خدا کی رحمت کا امیدوار نہ رہنا چاہیے۔

غلاموں پر یہ لطف و کرم آنحضرت ﷺ کی ذات تک محدود نہ تھا بلکہ صحابہ بھی آنحضرتؐ کے صحیح نمونہ تھے۔ حضرت علیؓ فرمایا کرتے ہیں۔ مجھے ایک ایسے شخص کو غلام خیال کرتے ہوئے شرم آتی ہے جو کہتا ہے "میرا پروردگار اللہ ہے"۔ ایک دفعہ آپؓ نے اپنے غلام کو کچھ دام دیئے اور فرمایا کہ دو مختلف قیمت کے کپڑے خرید لاؤ، جب وہ خرید لایا تو آپؓ نے قیمتی کپڑا اسے دے دیا اور معمولی اپنے لئے رکھ لیا اور فرمایا۔ "تم جوان ہو، تمہیں زیب و زینت کی خواہش ہونا چاہیے۔ میرا کیا میں اب عمر رسیدہ (۳۶) ہوں"۔

جزیہ وصول کرنے میں نرمی کا حکم!

ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے اپنے عامل کو خراج اور جزیہ وصول کرنے کے لئے روانہ فرمایا، چلتے وقت اسے تاکید کی کہ۔

۱۔ ذمیوں کے کپڑے فروخت نہ کرنا۔

۲۔ ان کے کھانے پینے کا سامان نیلام نہ کرنا۔

۳۔ ان کے مویشی جو کھیتی باڑی کے کام آتے ہیں، مت چھیننا۔

۴۔ کسی ذمی کو زدوکوب نہ کرنا۔

۵۔ کسی ذمی کو دھوپ میں کھڑا نہ رکھنا۔

ان ہدایات کے بعد آپؓ نے فرمایا خدا نے ہمیں ان ذمیوں کا حاکم بنایا ہے، لہٰذا ہمارا فرض یہ ہے کہ ان سے نرمی کا برتاؤ کریں۔ یاد رکھو اگر تم نے میری ہدایت پر عمل نہ کیا تو میرے بجائے خدا تم سے باز پرس کرے گا اور یہ بھی یاد رکھو اگر مجھے یہ معلوم ہوا کہ تم نے میری ہدایات پر عمل نہیں کیا ہے تو میں تمہیں برطرف کر دوں گا۔ (۳۷)

بار بار نرمی کی تاکید!

حضرت علیؓ نے اپنے عامل سے جو خراج اور جزیہ کی رقم وصول کرنے جا رہا تھا، فرمایا دیکھو ذمیوں کے ساتھ نرمی اور آشتی کا برتاؤ کرنا۔ یہی الفاظ آپؓ نے تین بار دہرائے۔

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ذمیوں اور غیر مسلم مفتوحوں کے ساتھ آپؓ کا برتاؤ کتنا زیادہ روادارانہ اور مشفقانہ تھا۔

زیادہ سے زیادہ رعایت:

ذمیوں کے ساتھ حضرت علیؓ کا برتاؤ زیادہ سے زیادہ رعایت اور سہولت پر مبنی تھا، چنانچہ آپؓ نے اپنے عمال کو تاکید کر دی تھی کہ جب وہ جزیہ وصول کرنے جائیں اور پیشہ ور ذمی نقد روپے کے بجائے اپنی مصنوعات دینا چاہیں تو قبول کرلیں، تاکہ انہیں کسی

طرح کی زحمت نہ اٹھانا پڑے، چنانچہ آپؓ کے عہد حکومت میں عام طور پر سوئی بنوانے والے سے سوئی کنگھی بنوانے والے سے کنگھی اور رسی بٹنے والے سے رسی نقد روپے کے بجائے قیمت کے تناسب سے لے لی جاتی تھی۔ (۴۸)

قرارداد معاہدہ صفین مابین حضرت علیؓ وامیر معاویہؓ:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۔ یہ دستاویز ہے علی ابن ابی طالب اور معاویہ ابن ابوسفیان کے درمیان۔ جس دستاویز کے مضمون میں علی اور معاویہ دونوں کے لشکری بھی شامل ہیں اور فریقین میں سے ہر ایک فرد کتاب اللہ اور نبی ﷺ کی سنت کے مطابق تصفیہ پر رضامند ہے۔

۲۔ علی ذمہ دار ہیں موجودین اور غیر موجودین دونوں قسم کے اپنے دوست داروں کی طرف سے فیصلے پر رضامندی کے اور اسی طرح معاویہ ذمہ دار ہیں اپنے شامی دوست داران حاضرین غیر حاضرین دونوں کی طرف سے۔

بایں معنی کہ:

۳۔ ہم دونوں (علی اور معاویہ) اپنے باہمی اختلاف پر الف سے لے کر یے تک فیصلہ قرآنی تسلیم کرنے کا وعدہ کرتے ہیں قرآن دونوں میں سے جسے زندہ (بحال) رکھے وہ زندہ ہے اور جسے مردہ (معزول) بنا دے وہ مردہ ہے۔

۴۔ علی اور ان کے درستدوران نے اپنا وکیل عبداللہ بن قیس (ابوموسیٰ اشعری) اور معاویہ نے اپنے طرفداران سمیت اپنا وکیل عمرو بن العاص کو مقرر کیا ہے۔

۵۔ علی اور معاویہ دونوں نے اپنے اپنے وکلاء (ابوموسیٰ اور عمرو) سے خدا اور اس کے رسول ﷺ کے عہد میثاق و ذمہ کے ساتھ یہ وعدہ لیا ہے کہ دونوں وکلاء اولاً کتاب اللہ سے حکم حاصل کریں اگر قرآن سے یہ حکم نہ ملے تو سنت رسول اللہ ﷺ سے رجوع کریں۔ مبادا ان وکلاء میں سے کوئی ایک یا دونوں سنت کے خلاف راستہ پر گامزن ہوں۔

۶۔ دونوں وکلاء مقدمہ ہذا ابوموسیٰ اور عمرو نے اپنے اپنے موکل علی اور معاویہ سے بھی کتاب اللہ اور سنت کے مطابق فیصلہ ہونے کی صورت میں تسلیم و رضا کا وعدہ لے لیا ہے۔

۷۔ علی اور معاویہ دونوں اپنی اپنی زیر نگین حکومت میں مامون ہیں اپنی جان و مال طریق بود و ماند اور اہل و عیال و اولاد اور ماتحتوں کے بارے میں جب تک دونوں وکیل طوعاً یا کرھاً صداقت سے منحرف نہ ہوں فیصلہ حکمین کے بعد امت ان کی مددگار ہے۔ بشرطیکہ تحکیم کتاب اللہ کے ساتھ ہو!

۸۔ ہر دو وکلاء میں سے قبل از فیصلہ کسی ایک وکیل کی وفات پر اس کے موکل کو اپنا دوسرا وکیل نامزد کر سکتے ہیں جو عدل و صلاحیت میں ممتاز ہو اور اپنے وکیل کو اپنے پیش رو کے نقش قدم پر چلنا ہوگا۔

۹۔ اگر دونوں مدعیان امارت میں سے کوئی امیر، تاریخ فیصلہ سے قبل دنیا سے چل بسے تو اس امیر کے پیروکار دوسرا پسندیدہ شخص اس منصب پر مقرر کر سکتے ہیں۔

۱۰۔ فریقین میں تنازع اور اسلحہ بندی دونوں ختم کیے جائیں۔

۱۱۔ دونوں وکلاء اور ہر دو امراء اور اس دستاویز کی ہر ایک دفعہ کی پابندی لازم ہے ورنہ امت ان کی اطاعت اور معیت سے

ایک طرف ہو جائے گی واللہ اقرب شہیدا و کفی بہ شہیدا (جس پر شہدائے اقرب کی شہادت کافی ہے)

۱۲۔ عوام کی جان و مال اور رعایا و موالی تا فیصلہ مامون و محفوظ ہیں اسلحہ بندی ختم کردی گئی ہے اور راستوں کی حفاظت کا بندوبست کر دیا گیا ہے۔

فریقین میں سے جو فرد یہاں جو موجود نہیں انہیں بھی حاضرین میں شمار کیا جاتا ہے۔

۱۳۔ دونوں وکلاء (ابوموسیٰ اور عمرو بن عاص) کو عراق و شام کے وسط (۴۹) میں بیٹھ کر سماعت اور فیصلہ نافذ کرنا ہوگا۔

۱۴۔ سماعت کے موقعہ پر وہی فرد عدالت میں آسکتا ہے جسے دونوں وکیل طلب کریں۔

۱۵۔ تاریخ فیصلہ اسی سال کے ماہ رمضان کے آخر تک ہے اور اگر وکلاء تعجیل یا تاخیر دونوں میں سے کسی امر کے خواہاں ہوں تو انہیں اس کا اختیار دیا جاتا ہے۔

۱۶۔ اگر ان کا فیصلہ کتاب و سنت کے خلاف ہوا تو فریقین کو لڑائی جاری رکھنے کا حق حاصل ہے۔

۱۷۔ امت اس بارے میں خدا کے حکم اور عہد ایفا کی پابند ہے اگر فریقین میں کوئی شخص ظلم و عدوان اور فیصلہ کی مخالفت کرے تو امت کو اس کے خلاف یک جا ہو کر اس کے ظلم و الحاد سے عہدہ برآ ہونے کا حق بھی حاصل ہے۔

تاریخ تحریر: چہار شنبہ ۱۷ صفر ۳۷ھ (۵۰)

❁❁❁

﴿حواشی و حوالہ جات﴾

(۱) صحیح مسلم کتاب الجہاد باب غزوہ ذی قرد وغیرہا

(۲) سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۲۲۸

(۳) کنز العمال، علی متقی ہندی، بحوالہ سابقہ، جلد اوّل، ص ۱۵۵

(۴) کنز العمال، علی متقی ہندی، بحوالہ سابقہ، جلد ۱۳، ص ۱۵۱

(۵۔الف) ایضاً

(۵۔ب) احیاء العلوم جلد ۲ ص ۱۳۲، استیعاب جلد ۲ ص ۳۶۵

(۶) کتاب الاموال ص ۲۷۰

(۸) ازالۃ الخفاء، بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ

(۹) نہج البلاغہ جلد ۲ ص ۱۰

(۱۰) استیعاب جلد دوم ص ۳۶۵

(۱۱) ایضاً

(۱۲۔الف) کتاب الاموال، ص ۲۶۱

(۱۲۔ب) کتاب الاموال ص ۲۷۰

(۱۳) مروج الذہب جلد ۲ ص ۳۳۳، معارف جلد اول ص ۱۳۷

(۱۴) کتاب الاعتصام للشاطبی جلد ۲ ص ۸۸

(۱۵) خلفائے راشدین: معین الدین ندوی، انڈیا، دار المصنفین اعظم گڑھ ''۱۹۵۴ء ص ۳۳۰۔

(۱۶) المحلی: ابن حزم ظاہری، قاہرہ ''مکتبہ القدسی'' (س۔ن) ص ۱۵۸، ج ۶۔

(۱۷) جواہر الفتاوی: محمد عبدالسلام چاٹگامی، کراچی، ''اسلامی کتب خانہ'' (س۔ن)، ج ۲، ص ۳۳۹

(۱۸) المحلی: ابن حزم ظاہری، بحوالہ سابقہ، ج ۲، ص ۱۷

(۱۹) جواہر الفتاوی: محمد عبدالسلام چاٹگامی، ج ۲، ص ۳۵۰

(۲۰) اسلام کے معاشی نظریے: یوسف الدین، ج ۲، ص ۴۲۵

(۲۱) کتاب الاموال: ابوعبید قاسم بن سلام، ص ۳۹۵۔

(۲۲) کتاب الاموال: ابوعبید، بحوالہ سابقہ، فقرہ نمبر ۶۷۰، ص ۳۰۵

(۲۳) ایضاً: ص ۳۵۶۔

(۲۴) اسلام میں عدل اجتماعی: سید قطب شہید، مترجم نجات اللہ صدیقی، لاہور ''المہدی پبلیکیشنز'' ۱۹۷۱ء'' ص ۳۵۶۔۳۵۷۔

(۲۵) کتاب الاموال: ابوعبید قاسم بن سلام، فقرہ نمبر ۶۷۱، ص ۳۰۵

(۲۶) بنیادی ضروریات زندگی اور اسلام: نجم سعد اللہ، ص ۳۳۶۔۳۴۳۔

(۲۷) کتاب الاموال: ابوعبید قاسم بن سلام، ص ۳۰۵۔۳۰۶۔

(۲۸) اسلام میں عدل اجتماعی: سید قطب شہید، ص۲۵۴۔۲۵۵۔

(۲۹) کتاب الاموال: ابو عبید قاسم بن سلام، ص ۲۳۷۔

(۳۰) کتاب الاموال: ابو عبید قاسم بن سلام ص ۲۳۷۔

(۳۱) ابن اثیر ج ۳

(۳۲) احکام القرآن (جصاص)

(۳۳) عمدۃ الفقہ (ابن قدامہ) صفحہ ۱۰۵ مطبوعہ مصر

(۳۴) ابن اثیر، تاریخ اسلام ج ۳۔ ص ۱۹

(۳۶) نہج البلاغہ (رقعات و توقیعات) ص ۷۱۰

(۳۷) نہج البلاغہ (رقعات و توقیعات) ص ۷۲۳

(۳۸) نہج البلاغہ (رقعات و توقیعات) ص ۷۱۲

(۳۹) یہ ایک صحیح حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں اسی سچائی کو بیان کیا گیا ہے۔

(۴۰) نہج البلاغہ (رقعات و توقیعات) ص ۷۷۹

(۴۱) نہج البلاغہ (رقعات و توقیعات) ص ۷۷۷

(۴۲) نہج البلاغہ (رقعات و توقیعات) ص ۷۲۹۔۷۳۰

(۴۳) نہج البلاغہ ص ۸۵۵۔ ابن ابی الحدید

(۴۴) ابن ابی الحدید

(۴۵) سنن بیہقی ص ۲۰۵

(۴۶) (عینی (شرح بخاری) ج ۱۳ ص ۱۰۲۷ احیاء العلوم۔ غزالی باب حقوق المملوک

(۴۷) کتاب الخراج لامام ابو یوسف)

(۴۸) کتاب الاموال (ابو عبید)

(۴۹) یہ نظام [illegible] قرار پایا۔

(۵۰) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر/ سیاسی وثیقہ جات، عہد نبویؐ و عہد خلافت الراشدہؓ، ص ۳۱۵۔۳۱۸

باب چہارم

﴿فصل پنجم﴾

عہد خلافت راشدہؓ پر صلح حدیبیہ کے اثرات:

صلح حدیبیہ تاریخ اسلام میں کئی پہلوؤں سے اہمیت کی حامل ہے۔ گزشتہ اوراق میں ہم نے خلفائے راشدینؓ کے مختلف ادوار میں اسلامی طرز حکومت، رعایا کے حقوق، عدل وانصاف کی حالت، غیر مسلموں کی کیفیت اور صلح حدیبیہ کے تناظر میں غیر مسلموں و معاہد ذمیوں کے ساتھ رواداری، حسن سلوک وسعت قلب وظرف نیز پر امن بقائے باہمی کے اصول کے تحت کیے گئے معاہدات اور رعایا پروری وانسانیت نوازی پر مبنی حالات وواقعات کا جائزہ لینے کی کوشش کی تاہم اب ہم خلافت راشدہؓ پر صلح حدیبیہ کے اثرات کے حوالے سے ایک اور پہلو کا جائزہ لینے کی کوشش کریں گے اور یہ پہلو فتوحات کے زمرے میں آجاتا ہے جو کہ عہد نبویؐ ہی سے صلح حدیبیہ کے اثرات کے حوالے سے انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔

لہٰذا اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے اثرات صرف عہد نبویؐ تک ہی محیط نہیں ہیں بلکہ عہد نبویؐ میں صلح حدیبیہ کے بعد فتوحات کا جو عظیم الشان سلسلہ شروع ہوا وہ عہد خلافت راشدہؓ سے ہوتا ہوا عہد بنو امیہ، بنو عباس، عہد فاطمین مصر اور خلافت ترکان عثمان کے بعد تک کا احاطہ کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ فتوحات اسلامی میں صلح حدیبیہ اور اس کی طرز پر کیے جانے والے معاہدات نے کلیدی کردار ادا کیا ان تاریخ ساز معاہدات میں پر امن بقائے باہمی، رواداری، حسن سلوک، وسعت قلب وظرف، رعایا پروری وانسانیت نوازی کے عنصر کی بدولت دلوں کی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا تو اس کے لازوال و بے مثال اثرات بہت دور تک مرتب ہوتے چلے گئے۔

پچھلے ابواب میں ہم نے عہد نبویؐ میں فتوحات کا جائزہ لینے کی کوشش کی بطور خاص صلح حدیبیہ کے بعد فتوحات کے دائرے میں جس قدر تیزی سے اضافہ ہوا اس کا تذکرہ کیا، اب اس فصل میں ہماری تحقیق کا مقصد فتوحات کے اس سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے، صلح حدیبیہ کے بعد فتوحات کے ضمن میں ہونے والی پیش رفت کا عہد خلافت راشدہؓ کے حوالے سے جائزہ لینا اور اثرات کا اندازہ لگانا ہے۔

عہد صدیقیؓ کی فتوحات پر صلح حدیبیہ کے اثرات:

جزیرہ نمائے عرب کی سرحد دنیا کی دو عظیم الشان سلطنتوں سے ٹکراتی تھی ایک طرف شام پر رومی پھریرا لہرا رہا تھا۔ دوسری طرف عراق پر کیانی خاندان کا تسلط تھا، ان دونوں ہمسایہ سلطنتوں نے ہمیشہ کوشش کی کہ عرب کے آزاد و جنگجو باشندوں پر اپنی حکمرانی کا سکہ جمائیں خصوصاً ایرانی سلطنت نے اس مقصد کے لیے بارہا عظیم الشان قربانیاں برداشت کیں بڑی بڑی فوجیں اس مہم کو سر کرنے کے لیے بھیجیں

اور بعض اوقات اس نے عرب کے ایک وسیع خطہ پر تسلط بھی قائم کرلیا، چنانچہ شاپور بن اردشیر جو سلطنت ساسانیہ کا دوسرا فرمان روا تھا، اس کے عہد میں حجاز و یمن دونوں باجگذار ہو گئے تھے اسی طرح سابور ذی الاکتاف یمن و حجاز کو فتح کرتا ہوا مدینہ منورہ تک پہنچ گیا یہ عربوں کا عدو رجید دشمن تھا جو رؤسائے عرب گرفتار ہو کر جاتے تھے وہ ان کے شانے اکھڑوا ڈالتا تھا، اسی سے عرب میں ''ذوالاکتاف یعنی شانوں والے کے لقب سے مشہور ہوا۔(۱)

لیکن عرب کی آزاد اور غیور فطرت دب کر رہنا نہ جانتی تھی، اس لیے جب بھی موقع ملا بغاوت برپا ہو گئی یہاں تک کہ چند بار خود عربوں نے عراق پر قابض ہو کر اپنی ریاستیں قائم کیں، چنانچہ فرمان روایان یمن کے علاوہ قبیلہ معد بن عدنان نے عراق میں آباد ہو کر ایک مستقل حکومت قائم کرلی اور اس کے ایک فرمان روا عمر بن عدی نے حیرہ کو دارالسلطنت قرار دیا۔

گو شاہان عجم نے حیرہ کی عربی سلطنت کو زیادہ دنوں تک آزاد نہیں رہنے دیا اور بالآخر اپنی سلطنت کا ایک جزو بنالیا تاہم عمر بن عدی کا خاندان مدتوں ایک باجگذار رئیس کی حیثیت سے عراق پر حکمران رہا اور اس تقریب سے بہت سے عربی قبائل وقتاً فوقتاً اسی سرزمین میں آباد ہوتے رہے غرض عرب و ایران کے تعلقات نہایت قدیم تھے آنحضرتؐ کے عہد تک باہم چھیڑ چھاڑ چلی آتی تھی۔ چنانچہ جنگ ذی قار میں جو ایرانیوں اور عربوں کی ایک عظیم الشان قومی جنگ تھی، جب ایرانیوں نے شکست کھائی تو آپؐ نے فرمایا۔(۲)

هذا اول یوم انتصفت العرب من العجم

''یہ پہلا دن ہے کہ عرب نے عجم سے بدلہ لیا۔''

اسی طرح ۶ھ میں صلح حدیبیہ کے بعد جب رسول اللہ ﷺ نے بادشاہوں کو دعوت اسلام کے خطوط لکھے تو پرویز شہنشاہ ایران نے اسی قدیم عناد کی بناء پر نامہ مبارک کو پھاڑ کر پھینک دیا اور برہم ہو کر کہا:

''میرا غلام ہو کر مجھے یوں لکھتا ہے۔''(۳)

رومی سلطنت سے بھی عربوں کا نہایت دیرینہ تعلق تھا، عرب کے بہت سے قبائل مثلاً سلیح، غسان و جذام وغیرہ شام کے سرحدی اضلاع میں جا کر آباد ہو گئے تھے اور رفتہ رفتہ عیسائی مذہب قبول کر کے ملک شام میں بڑی بڑی ریاستیں قائم کرلی تھیں اور اسی مذہبی تعلق کے باعث ان کو رومیوں کے ساتھ ایک قسم کی یگانگت ہو گئی تھی، اسلام کا زمانہ آیا تو مشرکین عرب کی طرح حدود شام کے عرب عیسائیوں نے بھی مخالفت ظاہر کی اور ۶ھ میں حضرت دحیہ کلبیؓ قیصر روم کو دعوت اسلام کا پیغام دے کر واپس آرہے تھے تو شامی عربوں نے ان کا مال و اسباب لوٹ لیا۔(۴)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے قاصد حارث بن عمیرؓ کو بصریٰ کے حاکم عمر بن شرجیل نے قتل کرادیا۔ ۸ھ میں غزوۂ موتہ اسی قتل و غارت گری کا انتقام تھا جس میں بڑے بڑے صحابہؓ کام آئے۔(۵)

۹ھ میں رومیوں نے خاص مدینہ پر فوج کشی کی تیاریاں کی تھیں۔ لیکن جب خود رسول اللہ ﷺ پیش قدمی کر کے مقام تبوک تک پہنچ گئے تو ان کا حوصلہ پست ہو گیا اور عارضی طور پر لڑائی رک گئی، تاہم مسلمانوں کو ہمیشہ شامی عربوں اور رومیوں کا خطرہ دامنگیر تھا، چنانچہ ۱۱ھ میں آنحضرت ﷺ نے اسی حفظ ماتقدم سے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو شام کی مہم پر مامور فرمایا تھا۔

ان واقعات سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ عرب ہمیشہ سے اپنی دونوں ہمسایہ سلطنتوں میں ہدف بنا ہوا تھا، خصوصاً اسلام کی روز افزوں ترقی نے انہیں اور بھی مشکوک کر دیا تھا، جو اس عربی نونہال کے لیے حد درجہ خطرناک تھا۔ خلیفہ اول نے ان ہی اسباب کی بناء پر اندرونی جھگڑوں سے فراغت پاتے ہی بیرونی دشمنوں سے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

مہم عراق:

اس زمانہ میں ایرانی سلطنت انقلاب حکومت وطوائف الملوکی کے باعث اپنی اگلی عظمت وشان کو کھو چکی تھی یزدگرد شہنشاہ ایران نابالغ تھا اور ایک عورت پوران دخت اس کی طرف سے تخت کیانی پر متمکن تھی، عراق کے وہ عربی قبائل جو ایرانی حکومت کا تختہ مشق رہ چکے تھے ایسے موقعوں سے فائدہ اٹھانے کے منتظر تھے چنانچہ موقع پا کر نہایت زور شور کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے اور قبیلہ وائل کے دو سردار مثنیٰ شیبانی وسوید عجلی نے تھوڑی تھوڑی سی جمعیت بہم پہنچا کر حیرہ وابلہ کے نواح میں غارت گری شروع کر دی۔

مثنیٰ اسلام لا چکے تھے انہوں نے دیکھا کہ وہ تنہا اس عظیم الشان حکومت کا مقابلہ نہیں کر سکتے اس لیے بارگاہ خلافت میں حاضر ہو کر باقاعدہ فوج کشی کی اجازت حاصل کی اور اپنے تمام قبیلہ کو لے کر ایرانی سرحد میں گھس گئے اس وقت تک حضرت خالد بن ولیدؓ مدعیان نبوت ومرتدین کی بیخ کنی سے فارغ ہو چکے تھے، اس لیے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان کو ایک جمعیت کے ساتھ مثنیٰ کی کمک پر روانہ فرمایا۔

حضرت خالد بن ولیدؓ نے پہنچنے کے ساتھ ہی جنگ کی صورت بدل دی اور بانقیا، کسکر وغیرہ فتح کرتے ہوئے شاہان عجم کے حدود میں داخل ہو گئے یہاں شاہ جابان سے مقابلہ کیا اور اس کو شکست دی پھر حیرہ کے بادشاہ نعمان سے جنگ آزما ہوئے۔

نعمان ہزیمت اٹھا کر مدائن بھاگ گیا یہاں سے خورنق پہنچے لیکن اہل خورنق نے مصلحت اندیشی کو راہ دے کر ستر ہزار یا ایک لاکھ درہم خراج پر مصلحت کر لی۔ غرض اس طرح حیرہ کا پورا علاقہ زیر نگین ہو گیا۔ (۶)

حملہ شام:

مہم عراق کا ابھی آغاز ہی ہوا تھا کہ دوسری طرف سرحد شام پر جنگ چھڑ گئی، حضرت ابو بکرؓ نے ۱۳ھ میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ لینے کے بعد شام پر کئی طرف سے لشکر کشی کا انتظام کیا اور ہر ایک علاقہ کے لیے علیحدہ علیحدہ فوج مقرر کر دی، چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ حمص پر، یزید بن ابی سفیانؓ دمشق پر، شرجیل بن حسنہ اردن پر اور عمروؓ بن العاص فلسطین پر مامور ہوئے مجاہدین کی مجموعی تعداد ۲۷۰۰۰ تھی ان سرداروں کو سرحد سے نکلنے کے بعد قدم قدم پر رومی جتھے ملے جن کو قیصر نے پہلے ہی سے الگ الگ ایک ایک سردار کے مقابلے میں متعین کر دیا تھا یہ دیکھ کر افسران اسلام نے اپنی کل فوجوں کو ایک جگہ جمع کر لیا اور بارگاہ خلافت کو غنیم کی غیر معمولی کثرت کی اطلاع دے کر مزید کمک کے لیے لکھا چونکہ اس وقت دار الخلافت میں کوئی فوج موجود نہ تھی اس لیے حضرت ابو بکرؓ کو نہایت اضطرار ہوا اور اسی وقت حضرت خالد بن ولید کو لکھا کہ مہم عراق کی باگ مثنیٰ کے ہاتھ میں دے کر شام کی طرف روانہ ہو جائیں، یہ فرمان پہنچتے ہی حضرت خالدؓ ایک جمعیت کے ساتھ شامی رزم گاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ (۷)

حضرت خالد بن ولید کو راہ میں، بہت سی چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑنی پڑیں چنانچہ جب حیرہ کے علاقہ سے روانہ ہو کر عین التمر پہنچے تو

وہاں خود کسریٰ کی ایک فوج سدراہ ہوئی، عقبہ بن ابی ہلال النمری اس فوج کا سپہ سالار تھا، حضرت خالد بن ولیدؓ نے عقبہ کو قتل کر کے اس کی فوج کو ہزیمت دی، وہاں سے آگے بڑھے تو ہذیل بن عمران کی زیر سیادت بنی تغلب کی ایک جماعت نے مبارز طلبی کی، ہذیل مارا گیا اور اس کی جماعت کے بہت سے لوگ قید کر کے مدینہ روانہ کیے گئے پھر یہاں سے انبار پہنچے اور انبار سے صحرا طے کر کے تدمر میں خیمہ زن ہوئے، اہل تدمر نے بھی پہلے قلعہ بند ہو کر مقابلہ کیا پھر مجبور ہو کر مصالحت کر لی۔ تدمر سے گزر کر حوران آئے یہاں بھی سخت جنگ پیش آئی، اسے فتح کر کے شام کی اسلامی مہم سے مل گئے اور متحدہ قوت سے بصریٰ فحل اور اجنادین کو مسخر کر لیا اجنادین کی جنگ نہایت شدید تھی اس میں بہت سے مسلمان شہید ہوئے لیکن انجام کار میدان مسلمانوں ہی کے ہاتھ رہا۔ اور جمادی الاول ۱۳ھ سے اجنادین ہمیشہ کے لیے اسلام کے زیر نگین ہو گیا۔(۸)

اجنادین سے بڑھ کر اسلامی فوجوں نے دمشق کا محاصرہ کر لیا، لیکن اس کے مفتوح ہونے سے پہلے خلیفہ اول نے داعی اجل کو لبیک کہا، اس لیے اس کی تفصیل فتوحات فاروقی کے سلسلہ میں آگے آئے گی۔

متفرق فتوحات:

عراق اور شام کی لشکر کشی کے علاوہ حضرت عثمانؓ بن ابی العاص کو توج روانہ کیا گیا، انہوں نے توج، مکران اور اس کے آس پاس کے علاقوں کو زیر نگین کر کے اسلامی مملکت میں شامل کر لیا۔ اسی طرح حضرت علاء بن حضرمیؓ زارہ پر مامور ہوئے انہوں نے زارہ اور اس کے اطراف کو زیر نگین کر کے اس قدر مال غنیمت مدینہ روانہ کیا کہ خلیفۂ اول نے اس میں سے مدینہ منورہ کے ہر خاص و عام، مرد، عورت، شریف و غلام کو ایک ایک دینار تقسیم فرمایا۔(۹)

عہد فاروقیؓ کی فتوحات پر صلح حدیبیہ کے اثرات:

حضرت ابو بکرؓ نے تریسٹھ سال کی عمر میں اواخر جمادی الثانی دوشنبہ کے روز وفات پائی اور حضرت عمر فاروقؓ مسند آرائے خلافت ہوئے، خلیفہ سابق کے عہد میں مدعیان نبوت، مرتدین عرب اور منکرین زکوٰۃ کا خاتمہ ہو کر فتوحات ملکی کا آغاز ہو چکا تھا یعنی ۱۲ھ میں عراق پر لشکر کشی ہوئی اور حیرہ کے تمام اضلاع فتح ہو گئے اسی طرح ۱۳ھ میں شام پر حملہ ہوا اور اسلامی فوجیں سرحدی اضلاع میں پھیل گئیں ان مہمات کا آغاز ہی تھا کہ خلیفہ وقت نے انتقال کیا، حضرت عمرؓ نے عنان حکومت ہاتھ میں لی تو ان کا سب سے اہم فرض ان ہی مہمات کو تکمیل تک پہنچانا تھا۔

فتوحات عراق:

سیرت صدیقؓ میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ مذکور ہو چکا ہے کہ عراق پر حملے کے کیا وجوہ و اسباب تھے اور کس طرح اس کی ابتداء ہوئی، یہاں سلسلہ کے لیے مختصراً اس قدر جان لینا چاہیے کہ خالد بن ولیدؓ بانقیا، کسکر اور حیرہ کے اضلاع کو فتح کر چکے تھے کہ حضرت ابو بکرؓ کے حکم سے مثنیٰ بن حارثہ کو اپنا جانشین کر کے مہم شام کی اعانت کے لیے ان کو شام جانا پڑا، حضرت خالد بن ولید کا جانا تھا کہ عراق

کی فتوحات دفعۃً رک گئیں۔

حضرت عمرؓ مسند نشین خلافت ہوئے تو سب سے پہلے مہم عراق کی تکمیل کی طرف متوجہ ہوئے، بیعت خلافت کے لیے عرب کے مختلف حصوں سے بے شمار آدمی آئے تھے، اس موقع کو غنیمت سمجھ کر مجمع عام میں آپ نے جہاد کا وعظ کیا لیکن چونکہ عام خیال تھا کہ عراق حکومت فارس کا پایہ تخت ہے اور اس کا فتح ہونا نہایت دشوار ہے اس لیے ہر طرف سے صدائے برنخاست کا معاملہ رہا، حضرت عمرؓ نے کئی دن تک وعظ کہا لیکن کچھ اثر نہ ہوا آخر چوتھے دن ایسی پرجوش تقریر کی کہ حاضرین کے دل دہل گئے مثنیٰ شیبانی نے کہا کہ مسلمانو! میں نے مجوسیوں کو آزما لیا ہے وہ مرد میدان نہیں ہیں، ہم نے عراق کے بڑے بڑے اضلاع فتح کر لیے ہیں اور عجمی اب ہمارا لوہا مان گئے ہیں، اسی طرح قبیلہ ثقیف کے سردار ابوعبید ثقفی نے جوش میں آ کر کہا ''انا لہذا'' یعنی میں اس کے لیے ہوں۔'' ابوعبید کی بیعت نے تمام حاضرین کو گرما دیا اور ہر طرف سے آوازیں اٹھیں کہ ہم بھی حاضر ہیں، حضرت عمرؓ نے مدینہ اور اس کے مضافات سے ایک ہزار اور دوسری روایت کے مطابق پانچ ہزار آدمی انتخاب کیے اور ابوعبید کو سپہ سالار کر کے روانہ کیا۔

حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں عراق پر جو حملہ ہوا اس نے ایرانیوں کو بیدار کر دیا تھا چنانچہ پوران دخت نے جو صغیر السن یزدگرد شاہ ایران کی متولیہ تھی، فرخ زاد کو گورنر خراسان کے بیٹے رستم کو جو نہایت شجاع اور مدبر تھا، دربار میں طلب کر کے وزیر جنگ بنایا اور تمام اہل فارس کو اتحاد و اتفاق پر آمادہ کیا، نیز مذہبی حمیت کا جوش دلا کر نئی روح پیدا کر دی، اس طرح دولت کیانی نے پھر وہی قوت پیدا کر لی جو ہرمز پرویز کے زمانہ میں اس کو حاصل تھی۔

رستم نے ابوعبیدہ کے پہنچنے سے پہلے ہی اضلاع فرات میں غدر کرا دیا اور جو مقامات مسلمانوں کے قبضہ میں آ چکے تھے وہ ان کے قبضہ سے نکل گئے پوران دخت نے ایک اور زبردست فوج رستم کی اعانت کے لیے تیار کی اور نرسی و جابان کو سپہ سالار مقرر کیا، یہ دونوں دو راستوں سے روانہ ہوئے، جابان کی فوج نمازق پہنچ کر ابوعبیدہؓ کی فوج سے برسر پیکار ہوئی اور بری طرح شکست کھا کر بھاگی، ایرانی فوج کے مشہور افسر جوشن شاہ اور مروان شاہ مارے گئے اور جابان گرفتار ہوا، مگر اس حیلہ سے بچ گیا کہ جس شخص نے اس کو گرفتار کیا تھا وہ پہچانتا نہ تھا، جابان نے اس سے کہا کہ میں بڑھاپے میں تمہارے کس کام کا ہوں، معاوضے میں دو غلام لے لو اور مجھے چھوڑ دو، اس نے منظور کر لیا، بعد کو معلوم ہوا کہ یہ جابان تھا، لوگوں نے غل مچایا کہ ایسے دشمن کو چھوڑنا نہیں چاہیے، لیکن ابوعبیدہؓ نے کہا کہ اسلام میں بدعہدی جائز نہیں۔

ابوعبیدہؓ نے جابان کو شکست دینے کے بعد سقاطیہ میں نرسی کی فوج گراں کو بھی شکست دی، اس کا یہ اثر ہوا کہ قرب و جوار کے تمام روسا خود بخود مطیع ہو گئے، نرسی و جابان کی ہزیمت سن کر رستم نے مردان شاہ کو چار ہزار کی جمعیت کے ساتھ ابوعبیدہؓ کے مقابلہ میں روانہ کیا، ابوعبیدہؓ نے فوجی افسروں کے شدید اختلاف کے باوجود فرات سے پار اتر کر غنیم سے نبرد آزمائی کی، چونکہ اس پار کا میدان تنگ اور ناہموار تھا، نیز عربی دلاوروں کے لیے ایران کے کوہ پیکر ہاتھیوں سے یہ پہلا مقابلہ تھا، اس لیے مسلمانوں کو سخت ہزیمت ہوئی اور نو ہزار فوج میں سے صرف تین ہزار باقی بچی۔

حضرت عمرؓ کو اس شکست نے نہایت برافروختہ کیا، انہوں نے اپنے پرجوش خطبوں سے تمام قبائل عرب میں آگ لگا دی۔ ان کے

جوش کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ نمرو تغلب کے سرداروں نے جو مذہباً عیسائی تھے اپنے قبائل کے مسلمانوں کے ساتھ شرکت کی اور کہا کہ آج عرب و عجم کا مقابلہ ہے، اس قومی معرکہ میں ہم بھی قوم کے ساتھ ہیں، غرض حضرت عمرؓ نے ایک فوج گراں کے ساتھ جریر بجلی کو میدان رزم کی طرف روانہ کیا، یہاں مثنیٰ نے بھی سرحد کے عربی قبائل کو جوش دلا کر ایک زبردست فوج تیار کر لی تھی۔

پوران دخت نے ان تیاریوں کا حال سنا تو اپنی فوج خاصہ میں سے بارہ ہزار جنگ آزما بہادر منتخب کر کے مہران بن مہرویہ کے ساتھ مجاہدین کے مقابلہ کے لیے روانہ کیے، حیرہ کے قریب دونوں حریف صف آراء ہوئے، ایک شدید جنگ کے بعد عجمیوں میں بھگدڑ پڑ گئی، مہران بن تغلب ایک نوجوان کے ہاتھ سے مارا گیا، مثنیٰ نے پل کا راستہ روک دیا اور اتنے آدمیوں کو تہ تیغ کیا کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے، اس فتح کے بعد مسلمان عراق کے تمام علاقوں میں پھیل گئے۔

حیرہ کے کچھ فاصلہ پر جہاں آج بغداد آباد ہے وہاں اسی زمانہ میں بہت بڑا بازار لگتا تھا مثنیٰ نے عین بازار کے دن حملہ کیا، بازاری جان بچا کر بھاگ گئے اور بے شمار دولت مسلمانوں کے ہاتھ آئی، اسی طرح قرب و جوار کے مقامات میں مسلمانوں کی پیش قدمی شروع ہو گئی۔ سورا، کسکر، صراۃ اور فلالیج وغیرہ پر اسلامی پھریرا لہرانے لگا، پایہ تخت ایران میں یہ خبریں پہنچیں تو ایرانی قوم میں بڑا جوش خروش پیدا ہو گیا، حکومت کا نظام بالکل بدل گیا، پوران دخت معزول کی گئی، یزدگرد جو سولہ سالہ نوجوان اور خاندان کیانی کا تنہا وارث تھا، تخت سلطنت پر بٹھا دیا گیا، اعیان و اکابر ملک نے باہم متفق و متحد ہو کر کام کرنے کا ارادہ کیا، تمام قلعے اور فوجی چھاؤنیوں کو مستحکم کر دیا گیا، اسی کے ساتھ کوشش کی گئی کہ مسلمانوں کے مفتوحہ مقامات میں بغاوت پھیلائی جائے، ان انتظامات سے سلطنت ایران میں نئی زندگی پیدا ہو گئی اور تمام مفتوحہ مقامات مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے، مثنیٰ مجبور ہو کر عرب کی سرحد میں ہٹ آئے اور ربیعہ اور مضر کے قبائل کو جو اطراف عراق میں پھیلے ہوئے تھے ایک تاریخ معین تک علم اسلامی کے نیچے جمع ہونے کے لیے طلب کیا، نیز دربار خلافت کو اہل فارس کی تیاریوں سے مفصل طور پر مطلع کیا۔

حضرت عمرؓ نے ایرانیوں کی تیاریوں کا حال سن کر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو جو بڑے رتبہ کے صحابی اور رسول اللہ ﷺ کے ماموں تھے، بیس ہزار مجاہدین کے ساتھ مہم عراق کی تکمیل پر مامور کیا، اس فوج کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اس میں تقریباً سترہ صحابیؓ تھے جو سرور کائناتؐ کے ساتھ غزوۂ بدر میں جوہر شجاعت دکھا چکے تھے، تین سو وہ تھے جنہیں بیعت الرضوان کا شرف حاصل ہو چکا تھا نیز اسی قدر وہ بزرگ تھے جو فتح مکہ میں موجود تھے اور سات سو ایسے تھے جو خود صحابی نہ تھے، لیکن ان کی اولاد ہونے کا فخر رکھتے تھے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے شراف پہنچ کر پڑاؤ کیا، مثنیٰ آٹھ ہزار آدمیوں کے ساتھ مقام ذی قار میں اس عظیم الشان کمک کا انتظار کر رہے تھے کہ اس اثناء میں ان کا انتقال ہو گیا، اس لیے ان کے بھائی معنیٰ شراف آ کر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے ملے اور مثنیٰ نے جو ضروری مشورے دیے تھے ان سے بیان کیے۔

حضرت عمرؓ نے ایام جاہلیت میں نواح عراق کی سیاحت کی تھی اور وہ اس سرزمین کے چپہ چپہ سے واقف تھے، اس لیے انہوں نے خاص طور پر ہدایت کر دی تھی کہ فوج کا جہاں پڑاؤ ہو وہاں کے مفصل حالات لکھ کر آپ کے پاس بھیجے جائیں۔ چنانچہ سعد بن ابی وقاصؓ نے اس مقام کا نقشہ، لشکر کا پھیلاؤ، فرودگاہ کی حالت اور رسد کی کیفیت سے ان کو اطلاع دی، اس کے جواب میں دربار خلافت سے ایک

مفصل بیان آیا جس میں فوج کی نقل و حرکت، حملہ کا بندوبست، لشکر کی ترتیب اور فوج کی تقسیم کے متعلق ہدایتیں درج تھیں، اسی کے ساتھ حکم دیا گیا کہ شراف سے بڑھ کر قادسیہ کو میدان کارزار قرار دیں اور اس طرح مورچے جمائیں کہ فارس کی زمین سامنے ہو اور عرب کا پہاڑ حفاظت کا کام دے۔

حضرت سعدؓ نے دربار خلافت کی ہدایت کے مطابق شراف سے بڑھ کر قادسیہ میں مورچہ جمایا اور نعمان بن مقرن کے ساتھ چودہ نامور اشخاص کو منتخب کر کے دربار ایران میں سفیر بنا کر بھیجا کہ شاہ ایران اور اس کے رفقاء کو اسلام کی ترغیب دیں لیکن جو لوگ دولت و حکومت کے نشہ میں مخمور تھے، وہ خانہ بدوش عرب اور ان کے مذہب کو کب خاطر میں لاتے، چنانچہ سفارت گئی اور ناکام واپس آئی۔

اس واقعہ کے بعد کئی مہینے تک دونوں طرف سے سکوت رہا، رستم ساٹھ ہزار کی فوج کے ساتھ ساباط میں پڑا تھا، اور یزدگرد کی تاکید کے باوجود جنگ سے جی چرا رہا تھا اور مسلمان آس پاس کے دیہات پر چڑھ جاتے تھے اور رسد کے مویشی وغیرہ حاصل کر لاتے تھے جب اس حالت نے طول کھینچا تو مجبور ہو کر رستم کو مقابلہ کے لیے بڑھنا پڑا اور ایرانی فوجیں ساباط سے نکل کر قادسیہ کے میدان میں خیمہ زن ہوئیں۔

رستم قادسیہ میں پہنچ کر بھی جنگ کو ٹالنے کی کوشش کرتا رہا اور مدتوں سفراء کی آمد و رفت اور نامہ و پیام کا سلسلہ جاری رکھا، لیکن مسلمانوں کا آخری اور قطعی جواب یہ ہوتا تھا کہ اگر "اسلام یا جزیہ منظور نہیں ہے تو تلوار سے فیصلہ ہوگا، رستم جب مصالحت کی تمام تدبیروں سے مایوس ہو گیا تو سخت برہم ہوا اور قسم کھا کر کہا "آفتاب کی قسم اب میں تمام عربوں کو ویران کر دوں گا۔"

قادسیہ کی فیصلہ کن جنگ:

اور غضب ناک ہو کر فوج کو کمربندی کا حکم دے دیا اور خود تمام رات جنگی تیاریوں میں مصروف رہا، صبح کے وقت قادسیہ کا میدان بھی سپاہیوں سے آدمیوں کا جنگل نظر آنے لگا جس کے پیچھے پیچھے ہاتھیوں کے کالے کالے پہاڑ عجیب خوفناک سماں پیدا کر رہے تھے۔

دوسری طرف مجاہدین اسلام کا لشکر جرار صف بستہ کھڑا تھا، اللہ اکبر کے نعروں سے جنگ شروع ہوئی، دن بھر ہنگامہ محشر برپا رہا، شام کو جب تاریکی چھا گئی تو دونوں حریف اپنے اپنے خیموں میں واپس آئے، قادسیہ کا یہ پہلا معرکہ تھا، اور عربی میں اس کو یوم الارماث کہتے ہیں۔

قادسیہ کی دوسری جنگ معرکہ اغواث کے نام سے مشہور ہے اس معرکہ میں مہم شام کی چھ ہزار فوج عین جنگ کے وقت پہنچی اور حضرت عمرؓ کے قاصد بھی جن کے ساتھ بیش قیمت تحائف تھے، عین جنگ کے موقع پر پہنچے اور پکار کر کہا "امیر المومنین نے یہ انعام ان کے لیے بھیجا ہے جو اس کا حق ادا کریں۔" اس نے مسلمانوں کے جوش و خروش کو اور بھی بھڑکا دیا تمام دن جنگ ہوتی رہی، شام تک مسلمان دو ہزار اور ایرانی دس ہزار مقتول و مجروح ہوئے لیکن فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا۔

تیسرا معرکہ یوم العماس کے نام سے مشہور ہے، اس میں مسلمانوں نے سب سے پہلے کوہ پیکر ہاتھیوں سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی، کیوں کہ ایرانیوں کے مقابلے میں مجاہدین اسلام کو ہمیشہ اس کالی آندھی سے نقصان پہنچا تھا اگرچہ قعقاعؓ نے اونٹوں پر سیاہ جھول ڈال کر ہاتھی کا جواب ایجاد کر لیا تھا، تاہم یہ کالے دیو جس طرف جھک پڑتے تھے صف کی صف پس جاتی تھی، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ضخم وسلم وغیرہ پارسی نومسلموں سے اس سیاہ بلا کے متعلق مشورہ طلب کیا، انہوں نے کہا کہ ان کی آنکھیں اور سونڈ بیکار کر دیے

جائیں سعدؓ نے قعقاعؓ، جمال اور ربیع کو اس خدمت پر مامور کیا۔ ان لوگوں نے ہاتھیوں کو نرغے میں لے لیا اور برچھے مار مار کر آنکھیں بے کار کردیں، قعقاعؓ نے آگے بڑھ کر چل سفید کی سونڈ پر ایسی تلوار ماری کہ مستک الگ ہوگئی، جھر جھری لے کر بھاگا، اس کا بھاگنا تھا کہ تمام ہاتھی اس کے پیچھے ہولیے، اس طرح دم کے دم یہ سیاہ بادل چھٹ گیا۔

اب بہادروں کو حوصلہ افزائی کا موقع ملا، دن بھر ہنگامہ کارزار گرم رہا، رات کے وقت بھی اس کا سلسلہ جاری رہا اور اس زور کا رن پڑا کہ نعروں کی گرج سے زمین دہل اٹھتی تھی، اسی مناسبت سے اس رات کو لیلۃ الحریر کہتے ہیں رستم پامردی اور استقلال کے ساتھ مقابلہ کرتا رہا لیکن آخر میں زخموں سے چور ہو کر بھاگ نکلا اور ایک نہر میں کود پڑا کہ تیر کر نکل جائے گا بلال نامی ایک مسلمان سپاہی نے تعاقب کیا اور ٹانگیں پکڑ کر نہر سے باہر کھینچ لایا اور تلوار سے کام تمام کردیا۔ رستم کی زندگی کے ساتھ سلطنت ایران کی قسمت کا بھی فیصلہ ہوگیا، ایرانی سپاہیوں کے پاؤں اکھڑ گئے، مسلمانوں نے دور تک تعاقب کرکے ہزاروں لاشیں میدان میں بچھادیں۔

قادسیہ کے معرکوں نے خاندان کسریٰ کی قسمت کا آخری فیصلہ کردیا، درفش کاویانی ہمیشہ کے لیے سرنگوں ہوگیا اور اسلامی علم نہایت شان و شوکت کے ساتھ ایران کی سرزمین پر لہرانے لگا، مسلمانوں نے قادسیہ سے بڑھ کر آسانی کے ساتھ بابل، کوثی، بہرہ شیر اور خود نوشیروانی دارالحکومت مدائن پر قبضہ کرلیا، ایرانیوں نے مدائن سے نکل کر جلولاء کو اپنا فوجی مرکز قرار دیا اس دوران میں رستم کے بھائی خرزاد نے حسن تدبیر سے ایک بڑی زبردست فوج جمع کرلی، سعدؓ نے ہاشم بن عتبہ کو جلولاء کی تسخیر پر مامور کیا، جلولاء چونکہ نہایت مستحکم مقام تھا، اس لیے مہینوں کے محاصرہ کے بعد مفتوح ہوا۔ یہاں سے قعقاعؓ کی سپردگی میں ایک جمعیت حلوان کی طرف بڑھی اور خسرو شنوم کو شکست دے کر شہر پر قابض ہوگیا۔

قعقاعؓ نے حلوان میں قیام کیا اور عام منادی کرادی کہ جو لوگ اسلام یا جزیہ قبول کرلیں گے وہ مامون و محفوظ رہیں گے، اس منادی پر بہت سے امراء اور رؤسا برضا و رغبت اسلام میں آگئے، یہ عراق کی آخری فتح تھی کیوں کہ یہاں اس کی حد ختم ہوجاتی ہے۔

تسخیر عراق کے بعد حضرت عمرؓ کی دلی خواہش تھی کہ جنگ کا سلسلہ منقطع ہوجائے اور وہ فرمایا کرتے تھے کہ "کاش ہمارے اور فارس کے درمیان آگ کا پہاڑ ہوتا کہ نہ وہ ہم پر حملہ کرسکتے نہ ہم ان پر چڑھ سکتے۔" لیکن ایرانیوں کو عراق سے نکل جانے کے بعد کسی طرح چین نہیں آتا تھا، چنانچہ یزدگرد نے معرکہ جلولاء کے بعد مرو کو مرکز بنا کر نئے سرے سے حکومت کے ٹھاٹھ لگائے اور تمام ملک میں فرامین و نقیب بھیج کر لوگوں کو عربوں کی مقاومت پر آمادہ کیا۔

یزدگرد کے فرامین نے تمام ممالک میں آگ لگادی اور تقریباً ڈیڑھ لاکھ آدمیوں کا ٹڈی دل قم میں آکر مجتمع ہوگیا، یزدگرد نے مردان شاہ کو سردار لشکر مقرر کرکے نہاوند کی طرف روانہ کیا، اس معرکہ میں درفش کاویانی، جس کو عجم نہایت متبرک سمجھتے تھے، فال نیک کے خیال سے نکالا گیا اور جب مردان شاہ روانہ ہوا تو یہ مبارک پھریرا اس پر سایہ کرتا جاتا تھا۔

ایرانیوں کی ان تیاریوں کا حال سن کر حضرت عمرؓ نے نعمان بن مقرن کو تیس ہزار کی جمعیت کے ساتھ اس ایرانی طوفان کو آگے بڑھنے سے روکنے کا حکم دیا، نہاوند کے قریب دونوں فوجیں سرگرم پیکار ہوئیں اور اس زور کا رن پڑا کہ قادسیہ کے بعد ایسی خون ریز جنگ کوئی نہیں ہوئی تھی، یہاں تک کہ اس جنگ میں خود اسلامی سپہ سالار نعمان شہید ہوگئے ان کے بعد ان کے بھائی نعیم بن مقرن نے

علم ہاتھ میں لے کر بدستور جنگ جاری رکھی اور رات ہوتے ہوتے عجمیوں کے پاؤں اکھڑ گئے، مسلمانوں نے ہمدان تک تعاقب کیا اس لڑائی میں تقریباً تین ہزار عجمی کھیت رہے، نتائج کے لحاظ سے مسلمانوں نے اس کا نام ''فتح الفتوح'' رکھا، فیروز جس کے ہاتھ سے حضرت عمرؓ کی شہادت مقدر تھی، اسی لڑائی میں گرفتار ہوا تھا۔

عام لشکر کشی:

واقعہ نہاوند کے بعد حضرت عمرؓ کو خیال پیدا ہوا کہ جب تک تخت کیانی کا وارث ایران کی سرزمین پر موجود ہے، بغاوت اور جنگ کا فتنہ فرو نہ ہوگا، اس بناء پر عام لشکر کشی کا ارادہ کیا اور اپنے ہاتھ سے متعدد علم تیار کر کے مشہور افسروں کو دیے اور انہیں خاص خاص ممالک کی طرف روانہ کیا چنانچہ ۲۱ھ میں یہ سب غازیان اسلام اپنے اپنے متعینہ ممالک کی طرف روانہ ہو گئے اور نہایت جوش وخروش سے حملہ کر کے تمام ممالک کو اسلام کا زیر نگیں کر دیا اور صرف ڈیڑھ دو برس کے عرصہ میں کسریٰ کی حکومت نیست ونابود ہو گئی۔

خاندان کیانی کا آخری تاجدار ایران سے بھاگ کر خاقان کے دربار میں پہنچا، خاقان نے اس کی بڑی عزت وتوقیر کی اور ایک فوج گراں کے ساتھ یزدگرد کو ہمراہ لے کر خراسان کی طرف بڑھا اور خاقان نے احنف بن قیس کے مقابلہ میں صف آرائی کی، لیکن صفائی کے دو ہی ہاتھ نے اس کے عزم واستقلال کو متزلزل کر دیا اور اس کے ذہن نشین ہو گیا کہ ایسے بہادروں کو چھیڑنا مصلحت نہیں، چنانچہ اسی وقت کوچ کا حکم دے دیا اور اپنی حدود میں واپس چلا گیا۔

یزدگرد کو خاقان کے واپس جانے کی خبر ملی تو مایوس ہو کر خزانہ اور جواہرات ساتھ لیے ترکستان کا عزم کیا، درباریوں نے دیکھا کہ ملک کی دولت ہاتھ سے نکلی جاتی ہے تو روکا، اس نے نہ مانا تو مقابلہ کر کے تمام مال واسباب ایک ایک کر کے چھین لیا یزدگرد بے سروسامان خاقان کے پاس پہنچا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے باعث مدتوں فرغانہ کی گلیوں میں خاک چھانتا رہا۔

''اللّٰھم مالک الملک تُؤتی الملک من تشآء وَتنزع الملک ممّن تشآء وتُعزُّ من تشآء وتُذلُّ من تشآء بیدک الخیر''

''خدایا تو ہی ملکوں کا مالک ہے، جس کو چاہتا ہے ملک دیتا ہے، جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے، جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے ساری بھلائیاں تیرے ہی ہاتھ میں ہیں۔''

احنف نے بارگاہِ خلافت میں نامہ فتح روانہ کیا، حضرت عمر فاروقؓ نے تمام آدمیوں کو جمع کر کے یہ مژدہ جانفزا سنایا اور ایک مؤثر تقریر کی آخر میں فرمایا کہ آج مجوسیوں کی سلطنت برباد ہو گئی اور اب وہ کسی طرح اسلام کو نقصان نہیں پہنچا سکتے، لیکن اگر تم بھی صراط مستقیم پر قائم نہ رہے تو خدا تعالیٰ تم سے بھی حکومت چھین کر دوسروں کو دے دے گا۔

فتوحات شام

ممالک شام میں سے اجنادین بصریٰ اور دوسرے چھوٹے چھوٹے مقامات عہد صدیقیؓ میں فتح ہو چکے تھے حضرت عمرؓ مسند آرائے خلافت ہوئے تو دمشق محاصرہ کی حالت میں تھا، خالد سیف اللہؓ نے رجب ۱۴ھ میں اپنے حسن تدبیر سے اس کو مسخر کر لیا۔

رومی دمشق کی شکست سے سخت برہم ہوئے اور ہر طرف سے فوجیں جمع کر کے مقام بیسان میں مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے جمع ہوئے مسلمانوں نے ان کے سامنے فحل میں پڑاؤ ڈالا۔ عیسائیوں کی درخواست پر حضرت معاذؓ بن جبل سفیر بن کر گئے لیکن مصالحت کی کوئی صورت نہ نکلی، آخر کار ذوالقعدہ ۱۳ھ میں فحل کے میدان میں نہایت خونریز معرکے پیش آئے خصوصاً آخری معرکہ نہایت سخت تھا بالآخر یہ میدان بھی مسلمانوں کے ہاتھ میں رہا۔ (۱۰) غنیم کے پاؤں اکھڑ گئے اور مسلمان اردن کے تمام شہر اور مقامات پر قابض ہو گئے، رعایا ذمی قرار دی گئی اور ہر جگہ اعلان کر دیا گیا کہ "مفتولین کی جان و مال، زمین مکانات، گرجے اور عبادت گاہیں سب محفوظ ہیں۔"

دمشق اور اردن مفتوح ہو جانے کے بعد مسلمانوں نے حمص کا رخ کیا، راہ میں بعلبک، حماۃ، شیراز اور معرۃ النعمان فتح کرتے ہوئے حمص پہنچے اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ حمص والوں نے ایک مدت تک مدافعت کرنے کے بعد مصالحت کر لی، سپہ سالار اعظم ابو عبیدہؓ نے عبادہؓ بن صامت کو وہاں متعین کر کے لاذقیہ کا رخ کیا اور ایک خاص تدبیر سے اس کے مستحکم قلعوں پر قبضہ کر لیا۔

حمص کی فتح کے بعد اسلامی فوجوں نے ہرقل کے پایہ تخت انطاکیہ کا رخ کیا لیکن بارگاہ خلافت سے حکم پہنچا کہ اس سال آگے بڑھنے کا ارادہ نہ کیا جائے اس لیے فوجیں واپس آ گئیں۔ (۱۱)

میدان یرموک اور شام کی قسمت کا فیصلہ:

دمشق حمص اور لاذقیہ کی پیہم اور متواتر ہزیموں نے قیصر کو سخت برہم کر دیا اور وہ نہایت جوش و خروش کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے اپنی شہنشاہی کا پورا زور صرف کرنے پر آمادہ ہو گیا اور انطاکیہ میں فوجوں کا ایک طوفان امنڈ آیا، حضرت ابو عبیدہؓ نے اس طوفان کو روکنے کے لیے افسروں کے مشورہ سے تمام ممالک مفتوحہ کو خالی کر کے دمشق میں اپنی قوت مجتمع کی اور ذمیوں سے جو کچھ جزیہ وصول کیا گیا تھا سب واپس کر دیا گیا۔ (۱۲)

کیوں کہ اب مسلمان ان کی حفاظت کرنے سے مجبور تھے، اس واقعہ کا عیسائیوں اور یہودیوں پر اس قدر اثر ہوا کہ وہ روتے تھے اور جوش کے ساتھ کہتے تھے کہ خدا تم کو جلد واپس لائے۔

حضرت عمرؓ کو مفتوحہ مقامات سے مسلمانوں کے ہٹ آنے کی خبر ملی تو پہلے وہ بہت رنجیدہ ہوئے لیکن جب معلوم ہوا کہ تمام افسروں کی یہی رائے تھی تو فی الجملہ تسلی ہو گئی اور فرمایا خدا کی اسی میں مصلحت ہوگی، سعید بن عامر کو ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ مدد کے لیے روانہ کیا اور قاصد کو ہدایت کی کہ خود ایک ایک صف میں جا کر زبانی یہ پیغام پہنچا:

الاعمر يقرئك السلام و يقول لكم يا اهل السلام اصدقوا اللقاء وشدوا عليهم شد الليوث وليكونوا اهون عليكم من الذر فانا قد علمنا انكم عليهم منصورون۔ (۱۳)

اردن کی حدود میں یرموک کا میدان ضروریات جنگ کے لحاظ سے نہایت باموقع تھا، اس لیے اس اہم معرکہ کے لیے اسی میدان کو منتخب کیا گیا، رومیوں کی تعداد دو لاکھ تھی، اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد صرف تیس بتیس ہزار تھی، لیکن سب یگانہ روزگار تھے اس فوج کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ تقریباً ایک ہزار ایسے بزرگ تھے جنھوں نے رسول اللہ کا جمال مبارک دیکھا تھا، سو وہ تھے

جو غزوۂ بدر میں حضور خیر الانام ﷺ کے ہمرکاب رہ چکے تھے، عام مجاہدین بھی ایسے قبائل سے تعلق رکھتے تھے جو اپنی شجاعت اور سپہ گری میں نظیر نہیں رکھتے تھے۔

یرموک کا پہلا معرکہ بے نتیجہ رہا، پانچویں رجب ۱۵ھ کو دوسرا معرکہ پیش آیا، رومیوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ تیس ہزار آدمیوں نے پاؤں میں بیڑیاں پہن لی تھیں کہ بھاگنے کا خیال تک نہ آئے، ہزاروں پادری اور بشپ ہاتھوں میں صلیب لیے آگے آگے تھے، اور حضرت عیسیٰ کا نام لے کر جوش دلاتے تھے، اس جوش واہتمام کے ساتھ رومیوں نے حملہ کیا، فریقین میں بڑی خونریز جنگ ہوئی، لیکن انجام کار مسلمانوں کی ثابت قدمی اور پامردی کے آگے ان کے پاؤں اکھڑ گئے، تقریباً ایک لاکھ عیسائی کھیت رہے اور مسلمان کل تین ہزار کام آئے قیصر کو اس ہزیمت کی خبر ملی تو حسرت وافسوس کے ساتھ شام کو الوداع کہہ کر قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوگیا۔(۱۴) حضرت عمرؓ نے مژدۂ فتح سنا تو اسی وقت سجدہ میں گر کر خدا کا شکر ادا کیا۔

فتح یرموک کے بعد اسلامی فوجیں تمام اطراف ملک میں پھیل گئیں اور قنسرین انطاکیہ، جومہ سرمین، توزی، قورس، تل عزاز، دلوک، رعبان وغیرہ چھوٹے چھوٹے مقامات نہایت آسانی کے ساتھ فتح ہوگئے۔

بیت المقدس:

فلسطین کی مہم پر حضرت عمروؓ بن العاص مامور ہوئے تھے انہوں نے نابلس، لد، عمواس، بیت جبرین وغیرہ پر قبضہ کر کے ۱۶ھ میں بیت المقدس کا محاصرہ کیا، اس اثناء میں حضرت ابوعبیدہؓ بھی اس مہم سے فارغ ہو کر ان سے مل گئے، بیت المقدس کے عیسائیوں نے کچھ دنوں کی مدافعت کے بعد مصالحت پر آمادگی ظاہر کی اور اپنے اطمینان کے لیے یہ خواہش ظاہر کی کہ امیر المومنین خود یہاں آکر اپنے ہاتھ سے معاہدہ لکھیں، حضرت عمرؓ کو اس کی خبر دی گئی انہوں نے اکابر صحابہؓ سے مشورہ کر کے حضرت علیؓ کو نائب مقرر کیا اور رجب ۱۶ھ میں مدینہ سے روانہ ہوئے۔(۱۵)

بیت المقدس کا سفر:

حضرت عمرؓ کا یہ سفر نہایت سادگی سے ہوا، مقام جابیہ میں افسروں نے استقبال کیا اور دیر تک قیام کر کے بیت المقدس کا معاہدۂ صلح ترتیب دیا، پھر وہاں سے روانہ ہو کر بیت المقدس میں داخل ہوئے پہلے مسجد میں تشریف لے گئے، پھر عیسائیوں کے گرجا کی سیر کی، نماز کا وقت ہوا تو عیسائیوں نے گرجا میں نماز پڑھنے کی اجازت دی، لیکن حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ آئندہ نسلیں اس کو حجت قرار دے کر مسیحی معبدوں میں دست اندازی نہ کریں، باہر نکل کر نماز پڑھی۔(۱۶) بیت المقدس سے واپسی کے وقت حضرت عمرؓ نے تمام ملک کا دورہ کیا، سرحدوں کا معائنہ کر کے ملک کی حفاظت کا انتظام کیا اور بخیر وخوبی مدینہ واپس تشریف لائے۔

متفرق معرکے اور فتوحات:

بیت المقدس کی فتح کے بعد بھی متفرق معرکے پیش آئے، اہل جزیرہ کی مستعدی اور ہرقل کی اعانت سے عیسائیوں نے دوبارہ حمص پر

قبضہ کی کوشش کی لیکن ناکام رہے، فلسطین کے اضلاع میں قیساریہ نہایت آباد اور پررونق شہر تھا، ۱۳ھ میں عمرو بن العاص نے اس پر چڑھائی کی ۱۸ھ تک متواتر حملوں کے باوجود فتح نہ ہوسکا، آخر ۱۸ھ کے اخیر میں امیر معاویہؓ نے ایک یہودی کی مدد سے قلعہ پر قبضہ کرلیا اور شہر پر اسلامی پرچم لہرانے لگا، جزیرہ پر ۱۶ھ میں عبداللہ بن المعتم نے فوج کشی کی، تکریت کا ایک مہینہ تک محاصرہ رہا اور چوبیس دفعہ حملے ہوئے آخر میں حسن تدبیر سے مسخر ہوا، باقی علاقوں کو عیاض بن غنم نے فتح کیا، اسی طرح ۱۶ھ میں مغیرہ بن شعبہ نے خوزستان پر حملہ کیا، ۱۷ھ میں معزول ہوئے اور ان کی جگہ حضرت ابوموسیٰ اشعری مقرر ہوئے، انہوں نے نئے سروسامان سے حملہ کیا اور اہواز، مناذر، سوس، رامہرز کو فتح کرتے ہوئے خوزستان کے صدر مقام شوستر کا رخ کیا۔ یہ نہایت مستحکم اور قلعہ بند مقام تھا، لیکن ایک شخص کی راہنمائی سے مسلمانوں نے نہ خانہ کی راہ سے گھس کر اس کو مسخر کرلیا، یہاں کا سردار ہرمزان گرفتار کرکے مدینہ بھیجا گیا، وہاں پہنچ کر اس نے اسلام قبول کرلیا۔(۱۷) حضرت عمرؓ نہایت خوش ہوئے، خاص مدینہ میں رہنے کی اجازت دی اور دو ہزار سالانہ مقرر کردیا۔

فتوحات مصر:

حضرت عمروؓ بن العاص نے باصرار فاروق اعظمؓ سے اجازت لے کر چار ہزار فوج کے ساتھ مصر پر حملہ کیا اور فرما، بلبیس اور ام دنین وغیرہ کو فتح کرتے ہوئے فسطاط کے قلعہ کا محاصرہ کرلیا اور حضرت عمرؓ کو امدادی فوج کے لیے لکھا، انہوں نے دس ہزار فوج اور چار افسر بھیجے، زبیرؓ بن العوام، عبادہؓ بن الصامت، مقدادؓ بن عمر، مسلمہؓ بن الخلد، حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت زبیرؓ کو ان کے رتبہ کے لحاظ سے افسر بنایا، سات مہینے کے بعد حضرت زبیرؓ کی غیر معمولی شجاعت سے قلعہ مسخر ہوا اور وہاں سے فوجیں اسکندریہ کی طرف بڑھیں، مقام کریوں میں ایک سخت جنگ ہوئی، یہاں بھی عیسائیوں کو شکست ہوئی اور مسلمانوں نے اسکندریہ پہنچ کر دم لیا اور چند دنوں کے محاصرہ کے بعد اس کو بھی فتح کرلیا، حضرت عمرؓ نے مژدہ فتح سنا تو سجدہ میں گر پڑے اور خدا کا شکر ادا کیا۔(۱۸)

فتح اسکندریہ کے بعد تمام مصر پر اسلام کا سکہ بیٹھ گیا اور بہت سے قبطی برضا و رغبت حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

فاروقی کارنامے

فتوحات پر اجمالی نظر

فتوحات کی جو تفصیل اوپر گزر چکی ہے اس سے بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے جوش ثبات اور استقلال کے باعث حضرت عمرؓ کے دس سالہ عہد خلافت میں روم و ایران کی عظیم الشان حکومتوں کا تختہ الٹ دیا، لیکن کیا تاریخ کوئی ایسی مثال پیش کرسکتی ہے کہ چند صحرا نشینوں نے اس قدر قلیل مدت میں ایسا عظیم الشان انقلاب پیدا کردیا ہو؟ بلاشبہ سکندر، چنگیز اور تیمور نے تمام عالم کو تہ و بالا کردیا لیکن ان کی فتوحات کو فاروق اعظمؓ کو کشورستانی سے کوئی مناسبت نہیں، وہ لوگ ایک طوفان کی طرح اٹھے اور ظلم و خونریزی کے مناظر دکھاتے ہوئے ایک طرف سے دوسری طرف کو گزر گئے، چنگیز اور تیمور کا حال تو سب کو معلوم ہے، سکندر کی یہ کیفیت ہے کہ اس نے ملک شام میں شہر صور فتح کیا تو ایک ہزار شہریوں کے سر کاٹ کر شہر پناہ کی دیوار پر لٹکا دیے اور تیس ہزار بے گناہ مخلوق کو لونڈی غلام بنا کر بیچ ڈالا، اسی طرح ایران میں اصطخر کو فتح کیا تو تمام مردوں کو قتل کرادیا، برخلاف اس کے حضرت عمرؓ کے فتوحات میں ایک واقعہ بھی ظلم و تعدی

کا نہیں ملتا۔ فوج کو خاص طور پر ہدایت تھی کہ بچوں، بوڑھوں، عورتوں سے مطلق تعرض نہ کیا جائے قتل عام تو ایک طرف ہرے بھرے درختوں تک کو کاٹنے کی اجازت نہ تھی، مسلمان حکام مفتوحہ اقوام کے ساتھ ایسا عدل وانصاف کرتے تھے اور اس طرح اخلاق سے پیش آتے تھے کہ تمام رعایا ان کی گرویدہ ہو جاتی اور اسلامی حکومت کو خدا کی رحمت تصور کرتی تھی، صرف یہی نہیں بلکہ وہ لوگ جوش امتنان میں مسلمانوں کی اعانت ومساعدت سے دریغ نہیں کرتے تھے فتوحات شام میں خود شامیوں نے جاسوسی اور خبر رسانی کی خدمات انجام دیں۔(۱۹) حملہ مصر میں قبطیوں نے سفر مینا کا کام کیا۔(۲۰) اسی طرح عراق میں عجمیوں نے اسلامی لشکر کے لیے پل بندھوائے اور غنیم کے راز سے مطلع کر کے نہایت گرانقدر خدمات انجام دیں۔ ان حالات کی موجودگی میں حضرت عمرؓ کے مقابلہ میں سکندر اور چنگیز جیسے سفاکوں کا نام لینا کس قدر بے موقع ہے سکندر اور چنگیز کی سفاکیاں فوری فتوحات کے لیے مفید ثابت ہوئیں لیکن جس سلطنت کی بنیاد ظلم وتعدی پر ہوتی ہے وہ کبھی دیرپا نہیں ہو سکتی، چنانچہ ان لوگوں کی سلطنتیں بھی نقش برآب ثابت ہوئیں، اس کے برخلاف فاروق اعظمؓ نے جو وسیع سلطنت قائم کی اس کی بنیاد عدل وانصاف اور مسالمت پر قائم ہوئی تھی اس لیے وہ آج تیرہ سو برس کے بعد بھی اسی طرح ان کے جانشینوں کے قبضہ اقتدار میں موجود ہے۔

عہد عثمانیؓ کی فتوحات پر صلح حدیبیہ کے اثرات:

فاروق اعظمؓ نے اپنے عہد میں شام، مصر اور ایران کو فتح کر کے ممالک محروسہ میں شامل کر لیا تھا، نیز ملکی نظم ونسق اور طریقہ حکمرانی کا ایک مستقل دستور العمل بنا دیا تھا، اس لیے حضرت عثمانؓ کے لیے میدان صاف تھا، انہوں نے صدیق اکبرؓ کی نرمی وملاطفت اور فاروق اعظمؓ کی سیاست کو اپنا شعار بنایا اور ایک سال تک قدیم طریق نظم ونسق میں کسی قسم کا تغیر نہیں کیا البتہ خلیفہ سابق کی وصیت کے مطابق حضرت سعد بن وقاصؓ کو مغیرہ بن شعبہؓ کی جگہ کوفہ کا والی بنا کر بھیجا۔(۲۱) یہ پہلی تقرری تھی جو حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے عمل میں آئی۔

۲۴ھ میں بعض چھوٹے چھوٹے واقعات پیش آئے، یعنی آذربائیجان اور آرمینیہ پر فوج کشی ہوئی، کیوں کہ وہاں کے باشندوں نے حضرت عمرؓ کی وفات سے فائدہ اٹھا کر خراج دینا بند کر دیا۔ اسی طرح رومیوں کی چھیڑ چھاڑ کی خبر سن کر حضرت عثمانؓ نے کوفہ سے سلمان بن ربیعہ کو چھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ امیر معاویہؓ کی مدد کے لیے شام روانہ کیا۔

عہد فاروقیؓ میں مصر کے والی عمرو بن العاصؓ تھے اور تھوڑا سا علاقہ جو صعید کے نام سے مشہور ہے عبداللہ بن ابی سرحؓ کے متعلق تھا، مصر کے خراج کی جو رقم دربار خلافت کو بھیجی جاتی تھی، حضرت عمرؓ ہی کے زمانہ سے اس کی کمی کے متعلق شکایت چلی آتی تھی، اس لیے حضرت عثمانؓ نے مصری خراج کے اضافہ کا مطالبہ کیا، عمرو بن العاصؓ نے کہلا بھیجا کہ اونٹنی اس سے زیادہ دودھ نہیں دے سکتی، اس پر حضرت عثمانؓ نے ان کو معزول کر کے عبداللہؓ بن ابی سرحؓ کو پورے مصر کا گورنر بنا دیا، مصریوں پر عمرو بن العاصؓ کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی اس لیے ان کی برطرفی سے ان کے دلوں میں مصر پر دوبارہ قبضہ کا خیال پیدا ہوا۔ ۲۵ھ میں ان کی شہ پا کر اسکندریہ کے لوگوں نے بغاوت کر دی، حضرت عثمانؓ نے مصر والوں کے مشورہ سے اس فتنہ کو فرو کرنے کے لیے عمرو بن العاصؓ ہی کو متعین کیا، انہوں نے حسن تدبر سے اس بغاوت کو فرو کیا، اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے چاہا کہ فوج کا صیغہ عمرو بن العاصؓ کے پاس رہے اور مال وخراج کے صیغے عبداللہ بن ابی سرحؓ کے سپرد رہیں، مگر عمرو بن العاصؓ نے اسے منظور نہ کیا، یعقوبی نے لکھا ہے کہ عمرو بن العاصؓ نے باغیوں کے اہل وعیال کو لونڈی غلام بنا ڈالا

تھا، حضرت عثمانؓ نے اس پر ناراضی ظاہر فرمائی اور جو لوگ لونڈی غلام بنائے گئے تھے ان کو آزاد کرا دیا۔(۲۲) اس کے بعد دو برس تک عمرو بن العاصؓ مصر کے مال وخراج کے افسر رہے، اسی سال عبداللہؓ بن ابی سرح نے دربار خلافت کے حکم سے طرابلس (ٹریپولی) کی مہم کا انتظام کیا، نیز امیر معاویہؓ نے ایشیائے کوچک میں شامی سرحدوں کے قریب کے دوروی قلعے فتح کر لیے۔

۲۶ھ میں سب سے اہم واقعہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی معزولی ہے اس کا سبب یہ ہوا کہ انہوں نے بیت المال سے ایک لمبی رقم قرض لی تھی، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ مہتمم بیت المال نے تقاضا کیا تو حضرت سعدؓ نے ناداری کا عذر کیا اور یہ قضیہ دربار خلافت تک پہنچا، بیت المال میں اس قسم کا تصرف دیانت کے خلاف تھا، اس لیے حضرت عثمانؓ، حضرت سعدؓ بن وقاصؓ پر نہایت برہم ہوئے اور ان کو معزول کر کے ولیدؓ بن عقبہ کو والی کوفہ مقرر کیا، عبداللہ بن مسعودؓ پر بھی خفگی ظاہر کی، لیکن چونکہ ان کی غلطی صرف بے احتیاطی تھی اس لیے ان کو ان کے عہدہ سے نہیں ہٹایا۔

۲۷ھ میں مصر کی دوعملی میں اختلاف شروع ہوا اور عبداللہؓ بن ابی سرح اور عمرو بن العاصؓ نے جو فوجی اور مالی صیغوں کے افسر تھے، دربار خلافت میں ایک دوسرے کی شکایت کی، حضرت عثمانؓ نے تحقیقات کر کے عمرو بن العاصؓ کو معزول کر دیا اور عبداللہ بن ابی سرحؓ کو مصر کے تمام صیغوں کا تنہا مالک (۲۳) بنا دیا۔ عمرو بن العاصؓ اس فیصلہ سے نہایت کبیدہ ہوئے اور مدینہ چل گئے عمرو بن العاصؓ کے زمانہ میں مصر کا خراج ۲۰ لاکھ تھا، عبداللہ بن ابی سرحؓ نے کوشش کر کے چالیس لاکھ کر دیا۔

حضرت عثمانؓ نے فخریہ عمرو بن العاصؓ سے کہا دیکھو! آخر اونٹنی نے دودھ دیا، انہوں نے جواب دیا کہ ہاں دودھ تو دیا لیکن بچے بھوکے رہ گئے۔

فتح طرابلس:

مہم طرابلس کا اہتمام تو ۲۵ھ ہی میں ہوا تھا، لیکن باقاعدہ فوج کشی ۲۷ھ میں ہوئی، عبداللہ بن ابی سرحؓ گورنر مصر افسر عام تھے، حضرت عثمانؓ نے دارالحکومت سے بھی ایک لشکر جرار کمک کے لیے روانہ کیا جن میں عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اور حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

اسلامی فوجیں مدت تک طرابلس کے میدان میں معرکہ آراء رہیں، یہاں تک کہ مسلمانوں کی شجاعت، جان بازی اور ثبات و استقلال کے آگے اہل طرابلس کے پاؤں اکھڑ گئے، عبداللہ بن ابی سرحؓ نے فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے بنا کر تمام ممالک میں پھیلا دیے، طرابلس کے امراء نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کا مقابلہ ممکن نہیں ہے تو عبداللہ بن ابی سرحؓ کے پاس آکر پچیس لاکھ دینار پر مصالحت کر لی۔(۲۴)

فتح افریقیہ:

افریقیہ سے مراد وہ علاقے ہیں جن کو اب الجزائر اور مراکش کہا جاتا ہے یہ ممالک ۲۶ھ میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی ہمت و شجاعت اور حسن تدبیر سے فتح ہوئے اس سلسلے میں بڑے بڑے معرکے پیش آئے اور بالآخر کامیابی اسلامی فوج کو حاصل ہوئی اور علاقے بھی

ممالک محروسہ میں شامل ہوئے۔

اسپین پر حملہ:

افریقیہ کی فتح کے بعد اسپین کا دروازہ کھلا، چنانچہ ۲۷ھ میں حضرت عثمانؓ نے اسلامی فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دیا اور عبداللہ بن نافع بن عبد قیس اور عبداللہ بن نافع بن حصین دو صاحبوں کو اس مہم کے لیے نامزد کیا، جنہوں نے کچھ فتوحات حاصل کیں لیکن پھر مستقل مہم روک دی گئی اور عبداللہ بن ابی سرح مصر واپس بھیجے گئے اور عبداللہ بن نافع بن عبد القیس افریقیہ کے حاکم مقرر کیے گئے۔

عبداللہ بن ابی سرح کو انعام:

حضرت عثمانؓ نے عبداللہؓ بن ابی سرح سے وعدہ کیا کہ افریقیہ کی فتح کے صلہ میں مال غنیمت کا پانچواں حصہ ان کو انعام دیا جائے گا، اس لیے عبداللہ نے اس وعدہ کے مطابق اپنا حصہ لیا لیکن عام مسلمانوں نے حضرت عثمانؓ کی اس فیاضی پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا، حضرت عثمانؓ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے عبداللہ بن ابی سرح سے اس رقم کو واپس کرا دیا اور فرمایا کہ میں نے بے شک وعدہ کیا تھا لیکن مسلمان اس کو تسلیم نہیں کرتے اس لیے مجبوری ہے۔(۴۵)

اور ایک روایت ہے کہ افریقیہ کا خمس مدینہ بھیجا گیا تھا جو مروان کے ہاتھ پانچ لاکھ دینار میں بیچا گیا تھا، ابن اثیر نے ان دونوں روایتوں میں یہ تطبیق دی ہے کہ عبداللہ بن ابی سرح کو افریقیہ کے پہلے غزوہ (شاید طرابلس) کے مال غنیمت کا خمس دیا گیا تھا اور مروان کے ہاتھ پورے افریقیہ کی غنیمت کا خمس بیچا گیا تھا۔

فتح قبرص:

قبرص جس کو اب سائپرس کہتے ہیں، بحر روم میں شام کے قریب ایک نہایت زرخیز جزیرہ ہے اور یورپ اور روم کی طرف سے مصر و شام کی فتح کا دروازہ ہے اور مصر و شام کی حفاظت اس وقت تک نہیں ہو سکتی اور نہ رومیوں کا خطرہ اس وقت تک دور ہو سکتا تھا، جب تک یہ بحری ناکہ بندی مسلمانوں کے قبضہ میں نہ ہو، اس لیے امیر معاویہؓ نے عہد فاروقی ہی میں اس پر فوج کشی کی اجازت طلب کی تھی، مگر حضرت عمرؓ بحری جنگ کے خلاف تھے اس لیے انکار کر دیا اس کے بعد ۲۸ھ میں امیر معاویہؓ نے پھر حضرت عثمانؓ سے اصرار کے ساتھ قبرص پر لشکر کشی کی اجازت طلب کی اور اطمینان دلایا کہ بحری جنگ کو جس قدر خوفناک سمجھا جاتا ہے اس قدر خوفناک نہیں ہے، حضرت عثمانؓ نے لکھا کہ اگر تمہارا بیان صحیح ہے تو حملہ میں مضائقہ نہیں، لیکن اس مہم میں اسی کو شریک کیا جائے جو اپنی خوشی سے شرکت کرے اس اجازت کے بعد عبداللہ بن قیس حارثی کی زیر قیادت اسلامی بحری بیڑہ قبرص پر حملے کے لیے روانہ ہوا اور صحیح و سلامت قبرص پہنچ کر لنگر انداز ہوا، عبداللہ بن قیس امیر البحر ناگہانی طور پر شہید ہوئے، لیکن سفیان بن عوف ازدی نے علم سنبھال کر اہل قبرص کو مغلوب کر لیا اور شرائط ذیل پر مصالحت ہوئی۔

(۱) اہل قبرص ۷۰۰۰ ہزار دینار سالانہ خراج ادا کریں گے۔

(۲) مسلمان قبرص کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہوں گے۔

(۳) بحری جنگوں میں اہل قبرص مسلمانوں کے دشمنوں کی نقل وحرکت کی ان کو اطلاع دیا کریں گے۔(۲۶)

اہل قبرص کچھ دنوں تک اس معاہدہ پر قائم رہے، لیکن ۳۳ھ میں انہوں نے اس کے خلاف رومی جہازوں کو مدد دی، اس لیے امیر معاویہؓ نے دوبارہ قبرص پر فوج کشی کی اور اس کو فتح کر کے ممالک محروسہ میں شامل کر لیا۔(۲۷) اور منادی کرادی کہ آئندہ سے یہاں کے باشندے رومیوں کے ساتھ کسی قسم کے تعلقات نہ رکھیں۔

والی بصرہ کی معزولی:

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ عہد فاروقیؓ سے بصرہ کی ولایت پر مامور تھے، حضرت عثمانؓ نے بھی اپنے زمانہ میں چھ برس تک ان کو اس منصب پر برقرار رکھا، لیکن یہاں ایک بڑی جماعت ہمیشہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی مخالفت پر آمادہ رہتی تھی چنانچہ حضرت عمرؓ کے عہد میں بارہا ان کی شکایتیں پہنچیں مگر فاروقی رعب وداب نے مخالفین کو ہمیشہ دبائے رکھا۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ان کو آزادی کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے خلاف سازش پھیلانے کا موقع مل گیا اسی اثناء میں کردوں نے بغاوت کردی۔ حضرت موسیٰ اشعریؓ نے مسجد میں جہاد کا وعظ کیا اور اللہ کی راہ میں پیادہ پا چلنے کے فضائل بیان کیے اس کا اثر یہ ہوا کہ بہت سے مجاہدین جن کے پاس گھوڑے موجود تھے وہ بھی پیادہ پا چلنے کو تیار ہو گئے، لیکن چند آدمیوں نے کہا کہ ہم کو جلدی نہ کرنا چاہیے، دیکھیں ہمارا والی کس شان سے چلتا ہے؟ چنانچہ صبح کے وقت دارالامارت کے قریب مجاہدین کا مجمع ہوا، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اس شان سے نکلے کہ ایک ترکی نسل کے گھوڑے پر سوار تھے اور چالیس خچروں پر ان کا اسباب وسامان تھا، لوگوں نے بڑھ کر باگ پکڑ لی اور کہا ''قول وفعل میں اختلاف کیسا؟ دوسروں کو جس چیز کی ترغیب دیتے ہو اس پر خود کیوں عمل نہیں کرتے؟ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اس کا کوئی تشفی بخش جواب نہ دے سکے اور اسی وقت ایک جماعت شکایت لے کر مدینہ پہنچی اور ان کی معزولی کا مطالبہ کیا، حضرت عثمانؓ نے ۲۹ھ میں ان کو معزول کر دیا اور عبداللہ بن عامر کو اس منصب پر مامور کیا۔(۲۸)

فتح طبرستان:

۳۰ھ میں عبداللہ بن عامر بصرہ کے نئے والی اور سعید بن عاصؓ نے دو مختلف راستوں سے خراسان اور طبرستان کا رخ کیا، سعید بن عاصؓ کے ساتھ حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ جیسے اکابر شریک تھے، ان لوگوں نے پیش قدمی کر کے عبداللہ بن عامرؓ کے پہنچنے سے پہلے جرجان، خراسان اور طبرستان کو فتح کر لیا۔(۲۹) اسی اثنا میں ولید بن عقبہ والی کوفہ کے خلاف ایک سازش ہوئی اور ان پر شراب خوری کا الزام لگایا گیا یہ الزام ایسا تھا کہ حضرت عثمانؓ کو انہیں معزول کرنا پڑا اور ان کی جگہ سعید بن عاصؓ کوفہ کے والی مقرر ہوئے۔

عبداللہؓ بن عامر نے اپنی مہم کو جاری رکھا اور ہرات، کابل اور سجستان کو فتح کر کے نیشاپور کا رخ کیا، بست، اشند ورخ، خواف، اسبرائن، ارغیان وغیرہ فتح کرتے ہوئے خاص شہر نیشاپور کا رخ کیا، اہل نیشاپور نے چند مہینوں تک مدافعت کی لیکن پھر مجبور ہو کر سات لاکھ درہم سالانہ پر مصالحت کر لی۔

عبداللہ بن عامرؓ نے نیشاپور کے بعد عبداللہ بن خازم کو سرخس کی طرف روانہ کیا اور خود ماوراء النہر کی طرف بڑھے، سرخس کے باشندوں نے اطاعت قبول کرلی، اہل ماوراء النہر نے بھی مصالحت پر آمادگی ظاہر کی اور بہت سے گھوڑے، ریشمی کپڑے اور مختلف قسم کے تحائف لے کر حاضر ہوئے، عبداللہ بن عامرؓ نے صلح کرلی اور قیس بن الہیثم کو اپنا قائم مقام بنا کر خود اسباب وسامان کے ساتھ دارالخلافہ کارخ کیا۔

عظیم الشان بحری جنگ:

۳۱ھ میں قیصر روم نے ایک عظیم الشان جنگی بیڑا جس میں تقریباً پانچ سو جہاز تھے۔ سواحل شام پر حملہ کے لیے بھیجا، مورخین کا بیان ہے کہ رومیوں نے مسلمانوں سے مقابلہ میں ایسی عظیم الشان قوت کا مظاہرہ اس سے پہلے کبھی نہیں کیا تھا، امیر البحر عبداللہ بن ابی سرحؓ نے مدافعت کے لیے اسلامی بیڑے کو آگے بڑھایا اور سطح سمندر پر دونوں آپس میں مل گئے دوسری صبح کو مسلمانوں نے اپنے کل جہاز ایک دوسرے سے باندھ دیے اور فریقین میں نہایت خونریز جنگ ہوئی بے شمار رومی مارے گئے، مسلمان بھی بہت سے شہید ہوئے لیکن ان کے استقلال وشجاعت نے رومیوں کے پاؤں اکھاڑ دیے اور ان کی بہت تھوڑی تعداد زندہ بچی، خود قسطنطین اس معرکہ میں زخمی ہوا اور اسلامی بیڑہ مظفر ومنصور اپنی بندرگاہ میں واپس آیا۔(۳۰)

متفرق فتوحات:

قبرص، طرابلس اور طبرستان کے علاوہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں اور بھی فتوحات ہوئیں۔ ۳۱ھ میں حبیب بن مسلمہ فہری نے آرمینیہ کو فتح کرکے اسلامی ممالک محروسہ میں شامل کرلیا۔(۳۱)

۳۲ھ میں امیر معاویہؓ خلیج قسطنطنیہ تک بڑھتے چلے گئے۔ ۳۲ھ میں عبداللہ ابن عامرؓ نے مرورود، طالقان، فاریاب اور جوزجان کو فتح کیا۔ ۳۳ھ میں امیر معاویہؓ نے ارض روم میں حصن المراۃ پر حملہ کیا، اسی سال اہل خراسان نے بغاوت کی، عبداللہ بن عامرؓ والی بصرہ نے احنف بن قیس کو بھیج کر اسے فرو کرایا، اسی طرح ۳۴ھ میں اہل طرابلس نے نقض امن کیا، عبداللہ بن ابی سرحؓ نے ایک لشکر جرار کے ساتھ چڑھائی کرکے انہیں قابو میں کیا۔

۱۸ ذوالحجہ ۳۵ھ میں حضرت عثمانؓ کی شہادت واقع ہوئی۔

عہد مرتضویؓ کی جنگوں پر صلح حدیبیہ کے اثرات:

بیعت خلافت

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے تین دن بعد مسند خلافت خالی رہی اس عرصہ میں لوگوں نے حضرت علیؓ سے اس منصب کے قبول کرنے کے لیے سخت اصرار کیا۔ انہوں نے پہلے اس بارگراں کے اٹھانے سے انکار کردیا لیکن آخر میں مہاجرین وانصار کے اصرار سے مجبور ہوکر اٹھانا پڑا۔(۳۲) اور اس واقعہ کے تیسرے دن ۲۱ ذی الحجہ دوشنبہ کے دن مسجد نبوی میں جناب علی مرتضیٰؓ کے دست اقدس پر بیعت ہوئی۔

مسند نشین خلافت ہونے کے بعد سب سے پہلا کام حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا پتہ چلانا اور ان کو سزا دینا تھا، لیکن دقت یہ تھی کہ شہادت کے وقت صرف ان کی بیوی نائلہ بنت الفرافصہ موجود تھیں جو اس کے سوا کچھ نہ بتا سکیں کہ محمد بن ابی بکرؓ دو آدمیوں کے ساتھ جن

کو وہ پہلے سے پہچانتی نہیں تھیں، اندر آئے۔ حضرت علیؓ نے محمد بن ابی بکرؓ کو پکڑا تو انہوں نے قسم کھا کر اپنی برأت ظاہر کی کہ وہ قتل کے ارادے سے ضرور داخل ہوئے تھے لیکن حضرت عثمانؓ کے جملے سے محجوب ہو کر پیچھے ہٹ آئے۔ البتہ ان دونوں بدکاروں نے بڑھ کر حملہ کیا جن کو وہ بھی نہیں جانتے تھے کہ کون تھے؟ حضرت نائلہؓ نے بھی اس بیان کی تصدیق کی کہ محمد بن ابی بکرؓ شریک نہ تھے۔ غرض تحقیق و تفتیش کے باوجود قاتلوں کا پتہ نہ تھا۔ تاریخ کی کتابوں میں قاتلوں کے مختلف نام مذکور ہیں لیکن شہادت کی قانونی حیثیت سے وہ مجرم ثابت نہیں ہوتے اس لیے مجرموں کا کوئی پتہ نہ چلا اور حضرت علیؓ اس وقت کوئی کارروائی نہ کر سکے۔

حضرت علیؓ کے نزدیک اس انقلاب کا اصلی سبب عمال کی بے اعتدالیاں تھیں اور بڑی حد تک یہ صحیح بھی ہے اس لیے آپ نے تمام عثمانی عمال کو معزول کر کے عثمان بن حنیف کو بصرہ کا عامل مقرر کیا، عمارہ بن حسان کو کوفہ کی حکومت سپرد کی۔ حضرت عبداللہؓ بن عباس کو یمن کی ولایت پر مامور کیا اور سہل کو حکومت شام کا فرمان دے کر روانہ کیا۔ سہل تبوک کے قریب پہنچے تو امیر معاویہؓ کے سوار مزاحم ہوئے اور ان کو مدینہ جانے پر مجبور کیا اس وقت حضرت علیؓ کو معلوم ہوا کہ ان کی خلافت جھگڑوں سے پاک نہیں ہے۔ (۳۳)

فتوحات:

حضرت علیؓ مرتضیٰ کو اندرونی شورشوں اور خانگی جھگڑوں کے دبانے سے اتنی فرصت نہ مل سکی کہ وہ اسلام کے فتوحات کے دائرہ کو بڑھا سکتے تاہم بیرونی امور سے غافل نہ رہے۔ چنانچہ سیستان اور قابل کی سمت میں بعض عرب خودمختار ہو گئے تھے، ان کو قابو میں کر کے آگے قدم بڑھایا۔ (۳۴) اور ۳۸ھ میں بعض مسلمانوں کو بحری راستہ سے ہندوستان پر حملہ کرنے کی اجازت دی۔ اس وقت کوکن بمبئی کا علاقہ سندھ میں شامل تھا۔ مسلمان رضاکار سپاہیوں نے سب سے پہلے اسی عہد میں کوکن پر حملہ کیا۔ (۳۵)

تاریخ اسلام کے دیگر ادوار پر صلح حدیبیہ کے اثرات:

شہادت علیؓ کے بعد عہد بنو امیہ کا آغاز ہوا جس کے ساتھ ہی فتوحات اسلامی کا ایک نیا دور شروع ہوا جو کہ عہد بنو امیہ کے بعد، عہد بنو عباس پھر عہد فاطمین مصر اور عہد ترکان عثمان تک چلا جاتا ہے جو کہ تاریخ اسلام اور ادارہ خلافت کے حوالے سے انتہائی لازوال و بے مثال اثرات اور اہمیت و حیثیت کا حامل ہے۔ یہ حدیبیہ کی تاریخ ساز صلح ہی تھی کہ جس نے اسلامی تاریخ کے دھارے کا رخ ہی بدل کر رکھ دیا اور فتوحات کے دائرہ کو اس قدر اور تیزی سے وسعت دی کہ تاریخ عالم میں اس جیسی دوسری مثل نہیں ملتی۔

﴿حواشی و حوالہ جات﴾

(۱) تاریخ الطوال، ص ۳۹
(۲) عقد الفرید، ج ۳، ص ۸۱
(۳) طبری، ص ۱۵۷۲
(۴) اسد الغابہ تذکرہ دحیہ بن خلیفہ کلبی
(۵) طبقات ابن سعد حصہ مغازی، ص ۹۴
(۶) تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۴۷، یہ سلاطین ایرانی حکومت کے باجگزار تھے۔
(۷) تاریخ طبری و فتوح الشام بلاذری، ص ۱۱۶
(۸) تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۵۱
(۹) تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۵۱
(۱۰) طبری، ص ۲۱۵۸
(۱۱) فتوح الشام بلاذری، ص ۱۳۱
(۱۲) کتاب الخراج قاضی ابو یوسف، ص ۲۱
(۱۳) ترجمہ: "اے برادران اسلام! عمرؓ نے بعد سلام کے تم کو پیغام دیا ہے کہ پوری سرگرمی کے ساتھ جنگ کرو اور دشمنوں پر شیروں کی طرح اس طرح حملہ آور ہو کہ وہ تم کو چیونٹیوں سے زیادہ حقیر معلوم ہوں، ہم کو یقین کامل ہے کہ خدا کی نصرت تمہارے ساتھ ہے اور آخر فتح تمہارے ہاتھ ہے۔"
(۱۴) فتوح البلدان بلاذری، ص ۱۳۲، واقعات کی تفصیل بلاذری سے ماخوذ ہے۔
(۱۵) طبری، ص ۲۳۰۴
(۱۶) فتوح البلدان بلاذری، ص ۱۳۷
(۱۷) عقد الفرید ابن عبد ربہ باب المکیدة فی الحرب
(۱۸) مقریزی، ص ۲۶۷
(۱۹) بلاذری، ص ۱۳۸
(۲۰) ایضاً
(۲۱) ابن اثیر ۲، ص ۶۱
(۲۲) یعقوبی، ج ۲، ص ۱۸۹
(۲۳) ابن اثیر، ج ۳، ص ۶۸
(۲۴) یعقوبی، ج ۲، ص ۱۸۹
(۲۵) طبری، ص ۲۸۱۵
(۲۶) ابن اثیر، ج ۳، ص ۷۴-۷۵
(۲۷) ایضاً، ج ۲، ص ۱۰۷
(۲۸) طبری، ص ۲۹۲۸
(۲۹) ابن اثیر، ج ۳، ص ۸۲
(۳۰) ابن اثیر، ج ۳، ص ۹۱
(۳۱) ایضاً
(۳۲) طبری، ص ۳۱۱۰
(۳۳) ابن کثیر، ج ۳، ص ۱۵۳
(۳۴) فتوح البلدان بلاذری باب سیستان و کابل
(۳۵) ایضاً ذکر فتوح السند

”صلح حدیبیہ“ اور عہدِ حاضر کے

بین الاقوامی معاہدات

بیشتر ممالک کی دو بڑی طاقتوں کے مابین مقابلے کی فضا میں تحفظ حاصل تھا لیکن ایسا بھی ہوا کہ ہاتھیوں کی لڑائی میں چھوٹے ممالک کو کچلا گیا، دونوں بڑی طاقتوں نے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے متحارب فریقوں میں تنازعات کو ہوا دی اور اسلحہ مہیا کیا۔ ان دونوں نے لاکھوں انسانوں کے خون سے ہاتھ رنگے اور ایک دوسرے سے انتقام لے کر اپنے تئیں سرخ رو ہوئے۔

تیسری دنیا کے ممالک فوجی معاہدوں کے بجائے دفاعی اسلحہ اور ساز و سامان حاصل کرنے کے لیے ترقی یافتہ ممالک سے رجوع کرتے ہیں، ایسے معاہدوں کو دفاعی معاہدے نہیں دوستی کے معاہدے کہا جاتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ کوئی بڑی قوت چھوٹی قوت کے ساتھ کیے گئے دوستی کے معاہدے کی پاسداری بھی کرے۔ امریکہ نے مشرق وسطی کے ممالک کو اپنے دام میں لانے کے لیے سینٹو معاہدے کی بنیاد رکھی تو اس میں پاکستان بھی شامل تھا لیکن جب ۱۹۷۱ء میں بھارت نے پاکستان پر جارحیت کی تو امریکہ نے پاکستان کی مدد کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

عالمی رائے عامہ بھی اپنا وزن رکھتی ہے (یہی وجہ ہے کہ امریکہ جیسی واحد سپر پاور بھی کسی ملک پر حملہ کرنے سے پہلے اس ملک کے خلاف بڑی پراپیگنڈہ مہم شروع کرتی ہے۔) گو بہت زیادہ ہنگامی کیفیت میں فیصلہ کن حمایت حاصل کرنے کی خاطر رائے عامہ پر انحصار حماقت ہوگی۔ دسمبر ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ کے دوران اقوام متحدہ کی غالب اکثریت نے بھارت کے خلاف اور افغانستان میں روس کی فوج مداخلت کے خلاف ووٹ دیا لیکن بھارت نے پاکستان اور روس نے افغانستان کے خلاف جارحیت جاری رکھی۔ اقوام متحدہ نے اسرائیل کی جارحانہ روش پر کئی بار مذمت کی لیکن وہ عرب علاقوں پر قبضہ جمانے کی مہم جوئی ہنوز جاری رکھے ہوئے ہے۔ اسی طرح اسرائیل نے اپنی سرحد پر جو باڑ کی تعمیر کا کام شروع کر رکھا ہے بین الاقوامی عدالت بھی اسے غیر قانونی قرار دے چکی ہے لیکن اسرائیل نے اس فیصلے کو قطعی اہمیت نہیں دی کیوں کہ اسے بڑی طاقتوں کی آشیر باد حاصل ہے۔ (۱)

نئی ایجادات کی بدولت دنیا ایک خاندان بن چکی ہے کوئی ملک الگ تھلگ نہیں رہ سکتا، جس طرح ہمسایوں کی خیر سگالی شہر یا گاؤں میں اہمیت رکھتی ہے، اسی طرح بین الاقوامی سطح پر بھی قدر و قیمت رکھتی ہے۔ ایک فریق کی کوشش ہوتی ہے کہ اپنے لیے دوسروں کی حمایت اور دوستی حاصل کی جائے اور دشمن کو بدنام کیا جائے۔ اس ضمن میں ایک مثال ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ سے قبل بھارت کی سفارتی کارکردگی ہے اس نے دنیا میں ایک بہت بڑی پراپیگنڈا مہم جاری کی اور مغربی ممالک میں بڑی بے شرمی کے ساتھ پاکستان کے خلاف جھوٹا پراپیگنڈا جاری رکھا۔ اسی طرح امریکہ نے افغانستان پر حملہ کرنے سے پیشتر اسامہ بن لادن اور طالبان کے خلاف شدید پراپیگنڈا کر کے دنیا کو ان کی دہشت گردی سے ڈرایا اور ان کے خلاف نفرت پیدا کی پھر افغانستان پر حملہ کر دیا۔ اسی طرح عراق پر حملہ کرنے سے پیشتر بش نے اس کے خطرناک ہتھیاروں کا واویلا کیا اور بالآخر وہاں سے کیا نکلا؟ اس کا مقصد صرف دنیا میں صدام حکومت کے خلاف نفرت پھیلانا تھا۔

ہر عروج کو زوال کا مزہ بھی چکھنا ہے، امریکہ کا زوال بھی شروع ہو چکا ہے اب دانشوروں اور ماہرین کو امریکہ اور یورپی یونین کے درمیان ایک زوردار معرکے کے امکانات پر غور کرنا چاہیے جس کے بعد امریکہ کی قوت ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گی اور اسے بھی ایسے ہی پر تذلیل معاہدات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ (۲)

باب پنجم

''صلح حدیبیہ'' اور عہد حاضر کے بین الاقوامی معاہدات

(عصر حاضر میں مسلم امہ کے مسائل اور ان کے حل کے حوالے سے ایک جائزہ)

﴿فصل اول﴾

بیسویں صدی عیسوی کے اہم بین الاقوامی معاہدت اور صلح حدیبیہ:۔ تقابلی جائزہ

دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ عالمی امن کی راہ میں خود عالمی طاقتوں کی برتری قائم رکھنے والی حکمت عملی ہی سب سے بڑی رکاوٹ ہے خصوصاً ایسی صورت حال میں جب اس طاقت کے مد مقابل کوئی دوسری خاطر خواہ طاقت موجود نہ ہو۔ افغانستان اور عراق کا حشر دنیا دیکھ چکی ہے اور مزید کئی ممالک بھی اس خطرے سے دوچار ہیں۔ اقوام متحدہ اگرچہ بڑی طاقتوں کے زیر اثر کام کر رہی ہے لیکن پھر بھی چھوٹے ممالک کے لیے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کے مصداق ایک نعمت سے کم نہیں۔

دنیا کی تاریخ میں تنازعات نے جنم لیا تو معاہدے بھی وجود میں آئے۔ انسان نے اپنے مفادات کے حصول اور باہمی اختلافات اور تنازعات کے حل کے لیے یا تو خون کی ندیاں بہائیں یا پھر کمزور کو بغیر جنگ کیے ہی اپنی شرائط کے تابع کیا۔ دنیا کے بیشتر تنازعات میں ایسا ہوا کہ طاقتور گروہ مدعی، منصف اور خود ہی وکیل بھی ہوتا تھا، اس کی تازہ مثال عراق پر مسلط کی گئی جنگ ہے جس میں امریکہ بہادر نے خود ہی مدعی بن کر عراق کو خطرناک ایٹمی ہتھیاروں کا ملزم ٹھہرایا، وکالت کی اور جج کے فرائض بھی انجام دیے اس سے پہلے افغانستان میں بھی ایسا ہی کردار ادا کیا گیا۔

الغرض طاقتور کمزور کے حق میں اپنی پسند کا فیصلہ تجویز کر دیتا اور کمزور دشمن کی شراکت صرف اس قدر ہوتی ہے کہ وہ بلا چوں و چرا اس ''انصاف'' فیصلے یا معاہدے کی شرائط کو قبول کر لے۔ سوویت یونین کی تحلیل کے بعد دنیا یک قطبی نظام کے تحت چل رہی ہے لہٰذا جنگ کے بعد معاہدہ امن ہو یا حالت جنگ سے بچنے اور تنازعات کے خاتمے کے لیے مصالحانہ مفاہمت پر مبنی معاہدے سب کے سب ایک ہی عالمی طاقت کے زیر اثر نظر آتے ہیں۔

ماضی میں ایسا بھی ہوا کہ وہ تنازعات جن کی وجہ سے انسانیت حیوانیت میں بدل کر جنگ و جدل کے میدان میں اتری ان کے حل کے لیے جو معاہدات ہوئے ان کی شرائط لکھنے میں استعمال ہونے والی وہ بدبودار روشنائی نے خون کی ندیاں بہائیں۔ اس کی بڑی مثال پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے واقعات ہیں، یہ مظاہرے ایسی قوموں نے کیے جو ہمیشہ سے خود کو مہذب کہنے پر مصر رہی ہیں۔ اگر پہلی جنگ عظیم کے معاہدے حق و انصاف پر مبنی ہوتے تو شاید دنیا کو دوسری جنگ عظیم کے ایندھن میں جھونکنے سے بچایا جا سکتا تھا۔ ماضی کی دنیا میں دو بین الاقوامی فوجی تنظیمیں ناٹو اور وارسا پیکٹ نظر آتی ہیں جو ایک دوسرے سے خوفزدہ لیکن مقابل رہیں، اس سب کے باوجود بھی دنیا کے

بیشتر ممالک کی دو بڑی طاقتوں کے مابین مقابلے کی فضا میں تحفظ حاصل تھا لیکن ایسا بھی ہوا کہ ہاتھیوں کی لڑائی میں چھوٹے ممالک کو کچلا گیا، دونوں بڑی طاقتوں نے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے متحارب فریقوں میں تنازعات کو ہوا دی اور اسلحہ مہیا کیا۔ ان دونوں نے لاکھوں انسانوں کے خون سے ہاتھ رنگے اور ایک دوسرے سے انتقام لے کر اپنے تئیں سرخ رو ہوئے۔

تیسری دنیا کے ممالک فوجی معاہدوں کے بجائے دفاعی اسلحہ اور ساز و سامان حاصل کرنے کے لیے ترقی یافتہ ممالک سے رجوع کرتے ہیں، ایسے معاہدوں کو دفاعی معاہدے نہیں دوستی کے معاہدے کہا جاتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ کوئی بڑی قوت چھوٹی قوت کے ساتھ کیے گئے دوستی کے معاہدے کی پاسداری بھی کرے۔ امریکہ نے مشرق وسطیٰ کے ممالک کو اپنے دام میں لانے کے لیے سینٹو معاہدے کی بنیاد رکھی تو اس میں پاکستان بھی شامل تھا لیکن جب ۱۹۷۱ء میں بھارت نے پاکستان پر جارحیت کی تو امریکہ نے پاکستان کی مدد کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

عالمی رائے عامہ بھی اپنا وزن رکھتی ہے (یہی وجہ ہے کہ امریکہ جیسی واحد سپر پاور بھی کسی ملک پر حملہ کرنے سے پہلے اس ملک کے خلاف بڑی پراپیگنڈہ مہم شروع کرتی ہے۔) کو بہت زیادہ ہنگامی کیفیت میں فیصلہ کن حمایت حاصل کرنے کی خاطر رائے عامہ پر انحصار حماقت ہوگی۔ دسمبر ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ کے دوران اقوام متحدہ کی غالب اکثریت نے بھارت کے خلاف اور افغانستان میں روس کی فوج مداخلت کے خلاف ووٹ دیا لیکن بھارت نے پاکستان اور روس نے افغانستان کے خلاف جارحیت جاری رکھی۔ اقوام متحدہ نے اسرائیل کی جارحانہ روش پر کئی بار مذمت کی لیکن وہ عرب علاقوں پر قبضہ جمانے کی مہم جوئی ہنوز جاری رکھے ہوئے ہے۔ اسی طرح اسرائیل نے اپنی سرحد پر جو باڑ کی تعمیر کا کام شروع کر رکھا ہے بین الاقوامی عدالت بھی اسے غیر قانونی قرار دے چکی ہے لیکن اسرائیل نے اس فیصلے کو قطعی اہمیت نہیں دی کیوں کہ اسے بڑی طاقتوں کی آشیرباد حاصل ہے۔ (۱)

نئی ایجادات کی بدولت دنیا ایک خاندان بن چکی ہے کوئی ملک الگ تھلگ نہیں رہ سکتا، جس طرح ہمسایوں کی خیر سگالی شہر یا گاؤں میں اہمیت رکھتی ہے، اسی طرح بین الاقوامی سطح پر بھی قدر و قیمت رکھتی ہے۔ ایک فریق کی کوشش ہوتی ہے کہ اپنے لیے دوسروں کی حمایت اور دوستی حاصل کی جائے اور دشمن کو بدنام کیا جائے۔ اس ضمن میں ایک مثال ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ سے قبل بھارت کی سفارتی کارکردگی ہے اس نے دنیا میں ایک بہت بڑی پراپیگنڈا مہم جاری کی اور مغربی ممالک میں بڑی بے شرمی کے ساتھ پاکستان کے خلاف جھوٹا پراپیگنڈا جاری رکھا۔ اسی طرح امریکہ نے افغانستان پر حملہ کرنے سے پیشتر اسامہ بن لادن اور طالبان کے خلاف شدید پراپیگنڈا کر کے دنیا کو ان کی دہشت گردی سے ڈرایا اور ان کے خلاف نفرت پیدا کی پھر افغانستان پر حملہ کر دیا۔ اسی طرح عراق پر حملہ کرنے سے پیشتر بش نے اس کے خطرناک ہتھیاروں کا واویلا کیا اور بالآخر وہاں سے کیا نکلا؟ اس کا مقصد صرف دنیا میں صدام حکومت کے خلاف نفرت پھیلانا تھا۔

ہر عروج کو زوال کا مزہ بھی چکھنا ہے، امریکہ کا زوال بھی شروع ہو چکا ہے اب دانشوروں اور ماہرین کو امریکہ اور یورپی یونین کے درمیان ایک زوردار معرکے کے امکانات پر غور کرنا چاہیے جس کے بعد امریکہ کی قوت ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گی اور اسے بھی ایسے ہی پر تذلیل معاہدات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ (۲)

بہر حال اس فصل میں ہم بیسویں صدی کے اہم سیاسی وعسکری معاہدات کا ایک ناقدانہ جائزہ پیش کر رہے ہیں یہ وہ معاہدات ہیں جنھیں عہد حاضر کی نام نہاد تہذیبیں "امن عالم" کے قیام کے سلسلے میں عمل میں لے کر آئیں تاہم امن عالم کے قیام کا خواب پھر بھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا لہٰذا اس جائزے کی روشنی میں جب ہم ان جدید معاہدات سے صلح حدیبیہ کا تقابل کرتے ہیں تو چودہ صدی قبل کیا گیا یہ معاہدہ ہمیں آج بھی اپنی نوعیت، خصوصیت اور اثرات کے اعتبار سے اپنی مثال آپ اور مشعل راہ معلوم ہوتا ہے جس کی بنیاد دراصل رواداری، وسیع نظری، انسان دوستی، روشن خیالی واعتدال پسندی، وسعت قلب وظرف اور پرامن بقائے باہمی کے زریں اصولوں پر استوار کی گئی اور پھر وہ اپنے عظیم اثرات کی بدولت واقعی "فتح مبین" ثابت بھی ہوئی......!

بیسویں صدی عیسوی کے اہم بین الاقوامی معاہدات، ایک نظر میں: (۳)

- ۲۳ فروری ۱۹۰۱ء...... جرمن ایسٹ افریقہ اور نیا سالینڈ کے مابین اینگلو جرمن سرحدی معاہدہ عمل میں آیا۔
- ۱۵ مارچ ۱۹۰۱ء ...... رکسٹاگ (Reichstag) میں شہزادہ وان بولو (Von Bulow) نے اعلان کیا کہ برطانیہ کے ساتھ ۱۹۰۰ء کے معاہدہ ینگسی (Yangtzi Agreement) کا اطلاق منچوریا پر نہیں ہوتا اور لندن کے مباحث کے نتیجے میں اینگلو جرمن جاپان بلاک کا روس کے خلاف قیام ممکن نہ رہا۔
- ۱۵ر اپریل ۱۹۰۱ء...... برطانیہ نے ایتھوپیا کے ساتھ سوڈانی سرحد متعین کرلی۔
- ۷ دسمبر ۱۹۰۱ء...... سوڈانی سرحد کے تصفیے کے لیے اینگلو اطالوی معاہدہ طے پایا۔
- ۴ر اپریل ۱۹۰۲ء...... روس اور چین کے مابین معاہدہ منچوریا طے پایا، جس کے تحت روسی فوجیں چھ ماہ کے اندر منچوریا سے واپس چلی جائیں گی۔
- ۲۸ جون ۱۹۰۲ء...... آئندہ چھ سال کے لیے اٹلی، آسٹریلیا اور جرمنی کے مابین سہ فریقی اتحاد کی تجدید کی گئی۔
- ۱۹۰۲ء...... برطانیہ جاپان معاہدے کے ذریعے چین اور کوریا کی آزادی کو تسلیم کرلیا گیا۔
- ۲۲ جنوری ۱۹۰۳ء...... امریکا اور کولمبیا کے مابین نہر پانامہ کی تعمیر کے سلسلے میں معاہدہ طے پایا۔ اس کے عوض کولمبیا نے ایک کروڑ ڈالر یکمشت اور ڈھائی لاکھ ڈالر سالانہ بطور کرایہ ادا کرنے کا عہدہ کیا۔
- یکم اکتوبر ۱۹۰۳ء...... مرزٹگ (Murzsteg) کے مقام پر مقدونیہ میں اصلاحات نافذ کرنے کے لیے آسٹرو روسی معاہدے کی منظوری۔ (۴)
- ۲۰ر اکتوبر ۱۹۰۳ء...... تین طاقتی کمیشن نے الاسک کی سرحد کا تصفیہ کردیا۔ برطانیہ نے امریکا کے حق میں ووٹ ڈالا جبکہ کینیڈا کو ناراض کرلیا گیا۔
- ۱۷ نومبر ۱۹۰۳ء...... پیٹروپولس (Petropolis) معاہدے کے تحت بولیویا نے اپنا کچھ علاقہ برازیل کو دے دیا۔
- ۲۸ جولائی ۱۹۰۴ء...... جرمنی نے بلجیم، سوئٹزرلینڈ، سویڈن اور آسٹریا ہنگری سے تجارتی معاہدے طے کیے۔

- ۷ ستمبر۱۹۰۴ء ...لہاسہ کی ایک مہم کے دوران میں فرانسس ینگ ہز بنڈ نے تبت کے ساتھ معاہدہ کیا جس کے تحت طے پایا کہ دلائی لامہ کسی غیر ملک کو تبت پر تسلط قائم نہیں کرنے دے گا۔
- ۳ر اکتوبر۱۹۰۴ء ...فرانس اور اسپین کے مابین طے پائے جانے والے معاہدے کے تحت مراکش کی آزادی کو تحفظ دیا گیا۔اس میں چند خفیہ شقیں مراکش کی تقسیم سے متعلق بھی تھیں۔
- ۲۰ر اکتوبر۱۹۰۴ء......بولیو اور چلی نے ایک معاہدے کے ذریعے اپنے اختلافات دور کر لیے۔
- ۲۳ نومبر۱۹۰۴ء ... جرمنی اور روس کے مابین مذاکرات اس وقت ناکام ہوگئے جب روس نے فرانس کے ساتھ مشورہ کیے بغیر معاہدے پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔
- ۲۱ مارچ ۱۹۰۵ء......مشرق قریب میں روسی حملوں کا مقابلہ کرنے کے لیے اینگلو پرشین معاہدہ طے پایا۔
- ۱۲ اگست ۱۹۰۵ء......انگریزوں اور جاپان کے معاہدہ اتحاد میں مزید دس سال کی توسیع کر دی گئی۔
- ۲۶ر اکتوبر ۱۹۰۵ء ... ناروے اور سویڈن کے مابین علیحدگی کا معاہدہ طے پایا۔
- ۸ر اپریل ۱۹۰۶ء ... (Algeciras Act) کی منظوری، جس کے تحت فرانس اور اسپین کو مراکش کا کنٹرول دے دیا گیا۔
- ۱۸ اپریل ۱۹۰۷ء......اینگلو فرنچ کونشن نے سیام کی آزادی کی توثیق کر دی۔
- ۱۶ مئی ۱۹۰۷ء ... بیلارک Balearic اور کیناری کے جزائر پر جرمن حملوں کو ناکام بنانے کے لیے برطانیہ، فرانس اور اسپین کے مابین معاہدہ قرطاجنہ (Cartagena) طے پایا۔
- ۱۰ جون ۱۹۰۷ء......فرانس اور جاپان کے مابین معاہدہ طے پایا جس کے تحت دونوں ملک چین میں آ جا سکیں گے۔
- ۳۰ جولائی ۱۹۰۷ء......چین کے معاملات پر روس جاپان معاہدہ۔
- ۳۰ جولائی ۱۹۰۷ء ... جرمنی، آسٹریلیا اور اٹلی کے مابین سہ طاقتی اتحادی معاہدے کی مدت میں مزید چھ سال کی توسیع کر دی گئی۔
- ۶ دسمبر ۱۹۰۷ء ... ایک معاہدے کے تحت یوگنڈا اور مشرقی افریقہ کے مابین سرحد کا تعین کر دیا گیا۔
- ۲۱ر اگست ۱۹۰۸ء ... بالٹک کونشن منعقد ہوا۔(۵)
- ۲۴ر اکتوبر ۱۹۰۹ء......روس اور اٹلی نے ریکونیگی (Racconigi) کے معاہدے پر دستخط کیے جس کے تحت بلقان کی صورت حال کو جوں کا توں رہنے دیا گیا۔
- ۱۴ مئی ۱۹۱۰ء......اینگلو بیلجین معاہدے کے تحت لیک البرٹ کے ساحل کو بلجی کانگو کے سپرد کر دیا گیا۔
- ۴ جولائی ۱۹۱۰ء...... منچوریا اور لوریا کے سلسلے میں روس جاپان معاہدہ طے پایا۔
- ۲۱ فروری ۱۹۱۱ء ......امریکا اور جاپان کے مابین واشنگٹن میں تجارتی معاہدہ ہوا۔

- ۲۸ جون ۱۹۱۱ء..... جاپان اور فرانس کے مابین تجارتی معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۱۰ فروری ۱۹۱۲ء..... فرانسیسی سینٹ نے معاہدہ مراکش کی توثیق کر دی۔
- ۳۰ مارچ ۱۹۱۲ء..... سلطان مراکش نے مراکش کو فرانس کا زیر تحفظ علاقہ قرار دینے کے معاہدے پر دستخط کیے۔
- ۷ اگست ۱۹۱۲ء..... منچوریا اور منگولیا میں دائرہ اثر بڑھانے کے لیے روس اور جاپان کے مابین معاہدہ طے پایا۔
- ۱۸ اکتوبر ۱۹۱۲ء..... اٹلی اور ترکی نے معاہدہ لوزان پر دستخط کیے جس کے تحت طرابلس اور سائیرینیکا کو اطالوی حاکمیت کے تحت خود مختاری دے دی گئی۔ اس کے عوض اٹلی نے ترکی کو ڈوڈیکنیز (Dodecanese) کا جزیرہ واپس کر دیا۔
- ۳ دسمبر ۱۹۱۲ء..... ترکی، بلغاریہ اور مونٹی نیگرو کے مابین جنگ بندی کا معاہدہ، یونان نے شمولیت اختیار نہ کی۔
- ۱۳ فروری ۱۹۱۳ء..... امریکا اور فرانس کے مابین ۱۹۰۸ء کے مصالحتی کنونشن کی مدت میں مزید پانچ سال کی توسیع کرنے کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۳۰ مئی ۱۹۱۳ء..... ترکی نے معاہدہ بلقان پر دستخط کیے۔
- ۲۶ جون ۱۹۱۳ء..... بلغاریہ نے آسٹریا ہنگری کے ساتھ دفاعی معاہدہ طے کیا۔
- ۱۲ جولائی ۱۹۱۳ء..... بلقانی ریاستوں نے بخارست میں جنگ بندی کے معاہدے پر دستخط کیے۔
- ۱۸ ستمبر ۱۹۱۳ء..... بلغاریہ اور ترکی نے تھریس میں سرحد کے تعین کے معاہدے پر دستخط کیے۔(۶)
- ۱۵ فروری ۱۹۱۴ء..... بغدادی ریلوے کے سلسلے میں فرانس جرمن معاہدہ، اس سلسلے کا ایک اور معاہدہ انگلستان اور جرمنی کے مابین بھی طے پایا۔(۱۵ جون ۱۹۱۴ء)
- یکم اگست ۱۹۱۴ء..... جرمنی اور ترکی کے مابین قسطنطنیہ (استنبول) میں معاہدے طے پایا۔
- ۴ ستمبر ۱۹۱۴ء..... فرانس، روس اور برطانیہ کے مابین لندن میں ایک علیحدہ معاہدہ امن طے پایا۔
- ۶ ستمبر ۱۹۱۵ء..... بلغاریہ نے جرمنی اور ترکی کے ساتھ فوجی اتحاد کا معاہدہ طے کیا۔
- ۲۶ اپریل ۱۹۱۶ء..... برطانیہ، فرانس اور روس نے ایک معاہدے کے ذریعے عظیم سلطنت عثمانیہ کے حصے بخرے کر دیے۔ اس کے تحت حیفہ اور عکہ کی بندرگاہیں عراق کے حوالے کر کے اسے برطانیہ کے زیر اثر قرار دے دیا گیا۔
- ۶ جولائی ۱۹۱۶ء..... روس اور جاپان کے مابین معاہدہ امن طے پایا۔
- ۲۴ نومبر ۱۹۱۶ء..... امریکا اور میکسیکو کے مابین اٹلانٹا شہر میں پروٹوکول پر دستخط ہوئے صدر کرانزا (Carranza) نے توثیق کرنے سے انکار کر دیا۔
- جنوری ۱۹۱۷ء..... ترکی نے معاہدہ پیرس ۱۸۵۶ء اور معاہدہ برلن ۱۸۷۸ء کو ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔
- ۲ نومبر ۱۹۱۷ء..... اے جے بالفور نے یہودیوں کی اپنی مملکت کے قیام کے سلسلے میں اعلان بالفور جاری کیا۔
- ۵ دسمبر ۱۹۱۷ء..... جرمنی اور روس نے بریسٹ لیٹوفسک میں جنگ بندی کے معاہدے پر دستخط کیے۔

- ۹دسمبر۱۹۱۷ء......فاکسنی(Foscani) کے قیام پر رومانیہ نے وسطی طاقتوں کے ساتھ جنگ بندی کے معاہدے پر دستخط کیے۔
- ۲۷جنوری ۱۹۱۸ء......روس نے ۱۹۰۷ء کے اینگلورشین معاہدے کو ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔
- ۹فروری ۱۹۱۸ء...... یوکرائن نے وسطی طاقتوں (Central Powers) کے ساتھ امن معاہدے پر دستخط کیے۔
- ۳مارچ ۱۹۱۸ء......روس اور وسطی طاقتوں کے مابین بریسٹ لیٹوفسک (Brest-Litovsk) کے مقام پر معاہدہ امن طے پایا اور ۷مئی کو جرمنی اور فن لینڈ نے بھی اس معاہدے پر دستخط کر دیے۔
- ۲۶مارچ ۱۹۱۸ء......جارج کلیمنسو (فرانسیسی وزیر اعظم اور برطانوی سیاست دان الفریڈ ملنر (Alfred Milner) کے مابین مغربی محاذ پر فرڈی نینڈ فوش (فرانسیسی مارشل) کی قیادت میں متحد کرنے کا معاہدہ ڈولنز (Doullens) طے ہوا۔
- ۷مئی ۱۹۱۸ء......رومانیہ نے وسطی طاقتوں کے ساتھ معاہدہ امن پر دستخط کیے۔
- ۲۹ستمبر ۱۹۱۸ء...... بلغاریہ نے اتحادیوں کے ساتھ جنگ بندی کے معاہدے پر دستخط کیے۔
- ۳۰/اکتوبر ۱۹۱۸ء......اتحادیوں اور ترکی کے مابین جنگ بندی کا معاہدہ طے پایا۔
- ۳نومبر ۱۹۱۸ء......اتحادیوں نے آسٹریا ہنگری کے ساتھ معاہدہ جنگ بندی پر دستخط ہوئے۔
- ۱۱نومبر ۱۹۱۸ء جرمن اور اتحادیوں کے مابین معاہدہ جنگ بندی پر دستخط ہوئے۔
- ۱۳نومبر ۱۹۱۸ء......سوویت حکومت نے معاہدہ بریسٹ لیٹوفسک منسوخ کر دیا۔
- ۲۸جون ۱۹۱۹ء......معاہدہ ورسائی کے ذریعے جنگ عظیم اول کا خاتمہ ہوا۔
- ۸/اگست ۱۹۱۹ء......حکومت ہند اور افغانستان کے مابین راولپنڈی میں معاہدہ امن طے پایا۔
- ۲۳/اگست ۱۹۱۹ء......امریکی سینٹ نے معاہدہ ورسائی کی شنٹونگ شق (Shantung Clause) کو مسترد کر دیا۔
- ۱۰ستمبر ۱۹۱۹ء......اتحادیوں اور آسٹریا کے مابین سینٹ ژرمین (St.Germain) کے مقام پر معاہدہ امن ہوا۔(۷)
- ۲۵ستمبر ۱۹۱۹ء......امن کانفرنس نے سپٹز برگن (Spitzbergen) پر ناروے کی حاکمیت تسلیم کر لی۔
- ۱۷/اکتوبر ۱۹۱۹ء......آسٹریا نے معاہدہ امن کی توثیق کر دی۔
- ۲۷نومبر ۱۹۱۹ء......بلغاریہ اور اتحادیوں کے مابین معاہدہ نیولی (Neuilly) طے پایا۔
- ۳۱دسمبر ۱۹۱۹ء......برطانیہ، امریکا اور جاپان نے مشرقی سائبیریا کے معاہدے پر دستخط کر دیے۔
- ۲۸جنوری ۱۹۲۰ء......قسطنطنیہ کے مقام پر انقرہ کا ترکش نیشنل پیکٹ طے پایا۔
- ۲فروری ۱۹۲۰ء......ایسٹونیا نے سوویت یونین کے ساتھ امن کا معاہدہ طے کیا اور اپنی آزادی کا اعلان کر دیا۔
- ۱۹مارچ ۱۹۲۰ء......امریکا کی سینٹ نے بالآخر معاہدہ ورسائی مسترد کر دیا۔
- ۵مئی ۱۹۲۰ء......جرمنی اور لیتھویا کے مابین معاہدہ برلن طے پایا۔

- ۱۴ مئی ۱۹۲۰ء..... اتحادیوں نے معاہدہ سیورے کی روس ترکی کے مستقبل کا فیصلہ کردیا۔ اس معاہدے کے تحت صوبہ حجاز شریف حسین حاکم مکہ کو مل گیا۔ فلسطین، عراق اور اردن برطانیہ کے حصے میں آئے۔

شام، فرانس کا زیرنگیں بنا۔ آرمینیا کو آزاد عیسائی ریاست بنا دیا گیا۔ اس معاہدے کا بنیادی مقصد خلافت عثمانیہ کو ختم کرنا تھا۔ برصغیر میں اس معاہدہ کا شدید اثر پڑا کیوں کہ مسلمانان برصغیر خلافت عثمانیہ کی جنگ لڑ رہے تھے۔

- ۴ جون ۱۹۲۰ء..... اتحادیوں اور ہنگری کے مابین معاہدہ ٹرائنن (Trianon) طے پایا۔
- ۱۲ جولائی ۱۹۲۰ء..... سوویت یونین اور لتھوانیا کے مابین معاہدہ امن پر دستخط ہوئے۔
- ۲۴ جولائی ۱۹۲۰ء..... سائنٹ ژرمین معاہدے پر عملدرآمد شروع ہو گیا۔
- ۲۸ جولائی ۱۹۲۰ء..... چیکوسلواکیہ اور پولینڈ کے مابین پیرس میں معاہدہ ٹیشن (Teschen) پر دستخط ہوئے۔
- ۱۸ اگست ۱۹۲۰ء..... یونان اطالوی معاہدہ، جس کے تحت ڈوڈی کنز کے جزائر یونان کے حوالے کر دیے گئے۔
- ۱۰ اگست ۱۹۲۰ء..... اتحادیوں، رومانیہ، چیکوسلواکیہ اور پولینڈ اور رومانیہ، چیکوسلواکیہ اور سرب کروٹ سلوین سلطنت (یوگوسلاویہ) کے مابین سرحدی معاہدے طے پایا۔
- ۱۱ اگست ۱۹۲۰ء..... سوویت یونین اور لیٹویا کے مابین معاہدے ریگا (Riga) پر دستخط ہوئے۔
- ۱۴ اکتوبر ۱۹۲۰ء..... سوویت یونین اور پولینڈ کے مابین معاہدہ امن تارتو یا ترتو (Tartu) کے مقام پر طے پایا۔
- ۲۰ اکتوبر ۱۹۲۰ء..... فرانس اور ترکی کے مابین معاہدہ انقرہ طے پایا۔
- ۲۷ اکتوبر ۱۹۲۰ء..... پولینڈ نے ڈانزک (Danzig) موجودہ گڈانسک کے ساتھ معاہدہ پر دستخط کیے۔
- ۱۲ نومبر ۱۹۲۰ء..... راپالو (Rapallo) معاہدے کے تحت اٹلی نے استریا (Istria) حاصل کر لیا اور سرب کروٹ سلووین سلطنت کو ڈالمیشیا (Dalmatia) دے دیا۔
- ۲ دسمبر ۱۹۲۰ء..... الیگزینڈرو پول (Alexandropol) معاہدے کے تحت آرمینیا نے کچھ علاقہ ترکی کو دے دیا۔
- ۹ فروری ۱۹۲۱ء..... ریگا کے مقام پر سوویت یونین اور پولینڈ کے مابین معاہدہ امن طے پایا۔
- ۲۶ فروری ۱۹۲۱ء..... سوویت یونین نے فارس سے اور ۲۸ فروری کو افغانستان سے معاہدوں پر دستخط کیے۔
- یکم مارچ ۱۹۲۱ء..... ترکی افغان معاہدہ۔
- ۱۱ مارچ ۱۹۲۱ء..... فرانس نے ترکی سے سلیشیا کا معاہدہ ختم کر دیا۔
- ۱۸ مارچ ۱۹۲۱ء..... ریگا معاہدے کے تحت پولینڈ نے سوویت یونین کے ساتھ یوکرائن کی ملکیت کا دعویٰ ختم کر دیا۔
- ۶ مئی ۱۹۲۱ء..... جرمنی اور روس کے مابین امن معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۵ جون ۱۹۲۱ء..... اٹلی، سربیا اور یوگوسلاویہ فیوم (Fiume) کے کنٹرول پر رضامند ہو گئے۔
- ۲۷ جون ۱۹۲۱ء..... افغانستان فارس معاہدہ۔

- ۱۱ جولائی ۱۹۲۱ء...... برطانیہ نے سن فن (Sinn Fein) کے ساتھ التوائے جنگ کا معاہدہ کیا۔
- ۲۴ راگست ۱۹۲۱ء...... امریکا نے آسٹریلیا کے ساتھ معاہدہ امن طے کیا۔
- ۲۵ راگست ۱۹۲۱ء...... امریکا نے جرمنی سے معاہدہ امن پر اور ۲۹ اگست کو ہنگری کے ساتھ دستخط کیے۔
- ۶ را کتوبر ۱۹۲۱ء...... تاوان کی فراہمی کا فرانس جرمن معاہدہ طے پایا۔
- ۲۰ را کتوبر ۱۹۲۱ء...... فرانس اور ترکی کے مابین انقرہ میں معاہدہ طے پایا۔ (۸)
- ۵ نومبر ۱۹۲۱ء...... سوویت یونین اور منگولیا کے مابین معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۶ دسمبر ۱۹۲۱ء...... برطانیہ اور آئرلینڈ نے امن معاہدے پر دستخط کیے۔
- ۱۳ دسمبر ۱۹۲۱ء...... امریکا، برطانیہ، فرانس اور جاپان نے معاہدہ واشنگٹن پر دستخط کیے جس کے تحت انہوں نے بحرالکاہل میں ایک دوسرے کے تحفظات کے حقوق کے احترام کا عہد کیا۔
- ۲۱ دسمبر ۱۹۲۱ء...... سوویت یونین اور ترکی اتحادی بنے۔
- ۲۹ دسمبر ۱۹۲۱ء...... برطانیہ، امریکا، فرانس، اٹلی اور جاپان نے واشنگٹن میں بحری افواج میں کمی کرنے کا معاہدہ کیا۔
- ۷ جنوری ۱۹۲۲ء...... ڈائل (Dail) نے برطانیہ کے ساتھ معاہدے کی منظوری دی۔
- فروری ۱۹۲۲ء...... امریکا اور جاپان میں بحری معاہدہ پر دستخط ہوئے۔
- ۱۷ مارچ ۱۹۲۲ء...... بالٹک ریاستوں اور پولینڈ نے غیر جانبداری کے معاہدہ پر دستخط کیے۔
- ۱۶ راپریل ۱۹۲۲ء...... جرمنی اور سوویت یونین نے مابین راپالو معاہدے کے تحت سوویت یونین کو ایک بڑی طاقت تسلیم کر لیا گیا۔
- ۱۰ مئی ۱۹۲۲ء...... جینوا (Genoa) کنونشن مابین سوویت یونین اور ویٹیکن طے پایا۔
- ۲ فروری ۱۹۲۳ء...... وسطی امریکی جمہوریتوں نے واشنگٹن میں دوستی کے معاہدے پر دستخط کیے۔
- ۱۰ فروری ۱۹۲۳ء...... ترکی اور افغانستان کے مابین اتحاد کا معاہدہ طے پایا۔
- ۲۴ جولائی ۱۹۲۳ء...... یونان، ترکی اور اتحادیوں کے مابین معاہدہ لوزان (Lausanne) طے پایا۔
- ۱۸ دسمبر ۱۹۲۳ء...... برطانیہ، فرانس اور اسپین نے طنجہ کنونشن پر دستخط کیے۔
- ۳ مارچ ۱۹۲۴ء...... جرمنی اور ترکی کے مابین معاہدہ دوستی طے پایا۔
- ۱۹ مئی ۱۹۲۴ء...... تنازعات سے بچنے کے لیے امریکی ریاستوں کے مابین معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۶ راگست ۱۹۲۴ء...... دنیا میں قیام امن کے سلسلے میں معاہدہ لوزان پر عملدرآمد شروع ہو گیا۔
- ۱۷ ستمبر ۱۹۲۴ء...... اٹلی نے معاہدہ راپالو ختم کر دیا۔
- ۲۰ جنوری ۱۹۲۵ء روسی جاپانی معاہدہ اتحاد پر دستخط ہوئے۔

- ۲۰ جنوری ۱۹۲۵ء......اینگلو چینی معاہدہ پیکنگ طے پایا۔
- ۱۰ فروری ۱۹۲۵ء......امریکا اور کینیڈا کے مابین ماہی گیری کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۳ر اپریل ۱۹۲۵ء......ہالینڈ اور بلجیم نے شیلٹ (Scheldt) میں جہاز رانی کے کنونشن پر دستخط کیے۔
- ۲۲ر اپریل ۱۹۲۵ء......ایران، ترکی اور افغانستان نے باہمی سلامتی کے معاہدے پر دستخط کیے۔
- جولائی ۱۹۲۵ء......ڈالمیشیا کے مسئلے پر اٹلی اور یوگوسلاویہ کے مابین معاہدہ نیٹونو (Nettuno) پر دستخط ہوئے۔
- ۱۸ر اگست ۱۹۲۵ء......امریکا اور بلجیم کے مابین جنگی قرضوں پر معاہدہ طے پایا۔
- ۱۲ نومبر ۱۹۲۵ء......امریکا اور اٹلی کے مابین جنگی قرضوں کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- یکم دسمبر ۱۹۲۵ء......لندن میں معاہدہ لوکارنو پر دستخط ہوئے۔
- ۱۷ر دسمبر ۱۹۲۵ء......سوویت یونین نے ترکی کے ساتھ دفاعی تعاون کا معاہدہ کیا۔ (۹)
- ۱۴ جنوری ۱۹۲۶ء......ڈنمارک، سویڈن، ناروے اور فن لینڈ کے مابین تنازعات کے تصفیے کے سلسلے میں متعدد معاہدے طے کیے گئے۔
- ۲۶ مارچ ۱۹۲۶ء......رومانیہ اور پولینڈ نے باہمی اتحاد کا معاہدہ کیا۔
- ۲۲ر اپریل ۱۹۲۶ء......پرشیا (فارس) ترکی اور افغانستان نے باہمی سلامتی کے معاہدے پر دستخط کیے۔
- ۲۴ر اپریل ۱۹۲۶ء......جرمنی اور سوویت کے مابین دوستی اور غیر جانبداری کا معاہدہ برلن میں طے پایا۔
- ۵ جون ۱۹۲۶ء......انگلستان اور ترکی کے مابین موصل کے مسئلے پر معاہدہ طے پا گیا اس کے تحت موصل کا بہت سا علاقہ عراق کو دے دیا گیا۔
- یکم جولائی ۱۹۲۶ء......جنوب مغربی افریقہ، انگولا سرحد کے بارے میں انگلستان اور پرتگال میں معاہدہ طے پایا۔
- ۲۸ جولائی ۱۹۲۶ء......دوران جنگ نہر پانامہ کے تحفظ کے لیے پانامہ اور امریکا کے مابین اتحاد کا معاہدہ طے پایا۔
- ۳۱ جولائی ۱۹۲۶ء......افغانستان نے سوویت یونین جنگ نہ کرنے کے معاہدے پر دستخط کیے۔
- ۱۷ اگست ۱۹۲۶ء......یونان نے یوگوسلاویہ کے ساتھ معاہدہ دوستی پر دستخط کیے۔
- ۲ ستمبر ۱۹۲۶ء......یمن کے ساتھ اٹلی کے معاہدے کے تحت بحیرہ احمر کے ساحل پر اٹلی کے تسلط کی کوششوں کا آغاز ہو گیا۔
- ۱۶ ستمبر ۱۹۲۶ء......اٹلی اور رومانیہ کے مابین معاہدہ۔
- ۱۸ ستمبر ۱۹۲۶ء......یوگوسلاویہ نے پولینڈ کے ساتھ معاہدہ دوستی پر دستخط کیے۔
- ۲۵ ستمبر ۱۹۲۶ء......غلامی کے مسئلے پر بین الاقوامی کنونشن منعقد ہوا۔
- ۲۷ نومبر ۱۹۲۶ء......اٹلی اور البانیہ کے مابین معاہدہ ترانہ طے پایا۔
- ۳۱ جنوری ۱۹۲۷ء......جرمنی کا انٹر الائیڈ ملٹری کنٹرول ختم ہو گیا۔

- ۵ اپریل ۱۹۲۷ء...... اٹلی اور ہنگری کے مابین معاہدہ دوستی طے پایا۔
- ۲۰ مئی ۱۹۲۷ء...... جدہ معاہدہ کے تحت برطانیہ نے سعودی عرب کی خودمختاری کو تسلیم کرنے کا اعلان کیا۔
- ۲۰ جون ۱۹۲۷ء...... برطانیہ، امریکا اور جاپان نے واشنگٹن میں بحری اسلحہ میں تخفیف پر مذاکرات کے لیکن کوئی معاہدہ طے نہ پاسکا۔
- ۳۲ اگست ۱۹۲۷ء...... ہنگری پر سے اتحادیوں کا کنٹرول ختم کردیا گیا۔
- یکم اکتوبر ۱۹۲۷ء...... سوویت یونین اور پرشیا (ایران) کے مابین جنگ نہ کرنے کا معاہدہ طے پایا۔
- ۱۱ نومبر ۱۹۲۷ء...... فرانس اور یوگوسلاویہ کے مابین معاہدہ دوستی پر دستخط ہوئے۔
- ۲۲ نومبر ۱۹۲۷ء...... البانیہ نے اٹلی کے ساتھ فرانس یوگوسلاویہ معاہدے کے جواب میں دفاعی اتحاد کا معاہدہ طے کیا۔ (۱۰)
- ۱۳ جنوری ۱۹۲۸ء...... بلغاریہ کا اتحادی فوجی کنٹرول منسوخ کردیا گیا۔
- ۲۹ جنوری ۱۹۲۸ء...... جرمنی اور لتھوانیا کے مابین میمل (Memel) کے مسئلے پر مصالحت کرنے کے سلسلے میں معاہدہ طے پایا۔
- ۱۷ جولائی ۱۹۲۸ء...... چین نے غیر مساویانہ معاہدوں کو یکطرفہ طور پر منسوخ کردیا۔
- ۱۷ اگست ۱۹۲۸ء...... اٹلی اور ایتھوپیا کے مابین ۲۰ سالہ معاہدہ دوستی طے پایا۔
- ۲۷ اگست ۱۹۲۸ء...... امریکا اور فرانس کے مابین کیلاگ بری ایں معاہدہ امن طے پایا اس پر ۶۲ اقوام نے دستخط کیے۔ اس کے تحت جنگ کی مذمت کی گئی اور بین الاقوامی تعلقات کے پرامن تصفیے پر اتفاق ہوا۔ زیادہ صحیح نام میثاق پیرس ہے۔
- ۲۳ ستمبر ۱۹۲۸ء...... اٹلی اور یونان کے مابین معاہدہ دوستی طے ہوا۔
- ۵ جنوری ۱۹۲۹ء...... کیلاگ بریں ای معاہدے کے مقابلے میں امریکی ریاستوں کے مابین معاہدہ مصالحت طے پایا۔
- ۶ فروری ۱۹۲۹ء...... جرمن نے کیلاگ بریں ای معاہدے کو تسلیم کرلیا۔
- ۹ فروری ۱۹۲۹ء...... سوویت یونین ایسٹونیا، لیٹویا، پولینڈ اور رومانیہ کے مابین تنسیخ جنگ کا معاہدہ (لیٹویونوف پروٹوکول) یا معاہدہ مشرقی طے پایا۔
- ۱۱ فروری ۱۹۲۹ء...... لیٹرن معاہدہ (Lateran Treaty) کے تحت ویٹیکن سٹی اسٹیٹ کو علیحدہ مملکت قرار دیا گیا۔
- ۲۷ فروری ۱۹۲۹ء...... ترکی نے لیٹویونوف معاہدے پر دستخط کیے۔
- ۶ مارچ ۱۹۲۹ء...... بلغاریہ اور ترکی کے مابین معاہدہ دوستی طے پایا۔
- ۲۷ مارچ ۱۹۲۹ء...... یونان اور یوگوسلاویہ کے مابین معاہدہ دوستی پر دستخط ہوئے۔
- ۱۳ اپریل ۱۹۲۹ء...... پرشیا (ایران) نے لیٹویونوف پروٹوکول پر دستخط کیے۔
- ۳ جون ۱۹۲۹ء...... اریکا، ٹیکنا (Arica Tacna) تصفیہ ہوا جس کے تحت چلی کو اریکا، پیرو کو ٹیکنا اور بولیویا کو ریلوے

کے حقوق دے دیے گئے۔

- ۲۴ جولائی ۱۹۲۹ء...... کیلاگ بریں ای معاہدے پر عملدرآمد شروع ہو گیا۔
- اگست ۱۹۲۹ء...... سعودی عرب اور ترکی کے مابین معاہدہ دوستی طے پایا۔ اسی قسم کا ایک معاہدہ سعودی عرب کا پرشیا کے ساتھ ۲۴ اگست کو طے پایا۔
- ۱۱ اگست ۱۹۲۹ء...... ایران اور اعراق نے معاہدہ دوستی پر دستخط کیے۔
- ۱۶ ستمبر ۱۹۲۹ء...... بولیویا اور پیراگوے کے مابین معاہدہ امن طے پایا۔
- ۶ فروری ۱۹۳۰ء...... اٹلی اور آسٹریا کے مابین معاہدہ دوستی طے پایا۔
- ۱۳ اپریل ۱۹۳۰ء...... برطانیہ امریکا، فرانس اور اٹلی نے ایئر کرافٹ کیریئر کو محدود کرنے، جنگی آبدوزوں میں باقاعدگی پیدا کرنے اور بحری جنگ میں کمی کرنے کے معاہدے پر دستخط کیے۔ (۱۱)
- ۲۷ جون ۱۹۳۰ء...... سیکنڈے نیویائی ممالک کے مابین معاہدہ صلح طے پایا۔
- ۳۰ اکتوبر ۱۹۳۰ء...... انقرہ میں یونان اور ترکی کے مابین معاہدہ دوستی پر دستخط ہوئے
- ۳۰ دسمبر ۱۹۳۰ء...... سیکنڈے نیویائی ممالک اور ہالینڈ، بلجیم اور لکسمبرگ نے معاہدہ اوسلو پر دستخط کیے جس کے تحت رکن ممالک کے مشورے کے بغیر محصولات میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔
- ۸ مارچ ۱۹۳۱ء...... سوویت یونین اور ترکی کے مابین بحیرہ اسود میں بحریہ میں کمی کے مسئلے پر معاہدہ طے پایا۔
- ۲۶ مارچ ۱۹۳۱ء...... عراق اور اردن کے مابین دوستی کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۱۴ اپریل ۱۹۳۱ء...... مصر اور عراق کے مابین دوستی کا معاہدہ طے پایا۔ یہ مصر اور کسی عرب ملک کے مابین صدی کا پہلا معاہدہ تھا۔
- ۲۴ جون ۱۹۳۱ء...... سوویت یونین اور افغانستان کے مابین غیر جانبداری کا معاہدہ طے پایا۔
- ۲۲ جنوری ۱۹۳۲ء...... سوویت یونین اور پولینڈ کے مابین عدم جارحیت کا معاہدہ طے ہوا۔
- ۱۳ جون ۱۹۳۲ء...... انگلستان اور فرانس کے مابین لوزان کے مقام پر معاہدہ دوستی پر دستخط ہوئے۔
- ۲۹ نومبر ۱۹۳۲ء...... فرانس اور سوویت یونین کے مابین عدم جارحیت کا معاہدہ ہوا۔
- ۳ فروری ۱۹۳۳ء...... برطانیہ اور ایران کے مابین تیل کا تنازعہ طے پایا۔
- ۱۵ جولائی ۱۹۳۳ء...... معاہدہ روم کے تحت برطانیہ، فرانس، جرمنی اور اٹلی کو انجمن اقوام کے منشور لوکارنو معاہدوں اور کیلاگ بریں ای معاہدہ کا پابند بنا دیا گیا۔
- ۲۷ جولائی ۱۹۳۳ء...... سعودی عرب اور اردن کے مابین معاہدہ دوستی طے پایا۔
- ۱۴ اگست ۱۹۳۳ء...... ڈانزگ روس معاہدہ۔
- ۲۶ جنوری ۱۹۳۴ء...... جرمنی اور روس کے مابین عدم جارحیت کا دس سالہ معاہدہ طے ہوا۔

- ۹ فروری ۱۹۳۴ء ...رومانیہ، یونان، یوگوسلاویہ اور ترکی کے مابین معاہدہ بلقان پر دستخط ہوئے تاکہ بڑی طاقتوں کے توسیع پسندانہ عزائم سے بلقان کو بچایا جا سکے۔ بلغاریہ نے دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔
- ۱۶ مارچ ۱۹۳۴ء ......روم پروٹوکول پر اٹلی، آسٹریا اور ہنگری نے ڈینیوب بلاک بنانے کے لیے دستخط کیے۔
- ۷ اپریل ۱۹۳۴ء ......روس اور فن لینڈ کے عدم جارحیت کے معاہدے میں مزید دس کی توسیع کر دی گئی۔
- ۲۴ مئی ۱۹۳۴ء ...کولمبیا اور پیرو نے لیٹیشا (Laticia) کے مسئلے کو باہمی رضامندی سے حل کر لیا۔
- ۱۷ جون ۱۹۳۴ء... سعودی عرب اور یمن کے مابین معاہدہ امن پر دستخط ہوئے جس کے تحت جنگ صحرا کا خاتمہ ہو گیا۔ (۱۲)
- ۲۰ جون ۱۹۳۴ء..... سوڈان اور لیبیا کے مابین سرحدی معاہدہ پر دستخط ہوئے۔
- ۱۱ اپریل ۱۹۳۵ء ... برطانیہ، فرانس اور اٹلی کے مابین سٹریسا (Stresa) کے مقام پر ایک کانفرنس منعقد ہوئی تاکہ جرمنی کے خلاف مشترکہ محاذ قائم کیا جا سکے۔
- ۲ مئی ۱۹۳۵ء ...فرانس اور سوویت یونین کے مابین باہمی تعاون کا پانچ سالہ معاہدہ طے پایا۔
- ۱۶ مئی ۱۹۳۵ء ...سوویت یونین اور چیکوسلواکیہ کے مابین باہمی تعاون کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۱۸ جون ۱۹۳۵ء ...برطانیہ اور جرمنی کے مابین بحریہ کا معاہدہ طے پایا۔
- ۷ نومبر ۱۹۳۵ء ...سوویت یونین اور ترکی کے مابین معاہدوں میں مزید دس سال کی توسیع کر دی گئی۔
- ۱۷ فروری ۱۹۳۶ء...... برطانیہ اور آئرلینڈ میں معاہدہ طے پانے سے محصولات کی باہمی جنگ ختم ہو گئی۔
- ۷ مارچ ۱۹۳۶ء... جرمنی نے رائن لینڈ کے غیر فوجی زون پر قبضہ کر کے معاہدہ ورسائی کی خلاف ورزی کی۔
- ۲۳ مارچ ۱۹۳۶ء.... اٹلی، آسٹریلیا اور ہنگری کے مابین روم میں معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۱۸ اپریل ۱۹۳۶ء ...سوویت یونین اور منگولیا کے مابین باہمی تعاون کا معاہدہ طے پایا۔
- ۲۶ اگست ۱۹۳۶ء.....مصر پر برطانوی قبضے کا معاہدہ ختم ہو گیا۔ ماسوائے نہر سویز کے علاقے کے نیز مصر اور برطانیہ کے مابین بیس سالہ اتحاد کا معاہدہ ہوا۔
- ۹ ستمبر ۱۹۳۶ء......فرانس نے شام اور لبنان (۱۹ ستمبر) کے ساتھ دوستی کے معاہدے کیے۔
- ۱۴ نومبر ۱۹۳۶ء...... جرمنی نے معاہدہ ورسائی کی ان شقوں کو ختم کرنے کا اعلان کیا جن میں اس کے پانیوں کو بین الاقوامی تحویل میں دینے کا ذکر کیا گیا تھا۔
- ۲۴ نومبر ۱۹۳۶ء ... جرمنی اور جاپان نے کامنٹرن کے خلاف معاہدہ طے کیا۔
- ۲ جنوری ۱۹۳۷ء ... برطانیہ اور اٹلی کے مابین بحیرہ روم اور اسپین کی آزادی کے مسئلے پر معاہدہ طے پایا۔
- ۷ جنوری ۱۹۳۷ء... پولینڈ نے ڈانزگ کے ساتھ معاہدے پر دستخط کیے۔
- ۲۴ جنوری ۱۹۳۷ء......بلغاریہ اور یوگوسلاویہ کے مابین دائمی معاہدہ امن طے پایا۔

- ۱۵فروری ۱۹۳۷ء...... بلقانی ریاستوں کی ایتھنز میں کانفرنس منعقد ہوئی۔
- ۸ جولائی ۱۹۳۷ء...... افغانستان، ایران، عراق اور ترکی نے عدم جارحیت کے معاہدے پر دستخط کیے۔
- ۱۷جولائی ۱۹۳۷ء...... برطانیہ اور جرمنی اور برطانیہ اور سوویت یونین کے مابین بحری معاہدہ طے پایا۔
- ۲۰ نومبر ۱۹۳۷ء...... اٹلی اور آسٹرو ہنگرین معاہدے میں توسیع کردی گئی۔
- ۱۶ اپریل ۱۹۳۸ء...... برطانیہ اور آئرلینڈ کے مابین تین سال سے غیر تصفیہ شدہ مسائل کو حل کرنے کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۲۷ اپریل ۱۹۳۸ء...... یونان اور ترکی کے مابین معاہدہ دوستی طے پایا۔
- ۱۷مئی ۱۹۳۸ء...... انگلستان اور ترکی کے مابین معاہدہ۔
- ۳۱ جولائی ۱۹۳۸ء...... بلغاریہ نے یونان کے ساتھ عدم جارحیت کے معاہدے پر دستخط کیے۔ (۱۴)
- ستمبر ۱۹۳۸ء...... اٹلی، فرانس اور برطانیہ کے مابین معاہدہ میونخ طے پایا، جس میں تینوں ملکوں کے سربراہوں نے جرمن چانسلر ہٹلر سے چیکوسلواکیہ کے متنازعہ علاقے پر مذاکرات کیے جس پر اکتوبر ۱۹۳۸ء میں یہ علاقہ جرمنی کے حوالے کردیا گیا۔
- ۲۶ نومبر ۱۹۳۸ء...... سوویت یونین اور پولینڈ کے مابین معاہدہ دوستی کو عدم جارحیت کے معاہدے میں تبدیل کردیا گیا۔
- ۶ دسمبر ۱۹۳۸ء...... فرانس اور جرمنی کے مابین سرحدوں کی خلاف ورزی نہ کرنے کا معاہدہ طے پایا۔
- ۱۷دسمبر ۱۹۳۸ء...... اٹلی نے فرانس کے ساتھ ۱۹۳۵ء کے معاہدے کو یکطرفہ طور پر ختم کردیا۔
- ۲۴ دسمبر ۱۹۳۸ء...... امریکی ریاستوں کے مابین اعلان پیرو پر دستخط ہوئے جس کے تحت غیر ملکی مداخلت کی مخالفت کی جائے گی اور جارحیت کا باہم مقابلہ کیا جائے گا۔
- ۷اپریل ۱۹۳۹ء...... اسپین، جرمن، اٹلی اور جاپان کے ساتھ معاہدہ کمنٹرن کی مخالفت کے لیے شامل ہوگیا۔
- ۲۷اپریل ۱۹۳۹ء...... ایڈولف ہٹلر نے ۱۹۳۵ء کے اینگلو جرمن بحری معاہدے کو منسوخ کرنے کا اعلان کردیا۔
- ۱۲ مئی ۱۹۳۹ء...... اینگلو ترکش باہمی تعاون کا معاہدہ طے پایا۔
- ۱۷مئی ۱۹۳۹ء...... سویڈن، ناروے اور فن لینڈ نے جرمنی کی عدم جارحیت کے معاہدے کی پیش کش کو مسترد کردیا۔
- ۹ جولائی ۱۹۳۹ء...... امریکا نے جاپان کے ساتھ ۱۹۱۱ء کے معاہدے کو منسوخ کردیا۔
- ۱۸اگست ۱۹۳۹ء...... سوویت یونین اور جرمنی کے مابین تجارتی معاہدہ طے پایا۔
- ۲۳اگست ۱۹۳۹ء...... سوویت یونین اور جرمنی کے مابین عدم جارحیت کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۲۵اگست ۱۹۳۹ء...... انگلستان اور پولینڈ کے مابین لندن میں باہمی تعاون کا معاہدہ طے پایا۔
- ۳۱اگست ۱۹۳۹ء...... سوویت یونین کی سپریم سوویت نے جرمنی کے ساتھ معاہدہ عدم جارحیت کی توثیق کردی۔
- ۴ستمبر ۱۹۳۹ء...... فرانس اور پولینڈ کے مابین معاہدہ طے پایا۔
- ۲۸ستمبر ۱۹۳۹ء...... سوویت یونین اور ایسٹونیا کے مابین معاہدہ

- ۳۰ ستمبر ۱۹۳۹ء...... جرمنی اور سوویت یونین معاہدہ دوستی کی رو سے پولینڈ کی تقسیم کا مسئلہ طے پا گیا۔
- ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۹ء...... سوویت یونین اور لیتھویا کے مابین معاہدہ
- ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۹ء...... فرانس اور برطانیہ کے مابین باہمی تعاون کا معاہدہ طے پایا۔
- ۱۲ مارچ ۱۹۴۰ء...... فن لینڈ اور سوویت یونین کے مابین معاہدہ امن طے پایا۔
- ۲۲ جون ۱۹۴۰ء...... فرانس نے جرمنی کے سامنے ہتھیار ڈالنے کے معاہدے پر دستخط کیے جس کے بعد فرانس دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ جن میں سے ایک حصے پر جرمن قابض تھے جب کہ دوسرے حصے پر فرانس کا اقتدار تھا بعد ازاں دوسرا حصہ بھی جرمنوں کے زیر تسلط آ گیا۔ (۱۴)
- ۱۵ اگست ۱۹۴۰ء...... برطانیہ نے پولینڈ کے ساتھ لندن میں معاہدہ طے پایا اور ۷ اگست کو آزاد فرانس کے ساتھ۔
- ۲۷ ستمبر ۱۹۴۰ء...... جرمنی، اٹلی اور جاپان نے اقتصادی اور فوجی تعاون کے دس سالہ معاہدے پر دستخط کیے۔
- ۲۰ نومبر ۱۹۴۰ء...... تکنیکی علم کے حصول اور ہتھیاروں کی جزوی بندی پر امریکا اور برطانیہ میں دستخط۔
- ۲۷ فروری ۱۹۴۱ء...... برطانیہ نے ہنگری کے ساتھ دوستی کا معاہدہ طے کیا۔
- ۱۵ اپریل ۱۹۴۱ء...... سوویت یونین اور یوگوسلاویہ کے مابین معاہدہ دوستی۔
- ۱۲ جولائی ۱۹۴۱ء...... ماسکو میں جرمن یلغار کے لیے اینگلو سوویت معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۱۱ اگست ۱۹۴۱ء...... بحری سفر کے دوران سر ونسٹن چرچل اور امریکا کے صدر روز ویلٹ کے مابین ایک معاہدے پر دستخط ہوئے جو معاہدہ اوقیانوس کے نام سے مشہور ہوا اس کے تحت جنگ کے خاتمے اور اس کے بعد کے دور کے لیے آٹھ نکات پر مشتمل بنیادی اصول طے کیے گئے۔
- یکم جنوری ۱۹۴۲ء...... امریکا اور ۲۵ دوسری قوموں نے منشور اوقیانوس پر دستخط کر کے اقوام متحدہ کی حیثیت سے یہ عہد کیا کہ جنگ میں اپنے پوری عسکری اور اقتصادی وسائل لگا دیں گے۔ اور صلح یا جنگ بندی کا معاہدہ نہیں کریں گے۔
- ۲۶ مئی ۱۹۴۲ء...... وی مولوتوف نے لندن میں اینگلو سوویت اتحاد کا معاہدہ طے پایا۔
- ۲۶ مئی ۱۹۴۲ء...... لندن میں بیس سالہ اینگلو سوویت اتحاد کا معاہدہ طے پایا۔
- ۱۲ ستمبر ۱۹۴۴ء...... رومانیہ نے جنگ بندی پر دستخط کیے۔
- ۱۹ ستمبر ۱۹۴۴ء...... فن لینڈ کی جنگ بندی کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۱۱ جنوری ۱۹۴۵ء...... یونان میں خانہ جنگی بند کرنے کا معاہدہ ہوا۔
- ۱۵ اپریل ۱۹۴۵ء...... سوویت یونین نے جاپان کے ساتھ عدم جارحیت کے معاہدے کو منسوخ کر دیا۔
- ۱۴ اگست ۱۹۴۵ء...... سوویت یونین نے قوم پرست چین کے ساتھ بیرونی منگولیا کی آزادی کو تسلیم کرنے کا معاہدہ کیا۔
- ۲ ستمبر ۱۹۴۵ء...... جاپان نے بحری جہاز مسوری (Missouri) پر غیر مشروط اطاعت کے معاہدے پر دستخط کر دیے جس

- ۱۸ جنوری ۱۹۴۹ء...... کونسل فار میوچل اکنامکس اسسٹنس (Council dor Mutual Economic Assstance) کا ماسکو میں قیام عمل میں آیا۔
- ۲۴ فروری ۱۹۴۹ء...... اسرائیل اور مصر نے جنگ بندی کے معاہدے پر دستخط کیے۔
- ۱۱ مارچ ۱۹۴۹ء...... اسرائیل اور اردن کے مابین جنگ بندی کا معاہدہ طے پایا۔
- ۱۳ مارچ ۱۹۴۹ء...... فرانس اور اٹلی نے باہمی تعاون کی یونین میں شامل ہونے پر رضامندی کا اظہار کیا۔
- ۱۴ اپریل ۱۹۴۹ء...... واشنگٹن میں معاہدہ شمالی اوقیانوس طے پایا جس کے ارکان میں برطانیہ، فرانس، بجیم، نیدرلینڈز، اٹلی، پرتگال، ڈنمارک، آئس لینڈ، امریکا اور کینیڈا شامل تھے اس کا مقصد شمالی بحر اوقیانوس کے علاقے میں جارحیت کو روکنا اور باہمی اقتصادی تعاون کو فروغ دینا تھا۔
- ۱۴ فروری ۱۹۵۰ء...... کیمونسٹ چین اور روس کے مابین ماسکو میں ۳۰ سالہ معاہدہ طے پایا اور سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف اتحاد قائم کرنے کا اعلان کیا گیا معاہدے پر روس کے مارشل سٹالن اور چین کے ماؤزے تنگ نے دستخط کیے۔
- ۲۸ نومبر ۱۹۵۰ء...... پولینڈ اور مشرقی جرمنی نے آڈر نیسو (OderNeisse) لائن کو سرحدی لائن تسلیم کر لیا۔
- ۱۸ اپریل ۱۹۵۱ء...... فرانس، مغربی جرمنی، اٹلی، بجیم، نیدرلینڈز اور لکسمبرگ نے معاہدہ پیرس پر دستخط کیے تا کہ ایک کول اور سٹیل اتھارٹی قائم کی جاسکے۔
- ۳۰ اگست ۱۹۵۱ء...... امریکا اور فلپائن نے باہمی دفاعی معاہدے پر دستخط کیے۔
- ۸ ستمبر ۱۹۵۱ء...... سان فرانسسکو میں جاپان کی آزادی کے مسئلے پر ایک معاہدے پر ۴۹ قوموں کے دستخط ہوئے تاہم سوویت یونین اور اس کے ساتھیوں نے حتمی اجلاس کا بائیکاٹ کیا۔
- ۲۷ اکتوبر ۱۹۵۱ء...... مصر نے برطانیہ کے ساتھ ۱۹۳۶ء کے معاہدہ اتحاد کو اور ۱۸۹۹ء کے معاہدہ سوڈان کو یک طرفہ طور پر ختم کرنے کا اعلان کیا۔
- ۱۹۵۱ء...... امریکا اور بھارت کے مابین باہمی دفاعی معاہدہ طے پایا۔
- ۱۴ اگست ۱۹۵۲ء...... سہ طاقتی بحر الکاہل کونسل (آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور امریکا) کا ہونولولو میں قیام عمل میں آیا۔
- ۲۳ اگست ۱۹۵۲ء...... عرب لیگ کے معاہدہ تحفظ (security Pact) پر عمل درآمد شروع ہوگیا۔
- ۱۴ اکتوبر ۱۹۵۲ء...... چین اور منگولیا کے مابین دس سالہ معاہدہ طے پایا۔
- ۱۳ اکتوبر ۱۹۵۲ء...... مصر اور سوڈان کے مابین دریائے نیل کے پانی کا سمجھوتہ ہوا۔
- یکم جنوری ۱۹۵۳ء...... شمالی اور جنوبی روڈیشیا کا وفاق تشکیل دینے کے لیے لندن کانفرنس کا انعقاد عمل میں آیا۔
- ۲۸ فروری ۱۹۵۳ء...... یونان، ترکی اور یوگوسلاویہ کے مابین معاہدہ دوستی طے پایا۔
- ۲۰ مئی ۱۹۵۳ء...... فرانس نے سار (Saar) کے ساتھ معاہدے پر دستخط کیے۔

- ۲۷ جولائی ۱۹۵۳ء..... پن موژوم (Panmunjom) میں کوریا کی جنگ بندی کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۳۰ جولائی ۱۹۵۳ء..... برطانیہ اور لیبیا کے مابین سفارتی تعلقات قائم ہوئے۔
- ۱۸ اگست ۱۹۵۳ء..... امریکا اور کوریا کے مابین باہمی دفاعی معاہدہ طے پایا۔
- ۸ مارچ ۱۹۵۴ء..... امریکا اور جاپان کے مابین باہمی دفاعی معاہدے پر دستخط ہوئے جس کے تحت امریکا نے جاپان کے دفاع کی ذمہ داری قبول کر لی۔
- ۲۰ جولائی ۱۹۵۴ء..... جنیوا میں ہند چینی جنگ بندی کے معاہدے پر دستخط ہوئے جس کے تحت فرانس نے شمالی ویت نام خالی کر دیا۔ کیمونسٹوں نے جنوبی ویت نام کمبوڈیا اور لاؤس پر قبضہ چھوڑ دیا۔
- ۹ اگست ۱۹۵۴ء..... یونان، یوگوسلاویہ اور ترکی نے باہمی تعاون کے معاہدے پر دستخط کیے۔ (۱۷)
- ۸ ستمبر ۱۹۵۴ء..... آٹھ ممالک برطانیہ، امریکا، فرانس، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، پاکستان، تھائی لینڈ اور فلپائن نے فلپائن کے شہر منیلا میں جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک کے دفاع کے لیے ایک مشترکہ معاہدے پر دستخط کیے جسے ساؤتھ ایسٹ ایشیا ٹریٹی آرگنائزیشن کا نام دیا گیا۔ تاہم اختصار سے یہ سیٹو کے نام سے معروف ہوا۔
- ۱۳ اکتوبر ۱۹۵۴ء..... لندن میں نو طاقتوں نے مغربی جرمنی کو معاہدہ نیٹو میں شامل کرنے پر رضامندی کا اظہار کیا۔
- ۱۵ اکتوبر ۱۹۵۴ء..... برطانیہ، امریکا، اٹلی اور یوگوسلاویہ نے فری ٹیریٹری آف ٹرائسٹ کو اٹلی اور یوگوسلاویہ یونین میں شامل کرنے پر اتفاق کیا۔
- ۱۱۹ اکتوبر ۱۹۵۴ء..... اینگلو مصری معاہدہ ہوا جس کے تحت نہر سویز کے علاقوں سے فوجوں کا انخلا طے پایا۔
- ۱۲۳ اکتوبر ۱۹۵۴ء..... برطانیہ، فرانس، امریکا اور سوویت یونین جرمنی پر قبضہ ختم کرنے پر رضامند ہو گئے۔
- ۵ نومبر ۱۹۵۴ء..... برما نے جاپان کے ساتھ معاہدہ امن طے کیا۔
- یکم دسمبر ۱۹۵۴ء..... امریکا نے قوم پرست چین کے ساتھ سلامتی اور تحفظ کے باہمی معاہدے پر دستخط کیے۔
- ۲۰ دسمبر ۱۹۵۴ء..... روس نے دھمکی دی کہ اگر ۱۲۳ اکتوبر ۱۹۵۴ء کے معاہدہ پیرس کی توثیق کی گئی تو برطانیہ کے ساتھ ۱۹۴۲ء کا معاہدہ منسوخ کر دیا جائے گا۔
- ۲۴ فروری ۱۹۵۵ء..... برطانیہ کے ایماء پر ترکی اور عراق نے معاہدہ بغداد پر دستخط کیے جس کا مقصد ان دونوں ممالک کو روس کی بڑھتی ہوئی توسیع پسندی سے محفوظ رکھنا تھا۔
- ۲ مارچ ۱۹۵۵ء..... مصر اور شام کے مابین باہمی دفاع کا معاہدہ طے پایا۔
- ۲ مارچ ۱۹۵۵ء..... فرانس نے معاہدہ پیرس (اکتوبر ۱۹۵۴ء) کی توثیق کر دی۔
- یکم اپریل ۱۹۵۵ء..... امریکی سینٹ نے معاہدہ پیرس کی توثیق کی۔
- ۱۴ مئی ۱۹۵۵ء..... سوویت یونین، البانیہ، بلغاریہ، چیکوسلواکیہ، ہنگری، پولینڈ، رومانیہ اور مشرقی جرمنی نے وارسا

(پولینڈ) میں ایک معاہدے پر دستخط کیے جو وارسا کے نام سے معروف ہوا۔ یہ معاہدہ نیٹو کے ردعمل کے طور پر عمل میں آیا تھا۔ (۱۸)

- ۲ جون ۱۹۵۵ء...... روس کے مارشل بلگانن اور نکیتا خروشیف نے یوگوسلاویہ کا دورہ کیا اور دوستی کے معاہدے پر دستخط کیے۔
- ۱۵ جون ۱۹۵۵ء...... برطانیہ اور امریکا کے مابین جوہری توانائی کا معاہدہ طے پایا۔
- ۱۶ جون ۱۹۵۵ء...... پاکستان اور امریکا کے مابین واشنگٹن میں ایٹمی توانائی کے پرامن استعمال کا معاہدہ طے پایا۔
- ۳۰ جون ۱۹۵۵ء...... امریکا اور مغربی جرمنی کے مابین فوجی امداد کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۱۸ اگست ۱۹۵۵ء...... مصر، سوویت یونین اور رومانیہ کے مابین دوطرفہ معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۳ نومبر ۱۹۵۵ء...... ایران نے معاہدہ بغداد میں شمولیت اختیار کی۔
- ۱۹ جنوری ۱۹۵۶ء...... سوڈان نے نویں رکن کی حیثیت سے عرب لیگ میں شمولیت کے معاہدے پر دستخط کیے۔
- ۲۳ جنوری ۱۹۵۶ء...... مشرق وسطیٰ میں امن کی بحالی کے لیے اردن اور اسرائیل نے اقوام متحدہ کی جنگ بندی کی تجاویز کو تسلیم کرلیا۔
- ۲۸ مارچ ۱۹۵۶ء...... آئس لینڈ نے امریکا کے ساتھ ۱۹۵۱ء کے معاہدے پر نظرثانی اور افواج کی واپسی کے معاہدے کا مطالبہ کیا۔
- ۲۱ اپریل ۱۹۵۶ء...... مصر، سعودی عرب اور یمن نے جدہ (سعودیہ) میں باہمی دفاعی معاہدے پر دستخط کیے۔
- ۲۹ اپریل ۱۹۵۶ء...... اقوام متحدہ کے تحت اسرائیل اور اردن کے مابین جنگ بندی ہوگئی۔
- یکم مئی ۱۹۵۶ء...... لبنان، اسرائیل، شام اور اسرائیل کے مابین جنگ بندی عمل میں آئی۔
- ۱۴ مئی ۱۹۵۶ء...... امریکا اور برطانیہ نے جوہری توانائی کے مزید معاہدوں پر دستخط کیے۔
- ۳۱ جولائی ۱۹۵۶ء...... برطانیہ اور مغربی جرمنی کے مابین ایٹمی تعاون کے دس سالہ معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۲ نومبر ۱۹۵۶ء...... ہنگری نے معاہدہ وارسا سے علیحدہ ہونے کا اعلان کردیا اور اقوام متحدہ اور دیگر بڑی طاقتوں سے سوویت حملے کے خلاف اپیل کی۔
- ۷ نومبر ۱۹۵۶ء...... انگلستان اور برطانیہ نے مصر میں جنگ بند کردی لیکن برطانیہ نے یہ شرط عائد کی کہ اقوام متحدہ کی فوج کی آمد تک فوجوں کا انخلا نہیں ہوگا۔
- ۲۵ مارچ ۱۹۵۷ء...... بلجیم، فرانس، مغربی جرمنی، اٹلی، لکسمبرگ اور نیدرلینڈز نے روم میں کامن مارکیٹ اور یوریٹم کے معاہدے پر دستخط کیے۔
- ۵ جون ۱۹۵۷ء...... برطانیہ اور امریکا کے مابین ایٹمی توانائی کے بارے میں تبادلہ معلومات کے سلسلے میں معاہدہ طے پایا۔
- ۲۹ جولائی ۱۹۵۷ء...... مغربی طاقتوں اور مغربی جرمنی نے جرمنی کے اتحاد کے اعلان پر دستخط کیے۔
- یکم فروری ۱۹۵۸ء...... مصر کے صدر جمال عبدالناصر اور شام کے صدر شکری القوتلی نے قاہرہ میں ایک

معاہدے پر دستخط کیے جس کے ذریعے دونوں ممالک کا باہمی وفاق عمل میں آیا جس کا نام متحدہ عرب جمہوریہ رکھا گیا۔

- ۱۴ فروری ۱۹۵۸ء...... عراق اور اردن نے عرب فیڈریشن قائم کی۔ سعودی عرب کے شاہ فیصل فیڈریشن کے سربراہ قرار پائے۔
- ۲۵ فروری ۱۹۵۸ء... سیلون (سری لنکا) اور سوویت یونین کے مابین باہمی تعاون کا تکنیکی معاہدہ طے پایا۔
- ۱۶ جون ۱۹۵۸ء..... امریکا اور جاپان کے مابین ایٹمی توانائی کے دس سالہ معاہدے پر دستخط ہوئے۔(۱۹)
- ۳ جولائی ۱۹۵۸ء...... برطانیہ اور امریکا کے مابین ایٹمی ہتھیاروں کی ترقی کے باہمی تعاون کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۱۰ جولائی ۱۹۵۸ء...... متحدہ عرب جمہوریہ اور عراق کے مابین دفاع کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- یکم اگست ۱۹۵۸ء..... شاہ حسین نے اردن اور عراق کے ساتھ وفاق ختم کر دیا۔
- ۱۰ نومبر ۱۹۵۸ء...... اچانک حملوں کا مقابلہ کرنے کے لیے جنیوا میں دس طاقتی کانفرنس۔
- ۳۰ دسمبر ۱۹۵۸ء..... فرنچ کیمونٹی کے اندر رہتے ہوئے فرانس اور مغربی افریقی ریاستوں نے وفاق کے قیام کا معاہدہ کیا۔
- ۱۷ جنوری ۱۹۵۹ء...... سینی گال اور فرانسیسی سوڈان کے باہمی ادغام کے معاہدے پر دستخط ہوئے جس کے تحت وفاق مالی کا قیام عمل میں آیا۔
- یکم فروری ۱۹۵۹ء..... برطانیہ اور یوریٹم کے مابین ایٹمی توانائی کے پرامن استعمال کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۱۹ فروری ۱۹۵۹ء...... لندن میں یونان، ترکی اور برطانیہ کے وزرائے اعظم کے مابین قبرص کی آزادی کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۲۱ فروری ۱۹۵۹ء...... برطانیہ اور اسپین کے مابین ایک سالہ تجارتی معاہدہ طے پایا۔
- ۲۸ فروری ۱۹۵۹ء...... نہر سویز کے سلسلے میں پیدا شدہ صورت حال کا ازالہ کرنے کے لیے اینگلو مصری معاہدہ طے پایا۔
- ۱۰ مارچ ۱۹۵۹ء..... اقوام متحدہ کی جنیوا کانفرنس نے بین الاقوامی معاہدہ گندم کی منظوری دی۔
- ۲۴ مارچ ۱۹۵۹ء...... عراق معاہدہ بغداد سے علیحدہ ہو گیا۔ اس طرح اینگلو عراقی معاہدہ ۱۹۵۶ء ختم ہو گیا۔
- ۱۴ اپریل ۱۹۵۹ء...... آئیوری کوسٹ نے نیجر، وولٹا اور دھومی کے ساتھ ساحل بنن یونین کی تشکیل کے لیے متعدد معاہدوں پر دستخط کیے۔
- ۱۶ اپریل ۱۹۵۹ء...... ترکی اور اسپین کے مابین دائمی معاہدہ امن پر دستخط ہوئے۔
- ۱۷ اپریل ۱۹۵۹ء..... ملایا اور انڈونیشیا کے مابین معاہدہ دوستی طے پایا۔
- ۷ مئی ۱۹۵۹ء..... برطانیہ اور امریکا کے مابین ایٹمی توانائی اور باہمی دفاع میں تعاون کا معاہدہ طے ہوا۔
- ۲۲ مئی ۱۹۵۹ء..... کینیڈا اور امریکا کے مابین ایٹمی توانائی اور باہمی دفاع میں تعاون کا معاہدہ ہوا۔
- ۳۰ مئی ۱۹۵۹ء...... عراق نے امریکا کے ساتھ فوجی تعاون کا معاہدہ محض اس بنیاد پر ختم کر دیا کہ اس کی غیر جانبداری کی پالیسی پر اثر پڑتا ہے۔(۲۰)

❀ ۱۴ جون ۱۹۵۹ء...... امریکا اور یونان کے مابین یونان کو جوہری اطلاعات اور بلسٹک راکٹوں کی فراہمی کا معاہدہ ہوا۔

❀ ۸ جولائی ۱۹۵۹ء...... امریکا اور لائبیریا کے مابین دفاعی معاہدہ طے پایا۔

❀ ۲۱ اگست ۱۹۵۹ء...... معاہدہ بغداد کو سینٹرل ٹریٹی آرگنائزیشن کا نام دیا گیا۔

❀ یکم دسمبر ۱۹۵۹ء...... معاہدہ انٹارکٹیکا پر بارہ ممالک نے دستخط کیے جس کے تحت کوئی ملک دنیا کے اس چھوٹے اور سرد ترین براعظم پر قبضے کی کوشش نہیں کرے گا۔

❀ ۲۰ نومبر ۱۹۵۹ء...... یورپین فری ٹریڈ ایسوسی ایشن کا قیام عمل میں آیا جس پر یورپ کے سات ممالک برطانیہ، آسٹریا، ڈنمارک، ناروے، پرتگال، سویڈن اور سوئٹزرلینڈ نے دستخط کیے۔

❀ ۱۹ جنوری ۱۹۶۰ء...... امریکا اور جاپان کے مابین باہمی دفاعی معاہدہ طے پایا۔

❀ ۲۰ جنوری ۱۹۶۰ء...... برسلز میں بلجیکن کانگو کانفرنس منعقد ہوئی جس میں جون ۱۹۶۰ء میں کانگو کو مکمل آزادی دینے کا اعلان کیا۔

❀ ۲۸ جنوری ۱۹۶۰ء...... برما اور کمیونسٹ چین کے مابین معاہدہ دوستی پر دستخط ہوئے۔

❀ ۱۷ فروری ۱۹۶۰ء...... امریکا اور برطانیہ کے مابین فائلنگ ڈیلز (Fyling Dales) میں بلسٹک میزائل ارلی وارننگ سسٹم کی تعمیر کا معاہدہ ہوا۔

❀ یکم جولائی ۱۹۶۰ء...... برطانیہ اور قبرص کے مابین برطانوی اڈوں کے سلسلے میں معاہدہ طے ہوا۔

❀ ۱۹ ستمبر ۱۹۶۰ء...... بھارت اور پاکستان کے مابین سندھ طاس کے معاہدے پر دستخط ہوئے، جس کے تحت ستلج، بیاس اور راوی کو بھارت کی تحویل میں جب کہ سندھ، جہلم اور چناب کو پاکستان کی تحویل میں دے دیا گیا۔

❀ یکم جون ۱۹۶۱ء...... لاطینی امریکا فری ٹریڈ ایسوسی ایشن باضابطہ طور پر وجود میں آگئی۔

❀ ۱۹ جون ۱۹۶۱ء...... برطانیہ نے اینگلو کویت معاہدہ ۱۸۹۹ء ختم کر دیا۔

❀ ۲۳ مارچ ۱۹۶۲ء...... نارڈک کونسل کے ارکان سکینڈے نیویائی ممالک نے ہیلسنکی کونشن پر دستخط کیے۔

❀ ۳۱ جولائی ۱۹۶۲ء...... برطانیہ وسیع تر ملائشیا کی فیڈریشن کے قیام پر رضامند ہو گیا۔

❀ ۷ اگست ۱۹۶۲ء...... برطانیہ اور متحدہ عرب جمہوریہ کے مابین ان برطانوی باشندوں کو مراعات دینے کا اعلان کیا جن کی جائیدادیں نہر سویز کی جنگ کے دوران چھین لی گئی تھیں۔

❀ ۱۵ اگست ۱۹۶۲ء...... نیدرلینڈز اور انڈونیشیا نے مغربی نیوگنی کا مسئلہ پرامن طور پر حل کر لیا۔

❀ ۱۶ اگست ۱۹۶۲ء...... عدن کو جنوبی عرب کی فیڈریشن میں شامل کرنے کے لیے لندن میں ایک معاہدے پر دستخط ہوئے۔

❀ یکم ستمبر ۱۹۶۲ء...... سنگاپور اور شمالی بورنیو نے ملائشیا کی فیڈریشن میں شمولیت کے معاہدے پر دستخط کیے۔

❀ ۲ ستمبر ۱۹۶۲ء...... ایک معاہدے کے تحت سوویت یونین کیوبا کو اسلحہ کی فراہمی پر رضامند ہو گیا۔

❁ ۲۷ نومبر ۱۹۶۲ء..... بھارت اور برطانیہ کے مابین بھارت کو چین کی مزاحمت کا خاتمہ کرنے کے لیے معاہدے پر دستخط ہوئے۔(۲۱)

❁ ۳ دسمبر ۱۹۶۲ء..... امریکا اور سوویت یونین نے بیرونی خلاء کے پرامن استعمال کا معاہدہ طے کیا۔

❁ ۲۲ جنوری ۱۹۶۳ء..... فرانس کے صدر جنرل ڈیگال اور مغربی جرمنی کے چانسلر کونراڈ ایڈینارُ نے فرینکو جرمن تعاون کے معاہدے پر دستخط کیے۔

❁ ۲ مارچ ۱۹۶۳ء..... پاکستان اور چین کے مابین سرحدی معاہدے پر دستخط ہوئے۔

❁ ۶ اپریل ۱۹۶۳ء..... برطانیہ اور امریکا نے پولارس (Polaris) میزائلوں کے معاہدے پر دستخط ثبت کیے۔

❁ ۱۷ اپریل ۱۹۶۳ء..... متحدہ عرب جمہوریہ شام اور عراق فیڈریشن کے قیام پر رضامند ہوگئے۔

❁ ۲۰ جون ۱۹۶۳ء..... امریکا اور سوویت یونین کے مابین وائٹ ہاؤس تا کریملن (ماسکو) ہاٹ لائن کے قیام کا معاہدہ ہوا۔

❁ ۵ اگست ۱۹۶۳ء..... امریکا سوویت یونین اور برطانیہ کے نمائندوں نے کریملن (سوویت یونین) میں ایک معاہدے پر دستخط کیے جس میں طے پایا کہ اب یہ تینوں ممالک فضا میں یا زیر آب ایٹمی تجربے نہیں کریں گے۔ فرانس اور چین نے اس معاہدے پر دستخط نہیں کیے یہ معاہدہ دنیا میں نیوکلیئر ٹسٹ بین ٹریٹی کے نام سے معروف ہے۔

❁ ۲۹ اگست ۱۹۶۳ء..... پاکستان اور چین نے فضائی معاہدے پر دستخط کیے۔

❁ ۱۶ ستمبر ۱۹۶۳ء..... ملایا، شمالی بورنیو، سراوک اور سنگاپور نے فیڈریشن آف ملائیشیا تشکیل دی۔

❁ ۶ فروری ۱۹۶۴ء..... ریل چینل ٹنل پر برطانیہ اور فرانس کا باہمی معاہدہ طے پایا۔

❁ ۲۷ اپریل ۱۹۶۴ء..... ٹانگانیکا اور زنجبار کے باہمی ادغام سے جمہوریہ تنزانیہ کا قیام عمل میں آیا۔

❁ ۱۲ جون ۱۹۶۴ء..... سوویت یونین اور مشرقی جرمنی کے مابین دوستی کے بیس سالہ معاہدے پر دستخط ہوئے۔

❁ ۱۵ ستمبر ۱۹۶۴ء..... ویٹیکن اور ہنگری کے مابین دوستانہ معاہدہ طے پایا۔

❁ ۱۵ اکتوبر ۱۹۶۴ء..... قاہرہ (مصر) میں ۵۸ غیر جانبدار ممالک کی کانفرنس موزے شومبے (Moise Tshombe) کو حاضر ہونے کی اجازت نہ دی گئی۔

❁ ۹ اگست ۱۹۶۵ء..... سنگاپور ملائیشیا سے ایک معاہدے کے تحت علیحدہ ہو گیا۔

❁ ۲۴ اگست ۱۹۶۵ء..... متحدہ عرب جمہوریہ اور یمن نے جنگ بندی کے ایک معاہدے پر دستخط کیے۔

❁ ۲۲ ستمبر ۱۹۶۵ء..... پاکستان اور بھارت کے مابین جنگ بندی ہوگئی۔

❁ ۲۱ جون ۱۹۶۵ء..... پاکستان، ایران اور ترکی نے علاقائی تعاون برائے ترقی کے معاہدے پر دستخط کیے جو بعد ازاں آر سی ڈی معاہدہ کہلایا۔

❁ ۳۰ جون ۱۹۶۵ء..... بھارت اور پاکستان میں رن کچھ کے مسئلے پر سمجھوتہ طے پایا۔

❁ ۱۰ جنوری ۱۹۶۶ء..... تقریباً ایک ہفتے کے مذاکرات کے بعد تاشقند میں پاکستان اور بھارت کے مابین تعلقات کو معمول پر لانے کے لیے معاہدہ طے پایا۔ (۴۲)

❁ ۱۷ اپریل ۱۹۶۶ء..... مصر، شام اور لیبیا کو ملا کر ایک متحدہ حکومت کے قیام کا فیصلہ، نئی حکومت کا نام یونین آف عرب ری پبلک رکھا گیا۔ یہ معاہدہ لیبیا کے صدر مقام بن غازی میں طے پایا۔

❁ یکم جون ۱۹۶۶ء..... ملائیشیا اور انڈونیشیا کے مابین ۳ سالہ جنگ کا خاتمہ۔ ۱۱ اگست ۱۹۶۶ء کو معاہدہ طے پایا جنگ میں ملائیشیا کے ۲۹۵ ملٹری اور سول افراد جب کہ انڈونیشیا کے ۱۵۸۳ افراد ہلاک ہوئے۔

❁ ۱۶ جون ۱۹۶۶ء..... آسٹریلیا، ایشیا اور بحرالکاہل کی کونسل (Asia and Pacific Council) کے معاہدہ میں شامل ہوا۔

❁ ۴ نومبر ۱۹۶۶ء..... مصر اور شام میں دفاعی معاہدے پر دستخط ہوئے۔

❁ ۹ نومبر ۱۹۶۶ء..... فرانس اور سوویت یونین میں ہاٹ لائن کے قیام کا معاہدہ ہوا۔

❁ ۲۷ جنوری ۱۹۶۷ء..... برازیل اور امریکا کے مابین معاہدہ طے پایا جس کے تحت برازیل کو امریکی اسلحہ کو استعمال کرنے کی اجازت دے دی گئی۔

❁ یکم مارچ ۱۹۶۷ء..... چیکوسلواکیہ اور پولینڈ کا دوستی کا معاہدہ طے پایا۔

❁ ۱۵ مارچ ۱۹۶۷ء..... مشرقی جرمنی کا پولینڈ کے ساتھ دوستی اور تعاون کا بیس سالہ معاہدہ اور ۱۷ مارچ کو چیکوسلواکیہ کے ساتھ بھی اسی قسم کا معاہدہ ہوا۔

❁ ۱۹ مارچ ۱۹۶۷ء..... بھارت اور برما کے مابین سرحد کی نشاندہی کا معاہدہ طے پایا۔

❁ ۱۶ اپریل ۱۹۶۷ء..... پولینڈ اور بلغاریہ کے مابین دوستی اور تعاون کا معاہدہ طے پایا۔

❁ ۱۲ مئی ۱۹۶۷ء..... سوویت یونین اور بلغاریہ میں دوستی اور تعاون کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔

❁ ۱۸ مئی ۱۹۶۷ء..... ہنگری اور مشرقی جرمنی کے مابین بیس سالہ دوستی اور تعاون کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔

❁ ۳۰ مئی ۱۹۶۷ء..... اردن اور مصر کے مابین دفاعی معاہدہ (عراق شامل ہوا ۳۱ جون ۱۹۶۷ء کو)

❁ ۲۳ جولائی ۱۹۶۷ء..... بلغاریہ اور منگولیا کے مابین باہمی تعاون اور دوستی کا معاہدہ ہوا۔

❁ ۲۵ اگست ۱۹۶۷ء..... برطانیہ اور سوویت یونین میں ہاٹ لائن قائم کرنے کا معاہدہ ہوا۔

❁ ۳۰ اگست ۱۹۶۷ء..... سعودی عرب اور مصر کے مابین یمن کے مسئلے پر دفاعی تعاون کا معاہدہ ہوا۔

❁ ۷ ستمبر ۱۹۶۷ء..... مشرقی جرمنی اور بلغاریہ کے مابین دوستی اور تعاون کا معاہدہ ہوا۔

❁ ۷ ستمبر ۱۹۶۷ء..... مشرقی جرمنی اور سوویت یونین کے مابین دوستی اور تعاون کا بیس سالہ معاہدہ طے پایا۔

❁ ۷ ستمبر ۱۹۶۷ء..... ہنگری اور سوویت یونین کا باہمی معاہدہ طے پایا۔

- ۴فروری ۱۹۶۸ء.......چاڈ اور سینٹرل افریقن اور کانگو نے یونین آف سینٹرل افریقن اسٹیٹس قائم کی۔
- ۱۲مارچ ۱۹۶۸ء..... برطانیہ اور ماریشس میں دفاعی معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۱۵اپریل ۱۹۶۸ء.......امریکا اور جاپان کے مابین جاپان کے جزائر بونن، روساء روساریو، پارلیس اور مارکس جزائر کی واپسی کا معاہدہ۔(۲۳)
- ۲۶اپریل ۱۹۶۸ء.......چیکوسلواکیہ اور بلغاریہ کے مابین بیس سالہ دوستی اور تعاون کا معاہدہ ہوا۔
- ۲۶اپریل ۱۹۶۸ء..... بلغاریہ اور چیکوسلواکیہ کے مابین دوستی اور تعاون کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۱۶مئی ۱۹۶۸ء.....ہنگری اور پولینڈ کے مابین بیس سالہ دوستی اور اقتصادی تعاون کا معاہدہ ہوا۔
- ۱۴جون ۱۹۶۸ء.......چیکوسلواکیہ اور ہنگری کے مابین بیس سالہ دوستی اور اقتصادی تعاون کا معاہدہ ہوا۔
- ۱۶اگست ۱۹۶۸ء.......رومانیہ اور چیکوسلواکیہ کے مابین دوستی اور تعاون کا معاہدہ ہوا۔
- ۵ستمبر ۱۹۶۸ء.....صومالیہ اور ایتھوپیا کے مابین (Subversive Activity) ختم کرنے کا معاہدہ۔
- ۱۲ستمبر ۱۹۶۸ء..... منگولیا اور مشرقی جرمنی کے مابین دوستی اور تعاون کا معاہدہ۔
- ۱۶اکتوبر ۱۹۶۸ء.....سوویت یونین اور چیکوسلواکیہ کے مابین چیکوسلواکیہ میں سوویت فوجوں کے عارضی قیام کا معاہدہ طے پایا۔
- ۱۵جنوری ۱۹۶۹ء.....الجزائر اور مراکش کے مابین باہمی تعاون کا معاہدہ ہوا۔
- ۱۰اپریل ۱۹۶۹ء.....لیبیا اور الجزائر کے مابین (Solidarity) کا معاہدہ طے پایا۔
- ۳جولائی ۱۹۶۹ء.....امریکا اور ترکی کے مابین امریکی اڈوں کے استعمال کا معاہدہ طے پایا۔(جو ۲۵ جولائی ۱۹۷۵ء کو منسوخ کر دیا گیا)
- ۱۰جولائی ۱۹۶۹ء..... بلغاریہ اور ہنگری کے مابین بیس سالہ دوستی اور باہمی تعاون کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۲۸اگست ۱۹۶۹ء.......نیوزی لینڈ اور آسٹریلیا کے مابین مشترکہ دفاعی منصوبہ بندی اور ہتھیاروں کی خرید کا معاہدہ ہوا۔
- ۱۰نومبر ۱۹۶۹ء.......امریکا اور آسٹریلیا کے مابین مشترکہ دفاعی خلائی مواصلاتی اسٹیشن کے قیام کا معاہدہ ہوا۔
- ۱۱نومبر ۱۹۶۹ء.......تھائی لینڈ اور ملائیشیا کے مابین سرحدی مداخلت ختم کرنے کا معاہدہ۔
- ۱۵نومبر ۱۹۶۹ء.......زمبیا نے چین اور تنزانیہ کے ساتھ تن زام ریلوے (Tan Zam Railway) کی تعمیر کا معاہدہ طے کیا۔
- ۶جنوری ۱۹۷۰ء.....الجزائر اور تیونس کے مابین بیس سالہ اخوت، اچھی ہمسایہ گری اور تعاون کا معاہدہ ہوا۔
- ۷مارچ ۱۹۷۰ء.....ملائیشیا اور تھائی لینڈ کے مابین سرحد پر عدم مداخلت کا معاہدہ۔
- ۱۷مارچ ۱۹۷۰ء.......ملائیشیا اور انڈونیشیا کا دوستی کا معاہدہ طے پایا۔

- ۵ مئی ۱۹۷۰ء......ارجنٹائن اور امریکا کے مابین مسلح افواج کے مشترکہ پراجیکٹس پر معاہدہ طے پایا۔
- ۶ مئی ۱۹۷۰ء......چیکوسلواکیہ اور سوویت یونین کا معاہدہ دوستی۔
- ۶ مئی ۱۹۷۰ء......سوویت یونین اور چیکوسلواکیہ کے مابین بیس سالہ تعاون اور دوستی کا معاہدہ ہوا۔
- ۷ جون ۱۹۷۰ء......نیوزی لینڈ اور آسٹریلیا کے مابین دفاعی ہتھیاروں کو معیاری بنانے کا معاہدہ طے پایا۔
- ۹ جون ۱۹۷۰ء......ایتھوپیا اور کینیا کے مابین سرحد کی (Delimiting) کا معاہدہ طے پایا۔ (۲۴)
- ۲۲ جون ۱۹۷۰ء......اسپین اور فرانس کے مابین پانچ سالہ فوجی تعاون کا معاہدہ طے پایا۔
- ۷ جولائی ۱۹۷۰ء......رومانیہ اور سوویت یونین کے مابین دوستی اور تعاون کا معاہدہ طے پایا۔
- ۶ اگست ۱۹۷۰ء......امریکا اور اسپین میں دوستی اور تعاون کا جو معاہدہ ہوا اس کے تحت امریکا کو اسپین میں امریکی اڈوں کے قیام کی مدت میں ۱۹۷۵ء تک توسیع کر دی گئی۔
- ۱۲ اگست ۱۹۷۰ء......مشرقی جرمنی اور سوویت یونین کے مابین طاقت استعمال نہ کرنے کا معاہدہ۔
- ۱۸ اگست ۱۹۷۰ء......امریکا اور انڈونیشیا کے مابین انڈونیشیا کو ہتھیاروں کی فراہمی کا معاہدہ
- ۵ نومبر ۱۹۷۰ء......لیبیا اور سوڈان کے ساتھ مصر کا سیاسی وفاق قائم کرنے کا معاہدہ
(شام کی شمولیت ۲۶ نومبر ۱۹۷۰ء)
- ۱۲ نومبر ۱۹۷۰ء......رومانیہ اور پولینڈ کے درمیان دوستی اور تعاون کا معاہدہ ہوا۔
- ۱۹ نومبر ۱۹۷۰ء......بلغاریہ اور رومانیہ کے مابین بیس سالہ دوستی کا معاہدہ طے پایا۔
- ۲۶ نومبر ۱۹۷۰ء......شام، لیبیا، سوڈان اور مصر کے وفاق اور تعلقات کو معمول پر لانے کے لیے شامل ہوا۔
- ۷ دسمبر ۱۹۷۰ء......آڈر نیسو سرحد کے بارے میں مشرقی جرمنی اور پولینڈ کا باہمی معاہدہ۔
- ۱۵ دسمبر ۱۹۷۰ء......ڈائیگو گارشیا میں امریکی بحری اڈے کے قیام کے سلسلے میں امریکا اور برطانیہ کا معاہدہ طے پایا۔
- ۹ جنوری ۱۹۷۱ء......آسٹریلیا، برطانیہ، نیوزی لینڈ، ملائیشیا اور سنگاپور کا باہمی معاہدہ جس کے تحت ملائیشیا اور سنگاپور کے دفاع کا عزم کیا گیا۔
- ۱۹ فروری ۱۹۷۱ء......برطانیہ، سوویت یونین اور امریکا نے ایک معاہدے پر دستخط کیے جس کے تحت کوئی بھی ملک سمندر کی تہہ سے یا سطح آب سے جوہری ہتھیاروں یا دوسرے تباہ کن ہتھیاروں کا استعمال نہیں کر سکتے۔
- ۱۶ مارچ ۱۹۷۱ء......شام اور مصر میں مشترکہ ملٹری کمانڈ کا معاہدہ طے پایا۔
- ۱۹ مئی ۱۹۷۱ء......خارجہ امور میں باہمی مشاورت کے لیے کینیڈا اور سوویت یونین میں معاہدہ ہوا۔
- ۲۷ مئی ۱۹۷۱ء......سوویت یونین اور مصر کے مابین معاہدہ دوستی ختم کر دیا گیا۔
- ۱۵ جون ۱۹۷۱ء......یونان اور رومانیہ نے ایک دوسرے کی سرحدوں کا احترام کرنے کا معاہدہ کیا۔

❁ ۱۷ جون ۱۹۷۱ء...... جاپان اور امریکا نے ایک معاہدے پر دستخط کیے جس کے تحت امریکا نے جاپان کو ریوکو (Ryuku) جزائر واپس کرنے کا فیصلہ کیا۔

❁ ۹ اگست ۱۹۷۱ء..... بھارت اور سوویت یونین کے مابین بیس سالہ معاہدہ دوستی پر نئی دہلی میں دستخط ہوئے جس کے تحت پاکستان کو ۱۹۷۱ء کی جنگ میں بھارتی جارحیت کا نشانہ بنایا گیا جس کے نتیجے میں مشرقی پاکستان کو پاکستان سے علیحدہ کر دیا گیا۔

❁ ۱۵ اگست ۱۹۷۱ء.... برطانیہ اور بحرین کے مابین دوستی کا معاہدہ ہوا۔ (۲۵)

❁ ۲۰ اگست ۱۹۷۱ء...... مصر شام اور لیبیا کے مابین وفاق عرب جمہوریہ قائم کرنے کا معاہدہ طے پایا۔

❁ ۳ ستمبر ۱۹۷۱ء..... برلن کے مسئلے پر برطانیہ، امریکا، سوویت یونین اور فرانس کا باہمی معاہدہ ہوا۔

❁ ۲۹ اکتوبر ۱۹۷۱ء...... تعاون کے اصولوں پر سوویت یونین اور فرانس میں معاہدہ طے پایا۔

❁ ۲۳ نومبر ۱۹۷۱ء...... برونائی اور برطانیہ کے مابین دفاعی معاہدے پر دستخط ہوئے۔

❁ ۲ دسمبر ۱۹۷۱ء..... متحدہ عرب امارات اور برطانیہ کے مابین معاہدہ دوستی طے ہوا۔

❁ ۲۳ دسمبر ۱۹۷۱ء..... امریکا اور بحرین کے مابین بحرین میں مستقل فوجی اڈہ استعمال کرنے کا معاہدہ۔

❁ ۱۵ فروری ۱۹۷۲ء...... انڈونیشیا اور فلپائن کے مابین فوجی تعاون کا معاہدہ۔

❁ ۲۳ فروری ۱۹۷۲ء...... رومانیہ اور ہنگری کے مابین باہمی دوستی اور تعاون کا معاہدہ طے پایا۔

❁ ۱۹ مارچ ۱۹۷۲ء...... بنگلہ دیش اور بھارت کے مابین پچیس سالہ دفاعی معاہدہ ہوا۔

❁ ۲۶ مارچ ۱۹۷۲ء...... مالٹا میں فوجی مراعات حاصل کرنے کا برطانیہ اور نیٹو کا سات سالہ معاہدہ طے پایا۔

❁ ۲۷ مارچ ۱۹۷۲ء..... سوڈان اور انیانا (Anyana) قبائل کے مابین معاہدہ امن۔

❁ ۱۶ اپریل ۱۹۷۲ء...... انڈونیشیا اور ملائیشیا کے مابین گوریلا سرگرمیوں کے خلاف معاہدہ طے پایا۔

❁ ۱۹ اپریل ۱۹۷۲ء..... سوویت یونین اور ایران کے مابین دوستی اور تعاون کا ۱۵ سالہ معاہدہ۔

❁ ۲۶ مئی ۱۹۷۲ء..... سالٹ، اے بی ایم کے سلسلے میں امریکا اور سوویت یونین کا معاہدہ۔ جس کے تحت تخفیف اسلحہ کا عبوری پروگرام شروع کیا جا سکے گا۔

❁ ۲۹ مئی ۱۹۷۲ء..... سوویت یونین اور امریکا کے مابین دوستی کے بنیادی اصولوں پر معاہدہ طے پایا۔

❁ ۱۵ اکتوبر ۱۹۷۲ء...... یوگنڈا اور تنزانیہ کے مابین معاہدہ امن ہوا۔

❁ ۵ نومبر ۱۹۷۲ء..... برطانیہ، سوویت یونین اور امریکا کے مابین فرانس کا معاہدہ جس کے تحت جرمنی میں یہ چار طاقتیں اپنی اپنی ذمہ داریاں پورا کر سکیں گی۔

❁ ۱۱ دسمبر ۱۹۷۲ء...... نائجیریا اور چاڈ کے مابین تعاون اور دوستی کا معاہدہ طے پایا۔

❁ ۲۱ دسمبر ۱۹۷۲ء...... مغربی اور مشرقی جرمنی کے مابین تعلقات کو معمول پر لانے کے لیے معاہدہ طے پایا۔

- ۲۷ جنوری ۱۹۷۳ء...... امریکا جنوبی اور شمالی ویت نام اور ویت کانگ کے نمائندوں نے پیرس میں جنگ بندی کے معاہدے پر دستخط کیے جو ۱۰ برس سے جاری تھی۔
- ۲۱ فروری ۱۹۷۳ء...... لاؤس کے محب وطن لاؤ مداخلت کاروں اور حکومت کے مابین معاہدہ امن طے ہوا۔
- ۲۲ فروری ۱۹۷۳ء...... چاڈ اور مصر کے مابین دوستی کا معاہدہ ہوا۔
- ۳ مارچ ۱۹۷۳ء...... نائیجیریا اور مالی کے مابین تعاون اور دوستی کا معاہدہ ہوا۔
- ۴ جون ۱۹۷۳ء...... فرانس اور مڈغاسکر کے مابین معاہدہ دوستی اور تعاون طے پایا۔
- ۲۲ جون ۱۹۷۳ء...... امریکا اور سوویت یونین کے مابین ایٹمی جنگ سے بچنے کا معاہدہ ہوا۔(۲۶)
- ۲۴ اگست ۱۹۷۳ء...... لیبیا اور برونڈی کے مابین دس سالہ معاہدہ دوستی اور تعاون طے ہوا۔
- ۱۱ نومبر ۱۹۷۳ء...... مصر اور اسرائیل کے مابین سیز فائر لائن کا معاہدہ طے پایا۔
- ۱۹ نومبر ۱۹۷۳ء...... ارجنٹائن اور یوروگوے کے مابین دریائے پلیٹ (River Plate) میں جہاز رانی کے حقوق کا تنازعہ ختم کرنے کا معاہدہ طے پایا۔
- ۱۱ دسمبر ۱۹۷۳ء...... مغربی جرمنی اور چیکوسلواکیہ کے مابین تعلقات کو معمول پر لانے کا معاہدہ ہوا۔
- یکم جنوری ۱۹۷۴ء...... فرانس اور کانگو کے مابین تعاون کا معاہدہ طے پایا۔
- ۱۰ جنوری ۱۹۷۴ء...... امریکا اور آسٹریلیا کے مابین شمالی مغربی راس (North West Sape) میں مشترکہ بحری مواصلات کا معاہدہ طے پایا۔
- ۱۲ جنوری ۱۹۷۴ء...... تیونس اور لیبیا میں باہمی ادغام کا معاہدہ جس پر عملدرآمد نہ ہو سکا۔
- ۱۸ جنوری ۱۹۷۴ء...... اسرائیل اور مصر کے مابین نہر سویز سے فوجیں ہٹانے کا معاہدہ ہوا۔
- ۲ فروری ۱۹۷۴ء...... سوڈان اور مصر کے مابین سوڈان کی سیاسی اور اقتصادی حکمت عملی کی تدوین کے سلسلے میں تعاون کا معاہدہ طے پایا۔
- ۱۲ فروری ۱۹۷۴ء...... گیبون اور فرانس کے مابین اور ۲۱ فروری ۱۹۷۴ء کو کیمرون کے ساتھ تعاون کا معاہدہ ہوا۔
- ۹ مارچ ۱۹۷۴ء...... لیبیا اور نائیجیریا کے مابین دفاعی معاہدہ۔
- ۲۹ مارچ ۱۹۷۴ء...... سینی گال اور فرانس کے مابین دوستی کا معاہدہ طے پایا۔ اسی طرح فرانس کا فوجی معاہدہ زائرے کے ساتھ مئی ۱۹۷۴ء میں بھی ہوا۔
- ۵ جون ۱۹۷۴ء...... اسرائیل اور لبنان کے مابین گولان کی پہاڑیوں سے فوجیں ہٹانے کا معاہدہ ہوا۔
- ۸ جون ۱۹۷۴ء...... سعودی عرب اور امریکا کے مابین اقتصادی اور فوجی تعاون کا معاہدہ طے پایا۔
- ۱۴ جون ۱۹۷۴ء...... امریکا اور مصر کے مابین تعاون اور دوستی کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔

- ۱۸ جون ۱۹۷۴ء......اردن اور امریکا کے مابین فوجی تعاون کا معاہدہ طے پایا۔
- ۳ جولائی ۱۹۷۴ء......سوویت یونین اور امریکا کے مابین ہتھیاروں کی پابندی کا معاہدہ طے پایا۔
- ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء......موزمبیق اور پرتگال کے مابین موزمبیق کی آزادی کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۱۹ ستمبر ۱۹۷۴ء......فن لینڈ اور مغربی جرمنی میں تعلقات کو معمول پر لانے کا معاہدہ ہوا۔
- ۲۴ ستمبر ۱۹۷۴ء......گوا اور سابقہ پرتگالی نوآبادیوں سے متعلق بھارت اور پرتگال میں معاہدہ طے پایا۔
- ۲۲ اکتوبر ۱۹۷۴ء......آئس لینڈ اور امریکا کے مابین دفاع کے توسیعی معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۲۵ اکتوبر ۱۹۷۴ء......امریکا نے تیونس کو اسلحہ اور دیگر اشیا دینے کے معاہدے پر دستخط کیے
- ۱۵ جنوری ۱۹۷۵ء......انگولا اور پرتگال کے مابین انگولا کی آزادی کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۲۳ فروری ۱۹۷۵ء......عمان اور فرانس کے مابین تعاون کا معاہدہ طے پایا۔(۲۷)
- ۱۱ مارچ ۱۹۷۵ء......فلپائن اور انڈونیشیا کے مابین سرحدی علاقوں میں تعاون اور کنٹرول کا معاہدہ ہوا۔
- ۱۳ جون ۱۹۷۵ء......عراق اور ایران کے مابین باہمی مفاہمت کا معاہدہ ہوا۔
- ۲۰ جون ۱۹۷۵ء......فرانس اور پولینڈ کے مابین معاہدہ دوستی پر دستخط ہوئے۔
- یکم اگست ۱۹۷۵ء......یورپ میں تحفظ اور تعاون پر ہیلسنکی کانفرنس ہوئی۔
- ۴ ستمبر ۱۹۷۵ء......اسرائیل اور مصر میں صحرائے سینا سے فوجیں ہٹانے کا معاہدہ طے ہوا۔
- ۷ اکتوبر ۱۹۷۵ء......مشرقی جرمنی اور سوویت یونین کے مابین ۲۵ سالہ دوستی، تعاون اور باہمی امداد کا معاہدہ طے ہوا۔
- ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۵ء......صحرائے سینا میں ارلی وارننگ سسٹم (Early Warning System) کے قیام کے سلسلے میں امریکا اور مصر کا معاہدہ طے پایا۔
- ۲۹ اکتوبر ۱۹۷۵ء......کیمرون اور لیبیا کے مابین دوستی اور تعاون کا معاہدہ۔
- ۱۴ نومبر ۱۹۷۵ء......مغربی صحارا سے متعلق اسپین کا مراکش اور ماریطانیہ سے معاہدہ طے پایا۔
- دسمبر ۱۹۷۵ء......الجزائر اور لیبیا کے مابین دفاعی معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۲۴ جنوری ۱۹۷۶ء......اسپین اور امریکا نے دوستی اور تعاون کے معاہدے پر دستخط کیے۔
- ۱۹ فروری ۱۹۷۶ء......شام اور اردن نے باہمی تعاون کے معاہدے پر دستخط کیے۔
- ۶ مارچ ۱۹۷۶ء......چاڈ اور فرانس کے مابین معاہدہ تعاون طے پایا۔
- ۲۳ مارچ ۱۹۷۶ء......فرانس اور ٹوگو کے مابین معاہدہ تعاون پر دستخط ہوئے۔
- ۲۶ مارچ ۱۹۷۶ء......ترکی اور امریکا کے مابین ترکی میں امریکا کے فوجی اڈے دوبارہ کھولنے کا معاہدہ طے پایا۔
- ۲۸ مارچ ۱۹۷۶ء......بلجیم اور زائرے کے مابین تعاون کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔

- ۱۸ اپریل ۱۹۷۶ء...... لیبیا اور نائجیریا کے ساتھ الجزائر کا علاقائی تعاون بڑھانے کا معاہدہ طے پایا۔
- ۱۵ اپریل ۱۹۷۶ء...... یونان اور امریکا کے مابین چار سالہ دفاعی معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۲۰ اپریل ۱۹۷۶ء...... چین نے مصر کو فوجی امداد دینے کے پروٹوکول پر دستخط کیے۔
- ۱۶ جون ۱۹۷۶ء...... آسٹریلیا اور جاپان کے مابین تعاون اور دوستی کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۱۵ جولائی ۱۹۷۶ء...... سوڈان اور مصر کا ۲۵ سالہ دفاعی معاہدہ طے ہوا۔
- ۱۶ جولائی ۱۹۷۶ء...... فرانس اور سوویت یونین کے مابین ایٹمی جنگ سے بچنے کی دستاویزات کا تبادلہ ہوا۔
- ۱۸ اکتوبر ۱۹۷۶ء...... سوویت یونین اور انگولا کے مابین معاہدہ دوستی طے پایا۔
- ۲۰ اکتوبر ۱۹۷۶ء...... موزمبیق، تنزانیہ، زمبیا اور انگولا باہمی دفاعی حکمت عملی کے معاہدے پر رضامند ہوگئے اور اس ضمن میں تینوں ممالک نے دستخط کر دیے۔(۲۸)
- ۱۵ دسمبر ۱۹۷۶ء...... کیپ ورڈے اور انگولا کے مابین تعاون کا معاہدہ طے پایا۔
- ۲۱ دسمبر ۱۹۷۶ء...... متحدہ سیاسی کمان قائم کرنے کے لیے مصر اور شام کے مابین معاہدے پر دستخط ہوئے (۲۸ فروری ۱۹۷۷ء کو سوڈان بھی شامل ہو گیا۔)
- ۲۸ فروری ۱۹۷۷ء...... مصر، سوڈان اور شام کا دفاعی معاہدہ طے پایا۔
- ۳۱ مارچ ۱۹۷۷ء...... موزمبیق اور سوویت یونین کے مابین معاہدہ دوستی طے پایا۔
- ۱۱ اپریل ۱۹۷۷ء...... امریکا اور کینیڈا کے مابین ریجن آپریشن کنٹرول سینٹر کے قیام کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۲۹ اپریل ۱۹۷۷ء...... مصر اور فرانس کا دفاعی تعاون کا معاہدہ ہوا۔
- ۵ مئی ۱۹۷۷ء...... بلغاریہ اور منگولیا کے مابین معاہدہ دوستی اور تعاون پر دستخط ہوئے۔
- ۶ مئی ۱۹۷۷ء...... سوویت یونین اور ایتھوپیا نے باہمی تعاون کا معاہدہ طے کیا۔
- ۲۴ مئی ۱۹۷۷ء...... ہنگری اور مشرقی جرمنی کے مابین معاہدہ دوستی طے پایا۔
- ۲۸ مئی ۱۹۷۷ء...... پولینڈ اور مشرقی جرمنی میں دوستی اور تعاون کا معاہدہ ہوا۔
- ۲۷ جون ۱۹۷۷ء...... جبوتی اور فرانس کا تعاون اور دوستی کا معاہدہ طے پایا۔
- ۲۹ جون ۱۹۷۷ء...... مغربی جرمنی اور رومانیہ کے مابین تعاون اور دوستی بڑھانے کا معاہدہ ہوا۔
- ۱۸ جولائی ۱۹۷۷ء...... ویت نام اور لاؤس کے مابین ۲۵ سالہ دوستی کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۱۰ اگست ۱۹۷۷ء...... ملائیشیا اور جاپان کے مابین سیاسی، اقتصادی اور ثقافتی تعاون بڑھانے کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۱۷ اگست ۱۹۷۷ء...... بولیویا اور برازیل نے معاہدہ دوستی پر دستخط کیے۔
- ۷ ستمبر ۱۹۷۷ء...... امریکا اور پاناما کے مابین نہر پاناما کی ۳۱ دسمبر ۱۹۹۹ء کو پاناما کو واپسی کا معاہدہ ہوا۔

- ۱۴ ستمبر ۱۹۷۷ء...... مشرقی جرمنی اور بلغاریہ کے مابین دوستی اور تعاون کا معاہدہ ہوا۔
- ۲۰ ستمبر ۱۹۷۷ء ..... جنوب مغربی آسٹریلیا میں اومیگا نیوی گیٹنگ فیسلٹی (Omega Navigating Facility) کے قیام کے معاہدے پر امریکا نے دستخط کیے۔
- ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۷ء...... مشرقی جرمنی اور چیکوسلواکیہ نے دوستی تعاون اور باہمی تعاون کے معاہدے پر دستخط کیے۔
- ۱۰ اکتوبر ۱۹۷۷ء..... برطانیہ اور سوویت یونین کے مابین حادثاتی ایٹمی جنگ سے بچنے کا معاہدہ ہوا۔
- ۱۴ اکتوبر ۱۹۷۷ء...... انگولا، زمبیا اور زائرے کے مابین جارحیت کا ارتکاب نہ کرنے کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۲۲ نومبر ۱۹۷۷ء..... پرتگال اور اسپین کا معاہدہ دوستی طے پایا۔
- ۲ دسمبر ۱۹۷۷ء...... ویت نام اور مشرقی جرمنی کے مابین دوستی کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔ (۲۹)
- ۱۴ دسمبر ۱۹۷۷ء...... امریکا اور برطانیہ کے درمیان ایشین گوام میں دفاعی علاقے اور سہولیات حاصل کرنے کا معاہدہ طے پایا۔
- ۲۹ اپریل ۱۹۷۸ء..... دفاعی آرٹیکلز اور خدمات کے تبادلے کا امریکا اور صومالیہ کا معاہدہ۔
- ۲۸ مئی ۱۹۷۸ء..... کمپوچیا (کمبوڈیا) اور رومانیہ کے مابین معاہدہ دوستی اور تعاون پر دستخط ہوئے۔
- ۲۵ جون ۱۹۷۸ء...... ترکی اور سوویت یونین کے مابین دوستی اور تعاون کا معاہدہ طے پایا۔
- ۲۶ جون ۱۹۷۸ء..... پرتگال اور انگولا کے مابین ۳ سالہ معاہدہ دوست اور تعاون طے پایا۔
- ۱۲ اگست ۱۹۷۸ء...... چین اور جاپان نے معاہدہ دوستی اور تعاون کے دس سالہ معاہدہ پر دستخط کیے۔
- ۲۴ اگست ۱۹۷۸ء...... امریکا اور نیدرلینڈ کے مابین دفاعی آلات میں تعاون کا معاہدہ ہوا۔
- ستمبر ۱۹۷۸ء...... امریکا اور اٹلی کے مابین دفاعی آلات کا معاہدہ طے پایا۔
- ستمبر ۱۹۷۸ء...... اسرائیل اور مصر کے مابین مشرق وسطیٰ کے مسئلے کو حل کرنے اور معاہدہ امن پر کیمپ ڈیوڈ میں دستخط ہوئے۔
- ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۸ء...... زمبیا کے ساتھ تعلقات کو معمول پر لانے کے لیے انگولا کے ساتھ فریم ورک پر دستخط ہوئے۔
- ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۸ء...... مغربی جرمنی اور امریکا کے مابین دفاعی آلات کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۲۲ اکتوبر ۱۹۷۸ء...... بلغاریہ اور انگولا کے مابین معاہدہ دوستی طے پایا۔
- ۲۳ اکتوبر ۱۹۷۸ء...... جاپان اور چین کے مابین ۴۲ سالہ دشمنی ختم کرنے کا معاہدہ ہوا۔
- ۲۶ اکتوبر ۱۹۷۸ء..... شام اور عراق کے مابین مشترکہ عمل کا معاہدہ ختم ہو گیا۔
- ۳ نومبر ۱۹۷۸ء..... ویت نام اور سوویت یونین کا ۲۵ سالہ باہمی دوستی اور تعاون کا معاہدہ ہوا۔
- ۱۰ نومبر ۱۹۷۸ء...... کوموروز اور فرانس کے مابین معاہدہ دوستی اور تعاون طے ہوا۔
- ۲۰ نومبر ۱۹۷۸ء..... ایتھوپیا اور سوویت یونین کا ۲۵ سالہ تعاون اور دوستی کا معاہدہ طے پایا۔
- ۳ دسمبر ۱۹۷۸ء...... ایتھوپیا اور چیکوسلواکیہ کے مابین معاہدہ دوستی ہوا۔

- ۵ دسمبر ۱۹۷۸ء...... سوویت یونین اور افغانستان کے مابین اچھی ہمسائیگی دوستی اور تعاون کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۳۱ جنوری ۱۹۷۹ء...... ایتھوپیا اور کینیا کے مابین دوستی اور تعاون کا معاہدہ طے پایا۔
- یکم فروری ۱۹۷۹ء...... تحقیق اور ترقی کے کاموں میں امریکا اور کینیڈا کے مابین باہمی مفاہمت کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۱۸ فروری ۱۹۷۹ء...... کمپوچیا اور ویت نام کے مابین امن دوستی اور تعاون کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۱۹ فروری ۱۹۷۹ء...... انگولا اور مشرقی جرمنی کے مابین تعاون اور دوستی کے ۲۵ سالہ معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- فروری ۱۹۷۹ء...... چین اور امریکا کے مابین باہمی تعلقات کو مستحکم کرنے کا معاہدہ۔(۳۰)
- ۲۴ فروری ۱۹۷۹ء...... موزمبیق اور مشرقی جرمنی کے مابین ۲۵ سالہ معاہدہ دوستی پر دستخط ہوئے۔
- ۲۶ مارچ ۱۹۷۹ء...... اسرائیل اور مصر کے درمیان معاہدہ امن طے ہوا۔
- ۱۱ اپریل ۱۹۷۹ء...... گھانا اور رومانیہ کے مابین معاہدہ دوستی طے پایا۔
- ۱۴ اپریل ۱۹۷۹ء...... رومانیہ اور انگولا نے باہمی دوستی کے معاہدے پر دستخط کیے۔
- ۱۷ اپریل ۱۹۷۹ء...... زیمبیا اور رومانیہ کا باہمی دوستی کا معاہدہ ہوا۔
- ۲۰ اپریل ۱۹۷۹ء...... رومانیہ اور موزمبیق کا باہمی دوستی کا معاہدہ طے پایا۔
- ۲۳ اپریل ۱۹۷۹ء...... برونڈی اور رومانیہ کے مابین معاہدہ دوستی طے پایا۔
- ۲۵ اپریل ۱۹۷۹ء...... سوڈان اور رومانیہ کے مابین تعاون اور دوستی کا معاہدہ طے ہوا۔
- ۲۸ اپریل ۱۹۷۹ء...... سوویت یونین اور فرانس کے مابین امن اور دوستی کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۱۰ مئی ۱۹۷۹ء...... مشترکہ حفاظتی فوج کے قیام کے سلسلے میں انگولا اور زیمبیا کا معاہدہ ہوا۔
- ۲۶ مئی ۱۹۷۹ء...... موزمبیق اور مشرقی جرمنی کے مابین فوجی تعاون کا معاہدہ ہوا۔
- ۳۱ مئی ۱۹۷۹ء...... مشرقی جرمنی اور ایتھوپیا کے مابین فوجی تعاون کے پروٹوکول پر دستخط ہوئے۔
- ۱۸ جون ۱۹۷۹ء...... امریکا اور سوویت یونین کے مابین ہتھیاروں میں کمی کا معاہدہ طے پایا۔
- ۱۷ اگست ۱۹۷۹ء...... اردن نے دفاعی دستاویزات اور خدمات کے تبادلے کے سلسلے میں امریکا کے ساتھ معاہدے پر دستخط کیے۔
- ۳۱ اگست ۱۹۷۹ء...... ترکی میں امریکی اڈے دوبارہ کھولنے پر امریکا اور ترکی میں دستخط ہوئے۔(۳۱)
- یکم اکتوبر ۱۹۷۹ء...... انگولا اور بلغاریہ کا باہمی دوستی اور تعاون کا معاہدہ طے پایا۔
- ۱۴ اکتوبر ۱۹۷۹ء...... لاؤس اور بلغاریہ کے مابین دوستی اور تعاون کا معاہدہ ہوا۔
- ۱۲ اکتوبر ۱۹۷۹ء...... زائرے، زیمبیا اور انگولا کے مابین عدم جارحیت کا معاہدہ ہوا۔
- ۲۵ اکتوبر ۱۹۷۹ء...... سوویت یونین اور جنوبی یمن کے مابین دوستی اور تعاون کا معاہدہ ہوا۔
- ۹ نومبر ۱۹۷۹ء...... گنی بساؤ اور شمالی کوریا کے مابین معاہدہ دوستی طے پایا۔

- ۱۵ نومبر ۱۹۷۹ء ...... ایتھوپیا اور مشرقی جرمنی کے مابین دوستی اور تعاون کے ۲۵ سالہ معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۱۷ نومبر ۱۹۷۹ء ...... جنوبی یمن اور مشرقی جرمنی کے مابین تعاون اور دوستی کا معاہدہ ہوا۔
- ۸ دسمبر ۱۹۷۹ء ...... منگولیا اور لاؤس کے مابین معاہدہ دوستی ہوا۔
- ۱۲ دسمبر ۱۹۷۹ء ...... پولینڈ اور ایتھوپیا کے مابین دوستی اور تعاون کا معاہدہ ہوا۔
- ۱۳ دسمبر ۱۹۷۹ء ...... ترکس اور کیکاؤس (Turks and Caicos) کے مسئلے پر برطانیہ اور امریکا کا معاہدہ۔
- ۲۱ دسمبر ۱۹۷۹ء ...... زمبابوے کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے لیے پاپولر فرنٹ اور سالسبری کے مابین معاہدہ ہوا۔
- ۷ فروری ۱۹۸۰ء ...... مصر اور زائرے کے مابین فوجی تعاون کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۱۷ فروری ۱۹۸۰ء ...... چیکوسلواکیہ اور لاؤس کا دوستی اور تعاون کا معاہدہ ہوا۔
- ۱۷ مارچ ۱۹۸۰ء ...... لیبیا اور مالٹا کا دفاعی معاہدہ ہوا۔
- ۱۹ مارچ ۱۹۸۰ء ...... رومانیہ اور زائرے کا دوستی اور تعاون کا معاہدہ طے ہوا۔
- ۲۳ مارچ ۱۹۸۰ء ...... موزمبیق اور زمبابوے میں فوجی تعاون کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۳۰ مارچ ۱۹۸۰ء ...... ترکی اور امریکا کا دفاعی تعاون کا معاہدہ ہوا۔
- ۱۴ اپریل ۱۹۸۰ء ...... افغانستان میں سوویت یونین کی فوجوں کی موجودگی کا معاہدہ سوویت یونین سے طے پایا۔ (۳۲)
- یکم جون ۱۹۸۰ء ...... مشرقی جرمنی اور کیوبا کا ۲۵ سالہ تعاون اور دوستی کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۴ جون ۱۹۸۰ء ...... حفاظتی اور تجارتی تعاون کے سلسلے میں امریکا نے عمان سے معاہدہ طے کیا۔
- ۲۶ جون ۱۹۸۰ء ...... کینیا اور امریکا کے مابین فوجی مراعات کے حصول کا معاہدہ ہوا۔
- ۲۲ اگست ۱۹۸۰ء ...... صومالیہ اور امریکا کے مابین فوجی مراعات کا معاہدہ طے پایا۔
- ۱۵ ستمبر ۱۹۸۰ء ...... مالٹا جزیرے کی غیر جانبداری پر اٹلی اور مالٹا کا معاہدہ۔
- ۱۷ ستمبر ۱۹۸۰ء ...... چین اور امریکا کے مابین تعلقات کو معمول پر لانے کا معاہدہ ہوا۔
- ۱۷ ستمبر ۱۹۸۰ء ...... سوڈان اور فرانس میں فوجی تعاون کا معاہدہ۔
- ۱۸ اکتوبر ۱۹۸۰ء ...... شام اور سوویت یونین کا ۲۵ سالہ دوستی اور تعاون کا معاہدہ طے پایا۔
- ۱۱۰ اکتوبر ۱۹۸۰ء ...... شام اور لیبیا کے مابین عرب میسز اسٹیٹ (Arab Masses State) کی تشکیل کا معاہدہ ہوا۔
- ۱۱۳ اکتوبر ۱۹۸۰ء ...... زمبابوے اور شمالی کوریا کے مابین ۱۰ سالہ معاہدہ تعاون اور دوستی طے پایا۔
- ۵ دسمبر ۱۹۸۰ء ...... تنزانیہ اور زمبابوے کے مابین معاہدہ دوستی اور تعاون ہوا۔
- ۱۶ جنوری ۱۹۸۱ء ...... ناروے میں امریکی بحری بریگیڈ کے لیے فوجی آلات کا ذخیرہ کرنے کا معاہدہ طے ہوا۔
- ۲۰ جنوری ۱۹۸۱ء ...... امریکی یرغمالیوں کی رہائی کے لیے امریکا اور ایران کے مابین سمجھوتہ طے پایا۔

- ۲۱ مارچ ۱۹۸۱ء......جبوتی اور ایتھوپیا کا باہمی دوستی کا معاہدہ ہوا۔
- ۱۳ مئی ۱۹۸۱ء......سوویت یونین اور کانگو کے مابین ۲۰ سالہ دوستی اور تعاون کا سمجھوتہ ہوا۔
- ۵ جون ۱۹۸۱ء......صومالیہ اور نائیجیریا کے مابین باہمی دوستی اور تعاون کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۲۵ جون ۱۹۸۱ء......چیکوسلواکیہ اور افغانستان کا باہمی دوستی کا معاہدہ طے پایا۔
- ۲۹ جون ۱۹۸۱ء......صومالیہ اور کینیا نے باہمی دوستی کے سمجھوتے پر دستخط کیے۔
- ۱۰ جولائی ۱۹۸۱ء......صحرائے سینا میں بین الاقوامی امن فوج کے قیام کے سلسلے میں مصر کا امریکا اور اسرائیل کے ساتھ معاہدہ طے پایا۔
- ۱۶ اگست ۱۹۸۱ء......مصر اور امریکا کے مابین پانچ سالہ دفاعی معاہدہ طے پایا۔
- ۱۹ اگست ۱۹۸۱ء......ایتھوپیا، لیبیا اور جنوبی یمن کے مابین باہمی دوستی اور تعاون کا سمجھوتہ طے پایا۔
- ستمبر ۱۹۸۱ء......ایتھوپیا اور چیکوسلواکیہ کے مابین دوستی اور تعاون کا سمجھوتہ ہوا۔
- ۱۳ ستمبر ۱۹۸۱ء......جنوبی یمن اور چیکوسلواکیہ کا دوستی معاہدہ طے پایا۔
- ۲۶ ستمبر ۱۹۸۱ء......اسپین اور استوائی گنی کے مابین فوجی تعاون کا معاہدہ ہوا۔
- ۱۱ اکتوبر ۱۹۸۱ء......باہمی دفاعی تعاون کے سلسلے میں بلغاریہ اور تنزانیہ کا معاہدہ طے پایا۔
- ۱۹ اکتوبر ۱۹۸۱ء......شمالی کوریا اور انگولا کے مابین دوستی اور تعاون کا معاہدہ ہوا۔
- ۲۱ اکتوبر ۱۹۸۱ء......موزمبیق اور چیکوسلواکیہ کے مابین دوستی کا معاہدہ طے ہوا۔
- ۵ نومبر ۱۹۸۱ء......جنوبی یمن اور ہنگری کے مابین دوستی اور تعاون کا معاہدہ طے پایا۔
- ۳۰ نومبر ۱۹۸۱ء......امن اور تحفظ کے قیام کے سلسلے میں امریکا اور اسرائیل کا باہمی معاہدہ طے ہوا۔
- ۲۰ دسمبر ۱۹۸۱ء......بحرین اور سعودیہ کا معاہدہ تحفظ طے ہوا۔
- ۲۶ دسمبر ۱۹۸۱ء......سعودی عرب اور عراق کے سرحدی معاہدے پہ دستخط ہوئے۔
- ۱۹ جنوری ۱۹۸۲ء......صحرائے سینا سے اسرائیل فوجوں کے انخلاء کے سلسلے میں مصر اور اسرائیل کا باہمی معاہدہ طے پایا۔
- ۹ فروری ۱۹۸۲ء......سعودی عرب اور امریکا کے مابین مشترکہ فوجی کمیشن کے قیام کا معاہدہ طے پایا۔
- ۱۵ فروری ۱۹۸۲ء......موزمبیق اور تنزانیہ کے مابین اقتصادی اور فوجی تعاون کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۲۵ فروری ۱۹۸۲ء......ملائیشیا اور انڈونیشیا میں بحری تعاون کا معاہدہ طے ہوا۔
- ۱۵ اپریل ۱۹۸۲ء......امریکا اور مغربی جرمنی کا باہمی معاہدہ ہوا۔ (۳۳)
- ۱۷ مئی ۱۹۸۲ء......لیبیا اور چیکوسلواکیہ کے مابین دوستی کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۲۷ مئی ۱۹۸۲ء......بحران کے دوران مراکش کے ہوائی اڈے استعمال کرنے کا مراکش امریکا معاہدہ طے پایا۔

- ۳۰ مئی ۱۹۸۲ء.......اسپین معاہدہ نیٹو کا رکن بنا۔
- ۷ جولائی ۱۹۸۲ء.......ویت نام اور کمپوچیا کے مابین سمندری حدود کے تعین کا معاہدہ ہوا۔
- ۹ ستمبر ۱۹۸۲ء.......لیبیا اور چیکوسلواکیہ نے باہمی دوستی اور تعاون کے معاہدے پر دستخط کیے۔
- ۱۵ ستمبر ۱۹۸۲ء.......چلی اور ارجنٹائن کے مابین ۱۹۷۲ء کے معاہدے کی توسیع پر دستخط ہوئے۔
- ۲۲ ستمبر ۱۹۸۲ء.......لاؤس اور مشرقی جرمنی میں دوستی کا معاہدہ طے پایا۔
- ۱۲ اکتوبر ۱۹۸۲ء.......اقتصادی اور سیاسی باہمی ہم آہنگی، تحفظ اور ترقی کا مصر اور سوڈان کا باہمی معاہدہ ہوا۔
- ۲۵ اکتوبر ۱۹۸۲ء.......امریکا اور کینیڈا کے مابین کروز میزائلوں کے البرٹا میں تجربے کا معاہدہ طے پایا۔
- اکتوبر ۱۹۸۲ء.......ویت نام اور کیوبا کے مابین ۲۵ سالہ دوستی اور تعاون کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۲۹ نومبر ۱۹۸۲ء.......ترکی کے ہوائی اڈوں کو استعمال کرنے کے سلسلے میں امریکا اور ترکی کا معاہدہ طے پایا۔
- ۵ جنوری ۱۹۸۳ء.......نائجیریا اور الجزائر کے مابین سرحدوں کی نشاندہی کا معاہدہ طے ہوا۔
- جنوری ۱۹۸۳ء.......لیبیا اور بلغاریہ کے مابین دوستی اور تعاون کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۲۰ جنوری ۱۹۸۳ء.......اسرائیل اور زائرے کے مابین فوجی تعاون کا معاہدہ ہوا۔
- ۲۳ جنوری ۱۹۸۳ء.......لیبیا اور رومانیہ کا دوستی اور تعاون کا سمجھوتہ طے پایا۔
- ۲۰ مارچ ۱۹۸۳ء.......تیونس اور الجزائر کے مابین ۲۵ سالہ دوستی کا معاہدہ ہوا۔
- ۲۷ مارچ ۱۹۸۳ء.......لیبیا اور الجزائر کا باہمی تعاون کا معاہدہ ہوا۔
- ۸ مئی ۱۹۸۳ء.......مالی اور الجزائر کے مابین سرحدوں کی تعیناتی کا معاہدہ ہوا۔
- ۱۷ مئی ۱۹۸۳ء.......لبنان سے اسرائیلی فوجوں کے انخلاء کے معاہدے پر عملدرآمد نہ ہو سکا۔
- یکم جون ۱۹۸۳ء.......فلپائن اور امریکا کے مابین فلپائنی اڈوں کے استعمال کے معاہدے میں توسیع کی گئی۔
- جون ۱۹۸۳ء.......ملائیشیا اور تھائی لینڈ کے مابین گوریلوں کے خلاف مشترکہ کارروائی کرنے کا معاہدہ ہوا۔
- ۱۷ جون ۱۹۸۳ء.......منگولیا اور رومانیہ معاہدہ دوستی اور تعاون پر دستخط ہوئے۔
- ۲۰ جولائی ۱۹۸۳ء.......ویت نام اور کمپوچیا کے مابین سرحدی معاہدہ طے پایا۔
- ۹ ستمبر ۱۹۸۳ء.......امریکا اور یونان کے مابین ۵ سالہ دفاعی اور اقتصادی تعاون کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۱۳ دسمبر ۱۹۸۳ء.......پرتگال میں ازورز (Azores) کے فوجی اڈوں کے مزید سات سال استعمال کے لیے امریکا اور پرتگال کا معاہدہ طے پایا۔
- ۲۳ جنوری ۱۹۸۴ء.......چلی اور ارجنٹائن کا معاہدہ دوستی اور امن طے پایا۔
- ۶ فروری ۱۹۸۴ء.......امریکا اور برازیل کا باہمی فوجی اور اقتصادی تعاون کا معاہدہ۔

- ۱۶ فروری ۱۹۸۴ء......جنوبی افریقہ اور انگولا کے مابین لوساکا معاہدہ طے پایا۔
- ۱۶ مارچ ۱۹۸۴ء......موزمبیق اور جنوبی افریقہ کے مابین عدم جارحیت کا معاہدہ نکومٹی (Nkomati) طے پایا۔
- ۱۷ جولائی ۱۹۸۴ء......امریکا اور سوویت یونین کے مابین ہاٹ لائن کی توسیع کا معاہدہ ہوا۔
- ۱۷ اگست ۱۹۸۴ء......یوگنڈا اور برطانیہ کے مابین فوجی تربیت کا معاہدہ ہوا۔
- ۱۷ ستمبر ۱۹۸۴ء......چاڈ سے لیبیا کی فوجوں کے انخلا کے سلسلے میں فرانس، چاڈ اور لیبیا کا باہمی معاہدہ ہوا۔
- ۹ اکتوبر ۱۹۸۴ء......شمالی یمن اور سوویت یونین کا باہمی دوستی کا معاہدہ ہوا۔
- ۱۱ اکتوبر ۱۹۸۴ء......جنوبی یمن اور شمالی کوریا میں دوستی اور تعاون کا معاہدہ طے پایا۔(۳۴)
- ۱۴ اکتوبر ۱۹۸۴ء......سعودی عرب اور برازیل میں ۵ سالہ فوجی تعاون کا معاہدہ ہوا۔
- ۲۴ اکتوبر ۱۹۸۴ء......مشترکہ دفاعی پروگرام کی تشکیل کے سلسلے میں شمالی کوریا اور نائجیریا کا معاہدہ طے پایا۔
- ۱۸ نومبر ۱۹۸۴ء......مالٹا اور لیبیا کے مابین پانچ سالہ تحفظ اور اقتصادی تعاون کا معاہدہ ہوا۔
- ۲۹ نومبر ۱۹۸۴ء......بیگل رودبار (Beagle Channel) کا تنازعہ طے کرنے کے لیے چلی اور ارجنٹائن کا معاہدہ ہوا۔
- ۲ دسمبر ۱۹۸۴ء......کینیا اور صومالیہ کے مابین سرحد کے تحفظ کا معاہدہ ہوا۔
- ۱۰ دسمبر ۱۹۸۴ء......بینن، نائجیریا، ٹوگو اور گھانا نے باہمی تعاون کے سمجھوتے پر دستخط کیے۔
- ۱۹ دسمبر ۱۹۸۴ء......ہانگ کانگ کے مستقبل پر چین اور برطانیہ کا معاہدہ ہوا۔
- ۱۹ دسمبر ۱۹۸۴ء......برطانیہ اور گھانا کے مابین گھانا کی فوج کو تربیت دینے کا معاہدہ طے ہوا۔
- ۲۶ دسمبر ۱۹۸۴ء......جائنٹ ملٹری آپریشنل پلان کے سلسلے میں امریکا اور جاپان کا باہمی معاہدہ ہوا۔
- ۱۹۸۴ء......شمالی کوریا اور بلغاریہ کے مابین دوستی اور تعاون کا معاہدہ ہوا۔
- ۱۰ جنوری ۱۹۸۵ء......تھائی لینڈ اور ویت نام کے مابین ایک معاہدہ طے پایا جس کی رو سے اسپل کمزور دیک میں میلر چوڑی پٹی کو غیر فوجی علاقہ قرار دیا گیا۔
- ۹ فروری ۱۹۸۵ء......زائرے اور انگولا کے مابین دفاع تحفظ کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۱۲ فروری ۱۹۸۵ء......فلسطینی ریاست کے قیام کے سلسلے میں اردن کے شاہ حسین اور یاسر عرفات کے مابین سمجھوتہ طے پایا۔
- ۱۸ مارچ ۱۹۸۵ء......گراؤنڈ ریڈار کے سلسلے میں امریکا کینیڈا معاہدہ طے پایا۔
- ۲۳ مارچ ۱۹۸۵ء......چین اور روس کے مابین دریاؤں کے متعدد سمجھوتے ہوئے۔
- ۱۷ اپریل ۱۹۸۵ء......اٹلی اور چین نے باہمی دفاعی تعاون کے معاہدے پر دستخط کیے۔
- ۳۰ اپریل ۱۹۸۵ء......شام اور بلغاریہ کے مابین ۲۵ سالہ دوستی اور تعاون کا معاہدہ طے پایا۔

- اپریل ۱۹۸۵ء......ازورز (Azores) کے علاقے میں فرانسیسی میزائلوں کے تجربات کے سلسلے میں فرانس اور پرتگال کا بارہ سالہ معاہدہ طے پایا۔
- ۹ جولائی ۱۹۸۵ء......چاڈ اور زائرے کا فوجی تعاون کا معاہدہ ہوا۔
- ۳ نومبر ۱۹۸۵ء ......کروز میزائلوں کی تنصیب کے سلسلے میں نیدرلینڈز اور امریکا کے مابین معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۱۹۔۲۰ نومبر ۱۹۸۵ء......امریکا اور روس کے مابین آئی این ایف (انٹرمیڈیٹ رینج کی ایٹمی افواج) پر سمجھوتہ طے پایا گیا۔
- یکم فروری ۱۹۸۶ء......سوڈان اور ایتھوپیا کے مابین اختلافات ختم کرنے کا سمجھوتہ طے ہوا۔(۳۵)
- ۳ فروری ۱۹۸۶ء......برلن میں مغربی، مشرقی جرمن، امریکا اور روس میں قیدیوں کے تبادلے کے سمجھوتے پر دستخط ہوئے۔
- ۱۰ فروری ۱۹۸۶ء...... بھارت اور پاکستان میں ایک دوسرے کی ایٹمی تنصیبات پر حملہ نہ کرنے کا سمجھوتہ طے پایا۔
- ۱۳ فروری ۱۹۸۶ء......امریکا اور روس کے مابین فضائی معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۲ مارچ ۱۹۸۶ء......ایک سمجھوتے کے تحت فرانس نے چاڈ میں اپنا فوجی اڈہ قائم کرلیا۔
- ۲۸ مارچ ۱۹۸۶ء ......امریکا اور مغربی جرمنی نے اسٹاروار کے بارے میں ایک معاہدے پر دستخط کیے۔
- ۲۶ جون ۱۹۸۶ء ......۲۲ سال کے بعد کیوبا اور برازیل کے سفارتی تعلقات کی بحالی کا سمجھوتہ ہوا۔
- ۱۲ جولائی ۱۹۸۶ء......امریکا اور کیوبا کے مابین تارکین وطن سے متعلق معاہدہ کھٹائی میں پڑ گیا۔
- ۲۳ جولائی ۱۹۸۶ء......ایک معاہدے کے تحت فرانس اور نیوزی لینڈ میں گرین پیس نامی جہاز کی وجہ سے پائی جانے والی کشیدگی ختم ہوگئی۔
- ۱۱۳ اگست ۱۹۸۶ء......امریکا نے نیوزی لینڈ کی سلامتی کی ضمانت باضابطہ طور پر واپس لے لی اور اسے آنزس معاہدے سے نکال دیا۔
- ۲۹ اگست ۱۹۸۶ء......مراکش نے لیبیا سے اتحاد کا معاہدہ توڑنے کا اعلان کردیا۔
- ۱۸ نومبر ۱۹۸۶ء ......پیرس میں فرانس اور ایران کے مابین ۳۵ کروڑ ڈالر کے ایک مفاہمتی معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۲۶ نومبر ۱۹۸۶ء......فلپائن میں حکومت اور مورو مسلمانوں کے مابین جنگ بندی کا سمجھوتہ طے پایا۔
- نومبر ۱۹۸۶ء......وینزویلا اور گی آنا کے مابین کاراکس میں سائنسی اور تکنیکی تعاون کا معاہدہ طے پایا۔
- ۱۵ دسمبر ۱۹۸۶ء......روس اور چین نے مشترکہ سرحد پر بہنے والے دو دریاؤں کے پانی کے استعمال کے بارے میں ماسکو میں ایک معاہدے پر دستخط کیے۔
- ۳ جنوری ۱۹۸۷ء......اسلامی کانفرنس کی تنظیم کے توسط سے فلپائن کی حکومت اور مورو مسلمانوں کے مابین ایک معاہدہ طے پایا جس کے تحت فلپائن مسلمانوں کو مکمل خودمختاری دینے پر رضامند ہوگیا۔
- ۲۶ مارچ ۱۹۸۷ء......میکاؤ کے مستقبل پر چین اور پرتگال کے مابین ایک سمجھوتہ ہوا جس کے تحت پرتگال دسمبر ۱۹۹۹ء میں

میکاڈو کمپنی کے حوالے کر دے گا۔

❁ ۱۹ جولائی ۱۹۸۷ء......کویت اور امریکا کے مابین ایک سمجھوتہ ہوا جس کے تحت امریکا نے کویت کے تیل بردار جہازوں کے نام تبدیل کر کے ان پر امریکی پرچم لہرا دیے۔

❁ ۲۹ جولائی ۱۹۸۷ء...... بھارت اور سری لنکا کے مابین کولمبو میں امن سمجھوتہ طے پایا۔

❁ ۸ دسمبر ۱۹۸۷ء......واشنگٹن میں امریکا اور روس کے مابین تمام میزائلوں کو تباہ کرنے کا معاہدہ طے پایا۔

❁ مارچ ۱۹۸۸ء......یوگنڈا اور سوڈان کی حکومتیں ایک معاہدے پر رضامند ہو گئیں جس کے تحت سوڈان ساٹھ ہزار یوگنڈی مہاجروں کی واپسی پر رضامند ہو گیا۔

❁ اپریل ۱۹۸۸ء ... جنیوا میں امریکا، روس، پاکستان اور افغانستان کے مابین ایک معاہدہ طے پایا جس کے تحت فروری ۱۹۸۹ء میں روس افغانستان سے اپنی تمام فوجیں نکال لے گا۔(۳۶)

❁ ۲۰ اگست ۱۹۸۸ء... ایران اور عراق کے مابین اقوام متحدہ کے توسط سے جنگ بندی کا معاہدہ ہوا۔

❁ ۲۲ دسمبر ۱۹۸۸ء... نیویارک میں انگولا، کیوبا اور جنوبی افریقہ میں نمیبیا کی آزادی اور انگولا سے کیوبا کی پچاس ہزار فوج کی واپسی کے نظام الاوقات پر دستخط ہوئے۔

❁ ۳۰ جنوری ۱۹۸۹ء... شام اور ایران کے وزرائے خارجہ نے امن معاہدے پر دستخط کیے۔

❁ ۱۷ فروری ۱۹۸۹ء ...مراکش میں عرب مغرب یونین کے معاہدے پر الجزائر، مراکش، لیبیا، تیونس اور ماریطانیہ نے دستخط کیے۔

❁ ۲۵ اپریل ۱۹۸۹ء... ترکی اور جرمنی کے مابین سنگر میزائلوں کی تیاری کا معاہدہ طے ہوا۔

❁ ۳ مئی ۱۹۸۹ء ... افغان جمہوری حکومت کا ایران میں مجاہدین کے گروپ کے ساتھ سمجھوتہ طے پایا۔

❁ ۱۲ جون ۱۹۸۹ء......ایک سمجھوتے کے تحت مصر اور لیبیا نے بارہ سال بعد اپنی سرحدیں کھول دیں۔

❁ ۲۰ جولائی ۱۹۸۹ء... لیبیا اور چاڈ کے مابین بماکو (مالی) میں معاہدہ امن طے پایا۔

❁ ۱۸ ستمبر ۱۹۸۹ء... کولمبو میں بھارت اور سری لنکا کے مابین ایک معاہدہ ہوا جس کے تحت بھارت نے ۳۱ دسمبر ۱۹۸۹ء تک سری لنکا سے اپنی فوجوں کے انخلاء کا اعلان کیا۔

❁ ۲۱ ستمبر ۱۹۸۹ء......امریکا اور سوویت یونین کے مابین متعدد سمجھوتوں پر دستخط ہوئے۔

❁ ۱۱ اکتوبر ۱۹۸۹ء......بندر سری بیگوان (برونائی) میں برونائی اور برطانیہ کے مابین ایک پروٹوکول پر دستخط ہوئے جس کے تحت برطانیہ ہاک ۱۶ طیارے برونائی کے ہاتھوں فروخت کرے گا۔

❁ ۲ دسمبر ۱۹۸۹ء...... ملایا کمیونسٹ پارٹی نے ملائیشیا اور تھائی لینڈ کے ساتھ ایک معاہدے پر دستخط کیے جس کے تحت ۴۱ برس سے جاری کمیونسٹ شورش ختم ہو گئی۔

❁ ۳ دسمبر ۱۹۸۹ء...... جزائر مالٹا میں سوویت یونین اور امریکا کے مابین نیوکلیائی ہتھیاروں کے جزوی اور کیمیاوی ہتھیاروں

کے مکمل خاتمے کے ایک معاہدے پر دستخط کیے اور اس کے ساتھ ہی سرد جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔

- ۲۷ دسمبر ۱۹۸۹ء......شام اور مصر کے مابین سفارتی تعلقات بحال ہو گئے۔
- ۲۰ فروری ۱۹۹۰ء......طویل مذاکرات کے بعد سری لنکا اور بھارت کے مابین بھارتی امن فوج (Indian Peace Keeping Force) کی سری لنکا سے واپسی کا معاہدہ طے پایا۔
- یکم جون ۱۹۹۰ء......امریکا اور روس کے مابین فوج کی تخفیف کا معاہدہ ہوا۔
- اگست ۱۹۹۰ء......کویت پر حملے کے دوران سعودی عرب نے امریکا اور اتحادیوں کو سعودی عرب میں عراق کے خلاف فوجی اڈے قائم کرنے کا معاہدہ طے کیا۔
- ستمبر ۱۹۹۰ء......شمالی اور جنوبی کوریا نے سیاسی اور فوجی مخاصمت ختم کرنے کے معاہدے پر دستخط کیے۔
- ۱۸ نومبر ۱۹۹۰ء......امریکا اور روس کے مابین تخفیف اسلحہ کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔ معاہدے پر امریکی صدر جارج بش اور روسی صدر میخائل گورباچوف نے دستخط کیے۔
- ۳ فروری ۱۹۹۱ء......بھارت اور چین نے دو طرفہ تعلقات اور سرحدی تجارت کے (۲۹ سالہ بندش) بحالی کے معاہدے پر دستخط کیے۔
- ۲۵ فروری ۱۹۹۱ء......دفاعی معاہدہ وارسا اپنے انجام کو پہنچا یعنی ختم ہو گیا۔
- مارچ ۱۹۹۱ء......۶ خلیجی ریاستوں اور مصر اور شام کے مابین دمشق میں باہمی سلامتی کا معاہدہ ہوا۔
- ۱۶ مئی ۱۹۹۱ء......ماسکو میں چین اور روس کے مابین سرحدی معاہدہ طے پایا۔
- ۱۰ جولائی ۱۹۹۱ء......جنوبی افریقہ نے ایٹمی ہتھیار رکھنے والے ملک کی حیثیت سے ایٹمی ہتھیاروں کے پھیلاؤ کے روکنے کے معاہدے کو تسلیم کر لیا۔
- ۳۱ جولائی ۱۹۹۱ء......امریکا کے صدر بش اور روس کے صدر میخائل گورباچوف نے لانگ رینج میزائلوں میں کمی کے معاہدے پر دستخط کیے۔
- ۱۷ اگست ۱۹۹۱ء......فلپائن میں امریکی بحریہ کے قیام کے سلسلے میں معاہدہ میں دس سال کی توسیع کر دی گئی۔
- ۲ ستمبر ۱۹۹۱ء......یوگوسلاویہ کے رہنماؤں نے جنگ بندی کے نئے معاہدے پر دستخط کیے۔
- ۲۰ ستمبر ۱۹۹۱ء......امریکا اور کویت کے مابین دس سالہ دفاعی تعاون کا معاملہ طے پایا۔
- ۱۱۹ کتوبر ۱۹۹۱ء......شام اور تنظیم آزادی فلسطین کے مابین ایک معاہدہ طے پایا جس کی رو سے مشرق وسطیٰ کے سلسلے میں ہونے والی امن کانفرنس میں رابطہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔
- اکتوبر ۱۹۹۱ء......بحرین اور امریکا کے مابین دفاعی تعاون کا معاہدہ طے پایا۔
- ۹ نومبر ۱۹۹۱ء......سوویت یونین اور جنوبی افریقہ نے سفارتی تعلقات کے قیام کے معاہدے پر دستخط کیے۔
- ۳۱ دسمبر ۱۹۹۱ء......جنوبی اور شمالی کوریا کے مابین کا نئے وار جوہری مسئلے پر معاہدہ طے پایا۔

- ١٦ جنوری ١٩٩٢ء......ایلسوا لاور کی حکومت باغیوں کے مابین معاہدہ امن پر دستخط ہوئے۔
- فروری ١٩٩٢ء......ملائیشیا اور برونائی کے مابین باہمی دفاعی فوجی تربیت تعلیم، تجارت اور نشریات کے معاہدوں پر دستخط ہوئے۔
- ٢٧ اپریل ١٩٩٢ء......بنگلہ دیش اور برما کے مابین برمی مہاجرین کی واپسی کا معاہدہ طے پایا۔
- اپریل ١٩٩٢ء......ویت نام اور ملائیشیا کے مابین کئی معاہدوں پر دستخط ہوئے۔
- ١٣ جون ١٩٩٢ء......پاکستان اور ازبکستان کے مابین معاہدہ تعاون طے ہوا۔
- ٢٨ جولائی ١٩٩٢ء......برطانیہ اور بحرین کے مابین دفاعی معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ١٨ اگست ١٩٩٢ء......کویت اور فرانس کے مابین دفاعی معاہدہ طے پایا۔(٣٧)
- یکم اکتوبر ١٩٩٢ء......صنعاء میں عمان اور جنوبی یمن کے مابین سرحدی تنازعے کے خاتمے کا معاہدہ طے پایا۔
- ١٣ اکتوبر ١٩٩٢ء......موزمبیق اور حزب اختلاف کے مابین ١٦ سالہ خانہ جنگی کے خاتمے کا معاہدہ طے پایا۔
- ٣ جنوری ١٩٩٣ء......امریکا کے صدر جارج بش اور روس کے صدر بورس یلسن نے اسٹارٹ دوم معاہدے پر دستخط کیے۔
- ٤ جنوری ١٩٩٣ء......متحدہ عرب امارات اور روس کے مابین دفاعی معاہدہ طے پایا۔
- ٣٠ جنوری ١٩٩٣ء......مختلف افغان متحارب گروہوں نے معاہدہ امن پر دستخط کیے۔
- یکم مارچ ١٩٩٣ء......افغان متحارب گروپوں نے دوسرے امن معاہدے پر دستخط کیے۔
- ١٦ جون ١٩٩٣ء......روس اور یوکرائن بحیرہ اسود میں بحری بیڑے کی تقسیم کے معاہدے پر رضامند ہوگئے۔
- ٣ جولائی ١٩٩٣ء......چین اور ایران کے مابین ایران میں نیوکلیر پاور پلانٹ کی تعمیر کے سلسلے میں معاہدہ طے پایا۔
- یکم اگست ١٩٩٣ء......برطانیہ نے بالآخر ماسٹرخت معاہدے کی توثیق کردی۔
- ٢٨ اگست ١٩٩٣ء......اسرائیل اور تنظیم آزادی فلسطین نے ایک معاہدے پر دستخط کیے جس کے تحت اسرائیل غزہ کی پٹی اور اریحا کو خودمختاری دینے پر رضامند ہوگیا۔
- ٦ ستمبر ١٩٩٣ء......چین اور بھارت نے مشترکہ سرحد پر فوجوں میں کمی کرنے اور امن کے قیام کے معاہدے پر دستخط کیے۔
- ٩ ستمبر ١٩٩٣ء......ایک معاہدے کے تحت اسرائیل نے تنظیم آزادی فلسطین کو فلسطینیوں کی نمائندہ تنظیم تسلیم کرلیا۔ جب کہ تنظیم آزادی فلسطین نے بھی اسرائیل کو ایک خودمختار اور آزاد ریاست کے طور پر تسلیم کرلیا۔(٣٨)
- ١٣ ستمبر ١٩٩٣ء......اردن اور اسرائیل نے ایک معاہدے پر دستخط کیے جس کے تحت فلسطین کی خودمختاری اور امن کے قیام کا فیصلہ کیا گیا۔
- ١٣ دسمبر ١٩٩٣ء......برطانوی وزیراعظم اور آئرش لیڈروں کے مابین معاہدہ امن پر دستخط ہوئے۔
- ١٣ جنوری ١٩٩٤ء......ابخازیہ اور جارجیا میں معاہدہ امن طے پایا۔
- ١٣ جنوری ١٩٩٤ء......امریکا اور روس کے مابین جوہری مسئلے اور تحفظ کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔

❁ ۹ فروری ۱۹۹۴ء ...... اسرائیل اور یاسر عرفات کے مابین اسرائیل کے انخلاء اور غزہ کی پٹی اور اریحا میں فلسطینی خودمختاری کے ایک معاہدے پر دستخط ہوئے۔

❁ ۴ مئی ۱۹۹۴ء ...... اسرائیل اور تنظیم آزادی فلسطین نے ایک معاہدے پر دستخط کیے جس کے تحت مقبوضہ مغربی کنارے اور غزہ کی پٹی میں پہلے سے آباد فلسطینیوں کو قوم کے طور پر آزادی دی گئی۔

❁ ۲۵ جولائی ۱۹۹۴ء ...... اردنی اور اسرائیلی لیڈروں نے ۴۶ سالہ دشمنی اور محاذ آرائی کو ختم کرنے کے معاہدے پر دستخط کیے۔

❁ ۲۹ اگست ۱۹۹۴ء ...... اسرائیل اور تنظیم آزادی فلسطین نے ایک معاہدہ طے کیا جس کے تحت ویسٹ بینک کا قبضہ دینے کے معاہدے پر دستخط کیے۔ (۳۹)

❁ ۱۲ ستمبر ۱۹۹۴ء ...... اسرائیل اور اردن کے مابین دوسری سرحد کے کھولنے کا معاہدہ طے پایا۔

❁ ۱۶ دسمبر ۱۹۹۴ء ...... چین اور بھارت نے ۱۹۹۵ء میں مشترکہ فوجی مشقیں شروع کرنے کے معاہدے پر دستخط کیے۔

❁ ۸ جنوری ۱۹۹۵ء ...... روس نے ایران میں ۸۰۰ ملین ڈالر کی لاگت سے نیوکلیئر پاور پلانٹ کی تکمیل اور تعمیر کے معاہدے پر دستخط کیے۔

❁ ۱۲ جنوری ۱۹۹۵ء ...... بھارت اور امریکا کے مابین نئی دہلی میں تحفظ کا معاہدہ طے پایا۔

❁ ۱۶ جنوری ۱۹۹۵ء ...... سعودی عرب اور یمن نے مشترکہ سرحد پر کشیدگی کو ختم کرنے کے معاہدے پر دستخط کیے۔

❁ ۱۷ جنوری ۱۹۹۵ء ...... روس اور چیچنیا میں التوائے جنگ کا معاہدہ ہوا۔

❁ ۲۶ جنوری ۱۹۹۵ء ...... تنظیم آزادی فلسطین اور اردن کے مابین مستقبل کے اردنی فلسطینی تعاون کے معاہدے کی حکمت عملی طے کرنے کا معاہدہ ہوا۔

❁ ۳۱ جنوری ۱۹۹۵ء ...... بھارت اور امریکا کے مابین خلائی معاہدے پر دستخط ہوئے۔

❁ ۱۴ فروری ۱۹۹۵ء ...... پیرو اور ایکوے ڈار میں معاہدہ امن طے پایا۔

❁ یکم مارچ ۱۹۹۵ء ...... بلغاریہ اور روس کے مابین فوجی تعاون کا معاہدہ طے پایا۔

❁ ۱۱ مارچ ۱۹۹۵ء ...... امریکا اور چین نے کاپی رائٹ کے معاہدے پر دستخط کیے۔

❁ ۳۰ مارچ ۱۹۹۵ء ...... جاپان اور شمالی کوریا کے نمائندوں نے باہمی تعلقات کو معمول پر لانے کے ایک معاہدے پر دستخط کیے۔

❁ ۲۰ جولائی ۱۹۹۵ء ...... اسرائیل اور فلسطین کے مابین مغربی کنارے پر فوجوں کی دوبارہ تعیناتی پانی کی تقسیم اور دوسرے اہم امور پر معاہدہ طے پایا۔

❁ ۲۸ ستمبر ۱۹۹۵ء ...... پی ایل او اور اسرائیل کے مابین واشنگٹن میں مغربی کنارے پر حکومت خود اختیاری کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔

❁ ۱۳ نومبر ۱۹۹۵ء ...... مسئلہ بوسنیا کے تینوں فریقوں کے نمائندے تین ہفتے کے مذاکرات کے بعد بوسنیا میں قیام امن کے

ایک منصوبے کی جزئیات طے کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

- ۱۳ دسمبر ۱۹۹۵ء......چین اور ویت نام نے باہمی جھگڑوں کو ختم کرنے کے لیے معاہدے پر دستخط کیے۔
- یورپی یونین اور امریکا کے مابین باہمی تعاون کا معاہدہ طے پایا۔
- ۱۴ دسمبر ۱۹۹۵ء......بوسنیا کے مسئلے پر معاہدہ امن پر دستخط ہوئے۔
- ۱۵ دسمبر ۱۹۹۵ء......آسیان تنظیم کے رکن ممالک نے علاقے میں جوہری ہتھیاروں پر پابندی کے معاہدے پر بنکاک میں دستخط کیے۔
- ۱۳ فروری ۱۹۹۶ء......اسرائیل، اردن اور فلسطین اتھارٹی نے واٹر منیجمنٹ کے معاہدے پر دستخط کیے۔
- ۲۹ مارچ ۱۹۹۶ء......اوکی ناوا میں امریکی بحریہ کے بیڑے کے لیے دی گئی زمین کے پٹے میں از سر نو تجدید کی گئی۔
- ۲ اپریل ۱۹۹۶ء......روس اور بیلا روس نے باہمی اتحاد کے معاہدے پر دستخط کیے۔
- ۲۷ مئی ۱۹۹۶ء......روس اور چیچنیا کے مابین معاہدہ امن طے پایا۔
- ۲۸ اگست ۱۹۹۶ء......ترکی اور اسرائیل کے مابین دفاعی معاہدہ طے ہوا۔
- ۱۳ ستمبر ۱۹۹۶ء......کیمیائی ہتھیاروں کی پابندی کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۲۹ نومبر ۱۹۹۶ء......چین اور بھارت نے مشترکہ سرحد پر فوجوں کی کمی کے معاہدے پر دستخط کیے۔
- ۳۰ نومبر ۱۹۹۶ء......بھارت نے ۳۰ روسی جیٹ فائٹر خریدنے کے لیے ایک معاہدہ پر دستخط کیے۔
- ۲۳ دسمبر ۱۹۹۶ء......تاجکستان کی حکومت اور باغیوں کے مابین امن پروٹوکول پر دستخط ہوئے۔
- ۲۴ دسمبر ۱۹۹۶ء......امریکا اور روس نے سی ٹی بی ٹی کے معاہدے پر دستخط کیے جس میں ایٹمی ہتھیاروں کے پھیلاؤ اور ایٹمی دھماکوں کے تجربات پر پابندی عائد کی گئی۔
- ۲۱ جنوری ۱۹۹۷ء......دو سال کی طویل گفت و شنید کے بعد جرمن اور چیک رہنما باہمی تنازعات کو حل کرنے پر ایک معاہدے پر رضامند ہو گئے۔
- ۲۴ اپریل ۱۹۹۷ء......چین، روس اور تین دوسرے ممالک نے فوجوں میں کمی کے معاہدے پر دستخط کیے۔
- ۲۳ مئی ۱۹۹۷ء......روس اور بیلا روس نے یکجہتی کے معاہدے پر دستخط کیے۔
- ۲ نومبر ۱۹۹۷ء......روس اور جاپان نے ۲۰۰۰ء تک امن معاہدے پر دستخط کیے۔
- ۲۶ نومبر ۱۹۹۷ء......روس نے چین اور بھارت کے ساتھ اسلحہ کی فروخت کے لیے ۳ بلین ڈالر کے معاہدے پر دستخط کیے۔
- ۳ دسمبر ۱۹۹۷ء......۱۲۱ ممالک نے بارودی سرنگوں کی پابندی کے معاہدے پر دستخط کیے۔
- ۱۸ دسمبر ۱۹۹۷ء......روس اور بھارت کے مابین نیوکلیئر پلانٹ کی تعمیر کے معاہدے پر دستخط کیے۔
- ۲۹ دسمبر ۱۹۹۷ء......ایران اور تاجکستان کے مابین دفاعی تعاون کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔

- چین اور روس میں ہانگ کانگ میں نیوکلیئر پاور پلانٹ کی تعمیر کے سلسلے میں معاہدہ طے پایا اس پر لاگت کا اندازہ 3.5 بلین ڈالر لگایا گیا تھا۔(۴۰)
- ۵ جنوری ۱۹۹۸ء......عرب ممالک نے دہشت گردی کے خلاف معاہدے پر دستخط کیے۔
- جنوری ۱۹۹۸ء......امریکا اور چین نے فوجی معاہدے پر دستخط کیے۔
- فروری ۱۹۹۸ء......امریکا اور فلپائن کے مابین فلپائن میں امریکی فوجی دستوں کے تحفظ کا معاہدہ طے پایا۔
- اپریل ۱۹۹۸ء......برطانیہ اور فرانس نے سی ٹی بی ٹی کے معاہدے کی توثیق کر دی۔
- ۱۰ اپریل ۱۹۹۸ء......شمالی آئرلینڈ میں معاہدہ امن طے پایا۔
- اکتوبر ۱۹۹۸ء......ترکی اور شام کے مابین کردستان ورکرز پارٹی کے باغیوں کی حمایت نہ کرنے کا معاہدہ ہوا۔
- ۱۲ اکتوبر ۱۹۹۸ء......کوسوو میں نیٹو اور یوگوسلاویہ کے مابین جنگ بندی کا معاہدہ طے ہوا اس کے تحت کوسوو بدستور یوگوسلاویہ کا حصہ رہے گا نیز سرب فوجیں کوسوو سے نکال لی جائیں گی۔
- ۲۳ اکتوبر ۱۹۹۸ء......فلسطین کے صدر یاسر عرفات اور اسرائیل کے وزیر اعظم نتن یاہو کے مابین ایک عارضی امن معاہدے پر دستخط ہوئے جس کی رو سے اسرائیل مغربی کنارے سے امن فوجیں واپس بلانے اور علاقے کا طے شدہ حصہ فلسطین کو منتقل کرنے پر آمادہ ہو گیا۔(۴۱)
- ۲۵ نومبر ۱۹۹۸ء......ایران اور روس کے مابین ایٹمی تعاون کا معاہدہ طے پایا۔
- ۳۰ اپریل ۱۹۹۹ء......کمبوڈیا آسیان تنظیم کا رکن بنا۔
- ۶ مئی ۱۹۹۹ء......مشرقی تیمور کے ریفرنڈم کے مسئلے پر انڈونیشیا اور پرتگال کے مابین معاہدہ طے پایا۔
- ۱۴ جولائی ۱۹۹۹ء......سترہ سال کے بعد برطانیہ اور ارجنٹائن کے مابین فاک لینڈ کے تنازعے کو ختم کرنے کا معاہدہ طے پایا۔
- ۱۶ اگست ۱۹۹۹ء......جنوبی کوریا اور امریکا کے مابین اینٹی بیلسٹک میزائل نظام کے سلسلے میں مشترکہ تحقیق کا معاہدہ ہوا۔
- ۴ ستمبر ۱۹۹۹ء......فلسطین اور اسرائیل کے مابین شرم الشیخ کے مقام پر وائی ٹو معاہدہ طے پایا۔(۴۲)
- ۸ دسمبر ۱۹۹۹ء......سوڈان اور یوگنڈا کے مابین معاہدہ امن طے پایا۔
- ۹ دسمبر ۱۹۹۹ء......چین اور روس نے ۳۰ سالہ سرحدی تنازعے کے خاتمے کے معاہدے پر دستخط کیے۔
- ۲۵ دسمبر ۱۹۹۹ء......بیلا روس نے روس میں انضمام کے معاہدے پر دستخط کیے۔
- دسمبر ۱۹۹۹ء......چین اور امریکا نے باہمی تجارتی معاہدہ طے کیا۔
- ۴ جنوری ۲۰۰۰ء......اسرائیل اور فلسطین کے مابین مغربی کنارے کی فلسطین کو واپسی کا معاہدہ طے پایا۔
- ۹ جنوری ۲۰۰۰ء......اسرائیل اور شام نے جولان کی پہاڑیوں کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے لیے مذاکرات پر اکتفا کیا۔
- ۱۲ جنوری ۲۰۰۰ء......بین الاقوامی امن فوج اور انڈونیشیا کے مابین مشرقی تیمور کی سرحد کی تعیناتی کا معاہدہ ہوا۔

- ۲۹ جنوری ۲۰۰۰ء......بائیوٹک (Bioteck) سیفٹی معاہدے پر ۱۳۰ ممالک نے دستخط کیے۔
- ۲۳ مارچ ۲۰۰۰ء...... بھارت اور امریکا کے مابین رینیوایبل انرجی (Renewable Energy) کے بارے میں مفاہمت کی ایک دستاویز پر دستخط ہوئے۔
- مارچ ۲۰۰۰ء...... ترکی اور بھارت کے مابین تعاون کے ۳ معاہدوں پر دستخط ہوئے۔
- ۲۴ مئی ۲۰۰۰ء......قطر اور بحرین زمین کے باہمی تنازعے کو حل کرنے میں ناکام رہے۔
- ۱۳ جون ۲۰۰۰ء......سعودی عرب اور یمن کے مابین سرحدی معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۱۳ جون ۲۰۰۰ء......شمالی اور جنوبی کوریا کے سربراہوں کی پیونگ یانگ میں کانفرنس جس کے نتیجے میں دونوں کوریاؤں اور اریٹیریا کے مابین معاہدہ امن پر دستخط ہوئے۔
- ۱۸ جون ۲۰۰۰ء ایتھوپیا اور اریٹیریا کے مابین معاہدہ امن پر دستخط ہوئے۔
- ۳۰ جون ۲۰۰۰ء...... دونوں کوریاؤں کے باشندوں کو ایک معاہدے کے تحت ایک دوسرے کے علاقے میں جانے کی اجازت دے دی گئی۔
- ۲۵ جولائی ۲۰۰۰ء......کیمپ ڈیوڈ میں اسرائیل، فلسطین اور امریکا کے سربراہوں کی کانفرنس ناکام ہوگئی اور فریقین کسی معاہدے پر نہ پہنچ سکے۔
- ۱۲۸ اگست ۲۰۰۰ء...... برونڈی اور تنزانیہ میں معاہدہ امن طے ہوا۔
- ۱۲۹ اگست ۲۰۰۰ء......شمالی اور جنوبی کوریا نے ایک معاہدہ کے تحت باہمی تنازعات حل کرنے کے لیے بات چیت کو ذریعہ بنانے اور سرحدی جھڑپوں سے گریز کرنے کے معاہدے پر دستخط کیے۔
- ۲ ستمبر ۲۰۰۰ء...... امریکا اور روس میں ۶۸ ٹن پلوٹونیم ضائع کرنے کا سمجھوتہ ہوا۔
- ۲۵ ستمبر ۲۰۰۰ء...... روس اور آرمینیا کے مابین نیوکلیئر ٹیکنالوجی کے سلسلے میں تعاون کا معاہدہ طے پایا۔
- ۲۷ ستمبر ۲۰۰۰ء...... چین اور بھارت میں پانچ شعبوں میں تعاون بڑھانے کا معاہدہ نئی دہلی میں طے پایا۔
- ۲۷ ستمبر ۲۰۰۰ء...... کرغزستان اور ازبکستان کے مابین فوجی تعاون کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۲۷ ستمبر ۲۰۰۰ء...... جنوبی افریقہ اور بھارت میں دفاعی تعاون کا سمجھوتہ طے پایا۔
- ۲۸ ستمبر ۲۰۰۰ء...... امریکا اور روس یوگوسلاویہ کے مسئلے پر معاہدے پر رضامند ہو گئے۔
- ۱۳ اکتوبر ۲۰۰۰ء...... بھارت اور روس نے ایک معاہدے پر دستخط کیے جس کے تحت دونوں ملک کسی فوجی یا سیاسی بلاک میں شامل نہیں ہوں گے۔
- ۱۴ اکتوبر ۲۰۰۰ء...... روس اور بھارت کے مابین ایک معاہدے پر دستخط ہوئے جس کے تحت بھارت روس سے تین بلین ڈالر کا اسلحہ خریدے گا۔

- ۲۴ نومبر ۲۰۰۰ء...... دس آسیان ممالک نے سنگاپور میں اقتصادی طور پر باہم مربوط کرنے کے معاہدے پر دستخط کیے۔
- ۳۰ دسمبر ۲۰۰۰ء...... بھارت اور روس کے مابین سوخوئی لڑاکا طیاروں کی تیاری کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- ۳۱ دسمبر ۲۰۰۰ء...... خلیجی ممالک نے مناما (بحرین) میں مشترکہ دفاعی معاہدوں پر دستخط کیے۔ (۴۳)

بیسویں صدی عیسوی کی مشہور جنگیں

سال	نام جنگ	فاتح	کس کے خلاف لڑی گئی
۱۸۹۹ـ۱۹۰۲ء	جنگ بوئر	برطانیہ	بوئر جمہوریاؤں
۱۹۰۴ـ۱۹۰۵ء	روس جاپان جنگ	جاپان	روس
۱۹۱۴ـ۱۹۱۸ء	پہلی جنگِ عظیم	اتحادی	محوری طاقتیں
۱۹۳۱ـ۱۹۳۳ء	چین جاپان جنگ	جاپان	چین
۱۹۳۶ـ۱۹۳۹ء	ہسپانیہ کی خانہ جنگی	فوجی جتھا	جمہوری حکومت
۱۹۳۷ـ۱۹۴۵ء	چین۔جاپان	چین	جاپان
۱۹۳۹ـ۱۹۴۵ء	دوسری جنگ عظیم	اتحادی	محوری طاقتیں
۱۹۴۸ـ۱۹۵۶ء	عرب، اسرائیل، اردن	اسرائیل	عرب ممالک
۱۹۵۰ـ۱۹۵۳ء	جنگ کوریا	جنوبی کوریا	شمالی کوریا
۱۹۵۰ـ۱۹۷۵ء	جنگ ویتنام	شمالی ویت نام	امریکا/جنوبی ویتنام
۱۹۶۵ء	پاک بھارت جنگ	پاکستان	بھارت
۱۹۶۷ء	عرب اسرائیل	عرب	عرب ممالک
۱۹۷۱ء	پاک بھارت جنگ	بھارت	پاکستان
۱۹۷۳ء	عرب اسرائیل	عرب	اسرائیل
۱۹۷۹ـ۱۹۸۸ء	ایران عراق جنگ	عراق	ایران
۲ راگست ۱۹۹۰ء	جنگ خلیج	اتحادی طاقتیں	عراق

انسانی حقوق:

(الف) انسانی حقوق کے معاہدات

- ۱۰ جولائی ۱۹۴۸ء...... اقوام متحدہ نے انسانی حقوق کے عالمی منشور کی منظوری دی۔
- ۱۹۶۲ء...... انسانی حقوق سے متعلق اقتصادی، سماجی اور ثقافتی حقوق کا معاہدہ۔
- ۲۳ مارچ ۱۹۷۱ء...... شہری اور سیاسی حقوق سے متعلق عالمی معاہدوں اور اس کی اختیاری دستاویز کا نفاذ۔
- ۳ جنوری ۱۹۷۶ء...... اقتصادی وسماجی اور ثقافتی حقوق سے متعلق عالمی معاہدہ۔
- ۱۹۸۱ء...... غلط نظریات کے بارے میں معاہدہ۔
- ۱۹۸۴ء...... غیر انسانی سلوک کے بارے میں اقوام متحدہ کا کنونشن۔
- ۱۹۹۰ء...... بیرونی ممالک میں کام کرنے والے محنت کشوں کے حقوق کے سلسلے میں بین الاقوامی کنونشن۔
- ۱۹۹۲ء...... قوم، فرقہ واریت، مذہبی یا لسانی بنیادوں پر غیر انسانی سلوک کے خلاف اعلان کا اجراء۔
- ۱۴ تا ۲۵ جون ۱۹۹۳ء...... ویانا کانفرنس میں اقوام اور گروہوں کی ترقی کے حقوق قرارداد کی منظوری۔
- ۱۹۹۴ء...... اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے حقوق انسانی کی تعلیم کی دہائی منانے کا فیصلہ کیا۔
- ۱۹۹۵ء تا ۲۰۰۴ء...... حقوق انسانی کی تعلیم کو بین الاقوامی طور پر اجاگر کر کے اسے فروغ دینے کا عالمی منصوبہ۔
- ۱۰ دسمبر ۱۹۹۸ء...... حقوق انسانی کے عالمی منشور کی ۵۰ ویں سالگرہ۔

(ب) انسانی حقوق کی خلاف ورزی سے متعلق قوانین

- ۱۹۴۹ء...... جنگی قیدیوں سے متعلق جنیوا کنونشن۔
- ۱۹۵۹ء...... اقوام متحدہ کی اقتصادی اور سماجی کونسل کی جانب سے مقرر کردہ ایک ضابطے کے تحت حقوق انسانی کی خلاف ورزی کے سلسلے میں ایک ضابطے کا انتظام۔
- ۱۹۶۷ء...... حقوق انسانی کمیشن نے انسانی اور بنیادی آزادیوں کی خلاف ورزیوں سے متعلق ہر سال تبادلہ خیال کرنے کا فیصلہ کیا۔
- ۱۹۶۹ء...... اقوام متحدہ کے ماہرین کے خصوصی ورکنگ گروپ کا قیام۔

(ج) خواتین کے حقوق

- ۱۹۴۶ء...... خواتین کی حیثیت کو متعین کرنے کے لیے کمیشن کا قیام۔

- ۱۹۵۲ء.....خواتین کے حقوق سے متعلق اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی معاہداتی دستاویز۔
- ۱۹۵۷ء.....شادی شدہ خواتین کی شہریت سے متعلق معاہدہ۔
- ۱۹۶۱ء.....شادی پر رضامندی کے لیے کم سے کم عمر اور شادیوں کے رجسٹریشن سے متعلق معاہدہ۔
- ۱۹۶۵ء.....شادی کے لیے رضامندی کے لیے سفارشات۔
- ۱۹۶۷ء.....خواتین کے خلاف امتیاز کے انسداد سے متعلق منشور کی منظوری۔
- ۱۹۷۴ء.....جنرل اسمبلی نے ہنگامی صورت حال اور مسلح جنگ میں خواتین اور بچوں کے تحفظ کے متعلق ایک منشور کا اعلان کیا۔
- ۱۹ جون تا ۲ جولائی ۱۹۷۵ء.....میکسیکو سٹی میں خواتین کا عالمی سال منایا گیا۔
- ۱۹۷۶ء.....خواتین سے متعلق اقوام متحدہ کے پروگرام کی منظوری اور دنیا بھر کے ممالک سے خواتین کو تمام شعبوں میں شرکت کے مواقع دینے کی اپیل۔
- ۱۸ دسمبر ۱۹۷۹ء.....خواتین کمیشن نے خواتین کے امتیاز کے خاتمے کے لیے دستاویز کی تیاری شروع کردی۔
- ۱۵ جولائی ۱۹۸۰ء.....خواتین کی کوپن ہیگن (ڈنمارک) میں دوسری عالمی کانفرنس۔
- ۳ ستمبر ۱۹۸۱ء.....بیس ممالک نے خواتین کے خلاف امتیاز کے خاتمے کا کنونشن۔
- ۱۹۸۵ء.....نیروبی میں خواتین کی تیسری عالمی کانفرنس، جس سے خواتین کے مسائل کو سمجھنے میں بڑی مدد ملی۔
- ۱۹۹۱ء.....خواتین کے خلاف امتیاز کے خاتمے کے کنونشن پر ایک سو سے زائد ممالک کے دستخط۔
- ۱۹۹۵ء.....بیجنگ میں خواتین کی چوتھی عالمی کانفرنس کا انعقاد۔
- ۱۹۹۶ء.....بیجنگ میں بیجنگ دوم خواتین کانفرنس۔
- ۵ تا ۹ جون ۲۰۰۰ء.....خواتین کی عالمی کانفرنس منعقدہ نیویارک۔

(د) محنت کش بچوں کے متعلق حقوق

- ۱۹۱۹ء.....امن معاہدہ ورسائے کے جزو کے طور پر عالمی ادارہ محنت کا قیام عمل میں آیا اور اسی سال کم سے کم عمر میں بھرتی کرنے کا قانون بنانے کے لیے بین الاقوامی کنونشن منعقد ہوا۔
- ۱۰ جنوری ۱۹۴۸ء.....انسانی حقوق کے عالمی اعلان میں بچوں کے لیے قانونی تحفظ کی فراہمی۔
- ۱۹۵۶ء.....غلامی کے خاتمے کے لیے اضافی کنونشن، مزدور بچوں کو غلاموں کے مترادف قرار دیا گیا۔
- ۱۹۵۹ء.....بچوں کے حقوق کا اقوام متحدہ اعلان۔
- ۱۹۷۳ء.....بین الاقوامی محنت کانفرنس نے کنونشن نمبر ۱۳۸ اور سفارشات نمبر ۱۴۶ کے تحت بھرتی کے لیے کم از کم عمر کی ایک اور جامع بین الاقوامی دستاویز کی منظوری۔

❁ ۱۹۷۹ء ... بچوں کے عالمی سال کا اعلان، بین الاقوامی مزدور کانفرنس نے چائلڈ لیبر کو تیزی سے ختم کرنے اور عبوری اقدامات کا اعلان کیا۔

❁ ۲۰ نومبر ۱۹۸۹ء ..... اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے بچوں کے حقوق سے متعلق معاہدے کی منظوری دی۔

❁ ۱۹۹۰ء ..... بچوں سے متعلق نیویارک میں عالمی سربراہی کانفرنس۔

❁ ۱۹۹۱ء ..... بین الاقوامی ادارہ محنت نے مزدور بچوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے عملی پروگرام کے علاوہ چائلڈ لیبر کے خاتمے اور اس ضمن میں درپیش چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کا اعلان کیا۔

❁ ۱۹۹۳ء ..... (۲۸ جنوری) ۱۲۸ ریاستوں نے بچوں کے معاہدے کی توثیق کردی اور چائلڈ لیبر سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے خاتمے کے لیے اقوام متحدہ نے عملی پروگرام کا اعلان کیا۔

(ر) نوجوانوں کے حقوق

❁ ۱۹۶۵ء ... اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے نوجوانوں میں امن اور باہمی احترام اور لوگوں کے مابین ہم آہنگی سے متعلق اعلامیہ کی منظوری دی۔

❁ ۱۹۶۹ء ..... جنرل اسمبلی کی جانب سے نوجوانوں کی تعلیم کو فروغ دینے پر زور دیا گیا۔

❁ ۱۹۷۰ء ..... نوجوانوں کی عالمی اسمبلی میں نوجوانوں کو اپنے مسائل کے اظہار کا موقع دیا گیا۔

❁ ۱۹۷۸ء ..... نوجوانوں کا عالمی سال منانے کا فیصلہ (۱۹۸۵ء میں)

❁ ۱۹۸۵ء ..... دنیا بھر میں نوجوانوں کا عالمی سال منایا گیا۔

(س) عمر رسیدہ افراد کے حقوق

❁ ۱۹۶۹ء ... اقوام متحدہ نے عمر رسیدہ افراد کے مسائل کے حل کو ترجیح دینے کا فیصلہ کیا۔

❁ ۱۹۷۳ء ..... جنرل اسمبلی نے دنیا کی آبادی میں عمر رسیدہ افراد کے تناسب کو بڑھنے کے سلسلے میں ایک رپورٹ پر غور کیا۔

❁ ۱۹۷۵ء ... عمر رسیدہ افراد کے بارے میں اطلاعات کے تبادلے کا نظام قائم کیا گیا۔

❁ ۱۹۷۷ء ..... جنرل اسمبلی نے حکومتوں سے درخواست کی کہ وہ عمر رسیدہ افراد کے بارے میں پروگرام بنائیں تاکہ انہیں سہولیات فراہم کی جاسکیں۔

❁ ۲۹ مارچ تا ۲۲ اپریل ۱۹۸۲ء ..... ویانا میں ۴۳ ملکوں کے نمائندوں نے شرکت کی۔ جس میں بڑھاپے کے اثرات کا مطالعہ کرنے کے لیے بین الاقوامی مرکز میں غور کیا گیا۔

❁ یکم جنوری ۱۹۹۹ء ..... عمر رسیدہ لوگوں کا بین الاقوامی سال قرار دیا گیا۔

(ش) معذور افراد کے حقوق

- ۱۹۷۱ء......اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ذہنی طور پر پسماندہ افراد کے حقوق کے بارے میں ایک اعلان کی منظوری دی۔
- ۱۹۷۵ء......معذور افراد کے حقوق کے اعلان کی منظوری۔
- ۱۹۷۶ء......جنرل اسمبلی نے ۱۹۸۷ء کو معذور افراد کا سال قرار دیا۔
- ۱۹۷۹ء......معذور افراد کی بہتری کے لیے پلان آف ایکشن کی جنرل اسمبلی کی طرف سے منظوری۔
- ۱۹۸۱ء......معذوروں کا عالمی سال دنیا بھر میں منایا گیا۔
- ۱۹۸۲ء......معذوروں سے متعلق عالمی عملی پروگرام کے مقاصد میں شمولیت کے قانون کی منظوری۔
- ۱۹۸۳ء تا ۱۹۹۲ء......معذورین کا عشرہ منایا گیا۔
- ۱۹۸۷ء......معذور افراد کی بحالی کے لیے اصلاحی مشق۔
- ۱۹۹۱ء......ذہنی مریضوں کے تحفظ کے لیے نئے معیار کی منظوری۔
- ۱۹۹۳ء......جنرل اسمبلی نے معذور افراد کے عمل کے عالمی پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ایک طویل المدت حکمت عملی اختیار کی۔ (۴۴)

خواتین کو ووٹ دینے کا حق

مردوں کو ووٹ دینے کا حق تو ایک عرصہ پہلے دے دیا گیا تھا، لیکن خواتین کو یہ حق بیسویں صدی میں ہی دیا گیا۔ اس کی تفصیل سن وار اس طرح سے ہے۔

۱۹۰۲ء	آسٹریلیا
۱۹۰۶ء	فن لینڈ
۱۹۱۳ء	ناروے
۱۹۱۵ء	ڈنمارک۔ آئس لینڈ
۱۹۱۷ء	سوویت یونین
۱۹۱۸ء	آسٹریلیا۔ جرمنی
۱۹۱۹ء	چیکوسلواکیہ۔ لکسمبرگ، نیدرلینڈز، پولینڈ اور سویڈن
۱۹۲۰ء	کینیڈا اور امریکا
۱۹۲۲ء	آئر لینڈ

۱۹۲۴ء	منگولیا
۱۹۲۹ء	ایکوے ڈار۔ برطانیہ
۱۹۳۰ء	جنوبی افریقہ (سفید فام)
۱۹۳۱ء	اسپین اور سیلون
۱۹۳۲ء	برازیل۔ تھائی لینڈ
۱۹۳۴ء	کیوبا، ترکی اور یوروگوے
۱۹۳۵ء	برما (میانمر) ہندوستان
۱۹۳۸ء	بلغاریہ اور فلپائن
۱۹۴۲ء	ڈومینکن ری پبلک
۱۹۴۴ء	فرانس
۱۹۴۵ء	گوئٹے مالا، ہنگری، انڈونیشیا، جاپان، پانامہ، ٹرینیڈاڈ اور ٹوباگو
۱۹۴۶ء	البانیہ، اٹلی، لائبیریا، رومانیہ، یوگوسلاویہ ۱۹۴۷ء۔ ارجنٹائن، مالٹا، ٹوگو۔ وینزویلا اور ویت نام
۱۹۴۸ء	بلجیم، اسرائیل، شمالی اور جنوبی کوریا
۱۹۴۹ء	چلی، کوسٹاریکا اور شام
۱۹۵۰ء	بارباڈوس، ایلسلواڈور
۱۹۵۱ء	نیپال
۱۹۵۲ء	بولیویا اور یونان
۱۹۵۳ء	گیانا، جمیکا اور میکسیکو
۱۹۵۴ء	کولمبیا
۱۹۵۵ء	ایتھوپیا، گھانا، نکارا گوئے اور پیرو
۱۹۵۶ء	کیمرون، وسطی افریقہ، چاڈ، کانگو، مصر، گیبون، گنی، آئیوری کوسٹ لاؤس مڈغاسکر، مالی، ماریطانیہ، نیجر، پاکستان، سینی گال، سوڈان، تیونس اور اپر وولٹا
۱۹۵۷ء	فجی، ہنڈوراس، لبنان، ملائیشیا
۱۹۵۸ء	البانیا، الجزائر، عراق اور صومالیہ

۱۹۵۹ء	قبرص، ماریشس، مراکش
۱۹۶۰ء	نائیجیریا اور زائرے (کانگو۔ عوامی جمہوریہ)
۱۹۶۱ء	برونڈی، گیمبیا، یوراگوئے، روانڈا، سیرالیون، تنزانیہ
۱۹۶۲ء	یوگنڈا
۱۹۶۳ء	ایران، کینیا اور لیبیا
۱۹۶۴ء	افغانستان، ملائیشیا اور زیمبیا
۱۹۶۵ء	بوٹسوانا، سنگاپور
۱۹۶۶ء	گی آنا، لیسوتھو
۱۹۶۷ء	یمن پیپلز ڈیموکریٹک ری پبلک
۱۹۶۸ء	سوازی لینڈ
۱۹۷۰ء	فجی، انڈورا
۱۹۷۱ء	سوئٹزرلینڈ
۱۹۷۲ء	بنگلہ دیش
۱۹۷۴ء	اردن
۱۹۷۶ء	پرتگال
یکم جولائی ۱۹۸۴ء	پاکستان
۱۹۹۸ء	قطر

نوٹ: بحرین، برونائی، کمبوڈیا، استوائی گنی، موزمبیق، پاپوا نیوگنی، یمن، زمبابوے اور مارشل آئی لینڈ کے لیے تاریخیں دستیاب نہیں ہوسکیں۔

Source! The promise of world peace by the universal house of justice 1986 edition page no: 101

اعلان اسلامی حقوق انسانی

۶ دسمبر ۱۹۹۸ء کو ڈھاکا (بنگلہ دیش) میں اسلامی ممالک کے وزرائے خارجہ کا جو اجلاس منعقد ہوا، اس میں ۱۰ دسمبر ۱۹۸۳ء بروز ہفتہ بمطابق ۴ ربیع الاول ۱۴۰۲ھ کو ۲۸ شقوں پر مشتمل حقوق انسانی کا اسلامی منشور منظور کرلیا گیا۔ اس دستاویز کو کسی بھی شق کی وضاحت کے لیے صرف اسلامی شریعت کا حوالہ دیا جائے گا۔ اس کی خاص خاص باتیں یہ ہیں:

۱۔ تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور احترام اور بنیادی ذمہ داریوں میں مساوی ہیں۔
۲۔ ہر شخص کو زندہ رہنے کا حق ہے افراد، سوسائٹیوں اور ریاستوں کا فرض ہے کہ وہ ان حقوق کا تحفظ کریں۔
۳۔ کلی یا جزوی نسل کشی میں معاون کوئی بھی ذریعہ اختیار کرنے کی ممانعت ہے۔
۴۔ کسی جنگ یا مسلح تصادم میں ضعیفوں، خواتین اور بچوں کو ہلاک کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔
۵۔ زخمیوں کو علاج معالجے کا حق حاصل ہے۔
۶۔ جنگی قیدیوں کو خوراک، پناہ اور لباس فراہم کرنا متعلقہ ملک کا فرض ہے جس میں وہ رہ رہا ہے۔
۷۔ خاندان معاشرے کی بنیاد ہے شادی خاندان کی بنیاد اور اس حق کے استعمال میں رنگ و نسل اور قومیت کی بنیاد پر کوئی رکاوٹ نہیں ہونی چاہیے۔
۸۔ خواتین انسانی احترام میں مردوں کے مساوی ہیں اور اپنے حقوق و فرائض رکھتی ہیں۔
۹۔ خواتین اپنے شہری حقوق رکھتی ہیں اور مالی طور پر آزاد ہیں، وہ اپنا نام اور نسب برقرار رکھنے کا حق بھی رکھتی ہیں۔
۱۰۔ خاوند خاندان کو برقرار رکھنے اور بہبود کا ذمہ دار ہے۔
۱۱۔ ہر شخص شہریت کا حق رکھتا ہے اور اسے یک طرفہ طور پر اس حق سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔
۱۲۔ علم کا حصول ذمہ داری ہے اور تعلیم کی سہولت فراہم کرنا حکومت کا فرض ہے کیوں کہ ہر آدمی کو تعلیم حاصل کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔
۱۳۔ اللہ کے دین کی پیروی ہر شخص کا حق ہے اور کسی شخص کو اپنا مذہب تبدیل کرنے پر مجبور نہیں کیا جانا چاہیے۔
۱۴۔ انسان آزاد پیدا ہوا ہے اور کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس کی تذلیل کرے، اس پر جبر کرے یا اس کا استحصال کرے۔
۱۵۔ اطاعت صرف اللہ کی ہے۔
۱۶۔ نوآبادیاتی نظام قطعاً ممنوع ہے کیوں کہ یہ غلامی کی بدترین صورت ہے، نوآبادیاتی نظام کے شکار عوام کو آزادی اور حق خود ارادی کا مکمل حق حاصل ہے، تمام ممالک اور اقوام کا یہ فرض ہے کہ وہ ایسی جدوجہد کی حمایت کریں۔
۱۷۔ تمام اقوام کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی صحت اور قدرتی وسائل کا تحفظ کریں۔ (۴۵)

عصر حاضر کے معاہدات اور صلح حدیبیہ:

حقیقت یہ ہے کہ......

آج معاہداتی سیاست کا دور ہے۔ بین الاقوامی ادارہ یونائیٹڈ نیشنز بھی دنیا کے ممالک و اقوام کے ایک معاہدے پر مبنی ہے لیکن معاہدہ کیسا ہوتا ہے اور اس کی پابندی کس طرح کی جاتی ہے، اس کا سبق اکیسویں صدی کو ساتویں صدی عیسوی کے ان معاہدات سے سیکھنا ہے جو رسول اکرم ﷺ نے مختلف اقوام، قبیلوں اور فرقوں کے ساتھ کیے یہ تمام کے تمام معاہدات پرامن بقائے باہمی کے اصول کے تحت کیے

گئے تھے اور ان معاہدات میں فریقوں کی طاقت وحیثیت کا لحاظ کیے بغیر انسانی رشتے سے برابری کی سطح پر گفت وشنید کی گئی، ہر حال میں مکمل عدل وانصاف کا خیال رکھا گیا اور طے شدہ شرطوں پر مضبوطی کے ساتھ عمل کیا گیا، ساری شرطیں علی الاعلان طے کی گئیں کوئی بھی نکتہ خفیہ نہیں رکھا گیا، معاہدات کی بنیاد نام نہاد قوم پرستانہ اغراض ومفادات پر نہیں رکھی گئی اور نہ ہی وقتی نفع ونقصان کا خیال کیا گیا بلکہ دور رس نتائج واثرات پر نگاہ رکھی گئی اور معاہدات کی بنیاد اصول ونظریات اور عام انسانی فلاح ٹھہری نیز کمزور کے ساتھ ایک مثالی رعایت برتی گئی۔ پس اگر موجودہ دنیائے انسانیت مستقبل میں عالمی امن وسلامتی کا موثر انتظام وقیام چاہتی ہے تو اسے یقیناً معاہدات نبوی کو مشعل راہ بناتے ہوئے اس سے بھرپور رہنمائی حاصل کرنی ہوگی۔

عصر حاضر کے معاہدات مذکورہ بالا اوصاف وعناصر سے خالی ہیں۔ اسی لیے وہ بے روح، ناپائیدار اور بے فیض ہیں۔ یہی سبب ہے کہ پوری دنیا میں بڑھتی ہوئی بدامنی کا ہر ملک اور ہر طبقے کو دوسرے سے خطرہ محسوس ہوتا ہے باہمی اعتماد کی فضا مفقود اور اطمینان ناپید ہے۔ گفت وشنید کی گرم بازاری ہے وفود کا تبادلہ ہوتا ہے اور خیالات کا بھی، تاہم حاصل کچھ نہیں ہوتا۔ ہر فریق کو دوسرے کے مقابلے میں ذہنی تحفظ ہے، لوگوں کی نیتیں صاف نہیں ہیں یہ شبہات میں مبتلا ہیں گروہ بندیاں ہو رہی ہیں، سازشیں چل رہی ہیں، ایک باہمی دہشت کا توازن امن کے قرینوں کو کم سے کم اور جنگ کے آثار کو زیادہ سے زیادہ بڑھاتا جارہا ہے۔ بڑی طاقت یا طاقتوں کو کمزوروں کی کوئی فکر نہیں، ہر ملک کی دولت کا بیشتر حصہ مہلک سے مہلک ترین اسلحہ سازی اور جنگ بازی پر صرف ہو رہا ہے۔ زمین سے آسمان تک پورا ماحول آلودہ ہو چکا ہے فضا بالکل بگڑ چکی ہے۔ ہواؤں میں زہر گھل رہا ہے قدرت الٰہی کی عطا کردہ بے حساب نعمتیں غارت کی جارہی ہیں اور عوام کو مسلسل بے وقوف بنا کر اندھیرے میں رکھا جارہا ہے۔

یہ امن وامان اور صلاح وفلاح یا ترقی وعروج کا نہ تو تدبر ہے نہ ان کی تدبیر لہٰذا آج کی انسانیت کو اپنے بہترین مقاصد اور بلند عزائم کی تکمیل کے لیے تاریخ عالم کے مدبر اعظم حضرت محمد ﷺ کے انجام دیے ہوئے ان دانش مندانہ معاہدات کے مطالعے کی طرف رجوع کرنا ہوگا جن کے نتیجے میں پورا عرب بھی آئے دن کی جنگوں سے نجات پا کر ایک ایسے پائیدار اور ہمہ گیر امن سے ہمکنار ہوا جس نے روم وایران کی طاقت ورانہ جنگ بازیوں سے بھی عہد وسطیٰ کو چھٹکارا دلایا اور ایک ایسی فضا قائم کر دی جس میں ہونے والی انسانی ترقیات نے ہی دور جدید کے فروغ کی راہ ہموار کی یہاں تک کہ عروج آدم خاکی کی منزلوں کے نشانات بھی واضح کر دیے۔ یہ رحمۃ للعالمین ﷺ کی سیرت ہی کا فیض ہے کہ جس میں فتوحات اور معاہدات ہم معنی ہو جاتے ہیں۔

ویسے تو تمام ہی معاہدات نبویؐ اپنی مثال آپ ہیں، تاہم پرامن بنائے باہمی اور بیرونی تعلقات کے قیام کے سلسلے میں "صلح حدیبیہ" سے بہتر نمونہ ملنا دشوار ہے۔ یہ معاہدہ رسول اکرم ﷺ کی امن پسندی کا شاہکار ہے، دنیا کا کوئی سیاسی دماغ ایسی حالت میں اس قسم کی شرائط منظور نہیں کر سکتا جبکہ اس کے ساتھ ایک جانباز فوج بھی ہو، لیکن آپؐ نے اسلام کے مطمح نظر کی تکمیل کے لیے اس معاہدے کی پوری پوری پابندی کی حالانکہ حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ جیسے جانباز کما نڈر اس ظاہر میں نظر آنے والی کمزور صلح کے خلاف تھے جسے بعد ازاں قرآن نے "فتح مبین" قرار دیا اور جو در حقیقت فتح مکہ کا دیباچہ قرار پائی۔

تاریخ گواہ ہے کہ حدیبیہ کا یہی وہ معاہدہ اور صلح نامہ ہے جس نے فضا کو بدل دیا، عرب کے لوگوں کو یہ معلوم ہو گیا کہ اسلام انسانیت

اور امن کا پیغام ہے اور مسلمان اس راہ میں اس حد تک صادق ہیں کہ انہوں نے وحشیانہ تشدد کے باوجود قیام امن کی کوششوں کو ترک نہیں کیا۔ انہوں نے اپنی جانیں گنوادیں مگر اس یقین کا دامن نہیں چھوڑا جس کا منشاء تمام دنیا کو اپنے حلقۂ اثر میں لے کر مکمل امن و سلامتی سے بہرہ مند کرنا تھا۔

معاہدہ حدیبیہ کی بدولت دو حربی قوتوں مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان پرامن بقائے باہمی کا معاہدہ خالصتاً رسول اکرم ﷺ کی سیاسی بصیرت، امن پسندی، تدبر اور حکمت عملی کے نتیجے میں مسلمانوں کو دوررس اور فیصلہ کن ثمرات حاصل ہوئے جو نتیجے کے طور پر اسلام کی عالمگیر ترویج و شاعت کا سبب قرار پائے اور مکے کی فتح عظیم کا سامان بنے۔ جنگ بندی کے نتیجے میں مسلمانوں کو نادیدہ فوائد حاصل ہوئے اور اس مدت میں جو کم و بیش تین سالوں پر محیط ہے، مسلمانوں نے پرامن ذرائع سے اپنی مملکت کو تقریباً دس گنا پھیلا کر پورے جزیرہ نما عرب کو اپنا مطیع اور زیر فرمان بنالیا۔(۴۶) گویا "صلح حدیبیہ" تحریک اسلام کی درخشندہ تاریخ کا نقطۂ آغاز ٹھہری جب کہ عہد حاضر کی تاریخ میں بھی امن و سلامتی کا درخشاں باب رقم کرنے کے لیے ایک مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ نیز عہد حاضر کے معاہدات کے لیے بھی یہ ایک روشن مثال ہے۔

حواشی وحوالہ جات

(۱) مرتضیٰ انجم/ بیسویں صدی کے بین الاقوامی معاہدے، ادارہ تحقیقات، لاہور، جون ۲۰۰۵ء، ص ۵

(۲) صدیقی، ریاض احمد/ عالمی دہشت گرد، اداریتی صفحہ، روزنامہ جنگ کراچی، آخری قسط، ہفتہ ۲۳ ستمبر ۲۰۰۶ء

(۳) مذکورہ معاہدات سے متعلق تحقیق قدیم وجدید مصادر ومراجع سے بھرپور استفادے کے بعد مرتب کی گئی ہے جس میں انسائیکلو پیڈیاز نیز پرنٹ اور الیکٹرونک میڈیا سے بھی بھرپور طور پر استفادہ کیا گیا۔

(۴) انجم، زاہد حسین، بیسویں صدی ایک نظر میں، بخزینہ علم وادب، لاہور، س۔ن، ص ۵۹۲

(۵) ایضاً، ص ۵۹۳۔۵۹۴

(۶) مرتضیٰ انجم، بیسویں صدی کے بین الاقوامی امن معاہدے، ص ۳۰

(۷) ایضاً، ص ۳۸

(۸) محمد بابر جاوید، واقعات عالم کا انسائیکلو پیڈیا، مشتاق بک کارنر، لاہور، ۲۰۰۷ء، ص ۷۶

(۹) شاہد محمود، معلومات عامہ کا انسائیکلو پیڈیا، مشتاق بک کارنر، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص ۸۲

(۱۰) اعظم شیخ، بیسویں صدی کا انسائیکلو پیڈیا، علم وعرفان پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۹۱

(۱۱) زاہد ملک، ڈاکٹر، جنگ اور امن، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص ۱۰۶

(۱۲) انجم، زاہد حسین، بیسویں صدی ایک نظر میں، ص ۶۰۶

(۱۳) مرتضیٰ انجم، جنگی سفر کے، بخزینہ علم وادب، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۵۴

(۱۴) طارق مجید، عالمی طاقتوں کی کھیل میں مکروفریب کا راج، المفیصل، لاہور، ۲۰۰۷ء، ص ۱۳۳

(۱۵) انجم زاہد حسین، بیسویں صدی ایک نظر میں، ص ۶۱۱

(۱۶) مرتضیٰ انجم، بیسویں صدی کے بین الاقوامی امن معاہدے، ص ۹۲۔۹۳

(۱۷) انجم زاہد حسین، بیسویں صدی ایک نظر میں، ص ۶۱۳

(۱۸) مرتضیٰ انجم، بیسویں صدی کے بین الاقوامی امن معاہدے، ص ۱۲۱

(۱۹) انجم زاہد حسین، بیسویں صدی ایک نظر میں، ص ۶۱۷

(۲۰) ایضاً، ص ۶۱۹

(۲۱) محمد بابر جاوید، واقعات عالم کا انسائیکلو پیڈیا، ص ۱۰۹

(۲۲) مرتضیٰ انجم، بیسویں صدی کے بین الاقوامی معاہدے، ص ۳۳۹

(۲۳) انجم زاہد حسین، بیسویں صدی ایک نظر میں، ص ۶۲۳

(۲۴) ایضاً، ص ۶۲۵

(۲۵) ایضاً، ص ۶۲۶

(۲۶) ایضاً، ص ۶۲۸

(۲۷) ایضاً، ص ۶۳۰

(۲۸) شاہد محمود، معلومات عامہ کا انسائیکلو پیڈیا، ص ۳۳۹

(۲۹) ایضاً، ص ۳۴۷

(۳۰) اعظم شیخ، بیسویں صدی کا انسائیکلوپیڈیا، ص۳۲۷

(۳۱) ایضاً، ص۳۰۷

(۳۲) مرتضیٰ انجم، بیسویں صدی کے بین الاقوامی امن معاہدے، ص۱۸۸

(۳۳) ایضاً، ص۳۵۶

(۳۴) انجم زاہد حسین، بیسویں صدی ایک نظر میں، ص۴۴۰

(۳۵) ایضاً، ص۶۲۱

(۳۶) مرتضیٰ انجم، بیسویں صدی کے بین الاقوامی امن معاہدے، ص۴۱۵

(۳۷) اعظم شیخ، بیسویں صدی کا انسائیکلوپیڈیا، ص۳۸۹

(۳۸) مرتضیٰ انجم، بیسویں صدی کے بین الاقوامی امن معاہدے، ص۳۰۲

(۳۹) ایضاً، ص۳۰۷

(۴۰) انجم زاہد حسین، بیسویں صدی ایک نظر میں، ص۶۵۱

(۴۱) مرتضیٰ انجم، بیسویں صدی کے بین الاقوامی امن معاہدے، ص۳۰۹

(۴۲) ایضاً، ص۳۱۹

(۴۳) انجم زاہد حسین، بیسویں صدی ایک نظر میں، ص۶۵۲

(۴۴) ایضاً، ص۸۹۳

(۴۵) آزاد، ڈاکٹر اسرار احمد، جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات، جلد سوم، مکتبہ برہان جامع مسجد دہلی، دسمبر ۲۰۰۷ء، ص۵۰۲

(۴۶) محمد فانی، ڈاکٹر حافظ محمود غزنوی کے معاہدات امن و صلح اور عہد حاضر میں ان کی سیاسی اور قانونی اہمیت، ماہنامہ تعمیر افکار کراچی، جون ۲۰۰۰ء، ص۳۱-۴۲

باب پنجم:

﴿فصل دوم﴾

سی ٹی بی ٹی ایگریمنٹ کے مسلم دنیا پر اثرات اور صلح حدیبیہ:

ابن خلدون نے قوموں کے عروج وزوال کی عبرت انگیز داستان کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد جن چند امور کو تاریخ میں فیصلہ کن عوامل قرار دیا ہے ان میں سب سے اہم دو ہیں۔ اولاً، نظریہ اور وہ قوت جو انسانوں کو جوڑتی اور ایک جان رکھتی ہے اور انہیں ایک قوم اور اکائی بناتی ہے (جسے ابن خلدون عصبیت کا نام دیتا ہے)۔ اور ثانیاً، اصول انصاف اور بے لاگ قدر (merit) شناسی کا اہتمام جس سے معاشرہ میں توازن پیدا ہوتا ہے اور ترقی کی راہیں پھوٹتی ہیں۔ پاکستان کا المیہ یہ ہے کہ ہم ایک شاندار عوامی تحریک اور بیش بہا قربانیوں کے نتیجہ میں ایک عظیم ملک قائم کرنے میں تو کامیاب ہو گئے لیکن اسے باقی رکھنے اور ترقی دینے میں ابھی تک کامیاب نہیں ہو سکتے ہیں۔

قوموں کی زندگی میں نصف صدی ایک بڑا فیصلہ کن عرصہ ہوتا ہے اور مستقبل کا مورخ ہماری اس قیادت کو، جو اس نصف صدی میں ملک کے سیاہ وسفید کی ذمہ دار رہی ہے، اس کی غفلت اور بے وفائی پر کبھی معاف نہیں کرے گا۔ ایک طرف عالمی حالات ہیں جن میں اسلام اور مسلمانوں کو خطرہ اور دہشت گرد بنا کر پیش کیا جاتا رہا، تو دوسری طرف ہمارا ہمسایہ بھارت ہے، جس کے خطرناک عزائم سے پاکستان کے وجود کو مسلسل خطرہ درپیش رہا ہے۔ کشمیر میں ہمارے بھائی اور بہن آج بھی بھارت کی غلامی میں ہیں اور اس سے نجات پانے کے لیے جان کی بازی لگائے ہوئے ہیں۔ لیکن ہماری قیادتوں کا یہ حال رہا ہے کہ انہیں اپنی ذات اور اپنے گروہ کے مفاد سے بالاتر ہونے کی توفیق نہیں ہوئی۔ ان حالات میں دفاع وطن کا مسئلہ اور بھی سنگین ہو گیا ہے۔ ماضی میں ہماری قیادتوں کی غلط پالیسیوں کے باعث ملکی معیشت برابر دگرگوں ہے۔ قرضوں کا بوجھ بڑھ رہا ہے۔ سود کی ادائیگی بجٹ کا ۳۶ فیصد حصہ کھا جاتی ہے، اور خود دفاع اور ترقی کے لیے وسائل مسلسل کم ہوتے جا رہے ہیں۔

میں نے حالات کا جو مطالعہ کیا ہے اس سے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ دفاعی اعتبار سے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور قوم کے جذبہ حب الوطنی کے بعد جو چیز ہمارے ملک وقوم کے تحفظ کی ضامن ہے وہ سد جارحیت کی جوہری اہلیت (nuclear deterrence) اور میزائل سازی کی صلاحیت ہے جو کہ الحمد للہ پاکستان حاصل کر چکا ہے اور جس کی بدولت دشمن کے حملوں کو نقصان پہنچانے سے پہلے روکا بھی جا سکتا ہے اور دشمن کے اہم ٹھکانوں تک رسائی بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ آج کی جنگ روایتی جنگ سے بہت مختلف ہے۔

سرد جنگ کے دور کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے سے بھی یہی سبق ملتا ہے۔ جب امریکہ اور یورپی اقوام نے یہ محسوس کیا کہ روایتی جنگی سازوسامان میں روس اور اس کے اتحادیوں کی برتری کا توڑ ان کے لیے ممکن نہیں (یورپ میں روسی قوت نیٹو کی روایتی قوت سے تین گنا زیادہ تھی اور اس کی دراندازی (penetration) کی صلاحیت نیٹو سے کہیں زیادہ تھی) تو سارا انحصار سد جارحیت کی

جوہری صلاحیت (nuclear deterrence) پر کیا گیا، جس نے دنیا کو تیسری عالمی جنگ سے بچایا۔ اب روس کے منتشر ہو جانے اور اس کی فوج کے معطل ہو جانے سے وہ صورت حال باقی نہیں رہی ہے اور عملاً اب روایتی سازو سامان اور فوجی صلاحیت میں بھی روس امریکہ یا یورپ کا مقابلہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔ اور یہی وہ فضا ہے جس میں جوہری ہتھیاروں اور جوہری توانائی کی تحدید اور تجمید کی تحریکیں مغربی اقوام کے ایماء پر فروغ دی جاتی رہیں۔ ان تحریکوں کے پس پردہ مغربی اقوام کا ہدف اپنی عسکری بالادستی کو قائم رکھنا اور دوسرے ممالک کو سد جارحیت کی جوہری صلاحیت (nuclear deterrence) سے محروم رکھنا رہا۔

لیکن سوال یہ ہے کہ ہماری دفاعی پالیسی مغربی اقوام کی مصلحتوں اور ان کے اشارہ چشم و ابرو پر بنے یا اس کی تشکیل ہمارے اپنے قومی مفاد اور آزادی اور عزت کے تحفظ کے اصولوں پر ہو؟ جوش ملیح آبادی نے اپنے مخصوص رنگ میں بڑے پتے کی بات کہی تھی۔

عشق و آزادی بہار زیست کا سامان ہے
عشق میری جان آزادی مرا ایمان ہے
عشق پہ کر دوں فدا میں اپنی ساری زندگی
لیکن آزادی پہ میرا عشق بھی قربان ہے

آج پاکستانی قوم کے سامنے بھی یہی بنیادی سوال ہے۔ آزادی کے تحفظ کے لیے سد جارحیت کی جوہری صلاحیت (nuclear deterrence) اور میزائل سازی کی اعلیٰ صلاحیت ناصرف ناگزیر ہے بلکہ اس حاصل کردہ صلاحیت کو قائم رکھنے اور مزید ترقی و فروغ دینے کی اشد ضرورت ہے۔ بیرونی دباؤ خواہ کتنا زیادہ ہو، ہم اپنی آزادی کے تحفظ کے پیش نظر ان امور پر کوئی سمجھوتہ نہیں کر سکتے۔ اور اس کے لیے ہمیں بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرنا چاہیے۔ بلاشبہ قوم کی اخلاقی اصلاح اور ملک کی معاشی ترقی بھی اہم ترین چیلنجوں میں سے ہیں، لیکن ان تمام اہداف کے حصول کا انحصار آزادی کی بقاء پر ہے۔ اگر خدانخواستہ یہی متاثر ہو گئی تو باقی سب کام دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔

جوہری حکمت عملی طے کرتے وقت عالمی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ علاقائی حقائق کو پیش نظر رکھنا از بس ضروری ہے اور اس سلسلہ میں بھارت کی جوہری پالیسی اور صلاحیت سب سے اہم عامل ہے۔ جہاں تک عالمی رجحانات کا تعلق ہے، سرد جنگ کے خاتمہ اور خود تاریخ کے اپنی آخری سرحدوں کو چھو لینے (the end of history) کی باتوں کے باوجود جس حکمت عملی پر عمل ہوتا رہا (وہ نہیں جس کا مشورہ ہمیں دیا جاتا رہا ہے) وہ بہت واضح ہے۔ لندن اکانومسٹ نے اسے بڑی خوش اسلوبی اور صفائی کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"The main reason for the West's post-cold-war failure is that most people in Western Europe and America wanted to believe that the end of the cold war was, in that fatal phrase, the end of history. They wanted to put their feet up and relax.

It was not possible. History never comes to a halt; it just changes direction, and finds a new way of being vexatious. The West will not recover from its past five

years' stumblings until its voters recognise that one road's end was another's beginning. The people of the West must go on spending rather a lot of money on defence, if not quite as much as in the past half-century. They have to authorise their politicians to make hard choices, often when no possible out-come is gleamingly perfect. They must accept that their armies will sometimes have to go and fight, and that young men will be maimed and killed. If they do not do these things, they will see what their fathers and grandfathers achieved turn slowly to dust".
(The Economist, London, Dec. 24, 1994__ Jan. 6, 1995.)

رہا بھارتی خطرہ، تو اس کے بارے میں اس کے "نرم اور صلح کل" سابق وزیر خارجہ جناب اندر کمار گجرال کے وسط مارچ ۱۹۹۷ء کے ان بیانات کو سامنے رکھیں جن میں انہوں نے صاف لفظوں میں کہا تھا کہ خواہ ساری دنیا ہماری مخالفت کرے ہم اپنے جوہری اور میزائل پروگراموں پر کوئی سمجھوتہ کرنے کو تیار نہیں ہیں اور ذرا یہ بھی یاد رہے کہ مسئلہ صرف جوہری توانائی کے پرامن استعمال کا نہیں ہے۔ ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے صاف لفظوں میں کہا تھا:

"I hope Indian scientists will use the atomic force for constructive purposes. But if India is threatened, she will inevitably defend herself by all means at her disposal". ("India's Dual Nuclear Policy," The Economist, Octobe 11, 1980, p.5)

اور ہندوستان کے دفاعی امور پر سند کا درجہ رکھنے والے مبصر جناب کے سبرامانیم (K. Subrahmanyam) کا واضح ارشاد ہے:

"The idea that the bomb can not be used is absurd and can rise only out of willing suspension of the thinking process" (K. Subrahmanyam, "Bomb the only way" in the times of India, 26-4-1983, p.4, quoted in Indian Nuclear Weapons Programme by Shamsa Nawaz, progressive publications, Lahore, 1985, p.95).

بھارت کے "اہل ہوش و دانش" کے ان ارشادات کے بعد بھی اگر ہمارے دانشور سد جارحیت کی جوہری صلاحیت (nuclear deterrence) کو ترک کرنے اور اس صلاحیت سے دستبردار ہونے کا مشورہ دیتے ہیں، اور ان لوگوں پر جنگجو (war-mongers) کی پھبتی کستے ہیں، جو سد جارحیت کی جوہری صلاحیت کے حصول کے بعد اسے مزید ترقی و فروغ دینے اور اس کی مکمل بقاء کے قائل ہیں، تو اس کو اس کے علاوہ کیا کہا جا سکتا ہے:

خرد کا نام جنوں رکھ دیا، جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

آج قومی سلامتی کے تناظر میں پاکستان کے جوہری پروگرام سے متعلق تمام ماہرین کا نقطہ نظر بحیثیت مجموعی ایک ہی ہے تاہم جزئیات پر اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ جملہ ماہرین اس حقیقت پر تو متفق ہیں کہ سد جارحیت کی جوہری صلاحیت کے حصول کے بعد اب

اس کی ترقی و فروغ ہی پاکستان کی آزادی اور تحفظ کی ضمانت ہے تاہم جوہری مسئلہ سے متعلق علاقائی حکمت عملی کے سلسلے میں جس کے تحت بھارت اور پاکستان بیک وقت این پی ٹی پر دستخط کریں، ان میں اختلاف رائے پایا گیا ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک جو جوہری مسئلہ کو عالمی تناظر میں دیکھتے ہیں، محض جنوبی ایشیا کو جوہری ہتھیاروں سے پاک علاقہ قرار دے دینے سے مسلمانانِ عالم کی حفاظت کا سامان نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ایسے معاہدہ و میثاق کے بارے میں بھی شدید ذہنی تحفظات پائے گئے ہیں جس کے تحت پاکستان دیگر مسلم ممالک کو (جوہری) تکنیک منتقل نہ کرنے کا پابند ہو۔ اور وہ بھی ایک ایسی دنیا میں جہاں نیوکلیائی تکنیک کے عالمی اجارہ دار ہر وہ راستہ بند کرنے پر کمر بستہ ہیں جس کے ذریعے مسلم اقوام کو اس تکنیک کے حصول کا امکان ہو۔ بہرحال جوہری تکنیک کے پھیلاؤ کی روک تھام کے سلسلے میں ہونے والی بین الاقوامی کوششوں کے تناظر میں (۱۹۹۵ء۔۱۹۹۶ء) کا عرصہ خاص اہمیت کا حامل ہے۔ ۱۹۹۵ء میں (۱۷ اپریل سے ۱۲ مئی تک) جوہری اسلحہ کے عدم پھیلاؤ کے معاہدہ (این پی ٹی) کی توسیع اور جائزہ کی غرض سے ایک کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس کا انعقاد این پی ٹی کی دفعہ ۱۰، شق ۲ کے تحت لازمی تھا(۱)۔ کانفرنس کا مقصد معاہدہ پر عمل درآمد کا جائزہ لینے کے علاوہ یہ فیصلہ کرنا تھا کہ آیا معاہدہ کو غیر معینہ مدت کے لیے نافذ رہنے دیا جائے یا اس کے مدت نفاذ میں ایک متعین عرصہ کے لیے توسیع کی جائے۔ بڑی طاقتوں کے زبردست دباؤ کے نتیجہ میں کانفرنس کے دوران این پی ٹی میں غیر معینہ مدت کے لیے توسیع کا فیصلہ کر لیا گیا۔ ۱۹۹۶ء میں تجرباتی جوہری دھماکوں پر پابندی کے معاہدہ (سی ٹی بی ٹی) کے مسودہ کو بھارت نے باقاعدہ طور پر مسترد کر دیا جس کے بعد اسے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی ایک قرارداد کی شکل میں منظور کرا کر دستخطوں کے لیے کھول دیا گیا۔ ذیل میں جوہری اسلحہ کے عدم پھیلاؤ کے سلسلے میں ان دو اہم واقعات کے پس منظر، محرکات و نتائج اور پاکستان کے جوہری پروگرام اور مسلم امہ کے مستقبل کے حوالہ سے ان کے اثرات و مضمرات کا بالترتیب تجزیہ کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

این پی ٹی میں توسیع:

این پی ٹی ۵ مارچ ۱۹۷۰ء کو نافذ العمل ہوا تھا۔ اس معاہدہ کے مقاصد میں جوہری اسلحہ کے افقی پھیلاؤ کی روک تھام کے علاوہ جوہری طاقتوں کی طرف سے جلد از جلد (at an early date) جوہری اسلحہ کی دوڑ ختم کر کے بالآخر جوہری اسلحہ کا مکمل خاتمہ شامل تھا(۲)۔ جوہری اسلحہ کے افقی پھیلاؤ کو تو این پی ٹی ایک حد تک روکنے میں کامیاب رہا ہے، تاہم جوہری طاقتوں کی طرف سے جوہری اسلحہ کے اپنے ذخائر کو ایک متعین وقت کے اندر ختم کرنے کا خواب تاہنوز شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکا ہے۔ دراصل جوہری طاقتیں معاہدہ کی ان دفعات کو مسلسل غیر موثر دیکھنا چاہتی ہیں جن کی رو سے وہ جوہری اسلحہ کے خاتمہ کی پابند ہیں۔ جوہری طاقتیں نہ صرف یہ کہ اپنے جوہری اسلحہ کے ذخائر برقرار رکھنے کی خواہاں ہیں بلکہ ان کے معیار کو مزید بہتر بنانے اور ان کی ہلاکت خیزی میں اضافے کے لیے جدید ترین تکنیک (ٹیکنالوجی) کو بروئے کار لانے کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں۔ وہ اپنے جوہری ہتھیاروں کے ذخائر کے خاتمہ کو عالمی امن کے لیے خطرناک سمجھتی ہیں کیونکہ ان کے بقول اس صورت میں کرۂ ارض میں جوہری ہتھیاروں کے پھیلاؤ کے خلاف نگرانی کا نظام ساقط ہو جائے گا(۳)۔ ''این پی ٹی: جائزہ و توسیع کانفرنس ۱۹۹۵ء'' کے موقع پر بھی معاہدہ کے رکن، غیر جوہری ممالک کی ایسی تمام

کوششیں رایگاں گئیں جن کا مقصد جوہری طاقتوں کو جوہری اسلحہ کے اپنے ذخائر ایک معینہ عرصہ میں ختم کرنے پر راضی کرنا تھا (۴)۔ غیر جانبدار تحریک کے ممالک اور خصوصاً عرب ممالک کی طرف سے جوہری اسلحہ کے ذخائر ایک معینہ عرصہ میں ختم کرنے سے متعلق معاہدہ کی دفعات کی تنفیذ اور مشرق وسطیٰ میں اسرائیل کے جوہری اسلحہ کے تناظر میں اسے معاہدہ میں شامل کرنے سے متعلق مطالبات کو در خور اعتنا نہیں سمجھا گیا۔ امریکہ کو یہ بھی گوارا نہیں تھا کہ مشرق وسطیٰ کو جوہری اسلحہ سے پاک علاقہ قرار دینے سے متعلق مجوزہ قرارداد (جس کا ذکر آگے آرہا ہے) میں اسرائیل کا نام آئے۔ امریکیوں کا اصرار تھا کہ مشرق وسطیٰ میں اسرائیل کے علاوہ دیگر تین ایسے ممالک (جیبوتی، عمان اور متحدہ عرب امارات) بھی ہیں۔ جنہوں نے ابھی تک این پی ٹی پر دستخط نہیں کیے ہیں (۵)۔ چنانچہ خطے میں جوہری اسلحہ کے پھیلاؤ کے لیے صرف اسرائیل کی نامزدگی ان کے لیے قابل قبول نہیں تھی۔ کون واقف نہیں ہے کہ جیبوتی، عمان اور متحدہ عرب امارات جوہری پروگرام نہیں رکھتے۔ لیکن لگتا ہے امریکیوں نے یہ تہیہ کیا ہوا ہے کہ مسلمہ جوہری طاقت نہ ہونے کے باوجود اسرائیل کے جوہری پروگرام اور اس کے جوہری اسلحہ کے ذخائر کو ہر صورت میں تحفظ فراہم کیا جائے گا (۶)۔ اس سلسلے میں وہ کسی بھی اقدام سے نہیں ہچکچاتے خواہ وہ کتنا ہی نامعقول کیوں نہ ہو۔

معاہدہ میں شامل غیر جوہری ممالک کا ایک بڑا مطالبہ یہ تھا کہ جوہری توانائی کے پرامن استعمال سے متعلق کے تسلیم شدہ حق کو سلب کرنے کے لیے روا رکھی جانے والی پابندیوں پر نظر ثانی کی جائے۔ تاکہ جوہری تکنیک کے غیر فوجی استعمال کے سلسلے میں، معاہدہ کی متعلقہ دفعات کے تحت، ان کی امداد و اعانت کو یقینی بنایا جا سکے (۷)۔ اور پرامن مقاصد کے لیے قائم کی گئی جوہری تنصیبات کو حملوں کا نشانہ بنانے کا سدباب ہو سکے۔ لیکن جوہری ممالک کی طرف سے جوہری توانائی کے پرامن استعمال میں امداد و تعاون سے متعلق (معاہدہ میں شامل غیر جوہری ممالک کے) ان مطالبات کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔ امریکیوں نے خاص کر یہ موقف اختیار کیا کہ ان پابندیوں کا مقصد جوہری اسلحہ کے پھیلاؤ کی روک تھام ہے۔ دفاعی امور کے بعض امریکی ماہرین نے معاہدہ میں شامل غیر جوہری ممالک کو مورد الزام ٹھہراتے ہوئے یہاں تک کہا کہ جوہری توانائی کی بین الاقوامی ایجنسی (IAEA) کے تحفظات قبول کرنے سے انکار کی بدولت غیر جوہری ممالک نے اپنے آپ کو جوہری توانائی کے پرامن استعمال کے شعبے میں جوہری ممالک کی امداد و معاونت کے لیے نااہل ثابت کیا ہے۔ (۸)

این پی ٹی میں شامل غیر جوہری ممالک (معاہدہ میں شامل جوہری طاقتوں سے) جوہری حملوں کے خلاف تحفظ کی منفی ضمانتوں پر مشتمل ایک کثیر الاطرف بین الاقوامی میثاق (multilateral and legally binding convention) کی تشکیل کا مطالبہ کرتے رہے ہیں۔ اس حقیقت کا ادراک کرتے ہوئے کہ جوہری طاقتوں میں اس قسم کے میثاق کی تشکیل پر اتفاق کی امید ناپید ہے، غیر جانبدار تحریک کے ممالک نے "این پی ٹی: جائزہ و توسیع کانفرنس ۱۹۹۵ء" کے موقع پر ایک ایسے عہد نامے کی تشکیل کا مطالبہ کیا جس کی رو سے کسی بھی قسم کے حالات میں جوہری ہتھیاروں کے استعمال یا ان کے استعمال کی دھمکی کو ممنوع قرار دیا جائے اور جو این پی ٹی سے ملحق (اس کا لازمی حصہ) ہو" (۹)۔ غیر جوہری ممالک کے اس مطالبے کو بھی کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔ البتہ پانچ مسلمہ جوہری طاقتوں نے اپریل ۱۹۹۵ء کے پہلے ہفتے میں فرداً فرداً غیر جوہری ممالک کو جوہری حملوں کے خلاف تحفظ کی منفی ضمانتیں فراہم

گئیں۔ اس کے علاوہ اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل نے ۱۱ اپریل ۱۹۹۵ء کو قرارداد نمبر ۹۸۴/۱۹۹۵ء منظور کی جو غیر جوہری ممالک کو جوہری حملوں کے خلاف تحفظ کی مثبت ضمانتوں پر مشتمل تھی۔(۱۰)

این پی ٹی میں شامل اکثر غیر جوہری ممالک نے معاہدہ کی غیر معینہ عرصہ کے لیے توسیع کی زبردست مخالفت کی۔ حتیٰ کہ اس معاملہ پر جوہری طاقتوں اور غیر جوہری ممالک کے درمیان تصادم کی سی فضا قائم ہو گئی تھی (۱۱)۔ غیر جانبدار تحریک کے ممالک نے خاص کر اس رائے کا کھل کر اظہار کیا کہ این پی ٹی کی غیر معینہ عرصہ کے لیے توسیع سے معاہدہ کی امتیازی خصوصیات کو دوام مل جائیگا۔ اور دنیا ہمیشہ کے لیے جوہری حیثیت اور ان کے پاس جوہری ہتھیاروں کے ذخائر کی ہمیشہ کے لیے موجودگی کو "قانونی جواز" مل جائے گا اور اس طرح سے کرہ ارض کو جوہری ہتھیاروں سے پاک کرنے سے متعلق این پی ٹی کا ایک اہم اور بنیادی مقصد فوت ہو جائے گا۔(۱۲)

مین کمیٹی۔۔۔(جس نے دفعہ ۶ تحت معاہدہ میں شامل جوہری طاقتوں کی طرف سے جوہری ہتھیاروں کے جلد خاتمے کی ذمہ داریوں کی تکمیل کی طرف پیش رفت کا جائزہ لینا تھا) کی رپورٹ اختلافات کا شکار تھی اور اس کی عبارت میں قوسین میں بند فقروں کی بھرمار تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جوہری طاقتیں ایک متعین عرصہ میں اپنے جوہری ہتھیاروں کے ذخائر تباہ کرنے سے متعلق کسی قسم کی ذمہ داری اور التزام قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھیں۔ اس کمیٹی کی رپورٹ پر بحث کو ایک "کار لاحاصل" (۱۳) قرار دیتے ہوئے ترک کر دیا گیا اور جوہری اسلحہ کے خاتمہ سے متعلق معاہدہ کی رکن بڑی طاقتوں کی طرف سے کسی بھی قسم کی ٹھوس ضمانت کے بغیر این پی ٹی کی غیر معینہ مدت کے لیے توسیع پر توجہ مرکوز کر لی گئی۔ دراصل جوہری طاقتوں اور ان کے حلیف ممالک کی طرف سے کانفرنس کے موقعہ پر (این پی ٹی کی مختلف دفعات پر عملدرآمد کے) جائزہ (review) کے پہلو یکسر نظر انداز کرنے کا رویہ اپنایا گیا اور اس کی بجائے معاہدہ کی غیر معینہ مدت کے لیے توسیع کو بحث کا نقطۂ ارتکاز بنایا گیا (۱۴)۔ دوسری طرف معاہدہ کے رکن غیر جوہری ممالک کو، ان کے جائز مطالبات کو نظر انداز کرتے ہوئے، اقوام عالم کی موجودہ جوہری اور غیر جوہری تقسیم (status quo) تا ابد برقرار رکھنے کے حق میں فیصلہ دینے کے لیے زبردست سفارتی دباؤ کا نشانہ بنایا گیا۔ کانفرنس کے انعقاد سے بہت عرصہ قبل سے ہی جوہری طاقتوں نے ایک منظم سفارتی مہم شروع کی جس کا مقصد این پی ٹی میں شامل اقوام عالم کو مختلف حیلوں بہانوں سے اس بات پر قائل کرنا تھا کہ جوہری عدم پھیلاؤ کے اس واحد بین الاقوامی معاہدہ کی غیر معینہ مدت کے لیے توسیع ہی مستقبل میں "بین الاقوامی امن" برقرار رکھنے کا واحد وسیلہ ہے۔ گویا معاہدہ میں غیر معینہ مدت کے لیے توسیع کا فیصلہ بڑی طاقتوں اور ان کے حلیف ممالک کی دارالحکومتوں میں بہت پہلے سے ہو چکا تھا۔ کانفرنس کا انعقاد محض رسمی کارروائی تھی۔ اس حقیقت کی طرف اشارہ خود کانفرنس کے صدر نے بہت واضح الفاظ میں کیا۔ ان کے مطابق:

"It was clearly established as a high priority foreign policy objective of the Western and Eastern Groups that the 1995 NPT Review and Extension Conference had to end with an indefinite and unconditional extension of the treaty. After that objective was set, the arguments advanced for this became curiously less important than the gathering in of the required votes." (۱۵)

معاہدہ میں شامل غیر جوہری ممالک کے خدشات کی تشفی کے لیے بعض علامتی اقدامات پر اکتفاء کیا گیا۔ ''اسلحہ کے عدم پھیلاؤ اور خاتمہ کے لیے اصول واہداف'' کے نام سے ایک دستاویز کی منظوری دی گئی جس میں ''نیوکلیر ڈس آرمامنٹ'' کے ذیلی عنوان کے تحت جوہری طاقتوں کی طرف سے جوہری اسلحہ کے خاتمہ کا وعدہ دہرایا گیا۔ حیرانگی کی بات یہ ہے کہ اس دستاویز کی رو سے نہ صرف یہ کہ جوہری طاقتیں اپنے جوہری اسلحہ کے ذخائر تباہ کرنے کے لیے کسی ''ٹائم فریم'' (متعین وقت) کی پابند نہیں ہیں بلکہ این پی ٹی کی دفعہ ۶ میں at an early date کے جن الفاظ کا ذکر کیا گیا تھا، انہیں اس دستاویز سے اڑا دیا گیا ہے(۱۶)۔ دراصل چونکہ غیر جانبدار تحریک کے اکثر ممالک اسلحہ کے خاتمہ سے متعلق این پی ٹی میں موجود غیر مؤثر دفعات پر عمل درآمد میں واضح پیش رفت کے بغیر معاہدہ کی غیر معینہ مدت کے لیے توسیع کی حمایت کے سلسلہ میں تحفظات کا اظہار کر چکی تھیں (جس کی وجہ سے اختتامی اعلامیہ (final declaration) پر بھی اتفاق نہیں کیا جا سکا)، چنانچہ ان ''اصولوں اور اہداف'' کے ذریعے غیر جانبدار ممالک کی شکایات کا ازالہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ دوسری طرف اسے اختتامی اعلامیہ کا نعم البدل بھی قرار دیا گیا۔(۱۷)

مشرق وسطی میں اسرائیل کے جوہری ہتھیاروں کے تناظر میں عرب ممالک کی تشویش اور خدشات کا ''علاج کرنے کے لیے'' ایک قرارداد منظور کی گئی۔ اس قرارداد کو این پی ٹی کے تین ''رکھوالے ممالک'' (depositary states) (امریکہ، برطانیہ اور روس) نے پیش کیا جو اس بات کا علامتی اظہار تھا کہ یہ تینوں ممالک (جو سلامتی کونسل کے مستقل رکن بھی ہیں) مستقبل میں اسرائیل کو جوہری راستہ ترک کر کے این پی ٹی میں شامل کرنے کی اخلاقی ذمہ داری پوری کریں گے۔

این پی ٹی کے مدت وار جائزہ کے عمل کو مزید بہتر کرنے کے لیے بھی فیصلہ کیا گیا۔ اس فیصلے کو (decision on strengthening review process) کا نام دیا گیا ہے۔ اس کی رو سے معاہدہ کی تنفیذ اور اس کے مختلف دفعات پر عملدرآمد کے جائزہ کے سلسلے میں معاہدہ کی دفعہ ۸ فقرہ ۳ کے تحت بعض نئے اقدامات تجویز کیے گئے ہیں جن کی بدولت معاہدہ کی تمام دفعات کی تنفیذ کو یقینی بنایا جا سکے گا(۱۸)۔ ان علامتی اقدامات کی بدولت جوہری طاقتیں معاہدہ کی غیر معینہ مدت کے لیے توسیع کے مخالف اکثر غیر جوہری ممالک کی توجہ اصل مسائل سے ہٹانے میں کامیاب ہوئیں۔ مزید یہ کہ انہیں معاہدہ کی غیر معینہ عرصے کے لیے توسیع پر راضی کرنے میں بھی کامیابی حاصل کر لی گئی۔ بہر حال کانفرنس کے دوران ہی ان خدشات کا واضح طور پر اظہار کیا گیا کہ ماسوائے این پی ٹی کی غیر معینہ مدت کے لیے توسیع کے فیصلہ کے دیگر تمام فیصلوں اور اقدامات کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے۔ ان کی نوعیت سیاسی ہے۔ چنانچہ قانونی طور پر ان پر عمل درآمد لازمی اور واجب (binding) نہیں ہے۔ اگرچہ معاہدہ کی غیر معینہ مدت کے لیے توسیع کا فیصلہ کرتے وقت یہ فرض کر لیا گیا تھا کہ ارکان کی اکثریت اس قسم کی توسیع کے حق میں ہے تاہم اس ''متفقہ فیصلے'' کو رائے شماری اور انتخاب کے لیے پیش نہیں کیا گیا۔ یہ عمل اس حقیقت کے اعتراف کے مترادف تھا کہ معاہدہ کے رکن ''بعض'' غیر جوہری ممالک اس فیصلے کے حق میں نہیں تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اکثر غیر جوہری ممالک پر معاہدہ کی تا ابد توسیع کا فیصلہ زبردستی ٹھونسا گیا اور بعض مواقع پر نوبت بازو مروڑنے تک پہنچی (۱۹)۔ اور یوں ۱۱ مئی ۱۹۹۵ء کو مذکورہ دیگر فیصلوں کے ساتھ ساتھ این پی ٹی کی غیر معینہ مدت کے لیے توسیع کا فیصلہ کر لیا گیا۔

اس ساری بحث کے بین السطور سے اس حقیقت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ این پی ٹی کی غیر معینہ مدت کے لیے توسیع کے فیصلہ کے پس پردہ بڑی طاقتوں کا واضح مقصد کرۂ ارض میں جوہری ٹیکنالوجی (technology) اور جوہری اسلحہ پر اپنی اجارہ داری کو دوام بخشنا تھا۔ معاہدہ کی دفعہ ۶ میں جوہری اسلحہ کے خاتمہ (nuclear disarmament) کی بات کی گئی ہے۔ اس عمل کے لیے وقت کا تعین نہیں کیا گیا ہے۔ دوسری طرف خود معاہدہ کی (اس کی تمام دفعات اور شقوں سمیت) غیر معینہ مدت کے لیے توسیع کا فیصلہ کر لیا گیا، جس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ جوہری اسلحہ کے خاتمہ کی "غیر متعین مدت" میں بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے توسیع کر لی گئی ہے۔ دوسرے لفظوں میں چونکہ معاہدہ ہمیشہ کے لیے نافذ رہے گا اس لیے اس میں جوہری اسلحہ کے خاتمہ سے متعلق "غیر متعین مدت" بھی ہمیشہ کے لیے غیر متعین رہے گی۔ (الا یہ کہ معاہدے میں ترمیم کی جائے یا جوہری طاقتیں از خود اپنے جوہری ذخائر تباہ کرنے کے لیے تیار ہو جائیں اور موجودہ حالات میں یہ دونوں امکان تقریباً معدوم ہیں۔) دراصل این پی ٹی کی غیر معینہ مدت کے لیے توسیع کے فیصلہ کے بعد جوہری اسلحہ کا خاتمہ عملاً معاہدہ کے دائرہ کار سے خارج ہو گیا ہے۔ (۲۰)

various measures for non-proliferation

Tabel-1

Nuclear Disarmament

	Unilateral	Bilateral	Regional	International
Arms control and disarmament		SALT INF START		
Nuclear test ban	Voluntary declaration			PTBT CTBT
Cut-off of production	Voluntary decision			Cut-off Treaty
No first use	Unilateral Declaration			
Export control (missile)				MTCR
	Nuclear-weapon free zone	(Korean Peninsula?)	Latin America South Pacific Antartica (Africa?)	

Source: Disarmament (a periodic review by United Nations) vol. XVIII, no. 2, 1995

Table-2
Non-Proliferation

	Unilateral	Bilateral	Regional	International
Prohibition of production, possession etc. of nuclear weapons		(Korean Peninsula?)	Latin America South Pacific Antartica (Africa?)	NPT
Safeguards	(Voluntary NWS)	ABACC (Brazil/ Argentina Bilateral Agreement)	EURATOM	IAEA
Export control		Bilateral Agreement		London Suppliers' Guidelines
Physical protection		Bilateral Agreement		Convention on the Physical Protection of Nuclear Material
International control of Pu./ HEU				(IPS) (informal meeting of 9 States)

Source: Disarmament (a periodic review by United Nations) vol. XVIII, no.2,1995

این پی ٹی میں غیر معینہ مدت کے لیے توسیع کے فیصلے کے بعد پاکستان کے جوہری پروگرام کو درپیش خطرات دو چند ہو گئے۔ این پی ٹی کی غیر معینہ مدت کے لیے توسیع کے فیصلے کے ساتھ ساتھ جوہری اسلحہ کے عدم پھیلاؤ اور خاتمہ سے متعلق جو نئے اصول اور اہداف مقرر کیے گئے، ان میں معاہدہ کی "عالمگیریت" کو اولین عنوان کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ Universality کے عنوان کے تحت اس عزم کا اظہار کیا گیا ہے کہ این پی ٹی سے باہر کے ممالک کو معاہدہ کی رکنیت قبول کرنے پر رضامند (یا مجبور) کرنے کے لیے "ہر ممکن" کوشش کی جائے۔(۳۱) پاکستان خوش قسمتی سے اب تک معاہدہ کی رکنیت قبول کرنے کے لیے پڑنے والے دباؤ کا مقابلہ کرنے میں کامیاب رہا ہے۔ توانائی کی ضروریات کی تکمیل کے لیے اور بھارت اسرائیل کے جوہری اور میزائل پروگراموں سے ملکی سلامتی کو لاحق

خطرات کے تدارک کے لیے مستقبل میں بھی ہمیں اپنا جوہری پروگرام مستقل مزاجی سے آگے بڑھانا ہوگا۔ دفاعی اور سلامتی کے سلسلے میں کسی بھی عالمی طاقت یا طاقتوں کی ضمانت پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ تاریخ ہمیں یہی سبق سکھاتی ہے۔

سی ٹی بی ٹی:

۱۹۹۶ء میں جوہری اسلحہ کے عدم پھیلاؤ کے لیے ہونے والی بین الاقوامی کوششوں میں ایک اور "پیش رفت" یہ ہوئی کہ اس دوران تجرباتی دھماکوں پر مکمل پابندی کا معاہدہ تشکیل پا گیا۔ ۱۹۹۵ء میں این پی ٹی میں غیر معینہ مدت کے لیے توسیع کے فیصلے سے قبل "این پی ٹی جائزہ و توسیع کانفرنس" کی تمہیدی مجلس (preparatory committee) کے اجلاسوں میں ہی سی ٹی بی ٹی کی تشکیل کا مطالبہ ابھر کر سامنے آیا۔ غیر جانبدار تحریک کے ممالک کے وزارتی اجلاس (منعقدہ: قاہرہ، جون ۱۹۹۴ء)، تحریک کے ممالک کے اجلاس (منعقدہ، نیو یارک، اوائل اپریل ۱۹۹۵ء) اور ۲۵ سے ۲۷ اپریل ۱۹۹۵ء کو انڈونیشیا کے شہر بنڈونگ میں تحریک کے ممالک کے مشاورتی اجلاس میں سی ٹی بی ٹی کی تشکیل کے مطالبہ پر اتفاق کیا گیا۔

"این پی ٹی: جائزہ و توسیع کانفرنس" میں گفت وشنید کے دوران جنوبی افریقہ کی طرف سے پیش کی گئی ایک دستاویز (paper) کو بنیاد بناتے ہوئے کانفرنس کے صدر اور اس کے دوستوں کے گروپ (group of friends of the president) کی طرف سے "جوہری عدم پھیلاؤ اور جوہری اسلحہ کے خاتمہ سے متعلق اصولوں اور اہداف" کا جو مسودہ پیش کیا گیا اس کے فقرہ ۴، شق ۹ میں ۱۹۹۶ء کے اختتام تک سی ٹی بی ٹی کی تکمیل کا عہد کیا گیا۔ (۴۲)

سی ٹی بی ٹی پر مذاکرات کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ ۱۹۷۴ء میں اقوام متحدہ کے تخفیف اسلحہ کانفرنس (سی ڈی) کے زیر اہتمام کرۂ ارض میں جوہری دھماکوں کے نتیجے میں رونما ہونے والے آثار (seismic events) کا پتہ چلانے کے لیے سائنسی ماہرین کا ایک عارضی گروپ (Adhoc Group of Scientific Experts) تشکیل دیا گیا۔ ۱۹۸۲ء میں تجرباتی جوہری دھماکوں پر پابندی کے معاہدہ پر بات چیت کے لیے ایک ورکنگ گروپ تشکیل دیا گیا۔ بہرحال اس ورکنگ گروپ کو محدود اختیارات (limited mandate) دیئے گئے۔ ۱۹۹۰ء اور اس کے بعد کے سالوں میں مجوزہ معاہدہ پر مذاکرات جاری رہے۔ یہاں اس بات کا ذکر کرنا شاید ضروری ہے کہ غیر جوہری ممالک این پی ٹی کے مدت نفاذ (۱۹۷۰ء) سے بھی بہت عرصہ قبل سے ہتھیار سازی کی غرض سے جوہری دھماکوں پر پابندی کے بین الاقوامی معاہدہ کا مطالبہ کرتے رہے ہیں۔ تاہم ماضی میں جوہری طاقتوں کی طرف سے ان کے اس مطالبہ کو پذیرائی نہ مل سکی۔ لیکن ۱۹۹۵ء میں این پی ٹی کی غیر معینہ مدت کے لیے توسیع کو اپنا ترجیحی ہدف مقرر کرنے تک جوہری طاقتیں جوہری تکنیک میں پیش رفت کے اس مقام تک پہنچ چکی تھیں جہاں انہیں ہتھیار سازی یا ان کی تقسیم (designing) و کارکردگی میں بہتری پیدا کرنے کے لیے زیر زمین، فضا یا زیر آب جوہری دھماکوں کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ "این پی ٹی: جائزہ و توسیع کانفرنس" کے دوران میں اور اس سے قبل کے عرصہ میں جوہری طاقتوں اور خاص کر امریکہ کی طرف سے سی ٹی بی ٹی معاہدہ کی تکمیل پر اصرار کو اسی تناظر میں سمجھنا چاہیے (۴۳)۔ چنانچہ ۱۰ اگست ۱۹۹۳ء کو (سی ڈی) نے ایک اہم فیصلہ کیا۔ اس دن (سی ڈی)

نے تجرباتی جوہری دھماکوں پر مکمل پابندی کے معاہدہ پر بات چیت کے لیے تشکیل دی گئی ایڈہاک کمیٹی کو یہ اختیار دیا کہ وہ:

".....negotiate intensively a universal and multilaterally and effectively verifiable comprehensive nuclear test ban treaty, which would contribute effectively to the prevention of the prolifiration of nuclear weapons in all its aspects, to the process of nuclear disarmament and therefore to the enhancement of international peace and security."(۲۴)

ایڈہاک کمیٹی نے جنوری ۱۹۹۴ء میں سی ٹی بی ٹی پر مذاکرات شروع کیے جو ستمبر تک جاری رہے۔ کمیٹی نے ۱۹۹۴ء کے اختتام پر ایک بین الدوراتی (inter-sessional) میٹنگ کا بھی اہتمام کیا جو ۲۸ نومبر سے ۱۶ دسمبر تک جاری رہی۔ کمیٹی نے مسودہ کی تیاری کے لیے دو ورکنگ گروپ تشکیل دیے تھے۔ جنھوں نے ادارتی، قانونی اور تنقیدی امور کو طے کرنا تھا۔ بالآخر کمیٹی نے معاہدہ کا ایک ایسا مسودہ پیش کیا جسے رولنگ ٹیکسٹ کا نام دیا گیا۔ اس مسودے میں تقریباً تمام ہی وفود کی تجاویز اور آراء کو شامل کیا گیا تھا۔ جس میں سے کئی ایک باہم متضاد تھیں۔ ۱۹۹۵ء میں سی ٹی بی ٹی سے متعلق (سی ڈی) کی ایڈہاک کمیٹی کی سربراہی اقوام متحدہ کے جنیوا ہیڈکوارٹر میں پولینڈ کے مستقل مندوب جناب لڈوک ڈیمبسکی کے سپرد ہوئی۔ جن کی سربراہی میں تخفیف اسلحہ کانفرنس نے رولنگ ٹیکسٹ کی متضاد تجاویز و آراء کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک قابل قبول مسودہ کی تیاری کے لیے کام جاری رکھا۔ رولنگ ٹیکسٹ تقریباً ایک سو صفحات پر مشتمل تھا اور اس میں بارہ سو کے قریب فقرے ایسے تھے جو قوسین میں بند تھے۔ قوسین میں بند فقرے اختلافات کا مظہر تھے۔ ۱۹۹۵ء میں خود ایڈہاک کمیٹی کے چیرمین کے مطابق: ان اختلافات کو ختم کر کے تخفیف اسلحہ کانفرنس میں شریک تمام ممالک کے وفد کے لیے قابل قبول مسودے کی تیاری ممکن نہیں ہو سکی۔ (۲۵)

۱۹۹۶ء میں بھی جنیوا میں تخفیف اسلحہ کے زیر اہتمام سی ٹی بی ٹی کے لیے مذاکرات جاری رہے۔ آخر کار سی ٹی بی ٹی کا جو مسودہ تیار ہوا۔ وہ بھی غیر جوہری ممالک کے نقطہ نظر سے خامیوں سے خالی نہیں تھا۔ مسودے پر سب سے بڑا اعتراض یہ کیا گیا کہ اس میں ایک متعین وقت کے اندر جوہری طاقتوں کے پاس پہلے سے موجود جوہری اسلحہ کے ذخائر کے خاتمہ اور اتلاف کے لیے کوئی شق نہیں رکھی گئی۔ بھارت نے مسودے کی اس خامی کو بنیاد بناتے ہوئے وسط اگست ۱۹۹۶ء میں اسے مسترد کر دیا۔ واضح رہے کہ اقوام متحدہ کی تخفیف اسلحہ کانفرنس کے زیر اہتمام ہونے والے فیصلوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ کانفرنس کے شرکاء کے اجماع اور مکمل اتفاق رائے سے ہوں۔ بھارت کی طرف سے سی ٹی بی ٹی کے مسودے کو مسترد (veto) کرنے کے بعد ستمبر میں مسودے کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی سے ایک قرارداد کی شکل میں منظور کرا لیا گیا۔ اور اسے دستخطوں کے لیے کھول دیا گیا۔ اس سے قبل بھارت کے اس موقف کی وجہ سے تعطل (stalmate) کی جو کیفیت پیدا ہوئی تھی اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سابق امریکی وزیر خارجہ وارن کرسٹوفر نے کہا تھا:

"The US was determined not to allow a single nation to prevent us from reaching the United Nation and open the CTBT for the signatures of all nations in September".(۲۶)

سی ٹی بی ٹی کے مسودہ پر بعض دیگر ممالک کو بھی اعتراضات تھے۔ چین ہر دس سال بعد سی ٹی بی ٹی کے جائزہ کا خواہاں تھا۔ چین پرامن مقاصد کے لیے جوہری دھماکوں کو سی ٹی بی ٹی سے مستثنیٰ رکھنا چاہتا تھا۔ اس کے علاوہ چین کو برسر موقع معائنہ سے متعلق بعض دفعات سے بھی اختلاف تھا۔ (۲۷)

بہر حال امریکی حکومت سی ٹی بی ٹی کے مجوزہ مسودے کو ہر صورت میں بین الاقوامی معاہدہ کی شکل میں تبدیل کرنا چاہتی تھی۔ تخفیف اسلحہ کانفرنس میں شریک امریکی وفد کے ایک اہلکار نے ایک موقع پر یہ دھمکی بھی دی کہ اگر سی ٹی بی ٹی کے مسودے پر اعتراضات کا سلسلہ جاری رہا اور نتیجتاً مسودے کو معاہدہ میں بدلنے کا عمل مزید تاخیر کا شکار ہوا تو امریکہ معاہدہ کے لیے ہونے والی بات چیت کا بائیکاٹ کرے گا۔ مذکورہ اہل کار نے کہا:

ہم سمجھتے ہیں کہ تجرباتی دھماکوں پر پابندی کا ایک سنجیدہ معاہدہ (پوری) دنیا کے لیے مفید ہوگا۔ لیکن ریاست ہائے متحدہ امریکہ کو دیگر اقوام عالم کی نسبت اس معاہدے کی زیادہ ضرورت نہیں ہے۔ (۲۸)

اس طرح کی دھمکیوں کا واضح مقصد اقوام عالم کو مغرب اور امریکہ کے مقاصد پورے کرنے والے معاہدہ کو قبول کرنے پر بہر صورت راضی کرنا تھا۔ این پی ٹی میں (۳۱ اکتوبر ۱۹۹۵ء) تک شامل ۱۸۲ ممالک کو تو بظاہر سی ٹی بی ٹی سے کوئی خطرہ درپیش نہیں ہے۔ معاہدے پر دستخط کرنے کے نتیجے میں پانچ مسلمہ جوہری طاقتوں کی جوہری صلاحیت پر بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ سی ٹی بی ٹی کی اصل اہمیت تین جوہری ممالک کے لیے ہے۔ ان جوہری ممالک یا جوہری صلاحیت کے حامل ممالک میں پاکستان، بھارت اور اسرائیل شامل ہیں۔ وہ ممالک جن کے بارے میں اندازہ ہے کہ وہ مستقبل قریب میں جوہری صلاحیت حاصل کرنے کی قابلیت رکھتے ہیں، ان کے لیے بھی سی ٹی بی ٹی میں شرکت قبول کرنا ایک مشکل فیصلہ ہوگا۔

سی ٹی بی ٹی: پس پردہ مقاصد ومحرکات:

ترقی پذیر اقوام، نیم جوہری ممالک اور خاص کر پاکستان کے لیے سی ٹی بی ٹی میں شمولیت کیوں کر قومی سلامتی کو دوسروں کے ہاتھ گروی رکھنے کے مترادف ہے، اس امر کو سمجھنے کے لیے ''تخفیف اسلحہ'' اور ''عدم پھیلاؤ'' کے گمراہ کن ناموں سے ہونے والی نام نہاد ''بین الاقوامی کوششوں'' کے پس منظر، ان کے مقاصد، اہداف اور ان کے پس پردہ مغربی جوہری طاقتوں اور امریکہ کی مستقبل کی عالمی حکمرانی سے متعلق عزائم کو سمجھنا ضروری ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ کرۂ ارض میں ''تباہ کن ہتھیاروں'' کا یہ مسئلہ کیوں کر پیدا ہوا اور انسانیت کو (کرہ ارض کو متعدد بار تباہ کرنے کی صلاحیت کے حامل) جوہری ہتھیاروں کے عظیم ذخائر کی اچانک تباہ کاری کے خوف کے سائے تلے زندگی گزارنے پر مجبور کرنے کے ذمہ دار کون لوگ ہیں؟

مسئلہ کیا ہے اور کس نے پیدا کیا؟...... ۱۹۴۵ء میں دوسری عالمی جنگ کے اواخر میں امریکہ نے جاپان کے دو شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی پر جوہری بم گرا کر جوہری ہتھیاروں کی فیصلہ کن اور تباہ کن حیثیت پر مہر تصدیق ثبت کردی۔ جوہری اسلحہ کے اس استعمال کے نتیجے میں جاپان نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ بہر حال ٹیکنیک پر امریکہ کی اجارہ داری زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکی۔ ۱۹۴۶ء میں ''باروچ پلان'' (۲۹) کی ناکامی کے بعد سوویت یونین نے جوہری اسلحہ پر امریکیوں کی اجارہ داری ختم کرنے اور واشنگٹن کے ساتھ طاقت کا توازن بحال کرنے کے لیے جوہری ٹیکنیک پر دسترس حاصل کرنے کی کوششیں تیز تر کردیں۔ اس سے قبل اگست ۱۹۴۵ء میں سٹالن نے روسی جوہری سائنس دان اگورکورچاتوف کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا:

"…. provide us with atomic weapons in the shortest possible time. You know that Heroshema has shaken the whole world. The equilibrium has been destroyed."(۳۰)

۲۹ راگست ۱۹۴۹ء کی صبح، ہیروشیما پر امریکہ کی طرف سے جوہری بم گرانے کے تقریباً چار سال بعد، سوویت یونین نے دشت قازقستان میں پہلے روسی جوہری بم کا کامیاب تجربہ کیا(۳۱)۔ سوویت یونین کی طرف سے اس جوہری دھماکے کے بعد کرۂ ارض کی ان دونوں بڑی طاقتوں کے درمیان سرد جنگ کا آغاز ہو گیا۔ سرد جنگ کے دوران میں جوہری اسلحہ سازی میں مسابقت نے ایک ایسے عالمی نظام کو جنم دیا جس میں جوہری قوت نے جارحیت کے خلاف ایک زبردست مانع اور رکاوٹ کا کردار ادا کیا۔ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ اگر ۱۹۴۵ء میں جوہری تکنیک پر امریکہ کی اجارہ داری نہ ہوتی اور امریکہ جوہری اسلحہ کا حامل دنیا کا اکلوتا ملک نہ ہوتا تو جاپان پر جوہری حملے کی نوبت قطعاً نہ آتی۔ آج بھی اگر عالمی جنگ کے خلاف کوئی موثر ضمانت موجود ہے تو وہ دنیا میں ایک سے زائد ممالک کے پاس سد جارحیت کی جوہری صلاحیت کا وجود ہے۔ پینتالیس سال پر محیط "سرد جنگ" اگر "گرم جنگ" میں نہ بدل سکی تو اس کی واحد وجہ امریکہ اور سوویت یونین دونوں کی جوہری صلاحیت اور استعداد تھی۔ دونوں بڑی طاقتوں کی اس جوہری صلاحیت ہی نے دونوں کو خود تباہ ہونے اور پوری انسانیت کو تباہ کرنے سے روکے رکھا(۳۲)۔ بہرحال سرد جنگ کی ایک اور تلخ حقیقت یہ ہے کہ اس عرصے میں دونوں بڑی طاقتوں کی طرف سے سد جارحیت کی ایک موثر اور حقیقی قوت کی تشکیل و تعمیر پر اکتفا نہیں کیا گیا۔ بلکہ بم سازی اور ہلاکت خیز اسلحہ کی پیداوار مسلسل جاری رکھی گئی۔ اس دوران میں ایک وقت بھی آیا کہ امریکہ اور روس کے جوہری ہتھیاروں کی تعداد بالترتیب ۲۵ ہزار اور ۳۰ ہزار تک پہنچ گئی۔ دونوں بڑی طاقتوں کے پاس جوہری اسلحہ کے یہ ذخائر کرۂ ارض کو پچاس بار تباہ کرنے کے لیے کافی تھے۔

"عدم پھیلاؤ" کی کوششیں اور ان کے مقاصد… سرد جنگ کے دوران ہی میں جوہری طاقتوں کی طرف سے جوہری اسلحہ کے پھیلاؤ کے خلاف کوششوں کا آغاز ہوا۔ تاہم ان کوششوں کا مقصد جوہری اسلحہ کا خاتمہ نہیں تھا بلکہ ان کا مقصد ترقی پذیر اقوام کی جوہری تکنیک تک رسائی کو روکنا تھا۔ ۱۹۶۱ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں قرارداد نمبر ۱۹۶۱ منظور کی گئی۔ اس قرارداد کو "قرارداد آئرلینڈ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس قرارداد کا عنوان تھا: Prevention of the Wider dessemination of Nuclear Weapons (یعنی "جوہری ہتھیاروں کی وسیع پیمانے پر پھیلاؤ کی روک تھام"۔) اس قرارداد میں جہاں غیر جوہری ممالک کی جوہری ہتھیاروں تک رسائی کو ممنوع قرار دیا گیا تھا وہاں مغربی جوہری طاقتوں کے پاس پہلے سے موجود جوہری ہتھیاروں کی تباہی اور اتلاف سے تعرض نہیں کیا گیا تھا۔ اس قرارداد کی رو سے واضح طور پر اقوام عالم کو دو گروہوں میں تقسیم کیا گیا۔ اس کی رو سے شمال کی ترقی یافتہ اقوام کو جوہری اسلحہ رکھنے کا حقدار تسلیم کیا گیا جبکہ ترقی پذیر اور پسماندہ جنوب کو جوہری اسلحہ حاصل کرنے کے لیے نااہل قرار دیا گیا۔ جوہری اسلحہ کے عدم پھیلاؤ کی اس پہلی کوشش ہی میں عدم پھیلاؤ کو صرف افقی عدم پھیلاؤ گردانا گیا۔ گویا جوہری طاقتوں کی طرف سے جوہری اسلحہ کے اپنے ذخائر برقرار رکھنا اور ان میں اضافہ و توسیع کو تو جائز گردانا گیا اور ان کے سلسلے میں جوہری سد جارحیت (nuclear deterrence) کے اصول کو برحق تسلیم کیا گیا لیکن قومی سلامتی کے تحفظ اور دفاع کو یقینی

بنانے کے لیے جنوب کی ترقی پذیر اور پسماندہ اقوام کے لیے ترقی یافتہ شمال کے اس ''برحق حربی اصول'' کو بروئے کار لانا ممنوع قرار دے دیا گیا۔

یکم جولائی ۱۹۶۸ء کو جوہری عدم پھیلاؤ کا معاہدہ (این پی ٹی) منظر عام پر آیا۔ یہ معاہدہ ۵ مارچ ۱۹۷۰ء کو نافذ العمل ہوا۔ اس معاہدے میں بھی جوہری اور غیر جوہری ممالک کے درمیان تفریق کو رہنما اصول کی حیثیت دی گئی۔ معاہدے کا واضح مقصد جوہری ٹیکنالوجی تک ترقی پذیر اقوام کی رسائی کی روک تھام تھا۔ معاہدے کی امتیازی خصوصیات پر بحث ایک طرف، یہاں ہمیں صرف اس امر کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے کہ اس معاہدہ کی رو سے سرد جنگ کے اختتام تک نہ تو جوہری طاقتوں نے اپنے جوہری اسلحہ کے ذخائر تباہ کرنے کی طرف کوئی موثر پیش رفت کی اور نہ ہی معاہدہ کے رکن غیر جوہری ممالک کے ساتھ جوہری توانائی کے پرامن استعمال کے شعبوں میں امداد و تعاون کیا۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں معاہدہ کے اولین مقاصد میں شامل تھیں۔ معاہدہ میں جوہری توانائی کے پرامن استعمال کو غیر جوہری ممالک کا ناقابل انکار حق تسلیم کیا گیا ہے۔ لیکن عملاً مغربی جوہری طاقتوں نے معاہدہ کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے متعدد ایسے اقدامات کیے جن کا مقصد جوہری ٹیکنالوجی کے ثمرات سے معاہدہ کے رکن غیر جوہری ممالک کو محروم رکھنا تھا۔

دو قطبی عالمی نظام کا خاتمہ: جوہری عدم پھیلاؤ کی نئی جہتیں:

سرد جنگ کے خاتمہ اور سوویت یونین کے انہدام کے بعد جوہری طاقتوں کو ایک نئی صورت حال کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ ابتداءً مغرب اور امریکہ میں سرد جنگ کے دوران میں کارفرما دو قطبی عالمی نظام کے خاتمہ پر خوشی و مسرت کا اظہار کیا گیا۔ اسے کمیونزم کے مقابلے میں مغرب کے سیاسی اور اقتصادی نظاموں کی فتح سے تعبیر کیا گیا۔ کمیونزم کی شکست اور سوویت یونین کے انہدام کے فوری بعد کے زمانے میں مغرب اور امریکہ کے دفاعی پالیسی سازوں نے جوہری اسلحہ میں کمی اور تخفیف کی طرف پیش رفت پر زور دینا شروع کیا اور امریکہ اور سوویت یونین (اور اس کی جانشین ریاست رشین فیڈریشن) کے درمیان عملاً جوہری اسلحہ میں تخفیف اور کمی کے دو بڑے معاہدات بھی پایہ تکمیل تک پہنچے۔ تاہم جلد ہی سرد جنگ کے مابعد کے دور میں بڑی جوہری طاقتوں کی دفاعی پالیسیوں کی واضح ترشکل سامنے آنا شروع ہو گئی جس کے مطابق جوہری طاقتیں جوہری اسلحہ کے مکمل خاتمہ کو سرد جنگ کے اختتام کے بعد بھی ممکن نہیں سمجھتی ہیں۔ ان کے مطابق سد جارحیت کی جوہری صلاحیت (nuclear deterrence) اور جوہری اسلحہ کی اہمیت پہلے سے کہیں بڑھ گئی ہے (۳۳)۔ سوویت یونین کے انہدام کے بعد سابق سوویت جمہوریاؤں سے جوہری مواد کی اسمگلنگ کی خبروں اور خود رشین فیڈریشن میں جوہری ہتھیاروں اور موثر کنٹرول کے فقدان سے متعلق مغرب اور امریکہ میں شکوک و شبہات کی ایک ایسی فضا نے جنم لیا جس میں جوہری ہتھیاروں کے زبردست پھیلاؤ اور ''غیر ذمہ دار'' ممالک کی ان تک رسائی کی باتیں ہونے لگیں۔ اور ایک ایسی دنیا کے ظہور پذیر ہونے کے امکانات کے بارے میں خدشات کا اظہار کیا جانے لگا جس میں ''پابندیوں سے آزاد'' جوہری ہتھیاروں کی بھرمار ہو گی جو امریکہ اور یورپی اقوام کی قومی سلامتی اور ملکی مفادات کے لیے زبردست خطرہ ہوں گے۔ (۳۴)

اس پس منظر میں امریکہ کے محکمہ دفاع (پنٹاگون) نے ایک سال کی طویل بحث و تمحیص کے بعد ۱۹۹۳ء میں

Bottom-Up Review of post-Cold war defence needs کے نام سے نئی امریکی عسکری حکمت عملی تشکیل دی۔ اس حکمت عملی کے تحت دفاعی بجٹ میں اگلے دس تک اضافی رقوم مختص کی گئیں۔ صرف ۹۷۔۱۹۹۶ء کے لیے امریکی کانگریس نے پینٹاگون کے طلب کردہ اصل دفاعی بجٹ میں بیس ارب ڈالر (US 20 billion) کا مزید اضافہ تجویز کیا (۳۵)۔ مزید براں اس حکمت عملی کے تحت اس بات کا فیصلہ کیا گیا کہ امریکہ کو سرد جنگ کے دوران میں بنائے گئے میزائلوں کی بجائے نئے میزائل تیار کرنے چاہیں اور جوہری اسلحہ میں تخفیف کے سلسلہ میں سٹارٹ ۲ معاہدہ میں ہتھیاروں کی مقرر کردہ تعداد سے زائد تخفیف قطعاً قبول نہیں کرنی چاہیے۔ سٹارٹ ۲ معاہدہ میں مقرر کردہ ۳۵۰۰ جوہری ہتھیاروں کی بقاء کو "تباہ کن جوابی جوہری حملے" کی صلاحیت کے لیے ضروری قرار دیا گیا۔ (۳۶)

دوسری طرف سرد جنگ کے مابعد کے دور میں جوہری ٹیکنالوجی کو "غیر ذمہ دار ممالک" کی دسترس سے دور رکھنا امریکیوں کی پہلی ترجیح قرار پائی۔ امریکیوں کے نزدیک ان کے جوہری ہتھیاروں کی بقاء عالمی امن کے لیے ضروری ہے۔ اور ان ہتھیاروں سے کسی کی سلامتی کو خطرہ لاحق نہیں ہے۔ لیکن "غریب" اور پسماندہ اقوام کے پاس محدودے چند جوہری ہتھیار "امریکہ کو زبردست تباہی سے دوچار کر سکتے ہیں" (۳۷)۔ چنانچہ امریکی قیادت اور امریکی دفاعی پالیسی سازوں نے یہ عزم صمیم کر لیا ہے کہ جوہری ٹیکنالوجی پر جوہری طاقتوں (اور ان کے حلیف ممالک) کی اجارہ داری ہمیشہ کے لیے برقرار رکھی جائے گی۔ امریکیوں کے مطابق این پی ٹی، سی ٹی بی ٹی، انشقاقی مادہ کی پیداوار پر پابندی کا مجوزہ معاہدہ یا دیگر مجوزہ بین الاقوامی معاہدات ترقی پذیر اقوام کو جوہری ٹیکنالوجی سے مسلسل محروم رکھنے کے اوزار تو ہو سکتے ہیں لیکن عملاً ان تمام معاہدات کے پیچھے کارفرما قوت امریکہ کی بے لگام طاقت ہے (۳۸)۔ اس حقیقت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ امریکی دفاعی حکمت کار مستقبل میں جوہری ہتھیار حاصل کرنے یا جوہری ٹیکنالوجی کے حصول کی خواہشمند اقوام کو ان کے ارادوں سے باز رکھنے کے لیے "عسکری ذرائع" استعمال کرنے پر زور دے رہے ہیں (۳۹)۔ یہی نہیں امریکی یہ چاہتے ہیں کہ جن "غیر ذمہ دار" اور غیر دوست (unfriendly) ممالک نے کسی حد تک جوہری صلاحیت حاصل کر لی ہے ان کی یہ صلاحیت کے خلاف "اضافی اقدامات" اٹھا کر ختم (roll back) کر دی جائے (۴۰)۔ ۱۹۹۵ء میں جوہری ہتھیاروں کے عدم پھیلاؤ کے معاہدہ (این پی ٹی) میں غیر معینہ مدت کے لیے توسیع ۱۹۹۶ء میں سی ٹی بی ٹی معاہدہ کی تشکیل اور مستقبل قریب میں انشقاقی مادہ کی مزید پیداوار پر پابندی کا مجوزہ معاہدہ دراصل امریکہ کی اس نئی دفاعی حکمت عملی پر عملدرآمد کا حصہ ہے۔ ان معاہدات کے دوہرے مقاصد میں امریکہ، دیگر مسلمہ جوہری طاقتوں اور جوہری صلاحیت کے حامل مغرب و امریکہ کے حلیف ممالک کی جوہری حیثیت ہمیشہ کے لیے برقرار رکھنا اور ترقی پذیر اقوام (خصوصاً "سرکش و بدطینت" (rogue) مسلمان ممالک پر جوہری ٹیکنالوجی کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند رکھنا شامل ہیں۔ مسلم ممالک میں "اسلامی بنیاد پرستی" کے بڑھتے ہوئے رجحانات کے پیش نظر جوہری ٹیکنالوجی پر ان ممالک کی دسترس مغرب اور امریکہ کے نقطہ نظر سے ان (مغرب و امریکہ) کے لیے انتہائی خطرناک ثابت ہوگی۔ امریکی سمجھتے ہیں کہ "اسلامی بم" لازماً مسلمانوں کے "تاریخی مذہبی مشن" کی تکمیل کے لیے استعمال ہوگا۔ جس کی براہ راست زد میں عالم اسلام میں امریکی مفادات کا محافظ اسرائیل ہوگا جبکہ اس کا بالواسطہ نشانہ امریکہ کی "آزادیٔ عمل" (freedom of action)

ہوگی (۳۱)۔ دوسرے الفاظ میں "سرکش" مسلم اقوام کی جوہری ہتھیاروں تک رسائی امریکہ کے "عالمی تھانیدار" کی حیثیت کو چیلنج کرنے کے مترادف ہوگی۔ جو واشنگٹن کے لیے قطعاً قابل قبول نہیں ہے۔

Table-3
Current Nuclear Weapon Stockpiles
(estimates as of December 1993)

United States:	**10,500 active warheads, 400 warheads in the inactive reserve, 5,850 retired warheads (peaked at 32,500 warheads in 1967)**
Russia:	**15,000 active warheads, 17,000 inactive and retired warheads (peaked at 45,000 warheads in 1986)**
United Kingdom:	**200 warheads**
France:	**525 warheads**
China:	**435 warheads**

Source: The Washington Quarterly, Autumn 1994.

Table-4
Stockpiles of Highly Enriched Uranium (HEU) and Plutonium (Pu) in the Nuclear Weapon States
(estimates as of 1990)

United States:	**550 tons HEU in total stockpile, 285 tons of which are in weapons; 89 tons of weapons grade Pu, 127.3 tons of Pu in spent fuel**
Russia:	**720 tons of HEU in total stockpile 480 tons in actual weapons (assuming 32,000 warheads, 15 kilograms per weapon); 125 tons of weapons-grade Pu, 70.7 tons of Pu in spent fuel**

United Kingdom:	10 tons of HEU in total stockpile, 3.0 to 4.5 tons in acutal weapons (assuming 200 to 300 weapons, 15 kilograms per weapon); 11 tons of weapons-grade Pu, 26.1 tons of Pu in spent fuel
France:	15 tons of HEU in total stockpile, 7.5 to 9.0 tons in actual weapons (assuming 500 to 600 nuclear weapons, 15 kilograms per weaon); 6.0 tons of weapons-grade Pu, 67.2 tone of Pu in spent fule
China:	15 tons of HEU in total stockpile 6.0 tons in actual weapons (assuming 300 weapons, 20 kilograms per warhead); 2.5+/-1.5 tons of weapons-grade Pu
Israel:	330 kilograms of weapons-grade Pu
India:	290 kilograms of weapons-grade Pu
Pakistan:	130 to 220 kilograms of HEU

Soruce: The Washington Quarterly, Autumn 1994.

Table-5

Estimated number of nuclear weapons as at January 1994

United States	
ICBM	2,200
SLBM	3,072
Heavy bomber	3,060
LANCE	20
Nuclear cannon	5,080
SLCM	many
ALCM	1,860
SRAM	1,100
Tactical bomb	4,125
Commonwealth of Independent States (CIS)	
ICBM	6,065
SLBM	2,384
Heavy bomber	1,374
Short range unclear bomb	900

Land-based missile	4,300
GLCM	40
Nuclear cannon	6,085
Tactical bomb	many
United Kingdom	
SLBM	100
Tactical bomb	100
	France:
Land-based missile	68
SLBM	384
Tactical bomb	60
	China
ICBM	4+
Middle-ranged missile	56
SLBM	24
Tactical	150

Source: Disarmament (a periodic review by United Nations) vol. XVIII, no.2, 1995.

سی ٹی بی ٹی (معاہدہ): اندرونی خامیاں:

این پی ٹی کی غیر معینہ مدت کے لیے توسیع اور سی ٹی بی ٹی (اور اس قسم کے دیگر مجوزہ اقدامات) کے پس پردہ امریکہ اور دیگر مغربی طاقتوں کے ان مقاصد واہداف کی تکمیل کی خاطر سی ٹی بی ٹی کے متن میں بعض بنیادی خامیوں کو جگہ دی گئی ہے۔ جو پاکستان عالم اسلام اور دیگر ترقی پذیر غیر مغربی اقوام کے نقطہ نظر سے انتہائی خطرناک ہیں۔

اولاً: معاہدہ میں جوہری اسلحہ کے خاتمہ کے اصل مسئلے سے تعرض ہی نہیں کیا گیا ہے۔ پانچ مسلمہ جوہری طاقتوں اور بھارت کی طرف سے مجموعی طور پر دو ہزار سینتالیس (۲۰۴۷) جوہری دھماکوں کے نتیجے میں تباہ کن جوہری ہتھیاروں کے جو عظیم ذخائر وجود میں آئے ہیں ان کی وجہ سے کرۂ ارض پر بسنے والی نسل انسانی کو مکمل تباہی کے حقیقی خطرات درپیش ہیں۔ ان تباہ کن ہتھیاروں کے خوف سے انسانیت کو نجات دلانا اس وقت اقوام عالم کا اولین مسئلہ ہے۔ مسئلہ تجرباتی جوہری دھماکوں کے جواز یا عدم جواز کا نہیں ہے۔ مسئلہ جوہری ہتھیاروں کے مکمل خاتمہ یا کم از کم اس حد تک محدود کرنے کا ہے کہ ان کے خطرات کو کسی معقول نظام کے ذریعہ کم سے کم کیا جا سکے۔ اگر جوہری اسلحہ کے مکمل خاتمہ کی بجائے جوہری ہتھیاروں کو محدود کرنے کی پالیسی اختیار کی جاتی ہے تب بھی اس بات کا کوئی جواز نہیں بنتا کہ محدود تعداد میں جوہری ہتھیار رکھنے کا حق چند ترقی یافتہ مغربی اقوام کو حاصل ہو۔ اگر مسلمہ جوہری طاقتیں اپنی

سلامتی کے تحفظ اور جارحیت کے سدباب کے لیے جوہری قوت اسداد جارحیت (nuclear deterrence) کے طور پر معقول تعداد میں جوہری ہتھیار رکھنے کا حق رکھتی ہیں تو دیگر اقوام کے اس حق کا انکار کیونکر کیا جا سکتا ہے؟

اس پس منظر میں یہ بات بخوبی سمجھی جا سکتی ہے کہ اقوام عالم کا اصل مسئلہ امن و سلامتی کے ایک منصفانہ عالمی نظام کی ایجاد ہے۔ سلامتی کے اس منصفانہ عالمی نظام کا اولین مقصد و ہدف کرۂ ارض کو جوہری ہتھیاروں سے مکمل طور پر پاک کرنا ہونا چاہیے۔ اگر اس اولین ہدف کا حصول فوری طور پر ممکن نہ ہو۔ تو پھر کم از کم عملی ہدف یہ ہونا چاہیے کہ جوہری ہتھیاروں کی تعداد کو اتنا محدود کر دیا جائے کہ سد جارحیت کی حقیقی صلاحیت تو باقی رہے لیکن تمام زائد استعداد کو تباہ کر دیا جائے۔ امتیازی برتاؤ کی اس صورت میں بھی گنجائش نہیں ہونی چاہیے۔ سدِّ جارحیت کی حقیقی صلاحیت کے لیے درکار جوہری اسلحہ رکھنے کا حق تمام اقوامعالم کو حاصل ہونا چاہیے۔ محدود صلاحیت اسداد جارحیت کی اس صورت میں بھی بڑی طاقتوں کی اجارہ داری قابل قبول نہیں ہونی چاہیے۔

جوہری ہتھیاروں کے پھیلاؤ کا مسئلہ عالمی (global) بھی ہے اور علاقائی (regional) بھی، اور جب تک دونوں سطح پر کوئی موثر، معقول اور قابل قبول و قابل عمل حل دریافت نہیں کر لیا جاتا، محض دھماکوں پر پابندی سے نہ دنیا میں امن قائم ہو سکتا ہے اور نہ ہی جنگ کے خطرات کم کیے جا سکتے ہیں۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ اس معاہدہ میں جوہری ہتھیاروں کے خاتمہ یا ان میں حقیقی تخفیف کے اصل اور مرکزی مسئلہ سے کوئی تعرض ہی نہیں کیا گیا ہے۔ معاہدہ کی تکمیل سے قبل کے بحث و مباحثہ میں بار بار اس اصل مسئلہ کے اٹھائے جانے کے باوجود معاہدہ کا متن اس بارے میں واضح موقف سے خالی ہے۔ معاہدہ کے لیے مذاکرات کے دوران پاکستان کے نمائندے بھی مسئلہ کے علاقائی پہلو میں اس قدر الجھے رہے (جو بجائے خود پاکستان کے لیے ایک حقیقی مسئلہ ہے) کہ مسئلہ کی اصل جڑ یعنی اس کا عالمی پہلو، جس کی زد میں نہ صرف پاکستان بلکہ عالم اسلام اور غیر مغربی دنیا ہے، ان کی توجہ سے محروم رہا۔ پاکستان اور دیگر مسلم و غیر مغربی اقوام کی اس غفلت کی بدولت مغربی اقوام اور امریکہ کو جوہری تکنیک پر اپنی اجارہ داری اور دوام بخشنے کے اصل ہدف کو بحث و مکالمہ کا مرکز بنانے میں کامیابی حاصل ہوئی۔ بدقسمتی سے عالم اسلام اور ترقی پذیر غیر مغربی دنیا کے نمائندے اصل مسئلہ کو موضوع بحث بنانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ شاید انہیں مغربی اقوام کے اصل عزائم کا ادراک ہی نہیں ہو سکا۔

امریکہ اور دیگر مغربی جوہری طاقتوں کا یہ طریقہ کار رہا ہے کہ جب وہ اسلحہ سازی سے متعلق کسی بھی تکنیک میں اس مقام پر پہنچتی ہیں کہ انہیں اس تکنیک کی مزید ضرورت نہیں رہتی تو وہ اسے ترک کرنے اور اس کی بجائے جدید تر تکنیک کو اپنانے سے قبل بین الاقوامی معاہدات کے ذریعے اس (اپنے لیے) متروک اور فرسودہ تکنیک (یا اس کے نتیجے میں بنائے جانے والے ہتھیاروں) کو اقوام عالم کے لیے ممنوع قرار دینے کا اہتمام کرتی ہیں۔ ۱۹۲۰ء کے عشرے میں حیاتیاتی (biological) ہتھیاروں کے سلسلے میں بڑی طاقتوں نے یہی رویہ اپنایا۔ امریکیوں کو خلیجی جنگ (Desert Storm) کے دوران جب اس بات کا عملی تجربہ ہوا کہ دنیا کی "چوتھی بڑی فوج" جو "وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے (کیمیائی) ہتھیاروں سے لیس" تھی (مراد عراقی فوج ہے)، جدید ترین روایتی ہتھیاروں کا مقابلہ نہیں کر سکی تو وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ انہیں کیمیائی ہتھیاروں کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ ان ہتھیاروں تک دیگر ممالک کی رسائی کی روک تھام کے لیے امریکیوں نے ۱۹۹۱ء میں اقوام متحدہ کی تخفیف اسلحہ کانفرنس میں کیمیائی ہتھیاروں پر پابندی

کے میثاق کی تیاری کے لیے فوری مذاکرات کی تجویز پیش کی۔ امریکیوں کی خواہش کے مطابق کیمیائی ہتھیاروں پر پابندی کا مجوزہ میثاق (Chemical Weapons Convention) ایک سال سے بھی کم عرصے میں تکمیل پا گیا۔

بالکل یہی صورت حال سی ٹی بی ٹی کے معاملہ میں ہے۔ امریکہ اور دیگر مغربی جوہری طاقتیں جوہری تکنیک میں اس مقام پر پہنچ چکی ہیں کہ ان کے لیے جوہری دھماکوں کی کوئی افادیت نہیں رہی ہے۔ انہوں نے جوہری ہتھیار سازی کے جدید ترین تکنیک کو دریافت کر لیا ہے جس کی بدولت وہ دھماکوں کے بغیر جوہری ہتھیار تیار بھی کر سکیں گے اور ان کی کارکردگی کو "ٹیسٹ" بھی کر سکیں گے۔ تکنیک کے اس نئے دور میں داخلے سے پیشتر وہ جوہری دھماکوں کے اس (اپنے لیے) متروک اور فرسودہ تکنیک کو اقوام عالم کے لیے شجر ممنوعہ قرار دینے کی خواہشمند تھیں اور ان کی اس خواہش کی تکمیل سی ٹی بی ٹی کے ذریعے ہی ممکن تھی (۴۲)۔ سی ٹی بی ٹی کے لیے مذاکرات کے دوران مغربی جوہری طاقتیں اور امریکہ تخفیف اسلحہ کانفرنس (سی ڈی) کے رکن مسلم اور غیر مغربی اقوام کے نمائندوں پر اس قدر حاوی رہیں کہ ان کے لیے اصل مسئلہ یہ بنا دیا گیا تھا کہ "تجرباتی جوہری دھماکوں پر پابندی کے بعد بڑی جوہری طاقتیں" کرۂ ارض میں طاقت کے توازن کو برقرار رکھنے کے لیے درکار "اپنے جوہری ہتھیاروں کے ذخائر کی مناسب نگہداشت کیونکر کر سکیں گی؟"۔ غیر جوہری ممالک کے ذہنوں میں پیدا کردہ ان خدشات کی تشفی کے لیے جوہری طاقتوں کو برملا کہنا پڑا کہ سی ٹی بی ٹی ان کی جوہری اہلیت وصلاحیت پر کوئی قدغن نہیں لگا سکے گا کیونکہ ان کی جوہری اہلیت اب "ٹیسٹ ٹیکنالوجی" کی محتاج نہیں رہی ہے۔ (۴۳)

ثانیاً: سی ٹی بی ٹی معاہدہ کے متن کی دوسری بڑی خامی یہ ہے کہ اس میں جوہری ہتھیار سازی کی صلاحیت سے متعلق آج کے زمینی حقائق کو جگہ نہیں دی گئی ہے۔ ۱۹۹۶ء میں سی ٹی بی ٹی کی تشکیل کے وقت چوالیس (۴۴) ممالک کو جوہری توانائی کے شعبے میں کسی نہ کسی حد تک صلاحیت کا حامل تسلیم کیا گیا۔ اور اس اصول کے پیش نظر ان چوالیس ممالک کی طرف سے معاہدہ کی توثیق کو اس کے نافذ العمل ہونے کے لیے ضروری قرار دیا گیا۔ مزید یہ کہ آج پانچ مسلمہ جوہری طاقتوں کے علاوہ تین دیگر ایسے ممالک ہیں جنہیں "نیوکلیئر تھریشولڈ" (جوہری اہلیت کی دہلیز پر کھڑے ممالک) کہا جاتا ہے، اور ان کے بارے میں عام طور پر یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ وہ فعال جوہری پروگرام (active nuclear programme) رکھتے ہیں اور یہ کہ ان کے پاس مختلف تعداد کے جوہری ہتھیاروں کی فوری تیاری کے لیے افزودہ یورینیم اور پلوٹونیم کے ذخائر موجود ہیں۔ ان ممالک میں پاکستان، بھارت اور اسرائیل شامل ہیں۔ ہونا یہ چاہیے تھا کہ ان زمینی حقائق کو تسلیم کرتے ہوئے ان ممالک کو بھی جوہری قوت استداد جارحیت (nuclear deterrence) برقرار رکھنے کا حقدار تسلیم کیا جاتا۔ لیکن سی ٹی بی ٹی میں اس بارے میں ناقابل قبول امتیازی رویہ اختیار کیا گیا ہے۔ "نیوکلیئر ڈیٹرنس" برقرار رکھنے کا حق صرف اور صرف پانچ "جوہری طاقتوں" کو دیا گیا ہے (۴۴)۔ سی ٹی بی ٹی کی اس امتیازی خصوصیت سے عملاً صرف پاکستان اور دیگر "سرکش و بدمعاش" (rogue) مسلم و غیر مسلم اقوام متاثر ہوں گے۔ اسرائیل اور بھارت کو ماضی کی طرح (escape route) مہیا کرنے کا رجحان برقرار رہے گا۔

۱۹۶۸ء میں این پی ٹی کی تشکیل کے وقت یہ اصول سامنے رکھا گیا کہ اس وقت جو ممالک جوہری ہتھیار سازی کی استعداد رکھتے

تھے انہیں اس صلاحیت اور استعداد کا متولی قرار دیا گیا۔ اور انہیں مسلمہ جوہری طاقتیں قرار دے دیا گیا۔ سرد جنگ کے دوران امریکہ اور سابق سوویت یونین اصل عالمی طاقتیں تھیں لیکن اس کے باوجود (بعض تاریخی اور تزویراتی حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے) فرانس اور برطانیہ کو بھی جوہری طاقتیں تسلیم کر لیا گیا۔ اسرائیل اور بھارت کے ساتھ ذرا مختلف سلوک روا رکھا گیا۔ اگرچہ اعلانیہ طور پر ان کی جوہری حیثیت کو تسلیم نہیں کیا گیا تاہم اسرائیل کو خفیہ طور پر جوہری صلاحیت حاصل کرنے کا صرف موقع ہی نہیں دیا گیا بلکہ اس کی بھرپور اعانت کی گئی۔ امریکہ اور دیگر مغربی طاقتوں نے کیوں کر اسرائیل کو عملاً جوہری طاقت بنانے میں بھرپور کردار ادا کیا، اس کی تفصیلات اب کوئی راز نہیں رہی ہیں۔ ولیم ای بروز اور روبرٹ وڈرم کی کتاب Critical Mass اور سیمور ایم ہرش کی کتاب The Samson Option میں ان تفصیلات کو مکمل کر بیان کیا گیا ہے۔ بھارت کے سلسلے میں چین کے نام نہاد خطرے کا سہارا لیا گیا اور اس کی جوہری اہلیت بڑھانے کے لیے کھلا اور چھپا تعاون کیا گیا (۴۵)۔ حد تو یہ ہے کہ سوویت یونین کی شکست و ریخت کے بعد اگرچہ صرف روس کو اس کا جانشین تسلیم کرتے ہوئے جوہری طاقت تسلیم کیا گیا ہے تاہم روس کی طرف سے یوکرین کی سلامتی کو لاحق خطرات کے تدارک کے پیش نظر موخر الذکر کا یہ حق تسلیم کیا گیا کہ وہ ممکنہ روسی جارحیت کا مقابلہ کرنے کے لیے ان جوہری ہتھیاروں کو بطور (جوہری قوت اسداد جارحیت) اپنے پاس رکھے جو سوویت دور سے اس کی تحویل میں تھے۔ یاد رہے کہ یوکرین این پی ٹی معاہدہ کی رو سے پانچ مسلمہ جوہری طاقتوں میں شامل نہیں ہے۔ دوسری طرف نو آزاد مسلم ملک قازقستان کی سرزمین پر بھی سوویت دور سے جوہری ہتھیار موجود تھے اور روس کی طرف سے اس کی سلامتی کو خطرات درپیش ہونے کے امکانات بھی اسی طرح موجود ہیں جس طرح یوکرین کے معاملہ میں فرض کر لیے گئے ہیں۔ لیکن قازقستان کو غیر جوہری ملک کی حیثیت سے این پی ٹی میں شامل ہونے پر مجبور کیا گیا اور اسے جوہری ہتھیار رکھنے کا اختیار نہیں دیا گیا۔ پاکستان کے معاملے میں بھی یہی رویہ اختیار کیا گیا۔ اس پر یک طرفہ طور پر اپنا جوہری پروگرام ختم کرنے کے لیے زبردست دباؤ ڈالا گیا اور اسے تعزیری اقدامات کا نشانہ بنایا گیا۔

سی ٹی بی ٹی کی تشکیل کے وقت این پی ٹی میں اختیار کیے گئے اس اصول کو نظر انداز کر دیا گیا کہ معاہدہ کی تشکیل کے وقت جو ممالک جوہری استعداد رکھتی تھیں انہیں جوہری ممالک تسلیم کر لیا جاتا۔ چنانچہ آج کی زمینی حقیقتوں کی روشنی میں جو ممالک اس وقت جوہری صلاحیت کی حامل ہیں (لیکن این پی ٹی کی رو سے مسلمہ جوہری طاقتیں نہیں ہیں)، ان کے لیے سی ٹی بی ٹی میں کوئی مقام نہیں ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ سی ٹی بی ٹی موجودہ شکل میں زبردست امتیازی خصوصیات کی حامل ہے اور اس معاہدہ میں روا رکھے گئے امتیاز و تفریق کے پیش نظر اسے تسلیم کرنا اور اس میں شمولیت قبول کرنا انصاف ہی کے خلاف نہیں، پاکستان اور عالم اسلام کے تزویراتی (strategic) مفادات کے سراسر منافی اقدام ہوگا۔ اس استدلال میں کوئی وزن نہیں کہ معاہدہ میں اگر پاکستان اور دیگر مسلم ممالک کی جوہری صلاحیتوں کو تسلیم نہیں کیا گیا تو بھارت اور اسرائیل کی جوہری صلاحیتوں کو بھی تو تسلیم نہیں کیا گیا ہے۔ بھارت جوہری دھماکے کر چکا ہے اور اس بات کا امکان ہے کہ اس کی زبردست اقتصادی صلاحیتوں کے پیش نظر مغرب اور امریکہ مزید دھماکے کیے بغیر اس کے جوہری پروگرام کو آگے بڑھانے میں اس کی مدد کریں۔ اور اسے جدید ترین لیزر (laser) ٹیکنالوجی فراہم کر کے لیبارٹری سیمولیشن (تجربہ گاہ میں مثیل سازی) کے ذریعے جوہری ہتھیار سازی کے مواقع فراہم کریں۔ بھارت کی طرف سے سی ٹی

بی ٹی میں شمولیت قبول کرنے سے متعلق سخت موقف اختیار کرنے کی پشت پر اس کی زبردست قوت چالبازی (manoeuvering power) کارفرما ہو سکتی ہے۔

اسرائیل کا معاملہ یکسر مختلف ہے۔ اس کے بارے میں اس قسم کی رپورٹیں منظر عام پر آچکی ہیں کہ اس نے ماضی میں جنوبی افریقہ (اور شاید بعض دیگر مغربی ممالک) کے تعاون سے بحر ہند میں جوہری دھماکہ کیا ہے۔ مزید یہ کہ اسرائیل کے بارے میں طے شدہ رائے (considered opinion) یہ ہے کہ وہ دھماکہ کیے بغیر جوہری ہتھیار سازی کی اہلیت وصلاحیت حاصل کر چکا ہے۔ اس کے علاوہ اسرائیل کو سرکاری طور پر سائنس اور دفاع کے شعبوں میں امریکی اداروں کے اہم اور حساس سائنسی وتکنیکی ڈاٹا (معلومات) تک رسائی حاصل ہے۔ اسرائیل ان (امریکی) یہودی سائنسدانوں کی خدمات سے بھی استفادہ کر سکتا ہے جو امریکہ کے سائنسی تحقیق اور دفاعی پیداوار کے شعبوں میں مصروف کار ہیں (۴۶)۔ ان حقائق کے پیش نظر بھارت اور اسرائیل کو عملاً جوہری طاقتوں (nuclear weapon states) کی حیثیت حاصل ہے۔ اگرچہ پاکستان بھی بالآخر اپنی ایٹمی قوت ہونے کا ثبوت چاغی میں ایٹمی دھماکے کر کے پیش کر چکا ہے تاہم مغربی قوتوں کی جانب سے صرف پاکستان اور بعض دیگر "سرکش" (rogue) مسلم ممالک کو جوہری حیثیت کے فوائد سے محروم رکھنے کے لیے ان دونوں ممالک (بھارت اور اسرائیل) کو "نیوکلیئر تھریشولڈ" ممالک میں شمار کرنے پر اصرار کیا جاتا رہا ہے۔

ثالثاً: سی ٹی بی ٹی معاہدہ میں ہر قسم کے جوہری تجربات پر پابندی لگا دی گئی ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ این پی ٹی اور سی ٹی بی ٹی میں واضح تضاد موجود ہے۔ اور حیرانگی کی بات یہ ہے کہ غیر جوہری ممالک اس تضاد کا کوئی نوٹس نہیں لے سکے۔ این پی ٹی میں جوہری توانائی کے پرامن استعمال کو تمام رکن ممالک کا ناقابل تنسیخ حق تسلیم کیا گیا تھا۔ جب کہ سی ٹی بی ٹی پرامن جوہری دھماکوں اور ہتھیار سازی کے لیے جوہری دھماکوں میں کوئی فرق تسلیم نہیں کرتا۔ گویا کہ این پی ٹی میں موجود رکن ممالک کے اس "ناقابل انکار اور ناقابل تنسیخ حق" کو سی ٹی بی ٹی نے منسوخ (abrogate) کر دیا ہے۔ دونوں معاہدوں (این پی ٹی اور سی ٹی بی ٹی) میں بیک وقت رکنیت قبول کرنے والے ممالک این پی ٹی کے تحت اپنے اس "حق" کا مطالبہ کیونکر کر سکیں گے۔ غیر جوہری ممالک نے اس سوال کا جواب تلاش کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ سی ٹی بی ٹی کے بعد جوہری توانائی کا صرف ایک ہی "جائز" استعمال رہ گیا ہے اور وہ ہے اس کا حربی استعمال۔ دوسری طرف اس "جائزہ" حربی استعمال کا "جواز" صرف جوہری طاقتوں تک محدود کر دیا گیا ہے۔ حیرت اس بات پر ہے کہ سی ٹی بی ٹی کے لیے مذاکرات کے دوران بڑی طاقتوں کی طرف سے اس بات پر کھل کر بحث ہوئی کہ جوہری تکنیک کا پرامن استعمال ہو ہی نہیں سکتا (۴۷)۔ لیکن پھر بھی غیر جوہری ممالک جوہری تکنیک کے پرامن استعمال سے متعلق اپنے اس حق کو غصب کرنے کی کوشش کو روکنے کے لیے کچھ نہیں کر سکے۔ نتیجتاً جوہری تکنیک پر معدودے چند مغربی اقوام کی مکمل اجارہ داری کو مزید مستحکم کر دیا گیا، اور غیر مغربی دنیا کے لیے اکیسویں صدی میں جوہری توانائی اور جوہری تکنیک کے پرامن استعمال کے لامحدود امکانات پر قفل لگا دیا گیا۔ یہ وہ عظیم الشان غلطی ہے جس کا ارتکاب مسلم اور غیر مسلم غیر مغربی اقوام نے سی ٹی بی ٹی کو قبول کر کے کیا ہے۔ اس غلطی کے نتائج بڑے بھیانک ہوں گے۔ موجودہ اکیسویں صدی کی ترقی، ایجادات اور برتر تکنیک کے سارے فوائد مغربی اقوام سمیٹیں گی جب کہ دوسری تمام اقوام عالم ان کی

محتاج اور ان کے مقابلہ میں تہی دست رہیں گی۔ صاف نظر آرہا ہے کہ اس صدی میں مغرب اور امریکہ ایک نئے قسم کے سامراجی نظام کو متعارف کرانا چاہتے ہیں جسے "تکنیکی سامراج" کے نظام کا نام دیا جاسکتا ہے۔

رابعاً: سی ٹی بی ٹی میں صرف ان جوہری تجربات پر پابندی لگائی گئی ہے جو زمین، زیر زمین، یا بیرونی محیط (یا فضا) میں کیے جائیں۔ لیبارٹری میں کیے جانے والے تجربات، لیزر کی مدد سے بند چار دیواری میں حر۔ جوہری (thermo-nuclear fusion) اور آب جوہری (hydro-unclear) تجربات یا تمثیل سازی (simulation) کے ذریعے ہتھیار سازی کی غرض سے کیے جانے والے تجربات سی ٹی بی ٹی کی پابندیوں سے مستثنیٰ رکھی گئی ہیں۔ چونکہ بند چار دیواری میں کیے جانے والے ان تجربات کی صلاحیت صرف مغربی جوہری طاقتوں اور ترقی یافتہ اقوام تک محدود ہے اس لیے ان "جائز تجربات" سے غیر مغربی اقوام استفادہ نہیں کرسکیں گی۔ مغربی اقوام اور ترقی یافتہ ممالک جو اس قسم کے تجربات کی صلاحیت اور تکنیک رکھتی ہیں، وہ نہ صرف تکنیک کے میدان میں پیش رفت جاری رکھیں گی بلکہ اپنے جوہری ہتھیاروں کو ترقی دینے اور ان کی تصمیم (designing) و کارکردگی میں مسلسل "بہتری" (مزید ہلاکت خیزی) پیدا کرتی رہیں گی۔ گویا کہ جوہری تجربات پر پابندی میں بھی زبردست تفریق و امتیاز سے کام لیا گیا ہے۔ جوہری تجربات کا جو تکنیک غیر مغربی اقوام کے لیے نسبتاً زیادہ قابل حصول بن گیا تھا اس پر تو پابندی لگا دی گئی ہے لیکن جو تکنیک ابھی تک صرف جوہری ممالک اور ترقی یافتہ اقوام تک محدود ہے اسے پابندی سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے۔ اب بھی اگر کوئی نہ سمجھے کہ یہ سارا کھیل عالم اسلام اور غیر مغربی دنیا کو محروم رکھنے کے لیے کھیلا جارہا ہے تو کیا کیا جاسکتا ہے؟ مغرب اور امریکہ کسی بھی ایسی پابندی کو قبول کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہیں جس سے ان کی تکنیک کے میدان میں سبقت بلکہ اجارہ داری پر زد پڑتی ہو اور جس کے نتیجے میں انہیں ہمیشہ کے لیے جوہری ہتھیار رکھنے اور نت نئے ہلاکت خیز ہتھیار بنانے کے حق سے محروم ہونا پڑے۔ مغرب اور امریکہ کے اس موقف کا واضح اور برملا اظہار سی ٹی بی ٹی کے لیے مذاکرات کے دوران متعدد بار کیا گیا(۴۸) لیکن مذاکرات میں شریک غیر مغربی اقوام اور مسلم ممالک اس سراسر ناانصافی پر مبنی مغربی موقف کا توڑ کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔

اس بارے میں چین نے نسبتاً قابل قبول موقف اختیار کیا۔ چین کا مطالبہ تھا کہ پرامن مقاصد کے لیے کیے جانے والے جوہری تجربات کو سی ٹی بی ٹی سے مستثنیٰ رکھا جائے مزید یہ کہ جوہری طاقتوں کی طرف سے جوہری ہتھیاروں کے استعمال پر مکمل پابندی سی ٹی بی ٹی کا حصہ ہونی چاہئیں (۴۹)۔ پاکستان، دیگر مسلم ممالک اور غیر مغربی دنیا کو چین کے موقف کی تقویت کے لیے اس کی تائید میں متحد ہوکر کام کرنا چاہیے تھا لیکن افسوس کہ ایسا نہیں ہوسکا۔

خامساً: سی ٹی بی ٹی میں جوہری تجرباتی دھماکوں کو روکنے اور غیر جوہری ممالک کی طرف سے جوہری صلاحیت حاصل کرنے کی ممکنہ کوششوں کو زیر نگرانی رکھنے کے لیے جو انتظام تجویز کیا گیا ہے کہ اس کے تحت نگرانی کے اس عمل کی غیر جانبداری انتہائی مشکوک ہے۔ مجوزہ انتظام کے تحت امریکی خلائی سیاروں اور ترقی یافتہ مغربی ممالک کے جاسوسی کے "قومی ذرائع" (national means) کو نگرانی کے قانونی ذرائع تسلیم کیا گیا ہے۔ اور یوں اس طریقہ سے مسلم دنیا اور ترقی پذیر غیر مغربی اقوام کے خلاف جاسوسی اور خلائی سیاروں کے ذریعہ سراغ رسانی کے عمل کو قانونی شکل دی گئی ہے(۵۰)۔ اگرچہ نگرانی کے قومی ذرائع کا ذکر کرتے وقت امریکہ اور

دیگر ترقی یافتہ مغربی ممالک کے قومی ذرائع کی تخصیص نہیں کی گئی ہے تاہم کون نہیں جانتا کہ جاسوسی اور نگرانی کے جدید ترین ذرائع صرف بڑی طاقتوں اور ترقی یافتہ مغربی اقوام کے ہی دسترس میں ہیں۔ اس سلسلے میں شمالی کوریا کی مثال ہمارے سامنے ہے، جس کے جوہری پروگرام کے بارے میں جوہری توانائی کی بین الاقوامی ایجنسی (IAEA) نے صرف اور صرف امریکہ کے جاسوسی کے ان ہی "قومی ذرائع" سے حاصل ہونے والی معلومات کو بنیاد بنایا۔

سی ٹی بی ٹی میں برسر موقعہ معائنہ (on-site inspection) کی جو دفعات ہیں وہ نہایت خطرناک اور دوسرے ممالک کی آزادی، استقلال اور حاکمیت (sovereignty) کے منافی ہیں۔ جبری معائنے کی منظوری کا فیصلہ (۵۱ ممبروں پر مشتمل) ایگزیکٹو کونسل کے ۳۰ ووٹوں سے کیا جا سکے گا۔ ایگزیکٹو کونسل میں رکنیت علاقائی بنیادوں پر ہوگی اور اس میں شمالی امریکہ، یورپ اور لاطینی امریکہ ۲۶ ممالک کو رکنیت حاصل ہوگی۔ ان چھبیس (۲۶) ارکان کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ بڑی طاقتوں اور خاص کر امریکہ کے لیے ان کی حمایت حاصل کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہوگا۔ دیگر علاقوں (مشرق وسطی اور جنوبی ایشیا، افریقہ اور جنوب مشرقی ایشیا بحرالکاہل) سے تعلق رکھنے والے محض چار مزید ارکان کی حمایت سے بڑی طاقتیں اور امریکہ ایگزیکٹو کونسل سے جبری معائنہ کا فیصلہ صادر کرواسکیں گی۔

سادساً سی ٹی بی ٹی کے موثر اور نافذ ہونے کے لیے جو شقیں رکھی گئی ہیں وہ ترقی پذیر اقوام، عالم اسلام اور خصوصاً پاکستان کے لیے انتہائی خطرناک ثابت ہو سکتی ہیں۔ دفعہ ۱۴ کی ان شقوں کے تحت معاہدہ کی تنفیذ کے لیے پانچ مسلمہ جوہری طاقتوں اور تین "تھریشولڈ" ممالک (اسرائیل، بھارت اور پاکستان) سمیت معاہدہ کے ضمیمہ ۲ میں مذکور چوالیس (۴۴) ممالک کی طرف سے اس کی توثیق ضروری ہوگی۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ بھارت کی طرف سے معاہدہ کی تنفیذ کے لیے ان ممالک کی توثیق ضروری قرار دیے جانے کی ان شقوں کو بجا طور پر اپنی حاکمیت کے خلاف قرار دیا گیا (۵۱)، لیکن اس دور کے پاکستانی حکام نے ان شقوں کی زبردست حمایت کی اور کہا کہ ان کے ذریعے بھارت کے "بچ کر نکلنے" (escape route) کی راہ مسدود کر دی گئی ہے (۵۲)۔ حقیقت یہ ہے کہ اولاً تو یہ شقیں ان چوالیس ممالک کی حاکمیت کے خلاف ہیں۔ ان کے ذریعے ان پر یہ لازم کر دیا گیا کہ وہ اس معاہدہ کی ہر صورت میں توثیق کریں۔ خواہ ایسا کرنا ان کی ملکی سلامتی کے تقاضوں اور قومی مفادات کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ ثانیاً ان شقوں کا اصل مقصد عدم تعمیل کی صورت میں ان ممالک کے خلاف تعزیری اقدامات اٹھانے کی راہ ہموار کرنا تھا۔ معاہدہ کے نفاذ سے متعلق سی ٹی بی ٹی کی اس دفعہ (۱۴) کی شق ۲ میں کہا گیا ہے کہ اگر دستخطوں کے لیے کھولے جانے کے تین سال بعد تک معاہدہ کی تنفیذ ممکن نہ ہو سکی (یعنی مذکورہ چوالیس ممالک نے اس کی توثیق نہ کی) تو معاہدہ میں اس وقت تک شمولیت اختیار کرنے والے ممالک کی ایک کانفرنس بلائی جائے گی جو اس بات کا جائزہ لے گی کہ معاہدہ کے جلد نفاذ کے لیے بین الاقوامی قوانین کی روشنی میں کیا "اقدامات" کیے جائیں؟ اس شق کے اصل الفاظ یہ ہیں:

"That conference shall examine the extent to which the requirement set out in paragraph 1 has been met and shall consider and decide by consensus what measures consistant with international law may be under taken to accelerate the

ratification process in order to facilitate the early entry into force of this Treaty."

سی ٹی بی ٹی اور پاکستان:

سی ٹی بی ٹی کے بارے میں اس دور کی پاکستانی حکومت کا موقف انتہائی کمزور نظر آیا۔ معاہدہ کے لیے مذاکرات کے دوران پاکستان کے نمائندوں نے جوہری مسئلہ کے عالمی پہلو اور اس سلسلہ میں روا رکھے جانے والے امتیازی سلوک کو نظر انداز کرنے کا رویہ اپنایا۔ معاہدہ کے بارے میں پاکستانی حکومت کے موقف کی دیگر نمایاں کمزوریاں یہ تھیں:

۱۔ پاکستان قومی مفادات کے تحفظ کو اولین ترجیح قرار دے کر سیاسی اور اخلاقی اعتبار سے ایک مثبت اور موثر رویہ اختیار کرنے میں ناکام رہا۔ اور امریکہ کے دباؤ میں ایسے بنیادی سوالات اٹھانے سے احتراز کا رویہ اپنایا جن کا تعلق پاکستان اور عالم اسلام کے مستقبل اور ان کی سلامتی اور حقیقی آزادی سے ہے۔

۲۔ پاکستانی حکومت نے یہ اعلان کر کے کہ وہ معاہدہ کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنے گی اپنا تمام وزن خود ہی ختم کرنے کی فاش غلطی کا ارتکاب کیا۔ پاکستان کے اس موقف کی بدولت بھارت کو یہ موقع فراہم کیا گیا کہ وہ عالمی توجہ کا مرکز بنے اور معاہدہ پر دستخط کرنے سے انکار کی بڑی سے بڑی قیمت وصول کرے۔

۳۔ پاکستان علاقائی سطح پر سد جارحیت کی جوہری صلاحیت برقرار رکھنے کا اپنا حق منوانے میں ناکام رہا، پاکستانی قیادت نے غیر دانشمندانہ موقف اختیار کرتے ہوئے سی ٹی بی ٹی میں پاکستان کی شمولیت کو صرف بھارت کی شمولیت سے مشروط کیا اور اس سلسلے میں اسرائیل کے وسیع تر جوہری پروگرام اور اس کے سینکڑوں جوہری ہتھیاروں کی موجودگی کو یکسر نظر انداز کیا۔

۴۔ پاکستان جوہری صلاحیت کا حامل واحد مسلمان ملک ہونے کی حیثیت سے عالم اسلام کی قیادت کرتے ہوئے اپنے اور دیگر مسلم ممالک کے لیے ایسے تحفظات اور ضمانتیں حاصل کرنے میں ناکام رہا جو اکیسویں صدی میں باعزت اور پروقار داخلے کے لیے ضروری تھیں۔

۵۔ پاکستان نے اپنا جوہری پروگرام برقرار رکھنے کے تاریخی موقف سے انحراف کا رویہ اپنایا۔ پاکستان کے سابق وزیر خارجہ سردار آصف احمد علی اور وزارت خارجہ کے وہ تمام بیانات، جو جولائی اور اگست ۱۹۹۶ء میں اور خصوصیت سے بھارت میں امریکہ کے سفیر فرینک ویزنر کی پاکستان یاترا اور سابق امریکی صدر کلنٹن کے پاکستان کی سابق وزیر اعظم بے نظیر بھٹو صاحبہ کے نام خط کے بعد، سامنے آئے، پاکستان کے تاریخی موقف سے واضح انحراف کا مظہر تھے۔

۶۔ پاکستان نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں سی ٹی بی ٹی کی قرارداد کی حمایت کر کے مستقبل میں معاہدہ پر دستخط نہ کرنے کے اپنے حق کی نفی کر دی۔ جس کے باعث مستقبل میں پاکستان کے لیے سی ٹی بی ٹی میں اپنی شمولیت بھارت کی شمولیت سے مشروط کرنے کا کونسا اخلاقی جواز رہ گیا، کیونکہ جنرل اسمبلی میں اس نے بھارت کی مخالفت کے باوجود قرارداد کی حمایت کر ڈالی۔

سی ٹی بی ٹی اور پاکستان کا جوہری پروگرام:

پاکستان کے لیے جوہری صلاحیت برقرار رکھنا نہ صرف جوہری توانائی کے پرامن استعمالات کے لیے بلکہ خالص دفاعی اغراض اور ملک کی سلامتی اور آزادی کے تحفظ کے لیے بھی انتہائی ضروری ہے۔ دوسری طرف سی ٹی بی ٹی میں شمولیت قبول کرنا نہ صرف سد جارحیت کی جوہری اہلیت سے دستبردار ہونے کے مترادف ہے بلکہ اس کے نتیجے میں جوہری توانائی کے پرامن استعمال کو ترقی دینے کا عمل جاری رکھنا بھی ممکن نہیں رہے گا۔ یہ صورت حال اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ پاکستان صاف الفاظ میں یہ اعلان کر دے کہ وہ کسی ایسے سمجھوتہ یا معاہدہ کو کسی بھی صورت میں...... ہاں کسی بھی صورت میں...... قبول نہیں کرے گا جس کی بدولت وہ جدید ترین تکنیک کے دروازے اپنے آپ پر بند کر لے۔ پاکستان کو صاف الفاظ میں یہ اعلان کرنا ہوگا کہ چونکہ وہ بھی ایک جوہری طاقت ہے لہٰذا اسے بھی سد جارحیت کی جوہری صلاحیت رکھنے کا اتنا ہی حق حاصل ہے جتنا دیگر نام نہاد "مسلمہ" جوہری طاقتوں کو حاصل ہے۔ جوہری صلاحیت ہماری اقتصادی ضرورت بھی ہے اور سائنس و تکنیک کے میدانوں میں تیز رفتار ترقی کے حصول کا ذریعہ بھی ہے۔

پاکستان کو دوسرا اقدام یہ کرنا چاہیے کہ وہ عالمی برادری کو اس بات کی غیر مبہم یقین دہانی کراتا ہے کہ پاکستان اتنا ہی ذمہ دار ملک ہے جتنا کوئی اور مغربی جوہری ملک ہو سکتا ہے۔ مزید یہ کہ پاکستان کو جوہری ہتھیاروں کی تباہ کاری کا اتنا ہی احساس ہے جتنا ان مغربی جوہری طاقتوں کو ہے جو "جوہری عدم پھیلاؤ" کے بہانے بڑھ چڑھ کر بین الاقوامی معاہدات کی تکمیل کے لیے کوشاں ہیں اور جن کا حقیقی مقصد جوہری تکنیک پر اپنی اجارہ داری کو دوام بخشنا ہے۔ یہ حقیقت کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ یہی مغربی جوہری طاقتیں ایک عرصہ سے عالمی جنگوں کا سبب بنی رہی ہیں۔ ان ہی مغربی جوہری طاقتوں میں بعض ماضی میں جوہری ہتھیاروں کے براہ راست استعمال کے جرم کی مرتکب ہوئی ہیں اور بعض دیگر ان کے استعمال کے فیصلہ میں شریک رہی ہیں۔

ان حقائق کے پیش نظر پاکستان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی جوہری پالیسی آج کے زمینی حقائق، موجودہ اکیسویں صدی کے چیلنجوں اور ملکی سلامتی کو پیش نظر رکھ کر تشکیل دے۔ محض امریکہ اور دیگر طاقتوں کی خوشنودی یا بیرونی امداد اور قرضوں کے حصول کی ضروریات کا جبر ہماری جوہری پالیسی کی بنیاد قطعاً نہیں ہونا چاہیے۔ پاکستانی قوم جوہری پروگرام کو بڑی طاقتوں کی خوشنودی کے تابع کرنے کے کسی فیصلے کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ اس بات کی ترجمانی کرتے ہوئے ہماری مسلح افواج کے سابق سربراہ (جنرل جہانگیر کرامت) نے درست کہا تھا کہ: "اگر بھارت سی ٹی بی ٹی پر دستخط بھی کر دے تو بھی حکومت پاکستان اپنے قومی مفاد کو سامنے رکھتے ہوئے فیصلے کرے گی۔ اور یہ ضروری نہیں کہ بھارت کے دستخط کرتے ہی ہم بھی ایسا کر دیں۔" (۵۳)

پاکستان کے جوہری پروگرام سے متعلق کوئی بھی فیصلہ مثبت اور معروضی انداز میں قومی مقاصد و مفادات اور ملت اسلامیہ کے وسیع تر مفاد کو سامنے رکھ کر کیا جانا چاہیے۔ سی ٹی بی ٹی پر اس کی موجودہ شکل میں دستخط کرنا قومی خودکشی کے مترادف ہوگا۔ اس صورت میں ہم اپنے آپ کو ان تمام خطرات اور ہزیموں کا نشانہ بنانے کے مرتکب ہوں گے جن کا نشانہ "صحرائی طوفان" کے بعد پچھلے کئی سال سے عراق کو بنایا جا رہا ہے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ آج اگر ہم نے عزم و ہمت کے ساتھ بڑی طاقتوں کی ناانصافی اور جبر کا سامنا

کیا تو مستقبل قریب میں ہم اور ہماری نسلیں ہمارے اس فیصلے کے ثمرات سے شاد کام ہوں گی۔ بصورت دیگر تاریخ ہمیں کبھی بھی معاف نہیں کرے گی۔ مزید یہ کہ اللہ کی پکڑ سے ہم اپنے آپ کو اور اپنی آنے والی نسلوں کو نہیں بچاسکیں گے۔ خدائے بزرگ و برتر افراد کی لغزشوں سے تو صرف نظر کر لیتا ہے لیکن قوم کی اجتماعی غلطیاں کبھی معاف نہیں کرتا۔

پاکستان کا جوہری پروگرام جنوبی ایشیا کے خطہ میں سلامتی و استحکام کی علامت ہے۔ اور (سیاسی) استحکام ہی کسی خطہ کی اقتصادی خوشحالی کی کلید ہوتی ہے۔ ملکی اور علاقائی سلامتی و استحکام کی عدم موجودگی میں ترقی اور خوش حالی کا حصول ناممکنات میں سے ہے۔

سابق امریکی معاون وزیر دفاع جوزف ایس نائی (Joseph S. Nye) کا یہ قول یاد رکھنے کے قابل ہے:

"Security is like oxygen you tend not to notice it unitil you begin to lose it, but once that occures there is nothing else that you will think about."(۵۴)

سی ٹی بی ٹی اور صلح حدیبیہ:

سی ٹی بی ٹی اور صلح حدیبیہ کا اگر موازنہ کیا جائے اور تقابلی جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے دونوں معاہدہ ہی اپنے اپنے ادوار میں ملک و قوم کے لیے ناپسندیدہ اور آزمائشی رہے ہیں۔ اگر سی ٹی بی ٹی کو ہم صلح حدیبیہ کے تناظر میں دیکھیں تو بظاہر یہ بھی صلح حدیبیہ کی مانند ایک کڑوا گھونٹ معلوم ہوتا ہے جبکہ سچ تو یہ ہے کہ حقیقت حال قطعی مختلف ہے۔

(۱) صلح حدیبیہ کا اصل محرک وحی الٰہی تھا جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ کے معارضہ پر فرمایا کہ میں اللہ کا رسولؐ ہوں اور اس کے حکم کے خلاف نہیں کرسکتا۔

(۲) صلح حدیبیہ بظاہر ایک نقصان دہ اور آزمائشی معاہدہ تھا جبکہ درحقیقت اللہ عزوجل کے نزدیک یہ ایک انتہائی پسندیدہ معاہدہ تھا اور تاریخ شاہد ہے کہ اس معاہدے کے اثرات نے ثابت کر کے دکھایا کہ بلاشبہ یہ معاہدہ پوری ملت اسلامیہ کے لیے ایک انتہائی سود مند معاہدہ ثابت ہوا۔ اگرچہ یہ صلح مسلمانوں نے کفار سے دب کر کی جس کے سبب غیور مسلمانوں میں ذلت کے احساسات موجزن ہوئے اور وہ انتہائی غم زدہ ہو گئے تاہم قرآن حکیم نے مسلمانوں کی دل جوئی فرمائی اور ان کے غم کو ہلکا کرنے کے لیے اس معاہدہ کے متعلق خوشخبری سنائی کہ یہ ایک درحقیقت فتح مبین ہے اور بظاہر یہ صلح ناکام اور نقصان دہ معلوم ہو رہی ہے جبکہ حقیقت حال یہ ہے کہ اس معاہدے میں انتہائی کامیاب اور فائدہ مند نصر عزیز پنہاں ہے جس کے سبب اسلام عرب سے ہوتا ہوا پوری دنیا میں پھیلتا چلا گیا اور امن و سلامتی کے ساتھ ایک عالمگیر دین بن گیا۔

(۳) صلح حدیبیہ سے متعلق ایک اہم بات یہ ہے کہ اس معاہدے کے دو پہلو سامنے آتے ہیں ایک سیاسی پہلو اور دوسرا عسکری، سیاسی پہلو تو یہ تھا کہ قیام امن کی خاطر دب کر صلح کی گئی اور بظاہر تمام ذلت آمیز شرائط کو تسلیم کرلیا گیا جبکہ عسکری پہلو بھی مد نظر رکھنا چاہیے جو کہ انتہائی سبق آموز ہے اور وہ یہ کہ جب کفار مکہ کی جانب سے صلح کے ٹوٹنے کا اعلان ہو گیا تو اب ابوسفیان کی سرتوڑ کوششوں اور منت سماجت کے باوجود آپؐ نے پوری ملت اسلامیہ کے وسیع تر مفاد میں اب معاہدہ کی تجدید کے بجائے اسے منسوخ

کرنے کو ترجیح دی اور طاقت وقوت کا مظاہرہ فرماتے ہوئے فتح مکہ کا عظیم الشان مثالی نمونہ پیش فرمایا اور ایک عدیم النظیر مثال قائم فرمائی۔

(۴) ہمارے لیے چونکہ زندگی کے ہر رخ، ہر پہلو، ہر شعبے، میں انفرادی و اجتماعی، قومی و بین الاقوامی ہر سطح پر قرآن حکیم اور سنت نبوی مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں لہٰذا اس اعتبار سے قرآن حکیم مسلمان کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ:

''اللہ کی راہ میں اپنے گھوڑے ہر وقت تیار رکھو۔'' (القرآن)

اس وقت دائمی طاقت وقوت کے حصول کے بعد اگر ہم سی ٹی بی ٹی پر دستخط کر بھی دیں تو فرق نہیں پڑے گا جیسا کہ امریکہ، برطانیہ، چین وغیرہ جیسی سپر طاقتوں نے دستخط کیے ہیں لیکن ہم جیسے کمزور ممالک کے لیے تو سی ٹی بی ٹی پر دستخط دراصل موت کا درجہ رکھتا ہے۔

لہٰذا ایک طرف یہ آیت مبارکہ اور دوسری طرف صلح حدیبیہ کے عسکری پہلو کو مدنظر رکھیں تو ہمیں ان سے یہی سبق اور پیغام ملتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ طاقت وقوت حاصل کریں، خود کو مضبوط و مستحکم بنائیں اور ایک عالمی قوت کے روپ میں سامنے آئیں ایسی عالمی قوت کے روپ میں جس کا مقصد عالمگیر قیام امن ہو اور روئے زمین کے فساد کا قطعی خاتمہ ہو لہٰذا اس علمی و تحقیقی جائزے کی روشنی میں مسلم امہ بشمول پاکستان کا ان حالات میں سی ٹی بی ٹی جیسے خودکش معاہدے پر دستخط کرنا درحقیقت خودکشی کرنے کے مترادف ہوگا اور قرآن وسنت سے متصادم بھی!

﴿حواشی وحوالہ جات﴾

۱۔ این پی ٹی کی دفعہ ۱۰ شق ۲ کا متن درج ذیل ہیں:

"Tweny-five years after the entry into force of the treaty, a conference shall be convended to decide whether the Treaty shall continue in force indefinitely, or shall be extended for as additional fixed period or periods. This decision shall be taken by a majority of the Parties to the Treeaty."

۲۔ معاہدے کے تمام شرکاء (بشمول جوہری طاقتوں) کی طرف سے جوہری اسلحہ کے جلد از جلد مکمل خاتمے سے متعلق این پی ٹی کی دفعہ ۶ میں کہا گیا ہے:

"Each of the Parties to the Treaty undertakes to persue negotiations in good faith on effective measures relating to cessation of the unclear arms race at an early date and to nuclear disarmament, and on a treaty on general and complete disarmament, under strict and effective international conrol."

جوہری اسلحہ کے مکمل خاتمے سے متعلق این پی ٹی کی دفعہ ۶ میں مذکورہ درج بالا واضح Commitment کے علاوہ معاہدے کے preemble میں بھی جوہری اسلحہ کے مکمل خاتمے سے وابستگی کا مضبوط اظہار کیا گیا ہے۔ Preemble کے پیراگراف ۱۱ میں کہا گیا ہے۔

"Desiring... the cessation of the manufacture of nuclear weapons, the liquidation of all their existing stockpiles, and the elimination from national arsenals of nuclear weapons and the means of their delivery pursuant to a treaty on general and complete disarmament unde strict and effective international control".

3. Michael Mandelboum, "Lessons of the Next Nuclear War". Foreign Affairs, March/ April 1995." "Steep reductions in and the ultimate abolition of the arsenals of the nuclear "haves" would promote rather than discourage nuclear proliferation. These reductions would undercut the very thing that has kept the spread of nuclear weapons in check: the guarantees of nuclear protection extended by the great powers, above all the United States."

۱۹۹۶ء میں تخفیف اسلحہ کانفرنس کے زیر اہتمام تجرباتی جوہری دھماکوں پر مکمل پابندی کے معاہدے کے بے گفت و شنید کے وقت چین، فرانس اور برطانیہ کو معاہدہ کی حمایت کے لیے اس وقت راضی کیا جا سکا جب امریکہ نے انہیں دھماکہ کے بغیر لیبارٹری سیمولیشن (تجربہ گاہ میں مثیل سازی) کے ذریعے جوہری ہتھیار سازی کا جدید ترین طریقہ فراہم کرنے کا وعدہ کیا۔ دیکھیے:

Raj Chengappa, "Playing the Spoiler," India Today, Sept, 15, 1995.

4. Mohammed I. Shaker (Egypt's Ambassador to UK and Chairman of the United Nations Advisory Board on Disarmament Matters), "The 1995 NPT Conference: A New Beginning", Disarmament (a periodic review by the United Nations), Vol. XVIII, No. 3, 1995.' "... in Commitltee I it was not possible to agree on language reaffirming that nuclear weapons must be eliminated from the face of the earth."

5. Ibid.

6. Lewis A. Dunn (a former assistant director of the US. Arms control and Disarmament Agency and Ambassador to the Nuclear Non-Proliferation Treaty negotiations), "Rethinking the Nuclear. Equation: The United States and the New Nuclear Powers," The Washington Quarterly, winter

1994.

لیوس اے۔ ڈن نے اپنے مضمون میں "نئی جوہری طاقتوں" کو کئی اقسام میں تقسیم کیا ہے۔ ان کے مطابق اسرائیل ان نئی جوہری طاقتوں میں شامل ہے جو امریکہ کے روایتی حلیف اور دوست شمار ہوتے ہیں۔ ان کے بقول:

" Looked at from the perspective of U.S. Security interests and the risk of conflict involving American forces, differences between the new and emerging nuclear powers are clear. One of these countries-Israel- is a traditional friend and ally."

(۷) ۱۹۹۵ء کی "این پی ٹی: جائزہ و توسیع کانفرنس" کے موقع پر معاہدہ کی مختلف دفعات پر عمل درآمد کا جائزہ لینے کے لیے تین اہم مجالس (Main Committees) تشکیل دی گئیں۔ کمیٹی ۱ نے معاہدہ کی دفعات ۱، ۲، ۶، ۷ اور ان دفعات سے متعلق "تمہید" کے فقروں پر عملدرآمد کا جائزہ لینا بھی شامل تھا۔ کمیٹی ۲ نے بنیادی طور پر معاہدہ کی دفعہ ۳ پر عمل درآمد کا جائزہ لینا تھا۔ لیکن اس کی ذمہ داریوں میں دفعات ۱، ۲ اور ۷ پر عملدرآمد کے بعض پہلوؤں کا جائزہ لینا بھی شامل تھا۔ جبکہ کمیٹی ۳ نے معاہدہ کی دفعات ۴، ۵، ۶ اور دفعہ ۳ کے فقرہ ۳ پر عملدرآمد کا جائزہ لینا تھا۔ تینوں کمیٹیوں کی سربراہی بالترتیب نائجیریا کے سفیر عزت مآب اسحاق ایبوا، ہنگری کے سفیر عزت مآب اندرے اردوس اور ہالینڈ کے سفیر عزت مآب جاپ رامار کر رہے تھے۔

جیسا کہ ظاہر ہے کمیٹی ۳ کا کام جوہری توانائی کے پرامن استعمال سے متعلق دفعات پر عملدرآمد کا جائزہ لینا تھا چنانچہ کمیٹی اپنی رپورٹ میں

"... ended up with only one bracketed paragraph concerning the restrictions and constraints imposed developing non-nuclear weapon states full access to nuclear technology for peaceful purposes... Another important issue was the protection of peaceful nuclear facilities from attack."
(Mohammed I. Shaker, op. cit)

اس سلسلے میں غیر جانبدار تحریک کے ممالک کا موقف انتہائی واضح تھا۔ قاہرہ میں ۳۱ مئی سے ۳ جون ۱۹۹۵ء کو منعقد ہونے والے غیر جانبدار تحریک کے ممالک کے گیارہویں وزارتی اجلاس میں، جس دستاویز کو متفقہ طور پر منظور کیا گیا اس کے پیراگراف ۱۸ میں کہا گیا:

"The ministers expressed their objection to continued functioning of adhoc control groups on the pretext of non-proliferation of armaments, since they could impede the economic and social development of developing countries. They reiterated the need for multilaterally negotiated, universal, comprehensive and non-discriminatorty disarmament agreements to address proliferation problems."

دیکھیے:

"Excerpts from the document adopted by Eleventh Ministerial conference of the Movement of the Non-Aligned Countries," Disarmament (a periodic review by the United Nations) Vol. XVII No. I, 1995

۸۔ نیپال کے دارالحکومت کھٹمنڈو میں ۱۳ سے ۱۵ فروری ۱۹۹۵ء کو منعقد ہونے والے ایشیا اور بحرالکاہل کے ممالک کے ساتویں علاقائی اجتماع برائے تخفیف اسلحہ کے موقع پر تشکیل دیے گئے گروپ ۱ کے اجلاس میں بحث کرتے ہوئے امریکہ کی آرمز کنٹرول اینڈ ڈس آرمامنٹ ایجنسی کے اسسٹنٹ ڈائریکٹر جناب لارنس شین مین (Lawrence Sheinman) نے کہا:

"The restrictions placed on export were not directed indiscriminately at the South but aimed deliberately at containing recognised risks to the non-proliferation regime... NPT parties in compliance with their treadty obligations had wide access to peaceful nuclear assistance. Non-nuclear-weapon States unwilling to conclude full-scope safeguards agreements with the IAEA have shown they are not committed to non-proliferation and most suppliers agree these States should not be given the benefits of nuclear assistance."

دیکھیے:

Brahma Chellaney (Moderator of Working Group 1), "Disarmament Proposals and Agreements: Regional and Global Approaches", Disarmament (a periodic review by the United Nations), Vol. XVIII, No. 2, 1995.

9. Mohammed I. Shakir, "Why the Non-Aligned States May Not support an Indefinite Extension," Disarmament (a periodic review by the United Nations), Vol. XVIII, No. 1, 1995: "Having lost hope that all NWS would agree to a convention, a number of Non-Aligned States members of the CD proposed that a protocol (containing negative security assurances) be attached to the NPT at the 1995 Conference."

۱۰۔ان اعلانوں کے متن کے لیے دیکھیے ضمیمہ نمبر ۳

11. Jayantha Dhanapla (President of 1995 NPT Review and Extension Conference), "The 1995 Review and Extension Conference of the Nuclear Non-Proliferation Treaty," Disarmament (a periodic review by the United Nations), Vol. XVIII, No. 3, 1995: "The danger of a confrontation over the extension issude was real."

12. Mohammed I. Shakir, op.cit,: "Moreover the NPT is conceptually discriminatory, differentiating between nuclear-weapon States and non-nuclear-weapon States. For many Non-Aligned States, an indefinite extension of the NPT would mean a permanent division between the two categories of States and a perpetuation of the nuclear status of a few. It would legitimize nuclear weapons in a world which, since Hiroshima and Nagasaki, has witnessed a constant increase in the arsenals of nuclear. Powers."

وسط فروری ۱۹۹۵ء میں کھٹمنڈو میں منعقد ہونے والے ایشیا اور بحرالکاہل کے ممالک کے ساتویں علاقائی اجتماع برائے تخفیف اسلحہ میں (جس کا ذکر حاشیہ نمبر ۸ میں ہو چکا ہے) جاپان کی نمائندگی کرتے ہوئے ناگاساکی کے میئر جناب ہتوشی موتوشیما نے کہا:

"The Treaty (NPT) is based on the assumption that five nuclear Powers will continue to posses nuclear weapons and is not aimed at their elimintation. Nuclear weapons can never be eliminated as long as the five nuclear-weapon States depend on the theory of nulear deterrence.

As Mayor of one of the cities that experienced nuclear destruction, I am against the indefinite extension of the NPT, as nuclear-Weapon States have not shown their intention to abolish nuclear weapons altogether." (Hitoshi Moto SHima, "An Appeal for the Total Abolition of Nuclear Weapons, "Disarmament (a periodic review by United Nations), Vol. XVIII, No. 2, 1995.)

۱۹۹۵ء کی "این پی ٹی۔ جائزہ و توسیع کانفرنس" کے صدر (سری لنکا کے سفارتکار) جناب جیا نتھا دھناپالا نے اس حقیقت کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

"All wanted concreate steps taken to wards nuclear disarmament and were emphatic that the indefinite extension of the Treaty was not carte blanche for the nuclear-weapon States to retain their monopoly over the possession of those weapons forever." (Jiayantha Dhanapala, op.cit)

13 Mohammed I. Shakir, "The 1995 NPT Conference: A new Beginning," Disarmament (a periodic review by United Nations), Vol XVIII, No. 3, 1995.: "Unfortunately discussion on bracketed language emanating from Main committee I's report was not entirely successful. Major differences persisted with regard to the armsrace and nuclear disarmament. Consequently, the President saw no need to continue with a futile exercise."

14. Jayathna Dhanapala, op.cit.: "Regrettably, the focus of attention on the extension issue had resulted in less time and diplomatic effort being devoted to the review aspect."

15. Ibid.

16. Decision on Principles and Objectives for Nuclear Non-Proliferation and Disarmament کے متعلقہ حصے (Nuclear Disarmament) کے لیے دیکھیے ضمیمہ ۲

17. Mohammed I. Shakir, op.cit.

۱۸۔ Decision on Strengthening the Review Process for the Treaty کے لیے دیکھیے ضمیمہ ۲

19. John Simpson (Director of the Mountbatten Centre for International Studies, University of

Southampton, United Kingdom and a member of the United Nations Advisory Board on Disarmament Matters), "The Issue and Significance of the New NPT Regime,," Disarmament (a periodic review by United Nations), Vol. XVIII, No. 3, 1995.: "The recognition (of majority being in favour of indefinit extension) marked the culmination of a long and vigourous campaign, conducted by several of the nuclear-weapon States and their allies, to ensure the indefinite extension of the Treaty. At times this displayed arm-twisting and votecounting more characteristic of internal politics than of the international relations between sovereign states."

۲۰۔ این پی ٹی کی غیر معینہ مدت کے لیے توسیع کے فیصلے کے بعد معاہدے کے اس تضاد اور سقم کی طرف بھارت کے جوہری توانائی کمیشن کے چیئرمین جناب آر چدمبرم نے ان الفاظ میں اشارہ کیا:

"...there is a clause (Article VI) in the NPT which talks of 'nuclear disarmament'. On the other hand, you have this treaty which has been indefinitely extended, which means that for all time to come there can be some countries with nuclear weapons. So there is, obviously, what I will call, a logical inconsistency in the indefinite extension of the NPT. In fact nuclear disarmament has become irrelevant under the NPT."

دیکھیے:

"India Is Not Isolated" (interview with (Indian) AEC Chief R. Chidambaram), Frontline, Nov. 29,1996.

21. "...All States not yet party to the Treaty are called upon to accede to the Treaty at an earliest date, particularly those States that operate unsafeguarded nuclear facilities. Every effort should be made by all States parties to achieve this objective." (See Annex 2 for the text of "Decision on Principles and Objectives for Nuclear Non-Prolifiration".)

۲۲۔ Decision on Principles and Objectives for Nuclear Non-Proliferation and Disarmament کے متن کے لیے دیکھیے ضمیمہ ۲

۲۳۔ ۱۹۹۳ء میں (CD) کی ایڈہاک کمیٹی برائے سی ٹی بی ٹی کے چیئرمین میکسیکو کے سفیر جناب میگوئیل مارین بوش نے ۱۹۹۴ء میں کمیٹی کی کارکردگی کا جائزہ پیش کرتے ہوئے کہا:

"Quite obviously, a CTBT will not ban nuclear weapons. What NWS seek is the way to maintain them in good condition without testing them in the traditional manner. But they have no intention to close down the test sites or to allow others to inspect them. What is more, they wish to continue obtaining, through other means, the benefits and data that testing once provided." (emphasis added).

دیکھیے:

Miguel Marin Bosch, "CTBT: At the Cossroads," Disarmament (a periodic review by United Nations), Vol. XVIII, NO. 1, 1995.

24. Sohrab Kheradi (Deputy Director of the United Nations Centre for Disarmament Affairs), "Introductoy Remarks by the Moderator," Disarmament (a periodic review by United Nations), Nol. XVIII, No. 3, 1995.

25. Ludwik Dembinski, "The Negotiating Environment and Results of the Negotiation (on CTBT) in 1995." Disarmament (a periodic review by United Nations), Vol. XVIII No. 3, 1995.

26. "CTBT debate" (editorial), The Nation, Aug 3, 1996.

27. "CTBT failure" (editorial), The News, June 30, 1996.

28. Shakil Shaikh, "US Warms of Quiting Pact on CTBT if Basic Terms Not Met," The News, Apr. 12, 1996.

۲۹۔ باروخ پلان کے تحت جوہری اسلحہ سازی سے متعلق تمام سرگرمیوں کو ایک بااختیار بین الاقوامی ادارے (authority) کی تحویل میں دیا جانا تھا۔ اس پلان کے تحت امریکہ اپنے جوہری اسلحہ سے دستبردار ہونے کے لیے تیار تھا۔ بشرطیکہ دیگر ممالک بھی اس پلان کے تحت اپنی تحویل میں جوہری اسلحہ نہ رکھنے کے لیے تیار ہوں۔ باروخ پلان کی ناکامی کی ایک بڑی وجہ امریکیوں کی طرف سے پلان کی خلاف ورزی کرنے والوں کے خلاف ایسی موثر سزاؤں کی تجویز تھی جنہیں ویٹو سے مستثنیٰ قرار دیا گیا تھا۔ امریکیوں کی طرف سے یہ سخت موقف اس لیے اختیار کیا گیا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ روسیوں (سوویت یونین) کو جوہری اسلحہ بنانے میں کامیابی کے لیے کم از کم دس سے بیس سال کا عرصہ درکار ہوگا۔ باروخ پلان ۱۹۴۶ء کے اواخر میں اقوام متحدہ کے جوہری توانائی کمیشن سے منظور کرایا گیا۔ پولینڈ اور سوویت یونین نے رائے شماری میں حصہ نہیں لیا۔ بعد ازاں باروخ پلان کو سیکورٹی کونسل میں سوویت یونین نے ویٹو کر دیا تھا۔ باروخ پلان کی تیاری اور اس سے قبل کے عرصہ میں امریکہ کے جوہری اسلحہ کے مستقبل سے متعلق امریکی دفاعی پالیسی سازوں کی سوچ سے واقفیت کے لیے دیکھیے:

James Chace, "Sharing the Atom Bomb," Foreign Affairs, Jan/Feb. 1996.

30. Ibid

31. Ibid

32. Fred Charles IKle (US under Secretary of Defence for Policy and director of the U.S. Arms Control and Disarmament Agency under President Ford), "The Second Coming of the Nuclear Age," Foreign Affairs, jan/Feb. 1996." "Given this scenario of 'Mutual destruction, responsible planners had to assume nonuse. Many even came to see nuclear armament as the ultimate guardian of world peace. (emphasis added.)

33. Jonathan Dean (a longtime US State Department arms-control negotiator), "The final stage of Nuclear Arms Control", The Washington Quarterly, Autumn, 1994.: "Even after the end of the cold war confrontation, nuclear weaponsremain the chief danger to both the United States and other Western countries either through direct attack by a known or secret nuclear weapon state (emphasis added) or through the deterioration of the international environment into one where a score of nuclear weapon states continually manoeuver to maximize their own security."

34. Ibid

35. Lawrence F. Korb, "Our Overstuffed Armed Forces," Foreign Affairs, Nov/Dec.1995.

36. Fred Charles Ikle, op.cit: "After a year long study dedicated to the question of its nuclear strategy and forces for the coming decades, the Pentagon concluded that the United States should continue to purchase new missiles to replace those constructed during the Cold War and should not commit itself to reductions beyond START-11.A "requirement" of 3,500 strategic warheads, based largely on the Cold War calculus of an annihilating second strike after a surprise attack, emerged from the review." (empasis added).

37. Michael Mandelbaum, op.cit.: "It doesn't take a superpower to pose a nuclear threat. A small poor country with a few nuclear explosives and the means to deliver them could wreak terrible damage n the United States. Even if never used, a handful of nuclear weapons merely in the possession of on unfriendly country could change a regional balance of power against the United States.

38. M. Mandelbaum, Ibid: "The course of nuclear non-proliferation in the post-Cold war era, however, will depend less on what happens in the United Nations in 1995 (in the NPT Review and Extension Conference) than in Washington thereafter. The obstacle to the spread of nuclear weapons is not the NPT but the United States.

39. Lewis A. Dunn, op.cit: "At the same time, new found interest among the US civilian defence community and uniformed services has also triggered a long overdue assessment of how to deal with or, in some instances, counter with military means, the consequences of proliferation for U.S. national security, regional stability, and global order. This is justified by the realities of ongoing

proliferation across virtually all the regions of the World."

40. Lewis A Dunn, Ibid: "Unprecedented attention is now rightly focussed on what additional actions can be taken by the United States and other countries to prevent further proliferation or even in some instances roll it back. This must remain the top priority."

اسرائیل جیسے "حلیف اور دوست" ممالک بہرحال امریکیوں کی اس "اولین ترجیح" سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ بقول لیوس اے۔ڈن کے بقول:

"One of these countries Isreal-is a traditional friend and ally."

امریکی خارجہ پالیسی میں "Pivotal States Strategy" کے نام سے جس نئے رجحان کا پرچار ہو رہا ہے اس کے تحت بھارت کو بھی جوہری اسلحہ کے عدم پھیلاؤ کے نام سے ہونے والے تعزیری اقدامات سے نہ صرف مستثنیٰ رکھا جائے گا بلکہ گمان غالب یہ ہے کہ جنوبی ایشیا کے خطے میں امریکی مفادات کے تحفظ کے لیے اسے امریکہ کے "شریک کار" کی حیثیت دی جائے گی۔۔۔ پال کینیڈی، رابرٹ ایس۔ چیز اور ایمیلی بی۔ ہل "Pivotal States Strategy" کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

"A Pivotal States Strategy, in contrast, would encourage integration of new security issues into a traditional, state-central framework and lend greater clarity to the making of foreign policy. This integration may make some long-term consequences of the new security threats more tangible and managable. And it would confirm the importance of working chiefly through state governments to ensure stability while addressing the new security issues that make these states pivotal." (Robert S. Chase, Emily B. Hill and Paul Kennedy,: "Pivotal States and US Strategy", Foreign Affairs, Jan/Feb. 1996)

Pivotal State کی شناخت کے لیے جن تین بنیادی عناصر کی نشاندہی کی گئی ہے ان میں بڑی آبادی، اہم جغرافیائی محل وقوع اور اقتصادی امکانات (economic-potential) شامل ہیں۔ ظاہر ہے "مرکزی ملک" کے اس معیار پر جنوبی ایشیا میں بھارت ہی پورا اترتا ہے۔ اس حقیقت ہی کی طرف شاید اشارہ کرتے ہوئے بھارت کے اس وقت کے وزیر خارجہ (سابق وزیر اعظم) آئی کے گجرال نے کہا:

"We can't be isolated economically. We are a big market. When somebody comes to sell Coca-Cola, he doesn't oblige India. Other countries have their own economies in crisis and we are providing them with a market. The anatomy of international politics is interdependence. Post-cold war global economy does not mean favours to anybody. Anyone who blocks the traffic in one way suffers on the other:"

دیکھیے:

(Interview with) I.K. Gujral, "We had no option, "India Today, Sept. 15, 1996.

بھارت کو یقین ہے کہ جوہری طاقتیں اس کے جوہری پروگرام کو بند کرانے اور اسے سی ٹی بی ٹی اور این پی ٹی میں شمولیت پر مجبور کرنے کے لیے کبھی بھی تعزیری اقدامات نہیں اٹھائیں گی۔ بھارت جریدے "فرنٹ لائن" کے اسی شمارے کے ایک تجزیے میں کہا گیا ہے:

"Besides, nuclear weapon powers and their allies inclined to apply sanctions against India are not likely to go beyond a point becuase they have large political and economic stakes in India. They will be causing tremendous harm to their own interest if they start treating India as a rogue state like Libya, Iraq, Iran or Syria."

41. Lewis A. Dunn, op. cit: "Actual use of nuclear weapons might be undertaken by some countires to fulfil a transcendent ideological, religious, or historical mission, regardless of consequences for their societies. For the msot likely target of such action, Israel, how much to fear this threat is already being debated..."

ان مزید لکھتے ہیں:

"At the least, U.s. freedom of action counld be severely constrained for example, in a future confrontation with a nuclear armed Iran or Iraq. At worst, a country might successfully use nuclear

threats to hold the ring against U. S. involvement. Other countires might also be the target of nuclear blackmail, including U.S. allies in Europe and Japan, whose support would be critical for intervention in the Middles East, the Gulf, and Asia."

42. Miguel Marin Bosch, op. cit, pp.63-64.

۴۳۔ ۱۹۹۵ء میں اقوام متحدہ کے کانفرنس برائے تخفیف اسلحہ (CD) کے زیر اہتمام سی ٹی بی ٹی کے لیے ہونے والے مذاکرات میں سی ڈی کے بے امریکہ کے مستقل نمائندے اسٹیفن لیڈوگار نے سی ٹی بی ٹی کی تکمیل کے باوجود بڑی طاقتوں کی اپنے جوہری ہتھیاروں کی حفاظت اور بہتر نگہداشت کی صلاحیت کی یقین دہانی کراتے ہوئے کہا:

The majority|of the participating 38 countries| believes that the banning forever of all nuclear tests in all environments will brings about and bring about rapidly. the deterioration and the decay of all existing nuclear weapon stock piles. As I under stand it, all five nuclear -weapon States believe that without testing we can nevertheless maintain for the forseeable future the viability, the safety and the reliability of our nuclear stockpiles,,

دیکھیے:

Stephen ledogar,"the urgency of completing the Test-Ban Treaty, Disarmament(a periodic review by the United Nations)vol.XVIII No.3, 1995

۴۴۔ "فنانشل ٹائمز" کے اداراتی نوٹ میں اس مسئلے کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے لکھا گیا:

India's demand was so unrealistic that it appeared to be an excuse to avoid signing up. But the terms in which India presented its arguments are a good illustration of the grievances that many developing nations fed. They can not accept that five countries should indefinitely enjoy the global influence that nuclear weapons bestow while all other nations are indefinitely denied it. Like G7 which over-represent Euorape and under represent Asia,the world's nuclear system look in many lengths an anachronism, based on yesterday's world order.

دیکھیے

Test Ban Talks in Trouble,(editorial),Financial Times,london,july 1, 1996

45. Dr jassim taqui (quoting Dr.Munir Ahmed khan, former chairman of Pakistan Atomic Energy Commission), Kissinger supported Indian Nuke,pulse(islambad),March28-Apr. 1997:,,(M-A) Khan regretted that the United states declined to use any pressure to dissuade India from going nuclear. Rather it helped New Delhi with nuclear reactors and the transfer of nuclear technology .He divulged that the then American perception was to encourage India to be nuclear power in order to balance the rising nuclear capability of China.

46. Siraj Ali and Ahmed Irfan, Dissimulation and double-speak.Incompetens,cowardice,or simply treason? Impact International,London,September 1996.."yet Israel is believed to have achieved the ability of designing and testing newer nuclear weapons outside the CTBT regime."

47. Stephan ledgoar,op.cit: The United States believes that the very concept of a peaceful nuclear explosion is an oxymoron. There is no nuclear explosion that does not create more damage, if only to the environment, then it could create good.And there is no nuclear explosion that does not have some possible military implications,

۴۸۔ اقوام متحدہ کے تخفیف اسلحہ کانفرنس (CD) میں امریکہ کے مستقل مندوب جناب اسٹیفن لیڈوگار نے ۱۹۹۵ء میں مذاکرات کے دوران کہا

' As the United States has made clear the CTBT must be comprehensive and promote the vital United States National Interests in curbing the further proliferation of nuclear weapons .At the same time the CTBT must not prohibit activities necessary to maintain the safety and reliability of its stockpile. Those views seem to be shared by the other nuclear-weapon states."

دیکھیے:

Stephen j. ledogar Concluding the Negotiations" Disarmament(a periodic review by the United Nations)vole .XV111 No 1, 1995.

49: Muguel Marin Bosch, Op Cit,P.66.

۵۰: میگوئیل ماریں بوش سی ٹی بی ٹی کے تحت نگرانی کے نظام (Verification systen) کا ذکر کرتے ہوئے اس "نام نہاد قومی ذرائع" کے بارے میں یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

"The fundamental problem with the verification system of multilateral disarmament agreements lies in the fact that there are very few countries that have the necessary methods and techniques.The so-called "National means" of verification is a euphemism used to describe systems of satellite observation espionage and other methods developed over decades by the principals military powers. It would not be an exaggeration to say that both the Russian Federation and the United states (and perhaps some other country as well) could verify a CTBT unilaterally."

دیکھیے: Miguel Marin Bosch, Ibid

51- Raj Chengappa "playing the spoiler". India Today sep.15,1996 "while Indian didn't want to sign the treaty, it had no intentions of blocking it. But two days after India announced its decision the nuclear weapon states introduced an annex making it compulsory for India to be one of the 44 signatories for the treaty to come into force what raised India s suspicions was the additional clause that if the treaty is not signed within two[sic]years there would be a review conference in which "measures" could be taken against recalcitrant nations. India interpreted this as a threat of sanctions. And no account of reassurance from the five nuclear powers could allay its fears."

52- Gen(retd),Khalid Mohamud Arif,"CTBT and our national interests", Dawn Aug,8 1996 "Pakistan attaches the highest importance to this provision[of CTBT entering into force upon signing by 44 nations including India and Pakistan"] Also see Fahd Hussain ,Pakistan to oppose any changed in CTBT, "The Nation, July 10, 1996: "Pakistan has supported the last one (provision for CTBT coming into force upon signing by certain countries including India) to ensure that India does not have an escape route to be exempt from the treaty.

۵۳: روزنامہ جنگ، لندن ۱۷ اگست ۱۹۹۶ء

54- Josepha. Nye, Jr, "the Case for Deep Engagement", Foreign Affairs, Jul.Aug. 1995

باب پنجم

﴿فصل سوم﴾

افغانستان پر حالیہ امریکی اور اتحادی ممالک کے حملے کے حوالے سے پاکستان کا مؤقف اور صلح حدیبیہ:

11 ستمبر کے واقعات کے صرف تین دن بعد ہی امریکی صدر نے عالمی دہشت گردی کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا اور نہایت تیز رفتاری سے اس کے حق میں عالمی سطح پر سیاسی اور فوجی کارروائیاں شروع کر دیں۔(۱)

امریکہ کے صدر نے اپنی تقریر میں پوری دنیا کی حکومتوں پر واضح کر دیا کہ امریکہ کی جانب سے عالمی سطح پر دہشت گردی کے خلاف جنگ میں ان کا ساتھ دیں اور پھر دوٹوک الفاظ اور قدرے دھمکی آمیز لہجے میں کہا کہ حکومتیں یہ فیصلہ کریں کہ وہ امریکہ کے ساتھ ہیں یا نہیں۔ پاکستان کی حکومت سے بھی امریکی حکومت نے فوری مطالبہ کیا اور امریکہ میں دہشت گردی کی مذمت کرتے ہوئے دلی دکھ اور افسوس کا اظہار کیا۔ پاکستان میں امریکہ میں ہونے والی دہشت گردی کے واقعات کے فوراً بعد حکومت نے بھارت کے جارحانہ رویوں کو دیکھتے ہوئے فوری اقدامات شروع کر دیے۔ 11 ستمبر کے واقعات تھوڑی دیر بعد بھارت کی جانب سے ہونے والی کوششوں اور منصوبہ بندیوں کو دیکھتے ہوئے یوں حیرت ہونے لگی جیسے بھارت کو پہلے ہی سے امریکہ میں رونما ہونے والے دہشت گردی کے واقعات کے بارے میں علم تھا۔ بھارتی میڈیا نے فوراً ہی امریکہ کو یہ مشورے دیئے کہ بلا تاخیر پاکستان اور افغانستان پر حملہ کر دیا جائے اور بھارت نے اسے جنگ کے لیے تمام سہولتیں پیش کر دیں۔ پاکستانی حکومت نے مئی میں بھارتی شہر آگرہ میں مسئلہ کشمیر پر مذاکرات کے دوران بھارت کو مجبور کر دیا تھا کہ وہ مسئلہ کشمیر کے حل میں مثبت رویے اپنائے۔ آگرہ مذاکرات میں حکومت کی پرفارمنس ہر اعتبار سے لاجواب رہی اور حکومت نے مسئلہ کشمیر کو اتنے بہتر طور پر اٹھایا کہ اس سے قبل کبھی نہیں اٹھایا گیا۔ اس کے تین مہینے بعد ہی حالات اچانک بھارت کے حق میں آ گئے تھے۔

امریکہ پر دہشت گردی کے حملے کوئی معمولی بات نہیں تھے۔ امریکی حکومت نے پاکستان پر واضح کر دیا کہ وہ امریکہ میں 11 ستمبر کو ہونے والے واقعات کے حوالے سے افغانستان میں اسامہ بن لادن کے خلاف کارروائی کرے گا اور اگر طالبان حکومت نے اسامہ بن لادن اور اس کی تنظیم القاعدہ کے خلاف کارروائی کی اجازت نہیں دی تو وہ افغانستان میں طالبان حکومت کے خلاف بھی کارروائی کرے گا۔(۲)

امریکہ پہلے ہی دنیا بھر کے تمام ملکوں کو دوٹوک الفاظ میں کہہ چکا تھا کہ کوئی درمیانی راستہ نہیں ہے۔ دنیا بھر کی حکومتیں یہ فیصلہ کر لیں کہ وہ عالمی سطح پر پوری دنیا میں دہشت گردی کے خلاف جنگ میں امریکہ کے ساتھ ہیں یا نہیں اور امریکی حکومت کے ان بیانات کے فوراً بعد ہی دنیا کی اکثریت حکومتوں نے امریکہ کی حمایت میں دہشت گردی کی مذمت کی۔ آسٹریلیا، برطانیہ اور کینیڈا

فوری طور پر اپنی قوت کے ساتھ امریکہ کی مدد کو آ پہنچے۔ فرانس، جرمنی، جاپان نے بھی مدد کا اعلان کردیا۔ باقی ممالک نے امریکہ میں دہشت گردی کے واقعات کی مخالفت کرتے ہوئے دہشت گردی کی مذمت کی۔ (۳)

جہاں تک اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کا تعلق ہے اس میں دہشت گردی پر بحث مدتوں سے چل رہی ہے لیکن عالمی سطح پر دہشت گردی کی ہی تعریف متعین نہیں ہوسکی۔ جب بھی دہشت گردی پر بات چلی تو ریاستی دہشت گردی بھی زیر بحث آئی کہ اسرائیل فلسطینیوں کے خلاف اور بھارت کشمیر کے خلاف کیا کررہا ہے، پھر بوسنیا کوسوو اور دوسرے ایسے کئی علاقے ہیں جہاں آزادی اور جدوجہد جاری ہے اور کشمیر اور فلسطین سمیت کئی علاقوں میں آزادی کی تحریکوں کے حق میں اقوام متحدہ کی منظور شدہ قراردادیں بھی موجود ہیں یوں دہشت گردی کی اقوام متحدہ کے حوالے سے کوئی ایسی تعریف متعین نہیں ہوسکی جس پر دنیا کے تمام ممالک، اقوام اور حکومتیں متفق ہوں لیکن جہاں تک امریکہ اور دوسرے ترقی یافتہ ممالک کا تعلق ہے، دنیا بھر میں ان کے خلاف ہونے والی دہشت گردی کے واقعات کے بعد انہوں نے کارروائی کی۔ (۴)

یوں 11 ستمبر کے بعد پاکستان تاریخ کے انتہائی بحران کا شکار ہوگیا ایک جانب اپنے سے پانچ گنا طاقت ور دشمن اس کے ہمسایہ فوراً پاکستان پر حملے کے لیے تیار تھے اور دوسری جانب اگر پاکستان امریکہ کے مطالبات رد کردیتا تو امریکہ نے بھی پوری قوت سے پاکستان پر حملہ کرنا تھا، پاکستان اپنی تاریخ کے انتہائی اقتصادی بحران سے گزر رہا تھا۔ پاکستان کو ۱۹۹۹ء سے سن ۲۰۰۱ء تک بیرونی قرضوں کی ادائیگی اور معیشت کی بحالی کے لیے انتہائی سخت ترین اقدامات کرنے پڑے جن کا بوجھ عام آدمی سے لے کر سرمایہ دار اور صنعت کاروں تک پڑا۔ کرپشن کی روک تھام کے لیے کیے جانے والے اقدامات کے سبب ہزاروں سرکاری افسروں، اہلکاروں اور سابق حکمرانوں کے خلاف کاروائیاں ہوئیں لیکن اس کے باوجود حکومت کو مزید ٹیکس نافذ کرنے پڑے، ملازمین کی چھانٹی کرنی پڑی۔ یوں ملک میں بے روزگاری میں اضافہ ہوا اور ملک کی تیس فی صد آبادی انتہائی غربت کے لائن سے نیچے چلی گئی۔ (۵)

یوں جب امریکہ نے دہشت گردی کے خلاف جنگ کے حوالے سے پاکستان کو اپنے مطالبات پیش کیے تو پاکستان کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا۔ اڑھائی تین سال قبل بھی امریکہ نے بلوچستان کے ساحل کے قریب بحیرہ عرب سے کچھ میزائل بلوچستان کے علاقے خاران اور چاغی کے علاقوں میں گرائے تھے اور کچھ پھٹے بھی نہیں تھے۔ لیکن امریکہ کی اس کارروائی پر اس طرح ردعمل نہیں ہوا تھا مگر اب صورت حال بہت مختلف تھی۔ امریکہ نے افغانستان کی طالبان حکومت کے خلاف اور اسامہ بن لادن کے خلاف باقاعدہ جنگ کا آغاز کردیا تھا اور امریکہ کے ساتھ اس جنگ میں کینیڈا، آسٹریلیا اور برطانیہ شریک تھے جب کہ جاپان سمیت دوسرے کئی اتحادی ممالک بھی اس کی مدد کررہے تھے۔ (۶)

یوں 11 ستمبر کے بعد پاکستان اپنی تاریخ کے انتہائی سنگین بحران سے دوچار ہوگیا۔ بحران کے حوالے سے پاکستان کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو آزادی کے بعد پاکستان کو ناکام بنانے کی سازش کے تحت شدید ترین اقتصادی، سیاسی اور سماجی بحران میں مبتلا کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس کے بعد ۱۹۷۱ء کو دسمبر میں بھارتی جارحیت کے حوالے سے پاکستانی انتہائی بحران کا شکار ہوا۔ جس کے نتیجے میں مشرقی پاکستان بنگلہ دیش میں تبدیل ہوگیا لیکن اگر دیکھا جائے تو اس بحران کا آغاز ۱۹۷۰ء کے انتخابات سے رونما ہوا تھا اور اگر اس وقت کی قیادت دانائی سے اور بروقت فیصلے کرتی تو بحران انتہائی حدوں کو نہ چھوتا۔ (۷)

لیکن اگر ۱۱ ستمبر سن ۲۰۰۱ء کے بعد کی بحرانی کیفیت اور حالات کا موازنہ کیا جائے تو یہ بحران ان دونوں بحرانوں سے زیادہ شدید معلوم ہوتا ہے۔ ۱۹۴۷ء اور ۱۹۷۱ء کو بے یقینی کی صورت حال اور ابہام و دُھند فضا اور ماحول نہیں تھا۔ یہ دونوں بحران اچانک بھی نہیں تھے۔ پاکستان کی واضح تحریک کا آغاز ۱۹۴۰ء سے ہوا تھا اس لیے تقسیم ہند کے بعد قیادت کو کسی حد تک تکالیف اور بحران کا اندازہ تھا۔ اس طرح ۱۹۷۱ء کے بحران کا آغاز ۱۹۶۸ء سے ہوا تھا پھر مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان میں ہونے والے بحران سے مغربی پاکستان کے عوام زیادہ متاثر نہیں ہوئے۔ البتہ حکومتی سطح پر یہ بحران زیادہ شدت سے محسوس کیا گیا۔(۸)

اس بار بحران بالکل اچانک رونما ہوا تھا۔ اس بحران کی شدت اگرچہ بلوچستان کے شمالی علاقے اور صوبہ سرحد میں پنجاب اور سندھ کے مقابلے میں سرحدی طور پر زیادہ تھی لیکن مجموعی طور پر جذباتی حوالے سے پورا پاکستان اس سے متاثر ہوا تھا۔ دفاعی نقطہ نگاہ سے پورے ملک کی سلامتی کو اچانک شدید نوعیت کے خطرات کا سامنا ہوا۔ پہلے تو فوری طور پر اس اچانک بحران سے بھارت کی جانب سے جنگ کے خطرات پیدا ہو گئے پھر جہاں تک افغانستان کا تعلق ہے تو مذہبی، لسانی، ثقافتی، اعتبار سے افغانستان کی عوام سے پاکستان کے عوام کا گہرا رشتہ رہا ہے۔ بلوچستان اور صوبہ سرحد میں سرحدوں کے دونوں اطراف میں بسنے والوں کے آپس میں رشتے ہیں۔(۹)

پھر جب ۱۹۷۹ء سے ۱۹۸۹ء تک کے عرصے میں سابق سوویت یونین کے خلاف جنگ جاری تھی تو حالات آج کے مقابلے میں بہت مختلف تھے۔ اس وقت اگرچہ پاکستان، افغانستان روس جنگ کے حوالے سے فرنٹ لائن کا ملک ضرور تھا لیکن سابق سوویت یونین کے مقابلے میں دنیا کے اکثر ممالک افغان مجاہدین کی مدد کر رہے تھے۔ ایک اندازے کے مطابق افغانستان کے مجاہدین اور حالات کے لیے علاقے میں تقریباً ساٹھ ارب ڈالر کی امداد مجموعی طور پر آئی۔ اس امداد میں افغان مجاہدین کے لیے اسلحہ، لباس، خیمے، خوراک اور نقدی شامل تھی۔ ان امداد دینے والے ممالک میں سب سے بڑا ملک امریکہ تھا۔ افغانستان سے تقریباً ۳۵ لاکھ افغان مہاجرین نے پاکستان میں پناہ لی۔ پاکستانی قوم نے ان مجاہدین اور مہاجرین کا ساتھ دیا۔ یوں اگر پاکستان کو کسی قسم کا خطرہ تھا تو زیادہ خطرہ روس سے تھا اور کسی حد تک خطرہ بھارت سے تھا لیکن پوری دنیا کے پاکستان کی طرف ہونے سے بھارت کی جانب سے خطرات کم ہی تھے۔ لیکن اب کی بار صورت حال قطعی مختلف تھی۔ افغانستان روسی جارحیت کے بعد خانہ جنگی اور اس کے بعد طالبان شمالی اتحاد کی جنگ کی وجہ سے تباہ و برباد ہو چکا تھا۔ گزشتہ تین برسوں سے شدید خشک سالی کا شکار رہا تھا پھر دو برسوں سے اسامہ بن لادن کو امریکہ نے دہشت گرد قرار دے کر طالبان حکومت کے خلاف پابندیاں عائد کر رکھی تھیں۔(۱۰)

ان حالات میں امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے ازبکستان اور بحیرہ عرب سے فضائی حملے شروع کیے اور پاکستان نے دنیا کے اکثریتی ممالک کی جانب سے امریکہ کے موقف کی حمایت کرنے کے بعد امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو ہر ممکن تعاون کی یقین دہانی کرائی۔(۱۱)

حکومت کے اس موقف کی وضاحت کرتے ہوئے سابق صدر جنرل پرویز مشرف نے 19 ستمبر کو قوم سے خطاب کرتے ہوئے پوری صورت حال سے آگاہ کیا۔ امریکہ کی جانب سے اسامہ بن لادن کے خلاف ثبوت کے حوالے سے ان سے امریکی اہلکار ملاقات کر چکے تھے۔ اپنی تقریر میں انہوں نے عالمی سطح پر ہر قسم کی دہشت گردی کی مذمت کی اور دہشت گردی کے خاتمے کے لیے امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی حمایت کی۔ انہوں نے پاکستان کے حوالے سے قوم کو اعتماد میں لینے کی کوشش کرتے ہوئے کہا کہ

سب سے پہلے ہمیں پاکستان کی سلامتی عزیز ہے اور اگر پاکستان ہے تو ہم ہیں اور اگر خدانخواستہ پاکستان نہیں ہے تو پھر ہم بھی نہیں ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے پاکستان کی ایٹمی صلاحیت کے تحفظ کی بات کی کہ یہ صلاحیت پاکستان نے برسوں کی محنت اور کوششوں کے بعد انتہائی کاوش سے حاصل کی ہے اور پاکستان ہر قیمت پر اس کی حفاظت کرے گا پھر کشمیر کی بات کی کہ کشمیر میں مجاہدین کی جدوجہد جاری ہے اور پاکستان کشمیر میں آزادی اور کشمیر کے مسئلے کا حل چاہتا ہے اور اصولوں کی بنیاد پر کشمیر اپنے موقف سے نہیں ہٹے گا اور آخر میں انہوں نے پاکستان کی اقتصادی صورت حال کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان اپنے اقتصادی مسائل کو حل کرے گا اور مستقبل میں ضرور ترقی کرے گا۔(۱۲)

حکومت کے فیصلوں پر جنرل پرویز مشرف نے عوام کو اعتماد میں لیتے ہوئے کہا کہ پاکستانی عوام کی اکثریت ان حقائق کو سمجھتے ہوئے حکومت کا مکمل ساتھ دے گی۔ انہوں نے اپنی تقریر میں صلح حدیبیہ کا بھی حوالہ دیا اور پاکستانی قوم سے حکمت و دانائی کے ساتھ تمام مسائل اور مصلحتوں کو سمجھنے کی اپیل کی۔ جنرل پرویز مشرف کی تقریر کے بعد صورت حال واضح ہونے لگی۔ عوامی سطح پر شکوک بھی ابھرے کیونکہ امریکہ کے صدر نے واضح کہہ دیا کہ دہشت گردی کے خلاف کارروائی امریکہ دنیا کے ہر ملک میں کرسکتا ہے جو دہشت گردی میں ملوث یا تو دہشت گردوں کا ساتھ دے۔(۱۳)

۷ راکتوبر کی شام کو امریکہ نے افغانستان پر میزائلوں سے حملہ شروع کردیا جس کا ردعمل پورے ملک میں احتجاجی مظاہرے ہوئے اور سب سے زیادہ ردعمل کوئٹہ میں ہوا۔(۱۴)

امریکی حملوں پر پاکستان میں ردعمل فطری تھا اس کی بنیادی وجہ ماضی میں امریکہ کی کارکردگی رہی ہے۔ یہ حقائق امریکہ کو بھی معلوم ہیں کہ دنیا کے ترقی پذیر اور پس ماندہ ملکوں کے عوام کی اکثریت امریکہ سے نفرت کرتی ہے اور پھر اسامہ بن لادن کے حوالے سے خود امریکی میڈیا نے ان کو سطح دہشت گرد تو ضرور قرار دیا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ تاثر بھی واضح کیا گیا کہ اسامہ بن لادن نے افغانستان میں روس کے خلاف بھی جہاد میں حصہ لیا اور اب وہ امریکہ کے حوالے سے دنیا بھر میں جہاں جہاں مسلمان حریت پسندوں کی تحریکیں چل رہی ہیں، ان کی مدد کرتے ہیں۔ یوں جب افغانستان پر حملے شروع ہوئے تو عوام کی ہمدردیاں افغانستان کی مظلوم عوام کے ساتھ ساتھ اسامہ بن لادن کے ساتھ بھی ہو گئیں۔(۱۵)

لیکن حکومت نے جو حقائق بھارت کے حوالے سے عوام کے سامنے رکھے تھے، وہ بھی اتنے ہی مضبوط تھے۔ عوام کی اکثریت کے ذہن میں یہ سوال بہرحال تھا کہ اگر پاکستان امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے مطالبات تسلیم نہ کرتا تو دوسری صورت کیا ہوتی؟

۲۲ راکتوبر کو یعنی امریکی حملوں کے پندرہ دن بعد پاکستان ٹیلی ویژن فرہاد زیدی، مجیب الرحمٰن شامی کو انٹرویو دیتے ہوئے بھارت کی جانب سے جنگ کے حوالے سے وضاحت کی کہ اگر پاکستان عالمی سطح پر دہشت گردی کے خاتمے کے لیے امریکہ اور عالمی برادری کے ساتھ نہ دیتا تو عالمی برادری ہماری مخالف اور بھارت کے ساتھ ہوتی۔ ہم نے بھارت کو عالمی برادری سے اس موقف پر الگ کردیا ورنہ دوسری صورت انتہائی خراب ہوتی۔ اب عالمی برادری بھارت کے بجائے ہمارے ساتھ ہے۔(۱۶)

جنرل پرویز مشرف کے موقف سے جذباتی طور پر خصوصاً افغان مظلوم عوام کے حوالے سے لوگوں کو اختلافات ہوسکتے ہیں لیکن

دنیا بھر کے ۵۷ اسلامی ممالک میں سے ۹۰ فی صد سے زیادہ ممالک نے اسلامی وزراء خارجہ کی کانفرنس میں بھی دہشت گردی کے خلاف کارروائی پر امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے موقف کو تسلیم کر لیا۔ پاکستانی حکومت نے اپنے اس موقف کی وضاحت یہ بھی کی کہ پاکستان اس صورت حال میں یہ چاہتا ہے کہ افغانستان میں ہونے والی کارروائیوں میں افغانستان کے عوام کو نقصان نہ پہنچے اور پھر جو لوگ افغانستان سے مہاجرین کی صورت میں پاکستان میں پناہ لیں گے، ان کے لیے پاکستان میں عالمی اداروں کی مدد سے دیکھ بھال کی جاسکتی ہے۔(۱۷)

افغانستان کے خلاف ۷ اکتوبر کی جنگ شروع ہونے سے قبل ہی سعودی عرب اور عرب امارات نے اپنے سفارتی تعلقات منقطع کر لیے اس کے بعد یہ امکان بھی تھا کہ شاید پاکستان کو امریکی دباؤ کے تحت افغانستان سے اپنے تعلقات منقطع کرنے پڑیں گے لیکن پاکستان نے افغانستان میں جنگ کے پیش نظر اپنے سفارتی عملے کو تو واپس پاکستان بلوایا مگر طالبان حکومت سے سفارتی تعلقات منقطع نہیں کیے۔ یوں بقول پرویز مشرف پاکستان نے دنیا بھر کے ممالک کے لیے سیاسی پیش رفت، مذاکرات اور بات چیت کے لیے ایک کھڑکی کھول رکھی تھی اور باوجود اس کے کہ پاکستان اس وقت طالبان حکومت کی مخالف قوتوں کی حمایت کر رہا تھا، طالبان حکومت کی جانب سے بھی سفارتی تعلقات منقطع نہیں ہوئے۔(۱۸) اور پاکستان میں افغان طالبان کے سفارت خانے سمیت قونصلیٹ کھلے ہوئے تھے۔

پاکستان میں ۲۲ نومبر کو طالبان کے ہتھیار نہ ڈالنے کے اعلان کے بعد پاکستانی حکومت نے طالبان حکومت سے ساتھ تعلقات منقطع اور افغان سفارت خانے اور کوئٹہ اور پشاور میں قونصلیٹ بند کرنے کا اعلان کیا۔(۱۹)

سابق صدر پرویز مشرف اور پاکستان:

سابق صدر پرویز مشرف ۱۲ اکتوبر ۱۹۹۹ء کو جن حالات میں اقتدار میں آئے تھے، اس وقت ملک اقتصادی طور پر بہت بڑے بحران سے دوچار تھا۔ انہوں نے آتے ہی کرپشن کے خاتمے، معیشت کی درستگی اور بحالی کے لیے بعض اقدامات کیے۔ مسئلہ کشمیر کے بارے میں پڑھے لکھے حلقوں میں یہ تشویش ضرور تھی کہ منتخب حکومت کے زمانے میں بھارت سے جو مذاکرات کا سلسلہ منقطع ہوا تھا، کیا وہ بحال ہو سکے گا؟ اور ان مذاکرات میں پاکستان نے جس کمزور پوزیشن کا مظاہرہ کیا تھا، کیا پاکستان کی پوزیشن اس سے بھی زیادہ کمزور ہو گئی یا پاکستان بہتر طور پر اپنا موقف پیش کر سکے گا؟ اس حوالے سے ۱۵ مئی سن ۲۰۰۱ء کو صدر پرویز مشرف نے جو کامیابی حاصل کی، اس سے عوام سمیت بہت سے سیاسی حلقے بھی متاثر ہوئے اور کئی مخالفین نے بھی ان کے اقدامات اور صلاحیتوں کو سراہا تھا۔(۲۰)

لیکن ۱۱ ستمبر کے بعد تمام تر پوزیشن اچانک بدل گئی۔ اس پوزیشن میں اتنے نازک ترین دور میں فوراً فیصلہ کرنا بہت اہم تھا۔ پاکستان میں افغان بھائیوں کی محبت جذباتی حد تک ہے اور دوسری جانب امریکہ کی پالیسیوں سے پاکستانی عوام نفرت کرتی ہے اور اس کا اظہار برسوں سے کھلے عام ہوتا رہا ہے۔ ان حالات میں فوری طور پر ایسے اقدامات کرنا بہت مشکل تھا نہ صرف اندرونی طور پر ملک بلکہ بیرونی ملک کے تجزیہ نگاروں اور صحافیوں کی ایک بڑی تعداد یہ اندازے لگا رہی تھی کہ پرویز مشرف کے اس فیصلے سے پاکستان خانہ جنگی کا شکار ہو جائے گا پھر خصوصاً 18 ستمبر کو جس شدید ردعمل کا مظاہرہ ہوا اسے دیکھتے ہوئے اندازہ ہوتا تھا کہ پاکستان کو اندرونی طور پر بہت زیادہ

مشکلات کا سامنا ہے۔(۲۱)

۲۲ اکتوبر کو پرویز مشرف نے انٹرویو میں عالمی دہشت گردی کے حوالے سے بتایا کہ جہاں تک افغانستان کے خلاف جنگ کا تعلق ہے، انہوں نے یعنی امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے جنگی حکمت عملی اپنائی ہوگی لیکن یہ کہنا کہ افغانستان میں فوجی نوعیت کی کامیابی کے بعد کیا عالمی سطح پر دہشت گردی ختم ہو جائے گی تو یہ اتنا آسان نہیں ہے۔

انہوں نے کہا کہ میں نے یہی بات عالمی رہنماؤں اور سیاست دانوں سے کہی ہے کہ یہ دہشت گردی تو درخت کے پتے ہیں پھر نکل آئیں گے۔ دہشت گردی کو جڑوں سے ختم کرنا ہوگا اور اس کے لیے اس کی بنیادوں پر غور کرنا ہوگا۔ فلسطین، مسئلہ کشمیر، چیچنیا، کوسووجہاں جہاں مسائل موجود ہیں، ان مسئلوں کا سیاسی حل تلاش کرنا ہوگا۔ یوں جب تک سیاسی حل تلاش نہیں کیا جاتا، عالمی سطح پر دہشت گردی کا مکمل خاتمہ ممکن نہیں۔(۲۲)

پاکستان کی حکومت کے فیصلے کے بعد جب ۷ اکتوبر کی شام سے افغانستان پر حملے شروع ہوئے، پاکستانی عوام ایک عجیب سی کیفیت میں مبتلا رہے۔ امریکہ اور اس کے اتحادی عوام کے ناپسندیدہ ہیں۔ ان کو امریکی حملوں سے شدید دکھ اور رنج پہنچا۔ حکومت کے اقدامات ان کے لیے تذبذب، بے چینی، پریشانی اور فکر کا سبب بنتے رہے۔ پورے ملک میں ایک طرف افغانستان کے ساتھ شدید ہمدردی رہی تو دوسری جانب یہ احساس بھی رہا کہ اگر پاکستان پر امریکی بھارتی حملہ ہوا تو کیا ہوگا؟(۲۳)

جہاں تک عالمی قوتوں کا تعلق ہے تو روس اور چین کے سربراہوں نے ۲۱ اکتوبر کی ملاقاتوں میں عالمی سطح پر دہشت گردی کے خلاف کارروائیوں میں امریکہ کی حمایت کی اور روس شمالی اتحاد کو ٹینک اور دوسرا اسلحہ دینے تک رضامند ہوگیا۔ پوری دنیا کی ترقی پذیر اور پسماندہ ملکوں کو انہی دو قوتوں سے یہ امیدیں تھیں کہ شاید وہ اس موقع پر ایسا موقف اپنائیں گے جس کی وجہ سے امریکہ مجبور ہو کر افغانستان کے خلاف فوری کارروائی سے باز آجائے گا لیکن ۱۱ ستمبر کے بعد اگر کچھ تشویش روس اور چین کو تھی تو وہ ان کے علاقائی اور عالمی سطح کے اقتصادی مفادات کی تھی امریکہ نے ان دونوں قوتوں کو قدرے مطمئن کر دیا۔ ان حالات میں اکثر تجزیہ نگار کا زاویہ نظر یہی رہا کہ اگر پاکستان قائم ہے تو وہ اب بھی کسی مرحلے میں طالبان اور افغان عوام کی سیاسی مدد کرتے ہوئے عالمی برادری سے مذاکرات کی راہیں ہموار کر سکتا ہے اور اگر ایسا نہ بھی ہو سکے تو افغانستان کے لوگوں کے لیے اب بھی جائے پناہ پاکستان کی سرزمین ہے لیکن اگر یہاں بھی حالات خدانخواستہ افغانستان کی طرح ہو جاتے ہیں تو پھر پاکستان اور افغانستان کے مسلمانوں کے لیے کوئی سرزمین نہیں ہوگی۔(۲۴)

طالبان حکومت اور بحران:

افغانستان کی تقریباً ڈیڑھ سو سالہ تاریخ اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ دنیا اس خطے کو پسماندہ رکھنے اور تباہی و بربادی سے دوچار کرنے میں عالمی قوتوں خصوصاً برطانیہ، سابق سوویت یونین اور امریکہ کو واضح کردار رہا ہے۔ یہ دنیا کا واحد ملک ہے جس پر پہلے برطانیہ نے ۱۸۳۹ء تا ۱۸۴۲ء اور پھر ۱۸۷۸ء تا ۱۸۸۰ء اور پھر ۱۹۷۹ء تا ۱۹۸۹ء تک سابق سوویت یونین نے جنگ مسلط کی اور پھر ۷ اکتوبر سن ۲۰۰۱ء سے امریکہ اور اس کے اتحادی آسٹریلیا، برطانیہ اور کینیڈا اس ملک کے خلاف بھرپور طاقت سے جنگ میں

مصروف ہیں اور تقریباً ساری دنیا کسی نہ کسی حوالے سے ان کی اس جنگ کو جائز قرار دیتی رہی۔(۲۵)

جہاں تک امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے علاوہ دنیا کے دوسرے ممالک اور حکومتوں کا تعلق ہے یہ تمام کے تمام اپنے اپنے سیاسی اور اقتصادی مفادات کے تحت امریکہ کی حمایت کرتے رہے۔ دنیا کی تاریخ میں یہ ایک اہم موڑ ہے جب ایک انتہائی پسماندہ اور غریب ملک کی ایک ایسی حکومت جس کو صرف پاکستان نے تسلیم کیا باوجود جنگ اور امریکہ کے جانب سے طاقت کے استعمال کے امریکی اقدامات کو عدل وانصاف کے خلاف قرار دے رہی تھی۔ طالبان حکومت کا مؤقف یہ تھا کہ اسامہ بن لادن افغانستان میں رہتے ہوئے کسی دہشت گردی کی کارروائی میں ملوث نہیں ہیں اور امریکہ کے پاس ان کے خلاف ثبوت اور شواہد موجود ہیں تو ان سب کے سامنے پیش کیا جائے، ۲۰ راگست ۱۹۹۸ کو امریکہ کی جانب سے میزائلوں کے حملوں کے بعد ان کا مؤقف یہ تھا کہ افغانستان میں اسامہ بن لادن کے خلاف مقدمہ چلایا جائے اور پھر یہ سنا گیا کہ طالبان حکومت غیر جانب دار ملک میں قائم عدالت میں سب کے سامنے اسامہ بن لادن پر مقدمہ چلانے کے لیے تیار ہو گئی تھی لیکن امریکہ نے طالبان حکومت کی کسی تجویز کو قبول نہیں کیا ان کا مطالبہ رہا کہ اسامہ بن لادن کو طالبان حکومت امریکہ کے حوالے کردے جہاں تک گیارہ ستمبر کے واقعات کا تعلق ہے اسامہ بن لادن اور طالبان حکومت نے بھی اس دہشت گردی میں بن لادن کے ملوث ہونے سے انکار کیا ہے اور ان کے علاوہ دنیا کے بہت سے تجزیہ نگاروں کا خیال رہا کہ یہ کارروائی مسلمانوں کی نہیں تھی لہٰذا امریکہ یہ تحقیق کروائے کہ وہ کونسی قوت ہے جو امریکہ کی حفاظتی دیواروں کو توڑ کر یہ دہشت گردی کر سکی۔ کیونکہ امریکہ کی سی آئی اے اور انتہائی جدید ٹیکنالوجی کا سسٹم بے بس ہو گیا لیکن امریکہ نے گیارہ ستمبر کے واقعات کے صرف تین چار دن بعد ہی افغانستان کے خلاف کاروائی کے لیے احکامات صادر کردیے اور اس کے بحری جنگی بیڑے بحیرہ عرب روانہ ہو گئے۔ یہ سب کچھ اتنی تیز رفتاری سے ہوا کہ صرف ۲۶ دن بعد افغانستان کے خلاف جنگ شروع کردی گئی۔(۲۶)

امریکہ کا مؤقف یہ تھا کہ اس نے طالبان حکومت کو جنگ شروع کرنے سے قبل بھی موقع دیا، پھر ان 26 دنوں میں امریکہ نے روس، فرانس، برطانیہ، چین اور پاکستان سمیت "اسامہ بن لادن" اور القاعدہ کے ملوث ہونے کے حوالے سے کافی حد تک مطمئن کردیا تھا۔ تجزیہ نگاروں کے مطابق امریکہ میں گیارہ ستمبر کے واقعات کوئی معمولی نوعیت کے یا چھوٹے واقعات نہیں تھے اور امریکہ نے پوری دنیا میں عالمی سطح پر دہشت گردی کے خلاف اعلان جنگ کردیا تھا۔ طالبان حکومت کے لیے بحران یہ تھا کہ اس کے ہم سایہ ملکوں میں اگر کسی ملک سے تعلقات بہتر تھے تو وہ صرف پاکستان ہی تھا۔ پاکستان کے اپنے شدید مسائل تھے اور حکومتِ پاکستان کے مطابق پاکستان نے جنگ شروع ہونے سے قبل آخری لمحات تک جنگ کی صورت میں پیش آنے والی تباہی و بربادی سے طالبان حکومت کو آگاہ کیا۔ لیکن طالبان حکومت نے اپنے مؤقف میں تبدیلی یا لچک پیدا نہیں کی۔ وسطی ایشیاء کے ممالک افغانستان کی طالبان حکومت کے مخالف اور شمالی اتحاد کے ساتھ تھے۔ ایران کی حکومت طالبان حکومت سے دوستانہ تعلقات نہیں رکھتی تھی۔ چین ان حالات میں ملوث نہیں ہونا چاہتا تھا اور نہ ہی چین نے طالبان حکومت کو تسلیم کیا تھا۔(۲۷)

امریکی حکومت نے گیارہ ستمبر تک خارجی سطح پر پوری دنیا سے اپنے مؤقف کو تسلیم کروالیا اور امریکی وزارتِ دفاع نے وسطی ایشیاء، روس، بھارت، پاکستان، چین اور علاقے کے کئی ممالک کو مطمئن کرواتے ہوئے افغانستان میں القاعدہ اور طالبان پر حملے کو آخری

شکل دے دی۔ اسی دوران طالبان حکومت کو آخری وارننگ بھی دیتے رہے، جب کہ طالبان حکومت جو پہلے بھی عالمی برادری میں تنہا تھی، سعودی عرب اور عرب امارات کی جانب سے سفارتی تعلقات کے منقطع ہونے سے اور بھی تنہا ہو گئی۔ (۲۸)

طالبان حکومت پاکستان کے مؤقف اور پالیسی کی فوری تبدیلی کو محسوس کرتے ہوئے اگر کوئی ایسا قدم جو امریکی مطالبات پر پورا اترتا یا ان مطالبات کے قریب ہوتا تسلیم کر لیتے تو سیاسی طور پر ہونے والی تبدیلی امریکہ کے لیے مشکل پیدا کر دیتی۔ اسامہ بن لادن پر مقدمہ چلانا اور جرم ثابت کرنا آج بھی امریکہ کے لیے ناممکن نہ سہی مشکل ضرور ہے۔ اس وقت اور مشکل ہوتا۔ (۲۹)

طالبان کا مقدمہ اور ایٹمی صلاحیت کا دفاع:

طالبان ۱۹۹۴ میں متعارف ہوئے، جب افغانستان پانچ برسوں سے شدید خانہ جنگی کا شکار تھا۔ ان طالبان کا تعلق دینی مدرسوں اور مساجد سے تھا۔ جو مالی اعتبار سے معاشرے کے نہایت پسماندہ اور غریب طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ (۳۰)

ان لوگوں نے مسلح جدوجہد کر کے دو تین برس کے اندر اندر افغانستان کے ۹۰ فیصد رقبے پر قبضہ کر کے اسلامی قوانین نافذ کیے۔ طالبان بنیاد پرست تھے، لیکن ان لوگوں نے افغانستان میں امن وامان قائم کیا۔ طالبان حکومت دفاعی اور سیاسی نکتہ نگاہ سے پاکستان کے حق میں بہتر تھی۔ شروع کے دور میں امریکہ اور پاکستان نے ان کی حمایت کی۔ پاکستان نے ان کی حکومت کو تسلیم کیا، لیکن ان کی بنیاد پرستی اور غیر لچکدار رویوں کی وجہ سے باقی دنیا کے کسی ملک نے ان کی حکومت کو تسلیم نہیں کیا اور یوں ان کو حکومت کی بنیاد پر اقوام متحدہ کی رکنیت نہ مل سکی اس لئے طالبان حکومت عالمی سطح پر سیاسی طور پر تنہا رہ گئی۔ (۳۱)

۳ جون ۲۰۰۴ء میں جنرل پرویز مشرف نے اپنی پالیسی کو مسلم امہ کو روشن خیال اعتدال پسندی کے نام سے متعارف کرایا اور اس کی جانب راغب کرتے ہوئے اپنے ایک مضمون میں وضاحت کی کہ (دیکھئے روزنامہ اسان، جنرل صاحب کا مضمون۔ مورخہ ۳ جون ۲۰۰۴ء)

جنرل پرویز مشرف کا نظریہ روشن خیالی اور اعتدال پسندی پاکستانی مؤقف کی اصل بنیاد:

دنیا ۱۹۹۰ء کی دہائی کے آغاز سے لے کر آج تک انتہائی ابتری اور افراتفری کے دور سے گزر رہی ہے اور اس تشویشناک صورت حال میں بہتری کے کوئی آثار نظر نہیں آرہے۔ انتہا پسندوں، دہشت گردوں اور عسکریت پسندوں کے ہاتھوں معصوم افراد، جس المناک صورت حال سے دوچار ہیں خاص طور پر میرے ہم مذہب مسلمان بھائی جس عذاب سے گزر رہے ہیں، اس نے مجھے اس بات پر مائل کیا ہے کہ میں اس ابتری اور انتشار سے بھری دنیا کو بہتر بنانے کے لیے اپنا کردار ادا کروں۔ اسی صورت حال کے پیش نظر میں نے "روشن خیال اعتدال پسندی" کا نظریہ پیش کیا تھا۔ زندگی گزارنے کے لیے ہماری دنیا انتہائی خطرناک جگہ بن چکی ہے۔ اعلیٰ تکنیکی مہارت کے ساتھ دھماکہ خیز آتش گیر مادے تک رسائی رکھنے والوں اور خودکش حملوں کے جنون میں مبتلا دہشت گردوں نے ایک ایسی خطرناک صورت حال پیدا کر دی ہے، جس کا تدارک بہت دشوار ہو گیا ہے۔

یہ بھی ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ دہشت گردی اور انتہا پسندی کے جرائم میں ملوث افراد بھی بیشتر مسلمان ہیں اور ان کا نشانہ بننے والے بدنصیب بھی اسلام ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ غیر مسلموں میں غلط فہمی کی بنیاد پر ہی سہی مگر ایک عمومی تاثر یہ قائم

ہو رہا ہے کہ اسلام عدم رواداری، تشدد پسندی ور دہشت گردی کا مذہب ہے۔ یہ تصور تیزی سے دنیا بھر میں پھیل رہا ہے جس کے تحت اسلام کو بنیاد پرستی سے جوڑا جاتا ہے۔ بنیاد پرستی کا رشتہ انتہا پسندی سے قائم کیا جاتا ہے اور انتہا پسندی کو دہشت گردی کی بنیاد قرار دیا جاتا ہے۔ ہم ان بے بنیادی تہمتوں کے خلاف احتجاج تو کر سکتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ہم اپنی دلیلوں کے ذریعے اپنے خلاف ذہنوں میں بیٹھے ہوئے تاثرات کو ختم کرنے کی جنگ جیتنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اس پر طرہ یہ کہ اس وقت ہم شائد دنیا کے سب سے زیادہ غریب، سب سے زیادہ غیر تعلیم یافتہ، سب سے زیادہ بے بس اور دنیا میں سب سے زیادہ عدم اتحاد و استحکام کا شکار گروہ کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔

ہر درد مند دل اور ذہن رکھنے والے انسان کے سامنے ایک بنیادی اور حقیقی سوال یہ ہے کہ ہم اپنی آنے والی نسلوں کے لیے مشترکہ انسانیت کی کیا میراث چھوڑ کر جانا چاہتے ہیں؟ دوسری طرف مسلمانوں کو جو بڑا چیلنج درپیش ہے، وہ یہ کہ اپنی انفرادی لیاقت اور اجتماعی، معاشرتی اور اقتصادی استحکام و آزادی کے شعور کے ذریعے ہم کس طرح اپنے آپ کو اس موجودہ ابتری کی صورت حال سے نکال سکتے ہیں؟ اگر ہمیں اپنے آپ کو دنیا میں پسپائی اور تنہائی سے بچانا ہے تو ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم دنیا میں اس غارت گری اور ابتری کو ختم کریں اور مسلمانوں کو مزید گرنے سے روکنے کے لئے فوری اقدامات کریں۔

اس مشکل، پیچیدہ اور بظاہر حل نہ ہونے والے مسئلے کو سلجھانے کے سلسلے میں، میں نے روشن خیال اعتدال پسندی کی حکمت عملی وضع کی ہے جو میری نزدیک مسلم اور غیر مسلم دنیا دونوں کے لیے قابل قبول ٹھہرے گی۔ اس حکمت عملی کے دو رخ ہیں۔ ایک جہت تو یہ ہے کہ مسلم دنیا کو عسکریت پسند اور انتہا پسندی کے رجحانات کا سختی سے تدارک کرنا ہوگا اور سماجی و اقتصادی ترقی کے لیے مثبت اقدامات کرنا ہوں گے۔ دوسری جہت کے حوالے سے مغربی دنیا کو بالخصوص امریکہ کو مسلم دنیا کو درپیش تمام سیاسی تنازعات کو عدل اور انصاف کے ساتھ حل کرنا ہوگا اور محروم پسماندہ مسلم دنیا کی سماجی اور معاشی ترقی میں معاونت کرنا ہوگی۔

میں روشن خیال اور اعتدال پسندی کی حکمت عملی کی بنیادی روح اور منطق کی کچھ مزید وضاحت کرنا اور اس پر بھی روشنی ڈالنا چاہوں گا کہ مسلم دنیا کے لیے اس کی ذمہ داریوں کے حوالے سے کیا طریقہ کار وضع کیا جا سکتا ہے؟

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمیں یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ انتہا پسندی اور دہشت گردی کی جڑیں دراصل سیاسی ناانصافی، احساس محرومی اور عوام کے حقوق سے انکار کے عمل سے جڑی ہوئی ہیں۔ کوئی قوم یا انسانی گروہ جبکہ وہ غربت اور جہالت کا شکار بھی ہو تو سیاسی ناانصافی کا عمل اس گروہ اور قوم کے اندر احساس محرومی، مایوسی اور بے دست و پا ہونے کے خیالات میں شدت پیدا کر دیتا ہے۔ ان مہلک امراض کا شکار عوام بہت آسانی سے عسکریت پسندی کے لئے اکسانے والوں اور انتہا پسندی اور دہشت گردی کے لیے ورغلانے والوں کے پروپیگنڈے کا شکار ہو جاتے ہیں۔ میرے لیے یہ بات مناسب نہیں ہوگی کہ میں اپنے ہم مذہب عوام کے دفاع میں آپ کی توجہ ماضی قریب کے ان چند حقائق کی طرف مبذول نہ کراؤں، جن کے سبب مسلمانوں کو انتہا پسندی اور دہشت گردی کے الزامات سے ''نوازا'' جانے لگا تھا۔

سوویت یونین کے خلاف افغان جہاد سے پہلے تنازع فلسطین مسلم دنیا میں تشویش اور بے چینی کا واحد سبب تھا جس کی وجہ سے تمام

مسلمان فلسطینی عوام کے حق میں اور اسرائیل کے خلاف متحد ہو گئے تھے۔ ۱۹۸۰ء کی دہائی میں افغانستان کی جنگ نے جس میں مغرب کی پوری مدد اور تعاون حاصل تھا، اسلامی دنیا میں ایک نئی وضع کی عسکریت کو جنم دیا اور اس کے فروغ کی راہیں ہموار کیں۔ دنیا بھر میں مسلمانوں کی حمایت کرنے کے لیے اسلام کو بحیثیت مذہب استعمال کیا گیا۔ آل کار بعد ازاں بوسنیا میں مسلمانوں پر مظالم اور ان کی نسل کشی، چیچنیا کی بغاوت، کشمیر کی جدوجہد آزادی اور فلسطین کی انتفادہ تحریک یہ سب حالات و واقعات سوویت یونین کے ٹوٹنے کے بعد ۱۹۹۰ء کی دہائی میں رونما ہوئے۔ اس صورت حال کو افغانستان میں ہونے والی عسکریت پسندی نے مزید خراب کر دیا جبکہ سرد جنگ کے خاتمے کے بعد اس کو ختم کیا جانا چاہیے تھا مگر ہوا یوں کہ ۱۹۹۰ء کی دہائی میں اس گروہ کو کھل کر کھیلنے کی پوری چھٹی دے دی گئی۔ افغانستان کی یہ تشویش ناک صورت حال جس میں ساری مسلم دنیا کے جنگجو عناصر جمع ہو گئے تھے، اس نے ایک نیا رخ اختیار کر لیا۔ انہوں نے اپنے دائرہ عمل کو ان علاقوں کی طرف بڑھانا شروع کر دیا جہاں مسلمان دباؤ اور مصائب کا شکار تھے۔ ''القاعدہ'' کا ظہور اسی صورت حال کا نتیجہ تھا۔

ایسے میں جبکہ فلسطینی انتفادہ کی تحریک زور پکڑ رہی تھی اس صورت حال سے ناخوش مسلمان دنیا بھر میں متحد ہو رہے تھے۔ تب عالمی منظرنامے پر ۱۱ ستمبر کا واقعہ رونما ہوا جس سے افغانستان میں طالبان اور القاعدہ کے خلاف امریکہ کی برہمی کا ردعمل سامنے آیا۔ اس صورت حال کے بعد امریکہ کے تمام ردعمل اور فیصلوں نے چاہے وہ مسلمانوں کے خلاف خود امریکی ردعمل سے متعلق ہوں یا فلسطین کے بارے میں ان کے رویے سے تعلق رکھتے ہوں یا عراق کے خلاف ان کے جنگی اقدامات سے متعلق ہوں، پوری دنیا کے مسلم عوام اور امریکہ کے درمیان ایک خلیج پیدا کر دی۔ اس صورت حال کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔ اسلام بحیثیت دین انتہا پسندی اور دہشت گردی کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ اصل صورت حال یہ ہے کہ سیاسی تنازعات نے مسلم دنیا میں امریکہ کے خلاف ایک معاندانہ رویہ پیدا کر دیا ہے۔ اب یہ سب کچھ تاریخ کا حصہ ہے، جو کچھ ہو چکا ہے وہ ہو چکا... لیکن ظاہر ہے کہ اس صورت حال کے مزید برقرار رہنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ بین الاقوامی استحکام اور ہم آہنگی کے لیے اس مرض کا علاج اور کوئی نہ کوئی حل تلاش کرنا ہم سب پر لازم ہے۔ آپ کا سب سے بڑا تقاضا اور مطالبہ یہ ہے کہ مغرب متذکرہ بالا سیاسی تنازعات کے منصفانہ حل کے لیے موثر طریقے پر اپنا کردار ادا کرے کہ روشن خیال اعتدال پسندی کی حکمت عملی کے لیے یہ مغرب کا فرض بھی ہے اور ذمہ داری بھی۔

اب میں مسلم دنیا کی طرف آتا ہوں جن کے لیے میرا دل خون کے آنسو روتا ہے۔ آج ہمیں اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم خود اپنے حالات کا جائزہ لیں اور تجزیہ کریں کہ ہم کون ہیں؟ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہماری کیا ذمہ داریاں ہیں؟ ہم کس طرف جا رہے ہیں؟ ہمیں کس طرف جانا چاہیے؟ اور کس طرح ہم اپنی منزل تک پہنچ سکتے ہیں؟ میں ان تمام سوالات کے جواب ہی میں اپنی روشن خیال اعتدال پسندی کی اس جہت کی تفسیر و تعبیر دیکھتا ہوں جس کی ذمہ داری مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے۔

ہم ایک شاندار اور پرشکوہ ماضی کے وارث ہیں۔ دنیا کے نقشے پر اسلام کا ظہور ایک حق پرست قانون دوست اور روادار اور اعلیٰ اقدار کے علمبردار معاشرے کے طور پر ہوا تھا۔ ہم علم و حکمت کے ذریعے انسان کی سرفرازی و سربلندی پر کامل یقین رکھتے تھے۔ لوگ چاہے کچھ بھی کہتے رہیں، مگر امر واقعہ یہ ہے کہ ہم اپنوں کے ساتھ اور دوسرے مذاہب کے لوگوں کے ساتھ رواداری کی اعلیٰ مثال بن کر رہے

تھے۔ اسلامی افواج نے تلوار کی طاقت کے ذریعے دوسرے مذاہب کے لوگوں کو مسلمان بنانے کی کوشش نہیں کی بلکہ اپنے اعلیٰ اخلاق و کردار کے ذریعے انہیں تاریکی سے روشنی کی طرف متوجہ کیا تھا۔ ان اعلیٰ اخلاق و اقدار کی مثال اللہ کے رسول نبی پاک ﷺ کی ذات گرامی سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے، جو سراپا عدل، سراپا خیر، سراپا رحمت اور سراپا ایثار تھے جن کی زندگی سادگی، قربانی، رواداری اور ہماری اور آپ کی اس دنیا میں ہر رخ سے خیر و فلاح کے اعلیٰ معیار کی حامل تھی۔ آج کی مسلم اکثریت ان تمام اعلیٰ اقدار سے بہت دور جا چکی ہے۔ ہم معاشرتی، اخلاقی اور معاشی راستوں پر بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ اپنے زوال سے سبق حاصل کرنے اور دوسروں کو دیکھنے کے تمام دروازے ہم نے اپنے اوپر بند کر لیے ہیں جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ہم ناامیدی، مایوسی اور دل شکستگی کی انتہا پر پہنچ چکے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم حقائق کا بغور جائزہ لیں اور یہ دیکھیں کہ کیا تصادم کشاکش اور تشدد کا راستہ ہمارے کسی کام آ سکتا ہے؟ کیا ان راستوں پر چلتے ہوئے ہم اپنے درخشندہ ماضی کو حاصل کر سکتے ہیں؟ اور کیا یہ راستہ دنیا کو ترقی اور ارتقاء کے راستوں پر گامزن کر سکتا ہے؟

میرے مسلم بھائیو! نشاۃ ثانیہ کی گھڑی آن پہنچی ہے۔ حیات نو کا راستہ وہ ہے جو روشن خیالی کی طرف جاتا ہے اور جو اپنی ساری توانائیاں غربت کو دور کرنے، تعلیم، صحت اور عدل و انصاف کے مثالی نظام کے ذریعے اپنے افرادی وسائل کو فروغ دینے اور بہتر بنانے میں مددگار ہو، اگر یہی ہے ہمارا رخ حیات اور ہماری منزل، تو پھر یہ سب کچھ تصادم، آویزش اور کشاکش کے رویوں سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ ہمیں اعتدال کا راستہ اختیار کرنا اور کشادہ نظری کے ساتھ ایک ایسے رویے کو فروغ دینا ہو گا جو اس غلط تصور کو باطل قرار دے سکے کہ اسلام ایک جارحیت پسند دین ہے اور اسلام جدت پسندی، جمہوریت اور سیکولرازم سے متصادم ہے۔ یہ سب کرتے ہوئے یہ بات بھی ہمیں پیش نظر رکھنی ہو گی کہ اس دنیا میں جس میں ہم رہ رہے ہیں، ضروری نہیں ہے کہ ہر وقت ہمارے ساتھ پوری طرح وہی سلوک روا رکھا جائے گا جو حق و انصاف کے اصولوں کے عین مطابق ہو۔ روشن خیال اعتدال پسندی کا یہ وہ رخ ہے، جس کا تعلق مسلمانوں سے ہے اور جس پر ہمیں کاربند ہونا چاہئے۔

اگر مسلم دنیا حکمت عملی کے اس طریقہ کار کو قبول کر لیتی ہے تو پھر دیکھنا یہ ہے کہ اس پر عملدرآمد کے لئے طریقہ اور ضابطہ کار کیا ہو گا؟ اسلامی کانفرنس کی تنظیم او آئی سی مسلم ملکوں کی اجتماعی تنظیم ہے۔ شدید ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمیں اس ادارے کو موثر اور فعال بنانے کے لئے جو اس وقت بالکل ناکارہ ہو چکا ہے اس میں نئی روح پھونکنی ہو گی۔ اکیسویں صدی کے چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لئے مسلم دنیا کی امیدوں اور آرزوؤں کی تکمیل کے لئے اور بیداری و ترقی کے راستوں پر آگے جانے کے لئے اس کی تنظیم نو کی جائے۔ تنظیم نو کے لیے مسلم دنیا کے ممتاز افراد پر مشتمل کمیشن کا قیام صحیح سمت کے تعین کے سلسلے میں سفارشات پیش کرنے کی غرض سے ایک بڑا اقدام ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی مشترکہ بہتری اور فلاح کے لئے اسلام کی صحیح روح کے مطابق اپنے ذاتی مفادات سے بالاتر ہو کر اس سلسلے میں درست اقدامات کرنے کے عزم کا مظاہرہ کریں۔

ساری دنیا بالخصوص دنیا کی صاحبان اقتدار و اختیار طاقت کے استعمال کے ذریعے قائم کرنا اب ممکن نہیں رہا۔ انصاف کیا جانا چاہیے اور اس طرح کہ دنیا دیکھ سکے کہ انصاف ہو رہا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری مستقبل کی نسلیں یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں کہ آج کے

رہنما انسانیت کو زوال کے راستوں پر جانے سے روکنے میں ناکام رہے۔"

(۳ر جون ۲۰۰۲ء☆بروز جمعرات)

اسی طرح اس وقت کے صدر پرویز مشرف نے جیوش کانگریس سے خطاب میں بھی اپنے حکومتی موقف کی مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ...."حالیہ تاریخ کے بدقسمت واقعات سے تین بڑے توحیدی مذاہب اسلام، عیسائیت اور یہودیت کے پیروکاروں کے درمیان کشیدگی اور تقسیم پیدا ہوئی ہے۔آپ کے دعوت نامہ نے اس موقع پر تاریخی موقع قرار دیا ہے۔پاکستان کے ایک رہنما کے لیے درحقیقت امتے سارے ارکان سے خطاب کرنا میرے لیے ایک استحقاق ہے جو ممکنہ طور پر امریکہ کی ایک انتہائی معزز اور بااثر کمیونٹی ہے۔میں اس اجتماع کے اہتمام کی تعریف کرتا ہوں۔امریکہ جیوش کانگریس نے دیگر معروف تنظیموں اور ایسوسی ایشنوں کے ارکان کو بھی مدعو کیا ہے جو امریکی معاشرہ کے نمائندے ہیں۔میں ہمیشہ کھل کر اظہار خیال کرتا ہوں اور میں ایسا ہمیشہ اپنے مکمل خلوص کے ساتھ کرتا ہوں اور ایسا ہی آج شام کروں گا۔

اب وہ جذبیت یا تال سفارت کاری کا وقت نہیں ہے دنیا ایک ایسے دور میں داخل ہوگئی ہے جہاں متعدد خطرات، دہشت گردی اور سیاسی تنازعات، ایٹمی پھیلاؤ اور غربت سے عالمی اور تباہ کن جہتیں جمع ہو چکی ہیں۔انہیں فوری اور حتمی طور پر حل کرنا ہوگا کہ اور محض یہ امید نہیں کی جانی چاہیے کہ یہ بعد میں حل ہو سکتے ہیں۔یہ دنیا اور ہمارے مستقبل کی نسلوں کے لیے ایک بڑے خطرے کے حامل ہیں۔ہماری آج کی دنیا کیونیکشن اور انفارمیشن ٹیکنالوجی میں انقلاب کے ذریعے ایک گلوبل ولیج میں تبدیل ہو چکی ہے۔لوگ نقل و حرکت کرتے ہیں۔رابطہ اور ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ایک خطہ میں اچھائی یا برائی جغرافیائی اور سیاسی سرحدوں کو متاثر کرتی ہے اور اس کے عالمی اثرات ہوتے ہیں۔واعظ جو انسانیت کا ایک مشترکہ ورثہ ہے، اب ایک واضح حقیقت بن گئی ہے ہم اپنے عوام اور درحقیقت انسانیت کی فلاح، ترقی وخوشحالی کے لیے مشترکہ طور پر ذمہ دار ہیں ہر قوم اور مذہب کو ایک دوسرے کے ساتھ رہنا ہے، ایک دوسرے کو برداشت کرنا ہے اور ایک دوسرے کو کوئی نقصان نہیں پہنچنے دینا ہے۔آج دراصل ہم اپنے بھائیوں کے رکھوالے ہیں۔یہ ایک بھاری ذمہ داری ہے ان حالات میں کہ ہماری دنیا میں عظیم دولت ہے، لیکن بڑی غربت بھی، بڑی کامیابیاں لیکن بہت زیادہ ناانصافیاں، ترقی وخوشحالی کے لیے بے مثال استعداد لیکن اپنے سیارے کو تباہ کرنے کی زبردست صلاحیت بھی۔

ایک خدا کو ماننے والے تینوں بڑے مذہب یہودیت، عیسائیت اور اسلام مشترکہ ورثہ رکھتے ہیں اور ان سب کا جھکاؤ آفاقی اقدار کی طرف ہے۔اس کے باوجود یہ تینوں عظیم مذاہب کو امید، بردباری اور امن کا ذریعہ ہونا چاہیئے تھا جو ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما دکھائی دیتے ہیں۔یہ کیوں اور کیسے ہوا، کیا یہ ممکن ہے کہ مستقبل میں ایک نئی صورت دی جائے جو انسانیت یعنی ہم سب کے مفاد میں ہو۔یہ وہ سوالات ہیں، جن پر آج شام میں گفتگو کرنا چاہوں گا۔اس موقع پر اس بات کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں اور یہودیوں کے مذہب اور ثقافت میں مشترک چیزیں زیادہ ہیں اور مختلف چیزیں کم ہیں۔ایک خدا کو ماننا، (جسے مسلمان توحید کہتے ہیں) اسلام میں یہودیت میں مشترک ہے۔مسلمانوں کے تہذیب کے الفاظ "اسلام علیکم" (آپ پر سلامتی ہو)

یہودیوں کے تہنیتی الفاظ "شالوم" شبے ہیں جس کے معنی "امن وسلامتی" کے ہیں۔ میں نے مشہور فلم "شنڈلرلسٹ" دیکھی۔ یہ تلمود کے ایک اقتباس پر ختم ہوتی ہے جس کے الفاظ ہیں "ایک بے گناہ انسان کو قتل کرنا پوری انسانیت کو قتل کرنے جیسا ہے اور ایک بے گناہ انسان کی جان بچانا پوری انسانیت کو بچانے جیسا ہے۔" یہی الفاظ قرآن مجید میں بھی آئے ہیں۔ قرآن مجید اور ہمارے پیغمبر ﷺ نے یہود ونصاریٰ کو اہل کتاب کہا ہے جن کا تعلق روحانی روایت سے ہے۔ حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰ قابل احترام پیغمبر ہیں ۔ حضرت موسیٰ وہ پیغمبر ہیں جن کا مسلمانوں کی مقدس مذہبی کتاب میں قرآن مجید میں سب سے زیادہ ذکر آیا ہے۔ قدیم دور میں کئی خطوں خاص طور پر مقدس سرزمین پر ہماری تاریخ اور تجربات باہم مربوط ہیں۔ مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات کی تاریخ طویل بھی ہے اور بھرپور بھی۔ اس تاریخ میں قرطبہ، بغداد، استنبول اور بخارا میں مسلمانوں اور یہودیوں کے باہمی امن وسکون سے ساتھ ساتھ رہنے کی روشن مثالیں موجود ہیں، جنہوں نے یہاں گراں بہا اور خوب صورت ثقافت اور روایات کی تشکیل میں حصہ لیا۔ کئی یہودی مؤرخین نے اسپین میں مسلمانوں کے دور میں حکومت کو اپنی تاریخ کا سب سے سنہرا دور کہا ہے، جس میں یہودی معاشرہ مذہبی تحمل اور علم دوست فضا میں معاشی، سیاسی اور علم ودانش کے لحاظ سے پھولا پھلا، بعدازاں مسلمان اور یہودی دونوں رومن کیتھولک تنظیم کے غیظ وغضب کا نشانہ بنے۔

درحقیقت یہودی اور مسلمان صدیوں تک نہ صرف مشرق وسطیٰ سے اسپین تک امن اور خوشحالی کے ادوار بلکہ مصائب کے دور میں بھی اکٹھے رہے، گزشتہ چھ دہائیاں مسلم یہودی تعاون اور بقائے باہمی کے طویل تاریخ کے معمول سے ہٹ کر ہے۔

مخالفت اور تشدد کی وجوہات کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے، میں اس پر بحث نہیں کرنا چاہوں گا۔ ہم میں سے ہر ایک کا الگ نقطہ نظر ہے لیکن یہ یاد دلانا غیر ضروری نہیں کہ مسلمانوں اور یہودی کمیونیٹیز کے درمیان خلیج انسانی تاریخ کی سب سے جوخونریز صدی اور اس کے ساتھ ساتھ عالمی جنگوں میں، نسل کشی اور وسیع پیمانے پر نقل مکانی ہوئی جس کے دوران لاکھوں افراد ہلاک ہوئے پیدا ہوئی۔ اسی خوں ریز صدی کے دوران یہودیوں کو ایک عظیم ترین المیے "عظیم تباہی" کا سامنا کرنا پڑا جس کی یاد اس سال اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس کے ایجنڈے کا حصہ ہے۔ اس خونریز صدی میں دیگر لوگوں، فلسطینیوں، کشمیریوں، بوسنیائی اور روانڈا کے لوگوں کو عظیم المیہ سے گزرنا پڑا۔ ہمیں بھولنا نہیں چاہیے بلکہ معاف کردینا چاہیے۔ مشکلات سے اکثر غم وغصہ کا خطرہ رہتا ہے لیکن اسے جلد ہی ہمدردی میں بدل دینا چاہیے اور ہم نے یہودی کیمونٹی سے اس ہمدردی کا مظاہرہ دیکھا ہے، امریکہ میں یہودی گروپ ہی تھا جس نے بوسنیا میں مسلمانوں کی نسل کشی کے خلاف سب سے آگے رہا۔ مجھے بتایا گیا کہ بوسنیا کاز میں سب سے زیادہ مدد امریکی یہودی تاجر اور متمول شخصیت جارج سورس نے دی۔ حال ہی میں گیارہ ستمبر کے واقعات کے بعد پاکستانی تارکین وطن سمیت مسلمانوں کے خلاف زبردست ردعمل کے دوران انہیں مختلف یہودی گروہوں نے قانونی اور دیگر تعاون فراہم کیا، میں اس کا اعتراف اور تعریف کرنا چاہتا ہوں۔ یہ قابل احترام مثالیں امیدوں کی بنیاد پر ہیں۔ امید ہے کہ ہم اس صدی کو ایک ایسی صدی میں بدل سکتے ہیں جو کائناتی امن، ترقی اور خوشحالی کا مشاہدہ کرسکے گی۔ یہ خواہش صرف مفاہمت اور تعاون کے ذریعے ہی پوری کی جاسکتی ہے۔

عام سیاسی، سماجی اور ماحولیاتی تناظر میں ہمیں کئی چیلنجوں کا سامنا ہے۔ درپیش خطرات میں بین الاقوامی دہشت گردی کا سب سے اہم مسئلہ ہے۔ آج کی دنیا دہشت گردی کی گرفت میں ہے۔ دھماکے، کار بم اور خود کش حملہ آوروں نے دہشت گردی کو ایک تباہ کن صورت میں تبدیل کر دیا ہے۔ اس دہشت گردی نے دور جدید کے تمام معاشروں کو غیر مستحکم کر دیا ہے۔ یہ ترقی معکوس کی صورت حال ہے اور اس کو مسترد کرنا ہوگا اس عمل کو کسی اور وجہ اور مقصد کے لیے معاف اور نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ پاکستان کے عوام دہشت گردی کا شکار رہے ہیں۔ خطے میں انتہا پسندی کی وجہ سے ہم بدستور دہشت گردی سے متاثر ہو رہے ہیں۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں جو اہم کردار ہم ادا کر رہے ہیں، بین الاقوامی برادری نے ہماری کوششوں کی تعریف کی ہے۔ پولیس، فوجی ایکشن، انٹیلی جنس معلومات کے تبادلے اور دہشت کی مالی اعانت کے خاتمے کے لیے اقدامات کی صورت میں پاکستان اس مہم میں اپنا کردار ادا کر رہا ہے۔ تاہم مجھے یقین ہے کہ ہم اپنے آپ کو محض پولیس اور مقامی سطح پر افراد اور گروپ کے خلاف کارروائی تک محدود نہیں رکھ سکتے۔ ہمیں دہشت گردی کو پھلنے پھولنے اور وہ اقدامات جن کی وجہ سے بعض لوگ انتہائی غیر منطقی رویہ کا مظاہرہ کرتے ہوئے دہشت گردی کی وارداتیں کر رہے ہیں۔ ان کے عوامل اور اسباب کا بھی جائزہ لینا ہوگا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سے اسباب اور عوامل ہیں کہ جن کی وجہ سے ایک شخص انتہائی مایوسی کی حالت میں جان دے کر دوسروں کی جان لینے پر مجبور ہوتا ہے۔ میں یقین کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ دہشت گردی کے بنیادی اسباب کا نظر انداز کرنا حقائق سے آنکھیں چرانے کے مترادف ہے اور یہ اقدام ناکامی کا یقینی نسخہ ہے۔ دہشت گردی کے خلاف فوجی ایکشن اور طاقت کا استعمال اس مسئلہ کا حتمی حل نہیں۔ یہ اقدامات دہشت گردی کے خلاف موثر پالیسیوں کے نفاذ کے لئے ہمارا وقت ضائع کرنے کا باعث بنے گا۔ نفرت اور تعصب سے ناقص نظریات اور بے مقصد مہمات کی صورت میں ایک متوازی خطرہ بھی موجود ہے۔ تہذیبوں بالخصوص اسلام اور مغرب کے درمیان تصادم کے نظریہ کی کوئی تاریخی بنیاد نہیں ہے۔ تہذیب اور معاشرے ایک دوسرے کے ساتھ روابط، ارتباط اور باہمی اثر و نفوذ کے باعث پھلے پھولے ہیں۔ افسوس ناک طور پر اس نظریے نے اسے خود ہی پورا کرنے والی پیش گوئی میں تبدیل کرنے کی کوششوں کو ترغیب دی۔ دہشت گردی کے ساتھ اسلام کو منسوب کرنے کے رجحانات ہیں حتیٰ کہ یہ ایسے خیالات ہیں کہ برداشت، رواداری اور امن کا یہ عظیم مذہب کسی نہ کسی طرح ان عالمگیر اقدار سے وابستگی سے انکار کرتا ہے۔ آج کی فعال دنیا میں ہمیں پہلے سے کہیں زیادہ اپنے معاشروں میں مفاہمت اور ہم آہنگی کو فروغ دینے کی ضرورت ہے۔ اپنے درمیان ہمیں ایسی مہمات کو برداشت کرنا چاہئے جب ہم کہیں اور سے ان کے مسترد کرنے کا مطالبہ کرتے؟ لہٰذا ہم بین العقیدہ اور بین التہذیبی مکالمے اور ہم آہنگی کے فروغ کی کوششوں کے بھرپور حامی ہیں، تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ آج دہشت گردی کے واقعات میں سب سے زیادہ ملوث اور ان واقعات کے نتیجہ میں تکلیف اٹھانے والے زیادہ تر مسلمان ہیں۔ یقیناً اسلامی معاشروں کے اندر شدید بے چینی پائی جاتی ہے، جو حالیہ برسوں میں شدت اختیار کر گئی ہے۔ اس کی وجوہات بالکل واضح ہیں۔ سرد جنگ کے خاتمے سے تقریباً ہر بڑے اشتعال انگیز مسئلے اور بحران نے اسلامی دنیا کو متاثر کیا ہے۔ فلسطین مشرق وسطیٰ میں مشکلات کی بنیاد ہے۔ ہمارے خطے میں کشمیر کشیدگی اور بحران کا سبب ہے۔ افغانستان کی افسوسناک تاریخ نے انتہا پسندی اور دہشت گردی کو جنم دیا۔

عراق میں پُر تشدد واقعات نے اسلامی دنیا اور باقی ماندہ عالمی برادری میں گہری تشویش پیدا کی۔ اس طرح کے دیگر سیاسی معاملات نے عرب اور اسلامی دنیا میں شدید غم و غصے اور مایوسی کو جنم دیا ہے۔ یہ وہ سیاسی اور سماجی ماحول ہے جو دہشت گردی اور انتہا پسندی کو ہوا دے رہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ میں اسلامی معاشروں کے اندر اصلاحات، ترقی اور جدیدیت کو اپنانے سے قاصر رہنے کی نشاندہی کرنے سے نہیں ہچکچاتا۔ مسلم دنیا نو آبادیات، سیاسی، معاشی اور سماجی رکاوٹوں کی دہائیوں سے ابھری ہے۔ سیاسی آزادی ہمیشہ بہتر اسلوب حکمرانی کی طرف نہیں لے کر جاتی، ہم میں سے بہت سے وقت کی کج روی میں پھنسے ہوئے ہیں اور ابھی بھی اپنے سیاسی، سماجی اور اقتصادی نظاموں کی تشکیل نو کیلئے کوشاں ہیں تاکہ عصر حاضر کے چیلنجوں کا جواب دیا جا سکے۔ اسلامی معاشرے جدیدیت کی حمایت اور دقیانوسیت کا اسیر ہونے کے درمیان تقسیم ہیں۔ نتیجتاً اقتصادی محرومی اور سماجی پسماندگی بھی انتہا پسندی کا ذریعہ ہیں اور انتہا پسندی دہشت گردی کے لئے زرخیز پرورش گاہ پیدا کرتی ہے۔ خواتین و حضرات! اگر ہمیں دہشت گردی کے خلاف کامیابی اور انتہا پسندی کا خاتمہ کرنا ہے تو ہمیں اس کے بنیادی اسباب کو دور کرنا ہوگا۔ آج کے رہنماؤں کو 11 ستمبر اور 7 جولائی جیسے متعدد تباہ کن واقعات پر محض ردعمل کے بجائے واقعات کے راستے و عمل کو تبدیل کرنا چاہئے۔ سب سے پہلے میں محسوس کرتا ہوں کہ ہمیں واضح طور پر سمجھنے کی ضرورت ہے کہ دہشت گردی اور انتہا پسندی دو مختلف مظہر ہیں۔ ان میں سے ہر ایک مختلف حکمت عملی کی متقاضی ہے۔ دہشت گردی اور انتہا پسندی کو ایک جیسا سمجھنا یا رویہ ظاہر کرنا، آیا کہ یہ مترادف ہوں، غلط ہے۔ دہشت گردی کو دبانے اور ختم کرنے کے پوری قوت کے ساتھ اس پر براہ راست ضرب لگانے کی ضرورت ہے۔ انتہا پسندی کے معاملے میں بہتر یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں اور ذہنوں کو مسخر کیا جائے۔ طاقت کے استعمال کے ذریعے اسے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ ہمیں دہشت گردی اور انتہا پسندی سے نمٹنے کے لئے قلیل اور طویل المدتی الگ الگ حکمت عملی اپنانا چاہئے۔ اس قسم کی فوری اور طویل المعیاد حکمت عملی کو تین سطحوں پر نافذ کرنا ہوگا۔ عالمی سطح پر، مسلم دنیا کی سطح پر اور متعلقہ ممالک میں قومی سطح پر۔ فوری تناظر میں جیسا کہ میں نے کہا کہ دہشت گردی کا دنیا بھر میں پوری طاقت کے ساتھ مقابلہ کیا جانا چاہئے، تعاون کی فراہمی اور انٹیلی جنس کو مربوط بنانے اور دہشت گرد و انتہا پسند تنظیموں کے زیر زمین نیٹ ورکس کو دبوچنے سے بہت حد تک دہشت گردی کی کارروائیوں کے انسداد میں مدد ملے گی۔ اس کے ساتھ ساتھ کامیابی کو یقینی بنانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ طاقت کے استعمال کے ساتھ یہ سیاسی تنازعات کے حل کو فروغ دیا جائے جن کو دہشت گردوں نے اپنی مجرمانہ کارروائیوں کے جواز کے لئے غلط استعمال کیا ہے۔ ان سیاسی تنازعات میں مجھے واضح طور پر یہ کہنے کی اجازت دی جائے کہ فلسطینی اور کشمیری تنازعات حل کے لئے تیار ہیں۔ کوئی اس امر سے مطمئن نہیں ہو سکتا کہ حرکت واضح علامات ان دونوں تنازعات کے خاتمے کی طرف ظاہر ہو رہی ہیں۔ ہمیں ان مسائل کے حتمی حل کے لئے اپنا اجتماعی وزن ان کی پشت پر زوردار انداز میں ڈالنا چاہئے۔ دوسری بات طویل مدت کے لئے مسلم دنیا کی سماجی و اقتصادی بحالی، تعلیم اور تخفیف غربت کے بارے میں بالخصوص توجہ مرکوز کرتے ہوئے دہشت گردی و انتہا پسندی کی بنیاد کو اکھاڑنا ہوگا۔ میں نے اسلامی معاشروں میں اصلاحات، سماجی و اقتصادی ترقی اور انتہا پسندی کو مسترد کرنے کی پُرزور وکالت کی ہے۔ اس کے متوازی میں نے اس بات پر زور دیا ہے کہ بین الاقوامی برادری بالخصوص مغرب کو تصفیہ طلب مسائل خاص طور پر

فلسطین کے مسئلے کے حل میں سہولت پیدا کرنی چاہئے۔ میں نے اسے روشن خیال اعتدال پسندی کے طور پر دو جہتی حکمت عملی قرار دیا ہے۔ توجیت سے قطع نظر یہ دو جہتی حکمت عملی ہمارے تاریخی اور سیاسی حالات کے حقائق کا جواب دیتی ہے جن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ عالمی اور مسلم دنیا میں روشن خیال اعتدال پسندی کی حکمت عملی انتہا پسندی کے خاتمے میں بھی مدد دے گی۔ ملکی طور پر مذہبی کٹر پن، منافرت کی مہمات اور محاذ آرائیوں کے رجحانات کو دبانا ہوگا، ایسا جرأت، عزم، سوچی سمجھی اور مقامی طور پر قابل اطلاق حکمت ہائے عملی کے ذریعے کرنا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ عسکریت، منافرت اور تشدد کو پھیلانے کے لئے مذہب کے غلط استعمال کو دبایا جانا چاہئے۔ مذہبی ہم آہنگی کے بارے میں متاثرہ ممالک میں قومی مباحثہ اور بین الاقوامی مکالمہ شروع کیا جانا چاہئے۔ مسلم دنیا میں محسوس کرتا ہوں کہ ہمیں حقیقی اسلام کی سوجھ بوجھ کو فروغ دینے کے لئے سنجیدہ بحث کا آغاز کرنا چاہئے۔ میں فخر کے ساتھ یہ کہنا چاہوں گا کہ آج کا پاکستان شاید واحد ملک ہے جو فعال طور پر سوچی سمجھی اور جامع الگ الگ حکمت عملی کے ذریعہ انتہا پسندی اور دہشت گردی کے مسئلے سے نمٹ رہا ہے۔ نتائج پہلے ہی حقیقی طور پر واضح ہیں۔ ہم نے دہشت گرد اور انتہا پسند عناصر پر مکمل غلبہ پانے تک اس کوشش کو جاری و ساری رکھنے کا عزم کر رکھا ہے۔ خواتین و حضرات! اگر امریکی یہودی کانگریس سے خطاب کرتے ہوئے اسرائیل، فلسطین مسئلے پر اپنے خیالات کا اظہار نہ کروں تو میں فرض ناشناسی کروں گا۔ میرے ذہن میں رتی بھر بھی شبہ نہیں ہے کہ یہ مشرق وسطیٰ اور اس سے آگے دہشت گردی کو جنم دینے کا بنیادی سبب ہے۔ اپنے عالمی اثرات کے پیش نظر بین الاقوامی برادری خاص طور پر مغرب اور امریکہ پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اس تنازعہ کے پُر امن حل کو یقینی بنایا جائے۔ دونوں متعلقہ فریقین اسرائیلیوں اور فلسطینیوں کو محاذ آرائی چھوڑ کر امن اور مصالحت کی پیروی کرنی چاہئے۔ اسرائیل بجا طور پر سلامتی کا خواہاں رہا ہے، تاہم اس کی خواہش آزاد اور فعال فلسطینی ریاست کی تشکیل یقینی بنانے تک ادھوری رہے گی۔ اسرائیل کو جغرافیائی و سیاسی حقائق کو تسلیم کرتے ہوئے فلسطینیوں کے لئے انصاف غالب ہونے کا موقع دینا چاہئے۔ فلسطینیوں کی آزادی اور قومیت کے لئے خواہش کسی بھی دوسرے عوامل کی طرح شدید ہے۔ وہ اپنی آزاد ریاست کے خواہاں ہیں۔ ہم حالیہ واقعات میں امید دیکھتے ہیں، ہم نے غزہ سے انخلا کے لئے اسرائیلی فیصلے کا خیر مقدم کیا ہے۔ روڈ میپ میں وضع کردہ متفقہ امن کے عمل کی پیروی کرنی چاہئے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ اسرائیل بہت جلد مغربی کنارے سے بھی انخلا کرے گا۔ یہ فلسطین میں آزادی ریاست کے قیام کے لئے ماحول پیدا کرے گا۔ فلسطینی امنگوں کا احترام کرتے ہوئے اسرائیل یقینی سلامتی کے لئے اپنی جائز خواہش کو حاصل کرے گا۔ میں اس بات کا قائل ہوں کہ فلسطین میں امن جو اسرائیلیوں اور فلسطینیوں سے انصاف کرتا ہو، مشرق وسطیٰ کی تاریخ میں المناک باب کو بند کر دے گا۔ یہ اسلام اور یہودیت کے درمیان تاریخی تعلقات کو بحال کرے گا۔ یہ غیظ و غضب اور مایوسی کو دور کرے گا جو تشدد و انتہا پسندی کا سہارا لینے کی ترغیب دیتے ہیں۔ امن کے لئے پاکستان جیسے اسلامی ممالک کی طرف سے اسرائیل میں سفارت خانے کھولنے سے بہتر کیا اشارہ ہو سکتا ہے؟ ''حتمی حیثیت'' کا مشکل مسئلہ حل کرنے کے لئے رہ جائے گا یروشلم (جسے ہم القدس الشریف کہتے ہیں) کے مقدس شہر کی قسم سے زیادہ کوئی بھی حساس نہیں ہے۔ یہ ایک ایسا شہر ہے جو یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کے لئے مقدس ہے۔ یہ اسلام کا قبلہ اول ہے۔ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ نے 14 سو سال پہلے

بیت المقدس میں داخل ہونے کے بعد پہلا حکم یہودیوں کی 5 سو سالہ جلاوطنی کو منسوخ کرنے کا دیا تھا۔ انہوں نے ان کو واپس آ کر مقدس شہر میں اپنے گھر تعمیر کرنے کی دعوت دی تھی۔ اسرائیلیوں اور فلسطینیوں کے درمیان درحقیقت اسرائیل اور مسلم دنیا کے درمیان پائیدار امن اور ہم آہنگی کے لئے اسرائیل کی طرف سے مصالحت اور حقیقت پسندی جیسے جذبے کی ضرورت ہے۔ کوئی بھی حتمی تصفیہ یروشلم کی بین الاقوامی حیثیت، بین الاقوامی قانون اور سلامتی کونسل کی قراردادوں کے احترام پر مبنی ہونا چاہئے۔ میرا ہمیشہ یہ یقین رہا ہے کہ سمجھوتے کے لئے جرأت درکار ہوتی ہے اور مصالحت محاذ آرائی سے کہیں زیادہ عظیم تر ہوتی ہے۔ میں اسرائیل سے یہودی کانگریس اور یہودی کمیونٹی سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ فلسطینی تنازعہ کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کے لئے اپنے خاطر خواہ اثر ورسوخ کو بروئے کار لائیں اور مشرق وسطی خاص طور پوری دنیا میں امن و آشتی کے دور کا آغاز کرے۔ اب ناکامی کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ خواتین و حضرات! اسرائیل کے ساتھ پاکستان کے تعلقات کے امکانات کے بارے میں کلمات کے ساتھ اختتام کرنا چاہوں گا۔ پاکستان کا اسرائیل کے ساتھ کوئی براہ راست تنازعہ یا تصادم نہیں ہے۔ ہم اسرائیل کی سلامتی کے لئے کوئی خطرہ نہیں ہیں، ہم یقین رکھتے ہیں کہ اسرائیل پاکستان کی قومی سلامتی کے لئے کوئی خطرہ لاحق نہیں کرتا، تاہم ہمارے عوام میں فلسطینی عوام اور ان کے اپنے وطن کے لئے جائز امنگوں کے لئے شدید احساس ہمدردی ہے۔ وزیراعظم شیرون کی طرف سے غزہ سے انخلا کے جرأت مندانہ اقدام کے جواب میں پاکستان نے اسرائیل کے ساتھ باضابطہ آغاز کرنے کا فیصلہ کیا۔ ہمارے وزرائے خارجہ ترک دوستوں کے اثر ورسوخ کے ذریعے استنبول میں ملے۔ آزاد فلسطینی ریاست کے قیام کی جانب امن کے عمل میں پیش رفت ہونے کے ساتھ مکمل سفارتی تعلقات کا جائزہ لینے کے لئے ہم تعلقات کو معمول پر لانے اور تعاون کی جانب مزید اقدامات اٹھائیں گے۔ خواتین و حضرات! ہم پرانے تعصبات کی دلدل میں پھنسے رہ سکتے ہیں اور دنیا کو دائمی طور پر دشمن کے تعین اور از سر نو تعین کی سیاست کا یرغمال رکھ سکتے ہیں یا پھر ہم جرأت کے ساتھ آگے بڑھ کر تاریخ کے نئے جنم اور امن ہم آہنگی، باہمی احترام، وقار اور خوشحالی کے نئے مستقبل کے لئے کام کر سکتے ہیں۔ ہم تنگ نظری سے اس موقع کو کھو سکتے ہیں اور ایک دوسرے میں انسانیت کو دیکھنے میں ناکام رہ سکتے ہیں۔ صحیح راستہ اختیار کرنے کی ذمہ داری ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ اللہ تعالی درست راستہ اختیار کرنے میں ہم سب کی رہنمائی کرے۔ (۳۴)

یہ اس وقت اسلامی جمہوریہ پاکستان کے صدر جنرل پرویز مشرف کا موقف اور نقطۂ نظر تھا۔ یہی ان کی پالیسی کی بنیاد بھی بنا اور انتظامی اور عسکری محاذ پر بھی یہی حکومتی موقف قرار پایا اگرچہ پاکستان کی موجودہ حکومت بھی افغانستان کے معاملے میں مشرف کے سابقہ دور کی پالیسیوں پر ہی گامزن ہے تاہم اس نقطۂ نظر اور پالیسی سے اتفاق اور اختلاف رکھنے والے افراد اپنے اپنے دلائل اور موقف رکھتے ہیں۔

دہشت گردی اور دہشت گردی کے خلاف جنگ:

۱۱ ستمبر کی ستم کاریوں کی کوئی انتہا نہیں اور امریکا کی موجودہ قیادت بھی اقتدار اور قوت کے نشے میں عالمی قانون اور روایات اور اخلاق

اور تہذیب کے تمام مسلمہ ضابطوں کو پارہ پارہ کر کے دنیا میں ظلم، تشدد اور دہشت گردی کا ایک طوفان برپا کرتی رہی، لیکن اس کا ایک نہایت مکروہ اور خطرناک پہلو یہ ہے کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر دہشت گردی کی کسی متعین تعریف سے مکمل صرف نظر کر کے دنیا کو ایک نہ ختم ہونے والے تصادم، بے یقینی اور قتل و غارت گری کی جہنم میں دھکیل دیا گیا اور ہر اختلاف اور ظلم، نا انصافی اور سامراجی تسلط کے خلاف احتجاج، آزادی اور حقوق کی ہر جدوجہد پر دہشت گردی کا لیبل لگانے کا گھناؤنا کھیل کھیلا جاتا رہا۔(۳۳)

وہ کارروائیاں جنہیں دہشت گردی کی معروف تعریف کے تحت دہشت گردی قرار دیا جا سکے وہ ہر اعتبار سے قابل مذمت ہیں اور ان کے لیے جواز تلاش کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دہشت گردی کی تاریخ پیدائش ۱۱ر ستمبر ۲۰۰۱ء نہیں اور اس بات کی ضرورت ہے کہ دہشت گردی کی اصطلاح کے غلط استعمال کی مذمت کے ساتھ اس امر کا اعتراف بھی ضروری ہے کہ یہ کوئی نیا عمل نہیں ہے۔

ایک افسوس ناک حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ تاریخ کے تمام ادوار میں اور عملاً دنیا کے تقریباً تمام حصوں میں دہشت گردی یا ایسی ارادی اور حتی بر تشدد کارروائیاں جن کو دہشت گردی کے زمرے میں شامل کیا جا سکتا ہے ہمیشہ سے ہوتی رہی ہیں۔ دہشت گردی کا یہ عمل کسی معاشرے، تہذیب، مذہب یا سیاسی امتیاز اور پھر کسی قدیم تاریخی، وسطی یا جدید عہد کے ساتھ بطور خاص وابستہ نہیں ہے اور نہ دہشت گردی کے فعل کی کوئی واحد، متعین اور یکساں صورت و شکل ہی ہے بلکہ دہشت گردی کے اظہار کے متعدد طریقے اور اسالیب ہیں۔ اسی طرح خودکش اقدام بھی کوئی نئی ایجاد نہیں ہے۔ بہر حال یہی وجہ ہے کہ دہشت گردی (Terrorism) واحد صیغے میں نہیں بلکہ جمع کے صیغے میں یعنی بہ الفاظ دیگر ''دہشت گردانہ کارروائیاں'' (Terrorisms) کا استعمال ضروری ہے۔

ایسی ٹھوس تاریخی شہادتیں موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ دہشت گردی کا یہ عمل اور فعل ایک امر واقعہ کے طور پر ایک حقیقت رہا ہے اور پھر اس کی مختلف اشکال اور احوال بھی موجود رہے ہیں۔ یہ حقیقت بھی الم نشرح کرنا ضروری ہے کہ دہشت گردی اور دہشت گرد گروہوں کی تاریخی حیثیت و اہمیت کم از کم یورپ میں قرون وسطیٰ کی ہولی رومن ایمپائر کی ابتداء سے منسلک ہے۔(۳۴)

لہٰذا، محض القاعدہ کو دہشت گردی کی علامت کے طور پر پیش کرنا اور دہشت گردی کی پوری تاریخ اور اس کے تمام انواع واقسام کو نظر انداز کرنا تاریخ کے ساتھ ایک مذاق ہے۔ اس بات کا اعتراف ضروری ہے کہ دہشت گردی کی اصطلاح، ایک وسیع تر سیاسی حقیقت ہے، جس کی موجودگی تمام ادوار اور تمام ممالک میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر دہشت گردی کو کسی ایک ہی مرتکب کے بارے میں ہمہ وقت سوچا اور استعمال کیا جائے تو ہر قسم کے تصور، تجزیہ، تشخیص اور علاج کی پوری تصویر ہی مغالطہ آمیز ہو جاتی ہے۔ اگر ہم محض اپنی پسند کے امیدوار کے بارے میں نہیں، بلکہ دہشت گردی کے پیچیدہ اور مختلف الجہت عمل کے متعلق واقعی کچھ جاننے کے خواہاں ہیں تو پھر ضروری ہے کہ اس کے وسیع پس منظر کو زیر غور لا کر اس کے مفہوم اور تقاضوں کا صحیح ادراک کیا جا سکے۔

۲۔ اگرچہ دہشت گردی ایک خوفناک حقیقت ہے لیکن مجموعی طور پر اس کا تصور نہایت ہی مبہم اور دھندلا ہے۔ Dictionary of International Affairs پینگوئن ۱۹۹۸ء ''لغت برائے بین الاقوامی معاملات'' میں اس صورت حال کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

"دہشت گردی کی روک تھام کے لیے کوئی معاہدہ اس لیے طے نہیں پاسکا کہ سیاسی ترجیحات کے باعث اس کی تعریف مسائل کا شکار رہی۔ اگر ایک نقطہ نگاہ کے مطابق ایک شخص "دہشت گرد" ہے تو دوسرے نقطہ نگاہ کے مطابق یہ شخص "آزادی کی خاطر لڑنے والا" ہے اور یہی وجہ ہے کہ بین الاقوامی قانون کے مطابق اس عمل کا احاطہ نہیں کیا جاسکا ہے۔

شمڈ نے اس اصطلاح کی ایک سو سے زائد مختلف تعریفیں بیان کی ہیں۔ (۳۵)

اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی ابھی تک اس اصطلاح کی کوئی متفقہ تعریف متعین نہیں کر سکی۔ ایک عمومی متفقہ رائے کے مطابق: "مخصوص سیاسی مقاصد اور مفادات کے حصول کی خاطر بے گناہ اور معصوم شہریوں اور دیگر غیر متعلقہ افراد کے خلاف دانستہ پُر تشدد کارروائی "دہشت گردی" کہلاتی ہے"۔

جب سیاسی تنازعات کا پُر امن حل سامنے نہیں آتا اور لوگوں کو ظلم وستم، غاصبانہ تسلط یا جارحیت کے خلاف جدوجہد پر مجبور کر دیا جاتا ہے تو ان حالات میں مزاحمتی تحریک پُر تشدد کارروائیوں کی طرف جانے پر مجبور ہوتی ہے اور اس جہت کے بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غیر ملکی تسلط کے خلاف محکوم عوام کی جدوجہد، خواہ اس میں تشدد کا عنصر شامل ہو، کسی بھی متفقہ دستاویز کے ذریعے، دہشت گردی سے منسلک نہیں کیا جاسکا بلکہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں کثرت رائے سے اور غیر جانبدار تحریک کے اعلانات میں متفقہ طور پر یہ استثنیٰ کھلے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

"ریاستی دہشت گردی" کا معاملہ بھی ابھی تک بظاہر وجہ تنازعہ ہے۔ یہ امر نا قابل فہم ہے کہ اس دہشت گردی کو صرف انفرادی اور گروہی رویوں اور اقدامات تک ہی محدود کر دیا جائے اور دیگر اقوام اور حکومتوں کے اپنے ہی ملک کے عوام کے خلاف ریاست کی مطلق العنان طاقت کا استعمال اس میں شامل نہ کیا جائے۔ اس مسلمہ اصول کا اعادہ ضروری ہے کہ ریاست کی طرف سے طاقت کے استعمال کا اختیار ان کارروائیوں کی قانونی حیثیت سے مشروط ہے، لہٰذا فطری طور پر ریاستی دہشت گردی کو "دہشت گردی" کے کسی بھی ممکنہ تصور سے خارج نہیں کیا جاسکتا۔ جب ایک غیر ملکی طاقت کسی ملک پر غاصبانہ تسلط جما لیتی ہے تو ان حالات میں محکوم افراد کی حق خود ارادیت اور حق آزادی کی خاطر کی جانے والی جدوجہد کی قانونی حیثیت کو کسی بھی صورت میں سیاسی تشدد کی دیگر اقسام کے مترادف قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ان حالات میں ریاستی حکام کی طرف سے مسلح افواج کا استعمال دہشت گردی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اسی طرح ریاست کی جانب سے اس کے اپنے عوام کے خلاف "جنگی جرائم" یا "نسل کشی کے اقدامات" اور یا پھر شہروں اور دیہاتوں پر بم باری، اجتماعی سزا اور مخصوص شخصیات کی ہلاکت اور قاتلانہ حملوں پر مشتمل، شہریوں پر بلا امتیاز تشدد کو کسی طرح بھی ریاستی طاقت کا جائز اور قانونی استعمال قرار نہیں دیا جاسکتا اور نتیجتاً اس ریاستی دہشت گردی کو دہشت گردی سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔

اسی طرح ایک ملک یا قوم کا دیگر ممالک اور اقوام کے خلاف جارحیت (وہ اقدامات جو اقوام متحدہ کے منشور کے مطابق نہیں ہیں) کو بھی دہشت گرد کارروائیوں کے زمرے میں لازمی طور پر شامل کرنا چاہیے۔ نیورمبرگ ٹرائلز (Nuremberg Trails) کے وضع کردہ اصول اور اقوام متحدہ کے منشور کے احترام کے ذریعے ہی ریاست کے قانونی اور جائز رویے کا ثبوت ملتا ہے۔ اقوام متحدہ کے ایک پینل نے 2004ء میں اقوام متحدہ کے منشور کی شق ۵۱ کی غیر ضروری مزید تشریح کے خلاف اپنے تحفظات کا اظہار کیا۔

شق ۵۱ کے طویل عرصے سے سمجھے جانے والے مفہوم میں نہ کسی توسیع کی ضرورت ہے، نہ کسی تجدید کی، جس پر وہ قائم ہے، یک طرفہ من مانے اقدامات کی، اجتماعی طور پر اٹھائے جانے والے جائز اور حقیقی اقدامات کے مقابلے میں، قانونی حیثیت تسلیم کی جائے، تو اس دنیا میں جو ممکنہ خطرات سے ہر وقت گھری ہوئی ہے، عالمی نظام اور اصول عدم مداخلت کو خدشات لاحق ہو جائیں گے۔ کسی ایک فرد یا افراد کو اس قسم کے فعل کی اجازت دینے کا مطلب یہ ہے کہ ہر کسی کو ان کاموں کی کھلی چھٹی حاصل ہو گی۔

نیورمبرگ ٹریبونل (Nuremberg Tribunal) نے واضح الفاظ میں "جارحیت" کی یوں تعریف کی:

ایک اجتماعی وسیع پیمانے پر کیا جانے والا عالم گیر جرم "جنگی جرم" سے اس بنا پر مختلف ہے کہ اس میں بدی کی تمام قوتوں کی مشترکہ خواہش شامل ہوتی ہے۔

اس ٹریبونل میں امریکا کی طرف سے پیش ہونے والے وکیل رابرٹ جیکسن (Robert Jackson) نے، جو اس وقت امریکی سپریم کورٹ میں جج ہے، اپنے دلائل پیش کرتے ہوئے کہا:

کسی معاہدے کی خلاف ورزی جرم ہے اور یہ فعل ہر حال میں "جرم" ہی کہلائے گا خواہ اس کا مرتکب امریکا ہو یا جرمنی۔ ہم دوسروں کے لیے مجرمانہ طرز عمل کے لیے کوئی اصول طے کرنے کے لیے تیار نہیں جس کا نفاذ ہم خود اپنے لیے پسند نہیں کرتے۔ ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ جس پس منظر کی بنیاد پر ہم مدعا علیہان کے خلاف فیصلہ دیتے ہیں، اسی پس منظر کی بنیاد پر تاریخ کل ہمارے متعلق فیصلہ کرے گی۔ اگر ہم ان مدعا علیہان کو زہر کا پیالہ پینے پر مجبور کریں گے تو پھر کسی وقت ہمیں بھی اس زہر کے پیالے سے ایک گھونٹ پینا ہی پڑے گا۔(۳۶)

نیورمبرگ ٹریبونل کے متعین کردہ اصولوں کے مطابق ریاستی حکام کے لیے یہ انتہائی لازمی اور ضروری ہے کہ وہ انسانیت کے خلاف جرائم، بنیادی حقوق کی خلاف ورزی اور دیگر ممالک کے خلاف جارحیت سے گریز اور اجتناب کریں۔ یہ وہ اصول ہیں جن کی اہمیت وافادیت اور ان پر عمل درآمد کی ضرورت، وسط بیسویں صدی کی نسبت، آج بہت زیادہ ہے۔ دہشت گردی کے عمل کو کسی ایک فرد یا گروہ کی کارروائیوں تک محدود نہیں کیا جا سکتا بلکہ ریاستی دہشت گردی کی کارروائیوں کو بھی اسی معیار پر پرکھنا چاہیے۔

۳۔ تاریخ سے یہ سبق حاصل کرنا بھی مشکل نہیں ہے کہ دہشت گردی کا عمل محدود مدت کے لیے ہوتا ہے۔ تمام ادوار اور تمام علاقوں میں دہشت گردی کے واقعات ہوئے ہیں، لیکن یہ عمل حالات کے بدلنے اور تصادم کے اسباب کے ختم ہو جانے کے بعد آپ سے آپ ختم ہو جاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دہشت گردی کا عمل محدود بھی رکھا جا سکتا ہے اور اس کی روک تھام بھی کی جا سکتی ہے، لیکن یہ محض قوت کے بے محابا استعمال سے ممکن نہیں، بلکہ دہشت گردی کی ہر مختلف نوعیت ہے اس کو سماجی اور تاریخی پس منظر میں دیکھنا چاہیے اور اس کو محدود کرنے، اس کی روک تھام کرنے یا اس کو ختم کرنے کے لیے مناسب اور بہتر تدابیر اختیار کرنی چاہئیں۔ اکثر وبیشتر جب معاشرے میں بحرانوں کو دور کرنے اور تنازعات حل کرنے کے سیاسی اور افہام وتفہیم کے عمل میں ناکامی ہوتی ہے تو بالآخر دہشت گردی کسی نہ کسی شکل میں سامنے آتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ انتقامی رویہ اور محض قوت کے ذریعے اسے ختم کرنے کی حکمت عملی زیادہ کارگر نہیں ہو سکتی بلکہ حقیقتاً اس کے نقصانات

کہیں زیادہ ہیں۔ اپنی تمام تر پیچیدگیوں کے باوجود، دہشت گردی کا یہ مسئلہ صرف اور صرف مؤثر سیاسی اور کم سے کم نقصانات کی حامل تدابیر کے ذریعے ہی حل کیا جاسکتا ہے، جس میں اصل اہمیت تشدد کے اسباب کو دور کرنے کو دی جائے۔ دہشت گردی کو ختم کرنے کے لیے انتقامی جذبے، قتل و غارت، طاقت کے غرور اور ایک طرفہ طرزِ عمل پر مبنی طریقوں کے ذریعے ناکامی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا، بلکہ بعض اوقات تو یہ اقدام معکوس نتائج دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دانشور، تجزیہ نگار اور منصوبہ ساز ادارے امریکا کی طرف سے شروع کی گئی عالمگیر ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' کے متعلق اپنے تحفظات کا اظہار کرتے رہے ہیں، جو ۱۱ ستمبر کے حادثے کے بعد شروع کی گئی۔ اب وقت آگیا ہے کہ حساب لگایا جائے کہ اس حکمت عملی کے ذریعے کیا کچھ حاصل ہوا اور اس کے لیے امریکا اور دنیا کی دیگر اقوام کو کیا قیمت ادا کرنی پڑی۔ اگر اس جنگ کے نو سال ہو جانے پر یہ جو تبصرے عالمی پریس میں آتے ہیں، ان کا جائزہ لیا جائے تو ۹۰ فیصدی تجزیوں کا حاصل یہ ہے کہ امریکہ کی دہشت گردی کے خلاف اس نام نہاد جنگ کے نتیجے کے طور پر دنیا کے لیے زیادہ غیر محفوظ، تشدد کے استعمال میں غیر محفوظ، تشدد کے استعمال میں غیر معمولی اضافہ اور انسانی جان اور مال کے زیاں میں محیر العقول اضافہ ہوا ہے یعنی ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کے حادثے میں جان بحق ہونے والے ۳ ہزار افراد کے مقابلے میں ان نو سالوں میں ردعمل میں کی جانے والی جنگ میں تین لاکھ سے زیادہ انسان موت کے گھاٹ اتارے جاچکے ہیں۔

ایک فرانسیسی دانشور ایمینیول ٹاڈ (Emmanuel Todd) کے دل چسپ تبصرے پر سنجیدگی سے غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے جو ۲۰۰۴ء میں میڈرڈ سانحے کے بعد اسپین کی پالیسی میں تبدیلی کے تناظر میں کیا گیا:

''میں اپنی بات ایک خوش گوار نکتے پر ختم کروں گا۔ اسپینی افواج کا عراق سے انخلاء امید کا پیغام ہے۔ بش کی جنگی مہم کا نتیجہ یہ نکل سکتا تھا، یا یہ نکلنا مقصود تھا کہ تشدد کا مسلسل بڑھتا ہوا اور پھیلتا ہوا منحوس چکر شروع ہو جائے۔ اگر اسپینی، اطالوی، جاپانی، برطانوی اور دیگر اقوام پر ایک بار بھی حملہ ہو، تو ان کی آبادیاں نہ ختم ہونے والی جنگ کی منطق کے آگے شکست تسلیم کرلیں گی۔ جب حملہ آوروں نے ۱۱ مارچ ۲۰۰۴ء کو میڈرڈ پر حملہ کیا تو کوئی نہیں جانتا تھا کہ اسپینی عوام کا ردعمل کیا ہوگا۔ اسپینی عوام عظیم جھوٹ کو تسلیم کرسکتے تھے، یعنی یہ تصور کہ عراق پر حملے کا مقصد دراصل دہشت گردی کے خطرے کو کم کرنا تھا۔ اسپین کا دہشت گردی کے خلاف ردعمل نسلی تعصب پر مبنی نفرت کی ایک لہر اور امریکہ کے ساتھ زیادہ قریبی تعلقات بھی ہوسکتا تھا۔ جنگ کے ابتدائی سبب کو بھول جانا (خاص طور پر، سبب نہ ہونے کی موجودہ صورت میں) اور قدیم جنگوں کی طرح کے منحوس چکر میں پھنس جانا بہت آسان ہوتا ہے۔ غالباً پہلی جنگ عظیم اس کی بہترین مثال ہے۔ یہ قومی مفادات کے حصول کے لیے معقول کوشش سے آگے بڑھی، لیکن جلد ہی یہ ایک بے مقصد خونی غسل میں تبدیل ہوگئی۔ مغربی اقوام سب کچھ کھونے کے بعد بھی برسوں جنگ لڑتی رہیں۔ اسپین میں اس کے برعکس ہوا۔ اسپینی ووٹرز نے اپنے وزیر اعظم ازنار (Aznar) سے نجات حاصل کی۔ زپیٹرو (Zapatero) نے عراق سے اسپینی افواج واپس بلالیں۔ بڑھتا ہوا تشدد، جس کی بہت سے لوگوں کو توقع تھی اور کچھ اس کی امید لگائے بیٹھے تھے، اس کا چکر توڑنے کے لیے اسپین کا یہ قدم شاید کافی ہو اور غالباً ہم اسپین کے عوام کے اس سے زیادہ رہین منت ہیں جتنا کہ ہم سمجھتے ہیں، بش کے الفاظ استعمال کیے جائیں تو ان کا ووٹ، ان کا فیصلہ یقیناً نیکی کی بدی پر فتح ہے۔''

(After the Empire: The Breakdown of the of the American Order, Emmanuel

Todd, Constable and Robinson, U.K, 2004,p.210-211)

۴۔ یہ حقیقت تو سب کو معلوم ہونی چاہیے کہ عام مسلمان شہریوں نے بالعموم اور سرکردہ مسلم علماء اور اسلامی تحریکوں کے قائدین نے بالخصوص ابتداء ہی سے ایک آواز ہو کر، ۱۱ ستمبر کے اندوہناک واقعے سمیت، انسانیت کے خلاف حقیقی دہشت گردی کی تمام کارروائیوں کی مذمت کی، لیکن مسلمانوں کے علاوہ بھی اس دنیا میں بسنے والے دیگر افراد کو بشمول امریکی اور یورپی شہریوں کے "دہشت گردی کے خلاف جنگ" کے نام پر کھیلے جانے والے ڈرامے کے متعلق شدید خدشات لاحق ہیں۔ ان کے نزدیک امریکا اور اس کے اتحادیوں کی یہ تمام کارروائی بھی کسی مجرمانہ فعل سے کم نہیں ہے اس لیے کہ اس کی بدولت لاکھوں معصوم اور بے گناہ مرد و زن موت کی نیند سو چکے ہیں۔ وہ سرِ عام یہ پوچھتے ہیں کہ کیا دہشت گردی کے خلاف جنگ اس طرح لڑی جاتی ہے جس طرح امریکا نے لڑی، کیا دہشت گردی کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے بہت ہی مختلف اور کثیر الجہتی حکمت عملی کی ضرورت نہیں ہے؟ کیا دہشت گردی کا واضح پس منظر اور وجوہات جانے بغیر اس کے خلاف اقدامات درست ثابت ہوئے؟ یقیناً، یہ حقیقت تو کسی سے پوشیدہ نہیں کہ مقصد کے واضح تعین کے بغیر، دہشت گردی کے خلاف اقدامات نہیں اٹھائے جا سکتے ہیں، بصورت دیگر، یہ تمام عمل، یہ تمام اقدامات، یہ جنگ ہوا میں تلوار چلانے اور سایوں کا تعاقب کرنے کے مترادف ہے، جس کے باعث فکری تنازعات کے علاوہ سیاسی ابتری، و اندھے کشت و خون میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور پھر بالآخر عدم استحکام، سیاسی انتقام اور فساد فی الارض میں اضافے کے مناظر سامنے آ جاتے ہیں۔

اس امر کی بھی ضرورت ہے کہ دہشت گردی اور افراد کی جانب سے طاقت کے استعمال مثلاً بین الاقوامی قانون کے مطابق جنگ یا آزادی کے لیے حقیقی جدوجہد کے مابین تفریق کی جائے۔ ان کارروائیوں کو بلا امتیاز، دہشت گردی قرار دینے کا عمل، جیسا کہ فلسطینی تحریک مزاحمت (بطور ایک مثال کے) کے سلسلے میں کیا جا رہا ہے، وہ نہایت ہی غلط بلکہ ضرر رساں ہے۔ درحقیقت، آزادی کی ایسی ہی تحریکوں کو اگر دہشت گردی قرار دینے کی اجازت دے دی جائے تو پھر تاریخ کو از سرِ نو تحریر کرنا پڑے گا جس کے مطابق جارج واشنگٹن اور نیلسن منڈیلا جیسے انسانیت کے محسن بھی دہشت گرد قرار پائیں گے۔

اسی طرح دہشت گردی کی تمام کارروائیوں کو یکساں قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہ کارروائیاں، اپنی نوعیت، پس منظر، مقاصد اور محرکات کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہیں۔ ان حالات کو ٹھیک کیے بغیر جن کی وجہ سے دہشت گردی کا ظہور ہوا ہے، ان اسباب کو دور کیے بغیر جو ان کو مخصوص آہنگ دیتے ہیں اور ناانصافیوں اور ظلم و ستم کو ختم کیے بغیر جس نے کمزوروں کو اٹھ کھڑے ہونے پر آمادہ کیا ہے، دہشت گردی کو نشانہ بنانا فاش غلطی ہوگی۔ طاقت کی عدم مساوات اور تنازعات کے تصفیے کے لیے معقول طریقے کا انکار وہ حقائق ہیں جن کو نظر انداز کرنا ہمارے اور یورپی دنیا کے لیے خطرے سے خالی نہیں۔ اس لیے، کہ اس کے باعث لوگ بغاوت پر آمادہ ہو جاتے ہیں، کی نوعیت اور حدود کے متعلق آگہی اور سیاسی مقاصد کے لیے پُرتشدد ذرائع استعمال کرنے کے رجحان کی وجوہات اور حقائق کی چھان بین لازمی ہے۔

یہ حقیقت تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ "دہشت گردی" ایک پیچیدہ عمل ہے اور اس کے حل کے لیے کسی یک رخی حکمت عملی کے لیے ناکامی مقدر ہے۔ اس سے صورت حال مزید سنگین ہو سکتی ہے جیسا کہ ہمیشہ سے پیدا ہوتی رہی ہے۔

۵۔ دہشت گردی کسی مسئلے کے حل کی ضامن نہیں ہے بلکہ اس مسئلے کے حل کے لیے ایک تدبیر اور سیاسی عمل کی طرف رجوع ضروری ہے، خود دہشت گردی کو اگر ایک نظریے کی حیثیت دے دی جائے جیسا کہ بعض حلقوں میں کہا جا رہا ہے، تو پھر یہ معاملہ انتہائی خطرناک

حد تک الجھا جاتا ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دہشت گردانہ کارروائیوں کو منصفانہ قرار دینے کے دلائل خود مغرب کی فلسفیانہ سیاسی اور حتیٰ کہ اخلاقی اور مذہبی پس منظر کی پیداوار ہیں۔

سائسرو (Cecero) سے لے کر جس نے کہا تھا: ''قتل کرنا ایک نیکی ہے''، یورپ میں ابتری پھیلانے والوں، روس میں بائیں بازو کے انقلابیوں (John Most's Revolutionary War Science, 1885) مقدس مائیکل برے کے A Time to Kill (USA,1980) تک اس نوعیت کے لٹریچر کی کوئی کمی نہیں۔ گو حتمی تجزیے سے معلوم ہوتا ہے کہ دہشت گردی کے دفاع میں یہ لٹریچر بھی اسے فی الحقیقت ایک تدبیر سے زیادہ مقام نہیں دیتا۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ان سارے علمی اور فلسفیانہ مباحث کا حاصل بھی اس سے مختلف نہیں۔ دہشت گردی بہ نفس نفیس نہ کسی مسئلے کا حتمی حل ہے اور نہ یہ کوئی مستقل نظریہ ہے۔

دہشت گردی کی تشریح کے ضمن میں ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' کے مرتکب افراد اس کوشش میں رہے کہ دہشت گردی کو محض ایک تدبیر کے بجائے ایک نظریے یا اصول کے طور پر پیش کر کے اس مسئلے کو الجھا دیا جائے تاکہ دنیا کے سامنے اس کا کوئی واضح تصور نہ پیش کیا جا سکے۔ وہ دہشت گردی کی جڑیں مسخ شدہ مذہبی رجحانات میں تلاش کرنے کی کوششیں کرتے رہے۔ اس کے سنگین نتائج کا برآمد ہونا قدرتی وفطری عمل ہے کیونکہ اس کے سبب دہشت گردی کی حقیقی وجوہات اور اس کے وقوع اور بڑھاوے کا باعث بننے والے فیصلہ کن پالیسی امور کے بجائے اس کا رخ اقدار کے مابین تنازعہ اور تہذیبوں کے ٹکراؤ کے خیالی تصورات کی طرف موڑے جانے کا امکان رہا۔ (۳۷) اس سلسلہ میں امریکا کے نو قدامت پسند (Neo-cons) از خود سابق صدر بش جو گل افشانیاں کرتے رہے وہ بڑی خطرناک اور دنیا کو نہ ختم ہونے والے تصادم اور تباہی کی طرف لے جانے والی رہیں۔ اس سلسلے میں امریکہ اور برطانیہ کی "evil ideology" اور "Islamo-fascism" کی لن ترانی بڑے خطرناک نتائج کی حامل ہو سکتی ہے۔

شکاگو یونی ورسٹی کے ایک پروفیسر رابرٹ اے پیپ (Robert A pape) نے اپنے ایک تحقیقی جائزے میں دہشت گردی کی ایک ذیلی صنف ''خود کش بم دھاکوں'' پر انتہائی چشم کشا تحقیقی و تجزیاتی روشنی ڈالی ہے۔ اس تحقیقی جائزے کا عنوان Dying to Win (موت کے ذریعے جیت) ہے اور اس کا لوازمہ ۱۹۸۰ء سے ۲۰۰۹ء تک ہونے والے ''خود کش حملوں'' کے متعلق معلومات و اعداد وشمار پر مشتمل ہے جسے کتابی شکل میں حال ہی میں خود امریکا سے شائع کیا گیا ہے۔ مصنف کہتا ہے کہ: ''خود کش حملوں کے ذریعے دہشت گردی اور اسلام بنیاد پرستی کے مابین قائم کیے جانے والا فرضی تعلق گمراہ کن ہے۔ پروفیسر رابرٹ پیپ کے مطابق:

معلوماتی مواد اور اعداد وشمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ خود کش حملوں کے ذریعے دہشت گردی اور اسلامی بنیاد پرستی یا کسی دیگر مذہب کے مابین برائے نام تعلق ہے۔ درحقیقت، خود کش حملوں کے بانی سری لنکا کے تامل ٹائیگرز ہیں۔ یہ گروپ مارکس اور لینن کے افکار کا پیرو ہے اور گو اس کے ارکان کا تعلق ہندو گھرانوں سے ہے، لیکن یہ لوگ مذہب کے سخت مخالف ہیں۔ یہ گروپ خود کش حملوں کے مجموعی 315 واقعات میں سے 76 واقعات میں ملوث ہے، جب کہ حماس کا نام اس فہرست میں بہت نیچے ہے۔ البتہ ان تمام خود کش حملوں میں جو عنصر مشترک نظر آتا ہے، وہ مخصوص غیر مذہبی اور سیاسی اہدافی مقاصد ہیں تاکہ جدید جمہوری حکومتوں کو اپنے علاقوں سے مسلح افواج ہلانے پر مجبور کیا جائے جو بقول ان کے، ان کا وطن ہے۔ اگرچہ دہشت گرد تنظیمیں اپنے وسیع مقاصد واہداف حاصل کرنے کے لیے، مذہب کو اکثر ہتھیار کے طور پر استعمال کرتی ہیں، لیکن مذہب، خود کش حملوں کی بنیادی وجہ نہیں ہے۔ (۳۸)

ایک طرف دہشت گردی کے اس عمل کے نفسیاتی پہلو، حتیٰ کہ اس کے انفرادی کرداروں کے ممکنہ ذہنی رجحانات سمیت، تمام

پہلوؤں کا تحقیقی اور تجزیاتی مطالعہ نہایت مفید ہے، تو دوسری طرف اس کے سیاسی، ترکیبی اور پس پردہ منظرنامے کو مدنظر نہ رکھا جائے تو یہ غیر حقیقت پسندانہ ہوگا۔ یہ تو درست ہے کہ تحریکی اور بنیادی عناصر کا لازمی طور پر مطالعہ اور تجزیہ کیا جانا چاہیے لیکن ہر چیز کو چھوڑ کر، صرف اس کی ''ہیئت ترکیبی'' اور ''سیاسی'' صورت حال ہی کو پیش نظر رکھنا، ایک غلط، فریب کن اور غیر مفید رجحان ہے۔ تشدد پر ابھارنے والی بنیادی اور اہم وجوہات سے اگر صرف نظر کیا جائے تو یہ رویہ دہشت گردی کے تصور سے حقیقی آگہی اور اس کا مقابلہ کرنے کے لیے مناسب اور بہتر حکمت عملی اختیار کرنے میں سد راہ ہوگا۔

ہمیں حقیقی مسائل کا سامنا کرنا چاہیے۔ یہ مسائل سیاسی ناانصافیوں اور ان رویوں اور پالیسیوں سے تعلق رکھتے ہیں کہ جن کے باعث عوام اتنے غضب ناک ہو جاتے ہیں کہ وہ بے بسی، رسوائی اور مظلومیت کی زندگی پر موت کو ترجیح دینے لگتے ہیں۔ جب تک ظلم کی یہ صورت نہیں بدلتی اور طاقت ور عناصر و اقوام کا یہ غلط رویہ اور رجحان تبدیل نہیں ہوتا، حالات تو یہی ظاہر کرتے ہیں کہ ''دہشت گردانہ کارروائیاں'' اور ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' کا عمل متوازی طور پر جاری رہے گا اور امن و سکون کا حصول محال ہوگا۔

جہاد کے متعلق مختلف نظریاتی اور پھر تصور شہادت اور اس کے ساتھ ساتھ مساجد اور مدرسے بطور اداروں کے ہمیشہ ہی سے موجود ہیں۔ ''انتہا پسند'' اور ''مسخ شدہ'' تعبیرات تاریخ میں نادر نہیں ہیں۔ ہر مذہب، ہر نظریاتی جماعت اور ہر سیاسی و سماجی نظام میں یہ سر اٹھاتی رہی ہیں۔ آج جن مقدس آیات اور اداروں پر دہشت گردی کا الزام لگایا جاتا ہے، ان کی موجودگی کے باوجود، کرۂ ارض پر ایک عرصے سے امن و امان اور باہمی ہم آہنگی کی فضا قائم رہی ہے، اس لیے دہشت گردی کی تنظیم اور قوت میں جو اضافہ ہو رہا ہے، اس کی وجوہ لازمی طور پر کہیں اور موجود ہیں اور وقت کا تقاضا ہے کہ ان کو تلاش کیا جائے اور منظر عام پر لایا جائے اور کسی خاص مذہب یا چند مذہبی تصورات میں ان کا سراغ لگانے کی غیر حقیقت پسندانہ اور شرانگیز مساعی سے اجتناب کیا جائے۔

۶۔ اس وقت امریکا کی طرف سے کی جانے والی ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' کے باعث ہونے والے تصوراتی، اداراتی، سیاسی اور انسانی نقصانات کے متعلق غور و فکر اور ان کا تجزیہ، نہایت ہی اہم ہے۔ کتنے بے گناہ شہری ان دہشت گردانہ کارروائیوں کا شکار ہوئے ہیں اور ''دہشت گردی کے خلاف اس جنگ'' کے باعث کتنے افراد ہلاک ہوئے ہیں؟ کیا یہ جنگ ''دہشت گردوں کو ختم کرنے میں کامیاب رہی؟ یا اس جنگ کے باعث ''دہشت گردوں'' کی تعداد پہلے سے بہت زیادہ بڑھ چکی ہے؟ امریکا ان ممالک میں کن نظروں سے دیکھا جاتا ہے جن کو بزعم خود فائدہ پہنچانے کے لیے اس نے ان ممالک پر حملے کیے تاکہ ملزم دہشت گردوں کو تباہ و ہلاک کیا جاسکے اور پھر عوام کو ''حکومت کی تبدیلی'' اور ''قومی تعمیر'' کا تحفہ پیش کیا جائے؟ کیا امریکا نے دنیا کے عوام کی نظروں میں اعتماد، محبت اور عزت حاصل کی؟ یا امریکا نے اپنے انسانیت دشمن اقدامات کے باعث نہایت تیزی سے تمام دنیا کے افراد کی نفرت و عداوت سمیٹ لی ہے؟ اور دنیا کو ایک ایسی خون آشام حالت کی طرف دھکیل دیا ہے جہاں سلامتی اور تحفظ کے ساتھ زندگی بسر کرنا ممکن ہی نہیں رہا؟ اس حقیقت کو تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ دنیا کے وسیع خطے جو اس ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' سے پہلے سیاسی طور پر نہایت پُرامن تھے، اب وہی خطے دہشت گردی اور مسلسل تصادم، خون ریزی اور جنگ و جدل کی خونی آماجگاہ بن چکے ہیں۔ جو بے اطمینانی چند علاقوں تک محدود تھی، اس نے تمام دنیا کو لپیٹ میں لے لیا اور جس ایک اسامہ بن لادن کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے عالمی یورش کی گئی تھی اس کے نتیجے میں ہزاروں اسامہ وجود میں آگئے ہیں اور دہشت کسی ایک علاقے تک محدود رہنے کے بجائے زمین کے طول و عرض میں پھیلتی جا رہی ہے۔ آج افغان جنگ کے نو سال بعد امریکہ نے طالبان کے آگے بالآخر گھٹنے ٹیک دیے ہیں اور اب امریکہ طالبان سے

مذاکرات اور حکومت میں شمولیت کی دعوت دیتا نظر آرہا ہے۔ سرکش سامراجی طاقتوں کا بالآخر یہی عبرت ناک اور سبق آموز انجام ہوتا ہے۔ یہ ایک قدرتی عمل اور فطری امر ہے۔

۷۔ متذکرہ مسائل و معاملات کے علاوہ دیگر کچھ ایسے بنیادی معاملات و مسائل ہیں جو تمام دنیا کے عوام، خصوصاً امریکی عوام کو دعوت فکر دے رہے ہیں۔ وسیع پیمانے پر بنیادی حقوق کی خلاف ورزیاں، خاص طور پر تخلیہ حق، قانونی عمل کے بغیر گرفتاری سے آزادی کا حق، جب تک جرم ثابت نہ ہو، بے گناہ تصور کیے جانے کا حق، مدعا علیہان کا اپنی پسند کے مطابق وکیل کے ذریعے اپنی صفائی پیش کرنے کا حق، ان حقوق کی کھلی خلاف ورزیاں ہوش اڑا دینے والی ہیں۔ ۱۱ ستمبر کے بعد سے بہت سے افراد کو کسی مقدمے کے بغیر ہی گرفتار کر کے قید و بند میں ڈال دیا گیا۔ کسی بھی قانونی عدالت سے سزا پانے والے افراد کی شرح، امریکی انتظامیہ اور اس کے اتحادیوں کے لیے ایک اور دھچکا رہا۔ ۳ ہزار سے زیادہ صرف شبہے کی بنیاد پر گرفتار ہونے والوں میں سے صرف چند ایک کو ری طور پر ہی فرد جرم سنائی گئی۔ ان حقوق کی خلاف ورزی کے ذریعے قانون کی دھجیاں اڑائی گئیں اور کئی ممالک بشمول امریکا میں آئین کی بالادستی ایک حد تک عملاً ختم ہو کر رہ گئی۔ امریکا اور اس کے "اتحادی" ممالک میں "حب وطن" اور "قومی تحفظ" کی آڑ میں عام مرد و زن کی شہری آزادیوں کے ساتھ بالعموم اور مخصوص مذہبی شخصیات اور اقلیتی جماعتوں کے ساتھ بالخصوص، کس قسم کا کھیل کھیلا جاتا رہا ہے؟ انسانی عظمت کی قدر، تمام بنی نوع انسان کے برابر حقوق، مہذب رویے کو اپناتے ہوئے ہر ایک کے ساتھ ایک قانون کے مطابق سلوک اختیار کرنے کا حق، یہ سب حقوق نئے نئے خطرات کی زد میں رہے اور مسلسل پامال ہوتے رہے۔ اور کیا صرف گوانتاناموبے، ابوغریب اور بگرام ہی رستے ہوئے ناسور رہے؟ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ "مجرموں" کی حوالگی اور "زبردستی تفتیش" جیسے غیر مہذب افعال نے اس مہذب دنیا کے کئی ممالک کو آلودہ کر دیا؟ Orwell's 1984, New world اور Solzhenitsyn's Gulag کے روح فرسا واقعات "آزاد دنیا" کی جنت کے خوش کن تصور کو ہوا میں تحلیل کر رہے ہیں۔

امریکا اور اس کے اتحادیوں کی ہوس ملک گیری اور معصوم و بیگناہ انسانوں کے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی کے باعث، اس کرۂ ارض پر صدیوں سے مروج بین الاقوامی قانون اور پھر جنگ اور امن کے ادوار میں مہذب اخلاقیات کا نظام، اب خطرناک حد تک اپنی موت کی طرف رواں دواں رہا۔

بین الاقوامی قانون اور جنگ اور امن میں مہذب رویے کے بارے میں جو کچھ اتفاق رائے صدیوں میں حاصل ہوا تھا، وہ سب خطرے سے دوچار رہا۔ مقامی اور بین الاقوامی قوانین کے نت نئے اور ناتراشیدہ تصورات کا یک طرفہ اور من مانے طور پر تعین بھی کیا جاتا رہا اور عملاً انہیں لاگو بھی کر دیا گیا۔ طاقت ور ممالک، دوسرے ممالک اور اقوام کو اپنی دھونس کے ذریعے صرف اس لیے کچلنے کی کوشش کرتے رہے کہ وہ کمزور ہیں۔ کرۂ ارض کے افق پر سامراجی اور غاصبانہ تسلط اور بالادستی کے منحوس سائے لہراتے رہے۔ قومی خودمختاری کا تقدس ختم ہوتا گیا اور بین الاقوامی حدود کی پابندی اب گئے وقتوں کی بات گئی۔ اقوام متحدہ روز بروز بے معنی ہوتی گئی۔ اقوام متحدہ میں متعین امریکی نمائندے مسٹر بولٹن نے یہ کہنے کی جسارت کی ہے کہ اقوام متحدہ اجازت دے نہ دے، امریکا ایران پر حملہ کرنے کا حق رکھتا ہے۔ دیگر ممالک میں یک طرفہ مداخلتیں اور زبردستی حکومتی تبدیلی، جائز قرار دے دی گئی۔ طاقت ور اقوام کے مفادات کو تحفظ دینے کے لیے "اپنے دفاع" (Self defence) کے تصور کو نئے معنی پہنائے جاتے رہے۔ امن اور بین الاقوامی طاقتی توازن کے لیے خطرہ دن بدن بڑھتا گیا اور زیادہ سے زیادہ پُرتشدد تنازعات کے امکانات روز افزوں ہوتے گئے۔

ان تمام حالات کا اثر مختلف ممالک کے اندر بھی محسوس کیا جاتا رہا۔ دنیا کے کئی ممالک میں عوام اور مختلف گروہ حکومتی ظلم وستم کا شکار رہیں۔ ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' کو کئی ایک ممالک اپنے ہی عوام کو کچلنے کے لیے استعمال کرتے رہے۔ بلاشک وشبہ، اس ''جنگ'' کے ''ضمنی'' (collateral) نقصانات خوفناک تناسب بڑھتے ہی چلے گئے اور اب انہیں محض ضمنی سمجھنا خوفناک غیر حقیقت پسندی بن گئی!!

۸۔ ایک بنیادی سوال جس کا ہر پہلو سے جائزہ بہت ہی ضروری ہو کر سامنے آیا وہ یہ کہ دہشت گردی کے خلاف مبینہ جنگ میں فوجی حکمت عملی کی حدود کیا ہونی چاہئیں، کیا صرف فوجی طاقت اور بندوق کے بل بوتے پر ہی دہشت گردی کو ختم کیا جا سکتا ہے؟ کیا اس ''بے نام ونشان دشمن'' سے صرف اسی طریقے سے نمٹا جا سکتا ہے؟ کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ دہشت گردی کے اس عمل کے رونما ہونے کی وجوہات اور ذمہ دار عناصر کو سمجھنے اور ان کو دائمی طور پر دور کرنے کے لیے متبادل طریقے استعمال کیے جائیں؟ ہم کب تک کسی مسئلے کی جڑوں تک پہنچنے کے بجائے اس کی شاخوں سے الجھتے رہیں گے؟ اصل مسئلہ تسلط، ظلم وستم اور ناانصافی کے خلاف مزاحمت نہیں ہے بلکہ اصل مسئلہ تو بذاتِ خود تسلط، ظلم وستم اور ناانصافی ہے، جس کے باعث مزاحمت پیدا ہوتی ہے۔ اگر ہم مزاحمت کی وجوہ جانے بغیر اس کو نشانہ بناتے ہیں تو ہم کیوں کر کامیاب ہو سکتے ہیں؟ جب صرف مزاحمت اور مبنی برحق مزاحمت ہی کو ختم کرنے پر کمر باندھ لی جائے اور اصل، حقیقی اور خوفناک حقائق کو نظر انداز کر دیا جائے جن کے باعث آزادی اور انصاف کے حصول کے لیے کوشش میں اضافہ ہو جاتا ہے، تو یہ عمل بے سود ثابت ہونے کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔ درحقیقت یہ تمام عمل، دہشت گردی اور نفرتوں کو مزید فروغ دینے کا مجرب نسخہ ہے ؎

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

وقت کا تقاضا یہ ہے کہ اس مسئلے کے دائمی حل کے لیے روایتی نقطۂ نظر کو تبدیل کیا جائے اور برائے نام تبدیلیوں کے بجائے اصل مسائل کے حل کی طرف توجہ مرکوز کی جائے۔ کھوکھلے الفاظ کے بجائے ہماری حکمت عملیاں منطق اور استدلال پر مبنی ہونا چاہئیں۔ صرف یہی ایک طریقہ ہے جس کے ذریعے یہ دنیا ہم سب کے لیے ہمیشہ کے لیے امن وامان کا گہوارہ بن سکتی ہے۔

۹۔ مذکورہ بالا تفصیلی تحقیق وتجزیے کے بعد ہمارے لیے اس بنیادی سوال کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں ہے جس کا تعلق قانون کی حکمرانی اور ایسے عالمگیر نظام کے قیام سے ہے جس کے ذریعے ہر فرد، گروہ اور قوم کو انصاف اور یکساں مواقع حاصل ہو سکیں۔ تسلیم شدہ اور منظقہ بین الاقوامی طریقہ کار کے مطابق تنازعات کا پُر امن حل، عالمی امن اور ہم آہنگی کے لیے تصادم کے نظریات اور کارروائیوں سے صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا۔ عقائد ونظریات اور تہذیب وتمدن کا تعدد (Plurality) ایک حقیقت ہیں۔ یہ حقیقت اتنی ہی قدیم ہے جتنی تاریخ۔ باہمی بقا، تعاون اور خیالات، نظریات اور تہذیبوں کے درمیان مسابقت ایک قدرتی بلکہ صحت مند عمل ہے جس کی وجہ سے انسان کی ترقی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ جب حقیقی تکثیریت کو مسلمہ حیثیت نہیں دی جاتی تو پھر یہ ناانفاقی، تنازعہ، ٹکراؤ اور جنگ کا ذریعہ بن جاتی ہے، پر ایک مخصوص اور یک طرفہ نظریہ اور عقیدہ یا سیاسی اور معاشی نظام دوسروں پر مسلط کیا جاتا ہے۔ اگر بزورِ طاقت، دیگر اقوام پر اقتدار مسلط کر دی جائیں، استحصال، قبضے یا مداخلت کے ذریعے ان کے وسائل ان سے چھین لیے جائیں تو پھر فساد، جھگڑا اور تلخی کا رونما ہونا ناگزیر ہے۔ جب بالادستی پر مبنی ایک نظام دیگر اقوام کے سر منڈھ دیا جاتا ہے اور ان ممالک اور عوام کو محکوم بنا لیا جاتا ہے تو بغاوت کے جذبات کا پیدا ہونا فطری امر ہے، جس کی بدولت عدم تحفظ، عدم تلخیاں اور جھگڑے، جنگ،

لاتعداد دہشت گرد کارروائیاں اور انتقامی جذبات امل پڑتے ہیں۔

وسیع تر تناظر میں امن، سلامتی اور حق پرستی کا جذبہ رکھنے والے تمام افراد کو یہ محسوس کرنا چاہیے کہ عالم گیریت کے موجودہ مرحلے میں ایک دوسرے کا بے لوث احترام، مختلف اقوام کے نظام حیات، مذاہب اور ثقافت کی توقیر اور پھر ہر قسم کے بالادستی اور نوآبادیاتی کھم جوئی سے تحفظ ہی کے ذریعے اس کرۂ ارض پر تحفظ وسلامتی اور امن قائم کیا جا سکتا ہے۔ یہی درحقیقت صلح حدیبیہ کا تمام عالم کے لیے واضح پیغام ہے۔

بہرحال اس بحث کے تناظر میں ''تہذیبوں کے تصادم'' کے متعلق موجودہ بحث کا کریڈٹ سیموئیل ہن ٹنگٹن کو جاتا ہے۔ اس کی کتاب اس طرح کے تصادم کے لیے ایک دعوت کی حیثیت بھی رکھتی ہے۔ بہرحال، اس کتاب میں چند ایک واضح نکات ایسے بھی ہیں جن پر نہایت سنجیدگی سے غور وفکر کی ضرورت ہے۔ وہ لکھتا ہے:

تاریخی لحاظ سے دہشت گردی کمزور (افراد وقوم) کا ہتھیار ہے، یعنی وہ افراد یا قوم جو روایتی مسلح طاقت سے محروم ہوتے ہیں۔(۳۹)

مطلب صاف ظاہر ہے، اگر طاقت ور قانون کی حکمرانی، انصاف اور مذاکرات کے ذریعے مسائل کے حل کا راستہ اختیار کرنے کے لیے تیار نہیں، تو پھر دہشت گردی کو ابھرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

اسی طرح اسلام اور مغرب کے درمیان مبینہ تصادم کے بارے میں ہن ٹنگٹن کہتا ہے:

مغرب کا اصل مسئلہ اسلامی بنیاد پرستی نہیں ہے بلکہ مغرب کے لیے اصل مسئلہ ''اسلام'' ہے جس کے پیروکار اپنی تہذیب کی عظمت پر فخر کرتے ہیں اور طاقت کے لحاظ سے اپنی کم تری کے احساس کا شکار ہیں۔ اسی طرح اسلام کے لیے سی آئی اے (CIA) یا امریکی محکمہ دفاع مسئلہ نہیں ہے بلکہ خود ''مغرب'' اصل مسئلہ ہے، جہاں کی تہذیب مختلف ہے اور لوگ اپنی ثقافت کے عالم گیر ہونے پر نہ صرف یہ یقین رکھتے ہیں بلکہ ان کا خیال یہ ہے کہ ان کی بالاتر طاقت، خواہ وہ بہ زوال ہی کیوں نہ ہو، ان پر یہ فرض عائد کرتی ہے کہ اپنی تہذیب و ثقافت کو تمام دنیا میں پھیلا دیں۔ یہ وہ بنیادی عناصر ہیں جو اسلام اور مغرب کے درمیان تنازعے کو ایندھن فراہم کرتے ہیں۔(۴۰)

ہن ٹنگٹن کے نظریے میں صرف ادھوری حقیقت بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ بلاشبہ اسلام اور مغرب دو مختلف تہذیبوں کی نمائندگی کرتے ہیں، لیکن اس کی یہ بات انتہائی غلط اور گمراہ کن ہے کہ دونوں کو ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے اور ایک دوسرے کو نیست ونابود کرنے کے لیے آپس میں جنگ کرنی چاہیے۔ ایک دوسرے سے مختلف ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ ایک دوسرے سے ضرور جنگ کی جائے۔ جھگڑا اور فساد تب پیدا ہوتا ہے جب زیادہ طاقت ور فرد یا قوم، اپنی بالادست قوت کے ذریعے دوسروں پر اپنی اقتدار اور حکمرانی مسلط کرنے کا حق جتاتی ہے۔ یہ صرف ''اپنی ثقافت کو تمام دنیا میں پھیلانے کے اسی مبینہ فرض'' کا شاخسانہ ہے جس کے باعث جھگڑا اور فساد پیدا ہوتا ہے ورنہ محض تنوع اور تکثیریت اس کا قطعاً باعث نہیں اور یہ قوت کے ذریعے ایک ملک کی دوسروں پر بالادستی اور ایک تہذیب کے دوسری تہذیبوں پر غلبے کا فلسفہ اور پالیسی ہے جسے ہم ''تہذیبی دہشت گردی'' ہی کہہ سکتے ہیں صلح حدیبیہ اس ''تہذیبی دہشت گردی'' کی واضح طور پر نفی کرتی ہے، جو موجودہ تصادم، بحران اور جھگڑے کی بنیاد ہے، جس کے باعث افراد وقوم جنگ، دہشت گرد کارروائیوں اور قتل عام کی طرف دھکیلی جا رہی ہیں۔ اگر دیگر افراد وقوم کی روایات وعقائد کا احترام ایک اصول اور ضابطے کی شکل اختیار کر لے، تو پھر اقوام کے درمیان معاہدہ برائے باہمی بقا، تعاون اور صحت مندانہ مسابقت پیدا ہو جائے گی اور انسانیت پھر دوبارہ سے زندہ ہو جائے گی۔ اگر اس نظریے پر عمل کیا جائے، یعنی دیگر افراد وقوم کے عقائد کا احترام نہ کہ بالادستی، تو پھر یہ دنیا یقینی طور پر امن وامان اور انصاف کی بستی بن سکتی ہے۔ پھر تہذیبوں کے مابین تصادم کے خدشات تحلیل ہو سکتے

ہیں اور دہشت گردی کا پُراسرار خوف زمین میں دفن ہوسکتا ہے۔ صرف اسی صورت میں امن وامان، تحفظ وسلامتی اور خوش حالی کا راستہ بخوبی ہموار کیا جاسکتا ہے۔ یہی صلح حدیبیہ کا واضح پیغام ہے۔ کیا اب بھی وہ لمحہ اور وہ وقت نہیں آیا کہ جب دائمی طور پر دہشت گردی سے آگے کا سوچا اور اس کے لیے کوشش کی جائے؟ کیا انسان اس متبادل حل کو نظر انداز کرنے کا متحمل ہوسکتا ہے؟

آخر میں سوچنے کے لیے ایک مزید نکتہ کی طرف بھی اشارہ ضروری ہے۔ ایک عرصے سے ''عالمی کمیونٹی'' (World Community) کی اصطلاح بھی ''دہشت گردی'' کی اصطلاح کی طرح بڑی بے دردی سے استعمال کی جا رہی ہے اور یہ باور کرایا جاتا رہا کہ امریکا اور اس کے چند حواری عالمی کمیونٹی کے مترادف ہیں حالانکہ اصل عالمی کمیونٹی وہ ساڑھے چھ ارب عوام ہیں جو ان استعماری قوتوں کے ہاتھوں خوار و پریشان ہیں اور جو سڑکوں پر آکر احتجاج کر رہے ہیں۔ جب تک اس اصل عالمی کمیونٹی کی آواز اور اس کی تمناؤں اور خواہشوں کو اہمیت اور مرکزیت حاصل نہیں ہوتی جمہوریت اور انسانیت کی بالادستی ایک خواب پریشان ہی رہے گی۔

لہٰذا ان حالات وواقعات کے تناظر میں حکومت پاکستان نے افغانستان پر گیارہ ستمبر کے بعد امریکی اور اتحادی ممالک کے حملے کے حوالے سے صلح حدیبیہ کی طرز پر جس حکمت وبصیرت، تحمل و برداشت کا مظاہرہ کیا اور وسعت نظری اور دور اندیشی پر مبنی موقف اختیار کرتے ہوئے پوری قوم کو بھی تاریخ اسلام سے صلح حدیبیہ کی مثال پیش کی، اس وقت کے حالات کا جدید دور کے حالات سے تجزیہ کرکے اپنے بصیرت افروز موقف پر قائل کرنے کی کوشش کی، اس کا یہ طرز عمل اسلامی تاریخ کے پس منظر میں وقت کا اہم ترین تقاضا تھا۔ وقت اور حالات نے ثابت کیا کہ وقتی طور پر یہ درست اور حکمت پر مبنی تھا۔ تاہم آج بدلتے ہوئے زمینی حقائق کے بعد اب پاکستان کی افغان پالیسی پر بھی نظر ثانی کی اشد ضرورت ہے۔ کیوں کہ آج جب کہ افغان جنگ کو نو برس ہوچکے ہیں تو امریکا میں بھی یہ سوچ پروان چڑھ رہی ہے کہ بس اب بہت جنگ ہوگئی اب اس مسئلے کا حل جنگ کے بجائے مذاکرات میں تلاش کیا جائے گویا بدلتے ہوئے زمینی حقائق نے امریکا کو بھی اپنی سیاسی وعسکری پالیسی کو بدلنے کی سوچ پر مجبور کردیا ہے۔

﴿حواشی و حوالہ جات﴾

(۱) نام چومسکی، سرکش ریاستیں، جمہوری پبلشرز، لاہور، جون ۲۰۰۲ء، ص ۹۲

(۲) طارق اسمٰعیل ساگر، افغانستان پر کیا گزری؟، طاہر سنز، لاہور، مارچ ۲۰۰۲ء، ص ۱۰۹

(۳) ولیم بلم، مترجم سید ناصر علی، سیمی پبلشرز، لاہور، جنوری ۲۰۰۳ء، ص ۲۰۱

(۴) طارق مجید، عالمی طاغوتی کھیل میں مکر و فریب کا راج، الفیصل، لاہور، ۲۰۰۷ء، ص ۱۳۸

(۵) عبداللہ ملک، احوال عالم اور جنرل پرویز مشرف، ... پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۷ء، ص ۲۳۵

(۶) محمد طارق پروفیسر، بم زور ریاستیں میدان جنگ میں، تخلیقات لاہور، ص ۵۵

(۷) محمود مرزا، تاریخ ساز دورہ اور جنرل مشرف، روزنامہ ایکسپریس کراچی، ادارتی صفحہ ۲۱ مارچ ۲۰۰۷ء

(۸) خورشید احمد، پروفیسر، پاکستان۔ خوف، دباؤ، بیرونی مداخلت اور بلیک میلنگ کی زد میں، ماہنامہ ترجمان القرآن، لاہور، نومبر ۲۰۰۶ء

(۹) طارق علی، بنیاد پرستوں کا تصادم، جہد جہد [illegible]، لاہور، مارچ ۲۰۰۶ء

(۱۰) محمد یوسف اور مارک ایڈیسن، " Afghanistan : The Bear Trape" 1992

(2) Casment .P- 97

(۱۱) احمد رشید

Taliban: Militant Islam ,oil and Fundamentalist in Center Asia P - Cover ...... yale University Press 2000, p-104

(۱۲) Michael Ledeen

"The War against the terror Masters"

p.99.Truman Talley Books , St. Martin's 2002

(۱۳) "The future of Political Islam" Graham Fuller Polgrave Macmillan, New york ,2003

(۱۴) "Unholy War: Terror with name of Islam" John Esposite Oxford University - Press New York , 2002(۱۴)

(۱۵) "University helped U.S Reacouts to Taliban " Michael J. Berens

شکاگو ٹریبیون، 21 اکتوبر 2001ء، ص ۱۰۴

(۱۶) عبداللہ ملک، احوال عالم اور جنرل پرویز مشرف، ص ۲۳۵

(۱۷) کرسٹینا لیمب، مترجم محمد تقی خان، طالبان کا افغانستان، نگارشات پبلشرز لاہور ۲۰۰۷ء، ص ۷۱

(۱۸) "Jihad: The trial of Political Islam , Gelles Kepel Cambridge , Mass. Belknap, Press 2002 -P-61

(۱۹) 'The Crises of Islam " , Bernamrd Lewis The Modren Library , New york , 2003P.51.

(۲۰) خورشید احمد، پروفیسر، اسرائیل، پاکستان امت مسلمہ، ماہنامہ ترجمان القرآن، لاہور ستمبر ۲۰۰۳ء

(۲۱) مقبول ارشد، دہشت گرد یا جہادی، مشعل بکس لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۸۸

(۲۲) David Frum Ramdown اور" An end of Evil: How to win the war on terror" Richard Peele

۱۲۔ پیرو میں: Sendero Luminose

۱۳۔ کولمبیا میں: FARC

۱۴۔ سری لنکا میں: LLTE

۱۵۔ ترکی میں: PKK

۱۶۔ فلسطین میں جارج حباش کی (i) Popular front for the Liberation of Palestine

پی ایل او (PLO) اور Islamic Jihad of Palestine (ii) اور حماس

۱۷۔ ایران میں: Fidayeen اور اشتراکی تنظیم جسے امریکا کی حمایت حاصل ہے مجاہدین خلق۔

۱۸۔ بھارت میں: Nexalities اور دیگر گروپ۔

یہ فہرست بطور مثال ہے ورنہ ایسی تنظیموں کی جنہوں نے سیاسی اہداف کے حصول کے لیے قوت کا استعمال کیا ہے بڑی لمبی ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

Terrorist in Context, ed by Martha Crenshow , Penselvania State University Press, 1955 -1

Origions of terrorism : Psycologies , ideologies , theologies , State of Mind ed by Walter(ii) Riech , Woodrow wilson Centre, Washington, 1998-

Violences , Terrorism and Jistce ,ed by RG .Frey Cambridge University Press,1991-(iii)

Global Terrorism . The Compelete Refrences Guide , by Harry Henduson Checkmark Book , New York, 2001 (iv)

The terrorism Reader, ed by David J whiteria, Rutbdgi , London 2001 Political Terrorism : A researsh Guide to Concepts , Theories , data bases and Literature, by A.P. Scmid, North Holland Publishing , Amsterdam, 1983-(v)

(۳۵) اے پی شمڈ، سیاسی دہشت گردی: تصورات، نظریات، معلوماتی مواد اور ادبیات پر ایک تحقیقی رہنما کتاب، نارتھ ہالینڈ پبلشنگ کمپنی، ایمسٹرڈم ۱۹۸۳ء، ص ۲۲۲

(۳۶) نوم چومسکی کے مضمون: A Just War? Hardly کا ایک اقتباس خلیج ٹائمز میں شائع ہوا اور دی ڈیلی ٹائمز (لاہور ۱۰ مئی ۲۰۰۶ء) میں دوبارہ شائع ہوا۔

(۳۷) ملاحظہ فرمایئے جوزف ای بی لمباڈ کی مرتب کردہ کتاب، Islam Fundamentals and the Betrayal of tradition (Indiano: world Wisdom 2004-p-119)

باب ۲ میں اٹھائے گئے مسائل پر پیچیدہ بحث و مباحثہ، مضمون لارو ویلیری للا فری The Economics of Terrorism, How bin ladin is Changing the Rules of the Game

(۳۸) رابرٹ اے پیپ (Robert A pape) Dying to iwn . The Stragle Logic of Suicide Terrorism , New York : Random House, p.4

(۳۹) سیموئل پی ہنٹنگٹن (۱۹۹۷ء) The Clash of Civilization and the Remaking of World Order : Samuel and Schuster, London, p-121

(۴۰) ایضاً، ص ۲۱۷-۲۱۸

house , New york 2003 P-19

(۲۳) انعام الرحمٰن سحری، دہشت گردی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور جنوری ۲۰۰۳ء ص ۵۳

(۲۴) ریاض احمد، ڈاکٹر، مغربی یلغار، نگارشات لاہور اکتوبر ۲۰۰۶ء ص ۳۳

(۲۵) حبیب اللہ رفیع، مختصر ترین تاریخ افغانستان، نگارشات لاہور ۲۰۰۵ء ص ۱۰۹

(۲۶) طارق اسمٰعیل ساگر، خفیہ ایجنسیوں کی دہشت گردی، علم و عرفان پبلشرز لاہور اپریل ۲۰۰۵ء ص ۴۸

"Ghost Wars",,The Penguim Press, New york, 2004Steve Cole""p-62(۲۷)

(۲۸) پال ٹوڈ، جے ٹی خشن، گلوبل انٹیلی جنس، جمہوری پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۰۳ء ص ۲۴۳

(۲۹) انتھونی سٹیونز، ڈاکٹر، مترجم یاسر جواد، دہشت گردی کی نفسیات، جمہوری پبلیکیشنز فروری ۲۰۰۳ء ص ۹۶

(۳۰) نور الحق صدیقی، بین الاقوامی خفیہ ایجنسیوں کی خفیہ جنگیں، علم و عرفان پبلشرز لاہور ۲۰۰۲ء ص ۴۹

(۳۱) ول ڈیورانٹ، مترجم ظفر الحسن، ہیرو اور تاریخ کیا سکھاتی ہے، ص ۸۱

(۳۲) روزنامہ جنگ کراچی ۲۱ جون ۲۰۰۲ء بروز جمعرات

(۳۳) روزنامہ امت کراچی ادارتی صفحہ ۲۰ ستمبر ۲۰۰۵ء بروز منگل ص نمبر ۳

(۳۴) اس ضمن میں بیسویں صدی سے قبل کی چند مثالیں ملاحظہ فرمایئے:

☆ پہلی صدی عیسوی میں رومی قبضے سے جوڈیا (Judia) کو آزاد کروانے کے لیے زیلاٹس (Zealtos) اور اسکارئس کی جدوجہد۔

☆ گیارھویں اور بارھویں صدی میں خون آشام قتل عام کرنے والا گروہ ہے جسے Assassin کہا جاتا ہے۔

☆ اٹھارویں صدی میں جیکوبٹ (Jacobits) کی طرف سے قتل عام۔

☆ انیسویں صدی میں روسی حکومت کی طرف سے Narodnays Volyek(People,s Will) اور

☆ یورپی اقوام کی انیسویں صدی کی تہلکہ خیز تحریک انارکسٹ۔

دہشت گردی کے ضمن میں بیسویں صدی کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں

۱۔ آرمینیا کی آزادی یعنی ASALA-Secreent Army for the liberation of America اور اس کا بے تحاشہ تشدد اور قتل عام۔

۲۔ یہودیوں پر مشتمل ارگون، سٹرن اور ہگانہ کے مسلح دہشت گرد دستے جو بعد میں اسرائیلی فوج کا حصہ ہے۔

۳۔ قبرص کے یونانیوں کی مسلح تنظیم یعنی EOKA-Ethnic's Organization Kyprion Agoniston

۴۔ کینیا میں: ماؤ ماؤ یا لینڈ اینڈ فریڈم آرمی۔

۵۔ جرمنی میں : (1) Bardr Meinhof.(2) Red Aramy Factora and (3) the second june Movement of Germany

۶۔ اسپین میں: Ezukadi tes Akantasone(ETA)

۷۔ اٹلی میں: Strategy of Tension and Red Brigades.

۸۔ برازیل میں: Marighda

۹۔ آئرلینڈ میں: i) IRA and ii) Protestent Voluntar Force Ireland

۱۰۔ یونان کی مسلح تحریک: November 17

امریکہ میں: ku kluk klan(kkk) ii. Free speech movemetn iii Christian Identity (Elohim City, (i)Oklahoma

iv.Anti Abortionists (Rev. Michael Bray)

۱۱۔ یوگنڈا میں: i. Lord's Resistance Army ii. Holy Sprit Mobile Force (HSMF)

۱۲۔ پیرو میں: Sendero Luminose

۱۳۔ کولمبیا میں: FARC

۱۴۔ سری لنکا میں: LLTE

۱۵۔ ترکی میں: PKK

۱۶۔ فلسطین میں جارج حباش کی (i) Popular front for the Liberation of Palestine

پی ایل او (PLO) Islamic Jihad of Palestine اور حماس (ii)

۱۷۔ ایران میں: Fidayeen اور اشتراکی تنظیم جسے امریکا کی حمایت حاصل ہے مجاہدین خلق۔

۱۸۔ بھارت میں: Nexalities اور دیگر گروپ۔

یہ فہرست بطور مثال ہے ورنہ ایسی تنظیموں کی جنہوں نے سیاسی اہداف کے حصول کے لیے قوت کا استعمال کیا ہے بڑی لمبی ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

Terrorist in Context, ed by Martha Crenshow , Pensselvania State University Press, 1955 -1

Origions of terrorism : Psycologies , ideologies , theologies , State of Mind ed by Walter(ii) Riech , Woodrow wilson Centre, Washington, 1998-

Violences , Terrorism and Jistce, ed by RG.Frey Cambridge University Press,1991-(iii)

Global Terrorism : The Compeiete Refrences Guide , by Harry Henduson Checkmark Book , New York, 2001 (iv)

The terrorism Reader, ed by David J whiterlu, Ruthdgi , London 2001 Political Terrorism : A researsh Guide to Concepts , Theories , data bases and Literature, by A.P. Scmid, North Holland Peblishing , Amsterdam, 1983-(v)

(۳۵) اے پی شمڈ، سیاسی دہشت گردی: تصورات، نظریات، معلوماتی مواد اور ادبیات پر ایک تحقیقی رہنما کتاب، نارتھ ہالینڈ پبلشنگ کمپنی، ایمسٹرڈم ۱۹۸۳ء ص ۳۲۲

(۳۶) نوم چومسکی کے مضمون: A Just War? Hardly کا ایک اقتباس خلیج ٹائمز میں شائع ہوا اور ڈیلی ٹائمز (لاہور ۱۰ مئی ۲۰۰۶ء) میں دوبارہ شائع ہوا۔

(۳۷) ملاحظہ فرمایئے جوزف ای بی لمبارڈ کی مرتب کردہ کتاب: Islam Fundamentals and the Betrayal of tradition (Indiano: world Wisdom 2004-p-119)

باب ۲ میں اٹھائے گئے مسائل پر سنجیدہ بحث و مباحثہ، مضمون نگار ولید الانصاری The Economics of Terrorism, How bin ladin is Changing the Rules of the Game

(۳۸) رابرٹ اے پیپ (Robert A pape) Dying to iwn : The Stragic Logic of Suicide Terrorism , New York : Random House, p.4

(۳۹) سیموئل پی ہنٹنگٹن (۱۹۹۷ء) The Clash of Civilization and the Remaking of World Order : Samuel and Schuster, London, p-121

(۴۰) ایضاً ص ۲۱۷-۲۱۸

باب پنجم

﴿فصل چہارم﴾

افغان پالیسی کے حوالے سے پاکستان کا موقف اور صلح حدیبیہ سے استشہاد……تقابلی و تنقیدی جائزہ

پاک افغان تعلقات کی مختصر تاریخ:

افغانستان پاکستان کا عظیم قریبی ہمسایہ اسلامی ملک ہے ان دونوں ملکوں کی تاریخ باہمی طور پر مضبوط و مربوط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ برصغیر کی ملت اسلامیہ کی آزادی اور ترویج اسلام میں افغانستان کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ بقول بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح:

''دونوں ملکوں کے درمیان صدیوں پرانے مذہبی، ثقافتی اور معاشرتی تعلقات ہیں اور میں اس بات کی امید کرتا ہوں کہ دونوں برادر اسلامی ملکوں کے درمیان خیر سگالی اور دوستانہ تعلقات استوار کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائیں گی۔''(۱)

پاکستان اور افغانستان کے درمیان بارہ سو میل مشترک سرحد جو دونوں ملکوں کو ایک دوسرے سے باہم جوڑتی ہے دونوں ملکوں کے درمیان صدیوں سے تجارتی و مذہبی تعلقات قائم ہیں۔ کوہ ہندوکش ''HINDUKUSH'' کے پہاڑی سلسلے اور اس کے دامن سے ملسلک وادیوں پر مشتمل علاقہ کو آج افغانستان کا نام دیا جاتا ہے۔ قدیم زمانہ سے لے کر آج تک وسط ایشیاء اور برصغیر پاک و ہند کے درمیان یہ خطہ بڑی اہمیت کا حامل ہے افغانستان کو اس کا نام اٹھارہویں صدی میں دیا گیا اس سے پہلے موجودہ افغانستان مختلف حصوں اور علاقوں میں تقسیم تھا جن کے درمیان کسی قسم کا سیاسی مذہبی تعلق نہیں تھا۔(۲)

مشرق وسطی اور جنوبی ایشیاء کے درمیان افغانستان ہی وہ واحد ملک ہے جو خشکی کے راستے میں واقع ہے اور یہی وجہ ہے کہ افغانستان کو آج بھی ''جنوبی ایشاء'' کا دروازہ کہا جاتا ہے تاریخ کے اوراق کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ برصغیر میں حملہ آوروں کی آمد کا واحد راستہ یہی افغانستان تھا۔ افغانستان کو براعظم ایشیاء کے درمیان واقع ہونے کی وجہ سے خصوصی اہمیت حاصل ہے جب کہ اس کے شمال میں عظیم روس، شمال مشرق میں عالمی طاقت میں چین، جنوب مشرقی ایشیاء میں اسلام کا قلعہ پاکستان اور مغرب میں ایران واقع ہے۔''(۳)

پاکستان کے شمال مغربی صوبے اور بلوچستان کے بڑے پہاڑی سلسلے افغانستان کی سرحدوں تک پھیلے ہوئے ہیں اور دونوں ملکوں کی مشترکہ سرحدان پہاڑوں میں گھری ہوئی ہے افغانستان کا کل رقبہ ایک اندازے کے مطابق دو لاکھ ساٹھ ہزار ۲۶۰۰۰۰ مربع میل پر پھیلا ہوا ہے اور اس کی آبادی کا ڈیڑھ کروڑ ۱۵۰۰۰۰۰۰ سے زائد ہے جن میں تقریباً ۹۹ فیصد آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہے آبادی کا بیشتر حصہ سنی اور شیعہ مسلمانوں پر مشتمل ہے۔

افغانستان میں واقع دیگر قوموں کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

پختون	۶۵تا۳۰ لاکھ تک
تاجک	۳۵تا۳۰ لاکھ تک
ازبک	۱۵تا۱۰ لاکھ تک
ہزارہ	۲۰تا۱۵ لاکھ تک
ترکمان ودیگر	۳۵ لاکھ تک

دونوں ملکوں کا سب سے بڑی خصوصیت ہے مذہب اسلام ہے اور ان کے باشندوں کی بڑی اکثریت مسلمان لوگوں پر مشتمل ہے اور ان کا سرکاری مذہب بھی اسلام ہے افغانستان کی قومی زبان فارسی ہے لیکن زیادہ تر پشتو بولی جاتی ہے پاکستان کی قومی زبان اردو ہے اور صوبہ سرحد بلوچستان کے بعض علاقوں میں بھی پشتو زبان بولی جاتی ہے دونوں ملکوں کی معیشت کا انحصار زراعت سے وابستہ ہے۔ افغانستان میں اس وقت کل ۳۰ صوبے ہیں جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔(۴)

(۱) قندھار (۲) ننگار (۳) کابل (۴) غزنی (۵) پکتیا (۶) ہرات (۷) بدخشاں (۸) کندوز (۹) بلخ (۱۰) نمنمان (۱۱) وردک (۱۲) بامیان (۱۳) زابل (۱۴) لوگر (۱۵) ننگرہار (۱۶) کنٹر (۱۷) غور (۱۸) اروزگان (۱۹) بارغیس (۲۰) ہلمند (۲۱) بشرفان (۲۲) طاقعان (۲۳) پروان (۲۴) فراہ (۲۵) پلی چرخی (۲۶) سرپل (۲۷) جوزجان (۲۸) خوست وغیرہ۔

مغل شہنشاہ بابر نے تواریخ میں لکھا ہے کہ کابل کے خطے میں گیارہ ۱۱ زبانیں بولی جاتی ہیں لیکن پورے ملک میں بولی جانے والی زبانو ں کی تعداد اس سے زیادہ ہے۔ افغانستان اور پاکستان کے لوگوں کے درمیان گہرے تعلقات کا ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ ڈیورنڈ لائن "Durand Line" کے دونوں جانب بہت سے مقامات پر بسنے والے اکثر لوگ ایک ہی قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں اور ان میں بعض افراد ایسے ہیں جن کا ایک گھر افغانستان میں ہے اور ایک گھر پاکستان میں ہوتا ہے اور یہ لوگ ہر سال تبدیلی موسم کے وقت ہجرت کر کے کبھی پاکستان اور کبھی افغانستان آنا جانا کرتے رہتے ہیں۔

پاک افغان تعلقات تاریخ کے تناظر میں:

افغانستان، پاکستان کا قریبی ہم سایہ اسلامی ملک ہے اور دونوں ممالک صدیوں سے تاریخی، ثقافتی اور مذہبی رشتوں میں منسلک ہیں۔ یہ ہماری بدقسمتی رہی ہے کہ پاکستان اور افغانستان کے درمیان شروع ہی سے تعلقات کشیدہ رہے ہیں۔ ۳۰ ستمبر ۱۹۴۷ء کو پاکستان نے اپنی آزادی کے بعد جب اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی رکنیت کے لیے درخواست پیش تو افغانستان کے نمائندے جن کا نام حسین عزیز نے پاکستان کی رکنیت کے خلاف ووٹ دیا۔(۵)

پاک افغان تعلقات میں کشیدگی کی ایک وجہ سرحد کا تنازعہ بھی ہے افغانستان نے سب سے پہلے سرحدی تقسیم کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔ اس کے بعد اس نے "پختونستان" کا نعرہ لگایا غرض یہ کہ پاکستان کے خلاف مسلسل مختلف طریقوں سے پروپیگنڈے کا سلسلہ

جاری رکھا۔اس کے باوجود پاکستان نے ہمیشہ افغانستان کی غیر جانب دار پالیسی کو نظر انداز کرتے ہوئے اس کی طرف خلوص نیت سے دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔افغانستان کی معاشی حالت نہایت ہی خراب ہے اس کے پاس کوئی اپنی بندرگاہ "Sea Port" نہیں ہے اور درآمد برآمد کی ضروریات تمام کراچی کی بندرگاہ پوری کرتی ہے۔(۶)

افغانستان کا مطالبہ یہ ہے کہ شمال مشرقی سرحدی علاقے کو پاکستان کے ایک حصے کے طور پر تسلیم نہیں کرتے۔نومبر ۱۹۴۷ء میں افغانستان کے بادشاہ "شاہ ظاہر شاہ" کے نمائندے سردار نجیب اللہ نے کراچی میں بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کی اور حکومت پاکستان کے سامنے مندرجہ ذیل مطالبات پیش کیے۔

۱۔ پختونوں اور افغانوں پر مشتمل قبائلی علاقوں کو مکمل خودمختیاری دی جائے۔

۲۔ پاکستان،افغانستان کو اپنے سمندری حدود میں داخل ہونے کی اجازت دے۔

۳۔ کراچی میں فری زون "Free Zone" فراہم کیا جائے۔(۷)

۳ دسمبر ۱۹۴۷ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے پاک افغان تعلقات کے بارے میں اپنے نیک خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

"پاکستان اور برادر ملک افغانستان جو ہمارا سب سے قریبی پڑوسی ہے اس کے ساتھ صدیوں سے پاکستان کے عوام کے بے شمار تعلقات خصوصاً ثقافتی اور مذہبی رہے ہیں کسی حد تک درست ہے کہ پاکستان کے عوام ہمیشہ افغانستان کی آزادی اور ترقی کے خواہش مند رہے ہیں اور میری خواہش ہے کہ دونوں ہم مذہب اقوام کے درمیان بلند و دیرپا، برادرانہ تعلقات استوار ہوں اور میں امید کرتا ہوں کہ دونوں ممالک کی حکومتیں آپس میں بھلائی کے لیے ایک دوسرے سے تعاون کریں گی۔اور ان تمام مسائل کو جو حل طلب ہیں مل جل کر حل کر لیں گی۔"(۸)

۳۰ جون ۱۹۴۹ء کو افغانستان کے بادشاہ شاہ ظاہر شاہ نے نیشنل اسمبلی کے اجلاس کے دوران پاکستان کے خلاف قرارداد منظور کرانے کے بعد (قیام پاکستان سے پہلے برطانیہ اور افغان کے درمیان ڈیورنڈ لائن کے معاہدے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا)۔پاکستان کے خلاف زبردست پروپیگنڈہ کرنا شروع کر دیا،ریڈیو اور پریس نے پاکستان کے خلاف زہر اگلنا شروع کر دیا۔

دونوں ملکوں کے درمیان وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حالات اور تعلقات میں سردمہری پیدا ہوتی چلی گئی افغانستان کا نام نہاد "پختونستان" کا واویلا، پاکستان کے خلاف دشمنی نے حکومت پاکستان کو چند انتہائی خطرناک قدم اٹھانے پر مجبور کر دیا۔۱۷ جولائی ۱۹۴۹ء کو پاکستان ایئر فورس "Pakistan Air Force" کے لڑاکا طیاروں نے افغانستان کے سرحد کے نزدیکی گاؤں پر بمباری کی جس سے ۱۱۲ افراد ہلاک و دیگر زخمی ہوئے۔(۹)

دونوں ملکوں کے درمیان کشیدگی اور نفرت پیدا کرنے میں پڑوسی ملک انڈیا کا بھی ہاتھ ہے کیونکہ انڈیا نے قیام پاکستان سے پہلے ہی افغانوں کے دلوں میں پاکستان کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔پاکستان نے اپنے قیام کے صرف ایک سال بعد ہی انتظامی مسائل سے دوچار ہونا پڑا۔قائداعظم محمد علی جناح اور لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد ملک میں سیاسی افراتفری اور پیچیدگیاں پیدا ہونا شروع ہوگئیں(۱۰)۔اس کے باوجود پاکستان میں ہر آنے والے وزیر اعظم نے افغانستان سے دوستانہ

تعلقات پر زور دیا۔ ۱۹۵۶ء میں جلال آباد اور قندھار میں پاکستانی قونصل خانوں پر حملے کیے گئے۔

جنوری ۱۹۵۹ء میں صدر ایوب اور شہزادہ نعیم کے درمیان ایک طویل ملاقات ہوئی اس میں ایوب خان نے یہ یاد دہانی کرائی کہ ہم انگریزوں سے آزادی حاصل کرنے والوں کی جدو جہد میں یکساں ہیں اور صدر ایوب نے افغانستان کے مسئلے پر کہا کہ: (۱۱)

''افغانستان کے طرز عمل کی صرف یہ تعبیر ہو سکتی ہے کہ توسیع سلطنت کی ایک بالواسطہ کوشش ہے اور افغان حکمران جو دعویٰ کر رہے ہیں، ان کا نتیجہ سوائے فتنہ فساد کے کچھ اور نہیں ہے پاکستان کے پٹھانوں کے لیے جو اظہار تشویش کیا جا رہا ہے اس کی بنیاد صرف اس دعویٰ پر ہے کہ افغانستان کی تاریخ میں ایک دفعہ کچھ علاقے پر جواب مغربی پاکستان میں شامل ہیں، افغانستان کی حکمرانی ہو چکی ہے، مگر اس کے برعکس ایسے زمانے بھی گزرے ہیں جب دہلی کے حکمرانوں کے ناموں سے سکے کابل سے آگے تک چلا کرتے تھے۔ اگر ماضی کے فتوحات کو ہی رہبر بنانا ہے تو پھر پاکستان کو افغانستان میں رہنے والے پٹھانوں کے مستقبل کی فکر ہونی چاہیے۔ ایوب، نعیم ملاقات کے بعد پاک افغان تعلقات میں کچھ خوشگواری پیدا ہوئی مگر چند وجوہات کی بناء پر ستمبر ۱۹۶۱ء میں افغانستان نے پاکستان سے تعلقات منقطع کر لیے۔ (۱۲) ۱۹۶۱ء میں شاہ ایران کی کوششوں سے پاک افغان تعلقات بحال ہوئے۔

۱۹۶۵ء میں بھارت نے پاکستان پر اچانک حملہ کر دیا تو اس نازک موقع پر افغانستان کے ظاہر شاہ نے پاکستان کی حمایت میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

''افغانستان ایک غیر جانب دار ملک ہے وہ پاک بھارت کشیدگی میں مداخلت کرنا نہیں چاہتا۔ اس جنگ میں افغانستان نے اپنی پالیسی پر کامزن رہے گا اور وہ کسی کے معاملات میں دخل نہیں دے گا۔ افغانستان کی حکومت پاکستان کے خلاف لشکر کشی کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔'' (۱۳)

۱۹۷۱ء کے نازک حالات کے دوران میں بھی افغانستان کی یہی پالیسی رہی۔ صدر بھٹو نے افغانستان حکومت کا شکریہ ادا کرنے کے لیے کابل کا سرکاری دورہ کیا۔ ظاہر شاہ اور بھٹو کے درمیان باہمی امور پر خوش گوار ماحول میں بات چیت ہوئی، ۱۹۷۲ء میں افغانستان میں فوجی انقلاب آیا۔ اس انقلاب کے سربراہ ظاہر شاہ کے بہنوئی سردار داؤد خان تھے جنہوں نے فوج کی مدد سے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ ۱۹۷۳ء کو اسلامی سربراہی کانفرنس میں افغان نمائندہ عبدالرحمٰن پژواک نے اپنی تقریر سے ایسی دل آزار باتیں کیں جن سے دوستی کی فضا میں بدمزگی پیدا ہوگئی سردار داؤد خان نے پاکستان کی مخالفت میں نمایاں کردار ادا کیا۔ انہوں نے صاف لفظوں میں یہ کہہ دیا کہ وہ پختونستان کے پردے میں اٹک تک کا علاقہ اپنے زیر تصرف لانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔'' (۱۴)

ذوالفقار علی بھٹو نے دونوں ملکوں کے درمیان دوستی کی فضاء پیدا کرنے کے لیے اپنی نیک خواہشات کا اظہار کرتے ہوئے کہا،

''ہم افغانستان کے ساتھ اچھے ہمسایوں جیسے پرامن دوستانہ تعلقات قائم کرنا چاہتے ہیں ہماری خواہش ہے کہ افغانستان خوشحال ہو اور ساتھ ہی ترقی کی شاہراہ پر کامزن ہو۔'' دونوں ملکوں کے درمیان خوشگوار تعلقات کا آغاز ہوا ہی تھا کہ بدقسمتی سے افغانستان ایک اور انقلاب سے دوچار ہوا اور سردار داؤد خان کو قتل کر دیا گیا اور ان کی جگہ نور محمد ترہ کی برسر اقتدار آئے جنہیں حفیظ اللہ امین نے موت کی گھاٹ اتار کر اقتدار خود سنبھالا۔ مگر تھوڑے ہی عرصے بعد وہ بھی لقمۂ اجل بن گئے۔'' (۱۵)

۲۹ ستمبر ۱۹۷۹ء ببرک کارمل نے روسی حمایت کے سائے تلے نام نہاد سربراہ مملکت کی ذمہ داریاں کی سنبھال لیں۔ افغانستان میں روسی مداخلت کی وجہ سے تقریباً ۳۵ لاکھ افغان مہاجرین پاکستان میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ افغان مہاجرین کی یہ تعداد دنیا بھر میں سب سے زیادہ تھی۔ ۱۴ اپریل ۱۹۵۵ء کو مسئلہ افغانستان کے تصفیے کے سلسلے میں روس، افغانستان اور پاکستان کے درمیان ''معاہدہ جنیوا'' پر دستخط ہوئے۔ اس معاہدے کے تحت افغانستان سے ایک لاکھ ۱۱۵۰۰۰ پندرہ ہزار روسی افواج ۱۵ فروری ۱۹۸۹ء تک واپس چلی گئی۔

جنرل ضیاء کی افغان پالیسی:

افغانستان کے مسئلے پر پاکستان کی پالیسی ۱۹۷۳ء سے قبل ہی افغان مہاجروں اور گوریلوں کی تربیت وامداد کرنا شامل تھی اور اس قسم کے معاملات کو نہایت رازداری سے انجام دیا جاتا تھا حتیٰ کہ تربیت دینے والوں کو اس بات کا بھی پتہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ کن لوگوں کو تربیت فراہم کر رہے ہیں۔ بھٹو دور میں افغان پالیسی'' Afghan Policy'' وصورت حال کے بارے میں جنرل ٹکہ خان بھٹو اور جنرل نصیر اللہ بابر یہ تینوں ہی شخصیات بنیادی حیثیت رکھتے تھے (۱۶)، فارن آفس ''Foreign Office'' کے کاموں کی نگرانی نصیر اللہ بابر خود کیا کرتا تھا اور اگر حکومت افغان کی طرف سے کوئی احتجاج کیا جاتا تھا تو وہ اس مسئلے پر فارن پالیسی کے وزیر جناب آغا شاہی کو استعمال کرنے لگتے تھے۔

انقلاب ثور کے تناظر میں PERSPECTIVE میں جنرل نصیر اللہ بابر کی ہدایت پر ایک ریسرچ رپورٹ '' Research Report'' تیار کرنی شروع کی تھی اور پھر اس رپورٹ کی سفارشات کی بنیاد پر بھٹو حکومت نے اپنی ''افغان پالیسی'' مرتب کی تھی۔ بھٹو کے دور حکومت کے بعد جنرل ضیاء کا طویل دور حکومت آیا۔ جولائی ۱۹۷۷ء میں افغانستان کی پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی (پی ڈی پی اے) کے دونوں حصے ایک بار پھر متحد ہو گئے تھے اور داؤد کا رویہ سخت ہو گیا تھا داؤد خان کے اصلاحی پروگرام کے سلسلے میں دونوں اتحادیوں میں اختلافات پیدا ہو گئے۔ افغانستان کی پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی کے ''خلق'' اور پرچم "PARCHAM" کہلائے جانے والے حصوں کو متحد کرنا آسان کام نہیں تھا۔ لیکن اس کے بعد صحیح وقت پر پرانا اتحاد قائم ہو گیا تھا مگر اس کے باوجود انقلابیوں کی اکثریت اتحاد کی ضرورت کو محسوس کرتی تھی۔ (۱۷)

جب داؤد کی حکومت کا منفی کردار سامنے آیا اور انتہائی رجعت پرستوں کے حمایت کر رہے تھے انہوں نے اپنا رویہ تبدیل کر لیا تھا اور اس کی حکومت کی خرابیوں کی سخت مخالفت کرنے لگے تھے۔ (۱۸)

پاکستان میں پانچ جولائی ۱۹۷۷ء کو ضیاء الحق نے فوجی انقلاب کے ذریعے ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت کا تختہ الٹ دیا اور ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا۔ ضیاء کے زمانے میں حکومت پاکستان کا جھکاؤ زیادہ تر امریکہ کی طرف ہو گیا جب کہ آزاد اور بااختیار اقتدار ریاست کے خیالات کو پس پشت ڈال دیا گیا تھا ۱۹۷۷ء میں ضیاء نے ملک کے سربراہ کے طور پر حکومت کی باگ دوڑ سنبھالی۔ تو اس وقت ضیاء کے پاس بالغ نظری اور دور اندیشی نام کی کوئی چیز نہیں تھی اور دور تک دیکھنے سے قاصر تھے۔ ضیاء نے قبائلی علاقے میں ہونے والے معاملات سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ ترقیاتی کام روک دیئے گئے اور ساتھ ہی افغان مزاحمت کے سلسلے میں کی جانے والی امدادی کاروائیاں بھی روک دی گئیں۔

ابتداء میں ضیاء کا یہ موقف تھا کہ افغانستان میں ہونے والے معاملات میں ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔(۱۹)

۸ مئی ۱۹۷۸ء کو جنرل ضیاء الحق نے اپنی کابینہ کو افغانستان کی صورت حال بیان کی کہ اور کہا کہ وہاں ایک نظریاتی "Ideological" "تبدیلی ہو چکی ہے وہاں اب کمیونزم" "Communsim" "چلے گی۔" لہٰذا افغانستان کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں بھی اپنی پالیسی تبدیل کرنی چاہیے ہمیں متحد واکٹھا ہو کر رہنا چاہیے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون واشتراک کرنا چاہیے اور دوستانہ رویہ برقرار رکھنا چاہیے۔ ضیاء نے ۴ اپریل ۱۹۷۹ء کو بھٹو کو پھانسی دے دی اور پاکستان پر فوجی گرفت زیادہ سخت ہوگئی۔ ریاست متحدہ ہائے امریکہ اور پاکستان دونوں نے "انقلاب دشمن" افغانیوں کو زیادہ امداد دینی شروع کردی جس وقت کابل میں ثور انقلاب کی سالگرہ کا پہلا جشن منایا جارہا تھا اس وقت مزاحمتی تحریک نے پکتیا اور دیگر شہروں میں بڑے بڑے حملے شروع کردیے تھے۔

جنرل ضیاء نے پاک افغان تعلقات کو مزید مستحکم بنانے کی غرض سے ۲۲ دسمبر ۱۹۷۹ء کو وزیر خارجہ جناب "آغا شاہی" کو کابل روانہ کیا تاکہ دوطرفہ سوالوں پر تبادلہ خیال کیا جاسکے ساتھ ہی ضیاء کے آئندہ دورہ افغانستان کی تیاری کی جاسکے۔ جس کی تاریخ اس وقت تک مقرر نہیں ہوئی تھی لیکن موسم کی خرابی کی وجہ سے کابل کا ہوائی اڈہ بند ہو چکا تھا اس لئے آغا شاہی وہاں نہ جاسکے اس کے بعد دورے کو ۳۰ دسمبر ۱۹۷۹ء تک کے لیے ملتوی کردیا گیا تھا۔(۲۰)

مزاحمتی تحریک کا دوسرا دور دسمبر ۱۹۷۹ء میں روسی افواج کے افغانستان میں داخلے تک جاری رہا جس میں مزاحمتی لیڈروں کو پس منظر میں دھکیل دیا گیا اور سفارتی وسیاسی محاذ کو گرم کیا گیا، افغان حکمران جو بھٹو دور کی جوابی کارروائیوں کی وجہ سے دفاعی پوزیشن میں آگئے تھے پاکستان کے ساتھ بات چیت کے لیے آمادہ دکھائی دینے لگے تھے۔ ضیاء نے اس صورت حال سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی لیکن چونکہ انہیں افغان معاملات کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں تھی اس لیے کاوشیں بے کار ثابت ہوئیں۔(۲۱)

۲۷ دسمبر ۱۹۷۹ء کو افغانستان میں سوویت یونین نے فوجی مداخلت کی اور حفیظ اللہ امین کی حکومت کا تختہ الٹ کر انہیں قتل کردیا گیا اور نئے سربراہ کے طور پر ببرک کارمل نے افغانستان کی حکومت کا عہدہ سنبھالا۔ ببرک کارمل نے الزام لگایا کہ حفیظ امین "امریکی سامراج کے ایجنٹ تھے" نئے صدر نے اس بات کا بھی اعلان کیا کہ اب عوام کو "جمہوری آزادی" حاصل ہوگی تمام سیاسی قیدیوں کو رہا کردیا جائے گا اور بے روزگاروں کو روزگار فراہم کیا جائے گا اس انقلاب کے چند روز بعد ہی ڈیڑھ سو ۱۵۰ روسی ٹرانسپورٹ طیارے روسی افواج اور جنگی سازوسامان کے ساتھ کابل کے ہوائی اڈے پر اترے۔ ۲۴ گھنٹے کے اندر ہی روس کی مزید ایک ڈویژن فوج افغانستان میں پہنچادی گئی۔ کابل کی سڑکوں پر روسی فوج کے تین سو ۳۰۰ ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں تعینات کردی گئیں۔(۲۲)

دوسری جنگ عظیم کے بعد یہ روس کی سب سے بڑی فوجی کارروائی تھی افغانستان میں روسی فوج کی یہ پیش قدمی پاکستان کے لیے تشویش کا باعث تھی۔ افغانستان میں غیر ملکی فوجوں کا داخلہ "پر امن بقائے باہمی" ملکوں کی خود مختاری، اور ان کے اندرونی معاملات میں عدم مداخلت کے مقدس اصولوں کی سنگین خلاف ورزی کی تھی۔ حکومت پاکستان نے افغانستان سے غیر ملکی افواج کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ ضیاء نے افغانستان کی صورت حال کو پاکستان کے لیے تشویش ناک قرار دیا انہوں نے قوم کو اس بات کا یقین دلایا کہ "مسلح افواج بیرونی خطرے کے خلاف ملک کا دفاع کرنے کے لیے تیار ہے۔"(۲۳)

چنانچہ اس صورت حال میں ضیاء نے افغان مجاہدین کے توسط سے مزاحمت کی حکمت عملی کا نقشہ کھینچا۔ جب کہ درمیان میں آغا شاہی "پبلک" کے ترجمان تھے۔ مگر اس کی تیاری وغیرہ کا کام اور پروگرام "ایوان صدر" میں طے ہوتا تھا۔ روسی مزاحمت کے بعد افغانستان کی صورت حال میں راہ راست طور پر فوجی نوعیت کی حامل ہو گئی تھی اور زیادہ تر زور اس دور میں فوجی حکمت عملی اور ساز و سامان کی فراہمی پر رہا۔ پاکستان کے وزیر خارجہ "آغا شاہی" نے پاکستان کا افغان کیس دنیا کے کونے کونے میں پہنچانے میں اپنا سفارتی کردار بڑی خوبیوں، لیاقت و مہارت سے ادا کیا تھا (۲۴)۔ ضیاء نے صورت حال کے پیش نظر فوج کے حساس ترین ادارے آئی ایس آئی سے بھی فوری طور پر رابطہ قائم کیا تھا تا کہ نئی صورت حال سے نبرد آزما ہونے کا کوئی مناسب حل نکالا جائے۔ آئی ایس آئی کے ڈائریکٹر جنرل اختر عبدالرحمن نے مجموعی صورت حال کا تفصیلی جائزہ لیا اور تمام ممکنہ پہلوؤں پر غور کرتے ہوئے ضیاء کو مکمل رپورٹ پیش کی گئی۔ (۲۵)

بحیثیت ایک اعلیٰ فوجی افسر اور آئی ایس آئی کے سربراہ کے طور پر جنرل اختر عبدالرحمن کو اس بات کا پختہ یقین تھا کہ انتہائی بہادرانہ پس منظر، آزادی کے لیے صبر آزما جدوجہد کی تاریخ اور زبردست قوت برداشت سے حساس افغان عوام اپنے دلوں میں اللہ کی راہ کا جہاد عظیم کا روحانی جذبہ بھی رکھتے ہیں اور اگر ان کو مناسب رہنمائی اور ٹریننگ کی سہولتیں مل جائیں تو ناقابل شکست "گوریلا فوج" کی شکل اختیار کر سکتی ہے۔" (۲۶)

مندرجہ بالا تمام خصوصیات کے علاوہ آئی ایس آئی نے دیگر سیاسی حکمت عملی کا بھی تفصیلی جائزہ کو ملحوظ خاطر رکھا تھا۔ ان میں روس کی علاقائی ذمہ داریاں، ایران کی صورت حال جنوبی ایشیاء میں امریکی مفادات اور بھارت کے امکانی ردعمل وغیرہ کو خاص اہمیت دی گئی تھی ان تمام باتوں کے پیش نظر آئی ایس آئی نے اس بات پر بھرپور زور دیا کہ پاکستان کو پوری طرح جہاد افغانستان کا ساتھ دینا چاہیئے۔ ان کے خیال میں افغانستان پاکستان کی پہلی دفاعی لائن کے طور پر استعمال ہو گی اور وہاں پر روسیوں کے قابض ہو جانے کے بعد بلوچستان کی طرف پاکستانی علاقوں میں دخل اندازی و مداخلت نیز توسیع پسندی کے خطرات وغیرہ ڈرامائی انداز میں بڑھ گئے تھے۔ (۲۷)

آئی ایس آئی اور اس کے سربراہ کا یہ بھی خیال تھا کہ افغانستان پر سوویت یونین کے قبضے دراصل اسلام پر حملہ ہے یہ کوئی معمولی بات نہ تھی اس لیے ضیاء کو چاہیئے کہ وہ پس پردہ رہتے ہوئے افغان مزاحمت کی حمایت کرتے رہیں تا کہ افغان جنگ کو ایک بڑے گوریلا جنگ میں تبدیل کیا جا سکے۔ آئی ایس آئی کا یہ بھی خیال تھا کہ افغانستان سے نہ صرف روسیوں کے قدم کو روکا جا سکتا ہے بلکہ انہیں افغانستان سے بھی باہر کیا جا سکتا ہے اور اس مرحلے پر روس کا بھی وہی حشر ہو گا جیسا کہ ماضی میں امریکہ کا ویتنام میں ہوا تھا۔ (۲۸)

افغان جنگ کو کامیابی سے ہم کنار کرنے اور روسیوں کو افغانستان سے نکال باہر کرنے کے لیے افغانیوں کو نہ صرف مالی امداد فراہم کی جائے گی بلکہ اسلحہ و گولہ بارود کا ذخیرہ بھی فراہم کیا گیا تھا۔ ٹریننگ کی سہولتیں بھی دی گئیں اور ساتھ ہی افغان جنگ کے آٹھ سالہ دور میں اس بات کو خاص اہمیت دی گئی کہ سرحد اور بلوچستان کی افغانستان سے ملنے والی سرحدوں کو افغان مہاجرین اور مجاہدین دونوں کے لیے پناہ گاہ کے طور پر کھلا رکھا جائے۔ آئی ایس آئی اس بات کو اچھی طرح سمجھتی تھی کہ جنگ کو طول دینے یا اہم کو کامیاب بنانے سے کے لیے اس قسم کی پناہ گاہ کا ہونا بہت ضروری تھا اور اسی پناہ گاہ کی مدد سے افغانستان کی جنگ کو کامیابی سے لڑا گیا اور مجاہدین کو اسلحہ و حفاظت کے ساتھ افغانستان کے اندر تک پہنچایا گیا۔ (۲۹)

آئی ایس آئی نے حالات کی نزاکتوں اور ممکنہ صورت حال کا بڑی باریک بینی سے نہ صرف مشاہدہ کیا بلکہ ضیاء الحق کو انتہائی پرعزم اور جرأت مندانہ انداز میں میدان جنگ میں دنیا کی دوسری بڑی طاقت سے پنجہ آزمائی کا مشورہ بھی دیا تھا۔ضیاء نے نہ صرف آئی ایس آئی سے مکمل اتفاق کیا تھا بلکہ انہوں نے اس جنگ کو کیمونسٹ Communist کافروں کے خلاف جہاد کا عندیہ دیا تھا۔ضیاء نے اس موقع کی مناسبت سے اور اپنے کھوئے ہوئے وقار کو بحال کرنے کی غرض سے آئی ایس آئی کے مشوروں کو قابل عمل اور مفید تصور کیا۔ انہوں نے اس بات کا بھی فیصلہ کر لیا تھا کہ افغانستان میں روسیوں کے خلاف نبرد آزما ہو کر وہ بین الاقوامی سطح پر اپنا کھویا ہوا امیج بڑی حد تک بحال کر سکتے ہیں۔چنانچہ پاکستانی انتظامیہ نہایت رازداری کے ساتھ افغان جہاد کی پشت پناہی کا فیصلہ کر لیا۔(۳۰)

جنرل ضیاء کی ''افغان پالیسی'' وہی تھی جس کے نہ صرف خدوخال (Structure) ۱۹۸۰ء کے بالکل ابتدائی عرصہ میں آئی ایس آئی کے سربراہ جنرل اختر عبدالرحمٰن کے سر ہی جاتا ہے۔جنرل ضیاء نے آئی ایس آئی کے اس پالیسی کو قبول صرف اس لیے کیا تھا کہ اس پر عمل درآمد کی صورت میں ضیاء کو سیاسی مفادات حاصل ہونے کی توقع تھی۔جنرل ضیاء خواہش ابتداء سے یہی تھی کہ افغان جنگ شدت اختیار نہ کرے بلکہ وہ صرف افغانستان کو گرم رکھنا چاہتے تھے۔جس کی کئی ایک سیاسی، اقتصادی، بین الاقوامی، مجبوریاں و مصلحتیں وغیرہ شامل تھیں۔جنرل ضیاء پیشہ ور فوجی آدمی تھے اس لیے انہوں نے بڑھتے ہوئے خطرات کو محسوس کرتے ہوئے فوج سے ہی رابطہ کو خاص اہمیت دی۔''(۳۱)

جنرل ضیاء کی پالیسی یہ بھی تھی کہ پاکستان جن مشکلات سے گرفتار ہو چکا ہے اسی سے اس کو نکالنا چاہئے اور ایسی پالیسی اختیار کی جائے جس کا تعلق براہ راست طور پر ملک کی بقاء وسلامتی سے تھا ان کا نقطہ نظر Point of view یہ تھا کہ پاکستان کو نہ صرف اس سنگین صورت حال سے نکالا جائے بلکہ اس کو ہر لحاظ سے طاقت ور کیا جائے اس ضمن میں جنرل ضیاء حکومت نے افغانستان کے مسئلے پر اصولی موقف کو استعمال کیا۔''(۳۲)

جنرل ضیاء نے بھٹو کو اختلافی عدالتی فیصلے کے تحت پھانسی دی تھی۔جس سے ان کی شخصیت اقوام عالم میں بری طرح متاثر ہوئی تھی اور پاکستان اور جنرل ضیاء دونوں ہی کو اس فیصلے کے خلاف مزاحمت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ضیاء کا یہ خیال تھا کہ ''افغان جہاد'' کی حمایت کے نتیجے میں نہ صرف اس عالم اسلام بلکہ مغربی دنیا خاص طور پر امریکہ میں مقبولیت حاصل ہو گی (۳۳)۔''جنرل ضیاء یہ بھی محسوس کر رہے تھے کہ اس کی حمایت نہ صرف اسے عالم اسلام میں مسلمانوں کا ہیرو بنا دے گی بلکہ مغربی ممالک میں بھی وہ ''کیمونزم'' کے خلاف چیمپئن بن کر ابھرے گا۔ضیاء کو اس بات پر بھی یقین تھا کہ مغربی ممالک اسے کیمونزم کے خلاف تنہا نہیں چھوڑیں گے۔ان باتوں کے پیش نظر ضیاء نے جنرل اختر عبدالرحمٰن سے کہا تھا کہ وہ کم از کم دو سال کے لیے روسیوں کو افغانستان میں الجھائے رکھے تا کہ وہ اپنی کھوئی ہوئی پوزیشن کو اندرون ملک مستحکم کر سکیں۔اور ساتھ ہی بیرونی دنیا میں اپنی ساکھ کو بحال کر سکیں۔''(۳۴)

افغانستان میں روسی مداخلت صرف پاکستان کے لیے ہی نہیں تھی بلکہ خلیج کے ممالک جاپان، مغربی جرمنی، یورپ و امریکہ کے لیے بھی تشویش کا باعث تھی۔بعض حلقوں کی نظر میں روس کا اصل مقصد گرم پانی تک رسائی اور تیل پیدا کرنے والے علاقوں میں اثر و رسوخ حاصل کرنا تھا۔تیل کی دولت سے مالا مال خلیج اور دوسرے علاقوں کے روس کے حلقہ اثر جانے سے جاپان، امریکہ اور دیگر مغربی ممالک صنعتی اور

معاشی طور پر مفلوج ہو کر رہ جانے کا امکان پیدا ہو چلا تھا۔"

وقت اور حالات کا تقاضا یہ تھا کہ روس کو اس مقصد میں کامیاب ہونے نہیں دیا جائے اس لیے روسی افواج کی افغانستان میں مداخلت کے بعد امریکہ کے رویے میں قدرے نمایاں تبدیلی ظاہر ہوئی۔ اس کی جانب سے پاکستان کو اسلحہ اور امداد کی پیش کش کی گئی۔ جمی کارٹر کے قومی سلامتی کے مشیر برزنیسکی نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ "راسخ مذہبی عقائد امریکہ اور عالم اسلام کے درمیان دوستی کی مشترک بنیادیں ہیں۔ برزنیسکی نے ضیاء سے ملاقات کے دوران اس بات کا بھی یقین دلایا کہ ہم آپ کے ساتھ مل کر خطرات کا مقابلہ کریں گے کیونکہ افغانستان میں روسی جارحیت سے علاقائی اور عالمی امن (خاص طور پر امریکہ) کو خطرہ ہے کہ پاکستان کی سلامتی کے لیے امریکہ کا وعدہ پختہ اور پائیدار ہے۔" (۳۵)

۲۱ رفروری ۱۹۸۰ء میں ریڈیو ماسکو نے اپنے ایک تشریحے میں اس بات کا اعلان کیا کہ ضیاء کے ایک خاص آدمی (جنرل فیض علی چشتی) خصوصی سفیر کی حیثیت سے کینیڈا، سعودی عرب، برطانیہ وامریکہ وغیرہ کا دورہ کر رہے ہیں اور ان کے دورے کا بنیادی مقصد "امداد کا حصول" ہے۔ اس سلسلے میں یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ صدر کارٹر کی انتظامیہ پاکستان کو فوجی مہم کیلئے اساس بنانا چاہتی ہے۔ (۳۶)

ضیاء کے خصوصی نمائندے نے لندن میں صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے افغانستان کے اندر ہونے والے حالات پر بات چیت کی۔ انہوں نے پاکستان کے داخلی حالات پر روشنی ڈالی اور انہوں نے فرمایا کہ پاکستان امریکہ سے ایسے معاہدہ کو ترجیح دے گا جس میں جارحیت کی صورت میں پاکستان کے تحفظ کی ضمانت دی جائے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ پاکستان نے کوئی فوجی امداد قبول نہیں کی ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پاکستان غیر جانبدار تحریک کا ممبر ہوتے ہوئے کسی اور دوسرے ملک سے سیاسی معاہدہ نہیں کر سکتا۔ (۳۷)

نمائندہ خاص نے اپنے بیان میں کہا کہ کابل میں ۱۹۷۸ء کے فوجی انقلاب کے بعد پاکستان اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ روس افغانستان میں مستقل طور پر رہنا چاہتا ہے۔ انہوں نے یہ الزام بھی لگایا کہ امریکہ جواب افسوس کر رہا ہے اس نے وقت پر پاکستان کا یہی نقطہ نظر قبول نہیں کیا تھا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ نئی افغان گورنمنٹ کو پاکستان نے تسلیم نہیں کیا ہے، لیکن ساتھ ہی اس کے خلاف کوئی قدم بھی نہیں اٹھایا ہے۔

پاکستان اپنے علاقے میں سے افغانستان کو راہ داری کی سہولت دیئے ہوئے ہے۔ پاکستان نے حال ہی میں افغانستان کو اپنی ایل پی جی (LPG) برآمد کی تھی جبکہ دونوں ملکوں کے درمیان اس مقصد کا معاہدہ ختم ہو چکا تھا۔ پاکستان روس کے ساتھ اچھے دوستانہ تعلقات چاہتا ہے اور کراچی پلانٹ جو کہ اسٹیل مل کے نام سے یاد کی جاتی ہے روس کی امداد ماضی کی طرح جاری تھی۔ پاکستان کا یہ خیال نہیں ہے کہ روس اس پر حملہ کرے گا، لیکن اگر اس کی افواج پاکستان میں داخل ہوئی تو ان کے خلاف مزاحمت کی جائے گی اور اس کیلئے پاکستان نے ۱۹۷۸ء کے ثور انقلاب کے بعد ہی اس طرح کے حالات سے نمٹنے کیلئے تیاری شروع کر رکھی تھی۔ (۳۸)

تصویر کا دوسرا رخ یہی ہے کہ سردار داؤد ڈیورنڈ لائن کا مسئلہ حل کر کے پاکستان کے ساتھ ایک نئے باب کا آغاز کرنا کے خواہشمند تھے۔ سعودی عرب کا دورہ بھی اس سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ داؤد دوسرے دورہ پاکستان کے دوران ڈیورنڈ لائن کو تسلیم کر کے پاکستان کے ساتھ دوستی کی عمارت کی بنیاد رکھنا چاہتے تھے، لیکن ضیاء نے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا اور ان سے وعدہ کیا گیا کہ ضیاء کے دورہ

افغانستان کے دوران یہ اعلان کیا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔(۳۹)

سردار داؤد خان "پشتونستان" کا مسئلہ بھی ختم کرنے کے خواہشمند تھے، لیکن ضیاء نے اس مسئلے کو بھی اپنے دورہ افغانستان تک اٹھائے رکھنے میں عافیت سمجھی تھی، اگر جنرل ضیاء اور سردار داؤد کے درمیان یہ دونوں حل طلب مسائل حل ہو جاتے تو افغانستان تو افغان حکمرانوں کے پاکستان دشمنی کے من گھڑت افسانے ختم ہو جاتے اور پاک افغان دوستی کا ایک شاندار اور روشن باب کا آغاز ہوتا۔(۴۰)

اگر جنرل ضیاء کے دور حکومت میں پاک افغان تعلقات مستحکم ہو جاتے تو افغانستان اشتراکی افواج کے چنگل میں جانے سے بچ جاتا۔ لاکھوں افراد موت کی آغوش میں نہ جاتے، اگر ایسا ہو جاتا تو شاید جنرل ضیاء کی حکومت اتنے عرصے تک برقرار نہ رہتی اور وہ "شہید افغانستان" بھی نہ بن سکتے۔ جنرل ضیاء نے اپنے دورہ افغانستان کے دوران بھی نہ تو ڈیورنڈ لائن کے مسئلے کے حل کی طرف کی گئی پیش قدمی کو حتمی شکل دینے کی کوشش کی اور نہ ہی "پشتونستان" کے حل ہوتے ہوئے مسئلے کو ہمیشہ کیلئے دفن کرنے کی کوشش کی، اس طرح ضیاء کو بین الاقوامی سطح پر سیاسی شطرنج میں اپنی چالیں آگے بڑھانے کا موقع ملا۔(۴۱)

جنرل ضیاء نے متعدد مواقع پر اس بات کا برملا اظہار کیا تھا کہ افغان مجاہدین صرف اپنی بقاء کی ہی جنگ نہیں لڑ رہے بلکہ یہ تمام آزاد دنیا کی بقاء کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ ضیاء کا یہ بیان دراصل حکمت یار اور جارج شلز کی بازگشت تھی۔ ان کے بیانات میں اس بات کی صداقت بھی موجود تھی۔ یہ سب کے سب ایک سرمایہ دارانہ نظام کے بقاء کی جنگ میں مصروف تھے اور اس جنگ نے آزاد دنیا کے لاکھوں افراد کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ اس سرمایہ دارانہ نظام کی حفاظت کی خاطر جو سامراج کا کل اثاثہ تھی، کبھی جہاد، کبھی وطن کی آزادی اور کبھی اسلام کی سربلندی کے لیبل لگا کر جنگ میں حصہ لیا گیا جب کہ حقیقت یہ تھی کہ یہ جنگ "سامراجی نظام" کے بقاء کی جنگ تھی۔ یہ جنگ دنیا کے دوسرے سپر پاور کے "نظریہ حیات" کی جنگ تھی۔(۴۲)

افغانستان میں بکھری ہوئی "مزاحمتی تحریک" کو "اتحاد اسلامی" کی لڑی میں پرو کر ایک ایسے "گوریلا فوج" میں تبدیل کر دیا گیا تھا، جس نے روسیوں کو چھوٹے چھوٹے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں زخم لگا کر ناکارہ کر دیا گیا تھا اور غالباً یہی وجہ تھی کہ روسی افغانستان کو رستا ہوا زخم قرار دے کر یہاں سے واپس جانے کی باتیں کرنے لگے تھے۔ رازداری اور گوریلا آپریشنوں کی خفیہ نوعیت ہی دراصل کامیابی کا راز تھی اور اسی وجہ سے جنرل اختر عبدالرحمٰن اس پورے عرصے میں نہ تو کبھی پریس کے سامنے پیش ہوئے اور نہ ہی انہوں نے سیاسی وصحافتی حلقوں تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی۔(۴۳)

مارچ ۱۹۸۷ء میں جنرل اختر عبدالرحمان کو آئی ایس آئی سے علیحدہ کر دیا گیا تھا۔ ضیاء کی اس تبدیلی کو بہت سے لوگوں نے پسند نہیں کیا تھا اور جنرل اختر عبدالرحمان خود بھی اس تبدیلی سے ناخوش تھے۔ اختر عبدالرحمان گزشتہ ۸ برسوں سے افغان جہاد سے وابستہ تھے اور جہاد کی "OPERATIONAL STRATEGY" کے معمار تھے۔ ان کی بہترین قیادت سے افغان جہاد اس مرحلے تک پہنچا تھا اور جہاد کی کامیابی یقینی تھی۔ یہ اختر عبدالرحمان ہی تھے جنہوں نے سب سے پہلے جنرل ضیاء کو افغان جہاد کی حمایت کیلئے آمادہ کیا تھا۔ ان ہی کی کاوشوں کا نتیجہ تھا کہ افغان جہاد کے حامی یعنی افغان مجاہدین جو بکھرے ہوئے تھے، ایک پلیٹ فارم پر متحد ہوئے تھے۔ جنرل اختر کی خواہش تھی کہ انہیں افغان جہاد سے الگ نہ کیا جائے مگر ضیاء کی سوچ اس سلسلے میں مختلف تھی۔ ضیاء پر امریکی دباؤ تھا جس کی

وجہ سے انہوں نے اختر عبدالرحمان کو آئی ایس آئی کے عہدہ سے سبکدوش کر دیا کیونکہ اختر عبدالرحمان کا شمار بنیادی طور پر "بنیاد پرستوں" میں کیا جانے لگا تھا۔(۴۴)

۱۹۸۷ء میں جنرل اختر عبدالرحمان کی جگہ آئی ایس آئی کے ڈائریکٹر کے طور پر جنرل حمید گل کو تعینات کیا گیا۔ جنرل حمید گل نے اپنی تقرری کے حوالے سے ایک نجی محفل میں برملا اس بات کا اعتراف کیا تھا کہ انہیں جنرل ضیاء الحق نے نہیں بلکہ جونیجو نے آئی ایس آئی کا ڈی جی "DG" "DIRECTOR GENERAL" بنایا ہے جب کہ جنرل ضیاء کی خواہش اور نظریں کسی اور شخص پر مرکوز تھیں۔ حمید گل نے جب اپنے عہدے کا چارج سنبھالا تو ضیاء نے انہیں آڑے ہاتھوں لیا اور ان سے کہا کہ:

(۱) افغان مجاہدین کے درمیان اتحاد قائم رکھنے کی پوری کوشش کرنا۔

(۲) جہاد کو ایک خاص حد تک سے آگے نہ بڑھنے دینا یعنی ایسا نہ ہو کہ روس کوئی اور قدم اٹھانے پر مجبور ہو جائے۔(۴۵)

جنرل حمید گل کو جب آئی ایس آئی کا سربراہ مقرر کیا گیا تو انہیں افغان مسئلے اور اس کی باریکیوں کا زیادہ تجربہ نہ تھا اور جس رازداری کی ضرورت تھی وہ ان کے دور میں نظر نہیں آئی تھی۔ افغان معاملات میں طویل عرصے سے طے شدہ پالیسیوں کے برعکس انہوں نے مہم جو اور بنیاد پرست مجاہد تنظیموں کے ساتھ فیاضانہ سلوک شروع کر دیا تھا۔ عسکری اور اقتصادی امداد سے لے کر ذاتی پسند ناپسند کیلئے معیار قائم کیا گیا اور ایسا کرنا بقول جنرل حمید گل کہ "جہاد کی روح کے عین مطابق تھا"۔(۴۶)

مارچ ۱۹۸۷ء سے لے کر ۱۹۸۹ء تک جنرل حمید گل کے دور آئی ایس آئی کے سربراہی کے خاتمے تک "اوجھڑی کیمپ کی تباہی، جنیوا معاہدے میں زین نورانی کا کردار، افغان عبوری حکومت کے قیام، سی۔130 کا حادثہ اور آپریشن جلال آباد کی ناکامی جیسے تمام واقعات نے مسئلہ افغانستان کے مثبت حل کی طرف اٹھتے ہوئے قدم کو روک دیا۔(۴۷)

جنرل حمید گل ایک پیشہ ور سپاہی تھے، ان کی خواہش تھی کہ جہاد کو جلد از جلد مزید موثر اور بہتر کیا جائے۔ وہ مجاہدین میں بھی روایتی فوج کی طرح نظم وضبط اور تنظیم پیدا کرنا چاہتے تھے، جن سے مجاہدین نہ آشنا تھے۔ جنرل حمید گل جہاد کے مفاد میں کمانڈروں سے براہ راست رابطہ رکھنا چاہتے تھے، جو پارٹی لیڈروں کو پسند نہ تھا۔ صدر ضیاء بنیادی طور پر فوجی آدمی تھے، وہ دل ہی دل میں لیڈروں کی سرکشی، انفرادیت، خودداری اور آزادی کو پسند نہ کرتے تھے۔ ان کے خیال میں لیڈر اپنے آپ کو ضرورت سے زیادہ طاقتور سمجھنے لگے تھے۔ حکمت یار ان کی آنکھ میں کھٹکتا تھا۔ جنرل حمید گل جو کہ ایک پُرجوش اور نوجوان جنرل تھے، ضیاء کے بہلاوے میں آگئے۔ انہوں نے چیدہ چیدہ کمانڈروں کو براہ راست سامان حسب دینا شروع کر دیا جس سے امریکی سی آئی اے بہت خوش تھی کیونکہ تمام امور امریکی مفادات کے عین مطابق چل رہے تھے۔(۴۸)

صدر ضیاء اور وزیراعظم جونیجو کے درمیان تعلقات خاص کر افغان مسئلے کی وجہ سے دن بدن دونوں کے درمیان کشیدگی میں اضافہ ہوتا گیا۔ جونیجو کو تو جنرل ضیاء کی باتوں کے خلاف عمل پیرا ہونے کی دھن سوار ہو گئی تھی اور وہ ہر کام کرنا چاہتے تھے جس سے صدر ضیاء کو تکلیف ہو اور ہر وہ کام سے گریز کرتے جس سے ضیاء کی پالیسیوں کو تقویت حاصل ہوتی تھی۔ جنیوا معاہدے پر دستخط کرنے کے حوالے سے ضیاء کی خواہشوں کے برعکس جونیجو نے زین نورانی کو وہی کام کرنے کا مشورہ دے دیا، جس سے ضیاء کی پالیسیوں پر ضرب لگی۔ جنرل

ضیاء جنیوا معاہدے پر دستخطوں کو افغان جہاد کے کاز کے خلاف سمجھتے تھے کیونکہ اس طرح امن وامان قائم نہیں ہو سکتا تھا اور نہ ہی بنیاد پرست مجاہدین کی حکومت قائم ہونے کی کوئی سبیل پیدا ہو رہی تھی۔ اس تمام باتوں کے باوجود ضیاء نے اپنے اختیارات کو استعمال نہیں کیا۔ ۱۷ اپریل ۱۹۸۸ کو جنیوا معاہدہ پر دستخط ہو چکے تھے۔ بے شک ضیاء کی نظر میں اس معاہدے سے افغانستان کے کاز کو نقصان پہنچ رہا تھا، مگر ضیاء کی حکمرانی پر کوئی آنچ نہیں آ رہا تھا۔ (۴۹)

جنرل ضیاء کی اپنی بچھائی ہوئی بساط کے حوالے سے وہی تاثر پیدا ہونا شروع ہو گیا تھا کہ جو ضیاء دینا چاہتے تھے، یعنی جمہوری اور منتخب حکومت کا قیام ہو چکا ہے اور ضیاء بھی صدر ہیں۔ آٹھویں ترمیم کے بعد "چیف آف آرمی" "CHEIF OF ARMY" کا عہدہ بھی اپنے پاس رکھا اور خود کو بہت مضبوط کر لیا۔ ساتھ ہی انہوں نے جونیجو کو من مانی کرنے کی اجازت دے رکھی تھی جبکہ جونیجو نے دوسری جانب اس من مانی سے ناجائز فائدہ اٹھانا شروع کر دیا تھا۔ مسئلہ افغانستان پر بجائے سنجیدہ فکر کے انتہائی بچکانہ حرکات شروع کر دی گئیں۔ ایک طے شدہ راستے کو چھوڑ کر "عوامی راستہ" اختیار کرنے کی کوشش کی گئی۔ طویل مدت تک افغان مذاکرات و جنیوا مذاکرات میں شامل وزیر خارجہ صاحبزادہ یعقوب علی خان کو اس لئے نظر انداز کر دیا گیا کہ وہ ضیاء کی پسند اور انتخاب کے آدمی تھے۔ (۵۰)

جونیجو بہت جلد سب کچھ حاصل کرنے کا خواب دیکھ رہے تھے اور انہوں نے اپنے منصب کو قومی اصولوں کے برخلاف استعمال کیا۔ جونیجو نے سب کچھ جانتے ہوئے بھی ضیاء سے دو ہاتھ آگے نکلنے کی کوشش کی (۵۱)۔ مسئلہ افغانستان سے غیر متعلق افراد و سیاسی رہنماؤں سے مشاورت کر کے ضیاء کو تنہا کرنے کی کوشش کی گئی جبکہ ضیاء کے مقابلے میں جونیجو کو مسئلہ افغانستان پر بے شمار نازک پہلوؤں کا پتہ ہی نہیں تھا۔ عام ملکی سیاسی رہنماؤں کی طرح مسئلہ افغانستان کی تاریخی و جغرافیائی اہمیت کا اندازہ ہی نہیں تھا جبکہ دوسری جانب جونیجو پر جمہوریت کا بخار چڑھا ہوا تھا اور وہ ہر محاذ پر ایک ہی بات کہتے نظر آتے کہ انہوں نے "مارشل لاء" کو خیر باد کہلوایا۔ (۵۲)

جونیجو اور ان کے رفقاء کار نے وسیع تر مفادات کو وقتی مفادات پر قربان کر دیا۔ جنیوا معاہدے پر بغیر کچھ حاصل کئے، بغیر کچھ تسلیم کرائے، نہ اپنے لئے اور نہ ہی افغان مجاہدین کیلئے دستخط کر دیئے۔ جونیجو کو ضیاء کو نیچا دکھانے کی اور خود سیاسی ہیرو بننے کے چکر میں معاہدے پر دستخط کر کے ایسی تاریخی غلطی کی جس کا خمیازہ افغان مجاہدین ہی نہیں بلکہ پاکستان بھی ابھی تک بھگت رہا ہے اور نہ جانے کب تک سرزمین افغانستان، وہاں کے عوام کے لہو سے رنگین ہوتی رہے گی۔

جنرل ضیاء الحق کی افغان پالیسی مجموعی حیثیت سے کامیابی رہی۔ وہ اکثر اس بات کا تذکرہ کیا کرتے تھے کہ افغان مجاہدین افغانستان میں پاکستان کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ انہوں نے پاکستان کی مشرقی سرحدوں کو بھی محفوظ رکھا۔ خواہ انہوں نے کوئی بھی صورت اختیار کی ہو۔ کرکٹ ڈپلومیسی سے جس کا مذاق اڑایا جاتا ہے یا اس کے لئے کوئی انداز اختیار کیا ہو۔ راجیو گاندھی کی خوشامد کی یا دل جوئی کی، مگر انہوں نے اپنے دور اقتدار میں یہ جانتے ہوئے کہ ان کی مغربی سرحدیں بہت زیادہ غیر محفوظ ہیں۔ سوویت یونین گرم تعاقب "HOT PURSUIT" کے تسلیم شدہ اصولوں پر عمل کرتے ہوئے کسی وقت بھی پاکستان کی سرحد میں داخل ہو سکتا ہے۔ بھارت سے جنگ ہونے نہیں دی۔ ملک کو ہر لحاظ سے مضبوط بھی کیا اور ساتھ ہی مجاہدین و مہاجرین کی مدد بھی کی۔ بقول برزنسکی:

"جنرل ضیاء اور اختر عبدالرحمان سوویت یونین کی سب سے بڑی سیاسی و فوجی شکست کے معمار تھے"۔ (۵۳)

غرض کہ روسی کیمونسٹ ایمپائر "EMPIRE" کے زوال اور نیو ورلڈ آرڈر کے تقاضوں نے جنوبی ایشیا کو مختلف صورتحال سے دوچار کر دیا۔ پاکستان اس علاقہ کا ہمیشہ ایک اہم ملک رہا۔ بدلے ہوئے حالات میں اس کی اہمیت میں کوئی کمی نہیں ہوئی بلکہ چین کا ہمسایہ ہونے کی وجہ سے اس کی اہمیت میں مزید اضافہ ہو گیا کیونکہ اس وقت چین ہی وہ واحد ملک کیمونسٹ "COMMUNIST" قوت ہے جو مستقبل میں امریکہ کیلئے مشکلات پیدا کر سکتا ہے چنانچہ اس ضمن میں امریکہ کی یہ خواہش رہی ہے کہ پاکستان، ایران و چین پر مشتمل طاقت کا مثلث وجود میں نہ آئے۔ امریکہ نے پاکستان کو اس طرح استعمال کیا کہ افغانستان، سوویت یونین کا ویت نام بن گیا اور طویل عرصہ تک افغانستان میں کشت و خوں کا کھیل کھیلا گیا اور ساتھ ہی صدر ریگن اور جارج بش پریسلر ترمیم کی اس شق کو کہ پاکستان کے پاس ایٹم بم اور اس کے ذرات موجود ہیں اس بات کو نظر انداز کرتے رہے۔

اس طرح ۱۹۸۰ء کے عشروں میں جنوبی ایشیا کا خطہ "بازی گاہ عالم" کا محور بنا اور سوویت روس کے زوال اور امریکہ کے بلا شرکت غیرے عروج کی جنگ اس خطے سرزمین میں لڑی گئی۔ افغانستان اس جنگ کا مرکز رہا۔ پاکستان اور ایران اس کے شریک کار تھے۔ برصغیر پاک و ہند کا یہ خطہ حقیقی دفاعی معمار اور یورپ و امریکہ، جاپان وغیرہ غرض کہ "جدید تہذیب" کی "شہ رگ" ہے اور چین کا یہ عقبی دروازہ ہے اور چین مستقبل امکانی میں سپر پاور ہے اور اسے عقبی دروازے کی ضرورت پڑے گی۔ "بقول لارڈ کرزن"

"برصغیر پاک و ہند کا یہ خطہ ایسا شطرنج کا میدان ہے اور اس پر سے دنیا پر تسلط قائم کرنے کا کھیل کھیلا جا رہا ہے، لیکن اس خطے سرزمین کے تینوں ممالک اسلامیہ یعنی ایران، پاکستان اور افغانستان کو اپنی اہمیت کا احساس اجاگر نہیں ہوا ہے اور وہ بیرونی طاقتوں کے ہاتھوں "کھلونا" بنے ہوئے ہیں"۔

افغان پالیسی...... ہماری بقاء کی پالیسی:

شہید اسلام جنرل ضیاء الحق کے زمانے میں یہ احساس عام تھا اور اب ان کے گزر جانے کے بعد تو احساس نے اور شدت اختیار کر لی ہے کہ پاکستان کی اندرونی سیاست اور پاکستان کے بیرونی تعلقات اور وقار میں اس کی افغان پالیسی کلیدی حیثیت رکھتی ہے۔ آیئے افغان پالیسی کے نتائج پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں:

۱۔ اس پالیسی نے ایک دشمن سپر طاقت کو دروازے تک آنے اور دستک دینے سے دور رکھا اور دوسری دوست نما دشمن سپر طاقت کو مجبور کیا کہ وہ ہماری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائے۔ (اگرچہ اس میں بھی اس کے مفادات کی کارفرمائی ہے)

۲۔ اس پالیسی نے افغانوں کو حوصلہ دیا کہ وہ بے اختیار کہہ اٹھیں:

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

۳۔ اس پالیسی نے عالم اسلام میں احساس اخوت کو ایک دفعہ پھر سے بیدار کیا۔ چنانچہ پاکستان کے اصولی اور جرات مندانہ

موقف سے حوصلہ پاکر تمام مسلمان ملکوں نے افغانوں کی دامے، درمے، قدمے، سخنے حمایت کی اور مدد کی۔

۴۔ اس پالیسی سے پوری عالمی برادری میں سپر طاقتوں کے خوف کا طلسم ٹوٹا۔

۵۔ حق و باطل کے معرکے میں حق پر ڈٹ جانے کی افادیت ثابت ہوئی اور عالمی ضمیر کو تقویت ملی۔

۶۔ اس پالیسی سے مشرقی پاکستان کے داغ شکست کو بڑی حد تک دھونے کا موقع ملا اور پاکستانی عوام کا مورال بلند ہوا۔

۷۔ اس پالیسی سے پاکستان عالم اسلام کی نگاہ میں باوقار ہوا جس سے پاکستان کو تجارتی اور اقتصادی فوائد بھی حاصل ہوئے اور آئندہ بھی ہوں گے۔

۸۔ اس پالیسی سے اہل مغرب میں پاکستان کی جنگی حکمت عملی کی دھاک بیٹھی اور طاقت کے توازن میں پاکستان کی عملی اہمیت کا احساس اجاگر ہوا۔

۹۔ اس پالیسی کے پس منظر میں پاکستانی افواج کو مضبوط اور مستحکم بنانے کا موقع ملا جس سے دشمن بھارت کے حوصلے پست سے پست تر ہوتے گئے اور مشرقی پنجاب اور سکھوں کی مبینہ امداد کا بہانہ بنا کر پاکستان پر چڑھ دوڑنے کا اس کا منصوبہ بھی پاکستان کی ہیبت کی نذر ہو گیا۔

۱۰۔ اس پالیسی کے طفیل ۱۹۸۰ء سے ۱۹۸۸ء تک پاکستان نے بتدریج عالمی اداروں میں وہ مقام حاصل کیا کہ اس کے اس اصولی مؤقف کی حمایت میں ۱۲ کے مقابلے میں ۱۲۳ ووٹ پڑے اور عالمی برادری کی اتنی بڑی اکثریت کو روس بالآخر نظر انداز نہ کر سکا اور اسے اعلان کرنا پڑا کہ:

"اگر جنیوا معاہدے پر دستخط نہ بھی ہوئے تو روس اپنی افواج افغانستان سے نکال لے گا"۔

مجھے افغان پالیسی کے مندرجہ بالا اثرات کے پس منظر میں شہید اسلام، صدر پاکستان، جنرل محمد ضیاء الحق کا پاکستانی پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس کا وہ تاریخی خطاب یاد آرہا ہے جس میں انہوں نے کہا تھا:

۱۔ افغان ہمارے مسلمان بھائی ہیں۔

۲۔ ان کی ہجرت، ہجرت قریش کی طرح ہے۔

۳۔ اور ان کی میزبانی اور مدد انصار مدینہ کی طرح۔

۴۔ افغان مسلمان صرف افغانستان کی جنگ نہیں لڑ رہے ہیں بلکہ وہ پاکستان کی جنگ لڑ رہے ہیں، وہ اسلام کی جنگ لڑ رہے ہیں، وہ عالم اسلام کی جنگ لڑ رہے ہیں اور یہ کہتے کہتے ان کی آواز رندھ گئی تھی کہ:

"اگر خدانخواستہ، خدانخواستہ انہیں شکست ہو گئی تو یقین کیجئے، پاکستان کی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی۔ پاکستان صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گا۔ لوگ کیوں نہیں سمجھتے؟ آخر لوگ کیوں نہیں سمجھتے"۔

پاکستان کی طالبان پالیسی:

1979ء سے 1989ء تک افغانستان اور سابق سوویت یونین کی جنگ میں پاکستان فرنٹ لائن کا ملک تھا۔ پاکستان کو امید تھی کہ روسی فوجوں کی واپسی کے بعد اقوام متحدہ اور دنیا کی تمام وہ قوتیں جنہوں نے افغان مجاہدین کی مدد کی تھی، افغانستان میں امن وامان برقرار رکھتے ہوئے اس تباہ شدہ ملک کی تعمیر نو کریں گی اور پاکستان میں مقیم تقریباً ۳۵ لاکھ مہاجرین عزت کے ساتھ واپس اپنے ملک چلے جائیں گے، لیکن ۱۹۸۹ء کے بعد جب خانہ جنگی کا سلسلہ شروع ہوا تو یہ سب سے زیادہ اقتصادی، سیاسی اور سماجی طور پر پاکستان کے لئے نقصان دہ تھے جس سے نہ صرف بلوچستان اور صوبہ سرحد بری طرح متاثر ہوئے بلکہ پاکستان کے بڑے شہروں میں بھی بہت سے مسائل نے جنم لیا۔(۵۴)

پاکستان کے سرحدی علاقوں کے علاوہ پاکستان کے شہروں میں بھی امن وامان کا مسئلہ شدت اختیار کر گیا، پھر ۱۹۷۹ء تک افغانستان کی حکومتیں سیاسی طور پر پاکستان کی مخالف ہو رہی تھیں۔ اس لئے پاکستان اب یہ چاہتا تھا کہ اس نے جب افغان، روس جنگ میں افغانستان کا بھرپور ساتھ دیا ہے تو کم از کم اس کے عوض افغانستان میں ایسی حکومت قائم ہو جو سیاسی طور پر بھارت کے بجائے پاکستان کی دوست ہو۔ ۱۹۹۵ء سے طالبان کی قوت ابھرنے لگی۔ ۱۹۹۸ء تک طالبان افغانستان کی مضبوط ترین قوت بن گئی جو افغانستان کے نوے فیصد رقبے پر قائم ہو گئی۔(۵۵)

طالبان نے جب افغانستان کے وسیع رقبے پر قبضہ کر لیا تو یہ صورتحال پاکستان میں امن وامان اور سیاسی، سماجی اور اقتصادی حوالے سے پہلی بار بہت بہتر دکھائی دی۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان نے افغانستان میں طالبان کی حکومت کو تسلیم کر لیا۔(۵۶)

عالمی اور سفارتی سطح پر طالبان کی ناکامی:

1998ء پاکستان کے لئے اس حوالے سے انتہائی بحرانی سال تھا کہ اسے 28 مئی کو بھارت کے جواب میں چھ ایٹمی دھماکے کرنے پڑے جس کے ردعمل پر امریکہ سمیت تمام ترقی یافتہ ممالک نے پاکستان پر اقتصادی پابندیاں عائد کر دیں۔ مقبوضہ کشمیر میں مجاہدین کی جدوجہد آزادی تیز ہو گئی۔ کارگل کا مسئلہ پیش آیا۔ ۱۲؍اکتوبر ۱۹۹۹ء میں حکومت تبدیل ہو گئی۔ سابق امریکی صدر بل کلنٹن نے اپنے اقتدار کے آخری دنوں میں بھارت اور پاکستان کا دورہ کیا۔ بھارتی پروپیگنڈہ طالبان حکومت کے خلاف عالمی سطح پر جاری رہا اور خود طالبان عالمی برادری کے مطالبات پر کسی قسم کا لچکدار رویہ نہیں اپنا سکے یوں طالبان اپنی حکومت کو دنیا کے دیگر ممالک سے نہ تسلیم کروا سکے اور نہ ہی اقوام متحدہ کی رکنیت حاصل کر کے عالمی سطح پر اپنی حکومت کا قانونی جواز پیدا کر سکے۔(۵۷)

انہی تینوں برسوں میں پاکستان بھی شدید سیاسی اور اقتصادی بحران کا شکار ہوا۔ ان تین برسوں میں طالبان اندرون افغانستان اپنی طاقتور پوزیشن کی بدولت شمالی اتحاد سے مذاکرات کے ذریعے بھی سیاسی محاذ پر فتح حاصل کر سکتی تھی۔ اور اگر یہ نہ کرتی تو انتخابات کروا کر دنیا کے سامنے نوے فیصد رقبے پر حکومت کے ساتھ ساتھ افغان عوام پر حکومت کا زیادہ بہتر جواز پیش کر سکتی تھی۔(۵۸)

حکومت پاکستان کی خواہشات:

پاکستان نے ماضی میں سفارتی سیاسی اور کسی حد تک اقتصادی حوالوں سے افغانستان میں طالبان حکومت کے زمانے میں افغان عوام کو زیادہ اور حکومت کو زیادہ جتنا ممکن ہو سکا انداز میں مدد دی۔ پاکستان کی خواہش یہی تھی کہ کسی طرح دنیا کی بیشتر حکومتیں افغانستان میں طالبان کی حکومت کو تسلیم کر لیں اور اس بنیاد پر اقوام متحدہ میں طالبان حکومت کی بنیاد پر افغانستان کو نشست مل جائے۔ ایسی صورت میں طالبان حکومت کو کچھ لچکدار رویہ اپنانا پڑا تھا، اگر یہ لچکدار رویہ اس وقت اپنا لیا جاتا، جب طالبان شروع میں اقتدار میں آئے تھے اور اسامہ بن لادن ان کو سابق قوتوں سے مہمان کے طور پر ملے تھے اور ان دنوں افغانستان پر دہشت گردی کے حوالے سے اتنے زیادہ الزامات عائد نہیں ہوئے تھے تو شاید سفارتی اور عالمی سیاسی سطح پر طالبان حکومت زیادہ کامیابیاں حاصل کر لیتی، لیکن بعد میں جب افغانستان پر پہلی بار چند میزائلوں سے اسامہ بن لادن کے خلاف حملہ کیا گیا تو پھر طالبان حکومت پر اخلاقی، مذہبی اور سیاسی دباؤ اندرون افغانستان بڑھ گیا۔ (۵۹)

طالبان حکومت اور بحران:

افغانستان کی تقریباً ڈیڑھ سو سالہ تاریخ اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ دنیا کے اس خطے کو پسماندہ رکھنے اور تباہی و بربادی سے دوچار کرنے میں عالمی قوتوں خصوصاً برطانیہ، سابق سوویت یونین اور امریکہ کا واضح کردار رہا ہے۔ یہ دنیا کا واحد ملک ہے جس پر پہلے برطانیہ نے ۱۸۳۹ء تا ۱۸۴۲ء، پھر ۱۸۷۸ء تا ۱۸۸۰ء اور پھر ۱۹۱۹ء میں تین جنگیں مسلط کیں۔ پھر ۱۹۷۹ء تا ۱۹۸۹ء تک سابق سوویت یونین نے جنگ مسلط کی۔ (۶۰)

۱۱ ستمبر کو امریکہ کے شہر نیویارک اور واشنگٹن میں جب اغوا شدہ مسافر طیارے ورلڈ ٹریڈ سینٹر اور پینٹاگون کی عمارتوں سے ٹکرا رہے تھے تو کسی کو اندازہ نہیں تھا کہ اس کا فوراً الزام طالبان اور اسامہ بن لادن پر عائد کیا جائے گا اور صرف 26 دن بعد افغانستان پر امریکہ اور برطانیہ اپنی پوری فضائی قوت کے ساتھ حملہ کر دیں گے۔ بہر حال آج صورت حال یہ ہے کہ 17 اکتوبر سن دو ہزار ایک سے امریکہ اور اس کے اتحادی اس ملک کے خلاف بھرپور طاقت سے جنگ میں مصروف ہیں اور تقریباً ساری دنیا کسی نہ کسی حوالے سے ان کی اس جنگ کو جائز قرار دے رہی ہے۔ (۶۱)

حملوں پر امریکی قیادت کا رد عمل:

امریکہ میں دہشت گردی یقیناً ایک ناپسندیدہ فعل ہے مگر جو کچھ ہونا تھا ہو چکا، اس واقعہ پر امریکی قیادت کے رد عمل سے ان کے آئندہ کے عزائم بخوبی واضح تھے۔ ٹریڈ سینٹر پر حملہ کے بعد سابق امریکی صدر ڈبلیو بش کا بیان تھا کہ یہ ہمارے لیے مشکل وقت ہے۔ حکومت دہشت گردی میں ملوث افراد کو کیفر کردار تک پہنچائے گی۔ بش سانحہ کے وقت فلوریڈا میں تھے، جہاں سے انہوں نے فوری طور پر واپسی اختیار کی، سابق نائب صدر ڈک چینی نیویارک کے میئر اور ایف بی آئی کے ڈائریکٹر سے تفصیلات معلوم کیں، ایف بی آئی کو واقعات کی تحقیقات کا حکم دیا اور متاثرین کی ہر طرح کی مدد کرنے کی ہدایت کی (۶۲)۔ بش نے بریک ڈیل ایئر بیس پر گفتگو کرتے ہوئے دنیا بھر میں

امریکی فوج کو الرٹ رہنے کا حکم دیا۔ انہوں نے اعلان کیا کہ مجرموں کو تلاش کر کے سزا دینگے۔ نا معلوم لوگوں نے ہماری آزادی پر حملہ کیا، ہم اپنی آزادی کا تحفظ کریں گے۔ ہم ارکان کانگریس اور عالمی رہنماؤں کو بتا رہے ہیں کہ ہم امریکہ اور امریکیوں کے تحفظ کے لئے ہر ممکن قدم اٹھائیں گے (۶۳)۔ ہم نے تمام حفاظتی اقدامات کر لئے ہیں۔ یہ واقعہ ہمارے لئے ایک آزمائش ہے۔ ہم اس میں پورا اتریں گے۔ وائس آف امریکہ کے مطابق صدر بش طور یڈا سے واشنگٹن واپس آنے کی بجائے ریاست ٹرونیا کے ایئر فورس کے اڈے پر پہنچ گئے۔ ان کی دارالحکومت واپسی کا فیصلہ پنٹا گون کی عمارت سے طیارہ ٹکرانے کے بعد بدلا گیا تھا۔ (۶۴)

امریکی وزیر خارجہ کولن پاؤل نے لیما میں کہا کہ ایک بار پھر ہمیں دہشت گردی کا سامنا ہے۔ ان واقعات کے پیچھے دہشت گرد نظر آتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو جمہوریت پر یقین نہیں رکھتے، وہ سمجھتے ہیں کہ عمارات کی تباہی اور لوگوں کے قتل سے وہ کوئی سیاسی مقصد حاصل کر سکتے ہیں، لوگوں کو ہلاک کر سکتے ہیں، مگر انہیں جمہوریت کی روح ختم کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ میں یقین دہانی کراتا ہوں کہ امریکہ ذمہ داروں کو انصاف کے کٹہرے میں کھڑا کرے گا۔ یقین رکھیں ہم آج کی خوفناک صورت حال سے خوش اسلوبی اور ہمت کے ساتھ عہدہ برا ہوں گے کیونکہ ہم ایک مضبوط قوم ہیں، ہم ایک ایسی قوم ہیں جسے خود پر اعتماد ہے۔ وزیر خارجہ لیما میں ایک کانفرنس میں شرکت کرنے پہنچے تھے۔ حملوں کے بعد انہوں نے واشنگٹن واپسی کیلئے اپنا دورہ کولمبیا منسوخ کر دیا تھا۔ (۶۵)

بش نے ٹی وی پر قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ بڑے پیمانے پر اس قتل و غارت کا مقصد ہماری قوم کو تتر بتر کر کے پسپا کرنا تھا، مگر وہ ناکام ہو گئے۔ ہمارا ملک مضبوط ہے۔ ان حملوں نے لوہے کے ٹکڑے کر دیئے، مگر امریکیوں کے فولادی عزم کو نہیں توڑ سکے۔ ہماری فوج طاقتور ہے اور تیار ہے، دہشت گردوں کو معاف نہیں کیا جائے گا۔ امریکہ دہشت گردوں اور انہیں پناہ دینے والوں میں کوئی فرق نہیں کرے گا، ہم دنیا کو دکھا دیں گے ہم آزمائش میں پورے اترے ہیں۔ امریکہ کو اس لئے نشانہ بنایا گیا کیونکہ یہ آزادی کا روشن مینار ہے اور کوئی اسے چمکنے سے نہیں روک سکتا۔

بش نے کہا کہ آزادی اور جمہوریت حملے کی زد میں ہیں۔ امریکی عوام جان لیں انہیں ایک مختلف دشمن سے واسطہ پڑا ہے۔ یہ ایسا دشمن ہے جو سایوں میں چھپتا ہے، اسے انسانی زندگی کا کوئی لحاظ نہیں۔ یہ دشمن بے قصور لوگوں کو شکار کرتا ہے، مگر ہمیشہ چھپا نہیں رہے گا۔ امریکہ اس دشمن پر قابو پانے کیلئے وسائل بروئے کار لائے گا۔ (۶۶)

اس طرح ایک موقع پر امریکہ کے سابق وزیر خارجہ کولن پاؤل نے کہا کہ امریکی عوام چاہتے ہیں کہ ہم ایسی جوابی کارروائی کریں کہ جیسے جنگ میں ہوتی ہے۔ ہم ایسا ہی کرنے جا رہے ہیں۔ بحران کسی ایک فرد کے خلاف جوابی حملے سے حل نہیں ہوگا بلکہ یہ ایک طویل مدتی لڑائی ہوگی، جو کئی محاذوں پر لڑی جائے گی۔ انہوں نے حملوں کو مہذب دنیا کے خلاف جنگ قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ جواب فوجی انداز میں ہو سکتا ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ جن کو نشانہ بنانا مقصود ہوگا انہیں ڈھونڈ لیا جائے گا اور ان کے خلاف براہ راست ایکشن لیں گے۔ انہوں نے کہا یہ نہیں ہو سکتا کہ امریکہ پر اس طرح کا حملہ ہو اور مجرم بچ جائیں۔ ہم انہیں نہیں چھوڑیں گے۔ انہیں تلاش کر کے انجام تک پہنچائیں گے۔ امریکہ نے پوری دنیا میں اپنے ایک چوتھائی سفارتخانے عارضی طور پر بند کر دیئے ہیں۔ کولن پاؤل نے کہا کہ حملوں سے پہلے کوئی انتباہ یا دھمکی موصول نہیں ہوئی تھی کہ ہم ذمہ داروں کا تعین کر رہے ہیں اس کے بعد ہم قدم اٹھائیں گے۔ (۶۷)

۱۴ ستمبر ۲۰۰۱ء کو امریکی سینٹ نے امریکی صدر بش کو متفقہ طور پر ایک قرارداد کے ذریعے حملہ آور دہشت گردوں کے خلاف طاقت کا استعمال کرنے کا اختیار دیا۔ امریکی سینٹ نے قرارداد ۹۸ کے مقابلے میں صفر ووٹوں سے منظور کی قرارداد میں کہا گیا۔ امریکی صدر کو آئین کے تحت دیئے گئے اختیار کو استعمال کرنے کی اجازت دی جاتی ہے کہ وہ ان بین الاقوامی دہشت گردی کے اقدامات کے خلاف ہر ممکن قدم اٹھائیں۔ اس قرارداد کو امریکہ کا سینٹ اور ایوان نمائندگان پاس کرتا ہے اور اس مشترکہ قرارداد کو ''فوجی طاقت استعمال کرنے کا اختیار'' کا نام دیا جاتا ہے جس کے تحت امریکہ کی مسلح افواج کو امریکی صدر دہشت گردی کے خلاف استعمال کر سکتا ہے۔ کہا گیا کہ یہ اقدام ان اقوام، تنظیموں یا افراد کے خلاف اٹھایا جائے گا جنہوں نے گیارہ ستمبر کے دہشت گردی کے حملوں میں منصوبہ بندی، اختیار، ملوث اور مدد فراہم کی۔ علاوہ ازیں سابق صدر بش نے محکمہ دفاع پینٹاگون کو ۵۰ ہزار تک ریزرو فوجیوں کی خدمت حاصل کرنے کی اجازت دی۔ دفاعی حکام کا کہنا تھا کہ یہ فوجی ملکی دفاع کا فریضہ انجام دیں گے۔ امریکی لیڈر قوم کو اکیسویں صدی کی جنگ کے لئے تیار کر رہے تھے جس میں نہ صرف دہشت گرد تنظیموں بلکہ ان کی پشت پناہی کرنے والی ریاستوں کو بھی نشانہ بنایا جانا طے پایا تھا۔ دنیا بھر میں امریکی افواج کے نام ویڈیو ٹیپ پیغام میں وزیر دفاع ڈونلڈ رمز فیلڈ نے جنگ کے لئے تیار رہنے کو کہا تھا۔ بحری بیڑے یو ایس ایس انٹر پرائز کی قیادت میں ایک لڑاکا دستہ جو دہشت گردی کے حملوں کے بعد خلیج سے امریکہ کے لئے روانہ ہو گیا تھا، اسے علاقے میں موجود رہنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ ادھر امریکہ نے ملکی اور بین الاقوامی منڈیوں سے اپنے جنگی طیاروں کے لئے ہزاروں ٹن ایندھن خریدنے کا آرڈر دیا۔ (۶۸)

سابق امریکی صدر جارج ڈبلیو بش نے کہا کہ امریکا پر ہونے والے حملوں میں اسامہ بن لادن مشتبہ ذمہ دار افراد میں سرفہرست ہے۔ ریڈیو پر قوم سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ جوابی کارروائی کیلئے فوج کو تیار ہو جانا چاہئے، لیکن انہوں نے عوام سے صبر وتحمل اور عزم کا مظاہرہ کرنے کی اپیل کی اور کہا کہ یہ لڑائی نہ تو مختصر ہوگی اور نہ ہی آسان۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں یہ بات سمجھنی ہوگی کہ اب جنگ ایک الگ طرح کی لڑائی اور ایک مختلف طرز کے دشمن کے خلاف ہوگی، تاہم انہوں نے کہا کہ امریکا کا جوابی ردعمل تیز اور موثر ہوگا۔ دہشت گرد ہمیں ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہتے ہیں، لیکن حملوں نے ایک قوم کے طور پر یکجا کر دیا۔ کیمپ ڈیوڈ میں صحافیوں سے بات چیت کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اسامہ امریکا سے نہیں چھپ سکتے، ہم حملے کے ذمہ داروں کو ان کے ٹھکانوں سے نکالیں گے، یہی امریکیوں کی خواہش ہے، نہ صرف انتقام لیا جائے گا بلکہ جنگ جیتی جائے گی۔ (۶۹)

بش نے اس واقعے کے بعد میری لینڈ میں نائب صدر ڈک چینی، وزیر خارجہ کولن پاول، نیشنل سیکورٹی ایڈوائزر کنڈولیزا رائس، وزیر دفاع ڈونلڈ رمزفیلڈ اور اٹارنی جنرل جان اشرافٹ سے ملاقات کی اور اہم امور پر ان سے صلاح مشورہ کیا۔ ادھر امریکی وزارت خارجہ نے ایک غیر معمولی اقدام کرتے ہوئے یورپ، مشرق وسطی، ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے سفارتی نمائندوں کو طلب کیا اور انہیں متنبہ کیا کہ اگر ان حکومتوں نے دہشت گرد گروہوں کو برداشت کیا اور ان سے رعایت برتی تو انہیں تنہا کر دیا جائے گا۔ (۷۰)

۲۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کو امریکی صدر بش نے کانگریس کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ تمام دہشت گرد گروہوں کے خاتمے تک جنگ جاری رہے گی۔ طالبان اسامہ بن لادن کو قانون کے حوالے کر دیں، ورنہ ان کا حشر بھی دہشت گردوں جیسا ہوگا۔

اب ہم اپنے دشمنوں کو انصاف کے کٹہرے میں لائیں گے یا انصاف کو دشمنوں کے پاس لے کر جائیں گے، انصاف ہو کر رہے گا اور دہشت گردوں کے خلاف جنگ پوری دنیا میں لڑی جانی چاہیے۔(۷۱)

امریکی قیادت کے رد عمل سے ظاہر ہوا کہ حملوں کے بعد وہ خاصی جذباتی ہے، لیکن جوں جوں وقت گزرا تو اس کے جذبات ٹھنڈے ہو گئے اور بیانات میں بھی اعتدال آ گیا۔

اس ضمن میں برطانوی وزیر اعظم ٹونی بلیئر کا مضمون بھی انتہائی اہمیت کا حامل ہے!

سابق برطانوی وزیر اعظم ٹونی بلیئر کا مضمون:

"امریکہ میں دہشت گردی پر مبنی جو حملے کیے گئے ان کے صدمے اور ان سے تنفر کے احساس نے برطانیہ بھر اور دنیا بھر کے لوگوں کو متحد کر دیا ہے۔ اس مذموم کارروائی کے ذمہ دار عناصر کی مذمت، اس کا نشانہ بننے والے ہزاروں افراد کے غم اور ان سے ہمدردی کے اظہار نے مختلف برادریوں، ملکوں اور عقائد سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو ایک دوسرے کے قریب کر دیا ہے۔ اس عظیم سانحے کی وسعت کا اندازہ لگانا مشکل ہے، جانی نقصان غیر معمولی ہے صرف امریکہ میں نہیں بلکہ کرہ ارض کے ہر حصے میں ہزاروں دل شکستہ خاندان اپنے پیاروں کے بچھڑنے پر غم واندوہ کے شکار ہیں مجھے خدشہ ہے کہ ان میں برطانیہ کے سینکڑوں خاندان بھی شامل ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ یہ دہشت گردی کی انتہائی سنگین واردات تھی جس سے دوسری جنگ عظیم کے بعد برطانوی شہریوں کی سب سے زیادہ تعداد متاثر ہوئی۔ دہشت گردی کے ان بلا امتیاز حملوں کے شکار بہت سی قوموں اور تمام عقائد سے تعلق رکھنے والے بے گناہ مرد، عورتیں اور بچے بنے ہیں، جیسا کہ برطانیہ کے مسلمان رہنما اور علماء واضح کر چکے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ اس کی بہیمیت اسلام کے سراسر منافی ہے، ہم نے حال ہی میں جس بربریت کا مشاہدہ کیا ہے وہ اسلام حقیقی روح اور اقدار کے بالکل برعکس ہے کیونکہ اسلام تحمل، رواداری اور انسانی زندگی کے احترام پر بہت زیادہ زور دیتا ہے۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ برطانیہ کے شائستہ لوگوں کی بہت بڑی اکثریت اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ امریکہ میں پچھلے ہفتے جو کچھ بھی ہوا اس کی ذمہ داری آپ پر یا اسلام پر کسی بھی طرح عائد نہیں ہوتی، جو لوگ اس واقعہ کے ذمہ دار ہیں ان کا کسی کمیونٹی سے تعلق ہے نہ مذہب سے۔ وہ جنونی افراد ہیں، اسلام کو مورد الزام ٹھہرانا اسی طرح مضحکہ خیز ہے، جس طرح شمالی آئرلینڈ میں وفاداروں کی طرف سے کیتھولک عقائد کے حامل افراد پر یا قوم پرستوں کی طرف سے پروٹسٹنٹ فرقے کے لوگوں پر حملوں کے سلسلے میں عیسائیت کو مورد الزام ٹھہرایا جائے۔ اس کے برعکس ہم جانتے ہیں کہ مسلمانوں کی بھاری اکثریت ان بہیمانہ کارروائیوں کی بھرپور مذمت کرتی ہے۔(۷۲)

اس طرح چند ہی گھنٹوں میں امریکی انتظامیہ اس نتیجے پر پہنچ گئی کہ حملوں کے پیچھے افغانستان کا ہاتھ تھا اور کسی بھی موثر جوابی کارروائی کے لیے پاکستان کے تعاون کی ضرورت ہوگی۔ ۱۱ ستمبر کی دوپہر کو واشنگٹن میں پاکستان کی سابق سفیر ملیحہ لودھی اپنے دفتر میں بیٹھی ٹیلی ویژن پر حملوں کی رپورٹنگ دیکھ رہی تھیں۔ ان کے ساتھ لیفٹیننٹ جنرل محمود بھی تھے، جنہیں ۱۹۹۹ء میں جنرل پرویز مشرف کی جانب سے فوجی کارروائی میں سرکردہ کردار ادا کرنے کے انعام میں پاکستان کی مرکزی انٹیلی جنس ایجنسی (ISI) کا ڈائریکٹر بنایا گیا تھا۔

لیفٹیننٹ جنرل محمود نے ابھی واشنگٹن کا سرکاری دورہ مکمل کیا ہی تھا، لیکن ان کی واپسی میں تاخیر ہو گئی کیونکہ حملوں کے بعد نیویارک کی

فضائی حدود مکمل طور پر بند کر دی گئی تھیں۔ اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے 5 بجے شام کو ایک سی فون کیا۔ ملیحہ لودھی سے کہا گیا کہ وہ کل صبح سینئر امریکی حکام کے ساتھ ملاقات کریں۔

۱۲ ستمبر کو صبح ۸ بجے امریکی ڈپٹی سیکرٹری آف اسٹیٹ رچرڈ آرمتاج (Richard Armitage) نے دونوں پاکستانیوں کو بتایا کہ ان کے ملک کو دو میں سے ایک راہ کا انتخاب کرنا ہے۔ اسلام آباد اگر چاہے تو افغانستان کی طالبان حکومت کے ساتھ مل جائے یا پھر واشنگٹن کا ساتھ دے۔ اس نے کہا: "آپ یا تو سو فیصد ہمارے ساتھ یا سو فیصد ہمارے خلاف ہیں۔ کوئی تیسری راہ موجود نہیں"۔ ملاقات کے فوراً بعد محمود نے فون پر جنرل مشرف سے بات کی۔ پاکستان کے فوجی حکمران نے پل بھر میں ہی فیصلہ کر لیا۔ انہوں نے محمود کو بتایا کہ واشنگٹن کا ہر مطالبہ پورا کیا جائے گا۔ 3 بجے سہ پہر آرمتاج نے ملیحہ لودھی اور محمود کے ساتھ ایک اور ملاقات کی۔ اس مرتبہ اس کے مطالبات کچھ زیادہ واضح تھے۔ امریکہ کو فوجی نقل و حرکت کے لیے سہولیات اور انٹیلی جنس کے شعبے میں تعاون کی ضرورت تھی۔ محمود نے آرمتاج کو یقین دہانی کرائی کہ پاکستان تعاون کرے گا۔ (۷۳)

۱۳ ستمبر ۲۰۰۱ء کو امریکہ کی سابق سفیر مس وینڈی چیمبرلین نے ایوان صدر اسلام آباد میں سابق صدر پرویز مشرف سے ملاقات کی۔ اس ملاقات میں امریکی سانحہ اور امریکہ کی جوابی کارروائی کے حوالے سے غیر معمولی اہمیت کے مذاکرات ہوئے۔ اس ملاقات کے دوران پرویز مشرف نے کہا پاکستان ہر قسم کی اور ہر جگہ دہشت گردی کا مخالف ہے اور اسے پوری عالمی برادری کے لیے خطرہ سمجھا جاتا ہے۔ دہشت گردی کے خلاف ہونے والے عالمی سطح پر تمام اقدامات میں پاکستان پورے عزم کے ساتھ شریک ہوگا۔ پاکستان دہشت گردی کے خلاف عالمی سطح پر کی جانے والی کوششوں میں امریکی صدر جارج بش، امریکی حکومت اور عالمی برادری سے ہر ممکن تعاون کرے گا۔ (۷۴)

پرویز مشرف کی اس یقین دہانی پر جارج بش نے ۱۳ ستمبر ۲۰۰۱ء کو اظہار کرتے ہوئے کہا کہ "ہمارا پاکستان سے سفارتی رابطہ ہے اور وہاں کی حکومت کو تعاون کا ایک موقع دینا چاہتے ہیں۔ دیکھتے ہیں صدر پرویز مشرف اپنی یقین دہانی کا کیا کرتے ہیں۔ پاکستان کے افغان حکومت سے قریبی تعلقات ہیں جس نے اسامہ بن لادن کو جن پر امریکہ میں حملوں میں ملوث ہونے کا شبہ ہے پناہ دے رکھی ہے"۔ ان سے جب پوچھا گیا کہ جنرل پرویز مشرف نے امریکہ کو مکمل تعاون کا یقین دلایا ہے تو یہ کس طرح کا تعاون ہوگا۔ اس پر بش نے کہا "ہم سب نے پاکستانی لیڈر کا بیان سنا ہے، لیکن اس کا کیا مطلب، اس کی وضاحت چند دنوں میں کی جاسکتی ہے۔ انہوں نے کہا امریکہ دہشت گردی پر فتح کے لئے دنیا کی قیادت کرے گا۔ اکیسویں صدی کی جنگ ہے۔ (۷۵)

جارج ڈبلیو بش نے افغانستان پر حملے کے لئے بنائی جانے والی پوزیشن آف فورسز کے لئے پاکستان کے سابق صدر جنرل پرویز مشرف سے مدد مانگی۔ ابتداء میں یہ بات واضح نہیں ہوئی تھی کہ آیا پاکستان فوجی مدد دے گا یا صرف اڈے فراہم کرے گا یا امریکہ اپنی افواج کو وہاں تعینات کر سکے گا یا صرف اخلاقی مدد ملے گی۔ امریکی سابق نائب وزیر خارجہ رچرڈ آرمیٹیج کی پاکستان کی خفیہ ایجنسی آئی ایس آئی کے سربراہ لیفٹیننٹ جنرل محمود احمد درانی اور پاکستانی سفیر ملیحہ لودھی سے بھی بات چیت ہوئی۔

امریکی ترجمان نے کہا ہمیں پاکستان سے "معلومات اور حمایت" چاہیے۔ (۷۶)

اس کے علاوہ امریکی سینٹ کی خارجہ تحقیقات کمیٹی کے سربراہ سینیٹر بائیڈن نے محکمہ خارجہ کے اہلکاروں کے ہمراہ ۱۲ ستمبر ۲۰۰۱ء کو امریکہ میں پاکستان کی آئی ایس آئی کے سربراہ جنرل محمود سے ملاقات کی اور وارننگ دی۔ دو اطراف سے ایک کا انتخاب کرنا ہوگا۔ دوسرا کوئی سوال نہیں یا آپ ہمارے دوست ہیں یا دشمن۔(۷۷)

ادھر بروکنگ انسٹیٹیوٹ کے سربراہ اسٹیفن نے کہا کہ اگر پاکستان نے امریکہ کی مدد نہ کی تو وہ کشمیر پر بھارت کا دعویٰ تسلیم کرلے گا مزید برآں امریکی کانگریس کے ذرائع نے کہا کہ تعاون نہ کرنے پر پاکستان کو دہشت گرد قرار دیا جاسکتا ہے۔(۷۸)

ان بیانات کی روشنی میں یہ بات سمجھنا مشکل نہ ہوگی کہ پاکستان کس صورت حال سے دوچار تھا۔

اسلام آباد میں تین دن کے مسلسل مذاکرات کے بعد صدر جنرل پرویز مشرف کی حکومت، امریکہ کو اپنی مکمل حمایت کا یقین دلایا تاکہ دہشت گردی کے خلاف افغانستان کے گلوبل فوکس پر عالمی شور و غوغا کا رخ موڑا جاسکے اور اسے پاکستان کے لئے خوش قسمتی کا موقع بنایا جائے۔ اس طرح پاکستان کو عالمی برادری سے زیادہ سے زیادہ اقتصادی و سیاسی تعاون حاصل ہوا۔ امریکہ کی قیادت میں دہشت گردی کے خلاف جو عالمی اتحاد قائم ہوا ہے، پاکستان نے اپنے گیم پلان کے مطابق اس سے تعاون کرنے کی حدود طے کیں۔ پاکستان نے اپنی پوری حمایت کا اعلان کرتے ہوئے اس بات کو یقینی بنایا کہ اس کا ملک کے اندر مذہبی احساسات سے کوئی تصادم نہیں ہوگا۔ چند ہی روز میں مذہبی جماعتوں کے رہنماؤں سے حکومت نے مذاکرات شروع کئے اور حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ دہشت گردی کے خلاف عالمی برادری سے تعاون کسی قیمت پر بھارت کے لئے اسٹریٹیجک برتری کا باعث ہو، اس کے ساتھ ہی حکومت نے جہادی تنظیموں کے مسئلے پر از سر نو غور کیا۔(۸۰)

مشرف نے اصرار کیا کہ اس معاملے میں کوئی تاخیر نہیں کی جاسکتی۔ حکومت کو اپنی راہ نکالنے میں چھ گھنٹے لگے۔ مشرف نے یہ نقطہ نظر پیش کیا کہ پاکستان کی جانب سے ذرا بھی ٹال مٹول بھارت کو امریکہ کے ساتھ سودے بازی کا موقع فراہم کردے گی۔ کور کمانڈروں نے بھی بروقت یہی محسوس کیا۔(۸۱)

پاکستان کی فوجی قیادت نے جنرل پرویز مشرف کی صدارت میں جی ایچ کیو میں متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ پاکستان کو افغانستان سے منسلک دہشت گردی کے مسئلے پر امریکہ کا ساتھ دینا چاہئے تاہم فوجی حکومت نے امریکہ کو یہ باور کرانے کا تہیہ کیا کہ پاکستان، افغانستان کے خلاف اپنی سرزمین استعمال کرنے کی اجازت نہیں دے گا۔ پاکستان، امریکہ کو افغانستان کے اندر فوجی ایکشن سے باز رکھنے کی کوشش بھی کرے گا۔ جنرل پرویز مشرف کی حکومت نے امریکی حکومت کو پہلے ہی یہ واضح کردیا کہ امریکہ کی یہ توقع غیر فطری ہوگی کہ پاکستان کی فوج افغانستان کے خلاف کسی فوجی کارروائی میں امریکہ کے ساتھ ہوگی۔ حکام نے کہا کہ پاکستان، اقوام متحدہ یا بین الاقوامی اتحاد کی کسی بھی تجویز کا مثبت جواب دے گا۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان افغانستان کو ہر طرح کی سپلائیز بند کرنے کو تیار ہے تاہم ۱۴۰۰ میل لمبی پاک افغان سرحد سیل کرکے پابندیاں عائد کرنا، ناممکن ہوگا۔(۸۲)

۱۵ ستمبر ۲۰۰۱ء کو پرویز مشرف نے سیاستدانوں، علماء اور ہمسایہ ملک چین کے سفیر سے بھی ملاقات کی۔ وفاقی کابینہ اور قومی سلامتی کونسل کا مشترکہ اجلاس جنرل پرویز مشرف کی زیر صدارت ہوا جس میں افغانستان میں اسامہ بن لادن کے خلاف کارروائی کے لئے

امریکی تعاون کی درخواست پر غور کیا گیا۔ بعد ازاں اجلاس میں صورتحال کے متعلق اتفاق رائے سے پاکستان کا جواب طے پا گیا۔ اس سلسلے میں جنرل پرویز مشرف نے سیاستدانوں اور علماء سے الگ الگ ملاقاتوں میں صلاح مشورے کئے اور بعض اہم فیصلوں کی طرف جنرل پرویز کے دوست ممالک کے ساتھ بھی بات چیت میں پیش رفت ہوئی۔

اسی سلسلے میں سابق چینی سفیر لیوشی لن نے جنرل پرویز مشرف سے ملاقات کی۔ وہ کچھ دیر مشرف کے ساتھ رہے اور امریکہ پر دہشت گردی کے حملوں سے پیدا ہونے والی سلامتی کی موجودہ صورتحال پر تبادلہ خیال کیا۔ کے پی آئی کے مطابق قومی سلامتی کونسل اور وفاقی کابینہ کے اجلاس میں امریکہ میں دہشت گردی کے واقعات میں ہلاک ہونے والے شہریوں کی یاد میں ایک منٹ کی خاموشی اختیار کی۔ ان پاکستانیوں کے لئے فاتحہ خوانی کی گئی جو امریکہ میں دہشت گردی کے المناک واقعات میں جاں بحق ہو گئے ہیں۔ اجلاس کے دوران امریکی نیوز چینل سی این این کے کیمرہ مین کو کچھ دیر کے لئے کوریج کی خصوصی اجازت دی گئی۔ (۸۳)

پرویز مشرف نے علماء اور سیاستدانوں سے ملاقاتوں میں واضح کیا کہ پاکستان امن کا حامی اور دہشت گردی کے خلاف ہے، ہم بین الاقوامی سطح پر دہشت گردی کے خاتمے کے لئے عالمی کوششوں میں بھرپور تعاون کریں گے۔

پاکستان ہر قسم کی دہشت گردی کے خلاف ہے۔ اپنے اس نقطہ نگاہ سے ہم نے امریکہ اور باقی دنیا کو آگاہ کر دیا ہے۔ قومی اتحاد و یکجہتی کی جتنی ضرورت آج ہے پہلے کبھی نہیں تھی۔ موجودہ نازک اور حساس صورتحال کا تقاضا ہے کہ قوم متفقہ جواب دے۔ مجھے پوری امید ہے کہ پاکستانی حکومت، عوام اور سیاسی رہنما ایک متفقہ موقف اپنائیں گے۔ سابق صدر نے یقین دلایا کہ موجودہ حالات میں پاکستان جو بھی قدم اٹھائے گا وہ قوم کے بہترین مفاد میں ہو گا۔ اقوام کی زندگی میں آزمائش کے لمحات آتے رہتے ہیں۔ آج بھی ایسے لمحے آ گئے ہیں کہ ہم سب کو ذاتی مفادات سے بالاتر ہو کر قوم کے وسیع تر مفادات کے تحفظ کے لئے مشترکہ موقف اختیار کریں۔

ملک ایک نازک دور سے گزر رہا ہے، ہم جو بھی قدم اٹھائیں گے، وہ ملک کے لئے نہایت اہمیت کا حامل ہو گا۔ پاکستان کی سالمیت ہر چیز پر مقدم ہے، پاکستان ہے تو سب کچھ ہے، لہٰذا ہم سب کو مل جل کر ملک کی بقاء اور سلامتی کے لئے کام کرنا ہو گا (۷۴)۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ قوم میں اتحاد، یگانگت اور یکجہتی ہو، موجودہ نازک صورتحال کا تقاضا ہے کہ پوری قوم کا موقف ایک ہو، اس اتحاد اور یگانگت کے ساتھ ہم جو بھی متحدہ موقف اختیار کریں گے اور موجودہ صورت حال میں ہم جو بھی قدم اٹھائیں گے، وہ قوم کے عظیم تر مفاد میں ہو گا۔ انہوں نے علماء مشائخ سے کہا کہ وہ اپنے اپنے دائرہ اثر میں لوگوں کو صورتحال سے آگاہ کریں اور انہیں بہتر سوچ کی ترغیب دیں۔ (۷۵)

پاکستان کی افغان پالیسی، صلح حدیبیہ سے استشہاد...... تقابلی و تنقیدی جائزہ:

اس وقت کے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے صدر پرویز مشرف نے ۱۹ ستمبر ۲۰۰۱ء کو اپنے خطاب میں کہا۔

جن حالات سے پوری قوم گزر رہی ہے اور جو بین الاقوامی بحران آج کل اٹھا ہوا ہے، میں نے سوچا کہ میں آپ سب لوگوں کو پوری قوم کو اپنے خیالات میں شامل کروں۔ سب سے پہلے تو امریکہ میں دہشت گردی کے موقع پر ہزاروں جانوں کا نقصان ہوا ہے، ان کا مجھے، میری حکومت اور تمام پاکستانی قوم کو دلی رنج ہے۔ ہمیں زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ اس حادثہ میں تقریباً ۴۵ ملکوں کے لوگوں کی

جانیں ضائع ہوئی ہیں۔ ہر عمر کے لوگ ضعیف، بچے، خواتین یہاں تک کہ ہر مذہب کے لوگ اس میں جاں بحق ہوئے ہیں۔

مزید افسوسناک بات تو یہ ہے کہ تمام دنیا اس دہشت گردی کی حادثہ کی باتیں کر رہی ہے اور ہمارے ہمسایہ ملک جس سے پیس اور آپریشن کی باتیں ہو رہی تھیں، وہ پاکستان اور اسلام کو بدنام کر کے نقصان پہنچانا چاہتا ہے اگر آپ ٹیلی ویژن دیکھیں تو صبح، دوپہر شام ہمارے خلاف پروپیگنڈہ چل رہا ہے۔ ان کو میں یہ کہنا چاہتا ہوں Lay off پاکستانی افواج اور ہر پاکستانی فرد پاکستان کے دفاع سیاست اور پاکستان کے سٹرٹیجک اثاثوں کی سیفٹی کے لیے اپنی جان دینے کو تیار ہے کسی قسم کی غلط فہمی میں کوئی نہ رہے اس وقت پوری ایئر فورس ہائی الرٹ ہے اور وپ ڈاؤر ڈائی مشن کے لیے تیار ہے۔

اس صورت حال میں غلط فیصلے کے ناقابل برداشت نقصان ہو سکتا ہے ہماری کریٹیکل کنسرز یا ضروری ترجیحات کیا ہیں میری نظر میں چار ہیں سب سے پہلے ملک کی حفاظت اور سیاست ایکسٹرنل تھریٹ ہے، دوسرے نمبر پر ہماری معیشت جس کا ریوائیول کے لیے ہم کوشش میں لگے ہوئے ہیں تیسری چیز ہمارے اسٹرٹیجک اثاثے، نیوکلیئر ایٹمی میزائل اور کشمیر کاز، یہ چار ہمارے کریٹیکل کنسرن ہیں، ہمارے غلط فیصلے سے خدانخواستہ ان سب کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ فیصلہ لیتے ہوئے ہمیں ان تمام باتوں کو سامنے رکھنا ہوگا۔ فیصلے میں حق کی بالادستی ہونی چاہیے اور یہ فیصلہ اسلام کے عین مطابق ہونا چاہیے اس میں حق کی بالادستی ہے میں یہ کہنا چاہوں گا کہ جہاں ملک کے مفاد یا نقصان کا سوال ہو اس میں حکمت اور دانش مندی ہونی چاہیے اور اس موقع پر جرات اور بزدلی کا سوال نہیں ہے ہم سب دلیر ہیں ایسے مواقع پر میرا بھی پہلا رسپانس پہلا ری ایکشن جارحانہ ہوتا ہے لیکن بغیر سوچ کے دلیری بے وقوفی ہوتی ہے جرات اور حکمت میں کوئی بڑی تصادم نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتے ہیں جس کو حکمت عملی ملی ان کو اللہ کی بہت بڑی نعمت ملی۔ حکمت سے کام لینا ہے ابھی اپنے آپ کو نقصان سے بچانا ہے۔ ملک کے وقار کو بلند کرنا ہے۔ پاکستان کز فرسٹ ایوری تھنگ آفٹر۔ کچھ علماء اور مذہبی رہنما جذباتی فیصلے کی طرف مائل ہیں۔ میں ان کو اسلام کی پہلی چھ سال کی تاریخ یاد دلانا چاہتا ہوں۔ اسلام کا کیلنڈر ہجرت سے شروع ہوا یہ اہمیت ہجرت کی جب حضور اکرم ﷺ مکہ سے مدینہ گئے۔ اسلام کو بچانے کے لیے ہجرت کی دانش مندی سے اسلام کو بچانے کے لیے ہجرت کی انہوں نے (نعوذ باللہ) کیا یہ بزدلی تھی۔ یہ ٹریٹی چھ سال چلی اور ان چھ سالوں میں تین غزوات ہوئے، غزوہ بدر، غزوہ احد اور غزوہ خندق اس میں اہل مکہ جو کافر تھے ان سے یہ غزوات ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کیونکہ یہودیوں کے ساتھ پیس ٹریٹی کی تھی مسلمانوں کو فتح ملی اور کافروں کو شکست ہوئی۔ صدر مملکت نے کہا چھ سال یہودیوں نے دیکھا کہ اسلام طاقت ور ہو رہا ہے وہ پریشان ہوئے۔ اس پریشانی کے حال میں ان کا اہل مکہ کے ساتھ رابطہ شروع ہو گیا۔ جب حضور اکرم ﷺ نے ان دونوں دشمنوں کو اکٹھے ہوتے ہوئے دیکھا تو سن ۶ ہجری میں صلح حدیبیہ سائن کی۔ یہ صلح حدیبیہ ایک پیکٹ تھا۔ انہوں نے کہا کہ میں آپ سب کو اس پیکٹ کے خاص نکتہ کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ اس پیکٹ کے آخر میں جہاں دستخط کرنے تھے ادھر محمد رسول ﷺ لکھا تھا۔ کافروں نے ڈیمانڈ کیا کہ ہم آپ کو رسول اللہ نہیں مانتے تو اس کو کاٹیں۔ حضور ﷺ نے یہ مانا اور اس کو کاٹنے پر آمادہ ہو گئے لیکن حضرت عمرؓ نے کہا کہ تو ہم پھر کیوں اس پر دستخط کر رہے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ آپ جذبات سے بول رہے ہیں، دانش مندی اور حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ اس وقت ہم اس پر دستخط کر دیں تو اسی میں اسلام کا فائدہ ہے اور جیسے جیسے سال آگے آئیں گے آپ کو اس کا فائدہ ہوگا اور ایسے ہی ہوا۔

چھ مہینے مسلمانوں کی یہودیوں کے ساتھ جنگ ہوئی اور اس غزوہ خیبر میں مسلمانوں کو فتح ملی، یہ ممکن اس لیے ہوا کہ کافروں اور اہل مکہ کے ساتھ نو وار پیکٹ ہوا تھا انہوں نے حملہ نہیں کیا اور سن ۸ ہجری میں اللہ کے فضل وکرم سے فتح مکہ ہوئی۔ اس واقعہ سے ہم سبق نکالتے ہیں ۔سبق یہ ہے کہ جب بحران کی صورت حال ہو تو جذباتیت کے بجائے حکمت کا راستہ بہتر ہوتا ہے۔

مشرف نے کہا لہٰذا اس وقت ہم سب نے ایک اسٹریٹجک فیصلہ لینا ہے ایمان کی کمزوری یا بزدلی کا سوال نہیں ہے۔ پاکستان کے لیے تو جان بھی حاضر ہے اور مجھے پورا یقین ہے کہ ہر پاکستانی فرد کی جان حاضر ہے، دو جنگیں میں نے لڑی ہوئی ہیں خطرات دیکھے ہوئے ہیں بہت خطروں کا سامنا کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کبھی بزدلی نہیں دکھائی لیکن اس موقع پر خواہ مخواہ اپنے آپ کو نقصان پہنچانا ہے۔ 14 کروڑ عوام کا مستقبل تاریک نہیں کیا جاسکتا، ویسے بھی شریعت کی رو سے کہا جاتا ہے کہ اگر دو مصیبتوں کا وقت سامنا ہوتا ہو اور ان میں سے ایک کو چننا ہے تو چھوٹی مصیبت کا راستہ لینا بہتر ہوتا ہے۔ ہمارے کچھ ساتھیوں کو افغانستان کی بڑی فکر لگی ہوئی ہے میں ان کو بتانا چاہتا ہوں کہ مجھے اور میری حکومت کو ان سے کہیں زیادہ فکر ہے طالبان کی اور افغانستان کی۔ میں نے افغانستان کے لیے اور طالبان کے لیے کیا کچھ نہیں کیا جب کہ پوری دنیا ان کے خلاف ہے۔ میں نے ہر ملک کے لیڈر سے تقریباً ۲۰ سے ۲۵ لیڈروں سے میں نے طالبان کے حق میں باتیں کیں۔ میں نے کہا کہ ان پر پابندیاں نہیں لگانی چاہئے ان سے ہمیں انگیج کرنا چاہیئے۔ میں تمام ممالک کے لیڈروں کے سامنے ان کا موقف دوہراتا ہوں لیکن افسوس سے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے کسی دوست نے ہماری بات نہیں مانی یہاں تک کہ اب بھی اس صورتحال میں ہم ان کے ساتھ تعاون کرنے کی پوری کوشش کر رہے ہیں میں نے ڈی جی آئی ایس آئی کو اپنے پرسنل لیٹر کے ساتھ ملا عمر کے پاس بھیجا۔ پچھلے دو دن وہ ادھر رہ کر آئے ہیں اور میں نے ملا عمر کو صورت حال کی سنگینی کے بارے میں بتلایا۔ کوشش ہماری پوری ہے کہ اس سنگین صورت حال سے کسی طریقہ سے نکلا جائے جس میں افغانستان کا اور طالبان کا نقصان نہ ہو میری پوری کوشش ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ یہی رہے گی۔ یہاں تک کہ ہم امریکہ کو بھی کہہ رہے ہیں کہ وہ تحمل سے جو کچھ بھی ان کے ارادے ہیں اس میں تحمل دکھائیں اور اسامہ بن لادن کے سلسلے میں جو ثبوت ہیں وہ ہم ان سے مانگ رہے ہیں لیکن میں یہ پوچھنا چاہوں گا کہ ہم افغانستان اور طالبان کو کیسے بچاسکتے ہیں یا ان کا نقصان کیسے کم کرسکتے ہیں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ آپ کا فیصلہ یہی ہوگا کہ اقوام عالم کے ساتھ چل کر ہی ہم کچھ بہتری لاسکتے ہیں۔ صدر نے کہا کہ مجھے اس وقت صرف پاکستان کی فکر ہے میں پاکستان کا سپہ سالار ہوں اور میں پاکستان کے دفاع کو سب سے زیادہ ترجیح دیتا ہوں۔ کسی اور ملک کا دفاع اس کے بعد ہی ہوسکتا ہے۔ ہم پاکستان کے مفاد میں فیصلہ کرنا چاہتے ہیں ہمیں معلوم ہے کہ عوام کی بھاری اکثریت نے ہمارے فیصلوں کے حق میں ہے مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ کچھ عناصر ایسے بھی ہیں کہ جو اس موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے پرسنل ایجنڈے اپنے پرائی ایجنڈے کو آگے بڑھانا چاہ رہے ہیں۔ وہ ایک ایسا فساد پھیلانا چاہ رہے ہیں اور ملک کو نقصان پہنچانا چاہ رہے ہیں اس کی کوئی وجہ نہیں کہ یہ میناریٹی ایک کو یرغمال رکھے۔ میں تمام پاکستانی عوام سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ یونٹی اور یک جہتی دکھاتے ہوئے ایسے عناصر کو جو خواہ مخواہ ملک میں نقصان پہنچانا چاہیں ان کو دبائیں اور کامیاب نہ ہونے دیں۔ جنرل مشرف نے کہا اس موقع پر ہمیں دشمن کے عزائم کو ناکام بنانا ہے اور ہم نے ملک کے مفاد کو بچانا ہے۔ پاکستان کو اسلام کا قلعہ سمجھا جاتا ہے اور اگر خدانخواستہ اس قلعہ کو نقصان پہنچا تو اسلام کو نقصان پہنچے گا۔(۷۶)

بہر حال فیصلے نے پاکستان کو مالیاتی فائدے پہنچائے۔ جنوری ۲۰۰۲ء تک پاکستان نے قرضے کی چھوٹ اور سود کی ادائیگی کی ری شیڈولنگ کی مد میں ۳ ارب امریکی ڈالر کی بیرونی امداد بھی حاصل کر لی تھی۔(۸۷) اور اس فیصلے نے پاکستان کی بیلنس شیٹ کے ساتھ ساتھ مشرف کے بین الاقوامی سیاسی نقطۂ نظر پر بھی مثبت اثر ڈالا۔ ۱۱رستمبر سے قبل انہیں ایک فوجی حکمران خیال کیا جاتا تھا جسے بحالیٔ جمہوریت کی راہ ہموار کرنے کا اعلان ضروری کرنا تھا۔ ۱۱رستمبر کے بعد سے ان کی حیثیت بدل گئی، مغربی دنیا ان کے استحکام کی خواہش مند تھی۔(۸۸)

امریکی ورلڈ آرڈر اور اسلامی دنیا:

۹/۱۱ کے بعد بعض ماہرین کا خیال تھا کہ اس وقت دنیا میں بدامنی اور عدم اعتماد کی جو فضا پائی جاتی ہے اس سے تیسری عالمی جنگ کے امکانات پیدا ہوتے نظر آرہے ہیں۔ عالم اسلام کے سامنے یہ سوال گردش کر رہا تھا کہ کیا تیسری عالمی جنگ مسلمانوں کے خلاف ہوگی؟ کیونکہ عالمی طاقتیں دنیا کے مسلم ممالک پر اپنی مرضی مسلط کرتی چلی گئیں۔ فوجی قوت میں اضافے کی تدابیر ہونے لگیں۔ تخفیف اسلحہ اور دوسری کوششیں ناکام ثابت ہوگئیں۔ چنانچہ دنیا کی سیاست اس وقت نہایت خوفناک اور عجیب صورت اختیار کر چکی اور اب یہ ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہو گیا تھا کہ جنگ کے سوا کوئی تدبیر اسے انسانیت کے راستے پر لا سکے۔ عالمی طاقتوں کے رہنما بیک آواز میں کہہ رہے تھے کہ موجودہ حالت ایسی پیچیدہ ہے کہ تیسری عالمی جنگ لازمی امر تھا۔ اس وقت آج یورپ اور ایشیاء ایک ایسے آتش فشاں پہاڑ کے دہانے پر کھڑے تھے جو کسی وقت بھی پھٹ کر آگ برسا سکتا تھا۔ خصوصاً ایشیاء میں تو میدان جنگ بالکل تیار تھا۔ یہی امریکہ کا نیو ورلڈ آرڈر تھا جس کا مطلب تھا کہ دنیا میں امریکہ سب سے بڑی قوت ہے اور اس کا حکم چلے گا۔

بیسویں صدی کی ابتداء میں برطانیہ، فرانس، جرمنی، اٹلی، آسٹریا، روس، امریکہ اور جاپان سامراجیت کی جدوجہد میں شامل رہے حتی کہ افریقہ کی تقسیم میں وہاں کے اصل باشندوں کی بھی بالکل پروا نہیں کی گئی۔ ماضی میں سامراجی طاقتوں کے مفادات میں تصادم کی وجہ سے کئی بار یورپ میں جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی۔ بعد ازاں دوسری عالمی جنگ کے بعد امریکہ اور روس دو بڑی طاقتوں کی حیثیت سے ابھر کر سامنے آئے تھے۔ جس میں جاپان کو ایٹم بموں نے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا وہ امریکہ کا طفیلی ملک بن گیا اور ۱۹۹۰ء کے اواخر تک روسی شکنجوں میں جکڑا رہا۔ اس کے بعد یک قطبی نظام میں ایک نیا اقتصادی نظام وجود میں آیا۔ امریکہ اور روس بیرونی امداد کے ذریعے اپنا حلقہ اثر بڑھانے لگے۔ امریکہ اور روس یورپ کی قیادت کرنے لگے۔ سرد جنگ کی ۴۵ سالہ (۹۰۔۱۹۴۵ء) طویل کشمکش میں بالآخر امریکہ اپنے بے پناہ مادی مسائل کے بل بوتے پر روس کا شیرازہ بکھیر کر اسے پیچھے دھکیلنے میں کامیاب ہو گیا۔ درحقیقت امریکہ ابتداء سے ہی یہودی مزاج اور ہندو بنیا گری کی پالیسی پر چلنے والا ملک ہے، جو قرض دیتا ہے، سود لیتا ہے اور تیسری دنیا کے ممالک کو سود مرکب میں مبتلا کر کے نوآبادیاتی نظاموں کی سیاست کو اپنی گرفت میں کر لیتا ہے۔ امریکہ مذہب کے نام پر جان دینے والی اقوام کو "مذہب" ہی کے نام پر ان کے سرکردہ رہنماؤں کو بریف کرتا ہے اور دو مخالف و متضاد فرقوں کو برابر کی امداد دیتا ہے تاکہ دونوں متوازن انداز میں برسرپیکار رہیں اور جو غالب آجائے تو دوسرے کو تباہ کر دے تاکہ دو دشمنوں میں سے ایک کا وجود ختم ہو جائے۔

موجودہ عہد میں امریکہ کے لئے تین ایشیائی ممالک ایران، افغانستان اور پاکستان کا وجود نہایت اہم ہے اور تشویشناک بھی۔ لہٰذا افغانستان پر امریکہ اُس وقت اپنا تسلط قائم کرنے کے ساتھ ساتھ مشرق وسطیٰ کے خطے میں عراق پر قبضے کے بعد پورے مشرق وسطیٰ کو ایک نئی شکل دینے کیلئے کوشاں ہو گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ عالمی استعماری قوتوں نے نوآبادیاتی علاقوں کے وسائل کو نہ صرف اپنے مفادات کے لئے لوٹا ہے بلکہ خود حکومت کے احساس کو آزاد ذہنیت دینے کے بجائے غلامانہ ذہنیت پیدا کر دی، اپنے احکام منوانے کے لئے انہوں نے غریب ممالک کے عوام کا استحصال کیا جبکہ دوسری عالمی جنگ کے بعد اقوام متحدہ کے منشور کے تحت اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ کوئی بھی ریاست کسی دوسری ریاست کو اپنی نوآبادی نہیں بنائے گی، مگر اس کے باوجود عملی طور پر یہ سلسلہ ہمیشہ کی طرح جاری رہا۔

بدلتے ہوئے زمینی حقائق اور امریکی پالیسی میں تبدیلی کا امکان:

۲۰۰۱ء میں جب امریکا نے افغانستان پر حملہ کیا تو افغانستان کے حالات خراب ہوئے اور پھر دہشت گردی کے واقعات میں افغانستان پہلے نمبر پر آ گیا۔ ۲۰۰۳ء میں جب امریکا نے عراق پر شب خون مارا تو اس کے بعد سے عراق کا پہلا نمبر ہو گیا۔ جب سے پاکستان مبینہ دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ میں فرنٹ لائن اتحادی بنا ہے، ہمارے کمانڈو صدر مشرف نے سب کچھ پیش کیا تب سے وطن عزیز میں خودکش حملے شروع ہوئے۔ بم دھماکوں اور خودکش حملوں سے جہاں قیمتی جانی نقصان ہوا وہاں عالمی سطح پر ملکی ساکھ بُری طرح متاثر ہوئی۔ ملک میں بیرونی سرمایہ کاری کے امکانات ختم ہو کر رہ گئے۔ امن و امان عنقا ہو گیا۔ مشرف کی پالیسیوں کے نتیجے میں دہشت گردی کے واقعات میں دن بدن، سال بہ سال اضافہ ہی ہوتا رہا۔ ۲۰۰۸ء میں جب سے پاکستان کے اندرونی معاملات میں امریکی مداخلت بڑھی ہے بلیک واٹر کے اہلکاروں نے سر عام دندنانا شروع کیا اس کے بعد سے حالات خراب سے خراب تر ہی ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ ۲۰۰۹ء میں پاکستان دہشت گردی کے واقعات میں پہلے نمبر پر آ گیا۔

۲۰۱۰ء سے انشاء اللہ پاکستان کے حالات بہتر ہونا شروع ہو گئے ہیں جس کی طرف روزنامہ ''جنگ'' کے انوکھے اور خصوصی میگزین ''کیسا ہو گا ۲۰۱۰ء؟'' نے بھی اشارہ کیا۔ ۲۰۱۰ء میں پاکستان کے معاملات پر امریکا کی گرفت ڈھیلی ہو جائے گی اب ہم عالمی حالات کے تناظر میں ۲۰۱۰ء کو دیکھتے ہیں۔ دُور اندیشوں کا کہنا ہے ۲۰۱۰ء میں عالمی سطح پر بہت بڑی بڑی تبدیلیاں رونما ہونے والی ہیں جس کی ابتدا لاطینی امریکا کے ملک ''ہیٹی'' میں قیامت خیز زلزلے سے ہو چکی ہے۔ قدرتی آفات کی تاریخ سے پتا چلتا ہے آج پہلے اتنی کثرت سے زلزلے نہیں آتے تھے۔ احادیث میں قرب قیامت کی جو بڑی بڑی نشانیاں بتائی گئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے زلزلے اور طوفان کثرت سے آئیں گے۔ ہم دیکھ رہے ہیں زلزلوں، طوفانوں اور حادثات کی شرح تشویشناک حد تک اچانک بڑھ گئی ہے۔

۲۰۱۰ء میں چین کا دنیا پر اثر و رسوخ میں اضافہ ہو گا۔ امریکی معیشت تباہ ہونے کی وجہ سے دنیا کی نظر اب امریکا کے بجائے چین کی طرف ہی اٹھ رہی ہیں۔ اس خطے میں بھارت کی بالادستی کا خواب چکنا چور ہو جائے گا۔ اس کا آغاز بھارتی آرمی چیف دیپک کپور کی پاکستان اور چین کو برہنہ دھمکی سے ہو چکا ہے۔ اسی سال مشرق وسطیٰ میں بھی ڈرامائی تبدیلیاں رونما ہو سکتی ہیں، کیوں کہ اسرائیل کا پڑوسی ممالک کے ساتھ رویہ انتہائی جارحانہ ہے۔ وہ کسی وقت بھی متحد ہو کر اسرائیل پر چڑھ دوڑ سکتے ہیں۔ ترک وزیر اعظم طیب اردگان نے دو

ٹوک کہہ دیا ہے اسرائیل نے جارحانہ رویہ نہ بدلا تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ ۲۰۱۰ء میں افغانستان میں بھی گھمسان کا رن پڑنے والا ہے اوباما نے جن ۳۰ ہزار امریکی فوجیوں کو افغانستان بھیجنا تھا ان میں سے ۸۰ فیصد نے انکار کر دیا ہے۔ اس کے بعد سے امریکی پالیسی سازوں نے طالبان کو حکومت میں باقاعدہ شامل کرنے کا منصوبہ بنا لیا ہے تاکہ اس کے خلاف جارحیت اور نفرت میں کمی واقع ہو۔ اس خطے میں امریکی پالیسی کی ناکامی کی وجہ سے امریکی نمائندے ہالبروک بوکھلاہٹ کا شکار ہو چکے ہیں۔ تمام سفارتی آداب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے زہریلی دھمکیاں دے رہے ہیں۔ امریکی صدر اوباما نے بھی ''کیپٹل ہل'' میں ڈیموکریٹک ہاؤس سے خطاب کرتے ہوئے کہا: ''۲۰۱۰ء انتہائی اہم سال ہوگا۔ اس سال پے در پے آنے والے بحرانوں سے نکلنے میں شاید کامیاب ہو سکتے ہیں۔'' سوال پیدا ہوتا ہے کون سے بحران؟ وہ بحران جن میں اسامہ بن لادن کا اہم کردار ہے۔ آج سے ۳۰ سال پہلے شیخ عبداللہ عزام نے کہا تھا: ''پہلے ہم افغانستان سے روس کو نکالیں گے۔ اس کے بعد امریکی سامراج کو عرب دنیا بلکہ پوری مسلم دنیا سے نکال باہر کریں گے۔'' چنانچہ اس ایجنڈے کے تحت ۱۹۷۵ء سے وہ اس کام میں جت گئے۔ عالم اسلام سے لاکھوں مسلمان نوجوانوں لا لا کر افغانستان میں جمع کیا۔ ۱۹۸۶ء میں اس جنگ کا عروج تھا مسلمان نوجوان بڑھ چڑھ کر روسی ٹینکوں پر حملے کر رہے تھے۔ امریکی امداد تو آتی رہی، لیکن سوویت یونین کا دھڑن تختہ مسلمانوں نے خون کی روشنائی سے ہی کر لیا۔ امریکی چونکہ شیخ عبداللہ عزام کے اس منصوبے سے واقف تھے چنانچہ سی آئی اے نے ۱۹۸۹ء میں قتل کروا دیا۔ اسامہ بن لادن شیخ عبداللہ عزام کا اہم ترین شاگرد تھا۔ سرد جنگ کے خاتمے اور اپنے استاد کی شہادت کے بعد اسامہ نے اس جنگ کا ایک خاکہ تیار کر لیا اور پھر ''القاعدہ'' اس خاکے میں رنگ بھرنے کے لیے جت گئی۔ القاعدہ نے امریکا، یورپ سمیت پوری دنیا میں اپنے اطلاعاتی اور خفیہ ٹھکانے بنائے۔ ۱۹۹۶ء میں افغانستان پر طالبان کی حکومت آئی تو افغانستان کا اپنا ہیڈ کوارٹر بنا لیا یہاں بیٹھ کر امریکا کو کمزور کرنے کے لیے اس کی معاشی شہ رگ پر حملے کیے ان کا خیال تھا اس سے ایک طرف تو امریکا کی معیشت کمزور ہوگی تو دوسری طرف وہ طالبان پر حملے سے باز رہے گا۔ اسامہ بن لادن نے جو خاکہ تیار کیا تھا اس کے مطابق القاعدہ نے ورلڈ ٹریڈ سینٹر پر حملے کر کے امریکا کو انسانی تاریخ کی سب سے مہنگی اور سب سے خونیں جنگ میں دھکیل دیا۔ دس سالوں سے یہ خوفناک جنگ جاری ہے۔ دونوں طرف سے ہزاروں لاکھوں افراد مارے جا چکے، سیکڑوں معذور ہوئے اور ہزاروں لاپتا ہیں۔ القاعدہ کے خلاف جنگ لڑتے لڑتے امریکی معیشت کا دڑن تختہ ہو چکا ہے۔ سو سو سال قدیم بینک دیوالیہ ہو چکے ہیں۔ بے روزگاری کی شرح دن بدن بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے۔ اوباما کے صدر بننے کے بعد سے ۲۷ لاکھ امریکی بے روزگار ہو چکے ہیں۔ ۸۵ ہزار خاندانوں کی ملازمتیں ختم ہو چکی ہیں۔ امریکا کے اندر سے آزادی اور علیحدگی پسند تحریکیں تیز ہو چکی ہیں۔ افغانستان میں ناقابلِ تلافی جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑ رہا ہے، لیکن فتح اور کامیابی کے آثار تک نہیں ہیں۔ ایک بحران ختم ہونے سے پہلے دوسرے بحران میں امریکی پھنس جاتے ہیں۔ ۸ سال تک امریکا کے جنونی صدر بش اس بحران سے نکلنے کی کوشش کرتے رہے، لیکن ناکام و نامراد ہوئے۔ اس کے بعد اوباما صدر بنے تو انہوں نے تاریخ کی اس بدترین جنگ سے نکلنے کا اعلان کیا، لیکن اب وہ بھی دلدل میں دھنستے دکھائی دیتے ہیں۔ ''ٹورانٹو سن'' کے صحافی و دانشور ''ایرک مارگولیز'' نے اسی منظرنامے کو سامنے رکھ کر کہا ہے: ''اسامہ بن لادن اپنی حکمت عملی میں کامیاب دکھائی دیتے ہیں۔ ۱۵ سالہ جنگ کا نقشہ اسامہ کی کامیاب منصوبہ بندی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔'' آپ خود سوچیں! عنقریب جب امریکا افغانستان سے جائے گا تو اس کے پلے کیا رہ جائے گا؟ جانے کے بعد امریکا فاتح کہلائے گا یا افغانستان کے مزاحمت کار؟ کیا اس کے بعد ''واحد سپر پاور'' کی موجودہ حیثیت رہے گی؟ کیا امریکا اس قابل ہوگا کسی دوسرے پر حملہ کر سکے؟ اس کی سیاسی پالیسی خود بخود تبدیل ہو جائے گی لہٰذا آئندہ سال ہنگامہ خیز ہونے کے ساتھ ساتھ نتیجہ خیز بھی ہونے کا بھرپور امکان ہے۔ (۹۰)

حالیہ زمینی حقائق اور پاکستانی مؤقف میں تبدیلی کا امکان:

جنرل ضیاء الحق کو اس بات کا قوی خدشہ تھا کہ سوویت یونین کی فوجیں افغانستان سے کبھی واپس نہیں جائیں گی اور امریکا بھی اس علاقے سے اس وقت تک واپس نہیں جائے گا جب تک وہ سوویت یونین سے ویت نام کا بدلہ نہیں لے لیتا۔ چنانچہ جنرل صاحب کے پاس کوئی پلان "B" نہیں تھا کہ اگر وہاں جنگ ختم ہو جائے تو کیا ہوگا؟ اور پھر پاکستان اس کے عواقب سے کیسے نبرد آزما ہوگا۔ جنرل ضیاء کی طرح جنرل پرویز مشرف کے پاس بھی کوئی پلان "B" نہیں تھا کہ اگر امریکا کسی وجہ سے اس علاقے سے نہ جاسکا تو ہم اس صورت میں کیا کریں گے؟ چنانچہ جنرل مشرف نے ایک طرف طالبان حکومت کو ختم کروانے میں امریکا کا بھرپور ساتھ دیا اور دوسری طرف طالبان کی بھرپور امداد جاری رکھی۔ اس پالیسی کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ جب امریکی فوجیں افغانستان سے واپس چلی جائیں تو طالبان پاکستان کے اتنے شکر گزار ہوں کہ اس خطے میں پاکستان کے ایک مستقل اتحادی کی حیثیت سے ابھریں اور افغانستان میں ہندوستان کا عمل دخل مکمل طور پر ختم کر دیں۔ سابق صدر بش کے آخری برسوں تک یہ حکمت عملی بڑی کامیاب رہی، لیکن آخر کار سابق حکومت کی یہ پالیسی پکڑی گئی اور تقریباً ہر روز حکومت کو امریکی وارننگ ملنے لگی کہ "ڈو مور" اور پھر ڈرون حملے شروع ہو گئے۔ لیکن سب بے سود ہے اور طالبان کمزور نہ ہوئے۔

بعض ماہرین کے مطابق ایسا لگتا ہے کہ حالیہ تیزی سے بدلتے ہوئے زمینی حقائق نے امریکی ورلڈ آرڈر کو تبدیلی پر مجبور کرنا شروع کر دیا ہے۔ شمالی کوریا اور ایران آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر رہے ہیں، افغانستان میں بھی جنگ کا نقشہ تبدیل ہو رہا ہے اور امریکہ شدید معاشی، سیاسی اور عسکری مسائل سے دوچار نظر آ رہا ہے۔ حالیہ دور کی یہ ایک درخشاں حقیقت ہے کہ اب افغان جنگ کے نو سال کے بعد امریکہ کو شدت کے ساتھ یہ احساس ہو چکا ہے کہ اس سرزمین پر امریکا کا جنگ جیتنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے، لہٰذا نئے امریکی صدر بارک اوباما نے جو کہ "تبدیلی" کا نعرہ لگا کر امریکا کے نئے منتخب صدر بنے ہیں، اب اپنی نئی امریکی پالیسی کے حوالے سے وضاحت کی ہے کہ امریکا ۲۰۱۱ء سے افغانستان میں سے اپنی فوجوں کا انخلا شروع کر دے گا۔ پاکستان، افغانستان اور ایران جس خطے میں واقع ہیں ۲۰۱۰ء ان تینوں ملکوں کے لیے انتہائی نازک اور فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے۔ اس صورت حال کے پس منظر میں حال ہی میں ان تینوں ملکوں کے وزرائے خارجہ کا اجلاس اسلام آباد میں منعقد ہوا، جس میں پاکستان، ایران اور افغانستان نے ایک دوسرے کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہ کرنے اور اپنی سرزمین ایک دوسرے کے خلاف دہشت گردی کے لیے استعمال نہ کرنے پر اتفاق کر لیا ہے۔ تینوں ممالک نے اس حوالے سے مستقبل کے روڈ میپ پر دستخط بھی کر دیے ہیں۔ تینوں ممالک کے وزرائے خارجہ کی جانب سے علاقائی سلامتی کے لیے منظم طور پر مؤثر اقدامات کرنے، انسداد دہشت گردی کے لیے تعاون بڑھانے پر اتفاق کیا گیا۔ پاکستانی وزیر خارجہ کے مطابق سہ ملکی مذاکرات کا مشترکہ اعلامیہ خطے میں قیام امن کے لیے کلیدی کردار ادا کرے گا۔ افغانستان میں امن خطے میں امن کی ضمانت ہے۔ انہوں نے کہا کہ علاقے میں امن کا قیام اور درپیش چیلنجز سے نمٹنے کے لیے جامع حکمت ناگزیر ہے، لہٰذا خطے میں مختلف مسائل کے بارے میں باہمی مشاورت جاری رکھنے کا فیصلہ بھی کیا گیا۔ اس موقع پر افغان وزیر خارجہ رنگین دادفر سپانتا نے کہا کہ پاکستان اور افغانستان میں اعتماد کی بحالی ہماری ذمہ داری ہے جب کہ ہمیں یکساں نوعیت کے مسائل کا سامنا ہے۔ ہم ان دوست ممالک کے شکر گزار ہیں جو افغانستان میں قیام امن کی کوششوں کے لیے سرگرم عمل ہیں۔ افغانستان کو ایک طویل عرصے سے تباہی کا نشانہ بنایا جا رہا ہے اس موقع پر ایران کے وزیر خارجہ منوچہر متقی نے کہا کہ افغانستان کو اس وقت شدید مشکلات کا سامنا ہے اور خطے میں قیام امن کے لیے افغانستان میں امن انتہائی ضروری ہے، علاقائی حکمت عملی ہی مسئلے کا درست حل ہے۔ تینوں ممالک میں دہشت گردی کے خاتمے کے لیے مشترکہ اقدامات ضروری ہیں کیوں کہ تینوں ممالک کی سرحدیں آپس میں ملتی ہیں۔

افغانستان میں امن کے لیے علاقائی حکمت عملی ہی مسئلے کا درست حل ہے۔ فساد کی جڑ یہی ہے کہ اس خطے میں امریکا سمیت بیرونی

طاقتیں ایک طویل مدت سے مسلسل مداخلت کر رہی ہیں جس کی ایک بڑی اور بنیادی وجہ اسٹیبلشمنٹ کا بالادست کردار ہے اگر پاکستان میں جمہوری نظام مضبوط ہوتا تو ہمارے خطے کی صورتحال اتنی بدترین نہ ہوتی جو آج ہو گئی ہے۔ بہرحال یہ خوش آئند بات ہے کہ تینوں ممالک نے اپنی اپنی سرزمین ایک دوسرے کے خلاف دہشت گردی کے لیے استعمال نہ کرنے پر اتفاق کر لیا ہے، کیوں کہ جیسا کہ ہم آگاہ ہیں کہ ماضی میں پاکستان، افغانستان اور ایران کو ایک دوسرے سے مسلسل شکایات رہی ہیں۔ کاش بھارت بھی اپنی ہٹ دھرمی اور پاکستان مخالف پالیسی چھوڑ کر اس مذاکراتی عمل میں شامل ہو جاتا تو یقیناً یہ خطے میں قیام امن کے لیے اس کا اہم کردار ہوتا لیکن ۹/۱۱ کے بعد سے بھارت کی طرف سے مسلسل پاکستان کے خلاف جو پروپیگنڈا ہوتا رہا ہے اس کا سلسلہ اب وقت کے ساتھ ساتھ شدت اختیار کرتا جا رہا ہے، جس کے سبب پاکستان کی موجودہ حکومت بھی اپنی افغان پالیسی میں کوئی نئی تبدیلی نہ کر سکی ہے بلکہ آج بھی ملک افغان جنگ کے حوالے سے مشرف پالیسی پر کاربند ہے اور دہشت گردی کے خلاف جنگ میں امریکہ کا مسلسل اتحادی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اب افغان جنگ کے حوالے سے زمینی حقائق بدلتے جا رہے ہیں اور یہ تبدیل ہوتے ہوئے زمینی حقائق امریکا کو افغانستان سے فوجوں کے انخلاء اور مذاکرات کی میز پر لانے کے لیے مجبور کر چکے ہیں اور امریکا کو اپنا حشر افغانستان میں روس کی طرح ہوتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ آج اوباما انتظامیہ کی پالیسی کے اعلانات سے واضح ہوتا جا رہا ہے کہ امریکا اپنی تاریخ پر لگے ویت نام جنگ کی شکست کے داغ کو اب دوبارہ افغانستان میں شکست کے بعد دہرانا نہیں چاہتا ہے، اس لیے صدر اوباما نے "تبدیلی" کا نعرہ لگایا اور امریکی عوام نے اوباما کو منتخب کر لیا اور آج اوباما بھی کچھ عرصے بش پالیسی کو جاری رکھنے کے بعد اب فوجی انخلاء اور مذاکرات کی بات کر رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ افغانستان میں پھر ایک نئی تاریخ رقم ہونے جاری ہے اور مورخ کا قلم پھر ایک سپر پاور کے افغانستان سے بے آبرو ہو کر نکالے جانے کی تاریخ دہرانے کے لیے بے تاب ہے۔ ان حالات میں بدلتے ہوئے حالات کے پس منظر میں اس بات کا بھی قوی امکان ہے کہ کچھ عرصے کے بعد پاکستان حکومت بھی افغان جنگ کے حوالے سے اپنے ۹/۱۱ کے بعد والے موقف میں بدلتے ہوئے زمینی حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے بڑی تبدیلی کرلے تاہم ابھی پاکستان کے اندرونی اور بیرونی مسائل اور خدشات اس بات کے متحمل ہوتے دکھائی نہیں دے رہے ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے بڑا خدشہ تو پاکستان کو بھارت کی جانب سے حملے اور جنگ کی آگ میں جھونکے جانے کی بدولت ہے جس سے ہولناک ایٹمی جنگ چھڑ سکتی ہے۔ اس خدشے کے سبب پاکستان آج بھی امریکہ کی خوشنودی کے لیے اس کا فرنٹ لائن اتحادی بنا ہوا ہے، لیکن اگر آئندہ وقت افغانستان سے امریکا کا فوجی انخلاء ہوتا ہے یا اس کو شکست کا سامنا کرنا پڑتا ہے تب یقیناً یہ ایک بڑا واقعہ ہوگا جس کے انسانی عسکری و سیاسی تاریخ پر یقیناً گہرے اثرات مرتب ہوں گے اور یہ بھارت جیسے ہٹ دھرم ملک کے لیے بھی ایک سبق ہوگا اور وہ جنگ یا جارحیت جیسی غلطی سے باز رہے گا تب یقیناً پاکستان کے لیے بھی اپنی پرانی افغان پالیسی اور نئے موقف کو اختیار کرنا آسان ہو جائے گا جس کی بدولت خطے میں مزید اچھے اثرات مرتب ہونے کا قوی امکان ہے، کیوں کہ امریکا اب اس جنگ کے نو سال کے بعد تھک ہار کر طالبان سے مذاکرات اور ان کو حکومت میں شامل کرنے کی باتیں کر رہا ہے جب کہ طالبان کا موقف بڑا صاف اور واضح ہے ان کا کہنا ہے کہ پہلے امریکا اور اس کے اتحادی افغانستان سے اپنی فوجیں نکالیں کیوں کہ بدامنی کی اصل وجہ افغانستان میں بیرونی سیاسی و عسکری مداخلت ہی ہے، لہٰذا

اتحادی فوجوں کے انخلاء کے بعد افغانستان کے ساتھ ساتھ پورے خطے میں امن خود بخود قائم ہو جائے گا اس طرح اب وہ وقت دور نظر نہیں آتا کہ جب پورے خطے میں امن وامان کا دور دورہ ہو جائے۔(۹۱)

امت مسلمہ کے اہم مسائل اور ان کا حل:

اسوۂ نبوی ﷺ سے حاصل راہ نمائی کی روشنی میں:

ایا ایک حقیقت ہے کہ ''آج'' کا دامن اسلام اور امت مسلمہ کے لئے ایک یقینی روشن مستقبل کے بھرپور مکانات سے بریز ہے۔یہ ضرور ہے کہ آج کل جو حوادث و واقعات پیش آ رہے ہیں وہ مایوسی پیدا کرتے ہیں، ناکامی ومظلومیت اور پس ماندگی کی خبر دیتے لگتے ہیں۔اپنا افتراق وانتشار اور اختلاف اور اس کے تباہ کن نتائج دیکھ کر دل بیٹھنے لگتے ہیں۔اغیار کی سیاسی، فوجی اور ابلاغی قوت وبالادستی اور ان کے مکر وفریب کی کامیابی دیکھ کر حوصلے پست ہونے لگتے ہیں، لیکن اس سب کے باوجود، ہمارے اس یقین میں کوئی کمی نہیں آتی کہ کل کا سورج طلوع ہوگا تو ہمارے لئے عزت وسربلندی اور ترقی کی خوشخبری لے کر آئے گا۔

یہ روشن مستقبل کب طلوع ہوگا؟ یہ ہم نہیں کہہ سکتے۔اس کا علم اس کے علاوہ کسی کے پاس نہیں ہے، جس کے پاس غیب کی ساری کنجیاں ہیں۔اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں سے نصرت وفتح کا قطعی وعدہ فرمایا:

﴿إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنصُورُونَ ۝ وَإِنَّ جُندَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ﴾ (۹۲)

ان کی مدد کی جائے گی اور ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا۔

لیکن ساتھ ہی یہ بھی واضح فرمایا: ''اے نبی! صبر کرو، اللہ کا وعدہ برحق ہے۔اب خواہ تمہارے سامنے ہی ان کو ان کا کوئی حصہ دکھا دیں جن سے ہم انہیں ڈرا رہے ہیں، یا (اس سے پہلے) تمہیں دنیا سے اٹھالیں''۔(۹۳) ہمارے ساتھ بھی لنعم الاعلمون اور لیستخلفنهم کے وعدے ضرور پورے ہو کر رہیں گے، خواہ ہماری آنکھیں کامرانی کا یہ منظر نہ دیکھ سکیں۔جو بات ہم پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ روشن مستقبل کے حصول کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے سیرت طیبہؐ سے کامل رہنمائی۔(۹۴)

تاریخ کی روشنی میں ذرا غور کیجئے تو معلوم ایسا چلتا ہے کہ زمین گھوم کر وہیں آ پہنچی ہے، جہاں وہ رسول اللہؐ کے زمانے میں تھی، جب روم اور فارس کی سلطنتیں موجود تھیں۔یہ سلطنتیں بوڑھی اور کمزور ہو چکی تھیں، جب کہ وہ اپنی طاقت میں مگن تھیں اور کسی دوسری طاقت کو خاطر میں نہ لاتی تھیں۔انہوں نے غور نہ کیا کہ اسلام عرب کے دلوں میں ایک طاقت بن کر داخل ہو چکا ہے بلکہ وہ عربوں کو دیسی ہی سمجھتی رہیں جیسا کہ وہ دور جاہلیت میں تھے۔انہوں نے اسلام کے پیغام کو اس قدر حقیر جانا کہ کسریٰ نے یمن میں اپنے گورنر کو لکھا: ''میں نے سنا ہے کہ مکہ میں ایک شخص ہے جو اپنے آپ کو رسول سمجھتا ہے۔جاؤ اور اسے پکڑ کر میرے سامنے پیش کرو(۹۵)۔اس کے چند سالوں بعد جب مدینہ میں اسلامی ریاست قائم ہو گئی تو آنحضرتؐ نے کفار مکہ سے حکمت وبصیرت پر مبنی صلح حدیبیہ فرمائی جو کہ درحقیقت فتح مبین ثابت ہوئی اس کی بدولت ایک طرف مسلمانوں کو یہود مدینہ کی سازشوں سے نجات حاصل ہوئی جبکہ دوسری جانب یہی صلح فتح مکہ کا سبب بنی اور اسلام دور دراز علاقوں تک پھیلتا ہی چلا گیا۔

صلح حدیبیہ کے بعد رسول اللہؐ نے بادشاہوں کی طرف سفیر بھیجے، تو کسریٰ نے اس پیغام کو پھاڑ دیا جو قاصد اس کی طرف لے کر گیا تھا۔ دراصل یہ اس کے تخت کے پرزے پرزے ہونے کی علامت تھی، جیسا کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا:

مزق اللہ ملکہ (۹۶) اللہ نے اس کے تخت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

تکبر اسے تباہ کر دیتا ہے جو اس میں مبتلا ہو جائے، خواہ وہ کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو۔ (۹۷) دنیا کی سب سے بڑی طاقت کی حقیقت اس وقت یہی ہے۔ پس مسلم امہ کو دنیا میں دوبارہ غلبہ حاصل کرنے کے لئے سیرت طیبہ کی روشنی میں از سر نو عہد نبوی کی طرز حکمرانی اور نظام خلافت راشدہ کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنے ماضی کو دوبارہ سے دہرائیں، جدید علوم کے حصول کو یقینی بنائیں، سائنس و ٹیکنالوجی میں مہارت حاصل کریں، اپنی معیشت کو مستحکم کریں اور اسلامی طرز حیات کو اپنائیں، پس پھر وہ دن دور نہیں کہ ہماری عظیم ترین ریاست واپس لوٹے گی اور چار دانگ عالم میں حق اور عدل کو پھیلائے گی۔ وبشر المومنین (۹۸) اور ایمان والوں کو خوشخبری سنا دیجئے۔ امت مسلمہ کے اسی غلبے کی بشارت رسول اللہؐ نے دی۔

ثم تکون خلافة علی منهاج النبوة۔ پھر نبوت کے نقش قدم پر خلافت قائم ہوگی۔ (۹۹)

❁❁❁

حواشی و حوالہ جات

(۱) Jamaluddin Ahmed, Speech and writen of mohammad Ali Jinnah, Lahore 1976, PPA33

(۲): خان روشن خان، افغانوں کی نسلی تاریخ، روشن ایجنڈ کو کراچی ۱۹۸۱ء، صفحہ نمبر ۸۲

(۳) L.B Poullada, "Pushtunistan in Asistic" Pak. western Boarderlands, Royal Karachi 1979. PP

(۴): احمد سلیم شیخ، افغان مہاجرین کا جائزہ، سنگ میل پبلی کیشن لاہور، ۱۹۸۹ء، صفحہ نمبر ۱۱۳

(۵) احمد حسین شاہ، پاک افغان تاریخی جائزہ، مکتبہ دانیال کراچی ۱۹۷۷ء، صفحہ نمبر ۱۷۳

(۶) نصر اللہ غلزئی، افغانستان ماضی اور حال کے تناظر میں، سوسو پبلی کیشن کراچی ۱۹۸۸ء، صفحہ نمبر ۷۷

(۷) پروفیسر رفیع اللہ شہاب، پاکستان کے پچاس سال، مقبول اکیڈمی پبلشرز لاہور ۱۹۹۲ء، صفحہ نمبر ۷۷

(۸) ڈاکٹر محمد حامد، سامراجیا سے افغانستان، جنگ پبلشرز لاہور ۱۹۹۲ء، صفحہ نمبر ۱۲۸

(۹) احمد حسن، افغانستان حقائق کی روشنی میں، عوامی ادب پبلی کیشن کراچی ۱۹۸۷ء، صفحہ نمبر ۷۹

(۱۰) جوزپولوسکی، وسط ایشیا میں روس کے عزائم، مشاورلینڈ کویت ۱۹۸۶ء، صفحہ نمبر ۱۷۰

(۱۱) اعجاز فاروقی، افغانستان کا فکری بحران، مقبول اکیڈمی لاہور ۱۹۸۶ء، صفحہ نمبر ۱۰۷

(۱۲) ایم ساجد، افغانستان دوراہے پر، پاکستان ادب پبلی کیشن کراچی ۱۹۸۹ء، صفحہ نمبر ۸۳

(۱۳) مصطفیٰ کمال پاشا، فتح افغانستان، جنگ پبلشرز لاہور ۱۹۹۲ء، صفحہ نمبر ۲۲۷

(۱۴) شمیم خان، پاکستان کی خارجہ پالیسی، عوامی ادب پبلی کیشن ۱۹۸۴ء، صفحہ نمبر ۳۳۲

(۱۵) سلیم یزدانی، ہماری خارجہ پالیسی اور ملکوں سے تعلقات، سوسو پبلی کیشن کراچی ۱۹۸۹ء، صفحہ نمبر ۳۱۹

(۱۶) Munir Mohammad, From Jinnah to Zia National Book Foundation Krl.

(۱۷) Agha Shahi, Pakistan security and Foreign Policy, IIS Studies Islamabad 1987,

(۱۸) مصطفیٰ کمال پاشا، فتح افغانستان، جنگ پبلشرز لاہور ۱۹۹۲ء، صفحہ نمبر ۲۲۷

(۱۹) ضیاء الاسلام انصاری، ضیاء شخصیت اور کارنامے، جنگ پبلشرز لاہور ۱۹۹۰ء، صفحہ نمبر ۱۲۲

(۲۰) پروفیسر غفور احمد، ضیاء کے آخری دس سال، جنگ پبلشرز لاہور ۱۹۹۳ء، صفحہ نمبر ۲۷۵

(۲۱) Farikjan, Foreign Policy Debate, Institute of policy studies, Book Promotrs, Islamabad

(۲۲) محمد یوسف، شکست روس، جنگ پبلشرز لاہور ۱۹۹۲ء، صفحہ نمبر ۱۱۵

(۲۳) شوکت علی، بھٹو ضیاء اور عوام، فرنٹیئر پوسٹ پبلشرز لاہور ۱۹۹۲ء، صفحہ نمبر ۳۹

(۲۴) شبیر ابن عادل، ضیاء کے دس سال، شبلی پبلی کیشن کراچی ۱۹۸۹ء، صفحہ نمبر ۷۸

(۲۵) محمد یوسف، خاموش مجاہد، جنگ پبلشرز لاہور ۱۹۹۲ء، صفحہ نمبر ۶۸

(۲۶) شبیر ابن عادل، ضیاء کے دس سال، شبلی پبلی کیشن کراچی ۱۹۸۹ء، صفحہ نمبر ۸۹

(۲۷) محمد یوسف، خاموش مجاہد، جنگ پبلشرز لاہور ۱۹۹۲ء، صفحہ نمبر ۸۵

(۲۸) متقی علی محمد، افغان جنگ اور امریکہ، روزنامہ جنگ کراچی ۲۰ ستمبر ۱۹۸۹ء، صفحہ نمبر ۹

(۲۹) مسعود محمود، پاکستان کی خارجہ پالیسی، جنگ پبلشرز لاہور ۱۹۸۸ء، صفحہ نمبر ۱۲۵

(۳۰) محمد یوسف، خاموش مجاہد، جنگ پبلشرز لاہور ۱۹۹۱ء، صفحہ نمبر ۷۵

(۳۱) ضیاء الاسلام انصاری، ضیاء شخصیت اور کارنامے، جنگ پبلشرز ۱۹۹۰ء، صفحہ نمبر ۳۱۰

(۳۲) شہیر ابن عادل، ضیاء کے دس سال، شبلی پبلی کیشن کراچی، ۱۹۸۹ء، صفحہ نمبر ۵۰

(۳۳) جنرل فیض علی چشتی، بھٹو ضیاء اور میں، جنگ پبلشرز لاہور ۱۹۹۱ء، صفحہ نمبر ۱۱۰

(۳۴) محمد یوسف خاموش مجاہد، جنگ پبلشرز، لاہور ص ۹۰

Tariq Jaw/ Forgin Policy Debate Book Promotors Islamabad 1999-p-125(۳۵)

Islamabad (۳۶)21: Dr. Ejaz Hussain, Issue in Pakistan, Insitute of Pakistan Stratagic Studies 1989, PP75

(۳۷) جنرل فیض چشتی، بھٹو ضیاء اور میں، جنگ پبلشرز لاہور ۱۹۹۱ء، صفحہ نمبر ۱۲۵

(۳۸) ایضاً

24. Farikjan, Foreign Policy Debate, Book Promoters, Islamabad, 1993, PP.125(۳۹)

(۴۰) مصطفیٰ کمال پاشا، فتح افغانستان، جنگ پبلشرز لاہور ۱۹۸۲ء، صفحہ نمبر ۱۷۹

26: Firdous Zubbair Ahmed, Eagle oret Pakistan, IPS, Islamabad, 1992, PP 215(۴۱)

(۴۲) عرفان صدیقی، جنرل اختر عبدالرحمن، جنگ پبلشرز، ۱۹۸۸ء، صفحہ نمبر ۱۲۵

(۴۳) امتیاز عالم، افغانستان کا مستقبل، روزنامہ جسارت کراچی، ۲۰ دسمبر ۱۹۹۱ء، صفحہ نمبر ۸

(۴۴) شہیر ابن عادل، ضیاء کے دس سال، شبلی پبلی کیشن کراچی، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۷۷

30:K.M. Arif, Pakistan Zia Period, Feroz Sons, Lahore, 1993, PP. 325-372(۴۵)

(۴۶) مسعود محمود، پاکستان کی خارجہ پالیسی، جنگ پبلشرز، لاہور ۱۹۸۸ء، صفحہ نمبر ۲۳۶

(۴۷) شہیر ابن عادل، ضیاء کے دس سال، شبلی پبلی کیشن کراچی، ۱۹۸۹ء، صفحہ نمبر ۱۳۷

33: M. Arif, Pakistan Zia Period, Feroz Sons, Lahore, 1993, PP.275(۴۸)

Ibid(۴۹)

(۵۰) جاوید احمد صدیقی، مسعود و جرنیل، شبلی پبلی کیشن کراچی، ۱۹۸۸ء، صفحہ نمبر ۱۲۷

(۵۱) مصطفیٰ کمال پاشا، فتح افغانستان، جنگ پبلشرز لاہور ۱۹۹۲ء، صفحہ نمبر ۱۹۱

(۵۲) ایضاً

38: K.M. Arif Pakistan, Zia Period, Feroz Sons, Lahore, 1993, PP. 288(۵۳)

(۵۴) جاوید احمد صدیقی، مسعود و جرنیل، شبلی پبلی کیشن کراچی، ۱۹۸۸ء، صفحہ نمبر ۱۸۸

(۵۵) مسلم سجاد، آج کا افغانستان، ماہنامہ ترجمان القرآن، لاہور، ستمبر ۲۰۰۳ء، ص ۸۷۔

(۵۶) مقصود اقبال، طالبان کی واپسی، علم و عرفان پبلشرز، مئی ۲۰۰۷ء، ص ۱۵۔

(۵۷) کرسٹینا لیمب، مترجم محمد یحییٰ خان، طالبان کا افغانستان، نگارشات پبلشرز لاہور، ۲۰۰۷ء، ص ۹۱۔

(۵۸) طارق اسماعیل ساگر، افغانستان پر کیا گزری؟، طاہر سنز لاہور، مارچ ۲۰۰۷ء، ص ۳۶۔

(۵۹) احمد رشید، مترجم حمید جہلمی، طالبان: اسلام، تیل اور سازشوں کا کھیل، جمہوری پبلیکیشنز لاہور، ص ۳۳۔

(۶۰) حبیب اللہ رفیع، مختصر تاریخ افغانستان، ص ۱۰۹

(۶۱) عاشق محمد خان درانی، پروفیسر ڈاکٹر، تاریخ افغانستان، سنگ میل پبلیکیشنز لاہور، 1999ء، ص ۱۰۹۔

(۶۲) ولیم بلم، مترجم سید ناصر علی، بدمعاش امریکہ، سچ پبلشرز لاہور، جنوری ۲۰۰۳ء۔

(۶۳) اوون بینیٹ جونز، مترجم یاسر جواد، پاکستان طوفان کی زد میں، تخلیقات لاہور، مئی ۲۰۰۳ء، ص ۱۵۔

(۶۴) رفیق انجم، امریکہ پر حملہ، دار الشعور لاہور، اکتوبر ۲۰۰۱ء، ص ۳۱۔

(۶۵) مشتاق احمد قریشی، اسلام دشمنی اور امریکہ، روزنامہ جنگ کراچی، ادارتی صفحہ، ۱۷ نومبر ۲۰۰۶ء۔

(۶۶) طارق مجید، عالمی طاغوتی کھیل میں مکر و فریب کا راج، ماڈرن پبلشرز لاہور، ۲۰۰۷ء، ص ۸۹۔

(۶۷) نوم چومسکی، سرکش ریاستیں، جمہوری پبلشرز لاہور، جون ۲۰۰۴ء، ص ۳۳۔

(۶۸) نوم چومسکی، دہشت گرد امریکہ، طیب پبلشرز لاہور، مئی ۲۰۰۶ء، ص ۵۴۔

(۶۹) نوم چومسکی، ریاستی دہشت گردی، جمہوری پبلشرز لاہور، اپریل ۲۰۰۳ء، ص ۴۷۔

(۷۰) ریاض احمد، ڈاکٹر، مغربی یلغار، تخلیقات لاہور، اکتوبر ۲۰۰۶ء، ص ۹۴۔

(۷۱) ہیری جونز، دالیس ادیب، مترجم ڈاکٹر امان اللہ قریشی، صلیبی جنگیں، تخلیقات لاہور، ص ۳۶۔

(۷۲) محمد طارق، پروفیسر، کمزور ریاستیں میدان جنگ میں، تخلیقات لاہور، ص ۷۵۔۷۶۔

(۷۳) اوون بینیٹ جونز، مترجم یاسر جواد، پاکستان طوفان کی زد میں، تخلیقات لاہور، مئی ۲۰۰۳ء، ص ۱۵۔۱۶۔

(۷۴) عبداللہ ملک، احوال عالم اور جنرل پرویز مشرف، نیو پبلشرز لاہور، ۲۰۰۷ء، ص ۶۱۔

(۷۵) رشید جمیل، سانحہ نیویارک اور امریکہ، روزنامہ جنگ کراچی، ۲۰ ستمبر ۲۰۰۱ء۔

(۷۶) مسلم سجاد، آج کا افغانستان، ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور، ستمبر ۲۰۰۳ء، ص ۸۹۔

(۷۷) ایضاً، ص ۹۱

(۷۸) علی جاوید نقوی، پاکستان میں امریکی سازشیں، ہیومن لیگ شعور لاہور، جولائی ۲۰۰۳ء، ص ۱۵۱۔

(۷۹) معروف صحافی ارشاد احمد حقانی کا تبصرہ، روزنامہ جنگ کراچی، ادارتی صفحہ، مورخہ ۱۲ ستمبر ۲۰۰۱ء۔

(۸۰) محمود مرزا، تاریخ ساز دورانیہ اور جنرل مشرف، روزنامہ ایکسپریس کراچی، ادارتی صفحہ ۲۱ مارچ ۲۰۰۷ء۔

(۸۱) اوون بینیٹ جونز، مترجم یاسر جواد، پاکستان طوفان کی زد میں، تخلیقات پبلشرز لاہور، مئی ۲۰۰۳ء، ص ۱۴۔۱۷۔

(۸۲) ثروت جمال اصمعی، افغان پالیسی بدلنا بھی اب امریکہ کی مجبوری ہے، روزنامہ جنگ کراچی، ادارتی صفحہ۔

(۸۳) عبداللہ ملک، احوال عالم اور جنرل پرویز مشرف، نیو پبلشرز لاہور، ۲۰۰۷ء، ص ۴۳۔

(۸۴) ایضاً، ص ۷۹۔۸۰۔

(۸۵) خورشید احمد، پروفیسر، پاکستان۔ خوف، دباؤ، بیرونی مداخلت اور بلیک میلنگ کی زد میں، ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور، نومبر ۲۰۰۶ء، ص ۹

(۸۶) رفیق انجم، امریکہ پر حملہ، دارالشعور لاہور، اکتوبر ۲۰۰۱ء، ص ۱۴۷ تا ۱۵۳۔

(۸۷) اوون بینیٹ جونز، مترجم یاسر جواد، پاکستان طوفان کی زد میں، تخلیقات پبلشرز لاہور، مئی ۲۰۰۳ء، ص ۱۷۔

(۸۸) ایضاً، ص ۱۸۔

(۸۹) الطاف احمد، نیا امریکی ورلڈ آرڈر اور اسلامی دنیا، روزنامہ جنگ کراچی، ادارتی صفحہ ۱۰ دسمبر ۲۰۰۶ء۔

(۹۰) انور غازی، کیسا ہوگا دو ہزار دس؟، روزنامہ جنگ کراچی، ادارتی صفحہ ۲۲ جنوری ۲۰۱۰ء

(۹۱) اسد نقوی، پاکستان، افغانستان اور ایران: سامراجی عزائم، روزنامہ ایکسپریس لاہور، ادارتی صفحہ ۲۵ جنوری ۲۰۱۰ء

(۹۲) القرآن الحکیم سورۃ الصفٰت ۳۷: ۱۷۳ تا ۱۷۲

(۹۳) القرآن الحکیم سورۃ المؤمن آیت ۷۷

(۹۴) حالات حاضرہ کی روشنی میں امریکہ، برطانیہ اور روس کی مثال ہیں لیکن ان کا انجام بھی روم اور فارس ہی کی شکل ہوگا۔

(۹۵) نصیر احمد ناصر، ڈاکٹر، پیغمبر اعظم و آخر، فیروز سنز لاہور، ص ۵۹۴

(۹۶) ابن رشد القرطبی، البدایہ والنہایہ، کتاب دلائل النبوۃ، فصل فی ترتیب الاخبار بالغیوب المستقبلہ، دار ابن کثیر الطبعۃ الدولی، ۲۰۰۷ء، ۱۴۲۸ھ، جلد ۴، ص ۴۸۹

(۹۷) تھوڑے ہی عرصے بعد کسریٰ (خسرو پرویز) اپنے بیٹے شیرویہ کے ہاتھوں ہلاک ہوا اور پھر اس کی سلطنت کے پرخچے اڑ گئے۔ (الطبری، ۲: ۱۰۴۷)

(۹۸) القرآن الحکیم سورۃ یونس: ۸۷

(۹۹) مسند الامام احمد بن حنبل حدیث النعمان بن بشیر عن النبی رقم الحدیث ۱۸۴۰۶ (مسند نعمان بن بشیر بن سعد الانصاری الخزرجی) اطراف مسند الامام احمد حنبل جلد ۵، ص ۴۰۳، دار ابن کثیر ...... دار الکلم الطیب الطبعۃ الاولی ۱۴۱۴ھ۔ ۱۹۹۳ء

باب پنجم
فصل پنجم
عصرِ حاضر میں مسلم اُمّہ کے مسائل اور ان کا حل......
صلح حدیبیہ کی روشنی میں

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ "اُمّتِ مسلمہ" دورِ حاضر میں ان گنت مسائل اور بے شمار چیلنجز سے دوچار ہے، اسلام کی پوری تاریخ میں اُمّتِ مسلمہ کو عروج و زوال، متعدد مسائل اور چیلنجز کا سامنا رہا ہے، چنانچہ کبھی فتنۂ تاتار نے ہماری عظمت و شوکت کو تاراج کیا، علم و حکمت کے اسلامی مرکز بغداد کے سقوط سے عظیم علمی روایات اور ثقافتی ورثے کو خطرات لاحق ہوئے، تو کبھی قرطبہ و غرناطہ اور اندلس کی عظیم اسلامی میراث زوال پزیر ہوئی۔ اقبال نے اس کے متعلق کہا تھا:

دہل جاتے تھے جن سے شہنشاہوں کے درباروں میں تھے　　بجلیوں کے آشیانے جن کی تلواروں میں تھے
غلغلوں سے جس کے لذت گیر اب تک گوش ہے　　کیا وہ تکبیر اب ہمیشہ کے لیے خاموش ہے!(۱)

بالآخر ۲۸ رجب ۱۳۴۲ھ بمطابق ۳ مارچ ۱۹۲۴ء کو اُمّتِ مسلمہ کے عظیم مرکز اور مثالی اسلامی مملکت "خلافتِ عثمانیہ" کا خاتمہ ہُوا، اس طرح اُمّتِ مسلمہ کے دینی و ملی اتحاد، شان و شوکت، سطوت و عظمت اور طویل دورِ اقتدار اور حکمرانی کا خاتمہ ہوا، جس کے متعلق اقبال نے کہا:

لے گئے تثلیث کے فرزند میراثِ خلیل　　خشتِ بنیادِ کلیسا بن گئی خاکِ حجاز
ہوگئی رسوا زمانے میں کلاہِ لالہ رنگ　　جو سراپا ناز تھے، ہیں آج مجبورِ نیاز

اس وقت سے اُمّتِ مسلمہ بے پناہ مسائل اور چیلنجز سے دوچار ہے، تاہم دورِ حاضر میں اسے جو مسائل اور چیلنجز درپیش ہیں، زیرِ نظر فصل میں اسوۂ نبوی، سیرتِ طیبہ اور اسلام کی مثالی ہدایات و تعلیمات کی روشنی میں اس حوالے سے جائزہ پیش کرتے ہوئے اس کا حل اور تدارک پیش کیا گیا اور موضوع پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ مسائل اور چیلنجز کا احاطہ کرتے ہوئے علمی اور تحقیقی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

اُمّتِ مسلمہ کی تاسیس:

اسلام کی وسعت پذیری اور ہمہ گیری نے جب مختلف رنگ و نسل سے وابستہ قوموں، گروہوں اور افراد کو اپنے دامن میں سمیٹا تو ان کی انفرادی شناخت کو تسلیم کرتے ہوئے انہیں ایک معاشرتی شناخت عطا کی۔ یہ شناخت نسلی، گروہی، علاقائی اور لسانی علامتوں سے متصادم نہیں تھی، بلکہ ان پر محیط تھی اور ان کو اپنے جلو میں لے کر چلنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ اس لیے کہ یہ شناخت نظریاتی تھی۔ قرآنِ کریم نے اس شناخت کی بنیاد رکھ دی تھی، جب اس نے یہ اعلان کیا:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ﴾(۲)

اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے، پھر تمہیں مختلف گروہ اور قبیلے بنایا تاکہ تم ایک دوسرے کی شناخت کر سکو۔ اللہ کے ہاں تم میں سے زیادہ قابل تکریم وہ ہے، جو زیادہ متقی ہے۔

انسانی معاشرت کا ارتقاء مشیت ایزدی کو مطلوب ہے۔ معاشرت کی مادّی تنظیم اور اس کا تنوع انسان کی محنت، ضرورت اور تسکین کا ذریعہ ہے۔ اسے اس نے اپنے ماحول کے مطابق پروان چڑھانا ہے۔ اس کا استحکام وزوال اور اس کی ترقی وانتشار خالصتاً قوانین فطرت کے مطابق ہے۔ الٰہی مداخلت اسی وقت ہوتی ہے جب کوئی بڑا انقلاب مطلوب ہوتا ہے۔ انسانی معاشرت منظم ہوتی ہے، ترقی کرتی ہے اور زوال پذیر ہو جاتی ہے۔ اس کی جگہ نئی معاشرت وجود میں آتی ہے اور یوں یہ سلسلہ چلتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میں ایک پہلو ایسا رکھا ہے، جس کا تعلق اخلاقی وروحانی قوانین سے ہے۔ یہ وہ بنیادی ضوابط ہیں، جن سے کسی معاشرے کی صحت کا جائزہ لیا جا سکتا ہے۔ ربانی اصطلاح میں یہی ضوابط وہ معیارات ہیں، جن کو نظر انداز کر کے معاشرے بالآخر زوال پذیر ہو جاتے ہیں۔ انسانی معاشرت کے مختلف مراحل ہیں، ایک مرحلہ وہ ہے جہاں معاشرہ تمام مادّی شناختوں سے بالاتر ہو کر ایک اخلاقی روحانی اور فکری ونظریاتی مقام حاصل کرتا ہے، وہ مقام ہے جہاں نسلی، لسانی گروہی اور علاقائی نسبتیں ایک بڑی نسبت میں گم ہو جاتی ہیں، یہ ایک مثبت، نفع بخش اور تعمیری نظم معاشرت ہے، جو وسیع تر انسانی بنیادوں پر منظم ومستحکم ہوتی ہے۔ یہی وہ تنظیم جسے قرآن اُمّت کہتا ہے۔ اسلام نے انسانی اجتماعیت میں اس تنظیم کو متعارف کرایا جو نظریاتی وروحانی ہے اور یہ حیات انسانی میں تعمیری کردار ادا کرنے کے لیے تشکیل دی گئی ہے۔ اسے صرف اور صرف اسلام کا اختصاص اور اس کی انفرادیت سمجھنا چاہیے۔

اسلام میں اُمّت کا تصور۔ لغوی اور اصطلاحی مفہوم:

''اُمّت'' ایک خصوصی اسلامی تصور ہے، جو اسلام کے نظریاتی ومعاشرتی پہلوؤں کا مظہر ہے۔ اس خصوصی تصور کی بنا پر مسلمان دنیا میں منفرد اجتماعیت کے حامل ہیں۔

''اُمّت'' کے لغوی معنی جماعت، گروہ اور طریقے کے ہیں۔ مشہور ماہر لغت ابن منظور الافریقی کے بقول: ''الامۃ'': الجیل والجنس من کلّ حی۔(۳)

اُمّت کے معنی ہر جاندار کے گروہ یا جنس کے ہیں۔ کلّ جیل من النّاس ھم امۃ علیٰ حدۃ(۴) لوگوں کا ہر گروہ علیحدہ اُمّت ہے۔

الائمۃ والامّۃ: الشرعۃ والدّین وفی التنزیل انّا وجدنا آباء ناعلی أمّۃ۔ (۵) اُمّت کے معنی شریعت اور دین کے ہیں، جیسے قرآن مجید میں ہے: ہم نے اپنے آباء کو ایک دین پر پایا۔

قرآن مجید میں اُمّت اور اس کے متعلقات چونسٹھ دفعہ استعمال ہوئے ہیں اور اسے کئی معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ مطلق

جماعت یا گروہ کے معنی میں بھی اور جو زندگی کی علامت رکھتے ہیں، جیسے انسانوں کی جماعت یا گروہ کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔
قرآن میں ہے:

﴿لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ﴾ (۶)

ہر گروہ کے لیے ایک وقت مقرر ہے، وہ وقت جب آجاتا ہے تو ایک گھڑی بھی دیر نہیں کر سکتے اور نہ جلدی کر سکتے ہیں۔
قرآن کریم میں ایک اور مقام پر فرمایا گیا:

"وما من دآبۃ فی الارض ولا طئر یطیر بجناحیہ الا امم امثالکم." (۷) اور زمین پر جو چلنے پھرنے والا یا دو پروں سے اڑنے والا جانور ہے، ان کی بھی تم لوگوں کی طرح جماعتیں ہیں۔
ایک مقام پر فرمایا گیا:

﴿تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (۸)

یہ جماعت گزر چکی ان کو وہ ملے گا جو انہوں نے کیا اور جو تم نے کیا اور جو عمل وہ کرتے تھے، ان کی پرسش تم سے نہیں ہوگی۔ خاص گروہ کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس حوالے سے ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ﴾ (۹)

اور تم میں سے ایک جماعت ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور بُرے کاموں سے منع کرے۔
قرآن کریم نے مختلف گروہوں کا ذکر کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ آپؐ سے پہلے کئی امتیں گزر چکی ہیں۔ مثلاً:

﴿كَذَٰلِكَ أَرْسَلْنَاكَ فِي أُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهَا أُمَمٌ لِّتَتْلُوَ عَلَيْهِمُ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَٰنِ﴾ (۱۰) اور اسی طرح ہم نے آپ کو ایک امت میں جس سے پہلے کئی امتیں گزر چکی ہیں بھیجا تاکہ آپ ان کو وہ کتاب جو ہم نے آپ کی طرف بھیجی ہے، پڑھ کر سنائیں اور وہ رحمٰن کا انکار کرتے ہیں۔
اسی طرح نظریاتی گروہ کے لیے بھی امت کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے، قرآن ابراہیم علیہ السلام کو ایک امت قرار دیتا ہے۔ یعنی ربانی ہدایت پر چلنے والا گروہ۔ ارشاد ہوا:

﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلَّهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ (۱۱) بلاشبہ، ابراہیم ایک امت تھے، اللہ کے فرماں بردار اور اس کی طرف یکسو اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔
یہ آیت واضح کرتی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اپنی ذات میں وہ صفات رکھتے تھے جو ربانی ہدایت یافتہ خدا ترس امت میں پائی جا سکتی ہیں۔ لہٰذا وہ فرد ہونے کے باوجود ایک امت کا نمونہ تھے، اس لیے انہیں امت کہا گیا۔ (۱۲)
امت کے تصور میں دو باتیں خاص طور پر قابل غور ہیں، ایک یہ کہ اس کی اساس نظریہ اور تصور پر قائم ہے، اس میں نسل، خاندان یا جغرافیائی وحدت فیصلہ کن نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کے لیے ایک شخصی قیادت کا وجود ضروری ہے، جو اس کے مادی وجود کو مجتمع

رکھتا ہے۔ مسلمانوں کے لیے نبی محمد کریم ﷺ کی شخصیت امت کے اجتماعی وجود کے لیے ناگزیر ہے۔ امت کے لیے نسل، رنگ یا جغرافیائی حدود ضروری نہیں، کیوں کہ یہ اجزاء قومیت کے وجود کے لیے ناگزیر قرار دیے گئے ہیں۔ قوم کی نظریاتی سمت بعد میں متعین ہوتی ہے، نسلی اور وطنی اساس پہلے طے ہوتی ہے امت کا مادی تشخص اس کی نظریاتی اساس کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے، اس لیے نظریاتی وحدت اور عقیدے کی یگانگت امت کے وجود کے لیے ناگزیر ہے۔

قرآن یہ بتاتا ہے کہ آغاز میں انسانیت ایک امت تھی۔ بعد میں اختلافات پیدا ہوئے اور ایک امت مختلف امتوں میں تبدیل ہوگئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ﴾ (۱۳) اور سب لوگ پہلے ایک ہی امت تھے پھر جدا جدا ہو گئے اور اگر ایک بات تمہارے پروردگار کی طرف سے پہلے ہو چکی نہ ہوتی تو جن باتوں میں وہ اختلاف کرتے ہیں ان میں فیصلہ کردیا جاتا۔ یعنی مشیت الٰہی میں یہ طے شدہ ہے کہ انسانیت امتوں میں تقسیم ہوگی وہ بہ جبر تمام لوگوں کو ایک امت نہیں بنانا چاہتا۔ انسانوں کے اختیار و ارادہ کی آزمائش ہے کہ وہ کس طرح عمل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِن يُضِلُّ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَلَتُسْأَلُنَّ عَمَّا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ (۱۴) اگر اللہ چاہتا تو تم کو ایک ہی جماعت بنا دیتا، لیکن وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جو عمل تم کرتے ہو ان کے بارے میں تم سے ضرور پوچھے گا۔

اللہ کے اس نظام میں جہاں کئی امتیں اپنا اپنا کردار ادا کرتی رہی ہیں، ایک نئی امت تشکیل دی گئی، یہ امت سب سے آخری امت ہے، اسی امت کی آرزو اور دعا ابراہیم علیہ السلام نے کی تھی۔ کعبۃ اللہ کی بنیاد کو اٹھاتے ہوئے یہ دعا ان الفاظ میں کی گئی۔ ﴿رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ﴾ (۱۵)
اے پروردگار ہم کو اپنا فرمانبردار بنائے رکھیو اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا مطیع بنائے رکھیو اور پروردگار ہمیں ہمارے طریق عبادت بتا اور ہمارے حال پر توجہ فرما بے شک تو توجہ فرمانے والا ہے۔ اس سے اگلی آیت میں حضور اکرم ﷺ کی بعثت کے سلسلے میں دعا کا ذکر ہے۔ گویا مشیت الٰہی نے ایک نئی امت کی تشکیل کا جو فیصلہ کیا تھا، اس کے لیے ابراہیمؑ کی آرزومندی کو بنیاد بنایا۔

قرآن مجید نے اس امت کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ (۱۶) جتنی امتیں لوگوں میں پیدا ہوئیں، تم ان میں سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

دوسری جگہ فرمایا: ﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾ (۱۷) اور اسی طرح ہم نے تم کو امت معتدل بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو۔

امتِ مسلمہ کی تشکیل: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور مشیتِ ایزدی کے فیصلے کا نتیجہ بعثتِ نبویؐ تھا۔ نبی کریم ﷺ کے اعلانِ نبوت سے ایک نئی جماعت وجود میں آنی شروع ہوئی۔ مکہ مکرمہ میں یہ جماعت نشوونما پاتی اور تربیت کے مراحل سے گزرتی رہی۔

ہجرت مدینہ نے اُمت کے استحکام کو نیا موقع عطا کیا۔ یہیں پر یہ اُمت تشکیل پذیر ہوئی۔ اس کے تمام خدوخال واضح ہوئے۔ یہ ایک منفرد اُمت کی حیثیت سے پروان چڑھی۔ اس کی تشکیل میں ان تمام عوامل کو دخل ہے جو کسی بھی اُمت کی تشکیل کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ یہ اُمت ایک روحانی اساس پر منظم ہو رہی تھی۔ جس کو خاتم النبیین ﷺ کی پیغمبرانہ شخصیت کی قائدانہ رہنمائی اور سرپرستی حاصل تھی۔

اُمت مسلمہ کے لیے نبی کریم ﷺ کی شخصیت کی حیثیت مرکزی ہے۔ انہی کے نام پر اس اُمت کا تشخص اور اس کی پہچان قائم ہے۔ شخصیت کے علاوہ نظریے کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اگر اُمتِ مسلمہ کے تشکیلی اجزا کو بیان کیا جائے تو وہ تین بنتے ہیں۔ نظریہ، شخصیت اور مادّی مرکز اجتماعیت۔ اگر غور کیا جائے تو نظریہ اساس فراہم کرتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی شخصیت ایک انسانی نمونہ مہیا کرتی ہے اور کعبۃ اللہ اجتماعیت کو مرکزیت عطا کرتا ہے۔ (۱۸)

اُمتِ مسلمہ کی خصوصیات و امتیازات:

اُمتِ مسلمہ ایک خصوصی جماعت ہونے کی وجہ سے بعض امتیازات کی حامل ہے جو کسی اور جماعت کو حاصل نہیں۔ ان امتیازات کے باعث یہ اُمت اپنا تشخص برقرار رکھنے میں کامیاب ہوئی ہے، گو اسے کئی مشکلات کا سامنا رہا ہے۔ بالخصوص دورِ حاضر میں اسے شدید بحرانوں کا سامنا ہے۔ ذیل میں ان امتیازات کو بیان کیا جا رہا ہے جن کی بنا پر یہ اُمت دوسری اقوام سے مختلف، منفرد اور ممتاز ہے۔

(۱) اُمتِ مسلمہ کی اوّلین خصوصیت ربانی رہنمائی ہے۔ یہ اُمت وحی الٰہی کی رہنمائی پر مستحکم ہوئی ہے، دنیا کی کسی جماعت کو یہ اساس میسر نہیں ہے۔ ایک رب، ایک رسول اور ایک قبلہ اسے ایک وحدت عطا کرتا ہے۔ وحی الٰہی کا اتباع ایک واجب امر ہے جو پیغمبرؐ سے لے کر عام مومن تک ہر شخص کے ایمان کا جز ہے۔

وحی الٰہی کا ادارہ پوری انسانی تاریخ میں موجود رہا ہے۔ ربّانی ہدایت یہ ایک ایسا ذریعہ ہے، جو وحدت فکر انسانی مہیا کرتا ہے۔ قرآن نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

﴿کَذٰلِکَ یُوْحِیْٓ اِلَیْکَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ اللّٰہُ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ﴾ (۱۹) غالب و دانا اسی طرح تمہاری طرف وحی بھیجتا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں کی طرف بھیجتا رہا۔

چوں کہ وحی الٰہی فکری وحدت کا منبع ہے، اس لیے حضور اکرم ﷺ کو بتایا جا رہا ہے کہ وہ اس کے ذریعے انسانوں کی رہنمائی کریں۔

﴿وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰکِنْ جَعَلْنٰہُ نُوْرًا نَّھْدِیْ بِہٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَاِنَّکَ لَتَھْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ (۲۰) اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے آپ کی طرف روح القدس کے ذریعے پیغام بھیجا۔ آپؐ نہ تو کتاب جانتے تھے، نہ ایمان کو، لیکن ہم نے اس کو نور بنایا ہے کہ اس سے ہم اپنے بندوں میں جس کو چاہتے ہیں، ہدایت کرتے ہیں۔ اور بلاشبہ آپؐ سیدھا راستہ دکھاتے ہیں۔

قرآن مجید وحی الٰہی کا آخری ایڈیشن اور ہدایت ربّانی کا جامع مجموعہ ہے۔ مسلمانوں کو حکم ہے کہ وہ اسی سے وابستہ رہیں اور اس سے رہنمائی حاصل کرنے پر ان کی مستند دینی زندگی کا دارومدار ہے۔

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾ (۲۱) اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو اور گروہ تقسیم نہ ہو جائے۔ مفسرین کے مطابق حبل اللہ سے مراد قرآن مجید ہے جو مسلمانوں کی فکری وحدت کی شاہ کلید ہے۔

(۲) اس امت کی دوسری خصوصیت ہے کہ یہ نسلی تفریق کو ناجائز سمجھتی ہے۔ قرآن نے اس کی رہنمائی کرتے ہوئے بتایا کہ تمام انسانوں کی تخلیق کا نقطۂ آغاز ایک جوڑے کی پیدائش سے ہے۔ اس سے پوری انسانیت کی تخلیق و توسیع ہوئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ﴾ (۲۲) اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور پھر تمہیں مختلف گروہ اور قبیلے بنایا، تا کہ تم ایک دوسرے کی شناخت کر سکو۔ اللہ کے ہاں تم میں سے وہ شخص زیادہ قابلِ تکریم ہے جو زیادہ متقی ہے۔

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً﴾ (۲۳) اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا پھر ان دونوں سے مردوں اور عورتوں کی ایک بڑی تعداد پھیلا دی۔ حضور اکرم ﷺ نے اپنے مشہور خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا تھا: ''ایھا الناس! الا انّ ربّکم واحد وانّ اباکم واحد''۔ (۲۴) لوگو سنو! بلاشبہ تمہارا رب ایک اور تمہارا باپ ایک ہے۔

اسی خطبہ میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''لا فضلَ لعربيٍّ علیٰ اعجميٍّ ولا لعجميٍّ علیٰ عربيٍّ ولا لاحمر علیٰ اسود ولا لاسود علیٰ احمر الّا بالتقوىٰ'' (۲۵)

کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں، نہ عجمی کو عربی پر نہ گورے کو کالے پر نہ کالے کو گورے پر سوائے تقویٰ کے۔

اگر چہ امت میں جغرافیائی، لسانی اور نسلی تعصبات در آئے ہیں اور ان کی وجہ سے امت مسلسل نقصان اٹھا رہی ہے تاہم اس کے اجتماعی ضمیر نے ان تعصبات کو قبول نہیں کیا اور فکری لحاظ سے یہ امت اب بھی دنیا کی سب سے زیادہ روادار اور انسان دوست جماعت ہے۔ (۲۶)

(۳) امتِ مسلمہ کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایمان رکھنے والے لوگوں کو عالمگیر اخوت کا احساس دلاتی ہے۔ ایمان اور نظریہ کی بنیاد پر تمام مسلمان آپس میں بھائیوں کا درجہ رکھتے ہیں۔ اخوت ایک روحانی اور ایمانی رشتہ ہے جو مادی رشتوں سے زیادہ اہم ہے۔ قرآن مجید نے کہا: انما المومنون اخوۃ (۲۷) بلاشبہ تمام مومن بھائی بھائی ہی ہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے اہلِ ایمان کو حکم دیا کہ وہ معاشرتی برائیوں میں مبتلا ہو کر باہمی تعلقات کو خراب کرنے کی بجائے رشتۂ اخوت کو مضبوط کریں۔ کونوا عباداللہ اخوانا (۲۸)

اللہ کے بندو سب بھائی بھائی بن جاؤ۔ (۲۹) ☆ ''عن النُّعمان بن بشیرؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ: تری المُؤمنین فی تراحمهم وتوادّهم وتعاطفهم کمثل الجسد اذا شتکیٰ عضو تداعی له سائر الجسد بالسّهر والحمیٰ۔'' (۳۰)

حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تو ایمان والوں کو آپس کی رحمت، محبت اور مہربانی میں ایک جسم

کی مانند دیکھے گا۔ جب کسی عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو تمام بدن کے اعضا بیداری اور تپ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

☆ وعنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: المؤمنون کرجل واحد ان اشتکیٰ عینہٗ اشتکیٰ کُلّہ وان اشتکیٰ رأسہٗ اشتکیٰ کُلّہٗ"(۳۱)

انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمام مسلمان ایک آدمی کی مانند ہیں، اگر اس کی آنکھ میں تکلیف ہوتی ہے تو سارا بدن تکلیف محسوس کرتا ہے اگر سر دکھتا ہے تو سارا بدن دکھنے لگتا ہے۔

☆ "عن ابی موسیٰؓ عن النبیؐ قال: المؤمن للمؤمن کالبنیان یشدّ بعضہٗ بعضاً ثم شبک بین اصابعہ"۔(۳۲)

ابو موسیٰؓ، نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: مومن مومن کے لیے مکان کی مانند ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے۔ پھر آپؐ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالیں۔

(۴) اُمتِ مسلمہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ اعتدال پرور اُمت ہے اور افراط و تفریط سے پاک ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾(۳۳) اور اس طرح ہم نے تمہیں ایک میانہ رو اُمت بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ بن سکو اور رسول ﷺ تم پر گواہی دے۔

اسی اعتدال اور میانہ روی اور خیر و بھلائی کے فروغ اور بدی کو روکنے کی صلاحیت کے باعث اسے بہترین اُمت قرار دیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾(۳۴) تم بہترین اُمت ہو، جسے لوگوں کے لیے تشکیل دیا گیا ہے کہ تم معروف کا حکم دیتے ہو اور منکر سے روکتے ہو۔

اعتدال افراط و تفریط کی درمیانی راہ ہے۔ قرآن نے اُمتِ مسلمہ کو اعتدال پرور اُمت (Moderate) قرار دیا ہے۔ اعتدال اس اُمت کی بنیادی خصوصیت ہے۔

(۵) انسانی تاریخ میں اللہ کی سنت یہ رہی ہے کہ وہ ہر رسول کی بعثت کے ساتھ ایک اُمت کی تشکیل بھی کرتا رہا ہے۔ یہ اُمت اس پیغام کی امین ہوتی اور پیغمبر کی عطا کردہ تعلیمات کے مطابق نظام تشکیل دیتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ چونکہ اس سلسلے کی آخری کڑی اور انبیاء کی جماعت میں آخری نبیؐ ہیں، اس لیے آپ کی اُمت بھی آخری اُمت قرار پائی۔ آپ کا ارشاد ہے:

"نحن أخر الأمم۔"(۳۵) ہم آخری اُمت ہیں۔ اسی طرح ایک اور روایت میں ہے۔"انا آخر الانبیاء و انتم آخرُ الأمم۔"(۳۶)

میں آخری نبیؐ ہوں اور تم آخری اُمت ہو۔

آخری اُمت ہونے کی وجہ سے یہ آخری پیغام کی بھی امین ہے، اسی لیے اس نے نہ صرف اس پیغام کو تھامے رکھنا ہے بلکہ اسے آگے پہنچانے کے لیے ہمیشہ سرگرم رہنا ہے چونکہ حضور اکرمؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آنا اس لیے اب اُمت کو کارِ پیغمبری انجام دینا ہے۔

اللہ کے پیغام کی حفاظت بھی کرنا ہے اور اسے دنیا تک پہنچانے کا اہتمام بھی کرنا ہے۔(۳۷)

(۶) اس امت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ مجموعی گمراہی میں مبتلا نہیں ہوگی۔ اس میں معروف افراد اور گروہ تو پیدا ہوتے رہیں گے، لیکن ایسا کبھی نہ ہوگا کہ ہدایت ربانی ضائع ہو جائے اور امت بالجملہ گمراہ ہو جائے۔ ان میں ہمیشہ ایسے افراد اور گروہ رہیں گے جو حق پر قائم ہوں گے اور حق کا پرچار کریں گے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: "ان امتی لا تجتمع علیٰ ضلالۃ فاذا رأیتم الاختلاف فعلیکم بالسواد الأعظم۔"(۳۸) بلاشبہ میری امت گمراہی پر کبھی مجتمع نہ ہوگی۔ جب تم اختلاف دیکھو تو سواد اعظم کے ساتھ ہو۔ چونکہ اللہ کی کتاب محفوظ ہے اور حضور اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ موجود ہے، اس لیے ہر زمانے میں یہ فریم ورک رہنمائی کا کام دیتا رہے گا۔

امت مسلمہ۔ وسائل، مسائل اور درپیش چیلنجز۔ ایک نظر میں:

"امت مسلمہ" بلاشبہ اس وقت ہر لحاظ سے زبوں حالی کا شکار ہے۔ نظریاتی طور پر دیکھیے تو یہ اپنے نظریہ حیات سے وابستہ نہیں بلکہ ذہنی افلاس کا شکار ہے، سیاسی لحاظ سے دیکھیے تو بظاہر آزادی حاصل کر لینے کے باوجود یہ اپنے فیصلے خود نہیں کر سکتی۔ معیشت کے لحاظ سے اکثر مسلمان ممالک بین الاقوامی یہودی اور مغربی معاشرتی اداروں اور حکومتوں کے مقروض ہیں اور اپنی معیشت کے بارے میں خود فیصلے نہیں کر سکتے جو مسلمان ممالک امیر ہیں ان کی اصل دولت مغربی بینکوں میں ہے اور مغربی ممالک کے کام آرہی ہے، جب کہ بہت سے غریب مسلم ممالک کے عوام نان جویں کو ترس رہے ہیں۔ خط غربت سے نیچے زندگی بسر کرنے والے مسلمانوں کی تعداد ۴۵ کروڑ سے بھی زیادہ ہے جو کل مسلم آبادی کی ایک تہائی سے بھی زیادہ ہے۔ دفاعی لحاظ سے دیکھیے تو اسلامی دنیا اسلحے میں خود کفیل نہیں بلکہ مغرب کی محتاج ہے۔ مسلم ممالک کے درمیان کوئی دفاعی معاہدہ نہیں اور طاقتور مغربی ممالک جب چاہتے ہیں مسلمان ممالک کو نرم چارے کی طرح کھا جاتے ہیں۔ صنعت وحرفت کا یہ حال ہے کہ کوئی مسلمان ملک بھاری مشینری یا الیکٹرانک مصنوعات نہیں بنا سکتا یہ سب ترقی یافتہ ممالک سے درآمد کرنی پڑتی ہیں۔ سارے مسلم ممالک کی مجموعی قومی پیداوار دنیا کے مجموعی قومی پیداوار کا محض چار فیصد ہے۔ تعلیم کا یہ حال ہے کہ اکثر مسلم ممالک میں شرح تعلیم تیس چالیس فیصد سے زیادہ نہیں۔ تربیت کا کہیں اہتمام ہی نہیں۔ اخلاقی ابتری کا یہ حال ہے کہ کرپٹ ترین ممالک میں ہمیشہ اسلامی ملکوں کا نام سرفہرست ہوتا ہے۔(۳۹)

ہماری سماجی حالت یہ ہے کہ ہم کافروں جیسا بننا چاہتے ہیں، تمدن و ثقافت میں غیروں اور دشمنوں کی پیروی کرنا چاہتے ہیں۔ زراعت میں مسلم دنیا خود کفیل نہیں اور پیٹ بھرنے جیسی بنیادی ترین ضرورت کو پورا کرنے کے لیے بھی ترقی یافتہ ممالک کی محتاج ہے۔ مسلمان ممالک کے نزدیک سائنس و ٹیکنالوجی کی یہ اہمیت ہے کہ یہ اپنی قومی مجموعی آمدنی کا صرف 0.5 فی صد سائنس و ٹیکنالوجی پر صرف کرتے ہیں دنیا کے ۷۰ فی صد کے لگ بھگ معدنی وسائل کی مالک اسلامی دنیا مفلوک الحالی کا شکار ہے۔ اس پر ۷۰۰ ارب ڈالر سے زیادہ کے قرضے ہیں۔ تمام مسلم ممالک کی مجموعی قومی پیداوار تقریباً ۱۲ ہزار ارب ڈالر سالانہ ہے جب کہ فرانس کی قومی پیداوار ۱۵ ہزار ارب ڈالر، جرمنی کی ۲۴ ہزار ارب ڈالر اور جاپان کی ۵۵ ہزار ارب ڈالر سالانہ ہے۔ صرف ان تین ممالک کا جی ڈی پی ۹۴ ہزار

ارب ڈالر بنتا ہے، جو سارے اسلامی ممالک کے مجموعی جی ڈی پی سے تقریباً آٹھ گنا زیادہ ہے۔ انڈونیشیا سے مراکش تک پھیلے اسلامی ممالک کی آبادی دنیا بھر کی آبادی کا تقریباً چوتھا حصہ ہے۔ عالم اسلام لگ بھگ تین کروڑ مربع کلومیٹر رقبے پر محیط ہے۔ صرف پانچ اسلامی ممالک سعودی عرب، عراق، متحدہ عرب امارات، کویت اور ایران کے دریافت شدہ تیل کے ذخائر ۶۵۸،۳۳ بلین بیرل ہیں، لیکن دنیا کی برآمدات میں ہمارا حصہ صرف ۵۰ء۷ فی صد ہے، عالمی معیشت میں ہمارا حصہ ۵ فی صد سے بھی کم ہے، اتحاد و یک جہتی کا یہ عالم ہے کہ مسلم ممالک کی باہمی تجارت ان کی مجموعی تجارت کا صرف ۱۰ فی صد ہے، گویا ۹۰ فی صد تجارت پر اغیار قابض ہیں۔ (۴۰)

ماہر معاشیات محمود احمد مرزا مسلم دنیا کی پسماندگی کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ'' آج کل قوموں کی ترقی کا انحصار سائنس و ٹیکنالوجی پر ہے جب کہ کیفیت یہ ہے کہ مسلم ممالک میں سائنس اور ٹیکنالوجی سے بہرہ ور افراد کی تعداد مایوس کن ہے۔ مسلم ممالک میں اوسطاً دس لاکھ افراد میں سائنس اور ٹیکنالوجی سے آگاہ افراد صرف ۲۲۰۰ ہیں۔ معاشی اعتبار سے تیزی سے ترقی کے لیے یہ شرح کم از کم تین گنا زیادہ ہونی چاہیے۔ بعض صنعتی ممالک میں یہ شرح ۱۵ گنا ہے۔ جیسا کہ ہم آگاہ ہیں کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے شعبے میں ترقی، ریسرچ اور ڈیولپمنٹ کے ذریعے واقع ہوتی ہے۔ جہاں تک ریسرچ اور ڈیولپمنٹ کا تعلق ہے اس شعبے میں مسلم ممالک کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی سے بہرہ ور افراد میں سے صرف ایک اعشاریہ اٹھارہ فیصد افراد ریسرچ اور ڈیولپمنٹ میں مصروف ہیں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے بڑے رسالوں میں مسلم ممالک کے لکھنے والے ماہرین کا حصہ صرف ایک فیصد ہے۔ دنیا میں ہر سال سائنس پر تقریباً ایک لاکھ کتب چھپتی ہیں، ان میں سے ایک بھی مسلم ممالک میں نہیں لکھی جاتی۔ پورے عالم اسلام میں یونیورسٹیوں سمیت اعلیٰ تعلیمی ادارے تقریباً ایک ہزار ہیں۔ بیشتر یونیورسٹیوں میں اعلیٰ سماجی تعلیم اور سائنس و ٹیکنالوجی پڑھانے اور سکھانے کی سہولتیں ناقص ہیں۔ خیال رہے کہ صرف ایک ترقی یافتہ ملک جاپان میں ایک ہزار سے زیادہ اعلیٰ پائے کی یونیورسٹیاں ہیں۔

غرض یہ کہ جس پہلو سے دیکھیے مسلم امت زبوں حالی کا شکار ہے اور یہ وہ حقائق ہیں جو ہمارا منہ چڑاتے ہیں اور تلخ ہیں، لیکن ان کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔'' (۴۱)

اب ذرا مسلم دنیا کی اسٹریٹیجک لوکیشن کا اندازہ کیجیے۔ مسلم انڈونیشیا بحر الکاہل کے ساحل پر سنتری کی طرح کھڑا ہے تو مسلم مراکش بحر متوسط کے نکڑ کا پہرے دار ہے اور آج اگر جبل الطارق مسلمانوں کے قبضے میں نہیں ہے تو اس کے مقابلے میں مراکش کا شہر طنجہ مسلمانوں کی اہم چوکی ہے۔ دنیا کا سب سے بڑا بر اعظم افریقہ مسلم اکثریت کا بر اعظم ہے، جہاں باسٹھ فیصد سے زیادہ آبادی مسلمانوں کی ہے۔ یونان، اٹلی، اسپین اور فرانس سے قطع نظر کیجیے اور دیکھیے تو بحر متوسط (بحیرۂ روم) عالم اسلام کا گھریلو تالاب نظر آتا ہے۔ اس کا ۶۵ فیصد حصہ آج بھی مسلمانوں کے قبضے میں ہے۔ نہر سویز اور بحر قلزم کی مشہور آبی شاہراہیں بھی مسلمانوں کی ہیں اور وہ خلیج فارس بھی، جس پر ایک مدت سے بڑی طاقتوں کی حریصانہ نظریں لگی ہوئی ہیں، مسلمانوں ہی کی ہے اور باب المندب بھی مسلمانوں ہی کا ہے اور درۂ دانیال اور باسفورس پر ترکی بیٹھا ہوا ہے۔ مشرق میں آتے ہوئے دیکھیے۔ انڈونیشیا اور ملائیشیا کا محل وقوع ایسا ہے کہ جس کسی کو بھی گزرنا ہے، انہیں دونوں کے بیچ سے گزرنا ہے۔ پھر آبنائے ملا کا بھی مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے اور جزائر

مالدیپ بھی۔اسی طرح مشرق ومغرب کے درمیان بحرعرب کے ساحل پر پاکستان کھڑا ہے اور خلیج بنگال میں بنگلہ دیش۔
اس خطے کی سیاسی، جغرافیائی اور عسکری اہمیت کا اندازہ اس امر سے ہوسکتا ہے کہ چار برِّ اعظموں، یعنی امریکا کو چھوڑ کر ایشیا، افریقہ، یورپ اور آسٹریلیا کے بری، بحری اور فضائی راستوں کا باہمی رابطہ اس خطے سے گزرے بغیر ممکن نہیں۔افریقہ اور ایشیا کے سمندر اور بحیرۂ روم کی تنگ پٹیاں، جو بین الاقوامی تجارت کے لیے شہ رگ کی حیثیت رکھتی ہیں، وہ عالم اسلام میں واقع ہیں۔عالم اسلام کو اس شہ رگ کو دبانے اور بند کرنے کی طاقت بھی حاصل ہے اور اگر یہ ایسا چاہے تو بین الاقوامی اقتصادی زندگی کو مفلوج کر کے رکھ سکتا ہے۔(۴۲)
مسلم ممالک کی دفاعی افواج کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ نیٹو اور وارسا پیکٹ کی مشترکہ فوجوں سے بھی زیادہ ہے۔صرف پاکستان کو ہی دیکھیے جو ایٹمی ملک بھی ہے اور روایتی اسلحہ برآمد بھی کر رہا ہے گو دوسرے ممالک اسلحے کی برتری میں اپنے حریفوں سے بہت پیچھے ہیں، لیکن یہ بھی تو دیکھیے کہ اس کمزوری کے باوجود انہوں نے اپنے جذبۂ جہاد سے جارح قوتوں کے دانت کھٹے کیے ہیں۔فلسطین، کشمیر، چیچنیا، بوسنیا، فلپائن، عراق، افغانستان میں مسلمانوں نے جو مزاحمتی جدوجہد کی ہے اور کر رہے ہیں وہ خود تاریخی حیثیت کی حامل ہے۔افغانستان اور عراق کو دشمن نے پچھاڑ دیا لیکن وہاں گوریلا جنگ جاری ہے اور انشاء اللہ ایک دن کامیاب ہو کر رہے گی۔
پاکستان بھارت کے مقابلے میں چھوٹا سا ملک ہے، لیکن وہ اس کے مقابلے میں تن کر کھڑا ہے، غرض دنیا میں جہاں بھی مسلمانوں کے خلاف کوئی ظلم وزیادتی ہوتی ہے اب اسے برداشت نہیں کیا جاتا بلکہ کمزوری کے باوجود اسے چیلنج کیا جاتا ہے۔
زرعی اور معدنی دولت بھی مسلم دنیا کو بدرجۂ اتم ودیعت ہوئی ہے۔دنیا کی کل پیداوار میں مسلم دنیا کی پیداوار کا تناسب بڑی حد تک تسلی بخش ہے۔پیٹرول اور تیل کے ضمن میں بھی مسلم دنیا کو ایک طرح کی اجارہ داری حاصل ہے۔صرف مشرق وسطیٰ میں دنیا کی کل پیداوار کا ۶۰ فی صد تیل نکلتا ہے۔
سطور بالا سے ظاہر ہے کہ مسلم امہ کی حالت اتنی بھی تشویشناک نہیں جتنی بعض حضرات سمجھتے ہیں اور دوسروں کو سمجھاتے ہیں۔ بلاشبہ ابھی منزل دور اور کٹھن ہے اور مشکلات بہت ہیں، لیکن بہر حال امت آگے ہی بڑھ رہی ہے پیچھے نہیں جا رہی اور ایسی بھی مایوسی کی بات نہیں کہ آدمی دل ہار بیٹھے۔(۴۳)
مسلمانوں کا مستقبل روشن اور تابناک ہے۔یہ محض دیوانے کی بڑ نہیں بلکہ سارے Indicators اسی کی طرف اشارے کر رہے ہیں کہ سحر طلوع ہونے کو ہے، رات کی تاریکی چھٹنے کو ہے اور یہ باطل کے اندھیروں کے مقدر میں ہے کہ وہ چھٹ کر رہیں۔سچ فرمایا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اور اس سے بڑھ کر سچی بات کس کی ہوسکتی ہے:

جاء الحق وزھق الباطل ط ان الباطل کان زھوقا (۴۴) حق آگیا اور باطل مٹ گیا۔

بے شک باطل ہے ہی مٹ جانے والی چیز　　ان شاء اللہ وہ وقت دور نہیں جب:
شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے　　یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے(۴۵)

عرب ورلڈ اور دیگر اہم اسلامی ممالک میں تیل اور قدرتی گیس کے ذخائر کا تخمینہ
(دنیا میں پائے جانے والے تیل اور قدرتی گیس کے ذخائر میں سے مندرجہ ذیل اسلامی ممالک میں پائے جانے والے ذخائر کا

تخمینہ ملاحظہ ہو، جس سے اسلامی دنیا کے وسائل کا پتا چلتا ہے)

☆ نام ملک	تیل کے ذخائر	قدرتی گیس کے ذخائر
☆ ایران	دنیا کے ذخائر کا ۹.۸ فیصد	دنیا کے ذخائر کا ۲۵ فیصد
☆ بحرین	۲۱۰ ملین بیرل (۱۹۹۷ء میں ذخائر)	۱۱۰ بلین کیوبک میٹر (۱۹۹۷ء میں ذخائر)
☆ عراق	۱۱۲.۵ بلین بیرل (۱۹۹۹ء میں ذخائر)	۳۱۰۰ بلین کیوبک میٹر (۲۰۰۰ء میں ذخائر)
☆ سعودی عرب	دنیا کے ذخائر کا ۲۵ فیصد	۵،۸۰۰ بلین کیوبک میٹر (۲۰۰۰ء میں ذخائر)
☆ قطر	۳۷۰۰ بلین بیرل (۱۹۹۹ء میں ذخائر)	۸۵۰۰ بلین کیوبک میٹر (دنیا کے ذخائر کا ۱۲ فیصد)
☆ کویت	۹۵.۲ بلین بیرل (۱۹۹۹ء میں ذخائر)	۱۳۹۰ بلین کیوبک میٹر (۱۹۹۹ء میں ذخائر)
☆ متحدہ عرب امارات	۹۷.۸ بلین بیرل (۱۹۹۶ء میں ذخائر)	۶۰۰۰ بلین کیوبک میٹر (۱۹۹۶ء میں ذخائر)(۳۶)

عروج وزوال کا فطری اور ابدی قانون اور اُمتِ مسلمہ:

یہ ایک ابدی حقیقت ہے کہ اللہ کے ہر نبی نے اپنی قوم کو اللہ کے دین کی طرف یہ یقین دلاتے ہوئے بلایا کہ میری پیروی تمہیں آخرت ہی کی نہیں، دنیا کی بھی فلاح بخشے گی۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے اس وعدۂ الٰہی کا اعلان کیا تھا "لئن شکرتم لازیدنکم"۔ (اگر تم نے شکر گزاری کی روش اختیار کی تو تمہیں مزید بخشش عطا کروں گا) اور جب تک ان کی قوم اس روش پر چلتی رہی، اللہ کا وعدۂ بشارت پورا ہوتا رہا، حتیٰ کہ عظمت وشوکت میں ان کی قوم سب سے اعلیٰ وارفع مقام پر پہنچ گئی۔

﴿يَا بَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ (۳۷) اے بنی اسرائیل! میری نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تمہیں دی تھیں اور یہ کہ میں نے تمہیں پوری دنیا پر فضیلت بخشی۔ لیکن جب انہوں نے یہ راہ ترک کر دی تو ان کے اوپر سے عزت واقبال کی قبا بھی اتار دی گئی اور "ضربت علیھم الذلۃ والمسکنۃ"۔ کی مہر ان پر لگادی گئی۔ کاش! "اگر یہ اہلِ کتاب توراۃ کو اور انجیل کو اور ان ہدایتوں کو قائم کرتے جو ان کے رب کی طرف سے بھیجی گئی تھیں، تو رزق ان کے اوپر سے بھی برستا اور نیچے سے بھی اُبلتا۔"

غرض ساری اقوام کے لیے یہ عمومی قانون الٰہی رہا ہے کہ ﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرٰىٓ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ﴾ (۳۸)

اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ کی راہ پر چلتے تو ہم ان کے اوپر زمین اور آسمان کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔

جنھوں نے ایمان اور خدا پرستی کا راستہ اختیار کیا۔

﴿فاٰتٰھم اللّٰہ ثواب الدنیا وحسن ثواب الاٰخرۃ﴾۔ (۳۹) تو اللہ نے انہیں دنیا کا بھی اجر دیا اور آخرت کا بھی بہترین اجر عطا فرمایا۔

ان متفقہ شہادتوں کی موجودگی میں کوئی وجہ نہیں کہ اسلام اور امتِ مسلمہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ضابطہ اور فیصلہ بدل جاتا۔ چناں چہ دنیوی فلاح کے بارے میں ٹھیک اسی طرح کا وعدہ اس امت سے بھی کیا گیا جیسا گزشتہ امتوں سے کیا جاتا رہا ہے۔ اور یہ ہر مرحلے میں کہا گیا۔ مکے کے تاریک و صبر آزما دور میں بھی اور مدینے کے پُرخطر ماحول میں بھی۔ انہیں بھی خطاب کیا گیا جو اسلام لا چکے تھے اور انہیں بھی جو ابھی دائرۂ اسلام میں نہ آئے تھے۔ چناں چہ مکے میں قریش کو ایمان کی دعوت دیتے ہوئے اللہ کا ارشاد ہے۔

﴿وَأَنِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُمَتِّعْكُم مَّتَاعًا حَسَنًا﴾ (۵۰)

اور یہ کہ تم اپنے رب سے معافی چاہو اور پھر اس کی طرف رجوع کرو تو وہ تمہیں زندگی کا اچھا سامان عطا فرماتا رہے گا۔

اور اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں یقین دلایا تھا کہ "اگر تم میرا لایا ہوا پیغام قبول کرلو گے تو وہ دنیا میں بھی تمہاری خوش نصیبی کا باعث ہوگا اور آخرت میں بھی۔" اور ایک موقع پر اپنے چچا ابو طالب سے کہا تھا "میں انہیں (یعنی قریش کو) صرف ایک بات کی تلقین کرتا ہوں۔ ایسی بات کہ جس کی بدولت سارا عرب ان کا مطیع اور سارا عجم ان کا باج گزار ہو جائے گا۔" پھر اسی طرح ایمان لا چکنے والوں سے خطاب فرمایا گیا: "وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا"۔ تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور عمل صالح کرتے ہیں اللہ کا ان سے وعدہ ہے کہ وہ انہیں زمین میں اقتدار عطا فرمائے گا، جس طرح کہ اس نے ان سے پہلے کے لوگوں کو اقتدار عطا فرمایا تھا اور ان کے لیے اس دین کی جڑیں بڑی مضبوط جما دے گا، جسے اس نے ان کے لیے پسند فرمایا ہے اور ان کی موجودہ حالت خوف کو حالتِ امن سے بدل دے گا۔

گویا جس طرح آخری فلاح کے لیے "ایمان" اور "عمل صالح" ایک لازمی شرط ہے، اس طرح دنیوی فلاح و سعادت کے لیے بھی "ایمان" اور "عمل صالح" شرط اولین ہے اور اسی لیے مسلمانوں (امتِ مسلمہ) کا عروج و زوال اسی شرط پر موقوف ہے۔

﴿وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ﴾ (۵۱) نہ تم پریشان ہو اور نہ خوف زدہ، کامیابی تمہارے لیے ہے بشرطیکہ تم سچے مومن ہو جاؤ۔

گویا امتِ اسلامیہ کے لیے عروج و زوال کا یہ قانون دوسری قوموں سے بالکل مختلف ہے۔ یہاں ایمان، عمل صالح، دینی اور اخلاقی اقدار سے گہری وابستگی اور قرآن وسنت کی اتباع پہلی اور آخری شرط ہے۔ (۵۲)

موجودہ حالات اور ملتِ اسلامیہ کو درپیش چیلنجز کے اس نازک دور میں:

لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم دین کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں۔ پھر ہمیں دنیا کی کوئی طاقت زیر نہیں کرسکے گی۔ کوئی ہمیں میلی آنکھ سے نہیں دیکھ سکے گا۔ اس کے لیے دینی، تہذیبی، اخلاقی اور ملی اقدار پر عمل ناگزیر ہے۔ امتِ مسلمہ کی عظمت و شوکت اور دین کی سربلندی اسلام کے دامن سے وابستہ رہنے میں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ابدی فیصلہ ہے کہ ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم

مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا﴾ (۵۳) تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور عمل صالح کرتے ہیں اللہ کا ان سے وعدہ ہے کہ وہ انہیں زمین میں اقتدار عطا فرمائے گا، جس طرح کہ اس نے ان سے پہلے کے لوگوں کو اقتدار عطا فرمایا تھا اور ان کے لیے اس دین کی جڑیں بڑی مضبوط جما دے گا، جسے اس نے ان کے لیے پسند فرمایا ہے اور ان کی موجودہ حالت خوف کو حالتِ امن سے بدل دے گا۔

شاعر مشرق علامہ اقبال اس حقیقت کی ترجمانی کرتے ہوئے کیا خوب کہتے ہیں:

سنا دیا گوشِ منتظر کو حجاز کی خامشی نے آخر
جو عہد صحرائیوں سے باندھا گیا تھا، پھر استوار ہوگا

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے، وہ شیر پھر ہشیار ہوگا (۵۴)

ایک اور موقع پر اقبال کیا خوب کہتے ہیں:

پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغام سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہوجائے گی

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے، لب پہ آسکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہوجائے گی

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے (۵۵)

(i) انقلاب نبوی ﷺ مشعل راہ!:

سیرت نبوی ﷺ کے سیاسی وعسکری اعتبار سے نظری پہلو کا جائزہ:

فلک کا جور مسلسل جواب دے اس کا
ہم اپنے حال میں کب انقلاب دیکھیں (۵۶)

دنیا کے دوسرے انقلابات (۵۶) سے انقلاب محمدی ﷺ اس اعتبار سے بنیادی طور پر مختلف ہے کہ دوسرے دنیوی انقلاب کے نظریات انسانوں کے ذہن کی پیداوار تھے۔ بالشویک یعنی اشتراکی انقلاب کا فلسفہ کارل مارکس کے ذہن کی اختراع تھا۔ اسی طرح انقلاب فرانس کا فلسفہ والٹیئر، روسو اور بہت سے مفکرین کے ذہنوں کی پیداوار تھا، مگر اسلامی انقلاب کا فلسفہ اللہ تعالیٰ کا ودیعت کردہ ہے جو وحی کے ذریعے سے جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو عطا ہوا۔ لہٰذا اس نظریہ کی نشر واشاعت کے معنی ہیں قرآن حکیم کی نشر واشاعت، اس کی تبلیغ، اس کے ذریعے سے دعوت، اس کے ذریعے سے تبشیر وانذار اور اس کے ذریعے سے تذکیر ونصیحت۔ گویا نبی اکرم ﷺ کا آلہ انقلاب اور ذریعہ انقلاب قرآن کریم تھا۔ علاوہ ازیں قرآن کریم انسان کے لیے جو ہدایت لے کر آیا ہے اس میں یقیناً انفرادی زندگی کے لیے بھی راہنمائی ہے اور اجتماعی زندگی کے لیے بھی، قرآن کریم کے موضوعات انفرادی اعمال وافعال کو بھی محیط ہیں اور اجتماعی اقدار کو بھی، لیکن انقلابی عمل کے لیے قرآن کریم کے اس حصہ کو نمایاں کرنا ہوگا جس کا تعلق اجتماعی نظام کے ساتھ ہے۔

بہرحال یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ امت مسلمہ کو آج جس عظیم انقلاب کی ضرورت ہے وہ انقلاب اگر آئے گا تو خالصتاً اس نہج پہ آئے گا کہ جس نہج پر رسول اللہ ﷺ نے انقلاب بپا کیا تھا۔

امام مالکؒ سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ قول منقول ہے کہ:

"لا يصلح آخر هذه الامة الا بما صلح به اولها"

یعنی اس امت کے آخری حصہ کی اصلاح نہیں ہو سکے گی مگر صرف اس طریقہ پر کہ جس پر اس کے پہلے حصے کی اصلاح ہوئی تھی۔
اس قول کے متعلق میرا تاثر اتنا یقینی ہے کہ جتنا اس پر کہ کل سورج طلوع ہو گا۔ پھر یہ کہ اس کارگاہ عالم کی زندگی کا آخری دور شروع ہو چکا ہے۔ حالات اس رخ پر جا رہے ہیں، جن کی خبر نبی اکرم ﷺ نے دی تھی۔

لہٰذا آخری دور میں اسلام کے عالمی غلبہ کی جو خبر الصادق اوالمصدق ﷺ نے دی تھی اس کا بھی عمل یقیناً شروع ہو گا۔ البتہ یہ کہاں سے شروع ہو گا اور کس خطۂ ارضی کو یہ سعادت نصیب ہو گی یہ ہم نہیں جانتے۔ یہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ مکہ سے مایوس ہو کر نبی اکرم ﷺ نے اپنے طور پر طائف کا انتخاب فرمایا تھا لیکن طائف میں جو کچھ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ہوا وہ کون نہیں جانتا۔ یوم طائف کو نبی اکرم ﷺ نے اپنی حیات طیبہ کا سخت ترین دن قرار دیا تھا۔ (۵۸) وہاں سے آپ کو ناکام واپس آنا پڑا، لیکن اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا مدینہ منورہ کا، حضور اکرم ﷺ کے قدم مبارک وہاں پہنچے بھی نہیں کہ وہاں انقلاب آ گیا، تمہیدا چھ افراد حج کے موقع پر ایمان لائے، اگلے سال ان میں سے پانچ اور سات دوسرے افراد یعنی کل بارہ افراد حاضر خدمت ہو گئے۔ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی جسے کتب سیرت مطہرہ میں بیعت عقبہ اولیٰ کہا جاتا ہے۔ (۵۹)

اور درخواست کی کہ ہمیں اپنا جاں نثار شاگرد دیجیے جو ہمیں قرآن کریم پڑھائے اور یثرب (۶۰) میں دعوت و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دے۔ لہٰذا حضور اکرم ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو ان کے ساتھ جانے کا حکم دیا۔ حضرت مصعبؓ کی ایک سال کی تعلیم قرآن اور دعوت و تبلیغ کے نتیجے میں اگلے سال بہتر (۷۲) مرد اور تین خواتین کل پچھتر (۷۵) افراد نے آ کر نبی اکرم ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی اور یہ بیعت ہجرت کی تمہید بن گئی۔ اسے بیعت عقبہ ثانیہ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ (۶۱) ان ۷۵ پچھتر انصارؓ نے عرض کیا کہ حضور اکرم ﷺ ہمارے یہاں تشریف لائیے اگر قریش یثرب پر حملہ آور ہوں گے تو ہم آپ کی اس طرح حفاظت کریں گے جیسے اپنے اہل و عیال کی کرتے ہیں۔ بعد میں جب حضور اکرم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو وہاں استقبال کی تیاریاں تھیں کئی دن سے لوگ روزانہ شہر سے باہر آ کر آپ کی تشریف آوری کے منتظر رہتے تھے یہاں مکہ میں قریش خون کے پیاسے ہیں، جہاں تیرہ برس حضور اکرم ﷺ نے بنفس نفیس دعوت دی۔ یہاں تو نبی اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کو تین دن رات غار ثور میں روپوش رہنا پڑا، پھر یہ کہ تعاقب ہو رہا تھا۔ سراقہ بن مالک جو بعد میں دولت ایمان سے بہرہ مند ہو گئے دو مرتبہ قریب پہنچ گئے اور اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر حفاظت فرمائی۔ مکہ کا حال تو یہ ہے اور اہل مدینہ سراپا انتظار آپؐ کے استقبال کی تیاریاں کر رہے ہیں اور آپ کا وہاں ایک بے تاج بادشاہ کی حیثیت سے داخلہ ہو رہا ہے۔ (۶۲)

تو یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کی قدرت میں ہے کہ کس جگہ کو سعادت عطا فرمائے، کون سے مقام کو چن لے۔ یہ اسی کا انتخاب ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور عالمی سطح پر دین حق کے غلبہ کا آغاز کس ملک سے ہو گا لیکن یہ بات پورے یقین و وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ آخری دور کے بارے میں جن واقعات و حالات کی خبریں احادیث نبویؐ میں دی گئی ہیں وہ دور آ چکا ہے، اس کا آغاز ہو گیا ہے کسی نہ کسی خطہ ارضی کو یہ سعادت حاصل ہو کر رہے گی کہ اسے اللہ تعالیٰ صحیح اسلامی انقلاب کے لیے منتخب فرمائے اور یہ انقلاب بالکل اسی نہج پر آئے گا جس نہج پر برپا فرمایا تھا محمد رسول اللہ ﷺ نے۔ انشاءاللہ تعالیٰ کہیں نہ کہیں اسی نہج پر انقلاب آئے گا

جو عالمی سطح پر غلبۂ دین کی تمہید بنے گا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ پاکستان کا یہ خطۂ ارضی، جو حقیقت کے اعتبار سے مملکت خداداد ہے، اسے اللہ تعالیٰ اس سعادت کے لیے قبول فرمالے۔ بظاہر احوال تو مایوسی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے سامنے آتے ہیں پھر امید بندھتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی چیز بعید نہیں ہے۔ بقول شاعر (۶۳)

آسودۂ ساحل تو ہے مگر شاید یہ تجھے معلوم نہیں　　　ساحل سے بھی موجیں اٹھتی ہیں، خاموش بھی طوفاں ہوتے ہیں

اس کی شان والا تبار یہ ہے:

یخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی (۶۴)

اسے ہر شے پر قدرت حاصل ہے، وہ شر سے خیر برآمد کرتا ہے جس کا کہیں سے گمان تک نہیں ہوتا۔

پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغام سجود　　　پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی (۶۵)

لہٰذا ہمیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل اور قدرت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ البتہ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم معروضی طور پر (Objectively) غور کریں اور سمجھیں کہ انقلاب کا "محمدی ﷺ طریق" ہے کیا؟

(ii) نبوی ﷺ انقلاب کا طریق کار اور ہمارا کردار:

سیرت نبوی ﷺ کے سیاسی وعسکری اعتبار سے عملی پہلو کا جائزہ:

ایک بات تو بالکل آغاز ہی میں سیرت النبی ﷺ کے واقعات وحالات کے حوالوں اور (References) حوالوں کے بغیر اصولی طور پر جان لینی چاہیے کہ انقلاب کسی بھی نوع کا ہو اس کے لیے چند مختلف مراحل طے کرنا ناگزیر ہوتا ہے۔ یہ بات سیرت نبوی ﷺ کے معروضی مطالعے سے صد درجہ واضح ہے۔

البتہ یہ ضرور ہے کہ سیرت مطہرہ ﷺ کے دوران جو حالات و واقعات پیش آئے انہیں خاص سے عام کر کے یعنی (Generalize) کر کے جو اصول ومبادی مستنبط ہوتے ہیں ان کی روشنی میں انقلابی عمل کے مراحل و مدارج اور لوازم طے کیے جائیں گے پھر ہم دیکھیں گے کہ اس مستنبط خاکے میں رنگ بھرنے کے لیے ہمیں سیرت مبارکہ ﷺ سے جو رہنمائی ملتی ہے وہ کیا ہے؟

ایک اور اہم بات جو عملی اعتبار سے بہت ضروری ہے یہ ہوگی کہ ہمارے حالات اور نبی اکرم ﷺ کے دور سعید کے حالات میں بہرحال چودہ سو برس سے کچھ زیادہ ہی مدت کا فاصلہ ہے۔ اس دوران حالات میں بہت کچھ تغیر وتبدل ہوا ہے اور انسان کے تمدنی و عمرانی تصورات میں بہت کچھ ارتقاء ہوا ہے پھر ایک نمایاں ترین فرق یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا پورا انقلابی عمل ایک خالص مشرکانہ و کافرانہ ماحول میں پایۂ تکمیل کو پہنچا تھا جب کہ ہمیں اسلامی انقلاب کے لیے جو کام کرنا ہے وہ پہلے درجے میں ہمیں مسلمانوں میں کرنا ہے اور دوسرے درجے میں ہمیں کافروں میں کرنا ہے لہٰذا ان حالات کی بناء پر ہمیں غور کرنا ہوگا کہ جو طریق کار ہمیں سیرت النبی ﷺ میں ملتا ہے آیا بعینہ وہی اختیار کرنا لازمی ہے یا اس طریق کار میں ہمیں درپیش حالات کے فرق وتفاوت کی وجہ سے کہیں کچھ اجتہاد کرنا ہوگا۔ (۶۶)

انقلابی عمل کے لوازم ومراحل:

موجودہ دور میں انسانی زندگی کو عام طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے، ایک انفرادی اور دوسرا اجتماعی۔ مذہب کا تعلق انفرادی زندگی سے سمجھا جاتا ہے اور اجتماعیت کے لیے بنیاد ہے سیکولرازم یعنی لادینیت، لامذہبیت نہیں۔ اس لیے کہ سیکولرازم مذہب کو تسلیم کرتا ہے، لیکن اسے صرف انفرادی زندگی میں محدود قرار دیتا ہے۔ اس انفرادی مذہبی زندگی کے بھی تین حصے ہیں، عقیدہ، عبادات اور چند سماجی رسوم۔ ادھر اجتماعی زندگی کے بھی تین حصے ہیں۔ معاشرتی نظام، معاشی نظام اور سیاسی نظام۔ گویا تین گوشے انفرادی زندگی کے اور تین گوشے اجتماعی زندگی کے ملا کر کل "چھ" گوشے ہو گئے۔ اسی طرح انقلابی عمل کو بھی چھ مراحل سے گزرنا ہوتا ہے۔

ا۔ انقلابی نظریہ اور اس کی اشاعت:

انقلابی عمل کا پہلا مرحلہ یہ ہے کہ کوئی انقلابی نظریہ، کوئی انقلابی فکر، کوئی انقلابی فلسفہ موجود ہو، جس کی خوب نشر و اشاعت کی جائے۔ ظاہر بات ہے کہ انقلاب کسی انقلابی نظریہ کی بنیاد پر آتا ہے۔ اس کا نقطۂ آغاز یہ ہے کہ اس نظریہ کی نشر و اشاعت کی جائے، اسے پھیلایا جائے، اسے لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے اور لوگوں کو اس نظریہ کی افادیت کا دلائل سے قائل بنایا جائے۔ اس میں اہم بات یہ ہے کہ انقلاب تب ہی آئے گا جب انقلابی نظریہ اجتماعی زندگی کے ان تین گوشوں میں سے کسی ایک سے لازماً متعلق ہو جن کا اوپر ذکر ہوا۔ اگر مذہبی اصلاح کا کام ہو رہا ہو، عقائد کی تصحیح ہو رہی ہو، عبادات کی ادائیگی کی ترغیب و تشویق ہو رہی ہو اور اس کے نتیجے میں ان کی ترویج ہو رہی ہو تو یہ مذہبی کام ہیں یا بالفاظ دیگر روحانیت اور اخلاقی اصلاح کے کام ہیں، لیکن انقلابی عمل کا آغاز تو کسی ایسے نظریہ کی بنیاد پر ہوگا جس کا تعلق انسان کی معاشرتی، معاشی اور سیاسی زندگی سے ہو۔ اس لیے کہ درحقیقت انقلاب کا محل، مقام اور میدان اجتماعی زندگی کا دائرہ ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ کوئی ایسا نظریہ، کوئی ایسا فلسفہ، کوئی ایسی فکر ہو جو انسان کی اجتماعی زندگی کے کسی گوشے کے بارے میں انقلابی تبدیلی کا علمبردار ہو اور وہاں جو نظام قائم ہے وہ اس کی جڑوں پر تیشہ بن کر گرے۔ اسی سے انقلابی عمل کا آغاز ہوگا۔

۲۔ انقلابی جماعت کی تشکیل و تنظیم:

انقلابی عمل کا دوسرا مرحلہ یہ ہوگا کہ جو لوگ اس انقلابی نظریہ کو ذہناً قبول کر لیں ان کو منظم کیا جائے۔ اس طرح ایک انقلابی جماعت وجود میں آئے۔ اس جماعت کے لیے دو چیزیں لازمی ہوں گی۔ ایک تو کہ اس کے (Cadres) اس کی درجہ بندی بالکل نئی ہونی چاہیے۔ پرانے نظام کے تحت لوگوں کو جو درجہ بندی ہے اگر وہی درجہ بندی اس جماعت کے اندر بھی رہے تو پھر وہ انقلابی جماعت نہیں ہوگی۔ یہاں تو بالکل نئی درجہ بندی ہوگی کہ کون کس قدر گہری وابستگی اس انقلابی نظریہ سے رکھتا ہے؟ کس نے اس انقلابی نظریہ کے تقاضوں کو خود اپنے آپ پر لازم کیا ہے اور کون اس انقلابی نظریہ کے لیے کتنی قربانی دے چکا ہے اور کتنی مزید دینے کو تیار ہے، جس نے جتنی پیش قدمی کی ہے اتنا ہی وہ آگے چلا جائے گا چاہے سابقہ نظام میں وہ شودروں اور اچھوتوں میں شمار ہوتا ہو اور

سب سے گھٹیا اور ہیچ سمجھا جاتا ہو، اس کی کوئی حیثیت نہ ہو، لیکن اگر اس نے اس انقلابی نظریہ کو خلوص و اخلاص اور گہرائی کے ساتھ قبول کیا ہے اس کے ساتھ اس کی مکمل ذہنی اور عملی وابستگی ہے، اس کے لیے وہ قربانیاں دے رہا ہے تو وہ توقیر و تکریم اور ذمہ داریوں کے اعتبار سے پیدائشی برہمنوں سے کہیں آگے نکل جائے گا، اگر یہ بات نہیں ہوگی تو وہ جماعت انقلابی جماعت نہیں ہے۔

دوسری چیز یہ کہ اس پارٹی کا نظم اگر آرمی ڈسپلن جیسا نہ ہو تو یہ پارٹی انقلاب نہیں لاسکتی۔ کوئی ڈھیلی ڈھالی ایسوسی ایشن، کوئی انجمن ٹائپ کی شے، کوئی چار آنے کی ممبری والی جماعت یا کوئی ایسی ہیئت اجتماعیہ انقلاب نہیں لاسکتی۔ ہر اجتماعی کام کی نوعیت اور مقصد کے اعتبار سے اسی نوع کی انجمن یا ادارہ یا جماعت کی ضرورت ہے۔ کوئی اصلاحی کام کرنا ہے تو کوئی انجمن بنا لیجیے۔ کوئی تعلیمی کام کرنا ہے تو کوئی ادارہ قائم کر دیجیے۔ مذہبی دعوت و تبلیغ کا کام کرنا ہے تو کوئی جمعیت بنا لیجیے۔ انتخابی سیاست کا کام کرنا ہے تو ممبری کی کوئی فیس مقرر کر کے بڑے پیمانے پر اپنے ہم خیال افراد کی ممبر سازی کر لیجیے ایک سیاسی جماعت بنا لیجیے لیکن اگر انقلاب لانا ہے تو اس کے لیے ایسی ''پارٹی'' درکار ہوگی جس کے ایک تو (Cadres) بالکل منے ہوں اور دوسرے اس کا ڈسپلن مضبوط ہو کہ جو حکم طے مانا جائے۔ یہ نہیں ہوگا تو انقلاب نہیں آسکتا اس لیے کہ ایک جمے ہوئے نظام کو اکھاڑ پھینکنا ہے۔ ایک مضبوط طاقت کے ساتھ ٹکراؤ کا مرحلہ آنا ہے، اس سے ڈھیلی ڈھالی انجمن ٹائپ ایسوسی ایشن کام نہیں دے سکتی۔

۳۔ ٹریننگ اور تربیت:

انقلابی عمل میں تیسرا مرحلہ ٹریننگ یعنی تربیت ہے، جو ہر انقلابی عمل کی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اگر انقلابی کارکنوں کی تربیت نہ ہو تو وہ خام ہیں، کچے ہیں تربیت ہوگی تو وہ پختہ ہوں گے، بقول شاعر (۶۷)

تو خاک میں مل اور آگ میں جل جب خشت بنے تب کام چلے ان خام دلوں کے عنصر پر بنیاد نہ رکھ تعمیر نہ کر!

کچے اور خام لوگوں کو جمع کر لیں گے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ اگلے مرحلہ میں جا کر جواب دے جائیں گے۔ وہ خالی کارتوس ثابت ہوں گے اور ٹھس ہو کر رہ جائیں گے۔ یہاں ضرورت ہے کہ ہر کارکن پختہ ہو، اس بات کو علامہ اقبال نے اپنے انداز میں خوب بیان کیا ہے:

خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا ایک انبار تو پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زنہار تو (۶۸)

یہی وجہ ہے کہ ہر انقلابی پارٹی کے (Training Camps) ہوتے ہیں۔

تاہم یہ بات اہم ہے کہ یہ تربیت انقلاب کے نظریہ اور فکر کی مناسبت سے ہوگی۔ اگر انقلاب خالص مادی اقدار والا ہے تو ان کا کارکنوں کی روحانی تربیت کرنا بے کار ہے لیکن اگر پیش نظر ایسا انقلاب ہے جس کے اہم ترین ابعاد اخلاقی اور روحانی ہیں، تو تربیت میں ان پہلوؤں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ اگر یہ چیزیں انقلابی کارکنوں میں نہیں ہوں گی تو انقلاب کے کامیاب ہونے کے نتیجے میں کہاں سے آجائیں گی؟ لہٰذا ایسے انقلاب کے کارکنوں کے لیے اخلاقی و روحانی تربیت بھی لازمی ہوگی، بلکہ اس کو اقدمیت و اولیت کا درجہ حاصل ہوگا۔

پس یہ ابتدائی تین مرحلے ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ تربیت یافتہ کارکنوں پر مشتمل ایک انقلابی جماعت وجود میں آجائے جو ایک

طاقت اور ایک قوت بن جائے۔

انقلابی عمل کا جزولاینفک: تصادم (جہاد بالسیف):

انقلابی عمل کے اگلے تین مرحلوں کا جامع عنوان ہے "تصادم" لفظ تصادم اگرچہ ناپسندیدہ ہے، اچھا نہیں لگتا اور امن پسند لوگ اس سے ناگواری محسوس کریں گے لیکن یہ بات طے ہے کہ انقلاب تصادم کے بغیر نہیں آتا۔ "جس کو ہو دین ودل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں؟ اگرچہ اسلام بنیادی طور پر "دین امن وسلامتی" ہے اور پر امن بقائے باہمی کے تحت صلح ومعاہدات کا خواہاں اور آرزو مند ہے تاہم جب صلح ومعاہدات کے بعد بھی قیام امن کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے تو اب اسلام فساد کے خاتمے کے لیے مسلح تصادم یعنی جہاد بالسیف کا بھی قائل ہے اور فساد کو قطعی برداشت نہیں کرتا نیز فساد کو وہ قتل سے بھی شدید چیز قرار دیتا ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں فرمانِ الٰہی ہے کہ: ﴿وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾ (۶۹)

اس طرح سے اسلام میں بھی انقلابی عمل کے دوران فساد اور طاغوتی نظام کے خاتمے کے لیے جب افہام وتفہیم، صلح ومعاہدات سے بات نہ بنے تو اب امن کے قیام اور حق کی بالادستی کے لیے جہاد بالسیف ہی جزولاینفک کی حیثیت رکھتا ہے ورنہ اسلام تو خود انسانی جان کے تحفظ کا سب سے بڑا علمبردار ہے اور اس کی نظر میں ایک انسان کا قتل تمام انسانوں کے قتل کے برابر ہے جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے کہ:

﴿و من قَتَلَ نَفْساً بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعاً﴾ (۷۰)

لہٰذا اسلام کا نظریہ جہاد درحقیقت ظالم کی سرکوبی، مظلوم کی حمایت، دین کی سربلندی اور قیام امن وسلامتی کے لیے ہے لہٰذا اگر عالمی سطح پر نظام بدلنا مقصود ومطلوب ہو اور پھر تصادم سے بھی گریز ہو تو یہ ممکن نہیں، یہ تو بالکل ایسی ہے جیسے دو متضاد چیزوں کو جمع کرنے کی خواہش ہو۔ یہ خواہش اپنی جگہ کتنی ہی اچھی ہو لیکن یہ محال مطلق ہے تصادم تو انقلاب کے لوازم میں سے ہے۔

اب اس کا جو نتیجہ نکلتا ہے اس کے تین مدارج ہیں:

تشدد وتعذیب کے جواب میں صبر محض:

تصادم کے عمل میں پہلا درجہ یعنی صبر محض کا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انقلابی جماعت کسی بھی ظالمانہ، استبدادی، استحصالی اور باطل نظام کو غلط وفاسد قرار دیتی ہے تو لوگ اس جماعت کو آزاد تو نہیں چھوڑ دیں گے پہلے وہ اس کے انقلابی فکر اور نظریہ کو چٹکیوں میں اڑائیں گے استہزاء وتمسخر کریں گے، فقرے چست کریں گے، مذاق اڑائیں گے، کہیں گے کہ ان کا دماغ خراب ہو گیا ہے، دیوانے اور مجنون ہیں لیکن اگر اس انقلابی جماعت کا قائد اور اس کے معدودے چند ساتھی اس وار کو جھیل جاتے ہیں اور نظریہ کی نشر واشاعت کا عمل جاری رہتا ہے اور لوگ اس کو قبول کر کے جماعت میں شامل ہو رہے ہیں تو مخالفین کو محسوس ہو گا کہ یہ ہوا کا کوئی معمولی جھونکا نہیں ہے، اس میں تو ایک زبردست آندھی اور طوفان کے آثار پوشیدہ ہیں، جو ہمارے تمام مفادات کو خس وخاشاک کی طرح اڑا کر لے جائیں گے۔ لہٰذا اب وہ تشدد پر اتر آئیں گے اور عقوبت وایذا رسانی کی کوئی کسر نہ چھوڑیں گے۔ یہ معاملہ پیش آنا لازمی ہے۔

لیکن اس دور کے لیے اس انقلابی جماعت کا پہلا مرحلہ یہ ہوگا کہ ماریں کھاؤ، لیکن نہ اپنے موقف سے ہٹو اور نہ ہی ہاتھ اٹھاؤ۔ اس لیے اگر اس جماعت نے بھی Retaliate کیا یعنی بدلہ میں اس نے بھی ہاتھ اٹھالیا اور وہ جماعت بھی Violent ہوگئی تو جو جما جمایا نظام ہے اسے اس جماعت کو کچلنے اور نیست ونابود کرنے کا قانونی واخلاقی جواز مل جائے گا۔ چنانچہ ان کو یہ جواز نہ دیا جائے۔ بے جواز ماریں اور پیٹیں، ایذا رسانی کرتے رہیں، لیکن ان کو یہ الزام لگانے کا موقع ہرگز نہیں ملنا چاہیے کہ یہ جماعت خود بھی متشدد ہے اور عوام الناس کو بھی تشدد اور بدامنی کے لیے ابھار رہی ہے۔

اس عدم تشدد کی پالیسی پر کاربند رہنے سے وہ لوگ ایذا رسانی اور مار پیٹ سے تو باز نہیں آئیں گے لیکن اس کا نتیجہ یہ ضرور نکلے گا کہ اس معاشرے کی خاموش اکثریت اس جماعت کے حق میں ہموار ہوتی چلی جائے گی۔ قدرتی طور پر لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوال ہیجان پیدا کردے گا کہ آخر یہ لوگ کیوں پیٹے جا رہے ہیں ان کو ایذائیں کیوں دی جا رہی ہیں؟ آخر ان کا جرم کیا ہے؟ کیا انہوں نے چوری کی ہے یا ڈاکہ ڈالا ہے یا کسی غیر اخلاقی حرکت کا ارتکاب کیا ہے؟ یہ اکثریت ہمیشہ خاموش ہوتی ہے لیکن اندھی اور بہری تو نہیں ہوتی، وہ دیکھتی ہے کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور اس کے قلوب واذہان میں اس انقلابی جماعت کے لیے ہمدردی کے جذبات اور احساسات غیر محسوس طریق پر پروان چڑھتے رہتے ہیں اور یہ چیز بھی درحقیقت اس انقلابی نظریہ اور فکر کے پھیلنے میں اہم ترین کردار ادا کرتی ہے۔ اس کے لیے بڑا پیارا مصرع ہے کہ:

جو دلوں کو فتح کرلے وہی فاتح زمانہ

اندر اندر دل تو مفتوح ہو رہے ہیں چاہے زبانیں خاموش ہیں لوگوں میں جرأت نہیں کہ وہ سامنے آجائیں، لیکن وہ انقلابی نظریہ اور فکر لوگوں کے ذہن وقلب میں راسخ ہوتا چلا جاتا ہے اور اس کے علمبرداروں کے لیے دلوں میں ہمدردی کے جذبات پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں۔

اقدام اور چیلنج:

اس کے بعد جب جدید علوم کے حصول، معیشت کے استحکام اور جدید ترین ٹیکنالوجی سے مزین طاقت اتنی فراہم ہوجائے کہ وہ انقلابی جماعت یہ محسوس کرے کہ اب ہم کھلم کھلا اور برملا اس غلط نظام کو چیلنج کرسکتے ہیں اور اس نظام کا مقابلہ کرسکتے ہیں تو اس مرحلہ پر یہ صبر محض (Passive Resistance) اپنے اگلے مرحلے یعنی اقدام میں داخل ہوجاتا ہے، اب حکمت عملی تبدیل ہوگی۔ یعنی یہ کہ اینٹ کا جواب اینٹ سے اور پتھر کا جواب پتھر سے دیا جائے گا لیکن حد سے تجاوز نہ کیا جائے گا نہ ہی زیادتی کی جائے گی بلکہ ہر اقدام عدل کی بنیاد پر کیا جائے گا اور امن وسلامتی کے قیام کو یقینی بنایا جائے گا جیسا کہ قرآن میں فرمان الٰہی ہے:

﴿إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُن فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ﴾ (۷۱)

مسلح تصادم:

اس چیلنج کے نتیجے میں چھٹا اور آخری مرحلہ شروع ہوگا اور وہ ہے مسلح تصادم، جب تک وہ انقلابی جماعت اقدام نہیں کر رہی تھی یعنی

ماریں کھا رہی تھی اور ہاتھ نہیں اٹھا رہی تھی تب تک اور بات تھی اب اگر اس جماعت نے بھی ہاتھ اٹھا لیا تو وہ نظام اس پر پوری طاقت اور قوت کے ساتھ حملہ آور ہوگا اور یہ ہے وہ آخری مرحلہ ہے جس کے اندر جسمانی ٹکراؤ ہو کر رہتا ہے۔ اسی کے لیے اصطلاح ہے تصادم یعنی (Armed Confilict)

ظاہر بات ہے کہ جب یہ چھٹا مرحلہ شروع ہو جائے تو اب فریقین کے ہات میں کچھ نہیں رہا۔ اب تو تاریخ بتائے گی، حالات فیصلہ کریں گے اور دو میں سے ایک نتیجہ بہر حال نکلنا ہے اور وہ ہے تخت یا تختہ۔ تیسرا کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ اگر پہلے پانچ مراحل صحیح طور پر طے ہوئے ہیں، انقلابی عمل مستحکم ہوتے ہوئے اور (Consolidate) کرتے ہوئے آگے بڑھا ہے صحیح تربیت ہوئی ہے، صحیح تنظیم ہوئی ہے اور خاص طور پر یہ کہ پہلے پانچویں مراحل کو طے کرنے کا صحیح حق ادا کیا گیا ہے تو انقلابی جماعت کامیاب ہو جائے گی، انقلاب وقوع پذیر ہو جائے گا اور اس انقلابی نظریہ کے مطابق نظام یکسر تبدیل ہو جائے گا ورنہ اسے کچل کر رکھ دیا جائے گا۔

انقلابی عمل کے یہ چھ مراحل ہیں، یعنی تین تین کے دو گروپ، پہلے تین مراحل کا حاصل ہے: کسی انقلابی نظریہ، فکر، فلسفہ کو قبول کرنے والوں کا ایک تربیت یافتہ اور منظم جماعت کی شکل میں وجود میں آ جانا۔

دوسرے حصے میں بھی تین مراحل ہیں اور وہ ہیں: صبر محض، اقدام اور مسلح تصادم اور اس کا نتیجہ تخت یا تختہ!

انقلاب کی توسیع و تصدیر:

اب اگر انقلاب کامیاب ہو جائے تو ایک ساتواں مرحلہ مزید شروع ہوگا۔ اس انقلاب کی توسیع کا ہوگا اس لیے کہ ایک نظریاتی انقلاب کا یہ خاصہ ہے کہ وہ جغرافیائی اور قومی حدود کا پابند نہیں ہوتا۔ وہ ایک فکر، ایک فلسفہ، ایک نظریہ کی بنیاد پر آتا ہے اور نظریہ وہ شے ہے جس کے لیے نہ پاسپورٹ کی ضرورت ہے نہ ویزا کی حاجت۔ نظریہ کے لیے سرحدیں رکاوٹ نہیں بنتیں۔ نظریہ تو امریکہ جیسے دور دراز ملک سے چلتا ہے اور پاکستان پہنچتا ہے۔ نظریہ کے بڑے مضبوط پر ہوتے ہیں جن کے ساتھ وہ اڑتا ہوا سرحدوں کے تمام موانعات (Barriess) کو عبور کرتا ہے اگر اس نظریہ میں جان ہے تو وہ دوسرے ممالک میں اپنی جڑیں قائم کرے گا جس کے نتیجے میں انقلاب کی توسیع ہوگی اور وہ پھیلے گا، جیسے انقلاب فرانس، فرانس تک محدود نہیں رہا اور بالشویک یعنی اشتراکی انقلاب صرف روس تک محدود نہیں رہا۔ انقلاب کا یہ خاصہ ہے کہ پہلے کسی ایک ملک، کسی ایک علاقے میں آتا ہے وہاں اس کے ثمرات کا ظہور ہوتا ہے، پھر اس کی بین الاقوامی سطح پر توسیع کا عمل شروع ہوتا ہے۔

کامل انقلاب کی واحد مثال: انقلاب محمدی ﷺ:

انقلاب کے یہ سات مراحل (۳+۳+۱) میں نے سیرت محمدی ﷺ سے اخذ کیے ہیں۔ اس کے سوا میرے نزدیک ان کا کوئی اور ماخذ نہیں ہے، کیوں کہ کامل اور ہمہ گیر انقلاب کا منہاج اور نقشہ صرف سیرت محمدی ﷺ سے ہی مل سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تاریخ انسانی میں کامل انقلاب صرف اور صرف حضرت محمد ﷺ نے برپا کیا ہے۔ باقی دنیا کے جو انقلابات مشہور ہیں وہ جزوی انقلاب تھے، فرانس کے انقلاب سے صرف سیاسی ڈھانچہ بدلا، معاشی نہیں بدلا، معاشرتی نہیں بدلا، روحانی و اخلاقی نہیں بدلا، عقائد نہیں بدلے۔

روسی انقلاب سے صرف معاشی ڈھانچہ بدلا، سیاسی ڈھانچہ میں ایک جزوی تبدیلی ہی آئی کہ صرف ایک پارٹی کے نمائندوں پر مشتمل حکومت کا نظام قائم ہو گیا۔

البتہ انسانی زندگی کے چھ کے چھ گوشوں یعنی عقائد، عبادات اور سماجی رسوم کے علاوہ معاشرتی نظام، معاشی و اقتصادی نظام اور سیاسی نظام کو تاریخ انسانی میں صرف ایک مرتبہ بدلا گیا اور یہ بدلا ہے حضرت محمد ﷺ نے اپس جسے کامل، ہمہ گیر، ہمہ گیر، ہمہ گیر اور (Total Revolution) کہا جائے تو وہ ہے ہی صرف ایک اور وہ ہے رسول آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کا برپا کیا ہوا انقلاب۔

حضور اکرم ﷺ کے لائے ہوئے انقلاب میں ڈھونڈے سے بھی کوئی چیز ایسی نہیں ملے گی جو یکسر تبدیل ہو کر نہ رہ گئی ہو۔ "محمد رسول اللہ والذین معہ" کی جدوجہد سعی وکوشش محنت ومشقت اور ایثار وقربانی کے نتیجے میں لکھوکھا مربع میل زمین کے ایک ملک کے رہنے والوں کی زندگیوں میں ایک ایسا انقلاب عظیم برپا ہو گیا کہ ان کی سوچ بدل گئی، ان کی فکر بدل گئی، ان کے عقائد بدل گئے، ان کی اقدار بدل گئیں، ان کے عزائم بدل گئے، ان کے مقاصد بدل گئے، ان کی آرزوئیں بدل گئیں، ان کی تمنائیں بدل گئیں، ان کے دن بدل گئے، ان کی راتیں بدل گئیں، ان کی صبحیں بدل گئیں، ان کی شامیں بدل گئیں، ان کی زمین بدل گئی، ان کا آسمان بدل گیا، یہاں تک کہ اگر پہلے انہیں زندگی عزیز تھی تو اب موت عزیز تر ہو گئی، جو رہزن تھے وہ رہبر بن گئے۔ جو اُمّی محض تھے وہ متعدد علوم وفنون کے موجد بن گئے، جو بے شمار ذمائم اخلاق میں مبتلا تھے وہ مکارم اخلاق کے معلم وداعی بن گئے، جو زانی اور نفس پرست تھے وہ عصمت وعفت کے محافظ بن گئے، جو بے قید حصول معاش کے عادی اور اسراف وتبذیر کے خوگر تھے وہ مال ودولت کے امین بن گئے۔

یہ تھی ہمہ گیر تاہمہ گیری اور برکت اس انقلاب کی جو محمد عربی ﷺ نے برپا فرمایا۔(۷۲)

پھر صرف یہی بات قابل ذکر نہیں ہے کہ کسی ایک انسانی زندگی میں انقلابی عمل کی تکمیل دنیا میں صرف ایک بار ہی ہوئی ہے، بلکہ سب سے زیادہ اہم اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ انقلابی عمل کے یہ تمام کے تمام سات مراحل آپ کو ایک فرد واحد کی زندگی میں نظر آجائیں، یہ ممکن ہی نہیں۔ اس کی کوئی نظیر ہی نہیں سوائے خاتم النبیین سید المرسلین جناب محمد ﷺ کے۔ ایک فرد واحد ۶۱۰ عیسوی میں ایک انقلابی دعوت لے کر کھڑا ہوتا ہے اور ۶۳۰ عیسوی میں یعنی کل بیس برس میں عرب میں انقلاب تکمیل پا جاتا ہے۔ باقی دو سال اس انقلاب کی توسیع کے عمل میں گزرے ہیں۔

۶ ہجری میں صلح حدیبیہ کے بعد مختلف سربراہان مملکت کو دعوتی خطوط ارسال کیے گئے تھے اور سفارتیں بھیجی گئی تھیں۔ (۷۳) اسلام روز افزوں ترقی کرنے لگا اور نا صرف عرب بلکہ پوری دنیا میں پھیلتا چلا گیا، گویا "صلح حدیبیہ" واقعی "فتح مبین" ثابت ہوئی اور صلح کے بعد اسلامی فتوحات کے ایک نئے عظیم الشان سلسلہ کا آغاز ہوا اور اسلامی حکومت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا ہی چلا گیا۔۔۔

قریش مکہ کی جانب سے صلح حدیبیہ کے بعد جب اطمینان ہوا تو آپؐ نے یہود مدینہ کی شرارتوں اور سازشوں کی جانب توجہ مبذول فرمائی اور ان کے سدباب کے لیے مسلح تصادم یعنی جہاد بالسیف کے مرحلے سے گزرتے ہوئے آپؐ نے یہود مدینہ کو شرافت کا سبق پڑھایا دوسری جانب جب قریش مکہ نے معاہدہ حدیبیہ کے صرف دو ہی سال بعد معاہدہ کی خلاف ورزی کر ڈالی تو اب قریش مکہ کے

ساتھ بھی مسلح تصادم کا مرحلہ پیش آیا اور ۸ ہجری میں ایک معمولی جھڑپ کے بعد مکہ پر امن طریقے سے فتح ہو گیا۔(۷۴)

اس کے بعد کے دو سال کے عرصہ میں جنگ موتہ ہوئی، جس میں سلطنت روما جیسی وقت کی سپر طاقت کے ساتھ مسلح تصادم ہوا۔(۷۵) اس کے بعد ۹ ہجری میں خود نبی اکرم ﷺ کی قیادت میں سفر تبوک ہوا۔ اس موقع پر تیس ہزار جان نثار حضور اکرم ﷺ کے جلو میں تھے۔(۷۶)

پھر یہ کہ حضور اکرم ﷺ نے وفات سے چند دن قبل حضرت اسامہ بن زیدؓ کی سربراہی میں شام کی ایک مہم کے لیے لشکر ترتیب فرمایا۔ وہ لشکر ابھی روانہ نہیں ہوا تھا کہ مرض نے شدت اختیار کی اور ربیع الاول ۱۱ ہجری میں نبی اکرم ﷺ نے الرفیق الاعلیٰ کی طرف مراجعت فرمائی۔(۷۷)

دنیائے اسلام کے معروف محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ "معاہدہ حدیبیہ" کی اہمیت و اثرات نیز بعد صلح، اسلام کی حیرت انگیز ترقی کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ..... مسلمانوں کے لیے سخت ترین نازک زمانے میں "حدیبیہ" میں قریش کا اس صلح پر آمادہ ہو جانا اسلامی سیاست خارجہ کی ایک واقعی "فتح مبین" اور "نصر عزیز" تھی، جس کے باعث ان کے ہاتھ کھل گئے اور فوری خطرات سے نجات ملنے پر انہوں نے آزادی کے ساتھ تین ہی سال میں پر امن ذرائع سے اپنی مملکت کو تقریباً دس گنا پھیلا کر پورے جزیرہ نمائے عرب کو اپنا مطیع بنا لیا اور وہاں سے رومی اور ایرانی اثرات کو بالکل خارج کر کے ایک ایسی مستحکم ریاست قائم کر دی جو پندرہ ہی سال میں تین براعظموں پر پھیل گئی اور جو اس سے ٹکرایا پاش پاش ہو کر رہ گیا اور جس نے سر تسلیم خم کیا وہ اسلام کی رنگ و زبان سے بالا قومیت میں برابری کے حصے کے ساتھ شریک ہو گیا، یہی وہ "صلح حدیبیہ" ہے جسے عہد نبوی کی سیاست خارجہ کا شاہکار کہنا چاہیے۔(۷۸)

اندازہ کیجیے کہ اکیس بائیس برس کے لگ بھگ مختصر ترین عرصہ میں نبی اکرم ﷺ نے ایک ہمہ گیر اور ہمہ جہتی انقلاب کی از ابتداء تا انتہا بنفس نفیس تکمیل فرما دی، جس کی دنیا میں کوئی نظیر نہ پہلے موجود تھی نہ تا قیامت ملے گی۔ دنیا کے دوسرے دو انقلابات مشہور ہیں، یعنی انقلاب فرانس اور انقلاب روس۔ ایک طرف تو یہ انقلابات جزوی تھے اور دوسری طرف قابل ذکر بات یہ ہے کہ ان انقلابات کی فکر دینے والے کوئی اور تھے اور انقلاب برپا کرنے والے کوئی اور پھر انقلابی فکر پیش ہونے اور اس کے نتیجے میں عملاً انقلاب بپا ہونے میں اچھا خاصا زمانی فاصلہ ہے۔ انقلاب فرانس اس فکر کے نتیجے میں رونما ہوا جو والٹیر اور روسو جیسے بے شمار مصنفوں کی کتابوں کے ذریعے کافی عرصے تک پھیلتا رہا۔

اسی طرح انقلاب روس کی اساس کارل مارکس کی کتاب "داس کیپیٹل" پر قائم ہوئی، لیکن خود مارکس کی زندگی میں ایک گاؤں میں بھی انقلاب کے عملاً برپا ہونے کا امکان تک پیدا نہ ہو سکا۔ مارکس جرمنی کا رہنے والا تھا، لیکن انقلاب روس میں آیا اور اس کی موت کے قریباً پچاس سال بعد لینن جیسی فعال شخصیت کے ہاتھوں آیا اور وہ بھی اس لیے کہ روس کے داخلی معاملات اس حد تک بگڑ گئے تھے کہ وہ بالشویک انقلاب کے لیے سازگار ہو گئے تھے مگر اکیس بائیس برس کے لگ بھگ ایک مختصر سے عرصہ میں ایک عالمگیر انقلاب کی تکمیل جس میں انقلاب کے جملہ مراحل کی تکمیل دنیا کی تاریخ میں صرف ایک بار ہوئی وہ حضرت محمدؐ کے دست مبارک سے ہوئی ہے بعد میں رونما ہونے والے انقلابات میں اصل رہنمائی سیرت مطہرہؐ سے ہی لی گئی ہے۔ بقول علامہ اقبال(۷۹)

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو آنکہ از خاکش بروید آرزو!
یاز نورِ مصطفیٰ اورا بہاست!! یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ است

یعنی نبی اکرم ﷺ کے سعید و مبارک دور کے بعد دنیا نے جو کچھ سیکھا وہ حضور اکرم ﷺ سے ہی سیکھا ہے یا پھر انسان ٹھوکریں کھا کھا کر چار و نا چار اسی منزل کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے کہ جس منزل پر پہنچایا تھا محمد رسول اللہ ﷺ نے!

لہٰذا واضح رہے کہ رسول اللہ ﷺ کے غزوات (۸۰) و معاہدات سب کے سب دراصل قیام امن و سلامتی کی خاطر اور فساد اور طاغوتی نظام کے سدباب کے لیے نیز مظلوم کی حمایت اور ظالم کی سرکوبی کے لیے ہی تھے ان عظیم اقدامات کے پس منظر میں اگر ایک جانب آپ کی سیاسی و عسکری بصیرت کا دخل تھا تو دوسری جانب ہر ہر قدم پر رہنمائی کے لیے وحی الٰہی بھی کارفرما تھی چونکہ ہمارے لیے رسول اکرم ﷺ کی زندگی ایک بہترین نمونہ ہے۔ (۸۱) بقول قرآن الحکیم

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ لہٰذا آپ نے پرامن بقائے باہمی کے اصول کے تحت اور قیام امن و سلامتی کی خاطر جتنے بھی معاہدات امن و صلح طے فرمائے بشمول "صلح حدیبیہ" وہ سب کے سب دراصل ہمارے سیاسی و عسکری نظام کی کامیابی اور دنیا میں فتح و نصرت اور عزت و شوکت حاصل کرنے کے لیے ایک مثالی نمونہ اور مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

لہٰذا واضح رہے کہ انقلابی عمل کے تمام مراحل کے استنباط کے لیے اصل ماخذ صرف اور صرف سیرت النبی ﷺ ہی ہے۔ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام (۸۲)

آج امت مسلمہ کے مسائل، درپیش چیلنجز سے نجات، اسلام کی نشاۃ ثانیہ، دین کی سربلندی، ترویج و اشاعت، عالم اسلام کی بقا اور ترقی کا راز اسی میں مضمر ہے کہ ہم دین کے دامن سے وابستہ ہو جائیں۔ قرآن و سنت، اسوۂ نبویؐ اور تعلیمات نبوی کو مشعل راہ بنائیں۔

☆ امتِ مسلمہ کا اتحاد وقت کی ایک اہم اور ناگزیر ضرورت ہے، ہمیں "بنیانِ مرصوص" کی طرح مضبوط اور متحد ہو کر اپنی صفوں میں اتحاد قائم کرنا ہوگا۔

☆ تمام سیاسی، علاقائی، گروہی اور فروعی اختلافات کے خاتمے کے لیے پوری مسلم امہ کو اپنا مؤثر کردار ادا کرنا ہوگا۔

☆ عالمگیریت جیسے عالمی فتنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے اسلام کے آفاقی اور عالمگیر پیغام کو عام کیا جائے۔

☆ امت مسلمہ یورپی یونین کی طرز پر اپنی علیحدہ یونین بنا کر اپنی کرنسی اور دفاع کا مشترکہ نظام وضع کرے، تاکہ مغرب، عالمی استعمار کے دباؤ اور ان کی جارحیت سے نمٹنا ممکن ہو سکے۔

☆ مسلم ممالک کی سطح پر امت مسلمہ کے ریسرچ اسکالرز، مختلف شعبوں کے ماہرین، سائنسدانوں اور مختلف پیشہ ورانہ خدمات کے حامل ماہرین کی خدمات سے مشترکہ طور پر بھرپور فائدہ اٹھایا جائے۔

☆ امتِ مسلمہ ذرائع ابلاغ پر خصوصی توجہ دیتے ہوئے مضبوط اسلامی اطلاعاتی مرکز کے قیام کو فوری طور پر یقینی بنائے، تاکہ مغربی میڈیا کی تہذیبی و ثقافتی یلغار کو روکا جا سکے۔

☆ OIC کو دیگر عالمی اداروں کی طرح فعال اور طاقتور ادارہ بنایا جائے۔ تاکہ وہ اپنا مؤثر کردار ادا کر سکے۔

☆ امتِ مسلمہ کی دولتِ مشترکہ کا قیام ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ اس کے قیام کے لیے مؤثر اقدامات عمل میں لائے جائیں۔

☆ امتِ مسلمہ کے تمام اداروں خصوصاً OIC کا فرض ہے کہ وہ عالمی سامراجیت، مغرب کے اقتصادی غلبے سے بچنے کے لیے مسلم ممالک کی مشترکہ تجارتی منڈی قائم کریں۔

☆ بین الاقوامی تجارت کے فروغ کے لیے اسلامک یونینز (Islamic Unions) قائم کی جائیں اور بلاسودی معیشت کے فروغ کے لیے اسلامی بینک قائم کیے جائیں۔ سرمایہ داری اور سودی نظام بینکاری سے چھٹکارا حاصل کیا جائے۔ بیرونی امداد اور عالمی قرضوں پر انحصار کے بجائے خود انحصاری اور خودداری کی راہ اپنائی جائے۔

☆ تمام مسلم ممالک اپنے وسائل کو یکجا کر کے تعلیم، سائنس و ٹیکنالوجی، دفاع اور تجارت کو مضبوط کرنے پر صرف کریں۔ ان امور کو مضبوط کیے بغیر امتِ مسلمہ کا مستقبل محفوظ اور باوقار نہیں ہو سکتا۔

☆ مسلم ممالک میں اسلامی اقدار کے تحفظ، سائنس، جدید علوم اور تحقیق پر بنیادی توجہ دی جائے اور "Human Resource Development" کے مشترکہ منصوبے شروع کیے جائیں۔

☆ عالمِ اسلام کے مسائل اور تنازعات کے حل کے لئے World Islamic Court of Justice قائم کی جائے۔

☆ معاہداتِ نبویؐ بالخصوص صلح حدیبیہ کو مشعلِ راہ بناتے ہوئے اس کی طرز پر بین الاقوامی سیاسی و عسکری معاہدات استوار کیے جائیں۔

حواشی و حوالہ جات

(۱) اقبال، محمد، علامہ، ڈاکٹر/ کلیاتِ اقبال، کراچی، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۹۶ء، ص ۱۳۳

(۲) القرآن الحکیم سورۃ الحجرات/ ۱۳

(۳) ابن منظور الافریقی/ لسان العرب، بیروت، ۱۹۵۶ء، ۱۲/ ۲۷

(۴) ایضاً ۱۲/ ۲۳

(۵) ایضاً ۱۲/ ۲۳

(۶) القرآن الحکیم سورۃ یٰس/ ۳۹

(۷) القرآن الحکیم سورۃ الانعام/ ۳۹

(۸) القرآن الحکیم سورۃ البقرۃ/ ۱۳۱

(۹) القرآن الحکیم سورۃ آل عمران/ ۱۰۴

(۱۰) القرآن الحکیم سورۃ الرعد/ ۳۰

(۱۱) القرآن الحکیم سورۃ النحل/ ۱۲۰

(۱۲) بحوالہ، خالد علوی، ڈاکٹر/ اسلام کا معاشرتی نظام، لاہور، الفیصل ناشران، ۲۰۰۵ء، ص ۳۰۶

(۱۳) القرآن الحکیم سورۃ یونس/ ۱۹

(۱۴) القرآن الحکیم سورۃ النحل/ ۹۳

(۱۵) القرآن الحکیم سورۃ البقرۃ/ ۱۴۸

(۱۶) القرآن الحکیم سورۃ آل عمران/ ۱۱۰

(۱۷) القرآن الحکیم سورۃ البقرۃ/ ۱۴۳

(۱۸) خالد علوی، ڈاکٹر/ اسلام کا معاشرتی نظام، ص ۳۰۹

(۱۹) القرآن الحکیم سورۃ الشوریٰ/ ۳

(۲۰) القرآن الحکیم سورۃ الشوریٰ/ ۵۱

(۲۱) القرآن الحکیم سورۃ آل عمران/ ۱۰۳

(۲۲) القرآن الحکیم سورۃ الحجرات/ ۱۳

(۲۳) القرآن الحکیم سورۃ النساء/ ۱

(۲۴) احمد بن حنبل/ المسند ۵/ ۱۵۰، رقم الحدیث ۲۳۳۷۹

(۲۵) ایضاً حوالہ سابقہ

(۲۶) خالد علوی، ڈاکٹر/ اسلام کا معاشرتی نظام، ص ۳۲۹

(۲۷) القرآن الحکیم سورۃ الحجرات/ ۱۰

(۲۸) احمد بن حنبل/ المسند ۱/ ۲۳۳، ۲۵۰

(۲۹) دیکھیے: خالد علوی، ڈاکٹر/ اسلام کا معاشرتی نظام، ص ۳۳

(۳۰) بخاری، محمد بن اسماعیل/ الجامع، کتاب الادب، باب رحمۃ الناس، رقم الحدیث ۱۵۵۱

(۳۱) مسلم/ الجامع الصحیح، کتاب البر، باب تراحم المومنین، رقم الحدیث ۱۳۶۱

(۳۲) بخاری/ الجامع الصحیح، کتاب الصلوٰۃ/ ۴۸

(۳۳) القرآن الحکیم سورۃ البقرہ/ ۱۴۳

(۳۴) القرآن الحکیم سورۃ آل عمران/ ۱۱۰

(۳۵) احمد بن حنبل/ المسند ۳/۵

(۳۶) ایضاً حوالہ بالا

(۳۷) خالد علوی، ڈاکٹر/ اسلام کا معاشرتی نظام ص ۳۳۳

(۳۸) ابن ماجہ/ السنن، کتاب الفتن ۵۷۶

(۳۹) محمد امین، ڈاکٹر/ اسلام نشاۃ ثانیہ۔ اساس اور لائحہ عمل، لاہور، بیت الحکمت، ۲۰۰۳ء، ص ۱۳۲

(۴۰) ایضاً ص ۱۳۳) مزید دیکھیے: علی نواز میمن/ مطلب اسلامیہ، مترجم صولت قدوائی، کراچی، انجمن ترقی اردو، ۲۰۰۱ء، ص ۱۴۸، ۱۴۹

(۴۱) ایضاً ص ۱۳۳

(۴۲) سید قاسم محمود ...... مسلم دنیا ایک تعارف، لاہور، الفیصل، ۲۰۰۵ء، ص ۵

(۴۳) محمد امین، ڈاکٹر/ اسلام نشاۃ ثانیہ ص ۱۳۷

(۴۴) القرآن الحکیم سورۃ بنی اسرائیل/ ۸۱

(۴۵) محمد امین، ڈاکٹر/ اسلام نشاۃ ثانیہ ص ۱۳۱

(۴۶) ملاحظہ: The Statesman's Year Book 2002, Edited by Barry Turner

(۴۷) القرآن الحکیم سورۃ البقرہ/ ۱۴۳

(۴۸) القرآن الحکیم سورۃ الاعراف/ ۹۶

(۴۹) القرآن الحکیم سورۃ آل عمران/ ۱۱۸

(۵۰) القرآن الحکیم سورۃ ہود/ ۳

(۵۱) القرآن الحکیم سورۃ آل عمران/ ۱۳۹

(۵۲) دیکھیے خورشید احمد، پروفیسر/ اسلامی نظریہ حیات، کراچی، شعبہ تصنیف و تالیف جامعہ کراچی، ص ۵۴۹

(۵۳) القرآن الحکیم سورۃ النور/ ۵۵

(۵۴) اقبال/ کلیات اقبال ص ۱۳۰

(۵۵) ایضاً/ کلیات اقبال ص ۱۹۳

(۵۶) ایضاً/ کلیات اقبال ص ۱۱۰

(۵۷) بعض الفاظ ہیں جن کے معنی دور حاضر کے ماحول اور تہذیبی آثار نے بدل دیے ہیں مثلاً انقلاب کے معنی توڑ پھوڑ اور شکست و ریخت کے سمجھے جاتے ہیں آج کل انقلاب کے ساتھ تعمیر کا تصور بہت کم اذہان میں آتا ہے تاہم انقلاب کے ضمن میں ہمیں انقلاب نبوی پوری انسانی تاریخ میں خالص تعمیری انقلاب کے روپ میں نظر آتی ہے۔

(۵۸) بشیر احمد تمنا، پروفیسر، تاریخ اسلام (مکمل) علمی بک پبلشرز، لاہور، جنوری ۲۰۰۰ء، ص ۱۱

(۵۹) نصیر احمد ناصر، ڈاکٹر/ پیغمبر اعظم و آخر، فیروز سنز، کراچی

(۶۰) یثرب دراصل مدینہ کا پرانا نام تھا، آنحضرتؐ کی ہجرت مدینہ سے قبل یہ شہر اسی نام سے جانا جاتا تھا لیکن ہجرت کے بعد یثرب آپؐ سے منسوب ہو کر مدینۃ النبی کہلایا جانے لگا اور آج تک اسی نام سے موسوم ہے۔

(۶۱) عبدالمصطفیٰ اعظمی، سیرت مصطفیٰ، اکبر بک سیلرز، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص ۴۷

(۶۲) بشیر احمد تمنا، پروفیسر، تاریخ اسلام (مکمل)، ریونیو بک پبلشر، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص ۱۵

(۶۳) اقبال/کلیات اقبال، ص ۱۲۲

(۶۴) القرآن الحکیم

(۶۵) اقبال/کلیات اقبال، ص ۱۳۹

(۶۶) اسرار احمد، ڈاکٹر، رسول انقلاب کا طریق انقلاب، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، ۲۰۰۲ء، ص ۲۷

(۶۷) شاعر، اکبر الٰہ آبادی

(۶۸) اقبال/کلیات اقبال، ص ۱۵۷

(۶۹) القرآن الحکیم سورۃ البقرۃ: ۱۹۱

(۷۰) القرآن الحکیم سورۃ المائدہ ۳۲

(۷۱) القرآن الحکیم سورۃ الانفال ۷۳

(۷۲) اسرار احمد، ڈاکٹر، رسول انقلاب کا طریق انقلاب، ص ۳۳

(۷۳) نصیر احمد ناصر، ڈاکٹر، پیغمبر اعظم و آخر، ص ۵۸

(۷۴) ایضاً، ص ۶۰۸

(۷۵) ایضاً، ص ۶۰۶

(۷۶) ایضاً، ص ۶۲۲

(۷۷) بشیر احمد تمنا، پروفیسر، تاریخ اسلام (مکمل)، ص ۹۷

(۷۸) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ص ۱۲۵_۱۲۶

(۷۹) اقبال/کلیات اقبال، ص ۱۳۶

(۸۰) رسول اللہؐ نے جنگوں میں کشت و خون سے قطعی پرہیز فرمایا کیوں کہ آپ کی جنگوں کا مقصد ہی عالمی امن کا قیام تھا۔ یہی وجہ ہے کہ چند سو جانیں ضائع ہوئیں مگر ۱۰ لاکھ مربع میل کے علاقے پر امن و امان قائم ہو گیا۔ ۲۷۶ مستقل سیاسی اکائیاں ایک ریاست اور ایک وحدت میں مدغم ہو گئیں اور ۸۲ لاکھ ۵ ہزار آدمی (حضورؐ کی اپنی زندگی میں) خدائے واحد کے پرستار بن گئے۔

(۸۱) القرآن الحکیم سورۃ الاحزاب ۲۱

(۸۲) اسرار احمد، ڈاکٹر، رسول انقلاب کا طریق انقلاب، ص ۶۱

باب پنجم

﴿فصل ششم﴾

صلح حدیبیہ اور مسلم امہ کا مستقبل......ایک جائزہ

(سابقہ عالمی حالات کے پس منظر میں اسلام و مسلم امہ کا حال)

خلافت عثمانیہ کا خاتمہ امت مسلمہ کے زوال کا نقطۂ آغاز:

۲۸ رجب ۱۳۴۲ ہجری بمطابق ۳ مارچ ۱۹۲۴ء کو استعماری کفار، برطانیہ کی سرکردگی میں، عرب اور ترک غداروں کی مدد سے، ریاست خلافت کو تباہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ مجرم زمانہ مصطفیٰ کمال نے استنبول میں خلافت کے خاتمے کا اعلان کیا، خلیفہ کا محاصرہ کیا اور آج کے دن صبح کے وقت خلیفہ کو ریاست بدر کر دیا۔ یہ وہ قیمت تھی جو برطانیہ نے مصطفیٰ کمال سے، اسے شہرت دلانے اور سیکولر جمہوریہ ترکی کا پہلا صدر بنانے، کے بدلے طلب کی۔(۱)

خلافت کا وہ شدید زلزلہ تھا جس نے اسلامی علاقوں کو ہلا کر رکھ دیا، جو کہ مسلمانوں کی عزت و وقار کا مظہر تھی اور اللہ رب العالمین کی خوشنودی کا ذریعہ تھی۔(۲) بقول اقبال ؂

چاک کر دی ترک ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی مسلم کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ(۳)

اس کے بعد اسلامی ممالک میں استعماری کفار کا اثر و رسوخ قائم ہو گیا۔ انہوں نے مسلمانوں کے علاقوں کو تقسیم کیا، امت مسلمہ کو چیر پھاڑ کر ۵۵ ٹکڑوں میں بانٹ دیا۔ بقول اقبال ؂

لے گئے تثلیث کے فرزند میراث خلیل
خشت بنیاد کلیسا بن گئی خاک حجاز(۴)

اور ان میں سے ہر ایک پر اپنے ایجنٹ کو بطور حکمران مقرر کر دیا، جو ان کے اشاروں پر چلتے تھے اور ان کا حکم بجا لاتے تھے۔ کفار نے ہی ان حکمرانوں کے لیے تمام اہم پالیسیاں مرتب کیں اور خلافت کی واپسی کو روکنے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا، خواہ وہ حربہ کتنا ہی قبیح اور شر انگیز کیوں نہ ہو۔ کفار نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت سے بھرپور اور شر انگیز پالیسیوں پر عمل درآمد کے لئے ان ایجنٹ حکمرانوں کو ہراول دستے کے طور پر استعمال کیا۔(۵) پھر انہوں نے زلزلے میں ایک اور جھٹکے کا اضافہ کیا اور اسراء و معراج کی مقدس سرزمین میں یہودیوں کو ریاست مہیا کی اور انہیں اپنی طاقت برقرار رکھنے کے ذرائع فراہم کیے۔ ان ذرائع میں اولین ذریعہ

اردگرد کے مسلمان ممالک کے حکمرانوں کے ذریعے یہودی ریاست کو امن وسلامتی مہیا کرتا تھا۔ یہی نہیں بلکہ ان حکمرانوں نے یہودیوں کے خلاف چھڑنے والی ہر جنگ میں شکست کو ممکن بنایا جس نے یہودیوں کو وہ طاقت اور ساکھ عطا کی جس کے وہ مالک نہ تھے۔ ان حکمرانوں نے اس پر اکتفا ہی نہ کیا بلکہ انہوں نے فلسطین کے مسئلے کو اسرائیل کو تسلیم کر کے اس کے وجود کا جڑ سے خاتمہ کرنے کی بجائے ۱۹۶۷ء کے چند مقبوضہ علاقوں پر مذاکرات تبدیل کرنے کی ہر ممکن کوشش کی، یوں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ (۶)

امت مسلمہ: استعمار کے نرغے میں:

دوسری جنگ عظیم کے بعد (۷) امریکہ نے مغرب کی قیادت سنبھال لی اور اس نے یورپ کی کالونیوں پر اثر و رسوخ جمانے کے لئے یورپ کے ساتھ مخاصمت شروع کر دی۔ امریکہ یہ گمان کرتا تھا کہ ان علاقوں کا فطری وارث ہے جو مغرب کے اثر و رسوخ میں ہیں کیونکہ اسی نے دوسری جنگ عظیم میں مغرب کو بچایا ہے۔ یورپ بالخصوص برطانیہ اس بات کو آسانی سے قبول کرنے کو تیار نہ تھا۔ پس مسلمان ممالک کافر ریاستوں کی آپس کی استعماری کشمکش کا میدان کارزار بن گئے۔ اس کے ساتھ ساتھ مغرب بالخصوص امریکہ اور سابقہ سوویت یونین کے درمیان ایک اور کشمکش جاری تھی جو اس سے بھی زیادہ شدید تھی۔ (۸) جبکہ مسلمان اپنے غدار حکمرانوں کی غداری کے سبب اس باہمی مخاصمت کا ایندھن بنے ہوئے تھے۔ جہاں تک وسائل اور علاقوں پر کنٹرول کی شکل میں حاصل ہونے والے مال غنیمت کا تعلق ہے تو یہ اس ریاست کے ہاتھ آتا جو اس کشمکش میں کامیابی حاصل کرتی۔ بالآخر ان دو گروہوں کی باہمی کشمکش امریکہ اور روس کے درمیان معاہدے پر منتج ہوئی اور دونوں ممالک نے بین الاقوامی سیاسی مفادات کو آپس میں تقسیم کر لیا۔ پھر سوویت یونین ٹوٹ گیا، لیکن یورپ اس قابل نہ تھا کہ وہ امریکہ کے مقابلے کے لئے سوویت یونین کی جگہ لے سکے۔ (۹)

سوویت یونین کے انہدام، یورپ کے عدم اتحاد اور یورپ کی طرف سے امریکہ کے سامنے کمزوری دکھانے کے باعث امریکہ بین الاقوامی سیاست پر مکمل طور پر حاوی ہو گیا اور وہ طاقت کے گھمنڈ میں مبتلا ہو گیا۔ اس نے ادھر ادھر حملے کرنے شروع کر دیے۔ (۱۰) اس نے ایران اور عراق کے درمیان خلیج کی پہلی جنگ بھڑکائی اور پھر عراق کو کویت سے نکالنے کے لیے خلیج کی دوسری جنگ کا آغاز کیا۔ بش کے باپ بش سینئر کے صلیبی بیانات نے اسلام اور مسلمانوں دونوں کے خلاف ان کے دل میں موجود نفرت کو ظاہر کر دیا۔ امریکہ بلا روک ٹوک دنیا میں دندناتا رہا، یہاں تک کہ ۱۱ ستمبر کا واقعہ رونما ہو گیا جس کے تمام راز ابھی تک آشکار نہیں ہوئے۔ (۱۱)

پوری دنیا پر تسلط کی جدوجہد میں امریکہ نے دنیا کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا، یا تو اس کے سامنے جھک جاؤ یا پھر اس کی جارحیت اور حملے کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ (۱۲) ہم نے افغانستان پر اس کی ظالمانہ کاروائیوں کا مشاہدہ کیا جس کے بعد عراق میں بھی یہی سلسلہ دہرایا گیا۔ امریکہ نے اقوام متحدہ کے قانونی جواز کو نظر انداز کر دیا، یہاں تک کہ اس نے بین الاقوامی آداب کا بھی لحاظ نہ

کیا۔اس نے پرانے یورپ اور نئے یورپ کی بات کر کے یورپ کا تمسخر اڑایا اور اپنی اس جارحیت پر عملدرآمد میں دوست یا دشمن، کسی کی پرواہ نہ کی۔(۱۳)

امریکہ نے ایسے وحشیانہ فعل سرانجام دیئے ہیں کہ جنگل کا درندہ بھی انہیں کرتے ہوئے شرما جائے۔شمالی افغانستان میں قلعہ جنگی کے بارے میں جو کچھ شائع ہوا، جب قیدیوں کو اکٹھا کر کے ٹینکوں، ہتھیاروں اور جہازوں کے ذریعے موت کے گھاٹ اتارا گیا اور جو کچھ افغانستان کی بگرام ایئربیس پر ہوا اور گوانتاناموبے کے جزیرے میں جن جرائم کا ارتکاب کیا گیا ہے، منظر عام پر آنے والے یہ واقعات اصل کارروائیوں کا محض چند فی صد ہیں۔یہ سب اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ امریکہ اپنے اندر کس قدر شر اور خباثت سمیٹے ہوئے ہے(۱۴)

علاوہ ازیں اس نے عراق کے ابوغریب جیل اور فلوجہ میں جو جرائم سرانجام دیئے ہیں وہ انتہائی قبیح اور گھناؤنے ہیں۔گھروں کے تقدس کی پامالی، لوگوں کی عزتوں کو تار تار کرنا، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کا بے دریغ قتل عام، غرض یہ کہ جو کچھ عراق میں ہو رہا ہے وہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ امریکہ انسانیت کی تمام تر صفات سے محروم ہو چکا ہے اور انسانیت کے مقام سے گر کر جانوروں کے درجے کو جا پہنچا ہے۔(۱۵)

امت مسلمہ: چیلنجز اور مسائل کی زد میں:

خلافت کے انہدام کے بعد سانحے اور مصیبتیں بارش کے قطروں کی مانند مسلمانوں کے علاقوں پر برسنے لگیں۔برطانیہ نے، جو اس وقت کفر کا سردار تھا، خلافت کو تباہ کرنے کے اور ارض مقدس پر یہودی وجود کا پودا لگانے میں مرکزی کردار ادا کیا۔اس نے انڈیا کو مسلم حکمرانوں سے چھیننے کے بعد، اس کا زیادہ تر حصہ ہندوؤں کے حوالے کر دیا، جب کہ ایک چھوٹا پسماندہ حصہ مسلمانوں کو دے دیا۔پھر برطانیہ نے کشمیر کا جو زخم لگایا تا کہ امت مسلمہ کے جسم سے لہو رستہ رہے، پس برطانیہ نے اس حقیقت کے باوجود کشمیر کو ہندوؤں کے تسلط میں دے دیا کہ اس کی آبادی کا بیشتر حصہ مسلمان ہے۔اس وقت سے آج تک کشمیر بھارتی مظالم کی چکی میں پس رہا ہے اور یہ مظالم ہزاروں تک جا پہنچے ہیں۔(۱۶)

یہودی ریاست نے فلسطین میں تاریخ کے سب سے گھناؤنے جرائم سرانجام دیئے اور وہ ابھی بھی انہیں جاری رکھے ہوئے ہے۔جنین کا قتل عام بلکہ نسل کشی، اس کی گواہی دیتا ہے، یہودی ریاست کے جرائم سے انسان تو کیا درخت اور پتھر بھی محفوظ نہیں۔یہودیوں نے عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کا بے دریغ قتل کیا، گھروں کو مسمار کیا اور درختوں کو اکھاڑ پھینکا۔ان کاموں میں اسے کافر مغرب کی پشت پناہی حاصل ہے جس کی قیادت امریکہ کر رہا ہے، جس کی خاطر وہ مسلمان ممالک میں اٹھنے والی کسی بھی قوت کے خلاف محاذ آراء ہے۔امریکہ مسلمان ممالک کی قوت کے ذرائع، خاص طور پر ایٹمی ہتھیاروں کے گرد گھیرا تنگ کر رہا ہے۔اگرچہ یہودیوں کے پاس ایسے کئی ہتھیار کئی سالوں سے موجود ہیں۔یہی نہیں بلکہ ان ہتھیاروں کی تیاری میں یہودی ریاست کی مدد کر رہا ہے اور اسے ایٹمی ہتھیاروں سے متعلق کسی بھی قسم کے دباؤ یا مسئلے سے تحفظ فراہم کرتا ہے۔جب کہ دوسری طرف وہ ایٹمی

ٹیکنالوجی کے استعمال پر مسلمان ممالک کی چھان بین کرتا رہتا ہے، خواہ یہ استعمال پرامن مقاصد کے لئے ہی کیوں نہ ہو۔(۱۷)
اور جہاں تک سوویت یونین کا تعلق ہے، تو اس نے کریمیا کے مسلمانوں کو دربدر کر دیا، وسط ایشیاء کے کئی مسلمانوں کو ہلاک کر ڈالا اور گرفتاریوں اور ریاست بدری کے ذریعے تاتارستان کے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا اور ابھی بھی روس چیچنیا میں مسلمانوں کو بے دردی سے قتل کر رہا ہے، وہ مسلمانوں کے دیہاتوں اور شہروں کو ملیامیٹ کر رہا ہے اور ان کے خلاف زمین سوز حکمت عملی (Scorch earth policy) جاری رکھے ہوئے ہے۔ گروزنی کا شہر اس کا واضح ثبوت ہے۔(۱۸)
اور ہم نے فرانس کی نفرت کا بھی مشاہدہ کیا ہے جب یوگوسلاویہ کے ٹوٹنے کے بعد اس نے بوسنیا میں مسلمانوں کو سربیا اور کروشیا کی طرح ایک علیحدہ ریاست قائم کرنے سے روکنے کی پالیسی اختیار کی۔ یہ ان وحشیانہ جرائم کے علاوہ ہے، جو فرانس نے پچاس کی دہائی کے شروع میں الجزائر کے خلاف سرانجام دیے تھے۔(۱۹)
مسلمان علاقوں کی موجودہ تقسیم سے بڑھ کر کافر مغرب نے اسلامی علاقوں کو تقسیم در تقسیم کرنے کی پالیسی اپنائی تاکہ مسلمانوں کے روابط اور تعلقات ختم ہو جائیں اور وہ بکھر کر رہ جائیں۔ جیسا کہ ہم اس وقت عراق میں دیکھ رہے ہیں جہاں مسلمانوں کی آبادی کے حصے بخرے کئے جا رہے ہیں اور نسلی فیڈرل ازم کی بنیاد رکھی جا رہی ہے اور جو کچھ سوڈان میں ہو رہا ہے جہاں جنوبی سوڈان کو علیحدہ کیا جا رہا ہے اور اس کے بعد دارفور، مشرقی سوڈان کی علیحدگی کی راہ ہموار کی جا رہی ہے۔ اسی طرح مشرقی تیمور کو انڈونیشیا سے کاٹ کر علیحدہ کر دیا گیا اور آچے میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس کی علیحدگی کی تیاری کر رہا ہے اور الجیریا کے مشرقی علاقے امزگ میں اور پاکستان میں جہاں مشرقی حصے کو مغربی حصے سے جدا کرنے کی منصوبہ بندی کی جا رہی ہے۔ کفار ہمارے ممالک میں نسلی جذبات کو ابھارنے اور جغرافیائی و قبائلی کشیدگی پیدا کرنے کے منصوبے بنا رہے ہیں تاکہ تقسیم شدہ مسلمان ممالک کو مزید توڑا پھوڑا اور ٹکڑے ٹکڑے کیا جائے۔(۲۰)

اسلام اور امت مسلمہ کے خلاف عالمی استعمار اور مغربی قوتوں کا اتحاد:

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت، صلیبی مغرب کے منہ سے ظاہر ہے اور جو کچھ وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں، وہ اس سے بڑھ کر ہے۔(۲۱) ہم آپ کو ان کی نفرت کی یاددہانی کراتے ہیں کیوں کہ یاددہانی مومنوں کے لئے فائدہ مند ہوتی ہے۔ بقول قرآن الحکیم

﴿وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ﴾(۲۲)

پہلی جنگ عظیم(۲۳) کے خاتمے پر جب جنرل ایلن بی بیت المقدس پر قبضے کے بعد وہاں پہنچا تو اس نے یہ الفاظ کہے: ''آج صلیبی جنگوں کا اختتام ہوا ہے۔(۲۴) یہ جنرل، عثمانی ریاست کو اسلامی ریاست کا تسلسل سمجھتا تھا۔ جب عثمانی ریاست کو جنگ میں شکست ہوئی تو اس نے سمجھ لیا کہ مسلمانوں کی ریاست کا خاتمہ ہو گیا اور اب یہ دوبارہ نہیں لوٹے گی۔ نتیجتاً اس کے گمان اور ارادوں کے مطابق اسلامی علاقوں پر ان کا کنٹرول بلا مخالفت جاری رہے گا۔ حد درجے افسوس ناک، ذلت آمیز اور عجیب بات تو یہ ہے کہ

عرب فوج کا سردار فیصل، جس نے عثمانی فوج کے خلاف بغاوت کی تھی اور اسلامی ریاست کے خلاف جنگ میں انگریزوں کا ساتھ دیا تھا، وہ اس وقت ایلن بی کے ساتھ کھڑا تھا لیکن ایلن بی نے یہ بات کہتے ہوئے ظاہری طور پر بھی پرواہ نہ کی کہ فیصل مسلمان ہے بلکہ اس نے بلند آواز میں اس بات کا اظہار کیا کہ اسلامی ریاست یعنی ریاست عثمانیہ کو شکست ہوگئی اور کافر مغرب نے صلیبی جنگ جیت لی ہے۔ اگر فیصل میں ذرہ برابر بھی شرم ہوتی تو وہ کم از کم ایلن بی اس بات پر احتجاج ضرور کرتا لیکن وہ اس وقت ہی تمام تر شرم سے عاری ہوگیا تھا جب اس نے اپنی ریاست کے خلاف انگریزوں کا ساتھ دیا تھا، جب اس کے باپ حسین بن علی نے اسلامی ریاست کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا اور وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ میں انگریزوں کے ساتھ مل گیا تھا۔

پہلی جنگ عظیم کے اختتام پر فرانسیسی جنرل گورو، صلاح الدین کی قبر پر آیا تو اس نے اس صلیبی جنگ میں اپنی کامیابی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ''اے صلاح الدین! ہم واپس آ گئے ہیں'' (۲۵)

پچاس کی دہائی میں فرانسیسی وزارت خارجہ کے ایک عہدیدار نے کہا: ''اسلامی دنیا ایک دیو ہے جسے جکڑ دیا گیا ہے۔ آؤ ہم اپنی تمام تر قوت لگا دیں تا کہ یہ دوبارہ نہ اٹھ سکے۔ (۲۶)

ساٹھ کی دہائی میں یوجین روسٹو، جو کہ اس وقت امریکہ اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ میں پلاننگ ڈویژن کا سربراہ اور صدر جانسن کا مشیر بھی تھا، نے کہا: ''مشرق وسطیٰ میں مغربی دنیا کا ہدف اسلامی تہذیب کو تباہ کرنا ہے اور اسرائیل کا قیام اس منصوبہ کا ایک حصہ ہے اور یہ صلیبی جنگوں کے تسلسل کے سوا کچھ نہیں۔ (۲۷)

۱۹۹۰ء کے آغاز میں صحافی ڈیوڈ ہال کا ایک مضمون ''تاریخ کے دھارے کی تبدیلی'' کے عنوان سے واشنگٹن پوسٹ اور جاپان ٹائمز میں شائع ہوا، جس میں اس نے کہا کہ سوویت یونین کے انہدام کے بعد اولین دشمن اسلام اور اس کی تہذیب ہے۔ (۲۸)

۱۹۹۰ء کے وسط میں ایک اور صلیبی، سابق فرانسیسی وزیر اعظم مائیکل ڈیبری، نے اپنے ایک مضمون جو لوکوتھیڈین ڈیرے نامی اخبار میں شائع ہوا، میں کہا کہ اسلام اب یورپ کا دشمن بن چکا ہے اور سب سے پہلے وہ فرانس کا دشمن ہے اور (فرانس کو) جنوب یعنی اسلامی خطوں سے خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ (۲۹) اسی طرح جرمن میگزین، ڈیر شپیگل نے اپنے ۱۹۹۱ء کے آٹھویں شمارے میں ''مغربی تہذیب کو اسلام سے لاحق خطرات!'' کے بارے میں ایک تحقیقی رپورٹ شائع کی جس میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ مغرب نے صلیبی جنگوں کے دوران بیت المقدس میں صلاح الدین کے ہاتھوں ہونے والی شکست کا بدلہ لے لیا ہے، مغرب نے دو مرتبہ اس کا بدلہ لیا۔

اول: اس نے اسلامی خلافت کو تباہ کرنے میں مصطفیٰ کمال کی بھرپور مدد کی۔

دوم: اس نے اسلامی علاقوں کے دل یعنی فلسطین میں یہودیوں کو ریاست قائم کرنے میں مدد دی اور اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔

گویا صدیوں سے کافر مغرب کے دل اسلام کے خلاف صلیبی نفرت سے لبریز ہیں۔ (۳۰)

اگست ۱۹۹۰ء کے آغاز میں اپنے فوجیوں کو کویت بھیجتے وقت بش سینئر نے تقریر کی جس میں اس نے انہیں عیسائیت کی خاطر لڑنے پر ابھارا۔ بش نے امریکہ کے تمام چرچوں سے کہا کہ وہ ان افواج کے لئے دعا کریں۔ یہ تقریر جزیرۃ العرب اور خلیج کے مسلمان ممالک کے خلاف ایک نئی صلیبی مہم کا آغاز تھا۔ (۳۱)

بش جونیئر نے ۱۱ ستمبر کے واقعے کے بعد ۱۶ ستمبر ۲۰۰۱ء کو کہا کہ وہ افغانستان کے خلاف صلیبی حملے کی تیاری کر رہا ہے۔(۳۲) پھر کفار نے میڈیا، تعلیم اور غلط افکار کی ترویج اور تمام تر وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے اسلام کے خلاف جنگ شروع کر دی۔ انہوں نے جمہوریت کے مطالبے کو تیز تر کر دیا اور اسے خوبصورت لبادے میں لپیٹ کر پیش کیا تا کہ اسے مسلمانوں کے لئے قابل قبول بنایا جا سکے۔ جمہوریت کی اصلیت کو بیان کرنے کی بجائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بجائے انسان کو حلال اور حرام متعین کرنے کا اختیار دیتی ہے، انہوں نے کہا کہ یہ تو صرف حکمران کے انتخاب کا طریقہ کار ہے۔ کفار نے ایسا مسلمانوں کو مطمئن کرنے کے لئے کیا تا کہ وہ جمہوریت کے نام پر اس چیز کو قبول کر لیں کہ انسانوں کے رب کی بجائے انسان خود احکام شریعہ یعنی حلال و حرام وضع کرے۔(۳۳)

مسلمانوں کے خلاف کفار کی نفرت ہر موقع پر ظاہر ہو رہی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:(۳۴)

﴿وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ﴾ اور جو کچھ ان کے دلوں میں پوشیدہ ہے وہ تو اس سے بھی بڑھ کر ہے۔

یعنی ان کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف جو نفرت ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے جو کہ نظر آ رہی ہے اور اب ہم ایسے قوانین دیکھ رہے ہیں جن کے ذریعہ انہوں نے دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر اپنے آپ کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ کسی بھی مسلمان کو قصور وار ٹھہرائے بغیر زیر حراست رکھ سکتے ہیں۔ گویا ہر مسلمان مجرم بن گیا ہے جب تک کہ اس کی بے گناہی ثابت نہ ہو جائے۔ اس بات نے ان کے انسانی حقوق اور رائے کے اظہار کی آزادی کے بلند بانگ دعووں کی قلعی کھول دی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر کسی بھی معاملے کا تعلق مسلمانوں کے ساتھ ہو تو وہ ان حقوق کو یکسر فراموش کر دیتے ہیں۔(۳۵)

اور آخر کار ان کی جرأت یہاں تک جا پہنچی ہے کہ وہ امریکہ اور اسرائیل کی جیلوں میں "قرآن کریم کی بے حرمتی" کر رہے ہیں۔ اس امر کے باوجود کہ مسلمانوں کی تعداد ۱.۵ ارب سے تجاوز کر چکی ہے، کسی نے بھی اس بات کی پرواہ نہ کی، نہ امریکیوں نے اور نہ ہی یہودی ریاست نے۔ انہوں نے اس پر معذرت کرنا بھی گوارا نہیں کیا، کیونکہ آج مسلمان کمزور ہیں، ہماری معیشت غیر مستحکم ہے، ہم جدید تعلیم و علوم سے ناواقف اور سائنس و ٹیکنالوجی سے عاری ہیں، نیز ہم میں طاقت و خون کا ہی نہیں بلکہ ایمان، تنظیم اور یقین محکم کا بھی فقدان ہے۔(۳۶)

امت مسلمہ کو مسائل اور چیلنجز سے دوچار کرنے میں اسلام دشمن قوتوں کا کردار:

نیز امت مسلمہ کو مزید مسائل سے دوچار کرنے اور عالم اسلام کو سیاسی، معاشی اور مذہبی ہر سطح پر مزید بحران کا شکار کرنے کے لئے امریکن نیشنل سیکورٹی کونسل کی رپورٹ میں درج ذیل اقدامات تجویز کیے گئے ہیں۔

۱۔ مسلمانوں کو آپس کے جھگڑوں اور اختلافات میں مصروف رکھا جائے گا تا کہ وہ کوئی بڑی قوت نہ بن سکیں اور امریکی مفادات کے خلاف ان کی مزاحمت تقویت نہ پکڑ سکے۔

۲۔ ان ریاستوں کی حکومتیں تبدیل کروا دی جائیں گی، جو نفاذ اسلام کے لئے سنجیدگی سے کوشش کر رہی ہیں۔ جن حکومتوں نے اسلام نافذ کرنے کی ابتداء کر دی ہے انہیں شرعی قوانین کے نفاذ سے روک دیا جائے گا اور شرعی قوانین کو بھی تبدیل

کردیا جائے گا۔

۳۔ موثر مشائخ اور علماء کو ذرائع ابلاغ کے ذریعے رائے عامہ کو متاثر کرنے کا موقع فراہم نہیں کیا جائے گا۔

۴۔ اسلام پسند عناصر (بنیاد پرستوں) کو کسی ملک میں بھی تعلیمی اداروں اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے عوام تک رسائی حاصل کرنے اور رائے عامہ ہموار کرنے کا موقع فراہم نہیں کیا جائے گا۔

۵۔ خلیجی ریاستوں میں مسلمانوں کو روزگار کے مواقع فراہم نہیں کئے جائیں گے بلکہ یہ افرادی قوت فلپائن، سری لنکا اور تھائی لینڈ سے حاصل کی جائے گی۔ ان لوگوں کے ذریعے خلیجی ریاستوں کی تہذیب وثقافت تبدیل کر دی جائے گی۔ اسلامی اقدار اور اسلامی رسومات کو ختم کر دیا جائے گا۔ وہاں پاکستان اور بنگلہ دیش کے افراد کو روزگار پر مکمل پابندی لگا دی جائے گی۔

۶۔ تمام ممالک کے تعلیمی اور ثقافتی اداروں میں اصلاحات لائی جائیں گی۔ ذرائع ابلاغ کے پروگراموں کو وسعت دی جائے گی۔

۷۔ اسلام پسند عناصر اور اسلامی قیادت پر سختی سے نظر رکھی جائے گی۔

۸۔ وہ ممالک جو سوڈان اور پاکستان کی طرح اسلامی نظریات اور سوچ کے حامل ہوں گے انہیں اختلافات اور مسائل میں مبتلا کر دیا جائے گا۔(۳۷)

آج مسلم امہ کی یہ حالت ہے کہ تمام مغربی اقوام ہمارے خلاف جمع ہو گئی ہیں اور ہم لالچی اور ہوس زدہ ملک کے لئے مال غنیمت بن گئے ہیں اور ہمارے ممالک مختلف اقوام کی آپس کی محاذ آرائی کا میدان کارزار بن گئے ہیں اور دشمن اقوام ہمارے خلاف ایک دوسرے کو دعوت دے رہے ہیں اور ہم پر استعماری کفار کے اثر ورسوخ کا غلبہ ہے۔

لیکن تاریخ گواہ ہے کہ کل جب پوری مسلم امہ وعالم اسلام خلافت کے سائے تلے جمع تھا تو . . .

امت مسلمہ کی شان اور امتیاز:

ہم بہترین امت تھے جو انسانوں کے لئے کھڑے کئے گئے، خاتم النبیین، امام المجاہدین، رحمت العالمین ﷺ کی اتباع کرنے والے۔(۳۸)

ہمارے آباؤ اجداد خلفائے راشدینؓ اور فاتحین کے سردار تھے۔(۳۹) ہم ان متقی اور مضبوط لوگوں کی اولاد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی خاطر اس طرح جہاد کرتے تھے جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔(۴۰)

بنا کردند خوش رسمے بہ خاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

آج تاریخ ہمیں مخاطب کر کے کہتی ہے کہ اے مسلمانو! . . . . تم ان لوگوں کی اولاد ہو، جنہوں نے اندلس کو فتح کیا اور وہاں اسلامی تہذیب کو پھیلایا تھا۔(۴۱)

تم معتصم کی اولاد ہو کہ جب رومیوں نے ایک مسلمان عورت پر ظلم کیا تھا اور اس عورت نے پکارا تھا: ''وامعتصماہ'' ہائے معتصم،

تو اس نے ایک عورت کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے لشکر کو روانہ کیا تھا۔ (۴۲)

تم ہارون الرشید کی اولاد ہو، جب روم کا بادشاہ مسلمانوں کے ساتھ کیے ہوئے معاہدے سے پھر گیا اور اس نے مسلمانوں پر ظلم کیا، تو اس نے ظلم کا جواب دیا۔ ہارون رشید نے لکھا: ''ہارون امیر المومنین کی طرف سے روم کے کتے نکفورس کی طرف: میرا جواب تم کسی سے سنو گے نہیں، بلکہ تم اسے اپنی آنکھوں سے زمین پر دیکھ لو گے، جب ہماری افواج تمہیں فتح کریں گی اور واقعی ایسا ہوا، بادشاہ تک خط کے پہنچنے سے قبل مسلمانوں کی افواج روم کی بندرگاہ پر پہنچ چکی تھیں۔ (۴۳)

تم اس کی اولاد ہو جو بادلوں کو مخاطب کر کے کہتا تھا: تم کہیں بھی جا کر اپنی بارش برساؤ، لیکن جہاں بھی تمہارا پانی گرے گا وہ مسلمانوں کا علاقہ ہی ہوگا۔ (۴۴)

تم فاتح صلاح الدین کی اولاد ہو جس نے صلیبیوں کو شکست فاش دی۔ (۴۵) تم قطز اور بیبرس کی اولاد ہو جنہوں نے تاتاریوں کو مغلوب کیا۔ (۴۶) تم نوجوان کمانڈر محمد الفاتح کی اولاد ہو جس نے قسطنطنیہ (استنبول) کو فتح کیا، جب اس کی عمر ۲۳ سال سے بھی کم تھی۔ (۴۷) اور اللہ تعالیٰ نے اسے یہ شرف بخشا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعریف کی، جب آپ ﷺ نے قسطنطنیہ کی فتح کے بارے میں ارشاد فرمایا: ''کیا ہی اچھا وہ امیر ہوگا اور کیا ہی اچھا وہ لشکر ہوگا'' (۴۸) محمد الفاتح نے ۸۵۷ھ بمطابق ۱۴۵۳ء میں قسطنطنیہ کو فتح کیا۔ اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمت کرے اور اپنے انعام سے نوازے۔

خون اسرائیل آ جاتا ہے آخر جوش میں
توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طلسم سامری!

تم سلیمان القانونی کی اولاد ہو، جس سے فرانس نے سولہویں صدی میں اس وقت مدد طلب کی جب فرانس کے بادشاہ کو قیدی بنا لیا گیا تھا اور فرانس کی نظر میں اسلامی خلافت کے سوا کوئی اور عادل قوت نہ تھی جو کہ اسے چھڑا سکے۔ پس فرانس نے ۱۵۲۵ء میں مسلمانوں کے خلیفہ سے مدد طلب کی۔ (۴۹) تم سلیم سوم کی اولاد ہو، جس کے الجزائر کے والی کو، اس وقت کی ریاست ہائے متحدہ امریکہ ۶۴۲ ہزار ڈالر مالیت کا سونا سالانہ ٹیکس کے طور پر دیا کرتی تھی۔ علاوہ ازیں الجزائر میں موجود امریکی قیدیوں کو آزاد کرانے اور امریکی بحری جہازوں کو روم اور بحر اوقیانوس سے امن وحفاظت کے ساتھ گزرنے کے بدلے امریکہ نے ۱۲ ہزار سونے کے لیرے (روم کی کرنسی) ادا کرنے کا معاہدہ کیا کہ عثمانی بحریہ سمندر میں اس کے جہازوں پر حملہ نہیں کرے گی۔ (۵۰)

یہ پہلی مرتبہ تھا کہ امریکہ اس بات پر مجبور ہوا کہ وہ اپنی زبان کی بجائے کسی اور ریاست (عثمانی ریاست) کی زبان میں معاہدہ کرے اور یہ معاہدہ ۲۱ صفر ۱۲۱۰ھ بمطابق ۵ ستمبر ۱۷۹۵ء کو ہوا۔ (۵۱)

تم عبدالحمید دوئم (۵۲) کی اولاد ہو، جسے یہودی، بیت المال کے لئے لاکھوں کی پیش کش کر کے دھوکہ نہ دے سکے اور نہ ہی بین الاقوامی دباؤ نے اس کے عزم واستقلال میں کوئی کمی پیدا کی جو یہودیوں نے اس کے خلاف جمع کیا تھا تا کہ وہ انہیں فلسطین میں بسنے کی اجازت دے دے۔ اس نے یہ مشہور الفاظ کہے: ''میں اس بات کو پسند کروں گا کہ کوئی میرے جسم میں خنجر گھونپ دے بجائے یہ کہ فلسطین کو اسلامی ریاست سے کاٹ دیا جائے'' وہ دور اندیش تھا جب اس نے کہا: ''یہودی اپنے لاکھوں اپنے پاس رکھیں..... اگر ایک

دن اسلامی ریاست خلافت تباہ ہوگئی تو پھر خواہ وہ فلسطین کو مفت سے لے جائیں۔ (۵۳) یہی ہوا جب ایجنٹ حکمران فلسطین سے ہاتھ دھو بیٹھے اور اسے یہودیوں کے حوالے کر دیا، یہی نہیں بلکہ انہوں نے یہودیوں کی سلامتی کا تحفظ کیا اور یہودیوں کے سامنے اپنی شکست کو حقیقی بنایا، جس کی وجہ سے یہودی ریاست کو اس کی حیثیت سے بڑھ کر اہمیت اور ساکھ حاصل ہوگئی۔

خلیفہ نے اپنے اور خلافت کے خلاف کفار کی شدید سازشوں کے باوجود انیسویں صدی کے آخر میں، اس وقت کی ایک بڑی طاقت برطانیہ کو مجبور کیا کہ وہ لندن میں خلافت کے سفیر کے سامنے باضابطہ طور پر معافی پیش کرے، کیونکہ ۱۸۹۰ء میں ایک انگریز شہری نے ایسا مواد شائع کیا تھا جو اسلام دشمنی پر مبنی تھا۔ جبکہ آج کافر مغرب اور یہودی تمام جہانوں کے رب کے کلام قرآن کریم کی بے حرمتی کرتے ہیں لیکن معذرت پیش کرنا تو ایک طرف انہوں نے معذرت سے ملتے جلتے کوئی الفاظ کہنا بھی گوارا نہیں کیا کیونکہ آج مسلمانوں کا کوئی خلیفہ نہیں، جو کہ قرآن کریم کو بطور دستور اپنائے اور ریاست کے تمام تر وسائل کو ان کفار کے خلاف متحرک کرے جو قرآن کریم کی ذرہ برابر بھی بے حرمتی کرتے ہیں۔ (۵۴)

تم ان فاتحین کی اولاد ہو، جنہوں نے اندلس میں تہذیب کو پھیلایا اور وہاں سے یہ تہذیب پورے یورپ میں پھیلی۔ ان مسلمانوں کی اولاد ہو جنہوں نے پنڈولم والی گھڑی ایجاد کی اور اسے یورپ کے اس وقت کے سب سے مشہور بادشاہ شارلیمن کے سامنے پیش کیا، لیکن بادشاہ کے مصاحبوں نے جو لوگوں میں سب سے فاضل تھے، گمان کیا کہ اس گھڑی کے اندر بھوت اور جنات ہیں۔ (۵۵)

تم ان لوگوں کی اولاد ہو جنہوں نے اس وقت عظیم الشان توپ ایجاد کی جب پوپ نے یہ ماننے سے ہی انکار کر دیا تھا کہ ایسی توپ تیار کی جا سکتی ہے، جب آسٹریا کے ایک انجینئر نے اس کے سامنے یہ تجویز پیش کی تھی۔ پوپ نے اس تصور کو یہ سوچ کر مسترد کر دیا کہ ایسی چیز ایجاد کرنا پاگل پن اور جنات کی کارستانی ہے۔ اے مسلمانو! وہ تمہاری سوچ اور تہذیب تھی اور اس کے مقابلے میں یہ مغرب کی سوچ اور تہذیب تھی۔ (۵۶) چنانچہ جواب شکوہ میں اقبالؒ نے کیا خوب فرمایا کہ:

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

فارسی میں ملاحظہ فرمایئے!

خوار از مہجوری قرآں شدی
شکوہ سنج گردش دوراں شدی
اے چو شبنم برزمین افتندۂ
در بغل داری کتاب زندۂ!

مندرجہ بالا تاریخی حقائق ہمیں اس عزت و وقار، شان و شوکت اور طاقت و قوت کی یاد دہانی کراتے ہیں جو کبھی ہمیں حاصل تھی، ہم دنیا کے لئے مینارۂ نور تھے، دنیا کے مظلوم ہمارے پاس امن و تحفظ حاصل کرتے تھے۔ ان میں عام لوگ ہی نہیں بلکہ بادشاہ بھی شامل تھے۔ دشمن ہم سے خوف کھاتے تھے اور ہمارے دوست ہماری عزت کرتے تھے۔ ہم علاقوں کو فتح کرتے تھے اور دنیا

میں عدل قائم کرتے تھے۔ لہٰذا...... بقول اقبال

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں تدارک اور لائحہ عمل:

تاریخ کی روشنی میں ذرا غور کیجیے تو معلوم ایسا چلتا ہے کہ زمین گھوم کر وہیں آ پہنچی ہے جہاں وہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھی، جب روم اور فارس کی سلطنتیں موجود تھیں۔ (۵۷) کچھ سلطنتیں بوڑھی اور کمزور ہو چکی تھیں، جب کہ کچھ اپنی طاقت میں مگن تھیں اور کسی دوسری طاقت کو خاطر میں نہ لاتی تھیں۔ انہوں نے غور نہ کیا کہ اسلام عرب کے دلوں میں ایک طاقت بن کر داخل ہو چکا ہے۔ بلکہ وہ عربوں کو ویسا ہی سمجھتی رہیں جیسا کہ وہ دور جاہلیت میں تھے۔ انہوں نے اسلام کے پیغام کو اس قدر حقیر جانا کہ کسریٰ نے یمن میں اپنے گورنر کو لکھا: "میں نے سنا ہے کہ مکہ میں ایک شخص جو اپنے آپ کو رسول سمجھتا ہے۔ جاؤ اور اسے پکڑ کر میرے سامنے پیش کرو۔ (۵۸) اس کے چند سالوں بعد جب مدینہ میں اسلامی ریاست قائم ہو گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہوں کی طرف سفیر بھیجے، تو کسریٰ نے اس پیغام کو پھاڑ دیا جو قاصد اس کی طرف لے کر گیا تھا۔ دراصل یہ اس کے تخت کے پرزے پرزے ہونے کی علامت تھی، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مزق اللہ ملکہ: (۵۹) اللہ نے اس کے تخت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

تکبر اسے تباہ کر دیتا ہے جو اس میں مبتلا ہو جائے، خواہ وہ کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو۔ (۶۰) دنیا کی سب سے مضبوط طاقت کی حقیقت اس وقت یہی ہے۔ پس مسلم امہ کو دنیا میں دوبارہ غلبہ حاصل کرنے کے لئے سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں از سر نو عہد نبوی ﷺ کی طرز حکمرانی اور نظام خلافت راشدہ کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنے ماضی کو دوبارہ سے دہرائیں، جدید علوم کے حصول کو یقینی بنائیں، سائنس و ٹیکنالوجی میں مہارت حاصل کریں، اپنی معیشت کو مستحکم کریں اور اسلامی طرز زندگی کو اپنائیں، پس پھر وہ دن دور نہیں کہ ہماری عظیم ترین ریاست واپس لوٹے گی، اور چار دانگ عالم میں حق اور عدل کو پھیلائے گی۔ وبشر المومنین: اور ایمان والوں کو خوشخبری سنا دیجیے (۶۱)۔ بقول اقبال

عطا مومن کو پھر درگاہ حق سے ہونے والا ہے
شکوہ ترکمانی، ذہن ہندی، نطق اعرابی!

امت مسلمہ کے اسی غلبے کی بشارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی۔ (۶۲)

ثم تکون خلافۃ علی منہاج النبوۃ۔ پھر نبوت کے نقش قدم پر خلافت قائم ہوگی۔

بقول اقبال ؎

اگر عثمانیوں پر کوہ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا!

موجودہ عالمی حالات کے پس منظر میں اسلام و مسلم امہ کا مستقبل:

(ایک سیاسی، معاشی و مذہبی تجزیہ)

آگ ہے اولاد ابراہیم ہے نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے؟

موجودہ عالمی حالات کے ضمن میں تین اہم سطحوں کا مختصراً تجزیہ و تذکرہ ضروری ہے۔ سب سے اوپر اور سب سے نمایاں بات یہ ہے کہ یونائیٹڈ اسٹیٹس آف امریکہ، جسے ہم عام طور پر امریکہ کہہ دیتے ہیں، اس وقت روئے ارضی پر واحد سپریم طاقت ہے۔ دنیا یک قطبی ہو چکی ہے اور امریکہ ٹیکنالوجی اور اپنی عسکری قوت کے اعتبار سے اس وقت معاذ اللہ یہ کہنے کے لئے حق بجانب ہے کہ: "لمن الملک الیوم" یعنی آج کس کے ہاتھ میں اختیار ہے؟ قیامت کے دن تو جواب دیا جائے گا: "للّٰہ الواحد القھار" (۶۳) اللہ کے لئے جو تنہا ہے اور قہار ہے" لیکن آج دنیا کی سطح پر اس کا جواب یہی ہے کہ "امریکہ"۔

دوسرے یہ کہ ایک تہذیب نے عالمی سطح پر اس پورے کرۂ ارضی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ اس کی تین سطحیں ہیں اور یہ تہذیب بے خدا ہی نہیں، خلاف خدا ہے۔ پہلی سطح سیاسی ہے یعنی سیکولرازم کہ ہمارے اجتماعی معاملات میں، ریاست اور حکومت کے معاملات میں، قانون سازی کے معاملات میں کسی خدا، کسی آسمانی ہدایت، کسی وحی، کسی شریعت کا کوئی دخل نہیں۔ یہ سیکولرازم آج پوری دنیا پر چھایا ہوا ہے۔

دوسری سطح، لیاتی ہے اور پوری دنیا میں سود کی بنیاد پر بینکنگ سسٹم رائج ہے۔ یہ سود ہماری پوری معیشت کے اندر تانے بانے کی طرح بنا ہوا ہے۔ پھر اس کے ساتھ اس کی چھوٹی بہن جوا ہے، جو ہمارے ہاں تو بہت ہی زیادہ پھیل گیا ہے۔ ہر شے کو بیچنے کے لئے لاٹری کا پاسپس ہے۔ ویسے بھی دنیا کے اندر اسٹاک ایکسچینج اور دولت کے الٹ پھیر کی بنیاد یہی جوا ہے۔ اس نظام کا تیسرا ستون انشورنس ہے۔

سماجی سطح پر بے حیائی، عریانی، فحاشی، آزاد جنس پرستی ہے۔ چاہے وہ جنس پرستی مرد و عورت کے درمیان (Heterosexual) ہو چاہے وہ دو عورتیں (Lesbians) کے درمیان ہو اور چاہے دو مردوں (Gays) کے درمیان ہو، اس کی کھلی اجازت ہے۔ خاندانی نظام تباہ و برباد ہو گیا ہے۔ مغرب میں تو یہ نظام بتمام و کمال وجود میں آچکا ہے جبکہ مشرق کی طرف بھی یہ ذرائع ابلاغ کے ذریعے ایک سیلاب کی شکل میں امڈ آ رہا ہے۔ اسی کلچر، اسی تہذیب کو ہماری ساری نسل دیکھ رہی ہے۔ اور ظاہر بات ہے اس میں چمک دمک ہے۔ جس کے بارے میں اقبال نے کہا تھا۔ (۶۴۔الف)

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

یہ جھوٹے نگینے ہیں، لیکن چمکدار تو بہت ہیں۔ یہ نظام زہر کی طرح سرایت کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ اس تہذیب کو فروغ دینے

کے لئے بین الاقوامی سطح پر بڑی عظیم کانفرنسیں ہو چکی ہیں۔ عریانی و فحاشی کا یہ جو سیلاب آ رہا ہے جسے اب یونائیٹڈ نیشنز اسمبلی نے سوشل انجینئرنگ (سماجی تعمیر) کا نام دیا ہے، اس کا ہدف بھی شمالی افریقہ اور خاص طور پر ایشیا کے مسلمان ممالک ہیں، جہاں بحیثیت مجموعی خاندانی نظام ابھی کچھ برقرار ہے، شرم و حیا کی کچھ نہ کچھ وقعت اور قیمت ہے، عفت و عصمت کی کوئی قدر ہے۔

تیسری سطح پر ایک مذہبی کشاکش ہے۔ یہ کشاکش ذرا خفیہ سی ہے، اسے عام لوگ نہیں جانتے، اس مذہبی کشاکش میں اس وقت سب سے موثر کردار یہودیوں کا ہے، جو اس وقت عالم انسانیت کی عظیم ترین سازشی قوت ہے۔ سازشیں کرنا (Conspiracies) اور طویل المیعاد پروگرام بنا کر ان کو پورا کرنا، اس میدان میں اس قوم کے مدمقابل کوئی نہیں آ سکتا اور ان کا پروگرام یہ ہے کہ پوری دنیا پر ان کا اقتصادی قبضہ ہو جائے۔ براہ راست فوجی قبضہ نہیں، بلکہ اقتصادی قبضہ۔ مزید برآں مشرق وسطیٰ کے اندر ایک بڑی ریاست گریٹر اسرائیل قائم کر کے، پھر مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرہ کو گرانا اور اس کی جگہ پر اپنا تھرڈ ٹیمپل تعمیر کرنا اور اس میں حضرت داؤدؑ کا تخت لا کر رکھ دینا۔ یہ ہے ان کا پروگرام اور اس کے اوپر وہ عمل پیرا ہیں۔ دوسری طرف تمام عیسائی قومیں ان کے تابع ہو چکی ہیں۔ البتہ بعض عیسائی، خاص طور پر پروٹسٹنٹ، ان میں بھی خاص طور پر Baptists اور ان میں بھی اخص الخصوص کے اعتبار سے Evengelists یہودیوں کے مکمل آلۂ کار ہیں۔ واضح رہے کہ امریکہ کے سابق صدر بش بھی Evengelist تھے۔ عیسائی دنیا خاص طور پر یورپ کے کیتھولک عیسائی جن کی فرانس، جرمنی، اسپین اور اٹلی میں اکثریت ہے، یہ اصل میں فلسطین میں ایک عیسائی ریاست قائم کرنا چاہتے ہیں۔

یقیں پیدا کر اے ناداں، یقیں سے ہاتھ آتی ہے
وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری!

گویا مسلمانوں کے خلاف دونوں ہیں اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ جیسے دوسرے ملینیم کے شروع میں کروسیڈ شروع ہوئی تھیں، اب یہ فائنل کروسیڈ ہونے والا ہے۔ یہ کروسیڈ (صلیبی جنگ) کا لفظ بش کی زبان پر بھی آ گیا تھا۔ پہلے والے کروسیڈ کا مقصد یہ تھا کہ ارض مقدس پر ان کا قبضہ ہو جائے۔ یہ علاقہ یہودیوں کے لئے بھی ارض مقدس ہے، عیسائیوں کے لئے بھی اور مسلمانوں کے لئے بھی۔ البتہ یہودیوں کی پشت پناہی کر کے عیسائی وہاں یہودی مملکت کیوں قائم کرنا چاہتے ہیں؟ اسے ذرا سمجھ لیجئے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ جب گریٹر اسرائیل بن جائے گا، بڑی عظیم جنگ آرمیگاڈان ہو گی، عربوں کا خون خرابہ کیا جائے گا، مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرہ گرا دیے جائیں گے، وہاں پر معبد سلیمانی بن جائے گا اور وہاں تخت داؤدؑ لا کر رکھ دیا جائے گا، تب حضرت مسیحؑ دوبارہ دنیا میں نازل ہوں گے اور اس تخت داؤدؑ پر بیٹھ کر دنیا میں حکومت قائم کریں گے۔ لہٰذا ان کی یہ خواہش ہے کہ حضرت مسیحؑ دوبارہ دنیا میں جلد از جلد آئیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ یہ سارے واقعات جلد از جلد واقع ہو جائیں۔

ایک بات مزید واضح رہے کہ عیسائیوں اور یہودیوں کا مشترکہ دشمن اسلام اور مسلمان ہیں اور ان کا سب سے بڑا ٹارگٹ پاکستان ہے۔ اس وقت کی عالمی صورت حال یہ ہے اور بحالات موجودہ اسلام کے بحیثیت دین، ایک مکمل نظام زندگی کی حیثیت سے نافذ ہونے کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ ہاں اسلام صرف ایک مذہب کی حیثیت سے زندہ رہ سکتا ہے۔ صرف ہمارے عقائد،

عبادات اور سماجی رسومات جو انفرادی زندگی تک محیط ہیں، مغرب کو گوارا ہیں، باقی سیاسی نظام، معاشی نظام اور سماجی نظام وہ ہوگا جو تین سطروں میں بیان ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ کسی نظام کو وہ دنیا میں برداشت نہیں کر سکتے اور اس معاملے میں اس وقت سب سے بڑا گٹھ جوڑ امریکہ اور یہودیوں کا ہے۔ (۶۴-ب)

لہٰذا اس پورے پس منظر میں یہ بات واضح ہے کہ اس وقت مسلمانوں اور دین اسلام کا مستقبل نہایت ہی تاریک ہے۔ البتہ یہ صرف مستقبل قریب کی بات ہے، مستقبل بعید میں کیا ہونا ہے

اور بھی دور فلک ہیں ابھی آنے والے
ناز اتنا نہ کریں ہم کو ستانے والے

کی کیفیت کب اور کیسے پیدا ہوگی۔ اس ضمن میں پھر بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ نبوت ﷺ کے نقش قدم پر نظام خلافت راشدہ کا دوبارہ احیاء، مکمل اسلامی طرز حیات، اتحاد بین المسلمین، جدید علوم کا حصول معیشت کا استحکام اور جدید ترین ٹیکنالوجی میں مہارت امت مسلمہ کے لئے انتہائی ناگزیر ہے۔ (۶۵)

عالم اسلام کی بے بسی اور اقوام متحدہ کا غیر موثر کردار:

کرۂ ارض کو عالمی جنگوں اور تباہی سے بچانے، بین الاقوامی تنازعات کو پر امن طور پر بات چیت کے ذریعہ حل کرانے، معاشی و معاشرتی امداد باہمی اور تعاون کی فضا قائم کرنے کے ساتھ ساتھ جمہوری روایات کے فروغ اور دنیا کے تمام خطوں کے لوگوں کو مساوی حقوق دلانے کی خاطر ۲۴ر اکتوبر ۱۹۴۵ء کو اقوام متحدہ کا قیام عمل میں آیا۔

بیسویں صدی کے ابتدائی عشروں کی تباہ کاریوں اور خصوصاً دو عالمگیر جنگوں میں کشت و خون کی ندیوں کا نظارہ کرنے، لاکھوں خاندانوں کے تتر بتر ہونے اور بے شمار مالیت کی املاک راکھ کا ڈھیر بن جانے کے بعد عالمی سیاست کے کرتا دھرتا پانچ بڑے Big Five اس نتیجے پر پہنچے کہ ''اب بہت ہو گیا'' اقوام عالم کو امن درکار ہے۔ ۲۴ر اکتوبر ۱۹۴۵ء کو اقوام متحدہ کی پیدائش اور لیگ آف نیشنز کی وفات (۶۶) کا اعلان ان الفاظ میں کیا گیا۔ (۶۷) (The Leagueis Dead, Long Live UNO)

۱۹ر ابواب اور ۱۱۱ر دفعات پر مشتمل (اور ان کی ذیلی دفعات) منشور تنظیم کے مختلف اداروں کے افعال، طریقہ کار اور مقاصد و فرائض پر مبنی تھا، مگر اس میں خاص طور پر جو امور زیر بحث رہے، وہ اقوام متحدہ کے رکن ممالک کے اس عزم مصمم کا اظہار کرتے ہیں کہ

☆ آنے والی نسلوں کو جنگ و جدل کی ان عالمی تباہ کاریوں اور ہولناکیوں سے نجات دلائی جائے، جو دو مرتبہ نسل انسانی پر آفت ڈھا چکی ہیں اور ناقابل بیان مصائب و آلام نازل کر چکی ہیں۔

☆ مساوی حقوق اور حق خود ارادی کے اصولوں کا احترام کرتے ہوئے قوموں کے مساویانہ حقوق پر ایقان کی توثیق۔

☆ رنگ و نسل، ذات پات، مذہب، ثقافت اور قومیت کی بنیاد پر تمام تفرقات کا خاتمہ اور انسانیت کے احترام کی سر بلندی۔

☆ غربت، جہالت اور بیماریوں کے مضرت کا قلع قمع اور ان سے نمٹنے کے لئے اقوام عالم کو آپس میں تعاون پر آمادہ کرنا۔

☆ کسی بھی ریاست کے اندرونی معاملات میں دوسرے ممالک کی مداخلت کو روکنا اور جارح و غاصب کے خلاف حتی الامکان کارروائی کی سفارش کرنا۔

☆ اقوام متحدہ کے رکن ممالک کے مابین امداد باہمی اور تعاون کی فضا قائم کرنے کی غرض سے بین الاقوامی معاہدوں کی پاسداری کو ممکن بنانا۔

☆ انسانی عزت و وقار سب کے لئے قابل تکریم ہوگی۔

☆ معاشی، سماجی و ثقافتی مسائل طے کرنے کے لئے بین الاقوامی تعاون حاصل کرنا۔

☆ تمام رکن ممالک اقوام متحدہ کے منشور کے تحت اختیار کردہ کارروائی میں اقوام متحدہ کو ہر قسم کی امداد دیں گے اور کسی ایسی مملکت کو امداد دینے سے باز رہیں گے، جس کے خلاف اقوام متحدہ انسدادی یا نافذانہ کارروائی کر رہی ہو۔

☆ رکنیت کے دروازے ان تمام امن پسند ریاستوں کے لئے کھلے ہیں جو منشور کے مطابق فرائض و واجبات کو قبول کریں گی۔(۶۸)

منشور کی دفعہ ۷ اقوام متحدہ کے اداروں کی بابت ہے، جس کے مطابق اقوام متحدہ کے چھ بنیادی ادارے ہیں۔:۱۔ جنرل اسمبلی،۲۔ سلامتی کونسل۔۳۔ اقتصادی و سماجی کونسل،۴۔ امانتی کونسل۔۵۔ بین الاقوامی عدالت انصاف،۶۔ سیکریٹریٹ۔(۶۹)

یہ اقوام متحدہ کے منشور کے وہ اغراض و مقاصد تھے جن کی توثیق ابتداء میں ۵۱ ریاستوں نے کی۔ اراکین کی تعداد محدود ہونے کی وجہ غالباً یہ تھی کہ دوسری جنگ عظیم میں جن ملکوں نے محوری (نازی جرمنی، فاشی اٹلی اور توسیع پسند جاپان) طاقتوں کا ساتھ دیا تھا، ان کی فوری شرکت خارج از امکان تھی۔

امن و امان تخفیف اسلحہ، صحت، تعلیم اور انسانی حقوق کے حوالے سے اقوام متحدہ نے اس کارکردگی کا مظاہرہ نہیں کیا جس کے حصول کے لئے یہ تنظیم وجود میں آئی تھی۔(۷۰)

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ترقی یافتہ ممالک کی ہوس زر اور ہوس زمین نے دنیا کی اکثریت کو بھیانک غربت کی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا ہے۔ بہتر مستقبل کے نام پر انسان انتہائی ذلت آمیز طرز زندگی اپنانے پر مجبور ہیں۔ کروڑوں انسان علم کی روشنی سے بے نور ہیں۔ اقوام متحدہ کے ادارے یونیسف کے مطابق ۱۱۳ ملین بچے کبھی اسکول ہی نہیں گئے اور مزید ۱۵۰ ملین بچے بنیادی تعلیم میں مہارت حاصل کرنے سے قبل ہی اسکول چھوڑ جاتے ہیں۔

عالمی مالیاتی اداروں نے پوری دنیا کے غریب ممالک کو اپنے شکنجے میں جکڑ رکھا ہے۔ عالمی مالیاتی فنڈ اور ورلڈ بینک غریب ممالک میں صرف قرض نہیں دیتے بلکہ انہیں "مفید" مشوروں سے بھی نوازتے ہیں۔(۷۱) اور اب تو کچھ دنوں بعد ڈبلیو ٹی او کی آمد آمد ہے جس کے ذریعہ رہی سہی کسر بھی نکال لی جائے گی۔ ان مالیاتی اداروں کے بارے میں حبیب جالب نے کیا خواب کہا تھا۔

قرض دے کر غریب ملکوں کو

اس وقت تقریباً ۱۵۰ ممالک کی معیشت پر ان کی مضبوط گرفت ہے۔ (۷۲) ان میں سے ہر ملک اوسطاً ۴۰ بلین ڈالر کا مقروض ہے اور قرضوں پر سود کی رقم اصل زر سے بھی بڑھ گئی ہے۔ کئی خطوں میں انسانوں کی آزادی پر مفاد پرستی کے زہریلے ہتھیار لٹکا دیئے گئے ہیں اور معاشی مفادات وقوت کی دوڑ میں انسانیت کے بنیادی تقدس کو پامال کیا جا رہا ہے۔

ایک ناقدانہ تنقیدی جائزہ:

عسکری ماہرین کے مطابق ۱۹۴۵ء سے اب تک دنیا میں سو سے زائد خوفناک جنگیں ہو چکی ہیں، جن میں مجموعی طور پر آٹھ کروڑ ۱۹۰ لاکھ ۲۷ ہزار افراد مارے جا چکے ہیں۔ اس وقت بھی دنیا کے ۶۸ ممالک میں کشیدگی اور سرحدی جھڑپیں جاری ہیں۔ ۳۶ بڑے تنازعات میں ہر سال ایک سو بلین ڈالر خرچ ہو جاتے ہیں۔ کاش، یہ وسائل جو ہتھیاروں اور جنگوں پر صرف ہو رہے ہیں دنیا کے معاشی مسائل کے حل کے لئے بروئے کار لائے جاتے۔ (۷۳) بہت سے ایسے مسائل وتنازعات ہیں جو ہنوز سرد خانہ کی نذر ہیں۔ مثلاً فلسطین اور تنازعۂ کشمیر اقوام متحدہ کی قراردادوں کی موجودگی کے باوجود مشرق وسطی اور جنوبی ایشیاء میں کشیدگی کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ (۷۴)

اقوام متحدہ کی قرارداد ۱۸ ہے کہ وہ اسرائیل پر دباؤ ڈالتی ہے کہ وہ ظلم وستم کا راستہ ترک کر کے امن وسلامتی اور ''جیو اور جینے دو'' کی پالیسی پر عمل پیرا ہو، لیکن اقوام متحدہ امریکی قفل مصلحت کے ذریعہ پابند سلاسل ہے۔ کہنے والے درست کہتے ہیں کہ امریکہ کو اسرائیل نے اور اقوام متحدہ کو امریکہ نے یرغمال رکھا ہے۔ (۷۵)

ایک جانب فلسطین صیہونی پنجہ استبداد میں ہے تو دوسری طرف کشمیر جل رہا ہے، مگر اقوام متحدہ کی حیثیت خاموش تماشائی یا جانب دار ریفری سے زیادہ نہیں۔ مسئلہ کشمیر پر اقوام متحدہ نے ۱۳ اگست ۱۹۴۸ء کو دو قراردادیں منظور کیں۔ جن کے نتیجے میں کشمیر میں سیز فائر کر دیا گیا اور تنازعہ کشمیر کے پر امن تصفیے، فوجوں کے اخراج اور استصواب رائے سے اصول طے کر دیئے گئے۔ ان پر عمل درآمد کے انتظار میں تین نسلیں جانوں کا نذرانہ دے چکی ہیں، مگر اقوام متحدہ کی حیثیت نشستند، گفتند و برخاستند کی عملی تفسیر سے زیادہ نہیں رہی۔ جس کے باعث اقوام متحدہ کی کشمیر سے متعلق قراردادوں کے عمل درآمد کی مبادیات سے منحصر رہا ہے۔ (۷۶)

وہی قتل بھی کرے ہے، وہی لے ثواب الٹا کے مصداق امریکہ اور برطانیہ ڈھٹائی کے ساتھ مذکورہ کارروائیوں کو عظیم کارنامہ گردانتے رہے۔ امریکہ کے مشہور زمانہ دانش ور پروفیسر نوم چومسکی، نیوز میگزین میں رقم طراز ہیں کہ: ''اگر اقوام متحدہ کی عراق پر پابندیاں اور بعد ازاں امریکی چڑھائی اس لئے تھی کہ وہ کویت پر حملہ آور ہوا تھا اور مشرق وسطی کے خطے میں قیام کے لئے خطرہ تھا تو اسرائیل پر پابندیاں کیوں نہ لگائی گئیں جو پہلے فلسطینی علاقے، بعد میں لبنان میں داخل ہوا اور ہنوز شام وایران اس کے جارحانہ حملے کی دھمکیوں کی زد میں ہیں''۔ (۷۷)

چومسکی کا کہنا تھا کہ کیا مشرق وسطی کے امن کے لئے صرف عراق ہی خطرہ تھا؟ عراق پر حملے کے بعد ایسا لگتا ہے کہ امریکہ کی

اگلی سیاسی مہم ایران سے متعلق ہوگی۔ امریکہ مسلسل اس کوشش میں لگا ہوا ہے کہ جوہری توانائی کی پیش رفت کو روکنے کے بارے میں معاہدے توڑنے کے حوالے سے ایران کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے "حوالے" کر دیا جائے۔(۷۸)

دنیا کے موجودہ حالات کے تناظر میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ امریکہ اسرائیل کے ذریعے عالم اسلام کو تباہ کرنے کے ایجنڈے پر عمل پیرا رہا۔ اگرچہ بین الاقوامی ایٹمی توانائی ایجنسی کے سربراہ محمد البرادوی ایک سے زائد مرتبہ کہہ کہ "ہمارے معائنہ کارکنوں کو ایران میں ایسے کوئی شواہد نہیں ملے کہ ایران کے پاس جوہری ہتھیار یا وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیار موجود ہیں۔(۷۹) اس قسم کی باتیں عراق پر حملے سے قبل اور بعد میں مختلف رپورٹوں کی صورت میں واضح ہوتی رہی ہیں لیکن کس نے کان دھرے؟ اقوام متحدہ کے سابق سیکریٹری جنرل کوفی عنان بھی کئی مہینوں بعد ذری سی آواز میں اتنا کہنے کی جسارت کر سکے کہ: "عالمی قوانین بار بار شرم ناک طریقے سے نظر انداز کیے جا رہے ہیں۔"(۸۰)

اب ایسے بدقسمت ممالک کی فہرست میں دن بدن اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے، جہاں امریکہ اپنے گماشتوں کے ذریعے قابض ہے یا پھر اپنی طاقت کا استعمال کرتے ہوئے وہاں عدم استحکام کو فروغ دینے کا سبب بنتا رہا۔(۸۱) بنظر غائر دیکھا جائے تو مسلمان ممالک کی اکثریت دنیا میں دوسرے نمبر پر ہے۔(۸۲) اور اقوام متحدہ میں رکنیت ایک تہائی کے لگ بھگ ہے۔(۸۳) لیکن اب تک سلامتی کونسل کے مستقل اراکین ممالک میں کسی مسلمان ملک کو شامل نہیں کیا گیا۔"(۸۴) کیا یہ اہل مغرب کی بنیاد پرستی نہیں؟ جو عالمی وسائل اور معاملات پر غاصب بن کر بیٹھے ہوئے ہیں۔

من ازیں بیش ندانم کہ کفن دزدے چند
بہر تقسیم قبور انجمن ساختہ اند

"میں اس سے کچھ زیادہ نہیں جانتا کہ چند کفن چوروں نے قبروں کی تقسیم کی خاطر انجمن بنائی ہے"

علامہ اقبال نے مذکورہ شعر انجمن اقوام کے بارے میں کہا تھا۔ آج یہ شعر اقوام متحدہ کے عالمی ادارے پر بھی حرف بہ حرف صادق نظر آتا ہے۔ درحقیقت ویٹو پاور وہ جادو کی چھڑی ہے جس نے جمہوریت اور جمہوری اصولوں کے فروغ کی خاطر بننے والی اس تنظیم میں مطلق العنانیت کی روایت قائم کی۔(۸۵)

ایسی پالیسیاں مرتب کی جائیں جو دنیا کی تمام اقوام بلاتخصیص قوم و مذہب اور خطہ، انسانیت کی ترقی، بقا اور سالمیت کی ضامن ہوں، ایسا تب ہی ممکن ہوگا کہ اقوام کا یہ موقر ادارہ خود اتنا مضبوط و مستحکم ہو کہ طاقت وروں کے فیصلوں کو "ویٹو" کر سکے۔(۸۶)

الغرض من حیث المجموع یہ ادارہ اپنے مقاصد کے حصول میں زیادہ کامیاب نہیں رہا۔ اس کی مجموعی کارکردگی پر اظہار اطمینان کرنا اور مستقبل میں اس سے زیادہ خوش گوار اور حوصلہ افزا توقعات وابستہ کرنا خاصا مشکل کام ہے۔ غیر جانب دار ممالک کی تنظیم، یورپی یونین، افریقی ممالک کا اتحاد اور اسلامی سربراہ کانفرنس (۸۷) آسیان، سارک (۸۸) عرب لیگ (۸۹) سیکا، ایکو (۹۰) اور اسی نوعیت کی متعدد دوسری عالمی اور علاقائی تنظیموں کے منظر عام پر آنے سے کسی نہ کسی پہلو سے اقوام متحدہ کے غیر مؤثر ہونے کے نظریے کو تقویت ملتی ہے۔ تاہم یہ ایک خوش آئند بات ہے کہ اس تنظیم کے باعث تیسری عالمی جنگ کی نوبت نہیں آئی۔

اس لئے اقوام متحدہ جس راستے پر گامزن رہی ہے، اس کے بارے میں نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ مشکلات سے بالکل خالی تھا اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ سفر سراسر خوش گوار تھا لیکن اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں کہ اس راستے پر تعمیری شاہراہیں قائم کر کے سفر جاری رکھنا چاہیے۔(۹۱)

کمزور ممالک کی رائے کو فوقیت اور بڑی طاقتوں کے چنگل سے خلاصی حاصل کرنا ہوگی، تب ہی اقوام متحدہ انسانیت کی خدمت کے مشن کو کامیابی سے ہم کنار کراسکتی ہے۔ اگر ایسا نہیں ہوا تو اقوام متحدہ کا وہی حشر ہوگا جو لیگ آف نیشنز کا ہوا تھا۔(۹۲)

امت مسلمہ کی نشاۃ ثانیہ کیونکر ممکن ہے؟

کسی سلطنت یا مملکت کے ختم ہونے کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ وہ زمین ختم ہو جائے، وہ سرزمین اسمان میں چلی جائے یا پاتال میں دھنس جائے، بلکہ سلطنتوں یا مملکتوں کے خاتمے کی دو شکلیں ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ (Balkanization) ہو جائے، اس کے حصے بخرے ہو جائیں اور سابق نام ہی باقی نہ رہے۔ یعنی دنیا کے نقشہ پر پھر اس نام سے کوئی خطہ نہ ہو۔ اور یہ ایک عجیب تاریخی حقیقت ہے کہ پچھلی صدی عیسوی اس اعتبار سے بے مثال ہے کہ اس کے آغاز میں سلطنت عثمانیہ ختم ہوئی، اس کے حصے بخرے ہوئے، ٹکڑے ٹکڑے ہوئے اور سلطنت عثمانیہ کا نام دنیا سے ختم ہو گیا۔ اب نقشے میں آپ کو سلطنت عثمانیہ کا نام لکھا ہوا کہیں نظر نہیں آئے گا، حالانکہ وہ (Great Ottaman Empire) تھی، جو Great Roman Empire کی طرح تین براعظموں میں پھیلی ہوئی تھی۔ پورا شمالی افریقہ، پورا مغربی ایشیا اور پورا مشرقی یورپ اس میں شامل تھا۔ لیکن اس عظیم سلطنت عثمانیہ کے حصے بخرے ہوئے، لے دے کے ترکوں کے پاس ترکی نام کا ایک چھوٹا سا ملک رہ گیا۔ اس سلطنت کا نام ختم ہو گیا۔ اب آپ کو ڈھونڈنے سے پتہ نہیں چلے گا کہ وہ سلطنت عثمانیہ کہاں ہوتی تھی؟ اور یہ معاملہ ہوا ہے پچھلی صدی کے آغاز کے بیس سالوں کے اندر اندر تقریباً دوسری دہائی کے خاتمے پر۔ اس کے برعکس پچھلی صدی کی آخری دہائی میں ۱۹۹۰ء کے قریب روس ختم ہو گیا۔ جو دنیا کی ایک سپر پاور تھی۔ آج دنیا کے نقشے پر روس نام لکھا ہوا کہیں نظر نہیں آتا۔ یہ تو کوئی زیادہ پرانی بات نہیں ہے، ابھی کچھ عرصہ ہوا ہے۔

مملکتوں کے ختم ہونے کی ایک دوسری شکل بھی ہے۔ وہ یہ کہ لکیر بھی برقرار رہے، نام بھی برقرار رہے، لیکن اس کا کوئی خود اختیاری نہ ہو، اس کے اندر کوئی (Self Determination) نہ ہو، اس میں اپنے اصولوں کے دفاع میں کھڑے رہنے کی طاقت نہ ہو اور وہ کسی دوسری بڑی سلطنت و مملکت کے تابع مہمل کی شکل اختیار کر لے یا یوں کہیے کہ سیلائٹ یعنی طفیلی ملک نہ بن جائے۔(۹۳)

اس وقت تمام عالم اسلام بشمول پاکستان ہم پر قرآن مجید کی وہ آیت راست آتی ہے جو یہود و نصاریٰ سے خطاب کر کے کہی گئی تھی:

﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰةَ وَالْإِنْجِيْلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾(۹۴)

(اے نبی ﷺ) کہہ دیجئے اے اہل کتاب! (اے یہودیو اور عیسائیو!) تم کسی شے پر قائم نہیں ہو (تمہاری کوئی بنیاد نہیں ہے، تمہاری کوئی جڑ نہیں ہے) جب تک تم تورات، انجیل اور جو کچھ تمہاری طرف (زبور اور دیگر صحیفے وغیرہ) نازل کیا گیا ہے قائم نہیں کرتے۔

اسے یوں کہا جا سکتا ہے کہ ہمارا منہ ہی نہیں ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ، ہماری دعا ہمارے منہ پر دے ماری جائے گی، کہ کس منہ سے دعا کرتے ہو؟ تم نے ہمارے قانون، ہماری ہدایت کو تو نافذ کیا ہی نہیں۔ ہمیں مسلم امہ بشمول پاکستان کو اس وقت یہی صورت حال درپیش ہے۔

مذہبی اعتبار سے نتیجہ یوں نکلے گا کہ اللہ تعالیٰ سے ہم نے وعدہ خلافی کی۔ ہم نے کہا تھا اے اللہ! ہم تیرے دین کا بول بالا کریں گے تیرے نبی ﷺ کا دیا ہوا نظام قائم کریں گے۔ اللہ نے تو وعدہ پورا کر دیا لیکن ہم نے اللہ سے وعدہ خلافی کی۔

سورہ الاعراف میں ہے کہ حضرت موسیٰ سے جب کچھ اسرائیلیوں نے کہا تھا: اے موسیٰ! آپ کے آنے سے پہلے بھی ہمیں ستایا جاتا تھا اور اب بھی ستایا جا رہا ہے، یعنی آپ کی تشریف آوری سے ہماری حالت میں تو کوئی فرق نہیں آیا ہے، تو موسیٰ نے انہیں جواب دیا:

﴿عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ﴾ (۹۵)

قریب ہے تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے۔ فرعون اور اس کے لاؤ لشکر کو تباہ کر دے۔ اور زمین میں تمہیں خلافت عطا کرے، (حکومت اور طاقت دے) پھر وہ دیکھے کہ تم کیا کرتے ہو۔

اس امتحان میں نصف صدی سے زائد گزر چکی ہے اور ناکام ثابت ہوئی ہے۔ ہم نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ خلافی کی ہے۔ اس وعدہ خلافی کا نتیجہ کیا ہے؟

جب کوئی قوم اجتماعی طور پر اللہ تعالیٰ سے کوئی وعدہ کر کے وعدہ خلافی کرے تو دنیا میں اس کی یہ سزا ملتی ہے کہ اس قوم کے اندر اجتماعی طور پر نفاق اور منافقت کا مرض پیدا کر دیا جاتا ہے۔ یہ نفاق اور منافقت اللہ کو کفر سے بھی سے زیادہ ناپسند ہے۔ جیسے کہا گیا ہے۔

﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ (۹۶) منافقین جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔

اس لئے انہیں حضور ﷺ کی شفاعت سے محروم کیا گیا۔ چنانچہ سورہ التوبہ میں ارشاد ہوتا ہوا:

﴿اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِن تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ﴾ (۹۷)

ان کے لئے آپ ﷺ خواہ استغفار کریں یا نہ کریں، اگر آپ ﷺ ان کے لیے ستر بار بھی استغفار کریں تو بھی اللہ ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ سورہ توبہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمِنْهُم مَّنْ عَاهَدَ اللَّهَ لَئِنْ آتَانَا مِن فَضْلِهِ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُونَنَّ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ فَلَمَّا آتَاهُم مِّن فَضْلِهِ بَخِلُوا بِهِ وَتَوَلَّوا وَّهُم مُّعْرِضُونَ ۝ فَأَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِي قُلُوبِهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ يَلْقَوْنَهُ بِمَا أَخْلَفُوا اللَّهَ مَا وَعَدُوهُ﴾ (۹۸)

اور (ان مدینے کے منافقوں) میں ایک قسم ان کی ہے جنہوں نے اللہ سے ایک عہد کیا تھا۔ اگر اللہ ہمیں اپنے فضل سے نواز دے گا (غنی اور دولت مند کر دے گا) تو ہم خوب صدقہ خیرات کریں گے اور نیک لوگوں میں سے ہو جائیں گے۔ پھر جب اللہ

تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے نواز دیا تو انہوں نے بخل سے کام لیا۔ تجوریوں کے دروازے مقفل کر دیئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں نفاق کی بیماری پیدا کر دی قیامت کے دن تک کے لئے بسبب اس خلاف ورزی کے جو انہوں نے اللہ سے وعدہ کرنے کے بعد کی۔

یہاں کے الفاظ بہت خطرناک ہیں: ﴿اِلٰی یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ﴾۔ (۹۹) لرزہ طاری کر دینے والے ہیں۔

﴿وَبِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ﴾ (۱۰۰۔الف) اور بسبب وہ جھوٹ بولتے رہے۔

اس لئے کہ وہ جھوٹ بولتے رہے کہ ہم ایسا کریں گے تو پوری مسلم امہ بشمول پاکستانی قوم اس وقت اس اعتبار سے اجتماعی منافقت کا شکار ہو چکی ہے۔ صرف کچھ افراد ہیں جو اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ یہ بھٹکی ہوئی قوم اپنی راہ اور منزل کو دوبارہ یاد کر لے۔" کبھی بھولی ہوئی منزل بھی یاد آتی ہے راہی کو" تو ایسے لوگ مستثنیٰ ہیں۔ استثناعات سے تو قانون بالکل ثابت ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ (Exceptions prove the rule) وہ قانون یہ ہے کہ آج ہم بحیثیت مجموعی دنیا کی منافق ترین قوم ہیں۔

ہمارے ہاں تین قسم کے نفاق پیدا ہو چکے ہیں۔ ایک پورا عالم اسلام قومی نفاق میں مبتلا ہے۔ دوسرا نفاق کا کردار ہے، یعنی جھوٹ، وعدہ خلافی اور خیانت۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

آیۃ المنافق ثلاث اذا حدث کذب و اذا وعد خلف و اذا ؤتمن خانہ (۱۰۰۔ب)

منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بولے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے، کہیں امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔

یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ اور مسلم کی ایک روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے:

وان صام وصلی وزعم انہ مسلم۔ (۱۰۰۔ج) چاہے وہ روزہ رکھتا، نماز پڑھتا ہو اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہو۔

یہ تین چیزیں ہمارے ہاں عوامی سطح پر تو جس طرح سب کو معلوم ہے، لیکن قابل توجہ اور قابل حذر یہ بات ہے کہ ہمارے ہاں جو جتنا اونچے درجے پر ہے اتنا ہی جھوٹا ہے، اتنا ہی وعدہ خلاف ہے، اتنا ہی بڑا خائن ہے۔ سینکڑوں ہزاروں تو کیا اربوں کی خیانتیں ہوتی ہیں، غبن در غبن ہوتا ہے۔ گویا مسلم امہ اس وقت اپنے ممالک میں قومی سطح پر نفاق کی مریض ہے۔

وطن عزیز کے حوالے سے اس نفاق کے نتیجے کے طور پر اللہ تعالیٰ کا عذاب "عذاب ادنیٰ" کی شکل میں ۱۹۷۱ء میں ہم پر نازل ہوا۔ ہمیں زبردست شکست ہوئی، ہمارے ۹۳ ہزار فوجی ہتھیار پھینک کر ہندوستان کی قید میں چلے گئے۔ پاکستان دولخت ہوا۔ ہمارے ٹائیگر جنرل نیازی نے جنرل اروڑہ کو اپنا پستول پیش کیا۔ یہ بدترین اور شرمناک شکست تھی۔ یہ عذاب ادنیٰ ہے۔ ورنہ بحیثیت امہ جن مسائل کا ہمیں سامنا ہے وہ سب کے سامنے عیاں ہے۔ قرآن کریم میں سورہ السجدہ میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ (۱۰۱)

ہم انہیں مزا چکھائیں گے چھوٹے عذاب کا بڑے عذاب سے پہلے شاید کہ وہ لوٹ آئیں۔

اللہ تعالیٰ کسی قوم کو جھنجوڑنے اور بیدار کرنے کے لئے چھوٹا عذاب بھیجا کرتا ہے، کبھی قحط کی شکل میں، کبھی سیلاب کی شکل میں،

شاید کہ لوگ جاگ جائیں، اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں۔ لیکن ہم نے عذاب ادنیٰ سے، جو ایک حادثہ فاجعہ تھا، کوئی سبق حاصل نہیں کیا۔ پھر اب عذاب اکبر ہے۔ جو سر پر کھڑا ہے اور یہ عذاب اکبر بھی دنیا کا ہے۔ دنیا میں عذاب اکبر یہ ہوتا ہے کہ کسی قوم کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا جائے۔ یہ دنیا میں مختلف قوموں پر آتا رہا ہے۔ قوم نوح، قوم لوط، قوم صالح وغیرہ پر یہ عذاب آیا تھا کہ:

﴿فقطع دابر القوم اللذین ظلموا﴾۔ (۱۰۲) پھر ظالم قوم کی جڑ کاٹ دی گئی۔

جڑ اگر برقرار رہے تو وہ پودا دوبارہ اگ سکتا ہے، لیکن جڑ سے اکھاڑ دیا جائے تو اب پودے کے دوبارہ اگنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ قرآن کریم میں ان اقوام کے لئے یہ الفاظ بھی آئے ہیں:

﴿لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ﴾ (۱۰۳) اب ان کے مکینوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔

قوم ثمود نے چٹانیں تراش کر جو محل بنائے تھے، ان میں رہنے والا اب کوئی نہیں ہے اور یہ الفاظ بھی آئے کہ:

﴿كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا﴾ (۱۰۴)۔ جیسے وہ کبھی آبادی نہیں تھے۔

نسیاً منسیاً ہو گئے۔ یہ ہے عذاب اکبر! بنی اسرائیل جو سابقہ امت مسلمہ تھی جب ان پر بخت نصر کے ہاتھوں پہلا عظیم ترین عذاب آنے والا تھا، جس میں حضرت سلیمانؑ کا بنایا ہوا معبد (مسجد اقصیٰ) اس طرح مسمار کر دیا گیا کہ اس کی کوئی دو اینٹیں بھی سلامت نہیں رہیں، اور چھ لاکھ یہودی موقع پر قتل کئے گئے۔ جبکہ چھ لاکھ کو وہ ہانک کر (Babylonia) لے گیا، جہاں وہ سو برس تک غلامی میں رہے، جسے وہ (Era of Captivity) کہتے ہیں۔ (اس وقت عراق کو سلطنت بابل کہتے تھے اور بخت نصر اس وقت کا نمرود تھا، اس لئے کہ عراق کے بادشاہوں کو نمرود کہا جاتا تھا) تو جب یہ سزا آنے والی تھی اس وقت بنی اسرائیل کے انبیاء یسعیاہؑ، یرمیاہؑ اور حزقیلؑ مسلسل انذار کرتے رہے اور کہتے رہے کہ دیکھو درخت کی جڑ پر کلہاڑا رکھا جا چکا ہے۔ یہ بات غور طلب ہے کہ کلہاڑا تو گرتا ہے رکھا نہیں جاتا، لیکن آپ کے علم میں ہوگا کہ جلاد پہلے تلوار گردن پر متعین کرتا ہے کہ اسے ضرب لگانی ہے، پھر وہ ضرب لگاتا ہے۔ اسی طرح کلہاڑے کو بھی پہلے لکڑی پر رکھا جاتا ہے کہ یہاں کلہاڑا مارنا ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل کو انبیاء آگاہ کرتے رہے کہ اب تو ہوش میں آجاؤ اور جاگ جاؤ۔ لیکن "یہی ہے مرنے والی امتوں کا عالم پیری" کے مصداق کسی کے کان پر جوں نہیں رینگی اور انہیں عبرت ناک صورت حال سے دوچار ہونا پڑا۔ حالی کے الفاظ ہیں:

کسی نے یہ بقراط سے جاکے پوچھا
مرض تیرے نزدیک مہلک کیا ہے؟
کہا دکھ جہاں میں نہیں کوئی ایسا
کہ جس کی دوا حق نے کی ہو نہ پیدا (۱۰۵)
مگر وہ مرض جس کو آسان سمجھیں
کہے جو طبیب اس کو ہذیان سمجھیں
یہی حال دنیا میں اس قوم کا ہے

بھنور میں جہاز آ کے جس کا گھرا ہے
کنارا ہے دور اور طوفاں بپا ہے
گماں ہے یہ ہر دم کہ اب ڈوبتا ہے
نہیں لیتے کروٹ مگر اہل کشتی!
پڑے سوتے ہیں بے خبر اہل کشتی!(۱۰۶)

تو اس وقت ہمارا یہی حال ہے۔ قرآن مجید میں بھی اس کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ سورۃ الاعراف میں ایک شخص بلعم بن باعورا کا ذکر ہے:

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا﴾ (۱۰۷) (اے نبی ﷺ) انہیں پڑھ کر سنایئے اس شخص کے حالات جسے ہم نے اپنی آیات عطا کیں۔

بعض لوگوں نے آیات کا ترجمہ ''علم'' کیا ہے، لیکن ایسا نہیں ہے آیات معجزوں کو بھی کہتے ہیں اور کرامات کو بھی کہتے ہیں۔ اس لئے خرق عادات واقعہ نبیوں کے لئے معجزہ ہوتا ہے اور غیر نبی اور اولیاء اللہ کے لئے یہ کرامات ہوتی ہیں۔ تو بنی اسرائیل میں کوئی صاحب کرامت بزرگ تھا، جو بہت بڑا عالم بھی تھا اور زاہد بھی۔ فرمایا جا رہا ہے ہم نے اسے اپنی آیات عطا کیں۔

﴿فَانْسَلَخَ مِنْهَا﴾ (۱۰۸) تو وہ ان سے نکل بھاگا۔

اس نے اپنے اس مقام کو چھوڑ دیا۔ تورات میں اس کا ذکر آتا ہے کہ وہ ایک عورت کے چکر میں پھنس گیا اور پھر اس کی ساری نیکی، ساری تقویٰ ختم ہو گیا۔

﴿فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ﴾ (۱۰۹) تو اب شیطان اس کے پیچھے لگ گیا۔

پہلا فیصلہ انسان کا اپنا ہوتا ہے۔

﴿فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ﴾ (۱۱۰) پھر وہ ہو گیا بہت ہی گمراہ لوگوں میں۔

﴿وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا﴾ (۱۱۱) اگر ہم چاہتے تو اسے مزید بلندی عطا فرماتے۔

﴿وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ﴾ (۱۱۲) لیکن وہ تو زمین میں دھنستا چلا گیا۔

﴿وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ﴾ (۱۱۳) اور وہ اپنی خواہشات (حیوانی خواہشات) کی پیروی میں لگ گیا۔

﴿فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ﴾ (۱۱۴)

اس کی مثال کتے کی سی ہے جس پر تم بوجھ لاد دو گے تب بھی وہ ہانپے گا اور اگر چھوڑ دو گے (کوئی چیز نہ لادو) تب بھی ہانپے گا۔ اس کے اندر حرص اتنی زیادہ ہے کہ ہر وقت اس کی زبان باہر نکلی رہے گی اور رال ٹپکتی رہے گی۔ اب آگے فرمایا:

﴿ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا﴾ (۱۱۵)

یہی مثال اس قوم کی ہے جو ہماری آیات جھٹلا دے۔

﴿فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾ (۱۱۶) آپ یہ واقعہ بیان کر دیجئے شاید کہ یہ کچھ غور فکر کریں، اگلی آیت میں فرمایا:

﴿سَاءَ مَثَلاً الْقَوْمُ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَأَنفُسَهُمْ كَانُوا يَظْلِمُونَ﴾ (۱۱۷)
بہت ہی بری مثال ہے اس قوم کی جس نے ہماری آیات کو جھٹلا دیا اور وہ اپنے ہی اوپر ظلم کرتے رہے۔
قرآن کریم کی یہ مثال پوری مسلم امہ بشمول پاکستان پر صادق آتی ہے۔

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے
اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد
دریا کا ہمارے جو اترنا دیکھے

امت مسلمہ کی بربادی میں استعماری قوتوں کا کردار:

پچھلے چند سالوں میں ہونے والے واقعات بشمول ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء عراق، فلسطین و لبنان اور افغانستان میں جاری دہشت گردی کے خلاف جنگ سے مسلم دنیا براہ راست متاثر ہوئی نتیجتاً مسلم دنیا میں امریکہ کے خلاف نفرت میں اضافہ بھی ہوا۔ اس نفرت کی صرف یہی وجہ نہیں ہے بلکہ یہ لاوا کافی عرصے سے پک رہا ہے۔ (۱۱۸) دنیا کے مسلمان ممالک کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار قدرتی وسائل سے نوازا ہے۔ (۱۱۹) مقام افسوس ہے کہ دنیا بھر کے مسلمان عتاب کا شکار ہیں۔ (۱۲۰) اور جہاں مسلمان آزاد ہیں وہاں آپس میں لڑ رہے ہیں۔ (۱۲۱) آج ایک عام مسلمان یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ وہ مسلمان جو صدیوں دنیا پر حکومت کرتے رہے آج عتاب کا شکار کیوں ہیں؟ (۱۲۲)

آج سعودی عرب کے فرماں رواں امریکی وزیر خارجہ کو ۱۵ سال میں منتخب حکومت کی یقینی دہانیاں کروا رہے ہیں۔ عراق کا مسودہ آئین اب تک پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکا۔ ایران کی پرامن جوہری سرگرمیاں قابل اعتراض قرار دی گئی ہیں۔ کشمیر پر بھارت کے غاصبانہ قبضے کے باوجود امریکہ اسے جوہری توانائی فروخت کر رہا ہے۔ (۱۲۳) فلسطین میں اسرائیل مظالم کی نئی داستانیں رقم کر رہا ہے۔ (۱۲۴) گو کہ فلسطین کے عوام کو غزہ سے یہودی انخلاء کا لالی پاپ بھی دینے کی کوشش کی گئی۔ مگر فلسطین اور عالم اسلام قبلہ اول کی آزادی چاہتے ہیں۔ (۱۲۵) افغانستان میں حالات اب تک قابو میں نہیں آسکے۔ اسامہ بن لادن کی تلاش شروع کی جانے والی جنگ اب کوئی دوسرا رخ اختیار کر چکی ہے۔ (۱۲۶)

دراصل سوویت یونین کا شیرازہ بکھرنے کے بعد دنیا میں طاقت کا توازن برے طریقے سے خراب ہو گیا اور دنیا امریکہ کے رحم وکرم پر آگئی۔ سوویت یونین کے خاتمے کے فوراً بعد امریکہ کے جارحانہ عزائم واضح ہونا شروع ہو گئے اور اس نے دنیا کے پولیس مین کا کردار ادا کرنا شروع کر دیا۔ عراق نے کویت پر قبضہ کیا تو اس قبضے کو چھڑانے کے لئے امریکہ نے عراق پر حملہ کر دیا۔ جنگ کے خاتمے کے باوجود امریکہ نے خطے میں قیام جاری رکھا۔ بعد میں بش جونیئر کے دور امریکہ عراق اور افغانستان پر یکے بعد دیگرے حملہ آور ہوا۔ (۱۲۷)

امریکہ اور مسلم ممالک:

امریکی خارجہ پالیسی پر نگاہ ڈالی جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ قدرتی وسائل سے مالا مال ممالک اور جغرافیائی اعتبار سے اہم مسلم ممالک پر قابض ہونے کا خواہش مند رہا اور اس کے لیے اس نے کسی بھی حد تک جانے سے گریز نہیں کیا۔ امریکہ اس موقع کی تلاش میں تھا کہ کسی طرح مسلم ممالک کے وسائل پر قابض ہو جائے اور یہ موقع ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء نے فراہم کردیا۔ امریکہ نے دہشت گردی کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا، گویا امریکہ کو دنیا کے دوسرے ممالک خصوصاً مسلم ممالک میں دخل اندازی کی اجازت مل گئی۔

سعودی عرب کے فرمان روا شاہ فہد کے انتقال کے بعد نئے فرمان روا شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز نے امریکی سیکریٹری خارجہ کو یقین دلایا کہ ۱۵ سال میں سعودی عرب میں منتخب نظام حکومت لایا جائے گا۔ (۱۲۸) سیاسی اصلاحات کی جائیں گی۔ امریکی عہدے داران نے کہا کہ سعودی حکومت سے امریکہ کو بہت سی توقعات ہیں۔ اس خطے کے عوام کی سوچ بدلنا چاہتے ہیں اور خطے کے رہنماؤں کو اس بات کو نظر انداز کرنا چاہیے اور نئے فرماں رواں کی طرف سے ۱۱۵ اصلاح پسندوں کو معافی اور رہائی دراصل شاہ عبداللہ کی مدبرانہ سیاسی سوچ کی آئینہ دار ہے۔ (۱۲۹)

۱۹۹۰ء کی عراق امریکہ جنگ سے قبل امریکی فوجوں نے سعودی عرب میں ڈیرہ جمالیا اور اب تک براجمان ہیں۔ دراصل امریکہ کی نظر سعودی عرب سے نکلنے والے تیل پر رہی۔ یاد رہے کہ سعودی حکومت دنیا میں تیل کا سب سے بڑا برآمد کنندہ ہے۔ (۱۳۰)

عراق میں امریکی مداخلت اور قبضے کے بعد انتخابات کروائے گئے، مگر اب تک آئین کے مسودہ پر اتفاق رائے نہیں ہوسکا ہے۔ عراق اور افغانستان میں حالات دگرگوں ہیں اور اب غالباً یہ امریکہ کے گلے کی ہڈی بن چکے ہیں۔ امریکی رائے عامہ تو اس بات پر پہلے ہی منقسم تھی، مگر اب امریکی سیاستدان واشگاف الفاظ میں امریکی افواج کی واپسی کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ فوجوں کی واپسی کا مطالبہ کرنے والے سیاستدان جارج بش کو ویت نام یاد دلانے کی کوشش کرتے رہے، مگر ان کے کانوں پر جوں رینگتی معلوم نہیں ہوئی۔ (۱۳۱)

ایران کے جوہری پروگرام پر سخت تنقید کی جارہی ہے، مگر تصویر کا ایک دوسرا رخ بھی ہے جو کئی لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہے۔ ایران کو امریکہ برائی کا محور قرار دیتا ہے۔ امریکہ ایرانی حکومت کو کمزور کرنے کے لئے سالانہ اربوں ڈالر کا فنڈ مختص کرتا ہے اور کھلے عام ایران کو کمزور کرنے کی بات کرتا ہے۔ یہ بات طے ہے کہ دنیا کے تمام ممالک کے خفیہ ادارے دوسرے ممالک میں خفیہ طور پر کارروائیں کرتے ہیں، مگر اعلانیہ طور پر ایسا کرنا تعجب خیز ہے۔ امریکہ کا یہ عمل بھی ایک ایسے ملک کے خلاف ہے، جو ایک جمہوری ملک ہے اور جہاں باقاعدگی سے انتخابات ہوتے رہے ہیں۔ (۱۳۲)

افغانستان پر امریکہ نے اسامہ بن لادن کی تلاش میں حملہ کیا تھا۔ اب ظاہر ہونے والی خفیہ معلومات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسامہ کے فرار کا علم امریکہ کو پہلے سے تھا، مگر پھر بھی حملہ کیا گیا اور افغانستان پر قبضہ کرلیا گیا۔ افغانستان پہاڑوں اور میدانی علاقوں پر مشتمل ملک ہے اور اس کے پاس قدرتی وسائل کی کمی ہے اور امریکی قبضے کے پیچھے اور بھی کئی عوامل موجود رہے۔

سب سے حیران کن طرز عمل لیبیا کا رہا، اپنے ملک کے دو باشندوں کے لئے طویل لڑائی لڑنے کے بعد اب لیبیا کی طرف سے ماضی کے رویہ پر ندامت کا اظہار ایا در ہے کہ لیبیا میں بھی تیل پیدا ہوتا ہے اور ۲۰۱۲ء تک بیرونی امداد سے بیس لاکھ بیرل روزانہ کی اوسط سے تیل نکلنے کا تخمینہ لگایا گیا ہے، ان تمام حالات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ امریکہ کس طرح دنیا کے وسائل پر قابض ہونا چاہتا رہا۔ چین کا مقابلہ کرنے کے لئے امریکہ بھارت کو تیار کرتا رہا (۱۳۳) اور بھارت کے تمام مظالم جو وہ کشمیریوں پر ڈھا رہا ہے، سے صرف نظر کیے ہوئے ہے۔ (۱۳۴) یہ تمام حالات مسلم امہ میں انتشار کی وجہ سے پیدا ہوئے۔ ہم نے اپنی میراث علم کو چھوڑ دیا اور غیر ممالک نے ہماری میراث پر قبضہ جما لیا۔ (۱۳۵)

کیا وجہ ہے کہ دنیا میں کہیں بھی کسی دہشت گردی کے واقعے میں مسلمان ملوث کیے جاتے رہے۔ ہو سکتا ہے کہ دہشت گردی کا عمل کرنے والے مسلمان ہوں، مگر اس کی منصوبہ بندی کے پیچھے کون ہے؟ اس بات کا پتہ لگانے کی کوشش نہیں کی گئی! عقل حیران ہے کہ دنیا کا کوئی مسلمان ملک تو امریکہ سے ٹکرانے کی سوچ بھی نہیں سکتا مگر القاعدہ جیسی تنظیم، جو کوئی باقاعدہ فوج بھی نہیں رکھتی، امریکہ کے لئے کس طرح دردِ سر بنی ہوئی ہے؟ (۱۳۶)

پچھلی تین دہائیوں سے مسلمانوں کو انتہا پسندی اور تشدد کی وجہ قرار دیا جاتا ہے۔ مقام افسوس ہے کہ امریکہ کی مخالفت کے باوجود ہم اس کو نجات دہندہ سمجھتے ہوئے امریکہ سے ہی مدد کی درخواست کرتے ہیں۔ امریکی دخل اندازیوں سے خود امریکی فوجی نالاں ہیں۔ اطلاعات ہیں کہ کئی امریکی فوجیوں نے دوسرے ممالک میں پناہ کی درخواست کر رکھی ہے اور وہ جنگ کے میدان میں جانے سے کترا رہے ہیں۔

امریکی دخل اندازی کی ایک مثال پاکستانی نصاب پر امریکی انتظامیہ کی تنقید رہی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امریکہ کس حد تک دوسرے ممالک کے معاملات میں دخل اندازی کرتا رہا۔ امریکی انتظامیہ کا کہنا تھا کہ پاکستانی نصاب میں نفرت کے مضامین پڑھائے جاتے ہیں، کیا ہم تاریخ کو بدل دیں؟ ہٹلر نے یہودیوں کے ساتھ جو کیا تو کیا اسرائیل کے نصاب میں وہ واقعات موجود نہیں ہیں۔ (۱۳۷) صلیبی جنگیں تاریخ کا حصہ ہیں، کیا اس کا ذکر کرنے سے نفرت پھیلتی ہے؟ (۱۳۸)

حقیقتاً جس طرح پوپ جان پال دوم نے یہودیوں سے ہٹلر کے رویہ اور یہودیوں کے قتل عام پر معافی مانگی تھی، اسی طرح سابق امریکی صدر جارج بش کو اور نئی امریکی انتظامیہ کو بھی اپنے مظالم پر نادم ہو کر عالم اسلام سے معافی مانگنی چاہئے، نہ کہ ایسے مطالبات کئے جائیں جن سے ہمارے مستقبل کے معمار تاریخ سے نابلد رہ جائیں۔ اب وقت آ گیا ہے کہ مسلم امہ بھی خواب غفلت سے بیدار ہو۔ اب یہ مسلم ممالک کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے عوام کو امریکی عزائم سے آگاہ کریں۔ (۱۳۹)

یہ بات سب جانتے ہیں کہ امریکہ دنیا کی واحد سپر پاور ہے اور وہ دہشت گردی کی آڑ میں خاص طور پر مسلم ممالک کو اپنا نشانہ بناتی رہی ہے، عراق اور افغانستان میں دہشت گردی کے نام پر جس درندگی کا مظاہرہ کیا گیا اور بے گناہ لوگوں کو شہید کیا گیا۔ یہ دنیا کی تاریخ کا سیاہ ترین باب کہلائے گا، اگر اسامہ بن لادن جرمنی میں یا یورپ کے کسی اور ملک میں چھپا ہوتا تو کیا امریکہ اسی طرح اس ملک کے خلاف جارحانہ اقدام کرتا؟

بے شک امریکہ سپر پاور ہے اور اس بات کو سب تسلیم بھی کرتے ہیں، لیکن سپر پاور ہونے کے ناتے اس کو یا کسی اور کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ چھوٹے ملکوں پر حملہ آور ہو اور بے گناہ لوگوں کا قتل عام کرے۔ (۱۳۰)

امت مسلمہ کی حالت زار اور زمینی حقائق:

فلسطین میں ہر روز درجنوں بے گناہ فلسطینی بچے، بوڑھے، نوجوان مرد اور عورتیں اسرائیل کے مظالم کا شکار ہو رہے ہیں۔ عراق میں ہر روز بے شمار عراقی امریکی فوجیوں کی گولیوں کا نشانہ بن رہے ہیں۔ افغانستان کے پہاڑ امریکی جنگی جہازوں کی کارپٹ بمباری سے سیاہ ہو گئے ہیں اور ہر روز درجنوں افغانیوں کو طالبان کہہ کر قتل کیا جاتا رہا، یہ قتل و غارت گری پاکستان کی سرحدوں کے اندر بھی در آئی۔ کشمیر کی جنگ میں اب تک ساٹھ ستر ہزار بے گناہ کشمیری اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ مشرق وسطیٰ کے تیل کے ذخائر امریکہ کے قبضے میں ہیں۔ عرب ملکوں کے تیل کی دولت امریکہ اور دوسرے مغربی ملکوں کے بینکوں میں ہے۔ پاکستان امریکہ کی جارحانہ مہموں میں فرنٹ لائن اسٹیٹ بنا ہوا ہے۔ پاکستان کے شہروں میں امریکہ کی خفیہ ایجنسی کے اہلکار پوری آزادی کے ساتھ دہشت گردوں کے خلاف کارروائیاں کر رہے ہیں۔ مسلم ملکوں کی تنظیم او آئی سی امریکہ کا ایک فرماں بردار ذیلی ادارہ بنی ہوئی ہے۔ (۱۳۱)

دنیا میں مسلم ملکوں کی تعداد ۵۷ ہے، آبادی سوا ارب سے زیادہ ہے، مسلم ممالک قدرتی وسائل سے مالا مال ہیں۔ مسلم ملکوں خاص طور پر مشرق وسطیٰ میں اسرائیل تقریباً ۷۰ لاکھ آبادی کا چھوٹا سا ملک ہے۔ اسلامی ملکوں کے کئی شہروں کی آبادی اسرائیل کی مجموعی آبادی سے زیادہ ہے۔ افرادی طاقت کے علاوہ مشرق وسطیٰ کے مسلم ممالک بے پناہ قدرتی وسائل سے مالا مال ہیں، لیکن اسرائیل مشرق وسطیٰ کا بے تاج بادشاہ بنا ہوا ہے۔ جس ملک کے ساتھ جو چاہے سلوک کرتا ہے، لیکن کسی مسلم ملک یا اجتماعی طور پر امہ میں اتنا دم نہیں کہ وہ اسے روک لے، روکنا تو دور کی بات ہے اسرائیلی مظالم پر کھل کر اس کی مذمت کرنا بھی کسی مسلم ملک کے بس کی بات نہیں۔

امریکہ آج دنیا کی واحد سپر پاور ہے۔ امریکہ اپنی اس سپر پاوری کو کس طرح استعمال کر رہا ہے اس سے قطع نظر یہ دیکھنا ضروری ہے کہ امریکہ نے یہ مقام کس طرح حاصل کیا؟ انہوں نے اپنی درس گاہوں کی تشکیل جدید علوم پر کر کے ترقی کی سمت کا واضح تعین کیا، سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں مہارت حاصل کر کے دنیا پر اپنی برتری کے لئے راہ ہموار کی، تحریر، تقریر کی آزادی دے کر معاشرے میں تحقیق ایجاد اور نئی سمتوں میں غور و فکر کے دروازے صنعت و تجارت کے میدانوں میں اپنی سیکولر پالیسیوں کی وجہ سے اس تیزی سے پیش رفت کی کہ ساری دنیا کی معیشت کو اپنا زیر نگیں بنا لیا۔ (۱۳۲) اگر آج دنیا کے ہر شخص کی زبان پر یہ سوال ہے کہ اسلامی دنیا لبنان، فلسطین، عراق، افغانستان اور کشمیر کی صورتحال پر کیوں خاموش ہے؟ تو اس سوال کے پیچھے زوال کی طویل تاریخ ہے۔

انسان کی دس ہزار سالہ تاریخ میں جس قوم نے بھی ترقی کی، اس میں تین خوبیاں تھیں، وہ علم میں دوسری قوموں سے برتر تھی،

اس کی معیشت مضبوط تھی اور وہ باقی قوموں سے طاقتور تھی، ترقی کا یہ فارمولا آج دنیا میں کارفرما ہے، لیکن افسوس اسلامی ممالک ان تینوں شعبوں میں دنیا سے بہت پیچھے ہیں۔ اس وقت دنیا میں ایک ارب ۴۷ کروڑ ۶۲ لاکھ ۴۳ ہزار ۲ سو ۷ مسلمان ہیں، دنیا کر ہر پانچواں شخص مسلمان ہے، دنیا میں ایک ہندو اور ایک بودھ کے مقابلے میں دو مسلمان اور ایک یہودی کے مقابلے میں ۱۰۰ مسلمان ہیں، دنیا میں ۶۱ اسلامی ممالک ہیں، ان میں سے ۵۷ او آئی سی کے رکن ہیں، لیکن یہ دنیا کی تیسری بڑی قوت ہونے کے باوجود انتہائی کمزور، حقیر اور بے بس ہیں، کیوں؟ اس کا جواب ہمیں ترقی کے تین بڑے اصولوں سے ملتا ہے (۱۴۳)

دنیا میں ترقی کا پہلا اصول علم ہے، اس وقت پوری اسلامی دنیا میں صرف ۵۰۰ یونیورسٹیاں ہیں۔ ان یونیورسٹیوں کو اگر ہم مسلمانوں کی مجموعی تعداد پر تقسیم کریں تو ایک یونیورسٹی ۳۰ لاکھ نوجوانوں کے حصے آتی ہے جب کہ اس کے مقابلے میں صرف امریکہ میں ۵ ہزار ۷۵۸ یونیورسٹیاں ہیں اور ٹوکیو شہر میں ۱۰۰۰ یونیورسٹیاں ہیں، عیسائی دنیا کے ۴۰ فیصد نوجوان یونیورسٹی میں داخل ہوتے ہیں، جب کہ اسلامی دنیا کے صرف دو فیصد نوجوان یونیورسٹی تک پہنچ پاتے ہیں، اسلامی دنیا میں اکیس لاکھ لوگوں میں سے صرف ۲۳۰ لوگوں کو سائنس کا علم ہوتا ہے، جب کہ امریکہ کے دس لاکھ شہریوں میں سے ۴ ہزار اور جاپان کے ۵ ہزار شہری سائنس دان ہوتے ہیں، پوری عرب دنیا میں صرف ۳۵ ہزار فل ٹائم ریسرچ اسکالرز ہیں جب کہ صرف امریکہ میں ان کی تعداد ۲۲ لاکھ ہے۔ پوری اسلامی دنیا اپنے جی ڈی پی کا صرف اشاریہ دو فیصد ریسرچ پر خرچ کرتی ہے جب کہ عیسائی دنیا اپنی آمدنی کا پانچ فیصد حصہ تحقیق اور علم پر لگاتی ہے۔ اس وقت دنیا میں ۲۰۰ بڑی یونیورسٹیاں ہیں، ان دو سو یونیورسٹیوں میں سے ۵۴ امریکہ، ۲۴ برطانیہ، ۱۷ آسٹریلیا، ۱۰ چین، ۱۰ جاپان، ۱۰ ہالینڈ، ۹ فرانس، ۹ جرمنی، ۹ کینیڈا اور ۷ سوئٹزرلینڈ میں ہیں، ان دو سو یونیورسٹیوں میں اسلامی دنیا کی صرف ایک یونیورسٹی ہے جب کہ اس فہرست میں بھارت کی تین یونیورسٹیاں آئی ہیں، اگر ہم اس فہرست کا ذرا سا کڑا جائزہ لیں تو دنیا کی پہلی بیس یونیورسٹیوں میں ۱۸ یونیورسٹیاں امریکہ میں ہیں، کمپیوٹر کے پہلے دس بڑے ادارے امریکہ میں ہیں اور دنیا کے ۳۰ فیصد غیر ملکی طالب علم امریکہ میں تعلیم حاصل کرتے ہیں، پوری دنیا میں امریکہ اعلیٰ تعلیم پر سب سے زیادہ رقم خرچ کرتا ہے، امریکہ اپنے جی ڈی پی کا دو اشاریہ چھ فیصد ہائر ایجوکیشن پر صرف کرتا ہے جب کہ اس کے مقابلے میں یورپ ایک اشاریہ دو اور جاپان ایک اشاریہ ایک فیصد خرچ کرتے ہیں۔ امریکہ ٹیکنالوجی اور ایجادات میں دنیا میں پہلے نمبر پر آتا ہے، اس کی کمپنیاں تحقیق پر دنیا میں سب سے زیادہ رقم خرچ کرتی ہیں، امریکہ تحقیقی اداروں کے معیار میں سب سے آگے ہے اور اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ نوبل انعام یافتہ سائنس دان امریکہ میں ہیں۔ چین اور بھارت علم اور ٹیکنالوجی میں نئی طاقت بن کر ابھر رہے ہیں، امریکی ماہرین کا خیال ہے، چین ۲۰۳۵ء میں امریکہ کی جگہ لے لے گا، اس کی وجہ یونیورسٹیاں اور ٹیکنالوجی ہے، چین میں اس وقت ۹۰۰ اور بھارت میں ۸۴۰۷ یونیورسٹیاں ہیں۔ یہ دونوں ممالک ہر سال ۹ لاکھ ۵۰ ہزار انجینئرز پیدا کرتے ہیں، اس کے مقابلے میں امریکہ میں ہر سال صرف ۷۰ ہزار نئے انجینئر مارکیٹ میں آتے ہیں، اس وقت دنیا میں ۱۲۰ کیمیکل پلانٹس بن رہے ہیں، ان میں سے ۵۰ چین میں ہیں، لہٰذا آپ دیکھ لیجیے اس وقت ہر وہ ملک ترقی یافتہ ہے جو علم، یونیورسٹیوں اور شرح خواندگی میں دنیا سے آگے ہیں اور ہر وہ ملک پسماندہ ہے جو علم میں پیچھے ہے اور بدقسمتی سے اسلامی دنیا اس شعبے میں دنیا

میں سب سے پیچھے ہے!

ترقی کا دوسرا اصول معیشت ہوتی ہے، ۶۱ ر اسلامی ممالک کا مجموعی جی ڈی پی صرف ۲ ٹریلین ڈالر ہے جب کہ امریکہ صرف مصنوعات اور خدمات کے شعبے سے ۱۲ ٹریلین کماتا ہے، امریکہ کے صرف ایک شہر لاس ویگاس کی معیشت سوا ۱۳ ارب ڈالر ہے، امریکہ کی اسٹاک ایکسچینج وال اسٹریٹ ۲۰ ٹریلین ڈالر کی مالک ہے، صرف کوکا کولا کمپنی کے نام کی قیمت ۹۷ ارب ڈالر ہے، دنیا میں اس وقت ۳۶ ہزار ملٹی نیشنل کمپنیاں ہیں، ان میں سے ۲۵ ہزار کا تعلق امریکہ سے ہے، دنیا کے ۱۲۵ امیر ترین لوگوں میں سے ۱۲ کا تعلق امریکہ سے ہے۔ دنیا کی ۵۲ فیصد فیکٹریاں عیسائی دنیا میں ہیں جب کہ دنیا کی ۷۰ فیصد صنعتوں کے مالک عیسائی اور یہودی ہیں، دنیا کی دس ہزار بڑی ایجادات میں سے ۶۱۰۳ ایجادات امریکہ جب کہ ۸۳۱۵ ایجادات عیسائیوں اور یہودیوں نے کی تھیں، اسلامی دنیا جتنی رقم کا تیل فروخت کرتی ہے، امریکہ اور یورپ اس سے دوگنی رقم کی ہر سال شراب بیچتے ہیں، ہماری سارے تیل کی مالیت امریکہ کی برگر بنانے والی تین کمپنیوں کے سالانہ ٹرن اوور کے برابر ہے۔ امریکہ کے سروسز کے شعبے کی آمدنی پوری اسلامی دنیا کے مجموعی جی ڈی پی سے زیادہ ہے اور ہم ۶۱ اسلامی ممالک ہر سال ایکسپورٹس سے جتنی رقم حاصل کرتے ہیں اتنی رقم ہالینڈ صرف پھول بیچ کر کما لیتا ہے۔ اب آجائیں طاقت کے اصول کی طرف، ذرا اپنے دل سے پوچھئے اس وقت دنیا کی سب سے بڑی فوجی طاقت کون ہے؟ کس ملک کے پاس بڑی فوج ہے، کس کا دفاعی بجٹ زیادہ ہے، کس کے پاس دنیا میں سب سے زیادہ جوہری ہتھیار ہیں، میزائل کس کے پاس زیادہ ہیں، کس کے طیارے پوری دنیا کا چکر لگا سکتے ہیں، وہ کون سا ملک ہے جو اڑتے ہوئے طیاروں میں پیٹرول بھر سکتا ہے، جس کے پاس توپیں اور ٹینک ہیں، جو لیزر گائیڈڈ بموں سے ہزاروں میل دور تباہی مچا سکتا ہے، کس کے مصنوعی سیارے دنیا کی ایک ایک انچ پر نظریں گاڑھے بیٹھے ہیں، اور کون ہے جو دنیا کا ہر کمپیوٹر اور ہر ٹیلی فون مانیٹر کر رہا ہے، یقیناً آپ کا جواب ہوگا امریکہ۔ آپ کی بات درست ہے۔ امریکہ کے بعد برطانیہ، جرمنی، فرانس، اٹلی اور روس آتے ہیں اور اس کے بعد چین اور بھارت کا نمبر آتا ہے، جب کہ بدقسمتی سے ایک بھی اسلامی ملک بڑے دفاعی ساز وسامان بنانے والے ممالک کی فہرست میں شامل نہیں ہے، پورے عالم اسلام میں پاکستان واحد ملک ہے جس کے پاس ایٹم بم ہیں، آپ پوری اسلامی دنیا کی فوجی تنصیبات اور فوجی اثاثوں کا تجزیہ کر لیں، ان کے پاس رائفل سے لے کر جہاز تک امریکہ اور یورپ کے ہوں گے، وہ رائفلوں کی گولیاں تک کسی عیسائی ملک سے لے رہے ہوں گے! (۱۴۴)

یہ ہے اسلامی دنیا کی صورت حال، یہ ہیں ہمارے زوال کی اصل وجوہات، قدرت کا قانون ہے جب بھی کوئی چیز بلندی سے گرتی ہے تو وہ ہمیشہ نیچے آتی ہے، قدرت نے آج تک دنیا کے کسی شخص، کسی قوم کے لئے اپنا یہ قانون تبدیل نہیں کیا۔ دنیا میں کامیابی اور فتح کے لئے خود کو طاقتور ثابت کرنا پڑتا ہے، یہ بھی قدرت کا قانون ہے۔ قدرت نے اپنا یہ قانون اپنے انبیاء کرامؑ کے لئے تبدیل نہیں کیا تھا، حضرت آدمؑ سے لے کر رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک دنیا کے ہر نبی کو جدوجہد کرنی پڑی تھی اور وقت کے ہر دور میں صرف وہی تہذیب قائم رہی جس کے پاس فوج، علم اور ٹیکنالوجی تھی، لیکن بدقسمتی سے اس وقت عالم اسلام ان تینوں شعبوں میں بہت پیچھے ہے۔ ہم سب کی گردنوں میں جہالت کے طوق پڑے ہیں اور ہم سب کشکول لے کر غیروں کے دروازوں

پر کھڑے ہیں اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی نصرت کا انتظار کر رہے ہیں اور ہمارا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے اپنے سارے اصول بدل دے گا، ہمارا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نظام اپنے نبیوں کے لئے تبدیل نہیں کیا تھا وہ ہمارے لئے بدل دے گا، ہم کس قدر سادہ لوگ ہیں، ہم ڈیڑھ ارب لوگ جو ۲۱ ویں صدی میں ایک نئی بندوق ایجاد نہیں کر سکتے، جو عالمی سطح کی یونیورسٹی نہیں بنا سکتے اور جو اپنا تیل بیچنے کے لئے عیسائی کمپنیوں کے محتاج ہیں، جو اپنی مذہبی کتابیں تک یہودیوں کے پریسوں پر عیسائیوں کی روشنائی سے چھاپتے ہیں اور جن کے مقدس مقامات میں یہودی کمپنی کا ایئر کنڈیشن سسٹم لگا ہے، ان لوگوں کا خیال ہے اللہ تعالیٰ ان کے لئے اپنا نظام بدل دے گا، کیا یہ ممکن ہے؟ (۱۴۵)

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

﴿ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا ﴾ (۱۴۶) اور تم نہیں پاؤ گے اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی"

بقول اقبال ۔

اس کی بربادی پہ آج آمادہ ہے وہ کارساز
جس نے اس کا نام رکھا تھا جہانِ کاف و نون !

اُمت مسلمہ کا روشن مستقبل:

اسوۂ نبوی ﷺ سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں:

اس امر میں شک کی گنجائش نہیں کہ "آج" کا دامن اسلام اور امت مسلمہ کے لئے ایک یقینی روشن مستقبل کے بھرپور امکانات سے لبریز ہے۔ یہ ضرور ہے کہ آج کل جو حوادث و واقعات پیش آ رہے ہیں وہ مایوسی پیدا کرتے ہیں، ناکامی و مغلوبیت اور پس ماندگی کی خبر دینے لگتے ہیں۔ اپنا افتراق و انتشار اور اختلاف اور اس کے تباہ کن نتائج دیکھ کر دل بیٹھنے لگتے ہیں۔ اغیار کی سیاسی، فوجی اور ابلاغی قوت و بالادستی اور ان کے مکر و فریب کی کامیابی دیکھ کر حوصلے پست ہونے لگتے ہیں، لیکن اس سب کے باوجود، ہمارے اس یقین میں کوئی کمی نہیں آتی کہ کل کا سورج طلوع ہوگا تو ہمارے لئے عزت و سربلندی اور ترقی کی خوشخبری لے کر آئے گا۔

یہ روشن مستقبل کب طلوع ہوگا؟ یہ ہم نہیں کہہ سکتے۔ اس کا علم اس کے علاوہ کسی کے پاس نہیں ہے، جس کے پاس غیب کی ساری کنجیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں سے نصرت و فتح کا قطعی وعدہ فرمایا:

﴿إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنصُورُونَ ۝ وَإِنَّ جُندَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ﴾ (۱۴۷) ان کی مدد کی جائے گی اور ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا۔

لیکن ساتھ ہی یہ بھی واضح فرمایا: "اے نبی" صبر کرو، اللہ کا وعدہ برحق ہے۔ اب خواہ تمہارے سامنے ہی ان کو، ان کا کوئی حصہ دکھا دیں جن سے ہم انہیں ڈرا رہے ہیں، یا (اس سے پہلے) تمہیں دنیا سے اٹھا لیں"۔ (۱۴۸) ہمارے ساتھ بھی ﴿انتم الاعلمون اور لیستخلفنهم﴾ کے وعدے ضرور پورے ہو کر رہیں گے، خواہ ہماری آنکھیں کامرانی کا یہ منظر نہ دیکھ سکیں۔

جو بات ہم پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ روشن مستقبل کے حصول کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے

جدو جہد کا راستہ کا راستہ، انفاق اور جہاد فی سبیل اللہ کا راستہ۔ نصرت الٰہی کے بغیر تو ایک قدم بھی نہیں اٹھ سکتا، کجا کہ منزل سر ہو جائے۔ اینصر کم اللہ فلا غالب الکم۔ اللہ تمہاری مدد پر ہو تو کوئی طاقت تم پر غالب آنے والی نہیں۔ (۱۴۹) لیکن یہ نصرت الٰہی صرف انہی کو حاصل ہوتی ہے جو جدو جہد کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔

﴿إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ﴾ (۱۵۰)

اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم مضبوط جما دے گا۔

جس سچے ایمان کے ساتھ سر بلندی کا وعدہ مشروط ہے، اس کی صداقت کی کسوٹی بھی جدو جہد ہی ہے۔

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ﴾ (۱۵۱)

حقیقت میں تو مومن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے، پھر انہوں نے کوئی شک نہ کیا اور اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ وہی سچے لوگ ہیں۔

﴿۱﴾ اس مقصد کے لئے راہ کے امکانات و خطرات کا، موافق و مخالف عوامل اور قوتوں کا، حال اور مستقبل کا زیادہ سے زیادہ ممکن صحیح اندازہ کرنا۔ ایسی حکمت عملی اختیار کرنا جس سے منزل مطلوب تک پہنچنا ممکن نظر آئے۔ اپنے اعمال و اقدامات کا جائزہ و احتساب اور اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں پر استغفار کی روش پر کاربند رہنا۔

﴿وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّا أَن قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ﴾ (۱۵۲)

ان کی دعا بس یہ تھی کہ "اے ہمارے رب، ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں سے درگزر فرما، ہمارے کام میں تیرے حدود سے جو کچھ تجاوز ہو گیا ہو، اسے معاف کردے، ہمارے قدم جمادے اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد کر"

یہاں تک کہ فتح و نصرت دیکھ کر بھی یہی روش رہے:

﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا﴾ (۱۵۳) اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو اور اس سے مغفرت کی دعا مانگو۔

سب سے ضروری اور اہم شرط للہیت اور اخلاص ہے۔ پوری جدو جہد اور جدو جہد کا ہر کام اللہ تعالیٰ کے لئے ہونا چاہئے اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے رضائے الٰہی کی جستجو، جنت کی تمنا و طلب اور اس کے لئے بھاگ دوڑ اور مسابقت اسی للہیت ہی کی تعبیر ہے۔

آج غلبہ دین کی جدو جہد کو جو بڑے بڑے مسائل درپیش ہیں، ان کی بڑی وجہ ہمارے نزدیک اسی مطلوب اخلاص اور للہیت میں کمی یا کمزوری ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ جس قدر اخلاص بڑھے گا، للہیت رچے گی اور بسے گی، اس کا رنگ زندگی پر چھائے گا، اس قدر ہمارے

مسائل حل ہوں گے، ہماری کمزوریاں اور خرابیاں دور ہوں گی، ہمارے اندر مضبوطی اور شوق وطلب میں اضافہ ہوگا اور ہم نصرت الٰہی کے مستحق بنیں گے۔

﴿۲﴾ دوسری اہم اور ضروری شرط ہے، زیادہ سے زیادہ انسانوں کو ہر طرح، ہر معیار اور ہر انداز کے انسانوں کو دینی جدوجہد کے دائرے میں جمع کرنا اور ان کی جو بھی استعداد وصلاحیت ہو، اسے دین کے کام میں لگا دینا۔ للّٰہیت اگر روح ومقصود بنیاد ہے، تو انسان دینی جدوجہد کا مرکز ومحور ہے۔

اس سلگتے مسئلے کا حل تلاش کرنے کے لئے کئی پہلوؤں سے غور وفکر اور اقدامات کی ضرورت ہے۔ دینی جدوجہد میں انسان کی قدر وقیمت، اس کی ضرورت اور اس کا مقام جاننے اور تسلیم کرنے کی ضرورت ہے۔

لیکن ہمیں یقین ہے کہ اگر ایک دفعہ ہم نے اس بات کو سمجھ لیا کہ معاشرہ اور انسان کیسے ہی بگڑے ہوئے ہوں، اسی معاشرے اور انہی انسانوں میں سے وہ قوت پیدا کرنا ہے اور وہ پیدا ہو سکتی ہے، جو اصلاح وتبدیلی اور غلبہ وسربلندی کا کام کر سکے۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت کے بعد، کامیابی کا راز انسانی قوت میں اور مال واسباب اور اسلحہ وسامان میں پوشیدہ ہے۔

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (۱۵۴) وہی تو ہے جس نے اپنی مدد سے اور مومنوں کے ذریعے سے تمہاری تائید کی۔

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (۱۵۵) اے نبی ﷺ تمہارے لئے اور تمہارے پیرو اہل ایمان کے لئے تو بس اللہ ہی کافی ہے۔

﴿۳﴾ ایک بڑا مسئلہ حسن اخلاق کا ہے، لوگوں کے دل جیتنے، ان کو ساتھ لانے اور جوڑے رکھنے اور ساتھ چلانے کے لئے سب سے موثر قوت حسن اخلاق کی قوت ہے۔ یہ حسن اخلاق، رفعت ورحمت، نرمی وفیاضی، عفو ودرگزر اور اکرام واحسان سے عبارت ہے۔ اصل کارگر اور موثر قوت نہ نظریے میں ہے، نہ کتاب میں، نہ کلام میں، نہ تحریر وتقریر میں، نہ ڈپلومیسی اور پبلک ریلیشن میں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ آج کی دینی جدوجہد کرنے والوں کے اخلاق کو نبی کریم ﷺ کے خلق عظیم سے وہ کم سے کم نسبت حاصل نہیں ہوئی ہے۔

صاحب قرآن ﷺ کے خلق عظیم کے کم سے کم نسبت کے حصول کے بغیر انسان جمع نہ ہوں گے، مخالفین کے دل مسخر نہ ہوں گے، اسلام کے غلبے کے لئے قوت فراہم نہ ہوگی اور نیز مجاہدین کا قیام ایک امر محال ہوگا۔ خواہ ہمارے پاس اسلحہ کے ڈھیر ہوں، سیاسی اقتدار بھی ہو، دلائل وبراہین کا انبار بھی ہو۔

﴿۴﴾ چوتھا مسئلہ اختلافات کا افتراق ونزاع بن کر وحدت اور شیرازہ بندی کو غیر معمولی نقصان پہنچانے کا مسئلہ ہے اور اختلافات کے باوجود متحد رہنے، ساتھ مل کر کام کرنے اور دینی قوتوں کو متحد رکھنے کا مسئلہ ہے۔ جہاں انسان جمع ہوں گے، وہاں اختلافات لازماً ہوں گے۔ رائے کے اختلافات بھی ہوں گے، مزاج کے بھی، مفادات کے بھی۔ ان اختلافات سے کوئی مفر نہیں۔ دور صحابہ جیسی بھی نہیں تھا۔ سقیفہ بنی ساعدہ سے لے کر جنگ جمل وصفین تک کی تاریخ ہمارے سامنے ہے۔

﴿۵﴾ پانچواں مسئلہ اجتہادی امور اور تدابیر کو نصوص کا درجہ دینے، بنیادی اور اصل مقاصد کے بجائے جزئیات وفروعات پر

توجہ اور مساعی کو مرکوز کرنے اور پھر دینی احکام میں غلو اور تشدد اور بال کی کھال نکالنے پر اصرار کا مسئلہ ہے۔ امت میں تو یہ مرض عام ہے اور اس کے زوال اور انتشار کا ایک بڑا سبب ہے۔ دینی قوتوں میں بھی اس مرض کا غلبہ صاف طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔

﴿۶﴾ ایک اور سلگتا مسئلہ اتحاد اور یک جہتی کا ہے۔ امت اور معاشرے میں بھی، دینی قوتوں میں بھی اور مشترک مقاصد کے لئے سیاسی قوتوں میں بھی۔ مسلم معاشرے ہر جگہ مختلف نوعیت کے تفرقوں اور انتشار کا شکار ہیں۔ دینی فرقہ وارانہ اختلافات بھی ہیں، سیاسی اختلافات بھی ہیں، جنھوں نے امت کو باہم نبرد آزما گروہوں میں پھاڑ کر رکھ دیا ہے۔

﴿۷﴾ ساتواں مسئلہ سیاست ایسی موثر کرنا ہے جو مطلوب نتائج کا پھل دے سکے۔ سیاست بھی ایک ذریعہ ہے، معاشرے میں قوت وطاقت کے سرچشموں میں اپنے اثر ورسوخ کو بڑھانے، یا انہیں اپنے ہاتھ میں لینے کا۔

سیاست کا مقصد دینی مقاصد کا حصول ہونا چاہئے اور جو سیاست ان مقاصد کے لئے ہو وہ دینی سیاست ہے، عبادت ہے، لیکن سیاسی تدابیر کو، جو اللہ کی نافرمانی پر مبنی نہ ہوں، احکام دینی کا مقام دینے کی روش صحیح نہیں، مگر یہ روش بھی بہ کثرت پائی جاتی ہے۔ اس طرح دینی قوتوں کا دائرہ عمل بھی محدود ہو جاتا ہے اور دائرہ حمایت بھی۔ تدابیر میں حالات کی مناسبت سے تغیر وتبدل کے بغیر کبھی بھی کامیاب سیاست نہیں ہو سکتی، لیکن یہ تغیر وتبدل ناممکن ہو جاتا ہے۔

﴿۸﴾ آٹھواں مسئلہ: مغرب کی فوجی، سیاسی، ثقافتی، علمی اور ابلاغی بالاتری اور تسلط کا ہے۔ عالمی قیادت تقریباً تین سو سال سے اہل مغرب کے پاس ہے۔ زبان ان کی ہے، اصطلاحات ان کی ہیں، ادارے ان کے ہیں، قوانین ان کے ہیں، تجارت ان کی ہے، عالمی تجارت پر ان کا کنٹرول ہے، ذرائع ابلاغ ان کے قبضے میں ہیں، اپنی فوجی قوت کو وہ ناقابل شکست سمجھتے ہیں۔ لبرل ازم، منڈی کی معیشت اور مغربی جمہوریت کی فتح اور عالمی غلبے کو وہ اپنی حتمی فتح قرار دیتے ہیں۔ غلبہ دین کے معنی یہ ہیں کہ قیادت عالم، اہل مغرب کے بجائے اہل اسلام کے ہاتھ میں آئے۔

مغرب کے ساتھ تہذیبی کشمکش اور اس میں فتح، بہت بڑا مسئلہ ہے۔ صرف نعروں، ہنگاموں اور جذبات کے اظہار سے یہ مسئلہ حل نہ ہوگا۔ اس کے لئے علم وحکمت، اجتہاد اور جہاد تینوں کی ضرورت ہوگی۔

﴿۹﴾ نواں مسئلہ عورت اور نوجوان کا ہے۔ عورت آبادی کا نصف حصہ ہے۔ ایک طرف مسلم معاشروں میں اسے وہ مقام حاصل نہیں جو اسلام نے اسے دیا ہے، یا اسلام کی رو سے اسے دیا جاسکتا ہے۔ دوسری طرف مغرب نے معاشرے میں عورت کے مقام اور عورت مرد کے تعلقات میں انقلابی تبدیلیاں پیدا کر کے، انہیں بالکل نئے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ آنے والے زمانے میں تہذیبی مسائل میں عورت کا مسئلہ سرفہرست ہوگا۔ اس کا مقام اور اس کے حقوق، اس مسئلے پر بھی ہمارے ہاں بڑا فکری اور عملی خلا ہے، جس کو پُر کرنا ضروری ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ غلبہ دین کی جدوجہد کے مختلف پہلوؤں پر جائزے، غور وخوض، نظر ثانی، تجدید یا تغیر کا عمل شروع ہو جائے گا، تو نصف صدی کی محنت سے جو پھل ہم نے جمع کیے ہیں وہ گلنے اور ضائع جانے کے بجائے برگ وبار لائیں گے۔ قوموں اور جماعتوں کے لئے انحطاط، زوال اور بگاڑ مقدر نہیں، نہ جمود اور تعطل، اجتہاد وجہاد سے قوت اور شباب کے دروازے کھل سکتے ہیں۔

تاریخ کا نظریہ عروج وزوال

اسباب زوال امت: تاریخ کی نظر میں!

انقلاب جہاں واعظ رب ہیں یارو!
ہر تغیر سے صدا آتی ہے فافہم فافہم

جس طرح قوم افراد سے بنتی ہے اس طرح مسلم قومیت کے وجود کا اظہار بھی مختلف ملتوں کے وجود سے ہی ممکن ہے میری مراد یہ ہے کہ شروع اسلام سے جو مختلف مسلمان حکومتیں قائم ہوئیں جیسے خلافت راشدہ، بنو امیہ، بنو عباس، فاطمیہ اور آل عثمان وغیرہ۔ اس زمین پر اسلام کی نشانی یہی قومیں اور ملتیں تھیں ان حکومتوں کا زوال دراصل مسلم قومیت کا ہی زوال گردانا گیا۔ جب بھی کوئی اسلامی حکومت ایسا طرز عمل اختیار کرتی ہے کہ جو اسے زوال کی پستیوں تک لے جاتا ہے تو دراصل وہ مسلم قومیت کا ہی زوال ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ حکومت مستحکم ہوگی تو اس کی فکر میں اسلامی نظریہ حیات کا پرچار بھی ممکن ہوگا۔ اور وہ اظہار علی الدین کلہ کے لیے بھی کوشاں ہو سکے گی۔ لیکن جب ایک حکومت ہی کمزور و بے دست و پا ہوگی تو اس کی ساری کوششیں اپنے ہی دوام اور استحکام کے لئے صرف ہوں گی اور وہ اسلامی فکر کی ترویج و اشاعت کا سوچ بھی نہیں سکے گی۔ گویا حکومتوں کا زوال دراصل مسلم قومیت کا زوال ثابت ہوگا۔

اس لیے ضرورت اس چیز کی ہے کہ تاریخ پر ایک گہری نظر ڈالی جائے اور ان مشترکہ اسباب کا تجزیہ کیا جائے جس کے سبب یہ مضبوط حکومتیں زوال پذیر ہوئیں۔ اور پھر ان اسباب کا انطباق عصر حاضر سے کیا جائے تاکہ اس دور کی زبوں حالی کے اسباب واضح ہو سکیں۔ اور پھر ہم اپنے حالات پر غور کریں کہ کہیں ہم کسی پہلو سے، کسی حد تک اور کسی بھی طریقے سے ان حالات کو پیدا کرنے میں شریک تو نہیں ہیں اور ہمیں اس چیز کا بھی تجزیہ کرنا ہوگا کہ ہماری کوششوں کا کتنے فی صد ان حالات سے ملت اسلامیہ کو بچانے کے لئے مصروف ہو رہا ہے۔

یاد رہے کہ جیسے حق کی فطرت ہر دور میں ایک ہی رہی ہے ایسے ہی باطل کی فطرت بھی یکساں رہی ہے صرف لفظ بدل جاتے ہیں استعارے تبدیل ہو جاتے ہیں اور طریقے دوسرے آجاتے ہیں۔ ایسے ہی قوموں کے زوال پذیر ہونے کے اسباب بھی ہر دور میں ایک ہی ہوتے ہیں۔ اس لیے ہمیں ماضی سے سبق سیکھتے ہوئے اصلاح احوال کی طرف توجہ مبذول کرنی چاہیے۔

یہ حقیقت بھی واضح رہنی چاہیے کہ ہر فرد اپنا جواب دہ ہے۔ اصلاح احوال کی کاوشیں بھی ہر فرد پر اپنی سطح تک ضروری ہیں۔ ہر بندہ اگر حتی الوسع ان اسباب زوال کے تدارک کے لئے کوشاں ہو تو قوم بذات خود زوال سے نکل آئے گی۔ کیونکہ قومیں افراد سے بنتی ہیں۔ گھر والا اپنے گھر تک، ادارے والا اپنے ادارے تک، شہر والا اپنے شہر تک، تحصیل والا اپنی تحصیل تک، ضلع والا اپنے ضلع تک، اور ملک والا اپنے ملک تک اگر اصلاح احوال کی کوشش کرے گا، اور ان کے اسباب زوال سے بچے گا، تو تب ہی قوم

زوال کی ذلتوں سے بچ سکتی ہے اور اگر ہر فرد یہ ذمہ داریاں دوسروں پر ہی ڈالتا رہے گا اور دوسروں کو ہی مورد الزام ٹھہراتا رہے گا تو پھر وہی حالت رہے گی کہ جب ایک بادشاہ نے حکم دیا کہ رات کو ہر شخص فلاں تالاب میں دودھ کا ایک پیالہ ڈالے۔ ایک شخص نے سوچا۔ اتنے لوگ جو دودھ کے پیالے ڈالیں گے اگر میں پانی کا پیالہ ڈال دوں تو بھلا کیا فرق پڑے گا اس نے پانی کا پیالہ ڈال دیا۔ دوسرے نے بھی ایسا ہی سوچا اور تیسرے نے بھی الغرض سب نے یہی سوچا اور صبح وہ تالاب پانی سے بھرا ہوا تھا۔

آیئے ملت اسلامیہ کی تاریخ پر ایک گہری نگاہ ڈالی جائے اور یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ مسلم حکومتیں کن اسباب کی بناء پر زوال پذیر ہوئیں۔ تاکہ ہم تاریخ سے سبق سیکھتے ہوئے ان حالات سے بچ سکیں۔ مسلم حکومتوں کے زوال کے چند بنیادی اسباب یہ بھی تھے۔

اسلامی نظریہ خلافت سے انحراف اور نااہل جانشین:

اسلامی تعلیمات کی رو سے خلافت کا مطلب کوئی بادشاہی نہیں تھا۔ اور نہ ہی پیسے اکٹھے کرنے کا ذریعہ تھا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر اللہ کے قانون نافذ کرنے کی ایک بہت بڑی ذمہ داری کو اٹھانا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اس منصب کے لئے بادشاہ یا سلطان کا لفظ نہیں رکھا۔ بلکہ خلیفہ کا لفظ استعمال کیا کہ بادشاہ اور مالک تو اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ صرف اس کے احکام نافذ کرنے کا ذمہ دار ہے۔ اور حضرت عمرؓ کے مشہور فرمان کے مطابق اگر فرات کے کنارے بکری کا ایک بچہ بھی پیاسا مر گیا تو مجھ سے اس کے متعلق پوچھا جائے گا۔ سیدنا صدیق اکبرؓ نے اپنے پہلے خطبۂ خلافت میں فرمایا تھا کہ تم میں سے جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے جب تک میں اسے اس کا حق نہ دلا دوں اور تم میں سے قوی ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے جب تک میں اس سے حق دار کا حق نہ لے لوں۔ خلفاء اسلام کی یہ فکر خلافت کی اہم ذمہ داریوں کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

اس لیے اسلام کے خلفاء نے اس ذمہ داری کی منتقلی میں اپنی ذات کو نہیں آنے دیا۔ اور انہوں نے یہ ذمہ داری اس کے سپرد کی۔ جسے وہ اس کا اہل سمجھتے تھے۔ اگر کسی کا بیٹا ہی اس کا اہل ہو تو اسلام یہ نہیں کہتا کہ باپ کے بعد بیٹا خلیفہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس کی اصل اور بنیاد قابلیت اور صلاحیت ہے نا کہ کوئی خونی رشتہ۔ خلافت راشدہ کا زمانہ اس کی تابناک مثال ہے۔

لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا۔ اس نظریہ خلافت سے روگردانی ہوتی گئی۔ اسے ایک اہم ذمہ داری نہیں بلکہ دولت سمیٹنے کا ایک ذریعہ سمجھا جانے لگا۔ اور اس کا نتیجہ نااہل جانشینی کی صورت میں نمودار ہوا۔ باپ ایسے نااہل بیٹے کو جانشین بنانے لگا۔ جو امور خلافت سے ہی ناواقف ہوتا اور اسلام کی پوری تاریخ کو اٹھا کر دیکھئے کہ نااہل جانشینی کی اس روش نے ملت کو کتنا نقصان پہنچایا اور خلافت کی جڑیں کس قدر کھوکھلی کیں۔

ایسا بھی ہوا کہ ایک خلیفہ اپنے بعد پے در پے جانشین بنا گیا کہ میرے بعد یہ خلیفہ ہوگا اور اس کے بعد یہ۔ تو پہلے نے دوسرے کو مروا دیا تاکہ اس کے بعد اس کا اپنا بیٹا جانشین بنے۔ ایک خلیفہ حصول تخت کے لئے ایک دوسرے کو قتل کرتے رہے۔ ایک جانشین نے دوسرے جانشین کے اعزاء و اقرباء پر بھی ظلم و ستم ڈھائے۔ اگر چہ وہ کتنے ہی قابل اور خلافت اسلامیہ کے لئے کتنے ہی

فائدہ مند ہوں۔ محمد بن قاسم، موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد جیسے عظیم سپہ سالار اس چیز کی بھینٹ چڑھے۔ دارا شکوہ جیسے صوفی منش اور حق انسان کو قتل کیا گیا۔ جانشینی کے اس تصور نے ملت اسلامیہ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ میں صرف دولت عثمانیہ کی مثال پیش کرتا ہوں۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ اگرچہ سلیمان اعظم کی حکومت مضبوط تھی اور وہ تین براعظموں اور دو بحروں پر حکومت کر رہا تھا۔ لیکن اس کے اقلیم قلب و دماغ پر اس کی روسی بیگم روکسلین (ROXALANE) کی حکومت تھی۔ اس حکومت کا زوال اس طرح شروع ہوا کہ اس روسی بیگم کے پیٹ سے سلیمان اعظم کا ایک لڑکا تھا جو انتہائی بدچلن، آوارہ اور شراب خور تھا۔ اس کی بیگم یہ چاہتی تھی کہ وہ بادشاہ کا جانشین بنے۔

لیکن مشکل یہ تھی کہ ایک اور بیٹا مصطفیٰ جو کسی اور بیوی سے تھا جانشین قرار پا چکا تھا اور وہ اپنی فوجی اور انتظامی صلاحیتوں کے سبب بلاشبہ جانشینی کا مستحق تھا۔ اب سلطان کی روسی بیگم نے ایک سازش کی۔ اس نے بادشاہ کو یہ باور کرایا کہ مصطفیٰ تو آپ کی زندگی میں ہی تخت پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ بادشاہ اس سے بدگمان ہو گیا۔ چنانچہ ۱۵۵۳ء میں جب ایران سے جنگ کرنے کے لیے مصطفیٰ اپنی فوج کے ساتھ کوچ کر رہا تھا تو سلیمان نے اسے خیمہ میں بلا کر قتل کروا دیا۔

مصطفیٰ کے دوسرے بھائی بایزید کو بھی ایک سازش کے تحت قتل کروایا گیا۔ اب اس آوارہ، بدچلن اور شراب خور بیٹے سلیم کے لیے راستہ صاف تھا اور سلیمان اعظم کے انتقال کے بعد یہی نااہل بیٹا جانشین بن گیا۔ اور دولت عثمانیہ تنزل کی راہوں پر چل نکلی۔

بنو فاطمہ کا زوال بھی اسی طرح شروع ہوا تھا معز اور العزیز باللہ کی انتظامی قابلیت کی بدولت بنو فاطمہ کی سلطنت کو انتہائی عروج ملا تھا۔ مگر العزیز کے جانشین نکمے اور نالائق تھے۔ الحاکم کا دماغی توازن درست نہیں تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ ذات الٰہی کا مظہر ہے انہیں فضول دعووں اور بے پناہ مظالم کے سبب عوام بنو فاطمہ کے سلاطین سے متنفر ہوتی گئی۔

الحاکم کے جانشین غیر تجربہ کار تھے۔ وہ امور سلطنت سے واقف نہیں تھے انہوں نے سیاسی معاملات کی بھاگ دوڑ اپنے وزراء کے سپرد کر دی تھی۔ اس سے ساری مملکت میں ریشہ دوانیاں شروع ہو گئی تھیں اور ملک سازشوں اور غیر ضروری جنگوں کا اکھاڑہ بن گیا چونکہ ایسا سیاسی نظام کبھی دیرپا نہیں ہو سکتا اس لیے فاطمی سلطنت کا زوال ایک یقینی امر تھا۔

خاندان مغلیہ کا زوال بھی ایسے ہی ہوا تھا۔ اس خاندان کے پہلے تاجداروں نے سلطنت کی شان و شوکت کو بڑھایا۔ لیکن عالمگیر کے جانشین نکمے اور نالائق تھے امور سلطنت کو سمجھنا اور سنبھالنا ان کے بس میں نہ تھا۔ ملک کے حالات بد سے بدتر ہوتے گئے ایسی صورت میں سلطنت مغلیہ کی تباہی یقینی ہو گئی۔

ہمارے اس دور میں تو یہ منصب کسی ذمہ داری کا نام نہیں۔ بلکہ دولت اور مفادات کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اس لیے اسے حاصل کرنے کے لیے ہر کوشش کی جاتی ہے اور پھر اپنی استعداد سے بڑھ کر اپنوں کو نوازا جاتا ہے۔ عدل، اخلاق اور قانون کی دھجیاں بکھیر دی جاتی ہیں۔ گر "بادشاہی" کے دور میں ایک بادشاہ اپنے نااہل بیٹے کو جانشین بنا کے مجرم بنتا ہے تو "جمہوریت" کے اس دور میں اپنوں کو نوازنا بھی اتنا ہی جرم ہے۔ لیکن انسان کی یہ کمزوری ہے کہ وہ ماضی کی غلطیوں کو مانتا ہے

لیکن حال کی غلطیوں کو نہیں مانتا۔ دوسروں کی آنکھ کے تنکے دیکھتا ہے لیکن اپنی آنکھ کے شہتیر اسے نظر نہیں آتے۔

اگر ایمان سے ہمارا تعلق مستحکم رہتا تو نہ اسلامی نظریہ خلافت سے روگردانی کی جاتی اور نہ ہی اپنے اقتدار اور اختیار کے سبب نا اہل جانشینی کے مستحق قرار پاتے۔ اور نہ ہی کسی بھی سطح پر صرف تعلقات کی بنیاد پر کسی کو کوئی عہدہ دیا جاتا۔ کیونکہ ایمان کی پکار یہ ہے کہ ہر چیز کا مالک اللہ ہے۔ بندے کے پاس جو کچھ ہے اللہ کی امانت ہے اور اس کا حکم ہے کہ امانت اس کے اہل کے سپرد کی جائے وہ فرماتا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾ (۱۵۶)

''اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے حقداروں کو پہنچا دو۔ اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو''۔

یہ ایک عام حکم ہے ہر شخص سوچے کہ اس کے پاس جو امانت ہے کیا وہ اسے اس کے اہل کے سپرد کر رہا ہے اور جب بندے کے پاس جو کچھ ہے سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانت ہی ہے تو کیا وہ امانتیں ان کے اہل کو لوٹا رہا ہے اگر کسی گھر کی ذمہ داری کو سپرد کرنے کا یہ طریقہ نہ رہے گا تو گھر اجڑ جائے گا ادارہ کی منتقلی میں یہ معیار نہ رہے گا ادارہ تباہ ہو جائے گا اور ملک اس معیار سے گرے گا تو ٹوٹ جائے گا۔ جانشینی کا معیار قابلیت ہے نہ کہ کوئی رشتہ دار اور نہ ہی کوئی مادی سبب۔ اس معیار سے انحراف اور نا اہل جانشینی کو امت کے وجود کو اس طرح کھایا ہے جیسے گھن لکڑی کو کھا جاتا ہے۔

فرقہ پرستی:

جس چیز نے خلافتِ اسلامیہ کی کمر توڑ دی ہے وہ فرقہ پرستی ہے۔ اسلام کی پوری تاریخ شاہد ہے کہ خلافت اسلامیہ کو جتنا نقصان فرقہ پرستی اور گروہ بندی نے پہنچایا ہے اتنا نقصان نہ عیسائیوں نے پہنچایا ہے اور نہ یہودیوں نے۔ خلافت اسلامیہ میں پہلی دراڑ فرقہ پرستی کا ہی شاخسانہ تھی عہد عثمانیؓ میں ملت اسلامیہ پر پہلا حملہ اسی راستے سے کیا گیا۔ عبداللہ بن سبا در اصل یہودی تھا یا عیسائی۔ لیکن وہ آیا ایک مسلمان اور محب اہل بیت کے روپ میں تھا۔ وہ اسلام کے مقابلہ میں کافر بن کے نہیں آیا تھا بلکہ اس دعوی کے ساتھ آیا تھا کہ خلافت اہل بیت کا حق ہے۔ دوسروں نے خواہ مخواہ اس پر قبضہ کر لیا ہے۔ یہی فتنہ حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت پر منتج ہوا۔ خلافتِ اسلامیہ کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا۔ امت کی وحدت کو شدید جھٹکا لگا۔ اور امت ہمیشہ کے لیے دو گروہوں میں بٹ گئی۔

پھر حضرت علیؓ کے عہد میں خوارج نمودار ہو گئے بظاہر جمہوریت کے علم بردار اور تقوی و تدین کے ہمالہ۔ اپنے اعتقادات کی اشاعت پر جان کی بازی لگانا ان کیلئے معمولی بات تھی۔ اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرنا اپنا اولیں فریضہ سمجھتے تھے۔ لیکن ان کے خود ساختہ عقیدوں اور تقشف پسندی کے سبب اسلامی حکومتوں کو جتنا نقصان ان کے ہاتھوں اٹھانا پڑا اتنا کسی اور سیاسی گروہ کے ہاتھوں اٹھانا نہیں پڑا۔

شروع میں حضرت علیؓ نے انہیں سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر تمام کوششیں بے سود اور رائیگاں گئیں۔ لیکن ان کا پوری طرح قلع قمع نہ ہوا پھر حضرت علیؓ کی شہادت انہیں لوگوں کی سازش تھی۔ خلافت بنوامیہ میں یہ لوگ متعدد شورشیں بپا کرتے رہے۔ انہوں نے اپنی تخریبی کاروائیوں کی بدولت بنوامیہ اور بنوعباس کی حکومتوں کو آرام سے بیٹھنے نہ دیا۔ انہوں نے مسلمانوں کو ناحق تہہ تیغ کیا اور اسلامی حکومتوں کو کمزور کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

بنوامیہ کے دور میں شیعہ، معتزلہ اور مرجئہ جیسے فرقوں کا ظہور ہوا اور امت تقسیم در تقسیم ہوتی گئی۔ جن سے نمٹنے کے لیے خلافتِ اسلامیہ کی بے پناہ طاقت صرف ہوئی اور عہد بنوعباس نے قرامطہ اور باطنیہ نے ملت کو جو شدید نقصان پہنچایا وہ ناقابلِ بیان ہے۔ قرامطہ نے ۸۹۹ء میں بحرین بصرہ پر قبضہ کر کے اپنی خودمختار حکومت قائم کرلی۔ بعد ازاں انہوں نے عباسی فوجوں کو شکست دی اور مکہ معظمہ کو لوٹ لیا۔ یہ لوگ وہاں سے حجر اسود اور دیگر تبرکات نکال کرلے گئے۔ مصر کے فاطمی خلیفہ منصور کے اصرار پر قرامطیوں نے حجر اسود اور دیگر تبرکات کعبہ واپس کر دیے چنانچہ ۹۵۱ء میں حجر اسود کو دوبارہ نصب کیا گیا۔ اس واقعہ سے کافی عرصہ تک لوگ خوف زدہ رہے اور فریضہ حج کی ادائیگی سے قاصر رہے۔ اس فتنے نے ملت اسلامیہ کو بے تحاشہ نقصان پہنچایا۔ عوام اور حکومت کی وہ کوششیں جو اسلام کی وسیع تر نشر و اشاعت میں صرف ہونی چاہیں تھیں انہیں کی نذر ہوگئیں۔ اسی دور میں فرقہ اندویہ، فتنہ مقنع، زنادقہ بابک خرمی کے فتنے نمودار ہوئے اور ملت کمزور سے کمزور تر ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ اس فرقہ پرستی نے نوبت سقوطِ ڈھاکہ تک پہنچادی۔ شیعہ سنی اختلاف نے خلافتِ اسلامیہ کا خاتمہ کروادیا لیکن فرقہ پرستی کا پھر بھی جوش سرد نہ پڑا۔

عقل و شعور کے اس دور میں ملت اسلامیہ کی کوششوں کا نناوے فی صد سے زیادہ حصہ اس فرقہ پرستی کی نذر ہورہا ہے۔ اسلام کے نام پر کی جانے والی کوششیں اسلام کی ترویج و اشاعت نہ ہونے کے برابر اور کسی مخصوص فرقہ کی نشر اشاعت کے لئے زیادہ خرچ ہورہی ہیں۔

وہ وقت کب آئے گا جب ہم تاریخ سے سبق سیکھیں گے۔ جب ملت کا وجود فرقہ پرستی کے ناسور سے پاک ہوگا۔ جب ہم سے ہر فرد کسی مخصوص فرقہ یا مسلک کے لئے نہیں دین کی نشر و اشاعت کے لئے کوشاں ہوگا۔ چشم فلک منتظر ہے اس نظارے کو دیکھنے کی کہ جب ملت اسلامیہ فرقہ پرستی اور گروہ بندی کے خول سے باہر نکلے۔ اس کا ضعف قوت میں بدلے، زوال عروج میں تبدیل ہو اور اس کی پستی رفعتوں کا روپ دھار لے یہ سب کچھ ہوسکتا ہے بشرطیکہ ہر شخص فرقہ پرستی کے دائرے سے باہر نکل کر اسلام کی آفاقیت کا سفیر بن جائے۔

اخلاقی انحطاط اور عیش پرستی:

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں۔

" جب اللہ تعالیٰ کسی قوم سے ملک چھیننا چاہتا ہے تو اس میں اخلاقِ ذمیمہ اور رذیل عادتیں پیدا فرما دیتا ہے۔ اس لئے وہ لوگ سیاسی خوبیوں سے محروم ہو جاتے ہیں اور جب یہ حرماں نصیبی بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے تو حق تعالیٰ شانہ اس کے قبضہ سے ملک

نکال لیتا ہے اور کسی دوسری قوم کو دے دیتا ہے۔ جس میں سیاسی خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ملک سے محرومی اور حکومت کا نکلنا خود ان کے کرتوتوں کا ثمرہ ہے حق تعالیٰ نے انہیں جو نعمت ملک وعزت میں عطا فرمائی تھی۔ وہ ان کی بد اعمالیوں کی وجہ سے ان سے سلب کر لی گئی ہے۔ قرآن پاک میں ہے جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس میں مال داروں کی کثرت کر دیتے ہیں۔ پھر وہ اس میں بد اعمالیاں کرتے ہیں اور اس پر عذاب واجب ہو جاتا ہے پھر ہم اسے پوری طرح تباہ کر ڈالتے ہیں۔ اگر اقوام سابقہ کی تحقیق کی جائے اور ماضی کے حکمرانوں کے زوال کے اسباب ڈھونڈے جائیں تو یہی زوال کے اسباب ملیں گے جو ہم نے بیان کیے ہیں"۔ (۱۵۷)

اسلام کی پوری تاریخ ابن خلدون کے اس تجزیہ کی صداقتوں کی گواہی دیتی ہے۔ ویسے بھی یہ بات بالکل واضح ہے کہ ذمہ داری کا احساس تو لوگوں سے راتوں کی نیند اور دنوں کا چین سلب کر لیتا ہے جب ایک ملک کا سربراہ ہی اپنی ذمہ داری سے غافل ہو کر عیش وعشرت سجا کے بیٹھ جائے گا تو دیگر اعیان مملکت تو اس سے بھی چند ہاتھ آگے جانے کی کوشش کریں گے۔ کیونکہ ضابطہ یہ ہے کہ اگر بادشاہ کسی باغ سے ایک انار توڑ کر کھائے گا سو اس کے لشکری تو پورا باغ اجاڑ دیں گے اگر بادشاہ امور مملکت پر توجہ نہ دے اور اپنی محبوباؤں کے لئے محل تعمیر کرتے رہیں اور ان کے ناز نخرے اٹھاتے رہیں تو اللہ کے قانون میں ایسے بادشاہوں سے حکمرانی چھیننا ضروری ہے، بقول مفکر اسلام حضرت علامہ اقبال ؎

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول، طاؤس و رباب آخر

جب اندلس میں بنو امیہ کی حکومت آخری سانسیں لے رہی تھی تو اس وقت مسلمان حکمران کس دماغی تنزل کا شکار تھے۔ اس کا اندازہ ایک چھوٹے سے واقعے سے لگ جاتا ہے۔

اس عہد کا سب سے بڑا فرمانروائے اندلس معتمد بن عباد تھا۔ ایک مرتبہ اس کی بیوی نے جس کا لقب اعتماد تھا اشبیلیہ میں چند دہقانی عورتوں کو دیکھا وہ کیچڑ میں کھڑی ہیں۔ ان کی پنڈلیاں کھلی ہیں اور وہ مشک سے دودھ فروخت کر رہی ہیں۔ بیگم کو یہ منظر اتنا پسند آیا کہ اس نے بادشاہ سے کہا "میرا جی چاہتا ہے کہ میں اور میری کنیزیں بھی ایسا ہی کریں بادشاہ نے کہا یہ کون سی بڑی بات ہے اس نے فوراً حکم دیا اور قصر شاہی میں عنبر ومشک اور گلاب کو عرق گلاب میں گوندھ کر کیچڑ بنائی گئی اور بیگم اپنی لونڈیوں کے ساتھ اس میں کھڑی ہو گئیں۔ دیہاتی عورتوں کی طرح ان سب کی ہاتھوں میں مشکیں تھی۔ لیکن فرق یہ تھا کہ ان سب کی ڈوریاں ریشم سے بنی ہوئی تھیں"۔ (۱۵۸)

جو بادشاہ ایسی ناز برداریوں میں ہی مگن رہیں ان سے سلطنت چھین لی جاتی ہے جب فرڈیننڈ نے اندلس پر قبضہ کیا اور اندلس کا آخری بادشاہ علی عبداللہ الصباح اپنے ساتھیوں کے ساتھ الحمراء سے نکلا۔ ابھی تھوڑی دور ہی آیا تھا کہ اسے فرڈیننڈ کا فرستادہ پادری مع ایک جماعت کے ساتھ ملا۔ ابو عبداللہ نے قلعہ کی کنجیاں اس کے سپرد کرتے ہوئے کہا

"جاؤ اب قلعوں پر قبضہ کر لو۔ جن کو اللہ نے ہماری بد اعمالیوں کے باعث ہمارے قبضہ سے نکال کر تمہارے قبضہ میں دے دیا ہے۔"

تاریخ کے صفحات گواہ ہیں جب حکمران عیش وعشرت کے راستوں پر چل نکلیں تو حکومتیں زوال پزیر ہو جاتی ہیں۔ اموی سلطنت کو بھی اس عیش پرستی نے تباہ کیا تھا۔ یوں تو اموی خاندان کے چودہ حکمرانوں میں سے دس شراب کے رسیا تھے مگر سلیمان اور یزید ثانی کی عیش پرستی، ہشام کی کنجوسی اور ولید ثانی کی شراب نوشی ضرب المثل بن گئی تھی۔ اس عیش وعشرت کے سبب انہوں نے امور سلطنت سے بے اعتنائی برتی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رؤسا اور ارکان حکومت خود سر ہو گئے اور ان کے باہمی نفاق نے اموی سلطنت کو کھوکھلا کر دیا اور ابومسلم خراسانی نے ایک ہی فوجی یلغار میں اموی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔

عباسی سلطنت کو بھی تاخت وتاراج کرانے میں عیش پرستی کا بڑا ہاتھ تھا۔ متوکل کے جانشین آرام طلب، شراب کے متوالے، نکمے اور نالائق تھے۔ امور سلطنت کو سنبھالنا ان کے بس میں نہ تھا۔ وہ امراء کے ہاتھوں کٹھ پتلیاں بنے رہے۔ انہیں اپنی عیش وعشرت ہی سے فرصت نہ ملی اور مملکت چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستوں میں تقسیم ہوتی گئی۔ ایسی صورت میں سلطنت عباسیہ کی تباہی یقینی تھی۔

چشم فلک نے منظر بھی دیکھے کہ جب مسلمانوں کی عظیم خلافتیں بغداد اور ہسپانیہ میں اور وسیع مغلیہ شہنشاہیت بے راہ رو شہزادوں کی شراب میں ڈوب گئی۔ دشمن دہلی پر قابض ہو گئے اور ادھر سے ''ہنوز دلی دور است'' کی مستانہ آوازیں گونجتی رہیں، ابھی کل کی بات ہے جب مشرقی پاکستان یحییٰ خان اور اس کے مخمور ساتھیوں کے جام شراب کی نذر ہوا۔

عام بندہ عیش وعشرت کا دلدادہ ہو جائے تو وہ خود تباہ ہو جاتا ہے یا زیادہ سے زیادہ اس کا گھر لیکن جب ارباب اقتدار عیش و عشرت کے دلدادہ ہو جائیں تو ملک تباہ ہو جاتے ہیں۔ سلطنتیں فنا کے گھاٹ اتر جاتی ہیں۔ کارکنان مملکت اور ارباب اقتدار کو تاریخ کی اس گونجتی صدا پہ کان لگانے چاہیئے کہ ان کی عیش پرستی اور اخلاقی انحطاط مملکتوں کو برباد کر دیتا ہے اور کئی نسلوں کی غلامی کے کبھی نہ چھٹنے والے اندھیروں میں دھکیل دیتا ہے۔

کیا دبدبہ کی نادر کیا شوکت تیموری
ہو جاتے ہیں سب دفتر غرق مے ناب آخر
یکتانہ یورپ کے دستور نرالے ہیں
لاتے ہیں سرور اول دیتے ہیں شراب آخر

اسلامی نظریہ اخوت سے انحراف:

اسلامی حکومتوں کو جن چیزوں نے بے تحاشا اور ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ ان میں سے ایک اسلامی نظریہ اخوت سے انحراف ہے۔ جو قبائلی، نسلی اور علاقائی خانہ جنگیوں پر منتج ہوا۔ اسلام نے ان تمام بتوں کو پاش پاش کر دیا۔ جن کی وجہ سے نسل انسانی کی وحدت معرض خطر میں پڑ جاتی ہے، نسل انسانی تقسیم در تقسیم ہوتی جاتی ہے اور ملت کا وجود کھوکھلا ہو جاتا ہے۔ وہ نسل کا تفاوت ہو، رنگ کا فرق ہو، علاقے کا امتیاز ہو یا کسی قبیلے اور خاندان کا بت ہو۔ اسلام نے ان تمام چیزوں کو صرف تعارف اور پہچان کے لئے رہنا ہے، لیکن اسے نہ باعث نزاع بنایا اور نہ ہی باعث فخر مباہات۔

اسلامی نقطہ نظر کے مطابق یہ چیزیں تعارف اور پہچان کا ذریعہ تو ضرور ہیں، لیکن وحدت نسل انسانی کی بنیاد اور اخوت باہمی کا سبب صرف اور صرف اسلام اور ایمان کو قرار دیا ہے کہ ایک کلمہ گو دوسرے کلمہ گو کا بھائی ہے اگر چہ ان کا رنگ مختلف ہو، نسل الگ الگ ہو، زبان مختلف ہو اور قبیلہ علیحدہ علیحدہ ہو۔ یہاں فارس کا سلمانؓ، روم کا صہیبؓ، حبشہ کا بلالؓ اور مکہ کا ابو بکرؓ بھائی بھائی ہیں کیونکہ یہ اخوت اسلامی کی لڑی میں پروئے گئے ہیں۔ اوس اور خزرج اپنی کئی نسلوں کی دشمنی بھلا کر بھائی بھائی بن گئے ہیں کیونکہ انہوں نے کلمہ طیبہ پڑھ لیا ہے، لیکن جو اس لڑی میں نہ آیا، اس دائرہ میں داخل نہ ہوا، وہ کسی کا کچھ نہیں لگتا، اگر چہ بظاہر وہ اس کا باپ ہو، بیٹا ہو یا بھائی ہو۔ وہ ان کا دشمن ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا دشمن تھا۔ ان کی پاکیزہ زندگیوں کا ایک ایک پل اس بات کا منہ بولتا ثبوت بھی ہے اور زندہ گواہ بھی۔

آخر ایسا کیوں نہ ہو جبکہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کو ہی بنائے اخوت قرار دیا ہے۔

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ (۱۵۹) ”صرف مومن ہی آپس میں بھائی بھائی ہیں“۔

اور حبل اللہ کو تھامنا ہی باعث اتفاق و اتحاد قرار دیا ہے۔

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾ (۱۶۰) ”اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ نہ ڈالو“۔

جب تک یہ نظریہ شعوری طور پر اور اپنی دریافت کے ساتھ زندہ رہا۔ مسلم امہ بنیان مرصوص سے بھی چٹان تر رہی، لیکن جونہی یہ نظریہ کمزور ہوتا گیا، مسلم امہ کا وجود کمزور سے کمزور تر ہوتا گیا۔ اسلام کی پوری تاریخ اس کی گواہی بھی دیتی ہے اور مسلم امہ کے ایک ایک فرد کو دعوت فکر بھی۔

بنو امیہ کے اسباب زوال میں قبائلی تعصب بالکل واضح نظر آرہا ہے۔ اسلام نے جس قبائلی تعصب کا قلع قمع کر کے اخوت اور مساوات کا دور دورہ کیا تھا۔ اموی حکمرانوں نے اپنی ذاتی اغراض کے حصول کے لئے اس تعصب کو پھر سے ہوا دینا شروع کر دی۔ صوبوں کے حاکموں کی تقرری میں یہی جذبہ کارفرما رہنے لگا۔ مہلب کا سارا خاندان اور محمد بن قاسم اسی قبائلی تعصب کی بھینٹ چڑھے۔ ان قبائلی جھگڑوں سے ابو مسلم خراسانی نے خوب فائدہ اٹھایا۔ اس نے پہلے یمنی اور مصری قبائل کو آپس میں لڑایا۔ اس طرح بنو امیہ کی طاقت کو کمزور کیا۔ پھر خود حملہ کر کے دونوں قبیلوں کو ختم کیا اور ساتھ ہی بنو امیہ کے تخت و تاج کو بھی تاخت و تاراج کر دیا۔

بنو امیہ کے بعض حکمرانوں نے محض قبائلی تعصب کی خاطر اسلام کے بعض نامور جرنیلوں سے انتہائی ناروا سلوک کیا۔ سلیمان نے حجاج کے رشتہ داروں اور عاملوں کو سخت سزائیں دیں۔ یزید ثانی نے آل مہلب کو ختم کیا۔ ولید ثانی نے خالد بن عبداللہ قسری سے انتہائی برا سلوک کیا۔ ظلم کی ان ہی داستانوں نے بنو امیہ کے بارے میں عوام کے دلوں میں نفرت کے بیج بو دیئے اور ان کے دل اپنے حکمرانوں کے لئے کسی بھی قسم کی ہمدردی کے جذبات سے خالی ہو گئے اور ایسے حالات میں حکومتوں کا زوال پذیر ہونا اور یقینی اور قطعی بات ہوتا ہے۔

خلافت بنو عباس کے زوال پذیر ہونے کا ایک اہم سبب بھی یہی قبائلی تعصب تھا۔ عباسیوں نے بنو امیہ کے اقتدار کی بساط

لٹنے کے بعد بنو فاطمہ اور علویوں پر بے تحاشا ظلم ڈھانے شروع کر دیے۔ بلکہ لوگوں میں یہ پراپیگنڈہ شروع کر دیا کہ رسول خدا ﷺ کے وارث دراصل عباسی ہی ہیں۔ منصور نے محمدؒ نفس ذکیہ اور ان کے بھائی ابراہیمؒ کے ساتھ سخت ناروا سلوک کیا۔ ہارون الرشید کا رویہ بھی علویوں کے متعلق ایسا ہی رہا۔ خلیفہ متوکل نے ایک عالم شخص کو صرف اس لیے ہاتھی کے پاؤں تلے روند ڈالا کہ اس نے خلیفہ وقت کے دو بیٹوں کو امام حسنؓ اور امام حسینؓ پر ترجیح دینی پسند نہ کی۔ یہی چیز اختلافات کی خلیج کو وسیع کرتی گئی اور خلافت عباسیہ کے اختتام پر منتج ہوئی۔

اسپین میں بھی یہی ہوا تھا۔ یمنیوں اور مصریوں کی پرانی رقابت اور بربریوں اور ہسپانوی مسلمانوں کے آپس کے اختلاف اسپین میں اسلامی حکومت کے خاتمے کا پیش خیمہ بنے تھے۔

سارا ملک انہیں جھگڑوں کی نذر ہو گیا تھا۔ بڑے بڑے نازک موقعوں پر بھی مسلمان امرا باہمی اختلافات کو ختم کر کے عیسائیوں کے خلاف متحدہ محاذ قائم نہ کر سکے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عیسائی حملہ آوروں نے متواتر یورشوں سے انہیں ختم کر ڈالا۔

آپ کسی بھی دور کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں۔ یہی عصبیت، یہی قبائلی رقابتیں، یہی علاقائی جھگڑے اور رنگ و نسل کے یہی امتیازات ملت اسلامیہ کے وجود کو ایسے کھا رہے ہیں جیسے گھن لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

عصر حاضر کا تجزیہ کر لیجیے کہیں صرف عربوں کے تحفظ کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ کہیں ایشیائی ممالک کے اتحاد کا ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے۔ کہیں خلیج ریاستوں کی بقا کی آوازیں گونج رہی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کہاں گیا اسلامی نظریہ اخوت؟ کہاں گیا ملت اسلامیہ کا بھائی چارہ؟ کیوں فراموش کر دیا ہم نے اپنے پیارے نبی ﷺ کے اس فرمان کو کہ الکفر ملة واحدة والاسلام ملة واحدة۔ کفر ایک قوم ہے اور اسلام ایک قوم ہے۔

ملت اسلامیہ کے ارباب اقتدار سوچیں کہ ہماری یہ روش کہیں ملت کو تباہی کے دہانے کی طرف تو لے کر نہیں جا رہی؟ جب کفر اپنے آپ کو ایک قوم سمجھ رہا ہے اور مسلمان اپنے آپ کو ایک قوم کب سمجھیں گے۔ یہ عرب و عجم کے چکر، یہ ایشیا اور غیر ایشیا کی تقسیم اور یہ خلیج و غیر خلیج کے امتیازات سب کفر کے پیدا کردہ ہیں۔ ہماری بنائے اخوت اسلام ہے۔ مسلمان دنیا کے کسی خطے کا رہنے والا ہو، کوئی زبان بولتا ہو، کسی قبیلے سے تعلق رکھتا ہو اور کسی بھی رنگ کا حامل ہو ہمارا بھائی ہے۔

کفر انتہائی چالاکی اور عیاری سے ان خود پیدا کردہ تقسیموں کی آڑ میں ہمارے ہاتھوں سے ہی ایک سے دوسرے کو تباہ کرواتا ہے۔ ڈرو اس دن سے جب ہم ان کے ہاتھوں میں کھلونا بنے اپنے آپ کو مکمل تباہ کر کے بیٹھ جائیں گے اور پھر کمزور کا کوئی ساتھی نہیں ہوتا اور مفتوح اور فاتح میں کوئی سمجھوتہ نہیں ہوتا۔

اندلس کی تاریخ اٹھا لو یا بغداد کی۔

میں آج اگر زد پہ ہوں تو خوش گماں نہ ہو
چراغ سب کے بجھیں گے ہوا کسی کی نہیں

ہمیں غور کرنا چاہیے کہیں ہم نے اپنے مفادات کی خاطر اور اپنے اقتدار کے تحفظ کے لئے اللہ کا سہارا چھوڑ کر کافروں کا سہارا

تو نہیں ڈھونڈ لیا؟ کہیں ہم خون مسلم کی ارزانی کا سامان تو نہیں کر رہے؟ ہم اللہ کی طاقتوں کو صرف برکت کے لئے اور کافروں کی طاقت کو حقیقتاً ماننے تو نہیں لگ گئے؟ اگر ایسا ہے تو یہی کفر کا راستہ ہے اور یہی شرک کی روش ہے۔

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نو میدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

وہ وقت کب آئے گا جب ہم اسلامی نظریہ اخوت کو اپنائیں گے۔ جب محبت اور بھائی چارے کی بنیاد مفادات نہیں، اسلام اور صرف اسلام ہوگا۔ جب ہم رنگ ونسل کے جملہ بت پاش پاش کر کے اسلام اور ایمان کو وحدت ملی کی بنیاد بنائیں گے؟

بتان رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی
میان شاخساراں صحبت مرغ چمن کب تک
ترے بازو میں ہے پرواز شاہین قہستانی

عوام کا حکمرانوں سے تنفر:

مسلمان حکومتوں کو تباہ کرنے والے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ حکمران اپنی رعایا کی ہمدردیوں اور محبتوں سے محروم ہو گئے تھے جیسے ایک جماعت اپنے قائد کے بغیر شتر بے مہار اور بے مقصد ہو جاتی ہے، ایسے ہی قائد اپنی جماعت کے بغیر بے معنی ہو کے رہ جاتا ہے۔

اسلام نے شورائی نظام حکومت تشکیل دیا تھا، لیکن بعد میں جب اس نظام سے انحراف کر کے وراثت اور جبر کا نظام نافذ کر دیا گیا اور حکمرانوں نے محض طاقت اور ظلم کے بل بوتے پر حکومت کرنی شروع کر دی تو عوام کے دلوں میں حکمرانوں کے لئے جگہ نہ رہی۔ اب بظاہر تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اور حکمران یہ سوچ لیتا ہے کہ مجھے عوام کی کیا پرواہ جو بھی سوچتے رہیں، میں بادشاہ ہوں۔ صاحب اقتدار ہوں وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

لیکن جیسے پانی اپنا راستہ خود بنا لیتا ہے۔ نیند اپنے وقت کا تعین خود کر لیتی ہے۔ ایسے ہی عوام کی نفرت بھی اپنے اظہار کے مختلف راستے خود بنا لیتی ہے اور یہی راستے حکومت کی تباہی کا باعث بنتے ہیں اور اس کا نتیجہ کفر کی تقویت اور اسلام کی کمزوری کی شکل میں نکلتا ہے جیسا کہ شروع میں عرض کیا جا چکا ہے۔

تاریخ شاہد ہے اسی نفرت کے سبب کہیں رعایا نے کسی دوسرے حکمران کو اس ملک پر قبضہ کرنے کی دعوت دی اور پھر اس کا بھرپور ساتھ دے کے قبضہ کروایا۔ کہیں خود مختار ریاستیں وجود میں آئیں اور حکومت کمزور سے کمزور تر ہوتی گئی۔ کہیں حکومت کے خلاف سازشوں کے جال بنے جانے لگے اور حکومت کی ساری کوششیں انہیں ختم کرنے میں ہی صرف کی جانے لگیں۔ عصر حاضر میں غور فرمائیں کہ جو حکمران جبر سے حکومت کر رہے ہیں۔ ان کی کوششوں کا کتنے فیصد حصہ صرف اپنے اقتدار کو بچانے میں

صرف ہو رہا ہے۔ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ وہ حکومت کے سارے وسائل اپنے استحکام کے لئے ہی صرف کرتے رہے ہیں۔ ان کی ہر کوشش کے ڈانڈے اسی نقطہ سے آکر ملتے ہیں تو شاید کچھ مبالغہ تو معلوم ہوتا ہے لیکن خلاف حقیقت قطعاً نہیں۔

تاریخ کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ حکومتوں کے زوال پذیر ہونے کے بڑے بڑے اسباب یہی تھے جن کے سبب مسلمان کمزور ہوئے اور کفر کو تقویت ملی اور یہی اسباب آج بھی ہیں۔ صرف لفظ تبدیل ہو گئے ہیں۔ لیکن انسان کی کمزوری ہے کہ یہ ماضی کی غلطیوں کو مان لیتا ہے، لیکن حال کی غلطیوں کو نہیں مانتا، حالانکہ کمال ماضی کو ماننا ہی حال کو ماننا ہوتا ہے۔

ہم میں سے ہر شخص کو گہری سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے کہ کہیں ہم کسی سطح پر اور کسی بھی زاویے سے ان میں سے کسی غلطی کو اپنائے ہوئے تو نہیں؟ کہیں کسی بھی سطح پر ہمارا کوئی عمل اسلام کی کمزوری کا ذریعہ تو نہیں بن رہا؟ کیونکہ حقیقتیں ہر دور میں یکساں رہتی ہیں صرف لفظ بدلتے ہیں اور استعارے تبدیل ہو جاتے ہیں۔

زمانہ ایک حیات ایک کائنات بھی ایک
دلیل کم نظری ہے قصہ جدید و قدیم

قرآن مجید کا قانون عروج وزوال:

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلمان
اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار
جو حرف قل العفو میں پوشیدہ ہے اب تک
اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار

قرآن مجید میں بنی نوع انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری اور حتمی ہدایت نامہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو جس سسٹم اور طریقہ کار کے مطابق بنایا ہے۔ اگر کوئی بندہ اس سسٹم سے ہٹ کا کائنات میں کوئی کامیابی کسی بھی دوسرے طریقے سے چاہتا ہے تو اس کی تمام محنتیں رائیگاں چلی جائیں گی۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے آنکھ کو دیکھنے کے لئے بنایا اور کان سننے کے لئے۔ اب اگر کوئی بندہ کان سے دیکھنے اور آنکھ سے سننے کی کوشش کرے گا تو ظاہر ہے اسے سوائے ناکامی و نامرادی کے اور کچھ نہیں ملے گا۔

ایسے ہی انسانیت کو در در کی ٹھوکروں سے بچانے، اسے منزل مراد سے ہمکنار کرنے اور اسے دارین میں کامیاب و کامران بنانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو اپنا طریقہ کار بنایا ہے۔ قرآن مجید اسی کا دوسرا نام ہے جیسے آنکھ سے سننے والا اور کان سے دیکھنے والا ناکام ہوتا ہے ایسے ہی زندگی کے کسی بھی میدان میں قرآنی ہدایات سے انحراف کر کے کامیابی چاہنے والا خائب و خاسر ہو گا۔ قرآنی ہدایات کو چھوڑ کا انسان نہ کسی فرد کے لئے فائدہ مند ہو سکتا ہے اور نہ معاشرہ اور قوم کے لئے۔

قومیں کس طرح عروج پاتی ہیں اور کیسے زوال کی پستیوں میں جا گرتی ہیں۔ عروج پانے کے لئے کن راہوں پر گامزن ہونا

چاہیے اور زوال کی ذلتوں سے بچنے کے لئے کن راستوں سے بچنا چاہیے۔ قرآن مجید نے اس بارے میں انسان کو بڑی جامع اور کامل ہدایات دی ہیں، لیکن قرآن مجید کا اسلوب تاریخ کے اسلوب سے قطعاً مختلف ہے کیونکہ تاریخ اسباب کو ظاہر کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو باطن میں لے جاتی ہے اور قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا ظاہر کرتا ہے اور اسباب کو باطن میں لے جاتا ہے۔

قرآن مجید کا طرز بیان تاریخ کتب کے طرز بیاں سے بالکل مختلف ہے کیونکہ قرآن مجید کا مقصد اولین تاریخ بیانی نہیں بلکہ تاریخ کے ضمن میں ہدایات انسانی کا سامان فراہم کرنا ہے۔ قرآن مجید میں گزشتہ بہت سی اقوام کا تذکرہ ہے، جن میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ان عادات واطوار کا تذکرہ کیا، جو ان کی تباہی وبربادی کا باعث بنے۔

قرآن مجید نے مختلف زاویوں اور منفرد اسالیب سے ان چیزوں کو واضح کر دیا ہے جو کسی بھی قوم کے عروج وزوال میں بنیادی کردار ادا کرتی ہیں۔ کن قوموں کو دنیا میں باقی رہنے کا حق ہے اور کون سی قومیں صفحۂ ہستی سے مٹ جاتی ہیں تاکہ انسانی ہدایت کا کوئی پہلو کسی بھی زاویہ سے تشنہ نہ رہے اور

﴿لِيَقْضِيَ اللّٰهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ وَإِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ (۱۶۱)

"تاکہ اللہ تعالیٰ اس کا فیصلہ کر دے جسے ہو کر رہنا ہے تاکہ جسے ہلاک ہونا ہے وہ روشن دلیل کے ساتھ ہلاک ہو اور جسے زندہ رہنا ہے وہ روشن دلیل کے ساتھ زندہ رہے"۔

قرآن کریم کسی قوم کی بقاو استحکام اور ترقی وعروج کے لئے جو اصول انسان کو دیتا ہے ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔

1۔ اپنی ذات سے اوپر اٹھ کر دوسرے کے لئے جینا قوموں کو عروج دیتا ہے۔ خودغرضی اور اپنی تمام کاوشوں کو صرف اپنی ذات تک ہی محدود کر دینا مقام انسانیت سے بہت گری ہوئی بات ہے۔

طفیل ہوشیار پوری نے کہا تھا:

انسان کو بٹھاتے ہیں خنک سائے میں
انسان سے بے جان درخت اچھے ہیں

اگر ایک درخت دوسروں کو سایہ مہیا کر دے اور انسان انسان ہو کر دوسروں کے بھلے کے لئے کچھ نہ کرے تو وہ انسان شرف انسانی سے کیسے مزین رہ سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ضابطہ یہ ہے کہ جس قوم کے افراد دوسروں کے لئے نفع بخش اور سودمند نہ رہیں، وہ قوم صفحۂ ہستی سے مٹ جاتی ہے اور جس قوم کے افراد اپنے لئے نہیں دوسروں کے لئے جیتے ہیں، ان کی کوششیں اپنی ذات تک محدود نہیں ہوتیں، وہ دوسروں کی بہتری اور بھلائی کے لئے جدوجہد کرتے ہیں۔ وہ قوم زندہ رہتی ہے اور عروج کی منزلیں طے کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عروج و زوال کے اس اہم اور بنیادی نکتہ کو کتنے عام فہم اور خوبصورت الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

﴿أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَابِيًا وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ

حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهُ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْأَمْثَالَ﴾ (۱۶۲)

"اللہ نے آسمان سے پانی اتارا۔ پھر نالے اپنی اپنی مقدار کے مطابق بہہ نکلے۔ پھر سیلاب نے ابھرتے جھاگ کو اٹھا لیا اور اسی طرح کا جھاگ ان چیزوں میں بھی ابھر آتا ہے جنہیں لوگ زیور یا اسباب بنانے کے لئے آگ میں پگھلاتے ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ حق اور باطل کی مثال بیان فرماتا ہے۔ پس جھاگ تو سوکھ کر رہ جاتا ہے اور جو چیز انسانوں کو نفع پہنچانے والی ہوتی ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے۔ اللہ اس طرح مثالیں بیان فرماتا ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے اس تمثیل سے انسانیت کو عروج و زوال کا ایک بنیادی نکتہ سمجھایا ہے کہ اس دنیا میں صرف وہی شخص یا قوم باقی رہتی ہے، جو دوسروں کے لئے نفع بخش اور سود مند ہو۔ جو فرد یا گروہ دوسرے انسانوں کو نفع پہنچانے کی طاقت سے محروم ہو جائے۔ اس کے لئے خدا کی بنائی ہوئی کائنات میں کوئی جگہ نہیں ہوتی۔

حق کی بقا کا راز یہ ہے کہ دوسروں کے لئے فائدہ مند ہونا اس کی فطرت ہے اور باطل اسی لئے مٹ جاتا ہے کہ اس کی فطرت کا خمیر ہوا و ہوس اور خود غرضی سے اٹھایا جاتا ہے۔

ملت اسلامیہ کے عروج و زوال کی ساری داستان اسی ایک نکتہ میں مضمر ہے اس کی کچھ تفصیل ضیاء الامت جسٹس پیر کرم شاہ الازہری کے خوبصورت اور زوردار الفاظ میں سنئے۔

"اپنے عہد عروج میں جہاں جہاں بھی مسلمان گئے۔ جہالت کے اندھیروں میں علم و عرفان کے چاند روشن کرتے رہے۔ لق و دق صحرا مرغزاروں اور لالہ زاروں میں بدل گئے۔ ان کے اٹھارہ سالہ بچے مشرق و مغرب کے مظلوموں اور ستم زدوں کی امداد کے لئے پہنچے۔ اور انہیں ظلم و استبداد کی زنجیروں سے آزاد کرایا۔ اگر ان کے عالم تحقیق و اجتہاد سے علم و حکمت کے گلستانوں میں تازہ پھول کھلا رہے تھے تو ان کا ایک کاشت کار اور باغبان بھی اپنے ذوق تجدید کی تسکین کے لئے پھلوں، پھولوں اور اناجوں میں عمدہ سے عمدہ قسمیں پیدا کر رہا تھا۔ ان کا طبیب اگر امراض جسمانی کی تشخیص میں سب سے گوئے سبقت لے گیا تھا تو ان کا صوفی روحانی امراض کی چارہ گری میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ جب تک اس قوم کا وجود خیر و برکت کا سرچشمہ رہا اس کی پیش قدمی کو روکنے کی ہر ممکن کوشش ناکام ثابت ہوئی اور جب اس کی صلاحیتیں سہل انگاری کا شکار ہو گئیں۔ جب اس کا نشتر تحقیق کند ہو گیا اور جذبہ اجتہاد ٹھنڈا پڑ گیا۔ جب اس کے حوصلے پست اور ولولے سرد ہو گئے۔ جب اس کے نوجوانوں کو شمشیر و سناں سے نفرت اور طاؤس و رباب سے پیار ہو گیا تو پھر اما الزبد فیذھب جفاء کے اصول کے مطابق انہیں تخت و تاج سے دستبردار ہونا پڑا۔ الحمرا کی دیواروں کے سایوں میں ان کے بوڑھوں اور بچوں کو بے دردی سے ذبح کر دیا گیا۔ شاہی محلات میں شہزادیوں کی عصمتیں لوٹی گئیں اور انہیں اندلس کی سرزمین سے جہاں انہوں نے نو سو سال تک حکومت کی تھی نکلنا پڑا۔ یہی حال ہندوستان اور دوسری جگہوں پر ہوا۔

"عزت و کرامت کی وہ قبا جو ان کے آباؤ اجداد نے بڑی محنت اور مشقت سے حاصل کی تھی۔ وہ انہیں اپنے ہاتھوں سے اتار

کر دوسروں کو دینی پڑی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے اس میں کسی قوم یا فرد کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ اگر تم اپنی موجودہ حالت پر خوش نہیں تو منہ بسورنے یا سرد آہیں بھرنے سے کچھ نہیں بنے گا۔ اپنے آپ کو بدلئے زمانہ خود بخود بدل جائے گا۔ یہی سبق ابھی قرآن نے آپ کو پڑھایا ہے ان اللہ لا یغیر ما بقوم الایہ اور یہ بھی اب آپ کو بتا دیا گیا کہ قوم ہو یا فرد بقاء و دوام اسی کے لیے ہے۔ عزت کی بلندیاں اس کے لیے ہیں، جس سے خلق خدا کو فائدہ ہو۔ آؤ اپنے آپ کو اس کو مخلوق کے لئے نفع رساں بنائیں آؤ اپنی صلاحیتوں کی برتری، اپنی سیرت کی پاکیزگی، اپنے عزائم کی پختگی اور حق کے لیے جینے اور حق کے لئے مرنے کا ثبوت بہم پہنچائیں۔ دنیا خود ہی آپ کو اپنی آنکھوں پر بٹھائے گی۔۔۔" (۱۶۳)

چونکہ عروج اور ترقی کا راز خلق کی نفع رسانی میں ہی مضمر ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے امت کو مختلف زاویوں سے خلق کی نفع رسائی کا حکم دیا۔ تاکہ اس امت کو استحکام ملے اور یہ ترقی کی منزلیں طے کرتی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے جن مختلف پہلوؤں سے انسانیت کے لئے فائدہ مند بننے کا حکم دیا ہے ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔

(1) امر بالمعروف و نہی عن المنکر:

کسی بھی انسان کا سب سے بڑا فائدہ اور نفع یہ ہے کہ شر کو چھوڑ کر خیر کا رسیا ہو جائے وہ بدی کی راہوں سے متنفر ہو جائے اور اسے نیکی کے راستوں سے محبت ہو جائے۔ دنیا کے تمام مذاہب میں اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جو اپنے ہر ماننے والے کو حکم دیتا ہے کہ وہ انسانیت کو فائدہ پہنچائے۔ کیونکہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو کسی قبیلے، خاندان یا علاقے کی حد بندیوں سے آزاد ہے اور عالمگیر ہے اسلام نے اپنے ہر ماننے والے کو حکم دیا ہے کہ وہ لوگوں کو خیر کی طرف بلائے اور بدی سے روکے۔ ایک مقام پر اس اُمت کی افضلیت کا راز اسی چیز کو قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ (۱۶۴)

"تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے واسطے نکالا گیا ہے تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔"

اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ انفرادی سطح پر تو ہر بندہ خیر کی دعوت دینے اور بدی کے خلاف جدوجہد کرنے کا مکلف ہے، لیکن امت مسلمہ میں ایک مخصوص گروہ ایسا بھی ہونا چاہئے جو خصوصی طور پر یہ فریضہ سر انجام دے تاکہ انسانیت شر سے محفوظ اور خیر کے دامن میں آجائے۔ وہ اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے۔

﴿وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (آل عمران)

"اور ضروری ہے کہ تم میں ایک گروہ ہو جو نیکی کی طرف بلائے، بھلائی کا حکم دے اور برائی سے روکے اور ایسے ہی لوگ کامیاب ہوں گے"۔

یعنی جو لوگ انسانیت کی بہتری اور خیر خواہی کے لئے کوششیں کریں گے انہیں بدی سے بچانے اور نیکی کا خوگر بنانے کے لئے

جدوجہد کریں گے، وہی لوگ کامیاب ہوں گے اور عزتیں پائیں گے کیونکہ یہاں ترقی کا راز خلق کی نفع رسانی ہی ہے۔

(۲) حکومت الٰہیہ کا قیام:

انسان کا بنایا ہوا ہر قانون ناقص بھی ہوتا ہے اور کسی ایک طبقے کو نواز کر باقیوں کا استحصال کرنے والا بھی۔ تاریخ عالم کا ایک ایک ورق گواہ ہے کہ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین اور نظام ہائے حکومت نے انسانیت پر بے تحاشا ظلم کئے۔ کہیں انسانیت کو متاع بازار بنایا گیا اور کہیں اس سے جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا گیا۔

اسلام اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ زمین پر حکومت الٰہیہ اور خدائی بادشاہی قائم کریں تا کہ انسانیت شاہوں کے ظلم اور حکمرانوں کے استحصال سے محفوظ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کی ایک نشانی یہ بتاتا ہے۔

﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ﴾

"یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار دیں، تو وہ نظام صلوۃ کو قائم کریں گے۔ زکوۃ ادا کریں گے۔ معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے روکیں گے اور سب کاموں کا انجام خدا ہی کے اختیار میں ہے"۔ (۱۶۵)

حکومت الٰہیہ کا قیام خلق کی نفع رسانی کا بہت بڑا ذریعہ ہے جیسے کہ تاریخ گواہی دیتی ہے کہ اسلام سے قبل انسانیت پر جو مختلف طریقوں سے ظلم وستم ڈھائے جا رہے تھے، الٰہی حکومت کے قیام نے ہی انسانیت کو ان سے نجات دی تھی، اس کا فیض انہیں تو ملا ہی تھا جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا، لیکن جنہوں نے اسلام نہ بھی قبول کیا تھا وہ بھی اس کے فیض سے بہرہ مند ہوئے تھے۔

بقول مولانا حالی:

گھٹا اک پہاڑوں کے بطحا سے اٹھی
پڑی چار سو یک بیک دھوم جس کی
کڑک اور دمک دور دور اس کی پہنچی
جو ٹیگس پہ گرجی تو گنگا پہ برسی
رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی
ہری ہو گئی ساری کھیتی خدا کی
خلیفہ تھے امت کے ایسے نگہباں
ہو گلہ کا جیسے نگہباں چوپاں
سمجھتے تھے ذمی و مسلم یکساں
نہ تھا عبد و حر میں تفاوت نمایاں

کنیز اور بانو تھی آپس میں ایسی
زمانہ میں ماں جائی بہنیں ہوں جیسی

(۳) صبر و استقامت کی تلقین:

کسی بھی بڑے آدمی کو بڑا مادی وسائل یا ظاہری ذرائع نہیں بناتے بلکہ وہ ذہنی رجحان اور فکر تقسیم بناتی ہے جو اس جسد خاکی میں بے بہا عمل کی ایک روح پھونک دیتی ہے۔ قرآن کریم اہل ایمان کی فکر اس سانچے میں ڈالتا ہے کہ وہ یقین محکم اور عمل پیہم کے پیکر بھی بن جاتے ہیں اور نہ صرف خود صبر و استقامت کے امالہ بن جاتے ہیں بلکہ پوری منصوبہ بندی سے دوسروں کو حق پر ڈٹ جانے اور باطل کے مقابلہ میں استقامت کا مظاہرہ کرنے کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔ قرآن کریم بہت زور دے کر کہتا ہے کہ جن لوگوں میں یہ صفات نہ پائی جائیں وہ خائب و خاسر ہوتے ہیں اور انہیں صفات کے حامل کامیاب و کامران ہوتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝﴾(۱۶۶)

"قسم ہے زمانہ کی۔ بے شک انسان خسارے میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اعمال صالحہ کیے، ایک دوسرے کو حق کی تلقین کی اور ایک دوسرے کو صبر کی تاکید کی"۔

یعنی کامیابی پانے کے لئے ضروری ہے کہ ایک تو انسان خود یقین کی دولت سے مالا مال ہو اور پھر وہ اسی راستے پر چلے جو ایمان کا راستہ ہے۔ جس قوم میں یہی صفات پیدا ہو جائیں آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ مخلوق کے لیے کس قدر فائدہ مند ہوگی اور وہ مخلوق بھلائی کی کتنی خواہاں ہوگی۔

لیکن کامیابی پانے والوں کی صفات کوئی اسی پر ختم نہیں ہو جاتیں بلکہ یہ چیزیں ان کے دلوں میں اتنی شدت اور وارفتگی کے ساتھ اتر جاتی ہیں کہ وہ ان کے مبلغ اور داعی بن جاتے ہیں اور خلائق کو بڑے گہرے درد کے ساتھ ان کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔ مخلوق کی فکر کو حق اور صبر کے سانچے میں ڈالنا۔ اس سے بڑا مخلوق کا کوئی اور نفع متصور نہیں ہو سکتا۔ اسی سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی نفع رسانی کے لئے امت مسلمہ کو کتنی تاکید سے حکم دیتا ہے کیونکہ کامیابی کا راز یہی ہے۔

علامہ اقبال کا یہ شعر شاید اسی قرآنی فکر سے مستعیر ہے۔

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

(۴) احترام انسانیت:

قرآن کریم اہل ایمان کو خلق کے لئے سود مند بنانے کے لئے احترام انسانیت کا درس دیتا ہے کیونکہ جب فکری طور پر اس بات

کو قلوب واذہان میں راسخ کر دیا جائے کہ انسان بحیثیت انسان معزز ہے تو اس میں مخلوق خدا کے لئے ایک امن و آشتی کا پیغام بھی ہے اور اطمینان وسکون کی نوید بھی۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس پہلو سے بھی اہل ایمان کو مخلوق کے لئے نفع مند بننے کا حکم دیا۔ ارشاد فرمایا:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا﴾ (۱۶۷)

"اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی اور انہیں خشکی اور تری میں سوار کیا اور انہیں پاکیزہ چیزوں کا رزق دیا اور ہم نے انہیں بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی"۔ انسانی جان کا احترام سکھاتے ہوئے قرآن مجید فرماتا ہے۔

﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ﴾ (۱۶۸)

"جو شخص کسی کو قتل کرے۔ بغیر اس کے کہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو یا زمین میں فساد برپا کیا ہو۔ تو گویا اس نے پوری انسانیت کو قتل کیا اور جس نے کسی ایک شخص کی جان بچائی۔ گویا اس نے پوری انسانیت کی جان بچائی"۔

احترام انسانیت کا درس دیتے ہی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بڑی تاکید سے حکم دیتا ہے کہ

☆ کسی کا مذاق نہ اڑاؤ۔
☆ کسی کو طعنہ نہ دو۔
☆ ایک دوسرے کو برے القاب سے نہ پکارو۔
☆ افواہوں کو بغیر تحقیق کے نہ مانو۔
☆ دو لڑے ہوؤں میں صلح کروانے کے لئے پوری طاقت استعمال کرو۔
☆ زیادتی کرنے والے کے مقابلہ میں ڈٹ جاؤ۔
☆ بدگمانی سے بچو۔
☆ تجسس نہ کرو
☆ اور کسی کی غیبت نہ کرو۔ (مفہوم) (۱۶۹)

انسانیت کا یہی احترام نفع خلائق کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اہل ایمان کو اس کی اتنی تاکید اس لئے کی گئی کہ یہی کامیابیوں اور کامرانیوں کے باب وا کرتا ہے۔

(۵) انصاف کی فراہمی:

اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو خلق کے لئے سودمند بنانے کے لئے ایک حکم یہ بھی دیتا ہے کہ تم ہر حال میں عدل وانصاف کا دامن پکڑے رکھو۔ اگرچہ تمہیں اپنے دشمن کے خلاف ہی فیصلہ کرنا پڑے اور تمہارا فکری مخالف ہو یا مذہبی دشمن تم نے انصاف کا دامن

نہیں چھوڑنا اور مخلوق کو تم سے ہر حال میں انصاف کا فیض ملنا چاہیئے۔ جیسا کہ حضور سید عالم ﷺ نے ایک (بظاہر) مسلمان کے خلاف اور ایک یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا تھا کیونکہ اس مقدمہ میں یہودی سچا تھا اور جب حضرت علیؓ نے اپنے دور خلافت میں ایک زرہ کے مقدمہ میں ایک یہودی کے حق میں فیصلہ کیا کیونکہ نصاب شہادت پورا نہیں تھا۔ یہ الگ بات ہے اس مقدمہ میں بھی حضرت علی حق پر تھے، لیکن جب نصاب شہادت پورا نہ ہونے کے سبب یہودی کے حق میں فیصلہ ہوا، تو وہ یہودی اسلام کے اس نظام عدل سے اتنا متاثر ہوا کہ اسی وقت دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ اہل ایمان کے عدل و انصاف کے یہ مظاہرے دراصل اسی فکری منہج کا نتیجہ ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے یوں دیا۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ (۱۷۰)

"اے ایمان والو! اللہ کے لئے قائم رہنے والے اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بنو اور کسی گروہ کی دشمنی تمہیں اس پر نہ ابھارے کہ تم انصاف نہ کرو۔ یہی تقویٰ سے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ تمہارے اعمال سے اچھی طرح باخبر ہے۔

(۶) نفع خلائق کے چند دیگر مظاہر:

خلق خدا کی نفع رسانی کی یہی وہ فکری منہج ہے جس پہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو گامزن کیا اور اہل ایمان مخلوق کی نفع رسانی کے بے پناہ جذبوں سے بے تاب ہو کر نکلے۔ انہوں نے دنیا سے ظلم کا خاتمہ کیا، علم کے دریا بہائے، حکمت کے موتی لٹائے، جہالت کی شب دیجور کو صبح درخشاں میں بدل دیا، انسانیت کو ظلم و ستم کے شکنجوں سے نجات دی اور انہیں امن و اطمینان کی فضاؤں میں بسا دیا۔ خلق خدا کو ان سے کیا کیا فوائد ملے۔ ان کی ایک جھلک مولانا حالی کے الفاظ میں ملاحظہ ہو۔

لیے علم و فن ان سے نصرانیوں نے
کیا کسب اخلاق روحانیوں نے
ادب ان سے سیکھا صفاہانیوں نے
کہا بڑھ کے لبیک یزدانیوں نے
ہر اک دل سے رشتہ جہالت کا توڑا
کوئی گھر نہ دنیا میں تاریک چھوڑا
ارسطو کے مردہ فنوں کو جلایا
افلاطون کو زندہ پھر کر دکھایا
ہر اک شہر و قریہ کو یوناں بنایا

مزا علم و حکمت کا سب کو چکھایا
کیا ہر طرف پردہ چشم جہاں سے
جگایا زمانے کو خواب گراں سے
کیا جا کے آباد ہر ملک ویراں
مہیا کیے سب کی راحت کے ساماں
خطرناک تھے جو پہاڑ اور بیاباں
انہیں کر دیا رشک صحن گلستاں
بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود انہی کی لگائی ہوئی ہے
یہ ہموار سڑکیں یہ راہیں مصفا
دو طرفہ برابر درختوں کا سایا
نشاں جا بجا میل و فرسخ کے برپا
سر راہ کوئیں اور سرائیں مہیا
ان ہی کے ہیں سب نے یہ چربے اتارے
اسی قافلہ کے نشاں ہیں یہ سارے
نہیں اس طبق پر کوئی برِّاعظم
نہ ہوں جس میں ان کی عمارات محکم
عرب، ہند، مصر، اندلس، شام، دیلم
بناؤں سے ہیں ان کی معمور عالم
سرکوہ آدم سے تاکوہ بیضا
جہاں جاؤ گے کھوج پاؤ گے ان کا
زمانے میں پھیلی طب ان کی بدولت
ہوئی بہرہ ور جس سے ہر قوم و ملت
نہ صرف ایک مشرق میں تھی ان کی شہرت
مسلم تھی مغرب تک ان کی خلافت
سلرنو میں جو ایک نامی مطب تھا

وہ مغرب میں عطا عکسِ عرب تھا
ابو بکر رازی علی ابن عیسیٰ
حکیم گرامی حسین ابن سینا
حنین ابن اسحٰق قسیس دانا
ضیا ابن بیطار راس الاطبا
ان ہی کے ہیں مشرق میں سب نام لیوا
ان ہی سے ہوا پار مغرب کا کھیوا

قرآن مجید وضاحت فرماتا ہے کہ ترقی کا راز نفع خلائق میں مضمر ہے۔ امت مسلمہ نے اسی کو اپنا مقصد و مدعا بنا لیا۔ نتیجہ یہی نکلا کہ یہ قوم پوری دنیا پہ چھا گئی اور کائنات ان سے فیض یاب ہوئی۔

اب ہم میں سے ہر ایک کو سوچنا چاہئے کہ ہماری کوششوں میں خلق کی نفع رسانی کا کتنا حصہ ہے؟ کہ ہم اپنے لیے جی رہے ہیں یا دوسروں کے لئے؟ کیا ہم نفع خلائق کے ان طریقوں کو اپنائے ہوئے ہیں جن کا حکم قرآن مجید نے دیا ہے؟

اگر ہم فقط اپنے لیے ہی جی رہے ہیں۔ ہماری تمام کوششیں اور محنتیں ہمارے اپنے مفادات کے محور کے گرد ہی گھوم رہی ہیں، تو یقین فرمایئے امت مسلمہ کے زوال میں ہمارا بھی حصہ ہے کیونکہ قومیں افراد سے ہی بنتی ہیں۔

کاش! ہم قرآن مجید کے بتائے ہوئے ترقی کے اس راستے پر گامزن ہوں۔ نفع خلائق کی شاہراہوں پر چل نکلیں، اپنے مفادات سے اوپر اٹھ کر جینے کا سلیقہ سیکھیں تاکہ ہمیں ہماری عظمت رفتہ دوبارہ مل سکے کیونکہ قرآن مجید جو وضاحت فرماتا ہے کہ دنیا میں وہی قومیں باقی رہتی ہیں جو دوسروں کے لئے جیتی ہیں۔

قدر نعمت عروج اور کفران نعمت زوال لاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ وہ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے اور اس کے کسی کام کے بارے میں سوال نہیں کیا جاتا، تاہم وہ اس کائنات کو اپنے چند اصولوں اور ضوابط کے تحت چلاتا ہے، جنہیں سنت اللہ کہا جاتا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے، اسے عزت و کرامت عطا فرماتا ہے اور اسے ترقی و عروج کا شرف عطا فرماتا ہے، تو جب وہ اپنے اعمال و کردار سے اپنے آپ کو ان عزتوں اور کرامتوں کا اہل ثابت نہیں کرتی، ان کے رویّے اور اطوار اس شرف کے منافی ہو جاتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ان سے عزتوں اور شرافتوں کے تاج چھین لیتا ہے کیونکہ جو رب قدیر دے سکتا ہے وہ لے بھی سکتا ہے۔ عزتوں کو برقرار رکھنے کے لئے جو قربانیاں دینی پڑتی ہیں، جن جانفشانیوں کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے، جب کوئی قوم ان قربانیوں اور جانفشانیوں کی روشن شاہراہوں کو چھوڑ کر لہو و لعب کو اپنا لیتی ہے، سستی اور تسہل پسندی کی روش اختیار کر لیتی ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ صرف ''پدرم سلطان بود'' کے نعرے سے ہی زمانہ ان کے سامنے جھکا رہے یا وہ صرف ماضی کا رونا ہی روتی رہتی ہے۔ اللہ کے قانون کے تحت اسے

عزتوں پر سرفراز رہنے کا حق باقی نہیں رہتا۔

صرف رو لینے سے قوموں کے نہیں پھرتے ہیں دن
خون افشانی ہے لازم اشک افشانی کے ساتھ

اللہ تعالیٰ صرف مسلمانوں کا رب نہیں ہے، وہ رب العالمین ہے، ساری مخلوق اس کی مخلوق ہے اور بقول ممتاز مفتی وہ "پارٹی اسپرٹ" سے بھی مبرہ ہے۔ جو بھی قوم اپنے آپ کو اس قانون کے تحت عزتوں کا اہل ثابت کرے گی، وہ عزتیں پائے گی اور جو عزتیں پانے کے اس معیار پر پورے نہ اترے گی ذلیل و خوار ہو جائے گی۔

عروج و زوال کے قانون کی یہ شق قرآن حکیم میں اس طرح بیان فرمائی گئی ہے۔

﴿ ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ لَمْ یَکُ مُغَیِّرًا نِّعْمَۃً اَنْعَمَھَا عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ وَاَنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴾ (۱۷۱)

"اس وجہ سے ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس انعام کو جو وہ کسی قوم پر کرتا ہے اس وقت تک نہیں بدلتا، جب تک وہ خود اپنے آپ کو نہ بدلیں اور بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے"۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

لہ معقبٰت من بین یدیہ ومن خلفہ یحفظونہ من امر اللہ ط ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسھم ط واذآ اراد اللہ بقوم سوٓءً فلا مرد لہ ج وما لھم من دونہ من والٍ ٥ (۱۷۲)

"بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو اس وقت تک نہیں بدلتا، جب تک وہ لوگ اپنے آپ میں تبدیلی پیدا نہیں کر لیتے اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر آفت لانا چاہتا ہے تو کوئی اسے ٹال نہیں سکتا اور نہ ہی ان کے لئے اللہ کے مقابلہ میں کوئی مدد کرنے والا ہوتا ہے"۔

کسی نعمت کی قدر یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق تصرف کیا جائے اور اس کا کفران یہ ہے کہ اسے اپنے مفادات کے حصول اور انا پرستی کا ذریعہ بنالیا جائے مثلاً ایک بندے کو اللہ تعالیٰ ایک اعلیٰ منصب دیتا ہے، اب اس کی قدر یہ ہے کہ اپنی پوری صلاحیتیں بروئے کار لا کر اپنے فرائض سر انجام دے اور فرائض کی ادائیگی میں اپنی انا، اپنے مفادات، اپنے تحفظات اور اپنے عزیز و اقارب کو آڑے نہ آنے دے اور عہدوں پر تقرر کے معاملہ میں قابلیت کو معیار بنائے نہ کہ واقفیت اور رشتہ داری کو۔

اور اس کا کفران یہ ہے کہ اس منصب کو اپنے مفادات کے حصول کا ہی ذریعہ بنالے۔ اپنی انا کی تسکین کے لئے دوسروں پر ظلم و ستم ڈھانا شروع کر دے اور اقتدار کے بل بوتے پر ظلم و جبر کے بازار گرم کر دے۔ علم کی قدر یہ ہے کہ اس سے خلق خدا کی رہنمائی کی جائے اور کفران یہ ہے کہ اسے صرف مال و دولت کے حصول اور شہرت و ناموری کا ذریعہ بنالیا جائے قس علیٰ ھذا

قرآن مجید کہتا ہے کہ جب بھی اللہ تعالیٰ کسی قوم کو کوئی نعمت دیتا ہے تو جب وہ قوم ان نعمتوں کی قدر نہیں کرتی تو اللہ تعالیٰ اس سے وہ نعمت چھین لیتا ہے اور نعمتوں کی قدر دانی عزتوں میں مزید اضافہ کر دیتی ہے۔

امام فخر الدین رازی مذکورہ آیت طیبہ کی تفسیر فرماتے ہیں:

فكلام جميع المفسرين يدل على ان المراد لا يغير ما هم فيه من النعم بانزال الانتقام الا بأن يكون منهم المعاصي والفساد (۱۷۳)

"تمام مفسرین کا کلام اس پہ دلالت کرتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی نعمتوں کو انتقام کے ساتھ اسی وقت بدلتا ہے جب اس قوم میں معصیت اور فساد آ جاتا ہے"۔

معصیت اور فساد صرف یہی نہیں کہ بندہ نماز نہ پڑھے یا روزہ نہ رکھے بلکہ عہدوں کی تقسیم میں قابلیت کو معیار نہ بنایا۔ اپنے منصب کے بل بوتے پر رشوت اور حرام خوری کا رستہ اختیار کر لینا، علم کو مخلوق کی رہنمائی کے لئے نہیں بلکہ صرف دنیا کمانے کے لئے استعمال کرنا، سیاسی قابلیت اور وسائل کو صرف ملک لوٹنے کا ذریعہ بنانا، بغیر واقفیت کے کسی کا جائز کام بھی نہ کرنا اور واقفیت کے سبب ناجائز کام بھی کر دینا، یہ سب بھی گناہ اور فساد کی چند مثالیں ہیں اور قرآن کریم کے ضابطے کے مطابق یہی چیزیں قوموں کی نیا ڈبو دیتی ہیں۔ آیئے ہم سب اپنے اپنے گریبانوں میں جھانکیں اور سوچیں کہ ہم کہیں زوال امت مسلمہ میں برابر کے شریک تو نہیں؟

اہل خیر اور خیر کا ختم ہو جانا زوال کی علامت ہے:

قوموں کی تباہی کے سلسلہ میں قرآن مجید یہ ضابطہ بھی بڑی وضاحت سے بیان کرتا ہے کہ جب کسی بھی قوم سے ایسے افراد کا خاتمہ ہو جائے جو نفسانی خواہشات میں ڈوبی ہوئی قوم کو صراط مستقیم پر گامزن کرنے میں مگن رہتے ہوں، بگڑی ہوئی قوم کے اخلاق سنوارنے کی فکر جن سے دلوں کا چین اور راتوں کا سکون چھین لیتی ہو، جو بڑی جانفشانی اور سوز دروں سے لوگوں کو نیکی اور خیر کی طرف بلانے کا فریضہ سرانجام دیتے ہوں، اگر کچھ اللہ کے بندے یہ فریضہ سرانجام دیں بھی تو وہ اتنے کم ہوتے ہیں کہ ان کی پکار صدا بصحرا ثابت ہوتی ہے اور وہ قوم کے مجموعی مزاج پہ کوئی اثر ڈالنے میں ناکام رہتے ہیں۔ جب اہل خیر کا اس طرح فقدان ہو جائے اور پوری قوم اخلاق کی نعمت سے محروم ہو جائے، نیکی اور احسان کے راستوں سے منہ موڑ کر ظلم و سرکشی کے راستوں پر چل نکلے، تو اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق ایسی قوم بھی تباہ و برباد کر دی جاتی ہے یا عذاب استیصال سے یا کوئی دوسری قوم اس پہ مسلط کر کے۔ بہر حال اہل خیر اور خیر کا کسی قوم سے اٹھ جانا اس قوم کی بربادی اور زوال کا دوسرا نام ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِن قَبْلِكُمْ أُولُوا بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّنْ أَنجَيْنَا مِنْهُمْ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أُتْرِفُوا فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ ○ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ﴾ (۱۷۴)

"پس ایسا کیوں نہ ہوا کہ تم سے پہلی قوموں میں ایسے اہل خیر موجود ہوتے، جو لوگوں کو زمین میں فساد برپا کرنے سے روکتے۔ ایسے لوگ نکلے بھی تو بہت کم۔ جنہیں ہم نے ان قوموں میں سے بچا لیا اور ظالم لوگ تو اسی عیش میں پڑے رہے، جن کا سامان

انہیں فراوانی سے دیا گیا تھا اور وہ مجرم بن کر رہے اور تیرا رب ایسا نہیں کہ وہ بستیوں کو ناحق تباہ کر دے حالانکہ اس کے باشندے اصلاح کرنے والے ہوں"۔

یہاں ان کی تباہی کے دو اسباب بتائے جا رہے ہیں کہ ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جن نعمتوں سے نوازا تھا، انہوں نے ان ہی کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی بنیاد بنا لیا اور ان میں ایسے لوگ نہ رہے جو انہیں غلطیوں پر ٹوکتے اور خیر کی طرف دعوت دیتے اور دوسرا یہ کہ وہ قوم مجموعی طور پر اخلاق کی قوت سے محروم ہو گئی اور جب پوری قوم اخلاق عالیہ کھو بیٹھی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ کر دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قانون یہی ہے کہ

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

مفسرین نے وضاحت کی ہے کہ قومیں صرف شرک کی وجہ سے تباہ نہیں ہوتیں بلکہ اس وقت تباہ ہوتی ہیں جب وہ معاملات میں صالح نہیں رہتیں۔ امام فخر الدین رازی اسی آیہ کریمہ وما کان ربک لیھلک القری بظلم واھلھا مصلحون ٥ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"یہاں ظلم سے مراد شرک ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بستیوں کو صرف مشرک ہونے کے سبب تباہ نہیں کرتا جب کہ وہ باہمی معاملات میں اصلاح کرنے والے ہوں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ کسی بھی قوم پر عذاب استیصال صرف کفر یا شرک کے سبب نہیں آتا بلکہ اس وقت آتا ہے جب وہ معاملات میں بے انصافی کریں اور ظلم و ستم میں کوشاں رہیں اسی لیے فقہاء نے کہا ہے کہ حقوق اللہ میں کوتاہی کی بنیاد سستی اور کاہلی ہوتی ہے اور حقوق العباد میں کوتاہی کی بنیاد بخل اور ظلم ہوتا ہے۔ منقول ہے کہ حکومت کفر کے ہوتے ہوئے چل سکتی ہے، لیکن ظلم کے ہوتے ہوئے نہیں چل سکتی۔ پس اس آیہ کریمہ وما کان ربک لیھلک القری بظلم کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں صرف شرک کی وجہ سے تباہ نہیں کرتا۔ جب کہ وہ باہمی معاملات میں انصاف اور اصلاح کرنے والے ہوں اور اہل سنت کے نزدیک اس آیت کا یہی مطلب ہے۔ انہوں نے کہا اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت نوح، ہود، صالح، لوط اور شعیب علیہم السلام کی قوموں پر عذاب استیصال اس لیے آیا کہ وہ لوگوں کو دکھ پہنچاتے تھے اور حق پہ ظلم کرتے تھے"۔ (۱۷۵)

قوموں کی تباہی کے یہ حقائق واضح ہو جانے کے بعد ہمیں غور کرنا چاہیے کہ الا ماشاء اللہ جس قوم کے علماء مذہب کے روپ میں تجارت کر رہے ہوں۔ پیران عظام اپنی عقیدتوں کو جی بھر کے کیش کر رہے ہوں، اشرافیہ نہ صرف خود گمراہ ہوں بلکہ گمراہیوں کو پھیلانے میں بنیادی کردار ادا کر رہے ہوں، سیاستدان ملک لوٹنے اور اپنے مخالفین کو ذلیل کرنے میں مگن ہوں اور جس قوم کے حکمران آمر بھی ہوں اور عیاش بھی، تاجر بددیانت بھی ہوں اور ظالم بھی اور عوام سہل پسند بھی ہو اور اپنے مفادات کو نہ صرف ملک بلکہ دین پر ترجیح دینے والے بھی۔ اس قوم کو اپنی پستیوں اور ذلتوں پر نہ تعجب کرنا چاہیے اور نہ افسوس۔ ہاں اگر کچھ کرنے والا کام ہے تو ہر شخص کو ایک زندہ اور جاندار کردار ادا کرنا چاہیے۔

یہ ہے دامن یہ ہے گریباں آؤ کوئی کام کریں
موسم کا منہ تکتے رہنا کام نہیں دیوانوں کا

اور

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے
ہزار ہا شجر سایہ دار راہ میں ہیں

انسانیت کا سب سے خوش قسمت طبقہ وہ ہوتا ہے جو کسی آسمانی کتاب کا حامل ہوتا ہے۔ وہ زندگی کے ہر میدان میں دوسرے سب لوگوں سے سبقت لے جاتا ہے کیونکہ وہ ربانی ہدایات کے مطابق چل رہا ہے۔ انہیں نت نئے تجربات کر کے اپنا وقت برباد کرنا پڑتا ہے اور نہ محنت کیونکہ وحی الٰہی انہیں زندگی کے ہر میدان میں سیدھا اور سچا راستہ دکھا دیتی ہے۔

لیکن جب کسی آسمانی کتاب کی حامل قوم ربانی ہدایات کو پس پشت ڈال کر زمین میں گناہ و عصیان اور فتنہ و فساد کے شعلے بھڑکاتی ہے یا وحی الٰہی کی تعلیمات سے منہ موڑ کر اپنی خواہشات کے مطابق ایک خود ساختہ دین بنا لیتی ہے تو یہ چیز کتاب الٰہی کی بہت بڑی بے قدری ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت کا بہت بڑا کفران۔ تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو سزا دیتا ہے۔ تاریخ عالم پر غور کرنے سے محسوس یوں ہوتا ہے کہ جیسے انبیاء کرام کے منکرین ظلم و سرکشی کی وجہ سے عذاب استیصال سے تباہ کیے جاتے ہیں جیسا کہ قوم نوحؑ، قوم لوطؑ اور قوم شعیبؑ کے ساتھ ہوا۔ ایسے ہی جب حاملین کتاب کتاب الٰہی سے منہ موڑ لیتے ہیں اور ظلم و سرکشی کے مرتکب ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں بھی سزا دیتا ہے، لیکن یہ سزا عذاب استیصال کی شکل میں نہیں ہوتی کیونکہ ان کے جرم کی نوعیت ان سے مختلف ہوتی ہے۔ انکی سزا اس صورت میں دی جاتی ہے کہ ان پر کسی ظالم قوم کو مسلط کر دیا جاتا ہے۔ وہ ظالم ان فاسقوں کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتے ہیں۔ وہ ظالم اس حال میں بھی ظالم ہی رہتے ہیں، کوئی بارگاہِ الٰہی کے محبوب نہیں بن جاتے اور نہ ہی یہ چیز ان کے لیے کوئی باعث عزت و شرف ہوتی ہے، لیکن یہ فاسق حاملین کتاب پر عذاب الٰہی کی شکل میں مسلط ہوتے ہیں۔ جیسے اگر کسی مجرم کو جوتے مارے جائیں، تو جوتا، جوتا ہے۔ اس کا کوئی مقام و مرتبہ نہیں بڑھ گیا لیکن یہ اس انسان مجرم پر بطور سزا مسلط ہو گیا ہے۔ تو یہ ظالم قوم بھی اس وقت ان پر بطور سزا مسلط کی جاتی ہے بقول فیلسوف اسلام حضرت اقبال:

کرتی ہے ملوکیت آثار جنوں پیدا
اللہ کے نشتر ہیں تیمور ہو یا چنگیز

اس وقت کان رکھنے والے فضائے بسیط سے گونجتی اس صدا کو سن سکتے ہیں یا ایھا الکفرہ اقتلوا الفجرۃ "اے کافر ان فاجروں کو قتل کر دو"۔

اس قانون کی سب سے واضح مثال جو قرآن مجید نے دی، وہ قوم بنی اسرائیل کی مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بے پناہ عزتیں عطا فرمائیں۔ اپنی کتاب سے نوازا۔ انہیں جو مقام و مرتبہ عطا کیا وہ قرآن مجید کے الفاظ میں سنیے۔

﴿وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ کَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَکْنَا فِیْهَا وَتَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ

الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ بِمَا صَبَرُوْا وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ﴾ (۱۷۶)

''اور جولوگ کمزور سمجھے جاتے تھے، ہم نے انہیں اس سرزمین کے مشرقوں اور مغربوں کا وارث بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھی تھی اور بنی اسرائیل پر تیرے رب کا نیک وعدہ پورا ہو گیا۔ بسبب اس کے کہ انہوں نے صبر کیا اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کا وہ سب کچھ برباد کر دیا جو وہ بناتے تھے اور جو وہ چڑھاتے تھے''۔

ان کے صبر کے سبب نصرت الٰہی نے ان کی دستگیری اس شدت کے ساتھ کی جو اس آیہ کریمہ میں بیان کی گئی، لیکن جب اسی قوم نے کتاب الٰہی کی تعلیمات کو پس پشت ڈال کر گناہوں اور سرکشی کا راستہ اختیار کیا۔ زمین میں فتنہ وفساد برپا کیے، تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ظالموں کو مسلط کیا جنہوں نے انہیں تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔

﴿وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِى الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ○ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ○ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ○ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْۗءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ○ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا﴾ (۱۷۷)

''اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں بتا دیا تھا کہ تم دو مرتبہ زمین میں فساد برپا کرو گے اور بڑی سرکشی دکھاؤ گے پھر جب ان میں سے پہلا وعدہ آیا تو ہم نے تم پر اپنے نہایت زور والے بندے بھیجے۔ وہ گھروں میں گھس پڑے اور شدنی وعدہ پورا ہو کر رہا۔ پھر ہم نے تمہاری باری ان پر لوٹا دی اور مال اور اولاد سے تمہاری مدد کی اور تمہیں زیادہ بڑی جماعت بنا دیا۔ اگر تم اچھا کام کرو گے تو اپنے لیے کرو گے اور اگر برا کرو گے تب بھی اپنے لیے کرو گے۔ پھر جب دوسرے وعدے کا وقت آیا (تو ہم نے اور بندے بھیج دیے) تاکہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں اور مسجد (بیت المقدس) میں گھس جائیں جس طرح اس میں پہلی بار گھسے تھے اور جس چیز پر ان کا زور چلے اسے برباد کر دیں۔ بعید نہیں کہ تمہارا رب تمہارے اوپر رحم کرے، اگر تم پھر وہی کرو گے تو ہم بھی وہیں کریں گے اور ہم نے جہنم کو منکرین کے لئے قید خانہ بنا دیا ہے''۔

ان آیات طیبات کی مزید تفصیلات سے قبل ایک حدیث پاک کا مفہوم ملاحظہ ہو جو ان آیات طیبات کی تفسیر بھی کرتی ہے اور ان کے بنیادی مقصد و مدعا کو بیان بھی کرتی ہے۔

''حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ بیت المقدس اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی عظمت والی مسجد ہے۔ آپؐ نے فرمایا وہ دنیا کے سب گھروں میں ایک عظمت و بزرگی والا گھر ہے۔

جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے سونے، چاندی، جواہرات اور یاقوت وزمرد سے بنایا تھا اور یہ اس طرح ہوا کہ جب حضرت سلیمانؑ نے اس کی تعمیر شروع کی، تو اللہ تعالیٰ نے جنات کو ان کے تابع کر دیا۔ جنات نے تمام جواہرات، سونا اور چاندی جمع کیے اور ان سے یہ مسجد تعمیر کی۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں میں نے کہا کہ پھر بیت المقدس سے یہ سونا اور چاندی

کہاں چلے گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، گناہوں اور بداعمالیوں میں مبتلا ہو گئے۔ انبیاء علیہم السلام کو شہید کیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بخت نصر بادشاہ کو مسلط کر دیا، جو مجوسی تھا۔ اس نے سات سو برس بیت المقدس پر حکومت کی اور قرآن مجید کی اس آیہ کریمہ فاذا جاء وعد اولٰھما بعثنا علیکم عبادًا لنآ اولی باس شدید سے یہی واقعہ مراد ہے۔ بخت نصر کا لشکر مسجد میں داخل ہو گیا۔ اس نے مردوں کو قتل کیا۔ عورتوں اور بچوں کو قید کیا اور بیت المقدس کے تمام اموال سونے، چاندی اور جواہرات کو ایک لاکھ ستر ہزار گاڑیوں میں بھر کر لے گیا اور اپنے ملک بابل میں رکھ لیا۔ اس نے سو برس تک بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنائے رکھا اور ان سے ذلت آمیز مشقت لیتا رہا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فارس کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کو اس کے مقابلہ میں لا کھڑا کیا، جس نے بابل کو فتح کیا اور باقی ماندہ بنی اسرائیل کو اس کی قید سے آزاد کرایا اور بیت المقدس کا لوٹا ہوا مال واپس بیت المقدس پہنچایا اور پھر بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ اگر تم پھر نافرمانی اور گناہوں کی طرف لوٹ گئے، تو ہم بھی پھر تم پر قتل و قید کا عذاب لوٹا دیں گے۔ قرآن مجید کی آیت عسی ربکم ان یرحمکم وان عدتم عدنا سے یہی مراد ہے۔

پھر جب بنی اسرائیل بیت المقدس میں لوٹ آئے، تو پھر گناہوں اور بداعمالیوں میں مشغول ہو گئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان پر شاہ روم قیصر کو مسلط کر دیا۔ قرآن کریم کی آیت فاذا جاء وعد الاٰخرة لیسوٓء وجوھکم سے یہی مراد ہے۔ شاہ روم نے ان لوگوں سے بری اور بحری دونوں راستوں سے جنگ کی اور بہت سے لوگوں کو قتل اور قید کیا اور سونے، چاندی اور جواہرات کو ایک لاکھ ستر ہزار گاڑیوں پر بھر کے لے گیا اور اپنے کنیسۃ الذھب میں رکھ دیا۔ یہ سب اموال ابھی تک وہاں ہیں اور وہیں رہیں گے۔ یہاں تک کہ حضرت امام مہدیؑ کا ظہور ہوگا وہ انہیں ایک لاکھ ستر ہزار کشتیوں میں واپس لائیں گے الخ۔ (۱۷۸)

ان آیات کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد جب بنی اسرائیل فلسطین میں داخل ہوئے تو یہاں مختلف قومیں آباد تھیں۔ حتی، اموری، کنعانی، فرزی، حوی، یبوسی اور فلستی وغیرہ۔ یہ قومیں بدترین قسم کے شرک میں مبتلا تھیں۔ ان کے سب سے بڑے معبود کا نام ایل تھا۔ اس کی بیوی کا نام عشیرہ تھا۔ ان سے خداؤں اور خدائنوں کی ایک پوری نسل چلی تھی جن کی تعداد ستر تک پہنچی تھی۔ ان کی اولاد میں سب سے زیادہ زبردست بعل تھا۔ جو بارش اور روئیدگی کا خدا اور زمین و آسمان کا مالک سمجھا جاتا تھا۔ یہاں کے باشندے مختلف قسم کی بدکرداریوں اور اخلاقی گراوٹ کا شکار تھے۔

تورات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے بنی اسرائیل کو خصوصی طور پر ہدایت دی گئی تھی کہ تم ان قوموں کو ہلاک کر کے ان کے قبضے سے فلسطین کی سرزمین چھین لینا اور ان کی اخلاقی اور اعتقادی خرابیوں میں مبتلا نہ ہونا، لیکن جب بنی اسرائیل فلسطین میں داخل ہوئے تو وہ اس ہدایت کو بھول گئے۔ وہ قبائلی عصبیت میں مبتلا ہو گئے۔ ہر قبیلے نے اپنی ریاست بنالی۔ کوئی متحدہ سلطنت قائم نہ کر سکے اور مشرک قوم کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں بھی وہاں موجود رہیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بنی اسرائیل میں شرک گھس آیا اور وہ بہت سی اخلاقی برائیوں میں مبتلا ہو گئے۔ اسی بات کا تذکرہ حضرت داؤد نے کیا۔

"انہوں نے ان قوموں کو ہلاک نہ کیا۔ جیسا کہ خداوند نے ان کو حکم دیا تھا بلکہ ان قوموں کے ساتھ مل گئے اور ان کے کام سیکھ گئے اور ان کے بتوں کی پرستش کرنے لگے۔ جو ان کے لیے پھندا بن گئے بلکہ انہوں نے اپنی بیٹیوں کو شیاطین کے لیے قربان کیا اور معصوموں کا یعنی اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کا لہو بہایا"۔ (۱۷۹)

بنی اسرائیل کو اس کا دوسرا نقصان یہ اٹھانا پڑا کہ مفتوحہ لوگوں نے ان کے خلاف ایک بہت بڑا اتحاد قائم کر کے انہیں فلسطین کے ایک بڑے حصے سے بے دخل کر دیا اور بنی اسرائیل کو ایک متحدہ سلطنت قائم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو ان کی درخواست پر حضرت سموئیل نبی نے طالوت کو ان کا بادشاہ بنایا اور انہیں ایک سلطنت مل گئی۔ اس سلطنت کے فرمانروا ہوئے طالوت، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان۔

حضرت سلیمان کے بعد پھر ان پر دنیا پرستی کا غلبہ ہوا۔ دونوں نے آپس میں لڑ کر دو الگ الگ سلطنتیں قائم کر لیں، شمالی فلسطین میں اسرائیل جس کا پایہ تخت سامریہ قرار پایا اور جنوبی فلسطین کے علاقے میں یہودیہ، جس کا پایہ تخت یروشلم قرار پایا، ان دونوں سلطنتوں میں ہمیشہ رقابت اور کشمکش قائم رہی۔

یہود کی تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی گناہ و عصیاں میں مبتلا ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمن کے ہاتھوں انہیں سزا دلوائی۔ حضرت سلیمانؑ کی وفات کے بعد جب بیت المقدس کا حاکم گناہ و سرکشی میں مبتلا ہوا، تو مصر کا ایک بادشاہ ان پر حملہ آور ہوا۔ اس نے بیت المقدس کا سونا چاندی لوٹ لیا، مگر مسجد اور شہر کو منہدم نہیں کیا۔ اس سے تقریباً چار سو سال بعد جب یہودی پھر بت پرستی میں مبتلا ہوئے اور آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے تو مصر کے ایک بادشاہ نے ان پر حملہ کیا اور کسی قدر شہر اور مسجد کی عمارت کو نقصان پہنچایا۔ اس کے چند سال بعد بابل بخت نصر نے بیت المقدس پر حملہ کیا۔ بہت سے لوگوں کو قیدی بنالیا اور بہت سا مال لوٹ لیا اور پہلے بادشاہ کے ایک رشتہ دار کو اپنے قائم مقام کی حیثیت سے شہر کا حاکم بنالیا۔

اس نئے بادشاہ نے بخت نصر سے بغاوت کی تو بخت نصر دوبارہ حملہ آور ہوا۔ اس نے قتل و غارت کی انتہا کر دی۔ شہر کو آگ لگا دی۔ یہ حادثہ تعمیر مسجد کے تقریباً چار سو پندرہ سال بعد پیش آیا۔ اس کے بعد یہود یہاں سے جلاوطن ہو کر بابل چلے گئے اور وہاں ستر سال تک انتہائی ذلت و خواری کی زندگی بسر کرتے رہے۔ اس کے بعد شاہ ایران نے شاہ بابل پر چڑھائی کی اس نے بابل کو فتح کیا۔ شاہ ایران کو ان یہودیوں پر رحم آ گیا۔ اس نے انہیں ملک شام میں واپس کیا۔ ان کا لوٹا ہوا مال واپس کیا۔ اب یہودی گناہوں سے تائب ہو چلے تھے، وہ نئے سرے سے آباد ہوئے اور مسجد اقصیٰ کی پھر تعمیر کی۔

مرور زمانہ کے ساتھ تو وہ پھر بدکرداریوں اور بداعمالیوں میں مبتلا ہو گئے تو انطاکیہ کے بادشاہ نے ان پر چڑھائی کی، چالیس ہزار یہودیوں کو قتل کیا، چالیس ہزار قیدی اور غلام بنا کر ساتھ لے گیا اور مسجد کی بھی بے حرمتی کی۔ یہ واقعہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے ایک سو ستر سال پہلے پیش آیا۔ پھر اس بادشاہ کے جانشینوں نے مسجد کو بالکل برباد کر دیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد بیت المقدس پر سلاطین روم کی حکومت ہو گئی۔ انہوں نے مسجد کو درست کیا، اس کے آٹھ سال بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی کے چالیس برس بعد روم کے بادشاہ طیطس نے ان پہ حملہ کیا۔ اس نے شہر اور مسجد کو

تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ کما ذکر فی التفاسیر و کتب التاریخ۔

قرآن کریم نے ان آیات میں بخت نصر اور طیطس کی تباہی کی طرف خصوصی طور پر اشارہ کیا ہے۔ قرآن مجید ان کی تاریخ کے اس پہلو کو خصوصیت سے بیان کرتا ہے کہ یہود پر ان کے یہ دشمن اس لیے مسلط کیے گئے کہ انہوں نے کتاب الٰہی کی تعلیمات کو پس پشت ڈال کر گناہ اور سرکشی کی راہ اختیار کر لی تھی۔ امام فخر الدین رازی ان آیات طیبات کی تفسیر کرتے ہوئے لتفسدن کی تفسیر میں لکھتے ہیں

یرید المعاصی و خلاف احکام التورۃ (۱۸۰)

''کہ اس سے مراد گناہ اور احکام تورات کی مخالفت ہے''۔

قرآن کریم نے یہود کی تاریخ کے اس اہم واقعہ کا ذکر کر کے ایک تو یہود پر واضح کیا ہے کہ جیسے پہلے جب بھی تم نے تورات کے احکامات کو پس پشت ڈالا اور گناہوں کی روش پر چلے تو تمہیں تباہ و برباد کیا گیا۔ اسی طرح اب بھی پھر تمہارے سامنے دو راستے ہیں یا تو احکام تورات کے مطابق اس نبی آخر الزماں ﷺ پر ایمان لے آؤ تو تمہیں عزتیں دی جائیں گی اور اگر تم نے پھر مادی خواہشات کو ترجیح دی اور حق کا انکار کر دیا تو پھر تمہیں تباہ و برباد کر دیا جائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

﴿اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا﴾ (۱۸۱)

''اگر تم اچھے کام کرو گے تو اس کا فائدہ تمہیں ہی پہنچے گا اور اگر برائی کرو گے تو اس کی سزا تمہیں ہی ملے گی''۔

چونکہ یہودیوں نے تورات کی پیروی نہ کی اور انہوں نے نبی کریم ﷺ کی رسالت کا انکار کر دیا۔ اس لیے پھر ان پر تباہی اور بربادی مسلط کر دی گئی۔ انہیں جلاوطن کر دیا گیا اور انہیں طرح طرح کی سزائیں دی گئیں۔

دوسرا ان آیات میں اللہ رب العزت نے قوموں کے عروج و زوال کے ایک اہم ضابطے کو بیان فرمایا ہے جیسا کہ یہود نے جب کتاب کی تعلیمات کو پس پشت ڈالا اور گناہ و سرکشی کے راستے کو اپنایا تو ان پر ان کے دشمنوں کو بطور سزا مسلط کر دیا گیا۔ ایسے ہی اے اہل قرآن! اے حاملین قرآن! اگر تم نے قرآن حکیم کی تعلیمات کو پس پشت ڈالا اور گناہ اور سرکشی کے راستوں کو اختیار کیا تو تم پر بھی تمہارے دشمنوں کو بطور سزا مسلط کر دیا جائے گا۔ تم سے عزت و سروری کے تاج چھین لیے جائیں گے اور تم پر ذلت و ادبار مسلط کر دیا جائے گا۔ تم سے عزت و سروری کے تاج چھین لیے جائیں گے اور تم پر ذلت و ادبار مسلط کر دیا جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے قوانین اٹل اور غیر مبدل ہوتے ہیں۔ بنی اسرائیل کی تاریخ کے اس پہلو میں جیسے ان کے لئے مقام عبرت و تدبر ہے ایسے ہی عوام اہل ایمان کے لیے بھی اس میں ہدایت کا بہت سا سامان ہے۔ کیونکہ قرآن مجید تاریخ کا تذکرہ صرف تاریخ بیانی کے لیے نہیں بلکہ عبرت اور نصیحت کے لیے کرتا ہے۔

قرآن کریم کا بیان کردہ عروج و زوال کا یہ قانون بڑے واضح الفاظ میں ہمیں ہمارے اس سوال کا جواب دے رہا ہے کہ ہم ذلیل کیوں ہو رہے ہیں اور دشمن ہم پر کیوں غلبہ پاتے جا رہے ہیں؟ اور پورا عالم اسلام امریکہ کی کالونیاں بنتا جا رہا ہے؟

جب میں کہتا ہوں الٰہی میرا حال دیکھ
حکم ہوتا ہے کہ اپنا نامہ اعمال دیکھ

اشرافیہ کا بگاڑ قوموں کو تباہ کر دیتا ہے:

اشرافیہ کسی قوم کے امراء اور مقتدر طبقہ کو کہا جاتا ہے۔ کسی بھی قوم میں اشرافیہ کی وہی حیثیت ہوتی ہے جو بدن انسان میں اعضائے رئیسہ کی ہوتی ہے۔ کیوں کہ یہی طبقہ عملاً قوموں کے فیصلے کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس کی رائے بڑا وزن رکھتی ہے اور قوم کے تمام طبقات اس کی رائے کا بہت احترام کرتے ہیں۔ جیسے کسی تنظیم اور جماعت کو چلانے کے لئے فنڈز کی دست یابی ایک بنیادی حیثیت رکھتی ہے ایسی ہی قوموں کے تناظر میں اس طبقہ کی ہوتی ہے۔

چونکہ انسان طبعی طور پر عجلت باز ہے اور ظاہر پرست بھی۔ اس لیے قوم کا ہر طبقہ انہیں بہت قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے ان کے پاس عوام کی رائے، فکر، خیال اور آزادی تو گروی ہوتی ہے، یہ دانش وروں کی دانش، علماء کا علم اور قائدین کی قیادت بھی خرید لیتے ہیں۔ یہ پیسے کے زور پر ہر وہ بات ہر کسی سے منوا سکتے ہیں جو یہ چاہتے ہیں۔ کیونکہ پیٹ پہ پتھر باندھ کر سرداروں کے خلاف جنگ لڑنے والے اور دنیا جہاں کی دولت وثروت کو ٹھکرا کر حق کا ساتھ دینے والے پہلے بھی بہت کم ہوتے تھے اور اب تو ان کا وجود اور بھی عنقا ہوتا جا رہا ہے۔

اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر

قوموں کے بناؤ یا بگاڑ میں اس طبقہ کا ایک بنیادی کردار اس لیے ہوتا ہے کہ یہ اپنی دولت وثروت کے بل بوتے پر قوم کے ہر طبقے کو خرید لیتے ہیں انہیں ان کی خواہشات کے مطابق فتوے دینے والے دین فروش علماء بھی مل جاتے ہیں اور مفتی بھی۔

انہیں ان کی فکر کو نہ صرف تسلیم کرنے والے بلکہ حرف آخر ثابت کرنے والے مفکرین بھی مل جاتے ہیں اور دانش ور بھی، انہیں ان کی آراء اور خیالات کو نافذ کرنے والے قائدین بھی مل جاتے ہیں اور سیاست دان بھی۔ گنتی کی چند حقیقت بین افراد کے سوا پوری قوم اور سارا ملک انہیں کی آراء اور خیالات کو نہ صرف درست مانتا ہے بلکہ انہیں درست ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتا ہے اور

عالم فاضل بیچ رہے ہیں اپنا دین ایمان

کا منظر صاف نظر آتا ہے

کسی قوم کے مجموعی مزاج میں غور کرنے سے محسوس یوں ہوتا ہے کہ ساری قوم کا دماغ یہی طبقہ ہوتا ہے۔

شاید یہی سبب ہو کہ انبیاء کرامؑ کے اولین مخاطب یہی لوگ ہوتے تھے کیونکہ اگر یہ سنور جائیں تو ساری قوم سنور جاتی ہے اور اگر یہ بگڑ جائیں تو پوری قوم بگاڑ کا شکار ہو جاتی ہے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ کا یہ ضابطہ رہا ہے کہ اس نے اپنا پیغام اس طبقے کو خصوصی طور پر پہنچایا۔ جب انہوں نے حق کا انکار کیا تو پوری قوم کو تباہ کر دیا گیا۔ انہیں اس لیے کہ انہوں نے حق کو چھوڑ کر سرکشی اور کفران نعمت کا راستہ اختیار کیا اور دوسروں کو اس لیے کہ انہوں نے عقل اور ضمیر کو ان کے پاس گروی کیوں رکھا اور اللہ کے مقابلے میں ان کی بات کیوں مانتے رہے۔ یعنی عملی طور پر اس طبقے کا

بگاڑ پوری قوم کی تباہی کا باعث بن جاتا ہے۔

قرآن کریم قوموں کی تباہی کے اس ضابطے کو یوں بیان کرتا ہے:

﴿أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا ۝ وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُونِ مِنْ بَعْدِ نُوحٍ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا﴾ (۱۸۲)

''اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے امراء کو حکم دیتے ہیں۔ پھر وہ اس میں نافرمانی کرتے ہیں۔ تب ان پر بات ثابت ہو جاتی ہے۔ پھر ہم اس بستی کو برباد کر دیتے ہیں اور نوحؑ کے بعد ہم نے کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا۔ اور اب تیرا رب اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھنے کے لیے اور انہیں دیکھنے کے لیے کافی ہے۔''

ان آیات طیبات کا یہ مطلب نہیں ہے کہ امرا کی نافرمانیوں کو قوم کی تباہی کا بہانہ بنایا جاتا ہے بلکہ یہاں اس طریقہ کو بیان کیا جا رہا ہے جو اس پس منظر میں قوموں کے ساتھ اختیار کیا جاتا ہے۔ یہ آیات طیبات واضح کر رہی ہیں کہ امرا کا بگاڑ پوری قوم کی تباہی کا سبب بن جاتا ہے۔ امرا اور مقتدر طبقہ کو سوچنا چاہئے کہ کہیں ان کا تعیش پوری قوم کی نیا نہ لے ڈوبے اور قوم کے دیگر افراد کو بھی سوچنا چاہئے کہ وہ اپنی رائے، ضمیر، عقل و دانش اور بسا اوقات دین ایمان امرا اور اشرافیہ کے پاس گروی نہ رکھیں ورنہ جب وہ ڈوبیں گے تو بچیں گے یہ بھی نہیں وہ تباہ ہوں گے اپنی عیاشیوں کے سبب اور یہ برباد ہوں گے اپنی کم ہمتی اور ضمیر فروشی کے سبب۔

حق کا باطل کی پیروی کرنا تباہی کا سبب ہے:

حق و باطل کی کشمکش تو ازل سے ہی جاری ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

جیسے اہل باطل کو باطل پیارا ہوتا ہے، اہل حق کو حق اس سے بھی بڑھ کر محبوب ہوتا ہے۔ جیسے اہل باطل، باطل کے لئے قربانی دیتے ہیں، ایسے ہی اہل حق، حق کی بقا اور عزت و حرمت کے لئے سرفروشیوں اور جانثاریوں کے نئے باب رقم کرتے ہیں۔

لیکن اگر کسی وقت حق باطل کی پیروی کرنے لگے اور اپنی شناخت کھو دے تو وہاں تباہی اور بربادی اپنے ڈیرے ڈال دیتی ہے۔ جیسے بنی اسرائیل کی تباہی کے ضمن میں یہ بات خصوصی طور پر بیان کی گئی کہ ان کے اچھے جب بروں کو کوئی برائی کرتے دیکھتے تو پہلے دن انہیں منع کرتے، لیکن اگر وہ دوسرے دن پھر اسی برائی میں مبتلا دیکھتے تو وہ بھی ان کی پیروی کرنے لگتے یہی چیز ان کی تباہی کا باعث بنی۔

گویا اہل باطل تو اپنے باطل میں مگن رہتے ہی ہیں، لیکن اہل حق کا ان کی مخالفت کرنا اہل حق اور اہل باطل دونوں کی بقا کا ذریعہ ہے اور اہل حق کا باطل کی پیروی کرنا وہ کسی بھی سطح پر ہو، دونوں کی تباہی کا سبب ہے۔

قرآن کریم اس ضابطہ الٰہی کو یوں بیان فرماتا ہے:

﴿وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ﴾ (۱۸۳)

"اگر حق ان کی خواہشات کے تابع ہوتا تو زمین و آسمان اور جو کچھ ان میں ہے سب کچھ تباہ ہو جاتا"۔

اسی لئے حق کو کسی بھی سطح پر باطل کی پیروی کرتے ہوئے سوچنا چاہئے کہ کہیں ہمارا یہ عمل تباہی و بربادی کو دعوت تو نہیں دے رہا؟

ایمان عروج کی ضمانت ہے:

عروج پانے کے جتنے ذریعے اور طریقے ہیں، وہ نفع خلق ہو یا جہد مسلسل، کتاب الٰہی کی پیروی ہو یا اشرافیہ اور عوام کا رجوع الی اللہ، وہ دعوت خیر ہو یا حق کا باطل کی پیروی نہ کرنا۔ اگر انسان ایمان کو حقیقت میں اور شعوری طور پر قبول کرلے تو یہ تمام اسباب عروج اس میں اسی طرح آجاتے ہیں جیسے ایک لاکھ میں سو ہزار اپنے آپ آجاتے ہیں۔

شاید یہی سبب ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا

﴿وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ﴾ (۱۸۴)

"اور ہمت نہ ہارو اور غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان والے ہو"۔

اس فرمان کا یہ مطلب نہیں کہ تم بس کلمہ پڑھ لو۔ بعد میں تم سستی و کاہلی کا مظاہرہ کرو یا خیانت اور بددیانتی کا، تم نفس پروری میں لگے رہو یا جلب زر میں۔ تم ایک دوسرے کو ذلیل کرنے میں لگے رہو یا ملک کی جڑیں کھوکھلا کرنے میں تمہیں ہر حال میں سرخرو کیا جائے گا کیونکہ تم ایمان والے ہو اور کارکنان، قضا و قدر تمہاری خدمت بجالانے کو آدھمکیں گے کیونکہ تم نے کلمہ جو پڑھ لیا ہے اور ترقی اور عروج کی منزلیں سمٹ کر تمہارے قدموں میں آئیں گی کیونکہ تم مسلمان جو ہو۔

نہیں۔ قطعاً نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ضابطے ایسے نہیں ہیں اور اس کی تقسیم ان بنیادوں پر نہیں ہوتی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ ایمان ہر قسم کی بھلائی اور اوصاف حمیدہ کو سمیٹے ہوئے ہوتا ہے، ایمان قبول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک بندہ نفس پرست نہیں، خدا پرست بن گیا۔ مفاد پسند نہیں حقیقت پسند بن گیا اور روٹی، کپڑا اور مکان کی حدوں میں محدود رہنے والا نہیں، خدا کا سپاہی بن گیا، اس لئے جب تم ان معنوں میں ایمان قبول کرلو گے تو سنت الٰہی کے مطابق قوموں کو عروج اور ترقی کی شاہراہوں پر گامزن کرنے کے جتنے ضابطے ہیں، وہ سب اپنے آپ تم میں آجائیں گے۔

ملت اختر جس سے ہوں تسخیر بے تیغ و تفنگ
تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ سامان بھی ہے

چونکہ اس نکتہ کی وضاحت تفصیل سے پہلے گزر چکی ہے، اس لئے یہاں اتنا اشارہ ہی کافی ہے۔

ایک اہم اشکال اور اس کا جواب:

اس موقع پر ایک اہم سوال کا جواب دینا بہت ہی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اگر ایمان ہی عروج کا ذریعہ ہے تو آج کافر اقوام اتنے عروج پر کیوں ہیں اور ایمان والے زوال پذیر کیوں ہیں؟

اس کے جواب میں پہلی گزارش تو یہ ہے کہ جب کوئی حامل کتاب قوم کتاب الٰہی سے انحراف کر کے اپنی خواہشات کے پیچھے چل نکلتی ہے، تو اللہ تعالیٰ اس پر اس کے دشمنوں کو مسلط کر دیتا ہے جیسے یہود پر بخت نصر یا طیطس کو مسلط کیا گیا تھا۔ عروج و زوال کے متعلق اس قانون الٰہی کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے جب بطور سزا کسی حامل کتاب قوم پر اس کے دشمن کو یوں مسلط کیا جاتا ہے تو اس میں حامل کتاب قوم کے لئے ذلت کا سامان تو ہوتا ہے، لیکن مسلط کی جانے والی قوم کی عنداللہ کوئی مقبولیت اس سے ثابت نہیں ہوتی کیونکہ وہ صرف آلہ سزا ہوتی ہے۔ جیسے اگر کوڑے سے کسی مجرم کو سزا دی جائے تو اس میں مجرم کی ذلت و رسوائی تو ہوتی ہے، لیکن کوڑے کا کوئی شرف و فضل ثابت نہیں ہوتا۔ ایسی ہی کتاب الٰہی سے انحراف کے جرم پر دشمن قومیں مسلمانوں پر بطور سزا مسلط کی گئی ہیں، جس میں مسلمانوں کے لئے رسوائی تو ہے، لیکن ان اقوام کا عنداللہ کوئی مقام و مرتبہ ثابت نہیں ہوتا۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ ایمان کے جو تقاضے عروج کا سبب بنتے ہیں، اگر کوئی بندہ انہیں صرف قومی یا ملکی جذبہ کے تحت اپناتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی محنتوں کو ضائع نہیں کرے گا بلکہ وہ دنیا میں کامیاب بھی ہوگا اور ترقی بھی پائے گا، لیکن آخرت میں اس کے لئے کوئی حصہ نہیں ہوگا کیونکہ وہ نعمت ایمان سے محروم ہے، لیکن اگر کوئی بندہ ایمان کے یہ تقاضے احکام الٰہی سمجھ کر پورے کرے گا تو وہ دنیا اور عقبیٰ میں سرخرو ہوگا۔

مثلاً قرآن مجید یہ کہتا ہے کہ نفع خلائق قوموں کو عروج دیتا ہے، اب اگر کوئی قوم نفع خلائق کو صرف قومی جذبہ کے تحت بجالاتی ہے کہ ہم لوگوں کو نفع پہنچائیں تاکہ ہماری قوم مضبوط ہو اور ملک مستحکم ہو تو انہیں ان کا دنیاوی مدعا ضرور ملے گا، لیکن اگر کوئی قوم نفع خلائق کے قانون کو حکم الٰہی سمجھ کر بجالاتی ہے تو اسے دنیا میں بھی عروج ملے گا اور وہ آخرت میں بھی سرخرو ہوگا۔

اسی طرح عروج کے تمام اسباب جن کا ایمان تقاضا کرتا ہے، وہ جذبہ قومی کے تحت بھی بجالائے جاسکتے ہیں اور حکم الٰہی سمجھ کر بھی پہلی صورت میں صرف دنیاوی ترقی ملتی ہے اور دوسری صورت میں دنیاوی اور اخروی کامیابی۔

آج جو قومیں ترقی اور عروج کی شاہراہوں پر گامزن ہیں، انہوں نے ایمان کے ان تقاضوں کو بغیر ایمان کے صرف قومی اور ملکی جذبہ کے تحت اپنالیا ہے۔ افسوس یہ ہے جن چیزوں کو ہم جذبہ ایمانی اور حکم خداوندی سمجھ کر نہیں اپنا سکے، ان قوموں نے انہیں صرف دنیا بہتر کرنے اور قومی جذبہ کے تحت اپنالیا ہے۔ گویا یہ اوصاف اصلاً ہمارے ہیں، جو اپنا انہوں نے لئے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں عروج اور ترقی عطا کر دی۔ فیلسوف اسلام علامہ اقبال نے یہ حقیقت کتنے خوبصورت الفاظ میں بیان کی ہے۔

عدل ہے فاطر ہستی کا ازل سے دستور
مسلم آئیں ہوا کافر تو ملے حور و قصور

اور

اڑا لی قمریوں نے، طوطیوں نے عندلیبوں نے
چمن والوں نے مل کر لوٹ لی طرز فغاں میری

ایک اور مقام پر مغرب کی ترقی و عروج کا راز بتاتے ہوئے اقبال کہتے ہیں۔

قوت مغرب نہ از چنگ و رباب
نے ز رقص و دختران بے حجاب
نے ز سحر ساحران لالہ روست
نے ز عریاں ساق و نے از قطع موست
محکمی اورا نہ از لادینی است
نے فروغش از خط لاطینی است
قوت افرنگ از علم و فن است
از ہمیں آتش چراغش روشن است

''مغرب کی قوت گانے بجانے اور لڑکیوں کے بے حجابانہ رقص میں نہیں۔ نہ جادو گر حسیناؤں کی ساحرانہ اداؤں، ان کے نیم عریاں لباس اور تراشیدہ بالوں ہی کی وجہ سے ہے۔ ان کی طاقت مذہب کو چھوڑنے یا کسی خاص رسم الخط اور زبان کی وجہ سے بھی نہیں۔ مغرب کی قوت علم و ہنر سے ہے۔ ان کی کامیابی کا چراغ اس آگ سے روشن ہے۔''

ہم میں سے ہر ایک کو قرآن مجید کے بیان کردہ عروج و زوال کے ان ضابطوں پر غور کرنا چاہئے اور ہر ایک کو سوچنا چاہئے کہ ہمارا وجود، ہمارا کردار اور ہمارا عمل کیا امت کے لئے زوال کا سبب ہے یا عروج کا؟ کیونکہ دریا قطرے قطرے سے بنتے ہیں اور قومیں افراد سے ہی تشکیل پاتی ہیں۔

فی ھذا الباب ھذا ما تیسّر لھذا العبد الضعیف بعنایۃ مولاہ القوی. واللّٰہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

طلب عروج اور ہماری ذمہ داریاں:

دوستو! اب فکر کرو ساحل کی
ہو چکا تذکرہ کشتی و طوفاں کافی
صرف رو لینے سے قوموں کے نہیں پھرتے ہیں دن
خون افشانی ہے لازم اشک افشانی کے ساتھ

قوم کسی ایک گروہ یا طبقہ کو نہیں کہا جاتا۔ بلکہ فطرتی صلاحیتوں کے اختلاف سے قوم چند گروہوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ اس کائنات میں اختلاف مراتب کا جو فطری نظام رائج ہے۔ اس لحاظ سے بھی انسانوں کی صلاحیتیں اور ذوق مختلف ہوتے ہیں۔ اختلاف مراتب کا فلسفہ انفرادی طور پر تو آزمائش اور امتحان ہے، لیکن اجتماعی طور پر اس کا اظہار قوم کے مختلف طبقات کی شکل میں ہوتا ہے۔ قوم کے عروج یا زوال میں ہر طبقہ ایک موثر اور جاندار کردار ادا کرتا ہے اور قوم کے مجموعی مزاج پر ایک گہرا اثر ڈالتا ہے۔

صلاحیتوں کے اختلاف اور ذوقی امتیازات کے سبب قوم جن طبقات کا مجموعہ ہوتی ہے وہ بنیادی طور پر تین طبقے ہیں۔
(۱) قائدین (۲) اشرافیہ (۳) عوام
قوم کے عروج پانے کے سلسلہ میں ان کی ذمہ داریوں کا ایک جائزہ پیش خدمت ہے۔

قائدین:

اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو صلاحیتوں کے اعتبار سے سب سے اعلیٰ اور ارفع ہوتے ہیں۔ یہ کسی بھی قوم میں وہی حیثیت رکھتے ہیں جو جسم انسانی میں دماغ کی ہوتی ہے۔ یہی لوگ قوم کی سوچ اور فکر کا رخ متعین کرتے ہیں۔ ظاہر ہے جب کوئی قوم فکری طور پر معذور اور اپاہج ہو جائے گی، تو اس کے عروج کی منزلیں طے کرنا یا ترقی کی شاہراہوں پر گامزن ہونا خارج از بحث ہو جاتا ہے، اس لئے کسی بھی قوم کی مجموعی ہیئت اور ساخت میں قائدین کا کردار ایک کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ قائدین کی تین قسمیں ہیں۔
(۱) فکری قائدین (۲) سیاسی قائدین (۳) مذہبی قائدین

(۱) فکری قائدین:

ان سے میری مراد وہ اعلیٰ ترین صلاحیتوں کے مالک افراد ہیں، جو کسی بھی قوم کی جدوجہد یا عمل کا رخ متعین کرتے ہیں اور پوری قوم جن کی پیروی کرتی ہے۔ جیسے اشتراکی انقلاب کے پس منظر میں کارل مارکس اور مسلمانان برصغیر کی تحریک آزادی کے پس منظر میں علامہ اقبال۔ کسی بھی قوم کو ایسی قیادت کا مل جانا بلاشبہ اس کی بہت بڑی خوش قسمتی ہوتا ہے۔ لیکن ایسے عظیم لوگ اب مفقود ہوتے جا رہے ہیں، جس پر خود اقبال بھی حسرت اور تاسف کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے۔

بیدار ہوں دل کی فغان سحری سے
اس قوم میں مدت سے وہ درویش ہے نایاب

ایسی کسی شخصیت کو ڈھونڈنے کے لئے اصحاب دردون کی روشنی میں چراغ لے کے پھرا کرتے ہیں، تاہم کسی بھی سطح پر ایسی قیادت کا وجود ایک نعمت عظمیٰ ہوتا ہے۔
ایسی قیادتوں کو نعمت الٰہی سمجھ کر ان کی قدر کرنی چاہئے اور ان کی فکر سے استفادہ کرنا چاہئے۔

(۲) سیاسی قائدین:

اس سے مراد وہ لوگ ہیں، جو کسی بھی قوم کی سیاسی رہنمائی کرتے ہیں اور یہ کافی اختیارات رکھنے والا گروہ ہے۔ یہی لوگ قوموں کے متعلق عملی طور پر کوئی فیصلہ کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔ یہ مقتدر طبقہ ہوتا ہے اور آج کل کے حالات میں تو یہی محسوس ہوتا ہے کہ یہی سیاہ و سفید کے مالک ہیں۔ ان کا بگاڑ پوری قوم کا بگاڑ بن سکتا ہے اور اگر یہ سنور جائیں تو پوری قوم سنور سکتی ہے۔ اس طبقہ کو چاہئے کہ

۱۔سیاست کو ملک وقوم کی خدمت کا ایک سنہری موقع سمجھیں اسے پیشہ نہ بنائیں۔
۲۔اپنے اختیارات کو کرپشن اور لوٹ مار کا ذریعہ نہ بنائیں۔
۳۔اپنے منصب کو اپنے دشمنوں سے انتقام لینے کا ہی سبب نہ سمجھیں۔
۴۔اپنے کسی بھی چھوٹے یا بڑے مفاد کے لیے ملکی مفاد کو قربان نہ کریں کیونکہ یہ تمام عزتیں ملک کی وجہ سے ہی ہیں۔
۵۔اپنے اختیارات سے لوگوں کو دین سے دور کرنے کا سامان نہ کریں کیونکہ یہ ملک دین کی نسبت سے ہی بنا اور دین کے ساتھ نسبت ہی اسے مستحکم کرے گی۔

۶۔اپنے منصب اور اختیارات کو مثبت طریقوں سے استعمال کریں۔اپنی ذات، سیاست اور پارٹی کے خول سے باہر آ کر ملک اور قوم کو مستحکم کرنے کے لئے بھرپور جدوجہد کریں، کیونکہ حکومت مل جانے کے بعد اس کی پارٹی ملک اور پوری قوم ہوتی ہے اور وہ سب کے نمائندہ ہوتے ہیں۔

۷۔جدید ٹیکنالوجی کا حصول اور جدید تعلیم میں قوم کو دنیا کے نہ صرف دوش بدوش بلکہ آگے لے جانا بھی ان ہی کے فرائض میں شامل ہے کیونکہ تمام وسائل ان ہی کے تصرف میں ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے عالم اسلام کو بے پناہ وسائل اور صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ انہیں ذات اور پارٹی سے بالاتر ہو کر قوم کے استحکام میں خرچ کیا جائے۔عالمی حالات پر گہری نظر رکھتے ہوئے قوم اور ملک کو مستحکم کرنا ان ہی کا فرض ہے کیونکہ اقتدار اور تصرف ان ہی کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔

نہ ادھر ادھر کی بات کر یہ بتا کہ قافلہ کیوں لٹا
مجھے رہزنوں سے غرض نہیں تیری رہبری کا سوال ہے

۸۔یہی لوگ عالمی سطح پر ملک یا قوم کی پہچان بن جاتے ہیں۔
ان کے کردار کی پستی پوری قوم کا سر شرم سے جھکا دیتی ہے اور ساری قوم دنیا کے سامنے رسوا ہو جاتی ہے۔اس لئے انہیں کوئی بھی رویہ اپناتے ہوئے خصوصی طور پر اس بات کو کبھی بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے۔
۹۔انہیں یہ بات بھی نہیں سوچنی چاہئے کہ حالات اس قدر بگڑ چکے ہیں کہ اس بگاڑ میں شریک ہوئے بغیر ہم چل نہیں سکتے کیونکہ ہر شخص اپنے کیے کا جواب دے ہوگا۔انسان کا کام صرف کوشش کرنا ہے۔مثبت نتائج دینا اس کے اختیار میں نہیں۔یہ وہ کچھ ضرور کرے جو یہ کر سکتا ہے کیونکہ اسے اسی کا جواب دینا ہوگا اور نیکی اور خلوص کا سفر ایسا سفر ہے جو سفر بھی ہے اور منزل بھی۔ اس سفر پر گامزن ہونا ہی گویا منزل کو پالینا ہے۔

یہ بازی عشق کی بازی ہے جو چاہے لگا لے جب چاہے
گر جیت گئے تو کیا کہنے ہارے بھی تو بازی مات نہیں
جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے اس جان کی تو کوئی بات نہیں

۱۰۔انہیں یہ بات بھی اور کسی حال میں نہیں بھولنی چاہئے کہ یہ اقتدار صرف ہمیں ہی نہیں ملا۔ہم سے پہلے بھی بہت سے لوگوں کو ملا۔وہ بھی اقتدار اور تخت وتاج یہیں چھوڑ کر سنسان قبروں میں جا سوئے اور ہمیں بھی جا سونا ہے۔حضرت علیؓ کا فرمان ہے، اگر یہ کرسی بے وفا نہ ہوتی تو مجھ تک کیسے پہنچتی؟اس لئے اس موقع کو ملک وقوم کی خدمت میں بسر کرنا چاہئے اور ان اختیارات کو خدمت خلق اور نفع خلائق کا ذریعہ بنانا چاہئے کیونکہ ہم بہت جلد اسے چھوڑنے والے ہیں۔

اگر سیاسی قیادتیں ان کے برعکس چل رہی ہوں تو پھر انہیں قوم کے زوال پر تعجب اور افسوس نہیں کرنا چاہئے کیونکہ وہ خود قوم کو زوال کی پستیوں کی طرف لے جا رہے ہیں۔

کیسے منزل پہ پہنچتا کوئی
راہ میں رہنما بیٹھے ہیں

(۳)مذہبی قائدین:

اس سے میری مراد صرف وہی لوگ نہیں ہیں جو مذہبی سیاسی جماعتوں کی قیادت کرتے ہیں کیونکہ ان کا شمار تو سیاسی قائدین میں ہوتا ہے۔ہاں ان کی ذمہ داریاں دوگنی ہو جاتی ہیں کیونکہ ایک تو یہ سیاستدان ہیں،دوسرا ان کی پہچان اور شناخت مذہب ہے اور لوگ ان کی سیاست کو ہی اسلامی تصور سیاست کا مظہر سمجھتے ہیں۔ان کی بے رہروی بلاشبہ اسلام کے بارے میں بدگمانیاں پیدا کرنے کا سبب بن سکتی ہے۔ان کی سیاست تو اسلامی سیاست کی عملی شکل ہونی چاہئے،اگر سیاست مذہب کے پس منظر میں کی جائے اور فرق صرف باریش اور بے ریش ہونے کا ہو،تو دوسرے سیاستدان تو صرف ملک وقوم کے مجرم ہوں گے لیکن مذہبی سیاستدان اس کے ساتھ ساتھ مذہب اور خدا اور رسول کے بھی مجرم ہوں گے اور ان مذہبی سیاستدانوں سے جو مذہب کی آڑ میں ملک وقوم کو لوٹیں،دوسرے سیاستدان بہتر ہوں گے کیونکہ وہ اپنے مفادات کے لئے اسلام کا نام تو استعمال نہیں کرتے۔

تیرے بھی صنم خانے میرے بھی صنم خانے
دونوں کے صنم خاکی دونوں کے صنم فانی
مجھ کو تو سکھا دی ہے افرنگ نے زندیقی
اس دور کے ملا ہیں کیوں ننگ مسلمانی

ہاں اگر مذہب کے پس منظر میں سیاست کرنے والے اسلامی تصور سیاست کا عملی نمونہ بن جائیں،سیاست کے گہرے سمندروں کو عبور کرتے ہوئے ان کے دامن پر کرپشن،لوٹ مار،ذاتی مفادات اور انا پرستی کی چھینٹیں بھی نہ پڑیں تو بلاشبہ یہی لوگ زمانے کے امام اور وراثت نبوت کے امین ہوں گے۔

لیکن یہاں مذہبی قائدین سے میری مراد ہر وہ انسان ہے،جس کی بات کسی بھی سطح پر مذہبی حوالے سے مانی جاتی ہے،وہ کسی حلقہ کا ممبر ہو،کسی مدرسہ کا مہتمم ہو،کسی مسجد کا امام یا خطیب ہو،روحانی پیشوا یا پیر ہو یا اپنے ذاتی مطالعہ کی بنا پر لوگ اس کی طرف رجوع کرتے ہوں۔ان تمام حضرات کا شمار مذہبی قائدین میں ہوتا ہے۔امت مسلمہ کو زوال سے محفوظ کرنے کے لئے مذہبی

قائدین کا فرض ہے کہ وہ

۱۔اسلام کی دعوت بحیثیت دین دیں۔

۲۔فرقہ پرستی اور مسلکی خول سے باہر آئیں۔

۳۔اپنے اس مقدس منصب کو تجارت نہ بنائیں۔

۴۔اپنے مفادات کے حصول کے لئے لوگوں کو دھوکہ میں نہ رکھیں۔

۵۔ان پادریوں کی طرح نہ ہو جائیں جو لوگوں کو صدقہ و خیرات کا حکم دیتے تھے اور ان سے صدقہ و خیرات لے کر لوگوں میں تقسیم کرنے کی بجائے سونے اور چاندی کے گھڑے بھر کر انہیں زمین میں دفن کر دیتے تھے اور حالت کچھ یوں نہ ہو جائے:

ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی
گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن
شہری ہو یا دیہاتی ہو مسلمان ہے سادہ
مانند بتاں پجتے ہیں کعبے کے برہمن
نذرانہ نہیں سود ہے پیران حرم کا
ہر خرقہ سالوس کے اندر ہے مہاجن
میراث میں آئی ہے انہیں مسند ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

اور

مرید سادہ تو رو رو کے ہو گیا تائب
خدا کرے کہ ملے شیخ کو بھی یہ توفیق

۶۔اپنے محدود یا بے تحاشا وسائل کے بارے میں سوچیں کہ یہ ہمیں کیسے ملے اور لوگ اپنے خون پسینے کی کمائی ہمارے قدموں پہ ڈھیر کیوں کر جاتے ہیں۔انہیں چاہئے کہ لوگوں کے حسن ظن کی لاج رکھیں۔ورنہ ایک دن ضرور ایسا آنے والا ہے، جب کوئی راز راز نہیں رہے گا، جس دن ساری حقیقتیں بے نقاب ہو جائیں گی۔

۷۔یہ لوگوں کو ان کے اصلی دشمنوں کے بارے میں سمجھائیں، لوگوں کو بتائیں کہ ان کے دشمن الحاد، صیہونیت اور عیسائیت ہیں۔یہ ہمیں فرقہ پرستی اور مسلک کے دائروں میں محدود کر کے اور ہمیں آپس میں لڑا کے ہماری طاقتوں کو ضائع کر رہے ہیں۔

۸۔یہ اپنے اس عظیم منصب کو کاروباری نگاہ سے نہ لیں، ایک ذمہ داری سمجھیں بہت بڑی ذمہ داری۔

اگر قوم کی ان قیادتوں کا فکری رخ درست ہو جائے اور وہ اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں، تو انشاء اللہ وہ دن بہت جلد آئے گا جب قوم کو اس کی عظمت رفتہ مل جائے گی اور قوم زوال کی پستیوں سے اٹھ کر عروج کی رفعتوں پہ فائز ہو گی کیونکہ قیادتیں ہی

قوموں کی زندگی کا رخ متعین کرتی ہیں۔

(۲) اشرافیہ:

یہ کسی بھی قوم کا امیر اور اہل ثروت طبقہ ہوتا ہے۔ اس لئے ان کے اثر و رسوخ کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ عوام کا ایک کثیر طبقہ تو ان کا مرہون منت ہوتا ہی ہے، قیادتوں پر بھی ان کے گہرے اثرات ہوتے ہیں اور یہ اپنے اثر و رسوخ اور مال و دولت کے سبب بہت کچھ کرنے کی پوزیشن میں ہوتے ہیں۔ اس طبقہ میں بہت کم ایسے لوگ ہوتے ہیں، جنہیں دولت کا نشہ مخمور نہیں کرتا۔ انبیاء کرام علیہ السلام کی تاریخ شاہد ہے کہ حق کا سب سے پہلے اور سب سے بڑھ کر یہی طبقہ انکار کرتا رہا ہے چونکہ عوام پر اور قوم کے دیگر طبقات پر بھی ان کے گہرے اثرات ہوتے ہیں اور یہ قوم کے وجود میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں، اس لئے ان کی گمراہی اور بے پرواہی گویا پوری قوم کی تباہی کا باعث بن جاتی ہے۔ اگر یہ لوگ سنور جائیں تو کسی بھی قوم کے سنورنے میں ایک زندہ اور جاندار کردار ادا کر سکتے ہیں، اس طبقہ کو چاہئے کہ یہ

1۔ اس بات کو کبھی نہ بھولیں کہ یہ دولت و ثروت ہمیں اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔ وہ قادر و مقتدر بڑی قوتوں والا ہے، وہ اگر ہمیں دے سکتا ہے تو ہماری ناشکری اور کفران نعمت کے سبب ہم سے لے بھی سکتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں متعدد قوموں کے تذکرہ سے اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے۔

2۔ اگر لوگ ان کی حیثیت کے سبب ان کی بات مانتے ہیں تو انہیں چاہئے کہ وہ لوگوں کو خدا اور رسول کا باغی بننے کے حالات پیدا نہ کریں، بلکہ اس دولت کو خیر اور نیکی کی ترویج و اشاعت کا ذریعہ بنائیں۔ کوئی بھی چیز فی نفسہ بری نہیں ہوتی بلکہ اس کا استعمال اسے برا بناتا ہے۔ چاقو فی نفسہ برا نہیں، یہ انسان کی خدمت میں بھی استعمال ہو سکتا ہے اور اسی سے کسی انسان کا گلا بھی کاٹا جا سکتا ہے۔ ایسے ہی دولت فی نفسہ بری نہیں ہے۔ یہ اللہ کا فضل اور کرم ہے۔ اس سے انسان جنت بھی "خرید" سکتا ہے جیسے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کئی موقعوں پر خریدی اور اسی سے انسان بہک بھی سکتا ہے جیسے ہمیشہ انبیاء کے مخالف سردار بہکتے رہے ہیں۔ اس طبقہ کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ اس نعمت سے ملک و قوم کو مستحکم کریں۔ اپنی استعداد کے مطابق اور اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ وسائل کو بروئے کار لا کر اس کمزور قوم کو توانا کریں۔

۳۔ یہ دولت و ثروت، یہ بڑی بڑی جاگیریں اور یہ عزتیں اور سربلندیاں انہیں اسی ملک کے سبب ملی ہیں۔ اپنے کسی بھی عمل اور رویہ سے اس ملک کی جڑیں کھوکھلی نہ کریں کیونکہ

وطن کی آبرو باقی تو تم بھی باقی ہو
وگرنہ پھر غلامی میں الجھ جانے کے دن آئے

۴۔ اپنی تہذیب اور تمدن کے بارے میں سب سے بڑھ کر احساس کمتری کا شکار یہی طبقہ واقع ہوا ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ انہیں چاہئے کہ اس احساس کمتری سے بچیں۔ اپنی تہذیب پر ناز کرنا سیکھیں تاکہ دوسرے لوگ بھی اس بگاڑ سے بچ سکیں کیونکہ جیسے یہ

مغرب کی نقالی پر نازاں ہوتے ہیں ایسے ہی دوسرے لوگ ان کی نقالی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

۵۔اس طبقہ کا بگاڑ قوم کے مجموعی مزاج پر بہت برا اثر ڈالتا ہے، انہیں چاہئے کہ اپنی حیثیت کو قوم کے زوال اور بگاڑ کا ذریعہ نہ بنائیں، اللہ تعالیٰ کے اس ضابطہ کو ہمیشہ ذہن میں رکھیں:

﴿وَإِذَا أَرَدْنَا أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا﴾ (۱۸۵)

''اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے خوشحالوں کو حکم دیتے ہیں۔ پھر وہ اس میں نافرمانی کرتے ہیں، تب ان پر بات ثابت ہو جاتی ہے، پھر ہم اس بستی کو تباہ و برباد کرتے ہیں''۔

اگر یہ طبقہ قوم کو اپنی قوم، ملک کو اپنا ملک اور ملک وقوم کی عزت و استحکام کو اپنا شرف و استحکام سمجھے تو حالات میں بہت بہتری آ سکتی ہے اور قوم کی مایوسیاں امیدوں میں بدل سکتی ہیں۔

(۳) عوام:

یہ کسی بھی قوم کا تیسرا طبقہ ہوتا ہے۔ بظاہر یہ بڑا غیر مؤثر اور غیر اہم ہوتا ہے، لیکن درحقیقت قوموں کے استحکام اور عروج میں یہ بہت بنیادی کردار ادا کرتا ہے کیونکہ قائدین کو منصب قیادت پر بھی یہی فائز کرتے ہیں اور ان کے تعاون کے بغیر اشرافیہ بھی اشرافیہ نہیں رہ سکتے۔ یہ لوگ عموماً ملک وقوم سے محبت کرتے ہیں اور دین کی حرمت پر بھی کٹ مرتے ہیں۔ کسی بھی قوم کو عروج کی شاہراہ پر گامزن کرنے کے لئے انہیں چاہئے کہ

۱۔ جب اپنے ذاتی مسائل کو سمجھنے کے لئے یہ لوگ اتنی کوشش کرتے ہیں تو کھوٹے اور کھرے کو سمجھنے کے لئے بھی کچھ محنت ضرور کریں۔

۲۔جذباتی فیصلے نہ کریں بلکہ حالات کو حقائق کی نظر سے دیکھیں۔

۳۔اپنی قیادت کا انتخاب ذاتی مفادات، برادری یا تھانے اور کچہری کے مسائل کو ذہن میں رکھ کے نہ کریں بلکہ اسلام اور پاکستان کے ساتھ وفاداری کو ترجیح دیتے ہوئے کریں۔

۴۔لفظوں کے ہیر پھیر سے بچیں اور عملی کام کو ذہن میں رکھیں۔

۵۔ جب زندگی کے تمام میدانوں میں محنت اور مشقت کو ضروری سمجھتے ہیں تو ملک وملت کے استحکام اور فلاح کے متعلق اتنی سہل پسندی کا مظاہرہ نہ کریں۔

۶۔صرف مالی مدد کر دینے سے کوئی بھی ملک وقوم کے حقوق سے بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔ ہر کسی کو اپنی سطح تک جدوجہد کرنی چاہئے۔

۷۔اگر قائدین کے لئے امانت و دیانت کی ضرورت ہے تو عوام بھی اپنی سطح پر اس کے مکلف ہیں، اگر دو روپے کا فراڈ کر سکنے والا دو روپے کے فراڈ سے باز نہیں آتا تو اسے اربوں کے فراڈی پر تنقید نہیں کرنی چاہئے کیونکہ اگر اس کے اختیار میں ہوتا تو یہ بھی کمی نہ کرتا۔

الغرض ہر انسان اپنی سطح تک جب تک قوم کی بقا و استحکام کے لئے سرتوڑ کوشش اور جہد مسلسل نہیں کرے گا، اس وقت تک اسے قوم کی ذلتوں اور پستیوں پر نہ حیرت کا اظہار کرنا چاہئے اور نہ تعجب کا کیونکہ قطرے دریا کو تشکیل دیتے ہیں اور افراد قوموں کو۔ اقبال نے بہت خوب دعا فرمائی کہ......!

یا رب دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے
بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل
اس شہر کے خوگر کو پھر وسعت صحرا دے
رفعت میں مقاصد کو ہمدوش ثریا کر
خود داری ساحل دے، آزادی دریا دے
احساس عنایت کر آثار مصیبت کا
امروز کی شورش میں اندیشہ فردا دے
میں بلبل نالاں ہوں اک اجڑے گلستان کا
تاثیر کا سائل ہوں محتاج کا داتا دے

قرآنی وتاریخی فلسفۂ عروج وزوال کے تناظر اور پس منظر اور صلح حدیبیہ کی روشنی میں مسلمہ اُمّہ کا مستقبل، عصر حاضر کے تقاضے اور اسلامی معاشرے کی تشکیل و ضرورت

﴿سیرت طیبہؐ سے حاصل کردہ لائحہ عمل کی روشنی میں﴾

رحمۃ اللعالمین، خاتم النبیین، ہادی عالم، نبی آخری الزماں علیہ الصلوۃ والسلام نے ہر شعبہء زندگی میں ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔ ہمیں آپ علیہ الصلوۃ والسلام کی اسوہ حسنہ کی پیروی کرتے ہوئے اور عصر حاضر کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایسا اعتدال پسند معاشرہ تشکیل دینا ہے، جو سب کے لیے قابل قبول، جدید علوم و جدید ٹیکنالوجی کا حامل ہو، دنیا کے ہر علاقے کا فرد اس میں سما سکے، اپنے آپ کو اجنبی محسوس نہ کرے، آج فاصلے سمٹ چکے ہیں نئی قدریں رواج پا چکی ہیں، دفاعی اور خودمختاری نقطہ نظر سے یہ حقیقت ہے کہ "مابعد صنعتی انقلاب جن قوموں کے ہاتھوں رونما ہوگا وہی دنیا کی طاقت ور اور بالادست قومیں ہوں گی، بقیہ قوموں کی آزادی اور خودمختیاری ان کی مرضی پر منحصر ہوگی۔" (۱۸۶)

بقول علامہ سید سلیمان ندویؒ:

"حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس ہم کو سرگرم شجاعانہ قوتوں کا خزانہ مل سکتا ہے مگر نرم اخلاق کا نہیں، حضرت عیسیٰ کے پاس نرم

اخلاق کی بہتات ہے مگر سرگرم اور خون میں حرکت پیدا کرنے والی قوتوں کا وجود نہیں۔ اس دنیا میں ان دونوں قوتوں کی ضرورت ہے اور دونوں کی جامع اور معتدل مثالیں صرف ہمارے پیغمبر ﷺ میں مل سکتی ہیں۔" (۱۸۷)

آج ہمیں مغرب سے ٹکرانے کے بجائے ان سے جدید علوم ان خطوط پر حاصل کرنے ہیں، جس طرح انہوں نے ہم سے تین صدیوں سے زائد عرصے میں حاصل کیا تھا اور ہمیں اپنے قول وفعل، اخلاق وکردار، حکمت وبصیرت اور مواعظ حسنہ سے پوری دنیا کے انسانوں کو یہ باور کرانا ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی نبوت اور قرآن کریم پوری دنیا کے انسانوں کا مشترکہ سرمایہ ہے۔ (۱۸۸)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْن

﴿وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْن﴾ (۱۸۹)

اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام عالم کے لیے رحمت ہی رحمت بنا کر بھیجا۔

خود قرآن کریم نے اپنے متعلق گواہی دی ہے۔

﴿ تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ﴾ (۱۹۰)

پاک ہے وہ ذات جس نے حق وباطل میں فرق کرنے والا قرآن اپنے بندے پر اتارا تاکہ وہ تمام انسانوں کو انجام سے ڈرائے۔

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ مذاہب عالم میں صرف اسلام ہی ایسا مذہب ہے جو نہ تو صرف روحانیت پر زور دیتا ہے اور نہ صرف مادیت پر، بلکہ وہ انسانوں کو روح اور مادہ دونوں ہی کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیتا ہے، اعتدال پسندی کے ساتھ دنیا اور آخرت دونوں کی اصلاح کا طریقہ بتاتا ہے، قرآن کریم ان لوگوں کی تعریف کرتا ہے اور ان کو متقی ور رہنما بتاتا ہے جن کی دعا یہ ہے:

﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً﴾ (۱۹۱)

اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی بخش اور آخرت میں بھی۔

اسی اعتدال پسندی اور میانہ روی کی وجہ سے قرآن کریم نے ملت اسلامیہ کو اُمَّۃً وَّسَطًا (۱۹۲) کا خطاب دیا۔

ایک امیر یا سربراہ مملکت کی حیثیت سے بھی نبی کریم ﷺ کا اسوہ حسنہ ہمارے لئے روشنی کا مینار ہے، بلکہ ساری انسانیت کے لئے ایک آئیڈیل اور رول ماڈل ہے آپ ﷺ کی سیرت طیبہ میں ہمیں عفو، مشاورت، عدل، دل نوازی، دل سوزی، سادگی، خدمت، ہمدردی اور ہر دلعزیزی کے وہ اصول اور پیمانے ملتے ہیں جو سربراہان حکومت کے لیے رہتی دنیا تک سرچشمۂ ہدایت رہیں گے کہ آپ ﷺ نے سارے عالم کے انسانوں کو خودساختہ قوانین کی غلامی سے نکال کر قانون الٰہی کی اطاعت وفرمانبرداری میں دے دیا۔ (۱۹۳)

آج ہمیں نہ صرف معاشرے سے بلکہ دنیا سے غربت، بھوک، افلاس، بیماری، بے روزگاری کا خاتمہ کرکے انسانیت کو تحفظ دینا ہے، بلکہ عالمی برادری میں بھی اپنے آپ کو منوانا ہے اور یہ سب اسی وقت ممکن ہے جب ہم زمانے کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے جدید علوم وٹیکنالوجی کے حامل ہوں۔ ایک اعتدال پسند معاشرہ تشکیل دے سکیں، افراط وتفریط، انتہا پسندی، شدت و بے اعتدالی سے پاک ہو، کیونکہ یہ انسانیت کے لئے زہر ہلاہل ہے" سخاوت اور فیاضی سے بہتر کوئی چیز نہیں سارے مذاہب نے

اس کی تاکید پر تاکید کی ہے جو جس قدر زیادہ لٹا سکے وہ اسی قدر تعریف کے قابل سمجھا گیا، اسلام نے اس راہ میں بے اعتدالی سے پرہیز کیا اور اس کو اچھا نہیں سمجھا کہ دوسروں کو دے کر تم خود محتاج بن جاؤ۔(۱۹۴)

اللہ تعالیٰ اپنے پسندیدہ بندوں کی اخلاقی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا﴾ (۱۹۵)

اعتدال پسندی و رواداری، کتاب و حکمت کی تعلیم، لوگوں کی جان و مال کا تحفظ، امن و امان، حلم و برداشت، بین الاقوامیت کا تصور بھی اسوہ حسنہ ہے۔ یہی میرے آقا کی سیرۃ طیبہ ہے۔ مغربی دانشور جے ایچ ڈینی سن (J.H Denison) رقم طراز ہے: "پانچویں اور چھٹی صدی عیسویں میں مذہبی دنیا افراتفری کے دہانے پر کھڑی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چار ہزار سال کی مدت میں جس تہذیب نے بال و پر نکالے تھے وہ منتشر ہونے والی ہے اور انسان پھر اس بربریت کی طرف لوٹ جانے والا ہے جس میں ہر قبیلہ و فرقہ ایک دوسرے کے خلاف محاذ آراء ہو جائے اور امن و امان معدوم ہو جائے"۔(۱۹۶)

آج ہمیں پیغمبر رحمت ﷺ کی سیرت طیبہ کی روشنی میں نئے انداز میں سوچنا ہے، دنیا کے چیلنجوں کا مقابلہ کرتے ہوئے نہ صرف اپنے آپ کو محفوظ بنانا ہے، بلکہ خدا کی پوری دنیا کی حفاظت کرنی ہے، حالی نے آج ہی جیسے پیش آنے والے واقعات پر کہا تھا:

دولت ہے نہ عزت ہے نہ فضیلت نہ ہنر ہے
اک دین ہے باقی سو وہ بے برگ و نوا ہے(۱۹۷)

عصر حاضر کے تقاضے:

ہر دور اور ہر زمانے کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں، موجودہ دور ایک ایٹمی، تحقیقی اور عملی طور پر اپنے آپ کو منوانے کا دور ہے، دنیا کے اندر امتیاز حاصل کرنے کے لئے عالمی سطح پر ایسے کارنامے سرانجام دیئے جائیں جس سے خلق خدا کو فائدہ حاصل ہو اور دنیا کے سامنے مذہب اسلام کی حقیقی روح جو کہ روشن خیالی اور اعتدال پسندی پر مبنی ہے کی صورت میں پیش کرنے کی ضرورت ہے۔

حکمت و بصیرت کے ساتھ اسلام کا احیاء:

فکر کے ساتھ اسلام کا احیاء کرنا ہے کہ مغرب اور عالمی برادری، اس کو امن اور سلامتی اور معتدل مذہب کے طور پر سمجھیں بقول ایک جرمن مستشرق خاتون اینڈریا لوبیگ (Andrea Lveg) جو اپنے ایک مضمون (The Rerceplition of Islam in Western Debate) میں پیش کرتی ہیں:

"مغرب اسلام کو ایک ایسے مذہب کے طور پر زیر بحث لاتا ہے جو اسلامی ممالک کے بے شمار سیاسی، ثقافتی اور سماجی مظاہر کا ذمہ دار ہے۔ یہ بالکل واضح ہے کہ ہمارا اسلام ایک مذہب کی حیثیت سے مغربی ممالک میں خوف پیدا کرتا ہے، مذہب کا وہ خوف جو ہمارا خیال ہے کہ ہم نے اپنے روشن خیال معاشروں سے ختم کر دیا ہے۔(۱۹۸)

وطن عزیز کا دفاع:

ہمیں فکر و دانائی کے ساتھ وطن عزیز کا دفاع کرنا ہے اور اس کی حرمت و عزت پر کوئی آنچ نہیں آنے دینا ہے، حکمت و بصیرت اور دانائی اور فکر کے ساتھ اپنے عظیم سرمائے سائنس و ٹیکنالوجی کا دفاع کرنا ہے، اپنی حاصل شدہ ایٹمی قوت کو اپنے طرز عمل سے گنوانا نہیں ہے۔ اس کو نہ صرف بچانا ہے بلکہ مزید مؤثر بنانا ہے۔

مشترک سرمایہ:

آج دنیا کو جس مذہب اور منشور کی ضرورت ہے وہ روشن دین اسلام ہے، ”رسول اللہ ﷺ کی بعثت اور نزول کتاب تمام نوع انسانی کا مشترکہ سرمایہ ہے۔ جس طرح خدا کی تمام تر مادی نعمتیں ہر فرد کے لئے عام ہیں، اسی طرح یہ روحانی نعمت بھی تمام مخلوق کے لئے عام ہے۔ (۱۹۹)

ہادی برحق نبی آخرالزماں ﷺ کے بارے میں قرآن کریم کہتا ہے۔

﴿وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رحمة اللعالمين﴾ (۲۰۰)

اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا﴾ (۲۰۱)

ہم نے آپ ﷺ کو تمام انسانوں کے لئے انجام سے باخبر کرنے والا اور خوش خبری دینے والا بنا کر بھیجا۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ (۲۰۲)

آپ ﷺ کہہ دیجیے اے لوگو! تم سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

قرآن کریم کا اعلان:

خود قرآن مجید فرقان حمید اپنے بارے میں یہ اعلان کرتا ہے:

﴿ تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ﴾ (۲۰۳)

پاک ہے وہ ذات جس نے حق و باطل میں فرق کرنے والا قرآن کریم اپنے بندے پر اتارا تا کہ وہ تمام انسانوں کو انجام سے ڈرائے۔

عالمی برادری:

آج عالمی برادری کی اصلاح عام ہے۔ ہر فرد، قوم، ملک عالمی برادری میں مقام حاصل کرنے کے لئے کوشاں ہے، لیکن یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ عالمی برادری کا تصور سب سے پہلے قرآن کریم نے پیش کیا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا﴾ (۲۰۴)

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو مختلف قوموں اور خاندانوں میں اس لئے تقسیم کیا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔

حضور انور ﷺ نے بار بار یہ اعلان فرمایا:

الناس کلھم من ادم و ادم من تراب۔ (۲۰۵)

"آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھائی چارہ کی وجہ اور سبب صرف یہی نہیں بتایا کہ ہم پوری دنیا ایک ماں باپ کی اولاد ہیں بلکہ اس لئے بھی کہ یہ سب ایک خدا کے بندے ہیں اور فرداً فرداً یہ سب اس رشتہ عبدیت میں جڑے ہوئے ہیں۔" (۲۰۶) آپ ﷺ نے فرمایا ہے: کونو عباداللّٰہ اخوانا۔ (۲۰۷) "اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ"۔ اسلام محض عقل و ضمیر کے اشتراک پر انسانی بھائی چارے کی بنیاد استوار نہیں کرتا بلکہ اس مادی دنیا میں بھائی چارہ کی بنیاد وہ رشتہ خون پر رکھتا ہے، وہ کہتا ہے کہ سارے انسان جس طرح ایک خدا کی مخلوق ہیں۔ الخلق عیال اللّٰہ (۲۰۸) "ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے"۔ اسی طرح وہ ایک ہی ماں کی اولاد ہیں اور ان میں ایک ماں باپ کا خون رواں دواں ہے۔ حبیب اللہ ندوی رقم طراز ہیں: "جس طرح ایک ماں باپ کے لڑکے مختلف رنگ وروپ، قوت وصلاحیت اور مختلف عقل و ضمیر کے ہوتے ہیں اسی طرح دنیا کے انسانوں میں رنگ ونسل اور قوت وصلاحیت کا اختلاف ہے، بہر حال ان سب میں کالے ہوں یا گورے، عربی ہوں یا عجمی، یورپین ہوں یا امریکن، ہندی ہوں یا جاپانی، ان کی رگوں میں ایک ہی ماں باپ کا خون دوڑ رہا ہے۔" (۲۰۹)

اس ضمن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً﴾ (۲۱۰)

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور پھر اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کیا، پھر دونوں کے ذریعے بہت سے مردوں اور عورتوں کو پھیلا دیا۔

اور ایک جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْعَالِمِينَ﴾ (۲۱۱)

خدا کی نشانیوں میں زمین و آسمان کو پیدا کرنا بھی ہے اور مختلف زبانوں اور مختلف رنگ کے انسانوں کا ہونا بھی ان سب میں تمام عالم کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔

شیخ سعدیؒ نے اسی تصور کو ان اشعار میں واضح کیا:

چوں بعضے زبعضے اگر کمتر اندر
دگر عضو ہا نماند قرار (۲۱۲)

سارے انسان ایک دوسرے کے اعضاء ہیں، جس طرح ان میں کوئی چھوٹا عضو ہے اور کوئی بڑا مگر جب کسی عضو میں کوئی

تکلیف ہوتی ہے تو دوسرے اعضاء بھی اس تکلیف کو محسوس کرتے ہیں۔

عصر حاضر کا سب سے اہم تقاضا:

عصر حاضر کا سب سے اہم تقاضا یہ ہے کہ اعتدال پسند اور رواداری پر مبنی اسلامی معاشرہ تشکیل دیں، اور سب کو ساتھ لے کر چلنے کی جذبہ رکھتے ہوں اور ہمارے اندر عفو و درگزر، تحمل و برداشت، رواداری کے ساتھ تحقیق و جستجو کا مادہ ہو، ہر مسلمان اپنی جگہ چلتا پھرتا میڈیا ہے اور ہماری سوچ کا محور زمین اور زمین کے اندر اور آسمان اور اس کی وسعتوں اور حقیقتوں کی تلاش اور بحر و بر کو ہمارے لیے مسخر ہونا ہے۔

﴿وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ﴾ (۲۱۳)

اور زمین اور آسمان کی تخلیق پر غور کرتے ہیں:

﴿وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ (۲۱۴)

اور ہم نے بحر و بر ان کے لئے مسخر کر دیے۔

کا ہم صحیح معنوں میں مصداق نہ بن سکے۔ وطن عزیز اور عالم اسلام کا دفاع حکمت و بصیرت اور فکر و دانائی کے ساتھ کریں، کیونکہ جس طرح غلط فہمی کی بنیاد پر مبنی پروپیگنڈے کے زور پر عالم اسلام کے خلاف منفی قوتیں سرگرم عمل ہیں ہمیں انتہائی تدبر اور ہوش مندی سے نہ صرف اسے زائل کرنا ہے بلکہ وطن عزیز اور عالم اسلام کو بچاتے ہوئے اسلام کو درخشاں اور اعتدال پسند مذہب کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کرنا ہے۔

معاشرہ معنی و مفہوم:

معاشرہ (Society) کثیر التعداد بنی نوع انسان کی وہ جماعتی زندگی جس میں ہر فرد کے لئے رہنے سہنے اور اپنی ترقی، حصول مقصد اور فلاح کے لیے دوسروں سے سابقہ پڑتا ہے جس ماحول سے فرد، بشر کو مفر ممکن نہیں، معاشرہ کہلاتا ہے۔ (۲۱۵)

"انسان ایک معاشرتی حیوان ہے، یا یوں کہیے ہمیشہ سے مدنی الطبع ہے اور اپنی فطرت اور جماعتی زندگی کا محتاج ہے، بغیر اجتماعیت کے اس کی زندگی بے کار ہے، انسان اپنی پیدائش سے لے کر موت تک معاشرے کا محتاج ہے، اس کا جسم، عقل اور خلق جیسے اہم عطیات بھی خالق کائنات، معاشرتی خلائق ہی کے لئے عطا فرماتا ہے۔ (۲۱۶)

اسلام اپنا ایک مضبوط اور پائیدار نظام معاشرت رکھتا ہے جس کے اصول و ضوابط مستقل و محکم ہیں، جس کا پورا مزاج عدل و انصاف سے مرکب ہے اور جس کے تمام اجزاء باہم مربوط اور ہم آہنگ ہیں، یہ نظام ایک جامع و ہمہ گیر ہے کہ زندگی کے تمام مظاہر اور ہر طرح کی سرگرمیاں اس کے دائرے میں آجاتی ہیں، یہ انسان کے قلب و ضمیر اور اس کے معاملات زندگی دونوں پر محیط ہے۔ (۲۱۷) اسلام، معاشرے میں ہر فرد کی جداگانہ شخصیت کا قائل ہے، خدا کے سامنے ہر فرد کی ذمہ داری انفرادی ہے اور اسلامی معاشرے میں ہر فرد کی شخصیت کے تحفظ، نشوونما اور ارتقاء کا پورا موقع ملتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَن عَمل صالحا فلنفسه ومن اساء فعليها (۷)(۲۱۸)

جس کسی نے نیک کام کیا تو اپنے لیے کیا اور جس کسی نے برائی کی تو خود اس کے آگے آئے گی۔

ایک حدیث مبارک میں معاشرے میں بسنے والے ہر انسان کی زندگی کو اس طرح ذمہ دار بتایا گیا:

کلکم راع و کلکم مسئول ، عن رعیته۔(۲۱۹)

تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

قرآن کریم نے ایک جگہ بڑی وضاحت کے ساتھ فرمایا:

﴿وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ﴾(۲۲۰)

انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔

اعتدال پسند اسلامی معاشرہ کی تشکیل:

اگر ہم بنظر غائر جائزہ لیں اور حقیقت پسندی کا مظاہرہ کریں تو یہ امر بخوبی واضح ہوتا ہے کہ اسلام ہمیں اعتدال پسند اسلامی معاشرہ قائم کرنے کی ہر جگہ ترغیب دیتا ہے۔ ”روشن خیالی بذات خود ایک مستحسن جذبہ اور انسان کی فطری خواہش ہے اگر انسان کے اندر روشن خیالی نہ ہوتی، انسان پتھر کے زمانے سے ایٹم کے دور تک نہ پہنچتا، اونٹوں اور بیل گاڑیوں سے طیاروں اور خلائی جہازوں تک رسائی حاصل نہ کرتا، موم کی شمعوں اور مٹی کے چراغوں سے بجلی کے قمقموں اور سرچ لائٹوں تک ترقی نہ کر سکتا۔“(۲۲۱)

جسٹس مولانا تقی عثمانی فرماتے ہیں: ”اسلام جو کہ ایک فطری دین ہے کسی روشن خیالی پر کوئی پابندی عائد نہیں کرتا، بلکہ بسا اوقات اسے مستحسن قرار دیتا ہے، اور اس کی ہمت افزائی کرتا ہے۔“(۲۲۲)

حافظ ابن حزم نقل کرتے ہیں کہ زراعت کی ترقی کے لئے آپ ﷺ نے اہل مدینہ کو زیادہ سے زیادہ کاشت کرنے کا حکم دیا اور زیادہ پیداوار بڑھانے کے لئے یہ تدبیر بتائی کہ کھیتوں میں اونٹوں کی کھوپڑیاں استعمال کیا کریں۔(۲۲۳) ایک اور حدیث ہے جو کہ تجارت کی ترقی کے لیے آپ ﷺ نے لوگوں کو مشورہ دیا کہ کپڑے کی تجارت کیا کرو کیونکہ کپڑوں کا تاجر یہ چاہتا ہے کہ لوگ خوش حال ہوں اور فارغ البال ہوں۔(۲۲۴) آپ ﷺ نے متعدد لوگوں کو تجارت کے لئے عمان اور مصر جانے پر آمادہ کیا۔(۲۲۵) زراعت اور معدنیات سے فائدہ اٹھانے کے لئے آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا:

اطلبو الرزق فی خبایا الارض۔(۲۲۶)

زمین کی پوشیدہ نعمتوں میں رزق تلاش کرو۔

عرب کے لوگ بحری بیڑے سے ناآشنا تھے، لیکن حضور ﷺ نے مسرت کے ساتھ یہ پیش گوئی فرمائی کہ ”میری امت کے کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کے لئے سمندری موجوں پر اس طرح سفر کریں گے جیسے تخت نشین بادشاہ۔(۲۲۷)

اعتدال پسندی کا اسلامی تصور

حقیقی اعتدال پسندی قرآن وسنت کی مکمل اطاعت اور پاسداری سے عبارت ہے۔ایمان، تقویٰ، عبادت، شریعت سے وفاداری، امت کے حقوق کی ادائیگی اور آخرت میں جواب دہی کا احساس وہ فریم ورک فراہم کرتے ہیں جس میں اسلام کی انصاف، اعتدال اور توازن پر مبنی مثالی تہذیب کی صورت گری ہوتی ہے، یہ ہدایت پر مبنی خواہشات نفسانی سے پاک اور اعتدال پسندی ہے۔یہ اعتدال پسندی اسلام میں معتبر ہے، اس کی بنیاد وہ دعا ہے جو ہر مسلمان نماز کی ہر رکعت میں اپنے رب کریم سے مانگتا ہے یعنی:

﴿اهدِنَــا الصِّرَاطَ المُستَقِيمَ٥صِرَاطَ الَّذِينَ أَنعَمتَ عَلَيهِمْ غَيرِ المَغضُوبِ عَلَيهِمْ وَلاَ الضَّالِّينَ﴾(۲۲۸)

اے رب! ہمیں سیدھا راستہ دکھا، ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا جو معتوب نہیں ہوئے، جو بھٹکے ہوئے نہیں ہیں۔

ہدایت کوئی مبہم اور غیر متعین شے نہیں ہے وہ اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کے رسول ﷺ کی سنت سے عبارت ہے اور روشنی کا اصل منبع بھی ہے، یہی وجہ ہے کہ اعتدال پسندی کا ماخذ اس سے ہٹ کر کوئی دوسری شے نہیں ہو سکتی اللہ تعالیٰ ہی کائنات کا نور ہے۔

﴿اللَّهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾(۲۲۹)

اور اللہ تعالیٰ کی کتاب ہی انسانوں کو تاریکیوں سے نور کی طرف لاتی ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُم بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُوراً مُّبِيناً﴾(۲۳۰)

اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس دلیل روشن آگئی ہے اور ہم نے تمہاری طرف ایسی روشنی بھیج دی ہے جو تمہیں صاف صاف راستہ دکھانے والی ہے۔

﴿يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾(۲۳۱)

تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے روشنی آگئی ہے اور ایک ایسی حق نما کتاب جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے طالب ہیں سلامتی کے طریقے بتاتا ہے اور اپنے اذن سے ان کو اندھیروں سے نکال کر اجالے کی طرف لاتا ہے اور راہ راست کی طرف ان کی راہنمائی کرتا ہے۔" واضح رہے کہ راہ راست بھی اعتدال کی راہ ہے۔

اعتدال پسندی اسلامی معاشرے کی اساس اور وقت کی اہم ضرورت:

اعتدال پسندی اسلام کی بنیادی خصوصیت ہے، نیز راہِ اسلام کی بنیادی نشانیوں میں یہ وہ اہم نشان راہ ہیں، جسے اللہ تعالیٰ نے دوسری ملتوں کے مقابلے میں امت مسلمہ کا وصف قرار دیا ہے۔(۲۳۲) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾ (۲۳۳)

"اور اسی طرح ہم نے تم مسلمانوں کو امت وسط بنایا ہے، تا کہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ رہو" پس امت مسلمہ وہ انصاف اور اعتدال پسند امت ہے، جو صراط مستقیم سے دائیں بائیں ہٹی ہوئی گمراہی کی حالت اور ضلالت کے خلاف دنیا اور آخرت میں گواہ بنا کر کھڑا کیا گیا ہے۔(۲۳۴) ایک اعتدال پسند اسلامی معاشرہ اسی وقت تشکیل پا سکتا ہے جب معاشرہ کا ہر فرد امن کے قیام، مملکت کے استحکام، پر امن بنانے باہمی کے لیے تحمل و برداشت عفو درگزر، علم و بردباری اور رواداری کو فروغ دے، خطبہ حجۃ الوداع کے تاریخی موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

عن ابن عمر انه سمع النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم یقول: لا ترجعون بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض(ابن حجر، فتح الباری، ۲۹/۱۳)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ میرے بعد کفر کی طرف نہ لوٹ جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔

اعتدال پسندی: دین اسلام کی ایک امتیازی خصوصیت:

اعتدال پسندی نہ صرف یہ کہ بڑے خوش نما لفظ ہے، بلکہ حقیقتاً یہ بڑا دل پذیر تصور ہے۔ اگر مسلم تہذیب وثقافت، معاشرت اور شریعت اسلام کے فکری، نظریاتی اور اخلاقی تناظر میں غور کیا جائے تو یہ اس دین اور تہذیب کی امتیازی خصوصیات میں سے ہے، یہی وجہ ہے کہ معاملہ عقیدے کا ہو یا عمل کا، فردی زندگی ہو یا اجتماعی زندگی، عبادت ہو یا معیشت، حتیٰ کہ دوستی کے امور ہوں یا دشمنی اور جنگ کے، ان سب میں اسلام نے عدل کا حکم دیا ہے، جو کہ اعتدال اور توازن کی علامت ہے۔(۲۳۵) اسلام نے ہر سطح پر ہر اقدام کے لئے احتساب کی شرط لگائی ہے، جو شعور، اختیار اور اعتدال پسندی پر منحصر ہے اور تعصب، جہل اور جانب داری سے محفوظ رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے امت مسلمہ کو خیر امت اور امت وسط قرار دیا ہے اور حضور اکرم ﷺ نے تمام امور میں اعتدال پسندی اور اوسط کی راہ کو بہترین راستہ اور طریقہ قرار دیا ہے اور فرمایا. خیر الامور اوسطها یعنی امت مسلمہ کے لئے اعتدال پسندی کی راہ اپنانے کی ہدایت فرمائی، تو قرآن کریم میں متعدد جگہ پر اعتدال پسندی کو امت مسلمہ کا خاص وصف قرار دیا۔(۲۳۶)

اعتدال پسند معاشرے کی تشکیل کے لیے تجاویز واقدامات:

جان و مال کی حفاظت:

ایک اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لئے سب سے پہلا قدم یہ ہے کہ اس معاشرہ میں ہر ایک بلا تخصیص رنگ و مذہب اپنے آپ کو محفوظ سمجھتا ہو، معاشرے کے ذمہ دار اس کی جان و مال کے تحفظ کے ذمہ دار ہوں۔ اسلام ہر انسان کی جان و مال کی حفاظت کی تاکید کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَن قَتَلَ نَفساً بِغَيرِ نَفسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعاً ﴾(۲۳۷)
جو کسی شخص کو قتل کرے بغیر اس کے کہ مقتول نے کسی کو قتل کیا ہو یا زمین میں فساد پھیلایا ہو تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کردیا اور جس نے کسی شخص کو زندگی بخشی تو گویا اس نے تمام انسانوں کو زندگی بخشی۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فذلک المسلم الذی له ذمة اللّٰه ورسوله فلا تخفروا اللّٰه فی ذمته(۲۳۸)

پس یہ وہ مسلم ہے جس کی جان و مال کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لیا ہے، تو خبردار اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی دی ہوئی ضمانت میں غداری نہ کرو۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کُلّ المسلم علی المسلم حرام، دمه وماله وعرضهٗ. (۲۳۹)

مسلمان کی ہر چیز مسلمان پر حرام ہے، اس کا خون بھی، اس کا مال بھی اور اس کی آبرو بھی۔

اسی طرح اسلامی معاشرے میں بسنے والے غیر مسلم شہریوں کے باب میں بھی یہ اصول ہے۔ ”جو کوئی ہمارا ذمی ہے اس کا خون ہمارے خون کی طرح، اس کی دیت ہماری دیت کی طرح اور ان کا مال ہمارے مال کی طرح محفوظ ہوگا“۔(۲۴۰)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبۂ حجۃ الوداع کے تاریخی موقع پر جو اعلان فرمایا تھا اس میں بھی جان و مال کے تحفظ کا کھلا اعلان تھا:

ان دماء کم واموالکم حرامٌ علیکم کحرمة یومکم هذا (۲۴۱)

عوامی فلاح و بہبود کے اقدامات اور عزت و ناموس کی حفاظت:

ایک اعتدال پسند اسلامی معاشرہ اسی وقت تشکیل پا سکتا ہے جہاں معاشرے کے ہر فرد کی عزت و ناموس محفوظ ہو، اسلام ہر انسان کی عزت و آبرو کو برابر سمجھتا ہے۔ اسلام اخلاقی برتاؤ اور انسانی حقوق میں کسی فرد، کسی طبقہ یا کسی گروہ کی جانبداری نہیں کرتا۔ ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں جان و مال کے ساتھ عزت و آبرو کی حفاظت پر بھی خاص طور پر زور دیا تھا۔ اعراضکم علیکم حرام، چنانچہ تمام علماء غیر مسلموں کے بارے میں متفقہ طور پر لکھتے ہیں۔ ویجب کف الاذی عنه وتحریم غیبته کالمسلم۔(۲۴۲)

قاضی ابو یوسف کتاب الخراج میں فرماتے ہیں:

ولیس للامام ان یخرج شیأ من احدٍ الا بحق ثابت معروف (۲۴۳)

امام (حکومت) کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی ثابت شدہ قانونی حق کے بغیر کسی شخص کے قبضے سے اس کی کوئی شے لے لے۔

یہ ساری باتیں محض اعلان یا منشور ہی نہیں بلکہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کیونکہ جب اسلام اپنے پوری اسپرٹ کے ساتھ دنیا میں

عملاً با اقتدار رہا ہے تو اس نے یہ حقوق انسان کو دیے۔" جزیرۃ العرب میں عیسائیوں کے مختلف مراکز تھے، جن میں سب سے بڑا مرکز نجران تھا۔ جب پورا جزیرۃ العرب دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا تو نجران اور دوسرے علاقے کے عیسائیوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صلح کے لئے اپنا وفد بھیجا۔ اس وقت مسلمان اس پوزیشن میں تھے کہ اگر چاہتے تو چند دن میں ان مقامات کو زیر نگین کر لیتے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی اور ان کو اپنے مسلک و مذہب پر رہنے کی پوری آزادی دے کر ان سے صلح کر لی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ صلح نامہ تاریخ کی کتابوں میں آج بھی درج ہے۔ ہم صرف اہل نجران کے معاہدہ صلح کے چند اقتباسات یہاں نقل کرتے ہیں، نجران کے عیسائیوں کے لئے خدا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول کی یہ ذمہ داری ہے کہ ان کو ان کے دین سے زبردستی پھیرنے کی کوشش نہیں کی جائے گی، نجران اور ان کے ہمدردوں، ہم نواؤں اور پاس پڑوس کے لئے خدا کی اور اس کے رسول کی یہ ذمہ داری ہے کہ ان کی جان، ان کی ملت، ان کی جائداد، ان کا مال، ان کے موجود اور ان کے غیر موجود تمام افراد محفوظ ہوں گے۔ ان کے کاروان تجارت، ان کی مہم اس کے مثل جو چیزیں ہوں، سب مامون ہوں گی اور جس حیثیت میں ہوں وہ حیثیت باقی رہے گی اور ان کے حقوق میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے گی۔ ان کے رہنما اپنے دین پر آزادی سے رہیں گے، ان کو اس سے پھیرا نہیں جائے گا، ان میں سے کسی شخص کی ظلم و زیادتی کی وجہ سے دوسرا شخص نہیں پکڑا جائے گا۔ (۲۴۴)

شخصی آزادی:

ایک معتدل اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لئے ضروری ہے کہ ہر شخص کی انفرادی آزادی محفوظ ہو اور اس حد تک آزادی ہو کہ وہ دوسروں کی آزادی سلب نہ کرے۔ (۲۴۵)

اسلام نے انسان کو ہر طرح کی آزادی عطا کی ہے بلکہ یہ کہنا صحیح ہو گا کہ اسلام سے پہلے انسان نہ جانے کتنی غلامیوں کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا، سب سے پہلے اسلام نے اسے ذہنی و عملی قید غلامی سے نجات دلائی ہے۔ اسے فکر و خیال، تحریر و تقریر کی آزادی دی، چلنے پھرنے، سفر اقامت، آنے جانے، کاروبار کرنے پر اس وقت تک کوئی پابندی عائد نہیں کرتا جب تک اسلام کی کوئی بنیادی قدر مجروح نہیں ہوتی، پھر یہ کہ کسی کی حق تلفی و ظلم ہو۔ (۲۴۶)

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبے کے دوران ایک شخص نے اپنے ہمسایوں کے بارے میں پوچھا، جو شبے کی بنیاد پر گرفتار کر لئے گئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ سوال سن کر سکوت فرمایا تا کہ گرفتاری کی کوئی معقول وجہ ہو تو معلوم ہو جائے، جب کوئی چیز سامنے نہ آئی تو فرمایا: خلو جیرانہ (۲۴۷)

اسلام کا اصول یہ ہے کہ لا یوسر رجل فی الاسلام بغیر عدل (۲۴۸) اسلام میں کوئی شخص بغیر عدل کے قید نہیں کیا جا سکتا۔

عقیدہ و عمل رائے اور مسلک کی آزادی:

ہر انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کو فکر و خیال کی آزادی ہو، اس کو اپنے عقیدے کی قول و عمل کی آزادی ہو، اسلام ہر شخص کو

اپنی آزادرائے رکھنے کی اجازت دیتا ہے، بشرطیکہ وہ اختلاف رائے کو خون ریزی اور فتنہ وفساد کا ذریعہ نہ بنائے، اس کی بہترین مثال وہ ہے جو حضرت علیؓ نے خوارج کے مقابلے میں اختیار فرمائی، جو ریاست کے وجود ہی کی نفی کرتے تھے، حضرت علیؓ نے ان کو یہ پیغام بھیجا کہ "تم جہاں چاہو رہو اور ہمارے تمہارے درمیان شرط یہ ہے کہ تم خون ریزی اور رہزنی اختیار نہ کرو اور ظلم سے باز رہو"۔(۲۴۹)

اسلامی معاشرہ جو کہ معتدل مزاجی اور اعتدال پسندی کا حامل ہے، اس میں دین کے معاملے میں، مسلک کے معاملے میں جبر و اکراہ سے کام لینے کی ہرگز اجازت نہیں اور نہ کسی کو زبردستی اپنا ہمنوا بنا سکتے ہیں۔ رب کائنات نے اس سلسلے میں یہ میثاق الٰہی جاری فرمایا:

﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾ (۲۵۰)

دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں، بلاشبہ ہدایت گمراہی سے الگ ظاہر ہو چکی ہے، قرآن حکیم نے تو باطل پرستوں کو بھی برا بھلا کہنے سے روکا اور اس کو معاشرے کی اعتدال پسندی کے خلاف سمجھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ (۲۵۱)

اور تم (اے مسلمانو!) ان کو جن کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں، برا بھلا مت کہو، کیونکہ پھر وہ بھی جہالت کی بناء پر حد سے تجاوز کر کے اللہ کی شان میں گستاخی کرنے لگیں گے۔

میاں بشیر احمد برصغیر میں دینی اداروں کے قیام کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

"ان مساعی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مذہب سے بیگانگی بہت حد تک کم ہوگئی اور مغرب کی ذہنی غلامی سے نجات ملی، لیکن ساتھ ہی ایک ایسی فضا بھی پیدا ہوگئی، جس میں اپنی ہر چیز اچھی اور دوسروں کی ہر چیز بری نظر آنے لگی۔(۲۵۲)

حضرت عمرؓ نے اپنے غلام اسحٰق کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، لیکن جب اس نے انکار کیا تو فرمایا: لا اکراہ فی الدین (۲۵۳) دین کے معاملے میں زبردستی نہیں۔ قرآن مجید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ہر مسلمان کو تنبیہ کرتا ہے:

﴿وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَن فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا أَفَأَنتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ﴾ (۲۵۴)

"اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو زمین کے تمام رہنے والے مومن ہو جائیں، تو کیا تم لوگوں کو مومن بنانے میں جبر و اکراہ کرنا چاہتے ہو"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران کو مسجد نبوی ﷺ میں عبادت کرنے کی اجازت دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دعوھم فصلو الیٰ المشرق۔(۲۵۵)

ان کو اپنے حال پر چھوڑ دو، چنانچہ انہوں نے مشرق کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب ایلیا (فلسطین) کے یہود سے صلح کے لئے تشریف لے گئے تو انہوں نے ان کے ہیکل یعنی عبادت گاہوں کو دیکھا کہ اس کے ہر طرف گردائی ہوئی ہے۔ آپؓ نے اپنے رومال سے جھاڑنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر تمام لوگ مسلمان ہو گئے اور آن کی آن میں گرد صاف ہو گئی اور وہ بالکل ظاہر ہو گیا۔ اسی سفر میں نماز کا وقت ہو گیا، آپؓ نے ہیکل سے باہر

نکل کر نماز پڑھی، لوگوں نے پوچھا کیا ہیکل میں نماز جائز نہیں تھی۔ انہوں نے اسلامی روح کے پیش نظر یہ حکیمانہ جواب دیا:

خشیت ان اصلی فیها فیزیلها المسلمون من بعدی و تتخلونها مسجدا. (۲۵۶)

میں ڈرا کہ اگر میں اس میں نماز پڑھوں گا تو میرے بعد آئندہ مسلمان ہیکل کو گرا کر اس کی جگہ مسجد نہ بنالیں۔

قانون مساوات اور بلا تفریق انصاف کی فوری فراہمی:

"ایک اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لئے ضروری ہے کہ معاشرے کے تمام باشندے خواہ امیر ہوں، غریب، سیاہ ہوں یا سفید، صاحب امر ہوں یا مامور، قانون کی نگاہ میں برابر ہوں اور سب پر ایک ہی قانون لاگو ہو۔ (۲۵۷) اسلام انصاف کو صرف عدالت تک محدود نہیں رکھتا بلکہ انفرادی، اجتماعی اور معاشرتی زندگی کے ہر گوشے میں منصف اور عادل بناتا ہے وہ جس طرح ایک فرد کے ساتھ عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے اسی طرح قومی، ملکی اور بین الملکتی معاملات میں بھی ہر ہر قدم پر اس کی نگرانی کرتا ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾ (۲۵۸)

اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو امانت رکھنے والوں کے پاس صحیح طریقے سے پہنچادو اور جب تم معاملات کا فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ﴾ (۲۵۹)

اے ایمان والو انصاف کے لئے پورے طور پر کھڑے ہو جاؤ۔

اسلام انصاف کو محض قانونی، معاشرتی یا سیاسی ہی نہیں گردانتا بلکہ اسے ہر مسلمان کے ایمان کا حصہ قرار دیتا ہے اور انصاف کا لین دین حاکم و محکوم، دوست و دشمن سب کے لئے یکساں قرار دیتا ہے:

﴿لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ﴾ (۲۶۰)

کسی قوم کی دشمنی تم کو آمادہ نہ کر دے کہ تم ان سے ناانصافی کرو، عدل و انصاف سے کام لو، یہ عدل و انصاف تقویٰ سے قریب ہے۔

ظالموں کے ساتھ انصاف و حسن سلوک کا رد عمل:

مدینہ منورہ سے یہود نکلے تو انہوں نے خیبر میں جہاں ان کا سب سے بڑا مرکز تھا، پناہ لی اور وہاں سے ہر طرح کی سازشیں کرنی شروع کیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجبور ہو کر ان سے جنگ کی، جب ان کو شکست ہوئی تو مسلمانوں نے ان سے کوئی انتقام نہیں لیا بلکہ انہوں نے اپنے خون کے پیاسے اور برسوں کے دشمن کے ساتھ جو عدل و انصاف کیا اس کو دیکھ کر وہاں کے یہودی پکار اٹھے: و بہ قامت السماء والارض (۲۶۱) اسی انصاف سے زمین و آسمان تھمے ہوئے ہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر جو تاریخی

جملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس کی گونج رہتی دنیا تک سنائی دیتی رہے گی: الیوم یوم المرحمۃ (۲۶۲) آج تو رحم و کرم عفو و درگزر کا دن ہے۔ اس موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت یوسف علیہ السلام کی مثال دیتے ہوئے فرمایا: کہ میں وہی کہتا ہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے لئے کہا تھا:

﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ (۲۶۳)

آج کے دن تم پر کوئی سختی نہیں، اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے۔

آقائے نامدار کے حسن سلوک ہی کی وجہ سے وادئ مکہ میں توحید کا پرچم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بلند ہوا۔ شان و لطف و احسان کا اس سے بڑا مظاہرہ کیا ہوگا کہ کعبہ کی کنجی قیامت تک کے لئے انہی عثمان بن طلحہؓ کو تفویض فرمائی، جن سے ایک بار در کعبہ کھلوانے کی خواہش حضور ﷺ نے دعوت اسلام کے ابتدائی دور میں کی، تو انہوں نے سختی سے انکار کر دیا تھا (۲۶۴) یورپین دانشور آرتھر گلیمن (Arthor Gillman) پیغمبر رحمت محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالف مذہب دشمنوں کے ساتھ مثالی مذہبی رواداری اور عام معافی کے عملی مظاہرے کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے: ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح درحقیقت دنیا کی فتح تھی، سیاست کی فتح تھی، انہوں نے ذاتی مفاد کی ہر علامت کو مٹا ڈالا اور ظالمانہ نظام سلطنت کو جڑ سے اکھاڑ دیا اور جب قریش کے مغرور و متکبر سردار عاجزانہ گردنیں جھکائے مجرموں کی طرح کھڑے تھے تو محمد ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تمہیں مجھ سے کیا توقع ہے؟'' رحم اے سخی و فیاض بھائی رحم، وہ بولے۔ ارشاد ہوا، جاؤ، تم سب آزاد ہو''۔ (۲۶۵)

معاشرتی مساوات:

اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ہر ایک کو معاشرتی مساوات حاصل ہو، یعنی خون، رنگ، نسب، زبان، پیشہ، معاشی مقام وغیرہ کی بنا پر شہریوں کے درمیان کوئی امتیاز نہ برتا جائے، سب برابر ہوں، عزت و شرف اگر کسی کو حاصل ہو تو صرف علم و تقویٰ کی بنیاد پر۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ﴾ (۲۶۶)

بے شک تم میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں تقویٰ والا ہے۔

اسلام انسان کو ایک عالمگیر وحدت کے رشتے میں پروتا ہے اور اسے ایک اکائی تصور کرتا ہے، وہ اتنی بات مانتا ہے کہ اجتماعی زندگی کے ارتقاء اور نشوونما کے لئے قوموں اور گروہوں کا وجود ایک معاشرتی اہمیت ضرور رکھتا ہے، مگر یہ عارضی اہمیت حق و ناحق کا معیار نہیں، قرآن کریم اس عارضی تقسیم کو خدا کی نشانی قرار دیتا ہے:

﴿وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ﴾ (۲۶۷)

تمہاری زبانوں کے اور رنگوں کے اختلاف میں جہان والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔

''یہ واقعہ تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا کہ دربار فاروقیؓ پر حضرت بلالؓ اور قریش کے سابق سردار حضرت ابوسفیانؓ دونوں

حاضر ہیں اور اندر آنے کی اجازت طلب کر رہے ہیں، اجازت لینے والے نے پہلے ابو سفیان کا نام لیا، پھر حضرت بلالؓ کا حضرت عمرؓ نے ڈانٹا کہ پہلے بلالؓ کا نام لو، پھر حضرت بلالؓ کو اندر آنے کی اجازت دے دی اور حضرت ابو سفیان کو بغیر اجازت واپس جانا پڑا (۲۶۸)۔ علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ؎

جز بہر ما با مقامے بستہ نیست
بادۂ تندش بجامے بستہ نیست

فکر و رائے کی آزادی اور تنقید کا حق:

ایک اعتدال پسند اسلامی معاشرہ کی تشکیل کے لئے ضروری ہے کہ معاشرے میں بسنے والے ہر فرد کو یہ حق حاصل ہو، اپنی بات پوری آزادی کے ساتھ ارباب حکومت تک پہنچائے، اپنی مجبوریاں اور مسائل ان کو بتائے، ان کی پالیسیوں پر اعتراض اور تنقید کریں، ان کی بات سنیں اور ان کو اپنی بات سنائیں (۲۶۹) ایک بار ایک آدمی نے حضرت عمرؓ سے کہا امیر المومنین اللہ تعالیٰ سے ڈریئے، مجلس کے بعض لوگوں نے اس بات پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا تو آپؓ نے فرمایا: چھوڑ دو اس سے، تمہارے اندر کوئی بھلائی نہ رہے گی، جب تم یہ بات کہنا چھوڑ دو گے اور اگر ہم سننا چھوڑ دیں گے تو ہمارے اندر کوئی بھلائی نہ رہے گی۔ (۲۷۰)

ایک دن حضرت عمرؓ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

"اے لوگو! تم میں جو شخص بھی میرے اندر کوئی ٹیڑھا پن دیکھے تو اسے چاہئے کہ مجھے سیدھا کر دے۔ آپؓ کی بات سن کر ایک آدمی نے کہا۔ خدا کی قسم اگر ہم تمہارے اندر کوئی ٹیڑھ دیکھیں گے تو ہم اپنی تلواروں کی دھار سے اسے سیدھا کر دیں گے"۔

حضرت عمرؓ نے اس کی بات سن کر نہ غصہ ہوئے نہ اسے گرفتار یا نظر بند کرنے یا تحقیق کرنے کا کوئی حکم دیا۔ بلکہ اعتماد کے ساتھ فرمایا: "حمد اللہ ہی کے لئے ہے جس نے مسلمانوں میں ایسے فرد کو بنایا، جو عمرؓ کی ٹیڑھ کو اپنی تلوار کی دھار سے درست کرنے کا عزم رکھتا ہے" (۲۷۱)

اجتماع، تنظیم سازی اور نقل و حرکت کی آزادی:

ایک اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل کیلئے ضروری ہے کہ "وہاں کے شہری منظم و مجتمع ہو کر کام کریں اور بلا روک ٹوک ایک مقام سے دوسرے مقام منتقل ہوں۔

اس کے بدلے میں معاشرے کے افراد ریاست کی ہر صحیح بات کو قبول کریں اور اطاعت کریں۔ (۲۷۲)

باہمی تعاون اور خیر خواہی:

ضروری ہے کہ معاشرے کی تشکیل ان خطوط پر ہو، ایسی فضاء وجود میں آئے جہاں افراد آپس میں ایک دوسرے اور ریاست سے تعاون پر آمادہ ہوں، ایک دوسرے کے لئے آپس میں خیر خواہی اور ہمدردانہ جذبات رکھتے ہوں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى﴾ (۲۷۳)
نیکی اور بھلائی میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔
آپ ﷺ نے فرمایا:
لا یومن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ۔ (۲۷۴)
تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہ پسند نہ کرے جو اپنی ذات کے لئے کرتا ہے۔
یہاں تک اگر معاشرہ میں باہمی نزاع کی کوئی صورت ہو تو قرآن کریم ہمیں حکم دیتا ہے:
﴿وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا﴾ (۲۷۵)
اگر دو مسلمان گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح و مصالحت کرادو۔

انتہا پسندی سے گریز:

اگر ہم عصر حاضر کے تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر ایک اعتدال پسند اسلامی معاشرہ قائم کرنا چاہتے ہیں تو اس میں ہمیں تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں ہر صورت میں ہر حال میں انتہا پسندی سے بچنا ہوگا اور معاشرہ میں جہاں انتہا پسندی ہے، وہاں اعتدال کی راہ اپناتے ہوئے اس کو ختم کرنا ہوگا، اسلام "سلامتی" اور ایمان "امن" سے عبارت ہے، اسلام نے دنیا کو امن اور سلامتی اور احترام انسانیت کا درس دیا ہے۔ اس نے پر امن بقائے باہمی کے لیے بلا تفریق مذہب و ملت، لکم دینکم ولی دین (۲۷۶) کا نظریہ عطا کر کے غیر جانب داری اعتدال پسندی اور امن و سلامتی کا فلسفہ عطا کیا، اللہ تعالی خود رحمٰن و رحیم ہے اور اپنے حبیب ﷺ کو رحمۃ اللعالمین بنا کر مبعوث فرمایا ہے، اسلام بنیادی طور پر از خود انتہا پسندی اور فرقہ واریت کے خلاف ہے، مگر بدقسمتی سے آج اس کے ماننے والے از خود اس کا شکار ہیں، بقول مولانا حالی:

جو تفرقے اقوام کے آیا تھا مٹانے
اس دین میں تفرقہ اب آ کے پڑا ہے (۲۷۷)

معاشرے میں کسی بھی حوالے سے انتہا پسندی ہو، اسلام اس کی ہرگز اجازت نہیں دیتا، قرآن کریم اسے۔ غلو فی الدین سے تعبیر کرتے ہوئے اس کی ممانعت کرتا ہے، ارشاد باری تعالی ہے:
﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ﴾ (۲۷۸)
ایک اور جگہ ارشاد باری تعالی ہے:
﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ﴾ (۲۷۹)
آپ کہہ دیجئے اے اہل کتاب! اپنے دین میں ناحق مبالغہ نہ کرو۔

قرآن حکیم انتہا پسندی کے مقابلے میں میانہ روی، اعتدال پسندی اور متوازن پالیسی اختیار کرنے کی تعلیم دیتا ہے ارشاد ربانی ہے:

﴿وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ﴾ (۲۸۰)

اور میانہ روی اختیار کر، اپنی رفتار میں اور پست کر اپنی آواز کو۔

نماز کو اسلام کا بنیادی ستون، مومن کی معراج، رسول کریم ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دیا گیا، تاہم اس میں بھی اعتدال کا حکم دیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا﴾ (۲۸۱)

اور نماز میں اپنی آواز کو بہت بلند نہ کرو اور نہ بہت پست کرو اپناؤ اعتدال کی راہ۔

قرآن کریم نے امت مسلمہ کو ابلاغ اور تبلیغ دین کے ساتھ اعتدال پسندی اور غیر جانب داری کا اصول عطا کیا ہے۔ قرآن ہدایت کرتا ہے:

﴿عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾ (۲۸۲)

اپنی فکر کرو، جب تم سیدھی راہ پر چل رہے ہو تو جو شخص گمراہ ہے، اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں۔

انسانی حقوق و فرائض کے ابدی اور عالمی منشور خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا:

اور سنو غلو سے بچنا، کیونکہ دین میں غلو کرنے والے تم سے پہلے بھی ہلاک کر دیے گئے۔ (۲۸۳)

معاشرہ تحمل، برداشت اور حلم و بردباری سے عبارت ہونا چاہیے:

اعتدال پسند اسلامی معاشرہ اسی وقت تشکیل پا سکتا ہے جب اس میں تعلیم عام ہو، اس کا ہر فرد زیور تعلیم سے آراستہ ہو، خصوصیات کے ساتھ معاشرے میں اسلامی اصولوں کے مطابق تحمل، برداشت، حلم و بردباری کی تعلیم عام ہو، کیونکہ یہی اسلامی تعلیمات کا امتیازی پہلو ہے، ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے کوئی نصیحت کیجئے اور ارشاد ہوا غصہ نہ کیا کرو، برداشت سے کام لو، انھیں یہ بات معمولی معلوم ہوئی تو دوبارہ سے سوال کیا: آپ ﷺ نے ہر دفعہ فرمایا غصہ نہ کیا کرو۔ (۲۸۴) اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا:

﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ (۲۸۵)

اور برداشت کیجئے، جس طرح ہمت اور عزم والے پیغمبروں نے برداشت کیا۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔ (۲۸۶)

اور البتہ جس نے برداشت کیا اور معاف کیا تو بے شک یہ عظیم کام ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

من كظم غيظا وهو يستطيع ان ينفذه دعاه الله يوم القيامه على رؤس الخلائق حتى يخيره فى اى الحور شآء.(۲۸۷)
جو شخص قدرت کے باوجود غصے کو ضبط کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سب کے سامنے بلا کر انعام کا مستحق قرار دے گا۔

دشواریاں نہیں آسانیاں، اسلام کا ابدی اصول اور ایک ناگزیر تقاضا:

ایک معتدل اور روشن خیال اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لئے ضروری ہے کہ وہاں کے باشندوں کو ہر قسم کی سہولت و آسانی بہم پہنچائی جائے، سختی سے ہر ممکن پرہیز کیا جائے، جو کام تلواروں سے نہیں کیا ہو سکتا، وہ پھول کی پتیوں سے ہو سکتا ہے، جو کام بڑے بڑے پہلوان نہیں کر سکتے وہی کام ماں کی ممتا کر دیتی ہے۔ علامہ قرضاوی رقمطراز ہیں:

''جو لوگ کتاب وسنت کے نصوص، سیرت نبوی ﷺ اور سیرت صحابہؓ پر نگاہ ڈالیں گے، وہ یہ جان لیں گے کہ یہ چیزیں آسانی کی طرف بلاتی ہیں، دشواریوں کو دور کرنے کی دعوت دیتی ہیں، یہ چاہتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں پر سختی اور شدت پسندی کا رویہ اپنانے سے دور رہا جائے۔''(۲۸۸)

قرآن حکیم کی تعلیمات کا ہم مطالعہ کریں تو بھی یہ پتہ چلتا ہے کہ رب کائنات اپنے بندوں کے لئے آسانی چاہتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾(۲۸۹)
اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے، سختی کرنا نہیں چاہتا۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يُرِيدُ اللّٰهُ أَن يُخَفِّفَ عَنكُمْ وَخُلِقَ الْإِنسَانُ ضَعِيفًا﴾(۲۹۰)
اللہ تعالیٰ تم پر سے پابندیوں کو ہلکا کرنا چاہتا ہے، کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج۔(۲۹۱)
اللہ تعالیٰ تم پر زندگی تنگ نہیں کرنا چاہتا۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ذٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ﴾(۲۹۲)
یہ تمہارے رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے۔

ایک صحابیؓ جن کے سر میں زخم تھا انہوں نے اپنے ساتھ کے کچھ لوگوں سے پوچھا انہیں طہارت حاصل کرنے کی ضرورت ہے تو اس زخم کی حالت میں غسل کریں یا نہ کریں؟ ان لوگوں نے زخم کے باوجود یہ فتویٰ دیا کہ غسل واجب ہے جب آنحضرت ﷺ کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ انہیں تباہ کرے ان لوگوں نے اسے مار ڈالا، اگر یہ لوگ مسئلہ نہیں جانتے تھے تو جاننے والوں سے کیوں نہ پوچھا، نادانی کا علاج پوچھنا ہی تو ہے۔(۲۹۳)

صحیح بخاری میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اکلفو من الاعمال ما تطیقون۔(۲۹۴)

اتنے ہی عمل کا التزام کرو جتنا تم کر سکو۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یسروا ولا تعسرو بشرو اولا تنفروا۔(۲۹۵)

ابویعلی نے اپنی مسند میں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

لا تشدلو واعلی انفسکم فیشدد علیکم قوما شددو اعلی انفسھم فشدد علیھم فتلک بقا یا ھم فی الصوامع والدیارات۔(۲۹۶)

اپنے اوپر سختی نہ کرو، ورنہ یہ سختی تم پر لازم کردی جائے گی، ایک گروہ نے اپنے اوپر سختی کی تو ان پر سختی کی گئی اور اس گروہ سے بچے ہوئے باقی افراد صوامع اور راہب خانوں میں ہیں۔

امتیاز و تخصص (Specialization) کا اہتمام:

اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لئے ضروری ہے کہ وہاں پر بسنے والے اہل علم جو کہ معاشرے کے لیے کچھ کر سکیں اور معاشرے کو اقوام عالم اور عالمی برادری میں مقام دلائیں ان کا معاشرہ ان کی وجہ سے جانا جائے، ان خصوصیت کے حامل افراد کو احترام سے نوازا جائے ان کو فوقیت دی جائے، چاہے ڈاکٹر ہوں، انجینئر ہوں، سائنسدان ہوں یا علماء کرام، اسلام میں اگر چہ متخصصین یا رجال دین کا کوئی طبقہ نہیں ہوتا لیکن اسلام علمائے متخصصین کی نفی نہیں کرتا بلکہ ان کے وجود کو تسلیم کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَوْلاَ نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُواْ فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُواْ قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُواْ إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ﴾(۲۹۷)

مگر ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کی آبادی کے ہر حصے سے کچھ لوگ نکل کر آتے اور دین کی سمجھ پیدا کرتے اور واپس جا کر اپنے علاقے کے باشندوں کو خبردار کرتے تاکہ وہ غیر مسلمانہ روش سے پرہیز کرتے۔

ایک اور جگہ ارشاد ربانی ہے:

﴿فَاسْأَلُواْ أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لاَ تَعْلَمُونَ﴾(۲۹۸)

تم لوگ اگر علم نہیں رکھتے تو جاننے والے سے پوچھ لو۔

اسی طرح ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُوْلِي الأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ﴾(۲۹۹)

حالانکہ اگر یہ رسول ﷺ اور اپنی جماعت کے ذمہ دار اصحاب تک پہنچائیں تو وہ ایسے لوگوں کے علم میں آجائے جو ان کے

درمیان اس بات کی صلاحیت رکھتے ہوں کہ اس سے صحیح نتیجہ اخذ کر سکیں۔

اسی طرح اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿فَاسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا﴾ (۳۰۰)

اس کی شان بس کسی جاننے والے سے پوچھو۔

فرمان الٰہی ہے:

﴿وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ﴾ (۳۰۱)

حقیقت حال کی صحیح خبر تمہیں ایک خبردار کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔

مدنی معاشرے کی اعتدال پسندی کا ایک جائزہ:

حضور پاک ﷺ نے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں جو اسلامی معاشرہ قائم کیا وہ اعتدال پسندی کی زندہ مثال ہے۔ آپ ﷺ نے اس معاشرے میں لوگوں کے درمیان جو تعلیمات عام کیں ان میں اہم تعلیمی اصول یہ بھی ہے ارشاد فرمایا: "ایک دوسرے سے تعلقات منقطع نہ کرو، ایک دوسرے سے منہ نہ پھیرو، ایک دوسرے سے کینہ نہ رکھو، ایک دوسرے سے حسد نہ کرو اور اللہ کے بندو بھائی بھائی بن جاؤ۔" (۳۰۲)

آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: "جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا، اس پر اللہ بھی رحم نہیں کرتا"۔ (۳۰۳)

یہودیوں سے اعتدال پسندی کا سلوک:

قرآن کریم میں یہودیوں کا ذکر بہت خفگی اور کراہت کے ساتھ کیا گیا ہے، ارشاد ربانی ہے: "ان کے لئے پے در پے رسول بھیجے گئے مگر انہوں نے سرکشی کی، کسی کو جھٹلایا، کسی کو قتل کر ڈالا۔" (۳۰۴) انہوں نے آخرت بیچ کر دنیا وی زندگی خریدی۔" (۳۰۵) "ان کے دل سخت ہو گئے ہیں، پتھروں کی طرح سخت بلکہ سختی میں ان سے کچھ بڑھے ہوئے ہیں۔ کیونکہ بعض پتھروں سے تو چشمے پھوٹ نکلتے ہیں۔ (۳۰۶) یہودیوں نے انبیاء پر بدترین الزامات عائد کیے، ان کے متعلق اللہ تعالی کے غیظ و غضب کا اظہار ان کے مجموعہ کتب مقدسہ میں یسیاہ، یرمیاہ اور ان کے بعد آنے والے انبیاء کی تمام کتابوں میں اللہ تعالی کی ان پر غضب ناکی کا اظہار حضرت عیسیٰ کی ان متعدد تقریروں سے بھی ہوتا ہے جو انجیل میں ہیں اور کلام پاک بھی ان کی توثیق کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَن يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ﴾ (۳۰۷)

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کر دیا کہ وہ قیامت تک برابر ایسے لوگوں کو ان پر مسلط کرتا رہے گا جو ان کو بدترین عذاب دیں گے، یقیناً تمہارا رب سزا دینے میں تیز دست ہے۔

آپ ﷺ معاشرہ قائم کرتے ہیں تو انہیں یہودیوں سے واسطہ پڑتا ہے جو سود خور تھے اور اس میں بڑے بے رحم سفاک تھے، ہمیشہ سازش کرتے آپ ﷺ نے ان کی شرانگیزی اور بدباطنی سے واقفیت کے باوجود ان کے اور مسلمانوں کے تعلقات خوشگوار بنانے کی کوشش فرمائی۔ مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان وہ تاریخی معاہدہ ہوا جو میثاق مدینہ کے نام سے جانا جاتا ہے اور اس بات کا غماز ہے کہ اسلام دوسروں کے ساتھ مل جل کر رہنے کا خواہش مند اعتدال پسند مذہب ہے۔ معاہدہ ان شرائط پر ہوا

۱۔ خون بہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آتا ہے اب بھی قائم رہے گا۔
۲۔ یہودیوں کو پوری مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔
۳۔ یہود اور مسلمان آپس میں دوستانہ تعلقات رکھیں گے۔
۴۔ فریقین کی جب کسی تیسرے فریق سے جنگ ہوگی تو وہ ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔
۵۔ کوئی فریق قریش کو امان نہ دے گا۔
۶۔ کوئی بیرونی طاقت مدینہ منورہ پر حملہ کرے گی تو دونوں مل کر دفاع کریں گے۔
۷۔ کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے گا تو دوسرا بھی شریک صلح ہوگا۔(۳۰۸) اس تاریخی معاہدے کی بدولت بقول ولیم میور (Meuir Sir William) آپ ﷺ نے ایک عظیم مدبر اور سیاست دان کی طرح مختلف الخیال اور باہم منتشر لوگوں کو متحد اور یکجا کرنے کا کام بڑی مہارت سے انجام دیا، آپ ﷺ ایک ایسی ریاست اور معاشرے کے قیام میں کامیاب ہوئے جو بین الاقوامیت کے اصول پر مبنی تھا۔(۳۰۹)

بنو نضیر جو کہ یہودیوں کا مشہور قبیلہ تھا، ہمیشہ آپ ﷺ کی جان کے درپے رہا، ہمیشہ آپ ﷺ اور اہل ایمان کے خلاف سازشیں کیں، آپ ﷺ نے ان کی سرکشی سے مجبور ہو کر جب ان کا محاصرہ کر لیا۔ پندرہ دن بعد انہوں نے مجبور ہو کر صلح کی اور خیبر جانے کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے اجازت دے دی اور وہ مدینے سے اس حال میں رخصت ہوئے۔ "بنو نضیر اگرچہ وطن چھوڑ کر نکلے لیکن اس شان سے نکلے کہ جشن کا دھوکا ہوتا تھا، وہ اونٹوں پر سوار تھے، ساتھ ساتھ باجا بجتا تھا، مطربہ عورتیں دف بجاتیں اور گاتی تھیں۔"(۳۱۰)

ایک دفعہ یہودی نے سربازار کہا: قسم اس ذات کی جس نے موسٰی کو تمام انبیاء پر فضیلت دی، ایک صحابی نے یہ سن کر پوچھا محمد ﷺ پر بھی، اس نے کہا: "ان پر بھی" صحابی نے غصہ میں اس کو ایک تھپڑ مارا، آنحضرت ﷺ کے عدل وانصاف کی شہرت تھی، وہ یہودی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور صحابیؓ کی شکایت کی، آپ ﷺ نے صحابیؓ پر برہمی ظاہر فرمائی۔(۳۱۱)

مدنی معاشرہ میں آپ ﷺ نے اپنے پڑوسیوں سے ہمیشہ اچھا سلوک کرنے کی تلقین فرمائی، آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی مجلس میں فرمایا:

اللہ کی قسم وہ ایمان نہیں لایا، وہ ایمان نہیں لایا، وہ ایمان نہیں لایا۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا کون ایمان نہیں لایا، آپ ﷺ نے فرمایا جو پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتا ایک اور موقع پر فرمایا: وہ شخص مسلمان نہیں جو اپنا پیٹ بھرے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔(۳۱۲)

مدنی معاشرہ کے قیام کے دوران آپ ﷺ نے عیسائیوں کے ساتھ ہمیشہ اچھا سلوک کیا، حاتم طائی کے بیٹے عدی اور قبیلے کے سردار مذہبا عیسائی تھے جس زمانے میں اسلامی فوجیں یمن گئیں یہ بھاگ کر شام چلے گئے ان کی بہن گرفتار ہو کر مدینہ آئیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو بڑی عزت کے ساتھ رخصت کیا، وہ اپنے بھائی کے پاس گئیں اور کہا جس قدر جلدی ہو سکے آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضری دو۔ وہ پیغمبر ہوں یا بادشاہ ہر حال میں ان کے پاس جانا مفید ہے۔ عدی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے ایسے متاثر ہوئے کہ اسلام قبول کر لیا۔ (۳۱۳)

"صلح حدیبیہ" تحمل و برداشت اور اعتدال پسندی کا بے مثال نمونہ:

آپ ﷺ کے دور میں مدنی معاشرے کے قیام کے دوران صلح حدیبیہ کا تاریخی واقعہ پیش آیا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نبی رحمت ﷺ امن و صلح کے کتنے خواہش مند تھے۔ آپ ﷺ نے پرامن بقائے باہمی کے تحت معاہدے کو ترجیح دے کر جنگ سے اتنا گریز فرمایا کہ اس میں عام صحابہ بظاہر ذلت محسوس کر رہے تھے، لیکن آقائے نامدار کی اس روشن خیالی نے بعد میں ثابت کیا کہ اسلام اور مسلمانوں کو اس سے کتنا فائدہ پہنچا۔ (۳۱۴)

امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ "صلح حدیبیہ" ایسی عظیم الشان فتح تھی کہ اس سے قبل اس شان کی فتح نصیب نہیں ہوئی، باہم جنگ کی وجہ سے دونوں فریق آپس میں نہیں مل سکتے تھے، صلح حدیبیہ کی وجہ سے جنگ ختم ہوئی، امن قائم ہوا اور جو مسلمان اب تک مکہ میں اسلام کو ظاہر نہیں کر سکتے تھے وہ اعلانیہ احکام اسلام پر عمل کرنے لگے، باہمی منافرت اور دشمنی دور ہوئی، بات چیت کا موقع ملا، اسلامی مسائل پر گفتگو اور مناظرے کی نوبت آئی، مشرکین مکہ نے قرآن کریم سنا، جس کا اثر یہ ہوا کہ صلح حدیبیہ سے لے کر فتح مکہ تک اس قدر کثرت سے لوگ اسلام لائے کہ آغاز اسلام اور بعثت نبوی ﷺ سے لے کر اس وقت تک اتنے مسلمان نہیں ہوئے تھے۔" (۳۱۵)

عرب مصنف محمد احمد باشمیل اپنی کتاب "صلح حدیبیہ" میں "اضطراب کے وقت ضبط نفس" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے صلح حدیبیہ کے ذریعے صحابہ کرام کو جو درس دیا، اسے ہر انسان کو یاد رکھنا چاہئے کہ جو ذمہ داری اور قیادت کے منصب پر فائز ہو، وہ ضبط نفس اور اعصاب پر کنٹرول کرنے کا زیادہ پابند ہے، جہلاء کی زیادتی اور کم عقلوں کے مضطرب کرنے کے وقت صبر و تحمل اختیار کرنا اسوہ نبوی ﷺ ہے، اس خلق سے آپ آراستہ تھے اور آپ ﷺ نے سخت ترین حالات میں اس کا التزام کیا۔ حالانکہ اس وقت آپ فریق مخالف (اپنے بدترین دشمن) کو کڑی سزا دینے پر قدرت رکھتے تھے۔ (۳۱۶) برطانیہ کی مشہور مصنفہ کارین آرم اسٹرانگ (Karen Armstrong) سیرۃ طیبہ پر اپنی کتاب (Mohammad a westren attemp to understanding Islam) میں اس تاریخی اور ناقابل تردید حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتی ہے۔

"Mohammad .....founded a religion and tradition that was not based cultural on the sword despite the western myth and whose Nome Islam, signifies peace and reconciliation " (P- 266)

محمد ﷺ نے ایک ایسے مذہب اور تہذیب کے بانی تھے جس کی بنیاد تلوار (جبر وتشدد) پر نہ تھی۔ مغربی پروپیگنڈے اور فسانے کے باوجود اسلام کا نام امن اور صلح کا مفہوم رکھنے والا ہے۔

فاتحین کے لیے اعتدال اور رواداری کا نمونہ:

آپ ﷺ کے دور میں فتح مکہ روشن خیالی، انسان دوستی اور مذہبی آزادی کا عظیم شاہکار ہے کہ آپ ﷺ کو اپنے بدترین دشمنوں کفار مکہ پر کامل اختیار اور اقتدار حاصل تھا۔ اس تاریخی موقع پر محسن انسانیت کی سیرت طیبہ میں عفو ودرگزر، تحمل وبرداشت اور رواداری کا وہ تاریخی اور شاندار نمونہ نظر آتا ہے جو فتوحات کی پوری انسانی تاریخ میں آپ ﷺ کو ممتاز کرتا ہے۔ (۳۱۷) آپ ﷺ نے اس موقع پر تمام امیدوں اور تصورات کے برخلاف رواداری پر مبنی مثالی انقلاب کا اعلان فرمایا: الیوم یوم المرحمۃ۔ (۳۱۸) حضرت انسؓ راوی ہیں کہ جب آپ ﷺ مکے میں فاتحانہ انداز میں داخل ہوئے تو تمام لوگ آپ ﷺ کو دیکھ رہے تھے لیکن آپ ﷺ تواضع کی وجہ سے سر جھکائے ہوئے تھے۔ (۳۱۹) Spirit of Islam کے مصنف سید امیر علی لکھتے ہیں کہ: بالکل بجا طور پر کہا گیا ہے کہ فتوحات کی تاریخ میں اس فاتحانہ ورود کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ (۳۲۰) پیغمبر رحمت ﷺ کا سکھ سیرت نگار جی۔ سنگھ دارا "فتح مکہ" کے موقعہ پر رحمۃ اللعالمین کے رحم وکرم اور رواداری پر لکھتا ہے کہ: "رسول اللہ ﷺ نے اپنے قتل کا قصد کرنے والوں، اپنے نور چشم کے قاتلوں، اپنے چچا کا کلیجہ کھانے والوں، سب ہی کو معافی دے دی، اور قطعی معافی، قتل عام دنیا کی تاریخوں میں اکثر سنتے تھے، مگر قاتلوں کی معافی نہ سنی تھی۔" (۳۲۱)

آپ ﷺ کی تمام زندگی میں اعتدال پسندی کے حوالے سے ڈاکٹر حمید اللہ رقم طراز ہیں کہ آپ ﷺ مدینہ کے اندر آبادیوں کے قیام کے دوران مدنی (شہری) زندگی کے متعلق فرمایا: "شہر کے اندر گلیوں کو اتنا چوڑا رکھو کہ دو لدے ہوئے اونٹ با آسانی گزر سکیں، گویا آج کے الفاظ میں آسانی کے ساتھ دو لاریاں آجا سکیں۔ (۳۲۲) اس لیے کہ گھروں اور گلیوں کی کشادگی انسانی خصائل پر اثر انداز ہوتی ہے۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت اور ضرورت ہے کہ ہمیں فی زمانہ صلح حدیبیہ کے تناظر میں اور اس کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ایک رواداری پر مبنی اعتدال پسند، اسلامی معاشرہ تشکیل دینے کی بے حد ضرورت ہے، جہاں ہر ایک رنگ، زبان، مذہب کی تفریق کے بغیر تمام شہری حقوق حاصل ہوں، ہر ایک کی جان ومال عزت ناموس کی حفاظت ہو، تعلیم روزگار کے دروازے ہر ایک پر کھلے ہوں، پوری دنیا کا کوئی باشندہ یہاں آکر اپنے آپ کو اجنبی محسوس نہ کرے، ہم اس رسول اللہ ﷺ کے امتی ہیں۔

جنھوں نے انسان دوستی، تحمل وبرداشت، احترام انسانیت، پرامن بقائے باہم، غیر جانبداری اور امن وسلامتی کا پیغام دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے حوالے سے یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں امن، رواداری، انسان دوستی اور احترام کے کلچر کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ (۳۲۳) ہمیں اپنے اسلاف کے کارناموں کو فراموش نہیں کرنا، بلکہ اپنی گمشدہ میراث کو حاصل کرنا ہے، ہمیں مغرب سے ٹکرانے کے بجائے ان سے جدید علوم ان خطوط پر

حاصل کرنے ہیں جس طرح انہوں نے ہم سے حاصل کیا۔آج ہم عہد کریں تعلیمات نبوی ﷺ کو عام کریں گے، سیرت طیبہ کو فروغ دیں گے اور خود بھی اسوۂ حسنہ اپنائیں گے اور دوسروں کو بھی راغب کریں گے، کسی بھی موقعہ پر حکمت وبصیرت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑیں گے، معاشرے میں ایسا چشمہ بن کر رہیں جس سے نفع وبرکت کے دھارے رواں ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مبارکباد ہے اس بندہ کے لئے جسے اللہ تعالیٰ نے خیر کی کنجی اور شر کے لئے بند بنایا'' (۳۲۴) ہر ایک سے حسن ظن رکھتا ہے: ﴿اجْتَنِبُوا كَثِيراً مِنَ الظَّنِّ﴾ (۳۲۵)

بین الاقوامی تقاضوں اور ضرورتوں کو محسوس کریں، ہم کو اپنے رویے سے دوسروں کو اپنے سے محبت کرنے والا بنانا ہے۔ ہمیں اپنے نوجوانوں کو اعلیٰ انسانی قدریں اور احترام آدمیت وتکریم انسانیت سکھانی ہے۔ ولقد کرمنا بنی آدم (۳۲۶) اور تحقیق ہم نے اولاد آدم کو عزت بخشی ہے۔ دوسروں کا نقطہ نظر ہم کو سمجھنا ہے اور یہ دیکھنا ہے کہ اقوام عالم ہمیں کس زاویے سے دیکھتی ہے۔ اپنے معاشرے کے بارے میں اقوام عالم کی سوچ میں مثبت تبدیلی لاکران کو اپنا ہمنوا اور معاون بنانا ہے۔ اپنے معاشرے سے عدم اعتماد کی فضا ختم کرنا ہے۔ جس نے معاشرے کو کھوکھلا کر دیا ہے بلکہ آج تو عالمی سطح پر، قومی سطح پر، مقامی سطح پر جھوٹ، پروپیگنڈہ اور دھوکہ دہی عام ہے۔ ہمیں بے یقینی عدم اعتماد کی فضا سیرۃ طیبہ کی روشنی میں ختم کرنی ہے، اسی میں ہماری فلاح ونجات مضمر ہے۔

چند تجاویز پیش خدمت ہیں:

۱۔ اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لئے ضروری ہے کہ ہر سطح پر تعلیم کو عام کیا جائے۔ بین الاقوامی ضرورت و مانگ کے مطابق ایسے افراد تیار کئے جائیں جو کہ اقوام عالم کی ضرورت بن جائیں اور ان میں سے ہر فرد ہمارے معاشرے کا سفیر ہو اور اسوۂ حسنہ کا حامل ہو۔

۲۔ انتہائی تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کو کنٹرول کیا جائے، اس کے لئے نئی بستیاں بنائی جائیں کیونکہ انتہائی بڑھتی ہوئی گنجان آبادی فتنہ وفساد، ظلم واستحصال، ذہنی وروحانی واخلاقی تربیت کی کمزوری، خودغرضی، مسائل اور انتہاپسندی کا سبب بنتی ہے۔

۳۔ معاشرہ میں فلاحی، رفاہی اور دکھی انسانیت کی خدمت کا جذبہ ہر سطح پر بیدار کیا جائے، اساتذہ، طلبہ، علماء اور ہر طبقے کے افراد کو اس میدان میں سرگرم عمل کیا جائے۔

۴۔ معاشرے میں مثبت اور تعمیری طرز عمل پیدا کرنے کے لئے ہر محلے میں جدید لائبریری، ہیلتھ کلب، کمیونٹی سنٹر اور تعلیمی باغ قائم کئے جائیں، جس سے معاشرے میں مثبت تبدیلی پیدا ہونے کے ساتھ امن وسکون اور محبت ویگانگت پیدا ہوگی۔ عالمی برادری میں منفی پروپیگنڈے اور غلط فہمی کی بنیاد پر جو ایک عمومی تاثر قائم ہو رہا ہے کہ اسلام عدمِ رواداری، انتہاپسندی اور دہشت گردی کا مذہب ہے، اپنے رویے سے اس کو ختم کیا جائے اور معاشرے میں اعتدال پسندی کو اپنایا جائے۔

معاشرے سے معاشی ناہمواری کا خاتمہ کیا جائے، معاشی ترقی، غربت کے خاتمے اور عدل وانصاف کے حصول کو آسان اور عام کرنے کی سعی کی جائے۔

دینی اداروں میں جس طرح جدید تعلیم کی ترویج کی کوشش کی جا رہی ہے، اسی طرح عصری تعلیمی اداروں میں بھی دینی تعلیم کا خاطر خواہ انتظام ہوتا کہ مستقبل کے معمار جدید تعلیم و ٹیکنالوجی کے ساتھ اسوۂ حسنہ کے بھی حامل ہوں۔

جان و مال کے تحفظ اور انتہا پسندی کے خاتمے کے لئے ضروری ہے کہ معاشرے میں قرآن و سنت اور اسلامی شریعت کا نفاذ کیا جائے، قصاص و دیت کے قوانین اور حدود و تعزیرات کے نظام کو موثر و مربوط بنایا جائے۔

معاشرے میں خدمت خلق اور حقوق العباد کی ادائیگی کا جذبہ ہر سطح اور ہر فرد کے اندر پیدا کیا جائے کہ ہر فرد اپنی ذات میں خدمت خلق کا ادارہ بن جائے۔

اسلامی دوستی، حب الوطنی، دینی اور ملی یگانگت کے جذبے کو فروغ دیتے ہوئے معاشرے میں صبر و برداشت، تحمل و بردباری اور رواداری کو فروغ دیا جائے۔

اسوۂ حسنہ کی پیروی ہی ایک اعتدال پسند معاشرے کی تشکیل کی ضامن ہے۔

﴿إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ﴾ (۳۲۷)

انتہا پسندی اور دہشت گردی کا سدباب اور صلح حدیبیہ:

جیسا کہ گزشتہ بحث میں ہم واضح کر چکے ہیں کہ عہد حاضر کا سب سے بڑا مسئلہ انتہا پسندی اور دہشت گردی ہے نیز جبکہ صلح حدیبیہ کا پیغام انتہا پسندی اور دہشت گردی کا مکمل خاتمہ اور سدباب ہے۔ صلح حدیبیہ اس کی قطعی مذمت کرتی ہے، پس آج بھی امت مسلمہ کی ترقی اور عروج کا راز بھی اسی پیغام اور اصول میں پنہاں ہے۔

دہشت گردی افکار و نظریات۔ ایک جامع تبصرہ:

The world terrorism was first used in France to describe a new system of government adopted during the French Revolution (1789-1799) regime de la terreur (Reign of Terror) was intended to promote democracy and popular rule by ridding the revolution of its enemies and thereby purifying it. However, the oppression and violent excesses of the terreur transformed it into a feared instrument of the state. From that time on, terrorism has had a decidedly negative connotation. The word, however, dont gain wider popularity until the late 19th century when it was adopted by a group of Russian revolutionaries to describe their violent struggle against tsarist rule Terrorism then assumed the more familiar antigovernment associations it has today. (328)

انگریزی زبان میں دہشت کے لئے لفظ Terror استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ہیں حد درجہ خوف، کسی شخص یا چیز کو خوفزدہ کرنا اسی طرح دہشت گردی کے لئے استعمال ہونے والا لفظ Terrorism ہے جس کے معنی ہیں تشدد اور دھمکی کا استعمال۔

What is Terrorism?

The systematic use of terror (such as bombing, killing and kidnappings) as a means of forcing some political objective when used by a govt, it may signal efforts to stifle dissat; used by insurrectionists of guerrilias, it may be part of an overall effort to effect desire political change (329)

More than 2,000 years ago the first known acts of what we now call terrorism were perpetrated by a radical offshoot of the Zealots, a Jewish sect active in Judea during the 1st century AD. The Zealots resisted the Roman Empire's rule of what is today Israel through a determinied campaign primarily involving assassination. Zealot fighters used the sica, a primitive dagger, to attack their enemies broad daylight, often in crowded market places or on feast days-essentially wherever there were people to witness the violence. Thus, like modern terrorists, the Zealots intended their actions to comunicate a message to wide target audience: in this instance, the Roman occupation forces and any jews who sympathized or collaborated with the invaders (330)

مغربی لٹریچر اور اسلامی لٹریچر میں بنیاد پرستی کی اصطلاحات مختلف معانی میں استعمال ہوئی ہیں۔اس لئے اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اسلام میں بنیاد پرستی کیا ہے اور اس کے کیا معنی ہیں؟ اسلام میں بنیاد پرستی یہ ہے کہ اسلام کی پانچ بنیادوں پر اپنی فکر ونظر اور کردار وعمل کو استوار کیا جائے۔ان بنیادوں میں ایک عقیدہ توحید ہے اور چار دوسرے اعمال ہیں۔ اعمال میں سے زکوۃ تو صرف صاحب نصاب پر فرض ہے۔حج صاحب استطاعت پر زندگی میں ایک بار فرض ہے اور روزہ کھانے پینے سے رکنے کا نام ہے جو کفار بھی کرتے ہیں، لہٰذا اسلامی بنیاد پرستی کا عملی مظہر صرف نماز ہے، اسی لئے اسے دین کا ستون اور مسلم وکافر میں فرق بتایا گیا ہے۔ پس یہ ہے ایک مسلمان کی بنیاد پرستی کہ اس کا عقیدہ درست ہو اور وہ نمازی ہو۔یعنی وہ خدا کو واحدہ لاشریک مانتا ہو اور نماز کا پابند ہو۔

It has only been fifty years, but with the power of the world media, the Zionist leadership now feels free to do whatever it wants destroy the palestinian people. Millions of people, women and children, are in poverty in refugee camps. The blood of innocent people is being shed, because the cause of this violence continues to exist, namely Zionism. Just lately, on the 3rd of October 2001, one of the greatest Zionist leaders has boasted that the controls America, even though we are forbidden to interfere in politics. (331)

لیکن یورپ میں جس چیز کا نام بنیاد پرستی ہے اسلام میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔اس لئے ان دونوں اصطلاحات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔ یورپ میں بنیاد پرستی کے جن معنوں میں مستعمل ہے، اس میں سے بعض معنوں کے اعتبار سے ایک مسلمان بنیاد

پرست ہوتا ہے مثلاً یورپی بنیاد پرستوں کا یہ دعویٰ تھا کہ بائبل حرف بحرف کلام الٰہی ہے یہی دعویٰ قرآن کریم کے بارے میں مسلمان کا ہے۔ قرآن کریم حرف بحرف کلام الٰہی ہے اور درست ہے یہ اور بات ہے کہ اہل یورپ کا دعویٰ سو کے قریب مختلف الالفاظ انجیلوں کی موجودگی میں ثابت ہے یا نہیں جبکہ قرآن کریم کی روایت میں ایک لفظ کا اختلاف بھی آج تک ثابت نہیں کیا جا سکا اور الفاظ قرآن کریم کے بارے میں ایک "اختلاف بہرحال ہوا کہ قرآن کے الفاظ مخلوق ہیں یا نہیں" یہ اختلاف اہل سنت اور معتزلہ کے درمیان ہوا، اس میں اہل سنت کا مسلک یہی ہے کہ یہ الفاظ کلام الٰہی ہیں۔ (۳۳۲)

مغربی میڈیا اکثر و بیشتر یہ تاثر دیتا ہے کہ "بنیاد پرستی" کے نام سے مشہور مذہبی جدوجہد بعض اوقات متشددانہ بھی ہو جاتی ہے۔ ایک خالصتاً اسلامی مظہر ہے جبکہ معاملہ یہ نہیں ہے۔ بنیاد پرستی ایک عالمی (گلوبل) حقیقت ہے اور ہماری جدیدیت کے جواب میں ہر بڑے عقیدے میں رونما ہو چکی ہے۔ بنیاد پرستانہ یہودیت ہے، بنیاد پرستانہ عیسائیت ہے، بنیاد پرستانہ ہندومت ہے، بنیاد پرستانہ بدھ مت ہے، بنیاد پرست سکھ مت ہے اور یہاں تک کہ بنیاد پرستانہ کنفیوشس مت بھی موجود ہیں۔ (۳۳۳)

بنیاد پرستی کا مفہوم جو بھی ہو، اس کا تشدد کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ دنیا میں اس وقت مسلمانوں کے جو گروہ جہاد و مزاحمت کرتے ہیں، ان کا بنیاد پرستی سے کوئی تعلق نہیں بلکہ ان کے خلاف ظلم ہو رہا ہے، ان کے حقوق غصب کیے جا رہے ہیں اور وہ ظلم کے خلاف جہاد اور اپنے حقوق کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں، ان کے لئے اہل مغرب کی جانب سے بنیاد پرستی کی پھبتی کسنا ایک کھلا نفاق ہے۔ نیز جو لوگ دنیا کے مختلف مقامات پر تشدد کرتے ہیں، چاہے ان کے اسباب مذہبی ہوں یا سیاسی ہوں یا معاشی ہوں دنیا کو چاہئے کہ وہ ان کے حقیقی اسباب معلوم کرے۔ آئرلینڈ کے لوگ جو تشدد کرتے ہیں، وہ عیسائیت کی تعلیم نہیں ہے یا جنوبی افریقہ میں سفید فاموں نے جو کچھ کیا اگرچہ وہ عیسائی تھے، مگر عیسائیت کی یہ تعلیم نہیں ہے، اسی طرح اگر کسی جگہ بعض مسلمان اپنے معاشی، سیاسی اور مذہبی حقوق کے لئے جدوجہد کرتے ہیں، تو ان کو صرف بنیاد پرستی کہہ کر رد کر دینا کوئی معقول رویہ نہیں ہے۔ (۳۳۴)

I do not differentiate between war and terrorism. Terrorism is war and war is a terrorism.If you look at the historical role of violence in the world, we see that violence has had a profound effect on the history of the world. Reardless of one's thoughts on violence, it is impossible to understand the world in which we live, without examining acts of violence have helped to create the world in which we now live. All the empires, of which the British Empire was the most recent,now replaced by the American Empire, we see that it too was built on violence and world conquest. When I was born in 1925, 20% of the world's population was govermed by London. All of this was built on violence. If you look at all empires, Greek , Roman and so forth, all were built on violence and could not exist had it not been for acts of violence. (۳۳۵)

دنیا کی عسکری قوت ہو یا سیاسی قوت یہ سب یہودی مالی قوت کے زیر نگین ہو چکے ہیں۔ چنانچہ دنیا کی ساری دولت، سارے وسائل و ذرائع دراصل ان کے مالی نظام کا حصہ بن چکے ہیں۔ اس وقت اگرچہ اس کلی اجارہ داری کو بعض مصلحتوں کے تحت تین ادارے چلا رہے ہیں جو سراسر یہودی ہیں یعنی واحد قطب امریکہ، ما قبل کی تیسری قوت کا دوسرا شعبہ یعنی آئی ایم ایف اور عالمی بینک اور تیسری قوت کا پہلا شعبہ براہ راست یہودی عالمی نظام۔ (۳۳۶)

مضبوط معاشی ممالک کو یہ گوارا نہیں کہ دوسرے ممالک بھی اپنی معیشت مستحکم کریں چنانچہ اس مقصد کے لئے دنیا میں باقاعدہ جنگوں کے سلسلے شروع ہیں۔ عراق امریکہ جنگ کا ایک اہم پہلو بھی معاشی اجارہ داری کا قیام ہے۔

عربوں کا روایتی عدم اتحاد جسے مغربی طاقتیں جو عربوں کے تیل کی فراہمی پر اپنا کنٹرول رکھنے میں دلچسپی رکھتی ہیں۔ جان بوجھ کر بڑھاتی ہیں (۳۳۷)

آئی ایم ایف اس مالیاتی دہشت گردی کا ایک مہرہ ہے۔ آئی ایم ایف دنیا کے ۷۵ ممالک کے معاشی اور اقتصادی فیصلے کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے ان ممالک میں مغربی دنیا کے خلاف شدید نفرت پیدا ہو رہی ہے۔ پاکستان ۸۸ء تک آئی ایم کے دامن کا اسیر نہ تھا۔ اس وقت صورت حال یہ تھی کہ ساری مجموعی پیداوار کی شرح ترقی ۶.۳ فی صد سالانہ تھی۔ غربت کی شرح ۱۷ فی صد، سرمایہ کاری کی شرح تقریباً ۱۸ فی صد اور صنعتی شرح نمو تقریباً ۱۸ فی صد تھی۔ مگر جب معیشت کو آئی ایم ایف نے "سہارا" دیا تو یہ صورت حال ہوگئی کہ سالانہ ترقی کی شرح ۴ فیصد، غربت کی شرح ۳۳ فیصد، سرمایہ کاری کی شرح ۱۵ فی صد اور صنعتی شرح نمو ۲ فی صد پر آ گئی۔ (۳۳۸)

معاشی بالادستی قائم کرنے کے لیے ہر قسم کے ہتھکنڈے استعمال کیے جا رہے ہیں۔ چنانچہ کسی بھی ملک کو برداشت نہیں کہ دوسرے ملک کی معیشت سنبھل جائے۔

امن وسلامتی کی راہ میں حقیقی رکاوٹ:

آج مغرب کی انسانی حقوق، تہذیب و تمدن، برداشت اور رواداری کی علم بردار دنیا عدم برداشت اور اسلام دشمنی کے موروثی نظریات کے تحت دوہرا معیار قائم کیے ہوئے ہے۔ جب ایک قوم ساری دنیا کے نظام کو یکساں شکل دینے کی ذمہ داری سنبھال لے تو یہ دوسروں کو اپنے خلاف متحد ہونے کی دعوت ہے۔ ایک ایسی دنیا میں جہاں اس کا امکان ہے جو ہری اسلحہ صدی کے اختتام سے پہلے وسیع پیمانے پر تقسیم ہو، یہ امریکہ کی عوام کی قومی سلامتی کے لئے کوئی خوش کن راستہ نہیں ہے۔

مغرب کی انتہا پسندی اور دہشت گردی:

امریکی یونیورسٹی میں سیاسیات کے پروفیسر ٹونی اسمتھ کہتے ہیں (۳۳۹): "امریکہ طرز حیات، اقدار اور اداروں کو رو بہ عمل لانے کی کوشش ناکامی کا اندیشہ ہے۔ اس لیے کہ امریکی طاقت محدود ہے بلکہ اس لئے کہ بڑے پیمانے پر اس کا استعمال بھی ان عقائد اور طریقوں میں اصلاح نہ کر سکے گا جو بنیادی طور پر امریکی طریقہ کے مخالف ہے۔ چین، مسلم دنیا یا روس کا امریکی مطالبوں

کے آگے سپر ڈالنے کے لیے آمادہ ہونے کا آخر کیا امکان ہے؟"

کالمیر جانس کہتا ہے کہ: امریکی افسران اور میڈیا عراق اور شمالی کوریا جیسی سرکش ریاستوں کے بارے میں بہت کچھ کہتے ہیں، لیکن ہمیں خود اپنے آپ سے پوچھنا چاہیے کہ کہیں امریکہ خود تو سرکش سپر پاور نہیں بن گئی۔(۳۴۰)

۱۸۸۶ء میں تاریخ کا پہلا بم دھماکہ، ۱۹۰۵ء میں گورنر استان برگ کا قتل ۱۹۱۰ء میں لاس اینجلس ٹائمز بلڈنگ میں بم دھماکہ اس کی مثالیں ہیں۔ اس عرصے میں زار روس کے خلاف مارزوف کی سربراہی میں بننے والی تنظیم Noro da Naya Volv نے دہشت گردی کی بڑی کارروائیاں کیں۔ ۱۹۰۱ء میں بننے والی ایک اور روسی تنظیم Boevaya نے سرکاری وزراء کے خلاف قتل سمیت متعدد کارروائیاں کیں۔ ۱۹۰۱ء سے ۱۹۱۱ء تک اس تنظیم نے ۲۰۰ سے زائد بڑی کارروائیاں کیں۔ جن میں روسی گورنروں اور بوسنی، ہگز والوچ، وزیر داخلہ لیف کے قتل سمیت اوپیرا ہاؤس پر حملہ بھی شامل ہے۔ ۱۸۹۰ء سے ۱۹۱۴ء تک یورپ میں بھی دہشت گردی عروج پر رہی۔ ۱۸۸۱ء میں بننے والی انارکسٹ انٹرنیشنل نے ۱۸۹۳ء میں فرانس کے رہائشی گھروں کو بم سے اڑایا۔ یہاں اس بات کا ذکر کرنا بھی ضروری ہوگا کہ فدائی حملوں کی بنیاد بھی ۱۸۹۴ء میں اسی تنظیم نے چیمبر آف ڈپٹیز میں خودکش بم دھماکے سے ڈالی۔ فرانسیسی صدر کارنٹ اور اسپین کے وزیر اعظم انتونیو کارنواس، آسٹریلیا کے فرمانروا ملک الزبتھ، اٹلی کے بادشاہ امرتو دہشت گردی کی کارروائیوں کی بھینٹ چڑھے۔ چین میں جوئے بازوں اور اسمگلروں کی سرپرستی میں بننے والی Boxer tRelelliom ای تنظیم نے دہشت گردی کی کارروائیاں کیں۔(۳۴۱)

امریکہ نے خود ۱۳۰ تنظیم دہشت گردی کی کارروائیاں کیں۔(۳۴۲) عبدالمجید ساجد(۳۴۳) نے ماہنامہ ساحل نے(۳۴۴) ولیم بلم نے اپنی کتاب روگ اسٹیٹ(۳۴۵) اور نوم چومسکی نے(۳۴۶) اپنی کتاب میں امریکی دہشت گردی اور مختلف ممالک میں مداخلت کی ۱۸۸۹ء تا ۲۰۰۳ء تک مکمل فہرست پیش کی ہے۔ جسے پڑھنے کے بعد نوم چومسکی کے الفاظ بالکل صحیح معلوم ہوتے ہیں، جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے کہ امریکہ دنیا کا سب سے بڑا دہشت گرد ملک ہے۔(۳۴۷) امریکہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل واحد رکن ہے جس نے تن تنہا قراردادیں ویٹو کیں۔ باقی کا پچاس فیصد برطانیہ نے استعمال کیا۔(دونوں ممالک نے(۳۴۸)؟ ویٹوز استعمال کیے۔(۳۴۹) گویا انہوں نے ہمیشہ دیگر اقوام سے طاقت کی زبان میں بات کی ہے، مساوات کی بنیاد پر نہیں، یہی وجہ ہے کہ دہشت گردی کے جواب میں دنیا بھر میں دہشت گردی کی لہر چل پڑتی ہے۔ اس نظام کی ناکامی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت چاہیے لیکن اس وقت کے سابق امریکی صدر واسٹیبلشمنٹ آج بھی عوام کی غلط رہنمائی کرتے رہے، جس کا ثبوت جارج بش کا یہ بیان ہے کہ:

Americans are asking why do they (terrosist) hate us they hate what we see right here in the chamber, a democratically elected government. Their leaders are self- appointed. They hate freedom, our freedom of religion , our freedom of speech , our freedom of vote and assemble and disagree with each other.(۳۵۰)

ولیم بلم کے بقول خود امریکہ دہشت گردوں کی جنگ کہلاتا ہے، امریکہ میں جو دہشت گرد تنظیمیں موجود ہیں، ان میں سے کچھ یہ ہیں۔ ۱۔ آریان نیشنز Aryan Nations ۲۔ بلیک لبریشن Black Liberation Army ۳۔ کرسچین پیٹریوس ڈیفنس لیگ Christian Patriots Defence League ۴۔ کووینانٹ دی سورڈ اور آرم آف لارڈز C.S.A ۵۔ جیوش ڈیفنس لیگ Jwesh Defence League ۶۔ کوکلس کلان Kukluxklan ۷۔ ماچیٹروس Macheteros ۸۔ موو Move ۹۔ نیو ورلڈ لبریشن فرنٹ New World Liberation Front ۱۰۔ نیو نازی Neo Nazi ۱۱۔ اومیگا Omega ۱۲۔ دی آرڈر The Order ۱۳۔ پوسے کومیٹیس Posse Comititus ۱۴۔ پورٹو ریکن آرمڈ فورسز دی ریولوشن Puerto Riccan Armed Forcess the Revolution ۱۵۔ اسکن ہیڈز Skin Heads ۱۶۔ سمبیو نیز لبریشن آرمی Semibionese Liberation Army ۱۷۔ یونائیٹڈ فریڈم فرنٹ United Freedom Front ۱۸۔ ویدر انڈر گراؤنڈ Weather Under Ground(۳۵۱)

گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء سے دنیا کی تاریخ بدل گئی ہے، امریکہ کے خلاف پہلی بار اسلحہ اٹھایا گیا، گیارہ ستمبر کا حملہ ایک ظالمانہ اقدام تھا، لیکن غیر معمولی ہرگز نہیں تھا۔ برسوں سے دنیا اس سے کہیں زیادہ مظالم کا سامنا کر رہی ہے۔ امریکہ اور یورپ جسے چاہیں حملوں کا نشانہ بنائیں مگر وہ چاہتے ہیں کوئی حملہ ان پر نہ کرے۔ یہ امریکی تاریخ کا پہلا واقعہ ہے کہ بندوقیں ان کی سمت سیدھی کی گئیں۔ یقیناً یہ تاریخ کا ایک ڈرامائی موڑ تھا۔(۳۵۲)

بوسنیا، لبنان، افغانستان، کشمیر، فلسطین، عراق، چیچنیا اور دنیا کے دیگر خطوں میں مسلمانوں کا لہو کتنا ارزاں ہے۔ بین الاقوامی دہشت گردی، فرقہ واریت اور اسلحہ کی دوڑ انتہا پسندی کی ہی قبیح شکلیں ہیں۔ قومی اور بین الاقوامی سطح پر انتہا پسندی کا رجحان لاقانونیت اور انارکی کا سبب بنتا ہے۔

مغربی دنیا نے ۱۴ اگست ۱۹۱۴ء کو جنگِ عظیم اول کا میدان گرم کیا جو بعد ازاں ۱۵۵۶ دنوں تک جاری رہی، جس میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد تقریباً ۹ ملین، شدید زخمی ہونے والوں کی تعداد ۲۲ ملین، اپاہج اور معذور ہونے والوں کی تعداد ۲۵ ملین بتائی جاتی ہے۔ اس جنگ پر ہونے والے اخراجات سے بیلجیم، روس، امریکہ، جرمنی، کینیڈا اور آسٹریلیا کے مکینوں کے لئے تمام آسائشوں اور لوازمات کے ساتھ ایک مکان بنایا جا سکتا تھا۔(۳۵۳)

جب کہ دوسری عالمی جنگ میں ۳۵ ملین انسان ہلاک ہوئے، ۲۰ ملین ہاتھ پاؤں سے معذور ہوئے، ۱۷ ملین لیٹر خون زمین پر بہایا گیا۔ ۱۲ ملین حمل ساقط ہوئے، ۱۳۰ ہزار پرائمری اسکول، سیکنڈری اسکول، ۶۰ ہزار یونیورسٹیاں، ۸۰ ہزار لیبارٹریاں ویران و برباد ہو گئیں۔(۳۵۴) امریکہ اور جاپان کی جنگ ۱۹۴۵ء میں امریکہ کی طرف سے جاپان پر دو چھوٹے بم گرائے گئے۔ جس سے ہیروشیما میں ۷۰ ہزار افراد ناگاساکی میں ۴۰ ہزار افراد ہلاک ہوئے اور اتنے ہی زخمی ہوئے۔(۳۵۵)

تاریخ کی گواہی:

تاریخ گواہ ہے صلح حدیبیہ انتہا پسندی اور دہشت گردی کی نفی کرتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے اپنی امن پسند طبیعت کی وجہ سے تمام تر طاقت اور قوت کے باوجود کفار مکہ کی انتہا پسندی اور دہشت گردی کا جواب اس عظیم صلح کی صورت میں دیا۔ حالانکہ کفار نے عدم برداشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کئی مرتبہ انتہا پسندی پر مبنی حرکات کا مظاہرہ کیا اور مسلمانوں کو مشتعل کرنے کی حتی المقدور کوششیں کیں تاہم رسول اللہ ﷺ نے مثالی صبر اور تحمل و برداشت کا مظاہرہ فرماتے ہوئے مسلمانوں کو جنگ سے روکے رکھا اور ان کی دہشت گردی کا جواب امن پسندی سے دیتے ہوئے حدیبیہ کے مقام پر صلح کو ترجیح دی جو کہ فتح مبین ثابت ہوئی اور تین برسوں کے اندر اندر اسلامی مملکت بہت وسیع اور مستحکم و منظم ہوگئی۔

لہٰذا صلح حدیبیہ کا پیغام دراصل انتہا پسندی اور دہشت گردی کا خاتمہ اور رواداری پر مبنی اعتدال پسند معاشرے کا قیام ہے اور یہ عظیم صلح نہ صرف مسلم امہ کے لئے بلکہ پوری دنیا میں آباد تمام اقوام کے لیے عدم برداشت، بنیاد پرستی، انتہا پسندی اور دہشت گردی کے سدباب کا عملی نمونہ پیش کرتی ہے اور ایک مثالی نمونہ اور مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

صلح حدیبیہ، قوت برداشت کا بے مثال مظاہرہ...... ایک مثالی نمونہ عمل!

صلح حدیبیہ میں قریش مکہ کو ایک معاہدہ پر مجبور کرنا رسول اکرم ﷺ کی بہت بڑی کامیابی ہے اس معاہدے کے نتائج کے طور پر مکہ کے باشندوں کے ہاں کی جنگوں سے تنگ آئے ہوئے تھے اسلام کو برداشت کرنے کے جذبات پیدا ہوئے۔ اسلامی عقائد پھیلنے لگے اور مسلمانوں کو اپنے خونی رشتہ داروں کے سامنے تعصب سے پاک فضاء میں اسلامی عقائد پھیلانے کا موقع مل گیا۔ رسول اکرم ﷺ مکہ اور مدینے کے درمیان جہالت، تعصب اور دشمنی کی دیواریں گرانا چاہتے تھے تاکہ دعوت اسلامی پرامن طریقے سے ان کے دلوں میں راستہ کر سکے۔

اہل مکہ کے ظلم وستم اور مسلمانوں کے خلاف ان کی عداوت کے باوجود رسول اکرم ﷺ کے ان کے متعلق خیالات آپ ﷺ کی وسعت نظری اور ان کے لیے زبردست برداشت کا مظاہرہ ہے اس لیے صلح حدیبیہ کو فتح مبین کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔ یہ فتح رسول اکرم ﷺ کی طرف سے برداشت اور دوسرے کے اندر برداشت کے جذبات کو پیدا کرنے کی بہت بڑی کامیابی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا﴾ (۳۵۶)

صلح حدیبیہ نے فتح مکہ کا راستہ ہموار کر دیا فتح مکہ کے موقع پر دشمن اپنا سر تسلیم خم کر چکا ہے، جن لوگوں نے رسول کریم ﷺ کو دن رات اذیتیں دی تھیں قابو میں آچکے تھے ان کے جرائم سزا کا تقاضا کر رہے تھے، لیکن رسول اکرم ﷺ رحمۃ للعالمین تھے۔

آپ ﷺ نے خون خرابے سے منع فرمایا تھا۔ مکہ والوں کو اطلاع دی تھی کہ جو شخص اپنے گھروں رہے یا بیت اللہ میں داخل ہو جائے یا ہتھیار ڈال دے یا ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے لے تو اسے اسلامی فوج بالکل نہ چھیڑے گی۔ رسول اکرم ﷺ نے فوج کے تین حصے کیے شہر پر پوری طرح قبضہ کرنے کے لیے شہر کے تینوں راستوں سے داخلہ شروع کیا تاکید کی کہ کوئی خونریزی نہ ہو۔ شہر پر پوری طرح قبضہ ہونے اور کعبے کے اندر اور اطراف کے بتوں کو توڑ پھوڑ کران کے لائق مقام پر پہنچانے کے بعد شہریوں کو حکم دیا پھران کو ان کی کارستانیاں بتا کر پوچھا کہ اب مجھ سے کیا توقع کرتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ جو ایک شریف اور شریف زادے سے کی جاسکتی ہے اس پر رحمۃ اللعالمین کی زبان سے نکلا" ہاں اب تم سے کوئی مواخذہ نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو، اب اس اعلان کی صدا گونج رہی تھی کہ پورا مکہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا کلمہ پڑھ کر اپنی قلبی تبدیلی کا ثبوت دے رہا تھا اور اپنی مکمل اور غیر مشروط اطاعت کا یقین دلا رہا تھا۔(۳۵۷)

صلح حدیبیہ کے بعد رسول اکرم ﷺ کی سیاست خارجہ اور برداشت کے جذبات:

دعوت اسلام پوری دنیا کے لیے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو رحمۃ اللعالمین بنا کر بھیجا۔ اس دعوت کو دنیا تک پھیلانے کے لیے آنحضور ﷺ نے صلح حدیبیہ کے بعد مختلف حکمرانوں کو سفارتی مشن روانہ کیے ان سفارتی مشنوں کے ساتھ رسول اکرم ﷺ نے جو خطوط ان حکمرانوں کو لکھے وہ رسول اکرم ﷺ کی خارجہ پالیسی میں دوسروں کو برداشت کرنے ان کے ساتھ پرامن تعلقات قائم کرنے اور اسلامی ریاست کو بین الاقوامی سطح پر تسلیم کروانے جیسے بنیادی عناصر کی نشاندہی کرتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ نے سفارتی مشن اس دور کے بڑے بڑے ممالک کے سربراہوں کو روانہ کیے جیسا کہ مسلم کی روایت میں ہے" ان نبی اللہ کتب الی کسری والی قیصر والی النجاشی والی کل جبار یدعوہم الی اللہ تعالیٰ" (۳۵۸)

رسول اکرم ﷺ نے ان خطوط میں اساسی نقطہ یہ تھا کہ اس موقف سے مذاکرات شروع کیے جائیں جس پر اتفاق پہلے سے موجود ہو چنانچہ قرآن پاک کی یہ آیت تمام خطوط میں موجود تھی۔

"قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ" (۳۵۹)

اس بنیادی نقطہ سے اپنی دعوت کا آغاز کرنا اور اپنے سفراء کو روانہ کرنا رسول اکرم ﷺ کی وہ بھرپور کوشش تھی جس کے ذریعے دوسری قوموں کے اندر دعوت اسلامی کو سمجھنے اور برداشت کرنے کے جذبات پیدا کرنا تھا، چنانچہ رسول اکرم ﷺ کے یہ سفارتی مشن جو حبشہ، الروم، فارس، مصر اور بعض دوسرے اہم ممالک کے سربراہوں کی طرف روانہ کیے گئے۔(۳۶۰)

صلح حدیبیہ کے بعد رسول اکرم ﷺ نے یہودی سازشوں کا قلع قمع کر دیا اور فتح مکہ نے حتمی طور پر یہ فیصلہ کر دیا کہ اب جزیرۃ العرب کا دین اسلام ہوگا (۳۶۱)۔ ابن اسحاق ان حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔" انما کانت العرب تربص بالاسلام امر ھذا الحی من قریش و امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وذلک ان قریشا کانت امام الناس وھاد

بهم و اهل بيت الحرام و صريح ولد اسماعيل بن ابراهيم عليهما الاسلام وقادة العرب لا ينكرون ذلك و كانت قريش هي التي نصبت حرب رسول الله و مخالفته فلما افتتحت مكة و دانت له قريش و دخلوا الاسلام، عرفت العرب انه لا طاقة لهم بحرب رسول الله و لا عدواته فد خلو دين الله۔(۳۶۲)

رسول اکرم ﷺ نے جزیرۃ العرب کو ایک حکومت کے تحت جمع کر دیا قبائلی تعصب کی جگہ دینی حمیت کی اتحاد کی علامت بنا دیا۔ مختلف قبائلی اختلافات کو ختم کروایا ایک دوسرے کو برداشت کرنے کے جذبات کو پیدا کیا اور مختلف قبائل کی شکایات کو اہمیت دینے کا پورا انتظام فرمادیا۔ سنہ ۹ ہجری میں آپ ﷺ نے انہی مقاصد کے تحت بہت سے قبائلی وفود اور بعض ممالک کے سفارتی مشنوں کا مدینے میں استقبال کیا۔ اسی لیے اس سال کو سنۃ الوفود کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔(۳۶۳) ان وفود کا استقبال رسول اکرم ﷺ کی طرف سے ان کی تقالید، عقائد اور ضروریات کے اعتراف کو بہت بڑا مظاہرہ تھا۔ آپ ﷺ نے ان وفود کے اعضاء کو مکمل امان دی اور ان کی ضروریات کا اہتمام کیا۔ ان کی رہائش کے لیے رہائش گاہ مخصوص کی مسجد نبویؐ میں ایک خاص جگہ کو ان وفود سے ملاقاتوں کے لیے مختص کردی یہاں تک کہ بعض وفود کو مسجد نبوی ﷺ میں اپنی عبادت کرنے کی بھی اجازت عطا فرمائی۔(۳۶۴)

جن وفود کا رسول اکرم ﷺ نے استقبال کیا ان کی فہرست بہت لمبی ہے ان وفود کی مدینے آمد اور رسول اکرم ﷺ سے ملاقاتوں کے نتائج بہت حوصلہ افزاء تھے اسلامی دعوت نے لوگوں کے دلوں میں گھر کر لیا جو علاقے فوجیوں سے فتح نہیں ہوئے تھے ان کو رسول اکرم ﷺ کے کلمات نے اسلامی حکومت کے سامنے سرنگوں کر دیا، بڑے بڑے خطیب اور اہل کلام الرسول ﷺ کے اسلوب تخاطب سے مات کھا گئے اور ان کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کا کوئی چارہ نہ رہا تھا جو نتائج رسول اکرم ﷺ کی اس سیاسی حکمت عملی سے برآمد ہوئے وہ اسلامی نظام حیات میں دوسروں کو برداشت کرنے کے اصولوں کو واضح کرتے ہیں ان وفود کی آمد کے نتائج پر تبصرہ کرتے ہوئے Sir Arnold لکھتے ہیں۔ "بے شک وہ بہترین معاملہ جو ان مختلف وفود کے ساتھ نبی کریم ﷺ نے روا رکھا اور جس اہتمام سے ان کی شکایات کو سنا اور جس طرح حکمت کے ساتھ ان کے اختلافات کو ختم کروایا اور ان میں سے جنہوں نے اسلام قبول کیا ان کو قطعات اراضی عطا فرمایا اور مسلمانوں کے لیے ان کا نرمی کے جذبات کا اظہار کرنا وغیرہ جیسے کاموں نے آپ ﷺ کا نام ان کے لیے محبوب بنا دیا آپ ﷺ کی شہرت پورے جزیرۃ العرب میں پھیل گئی اور آپ ﷺ ایک عظیم سردار اور مہربان شخص کے طور پر معروف ہو گئے۔(۳۶۵)

مختصر یہ کہ زندگی کے ہر پہلو کی طرح برداشت کے حوالے سے بھی سیرت رسول اکرم ﷺ کا مطالعہ ہمارے لیے بہترین آئیڈیل ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی بین الاقوامی دعوت کا آغاز مکہ میں تبلیغ اور اس دوران ہزار ہا تکالیف کا سامنا پھر مدینے کی ہجرت، ہجرت کے بعد مدینے میں اسلامی ریاست کا قیام، مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان میثاق مدینہ پر اتفاق، غزوات نبوی ﷺ فتح مکہ اور وفود وغیرہ کے استقبال کے تمام واقعات کی تفاصیل رسول اکرم ﷺ کی طرف سے دوسروں کے لیے برداشت سے بھری پڑی ہیں۔

صلح حدیبیہ کے تناظر میں عدم برداشت کے موجودہ رجحان کا سیرت طیبہ کی روشنی میں جائزہ:

موجودہ حالات میں جب کہ انسانی تاریخ کو علمی و سائنسی ترقی کے اس بلند مقام پر ملاحظہ کر رہی ہے جو شاید پہلے کبھی اس کے حصے میں نہیں آیا تھا ضرورت اس امر کی ہے کہ سائنسی اور علمی ترقی کا شانہ بشانہ اخلاقی اور ثقافتی ترقی کی رفتار کو بھی تیز کیا جائے بڑی بڑی بیماریوں کے علاج، خلاء کی وسعتوں کو اپنے پاؤں تلے روندنے اور انفارمیشن ٹیکنالوجی میں ترقی کے باوجود آج کا انسان عدم تحفظ کا شکار ہے، غریب اور کم زور قومیں پسماندگی اور جہالت سے چھٹکارہ حاصل نہیں کر رہیں ترقی یافتہ قومیں ترقی کے فوائد کو اپنے تک محدود رکھنا چاہتی ہیں جس کی وجہ سے بین الاقوامی سطح پر عدم مساوات اور حقوق سلبی جاری ہے یہ سب کچھ یقینا جذبہ عدم برداشت کی وجہ ہی سے ہے۔

قومی سطح پر لسانی، علاقائی، قبائلی اور فرقہ پرستی جیسے عناصر کی وجہ سے منقسم قوموں کے لیے اتحاد کا پیغام اور عملی مظاہرہ سیرت طیبہ ہی سے ملتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ رسول رحمت ﷺ اس قسم کے جذبات کی بناء پر منقسم عرب معاشرے کو ان تعصبات سے پاک کرتے ہیں برتری اور بڑھائی کے لیے صرف تقوی کو معیار قرار دیتے ہیں اور قرآن پاک کا یہ پیغام لوگوں کے دلوں تک پہنچاتے ہیں کہ

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ (۳۶۶)

مکے میں دعوت اسلامی کی تبلیغ کے موقع پر آپ ﷺ نے اپنی دعوت کو کسی گروہ، قبیلے یا طبقے کے لیے محدود نہیں رکھا ہوا تھا بلکہ آپ ﷺ کی دعوت ان تمام سطحی میعارات سے بلند اور ارفع تھی اس طرح آپ ﷺ نے ان اختلافات کی غیر حیثیت کو واضح کر دیا مدینے میں اسلامی ریاست کا قیام اور مختلف لسانی قبائلی اور نسلی، عقائدی پس منظر سے تعلق رکھنے پر گروہوں کو میثاق مدینہ پر متفق کرنا آپ ﷺ کی عظیم کامیابی ہے۔ آپ ﷺ اس عظیم کامیابی کے ذریعے سے ایک طرف اگر ایک نئے معاشرے کی بنیاد رکھ رہے ہیں تو دوسری طرف سطحی تعصب کو ختم کرنے کا درس بھی دے رہے ہیں۔ مدینے میں اسلامی معاشرہ جذبہ برداشت کی عظیم مثال ہے لوگ اپنے تمام تر اختلافات پس پشت ڈالتے ہوئے عقیدہ توحید کی بناء پر اخوت کی لڑی میں پروئے جاتے ہیں (۳۶۷) صرف مسلمانوں کے مختلف گروہ ہی نہیں بلکہ غیر مسلم قبائل اور یہود بھی اس معاشرے کا حصہ بنتے ہیں ان تمام عناصر کا ایک معاشرتی اتحاد پر متفق ہونا یقینا ایک بہت بڑی جدوجہد کا نتیجہ ہے جس کے ذریعے سے رسول اکرم ﷺ نے ان عناصر میں برداشت کے جذبات پیدا کیے اور ان کو اس بات پر تیار کیا کہ وہ دوسرے گروہوں سے اختلافات کے باوجود ان کے ساتھ ہم آہنگی پر مبنی تعلقات قائم کریں۔

عدم برداشت کے حوالے سے صلح حدیبیہ کا تاریخی واقعہ بلاشبہ رسول کریم ﷺ کی عظمت کو اجاگر کرنے کے لیے کافی ہے۔

حدیبیہ کے واقعات میں رسول کریم ﷺ نے جو کارروائیاں کیں وہ اپنی ذات میں ایک ہمہ گیر دستور ہیں جن سے حکمت اور بردباری، دوراندیشی، ضبطِ نفس، احمقوں کے چیلنج اور بے وقوفوں کے بہکاووں کے مقابلے میں اعصاب پر کنٹرول کرنے اور عدل وانصاف، ایفائے عہد اور برائی سے پاک معارضہ کے میدانوں میں بہت کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس صلح کو رسول اکرم ﷺ نے مراحل شاقہ سے گزرنے اور ان تمام کٹھن مشکلات پر قابو پانے کے بعد طے کیا جنہیں خواہ آپ ﷺ کے ان اصحابؓ نے پیدا کیا جو اس صلح کی چنگی کے مخالف تھے یا آپ ﷺ کی قوم قریش نے پیدا کیا۔ جنہوں نے مسلمانوں سے معرکہ آرائی کے لیے اپنی اور اپنے حلیفوں کی تمام افواج کو جمع کر لیا تھا۔ حالانکہ مسلمان نہ جنگ کے لئے نکلے تھے اور نہ ہی انہیں جنگ میں کوئی دلچسپی تھی ... پس وہ آپ ﷺ نے اپنی شجاعت، حلم، صبر وتحمل وبرداشت، وسیع النظری، وسیع القلبی اور حکمت وبصیرت سے بیک وقت شریر قریشی تہور پسندوں کے منصوبوں کو پیوند خاک کر دیا اور انہیں جنگ کی بجائے صلح کرنے پر آمادہ کر دیا، پس وہ خود اس تاریخی صلح کے انعقاد کے لیے کوشش کرنے لگے اور ان کی عدم برداشت کی کیفیت بھی برداشت میں ڈھلتی چلی گئی۔

تحمل وبرداشت کے اس عظیم عملی نمونے نے ناممکن کو ممکن کر دکھایا۔ مسلمانوں نے پوری آزادی اور قوت سے دعوت اسلامی کی نشر واشاعت شروع کر دی جس کی بدولت مسلمانوں کی تعداد دگنی ہوگئی اور بہت سے قبائل کے شیوخ اور قریش کے کافر سرداروں کے دل میں بھی اسلام کے فضائل اور مسلمانوں کے اچھے اخلاق گھر کر گئے جس کی وجہ سے وہ دین جدید کے متعلق اپنے نظریات کو بدلنے لگے اور اس کے پیروکاروں سے اپنی عداوت میں بھی کمی کرنے لگے نیز صلح حدیبیہ نے غزوہ خیبر کے منصوبے کو کامیاب بنانے میں بڑا اہم کردار ادا کیا اور جزیرۃ العرب میں یہود کے خطرہ پر آخری کاری ضرب لگائی۔ دوسری جانب یہی صلح فتح مکہ کا سبب بھی بن گئی۔ گویا صلح حدیبیہ کی بدولت جزیرۃ العرب سے انتہا پسندی اور دہشت گردی کا خاتمہ ہو گیا اور انتہا پسندوں اور دہشت گردوں کے ٹھکانے بھی ان سے چھن گئے۔ بیشتر دہشت گردوں نے توبہ کر لی اور معافی کے طلب گار ہوئے۔ انہیں معاف کر دیا گیا۔ وہ اسلام کے سایہ رحمت میں آگئے اور سراپائے رحمت بن گئے اور ان کا ہر قدم اب اللہ کی راہ میں اس کے دین کی سربلندی اور عالمگیر قیام امن وسلامتی کی خاطر اٹھنے لگا۔

آج عدم برداشت کے رجحان کی بنا پر بین الاقوامی تعلقات میں جو تناؤ ہمیں نظر آتا ہے اور جس طرح کشمیر، فلسطین، کوسوو وغیرہ میں کمزوروں کے حقوق پامال ہو رہے ہیں، ان مسائل کا حل بھی ہمیں سیرت طیبہ میں نظر آتا ہے۔ کمزور اور بے بس دشمن پر ظلم کرنا تو دور کی بات ہے، وہ دشمن جس نے ظلم کے تمام ہتھکنڈے مسلمانوں کے خلاف آزمائے تھے، جب شکست سے دوچار ہوتا ہے اور اس کے جرائم سزا کا تقاضا کر رہے ہوتے ہیں، تو رسول اکرم ﷺ کی رحمت جوش میں آجاتی ہے اور آپ زبردست جذبہ برداشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے عام معافی کا اعلان فرما دیتے ہیں۔ آزادی کے حق کا مطالبہ بنیادی حقوق میں سے ہے۔ اس مطالبے پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑنا اور بے گھر کرنا آج کے ترقی یافتہ انسان کے لئے سب سے بڑی تہمت ہے، اس سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ بین الاقوامی طور پر جذبہ برداشت پیدا کیا جائے۔ یورپ اور امریکہ کے دانشور اپنے اندر اسلام کی حقیقی تعلیمات کو صحیح طور پر سمجھنے کی برداشت پیدا کریں۔ اس حقیقت کو تسلیم کریں کہ مسلمانوں کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ جب مسلمانوں کو

برداشت کرنے کے لئے وہ تیار ہو جائیں گے تو ردعمل کے طور پر مسلمان بھی اسی قسم کے جذبات کا اظہار کریں گے کیونکہ سیرت طیبہ کا پیغام ان کے لئے بھی ہے وہ جانتے ہیں کہ کس طرح صدیوں تک حکومت کرنے کے باوجود اسلامی ریاستوں کے غیر مسلم باشندوں کو زبردستی مسلمان بننے کے لئے نہیں کہا گیا بلکہ شریعت اسلامی نے تو آج کے بین الاقوامی قانون سے صدیوں پہلے مستامنین اور ذمیین کے حقوق وفرائض پر مبنی قوانین بنا کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کے حقوق کا تحفظ کر دیا اور یہ چیز مسلمانوں کے عقائد میں ہے کہ ان کی سرزمین پر موجود غیر مسلم کسی قسم کی عدم تحفظ کا شکار نہ ہوں۔(۳۶۸) اگر اس قسم کے قوانین دوسری قومیں بھی اپنالیں تو بین الاقوامی سطح پر چڑھتے ہوئے عدم برداشت کے رجحان کی حوصلہ شکنی کی جا سکتی ہے اور اس کی جگہ جذبہ برداشت کو پروان چڑھایا جا سکتا ہے جو قومی اور بین الاقوامی سطح پر بڑھتے ہوئے تشدد اور انتہا پسندی کا راستہ روک کر اعتدال پسندی اور وسعت قلبی جیسے جذبات کا باعث بن سکتا ہے۔

الحمد للہ صلح حدیبیہ کے تناظر میں عدم برداشت، برداشت کے قومی اور بین الاقوامی رجحان سے متعلق سیرت طیبہ کی روشنی میں مختلف تفاصیل بیان کرنے کے بعد اس تحقیق کو درج ذیل نتائج کے ساتھ مندرجہ ذیل سطور میں مزید وضاحت کے ساتھ بیان کیا جا رہا ہے۔

۱۔ عدم برداشت متضاد کے طور پر استعمال ہوتا ہے جس سے مراد لوگوں کے آزادی عقیدہ کے حق کا عملی اور عقلی اعتراف ہے۔

۲۔ عدم برداشت کے رجحان کی وجہ سے قومی طور پر علم وفن کی ترقی کے لئے جس قسم کے روشن خیال اور اظہار رائے کی بنیادی حق کی ضرورت ہوتی ہے وہ ناپید ہو جاتا ہے۔

۳۔ عدم برداشت کے جذبات کی بنا پر کئی اقوام دوسری اقوام کے خلاف اپنے غلط خیالات کو حقیقت سمجھتے ہوئے دوسری اقوام کے حقوق کو غصب کر لیتی ہیں۔

۴۔ اگرچہ عدم برداشت ایک منفی صفت ہے لیکن بنیادی اصولوں پر سودے بازی نہ کرنا اور تمام ترغیبات کا مردانہ وار مقابلہ عدم برداشت کے مثبت پہلوؤں میں سے ہے۔

۵۔ اسلامی عقائد کی روح لا اکراہ فی الدین ہے اس لئے کسی دوسرے پر زبردستی اور جبر کے ساتھ اسلامی عقیدہ نہیں ٹھونسا جا سکتا۔

۶۔ اسلامی نظام اخلاق جذبہ برداشت کی نشوونما کا سامان فراہم کرتا ہے۔ حلم وصبر اسی قسم کی وہ صفات ہیں جو انسان کو برداشت سکھاتی ہیں۔

۷۔ آنحضور ﷺ کو پوری دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا اور آپ کے بین الاقوامی پیغام کا تقاضا ہے کہ اسلام کی تبلیغ صبر اور برداشت سے کی جائے۔

۸۔ آنحضور ﷺ کی ذات ایک مکمل نمونہ ہے۔ سیرت طیبہ کی عظیم صفات نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آپ کو لوگوں کے دلوں کے قریب کر دیا۔

۹۔ آنحضور ﷺ نے دعوت دین کے راستہ پر بہت سی آزمائشوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا، لیکن کبھی بھی عدم برداشت کا رویہ

اختیار نہیں کیا۔

۱۰۔ مدینے میں اسلامی ریاست کا قیام مسلمانوں کو مدینے کی طرف ہجرت کے لئے سازگار حالات کی فراہمی اور میثاق مدینہ میں مسلمان اور غیر مسلم باشندوں کا اتحاد آپ کی سیرت طیبہ کے اس پہلو کی وجہ سے ہوا جس سے فریقین میں جذبہ برداشت پیدا ہوا۔ نیز تمام معاہدات امن وصلح بالخصوص تاریخ ساز معاہدہ کی صلح حدیبیہ دراصل آپؐ کے بے مثال تحمل و برداشت کی ہی بدولت عمل میں آیا، جس کے انتہائی مثالی اثرات بھی مرتب ہوئے۔

۱۱۔ مسلمانوں کے خلاف جنگیں دراصل مخالفین اسلام کے مسلمانوں کے خلاف عدم برداشت کے رویے کی عکاسی کرتی ہیں۔ غزوات میں مسلمانوں کی طرف سے مثبت نتائج حضور رسول اکرم ﷺ کے دوسروں کو برداشت کرنے کے رویے کی وجہ سے ہی ہوا۔

۱۲۔ رسول اکرم کی خارجہ ریاست اور وفود کا استقبال اور اپنے سفراء کی روانگی آپ کی طرف سے برداشت کا زبردست مظاہرہ ہے۔

۱۳۔ موجودہ قومی اور بین الاقوامی سطح پر بڑھتے ہوئے عدم برداشت کے رجحان کو سیرت طیبہ کی روشنی میں اعتدال کے راستے پر لایا جا سکتا ہے کیونکہ سائنسی ترقی کے ساتھ ساتھ سماجی ترقی کے لئے آج کے انسان کو تحمل و برداشت کی اشد ضرورت ہے۔ یہی صلح حدیبیہ کا اصل پیغام ہے، جو تحمل و برداشت کا ایک عظیم عملی نمونہ اور سیرت طیبہ کا ایک روشن ترین پہلو ہے اور ہمارے لئے ایک مشعل راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی میں امت مسلمہ کی رہنما کا راز پوشیدہ ہے اور اسی سے مسلم امہ کا مستقبل اور عروج وابستہ ہے۔

بین المذاہب مکالمہ اور عالمی ہم آہنگی کی ایک روشن مثال: صلح حدیبیہ:
مسلم امہ کے بہتر مستقبل کے لئے ایک رہنما اصول:

قرآن کریم کی سورۂ ممتحنہ میں بین المذاہب عالمی آہنگی اور احسان کے حوالے سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا واضح ارشاد موجود ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا، ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے تم کو خدا منع نہیں کرتا۔ خدا تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (۳۶۹)

اس آیت کریمہ میں بڑی وضاحت کے ساتھ اللہ تبارک تعالیٰ نے بھلائی اور انصاف کا حکم دیا ہے اور ساتھ یہ کہا کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ آج جب کہ فاصلے سمٹ چکے ہیں۔ بین الاقوامی طور کے ہر مذہب کا، ہر مذہب کے ماننے والا سے رابطہ ہوتا ہے بلکہ ایک دوسرے کی معیشت، روزگار، توانائی ایک دوسرے سے وابستہ ہے، تو ایسی طور میں بین الاقوامی ہم آہنگی کی ضرورت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

نبی رحمت ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلم اقوام اور دیگر مذاہب کی بڑی خندہ پیشانی سے برداشت فرمایا اور ہر ایک کو مذہب وعقیدہ کی آزادی مرحمت فرمائی۔ ان سے پُر امن ہتائے باہمی کے اصول کے تحت ایسے عظیم معاہدات کئے کہ جن میں انسانی و معاشرتی حقوق پر مشتمل دفعات کے علاوہ ان کے ساتھ اتحاد، یگانگت اور ہم آہنگی کا مظاہرہ کیا گیا۔ اس کی نظیر پوری

مذہبی تاریخ اور خود مشرکین اور یہود و نصاریٰ کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ یہ معاہدے مختلف عقائد، مذاہب، اقوام اور جماعتی وابستگی رکھنے والوں کو اعلیٰ انسانی مقاصد کی خاطر ایک عالمی نظام میں متحد کر دینے کی بے نظیر مثالیں ہیں۔

عالمی اتحاد و یگانگت کے فروغ کے لئے صلح حدیبیہ کی ضرورت واہمیت:

آپ ﷺ نے نہ صرف مسلمانوں کے تحفظ کے لئے بلکہ عالمگیر اور ہمہ گیر امن واتحاد کے لئے یہ معاہدات کئے جن میں ہر شخص کو رائے اور ضمیر کی مکمل آزادی کے ساتھ فیصلہ کرنے کا موقع دیا گیا۔ اس طرح سیرت مقدسہ کا یہ روشن پہلو بین الاقوامی حیثیت رکھتا ہے اور پوری دنیا کے لئے رہنما اصول کا کام دیتا ہے۔(۳۷۰)

عیسائیوں اور یہودیوں کے متعلق جو رویہ مسلمانوں کا رہا ہے، اس کے متعلق تین واقعات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آنحضرت ﷺ کا مدینے کے یہود سے معاہدہ کرنا۔ نجران کے عیسائیوں کو آزادی کا منشور دینا اور فلسطین کی فتح کے بعد حضرت عمرؓ کی جانب سے ایلیاء کے باشندوں کو آزادی کا منشور پیش کرنا۔ اسی طرح آذر بائیجان، جرجان اور مدائن کے شہریوں کو جو امان نامے حضرت عمرؓ نے دیئے وہ بھی ایسے ہی تھے۔ تاہم اس میں مذہبی قوانین کی حفاظت اور ان کے مطابق زندگی بسر کرنے اور ان کے مقدمات کے فیصلہ کرنے کی آزادی بھی شامل تھی۔(۳۷۱)

اعتدال پسند مسلمان کی رائے میں اس وقت صلح حدیبیہ کی طرح کے کسی معاہدے کی ضرورت ہے جس کا اہتمام رسول اللہ ﷺ نے مدینہ ہجرت کے چھ سال کے بعد مکہ کے جنوب میں حدیبیہ کے مقام پر کیا تھا۔ مسلمان فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے جا رہے تھے مگر مکہ کے سردار اس کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔ اس وقت دونوں فریق جنگ کے لئے تیار تھے۔ مسلمانوں نے عہد کیا (بیعت رضوان) کہ وہ آخری آدمی تک لڑیں گے لیکن رسول اللہ ﷺ نے محسوس کیا کہ امن جنگ سے زیادہ اہم ہے۔ اہل مکہ کو یہ باور کرانے کے لئے کہ وہ فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے آئے ہیں، نہ کہ جنگ کے لئے۔ آپ ﷺ نے تحمل اور اعتدال پسندی کی مثال قائم کی۔ اگرچہ یہ معاہدہ سخت اور ہتک آمیز تصور کیا گیا اور مسلمانوں نے اس کا برا منایا۔ شروع میں حضرت عمر بن الخطاب سمیت بہت سے مسلمانوں نے اس پر بے چینی کا اظہار کیا، مگر بالآخر یہ مسلمانوں کے لئے بے حد مفید ثابت ہوا اور اس سے رسول اللہ ﷺ کی عمیق سیاسی دانائی، تدبر اور دور اندیشی بھی ثابت ہوگئی۔ اسلامی تاریخ اور حیات طیبہؐ کے حوالے سے یہ بین المذاہب اور عالمی ہم آہنگی کی یہ روشن ترین مثال اور مشعل راہ ہے۔ صلح حدیبیہ اور اسلامی تاریخ کا ایک تابندہ باب ہے، جن حالات میں یہ صلح ہوئی اس دوران قریش کی طرف سے جس قدر ناپسندیدہ اور ناقابل برداشت رویے کا اظہار کیا گیا، کتب سیرت آج اس کو گواہی کے لئے پیش کئے جا سکتے ہیں، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس صبر، استقلال اور برداشت کا مظاہرہ فرمایا، تاریخ انسانی اس قسم کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ظاہر میں اس وقت یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ یہ آپ ﷺ کی کھلی ناکامی کے مترادف ہے، لیکن بعد میں رہتی دنیا نے دیکھ لیا کہ کون ہارا اور کس کی جیت ہوئی۔ قرآن میں مسلمانوں کو فی دین اللہ افواجا کی نوید سنائی گئی اور معاہدہ جسے شکست سمجھا جا رہا تھا، خالق کائنات نے اس کو "فتح مبین" قرار دیا۔(۳۷۲) یہی معاہدہ فتح مکہ کا سبب بنا، اس موقع پر بھی محسن

انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جذباتی رویے کے بجائے فراخدلی، درگذر، صلح و آشتی، عفو و رحمت کا مظاہرہ اپنے شایانِ شان فرمایا، جس پر بلاشبہ آج تک مسلم امہ فخر کا برملا اظہار کرتی آرہی ہے۔ (۳۷۳)

ایک مرتبہ پھر مسلمانوں کو اس کی ضرورت ہے۔ انہیں رضوان کی طرح کی ایک بیعت اپنے آپ سے کرنے کی ضرورت ہے۔ انہیں امہ کی فلاح کے لئے قربانی دینی ہوگی اور اپنے پُر امن مقاصد کے بارے میں اپنے اثباتی اقدامات کے ذریعے مغرب کو یقین دہانیاں کرانی ہوں گی، امن کو یقینی بنانا ہوگا اور خود کو ایک دوسرے کی فلاح و بہبود کے لئے وقف کرنا ہوگا۔ (۳۷۴)

قرآن کریم میں ۲۵ سے زائد مقامات پر پوری شدت کے ساتھ معاہدات کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس پر بڑے اجر کا وعدہ کیا گیا ہے۔ (۳۷۵) آپ ﷺ کے معاہدات میں دو باتیں خاص نظر آتی ہیں۔ پہلی یہ کہ معاہدات میں رواداری اور برداشت، دوسرا یہ کہ معاہدہ برابری کی بنیاد پر یا جھک کر قبول کر لیتے۔ آپ ﷺ کے معاہدات سے فاتح کی حیثیت نمایاں نہیں ہوتی بلکہ مصلح کی حیثیت ابھر کر سامنے آتی ہے۔ آپ ﷺ نے میثاقِ مدینہ کے نام سے جو معاہدہ کیا وہ بھی یہودیوں کے ساتھ رواداری کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

اس قسم کے سیکڑوں واقعات کتب سیرت و حدیث میں موجود ہے، جن کی روشنی میں مسلم امہ کا ہر فرد انفرادی اور اجتماعی طور پر رہنمائی حاصل کر سکتا ہے، لیکن افسوس اس بات کا ہے، ہم مسلمان ہونے کے ناطے حضور ﷺ کے اتباع میں کامیابی کے دعوے کے باوجود آپ ﷺ کی تعلیمات سے اتنا دور نکل چکے ہیں کہ ان کی تعلیمات پر عمل کرنا حقیقی معنوں میں نتیجہ خیز نظر نہیں آتا، اس کا بنیادی سبب تعلیمات نبوی ﷺ کے منصفانہ مطالعہ سے محرومی ہے، انفرادی زندگی میں تو ہم اسوۂ حسنہ کو اختیار کرتے ہیں، لیکن اجتماعی مسائل میں اسے اختیار کرنے سے اپنی ذلت محسوس کرتے ہیں۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ جب وحی الٰہی کو اپنا رہبر و رہنما ماننے والے مسلمان تعلیمات نبوی ﷺ سے بے نیاز ہوں گی، غیر اسلامی قوموں کی طرح عقل کو پیشوا بنا کر ان کی روشنی میں انفرادی، اجتماعی اور معاشرتی مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرتا ہے، تو یہ عقل اس کو حیوانیت کی آخری منزل تک ایسا پہنچا دیتی ہے اور تباہی کے دہانے پر ایسا لا کھڑا کر دیتی ہے کہ اسے اپنی تباہی کے بچاؤ کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ ان عوامل کی وجہ سے مسلم معاشرہ زوال پذیر ہے، پستی کی اس صورت حال نے باہمی اخوت و الفت اور فضائل اخلاق سے کوسوں دور کر دیا ہے، اغیار اس زبوں حالی کا مضحکہ اڑانے لگے ہیں۔

اس کا قدرتی اثر یہ ہو رہا ہے کہ امت مسلمہ کی نئی نسل اسلام کے ابدی پیغام سے بے بہرہ ہو کر ردِ عمل کی نفسیات کا شکار ہو چکی ہے، ردِ عمل کی نفسیات میں مبتلا انسان، مخالفانہ کارروائی کر کے معاملے کو مزید بگاڑ دیتا ہے اور وہ یقینی طور پر اس کو اپنے حق میں استعمال نہیں کر سکتا۔ اس کے مقابلے میں ایمان والا، جو تعلیمات نبوی ﷺ سے رہنمائی حاصل کرتا ہے، وہ جب اپنے خلاف کوئی صورت حال دیکھتا ہے، تو ٹھنڈے دل سے سوچ کر کارروائی کرتا ہے اور فریق ثانی کے اندر خدا کے احساس کو جگانے کی کوشش کرتا ہے، فریق ثانی کے اندر چھپی ہوئی فطرت کو جگانا سب سے بڑی کامیابی ہے، یہ کام وہ آدمی کر سکتا ہے، جو ردِ عمل کی نفسیات سے مکمل طور پر خالی ہو اور یہی تعلیمات نبوی ﷺ کا نچوڑ ہے۔

مندرجہ بالا بحث سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اسلام نا صرف اتحاد بین المسلمین کا بلکہ اتحاد بین المذاہب مکالے اور عالمی ہم آہنگی کا زبردست حامی ہے اور تمام معاہدات نبوی بالخصوص صلح حدیبیہ اس کی روشن ترین مثال ہیں اور مسلم امہ کے بہترین مستقبل کے لئے ایک رہنما اصول کی حیثیت رکھتے ہیں جبکہ انتہا پسندانہ رویہ غیر فطری، غیر اسلامی اور غیر اخلاقی فعل ہے، کسی بھی صورت میں مسلم امہ اور اسلام کے لئے مفید نہیں۔ اسلامی تعلیمات کے عین منافی ہے اور اسلام اور تعلیمات نبوی ﷺ کے لئے بالکل اجنبی ہے۔ انتہا پسند آدمی تشدد کے ذریعے اپنا مقصد حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، جب کہ اسلام کا مقصد دل و دماغ کو بدلنا ہے۔ دل و دماغ تشدد سے نہیں بدلتے، دل و دماغ کے بدلنے کا کام ناصحانہ طریقہ سے کیا جاسکتا ہے، نہ کہ انتہا پسندانہ رویوں سے، اس لئے عصر حاضر میں انتہا پسندی کی آڑ میں تشدد کے روز افزاں لوز رجحانات کے پس پردہ، جو عوامل کارفرما ہیں، ان کی نشاندہی کرنے اور خطرات سے عالم اسلام خصوصاً وطن عزیز کے باشعور عوام کو خبردار اور متنبہ کرنے کی ذمے داری اہل علم و دانش پر عائد ہوتی ہے اور یہ عصر حاضر کا اہم تقاضا ہے۔

معروف عرب مصنف محمد احمد باشمیل کا نقطۂ نظر اور صلح حدیبیہ کے تناظر میں مسلم امہ کا مستقبل:

معروف محقق محمد احمد باشمیل اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''صلح حدیبیہ'' میں رقمطراز ہیں کہ ''اس تاریخی صلح کے انعقاد تک یا اس سے قبل جو کچھ بھی ہوا وہ عسکری ڈکشنری کے معروف معنوں کی رو سے حربی معرکہ نہ تھا اور نہ ہی حدیبیہ کے کنکریلے نالے میں بدر کے نشیب، اُحد کی گھاٹیوں، خندق کے کناروں اور خیبر کی وادیوں اور چوٹیوں کی طرح کا قریش اور مسلمانوں کے درمیان کوئی خونریز معرکہ ہوا تھا جن کے نتائج اسلام اور مسلمانوں کے لئے بہت اچھے ہوئے تھے، لیکن صلح حدیبیہ کے مثبت نتائج بھی، ان کامیاب، خونریز اور فیصلہ کن معرکوں کے نتائج سے کم تر نہ تھے بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے حدیبیہ کے مقام پر جو صلح کی، اس نے دعوت اسلام کو (سیاسی، روحی، معنوی اور عسکری لحاظ سے) وہ فوائد پہنچائے جو آپ کو کسی بھی معرکہ سے حاصل نہیں ہوئے جس میں آپ اور آپ کے اصحاب نے تیر و تلوار یا نیزے کے ساتھ شمولیت کی ہو۔ اس بات کی شہادت ان کبار صحابہ نے بھی دی ہے جنہوں نے اس صلح کے انعقاد پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت معارضہ کیا تھا بلکہ ان فوائد کی عظمت پر خود قرآن کریم نے بھی گواہی دی ہے اور قیامت تک پڑھی جانے والی آیات میں ان فوائد کا ذکر کر کے ان کو دوام بخشا ہے یعنی صلح حدیبیہ کو ''الفتح المبین'' قرار دیا ہے اور یہ وہ بات ہے جسے قرآن کریم نے عہد نبویؐ میں ہونے والے کسی بھی معرکہ یا واقعہ کو سوائے صلح حدیبیہ کے نتائج کے لحاظ سے ایسا قرار نہیں دیا یہاں پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ صلح حدیبیہ نے مثبت نتائج کے لحاظ سے عہد نبویؐ میں اسلام اور بت پرستی کے درمیان ہونے والے سب سے بڑے معرکے سے بھی زیادہ کچھ حاصل کیا ہے جس سے اسلام کے پاؤں مضبوطی سے جم گئے اور عملاً بت پرستی کی بنیادیں کھوکھلی ہو گئیں پھر گر پڑیں اور ان کا وجود مضمحل ہو گیا۔

حدیبیہ کی یہ تاریخی صلح اسلام کے فیصلہ کن معرکوں میں شمار ہوتی ہے کیونکہ نتائج کے لحاظ سے اس پر ''فیصلہ کن معرکہ'' کا نام بکلی طور پر اطلاق پاتا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صلح حدیبیہ تک یونہی نہیں پہنچ گئے تھے بلکہ اس سے قبل آپ کو داخلی اور خارجی محاذوں پر شدید معرکوں کے ایک سلسلہ سے گزرنا پڑا تھا۔ داخلی محاذ آپؐ کے ان اصحاب کا تھا جو اس صلح کے شدید مخالف تھے اور خارجی محاذ، آپؐ کی قوم، اہل اور خاندان کے ان مشرک قریش کا تھا جنہوں نے آپ کو اور آپؐ کے اصحاب کو بھڑکانے کے لئے اضطراب اور تحدی کا ہر حربہ استعمال کیا۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ سے نکلنے کے بعد اور اس صلح کے پختہ ہونے تک دو محاذوں پر شدید معرکوں سے نبرد آزما ہونا پڑا۔ اپنے اصحاب کے دائرہ میں اس معرکے کے دو پہلو تھے۔

۱۔ عقل غالب، وسعتِ افق، دُور اندیشی، وقار، بردباری اور حدود نا آشنا صبر و تحمل اور برداشت۔

۲۔ پُر جوش جذبات، جن کا حامل، عواقب کے بارے میں نہیں سوچتا۔

حضور نبی کریم ﷺ عقل، صبر، بردباری اور وقار کے پہلو کی رو سے غور و فکر کرنے، صبر کرنے اور اپنے اہل اور خاندان کے مضطرب کرنے کا جواب اسی طرح مضطرب کرنے سے نہ دینا چاہتے تھے بلکہ جنگ کے نظریہ کو دور کرنے اور مسلمانوں اور قریش کے درمیان صلح کروانے کے لیے مجاہدانہ طور پر کام کر رہے تھے اور عام اصحاب پر جوش طور جذبات کی رو سے اس صلح کا شدید معارضہ کر رہے تھے اور قریش کے ساتھ جلد از جلد خونریز معرکہ آرائی چاہتے تھے وہ حدیبیہ کے طویل انتظار اور مسلمانوں کو ذلیل کرنے والی اور ان کی عزت کا داغ دار کرنے والی بعض شرائط کے مقابل تلوار سے فیصلہ کرنے کو بہتر خیال کرتے تھے۔

اپنے اہل اور اپنے مشرک خاندان کے دائرہ میں آپ ﷺ کو دو متقابل چیزوں سے واسطہ پڑا۔

۱۔ صلہ رحمی کرنے، اس کی حفاظت کرنے اور اس کے حق رعایت کے جذبے کے داعیہ سے اور اپنے اہل اور خاندان کو ہدایت دینے کی خواہش سے، تا کہ وہ شرک کی ظلمت سے نکل کر توحید کے نور کو حاصل کر لیں اور خون کی حفاظت اور روح کو صیانت (خواہ وہ کسی کی بھی ہو) کے لیے کام کرنے سے۔

۲۔ جاہلیت کے اکھڑپن اور بتوں کی بڑائی کی لاف گزاف کے جذبہ سے جو ہر وقت ان کے سر پر سوار رہتا تھا اور شر اور اکڑپن اور سرکشی کے جذبات کے سامنے جھکنے والی استجابت سے۔

آنحضرت ﷺ پہلے جذبہ کے ہم خیال تھے اور اپنی قوم اور خاندان کو قانونی طور پر یہ پیغام پہنچانا چاہتے تھے کہ وہ جنگ کے لیے نہیں آئے اور نہ ہی انہیں جنگ سے کوئی دلچسپی ہے وہ صرف عمرہ کے لیے آئے ہیں اور کعبہ کی زیارت کے بعد، وہ جس جگہ سے آئے ہیں وہیں اپنے اصحاب کے ساتھ واپس چلے جائیں گے۔

اور قریش مغلظ قسمیں کھاتے تھے کہ وہ محمد ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحابؓ کو بیت اللہ میں نہ آنے دیں گے خواہ وہ زیارت کے لیے ہی آئیں، انہوں نے اپنی اور اپنے حلیفوں کی تمام فوج کو اکٹھا کیا جو آٹھ ہزار جانبازوں پر مشتمل تھی اور مکہ سے باہر ان کے ساتھ پڑاؤ ڈال دیا تا کہ وہ اپنی اس گنہگارانہ قسم کو سچ کر دکھائیں۔

آنحضرت ﷺ ایک کے بعد دوسرے ثالث کو قریش کے طرف بھیج رہے تھے کہ وہ قریش کو صلح کی دعوت دے اور انہیں یقین دلادے کہ آپ ﷺ کو جنگ سے کوئی دلچسپی نہیں اور ان کے سامنے صلح کی بات پیش کرے تا کہ مسلمان اور قریش باہم امن و

سلامتی کے ساتھ رہیں۔

رسول کریم ﷺ ان کی مصالحانہ مساعی کے بالمقابل قریش اپنی خودسری اور سرکشی میں بڑھ رہے تھے انہوں نے اپنے شہسواروں کی کئی ٹکڑیاں حضرت نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب کا راستہ بنوک شمشیر روکنے کے لیے بھیجیں تا کہ وہ انہیں جنگ کی طرف کھینچ لائیں جس کے لیے نہ تو آپ ﷺ گھر سے نکلے تھے اور نہ آپ ﷺ کو اس سے کچھ دلچسپی تھی۔

رسول کریم ﷺ نے اپنے اہل اور خاندان کے ساتھ خونریز جنگ سے بچاؤ اختیار کرنے کے لیے اس شاہراہ پر چلنا چھوڑ دیا جسے خالد بن ولید اپنے مشرک سواروں کے ساتھ روکے ہوئے تھے اور ایک غیر معروف راستے پر چل پڑے تھے تا کہ وہ انہیں حدیبیہ کے مقام پر پہنچادے، وہاں پر آپ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ حرم سے باہر اس موقع کے انتظار میں بیٹھ گئے کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اہل اور خاندان کے درمیان صلح ہو جائے تا کہ آپ ﷺ کے اصحاب اور مشرکین مکہ کے درمیان ایسا ٹکراؤ نہ ہو جائے جو جنگ تک نوبت پہنچادے اور جنگ سب باتوں سے زیادہ ناپسند تھی اور قریش ان تمام اخلاقی شرافتوں اور انسانی بلندیوں کے بالمقابل اپنے بے وقوفوں کو بھیج رہے تھے کہ وہ رات کی تاریکی میں حدیبیہ کے مقام پر مسلمانوں کے پڑاؤ میں گھس کران پر غارت گری کر کے ان کے جذبات واحساسات کو برانگیختہ کر دیں تا کہ وہ اپنا صحیح مقام حاصل نہ کر سکیں۔

رسول کریم ﷺ نے ان ستر مشرکین کو چھوڑ دیا جو آپ ﷺ کے پڑاؤ میں گھس آئے تھے۔ حالانکہ آپ ﷺ کے مقرر کردہ نگرانوں نے انہیں چوری چھپے گھستے ہوئے پکڑ لیا تھا۔ آپ ﷺ نے انہیں ازراہ لطف وکرم اور صلہ رحمی کرتے ہوئے کشیدگی کی حدت کم کرنے کے لیے معاف فرمادیا۔

قریش نے اس مشکل اور مصیبت میں مزید اضافہ کرنے کے لیے حضور نبی کریم ﷺ کے خاص نمائندہ حضرت عثمانؓ بن عفان اور دس صحابہؓ کو جو سادات قریش کی اجازت سے مکہ میں داخل ہوئے تھے اور ان کی پناہ میں تھے روک لیا جس کی وجہ سے حدیبیہ میں رسول کریم ﷺ کے صحابہؓ کے درمیان کشیدگی میں اضافہ ہو گیا اور دلوں میں جوش وخروش بڑھ گیا اور ان کی آوازوں میں بھی اضافہ ہو گیا جو باغی قریشیوں کی تادیب کرنے اور بنوک شمشیر ان کے بتوں کی بڑائی کی ناک کاٹنے کی دعوت دینے لگیں اور حضور نبی کریم ﷺ ان دونوں باتوں کے بالمقابل اس بات کے آرزومند تھے کہ امن اور سلامتی کے دور دورہ ہو اور دونوں چھاؤنیوں کے درمیان موافقت پیدا ہو جائے نیز آپ ﷺ ماحول کر خوشگوار بنانے اور کشیدگی کی حدت کو کم کرنے کے لیے سرگرم عمل تھے۔

رسول کریم ﷺ کو کٹھن مشکلات اور سخت پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا، ان میں سے بعض مشکلات تو اعصاب کو توڑ دینے کے لیے کافی تھیں اور ان کا مقابلہ کرنے والے کو دائرہ حلم وصبر وتحمل اور برداشت سے خروج کرنے پر آمادہ کر دینے والی تھیں۔

اگر ان مشکلات اور پریشانیوں کا مقابلہ کرنے والے محمد بن عبد اللہ نبی اللہ نہ ہوتے جو نہایت عقل مند اور تمام بنی نوع انسان سے زیادہ پرسکون تھے تو واقعی دوسرے آدمی کے اعصاب شل ہو جاتے اور وہ صبر وحلم کا دامن چھوڑ دیتا۔

رسول کریم ﷺ نے ان تمام کٹھن مشکلات کو سلجھایا اور ان تمام دشواریوں پر اپنی عمیق حکمت، راست روی، دانش مندی، دور

اندیشی اور وسعت علم کے ساتھ قابو پالیا، یہاں تک کہ سید البشرؐ اور بشریت کے نجات دہندہ کی عظیم جدوجہد کا پکا ہوا پھل، حدیبیہ کی وہ تاریخی صلح ہے، جس سے دعوت اسلامی کو دو سال کے اندر وہ فوائد حاصل ہوئے جو اسے انیس سال میں حاصل نہ ہو سکے تھے، جیسا کہ ثقہ محدثین نے سنت نبوی ﷺ کی کتب میں ان باتوں کو ریکارڈ کیا ہے۔

صلح حدیبیہ تاریخ کے اہم واقعات میں سے ایک عظیم واقعہ ہے، اس صلح کے ہوتے ہی جزیرہ عرب میں اسلام اور بت پرستی کے درمیان ہونے والی جنگ اسلام اور مسلمانوں کے مفاد میں ہوگئی یہاں تک کہ اس نے شرک اور بت پرستی کا مکمل طور پر خاتمہ کر دیا اور سیادت تامہ فقط توحید کے لیے باقی رہ گئی۔

صلح حدیبیہ میں حلم وصبر، ضبط نفس، ایفائے عہد، تنقید کو قبول کرنے، معارضہ کرنے اور بلند شریفانہ مقاصد تک پہنچنے کے واسطے تکالیف کو برداشت کرنے لیے بہت سے مواعظ وعبر، اسباق اور حکمتیں پائی جاتی ہیں جو اس لائق ہیں کہ ان کی ریسرچ کا اہتمام کیا جائے اور ان سے استفادہ کے لیے انہیں بنظر تحقیق دیکھا جائے اور ان کے نور سے روشنی حاصل کی جائے۔

خصوصاً ان لوگوں کے لیے اس صلح میں بہت سی حکمتیں پائی جاتی ہیں جو کسی قوم کی منزل اور جستجو میں ہوں اور قیادت کی کرسی پر متمکن ہوں ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہم سب کو حضرت نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے آل واصحاب کی ہدایت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ واللہ اکبر واللہ الحمد۔" (۲۷۶)

امت مسلمہ کا کردار۔ چند ناگزیر تقاضے
(صلح حدیبیہ کے تناظر میں مسائل اور چیلنجز کے حوالے سے مختصر جائزہ)

حقوق انسانی کا اسلامی تصور اجاگر کرنا:

آج امت مسلمہ پر لازم آتا ہے کہ وہ اپنی اعلیٰ اسلامی، معاشرتی اور انسانی صفات کا عملی مظاہرہ کرے اور حقوق انسانی کے تحفظ کا وہ نمونہ پیش کرے جو اس کے اسلاف نے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ عفو ودرگزر، صبر واستقلال اور عدل وانصاف کے ذریعے وہ معاشرے تشکیل دے، جس کی مثال سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے صحابہؓ نے دنیا کے سامنے پیش کی تھی۔

اسلام کی روحانی اقدار کو اجاگر کرنا:

اسلام نے روحانیت کی تعلیم کو "الاحسان" کے لفظ سے موسوم کیا ہے۔ اسلام میں عبادات کو مقصد ہی انسان کو روحانی تسکین فراہم کرنا اور اسے اپنے اللہ کے قریب تر لے جانا ہے۔

مذاہب کے درمیان مشترکہ اخلاقی اقدار کو اجاگر کرنا:

آج امت مسلمہ پر فرض عائد ہوتا ہے کہ ان اعلیٰ اخلاقی اقدار کو مل جل کر فروغ دے، جو اسلاف سے اس نے میراث میں پائی

تھیں اور جنہیں اب وہ کافی حد تک گنوا بیٹھی ہے اور جو تمام آسمانی مذاہب میں مشترک ہیں، صداقت، امانت، دیانت، ایفائے عہد، انصاف، باہمی محبت، شفقت اور تعظیم کی صفات نہ صرف اس کے اندر پیدا ہو جائیں بلکہ ان کے فروغ کے لئے ہر مسلمان انفرادی سطح پر بھی ان کا عملی نمونہ بن جائے۔ ہر مومن ان اوصاف حمیدہ کا اس طرح مظاہرہ کرے کہ دوسروں کے دلوں میں اس کے خلاف بھری کدورت نہ صرف نکل جائے بلکہ وہ از خود اس طرف کھچے چلے آئیں۔(۳۷۷)

ہر مسلمان دین کا سچا داعی بن جائے: آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر مومن کا جسم اور روح دونوں صحیح معنوں میں سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں لگ جائے۔ وہ خدا کے سچے دین کا سچا داعی بن جائے۔ وہ ہدایت کا ایسا چراغ بن جائے جو جہاں بھی جائے، اس کے ارگرد کا ماحول اس کے کردار اور اس کے پاکیزہ الفاظ کی کرنوں سے جگمگانے لگے۔ اس کے لباس، خوراک، رہن سہن، بود و باش، بول چال اور معاملات سے وہی خوشبو آئے جو آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کی سیرت سے آیا کرتی تھی۔ وہ حق کا پیغام گھر گھر پہنچانے پر کمربستہ ہو جائے۔ وہ اپنے اللہ کا فرمان اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز بن جائے۔ اسے اپنے مسلمان ہونے پر فخر ہو اور اس پر نظر پڑے تو اللہ یاد آ جائے:

آج بھی ہو جو ابراہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

نیا عالمی منصوبہ:

امت مسلمہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایسا عالمی اسلامی منصوبہ تشکیل دے جس پر عمل پیرا ہو کر پس ماندگی کی حالت کو بدل کر ترقی اور سبقت لے جانے کی فضا پیدا ہو سکے۔ ہم بلاشرکت غیرے ایک ہزار سال تک دنیا کی قیادت کرتے رہے ہیں۔ ہماری تہذیب و تمدن ساری دنیا میں رائج تھی۔ ہم نے ساری دنیا کے لوگوں کو آداب حیات سکھائے تھے۔ ہم پر یہ واضح رہنا چاہئے کہ جہالت و پس ماندگی ہماری سرشت کا حصہ نہیں اور نہ ہی ہماری موجودہ حالت اسلام کے مزاج سے میل کھاتی ہے۔ اس لئے یہ درست نہ ہوگا کہ ہم انقلابات زمانہ کے شانہ بشانہ چلیں۔ اس دور کی خاصیت اطلاع و ابلاغی و فضائی انقلابات ہیں جن سے منہ موڑے رکھنا یا پہلوتہی برتنا کسی طرح بھی قابل قبول نہیں۔ کیا ہم کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کے دور میں پرانے آلات و وسائل پر ہی اکتفا کئے رہیں؟ نہیں ایسا نہیں ہونا چاہئے۔

حصول ترقی کے لئے ضروری ہے کہ مسلمانوں میں رائج فلسفہ تعلیم و نظام میں مثبت تبدیلیاں لائی جائیں تا کہ اسلامی معاشرے میں اعلیٰ جدید تعلیم یافتہ ماہرین تیار ہوں، جو نئی ایجادات کی قدرت رکھتے ہوں۔ اس وقت ساری دنیا میں مسلمان ماہرین اور سائنس دان پھیلے ہوئے ہیں۔ ایسے حالات پیدا کرنے ہوں گے کہ اسلامی معاشرے میں خدمات انجام دینے کے لئے وہ اپنے ممالک میں بخوشی واپس آسکیں۔ ہمیں شرح خواندگی کی کمی کو بھی دور کرنا ہوگا اور اس کے لئے قابل عمل منصوبہ بنانا ہوگا (۳۷۸)

عالمی صیہونی تحریک کا مقابلہ:

امت مسلمہ کے لئے ممکن نہیں کہ تہذیب وتمدن کی بلندیوں کو چھولے جب تک کہ وہ اپنے وجود کے خلاف ہونے والی عالمی صیہونی سازش کا مقابلہ کرتے ہوئے اسے شکست فاش نہ کردے۔ اسی طرح نصرانیت اور ہندومت کی سازشوں کو سمجھنا اور ان کا مقابلہ کر کے انہیں شکست دینا بھی اسی کا جزو ہے۔ یہ ہدف زبانی دعوؤں سے حاصل نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اس کے لئے بصیرت افروز پختہ سوچ اور گہرے ایمانی جذبات کا پایا جانا ضروری ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ صلح حدیبیہ کی طرز پر حکومت وبصیرت سے مزین معاہدات امن وصلح عمل میں لائے جائیں۔

امت مسلمہ کے احیا کے لئے یہ ضروری ہے کہ عوامی سطح پر اور حکومتی وعسکری سطح پر نئے عزم اور ولولے سے پختہ بنیادوں پر کام کا آغاز کیا جائے۔ وہ طرز فکر وعمل اپنایا جائے جس سے ہر مسلمان نفسیاتی، فکری اور تہذیبی وتمدنی حوالے سے اپنا سر بلند کر کے چل سکے اور عظیم تر اسرائیل (اور اکھنڈ بھارت) کے خوابوں کو پاش پاش کرنے کے لئے حوصلہ پا سکے۔

ہمہ جہت ترقی کے لئے جدوجہد:

جس ہدف کو ہمیں خاص اہمیت دینی چاہئے اور جس کے حصول کے لئے ہمیں کمر بستہ رہنا چاہئے وہ اسلامی معاشرے کی ہمہ جہت مجموعی ترقی کا حصول ہے۔ اس کے لئے بھرپور اور دوررس منصوبہ بندی کی جائے۔ یہ انسانی وسائل کو انسانی ترقی کے لئے سرگرم کرنے سے ممکن ہے۔ یعنی انسان ہی اس کا محور ہے اور خود انسان ہی اس کے حصول کا ذریعہ ہے جو موجودہ وسائل بہترین انداز سے استعمال کرتے ہوئے ترقی کی منازل طے کرنے کا سبب بن سکتا ہے۔ یہ ہمہ جہت ترقی مسلمانوں کی اقتصادی ترقی، پیداوار کے متوازن استعمال اور معاشرے میں اس کی منصفانہ تقسیم، لوٹ کھسوٹ اور ملاوٹ وبدعنوانی کو ترک کرنے سے ممکن ہے۔ اگر ایسا ہو سکے تو امت مسلمہ اقتصادی دباؤ سے نکل آئے گی۔ مسلمان ممالک میں خود کفالت کی صورت پیدا ہو سکے گی اور آپس میں ایک دوسرے کی ضروریات واحتیاجات کو پورا کرنا ممکن ہوگا (۳۷۹)

منصفانہ معاشرے کا قیام:

ترقی کے حصول کے لئے ہمیں معاشرتی ظلم وزیادتیوں کے خلاف بھی علم جہاد بلند کرنا ہوگا۔ یہ فساد اور ظلم وجبر مسلمانوں کے معاشرے میں عام ہے۔ ہمارے لئے لازم ہے کہ عدل اجتماعی کو قائم کریں، جس سے حق دار کو اس کا حق ملنے کی ضمانت فراہم ہو، یہاں تک کہ ہر بے روزگار کو بہتر روزگار، مزدور کو اچھی اجرت، بھوکے کو روٹی، مریض کو دوا، بے سہارا کو سہارا، بے لباس کو لباس، ہر محنت کرنے والے کو بہترین صلہ اور محتاج کو کفایت کرنے والا وسیلہ فراہم ہو جائے۔ حقیقی منصفانہ معاشرہ وجود میں لانے کی کوشش، ترقی اسلام کی کوشش ہے جس کی اشد ضرورت ہے۔

خواتین کی اہمیت:

یہ بھی ضروری ہے کہ خواتین کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے ان کو صحیح مقام و مرتبہ دیا جائے۔ خواتین کی اہمیت اس لئے بھی ہے کہ خواتین معاشرے کا عددی لحاظ سے نصف حصہ ہیں، بلکہ اس سے بھی زیادہ ہیں، گھر اور معاشرے پر ان کے براہ راست مثبت یا منفی ہر دو طرح سے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ مسلمان مردوں کے لئے ضروری ہے کہ خواتین کے ساتھ ان کے اولین فریضے کی ادائگی میں معاونت کریں جو گھر کی نگہداشت، خاوند کا خیال اور نسل انسانی کی تربیت کرنے کے اعلیٰ اعمال پر مشتمل ہے۔ اس میں دو رائے نہیں (جنہوں نے تجربات کرنے تھے، کر لئے پھر بھی یہی نتیجہ نکلا) کہ خواتین سے یہ مقام کوئی اور نہیں لے سکتا اور نہ ہی اسے درست انداز سے ادا ہی کر سکتا ہے۔ لہٰذا خواتین کے ساتھ بھرپور تعاون کیا جانا چاہئے تا کہ وہ اچھی بیوی، بہترین ماں اور مفید شہری ثابت ہو سکیں۔

منصفانہ سیاسی نظام کا قیام:

اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ مذکورہ بالا اہداف اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتے جب تک کہ منصفانہ سیاسی نظام رائج نہ کیا جائے۔ وہ نظام جس سے تمام شہریوں کو ان کے صحیح حقوق حاصل ہو جائیں، جو انسان کے مقام و مرتبے اور آزادی رائے کا احترام کرنے کا ضامن اور انسانی جان و مال و عزت کا رکھوالا ہو۔ یہ ایسا نظام ہو جس سے روح شورائیت بیدار ہو اور خیر خواہی اور ذمہ داری کا جذبہ پروان چڑھے۔ یہ نظام اسلام کے شرعی طرز سیاست پر مبنی ہونا چاہئے۔ جس کا بنیادی مقصد امت مسلمہ کی نشاۃ ثانیہ ہو۔

بیدار امت کی ضرورت:

ان اہداف کے لئے ضروری ہے کہ مسلمانان عالم کو پھر سے بیدار کیا جائے۔ اس کے لئے موجودہ معیار ایمان واخلاق کو اوپر اٹھانے کی سعی کرنی ہوگی یہاں تک کہ آج کے مادی مسلمان میں روحانیت کی بلندی وعظمت پھر سے جاگ اٹھے۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے کہ صرف مادی ترقی امت مسلمہ کے احیائے نو کا سامان نہیں کر سکتی۔ البتہ مادیت و روحانیت کے باہم اشتراک سے یہ ترقی ضرور ممکن ہے۔ (۳۸۰) ہمیں تاریخ سے سبق حاصل کرنا ہوگا۔ قرآن کے اصول عروج و زوال کو پیش نظر رکھتے ہوئے اللہ کی کتاب کو اپنی انفرادی واجتماعی زندگی کی بنیاد بنانا ہوگا۔ ہمیں سیرت طیبہؐ سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے اس کے ہر پہلو سے استفادہ کرنا ہوگا۔ بطور خاص آپؐ کے معاہدات امن وصلح بالخصوص صلح حدیبیہ کو مشعل راہ بنانا ہوگا۔

حاصل کلام:

۱۔ آج امت مسلمہ کے جو حالات ہیں ان پر سنجیدگی سے غور کر کے صلح حدیبیہ کے تناظر میں طویل المعیاد منصوبے بنائے

جائیں، جن کی رو سے آج کے اس خواب کو کل کی حقیقت میں بدلا جاسکتا ہے۔

۲۔ زوال کا وقت ہی وہ مناسب وقت ہے جب عروج کے لئے پلاننگ کی جائے۔

۳۔ دل گرفتگی اور مایوسی کسی مسئلے کا حل نہیں ہوتی اور پر امیدی اور خوش امیدی زندہ رہنے اور جدوجہد کرتے رہنے پر اکساتی ہے، لہٰذا اس مقابلے میں یہی دوسری پالیسی اختیار کی گئی ہے۔

۴۔ قومیں یا تہذیبیں عام طور پر ضعف وادبار کے بعد دوبارہ نہیں اٹھ سکتیں، لیکن مسلم تہذیب اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اس کے نظریاتی ماخذ محفوظ اور موجود ہیں۔

۵۔ امت مسلمہ کے زوال کا بنیادی داخلی سبب اپنے نظریۂ حیات سے عدم وابستگی اور اس کے تقاضوں کو پورا نہ کرنا ہے۔ اس کے زوال کا بنیادی خارجی سبب مغربی تہذیب کی اسلام اور مسلم دشمنی اور مسلمانوں کی اس تہذیب سے مرعوبیت اور اس کی پیروی کرنے کا رجحان ہے۔

۶۔ مسلم امت کے زوال سے نکلنے اور عروج کی طرف بڑھنے کا بنیادی نسخہ یہ ہے کہ انسان سازی کا کام کیا جائے یعنی اسلامی اصولوں پر تعمیر شخصیت و کردار اور فکری و تحقیقی بالادستی کا کام، جس کا ذریعہ صحیح اصولوں پر تعلیم و تربیت تزکیہ اور دعوت و اصلاح کا کام ہو سکے۔

۷۔ مغرب کی ساری پالیسیاں اسلام اور مسلم دشمنی پر مبنی ہیں۔

۸۔ یہ سمجھنا کہ مغرب کی پیروی سے مسلمان دنیا میں ترقی کر سکتے ہیں ایسے ہی ہے جیسے جانا مشرق کو ہے اور جایا مغرب کو جائے۔

۹۔ مسلمانوں کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ وہ متحد نہیں۔

۱۰۔ اور یہ کہ مسلم حکمرانوں کی سوچ اور عمل مسلم عوام کی سوچ اور عمل کے بالکل برعکس ہے کیونکہ یہ حکمران دین سے دور ہیں، حب دنیا اور حب جاہ و منصب میں مبتلا ہیں اور اپنے اقتدار اور مفادات کے لئے مغرب کے گماشتے بنے ہوئے ہیں۔

۱۱۔ مسلم علماء، دینی ادارے، جماعتیں اور تحریکیں بھی زیادہ تر صحیح رخ میں کام نہیں کر رہیں۔ وہ اس پر غور کریں۔

۱۲۔ اگر مسلمان حکمت عملی سے کام لیں تو مغرب کے ساتھ دعوت و ڈائیلاگ اور جہاں مجبوری ہو وہاں مزاحمت کی پالیسی بیک وقت بھی اپنائی جاسکتی ہے اور اپنائی جانی چاہئے۔

۱۳۔ دینی مدارس کو، جو ایسے علماء پیدا کر رہے ہیں جنہیں حالات کے تقاضوں کی خبر ہے اور نہ وہ مغربی افکار اور اس حوالے سے مسلم دنیا کو درپیش چیلنجز کو سمجھتے ہیں، اپنا طریق کار بدلنا چاہئے۔

۱۴۔ اسی طرح وہ تبلیغی اصلاحی جماعتیں جو ایسے اسلام کی تبلیغ کرتی ہیں جو زندگی کے مسائل و کشاکش سے بحث نہیں کرتا انہیں بھی اپنی حکمت عملی تبدیل کرنی چاہئے۔

۱۵۔ مسلمان اگر آگے بڑھنا چاہتے ہیں تو انہیں کردار سازی کے ساتھ تعلیم و تحقیق میں آگے بڑھنا ہوگا۔ شرط یہ ہے کہ یہ تعلیم و تحقیق مغرب سے مرعوبیت پرستی ہو اور نہ لکیر کی فقیر ہو بلکہ اس میں اجتہادی شان اور تخلیقیت پائی جاتی ہو۔ جدید ترین علوم کے

حصول کو یقینی بنانا ہوگا، سائنس و ٹیکنالوجی کے میدانوں میں مہارت حاصل کرنا ہوگی، اپنی معیشت کو مستحکم کرنا ہوگا اور اسلامی طرز حیات کو اپناتے ہوئے سیرت طیبہ کی روشنی میں از سر نو عہد نبوی کی طرز حکمرانی اور نظام خلافت راشدہؓ کو زندہ کرنا ہوگا۔ امت مسلمہ کے اس غلبہ کی بشارت رسول اللہؐ نے دی تھی ثم تکون خلافۃ علی منہاج النبوۃ (۳۸۱) ترجمہ: پھر نبوت کے نقش قدم پر خلافت قائم ہوگی۔

۱۷۔ ضرورت ہے امت کی سطح پر ایک تجزیاتی و تحقیقی ادارے اور تھینک ٹینک کی، جو مسلمانوں کے زوال کے اسباب اور عروج کے طریق کار پر مسلسل کام کرتا ہے اور اپنے نتائج فکر سامنے لاتا رہے۔ اسی طرح ہمیں ایک "مرکز مطالعہ" جیسے تجزیاتی و تحقیقی ادارے کی بھی ضرورت ہے جو مسلمانوں اور اسلام کے خلاف مغرب اور یہود و ہنود و نصاریٰ کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کو سامنے لاتا رہے اور ان کا تجزیاتی و تحقیقی مطالعہ امت کے سامنے پیش کرتا رہے تاکہ مسلم عوام، عوام و خواص کی ذہنی و فکری تربیت بھی ہو اور ان سازشوں کا بروقت تدارک بھی کیا جا سکے۔

حرف آخر: ہم آخر میں یہی کہیں گے کہ امت مسلمہ اگرچہ مسائل میں گھری ہوئی ہے۔ تعلیم و ٹیکنالوجی میں پیچھے ہے، اتحاد و اتفاق اور قیادت کا فقدان ہے، ہمیشہ سے دنیائے کفر اس کو مٹانے کے در پے رہی ہے، اس کی تہذیب و ثقافت پر حملہ آور ہے، پوری دنیائے کفر ایک نکتے پر متفق رہی ہے کہ مسلمانوں کو تبدیل کر دو یا پھر ختم کر دو۔ ان تمام حالات کے باوجود امت مسلمہ کو مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ اپنے اللہ سے لو لگا کر سیرت نبویؐ کے سیاسی و عسکری پہلو، معاہدات نبویؐ بالخصوص صلح حدیبیہ کو مشعل راہ بنا کر مد نظر رکھ کر اور صراط مستقیم پر گامزن ہو کر طویل المعیاد منصوبہ بندی کر کے جدوجہد کی جائے۔ کسی ایک ملک یا قوم کے زوال سے امت مسلمہ کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ امت مسلمہ کے دشمن نور حق کا خاتمہ نہیں کر سکتے کیونکہ امت مسلمہ کی حقیقت چشم اقوام سے مخفی ہے۔ نور توحید کو ابھی اور پھیلنا اور پھولنا ہے اب ہمیں یقین محکم، عمل پیہم اور خالق کے اس قول پر یقین رکھتے ہوئے اٹھ کھڑے ہونا ہے:

ولا تھنو ولا تحزنو وانتم الاعلون ان کنتم مومنین (۳۸۲) ہمت نہ ہارو اور غم نہ کرو تم ہی غالب رہو گے، اگر تم سچے مومن بن جاؤ۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں (۳۸۳)

اور انشاء اللہ وہ دن بھی آئے گا جب شاعر مشرق کی یہ پیش گوئی پوری ہوگی:

شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے (۳۸۴)

﴿إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ﴾ (۳۸۵)

﴿حواشی وحوالہ جات﴾

۱۔ ایم شفیق اعوان، مشرق وسطیٰ (جدید دنیائے اسلام)، یونیورسٹی پبلی کیشنز اینڈ ایجوکیشنل ایڈ کراچی۔ ص ۱۴۔

۲۔ ایضاً ۲۰

۳۔ شاعر مشرق محمد اقبال علامہ ڈاکٹر / کلیات اقبال

۴۔ ایضاً ۳۵

۵۔ ایم شفیق اعوان، مشرق وسطیٰ (جدید دنیائے اسلام) ص ۳۵

۶۔ محمد یوسف بلوچ، پروفیسر، ترکان عثمان، فریدی بک سینٹر کراچی، ص ۱۰۳

۷۔ ایضاً

۸۔ ایم شفیق اعوان، مشرق وسطیٰ (جدید دنیائے اسلام) ص ۱۳۴

۹۔ ایضاً ص ۱۵۱

۱۰۔ ایضاً ص ۱۳۳

۱۱۔ ایضاً ص ۱۳۴

۱۲۔ سانحہ ۱۱/۹ کے بعد محترم صدر پرویز مشرف صاحب نے امریکہ سے پاکستانی دوستی کو مزید مستحکم کرنے کے سلسلے میں جو پہلی تقریر یا خطاب فرمایا تھا اس میں انہوں نے اس بات کی مکمل وضاحت کی تھی اور تمام پاکستانیوں کے مستقبل سے وابستہ فیصلوں کی بنیاد بھی یہی امر تھا۔ مزید تفصیلات کے لئے دیکھئے ماہنامہ میثاق لاہور، اپریل ۲۰۰۴ء، ص ۹۳

۱۳۔ نجم سیٹھی، ریاستی و غیر ریاستی دہشت گردی، ادارتی صفحہ، ۲۸ جولائی ۲۰۰۶ء، روزنامہ ایکسپریس کراچی۔

۱۴۔ ذوالفقار ارشد گیلانی، ۱۱/۹، مسلم امہ پر جنگ مسلط کرنے کا امریکی منصوبہ، ۱۱ ستمبر ۲۰۰۶ء، روزنامہ ایکسپریس کراچی

۱۵۔ ایم جے گوہر، نوائے خاص، حکمرانوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں۔ ۱۷ جون ۲۰۰۶ء، روزنامہ ایکسپریس کراچی

۱۶۔ ایم شفیق اعوان، مشرق وسطیٰ (جدید دنیائے اسلام) ص ۱۳۶

۱۷۔ عباس مہکری، نشیب و فراز، ادارتی صفحہ، روزنامہ جنگ، جنوری ۲۰۰۶ء

۱۸۔ نذیر ناجی، سویرے سویرے، ادارتی صفحہ، روزنامہ جنگ، جون ۲۰۰۱ء

۱۹۔ ایم شفیق اعوان، مشرق وسطیٰ (جدید دنیائے اسلام) ص ۱۵۱

۲۰۔ ایضاً ص ۱۷۱

۲۱۔ ماضی صدر حرم اکبر۔

۲۲۔ القرآن الحکیم سورۃ المائدہ۔ ۵۵

۲۳۔ پہلی جنگ عظیم، ۲/اگست ۱۹۱۴ء۔۱۹۱۸ء۔ جنرل ایلن بی کے اس جملے سے مغربی سلطنت کے خلاف نفرت و عداوت کا اظہار ہوتا ہے۔

۲۵۔ فرانسیسی جنرل گورو کا یہ زہر آلود جملہ بحیثیت ایک چیلنج پوری امت مسلمہ و عالم اسلام کو لمحہ فکریہ فراہم کرتا ہے۔

۲۶۔ کیا یہی مغرب کی اعتدال پسندی اور روشن خیالی ہے؟

۲۷۔ اس بات کی تصدیق تو خود سابق امریکی صدر بش سے ۱۱/۹ کے بعد نکلنے والے جملے سے ہو چکی ہے کہ اسلام کے خلاف دراصل صلیبی جنگوں کا ہی تسلسل ہے۔

۲۸۔ موجودہ عالمی حالات اسی بیان کی تصویر کشی کرتے نظر آ رہے ہیں۔

۲۹۔ یہی وجہ ہے کہ آج عالم اسلام ایک جانب تنہا ہے اور دوسری جانب تمام عالم کفر اسلام کے مقابلے میں متحد ہے۔

۳۰۔ پوری عالمی و اسلامی تاریخ اس بات کی گواہی کے لئے کافی ہے۔

۳۱۔ اسرار احمد، ڈاکٹر، سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا ماضی، حال اور مستقبل اور مسلمانان پاکستان کی خصوصی ذمہ داری، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور ۱۹۹۳ء، ص ۱۲۳

۳۲۔ سابق امریکی صدر بش جونیئر کے اس متنازعہ بیان کا تو الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا بھی روز روشن کی طرح گواہ ہے۔

۳۳۔ اسرار احمد، ڈاکٹر، سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا ماضی، حال اور مستقبل اور مسلمانان پاکستان کی خصوصی ذمہ داری، ص ۱۳۹

۳۴۔ القرآن الحکیم: آل عمران ۱۱۸

۳۵۔ اسرار احمد، منہج انقلاب نبوی ﷺ، مرکزی انجمن خدام القرآن، مارچ ۱۹۹۹ء، ص ۳۷۹

۳۶۔ جاوید چوہدری، ہم بھکے ہیں کہ، ادارتی صفحہ ۱۰ ستمبر ۲۰۰۶ء روزنامہ ایکسپریس، کراچی

Harun Yahya/ Islamdenounces terrorta/ Bristo/ Amal Press January 2002/ P11(۳۷)

(۳۸) تم وہ بہترین امت ہو جسے لوگوں کی اصلاح کیلئے میدان لایا گیا ہے۔ (القرآن)

(۳۹) تاریخ شاہد ہے۔

(۴۰) یعنی یہ جہاد بالسیف قرآن وسنت کے عین مطابق تھا اور غیر متنازعہ بالاتفاق تھا، لہٰذا مسلمانوں نے فتوحات کی ایک عظیم تاریخ رقم کروائی۔

(۴۱) ۹۳ھ میں ولید اول کے دور مشہور فاتح موسیٰ بن نصیر کے ہاتھوں اندلس کی عظیم الشان فتح عمل میں آئی اور اندلس کو کاتھ حکمران کے مظالم سے چھٹکارا حاصل ہوا۔

(۴۲) معتصم اپنے بھائی مامون کا ولی عہد تھا۔ اس کا پورا نام محمد کنیت ابو اسحاق اور لقب معتصم باللہ تھا۔ ۲۱۸ھ میں مسند خلافت پر بیٹھا۔

(۴۳) محمد خالد، تاریخ اسلام، فرید بک سیلرز، کراچی، ۱۹۹۳ء، ص ۲۱ تا ۲۲

(۴۴) محمد خالد، تاریخ اسلامی، ص ۹۹

(۴۵) گبن Gibbin لکھتا ہے کہ ''اس سے زیادہ شریف اور مشہور یادگار ایک فاتح کی ناموری کی اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کے نام سے کسی ملک میں ٹیکس مقرر کیا جائے۔ یہ فخر و شرف دنیا بھر میں صرف سلطان صلاح الدین ایوبی کو حاصل ہوا۔ جو اس کی شان و ہیبت کو ظاہر کرتی ہے۔ ۱۱۸۷ء میں بیت المقدس آزاد ہوا۔

(۴۶) محمد خالد، تاریخ اسلام، ص ۱۰۱

(۴۷) ۱۹ اپریل ۱۴۵۳ء بمطابق ۲۶ ربیع الثانی ۸۵۷ھ کو محمد ثانی نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا، یہ ترکوں کا قسطنطنیہ کا ساتواں محاصرہ تھا۔

(۴۸) حدثنا عبداللّٰہ حدثنی ابی ثنا عبداللّٰہ بن محمد بن ابی شیبہ و سمعتہ انا من عبداللّٰہ بن محمد ابن ابی شیبۃ قال ثنا زید بن الحباب قال حدثنی الولید بن المغیرۃ المعافری قال حدثنی عبداللّٰہ بن بشر الخثعمی عن ابیہ انہ سمع النبی ﷺ یقول: لتفتحن القسطنطنیۃ فلنعم الامیر امیرھا ولنعم الجیش ذلک الجیش قال: فدعانی مسلمۃ بن عبدالملک فسألنی فحدثتہ فغزا القسطنطنیۃ۔

احمد بن حنبل، الامام، مسند احمد، بیروت، دار الکتب العلمیہ، رقم الحدیث ۱۸۹۷۷، ج ۴، ص ۳۳۵

(۴۹) محمد عزیز، ڈاکٹر، ترکان عثمان، فیصل بک ڈپو، لاہور، ۱۹۹۱ء، مارچ، ص ۴۷

(۵۰) یہ ایک تاریخی حقیقت ہی نہیں بلکہ ماضی میں مسلمانوں کی طاقت و قوت اور شان و شوکت کی ایک عظیم الشان داستان ہے۔

(۵۱) علی محمد شاہین، پروفیسر، تاریخ اسلام، مکتبہ فریدی، جنوری ۲۰۰۰ء، کراچی، ص ۱۰۹

(۵۲) سلطان عبدالحمید ثانی، ۳۳ اکتوبر ۱۸۷۶ء میں اپنے بھائی مراد خامس کی معزولی کے بعد تخت نشین ہوئے اور ۱۹۱۸ء میں وفات پائی۔

(۵۳)۔ محمد یوسف طارق، پروفیسر، ترکان عثمان، فریدی بک سینٹر، اردو بازار کراچی ۲۰۰۰ء، ص ۱۴۳

(۵۴) آج ڈنمارک اور مغرب کی طرف سے توہین رسالت ﷺ کا ارتکاب کیا گیا وقتی طور پر مسلمانوں میں ایک مصنوعی ہو مذہبی غیرت کے نام پر دوڑی اور پھر سب مسلمان دوبارہ خواب غفلت میں مدہوش ہو کے سو گئے۔

(۵۵)۔ بلاشبہ اس دور میں مسلمانوں کی شان و شوکت اور طاقت کا راز یہی تھا کہ وہ ہر میدان میں آگے تھے، وہ متحد و منظم تھے، اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے، ان کی معیشت مستحکم تھی، اور وہ جدید ترین ٹیکنالوجی سے مزین تھے۔

(۵۶) یہ تاریخی حقائق دراصل مسلمانوں کی عظمت کی داستان ہے۔
(۵۷) حالات حاضرہ کی روشنی میں امریکہ، برطانیہ اور اسرائیل اس کی مثال ہیں، لیکن ان کا انجام بھی روم اور فارس ہی کی مثل ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔
(۵۸) نصیر احمد ناصر، ڈاکٹر، پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وسلم، فیروز اینڈ سنز، لاہور، ص ۵۹۴
(۵۹) ابن رشد القرطبی، البدایہ والنہایہ، کتاب دلائل النبوۃ فصل فی ترتیب الاخبار بالغیوب المستقبلہ، دار ابن کثیر الطبعۃ الاولیٰ، ۲۰۰۷ء۔ ۱۴۲۸ھ، جلد ۲، ص ۱۸۹

(۶۰) تھوڑی ہی عرصہ بعد کسریٰ (خسرو پرویز) اپنے بیٹے شیرویہ کے ہاتھوں ہلاک ہوا اور پھر اس کی سلطنت کے پرخچے اڑ گئے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مجاہدین کو اس کا وارث بنا دیا گیا ... (طبری، ۳:۲، ۱۰۶۷) بعد ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اس موضوع پر محققانہ و مفصل بحث کی ہے اور اس خطرے سے متعلق اسلام دشمن مستشرقین کے اعتراضات کا شافی جواب دیا ہے (رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۲۳۳ تا ۲۵۲)
(۶۱)۔ القرآن الحکیم سورہ یونس ۸۷
(۶۲) مسند الامام احمد بن حنبل حدیث النعمان بن بشیر عن النبی رقم الحدیث ۱۲۶۸۰
(مسند نعمان بن بشیر بن سعد الانصاری الخزرجی) اطراف مسند الامام احمد بن حنبل
دار ابن کثیر۔ دار الکلم الطیب الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۱۴ھ۔ ۱۹۹۳ء، جلد ۵، ص ۳۰۴
(۶۳) اسرار احمد، ڈاکٹر/ ماہنامہ میثاق، لاہور، موجودہ عالمی حالات، اسلام اور پاکستان، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، اپریل ۲۰۰۳ء، ص ۳۵
(۶۴۔ الف) اسرار احمد، ڈاکٹر/ ماہنامہ میثاق لاہور، اشاعت خصوصی، موجودہ عالمی حالات، اسلام اور پاکستان، ص ۳۱ تا ۳۴
(۶۴۔ ب) ایضاً ص ۳۵
(۶۵) محمد عبدالحمید مہر، مولانا، نبوی ﷺ سیاست، مکتبہ راشدیہ جامعہ عربیہ، بہار شاہ العلوم حمادیہ سکھر، رجب المرجب ۱۴۲۳ھ، ص ۱۱۰
(۶۶) ۱۹۱۹ء میں معاہدہ ورسلز کے تحت بین الاقوامی امن کو قائم رکھنے کی خاطر لیگ آف نیشن کا قیام عمل میں لایا گیا تھا لیکن یہ غیر موثر ثابت ہوئی۔
(۶۶) آج اقوام متحدہ بظاہر آزاد لیکن درحقیقت امریکہ کا ایک طفیلی ادارہ بن کر رہ گیا ہے۔
(۶۷) اقوام متحدہ، لیگ آف نیشنز کے مقبرے پر قائم تاج محل، سنڈے میگزین، روزنامہ جنگ کراچی، ۲۴/ اکتوبر ۲۰۰۴ء، ص ۵
(۶۸) مرتضیٰ انجم، بیسویں صدی کے بین الاقوامی معاہدے، اقوام متحدہ کا قیام، ادارہ تحقیقات، لاہور، جون ۲۰۰۵ء، ص ۱۱۲
(۷۰) ایضاً ص ۱۱۵
(۷۱) ایضاً ص ۱۱۸
(۷۲) مرتضیٰ انجم، بیسویں صدی کے بین الاقوامی معاہدات، ص ۱۱۸
(۷۳) ایضاً ص ۱۱۸
(۷۴) ایضاً ص ۱۲۱
(۷۵) ایضاً ص ۱۲۵
(۷۶) ایضاً ص ۱۳۰
(۷۷) ایضاً ص ۱۳۵
(۷۸) ایضاً ص ۱۳۳
(۷۹) محمد البرادعی، جوہری حملہ ناگزیر پر گرو..... ادارتی صفحہ نمبر ۱۳، روزنامہ ایکسپریس، کراچی ۱۷/ جون ۲۰۰۶ء
(۸۰) نزہت مرزا، دنیا کی سب سے طاقتور قوم اور اقوام متحدہ، ادارتی صفحہ نمبر ۱۵، روزنامہ ایکسپریس، کراچی، ۲۶/ جولائی ۲۰۰۳ء
(۸۱) ذوالفقار ارشد گیلانی، نائن الیون کا سانحہ اور امریکی منصوبہ، اشاعت خصوصی، روزنامہ کراچی سٹی، کراچی، پیر ۱۱/ ستمبر ۲۰۰۶ء
(۸۲) مرتضیٰ انجم، بین الاقوامی امن معاہدے، اقوام متحدہ کا قیام، ص ۱۱۴
(۸۳) نثار احمد بٹ، اقوام متحدہ اور اسلام، ادارتی صفحہ، روزنامہ جنگ، کراچی ۲۶ ستمبر ۲۰۰۶ء
(۸۴) مرتضیٰ انجم، اقوام متحدہ، لیگ آف نیشنز کے مقبرے پر قائم تاج محل، سنڈے میگزین، روزنامہ جنگ، کراچی ۲۴/ اکتوبر ۲۰۰۴ء، ص ۶

(۸۵) معاذ حسن، سی ٹی بی ٹی اور اسلامی بم، دار الشعور، لاہور، جنوری ۲۰۰۲ء، ص ۳۷۲

(۸۶) ایضاً، ص ۳۷۷

(۸۷) اسلامی سربراہ کانفرنس یعنی O.I.C کی تنظیم کا قیام ستمبر ۱۹۶۹ء میں عمل میں آئی اور ۲۲ ستمبر ۱۹۶۹ء کو رباط (مراکش) میں پہلی اسلامی کانفرنس منعقد ہوئی۔

(۸۸) سارک

(۸۹) عرب لیگ مصر کے شاہ فاروق نے قائم کی تھی

(۹۰) ۱۹۶۴ء میں ایران، پاکستان اور ترکی کے درمیان علاقائی تعاون برائے ترقی (ریجنل کارپوریشن برائے ڈیولپمنٹ)(RCD) اب E.C.O یعنی اقتصادی تعاون کی تنظیم کا قیام عمل میں لایا گیا جس پر ایران کی جانب سے ایرانی سربراہ رضا شاہ پہلوی، پاکستان کے سربراہ ایوب خان اور ترکی کے صدر جمال گرسل نے اس معاہدہ پر دستخط کئے اور یہ اجلاس ترکی کے شہر استنبول میں منعقد ہوا۔

(۹۱) مختار احمد بٹ، اقوام متحدہ اور عالم اسلام، ادارتی صفحہ، روزنامہ جنگ کراچی، ۲۶ ستمبر ۲۰۰۶ء

(۹۲) مرتضیٰ انجم، اقوام متحدہ، لیگ آف نیشنز کے مقبرے پر قائم تاج محل، سنڈے میگزین، روزنامہ جنگ کراچی، ۲۳ اکتوبر ۲۰۰۲ء، ص ۷

(۹۳) اسرار احمد، ڈاکٹر سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا ماضی، حال اور مستقبل اور مسلمانان پاکستان کی خصوصی ذمہ داری، مکتبہ انجمن خدام القرآن، لاہور، اپریل ۲۰۰۲ء، ص ۱۳۳

(۹۴) القرآن الحکیم سورہ المائدہ ۶۸

(۹۵) القرآن الحکیم سورۃ الاعراف، آیت ۱۳۹

(۹۶) القرآن الحکیم سورۃ نساء، آیت ۱۳۵

(۹۷) القرآن الحکیم سورۃ توبہ آیت ۸۰

(۹۸) القرآن الحکیم سورۃ توبہ، آیت ۷۵ تا ۷۷

(۹۹) القرآن الحکیم سورہ التوبہ ۷۷

(۱۰۰۔الف) القرآن الحکیم سورۃ توبہ آیت ۷۷

(۱۰۰۔ب) خطیب التبریزی، محمد بن عبداللہ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الایمان الفصل الثانی، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱۳۸۶ھ، ص ۱۴

(۱۰۰۔ج) مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، جلد ۱، قدیمی کتب خانہ، ۱۹۵۶ء، ص ۲۵۶

(۱۰۱) القرآن الحکیم سورۃ السجدہ آیت ۳۱

(۱۰۲) القرآن الحکیم سورۃ الانعام آیت ۳۵

(۱۰۳) القرآن الحکیم سورۃ الاحقاف ۲۶

(۱۰۴) القرآن الحکیم سورۃ ھود ۱۲

(۱۰۵) مرض کی دوا کے بارے میں حدیث نبوی ﷺ ہے: "اللہ نے مرض بھی پیدا کیا ہے اس کی دوا بھی پیدا کی ہے"۔

(۱۰۶) شاعر، الطاف حسین حالی، مولانا، مسدس حالی، کراچی، فضلی سنز، ۳۵۲

(۱۰۷) القرآن الحکیم سورۃ الاعراف

(۱۰۸) ایضاً

(۱۰۹) ایضاً

(۱۱۰) ایضاً

(۱۱۱) ایضاً۔ آیت ۱۷۶

(۱۱۲) ایضاً

(۱۱۳) ایضاً

(۱۱۴) ایضاً

(۱۱۵) ایضاً

(۱۱۶) ایضاً

(۱۱۷) ایضاً۔ آیت ۱۷۷

(۱۱۸) سید عمار زیدی، مسلم امہ کے خلاف امریکی عزائم، سنڈے میگزین، روزنامہ جنگ، ۴؍ ستمبر ۲۰۰۵ء ص ۹

(۱۱۹) سجاد حسن، سی ٹی بی ٹی اور اسلامی بم، دور اشعور، لاہور جنوری ۲۰۰۲ء ص ۳۵۱

(۱۲۰) جاوید چوہدری، ہم سمجھتے ہیں کہ...... ! اداریتی صفحہ روزنامہ ایکسپریس کراچی، یکم اگست ۲۰۰۶ء

(۱۲۱) طاہر خان، پروفیسر، اسلامی دنیا کا زوال! آخر کیوں؟ اداریتی صفحہ، روزنامہ امن کراچی، ۲۳؍ جنوری ۲۰۰۲ء

(۱۲۲) حالانکہ کل جب شہنشاہ ایران رضا شاہ پہلوی، امریکہ کا وفادار تھا، جب خود امریکی تعاون سے ۱۹۵۰ء میں TNRC یعنی تہران نیوکلیئر ریسرچ سینٹر کی بنیاد رکھی گئی تھی، اور اس کا نظم ونسق اٹامک انرجی آرگنائزیشن آف ایران کے سپرد کیا گیا تھا۔

(۱۲۳) رشید چیل، آخر امریکی غلامی ہی کیوں؟، اداریتی صفحہ، روزنامہ جنگ، دسمبر ۲۰۰۵ء

(۱۲۴) آج انصاف کے علمبرداروں کو اسرائیلی پارلیمنٹ کی عمارت پر کندہ یہ الفاظ جو کہ اسرائیلی جارحیت اور توسیع پسندانہ عزائم کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ آخر کیوں نظر نہیں آئے کہ "اے اسرائیل! تیری سرحدیں نیل سے فرات تک ہیں" (سنڈے میگزین، روزنامہ ایکسپریس کراچی، یکم اکتوبر ۲۰۰۶ء ص ۱۲)

(۱۲۵) اگرچہ یہ پوری مسلم امہ کی اولین خواہش ہے تاہم حالیہ اسرائیل کی جانب سے لبنان پر ۳۳ دن جاری رہنے والی دہشت گردی جس کے باعث لبنان کا ایک بڑا حصہ تباہی و بربادی کے بعد کھنڈرات میں تبدیل ہو چکا ہے نیز دیگر اسرائیلی وامریکی عزائم کے تناظر میں مسلم امہ کی یہ خواہش مستقبل قریب میں پوری ہونے کی کوئی امید مستقبل نظر نہیں آتی۔

۱۳۱۔ اگرچہ چند ہی دن قبل اسامہ کی پاکستان میں ٹائیفائیڈ کی بدولت موت کی افواہ کا بڑا پروپیگنڈہ مغرب کی جانب سے سامنے بھی آیا، تاہم کسی قابل اعتماد ذریعہ سے اس خبر کی تصدیق نہ ہونے کے سبب اس سے اتفاق نہ کیا گیا۔

(۱۲۶) صفدر عباس نقوی، لبنان کی تعمیر نو، سنڈے میگزین، روزنامہ ایکسپریس کراچی، یکم اکتوبر ۲۰۰۶ء ص ۱۲

(۱۲۷) مرتضیٰ انجم، بیسویں صدی کے بین الاقوامی امن معاہدے، آپریشن ڈیزرٹ سٹارم (عراق ۱۹۹۰ء) ادارہ تحقیقات، لاہور، جون ۲۰۰۵ء ص ۳۲۹

(۱۲۸) روزنامہ نوائے وقت، ۱۵؍ اگست ۲۰۰۵ء ص ۷

(۱۲۹) سید عمار زیدی، مسلم امہ کے خلاف امریکی عزائم، سنڈے میگزین، روزنامہ جنگ، ۴؍ ستمبر ۲۰۰۵ء ص ۱۰

(۱۳۰) مرتضیٰ انجم، بیسویں صدی کے بین الاقوامی امن معاہدے، ص ۳۳۹

(۱۳۱) ایضاً ص ۳۴۲

(۱۳۲) ثمرین اختر یوسف زئی، ایران کا ایٹمی پروگرام، تاریخی حقائق پر مبنی رپورٹ، سنڈے میگزین، روزنامہ ایکسپریس، یکم اکتوبر ۲۰۰۶ء ص ۸

(۱۳۳) حالیہ امریکی و بھارتی ایٹمی تعاون کا معاہدہ اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

(۱۳۴) مرتضیٰ انجم، بیسویں صدی کے بین الاقوامی امن معاہدے، ص ۳۳۹

(۱۳۵) جاوید چوہدری، ہم سمجھتے ہیں کہ... ! اداریتی صفحہ، روزنامہ ایکسپریس کراچی

(۱۳۶) اگلی سطور میں ان ہی تاریخی حقائق کے سربستہ رازوں پر سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔

(۱۳۷) اگرچہ ایرانی صدر محمود احمدی نژاد کی جانب سے نظریہ ہولوکاسٹ منظر عام پر آ کر مغرب ومشرق میں تہلکا مچا چکا ہے، تاہم اسرائیل اس نظریہ کو قبول کرنے سے مسلسل انکاری ہے۔

(۱۳۸) محمد خالد، تاریخ اسلام، صلیبی جنگیں، مکتبہ فریدی، اردو بازار کراچی، مئی ۱۹۹۴ء ص ۵۶

(۱۳۹) سید عمار یاسر زیدی، مسلم امہ کے خلاف امریکی عزائم، سنڈے میگزین، روزنامہ جنگ، ۴؍ ستمبر ۲۰۰۵ء ص ۱۱

(۱۴۰) ریاض احمد صدیقی، عالمی دہشت گرد، اداریتی صفحہ، روزنامہ جنگ کراچی، پہلی قسط، جمعۃ المبارک ۲۲؍ ستمبر ۲۰۰۶ء

(۱۴۱) جاوید چوہدری، ہم سمجھتے ہیں کہ...... ! اداریتی صفحہ، روزنامہ ایکسپریس کراچی۔ یکم اگست ۲۰۰۶ء

(۱۴۲) مرتضیٰ انجم، بیسویں صدی کے بین الاقوامی امن معاہدے، ص ۳۱۰

(١٤٣) عطار احمد بٹ، اقوام متحدہ اور عالم اسلام، ادارتی صفحہ روزنامہ جنگ کراچی، ٢٦ ستمبر ٢٠٠٦ء
(١٤٤) جاوید چوہدری، ہم سمجھتے ہیں کہ ......! ادارتی صفحہ روزنامہ ایکسپریس کراچی، یکم اگست ٢٠٠٦ء
(١٤٥) مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمایئے، اسرار احمد، ڈاکٹر، اسلام اور پاکستان کا مستقبل، اپریل ٢٠٠٣ء
(١٤٦) القرآن الحکیم سورۃ الفتح ٢٣
(١٤٧) القرآن الحکیم سورۃ الشمس ١٠،١٢ تا ١٣
(١٤٨) القرآن الحکیم سورۃ المومن، آیت ٧٧
(١٤٩) القرآن الحکیم سورۃ آل عمران آیت ١٩
(١٥٠) القرآن الحکیم سورۃ محمد، آیت ٧
(١٥١) القرآن الحکیم سورۃ الحجرات، آیت ١٥
(١٥٢) القرآن الحکیم سورۃ آل عمران، آیت ١٣٧
(١٥٣) القرآن الحکیم سورۃ النصر، آیت ٢
(١٥٤) القرآن الحکیم سورۃ انفال، آیت ٦٢
(١٥٥) القرآن الحکیم سورۃ انفال، آیت ٦٣
(١٥٦) القرآن الحکیم سورۃ النساء، ٥٨
(١٥٧) مقدمہ ابن خلدون، جلد اول، ص ١٧٣
(١٥٨) نفح الطیب، جلد اول، ص ٢٠٥
(١٥٩) القرآن الحکیم سورۃ الحجرات ١٠
(١٦٠) القرآن الحکیم سورۃ آل عمران ١٠٣
(١٦١) القرآن الحکیم سورۃ انفال ٣٠
(١٦٢) القرآن الحکیم سورۃ الرعد ١٧
(١٦٣) ضیاء القرآن، جلد دوم، ص ٢٠٣
(١٦٤) القرآن الحکیم سورۃ آل عمران ١١٠
(١٦٥) القرآن الحکیم سورۃ الحج ٤١
(١٦٦) القرآن الحکیم سورۃ الحشر ١ تا ٣
(١٦٧) القرآن الحکیم سورۃ الاسراء ٧٠
(١٦٨) القرآن الحکیم سورۃ مائدہ ٣٢
(١٦٩) القرآن الحکیم سورۃ الحجرات ١٠،١١
(١٧٠) القرآن الحکیم سورۃ المائدہ ٨
(١٧١) القرآن الحکیم سورۃ انفال ٥٣
(١٧٢) القرآن الحکیم سورۃ رعد ١١
(١٧٣) تفسیر امام فخر الدین رازی
(١٧٤) القرآن الحکیم سورۃ ہود ١١٦
(١٧٥) تفسیر کبیر، جلد ١٨، ص ٧٦
(١٧٦) القرآن الحکیم سورۃ الاعراف ١٣٧
(١٧٧) القرآن الحکیم سورۃ بنی اسرائیل ٤ تا ٨

(۱۷۸) تفسیر قرطبی، جلد ۱۰، ص ۲۲۲۔ درالمنثور، جلد ۲، ص ۱۰۵

(۱۷۹) زبور باب ۱۰۶، آیات ۳۸_۳۴

(۱۸۰) تفسیر کبیر، جلد ۲۰، ص ۱۵۵

(۱۸۱) القرآن الحکیم سورہ بنی اسرائیل ۷

(۱۸۲) القرآن الحکیم سورہ بنی اسرائیل ۱۶

(۱۸۳) القرآن الحکیم سورہ مومنون ۷۱

(۱۸۴) القرآن الحکیم سورۃ آل عمران ۱۳۹

(۱۸۵) القرآن الحکیم سورہ بنی اسرائیل ۱۶

(۱۸۶) حفیظ الرحمن صدیقی ڈاکٹر، جدید سائنس اور عصری تقاضے، ۱۹۹۵، سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ، جامشورو، ص ۳۳

(۱۸۷) سید سلیمان ندوی، خطبات مدراس، ص ۸۴

(۱۸۸) حبیب اللہ ندوی۔ اسلام کے بین الاقوامی اصول و تصورات، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، ص ۲۹

(۱۸۹) القرآن الحکیم سورۃ سبا، آیت ۲۸

(۱۹۰) القرآن الحکیم سورۃ الفرقان، آیت ۱

(۱۹۱) القرآن الحکیم سورۃ البقرۃ، آیت ۲۰۱

(۱۹۲) القرآن الحکیم سورۃ البقرۃ، آیت ۱۴۳

(۱۹۳) شبلی نعمانی، سیرۃ النبی ﷺ، کراچی، دارالاشاعت، ج ۷، ص ۴۱

(۱۹۴) شبلی نعمانی، سیرۃ النبی ﷺ محولہ سابقہ، ج ۶، ص ۲۵۵

(۱۹۵) القرآن کریم، سورۃ فرقان، آیت ۶۷

(۱۹۶) Denison, J.H/Emotion as the basis of civilization, London, 1928, P.262

(۱۹۷) حالی، الطاف حسین، مسدس حالی، کراچی، فضلی سنز، ص ۳۴۷

(۱۹۸) The Next threat: Perception of Islam, ed. by Jochen Heppila and Andrea Lueg. Pluto Press, London, 1995, P27.

(۱۹۹) حبیب اللہ ندوی، مولانا، اسلام کے بین الاقوامی اصول و تصورات، ۱۹۹۰، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، ص ۲۹

(۲۰۰) القرآن الحکیم سورۃ الانبیاء، آیت ۱۰۷

(۲۰۱) القرآن الحکیم سورۃ سبا، آیت ۲۸

(۲۰۲) القرآن الحکیم سورۃ اعراف، آیت ۱۵۸

(۲۰۳) القرآن الحکیم سورۃ الفرقان، آیت ۱

(۲۰۴) القرآن الحکیم سورۃ حجرات، آیت ۱۳

(۲۰۵) ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، السنن کراچی، اصح المطابع، ۲/۳۳۲

(۲۰۶) حبیب اللہ ندوی، اسلام کے بین الاقوامی اصول و تصورات، محولہ سابقہ، ص ۳۳

(۲۰۷) ترمذی الجامع، جلد ۲، باب البر والصلۃ

(۲۰۸) الحدیث بحوالہ اسلامی ثقافت، ڈاکٹر نصیر احمد ناصر

(۲۰۹) حبیب اللہ ندوی، اسلام کے بین الاقوامی تصورات، محولہ سابقہ، ص ۳۲

(۲۱۰) القرآن، سورۃ النساء، آیت ۱

(۲۱۱) القرآن الحکیم سورۃ الروم آیت ۲۲

(۲۱۲) شیخ سعدی، بحوالہ حبیب اللہ ندوی، اسلام کے بین الاقوامی تصورات، ص ۳۳
(۲۱۳) القرآن الحکیم سورۂ آل عمران، آیت ۱۹۰
(۲۱۴) القرآن الحکیم بنی اسرائیل آیت ۷۰
(۲۱۵) اردو انسائیکلو پیڈیا، لاہور، ۱۹۸۲ء، طبع سوم، فیروز سنز
(۲۱۶) خورشید احمد، پروفیسر، اسلامی نظریہ حیات، شعبہ تصنیف و تالیف کراچی یونیورسٹی، کراچی، ۱۹۶۲ء، ص ۲۰۲
(۲۱۷) خورشید احمد، پروفیسر اسلامی نظریہ حیات بحوالہ سابقہ، ص ۲۰۸
(۲۱۸) القرآن الحکیم سورۂ نجم جھ، آیت ۳۹
(۲۱۹) البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح ج ۱، ص ۲۹
(۲۲۰) القرآن الحکیم سورۂ النجم، آیت ۳۹
(۲۲۱) تقی عثمانی، جسٹس مولانا، اسلامی معاشرہ میں جدت پسندی کی حدود، دعوہ اکیڈمی، اسلام آباد، ص ۷
(۲۲۲) تقی عثمانی، جسٹس، مولانا اسلامی معاشرہ میں جدت پسندی کی حدود، ص ۷
(۲۲۳) علی متقی الہندی، کنز العمال، مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن، ۱۹۵۲ء، جلد ۲، صفحہ ۱۲۹
(۲۲۴) کنز العمال، بحوالہ سابقہ، جلد ۲، صفحہ ۱۲۹
(۲۲۵) کنز العمال، بحوالہ سابقہ، جلد ۲، صفحہ ۱۹۷
(۲۲۶) کنز العمال، بحوالہ سابقہ، جلد ۲، صفحہ ۱۹۷
(۲۲۷) صحیح بخاری، کتاب الجہاد، بحوالہ تقی عثمانی، اسلامی معاشرے میں جدت پسندی کی حدود، بحوالہ سابقہ، ص ۹
(۲۲۸) القرآن الحکیم سورۂ فاتحہ آیت ۵ تا ۷
(۲۲۹) القرآن الحکیم سورۂ الحدید، آیت ۲۵
(۲۳۰) القرآن الحکیم سورۂ انساء، آیت ۱۴۲
(۲۳۱) القرآن الحکیم سورۂ المائدہ، آیت ۱۶
(۲۳۲) القرضاوی، ڈاکٹر یوسف، الصحوۃ الاسلامیہ بین الجحود والتطرف، اردو ترجمہ: اسلامی بیداری، سلمان ندوی، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، ص ۱۰
(۲۳۳) القرآن الحکیم سورۂ البقرہ، آیت ۱۴۳
(۲۳۴) القرضاوی، اسلامی بیداری، بحوالہ سابقہ ص ۱۱، ابن حجر، فتح الباری، ۲۹/۱۳
(۲۳۵) خورشید احمد، پروفیسر، روشن خیالی اعتدال پسندی، ماہنامہ ترجمان القرآن، لاہور، ص ۳
(۲۳۶) دیکھئے القرآن، سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۷۰، ۲۶، ۲۹، الفرقان، آیت ۲
(۲۳۷) القرآن الحکیم سورۂ المائدہ، آیت ۳۲
(۲۳۸) البخاری محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، ۲۹/۱
(۲۳۹) مسلم، الجامع، ۳۲/۱
(۲۴۰) بحوالہ خورشید احمد، اسلامی نظریہ حیات، بحوالہ سابقہ ص ۳۹۱
(۲۴۱) بحوالہ حبیب اللہ ندوی، اسلام کے بین الاقوامی تصورات، بحوالہ سابقہ، ص ۵۵
(۲۴۲) بحوالہ حبیب اللہ ندوی، اسلام کے بین الاقوامی اصول وتصورات، بحوالہ سابقہ، ص ۵۵
(۲۴۳) ابو یوسف، کتاب الخراج، ص ۳۷
(۲۴۴) البلاذری، فتوح البلدان، قاہرہ، سوہ العشر، ص ۴۷
(۲۴۵) خورشید احمد۔ اسلامی نظریہ حیات، بحوالہ سابقہ، ص ۳۹۱
(۲۴۶) حبیب اللہ ندوی، اسلام کے بین الاقوامی اصول وتصورات، بحوالہ سابقہ، ص ۴۵

(۲۴۷) ابوداؤد، السنن، ص ۳۳۳

(۲۴۸) مالک بن انس، امام، موطا، کراچی، اصح المطابع

(۲۴۹) نیل الاوطار، جلد ۷، ص ۳۳

(۲۵۰) القرآن الحکیم سورۃ البقرۃ، ۲۵۶

(۲۵۱) القرآن الحکیم سورۃ الانعام ۱۰۸

(۲۵۲) تشکیل پاکستان، میاں بشیر احمد، سندھ ٹیکسٹ بورڈ جامشورو، ص ۳۳

(۲۵۳) شبلی نعمانی، الفاروق، ملتان، مکتبہ صدیقیہ، جلد دوم، ص ۲۷۵

(۲۵۴) القرآن الحکیم سورۃ یونس، آیت ۹۹

(۲۵۵) ابن ہشام، سیرۃ النبویہ، دار المعارف، بیروت، ۲/۴۰۵، مزید تفصیل کے لئے دیکھئے T.W. Ronold, The Preaching of Islam New Delhi. Kitabistan, 1999

(۲۵۶) الهدایه والنهایه، بحوالہ مجیب اللہ ندوی، اسلام کے بین الاقوامی اصول و تصورات، بحوالہ سابقہ، ۵۲

(۲۵۷) خورشید احمد، پروفیسر، اسلام نظریہ حیات، بحوالہ سابق، ص ۲۹۲

(۲۵۸) القرآن الحکیم سورۃ النساء، آیت ۵۸

(۲۵۹) القرآن الحکیم سورۃ النساء، آیت ۳۵

(۲۶۰) القرآن الحکیم سورۃ المائدہ، آیت ۸

(۲۶۱) بحوالہ، مجیب اللہ ندوی، اسلام کے بین الاقوامی اصول و تصورات، بحوالہ سابقہ، ص ۴۷

(۲۶۲) ابن قیم الجوزی، زاد المعاد، مکتبہ الرسالہ، بیروت، ۱۹۷۹ء، ۱/۳۳۲

(۲۶۳) القرآن الحکیم سورۃ یوسف، آیت ۹۲

(۲۶۴) نعیم صدیقی، محسن انسانیت، ص ۴۴۹

(۲۶۵) Arther Gillaman/ The saracens, London, P.184,185

(۲۶۶) القرآن الحکیم سورۃ الحجرات، آیت ۱۳

(۲۶۷) القرآن الحکیم سورۃ الروم، آیت ۲۲

(۲۶۸) بحوالہ مجیب اللہ ندوی، اسلام کے بین الاقوامی اصول و تصورات، بحوالہ سابقہ، ص ۳۹

(۲۶۹) خورشید احمد، اسلامی نظریہ حیات، بحوالہ سابقہ، ص ۲۹۳

(۲۷۰) یوسف قرضاوی، اسلامی بیداری، بحوالہ سابقہ، ص ۱۷۵

(۲۷۱) یوسف قرضاوی، اسلامی بیداری، بحوالہ سابق، ص ۱۷۶

(۲۷۲) خورشید احمد، پروفیسر، اسلامی نظریہ حیات، بحوالہ سابقہ، ص ۲۹۲

(۲۷۳) القرآن الحکیم سورۃ المائدہ، آیت ۲

(۲۷۴) مسند، ج ۳، ص ۲۷۶

(۲۷۵) القرآن الحکیم سورۃ حجرات، آیت ۹

(۲۷۶) القرآن الحکیم سورۃ الکافرون، آیت ۶

(۲۷۷) حالی، الطاف حسین، مسدس حالی، کراچی، فضلی سنز، ص ۵۱۷

(۲۷۸) القرآن الحکیم سورۃ النساء، آیت ۱۷۱

(۲۷۹) القرآن الحکیم (القرآن، سورۃ المائدہ، آیت ۷۷

(۲۸۰) القرآن الحکیم سورۃ لقمان، آیت ۱۹

(۲۸۱) القرآن الحکیم سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۱۱۰

(۲۸۲) القرآن الحکیم سورۃ المائدہ، آیت ۱۰۵

(۲۸۳) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، دار صادر، بیروت، ۱۸۱/۲

(۲۸۴) المنذری، الترغیب والترہیب، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، قاہرہ

(۲۸۵) القرآن الحکیم سورۃ الاحقاف، آیت ۳۵

(۲۸۶) القرآن الحکیم سورۃ الشوریٰ، آیت ۴۰

(۲۸۷) ترمذی، الجامع، ۳۲۷/۲

(۲۸۸) القرضاوی، ڈاکٹر یوسف، اسلامی بیداری، بحوالہ سابقہ، ص ۳۶۳

(۲۸۹) القرآن الحکیم سورۃ البقرہ، آیت ۱۸۵

(۲۹۰) القرآن الحکیم سورۃ النساء، آیت ۱۱۱

(۲۹۱) القرآن الحکیم سورۃ المائدہ، آیت ۹۰

(۲۹۲) القرآن الحکیم سورۃ البقرہ، آیت ۱۷۸

(۲۹۳) بحوالہ قرضاوی، اسلامی بیداری، بحوالہ سابقہ، ص ۲۵۳

(۲۹۴) صحیح بخاری، بحوالہ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، جلد ۶، ص ۲۵۵

(۲۹۵) طبرانی، بحوالہ معدن الحقائق، عبدالرؤف مناوی، لاہور، مطبع گیلانی، ص ۲۵۱

(۲۹۶) ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، ص ۳۳

(۲۹۷) القرآن الحکیم سورۃ التوبہ آیت ۱۲۲

(۲۹۸) القرآن الحکیم سورۃ الانبیاء، آیت ۷

(۲۹۹) القرآن الحکیم سورۃ النساء، آیت ۸۳

(۳۰۰) القرآن الحکیم سورۃ فرقان، آیت ۵۹

(۳۰۱) القرآن الحکیم سورۃ فاطر، آیت ۲۸

(۳۰۲) ترمذی، الجامع، ابواب البر والصلۃ، ماجاء فی الحسد

(۳۰۳) ترمذی، الجامع، باب ماجاء فی رحمۃ الناس

(۳۰۴) القرآن الحکیم سورۃ البقرہ، ۸۷، سورۃ المائدہ، آیت ۷۳

(۳۰۵) القرآن الحکیم سورۃ البقرہ، آیت ۸۶

(۳۰۶) القرآن الحکیم سورۃ البقرہ، آیت ۷۲

(۳۰۷) القرآن الحکیم سورۃ الاعراف، آیت ۲

(۳۰۸) ابن ہشام، ج ۱، ص ۲۷۹، سیرت النبی، ج ۱، ص ۲۲۵

(۳۰۹) Ameer Ali / The Sprit of Islam, Karachi, 1969, P.58

(۳۱۰) شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، جلد اول، ص ۲۷۹

(۳۱۱) صحیح بخاری، بحوالہ سیرۃ النبی، ج ۲، ص ۲۷۰

(۳۱۲) بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب الوصیۃ بالجار

(۳۱۳) شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، ج ۲، ص ۱۳۱

(۳۱۴) یوسف الصالحی شامی، سبل الہدیٰ والرشاد، قاہرہ، ۱۹۷۵ء، ۸۷/۵

(۳۱۵) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۵۶/۵

(۳۱۶) محمد احمد باشمیل، صلح حدیبیہ مترجم اختر فتح پوری، نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۵ء، ص ۲۵۶

(۳۱۷) تفصیل کے لئے دیکھئے ابن سید الناس، عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر قاہرہ ۱۹۷۰ء، الواقدی، محمد بن عمر، کتاب المغازی، بیروت، موسسۃ الرسالہ، محمد شیث خطاب، الرسول القائد، بغداد، مکتبہ الحیاۃ ۱۹۶۰ء

(۳۱۸) ابن قیم الجوزی، زاد المعاد، مکتبہ الرسالہ بیروت، ۱۹۷۹ء، ۱/۳۴۳

(۳۱۹) حاکم، المستدرک، مکتبہ المعارف ریاض، ۳/۴۷

(۳۲۰) امیر علی، روح اسلام، ص ۳۹

(۳۲۱) جی سنگھ، دار رسول عربی، سیرت اکیڈمی لاہور ۱۹۸۹ء، ص ۹۸

(۳۲۲) حمید اللہ ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، ادارہ تحقیقات اسلامی، ص ۲۰۷

(۳۲۳) تفصیل کے لئے دیکھئے

T.W. Ronold. The Perching of Islam Kitabistan,New Delhi. 1999

(۳۲۴) ابن ماجہ بحوالہ قرضاوی، اسلامی بیداری، محولہ سابق ص ۱۳۶

(۳۲۵) القرآن الحکیم سورۃ الحجرات، آیت ۱۲

(۳۲۶) القرآن الحکیم سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۵۷

(۳۲۷) القرآن الحکیم سورۃ ہود آیت ۸۸

(۳۲۸) http:// encarta. msn. com/encyclopedia-1/Terrorism.htm

(۳۲۹) The New Encyclopedia Britannica/Scurlock Tirah IX/Chicago, William Benton. Publisher, 1972, P-904.

(۳۳۰) http:// encarta. msn. com/ encylopedia-761564344-1/Terrorism. htm

(۳۳۱) RobbiA Grohmen, neturei karta, UK/Middle East and Terrorism. http//www.islamic-studies-org/Terror confer. Pro.htm.

(۳۳۲) سید معروف شاہ شیرازی، اسلام اور دہشت گردی، ادارہ منشورات اسلامی لاہور ۲۰۰۲ء، ص ۱۵۵

(۳۳۳) کیرم آرم اسٹرانگ، مسلمانوں کا سیاسی عروج و زوال، نگارشات، لاہور ۲۰۰۳ء، ص ۱۸۰

(۳۳۴) ایضاً حوالہ نمبر ۹۲، ص ۱۵۵۔۱۵۷

(۳۳۵) International one-day conference /jewish, christian, Muslim religious leaders and politicians Discuss· Terrorism Tuesday 13th November 2001, London Rt. How. Tony Benn, Member of British Parliament, UK/ Peace and Justice.

(۳۳۶) اسرار عالم، عالم اسلام کی صورتحال، ادارہ معارف اسلامی، کراچی ۲۰۰۰ء، ص ۲۷

(۳۳۷) Zbigniew Brazenski/ out of control Globel Turmoil on the eve of the twenty first century/New York/ P-214

(۳۳۸) ساحل، مدیر منتظم ڈاکٹر خالد علی انصاری، کراچی، اکتوبر ۲۰۰۰ء، ص ۵۰

(۳۳۹) اکنامکس اینڈ انٹرنیشنل افیئرز، مئی ۲۰۰۰ء

(۳۴۰) ایضاً

(۳۴۱) ماہنامہ ساحل، کراچی، جلد ۱۳، ش ۱۱، نومبر دسمبر ۲۰۰۱ء، ص ۳۲ تا ۳۶

(۳۴۲) احمد سلیم، نیا عالمی نظام اور پاکستان (مقالات) جمہوری پبلیکیشن ہاؤس مزنگ روڈ لاہور ۱۹۹۱ء، ص ۱۶

(۳۴۳) جنگ، سنڈے میگزین، ۲۲ دسمبر ۲۰۰۲ء، ص ۶، ۷

(۳۴۴) ماہنامہ ساحل، کراچی جلد ۱۲،۱۰-۱۱ اکتوبر دسمبر ۲۰۰۱ء، ص ۳۳ تا ۳۶

(۳۴۵) ولیم بلم روگ اسٹیٹ ترجمہ بدمعاش امریکہ، مترجم سید ناصر علی، ص ۱۷۱

(۳۴۶) Chomsky Noam, World order old and New, London Pluto Press 1994-96

(۳۴۷) ماہنامہ ساحل، کراچی، جلد ۱۲، ص ۱۰۔

(۳۴۸) اطہر سلیم، نیا عالمی نظام اور پاکستان، ص ۶۵

(۳۴۹) ماہنامہ ساحل، کراچی جلد ۱۲، ش ۱۱، نومبر دسمبر ۲۰۰۱ء، ص ۹۷۔

(۳۵۰) ایضاً، ص ۸۹۔۹۶

(۳۵۱) ماہنامہ ساحل، کراچی، جلد ۱۲، ش ۱۰-۱۱، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء، ص ۸۹۔۹۶

(۳۵۲) ایضاً، ص ۸۹۔۹۶

(۳۵۳) مجتبیٰ موسوی، مغربی تمدن کی ایک جھلک، ترقی اردو بورڈ دہلی، ص ۷۶

(۳۵۴) ایضاً، ص ۷۶

(۳۵۵) ایضاً، ص ۷۷

(۳۵۶) القرآن الحکیم سورۃ الفتح ۱،۲

(۳۵۷) تفصیل کے لیے دیکھیں

ابن ہشام، ج۲، ص ۱۵۰/۲، ابن الاثیر الکامل ۲/ ۲۸۵، حمید اللہ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی (کراچی ۱۹۸۲ء) ص ۳۳۔۱۱۵۰

(۳۵۸) مسلم الجامع الصحیح، کتاب الجهاد والسیر، باب کتب النبی ﷺ الی ملوک الکفار یدعوهم الی اللہ عز وجل نمبر 1774 ص 1339/3

(۳۵۹) القرآن الحکیم سورۃ آل عمران: ۶۴

تفاصیل کے لیے دیکھیں، ابن ہشام، ج۲، ص ۱۸۷/۲

(۳۶۰) الطبری، ج۲، ص ۸۲/۲، عسقلانی فتح الباری، تحقیق عبدالعزیز بن عبداللہ باز، جامعۃ الامام محمد الریاض، ص ۸۲/۸، الزرقانی (محمد بن عبدالباقی بن یوسف) المواہب اللدنیہ (لبنان ۱۹۷۳ء) ص ۳/ ۳۴۷۔۳۶۸

تفاصیل کے لیے دیکھیں۔

(۳۶۱) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ (بیروت ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۸ء) ۳۶۰

(۳۶۲) ابن ہشام، ج۲، ص ۱۵۴/۲، ابن الاثیر الکامل، ص ۱۸۶/۲

(۳۶۳) ابن ہشام، ج۲، ص ۳/۲، الطبری، استاذ الاسلام ۱/ ۳۹۵

(۳۶۴) تفاصیل کے لیے دیکھیں۔ ابن سعد، ج۲، ص ۳۵۸، ابن الاثیر الکامل، ص ۲/ ۲۹۲

(۳۶۵) آرنولڈ۔ والدعوۃ الاسلام ترجمہ حسن ابراہیم (مکتبۃ النہضۃ المصریۃ) ص: ۳۹

(۳۶۶) القرآن الحکیم سورۃ الحجرات: ۱۳

(۳۶۷) ابن ہشام، ج۲، ص ۲/ ۱۰۶۔۱۰۸

(۳۶۸) ابن قیم الجوزیہ، احکام اہل ذمہ (دمشق ۱۹۶۱ء) ص ۲۰۰۔۳۱۵ (مقالات سیرت ۱۹۹۹ء وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان)

(۳۶۹) القرآن الحکیم سورۃ محمد۔ آیت: ۸

(۳۷۰) مکتوبات نبوی ﷺ، مولانا سید محمد رضوی، ادارہ اسلامیات، لاہور ۱۹۸۷ء، ص ۳۶

(۳۷۱) نقوش رسول ﷺ نمبر، مقالہ بعنوان اسلام اور مذہبی رواداری از خلیفہ عبدالحکیم، ادارہ فروغ اسلام، لاہور ۱۹۸۳ء، جلد سوم، ص ۶۷۱

(۳۷۲) پروفیسر راشدہ شعیب، اسلام نظام حکومت، بک پروموٹرز اسلام آباد ۱۹۹۵ء، ص ۱۲۴۔

(۳۷۳) محمد صلاح الدین، بنیادی حقوق، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ص ۳۳۶۔

(۳۷۴) ملت اسلامیہ علی نواز میمن مترجم صفوت قدوائی، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی ۲۰۰۱ء، ص ۱۵۱، ۱۵۲

(۳۷۵) الفتح ۱۰، الانفال ۵۶، النحل ۹۱، البقرہ ۱۷۷۔ تفصیل کے لیے دیکھئے المعجم المفہرس لالفاظ القرآن محمد فواد عبدالباقی۔

(۳۷۶) محمد احمد باشمیل، صلح حدیبیہ، ص ۲۱۸ تا ۲۲۳

(۳۷۷) پروفیسر سید اکرم، عصر حاضر اور اسلامی معاشرے کی تشکیل، ترجمان القرآن، جنوری ۲۰۰۶ء، ص ۲۹۔

(۳۷۸) قرضاوی علامہ یوسف، اکیسویں صدی اور داعی ذمہ داریاں، ترجمان القرآن، اپریل ۲۰۰۱ء، ص ۴۹۔

(۳۷۹) ایضاً۔ ص ۵۰

(۳۸۰) ایضاً۔ ص ۵۱

(۳۸۱) مسند الامام احمد بن حنبل حدیث النعمان بن بشیر عن النبی رقم الحدیث ۱۷۶۸۰

(مسند النعمان بن بشیر بن سعد الانصاری الخزرجی اطراف مسند الامام احمد بن حنبل

دار ابن کثیر۔ دار الکلم الطیب الطبعۃ الاولی ۱۴۱۴ھ۔ ۱۹۹۳ء، جلد ۵، ص ۴۰۲

(۳۸۲) القرآن الحکیم سورۃ آل عمران، آیت ۱۳۹

(۳۸۳) اقبال، جواب شکوہ کلیات اقبال، لاہور، ۱۹۷۵ء، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ص ۲۰۷

(۳۸۴) ایضاً۔ ص ۲۰۸

(۳۸۵) القرآن الحکیم سورۃ ہود، آیت ۸۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اختتامیہ/ خلاصۂ بحث (اردو)

مقالے کا عنوان:۔ رسول اکرم ﷺ کی عسکری اور سیاسی زندگی میں صلح حدیبیہ کا کردار اور عصر حاضر میں اس کی ضرورت واہمیت (ایک علمی اور تحقیقی جائزہ)

مندرجہ بالا عنوان سے واضح ہو جاتا ہے کہ میرے مقالے کا موضوع ''صلح حدیبیہ'' سے متعلق ہے جو کہ پوری کی پوری رسول اکرم ﷺ کی عسکری اور سیاسی زندگی کے گرد گھومتی نظر آتی ہے۔ سیرت نبوی ﷺ و تاریخ اسلام میں کلیدی حیثیت کی حامل ہے۔ نیز مظہر وحی الٰہی ہے۔ اللہ رب العزت نے اس صلح کو قرآن حکیم میں فتح مبین قرار دیا اور رسول اللہ ﷺ کی سیاسی حکمت وبصیرت پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہوئے اور مسلمانوں کی تسلی وتشفی، اطمینان قلب اور ذہنی کشمکش و بے چینی و بے قراری دور کرتے ہوئے ایک پوری سورۃ نازل فرمائی اور پھر تاریخ گواہ ہے کہ وقت اور حالات نے ثابت بھی کر دیا کہ یہ صلح واقعی ''فتح مبین'' اور ''نصر عزیز'' ثابت ہوئی اور منہج انقلاب نبوی ﷺ میں اس نے انتہائی لازوال ولاجواب کردار ادا کیا اور اسلام مکہ اور مدینہ سے ہوتا ہوا دور دراز علاقوں تک پھیلتا ہی چلا گیا۔ عالم اسلام کے لیے ''صلح حدیبیہ'' میں درس حکمت بھی ہے، عزت وطاقت اور قدرت وشوکت بھی۔

پس ''صلح حدیبیہ'' کی اسی دینی، تاریخی، سیاسی اور قانونی اہمیت کے پیش نظر میں نے اس امر کی ضرورت محسوس کی کہ اسے موضوع تحقیق بنا کر عصر حاضر میں اس کی اہمیت وضرورت کو اجاگر کیا جائے۔ عصر حاضر میں مسلم امہ جن گھمبیر مسائل سے دوچار ہے اس کے لیے صبر و برداشت، دینی بصیرت، رواداری، تحمل، اعتدال، میانہ روی نیز انتہا پسندی کے خاتمے اور ملی یگانگت کے ساتھ ساتھ پوری فراست، عقل وشعور، حکمت، وسیع النظری و بالغ نظری اور زمینی حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی عزت و وقار، قومی سلامتی کے تحفظ اور پرامن بقائے باہمی کے لیے آج، حالات کے تناظر میں ہمارے مسائل کا حل ''صلح حدیبیہ'' جیسے معاہدات ہی میں پنہاں ہے لہٰذا تاریخ ساز اور حکمت وسیاست سے بھرپور اس عظیم معاہدے کی جتنی اہمیت آج کے دور میں نظر آتی ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔

ہمارے لیے رسول اکرم ﷺ کی زندگی بہترین نمونہ ہے۔ ان بہترین نمونوں میں سے ''صلح حدیبیہ'' میں رحمۃ للعالمین ﷺ کا طرز عمل ایک انمول نمونہ ہے۔ جو رہتی دنیا تک امن وسلامتی کے ساتھ کامیاب زندگی بسر کرنے کی خواہش رکھنے والوں کے لیے مینارۂ نور بنا رہے گا۔

میرا یہ مقالہ کل پانچ ابواب اور مجموعی طور پر چھبیس (۲۶) فصلوں پر مشتمل ہے۔ ہم یہاں پر اپنے تمام ابواب اور جملہ فصلوں کا خلاصہ تفصیل کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔

تفصیل حسب ذیل ہے۔

باب اوّل:۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی

باب اوّل میں کل پانچ فصلیں ہیں اس میں رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی کے حوالے سے تفصیلی بحث وتحقیق پیش کی گئی ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی کا آغاز کب اور کیسے ہوا؟ نیز آپ ﷺ کی سیاسی اور عسکری زندگی میں معاہدات کی اہمیت کا بھی اندازہ لگانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس باب میں ہم نے رسول اکرم ﷺ کے سیاسی معاہدات کا بھی مختصر جائزہ پیش کیا ہے۔ نیز آپ ﷺ کی عسکری زندگی پر ان معاہدات کے اثرات سے بھی سیر حاصل بحث کی ہے اور آخر میں صلح حدیبیہ کا تعارف وپس منظر بیان کیا ہے۔

فصل اوّل:۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی کا آغاز

باب اوں کی فصل اول دراصل رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی کے آغاز سے متعلق ہے۔ اس فصل میں قدیم وجدید مآخذ کے مستند حوالوں سے رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی پر بھرپور روشنی ڈالی گئی ہے۔ تحقیق کی روشنی میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ بعثت محمدی ﷺ کے وقت میں پوری دنیا کی حالت عجیب وغریب تھی، پوری انسانیت خودکشی کے راستے پر گامزن تھی، یہ وہ پُرآشوب دور تھا کہ جب عالم انسانی اندھیروں میں ڈوب چکا تھا کاروان زندگی اپنی راہ ومنزل کو گم کر کے بھول بھلیوں میں سرگرداں تھا اور انسان اپنے خالق اور مالک کو بھول چکا تھا اور خود اپنے آپ کو اور اپنے مستقبل اور انجام کو فراموش کر چکا تھا۔ ان حالات میں آپ ﷺ کی بعثت ہوئی۔

اللہ رب العالمین نے رسول اکرم ﷺ کے ذریعے تمام عالم کی ہدایت ورہنمائی کے لیے جو دین بھیجا ہے وہ جس طرح ہماری انفرادی زندگی کا دین ہے، اس طرح ہماری اجتماعی زندگی کا بھی دین ہے۔ جس طرح وہ عبادات کے ذریعے بتاتا ہے، اسی طرح وہ سیاست کے آئین بھی سکھاتا ہے اور جتنا تعلق اس کا مسجد سے ہے، اتنا ہی اس کا تعلق حکومت سے بھی ہے۔ اس کو ہمارے نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو بتایا اور سکھایا بھی اور ایک وسیع ملک کے اندر اس کو جاری ونافذ بھی کر دیا اس وجہ سے حضور اکرم ﷺ کی زندگی جس طرح بحیثیت ایک مزکی نفوس اور ایک معلم اخلاق سے ہمارے لیے اسوہ اور نمونہ ہے، اسی طرح بحیثیت ایک ماہر سیاست اور ایک مدبر کامل کے بھی اسوہ اور مثال ہے۔

تحقیق سے ثابت کیا گیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی کا باقاعدہ آغاز تاریخی معاہدہ "حلف الفضول (۳۷ قبل ہجری/ ۵۸۶)" سے ہوا۔ اس پُرآشوب دور میں قیام امن وسلامتی کی خاطر کیا جانے والا یہ اپنی نوعیت کا ایک انوکھا معاہدہ تھا جس کی رو سے طے پایا تھا کہ چاہے مکے کے باشندے ہوں یا اجنبی، آزاد ہوں یا غلام، غنی ہوں یا فقیر انہیں مکے کی حدود میں ہر طرح کے ظلم وناانصافی سے محفوظ رکھا جائے گا اور ظالموں کے ہاتھوں ان کے نقصانات کی پوری پوری تلافی کرائی جائے گی۔

تمام مورخین اور سیرت نگاروں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ چھٹی صدی عیسوی میں سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا سیاسی کردار ہر اعتبار سے ایک مثالی تھا، جس کی بنیاد پر زمانہ جاہلیت میں بھی پوری قوم نے آپ ﷺ کو "امین" کا خطاب دیا تھا۔

اعلان نبوت کے بعد رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی میں معاہدۂ عقبہ اولی وثانیہ بھی بڑی اہمیت کی حامل ہیں اور یہی معاہدات بعد ازاں ہجرت مدینہ کا محرک ثابت ہوئے اور ہجرت تاریخ اسلام میں ایک اہم موڑ ثابت ہوئی۔ بعد ازاں ہجرت آپ

ﷺ نے اہل مدینہ کے درمیان ایک تاریخ ساز تحریری معاہدہ (میثاق مدینہ) مرتب فرمایا جس میں تمام اقوام مدینہ شامل ہوئیں اور یہ اسلام کا ضخیم خارجہ کا پہلا معاہدہ ہے جس سے اسلامی سوسائٹی کے مقاصد کی تکمیل میں زبردست مدد ملی، پروفیسر ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ "میثاق مدینہ" دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور ہے اس معاہدے کی رو سے آنحضرت ﷺ نے چودہ سو برس قبل انسانی معاشرے میں ایسا ضابطہ قائم کیا جس سے شرکائے معاہدہ میں ہر گروہ اور فرد کو اپنے اپنے عقیدے میں آزادی کا حق حاصل ہوا، انسانی زندگی کی حرمت قائم ہوئی، اموال کے تحفظ کی ضمانت مل گئی، ارتکاب جرائم پر گرفت و مواخذہ نے اپنا دباؤ ڈالا، مدینہ امن کا گہوارہ بن گیا۔

فصل دوم:۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی وعسکری زندگی میں معاہدات کی اہمیت

اس فصل میں تحقیق سے ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام آیا تو انسانیت کی کایا ہی پلٹ گئی گویا تقدیر ہی بدل گئی، اس نے انسانیت کا احترام کرنا سکھایا، نافرمانی اور جارحیت کی بجائے وحدت انسانیت کی دعوت دی۔ اس کی بنیاد ہی قومیت سے بالاتر رکھی گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ عدل و انصاف کا پرچار کیا گیا۔ اسلامی تعلیمات یگانے اور بیگانے کے تصور سے پاک، دوست دشمن کی تفریق سے ناآشنا، قوی و ضعیف کے امتیاز سے مبرا تھیں۔

دو سنہری اصولوں وحدت انسانیت اور بے لاگ عمل کی اساس پر مسلمانوں اور غیر مسلم اقوام کے مابین اصولی روابط وضع کیے گئے۔ رسول اکرم ﷺ نے ان دونوں اصولوں کی نہایت سختی سے پابندی کی اور بین الاقوامی تعلقات کے تمام قواعد و ضوابط کی تفصیل کے ساتھ صراحت فرمادی۔

آنحضرت ﷺ نے نہ صرف مسلمانوں کے تحفظ کے لیے بلکہ عالمگیر اور ہمہ گیر امن کی خاطر ایسے معاہدات کیے جن میں ہر شخص کو رائے اور ضمیر کی مکمل آزادی کے ساتھ فیصلہ کرنے کا موقع دیا گیا، اس طرح سے سیرت مقدسہ ﷺ کا یہ پہلو جو بین الاقوامی حیثیت رکھتا ہے صرف مسلمانوں کے لیے ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کے لیے رہنما اصول کی حیثیت رکھتا ہے اور انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔

تحقیق سے ثابت کیا گیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حکمت و بصیرت سے بھرپور وہ سیاسی و عسکری اور معاشرتی معاہدے کیے جن کے ذریعے سے مدینہ طیبہ ایک متحدہ مرکز میں تبدیل ہو گیا کہ چند سال کی قلیل ترین مدت میں نہ صرف دینی و روحانی بلکہ سیاسی اور معاشرتی حیثیت سے بھی وہ دنیا کا سب سے بڑا صدر مقام بن گیا، چنانچہ عہد نبوی ﷺ میں جس اسلامی ریاست کا آغاز ہوا تھا وہ روزانہ دو سو چوہتر مربع میل کی وسعت سے پھیلتی ہی چلی گئی چند سو جانیں ضائع ہوئیں مگر دس سال کے عرصے میں دس لاکھ مربع میل سے زائد رقبے پر امن قائم ہو گیا اور ان دس سالوں میں مسلمانوں کو جو فتوحات ہوئیں ان میں دشمن کے ماہانہ دو سے بھی کم افراد قتل ہوئے۔

اس وسیع علاقے کی فتح میں دشمن کے بمشکل ڈیڑھ سو آدمی ہلاک ہوئے اور مسلمان فوج کا بمشکل اس دس سال میں، ماہانہ ایک سپاہی شہید ہوتا رہا۔ انسانی خون کی یہ عزت تاریخ عالم میں بلاخوف تردید بے نظیر ہے۔

فصل سوم:۔ رسول اکرم ﷺ کے سیاسی معاہدات۔ مختصر جائزہ

اس فصل میں سیرت النبی ﷺ کے بنیادی مآخذ اور قدیم وجدید مصادر سے عہد نبوی ﷺ کے سیاسی معاہدات پر روشنی ڈالی گئی ہے اور یہ ثابت کیا گیا کہ رسول اکرم ﷺ نے پرامن بقائے باہمی کے اصول کے تحت معاہدات اور حلیفانہ تعلقات کی طرف غیر معمولی توجہ فرمائی کیوں کہ آپ ﷺ جنگ وجدل سے انتہائی ممکن حد تک بچ نکلنا چاہتے تھے تاکہ ایسی پرسکون فضا میں دعوت حق کا کام بخوبی ہو سکے لہٰذا آپ ﷺ نے اس مقصد کے تحت ہر ممکن حد تک صلح وآشتی کا راستہ اختیار کیا اور جتنے بھی معاہدات اور اتحادات آپ ﷺ نے قائم فرمائے خواہ ان کی نوعیت سیاسی تھی، اقتصادی یا فوجی ان سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کی۔ پس ہم نے اس فصل میں رسول اکرم ﷺ سے ان ہی سیاسی معاہدات کا ایک مختصر جائزہ پیش کیا ہے۔

فصل چہارم:۔ رسول اکرم ﷺ کی عسکری زندگی میں معاہدات کے اثرات

پیغمبر رحمت ﷺ کی قیادت میں اسلامی انقلاب جیسے عظیم الٰہی نظام کا برپا ہونا جہاں ایک واضح اور غیر معمولی احسان ربانی ہے وہاں اس میں رسول اکرم ﷺ کی دانشورانہ، حکیمانہ اور جرأت مندانہ قیادت کا بھی بڑا دخل تھا چنانچہ آپ ﷺ نے پرامن بقائے باہمی کے اصول کے تحت جتنے بھی معاہدات فرمائے وہ تمام کے تمام حکمت وبصیرت سے لبریز اور رواداری، حسن سلوک، وسیع النظری اور وسعت قلب وظرف پر مبنی تھے جن کی بدولت اسلام کے دامن لطف وکرم نے غیر مسلموں کو اپنے اندر سمیٹ لیا اور تاریخ ساز اثرات مرتب کیے چنانچہ ریاست اسلامی میں داخلی طور پر امن وامان قائم ہوا جب کہ خارجی طور پر کامیابی وکامرانی اور فتوحات کے در کھلتے ہی چلے گئے اور ریاست مدینہ کا دائرہ روز بروز وسیع سے وسیع تر ہوتا ہی چلا گیا۔ اسلام جہاں جہاں پہنچا وہاں وہاں ظلمت کا خاتمہ ہوتا چلا گیا اور وہ خطۂ زمین اسلام کے نور سے منور اور اللہ کی رحمت سے گل گلزار ہوتے ہی چلے گئے اور اس طرح ساتویں صدی کے ربع اول میں حجاز کے ظلمت کدہ سے طلوع ہونے والے اس بے مثال ولازوال آفتاب نے دیکھتے ہی دیکھتے تمام عالم کو جگمگا دیا۔

فصل پنجم:۔ صلح حدیبیہ......تعارف وپس منظر

صلح حدیبیہ جو کہ دراصل ہمارے مقالہ کا اصل موضوع ہے اس پر بحث کا آغاز حقیقی معنوں میں اس فصل سے ہم نے کیا ہے اور اس فصل میں ہم نے صلح نامہ حدیبیہ کا تعارف اور پس منظر پیش کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ کو مکہ سے گئے ہوئے چھ برس گزر گئے تھے ان چھ برسوں میں وہ دشمن سے مدافعت کی وجہ سے مسلسل جنگوں میں مصروف رہے کبھی قریش کے حملوں سے خود کو محفوظ رکھنے میں منہمک اور کبھی یہود کی دسیسہ کاریوں اور ریشہ دوانیوں سے نجات حاصل کرنے کی فکر، یہ سارا زمانہ ان کا مختلف پریشانیوں میں گزرا لیکن ان پریشانیوں کے باوجود اسلام کی دعوت ہر طرف پھیلتی گئی اور اس کے حامیوں میں قوت واستقلال بڑھتا گیا اور اسکی دعوت کے سیلاب کے سامنے مشرکین اور کافروں کا ہر بند مسمار ہو گیا تاہم ان چھ برسوں میں مسلمان زیارت کعبہ اور حج وغیرہ کے دینی فریضہ کی ادائیگی سے قاصر رہے۔ خصوصاً مہاجرین بیت اللہ

کے فراق کا صدمہ زیادہ محسوس کرتے تھے اور انہیں اور غموں کے علاوہ مکہ کی جدائی کا الم اور اپنے اہل وعیاں کی جدائی کا غم چین نہ لینے دیتا تھا لیکن اس کے ساتھ انہیں یہ بھی یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ اور آپؐ کے تابع داروں ؓ کو ضرور کامیاب فرمائے گا اور اسلام کو ہر ایک دین پر غلبہ عطا فرمائے گا۔ پس ان ہی حالات میں رسول اکرم ﷺ نے وحی الٰہی پر مبنی وہ خواب دیکھا جو کہ دراصل سفر حدیبیہ و صلح حدیبیہ کا اصل محرک ثابت ہوا۔

باب دوم:۔ صلح حدیبیہ کی سیاسی و عسکری اہمیت

باب دوم میں بھی کل پانچ فصلیں ہیں۔ اس میں صلح حدیبیہ کی سیاسی و عسکری اہمیت کے حوالے سے بحث و تحقیق کی گئی ہے۔ "صلح حدیبیہ" کے متن اور دفعات کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے نیز معاہدات نبوی ﷺ میں صلح حدیبیہ کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے اس ضمن میں مسلم اور غیر مسلم سیرت نگاروں کی نظر میں صلح حدیبیہ کی سیاسی اور عسکری اہمیت کا بھی اندازہ لگانے کی کوشش کی گئی ہے۔ نیز صلح حدیبیہ کو رسول اللہ ﷺ کی سیاست خارجہ اور پرامن بقائے باہمی کے حوالے سے موضوع تحقیق بنایا گیا ہے۔

فصل اول:۔ صلح حدیبیہ کا متن اور دفعات

اس فصل میں ہم نے صلح نامہ حدیبیہ کے متن اور دفعات کا ایک تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے اور صلح حدیبیہ کا عربی متن اور اردو ترجمہ بھی پیش کیا ہے۔ صلح حدیبیہ کے متن و دفعات کا جائزہ ہم نے پہلے مرحلے میں قرآن حکیم کی روشنی میں اس کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے لیا ہے اور دوسرے مرحلے میں ہم نے تاریخ کے آئینے میں صلح حدیبیہ کے متن و دفعات کو موضوع تحقیق بنایا ہے جب کہ تیسرے مرحلے میں ہم نے قصہ حدیبیہ اور صلح (متن و دفعات) کے اسباق و اثرات پر بحث کی ہے۔

فصل دوم:۔ معاہدات نبوی ﷺ میں صلح حدیبیہ کی اہمیت

عہد نبوی ﷺ میں تین بڑی غیر مسلم قوتوں یہود مدینہ، مشرکین مکہ اور نجران کے عیسائیوں سے رسول اکرم ﷺ نے سیاسی معاہدے کیے، یہ تاریخی معاہدات غیر مسلم قوتوں اور حکومتوں سے سیاسی اور سفارتی تعلقات اور معاہدات کے لیے اسلام کی پوری ۱۴ سو سالہ تاریخ میں اسلام کے قانون بین الاقوام کی حیثیت رکھتے ہیں اور غیر مسلم ممالک اور قوتوں سے باہمی تعلقات اور پرامن بقائے باہمی کے حوالے سے رہنما دستاویز ہیں۔ اگرچہ ان معاہدات نبوی ﷺ کی اہمیت اپنی اپنی جگہ مقدم ہے تاہم ان میں صلح حدیبیہ کو اپنے عالمگیر اثرات کی بدولت ایک خاص مقام حاصل ہے۔ پس اس فصل میں ہم نے تحقیق کے ذریعے معاہدات نبوی ﷺ میں صلح نامہ حدیبیہ کے اس مقام کو اجاگر کرتے ہوئے اس کی اہمیت پر بحث کی ہے۔

فصل سوم:۔ مسلم اور غیر مسلم سیرت نگاروں کی نظر میں صلح حدیبیہ کی سیاسی اور عسکری اہمیت

معاہدات نبوی ﷺ میں صلح حدیبیہ کی اہمیت چونکہ مسلمہ ہے لہٰذا مسلم اور غیر مسلم سیرت نگاروں نے بھی صلح نامہ حدیبیہ کی اس سیاسی اور عسکری اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے کتب سیرت میں اس کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے اور تقریباً تمام ہی سیرت نگار صلح حدیبیہ

کے حوالے سے عالم اسلام کے معروف محقق ڈاکٹر حمید اللہ کی طرح اس اہم نقطہ پر متفق نظر آتے ہیں کہ ''صلح حدیبیہ رسول اکرم ﷺ کی خارجہ پالیسی کا شاہکار ثابت ہوئی۔''

فصل چہارم:۔ صلح حدیبیہ اور رسول اللہ ﷺ کی سیاستِ خارجہ

اس فصل میں ہم نے رسول اللہ ﷺ کی سیاست خارجہ کے حوالے سے بحث وتحقیق پیش کی ہے اسلام کے حوالے سے نبی کریم ﷺ کی خارجہ پالیسی کی بنیادیں بیان کیں ہیں، جس میں سیاستِ خارجہ کے نقطۂ نظر سے دعوت توحید، دفاع ریاست، امن عالم، معاہدات کا احترام، التوائے جنگ یا صلح، بلاوجہ تنازعہ سے پرہیز، حق کی معاونت اور ظلم سے اجتناب، اندرونی استحکام، فنون حرب کی ترقی واستفادہ، خبر رسانی، معاشی دباؤ یا ناکہ بندی، تالیف قلبی، انسانی خون کی عزت اور بین الاقوامی اصولوں کی پاسداری کے حوالے سے بحث کی گئی ہے نیز اسلامی تاریخ کے حوالے سے بھی رسول اکرم ﷺ کی سیاستِ خارجہ کا جائزہ پیش کیا ہے۔

فصل پنجم:۔ رسول اکرم ﷺ کی امن پسندی اور بقائے امن باہمی میں صلح حدیبیہ کی اہمیت

حضور ختمی مرتبت ﷺ کی بعثت صرف مسلمانوں ہی کے لیے خیر وبرکت کا باعث نہیں بلکہ آپ ﷺ کی آمد تمام بنی نوع انسان کے لیے بے پایاں سعادت وکامرانی کا سبب ہوئی۔ آپ ﷺ چونکہ رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجے گئے تھے لہٰذا بار بار اللہ سبحانہ تعالیٰ نے یہ ہدایت دی کہ ''درگزر کریں ان کے ساتھ جو بدزبانی اور ایذا رسانی کرتے ہیں۔'' اگرچہ پوری حیات طیبہ ﷺ امن پسندی وصلح جوئی سے عبارت ہے تاہم عہد نبوی ﷺ کے حوالے سے اسلامی تاریخ میں دو مثالیں ایسی ملتی ہیں جو اپنی مثال آپ ہیں۔ دونوں مواقع پر آپ ﷺ اپنے صحابۂ کرامؓ کے ہمراہ غالب قوت کے مالک تھے اور تمام آثار وقرائن اور اسباب ووسائل ان کے حق میں تھے لیکن انہوں نے غالب ہونے کے باوجود صلح نامہ حدیبیہ کو ظاہرا ایک مغلوب کی طرح قبول کرنے میں بھی ذرا سا تامل نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے ''فتح مبین'' بنا دیا اور فتح مکہ تو گویا ان کا شاہکار ہے اور پوری تاریخ انسانی اس کے سامنے دست بستہ اور سربسجدہ ہے۔ پس اس فصل میں ہم نے اس حوالے سے رسول اکرم ﷺ کی امن پسندی اور پرامن بقائے باہمی میں صلح حدیبیہ کی اہمیت پر تحقیقی بحث پیش کی ہے۔

باب سوم:۔ صلح حدیبیہ اور رسول اکرم ﷺ کی خارجہ پالیسی

ہجرت رسول اکرم ﷺ کی سیاستِ خارجہ کی بنیاد تھی۔ ہجرت کے باعث ہی مسلمانوں کے لیے سیاسی نظام مملکت کو تشکیل دینا ممکن ہوا اور پھر یہی سیاسی نظام مملکت ریاست مدینہ کے اندرونی وبیرونی استحکام کا سبب بنا اور رسالت مآب ﷺ کے لیے خارجہ مقاصد کے حصول میں انتہائی سودمند ثابت ہوا اور رسول اکرم ﷺ نے سیاست خارجہ میں معاہدات اور حلیفانہ تعلقات کی جانب انتہائی توجہ فرمائی اور جنگ وجدل سے ممکن حد تک بچنے کی کوشش کی تاہم جنگی کارروائیاں جہاں کہیں بقائے ریاست، بقائے امن یا بقائے اسلام کے لیے ناگزیر ضرورت بن گئیں وہاں آپ ﷺ نے کسی درجہ کی ہچکچاہٹ سے کام نہیں لیا، نیز آپ ﷺ نے جنگوں میں نہ صرف کامیابیاں

حاصل کیں بلکہ دورِ جاہلیت کے تمام وحشیانہ جنگی طریقوں کو بھی بدل کر رکھ دیا اور ایسے قابلِ فخر قوانین نافذ فرمائے کہ جو آج بھی احترامِ آدمیت و تکریمِ انسانیت کا درس دیتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے عہد مبارک میں مختلف سفیروں کو بھی خارجہ حکمت عملی کے نقطۂ نظر سے مختلف اغراض و مقاصد کے لیے روانہ فرمایا۔ زیادہ اہم سفارتیں صلح حدیبیہ کے بعد پڑوسی ملکوں کی طرف دعوتی خطوط دے کر روانہ کی گئی تھیں۔ جن ملکوں اور قوموں کے سربراہوں اور فرمانرواؤں کو خطوط بھیجے گئے چند ہی برسوں میں وہاں اللہ کے آخری نبی کا لایا ہوا حیات بخش نظامِ زندگی پوری طرح غالب ہو کر رہا۔ مختصر یہ کہ یہ سب کچھ رحمۃ للعالمین ﷺ کی قائدانہ صلاحیتوں اور مدبرانہ قابلیتوں نیز عظیم خارجہ پالیسی کا معجزانہ شاہکار ہے گویا حضور اکرم ﷺ نے اپنی خارجہ حکمت عملی میں جو جو اقدامات فرمائے وہ آپ ﷺ کے بے مثال تدبر و فراست اور آئین جہانبانی کے آئینہ دار تھے اور آپ ﷺ کے یہ روشن اور درخشاں پہلو آج بھی مسلمان ممالک کے لیے بین الاقوامی تعلقات میں بہترین قابلِ عمل نمونہ کی حیثیت رکھتے ہیں بلکہ مسلمان ممالک کے باہمی "انتشار اور نفاق" کے خاتمہ کی ضمانت بھی ہیں۔

فصل اوّل:۔ رسول اکرم ﷺ کی خارجہ پالیسی میں صلح حدیبیہ کی اہمیت

رسول اکرم ﷺ کی خارجہ پالیسی میں صلح حدیبیہ نے انتہائی اہم کردار ادا کیا۔ صلح حدیبیہ کے بعد اور اندرون عرب کی تمام قابلِ ذکر مزاحمتوں کے ختم ہو جانے کے بعد ایک مسئلہ تو ان علاقوں کا تھا جو ابھی تک ریاست نبوی ﷺ کے مطیع نہ ہوئے تھے جب کہ دوسرا مسئلہ یہ تھا کہ بیرون عرب اسلام کے پیغام کو پہنچایا جائے اور وہاں بھی حاکمیت الٰہی کی طرح نو ڈالی جائے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا واضح حصہ تھا۔ پس ان مسائل کے حل میں صلح حدیبیہ نے کلیدی کردار ادا کیا، اللہ کا دین روز بروز پھیلتا ہی چلا گیا اور اسلامی فتوحات کا دائرہ بھی مسلسل وسعت اختیار کرتا گیا پس اس اعتبار سے رسول اکرم ﷺ کی خارجہ حکمت عملی میں صلح حدیبیہ کی اہمیت مسلم ہے اور اسی اہمیت کو اس فصل میں اجاگر کیا گیا ہے۔

فصل دوم:۔ فتوحات نبوی ﷺ اور صلح حدیبیہ

رسول اللہ ﷺ کی جنگوں کا مقصد دائمی طور پر امن و عافیت کو قائم رکھنا تھا۔ ان کی غرض انسانیت کا احترام تھا نہ کہ بے گناہوں کی جان و مال کو نقصان پہنچانا اور جنگ میں اسیران جنگ اور رہائی و یرغمال کے ساتھ عمدہ اور بہتر سلوک روا رکھا گیا چونکہ آپ ﷺ کی جنگوں کا مقصد ہی عالمی امن کا قیام تھا لہٰذا آپ ﷺ نے جنگوں میں کشت و خون سے جہاں تک ممکن ہوا پرہیز فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ چند سو جانیں ضائع ہوئیں مگر دس سال کے عرصہ میں دس لاکھ مربع میل سے زائد علاقے پر امن و امان قائم ہو گیا۔ ڈاکٹر حمید اللہ کی تحقیق کے مطابق یہ وسعت ۲۷۴ مربع میل فی یوم بنتی ہے اوسطاً ۲۷۴ مستقل سیاسی اکائیاں ایک ریاست اور ایک وحدت میں مدغم ہو گئیں اور ۸۲ لاکھ ۵ ہزار آدمی (حضور ﷺ کی زندگی میں) خدائے واحد بزرگ و برتر کے پرستار بن گئے۔ اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ صلح حدیبیہ نے فتوحات نبوی ﷺ میں اہم ترین کردار ادا کیا اور ریاست اسلامی ترقی اور وسعت اختیار کرتی ہی چلی گئی۔

فصل سوم:۔ صلح حدیبیہ کے سیاسی اثرات

صلح حدیبیہ کے اتنے گہرے مذہبی، سیاسی، عسکری، معاشرتی و اخلاقی اور تہذیبی و تمدنی اثرات رونما ہوئے جس نے اسے آئندہ کی تاریخ میں ایک لازوال مقام عطا کیا۔ سیاسی نقطۂ نظر سے صلح حدیبیہ نے جو اہم ترین اثرات مرتب کیے ان کی بدولت ریاست اسلامی کے لیے توسیع و ترقی کی راہیں ہموار ہوتی چلی گئیں۔ صلح حدیبیہ کی بدولت پہلی مرتبہ عربوں نے اسلامی ریاست کے وجود کو باقاعدہ تسلیم کیا، رائے عامہ بھی مسلمانوں کے حق میں ہموار ہوئی اور بہت سے قبائل مسلمانوں کی طرف جھک گئے اور قریش کے قرب و جوار کا علاقہ بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ لہٰذا ان تمام چیزوں نے بعد میں عملی طور پر فتح مکہ کو آسان بنا دیا۔ صلح حدیبیہ کی بدولت رسول اللہ ﷺ کو اپنی اس پالیسی کو عملی جامہ پہنانے کا موقع میسر آ گیا کہ مخالف طاقتوں کو پہلے درجہ میں تو متحد ہی نہ ہونے دیا جائے اور پھر دوسرے درجہ میں علیحدہ علیحدہ بننے والی سیاسی اکائیوں کو سرنگوں کر دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے باعث جنوب کی طرف سے اطمینان حاصل ہو جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے شمالی عرب اور وسط عرب کی تمام مخالف طاقتوں کو بآسانی مسخر کر لیا۔ پس اس فصل میں ہم نے صلح حدیبیہ کے ان ہی بے مثال و لازوال اثرات کا تفصیلی تحقیقی جائزہ پیش کیا ہے۔

فصل چہارم: اسلامی تاریخ کے عسکری اور سیاسی معاہدوں پر صلح حدیبیہ کے اثرات

گزشتہ بحث میں ہم یہ بات تحقیق سے ثابت کر چکے ہیں کہ معاہدات نبوی ﷺ میں سب سے اہم حیران کن تیز تاریخ ساز اثرات "صلح حدیبیہ" نے مرتب کیے ہیں یہ اثرات ہمیں تاریخ اسلام کے تمام معاہدات امن و صلح کا احاطہ کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں جیسا کہ ہم واضح کر چکے ہیں کہ صلح حدیبیہ دراصل پرامن بقائے باہمی کے اصول کے تحت کیا جانے والا وہ معاہدہ تھا کہ جس کی بنیادیں وسیع نظری، وسیع قلبی، حسن سلوک، رواداری اور روشن خیال اعتدال پسندی پر قائم تھیں، جس کی وسعت قلب و ظرف کے سبب غیر مسلم اسلام کے دامن لطف و کرم میں سمٹتے چلے گئے اور اسلام نا صرف عرب بلکہ پوری دنیا میں تیزی کے ساتھ پھیلتا چلا گیا، چونکہ سیرت نبویؐ تمام مسلمانوں کے لیے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتی ہے لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ سیرت نبوی ﷺ کے اس پہلو نے تمام مسلمانوں کی سیاسی و عسکری زندگی پر گہرے اثرات مرتب کیے چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد عمل میں آنے والے تاریخ کے تمام معاہدات امن و صلح میں ہمیں اس تاریخ ساز معاہدے کی واضح جھلک نظر آتی ہے گویا یہ معاہدہ انہی خصوصیات کے اعتبار سے بعد کے تمام معاہدات امن و صلح کی بنیاد قرار پایا اور ایک مثال ثابت ہوا۔ پس ان معاہدات امن و صلح کے ذریعے اسلام و مسلم حکمرانوں نے اپنے اپنے عہد حکومت میں غیر مسلم اقلیتوں اور ذمیوں کو بڑے حقوق دیے جو کہ مثالی ہیں اور تاریخ عالم ان کی نظیر پیش کرنے سے قطعی قاصر ہے لہٰذا اسلام نے غیر مسلموں کے قلوب پر جو فتح حاصل کی تو قبول اسلام کی شرح میں ریکارڈ اضافہ ہوا اور اسلامی ریاست مختصر عرصے میں کرۂ ارض کے طول و عرض میں پھیل گئی اور ثابت ہو گیا کہ اسلام جنگ کا نہیں بلکہ امن و صلح و سلامتی کا دین ہے۔

فصل پنجم:۔ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ پر اس کا اثر

منہج انقلاب نبویؐ میں صلح حدیبیہ نے بڑا ہی اہم کلیدی کردار ادا کیا لہٰذا صلح حدیبیہ فتح مکہ کی تمہید ثابت ہوئی اور فتح مکہ دراصل تطہیر کعبہ کا انتہائی مرحلہ ثابت ہوا کہ جب حق باطل پر غالب آ گیا اور باطل مٹ گیا۔ فتح مکہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کرامؓ کے طویل خوابوں کی انتہائی حسین تعبیر تھی جس کے پس پردہ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی حکمت و بصیرت، بالغ نظری، صبر و استقامت اور اللہ عزوجل کی جانب سے غیبی مدد اور نوید فتح و نصرت کارفرما تھی۔ اللہ عزوجل نے قرآن حکیم میں صلح حدیبیہ کو فتح مبین قرار دیا اور اس کے حق میں ایک پوری سورۃ نازل فرمائی، تاریخ گواہ ہے کہ وقت و حالات نے ثابت کیا کہ قرآن پاک کی پیش گوئی حرف بہ حرف درست ثابت ہوئی اور صلح حدیبیہ رسول کریم ﷺ کی سیاست خارجہ کے ایک عظیم شاہکار کے روپ میں سامنے آئی نا صرف فتح مکہ بلکہ عالمگیر اشاعتِ اسلام کا سبب بنی۔ اس فصل میں اسی تاریخی حقیقت سے بحث کی گئی ہے۔

باب چہارم: صلح حدیبیہ اور دورِ خلافتِ راشدہؓ کے معاہدات۔ تقابلی جائزہ

باب چہارم بھی دیگر ابواب کی طرح کل پانچ فصلوں پر مشتمل ہے۔ یہ باب اپنی نوعیت کے اعتبار سے اس طرح اہمیت کا حامل ہے کہ ہم نے اس باب میں صلح حدیبیہ کے ساتھ عہدِ خلافتِ راشدہؓ کے معاہدات کا تقابلی جائزہ پیش کیا ہے اور اس جائزے کے لیے سیرت النبی ﷺ اور سیرت خلفائے راشدینؓ کے بنیادی مآخذ، عہدِ نبوی ﷺ و عہدِ خلافتِ راشدہؓ کی اسلامی تاریخ نیز قدیم و جدید مصادر کی علمی روشنی سے مدد لیتے ہوئے تحقیق کو مکمل کیا ہے۔

خلفائے راشدینؓ چونکہ رسول اکرم ﷺ کے خاص تربیت یافتہ تھے، لہٰذا ان کا طرزِ حکمرانی اور طرزِ معاہدات رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک سے مشابہ تھا اور خلفائے راشدینؓ نے اپنے عہد خلافت میں نا صرف مذہبی بلکہ سیاسی و عسکری اعتبار سے بھی عہد نبوی ﷺ کا عملی نمونہ اور حسین تصویر پیش کی تھی، چنانچہ عہد خلافتِ راشدہؓ میں صلح حدیبیہ کے طرز پر پُرامن بقائے باہمی کے اصول کے تحت کئی اہم معاہداتِ امن و صلح عمل میں لائے گئے، یہ تمام معاہدات امن و صلح اپنی نوعیت و خاصیت کے اعتبار سے عہد نبوی ﷺ کے معاہدات امن و صلح بالخصوص صلح حدیبیہ کی مشعل سے روشنی لیے معلوم ہوتے ہیں اور تمام کے تمام معاہدات صبر و تحمل و برداشت، دینی بصیرت، بالغ نظری، وسیع نظری و وسیع القلبی، زمینی حقائق، روشن خیالی، اعتدال پسندی، رواداری، حُسنِ سلوک، میانہ روی، انتہا پسندی کے خاتمہ اور مذہبی و ملی یکانگت کو پیش نظر رکھتے ہوئے عزت و وقار، مذہبی و قومی سلامتی کے تحفظ اور پُرامن بقائے باہمی کے لیے کمل عقل و فہم و فراست نیز حکمت و دانائی کی بنیاد پر استوار کیے اور عمل میں لائے گئے تھے جس کے سبب تاریخ اسلام میں ان معاہدات کی دینی، تاریخی، سیاسی اور عسکری اور قانونی اہمیت و حیثیت اپنی جگہ مسلمہ ہے، پس یہی وجہ ہے کہ خلفائے راشدینؓ اور عہد خلافتِ راشدہؓ کے معاہدات امن و صلح کی وسعتِ قلب و ظرف کے سبب غیر مسلموں کی ایک بڑی تعداد اسلام کے دامنِ لطف و کرم میں کھنچتی ہی چلی گئی اور اسلام صرف خطۂ اراضی کا ہی نہیں بلکہ انسانی قلوب کا بھی فاتح قرار پایا، لہٰذا نا صرف عرب بلکہ پوری دنیا میں تیزی کے ساتھ پھیلتا ہی چلا گیا۔ عہد خلافتِ راشدہؓ میں ذمیوں اور غیر مسلم اقلیتوں کو مثالی اور بے نظیر حقوق سے نوازا گیا، اس

مثالی رواداری کا اثر غیر مسلموں کی جانب سے قبولِ اسلام کی ریکارڈ شرح کی صورت میں سامنے آیا اور اسلام کرۂ ارض کے طول و عرض کا مذہب بن گیا، پس یہی وہ خصوصیات ہیں کہ جن کے سبب ہم نے اپنے مقالے میں عہدِ خلافتِ راشدہؓ کا تفصیلی جائزہ لیا اور دورِ خلافتِ راشدہؓ کے معاہدات کو صلح حدیبیہ کے ساتھ تقابلی جائزے کے لیے منتخب کیا۔

چنانچہ اس باب کی فصلِ اوّل میں ہم نے عہدِ صدیقیؓ کے معاہدات، فصلِ دوم میں عہدِ فاروقیؓ کے معاہدات، فصلِ سوم میں عہدِ عثمانیؓ کے معاہدات اور فصلِ چہارم میں عہدِ علی المرتضیٰؓ کے معاہدات کا صلح حدیبیہ کے ساتھ تقابلی جائزہ پیش کیا ہے اور آخر میں ہم نے فصلِ پنجم میں عہدِ خلافتِ راشدہؓ پر صلح حدیبیہ کے اثرات کا ایک جائزہ بھی پیش کیا ہے۔

فصلِ اوّل: عہدِ صدیقیؓ کے معاہدات اور صلح حدیبیہ

رسولِ اکرم ﷺ کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد تاریخ اسلام میں خلافتِ راشدہؓ کا آغاز ہوا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اسلامی تاریخ کے پہلے خلیفۃ الرسول منتخب ہوئے۔ آنحضرت ﷺ (۶۱۰ء۔۶۳۲ء) کی حکومت خالص خدائی اور دینی حکومت تھی۔ صحابۂ کرامؓ کا اعتقاد تھا کہ آپ ﷺ کی حکومت کا محور "وحیِ خداوندی" ہے۔ خدا حضرت جبرائیل کے ذریعے سے احکام بھیجتا ہے۔ آپ ﷺ انہیں کو عملی جامہ پہناتے ہیں۔ آپ ﷺ کا دنیا سے پردہ فرما جانا مسلمانوں کی تاریخ کا سب سے المناک حادثہ تھا رنج و الم کی اس نازک صورتحال میں صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ہی وہ واحد شخصیت تھی، جنہیں رسولِ اکرم ﷺ کی جانشینی کے لیے منتخب کیا جاسکتا تھا، چنانچہ مسلمانوں نے متفقہ طور پر انہیں ہی پہلا خلیفہ راشد منتخب کیا۔ مردوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے کا شرف بھی آپؓ کے ہی حصے میں آیا۔ نیز رسول اللہ ﷺ کے آخری ایام میں آپ ﷺ کی جگہ مسجدِ نبویؐ میں امامت کی سعادت بھی آپؓ ہی کو حاصل ہوئی۔ چنانچہ آپؓ نبی کریمؐ کے سب سے مقرب صحابی اور تربیت یافتہ تھے۔ آپؓ نے اپنے عہدِ خلافت اور طرزِ حکمرانی کی بنیادیں، عہدِ نبوی ﷺ کے طرزِ حکمرانی پر ہی استوار فرمائیں اور غیر مسلم اقلیتوں اور ذمیوں کو بڑے حقوق دیے اور ان سے صلح حدیبیہ اور دیگر معاہداتِ نبوی ﷺ کی طرز پر، امن بقائے باہمی کے اصول کے تحت کئی اہم معاہدات کیے، عہدِ صدیقیؓ کے قابلِ ذکر معاہدات میں اہلِ بانقیا و باروسما کے ساتھ معاہدہ، اہلِ قرقیسیا کے ساتھ معاہدہ، اہلِ عمانباز کے ساتھ معاہدہ اور دیگر غیر مسلم ریاستوں کی جانب بھیجے گئے فرامین رواداری، وسیع القلبی و وسیع نظری کے تناظر میں بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ ہم نے ان تمام معاہدات و فرامین کا صلح حدیبیہ و دیگر معاہداتِ نبوی ﷺ امن و صلح کی روشنی میں جائزہ پیش کیا ہے۔ آپؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں انتہائی غیر معمولی اور قابلِ قدر کارنامے انجام دیے اور اسلامی مملکت کو دشمن کی ریشہ دوانیوں اور ناپاک عزائم سے تحفظ دینے کے ساتھ ساتھ اسے نہ صرف طاقتور و مضبوط بنایا بلکہ فتوحات کے دائرے کو بڑھاتے ہوئے مملکتِ اسلامیہ کو مزید وسعت و تقویت دی۔

فصلِ دوم: عہدِ فاروقیؓ کے معاہدات اور صلح حدیبیہ

عہدِ صدیقیؓ کے بعد عہدِ فاروقیؓ کا آغاز ہوا۔ عہدِ خلافتِ راشدہؓ کا یہ دوسرا دور اپنے امتیازات و خصائص کے اعتبار سے تاریخ اسلام کا مایہ ناز دور ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ بھی آپ ﷺ کے مقرب صحابی اور تربیت یافتہ تھے، لہٰذا آپؓ کا دور بھی غیر مسلموں اور ذمیوں کے ساتھ سلوک کے

اعتبار سے سراپا رحمت و رحمت تھا اور رواداری، حُسنِ سلوک اور وسعت قلب و ظرف کے اعتبار سے مثالی اور رحم و کرم، لطف و عطاء، خطا بخشی اور جرم پوشی، لطف، مدارہ، رعایت و مروّت کے لحاظ سے بے نظیر تھا۔ آپؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں غیر مسلموں کو جو حقوق دیے، وہ اپنی مثال آپ تھے اور تاریخ عالم بھی ایسی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آپؓ کے دورِ خلافت میں بھی عہدِ نبوی ﷺ و عہدِ صدیقیؓ کی طرح صلح حدیبیہ و دیگر معاہدات نبویؐ امن و صلح کے تناظر میں کئی اہم معاہدات عمل میں آئے، جن کے مطالعے سے غیر مسلموں پر عفو و کرم کی بارش کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ عہدِ فاروقیؓ کے قابلِ ذکر معاہدات میں اہلِ ماہ بہرذان کے ساتھ معاہدہ، اہلِ ماہ دینار کے ساتھ معاہدہ، معاہدہ اصبہان، اہلِ رے کے ساتھ معاہدہ، مردان شاہ قلعہ دنباوند و اہلِ دنباوند و الخوار والرز و الشرز کے ساتھ معاہدہ، اہلِ قومس اور نواحی باشندگان کے ساتھ معاہدہ، اہلِ رزبان صُول بن رزبان و اہلِ دہستان و جملہ باشندگان جرجان کے ساتھ معاہدہ، فرخان سپہ سالار و رئیس اعظم خراسان متعین بر طبرستان و جبل جیلان از محاربین بہ عساکر اسلامیہ کے ساتھ معاہدہ، اہلِ آذربائیجان کے ساتھ معاہدہ، اہلِ افغانستان سے معاہدہ، اہلِ ارمینیا سے معاہدہ، معاہدہ امن اہلِ دبیل، اہالیانِ طفلیس سے معاہدہ، اہالیانِ موقان از قبج سے معاہدہ، معاہدہ بہ شہر براز و اہلِ ارمینیا و رئیس ارمن، اہلِ دمشق سے معاہدہ، روسائے بعلبک سے معاہدہ، امان نامہ برائے باشندگان ایلیا (بیت المقدس) از امیر المومنین عمر بن الخطابؓ، امان نامہ ساکنانِ شہر لُد از امیر المومنین عمر بن الخطابؓ، معاہدات عیاض بہ غنم، امان نامہ بہ اہلِ عین شمس، اہلِ اطرابلس سے معاہدہ اور دیگر ریاستوں کی جانب روانہ کیے گئے فرامین رواداری، حُسنِ سلوک، صبر و برداشت، رعایت و مروّت اور لطف و عطا کے تناظر میں بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔

ہم نے ان تمام معاہدات و فرامین کا صلح حدیبیہ و دیگر معاہدات نبویؐ امن و صلح کی روشنی میں جائزہ پیش کیا ہے۔ عہدِ فاروقیؓ درحقیقت اسلامی فتوحات کا دور تھا۔ اس عہدِ گرامی میں فتوحات کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو چکا تھا، ان مفتوحین میں ہر طرح کے لوگ تھے۔ رومی بھی، فارسی بھی اور عرب بھی، ان میں اہلِ کتاب بھی تھے، مشرک بھی اور ملحد و دہریے بھی۔ نیز اسلام کے بدترین مخالف اور اعدء عدو بھی، ان کی گردنیں ہمیشہ اکڑی رہتی تھیں، لیکن مغلوب و مفتوح ہونے کے بعد پر اکڑی ہوئی گردن جب خم کھاتی اور جھکتی تھی تو اسلامی حکومت کے ارباب کار نہ ان کا استحصال کرتے تھے نہ انہیں اہانت آمیز شرائط قبول کرنے پر مجبور کرتے تھے، یہی تو اسلام ہے اور یہی اسلامی حکومت کا طرۂ امتیاز ہے۔ پس عہدِ خلافتِ راشدہؓ ان ہی امتیازات کا آئینہ دار تھا اور عہدِ فاروقیؓ اس آئینہ کی سب سے روشن شبیہ تھی۔

فصلِ سوم: عہدِ عثمانیؓ کے معاہدات اور صلح حدیبیہ

عہدِ فاروقیؓ کے بعد خلافتِ راشدہؓ کا تیسرا زرّیں عہد یعنی عہدِ عثمانیؓ کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ دور تقریباً بارہ (۱۲) سال تک قائم رہا۔ حضرت عثمان غنیؓ بھی رسولِ اکرم ﷺ کے مقرب صحابیؓ اور تربیت یافتہ تھے اور دیگر اصحاب کے نسبت انتہائی رحم دل اور نرم طبیعت واقع ہوئے تھے۔ لہٰذا آپؓ کے عہدِ خلافت میں بھی غیر مسلموں کے ساتھ عدل و انصاف اور رواداری کا سلسلہ اس شان کے ساتھ قائم رہا، جیسا کہ ہم عہدِ شیخینؓ میں دیکھ چکے ہیں، بے شک اس عہد میں خانہ جنگی اور باہمی کشت و خون کا آغاز ہوا، تاہم اس افراتفری اور باہمی خانہ جنگی کے دور میں بھی مسلمان اپنے "ذمہ" کو نہیں بھولے، وہ غیر مسلموں کے ساتھ برابر لطف و کرم کا برتاؤ کرتے رہے، ان کی خطائیں معاف کرتے رہے، ان کے جرائم معاف کرتے رہے، ان کی بغاوت اور سرکشی کا جواب رحم و کرم اور

معافی کی صورت میں دیتے رہے۔ انہوں نے بدعہدی کی، نقض عہد کیا، موقع سے ناجائز فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کو قتل کیا، لیکن جب مسلمانوں کو موقع ملا اور وہ پھر ان قابو چی دشمنوں پر غالب آئے تو انہوں نے نہ صرف کسی طرح کا انتقام نہیں لیا بلکہ اپنی روایات لطف وکرم و عطا کو قائم رکھا۔ عہدِ عثمانیؓ میں بھی عہدِ نبویؐ، عہدِ صدیقیؓ، عہدِ فاروقیؓ کی طرز پر صلح حدیبیہ و دیگر معاہدات نبوی ﷺ امن و صلاح کے تناظر میں کئی اہم معاہدات پرُ امن بقائے باہمی کے اصول پر عمل میں لائے گئے، لہٰذا عہدِ عثمانیؓ کے قابلِ ذکر معاہدات میں اہلِ نوبہ کے ساتھ معاہدہ، اہلِ آرمینیا کے ساتھ صلح، ہرات کا صلح نامہ، اہلِ کرمان کے ساتھ صلح، اہلِ قبرص کے ساتھ صلح کی تجدید، اہلِ نجران سے حُسنِ سلوک نیز عہدِ فاروقیؓ کے معاہدے کو قائم رکھنا، فتح افریقیہ اور رومیوں سے صلح، دبیل کے کافروں سے عہد نامہ، اہلِ تفلیس کے لیے صلح نامہ اور دیگر فرامین عثمانیؓ، رواداری، سیر چشمی، عالی حوصلگی کی انتہا ہیں اور وسعتِ قلب وظرف کے اعتبار سے بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ لہٰذا گزشتہ دو ادوار یعنی عہدِ صدیقیؓ اور عہدِ فاروقیؓ کی طرح ہم نے عہدِ عثمانیؓ کے بھی ان تمام معاہدات و فرامین امن و صلح کا صلح حدیبیہ و دیگر معاہدات نبوی ﷺ کی روشنی میں جائزہ پیش کیا ہے اور واضح کیا ہے کہ اس عہد خلافت میں بھی عہدِ رسالت ﷺ اور دورِ صدیقیؓ و فاروقیؓ کی طرح غیر مسلموں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ مراعات اور رواداری کا برتاؤ کیا گیا اور انہیں کسی طرح کی تکلیف نہیں دی گئی، ان پر کوئی ظلم نہیں کیا گیا بلکہ ان کی ہر طرح سے پاسبانی اور نگہداشت کی گئی۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کا یہ طرزِ عمل حسب سابق غیر مسلموں کے قلوب پر اسلام کی فتح، فتوحاتِ اسلامی و وسعتِ اسلامی مملکت کا بھی اہم سبب بنا اور اصل محرک ثابت ہوا۔

فصلِ چہارم: عہدِ علی المرتضیٰؓ کے معاہدات اور صلح حدیبیہ

عہدِ عثمانیؓ کے بعد خلافتِ راشدہؓ کے چوتھے اور آخری ستون حضرت علی المرتضیٰؓ کے دورِ مرتضویؓ کا آغاز ہوتا ہے۔ خلفائے راشدینؓ میں حضرت علیؓ گوناگوں خصائص کے حامل ہیں۔ آپؓ کی تربیت آغوشِ نبویؐ میں ہوئی۔ شعور کی آنکھ کھولی تو اپنے ابنِ عمؐ کو خدائے واحد بزرگ و برتر کی پرستش کرتے، شرک کی مخالفت کرتے اور ہر طرح کی بے سروسامانی کے باوجود مشرکوں اور کافروں کا مقابلہ کرتے دیکھا، چنانچہ آپؓ نے بچپن ہی میں اسلام قبول کر لیا، لہٰذا بچوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے کا شرف آپؓ کے حصہ میں آیا۔ آپؓ نے اسلام کے راستے میں کسی ایثار اور قربانی سے کبھی گریز نہیں کیا۔ میدانِ جنگ میں بھی آپؓ ہر موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ہمقدم نظر آئے۔ نیز تینوں خلفاءؓ کے عہد میں بھی حضرت علیؓ ان سے بے حد قریب تھے اور تینوں کو ان پر بے حد اعتماد تھا۔ چنانچہ تینوں خلفاءؓ کے عہد میں آپؓ کو مشیرِ خاص کا درجہ بھی حاصل رہا۔ آپؓ انتہائی ذہین اور صائب رائے شخصیت کے مالک تھے اور احکامِ شرعیہ اور امورِ سلطنت کے فہم و ادراک میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا، لہٰذا حضرت عثمان غنیؓ کے بعد حضرت علیؓ کی خلافت کا آغاز ہوا۔

حضرت عثمان غنیؓ چونکہ سادہ لوح، رحم دل اور نرم طبیعت کے حامل شخصیت کے مالک تھے، چنانچہ عہدِ عثمانیؓ کے آخری دور میں چند شر پسند عناصر نے سر اٹھانا شروع کیا اور آپؓ کی نرم طبیعت سے ناجائز فائدہ اٹھایا جس کا نتیجہ فتنہ و فساد، خانہ جنگی اور باہمی کشت و خون

کے رُوپ میں سامنے آیا اور بلوائیوں نے آپؓ کو بالآخر شہید کردیا، لہٰذا شہادت عثمانؓ کے بعد جب خلافت کا بار حضرت علی المرتضیٰؓ پر ڈالا گیا تو آپؓ نے مسلمانوں کے بے حد اصرار پر یہ منصب طوعاً و کرہاً قبول فرمالیا، لیکن اب حالات بگڑ چکے تھے، فتنہ کا دور دورہ شروع ہو چکا تھا۔ عالمِ آشوب ہنگامہ آرائیوں کے نہ ختم ہونے والے سلسلے کا آغاز ہو چکا تھا۔ خانہ جنگی، تفریق بین المسلمین، سازش اور جنگ زرگری نے عالمِ اسلام میں ایک عجیب تہلکہ کی سی کیفیت پیدا کردی تھی۔ حضرت علیؓ کا عہدِ خلافت بہت مختصر رہا اور یہ عرصہ بھی فتنہ و آشوب کے مقابلہ اور استحصال میں صرف ہوا، انہیں تعمیری، اصلاحی اور توسیعی کام کرنے کی ذرا بھی مہلت نہیں ملی، پھر بھی اگر ایک نظر ہم حضرت علیؓ کی زندگی اور عہدِ خلافت پر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ان حوصلہ فرسا حالات میں بھی وہ اپنے فرائض سے ایک لمحہ کے لیے بھی غافل نہیں ہوئے۔ مسلمانوں کے ساتھ خلیفۂ راشدؓ کی حیثیت سے ان کا جو برتاؤ تھا، وہ تو تھا ہی، لیکن غیر مسلموں کے ساتھ خاص طور پر ان کا سلوک اس درجہ عادلانہ اور روادارانہ تھا کہ اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ فقہ حنفی نے غیر مسلموں اور ذمیوں کے سلسلے میں، جو اصول اور قواعد مرتب کیے ہیں، ان کی بنیاد اور اساس ہیں حضرت علیؓ کا یہ قول ہے کہ "ذمیوں کا خون ہمارے خون کی طرح (معزز و محترم) ہے۔"

حضرت علیؓ کے عہدِ خلافت کا جب ہم معاہدات کے حوالے سے جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں اس میں معاہدہ صفین کا ذکر ملتا ہے جو کہ حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان عمل میں آیا تھا، اس کے علاوہ آپؓ کی جانب سے جاری کردہ کئی ایسے فرامین کا بھی معلوم چلتا ہے جن میں آپؓ نے اپنے گورنروں کو غیر مسلموں اور ذمیوں کے ساتھ حُسنِ سلوک، رواداری، لطف و کرم و عطا، وسعتِ قلب و ظرف اور خدا ترسی و خوفِ خدا کی واضح تلقین فرمائی اور ہدایات جاری کیں اور عہد کو خدا کا حرم قرار دیتے ہوئے اسے ہر طرح، ہر حال میں نبھانے کا درس دیا اور واضح کردیا کہ "ہم نے ان ذمیوں کو وہ حقوق دیے ہیں کہ ہمارا خون ان کے خون کی طرح اور ہماری دیت ان کی دیت کے مانند ہو جائے۔"

آپؓ نے اپنے منصب داروں کو جو فرامین روانہ فرمائے، ان میں بھی تاکید فرمائی کہ دیکھو "رعایا کے لیے خاکسار بنو، اپنے دل میں ان کے لیے ترس پیدا کرو اور سب افراد کو اپنی نظر اشارے اسلام میں برابر رکھو تاکہ بڑے لوگ تم سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی طمع نہ کریں اور کمزور تمہارے انصاف سے مایوس نہ ہو جائیں۔"

ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے اپنے عامل کو خراج اور جزیہ وصول کرنے کے لیے روانہ فرمایا، چلتے وقت اسے تاکید کی کہ

۱۔ ذمیوں کے کپڑے فروخت نہ کرنا۔

۲۔ ان کے کھانے پینے کا سامان نیلام نہ کرنا۔

۳۔ ان کے مویشی جو کھیتی باڑی کے کام آتے ہیں، مت چھیننا۔

۴۔ کسی ذمی کو زدوکوب نہ کرنا۔

۵۔ کسی ذمی کو دھوپ میں کھڑا نہ رکھنا۔

ان ہدایات کے بعد آپؓ نے فرمایا کہ خدا نے ہمیں ان ذمیوں کا حاکم بنایا ہے، لہٰذا ہمارا فرض یہ ہے کہ ان سے نرمی کا برتاؤ کریں۔ یاد رکھو! اگر تم نے میری ہدایت پر عمل نہ کیا تو میرے بجائے خدا تم سے باز پرس کرے گا اور یہ بھی یاد رکھو اگر مجھے یہ معلوم

ہوا کہ تم نے میری ہدایات پر عمل نہیں کیا ہے تو میں تمہیں برطرف کردوں گا۔ حضرت علیؓ نے اپنے عامل سے جو خراج اور جزیہ کی رقم وصول کرنے جارہا تھا فرمایا دیکھو ذمیوں کے ساتھ نرمی اور آشتی کا برتاؤ کرنا۔ یہی الفاظ آپؓ نے تین (۳) بار دہرائے۔ اس واقع سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ذمیوں اور غیر مسلموں کے ساتھ آپؓ کا برتاؤ کتنا روادارانہ، مشفقانہ، رعایت اور سہولت پر مبنی تھا۔

رحم، رواداری، حُسنِ سلوک بدترین دشمن کے ساتھ بھی حضرت علیؓ مرعی رکھتے تھے، اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ آپؓ کا قاتل گرفتار ہو چکا ہے، آپؓ بستر مرگ پر دراز ہیں، موت سامنے کھڑی ہے، زندگی کی چند سانس باقی ہیں، لیکن اس آخری گھڑی بھی آپؓ کے منہ سے جو الفاظ نکلے، ان میں قاتل کے ساتھ حُسنِ سلوک کی تاکید فرمائی اور وصیت کے بعد یہ بھی واضح فرما دیا کہ ''دیکھو میرے قاتل کی شکل نہ بگاڑنا''

حضرت علی المرتضیٰؓ کی تربیت رسول اکرمؐ کی آغوشِ شفقت میں ہوئی تھی۔ تربیت گاہِ نبوی ﷺ سے آپؓ نے پورا پورا فیض حاصل کیا، یہی وجہ ہے کہ آپؓ کی زندگی میں آنحضرت ﷺ کے کردار اور سیرت کی جھلک بخوبی نمایاں اور واضح نظر آتی ہے۔ غیر مسلموں، مفتوحوں اور ذمیوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا برتاؤ سراسر رحمت اور راحت کا تھا، آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو بھی متعدد مواقع پر یہی تلقین فرمائی، چنانچہ جب آپ ﷺ نے خیبر فتح کرنے پر حیدرِ کرار کو مامور فرمایا تو تلقین فرمائی۔

''اگر تمہارے ہاتھ پر ایک شخص بھی اسلام لے آئے تو یہ کام ہماری نعمتوں کے حاصل ہونے سے کہیں بہتر اور افضل ہوگا''

اس ہدایتِ نبوی ﷺ سے اندازہ ہوتا ہے کہ جنگ اور پیکار کے موقع پر بھی آپ ﷺ کی ہدایت یہی ہوتی تھی کہ اسلام کی صداقت دشمن کے دلنشین کی جائے، بجائے اس کے ثمرات فتح کا خیال کیا جائے۔

پس اس اعتبار سے اگر ہم عہدِ مرتضویؓ کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم چلتا ہے کہ صلح حدیبیہ اور دیگر معاہداتِ نبوی ﷺ و دیگر خلفائے راشدینؓ کے معاہدات، امن و صلح کی رواداری، حُسنِ سلوک، صبر و برداشت و تحمل، دینی بصیرت، بالغ نظری، وسیع نظری، وسیع القلبی، اعتدال پسندی، میانہ روی، رحم و کرم، لطف و عطا، خطا بخشی، جرم پوشی، لطف مدارا، رعایت و مروّت، سیر چشمی، عالی حوصلگی، وسعت قلب و ظرف کے حوالے سے جو اصل رُوح ہے، وہ ہمیں فرامینِ مرتضویؓ و سیاسی وثیقہ جات میں بخوبی جھلکتی دکھائی دیتی ہے۔ لہٰذا اس اعتبار سے عہدِ مرتضویؓ بھی اپنی نوعیت کے اعتبار سے دیگر خلفائے راشدینؓ کے عہد سے کسی طرح کم یا پیچھے نہ تھا، اس کے لیے حضرت علی المرتضیٰ و عہدِ مرتضویؓ کو خلافتِ راشدہؓ کا چوتھا ستون قرار دیا جاتا ہے۔

فصل پنجم: عہدِ خلافت راشدہؓ پر صلح حدیبیہ کے اثرات:

مندرجہ بالا چاروں فصلوں کا ہم نے یکے بعد دیگرے جائزہ لیا اور عہدِ صدیقیؓ، عہدِ فاروقیؓ، عہدِ عثمانیؓ اور عہدِ علی المرتضیٰؓ کے معاہدات امن و صلح، رواداری، حسنِ سلوک، صبر و برداشت و تحمل، دینی بصیرت، بالغ نظری، وسیع نظری، وسیع القلبی، اعتدال پسندی، میانہ روی، رحم و کرم، لطف و عطا، خطا بخشی، جرم پوشی، لطف مدارا، رعایت و مروت، سیر چشمی، عالی حوصلگی، وسعت قلب و ظرف کے حوالے سے جائزہ پیش کیا۔ اب ہم اس پانچویں فصل میں ہم نے عہدِ خلافت راشدہؓ پر صلح حدیبیہ کے اثرات کا اندازہ لگانے کی کوشش

کی ہے اور تحقیق سے واضح کیا ہے کہ فتوحات کے جس بے مثال اور حیرت انگیز سلسلے کا آغاز صلح حدیبیہ کے بعد عہد نبویؐ میں ہوا تھا، وہ لازوال سلسلہ عہد نبویؐ میں رک نہیں گیا بلکہ عہد خلافت راشدہؓ میں بھی فتوحات کا ایک عظیم سلسلہ جاری رہا اور کامیابی نے ہر مقام پر مسلمانوں کے قدم چومے ہیں۔ ہم نے اس پانچویں فصل میں صلح حدیبیہ کے نتیجے میں دراز ہونے والے فتوحات کے اسی عظیم سلسلے کا ایک اہم جائزہ پیش کیا ہے، جس کا تعلق صلح حدیبیہ کی فیوض و برکات اور ثمرات سے ہی ہے۔ لہٰذا آج بھی عالم اسلام دنیا کے ایک بڑے رقبے پر پھیلا ہوا ہے اور اسلامی ممالک و مسلم امّہ ہر اعتبار سے قابل قدر اور قابل ذکر اہمیت و حیثیت کی حامل ہے جسے کسی طور پر اور کسی حال میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے اور آج بھی اسلام دنیا کا سب سے بڑا دین ہے، جس کی سچائی اور حقانیت اب غیر مسلموں پر پہلے سے زیادہ اور مزید واضح ہوتی چلی جارہی ہے، جس کی وجہ سے آج اسلام دنیا میں تیز رفتاری اور راہدی کامیابی کے ساتھ پھیلنے والا دین ہے، سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہ وہ زندہ حقیقت ہے جس کا اقرار خود غیر مسلم بھی اپنی زبان سے برملا کرتے چلے آئے ہیں اور اسلام کی حقانیت کی اس روشن دلیل پر وہ خود حیران و پریشان ہیں۔ اس فصل کی تکمیل کے لیے ہم نے قدیم و جدید مصادر و مراجع سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔

باب پنجم: صلح حدیبیہ اور عہد حاضر کے بین الاقوامی معاہدات

(عصر حاضر میں مسلم امّہ کے مسائل اور ان کے حل کے حوالے سے ایک جائزہ)

باب پنجم مجموعی طور پر کل چھ فصلوں پر مشتمل ہے۔ یہ باب اپنی نوعیت کے اعتبار سے دیگر ابواب کی نسبت اس طرح مختلف ہے کہ اس باب میں تفصیل کے ساتھ صلح حدیبیہ اور حالات حاضرہ کے تناظر میں عہد حاضر پر خصوصی بحث کی گئی ہے۔ اس باب کی فصل اوّل میں بیسویں صدی عیسوی کے اہم بین الاقوامی معاہدات کا صلح حدیبیہ کے ساتھ تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے، فصل دوم میں صلح حدیبیہ کی روشنی میں سی ٹی بی ٹی ایگریمنٹ کے مسلم دنیا پر اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ فصل سوم میں افغانستان پر حالیہ امریکی اور اتحادی ممالک کے حملے کے حوالے سے پاکستان کا موقف اور صلح حدیبیہ سے بحث کی گئی ہے۔ فصل چہارم میں افغان پالیسی کے حوالے سے پاکستان کا حکمت و سیاست پر مبنی موقف اور صلح حدیبیہ سے استشہاد... تقابلی و تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ فصل پنجم میں صلح حدیبیہ کی روشنی میں عصر حاضر میں مسلم امّہ کے مسائل اور ان کے حل کا جائزہ لیا گیا ہے اور فصل ششم میں صلح حدیبیہ کے تناظر میں مسلم امّہ کے مستقبل کا ایک جائزہ پیش کیا گیا ہے اور اس طرح ہم نے اپنے اس تحقیقی مقالے کو بحسن و خوبی پایۂ تکمیل تک پہنچایا ہے۔

فصل اوّل: بیسویں صدی عیسوی کے اہم بین الاقوامی معاہدات اور صلح حدیبیہ۔ تقابلی جائزہ:

فصل اوّل میں ہم نے بیسویں صدی عیسوی کے اہم سیاسی و عسکری معاہدات کا ایک ناقدانہ جائزہ پیش کیا ہے۔ یہ وہ معاہدات ہیں جنہیں عہد حاضر کی نام نہاد تہذیبیں ''امن عالم'' کے قیام کے سلسلے میں عمل میں لے کر آئیں ہیں، تاہم امن عالم کے قیام کا خواب پھر بھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا، لہٰذا اس جائزے کی روشنی میں جب ہم ان جدید معاہدات سے صلح حدیبیہ کا تقابل کرتے ہیں تو

چودہ صدی قبل کیا گیا یہ معاہدہ ہمیں آج بھی اپنی نوعیت، خصوصیت اور اثرات کے اعتبار سے اپنی مثال آپ اور مشعلِ راہ معلوم ہوتا ہے، جس کی بنیاد دراصل رواداری، وسیع نظری، انسان دوستی، روشن خیالی و اعتدال پسندی، وسعتِ قلب و ظرف اور پُر امن بقائے باہمی کے زریں اصولوں پر استوار کی گئی اور پھر وہ اپنے عظیم اثرات کی بدولت واقعی "فتح مبین" ثابت بھی ہوئی ..... !

فصلِ دوم: سی ٹی بی ٹی اگریمنٹ کے مسلم دنیا پر اثرات اور صلح حدیبیہ

سی ٹی بی ٹی اگریمنٹ اور صلح حدیبیہ کا اگر موازنہ کیا جائے اور تقابلی جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے دونوں معاہدے ہی اپنے اپنے ادوار میں ملک و قوم کے لیے ناپسندیدہ اور آزمائشی رہے ہیں، تاہم سی ٹی بی ٹی کو ہم صلح حدیبیہ کے تناظر میں دیکھیں تو بظاہر یہ بھی صلح حدیبیہ کی مانند ایک کڑوا گھونٹ معلوم ہوتا ہے جب کہ سچ تو یہ ہے کہ حقیقت حال قطعی مختلف ہے۔

صلح حدیبیہ کا اصل محرک وحی الٰہی تھا، جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ کے معارضہ پر فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور اس کے حکم کے خلاف نہیں کر سکتا۔

صلح حدیبیہ بظاہر ایک ناپسندیدہ، نقصان دہ اور آزمائشی معاہدہ تھا جب کہ درحقیقت اللہ عزوجل کے نزدیک یہ ایک انتہائی پسندیدہ معاہدہ تھا اور تاریخ شاہد ہے کہ اس معاہدے کے اثرات نے ثابت کر کے دکھایا کہ بلاشبہ یہ معاہدہ پوری ملتِ اسلامیہ کے لیے انتہائی سود مند معاہدہ ثابت ہوا۔ اگرچہ یہ صلح مسلمانوں نے کفار سے دب کر کی جس کے سبب غیور مسلمانوں میں ذلت کے احساسات موجزن ہوئے اور وہ انتہائی غم زدہ ہو گئے، تاہم قرآن حکیم نے مسلمانوں کی دل جوئی فرمائی اور ان کے غم کو ہلکا کرنے کے لیے اس معاہدہ کے متعلق خوشخبری سنائی کہ یہ درحقیقت فتح مبین ہے اور بظاہر یہ صلح ناکام اور نقصان دہ معلوم ہو رہی ہے جبکہ حقیقت حال یہ ہے کہ اس معاہدے میں انتہائی کامیاب اور فائدہ مند ثمر عزیز پنہاں ہے۔ جس کے سبب اسلام عرب سے ہوتا ہوا پوری دنیا میں پھیلتا چلا گیا اور امن و سلامتی کے ساتھ ایک عالمگیر دین بن گیا۔

صلح حدیبیہ کے متعلق ایک اہم بات یہ ہے کہ اس معاہدے کے دو پہلو سامنے آئے ہیں۔ ایک سیاسی پہلو اور دوسرا عسکری، سیاسی پہلو تو یہ تھا کہ قیامِ امن کی خاطر دب کر صلح کی گئی اور بظاہر تمام ذلت آمیز شرائط کو تسلیم کر لیا گیا جب کہ عسکری پہلو بھی مدِ نظر رکھنا چاہیے جو کہ انتہائی سبق آموز ہے اور وہ یہ کہ جب کفارِ مکہ کی جانب سے صلح کے ٹوٹنے کا اعلان ہو گیا تو ابوسفیان کی سرتوڑ کوششوں اور منت سماجت کے باوجود آپ ﷺ نے پوری ملتِ اسلامیہ کے وسیع تر مفاد میں اب معاہدہ کی تجدید کے بجائے اس کی منسوخی کو ترجیح دی اور طاقت و قوت کا مظاہرہ فرماتے ہوئے فتح مکہ کا عظیم الشان پُر امن مثالی نمونہ پیش فرمایا اور ایک عدیم النظیر مثال قائم فرمائی۔

ہمارے لیے چونکہ زندگی کے ہر رخ، ہر پہلو، ہر شعبے میں انفرادی و اجتماعی، قومی و بین الاقوامی ہر سطح پر قرآن حکیم اور سنتِ نبوی ﷺ مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں، لہٰذا اس اعتبار سے قرآن حکیم مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ: "اللہ کی راہ میں اپنے گھوڑے ہر وقت تیار رکھو۔" (القرآن)

ایک طرف یہ آیت مبارکہ اور دوسری طرف صلح حدیبیہ کے عسکری پہلو کو مدِ نظر رکھیں تو ہمیں ان سے یہی سبق اور پیغام ملتا ہے کہ

زیادہ سے زیادہ طاقت وقوت حاصل کریں، خود کو مضبوط و مستحکم بنالیں اور ایک عالمی قوت کے رُوپ میں سامنے آئیں ایسی عالمی قوت کے رُوپ میں جس کا مقصد عالمگیر قیام امن ہو اور روئے زمین سے فساد کا قطعی خاتمہ ہو، اس طاقت وقوت کے حصول کے بعد اگر ہم سی ٹی بی ٹی جیسے معاہدات پر دستخط کر بھی دیں تو کوئی فرق نہیں پڑے گا، جیسا کہ امریکہ، برطانیہ، چین وغیرہ جیسی سپر طاقتوں نے دستخط کیے ہیں، لیکن ہم جیسے کمزور ممالک کے لیے تو سی ٹی بی ٹی پر دستخط دراصل موت کا درجہ رکھتا ہے۔ لہٰذا اس علمی و تحقیقی جائزے کی روشنی میں مسلم امّہ بشمول پاکستان کا سی ٹی بی ٹی جیسے خودکش معاہدے پر دستخط کرنا درحقیقت خودکشی کرنے کے مترادف ہوگا اور قرآن وسنت سے متصادم بھی!

فصل سوم: افغانستان پر حالیہ امریکی اور اتحادی ممالک کے حملے کے حوالے سے پاکستان کا مؤقف اور صلح حدیبیہ

9/11 کے واقعات کے صرف تین دن بعد ہی امریکی صدر بش جونیئر نے عالمی دہشت گردی کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا اور نہایت تیز رفتاری سے اس کے حق میں عالمی سطح پر سیاسی اور عسکری کارروائیاں شروع کر دیں، جن کا ختم ہونے والا سلسلہ تاحال جاری ہے۔ امریکی صدر نے اپنی تقریر میں پوری دنیا کی حکومتوں پر یہ واضح کر دیا کہ امریکہ کی جانب سے عالمی سطح پر دہشت گردی کے خلاف جنگ میں ان کا ساتھ دیں اور پھر دوٹوک الفاظ میں اور قدرے دھمکی آمیز لہجے میں کہا کہ حکومتیں یہ فیصلہ کریں کہ وہ امریکہ کے ساتھ ہیں یا نہیں۔ پاکستان کی حکومت سے بھی امریکی حکومت نے فوراً مطالبہ کیا، 9/11 کے واقعات کے بعد بھارتی میڈیا نے فوراً ہی امریکہ کو یہ مشورے دیے کہ بلا تاخیر پاکستان اور افغانستان پر حملہ کر دیا جائے اور بھارت نے اس جنگ کے لیے تمام سہولتیں پیش کر دیں، بھارت کے جارحانہ رویوں کو دیکھتے ہوئے پاکستان نے فوری اقدامات شروع کر دیے، پاکستان کے سابق صدر جنرل پرویز مشرف نے اس موقع پر فوراً قوم سے خطاب کیا اور آزمائش کی اس گھڑی میں انہوں نے اپنی تقریر میں صلح حدیبیہ کا حوالہ دیتے ہوئے امریکہ کے ساتھ محاذ آرائی کے بجائے دہشت گردی کے خلاف جنگ میں اس کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا اور وقت و حالات نے ثابت کیا کہ وقتی طور پر یہ ایک درست اور حکمت پر مبنی فیصلہ تھا۔ تاہم آج بدلتے ہوئے زمینی حقائق کے بعد اب پاکستان کی افغان پالیسی پر بھی نظرثانی کی اشد ضرورت ہے، مذکورہ فصل میں ان ہی زمینی حقائق سے بحث کی گئی ہے۔

فصلِ چہارم: افغان پالیسی کے حوالے سے پاکستان کا مؤقف اور صلح حدیبیہ سے استشہاد...... تقابلی وتنقیدی جائزہ

افغانستان پاکستان کا قریبی ہمسایہ اسلامی ملک ہے۔ ان دونوں ممالک کی تاریخ باہمی طور پر مضبوط و مربوط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ برِ صغیر کی ملتِ اسلامیہ کی آزادی اور ترویج اسلام میں افغانستان کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں، بقول بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح ”دونوں ممالک کے درمیان صدیوں پرانے مذہبی، ثقافتی اور معاشرتی تعلقات ہیں اور میں اس بات کی امید کرتا ہوں کہ

دونوں برادر اسلامی ممالک کے درمیان خیر سگالی اور دوستانہ تعلقات استوار کرنے کی ہر ممکن کوششیں کی جائیں گی۔"

پاکستان نے ہر مشکل مرحلے میں افغانستان کی ہر ممکن مدد کی ہے، چاہے وہ روس جیسی سپر طاقت سے نبرد آزما ہونے کا مرحلہ ہو یا مہاجرین کی پاکستان آمد و آباد کاری کا مسئلہ ہو، پاکستان نے ہمیشہ کھلے دل سے خوش آمدید کہا اور مکمل بھائی چارے کا ثبوت دیا، تاہم افغانستان سے پاکستان کو اس کے بدلے میں وہ تعاون حاصل نہ ہو سکا جس کا پاکستان مستحق تھا، جس کے نتیجے میں دونوں ممالک میں سیاسی و سفارتی سطح پر تعلقات پیچیدہ بھی رہے ہیں۔ ۹/۱۱ کے واقعہ کے بعد جب امریکہ نے پاکستان کو فیصلہ کن کردار ادا کرنے کی دھمکی دی تو اس دھمکی کے پس منظر وہ تمام اقدامات و واقعات تھے جو ابھی تک پاکستان نے افغانستان کے ساتھ تعلقات کو خوشگوار اور مستحکم رکھنے کے لیے روا رکھے تھے جس کی بدولت روس جیسی سپر طاقت کو شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا اور وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا، تاہم ۹/۱۱ کے بعد پاکستان اس حالت میں نہیں تھا کہ وہ کھل کر افغانستان کی مدد کا اعلان کر سکے کیوں کہ اس اعلان سے افغانستان کے ساتھ ساتھ پاکستان کے وجود کو بھی خطرہ لاحق تھا اور بھارت اس میں فیصلہ کن کردار ادا کرنے کے لیے تیار بیٹھا تھا لہٰذا ان ناسازگار حالات میں پاکستان نے اپنی افغان پالیسی کے حوالے سے حکمت و سیاست پر مبنی موقف اختیار کیا اور صلح حدیبیہ سے استشہاد کرتے ہوئے حکمت و بصیرت کے ساتھ ایسے مشکل فیصلے کیے جو پاکستان کی تاریخ پر دور رس اثرات مرتب کریں گے۔ پاکستان کی افغان پالیسی کا دارومدار زمینی حقائق پر ہے۔ بدلتے ہوئے زمینی حقائق کے باعث مستقبل قریب میں پاکستان کی افغان پالیسی پر نہایت بہتر اور گہرے اثرات مرتب ہونے کا بھی روشن امکان ہے۔ یہ روشن امکان پاکستان کو اپنی موجودہ افغان پالیسی پر نظر ثانی کی جانب مائل کر سکتا ہے۔ کیوں کہ امریکا اب طالبان سے مذاکرات اور حکومت میں شامل کرنے کی باتیں کر رہا ہے۔ اس طرح امریکا بھی اپنی پرانی افغان پالیسی کو تبدیل کرتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ اس فصل میں ہم نے یہی تقابلی و تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے۔

فصل پنجم: عصرِ حاضر میں مسلم امّہ کے مسائل اور ان کا حل...... صلح حدیبیہ کی روشنی میں

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ "امّتِ مسلمہ" دورِ حاضر میں ان گنت مسائل اور بے شمار چیلنجز سے دوچار ہے، اسلام کی پوری تاریخ میں امّتِ مسلمہ کو عروج و زوال، متعدد مسائل اور چیلنجز کا سامنا رہا ہے۔ چنانچہ کبھی فتنۂ تاتار نے ہماری عظمت و شوکت کو تاراج کیا، علم و حکمت کے اسلامی مرکز بغداد کے سقوط سے عظیم علمی روایات اور ثقافتی ورثے کو خطرات لاحق ہوئے تو کبھی قرطبہ و غرناطہ اور اندلس کی عظیم اسلامی میراث زوال پذیر ہوئی۔ بالآخر ۲۸ رجب ۱۳۴۲ھ بمطابق ۳ مارچ ۱۹۲۴ء کو امّتِ مسلمہ کے عظیم مرکز اور مثالی اسلامی مملکت "خلافتِ عثمانیہ" کا خاتمہ ہوا، اس طرح امّتِ مسلمہ کے دینی و ملی اتحاد، شان و شوکت، سطوت و عظمت اور طویل دورِ اقتدار اور حکمرانی کا خاتمہ ہوا۔

اس وقت سے امّتِ مسلمہ بے پناہ مسائل اور چیلنجز سے دوچار ہے، تاہم دورِ حاضر میں اسے جو مسائل اور چیلنجز درپیش ہیں، پیشِ نظر فصل میں اسوۂ نبوی ﷺ، سیرتِ طیبہ اور اسلام کی مثالی ہدایات و تعلیمات بالخصوص صلح حدیبیہ کی روشنی میں اس حوالے

سے جائزہ پیش کرتے ہوئے اس کا حل اور تدارک پیش کیا گیا اور موضوع پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ مسائل اور چیلنجز کا احاطہ کرتے ہوئے علمی اور تحقیقی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

فصل ششم: مسلم امۃ کا مستقبل اور صلح حدیبیہ

صلح حدیبیہ نے اسلامی تاریخ کو فیصلہ کن انداز میں ایک نیا موڑ دیا، جس کی منزل صرف اور صرف فتح مبین اور نصر عزیز تھی چنانچہ صلح حدیبیہ نے حتمی طور پر ماضی میں مسلم امۃ کی تقدیر کو کامیابی کی صورت میں مرتب کیا اور اسلام چہار سو پھیلتا ہی چلا گیا، لہٰذا صلح حدیبیہ کے واقعہ میں آج پوری مسلم امۃ کے لیے یہی سبق پنہاں ہے کہ حالات خواہ کیسے ہی کٹھن اور نامساعد ہوں فیصلے جذبات کے بجائے حکمت و بصیرت کے ساتھ کیے جائیں، جذبات سے کام نہیں لیا جائے، الجھی ہوئی ڈور کو ذہانت سے سلجھایا جائے ہر مسئلے کا حل جنگ میں تلاش کرنے کی بجائے مذاکرات سے معاملات نمٹائے جائیں دُور رس اور عالمگیر اثرات مرتب کرنے والے معاہدات عمل میں لائے جائیں، ویسے بھی آج عالم اسلام کی جو حالت زار ہے کہ وہ ہر شعبہ ہائے حیات میں پسماندہ اور کمزور ہے، لہٰذا ایسے بوسیدہ حالات میں مسائل کا حل جنگ کے ذریعے نکالنا خودکشی کے مترادف ہوگا تاہم صلح حدیبیہ جیسے بصیرت افروز معاہدات مسلم امۃ کو ایک روشن مستقبل فراہم کرسکتے ہیں۔ مذکورہ فصل میں ان ہی حقائق پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

کتابیات

❁ مصادر و مراجع (Bibliography)

(عربی/اردو/انگریزی/دیگر کتب (اخبارات، رسائل و جرائد اور ریسرچ رپورٹس)

کتابیات کی مکمل فہرست جملہ تفصیلات کے ساتھ مقالے کے آخر میں پیش کردی گئی ہیں۔

مقالہ نگار

محمد طیب خان

ریسرچ اسکالر، شعبہ اسلامیات

وفاقی اردو یونیورسٹی، کراچی

Title of Thesis, The Role of the Treaty of *Hudaibia* . The Treaty of Hudaibia, in the military and political life of the Holy Prophet (PBUH), and the need and importance of the treaty in the contemporary Era.

(A Scholarly and Research View)

The above mentioned title makes it clear that the subject of my Thesis is the Treaty of Hudaibiya which encompasses the whole military and political life of the Holy Prophet (PBUH). The character of the Holy Prophet (PBUH) is the key factor of the Islamic history It is also an evidence of the divine revelation Allah. the, Almighthy, declares the treaty as an open victory and He puts his seal to certify the political wisdom of His Messenger through this treaty. Allah also revealed a complete chapter in the Holy Quran to prove the authencity of the treaty, making it a source of satisfaction,contention,peace and and tranguillity of the hearts and minds of the muslims

The honourable Vice Chancellor and respectable Member (G R M C)[1] The history onward stands as a witness to the test of time and situation to prove that the Peace Packt known as Sulah-e-Hudaibia, was a clear victory and a fovoured help. This peace pact played an eternal and matchless role in the revolutionary Programme of the Holy Prophet (PBUH) It became the cause which resulted into spreading Islam from Makkah and Madina out to the far off areas of the world The Hudaibia Peace pact has been a source of wisdom, honour, power, command and dignity for the Muslim.

The religious, historical, Political and legal importance has impressed me to make this topic of my dissertation and to promot its importace and need in the present scenario to the world The muslim Ummah in the contemporary world, has been entagled into much more complicated issues which one getting compounded with the passing of everyday. This requires patience, tolerance, religious insight, endurance, temparance and moderation to kill extremism. We need integration of the Muslim Ummah which will exhibit wisdom, intelligence, awareness, practicality , broad mindedness with mature thinking and consideration of the matual relations We should safeguard our honour, respect and national integrinty for mutual

existence. The Peace Pact of Hudaibia. The soloution of our problems in the contemporary world. Hence, the importance of this epoch making Peace Pact Hudaibia and its wisdom cannot be ignored in the present time.

summariese of all the Chapters and Sections of my Thesis on the topic, are present here in detail

Chapter-I The Political life of the Holy Prophet (PBUH)

The chapter I has five sections. It brings toward the political life of the Holy Prophet (PBUH) through detailed discussion based on research It brings out that when and how the political life of the Holy Prophet (PBUH) started. Moreover the importance of the pacts in the political and military life of the Holy Prophet (PBUH) is also taken into consideration. A brief review of the political pacts made by the Holy Prophet is presented at the end of chapter.

A detailed discussion is also made on the impacts of the political accords on the military life of the Holy Prophet (PBUH). The background and introduction of the Hudaibia Peace Pact are presented at the end of the chapter.

Section-I Start of the Political life of the Holy Prophet:

The first section of the chapter one is about the start of the political life of the Holy Prophet (PBUH) A comprehensive research in regard of the political life of the Holy Prophet (PBUH) is made in this section through ancient and modern authentic resources It is tried to prove with research that at time the birth of the Holy Prophet (PBUH) the whole world was in a weird and strange conditions. The whole humanity was going on the way of suicide.

It was such a disturbing time that the humanity was engulfed completely in the darkness The voyage of life had lost its destination and even the way to destination. Life was going to spray and the human being had forgotten the Creator and the Lord Not only the future and the end were forgotten even human being had made himself lost. This was annimication situation of the unification of the Holy Prophet (PBUH).

The religion which has been revealed by Allah the Lord of the Universe , through the Holy Prophet (PBUH) for the guidance and salvation of the whole humanity is a religion of our personal and individual life, and of collective life, as well It teaches the ways of worship and similarly .It also gives ideas on the Political and constitution, It has relation with mosque and government alike. The Holy Prophet (PBUH) not only taught this religion to people, but he also made it practical by

governing a vast state. So, the life of the Holy Prophet is an example and practice as a teacher of morality and collectively centralized to us. He is also an example and practice to us as a skilled statesman and a wise leader

It has been proved through research that the political career in life of the Holy Prophet (PBUH) was started with the Historical Pact known as Half-ul-Fazool (37 B.H/586). It was a unique pact on its accord in that time of disturbance for establishing peace and security. According to the pact it was decided that the people of Makkah would be saved from every and any kind of cruelty and injustice in the Mekka irrespective of being resident of Mekka or foreigner , free or Slave, rich or poor and in case of persecution the victim(s) should be compensated fully by the prosecutor(s)

All historians and the biographers of the Holy Prophet(PBUH) agree that the political role of the Holy Prophet (PBUH) in the sixth century A.D was exemplary He was given the title of Trustworthy by the people, due to his role , in the time of darkness

The pact known as "Uqbah"- the first and the second are very important in the political career of the Holy Prophet (PBUH). These same pacts, later on, became the movement for the migration to medina, and the migration proved itself an important change in the Islamic history. The Holy Prophet after the migration, made a historical pact with the people of Medina-"The Medina Accord"-Every nation at Medina became a Party of pact. This is the First diplomatic pact of Islam. It helped very much in accomplishing the aims and objective of the Islamic Society. Prof Dr.Muhammad Hameedullah has proved through research that the Medina Pact was the first written constitution of the world. According to this pact the Holy Prophet (PBUH) formulated before 1400 years, such a code in human society where every participant as a group and individual , had respect of human life, was established before 1400 years Guarrantee of Property was made available. Pressure was exerted on commission of crime and accountability thereof. Medina became the cradle of peace.

Section:2 The Importance of Agreements in the Political and Military life of the Holy Prophet(PBUH):

In this section research is made to find out that with advent of Islam bought a drastic change in the humanity, as if the destiny had changed. It taught how to

respect humanity It preached the unity of humanity rather than disobedience and disintegration Its foundation was laid beyond the nationality. Equity and justice were made common The teachings of Islam were beyond any relation, connection, friendship, enmity,Power or weakness . They were same for all.

The two golden principles unity of humanity and virtuous deeds provided the base for the relationship between Muslims and Non-Muslims. The Holy Prophet (PBUH) very Strictly followed the principles and delineated in details, the rules and regulations of international relations.

The Holy Prophet (PBUH) made such pacts not only for the security of Muslims but for the universal and comprehensive peace. Every individual had a chance to express and state, with complete freedom, his/her opinion and point of view to decide. In this way this aspect of the sacred life of the Holy Prophet (PBUH) is nor only a guiding principle for the Muslims, and it is for the whole world as an international guideline, and it is of the utmost importance.

It is proved through research that the Holy Prophet (PBUH) made such social political and defense pacts which were full of spirit of Islam and insight that they turned Medina into a united center. In few years, it became the biggest world capital along withbeing the center of religious, spiritual ,political and social. Islamic state spread over 274 squire miles Few hundred people died but in span of 10 years peace has been established over 10,000,00 squire miles. During these 10 years period of victory, death toll of enemy was less than 02 per month. This is a daring and example of spilling human blood in the history of the world and it remains matchless as a sign of human life.

Section 3: The Political Agreements of the Holy Prophet (PBUH) -A brief Review

Research is made, in this section on the Political agreements in the time of the Holy Prophet (PBUH). through the basic sauces, ancient and modern, of the biography and character sketch of the Holy Prophet (PBUH) It is proved that the Holy Prophet (PBUH) gave unprecedented heed to the pacts and mutual relation to Peace'according to the principle of living coherently The Holy Prophet (PBUH) was always desired to avoid war and bettle as much as it could be possible so that His preaching mission should go on unhindered which was only possible effort to be on the way of peace. He made purpose whatever kind of pacts he made, let them be

political, economic or military for peace He was successful in making the maximum use of them for the propose. So this section is a brief review of the political agreements of the Holy Prophet (PBUH).

Section 4: The Effects of the Pacts in the Military life of the Holy Prophet (PBUH):

The Islamic Revolution, under the blessed leadership of the Holy Prophet (PBUH) on one hand is a great favor for clearly establishing the great divine system, and on the other hand it was the result of the wise intelligent and doubtless leadership of the Holy Prophet (PBUH) So all the pacts He (PBUH) made according to the principle of mutual living, were full of wisdom, boldness , intelligence and insight. They were all based on equity , justice ,good terms , broad mindness , open heartiness and good humor This became the reason for talking non- Muslims into the fold of Islam, and history was made. The Islamic state enjoyed internal peace, and on the external front victory, success and prospects were reaped The state of Medina remained constantly increasing in expansion. The darkness started giving way to light where ever Islam took hold of the place. The areas of the earth turned into enlighten and prosperous areas with the light of Islam and the blessing of Allah. In this way the bright and everlasting sun which rose from the darkness of the Hijaz Started bringnteni the whole world in a very little time from the month of started brightly Rabi-ul-Awwal the third month of the Islamic Calendars lunar year of the seventh century

Section 5: Treaty of Hudaibia : Introduction and Background

The real discussion on the treaty of Hudaibia which is the real title of the thesis as a matter of facts starts from this section. This section presents the introduction and background of the Treaty of Hudaibia.

It had been then six years after migration to Madina from Makkah by the Holy Prophet (PBUH) and his companions. They were continuous by engaged in wars through out this period to defend themselves from the enemy. Some times they had to save themselves from the attack of the Quresh ,and sometimes they had to think to counter the mischievous and intrigues of all the Jews. This whole period passed in this way. But despite of all these difficulties the Preaching of Islam kept on reaching every part and corner of the world. This became the cause of strength and

steadfastness in the followers of Islam. The Preaching of Islam smashed every sort of defense mischievously and widely made by the Pagans and polytheists But Muslim remained deprived of the blessing of the Kaba and the Pilgrimage itself during this six years period. The immigrants were feeling much deprived of visit of the House of Allah. They were feeling sad because of departing from Mekka and the separation of their families and relatives in Makka. They were however, confident that Allah[1] the Almighty would make the Prophet (PBUH) and his followers successful and He would Dominate Islam on all of other triumph religions. So, this situation and condition made the Prophet (PBUH) to dream, based on the revelation became the move behind the travel to Hudaibia and to have Hudaibia agreement, Subsequently.

Chapter 2: The Political and Military Importance of the Hudaibia Treaty:

Importance of the Hudaibia Treaty:

Chapter two is also divided into 05 sections:

They contain research and discussion on the Military and Political aspects of the Hudaibia Treaty Detailed review is made of the text and classes of the Hudaibia Treaty. It points out the importance the Hudaibia Treaty. Efforts are made to view the research work done by Muslim writers and non-Muslim writers of the biography and character of the Holy Prophet (PBUH) on the political and defense importance of the Hudaibia Treaty

Moreover, the treaty is seen to judge the political, diplomatic and peaceful mutual living strategies of hte Holy Prophet (PBUH) .

Section 1: The text and classes of the Hudaibia Treaty:

A detailed review of the text and classes of the Hudaibia Treaty is present in this section. The Arabic Text and its urdu translation are presented At the first stage the review of the text and classes are analyzed in the light of hue Holy Quran to determine its importance The second presents the research on the text and classes of Hudaibia Treaty through the histiory. Where as the discussion on the effects and lessons of the strife of Hudaibia and then true text and classes is presented at the third stage.

Section 2: The importance of the Hudaibia Treaty among the Pacts made by the Holy Prophet(PBUH):

The Holy Prophet (PBUH) made political pacts with three big non muslim powers. The Jews of Medina, Polythists at Makkah and Christians of Najran these were historical pacts and they were made with the non Muslims powers and government as political and are of diplomatic pacts. These pacts are of international standard according to the Islamic law for international relation for the whole in 1400 years history of Islam They are the guidelines for having and maintaining relations for mutual living peaceful and international relationship with the non muslims. Although every pact made by the Holy Prophet (PBUH) has its own importance. Hudaibia pact has a particular prominence due to its universal effects. So research is made to highlight the particular importance attached to the Hudaibia Treaty .Its importance is brought out and discussed.

Section 3: The political and Defense Importance of the Hudaibia Treaty in the views of Muslim and Non Muslim Biography writers of the Holy Prophet (PBUH) .

Since the importance of the Hudaibia Treaty is undeniable. both Muslim and Non Muslims biography writers of the Holy Prophet (PBUH) also accept the importance in the field of politics and defense They have pointed out the importance in the books on biography of the Holy Prophet (PBUH). Mostly all of the Holy Prophet (PBUH)'s biographer writers, in reference to the Hudaibia Treaty are agreed, like famous research scholar Dr.Hamidullah, on the important point of it:

"The treaty of Hudaibia is the marvel of the external policy of the Holy Prophet (PBUH) .

Section 4: The Hudaibia Treaty and External politics of the Holy Prophet (PBUH):

This has discussion and research made the external politics of the Holy Prophet (PBUH) .The bases of the foreign policy of the Holy Prophet (PBUH) are discussed here with reference to Islam. It has a detailed discussion elaborating the external

politics. Point of views on preaching of Oneness on Allah defense of the State, world peace, respect to the pacts avoiding war or making truce resolving unnecessary dispute , help for the truth stopping cruelty ,internal prosperity and progress of art of war making use of it, information and news, use of financial pressure or economical salvation, wining over, respect for human blood and upholding the international principles are discussed. The foreign policy of the Holy Prophet (PBUH) is viewed with reference to Islamic history.

Section 5: The importance of Hudaibia Treaty in love for peace and mutual survival views of the Holy Prophet (PBUH):

The birth of the Holy Prophet (PBUH) is not only blessing and benediction for Muslims; it is also the sign of happiness and success for all humanity Since the Holy Prophet (PBUH) is sent as the benedictions to the worlds, Allah! kept on suggesting him to avoid, forget and be kind to those who tried to abuse and persecute. Although the whole life of the Holy Prophet (PBUH)is a living example of peace loving yet the two examples at the times of the Holy Prophet (PBUH) stand alone in the history of Islam and they stand matchless. The Holy Prophet (PBUH), on both the occasions, along with his companions was in the position of overwhelming power and every thing ,the pros and cons ,situations and reasons were in his favor but he did not hesitate even slightly in accepting the Hudaibia Accord apparently as overpowered, though he was in complete control and power Allah turned him as an open victory .And the victory of Mekka is the masterpiece of the Holy Prophet (PBUH) blessings and the whole human history can do nothing except to bowing respect to thin masterpiece. So, a detailed discussion is made in this section, the Hudaibia accord with reference to the Peace loving and mutual survival ideas of the Holy Prophet (PBUH) .

Chapter 3: The Treaty of Hudaibia and the Foreign Policy of the Holy Prophet (PBUH):

The migration of the Muslims to the madina was the base of the foreign policy of the Holy Prophet (PBUH) .It was the foreign migration which made possible for Muslims to formulate a political system for the state , and the same political system for state became the reason of integrity and security , internally and externally for the state of Madina. It became much more useful for the Holy Prophet (PBUH)

obtaining external objectives. The Holy Prophet (PBUH) gave much head and weight to pacts and mutual relationship in the external politics and avoided warfare as much as possible. But whenever and wherever warfare became inevitable for the security of state , maintaining peace and survival of Islam, he did not hesitate a bit to indulge in warfare. He did not only achieve victory in wars but also changed completely all the wild and brutal war tactics of the dark ages. He introduced and implemented such laws full of pride which, even today give the lesson of respecting human dignity.

The Holy Prophet (PBUH) sent different ambassador and emissaries with the practically of foreign policy strategy point of view for different purposes and objectives. Most important emissaries were sent to the neighboring countries with letters of invitation after the Hudaibia treaty. The everlasting and full of life message of Allah brought by Holy Prophet (PBUH)·It got the hold soon in countries, rule and the people where and to whom the letters were sent. It dominated than in full. In short in was the miraculous masterpiece of the abilities of the leadership, wisdom and great foreign policy of the Holy Prophet (PBUH), so the step taken by the Holy Prophet (PBUH) for the foreign policy strategy, practically reflected his unprecedented accruement .Wisdom sovereignty and world administration. These explicit and vivid aspects of the political agreement of the Holy Prophet (PBUH) serve as the practical examples in international relationship for the Muslim countries even today. They can also guarantee the end of disintegration and rift and disputes among the Muslim countries

Section 01: The importance of the Hudaibia accord in the foreign policy of the Holy Prophet (PBUH) :

The Hudaibiya Treaty played a very important role in the foreign policy of the Holy Prophet (PBUH) .After the Hudaibia Accord and ending of worth mention all internal Arab resistance, the problem of the areas which did not come till then under the domination of the Medina State came up The other problem was to spread Islam out of the Arab world It was deemed necessary that should also accept the sovereignty of Allah like the Arab world as it was an obvious part of the birth of the Holy Prophet (PBUH). The Hudaibia Accord played a vital role solving theses problem .The religion of Allah started spreading on and on day by day. This has also broadened circle of victory of Islamic expeditions. So, in this regard the foreign

policy strategy practice of the Holy Prophet (PBUH) bears the authentic importance of the Hudaibia Treaty. This importance has been brought up in this section:

Section 02: The victories of the Holy Prophet (PBUH) and the Hudaibia Treaty:

The purpose of the wars of the Holy Prophet (PBUH) was to establish everlasting peace and security. His (PBUH) objective was to respect the humanity, and not to cause loss of life and property of the innocents Better treatment was met out at the time of war, and then after to the prisoners of war ,in their release and in the matter of ransom. Since the objective of the wars of the Holy Prophet (PBUH) was to establish world peace, so he always tried his best to avoid killing and spilling blood This is the reason that only few hundred people lost their lives in ten years and peace and security were prevailed and established in an area of a million square miles. According to the research of Dr. Hamidullah, this expansion comes up to 274 square miles a day. In this way 276 units became the part of unification as on State and unity, and 8205000(in the life time of Holy Prophet (PBUH) people became the followers and devote worshipper of Allah It is a historical reality that the Hudaibia Treaty played a very vital role in the victories of the Holy Prophet (PBUH) and the Islamic State kept on progressing and expending.

Section 03: The political effects of the Hudaibia Treaty:

The Hudaibia Treaty has so deep bearings in religion, politics, military and custom, culture and civilization that it had an eternal place in the history of the later times On the political front, the effects of the Hudaibia Treaty made it possible to have progress and expansion to the Islamic State. It was due to the Hudaibia Treaty that the Arab, for the first time accepted the existence of the Islamic State Public opinion was went in favor of Muslims because of the Hudaibia Treaty. Many tribes inclined towards Muslim due to the treaty The areas around the Qurush also came under the influence. This also provided the chance to the practicality of the policy of the Holy Prophet (PBUH) that the opposing powers, at the very first hand should not be given chance to unite, and secondly all the separate and individually units should overcome one by one.Due to this , the Holy Prophet (PBUH) over came the opposing powers of northern and central Arab very easily after getting satisfaction from the souther Arab.This section details the discussion through research on the

political effects of the Hudaibia Treaty.

Section 04: The effects of the Treaty of Hudaibia on the military and political pacts of the Islamic History:

In the Previous discussions it has been proved that the most analytically amazing effects and important offects were made by the Treaty of Hudaibia among all other pacts made by the Holy Prophet (PBUH) It made a history by itself. We come to know about all these effects when analyse all the Islamic pacts plained that the pacts made in the Islamic history. It is already explained that the poot of Huaibia was made on the principles of peace and mutual survival.It was based on broad mindedness, open leadership, better dealings and endurance, tolerance and motivation. The non Muslims were attracted to its open mindedness and to the sincerity of the people. Islam started spreading all over the world and not only in the Arab world. The biography and character of the Holy Prophet (PBUH) acted as a light in the darkness for all Muslims. These aspects of the biography and character of the Holy Prophet (PBUH) Served as the focal points to writers of the Holy Prophet (PBUH).It affected greatly on the political and military life of the Holy Prophet (PBUH) served as the focal points to all the Muslims. We get the reflection of the Treaty of Hudaibia in all the pact made in the history ofter word . So, it seems better to say that this pact made a history by it self after word. It became an example. for the nations of the word. The Peace pacts made by the later muslim rulars with the now muslim were all gmided by the Treaty of Hudiabia They remained matchless and the world history is unable ro present any such example Islam won over the hearts and increased the Nation of embarrassing Islam. It became a record and Islamic state spread all the places of earth. It is proved that Islam is not the religion of war, it is rather the religion of peace.

Section 05: The Treaty of Hudaibia and its effects on the victory of Makkah:

In the process of revolution of the Holy Prophet (PBUH) the Treaty of Hudaibia played a key role. The treaty of Hudaibia Proved it self the Prelude of the victory of Makka and the victory of Makka proved itself the prelude of the victory of the Mekka prove itself to be the competition of the purification the Ka'ba.It was the time when the truth overwhelmed the unreal and the unreal was completely eliminated

.The victory of Makkah was the realization of standing dreams of victory from Allah , the political wisdom, the Holy Prophet (PBUH) and his companions The unseen help and glad tidings of ictory from Allah, the litied wisdom insight, mature thinking, patience and endurance and steadfastness of the Holy Prophet (PBUH) were at the background of the victory of Makkah

Allah! the Almighty, has declared the Treaty of Hudaibia as an apen victory in the Holy Quran and a whole complete chapter was revealed in favors of it. History has witnessed that the times and conditions proved this Quranic predictions word to word The Treaty of Hudaibia became a landmark of the foreign policies of the Holy Prophet (PBUH) It did not only become the source of victory of Mekka, but it also became the cause of the universal propagation of Islam. This section presents this historical reality

Chapter 04: The Treaty of Hudaibia and the pacts made in times of the upright Caliphat

A comparative study

The Chapter 4, like other chapters, also consists of five sections. This chapter has its own importance because of the comparative study of the pacts made by the upright Caliphate with the Treaty of Hudaibia The comparative Study is made by going through the research study of the sources of the biographics and character of the Holy Prophet (PBUH), biographies of the upright Caliphs, the Islamic history of the times of the Prophet and the upright Caliphates eras. This study includes both resources of ancient and modern times.

The upright Caliphs had the privilege of the direct and special training of the Holy Prophet (PBUH) .Their ways of ruling and the pacts they made in their times were obviously very similar to that of the Holy Prophet (PBUH).

The upright Caliphs followed and replicated the styles and methods of the Holy Prophet (PBUH) in every respect They presented a true picture in religion politics and military actions Therefore, many important pacts of peace and mutual survival were practicaly made in the era of the upright Calphate.All those pacts were based on the guidelines of the Treaty of Hudaibia and other peace pacts of the time of the Holy Prophet (PBUH) .All those pacts were aimed at excercising patience , endurance and tolerance to show religious,expenism, insight, broad mindedness , openheartedness and to realize the ground realities, moderation, equity and respect,

to end expenism, and have integration and unification on the basis of religion. and nationality. They were made with complete wisdom, intelligence and they were practised on the same basis. These qualities made those pacts admitted in history of Islam due to their religious, historical, political, military and legal position and importance. Those peace pacts having wide opening of heart and mind in the time of the Caliphate era made the non Muslims people to think and subsequently embrace Islam in a greater number to enjoy the blessings. The religion of Islam did not only win over the area but also the heart and minds. It started spreading very rapidly not only in the Arab world but all over the world In the reign of upright Caliphs the non Muslim citizen of the Islamic state and non Muslim minorities were given examplary and matchless rights. This resulted in the acceptance of Islam by the non muslims in bulk and Islam became the religon all over the world. Due to these characterstics a comprehensive and detailed study of the reigns of the upright caliphs is made in the thesis,and selection of the pacts of the reigns of the upright caliphs for the comparative study with the Treaty of Hudaibia is made. The first section of the Chapter deals with the pacts made in reign of the first upright caliph second section presents the pacts of reign of the second caliph , the third section is about the pacts made in the reign of the thired Caliph, and the fourth section compares the pacts made by the fourth Caliph.

All of these pacts are analysed and compared with the Treaty of Hudaibia.The fifth section , to end the Chapter is a review of the impacts and effects of the Treaty of Hudaibia on the reign of the upright caliph

Section 01: The pacts of the Siddiqui reign and the Treaty of Hudaibia.

The reign of uprigh Caliph started after the departure of the Holy Prophet (PBUH) (571-632) from this mortal world and Abu Bakr Siddiq was elected as the first caliph of the Holy Prophet (PBUH) in the history of Islam. The reign of the Holy Prophet (PBUH)(610-632AD) was purely a divine and religious government .The companions of the Holy Prophet (PBUH) had a pint belief that the center of government of the Holy Prophet (PBUH) was the Revelation of Allah. Allah sends message through Gabrail, and the Holy Prophet (PBUH) puts them into practice.The departure of the Holy Prophet (PBUH) from this world was the greatest tragedy of the muslim history.It was only the personlity of Abu Bakr who could be elected in

those times of mourning tears and crisis So the muslims unanimously elected him the first upright Caliph He was the first among males to accept Islam and he had the congrigation to lead the congregation for prayer in place of the Holy Prophet (PBUH) at mosque of the Holy Prophet (PBUH) in the last days of the Holy Prophet (PBUH) .So, he was the closest and most directly trained companion of the Holy Prophet (PBUH).

Abu Bakr Siddique, therefore, established his reign of Caliphate on the patterns and guidline of the reign of the Holy Prophet (PBUH).He gave more rights to the non muslims residents of the muslims states and the non muslims minorities. He made many important peace pacts on the priciples of hte Treaty of Hudaibia and after the peace pacts made by the Holy Prophet (PBUH) in his time. The most prominent pacts of the Siddiqui riegn are the following:

1- The Pact made with the people of Banqia and Baroosa.

2- The pact made with the people of Qarqaisa.

3- The pact made with the people of Bahaqbaz and the Charters sent to the other different non mluslim states. They are very much important due to the background of tolerance Open mindnes. All these pacts and charters are analysed here in the light of peace and Security with their comparsion with the Treaty of Hudaibia and the other pacts made by the Holy Prophet (PBUH) in his reign.The first caliph had remarkable and usual achivement during his reign. He did not only made the Islamic State safe and secure from the intrigues and wicked palnnings of the enemies but he also made it stronger, powerful along with giving expansion to the boundries of it through conquest and victories.

Section 02: The pacts of the Farooqui reign and the Treaty of Hudaibia.

The Farooqi Riegn started at the end of Siddiqui reign. This second period of reign of the upright of Caliphs is the most outstanding the landmark in the history of the Islam due to its distinguished qualities and characterstics. Umer Farooq was aslo a close and directly trained companion of the Holy Prophet (PBUH) His reign was also full of blessings and consideration of the Islamic State and for non muslims minoriteis in treatment and dealings.It was matchless on accounts of tolerance ,better treatment, open mindness and open heartedness. It was examplary in regard of kindness, benefits, giving and Such support forgiveness excuse perks ensure

,partsand previledges He, gave matchless rights to the non mluslims that even the world history is unable to provide and such example .Many peae pacts with the background of peaceful and mutual survival were made on the patteres and guidness of the Hudaibia Treaty and after the peace pacts made by the Holy Prophet (PBUH) and the first Caliph. The study of the pacts in Farooqui reign shows the benevolance and blessings they gave to the non muslims.The following are the most important pacts of the Farooqui reign:

1- The pact made with the people of Mah Bahrazan.

2- The pact made with the people of the Mah Dinar.

3- Ispahan Pact.

4- The pact with the people of Rae.

5- The pact with the people of Damoarwand,Mardan Shah Qila, Damabwand, Al Khawar, Laraz and Alsharz.

6- The pact with the people of Qoomas and the subrub people.

7- The pact with the people of Razban Soll Bin Darban, Dahislam and all after people of Jarjan.

8- The pact with the chief of Army Farkhan and the Chief Lord of Khurasan stationed at Tabristan, Jail Jeedan and the fighters of hte Military of Islam.

9- The pact with the people of Azarbaijan.

10- The pact with the people of Afghanistan

11- The pact with the people of Armenia.

12- The pact with the people of Debal.

13- The pact with the people of Tablis.

14- The pact with the people of Mooqam and Qabaj

15- The pact with the people of Arminia at the city of Barazo, and the chief of Arman.

16. The pact with the people of Damascus.

17. The pact with the chiefs of Boalbak.

18- Peace Treaty for the people of Elyia-Jeroselum

19- Peace Treaty for the people of Lud from the Caliph Umer bin Khitab.

20- Pacts Ayyaz at Shamiam.

21- Peace Treaty for the people of Ail Shams.

22- The pact made with the people of Antablis and charters sent to different states.

All of them are very important having the background of tolerance , better

dealings and treatment , patience and endurance, latitude and exemptions, benefits and reception All of the pacts, treaties and charters are analysed in comparison with in the riegn of the Holy Prophet (PBUH) for the peace A review of this analysis is presented here. The Farooqui reign was the time of conquest and victories. An endless sequence of victories started during the reign.There were different kinds of the people of the conqured lands like Roman and Persian and even Arabs.There were people of the Book, polythiesis, athesits ,non believers and all other in these people There were people in theme who were deadly enemy of Islam and they used to be proud of this and who were anti Islam. But after the defeat and overcoming them, the representatives of the Islamic government never tried to humiliate , insult or compel them to accept the terms and conditions below the dignity. This is Islam and this is the distinguished way of the treatment of the Islamic government. So the reign of the upright Caliphate was the reflection of these distinguished behaviour and treatment The Farooqui reign is the most illuminated example of his distinguished hallmark

Section 3: The pacts of the Usmani Reign and the Treaty of the Hudaibia:

After the Farooqui Reign an other golden Period of the reign of the upright Caliphat.Is the Usmani Reign. The reign remained in power up till 12 years. Usman Ghani was also the close and specially trained companion of the Holy Prophet (PBUH).He was kinder and of mild nature as compared to the other companions of the Holy Prophet (PBUH). So his reign continued to be benevolent and generous for the Sake of justice equality and tolerance as before No doubts, the reign is marked with internal rifts , civil war and killings, yet even this period of internal disturbance the muslim did not left out their non muslim resident of the state The non muslims were kept on treated with the kindness benevolence The werw ercused for their cyimes and sins. They were dealt with generosity and mercy even in the case of the indulging in disobedience and revolt. They betrayed , they disobeyed , they tried to make use of illigal means and killed muslims. But when the muslims had a chance to overcome them and their enemies the muslim did not take revenge. They kept on being kind and generous to follow their traditions. Many pacts were made in the reign with the background of peace and peaceful mutual survival on the same guidelines of peace pact made by the Holy Prophet (PBUH) and the Treaty of the

Hudaibia. The following are the notable pacts made in this era:

1- The pact made with the people of Noba.

2- Peace made with the people of Arminia.

3-Peace Treaty Hirat.

4. Peace with the People of karman.

5- Revival of peace with the people of Cyprus.

6- Better dealing with the people of Najran.

7- Keeping the pacts intact of the Farooqui reign.

8- Victory of Africa and peace with the Roamans.

9- Treaty with the pagaus of Dabal.

10- Peace Treaty with the people of Taflees and other charters.

They all show the great extent of the tolerance, generosity and endurance of the Usmani reign. They are very important in regarded of broadmindedness. An analysis of the pacts like before, has been presented with the compartion of the pacts made in the time of Holy Prophet (PBUH) the Treaty of Hudaibia . The treatment given to the non muslims was as generous and benovolent as it remained in the previous reigns from the Holy Prophet (PBUH) down to the second Caliph.The non muslims were never giving any trouble, they were never inflickted curelity They were rather protected and safegarded in every respect So this kind of treatment of Usman became the cause of giving good impression to the non muslims and the expansion and victory of hearts kept the Islamic State enlarging and strengthening

Section 04: The pacts of the reign of Ali and the Treaty of Hudaibia:

The fourth and the last reign of the upright Caliph starts with the rule of Ali . Ali is particularly marked for many qualities among the four upright caliphs.His training was done in the lap of the Holy Prophet (PBUH) When Ali came to the age of senses he saw his cousin, the Holy Prophet (PBUH) worshipping the only one God, opposing polytheistic partices and facing the polythisits and pagon in the early stage of Islam.So, he embraced Islam in his childhood and had the previlege to be the first among the childrens. He was always ready to sacrifice in every respect,for the cause of Islam He fought along wiht the Holy Prophet (PBUH) in every war He was also very near to the all three upright Caliphs. All of the three had utmost confidence him He remained special advisor to all the three Caliphs. He was very intelligent and

a man of opinion. There was non of equal to his understanding the injections of the Shia and affairs of the state. His Caliphate started after Usman.

Since Usman was simple, kind and man of mild nature so many miscereants started doing in the last days of the Usman reign. Those people made use of the kindness of Usman mischieves and in the result political upheands,rifts,civil war killing went on unleashed. Ultimately, Usman was murdered by the people who revolted against him when the Caliphate was given to Ali after the martyrdom of Usman he accepted it very unwillingly on the insistance of the people. But the situation started getting worse. Mischieves and intrigues were the game of the time. Disturbance and riots were started The Islamic world was undergoing into disturbing situation with civil war, rifts among the Muslim , war and lawlessness.The reign of Ali was cut short due to all these uptoward stuations and conditions. Even this short period was full of turmoil and expolitation. Ali did not get any time to do any constructive and reformatory works. But even then if we look into his period we come to know that although it was difficult and disturbed time yet did not fall short in his duties at anytime.His dealings with the muslims as the upright caliph was fair and his treatment to the non muslims was so just and tolerant that an example like that can not be found elsewhere. The Hanifite Jurespmdence set rules and regulations for the non muslims resident of the Islamic State and the non muslims The fountdation of these is based on the saying of Ali,

" The blood of non muslim residents of the muslims state is as respectable a own of muslims."

When we see the reign of Ali for the sake of the pacts we come to the pact of Safeen.This pact was made in between Ali and Mavya. There are also some charters which were issued by Ali to his governors .In which he bewares them to deal in a better way with the non muslims and the non muslim residents of the Islamic State.They should be tolerant,open minded, open hearted , benevolent , pious, God fearing and care taker.He advised them and told them that the promise is sacred thing like the house of Allah, so it should be always fulfilled . He explained " We have given them the non muslims residents of the Islamic state- the rights that their blood is equal to our blood their belonging are equal to ours."

The charter he sent to his rulers advised them·

" Be a servant of the people , create tendness in your heart for them and keep all the people in your eyes to the point of Islam, equal so that influencial people should

not take benefit from you and greed for it, and feeble should not get disappointed from the justice from you."

Once Ali sent an officer to collect ramsom and the protection money. He advised him befors their leaving:

1- Do not auction their food stuff.

2- Do not snatch their cattle used for cultivation.

3- Do not beat any non muslim, resident of the Islamic State.

4- Do not sell clothes of the non muslims residents of the Islamic State.

5- Do not make any non muslim resident of the Islamic State to stand in the sunlight.

Moreover he advised that Allah has made us over these non muslim residents of the Islamic State , so it is our duty that we must treat them kindly Do remember if you do not obey my orders that not only me but Allah will take you to the task. And do remember! if I come to know that you have not acted on my advice , I will dismiss you. Ali said to the officer who was going to collect the compansation and the ransom money:

"Look ! Be kind and peaceful to the non muslims resident of the Islamic State. He repeated this three times.This shows what sort of treatment and dealings he had with non muslims residents of Islamic State.His treatment was kind, benevolent, tolerant and faciliating.

Ali used to be kind, good mannered tolerant and for giving to his worst enemy. It was the height of of his kindness that when his murderer was arrested and Ali was sick with the wound the murderer had inflicted on his body and lying on his death and Ali bed because of the wound, the death was might important of him, he was breathing his last yet the last words he spoke before his death were the advice to treat well his murdurer He made it clear in his will .

" Do not deshape my murderer." Ali was brought up in the lap of the Holy Prophet (PBUH) He made full use of this training given by the Holy Prophet (PBUH) to him. Ali's life presents invide reflection of the life and character of the Holy Prophet (PBUH). The treatment of the Holy Prophet (PBUH) with the non muslims residents of the Islamic state non muslim and the conqured people was full of kindness and beneficial He advised Ali to have the same treatment for those people on many occasions So when he appointed Ali for the conquest of Khyber he said.

" If even one person embraces Islam infront of you it will be far better than the

booty of many fold."

This advice shows that the Holy Prophet (PBUH) always kept this point in his mind , even in the time of war that the reality and truth of Islam must make its impact on the hearts rather looking for some material gains.

If we see from this point of view the reign of Ali, we come to know that the siprit of the Treaty of Hudabia the, other pacts made by the Holy Prophet (PBUH) and other three Caliphs was kept in the charters of Ali and the advice he gave to his rulers.His character and advice were based on peace, better treatment, patience ,tolenrance ,endurance religious insight , broadmindness and open heartedness, moderation, kindness, relaxation, satisfaction, courage and spirit of peace. In this way the reign of Ali did not leg behind the upright caliphs in any respect Thus, the reign of Ali is known as the fourth pillar of the upright Caliphate.

Chapter 05: The Treaty of Hudaibia and the contemporary Internal pacts:

A review of the issues faced by the Muslims Ummah in the contemporary world and their solutions.

Chapter five consists of six sections in whole This chapter is different in its nature with the other examples in the way that in this chapter the Hudaibia Treaty and the contemporary international pats with the view of present situation, are discussed in details. The first section of this chapter gives a comparative view of the Hudaibia Treaty with the important 20th century international pacts. Section two discussee the effects of the CTBT on the muslim world in the light of the Hudaibia Treaty The third section presents a discussion on the recent American and Allied countries attack on Afghanistan,the staud of Pakistan and the Hudaibia Treaty A comparative analytical view is presented in section four with the situation from The Hudaibia Treaty and Pakistan's strategical and political stand in refrences to the Afghan policy. Section five of the chapter takes into cosidaration the impact in the light of Hudaibia Treaty of the issues faced by the muslims Ummah in the present world and their solutions. A review of the future of the muslim Ummah with the background of the Hudaibia Treaty is topic of discussion of the seciton.. In this way we have tried to complete our research thesis in a comperhensive way.

Section 01: Comparative study of the important international pacts and the Treaty of Hudaibia:

We have critically examined in the first section , the important political and military pacts of the 20th century .These are the pacts which have been made practical for the stablishment of the world peace by the so called civilization of the present society. But the world peace still remains an illusion So, keeping this in view, when we compare the Hudaibia Treaty with these modern pacts we realize that the pact made 14 hundred years ago is still an examplary and aguiding pact in its nature qualities and impacts. It was as a nature of fact, based on toleration , broadmindness, love for humanity , enlightment , moderation, open heartedness and the golden principles of peaceful mutual survival. It turned out to be in fact the open victory due to its great impacts and effects

Section 02: The effects of the CTBT Agreement on the Muslim world and the Hudaibia Treaty.

The comparison and analysis of both the CTBT Agreement and the Treaty of Hudaibia explain that in their nature and in their respective times they remained unwanted and a trail to the countries and the nations explain seems to be bitter pill to swallow as it was the same with the Hudaibia Treaty But, as a matter of fact, the situation is altogether different

The actual motive of the Hudaibia Treaty was the divine , and when Umar wanted to know the reason for the pact , the Holy Prophet (PBUH) replied," I am the Messenger of Allah and I can not go against the command of Allah "

The Hudaibia Agreement was apparently an nunwanted harmful and tistingt pact. But in fact to Allah ,the Almighty' it was very much desireable pact. And the history holds witness that impact and effect of the pact proved that the pact was very much favourable pact for the whole Islamic Ummah. Although this truce was by the muslim under pressure and the proud muslims were very much disturbed on having the pact because they took it as in sulf They felt very sad on it, yet the Holy Quran consolded the muslim and explained that the pact that it is an open victory, though apparendly by the truce seemed to be a defeat and a loss. In fact, it turned out to be a success fovour and help It became a reason for spreading Islam from the Arab

world to the whole world on its way to and became a universal religion of peace and security

One important point of the Hudaibia Treaty is that it has domonstrated two aspects, political and military. The political aspect was that the pact was made under pressure for maintaining peace and insuliting terms and conditions were apparently accepted. The military aspect should also be kept in view which is full of lesson, be learnt. When the pagans of Makka made breach of the pact openly,Holy Prophet (PBUH) in the wider intrest of the muslim ummah ,preferred aboliton of the pact rather than the despite of the utmost efforts and imploring for the rewival of the pact by Abu sufyan The Holy Prophet (PBUH) decided to show his power and command of peace which became a match precdent. The Holy Quran and the Traditions and Sayings of the Holy Prophet (PBUH) are the only guidelines for Muslims in every walk of life let it be individual or collective national or interntional. Thus, the Holy Qruran says," Brace up your horses all the times for the cause of Allah."(The Holy Quran)

If we see the military aspect of the Hudaibia Treaty in the light of the above mentioned verse of the Holy Quran, we come to the conclusion and Unifer the lesson that we` should get as much power as we can We should make ourseleves stronger and integrated and come up as world power. It should be the world power with the universe and the rifts should be eliminated from the earth at all. If we sign the CTBT after becoming such a power, it will not harm us at all, as we can see the superpowers like America ,Britain, China etc have signed after becoming world powers. But if we sign the CTBT being weak as we are, it will be signing on death warrant of us. Hence , in the light of this scholarly and research review if muslim ummah, including Pakistan ,signs the killer CTBT it will be suicidal for us, and it will be contrary to the Holy Quran and the Traditions and Sayings of the Holy Prophet (PBUH)

Section 3: Pakistan's stand with reference to the America and Allied countries Attack on Afghanistan and the Hudaibia Treaty:

American president George Bush Jr declared war on international terrorism just after the 3 days of 9/11 event ,and started level preperations for it very rapidly in favour of it. He waged a war politically and a militanity internatronal. It has been a never ending war which is still going on. The American president asked all the

world governments to support and cooperate America in the war on terrorism at international level Then, he with no ambrigvity, rather as a threat told them to explain whether they are with America or not. The same demand was made to th government of Pakistan. The Indian media right after the 9/11 events, suggested America that she should attack on Pakistan and Afghanistan immidiately. India also showed her willingness to give every facility whatever was needed in regard to America. Pakistan started taking steps immediately knowing the offensive and agressive attitude of India. The Ex-Presidat of Pakistan Genral Pervez Musharaf immidiately addressed the nation. He decicded in these times of trial and test, with reference in his speech to the Hudaibia Treaty to stand with America , rather than having confrontation with her, on her war over terror. The test of time and situation proved that decision bade that time was intelligent and full of wisdom to decide so However keeping in view the siluation prevailing on the grounal, the exist Afghan policy requires reviewal. This section discuss all these facts.

Section 4: The based stand of Pakistan with reference to the Afghan policy, and the witnesses from the Hudaibia Treaty a comparative and crirtical review:

Afghanistan is a nieghbouring Islamic country of Pakistan. The history of both the countries is mutually strong and integrated The importance of Afghanistan as a matter of fact , can not be denied in respect of the freedome of the Islamic Ummah and propagation and popularization of Islam in the subcontinent The founder, Quaid e Azam Muhammad Ali Jinnah Says " Both the countries are tied up in centuries old religions, cultural and social relationship. And I hope that every effort should be made to establish brotherly and friendly realtions between both Islamic countries"

Pakistan helped Afghanistan in every sort of difficulties whether it is a matter of fighting against such a super power like Russia or the arrival and settlement of the refugees in the Pakistan from Afghanistan Pakistan completely proved her brotherly relation But Pakistan has not been paid back in the same coin by Afghanistan Pakistan did not get such corporation which was expected by Pakistan from Afghanistan. Due to this the relation between Pakistan and Afghanistan remained in tense and not amicable politically and diplomatically The threat, the American President gave to Pakistan after the 9/11 events to play a decisive role, had the background of all these efforts and incidents which Pakistan has been trying to do to establish better relation with Afghanistan for integrity and prosperity. These

efforts were the reasons to inflict defeat to a super power like Russia, and she was ultimately disintegrated.However, after the events of 9/11, Pakistan was not in such a position to help and cooperte with Afghanistan very openly because the anoucement of such nature could have jeoperdised the existence of Pakistan itself alongwith Afghanistan. India was all prepared to play a decisive role in the scenario So, Pakistan took a wise and intelligent stand with reference to her Afghan policy. Pakistan kept the Hudaibia Treaty as an example in front of her and made such defficult desicions which would have far reaching impact and effects in the history of Pakistan Pakistan, Afganistan policy depends on the ground situation, Due to change in ground reality, it is very possible to put brillient and deep effect on Pak, Afghan policy and this bright prospeet may lead exist policy to wards revival of good relation in fucture Because even America is ready to negotitiate with Talban regarding their in corporation in Afghan Govt, as such America is looking for a change in US- Afghan policy. The section carries out this discussion comparatively and critically.

Section 5: The issues of the Muslim Ummah in the contemporary times and their solutions in the light of the Treaty of Hudaibia:

It is an undimiable fact that the Muslim Ummah, in the contemporary times is entagled in innumberable issues and challenges. The Muslim Ummah has been facing rise and fall of limitless issues and challenges through out the history of Islam Thus somtime, it was the mischief of Tartar which destroyed our grandure and pom, and the fall of Baghdad pulling in danger the center of knowledge, wisdom reformation great academic was caused achievements ,traditions and cultural legacy, and sometime great Islamic legacy had a fall in Cordova Gharnata and Indulsia, and ultimately the great center of the Muslim Ummah and an examplary Islamic State. The Ottuman Caliphate which eliminated on 28 Rajab 1442 A.H according to March 3 ,1924.This finally end the long reign and rule of the Muslim Ummah which had been the reflection of unity of Ummah , granduer and pomp of the greatness rule and power.

Since then the Muslim Ummah has been facing enormous problems and challenges. This section presents a review, solution and precautions of these problems which faced in the present time by the Muslim Ummah in the light of traditions and practice of the Holy Prophet (PBUH). The examplary directions and

teachings of Islam are revised with praticular reference to the Treaty of Hudaibia. It contains a full discussion on all these aspects. A Scholarly rsearch oriented review is presented keeping in view the problems and challenges in the world of today for the Muslim.

Section 6: The future of the Muslim Ummah and the Hudaibia Treaty:

The Treaty of Hudaibia gave a decisive new turn to the Islamic history.Its destination was only an open victory and desired help. So, the fate of Muslim Ummah , in the past , was finally shaped down successfully and Islam kept on spreading allaround the four corners of the world. Hence, the Treaty of Hudaibia holds a lesson for the Muslm Ummah that despite of the situation, no matter how difficult it could be , decisions should be made with intelligence and wisdom rather than with emotion and ampulses. The complicated situations should be resolved with wisdom and insight. Every issue should be resolved with negotiations and not with war. Pacts having far reaching and internal effects, are to be mad practically.The present worsen situation of the Muslim world is due to weakness and backwordness in every aspect of life In this situation to resolve issues with war, is equal to commit suicide. However, the treaties, like the full of insight Treaty of Hudaibia can provied a better and bright future to the Muslim Ummah.This section has the discussion on it.

Biography: Arabic/Urdu/English/other books, News papers, Magazines, Journals and periodicals, research reports etc.

A complete list of the books with the details has been presented at the end of the thesis.

Research Scholar
Muhammad Tayyab Khan
Department of Islamiat
Federal Urdu University,
Karachi

﴿......کتابیات......﴾

(ا) قرآن وعلوم القرآن

- القرآن
- آلوسی، شہاب الدین، السید محمود، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی مصر (المطبعۃ المنیریہ)
- ابن الجوزی، زاد المسیر فی علم التفسیر، بیروت، ۱۹۶۵ء
- ابن کثیر الدمشقی، تفسیر القرآن العظیم، بیروت، ۱۹۶۶ء
- ابن عربی، احکام القرآن، مصر، ۱۹۵۷ء
- پانی پتی، محمد ثناء اللہ، تفسیر المظہری، دکن (مجلس اشاعۃ العلوم)
- جصاص، ابوبکر، احکام القرآن، مصر، ۱۳۲۷ھ
- راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، مصر، ۱۹۶۱ء
- الزمخشری، ابی القاسم جار اللہ، الکشاف عن حقائق التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل، مصر، ۱۹۴۰ء
- السیوطی، جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن، مصر، ۱۹۵۱ء
- شاہ ولی اللہ، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، لاہور، ۱۹۵۱ء
- القرطبی، ابی عبداللہ محمد بن احمد الانصاری، الجامع لاحکام القرآن، قاہرہ، ۱۹۳۵ء

﴿(ب) احادیث وتراجم﴾

- ابن حجر العسقلانی، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، مصر، ۱۹۳۹ء
- ابن عبدالبر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، دکن، ۱۳۳۶ھ
- ابن ماجہ، القزوینی، سنن المصطفیٰ، مصر (مطبعۃ التازیہ)
- ابوداؤد، السجستانی، سنن، کراچی، ۱۳۶۹ھ
- احمد بن حنبل، المسند، مصر، ۱۹۴۹ء
- البخاری، صحیح، دہلی، ۱۹۳۸ء
- الترمذی، جامع الترمذی، دہلی، ۱۳۷۷ھ
- الحمیدی، ابی بکر عبداللہ، المسند، کراچی، ۱۹۶۳ء
- الدارمی، ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن، سنن، کانپور، ۱۲۹۳ھ

- امام مالک، موطا، مصر، ۱۹۵۱ء
- محمد فواد عبدالباقی، اللؤلؤ والمرجان فیما اتفق علیہ الشیخان، قاہرہ، ۱۹۴۹ء
- مسلم بن الحجاج القشیری، الصحیح، دہلی، ۱۳۴۹ھ
- ناصف، منصور علی، التاج الجامع لاصول فی احادیث الرسول، مصر، ۱۹۳۳ء
- النووی، ریاض الصالحین من کلام سید المرسلین، مصر، ۱۹۳۸ء
- النووی، تہذیب الاسماء واللغات، مصر (المنیریہ)
- الہیثمی، نورالدین علی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، قاہرہ، ۱۳۵۳ھ

﴿(ج) فقہ واصول فقہ﴾

- ابن رشد القرطبی، بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد، مصر (ازہریہ)، ۱۹۶۶ء
- بحرالعلوم ابی العیاش عبدالعلی محمد، رسائل الارکان، لکھنؤ، ۱۳۲۸ھ
- الجزیری، عبدالرحمٰن، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، مصر (طبع ثانی)
- السرخسی، شرح السیر الکبیر، دکن، ۱۳۳۵ھ
- المحمصانی، صالح، فلسفۃ التشریع فی الاسلام، بیروت، ۱۹۴۶ء

﴿دیگر کتب سیرت واسلامی کتب (قدیم عربی مصادر ومراجع)﴾

- آلوسی، محمود شکری، بلوغ الارب فی احوال العرب، بغداد، ۱۳۱۴ھ
- الازرقی، ابوالولید، محمد بن عبداللہ، اخبار مکۃ وما جاء فیہا من الآثار، مکہ ۱۳۵۲ھ
- ابن اثیر، عزالدین، الکامل فی التاریخ، بیروت، ۱۹۶۵ء
- ابن تیمیہ، السیاسۃ الشرعیۃ فی اصلاح الراعی والرعیۃ، قاہرہ، ۱۹۶۱ء
- ابن تیمیہ، منہاج السنۃ النبویۃ فی نقض کلام الشیعۃ القدریۃ، قاہرہ، ۱۳۸۲ھ
- ابن حزم، جوامع السیرۃ، مصر (دارالمعارف)
- ابن حبیب بغدادی، کتاب المحبر، دکن، ۱۹۴۲ء
- ابن خلدون، عبدالرحمٰن، مقدمہ، قاہرہ (مکتبۃ التجاریہ)
- ابن خلدون، عبدالرحمٰن، کتاب العبر ودیوان المبتدا والخبر فی ایام العرب والعجم والبربر ومن عاصرہم من ذوی السلطان الاکبر، بولاق، ۱۲۸۴ھ

- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، بیروت، ۱۹۶۰ء
- ابن سید الناس، عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر، قاہرہ، ۱۳۵۶ھ
- ابن الطقطقی، محمد بن علی بن طباطبا، الفخری فی الآداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ، مصر، ۱۹۲۷ء
- ابن طولون، شمس الدین محمد بن علی، اعلام السائلین عن کتب سید المرسلین، دمشق، ۱۳۴۸ھ
- ابن عبدالبر، الدرر فی اختصار المغازی والسیر، مصر، ۱۹۶۶ء
- ابن عبد ربہ، شہاب الدین احمد، العقد الفرید، مصر، ۱۲۹۳ھ
- ابن قیم الجوزیہ، زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، مصر، ۱۹۵۰ء
- ابن قیم الجوزیہ، الطرق الحکمیہ فی السیاسۃ الشرعیۃ، مصر ۱۹۶۱ء
- ابن قتیبہ الدینوری، المعارف، مصر، ۱۹۳۴ء
- ابن کثیر، عماد الدین ابی الفداء اسماعیل، السیرۃ النبویہ، قاہرہ، ۱۹۶۴ء
- ابن کثیر، عماد الدین ابی الفداء اسماعیل، البدایۃ والنہایۃ، بیروت، ۱۹۶۶ء
- ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، مصر، ۱۹۳۶ء
- ابو الفداء، عماد الدین اسماعیل، کتاب المختصر فی اخبار البشر، مصر (الحسینیہ)
- ابو عبید القاسم بن سلام، کتاب الاموال، مصر، ۱۳۵۳ھ
- ابو یوسف، کتاب الخراج، قاہرہ، ۱۳۵۲ھ
- احمد امین، فجر الاسلام، قاہرہ، ۱۹۶۴ء
- بلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر، فتوح البلدان، مصر، ۱۹۰۱ء
- بلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر، انساب الاشراف، مصر ۱۹۵۹ء
- جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی، مصر (دار الہلال)
- جرجی زیدان، العرب قبل الاسلام، مصر (دار الہلال)
- الحلبی، علی بن برہان الدین، السیرۃ الحلبیہ، قاہرہ، ۱۹۶۲ء
- الخطیب البغدادی، تاریخ بغداد او مدینۃ السلام، بیروت (دار الکتاب العربی)
- الدینوری، ابو حنیفہ احمد بن داؤد، الاخبار الطوال، قاہرہ، ۱۹۶۰ء
- دروزہ، محمد عزۃ، عصر النبی، بیروت، ۱۹۶۴ء
- الذہبی، تاریخ الاسلام وطبقات المشاہیر والاعلام، قاہرہ، ۱۳۶۷ھ
- راغب اصفہانی، الذریعۃ الی مکارم الشریعۃ، نجف، ۱۹۶۷ء

- زرقانی، محمد بن عبد الباقی، علی المواہب اللدنیہ، مصر ۱۳۲۵ھ
- زکی صفوت احمد، جمہرہ خطب العرب فی عصور العربیۃ الزاہرہ، مصر ۱۹۳۲ء
- السمہودی، علی نور الدین، وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ، مصر ۱۳۲۶ھ
- السہیلی، ابی القاسم عبد الرحمن، کتاب الروض الانف، مصر ۱۹۱۴ء
- الشریف احمد ابراہیم، مکۃ والمدینۃ فی الجاہلیۃ وعہد الرسول، مصر (دار الفکر)
- الصعیدی، عبد المتعال، السیاسۃ الاسلامیۃ فی عہد النبوۃ، قاہرہ (دار الفکر) طبع ثانی
- العباس احمد بن عبد الحمید، کتاب عمدۃ الاخبار فی مدینۃ المختار، قاہرہ (طبع ثالث)
- طبری، ابو جعفر محمد ابن جریر، تاریخ الرسل والملوک، مصر ۱۹۶۰ء
- کتانی الفاسی، التراتیب الاداریہ والعمالات والصناعات والمتاجر والحالۃ العلمیۃ التی کانت علی عہد تأسیس المدینۃ الاسلامیہ فی المدینۃ المنورۃ العلمیۃ، رباط ۱۳۴۶ھ
- الماوردی، الاحکام السلطانیہ، مصر ۱۹۰۹ء
- محمد احمد جاد وغیرہ، ایام العرب فی الجاہلیۃ، مصر ۱۹۳۶ء
- محمود شیت خطاب، الرسول القائد ۱۹۶۲ء (دار القلم)
- المقریزی، تقی الدین احمد، امتاع الاسماع بما للرسول من الانباء والاموال والحفدۃ والمتاع ۱۹۴۱ء (مطبعۃ لجنۃ التالیف)
- المسعودی، ابی الحسن علی بن الحسین، مروج الذہب ومعادن الجوہر، مصر ۱۹۸۸ء
- ہیکل، محمد حسین، حیاۃ محمد، قاہرہ ۱۹۴۷ء
- وصفی، الدکتور مصطفیٰ کمال، محمد صلی اللہ علیہ وسلم وبنو اسرائیل، قاہرہ ۱۹۷۰ء
- الواقدی، ابی عبد اللہ محمد بن عمر، کتاب المغازی، کلکتہ ۱۸۵۵ء
- الیعقوبی، تاریخ الیعقوبی، بیروت ۱۹۶۰ء

(ہ) لغات اور معجم وغیرہ

- ابن درید، جمہرۃ اللغۃ، دکن ۱۳۴۵ھ
- ابن منظور الافریقی، لسان العرب، بولاق ۱۳۰۳ھ
- الزمخشری، اساس البلاغۃ، قاہرہ ۱۹۵۳ء
- الفیروز آبادی، مجد الدین، القاموس المحیط، ۱۹۳۸ء (دار المامون)
- الفیومی، احمد بن محمد بن علی، المصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر، مصر

❁ یاقوت الحموی الرومی، معجم البلدان، بیروت، ۱۹۵۷ء

﴿(و) دیگر کتب اردو و عربی﴾

تاریخ اسلامی و سیاسی اور عسکری کتب (قدیم و جدید مصادر و مراجع)

❁ آرتھر کرسٹن فن، ایران بعہد ساسانیاں (مترجم ڈاکٹر محمد اقبال، انجمن ترقی اردو بورڈ، دہلی، ۱۹۳۱ء)
❁ آرنلڈ، سر تھامس، دی پریچنگ آف اسلام (دعوت اسلام) ترجمہ عنایت اللہ دہلوی، کراچی، ۱۹۹۳ء
❁ احسان بی اے، رسول اللہ ﷺ میدان جنگ میں، کراچی، ۱۹۶۸ء
❁ ادیب، مولوی شاہ ابوالحسن، غازی اعظم، بنگلور سٹی، مسلم بک ڈپو، س ن
❁ ارسلان، الامیر شکیب، تاریخ غزوات العرب، القاہرہ، مطبعۃ عیسی البابی الحلبی و شرکاؤہ، ۱۳۰۲ھ
❁ ابن راجی، اسلام کا نظریہ جنگ، بساط ادب، لاہور، ۱۹۶۵ء
❁ اسکاٹ، ایس پی، تاریخ اندلس، ترجمہ محمد خلیل الرحمن، مطبوعہ لاہور
❁ اصلاحی، امین، اسلامی ریاست، مکتبہ جماعت اسلامی، لاہور
❁ اصلاحی، امین، دعوت دین اور اس کا طریقہ کار، لاہور، ۱۹۵۸ء
❁ اکبر آبادی، عبدالستار خان، جنگ احد، رشید آرٹ پریس، کراچی، س ن
❁ اکبر آبادی، سعید احمد، صدیق اکبر، ندوۃ المصنفین، ۱۹۵۷ء
❁ الہ آبادی، حکیم احمد حسین عثمانی، (مترجم) تاریخ ابن خلدون، ترتیب و تبویب، بشیر حسین قریشی، نفیس اکیڈمی، کراچی
❁ امیر افضل خان، میجر (ریٹائرڈ) جرنل مصطفیٰ (ﷺ) آرمی ایجوکیشن پریس، راولپنڈی، ۱۹۸۱ء
❁ انیس احمد، مولوی، تجدید عمل، کتاب جہاد، دار التصنیف والنشر، آلو مہار، ۱۹۶۳ء
❁ انیس احمد، مولوی، تجدید عمل، کتاب جہاد، دار التصنیف والنشر، آلو مہار، س ن
❁ باشمیل، محمد احمد، صلح حدیبیہ مطبعۃ دار الکتب، بدون تاریخ، بیروت
❁ باشمیل، محمد احمد، غزوہ احد، المجمع العلمی العراقی، بدون تاریخ بغداد
❁ باشمیل، محمد احمد، غزوہ الاحزاب مطبعۃ دار الکتب، بدون تاریخ بیروت
❁ باشمیل، محمد احمد، غزوۃ بدر الکبریٰ، مطبعۃ دار الکتب، بدون تاریخ، بیروت
❁ باشمیل، محمد احمد، غزوہ بنی قریظہ، مطبعۃ دار الکتب، بدون تاریخ، بیروت
❁ باشمیل، محمد احمد، غزوہ خیبر، مطبعۃ دار الکتب، بدون تاریخ، بیروت

- باشمیل، محمد احمد، غزوہ موتہ، مطبعہ دار الکتب، بدون تاریخ، بیروت
- باشمیل، محمد احمد، فتح مکہ، مطبعہ دار الکتب، بدون تاریخ، بیروت
- بدر القادری، اسلام اور امن عالم، بک اسٹال لاہور، ۱۹۹۲ء
- بدر الدین، عینی، محمود القادری، دار الاستقامۃ، مصر، ۱۳۳۹ھ
- برکات احمد، سید، رسول اکرمؐ اور یہود حجاز (مترجم ڈاکٹر مشیر الحق ندوی) مکتبہ عالیہ لاہور، ۱۹۸۹ء
- البستانی، بطرس، معارک العرب فی الشرق والغرب، دار المکشوف بیروت، ۱۹۴۴ء
- بلیغ الدین شاہ، رزم حق و باطل، بیرڈائز سبسکرپشن ایجنسی، کراچی، ۱۹۷۳ء
- بیلی احمد، حیاۃ صلاح الدین الایوبی، المطبعۃ الرحمانیہ، قاہرۃ، ۱۹۶۶ء
- پانی پتی، شیخ محمد احمد (مترجم) سلطان محمد فاتح، فاتح قسطنطنیہ، مکتبہ جدید، لاہور، ۱۹۶۱ء
- پانی پتی، شیخ محمد احمد (مترجم) فاتح اعظم حضرت عمرو بن العاص، نفیس اکیڈمی، کراچی
- پانی پتی مولوی غلام الحسنین (مترجم) تحقیق الجہاد (مع ضمیمہ جات) نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۶۷ء
- پرویز، معراج انسانیت، لاہور، ۱۹۶۸ء
- پھلواری، محمد جعفر شاہ، اسلام اور جہاد، نقوش (رسول نمبر) جلد ۲، لاہور، جنوری ۱۹۸۳ء
- توکلی، نور محمد، غزوات نبوی ﷺ، پاکستان سنی رائٹرز گلڈ، لاہور، ۱۹۸۱ء
- تھیچر آلبور، تاریخ یورپ، ترجمہ، عبدالماجد وغیرہ، دکن، ۱۹۲۸ء
- جاسمی، سید نصیر احمد، مسلمان سپہ سالار اور فاتح، احسن برادر، لاہور، ۱۹۶۳ء
- الجاحظ عمرو بن بحر، البیان والتبیین، دار الاستقامہ قاہرہ، ۱۹۵۶ء
- جعفری (ندوی) رئیس احمد، اسلام اور رواداری، ادارہ ثقافت اسلام، لاہور، ۱۹۵۵ء
- جعفری (ندوی) رئیس احمد (مترجم) زاد المعاد (حصہ دوم) نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۶۲ء
- جمال حماد، حیاۃ صلاح الدین الایوبی، المطبعۃ الرحمانیہ القاہرہ، مصر
- جمال حماد، غزوہ بدر، المجلس الاعلیٰ للشؤن الاسلامیہ، بدون تاریخ، القاہرہ
- جمیل احمد خواجہ، دلاوران اسلام، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، ۱۹۷۸ء
- جمیل حسین سید (مترجم) سلطان محمود غزنوی، ہندوستانی اکیڈمی، الہ آباد، ۱۹۳۰ء
- چینی، بدر الدین، چین و عرب کے تعلقات، کراچی، ۱۹۳۹ء
- حامد الانصاری، اسلام کا نظام حکومت، مکتبہ عالیہ، لاہور، ۱۹۸۷ء
- حامدی، خلیل احمد، جہاد اسلامی، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۷۹ء

- الحریری، سید علی، کتاب اخبار اسنۃ الحروف الصلیبیۃ، مطبعۃ العمومیۃ، قاہرہ ۱۸۹۹ء
- حسن ابراہیم حسن، عمرو بن العاص، مطبعۃ السعادۃ، القاہرہ ۱۹۲۲ء
- حسین ہیکل، محمد، حیات محمدؐ (مترجم، ابو یحییٰ امام خان) ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۶ء
- حسن ابراہیم حسن، الدکتور، تاریخ الاسلامی السیاسی، مطبعۃ النہضۃ العصریہ، ۱۹۴۸ء
- حسن ابراہیم حسن، الدکتور، النظم الاسلامیہ، مطبعۃ النہضۃ العصریہ، ۱۹۳۹ء
- حمید اللہ، ڈاکٹر، قانون بین الممالک، دکن، ۱۳۹۳ھ
- حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی (طبع دوم) دکن
- حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرم کی سیاسی زندگی، کراچی، ۱۹۶۱ء
- حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبویؐ کے میدان جنگ، دکن، ۱۹۳۵ء
- الحوفی، احمد محمد، الجہاد، المجلس الاعلیٰ الشؤن الاسلامیۃ، القاہرہ، ۱۹۷۰ء
- خالد علوی، ڈاکٹر، انسان کامل، یونیورسٹی بک ایجنسی، لاہور ۱۹۷۳ء
- خاموش، مرزا اکرم الٰہی (مترجم) کمال اتاترک، کتاب منزل، لاہور، ۱۹۵۹ء
- خطاب محمود شیت، الرسالۃ العسکریۃ للمسجد، بحوث موتمر رسالۃ المسجد من ۱۵ رمضان ۱۳۹۵ـ۳۰ رمضان ۱۳۹۵ الموافق ۲۰ ستمبر ـ ۲۵ ستمبر ۱۹۷۵ء
- خطاب، محمود شیت، العسکریۃ العربیۃ الاسلامیۃ، الدوحۃ، رئاسۃ المحاکم الشرعیۃ والشؤن الدینیۃ ۱۴۰۴ھ
- خطاب، محمود شیت، قادۃ الفتح الاسلامی، المغرب العربی (الجز الاول والثانی) دار الفکر، بیروت، الجزء الاول ۱۹۶۶ء، الجزء الثانی ۱۹۶۶ء
- خطاب محمود شیت، قادۃ فتح الشام ومصر، دار الفتح، بیروت، ۱۹۶۵ء
- خیر آبادی، مقصود علی (مترجم) کامل ابن اثیر (جلد دوم)، مرتب سید معین الحق، دائرہ معین المعارف، کراچی، ۱۹۶۶ء
- خطیب بغدادی، الکفایہ فی علم الروایہ، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر، ۱۳۵۷ھ
- خطیب التبریزی، مشکوٰۃ المصابیح، اصح المطابع دہلی، دمشق
- خطیب العجاج، السنۃ قبل التدوین، مکتبہ وہبہ مصر، ۱۹۶۳ء
- دار قطنی، سنن دار قطنی، مطبع مصر
- داناپوری، حکیم ابوالبرکات، عبدالروف قادری، اصح السیر، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی، ۱۹۵۲ء
- دحلان، السید احمد بن زینی، الفتوحات الاسلامیۃ بعد مضی الفتوحات النبویۃ (الجز الاول والثانی) موسسۃ الحلبی وشرکاء، ۱۹۶۸ء
- دہلوی، مولانا عبدالحمید، سیرت محبوب کائنات ﷺ، کتب خانہ شان اسلام، لاہور، ۱۹۷۶ء

❁ راجہ محمد شریف، شہدائے عہد نبویؐ، زاہد اکیڈمی، جوہر آباد، ۱۹۷۷ء
❁ راجہ محمد شریف، عہد نبویؐ کے فوجی کمانڈر، زاہد اکیڈمی، جوہر آباد، ۱۹۷۷ء
❁ رام نگری، حافظ امام الدین، سلطان فاتح (فاتح قسطنطنیہ) خادم التعلیم سٹیم پریس، لاہور، ۱۹۲۱ء
❁ الرشیدی، الدکتور سالم، محمد فاتح، مصطفی البابی الحلبی واولادہ، القاہرہ، ۱۹۳۵ء
❁ رضوی، سید واجد، رسول اکرم ﷺ میدان جنگ میں، مقبول اکیڈمی، لاہور، س۔ن
❁ ژنگ، نظریات، سیاسیہ، مترجم قاضی تلمذ حسین، دکن، ۱۹۲۴ء
❁ زعیتر عادل، حیاۃ محمد ﷺ، عیسیٰ البابی الحلبی وشرکاہ، بدون تاریخ القاہرہ، س۔ن
❁ زیدی، ڈاکٹر، سید ناظر حسین (مترجم) اتاترک، مرتبہ ترکش نیشنل کمیشن برائے یونیسکو، عد قائی ثقافتی ادارہ (تہران) لاہور، ۱۹۶۹ء
❁ سعید انصاری، سیر انصار، اعظم گڑھ، ۱۳۴۳ھ
❁ سعید احمد، اکبرآبادی، وحی الٰہی، دہلی، ۱۹۵۲ء
❁ السامرائی، عبدالجبار محمود، تقنیۃ السلاح عند العرب (الجزء الاول المورد، وزارۃ الثقافۃ الاعلام، المجلد الرابع عشر، شتاء بغداد ۱۹۸۵ء
❁ السامرائی، عبدالجبار محمود، الحسیق من الاسلحۃ القدیمۃ عند العرب (قسم ثانی) التراث الشعبی (بغداد) العدد الفصل الاول ۱۹۸۵ء
❁ سدنپوری، سید عنایت حسین (مترجم) فتوح الشام والمصر منشی نولکشور لکھنو، ۱۸۸۷ء
❁ سراج الدین، مولوی، حیات صلاح الدین، محمد بلال کریم بخش انبالہ ۱۹۰۰ء
❁ سلیمان ندوی، ارض القرآن، اعظم گڑھ، ۱۹۵۰ء تا ۱۹۵۶ء
❁ سلیمان ندوی و شبلی نعمانی، سیرۃ النبی جلد ا تا ۴، اعظم گڑھ، ۱۳۵۱ھ تا ۱۳۷۵ھ
❁ سلیمان سلمان منصور پوری، رحمۃ للعالمینؐ، لاہور، ۱۹۵۳ء
❁ سندھی، عبدالواحد، اسلام کے مشہور امیر البحر، اردو اکیڈمی، کراچی، سندھ، ۱۹۶۲ء
❁ سندھی، عبدالواحد، اسلام کے مشہور سپہ سالار، اردو اکیڈمی، کراچی سندھ، ۱۹۵۶ء
❁ شاہ معین الدین احمد ندوی، اسلام اور عربی تمدن، اعظم گڑھ (دار المصنفین)
❁ شبلی نعمانی، الفاروق، حصہ اول مطبع قدیمی، دہلی، س۔ن
❁ شاہ جہاں پوری، ابو سلمان، الدفاع فی الاسلام، نقوش رسول نمبر، جلد ۴، لاہور، جنوری ۱۹۸۳ء
❁ شکیب، نجم الدین احمد (مترجم) جنوبی یورپ پر عربوں کے حملے، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ۱۹۵۷ء

- شیرانی محمود، آلات آتش بازی، اردو (شیرانی نمبر) انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، جلد ۵۶، شمارہ ۱۴، ۱۹۸۰ء
- شوقی ضیف الدکتور، تاریخ الادب العربی العصر الجاہلی، دار المعارف، مصر، ۱۹۶۳ء
- الشوکانی محمد بن علی بن محمد، نیل الاوطار، مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۴۷ھ
- صبحی محمصانی، فلسفۃ التشریع فی الاسلام، دار العلم للملائین بیروت، ۱۹۶۱ء
- صبحی صالح، علوم الحدیث، مطبع جامع دمشق، ۱۹۶۳ء
- صدیقی، یاسین مظہر، عہد نبوی کا نظام حکومت، الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور، ۱۹۹۵ء
- صدیقی، سلام اللہ، حضرت عمرو بن العاص، الہ آباد، ۱۹۶۲ء
- صدیقی، ثناء اللہ، غزوات نبویؐ، پاک اکیڈمی کراچی، ۱۹۸۳ء
- صدیقی نعیم، محسن انسانیتؐ، اسلامک پبلی کیشنز، س ن
- الطحاوی الامام، شرح معانی الآثار، دار المعارف، مصر، ۱۳۱۷ھ
- طلاس، مصطفیٰ، رسالۃ الاسلام، الرسول العربی (ﷺ)، دار الشوریٰ (بدون تاریخ) بیروت، س ن
- طلاس مصطفیٰ، سیف اللہ، خالد بن الولید، دمشق، ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء
- ظہوری، محمد عبد الوہاب (مترجم) تاریخ اسلام کے حیرت انگیز لمحات، نفیس اکیڈمی، حیدر آباد دکن، ۱۹۲۷ء
- عبد الرحمٰن حسن مصطفیٰ، حرب حزیران ۱۹۶۷ء (الجزء الاول) الموسۃ العربیۃ للدراسات والنشر، بیروت، ۱۹۷۳ء
- عثمانی، شبیر احمد، فتح الملہم شرح مسلم، طبع ہند، س ن
- العقاد عباس محمود، العبقریات الاسلامیہ، دار الہلال، قاہرہ، ۱۹۶۶ء
- علیؓ امیر المومنین، نہج البلاغہ مع شرح شیخ عبدہ، مطبع عیسیٰ البابی الحلبی، مصر، ۱۳۲۰ھ
- العدودی، دکتور ابراہیم احمد، الاساطیل العربیۃ فی البحر الابیض المتوسط، مکتبہ نہضۃ، القاہرہ، ۱۹۵۲ء
- عزائم عبد الرحمٰن، تاجدار دو عالم، نفیس اکیڈمی، کراچی، س۔ن
- عزیز غلام ربانی، سیرت طیبہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ وتحیہ) (جلد دوم) مکتبہ نبویہ، لاہور، ۱۹۸۰ء
- العمادی، عبد اللہ (مترجم) طبقات کبیر (جز ثانی) جامعہ عثمانیہ، حیدر آباد دکن، ۱۹۴۴ء
- عمر ابو النصر، خالد بن الولید، المکتبہ الاھلیہ، بیروت، ۱۹۳۷ء
- عنان، محمد عبد اللہ، تراجم اسلامیہ شرقیۃ واندلسیۃ، دار المعارف، القاہرۃ، ۱۹۴۷ء
- عنایت حسین، سید (مترجم) فتوح الشام مع فتوح المصر، منشی نولکشور، لکھنؤ، ۱۸۸۷ء
- عون، عبد الرؤف، الفن الحربی فی صدر الاسلام، دار المعارف، القاہرۃ، ۱۹۶۱ء
- غازی، حامد الانصاری، اسلام کا نظام حکومت، دہلی، ۱۹۷۳ء

- غلام جیلانی، برق، مہمات رسولؐ، نقوش (رسول نمبر) جلد ۴، لاہور، جنوری ۱۹۸۳ء
- فاروقی، محمد طاہر، غزوات نبویؐ، نقوش (رسول نمبر) جلد ۴، لاہور، جنوری ۱۹۸۳ء
- قریشی، محمد صدیق، رسول اکرمؐ کی سیاست خارجہ، اقتطار پبلی کیشنز، جہلم، ۱۹۷۸ء
- کاندھلوی، مولانا محمد ادریس، سیرت المصطفیٰؐ، (حصہ دوم و سوم) مطبع صدیقیہ، ملتان، س ن
- کرد علی، الاسلام والحضارۃ العربیہ دار الکتب المصریہ، قاہرہ، ۱۹۳۸ء
- کرین برنٹن، جان بی کرسٹوفر، رابرٹ ای ولف، تاریخ تہذیب، ترجمہ غلام رسول مہر، لاہور، ۱۹۶۵ء
- الکوفی، علی بن حامد بن ابی بکر، فتح نامہ سندھ المعروف بہ چچ نامہ، مجلس مخطوطات فارسیہ، حیدر آباد دکن، ۱۹۳۹ء
- گلزار احمد، بریگیڈیئر (ریٹائرڈ)، جہاد، مکتبہ المختار، راولپنڈی، ۱۹۷۰ء
- گلزار احمد، بریگیڈیئر (ریٹائرڈ) خودی اور دفاع، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی، ۱۴۰۲ھ
- گلزار احمد، بریگیڈیئر (ریٹائرڈ)، "غزوات ختم الرسولؐ" نقوش (رسول نمبر)، جلد ۴، لاہور، جنوری ۱۹۸۳ء
- گلزار احمد، بریگیڈیئر (ریٹائرڈ)، میدان جنگ اور اخلاقیات نبویؐ، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی، ۱۴۰۲ھ
- گستاؤلی بان، تمدن عرب (مترجم سید علی بلگرامی) مفید عام، آگرہ، انڈیا، ۱۸۹۶ء
- گیلانی، لیفٹیننٹ (ریٹائرڈ) مختار احمد، بدر سے پانی پت تک، لیفٹیننٹ کرنل (ریٹائرڈ) مختار گیلانی، راولپنڈی، ۱۹۸۰ء
- لودھی، مولوی، غلام ربانی (مترجم) سیرت الغازی، آفتاب برقی پریس، امرتسر، س ن
- لیبان، گستاؤ، تمدن عرب، مترجم سید علی بلگرامی، لاہور، ۱۹۳۶ء
- مجیب اللہ ندوی، اہل کتاب صحابہ و تابعین، اعظم گڑھ، ۱۹۵۱ء
- مجید خدوری، اسلام اور قانون جنگ و صلح (مترجم غلام رسول مہر) مکتبہ معین الادب، لاہور، ۱۹۵۹ء
- محمد ادریس کاندھلوی، مولانا، سیرۃ المصطفیٰؐ، مطبع تعلیمی لاہور، س۔ن
- محمد ادریس میرٹھی، مولانا، سنت کا تشریعی مقام، مکتبہ اسلامیہ کراچی، س۔ن
- محمد ابراہیم، سید، تاریخ طبری، ترتیب و تبویب، سید شبیر حسین قریشی، نفیس اکیڈمی، کراچی
- محمد احمد عارف، من سیرۃ الرسول (ﷺ) خرطوم، وزارۃ الشؤون الدینیۃ والاوقاف جمہوریۃ السودان الدیمقراطیۃ، ۱۹۷۵ء
- محمد اکبر خان، میجر جنرل (ریٹائرڈ)، اسلامی طریق جنگ، فیروز سنز، لاہور، ۱۹۵۹ء
- محمد اکبر خان، میجر جنرل (ریٹائرڈ)، جہاد صدیق اکبرؓ، فیروز سنز، لاہور، ۱۹۵۸ء
- محمد اکبر خان، میجر جنرل (ریٹائرڈ)، حدیث دفاع، فیروز سنز، لاہور، ۱۹۶۷ء
- محمد اکبر خان، میجر جنرل (ریٹائرڈ)، خالد بن ولید، فیروز سنز، لاہور، ۱۹۵۸ء
- محمد اکبر خان، رسول اکرم (ﷺ) کا عسکری نظام، برگ گل (ایوب نمبر) مجلہ اردو کالج، کراچی ۱۹۶۰ء

❁ محمد اکبر خان، میجر جنرل (ریٹائرڈ) کرو سیڈ اور جہاد، انجمن اسلامیہ، فیصل آباد، ۱۹۷۱ء
❁ محمد جمیل الرحمن (مترجم حصہ اول)
❁ سید ابوالہاشم ندوی (مترجم، حصہ دوم)
❁ خلافت بنوامیہ (الکامل بن الاثیر کا ایک مکمل حصہ) حصہ اول ودوم نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۶۵ء
❁ محمد حامد، کیپٹن، امام شامل، عالم اسلام کے پہلے گوریلا لیڈر، فیروز سنز، لاہور، ۱۹۷۳ء
❁ محمد سردار احمد، جوامع السیرۃ، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی، ۱۹۸۳ء
❁ محمد شفیع، مولانا، جہاد، مکتبہ دار العلوم، کراچی، س ن
❁ محمد شوکت علی، شیخ (مترجم) محاربات طرابلس، منشی نولکشور، لکھنؤ، ۱۹۱۲ء
❁ محمد علی، مولوی، سیرت خیر البشر ﷺ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، لاہور، ۱۳۳۳ھ
❁ محمد یوسف، حیاۃ الصحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین (الجزء الاول) ادارہ اشاعت الدینیات، دہلی الجدیدۃ، ۱۹۶۹ء
❁ المدنی، احمد توفیق، المسلمون فی جزیرۃ صقلیہ وجنوب ایطالیہ، مکتبہ الاستقامۃ، تونس، مکتبہ الاستقامۃ، ۱۳۶۵ھ
❁ مرضی بن علی بن مرضی الطرسوسی، البقرۃ فی الحروب (سنۃ التالیف ۵۷۰/۱۱۷) مخطوطۃ فی بودلیان آکسفورڈ، ا۔ ۱۷۱، ۳، نقلا عن بروکلمان للجزء الاول، ۱۹۴۳ء
❁ مرقع مشاہیر، ادارہ مطبوعات پاکستان، کراچی، ۱۹۶۶ء
❁ المسعودی، محمد القریشی، الحروب الصلیبیہ فی المشرق والمغرب، نشر دار الکتب الشرقیہ، تونس، ۱۹۵۴ء
❁ ملیح آبادی (مترجم) فتوح الشام، کلکتہ، ہند جدید، ۱۹۳۳ء
❁ منصور پوری، قاضی محمد سلیمان، اصحاب بدر رضی اللہ عنہم، مکتبہ نذیریہ، لاہور، ۱۹۶۹ء
❁ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، الجہاد فی الاسلام، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۷۴ء
❁ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، اسلامی تہذیب اور اس کے اصول ومبادی، مکتبہ جماعت اسلامی، لاہور، ۱۹۵۵ء
❁ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، اسلامی ریاست، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۷۲ء
❁ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تفہیمات، مکتبہ جماعت اسلامی، لاہور، ۱۹۵۱ء
❁ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، ۱۹۵۱ء
❁ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، سود، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۶۷ء
❁ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، معاشیات اسلام، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۷۰ء
❁ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، سیرت سرور عالم ﷺ، جلد دوم، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، اکتوبر ۱۹۷۸ء
❁ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، مسلہ قومیت، پٹھان کوٹ، ۱۹۴۶ء

- مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تذکار محمدؐ، ہمدرد اکیڈمی، کراچی، ۱۹۷۲ء
- مودودی، سید ابوالخیر (مترجم) فتوح البلدان (مکمل دو حصے) نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۶۲ء
- ندوی، مولانا، سید ریاست علی، تاریخ اندلس، مطبع اعظم گڑھ، اعظم گڑھ، ۱۹۵۰ء
- ندوی، مولانا، سید ریاست علی، تاریخ صقلیہ (حصہ دوم) دارالمصنفین، اعظم گڑھ، ۱۹۳۶ء
- ندوی، معین الدین، تاریخ الاسلام، مکتبہ معارف، اعظم گڑھ، ۱۹۶۶ء
- ندوی، ابوالحسن علی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، لکھنؤ، س ن
- نیاز فتح پوری، عساکر اسلامی کا نظام (ماخوذ از نگار لکھنؤ) برگ گل (ایوب نمبر) مجلہ اردو کالج، کراچی، ۱۹۶۰ء
- وارثی، محمد عنایت اللہ، غزوات مقدس، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، ۱۹۸۰ء
- الواقدی، محمد بن عمر، فتوح الشام، منشی نولکشور، لکھنؤ، ۱۸۸۹ء
- الواقدی، ابوعبداللہ محمد بن عمر، فتوح افریقیہ (الجزالاول والثانی) مطبعۃ المنار الجزالاول ۱۹۶۲ء، الجزالثانی ۱۹۶۶ء
- وزارۃ الثقافۃ والاعلام، بغداد، مجلۃ المورد، بغداد، المجلد الثانی عشر، العدد الرابع، مشتاء، ۱۹۸۳ء
- ہاشمی طالب، الملک ظاہر سلطان العادل رکن الدین محمود مصری بندقدار قومی کتب خانہ، لاہور، س ن
- ہزاروی، مولانا غلام غوث، مسلم اصول جنگ (سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں) ہفت روزہ اخبار الجمعیۃ، راولپنڈی، س۔ن
- ہو یوسف، المغازی الاولی ومؤلفوھا، ترجمہ حسین نصار، شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی وادلادہ، ۱۹۳۹ء
- ہیکل، محمد حسین، الصدیق ابوبکر (رضی اللہ عنہ) مطبعۃ مصر شرکۃ مساھمۃ مصریۃ، قاہرہ، ۱۹۵۸ء
- ہیکل محمد حسین، الفاروق عمر (رضی اللہ عنہ) الجزالاول والثانی، مطبعۃ مصر شرکۃ مساھمۃ مصریۃ، الجزالاول ۱۹۶۴ء، الجزالثانی ۱۳۳۶ء
- یحییٰ بوعزیز، الامیر عبدالقادر الجزائری، یوسف مشاقۃ وشرکاؤہ، ۱۹۵۷ء
- یوسف الدین، اسلام کے معاشی نظریے، دکن، ۱۹۵۰ء

﴿اخبارات ورسائل وجرائد﴾

- روزنامہ جنگ کراچی پاکستان، لندن
- روزنامہ ایکسپریس کراچی، پاکستان
- روزنامہ نوائے وقت کراچی پاکستان
- روزنامہ امروز، لاہور، پاکستان
- روزنامہ عصر لاہور، کلکتہ، انڈیا

- روزنامہ پیغام، کلکتہ، انڈیا
- Daily Dawn Karachi Pakistan
- Daily Morning News Karachi Pakistan
- Daily Pakistan Observer, Dacca
- Daily Pakistan Times, Lahore
- الندوۃ العالمیۃ الاسلامیات، لاہور، ۱۳۷۹ھ
- اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور، ۱۹۶۸ء
- الاعتصام حجیت حدیث نمبر
- ماہنامہ اردو ڈائجسٹ، لاہور، پاکستان
- ماہنامہ القاسم، دیوبند، انڈیا
- ماہنامہ زمانہ، کان پور، انڈیا
- ترجمان القرآن، لاہور، منصب رسالت نمبر
- چراغ راہ، اسلامی قانون نمبر، جون ۱۹۵۸ء
- سیارہ ڈائجسٹ، لاہور، رسول نمبر
- ماہنامہ سیارہ ڈائجسٹ (قرآن نمبر/رسول نمبر)
- ماہنامہ مسیحائی، کراچی، ہادی اعظم نمبر
- ماہنامہ مسیحائی کراچی، سالار اعظم نمبر
- ماہنامہ میثاق، لاہور
- ہفت روزہ ندائے ملت، لاہور
- ہفت روزہ ندائے خلافت، لاہور، پاکستان
- ہفت روزہ فرائیڈے اسپیشل، کراچی
- ہفت روزہ اخبار جہاں
- ماہنامہ فکر و نظر، کراچی، اسلام، پاکستان
- ماہنامہ حکمت قرآن، لاہور

﴿انگریزی کتب سیرت﴾

- AMEER ALI, SYED / THE SPIRIT OF ISLAM, KARACHI, 1969
- ANDRAE, TOR / MUHAMMAD THE MAN AND HIS FAITH, NEW YORK, 1990
- ARMSTRONG, M.S. KAREN / MUHAMMAD: A WESTERN ATTEMPT TO UNDERSTANDING ISLAM, LONDON 1992.
- ARNOLD, SIR THOMAS / THE PREACHING OF ISLAM, LONDON, 1961.
- BAGOT, JOHN. GLOB PASHA / THE LIFE AND TIMES OF MUHAMMAD, LONDON, 1979.
- BARON, SALO WITTMAYER / A SOCIAL AND RELIGIOUS HISTORY OF THE JEWS. NEW YORK, COLOUMBIA UNIVERSITY PRESS, 1964.
- CARLYLE, THOMAS / NO HEROES AND HEROWORSHIP. LONDON, 1956.
- DERMENGHEM, E / LAVIE MAHOMET, PARIS, 1926.
- DRAPER, JOHN WILLIAM / A HISTORY OF THE INTELLECTUAL DEVELOPMENT OF THE EUROPE, LONDON, 1875.
- ENCYCLOPEDIA AMERICANA, 1947 EDITION.
- ENCYCLOPEDIA BRITANICA, 9TH EDITION.
- ENCYCLOPEDIA OF ISLAM, 1ST EDITION.
- ENCYCLOPEDIA OF RELIGION AND ETHICS, NEW YORK, 1931.
- THE ENCYCLOPEDIA OF JEWS RELIGION, 1965.
- FINLAY, JAMES / HISTORY OF THE BYZANTINE EMPIRE, LONDON, 1920.
- GIBB, SIR HAMILTON A. R. / MOHAMMEDANISM, A HISTORICAL SURVEY, OXFORD UNIV. PRESS, 1950.
- GIBBON, EDWARD / THE DECLINE AND FALL OF THE ROMAN EMPIRE, EVERYMAN'S EDITION.
- GILLMAN, ARTHUR / THE SARACENS, LONDON, 1887.
- GOLDZIHER, IGNAZ / INTRODUCTION TO ISLAMIC THEOLOGY AND LAW, PRINCETON UNIVERSITY PRESS, 1981.
- GRAYZEL, SOLOMON / A HISTORY OF THE JEWS, MENTOR BOOK, NEW YORK.
- HAMIDDULAH, DR. MUHAMMAD / THE FIRST WRITTEN CONSTITUTION IN THE WORLD, LAHORE, 1975.
- HITTI, PHILIP. K / HISTORY OF THE ARABS, HONG KONG, 1970.
- KRISHNA, JUSTICE, V. R. LYER / HUMAN RIGHTS AND THE LAW, VEDPAL LAW HOUSE, INDIA 1986.

❀ LENE POOL, STANLEY / STUDIES IN MOSQUE, 1966.

❀ THE MOORISH IN SPAIN, LAHORE, 1976.

❀ THE SPEECHES AND TABLE TALK OF THE PROPHET MUHAMMAD, LONDON, 1886.

❀ MARGOLIOTH, D. S. / MOHAMMADANISM AND THE ISLAMIC WORLD, DEEP PUB. DELHI, 1988.

❀ THE EARLY DEVELOPMENT OF MOHAMMADAN ISM, LONDON, 1914.

❀ MICHAEL, DR. H. HART / THE 100, NEW YORK, 1978.

❀ MUIR, SIR WILLIAM / MOHAMET AND ISLAM, LONDON, 1986.

❀ NICHLOSON, R. A. / A LITERARY HISTORY OF THE ARABS, GAMBRIDGE UNIVERSITY PRESS, 1966.

❀ SAUNDERS, J.J. / A HISTORY OF MEDIEVAL ISLAM, LONDON, 1965.

❀ SCOTT, R. W. / ISLAM AND ITS FOUNDER, PUB, 1975.

❀ SCOTT, S. P / HISTORY OF MOORISH EMPIRE IN EUROPE, HILADELPHIA, 1904.

❀ SEERVAI, H. M. / CONSTITUTIONAL LAW OF INDIA, INDIA, 1983.

❀ SHABAN, M. A. / ISLAMIC HISTORY A. D. 600-750 (A.H. 132): A. NEW INTERPRETATION, CAMBRIDGE UNIVERSITY PRESS, 1971.

❀ TORRY, CHARLES CUTLER / THE JEWISH FOUNDATION OF ISLAM, NEW YORK, 1967.

❀ WAT. W. MONTGOMERY / ISLAMIC POLITICAL THOUGHT, EDINBURGH UNIVERSITY PRESS, 1968.

❀ WATT. W. MONTGOMERY / ISLAMIC SURVEYS, EDINBURGH UNIVERSITY PRESS, 1972

❀ MUHAMMAD AT MECCA, OXFORD, 1953.

❀ MUHAMMAD AT MEDINA, OXFORD, 1956.

❀ WELLS, H.G. / A SHORT HISTORY OF THE WORLD, LONDON, 1924